اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاِسلامیُ وَأدِلّتُہٗ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائ کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد اوّل

حصہ اوّل ودوم

باب الطّہارۃ، باب الصّلوٰۃ

مؤلف

الاستاذ الدکتور وہبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجمین

اوّل

مُفتی ارشاد احمد اعجاز

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

دوم

مُفتی ابرار حسین صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دارالاشاعت اردو بازار، کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

......ملنے کے پتے......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد اوّل

فہرست مضامین ...... جلد دوم

باسم الله ألكريم القادر على كل شيءٍ المعين
عباده المستعان فى كل الامور، الموفق للخير
والصلاح أبدأ ترجمة الكتب الشهير ''ألفقه
الاسلامى وأدلته، أدعو ألله أن يوفقنى لاتمام
هذا الكتاب ألنافع ويعلمنى فقه كتابه وسنة
نبيه صلى الله عليه و سلم ويلهمنى رشده
ويعيننى فى إتمام ترجمة ألكتاب وأن يكون
معى فى كل آونة من آونات حياتى، إنه على
مايشاء قدير وبالاجابة حرى وجدير

كتب

ارشاد احمد اعجاز

فى:

الثانى من خيرایر، ۲۰۰۲م

۱۵من ذی القعدة۱۴۲۲ھ

عرض مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، الذى خلق السموات والارضين، ونور قلوب فقهاء القانون والدين، بالفهم الثاقب والعقل المتين، والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد امام النبيين، وعلى الصحابة والتابعين، وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين

امابعد! بلاشبہ علم فقہ یا قانون شرعی کا علم، علوم عالیہ اور مقاصد دینیہ اور اصلیہ میں سے ہے، انسان کو اس عظیم علم سے پالا پڑتا ہے، انسان اور علم فقہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، چنانچہ پہلے ہی انسان کو اس وقت کی ضرورت کے عین مطابق حلال وحرام اور جائز وناجائز سے آگاہ کردیا گیا تھا، چونکہ انسان جزئیات وکلیات کا ادراک کرنے والا حیوان ناطق اور اشرف المخلوقات ہے، رب کائنات انسان کو انسانیت کے دائرہ ہی میں رکھنا چاہتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ انسان انسانیت کی حدود پھلانگ کر مقام حیوانیت پر کھڑا ہوجائے، پھر انسان کی سرشت اور فطرت میں مدنیت پسندی رکھی ہے اور دو چار انسان مل کر خاندان تشکیل دیتے ہیں اور خاندانوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، رب تعالیٰ نے پہلے انسان کو مانوس رکھنے کے لئے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان ہی افراد سے خاندان وجود میں آیا پھر یہ ایک خاندان کئی خاندانوں اور پھر معاشرہ میں تبدیل ہوگیا، رب تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ انسان انسانیت میں رہے، اس کا احسان عظیم ہے کہ اس مقام عالیشان کو برقرار رکھنے کے لئے انسان کو انسانیت کے گر سکھلا دیئے، تحفظ کے لئے اصول وضوابط وضع کئے، پھر اس مقام کو انسان ہی کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر زمان ومکان کی ضرورت کے مطابق انبیاء کرام مبعوث فرمائے، میرے نزدیک بعثت انبیاء کے جہاں اور مقاصد بھی ہیں تاہم ایک زبردست مقصد انسان کو انسانیت سکھلانا بھی ہے، ذرا غور کیجئے کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر نجاشی نے مہاجرین صحابہ سے ہجرت کی غرض وغایت کی بابت استفسار کیا، اظہار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس کا دو لفظوں میں یہی خلاصہ اور نچوڑ نکلتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حیوانیت کے ظلمات سے نکال کر انسانیت کے اجالوں میں لاکھڑا کیا ہے۔ چنانچہ کامل انسان وہی ہے جو رب تعالیٰ کا من بھاتا ہو، انسان سے میری مراد وہ ہوتی ہے جو معبود کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے عین مطابق اس کی بندگی کرتا ہو، معاملات میں ان ضوابط کا خیال رکھتا ہو، معاشرت کو شارع کے حکم کے مطابق نبھاتا ہو، روزمرہ کاروبار زندگی کو عبادت سمجھ کر گزارتا ہو، بس یہی مقصود انساں ہے اور یہی رمز مسلمانی ہے، نیز جہاد اور حدود مقصود بالذات نہیں چونکہ انسانیت کا خون کرنا کونسی عقلمندی ہے لیکن انسان جب انسانیت سے برگشتہ ہوجاتا ہے تو دوسرے انسانوں کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ اس انسان نما حیوان کو اصل انسانیت پر لائیں اگر وہ افہام وتفہیم سے راہ راست پر نہیں آتا تو تلوار کا سہارا لیا جاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بقیہ جسم کی حفاظت کے لئے ناسور کو کاٹ پھینکا جاتا ہے، الغرض انسانیت سے برگشتہ لوگوں کو خالق کائنات نے نہ صرف حیوان بلکہ حیوانات سے بھی گئے گزرے قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ''اولئك كالانعام بل هم اضل''۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل انسانیت تک ہماری رسائی کیسے ممکن ہے؟ جناب من! میں نے اسی گتھی کو سلجھانے کے لئے اوپر تمہیدی مقالہ نظر قارئین کیا ہے، تاہم اس کو سمجھنے سے پہلے ہمیں ایک اہم نکتہ کا یقین رکھنا ہوگا کہ رب تعالیٰ نے دین متین اور شرع عظیم کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون''۔ یقیناً قرآن عظیم ہم ہی نے

نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو (کم وبیش) سوا لاکھ انبیاء مبعوث کرنے کی ضرورت کیا پڑی باوجود یکہ تمام انبیاء کی تعلیمات کے اصول متفق تھے؟ رب تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ آدم علیہ السلام پر یکبارگی ایک ہی کامل اور مکمل کتاب نازل کر دیتا، یا آدم علیہ السلام کے فوراً بعد نبی آخر الزماں کو قرآنِ عظیم دے کر مبعوث فرما دیتا؟ حالانکہ شریعت مطہرہ کی حفاظت کا بیڑا خود اس نے اٹھا رکھا ہے، ضیاع کا خطرہ نہیں تھا کہ ایک نبی کے بعد دوسرا بھیجا جائے۔ تاہم بے شمار اغراض ومقاصد کے منجملہ اہم مقصد وغرض یہ تھی کہ انسان وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ جوں جوں انسانیت سے برگشتہ ہو رب تعالیٰ کا فرستادہ اسے راہِ راست پر لاتا رہے اور اس وقت کی ضرورت کے مطابق آسمانی ہدایت اور تعلیمات انسان تک بہم پہنچاتا رہے، ذرا دیکھئے آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز تھا، یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر دیا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک فریق کی سزا ٹھہری تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں، یہودیوں کے کپڑے اگر ناپاک ہو جاتے تو انہیں قینچی سے کاٹنا لازمی تھا۔ جبکہ مابعد کے شرائع میں ان احکام کو منسوخ کر دیا گیا، یہ احکام ان انسانوں کی ضرورت اور ان کی طبیعت کے مطابق تھے، تاہم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ کے نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا، نبی آخری آچکا، آخری زمانہ رواں دواں ہے، اس زمانے کے مزاج اور طبع کے موافق شریعت آچکی جس میں سر مو نسخ یا تبدیلی کی گنجائش نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانے کو شریعت کے موافق لانا ہوگا نہ کہ شریعت کو موم کی ناک بنا کر کبھی دائیں اور کبھی بائیں موڑ دیا جائے۔

اب ہم اپنے جواب کی طرف توجہ دیتے ہیں، یہ جواب بھی ہمیں تعلیماتِ نبوی میں ملتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

"لایومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به"

"تم میں سے کوئی شخص کامل مومن (کامل انسان) اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ کر دے۔"

گویا کامل انسانیت تک رسائی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو یقینی طور پر اپنایا جائے، ان کی تعلیمات کے مطابق جو چیز حلال ہو اسے حلال سمجھا جائے جو حرام ہو اسے حرام سمجھا جائے، جبکہ حلال وحرام کو واضح کر دیا گیا ہے ان میں کوئی خفاء باقی نہیں رہا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

"ان الحلال بیّن و ان الحرام بیّن"

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہمارے پاس قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہیں اور ان تعلیمات کا نچوڑ جس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے وہ احکام ہیں، احکام کیا ہیں؟ انسانیت کے گرد مقرر کی گئی حدود ہیں کہ جب تک انسان ان حدود کی پاسداری کرے گا وہ انسانیت کے دائرہ میں رہے گا بلکہ انسانیت کی ملکات سے سرفراز رہے گا جب ان حدود کو پھلانگے گا حیوانیت کے دائرے میں پہنچ جائے گا، اور احکام وہ امور ہیں جن کی بجا آوری پر انسانیت کی بقا موقوف ہے، انہی احکام کو دلائل کی روشنی میں جاننے کا نام "فقہ" یا شرعی قانون ہے۔ اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا۔

انسانیت کی بقا فقہ کی مرہون ہے

میری گزارشات کی یہ پہلی بات ہوئی جو اوپر مذکور ہو چکی مؤلف دام ظلہ نے فقہ کی تعریف، فضیلت اور اہمیت پر تفصیلاً کلام کیا ہے اس لئے ہم اس اجمال پر اکتفا کرتے ہیں، دوسری بات: فقہاء کا ایک انتباہ ہے۔

"من جهل باهل زمانه فهو جاهل۔" (شرح عقود رسم المفتی ص ۸۹)

''جوشخص اپنے اہل زمانہ سے ناواقف ہووہ جاہل ہے۔''

اس انتباہ کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہ رقمطراز ہیں:

یعنی اہل زمانہ کے طرزِ زندگی، ان کی معاشرت، ان کے معاشی معاملات اوران کے مزاج ومذاق سے جوناواقف ہووہ جاہل ہے۔

ایک عالم کے لئے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے لئے زمانہ کے عرف اورزمانہ کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر وہ شرعی مسائل میں صحیح نتایج تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ بازاروں میں جاکرتاجروں کے ساتھ مل بیٹھتے اوران کے معاملات دیکھتے۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۸۱

جس طرح ہرزمانے کی ضرورت تھی کہ خدائی راستہ دکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء آتے رہیں اسی طرح اس آخری زمانہ میں بھی وقتاً فوقتاً ضرورت ہے کہ فقہی تحقیقات ومباحث کو زمانہ کے متبوع بنا کر پیش کیا جائے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ خیر القرون ہے پھر تابعین کے بعد کا زمانہ بدل گیا، لوگوں میں وہ پہلے کی سی دینداری نہ رہی، حدودِ سلطنت میں وسعت آگئی لوگوں کے مزاج اورطبائع میں تبدیلی آگئی، ان حالات کے پیشِ نظر فقہاء نے تدوین فقہ کو ازبس ضروری سمجھا، فقہاء اربعہ کے زمانہ تک اجتہاد مطلق کا دروازہ کھلا رہا، ان فقہاء نے اصول وضع کئے جن کی روشنی میں ثانوی درجے کا اجتہاد جاری رہا اور جاری رہے گا، اجتہاد کی اس قسم کو ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا معنی ہے کہ ہرزمانہ میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کو اسلامی قوانین کی روشنی میں پرکھنا، امام شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی یہ قسم قیامت تک جاری رہے گی، اسی لئے ہرزمانہ کے فقہاء نے طرز جدید کے ساتھ بشمول مسائلِ جدیدہ فقہی مباحث کو مرتب کیا، چنانچہ اولاً فقہائے اربعہ اوران کے تلامذہ نے تدوین فقہ کا فریضہ انجام دیا، ان کے بعد امام طحاوی اوران کے معاصرین نے یہ کام پورا کیا، ان کے بعد امام حلوانیؒ، سرخسیؒ، بزدویؒ اور کرخیؒ نے یہ ذمہ داری سنبھالی، امام قدوریؒ نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق فقہی مباحث کو مرتب کیا، صاحبِ ہدایہؒ اورعلامہ کاسانیؒ نے اپنے زمانے میں ضرورت سمجھی، امام نووی نے اپنے زمانہ میں، ابن حجر اورعلامہ عینی نے اپنے زمانہ میں ضروری سمجھا کہ مسائل فقہیہ کی تحقیق وتدقیق پیش کی جائے، پھر بارہویں صدی ہجری میں علامہ ابن عابدین نے اس ذمہ داری کو نہ صرف نبھایا بلکہ حق ادا کردیا، اس طرح ان کے بعد بھی علمائے فقہ نے اپنے اپنے زمانہ میں امت مسلمہ کی خوب تر خدمت کی اسی سلسلہ کی ایک کڑی عظیم فقہی سرمایہ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' بھی ہے۔

دراصل مؤلف کی یہ کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' عظیم فقہی سرمایہ اورعظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے، یہ فقہی مجموعہ گیارہ (۱۱) ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، آخری جلد میں فہرست دی گئی ہے بقیہ دس (۱۰) جلدیں فقہی مباحث سے معمور ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب کی ترتیب انوکھی اوردلکش ہے، ہر طبقہ کے صاحبِ ذوق کے اعصاب پر فوراً چھا جاتی ہے اورقاری کو اپنا گرویدہ کرلیتی ہے، مصنف نے کتاب میں طالبعلمانہ انداز کو بھی سامنے رکھا ہے اورمحققانہ انداز کو بھی، اپنی اجتہادی قوت کو بھی بھرپور صرف کیا ہے، مصنف نے فقہی مباحث کو اولاً اقسام میں تقسیم کیا ہے، قسم اول عبادات پر مشتمل ہے اس میں نماز، روزہ، زکوۃ حج کا تفصیلی بیان ہے۔ ''قسم ثانی'' میں فقہی نظریات بیان کئے گئے ہیں۔ ''قسم ثالث'' میں معاملات کو بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ''قسم رابع'' ملکیت اوراس کے متعلقات کے بیان میں ہے۔ ''قسم خامس'' فقہ عام یعنی حدود وقصاص اورتعزیرات کے متعلق ہے۔ ''قسم سادس'' اصول شخصیہ نکاح، طلاق، عدت اورلعان وغیرھا کے متعلق ہے۔ پھر مصنف نے ہرقسم کو ابواب پر تقسیم کیا ہے، مثلاً قسم اول ''باب اول طہارت کے مسائل پر مشتمل ہے اور''باب دوم'' صلوٰۃ (نماز) کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ھکذ اھلم جر۔ پھر ہر باب کو مختلف فصول پر تقسیم کیا ہے، ہر فصل کے تحت مختلف مباحث لائی گئی ہیں، مباحث کے ذیل میں انواع اورمقاصد کو بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علمی اورفقہی ذوق رکھنے والے کے لئے یہ ترتیب نہایت دلکش اوردل ودماغ کو اپنی طرف

کھینچ لینے والی ہے۔

مصنف نے ایک ہی باب کے متعلق جملہ مسائل کو یکجا کیا ہے، اسی لئے مصنف کو بسا اوقات عبارات کے بار بار اعادہ کی ضرورت پڑی ہے، یہ ایک چیز قاری کو بور کرتی ہے گو اعادہ ایک نئے فائدہ کے تحت لایا جاتا ہے، لیکن غبی الذہن کو اعادہ اور تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے، بعض مسائل میں مصنف نے منفردانہ رائے بھی قائم کی ہے لیکن بحث کے تمام گوشے تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اس تفصیل مین مکلّف کو درست وصواب حکم جاننے میں دشواری نہیں ہوتی، بایں ہمہ مصنف نے فقہائے قدماء کی روش اپنائی ہے، جہاں تک ممکن ہوا ہے اسلاف کے اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دی ہے۔ البتہ ایسے جدید مسائل جو صرف عصر حاضر کی پیداوار ہیں ان پر مصنف نے جہاں بھی محققانہ بحث پیش کی ہے اس کے حکم کی وضاحت قوتِ ادلہ کی بنا پر کی ہے۔

مصنف نے اپنی رائے کے مطابق مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے مطابق فقہی مسئلہ کو راجح قرار دیا ہے، چونکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیائے اسلام بالخصوص پاکستان ریاستی قوانین کے حوالے سے اغیار کا شرمندہ احسان ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ہی گھر میں یہ دولت دے رکھی ہے، چنانچہ فقہی ذخائر سے استفادہ کرتے ہوئے مختلف مذاہب فقہ کو سامنے رکھ کر قانون مرتب کیا جائے تو یقیناً یہ ایک احسن اقدام ہوگا۔ اگرچہ تلفیق کو اتباع ہویٰ کا سبب اور ذریعہ قرار دیا جاتا ہے لیکن اہل یورپ کے ریاستی قوانین کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے مختلف فقہی مذاہب سے استفادہ کیا جائے تو لامحالہ اس کی نہ صرف گنجائش موجود ہے بلکہ احسن اقدام ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر مصنف نے قوانینِ شرعیہ کا یہ عظیم ذخیرہ مرتب کیا ہے۔

مصنف نے فقہی مباحث میں جہاں بھی فقہاء کا اختلاف آیا ہے اسے بالاستیعاب بیان کیا ہے، عموماً اولاً حنفیہ کی رائے کو بیان کیا ہے، ثانیاً مالکیہ کی رائے کو، ثالثاً شافعیہ کی رائے کو، رابعاً حنابلہ کی رائے کو، مذاہبِ اربعہ کے بعد اگر مسئلہ مذکورہ میں شیعہ فرقوں کی کچھ آراء ہوں تو ان کو بیان کیا ہے۔ مصنف نے مذاہب کی ترتیب میں زمانہ کی تقدیم وتاخیر کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر مذہب ورائے کو مدللانہ اور محققانہ انداز سے بیان کیا ہے گویا قاری کو تشنگی باقی نہیں رہتی۔

مصنف نے تمام فقہی آراء کو متعلقہ مذاہب کے مراجع اصلیہ اور قابلِ اعتماد کتبِ فقہیہ سے لیا ہے اور یہ ایسی کتب ہیں جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے۔

مصنف نے مسائل کے استدلال میں اولاً آیات کریمات کو بیان کیا ہے ان کے بعد احادیث کو، تاہم حجت وسقم کے اعتبار سے مصنف سے بعض اوقات تساہل بھی ہوا ہے، اس کے بعد مسئلہ کو عقلی دلائل سے مبرہن کیا ہے۔

مصنف نے حتی الامکان حقیقی اور واقعی مسائل پر اعتماد کیا ہے اور فرضی مسائل سے اجتناب کیا ہے مثلاً بیع وشراء کی جہاں کہیں بھی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت پڑی عصر حاضر میں مروجہ اشیاء کو لے کر مثال دی ہے قدیم طرز کے مطابق غلاموں کی مثالوں سے اجتناب کیا ہے، لیکن بے شمار ایسے فقہی مسائل ہیں جن کا متدل کوئی ایسی فقہی نظیر ہو جس کا دارومدار ہی غلاموں پر ہو وہاں مصنف نے غلام کی مثال ہی ذکر کی ہے۔ تاہم دوسری کتب فقہ کی طرح مصنف نے اپنی تالیف میں بالاستقلال عتاق، ولاء، مکاتبت وغیرہ کے ابواب سرے سے قائم ہی نہیں کئے چونکہ غلاموں کے سلسلہ کو ختم ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں۔

مصنف نے عصر حاضر کے جدید مسائل پر بھی بحث کی ہے جن میں جدید معاشی مسائل بینک کاری، انشورنس، حصص کی خرید وفروخت، بانڈز، مروجہ طبی علاج معالجے وغیرہا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے قوانین پر بھی بحث کی ہے، مصنف نے مختلف نظریات پر بھی بحث کی ہے جن میں نظریۂ حق، نظریۂ عقد نظریہ فسخ وغیرہا شامل ہیں، یقیناً یہ بحث فقہی اعتبار سے بیش بہا خزانہ ہے۔

مصنف نے مجمع الفقہ الاسلامی کے منعقدہ اجلاسات کی کارروائیاں بھی ذکر کی ہیں، ان اجلاسات میں مختلف جدید فقہی مسائل پر بحث

کی گئی ہے، اگر چہ یہ قراردادیں اور سفارشات مستقلاً چھپی ہوئی ہیں لیکن عصری ضرورت کے پیش نظر مصنف نے ان فقہی قراردادوں کو کتاب کا حصہ بنایا ہے، ان قراردادوں کا پاکستان اور انڈیا میں قبل ازیں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ ہر لکھنے والے کی تحریر پر اس کی شخصیت کی گہری چھاپ ہوتی ہے، مصنف عصر حاضر کے نامور عالم دین، ماہر قانون، استاذ، ادیب، انشا پرداز اور نثر نگار ہیں، مصنف مختلف یونیورسٹیوں میں تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے ہیں، ان تمام خوبیوں اور مہارتوں کے پیش نظر مصنف کی عبارت اور نثر میں شگفتگی، شائستگی، سنجیدگی، برجستگی، سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے، حتیٰ الامکان مغلق عبارات سے مصنف نے اجتناب کیا ہے، بایں ہمہ پھر بھی مصنف نے بعض مواقع پر ایسی مغلق عبارات لائی ہیں جہاں ترجمہ سے ہٹ کر ترجمانی اور مفہوم پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

مصنف نے مختلف احکام اور قوانین کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہ حکم فلاں اسلامی ملک میں ریاستی قانون کے طور پر نافذ ہے، دراصل مصنف اس طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا نفاذ عصر حاضر کا تقاضا ہے اور جو اسلامی ممالک ابھی تک اسلامی قانون کے نفاذ سے عملاً دست کش ہیں انھیں اس امر کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ اسلامی قانون کا نفاذ نہ صرف ممکن ہے بلکہ آسان تر ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے چوتھے اجلاس منعقدہ جدہ بتاریخ ۶ تا ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء میں فقہ کو آسان زبان میں مرتب کرنے کے ایک منصوبے کی منظوری دی گئی، علامہ وہبۃ زحیلی نے تن تنہا اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے کمر کس لی، لامحالہ ایک جماعت کا کام اکیلے ڈاکٹر موصوف نے انجام دیا یہ ان کی نہ صرف قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ قبولیت بھی ہے۔

ان بے شمار خصوصیات کے پیش نظر'' دارالاشاعت (کراچی)'' کے رئیس اعلیٰ محترم خلیل اشرف عثمانی حفظہ اللہ نے اس امر کی ضرورت سمجھی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کروایا جائے، محترم موصوف جید علمائے کرام سے مشاورت بھی کرتے رہے بالآخر انھوں نے ترجمہ کروانے کا فیصلہ کرلیا اور عرصہ چھ سات سال قبل پہلی جلد کا ترجمہ حضرت مولانا مفتی ارشاد احمد اعجاز صاحب سے کروایا پھر کچھ عوارض کی وجہ سے ترجمہ موقوف کر دیا گیا، اس عرصہ توقف میں پھر شدت سے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ شروع اپریل ۲۰۰۹ء میں محترم عثمانی صاحب نے مجھ ناچیز کو ترجمہ کا یہ عظیم کام سونپا جو عرصہ دو سال دو ماہ بمورخہ ۲۹ رجمادی الثانی ۱۴۳۲ھ بمطابق یکم جون ۲۰۱۱ء کو مکمل ہوا۔ مترجمین میں مفتی ابرار حسین قاضی، مولانا عامر شہزاد علوی، مفتی کریم اللہ، مولانا امجد اقبال اور راقم شامل ہیں، مفتی ابرار حسین قاضی اول تک آخر برابر ترجمہ میں شریک رہے، مولانا عامر شہزاد علوی نے آخری جلد کا ترجمہ کیا، بقیہ دو حضرات نے جلد نمبر ۳ کے کچھ حصوں کا ترجمہ کیا، یہ علماء حضرات اچھے نثر نگار اور انشاء پرداز ہیں، علمی تدریسی، تصنیفی اور تحریری ذوق رکھتے ہیں ان میں سے راقم، مولانا عامر شہزاد اور مفتی ابرار حسین کے کچھ اور تراجم اور تصنیفی کام منظر عام پر آچکے ہیں یہی وجہ ہے ان علماء کا کیا ہوا ترجمہ زیادہ ہے۔

ترجمہ میں سہولت، آسان فہمی اور سلاست کو مدنظر رکھا گیا ہے اور وہ زبان استعمال کی گئی ہے جو روزمرہ ہو اور جسے لڑکے بالے بولتے ہوں تاکہ ہر طبقہ کے لوگ اسے سمجھ سکیں اور کتاب سے عام استفادہ کیا جاسکے۔ عموماً جس کتاب کا ترجمہ کیا جاتا ہے مترجمین اس امر کا خصوصی خیال رکھتے ہیں کہ قاری کو یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ کتاب مترجم ہے بلکہ طبعزاد ہے، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ، کے مترجمین نے ترجمہ، ترجمانی اور طبعزادگی تینوں امور کا خیال رکھا ہے چونکہ ایک زبان میں پیش کئے گئے خیالات کو بعینہ دوسری زبان میں منتقل کرنا کافی دشوار کام ہے اس لئے کہیں بامحاورہ ترجمہ کیا جاتا ہے کہیں ترجمانی کی جاتی ہے جس کا اظہار مفہوم کی صورت میں کیا جاتا ہے اور کہیں ایسا اسلوب اپنایا جاتا ہے کہ قاری مترجم کتاب کو طبعزاد سمجھنے لگے۔

اردو گرائمر کا مکمل طور پر لحاظ رکھا گیا ہے، عام فہم، سادہ، سلیس اور شستہ اسلوب اپنایا گیا ہے تاکہ مراد اور مفہوم میں کوئی دقت باقی نہ رہے۔

مکمل طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ فقہی اصطلاحات کو مروجہ اردو الفاظ میں بیان کیا جائے تاہم جہاں کہیں الفاظ کی کم مائیگی کی دقت پیش آئی تو قوسین میں اصطلاح کی وضاحت کردی گئی ہے، ابواب، فصول، مباحث، انواع اور مقاصد کی گنتی اور تعداد کو بھی اردو میں منتقل کیا گیا ہے، تاہم پھر بھی ہر زبان میں ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں جن کا متبادل دوسری زبان میں موجود نہیں ہوتا مثلاً اردو زبان تایا باپ کے بڑے بھائی کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس کا متبادل موجود نہیں بلکہ عربی میں تایا اور چچا کو مطلقاً عم کہا جاتا ہے اسی طرح جد اور جدہ کا لفظ عربی میں نانا دادا، نانی اور دادی دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اسی طرح عربی میں ''ثمن'' اس قیمت کو کہا جاتا ہے جس پر فروخت کنندہ اور خریدار کا اتفاق ہو جائے جبکہ مارکیٹ کے فکس ریٹ کو ''قیمت'' کہا جاتا ہے، اسی طرح عربی میں چاندی کے روپے کو درہم اور سونے کے روپے کو دینار کہا جاتا ہے اردو میں ان کا متبادل لفظ موجود نہیں، عربی میں اونٹ کی عمر کے حساب سے اصطلاحی نام ہیں جیسے بنت مخاض، بنت لبون، حقہ جبکہ اردو میں ان کا متبادل لفظ موجود نہیں۔ اردو میں دَین کے لفظ کے متبادل کے طور پر ''قرضہ'' مستعمل ہے لیکن یہ لفظ دین کا کلی مفہوم ادا نہیں کرتا، اسی طرح بہت ساری ایسی اصطلاحات ہیں جن کا اردو میں متبادل نہیں جیسے مرتہن، مکفول بہ، محیل، عتاق، دراہم مرسلہ، نبش، مرابحہ، تولیہ وغیرھا سے ایسے مواقع پر ہم نے قوسین میں ان اصطلاحات کی آسان اردو میں وضاحت کردی ہے جہاں یہ الفاظ اور اصطلاحات زیادہ مستعمل ہیں وہاں گا ہے بگا ہے وضاحت کی گئی ہے اگر چہ ان اصطلاحات کو بھی بعینہٖ استعمال کیا گیا ہے، تاہم مزید سہولت اور آسانی کے لئے ہر جلد میں متوقع اصطلاحات کی توضیحی فہرست مرتب کر کے منسلک کردی گئی ہے۔

مصنف نے خود ہی مفتی بہ اقوال کو اختیار کیا ہے اور مختلف اقوال اگر بیان کئے ہیں تو ساتھ مفتی بہ قول کی وضاحت کردی ہے، تاہم جہاں مصنف نے مفتی بہ قول کی وضاحت نہیں کی یا مصنف سے سہو ہوا ہو تو مفتی بہ قول کی وضاحت کردی گئی ہے۔

عموماً مصنف نے ریاستی قانون کے حوالے سے احکام کی وضاحت کی ہے اور ساتھ ساتھ اسلامی ممالک میں اس قانون کے عملاً نفاذ پر بھی روشنی ڈالی ہے، ہم نے بھی کہیں کہیں پاکستان کے ریاستی قانون کا حوالہ دیا ہے۔ اور عموماً ترجمہ کے دوران ایک اہم امر ملاحظہ کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون کے حوالے سے اسلامی ممالک میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے ہم نے بالاستیعاب احکام قوانین کا ترجمہ کیا ہے اور کوئی قانونی حکم خواہ مصر کا ہو یا سوریا کا نظر انداز نہیں کیا یا ترجمہ میں غیر ضروری نہیں سمجھا گیا۔

کتاب ہذا کے چھ مترجمین میں ہر مصنف یا مترجم کا اسلوب نگارش اور اسلوب ترجمہ جداگانہ ہوتا ہے اس لئے مندرجہ بالا امور کی وضاحت کردی ہے کہ اسلوب ترجمہ میں یہ متذکرہ بالا امور مشترک ہوں گے تاہم کہیں کہیں انفرادی سلوب بھی اپنایا گیا ہے۔

ترجمہ کے دوران مختلف کتب فقہ سے معاونت لی گئی ہے جن میں ہدایہ، عین الہدایہ، بدائع الصنائع، قاموس الفقہ، جواہر الفقہ، ردالمحتار، احسن الفتاویٰ، الفقہ الحنفی، امداد الفتاویٰ، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ہمارے عائلی مسائل، ملکیت زمین، ضبط ولادت، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، اسلامی بینکاری، قدوری، اور بدایۃ المجتہد وغیرھا، احادیث میں فتح الباری، فتح الملہم، صحاح ستہ وغیرھا۔ احادیث کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے عربی عبارت صرف نظر کی گئی ہے جبکہ آیات کا عربی متن اور ترجمہ دونوں نقل کردیئے گئے ہیں، آیات کا ترجمہ '' آسان ترجمہ قرآن، مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ، بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند، ترجمہ شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین اور تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے۔

حاشیہ میں مغلق عبارات کی توضیح پیش کی گئی ہے اور فوائد بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ مراجع اور مصادر کی تعین کتب احادیث کے حوالہ اور احادیث کی تخریج اور قوت وضعف، حجت وسقم کے حکم کے مکمل حوالے نقل کردیئے گئے ہیں۔

اصل ترجمہ میں آیات کا حوالہ آیات کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا ہے جبکہ مراجع اور مصادر اور تخریجی حوالے حواشی میں درج کئے گئے ہیں۔

بایں ہمہ پھر بھی ہمیں اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف ہے، یہ محض اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں توفیق بخشی اور اس کام کو رفتہ رفتہ مکمل کرنے کی ہمت عطا فرمائی۔

آخر میں ایک اور بات کی وضاحت کردوں کہ اس طرح کی علمی کتب کا ترجمہ اہل علم کے نزدیک اچھا نہیں سمجھا جاتا چونکہ اردو تراجم کو دیکھ کر عامی بھی مفتی بن جاتا ہے، گزارش یہ ہے کہ اس سے پہلے ہدایہ، کنز، قدوری، فتاویٰ عالمگیری اور کئی دوسری کتب فقہ کا عرصہ سے ترجمہ منظرِ عام پر آچکا ہے، ان تراجم کو پڑھ کر کسی نے بھی مفتی یا عالم دین یا فقیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، ہمارا حکمران طبقہ انگریزی زبان میں خوب مہارت رکھتا ہے جبکہ عربی زبان سے کلیۃً نابلد ہے، بھلا اسلامی قانون جب تک آسان زبان میں ان کے سامنے نہیں پیش کیا جائے گا تب تک وہ لوگ معترض ہی رہیں گے، چنانچہ جب حکمران طبقہ یا روشن خیال طبقہ کی طرف سے جب یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر وطنِ عزیز میں اسلامی قانون نافذ کیا جائے تو کونسا فقہ یہاں نافذ کیا جائے گا، حنفی، جعفری، غیر مقلدی، شافعی یا کوئی اور؟ چنانچہ یہ ان کے اعتراض کا مسکت جواب ہے، کہ جناب والا! ہم یہ فقہ نافذ کریں گے جو اردو میں منتقل کردیا گیا ہے۔ مؤلف مدظلہ العالی نے جابجا تصریح کردی ہے کہ یہ حکم مصر میں، یا لیبیا میں یا سوریا میں یا کسی اور اسلامی ملک میں بطور قانون نافذ ہے، جب ان ممالک میں اسلامی فقہ بطور ریاستی قانون نافذ ہوسکتا ہے آخر کیا وجہ ہے ہمارے ملک میں کیوں نافذ نہیں ہوسکتا، میں تو ایک قدم آگے بڑھ کر عرض کروں گا کہ وطن عزیز میں جو سیاسی ابتری دیکھنے میں آئی ہے اس کی مثال دوسرے اسلامی ممالک میں نہیں ملتی، نیز امن عامہ کی جو حالت یہاں مخدوش ہے وہ بیان سے باہر ہے، بالخصوص آجکل تو جو شہری بھی گھر سے باہر بازار ہی تک جاتا ہے اسے اتنا یقین بھی نہیں ہوتا کہ آیا وہ زندہ وسلامت گھر واپس لوٹے گا یا نہیں، جبکہ امن عامہ کی بحالی ہر حکومت کا اولین فریضہ ہے جو عرصہ دراز سے وطن عزیز میں عنقا ہے، آزمائش کے لیے اسلامی قانون کو نافذ کر کے دیکھا جائے، بخدا یہ سرزمین سونا اگلے گی۔ ہمارے تھنک ٹینک، پالیسی میکرز اور حکمران طبقہ ہزار بار سر جوڑ کر بیٹھیں اس ابتری کا واحد حل نفاذِ شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ترجمہ کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

اللهم زد فزد وتقبل منا انت ربنا ولا رب غيرك آمين

فقط: محمد یوسف تنولی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۱۱ء

اصطلاحات

بعض ضروری اصطلاحات کی وضاحت ہر باب اور ہر فصل کے شروع میں کر دی گئی ہے۔ تاہم مزید سہولت کے لئے ہر جلد میں متوقع اصطلاحات کی فہرست الگ سے مرتب کر دی گئی ہے۔

باب اوّل

طہارت......(طاء کی فتحہ کے ساتھ) نجاست معنوی (بے وضو یا بے غسل ہونے) یا نجاست ظاہری کے دور کرنے کو کہا جاتا ہے۔ (طاء کی کسرہ کے ساتھ) آلۂ طہارت (طا کی ضمہ کے ساتھ) طہارت کا پانی مراد ہوتا ہے۔

ماءِ طہور......مطلق پانی جو پاک ہو اور پاک کرتا بھی ہو۔

نجاست......ناپاکی، یعنی ایسی چیز جو نماز کے درست ہونے میں مانع ہو جیسے پیشاب اور نجاست باطنی بے وضوگی۔

غسالہ......استعمال شدہ پانی کو کہا جاتا ہے۔

ماء مستعمل......وہ پانی جو قربتِ خداوندی کی نیت سے وضو یا غسل کے لئے استعمال کیا جائے۔

نیت......دل کے قصد اور ارادہ کو کہا جاتا ہے۔

موالاۃ......پے در پے وضو کے افعال کرنا یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرا عضو دھونا۔

مسح......تر ہاتھ کو بدن پر گزارنا۔

ضربہ......تیمّم کے لئے ایک بار ہاتھ مٹی پر مارنا۔

فاقد الطہورین......ایسا شخص جس کے پاس نہ پانی ہو کہ جس سے وضو کرے اور نہ ہی مٹی ہو کہ جس کے ساتھ تیمّم کرے۔

حائض......حیض والی عورت یعنی وہ عورت جس کی شرمگاہ سے عادت پر خون آئے۔

نفساء......نفاس والی عورت یعنی ولادت کے بعد شرمگاہ سے خون آنے والی عورت کو نفساء کہا جاتا ہے۔

مستحاضہ......وہ عورت جس کی شرمگاہ سے حیض اور نفاس کے علاوہ بے وقت خون آتا ہو۔

متحیرہ......وہ مستحاضہ عورت جس کے سلسلۂ حیض میں کوئی مستقل عادت نہ ہو۔

باب دوم

ستر......بدن کو ڈھانپنا ستر ہے۔

عورت......مرد و عورت کے جسم کا وہ حصہ جسے دوسروں کے سامنے کھولنا جائز نہ ہو۔

قبلہ......وہ جہت جس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے۔

تحری......کسی دلیل کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے رجحانِ قلب کی بنیاد پر مشتبہ امور میں دو پہلوؤں میں سے بہتر اور موزوں صورت کو متعین کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ کے چند ضروری مباحث

احکام شرعیہ پر گفتگو شروع کرنے سے قبل کچھ اہم باتیں بیان کرنا ضروری ہیں وہ باتیں ان مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہوں گی۔

۱..... فقہ کے معنی اور اس کی خصوصیات۔

۲..... اہم فقہی مذاہب کے فقہاء کا مختصر تذکرہ۔

۳..... فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب پر گفتگو۔

۴..... فقہ اور مؤلفین کتب فقہ کی چند اصطلاحات پر گفتگو۔

۵..... فقہاء کے درمیان ہونے والے اختلاف کے اسباب پر بحث۔

۶..... آسان مذہب کو اختیار کرنے کے قواعد وضوابط اور شرائط پر گفتگو اور آخر میں کتاب میں بیان کئے جانے والے مباحث کا مختصر ساخاکہ۔

بحث اول: فقہ کے معنی اور اس کی خصوصیات:

فقہ کا لفظ لغت میں فہم (سمجھ) کے معنی میں آتا ہے ❶ اسی معنی ومفہوم میں قرآن کی یہ آیت ہے قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (سورہ ہود آیت ۹۱) (وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھتے تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتوں کو) اسی طرح دوسری آیت فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۝ (سورۃ نساء آیت ۷۸) (سو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو کہ یہ کوئی بات نہیں سمجھتی) بھی اسی معنی میں آئی ہے۔

اصطلاح شریعت میں فقہ کی کئی تعریفات کی گئی ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے معرفة النفس ما لها وما عليها ❷ (نفس انسانی کا اپنے فائدے اور نقصان کی باتوں کا جان لینا) معرفت کہتے ہیں ادراک الجزئيات عن دليل (جزئیات کا دلیل کے ساتھ علم حاصل کرنا) کو اور یہاں معرفت سے اس کا سبب مراد ہے اور معرفت کا سبب وہ ملکہ اور قدرت ہوتی ہے جو قواعد وضوابط کو یکے بعد دیگرے جاننے سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ تعریف عام ہے اور تمام احکام کو شامل ہے، احکام اعتقادیات مثلاً ایمان کا واجب ہونا وغیرہ اور احکام وجدانیات مثلاً اخلاق وتصوف کے احکامات اور عملی احکام۔

یعنی وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہے یعنی نماز روزہ خرید وفروخت وغیرہ یہ سب کے سب اس تعریف میں داخل ہیں اس صورت میں فقہ سے مراد فقہ اکبر ہوگا یعنی وہ فقہ جو تمام احکام شریعت کو شامل ہو خواہ کسی بھی قسم کے احکامات ہوں۔ فقہ کی اتنی عام تعریف جو تمام

❶..... عرب کے ہاں بولا جاتا ہے فقِہ (ق کے زیر کے ساتھ) یفقَہ (ق کے زبر کے ساتھ) علم یعلم کی طرح اس کے معنی ہوتے ہیں سمجھنا خواہ گہری سمجھ کے ساتھ خواہ سطحی طور پر، اور یہ بھی بولا جاتا ہے فقُہ یفقُہ (دونوں میں پیش کے ساتھ) کرم یکرم کی طرح یہ جب بولتے ہیں جب فہم وہ سمجھ اس کی عادت ثانیہ بن جائے اور یہ بھی بولا جاتا ہے لتفقه الرجل تفقها جب آدمی فقہ حاصل کرلے۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے ليتفقهوا فی الدين (تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرلیں) (سورۃ توبہ آیت ۱۲) ❷ مرآة الاصول ج اص ۴۴ التوضيح لمتن التنقيح ج اص ۲۱۰

احکام شریعت پر جاری ہوا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے اعتبار سے درست تھی کیونکہ اس وقت فقہ دیگر شرعی علوم سے علیحدہ کر کے نہیں بیان کیا جاتا تھا بعد کے زمانے میں یہ مستقل علم بن گیا اور یوں ہونے لگا کہ علم کلام (یا علم توحید) میں اعتقادیات سے بحث کی جانے لگی اور علم اخلاق وتصوف کی باتیں مثلاً زہد وغنا صبر ورضا نماز میں حضوری قلب وغیرہ جیسے امور پر گفتگو علم وجدانیات میں ہونے لگی۔ اور آج کل فقہ کا اطلاق جس پر کیا جاتا ہے اس کا موضوع صرف اس میں منحصر ہو گیا کہ یہ جان لیا جائے کہ نفس انسانی کے لئے کون سے عملی احکام نافع اور مضر ہیں۔ اسی فرق کے پیش نظر علماء احناف نے فقہ کی تعریف میں عملاً کا لفظ بڑھا دیا تا کہ فقہ کی تعریف سے اعتقادیات اور وجدانیات باہر نکل جائیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف جو ان کے بعد کے علماء کے ہاں مشہور ہوئی ان الفاظ میں منقول ہے:

العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المکتسب من ادلتها التفصیلیة

شریعت کے ان احکام کا علم حاصل کرنا جو عملی ہوں ایسا علم جو ان احکام کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔

اس تعریف میں علم (جاننے) سے مطلق ادراک مراد ہے یعنی جو یقین اور ظن دونوں کو شامل ہو ❶ کیونکہ احکام عملیہ دلیل قطعی یقینی سے بھی ثابت ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں اور احکام جمع ہے حکم کی اور حکم کہتے ہیں اس بات کو جو شارع (اللہ تعالیٰ) کو مطلوب ہو۔ اور دوسری رائے کے مطابق حکم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کو جو مکلف انسانوں کے افعال سے متعلق ہو۔ یہ خطاب کسی بھی شکل میں متعلق ہو خواہ؟

اور فقہاء کے ہاں خطاب سے مراد وہ نتیجہ ہے جو خطاب پر مرتب ہو مثلاً نماز کے خطاب پر نماز کے فرض ہونے کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسی طرح قتل کے متعلق خطاب پر اس کے حرام ہونے کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے اور وضو کے نماز کے لئے شرط ہونے کے احکام کا معاملہ ہے۔

العلم بالاحکام کے الفاظ سے ذات صفات اور افعال کے علم سے احتراز مقصود ہے اور الشرعیة کا لفظ الشرع سے ماخوذ ہے اس سے مقصود ان احکام سے احتراز ہے جو شرعی نہ ہوں حسی ہوں مثلاً سورج کا خوب روشنی والا ہونا اسی طرح وہ احکام جو خالص عقلی ہوں مثلاً دو کا نصف ایک ہے اور کل جز سے بڑا ہوتا ہے وغیرہ سے بھی احتراز مقصود ہے اور لغوی احکام بھی اس لفظ الشرعیة کی وجہ سے فقہ کی تعریف سے باہر ہو جاتے ہیں مثلاً عربی زبان کا قاعدہ کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ اسی طرح عام بول چال میں بولے جانے احکام اور ضوابط مثلاً زید کھڑا ہے یا وہ نہیں کھڑا ہے وغیرہ بھی اس لفظ الشرعیة کی وجہ سے فقہ کی تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اور ''العملیة'' سے مراد عمل قلبی سے تعلق رکھنے والے احکام یعنی نیت قلبی وغیرہ اور غیر قلبی اعضاء وجوارح سے انجام دیے جانے والے مثلاً نماز میں قرأت وغیرہ دونوں قسم کے احکام ہیں اور عملیة کا اطلاق ان احکام پر اکثریت کے اعتبار سے ہے کہ احکام کی اکثریت عملی ہے ورنہ بعض احکام نظری (یعنی جن کا اطلاق نظریاتی اعتبار سے ہوتا ہے) بھی ہیں مثلاً مذہب کا اختلاف وراثت میں رکاوٹ بن جاتا ہے یہ نظری حکم ہے اس سے فقہ میں بحث کی جاتی ہے العملیہ کے لفظ سے ان احکام سے احتراز ہو جاتا ہے جو خالص عملی احکام ہوں یا اعتقادی احکام ہوں مثلاً اصول فقہ جو خالص عملی احکامات کا علم ہے اسی طرح اصول وعقائد کا علم عملی نہیں ہوتا ہے مثلاً اللہ کی صفات کا اللہ کی ذات کے لئے ثابت ہونے کا علم وغیرہ العملیة پر کبھی الفرعیة کا اور الاعتقادیة پر الاصولیة کا اطلاق کیا جاتا ہے (یعنی بعض فقہاء کے ہاں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں لیکن مقصود اس سے یہی ہوتا ہے جو بیان کیا)

---

❶.....شرح جمع الجوامع للمحلی ج اص ۳۲ شرح الا سفوی ج اص ۲۴ شرح العضد لمختصر ابن الحاجب ج اص ۱۸ مرآة الاصول ج اص ۵۰ المدخل الی مذهب احمد ص ۵۸

فقہ کی تعریف میں آیا ہوا المکتسب کالفظ نحوی اعتبار سے لفظ العلم کی صفت واقع ہوا ہے۔ اوراس سے مراد ہے غور وفکر اور کوشش سے حاصل شدہ علم۔ اس لفظ سے علم خداوندی سے احتراز ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم علم ذاتی ہے کوشش اور غور وفکر سے حاصل شدہ نہیں اسی طرح فرشتوں کا شریعت سے متعلق علم بھی خدائی عطیہ ہے غور وفکر کا نتیجہ نہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی اس قید سے تعریف فقہ سے خارج ہوجاتا ہے کیونکہ آپ کا علم وحی الٰہی سے حاصل شدہ ہے غور وفکر سے نہیں اسی طرح وہ بدیہی اور لازمی چیزیں جن کے ثبوت کے لئے کسی دلیل اور غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی وہ بھی اس لفظ کی وجہ سے تعریف فقہ سے خارج ہوجائیں گی مثلاً پانچ نمازوں کا فرض ہونا یہ کسی غور وفکر کا نتیجہ نہیں اس لیے ان چیزوں کا علم علم فقہ نہیں کہلائے گا اور الادلة التفصيلية (تفصیلی دلائل) سے مراد وہ دلائل ہیں جو قرآن سنت اجماع اور قیاس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لفظ سے مقلد کا علم خارج ہوجاتا ہے کیونکہ مقلد کسی مسئلہ پر اس کی ادلہ تفصیلیہ سے دلیل نہیں لاتا بلکہ اس کے پاس تو ایک ہی دلیل ہوتی ہے جو وہ تمام احکام میں استعمال کرتا ہے اور وہ اہل علم کا قول ہے جو اس کے لئے دلیل ہوتا ہے اور بوقت ضرورت ان اہل علم سے سوال کرنے کا وہ مکلّف ہوتا ہے چنانچہ مقلد پر ان سے پوچھی گئی باتوں پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے یہ سب تفصیلات درست ہیں لیکن قواعد زرکشی کے مطابق فقہ کی تعریف بالآخر یہ سمجھ میں آتی ہے **معرفة احكام الحوادث نصاً واستنباطاً على مذهب من المذاهب** (کسی بھی مسلک (حنفی شافعی مالکی وغیرہ) کے اصول وضوابط کے مطابق واقعات کا شرعی علم نص سے یا غور وفکر کے ذریعے جان لینا) (یعنی فقہ کے مختلف ادوار اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ ہی درست معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کی مندرجہ بالا الفاظ سے تعریف کی جائے)۔

فقہ کا موضوع..... فقہ کا موضوع مکلّف انسانوں کے افعال ہیں اس حیثیت سے کہ وہ ان مکلّف انسانوں کی ذمہ داری ہوں خواہ ان کی ادائیگی مطلوب ہو جیسے نماز کہ اس کی ادائیگی مطلوب ہے خواہ ان کا چھوڑنا مطلوب ہو جیسے غصب مثلاً کہ اس کا چھوڑنا مطلوب ہے یا وہ افعال اختیاری ہوں ان کے کرنے یا چھوڑنے دونوں کا اختیار ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ یعنی مباحات۔

مکلّف سے مراد وہ عاقل وبالغ شخص ہوتا ہے جس کے افعال سے تکلیف شرعی متعلق ہو (یعنی احکام شریعت کی بجاآوری کا بوجھ اس پر ڈال دیا گیا ہو)

فقہ کی خصوصیات..... فقہ کا اطلاق شریعت کے اس حصے پر کیا جاتا ہے جس کا تعلق عمل سے ہو۔ اور شریعت کا اطلاق ان احکامات پر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے خواہ قرآن کے ذریعے خواہ سنت نبویہ کے ذریعے، اور چاہے ان کا تعلق اعتقاد سے ہو اور علم کلام یا علم توحید بطور خاص اسی سے بحث کرتا ہے، یا ان احکام کا تعلق عمل سے ہو اور اس حصے پر علم فقہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

فقہ کی بنیاد تدریجی طور پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور عہد صحابہ ہی میں پڑ چکی تھی، صحابہ کرام کے زمانے میں اس کی بنیاد پڑ جانے کا سبب صرف یہی تھا کہ لوگوں کو نت نئے پیش آنے والے معاملات میں رہنمائی کی ضرورت پڑتی رہتی تھی فقہ کی طرف پیش آنے والی یہ ضرورت لوگوں کے اجتماعی معاشرتی تعلقات قائم رکھنے، ہر انسان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے ادراک نئے فوائد کے حصول، اور مستقل اور ناگہانی ہونے والے نقصانات اور مفاسد کے دور کرنے کے لئے ہمیشہ قائم رہی۔

فقہ اسلامی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔❶

---

❶..... اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ کیجئے احمد امین کی فجر الاسلام سائیس کی تاریخ الفقہ الاسلامی خضری کی تاریخ التشریع شیخ ازہر ڈاکٹر عبدالرحمن تاج کی السیاسۃ الشرعیۃ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی الاموال ونظریۃ العقد ص ۱۳۶ اور علامہ مصطفیٰ زرقاء کی کتاب المدخل الفقہی ف ۲۔ ۴۱ اور ۹۰۔

ا: وحی الٰہی کا اس کی بنیاد ہونا...... فقہ کو دیگر وضع شدہ قوانین کے مقابلے میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کی اساس وحی الٰہی ہے جو کہ قرآن اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے چنانچہ ہر مجتہد احکام شریعت کے استنباط میں ان دو اساسی چیزوں کے نص کا اور ان دونوں سے براہ راست حاصل ہونے والے امور کا اور اس چیز کا پابند ہے جس چیز کی طرف شریعت کی روح اس کے عام مقاصد اور اس کے کلی قواعد و اصول رہنمائی کریں۔ اس طریقے سے فقہ بڑی مکمل بنیاد، بڑے متوازن ڈھانچے اور نہایت مضبوط ستونوں پر قائم عمارت کی طرح مکمل نظام عمل ہے کیونکہ اس کی بنیادیں مکمل ہیں اس کے قواعد پورے ہیں اور اس کی جڑیں عہد رسالت و وحی تک جا پہنچتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ...... سورۃ مائدۃ، آیت ۳

آج کے دن میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر تمہاری نعمت اور تمہارے لئے پسند کر لیا ہے اسلام کو بطور دین۔

لہٰذا اس طرح کی مضبوط بنیاد اور اصول و ضوابط حاصل ہو جانے کے بعد صرف یہ ہی باقی بچتا ہے کہ مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے انسانیت کی بھی خواہی کے لئے ان اصولوں پر رہتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

۲...... زندگی کے تمام مقاصد اور ضروریات کے لئے کافی ہونا۔ فقہ اسلامی دیگر وضع کردہ قوانین کے مقابلے میں ایک یہ بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ انسان کے تینوں قسم کے تعلقات پر حاوی ہے۔

ا۔ انسان کا تعلق اپنے رب سے۔

۲۔ انسان کا تعلق اپنی ذات سے۔

۳۔ انسان کا تعلق اپنے معاشرے سے کیونکہ فقہ آخرت کے لئے بھی ہے اور دنیا کے لئے بھی دین کے لئے بھی ہے اور پوری انسانیت کے لئے ہے اور تا قیامت باقی رہنے کے لئے ہے۔ فقہ کے احکام میں عقیدہ، طہارت، اخلاق اور معاملات سب کو قوت حاصل ہوتی ہے تا کہ ضمیر کی بیداری اپنی ذمہ داریوں کے شعور سب کے سامنے اور پیٹھ پیچھے اللہ کے خوف اور دوسروں کے حقوق کے احترام جیسی عمدہ صفات حاصل ہونے کے ساتھ غایت درجے کی رضامندی اطمینان قلب ایمان سعادت اور ثابت قدمی بھی حاصل ہو اس کے ساتھ ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بھی منظم ہوں اور پوری دنیا کی خوش نصیبی بھی حاصل ہو ان اعلیٰ مقاصد کے حصول جیسے عظیم مقصود کے لئے احکام عملیہ بالفاظ دیگر فقہ جو کہ کسی مکلف شخص سے صادر ہونے والے تمام اقوال، افعال، معاملات اور تصرفات کو شامل ہے، کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

ا۔ احکام معاملات...... اس میں لوگوں کے باہمی معاملات، تصرفات، سزائیں، تاوان، ایک دوسرے کے زیادتی کر دینے وغیرہ کے احکامات پر گفتگو کی جاتی ہے جن پر گفتگو میں مقصود لوگوں کے ایک دوسرے سے تعلقات کو بہتر شکل میں منظم کر دینا ہوتا ہے خواہ انفرادی طور پر یہ تعلقات ہوں خواہ اجتماعی طور پر احکام معاملات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

ا۔ وہ احکام جنہیں حدیث بالاحوال الشخصیۃ کہا جاتا ہے، یہ وہ احکامات ہیں جن کا تعلق خاندان کے تشکیل پانے ان کے مابین تعلقات وغیرہ سے ہوتا ہے، جیسے شادی بیاہ، طلاق، نسب، نان و نفقہ اور میراث وغیرہ کے احکام ان احکام کا تعلق اور مقصود میاں بیوی اور خاندان کے دیگر افراد کے آپس کے تعلقات کو ایک نظم کے تحت لانا ہوتا ہے۔

۲۔ الاحکام المدنیۃ...... (تمدنی احکام) یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق افراد کے آپس کے معاملات اور لین دین سے ہوتا ہے جیسے خرید و فروخت کرایہ داری رہن، کفالت، شراکت داری، قرض کے لین دین اور لازم امور کی دیانت داری سے بجا آوری وغیرہ کے احکام۔ ان احکام کا تعلق اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے افراد کے مابین تعلقات ایک نظم کے تحت آجائیں اور حقدار کے حقوق کی حفاظت رہے۔ قرآن

کریم میں اس قسم کے تمدنی احکام کے متعلق ستر کے قریب آیات نازل ہوئی ہیں۔

۳۔الاحکام الجنائیۃ ......(احکام تعزیرات) یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق کسی مکلف شخص سے سرزد ہونے والے جرم اوراس پر مرتب ہونے والی سزا سے ہوتا ہے ان احکامات کا مقصود لوگوں کی جان، مال، آبرو اور حقوق کی حفاظت ہوتا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس کے جرم کے مرتکب شخص اور امت کے دوسرے افراد کے ساتھ کس قسم کے تعلقات روابط اور حقوق ہیں اور امن وامان کا قیام بھی ان احکامات کے مقصود امور میں سے ایک ہے اس قسم کے تعزیراتی احکام سے متعلق قرآن کریم میں تیس کے قریب آیات آئی ہیں۔

۴۔احکام المرافعات اور الاجراءات المدنیۃ والجنایات......(عدالتی کارروائیوں کے احکام) ان احکامات کا تعلق عدالتی فیصلے دعوے گواہوں قسم اور قرائن سے کسی چیز کے تعین اور اثبات سے ہوتا ہے ان احکام کا مقصد کاروائیوں اور اقدامات کو ایک نظم کے تحت لانا ہوتا ہے تا کہ لوگوں میں عدل وانصاف قائم ہو۔قضا گواہی اوران سے متعلق امور کے بارے میں قرآن کریم میں بیس کے قریب آیات آئی ہیں۔

۵۔الاحکام الدستوریۃ......(دستوری احکام) وہ احکام جن کا تعلق نظام حکومت اور اس کے اصول وضوابط سے ہے ان سے مقصود حاکم اور رعایا کے مابین تعلقات کا تعین اور افراد اور جماعتوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرنا ہوتا ہے۔

۶۔الاحکام الدولیۃ......(بین الاقوامی تعلقات کے احکام) ان احکام کا تعلق ایک اسلامی مملکت کے دوسری مملکتوں کے ساتھ حالت امن اور جنگ کے تعلقات کو ایک نظم کے تحت لانے اور غیر مسلم شہریوں کے اپنی مسلمان حکومت کے تعلقات کے تعین کرنے سے ہوتا ہے جہاد اور بین الاقوامی معاہدے بھی اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔ان احکام کا مقصد مملکتوں کے آپس کے تعلقات تعاون کی نوعیت اور ایک دوسرے کے احترام کے متعلق راہنمائی فراہم کرنا ہوتا ہے۔

۷۔الاحکام الاقتصادیۃ والمالیۃ (اقتصادی اور مالی معاملات کے احکامات)......ان احکامات کا تعلق افراد کے مالی حقوق اور مالی ذمہ داریوں مملکت کے مالی حقوق اور مالی ذمہ داریوں اور ذرائع آمدنی اور اخراجات کی تشکیل سے ہوتا ہے

ان احکامات کا مقصود مالدار اور تنگ دست لوگوں کے مابین تعلقات کی تشکیل اسی مملکت اور رعایا کے مابین تعلقات کو نظم کے تحت لانا ہوتا ہے۔

احکامات کی اس نوعیت کے تحت مملکت عمومی اور خصوصی دولت جیسے مال غنیمت، مال انفال، عشر اسی طرح کسٹم ٹیکس، (زمینی ٹیکس) ٹھوس اور سیال معدنیات کی کانیں اور دیگر طبعی زمینی وسائل سے حاصل شدہ مال ودولت سب داخل ہیں۔اسی طریقے سے معاشرے کی دولت مثلاً زکوٰۃ، صدقات، نذر، قرض کی رقوم اور خاندان میں زیر گردش مال جیسے نان ونفقہ، وراثت اور وصیت کے اموال، افراد کے اموال مثلاً تجارت کرایہ داری، شراکت داری اور پیدائش دولت کے دیگر جائز ذرائع اور شعبہ جات سے حاصل ہونے والے منافع جات اور پروڈکشن (صنعت) سے اور مالی سزاؤں سے حاصل ہونے مال ودولت مثلاً کفاروں دیت اور فدیہ سے حاصل ہونے والی مال ودولت سب اسی کے تحت داخل ہیں۔

۷۔الاخلاق والاداب (المحاسن والمساوی)......(احکام اخلاق وآداب) یعنی وہ امور وآداب جو انسان اور احترام، تعاون اور رحمدلی کے ماحول کو فراہم کریں۔

فقہ کے اتنے وسیع اور حیات انسانی کے اتنے شعبوں کو جامع ہونے کا سبب وہ احادیث ہیں جو اوپر بیان کردہ موضوعات میں ہر موضوع کے بارے میں بکثرت آئی ہیں۔

۳: افعال واعمال کا حلت وحرمت کی دینی صفت سے متصف ہونا...... فقہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسے عام وضع کردہ قوانین کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہر فعل یا تمدنی تصرف حلال اور حرام کی فکر کا حامل ہوتا ہے اس کے نتیجے میں احکام معاملات میں دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو دنیوی اثر جو اس فعل یا تصرف کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے کسی داخلی یا باطنی حکم سے اس کا تعلق نہیں ہوتا ہے اور وہ ہے اس کا قانونی حکم کیونکہ کوئی قاضی جب قانونی حکم کسی فعل یا تصرف پر جاری کرتا ہے تو وہ وہ حکم جاری کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور قاضی کا فیصلہ حق کو باطل یا باطل کو حق نہیں کر دیتا ہے اور نہ ہی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہے بلکہ قاضی کا فیصلہ نافذ العمل بنایا جاتا ہے بخلاف فتوے کے۔ ❶

۲۔ دوسرا اثر اس فعل کا اخروی حکم ہے جو اس فعل کی حقیقت اور واقعیت سے تعلق رکھتا ہے اگر چہ وہ دوسروں سے مخفی رہے اس پر عمل درآمد صرف اس متعلقہ شخص اور اللہ تبارک وتعالی کے مابین محدود ہوتا ہے اور اس حکم کو حکم 'دیانی' کہتے ہیں۔ حکم دیانی وہ ہوتا ہے جو مفتی کے قابل اعتماد ہوتا ہے اور فتوی شریعت میں کہتے ہیں: الاخبار عن الحکم الشرعی من غیر الزام (کسی شرعی حکم کے متعلق دوسروں کو بتانا بغیر اسے لازم کئے ہوئے) کسی فعل یا تصرف کی ان دو حیثیتوں کے درمیان اس فرق کا اصل سبب حدیث نبوی ہے جیسے امام مالک امام احمد بن حنبل اور صحاح ستہ کے مصنفین حضرات نے روایت کیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تو ایک بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے تنازعات لے کر آتے ہو اور شاید ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی ایک زیادہ احسن طریقے اور گفتگو کے ذریعے اپنی دلیل بیان کر دے اور میں (ظاہری طور پر) اس کی بات سن کر (اس کی بات کو درست سمجھ کر) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (مگر حقیقت میں وہ حق پر نہ ہو محض تیز گفتاری اور چالاکی سے وہ اپنے حق میں ایسا فیصلہ کروالے) سو سمجھ لو جس کسی کے لئے میں (اس کی چرب زبانی کے سبب) دوسرے مسلمان کے حق کا فیصلہ سنا دوں تو وہ درحقیقت (جہنم کی) آگ کا ٹکڑا ہے تو چاہے تو وہ اسے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے کسی حکم یا تصرف شرعی میں یہ دو جہتیں پائی جانے کا سبب یہ ہے کہ شریعت وحی الٰہی ہے اس پر اخروی ثواب وعتاب مرتب ہوتے ہیں یہ بیک وقت روحانی اور مادی دونوں طرح کی کیفیات پر مشتمل نظام ہے کیونکہ اس کی آمد دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے لیے ہوئی ہے۔

ان دو جہتوں کے اس اختلاف کا نتیجہ طلاق قسموں کے معاملات فرض کے معاملات بری الذمہ کرنے کے معاملات اور زبردستی کسی کام کو کرالینے جیسے معاملات میں سامنے آتا ہے اور اسی بنا پر قاضی کا فرض منصبی مفتی کے فرض منصبی سے مختلف ہوتا ہے قاضی اپنا حکم صرف ظاہر کو پیش نظر رکھ کر دے گا جب کہ مفتی ظاہری اور باطنی دونوں صورت حال سامنے رکھ حکم شرعی بتائے گا۔ ❷

---

❶...... مصنف کا مقصود یہ ہے کہ اگر ایک فعل اصولاً غلط ہو مگر قاضی اسے نافذ کر دے تو اس کے نافذ کرنے سے وہ فی الحقیقت درست نہیں ہو جائے گا مگر قاضی کو حاصل شدہ اختیارات کے تحت وہ نافذ ہو جائے گا یہ بھی واضح رہے کہ یہ عام حکم نہیں ہے اس کی مزید تفصیل قضا اور عدالت کے احکامات کے ذیل میں آئے گی۔ (مترجم) ❷ مصنف کی اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ا۔ ظاہری ۲۔ باطنی، ظاہری سے مراد ہے وہ حیثیت جس پر ظاہری احوال دلالت کریں اور باطنی سے مراد ہے اس شخص کا اصل ارادہ قلب مثال کے طور پر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے بعد میں وہ کہے کہ میرا ارادہ دوسرے دو مرتبہ کہنے سے صرف مؤکد کرنا تھا نہ کہ دو مزید طلاق دینا تو ظاہری حکم یہ ہے کہ طلاقیں تین واقع ہوں اور باطنی حکم یہ ہے کہ اس کی نیت کے بارے میں اس کی بات تسلیم کی جائے۔ قاضی اپنے اختیار میں رہتے ہوئے تین طلاق کا حکم جاری کرے گا جو نافذ العمل ہوگا حکومت وقت اسے نافذ کرنے کی پابند ہے اس کی نیت کو حکم دیانت کے تحت درست مانیں گے مگر وہ نافذ نہیں ہوگی۔ تو حقیقت امر میں تو وہ آدمی درست ہے مگر چونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے اس لئے اس کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی اور طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی البتہ مفتی حکم دیانت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک طلاق کا فتویٰ دے گا مگر یہ فتویٰ قوت نافذہ کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے نافذ العمل نہ ہو سکے گا مزید تفصیل کتاب القضاء میں آئے گی۔

اگر ظاہر اور باطن دونوں میں اختلاف واقع ہو جائے تو مفتی فتوی باطنی حکم کے مطابق بھی دے سکتا ہے اگر وہ مطمئن ہو کہ باطنی حکم درست ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لیے غلطی سے بلانیت طلاق طلاق کا لفظ استعمال کر لے تو قانوناً طلاق واقع ہو جائے گی مگر حکم دیانت کی رو سے نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنے مقروض کا قرض معاف کر دیا اسے بتائے بغیر پھر کچھ عرصے بعد وصولی قرض کے لئے دعویٰ دائر کر دیا تو عدالتی طور پر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا مگر حکم دیانت کی رو سے اس کے لئے یہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ بری الذمہ کرنے کے بعد اپنے قول سے پھر رہا ہے۔

درحقیقت اس دینی رجحان کے پائے جانے یا بالفاظ دیگر اس اندرونی دینی مانع کے وجود نے شرعی نظام وضابطوں اور حقوق کی حفاظت و صیانت کی ہیبت اور احترام میں مزید وسعت پیدا کر دی بمقابلہ اس مادی رجحان کے جس کا لحاظ وضع کردہ قوانین میں رکھا جاتا ہے کیونکہ شریعت دونوں حیثیتوں کا ایک ساتھ لحاظ رکھتی ہے قانونی حیثیت کا اور دینی حیثیت کا۔

۴۔ فقہ کا اخلاق کے ساتھ ربط...... چوتھی خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ فقہ عام وضعی قوانین کے برخلاف اخلاقی ضابطوں کی بھی رعایت رکھتا ہے، جب کہ قانون وضعی میں صرف ایک فائدہ پیش نظر ہوتا ہے جو کہ نظام کی حفاظت اور معاشرے کی اجتماعیت برقرار رکھتا ہے خواہ اس کے نتیجے میں دینی اور اخلاقی قدریں پامال ہو جاتی ہوں۔ اس کے مقابلے میں فقہ بلند اخلاقی ایک عمدہ نمونہ قائم کرنے اور مضبوط اخلاقی قدریں قائم کرنے کا مکمل لحاظ رکھتا ہے، چنانچہ عبادات کی مشروعیت نفس کی پاکیزگی اور اس کی صفائی اور اس کو بری باتوں سے دور رکھنے کی غرض سے کی گئی، اسی طرح سود کی حرمت کا ایک مقصد باہمی تعاون اور رحم دلی کی حقیقت لوگوں میں جاگزیں کرنا ضرورت مندوں کو مال داروں کی حرص وہوس سے محفوظ رکھنا اور آپس کے معاملات میں دھوکہ دہی جعل سازی سے حفاظت اور ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے کھانے سے بچانا ہے۔ آپس کے معاملات کے غیر واضح طور پر ہونے بایں معنی کہ ان میں جہالت اور اس طرح کے دوسرے عیوب پیدا ہو جائیں جن کا تعلق رضامندی سے ہو، کی صورت میں ان معاملات کا فاسد قرار پانا باہمی محبت اور اعتماد کے قائم رکھنے کے لئے ہے، اسی طرح اس کا مقصد لوگوں کو باہمی تنازعات سے بچانا، مادیت کی گندگیوں سے محفوظ و مامون رکھنا اور دوسروں کے حقوق کا احترام پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح آپس کے معاملات کو صحیح طور پر انجام دینے کے احکامات کا مقصود معاہدوں کی پاسداری کی تعلیم دینا بھی ہے۔ اور شراب کو حرام قرار دینے کا مقصد خیر وشر کی کسوٹی یعنی عقل کی حفاظت ہے۔

اور جب دین اور اخلاق باہمی معاملے کے ساتھ یکجان ہو جائیں تو افراد اور جماعتوں کی فلاح اور خوش بختی یقینی ہو جاتی ہے، اور آخرت میں نعمتوں میں ہیشگی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ رہنا تو انسان کی وہ خواہش ہے جو بہت پرانے زمانے سے اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ کی غرض وغایت انسان کی حقیقی بھلائی ہے جو حال میں بھی ہو اور مستقبل میں بھی ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت میں اس کی خوش نصیبی بھی دوسری بات یہ بھی ہے کہ دین اور اخلاق سے اثر پذیر ہونا فقہ کو زیادہ قابل اطاعت اور زیادہ قابل احترام بناتا ہے بہ نسبت دوسرے وضع شدہ قوانین کے کہ ان کی خالص دنیوی بندشیں انسان کو ان قوانین کے حلقے سے چھٹکارا پانے اور بھاگ نکلنے کی تدبیریں سمجھاتی ہیں۔

۵۔ مخالفت قوانین کی دنیوی اور اخروی سزا کا تصور...... پانچویں خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ وہ عام دنیوی وضع شدہ قوانین سے جو مخالفت قوانین کی فقط دنیوی سزا کا تصور رکھتے ہیں اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ دو قسم کی سزاؤں کا تصور رکھتا ہے ایک تو دنیوی سزا کا جو کبھی تو مقرر ہوتی ہے جیسے حدود اور کبھی غیر مقرر ہوتی ہے جیسے تعزیرات یہ سزائیں لوگوں کو ظاہری بدعملی پر دی جاتی ہیں دوسری سزا ہے اخروی جو ان اعمال پر دی جاتی ہے جو لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جیسے حسد جلن، کینہ،

عداوت، دوسروں کی ضرر رسانی کا ارادہ کرنا جب کہ عمل درآمد بھی اس پر ہو جائے، اسی طرح یہ اخروی سزا ان اعمال پر بھی ہے جو ظاہری ہیں مگر کسی وجہ سے سزائیں نہ دی جاسکی ہوں یا تو اس وجہ سے کہ ان سزاؤں کو کالعدم کر دیا گیا ہو جیسے اس وقت حدود اکثر اسلامی ملکوں میں معطل ہیں، یا اس وجہ سے کہ وہ بدعملی ظاہر نہ ہو سکی ہو یا حکومت وقت اس پر مطلع نہ ہو سکی ہو (غرض کہ سزا کا تصور ہے خواہ وہ ظاہری سزا سے بچ نکلے لیکن اخروی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا)۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقہ نے بدلے (جزاء) کے دو تصور دیئے ہیں، ایک ایجابی رخ ہے جس میں احکامات کی بجا آوری اور انجام پر اجر وثواب کا تصور دیا ہے، دوسرا سلبی رخ ہے کہ ممنوعہ افعال اور گناہوں سے اجتناب اور باز آنا بجائے خود ایک ثواب کا کام ہے اس کے برخلاف عام انسانی قوانین صرف سلبی (منفی) رخ کا تصور رکھتے ہیں جس میں کسی قانون کی خلاف ورزی پر سزائیں دی جاتی ہیں لیکن نیک چلن ہونے پر کوئی انعام وغیرہ نہیں دیا جاتا۔

۶۔ فقہ میں رجحان اجتماعیت..... فقہ کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد اور جماعت دونوں کے مفادات کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ تو فرد کے مفادات کو جماعت کے مفادات کے آگے کالعدم کیا گیا اور نہ ہی اس کے برعکس ہو۔ تاہم جماعت کے مفادات کو اس صورت میں فرد کے مفادات سے مقدم رکھا گیا ہے جب دونوں قسم کے مفادات میں تعارض اور کشاکشی پیدا ہو جائے اسی طرح دو افراد کے مفادات میں تعارض ہونے کی صورت میں اس کے مفاد کا لحاظ رکھا گیا ہے جس کو زیادہ ضرر پہنچ رہا ہو جیسا کہ ان دو قاعدوں لاضرر ولاضرار یدفع اکبر الضررین با لاخف منہا (بڑے ضرر کو چھوٹے ضرر کے ذریعے دور کیا جائے گا) سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

جماعت کے مفادات کا لحاظ رکھنے کی مثال میں یہ چیزیں ہیں عبادات نماز روزہ وغیرہ کی مشروعیت بیع کی حلت اور سود کی حرمت ذخیرہ اندوزی کی حرمت اور مثلی قیمت پر خرید وفروخت رکھنے کا حکم جبری تعیین نرخ کی مشروعیت بڑے منکرات پر حدود کا قائم کیا جانا خاندان کی شیرازہ بندی، پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری معاہدوں کی پابندی اور جبری خرید وفروخت کی مشروعیت ان چیزوں کی جو لوگوں کے لئے ضروری ہوں مثلاً مساجد اور تعلیم گاہیں، شفاخانے، قبرستان، راستوں کی توسیع اور نہروں وغیرہ کے راستے بنانے کے لئے جبراً زمین فروخت کرنے پر مجبور کیا جانا۔ یہ سب چیزیں ایک مثالی معاشرہ تشکیل دینے کے لئے لازم کی گئی ہیں اگرچہ ان کی بجا آوری اور انجام دہی فرد پر بوجھ ہوتی ہے۔ کسی دوسرے فرد کے حق اور مفاد کو جماعت کو ضرر لاحق ہونے کی صورت میں یا زیادہ بڑے ضرر لاحق ہونے کی صورت میں، محدود اور مؤخر کرنے کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم نہیں کی جائے گی اگر شوہر اس کو ضرر پہنچا رہا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے مت روکے رکھو تا کہ تم زیادتی کرو)۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۱) اسی طرح حاکم کی اطاعت اس وقت لازم نہیں جب وہ کسی گناہ کا حکم دے دے یا کسی عام فائدے کے لئے گناہ کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ اطاعت صرف اچھے کام میں ہے برے کام میں نہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے خوشدلی سے یا ناخوشی سے جب تک کسی معصیت کا اسے حکم نہ دے دیا جائے، اگر معصیت کا حکم دے دیا جائے تو اطاعت وفرمانبرداری لازم نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ مسئلہ بھی ہے کہ وصیت کے جواز کو صرف ایک تہائی مال تک محدود کر دیا گیا ہے تا کہ ورثاء کو نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت کردہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ایک تہائی (کی وصیت کرو) ایک تہائی بہت ہے تمہارا اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ واور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں اور اس کی مثالوں میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مفتوحہ اراضی کو اس میں مقیم کفار باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دینے کی اجازت ہے اس شرط پر کہ وہ

جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں اور مقصد اس اجازت کا یہ ہے کہ خزانے کا ایک مستقبل ذریعہ آمدنی بن جائے اور اس میں مسلمانوں کے فائدے کی رعایت بھی ہے۔ اور اسی قبیل سے شریک یا پڑوسی کو دیا جانے والا حق شفعہ بھی ہے کیونکہ اس میں اسی ضرر کا دور کرنا مقصود ہے جو نئے خریدار سے ہونے کا امکان ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی اسی کے ذیل میں آتا ہے کہ دوسرے کی زمین میں پانی گذار کر ایسی جگہ پہنچانے کی اجازت ہے جو پانی سے دور دراز واقع ہو۔

۷۔ فقہ کی قائم و دائم رہنے کی خصوصیت: فقہ کے بنیادی اصول تو ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے ان میں تغیر واقع ہونے کا امکان نہیں مثلاً معاملات میں باہمی رضامندی کی شرط نقصان کے ضمان کی شرط جرائم کی بیخ کنی اور حقوق کی حفاظت کی شرط اور شخصی ذمہ داری کا تصور۔ یہ وہ اصول ہیں جو نا قابل تغیر ہیں۔ فقہ کا وہ حصہ جس کا تعلق قیاس، عرف اور عوام الناس کے مفاد و مصلحت سے تعلق رکھتا ہے تو وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق تغیر اور تبدیلی قبول کرتا ہے اور انسانیت کی بھلائی اور زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے واقع ہونے والے ماحول اور معاشرت کے اختلاف سے بھی اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، لیکن یہ بھی اس صورت میں کہ حکم شریعت کے مقاصد اور اس کے اصول کے دائرے میں رہے۔ اور یہ تبدیلی صرف معاملات کی حدود میں واقع ہوتی ہے عبادات وغیرہ میں نہیں اور یہی مقصد ہے اس قاعدے تغیر الاحکام بتغیر الزمان (زمان کی تبدیلی سے احکام بھی بدل جاتے ہیں)

۸۔ آٹھویں خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ اس کی تیاری اور اس تک پہنچنے کی راہیں ہموار کرنے کا مقصود انفرادی اور حکومتی سطح پر اس سے مکمل طور پر فائدہ پہنچانا ہے سرکاری سطح پر اس طرح کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کے قوانین سے مدد لی جائے کیونکہ فقہ کا مقصود انسان کی بھلائی اور اس کی سعادت مندی دونوں جہاں میں ہوتا ہے جب کہ موجود وضعی قوانین کا مقصود صرف معاشرے کی اجتماعیت برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی مختلف قسم کے قوانین پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور موجودہ دور میں درپیش جدید مسائل اور مشکلات جیسے انشورنس، بینکاری، اسٹاک ایکسچینج کا نظام، سمندری اور خشکی کے راستوں کے ذریعے ترسیل وغیرہ جیسے مسائل کا حل فقہ کے اصول و ضابطوں کی روشنی میں اور قیاس، مصالح مرسلہ، استحسان، رسد ذرائع اور عرف جیسے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر نکالا جا سکتا ہے جیسا کہ فقہ کی ترتیب عام بنیادی نظریات پر اس طرح کرنی ممکن ہے جیسے قوانین کی تعلیم و تحقیق میں کی جاتی ہے۔ جیسے نظریہ ضمان، نظریہ ضرورت، نظریہ معاملات، نظریہ ملکیت، تمدنی، شرعی نظریں حق کا نظریہ اور حق کے استعمال میں ناعاقبت اندیشی سے کام لینا اور نئے پیش آمدہ معاملات میں بھی یہی روش اختیار کرنا۔ بعض فقہاء نے اکثریت نے نہیں، نصوص شرعیہ کی عرف کے ذریعے تحدید کرنے کی اجازت دی ہے جیسے مثلاً مالکیہ کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والی عورت کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے (۱) یا جیسے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق وہ اموال جن میں سودی معاملات چلتے ہیں ان میں برابری ہونے یا نہ ہونے میں عرف کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر عرف تبدیل ہو جائے جیسا کہ گیہوں اور جو، جو کہ اموال ربویہ (وہ اجناس جن میں سودی معاملات چلتے ہیں) میں داخل ہیں، کے معاملے میں ہوا کہ یہ پہلے پیمانے سے ماپ کر فروخت ہوا کرتے تھے بعد ازاں تول کر فروخت کئے جانے لگے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز میں اگر معاملہ برعکس ہو جائے تو عرف کے مطابق معاملہ ہوگا اور اس صورت میں برابری یا کمی بیشی کا معیار وزن یا پیمانہ ہوگا جو بھی لوگوں میں متعارف ہو جائے (۲) اسی طرح بعض لوگوں نے علت کے بدل جانے سے حکم کے بدل جانے کا قول اختیار کیا ہے جیسے مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ (۳) اور بعض حضرات

---

(۱)...... تحقیق یہ ہے کہ یہ مسئلہ درحقیقت تفسیر النص الغامض والمجمل بالعرف (کسی پیچیدہ یا مجمل نص کی عرف کے ذریعے تفسیر و وضاحت) کی قبیل سے ہے۔
(۲) مصنف کا مقصود یہ ہے کہ وہ اموال یا اجناس جن میں سود کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی معیار مقرر کیا گیا ہو ان اموال کے بارے میں اگر عرف بدل جائے تو معیار سود بھی بدل جائے گا مثلاً م گندم جو وغیرہ عرب کے عرف میں کیلی (پیمانے سے ماپ کر دی جانے والی) اجناس تھیں تو ان میں سود کیلا (پیمانے سے ماپ کر دینے) کے اعتبار سے تھا کہ ایک پیمانہ گندم ایک پیمانہ ہی کے بدلے دی جائے گی دو کے بدلے دینا یا ایک سے زیادہ کے بدلے دینا سود تھا اب اگر اجناس کے بارے میں عرف بدل جائے اور یہ چیزیں تول کر خرید و فروخت ہوں ماپ کر نہیں تو سودی معیار بھی وزن ہو جائے گا۔ کیل نہ رہے گا۔ (۳) فتح القدیر ج ۲ ص ۱۴

نے عربی مہینوں کی ابتداء رؤیت ہلال کے بجائے حساب وکتاب پر رکھنے کی رائے دی❶ اور اسی طرح دوسرے بعض لوگوں نے ضرورت اور حاجت کے وقت حکم کے بدل جانے کی رائے دی ہے جس سے مقصود لوگوں سے حرج اور ضرر دور کرنا ہے بشرطیکہ واقعتاً ضرورت اور حاجت پائی جائے۔ اور رخصت بھی بقدر حاجت دی جائے کیونکہ یہ اصول ہے الضرورۃ تقدر بقدرھا (ضرورت کا اندازہ اسی اعتبار سے ہوتا ہے) اور ضرورت سے مراد ہے وہ چیز جس سے انسان کو اپنی ذات، نسل، مال یا عقل کو خطرہ ہو کہ اسے اختیار نہ کرنے کی صورت میں ان چیزوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور حاجت کہتے ہیں اس مشقت وپریشانی کو جو کسی ممنوع چیز کے استعمال نہ کرنے سے انسان کو خود یا اس کی اولاد یا مال یا عقل کو پہنچے۔❷

فقہ پر عمل درآمد فی الجملہ لازم اور ضروری ہے کیونکہ مجتہد پر یہ لازم ہے کہ وہ اس بات پر عمل پیرا ہو جو بات اسے اس کے اجتہاد کے نتیجے میں معلوم ہوئی ہو چنانچہ وہ بات اس مجتہد کے حق میں فرمان الٰہی کے مترادف ہوتی ہے اور غیر مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجتہد کے فتوے پر عمل پیرا ہو کیونکہ اس کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی شرعی حکم کی بابت مجتہد سے دریافت کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ سورۃ انبیاء آیت ۷

سو پوچھ لو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔

شریعت کے احکام میں سے کسی ایسے حکم کو جو دلیل قطعی سے ثابت ہو نہ ماننا یا کسی حکم کو بہت سخت اور ظالمانہ سمجھنا جیسے حدود یا یہ گمان کرنا کہ شریعت نا قابل عمل اور نا قابل نفاذ ہے کفر ہے اور اسلام سے روگردانی ہے ہاں اجتہاد سے ثابت احکام کو نہ ماننا ان کا انکار کرنا گناہ فسق اور ظلم ہے کیونکہ مجتہد نے تو اس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اور حق تک پہنچنے اور اسے جاننے کے لئے اور اللہ کے حکم کو بیان کرنے کے لئے اپنی بھرپور کوشش کی کسی بھی نفسانی خواہش ذاتی نفع شہرت یا ریاکاری سے بچتے ہوئے یہ عمل انجام دیا اور اس نے تو صرف دلیل شرعی ہی کو اپنی سند سمجھا اس کا رہنما حق ہے اور اس کا نشان امتیاز امانت، سچائی اور اخلاص ہے۔❸

فقہ پر عمل درآمد کا طریقہ کار:...... فقہ پر عمل درآمد کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی قانون سازی کی جائے یعنی اسے باقاعدہ واضح دفعات کے طور پر ترتیب دے دیا جائے تاکہ قاضی حضرات کے لئے آسان ہو جائے اور قاضی حضرات کے احکامات یکساں شکل لئے ہوئے ہوں اور طلب گار لوگوں کے تقاضے کے مطابق کسی حکم کا جان لینا آسان ہو جائے اور یہ اس طریقے سے ممکن ہے کہ مختلف مسالک علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ضرورت کے مطابق احکامات کو تشکیل وترتیب دیں اور یہ کمیٹی تیز کام کرے اور کام مکمل ہو جانے پر حاکم وقت فقہ سے حاصل قانون کو اختیار کر لینے کا حکم جاری کرے۔ لیکن معاملہ یہیں آ کے گڑبڑ ہوتا ہے۔ رکاوٹ یہیں ہے کہ یہ ہو کیسے۔ اور یہ کام لوگوں کی شریعت اور قرآن وسنت کے قانون کو اپنانے کی امنگوں اور توقعات کے ہم آہنگ ہو۔ اس طریقہ کار کے اختیار کرنے میں لوگوں کے لئے راحت بھی ہے اور دلوں کا ایسا اطمینان بھی جس سے دین زندگی اور رائج نظاموں میں موجود دوغلے اور دوعملی کے رو سے نجات ملے، اور شاید اس کتاب میں وہ اسلوب میں پیش کر سکوں جو ان قانون ساز حضرات کے سامنے راستے آسان کر دے اور کام کوئی مشکل نہیں اگر نیت سچی ہو اور ارادے بلند ہوں اور حکمران اس جرأت مندانہ اقدام کے لئے واقعتاً سنجیدہ ہوں اور یہ جرأت مندانہ اقدام جب ہی ممکن ہے جب ان کے اسلام میں سچائی ہو ان میں مکمل رضامندی ہو اور ہر قسم کے چیلنج، تہمت اندازی اور گمراہیوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہو۔

---

❶...... ملاحظہ کیجیے شیخ احمد شاکر کا رسالہ "اوائل الشھور العربیۃ" ❷ ہماری کتاب نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ ملاحظہ کیجیے۔ ❸ قانون سازی کے فوائد وخصوصیات اور اس کے معترض حضرات پر تنقید ہماری کتاب جھود التقنین الاسلامی طبع سنہ ۱۹۸۷ء مؤسسۃ الرسالۃ ملاحظہ کیجیے۔

دوسری بحث: اہم فقہی مذاہب کے فقہاء کا تذکرہ

فقیہ یا مفتی:.......فقیہ یا مفتی کا اطلاق مجتہد پر کیا جاتا ہے اور مجتہد کہتے ہیں اس شخص کو جس کے اندر احکام کو ان کے دلائل سے مستنبط کرنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہو۔ مفتی یا فقیہ کے لفظ کا اطلاق بعد کے دور میں ان لوگوں پر کیا جانے لگا جو اپنے مذہب کے بڑے علماء تھے، یہ استعمال مجازاً یا بطور حقیقت عرفیہ کے ہونے لگا اور ہمارے دور میں جو فتاوی صادر کئے جاتے ہیں یہ درحقیقت محض مجتہد کے کلام کو نقل کرنے تک ہی محدود ہیں تاکہ اس مجتہد کا مقلد اس مسئلے کی بابت مجتہد کی رائے کو جان کر اس پر عمل پیرا ہو سکے فی الحقیقت یہ فتاوی نہیں۔ ❶

مذہب......لغت میں راستے کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً وہ احکام جو مسائل کی بنیاد ہوں ان پر مذہب کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان احکام کے مجموعے کو مذہب (راستہ) سے تشبیہ اسی لئے دی گئی کہ دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں پہچاننے کا سبب ہیں راستہ دنیاوی مادی منزل تک پہنچاتا ہے اور مذہب اخروی منزل تک پہنچاتا ہے۔

مذاہب کی ابتداء تو صحابہ کے دور سے ہو چکی تھی جیسا کہ ہم پہلے یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔ چنانچہ عہد صحابہ میں مذہب عائشہ مذہب عبداللہ بن عمر اور مذہب عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم اجمعین) وغیرہ مشہور تھے، بعد کے ادوار میں یہ مذاہب مشہور ہوئے۔ عہد تابعین میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ، سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام، سلیمان بن یسار اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام، اہل کوفہ میں سے علقمہ بن مسعود، ابراہیم نخعی جو امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے، اہل بصرہ میں سے حسن بصری تھے تابعین میں اور دیگر فقہاء بھی تھے مثلاً عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عطاء ابن ابی رباح وطاؤس بن کیسان محمد بن سیرین اسود بن یزید، سرق بن اعرج علقمہ نخعی، شعبی، شریح، سعید بن جبیر مکحول دمشقی اور ابو ادریس خولانی۔

دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک کا زمانہ اجتہاد کا بڑا ہی سنہری دور تھا آسمان علم پر تیرہ کے قریب ایسے مجتہد حضرات ستارے بن کر چمکے جن کے مذاہب باقاعدہ مرتب کیے گئے اور ان کی آراء کی باقاعدہ پیروی کی گئی ❷ ان میں امام مالک بن انس مدینہ میں حسن بصری بصرہ میں امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری (وفات ۱۶۱ ہجری) کوفہ میں امام اوزاعی (وفات ۱۵۷ھ) شام میں امام شافعی اور لیث بن سعد مصر میں اور اسحاق بن راھویہ نیشاپور میں اور امام ابوثور، احمد بن حنبل داؤد ظاہری اور ابن جریر الطبری بغداد میں مشہور ہوئے۔

ان میں سے اکثر مذاہب تو اب صرف کتابوں میں ہی رہ گئے ہیں کیونکہ ان کے متبعین تو اب ختم ہو چکے ہیں اور بعض مذاہب اب تک قائم ودائم ہیں میں آئندہ صفحات میں آٹھ بڑے مذاہب کا مختصر تذکرہ کروں گا جو اہل سنت، اہل تشیع اور بعض معتدل فرقوں کے ہاں مشہور ومعروف ہیں جن میں سے بعض کے پیروکار آج بھی ہیں جیسے اباضیہ اور بعض ایسے ہیں جن کے پیروکار اب موجود نہیں جیسے ظاہریہ۔ ❸

۱: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، ولادت ۸۰ھ، وفات ۱۵۰ھ، مذہب حنفی کے بانی

یہ ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی کوفی جو ایک آزاد فارسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ میں وفات پائی۔ اموی اور عباسی حکومتوں کا زمانہ پایا ان کا شمار تبع تابعین میں ہے بعض حضرات کی رائے کے مطابق تابعین میں سے

---

❶.......بجیر می الخطیب ج ۱ ص ۴۵۔ ❷تاریخ الفقہ الاسلامی للسائیس ص ۸۶۔ ❸ائمہ مجتہدین کے حالات وواقعات کے لئے بہترین مواد ہمارے استاذ شیخ ابوزہرہ مرحوم کی تالیف ہے جو انہوں نے ان حضرات کے بارے میں لکھی۔

ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اوران سے یہ حدیث "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" روایت کی ہے۔ان کو اہل رائے کا امام کہا جاتا ہے،عراق کے فقیہ اور مذہب حنفی کے بانی تھے،ان کے بارے میں حضرت امام شافعی کا فرمان ہے: لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں کوفہ میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے حدیث وفقہ میں تمام بڑے علماء سے علم حاصل کیا اور اٹھارہ سال تک بطور خاص حضرت حماد بن سلیمان کے زیر سایہ فقہ کی تعلیم حاصل کی،حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے فقہ کی تعلیم پائی تھی۔قبولیت حدیث میں سختی سے جانچ پڑتال کرتے تھے اور قیاس واستحسان کے معاملے کافی توسع تھا ان دونوں کو پیش نظر رکھا کرتے تھے ان کے مذہب کے اصول چار ہیں: (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس واستحسان۔علم کلام میں آپ کی ایک تصنیف ہے الفقہ الا کبر اسی طرح ایک کتاب "مسند" فن حدیث میں ہے فقہ میں کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں پائی جاتی۔ان کے چار شاگرد مشہور ہوئے۔

۱.....ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الکوفی (ولادت ۱۱۳ھ،وفات ۱۸۲ھ)

یہ ہارون الرشید کے زمانے میں چیف جسٹس تھے،مذہب کی تدوین اور اشاعت میں ان کا بہت بڑا کردار ہے،یہ مجتہد مطلق تھے۔

۲۔محمد بن الحسن الشیبانی (ولادت ۱۳۲ھ،وفات ۱۸۹ھ) ان کی پیدائش واسط میں ہوئی۔ان کے والد کا تعلق حرستا سے تھا جو دمشق میں واقع ہے کوفہ میں پلے بڑھے بغداد میں زندگی بسر کی اور رے میں انتقال ہوا۔پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی،پھر اپنی تعلیم کی تکمیل امام ابو یوسف سے کی ایک عرصے تک امام مالک کے ساتھ رہے امام ابو یوسف کے بعد عراق میں فقہ کی سرداری انہی پر ختم ہوتی ہے بڑے عجوبہ روزگار ذکی الفطرت اہل علم میں سے تھے۔مجتہد مطلق شمار کئے جاتے ہیں،بڑی کتابیں تصنیف کیں جن سے مذہب حنفی محفوظ ہو گیا ان کا بھی مذہب حنفی کی تدوین میں بہت بڑا کردار ہے،ان کی کتابیں جنہیں احناف کی اصطلاح میں ظاہر الروایہ کہتے ہیں احناف کے ہاں حجت ہیں۔

۳.....ابو الہذیل زفر بن ہذیل بن قیس الکوفی (ولادت ۱۱۰ وفات ۱۵۸ھ)

اصفہان میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں وفات پائی ابتداءحدیث کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے،پھر رائے ان پر غالب ہوگئی اور قیاس میں مہارت حاصل کی حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے زیادہ قیاس سے کام لینے والے شاگروں میں شمار ہونے لگا۔یہ مجتہد مطلق شمار ہوتے ہیں۔

۴.....حسن بن زیاد اللؤلؤی (ولادت ۲۰۴ھ) امام ابوحنیفہ سے ابتداءعلم حاصل کیا پھر صاحبین امام ابو یوسف وامام محمد سے اکتساب علم کیا حدیث کی روایت میں شہرت حاصل کی اور امام ابوحنیفہ کی آراء کی روایت میں بھی مشہور ہوئے۔لیکن ان کی نقل کردہ روایات درجہ میں کتب ظاہر الروایۃ (امام محمد کی تالیفات) کی روایات سے کم تر ہیں۔فقہ میں یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درجے تک نہیں پہنچے۔

۲۰: مالک بن انس (ولادت ۹۳ھ، وفات ۱۷۹ھ) بانی مذہب مالکی

یہ ہیں امام مالک بن انس بن ابی عامر الاصبحی (یمن کے قبیلے ذی اصبح سے تعلق رکھنے والے) تابعین کے بعد فقہ اور حدیث میں دارالہجرۃ (مدینہ منورہ) کے امام شمار کئے جاتے ہیں (امام دار الہجرۃ لقب ہے) ولید بن عبدالملک کے عہد میں ولادت ہوئی اور ہارون رشید کے دور میں مدینے میں وفات پائی مدینے کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر نہیں گئے امام ابوحنیفہ کی طرح دونوں اموی اور عباسی،عہد ہائے حکومت پائے لیکن عباسی حکومت کا دور زیادہ پایا ان دونوں ائمہ کے دور میں مملکت اسلامیہ بہت پھیل چکی تھی چنانچہ شرقاً وغرباً بحر اطلس سے چین تک پھیل چکی تھی اور اندلس کی فتح کے ساتھ وہ یورپ کے وسط میں پہنچ چکی تھی۔

امام مالک نے زانوئے تلمذ علماء مدینہ کے سامنے تہہ کئے۔اور عبدالرحمٰن بن ہرمز کے ساتھ بہت عرصہ رہے حضرت نافع،غلام حضرت

ابن عمراورابن شہاب زہری جیسے اساطین علم سے فیض یاب ہوئے۔فقہ میں ان کے استاذ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں جوربعیۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں۔امام مالک حدیث اورفقہ دونوں میں امام تھے،ان کی کتاب المؤطاحدیث وفقہ میں بڑی اہمیت کی حامل کتاب ہےان کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں"مالک میرے استاد ہیں میں نے انہی سے علم حاصل کیا ہےوہی میرے اوراللہ کے مابین محبت اوردلیل ہیں،ان سے بڑا میراکوئی محسن نہیں جب علماء کاذکر چھیڑاجائےتوامام مالک کاشمار چمکتے ستارے کی طرح ہوگا۔"

امام مالک نے اپنے مذہب کی بنیادبیس چیزوں پررکھی۔پانچ قرآن کریم میں سے انہی سے ملتی جلتی پانچ حدیث میں سے اوروہ پانچ یہ ہیں:

۱.....نص کتاب ۲.....ظاہر کتاب یعنی مفہوم کتاب ، ۳.....دلیل یعنی مفہوم مخالف

۴.....مفہوم،یعنی مفہوم موافقت ۵.....تنبیہ.....یعنی علت پرتنبیہ

علت پرتنبیہ سے مراد ہے کہ کسی حکم کے بعدواضح الفاظ میں اس کی علت کی نشاندہی کردی جائے جیسے **فانه رجس اوفسقا**(سورۃ انعام آیت ۱۴۵)(کیونکہ بلاشبہ وہ گندگی ہےیافسق ہے)تویہ کل دس ہوئیں اورباقی یہ ہیں:

۱.....اجماع ۲.....قیاس ۳.....عمل اہل مدینہ(اہل مدینہ کاتعامل)

۴.....المصالح المرسلۃ ۵.....قول صحابی اگرمستندہو ۶.....استحسان

۷.....الحکم بسدالذرائع ۸.....مراعاۃ الخلاف(اختلاف کی رعایت) ۹.....استصحاب حال

۱۰.....شرائع من قبلنا(پچھلی شریعتیں)❶

ان بیس میں سے مشہوریہ ہیں:

۱.....العمل بالسنۃ(سنت پرعمل) ۲.....عمل اہل المدنیۃ(اہل مدینہ کاتعامل) ۳.....المصالح المرسلہ

۴.....قول صحابی(اگرمستندہو) ۵.....استحسان

ان کے مشہورشاگردوں میں ایک مصری جماعت ہےاورایک شاگردوں کی جماعت کاتعلق شمالی افریقہ اوراندلس سے ہے۔مصری شاگر دسات ہیں۔❷

۱.....ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم(وفات مصرمیں ۱۹۱ھ)امام مالک سے بیس سال تک حصول فقہ میں مصروف رہےلیث بن سعد جو مصر کےفقیہ تھے(اورجن کاسنہ ۱۷۵ میں انتقال ہوا)ان کی شاگردی بھی اختیارکی،یہ مجتہد مطلق کے درجے پرفائز تھے،یحییٰ بن یحییٰ ان کے بارے میں فرماتے تھےامام مالک کے شاگردوں میں ان کےعلم سے سب زیادہ واقف یہی تھےاورسب سے زیادہ قابل اعتمادبھی،انہی نے مذہب مالکی کی اہم ترین کتاب المدونۃ پرنظرثانی کی اوراس کی تصحیح فرمائی۔یہ کتاب مالکیہ کے ہاں بہت اہم ہےاورانہی سے سحنون مغربی نے فقہ حاصل کی جنہوں نے مدونہ کوفقہی ترتیب دی تھی۔

۲.....ابومحمدعبداللہ بن وھب بن مسلم(ولادت ۱۲۵ھ وفات ۱۹۷ھ)امام مالک کے ساتھ بیس سال رہےاوران کی فقہ کی مصر میں اشاعت کاسبب بنے،امام مالک کے مذہب کی تدوین میں ان کابھی کردارہے مالک ان سے خط وکتابت ان القاب کےساتھ کیاکرتے تھے الی فقیہ مصروابی محمدالمفتی(مصرکےفقیہ کے نام)اورمحمد کے نام جومفتی ہیں)انہوں نے امام لیث بن سعد سے بھی فقہ حاصل کیا،یہ ثقہ محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں۔انہیں دیوان العلم(علم کاخزانہ)کہاجاتاتھا۔

❶.....تاریخ الفقہ، السائیس، ص ۱۰۵ کتاب مالک شیخ ابوزھرۃ ص ۲۵۴.❷الاموال ونظریۃ العقد الدکتور محمد یوسف موسٰی، ص ۸۶۔۸۹، کتاب مالک لشیخ ابوزھرۃ ص ۳۳۳.

۳......اشہب بن عبدالعزیز القیسی ان کی پیدائش اسی سال کی ہے جس سال امام شافعی پیدا ہوئے تھے یعنی سن ۱۵۰ھ ہجری اور ان کی وفات سن ۲۰۴ ہجری میں ہوئی امام شافعی کی وفات کے اٹھارہ دن بعد، امام مالک اور امام لیث بن سعد سے فقہ حاصل کیا ابن القاسم کے بعد مصر میں فقہ کی سرداری انہی پر ختم ہوئی ہے ان کی تصنیف کردہ بھی ایک مدونہ ہے جس میں انہوں نے فقہ مالکی جمع کیا ہے ان کی کتاب مدونہ اشہب کہلاتی ہے، یہ مدونہ سحنون کے علاوہ دوسری کتاب ہے، ان کے بارے میں امام شافعی فرماتے تھے، میں نے اشہب سے فقیہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

۴......ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکم (وفات ۲۱۴ھ) امام مالک کے مختلف اقوال کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے شاگرد یہی ہیں مالکیہ کی سرداری اشہب کے بعد انہی پر ختم ہوتی ہے۔

۵......اصبغ بن الفرج الاموی (امویوں کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو اموی اسی لئے کہتے ہیں) (وفات ۲۲۵ھ) ابن قاسم ابن وھب اور اشہب سے جن کا ذکر پہلے گذرا علم فقہ حاصل کیا امام مالک کے مذہب اور مسائل سے سب سے زیادہ واقف اور باخبر انسان انہی کو شمار کیا جاتا تھا۔

۶......محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (وفات سن ۲۶۸) فقہ اور دوسرے علوم اپنے والد سے حاصل کئے اور اپنے معاصر مالکی فقہاء سے بھی جن کا ذکر اوپر گذرا امام شافعی سے علم حاصل کیا حتیٰ کہ فقہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلی علم فقہ میں سرداری کا رتبہ اور فتویٰ کا مرجع مصر میں یہی تھے۔

۷......محمد بن ابراہیم الاسکندری بن زیاد ابن مواز کے نام سے مشہور ہیں۔ وفات سن ۲۶۹ھ میں ہوئی اپنے دور کے علماء سے فقہ حاصل کیا حتیٰ کہ فقہ اور فتویٰ میں رسوخ حاصل کرلیا۔ ان کی ایک کتاب ہے جو موزیہ کے نام سے مشہور ہے مالکی فقہاء کی تصنیف کردہ کتابوں میں بڑی عظیم الشان کتاب ہے اس میں بیان کردہ مسائل زیادہ صحت کے قریب ہیں بہت تفصیل اور بسط سے گفتگو کی ہے اور فروع کو اصولوں پر منطبق کرکے بیان کیا ہے۔

امام مالک کے مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے شاگرد سات ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ابوالحسن علی بن زیاد التونسی (وفات ۱۸۳ھ) انہوں نے امام مالک اور لیث بن سعد سے فقہ حاصل کیا یہ فقیہ افریقیہ کہلاتے تھے۔

۲۔ ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن القرطبی (وفات ۱۹۳) ان کا لقب شبطون تھا امام مالک سے مؤطا سماعاً پڑھی اور یہ پہلے شخص ہیں جو امام مالک کو اندلس لے گئے تھے۔

۳۔ عیسیٰ بن دینار القرطبی الاندلسی (وفات ۲۱۲ھ) یہ اندلس کے فقیہ تھے۔

۴۔ السد بن فرات بن سنان التونسی ان کا اصلاً تعلق خراساں نیشاپور سے تھا۔ ولادت ۱۴۵ ہجری میں ہوئی اور وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی۔ انہوں نے صقلیہ کی فتح کے لئے روانہ کئے گئے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شہادت پائی، یہ عالم فقیہ اور لشکر کی قیادت کرنے والے مجاہد تھے انہوں مدینہ اور عراق کے فقہ کو جمع کردیا تھا، مدینہ میں مؤطا امام مالک سے سماعاً پڑھی اور عراق میں امام ابویوسف اور امام محمد سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی ایک کتاب ہے الاسدیۃ جو کہ مدونہ سحنون کی اصل ہے۔

۵۔ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللیثی (وفات ۲۳۴) اندلسی قرطبی تھے، امام مالک کے مذہب کو اندلس میں پھیلایا۔

۶۔ عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمی (وفات ۲۳۸ھ) یحییٰ بن یحییٰ جن کا ابھی تذکرہ گذرا، کے بعد فقہ مالکی کی مسند نشینی انہی کے حصے میں آئی۔

۷۔ سحنون بن عبدالسلام بن سعید التنوخی (وفات ۲۴۰ھ) مصر اور مدینہ کے علماء سے فقہ حاصل کیا، حتیٰ کہ اپنے زمانے کے فقیہ اور شیخ وقت عالم دوراں قرار پائے۔ یہ مدونہ نامی کتاب کے مصنف ہیں جس پر مذہب مالکی کا عمل ہے اور ان کے ہاں مستند سمجھی جاتی ہے امام مالک کے وہ مشہور شاگرد جنہوں نے ان کا مذہب حجاز اور عراق میں پھیلایا وہ تین ہیں:

ا۔ ابومروان عبدالملک بن ابی سلمہ الماجشون (وفات ۲۱۲ھ) یہ اپنے زمانے میں مدینہ کے مفتی تھے، یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے امام مالک سے پہلے مؤطا لکھی تھی۔

۲۔ احمد بن المعذل بن غیلان العبدی یہ ابن ماجشون کے ہم عصر ہیں، امام مالک کے عراق کے شاگردوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھے ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۳۔ ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق، یہ قاضی تھے (وفات ۲۸۲ھ میں ہوئی) اصلاً بصرہ کے تھے، بغداد میں رہ پڑے تھے ابن المعذل کی شاگردی میں رہے جن کا ذکر ابھی گذرا امام مالک کے مذہب کو عراق میں پھیلانے والوں میں سے ہیں۔

۳: محمد بن ادریس الشافعی (ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ) بانی مذہب شافعی

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس القرشی الھاشمی المطلبی بن العباس بن عثمان بن شافع رحمۃ اللہ علیہ ان کا نام تھا، سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے آپ کے دادا عبدمناف میں، ولادت غزہ فلسطین (شام) میں سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی جو امام ابوحنیفہ کے سال وفات ہے، مصر میں سن ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

غزہ میں ان کے والد کی وفات کے بعد جب ان کی عمر دو سال تھی، ان کی والدہ انہیں اپنے آبائی وطن مکہ لے آئیں، وہاں یہ حالت یتیمی میں پل بڑھ کر جوان ہوئے عربوں کے اشعار یاد کیے اور عربی ادب میں خوب مہارت حاصل کی حتیٰ کہ امام فن عربیت اصمعی کہا کرتے تھے کہ قبیلہ ہذیل کے اشعار میں نے ایک قریشی نوجوان سے ٹھیک کرائے جسے محمد بن ادریس کہا جاتا ہے اس طریقے سے وہ عربیت کے امام تھے۔

مکہ مکرمہ میں مکہ کے مفتی مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی میں رہے یہاں تک کہ انہوں نے اُن کو فتویٰ دینے کی اجازت دے دی جب کہ ان کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ پھر یہ مدینہ آئے امام مالک سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ان سے مؤطا سنی اور صرف نو راتوں میں اسے حفظ کر لیا اور سفیان بن عیینہ اور فضیل بن عیاض اور محمد بن شافع وغیرہ سے حدیث روایت کی۔ وہاں سے یمن چلے گئے کچھ عرصہ ایک عہدے پر کام کیا پھر بغداد گئے ۱۸۳ھ اور ۱۹۵ھ میں اور امام محمد بن الحسن سے فقہاء عراق کی کتابوں کا علم حاصل کیا، ان کے امام محمد کے ساتھ مباحثے بھی ہوا کرتے تھے جن سے ہارون الرشید بہت خوش ہوتا تھا۔ ان سے سنہ ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں امام احمد بن حنبل کی ملاقات ہوئی اور بغداد میں ۱۹۵ھ میں امام احمد بن حنبل نے ان سے ان کے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی اور ناسخ قرآن اور منسوخ قرآن کا علم حاصل کیا۔

بغداد میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب، الحجۃ کے نام سے تصنیف فرمائی جس میں انہوں نے اپنے قدیم مذہب کو بیان کیا۔ پھر امام شافعی مصر تشریف لے گئے سن ۲۰۰ھ میں وہاں انہوں نے نئی فقہی آراء پیش کیں اور وہ مسائل مرتب کئے جنہیں مذہب جدید کے نام سے جانا جاتا ہے❶ یہاں ان کا شہید علم کی حیثیت سے انتقال ہوا❷ یہ سانحہ جمعہ کے دن رجب کے اواخر میں سنہ ۲۰۴ ہجری کو پیش آیا۔ اسی دن عصر کے

---

❶ ......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں جو کتاب تصنیف فرمائی تھی اس میں جو مسائل بیان کئے تھے مصر جانے کے بعد ان کی رائے میں جو تبدیلی آئی وہ انہوں نے الگ مرتب کیں۔ پہلے مذہب کو مذہب قدیم اور دوسرے کو مذہب جدید کہا جاتا ہے۔ (مترجم) ❷ ایک روایت کے مطابق مالکی فقیہ اشہب مصری نے انہیں مارا تھا امام شافعی نے دوران مناظرہ انہیں چپ کرادیا تو انہوں نے ان کو چابی کا گچھا کھینچ کر مارا جوان کی پیشانی پر لگا جس سے وہ زخمی ہوگئے کچھ دن بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ اشہب سجدوں میں آن کے لیے بددعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ! شافعی کو اٹھالے ورنہ مالک کا علم اٹھ جائے گا۔ مشہور یہ ہے کہ ان کو مارنے والے مغربی کے کچھ نوجوان تھے (بجیرمی خطیب ج ص ۴۹)

نوٹ: بظاہر یہ روایت جو امام اشہب کے حوالے سے نقل کی گئی ہے نا قابل قبول لگتی ہے، اس سے خست اور نائت معلوم ہوتی ہے جو بہر حال ان ائمہ کی شان سے بعید ہے۔

بعدان کی تدفین قرافہ میں زیرعمل آئی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک الرسالۃ ہے جو علم اصول فقہ میں پہلے تصنیف ہے، اس کے علاوہ کتاب الام جوان کے مذہب جدید پر مشتمل ہے۔

امام شافعی مجتہد مستقل تھے، حدیث، فقہ اور اصول کے امام تھے۔ اہل حجاز اور اہل عراق کے علوم فقہ کے جامع تھے، ان کے بارے میں امام احمد فرماتے تھے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کوئی شخص قلم اور دوات چھونے والا ایسا نہیں جو ان کے احسان کے زیر بار نہ ہو امام شافعی کے بارے میں طاش کبری زادہ مفتاح العادۃ میں فرماتے ہیں فقہ، اصول حدیث، لغت اور نحو وغیرہ کے علماء ان کی امانت، ان کے عادل ہونے اور ان کے زہد، خوف خدا، تقویٰ سخاوت، ان کی حسن سیرت اور ان کے عالی مرتبت ہونے پر متفق ہیں ان کی تعریف میں مبالغہ آمیزی کرنے والا درحقیقت تقصیر کا مرتکب ہوتا ہے (کیونکہ وہ کما حقہ تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے)

اور ان کی تعریف کو طول دینے والا درحقیقت کم پر کفایت کرنے والا ہوتا ہے۔

امام شافعی کے اصول مذہب یہ ہیں:

۱.....قرآن ۲.....سنت ۳.....اجماع ۴.....قیاس

صحابہ کے اقوال کو حجت نہیں تسلیم کرتے کیونکہ ان کی رائے میں وہ اجتہادات ہیں جن میں احتمال خطا بہر حال ہے، اور استحسان جس کے قائل حنفیہ اور مالکیہ ہیں اس کو بالکل رد کر دیتے ہیں اور یہ فرمایا کہ جس شخص نے استحسان کیا درحقیقت اس نے شریعت سازی کی اور مصالح مرسلہ کو بھی قبول نہیں کیا، اسی طرح اہل مدینہ کے عمل کو قابل استدلال نہیں گردانتے اہل بغداد نے ان کا لقب ناصر السنۃ (سنت کا حامی و مددگار) رکھا تھا۔ ان سے ان کی قدیم کتاب الحجہ ان کے ۴ چار عراقی شاگردوں نے نقل کی ہے اور وہ ہیں:

۱.....احمد بن حنبل ۲.....ابوثور ۳.....الزعفرانی ۴۔الکرابیسی۔

ان میں سے زیادہ عمدہ روایت الزعفرانی کی ہے۔

ان کا مذہب جدید کتاب الام میں ان کے چار مصری شاگردوں نے ہی تمام ابواب فقہ کے بارے میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱.....المزنی ۲.....البویطی ۳.....الربیع الجیزی

۴.....الربیع بن سلیمان المرادی جو کتاب الام وغیرہ کے راوی ہیں امام شافعی سے براہ راست۔

مذہب شافعی میں فتویٰ قول جدید پر ہے قدیم پر نہیں، کیونکہ امام شافعی نے اس سے رجوع کر لیا تھا، اور یہ فرمایا تھا میں ان کی روایت کو اپنے سے جائز نہیں رکھتا ہوں، ہاں چند مسائل میں ان کے قول قدیم ہی پر فتویٰ ہے اور وہ تقریباً سترہ مسائل ہیں جن میں قول قدیم پر فتویٰ ہے تاہم ان سترہ مسائل کے علاوہ بھی قول قدیم قبول کیا جا سکتا ہے اور اس کی تائید میں کوئی حدیث صحیح آ جائے جس کا کوئی معارض نہ ہو۔ لہٰذا اگر قول قدیم کی کسی دلیل سے تائید ہو جائے تو وہ امام شافعی کا قول ہی شمار ہوگا کیونکہ امام شافعی سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے (اس کے مخالف) میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

امام شافعی کے شاگرد اور متبعین حجاز اور عراق اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک میں بہت ہوئے۔ میں بطور خاص ان کے پانچ مصری شاگردوں کا تذکرہ کر رہا ہوں جنہوں نے ان سے ان کا جدید مذہب نقل کیا اور وہ یہ ہیں۔

ا: یوسف بن یحییٰ البویطی ابو یعقوب (وفات ۲۳۱)..... یہ فتنہ خلق قرآن، جو خلیفہ مامون نے پھیلایا تھا کے سبب بغداد میں

قید رہے ان کو امام شافعی نے اپنے حلقہ درس میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، ان کی ایک کتاب ''مختصر'' مشہور ہے جس کو انہوں نے امام شافعی کے کلام سے مختصر کر کے تحریر کیا تھا۔

۲: ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی (وفات ۲۶۴ھ)......ان کے بارے میں امام شافعی فرمایا کرتے تھے مزنی میرے مذہب کا معین و مددگار ہے مذہب شافعی میں ان کی بڑی تصانیف ہیں ان میں سے مختصر کبیر جیسے المبسوط بھی کہتے ہیں اور مختصر صغیر ہیں۔ ان سے خراسان، عراق اور شام کے بہت علماء نے تحصیل علم وفقہ کی ہے یہ مجتہد عالم تھے۔

۳: الربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادی......ابو محمد کنیت تھی یہ مذہب کی کتابوں کے راوی ہیں۔ یہ جامع مسجد عمرو بن العاص (جسے جامع الفسطاط کہتے ہیں) کے مؤذن تھے سن ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ امام شافعی کے ساتھ بڑی مدت تک رہے حتیٰ کہ ان کی کتابوں کے راوی بن گئے اور ان ہی کے واسطے سے ہم تک کتاب الام اور الرسالۃ اور امام شافعی کی دیگر کتابیں پہنچی ہیں۔ امام مزنی اور ان کی بیان کردہ روایت میں اگر تعارض ہو تو ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

۴: حرملہ بن یحییٰ بن حرملہ (وفات سن ۲۶۶ھ)......انہوں نے امام شافعی سے وہ کتاب نقل فرمائی ہیں جو الربیع روایت نہ کر سکے مثلاً کتاب الشروط (۳ جزء) کتاب السنن (۱۰ اجزء) کتاب النکاح کتاب الوان الابل والغنم وصفاتہا واسنانہا۔

۵: محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم (وفات ذو القعدۃ، ۲۶۸ھ)......امام شافعی کے شاگرد ہیں اور امام مالک کے بھی شاگرد تھے، اہل مصر ان کے برابر کسی کو نہیں گردانتے تھے، امام شافعی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کو چاہتے تھے، انہوں نے اپنے مذہب شافعی کو چھوڑ کر مذہب مالکی اختیار کر لیا تھا کیونکہ ایک تو امام شافعی نے انہیں حلقہ درس میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے والد بھی مالکی تھے۔

۴......احمد بن حنبل الشیبانی (ولادت ۱۶۴ وفات ۲۴۱) مذہب حنبلی کے بانی

نام الامام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل بن ھلال اسد الذھلی الشیبانی تھا بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑے اور وہیں رہے اور وہیں ربیع الاول میں انتقال ہوا۔ انہوں نے تمام ایسے شہروں کا سفر کیا جو ان کے زمانے میں علم کا مرکز تھے۔ مثلاً کوفہ بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور الجزیرۃ۔ امام شافعی جب بغداد تشریف لائے تو ان سے فقہ کی تحصیل کی پھر مجتہد مستقل بن گئے، ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زیادہ ہے سنت نبویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے جمع کرنے اور یاد کرنے میں مصروف رہے حتیٰ کہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام بن گئے۔ ان کے اس مرتبہ کا سبب ان کے شیخ ہشیم بن بشیر بن ابی خازم البخاری تھے جن کی ولادت ۱۰۴ اور وفات ۱۸۳ء میں ہوئی تھی۔

امام احمد بن حنبل حدیث سنت اور فقہ کے امام تھے، ان کے بارے میں ابراہیم حربی فرماتے تھے میں نے احمد کو دیکھا گویا خدا نے اولین وآخرین کا علم ان کے لیے جمع فرما دیا تھا امام شافعی نے مصر روانگی کے وقت ان کے بارے میں فرمایا میں بغداد سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے وہاں اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور ان سے زیادہ فقیہ کوئی شخص نہیں چھوڑا۔

امام احمد بن حنبل مامون معتصم اور واثق کے زمانے میں فتنہ خلق کے وقت بڑے سخت امتحان میں ڈالے گئے ان کو قید بھی کیا گیا اور مار پیٹ بھی خوب ہوئی اس موقع پر انہوں نے انبیاء جیسی استقامت اور صبر کا مظاہرہ کیا، ابن مدینی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ اللہ نے اسلام کو دو آدمیوں کے ذریعے عزت بخشی، حضرت ابو بکر کے ذریعے فتنہ انکار زکاۃ کے موقع پر اور احمد بن حنبل کے ذریعے آزمائش کے دن (یعنی فتنہ خلق قرآن کے موقع پر) حضرت بشر حافی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''احمد بن حنبل انبیاء کے قائم مقام ہیں، اجتہاد کے

بارے میں ان کے مذہب کے اصول امام شافعی کے اصولوں کے قریب تر ہیں، کیونکہ انہوں نے تحصیل فقہ انہی سے کی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل (۱) قرآن (۲) سنت (۳) فتویٰ صحابی (۴) اجماع (۵) قیاس (۶) استصحاب حال (۷) مصالح مرسلہ اور (۸) ذرائع کو ماخذ سمجھتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔

امام احمد نے فقہ میں کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔ ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کو ان کے اقوال افعال اور ان کے جوابات سے اخذ کیا ہے ان کی ایک کتاب ہے المسند جو فن حدیث میں ہے اس میں چالیس ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔ امام احمد بڑے قوی الحفظ آدمی تھے۔ امام احمد حدیث مرسل (وہ حدیث جس کو صحابی کے علاوہ کسی (تابعی۔ تبع تابعی) نے روایت کیا ہو اور ایک راوی کا نام ساقط کر دیا ہو) اور حدیث ضعیف جو حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ جائے دلیل کے طور پر قبول کرلیا کرتے تھے۔ تاہم باطل اور منکر کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے اور قیاس کو ان کے مقابلے میں ترک کر دیتے تھے۔

ان کے مشہور شاگرد جنہوں نے ان کے مذہب کو پھیلایا وہ یہ تھے۔ ❶

۱.....صالح بن احمد بن حنبل (وفات سن ۲۶۶ھ) امام احمد کی سب سے بڑی اولاد تھے، فقہ اور حدیث کا علم اپنے والد سے حاصل کیا اور اپنے والد کے دیگر معاصر اہل علم سے بھی۔ ان کے بارے میں ابوبکر خلال جو فقہ حنبلی کے راوی ہیں، فرماتے ہیں انہوں نے اپنے والد (امام احمد) سے بہت سے مسائل سنے لوگ خراسان سے ان کے نام سوالات لکھ کر بھیجتے تھے کہ وہ اپنے والد سے پوچھ دیں۔

۲.....عبداللہ بن احمد بن حنبل (ولادت ۲۱۳، وفات ۲۹۰) اپنے والد سے حدیث روایت کرنے میں مشغول رہے، ان کے بھائی صالح کی توجہ اپنے والد سے فقہ اور مسائل نقل کرنے پر رہی۔

۳.....الاثرم، ابوبکر احمد بن محمد بن ھانئ الخراسانی البغدادی (وفات سنہ ۲۷۳) امام احمد سے فقہ کے مسائل روایت کیے اور احادیث بھی بکثرت روایت کیں۔ ان کی ایک کتاب ہے السنن فی الفقہ جو حنبلی مذہب پر ہے اور احادیث سے دلائل پیش کئے گئے ہیں، ان کا شمار جلیل القدر حافظ حدیث علماء میں ہوتا ہے۔

۴.....عبدالملک بن عبدالحمید بن مہران المیمونی (وفات سنہ ۲۷۴ھ) امام احمد کے ساتھ بیس سال سے زائد رہے، امام احمد کے اصحاب میں بڑے جلیل القدر شمار ہوتے ہیں، ابوبکر الخلال امام احمد سے ان کی روایت کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں۔

۵.....احمد بن محمد بن الحجاج ابوبکر المروزی (وفات سنہ ۲۷۴ھ) امام احمد کے خاص اصحاب میں سے تھے اور ان سے بہت قریب تھے، فقہ اور حدیث میں امام تھے، کثیر التصانیف آدمی ہیں، حنابلہ جب لفظ ابوبکر مطلق بولیں تو اس سے یہی ابوبکر مروزی مراد ہوتے ہیں۔

۶.....حرب بن اسماعیل الحنظلی الکرمانی (وفات سنہ ۲۸۰) امام احمد سے بہت فقہی تعلیم حاصل کی امام ابوبکر مروزی باوجود امام احمد سے اس قدر قربت رکھنے کے ان سے وہ مضامین نقل کیا کرتے تھے جو یہ امام احمد سے سن کر لکھا کرتے تھے۔

۷.....ابراہیم بن اسحٰق الحربی، ابواسحاق، (وفات سنہ ۲۸۵ھ) ان کا تبحر علمی حدیث میں زیادہ تھا بمقابلہ فقہ کے اور یہ لغت کے بھی عالم تھے ان کے بعد احمد بن محمد بن ہارون المعروف ابوبکر الخلال (وفات ۳۱۱ھ) آئے اور انہوں امام احمد کے اصحاب و تلامذہ سے ان کے فقہ کو جمع کیا حتی کہ انہیں جامع الفقہ الحنبلی شمار کیا جانے لگا۔ فقہ حنبلی کے ناقل یا راوی کے القاب بھی انہیں دیے گئے۔ ان ابوبکر خلال نے ابوبکر مروزی کے ساتھ بہت وقت گزارا بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسی سبب سے غالباً انہیں فقہ حنبلی روایت کرنے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

ا۔ ابوبکر خلال نے جو کچھ جمع کیا تھا اس کی دو مشہور آدمیوں نے تلخیص کی ایک ابو القاسم عمر بن الحسین الخرقی البغدادی (وفات سنہ ۳۳۴) دمشق میں مدفون ہیں، مذہب حنبلی میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے ایک تو وہ مشہور کتاب ''مختصر'' ہے جس کی شرح

❶.....ابن حنبل از استاذ محترم شیخ ابو زہرہ، ص ۱۷۲۔۱۸۸

علامہ ابن قدامہ نے کی ہے جوالمغنی کے نام سے مشہور ہے۔ان کی اس کتاب کی تین سو سے زائد شروحات ہیں۔

۲۔ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر جوغلام الخلال کے نام سے معروف ہیں ان کی وفات ۳۶۳ھ میں ہوئی۔ یہ حسین خرقی کے جن کا ذکر ابھی گذرا دوست تھے،اور ابوبکر خلال کے بہت شدت سے اتباع کرنے والے شاگردوں میں سے ہیں۔البتہ یہ کبھی ایسی روایات اور اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کہ ابوبکر خلال نے ان کے علاوہ اقوال کو ترجیح دی ہوتی ہے۔

۵......ابوسلیمان داؤد بن علی الاصفہانی الظاہری

(ولادت کوفہ میں سنہ ۲۰۲ میں،وفات بغداد میں سنہ ۲۷۰ھ میں)

ظاہری مذہب کے بانی...... یہ اہل ظاہر کے شیخ اور اس مذہب کے بانی ہیں،اس مذہب کی بعد میں تائید وتقویت ابومحمد علی بن سعید بن حزم الاندلسی (ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۶ھ) کے ذریعے ہوئی جنہوں اس مذہب پر کتابیں لکھیں جن میں سے اہم کتاب المحلی فقہ میں اور ''الاحکام فی اصول الاحکام'' اصول فقہ میں ہے۔

امام داؤد ظاہری حدیث کے حفاظ میں سے تھے،فقیہ اور مجتہد تھے،بغداد میں رہتے ہوئے شافعی تھے بعد میں مستقل ایک مذہب کے بانی بن گئے تھے۔

مذہب ظاہری کی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول کے ظاہری الفاظ سے استدلال ہے جب تک کہ کوئی دلیل ایسی نہ ہو جو یہ بتائے کہ ظاہر مراد نہیں پھر جہاں نص نہ ہو وہاں اجماع کو لیتے ہیں بشرطیکہ اجماع امت کے سارے علماء کا ہو۔حقیقی صورتحال یہ ہے کہ اہل ظاہر نے فقط اجماع صحابہ کو قبول کیا ہے،اگر نص اور اجماع نہ ہو تو یہ استصحاب حال کو دلیل بناتے ہیں اور استصحاب حال ان کے ہاں اس معنی میں ہوگا کہ اصل ہر چیز میں مباح ہونا ہے قیاس رائے،استحسان،ذرائع،اور اجتہاد کے ذریعے احکام کے نصوص میں علت تلاش کر کے بنیاد بنانے کو یہ لوگ قبول نہیں کرتے یہ امور ان کے ہاں دلیل نہیں ہیں۔اسی طرح یہ حضرات تقلید کو بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

ان کے مستنبط احکام کی مثال میں یہ چند مسائل ہیں:

سونے چاندی کے برتنوں کا فقط پینے کے لئے استعمال حرام ہے کھانے وغیرہ کے لئے نہیں،سود صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہوگا جو حدیث میں مذکور ہیں جمعہ صرف مسجد میں ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فقیہ ابوثور کا قول ہے جو ان مذاہب میں سے ایک کے بانی تھے جو مذاہب ختم ہو چکے ہیں اسی طرح بیوی اگر مالدار ہو تو غریب شوہر پر اور خود پر اخراجات کرنے کی مکلف قرار دی جائے گی۔

یہ مذہب اندلس میں پھیلا پانچویں صدی ہجری میں مدہم پڑنا شروع ہوا اور بالآخر آٹھویں صدی ہجری میں بالکل ختم اور ناپید ہو گیا۔

۶......زید بن علی زین العابدین بن الحسین (وفات سن ۱۲۲ھ) شیعہ زیدیہ کے امام

ان کا مذہب،مذاہب اربعہ کے بعد پانچواں مذہب شمار کیا جاتا ہے۔اپنے زمانے میں امام تھے اور متعدد گوشوں والی علمی شخصیت کے حامل شخص تھے۔

علوم قرآن،قراءتوں اور فقہ کا علم رکھتے تھے،ان کو حلیف القرآن (قرآن کا حلیف ودوست) کہا جاتا تھا،فقہ کے موضوع تصنیف شدہ سب سے قدیم کتاب انہی کی ہے جس کا نام المجموع ہے یہ اٹلی میں چھپی ہے،علامہ شرف الدین الحسین بن الحیمی الیمنی الصنعانی (وفات ۱۲۲۱ھ) نے اپنی کتاب،الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر میں جو(۴) چار اجزاء میں ہے اس کتاب المجموع کی شرح کی ہے امام زید کے

فقہ اوران کی المجوع میں ذکر کردہ احادیث کے راوی ابوخالد واسطی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ان (ابوخالد) کی (١٥) پندرہ تصانیف ہیں جن میں سے ایک المجموع فی الحدیث بھی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

زیدیہ......وہ لوگ کہلائے جنہوں نے حضرت علی زین العابدین (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے) کے صاجزادے حضرت زید (فقہ زیدیہ کے بانی) کوان کے والد کے بعد امام مانا،کوفہ میں ان حضرت زید سے ایک مرتبہ لوگوں نے بیعت خلافت بھی کرلی تھی ھشام بن عبدالملک کے دور میں یوسف بن عمر نے ان سے جنگ کی بالآخر انہیں شہید کردیا گیا۔

حضرت زید حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی تمام صحابہ پر افضلیت اور فوقیت دیتے تھے،حضرات شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے اور ظالم حکمرانوں کیخلاف بغاوت کو درست سمجھتے تھے،اپنے متبعین میں حضرات شیخین کو برا بھلا کہنے والوں پر انہوں نے سخت طعن وتشنیع کی اس پر ان سے بیعت کرنے والے ان کو چھوڑنے لگے جس پر انہوں نے فرمایا ''رفضتمونی'' (تم نے مجھے چھوڑ دیا) تو حضرت زید کے اس لفظ کے کہنے کے بعد ہی سے انہیں روافض (چھوڑنے والے) کہا جانے لگا۔ان کے بیٹے یحیٰی نے بھی ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانے میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مگر یہ بھی جنگ کے بعد قتل کردیے گئے۔

مذہب زیدیہ کی اہم کتابوں میں سے حال ہی میں طبع شدہ کتاب البحر الزخار الجامع لمذاھب علماء الابصار ہے جو امام احمد بن یحیٰی بن المرتضٰی (وفات سن ٨٤٠ھ) کی ہے اور چار جزء پر مشتمل ہے،یہ کتاب فقہاء کے اختلاف اور آراء پر مبنی ہے۔

یہ فقہ اہل عراق کے فقہ سے ملتا جلتا ہے،کیونکہ شیعیت اور ائمہ عراق میں ہی پروان چڑھے،اہل سنت کے فقہ سے اُن کا زیدیہ اولی کے زمانے تک کوئی بڑا اختلاف نہیں تھا۔

چند معروف مسائل میں ان کا اہل سنت سے اختلاف ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

١......مسح علی الخفین کی مشروعیت کے قائل نہیں۔

٢ ....غیر مسلم کے ذبیحے کو علی الاطلاق حرام قرار دیتے ہیں۔

٣......اہل کتاب کی خواتین سے شادی کو حرام قرار دیتے ہیں دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

سورہ ممتحنہ آیت ١٠ اورمت

٤......شیعہ امامیہ کے برخلاف متعہ کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں۔

٥......اذان میں حی علی خیر العمل کے جملے کا اضافہ کرتے ہیں۔

٦......جنازے کی نماز میں پانچ تکبیرات کے قائل ہیں۔

یمن میں اس وقت عملی طور پر مذہب ہادویۃ رائج ہے جو ھادی الی الحق کا لقب رکھنے والے امام یحیٰی بن زید کے متبعین کا اختیار کردہ مذہب ہے۔

یہ مذہب مملکت زیدیہ ہی کا مذہب سنہ ٢٨٨ ہجری سے چلا آرہا ہے جو یمن میں موجود ہے،شیعہ کے مختلف مذاہب میں سے اہل سنت کے سب سے زیادہ قریب یہی مذہب ہے،عقائد کے اعتبار سے ان کا مذہب معتزلہ سے ملتا ہے۔احکام کے استنباط کے لئے ان کے اصول میں (١) قرآن (٢) حدیث (٣) اجتہاد بالرائے داخل ہیں۔اسی طرح (١) قیاس (٢) استحسان (٣) مصالح مرسلہ (٤) استصحاب کو بھی یہ لوگ ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیدیہ حضرت زید بن علی زین العابدین کی طرف منسوب ہیں کیونکہ یہ ان کی امامت کے قائل ہیں، تاہم فقہی فروعی مسائل میں یہ ان کی اتباع نہیں کرتے، جیسے حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ کہ ان کے متبعین فروع میں بھی اپنے ائمہ کی اتباع کرتے ہیں۔

۷.......الامام ابوعبداللہ جعفر الصادق

(ولادت ۸۰ھ وفات سنہ ۱۴۸ھ بمطابق سنہ ۶۹۹ء وسنہ ۷۶۵ء)

ان کا نام ابوعبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین (نواسۂ رسول) ہے، یہ مذہب امامیہ کے بانی ہیں ان کے علاوہ جو ابوجعفر محمد بن الحسن بن فروخ الصفار الاعرج القمی کہلاتے ہیں اور جن کا انتقال سنہ ۲۹۰ ہجری) میں ہوا تو وہ شیعہ امامیہ کے مذہب کے فقہی حصے کے پھیلانے اور اشاعت کرنے والے ہیں۔

شیعہ امامیہ بارہ ائمہ معصومین کی امامت کے قائل ہیں جن میں پہلے حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ ہیں اور آخری محمد المہدی الحجۃ ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ کہیں چھپے ہوئے ہیں اور وہی امام قائم ہیں ابن فروخ نے شیعہ امامیہ کے فقہ کی فارس میں اشاعت میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے، یہ کام انہوں نے اپنی کتاب **بشائر الدرجات فی علوم آل محمد وما خصھم اللہ بہ** کے انجام دیا، یہ کتاب سنہ ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوئی ہے۔ ان سے قبل شیعہ امامیہ کی ایک اور کتاب بھی معرض ظہور میں آچکی تھی جو فقہ کے بارے میں تھی اور اس کا نام رسالۃ الحلال والحرام، تھا جو ابراہیم بن محمد بن ابویحیٰ المدنی الاسلمی نے تالیف کی تھی، اس کو انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی الرضا نے ایک کتاب فقہ الرضا کے نام سے تالیف فرمائی جو سنہ ۱۲۷۴ھ میں تہران میں طبع ہوچکی ہے۔ پھر ابن فروخ الاعرج کے بعد چوتھی صدی ہجری میں محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی کا اس فقہ کی اشاعت میں بڑا کردار ہے ان کو شیخ الشیعۃ کہا جاتا ہے ان کی وفات سنہ ۳۲۸ھ میں ہوئی انہوں نے **الکافی فی علم الدین** کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں سولہ ہزار ننانوے (۱۶۰۹۹) احادیث ہیں جو سب اہل بیت کے ذریعے سے ہیں احادیث کی یہ تعداد صحاح ستہ کی احادیث کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔

مذہب امامیہ کی بنیاد ان کتابوں پر ہے:

(۱) الکافی (۲) **من لایحضرہ الفقیہ**، جو صدوق قمی کی تصنیف ہے (۳) تہذیب الاحکام جو طوسی کی تصنیف ہے (۴) الاستبصار یہ بھی طوسی کی تصنیف ہے۔

شیعہ امامیہ بھی شیعہ زیدیہ کی طرح فقہ کے مسائل میں قرآن کے بعد ان احادیث کو مستند سمجھتے ہیں جو اہل بیت میں سے ان کے ائمہ کے ذریعے پہنچی ہوں۔ یہ لوگ اجتہاد کو بھی درست گردانتے ہیں اور وہ قیاس جس کی علت منصوص یعنی نص سے ثابت نہ ہوا سے درست نہیں سمجھتے ہیں۔ اور اجماع کے بھی قائل نہیں ہیں ماسوا اس صورت کے کہ امام بھی اس اجماع میں شامل ہوں۔ احکام شرعیہ میں یہ لوگ ہمیشہ صرف ائمہ ہی کو مرجع سمجھتے ہیں کسی اور کو نہیں۔

امامیہ کا فقہ اگرچہ مذہب شافعی کے قریب ہے، اہل سنت سے مشہور مسائل میں سے صرف سترہ کے قریب مسائل میں ان کا اختلاف ہے جن میں سے اہم ترین مسئلہ نکاح متعہ کا جائز ہونا ہے اس کے علاوہ ان کا دیگر مذاہب سے اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حنفی اور شافعی حضرات کے مابین اختلاف ہے۔ یہ مذہب اس وقت ایران اور عراق میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اہل سنت سے عقیدے یا فقہ کا اختلاف نہیں بلکہ حکومت اور امامت کے مسئلے پر ان کا اختلاف درحقیقت اختلافی مسئلہ ہے۔ ایران میں ۱۹۷۹ء میں آنے والے خمینی انقلاب میں

غالباً سب سے اچھی بات یہی تھی کہ انہوں نے اہل سنت کے ساتھ اختلاف ختم کرنے اور مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دینے کا اعلان کیا تھا۔ اور شاید وہ ایک ہو جانے کے لئے پرامید ہوں۔

وہ اہم فقہی مسائل جس میں ان کا اہل سنت سے اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱.....نکاح مؤقت یا نکاح متعہ کا جواز۔

۲.....طلاق کے لئے گواہوں کو شرط قرار دینا۔

۳..... زیدیہ کی طرح غیر مسلموں کا ذبیحہ اور ان سے شادی بیاہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اہل کتاب یا غیر اہل کتاب کا فرق نہیں کرتے۔

۴..... میراث میں سگے بھتیجے کو اس چچا پر فوقیت دیتے ہیں جو باپ کے باپ شریک بھائی ہوں۔

۵.....موزوں پر مسح کو درست نہیں سمجھتے۔

۶.....وضو میں پاؤں کے مسح کو درست سمجھتے ہیں۔

۷.....اذان میں اشهد أن عليا ولى الله اور حى على خير العمل کا اضافہ کرتے ہیں، اور لاالہ الااللہ دو مرتبہ کہتے ہیں۔

۸.......ابوالشعثاء جابر بن زید

(وفات ۹۳ھ بمطابق ۷۱۱ عیسوی) مذہب اباضیہ کے بانی

یہ تابعی تھے، مذہب اباضیہ عبداللہ بن اباض التمیمی کی طرف منسوب ہے جن کی وفات سنہ ۸۰ ہجری میں ہوئی تھی، جابر بن زید تابعین کے قرآن وسنت پر عامل علماء میں سے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے مذہب اباضیہ کے فقہ کے اصول دیگر مذاہب کے اصول کی طرح ہیں، ان کی بنیاد قرآن، لغت اجماع اور قیاس ہیں استحسان، استصلاح (مصالح مرسلہ) استصحاب اور قول صحابی وغیرہ سے یہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بات بھی زیادہ تر کہی گئی ہے اور اسی پر اعتماد بھی ہے کہ نبی کے علاوہ کسی دوسرے پر ہونے والا الہام دوسرے شخص کے حق میں حجت نہیں ہوتا۔ اور مجتہد کے لئے بھی الہام حجت نہیں ماسوا اس صورت کے کسی مسئلے میں کوئی متفقہ دلیل نہ پائی جا رہی ہو تو وہاں وہ مجتہد کے لئے دلیل اور حجت ہوگا۔ یہ بات تقریباً معروف استحسان کے تصور سے ملتی جلتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو خوارج یا خوامس کہلانے سے بھی براءت ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اہل دعوت اہل استقامت اور جماعت المسلمین کے نام سے مشہور ہیں۔

اباضیہ ان مندرجہ ذیل مسائل کے قائل ہونے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ❶

۱.....شیعہ کی طرح یہ بھی مسح علی الخفین کے قائل نہیں۔

۲.....تکبیر احرام (نماز شروع کرنے کی تکبیر) کے وقت کانوں تک ھاتھ لیجانے کے قائل نہیں، تاہم نماز میں ہاتھ باندھنے کے بجائے چھوڑنے اور ایک سلام پر اکتفاء کرنے جیسے مسائل میں یہ زیدیہ اور مالکی حضرات کے ہمنوا ہیں۔

۳.....رمضان میں حالت جنابت میں روزہ شروع کرنے کی صورت میں روزے کے ٹوٹ جانے کے قائل ہیں جیسے بعض تابعین اس کے قائل ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بات ملتی ہے۔

۴..... ان اہل کتاب کے ذبیحے کے حرام ہونے کے قائل ہیں جو جزیہ نہ دیتے ہوں یا وہ اہل کتاب جو حربی ہوں جن سے معاہدہ امن وغیرہ نہ ہوا ہو۔ امامیہ کسی تفصیل کے بغیر ان سب کو حرام کہتے ہیں۔

---

❶ ملاحظہ کیجئے دو ر مدرسۃ الاباضیۃ فی الفقہ وانتصارۃ الاسلامیۃ ڈاکٹر ابراہیم عبدالعزیز بدوی ص ۱۱۸ اس کتاب پر ہمارے حواشی اور تصحیحات موجود ہیں۔

۵...... بچے اور بچی کے نکاح کے ناجائز ہونے کا قول ان کے ہاں موجود ہے جو جابر بن زید کا ہے، تاہم مذہب میں عمل اس کے برخلاف ہے۔

۶۔ایک شخص دوایسی عورتوں سے نکاح نہ کرے جو آپس میں چچازادہوں کیونکہ ان کی قرابت داری کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ یہ کراہت ان کے ہاں تنزیہی ہے۔

۷......وہ رشتہ دار جو وراثت میں حصہ نہ پارہے ہوں ان کے لئے وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں ان احادیث کے مطابق جو وصیت پر زور دیتی ہیں اور اولاد کے ہوتے ہوئے اولاد دالاولاد کے لئے وصیت کو درست سمجھتے ہیں۔کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ...... سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۰

تم پر لازم کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب ہو اور اس نے مال چھوڑا ہو کہ وہ وصیت کرے والدین اور رشتہ داروں کے لئے۔

اس آیت میں والدین کے لئے وصیت کا حکم آیت میراث اور حدیث لا وصیة لوارث (وارث کے لئے وصیت نہیں) کی وجہ سے منسوخ ہوگیا ہے (رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم باقی رہ گیا ہے لہذا وہ وصیت واجب ہے)

۸......وہ غلام جس سے معاہدہ کتابت ہوا ہو وہ بوقت معاہدہ کتابت ہی آزاد ہوگا، اور مدبر غلام موت کے بعد آزاد ہوگا جیسا کہ تمام مذاہب میں بھی یہ ہی مسئلہ ہے، اسی طرح اگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر کیا ہو تو وقت مقرر ختم ہونے پر بھی وہ آزاد ہوگا۔ایسے غلام کی فروخت صرف اس صورت میں جائز ہے جب راجعت کسی دین کی ادائیگی اس شخص کا مال فروخت کیا جاناہو۔

۹......تمباکو کو بھی یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں، اس کو وہ خبائث (گندگی) میں شمار کرتے ہیں۔

عقائد کے موضوع پر ان کی کتاب مشارق الانوار ہے جو شیخ نورالدین سالمی کی تصنیف ہے، اصول فقہ میں طلعۃ الشمس ہے یہ بھی شیخ نورالدین کی تصنیف ہے فقہ میں شرح النیل وشفاء العلیل ہے جو شیخ محمد بن یوسف اطفیش کی تصنیف ہے یہ کتاب ۱۷ اجزاء میں ہے قاموس الشریعۃ جو ۱۹۰ اجزاء پر ہے شیخ سعدی کی ہے، المصنف جو شیخ احمد بن عبداللہ الکندی کی تصنیف ہے اور ۴۲ اجزاء پر مشتمل ہے، "منہج الطالبین" شیخ شقصی کی تصنیف ہے ۲۰ اجزاء میں ہے "الایضاح" شیخ شمانی کی تصنیف ہے ۱۸ اجزاء میں ہے، اور جواہر النظام شیخ سالمی کی تحریر کردہ ہے اور الجامع جو ابن برکۃ کی تصنیف ہے، دو جزء میں ہے۔

یہ مذہب سلطنت عمان، مشرقی افریقہ، الجزائر لیبیا اور تیونس میں اب تک موجود ہے۔

عقائد میں ان کے کچھ نظریات یہ ہیں:

۱......کبیرہ گناہ کے مرتکب نے اگر توبہ نہ کی ہو تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲......ولایت اور برائت کے قائل ہیں یعنی فرمانبردار شخص ولی ہے اور نافرمان گناہ گار شخص سے اللہ بری ہے۔

۳......اقوال میں تقیہ کے قائل ہیں افعال میں نہیں یعنی بولنے میں تقیہ (غلط بیانی) کیا جاسکتا ہے لیکن کوئی غلط فعل بطور تقیہ نہیں کیا جاسکتا۔

۴......صفات خدا اس کی ذات کا عین ہیں ان کے نظریہ کے مطابق، مقصد یہ ہے کہ اللہ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اس سے علیحدہ نہیں۔مقصود ان کا اللہ کی تعظیم اور اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔گویا یہ حضرات اہل تشیع کی طرح ہیں جیسے وہ آخرت میں خدا کی رویت کے قائل نہیں مقصود ان کا خدا کی تعظیم وتقدیس ہے اسی طرح ان کا بھی مقصود یہی ہے۔لیکن اباضیہ معتزلہ کی طرح تحسین عقلی اور تقبیح عقلی کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ صالح اور اچھا کام اللہ پر واجب ہے۔[1]

---

[1]......یہ جو میں نے لکھا ہے وہ درست ہے، میں نے پچھلے ایڈیشن میں اباضیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا میں اس سے رجوع کرتا ہوں کیونکہ اس میں کچھ باتیں غلط تھیں جو بعد میں معلوم ہوئیں (۔مصنف)

تیسری بحث.....فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب درجہ بندی

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو واقفیت حاصل ہو اس فقیہ کے احوال سے جس کے قول پر وہ فتویٰ دے رہا ہے، تاکہ وہ جان سکے اس فقیہ کا روایت اور درایت میں کیا مرتبہ ہے، اور طبقہ فقہاء میں ان کا کیا رتبہ ہے۔ یہ واقفیت اس لیے ضروری ہے تاکہ مفتی متعارض آراء میں فرق کر سکے اور ان میں سے جو قوی رائے ہو اسے ترجیح دے سکے۔ فقہاء کے سات مراتب ہیں۔ ❶

۱۔ مجتہد مستقل...... یہ وہ فقیہ ہے جو اپنے استنباط کے باقاعدہ قواعد الگ وضع کریں اور اس پر فقہ کی بنیاد رکھیں جیسے ائمہ اربعہ علامہ ابن عابدین شامی نے اس طبقہ کے فقہاء کے لئے طبقۃ المجتہدین فی الشرع کی اصطلاح وضع فرمائی ہے۔

۲۔ المجتہد المطلق غیر المستقل ...... یہ وہ فقیہ ہے جس میں مجتہد مستقل کی طرح اجتہاد کی شرائط موجود ہوں لیکن انہوں نے اپنے لئے الگ قواعد وضع نہ کئے ہوں بلکہ فقہی مذاہب میں سے کسی مذہب کے امام کے طریقے کو اپناتے ہوئے اجتہاد کرتے ہوں، چنانچہ ان کو مجتہد مطلق منتسب (وہ مجتہد جو مکمل اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں اور کسی سے نسبت رکھتے ہوں) کہا جائے گا لیکن یہ مستقل نہیں ہوں گے۔ ان کی مثال جیسے ائمہ اربعہ کے شاگرد فقہاء جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر احناف میں اور امام ابن القاسم، امام اشہب اور امام اسد بن الفرات مالکیہ میں، اور امام ابویطی اور امام مزنی شوافع میں سے، اور امام ابوبکر الاثرم اور امام ابوبکر المروزی حنابلہ میں سے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس طبقے کے فقہاء کے لئے طبقۃ المجتہدین فی المذہب کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ حضرات احکام الدلائل شرعیہ سے استنباط کر سکتے ہیں ان اصول وقواعد کے مطابق جو ان کے استاذ نے مقرر فرمائے ہوں۔

یہ اگرچہ بعض فروعات میں استاد کی مخالفت کر لیتے ہیں لیکن اصول میں امام کے تابع رہتے ہیں۔

مجتہدین اور فقہاء کے یہ دو طبقے مدتوں سے ناپید ہیں، (ان کے درجے کے فقہاء بعد میں نہ ہو سکے)

۳۔ المجتہد المقید :...... یا مجتہد المسائل ان مسائل کے مجتہد جن کے بارے میں مذہب کے امام کا کوئی حکم نہ پایا جاتا ہو یا مجتہد التخریج (یہ تینوں اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں مقصود وہی جو بیان ہوا کہ وہ فقیہ جو ایسے مسائل کے بارے میں اجتہاد کریں جن احکامات کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی حکم روایت نہ کیا گیا ہو)

اس کی مثال جیسے خصاف، طحاوی، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خان علماء احناف میں سے ابہری، ابن ابوزید القیر وانی مالکیہ میں سے ابواسحٰق شیرازی، مروزی، محمد بن جریر، ابونصر اور ابن خذیمہ شوافع میں سے، اور قاضی ابویعلی، قاضی ابوعلی بن ابوموسیٰ حنابلہ میں سے ہیں۔ ان حضرات کو اصحاب الوجوہ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ان مسائل کو جن پر صاحب مذہب نے کوئی گفتگو نہیں کی، صاحب مذہب کے اقوال واصول کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اور اس چیز کو وجہ فی المذہب کہا جاتا ہے یا قول فی المذہب کہا جاتا ہے، چنانچہ یہ اصحاب کی طرف منسوب ہوتے ہیں امام کی طرف نہیں۔ یہ طریقہ کار شافعی اور حنبلی مذہب میں اپنایا گیا ہے۔

۴۔ مجتہد الترجیح...... یہ وہ فقیہ ہوتے ہیں جو امام کے مذہب کے قول کو دوسرے اقوال پر، یا امام کے مذہب اور ان کے شاگردوں یا ان کے علاوہ ائمہ کے اقوال میں ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے علامہ قدوری اور صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی حنفیہ میں سے اور علامہ

---

❶......ملاحظہ کیجئے الرد علی من اخلد الی الارض ص ۳۹۔ ۴۲ علامہ سیوطی، حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص رسالہ رسم المفتی ص ۱۱۔۱۲، کتاب مالک ص ۴۳۸ شیخ ابوزھرۃ، ابن حنبل ص ۳۶۸ از شیخ ابو زھرہ صفة الفتوی والمفتی والمستفتی ص ۱۶ از، احمد بن حمد ان الحرانی الحنبلی، الفوائد المکیة فی ما یحتاجه طلبة الشافعية ص ۳۹۔

خلیل مالکیہ میں سے علامہ رافعی اور امام نووی شوافع میں سے، اور حنابلہ میں سے قاضی علاء الدین المرداوی جو منقح المذہب (مذہب کی چھان بین کرنے والے) کہلاتے ہیں اور ابوالخطاب محفوظ بن احمد الکلوذانی البغدادی (وفات ۵۱۰ھ) جو مجتہد فی المذہب کہلاتے ہیں، اسی طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۵۔ مجتہد الفتیا...... یہ وہ فقیہ ہوتے ہیں جو مذہب کو یاد رکھنے اور اسے نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور واضح اور مشکل مسائل میں اسے سمجھانے کا حکم بھی انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح قوی، قوی تر اور کمزور کے درمیان تمیز کرنے اور راجح اور مرجوح کے مابین فرق بیان کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ تاہم اپنے دلائل بیان کرنے میں اور قیاس کے عمل کو انجام دینے میں ان کے ہاں کمزوری پائی جاتی ہے، ان کی مثال جیسے متاخرین میں معتبر متون کے مصنفین مثلاً کنزالدقائق الدرالمختار، شرح الوقایہ اور مجمع الانہر کے مصنفین احناف میں سے اور رملی اور ابن حجر شوافع میں سے۔

٦۔ طبقۃ المقلدین...... وہ لوگ جو قوی اور ضعیف کے مابین فرق نہ کرسکیں اور کسی قسم کی تفصیل کا ادراک نہ کرسکتے ہوں۔

جمہور علماء نے تو مجتہد مقید اور مجتہد تخریج کے مابین کوئی فرق نہیں کیا ہے مگر علامہ ابن عابدین شامی نے مجتہد التخریج کو مجتہد مقید کے بعد چوتھے طبقے میں رکھا ہے اور اس طبقے کے لئے بطور مثال علامہ رازی بصاص وفات سنہ ۳۷۰ھ وغیرہ کو پیش کیا ہے۔ (اس طرح فقہاء کے سات طبقات ہوجائیں گے)۔

فقہ حنفی کی کتابوں کے درجات: احناف نے اپنے فقہاء کی کتابوں اور مسائل کو تین درجوں میں بانٹا ہے۔ ❶

ا: مسائل الاصول...... ان کو ظاہر الروایۃ بھی کہا جاتا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے منقول ہوں، اصحاب مذہب سے مراد امام ابوحنیفہ اور صاحبین ہیں ان میں امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہ دیگر تلامذہ امام بھی داخل ہیں لیکن زیادہ تر ظاہر الروایۃ سے ان تینوں (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے اقوال ہی مراد ہوتے ہیں۔

ظاہر الروایۃ کی کتابیں جو امام محمد نے تصنیف فرمائی ہیں وہ چھ کتابیں ہیں جو قابل اعتماد ہیں اور امام محمد سے قابل بھروسہ راویوں کے ذریعے تواتر یا شہرت کے ساتھ منقول ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

(۱) المبسوط ❷ (۲) الزیادات (۳) الجامع الصغیر (۴) الجامع الکبیر (۵) السیر الصغیر (٦) السیر الکبیر۔ ان کو ظاہر الروایۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ سے قابل اعتماد راویوں کے ذریعے منقول ہیں۔ یہ چھ کی چھ کتابیں امام ابوالفضل مروزی رحمہ اللہ نے جو حاکم شہید رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہیں، اور جن کی وفات سنہ ۳۴۴ ہجری میں ہوئی تھی، اپنی کتاب مختصر الکافی میں جمع کردی تھیں، اس کتاب کی شرح علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے المبسوط کے نام سے لکھی جو تیس اجزاء پر مشتمل ہے، اور مذہب کے حوالے کے لئے نہایت معتبر اور معتمد کتاب ہے۔

۲: مسائل النوادر...... یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے منقول ہوں لیکن اوپر بیان کردہ کتب میں نہیں بلکہ یا تو امام محمد رحمہ اللہ کی دوسری کتابوں میں جیسے الکیسانیات، الھارونیات، الجرجانیات، الرقیات، المخارج فی الحیل اور زیادۃ الزیادات۔ روایۃ ابن رستم یہ امام محمد کے املاء کرائے ہوئے فقہی مسائل ہیں جنہیں غیر ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ امام محمد رحمہ اللہ سے اتنی مضبوط اور قوی طور پر ثابت روایت سے نہیں نقل ہوئے جتنے مضبوط طور پر پہلی کتابیں نقل ہوئی تھیں۔

---

❶ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۶۴، رسم المفتی ص ۱٦۔ ❷ اس کتاب کو ''الاصل'' بھی کہتے ہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ کی سب سے طویل اور سب سے اہم کتاب ہے۔

مسائل النوادر کا اطلاق ان مسائل پر بھی ہوتا ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی کتابوں میں ہوں جیسے ''المحرر'' جو حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی کتاب ہے یا وہ کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔

امالی...... املاء کی جمع ہے، اور املاء اس تحریر کو کہا جاتا ہے جو کوئی عالم اور فقیہ اپنے طلبہ کو املا کرواتے تھے ان مسائل کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ ان کو سمجھایا کرتے تھے، سلف صالحین کے یہ معمول تھا مسائل النوادر کا اطلاق ان مسائل پر بھی کیا گیا ہے جو مفرد روایت سے ثابت ہوئے ہوں جیسے ابن سماعہ رحمہ اللہ، معلیٰ بن منصور رحمہ اللہ وغیرہ کی روایت کردہ مسائل، تاہم یہ چند معین اور مخصوص مسائل ہیں۔

۳: الواقعات والفتاوی:...... یہ وہ مسائل ہیں جو بعد کے مجتہدین نے پوچھے جانے والے سوالات کے جواب میں استنباط کئے اور اس بارے میں انہیں متقدمین اہل مذہب سے کوئی روایت نہ مل سکی ہو، ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد تھے، اس طرح ان کے شاگردوں کے شاگرد اور یہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں۔

امام ابو یوسف ومحمد رحمہا اللہ کے شاگردوں کی مثال جیسے عصام بن یوسف، ابن رستم محمد بن سماعۃ، ابو سلیمان الجرجانی اور ابو حفص البخاری رحمہم اللہ علیہم۔ ان کے بعد آنے والے جیسے محمد بن سلمۃ، محمد بن مقاتل، نصر بن یحییٰ اور ابو النصر القاسم بن سلام رحمہم اللہ علیہم یہ حضرات کبھی اصل مذہب کی مخالفت بھی کر لیتے ہیں ان دلائل کی بناء پر جو ان کے سامنے آئے وہ پہلی کتاب جس میں فتاویٰ جمع کئے گئے کتاب النوازل ہے جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تصنیف ہے، ان کے بعد کے لوگوں نے اور کتابیں بھی جمع کیں جیسے مجموع النوازل والواقعات جو ناطفی کی تصنیف ہے اور الواقعات جو الصدر الشہید کی تصنیف ہے۔

ان کے بعد کے حضرات نے بلا تفریق تمام مسائل ذکر کرنا شروع کر دئے ان میں کوئی تمیز نہیں رکھی کہ یہ ظاہر الروایۃ ہیں اور یہ نوادر وغیرہ۔ جیسے فتاویٰ قاضی خان اور الخلاصۃ وغیرہ میں طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ تاہم بعض نے اس فرق کے لحاظ کے ساتھ یہ کام کیا ہے جیسے ''المحیط'' میں جو رضا الدین السرخسی کی تصنیف ہے انہوں نے اولاً مسائل الاصول ذکر کئے پھر نوادر پھر فتاویٰ کا ذکر کیا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے بعد فقہ حنفی کی روایت اور تدوین کرنے والے لوگوں میں یہ حضرات مشہور ہوئے۔

۱...... عیسیٰ بن ابان (وفات سنہ ۲۲۰ھ)

۲...... محمد بن سماعۃ (وفات ۲۳۳ھ)

۳... ہلال بن یحییٰ الرائی البصری (وفات ۲۴۵ھ)

۴... احمد بن عمر بن مہیر الخصاف (وفات سنہ ۲۶۱ھ)

۵...... احمد بن محمد بن سلامۃ ابو جعفر الطحاوی (وفات سنہ ۳۲۱ھ)

چوتھی بحث فقہ اور مؤلفین کتب فقہ کی اصطلاحات

دوسرے علوم کی طرح فقہاء کرام کی بھی کچھ فقہی اصطلاحات [1] ہیں جو معروف ہیں اور مختلف فقہی مواقع پر آتی ہیں اور استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح فقہی مذہب کی کتابوں کی بھی بعض اصطلاحات ہیں جن سے مذہب کے راجح قول کے اختیار کرنے وغیرہ کے طریق کار کا تعین ہوتا ہے۔ اس کام کو ''رسم المفتی'' (مفتی کا نشان (علامت) کے نام سے جانا جاتا ہے) اس کا مطلب ہوتا ہے وہ علامت جو مفتی کو وہ

---

[1] اصطلاح کہتے ہیں کسی لفظ کے خاص متعین معنی کسی طبقے میں معرف ہونے کو۔ جیسے ایک مخصوص طریقہ کار اور اقوال وافعال پر مشتمل ہیئت پر لفظ صلاۃ کا اطلاق، جب کہ لغت میں اس کے معنی دعا کے ہیں۔

بتلائے جو اس کو فتوے میں بتانا ہے، علامہ ابن عابدین شامی کا اس بارے میں ایک رسالہ ہے جو رسم المفتی کے نام سے ہے یہ ان کے مشہور مسائل میں سے ایک رسالہ ہے۔

ا۔ عام فقہی اصطلاحات......اب چند ان عام فقہی اور اصولی اصطلاحات کا بیان کیا جائے گا جو مشہور و معروف ہیں یعنی فرض، واجب، مندوب، حرام، مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی اور مباح یہ علماء احناف میں سے اصولیوں کے ہاں حکم تکلیفی کی اقسام ہیں❶ اور واجب سے حکماً ملحق ہیں القضاء، اعادۂ رکن، شرط، سبب، مانع، صحیح، فاسد عزیمت اور رخصت، یہ حکم وضعی کی اقسام ہیں احناف میں سے علماء اصولیین کے ہاں۔❷

١: فرض:......اس چیز کو کہتے ہیں جسے شریعت نے لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو۔ ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی ہو اور اس میں بالکل بھی شبہ نہ ہو جیسے اسلام کے پانچوں ارکان جو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور سنت متواترہ یا سنت مشہورہ سے ثابت ہو جیسے نماز میں قرآن کی قراءت، اور اجماع سے ثابت ہو جیسے کھانے کی چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور نمک کی ایک دوسرے کے ذریعے ادھار خرید و فروخت اجماع کے ذریعے ناجائز ہے❸ فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کی بجا آوری لازم ہوتی ہے اور اس کے انجام دینے والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کے ترک کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

٢: واجب:......اس چیز کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی شریعت نے لازم کی ہو مگر اس کی دلیل ظنی اس میں شبہ ہو۔ جیسے صدقہ فطر، وتر اور عیدین کی نمازیں کیونکہ ان کا وجوب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل ہے خبر واحد (ایک راوی کی نقل کردہ حدیث) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ واجب کا حکم فرض کے حکم کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے۔

فرض اور واجب احناف کے علاوہ باقی سب کے ہاں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی بجا آوری شریعت نے لازم کی ہو۔

٣: مندوب یا سنت......اس چیز کو کہتے ہیں جس کی بجا آوری شریعت کو مطلوب ہو مگر اس کو لازم نہ کیا ہو۔ یا وہ چیز جس کا کرنے والا قابل تعریف ہو لیکن نہ کرنے والا قابل مذمت و ملامت نہ ہو مثلاً قرض کی دستاویز نویسی کر لینا یعنی لکھت پڑھت کر لینا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا باعث اجر و ثواب ہوتا ہے لیکن اس کا نہ کرنے والا قابل مذمت نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے نہ کرنے والے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ملامت اور عتاب کا امکان ہوتا ہے۔

احناف رحمہم اللہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں مندوب کو سنت، نفل، مستحب، تطوع، مرغوب احسان اور حسن بھی کہا جاتا ہے۔ حنفیہ نے مندوب کی دو قسمیں کی ہیں۔

مندوب مؤکد:......جیسے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی۔

---

❶......حکم تکلیفی کہتے ہیں مکلف شخص سے کسی کام کے کرنے یا اس سے رکنے یا کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے پر عمل درآمد کے مطالبہ کو۔ یعنی مکلف کو کسی کام کے انجام دینے یا اس سے رکنے یا اس میں اختیار دینے کا حکم جو ہوتا ہے وہ اس کے فعل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے فعل تکلیفی کہلاتا ہے، کیونکہ اس فعل میں ایک مطالبہ ہوتا ہے کام کے کرنے یا نہ کرنے کا یا اختیار دینے کا۔ ❷ حکم وضعی ایسے حکم کو کہتے ہیں جس میں ایک کام کو دوسرے کے لئے بطور شرط یا سبب یا مانع مان لینے کا یا اس کو صحیح یا فاسد سمجھنے کا یا عزیمت یا رخصت جان لینے کا۔ یعنی اس حکم میں کسی امر فعل کی حیثیت کا تعین از طرف شارع ہوتا ہے کہ یہ چیز شرط ہے یا سبب ہے وغیرہ اور اس کو وضعی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں امور کو اس طرح وضع کرنے (رکھنے) کا حکم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مربوط ہوں اور ان کا تعلق ایک خاص نوعیت کا ہو۔ جیسے سبب کا تعلق مسبب سے ورشرط کا تعلق مشروط سے ہوتا ہے (مثلاً وضو شرط ہے نماز کی تو وضو کی حیثیت شرط ہونے کا تعین حکم وضعی ہے اور نماز سے وضو کا ایک تعلق اسی حکم کے تحت ہے تو یہ حکم وضعی ہے) ❸ مراتب الاجماع لابن حزم، ص ٨٥

مندوب مشروع...... جیسے پیر اور جمعرات کا روزہ۔ اور مندوب۔

زائد:...... جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے چلنے پھرنے سونے جاگنے اور پہننے اوڑھنے میں اتباع کرنا۔ صاحب درمختار اور علامہ شامی کی رائے جمہور علماء کی رائے کی طرح یہ ہے کہ مندوب، مستحب، نفل اور تطوع میں کوئی فرق نہیں، ان کا چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ بعض مندوبات ایسے ہیں کہ جن کا چھوڑنا باعث کراہت ہوتا ہے۔❶

۴: حرام:...... وہ چیز جس کے چھوڑنے کا شارع نے بہت سختی اور تاکید سے مطالبہ کیا ہو، احناف کہتے ہیں حرام وہ ہے جس کے چھوڑنے کا مطالبہ ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔ جیسے قتل، شراب، زنا اور چوری کا حرام ہونا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے بچنا لازم ہے اس کے مرتکب کو سزا دی جائے گی۔ حرام کو معصیت، ذنب، قبیح مزجور عنہ (وہ جس سے روکا گیا ہو) اور متوعد علیہ (وعید کیا گیا کام) بھی کہا جاتا ہے۔ حرام کو حرام نہ سمجھنے والا کافر ہوتا ہے۔

۵: مکروہ تحریمی:...... یہ اصطلاح صرف احناف کے ہاں ہے اور اس کا مطلب ہے وہ چیز جس کے چھوڑنے کا شارع نے حتمی اور تاکید کے ساتھ حکم دیا ہو مگر اس کی قباحت دلیل ظنی سے ثابت ہو یعنی مثلاً خبر واحد سے ثابت ہو یا کچھ اور اس کی مثال جیسے دوسرے کے سودے پر سودا کرنا دوسرے کے پیغام نکاح پر پیغام دینا، اور مردوں کے لئے ریشم اور سونا پہننا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک کرنے پر ثواب اور اس کے ارتکاب پر گناہ ملتا ہے۔

اور مکروہ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے بلا کسی قید کے تو اس سے مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی حرام کے قریب تر ہوتا ہے تاہم اس کا منکر (اس کو مکروہ نہ ماننے والا) کافر نہیں ہوتا۔

۶: مکروہ تنزیہی:...... یہ اصطلاح بھی احناف کے ہاں ہے۔ اور یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کا چھوڑنا شارع کو مطلوب ہو مگر اس کا مطالبہ ترک بہت زیادہ سخت نہ ہو اور نہ ہی اس سے کسی سزا وغیرہ ملنے کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً گھوڑوں کے گوشت کا کھانا، کیونکہ یہ ماضی میں جہاد کی اہم ضرورت تھے، اسی طرح بلی کے جھوٹے چیر پھاڑ کر کھانے والے پرندوں کے جھوٹے سے وضو کرنا اور نماز سے قبل کی سنتیں ترک کرنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے والے کو ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے سزا کا نہیں۔

۷: مباح:...... وہ ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہو۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ اور اصول شریعت میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ اشیاء اصلاً مباح ہیں جب تک کہ کسی طرح کی ممانعت یا حرمت ان کے بارے میں نہ آئے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے پر نہ کوئی ثواب ہے نہ گناہ۔ الا یہ کہ کوئی مخصوص حالات پیدا ہو جائیں، جیسے مثلاً نہ کھانا مباح ہے مگر اگر نہ کھانے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس وقت کھانا واجب ہوگا اور نہ کھانا گناہ ہوگا کیونکہ جان کی حفاظت مقصود ہے جو کہ شرعاً لازمی چیز ہے۔

۸: سبب:...... سبب جمہور علماء اصول کے ہاں وہ چیز ہے جس کے ہونے پر حکم (مسبب) پایا جائے اس کی وجہ سے نہیں۔ خواہ یہ سبب عقل انسانی کے اعتبار سے حکم کے موافق ہو یا نہ ہو۔ موافق کی مثال نشہ آور ہونا شراب کے حرام ہونے کا سبب ہے کیونکہ شراب عقل کو برباد کرتی ہے اور سفر رمضان میں روزے چھوڑ دینے کے جواز کا سبب ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے سہولت حاصل ہوتی ہے اور مشقت سے نجات ملتی ہی۔ غیر موافق کی (یعنی جو ہماری انسانی عقلوں کے اعتبار سے غیر موافق ہو) مثال زوال شمس کا ظہر کے واجب کرنے کا سبب ہونا قرآن کی اس آیت کے مطابق أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (سورۃ الاسراء آیت ۷۸) نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے پر۔ ہماری عقلیں سورج کے

---

❶..... حاشیہ ابن عابدین ج ۱، ص ۱۱۵

ڈھلنے اور نماز کے واجب ہونے کے درمیان کوئی ظاہری مناسبت نہیں پاتی ہیں۔

۹: شرط اور رکن:......شرط کہتے ہیں اسے جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو مگر وہ اس چیز کی حقیقت و ماہیت میں سے نہ ہو۔ جیسے وضو نماز کے لئے شرط ہے اور نماز میں سے نہیں بلکہ ایک مستقل اور علیحدہ عمل ہے۔ اسی طرح گواہوں کا نکاح کے وقت حاضر ہونا شرط ہے، کیونکہ گواہوں کا حاضر ہونا نکاح کی حقیقت، و ماہیت میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح بیچے جانے والی چیز اور قیمت کا تعین عقد بیع میں شرط ہے بیع کے درست ہونے کے لئے کیونکہ یہ تعین عقد بیع کا حصہ نہیں ہے۔

رکن:......احناف کے ہاں وہ ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہو۔ جیسے رکوع نماز کا رکن ہے کیونکہ وہ نماز کا جز ہے۔ اس طرح دو آدمیوں میں ہونے والے معاملے میں ایجاب وقبول رکن ہے کیونکہ وہ عقد کا حصہ ہوتا ہے عقد اس سے مل کر ہی عقد (معاملہ کہلاتا ہے) احناف کے علاوہ باقی علماء کے ہاں رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود اساسی طور پر موقوف ہو اگر چہ وہ ماہیت سے خارج ہو۔

۱۰: مانع......مانع اس چیز کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے حکم کا رک جانا ضروری ہوتا ہے (یعنی جو حکم کے لاگو ہونے میں آڑ بن جاتا ہے) یا سبب باطل ہو جاتا ہے (یعنی جس کی وجہ سبب باطل ہو کر حکم کو لازم نہیں ہونے دیتا) پہلے کی مثال جیسے دین (قرض) زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہے احناف کے ہاں (یعنی دین (قرض) ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی یعنی وہ حکم (زکوٰۃ کا وجوب) لاگو ہونے میں آڑ بن جاتا ہے) دوسرے کی مثال باپ ہونا قصاص سے مانع ہے (یعنی قاتل اگر باپ ہو تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ قتل جو سبب ہے قصاص کا اسے اس کے باپ ہونے نے باطل کر دیا)۔

۱۱: صحت، فساد، بطلان.....صحت کہتے ہیں شریعت کے حکم کے موافق ہونے کو اور صحیح وہ ہے جس کے ارکان اور شرائط شرعیہ مکمل ہوں اور عبادات کی صحت کا مفہوم فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ وہ اس طرح ادا ہو کہ شریعت کا مطالبہ یا تقاضا جس طرح کا ہے وہ پورا ہو جائے اس طرح کہ اس کی قضاء بھی ذمہ میں نہ رہے۔ اور معاملات کی صحت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے جائز کردہ اثرات ان پر مرتب ہو جائیں، چنانچہ صحت عقد (دو افراد کے مابین ہونے والے معاملے کی صحت) سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر جو شریعت نے جائز رکھا ہے معاملے کرنے والے دونوں افراد کے لئے وہ اس پر مرتب ہو جائے چنانچہ مثلاً خرید و فروخت میں صحت یہ ہے کہ اس میں فائدہ اٹھانا (خریدار کے لئے چیز سے بیچنے والے کے لئے رقم سے) شرعاً درست ہو جائے۔ اور نکاح میں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونا شرعاً درست ہو جائے۔

عبادات کے بارے میں تو علماء کا اتفاق ہے کہ وہ یا تو صحیح ہوتی ہیں یا غیر صحیح، اور غیر صحیح میں باطل اور فاسد کے درمیان فرق نہیں (یعنی یہ فرق نہیں ہے کہ غیر صحیح یا باطل ہے یا فاسد) چنانچہ عبادات میں تقسیم دو رکنی ہے تمدنی معاملات میں احناف کے علاوہ باقی کے ہاں بھی یہ ہی تفصیل ہے فاسد اور باطل کا فرق نہیں۔ لیکن احناف کے ہاں تقسیم سہ رکنی ہے، ان کے ہاں غیر صحیح معاملہ یا تو باطل ہوگا یا فاسد غیر صحیح سے مراد ہے وہ معاملہ جو اپنی تمام شرائط وارکان پورے نہ کرتا ہو۔ احناف کا باطل وہ ہوتا ہے جس میں ایسا خلل واقع ہوا ہو جو اصل عقد یعنی اس بنیاد میں ہو۔ رکن ہو یا غیر رکن یعنی یا تو معاملے کے الفاظ وغیرہ میں ہو یا دونوں افراد میں ہو جو عقد کر رہے ہیں یا اس میں ہو جس پر عقد ہو رہا ہو اور اس پر کوئی اثر شرعی مرتب نہ ہو جیسے مثلاً بیع مجنون یا ایسے بچے سے صادر ہوئی ہو جو معاملات کی تمیز نہ رکھتا ہو (یعنی تقریباً سات سال سے کم کا ہو)۔ احناف کے ہاں فاسد وہ ہے کہ جس میں عقد کے اوصاف میں سے کسی وصف میں خلل واقع ہوا ہو ایسے کہ یا تو عقد کی شرائط میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو۔ اس کی ماہیت یا حقیقت میں نہ واقع ہوا ہو فاسد کے اوپر بعض اثرات مرتب ہوتے ہیں جب اس کے ارکان اور بنیادی عناصر موجود ہوں۔ مثلاً بیع (خریداری) ثمن مجہول (نامعلوم قیمت) کے ساتھ کرنا یا کسی شرط فاسد ساتھ لگا کر بیع کرنا جیسے یہ شرط لگا دینا کہ

بیچنے والا بیچنے کے بعد بھی ایک مخصوص مدت تک فروخت شدہ چیز سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ یا بغیر گواہوں کے نکاح کرنا۔ ان سب معاملات میں خلل اصل عقد یا اس کے بنیادی ارکان میں نہیں ہے بلکہ اس کے اوصاف میں سے ایک وصف میں ہے چنانچہ۔ ان معاملات کے فاسد ہونے کی وجہ سے ان پر بعض اثرات مرتب ہوں اور وہ یہ کہ بیع فاسد میں قبضہ ہو جانے کی صورت میں ملکیت خبیث ملکیہ ناقص ثابت ہوگی۔ اور نکاح فاسد میں مہر واجب ہوگا اور جدائی کے بعد عدت واجب ہوگی اور ہم بستری ہو جانے کی وجہ سے اولاد ہونے کی صورت میں نسب بھی ثابت ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بطلان یہ ہے کہ شریعت کے امر کی اس طرح مخالفت ہو جس کے نتیجے میں شریعت کے اجازت شدہ اثرات جو اس عبادت یا معاملے سے عادتاً مقصود ہوتے ہیں وہ اس پر مرتب نہ ہوں، اور معاملات میں بطلان سے مقصود یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تصرفات میں ایسی مخالفت کا ارتکاب جو شرعی تشکیل شدہ نظام کے خلاف ہو اور جوہری جہت سے یہ مخالفت ہوئی ہو اور جوہری جہت سے مراد ہے، اس کی بنیادی اور اساسی حیثیت سے مخالفت۔

اور فساد یہ ہے کہ تصرفات میں ایسی مخالفت کا ارتکاب جو شرعی تشکیل شدہ نظام کے خلاف ہے ہوتا ہم یہ مخالفت فرعی اور ایسی جہت سے واقع ہوئی ہو جو عقد کو مکمل کرنے کی جہت تھی جس کے نتیجے میں اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہو گیا۔ اس مخالفت کا ارتکاب عقد کو صحت اور بطلان کے بیچوں بیچ ایک معلق کیفیت سے متصف کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ نہ تو باطل کہلاتی ہے کیونکہ اس کے جوھری اور اساسی ارکان موجود ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس طور پر صحیح ہوتی کہ وہ مکمل اور قابل اہمیت ہو۔ کیونکہ اس کی ایک فرعی جہت کے اندر خلل واقع ہو گیا ہوتا ہے نہ کہ اساسی اور بنیادی جہت میں۔

اور فساد کے چار اسباب ہوتے ہیں۔

۱..... جہالت (ناواقفیت، مجہول الکیفیۃ ہونا)

۲..... غرر دھوکہ

۳ زبردستی ❶

۴ کوئی ممنوع اور فاسد شرط کا ساتھ لگا ہونا۔

۱۲: الاداء، القضاء، الاعادۃ..... ان تینوں امور ادا، قضا اور اعادہ (لوٹانا) پر بحث عام طور پر اس واجب کے ذیل میں کی جاتی ہے جو ''واجب موسع'' ہو، واجب موسع کا مطلب ہے وہ واجب جس کا وقت اس کے لیے اور اس کے ہم جنس واجب کی ادائیگی کے لئے وسعت رکھتا ہو۔ جیسے فرض نمازوں کے اوقات کہ ان میں ہر نماز کا وقت اتنا ہوتا ہے کہ اس میں وہ نماز اور دیگر نماز (نوافل وغیرہ) کی ادائیگی کی جا سکے۔ ❷

---

❶ جہالت کی چار قسمیں ہیں یا تو جہالت معقود علیہ (وہ چیز جس پر عقد ہوا ہے) میں ہوگی یا عوض میں یا مقررہ وقت میں یا ان وسائل میں ہوگی جو توثیق کے لئے ہوں اور عقد میں شرط ہوں مثلاً کفالت اور رہن یعنی کفالۃ اور رہن کسی دوسرے معاملے میں اعتماد اور بھروسے کے لئے ہوتے ہیں تو جس معاملے میں رہن یا کفالت کے معاملات بھی شامل ہوں وہ معاملہ خود تو صحیح ہو مگر یہ دونوں فاسد ہوں تو وہ معاملہ بھی فاسد ہوگا۔ غرر کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کی بنیاد ایک ایسے امر موہوم پر ہو جو نا قابل اعتبار ہو اس کی دو نوعیت ہیں: اصل معقود علیہ میں ہو جیسے ماں کے پیٹ میں موجود حمل کی خرید و فروخت۔ ❷ یا یہ غرر عقد کے اوصاف اور مقدار میں ہو جیسے بکری کے تھن میں موجود دودھ کی ایک معین مقدار بتانا تو یہ اس مقدار میں غرر ہے اور اکراہ کہتے ہیں کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس کو وہ ناپسند کرے اور خود کبھی انجام نہ دے اگر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے ''المدخل الفقہی'' استاذ مصطفیٰ زرقاء، ف ۳۷۱-۳۷۶)

❷ عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جن کا وقت ان کی ادائیگی کے لئے درکار وقت سے بڑا ہوتا ہے جیسے نمازیں دوسری وہ جن کا وقت اتنا ہوتا ہے کہ وہ عبادت اس مکمل وقت میں ادا ہوتی ہے جیسے روزہ اس کا وقت طلوع فجر سے غروب شمس ہے اور یہ عبادت اس پورے وقت ہی میں ادا ہوتی ہے۔

اداء...... کہتے ہیں واجب فعل کو اس کے اس مقرر وقت میں ادا کرنا جو اس کے لئے شریعت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

اعادہ:...... کہتے ہیں واجب کو دوسری مرتبہ وقت میں ادا کرنا جیسے نماز کو جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنا۔

قضاء...... کہتے ہیں واجب کو وقت گزرنے کے بعد ادا کرنا۔ فرض نماز کی قضاء واجب ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی نہ کر سکے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ پڑھ لے اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں۔ بھول جانے اور سو جانے والے پر قیاس کرتے ہوئے نماز کو سستی سے یا جان بوجھ کر بلا عذر شرعی چھوڑنے والے پر بطریق اولیٰ نماز کی قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ نماز بدستور اس کے ذمے باقی ہے اور ادائیگی کے بغیر یہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

۲...... مذاہب کی خاص اصطلاحات

مختلف فقہی مذاہب کی کچھ خاص اصطلاحات بھی جو ظاہر ہے اختصار کی خاطر اور تطویل سے بچنے کے لئے وضع کی گئیں۔ ساتھ یہ بھی مقصود تھا کہ مختلف اقوال میں سے راجح اور مستند قول کو ایک اشارے سے سمجھا جا سکے۔ ذیل میں کچھ ایسی اصطلاحات کا بیان ہے۔

مذہب حنفی کی اصطلاحات:

۱۔ ظاہر الروایۃ:...... عام طور پر اس سے مراد جیسا کہ پہلے گزرا ائمہ ثلاثہ حنیفہ کا راجح قول ہوتا ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ علیہم۔

۲۔ الامام:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مراد ہوتے ہیں۔ الشیخان: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ۔ الطرفان: امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ۔ الصاحبان: امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ۔

الثانی: امام ابو یوسف رحمہ اللہ، الثالث: امام محمد رحمہ اللہ۔ لہ کا لفظ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور "لهما" "عندهما" یا "مذهبهما" کے الفاظ کے صاحبین کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ احناف کے "اصحابنا" کے لفظ سے عام طور پر تینوں امام ابوحنیفہ، ابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ علیہم مراد ہوتے ہیں۔ اور لفظ المشائخ سے مراد وہ فقہاء ہوتے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زمانہ نہیں پایا۔

۳۔ فتویٰ:...... جن مسائل میں تینوں کا اتفاق ہو یقینی طور پر فتویٰ اسی قول پر ہوگا اگر ان تینوں حضرات میں اختلاف ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہوگا علی الاطلاق خاص طور پر عبادات کے بارے میں اور صاحبین رحمہما اللہ یا دونوں میں سے کسی ایک کے قول کو بلا کسی سبب کے ترجیح نہیں دی جائے گی، وہ سبب علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کے مطابق یا تو امام کی دلیل کا ضعف ہوگا یا ضرورت اور تعامل ہوگا جیسے صاحبین رحمہم اللہ کے قول کو مزارعت اور مساقاۃ میں ترجیح دی گئی ہے اور یا زمانے کا اختلاف سبب ہوگا صاحبین رحمہ اللہ کے قول کی ترجیح کا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی ہوگا قضا، شہادت اور میراث کے احکام میں کیونکہ ان کا تجربہ اس بارے میں زیادہ تھا۔ جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہوگا ذوی الارحام کے معاملات کے بارے میں، اور امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے سترہ مسائل میں۔ [1]

[1] ...... رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۔ ۷۰ ج ۵ ص ۳۱۴، رسالۃ المفتی ج ۱ ص ۳۵ (مجموعہ رسائل)

۴: **کسی مسئلے میں امام صاحب کی رائے نہ ملے:**......اس صورت میں پہلے امام ابویوسف، پھرامام محمد پھرامام زفر پھرامام حسن بن زیاد رحمہم اللہ علیہم، کے قول پر علی الترتیب فتویٰ دیا جائے گا۔

۵......اگر کسی مسئلے میں قیاس و استحسان دونوں جمع ہوں تو عمل استحسان پر ہوگا سوائے چند گنے چنے مشہور مسائل ہیں اور وہ بائیس مسائل ہیں۔

اگر مسئلہ ظاہر الروایہ میں نہ ملے اور دوسری روایت میں مل جائے تو اس صورت میں اسی کو اپنانا لازم ہوگا۔ اور اگر امام صاحب سے مختلف روایتیں منقول ہوں یا ان سے اور ان کے اصحاب سے اصلاً روایت منقول ہی نہ ہو تو پہلی صورت میں جس کی دلیل قوی ہو وہ اختیار کیا جائے گا۔ دوسری صورت میں متاخرین مشائخ جس پر متفق ہوں وہ لیا جائے گا۔ اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو اکثر کے قول کو لیا جائے گا۔ اگر ان سے بھی کوئی قول اس بارے میں منقول نہ ہو تو مفتی کو چاہئے کہ وہ مسئلے میں خوب غور وخوض اور فکر وتدبر سے کام لے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے صحیح بات کہہ سکے، ایسے ہی اٹکل پچو مارنے سے گریز کرے، اللہ سے ڈرے اور اس کا خوف پیش نظر رکھے کیونکہ فتوے کے بارے میں بے باکی اور دلیری سے کام لینا وہ بھی بغیر کسی دلیل بڑا ہی خطرناک کام ہے اس کی جرأت کرنے والا بڑا جاہل اور بدبخت ہی ہو سکتا ہے۔

۶......جب صحیح اور مفتی بہ قرار دینے میں تعارض ہو مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ الصیح کذا والمفتی بہ کذ(صحیح قول یہ ہے اور مفتی بہ قول یہ ہے) تو ایسی صورت میں عمل اس قول پر ہوگا جو متون کے مطابق ہو۔ اگر متون سے موافقت نہ پتہ چلے تو مفتی بہ قول لیا جائے گا۔ کیونکہ فتویٰ اس پر ہے کا لفظ 'صحیح اصح' اور 'اشبہ' کے لفظ سے زیادہ قوی لفظ ہے، اور جب ایک مسئلے میں دو اقوال ملتے ہوں جن دونوں کی صحت کتابوں میں مذکور ہو تو فتویٰ اور فیصلہ (عدالتی فیصلہ) دونوں میں سے کسی ایک پر کرنا درست ہے۔ ان دونوں قولوں میں سے اس قول کو زیادہ ترجیح دی جائے گی جو زمانے، عرف کے زیادہ مناسب ہو یا وقف اور فقراء کے لئے زیادہ مناسب ہو۔ یا یہ ہو کہ اس کی دلیل زیادہ واضح اور ظاہر ہو کیونکہ ترجیح دلیل کے قوی ہونے کی بناء پر ہی ہوتی ہے۔ ''بہ یفتی'' کا لفظ 'الفتویٰ علیہ' کے لفظ سے زیادہ قوی ہے کیونکہ پہلے لفظ سے حصر کے معنی مفہوم ہوتے ہیں لفظ 'اصح صحیح' سے اور لفظ احوط لفظ الاحتیاط سے زیادہ قوی ہیں۔

۷......'متون' کے لفظ کا اطلاق احناف'' کے ہاں ان کی اہم کتابوں پر کیا جاتا ہے مثلاً قدوری، ہدایۃ، نقایہ، المختار، الوقایۃ، الکنز اور الملتقی کیونکہ ان کتب کی تالیف کا مقصد ظاہر الروایۃ اور معتمد اقوال کا بیان کرنا تھا۔

۸......ضعیف روایت پر عمل کرنا درست نہیں خواہ اپنے حق میں ہی کیوں نہ ہو اس حکم میں قاضی یا مفتی کی کوئی تفریق نہیں دونوں کے لئے یہ درست نہیں ویسے مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ مفتی حکم شرعی کی خبر دینے والا ہوتا ہے اور قاضی حکم شرعی کو لازم کرنے والا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''اگر حدیث کا درجہ صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے یہ بات دوسرے ائمہ مذاہب سے بھی منقول ہے۔'' [1] تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ ضعیف قول پر فتویٰ اس وقت دیا جا سکتا ہے جب کوئی ضرورت یا حاجت در پیش ہو۔ یہ اس لئے کہ لوگوں سے آسانی اور سہولت کا معاملہ ہو۔

۹......اور مذہب کے احکام کو ملا کر نکالا جانے والا حکم احناف'' کے ہاں باطل ہے۔ اسی طرح تقلید پر عمل ہونے کے بعد کسی عمل میں تقلید سے رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مثلاً ظہر کی نماز حنفی اصولوں کے مطابق چوتھائی سر کا مسح کر کے پڑھنے والے کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنی نماز کو اس لیے توڑ دے کہ مذہب مالکی میں پورے سر کا مسح لازمی ہے اور وہ اس پر عمل درآمد کرنا چاہتا ہو۔ بعض احناف نے تقلید بعد العمل

---

[1]......میزان شعرانی ج ۱ ص ۴ ۵۔ ۶۳، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۶۰۔ ۲۷۴، محی الدین عبدالحمید

(عمل کرنے کے بعد تقلید کرنا) کی اجازت دی ہے جب کسی نے نماز پڑھی یہ سمجھتے ہوئے کہ نماز درست ہوگئی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ایسی بات ہوگئی ہے جس کی وجہ سے نماز درست نہیں ہوئی۔ تاہم دوسرے مذہب کے مطابق نماز درست ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں اس مذہب کی تقلید کرتے ہوئے وہ اگر اپنی نماز کو درست سمجھے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، جیسا کہ فتاوی بزازیہ میں منقول ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کسی حمام میں غسل کر کے جمعہ ادا کیا پھر ان کو معلوم ہوا کہ اس حمام میں جس کنویں سے پانی آتا ہے اس میں مرا ہوا چوہا نکلا ہے تو انہوں نے فرمایا ہم اپنے مدینے کے دوست علماء کی بات پر عمل کر لیتے ہیں جن کے مطابق پانی کی مقدار اگر دو قلے (قلہ: بڑا مٹکا) کے برابر ہو (یعنی ۲۰۷ لیٹر) وہ نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

۱۰۔ بعض احناف نے اجازت دی ہے کہ اگر مقلد قاضی دوسرے کے مذہب یا روایت ضعیفہ، یا قول ضعیف کے مطابق فیصلہ دے دے تو وہ نافذ ہو جائے گا۔ دوسرے قاضی وغیرہ کے لئے محض اس بنیاد پر اسے توڑنا یا غلط قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

۱۱۔ علامہ ابن عابدین شامی (وفات ۱۲۵۲ھ) جو شام کے بہت بڑے عالم تھے ان کا 'الدر المختار' پر حاشیہ جو 'رد المحتار علی الدر المختار' کے نام سے مشہور ہے مذہب حنفی میں تحقیقات اور ترجیحات کے بارے میں کلام حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب مالکی کی اصطلاحات:

مذہب مالکی بھی دیگر مذاہب کی طرح کثرت اقوال و آراء کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے، لوگوں کی مصلحتیں اور ان کے مختلف عرف اور سماجی حالات کے پیش نظر۔ مفتی (جو صحیح معنوں میں مفتی ہو ان اوصاف کے مطابق جو پہلے گذر چکے ہیں) مسئلہ کے بارے میں اس راجح رائے کا فتوی دے جو فائدے پر مبنی ہو۔ اور غیر مبنی جس میں اجتہاد کی شرائط نہ پائی جائیں، صرف وہ قول اختیار کرے جو متفق علیہ ہو یا مشہور ہو یا وہ قول ہو جسے متقدمین نے ترجیح دی ہو۔ اگر قول کے راجح ہونے کا علم نہ ہو تو وہ زیادہ سخت قول کو ترجیح دے جیسا کہ شیخ علیش (وفات سنہ ۱۲۹۹ھ) کی رائے ہے۔ کیونکہ احتیاط ایسے ہی قول کے اختیار کرنے میں ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سب سے نرم اور آسان قول اختیار کرے کیونکہ یہ شریعت کے مزاج کے زیادہ موافق بات ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسان دین کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ تو اس مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے قول اختیار کرے، کیونکہ انسان کو مکلف اسی بات کا بنایا گیا ہے جس کو سہار سکے۔

۱۔ بعض مالکی حضرات نے کتب مالکیہ اور مشائخ کے اقوال اور آراء میں ترجیح کے اسلوب کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے کہ مدونہ میں مذکور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ابن القاسم رحمہ اللہ کے اس میں مذکور قول کے مقابلے میں راجح ہوگا۔ کیونکہ صاحب مذہب وہی ہیں۔ اور اس میں مذکور ابن القاسم رحمہ اللہ کا قول دوسروں کے مقابلے میں زیادہ راجح ہوگا، کیونکہ وہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب سے زیادہ واقف ہیں بہ نسبت دوسروں کے۔ تاہم ابن القاسم کے علاوہ دوسروں کے اقوال جو مدونہ میں مذکور ہوں وہ ابن القاسم کے ان اقوال کے مقابلے میں راجح ہوں گے جو دوسری کتابوں میں منقول ہیں، کیونکہ مدونہ زیادہ اصح کتاب شمار ہوتی ہے۔ اور اگر مدونہ میں قول مذکور نہ ہو تو متقدمین کے اقوال لئے جائیں گے۔

۲۔ جب "المذہب" بولا جائے تو اس سے مذہب مالکی مراد ہوگا، اور جب "المشہور" بولا جائے تو اس سے مراد ہوگا مالکی مذہب کا مشہور قول۔ اور اس لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی ہوتا ہے کہ اس بارے میں مذہب میں اختلاف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ المشہور سے وہ قول مراد ہوتا ہے جس کے قائل زیادہ ہوں۔

۳۔ جب یہ الفاظ کہے جائیں "قیل کذا" یا "اختلف فی کذا" یا "فی کذا قولان فاکثر" تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے مذہب مالکی میں۔

۴..... جب یہ لفظ بولا جائے ’’روایتان‘‘ (دو روایتیں ہیں) تو اس کا مطلب ہوتا ہے امام مالک رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں مالکی مذہب کے مصنفین کی رائے یہ ہے کہ فتویٰ قول مشہور یا مذہب کے قول راجح پر ہوگا شاذ اور مرجوح (یعنی ضعیف) اقوال پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور انسان اپنے بارے میں بھی اس پر عمل نہیں کر سکتا، بلکہ اپنے بارے میں دوسرے کی رائے پر عمل کرے گا کیونکہ دوسرے کا قول کسی کے بارے میں اس کے اپنے قول کے مقابلے میں زیادہ مستند اور قابل عمل ہوتا ہے۔ ❶

۵..... ایک عبادت کے دو مختلف مذہب کے اقوال پر عمل کرنے کے بارے میں دو رائے منقول ہیں۔

ا۔ یہ عمل ممنوع ہے یہ مصری حضرات کا طریقہ کار ہے۔

۲۔ دوسری رائے اور طریقہ کار جواز کا ہے۔ یہ اہل مغرب کا طریقہ کار ہے اور اس کو ترجیح حاصل ہے۔ علامہ دسوقی رحمہ اللہ اپنے مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بات میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے۔ ❷

۶..... علامہ شیخ خلیل (وفات ۷۶۷ھ) کی تحریر کردہ کتاب ’’مختصر خلیل‘‘ اور اس کے شرح کرنے والے اکثر شارحین کا مکتب فکر مالکیہ کے ہاں اقوال و روایات کے نقل کرنے اور ان میں سے راجح قول ذکر کرنے کے بارے میں مستند اور قابل بھروسہ ہے۔ ❸

مذہب شافعی کی اصطلاحات:

امام شافعی رحمہ اللہ سے دس سے زائد مسائل میں دو اور دو سے زائد قول نقل کئے گئے ہیں، جیسے خرید وفروخت میں ’’خیار رؤیت‘‘ (فروخت شدہ چیز کے دیکھنے پر خرید وفروخت کو موقوف رکھنے کا اختیار) کے بارے میں دو قول منقول ہیں ایک اس کے جائز ہونے کا۔ اور دوسرا ناجائز ہونے کا جس میں انہوں نے پہلے قول سے رجوع کیا تھا، اسی طرح مقروض پر جو اپنے پاس موجود مال کے برابر مقروض ہو زکوٰۃ کے واجب ہونے کا قول، اسی طرح مفلس (دیوالیہ قرار دیئے گئے شخص) کا کسی شخص کے لئے قرض کا اقرار کا معاملہ کہ کیا وہ شخص جس کے قرض کا اعتراف اس نے خود کیا وہ دیگر قرض خواہوں میں شامل ہوگا یا نہیں اور اس طرح یہ مسئلہ کہ شوہر اگر بیوی کو دھوکہ دے تو کیا حکم ہے مثلاً شوہر بیوی کو اپنا نسب وغیرہ غلط بتادے تو کیا اس صورت میں بیوی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یا نکاح ہی باطل ہوگا۔

وغیرہ ... ان جیسے مسائل نے بعض طعنہ زن لوگوں کو امام شافعی رحمہ اللہ کے دو اقوال اختیار کرنے کے عمل کو ان پر طعنہ زنی اور ان کے بارے میں ہجوگوئی کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ یہ لوگ ان کے اجتہاد پر طعن وتشنیع اور ان کے علم کے ناقص ہونے کی باتیں کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قیاس اور دلائل کے تعارض اور باہم دیگر متصادم ہونے کی وجہ سے دو قول یا زائد اختیار کرنا نقص علمی کی دلیل ہرگز نہیں بلکہ یہ تو زیادتی ہے۔

عقل کی دلیل ہے کہ رائے رکھنے والا گمان کی جگہ یقینی بات نہیں کر دیتا ہے، اسی طرح یہ فعل حق اور سچائی کی تلاش کے اندر کمال اخلاص کی بھی دلیل ہے کہ قائل اس وقت تک قطعی حکم نہیں لگاتا جب تک اس کے پاس ترجیح کے اسباب جمع نہیں ہو جاتے، اور جب تک ترجیح کے اسباب اکٹھے نہیں ہوتے وہ شخص تردد میں رہتا ہے۔ ❹

مفتی پر لازم ہے کہ اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول مروی ہوں تو متقدمین علماء کی رائے کو اختیار کرے ❺ ورنہ توقف کرے جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور اگر مسئلہ ایسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب اور شاگردوں کے ہاں اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں یا

---

❶ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ج ۱ ص ۲۰، ❷ ایضاً۔ حاشیہ گذشتہ ❸ مالکیہ کے ہاں فتوے پر اجرت لینا درست ہے اگر متعین نہ ہو۔ ❹ الشافعی، شیخ ابو زھرہ، ص ۱۷۲۔ ❺ مجتہد اس کو ترجیح دیتے ہیں جسے امام شافعی نے خود ترجیح دی ہو، اگر ترجیح نہ پائی جائے تو بعد والے قول کو پچھلے قول پر ترجیح دیتے ہیں اور اگر بعد کا پتہ نہ چل سکے، جو کہ بہت کم ہوتا ہے تو اس کو ترجیح دیتے ہیں جو امام شافعی کے اصولوں کے قریب ہو۔

ایسا ہے کہ مختلف طریقوں سے مختلف انداز میں منقول ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ اس قول کو اختیار کرے جسے متقدمین مجتہدین نے اختیار کیا ہو۔ اور اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ مسئلہ جسے اکثریت نے اختیار کیا ہوگا وہ قابل ترجیح ہوگا، بصورت دیگر وہ مسئلہ قابل ترجیح ہوگا جسے زیادہ بڑے عالم نے اختیار کیا ہوگا، اگر ایسا بھی نہ ہو تو وہ قابل ترجیح ہوگا جسے زیادہ متقی شخص نے اختیار کیا ہوگا۔ اگر ترجیح نہ ملے تو وہ قول مقدم ہوگا جسے بویطی، ربیع المرادی اور مزنی، شاگردان شافعی رحمہم اللہ علیہم نے اختیار کیا ہو ① اور علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف الندوی (وفات ۶۷۶ھ) کو واقعی طور پر ''محرر المذہب شافعی'' سمجھا جاتا ہے یعنی مذہب کی تنقیح کاٹ چھانٹ کرنے والے راجح قول بیان کرنے والے سمجھے جاتے ہیں اور یہ عمل انہوں نے اپنی کتاب 'منہاج الطالبین وعمدۃ المتقین' میں انجام دیا ہے، یہ کتاب شوافع کی مستند ہے حتیٰ کہ امام نووی رحمہ اللہ کی دیگر کتب کے مقابلے میں یہ زیادہ معتبر و مستند ہے جیسے الروضہ وغیرہ۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تصنیف میں علامہ ابوالقاسم الرافعی رحمہ اللہ (وفات سنہ ۶۲۳ھ) کی کتاب المحرر کا اسلوب اپنایا۔ بعد میں شیخ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے ''المنہاج'' کی تلخیص کی اور اسے ''المنہج'' کا نام دیا۔ مذہب شافعی میں فتویٰ اس قول پر ہوتا ہے جو علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ نے المنہاج میں اختیار کیا اور جو علامہ رملی رحمہ اللہ کی کتاب ''نہایۃ المحتاج'' کی شرح میں اور ابن حجر کی ''تحفۃ المحتاج'' میں ذکر کیا گیا ہو۔ اس کے بعد درجہ ہے علامہ شیخ زکریا رحمہ اللہ کی رائے کا۔

آگے علامہ نووی رحمہ اللہ کے اقوال نقل کرنے اور اصحاب (شاگرد) کی بیان کردہ وجوہات اور آراء کے بیان کرنے اور ان میں ترجیح دینے کا طریقہ کار ذکر کیا جاتا ہے یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ اپنی وضع کردہ اصطلاحات کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کی آراء کو اقوال ان کے اصحاب (تلامذہ) کی آراء کو وجوہ اور مذہب شافعی کے ناقلین کے مابین واقع اختلاف کو طرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اختلافات تین قسم کے ہوئے۔

ا۔ الاقوال:.......وہ جو امام شافعی رحمہ اللہ سے منسوب ہوں۔

۲۔ الوجہ......وہ آراء اور اقوال جو مذہب شافعی کے فقہاء نے مذہب کے اصول وقواعد کو پیش نظر رکھ کر استنباط کئے ہوں۔

۳۔ الطرق......راویوں کا مذہب نقل کرنے میں اختلاف۔ ②

۱: الاظہر......(زیادہ واضح وظاہر) یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کے دو یا زائد اقوال میں زیادہ واضح قول، ان اقوال میں سے جن میں قوی اختلاف ہو۔ اس کے مقابلے میں ظاہر کا لفظ ہے ایک مسئلے کو ظاہر اور دوسرے کو اظہر اس لئے کہتے ہیں کہ ہر مسئلے کا مدرک مضبوط ہوتا ہے۔ ③

۲: المشہور......یعنی امام شافعیؒ کے دو یا زائد اقوال میں سے مشہور قول، وہ اقوال جن میں اختلاف قوی نہ ہو اس کے مقابلے میں غریب کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیونکہ دوسرے مسئلے کا مدرک ضعیف ہوتا ہے۔

چنانچہ اظہر اور مشہور دونوں امام شافعیؒ کے قول ہیں۔

۳: الاصح......(زیادہ صحیح) یعنی دو یا زائد وجوہ جنہیں اصحاب نے امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کیا ہو ان کے اصول وضوابط کی بنیاد پر یا ان کے قواعد سے مستنبط کیا ہو میں سے زیادہ صحیح اگر ان وجوہات کے مابین اختلاف بھی قوی ہو اصح کے مقابلے میں صحیح آتا ہے۔

۴: الصحیح......دو یا دو زائد وجوہ میں سے صحیح وہ ہے جہاں دو وجوہ میں اختلاف قوی نہ ہو اس کے مقابلے میں ضعیف ہوتا ہے کیونکہ اس کا

---

① ...... الشافعی، شیخ ابحذ هر، ص ۳۶۸ھ ② الشافعی: ص ۳۶۱، الفوائد المکیة فیمایحتاجه علیه الشافعیه ص ۳۵۔ ③ اس کے اور آنے والی دیگر باتوں کے لئے ملاحظہ کیجئے کتاب المنہاج للنووی کا مقدمہ۔

مدرک فاسد ہوتا ہے۔

چنانچہ اصح اور صحیح دونوں کا تعلق اصحاب کے اقوال جنہیں وجوہ کہا جاتا ہے۔

۵:المذہب......دو یا زائد طرق میں سے مذہب، یعنی اصحاب کے مذہب نقل کرنے میں واقع اختلاف میں سے مذہب۔ جیسے کوئی ایک مسئلے کے بارے میں دو قول نقل کردے یا متقدمین کی دو رائیں (وجوہ) ذکر کردے جن میں ایک رائے کسی نے زیادہ قطعیت سے بیان کی ہو۔ لیکن بہر حال کبھی تو وہ قطعی بات راجح ہوتی ہے اور کبھی دوسرا قول جو قطعی نہیں، راجح ہوتا ہے۔ اور اس کو لفظ المذہب سے تعبیر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جس بات پر فتویٰ ہے وہ وہ بات ہے جسے لفظ المذہب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۶:النص......یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا نص (براہ راست ذکر کردہ بات)، اس کے مقابلے میں وجہ ضعیف (کمزور قول) یا قول مخرج ہوتا ہے، اور ہر دونوں صورتوں میں فتویٰ کبھی نص کے علاوہ وجہ ضعیف یا المخرج پر بھی دیا جاتا ہے۔

۷:الجدید......یہ بمقابلہ مذہب قدیم کے بولا جاتا ہے قول جدید اسے کہتے ہیں جو امام شافعی رحمہ اللہ نے مصر میں فتویٰ یا تصنیف میں اختیار کیا ہو۔ قول جدید کے نقل کرنے والوں میں بویطی، مزنی، ربیع المرادی، حرملۃ، یونس بن الاعلی، عبداللہ بن زبیر المکی اور محمد بن عبداللہ بن الحکم رحمہم اللہ علیہم وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں سے پہلے تین حضرات ہی اصل ہیں جن کے سر پر اس کام کے انجام دینے کا سہرا ہے، باقی حضرات سے محدود اقوال منقول ہیں۔

۸:القدیم......وہ قول جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے عراق میں اپنی کتاب الحجۃ کی تصنیف کے دوران اختیار کیا تھا یا اس کا فتویٰ دیا تھا۔ ایسے اقوال روایت کرنے والی پوری جماعت ہے جن میں سے مشہور یہ ہیں: (۱) امام احمد بن حنبل (۲) الزعفرانی (۳) الکرابیسی (۴) ابوثور رحمہم اللہ علیہم۔

ان اقوال سے امام شافعی رحمہ اللہ نے رجوع کر لیا تھا۔ اور وہ ان اقوال پر فتویٰ دینے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اصحاب شافعی نے سترہ مسائل میں قول قدیم پر فتوی دیا ہے۔ اور وہ قول جو عراق اور مصر کے مابین اختیار کئے تو جو متاخر قول ہے وہ قول جدید ہے اور جو مقدم قول ہے وہ قول قدیم ہے۔ اور اگر کسی مسئلے میں قول قدیم اور جدید دونوں ہوں تو قول جدید پر فتویٰ دیا جائے گا سوائے تھوڑے سے مسائل کے جو تقریباً سترہ ہیں ان میں قول قدیم پر فتویٰ دیا جائے گا۔❶

۹......دو قول جدید اگر کسی مسئلے کے بارے میں ہوں تو بعد والے قول کو اختیار کیا جائے گا اگر پتہ چل سکے اگر نہ پتہ چل سکے اور کسی ایک پر امام شافعی رحمہ اللہ کا عمل ہو تو یہ خود بخود دوسرے کے کالعدم کرنے یا دوسرے پر اس کو ترجیح دینے کا سبب بن جائے گا۔ اور قیل کا لفظ کمزور قول کا پتہ دیتا ہے اور صحیح یا الاصح کا لفظ اس کے مخالف مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

---

❶......تخریج کا مفہوم یہ ہے کہ دو ایک جیسی صورتوں کے امام شافعی رحمہ اللہ نے دو الگ الگ حکم بتائے ہوں اور دونوں حکموں کے الگ لوگ ہونے کا بظاہر کوئی سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ تو اصحاب بعد میں دونوں حکم دونوں صورتوں کے لئے ثابت کر دیتے ہیں تو ہر صورت کے بارے میں دو قول ہو جاتے ہیں۔ ۱۔ منصوص (وہ قول جو اس صورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا) ۲۔ مخرج (وہ قول جو اصحاب نے اس صورت کے بارے میں اختیار کیا ہو جو دراصل اس سے ملتی جلتی صورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا) چنانچہ ایک مسئلے کا منصوص قول دوسرے کا مخرج قول ہوتا ہے اور دوسرے منصوص پہلے کا مخرج ہوتا ہے اور ایسی صورتحال میں یہ کہا جاتا ہے فیھما قولان بالنقل والتخریج (ان کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں جو نص اور تخریج سے نکلتے ہیں اور صحیح تر بات یہ ہے کہ قول مخرج امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں ہوگا کیونکہ بسا اوقات اس قول کے بارے میں رجوع کر لیا جاتا ہے اور فرق بیان کر دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دونوں مسئلے بظاہر ایک ہیں لیکن دونوں میں فرق ہیں۔

''الشیخان'' سے مراد امام رافعی اور نووی رحمہما اللہ ہیں۔

۱۰.....علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مذہب میں وجہ ضعیف پر عمل درست نہیں۔ اور کسی مسئلے میں تلفیق ممنوع ہے جیسے امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ کتے کے پاک ہونے کے مسئلے میں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرے سر کے کچھ حصے کے مسح کے جائز ہونے کے مسئلے میں البتہ کسی مسئلے میں تمام شرائط کے ساتھ مکمل طور پر دوسرے کی تقلید کر لینے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ عمل کر لینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے اگر کسی نے کوئی عبادت اس طرح انجام دی جو ائمہ اربعہ میں سے بعض کے ہاں درست ہو اور بعض کے ہاں درست نہ ہو تو اس کے لئے اس امام کی تقلید کر لینی درست ہے جس کے ہاں وہ عبادت درست ہوئی ہو۔ اور اس شخص پر اس نماز کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جانا درست ہے خواہ عمل کر لینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ ❶

مذہب حنبلی کی اصطلاحات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں اقوال وآراء بہت کثرت سے ہیں، یہ یا تو اس سبب سے ہیں کہ فتاویٰ میں رائے سے کام لینے کے بعد وہ علم حدیث سے جب خوب واقف ہوئے تو اقوال پر فرق پڑا یا کسی مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو رائے ہو جانے کے سبب یہ ہوا یا پوچھے جانے والے مسئلوں میں حالات اور واقعات کا لحاظ رکھنے کے سبب مسائل میں اقوال وآراء بدلیں۔ مذہب حنبلی کے فقہاء اقوال وروایات کے مابین ترجیح دینے کے بارے میں دو فریق بن گئے، ایک فریق نے تو اقوال نقل کرنے کا اہتمام کیا کیونکہ یہ دین کے کمال اور جامعیت کی دلیل ہے۔ دوسرے فریق کا رجحان اس بات کی طرف ہوا کہ امام کی رائے ایک ہی بیان کی جائے۔ اور یہ اس طرح ہو کہ یا تو ترجیح دی جائے ان اقوال کے مابین دونوں اقوال کی تاریخ کے لحاظ سے۔ یا دونوں اقوال میں موازنہ کر کے یا دونوں اقوال میں سے زیادہ قوی دلیل والے اور امام کے اصول منطق کے قریب قول کو اختیار کر کے ترجیح دی جائے۔ اگر ترجیح دینا ممکن نہ ہو تو مذہب میں دو قول ہو جائیں گے با مر مجبوری، اور مقلد کو صحیح رائے کے مطابق دونوں میں اختیار ہے جس پر عمل کرے۔ کیونکہ مجتہد کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اس کی اپنے اجتہاد کے بارے میں ایک رائے ہو اور اگر ایک مسئلے میں ایک رائے ہو تو اس مسئلے میں اس کا اجتہاد نہیں ہوگا ❷ اور وہ قول واحد جسے مصنفین ذکر کریں وہ ہوتا ہے جسے ائمہ مذہب میں سے اہل ترجیح نے ترجیح دی ہو، ❸ جیسے قاضی علاء الدین، علامہ علی بن سلیمان اسعدی المرداوی رحمہما اللہ جو تصحیح مذہب میں مجتہد ہیں ان حضرات نے یہ کام اپنی کتابوں الانصاف، تصحیح الفروع اور التنقیح کے ذریعے انجام دیا۔ ❹

۱.....جب لفظ ''الشیخ'' یا ''شیخ الاسلام'' متاخرین علماء حنابلہ استعمال کریں تو اس سے مراد علامہ ابو العباس احمد تقی الدین ابن تیمیہ الحرانی (ولادت ۶۶۱ھ، وفات سنہ ۷۲۸ھ) (یعنی امام ابن تیمیہ) مراد ہوتے ہیں جن کی کتابوں، رسائل اور مسائل کے ذریعے مذہب حنبلی کی اشاعت ہوئی جیسا کہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم اعلام الموقعین کے مصنف جن کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی کا بھی اس مذہب کی اشاعت میں بڑا کردار ہے۔

۲.....اور جب علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے قبل کے متاخرین جیسے الفروع، الفائق اور الاختیارات کے مصنفین وغیرہ، الشیخ استعمال کریں تو اس سے مراد ان کی علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (وفات ۶۲۰ھ) ہوتے ہیں جنکی تصنیفات میں المغنی، المقنع، الکافی العمدۃ، اور مختصر الہدایہ جیسی کتابیں شامل ہیں۔

---

❶ .....شوافع نے ان مسائل کو بائیس تک پہنچا دیا ہے مثلاً پانچ کے بقدر مغرب کا وقت گذرنے سے وقت کا نہ ختم ہونا۔ ملاحظہ کیجئے: بجیری الخطیب ج ا ص ۴۸)

❷ بجیری الخطیب ج ۱ ص ص ۵۱. ❸ ابن حنبل رحمة الله عليه، شيخ ابوزهره رحمه الله عليه، ص ۱۸۹ مقدمه كشاف القناع ج ۱ ص ۱۹. ❹ كشاف القناع، ج ۱ ص ۱۷، المدخل الى مذهب احمد ص ۲۰۴.

۳..... جب لفظ ''الشیخان'' بولا جائے تو اس سے مراد موفق اور مجدی یعنی ابن قدامہ رحمہم اللہ علیہم (جن کا ذکر گذرا) اور مجد الدین ابو البرکات (وفات ۶۵۲ھ) جو ''المحرر فی الفقہ'' کے مصنف ہیں، ہوتے ہیں۔

۴.....اور جب لفظ الشارح بولا جائے تو شیخ شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن ابو عمر المقدسی رحمہ اللہ (وفات ۶۸۲ھ) مراد ہوتے ہیں جو علامہ ابن قدامہ کے بھتیجے اور شاگرد ہیں اور جب حنابلہ 'قال فی الشرح' بولیں تو اس سے مراد یہی کتاب ہوتی ہے انہوں نے المغنی سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے ان کی کتاب کو 'الشرح الکبیر' یا الشافی شرح المقنع کہا جاتا ہے، جو دس جلدوں یا بارہ اجزاء میں ہے۔ حنابلہ کے ہاں قابل اعتماد کتابیں یہ ہیں:

۱.....المغنی والشرح الکبیر۔

۲.....کشاف القناع، ابن منصور البہوتی کی تصنیف

۳.....شرح منتہی الارادات (ابن منصور البہوتی)

اور فتویٰ اور عدالتی فیصلوں میں سعودی عربیہ میں عمل علامہ بہوتی کی دونوں کتابوں پر ہوتا ہے اور شرح الزاد اور شرح الدلیل پر بھی۔

۵۔ اور جب قاضی کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد قاضی ابویعلی محمد بن الحسین بن الفراء رحمہ اللہ (متوفی سنہ ۴۵۸ھ) ہوں گے، اور جب لفظ ابوبکر بولا جائے تو اس سے ابوبکر مروزی (وفات ۲۷۴ھ) جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں مراد ہوں گے۔

۶..... جب 'وعنہ' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے ''عن الامام احمد'' اسی طرح ''نصا'' (بطور نص) سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف نسبت ہوتی ہے۔

اور آخر میں میں یہ بتا تا چلوں کہ اس کتاب میں میں جمہور کے لفظ سے وہ تین مذاہب مراد لوں گا جو کسی مسئلے میں چوتھے مذہب سے الگ رائے رکھتے ہوں، یعنی مذاہب اربعہ میں اگر تین ایک مسئلے کے بارے میں ایک رائے اور چوتھا مذہب کوئی دوسری رائے رکھتا ہو تو جمہور سے مراد وہ تین مذاہب بمقابلہ چوتھے مذہب کے ہوں گے خواہ کوئی سے مذاہب ہوں۔ اور اس مسئلہ کے ذیل میں کی جانے والی گفتگو سے خود ہی یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ جمہور اس مسئلے میں کون ہیں۔ اور جب میں کہیں یہ الفاظ استعمال کروں اتفق الفقہاء تو اس سے مراد ہوں ائمہ اربعہ، دوسری شاذ آراء و اقوال وغیرہ مراد ہونا ضروری نہیں۔

پانچویں بحث.....فقہاء کے اختلاف کے اسباب

گذشتہ صفحات میں کی جانے والی گفتگو میں ہم نے دیکھا کہ مذاہب میں احکام شرعیہ کے بیان کرنے میں اختلاف کی صورت حال پائی جاتی ہے۔ اور یہ صورتحال صرف مذاہب کے مابین ہی محدود نہیں بلکہ ایک مذہب کے اندر خود بھی بعض مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک عام شخص جس نے فقہی تعلیم میں خاص تعلیم حاصل نہ کر رکھی ہو اس طرح کے اختلاف کو بڑا اچنبھا اور عجیب سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دین وشریعت ایک ہے اور حق بھی ایک ہوتا ہے متعدد نہیں ہوتے اور ان کی بنیاد بھی ایک ہے یعنی وحی الٰہی تو اقوال میں اتنا تعدد اور اختلاف کیوں ہے۔ ان مذاہب کو یکجا کیوں نہیں کر دیا جاتا کہ ایک ہی قول اپنا لیا جائے جس پر مسلمان عمل پیرا ہوتے رہیں کیونکہ وہ ایک امت تو ہیں اور یہ بھی خیال ہونے لگتا ہے کہ مذاہب کا اختلاف شاید شریعت میں تناقض اور اختلاف تک جا پہنچے گا یا بنیاد تک جا پہنچے گا یعنی وہی یہ کہ یہ اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے جیسے غیر مسلموں کے فرقوں آرتھوڈوکس، کاتھولیک اور پروٹسنٹ کے مابین فرق ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ سب محض باطل خیالات ہیں کیونکہ ان مذاہب اسلامیہ کا آپس کا اختلاف درحقیقت امت کے ساتھ رحمت اور آسانی کا سبب ہیں۔ اور ایسا تشریعی اثاثہ اور دولت ہے جو بجا طور پر قابل فخر واعتزاز ہے۔ اور یہ اختلاف محض فروع میں ہے اور اجتہادی عملی مسائل میں ہے

جو تمدن اور زندگی کے معمولات سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اصول وقواعد اور مبادی دین میں ہے تاریخ اسلام میں کہیں ایسی بات سننے کو نہیں ملتی جو یہ بتائے کہ ان فقہی مذاہب کا اختلاف کسی جھگڑے اور مسلح تصادم کا سبب بنا ہو جس سے مسلمانوں کی وحدت متاثر ہوتی ہو یا دشمن کے مقابلے میں ان کی ہمت کمزور پڑتی ہو کیونکہ یہ ایسے جزئی اختلافات ہیں جو مضر نہیں۔ ہاں عقائد کا اختلاف وحدت مسلمین کو نقصان پہنچاتا ہے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتا ہے ان کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرتا ہے اور ان کے ڈھانچے کو کمزور کرتا ہے۔ لہٰذا اسلامی فقہ ہی سے رجوع کر کے ایک قانون سازی کرنا جو اسی فقہ کی بنیاد پر ہو در حقیقت امت اسلامیہ کی وحدت اور ان کے اختلافات دور کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کا اختلاف شریعت کے مصادر سے ماخوذ چیزوں تک محدود ہے بلکہ دراصل یہ اجتہاد کی ایسی ضرورت ہے جس طرف خود اجتہاد مائل ہوتا ہے (دلائل شرعیہ سے براہ راست احکام اخذ کرنے کی صورت میں، اور یہ بعینہ وہی صورتحال ہے جو بنیادی قوانین کی وضاحت کے دوران پیش آتی ہے اور شارحین قوانین کے مابین اختلاف واقع ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور یہ اختلاف فقہاء میں یا تو عربی زبان کی طبعیت کی وجہ سے کہ عربی زبان میں اجمال کی کیفیت ہوتی ہے یا کبھی اس کے الفاظ ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتے ہیں۔ یا اختلاف کا سبب حدیث کی روایت اور مجتہد تک اس کے پہنچنے کے طریقوں میں قوت یا ضعف کی کیفیت ہوتی ہے، اور یا مجتہدین کے کسی تشریعی بنیاد پر اعتماد کم یا زیادہ کرنے میں تفاوت اختلاف کا سبب بنتا ہے اور لوگوں کی مصلحتیں ان کی حاجات اور عرف کی نئی اور جدید مشکلوں کی رعایت مسائل کی تشکیل میں اختلاف کا سبب بنتی ہیں۔ اصل منبع اختلاف انسانی فکر وعقل میں واقع وہ تفاوت ہے جو نصوص شرعیہ کے سمجھنے اور ان سے احکام استنباط کرنے اور شریعت کے اسرار ورموز سے واقف ہونے اور احکام شریعہ کی علل واسباب کے ادراک کرنے میں ہوتا ہے، ہر عقل وفکر اپنے انداز میں یہ امور انجام دیتی ہے جس کے سبب اختلاف واقع ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود نہ تو مصدر تشریعی (شریعت کا بنیادی ماخذ) کی وحدت اس سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی خود نفس شریعت میں کسی قسم کے تناقض اور اختلاف کا وجود پایا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت میں بذات خود تناقض نہیں، اس کے اندر اختلاف تو انسانی عجز کے سبب ہے کہ وہ اپنی عقلوں اور فہم کے تفاوت کی وجہ سے مختلف تشریحات لے آتا ہے۔ ان سب کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ مختلف آراء میں سے کسی پر بھی عمل کرنا درست ہے۔ اور مقصود اس سے ان لوگوں سے حرج رفع کرنا ہے جو سلسلہ وحی منقطع (ختم) ہو جانے کے سبب ہوا ہے، سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں پاتے کہ وہ مجتہدین میں کسی ایک کے ظن غالب کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ اور اس کو لے لیں جو اس مجتہد نے ادلہ شرعیہ ظنیہ سے سمجھا ہے اور گمان سمجھ بوجھ کے اختلاف کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”حاکم جب اجتہاد کرے اور درست بات تک جا پہنچے، تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر غلطی کر بیٹھے تو ایک اجر ملے گا۔“ ❶

ہاں جو قطعی دلائل ہوتے ہیں جو حکم شرعی پر قطعی اور یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں بوجہ ان کے قطعی الثبوت اور قطعی طور پر بلا شبہ وشک براہ راست دلالت کرنے کے، جیسے قرآن، سنت متواترہ اور سنت مشہورہ ❷ تو ایسے احکام کے استنباط میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

---

❶...... یہ حدیث بخاری ومسلم میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے آئی ہے صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

❷ سنت کی احناف کے ہاں تین قسمیں ہیں۔ (۱) متواترہ (۲) مشہورہ (۳) آحاد، متواترہ وہ سنت ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے نقل کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً ممکن نہ ہو اور ایسا ابتدائی تین زمانوں میں ہوا ہو یعنی عہد صحابہ عہد تابعین، عہد تبع تابعین اور سنت مشہورہ وہ ہے جو ابتداء خبر آحاد ہو (یعنی فرد واحد اس کے نقل کرنے والے ہوں) لیکن بعد کے زمانے میں (عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد) وہ مشہور ہوگئی ہو سنت آحاد وہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا دو یا دو سے زائد افراد نے نقل کیا ہو لیکن بعد میں بھی وہ حدیث مشہور نہ ہوئی ہو (بعد کے عہد میں بھی اس کے راوی بڑھے نہ ہوں)۔

فقہاء کے مابین ادلہ ظنیہ (جن کے ثبوت یا دلالت علی المعنی والمراد میں ظن ہو قطعیت نہ ہو) سے استنباط احکام میں واقع ہونے اختلاف کے اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔[1]

۱۔عربی زبان کے الفاظ کے معانی میں اختلاف......یہ اختلاف یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ وہ لفظ مجمل ہے یا وہ لفظ دو یا زائد معانی میں مشترک ہے یا عام اور خاص معنی کے درمیان متردد ہے یا حقیقت و مجاز میں متردد ہے یا حقیقی اور عرفی معنی کے بیچ میں متردد ہے یا کبھی وہ لفظ مطلقاً بولا گیا ہے اور کبھی مقید بولا گیا ہے یا کبھی اعراب (زبر پیش) کا اختلاف اس اختلاف معنی کا سبب ہوتا ہے اور یا الفاظ میں اشتراک اس کا سبب ہوتا ہے اور الفاظ میں اختلاف یا تو مفرد لفظ میں ہوتا ہے جیسے لفظ 'قرء' جو حیض کے اور حیض کے بعد پاکی کے زمانے دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور حکم کے لئے لفظ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے یا محض مندوبیت (عمدگی اور مطلوبیت) بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے اور منع کرنے کے لیے نہی کا لفظ حرمت پر دلالت کرتا ہے یا صرف کراہیت پر۔ اور یہ اختلاف کبھی مرکب لفظ میں ہوتا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں جو حد قذف کی آیت کے بعد آئی ہے: إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (سورۂ فاطر، آیت ۱۰) کا معاملہ ہے کہ یصعد کے لفظ کا فاعل الکلم الطیب ہے یا العمل ہے۔ اور یہ اختلاف کبھی پیش آنے والی حالت کے اطلاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت "ولا یضار کاتب ولا شهید" (اور ضرر نہ دیا جائے گا لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو) (سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲) کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ لفظ یضار ضرر کے ان سے واقع ہونے کی حالت کا بتا رہا ہے یا ان پر واقع ہونے کی حالت کا اور عموم اور خصوص کے مابین تردد کی مثال "لا اكراه في الدين" ہے کہ کیا یہ خبر نہی کے معنی میں ہے یا یہ خبر حقیقی ہے۔

اور مجاز کی کئی اقسام ہیں۔ (۱) حذف (۲) زیادت (۳) تقدیم (۴) تاخیر۔

اور اطلاق اور تقیید کے درمیان تردد کی مثال جیسے لفظ "رقبہ" کفارۂ یمین میں مطلق آزاد کرنے کے لیے اور قتل خطا کے کفارے میں رقبہ (غلام) کے آزاد کرنے کی تقیید ایمان کے ساتھ کردی۔

۲۔روایت کا اختلاف......اس کے آٹھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً حدیث ایک امام تک پہنچی اور دوسرے تک نہیں پہنچی، یا پہنچی مگر ضعیف راویوں کے ذریعے کہ ایسی حدیث سے دلیل نہیں قائم ہوتی۔ اور دوسرے تک صحیح سند سے پہنچی یا ایک طریقے سے ایک تک پہنچی جن کے خیال میں یہ سند صحیح ہو جب کہ دوسرے کے خیال میں اس سند میں کوئی ایسا راوی ہے جو ضعیف ہے جس کی وجہ سے حدیث قابل قبول نہیں جب کہ دوسرے کی نظر میں ایسا کچھ نہیں یا وہ اسے مانع نہیں سمجھتے ہیں، یہ عام طور پر راویوں کی تعدیل اور ترجیح کے طریقوں میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں اماموں کے پاس ایک ہی طریقے سے پہنچی مگر ان دونوں میں سے ایک امام کچھ شرائط رکھتے ہیں جب کہ دوسرے بلا کسی شرط کے اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے حدیث مرسل، وہ حدیث جسے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ سے نیچے درجے کے راوی نقل کریں اور براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کریں یعنی صحابی کا واسطہ بتائے بغیر نقل کریں۔

۳۔ماخذ شریعت میں اختلاف......بعض دلائل ایسے ہیں جن سے استدلال کرنے کے بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ ان سے استدلال کیا جائے گا یا نہیں۔ جیسے استحسان مصالح مرسلہ، قول صحابی، استصحاب حال اور ذرائع وغیرہ ان کے علاوہ براءت، اباحت

---

[1] ......ملاحظہ کیجئے: بداية المجتهد از ابن رشد الحفيد ج ۱ ص ۵۔ حجة الله البالغة، حضرت شاه ولى الله صاحب مجدله ج ۱ ص ۱۱۵، الاحكام فى اصول الاحكام ابن حزم، باب ۳ اور ۶ اور ۲۵ اور ۲۶۔ الموافقات از علامه شاطبى ج ۴ ص ۲۱۱ رفع الملام عن الائمة الاعلام از علامه ابن تيميه اسباب اختلاف الفقهاء، ازشيخ على الخفيف، مقارنة المذاهب فى الفقه، الشيخ محمود شلتوت مالا يجوز فيه الخلاف، ازشيخ عبدالجليل عيسىٰ، الانصاف فى التنبيه على الاسباب التى اوجبت الاختلاف بين المسلمين فى آرائهم۔ از ابن سيد البطليوسى۔

یا عدم اباحت وغیرہ، کہ بعض ان کو دلیل سمجھتے ہیں اور با قاعدہ ماخذ شریعت میں شمار کرتے ہیں اور بعض نہیں۔

۴۔ **قواعد اصولیہ کا اختلاف**.....کبھی قواعد اصولیہ کا اختلاف ان ائمہ کے مابین اختلاف کا سبب بنتا ہے جیسے یہ قاعدہ کہ عام مخصوص منہ البعض حجت نہیں بن سکتا۔ اور مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ اور نص قرآنی پر زیادت نسخ ہے یا نہیں اس طرح کے دیگر اصولی مسائل۔

۵۔ **قیاس سے اجتہاد**.....سب سے زیادہ اختلاف اسی سلسلے میں ہوا ہے کیونکہ قیاس کے لئے ایک اصل، علت اور شرائط ہوتی ہیں، اور علت کی بھی شرائط اور طریقے ہوتے ہیں، اور ان سب امور میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اور قیاس کے اصل پر اتفاق اور کس چیز میں اجتہاد ہوگا اور کس میں نہیں ایک ایسا معاملہ ہے جو متحقق ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح تحقیق مناط (یعنی فرع (وہ مسئلہ جسے قیاس کیا جارہا ہے) میں اصل کی علت کا ہونا یا نہ ہونا) فقہاء کے مابین اختلاف کا ایک اہم سبب ہے۔

۶۔ **ادلہ کے مابین تعارض اور ترجیح**.....یہ بھی ایک ایسا اہم باب ہے جس میں بہت اختلاف ہوا ہے۔ مختلف افکار میں اختلاف ہوا ہے۔ اور اس میں تاویل اور تعلیل کا دعویٰ جمع اور تطبیق دینے کا دعویٰ نسخ یا عدم نسخ کا دعویٰ شامل ہے اسی طرح نصوص کے مابین یا بعض قیاسوں کے دوسرے بعض قیاسوں کے مابین تعارض کا ہونا اور سنت میں تعارض جو یا اقوال میں یا افعال میں ہوتا ہے یا کبھی تقریرات رسول (کسی معاملے کو برقرار رکھنا) اسی طرح کبھی اختلاف ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تصرفات کو سیاست یا فتویٰ سے متعلق قرار دینے میں۔ اور تعارض کے برقرار رہنے کا ایک اہم سبب مقاصد شریعت سے تعلق جوڑنا ہے (یعنی کونسا عمل مقاصد شریعت کو زیادہ احسن طریقے سے پورا کرنے والا ہے اور کونسا نہیں) اگرچہ ترتیب مقاصد سے متعلق نقطہ نظر میں اختلاف ہو جائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ائمہ کے اجتہادات، اللہ ان ائمہ کو جزائے خیر دے، شریعت خداوندی کی مکمل طور پر ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں اگرچہ ان میں سے کسی ایک امام کی رائے پر عمل کرنا واجب یا بعض صورتوں میں صرف جائز ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مسائل اجتہادی ہیں اور ظنی آراء ہیں جن کا احترام برابر طور پر ضروری ہے۔ اور یہ ہرگز درست نہیں کہ آراء کے اس اختلاف کو عصبیت مذہبی اور دشمنی اور تفریق بین المسلمین جیسے سخت ناپسندیدہ امور کا سبب بنالیا جائے، وہ مسلمان جن کو قرآن کریم میں بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے۔ اور آپس میں متفق رہنے اور اللہ کی رسی تھامے رہنے کا حکم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو اجتہاد کیا کرتے تھے وہ اس بات سے بہت بچا کرتے تھے کہ ان کے دین کو شریعت خداوندی کہا جائے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ میری رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ کے فضل سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میرا عمل ہے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے سالار کو نصیحت فرماتے تو ان میں ایک نصیحت یہ ہوتی، جب تم کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور وہاں کے لوگ اگر اللہ کے فیصلے کے مطابق ہتھیار ڈالنا چاہیں تو تم انہیں اللہ کے فیصلے کے مطابق ہتھیار مت ڈالنے دو، انہیں اپنے فیصلے کے مطابق ہتھیار ڈالنے کا کہو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کا حکم نافذ کر سکو یا نہیں۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فروع فقہیہ میں اجتہاد کے درست یا غلط ہونے کے نظریے کے بارے میں صحیح نظریے کے حامل وہ لوگ ہیں جو مخطئہ کہلاتے ہیں اور عامۃ المسلمین کا نظریہ یہی ہے شوافع اور درست قول کے مطابق احناف بھی ان میں شامل ہیں مخطئہ وہ لوگ ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ مجتہدین میں سے حق اور درست صرف ایک ہی ہوتا ہے باقی مخطی (غلطی پر) ہوتے ہیں۔ کیونکہ حق صرف ایک ہی ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے ان لوگوں کی رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ہر ایک مسئلے اور واقعے کے بارے میں ایک متعین حکم ہے، جو اس حکم تک پہنچتا ہے وہ مصیب (حق کو پانے والا) ہے اور باقی مخطی (غلطی پر) ہیں لیکن اجتہاد کے نتائج پر عمل درآمد کے اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مجتہد کا

---

[1].....روایت از احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ بروایۃ سلیمان بن یزید عن ابیہ

حکم حکم خداوندی ہی شمار ہوتا ہے، کیونکہ حق کو یقینی طور پر معلوم کرنا ممکن نہیں۔

اور اس زمانے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ وہ عمل درآمد ہے اپنی شریعت پر مکمل درآمد، عقیدے اور عبادت کے لحاظ سے اور اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کے احکام نافذ کرنا ہے عبادات، معاملات، جنایات اور خارجی تعلقات وغیرہ میں۔ ان سب میں یکساں طور پر احکام شریعت کا نفاذ ہو۔

چھٹی بحث......آسان مذہب کے اختیار کرنے کے اصول وضوابط

تمہید......مذاہب اسلامیہ کی آراء میں سے منتخب کرنے اور چھانٹنے کا عمل درحقیقت وہ گرین سگنل ہے جس نے اسلامی فکر کے ارتقاء اور بیدار کرنے کے عمل انجام دینے والوں کے لیے راستہ روشن کر دیا ہے اور ان لوگوں کے لئے بالخصوص جو عملی طور قانون سازی اور شرعی رہنمائی انجام دینے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ایسی قانون سازی جو اسلامی فقہ کے سرچشمے سے فیضیاب ہے، اور ترقی کے تقاضوں کے ہم آہنگ اور ضرورتوں کے مطابق اور ہر زمانے اور ہر جگہ لوگوں کے فائدے اور ان کی مصلحتوں کے مطابق ہے۔

مخلص اور مصلح علماء، نہ کہ مایوس اور بہ تکلف سنجیدہ بننے والے جواز ہر اور جامعہ زیتونیہ مصر اور تیونس اور دیگر اسلامی سے تعلق رکھنے والے ہیں، بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے ان تقاضوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ایک مسئلے میں متعدد فقہی آراء میں سے حق کے قریب افضل ترین اور زیادہ مناسب رائے کے اختیار کرنے کے عظیم عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ وہ ایک منتخب فقہ کو تشکیل دے سکیں جو ان عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو، یہ عظیم عمل ان اصول اور قواعد پر عمل درآمد کرتے ہوئے انجام دیا گیا۔

۱......حق ایک ہے متعدد نہیں اور اللہ کا دین ایک ہی سرچشمہ سے حاصل شدہ ہے جو کہ کتاب، سنت اور سلف صالح کا عمل ہے اور چونکہ ہم مجتہدین کی مختلف آراء میں سے یقینی طور پر حق کا تعین نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ہمارے لئے مصلحت اور مفاد عامہ کے لحاظ سے ایک پر عمل کرنا جائز ہونا چاہئے۔

۲......شریعت کے لئے مخلص ہونا اس کے احکام پر کاربند رہنا اور اس کا ہمیشہ برقرار رہنا ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔

۳......حرج کا دور رکھنا اور سہولت اور آسانی جس کی بنیاد پر شریعت ہے یہ دو اصول خدا کی شریعت کے اہم اجزاء میں سے ہیں۔

۴......لوگوں کے فائدے اور نئی ضرورتوں کی رعایت اور لحاظ رکھنا ایک ایسا عمل ہے جو شریعت کی روح سے ہم آہنگ ہے، اور شریعت کی روح، خوب کھوج اور تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ، لوگوں کی نفع کی بنیاد پر قائم ہے۔ یعنی لوگوں کو نفع اور نقصان میں تمیز کر کے نفع کی راہ اپنانے کے لئے راہ نمائی فراہم کرنا ہی شریعت کا مقصد ہے۔ چنانچہ نفع انسانی شریعت کا ستون ہے اور لوگوں کا نفع ہے وہاں خدا کی شریعت اور اس کا دین ہے، اور زمانے کے تغیر سے احکام کا بدل جانا ایسا اصول ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

۵......شریعت میں کسی مجتہد کے اجتہاد کی پیروی لازم نہیں اور نہ ہی اقوال فقہاء کی پیروی لازم ہے، کیونکہ لازم وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے واجب اور لازم کیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انسان پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ دین خداوندی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اور اس سے متعلقہ چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز پر عمل پیرا ہو۔

۶......صحیح اور راجح قول کے مطابق کسی خاص معین فقہی مذہب کی پیروی ضروری نہیں، کیونکہ یہ خالص تقلید ہے یعنی دوسرے کی بات کو بلا دلیل مان لینا ہے اور تقلید کا واجب قرار دینا ایک نئی شریعت گھڑ لینے کے مترادف ہے جیسا کہ مسلم الثبوت کے شارح کی رائے ہے۔ چنانچہ شرعاً اس بات کی کوئی ممانعت نہیں کہ ان مشہور ومعروف یا غیر معروف گمنام مجتہدین کی تقلید کی جائے۔ جیسا کہ اس بات کی بھی ممانعت نہیں کہ ان مذاہب کے اقوال میں تلفیق کر لی جائے دین میں آسانی اور سہولت کے قاعدے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ......سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۵

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ مشکل نہیں چاہتا ہے۔

اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ عام لوگوں کا کوئی مخصوص فقہی مذہب نہیں ہوتا، ان کا مذہب تو ان کے مفتی حضرات کا اختیار کردہ مذہب ہوتا ہے۔ ان عوام الناس کو تو صرف شریعت پر عمل درآمد مقصود ہوتا ہے۔ ان کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ ان کا عمل شرعی ہو خلاف شریعت نہ ہو لیکن فقہی مذاہب سے اس انتخاب کے عمل کی فلر ورجحان کے ساتھ آسان مذہب کو اختیار کرنے کے شرعی ضوابط سے واقفیت ضروری ہے، یہ ہمارا موضوع سخن ہوگا آنے والی گفتگو میں، ضوابط شریعہ کی معرفت اس لئے ضروری ہے کہ معاملہ حدود میں رہے کسی قسم کی بے اصولی بدنظمی کا شکار نہ ہو کر رہ جائے اور نہ ہی خواہشات اور انفرادی چاہتوں کا عمل ہو کر رہ جائے کہ جو بلا کسی دلیل شرعی کے انجام دیا جا رہا ہو، یا کسی نا قابل قبول سبب کے تحت اس پر عمل درآمد ہو رہا ہو۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آسان اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسئلہ اختیار کرنا میرے خیال میں بجائے خود ایک اجتہادی عمل ہے جو ہر کس و نا کس کے بس کا نہیں اور نہ ہی ایسا عمل ہے جو بلا کسی حدود وقیود کے انجام دیا جائے اس موضوع پر آئندہ صفحات میں کی جانے والی گفتگو کا خاکہ یہ ہے۔

الفرع الاول: (پہلی قسم) وہ کون سے مذاہب اور آراء ہیں جن کا اختیار کرنا ممکن ہے۔

الفرع الثانی: (دوسری قسم) کسی متعین مذہب کی پیروی اصولی طور پر ایک مطلوب ومقصود امر ہے،

الفرع الثالث: کیا کسی مسئلے کی بابت کچھ پوچھنے والے پر لازم ہے کہ وہ علماء میں ترجیحی طور پر کسی ایک شخص سے سوال پوچھے جو اس کی نظر میں راجح اور اس قابل ہو یا اسے اختیار ہے کہ وہ مفتیوں میں سے جسے چاہے اس سے پوچھ لے؟

الفرع الرابع: علماء اصولیین کی کسی مسئلہ کے آسان پہلو اختیار کرنے یا دوسرے الفاظ میں رخصت تلاش کر کے اس پر عمل کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اسی طرح مختلف فقہی مذاہب کے مابین تلفیق کرنے میں کیا رائے ہے۔

الفرع الخامس: اصولی علماء کی گفتگو اور مباحث سے اخذ کردہ آسان مذہب کو اختیار کرنے کے، اصول وضوابط کیا ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ پہلی چار قسموں پر گفتگو پانچویں بحث کے لئے ایک ضروری مقدمے کی حیثیت سے ضروری ہے کیونکہ پانچویں بحث کا دارومدار اصولی علماء کے ذکر کردہ قواعد وضوابط ہیں۔ اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اس موضوع کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کتنی نافع ہے۔ اور اس کا نفع بخش ہونا ان عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو اپنی درپیش ان ضرورتوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو انہیں ہر شعبہ حیات میں پیش آتی ہیں مثلاً عبادات، معاملات اور شخصی احوال کا دائرہ کار۔ اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو قانون اور عدالتی امور سے تعلق رکھتے ہیں اور جو فقہ اسلامی کی مدد سے قانون سازی کا عمل انجام دیتے ہیں، اور اس موضوع کی ضرورت ان علماء کو بھی ہے جو عام اور خاص تدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں تا کہ وہ اس مذہبی عصبیت کو اکھاڑ پھینکیں جو تقلید محض کے سبب پیدا ہوگئی ہے جو یہ کیفیت پیدا کرتی ہے کہ دیگر اقوال فقہیہ کی دلیل کا راجح ہونا جس بات کا متقاضی ہوتا ہے اس سے آدمی صرف نظر کرلے اور اس راجح دلیل کے نتیجے میں سامنے آنے والی بات پر عمل پیرا بھی نہ ہو اور دوسرے قول کو جو مرجوح ہے چھوڑے بھی نہیں بوجہ اس کے کہ وہ اس کا اپنا فقہی مذہب ہے۔ بلاشبہ اللہ ہی سے سچی اور سیدھی بات ہے اور وہی صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

الفرع الاول: (پہلی قسم)......وہ مذاہب اور آراء جن کا لینا ممکن ہے۔

ہمارا عظیم فقہی سرمایہ جو ان تمام احکام کو ترتیب دیتا جو لوگوں کی مشکلات کا حل پیش کرتے ہیں، اور جو سرمایہ ہمارے سلف صالحین نے ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ سرمایہ صرف چار فقہی مذاہب، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تک محدود نہیں، وہ ان مشہور ومعروف تمام مذاہب پر مشتمل

ہے جواب تک باقی اور مشہور ہیں اور جو گئے وقتوں کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں جیسے حضرت لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام ابن جریر، طبری، داؤد، ظاہری، امام ثوری رحمہم اللہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مذاہب امامیہ اور زیدیہ اس کے علاوہ اباضیہ اور ظاہریہ اور صحابہ کرام وار تابعین اور تبع تابعین کی آراء وغیرہ، یہ سب اس عظیم فقہی سرمائے کا حصہ ہیں، ہم اس فقہی سرمائے سے وہ کچھ پاتے ہیں جو ہمارے نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں بڑا ممد ومعاون ہو۔ کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم ان احکام کو اختیار کریں بمقابلہ ان غیر شرعی احکام کے جو مغربی یا شرقی مآخذ سے نکلے ہوئے ہوں اللہ کا دین یسر اور آسانی کا نام ہے نہ کہ تنگی کا اور نہ ہی دین خداوندی میں کوئی حرج اور مشکل ڈالے رکھنے کا تصور ہے۔ فوائد کا حصول اور حاجات کا پورا کرنا شرعاً ایک قابل انجام دہی فعل ہے۔ لہٰذا قانون کے وضع کرنے والے کسی شخص یا ادارے کے لئے ان تمام فقہی آراء و مذاہب کو پیش نظر رکھتے ہوئے قوانین وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ قاضی اور جج کے بارے میں میری یہ رائے ہے کہ وہ اس بات کا پابند ہے مذاہب اربعہ کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے فیصلے کرے تا کہ وہ عرف عام کا پابند ہے۔ یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ عرف نص کی تخصیص تک کر دیتا ہے اور میں یقینی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جب کوئی قانون ساز شخص جب کسی مذہب کے آسان ہونے کے بارے میں بات کرے یا حوالہ دے تو اس سے اس کا مقصود وہ مذاہب ہوتے ہیں جو اسلامی ممالک میں زیر عمل ہیں، اور مذاہب سے مراد مجتہدین کی آراء ہیں۔

کسی بھی قانون ساز کے عمل کے درست ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عام مسلمان مخطۂ کی نظریے کی تائید کرتے ہیں جن کی رائے کے مطابق حق ایک ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے، اور مجتہدین میں سے حق تک پہنچنے والا صرف ایک ہوتا ہے سب نہیں، لیکن باقی گناہ گار بھی نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو اس عمل کو کرنے کا مکلف ہوتا ہے جو اس کا اجتہاد سے بتاتا ہے اور جو اس کے گمان پر غالب ہوتا ہے، چنانچہ اس بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات، جس کے علاوہ کوئی اور بات صحیح ہو نہیں سکتی، یہ ہے کہ اللہ کا دین ایک ہے اور وہ ہے جو اس نے اپنی کتاب میں اتارا اور رسول کو اسے لے کر بھیجا اور اس کو اپنے بندوں کے لئے پسند کیا جیسے اللہ کے نبی بھی ایک ہیں اور اللہ کا متعین کردہ قبلہ بھی ایک ہے تو جو شخص اللہ کے متعین کردہ ان امور کی موافقت کرتا ہے حقیقت میں وہی درست ہے اور ٹھیک ہے اور جو خطا کرتا ہے تو اسے صرف اجتہاد کی کوشش پر ایک اجر ملتا ہے۔ اس کی غلطی پر نہیں اور یہ بات ہی صحیح اور درست ہے ائمہ اربعہ کے ہاں لہٰذا اور حق اور درست بات یا خلق کے لئے نافع بات کا ان اقوال فقہیہ میں سے تلاش کرنا ضروری ہے جو اقوال اپنے قائلین کی طرف درست طور پر منسوب ہوں۔ اور ان میں سے ان اقوال کو چھوڑ دیا جائے جو شاذ ہیں اور اصول ومآخذ کے برخلاف ہیں۔ اور یہ واجب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ اور تابعین رحمہ اللہ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ سورۃ توبہ، آیت ۱۰۰

اور مہاجرین اور انصار میں پہلے اور اول کے لوگ اور جنہوں نے ان کی پیروی کی اچھائی کے ساتھ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے،

اور اللہ نے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے باغات کو جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور امام شافعی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی رائے ہمارے بارے میں، اپنے بارے میں ہماری رائے سے بہتر ہے ❶ اور حضرت عز بن عبدالسلام سے منقول ہے کہ مدار اس پر ہے کہ مذہب مقلد کے پاس ثابت ہو جائے ❷ اور اس کا گمان اس مذہب کے صحیح ہونے کے بارے میں غالب ہو جب اس کے پاس ایک مذہب ثابت ہو جائے تو اس کے لئے اس مذہب کی تقلید کرنا درست ہو جاتا ہے۔ اگر چہ وہ مذہب ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کا ہو، اور علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص مسلمان ہو تو

❶ .....اعلام الموقعین، ج ۲، ص ۲۱۱ طبع عبد الحمید۔ ❷ مسلم الثبوت، ج ۲ ص ۳۳۳، طبع الکردی، مصر

اس کے لئے جس عالم کی وہ چاہے تقلید کرنے کی اجازت ہے بلاکسی پابندی کے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع تھا کہ جو شخص حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دینی مسائل میں رہنمائی لے اور ان کی تقلید کرے اس کے لئے حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی مسائل دریافت کرنا اور ان پر عمل کرنا بلاکسی نکیر کے درست ہے جو شخص ان دونوں اجماع کے ختم ہوجانے کا دعویٰ کرے (یعنی علامہ عراقی کے بیان کردہ دونوں اجماع) تو اس کے ذمے سے اس بات کی دلیل بیان کرنا ضروری ہے ❶ اس گفتگو سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ لوگوں پر صرف ائمہ اربعہ میں کسی ایک کی پیروی لازم کرنے کی کوئی دلیل نہیں، وہ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ برابر ہیں، اور ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر کی بھی اتباع درست ہے اگر ان سے منسوب قول کی صحت کا یقین ہوجائے جیسے کہ علامہ عز بن عبدالسلام کے قول سے یہ واضح ہوتا ہے۔

الفرع الثانی (دوسری قسم)......کیا ایسی معین مذہب کی پیروی اصولی طور پر ضروری ہے؟ علماء اصول اس بارے میں تین قسم کی رائے رکھتے ہیں۔

۱......بعض کی رائے یہ ہے ایک معین مذہب پر قائم رہنا واجب ہے کیونکہ اس مذہب کے مقلد نے اس کو برحق سمجھا تھا تو اپنے عقیدے کے مطابق اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۲......اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کسی معین کی تقلید تمام مسائل اور درپیش معاملات میں ضروری نہیں، بلکہ انسان جس کی چاہے تقلید کرسکتا ہے۔لہٰذا اگر کسی نے ایک متعین مذہب کو اپنا لیا جیسے مذہب حنفیؒ یا مذہب شافعیؒ تو اس کے لئے اس پر قائم رہنا ضروری نہیں، اس کے لئے اس مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنانا درست ہے۔ کیونکہ واجب تو صرف وہ امور ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے واجب کئے، اور اللہ اور اس کے رسول نے کسی پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ ایک متعین امام کے مذہب کو اپنائے، اللہ تعالیٰ نے تو علماء کی اتباع بلاکسی تخصیص کے لازمی قرار دی۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ سورۃ الانبیا آیت ۷)

اور پوچھو اہل نصیحت سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں مسائل دریافت کرنے والے کسی ایک مذہب متعین کے پیرو نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ جس سے پوچھنا ممکن ہوتا پوچھ لیا کرتے تھے بلاکسی تلقین وتقیید کے۔ تو گویا یہ ان کا طرز عمل ایک طرح کا اجماع ہے اس بات پر کہ کسی امام کی تقلید یا کسی متعین مذہب کی تمام مسائل میں پیروی ضروری نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی متعین مذہب کی پیروی کا ضروری قرار دینا تنگی اور پریشانی کا سبب بن جاتا ہے جب کہ مذاہب کا ہونا بجائے خود ایک نعمت، راحت اور باعث فضیلت بات ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ یہ علماء اصول کے ہاں راجح بات ہے۔

۳......علامہ آمدی اور علامہ محقق کمال ابن ہمام نے اس مسئلے میں تھوڑی تفصیل بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اگر کچھ مسائل میں متعین مذہب کی پیروی اپنے لئے لازم کر کے ان پر عمل کرتا ہے تو اس کے لئے دوسرے مذہب کی تقلید ان مسائل میں درست نہیں، البتہ اگر دوسرے مسائل میں وہ متعین مذہب کو اپنے لئے لازم نہیں کرتا ہے تو ان مسائل میں اس کے لئے دوسروں کی تقلید کرنا درست ہے۔ کیونکہ شریعت میں یہ بات کہیں نہیں ملتی ہے کہ اس پر اپنے اوپر خود لازم کردہ چیز کی اتباع ضروری ہو۔ شریعت نے تو اس پر علماء کی اتباع لازم رکھی ہے

❶......اعلام الموقعین، ج ۴، ص ۱۲۳۔

بلا کسی تخصیص کے ایک عالم کی دوسرے عالم سے ❶ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء اصول کے ہاں صحیح ترین اور راجح قول یہ ہے کہ ❷ کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں اور جس مذہب کی پیروی کوئی شخص کر رہا ہے اس کے لئے اس مذہب کے امام کی مخالفت کرنا درست ہے اور دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنا درست ہے کیونکہ مذہب کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے وہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، اور اس بنا پر اصولی طور پر عصر حاضر میں اس بات سے مطلقاً کوئی ممانعت نہیں کہ مختلف مذاہب کے علماء کے بیان کردہ شرعی احکام کو اختیار کر لیا جائے بغیر اس بات کہ پورے مذہب کی پابندی کی جائے یا اس کی تفصیلات بھی اپنائی جائیں۔

مزید برآں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ فقہاء نے مذہب کے قول ضعیف پر بوقت حاجت عمل کرنے کو درست قرار دیا ہے ان کے اقوال اگلی عبارتوں میں ہم پیش کرتے ہیں۔

۱..... قاضی کے لئے درست ہے کہ وہ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب بھی اختیار کر سکتا ہے بوقت ضرورت حضرت عطاء بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔

۲..... قاضی کے لئے اپنے مذہب کے غیر معروف قول پر عمل درست ہے اگر حاکم وقت اس کا حکم دے دے۔ الدر المختار کی عبارت۔

۳..... قاضی کے لئے ایسے قول پر فیصلہ کرنا درست ہے جو فاسد ہو اور اس کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجتہادی معاملہ ہے بشرطیکہ وہ قول دوسرے کے ہاں کوئی جائز طریقے سے لینے یا خواہش نفسانی کی اتباع کی غرض کے لئے نہ ہو، **جامع الفصولین وتعلیلها** کی عبارت۔

۴..... ضرورت کے مواقع میں ضعیف قول پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا درست ہے، المعراج کی عبارت فخر الائمہ کے حوالے سے۔

۵..... ضعیف قول پر عمل اپنے ذات کے لئے درست ہے، اور فتویٰ جب دیا جا سکتا ہے جب مفتی کے لئے ضرورت متحقق ہو جائے۔ (علامہ سوقی مالکی کی عبارت)

۶..... اگر قول ضعیف کے اختیار کرنے کی غرض خواہشات نفسانی اور اپنی غرض ہو تو اس صورت میں اس قول کو اپنانے کا اختیار نہیں دیا جائے گا اپنی ہوائے نفس کی پیروی اور دنیاوی فوائد کے حصول سے روکنے کے لئے۔ ❸

۷..... مقلد کا مشہور قول پر عمل چھوڑ کر غیر معروف قول پر عمل کرنا جب کہ مقصود صرف رخصتوں اور آسانیوں کو تلاش کرنا نہ ہو ان حضرات کے ہاں جائز ہے جو زیادہ راجح کی تقلید کو ضروری قرار نہ دینے کی رائے رکھتے ہیں۔ یہ علماء اصولیین میں سے اکثر کی رائے ہے، اور مقلد کے لئے مجتہدین کے اقوال میں سے جسے چاہے اختیار کرنے کی اجازت ہے اس کی ممانعت پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔ فتاویٰ الشیخ علیش۔ (ج ۱ ص ۶۱)

---

❶..... ملاحظہ کیجئے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت از عبد الشکور ج ۲ ص ۴۰۲، مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۵، شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۲۸، الاحکام فی اصول الاحکام از علامہ آمدی ج ۳ ص ۷۴، التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۴۰ شرح الاسنوی ج ۳ ص ۲۶۶ المدخل الی مذہب الامام احمد، ص ۱۹۳ ارشاد الفحول ص ۲۴۰ فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۰۔ ❷ شوافع فرماتے ہیں کہ صحیح ترین بات متاخرین جیسے شیخ ابن حجر وغیرہ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا درست ہے وہ مذاہب جو باقاعدہ مدون ہیں۔ خواہ محض خواہش نفس کے تحت ہی ایسا کیوں نہ ہو۔ اور خواہ مستقل طور پر منتقل ہو یا کسی ایک خاص واقعے میں، خواہ وہ فتویٰ یا حکم یا عمل اس کے خلاف انجام دے جب تک کہ اس سے تلفیق نہ لازم آتی ہو (ملاحظہ کیجئے الفوائد المکیة فیما یحتاجه طلبة الشافعیه من المسائل والضوابط والقواعد الکلیة از سید علوی بن احمد السقاف ص ۵۱ طبع البابی الحلبی)۔ ❸ الاجتهاد فی السلام الشیخ استاد محمد مصطفی المراغی ص ۳۶۔۳۹ مذکورہ بالا کتب کے حوالے سے رسم المفتی از علامہ ابن عابدین ج ۱ ص ۶۹۔

۸......اسی طرح اپنی ذات کے لئے اقوال آراء ضعیفہ پر عمل کرنا اور انہیں اپنانا درست ہے البتہ صحیح قول کے مقابلے میں ایسا عمل کرنا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں غالب یہ ہے کہ عمل فاسد ہوگا۔ اور دوسرے کے لئے ترغیبی طور پر ایسے قول پر فتویٰ دینا درست ہے، الفوائد المکیة فیما یحتاجه طلبة الشافعیه القاف (ص ۵۱)

الفرع الثالث (تیسری قسم)......کیا علم میں سب سے افضل اور راجح شخص سے سوال لازم ہے یا جو شخص باسہولت دستیاب ہو اس سے سوال کیا جا سکتا ہے؟

علماء اصولیین اس مسئلے کے بارے میں یہ عبارت استعمال کرتے ہیں کیا افضل کی موجودگی میں مفضول (جیز دوسروں کو فضیلت دی گئی ہو) کی تقلید جائز ہے اس سلسلے میں علماء کی دو رائے ہیں۔ ❶

۱......ایک جماعت جن میں ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ، ابن سریج شافعی قفال شافعی ابو اسحٰق الاسفرائینی جو استاذ کے لقب سے مشہور ہیں، ابوالحسن الطبری جو کیا کے لقب سے مشہور ہیں، امام غزالی رحمہ اللہ اور شیعہ مشہور قول کے مطابق شامل ہیں، کا خیال یہ ہے کہ سوال علم تقویٰ اور دین میں سب سے افضل شخص سے پوچھنا لازم ہے اور سوال کرنے والے پر راجح تر بات غور سے دیکھنی پھر اس کی اتباع کرنا ضروری ہے، اور اس سلسلے میں شہرت پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ المستصفی میں فرماتے ہیں ❷ ''میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ آدمی پر افضل کی اتباع لازم ہے، چنانچہ جو یہ گمان رکھتا ہو کہ امام شافعی رحمہ اللہ سب سے افضل ہیں اور ان کے مذہب کا غالب ترین حصہ ہی حق اور صواب پر مشتمل ہے تو ایسے شخص کے لئے خواہش نفسانی کی بناء پر دوسرے امام کا مسلک اختیار کر لینا درست نہیں ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال عام لوگوں کی بہ نسبت دلائل کی اور مجتہدین کی نسبت علامت کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا مسائل پر ترجیح دینا لازم ہے اور ترجیح عام آدمی کے لئے علم اور فضلیت کی بناء پر ہو سکتی ہے کیونکہ زیادہ بڑا عالم قوی ہوتا ہے۔ اور زیادہ بڑے عالم کا جاننا یا تو امتحان کے یا تجربے سے (ان سے استفادہ کرتے کرتے واقف ہو جانے سے) ہوتا ہے یا شہرت اور ان کا نام ہر جگہ سنے جانے اور لوگوں کے ان کی طرف رجوع سے ہوتا ہے۔

۲......قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء اور اصولیین فرماتے ہیں ❸ سوال کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ جن علماء سے چاہے سوالات کر سکتا ہے خواہ وہ آپس میں برابر ہوں یا ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں یعنی کم درجے کے عالم کی تقلید افضل شخص کی موجودگی میں

---

❶......ملاحظہ کیجئے التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۴۵، فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۴، مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۴، اللمع فی اصول الفقه للشیرازی ص ۶۸، الاحکام للآمدی ج ۳، ص ۱۷۳، المدخل الی المذهب احمد ص ۱۹۴ فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۱۔۷۰ حاشیه ابن عابدین ج ۱ ص ۴۵ طبع الدمیریه رسالة فی اصول الفقه، ابن عربی ص ۳۲، المستصفی ج ۲، ص ۱۲۵، ارشاد الفحول ص ۲۳۹۔

نوٹ......استفتاء کہتے ہیں کسی مجتہد سے کسی حکم کے بارے میں اس پر عمل کرنے سے سوال کرنا خواہ مسئول وہ مجتہد خود ہو یا وہ شخص ہو جو مجتہد سے صحیح طور پر نقل کرتا ہو خواہ خود براہ راست خواہ کسی کے واسطے سے۔

ملاحظہ کیجئے: تحفه الرأی السدید۔ از احمد الحسینی ص ۲۳۹

❷...... المستصفی الامام الغزالی ج ۲۔ ص ۱۲۵۔ ❸ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اپنے حاشیے میں تحریر اور اس کی شرح سے نقل فرماتے ہیں: اور اس بات کو حنفیہ، مالکیہ اکثر حنابلہ اور شوافع سب بیان کرتے ہیں اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے آخر میں ہے: شوافع کے ائمہ کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ مقلد کو اختیار ہے کہ وہ علماء میں سے جس کی چاہے تقلید کرے۔ اگرچہ وہ مفضول ہو اور مقلد یہ سمجھتا بھی ہو کہ وہ مفضول ہے، اور اس صورت میں یہ ممکن نہیں کہ وہ مکمل قطعی یا مکمل ظنی طور پر یہ کہہ سکے کہ مجتہد صواب پر ہے بلکہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ یہ گمان رکھے کہ جس مذہب کو اختیار کیا ہے وہ حق اور صواب ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ حاشیہ ابن عابدین جلد ۱ ص ۴۵۔

کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں عموم ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور پوچھو اہل نصیحت سے اگر تم نہیں جانتے ہو سورۃ الانبیاء آیت ۷) اور دوسرا سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، اور وہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل اور کم درجے کے مجتہد حضرات بھی تھے اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول نہیں کہ عام افراد کو صرف مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسائل معلوم کرنے کا مکلّف بنایا گیا ہو۔ اور اگر اس قسم کا اختیار (کہ جس سے چاہے پوچھ لیں) ناجائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر تنکیر نہ کرنے میں اس طرح متفق نہ ہوتے۔ علامہ آمدی یہ اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ❶ صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل اور مفضول دونوں قسم کے مجتہدین موجود تھے کیونکہ چاروں خلفاء دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اجتہاد سے زیادہ واقف تھے اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اس کو دانت سے پکڑے رہنا ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں وراثت کے احکام سے زیادہ واقف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اور تم سب میں حلال اور حرام سے زیادہ واقف معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں عوام بھی تھے اور ایسے بھی تھے جن پر مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع اور ان کے قول پر عمل در آمد لازم ہونا مگر اس کے باوجود صحابہ اور سلف سے یہ منقول نہیں کہ عوام کو مجتہد صحابہ کے بارے میں غور وخوض کا مکلّف بنایا گیا ہو اور نہ ہی ان میں سے کسی نے مفضول کی اتباع اور اس سے سوال پوچھنا باوجود افضل موجود ہونے کے قابل نکیر قرار دیا اگر یہ کام (افضل کی موجودگی میں مفضول کی اتباع) ناجائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس سے منع نہ کرنا اور اس پر نکیر نہ کرنا ایک نادرست عمل ہوتا۔

اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع نہ ہوتا (یعنی افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید پر) تو فریق ثانی کی بات ہی ماننا درست اور اولیٰ ہوتا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا قول ہی زیادہ راجح ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع مختلف اقوال میں اختیار دینے اور جس عالم سے چاہے سوال کر لینے کی اجازت پر اس قول کی واضح تائید ہے۔

الفرع الرابع (اصولی علماء کی آسان مذہب کو اختیار کرنے (یعنی رخصتیں تلاش کرنے) اور **تلفیق بین المذاهب** (مختلف مذاہب کی مختلف آراء میں سے بعض کو بعض سے ملا کر ایک نئی رائے قائم کرنا) کے بارے میں آراء:

ہم نے جو کچھ تفصیلی گفتگو کی کہ شریعت میں انسان کو ایک متعین مذہب کا پابند کرنے کے حکم کا کوئی ثبوت نہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رخصتوں کو ڈھونڈ کر ان پر عمل پیرا ہونا اور تلفیق کا عمل درست ہے تتبع الرخص (رخصتوں کو ڈھونڈ نا) یا آسان قول کو اختیار کرنے کا مفہوم یہ ہے انسان ہر مذہب میں سے وہ بات اختیار کرے جو در پیش مسائل میں اس کے لئے آسان اور ہلکی ہو۔ اصولی علماء نے اس بارے میں آٹھ اقوال نقل کیے ہیں میں ان کو مختصراً بیان کرتا ہوں پھر ان میں سے قوی نظریے پر گفتگو کروں گا۔

۱.....امام شافعی رحمہ اللہ کے اکثر اصحابہ (تلامذہ) نے یہ قول اختیار کیا ہے، اور اس قول کو علامہ شیرازی، خطیب بغدادی، ابن صباغ، باقلانی اور علامہ آمدی رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، کہ انسان کو اقوال میں سے کوئی سا بھی اختیار کرنے کی اجازت ہے کیونکہ صحابہ کا افضل کی موجودگی کے باوجود مفضول کے قول پر عمل پیرا ہونے پر نکیر نہ کرنے کا اجماع اس کی دلیل ہے۔

۲.....اہل ظاہر اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ سب سے سخت اور اشد قول کو اختیار کرے۔

۳.....تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے ہلکے مذہب کو اختیار کرے۔

۴.....سب سے زیادہ مقبول عام مجتہد کو تلاش کر کے اس کے قول کو اختیار کرے۔

---

❶.....الاحکام للآمدی، جلد ۴ صفحہ ۱۷۳

۵.....سب سے مقدم مجتہد کا قول اختیار کرے۔ اس قول کو رویانی نے روایت کیا ہے۔

۶.....اس کے قول کو لے جو رائے کے بجائے روایت پر عمل کرتا ہو۔ یہ قول علامہ رافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

۷..... مقلد پر واجب ہے کہ مجتہدین کے مابین اختلافی مسائل میں خوب غور وخوض کرے کہ کس کو اختیار کرنا ہے۔ یہ قول علامہ ابن سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے الموافقات میں اسی قول کو اختیار کیا ہے یہ قول علامہ کعبی رحمہ اللہ کی رائے کے قریب ہے۔

۸..... حقوق اللہ کے معاملے میں آسان ترین اور حقوق العباد کے معاملے میں سخت ترین قول اختیار کیا جائے گا یہ قول ابو منصور ماتریدی نے نقل کیا ہے ان میں سے اس موضوع کے بارے میں تین رائیں مشہور قرار دی جاسکتی ہیں اور ہم انہی تین پر گفتگو کریں گے۔

۱..... حنابلہ ❶ مالکیہ صحیح قول کے مطابق اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ مذاہب میں رخصتوں کو چن کر تلاش کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ خواہشات نفس کی طرف میلان ہے اور شریعت نے ہوائے نفس کی پیروی سے ممانعت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ...... سورۃ النساء، آیت ۵۹

اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

چنانچہ متنازع فیہ چیزوں کو خواہشات نفس کی طرف لوٹانا ہرگز درست نہیں ایسے امور کو شریعت کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کسی عامی شخص کے لئے رخصتوں کا تلاش کرنا بالاجماع ممنوع ہے، حنابلہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے ❷ اگر دو مجتہد سوال کرنے والے کی نظر میں برابر ہوں فضیلت میں، البتہ دونوں اسے مختلف جواب دیں تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں کے جوابوں میں سے زیادہ سخت قول کو اختیار کرے۔ کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عمار" کو دو کاموں میں جب بھی اختیار دیا گیا انہوں نے اشد (زیادہ سخت) کو اختیار کیا اور ایک روایت میں ہے ارشدھما (ان میں زیادہ ہدایت کے قریب) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے اس حدیث کو نسائی رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے ان دو لفظوں سے ثابت ہوا کہ اشد (سخت) کے اختیار کرنے میں ہی رشد (ہدایت) ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ مستفتی ان دونوں مجتہدوں کے متعارض اقوال کو ساقط سمجھے اور دوسرے شخص سے سوال کرے۔ مالکیہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے ❸ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مذاہب میں رخصتوں کو تلاش کرنا ممنوع ہے یعنی مذہب میں سے وہ حکم اختیار کرنا جو آسان اور ہلکا ہو آنے والے مسائل کے لئے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع نہیں بعض لوگوں نے رخصتوں کے تلاش کرنے والے کے فسق کی صراحت کی ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں سے ایسے نکلے کہ زیادہ سخت قول کو اختیار کرے کیونکہ دین جس کی نظر میں بلند مرتبہ رکھتا ہے وہ تقوی اختیار کرتا ہے اور جس کی نظر میں کم تر ہوتا ہے وہ بدعتوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے ❹ کسی عامی شخص ❺ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مختلف مذاہب میں سے ہر مسئلے میں اپنے نزدیک صاف اور آسان صورت چن لے اور توسع سے کام لے بلکہ اس طرح کے اختلافی مسائل میں ترجیح کی حیثیت ایسی ہے جیسے دو متعارض دلیلوں

---

❶ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ ❷ ابن بدران حنبلی "المدخل" میں فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ مقلد پر سب سے افضل مجتہد ہی سے سوال کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس سے برخلاف قول تقلید کا دروازہ بند کر دیتا ہے ہاں ہم اگر اس سے اس کے شہر کے مجتہدین مراد لیں تو اس پر افضل کی تقلید لازم ہوگی۔ کیونکہ سب سے مشہور سب سے افضل ہوتا ہے (ص ۱۹۴) ❸ ارشاد الفحول از علامہ شوکانی ص ۲۴۰ فتاوی شیخ علیش ج ۱ ص ۷۱۔
❹ المستصفی، حوالہ سابق۔ ❺ اصولیین کی اصطلاح میں عامی وہ ہوتا ہے جو اجتہاد کا اہل نہ ہو اگرچہ وہ کسی دوسرے ایسے فن سے آگاہ ہو جس کا تعلق احکام کے استنباط سے نہ ہو (یعنی خواہ دنیاوی علم رکھتا ہو مگر علم شریعت نہ ہو)

کے مابین ترجیح دینے کی حیثیت مفتی کے نزدیک ہوتی ہے اور مفتی کے ذمے ایسی صورت میں اپنے ظن کے مطابق چلنا ہوتا ہے (نہ کہ خواہش نفس کے مطابق) اسی طرح یہاں بھی ہے۔

۲.....علامہ قرافی مالکی، امام شافعی رحمہما اللہ کے اکثر اصحاب (تلامذہ) اور احناف رحمہ اللہ کے ہاں راجح قول کے مطابق، احناف میں سے محقق ابن ہمام اور صاحب مسلم الثبوت خاص طور پر ❶ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذاہب کی رخصتوں کا تتبع کرنا درست ہے کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ملتی اور دوسری بات یہ کہ انسان کے لئے یہ درست ہے کہ وہ آسان ترین بات کو اختیار کرلے اگر اس کے اختیار کرنے کی گنجائش ہو اور وہ اس طرح کہ اس نے کسی دوسری بات پر عمل نہ کیا ہو اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی سنت اس کے جواز کی متقاضی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان جب بھی اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے آسان ترین کو اختیار کرتے اگر وہ گناہ نہ ہوتا ❷ اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے تخفیف کیے جانے کو پسند فرماتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں سادی آسان ترین چیز دے کر مبعوث کیا گیا ہوں ❸ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا بے شک یہ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین سے سختی نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اس پر غالب آجاتا ہے ❹ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے کچھ فرائض فرض کیے ہیں اور کچھ سنتیں مقرر کی ہیں اور کچھ حدیں معین فرمائی ہیں۔ اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے اور دین کی تشریع کی ہے سو اس کو آسان سادہ کشادہ اور وسیع بنایا اور اس کو تنگ نہیں بنایا ❺ علامہ شعبی فرماتے تھے جب بھی کسی شخص کو دو کاموں میں اختیار دیا جائے اور وہ ان میں سے آسان کو اختیار کرے تو وہ یقیناً ان دونوں میں سے زیادہ پسندیدہ کام ہوگا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔''

علامہ قرافی رحمہ اللہ اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رخصتوں کا تتبع جائز ہے بشرطیکہ اس کے نتیجے میں ایسا عمل ظہور میں نہ آئے جو ان تمام کے نزدیک باطل ہو جن کی یہ شخص تقلید کر رہا ہے۔ یعنی دوسرے کے مذہب کی تقلید کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ تلفیق کا سبب نہ بنے ❻ مقصود یہ ہے کہ رخصتوں کا تتبع ایسے کام میں نہ ڈالدے جس کے باطل ہونا ان دونوں اماموں کے ہاں متحقق ہو جن کی یہ تقلید کرتا ہے اور وہ جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے۔ جیسے مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید اس مسئلے میں کرے کہ وضو عورت کو بلا شہوت چھونے سے نہیں ٹوٹتا اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ اعضاء وضو کو ملنے کے عدم وجوب کے مسئلے میں یا پورے سر کے مسح کے عدم وجوب میں ان کی تقلید کرلے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کی نماز دونوں اماموں کے ہاں باطل ہو جائے گی کیونکہ وضو دونوں کے ہاں صحیح نہیں ہو: (امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں وضو اس لئے صحیح نہیں کہ ان کے ہاں دلک (ملنا) اور پورے سر کا مسح واجب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس لئے صحیح نہیں کہ عورت کو چھونا ان کے ہاں ناقض وضو ہے۔) یہ بات پیش نظر رہے کہ علامہ قرافی نے جو یہ قید لگائی ہے کہ تتبع رخصت کے نتیجے میں ایسی چیز پر عمل نہ ہو جو ان دو یا زائد ائمہ کے ہاں باطل جن کی یہ شخص تقلید کر رہا ہے قید بلا دلیل ہے نہ نص سے اس پر دلیل ہے اور نہ اجماع سے یہ بعد میں لگائی جانے والی قید ہے جیسا کہ محقق ابن ہمام نے تحریر میں یہ قرار دیا ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جب ایک شخص کے لئے کسی مجتہد کی کسی بات سے کلی طور پر مخالفت کرنا جائز ہے اور اس کی بات سے جزوی اختلاف بطریق اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ صاحب تیسیر التحریر نے یہ بات فرمائی ہے

❶..... مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۶، ارشاد الفحول ص ۲۴۰، شرح المحلی علی جمع الجوامع ج۲ ص ۳۲۸، شرح الاسفوی ج ۳ ص ۲۶۶، رسم المفتی فی حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۶۹، الفوائد المکیۃ، علامہ سقاف ص ۵۲. ❷ یہ حدیث بخاری، مالک اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ ❸ امام احمد نے اس حدیث کو اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور خطیب بغدادی نے بھی، دیلمی نے مسند الفردوس میں اس کو نقل کیا ہے اس حدیث کے آخری الفاظ خطیب کی روایت کے مطابق یہ ہیں من خالف سنتی فلیس منی۔ ❹ اس حدیث کو امام بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ❺ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❻ تلفیق کہتے ہیں کسی عمل کو اس طرح ادا کرنا جس طرح ادائیگی کا کسی مجتہد کا قول نہ ہو۔ جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نص یا اجماع سے اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ کوئی فعل اگر کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہو تو مقلد پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک مجتہد کی ان شرائط کے بارے میں مکمل طور پر پیروی کرے جن پر یہ فعل موقوف ہے، اور اگر کوئی دعویٰ کرے تو اس پر اس دلیل کو پیش کرنا لازم ہے ❶ اور جو ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ عامی شخص کے لئے رخصتوں کا تتبع کرنا اجماع کی رو سے ممنوع ہے تو ہم اس بات کے صحیح طور پر نقل ہونے ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر مان بھی لیا جائے تو اجماع کا دعویٰ نا قابل تسلیم ہے کیونکہ رخصتوں کے تتبع کرنے والے کو فاسق قرار دینے میں امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں منقول ہیں، اور قاضی ابویعلی نے اس روایت کو جو تفسیق ثابت کرتی ہے اس شخص پر محمول کیا ہے جو نہ تو مقلد ہو اور نہ ہی تاویل کرنے والا ہو (یعنی محض خواہش نفس کی بنیاد پر کرے) اور ابن امیر الحاج نے التقریر علی التحریر میں فرمایا ہے کہ بعض حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر دلیل قوی ہو یا وہ شخص عامی ہو تو وہ فاسق نہیں قرار پائے گا۔ اور روضۃ النووی میں ابن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ شخص فاسق نہیں قرار پائے گا۔ خلاصہ گفتگو یہ ہے رخصتوں کو لینے کا اصول پسندیدہ عمل ہے اور اللہ کے دین میں آسانی ہے، قرآن کے مطابق اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اور یہ بھی طے ہو کہ مقلد رخصتیں تمام معاملات میں تلاش نہیں کرتا ہے بلکہ وہ بعض امور میں رخصتیں تلاش کرتا ہے اور بہت سی مرتبہ علماء نے یہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کی تقلید کی تو وہ اللہ کے ہاں بری الذمہ ہوتا ہے اور علماء کا اختلاف رحمت ہے اور بعض نے تو بعض دفعہ یہ بھی کہا کہ تم نے بڑی کشادہ چیز کو تنگ کر دیا اور یہ بات اس وقت کہی جب کسی شخص نے اپنے تمام تصرفات میں ایک مشہور قول پر ہی عمل کرنا شروع کر دیا۔

۳۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی رائے: ...... علامہ شاطبی رحمہ اللہ بھی ابن سمعانی والی رائے رکھتے ہیں ❷ وہ یہ ہے کہ مقلد پر واجب ہے کہ وہ اقوال مذاہب میں ترجیح کا عمل انجام دے اور یہ ترجیح کسی مجتہد کے اعلم (زیادہ جاننے والا) ہونے وغیرہ کے ذریعے دی جائے اور دوسرا یہ واجب ہے کہ وہ قوی دلیل کی اتباع کرے کیونکہ مجتہدین کے اقوال بہ نسبت مقلدین کے متعارض ادلہ بہ نسبت مجتہدین کی طرح کے ہیں، یعنی جیسے مجتہد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ادلہ کے بالکل ایک دوسرے کے ساتھ قوت میں برابر ہونے کی صورت میں کسی ایک کو ترجیح دے یا بالکل توقف کرے اسی طرح مقلد پر بھی مجتہدین کے مختلف اقوال کے مابین ترجیح دینی ضروری ہوتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت واقع میں ایک ہی قول کی طرف لوٹتی ہے (یعنی ایک ہی قول حق ہوتا ہے) لہٰذا مقلد کو اختیار نہیں کہ وہ اقوال میں سے بعض کو منتخب کرے۔ ورنہ اپنی غرض اور شہوت کی اتباع کرنے والا کہلائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے خواہش نفسانی کی پیروی سے بالکلیہ منع فرمایا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ...... سورۃ النساء آیت ۵۹)

اگر تم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

اس کلام کے بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے بڑے طویل کلام میں آسان مذہب کو اختیار کرنے کے اصول پر مرتب ہونے والے مفاسد کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

انسان گمراہی میں پڑے گا اپنے دوست یا رشتہ دار سے مروت برتنے کی خاطر نفسانی خواہشات کے لئے رخصتوں کی اتباع کرنے میں۔

۱...... گمراہی: اپنے دوست یا رشتہ دار کے ساتھ جانبداری برتتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کا تتبع کرے گا اور اس طرح وہ فتویٰ دینے میں گمراہی میں پڑے گا۔

---

❶...... مقصود اس بات سے یہ ہے کہ اگر ایک فعل شرعی کچھ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا کسی مجتہد کے ہاں ضروری ہو تو یہ مقلد پر واجب قرار دینا کہ وہ اس فعل کو ان شرائط کے مطابق ادا کرے جو مجتہد نے مقرر کی ہیں ورنہ وہ عمل باطل ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے انسان کو اختیار ہے کہ وہ فعل بعض شرائط کے بغیر انجام دے اور وہ فعل اس کا شرعاً درست بھی ہو۔ (مترجم) ❷ الموافقات، علامہ شاطبی، ج ۴، ص ۱۳۲۔۵۵

۲......یہ گمان کہ اختلاف جواز یا اباحت کے لئے حجت بن سکتا ہے، حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ کسی چیز کے اہل علم میں اختلافی ہونے سے وہ فعل جائز ہو جاتا ہے۔

۳......تیسری خرابی یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی رخصتوں کی اتباع شروع ہو جائے گی۔

اصول کی بنیاد پر کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف کلیتاً منتقل ہونا درست ہے نیز یسر اور آسانی کے اس ضابطے کی بناء پر جس پر شریعت کی بنیاد ہے ساتھ ساتھ اس کے کہ شریعت کی صفت "الحنيفية السمحة" میں السمحة (سادہ اور آسان) میں آسانی سے مراد وہ آسانی ہے جو اصولوں پر قائم ہو نہ کہ وہ آسانی جو بے اصولی ہو اور رخصتوں کا تتبع کرنا اور اقوال محض اپنی خواہشات کی بناء پر اختیار کرنا اصول کے مطابق نہیں خلاف ہے۔ پھر علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے مذاہب کی رخصتوں کے بعض مفاسد گنوائے ہیں جیسے دلیل کی اتباع ترک کرتے کرتے مخالفت کی اتباع شروع کر دینا جو دین سے نکل جانے کا سبب بن جائے اسی طرح دین کی استہانت کا بھی امکان ہے۔ کیونکہ یہ تتبع رخص ایسا سیال مادہ بن جاتا ہے جس کا بہاؤ روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں معلوم چیز کو چھوڑ کر نامعلوم کو اپنا لینے کی خرابی بھی اسی کے نتیجے میں پیدا ہو گی۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے احکام سے اس کو واقفیت تو ہوگی نہیں۔ ایک اور اہم خرابی جو اس کے نتیجے میں پیدا ہوگی وہ یہ ہے کہ شرعی طور پر حق اور عدل کے شروع کئے گئے طریقوں سے بچ نکلنے کا کام شروع ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ لوگوں کے درمیان معیار کسی طریقے سے منضبط نہیں کیا جا سکے گا اور انار کی بے راہ روی مظالم پھیل جائیں گے اور حقوق کی پامالی شروع ہو جائے گی حدود کا تعطل ہونے لگے گا اور اہل فساد کی جڑیں بڑھ جائیں گی۔ اور یہ بھی ہونے لگے گا کہ یہ قول ایسے احکام وضع کرنے اور اس طرح تلفیق کا سبب بنے کہ جو اجماع امت کے خلاف جاتا ہو۔ اس طرح کے دیگر اور مفاسد جن کی تعداد بے شمار ہے۔

۴......چوتھی بنیادی خرابی یہ ہے کہ آسان قول کو اختیار کرنے کے اصول پر عمل پیرا ہونے سے احکام سے گلوخلاص اور انہیں یکسر ساقط کر دینے کا رجحان پیدا ہوگا۔ حالانکہ تکالیف شرعیہ (شرعی احکام کی ذمہ داری اور بوجھ) سب کی سب طبیعت انسانی پر بھاری اور شاق ہیں اس کے بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ ضرورت کے حاجت کے وقت "الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں) کے قاعدہ شرعیہ کے پر عمل کرتے ہوئے رخصتوں کے تتبع کو جائز قرار دینے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے فعل کا حاصل مقصد تو وہی اختیار کرنا ہے جو ہوائے نفس اور خواہش کے مطابق ہو یا اس کی سعی کا مقصود ضرورت اور حاجت کی مقرر کردہ شرعی حدود کو پھلانگنا ہی ہوگا۔ ساتھ انہوں نے اس اصول کہ اختلاف ائمہ کی رعایت رکھنا مطلوب اور مقصود امر ہے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسان قول کو اپنانے کی اجازت دینے والے حضرات پر بھی تنقید کرتے ہوئے ان کی بات کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اختلاف رعایت کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ دو متنافی اقوال کو جمع کرنے کی یا دونوں کی ایک ساتھ اجازت دیدی جائے بلکہ اختلاف ائمہ کے لحاظ رکھنے کا حکم دو الگ الگ مسئلوں کے لئے ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے اتنی سختی کے ساتھ رخصتوں کے تتبع اور تلفیق سے منع کرنے کا سبب احکام شرعیہ کے نظام کے بارے میں ان کی غیرت ایمانی اور حساسیت ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کوئی شخص نظام احکام شرعیہ کی حدود نہ پھلانگ بیٹھے۔ لیکن جیسا کہ ان کی گفتگو سے مترشح ہے کہ وہ کچھ مذہبی عصبیت کا شکار ہیں اور باوجود اپنی آزادانہ سوچ کے وہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی مخالفت سے ڈرتے ہیں۔ اور تقلید کے کرنے اور اجتہاد سے روکنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔ ہم علامہ شاطبی رحمہ اللہ سے غیرت ایمانی کے جذبے میں بالکل متفق ہیں اور ہم بھی ایسی غیرت رکھتے ہیں لیکن تقلید یا تلفیق جو اپنی جائز حدود میں ہو وہ اس بات کی پابند ہے کہ وہ خدا کے نازل کردہ احکام سے روگردانی پر مشتمل نہ ہو اور نہ ہی ایسی ہو کہ مجتہد کے قول کی دلیل اور حقانیت کا رجحان

بالکل بھی واضح نہ ہو[1] اور اس صورت میں علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی رائے کی عمارت اپنی بنیادوں پر خود گر پڑتی ہے، کیونکہ ان کو دلیل راجح پر عمل درآمد کا اور اصول شریعت پر گامزن ہونے کا پابند کیا جائے گا۔ اور یہ کام ایسا ہے کہ جو تقلید محمود میں بھی لازم ہے اور آسان مذہب کو اختیار کر لینے کی صورت میں بھی۔

تلفیق کی تعریف...... تلفیق کہتے ہیں ایسی کیفیت کا انجام دینا جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی تقلید کرنے اور ایک مسئلے کے بارے میں دو یا زائد قول اختیار کرنے کے نتیجے میں ایک مرکب عمل سامنے آئے جس کے بارے میں کسی کا قول نہ پایا جاتا ہو نہ اس امام کا جس کے مذہب کا وہ شخص پابند ہے اور نہ اس امام کا جس کی رائے اس نے اختیار کی ہو۔

ان دونوں مجتہدین میں ہر ایک کے ہاں یہ مختلف اقوال کی مدد سے مرکب بنایا ہوا عمل باطل ہو۔ اور یہ اس صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے کہ جب مقلد ایک ہی مسئلے کے بارے میں دو اقوال پر بیک وقت عمل کرے یا دونوں میں ایک پر عمل کرے دوسرے قول کے اثرات برقرار رکھتے ہوئے۔ چنانچہ تلفیق کا مفہوم ہوا کہ دو اماموں یا زائد کی تقلید کرنا ایک مسئلے میں جس کے کچھ ارکان اور شرائط یا جزئیات وغیرہ ہوں، جن کا باہم تعلق ہو، اور ہر ایک کا خاص حکم ہو جو ان ائمہ کے مابین اختلافی ہو اور تقلید اس طرح کرے کہ ایک حکم میں ایک امام کی رائے مان لے اور دوسرے حکم میں دوسرے امام کی چنانچہ وہ فعل اس طرح انجام پائے کہ دو یا زائد مذہبوں پر مشتمل ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص وضو میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے کچھ حصے کے مسح پر اکتفاء کرلے پھر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ علیہما کی اس رائے پر بھی عمل پیرا ہو جائے کہ عورت کو بلا قصد شہوت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نماز کی ادائیگی کرلے تو یہ وضو ان تمام ائمہ کے ہاں درست نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں تو عورت کو چھو لینے کی وجہ سے یہ وضو باطل ہو گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ایک چوتھائی سر کا مسح نہ ہونے کی وجہ سے یہ وضو درست نہیں ہوا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں پورے سر کے مسح نہ ہونے یا مثلاً اعضاء کے مل مل کر نہ دھوئے جانے وغیرہ کی وجہ سے یہ وضو درست نہیں ہوا۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید نماز میں قہقہے سے وضو نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید شرمگاہ چھونے سے وضو نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں کرتے ہوئے نماز کی ادائیگی کرنا ایسی نماز کے باطل ہونے پر دونوں ائمہ کا اتفاق ہو جاتا ہے۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص ایک وقف مکان نوے سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے کرائے پر لے اور جا کر اس کو دیکھے نہیں اور اس میں طویل مدت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی اور نہ دیکھنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے تو یہ جائز ہوگا۔[2]

تلفیق کے لئے دائرہ کار بھی وہی ہے جو تقلید کے لئے ہے یعنی اجتہادی ظنی مسائل۔ ہاں جو مسائل ضروریات دین سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ مسائل جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ان کا منکر کافر ہوتا ہے تو ایسے مسائل کے بارے میں تقلید اور تلفیق دونوں درست نہیں۔ اسی طرح وہ تلفیق جو حرام چیزوں کے حلال کرنے کا سبب بنے وہ بھی درست نہیں۔ جیسے نبیذ[3] اور زنا وغیرہ مثلاً اس گفتگو میں یہ اہم بات بھی مدنظر رہے کہ تلفیق بین المذاہب کے نہ ہونے کی شرط دوسرے مذاہب کی تقلید کے جواز کی غرض سے دسویں صدی ہجری کے آخر میں متاخرین علماء

---

[1] ...... مقصود اس بات کا یہ ہے کہ تقلید اور تلفیق دونوں کی جائز حدود ہیں اور دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جائز حدود سے باہر نہ ہوں نہ تلفیق ایسی ہو کہ خدا کے احکام سے روگردانی اس میں ہو اور نہ تقلید ایسی ہو کہ بس مجتہد کی بات مانی ہے خواہ اس کی بات کی دلیل یا اس کی بات کی حقانیت بالکل بھی سمجھ نہ آئے اور واضح نہ ہو دیکھئے اعلام الموقعین: بیان نوعی التقلید المحمود والمذموم، ج ۲ ص ۱۶۸ تحفۃ الرأی السدید از علامہ حسینی ص ۳۹۔ [2] شرح الاسنوی علی منهاج البيضاوی ۳ص ۲۶۶ عمدة التحقيق فی التقليد والتلفيق شخ محمد سعيد البانی ص ۹۱۔ [3] نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کشمش یا کھجور بھگو کر کچھ دیر چھوڑ دی جاتی جس سے پانی میں ان کا ذائقہ آ جاتا ہے یہ عربوں میں بہت ہوتا تھا۔ شراب اور نبیذ میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ نبیذ میں صرف ذائقہ ہوتا ہے جب کہ شراب کے لئے کھجور یا کشمش کافی دنوں تک بھگوئی جاتی ہیں جس سے اس میں نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

ہی نے لگائی ہے، ساتویں صدی ہجری سے پہلے اس پر گفتگو تک نہیں ہوتی تھی۔

تلفیق کا جائز ہونا جیسا کہ ہم نے پہلے قرار دیا ہے، اس بات پر مبنی ہے کہ تمام مسائل میں ایک مذہب معین کی تقلید لازمی نہیں۔ لہٰذا جو شخص کسی معین مذہب کی تقلید نہ کرتا ہو اس کے لئے تلفیق جائز ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ قرار دیا جائے تو عوام کی عبادتوں کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ عامی شخص کا کوئی معین مذہب نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس مذہب کو اپنا بھی لے، ہر درپیش مسئلے میں اس کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کو مسئلہ بتانے والے مفتی کا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تلفیق کے جواز کا قول **تیسیر علی الناس** (لوگوں پر نرمی کرنا) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی ایک معین امام کی ایک مسئلے میں تقلید دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کی تقلید سے ممانعت نہیں کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں مرتب ہونے والے عمل کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ مقلد ایک ایسے عمل کو اپنا رہا ہے جس کے دونوں امام قائل نہیں۔ بلکہ یہ مستفتی کے لحاظ سے مجتہدین کے اقوال ایک دوسرے میں داخل کرنے کی قبیل سے تعلق رکھنے والا مسئلہ ہوگا ایسا تداخل جو بالقصد نہ ہوا ہو۔ جیسے لغت عرب میں بعض لغات ایک دوسرے میں بلا ارادہ وقصد کے داخل ہو جاتی ہیں، چنانچہ مقلد نے اپنے پورے عمل میں کسی امام کی پوری تقلید نہیں کی، بلکہ اس نے دونوں اماموں میں ایک کی تقلید اس معین مسئلے میں کی ہے جس میں اس نے دوسرے کی تقلید نہیں کی۔ اور یہ عمل مجموعی طور پر ایسا ہے کہ نہ تو اجتہادی طور پر کسی نے اسے کہا ہے اور نہ تقلیدی طور پر ہی بات بعض علماء کی تلفیق کے جواز کے لئے اختلاف علماء کی رعایت کرنے کو لازم کہنے کی تو یہ بہت مشکل معاملہ ہے چاہے عبادات میں چاہے معاملات میں، اور یہ شریعت کی سادگی آسانی اور لوگوں کے مفاد اور مصلحتوں کے خیال رکھنے کے اصول کے خلاف بات ہے۔

اور جو بعض علماء جیسے ابن حجر رحمہ اللہ اور بعض علماء احناف نے تلفیق کے ناجائز ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے تو یہ محتاج دلیل ہے، اور اس قسم کے کسی بھی اجماع کے نہ پائے جانے کی اس سے واضح اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس بارے میں علماء میں واضح اختلاف ہے علامہ شفشاوی کسی مسئلے کو دو یا زائد مذہب سے ملا کر بنانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اصولیین کا اس بارے میں اختلاف ہے، اور غور وفکر سے یہ جائز معلوم ہوتا ہے۔ اور بڑے ثقہ علماء نے بھی اختلاف نقل کیا ہے جیسے فہامہ امیر رحمہ اللہ اور فاضل بیجوری رحمہ اللہ۔ مزید برآں ایسا اجماع جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور جو آحاد (ایک ایک فرد) کے ذریعے منقول ہوتا آیا ہو جمہور علماء کے ہاں عمل واجب نہیں کرتا شاید اس اجماع سے مراد یا تو اکثر لوگوں کا اتفاق ہے یا کسی خاص مذہب کے علماء کا اجماع مراد ہے۔

میں مختلف مذاہب کے علماء کے تلفیق کے جواز کے بارے میں اقوال اختصار کے ساتھ اگلی سطور میں ذکر کر رہا ہوں۔ [1]

ا۔ **علماء احناف**...... محقق کمال بن ہمام رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ نے التحریر وشرح التحریر میں فرمایا ہے کہ مقلد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جس کی چاہے تقلید کرے، اور عامی شخص کے کسی مسئلے میں ایسے مجتہد کی بات کو لینے سے جو اس کے لئے آسان ہو، کون سی چیز عقلاً ونقلاً مانع ہے میں نہیں جانتا اور انسان کا مجتہد کے ایسے قول کو اختیار کرنا جو اس کے لئے ہلکا اور آسان ہو اور اجتہاد اس کو جائز قرار دیتا ہو، میں شریعت کی کسی ایسی بات سے واقف نہیں جس میں اس نے اس عمل کی مذمت کی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے تخفیف کئے جانے کو پسند فرماتے تھے۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ جو علامہ ابن عابدین شامی کی تصنیف ہے، سے یہ سمجھ آتا ہے کہ منیۃ المفتی میں حکم مرکب کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ قاضی طرطوسی (وفات ۷۵۸) جواز کی طرف گئے ہیں، اور مفتی روم علامہ ابو السعود العمادی رحمہ اللہ (وفات ۹۸۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیم المصری (وفات سنہ ۹۷۰ھ) نے اپنے ''بیع الوقف بغبن

---

[1]...... رسم المفتی ج ۱ ص ۶۹ التحریر وشرحہ ج ۳ ص ۳۵۰ الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام للقرافی ص ۲۵۰، عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق للبانی ص ۱۰۶ المؤتمر الاول لمجمع البحوث الاسلامیہ بحث الاستاذ الشیخ السہنوری ص ۸۳ اور بحث الشیخ عبد الرحمن القلہود ص ۹۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

فاحش'' کے رسالے میں بڑے جزم سے یہ فرمایا ہے کہ تلفیق جائز ہونا مذہب کا مختار مسئلہ ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ علامہ امیر بادشاہ (وفات سنہ ۹۷۲ھ) بڑے شدومد کے ساتھ تلفیق کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مفتی نابلس علامہ آفندی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۳۰۷ ہجری میں تقلید کے بارے میں ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انہوں نے تقلید کی مطلقاً تائید کی تھی۔ اس رسالے کے بارے میں فقیہ عصر علامہ عبدالرحمٰن البحراوی نے فرمایا تھا'' بلاشبہ مؤلف کتاب نے بالکل درست طور پر حق کو بیان کیا ہے۔'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشہور ومعروف تو یہی ہے کہ تلفیق باطل ہے لیکن علماء اس بات کے خلاف ہیں اور

اور تلفیق جائز ہے اور اس کے بہت سے دلائل ہیں جو اس کے صحیح ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۲۔ مالکیہ:......متاخرین فقہاء مالکیہ کے ہاں راجح اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ تلفیق جائز ہے، علامہ ابن عرفہ مالکی رحمہ اللہ نے اپنے شرح کبیر از علامہ دردیر پر تحریر کردہ حواشی میں اس کے جائز ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ دسوقی نے بھی جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور امیر کبیر نے اپنے شیوخ سے یہ نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ تلفیق جائز ہے اور اس میں گنجائش ہے۔

۳۔ شوافع......بعض شوافع علماء نے تلفیق کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس کی ممانعت صرف ان حالات میں کی ہے کہ جن میں تلفیق ممنوع ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔ دوسرے بعض علماء نے تلفیق کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ جب مسئلے میں ان مذاہب کی شرائط پوری ہوتی ہوں جن کی تقلید کی جارہی ہے۔

۴۔ حنابلہ......علامہ طرطوسی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حنابلہ قاضیوں نے ایسے احکام بھی نافذ کئے جن میں تلفیق پر عمل ہوا تھا یہ بات ساتھ ساتھ پیش نظر رہے کہ میں نے ان مذاہب اربعہ کے مخالف علماء کے اقوال ذکر نہیں کئے ہیں خواہ یہ علماء اخذ بأیسر المذاھب (آسان مذہب کو اختیار کرنا) کے مخالف ہوں یا تتبع رخصتوں کے مخالف ہوں۔ کیونکہ مخالف علماء کے اقوال ہم پر دلیل نہیں ہیں کیونکہ خود ان اقوال کی کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو ان کو راجح قرار دے۔

ممنوع تلفیق:......تلفیق مطلقاً جائز نہیں، یہ کچھ حدود کے اندر رہنے کی پابند ہے۔ چنانچہ بعض تلفیق ایسی ہیں جو بذات خود باطل ہیں جیسے مثلاً وہ تلفیق محرمات کے حلال کرنے کا سبب بن جائیں جیسے شراب، زنا وغیرہ۔ اور بعض تلفیق ایسی ہیں جو بذات خود تو باطل نہیں مگر درپیش عوارض واحوال کی وجہ سے وہ ناجائز ہو جاتی ہیں۔ اور یہ تین قسم کی ہیں۔ ❶

۱......رخصتوں کو عمداً ڈھونڈ کر تلاش کرنا۔ یعنی انسان ہر مذہب کی آسان اور نرم باتوں کو بلاکسی ضرورت اور عذر کے اختیار کرلے، یہ سدِّ ذریعہ (ذریعہ فساد کی بندش) کے اصول کے تحت ناجائز ہے کیونکہ نتیجہ انسان تکالیف شرعیہ سے آزادی اختیار کرلیتا ہے:

۲......وہ تلفیق جو قاضی یا حاکم وقت کے حکم کو توڑنے کا سبب بنے، کیونکہ حاکم کا قاضی کا حکم اختلاف کو رفع کردیتا ہے۔ مقصود انارکی اور بے راہ روی سے بچنا ہوتا ہے۔ ❷

۳......وہ تلفیق جس سے ایسے چیز سے رجوع لازم آتا ہو جو اس نے ایک مرتبہ تقلیداً انجام دیدی ہے یا ایسے کام سے رجوع لازم آتا ہو جو تقلیداً انجام دیئے ہوئے عمل کے لئے ضروری ہو۔ اور یہ شرط ہے عبادات کے علاوہ احکام میں۔ اور عبادات میں تو تلفیق جائز ہے بلا اس شرط

---

❶......عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق، ص ۱۲۱، الاحكام في تمييز الفتاوىٰ عن الاحكام لقرافي ص ۷۹ فتاوىٰ شيخ عليش ج ۱ ص ۶۸۔۷۱۔ ❷ مصنف کا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی میں مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہو اور قاضی کسی ایک حکم پر فیصلہ دیدے تو فقہاء کا فیصلہ یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ رافع خلاف (اختلاف کا ختم کرنے والا) ہوتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے حکومتی نظم ونسق بربادی اور تباہی اور بے راہ روی سے ہمکنار نہ ہو اس لئے قاضی کا فیصلہ ہی حتمی سمجھا جاتا ہے۔

کے خواہ اس سے اس عمل سے رجوع لازم آتا ہو جس پر عمل کر چکا ہے خواہ اس سے رجوع لازم آتا ہو جو اس عمل شدہ فعل کے لیے لازم ہو اور اس پر سب کا اجماع بشرطیکہ یہ تکالیف شرعیہ سے بالکل جان چھڑانے تک نوبت نہ لے جائے۔ اور نہ ہی اس کے نتیجے میں حکمت شرعیہ بالکل جاتی رہے ایسے حیلے اختیار کرنے سے جو شریعت کے بالکل مغائر ہوں یا اس کے مقاصد کو ضائع کرنے والے ہوں۔

پہلی صورت یعنی عمل سے رجوع کرنے کی مثال یہ ہے جو فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ "انت طالق البتۃ" (تمہیں زبردست طلاق ہے) اور اس فقیہ کا خیال یہ تھا کہ اس طرح سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں چنانچہ اس نے اس بات کو اپنے اور بیوی کے درمیان لاگو سمجھا اور یہ گمان کرلیا کہ میری بیوی مجھ پر حرام ہو چکی ہے۔ پھر بعد میں اس کا خیال یہ ہوا کہ یہ اس لفظ سے تین طلاقیں نہیں بلکہ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے تو اس صورت میں اسے اپنی پہلی رائے (تین طلاقوں کی) کی جاری رکھنی ہوگی اسے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اسے اپنی بیوی قرار دیدے اس رائے کی بنیاد پر جو اس نے بعد میں اختیار کی ہے۔ اسی طرح برعکس مسئلہ ہے کہ وہ پہلے اسے طلاق رجعی سمجھتا تھا بعد میں اس کا خیال یہ ہوا کہ یہ طلاق ثلث ہے تو بیوی حرام نہیں ہوگی۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ عمل کر لینے کے بعد تلفیق کرنے کا بطلان دو شرطوں کے ساتھ مفید ہے:

۱...... یہ کہ پہلے فعل کا کوئی اور نتیجہ ایسا باقی ہو جو تلفیق پر عمل کرنے کی صورت میں ایسی شکل اختیار کرلے جس کا کوئی مذہب قائل نہ ہو۔ جیسے مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید سر کے کچھ حصے کے مسح کے بارے میں اور امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کتے کے پاک ہونے کے بارے میں ایک ہی نماز کے معاملے میں۔ اس صورت میں یہ تلفیق باطل ہوگی اس طرح اگر کسی مفتی نے کسی شخص کی بیوی کے بائن ہو جانے کا فتویٰ اس لئے دیا کہ طلاق اس شخص سے زبردستی دلوائی گئی تھی، اس شخص نے اپنی سالی سے نکاح کرلیا مذہب حنفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کہ زبردستی کی طلاق چونکہ احناف کے ہاں واقع ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی بیوی تو اس پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا اس کے لئے اپنی سالی سے نکاح کرنا جائز ہو گیا ہے۔ بعد میں کسی شافعی مفتی نے اگر یہ فتویٰ دیا کہ زبردستی کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو اس شخص کے لیے پہلی بیوی سے شافعی مسلک پر عمل کرنے اور دوسری سے حنفی مسلک پر عمل کرتے ہوئے ہم بستری جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ فعل کا ایک مرتبہ انجام دے دینا قاضی کے فیصلے کی طرح ہوتا جو ایک مرتبہ نافذ ہو جانے کے بعد کالعدم نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جب اس نے مذہب حنفی پر ایک مرتبہ عمل کرلیا تو وہی نافذ ہو گیا اب مذہب شافعی پر عمل کرتے ہوئے تلفیق کرنا جائز نہیں ہوگی۔ ❶

۲...... دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بعینہ ایک ہی واقعے میں ہو تب غلط ہوگی۔ اگر اس واقعے کی طرح دوسرے واقعے میں ہو تو غلط نہیں ہوگی مثال کے طور پر ایک شخص نے حنفی مسلک پر عمل کرتے ہوئے ظہر کی نماز چوتھائی سر کے مسح کے ساتھ پڑھی بعد میں وہ مالکی مسلک پر عمل کرتے ہوئے اپنی طہارت کو باطل نہیں قرار دے سکتا کہ مذہب مالکی میں پورے سر کا مسح ضروری ہے۔ ہاں اگر ایک دن وہ ایک مذہب کے مطابق نماز پڑھے اور دوسرے دن دوسرے مذہب کے مطابق تو یہ جائز ہوگا۔ ❶

تلفیق کی تیسری قسم کی شق دوم یعنی ایسے کام سے رجوع کرنا جو سب کا متفق ہو اور اس پر اجماع ہو، اس کی مثال جیسے کوئی شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید بغیر ولی کے نکاح منعقد ہو جانے کے مسئلے میں کرلے تو اس صورت میں عقد نکاح مکمل ہو جانے کی وجہ سے زوج (شوہر) کو طلاق واقع کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا کیونکہ وقوع طلاق کا حق ایسا امر ہے جو صحت نکاح کے ساتھ بالا جماع حاصل ہوتا ہے چنانچہ اگر یہ شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور پھر یہ شخص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرلے طلاق کو واقع نہ ہونے میں کیونکہ نکاح بغیر ولی کے منعقد ہوا تھا جب نکاح بلا ولی ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوا تو طلاق بھی غیر مؤثر ہوئی۔ تو اس شخص کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تقلید سے رجوع کرنا ہے ایسی چیز کے بارے میں جو نکاح کو لازم ہے بالا جماع۔ اور یہ بالکل معقول بات ہے اور اس کا سبب یہ

❶...... رسم المفتی فی حاشیة ابن عابدین ج ١ ص ٦٩۔

ہے کہ پہلا ازدواجی رشتہ ایک حرام تعلق نہ بن کر رہ جائے اور ہونے والی اولاد اولاد زنا نہ ہو۔ لہٰذا ایسا کرنا ممنوع ہوگا۔ اور ہر وہ کام ممنوع ہوگا جو دین کو کھیل تماشا بنانے یا انسانیت کو نقصان پہنچانے یا فساد فی الارض کا سبب بنے۔ تقلید کی مخالفت اجماع کی وجہ سے ممنوع صورتوں میں سے ایک ممنوع صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے بلا مہر، ولی اور گواہوں کے نکاح کرے ہر مذہب کی اس مسئلے میں تقلید کرتے ہوئے جس کا دوسرا مذہب قائل نہ ہو تو یہ وہ تلفیق ہے جو ممنوع کام تک لیجانے والی ہے، کیونکہ یہ اجماع کے مخالف ہے اور کسی نے بھی یہ جائز نہیں رکھا ہے۔ ❶

تلفیق کی وہ صورتیں جو اجماع کی مخالفت کے سبب ممنوع ہیں ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے پھر وہ عورت نو سال کے لڑکے سے اس مقصد کے تحت شادی کرلے کہ وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے اور شادی کے جائز ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرلے اور پھر وہ لڑکا اس کو طلاق دے دے اور اس کی طلاق کے نافذ ہونے اور عدت کے واجب نہ ہونے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرلی جائے اور اس کے پہلے شوہر کے لئے اس سے فوراً عقد کرلینا جائز ہوجائے تو اس قسم کی تلفیق ممنوع ہے کیونکہ یہ تلفیق ازدواجی مسائل سے کھیل کود کرنے کے مترادف ہے اسی وجہ سے شوافع علماء میں علامہ جمہوری فرماتے ہیں یہ ہمارے زمانے میں ممنوع ہے اور اس مسئلے پر عمل ناجائز اور صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام شافعی کے ہاں شرط ہے کہ بچے کا نکاح کرانے والا اس کا باپ یا دادا یا کوئی عادل شخص ہو اور اس کے نکاح کرانے میں بچے کا کوئی فائدہ بھی ہو۔ اور عورت کا نکاح کرانے والا اس کا عادل ولی ہو دو عادل گواہوں کی موجودگی میں۔ اگر کسی شرط میں خلل واقع ہو تو عورت مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی نکاح کے فاسد اور نادرست ہونے کی وجہ سے۔

تکالیف شرعیہ میں تلفیق کا حکم۔ ❷

فروع شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ❸

۱..... وہ فروع جن کی بنیاد شریعت میں آسانی اور سہولت پر رکھی گئی ہے اور جو مکلف لوگوں کے احوال بدلنے سے خود بھی بدل جاتی ہیں۔

۲..... وہ فروع جو تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہیں۔

۳..... جن کا مقصود اور بنیاد بندوں کا فائدہ اور ان کی خوش بختی ہے۔

پہلی قسم تو خالص عبادات ہیں ان میں تلفیق درست ہے، کیونکہ ان کا مقصد اللہ کی احکام کی بجا آوری اور اس کے لئے خضوع اختیار کرنا ہے بغیر کسی مشقت اور پریشانی کے۔ لہٰذا اس میں غلو کرنا درست نہیں، کیونکہ زیادہ سختی تو بلا ئت اور تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

مالی عبادات میں البتہ نسبتاً سختی ضروری ہے اس لئے کہ فقراء کے حقوق کا تحفظ ہوسکے۔ لہٰذا ضعیف قول کو نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ہر مذہب میں سے وہ اختیار کیا جائے گا جو زکوٰۃ دینے والے کے فائدے میں ہوتا کہ فقیر کا حق ضائع کیا جاسکے۔ بلکہ لازم ہوگا کہ فقراء کی مصلحت اور مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے اس چیز کا فتویٰ دیا جائے جو فقراء کے لئے زیادہ بہتر ہو۔

دوسری قسم میں ممنوع چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ اور وہ احتیاط اور تقویٰ کو جہاں تک ممکن ہو اختیار کرنے پر مبنی ہوتی ہیں ❹ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بلا اس کے نقصان دہ ہونے کے منع نہیں فرماتے ہیں لہٰذا اس میں مسامحت سے یا تلفیق سے کام لینے کی اجازت نہیں سوائے ضرورت شدیدہ کے کیونکہ یہ اصول شریعت ہے کہ ''ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں۔'' بناء بریں حقوق اللہ سے متعلق محظورات اور

---

❶..... شرح وتنقيح للقرافي ص ۳۸۶۔ ❷..... مذاہب کی تقلید میں تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ مذاہب کی تقلید کرتے ہوئے احکام فقہیہ میں سے کچھ کو اختیار کرلینا یا چن کر اپنالینا۔ ❸ عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق ص ۱۲۷۔ ❹ ان کے تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہونے کی دلیل احادیث نبویہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے دع ما يريبك الى مالا يريبك (شک پیدا کرنے والی باتوں کو چھوڑ کر شک نہ پیدا کرنے والی باتوں کو اپناؤ) اور یہ ما اجتمع الحرام والحلال الا غلب الحرام الحلال (جب بھی حلال اور حرام جمع ہوں حرام کو حلال پر فوقیت ہوتی ہے)

ممنوعہ امور میں تلفیق جائز نہیں اور نہ ہی اجتماع حقوق سے متعلق یہ جائز ہے مقصود اس سے اجتماعی نظام کی حفاظت، جو شریعت میں مطلوب ہے، اور مفاد عامہ کی رعایت کا اہتمام ہے۔ اسی طرح حقوق العباد سے متعلق ممنوع امور میں بھی تلفیق جائز نہیں یعنی انفرادی حقوق کے معاملے میں۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں کے حقوق کی پامالی اور ان کو ضرر رسانی اور ان پر کسی قسم کی زیادتی سے روکا جا سکے۔

تیسری قسم تمدنی معاملات ہیں۔ یعنی عقوبات شرعیہ (شرعی سزائیں) حدود اور تعزیرات، اور شرعاً واجب الاداء اموال یعنی اگنے والی اشیاء میں ابن عشر کی ادائیگی زمینوں کا خراج، ظاہر ہونے والی کافروں کا خمس، ازدواجی تعلقات یا احوال شخصیہ وغیرہ سارے امور اس تیسری قسم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ازدواجی معاملات اور اس سے متعلق طلاق اور جدائی کے مسائل سے مقصود زوجین اور ان کی اولادوں کی بہتری ہے اور بہتری جب ہی ممکن ہے جب ازدواجی تعلق مضبوط رہے اور اچھی عمدہ زندگی حاصل ہو جیسا کہ قرآن کریم نے قرار دیا کہ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (پھر یا تو ٹھہرائے رکھنا ہے معروف طریقے پر یا رخصت کر دینا ہے عمدگی کے ساتھ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۹)

لہٰذا ہر وہ چیز جو اس اصول کی مؤید ہو اس پر عمل کیا جائے گا خواہ بعض صورتوں میں تلفیق جائز تک نوبت کیوں نہ پہنچ جائے ہاں اگر تلفیق کو لوگوں کے نکاح وطلاق کے احکام سے کھیلنے کا ذریعہ بنا لیا جائے تو اس صورت میں یہ تلفیق غلط اور ممنوع ہوگی۔ اور اس میں بھی شرعی قاعدے الاصل فی الابضاع التحریم شرمگاہوں کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ اصلاً ممنوع ہیں اور مقصود اس سے عورتوں اور نسب کے حقوق کی حفاظت ہے۔

اور جہاں تک معاملات، مال کی ادائیگی اور مقرر کردہ سزائیں حدود وقصاص وغیرہ جن سے خون کی حفاظت وغیرہ مقصود ہے اور دیگر سزائیں اور تکالیف شرعیہ جن میں مقصود بنی نوع انسان کے مفاد اور ان کے فوائد کی حفاظت ہے تو ان میں ہر مذہب کی وہ رائے اپنانی ضروری ہے جو لوگوں کے فائدے اور ان کی بہتری کے زیادہ قریب ہو۔ اگرچہ اس سے تلفیق لازم آتی ہو۔ کیونکہ اس میں درحقیقت شریعت کے مقصود اور مطلوب فائدے کی تائید کی ہی کوشش ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی فائدے کی چیزیں اور امور زمانے عرف، معاشرے اور آبادیوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور انسان کے فائدے کا معیار یہ ہے کہ وہ پانچ کلی اصولوں کی حفاظت کا ضامن ہو جو کہ یہ ہیں (۱) حفاظت دین (۲) حفاظت نفس (۳) حفاظت عقل (۴) حفاظت نسل (۵) حفاظت مال اور ان کے علاوہ وہ تمام فوائد اور مصالح جو شرعاً کتاب وسنت اور اجماع میں مقصود ہیں اور جنہیں مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے۔

علامہ شرنبلالی حنفی العقد الفرید میں تلفیق کے جائز ہونے کی تصریح کرتے ہوئے کچھ فروع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”ہماری ذکر کردہ باتوں سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان پر کسی معین مذہب کا اپنانا لازم نہیں اور اس کے لئے دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے ایسی چیز پر عمل کرنا جائز ہے جو اس کے اپنے مذہب کے خلاف ہو بشرطیکہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ان امور کو انجام دے اور دو ایسے متضاد کاموں پر دو الگ واقعوں میں عمل پیرا ہو جن کا آپس میں تعلق نہ ہو۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے اپنے انجام دیئے ہوئے کام کو باطل کر دے کیونکہ کسی کام کا انجام دے دینا قاضی کے فیصلے کرنے کی طرح ہوتا ہے جو کالعدم نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ مزید فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے عمل کر لینے کے بعد بھی تقلید کر لینی درست ہے جیسے اس نے نماز پڑھی یہ گمان کرتے ہوئے کہ میری نماز میرے مذہب کے اصولوں کے مطابق ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے اپنے مذہب کے مطابق وہ درست نہیں دوسرے مذہب کے مطابق درست ہے تو اس کے لئے دوسرے مذہب کی تقلید کرنا درست ہے اور اس کی نماز درست ہوگی اور یہ اس بنا پر جو بزازیہ میں منقول ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کسی حمام سے غسل کر کے جمعہ کی نماز کی ادائیگی کی پھر انہیں بتایا گیا کہ حمام کے کنویں میں مردہ چوہا تھا تو انہوں نے فرمایا ہم اپنے مدینہ منورہ کے بھائیوں کے قول کو لے لیتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ (بڑے دو مٹکوں) سے زیادہ ہو تو گندگی اس پر

اثر انداز نہیں ہوتی ❶۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تلفیق کے جائز یا ناجائز ہونے کا ضابطہ یہ ہے جو چیز شریعت کے اصولوں اور بنیادوں کی پامالی کا سبب بنے اور اس کی تدبیروں اور حکمتوں کے زوال اور توڑنے کا سبب بنے وہ ناجائز ہوگی اور بالخصوص ممنوع شرعی حیلے ❷ اور جو چیز شرعی بنیادوں کی پختگی کا سبب بنے اور جو چیز شریعت کی حکمت اور اس کی تدابیر بتاتی ہوں لوگوں کی دونوں جہانوں میں بہتری اور خوش بختی کے لئے عبادت کو ان کے لئے آسان کر کے اور معاملات میں ان کے فائدے کی حفاظت کر کے تو وہ جائز اور مطلوب ہے۔

قانون سازی میں آسان کو اختیار کرنا.....شرعاً حاکم وقت ولی الامر کے لئے مذاہب شرعیہ میں سے آسان اقوال کو اختیار کرنے سے کوئی مانع موجود نہیں۔ کیونکہ یہ ممنوع تلفیق کی قبیل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف مذاہب میں سے چنے ہوئے احکام وہ کلی احکام ہیں جو مختلف متغایر امور کے لئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں، چنانچہ ان کے عملی اطلاق کے وقت اگر کوئی تلفیق واقع ہو تو وہ مقصود نہیں ہوگی لہٰذا اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ جیسے بغیر ولی کے یا صرف عورتوں کے ذریعے منعقد ہونے والے نکاح کی اجازت اسی طرح یہ مسئلہ کہ رشتہ نکاح کو ایک لفظ کے ذریعے دی گئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کر کے برقرار رکھنے کی اجازت دینا اس طرح کہ اس طلاق کو ایک طلاق رجعی قرار دے دیا جائے تو یہ ایسی تلفیق ہے جو مقصود نہیں لہٰذا ممنوع بھی نہیں ہوگی۔

فی الجملہ تلفیق کے جواز کا قول اس کی ممانعت کے قول سے زیادہ قوی ہے چہ جائیکہ جب تلفیق کے عمل سے مقصود افراد اور جماعت کے مفاد اور مصالح کا تحفظ مقصود ہو۔ اور اس پر ممنوع تلفیق سے پیدا ہونے والے مفاسد بھی مرتب نہ ہوتے ہوں۔ اور اگر ہم فرض کر لیں کہ تلفیق ناجائز ہے تو حاکم کا ایک رائے کو اختیار کر کے ایسے نافذ العمل قانون بنا دینا اس حکم کو قوی بنا دیتا ہے خواہ وہ قول ضعیف ہو جیسا کہ علماء نے قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت ضروری ہوگی اگر اس نے کسی واقعی معصیت کا حکم نہ دیا ہو۔ قانون سازی کے عمل میں احکام مذاہب کا اختیاری چناؤ عملی طور پر پچاس سال پہلے اس صدی کی ابتداء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا تھا جب حکومت عثمانیہ کو معاملات (مقصود) میں مزید حریت کی ضرورت درپیش ہوئی۔ اسی طرح شروط عقدیہ (عقد کی شرائط) اور جس چیز پر وہ معاملہ طے ہو رہا ہے اس کی قابلیت اور صلاحیت میں مزید توسع کی ضرورت پیش آئی، وجہ اس کی یہ تھی کہ تجارتی اور صنعتی تجارتی معاملات اور معاہدوں کی ضرورت بڑھ رہی تھی اور داخلی اور خارجی تجارت کے انداز بدل چکے تھے ان میں جدت پیدا ہوگئی تھی اور حقوق کی نئی قسمیں سامنے آ رہی تھیں جیسے حقوق ادبیہ (تصنیف اور تالیف کے حقوق) جیسے مصنف کا اور تخلیق کنندہ کا حق۔ اس طرح درآمد کی جانی والی اشیاء کی انشورنس کے معاہدوں کی ضرورت درپیش تھی اور بڑے کارخانوں سے معاملات کے دائرہ کار میں توسع مقصود تھا۔ اسی طرح درآمدی معاہدوں میں بھی توسع مقصود تھا کہ وہ ضروری اور لازمی ساز و سامان منگوایا جا سکے جو حکومت اداروں، کمپنیوں، کارخانوں اور تعلیمی اداروں کے لئے ضروری ہے۔

چنانچہ حکومت عثمانیہ نے قانون کی شق ۶۴ سے (سنہ ۱۳۳۲ھ بمطابق سنہ ۱۹۱۴ء میں) اصول محاکمات (عدالتی قوانین) کے قانون کو بدل دیا جس میں ان مبادی اور اصولوں کو لیا گیا جو مذہب حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب جیسے حنابلہ اور ابن شبرمہ کے مذاہب سے ماخوذ تھے، یہ دونوں حضرات عقد کی شروط کے دائرے میں توسع کرتے ہیں اور اس اصول کے قریب قریب ان کا فیصلہ ہے یعنی ''سلطان الارادۃ القانونی'' کے اصول کے قریب، جس کا مفہوم یہ ہے کہ عقد جو ہے وہ فریقین کا آپس کا قانونی معاملہ ہوتا ہے جو وہ چاہے طے کر لیں۔ یہ دونوں ان تین اصولوں کو جائز قرار دیتے ہیں جس پر نئی قانونی شق مشتمل تھی اور وہ یہ ہیں:

۱.....جس چیز پر عقد کیا جاتا ہے اس کے قابل عقد ہونے کے تصور میں وسعت پیدا کی جائے (یعنی وہ کون سی چیزیں ہیں جن پر متعاقد دو فریقین کا معاملہ) ہوتا ہے ان میں مزید گنجائش پیدا کی جائے اور وہ بعض چیزیں جو فقہاء نے ذکر نہیں کی ہیں یا ان کو غلط قرار دیا ہے ان کو قابل

---

❶.....رسم المفتی فی حاشیۃ ابن عابدین، ج ۱ ص ۷۰

❷.....حرام حیلوں کی مثالیں جن کا فتویٰ دینے کا کافر ہو جاتا ہے، دیکھئے اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۵ اور اس کے بعد کے صفحات میں۔

عقد چیزوں میں داخل کیا جائے تا کہ وہ تمام چیزیں جو عرف میں ہوتی ہیں یا بعد میں ہوں گی وہ سب ان میں شامل ہو جائیں۔

۲..... ہر اس اتفاق یا شرط کا جواز جو عام نظام، آداب، خاص (پرائیویٹ) قوانین عام (پبلک) قوانین، زمینوں کے قوانین اموال شخصیہ اور اوقاف کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ اس اصول سے احناف کا نظریہ فساد ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز جائز قرار پائی جیسے الشرط الجزائی کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی کسی عمل سے پھر جانے یا اسے انجام دینے میں تاخیر کی صورت میں مالی تاوان کی ادائیگی کا لزوم جو کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

۳..... کسی بھی عقد کو اس کی بنیادی چیزوں کے اوپر اتفاق ہو جانے کی صورت میں جائز قرار دینا خواہ فرعی امور اور تفصیلات ذکر نہ کی جائیں۔ اور اس اصول کی وجہ سے جہالت کسی معاملے کی ہیئت میں مضر ثابت نہیں ہوگی۔ لہٰذا معاملہ بازار کے ریٹ پر یا اس ریٹ پر کرنا جو بازار میں کسی معین دن میں ہو جائز قرار پایا[1] اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حکومت عثمانیہ نے ۱۳۳۶ھ میں خاندان کے حقوق کے سلسلے میں ایک دستاویز نشر کی تھی جو آج نافذ العمل ہے اس میں اس نے احناف کے علاوہ تینوں مذاہب کے بہت سے احکام لئے گئے تھے۔ اور حنفی مسلک کے بعض ضعیف اقوال بھی اختیار کئے گئے تھے۔ اور مصر میں بعض منتخب قوانین لاگو کئے گئے تھے جو مختلف مذاہب کے احکام سے ماخوذ تھے جو ۱۹۲۰ھ سے ۱۹۲۹ء تک جاری ہوتے رہے پھر ۱۹۳۶ء میں بھی جاری ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں اس میں خلافت عثمانیہ کے اختیار کردہ عائلی قوانین ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور یہ سارا عمل مختلف مذاہب کے منتخب علماء اور شرعی عدالتی قوانین کے ماہرین کی موجودگی میں انجام دیا گیا، اور اس میں زمانے میں ہونے والی تبدیلیوں اور اجتماعی زندگی میں ہونے والی ترقی کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔ اسی طرح نئی حاجتوں اور نئے مفادات کا پایا جانا اور حالات اور واقعات کا بدل جانا بھی اس عمل میں پیش نظر تھا۔

تلفیق کے عمل کے ساتھ بنائے جانے والے قوانین کی بڑی واضح مثال وصیت واجبہ کا قانون نمبر ۷۱ ہے جو شق نمبر ۷۶ تا ۷۹ مذکور ہے مصری احوال شخصیہ کے مجموعہ قوانین میں ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ جو کہ اولاد محروم کے معاملے کے حل نکالنے کی غرض سے تشکیل دیا گیا تھا۔ یعنی اس شخص کی اولاد جو باپ کی زندگی میں انتقال کر چکا ہو۔ اور مصر قانونی کے ساتھ شام میں یہی قانون ۱۹۵۳ء میں بنا لیکن ان دونوں میں ایک فرق تھا وہ یہ کہ مصری قانون میں بیٹے کی اور بیٹی کی اولاد میں فرق نہیں کیا گیا تھا۔ جب کہ شامی قانون میں صرف بیٹے کی اولاد کے بارے میں بات تھی، بیٹی کی اولاد کو اس قانون میں ذوی الارحام جو وارث ہوں، میں شامل کیا گیا تھا۔ تو یہ قانون مختلف فقہی آراء کو جن میں ابن حزم ظاہری کی رائے، بعض تابعین رحمہ اللہ فقہاء کی رائے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کے ایک قول اور اباضیہ کی رائے کے پیش نظر تشکیل دیا گیا تھا۔ لیکن کسی معین فقہی رائے اس کی بنیاد نہیں تھی مذاہب اربعہ کو پھلانگ کر دوسرے مذاہب اختیار کرنے یا مذاہب اربعہ اور مذاہب میں لوگوں کی حاجت کے پیش نظر تلفیق کی ایک بڑی مشہور مثال وصیت کے وارث کے لئے جائز ہونے کا قانون ہے جس میں دیگر ورثاء کی اجازت بھی ضروری نہیں قرار دی گئی یہ مصری قانون وصیت نمبر ۷۱ کی مشق نمبر ۳۷ میں ہے جو ۱۹۴۶ء میں رائج کیا گیا تھا۔ اور اس میں مفسرین کے ایک گروہ جن میں ابو مسلم اصفہانی شامل ہیں، اور مذاہب اربعہ کے علاوہ بعض دیگر فقہاء جیسے شیعہ، زیدیہ کے ائمہ اور شیعہ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے فقہاء کی آراء کو بنیاد بنا گیا تھا۔

اور بعض مسائل کو چن لینے کی عدالتی فیصلوں کی مثال میں سے یہ قانون ہے جس میں گواہی کو قبول کرنے کو اس چیز کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قوی دلیل ہو۔ جیسے لکھا ہوا ہونا، تجربہ ہونا، اور حکومتی رجسٹریشن کا ہونا تا کہ زمانے کے تغیر سے کسی قسم کا شبہ نہ پیدا ہو اور نہ ہی دینی جذبہ کے کم ہونے کے سبب کوئی التباس پیدا ہو۔ اسی طرح پندرہ سال بعد دعوے کی سماعت کی ممانعت ماسوا اس کے کہ وقف یا وراثت کا مسئلہ ہو تو تینتیس سال تک اس کے دعوے کو سنا جا سکے گا۔ جیسا کہ مصری عدالت ہائے شرعیہ کے ضابط قانون میں ان امور کی تصریح

[1]..... المدخل اللفقهي العام، استاد مصطفى زرقاء ف ۳۸۸۔۳۹۲۔

ہے جو سنہ ۱۸۸۰ء کو شائع ہوا تھا۔ اس طرح نکاح وطلاق کے دعوے کے بارے میں زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کے بعد، ساعت کی ممانعت ماسوا اس صورت کے کہ دعویٰ ایسی دستاویزی مصدقہ شہادتوں کے ساتھ ہو جو اس کی مؤید ہوں جیسا کہ شق نمبر ۳۱ مجموعہ قوانین مصریہ ۱۸۹۷ء میں یہ بات موجود ہے۔

النوع الخامس (پانچویں قسم) آسان مذہب کو اختیار کرنے کی شرائط کی اقسام

علماء اصول وفقہ کی جتنی کتابیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں کسی میں بھی میں نے اس موضوع پر مستقل بحث میں نے نہیں دیکھی۔ تاہم اصولیین اور فقہاء کی تحریر کردہ تلفیق تتبع رخصت اور تقلید کے بارے میں مباحث سے اس بارے قواعد کا نکالنا ممکن ہے استنباط اور استخراج کے طور پر۔ یہ ضوابط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

پہلا ضابطہ...... یہ ہے کہ آسان مذہب کو اختیار کرنے کا عمل صرف فروعی اجتہادی ظنی الثبوت مسائل تک محدود رہے یعنی وہ عملی مسائل جن کے احکام ظنی طریقے سے ثابت ہوں جیسے عبادات، معاملات، احوال شخصیہ اور جنایات کے وہ احکام جن کے بارے میں کوئی نص قطعی اجماع یا قیاس جلی ❷ نہ ہو اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ تقلید اور تلفیق کا دائرہ عمل ہے رہی بات ان کے علاوہ احکام کی تو ان میں اخذ بالایسر (آسان صورت اختیار کرنا) کا قاعدہ لاگو نہیں ہوگا جیسے عقائد، اصول توحید وایمان اور اخلاق جیسے معرفت خداوندی اور اس کی صفات کی پہچان وجود خدا اور اس کی وحدانیت کا اثبات اور دلائل نبوت وغیرہ اور ضروریات دین یعنی وہ امور جن پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اور اس کا منکر کافر کہلاتا ہے۔ ضروریات کا تعلق خواہ عبادات سے یا معاملات سزائیں اور محرمات سے ہو جیسے اسلام کے پانچ ارکان سود کا حرام ہونا، زنا کا حرام ہونا اور خرید وفروخت، شادی بیاہ اور قرض وغیرہ کے لین دین کا جائز وغیرہ یہ سب وہ امور ہیں جو بالاجماع جائز ہیں۔ ان امور میں تقلید، تلفیق یا اخذ بالایسر وغیرہ جائز نہیں ہیں چنانچہ وہ تلفیق جو حرام چیزوں کے مباح کرنے کا سبب بنے مثلاً نشہ آور نبیذ اور زنا جیسے محرمات وہ تلفیق ناجائز ہے۔ اسی طرح وہ تلفیق بھی ناجائز ہے جو لوگوں کے حقوق کے پامالی کا یا لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا سبب بنے کیونکہ اسلام میں ضرر دینے اور ضرر پانے کی اجازت نہیں۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مذاہب جن میں تقلید کی جاتی ہے ان کے ضوابط صرف اور صرف پانچ ہیں چھ بھی نہیں کیونکہ ڈھونڈنے اور تلاش کرنے سے اتنے ہی سامنے آئے ہیں۔ ❸

۱......احکام شرعیہ جو فرعی ہیں اور اجتہادی ہیں۔ ۲......ان احکام کے اسباب

۳......ان کی شرائط ۴......ان کے موانع

۵......ثابت کرنے کے وہ طریقے جو اسباب، شرائط اور موانع کو ثابت کرتے ہوں۔ ❹

اس میں 'شرعیہ' کا لفظ بول کر امور عقلیہ سے احتراز مقصود ہے جیسے حساب اور انجینئرنگ وغیرہ کے علوم اور 'حسیات' وغیرہ سے احتراز مقصود ہے اور فروعیہ سے احتراز کرنا مقصود ہے اصول دین اور اصول فقہ سے اور 'اجتہادیہ' کے لفظ سے احتراز مقصود ہے ان احکام سے جو دین کا

---

❶......ضابطہ کے معنی ہوتے ہیں قاعدہ کلیہ اس کی جمع ضوابط ہے یہاں پر مراد وہ قیود ہیں جن موضوع کے دائرہ کار کا تعین ہوگا۔ ❷ قیاس جلی وہ ہے جس میں علت منصوص ہو یا منصوص تو نہ ہو لیکن اصل اور فرع کسی بھی فرق نہ ہونے کا یقین ہو جیسے مار پیٹ کو اف کہنے پر قیاس کرنا کہ اف نہ کرنے کا حکم نص ہے اصل ہے اور فرع یعنی مار پیٹ (ضرب) فرع ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ مار پیٹ اور اف کہنے میں کوئی فرق نہیں دونوں گستاخی اور بے ہودگی ہیں۔ ❸ الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام، امام قرافی ص ۱۹۵ الفروق علامہ قرافی ج ۴، ص ۵۔ ❹ عبارت میں آنے ہوئے لفظ 'حجاج' سے مراد ہے کسی چیز کو ثابت کرنے کے طریقے بدلائل جیسے اقرار اور شہادت۔

حصہ ہیں اور ضروریات دین ہیں۔

''اسباب احکام'' سے مراد ہے وہ چیز جو کسی حکم کا سبب بنے جیسے اتلاف (دوسرے کی چیز کو تلف کرنا) ضمان (تاوان) کا سبب بنتا ہے۔ اور شروط سے مراد ہے جیسے ولی اور گواہوں کی شرط عقد نکاح کے لیے اور موانع سے مراد ہیں وہ امور جو تکلیف شرعی (شرعی ذمہ داری کا بوجھ) سے مانع ہوں جیسے جنون، بے ہوشی جو تکلیف شرعی سے مانع ہوتے ہیں اور قرض زکوۃ واجب ہونے سے مانع ہوتا ہے۔

اسباب، شرائط، اور موانع کو ثابت کرنے والے دلائل سے مراد وہ امور ہیں جن پر عدالتی امور بنیاد بناتے ہوں جیسے گواہ، اقرار وغیرہ (جس کو عدالتی قوانین قابل دلیل سمجھ کر اس پر مقدمہ کو قائم رکھتے ہیں) ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱..... وہ جن پر اتفاق علماء ہے جیسے مالی معاملات میں دو گواہ کا ہونا اور زنا کے معاملے میں چار گواہوں کا ہونا اور ان امور کے بارے میں اقرار اگر کسی اہل شخص نے کیا ہو۔

۲..... وہ جن پر اتفاق نہیں۔ جیسے گواہ اور قسم بچوں کی گواہی قتل اور زخم وغیرہ کے معاملات میں اور اقرار جس کے بعد اقرار کرنے والے نے رجوع کر لیا ہو۔

اور ہم جیسے علماء کی تقلید احکام، اسباب شرائط اور موانع میں کرتے ہیں اسی طرح ان امور میں بھی کرتے ہیں جو ان چیزوں کو ثابت کرنے والے ہیں۔ اور مذاہب میں آسان کو چن لینا اس دائرے ہی میں مقید ہوگا اور وہ دائرہ ہے احکام فرعیہ کا یعنی وہ احکام جو مجتہد کے ہاں غلبہ ظن سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً وجوب وتر اور وضو میں نیت کا لازم ہونا اور قرض کا زکوۃ سے مانع (روکنے والا) ہونا اور بیع معاطاۃ کا جائز ہونا❶ اور قتل اور زخموں کے معاملات میں بچوں کی گواہی قبول کرنا اور گواہ اور قسم کا قبول کرنا اور عورتوں کی گواہی خاص عورتوں کے معاملات میں قبول کرنا جیسے شرمگاہ کے عیوب کے بارے میں اور بچے کے پیدائش کے فوراً بعد آواز نکالنے کے معاملے میں عورتوں کی گواہی، اسی طرح بیع کو اسی شرط کے ساتھ جس سے فریقین میں ایک کا فائدہ ہو جائز قرار دینے کا مسئلہ یا غائب ہو جانے یا غربت یا ضرر رسانی کے سبب طلاق واقع ہونے کا مسئلہ، زمین کی آمدنی کی اصلاح کا مسئلہ اور مزدوروں اور کاریگروں کو ضامن قرار دینے کا مسئلہ اور مقروض کے ہدیہ سے ممانعت کا مسئلہ اور اس طرح کے دیگر مسائل۔

دوسرا ضابطہ:...... آسان مذہب اختیار کرنے پر شریعت کے ماخذ قطعیہ کے تعارض نہ ہو اور نہ ہی اس کے عام اصول ومبادی اس سے متاثر ہوں یہ شرط فقہاء مالکیہ کی ذکر کردہ بعض باتوں سے سمجھ میں آتی ہے ان فقہاء جن میں علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم کا حکم یا قاضی کا فیصلہ بھی قابل رد اور نا قابل تنفیذ ہوگا چار امور میں۔ اس گفتگو سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ''اخذ بالا یسر'' کی صورت میں ایسی صورت نہ پیش آئے جو ان چار امور کی مخالف ہو ورنہ وہ نا قابل قبول ہوگی۔ اور وہ امور یہ ہیں: ❷

۱..... قاضی قرآن سنت یا اجماع کے خلاف فیصلہ دیدے تو وہ فیصلہ بذات خود کالعدم ہوگا اور اس کے بعد آنے والا قاضی اسے کالعدم کر دے گا اور اسی قبیل سے شاذ قول کے مطابق فیصلہ سنانا بھی ہے کہ وہ بھی کالعدم ہوگا۔

۲..... یہ کہ قاضی محض گمان اور اندازے سے بغیر کسی اجتہاد اور معرفت کے فیصلہ دیدے۔ تو خود اس کو اور اس کے بعد آنے والے کو اس فیصلے کو کالعدم کرنا ضروری ہوگا۔

۳..... یہ کہ قاضی غور وفکر اور اجتہاد کے بعد فیصلہ دے۔ پھر بعد میں اس پر یہ ظاہر ہو کہ صحیح بات اس کے برخلاف ہے تو اس صورت میں

---

❶..... بیع معاطاۃ اسے کہتے ہیں کہ خریدار اور فروخت منہ سے بغیر کچھ کہے مبادلہ کریں، جیسے خریدار چیز اٹھائے اور پیسے دے دے بغیر کسی بات چیت کے۔ تو باوجود اس کے کہ اس میں ایجاب وقبول زبان سے نہیں ہوا مگر یہ جائز ہے تفصیل بعد میں آئے گی۔ ❷القوانين الفقهية لابن جزی ص ۲۹۴، طبع فاس۔

بعد میں آنے والا قاضی اسے کالعدم نہیں کرسکتا ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ خود کالعدم کرسکتا ہے یا نہیں۔

۴..... یہ کہ قاضی کا ارادہ ایک مذہب کے مطابق حکم کرنے کا ہومگر وہ بھول کر دوسرے مذہب کے مطابق حکم دے دے تو وہ خود اسے فسخ کرے لیکن بعد والا اسے فسخ نہیں کرسکتا ہے۔

الا خذ بالایسر کی بحث میں ہمارے لئے ان چاروں امور میں سے امر اول اہم ہے۔ علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ نے چار صورتیں ذکر کی ہیں جن میں حکم ٹوٹ جاتا ہے۔ ❶ اور وہ ہیں۔ (۱) مخالفت اجماع (۲) مخالفت قواعد (۳) مخالفت قیاس جلی (۴) مخالفت نص۔ اور ان میں سے ہر ایک حالت کی مثال بیان کی ہے اور نقض حکم کا سبب بتایا ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس طرح کی چیز کو شریعت میں برقرار نہیں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ضعیف ہوتی ہے، اور جیسے حکام سے صادر ہونے کے باوجود وہ برقرار نہیں رکھی جائے گی اسی طرح اس طرح کے مسئلے میں تقلید بھی درست نہیں اگر مفتی سے ایسا مسئلہ صادر ہو اور مفتی کی تقلید ایسے مسئلے کے بارے میں ناجائز ہوگی۔ ❷

اجماع کے مخالف حکم کے کالعدم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اجماع کو معصوم عن الخطاء قرار دیا گیا ہے اور وہ حق ہی کا فیصلہ دیتا ہے لہٰذا اس کی مخالفت باطل ہوگی۔ اور قواعد، قیاس جلی اور ایسے نص کی جس کا کوئی ایسا معارض نہ ہو جو اس پر راجح ہو مخالفت کی وجہ سے حکم کے کالعدم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کی اتباع شرعاً لازم ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے اور جو غلط اجتہاد کے سبب ان کے معارض حکم سامنے آئے گا اس کا برقرار رکھنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ......سورۃ النساء، آیت ۵۹

اگر تم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

اور مخالفت نص کی مثال جیسے قاضی اگر منقول چیز کے وقف کرنے کے باطل ہونے کا حکم دیدے تو یہ حکم کالعدم ہوگا کیونکہ یہ حکم احادیث صحیحہ کے ان نصوص کے خلاف ہے جو منقول چیزوں کے وقف کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنی زرہ اور اپنا سامان اللہ کی راہ میں وقف کردیا ہے ❸ اسی طرح وصیت کا وارث کے لیے جائز کرنا کہ یہ اس حدیث متواتر کے خلاف فیصلہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الا لاوصیـــــة لـوارث (خبردار وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں ہے) اور اسی طرح معمولی سے سود یا سات فیصد سے کم سود کو معمولی ہونے کی بناء پر جائز قرار دینا کہ یہ قرآن کریم کی قطعی طور پر دلالت کرنے والی اس آیت کے خلاف ہوگا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ......سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱

اور اللہ نے حلال کیا ہے خرید وفروخت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

اور اسی طرح مرد اور عورت کو میراث میں برابر قرار دینا للذ کر مثل حظ الانثیین (مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے جتنا۔ (سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱) کے خلاف ہونے کی وجہ سے کالعدم ہوگا۔

مخالفت اجماع کی مثال دادا کو میراث سے اس صورت میں محروم قرار دینا جب کہ ورثاء میں سے میت کے بھائی بھی حقدار بنتے ہوں یہ غلط اس لئے ہوگا کہ صحابہ کا دادا کے وارث ہونے پر ضمنی اجماع موجود ہے ان کا اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیا دادا کو سارا مال ملے گا اور وہ میت کے بھائیوں کے لئے مانع ہوگا یا وہ بھائیوں کے ساتھ حصہ دار ہوگا۔ اسی طرح بعض احوال میں بیویوں کے درمیان شب باشی میں برابر

❶..... الـاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام ص ۱۲۸، تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۷۰ طبع الحلبی بابی۔ ❷ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہی کہ عزالدین بن عبدالسلام (وفات ۶۶۰ھ) نے تلفیق کے جواز کے لئے شرط لگائی ہے کہ جس چیز میں تقلید کر رہا ہے وہ ایسی چیز نہ ہو جس میں حکم کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے یعنی امور اجتہادیہ ہوں امور ضروریہ نہ ہوں۔ ❸ نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۵

تقسیم کاضروری نہ قرار دینا اجماع کے خلاف ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ یہ تقسیم واجب ہے۔ اوراسی طرح زنا کا جرم ثابت کرنے کے لئے قرائن پرفیصلہ کرنا اجماع اورنص قرآنی کے خلاف ہے۔ ❶

مخالفت قواعد کے لئے علامہ قرافی نے مثال میں مسئلہ ”سریجیہ“ (علامہ احمد بن سریج شافعی، متوفی ۳۰۶ھ، کی طرف منسوب مسئلہ) پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر اگر بیوی سے کہے کہ اگر میں تمہیں طلاق دوں تو اس سے پہلے تمہیں تین طلاقیں ہیں تو ابن سریج کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس مسئلے میں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم بھی ان کے ساتھ ہیں ❷ کیونکہ اس سے صادر ہونے والی طلاق اپنے محل (جگہ) میں نہیں واقع ہورہی ہے۔

لہٰذا اگر قاضی اس طلاق کا فیصلہ دیدے شوہر کے اقرار کی وجہ سے تو وہ فیصلہ کالعدم ہوگا مالکیہ کے ہاں، کیونکہ یہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے، شریعت کا قاعدہ ہے کہ شرط وہ صحیح ہوتی ہے جو مشروط کے ساتھ پائی جاسکتی ہو اور اگر شرط مشروط کے ساتھ جمع نہ ہوسکتی ہو تو وہ شرعاً شرط قرار نہیں پائے گی ❸ یہ بات پیش نظر رہے کہ وارث کے لئے وصیت قواعد شرعیہ کے بھی خلاف ہے جیسے کہ یہ قاعدہ درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح (مفاسد کا دور کرنا فوائد کے حصول پر مقدم رکھا جائے گا) اور یہ قاعدہ الحکم یتبع المصلحۃ الراجحۃ (حکم راجح فائدے کے تحت ہی ہوگا) اور مصلحت راجح یہی ہے کہ وصیت کی اجازت نہ دے کر خاندان کے باہمی روابط محبت اور تعاون اور صلہ رحمی کی بنیاد پر استوار ہیں۔

مخالفت قیاس جلی کی مثال: عیسائی کی گواہی قبول کرلینا کہ ایسا حکم جو اس کی گواہی کی بنیاد پر دیا گیا ہو وہ کالعدم ہوگا، کیونکہ فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور کافر مسلمان فاسق سے زیادہ درجے کا فسوق رکھتا ہے اور اس سے زیادہ شرعی مناصب کے لئے نااہل ہوتا ہے قیاس کے تقاضے کے مطابق لہٰذا حکم کالعدم ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ...... سورۃ الطلاق، آیت ۲

اور گواہ بناؤ اپنے میں سے عدل والوں کو۔

اور یہ مذاہب اربعہ کی رائے ہے ماسوا حنابلہ کے کہ انہوں نے اہل کتاب کی گواہی کو سفر میں کی جانی والی وصیت کے بارے میں قبول کیا ہے اگر وہاں ان کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض معنوی اور معاشرتی اسباب اور مخصوص حالات اور وہ تعصب جو مسلمان اور غیر مسلموں کے مابین پایا جاتا تھا وہ اس بات کا سبب بنا ہے کہ ان کی گواہی کے قبول کرنے کو ناجائز قرار دیا جائے (۲) اور اب جب کہ مسلمان غیروں کے ساتھ ایک بنیاد پر زندگی گذاررہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرے روابط قائم کرچکے ہیں تو ان کی گواہی قبول کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا ضرورت کی خاطر اور آج کل بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل درآمد ہورہا ہے۔

تیسرا ضابطہ...... اخذ بالایسر کا ضابطہ ایسی تلفیق کا سبب نہ بنے جو ممنوع ہو: ہم نے پہلے ممنوع تلفیق کا دائرہ کار بیان کیا تھا خواہ وہ جو بالذات باطل ہو جیسے محرمات شرعیہ شراب زنا وغیرہ حلال کرنے والا تلفیق یا وہ جو بذاتہ باطل نہ ہوا البتہ دیگر عوارض کی وجہ سے باطل ہو یہ قسم تین قسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

---

❶...... اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۶۳۔ ❷ قواعد شرعیہ کی مخالفت کی مثال شوافع کے ہاں بیع معاطاۃ یا مراضاۃ ہے ان کی رائے میں یہ اصول شریعت کے خلاف ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ بیع اور تجارت میں رضامندی شرط ہے جس کا اظہار ایجاب وقبول سے ہوگا جو کہ لفظاً ادا کیے جائیں۔ ❸ مصنف کی اس بات سے علماء امت کی دیانت پر حرف آتا ہے۔ بات یہ بھی ہے کہ مسلمان پہلے اس طرح کفار کے ساتھ اپنے بھی نہ تھے اور نہ ہی کفار بلند معاشرتی حیثیت میں ہوتے تھے وہ تو معاشرے کے اقلیت زدہ پست طبقے میں شمار ہوتے تھے لہٰذا یہ مسئلہ اس زمانے میں اسی طرح تھا اب نوعیت بدل گئی ہے لہٰذا اب معاملہ مختلف ہوگا۔ (مترجم)

۱.....رخصتوں کا عمداً بلا عذر وضرورت تتبع کرنا تا کہ آسان چیز پر عمل ہو سکے۔

۲.....وہ تلفیق جو قاضی کے حکم کو کالعدم کرنے کا سبب بنے۔

۳.....وہ تلفیق جو اس عمل سے رجوع کا سبب بنے جو اس نے کسی کی تقلید کرتے ہوئے انجام دیا تھا۔ یا ایسے عمل سے رجوع کا سبب بنے جو ایسے کام کے لئے لازم ہے جس میں وہ امام کی تقلید کررہا ہے، اور یہ عبادات محضہ کے علاوہ امور میں ہو۔ لہٰذا "الاخذ بالایسر" کے حکم پر عمل اس صورت میں نہیں کیا جائے گا جب اس کے نتیجے میں تکالیف شرعیہ کی ذمہ داری سے بچ نکلنے یا دین کے معاملات اور ازدواجی احکام سے کھیلنے کی نوبت پہنچ جائے یا انسانی تقاضوں کو ٹھیس پہنچتی ہو یا فساد فی الارض نتیجے میں برپا ہو یا اجتماعی فوائد کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔ ان تمام صورتوں میں اخذ بالایسر ناجائز ہوگا۔

لہٰذا مثلاً فریضہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے تلفیق یا اخذ پر عمل کرتے ہوئے حیلے وغیرہ کرنا❶ ناجائز ہے مثلاً سال گزرنے سے پہلے اپنے مقروض شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اس سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جس کے نتیجے میں دی ہوئی رقم واپس اس تک لوٹ آئی اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی۔ یا زکوٰۃ دینے والا صورتاً ایسی خرید وفروخت یا ہبہ کا معاملہ کرے اور مال دوبارہ واپس کسی طریقے سے حاصل کرلے تو اس طرح حیلے حرام اور باطل ہیں اس طرح کی حیلوں سے فریضہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگا❷ وہ تلفیق جو قاضی کے حکم کو کالعدم کرنے کا سبب ہو۔ کیونکہ اس میں فقراء کے مفاد اور ان کے مصالح کو نقصان اور ضرر لاحق ہوتا ہے اور ان کے ثابت شدہ ان شرعی حقوق کو زبردستی پامال کیا جاتا ہے جو اغنیاء کے اوپر لاگو ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقراء کی حاجت کی تکمیل کے لئے احکام زکوٰۃ میں آسان مذہب پر فتویٰ دینا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ فتویٰ ایسی چیز پر دیا جائے گا جس سے فقراء کو فائدہ ہو۔ لہٰذا امام شافعی امام مالک اور دیگر فقہاء کے فتوے کے مطابق بچے اور پاگل کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور خراجی زمین پر عشر بھی لازم کیا جائے گا لہٰذا اس زمین پر خراج اور عشر دونوں واجب ہوں گے۔ کیونکہ عشر مسلمانوں پر دینی فریضہ ہے۔ اور خراج اجتہادی واجب ہے تا کہ حکمران جماعت کے لیے وہ آمدنی کا ذریعہ بنے تا کہ وہ حکومتی امور میں درپیش حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

اور یہ لازم ہے کہ اخذ بالایسر سے مقصود مقاصد شریعت کی حفاظت اور اس کی تشریعی حکمتوں اور اس کی پالیسیوں کا تحفظ ہو۔ اور اسی طرح تمام لوگوں کے مفادات کا معاملات، عقوبات (سزاؤں) اموال کی ادائیگیوں، اور ازدواجی تعلقات میں لحاظ رکھا جائے نہ کہ انفرادی مصلحت اور چھوٹی مصلحت کا بڑے مصلحت کے مقابلے میں لحاظ اور تحفظ اس کے ذریعے کیا جائے۔ اور ضرورت کے وقت بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی کے ذریعے روکا جائے۔ اور یہ کہ شریعت ہی مصلحت کے تحقق اور خرابی کے دور کرنے میں معیار ہو نہ کہ دیگر چیزیں۔

اور شریعت کے مقاصد یہ ہیں:

۱.....حفاظت دین (عقائد وعبادات)

۲.....حفاظت نفس ۳..... حفاظت عقل

۴.....حفاظت نسل ۵..... حفاظت مال

اور ان امور کی حفاظت میں اس ترتیب کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ پہلے لازمی امور پھر حاجات وضروریات اور آخر میں تحسینی اور آرائشی امور۔

❶ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں مفتی کے لئے ایسے حیلوں کو تلاش کر کے ان پر فتویٰ دینا درست نہیں جو حرام اور ناجائز حیلے ہوں۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲۲

❷ اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۵۸، ۳۲۰

لازمی امور (یا ضروریات) سے مراد وہ امور ہیں جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کا مدار ہو اس طرح کہ ان کے نہ ہونے سے دنیاوی زندگی گڑبڑ ہو اور اخروی زندگی میں نعمتوں کا زوال ہو اور سزائیں لاگو ہوتی ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور جن کا ان بنیادی پانچ مقاصد کی حفاظت کے لئے ہونا ضروری ہو یہ نہ ہوں تو حفاظت نہ ہو سکتے۔

حاجات اور ضرورتوں سے مراد ہے وہ امور جن کی حاجت لوگوں کو اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے اس طرح کہ اگر یہ مفقود ہوں تو لوگ تنگی اور پریشانی میں پڑ جائیں ہاں زندگی متاثر نہ ہو کبھی کبھی ان کے بغیر مقاصد خمسہ کا حصول بھی ہوتا ہے لیکن بڑی مشقت اور تنگی کے ساتھ اور تحسینات یا آرائشی امور سے مراد وہ فوائد ہیں جن کا حصول عبادات کے محاسن اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کے حصول کے لئے ہوتا ہے جیسے طہارات اور ستر عورت وغیرہ گویا یہ ان پانچ مقاصد کے لئے بمنزلہ چار دیواری کے ہوتے ہیں۔

چوتھا ضابطہ ”اخذ بالایسر“ کی واقعی ضرورت اور حاجت ہو اخذ بالایسر کو دین کو کھیل بنانے یا نفسانی خواہشات کا راستہ یا اغراض کی حصول کا ذریعہ نہ بنالیا جائے کیونکہ شریعت مطہرہ نے خواہشات کی اتباع سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ......سورۃ المؤمنون آیت ۷۱

اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب میں فساد واقع ہو جاتا

لہٰذا اختلافی مسئلے کو خواہشات نفس کی طرف لوٹا کر اس کے مطابق حل کرنا درست نہیں اس معنی ومفہوم میں بہت سی آیات ہیں جیسے کہ یہ آیت ہے:

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ

سو اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو تم جان لو کہ یہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی طرف سے کسی رہنمائی کے بغیر بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا.....سورۃ القصص آیت ۵۰

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ......سورۃ المائدۃ آیت ۴۹

اور ان میں فیصلہ کیجئے اس چیز سے جو اللہ نے اتاری اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

اور داؤد ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے سو لوگوں میں حق کے مطابق فیصلہ کیجئے اور خواہشات کی اتباع نہ کریں۔

ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ سورۃ ص آیت ۲۶

اسی بنا پر علماء نے مفتی پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنے فتوے میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرے ❶ بلکہ فائدے اور دلیل راجح و پیش نظر رکھے۔ اور فائدہ بھی وہ ہے جو عام لوگوں کا ہو نہ کہ چند ایک کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ ......سورۃ جاثیہ آیت ۱۸۔۱۹

پھر ہم نے ڈال دیا آپ کو ایک طریقے پر تو آپ اس کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو جانتے نہیں ہیں وہ آپ کو اللہ سے بے پرواہ نہیں کر سکتے ایک چیز میں بھی۔

---

❶ ..... اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۷، الموافقات ج ۴ ص ۱۴۲ الاعتصام ج ۲ ص ۱۷۶۔

علامہ قرافی الاحکام میں اور شیخ علیش اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں ❶ رہی بات حکم اور فتوی میں خواہشات کی پیروی کرنے کی تو وہ بالاجماع حرام ہے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں مفتی کے لئے رخصتوں کا تلاش کرنا جائز نہیں اس شخص کے لئے جس کو وہ نفع پہنچانا چاہے، کیونکہ رخصتوں کا تتبع فسق اور گمراہی ہے اور اس کے بارے میں سوال پوچھنا حرام ہے ❷ اور یہی وہ بات ہے جس نے علامہ شاطبی کو تتبع رخصت کے منع کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس اصول (یعنی دو دلیلوں یا دو اقوال میں ایک پر بلاترجیح عمل کرنا) پر لاپروائی سے عمل کرنے نے یہاں تک نوبت پہنچادی ہے کہ فقہاء کے بہت سے مقلد اپنے رشتے دار یا دوست کو وہ فتوی دے دیتے ہیں جو وہ دوسرے کو نہیں بتاتے اور یہ اپنی غرض، خواہش کی پیروی میں کرتے ہیں یا اس رشتے دار اور دوست کی خواہش نفس کی پیروی میں۔ ❸

اس بات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی مصلحتوں کا اخذ بالایسر میں لحاظ رکھنا شرعاً اور فقہاً ناپسندیدہ عمل ہے بلکہ مفاد عامہ یا سب کی مصلحت ومفاد کا لحاظ ضروری ہے۔ اور جب خواہشات کی پیروی شرعاً حرام اور مذموم قرار پائی تو لازم ہوا کہ **اخذ بالایسر** کو ضرورت یا حاجت کی قید سے پابند کیا جائے، کیونکہ یہ اصول ہے کہ ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہے اور حاجت عام ہو یا خاص ہو وہ ضرورت ہی کی طرح سمجھی جائے گی ضرورت کہتے ہیں اس چیز کو جس کے نہ کرنے سے خطرہ لاحق ہو۔

اور حاجت کہتے ہیں اس کو جس کے نہ کرنے سے تنگی اور مشقت لاحق ہوتی ہو۔

اور حاجت کے عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے تمام افراد کو شامل ہو اور حاجت کے خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے ایک خاص گروہ کو لاحق ہو نہ کہ پوری امت کو جیسے کسی شہر کے لوگ یا کوئی پیشے والے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ انفرادی اور شخص ہو۔ ❹

میں علامہ شاطبی سے اس بارے میں تو متفق نہیں کہ ضرورت اور حاجت پر عمل خواہش نفسانی پر عمل کرنے کے مترادف ہے ❺ کیونکہ ضرورتیں اور

حاجات ترقی کے ساتھ ساتھ نئی نئی سامنے آتی رہتی ہیں اور ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے ضوابط کی رعایت ضروری ہے (یعنی کہ ضرورت موجود ہو متوقع نہ ہو یقینی ہو یا کم از ظن غالب ہو حرج میں ڈالنے والی ہو یا ملجئہ ہو وغیرہ۔ ❻

پانچواں ضابطہ اخذ بالایسر ترجیح کے اصول کا پابند ہو..... یعنی ابتداً ہدف یہ ہو قوی رائے یا راجح رائے پر دلیل کے راجح ہونے کے اعتبار سے عمل پیرا ہو کیونکہ ''اخذ بالایسر'' اجتہاد کی ایک قسم ہے اور مجتہد اس دلیل کو قبول کرنے کا پابند ہوتا ہے جو راجح ہو اور صواب تک پہنچانے والی ہو اس کے گمان کے مطابق لہٰذا اصولی علماء نے مجتہد پر لازم کیا ہی کہ وہ کسی قول کی پیروی دلیل کی بناء پر کرے اور مذاہب میں ضعیف دلیل والے قول کو اختیار نہ کرے بلکہ ان میں سے قوی دلیل والے کو اختیار کرے۔ کیونکہ صحابہ کرام اپنے اجتہادات کے بارے میں اس چیز پر متفق تھے کہ دو خیالوں میں غالب پر عمل واجب ہے نہ کہ کمزور اور ضعیف پر۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ عقل پیش آنے والے واقعات میں راجح پر عمل کرنے کی تائید کرتی ہے، اور یہ اصول ہے کہ شریعت عقل کے مطابق ہے علامہ قرافی فرماتے ہیں حاکم اگر مجتہد ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی حکم یا فتویٰ دے سوائے راجح قول کے، اور اگر مقلد ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مشہور قول پر فتوی دیدے۔ اور اس کا حکم دیدے اگر چہ وہ اس کے نزدیک راجح نہ ہو۔ اور اس قول کو ترجیح دینے میں وہ اپنے اس امام کی تقلید کرے گا جس کی تقلید وہ کرتا ہے جیسے کہ وہ فتوی میں بھی اس کی تقلید کرتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسی چیز کا حکم یا فتوی دینا جو مرجوح ہو خلاف اجماع ہے ❼ لیکن شیخ علیش

---

❶ ......فتح العلی المالک فی الفتوی علی مذهب مالک ج ۱ ص ٦٨ الاحکام للقرافی ص ۷۹۔ ❷ اعلام المو قعین ج ۴ ص ۲۲۲۔ ❸ الموافقات ج ۴ ص ۱۳۵۔ ❹ اعدخل الفقهی، استاد مصطفی زرقاء ف ۴۳ ٦۔ ❺ الموافقات ج ۴، ص ۱۴۵۔
❻ ملاحظہ کیجئے میری کتاب نظریة الضرورة الشرعیة ص ٦٦۔ ❼ الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام ص ۷۹، ۸۰ تبصرة الحکام ج ۱ ص ٦٦، فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ٦۴۔

نے اس اجماع کے دعوے پر جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اجماع اگر ثابت ہو تو اس صورت کے لئے ہے جب قاضی یا مفتی کسی شاذ قول کی اختیار کرنے میں اپنی خواہش نفس کی اتباع کرے۔ اگر کسی شخص سے ناراض ہوا یا وہ ایسے گمنام قسم کا یا غریب سا آدمی ہو تو اس کے بارے میں سختی برت لی اور اگر اس کو چاہتا ہو یا اس کا اس پر کوئی احسان ہو یا وہ اس کے دوستوں اور اعزاء واقارب میں سے ہو یا وہ اس سے ہچکچائے اس کے زیادہ وجاہت کے حامل ہونے یا دنیادار ہونے کے سبب تو اس کے لئے نرمی برتتے ہوئے شاذ قول پر فتوی دیدیا جس میں اس کے لئے رخصت ہو۔❶

پھر شیخ علیش نے اقوال میں کچھ کو اختیار کر لینے کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر مقلد ترجیح کے طریقوں سے واقفیت رکھتا ہے اور تصحیح اور تقدیم (مقدم کرنے) کے راستوں کا اس کو علم ہے تو اس پر واجب ہے کہ دو یا دو سے اقوال اگر ایک ہی شخص (مجتہد) کے ہوں تو وہ فتوی دینے، عمل کرنے یا حکم لگانے میں اس کو اختیار کرے جو اس کی نظر میں راجح ہو۔❷

پھر علامہ قرافی کی اس عبارت جس میں انہوں نے مجتہد کو صرف راجح پر حکم لگانے یا فتوی دینے کا پابند جب کہ مقلد کے لئے اپنے مذھب کے مشہور کے مطابق فتوی دینے کو جائز بتایا ہے اگر چہ وہ قول خود مقلد کی نظر میں راجح نہ ہو اس عبارت پر تنقید کرتے ہوئے علامہ شیخ علیش نے کہا ہے❸ کہ غیر راجح پر عمل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ مقلد کی نظر میں مرجوح جو اس کے امام کی نظر میں راجح ہے، پر عمل کرنے میں یا بالعکس صورت پر عمل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے عمل کو انجام دیا گیا ہے جو دونوں (امام اور مقلد) کی نظر میں مرجوح ہے۔

علامہ قرافی اور شیخ علیش کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مقلد اگر ترجیح دینے کا اہل ہے اور اس مسئلے میں دو قول ہوں راجح اور مرجوح تو اس پر غور کر کے ترجیح دینا لازم ہے اور اگر دونوں قول برابر ہوں مقلد کی نظر میں دونوں میں سے کوئی راجح نہ ہو تو اس کے لیے ایک قول کے مطابق حکم لگانا درست ہے یا وہ ان دونوں میں اسی ترتیب سے ترجیح دے (جو پہلے بھی گذری) کہ جو زیادہ اعلم (زیادہ جاننے والا) شخص کا قول ہوا سے ترجیح دے، دوسرے نمبر پر وہ جو زیادہ کا قول ہو، پھر وہ جو زیادہ سخت قول ہو یا وہ قول جو سب سے بھاری ہو۔❹

یہ ہی وہ عام اصول ہے جو علماء کے ہاں معمول بہ ہے کہ فتوی، عمل اور عدالتی معاملے میں راجح پر ہی عمل کرنا واجب ہے سوا اس کے کہ کوئی ایسی رکاوٹ آجائے جو شرعاً معتبر ہو۔ اگر کوئی ضرورت یا حاجت یا کوئی مفاد عام کی بات ہو جو قول مرجوح (ضعیف یا شاذ❺) پر عمل کرنے کی متقاضی ہو یا حاکم وقت نے قول مرجوح کو قبول کر لیا ہو اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا ہو تو اس کو قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، اور حقیقت میں "اخذ بالمرجوح" (مرجوح قول اختیار کرنا) کی ممانعت پر کوئی اجماع نہیں ہے اور اس بات کی دلیل علماء میں اس بات پر پائے جانے والا اختلاف ہے کہ مقلد شخص علماء کے کون سے اقوال قبول کرے؟ چنانچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے زیادہ اعلم (عالم۔ باخبر) فقیہ کے قول کو لے لیا جائے بعض کہتے ہیں کہ اکثر کے قول کو لے لے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جس کے قول کو چاہے قبول کر لے یعنی وہ خواہ اعلم بھی نہ ہو اور نہ اکثر میں سے ہو بلکہ یا تو ہمسر ہو یا تعداد میں کم لوگوں میں ہو یا ادنیٰ علم رکھتا ہو اور یہ قول شاذ ہی ہوتا ہے جو اس قسم کی کیفیت کا حاصل ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان جو داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (اور اپنی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے سورۃ ص آیت ۲۶) کی ایک عمدہ تشریح یہ بھی فرمائی ہے کہ حق بات کا حکم دینے کے بارے میں فرمانے کے بعد پھر یہ کہنا کہ خواہش کی اتباع نہ کیجئے اس میں اشارہ اس بات کا ہے کہ صرف حق بات کہنے سے اس حکم (حق کی اتباع کیجئے) کی تعمیل نہیں ہوگی جب تک کہ اس حق کا حکم دینے کا سبب اتباع نفس نہ ہو بلکہ حقانیت اور پرچار حق نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اس طرح خواہشات کا پیروکار رہوگا اس کا معبود اس کی خواہش ہوگی نہ کہ اللہ جل جلالہ۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ جب اپنی خواہشات حق کے ذریعے پوری نہیں ہوتی ہیں تو وہ حق

---

❶..... فتح العلی المالک ج ۱ ص ۶۲۔ ❷ فتاوی الشیخ علیش ج ۱، ص ۶۸۔ ❸ ص ۶۸۔ ❹ تفصیل کے لئے دیکھئے الاحکام للقرافی ص ۳۰، ۸۰، فتاوی علیش ج ۱ ص ۶۵۔ ۷۹۔ ❺ قول شاذ وہ ہوتا ہے جس کے مدرک کا بالکل علم نہ ہو۔

کو چھوڑ دیتا ہے اور غیر اللہ کی پیروی میں لگ پڑتا ہے۔ ہاں جو شخص قول شاذ کی تقلید اس لیے کرے کہ یہ قول اس شخص کے اعتبار سے حق ہے جس نے یہ بات کہی ہے اور اس کے حق میں بھی جس نے اس کی تقلید کی ہے اور محض خواہش نفسانی اسے اس چیز پر نہیں ابھار رہی ہے بلکہ حاجت اور کسی دینی یا دنیاوی ضرر کے خلاف امداد اسے مطلوب ہے تو ایسے شخص کی سلامتی کی توقع ہے اگر ان شرائط کے ساتھ مقید ہو جو ذکر کی گئیں ❶ شیخ علیش مزید فرماتے ہیں کہ رخصت کے بارے میں کسی کی تقلید کر لینا بغیر تتبع رخصت (رخصت کو کھوج کر تلاش کرنا) کے بلکہ بہ سبب اس کی حاجت اور ضرورت کے بعض حالات میں مثلاً فتنہ وغیرہ کے خوف سے تو اس کے لئے اس کی اجازت ہے۔ ❷

تو ہمارے خیال اور اندازے میں یہ ہیں "اخذ بایسر المذاهب" (آسان مذہب اختیار کرنے) کے قواعد وضوابط، اگر ہم انہیں تھامے رکھیں گے تو ہم اعتدال اور میانہ روی کو پکڑے ہوئے ہوں جس کی بنیاد پر شریعت اسلام قائم ہے اور جو اس طریقہ کار اور اسلوب سے منتق ہو جو خلیفہ ابوجعفر منصور نے سوچا تھا جب اس کی امام مالک سے حج کے موقع پر ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے کہا میرے اور آپ کے علاوہ کوئی عالم باقی نہ رہا میں تو سیاست میں مشغول ہو گیا ہوں، اب آپ لوگوں کے لئے سنت اور فقہ کے بارے میں ایسی کتاب تحریر کر دیں جس میں آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رخصتوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیوں اور حضرت ابن مسعود کی منفرد آراء سے بچ کر چیں اور اس کو آسان ترین بنائیں۔ امام مالک فرماتے ہیں ابوجعفر نے مجھے تالیف کرنے کا طریقہ بتادیا یعنی ان کو اعتدال کا طریقہ بتادیا تھا۔

ان ضوابط کا اختصار دو کاموں میں کرنا ممکن ہے۔

۱.....مسئلہ اجتہادی ہو اور اس میں راجح دلیل نہ ہو۔

۲.....کوئی ضرورت، حاجت، مصلحت یا عذر ہو۔

یہ بات مدنظر رہے کہ شوافع میں سے ابن حجر وغیرہ نے تقلید کی شرائط وضاحت سے بیان کی ہیں ❸ ہماری گفتگو جو اخذ بایسر مذاہب کے بارے میں ہے اس کے لئے ان کی یہ بحث بطریق اولیٰ مفید ہے، ابن حجر کی اس بحث کا ذکر یہاں مفید معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس کو ذکر کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: تقلید کی چھ شرائط ہیں:

۱.....یہ کہ جس مجتہد کی تقلید کی جارہی ہے اس کا مذہب باقاعدہ مدون ہو۔ تاکہ غور وفکر کا نتیجہ صحیح معنوں میں حاصل ہو سکے اور مقلد کو یقینی طور پر معلوم ہو سکے کہ وہ مسئلہ جس میں تقلید کر رہا ہے وہ اسی مذہب میں سے ہے۔

۲.....مقلد امام مذہب کی اس مسئلے کے بارے میں ذکر کردہ شرائط یاد رکھے۔

۳.....تقلید ان امور میں نہ ہو جن میں قاضی کی قضا کالعدم ہو جاتی ہے یعنی نص قرآنی یا حدیث یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف نہ ہو۔

۴.....رخصتوں کا تتبع نہ کرے کہ ہر مذہب میں سے آسان بات کو اختیار کر لے۔

تاکہ تکلیف شرعی کا طوق اپنے گلے سے ہی اتار پھینکے۔ علامہ ابن حجر کی رائے یہ ہے اس طرح کے کام کرنے والے فاسق قرار دینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور علامہ رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاسق تو نہیں البتہ گناہ گار ضرور ہوگا۔ یہ شرط جیسا کہ متاخرین کی تصریح موجود ہے، صحت تقلید کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ درء الاثم (گناہ سے بچنے) کے لئے شرط ہے جیسے نماز کے لیے یہ شرط لگانا کہ وہ کسی سے غصب شدہ زمین میں نہ ہو۔

(کہ یہ شرط گناہ سے بچنے کے لئے ہوتی ہے اصل نماز سے اس کا تعلق نہیں ہوگا)

---

❶، ❷.....فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۲ و ص ۶۰. ❸ الفوائد المكية فی ما يحتاجه طلبة الشافعية، سيد علوی احمد السقاف، ص ۵۱، طبع بابی الحلبی

۵..... یہ نہ کرے کہ ایک مسئلے میں ایک بات پر عمل کرے اور اس سے ملتے جلتے دوسرے مسئلے میں اس کے بالکل مخالف قول پر عمل کرے۔ لیکن اس شرط پر اعتراض ہے، کیونکہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عمل کے بعد تقلید درست نہیں اور جیسا کہ شوافع کا قول ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ عمل کے بعد تقلید کر لینا درست ہے یہ دوقولوں میں ایسے تلفیق نہ کرے کہ جس سے تیسرا ایسا قول سامنے آئے جس کا کوئی امام بھی قائل نہ ہو جیسے امام شافعی کی تقلید ذرا سے سر کے حصے کے مسح میں اور امام مالک کی تقلید کتے کے پاک ہونے اور یہ دونوں تقلید ایک ہی نماز کے بارے میں کرنا کہ یہ ناجائز ہے۔علامہ بلقینی فرماتے ہیں تقلید میں وہ جوڑتوڑ قابل عیب ہے جب وہ ایک قسم کے مسئلے کے بارے میں ہو جیسے دو اماموں کی تقلید حدث کی طہارت کے بارے میں، ہاں اگر یہ ترتیب اندازی دو نوعیت کے مسائل کے بارے میں ہو جیسے ایک کی طہارۃ الحدث (وضو، غسل، تیمم وغیرہ) کے بارے میں اور دوسرے کی طہارۃ الخبث (نجاست کے دھونے) کے بارے میں تو یہ ترتیب اندازی ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں اماموں کا ایک ہی نوعیت کی طہارت کے باطل ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔

بعض شوافع علماء نے ساتویں شرط کا اضافہ کیا ہے کہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ اعتقاد رکھتا ہو کہ دوسرے امام مقلدین سے وہ یا تو افضل ہے یا برابر ہے (یعنی وہ سمجھتا ہو کہ میرے تقلید شدہ مجتہد زیادہ افضل اور راجح ہیں دوسرے مجتہدین کے مقابلے میں، اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے افضل مجتہد کی تقلید کرے) لیکن مشہور بات جس کی ترجیح علامہ نووی اور رافعی نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول (غیر افضل) کی تقلید جائز ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے ذکر کیا ہے کہ تحریر اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ مفضول کی تقلید افضل کی موجودگی میں جائز ہے، یہ حنفیہ مالکیہ اکثر حنابلہ اور شافعیہ کا قول ہے۔

بعض لوگوں نے آٹھویں شرط یہ لگائی ہے کہ تقلید کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ صاحب مذہب تقلید کے وقت زندہ ہوں لیکن یہ قول علماء نے رد کر دیا ہے، علامہ نووی اور رافعی اس بات پر متفق ہیں کہ انتقال کئے ہوئے شخص کی تقلید بھی درست ہے۔

ان شرائط پر کی جانے والی بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی دو شرطیں ہر تقلید یا اخذ بالایسر کے لئے لازم ہیں، اور ساتویں اور آٹھویں شرط بے دلیل وحاجت ہیں، تیسری شرط سے میں متفق ہوں اور اپنی بحث میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں، اور میں صرف تلفیق ممنوع کو غلط قرار دیتا ہوں۔اس طرح پانچویں شرط کی ضرورت نہیں رہتی۔اور بوقت ضرورت چوتھی شرط کی مخالفت کو میں درست سمجھتا ہوں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بہتر ہوگا کہ تمدنی، تجارتی اور تعزیراتی قوانین کی تشکیل سازی اسلامی فقہ یعنی فقہ صحابہ، فقہ تابعین، فقہ مذاہب اربعہ، اور اس کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کے فقہ اور عصر حاضر کے علماء کی آراء کی بنیاد پر کی جائے۔

اجتہاد آج بھی ممکن ہے تمام تر امکانی پہلوؤں کے ساتھ، اس میں کوئی مشکل نہیں شرط یہ ہے کہ ہم ان اوہام اور خیالات کو دفن کر دیں اور اس پردے کو چاک کر دیں جو ہماری عقلوں اور دلوں پر ماضی کی ناکامیوں اور سستی اور کاہلی کے سبب پڑ گیا ہے اور اس غلط گمان کی وجہ سے بھی کہ اس تک پہنچنا ممکن نہیں جہاں تک پچھلے لوگ پہنچے تھے۔یہاں تک کہ اجتہاد کو ایک نوعیت کا امر محال سمجھ لیا گیا ہے اور اب فضاؤں تک کو مسخر کر لینے اور نت نئے عجیب وغریب آلات کی ایجاد کے بعد بھی کوئی چیز ہے جو محال سمجھی جا سکے؟

اجتہاد کی شرائط کی تکمیل اب کوئی مشکل کام نہیں جب کہ مختلف علوم مدون کئے جا چکے ہیں اور ان میں تصنیف شدہ کتابوں کی بڑی تعداد سامنے آچکی ہے اور اس میں شامل ہر خارجی چیز کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔اور ہر مخفی پہلو کھول کر واضح کر دیا گیا ہے۔اور دیکھئے یہی علماء تھے ہر زمانے میں جو اجتہاد کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے اور پہلے کے اقوال کے مابین ترجیح کا عمل انجام دیتے تھے اور حتی کہ مذاہب اسی طرح منضبط ہوئے اور احکام اسی طرح تحریر کئے گئے۔علماء مالکیہ میں علامہ عبدالسلام اپنی کتاب ''شرح مختصر ابن حاجب'' کے باب القضاء میں فرماتے ہیں ''اجتہاد کے رتبے کا حصول ممکن ہے، فتویٰ اور قضاء (عدالتی امور) میں یہ شرط ہے۔یہ اس وقت رہے گا جس وقت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انقطاع علم کی خبر دی ہے۔اور ہم ابھی اس زمانے تک نہیں پہنچے ہیں جس میں انقطاع علم ہوگا۔ورنہ یہ لازم آئے گا

کہ امت غلطی پر جمع ہوئی ہوئی ہے اور یہ بات باطل ہے"۔ علامہ سیوطی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دیکھئے انہوں نے کیسے وضاحت سے کہہ دیا کہ اجتہاد کا رتبہ حاصل کرنا متعذر نہیں ہے، اور یہ کہ یہ رتبہ ان کے زمانے تک باقی تھا اور یہ کہ اس کے نہ ہونے سے یہ لازم آئے گا کہ امت باطل پر جمع ہوئی ہے، اور یہ محال ہے کہ امت باطل یا گمراہی پر جمع ہو جائے۔ ❶

شیخ مراغی اسلام میں اجتہاد کی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ان حضرات کی رائے کا جو اجتہاد کو اب محال قرار دیتے ہیں، احترام کرنے کے ساتھ ان کی رائے سے اختلاف بھی کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مصر کے بعض دینی اداروں کے علماء ایسے ہیں جن میں اجتہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں اور ان پر دوسرے کی تقلید (محض) حرام ہے۔

ساتویں بحث...... اجتہاد میں حق تک پہنچنے والا

اصولی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خالص عقلی امور ❷ اور اصولی مسائل ❸ میں غور وفکر کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ حق اور درست بات تک ضرور پہنچے کیونکہ ان مسائل میں حق ایک ہی ہوتا ہے متعدد نہیں ہوتے، اور اس میں حق تک پہنچے والا فقط ایک ہی معین شخص ہوتا ہے ورنہ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت اجتماع (اجتماع نقیضین) لازم آئے گا جو کہ باطل ہوتا ہے جو شخص حق کو پائے وہ درست اور جو نہ پا سکے بلکہ غلطی کرے وہ گناہ گار ہوتا ہے۔

پھر گناہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے اگر غلطی ان امور میں ہو جن کا تعلق اللہ اور اس کے رسول پر ایمان سے ہے تو وہ غلطی کرنے والا کافر ہوتا ہے، بصورت دیگر وہ فاسق اور بدعتی ہوتا ہے، کیونکہ وہ حق کے راستے سے روگردانی کر چکا ہوتا ہے اور گمراہ ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا قائل نہ ہونا اور خلق قرآن کا قائل ہونا۔ ❹

ان قطعی مسائل سے وہ مسائل بھی ملحق ہیں جو دین کا بدیہی طبعاً لازمی حصہ ہونے کے سبب معلوم ہوتے ہیں جیسے پانچ نمازوں زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزوں کی فرضیت، اور قتل، زنا، شراب نوشی اور چوری وغیرہ کی حرمت اور اس طرح کے دیگر امور جن کا دین خدا کا قطعی حصہ معلوم ہونا یقینی امر ہے لہٰذا ان امور کے بارے میں اجتہاد کرنے والا ہر شخص مصیب (حق کو پانے والا) نہیں شمار ہوگا بلکہ حق صرف اور صرف ایک ہے متعدد نہیں، اور وہ وہ ہے جو ہمیں معلوم ہے اور جو دین کا حصہ ہے، اور اس بات کا مخالف خطا کار اور گناہ گار ہوگا رہے فقہی ظنی مسائل یعنی وہ احکام جن کے بارے میں قطعی دلائل نہ ہوں تو وہ محل اجتہاد ہیں (یعنی اجتہاد ان ہی میں ہو سکتا ہے) اور اس میں خطا کرنے والے مجتہد پر گناہ نہیں البتہ اصولیوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہر مجتہد حق کو پانے والا ہے یا حق کو پانے والا صرف ایک ہوگا۔ اس بارے میں اس اختلاف کا منشا دراصل یہ ہے کہ کیا ہر مسئلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معین حکم ہے جو مجتہد کے اجتہاد سے قبل ہی تھا یا اس کا کوئی معین حکم نہیں اس کا حکم وہی ہے جس تک مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچے امام اشعری، امام غزالی اور علامہ قاضی باقلانی کی رائے یہ ہے کہ کسی مسئلے

---

❶...... الرد علے من اخلد الی الارض ص ۲۴۴۔ ❷...... قضایا عقلیہ (عقلی امور) وہ امور جن کی حقیقت غور وفکر کرنے والے کے لئے عقل کی رو سے ہی درست ثابت ہوتی ہو شریعتوں کے آنے سے قبل ہی۔ جیسے ایسی ذات باری کا ثبوت جو میں نے تخلیق کی ہو اس کی صفات کا رسولوں کی بعثت کا ثبوت اور ان کی معجزات کے ذریعے تصدیق دنیا کا حادث ہونا اللہ کی رؤیت کا جائز ہونا اعمال اور قرآن کا مخلوق ہونا اور موحدین کا جہنم سے باہر آ جانا وغیرہ کہ ان امور کا درست عقل ادراک کر سکتی ہے۔ ❸ مسائل اصولیہ وہ مسائل جن کے دلائل قطعی ہوتے ہیں اور وہ اصول اور مقاصد شریعت پر مبنی ہوتے ہیں جیسے اجماع اور قیاس اور خبر واحد کا حجت ہونا، اس میں مخالف شخص (جو یہ نظریہ نہ رکھتا ہو) گناہ گار ہوگا۔ ❹ المستصفی ج ۲ ص ۱۰۵ الاحکام للآمدی ۳ ص ۱۴۶ شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۱۸ شرح العضد علی مختصر ابن الحاجب ج ۲ ص ۲۹۳ مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۲۸ کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۱۳۷ التلویح ج ۲ ص ۱۱۸ الملل والنحل ج ۱ ص ۲۰۱ ارشاد الفحول ص ۲۲۸۔

کے بارے میں مجتہد کے اجتہاد سے پہلے خدا کا کوئی معین حکم نہیں ہوتا اللہ کا حکم وہی ہوتا ہے جس تک مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچے چنانچہ حکم ظن (گمان) کے تابع ہے، جو کچھ مجتہد کے ظن (گمان) پر غالب ہو جائے وہ حکم خدا ہوگا۔ اس بات کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر مجتہد حق تک پہنچنے والا ہے کیونکہ اس نے اپنے ذمہ لازم کام ادا کر دیا ہے۔

جمہور علماء اور شیعہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اجتہاد سے قبل ہی ہر حکم کے بارے میں متعین حکم ہے، لہٰذا جو اس تک پہنچ جائے وہ حق تک پہنچنے والا ہے اور جو اس تک نہ پہنچے وہ خاطی (غلطی کا مرتکب) ہے، چنانچہ حق تک پہنچنے والا ایک ہے اور اسے دو اجر ملیں گے، اور اس کے علاوہ باقی غلطی کے مرتکب ہیں اور ان کے لئے صرف ایک اجر ہے ❶ پھر ان حضرات میں بھی اختلاف ہے فقہاء اور متکلمین کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم جو حق اور اللہ کے ہاں معین ہے اس کی کوئی دلیل اور کوئی نشانی نہیں ہوتی، اس کی مثال ایسے مدفون خزانے کی ہے جو کھودنے والے کو بالکل اچانک بغیر کسی علامت اور نشانی کے مل جاتا ہے۔

لیکن یہ رائے غیر معقول ہے، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسے حکم کا مکلف بنا دیں جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی ظنی (تخمینی) نشانیاں بنائی ہیں، لیکن مجتہد دلیل کو پانے کا مکلف نہیں ہوتا ہے کیونکہ دلیل مخفی اور بہت گہری ہوتی ہے۔ جو باوجود کوشش کے اسے نہ پا سکے وہ معذور ہوگا اور اسے اجر بھی ملے گا کوشش کرنے کا۔ اور یہی قول صحیح ہے اور دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم کوئی فیصلہ کرے اور حق تک پہنچنے کی کوشش کرے اور حق کو پالے تو اسے دو ثواب ملیں گے، اور اگر فیصلہ کرے اور حق تک پہنچنے کی کوشش کرے پھر بھی غلطی کر لے تو اسے ایک اجر ملے گا۔

آٹھویں بحث......اجتہاد کا طریقہ

جب کوئی نئی بات پیش آئے یا انسان مجتہدین کی آراء میں سے راجح رائے نکالنا چاہے تو اس مجتہد عالم کو چاہئے کہ وہ موضوع سے متعلق لغت، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ سلف صالحین کے اقوال اور قیاس کی ممکنہ وجود سب یکجا کرے، یعنی اس خاص واقعے کے بارے میں تمام شرائط اجتہاد اس مجتہد میں پائی جائیں پھر ان دلائل پر وہ شخص بلا کسی خاص مذہب سے وابستگی یا تعصب کے مندرجہ ذیل طریقے کے مطابق غور وخوض کرے:

سب سے پہلے کتاب اللہ کے نصوص میں غور وخوض کرے اگر کوئی نص یا ظاہری دلیل وہاں سے مل جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرے اور اس واقعے کے بارے میں اس کے مطابق فیصلہ دیدے، اور اگر کتاب اللہ میں ایسی کوئی بات نہ ملے تو سنت نبویہ میں غور وخوض کرے اگر اس میں کوئی خبر، سنت عملی یا سنت تقریری ملے تو اس کو لے لے اور اس کے مطابق فیصلہ دے۔ ❷ پھر اس کے بعد اجماع علماء میں غور کرے پھر اس کے بعد قیاس میں غور کرے ❸ پھر اس کے بعد اس رائے کے مطابق غور کر کے جو شریعت اسلامیہ کی روح اور مقاصد سے مطابقت رکھے ❹ اس طریقے سے اجتہاد کے طریقے کی حدود متعین ہوتی ہیں کہ یا تو ظاہر نصوص کے مطابق فیصلہ ہوا گر وہ واقعہ پر منطبق ہوں یا پھر نص

---

❶..... اللمع لشیرازی ص ۷۱، المستصفی ج ۲ ص ۱۰۶ الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۴۸ شرح الاسنوی ج ۳ ص ۲۵۱ شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۳ ص ۳۱۸ شرح لعضد علی مختصر المنتہی ج ۲ ص ۲۰۳ التقریر والتجبیر ج ۳ ص ۳۰۶ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲، ص ۳۷۶، اور بعد کے صفحات کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۱۳۸ التلویح علی التوضیح ج ۲ ص ۱۱۸ ارشاد الفحول ص ۲۳۰ الملل والنحل علامہ شہرستانی ج ۲ ص ۲۰۳۔ ❷ سنت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ خبر یعنی قولی حدیث ۲ سنت عملی یعنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو ۳۔ سنت تقریری: وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا آپ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی گویا رضامندی خاموشی سے فرمائی۔ از مترجم۔ ❸ الرسالۃ للشافعی ص ۵۰۸، الملل والنحل۔ الشہرستانی ج ۲ ص ۱۹۱ المنخول للغزالی ص ۴۶۶۔ ❹ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۶، ارشاد الفحول ص ۲۲۷

سے حاصل ہونے والے امر عقلی یعنی قیاس سے وہ فیصلہ اخذ کیا جائے یا پھر درپیش معاملات کو ان اصول وقواعد پر پرکھ کر دیکھا جائے جو قرآن وسنت کی متفرق دلیلوں سے ماخوذ ہیں جیسے استحسان مصالح مرسلہ، عرف اور سد ذرائع وغیرہ۔ ❶

نویں بحث......اجتہاد کا کالعدم اور اس کا متغیر ہونا اور زمانے کی تبدیلی سے احکام کا بدل جانا

۱۔ اجتہاد کا متغیر ہونا...... مجتہد کے لئے اپنا اجتہاد بدل دینا جائز ہے، چنانچہ وہ پہلے کہی ہوئی بات سے رجوع کر سکتا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی بنیاد دلیل ہوتی ہے اور مجتہد کو جب بھی دلیل ملے اس پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بات ظاہر ہو جاتی ہے جو زیادہ قابل عمل ہے اس کے مقابلے میں جو اس نے پہلے اختیار کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ یہ دوسرا قول زیادہ حق اور صواب کے قریب ہے ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو خط حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام جو ان کے قاضی تھے کوفہ میں جو خط لکھا تھا اس میں ہے کہ اور تمہیں وہ فیصلہ جو تم نے آج کیا ہو اور تم نے اس میں اپنی پوری کوشش کی ہو اور تم نے اپنے طور پر صحیح راستہ اپنایا ہو، حق کی طرف لوٹنے سے نہ روک دے، کیونکہ حق پہلے ہی سے ہوتا ہے اور حق کی طرف لوٹ جانا باطل پر ڈٹے رہنے سے بہت بہتر ہے۔

۲۔ اجتہاد کا کالعدم ہونا، ٹوٹ جانا...... جب کوئی مجتہد کسی واقعے کے بارے میں کوئی فتوی دے یا حاکم دو جھگڑنے کے مابین کسی جھگڑے میں کوئی فیصلہ دے دے۔

پھر ان دونوں کا اجتہاد بدل جائے اور ان دونوں کی رائے اس کے برخلاف ہو جائے جیسے پہلے تھی تو کون سے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا؟ پہلے والے اجتہاد پر یا بعد والے اجتہاد پر؟ اور کیا پچھلا اجتہاد کالعدم ہو جائے گا۔ اس بات کے جواب سے پہلے اجتہاد کے ٹوٹنے (کالعدم ہونے نقض اجتہاد) اور اس کے بدلنے (تغیر اجتہاد) کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ کہ تغیر ایک نظریاتی چیز ہے جو پچھلے اجتہاد سے رجوع کرنے کی بنیاد کے تعین کرنے کو کہتے ہیں جب کہ نقض اجتہاد کا دائرہ کار عملی زندگی سے ہوتا ہے یعنی فتوی تنازعات اور جھگڑوں وغیرہ سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ ❸

علماء اصول نے نقض اجتہاد کے بارے میں مجتہد اور حاکم کے درمیان فرق کیا ہے ❹ اور وہ یہ کہ مجتہد اگر ایک چیز کے بارے میں ایک رائے رکھتا ہے بعد میں اس کا خیال بدل جاتا ہے تو مجتہد پر لازم ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کالعدم کر دے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج اور اثرات کو بھی۔ اس کی مثال جیسے کسی مجتہد کی رائے یہ ہو کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں، چنانچہ اس نے ایسی عورت سے دوبارہ نکاح کر لیا جس سے تین مرتبہ خلع کا معاملہ کر چکا تھا۔ بعد میں مجتہد کی رائے یہ قائم ہوگئی کہ خلع فسخ نہیں طلاق ہے تو اس صورت میں مجتہد پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرے، اس کو بطور بیوی رکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجتہاد ثانی پر عمل درآمد کرتے ہوئے اس کو ایسا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کو یقین ہو چکا ہے کہ پہلا اجتہاد غلط تھا اور دوسرا صحیح ہے اور اپنے ظن کے مطابق اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور حاکم اگر کسی معین

---

❶ ...... تاریخ الفقه الا سلامي. السا ئيس ص ۳۱۔ ❷ ارشاد الفحول ص ۲۳۲ (۳) اجتہاد کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) نظریاتی (۲) اور دوسری عملی۔ اگر صرف تھیوری کر نظریاتی تبدیلی واقع ہو تو اسے تغیر اور اگر نظریاتی اور عملی دونوں طور پر ہو تو اسے نقض اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ از مترجم

❹ المستصفى ج ۲ص ۱۲۰ الاحكام للآمدى ج ۳ ص ۱۵۸ مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۴۵ فواتح الرحموت ج ۲ص ۳۹۵ التقرير والتحرير ج ۳ص ۲۳۵ شرح المحلى على جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۲۰ المدخل على مذهب احمد ص ۱۹۰ ارشاد الفحول ص ۲۳۶۔

بات کے بارے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے پھر اس کا اجتہاد بدل جائے اس سے ملتے جلتے واقعے میں تو اگر کا حکم کسی دلیل قطعی جو نص یا اجماع یا قیاس جلی ❶ میں سے ہو، کے خلاف ہو تو وہ کالعدم ہوگا باتفاق علماء خواہ حاکم کی طرف سے ہو یا کسی اور مجتہد کی طرف سے ایسا ہوا ہو کیونکہ یہ اجتہاد دلیل کے خلاف ہے۔ اور اگر حاکم کا حکم اجتہادیات کے بارے میں ہو یا دلائل ظنیہ سے متعلق ہو تو اس کا پہلا حکم کالعدم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا کالعدم قرار دینا احکام شرعیہ میں خلل اندازی اور ان کی بے استقراری کا سبب بنے گا اور حاکم کے فیصلوں پر بے اعتباری کا بھی۔ اور یہ اس مصلحت کے خلاف ہے جس کے لئے حاکم کا تقرر ہوتا ہے اور وہ ہے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ اور اگر حاکم کے حکم کو توڑ دینے کی اجازت دیدی جائے تو احکام کے لئے کوئی قاعدہ مستقل طور پر نہیں متعین کیا جا سکے گا۔ اور فیصلہ ہو جانے کے باوجود جھگڑے ویسے ہی قائم رہیں گے۔ اور یہ جھگڑوں تنازعات اور فساد پھیلنے اور عناد کے برقرار رہنے کا سبب بنے گا اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور ان حکمتوں کے منافی ہیں جن کی غرض سے حکام کا تقرر کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ قرافی نے اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے ❷ اور اس بارے میں راہنمایات وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول مروی ہے جو انہوں نے جب کہا تھا جب انہوں نے ایک وراثت کے مسئلے کے بارے میں دو حکم دیے تھے کہ یہ حکم اس بنیاد پر ہے جو ہم نے فیصلہ دیا تھا اور یہ اس بنیاد پر ہے جو ہم فیصلہ دیں گے۔

۳۔ احکام کا بدل جانا زمانے کے بدل جانے سے...... احکام کا بدل جانا زمانے کے بدل جانے کے ساتھ ایسی بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ بات مشہور و معروف ہے اور یہ ہوتا ہے عرف کے یا لوگوں کے مفادات کے بدل جانے سے یا ضرورت کی رعایت ولحاظ کرتے ہوئے یا اخلاق کے خراب ہو جانے کے سبب سے یا دینی جذبہ وحمیت کمزور پڑ جانے کے سبب سے۔ یا زمانے کی ترقی اور نئی تبدیلیوں کے واقع ہونے کی وجہ سے یہ تغیر وتبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے پیش نظر حکم شرعی کا بدل دینا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ مصلحت کا تحقق ہو سکے اور فساد کو دور کیا جا سکے اور حق اور بھلائی کو ثابت کیا جا سکے۔ اور یہ بات تغیر احکام کے اصول کو مصالح مرسلہ کے نظریے کے زیادہ قریب کر دیتی ہے بہ نسبت نظریہ عرف کے اور یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ وہ احکام جو تبدیلی اور تغیر کے قابل ہوتے ہیں وہ احکام ہیں جو قیاس یا مصالح مرسلہ کے ذریعے مستنبط ہوں۔ اور یہ کام معاملات، دستوری اور انتظامی احکام، اور تعذیبی تعزیرات کے دائرے میں انجام دیا جائے گا جو کہ اظہار حق جلب مصالح (حصول فوائد) اور مفاسد کے دور کرنے کے اصولوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ہاں ان کے علاوہ جو بنیادی احکام ہیں جو کسی تشریعی مقصد کے حصول کے لئے ہیں یا عام نظم انسانی کی خاطر شریعت کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں تو وہ ایسے امور ہیں جو کسی قسم کی تبدیلی یا ترقی قبول نہیں کرتے ہیں۔

جیسے اصول عقیدہ، عبادات اور اخلاق اور آپس کے معاملات کے اصول جیسے محرم رشتہ داروں کی حرمت اور باہمی طے کئے جانے والے معاملات میں رضامندی کا اصول اور عقد کرنے والے کا اپنے وعدے اور عہد کا پورا کرنا اور اس نقصان کے تاوان کی اجازت جو دوسرے سے پہنچے اور امن واستقرار کا تحقق اور جرائم کی بیخ کنی اور عام انسانی حقوق کا تحفظ اور شخصی ذمہ داری کا اصول اور عدالت اور شوریٰ کے اصول کا احترام وغیرہ کہ یہ سب مسلمہ اسلامی اصول ہیں جن میں کسی قسم کا تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

دسویں بحث...... بحث وتمحیص کا خاکہ

ابواب فقہ میں میری گفتگو کا اسلوب یہ ہے کہ میں نے فقہ کو بنیادی طور پر چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

ا...... عبادات، اور وہ امور جن کا تعلق عبادت سے ہے جیسے نذر قسم اور قربانی وغیرہ یعنی وہ امور جن کا تعلق خالص اللہ سے ہوتا ہے اور وہ

❶...... اس کا تعارف اوپر گذر چکا ہے۔ ❷ الفروق ج ۲ ص ۱۰۴۔

اللہ اور بندے کی درمیان ہوتے ہیں۔

۲.....اہم فقہی نظریات۔

۳.....معاملات۔تمدنی معاملات اوران کے متعلق امور، یعنی وہ امور جن کا تعلق انسانوں کے آپس کے تعلقات سے ہوتا ہے۔

۴.....ملکیت اور ساتھ متعلق زمینوں کے احکام مردہ زمین کے زندہ کرنے کے احکام ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے حقوق زمین میں سرمایہ کاری کے معاملات کانوں، قدرتی کنوؤں (تیل کے کنویں) کے احکام، تقسیم، غصب، لقطہ، سقفود اور شفعہ وغیرہ کے احکام۔

۵.....وہ احکام جن کا تعلق حکومت سے ہوتا ہے (یعنی فقہ عام) جس میں حدود جنایات، جہاد، معاہدے، عدالتی امور، اثبات کے طریقے، امامت کبریٰ کے احکام یا حکومت کے نظام کے احکام وغیرہ۔ان احکام کو احکام سلطانیہ کہتے ہیں۔

۶.....شخصی احوال طلاق، نکاح اور ان کے متعلق امور، میراث وصیت وقف کے احکام وغیرہ۔ اہلیت اور ولایت پر گفتگو میں نے نظریات فقہیہ کی بحث میں کی ہے، ان دونوں کی تفصیل کہیں کہیں احوال شخصیہ کے مباحث کے ذیل میں بھی آ گئی ہے۔

گیارہویں بحث.....پیمانہ جات کا چارٹ ❶

۱.....لمبائی ناپنے کے پیمانے:

قصبہ:.....برابر ہے ۶ ذراع یا ۳،۶۹۶ میٹر کے۔❷

جریب.....برابر ہے ۱۰۰ قصبہ کے یا ۳۶۰۰ ہاشمی ذراع یا مربع فٹ یا مربع گز کے یا ۱۳۶۶۴۱۶ء مربع میٹر کے۔

اور قدم (فٹ) ۳۰۴ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ اور آج کل گز ۳۰۴۳،۹۱ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے ذراع ہاشمی ۳۲ اصبع (انگلی) یا قیراط کا ہوتا ہے، اور اصبع (انگلی۔انگلی کا پور) ۹۲۵ء۱ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

ذراع مصری عتیق ❸ ۴۶،۲ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ فقہ میں ذراع سے مراد ذراع ہاشمی ہوتا ہے جو کہ ۶۱۲ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ باع (دونوں ہاتھ کھول کر مخالف سمتوں میں پھیلانے کے برابر لمبائی) ۴ ذراع ہوتی ہے اور مرحلہ ۱۲ ساعت (گھنٹے) کا ہوتا ہے۔

لمبائی ناپنے میں لفظ قفیر ۱۱۰ (ایک بٹہ دس) جریب ہوتا ہے یا ۶،۶،۳۱ مربع میٹر ہوتا ہے اور غلوۃ (غلوہ سہم) ۴۰۰ ذراع یا ۸، ۱۸۴ میٹر کا ہوتا ہے، اور فرسخ ۳ میل یا ۵۵۴۴ میٹر یا ۱۲۰۰۰ خطوۃ (قدم کا ہوتا ہے جو تقریباً ڈیڑھ ساعت (گھنٹہ) بنتا ہے۔

برید عربی ۴ فرسخ کا ہوتا ہے جو ۲۲۱۷۶ میٹر یا ۲۲۱۱۷ کلومیٹر یا تقریباً ۶ ساعت (گھنٹے) کے برابر ہوتا ہے۔❹ مسافر کے لئے قصر کی مسافت ۴ برد ہے اور ۴ برد سولہ (۱۶) فرسخ بنتے ہیں جو کہ ۷۰۳، ۸۸ کلومیٹر کے برابر ہوتے ہیں، احناف کے ہاں تقریباً ۸۶ کلومیٹر کی مسافت بنتی ہے، اور بعض نے ۸۳ کلومیٹر کی مقدار قرار دی ہے فدان مصری ۶۵ تقریباً ۴۲۰۰ مربع میٹر یا ۳۳۳ مربع قصبہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور فدان قدیم ۵۹۲۹ مربع میٹر کا ہوتا ہے اور دونم ۱۰۰۰ مربع میٹر کا ہوتا ہے۔

---

❶.....دیکھئے الخراج فی الدولة الاسلامية ڈاکٹر ضياء الدين الريس طبع اول ص ۲۶۱۔۳۵۳ النظم الاسلامية ڈاکٹر صبحی صالح ص ۴۰۹۔۴۲۹۔ الايضاح والتبيان فی معرفة المكيال والميزان ابن رفعه الانصاری۔ ❷ حالیہ قصبہ ۷۵،۲۳ مربع میٹر کا ہوتا ہے گرام اور میٹر کے ناپ میں بھی کبھی حنفیہ وشافعیہ وغیرہ میں فرق ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ 'اوسق' اور مرحلہ کی پیائش اور اندازے میں اختلاف ہے۔ ❸ مصنفین کتب اس کے مختلف نام ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو ذراع صغیر ذراع عامہ ذراع قیاس ذراع ید ذراع آدمی یا ذراع صحیح کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں۔ ❹ بعض لوگ فرسخ کو ۵۷۶۰ میٹر کا مانتے ہیں اس صورت میں آٹھ فرسخ ۴۶۸۰ کلومیٹر بنیں گے۔

۲.....ماپنے کے پیمانے

صاع شرعی یا صاع بغدادی ۴ مد کا سوا پانچ رطل کا ہوتا ہے، یعنی چار بڑے پیالوں کے برابر، جس کا وزن ۶۸۵ء۷ درہم یا ۲ء۵۷ میٹر یا ۲۱۷۶ گرام بنتا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ، فقہاء حجاز اور صاحبین رحمہم اللہ علیہم کی رائے ہے اور وہ اس لئے کہ ان کے ہاں مد ۳، رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور عراق کے فقہاء کے ہاں صاع شرعی آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے، اس حساب سے ۳۸۰۰ گرام کا بنا۔ دوسرے اندازے کے مطابق، جو کہ مشہور ہے صاع ۲۷۵۱ گرام کا ہوتا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ صاع چھ سو پچاسی اور خمسۃ اسباع درہم (۶۸۵ء۵۷) کا ہوتا ہے اور رطل ایک سو اٹھائیس اور اربعۃ اسباع درہم (۱۲۸ء۴۷) کا ہوتا ہے۔ اور اعتبار صاع نبوی کا ہے اگر وہ مل جائے یا اس کے برابر کا اگر نہ ملے تو فطرہ دینے والے کو چاہئے کہ اتنا دے جس سے اسے یقین ہو جائے کہ وہ ایک صاع سے کم نہیں ہے۔ اور مصری ماپنے کے پیمانوں کے اعتبار سے صاع دو قدح بنتے ہیں۔

مد ۳/ ۱۰۱ رطل یا ۶۷۵ گرام یا ۶۸۸ ملی لیٹر کے برابر ہوتا ہے رطل شرعی یا رطل بغدادی ۲۸۴۷ ۱ درہم ہوتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ۱۳۰ درہم ہوتا ہے، رطل بغدادی ۴۰۸ گرام کا اور رطل مصری ۱۴۴ درہم یعنی ۴۵۰ گرام کا ہوتا ہے تقریباً۔

درہم عراقی ۳ء۱۷ گرام ہوتا ہے اور حالیہ درہم مصری ۳ء۱۲ گرام کا ہوتا ہے۔ اور درہم عربی ۲،۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔ قفیز ۱۲ صاع یا آٹھ مکوک کا ہوتا ہے، مکوک ڈیڑھ، صاع کا ہوتا ہے قفیز ۳۳ لیٹر یا ۱۲۸ بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ اور یہ تین کیلجہ کے برابر بھی ہوتا ہے۔ ایک کیلجہ آدھے صاع کا ہوتا ہے 'منا' دو رطل کا ہوتا ہے۔

الفرق پیتل کا تانبے کا ایک برتن ہوتا ہے جس میں ۱۶ رطل آتے ہیں جس کا مطلب ہوا (دس) کلو یا ۶ قسط، ایک قسط آدھے صاع کا ہوتا ہے۔

اعدی یہ مد کے علاوہ ایک پیمانہ ہے جو شام اور مصر کا ہے اور ۲۲ء۵ صاع کا ہوتا ہے۔

جریب...... ۴۸ صاع یا ۱۹۲ مد کا ہوتا ہے۔ اور وسق ۶۰ (ساٹھ) صاع کا ہوتا ہے۔ اور پانچ اوسق جو زکوٰۃ کا نصاب ہوتا ہے وہ احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں ۳۰۰ (تین سو) صاع یا ۶۵۳ کلوگرام کا ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ صاع کو ۲۱۷۵ گرام یا ۱۲۰۰ (بارہ سو) مد یا موجودہ رائج مصری وزن کے اعتبار سے ۴ اردب اور دو کیلہ مصری یا ۵۰ کیلہ مصری (پرانا وزن) کے برابر ہوگا۔

اور کیلہ ۲۴ مد کا ہوتا ہے، اور موجودہ اردب مصری ۹۶ قدح (بڑا پیالہ۔ وزن کا نام) یا ۲۸۸ مد یا ۱۹۸ لیٹر کا ہوتا ہے [1] اور یہ ۱۵۶ کلو گرام یا ۱۹۲ رطل یا ۷۲ صاع کے برابر بھی ہوتا ہے۔ اور کیلہ مصری ۶ صاع یا ۳۲ رطل کا ہوتا ہے۔

اردب مصری یا اردب عربی ۲۴ صاع یا ۶۴ منا یا ۱۲۸ رطل یا ۶ ویبہ یا ۶۶ لیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اور ویبہ ۲۴ مد یا ۶ صاع کا ہوتا ہے۔ اور یہی موجودہ مصری کیلہ ہے۔

اور کر، جو سب سے بڑا ماپنے کا عربی پیمانہ ہے، ۷۲۰ صاع، یا ۶۰ قفیز یا ۱۰ اردب یا ۳۸۴۰ عراقی رطل یا ۱۵۶۰ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

۳.....تولنے اور نقدی کے پیمانے:

دینار...... ایک مثقال سونے کو کہتے ہیں جو ۴،۲۵ گرام [2] یا ۴ء۲۵ جو کے متوسط دانوں کے برابر ہتا ہے۔ اور جو کا معتدل دانہ

---

[1]..... دائرۃ المعارف الاسلامیہ نے صاع کو تین لیٹر کے برابر گردانا ہے اس کے مطابق وسق ۱۸۰ لیٹر کا ہوگا لیکن زیادہ تحقیقی بات یہ ہے کہ صاع ۲ء۷۵ لیٹر کا ہوتا ہے۔ [2] فیصل اسلامک بینک سوڈان نے اسے ۴،۴۵۷ گرام کا قرار دیا ہے۔

۰۰۵۹ء (صفر اعشاریہ صفر پانچ نو) گرام سونے کے برابر ہوتا ہے۔اور مثقال یا دینار ۲۰ قیراط کا ہوتا ہے۔اور مثقال عجمی ۴۸۰ گرام کا ہوتا ہے اور مثقال عراقی ۵ گرام کا ❶ اور قیراط کا وزن، اگر مثقال کو ۲۰ قیراط کے برابر سمجھا جائے، ۰۲۱۲۵ء گرام چاندی ہوگا۔اور یہ وہ وزن ہے جو حضرت معاویہؓ نے مصر میں بڑھانا چاہا تھا۔اور اگر ایک مثقال کو ۲۲ قیراط کے برابر سمجھا جائے تو قیراط ۰ء۵۷ ۲۴ گرام چاندی وزن کا ہوگا درہم عربی ایک مثقال (یعنی دینار) کا ۱۰/۷ ہوتا ہے یعنی ۲ء۹۷۵ گرام یا ۶ دانق یا ۵/ ۲۔ ۵۰ دانہ جو جو متوسط ہو۔اور دس درہم ۷ مثقال سونا یا ۱۴۰ قیراط ہوتا ہے، اور اوقیہ سونے کا ۴۰ درہم ہوتا ہے۔دانق دو قیراط یا ۵/ ۲۔ ۸ دانہ جو متوسط یا ۶/ ۱ درہم ۰ء۴۹۵ گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے۔اور طسوج دو دانے جو یا نصف قیراط یا ۱ء۱۲۳۷ گرام کا ہوتا ہے اور قیراط دو طسوج کا ہوتا ہے۔اور حبہ ۰ء۶۱۸ گرام چاندی یا ۰ء۵۰۶ گرام کا ہوتا ہے تو دو فلس (پسیول) کا۔اور نواۃ (کھجور کی گٹھلی ۵ درہم وزن کی ہوتی ہے۔اور فلس ۰ء۰۳ گرام چاندی کو کہتے ہیں اور قنطار شرعی ۱۲۰۰ اوقیہ یا ۸۴۰۰ ❷ دینار یا ۸۰۰۰۰ درہم کو کہتے ہیں۔اور اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے جو کہ ۱۱۹ گرام چاندی کو کہتے ہیں اور موجودہ قنطار ۱۰۰ شامی رطل کا ہوتا ہے۔اور شامی رطل ۲ء۵۶۴ کلو کا ہوتا ہے، انگور اور کھجور کا نصاب جو کہ خمسۃ اوسق۔(پانچ اوسق) ہوتا ہے ۲ء۵ قنطار کشمش یا ۶۵۳ کلو یا ۵۰ کیلہ مصری کے ہم وزن ہوتا ہے۔

نوٹ.....صحیح ترین اندازہ جس پر میں نے اعتماد کیا ہے وہ یہ ہے کہ دینار ۴،۲۵ گرام اور درہم ۲،۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔چاندی کا نصاب زکوٰۃ میں ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہے۔اور صاع شوافع کے ہاں ۲۱۷۶ گرام کا ہوتا ہے۔اس تفصیل کے مطابق پانچ اوسق تقریباً (۶۵۲،۸ کلو=۲۱۷۶ گرام×۳۰۰ صاع) ۶۵۳ کلو کا ہوگا۔ان اوزان اور پیمانوں کے لکھنے میں میں نے مشہور اقوال کو بنیاد بنایا ہے۔اگرچہ کبھی دوسرے مذہب کے اندازوں کے اعتبار سے بھی میں نے یہ بیان کر دیا ہے۔

بارہویں بحث.....عبادات، دو فریقی معاملے فسخ کئے جانے والے معاملے اور ترک کیے جانے والی چیزوں میں نیت اور سبب کی بحث

یہ بحث مشروع نیت یعنی قصد وارادے اور نیت غیر مشروع یعنی برے ارادے، ان کے احکام اور احوال کی بحث ہے جو کہ عبادت کے دائرے یعنی طہارت روزے زکوٰۃ حج وغیرہ اور معاملات یعنی خرید وفروخت، شادی، تحفہ، کفالت، حوالہ وغیرہ کے متعلق ہے، اسی طرح فسوخ (وہ معاملات جو فسخ کے معنی ومفہوم رکھتے ہیں) یعنی طلاق جو کہ تعلق ازدواجی کو ختم کرنے کا نام ہے، اور ترک (یعنی وہ چیزیں جن کا چھوڑنا ضروری ہے) یعنی مکروہ اور حرام چیزوں کا ترک، ونجاست کا ترک (اس کو دور) کرنا، غصب شدہ چیز کا واپس لوٹانا، عاریت پر لی ہوئی چیز کا لوٹانا تحفوں کا پہنچانا وغیرہ وہ امور جن کی صحت نیت پر موقوف نہیں ہوتی، اور مباحات وعادات جیسے کھانا پینا ہم بستری وغیرہ وہ امور جن پر ثواب نیت کرنے کی صورت میں ملتا ہے، اور ان کے انجام دینے میں کسی کو کوئی مشقت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بذات خود مرغوب کام رہتے ہیں جن میں انسان لذت محسوس کرتا ہے اور ان کو اپنی ذاتی اور طبعی فطری خواہش کے تحت انجام دیتا ہے، گویا زندگی کے تمام شعبوں میں انجام دے جانے والے

❶.....اس تفصیل کی بنا پر بیس مثقال سونے کا نصاب مثقال عجمی کے اعتبار سے ۹۶ گرام کا اور مثقال عراقی کے اعتبار سے ۱۰۰ گرام کا ہوگا۔اور اندازہ کرنے کے لئے سونے کے سکے یا اس کے قائم مقام دوسری چیز کا اپنانا ضروری ہے۔یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ کے نصاب کا سونے اور چاندی کے مارکیٹ میں موجودہ ریٹ کے اعتبار سے اندازہ کرنا ضروری ہے کیونکہ موجودہ نقدی کی قوت خرید کا اندازہ شرعاً لازم ہے اور یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ شریعت نے زکوٰۃ کے لیے جو متبادل مقداریں مقرر کی ہیں جو بیس دینار اور دو سو درہم چاندی ہیں اور یہ دونوں ایک چیزیں اور ایک قیمت ہیں۔❷ لسان العرب میں ہے کہ عرب کے ہاں یہ معروف ومعمول ہے کہ قنطار ۴ ہزار دینار کا ہوتا ہے۔

اعمال خواہ طبعی ہوں یا عبادت کے معنی و مفہوم کے حاصل ہوں یا کچھ اور کیفیت کے حامل ہوں ان میں نیت اور ارادے کے اثرات وغیرہ سے بحث اس عنوان کے تحت کی جائے گی۔

اس بحث کی اہمیت اور اس کا خاکہ......اسلامی شریعت اس لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ یہ دین اور دنیا دونوں کے امور و معاملات پر مشتمل ہے اور یہ ایک روحانی اور تمدنی معاشرتی نظام ہے۔حق باعتبار عدالتی مؤید کے ہونے یا نہ ہونے کی دو قسمیں رکھتا ہے۔
حق دیانی، حق قضائی۔

ا.....حق دیانی وہ ہے جو قضاء عدالتی معاملات کے دائرہ کار میں نہیں آتا ہے، انسان اس بارے میں صرف اللہ کے آگے جواب دہ ہوتا ہے۔

۲.....حق قضائی وہ ہے جو قضاء اور عدالتی امور کے دائرہ کار میں آتا ہے اور صاحب حق کے لئے عدالت کے سامنے اس کو ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ان دونوں قسم کے احکام میں فرق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام دیانت (حق دیانی) نیت، واقعی معاملے اور حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ احکام قضائیہ صرف ظاہر امر سے تعلق رکھتے ہیں اور اس میں نیت اور امر واقعہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو غلطی سے طلاق دیدی اور طلاق واقع کرنے کا ارادہ نہیں تھا تو قاضی کے پاس معاملہ جانے کی صورت میں قاضی ظاہر معاملہ کو دیکھ کر طلاق کے واقع ہونے کا حکم لگا دے گا۔ کیونکہ حقیقت حال کی پڑتال اس کے لئے ممکن نہیں۔ جب کہ حکم دیانت کے تحت مفتی طلاق کے واقع نہ ہونے کا حکم دے گا۔اور انسان اس پر اپنے اور اللہ کے معاملے کے طور پر عمل کرسکتا ہے دنیاوی اعتبار سے نہیں۔

لہٰذا حق دیانت کا اعتبار نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور نیت دیانت کی بنیاد ہے ❶ اور یہ وہ ہمیشہ رہنے والا ابدی حق ہے جو بدلتا نہیں، اور یہی ثواب و عقاب کی بنیاد ہے بندے اور اللہ کے درمیان۔ کیونکہ اسلام ہر چیز سے پہلے ہی دین حق معین ہے اللہ کے ہاں۔ اور دین کے معنویت ہر چیز میں اسلام کا جوہر ہے۔اور وہ اس بات کی پابند ہے کہ وہ خالص اللہ ہی کے لئے ہو۔

اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین میں نیتوں، پوشیدہ باتوں اور دل کی اندرونی کیفیات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ اور ان میں حرام اور حلال کے دینی معنی و مفہوم کے نظریئے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ مقصود و اعتبار صرف ظاہری امور کا ہوتا ہے اور باہمی معاملات کے قائم رکھنے کے ساتھ زندگی کی کیفیت و صورت حال کی نگرانی مفقود ہوتی ہے۔ اور معاشرے اور ملک میں رائج نظام کے مطابق ان امور کا نظم وضبط مطلوب ہوتا ہے اسلامی ممالک میں انسانی وضع کردہ قوانین کے نفاذ سے جو نقصانات پہنچے ہیں ان میں دینی جذبے اور رجحان کی کمزوری دین کے برتر ہونے کی فکر میں واضح کمی اور اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ان کے پوشیدہ اور اعلانیہ اعمال کی نگرانی اور نگہبانی کے خیال میں کمی، اور حقوق کے حصول اور ان سے دستبرداری جیسے امور میں تقویٰ کا فقدان وغیرہ جیسے امور جنہوں نے نیت کے خصوصی خیال رکھنے کی کیفیت کو بالکل کمزور کردیا ہے۔لیکن ہمارے معاشروں میں اس جیسی صورتحال کا ظہور جو ہمارے معاشروں میں بڑی پسندیدہ بھی ہے، ہمیں ایک مسلسل عمل نصیحت سے باز نہیں رکھ سکتا جو ہم اسلام کے پلیٹ فارم سے کریں گے اور جو اسلام کی اقدار اور اس کے احکام کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہی وہ نظام زریں ہیں جو بہترین ہمیشہ باقی رہنے والا اور انسانیت کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ لوگوں کی تحریک کی درستگی، اور انحراف اور غلطیوں سے بچ نکلنے کا سامان ہوسکے۔اور اس لئے بھی کہ یہ ہی وہ بنیاد ہے جس کی بنیاد پر انسان کا عام لوگوں کے درمیان اور اللہ کے ہاں بروز قیامت محاسبہ کیا جاسکتا ہے۔

---

❶.....بیہقی اور طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی جو کہ نیة المؤمن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے) لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔حافظ مناوی فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن سے اس کے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔

اسلام کے احکام شرعیہ کے دائرے سے تعلق رکھنے والے ذخیرہ اور سرمایے کا اہم جز جس کا مکلف لوگوں کو پابند کیا گیا ہے وہ ہے صحیح نیت۔ چنانچہ اعمال کے صحیح ہونے کا معیار یہی ہے لہٰذا جہاں نیت صحیح ہوگی وہاں عمل صحیح ہوگا۔ اور جہاں نیت خراب ہوگی وہاں عمل خراب ہوگا۔ اور مکلف لوگوں کے اعمال شرعاً معتبر نہیں ہونگے اور نہ ہی ان کے انجام دینے پر ثواب مرتب ہوگا مگر نیت کے ذریعے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات وانما لکل امریٔ مانوی کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ان احادیث میں سے شمار کی گئی ہے جن پر اسلام کا مدار ہے، چنانچہ یہ دین کے اصولوں میں ایک اصول ہے۔ اور اسی پر اسلام کے اکثر احکام کا دارومدار ہے، اور یہ نصف اسلام ہے۔ امام ابوداؤد صاحب سنن ابی داؤد فرماتے ہیں یہ حدیث آدھا دین ہے، کیونکہ دین کا ایک ظاہر ہوتا ہے جو کہ عمل ہے اور ایک باطن ہوتا ہے جو کہ نیت ہے۔ اور اس حدیث کو ایک تہائی علم بھی قرار دیا گیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک تہائی علم موجود ہے امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس کے ایک تہائی علم ہونے کا سبب یہ ہے کہ انسان کی کوشش اور حصول دل سے زبان سے اور اپنے اعضاء سے ہوتی ہے، اور نیت ان تینوں میں سے ایک سے تعلق رکھتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث فقہ کے ستر ابواب سے تعلق رکھتی ہے اور اسی وجہ سے علماء کرام نے اپنی اپنی تصنیفات وکتب اس حدیث سے ہی شروع کی ہیں اور سبب اس کا یہ تھا کہ طالب علم کو یہ تنبیہ کردی جائے کہ وہ اپنی نیت کو خالص اللہ کے لئے کرلے علم کے طلب کرنے میں، نیک کام کرنے میں اور اپنی ذات، اپنی امت اور اپنے مسلک کو فائدہ پہچانے کے عمل میں۔ اور اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ الامور بمقاصدھا (کاموں کا تعلق ان کے مقاصد سے ہوتا ہے) کا قاعدہ ایک تہائی علم کا درجہ رکھتا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ الاعمال بالنیات والی حدیث ایک تہائی اسلام ہے، امام ابوداؤد فرماتے تھے: میں نے سند احادیث میں غور کیا تو وہ چار ہزار احادیث ہیں۔ پھر میں نے دوبارہ غور کیا تو ان ۴ ہزار احادیث کا مدار صرف چار حدیثوں پر نکلا۔

۱..... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''الحلال بیّن والحرام بیّن''۔

۲..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ''انما الاعمال بالنیات''۔

۳..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً''

۴..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی حدیث ''من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ'' وہ فرماتے ہیں ان میں سے ہر حدیث علم کا ایک چوتھائی حصہ رکھتی ہے۔ ❶

ان سب باتوں کی بناء پر نیت کی بحث دین کے بنیادی مباحث میں سے ہے اور ہر انسان کے لئے لازم علم کے اصول میں سے ہے، کیونکہ اس بحث میں نصیحت بھی ہے بیان حقائق بھی ہیں اور امور وقواعد کا ضبط بھی نیت کے ضوابط کی تعیین وتشکیل عبادت اور قربانی دینے والوں کے لئے صحیح اور درست راستہ ہموار کردیتی ہے ان کی عبادات اور قربانیوں کے لئے، اور ہر انسان کے لئے حلال اور حرام میں تمیز کرنے کا طریقہ اور ثواب وعقاب لازم کرنے والے امور میں فرق کرنے کا طریقہ واضح کردیتی ہے۔ اور اس کے لئے یہ واضح کردیتی ہے کہ اس پر کم از کم کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ کوئی عبادت بغیر نیت کے درست نہیں ہوتی۔ اور عقد کرنے یا اسے فسخ کرنے جیسے تصرفات کا حکم بھی نیت کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ یا تو وہ جائز اور صحیح کی قبیل میں سے ہوگا اگر نیت مشروع ہے اور یا باطل اور غلط ہوگا اگر نیت گندی اور بری یعنی غیر مشروع ہے اسی طرح وہ تصرف نیت کے ہونے یا نہ ہونے کی بناء پر اس کا اثر مرتب کرنے والا ہوگا یا نہیں۔ تو معاملات اور تصرفات میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا یا الفاظ اور ظاہری صورت کا اعتبار ہوگا؟ اور کیا ایک برا باعث اور سبب عقد کو فاسد کرتا ہے یا نہیں؟ اور اس طرح یہ

❶..... الاشباہ والنظائر، از علامہ سیوطی ص ۸۔

بحث ذرائع کے اصول کے بارے میں بتائے گی کہ سد ذریعہ ہونا ہے یا فتح ذریعہ (سد ذریعہ اور فتح ذریعہ اصول فقہ کی اصطلاحات ہیں ان کا بیان آگے آئے گا)۔

میں نیت پر اپنی اس بحث میں ان مندرجہ ذیل باتوں پر گفتگو کروں گا۔

۱.....نیت کی حقیقت، اس کی تعریف۔

۲.....نیت کا حکم، یعنی وجوب اس کے واجب کرنے کے دلائل۔ اور اس سے متعلق قواعد شریعت۔

۳.....نیت کی جگہ۔

۴.....نیت کا زمانہ یا اس کا وقت۔

۵.....نیت کی کیفیت۔

۶.....نیت میں شک کا عمل دخل اس کا بدل جانا اور دو عباتوں کو ایک نیت سے کرنا۔

۷.....نیت کا مقصود اور اس کے اجزائے ترکیبی۔

۸.....نیت کی شرائط۔

۹.....عبادات میں نیت۔

۱۰.....معاملات (عقود) میں نیت۔

۱۱.....فسوخ میں نیت۔

۱۲.....تروک (چھوڑے جانے والی چیزیں) میں نیت۔

۱۳.....مباحات اور عادات میں نیت۔

۱۴.....دیگر امور میں نیت۔

یہ تفصیل اس بات کے ساتھ پیش نظر رہے کہ محدثین اور فقہاء نے نیت پر گفتگو کی ہے لیکن متفرق جگہوں پر مسائل پر گفتگو کے دوران اور ابواب فقہیہ کی گہرائیوں میں اور نیت اور اس کے احکام سے متعلق کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری سوائے ایک ''کتاب نہایۃ الاحکام فی بیان ماللنیۃ من احکام'' کے جو احمد بک حسینی کی تصنیف ہے جو سہ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں مطبع امیریہ مصر میں چھپی تھی، تاہم یہ کتاب دو باتوں کی وجہ سے محدود ہے ایک تو یہ کہ یہ صرف شافعی مذہب کے اوپر لکھی گئی ہے اور فقط بعض عبادات تک محدود ہے۔ لہٰذا میں اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں کہ مندرجہ بالا خاکے کے اعتبار سے نیت سے متعلق تمام امور پر بحث کروں تا کہ پڑھنے والوں کے لئے یہ اہم نظریہ بھی کھل کر سامنے آئے جو عبادات، معاملات احوال شخصیہ، قابل ترک امور (تروک) اور مباحات سب کے امور کو شامل ہے میں اللہ سے صحیح بات کی مدد مانگتا ہوں وہی توفیق دینے والا ہے۔

۱۔نیت کی حقیقت یا اس کی تعریف.....نیت لغت میں کہتے ہیں کسی چیز کے ارادے اور اس پر عزم کر لینے کو[1] ازہری کہتے ہیں عرب میں بولا جاتا تھا نواك اللہ یعنی اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور عرب یہ بھی کہتے تھے نواک اللہ یعنی اللہ تمہارے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور تمہاری حفاظت فرمائے۔ بالفاظ دیگر نیت ارادے کو کہتے ہیں قصد کا مطلب ہے دل کا کسی کام کو سوچ لینا اور اس پر عزم کر لینا بلا کسی تردد کے۔ نیت اور ارادہ فعل مترادف الفاظ ہیں۔ یہ دونوں موجودہ فعل (فعل حال) اور فعل مستقبل دونوں کو شامل ہوتے ہیں۔ بعض ماہرین لغت نے نیت اور عزم میں فرق کیا ہے کہ نیت موجودہ فعل کے ارادے کو اور عزم مستقبل میں انجام دینے والے فعل کے ارادے کو کہتے ہیں۔

[1].....المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۰ الاشباہ والنظائر. لابن نجیم ص ۲۴. طبع دار الفکر دمشق

لیکن یہ فرق اس وجہ سے قابل اعتراض ہے کہ کتب لغت میں نیت کے معنی میں یہ فرق نہیں بتایا گیا ہے۔

شریعت میں نیت کہتے کسی فرض عمل یا اس کے علاوہ کسی عمل کے انجام دینے کے قلبی عزم کو۔ یا دل کے عزم کو جو کسی فرض عمل پر ہو یا نفلی عمل پر اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ارادہ جو فعل سے حال میں یا مستقبل میں انجام دینے سے متعلق ہو۔ اسی بناء پر کسی بھی سمجھدار جاگنے والے بااختیار شخص سے صادر ہونے والا فعل نیت سے خالی نہیں ہوسکتا ہے۔ خواہ عبادات کی قبیل سے ہو یا عادات کی قبیل سے۔ اور یہی وہ فعل ہوتا ہے جس سے احکام شرعیہ تکلیفیہ یعنی وجوب، حرمت، ندب، کراہت اور اباحت وغیرہ متعلق ہوتے ہیں۔ اور نیت سے خالی فعل غافل کا فعل قرار پاتا ہے اور لغو ہوتا ہے اور شریعت کا کوئی حکم اس سے متعلق نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر فعل کسی ایسے شخص سے صادر ہو جو عاقل نہ ہو لیکن جاگا ہوا شخص ہو اس طرح کہ وہ مجنون ہو یا بھولنے والا یا غلطی کرنے والا ہو یا اس کے ساتھ جبر کیا گیا ہو تو وہ عمل لغو قرار پائے گا اور اس فعل سے اوپر ذکر کردہ کوئی حکم شرعی تکلیفی متعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے انجام دینے والے کا قصد، ارادہ اور نیت نہیں پائی جارہی۔ اور وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے طلب فعل یا تخییر فعل متعلق ہوگا۔ اور اگر فعل افعال عادیہ میں سے ہو جیسے اکل، شرب، قیام قعود (بیٹھنا) کسی چیز کا تھامنا، چلنا سونا وغیرہ اور اس کا سمجھدار ذی عقل جاگنے والے شخص سے صدور بغیر نیت کے ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مباح ہوگا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ اس فعل کے ساتھ کوئی ایسی بات یا امر درپیش نہ ہو جائے جو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا تقاضا کرتا ہو۔ اور اس فعل کا حکم یہ ہے کہ شرعاً ایسا فعل (فعل عادی) معتبر ہوتا ہے۔ اور رہی بات ان احکام کی یعنی بھول کر وضو کرنے والے کے وضو کا باطل ہونا اور پاگل یا بچے کی تلف کردہ چیزوں کے تاوان کا لازم ہونا، اور قتل کا، یا کسی عضو کے تلف کرنے کا یا کوئی وصف انسانی مثلاً سماعت، بصارت، تھامنے کی قدرت یا حرکت کی قدرت وغیرہ کا زائل کردینا اگر خطایا شبہ عمد کے طور پر ہو تو ان امور کا تاوان بطور دیت لازم ہونا باوجود اس کے کہ کرنے والے کی نیت یہ کرنے کی نہیں تھی اور اس جیسے دیگر امور تو ان کا تعلق تکلیف شرعی سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق احکام وضعیہ سے ہے یعنی کسی چیز کا دوسری چیز کے لئے سبب یا شرط، یا مانع ہونا یا اس کا صحیح یا فاسد یا عزیمت یا رخصت ہونا وغیرہ کہ یہ سب احکام وضعیہ ہیں [1] اور ان میں فی الحقیقت یہ حکم کیا گیا ہوتا ہے کہ کون سی چیز دوسری چیز کے لئے سبب بن رہی ہے مثلاً تلف کردینا سبب ہے عوض یا تاوان کا علی الاطلاق خواہ بچے سے تلف کا عمل ہوا ہو یا بڑے سے پاگل سے یا ذی ہوش شخص سے۔ تو یہاں تلف کا سبب ضمان ہونا احکام وضعیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ احکام تکلیفیہ سے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ روزوں میں نیت سے مراد عزم یا ارادہ کلیہ ہوتا ہے یہ نیت کے عام معنی ہیں۔ یعنی روزہ رات ہی سے نیت کر لینے سے صحیح ہو جاتا ہے نیت کا روزے کی ابتداء کے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ یعنی طلوع فجر کے ساتھ۔ لہٰذا اگر نیت کی پھر کچھ کھایا پھر روزہ رکھا تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔ ہاں روزے کے علاوہ دیگر عبادات میں جن کے صحیح ہونے کے لئے نیت کا فعل کی ابتداء کے ساتھ ملا ہوا ہونا مطلوب ہوتا ہے تو ان میں واقعتاً قصد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ارادہ جو فعل کی ابتداء سے ملا ہوا ہو۔ تو اس میں معتبر نیت ہے واقعی ارادہ۔ یعنی وہ نیت جو ارادے کے نافذ کرنے کے عمل کی ابتداء سے ملی ہوئی ہو اور نیت سے یہی چیز مراد ہوتی ہے شوافع کے ہاں جب وہ اسے ارکان عبادت میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی وضو، غسل، تیمم، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں۔ اور انہی کی طرح کنایات عقود (معاملات) اور فسوخ میں بھی۔ چنانچہ ان امور میں بھی واقعتاً ارادے کا پایا جانا ضروری ہے یعنی نیت کا جو لفظ کنائی (کنایۃ بولے جانے والے لفظ) کے ملی ہوئی ہو یا کتابت (لکھائی) یا اشارے سے ملی ہوئی ہو اگر گونگا لکھ رہا ہو یا اشارہ کر رہا ہو اور اشارہ بھی ایسا جسے سمجھدار آدمی سمجھ سکے۔

اسی طرح اقرار اور طلاق میں استثناء کرنا اور طلاق میں لفظ ان شاء اللہ کے ذریعے تعلیق کرنا (یعنی طلاق کو ان پر معلق کرنا) تو ان جیسے امور میں نیت بمعنی واقعی ارادہ مستثنیٰ منہ بول کر فارغ ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

---

[1] ......احکام وضعیہ کی تعریف چوتھی بحث کے تحت اصطلاحات فقہیہ کی بحث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یعنی نیت کا اس کلام سے مل جانا جو آپس میں متصل ہے۔ ❶

حقیقت نیت بیان کرنے کے بارے میں خلاصہ کلام اس سے ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے بات آ رہی ہے، حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ جان لو نیت لغت میں قصد اور ارادے کی ایک قسم کا نام ہے۔ اگرچہ ان الفاظ (نیت قصد اور ارادہ) میں کچھ فرق بھی کیا گیا ہے مگر یہ موقع ان کے بیان کا نہیں۔ علماء کے کلام میں نیت دو معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

۱.....عبادات کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا۔ جیسے ظہر کی نماز کو مثلاً عصر سے ممتاز کرنا اور رمضان کو دیگر روزوں سے ممتاز کرنا۔ یا عادات کو عبادات سے ممتاز کرنا جیسے غسل جنابت کو غسل صفائی یا غسل ٹھنڈک سے علیحدہ کرنا وغیرہ فقہاء کے کلام میں زیادہ تر یہی نیت پائی جاتی ہے۔

۲.....دوسرے معنی ہیں عمل سے مقصود جو ہے اسے ممتاز کرنا۔ یعنی کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے یا اللہ اور اس کے علاوہ کسی اور کے لئے ہے۔ اور نیت اس معنی میں وہ ہے جسے اہل تصوف وعرفان اپنی کتابوں میں اخلاص اور اس کے متعلقات کے تحت بیان کرتے ہیں۔ اور نیت کا یہ تصور متقدمین کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر بن ابوالدنیا نے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس کا نام کتاب الاخلاص والنیۃ تھا اس میں نیت سے مراد ان کی یہی معنی ومفہوم تھے۔ اور نیت کے یہی معنی ومفہوم ہیں جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کبھی لفظ نیت کے ساتھ اور کبھی لفظ ارادہ کے ساتھ اور کبھی دوسرے قریب المعنی الفاظ کے ساتھ ہوا ہے اور اس کا ذکر بکثرت قرآن کریم میں بھی لفظ نیت کے بغیر دیگر قریب المعنی الفاظ کے ذریعے ہوا ہے۔

جن حضرات نے نیت ارادہ اور قصد اور اس جیسے الفاظ کے درمیان فرق کیا ہے ان کا خیال یہ تھا کہ نیت کا لفظ پہلے معنی ومفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جو فقہاء اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں نیت فعل کرنے والے کے فعل کے ساتھ خاص ہے اور ارادہ اس کے ساتھ خاص نہیں جیسے انسان اللہ سے چاہتا ہے (ارادہ کرتا ہے) کہ وہ اس کی مغفرت کر دے لیکن وہ اس کی نیت نہیں کرتا۔ اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سلف کی کلام میں اسی معنی میں زیادہ تر استعمال ہوئی ہے، چنانچہ نیت اس صورت میں ارادے کے معنی میں ہے، اسی لئے قرآن کریم اس کی تعبیرا اکثر ارادے کے لفظ سے کرتا ہے۔

۲۔نیت کا حکم اس کے واجب کرنے کے دلائل اور اس کے متعلق شرعی قواعد.....نیت کا حکم جمہور فقہاء، ماسوا احناف، کے ہاں یہ ہے کہ ❷ جس چیز کا وجود اس پر موقوف ہے نیت اس کے لئے واجب ہوتی ہے جیسے وضو اور غسل، ماسوا میت کے غسل اور تیمم کے، اسی طرح یہ لازم ہے نماز کی تمام اقسام زکوۃ، روزوں، حج اور عمرہ وغیرہ کے لئے بھی۔ اور نیت مستحب ہے ان چیزوں میں جن کی صحت نیت پر موقوف نہیں جیسے غصب شدہ چیز کی واپسی اور مباحات جیسے اکل وشرب اور قابل ترک چیزیں (تروک) جیسے حرام اور مکروہ چیزوں کو چھوڑنا جیسے زنا شراب اور دیگر حرام چیزوں کا ترک اور جوئے سے پاک لہو ولعب کا ترک کرنا یعنی وہ لہو جس میں دونوں فریقین یا دونوں میں سے ایک کی طرف سے کوئی اجر ومعاوضہ نہ ہو کہ ایسا لہو ضیاع وقت اور لایعنی بے مقصد کاموں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوتا ہے تو ان سے بچنا اور ان کا ترک نیت پر موقوف نہیں لہٰذا ان کے ترک کے لئے نیت مستحب ہے لازم نہیں۔ ❸

احناف کی رائے یہ ہے کہ مسائل نماز یعنی وضو غسل وغیرہ میں نیت مستحب ہے حصول ثواب کے لئے اور نماز کے لئے شرط ہے جیسا کہ

---

❶.....مصنف کا مقصد یہ ہے کہ وہ امور جن میں نیت امام شافعی کے ہاں شرط ہے ان امور کی انجام دہی کے وقت نیت کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اس کام پر وہ حکم مرتب نہ ہوگا جو ہونا چاہئے۔ عقود سے مراد وہ معاملہ ہوتا ہے جو دو یا زائد فریق کے درمیان ہو اس میں بیع نکاح تجارت، شرکت وغیرہ سب داخل ہیں اور فسوخ سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں کسی عقد کو تحلیل کرنا ہوتا ہے جیسے فسخ ہے نکاح کا (از مترجم) ❷ الشرح الکبیر للدردیر، ج ۱ ص ۹۳۔ المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ المہذب ج ۱ ص ۱۴، المغنی ج ۱ ص ۱۱۰ کشاف القناع ج ۱ ص ۹۴۔۱۰۱۔ احکام النیۃ للحسینی ص ۱۰، ۷۶، ۷۸۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۹۸ البدائع ج ۱ ص ۱۷، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۹۔

مالکیہ اور حنابلہ نے قرار دیا ہے اس پر مزید گفتگو عبادات میں نیت کی بحث میں آئے گی۔ یہ بات علم میں رہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت نماز کے لئے واجب ہے تا کہ عبادت عادت سے ممتاز ہو سکے اور تا کہ نماز میں خالص اللہ کے لئے اخلاص متحقق ہو سکے، کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت کہتے ہیں عمل کو اخلاص سے کرنا کہ عبادت خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔

نیت کے ایجاب (واجب کرنے) کے بہت سارے دلائل ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ آیت ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ (اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے مخلص ہو کر، سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵) علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ اخلاص سے مراد ان کے کلام میں نیت ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ایک دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری مسلم اور باقی صحاح ستہ اور امام احمد سب کے ہاں حدیث صحیح ہے اور جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جو بقول علامہ نووی عظیم حدیث ہے اور ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے بلکہ ان سب میں عظیم تر ہے جو کہ بیالیس احادیث ہیں، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہے کہ جس کو حاصل کرلے یا عورت کی طرف ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہے تو اس کی ہجرت اس طرف ہوگی جس طرف اس نے ہجرت کی۔

اس حدیث میں اعمال سے مراد طاعات اور اعمال شرعیہ ہیں نہ کہ مباح اعمال اور یہ حدیث عبادات میں نیت کے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ انما کا لفظ حصر (کسی چیز کو کسی چیز میں محصور کرنا) کے لئے آیا ہے جو کہ مذکور کے اثبات اور ماسوا کی نفی کے معنی دیتا ہے، اور یہاں مراد صورت عمل نہیں، کیونکہ صورت عمل تو بلا نیت بھی پائی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ عمل کا حکم نیت کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔ یعنی اعمال شرعیہ کا بدون نیت اعتبار نہیں ہوگا جیسے وضو، غسل، تیمم، نماز، زکوۃ، روزہ حج اور اعتکاف اور دیگر تمام عبادات۔ ہاں نجاست کا دور کرنا اس کے لئے نیت ضروری نہیں، کیونکہ یہ تروک (قابل ترک چیزیں) سے تعلق رکھتا ہے اور تروک کے لئے نیت ضروری نہیں۔ اور انما الاعمال بالنیات میں ترکیب نحوی کے لحاظ سے ایک لفظ محذوف ہے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کون سا لفظ ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء جنہوں نے نیت شرط قرار دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یا صحۃ الاعمال کا لفظ ہے یا تصحیح الاعمال یا قبول الاعمال کا لفظ ہے، اور محذوف لفظ شامل کر کے عبارت اس طرح ہوگی: صحۃ الاعمال بالنیات، اس صورت میں نیت صحت کی شرط ہوگی۔ وسائل عبادات یعنی وضو اور غسل وغیرہ اور مقاصد یعنی اصل عبادات نماز روزہ حج وغیرہ اس کے بغیر درست نہیں ہوں گے۔

احناف جو مسائل میں نیت کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مراد ہے کمال اعمال اور اس صورت میں محذوف عبارت اس طرح ہوگی: کمال الاعمال بالنیات، چنانچہ نیت ان کے ہاں شرط کمال ہے یعنی حصول ثواب کے لئے فقط نہ کہ اس عمل کی صحت اس پر موقوف ہے حدیث کے یہ الفاظ وانما لکل امرئ ما نوی دو باتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

ا..... علامہ خطابی کے بقول ایک معنی اس سے حاصل ہوتے ہیں جو اول معنی سے مختلف ہیں، اور وہ ہیں عمل کی تعیین نیت کے ذریعے، یعنی یہ الفاظ انما الاعمال بالنیات کی تکرار کے طور پر نہیں بلکہ ان سے ایک معنی سمجھ میں آتے ہیں جو پہلے الفاظ سے حاصل ہونے والے معنی سے مختلف ہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ بیان کرنا ہے کہ نیت شدہ عبادت کی تعیین اس کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی قضاء نماز ہے تو اس کے لئے صرف قضا نماز کی نیت کر لینا کافی نہیں ہے، اس کے لئے اس نماز کی بحیثیت ظہر یا عصر یا کوئی اور تعیین ضروری ہے، اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو پہلے الفاظ کا تقاضا یہ ہوتا کہ نیت بلا تعیین درست ہے یا کم از کم اس بات کا وہم پیدا ہوتا۔

۲.....دوسرے معنی اس سے یہ حاصل ہوتے ہیں کہ عبادات میں نیابت درست نہیں اور نہ ہی نیت میں وکیل بنانا درست ہے۔البتہ اس سے زکوٰۃ تقسیم کرنا اور قربانی کا ذبح کرنا مستثنیٰ ہے کہ ان دونوں میں توکیل فی النیۃ (نیت میں بھی وکیل بنانا) درست ہے باوجود (نیت پر قدرت رکھنے کے، اسی طرح قرض ادا کرنے میں وکیل بنانا درست ہے۔❶

اس حدیث کا آخری حصہ اس کے سبب کو بھی بیان کر دیتا ہے۔امام طبرانی نے اپنی کتاب معجم کبیر میں اپنی سند سے جس کے راوی سب ثقہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہم میں ایک شخص تھے جنہوں نے ایک ام قیس نامی عورت کو پیغام دیا، انہوں نے شادی سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ شخص ہجرت نہ کرلیں، انہوں نے ہجرت کرلی اور اس خاتون سے شادی کرلی، تو ہم ان کو مہاجر ام قیس (ام قیس کی طرف ہجرت کرنے والے) کہا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث چند امور پر دلالت کرتی ہے جن میں سے چند یہ ہیں:۔

الف.....کوئی عمل اس وقت شرعی نہیں ہوسکتا۔بایں معنی کہ اس پر ثواب یا عقاب ملے جب تک کہ نیت نہ ہو۔

ب.....جس چیز کی نیت کی جارہی ہے اس کی تعیین اور دوسرے سے تمییز کرنا نیت کے لئے شرط ہے چنانچہ صرف نماز کی نیت کرلینا کافی نہیں بلکہ باتفاق علماء نماز کی تعیین کہ وہ ظہر ہے یا عصر یا کوئی اور مثلاً ضروری ہے۔

ج.....جس شخص نے نیک عمل کی نیت کی اور وہ عمل انجام دینے سے کوئی بڑا عذر مانع ہوگیا جیسے مرض یا موت وغیرہ تو اس کو اس نیت کی وجہ سے ثواب دیا جائے گا کیونکہ نیکی کا ارادہ کرنے والا اگر اس پر عمل نہ کر سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور برائی کا ارادہ کرنے والا اگر اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے لیے برائی نہیں لکھی جاتی۔علامہ سیوطی فرماتے ہیں جس شخص نے معصیت کا عزم کرلیا اور اسے نہیں کیا یا اسے زبان سے نہیں کہا تو وہ اس پر گناہ گار نہیں ہوگا❷ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کی سوچی ہوئی باتوں (خیالات سے گناہ اٹھالیا ہے جب کہ وہ اسے کہہ نہ دیں یا عمل نہ کرلیں۔

د.....عبادت اور اعمال شرعیہ میں اخلاص آخرت میں اجر و ثواب کے حصول کے لئے بنیاد ہے اور دنیا میں فلاح اور کامیابی کے لئے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ زیلعی نے صراحت کی ہے کہ نمازی کے لئے نماز میں اخلاص ضروری ہے۔

ھ.....ہر عمل نافع یا مباح یا کسی غلط فعل کا ترک کرنا اچھی نیت اور حکم الٰہی کے امتثال کے ارادے سے ایسی عبادت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس پر اللہ کی طرف ثواب عطا فرمایا جائے۔

و.....اگر فعل کی نیت لوگوں کو راضی کرنا یا حصول شہرت اور دکھاوا یا دنیوی منفعت کا حصول ہو جیسے ام قیس کی طرف ہجرت کرنے والے صاحب کا معاملہ تھا تو اس کام کے انجام دینے والے کے لئے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

منوی (نیت شدہ چیز) کی تعیین اور عدم تعیین کے بارے میں احناف کی رائے احناف نے منوی کی تعیین کے بارے میں کچھ تفصیل بیان کی ہے❸ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

۱.....اگر منوی عبادت ہو تو اگر اس کا وقت ادا کی جانے والی عبادت کے لئے ظرف ہو بایں معنی کہ وہ عبادت خود اور اس کے علاوہ دوسری عبادت اس وقت کے دوران ادا کی جاسکتی ہو جسے واجب موسع کہتے ہیں، تو تعیین منوی ضروری ہے جیسے نماز، اب اگر ظہر کی نیت کرے اور اسے آج کے دن کے لفظ ساتھ اس کی تعیین کردے۔مثلاً آج کی ظہر تو نماز صحیح ہو جائے گی اور نماز کی تعیین کی علامت یہ ہے کہ جیسے ہی نمازی سے

---

❶..... المجموع ج ۱ ص ۳۶۱ شرح الاربعین للنووی ص ۷۔۵، شرح الاربعین لابن دقیق العید ص ۱۳۔۱۴۔❷ الاشباہ والنظائر۔ للسیوطی ص ۲۹۔❸ الاشباہ والنظائر۔ لابن نجیم، ص ۲۵ طبع دار الفکر، دمشق

پوچھا جائے کہ تم کون سی نماز ادا کر رہے ہو تو وہ بلا تامل جواب دیدے۔ اور وقت کے تنگ ہونے سے تعیین نماز ساقط نہیں ہوگی۔ کیونکہ وقت میں بہر حال گنجائش ہے۔

۲......اور اگر وہ عبادت ظرف نہ ہو معیار ہو بایں معنی کہ اس عبادت کے وقت میں دوسری اس جیسی عبادت کی ادائیگی ممکن نہ ہو جیسے رمضان کے روزے، اور ایسے واجب کو" واجب مضیق" کہتے ہیں، تو اس کے لئے تعیین ضروری نہیں ہے اگر روزے دار تندرست اور اپنے شہر میں قیام پذیر ہے تو مطلق نیت سے روزہ ہو جائے گا اور نفل کی نیت سے بھی فرض ہی ہوگا، کیونکہ متعین چیز میں تعیین کرنا لغو بات ہے۔ اور اگر وہ شخص مریض ہے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ جو بھی نیت کرے روزہ رمضان ہی کا ہو۔ خواہ کسی دوسرے واجب کی نیت کرے یا نفل کی۔ اور مسافر اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو جس کی نیت کی ہے وہ ادا ہوگا نہ کہ رمضان کا روزہ۔ اور اگر نفلی روزے کی نیت کرے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا۔

۳......اور اگر عبادت کا وقت مشکل ہو جسے واجب ذوالشبہین کہتے ہیں جیسے وقت حج کیونکہ وہ واجب مضیق کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اور واجب موسع کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ اس کے ارکان وافعال سارے زمانہ حج پر محیط نہیں ہوتے، تو اس صورت میں مطلق نیت سے حج درست ہوگا باعتبار معیار ہونے کے اور نفل کی نیت کرنے کی صورت میں جو نیت کی اس طرح ہی ادا ہوگا باعتبار اس کے ظرف (واجب موسع) ہونے کے۔

کلی شرعی قواعد متعلقہ نیت...... فقہاء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کا بیان ابھی گذرا، سے تین کلی قواعد اخذ کئے ہیں، ان قواعد کو مجتہدین اور ائمہ مذاہب نے اپنے مذاہب کے اصول کی تشکیل کے لئے بنیاد بنایا ہے اور ان سے فروع فقہیہ بھی اخذ کی ہیں [1] اور وہ تین قواعد یہ ہیں۔

۱...... لاثواب الابا لنية (بلا نیت ثواب نہیں ہوتا)۔

۲......الامور بمقاصدها (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے)

۳...... العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی (عقود۔یعنی معاملات میں اعتبار مقاصد اور مفاہیم کا ہوگا الفاظ اور ساخت کا نہیں)۔

پہلا قاعدہ: لاثواب الا بالنية (بلا نیت ثواب نہیں ہوتا)...... نیت عبادات میں شرط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا یا تو اجماع امت کی وجہ سے یا اس آیت کی وجہ سے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَاۗءَ (اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کریں اللہ کی دین کو خالص اس کے لئے کرتے ہوئے۔ سورۃ البینۃ، آیت ۵) علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی بات (کہ یہ اجماع امت کی وجہ سے شرط ہے) زیادہ درست ہے، کیونکہ اس آیت میں عبادت کے معنی توحید کے ہیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ نماز اور زکوۃ کو اس پر عطف کر کے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا نیت وضو، غسل، مسح علی الخفین، نجاست حقیقیہ کو دور کرنے کے لئے کپڑے، بدن یا جگہ۔ غالباً برتنوں سے صحت فعل کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں تیمم کے لئے اس لئے شرط ہے کہ اس کے معنی خود ہی اس پر دلالت کرتے ہیں (کہ بذات خود کوئی صفائی یا پاکی دینے والا عمل نہیں، ارادے اور نیت سے اس میں یہ بات پیدا ہوتی ہے) اور میت کے غسل کے لئے نیت اس

---

[1]...... پانچ اصولی قواعد ہیں جن کے گرد ساری فقہ گھومتی ہے وہ یہ ہیں۔
۱۔ الامور بمقاصدها (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے) ۲۔ الضرر یزال (ضرر کو دور کیا جاتا ہے) ۳۔ العادة محكمة (عادت فیصلہ کن ہے۔) ۴۔ اليقين لايزول بالشک (یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا)۔ ۵۔ المشقة تجلب التيسير (مشقت آسانی کو کھینچتی ہے)۔

لئے ضروری نہیں کہ اس پر نماز کی ادائیگی درست ہو جائے یا اس کے لئے طہارت کا حصول ہو جائے، یہ شرط اس لئے ہے کہ مکلفین کے ذمے سے فرض ساقط ہو جائے۔ ❶

نیت جمہور علماء کے ہاں وسائل اور مقاصد دونوں کے لئے ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور احناف کے ہاں وسائل میں یہ شرط کمال ہے جیسے وضو اور غسل، اور مقاصد میں شرط صحت ہے جیسے نماز روزہ زکوۃ حج وغیرہ اس قاعدے کے معنی یہ ہیں کہ تمام شرعی اعمال پر ثواب صرف نیت کی وجہ سے ہی ہوگا علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ ثواب (بدلے) دو قسم کے ہیں اخروی، یعنی آخرت میں ملنے والا، اور وہ ثواب (اجر) اور عقاب کا مستحق ہونا ہے اور دینوی، اور وہ ہے صحت وار فساد۔ اور کبھی صرف اخروی مراد ہوتا ہے بالا جماع، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ثواب اور عقاب نیت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا دوسری قسم یعنی دنیوی قسم کا ارادہ خود بخود ممنوع ہو گیا کیونکہ پہلی نوعیت پر کلام کرنے سے ہی بات پوری ہو جاتی ہے۔
دوسری قسم کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

دوسرا قاعدہ: الامور بمقاصدھا (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے)...... اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعمال اور تصرفات قولی اور فعلی کے احکام جو ان پر مرتب ہوتے ہوں، اس مقصود کے پابند ہیں جو وہ شخص چاہتا ہے، ظاہر قول وعمل سے ان کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کی بنیاد جیسا کہ میں نے بیان کیا انما الاعمال بالنیات والی حدیث ہے اور اس کے علاوہ اس کی ہم معنی احادیث جنہیں علامہ سیوطی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ❷

اس قاعدے کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قتل کا حکم باعتبار زیادتی کے ارادے یا نیت کے مختلف ہوتا ہے۔ اگر قاتل نے عمداً قتل کیا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے۔ اور اگر خطاءً قتل کیا ہے تو اس پر دیت لازم ہے۔ اور نماز اگر اخلاص سے ادا کی گئی ہو تو نمازی کو ثواب ملے گا اور اس کی نماز قبول ہوگی۔ اور اگر ریا کاری مقصود ہو تو اس کے چہرے پر ماری جائے گی۔ اور اگر کسی نے پڑی ہوئی چیز لینے اور قبضہ کرنے کی غرض سے اٹھائی تو وہ گناہگار اور غاصب ہوگا اور جو مالک تک پہنچانے اور حفاظت کی غرض سے اٹھائے تو اس کے لئے اٹھانا جائز ہوگا اور وہ امین ہوگا۔ اس چیز کے ضائع ہونے پر وہ ضامن نہیں ہوگا اگر چہ اس کی زیادتی یا حفاظت میں کوتاہی کے سبب وہ ضائع نہ ہوئی ہو۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ تو اگر طلاق کا ارادہ ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ علامہ قاضی خان نے اپنی فتاوی میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ احناف کے ہاں ❸ انگور کا اس ایسے شخص کو فروخت کرنا جو شراب کشیدہ کرتا ہو اگر محض تجارت کی غرض سے ہو تو جائز ہے اور اگر وہ شراب بنانے کی غرض سے لے تو اسے بیچنا حرام ہے ❹ اور انگور کی کاشتکاری میں بھی یہی تفصیل ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد تعلق توڑے رکھنا ارادے پر منحصر ہے اگر مسلمان کو چھوڑنا مقصود ہے تو حرام ہوگا ورنہ نہیں۔ اور عورت کا شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے تین دن سے زائد سوگ نیت پر منحصر ہے، اگر زینت اور خوشنمائی میت کی وجہ سے چھوڑ کر رکھی تو یہ حرام ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر نمازی قرآن کی کوئی آیت کسی بات کے جواب کے طور پر پڑے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر نمازی کسی خوشخبری کی بات پر لفظ الحمد للہ شکر کی نیت سے کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر کسی بری خبر پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے یا کسی کی موت کی خبر پر انا للہ وانا الیہ راجعون اس خبر کے رد عمل کے طور پر کہے تو نماز باطل

❶..... الاشباہ والنظائر۔ ص ۱۴، طبع دارالفکر۔ دمشق۔ ❷ الاشباہ والنظائر، السیوطی ص ۷۔ ❸ الاشباہ والنظائر، السیوطی ص ۲۲۔ ❹ شوافع فرماتے ہیں کھجور، انگور کی فروخت شراب اور نبیذ بنانے والے کے ہاتھ درست نہیں حرام ہے یعنی اس کے بتانے والے کو جانتا ہو یا غالب گمان ہو کہ بنائے گا اور اسی طرح اسلحہ کی فروخت ڈاکو اور باغی کے لئے۔ کیونکہ یہ شرعاً ممنوع ہے لیکن بیع اس معانت کی وجہ سے باطل نہیں ہوگی۔ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۳۷۔۳۸

ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص بادشاہ کو تعظیم اور آداب پیش کرنے کی غرض سے سجدہ کرے عبادت مقصود نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا (سخت گناہ گار ضرور ہوگا) کیونکہ ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا تھا۔ اور پیٹ بھر کر کھانے کے باوجود محض شہوانی نفس کی خاطر اور کھانا حرام ہے اور اگر مقصود روزے کے لئے تقویت کا حصول یا مہمان کی ہم نشینی میں کھانا ہے تو حرام نہیں ہوگا۔ اور کافر اگر کسی مسلمان کو ڈھال بنالے اور دوسرا مسلمان اس کو مارے تو اگر مقصود مسلمان کا قتل ہے تو یہ حرام ہوگا اور اگر مقصود کافر کا قتل ہے تو حرام نہیں ہوگا۔ اور اگر کتاب کو حفاظت کی غرض سے تکیہ بنا کر رکھا تو مکروہ نہیں ہوگا ورنہ مکروہ ہوگا اور مسجد میں درخت لگانے سے مقصود اگر سایہ کرنا ہے تو مکروہ نہیں اور اگر کوئی اور منفعت حاصل کرنی مقصود ہے تو مکروہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اللہ کے نام کو سکے (درھم وغیرہ) پر کندہ کرنے سے مقصود نشانی اور علامت ہے تو درست ہے اور اگر مقصود اہانت وغیرہ ہے تو حرام ہے۔ اور کسی ایسے ڈبے وغیرہ پر بیٹھنا جس میں قرآن کریم ہوا گر حفاظت کی غرض سے یہ کام ہو تو درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔ اور یہی تفصیل تمام عقود و معاملات میں ہے یعنی خرید و فروخت، ھبہ، وقف، قرض، ضمانت، دوسرے کو بری کرنے، حوالہ خرید و فروخت کو کالعدم کرنے میں اور قضا کے تفویض کرنے میں کسی چیز کے اقرار میں اجارہ کرایہ داری وغیرہ) وصیت، طلاق، خلع، رجوع (طلاق کے بعد) ایلاء، ظہار، لعان قسموں میں، تہمت لگانے میں، اور امان دینے وغیرہ کے معاملات میں اگر کنایہ الفاظ استعمال کئے جائیں اور مراد وہ ہو جو صریح الفاظ سے ہوتی ہے تو یہ معاملات وقوع پذیر ہوں گے ورنہ نہیں۔ ❶

تیسرا قاعدہ: **العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی**:......(معاملات میں اعتبار مقاصد اور معانی کا ہوتا ہے الفاظ اور جملوں کی ساخت کا نہیں) یہ قاعدہ دوسرے قاعدے کے مقابلے میں مخصوص اور محدود ہے، کیونکہ یہ صرف معاملات (دوفریق یا زیادہ کے مابین انجام پانے والا کام) سے متعلق ہے اور پہلا قاعدہ (قاعدہ نمبر دو) عام قاعدہ ہے جو تمام تصرفات اور امور کو شامل ہے۔ اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ معاملے کے الفاظ ایک عقد کو دوسرے عقد کی حیثیت دیدیتے ہیں اگر دونوں فریق ان الفاظ سے دوسرے معنی اور مفہوم کا ارادہ کرلیں۔ چنانچہ تحفہ بشرط عوض کا عقد مثلاً ان الفاظ سے کہ میں نے تمہیں یہ چیز تحفے میں دی بشرطیکہ تم مجھے اس کے عوض یہ دے دو یہ عقد عقد ہبہ نہیں رہتا عقد بیع بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اسی کے معنی دیتا ہے، لہٰذا اس کے احکام خرید فروخت کے ہوں گے۔ اور عقد حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ قرض خواہ محیل (حوالہ کرنے والے) اور محال علیہ (جس کے ذریعے حوالہ کیا گیا ہے) دونوں سے مطالبہ کر سکے گا درحقیقت عقد کفالت ہے۔ اور اعادہ عاریت پر لین دین) بشرط معاوضہ عقد اجارہ ہوتا ہے۔ اور بیع وفا احناف کے ہاں رہن کے احکام کے اطلاق کے قابل ہے کیونکہ فریقین کا مقصود یہ ہی ہوتا ہے۔ بیع وفاء اسے کہتے ہیں کہ پیسوں کے ضرورت مند شخص کا کسی کو اس شرط کے ساتھ اپنی زمین بیچ دینا کہ جب وہ (ضرورت مند فروخت کرنے والا) شخص پیسے واپس دیدے گا تو زمین واپس لے لے گا (یہ درحقیقت رہن ہی کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے)۔

لیکن احناف اور شوافع کے ہاں اس قاعدے پر عمل اس صورت میں ہوگا جب عقد میں صراحتاً یا ضمناً قصد ظاہر ہو ❷ اور اگر عقد میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نیت اور قصد پر صراحتاً (دلالت کرے تو اس قاعدے "**المعتبر فی اوامر اللہ المعنی والمعتبر فی امور العباد الاسم واللفظ**" (اللہ کی احکام میں معنی کا اعتبار ہے اور بندوں کے معاملات میں نام اور لفظ کا اعتبار ہے کہ مطابق عمل ہوگا۔ یعنی اس صورت میں اصول یہ ہوگا کہ عقود (معاملات) میں الفاظ کا اعتبار ہے نیتوں اور مقصود کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ شرعاً غیر مباح سبب اور غرض کی نیت تو ایسی چیز ہے جو پوشیدہ ہے اس کا جان لینا ممکن نہیں۔ چنانچہ اس کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے گا اور اس کا مرتکب قابل سزا ہوگا جب تک وہ اپنی

❶ ..... الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم، ص ۲۳۔ الاشباہ للسیوطی ص ۹۔۱۰۔ ❷ حاشیہ الحموی علی الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ج ۲ ص ۱۲، مغنی محتاج شرح المحتاج ج ۲ ص ۳۷ الاشباہ والنظائر۔ السیوطی۔ ص ۱۴۸۔۱۴۹

اپنی غلط نیت کی وجہ سے گناہ گار رہے۔اور اس بناء پر ہر عقد کے احکام اس کے صیغے اور الفاظ سے اور الفاظ سے ملے ہوئے الفاظ وغیرہ سے جانے جائیں گے۔ چنانچہ اس کی صحت اور فساد صیغے اور الفاظ ہی وجہ سے ہوگی دیگر خارجی امور کی وجہ سے نہیں خواہ نیت کی واضح علامات بھی پائی جائیں یا ان کے واقعی اور ٹھوس نتائج بھی سامنے ہوں (پھر بھی ان خارجی امور کو اس عقد کی صحت اور فساد میں دخل نہیں ہوگا)۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شوافع اور احناف سد ذرائع کے اصول کو مدت سے تعلق والی بیع اور بیع عینہ وغیرہ میں لاگو نہیں کرتے، جیسے ایک شخص کوئی چیز دس درہم کی ایک مہینے کی مدت کے لئے بیچے پھر اس چیز کو خریدار سے دوبارہ پانچ درھم میں ایک مہینے کی مدت سے قبل خرید لے تو امام شافعی صورت عقد کی طرف دیکھتے ہوئے معاملہ ظاہر پر رکھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بر ذرائع کے اصول کے تحت نہیں بلکہ ایک دوسری بنیاد پر اس بیع کو غلط اور فاسد قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہ جب قیمت وصول نہیں ہوئی تو پہلی بیع مکمل نہیں ہوئی تو اس لحاظ سے دوسری بیع بھی درست نہیں کہ وہ شخص ایسی چیز کو فروخت کر رہا ہے جو اس کی ملکیت نہیں ہے امام احمد اور امام مالک اس جیسی بیوع میں سد ذریعہ کے اصول کو اپناتے ہیں اور اس کے تحت اس جیسی بیوع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ سود لینے کا ایک ذریعہ ہیں وہ ایسے کہ بعد میں واجب دس کے بدلے پانچ حاصل کر لئے خرید وفروخت کی ظاہری شکل اختیار کر کے۔علامہ ابن قیم فرماتے ہیں شریعت کے احکام ظاہر پر چلتے ہیں اس معاملہ میں جہاں بولنے والے کے اس معنی ومفہوم کے قصد وارادے کا علم ہو جائے یا اس سے کوئی ارادہ ظاہر نہ ہو جو اس کے ظاہر کلام کے تقاضوں کے خلاف ہو۔اور نیت ومقاصد کا اعتبار وہاں کیا جائے گا جہاں الفاظ اور صیغوں کے برخلاف کوئی اور چیز مقصود ہو ❶ اور یہ بات واضح اور روشن تر حق ہے میرے نزدیک تاکہ سود کے متعلق حیلے بازی کے باب کو بند کیا جاسکے۔اور اس اصول کے پیش نظر برا مقصد یا غیر مشروع ارادہ بیع کے فساد اور بطلان کا واضح سبب بن سکے گا۔

۳: نیت کا محل (اس کی جگہ اور مقام)......نیت سے متعلق تیسری بحث یہ ہے۔نیت کا محل باتفاق علماء ہر مقام میں دل ہے اور وہ بھی وجوباً یعنی محض زبان سے تلفظ کافی نہیں اور نہ ہی زبان سے تلفظ شرط ہے اصل فعل دل کا ہے تاہم جمہور علماء ماسوا مالکیہ کے نیت کی زبان سے ادائیگی کے مسنون ہونے کے قائل ہیں اور وہ اس لئے کہ اس سے استحضار نیت کے لئے دل کی مساعدت ہو جاتی ہے اور زبان سے تلفظ یاد دلانے کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔اور مالکیہ کے ہاں اولی یہ ہے کہ اسکو زبان سے نہ کہا جائے ❷ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نیت کا زبان سے کہنا منقول نہیں اور اسی طرح ائمہ اربعہ سے بھی یہ منقول نہیں۔عبادات میں نیت کو دل کا قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ نیت نام ہے اخلاص کا اور اخلاص صرف قلب سے ہی ممکن ہے یا یہ کہہ لیا جائے نیت کی حقیقت تو مطلقاً ارادہ ہے چنانچہ اگر دل سے ارادہ کرلے اور زبان سے کہہ لے تو جمہور کے ہاں کامل کام انجام دینے والا قرار پائے گا۔اور اگر صرف زبان سے تلفظ کیا اور دل سے نیت نہیں کی تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔اور اگر دل سے نیت کرے اور زبان سے تلفظ نہ کرے تو یہ اس کے لئے درست ہوگا۔علامہ بیضاوی فرماتے ہیں نیت اس چیز کی طرف دل کے متوجہ ہونے کا نام ہے جسے وہ اپنے موافق اور موزوں سمجھے خواہ حصول نفع کے لئے یا دفع ضرر کے لئے حال میں یا مستقبل میں۔اور شریعت نے نیت کی تخصیص ان معانی میں کردی ہے کہ نیت وہ ارادہ ہے جو کسی کام کی طرف ہو اس کے بارے میں ہو اللہ کی رضاء کے حصول اور اس کے حکم کی تعمیل کی غرض سے۔حاصل کلام یہ ہے کہ محل نیت کے بارے میں گفتگو کے اندر و بنیادی اصول ہیں پہلا اصول یہ ہے کہ صرف زبان سے نیت کا تلفظ کافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اور ان کو

---

❶ الفروق للقرافی ۲ ج ص ۳۲، اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۱۷۔۱۲۰ ج ۴ ص ۴۰۰۔ ❷ الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۴۶۔۵۱، القوانین الفقهیه ص ۵۷ الشرح الکبیر للدردیر وحاشیة الدسوقی، ج ۱ ص ۲۳۳ ۵۲ الاشباه والنظائر۔ سیوطی ص ۲۶۔۳۰، کشاف القناع عن متن القناع ج ۱ ص ۳۶۵، طبع مکة المکرمة۔ احکام النیة، الشیخ الحسینی، ص ۱۰۔۱، ۱۲، ۹۷، ۱۲۷۔

حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔سورۃ البینہ آیت نمبر ۵)اور اخلاص زبان میں نہیں ہوتا، دل کا فعل ہے جو کہ نیت ہوتی ہے۔اور وہ اس طرح کہ کام انجام دینے والا اپنے عمل سے صرف ذات باری تعالیٰ کا ارادہ کرے اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی۔

اس اصول سے یہ ضوابط نکلتے ہیں:

الف.....اگر زبان اور دل میں فرق ہو تو اعتبار اس کا ہوگا جو دل میں ہے چنانچہ اگر دل میں نیت وضو کی ہے اور زبان سے یہ کہے کہ مقصو ٹھنڈک کا حصول ہے تو وضو درست ہو جائے گا اس کے برعکس صورتحال میں درست نہیں ہوگا اس طرح حکم ہے اس صورت میں کہ دل سے نیت ظہر کی اور زبان سے عصر کہہ دیا اور دل سے نیت حج کی کی اور زبان سے عمرہ کہہ دیا یا بالعکس، تو اس صورت میں دل کی نیت کردہ بات درست ہے گی زبان سے کہی ہوئی نہیں بعض کتب احناف جیسے "قنیہ" اور "مجتبی" میں ہے کہ جو شخص اپنے دل کو اتنا حاضر نہیں رکھ پاتا کہ وہ دل سے اراد کرے یا وہ بار بار نیت میں گڈمڈ کر دیتا ہو تو اس کے لئے صرف زبان سے کہہ دینا کافی ہے، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ......سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶

(واللہ کسی جان پر)اس کی برداشت سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالتا۔

ب.....اگر زبان سے بلا قصد قسم کے الفاظ صادر ہو گئے تو جمہور کے ہاں، احناف کے علاوہ قسم منعقد نہیں ہوگی، اور یہ یمین لغو شمار ہوگی اس کے توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں ہوگا اور یہی حکم جب ہے جب اس نے کسی چیز کے ارادے سے قسم کھائی اور زبان سے کسی اور چیز کے بارے میں الفاظ نکل گئے۔اور احناف فرماتے ہیں کہ ❶ کفارے کے احکام لاگو ہوں گے، کیونکہ یمین لغو یعنی وہ لغو قسم جس کا کوئی حکم نہیں ہوتا اور نہ ہی کفارہ ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی چیز کے ماضی یا حال کے بارے میں کوئی حکم لگائے اس گمان پر کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہی صحیح ہے مگر معاملہ اس کے برعکس ہو نفی میں یا اثبات میں ❷ جیسے کوئی قسم کھائے بخدا میں اس گھر میں کبھی داخل نہیں ہوا اس کے گمان میں ہو کہ واقعتاً وہ داخل نہیں ہوا ہے جب کہ معاملہ برعکس ہو (کہ وہ داخل ہوا ہو) یا کوئی دو اڑتے ہوئے پرندے کے بارے میں قسم کھائے کہ وہ کوا ہے اور قریب آنے پر معلوم ہو کہ وہ کبوتر ہے تو اس قسم کی قسم یمین لغو کہلاتی ہے۔اور جمہور کے ہاں یمین لغو وہ قسم ہے جو قسم کھانے والے کی زبان پر بلا قصد وارادہ قسم آجائے خواہ ماضی کے بارے میں یا حال و مستقبل کے بارے میں جیسے کوئی بلا ارادہ قسم "لا واللہ" یا "بلی واللہ" کے الفاظ کہے یا قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کی زبان پر لفظ قسم چڑھ جائے۔حاصل کلام ہے کہ احناف کے ہاں مستقبل میں لغو کا امکان نہیں، مستقبل کے کسی کام کے بارے میں قسم کھالینا یمین منعقد کہلائے گی اور قسم کھانے والے کے حانث ہونے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا۔خواہ قسم کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔یمین لغو تو صرف ماضی یا حال سے تعلق رکھتی ہے اور وہ ایسے کہ قسم کھانے والے کا گمان ہوتا ہے کہ کام ویسا ہی ہوا ہے جیسے اس نے قسم کھا کر بتایا ہے جب کہ حقیقت اس کے برخلاف ہو۔یہ فرق صرف قسم کے بارے میں ہے۔باقی طلاق عتاق (غلام کی آزادی) ایلاء وغیرہ میں قسم قضاءً (عدالتی قوانین کے پیش نظر) واقع ہوگی دیانۃ (اللہ اور بندے کے مابین واقع نہیں ہوگی یعنی فی الحقیقت کوئی چیز وقوع پذیر نہیں ہوگی اور اللہ اور بندے کے مابین معاملہ درست سمجھا جائے گا تاہم اس کی بات کو ظاہری طور پر اور قضاءً درست نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اب اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو گیا۔

ج.....اگر طلاق اور عتاق سے وہ معنی مراد نہیں لئے جو شریعت کے ہاں مراد ہوتے ہیں جب طلاق سے مراد بندشوں سے آزادی لے لی یا لفظ طلاق کے ساتھ ایسی بات شامل کرنے کا ارادہ کرلے جس سے طلاق وغیرہ کا حکم رفع ہو جاتا ہو تو اس سے قضاءً یہ بات قبول نہیں کی جائے گی اور اللہ اور بندے کے مابین معاملے کے طور پر اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی اور وہ اپنے قصد وارادے کے مطابق عمل کرے گا۔

❶.....الاشباہ والنظائر۔ابن نجیم ص ۷۔❷ البدائع ج ۳ص ۳۔۴

علامہ فورانی الابانۃ میں فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ جو شخص کوئی بات کرے اور وہ بات اس کی قابل قبول ہو تو اگر وہ اس کی نیت کرلے تو بندے اور اللہ کے مابین تصدیق کی جائے گی لیکن حکم اور فیصلے میں تصدیق نہیں ہوگی۔ اس کی مثال جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تمہیں طلاق ہے (انت طالق) پھر کہے میری مراد تھی بندشوں سے طلاق، اور اس کی اس بات کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کی بات فیصلے میں قبول نہیں ہوگی تاہم دیانۃ تصدیق کی جائے گی ہاں اگر قرینہ ہو جیسے وہ بندھی ہوئی تھی تو اس نے اس کو کھولا اور یہ الفاظ کہے تو اس کی بات ظاہراً بھی قبول ہوگی کیونکہ قرینہ موجود ہے۔

محل نیت کے بارے میں گفتگو میں دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام عبادات میں نیت قلبی کے ساتھ تلفظ ضروری نہیں لہٰذا زبان کا اعتبار نہیں اور اس اصول پر یہ ضوابط مرتب ہوتے ہیں۔

الف...... اگر انسان کسی جگہ کو مسجد بنانے کی نیت سے آباد کرے تو اس کی محض نیت سے وہ مسجد بن جاتی ہے، زبان سے تلفظ ضروری نہیں۔

ب...... کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کو سلام نہیں کرے گا پھر اس نے کہیں ایک جماعت کو سلام کیا جس میں وہ شخص بھی تھا لیکن اس نے اپنی نیت میں اس کو مستثنیٰ کر دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا بخلاف اس صورت کے کہ شخص نے قسم کھائی میں خلاف شخص کے پاس نہیں جاؤں گا پھر وہ ایک جماعت کے پاس جن میں وہ شخص بھی تھا اور اپنے دل میں اسے مستثنیٰ کر کے دوسروں کے پاس جانے کی نیت کی تو صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں وہ حانث ہوگا، اور احناف کے ہاں اگر وہ شخص اسی گھر کا ساکن بھی ہے جہاں وہ ان لوگوں پاس گیا ہے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں۔

اس اصول سے چند مسائل مستثنیٰ ہیں:

ان میں سے نذر، طلاق عتاق اور وقف ہیں، ان کی اگر صرف دل میں نیت کی اور تلفظ نہ کیا تو نذر اور وقف منعقد نہیں ہوں گے اور طلاق وعتاق محض نیت سے واقع نہیں ہوں گے بلکہ تلفظ ضروری ہوگا۔ ان مستثنیٰ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق (تمہیں طلاق ہے) پھر وہ بولا میری نیت تھی ان شاء اللہ (اگر اللہ چاہے) تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی امام رافعی فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہ ہے کہ اس کی تصدیق دیانۃ بھی نہیں کی جائے گی۔ ان مستثنیٰ مسائل میں سے حدیث نفس (نفسانی خیال) بھی ہے کہ اس پر اس وقت مؤاخذہ نہیں ہوگا جب تک وہ اسے کہہ نہ دے یا اس پر عمل نہ کرلے، یا جو شخص برائی کا پختہ ارادہ کرلے پھر اس کا ارتکاب نہ کرے یا اسے بولے نہیں تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحاح ستہ کے مؤلفین حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے نفسانی خیال کو ان سے رفع کر دیا ہے۔ (ان کی اس خیال پر پکڑ نہیں ہوگی) جب تک وہ اسے کہہ نہ دیں یا اس پر عمل نہ کرلیں۔

علامہ سبکی اور دیگر علماء نے دل میں پیدا ہونے والے ارادہ معصیت کی پانچ قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ ہاجس...... وہ خیال جو دل میں ڈالا جائے اور اس پر بالا جماع مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں ہے، یہ تو ایسی چیز ہے جو اس پر آ گئے ہے اس میں نہ اس کا اختیار ہے نہ اس نے وہ کام کیا ہے۔

۲۔ خاطر...... دل میں رہنے والا وہ خیال جو انسان دور کرنے پر قادر ہو جیسے ھاجس کے آتے ہی اسے پھیر دینا ممکن ہوتا ہے اس طرح اس کو بھی دل میں رہنے دینا یا اسے دور کر دینا ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی وہ ہے جس پر مؤاخذہ نہیں۔

۳۔ حدیث نفس...... یعنی دل میں پھرنے والا وہ خیال جس میں انسان کسی کام کے بارے میں تردد رکھتا ہو، کہ فلاں کام کروں یا نہ

کروں۔اس میں بھی گناہ نہیں ہے اس حدیث کے پیش نظر جو گذری کیونکہ جب حدیث نفس مرفوع ہے اس پر مؤاخذہ نہیں تو اس سے پہلے کے دور بطریقہ اولیٰ مرفوع ہوں گے۔

خیال اور ارادے کے یہ تین درجے اگر نیکی کے بارے میں بھی ہوں تو بھی ان پر کوئی اجر نہیں ملتا کیونکہ اس میں انسان کا قصد نہیں پایا جاتا۔

۴۔الھم:......ھـم کہتے ہیں دل کے کسی کام کے کرنے کے قصد کو ترجیح دے دینے کو اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نیکی کا ہم (قصد کرلینا) باعث اجر ہے اس پر ایک نیکی ملتی ہے اور برائی کا ھـم گناہ لازم نہیں کرتا ❶ بلکہ یہ ملاحظہ کیا جائے کہ اگر اس نے اس کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اسے کرلیا تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا اور اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہم کرنے کے بعد عمل کر لینے سے صرف عمل کا گناہ لکھا جائے گا کیونکہ ھم السیۃ مرفوع ہے۔

۵۔عزم:......عزم کہتے ہیں قصد کے قوی ہونے اور اس پر ڈٹ جانے کو اور محققین کی رائے یہ ہے کہ عزم کر لینے پر مؤاخذہ ہوگا۔

۴......نیت سے متعلق چوتھی بحث نیت کا زمانہ یا اس کا وقت ہے اس بارے میں عام اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ نیت کا وقت عبادت بدنیہ کی ابتداء میں ہے ماسوا چند مخصوص حالات کے جن کا ذکر میں کروں گا ❷ یعنی کسی بھی بدنی عبادت کی ابتداء جس فعل سے ہوتی ہے اس فعل کے انجام اور ارتکاب کا وقت نیت کا زمانہ ہے (مثلاً تکبیر تحریمہ، صف میں قبلہ رخ کھڑا ہونا وغیرہ نماز کی ابتداء ہیں، اور یہی محل نیت ہیں)۔

چنانچہ وضو کی نیت کا محل (مقام) چہرہ دھوتے وقت ہے، احناف فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ نیت وضو کی سنتوں سے قبل ہاتھ گٹوں تک دھوتے وقت ہو جائے تا کہ چہرہ دھونے سے قبل کی سنتوں کا ثواب بھی حاصل ہو سکے۔اور نیت کا وقت ہے استنجاء سے قبل، تا کہ اس کا سارا فعل (استنجاء وضو) قربت خداوندی شمار ہو مالکیہ فرماتے ہیں نیت کا محل چہرہ ہے ایک روایت میں ہے اول طہارت شوافع فرماتے ہیں چہرے کا کوئی بھی حصہ پہلی دفعہ دھوتے وقت ہی اس فعل سے نیت کا ملنا ضروری ہے تا کہ وہ پہلے فرض سے مل سکے جیسے نماز اور مستحب یہ ہے کہ وہ ہاتھ دھونے سے قبل نیت کرلے تا کہ نیت طہارت کے فرض اور سنت دونوں قسم کے اعمال کو شامل ہو اور دونوں عمل کی انجام دہی پر اسے ثواب ملے جیسا کہ احناف کا قول ہے۔اور طہارت سے نیت کا متقدم ہونا اس صورت میں جائز ہے جب وہ تھوڑے سے وقت پہلے ہو اور اگر زیادہ دیر پہلے ہو تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا۔اور نیت کا طہارت کے آخر تک ساتھ ساتھ رہنا مستحب ہے تا کہ اس کے افعال نیت سے جڑے رہیں، اور اگر حکم نیت ساتھ رہے تو یہ بھی جائز ہے اور حکم نیت کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیت توڑنے کی نیت نہ کرے۔حنابلہ فرماتے ہیں نیت کا وقت اول واجب کی ابتداء کے وقت ہے اور وہ ہے وضو میں بسم اللہ کا پڑھنا شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں وضو کرنے والے شخص کے لئے نیت کو اعضاء وضو پر متفرق کرنا درست ہے وہ اس طرح کہ ہر عضو کے دھوتے وقت رفع حدث کی نیت کرے، کیونکہ وضو کے افعال کو متفرق کرنا جائز ہے اسی طرح نیت وضو کو افعال وضو پر متفرق کرنا بھی جائز ہے ماسوا ابن رُشد کے، مالکیہ کے ہاں معتبر بات یہ ہے کہ نیت کا اعضاء پر متفرق کرنا درست نہیں ہے اس طرح کہ ایک عضو کے دھوتے وقت نیت کرے اور وضو کا مکمل کرنا مقصود نہ ہو پھر اس کے دل میں خیال پیدا ہو اور وہ دوسرا عضو دھولے اور اسی طرح سارا وضو کرے تو یہ درست نہیں ہوگا ہاں اگر وضو کے اعضاء پر نیت کو متفرق کرتا رہا اور ساتھ علی الفور وضو کو مکمل کرنے کی نیت بھی تھی تو یہ درست ہوگا اور احناف کے ہاں غسل وضو کی طرح ہے سنتوں میں کیونکہ غسل کی ابتداء میں نیت کرلینا ان کے

---

❶......بخاری ومسلم نے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے ان الفاظ میں نقل کی ہے بے شک اللہ نے نیکیاں اور برائیاں لکھی ہیں پھر انہیں بیان کیا ہے، چنانچہ جو شخص نیکی کا قصد کرے اور اسے انجام نہ دے تو اللہ اس قصد کے سبب ایک نیکی لکھتے ہیں اور اگر قصد کے بعد عمل بھی کرلے تو اللہ دس نیکیاں بنا کر لکھتے ہیں سات سو گنا تک بڑھاتے ہیں اور کئی گنا بڑھا دیتے ہیں اور جو برائی کا قصد کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ ایک نیکی لکھتے ہیں اور اگر قصد کر کے عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔❷ الاشباہ والنظائر، ابن نجیم ص ۴۳ الاشباہ السیوطی ص ۲۱۔احکام النیۃ الحسینی ص ۱۰۔ ۱۲۲،۱۲۵

ہاں فقط سنت ہے تاکہ غسل کرنے والے کا فعل قربت خداوندی ہو اور اس پر ایسے ہی ثواب ملے جیسے وضو کے معاملے میں بیان ہوا، جمہور علماء نیت کو غسل کے لئے بھی واجب قرار دیتے ہیں جیسے وضو کے لئے واجب قرار دیتے ہیں اور یہ قول اسی حدیث کے سبب جو گذری یعنی ''انما الاعمال بالنیات'' اور نیت بدن کے پہلے جزو کو دھوتے وقت ہی ہونی چاہئے اس طرح کہ فرض غسل یا رفع جنابت یا رفع حدث اکبر یا کسی ایسے کام کے جائز کرنے کی نیت کرے جو جنابت کی وجہ سے اس پر ممنوع ہو چکا ہے اور تیمم میں نیت باتفاق مذاہب اربعہ فرض ہے اور زیادہ قابل اعتماد اور راجح بات یہ ہے کہ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط ہے اور احناف کے ہاں مٹی پر ہاتھ لگاتے وقت نیت ہونی چاہئے۔ اور شوافع نیت کا اس انتقال مٹی سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں جو چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا رکن ہے اور نیت کا چہرے کے کچھ حصے کے مسح ہونے تک پایا جانا ضروری ہے صحیح قول کے مطابق اور مالکیہ اور حنابلہ صرف چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کو واجب قرار دیتے ہیں اور نماز کی نیت میں یہ تفصیل ہے کہ یہ تکبیر اولی (تکبیر احرام) کے وقت ہونی چاہئے اور احناف نیت کا نماز سے ایسے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں ❶ کہ کوئی اجنبی فاصلہ حائل نہ ہو نیت اور تکبیر کے مابین، اور اجنبی فاصلے سے مراد ہے ایسا عمل جو نماز کے مناسب نہ ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اور مالکیہ تکبیر احرام کے وقت نیت کا استحضار ضروری قرار دیتے ہیں یا اس سے کچھ پہلے تک بھی ❷ اور شوافع نے نیت کا نماز کے فعل سے ملنا ضروری قرار دیا ہے اور وہ اگر نماز سے کچھ وقت قبل ہو تو یہ عزم کہلائے گا ❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ ❹ افضل یہ ہے کہ نیت تکبیر سے ملی ہوئی ہو، اور اگر نیت تکبیر سے کچھ دیر قبل فرض نماز کی ادائیگی کے لئے وقت داخل ہونے کے بعد بغیر نیت کے فسخ کئے ہوئے اور یہ عمل اس شخص کے اسلام کی بقاء کے ساتھ ہو یعنی وہ مرتد نہ ہوا ہو تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی کیونکہ نیت کا نماز سے کچھ دیر قبل ہونا نماز کو منوی (نیت کی گئی) ہونے کی حیثیت سے نہیں نکالتا اور نہ ہی نیت کنندہ کے نیت کرنے والے مخلص ہونے کی حیثیت کو ختم کرتا ہے اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نیت نماز کی شرائط میں سے ہے چنانچہ دیگر شرائط کی طرح اس کا بھی پہلے ہونا درست ہے۔ اور بالکل ساتھ ہونے کی شرط لگانے میں مشقت و دشواری ہے چنانچہ یہ اس آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (اور اس نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ سورۃ الحج آیت ۷۸) کے پیش نظر یہ شرط ساقط ہوگی اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کا اول حصہ نماز کا جز ہوتا ہے چنانچہ صرف اس میں نیت کا ہونا ایسا ہی کافی ہوگا جیسا کہ تمام نماز میں نیت کا ہونا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے نیت کا تکبیر احرام سے متصل ہونا واجب ہے لیکن شافع نیت کو تکبیر سے ملا ہوا ہونا اور مکمل تکبیر کا اس سے ملا ہوا ہونا لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ تکبیر نماز کے افعال میں سے پہلا فعل ہے چنانچہ اس سے نیت کا ملا ہوا ہونا ضروری ہے جیسے حج اور دیگر عبادات کا حکم ہے۔ اور باقی مذاہب نے نیت کا تکبیر سے کچھ پہلے ہونا جائز قرار دیا ہے ہاں اگر نیت مؤخر ہو یا کافی وقت پہلے ہو تو نماز بالاتفاق باطل ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی امامت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تکبیر تحریمہ کہے امام ہو یا منفرد (اکیلا) تو وہ تکبیر کے وقت نیت کرے گا نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد امام شافعی کے شاگرد حضرات فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مقصود اس بات سے یہ نہیں ہے کہ نیت کا تکبیر سے پہلے ہونا درست نہیں ہے اور نہ اس کا مؤخر ہونا درست ہے بلکہ پہلے درست نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ درست نہیں کہ وہ تکبیر سے پہلے نیت کرے اور تکبیر سے پہلے ہی نیت ختم کر لے، اسی طرح بعد میں درست نہ ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تکبیر کے نیت کا برقرار رہنا غلط ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ تکبیر کے بعد اگر نیت کی تو یہ درست نہیں ہوگا۔ ہاں اگر تکبیر سے قبل نیت کی اور تکبیر کے آخر تک یہ نیت موجود رہی تو یہ درست ہوگا۔ اور اس طرح اگر تکبیر سے فراغت کے بعد اس کا یاد رہنا برقرار رہا تو یہ اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے اوپر واجب کام کا اکثر حصہ انجام دے دیا۔ چنانچہ یہ اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا۔ احناف فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت اس وقت ہونی چاہئے جب کوئی امام کی

---

❶ تبيين الحقائق للزيلعي، ج ص ٩٩ ❷ الشرح الصغير وحاشية الصاوى ج ١ ص ٣٠٥، طبع دار المعارف مصر
❸ حاشية الباجوري ج ص ١٥٠-٣٠ ❹ كشاف القناع ج متن الاقناع ج ١ ص ٣٦٧، غاية المنتهى ج ١ ص ١١٥-٥٤

اقتداء کر رہا ہو اس سے پہلے نہیں جیسے کہ جماعت کی نیت کا وقت مقتدی کی نماز کا اول حصہ ہے (کہ مقتدہ کو اس وقت نیت کرنی چاہئے) فتح
القدیر میں امام کی اقتداء کے صحیح ہونے کے بارے میں ہونی والی بحث میں ہے اور افضل یہ ہے کہ مقتدی نیت کرے امام کے شروع کرنے کے
وقت وہ عبادات جن کی ابتداء کا وقت نیت ہونا مستثنی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔صوم......اس میں اول وقت سے پہلے نیت کا ہونا جائز ہے کیونکہ اول وقت کا دھیان رکھنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ اگر فجر کے وقت
نیت کی تو شوافع کے صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہوگا، اور احناف نے اس بارے میں کچھ تفصیل کی ہے ان کی رائے یہ ہے کہ روزہ اگر
رمضان کا ہو (اداء روزہ قضا نہیں) تو وہ ایسی نیت کے ساتھ بھی درست ہے جو متقدم ہو (پہلے ہو) اور گذشتہ دن کے غروب شمس کے وقت سے
ہی ہو اسی طرح اس نیت کے ساتھ بھی درست ہے جو طلوع فجر سے متصل ہو اور اصل یہی ہے اس طرح ایسی نیت کے ساتھ بھی ہو جائے گا جو
روزہ شروع ہونے کے بعد ہوئی ہو نصف نہار شرعی تک اور یہ اس لئے کہ روزے داروں کے لئے سہولت ہو سکے۔اور اگر رمضان کے ادا
روزے نہ ہوں یعنی قضاء رمضان، نذر یا کفارے کے روزے ہوں تو ایسی نیت کے ساتھ درست ہیں جو متقدم ہو اگر گذشتہ دن کے غروب شمس
سے طلوع فجر کے دوران کسی بھی وقت ہو اور ایسی نیت کے ساتھ بھی درست ہیں جو طلوع فجر سے متصل ہو کیونکہ اصل یہ ہے کہ نیت اول عبادت
سے متصل ہو اور اگر روزے نفلی ہوں تو ان میں وہی تفصیل ہے جو رمضان کے اداء روزں کے بارے میں ہے۔

۲۔حج......اس میں نیت اداء سے قبل ہوتی ہے یعنی مناسک حج کی ادائیگی سے قبل بوقت احرام، اور وہ ایسے ہوتی ہے کہ نیت یا تو
تلبیہ کے ساتھ ہو یا ایسی چیز کے ساتھ ہو جو تلبیہ کے قائم مقام ہو جیسے سوق ھدی (جانور کا ہنکانا) احناف کے ہاں۔مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ
احرام اس نیت کے ساتھ درست ہو جاتا ہے جو حج سے متعلق کسی قول و فعل سے متصل ہو جیسے تلبیہ اور راستے پر چلنا اس کی طرف متوجہ
ہونا، لیکن ان کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ محض نیت سے بھی منعقد ہو جاتا ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ احرام نیت کر لینے سے ہو جاتا
ہے، چنانچہ اگر کوئی صرف نیت پر اکتفاء کرے اور تلبیہ نہ کہے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا اور بلا نیت تلبیہ کہہ دیا تو اس کا احرام نہیں ہوگا۔
اور نیت کا تلبیہ سے ملا ہوا ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ یہ اذکار میں سے لہٰذا، باقی اذکار کی طرح یہ حج میں واجب نہیں ہوگی چنانچہ جمہور کے ہاں
احرام نیت کر لینے سے منعقد ہو جاتا ہے، احناف کے ہاں محض نیت کر لینے سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے
قول یا فعل سے متصل ہو جو احرام کے خواص میں سے ہو۔اور شوافع کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ تمتع کی نیت کا وقت اس وقت تک ہے جب
تک انسان عمرے سے فارغ نہیں ہو لیتا۔

۳۔زکوۃ اور صدقہ فطر......ان دونوں میں بھی فقیر کو ادا کرنے سے قبل نیت کا ہونا درست ہے روزوں پر قیاس کرتے ہوئے۔اور
نیت کا ایسے وقت ہونا کافی ہے جس وقت انسان مال میں سے مقدار واجب الگ کر رہا ہو یا اس الگ مال کو اپنے وکیل کو دے رہا ہو کہ یہ فقراء کو
دیدو یا وکیل کو دینے کے بعد نیت کرے اور اس کے تقسیم کئے جانے سے قبل بھی نیت کر لینا درست ہے۔اور یہ زکوۃ دہندگان کی آسانی کے لئے
ہے حالانکہ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی جائز نہ ہو ما سوا اس صورت کے کہ نیت زکوۃ ادائیگی زکوۃ سے متصل ہو۔اور کیا ادا کر دینے
کے بعد نیت کر لینا درست ہے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ مال اس فقیر کے ہاتھ میں ہو تو درست ہے اور اگر ختم ہو چکا ہو تو درست نہیں۔اور
کفارہ بھی زکوۃ کے حکم میں ہے نیت کا اس کے وجوب سے قبل ہونا درست ہے اور مستحقین کو اس کی ادائیگی سے قبل بھی نیت درست ہے۔

۴۔جمع بین الصلاتین کی نیت......دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی نیت پہلی نماز میں ہوگی ساتھ یہ بھی بات ہے کہ دوسری نماز
ہی درحقیقت جمع کی گئی ہوتی ہے اب اگر پہلی نماز کو اول عبادت سمجھ لیا جائے تو شوافع کے ہاں اس کی ابتداء سے تاخیر کرتے ہوئے نیت کر لینا
جائز ہے کیونکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نیت دوران عبادت اور فراغت عبادت کے ساتھ دونوں صورتوں میں درست ہے۔

۵۔ قربانی کی نیت...... اس کا ذبح کرنے سے پہلے ہونا درست ہے اور شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق نیت کا ذبح سے متصل ہونا واجب نہیں ہے، اور دوسرے صحیح قول کے مطابق وکیل کو قربانی کے لئے دیتے وقت نیت قربانی جائز ہے۔

۶۔ قسم کے اندر استثنائی الفاظ کی ادائیگی سے استثناء کی نیت...... قسم سے فارغ ہونے سے قبل نیت استثناء ضروری ہے اور ساتھ یہ کہ نفس استثناء میں بھی نیت ضروری ہے۔

نیت کا بقاء عمل میں شرط نہ ہونا...... نیت بقاء عمل میں شرط نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں حرج ہے، اور اسی طرح ہر جز میں عبادت کی نیت ضروری نہیں ہے، جو کچھ انسان کر رہا ہو اس میں فی الجملہ نیت ضروری ہے، اور اسی بنیاد پر عبادتوں کے اول ہی میں نیت کر لینا کافی ہے ہر فعل کی ادائیگی کے لئے نیت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ نیت کو ہر فعل کے لئے بھی سمجھ لیا جائے گا اگر وہ ابتداء میں ہو جیسے وضو اور نماز اور حج، چنانچہ حج میں طواف، سعی اور وقوف عرفہ میں ہر ایک کے لئے باقاعدہ نیت کرنا ضروری نہیں تاہم یہ بات بد نظر رہے کہ نماز میں ارکان نماز کے لئے متفرق طور پر نیت کرنا درست نہیں ہاں یہ وضو میں درست ہے شوافع کے ہاں صحیح تر قول کے مطابق جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اور حج کے بارے میں زیادہ کامل بات یہ ہے کہ حج کی نیت کر لینے سے طواف سعی اور وقوف عرفہ کے انجام دیتے وقت ان کی نیت خود بخود شمار ہو گی ہاں طواف نذر یا نفلی طواف کے لئے نیت شرط ہے کیونکہ یہ دونوں کسی دوسری عبادت کے تحت نہیں انجام دیے جاتے بلکہ یہ علیحدہ عبادت ہیں اور اسی اصول کی بنیاد پر یہ بات بطور لطیفہ کہی جاتی ہے ہمارے ہاں ایک عبادت ایسی ہے جس کے فرض کے لئے نیت شرط نہیں لیکن نفل کے لئے شرط ہے اور وہ طواف ہے اور اس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔

حنابلہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے کہ حکم نیت کا برقرار رہنا واجب ہے حقیقت نیت کا نہیں اور برقرار رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص اس نیت کے قطع کرنے کا ارادہ نہ کرے، ہاں اگر نیت کر کے ذہن سے بات نکل جائے کہ نیت کی تھی تو یہ نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالے گی اور احناف رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر حاجی ایام نحر میں نفل کی نیت سے طواف کرلے تو فرض طواف، طواف زیارت ادا ہو گا اور اگر لوگوں کے جانے کے بعد نفل کی نیت سے طواف کیا تو وہ طواف وداع ادا ہو گا اور اگر حاجی کسی اپنے قرض دار کے پیچھے پیچھے اس کو پکڑنے کی غرض سے مطاف میں گھوما تو یہ طواف نہیں شمار ہو گا۔ اور اگر عرفات میں کسی قرض دار کے انتظار میں کھڑا رہا تو یہ وقوف شمار ہو جائے گا کیونکہ طواف مستقل نیکی ہے بخلاف وقوف عرفات کے۔ [1]

۵۔ کیفیت نیت...... نیت کے متعلق پانچویں بحث کیفیت نیت ہے، کسی بھی عبادت کا اس کے ارکان وافعال کی نیت پائے جانے کے ساتھ ساتھ یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دیگر چیزوں سے ممتاز ہو، خواہ یہ چیزیں اسی کی نوع کی عبادت ہوں یا محض جنس عبادت ہوں یا عبادت کے علاوہ عادی افعال ہوں کیونکہ عبادت میں نیت کا مقصود اس عبادت کو عادات سے ممتاز کرنا بن جائے گا یا بعض عبادتوں کو بعض سے ممتاز کرنا ہوتا ہے، جیسے وضو ایک عبادت ہے۔ اگر اس سے مقصود عبادت تک پہنچنا ہو جیسے نماز اور طواف وغیرہ جو وضو کے بغیر انجام نہیں دی جاتیں، اور وضو یعنی ہاتھ پاؤں دھونا عادتاً بھی ہوتا ہے جب محض ٹھنڈک یا صفائی کے حصول کے لئے اگر یہ کام ہو چنانچہ اگر اعضاء وضو دھونے میں مقصود نماز کے پڑھنے کو جائز کرنا ہو یا فرض غسل کی انجام دہی ہو تو وضو درست ہو جائے گا۔ اور نماز اگرچہ عادات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ خالص عبادت ہے تاہم اس کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض (۲) سنت اور فرض بھی دو طرح کے ہیں (۱) عینی (۲) کفائی (کفایت) پہلی کی مثال پنج وقتہ نمازیں، دوسری کی مثال نماز جنازہ۔ اور سنت کہتے ہیں فرائض کی تابع نمازیں وتر، عیدین، سورج وچاند کے گرہن کی نمازیں، نماز استسقاء تراویح اور عام نوافل ہو تو فرض کے لئے اس کے ادا کرنے کی نیت کے ساتھ اسے اس کے نام کے ساتھ متعین کرنا ضروری ہے تاکہ

---

[1]...... الاشباه والنظائر ابن نجيم ص ۴۵ الاشباه للسيوطي ص ۳، احكام النية للحسينى ص ۲۶۔۱۲۴، المغنى ج ۱ ص ۴۶۷۔

وہ باقی فرائض سے ممتاز ہو سکے اور اس کے فرض ہونے کو پیش نظر رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ سنتوں سے ممتاز ہو سکے اور بعض فقہاء نے نیت میں نماز کے فرض یا سنت ہونے کے بارے میں تعرض کرنے کو شرط نہیں قرار دیا ہے کیونکہ نام سے متعین کرنے کو وہ کافی سمجھتے ہیں اس لئے کہ نام سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عبادت فرض ہی ہے اور نماز کی سنتوں اور دیگر مؤکدہ سنتوں یعنی جو مطلق نفل نہیں ہیں کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اداء کرنے کی نیت کے ساتھ اس کی تعیین بھی اس طرح کر دی جائے کہ یہ فلاں نماز کی سنت ہے یا فلان سنت مؤکدہ (عید کی نماز وغیرہ) ہے یا صلوٰۃ کسوف وغیرہ ہے۔ ہاں عام نوافل (نفل مطلق) میں صرف ادائیگی کی نیت کافی ہے کیونکہ وقت اور سبب کے ساتھ متقید نہ ہونے کے سبب وہ دوسرے سے بذات خود ہی ممتاز ہوتی ہے اور دوسروں کو مال بلاعوض دینا کبھی زکوٰۃ کے طور پر ہوتا ہے کبھی صرف صدقہ ہوتا ہے اور کبھی ہدیہ تحفہ وغیرہ لہٰذا دینے کی نیت کے ساتھ اس دینے کی کسی وصف شرعی کے ساتھ تعیین ضروری ہے مثلاً زکوٰۃ تاکہ دیگر دینے وغیرہ سے یہ ممتاز ہو سکے۔ ہاں اس میں فرض وغیرہ ہونے کی تعیین نیت میں ضروری نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا لفظ شرعاً فرض ہی کے لئے وضع شدہ ہے۔

اور روزہ کش چیزوں سے بچنا کبھی روزوں کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی پرہیز اور علاج کی غرض سے ہوتا ہے لہٰذا، روزہ کش چیزوں سے بچنے کی نیت ساتھ ضروری ہے کہ اس بات کی بھی تعیین ہو یہ بچنا روزے کے لئے ہیں تاکہ اسے عام عادت یا پرہیز وغیرہ سے ممتاز کیا جا سکے۔ پھر روزے بھی نماز کی طرح فرض اور سنت دونوں طرح کے ہیں چنانچہ روزوں کی نیت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے بارے میں یہ تعیین کر دہ جائے کہ وہ رمضان کا ہے اگر رمضان کا روزہ کس دوسرے مہینے میں رکھا جا رہا ہو یا اس کی قضاء کی جا رہی ہو یا کفارہ قسم یا کفارہ ظہار یا کفارہ قتل یا ماہ رمضان میں ہم بستری کا کفارہ یا حج میں خوشبو استعمال کر لینے کا کفارہ ہے وغیرہ یہ تعیین ضروری ہے اور ان امور کی تعیین کرتے وقت ان کے فرض ہونے کا ملحوظ خاطر رہنا اس لئے ضروری نہیں کہ یہ امور فرض ہی ہیں نفل یا سنت کے طور پر یہ امور انجام نہیں دیے جاتے چنانچہ یہ بذات خود متعین ہیں سنتوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوں گے۔

حرم شریف کا قصد کبھی احرام کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی ایسے ہی عادۃ ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ کے لئے لہٰذا حرم شریف جانے کے قصد کے لئے ضروری ہے کہ یہ بات ملحوظ رہے ہو کہ یہ قصد احرام باندھ لینے کی غرض سے ہے یا تو حج کا احرام اگر وقت حج کا ہو یعنی اشہر حج ہوں یا عمرے کی نیت ہو یا مطلق نیت ہو اس صورت میں حج اور عمرے میں سے جس کے لئے چاہے وہ احرام کو کر سکتا ہے اگر حج کا وقت ہو اور نہ عمرہ متعین ہو گا۔ اور اگر اس نے پہلے حج یا عمرہ نہیں کر رکھا ہو تو فرضیت کی نیت کرنا شرط بھی نہیں ہو گا کیونکہ احرام خود بخود ان دونوں میں ایک کا ہو جائے گا❶ اور تعیین کی شرط کی دلیل انما لکل امری مانوی والی حدیث ہے کیونکہ یہ تعیین کے شرط ہونے کی واضح دلیل ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ میں یہاں عبادات میں کیفیت نیت کی کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں چنانچہ وضو میں کیفیت نیت کی مثال یہ ہے کہ وضو کرنے والا حدث کے دور کرنے یا نماز کے پڑھنے کی یا صرف وضو کرنے کی یا امر خداوندی کی تعمیل کی نیت کرے یا ایسی چیز کو جائز کرنے کی نیت کرے جو بلا وضو نہ ہوتی ہو جیسے نماز طواف، قرآن کا چھونا وغیرہ یا جنابت دور کرنے کی یا فرض غسل کی نیت کرے یا فرض شدہ غسل کی نیت کرے جب وہ جسم کے کسی بھی حصے کو پہلی بار تر کرے مثلاً سر یا کوئی اور عضو، اور اگر اسے کوئی دوسرا شخص وضو کرائے تو اس صورت میں وضو کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے کرانے والے کی نہیں کیونکہ وضو کے احکام کا مکلف وضو کرنے والا ہے اور وہ لوگ جن کا حدث مستقل رہتا ہو یعنی معذور ین جیسے مستحاضہ (وہ عورت جیسے مسلسل خون آتا ہو) وہ شخص جیسے مسلسل پیشاب کے قطرے آتے ہوں اور ان جیسے دوسرے لوگ نماز کے جائز ہونے کی نیت کریں گے حدث کے دور کرنے کی نہیں کیونکہ حدث کا رفع ہونا ان لوگوں سے ممکن ہے۔❷

❶ .....نہایۃ الاحکام فی مانیۃ من الاحکام ,احمد الحسینی ص ۰ اور بعد کے صفحات ❷ البدائع ج ۱ ص ۱۷، الدر المختار ج ۱ ص ۹۸ اور ص ۱۴۰ اور بعد کے صفحات المجموع شرح المذہب ج ۱ ص ۳۶۱، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷، ۷۲ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۷ اور ص ۴۲ اور بعد کے صفحات الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۱۴ ص ۱۲۶ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۹۲ ص ۳۔ [illegible] وما بعدھا المغنی [illegible] ۱۴۲ ص ۲۱۸

اور تیمم کے بارے احناف کے ہاں تین میں ایک کی نیت کرے ا۔ یا تو حدث سے طہارت حاصل کرنے کی نیت کرے ۲۔ یا نماز کے جائز کر لینے کی نیت کرے، یا ۳۔ ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کرے جو طہارت کے بغیر درست نہ ہوتی ہو جیسے نماز، سجدہ تلاوت یا جنازہ، اور اس میں فرض کی نیت کرنا شرط نہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ وسائل میں سے ہے۔ مالکیہ کے ہاں تیمم کی نیت یا تو نماز کے جائز ہونے کی کرے یا ایسی چیز کے جائز ہونے کی کرے جو حدث کی وجہ سے منع ہوگئی ہو یا چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت فرض تیمم کی نیت کرے۔ اور اگر اس نے صرف رفع حدث کی نیت کی تو اس کا تیمم باطل ہوگا کیونکہ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ان کے مشہور قول کے مطابق۔ ہاں اگر فرض تیمم کی نیت کرے تو یہ اس کے لئے درست ہوگا۔ شوافع کے ہاں تیمم کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے جائز ہونے وغیرہ کی نیت کرے چنانچہ صحیح تر قول کے مطابق فرض تیمم یا فرض طہارت یا طہارت عن الحدث یا طہارت عن الجنابۃ کی نیت درست نہیں ہوگی کیونکہ تیمم ان کے ہاں حدث کو رفع نہیں کرتا۔ اور حنابلہ کے ہاں اس چیز کے جائز کرنے کی نیت کرے جو تیمم کے بغیر جائز نہیں جیسے نماز وغیرہ یعنی طواف قرآن کا چھونا و دیگر یعنی ان کے ہاں بھی شافعیہ ہی کی طرح تفصیل ہے۔ ❶

اور غسل کے اندر غسل کرنے والا اپنے بدن کے پہلے وضو کو دھوتے وقت فرض غسل کی نیت کرے گا یا جنابت دور کرنے کی یا حدث اکبر دور کرنے کی یا ایسی چیز کے جائز کرنے کی نیت کرے جو غسل کے بغیر جائز نہ ہو جیسے نماز یا طواف کو جائز کرنے کی نیت کرے جو کہ غسل پر موقوف ہیں، اگر اس نے اس چیز کے جائز کرنے کی نیت کی جس کی ضرورت نہ ہو جیسے عید کا غسل تو یہ صحیح نہ ہوگا اور نیت فرض کے اولی حصے سے متصل ہوگی جو بدن کا وہ حصہ ہوگا جس پر پہلی دفعہ پانی پڑے خواہ بدن کے اوپر کے حصے کا ہو یا نچلے حصے کا۔ کیونکہ بدن دھونے میں ترتیب ضروری نہیں ❷ اور احناف کے ہاں غسل اور وضو میں نیت فرضیت شرط نہیں کیونکہ ان دونوں میں نیت شرط نہیں۔

اور نماز کے بارے میں احناف فرماتے ہیں اگر نمازی اکیلا نماز ادا کر رہا ہو تو وہ فرض یا واجب کی نوعیت متعین کر دے اور اگر نفل ادا کر رہا ہو تو محض نیت نماز کافی ہے۔ اور اگر نمازی امام ہو تو وہ بھی متعین کرے گا جیسا کہ پہلے گذرا اور مرد کے لئے مردوں کی امامت کی نیت ضروری نہیں ان کے لئے اس شخص کی اقتداء درست ہے خواہ اس نے امامت کی نیت نہ کی ہو تاہم مرد کے لئے عورتوں کی امامت کی نیت ان کی اقتداء درست ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر نمازی مقتدی ہو تو بھی وہ متعین کرے گا۔ جیسا کہ پہلے گذرا البتہ اس کے لئے امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے چنانچہ وہ نیت کرے گا اس وقت کی فرض نماز کی اور اس امام کی اقتداء کی یا امام کی نماز کے تابع اپنی نماز شروع کرنے کی نیت کرے یا اپنی نماز میں امام کی اقتداء کی نیت کرے۔ مالکیہ فرماتے ہیں فرائض اور پانچ سنتوں میں تعیین ضروری ہے۔ اور پانچ سنتیں یہ ہیں: (۱) وتر (۲) عید (۳) کسوف (۴) خسوف (۵) استسقاء ❸ اور فجر کی سنتوں میں بھی تعیین ضروری ہے۔ ان کے علاوہ نوافل جیسے چاشت کی نماز و فرائض کی سنتیں اور تہجد وغیرہ ان میں مطلق نیت نفل کافی ہے۔ اور مطلق نفل کی نیت کرنے سے وہ نفل اگر چاشت کے وقت میں ہو یعنی زوال سے قبل تو چاشت کی طرف سے ہو جائے گی اور اگر ظہر کی فرض نماز سے قبل ہو یا بعد میں ہو تو اس کی سنتوں کی طرف سے ہو جائے گی اور مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی گئی نفل تحیۃ المسجد کی طرف سے ہو جائے گی، اور رات میں ادا کی گئی نفل تہجد کی طرف سے ہو جائے گی۔

---

❶ ... فتح القدیر ج ا ص ۸۶، ۸۹ البدائع ج ا ص ۵۲،۴۵ تبیین الحقائق ج ا ص ۳۸ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۵۴ القوانین الفقہیۃ ص ۳۷، المہذب ج ا ص ۳۲، مغنی المحتاج ج ا ص ۹۷ المغنی ج ا ص ۲۵۱ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ۱۷۳۔ ❷ فتح القدیر ج ا ص ۳۱، اللباب شرح الکتاب ج ا ص ۲۰، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۶۶ بدایۃ المجتہد ج ا ص ۴۲ مغنی المحتاج ج ا ص ۷۲ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ا ص ۲۱۸ کشاف القناع ج ا ص ۱۷۳ اور بعد کے صفحات۔ ❸ البدائع ج ا ص ۱۲۷ الدر المختار ج ا ص ۴۰۶ تبیین الحقائق ج ا ص ۹۹ فتح القدیر ج ا ص ۱۸۵، الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۳۲ ... صفحات۔

اور وتر سے قبل ادا کی گئی نفل عشاء کی سنتوں کی طرف سے ہوجائے گی اور ادا یا قضا یا رکعات کی تعداد کی نیت ضروری نہیں چنانچہ قضا بنیت ادا اور برعکس درست ہے، اور انفرادی پڑھنے یا مقتدی کے طور پر پڑھنے کی نیت ضروری ہے، اور امامت کی نیت (یعنی امام بننے کی) جمعہ اور جمع بین الصلاتین جو مقدم کرنے کے طور پر ہو بارش یا کسی خوف یا خلیفہ بنانے کی غرض سے ہو کے علاوہ دیگر چیزوں کے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے لئے امام شرط ہے ❶ اور شوافع یہ فرماتے ہیں کہ ❷ اگر نماز فرض ہو تو اگر وہ فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ یا قضاء جیسے فوت شدہ نماز کی ادائیگی یا لوٹائی جانے والی نماز یا نذر تو تین چیزیں لازم ہیں۔

۱۔ نیۃ الفرضیۃ......فرضیت کی نیت یعنی اس بات کا لحاظ نیت میں رکھنا ضروری ہوگا کہ نماز فرض ہے تا کہ وہ نفل یا دوہرائی جانے والی نماز سے ممتاز ہو سکے۔ چنانچہ فرض کی نیت اس طرح ہوگی میں ظہر ادا کر رہا ہوں جو اس وقت فرض ہے اللہ کے لئے تو اس میں (اُودی) میں ادا کر رہا ہوں کا لفظ اصل فعل اور اداء دونوں معنی کو شامل ہوگا۔

۲۔ قصد......یعنی فعل کے صادر کرنے کا قصد وارادہ اور وہ اس طرح کہ وہ نماز کے فعل کا ارادہ کرے تا کہ وہ دیگر افعال سے ممتاز ہو جائے۔

۳۔ تعیین......یعنی کہ فرض کی نوعیت کی تعیین کہ مثلاً وہ فجر کی ہے یا ظہر کی اور وہ اس طرح کہ وہ شخص ظہر کی فرض نماز کے صادر کرنے کی نیت کرے اور شرط یہ ہے کہ یہ سب کچھ تکبیر احرام (نماز کی پہلی تکبیر) کے تمام اجزاء سے مل کر ہوں، اور یہ مقارنت (ملنا) اجمالی ہو تفصیلی ہونا ضروری نہیں (یعنی یہ امور جو اوپر ذکر ہوئے ان کا نماز کی تکبیر اول کے ساتھ اتصال بایں معنی ضروری ہے کہ اجمالی طور پر یہ سارے امور مختصر ہوں تفصیلاً ضروری نہیں) اور یہ اس طرح ہوگا کہ نمازی نماز کے ارکان کا استحضار کرے یعنی کہ وہ تمام ارکان ایک ہی زمانے میں ذہن میں حاضر ہوں بایں معنی کہ نمازی اپنے ذہن میں نماز کی ذات اور صفات، جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہوتا ہے جیسے نماز کا مثلاً ظہر کا ہونا اور فرض ہونا وغیرہ، کو حاضر کرے پھر اس معلوم ومعین فی الذہن چیز کا قصد وارادہ کرے ایسا ارادہ جو کہ تکبیر تحریمہ کی ابتداء سے متصل ہو اور یہ ارادہ تکبیر کی ادائیگی کے آخر تک موجود رہے اور اس مقارنت (یعنی تکبیر تحریمہ کی ابتداء سے اس ارادے کی مقارنت کے لئے عام مقارنت عرفی کافی ہے یعنی نمازی کو نماز کا استحضار رکھنے والا اس سے غفلت نہ برتنے والا سمجھا جا سکے اور علامہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول ہی مختار ہے۔ اور ان کے ہاں استحضار عرفی اور مقارنت عرفی سے یہی حکم مراد ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا، یعنی نمازی تکبیر تحریمہ کہنے سے قبل فعل نماز یعنی اس کے افعال، اقوال اول تا آخر کا استحضار کرے خواہ اجمالی طور پر سہی۔ یہ رائے زیادہ قابل اعتماد وترجیح ہے اور مقارنت ایسے ہو کہ یہ استحضار جو ذہن میں ہے تکبیر تحریمہ کے دوران تکبیر تحریمہ سے متصل (مقارن) ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ادا کی جانے والی نماز پنج وقتہ نمازوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس صورت میں نمازی پر تین نیتیں ضروری ہیں:

۱......فعل نماز کی نیت ۲......فرضیت کی نیت ۳......تعیین کی نیت

چنانچہ نمازی کو یوں کہنا چاہئے نیت کرتا ہوں نماز ظہر ادا کرنے کی یا یوں نیت کرے میں نیت کرتا ہوں فرض نماز عصر ادا کرنے کی یا فرض نماز مغرب کی وغیرہ چنانچہ اس میں فعل نماز کی نیت اس لئے کہ وہ افعال عادیہ سے ممتاز ہو جائے اور ظہر کی نیت اس لئے کہ وہ دیگر فرض نمازوں عصر، عشاء وغیرہ سے ممتاز ہو جائے اور فرض کی نیت اس لئے کہ وہ نفل سے ممتاز ہو جائے ہاں رکعات کی تعداد کی نیت، دن کی تعیین کی نیت شرط نہیں نہ ادا نماز میں اور نہ قضاء میں اور نہ ہی اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے ❸ (یعنی یہ کہنا ضروری نہیں کہ واسطے اللہ تعالیٰ کے) اور نہ ہی

---

❶......الشرح الكبير وحاشية الدسوقى ج ۱ ص ۲۳۳،، ۵۲۰ بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۱۶، القوانين الفقهية ص ۵۷ ❷ المجموع شرح المهذب ج ۳، ص ۲۴۳۔۲۵۲ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۱۴۸۔۱۵۰۱ ۱۵۲، ۲۵۳ حاشية الباجورى ج ۱ ص ۱۴۹ ❸ یہ احناف اور مالکیہ کی بھی رائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا نیز حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۳۲۔۳۵، کشاف القناع ج ۱ ص ۳۶۵، غاية المنتهى ج ۱ ص ۱۱۶۔

ارکان نماز کا ذکر ضروری ہے اور نہ ہی قبلہ رخ ہونے کا ذکر ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر حضرات کے ہاں صحیح قول کے مطابق ادا نماز یا قضا نماز کا تعین بھی شرط نہیں۔ یہ سب امور محض مسنون ہیں واجب نہیں۔ چنانچہ اللہ کی طرف نسبت کرنا واجب نہیں کیونکہ تو انجام وہی تو ہے ہی اللہ تبارک وتعالی کے لئے، ہاں مستحب ضرور ہے تا کہ اخلاص کے معنی ومفہوم متحقق ہو جائیں، اور قبلہ رخ ہونے اور رکعتوں کی تعداد کی نیت مستحب ہے تا کہ اختلافی مسائل سے باہر نکلا جاسکے چنانچہ اگر تعداد رکعات کی نیت میں غلطی کر دی تو نماز نہیں ہوگی جیسے نماز ظہر کی تین یا پانچ رکعات۔ کی نیت کر لینا۔ اسی طرح قضا یا ادا کی نیت کر لینا مستحب ہے تا کہ ان دونوں میں امتیاز ہو سکے، اور شوافع کے ہاں صحیح ترین بات یہ ہے کہ عذر کی حالت میں قضا کی نیت سے ادا اور ادا کی نیت سے قضا نماز ہو سکتی ہے اور عذر کی مثال جیسے بادلوں کے سبب یا کسی اور وجہ سے وقت کا اندازہ نہ ہو سکے چنانچہ وقت کے نکل جانے کا گمان کر کے بنیت قضاء نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وقت نکلا نہیں تھا باقی تھا یا اس کے برعکس معاملہ ہوا کہ وقت کے باقی رہنے کا سمجھ کر نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا تو ان دونوں صورتوں میں نماز درست ہے۔ مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ قضا بہ نیت اداء اور برعکس صورت میں نماز مطلقاً بلا تفصیل وشرط درست ہوتی ہے، حنابلہ کے ہاں بھی یہ درست ہے اگر نمازی پر بعد میں ظاہر ہوا کہ معاملہ اس کے گمان کے برخلاف ہوا ہے۔ اور احناف رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ ادا بہ نیت قضا اور برعکس، دونوں صورتیں نماز اور حج دونوں میں درست ہیں۔ اور اگر نفل نماز ایک معین وقت والی ہو جیسے نماز سے متصل سنتیں، یا وہ کسی سبب سے ادا کی جاتی ہو جیسے استسقاء کی نماز، تو اس صورت میں دو چیزیں واجب ہیں:

(۱).....قصد فعل (۲).....نیت تعیین۔

جیسے سنت ظہر، یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ وغیرہ ہونے کی نیت کرے۔ ہاں نفلیت کی نیت شرط نہیں ہے صحیح قول کے مطابق۔ اور نفل مطلق یعنی وہ جو وقت یا سبب کی قید سے آزاد ہوتی ہے جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو اس میں محض نیت فعل نماز کافی ہے باقی دو کی ضرورت نہیں۔ اور امام کے لئے نیت امامت ضروری نہیں صرف مستحب ہے تا کہ وہ فضیلت جماعت حاصل کر سکے۔ اگر وہ نیت نہ کرے تو وہ فضیلت اسے حاصل نہیں ہوگی کیونکہ انسان کو اس کے عمل میں سے وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرے۔ مذہب شافعیہ میں نیت امامت چار حلقوں میں ضروری ہے، (۱) جمعہ میں۔ (۲) وہ نماز جس کو برسات وغیرہ کی وجہ سے جمع تقدیم کے ذریعے مقدم کیا جائے۔ (۳) وقت اندر جماعت کے ساتھ لوٹائی جانے والی نماز۔ (۴) اور وہ نماز جسے کسی نے جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نذر مانی ہو یہ اس لئے کہ وہ گناہ سے بچ سکے۔

اسی طرح مالکیہ فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت صرف ان چار چیزوں میں واجب ہے۔ (۱) جمعہ (۲) جمع بین الصلاتین۔ (۳) خوف۔ اور (۴) دوسرے کو نماز میں خلیفہ مقرر کرنے کی صورت میں کیونکہ اس میں امام کا ہونا شرط ہے۔ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے پانچویں چیز نماز جنازہ کہی ہے۔

اور مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت کرنا شرط ہے اور وہ اس طرح کہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء ائتمام، یا موجود امام کے ساتھ یا محراب میں موجود شخص کے ساتھ جماعت کی ادائیگی کی نیت کرے یا اسی طرح کے دیگر امور کی نیت کرے۔ کیونکہ دوسرے کے تابع ہونا (تبعیت) ایک عمل ہے چنانچہ یہ نیت کا محتاج ہے۔ کیونکہ آدمی کے لئے وہی ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرے اور مطلقاً نیت اقتداء کافی نہیں یعنی بلانسبت بروئے امام اقتداء ناکافی ہے لہٰذا اگر بلا نیت متابعت کی یا شک کے ساتھ کی تو اگر اس کے انتظار کی یہ کیفیت دیر تک برقرار رہی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ❶ اگر نماز فرض ہو تو دو چیزیں شرط ہیں:

ا.....نوعیت نماز کی تعیین کہ وہ ظہر ہے یا عصر ہے اور دوسری چیز ہے۔

❶..... المغنی

۲.....فعل کا ارادہ اور فرضیت کی نیت شرط نہیں ہے۔

یعنی اسی طرح کہنا کہ میں نماز ظہر فرض ادا کر رہا ہوں ضروری نہیں۔ اور قضاء شدہ نماز کو اگر وہ ان میں متعین کرلے کہ یہ مثلاً آج کی نماز ظہر ہے تو نیت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی نیت ادا کی ضرورت ہے اور قضا بنیت ادا اور اس کا برعکس درست ہے اگر اس کے گمان کے برخلاف اس پر بات ظاہر ہو۔ اور اگر نماز نفل ہے تو اس کی تعیین ضروری ہے اگر وہ معین ہو یا کسی وقت سے مؤقت ہو جیسے کسوف اور استسقاء تراویح اور وتر، اور فرض نمازوں کی تابع سنتیاں۔ اور اگر نفل مطلق ہو تو نیت کی تعیین ضروری نہیں ہے جیسے رات کی نماز، تو اس صورت میں صرف نماز کی نیت کافی ہے دوسری چیز کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس میں تعیین نہیں ہے۔ تو یہ حضرات اس مسئلے میں شوافع کے ہمنوا ہیں۔

روزے کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ ❶ رمضان اور اس کی طرح روزے جیسے وہ نذر جس کا زمانہ متعین کیا ہوا ہو، مطلق نیت سے درست ہو جاتے ہیں اور نفل کی یا کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اور رمضان کے روزے کی رات سے نیت کر لینا ضروری نہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور سحری کرنا ان حضرات کے ہاں نیت ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں نیت کا یہ وصف ضروری ہے ❷ کہ وہ معین ہو رات سے ہو اور یقینی ہو اور شوافع کے ہاں رمضان کی نیت کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ ❸ وہ نیت کرے کہ میں آئندہ کل کا ماہ رمضان کا فرض روزہ جو اس سال کا ہے اللہ کی رضا کے لئے رکھ رہا ہوں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ تعیین کی نیت میں فرضیت کا ذکر ضروری نہیں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ❹ جس کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ کل کا روزہ رکھ رہا ہے تو وہ شخص نیت کنندہ کہلائے گا اور نیت کی تعیین واجب ہے یعنی کہ وہ اس کا خیال بھی رکھے کہ وہ کل رمضان کا یا قضا یا نذر کا یا کفارے کا روزہ رکھ رہا ہے، اور تعیین کے ساتھ فرضیت کی نیت ضروری نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماسوا احناف کے جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت کا رات سے ہونا ضروری ہے جیسا کہ شوافع کے علاوہ جمہور اس پر متفق ہیں کہ روزے یا سحری کی نیت سے کھانا پینا نیت شمار ہوگا ماسوا اس صورت کے کہ وہ شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کرے۔ شوافع کے ہاں روزے کی تمام صورتوں میں سحری نیت کے قائم مقام نہیں ماسوا اس کے کہ سحری کے وقت اس کے دل میں روزہ کا خیال آئے اور وہ اس کی نیت کرے یعنی ایسے کہ یا تو وہ سحری روزے کی نیت سے کرے یا فجر کے وقت اس لئے کھانے سے رک جائے کہ اس کا روزہ نہ ٹوٹ جائے یہ دونوں صورتیں نیت صوم شمار ہوں گے۔

اور اعتکاف میں نیت بالاتفاق شرط ہے، شوافع کی بیان کردہ تعریف کے مطابق اعتکاف کہتے ہیں ''کسی شخص کے مسجد میں نیت کے ساتھ ٹھہرنے کو'' اور نیت کے ضروری ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جو گذری ''انما الاعمال بالنیات'' اور دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف عبادت محض ہے لہٰذا یہ بلا نیت درست نہ ہوگی جیسے دیگر عبادات نماز روزہ وغیرہ بلا نیت درست نہیں ہوتیں شافعیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ اگر اعتکاف فرض ہو تو اس شخص فرض کی تعیین کی نیت لازم ہوگی تاکہ اسے نفلی طواف سے ممتاز کیا جا سکے۔ اور احناف اور مالکیہ کے ہاں اس کے لئے روزہ بھی شرط ہے ❺ اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوتا تاہم یہ حدیث ضعیف ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں روزہ شرط نہیں ماسوا اس کے کہ وہ اس کی نذر مان لے، اور اعتکاف کی نیت یہ ہے کہ وہ کہے میں اس مسجد میں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں جب تک اس میں رہوں اور زکوۃ کے بارے میں فقہاء متفق ہیں کہ نیت اداء

---

❶ ..... مراقی الفلاح ص ۱۰۶ الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۳۳۔ ❷ القوانین الفقہیہ ص ۱۱۷ ،بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۸۳۔
❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲۵۔ ❹ کشاف القناع ج ۲ ص ۲۶۷۔ ❺ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۶، الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷۔
الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی ج ۱ ص ۷۲۵، المہذب ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۹۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۵۳ کشاف القناع ج

زکوۃ میں شرط ہے اور دینے والا یہ نیت کرے گا کہ یہ میرے مال کی زکوۃ ہے فرض کا ذکر کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ زکوۃ صرف فرض ہی ہوتی ہے، اسی طرح ان الفاظ سے بھی نیت کرسکتا ہے "یہ میرے مال کا فرض صدقہ ہے" یا "یہ میرے مال کا وہ صدقہ ہے جو فرض کیا گیا ہے" یا "فرض شدہ صدقہ یا فرض صدقہ" وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے گا۔ مالکیہ کے ہاں امام وقت یا اس کے قائم مقام کی نیت زکوۃ نکالنے والے کی نیت کی طرف سے جائز ہوسکتی ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ نیت یہ کرے کہ "یہ اس کی زکوۃ ہے" یا یہ نیت "یہ اس شخص کی زکوۃ ہے" جس کی طرف سے زکوۃ نکالی جارہی ہے یعنی بچہ یا پاگل شخص اور نیت کا محل (جگہ) دل ہے کیونکہ اعتقادات (افکار عقائد) کا محل (جگہ) دل ہوتا ہے ❶ اور حج وعمرے میں نیت ضروری ہے اور وہ ہے حالت احرام میں ہونے یعنی صرف حج، صرف عمرے یا دونوں کی نیت، اور ایسے کہ یوں کہے "میں حج یا عمرے کی نیت کرتا ہوں اور اس کا احترام اللہ کے لئے کرتا ہوں اور اگر حج یا عمرہ دوسرے کی طرف سے کرے تو یوں کہے میں حج/عمرے کی نیت فلاں کی طرف سے کرتا ہوں اور اس کا احرام اللہ کے لئے کرتا ہوں پھر احرام کی دو رکعتیں پڑھ کر تلبیہ پڑھے، جمہور کے ہاں احرام صرف نیت سے ہوجاتا ہے، احناف کے ہاں محض نیت سے نہیں ہوتا جب تک خصوصیات احرام میں سے کسی قول یا عمل کے ساتھ وہ متصل نہ ہوجائے جیسے تلبیہ یا تجرد، اور احناف کے ہاں نیت کا بولنا مسنون ہے مثلاً حج افراد کرنے والا یہ کہے **اللهم انی اريد الحج فيسره لی وتقبل منی** اور عمرہ کرنے والا کہے گا **اللهم انی اريد العمرة فيسرها لی وتقبلها منی** اور حج قران کرنے والا کہے گا: **اللهم انی اريد الحج والعمرة فيسرهمالی وتقبلهما منی** ❷

اور قربانی کی نیت شوافع اور حنابلہ کی رائے کے مطابق جانور کے ذبح کرنے کے وقت ہونی چاہئے، کیونکہ ذبح فی نفسہ نیکی اور قربت ہے، اور ذبح کرنے والے کے لیے دل میں نیت کرلینا کافی ہے، اور نیت کا زبان سے تلفظ کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ نیت دل کا فعل ہے اور زبان سے اس کا کہنا اس کی دلیل ہوتی ہے۔ ❸

۶۔ نیت سے متعلق چھٹی بحث: نیت میں شک کا واقع ہونا اور اس کا بدل دینا اور دو عبادتوں کو ایک نیت سے جمع کرنا

نیت میں شک کا وقوع: شوافع اور حنابلہ نے خاص اہتمام سے نیت کے معاملے اور اس میں عبادات کے اندر وقوع شک کے سلسلے میں گفتگو کی ہے۔ ❹ چنانچہ ان حضرات نے یہ قرار دیا ہے کہ اصل نیت یا شرط نیت میں شک کا وقوع عبادت کو باطل کردیتا ہے لہٰذا جب نمازی کو شک درپیش ہو کہ اس نے ظہر کی نماز کی نیت کی ہے یا عصر کی تو دونوں میں سے کوئی بھی نماز ادا نہیں ہوگی جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی کتاب الام میں تصریح فرمائی ہے۔ اور اگر کسی طہارت حاصل کرنے والے کی دوران طہارت نیت میں شک واقع ہوجائے تو اس پر ازسرنو اس عمل طہارت کو شروع کرنا لازم ہوگا، کیونکہ یہاں عبادت کی شرط میں شک واقع ہوا ہے جب کہ وہ اس شرط عبادت کو انجام دے رہا ہے چنانچہ یہ طہارت جو شرط عبادت یعنی نماز ہے نماز کی طرح یہ بھی درست نہیں ہوگی۔ اور شوافع یہ فرماتے ہیں کہ نیت پوری نماز میں شرط ہے چنانچہ اگر دوران نماز اس کو یہ شک ہو کہ وہ اس کو انجام دے رہا ہے یا نہیں تو اس کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ اور نماز اس صورت میں باطل ہوگی جب وہ شک کے ساتھ اتنی مقدار میں کوئی عمل انجام دے جسے مستقل عمل کے طور پر شمار نہ کیا جاتا ہو اور اگر اتنی مقدار میں انجام دے جسے مستقل عمل سمجھا جاسکتا ہو جیسے رکوع سجدہ رکوع یا سجدے سے اٹھنا تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ یعنی مقصود یہ ہے کہ اگر نماز میں

---

❶ ... فتح القدير ج ۱ ص ۴۹۳، البدائع ج ۲ ص ۴۰، المجموع ج ۶ ص ۱۸۲، الشرح الصغير ج ۱ ص ۶۶۶ تا ۶۷۰، المغنی ج ۲ ص ۶۳۸ وما بعد۔ ❷ القوانين الفقهيه ص ۱۳۱، البدائع ج ۲ ص ۱۶۱، الشرح الصغير ج ۲ ص ۱۶۔۲۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷۶، المجموع ج ۷ ص ۲۲۶، المغنی ج ۳ ص ۲۸۱ وما بعد۔ ❸ البدائع ج ۵ ص ۷۱، القوانين الفقهيه ص ۱۸۷، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۸۹ كشاف القناع ج ۳، ص ۶۔ ❹ احكام النية للحينی ص ۴۸۔۵۱، ۶۶ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۴۸ وما بعد، ۲۵۲ و ما بعد کے صفحات، المغنی ج ۱ ص ۱۴۲، ۴۶۷ غاية المنتهی ج ۱ ص ۱۱۶، كشاف القناع ج ۱ ص ۳۶۹

شک کا دورانیہ ایک رکن فعلی کی مدت کے برابر ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی رکن فعلی انجام نہیں دیا اور دورانیہ شک مختصر ہوا تو مشہور قول کے مطابق نماز باطل نہیں ہوگی۔ ہاں اگر مسافر نیت قصر میں شک کرے پھر اسے یاد آ جائے کہ اس نے مسافت سفر کی دوری پر قصر کی نیت نہیں کی بلکہ قریب سے کی ہے تو اس پر قصر کے بجائے اتمام (نماز کا پورا پڑھنا) لازم ہے، کیونکہ یہ لحظہ اگر چہ تھوڑا سا ہے مگر وہ مسافر کے حق میں نماز میں سے ہی شمار ہوگا، وجود اس کے کہ قصر کی نیت واقع نہیں ہوئی ہے، اور جب کہ نماز کا کچھ حصہ قصر کی نیت کے نہ ہونے کی حالت میں ادا ہوا تو اتمام ہی غالب ہو گیا کیونکہ اتمام ہی اصل ہے ❶ اور جس کی نیت اصلاً شرط نہ ہو تو وہاں شک کا وقوع جواز کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ اور نیت کا دوران نماز استحضار شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسے یہ خیال رہا کہ یہ عصر کی نماز ہے پھر تیسری میں یاد آیا کہ یہ ظہر ہی کی نماز ہے تو اس کی ظہر کی نماز درست ہوگی۔ اور اس کا عصر کا خیال آ جانا اس کے لئے مضر نہیں ہوگا کیونکہ جس چیز کی نیت اصلاً واجب نہیں تو اس میں خطا کا وقوع مضر نہیں۔ اور اصل نیت میں شک واقع ہو اور نماز کو اس حالت شک ہی میں ادا کرے تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اصل نیت اگر چہ شرط نہیں مگر حکم نیت کا برقرار رہنا شرط ہے۔ ❷

اور شرط نیت میں شک اصل نیت میں شک کے حکم میں ہے، چنانچہ اگر کسی شخص کی دو نمازیں فوت ہو گئیں اور اس نے ان دونوں کو جان کر ایک کی نیت کر کے اسے شروع کر دیا پھر اسے شک ہو گیا اور اسے یہ نہیں معلوم ہو رہا کہ اس نے کون سی نماز کی نیت کی ہے اور اسی حالت میں اس نے نماز ادا کر لی تو یہ نماز ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے بھی ادا نہیں ہوگی جب تک کہ وہ یقینی طور پر یا ظن غالب کے طور پر یہ نہ ادراک کرلے کہ کون سی نماز کی اس نے نیت کی تھی۔ ❸

اسی طرح حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز اسے شک ہوا کہ اس نے نیت کی ہے یا نہیں یا تکبیر تحریمہ میں شک واقع ہوا تو وہ اسے از سر نو انجام دے گا جیسا کہ شوافع کا قول ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز میں شک واقع ہو وہ کالعدم ہو جائے پھر اگر اسے یاد آیا کہ اس نے نیت کی تھی یا اس نے نیت قطع کرنے سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ لی تھی تو اس صورت میں اسے نماز مکمل کر لینی چاہئے کیونکہ نماز کو باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی، ہاں اگر شک کی کیفیت کے دوران ہی کوئی عمل انجام دیا تو نماز باطل ہو جائے گی جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔

تغییر نیت..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نمازی اگر ایک فرض کی نیت باندھے پھر اس نیت کو بدل کر دوسرے فرض کے لئے کر دے تو دونوں فرض باطل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس نے پہلے فرض کی نیت قطع کر دی اور دوسرے فرض کی نیت تکبیر تحریمہ کے وقت نہیں کی۔ اور اگر فرض کو نفل میں تبدیل کرنا چاہئے تو (راجح تر بات شوافع کے ہاں یہ ہے کہ وہ نفل میں بدل جائے گا کیونکہ فرض کی نیت نفل کی نیت کو متضمن (اپنے اندر شامل کئے ہوئے) ہوتی ہے اور دلیل اس کی یہ ہے اگر کوئی فرض کی تکبیر تحریمہ کہے پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ ابھی اس فرض کا وقت داخل نہیں ہوا ہے تو اس کی نماز نفل میں بدل جاتی ہے اور فرض ادا نہیں ہوتا اور یہاں نفل کو باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔

---

❶..... اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ جب سفر پر روانہ ہونے والے شخص نے اپنے آپ کو مسافر سمجھتے ہوئے قصر کی نیت باندھی حالانکہ مسافر سفر طے نہ کرنے کے سبب اس کی نیت قصر درست نہیں ہوئی تھی پھر بعد میں اسے اس بات کا علم ہوا تو اس نے اسی وقت اتمام کی نیت کر لی تو یہ نماز درست ہوگی کیونکہ اصل تو اتمام ہے نہ کہ قصر جب اس کی نیت قصر درست ہی نہ ہوئی تو اتمام جو کہ اصل ہے وہ خود بخود لوٹ آئے گا اور نماز پر اسی کا حکم غالب ہوگا۔ از مترجم۔ ❷ یہ بات نیت کی چوتھی بحث میں گذر چکی ہے کہ نماز کے اندر اصل نیت کا برقرار رہنا شرط نہیں حکم نیت کا برقرار رہنا شرط ہے اور حکم نیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیت کے ساتھ ایک فعل شروع کرے اور اس نیت کو قطع کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو یہاں پر بھی جب حکم نیت یعنی اصل نیت کے تسلسل میں جب شک واقع ہوا تو نماز باطل ہوگئی۔ از مترجم۔ ❸ مقصود اس گفتگو کا یہ ہے کہ اصل نیت میں شک ہو یعنی نیت کرنے یا نہ کرنے میں یا شرط نیت میں شک ہو یعنی نماز کی نیت تو کی مگر تعیین میں شک ہے جو کہ شرط نیت ہے تو ان دونوں میں سے کوئی سی بھی صورت پائی جائے حکم دونوں کا ایک ہے اور وہ ہے نماز کا بطلان ہاں اگر شک ایسی چیز میں ہے جو لازم یا شرط نہیں مثلاً نیت کا پوری نماز میں استحضار تو اس میں شک کا وقوع مضر نہیں۔ واللہ اعلم۔ از مترجم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیت کو فسخ کرنے، یا اس میں تردد کرنے، یا اس کے کالعدم کرنے کے ارادے یا نماز سے نکلنے کے ارادے یا اس کو باطل کرنے یا نماز کے اداشدہ افعال کو کالعدم کردینے یا شک کے واقع ہونے کہ نیت کی ہے یا نہیں یا دوسری نماز کی طرف منتقل ہوجانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ ❶

دو عبادتوں کو ایک نیت سے جمع کرنا: احناف فرماتے ہیں کہ ❷ دو عبادتوں کو جمع کرنا یا تو وسائل میں ہوگا یا مقاصد میں اگر وسائل میں یہ عمل ہوا ہو تو دونوں صحیح اور درست ہوں گے۔ جیسے جب جمعہ کے دن جمعہ کے لئے اور جنابت کے دور کرنے کے لئے غسل کرے تو جنابت بھی مرتفع ہوجائے گی اور غسل جمعہ کا ثواب بھی مل جائے گا اور اسی طرح اگر جمعہ اور عید کے لئے ایک غسل کیا تو دونوں کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر یہ عمل مقاصد میں ہو تو وہ شخص یا تو دو فرضوں کی نیت کرے گا یا دو نفلوں کی یا ایک فرض اور ایک نفل کی۔ اگر دو فرضوں کی نیت کی تو اگر نماز کے بارے میں یہ کیا ہے تو دونوں نمازیں درست نہیں ہوں گی لہٰذا اگر دو فرض نمازوں کی نیت کی مثلاً ظہر اور عصر تو بالاتفاق دونوں درست نہیں ہوں گی۔ اور اگر روزے میں قضا اور کفارے دونوں کی نیت کی تو وہ صرف قضا کی طرف سے ادا ہوگا اور مال دینے میں اگر زکوٰۃ اور کفارہ ظہار کی نیت کی تو دونوں میں سے جس کی طرف سے چاہے شمار کرسکتا ہے۔ اور اگر زکوٰۃ اور کفارہ قسم کی نیت کی تو وہ زکوٰۃ کی طرف سے ادا ہوگا۔ اور اگر فرض نماز اور نماز جنازہ دونوں کی نیت کی تو وہ صرف فرض نماز کی طرف ادا شمار ہوگی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر دو فرضوں کی نیت کی تو دونوں میں سے جو قوی ہوگا وہ اسی کی طرف سے شمار ہوگا۔ چنانچہ قضا کا روزہ کفارے کے روزے سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اور اگر دونوں فرض قوت میں برابر ہوں تو اگر روزے کا معاملہ ہو تو اس شخص کو اختیار ہے کہ وہ جس کی طرف سے چاہے شمار کرلے جیسے کفارہ ظہار اور کفارہ قسم۔ اسی طرح زکوٰۃ اور کفارہ ظہار ہاں زکوٰۃ کی کفارہ قسم کے ساتھ اگر نیت کرے تو زکوٰۃ زیادہ قوی ہے اس بناء پر زکوٰۃ کی طرف سے شمار ہوگی اور نماز کے معاملے میں بھی قوی کو ترجیح دی جائے گی چنانچہ فرض نماز نماز جنازہ پر مقدم ہوگی۔

اور اگر فرض اور نفل دونوں کی نیت کی تو اگر مثلاً ظہر اور نفل کی نیت کی تو فرض کی طرف شمار ہوگی اور نفل باطل ہوگی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی طرف سے ادا نہیں ہوگی۔ اور اگر زکوٰۃ اور نفلی صدقے کی نیت کرے تو وہ زکوٰۃ کی طرف سے شمار ہوگی، اور امام محمد کے ہاں نفلی صدقے کی طرف شمار ہوگی۔ اور اگر نفل اور نماز جنازہ کی نیت کرے تو وہ نفل کی طرف سے شمار ہوگی۔

اور اگر دو نفلی عبادتوں کی نیت کرے جیسے فجر کی دو سنتوں سے سنتوں اور تحیۃ المسجد کی نیت کرے تو ان دونوں کی طرف سے درست ہوگی۔

اور حج کے اندر متعدد عبادتوں کی نیت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے نذر اور نفل کا احرام باندھا تو وہ نفل شمار ہوگا اسی طرح اگر فرض اور نفل کی نیت کی تو امام ابو یوسف اور صحیح تر قول کے مطابق امام محمد کے ہاں بھی نفل کی طرف سے شمار ہوگی۔ اور اگر دو حجوں کا احرام ایک ساتھ باندھا یا یکے بعد دیگرے باندھا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں دونوں لازم ہوں گے اور امام محمد کے ہاں دونوں کی ایک ساتھ نیت کی صورت میں دونوں میں سے ایک لازم ہوگا اور یکے بعد دیگرے کی صورت میں صرف پہلا لازم ہوگا اور اگر ایک عبادت کی نیت کی پھر اس دوران دوسری عبادت کی طرف منتقل ہونے کی نیت کی تو اگر تکبیر دوسری عبادت کی طرف منتقل ہونے کی نیت کے ساتھ کی تو وہ خارج شمار ہوگا جیسے کہ وہ پہلی عبادت کی تجدید کی نیت کرے اور تکبیر کہے۔ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ ❸ اگر ایک نفل کے ساتھ دوسری نفل کی نیت کرے تو دونوں درست نہیں ہوں گی۔ لیکن اگر یوم عرفہ اور پیر کے دن کے روزے کی نیت کرے تو یہ درست ہے تاہم اگر دو سنتوں کی نیت کی تو اگر ایک دوسری میں داخل نہ ہوتی ہو جیسے چاشت کی نوافل اور سنت فجر کی قضا تو دونوں کو ایک کردینے کی صورت میں وہ دونوں منعقد نہیں ہوں گی۔ اور اگر ان

---

❶..... كشاف القناع عن متن الاقناع ج ١ ص ٣٧٠ المغنى لابن قدامه. ج اص ٤٦٨، فتح القدير ج ١ ص ٣٨٥. ❷ الاشباه والنظائر. ابن نجيم ص ٣٩. ❸ الاشباه والنظائر. للسيوطى. ص ٢٠

میں سے ایک دوسری میں داخل ہوسکتی ہو جیسے تحیۃ المسجد اور سنت ظہر مثلاً تو یہ دونوں درست ہوجائے گی کیونکہ تحیۃ المسجد کا حصول ضمناً ممکن ہے۔ اور تحیۃ کی طرح شیخ ابن حجر اور ان کے شیخ علامہ عراقی کی رائے کے مطابق فرض روزے کے ساتھ یوم عرفہ یا عاشوراء یا نویں محرم یا شوال کے چھ روزوں یا ایام بیض یا ہر ماہ پیر اور جمعرات کے روزے کی نیت کرلینا درست ہے۔

اور عبادت کے علاوہ امور میں اگر دوسری چیز کی نیت کرے جیسے اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کرے یا دو بیویوں سے کہے (انتما علی حرام (تم دونوں مجھ پر حرام ہو) اور ایک کی طلاق اور ایک کے ظہار کی نیت کرے تو احناف کی رائے کے مطابق دونوں میں زیادہ سخت اور شدت کے حامل لفظ کی طرف سے شمار ہوگا جو کہ طلاق ہے کیونکہ ایک لفظ دو معاملوں پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور شوافع کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ دونوں الفاظ میں اسے اختیار ہے جس کو وہ چن لے وہ واقع شمار ہوگا ❶ اس بارے میں امام شافعی کی رائے کی مزید تفصیل المقصود بالنیہ کی بحث میں آئے گی

۷۔ ساتویں بحث: نیت سے مقصود، اور اس کے اجزاء..... علامہ ابن نجیم اور علامہ سیوطی نے نیت کے مقصود اور ہدف کی بڑی مکمل وضاحت فرمائی ہے ❷ چنانچہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نیت سے اہم ترین مقصود عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا ہے اور عبادتوں کے رتبے ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ہے جیسے وضو اور غسل جو صفائی ٹھنڈک اور عبادت تینوں حیثیتوں میں گردش کرتے ہیں اور باعث افطار امور واشیاء سے رک جانا کبھی پرہیز کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی عدم ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور مسجد میں ٹھہرے رہنا کبھی آرام کی غرض سے ہوتا ہے اور مال کا دینا کبھی تحفۃ ہوتا ہے اور کسی اور دنیوی غرض کے تحت ہوتا ہے اور کبھی بحیثیت عبادت کے ہوتا ہے جیسے زکوۃ، صدقہ اور کفارۃ۔ جانور کا ذبح کبھی کھانے کی غرض سے ہوتا ہے تو مباح یا مستحب ہوتا ہے اور کبھی قربانی کی غرض سے ہوتا ہے تو عبادت شمار ہوتا ہے اور کبھی کسی رہنما کی تعظیم کی غرض سے قربانی ہوتی ہے تو یہ حرام ہوتی ہے۔ تو نیت کو اسی لیے مشروع کیا گیا کہ قربت (عبادت) کو دوسری چیزوں سے ممتاز کیا جاسکے اسی طرح تقرب الی اللہ کبھی فرض کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی واجب کے اور کبھی نفل کے ذریعے چنانچہ نیت کو ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے بھی مشروع کیا گیا ہے چنانچہ وضو، غسل، نماز روزہ وغیرہ کبھی فرض ہوتے ہیں اور کبھی نذر اور کبھی نفل اور تیمم کبھی حدث سے ہوتا ہے اور کبھی جنابت سے جبکہ صورتا یہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی چہرے اور ہاتھ پر۔

اس تفصیل سے یہ امور سامنے آتے ہیں۔

۱..... جو چیز یا کام عادتاً نہ ہوتا ہو یا دوسرے سے التباس نہ ہوتا ہو تو اس میں اس فعل کے ارادے کے علاوہ کوئی اور بات شرط نہیں جیسے اللہ پر ایمان معرفت خداوندی، خوف، امید، نیت، قرأت قرآن اور اذکار وغیرہ کیونکہ یہ امور ممتاز ہوتے ہیں کسی سے ملتبس نہیں ہوتے۔ لہٰذا اگر انسان ایمان کا یا قراءت کا ارادہ کرتے تو اس کو ثواب دیا جاتا ہے خواہ وہ تقرب کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ ہاں ان کے علاوہ امور میں محض فعل کا ارادہ کرلینا کافی نہیں بلکہ زائد نیت ضروری ہے جیسے مثلاً مسجد میں داخل ہونے میں تصرب کی نیت کرے وغیرہ تاکہ اسے ثواب ملے۔

۲..... تعیین صرف اس میں شرط ہے جو دوسرے سے ملتبس ہوتا ہو نہ کہ اس میں جو ملتبس نہ ہوتا ہو۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے بے شک ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے تو یہ تعیین کی شرط لگانے میں بالکل ظاہر وواضح ہے۔ چنانچہ فرائض میں تعیین شرط ہے کیونکہ ظہر اور عصر صورۃ اور فعلا ایک طرح انجام دی جاتی ہے چنانچہ ان میں امتیاز بغیر تعیین کے نہیں ہوتا اس طرح وہ نوافل جو مطلقہ نہیں ہیں جیسے رواتب (فرائض کی سنتیں) ان کا تعیین ان کو فرض نماز کی طرف منسوب کرکے ہوتا ہے مثلاً ظہر کی طرف منسوب کرکے پہلے کی یا بعد کی سنتوں کے ذریعے تعیین ہو۔

---

❶..... الاشباہ والنظائر۔ السیوطی ص ۲۱، الاشباہ، والنظائر، ابن نجم ص ۴۲۔ ❷ الاشباہ و النظائر ابن نجیم۔ ص ۲۴۔ للسیوطی ص ۱۰۔۲۱۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے تین قواعد ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

الف......جس چیز سے تعرض نہ اجمالاً اور نہ تفصیلاً ضروری ہو اس میں وقوع خطا مضر نہیں، یعنی اس کی تعیین میں خطا کا وقوع مضر نہیں جیسے نماز کی جگہ اور اس کا وقت۔

ب......اور جس چیز کی تعیین شرط ہے اس میں وقوع خطا مضر ہے۔جیسے روزے کے بجائے نماز کی نیت کر لینے کی خطا یا ظہر میں عصر کی نیت کر لینا۔

ج......جس چیز سے تعرض اجمالاً واجب ہو اس کی تعیین تفصیلاً واجب نہ ہو اس میں تعیین کر لینے کے بعد اگر خطا کا وقوع ہو تو یہ مضر ہوگا مثلاً رکعات کی تعداد کہ اس سے اجمالاً تعرض ہوتا ہے جو نیت نماز کے ذیل میں ہو جاتا ہے اور اس کی تفصیلاً تعیین میں خطا واقع ہو جائے تو وہ مضر ہوگی مثلاً ظہر کی تین یا پانچ رکعات کی نیت کر لی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۴......فرضیت اور لفظ نماز سے تعرض کرنے کا شرط ہونا❶ یہ دونوں امور کہ فرضیت اور صلاۃ کے لفظ سے تعرض اس امر کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جس کے لئے نیت مشروع کی گئی ہے اور وہ تمییز (یعنی باہم متشابہ لیکن اصلاً مختلف چیزوں میں امتیاز دینا) ہے، چنانچہ فرضیت کی صفت بیان کرنی اس لئے ضروری ہے کہ نفل سے امتیاز ہو سکے۔اور صحیح تر قول کے مطابق لفظ صلاۃ سے بھی تعرض ضروری ہے تاکہ روزے وغیرہ جیسے فرائض سے امتیاز ہو سکے۔اسی طرح صحیح تر قول کے مطابق فرضیت سے تعرض غسل میں ضروری ہے وضو میں نہیں کیونکہ غسل کبھی عادۃً ہوتا ہے اور وضو عادۃً نہیں صرف بطور عبادت ہوتا ہے۔اور زکوٰۃ کے بارے میں صحیح تر بات یہ ہے کہ اگر صدقے کے لفظ سے اس کی ادائیگی ہو تو فرضیت سے تعرض یعنی اس کا ذکر ضروری ہوگا اور زکوٰۃ کے لفظ سے مال ادا کرے تو فرضیت کا ذکر (اس سے تعرض) ضروری نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ کبھی فرض ہوتا ہے اور کبھی نفل ہوتا ہے تو محض صدقے کی نیت کافی نہیں اور زکوٰۃ صرف فرض ہی ہوتی ہے، کیونکہ یہ اس فریضے کا نام ہے جو مال سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا اسے لفظ فرض سے مقید کرنے کی ضرورت نہیں۔اور اس طرح حج اور عمرے میں فرضیت سے بلا اختلاف تعرض شرط نہیں ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ عبادات جن میں نیت واجب ہوتی ہے ان کی بہ نسبت فرضیت کی نیت کے وجوب کے چار قسمیں ہیں:

۱۔حج، عمرہ، زکوٰۃ بلفظ زکوٰۃ اور جماعت، ان میں نیت فرضیت ضروری نہیں۔

۲۔نماز، جمعہ کی نماز، غسل اور زکوٰۃ بلفظ صدقہ ان میں صحیح تر قول کے مطابق نیت فرضیت واجب ہے۔

۳۔وضو اور روزہ اس میں صحیح قول کے مطابق شرط نہیں۔

۴۔تیمّم، اس میں صرف نیت فرضیت کافی نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے، چنانچہ اگر فرضیت تیمّم کی نیت کر لے تو یہ کافی نہیں۔

۵۔قضاء اور اداء کی نیت کا شرط نہ ہونا نمازوں میں یہ بھی اس تفصیل سے مستفاد ہوتا ہے جو اوپر گزری اور یہی تفصیل نماز جمعہ کے بارے میں بھی ہے اور روزے کے بارے میں جس بات کی ترجیح سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قضاء کی نیت اس میں ضروری ہے، اور حج اور عمرے کے بارے میں تو بلاشبہ یہ دونوں شرط نہیں۔کیونکہ اگر وہ قضاء حج سے ادا مراد لے لے تو یہ اس کے لئے مضر نہیں اور وہ قضا ہی کی طرف سے ہوگا اور اگر اس پر کسی حج کی قضا لازم ہو جو اس نے اپنے بچپنے میں فاسد کر دیا ہو اور بعد میں وہ بالغ ہوا ہو تو اگر وہ قضاء کی نیت سے حج کرے تو وہ حج اسلام یعنی فرض حج کی طرف سے شمار ہوگا۔

۵۔اخلاص۔یہ تمییز کے اصول پر مترتب ہونے والا نتیجہ ہے، لہٰذا نیابت یا وکیل بنانا اس کام میں ممکن ہے جو نیابت کو قبول کرتا ہو اور وہ

---

❶......فرضیت اور صلاۃ سے تعرض کا مطلب یہ ہے کہ کیا نیت نماز میں اس کے فرض ہونے یا نماز ہونے کا ذکر بھی کیا جائے گا یا نہیں، مثلاً نیت نماز وغیرہ میں یوں کہنا ضروری ہوگا فرض نماز کی نیت کرتا ہوں یا نہیں۔اس بات کی تفصیل اس عنوان کے تحت مصنف نے بیان کی ہے اس میں نماز کے علاوہ دیگر عبادت کا بھی بیان ہے۔

ہے وہ چیز جو فعل سے متصل ہو جیسے زکوۃ کی تقسیم جانور کی قربانی اور کسی انتقال کیے ہوئے شخص کی طرف سے روزہ رکھنا اور حج، کیونکہ مقصود عبادت کے سر اور راز کا جانچنا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ مکلّف شخص اس کی نیت عبادت سے کرے اور بذات خود کرے۔ اور نیت میں دو چیزوں کو شریک کرنے کا ضابطہ ان مندرجہ ذیل اقسام سے واضح ہوتا ہے جنہیں ہم نے جمع بین العبادتین بہ نیت واحدہ کی بحث میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

ا۔ عبادت کے ساتھ ایسی چیز کی نیت کرے جو عبادت نہ ہو تو یہ عمل عبادت کو باطل کر دیتا ہے جیسے کوئی قربانی اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے کرے۔ تو غیر اللہ کا ملا دینا ذبیحہ کی حرمت کا موجب بن جاتا ہے، اور اسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص نماز کے لئے کئی مرتبہ تکبیر تحریمہ کہے اور ہر تکبیر سے مقصود نماز کا الگ شروع کرنا ہو تو ہر طاق عدد میں کہی ہوئی تکبیر سے وہ نماز میں داخل شمار ہوگا اور ہر جفت عدد میں کہی ہوئی تکبیر سے وہ خارج نماز شمار ہوگا، کیونکہ جو نماز شروع کرے پھر دوسری نماز کی نیت اس دوران کر لے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے (لہٰذا جب دوسری بار اللہ اکبر کہنے سے الگ نماز کی نیت کی تو پہلی نیت باطل ہو گئی پھر تیسری مرتبہ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع ہوئی اور چوتھی سے باطل ہو گئی وعلی ھذا القیاس) وجہ اس کی یہ ہے کہ دوسری تکبیر بہ نیت علیحدہ نماز پہلی کے قطع کرنے کی متضمن ہوتی ہے۔ اور اگر دو تکبیریں کہیں اور دونوں کے درمیان نماز سے نکلنے کی نیت کی تو نیت کر لینے سے وہ خارج ہو جائے گا۔ اور دوسری تکبیر سے وہ دوسری نماز میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر متعدد تکبیرات بلا نیت خروج و دخول کہیں تو نماز میں دخول پہلی تکبیر سے حاصل سمجھا جائے گا اور باقی تکبیرات محض تکرار اور یاددہانی شمار ہوں گی۔ اور کبھی کبھی عبادت کے ساتھ غیر عبادت کی نیت کر لینے سے عبادت کالعدم نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص وضو یا غسل سے ٹھنڈک کے حصول کا ارادہ کرے تو صحیح تر بات یہ ہے کہ وضو درست ہو جائے گا کیونکہ ٹھنڈک کا حصول تو ہوتا ہی ہے خواہ ارادہ ہو یا نہ ہو۔ تو اس کا ارادہ حصول ٹھنڈک عبادت کو غیر عبادت کے ساتھ شریک کرنے کا باعث نہیں بنے گا اور نہ ہی اخلاص کو ترک کرنے کا سبب بنے گا۔ یہ تو عبادت ہی کا ارادہ سمجھا جائے گا اس کیفیت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ عبادت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وضو کے ساتھ ٹھنڈک کا از خود حصول لازم ہے۔

۲۔ دوسری شکل عبادت کے ساتھ دوسری چیز کو شریک کرنے کی یہ ہے کہ فرض عبادت کے ساتھ کوئی مستحب یا مندوب عبادت کو شامل کر لے، اور اس کی کئی صورتیں ہیں:

الف...... یہ کہ وہ شامل شدہ عبادت بطلان کی متقاضی نہیں اور دونوں ایک ساتھ حاصل ہو سکتی ہوں۔ جیسے کوئی نماز کی تکبیر تحریمہ کہے اور اس سے فرض اور تحیۃ المسجد دونوں کا ارادہ کر لے تو یہ نیت درست ہے اور دونوں کا حصول ایک ساتھ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غسل کرنے میں غسل جنابت اور غسل جمعہ دونوں کی نیت کرے تو صحیح قول کے مطابق دونوں حاصل ہو جائیں گے۔

اور اگر نماز سلام پھیرتے وقت نماز کا سلام اور حاضرین پر سلام دونوں کی نیت کی تو دونوں حاصل ہو جائیں گے۔ اور اگر فرض حج کرے اور نفلی عمرے کو اس کے ساتھ متصل کر دے یا برعکس کام کرے تو دونوں حاصل ہو جائیں گے اور اگر یوم عرفہ کے روزے میں قضاء، نذر یا کفارے کی نیت کی تو دونوں کا حصول ایک ساتھ ہو جائے گا۔

ب...... یہ کہ دو عبادتوں میں سے فقط فرض عبادت کا حصول ہو اور دوسری نفل عبادت کی نیت کالعدم ہو جائے۔ جیسے کوئی حج سے حج فرض اور حج نفل کا ایک ساتھ ارادہ کرے تو صرف حج فرض ادا ہوگا، کیونکہ اگر وہ صرف ایک نیت نفل سے بھی کرتا تو بھی فرض ہی ادا ہوتا اور اگر کوئی شخص رمضان کی راتوں میں قضا نماز پڑھے اور تراویح کی نیت اس کے ساتھ کر لے تو صرف قضا نماز ادا ہوگی تراویح نہیں۔

ج...... یہ دو عبادتوں میں سے فقط نفل عبادت ہی ادا ہو جیسے کوئی پانچ درہم کسی کو دے اور زکوۃ اور نفلی صدقے دونوں کی نیت کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی صرف نفلی صدقہ ہوگا۔ اور اگر کوئی امام خطبہ دے اور نیت خطبہ جمعہ اور خطبہ کسوف ہو تو خطبہ جمعہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ یہ فرض اور نفل

میں باہم شرکت پیدا کرنا ہے۔

د...... یہ ہے کہ دو عبادتوں میں دونوں باطل ہوں ایک بھی درست نہ ہو، جیسے مسبوق (نماز میں بعد میں شریک ہونے والا) امام کے حالت رکوع میں ہونے کے دوران تکبیر کہے اور نیت کرے تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال (ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت کہی جانے والی) دونوں کی کہ رکوع میں جھکنے کی بھی نیت ہو تو نماز اصلا درست نہیں ہوگی کیونکہ دو چیزوں میں شرکت پائی گئی۔ اور اگر اپنی نماز سے فرض اور سنت دونوں کی نیت کر لی تو نماز بالاصل درست نہیں ہوگی۔

۳...... تیسری شکل عبادت کے ساتھ دوسری عبادت کو شریک کرنے کی یہ ہے کہ انسان ایک فرض کے ساتھ دوسرے فرض کی نیت کرے۔ یہ صورتحال حج اور عمرے اور وضو اور غسل میں درپیش ہوتی ہے، اور صحیح تر قول کے مطابق ایک عمل سے دونوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

۴...... چوتھی شکل ہے ایک نفل کے ساتھ دوسری نفل کی نیت کر لینا۔ تو اس صورت میں دونوں کا حصول نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ دو سنتیں جب ایک دوسرے میں داخل نہ ہو سکیں تو دونوں کو ایک ساتھ انجام دینے کی صورت میں وہ درست نہیں ہوتیں۔ جیسے چاشت کی سنت اور فجر کی سنتوں کی قضاء۔

اور اگر ایک نفل دوسری میں داخل ہو سکتی ہو جیسے تحیۃ المسجد اور سنت ظہر مثلاً تو دونوں درست ہو جائیں گی۔ اس قاعدے اور ضابطے سے یہ امور مستثنیٰ ہیں کہ جیسے کوئی جمعہ اور عید کے لئے غسل کرے تو دونوں حاصل ہو جائیں گے۔ اور اس طرح دو خطبے عید اور کسوف دونوں کے لئے کہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اسی طرح اگر یوم عرفہ اور پیر کے دن روزہ رکھنے نیت ایک ساتھ کی تو روزہ درست ہوگا۔

۵...... پانچویں شکل یہ ہے کہ غیر عبادت کے ساتھ کوئی دوسری چیز جمع کر دے جو حکم میں مختلف ہوں، جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کرے تو صحیح بات یہ ہے کہ اسے دونوں میں اختیار دیا جائے گا، جس کو وہ اختیار کر لے وہ لاگو ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیت کے اجزاء یہ ہیں۔ (۱) ارادہ (۲) پانچوں فرائض غسل، زکوۃ بلفظ صدقہ وغیرہ میں فرضیت کا ذکر (۳) اور دوسرے سے مل جانے اور ملتبس ہو جانے کی صورت میں تعیین اور (۴) اخلاص۔ لہٰذا نیت میں وکیل بنا دینا درست نہیں ماسوا اس چیز کے جو نیابت قبول کر لے یعنی وہ چیز جو فعل سے مقارن (متصل) ہو۔ اور اصول یہ ہے کہ عبادت میں نیت میں شراکت درست نہیں ماسوا چند مستثنیٰ امور کے۔

۸۔ نیت سے متعلق آٹھویں بحث: نیت کی شرائط...... عبادات میں نیت کی کچھ عام شرائط ہیں اور ہر عبادت کے متعلق کچھ خاص شرائط ہیں عام شرائط نیت تو یہ ہیں۔ [1]

۱۔ اسلام...... وہ نیت جو باعث ثواب اور باعث صحت فعل ہوتی ہے وہ صرف مسلمان کی ہی درست ہے چنانچہ کافر کی عبادت درست نہیں، لہٰذا کافر کا تیمم اور وضو دونوں لغو ہوتے ہیں جمہور علماء کے ہاں، اور احناف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا وضو اور غسل صحیح ہو جاتے ہیں کیونکہ نیت ان کے ہاں تیمم کی شرائط میں سے ہے وضو کی شرائط میں سے نہیں چنانچہ وہ اگر غسل اور وضو کے بعد اسلام لے آئے تو وہ اس وضو وغسل سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور احناف کے ہاں کافر کا کفارہ صحیح نہیں۔ لہٰذا اس کی قسم منعقد نہیں ہوتی کیونکہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ (بے شک ان کی قسمیں نہیں ہیں سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲) اور یہ آیت وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ (اور اگر وہ اپنی قسمیں توڑیں سورۃ توبہ آیت ۱۲)

---

[1]...... الاشباه والنظائر للسيوطي ص ۳۱-۲۸ الاشباه والنظائر ابن نجيم ص ۵۲۔ غاية المنتهى ج ۱ ص ۱۱۵

یعنی اپنے ظاہری عہد و پیمان، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کافر کا وہ کفارہ جو عبادت کی قبیل سے نہ ہو جیسے روزہ، وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے جیسے غلام کا آزاد کرنا اور مساکین کو کھانا کھلانا۔ اور اس کی طرف سے ان چیزوں کی نیت ضروری ہے، کیونکہ ان امور میں غالب پہلو تاوان ہونے کا ہے، نیت کا مقصد اس کو دوسرے امور سے امتیاز دینا ہے نہ کہ حصول قربت۔ اور یہ دونوں (قرضوں) سے زیادہ مشابہ ہے۔ اور مسلمان شخص کی اہل کتاب بیوی کا غسل حیض درست ہے تاکہ اس سے ہم بستری بلا خلاف علماء درست ہو سکے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کی طرف سے اس امر کی نیت شرط ہے۔ تاہم مرتد کا نہ تو غسل درست ہے اور نہ ہی کچھ اور، ہاں اگر مرتد حالت ارتداد میں زکوٰۃ نکالے تو وہ درست ہو جائے گی اور اس کی طرف سے شمار ہوگی۔

۲۔ **تمیز** ......نیت کی دوسری شرط ہے تمیز (امتیاز) کا پایا جانا، چنانچہ بالاتفاق تمیز نہ کر سکنے والے بچے کی عبادت درست نہیں اور نہ ہی پاگل کی عبادت درست ہے۔ تاہم شوافع رحمہ اللہ کے ہاں ولی کے لئے بچے کو طواف کے لئے وضو کرانا جب کہ وہ اس کی طرف سے احرام باندھے، درست ہے۔ اور پاگل عورت کے شوہر کے لئے اسے غسل حیض دینا درست ہے اور صحیح قول کے مطابق وہ خود نیت بھی کرے۔ اور اس شرط سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بچے یا پاگل کا عمد (جان بوجھ کر انجام دینا) خطا (بھول وچوک) شمار ہوگا خواہ بچہ تمیز کر سکتا ہو یا نہیں یہ، احناف کے ہاں ہے، کہ مجنون اور تمیز نہ کر سکنے والے بچے کا عمد خطا ہی شمار ہوگا تاہم تمیز کر سکنے والے بچے کا عمد عمد ہی شمار ہوگا صحیح تر قول کے مطابق۔ اور نشے میں گرفتار شخص کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نشہ آ جانے کے سبب اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تمیز نہیں کر سکتا ہے، لیکن شوافع فرماتے ہیں کہ اس کے حدث کا فیصلہ اس وقت تک نہیں دیا جائے گا اور اس کی نماز اس وقت تک باطل نہیں ہوگی اور اس کے افعال بھی اس وقت تک باطل و کالعدم شمار نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ نشے میں بالکل ڈوبا ہوا نہ ہو مدہوشی کی کیفیت کے بعد۔

۳۔ **نیت کی جانے والی چیز کا علم** ......چنانچہ جو شخص نماز کی فرضیت کا علم نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، اس طرح اگر کوئی جانتا ہو کہ بعض نمازیں فرض ہیں مگر جس کو وہ ادا کر رہا ہے اس کی فرضیت کا اسے علم نہ ہو تو بھی یہی حکم ہوگا، ہاں حج میں یہ شرط نہیں، وہ نماز سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں منوی (نیت شدہ چیز) کی تعیین شرط نہیں بلکہ احرام مطلق نیت سے ہو جاتا ہے پھر اس کی تعیین کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چیز کا احرام باندھا تھا جس کا احرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا اور اسے درست سمجھا تھا۔ پھر بعد از احرام اگر کوئی فعل شروع کرنے سے قبل حج یا عمرے کا تعین کر دیا تو ویسا ہی ہوگا جیسے اس نے تعیین کی ورنہ شروع کر دینے کی صورت میں عمرہ ہی متعین ہوگا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس شرط پر تفریع کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے لفظ طلاق ایسی زبان کا استعمال کیا جس کے معنی سے وہ واقف نہیں اور یوں کہے کہ اس کے عربی معنی مراد لے رہا ہوں تو صحیح تر قول کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴۔ **نیت اور نیت کردہ چیز کے درمیان کوئی منافی نیت کام انجام نہ دے** ......اور وہ اس طرح کہ وہ نیت کو حکما برقرار رکھے۔ چنانچہ اس اصول کے پیش نظر عبادات جیسے روزہ، نماز، حج، اور تیمم وغیرہ، معاذ اللہ مرتد ہو جانے کی صورت میں دوران انجام دہی کالعدم ہو جائیں گی۔ اس طرح صحبت نبوی مرتد ہو جانے سے باطل ہو جائے گی اگر اسی کیفیت پر مر جائے، اور اگر مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تو حیات نبوی میں مسلمان ہونے کی صورت میں شرف صحابیت ملے گا بصورت دیگر اس شرف کے لوٹ آنے میں اعتراض واشکال ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ وضو اور غسل ارتداد سے باطل نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے افعال ایک دوسرے سے جڑے ہوئے (یعنی مرتبط) نہیں ہوتے ہاں ارتداد کے دوران انجام دیئے ہوئے افعال وضو شمار نہیں ہو کیے جائیں گے۔ اور ارتداد عمل ثواب اور ایمان سابق سب کو ضائع اور سوخت کر دیتا ہے، خواہ وہ دوبارہ اسلام کی طرف لوٹے یا نہیں۔

منافی نیت یہ امر بھی ہے کہ انسان اپنے عمل کو قطع کرنے کی نیت کر لے، چنانچہ اگر کوئی ایمان کے قطع کرنے کی نیت کر لے تو وہ فی الفور

مرتد بن جائے گا۔اور اگر نماز سے فراغت کے بعد قطع نماز کی نیت کرے تو بالاتفاق یہ نماز باطل نہیں ہوگی اور یہی حکم ہے تمام عبادات کا ہاں اگر ادائیگی نماز کے دوران اسے قطع کرنے کی نیت کرے تو نماز بلا اختلاف باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ ایمان کے مشابہ ہے تاہم علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز باطل نہیں ہوگی جب تک کہ وہ تکبیر کہہ کر دوسری نماز شروع کرنے کا ارادہ نہ کر لے، تو تکبیر پہلی نماز کی قاطع بنے گی نیت محض قاطع نہیں بنے گی۔اور طہارت کو اثناء طہارت قطع کرنے کی نیت کرے تو جو افعال وہ کر چکا ہے وہ باطل نہیں ہوں گے صحیح قول کے مطابق لیکن باقی افعال کی صحت کے لئے از سر نو نیت کرنا ضروری ہے، اور اگر روزہ یا اعتکاف توڑنے کی نیت کر لے تو وہ باطل نہیں ہوں گے صحیح قول کے مطابق۔ کیونکہ نماز تمام عبادات میں تعلق و مناجات ربی کے لئے ممتاز و منفرد ہے لہٰذا اس میں قطع نیت مؤثر ہوگا۔اور اگر کسی نے فجر کے بعد فرض روزہ شروع کر دیا پھر اسے قطع کر کے نفلی روزہ رکھنے کی نیت کی تو وہ روزہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ روزے اور زکوٰۃ میں فرض اور نفل ایک جنس کے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر نماز فرض کی نیت سے شروع کی پھر نماز میں نیت بدل دی اور نفل کی نیت کر لی تو اس کی نماز نفل بن جائے گی۔اور اگر نماز کے کسی منافی کام کی نیت کی تو نماز باطل نہیں ہوگی۔اور حالت روزے میں کھانے یا ہم بستری کی نیت کی تو یہ اس کے روزے پر اثر انداز نہیں ہوگی اور اگر روزے کی رات کو نیت کی پھر فجر سے قبل سے نیت قطع کر دی تو اس کا حکم ساقط ہو جائے گا کیونکہ نیت کا چھوڑ دینا ضد نیت ہے۔

اور اگر کہیں اقامت پذیر ہونے سے سفر قطع کرنے کی نیت کی تو وہ مقیم بن جائے گا۔اور مسافر کا سفر احناف کی رائے کے مطابق پانچ شرائط سے ختم ہوتا ہے۔

۱.....چلنے سے رک جانے پر۔ چنانچہ اگر وہ سواری پر چلتے ہوئی اقامت کی نیت کرے تو وہ معتبر نہیں ہوگی۔

۲.....جگہ کا اقامت کی صلاحیت والا ہونا۔ چنانچہ اگر سمندر یا جزیرے میں اقامت کی نیت کی تو وہ درست نہیں ہوگی۔

۳.....استقلال رائے چنانچہ تابع کی رائے کا اعتبار نہیں

۴.....مدت۔یعنی اگر وہ آدھے مہینے کے قیام کی نیت کرے چنانچہ آدھے مہینے سے کم مدت کی صورت میں وہ قصر کرے گا۔

۵۔جگہ کا ایک ہونا لہٰذا اگر دو جگہ آدھے مہینے ٹھہرنے کی نیت کی جیسے مکہ اور منی تو وہ مقیم نہیں کہلائے گا اور وہ ایسا شمار ہوگا کہ اس نے اقامت کی نیت ایسی جگہ کی ہے جو موضع اقامت نہیں۔ [1]

نیت قطع صلاۃ سے قریب مسئلہ ہے قلب (تحویل یعنی پھیر دینے بدل دینے) کا اور وہ ہے ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہونا اور یہ احناف کے ہاں محض نیت سے نہیں ہوتا بلکہ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری نماز پہلی سے متغائر ہو جیسے کوئی ظہر شروع کرنے کے بعد عصر شروع کر دے تو ظہر کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اور یہ قلب (تحویل) اس صورت میں صرف نیت سے نہیں ہوتی جب آدمی نیت کو زبان سے نہ کہے اگر زبان سے نیت کا تلفظ کر دیا تو پہلی والی نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ نماز باطل ہو جاتی ہے ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہونے سے یا ایک مسنون نفل سے دوسری مسنون نفل کی طرف منتقل ہونے سے جیسے وتر سے سنت فجر کی طرف منتقل ہونا یا نفل سے فرض کی طرف منتقل ہونے سے یا فرض سے نفل کی طرف منتقل ہونے سے ماسوا اس کے کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے کسی نے فرض کی نیت انفراداً باندھی پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو جماعت پالینے کے لئے وہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے تو وہ نماز صحیح قول کے مطابق نفل بن جائے گی۔

منافی نیت میں سے یہ بھی ہے نیت میں تردد ہو اور جزم و یقین نہ ہو چنانچہ اگر شعبان کی ۳۰ ویں رات کو، جو یوم شک کہلاتا ہے یہ نیت کی کہ اگر کل رمضان ہوا تو میرا روزہ ہوگا ورنہ نہیں تو اس کی یہ نیت صحیح نہیں اس کے برخلاف اگر رمضان کی ۳۰ ویں شب کو ایسا ہو تو درست ہوگا

[1].....الدر المختار مع الحاشية ج ۱ ص ۷۳۷

وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل حکم کا تسلسل ہوگا اور اسی طرح اگر وہ متردد ہو کہ نماز توڑوں یا نہیں یا نماز کے بطلان کو کسی چیز پر معلق کر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کسی کو تردد ہو کہ اس نے قصر کی نیت کی ہے یا نہیں یا یہ کہ وہ اتمام کرے یا نہیں تو وہ قصر نہیں کرے گا۔ اس شق کے دیگر مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ نیت کے بعد مشیت (انشاء اللہ وغیرہ) کہنا اگر مقصود تعلق ہے تو نیت باطل اور اگر مقصود حصول برکت ہو تو نیت درست ہو گی۔ اور بلا نیت تبرک یا تعلق ویسے ہی کہہ دیا تو بھی نیت باطل ہوگی، کیونکہ اصلاً وہ لفظ تعلیق (معلق کرنا ایک چیز کو دوسرے پر موقوف کرنا) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے کہا میں کل روزہ رکھوں گا ان شاء اللہ تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسی چیز کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے جو نیت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے روزہ اور نماز وغیرہ تو نیت باطل نہیں ہوگی اور اگر ایسے امور ہوں جن کا تعلق اقوال سے ہو جیسے طلاق اور عتاق تو باطل ہو جائے گا (یعنی وہ چیز جس کے ساتھ مشیت (لفظ انشاء اللہ) استعمال کیا ہے وہ باطل ہو جائے گی کا اس کا حکم لاگو نہیں ہوگا چند صورتیں ایسی جن میں تردد اور تعلیق کے باوجود نیت درست ہو جاتی ہے ان کو علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے تردد کی صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو سادہ پانی اور عرق گلاب میں اشتباہ ہو گیا معلوم نہیں ہو رہا کہ کون سا ان میں سے پانی ہے اور کون سا عرق تو وہ غور وفکر نہیں کرے گا بلکہ دونوں سے ایک ایک مرتبہ وضو کرے گا اور یہاں نیت میں تردد ضرورت کی وجہ سے قابل معافی ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ کسی پر کوئی واجب روزہ ذمے میں ہو لیکن اس کو یہ نہیں یاد کہ رمضان کا ہے یا نذر کا یا کفارے کا روزہ ہے اور وہ واجب روزے کی نیت کر لیتا ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اس طرح اگر کوئی شخص بھول گیا کہ اس کے ذمے کونسی ایک قضاء نماز ہے فجر کی یا ظہر کی یا کوئی اور اور اس نے پانچ کی پانچ دوہرالیں تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور نیت کے جزم اور یقین سے نہ ہونے پر وہ معذور شمار ہوگا ضرورت کی خاطر۔

تعلق (کسی کام کا دوسرے پر معلق کرنا) کی صورتوں میں سے جو باوجود تعلق کے درست ہوتی ہیں نماز سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے امام کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ مسافر ہے یا نہیں اور وہ یہ سوچ لیتا ہے کہ اگر اس نے قصر کی تو میں قصر کرونگا ورنہ میں بھی اس کی طرح اتمام کروں گا آخر میں ظاہر ہوا کہ وہ مسافر ہے اور قصر کر رہا ہے تو یہ شخص بھی قصر کرے گا اور حج سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھنے والا یہ کہے کہ ''اگر زید نے احرام باندھا تو میرا بھی احرام ہے ورنہ نہیں'' تو اگر زید نے احرام باندھا ہوا ہوگا تو اس کا احرام بھی ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا ہاں اگر مستقبل پر معلق کرتے ہوئے اس نے یہ کہا جب زید احرام باندھ لے یا یہ کہا جب مہینہ شروع ہوگا تو میں محرم ہوں گا تو یہ درست نہیں ہوگا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذمے ایک قضاء نماز ہے جس کی ادائیگی کے بارے میں اسے شک ہو گیا کہ ادا کی ہے یا نہیں تو اس نے کہا اگر وہ فوت شدہ ہو تو فرض ورنہ نفلی نماز ہوگی بعد میں ظاہر ہوا کہ اس کے ذمے وہ نماز واقعی تھی تو یہ اس کے لئے جائز ہو جائے گی۔ ایک مسئلہ روزے سے متعلق یہ ہے کہ شعبان کی ۳۰ ویں کو نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہوا تو فرض ورنہ نفل روزہ ہوگا تو یہ درست ہے اور روزہ ہو جائے گا۔ ایک مسئلہ زکوٰۃ سے متعلق یہ ہے کہ زکوٰۃ نکالتے وقت یہ نیت کی کہ اگر اس کا کچھ غائب مال اگر باقی ہے تو یہ اس کی طرف سے ہے ورنہ حاضر مال کی طرف سے ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غائب مال باقی بچ گیا ہے ضائع نہیں ہوا تو زکوٰۃ اس کی طرف سے ہو جائے گی یا اگر بعد میں معلوم ہوا کہ غائب باقی نہیں بچا ضائع ہو گیا ہے تو زکوٰۃ موجودہ مال کی طرف سے ہو جائے گی۔ ایک مسئلہ جمعے سے متعلق ہے کہ اگر نماز کے آخر وقت میں نیت باندھی کہ اگر وقت باقی ہو تو جمعہ ہو جائے ورنہ ظہر ہوگی، بعد میں وقت کا باقی رہنا معلوم ہوا تو ایک قول کے مطابق جمعہ درست ہو جائے گا اور ایک قول کے مطابق درست نہیں ہوگا۔ منافی نیت میں یہ بھی ہے کہ منوی (نیت شدہ چیز) پر قدرت نہ ہونا تو عقلاً یا شرعاً یا عادتاً پہلی کی مثال وضو کرتے وقت نیت کی کہ میں نماز پڑھوں گا اور نہیں پڑھوں گا تو یہ عقلاً ممکن نہیں۔ دوسری کی مثال وضو کرتے وقت ناپاک زمین نماز کے ادا کرنے کی نیت کی تو یہ نیت درست نہیں ہوگی تیسری کی مثال سال کے شروع میں وضو سے عید کی نماز کی نیت کرنا (یعنی عید کے زمانے سے بہت پہلے عید کی نیت کرنا) یا کسی دور دراز علاقے میں طواف کی نیت سے وضو کرنا کہ عادۃً ایسا ممکن نہیں کہ انسان اس وضو سے یہ امور انجام دے سکے تو اس بارے میں صحیح ترجیحات یہ ہے کہ وضو درست ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ درست نہیں ہوگا۔

یہ وہ شرائط ہیں جو عمومی ہیں اور عبادات سے تعلق رکھتی ہیں، ان شرائط کو فقہاء نے بیان طہارت میں بھی ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں نیت وضو کے لئے شرط ہے کہ نیت کرنے والا مسلمان ہو اس میں صفت تمیز پائی جائے منوی (نیت شدہ چیز) کا علم ہو اور نیت کی منافی کام کا ارتکاب نہ کرے اس طرح کہ نیت کے حکم کا تسلسل رہے، لہٰذا وہ مثلاً وضو سے غیر وضو کی طرف نہ لوٹے، اور یہ کہ نیت معلق نہ ہو چنانچہ اگر اس نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا اور تعلیق کا ارادہ کرلیا یا مطلقاً بلا ارادہ کہا تو نیت صحیح نہیں ہوگی اور اگر حصول برکت کی نیت سے کہا تو نیت صحیح ہوجائے گی۔ احناف رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے دائمی حدث کے مریضوں کے لئے وقت نماز کے داخل ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے جیسے سلسل البول (پیشاب کے قطرے کا مریض) اور مستحاضہ (مسلسل) خون آنے کے مرض کی شکار عورت) کیونکہ ان کی طہارت عذر اور ضرورت کی طہارت ہوتی ہے لہٰذا وہ وقت کے ساتھ مقید رہے گی جیسے تیمم ❶ اور ان شرائط کو فقہاء نے نماز کی نیت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور ایک اضافی چیز یہ ضروری قرار دی ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ سے متصل ہو۔ چنانچہ احناف رحمہ اللہ نے نیت کا تکبیر تحریمہ سے ایسا اتصال کہ ان دونوں کے مابین کسی اجنبی چیز سے فاصلہ نہ ہو ضروری قرار دیا ہے۔ اور شوافع نے نیت کا فعل نماز سے اتصال شرط قرار دیا ہے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ نے بھی یہ اتصال شرط قرار دیا ہے، تاہم ان حضرات نے نیت کا تکبیر تحریمہ پر ذرا سا مقدم ہونا جائز قرار دیا ہے اور فقہاء کا اس فرض کی نوعیت کی تعیین کو شرط قرار دینے پر اتفاق ہے جسے نمازی ادا کررہا ہو جیسے ظہر اور عصر، یہ تعیین اس لئے ضروری ہے کہ فرائض بہت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے فرض کی نیت سے ادا نہیں ہوسکتا اور سلام کے لئے نماز سے خارج ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں یہ صرف مستحب ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک۔

فقہاء نے یہ شرائط روزوں کے بارے میں بھی ذکر کی ہیں اور اضافی طور پر یہ بھی قرار دیا ہے کہ نیت رات ہی سے ہو یہ احناف کے علاوہ جمہور علماء کی رائے ہے احناف کے ہاں یہ صرف افضل ہے واجب نہیں جمہور کے قول کی دلیل یہ ہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو شخص فجر کے طلوع ہونے سے رات سے روزے کا ارادہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں ❷ جمہور فقہاء فرض روزوں میں تعیین نیت بھی لازمی قرار دی ہے البتہ احناف اسے شرط نہیں قرار دیتے ہیں، اور روزوں میں تعیین کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرلے کہ وہ کل رمضان کا یا قضاء رمضان کا یا کفارہ رمضان یا نذر کا روزہ ہے، اسی طرح جمہور نے نیت کا بالجزم ہونا بھی شرط قرار دیا ہے، لہٰذا اگر لیلۃ الشک ۳۰ ویں شب شعبان میں اس نے نیت کی کہ اگر کل رمضان ہو تو میرا فرض روزہ ہے ورنہ نفل روزہ ہوگا تو یہ کسی کی طرف سے ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس نے کسی ایک کی بالجزم نیت نہیں کی ہے وہ ایسے کہ اس نے رمضان کے روزے ہونے کو بالجزم بیان نہیں کیا ہے اور جو روزے کسی معین زمانے میں ہی ادا کئے جاتے ہوں ان کی نیت بالجزم احناف کے ہاں شرط نہیں، چنانچہ ان کے ہاں اس نیت سے روزہ درست ہوجائے گا۔ اور فرضیت صیام کی نیت بالاتفاق فقہاء شرط نہیں ہے۔ بخلاف نماز کے کیونکہ بالغ آدمی سے رمضان کے صرف فرض روزوں کی ادائیگی ہی وقوع پذیر ہوتی ہے بخلاف نماز کے، کیونکہ لوٹائی ہوئی نماز نفل ہوتی ہے اور اسی طرح بالاتفاق سنت کی تعیین بھی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ تعیین ضروری ہے کہ یہ روزہ اداء ہے (قضا نہیں یا بالعکس اور نہ ہی نسبت الی اللہ کہ روزے کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے) ضروری ہے، کیونکہ روزے کی نیت سے یہ امور متحقق ہوجاتے ہیں اور تعیین ان سب کی طرف سے ہوجاتی ہے اور جمہور علماء نے متعدد ایام ہونے کی صورت میں متعدد نیت ضروری قرار دی ہیں، چنانچہ رمضان کے ہر دن کے لئے علیحدہ نیت ضروری ہے، کیونکہ ایک دن کی عبادت کا دوسرے دن کی عبادت سے کوئی تعلق نہیں، مالکیہ فرماتے ہیں رمضان کی ابتداء میں ایک نیت کافی ہے، لہٰذا پورے مہینے کے روزے ایک نیت کے ساتھ درست ہیں۔

زکوٰۃ کے بارے نیت کی عام شرائط لاگو ہوتی ہیں، تاہم نیت کے فعل کے ساتھ اتصال کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے احناف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ایسی نیت کے ساتھ ضروری ہے جو فقیر کو زکوٰۃ ادا کئے جانے کے فعل سے متصل ہو خواہ حکماً یہ مقارنت ہو جیسے

❶ ... مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔ ❷ دار قطنی نے اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

بلانیت دے دی پھرنیت کر لی جب کہ وہ چیز اس شخص کے ہاتھ میں موجود ہو، یا وکیل کو مال دیتے وقت نیت کر لی اور وکیل نے بلانیت آگے دیدی یا واجب مقدار کو مال سے الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی (ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کے فعل کے ساتھ نیت کا اتصال ومقارنت پائی جارہی ہے) مالکیہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے دیتے وقت نیت شرط ہے، اور مقدار واجب کو کل مال سے علیحدہ کرتے وقت نیت کر لینا بھی کافی ہے اور اسی کی نیت بھی جائز ہو جاتی ہے جو بخوشی اسے نہ دے جیسے بچے اور پاگل۔ اور امام یا اس کے قائم مقام کی نیت زکوٰۃ نکالنے والے کی نیت کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ شوافع بھی احناف اور مالکیہ کی طرح فقیر کو دینے سے قبل نیت کے ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نیت زکوٰۃ کے مال کو علیحدہ کرتے وقت وکیل کو دینے سے پہلے یا بعد میں اور تقسیم سے قبل ہو۔ اس طرح مال زکوٰۃ کو الگ کرنے کے بعد تقسیم سے قبل بھی نیت درست ہے خواہ ان دونوں (مال الگ کرنے اور تقسیم) سے متصل نہ بھی اور نیت کا وکیل کو تفویض کر دینا بھی درست ہے اگر وہ اس کا اہل ہو یعنی مسلمان ہو اور مکلّف ہو۔ بچے اور کافر کو مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ لوگ متعین کر دیئے جائیں جن کو دی جائے گی۔ اور بچے، مجنون اور بے وقوف شخص کی طرف سے زکوٰۃ دیئے جانے کی صورت میں ان کے ولی پر نیت کرنا لازم ہے ورنہ وہ بلانیت زکوٰۃ دینے کی صورت میں کوتاہی کرنے کے سبب ضامن نقصان ہوگا اور اگر زکوٰۃ نکالنے والے نے یہ مال امام وقت کو بلانیت دیا تو امام نیت اس کے لئے کافی نہیں ہوگی جیسا کہ ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر زکوٰۃ نکالنے والے سے جبراً زکوٰۃ لی جائے تو جس وقت اس سے لیا جا رہا ہے وہ اس وقت نیت کر لے بصورت دیگر لینے والے پر نیت کرنا لازم ہوگا۔ اور حنابلہ نے بھی نیت کا اداء سے کچھ وقت پہلے نیت کے ہونے کو جائز قرار دیا ہے جیسے کہ دیگر عبادات میں ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے اپنے وکیل کو زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لئے دی اور خود اس نے نیت کر لی اور وکیل نے نہیں کی تو یہ جائز ہے اگر اس کی نیت ادائیگی سے بہت زیادہ پہلے نہ ہو۔ (یعنی نیت اور فقیروں کو ادا کرنے میں بہت وقت نہ فاصل ہو جائے) اور اگر نیت بہت وقت پہلے ہو جائے تو اس صورت میں جائز ہے کہ زکوٰۃ دینے والا خود وکیل کو دیتے وقت نیت کرے اور وکیل آگے مستحقین کو دیتے وقت نیت کرے ہاں اگر امام وقت جبراً لے لے تو بلانیت بھی درست ہو جائے گی کیونکہ نیت کے اس کے حق میں متعذر ہونے اس کے ذمے سے نیت کا وجوب ایسے ہی ساقط کر دیا جیسے بچے اور پاگل کے ذمے سے نیت ساقط ہے۔

اور انسان اگر اپنا سارا مال بطور صدقہ دیدے تو ماسوا احناف جمہور کے ہاں یہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہوگا کیونکہ اس شخص نے اس ادائیگی کے ذریعے فرض کی ادائیگی کی نیت نہیں کی تھی اور یہ ایسا ہی جیسے کہ وہ اگر اپنا کچھ مال صدقہ کرتا تو وہ زکوٰۃ کی طرف سے شمار نہیں ہوتا۔ اور دوسری مثال کے مطابق یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے انسان سو رکعت نفل پڑھے اور فرض کی نیت نہ کرے تو فرض ادا نہیں ہوتا۔ احناف کی رائے کے مطابق فریضہ زکوٰۃ استحساناً اس سے ساقط ہوگا اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی اور واجب کی ادائیگی کی نیت نہ کرے جیسے نذر وغیرہ۔ اور وجہ اس استحساناً ادا ہو جانے کی یہ ہے کہ واجب تو اس مال کا کچھ حصہ دینا ہے اور وہ تو متعین ہے لہٰذا تعیین کی مزید کوئی حاجت نہیں اور اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کا قرض کسی فقیر کے پاس ہو اور وہ اسے اس قرض سے آزاد کر دے (قرض معاف کر دے) تو جتنی رقم معاف کی ہے اس کی زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی خواہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ یہ بھی ضائع ہو جانے کے مترادف ہے۔

اور حج وعمرے میں یہ عمومی شرائط لاگو ہیں تاہم حج میں شرط ہے کہ احرام ایک معین وقت میں ہو اور وہ وقت حج کے تین مہینے (دو مہینے دس دن) شوال، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ ہیں اور عمرہ کے لئے پورے سال میں احرام ہو سکتا ہے اور احناف کی رائے کے مطابق احرام کی خصوصیات میں سے کوئی فعل یا قول نیت احرام سے متصل ہو جیسے تلبیہ یا سلے ہوئے کپڑے اتار دینا جمہور نے یہ شرط نہیں رکھی ہے، ان کے ہاں احرام محض نیت سے ہو جاتا ہے لیکن نیت کے وقت تلبیہ نہ کہنے اور سلے ہوئے کپڑے نہ اتارنے وغیرہ کی صورت میں مالکیہ کے ہاں دم واجب ہوتا ہے، اور احرام کے لئے مردوں پر سلے ہوئے کپڑے اتار دینا، خوشبو سے بچنا اور دیگر ممنوعات احرام کا ترک لازم ہوتا ہے اور عورت کا احرام یہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھول لے اور احرام کے لئے میقات سے ہونا بھی شرط ہے اور ہر جہت کی ایک معین اور معروف میقات ہے جو علماء اور عوام میں مشہور

ومعروف ہے، جمہور فقہاء نے حج کو عمرے میں داخل کرنا یا بالعکس کرنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ یہ داخل کرنا طواف عمرہ شروع کرنے سے قبل ہو اور احناف کے طواف عمرہ کے چار شوط پورا ہونے سے قبل یہ ہو۔

اور عمرے کا حج پر داخل کرنا احناف کے ہاں درست نہیں۔ اور جمہور کے برخلاف حنابلہ نے حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کر لینے کی اجازت دی ہے یعنی حج کے احرم کی نیت کو عمرے کے احرام میں بدل دینے کی نیت کو انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔

اور قربانی کے بارے میں شوافع اور حنابلہ نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ قربانی ذبح کرنے کی نیت ہونی چاہئے کیونکہ قربانی بذات خود ایک عبادت ہے اور دل سے نیت کر لینا کافی ہے زبان سے نیت کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ نیت دل کا عمل ہے اور زبان سے اس کا کہنا اس کی دلیل ہے، علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں کہ اضحیہ نیت سے ہی متعین ہوتا ہے، اور مذہب حنفی میں جانور خریدتے وقت نیت کافی ہے جیسا کہ میں اس بات کو آگے بالتفصیل بیان کروں گا۔

۹۔نیت سے متعلق نویں بحث...... کیا نیت عبادات میں رکن ہے یا شرط ہے نیت پر بحث کرتے ہوئے ہم پہلے نیت کی شرائط محل نیت، کیفیت نیت اور وقت نیت وغیرہ پر گفتگو کر چکے ہیں اور نیت فی العبادت کے بارے میں صرف اس کی رکنیت یا شرطیت کی حیثیت پر گفتگو باقی ہے کہ عبادات میں نیت رکن ہے یا شرط ہے یہ بات بھی مدنظر رہے کہ رکن اور شرط دونوں فرض ہوتے ہیں لیکن شرط مشروط کی ذات سے خارج ہوتی ہے جیسے طہارت نماز کی شرط ہے اور نماز سے خارج الگ چیز ہے اور رکن احناف کی اصطلاح میں وہ چیز ہے جس پر کسی چیز کا وجود وما ھیت موقوف ہوتی ہے اور وہ اس چیز میں داخل ہوتی ہے اس کا جزء ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو خواہ وہ اس کا جز ہو جو اس میں داخل ہو یا وہ اس کا امر اساسی ہو چنانچہ رکوع اور سجود رکن ہیں جو نماز کی ماہیت میں داخل ہیں کیونکہ یہ نماز کے اجزاء میں سے دو جز ہیں اور عقد (دو افراد کے مابین ہونے والے معاملے) میں ایجاب وقبول احناف کی اصطلاح کے مطابق رکن ہیں اور ایجاب وقبول کے ساتھ دونوں عقد کرنے والے جس چیز پر عقد کیا جا رہا ہے وہ شامل ہوں گے اسی قیمت یا معاوضہ معاوضے والے معاملات میں ایجاب وقبول دونوں عقد کرنے والے معقود علیہ کے ساتھ شامل ہوں گے اور یہ عقد کے ارکان شمار ہوں گے جمہور کی اصطلاح کے مطابق۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی عبارتیں عبادات کے اندر نیت کے حکم کو بیان کرنے سے قبل ذکر کر دی جائیں، کیونکہ ان دونوں حضرات کی ذکر کردہ عبارتیں شرطیت اور رکنیت کے بارے میں دو متضاد جہتوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں❶ کہ نیت ہمارے ہاں تمام عبادات میں شرط ہے باتفاق تمام اصحاب (حنفیہ) کے رکن نہیں، ان حضرات کے ہاں اختلاف تکبیر تحریمہ کے بارے میں واقع ہوا ہے، اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ یہ نیت کی طرح شرط ہے اور ایک اس کے رکن ہونے کا قول بھی موجود ہے، اور اسی طرح حنابلہ اور مالکیہ کی رائے بھی یہ ہے کہ نیت عبادت میں شرط ہے رکن نہیں اگرچہ وہ داخل بھی ہے۔❷

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں❸ کہ اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نیت عبادات میں رکن ہے یا شرط اکثر نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ وہ رکن ہے کیونکہ وہ داخل عبادت ہے اور یہ رکن کی حیثیت پر دلالت ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور اس شرط کا اس فعل میں تسلسل سے پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

میں ہر عبادت کے بارے میں علیحدہ علیحدہ طور پر نیت کا حکم بیان کرتا ہوں۔❹

ا...... نیت کے وضو کے لئے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔❺

---

❶..... الاشباہ والنظائر ص ۵۵۔❷ القوانین الفقہیة ص ۵۷، غایة المنتھی ج ۱ ص ۱۱۵۔❸الاشباہ والنظائر ص ۳۸۔❹ نیت کی تفصیل بنیادی طور پر مطلوبہ مقامات پر ہی آئے گی۔❺ البدائع ج ۱ ص ۱۷ الدر المختار ج ۱ ص ۹۸ اور بعد کے صفحات بھی ملاحظہ کریں۔

احناف فرماتے ہیں وضو کرنے والے کے لیے نیت کے ساتھ ابتداء کرنا مسنون ہے تاکہ وہ ثواب حاصل کر سکے اور اس کا وقت استنجاء سے پہلے ہے تاکہ اس کا پورا فعل طہارت نیکی بن جائے۔ اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ حدث دور کرنے کی یا نماز قائم کرنے کی یا صرف وضو کی نیت کرے یا تعمیل حکم کی نیت کرے اور اس کا محل قلب (دل ہے) اور اگر اس کا زبان سے تلفظ کرے تاکہ دل وزبان کے فعل کو جمع کر سکے تو یہ مشائخ کے ہاں مستحب ہے۔

احناف کے اس نیت کے فرض نہ ہونے کے قول کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کرنے والے کا اور پانی میں تیراکی کرنے یا صفائی کی یا کسی ڈوبتے ہوئے کو بچانے کی غرض سے گھسنے والے کا وضو درست ہو اور اس سے ملتی جلتی شکلوں میں بھی یہی بات ہو۔ اپنی اس رائے کی دلیل میں یہ حضرات یہ امور پیش کرتے ہیں۔

۱.....قرآن کریم میں اس پر نص نہیں ہے آیت وضو صرف تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کے بارے میں بتاتی ہے، اور نیت کو خبر آحاد کی بنیاد پر شرط قرار دینے کا قول نص قرآن پر زیادت (اضافہ) ہے اور زیادت علی الکتاب احناف کے ہاں نسخ ہوتا ہے جو کہ خبر آحاد کی بنیاد پر درست نہیں ہوتا۔

۲.....سنت میں اس پر نص نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو یہ چیز نہیں سکھائی باوجود اس کے کہ وہ اس سے ناواقف تھا، اور تیمم میں نیت اس لیے فرض ہے کہ وہ مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی اصالتاً حدث دور کرنے والی چیز نہیں وہ تو پانی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

۳.....طہارت کی تمام انواع وغیرہ پر قیاس: وضو طہارت ہے جو پانی سے کیا جاتا ہے تو اس کے لئے نیت شرط نہیں جیسے نجاست کو زائل کرنے کے لئے نیت شرط نہیں، اور جیسے نماز کی دیگر شرائط میں نیت واجب نہیں جیسے ستر کا ڈھانپنا، اور اسی طرح جیسے ایک ذمی اہل کتاب عورت کے لئے غسل حیض کے لئے نیت ضروری نہیں تاکہ وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہو جائے اسی طرح یہاں بھی نیت شرط نہیں ہونی چاہئے۔

۴۔وضو نماز کا وسیلہ ہے، بالذات مقصود نہیں اور نیت ایسی چیز ہے جو صرف مقاصد میں بطور شرط مطلوب ہوتی ہے وسائل میں نہیں۔

احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں❶ کہ نیت وضو میں فرض ہے عبادت انجام دینے کے لئے یا قربت خداوندی کے ارادے سے چنانچہ وضو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے درست نہیں جیسے کھانا، پینا اور سونا وغیرہ، انہوں نے دلائل میں یہ باتیں ذکر کی ہیں:

۱.....حدیث نبوی جیسے محدثین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو اس کا مفہوم یہ ہے اعمال جو شرعاً معتبر ہوتے ہیں وہ نیت سے ہوتے ہیں اور وضو عمل ہے چنانچہ یہ شرعاً بلا نیت نہیں ہوسکتا۔

۲.....اخلاص کا عبادت میں متحقق ہونا، کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ حُنَفَآءَ .....سورۃ البینۃ، آیت ۵

اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اور وضو ایسی عبادت ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتا جب تک اس میں نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کر لی جائے، کیونکہ اخلاص تو دل کا عمل ہے جو کہ نیت ہے۔

۳.....قیاس: جیسے نماز میں نیت شرط ہے ایسے ہی وضو میں بھی شرط ہے اور جیسے تیمم میں نماز کو جائز کرنے کے لئے نیت شرط ہے اسی

---

❶.....المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۹۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۱۱۰، کشاف القناع ج ۱ ص ۹۴۔۱۰۱

طرح وضو میں بھی ہے۔

۴.....وضو مقصود کا وسیلہ ہے تو اس کے لئے بھی وہی حکم ہونا چاہئے جو مقصود کا ہوتا ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ......سورۃ المائدۃ آیت ۶

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو دھولو اپنے چہرے.....الخ

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں وضو مامور بہ ہے اور اس عبادت کی غرض سے تو مطلوب ہے اعضاء کا دھونا نماز کے لئے اور یہ معنی ہیں نیت کے۔

فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے سے میرے سامنے یہ بات آتی ہے کہ نیت کو فرض قرار دیا جائے، کیونکہ احادیث آحاد نے بہت سے وہ احکام بتائے ہیں جو قرآن میں نہیں تھے، اور حدیث عمر جو نیت کے بارے میں ہے وہ ابتداء اگرچہ غریب (غیر معروف، ایک آدمی کی روایت کردہ) ہے لیکن بعد میں

یہ حدیث مشہور بن گئی تھی، چنانچہ وہ اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اسے حضرت عمر سے دو سو سے زیادہ افراد نے روایت کیا جن میں اکثر ائمہ تھے جن میں سے بڑے امام مالک، ثوری، اوزاعی ابن مبارک، لیث بن سعد، حماد بن زید، شعبہ اور ابن عیینہ رحمہم اللہ علیہم وغیرہ جیسے جلیل القدر ائمہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ پانی کا اعضاء پر بلاقصد لگ جانا یا بغرض حصول ٹھنڈک پانی کا اعضاء کو گیلا کر دینا وضو کے لئے دھونا نہیں کہلا سکتا کہ وہ اپنا مقصود شرعی (طہارت) ادا کر دے اور مامور بہ چیز کو ایسے وقوع پذیر کر دے جیسے اس کا حکم دیا گیا ہے، اور اس اصول پر الامور بمقاصدھا ائمہ کا اتفاق ہے کہ (امور مقاصد کے تحت ہوتے ہیں)۔

۲.....تیمم کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں نیت واجب ہے، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تو یہ فرض ہے، اور احناف اور حنابلہ کے ہاں زیادہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نیت تیمم کے لئے شرط ہے ❶ ان حضرات کی دلیل ایک تو پچھلی حدیث ہے انما الاعمال بالنیات اور احناف کا استدلال یہ ہے کہ مٹی درحقیقت تلویث (گندگی) کرتی ہے، تو یہ پاکی کا سبب جب ہی بنے گی جب نیت کرلی جائے۔ ان کی بات کا مقصد یہ ہے کہ مٹی حقیقت میں طہارت کا ذریعہ نہیں ہے، اسے بوقت ضرورت طہارت قرار دیا گیا ہے اور حاجت کا علم نیت کے ذریعے ہی ہوگا بخلاف وضو کے کہ وہ حقیقتاً ذریعہ پاکی وصفائی ہے تو اس کے طہارت کا ذریعہ بننے کے لئے حاجت کا تحقق ضروری نہیں ہے لہٰذا نیت بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہوگی۔

۳.....غسل کے بارے میں بھی وضو کی طرح دو اقوال ہیں، احناف کے علاوہ جمہور علماء نے نیت کو غسل کے لئے لازم قرار دیا ہے جیسے وضو کے لئے لازم قرار دیا تھا، اور دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو گزر چکی ہے یعنی حدیث انما الاعمال بالنیات احناف فرماتے ہیں کہ نیت کر کے شروع کرنا سنت ہے اس کے ذریعے اس شخص کا یہ فعل قربت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس پر ثواب بھی ملتا ہے جیسے وضو❷ اور میت کے غسل میں۔

حنابلہ نے یہ شرط قرار دی ہے کہ نہلانے والا نیت کرے، اور دلیل اسی حدیث انما الاعمال بالنیات سے لیتے ہیں۔

۴.....نماز کے بارے میں فقہاء بالاتفاق نیت واجب قرار دیتے ہیں تاکہ عبادت اور عادت میں امتیاز ہو سکے اور نماز میں اللہ کے لئے

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۴۵، ۵۲ فتح القدیر ج ۱ ص ۸۶، ۸۹ الشرح الکبیر للدردیر ج ۱ ص ۱۵۴ القوانین الفقہیۃ ص ۳۷ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۷ المہذب ج ۱ ص ۳۲ المغنی ج ۱ ص ۲۵۱ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۹ وما بعد۔ ❷ الدرالمختار ج ۱ ص ۱۴۰، الشرح الصغیر للدردیر ج ۱ ص ۱۶۶، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۰۳ المجموع ج ۱ ص ۳۰۰۔

اخلاص بھی متحقق ہو سکے کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہے عمل کا بالکلیہ خالصتاً اللہ کے لئے انجام دینے کا فرمان خداوندی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ ......سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵

اوران کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کریں اللہ کی دین کو خالص اس کے لئے کرتے ہوئے۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات (محدثین وفقہاء متقدمین) کے کلام میں اخلاص سے مراد نیت ہوتی ہے، اور پہلے گذری ہوئی حدیث انما الاعمال بالنیات نیت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے لہٰذا بلانیت نماز کسی حال میں درست نہیں ہوگی۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں نیت نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور مالکیہ کے ہاں بھی راجح قول کے مطابق شرط ہے شوافع اور بعض مالکیہ حضرات کے ہاں یہ نماز کے ارکان میں سے ہے، کیونکہ یہ نماز کے کچھ حصے میں واجب ہے جو کہ نماز کی ابتداء ہے (یعنی ابتداء نماز، تکبیر تحریمہ، میں یہ واجب ہے) پوری نماز میں واجب نہیں لہٰذا رکوع اور سجدے کی طرح یہ بھی رکن ہوگی❶ اور کیا امام پر لازم ہے کہ وہ امامت کی نیت کرے تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لازم نہیں دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ جس میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز شروع کرنے کے بعد کھڑے ہوئے تھے کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے لہٰذا نیت امامت ضروری ہے، کیونکہ امام مقتدیوں کے بعض افعال اپنے ذمے لے لیتا ہے (یعنی اس کی تبعیت میں ادا ہوتے ہیں مقتدیوں کو خود نہیں کرنے پڑتے)❷ جمہور علماء امام کے لئے نیت امامت کو شرط نہیں قرار دیتے ہیں، صرف مستحب ہے۔

کہتے ہیں تا کہ جماعت کی فضیلت وثواب کا حصول ہو سکے، اگر وہ نیت نہیں کرے تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ انسان کو اسی عمل کا اجر ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔ شوافع اور مالکیہ اس اصول سے ان نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو جماعت سے ہی ادا کی جاتی ہے جیسے جمعہ، اور بارش کی وجہ سے جمع کی گئی دو نمازیں، لوٹائی گئی نماز، صلاۃ الخوف، اور کسی کو خلیفہ بنانے کی صورت میں ادا کی جانے والی نماز، ان صورتوں میں امام کے لئے نیت امامت ضروری ہے (کیونکہ ان تمام صورتوں میں جماعت سے ہی نماز ادا کی جا سکتی ہے انفراداً نہیں) احناف نے عورتوں کی اقتداء کی صورت کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے خواتین کی امامت کی نیت امام کے لئے ضروری قرار دی ہے تا کہ عورتوں کا اس مرد کی اقتدا، کا عمل صحیح ہو سکے (یعنی احناف اس صورت میں نیت امامت امام پر لازم قرار دیتے ہیں جب عورتیں اقتداء کر رہی ہوں اگر ان کی نیت نہیں کی تو ان کی اقتداء درست نہیں ہوگی)۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت مطلقاً شرط ہے لہٰذا امام پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ وہ امام ہے اور مقتدی یہ نیت کرے کہ وہ مقتدی ہے بصورت دیگر نماز فاسد ہو جائے گی۔ تاہم اگر کوئی شخص نیت اکیلا باندھے اور دوسرا آ کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے اور وہ شخص امامت کی نیت کر لے تو یہ صرف نفلوں میں درست ہے اور یہ حدیث ابن عباس پر عمل کرتے ہوئے جائز قرار پاتا ہے۔ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا، رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نفلوں کے لئے بیدار ہوئے مشکیزے کے پاس گئے وضو کیا اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، میں آپ کو یہ کرتا دیکھ کر کھڑا ہوا مشکیزے سے وضو کیا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب جا کھڑا ہوا آپ نے اپنی کمر کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے دائیں جانب کھڑا کر دیا❸ اور فرض نمازوں میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نمازی کسی کا انتظار کر رہا ہو یعنی مثلاً وہ امام مسجد ہو تو وہ اکیلا نیت باندھ سکتا ہے اور یہ انتظار کر سکتا

❶......تبيين الحقائق ج ١ ص ٩٩۔ الاشباه ابن نجيم ص ١٤ الشرح الكبير وحاشية الدسوقي ج ١ ص ٢٣٣، ٥٢٠، الشرح الصغير ج ١ ص ٣٠٥ المجموع ج ١ ص ١٤٨ الاشباه للسيوطي ص ٣٨،١١، مغني المحتاج ج ١ ص ١٤٨ حاشية الباجوره ج ١ ص ١٤٩ المغني ج ١ ص ٤٦٤ غاية المنتهى ج ١ ص ١١٥ كشاف القناع ج ١ ص ٣٦٤ بعد کے صفحات۔ ❷ الاشباه والنظائر۔ ابن نجيم، ص ١٥، القوانين الفقهيه، ص ٥٧، ٦٨ مغني المحتاج ج ٢ ص ٢٥٨،١٥٢، كشاف القناع عن متن الاقناع ج ١ ص ٥٦٥۔ ❸متفق عليه۔

ہے کہ بعد میں آنے والے اس کے پیچھے نیت باندھ لیں گے۔ یہ صورت حنابلہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے نیت باندھی پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت جبارۃ رضی اللہ عنہ آئے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نیت باندھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو نماز پڑھائی اور ان کے اس فعل پر نکیر نہیں فرمائی۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز فرض تھی، کیونکہ یہ واقعہ سفر کا ہے اور یہ حضرات مسافر تھے۔ اس کے علاوہ دوسری صورت حال میں یہ درست نہیں کہ اس شخص کی اقتداء کرلی جائے جس نے امامت کی نیت نہ کی ہو۔ اور مقتدی کی اقتداء کی نیت تو یہ بالاتفاق فقہاء شرط ہے لہٰذا کسی امام کی اقتداء بلانیت درست نہیں اس کا مفہوم یہ ہوا کہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء کی جماعت کی یا ماموميت کی نیت کرے، اگر اس نے یہ نیت چھوڑ دی یا اس میں اسے شک ہوگیا اور اس نے امام کی افعال میں متابعت کرلی تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی ہاں امام کی تعیین نام لے کر کرنی ضروری نہیں اگر اس نے تعیین کی اور اس سے غلطی ہوگئی تو شوافع کے ہاں نماز باطل ہوجائے گی۔ یہ البتہ ضروری ہے کہ کسی معین امام کی وصف امامت کے ساتھ تعیین کردی جائے، چنانچہ اگر دو نماز پڑھتے ہوئے آدمیوں کی اقتداء کی دونوں میں ایک تعیین کے بغیر تو یہ درست نہیں ہوگا جب کہ امام کو معین نہ کردے، کیونکہ تعیین شرط ہے۔ اور ایک سے زیادہ اماموں کی اقتداء درست نہیں، اگر دو اماموں کی اقتداء کی تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں کی اتباع ایک ساتھ ممکن نہیں شوافع کے ہاں اقتداء کی نیت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہو احناف تکبیر تحریمہ سے مقدم ہونے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ تکبیر تحریمہ اور اس نیت کے درمیان کوئی اجنبی چیز حائل نہ ہو۔ اور احناف اور حنابلہ کے ہاں افضل یہ ہے کہ نیت اقتداء تکبیر تحریمہ سے متصل ہوتا کہ اختلاف سے بچا جاسکے، کیونکہ اختلاف سے بچنا (خروج من الخلاف،) یا یوں کہیں اختلافی حدود سے باہر رہتے ہوئے اتفاقی حدود میں رہنا بہرحال مستحب امر ہے۔ مالکیہ نے نیت اقتداء اور تکبیر تحریمہ میں مقارنت (اتصال) یا اس کا معمولی سا پہلے ہونا لازم قرار دیا ہے جیسے کہ وہ نماز کی نیت میں یہ قرار دیتے ہیں ہم اس بحث کو پہلے بیان کرچکے ہیں۔

اذان کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس میں نیت کی ضرورت نہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ اذان میں نیت کا ہونا ضروری ہے۔

خطبہ جمعہ کے بارے میں حنفیہ اور حنابلہ نیت کا یا خطبے کے ارادے کا ہونا شرط قرار دیتے ہیں، دلیل اس کی حدیث انما الاعمال بالنیات ہی ہے، لہٰذا اگر خطیب بلانیت خطبہ دے دے تو ان کے ہاں وہ خطبہ نہیں ہوگا مالکیہ نیت شرط قرار نہیں دیتے ہیں جیسا کہ شوافع بھی شرط نہیں قرار دیتے، ہاں ان کے ہاں شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس خطبہ کی حیثیت بدل دیتا ہو ایسی صورت میں خطبہ نہیں ہوگا جیسے کوئی چھینک آجانے کی وجہ سے الحمدللہ کہے تو یہ خطبہ کے لئے کافی نہیں ہوگا❶ (کیونکہ یہاں قرینہ موجود ہے جو اس کی حیثیت کو واضح طور پر بدل رہا ہے) شوافع سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر دونوں کے لئے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نیت بھی شرط قرار دیتے ہیں، ہاں نمازی سجدہ تلاوت کی صرف دل سے نیت کرے زبان سے جیسا کہ سجدہ سہو میں صرف دل سے نیت ہوتی ہے زبان سے نہیں مسافر کی نماز کے بارے میں حنابلہ اور شوافع دونوں جمع تقدیم کے لئے یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ پہلی نماز کی تکبیر وتحریم کہتے وقت جمع کی نیت کرے دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو بار بار گذر چکی ہے، شوافع کے ہاں صحیح تر قول یہ ہے کہ پہلی نماز کے دوران ہی جمع کی نیت کرسکتا ہے خواہ سلام کے وقت کرے۔ اسی طرح یہ دونوں مذاہب یہ بھی شرط قرار دیتے ہیں کہ جمع تاخیر کی صورت میں جمع کی یا تاخیر کی نیت پہلی نماز کا وقت نکلنے سے پہلے کرلے اگر چہ وہ وقت بقدر ایک رکعت کے ہی کیوں نہ ہو❷ یعنی اتنا وقت ہو کہ اگر نماز شروع کردی جائے تو وہ ادا نماز شمار ہو قضاء نہیں یہ شوافع کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں وقت اتنا

---

❶..... الدرالمختار ۱ ص ۶۷۰-۶۵۷، مراقی الفلاح ص ۸۷، کشاف القناع ج ۲ ص ۳۴ تا ۳۷، الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۱۵۔ ❷ جمع بین الصلاتین (دونمازوں کو جمع کرنا) کا مطلب یہ ہے کہ دو وقت کی نمازوں کو ایک وقت میں ادا کیا جائے مثلاً ظہر اور عصر کو جمع کرکے ایک وقت میں پڑھ لیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ جمع صرف صورتاً ہوسکتی ہے یعنی کہ صورت جمع ہو حقیقت میں جمع نہ ہو اور باقی ائمہ کے ہاں سفر اور بارش وغیرہ کی وجہ سے یہ جمع درست ہے یہ جمع اگر ایسے ہو کہ بعد میں آنے والی نماز کو مقدم کرکے پہلے پڑھ لیا جائے تو یہ جمع تقدیم کہلاتی ہے اور اگر پہلی نماز کو مؤخر کرکے بعد والی نماز کے وقت میں ادا کیا جائے تو یہ جمع تاخیر کہلاتی ہے۔ اس کی تفصیلات اور شرائط وغیرہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

ہونا ضروری ہے کہ اس میں پہلے نماز ادا کی جاسکتی ہو، اگر وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ اتنے وقت میں نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو جمع بین الصلاتین کی نیت درست نہیں ہوگی کیونکہ نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ اس کی ادائیگی کے لئے وقت تنگ پڑ جائے حرام ہے، اور اس صورت میں وہ تاخیر کرنے کی بناء پر گنہگار ہوگا۔ ❶

۵.....روزے کے بارے میں شوافع کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ نیت صوم شرط ہے، کیونکہ رمضان یا غیر رمضان کے روزے عبادت ہیں، اور عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے اختیار سے خالص اللہ کے لئے اس کے حکم کی بناء پر انجام دے، اور اخلاص اور اختیار بغیر نیت کے متحقق نہیں ہوتے، لہٰذا روزوں کی ادائیگی بغیر نیت کے درست نہیں تا کہ عبادت اور عادت میں امتیاز حاصل ہو سکے۔ شوافع فرماتے ہیں جیسے روزے میں روزہ توڑ دینے والی چیزوں سے بچنا رکن ہے اسی طرح نیت بھی رکن ہے، دلیل اس کی وہی حدیث انـــمـــا الاعمال بالنیات ہے ❷ ہاں ادا یا قضاء کی نیت کرنا شوافع کے صحیح تر قول کے مطابق نماز، حج، زکوۃ، کفارات، اور نماز جنازہ میں شرط نہیں اور جمعہ تو چونکہ قضاء ہوتا ہی نہیں ہے لہٰذا قضاء سے امتیاز دینے کے لئے ادا کی نیت کی اس میں ضرورت نہیں ہے، اور روزے کے بارے میں ان کے ہاں راجح قول یہ ہے قضاء کی صورت میں نیت قضاء ضروری ہے اس قول پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔

۶.....اعتکاف، جو کہ شوافع کی تعریف کے مطابق مسجد میں کسی مخصوص شخص کا نیت کے ساتھ (کچھ عرصے) قیام پذیر رہنا ہے اس کے لئے بالاتفاق نیت شرط ہے، اعتکاف خواہ واجب ہو یا سنت ہو یا نفل ہو۔ چنانچہ اعتکاف بغیر نیت کے درست نہیں ہوتا دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو گذر چکی، دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف عبادت محض ہے، لہٰذا یہ بلانیت درست نہیں ہوگی جیسے نماز روزہ دیگر عبادات بلانیت درست نہیں ہوتی ہیں۔ شوافع اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر اعتکاف فرض ہو جیسے نذر کا اعتکاف تو اس میں فرض ہونے کی تعیین ضروری ہے تا کہ اسے نفل اور عام مستحب سے امتیاز دیا جا سکے۔ ❸

۷.....زکوۃ کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ نیت زکوۃ کے ادا کرنے کے لئے شرط ہے، دلیل اس کی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، اور زکوۃ کی ادائیگی بھی ایک عمل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے تو اس میں بھی نیت ضروری ہے تا کہ فرض اور نفل میں امتیاز ہو سکے۔ ❹

۸.....حج اور عمرے کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ حج کا احرام باندھنا (تلبیہ وغیرہ کہنا) اس کی نیت ہے اور اس کی درستگی اور صحت کے لئے شرط ہے فرض حج ہو یا نفل ہو۔ اور عمرے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور عمرہ ان کے ہاں سنت ہے اور نذر مانا ہوا عمرہ ان کے ہاں فرض ہے، اور اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ حجۃ الاسلام (اسلام کا حج) کرے گا تو اس پر فقط اسلام کا حج (یعنی حج فرض) ہی لازم ہوگا جیسے کوئی قربانی کی نذر مانے تو اس پر قربانی لازم ہوتی ہے۔ ان سب میں قضا بھی نیت کے اعتبار سے ادا کی طرح ہے۔ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ احرام یعنی افعال شروع کرنے کی نیت حج اور عمرے میں رکن ہے، لہٰذا یہ دونوں بلانیت منعقد نہیں ہوتے۔ اور احرام بلانیت صحیح نہیں ہوتا۔ دلیل وہی

---

❶..... المجموع ج ۴ ص ۲۵۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۷۱۔ کشاف القناع ج ۲، ص ۳، المغنی ج ۲ ص ۲۷۳۔ ❷ الدر المختار ج ۲ ص ۱۱۲ مراقی الفلاح ص ۱۰۵ القوانین الفقھیہ ص ۱۱۳، الاشباہ لابن نجیم ص ۱۶ و ۵، الاشباہ للسیوطی ص ۱۶ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲۳، ۴۳۲ المھذب ج ۱ ص ۱۷۷ المغنی ج ۳ ص ۱۳۷ کشاف القناع ج ۲ ص ۳۵۹۔ ❸ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۶ الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ الاشباہ ابن نجیم ص ۱۷ القوانین الفقھیہ ص ۲۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۷۲۵، المھذب ج ۱ ص ۱۹۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۵۳ المغنی ج ۳، ص ۱۸۴ کشاف القناع ج ۲ ص ۴۰۶۔ ❹ الاشباہ ابن نجیم ص ۱۶ البدائع ج ۲ ص ۴۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۶۶۶ القوانین الفقھیہ ص ۹۹ المجموع ج ۶ ص ۱۸۲ المغنی ج ۲ ص ۶۳۸۔

حدیث ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور حج وعمرہ محض عبادت ہیں لہٰذا بلانیت یہ درست نہیں ہوں گے جیسے روزہ اور نماز ❶ اور نیت کی جگہ جیسا کہ ہم جان چکے ہیں دل ہے۔ اور احرام کہتے ہیں۔ دل سے نیت کر لینے کو، اکثر علماء کے ہاں افضل یہ ہے کہ وہ نیت کو زبان سے بھی ادا کرے امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا **لبيك بحج وعمرة** (میں لبیک کہتا ہوں حج اور عمرے (کی نیت) کے ساتھ) جمہور کے ہاں احرام صرف نیت کر لینے سے ہو جاتا ہے ❷ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، احناف کے ہاں مجرد نیت سے منعقد نہیں ہوتا اس کی نیت کو کسی ایسے فعل یا قول سے ملانا ضروری ہے جو احرام کی خصوصیات میں سے ہو جیسے تلبیہ یا سلے ہوئے کپڑوں کو اتار دینا۔

۹۔ قسم...... اللہ کے نام کی قسم کھانا نیت پر موقوف نہیں، یہ قسم ہر حال میں منعقد ہو جاتی ہے خواہ جان بوجھ کر ہو، بھولے سے ہو، غلطی سے ہو یا جبراً ہو اور یہی صورتحال اس چیز کے بارے میں بھی ہے جس پر اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس چیز کو جس کیفیت سے بھی انجام دے وہ بہر حال نتیجہ خیز ضرور ہوگا (یعنی حانث ہو جائے گا) ❸ اور قسم دلانے کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں دعویٰ وغیرہ میں قسم دلانے میں قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا قسم کھانے والے کی نیت کا نہیں۔ اور وعدے وغیرہ کی صورت میں قسم دلانے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کی رائے ہے کہ قسم کھانے والے کا اعتبار ہوگا اور بعض کی رائے ہے کہ قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ نیت کا اعتبار قسم لینے والے کا ہوگا اور قسم کھانے والے کی نیت قابل قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ خصم نے گویا یہ قسم فریق ثانی سے اس کے حق کے بدلے میں قبول کی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: **اليمين على نية المستحلف** (قسم، قسم لینے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی) اور ایک روایت میں ہے **يمينك على مايصدقك به صاحبك** (تمہاری قسم وہ ہے جس کی تصدیق تمہارا ساتھی کرے) ❹ احناف کے ہاں راجح یہ ہے کہ قسم میں اعتبار قسم لینے والے کا ہے ماسوا اس کے قسم طلاق یا عتاق کی ہو یا ان ہی طرح کی جیسی چیزوں کی ہو اس صورت میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا بشرطیکہ ظاہری صورتحال کے برخلاف اس کی نیت نہ ہو۔ خواہ قسم کھانے والا حق پر ہو یا ناحق ہو۔ اسی طرح اگر قسم اللہ کی نام کی کھائی جائے اور قسم کھانے والا مظلوم (حق پر) ہو تو بھی قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور ظالم (ناحق) سے مراد ہے وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا حق مارنا چاہتا ہو۔ ❺

اور حنابلہ، ایک روایت امام ابوحنیفہ سے بھی ایسی ہی ہے، فرماتے ہیں قسم کھانے والا اگر قسم میں تاویل سے کام لے یعنی ظاہر کے برخلاف کسی بات کا ارادہ کرے تو مظلوم ہونے کی صورت میں ایسا کرنا درست ہے اور ظالم (ناحق) ہونے کی صورت میں یہ باطل تاویل اس کے حق میں نہیں جائے گی۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ مذہب حنفی میں فتویٰ اس بات پر ہے کہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر وہ مظلوم ہو نہ کہ ظالم، لیکن شرط یہ ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور اگر طلاق یا عتاق وغیرہ کی قسم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا مطلقاً اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ یہ

---

❶..... الاشباہ لابن نجیم ص ۱۱ البدائع ج ۲ص ۱۶۱ فتح القدیر ج ۲ص ۱۳۴ الشرح الصغیر ج ۲ص ۱۲، ۲۵ القوانین الفقهیه ۱۳۱ مغنی المحتاج ص ۲۷۴، المجموع ج۷ ص ۲۲۶ كفاية المنتهى ج ۱ ص ۳۶۵ المغنی ج۳، ص ۲۸۱، ۲۱۱۔ ❷ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اردو میں احرام کا اطلاق ان دو چادروں پر ہوتا ہے جو حاجی عمرہ کرنے والا دوران حج یا عمرہ اپنے جسم پر باندھتا ہے فقہی اصطلاح میں احرام کا مفہوم ہے حج یا عمرے کی نیت کرتے ہوئے دوران احرام ممنوع چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا اسی معنی ومفہوم میں مصنف احرام کی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں دو چادریں مراد نہیں ہیں۔ مترجم۔ ❸ الاشباہ والنظائر۔ لابن نجیم ص ۱۹۔ ❹ بداية المجتهد ج ۱ ص ۴۰۳ البدائع ج ۳ ص ۲۰ الاشباہ۔ ابن نجیم ص ۲۰، ۵۷، مغنی المحتاج، ج، ج ۴ ص ۳۲۱، المغنی ج ۸ ص ۷۲۷، ۷۶۳ شرح الكبير مع الدسوقی ج ۲ ص ۱۳۹ القوانین الفقهیه ص ۱۶۲۔ ❺ یہ دونوں روایتیں مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں، اور امام احمد ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے دوسری روایت نقل کی ہے۔ (جامع الاصول ج ۱۲ ص ۳۰۷)

بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔شوافع کے ہاں یہ راجح ہے کہ قسم میں اعتبار قسم کھانے والے کی نیت کا ہے، کیونکہ قسم سے مقصود وہ معانی ہوتے ہیں جو کہ اصل مراد ہوں نہ کہ ظاہر لفظ۔

پھر فقہاء کا قسم کے بیان میں لفظ ''محلوف علیہ'' سے مقصود امر کی تفسیر میں اختلاف ہے، کہ قسموں کا اعتبار نیت پر ہوگا یا عرف پر یا صیغہ (لفظ) پر ہوگا[1] احناف کی رائے یہ ہے کہ قسم عرف وعادت پر مبنی ہوئی ہیں مقاصد اور نیتوں پر نہیں، کیونکہ قسم کھانے والے کا مقصود وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے پیش نظر ہولی ہے اور اس کے نزدیک متعارف ہوتی ہے، لہٰذا بات اس کی غرض تک محدود رہے گی۔یہ احناف کے ہاں اکثر ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کے ہاں قسموں کا مدار الفاظ پر بھی ہوتا ہے اغراض ومقاصد پر نہیں۔چنانچہ مثلاً اگر کوئی کسی شخص سے ناراض ہو جائے اور قسم کھالے کہ وہ اس کے لئے ایک پیسے کی چیز نہیں خریدے گا پھر اس کے لئے سو روپے کی کوئی چیز خرید لے تو وہ حانث نہیں ہوگا، اور اگر وہ قسم کھالے کہ میں اس کو دس درہم میں تو فلاں چیز نہیں دوں گا پھر وہ اسے گیارہ یا نو درہم میں دیدے تو حانث نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ دس میں نہ بیچنے سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ میں بیچے گا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ قسمیں جن کے مطابق قسم کھانے والے کے خلاف عدالتی فیصلہ نہ کیا جاتا ہو (یعنی وہ قسمیں جن کے بارے میں کوئی عدالتی کاروائی نہ ہوتی ہو بلکہ وہ ایسے معاملے کے متعلق ہوں جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے یا انسان کی اپنی ذات سے متعلق کام ہوتا ہے، ہاں وہ امور جو ایک انسان کو دوسرے سے پیش آتے ہیں تو یہ وہ امور ہوتے ہیں جن میں قسم کھانے والے پر عدالتی فیصلہ نافذ ہوتا ہے) اور نذران دونوں میں اعتبار ہے نیت کا یعنی قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا دعوے وغیرہ کے علاوہ امور میں (یعنی دیوانی اور فوجداری کے معاملات میں) ان دعوے وغیرہ جیسے امور میں قسم لینے والے (کھلانے والے) کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر قسم کھلانے والے کی نیت نہ ہو تو قرینہ حال وہ بھی نہ ہو تو عرف میں قسم کھانے سے مراد لیتے ہیں، اور اگر عرف لفظ بھی نہ ہو تو جو لغت سے سمجھ آئے وہی مراد ہوگا۔اور وہ قسمیں جن کے کھانے والے پر ان کا نتیجہ بطور فیصلہ عدالت نافذ ہوتا ہے تو استفتاء (فتویٰ پوچھے جانے) کی صورت میں ان ضوابط کا بالترتیب لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں (یعنی پہلے نیت پھر قرینہ حال پھر عرف لفظ پھر دلالت لغت) اور اگر ان قسموں میں استفتاء کے بجائے عدالتی کاروائی کا معاملہ ہو تو اس صورت میں صرف لفظ کا لحاظ ہوگا اوپر بیان کردہ ترتیب کا نہیں ہاں اگر اس کے دعویٰ نیت کا کوئی قرینہ یا عرف مؤید ہو تو اسکی بات تسلیم کر لی جائے گی۔شوافع فرماتے ہیں کہ قسموں کا دارومدار حقیقت لغوی پر ہوتا ہے یعنی باعتبار لفظی صیغے کے ان کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ اصل حقیقت اس بات کی زیادہ حق دار ہوتی ہے کہ اس کا ارادہ وقصد کیا جائے ہاں اگر کوئی نیت اس نے کی ہو تو اس نیت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ رؤوس (سری) نہیں کھائے گا پھر اس نے مچھلی کا سر کھایا تو جو حضرات عرف کا لحاظ رکھتے ہیں جیسے احناف تو ان کے ہاں وہ حانث نہیں ہوگا اور جو حضرات لغت کا اعتبار کرتے ہیں ان کے ہاں حانث ہو جائے گا اسی طرح ان کے ہاں وہ شخص جو قسم کھائے کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا پھر وہ شحم (گوشت پر چڑھی ہوئی چربی) کھالے تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ لفظ کی دلالت اسی طرح ہے۔اور شوافع کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ حانث نہیں ہوگا۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان (قسموں) میں قسم کھانے والے کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر اس نے کسی ایسی چیز کی نیت کی جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہو تو قسم اسی معنی میں شمار ہوگی، خواہ اس کی نیت کردہ چیز ظاہر لفظ کے موافق ہو یا مخالف ہو، کیونکہ حدیث میں انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی۔اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو قسم کے سبب اور قسم پر ابھارنے اور آمادہ کرنے والے امور کو نیت معلوم کرنے کے لئے پیش نظر رکھا جائے گا۔چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو اس گھر میں نہیں لائے گا اور اس کی قسم کا سبب گھر سے متعلق کسی بات پر غصہ ہو مثلاً یہ کہ اسے وہاں تکلیف پہنچتی ہو یا کسی کا زیر احسان ہوتا ہو تو اس صورت میں قسم صرف اس گھر کے

---

[1] ......الاشباہ۔ ابن نجیم، ص ۵۷ الاشباہ للسیوطی ص ۴۰، رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۲۹۲ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۹۸، الاعتصام للشاطبی ج ۲ ص ۱۴۱، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۳۳۵، المغنی ج ۸، ص ۷۶۳۔

ساتھ خاص ہوگی، اور اگر قسم کا سبب وہ غصہ ہو جو اسے عورت کی وجہ سے ہو کہ اس نے کوئی قابل ایذاء حرکت کی ہو گھر کا اس معاملے سے کوئی واسطہ نہ ہو تو قسم کا تعلق عورت سے ہوگا کہ وہ اسے کسی بھی گھر میں ٹھہرائے وہ حانث ہو جائے گا۔

عدالت کے سامنے قسم: میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ عدالت کے سامنے قسم کھانے میں اعتبار اس قاضی کی نیت کا ہوگا جو قسم لے رہا ہو کیونکہ امام مسلم کی حضرت ابوہریرۃ سے روایت کردہ حدیث میں ہے الیمین علی نیۃ المستحلف (قسم قسم لینے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی) اور اس حدیث کو حاکم وقت کے بارے میں قرار دیا گیا ہے کیونکہ حاکم وقت ہی وہ ہوتا ہے جو ولایت استحلاف (قسم لینے کی قدرت وطاقت) رکھتا ہے، لہٰذا اگر اس صورت میں قسم کھانے والے کی نیت کو تسلیم کر لیا جائے تو قسم کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور حقوق کا ضیاع لازم آئے گا، کیونکہ پھر تو ہر ایک اپنے مقصد کی نیت سے قسم کھائے گا۔ چنانچہ اگر قسم کھانے والا توریہ کرلے یعنی قاضی کی قسم دلانے پر ظاہر لفظ کے بجائے کوئی اور معنی دل میں سوچ لے یا تاویل کرلے یعنی قاضی کی نیت کے برخلاف سوچ لے یا کوئی استثناء کردے مثلاً قسم کھاتے کے بعد انشاء اللہ کہہ دے یا لفظ کے ساتھ کوئی شرط بڑھا دے مثلاً یوں کہہ دے اگر میں گھر میں داخل ہوا یا کچھ اور اور یہ کہے اس طرح کہ قاضی اس کی اس استثناء یا شرط کو سن نہ سکے تو اس حرکت سے وہ شخص جھوٹی قسم کے گناہ سے بری الذمہ نہیں ہوگا، وہ گناہ گار ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ہم اس صورت میں اسے گناہ گار قرار نہیں دیتے تو قسم کا مقصود ضائع ہو جاتا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ قسم کھانے سے انسان گھبرائے اور غلط قسموں سے بچنے کی کوشش کرے۔ شوافع اور حنابلہ نے قسم کے قسم دلانے والے کی نیت کے اعتبار سے ہونے کے لیے شرطیں رکھی ہیں ❶ یہ کہ قاضی اسے طلاق یا عتاق کی قسم نہ دے ❷ یہ کہ قاضی قسم طلب کرنے میں ظلم و ناانصافی نہ برت رہا ہو۔

قسم میں توریہ کرنا۔ قسم کھانے والے شخص کے لئے اس قسم میں توریہ کر لینے کی اجازت ہے جو عدالتی معاملات میں نہ ہو اور جسے وہ اپنے اختیار سے کھا رہا ہو یا دوسرا شخص اس سے قسم لے رہا ہو لیکن وہ قسم اس پر لازم نہ ہوتی ہو اور توریہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسے معنی مراد لے جو لفظ سے فوراً سمجھ نہیں آتے ہوں یا وہ اس میں ظاہر کے خلاف کسی بات کی نیت کرلے دلیل اس کی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ بغیر قسم لئے جانے کے قسم کھانے والا اور وہ شخص جس کی قسم سے کسی کا حق وابستہ نہ ہو رہا ہو اس کی قسم کے بارے میں اس کی نیت قبول کی جائے گی اور اس کی بات تسلیم کی جائے گی اس بنیاد پر علامہ سیوطی نے تین قواعد ذکر کئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....لفظ سے مقصود وہی ہوگا جو لفظ بولنے والا نیت کرے سوائے ایک جگہ کے وہ ہے قاضی کے سامنے قسم کھانے کا موقع کہ اس صورت میں قسم قاضی کی نیت کہ اعتبار سے ہوگی بولنے والی کی نیت کے اعتبار سے نہیں۔

۲.....نیت مشروط کی طرح شمار کی جائے گی ایک مسئلے میں، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے بعد یہ شک ہوا کہ اس نے نماز پڑھی نہیں ہے بلکہ چھوڑ دی ہے یا طہارت کے چھوڑ دینے کے بارے میں شک ہوا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کسی کو کسی رکن کے چھوڑ دینے کے بارے میں شک ہوا تو اعادہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ ارکان میں شک کثرت سے واقع ہوتا ہے بخلاف مشروط کے کہ ان میں شک بہت کم واقع ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی روزے دار شخص دن گذر جانے (سورج غروب ہو جانے) کے بعد شک کرے تو یہ شک بے اثر ہوگا۔

۳.....قسم میں نیت عمومی معنی والے لفظ کو خصوصیت دے دیتی ہے لیکن خصوصیت والے معنی کو عمومیت نہیں دیتی پہلے کی مثال اگر کوئی قسم کھائے کہ بخدا میں کسی سے بات نہیں کرونگا اور نیت زید کی کرے تو یہ درست ہے اور دوسرے کی مثال جیسے کوئی شخص کسی کو پانی دیتے ہوئے احسان جتائے تو وہ شخص قسم کھالے کہ بخدا میں پیاس کی وجہ سے یہ پانی نہیں پیوں گا تو قسم صرف پیاس کی وجہ سے پانی پینے پر ہوگی ویسے ہی کھا لینے یا پی لینے سے وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ وجہ اس اصول کی یہ ہے کہ نیت جب مؤثر ہوتی ہے کہ جب لفظ اس بات کا جس کی اس نے

---

❶..... مغنی المحتاج، ج ۴ص ۴۷۵، کشاف القناع ج ۶، ص ۲۴۲۔ ❷ الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۴۰۔

نیت کی ہے احتمال اس جہت سے رکھتا ہو جو اس شخص کے لئے جائز ہو۔ علامہ ابن نجیم اس قاعدے کے بارے میں فرماتے ہیں ❶ کہ عام چیز کی تخصیص دیانۃ درست ہے قضاء نہیں برخلاف امام خصاف کے کہ ان کے ہاں قضاء بھی درست ہے، چنانچہ اگر کسی نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں اسے طلاق ہے پھر وہ بولے کہ میری نیت تھی کہ فلاں ملک یا شہر کی عورتیں تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ بات درست نہ ہو گی بہ خلاف خصاف کے اور میں سمجھتا ہوں کہ امام خصاف کے قول کو اس صورت میں اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جب ایسی بات کہنے والا شخص ظالموں کے چنگل میں گرفتار ہو جائے اور جب اس کو کوئی ظالم شخص حلف طلاق دلوائے تو وہ عام کی تخصیص کی نیت سے قسم کھالے۔ اور کسی خاص کو نیت سے عام کر لینا تو یہ بات اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔

۱۰۔ قربانی..... قربانی بلا نیت درست نہیں، کیونکہ جانور کو کبھی صرف گوشت کے لئے ذبح کیا جاتا ہے اور کبھی حصول نیکی کے لئے ذبح کیا جاتا ہے، اور کوئی فعل بدون نیت کے نیکی نہیں بن سکتا ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو بار بار گذر چکی ہے **انما الاعمال بالنیات**۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے عمل جو کہ نیکی ہے لہٰذا قربانی نیت کے بغیر متعین نہیں ہوگی اور ذبح کرنے سے اضحیہ متعین ہو جاتا ہے باتفاق علماء اور نذر سے بھی ہو جاتا ہے اگر وہ اسے نذر کے لئے متعین کر دے باتفاق علماء، اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اضحیہ (قربانی) کی نیت سے خریدنے سے بھی جانور متعین ہو جاتا ہے شوافع اور حنابلہ نے شرط قرار دیا ہے کہ نیت جانور کو ذبح کرتے وقت ہو، کیونکہ ذبح کرنا بھی فی نفسہ نیکی ہے، اور یہ بھی کافی ہے کہ انسان دل میں نیت کرلے زبان سے نیت کا تلفظ ضروری نہیں ہے کیونکہ نیت تو دل کا فعل ہے اور زبان سے تلفظ اس کی دلیل ہے ❷ مذہب مالکیہ میں پائے جانے والے اختلاف کے مطابق اضحیہ یا تو ذبح سے متعین ہوتا ہے یا ذبح سے کچھ دیر قبل کی جانے والی نیت سے اور مذہب مالکی میں معتمد اور مشہور قول یہ ہے کہ اضحیہ صرف ذبح سے ہی واجب ہوتا ہے نذر سے واجب نہیں ہوتا۔ ❸

۱۱۔ شکار کرنا..... صید (شکار کرنا) کی تعریف یہ ہے کہ کسی مباح اور کسی کی بھی ملکیت میں نہ ہونے والی چیز کو قبضے میں لینا اس پر ہاتھ رکھنا۔ اور یہ یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ عملی طور پر انسان شکار پر قابض ہو کہ اسے پکڑ لے یا حکمی طور پر قابض ہو اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس سے شکار پرندہ جانور اور مچھلی وغیرہ بھاگ نہ سکے جیسے مچھلیوں کے لئے حوض بنا لینا جس میں آ کر وہ باہر نہ نکل سکیں یا جال ڈال دینا یا تربیت یافتہ شکاری جیسے کتے، چیتے اور ہوائی پرندے جن کو سدھالیا گیا ہو۔ ان سے کیا جانے والا شکار قبضہ حکمی کے تحت ہوتا ہے۔ قبضہ حکمی نہ کہ قبضہ حقیقی کے لئے شرط ہے کہ انسان مالک بن جانے کا قصد کرے اور یہ **الامور بمقاصدھا** کے اصول پر عمل درآمد کے طور پر ہوگا لہٰذا اگر کسی نے جال نصب کیا اور اس میں شکار پھنس گیا تو اگر جال پھیلانے کا مقصد شکار پکڑنے کے بجائے اس کا سکھانا وغیرہ تھا تو وہ شکار اس کا ہوگا جو اسے پہلے پکڑ لے، کیونکہ جال لگانے والے کا مقصود شکار پکڑنا نہیں تھا، اور اگر اس نے جال شکار کی غرض سے لگایا ہو تو جو بھی شکار اس میں پھنسے وہ اس کی ملکیت ہوگا کوئی دوسرا اگر اسے لے تو وہ غاصب ہوگا اور اگر کسی پرندے نے کسی شخص کی زمین میں انڈا دیا تو جو اس کو اٹھالے انڈا اسی کا ہوگا ماسوا اس کے کہ زمین والے نے زمین پر اس مقصد کے تحت کوئی انتظام کیا ہو کہ پرندہ وہاں آ کر انڈہ دے تو اس صورت میں انڈا اس شخص کا ہوگا اور اگر کسی گھر میں کوئی پرندہ گھس آیا اور گھر والے نے اس کو پکڑنے کے لئے گھر کا دروازہ بند کر دیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اگر اس نے ویسے اتفاقاً بند کیا تو وہ مالک نہیں بنے گا، اور اسی طرح اگر کوئی پرندہ کسی گڑھے یا مٹکے میں گر گیا تو اس کے مالک بننے کا مدار اس پر ہے کہ اس نے شکار کی نیت کی ہو ورنہ اس کا مالک وہ ہوگا جو پہلے اسے اٹھالے یا پکڑ لے۔ ❹

۱۲۔ تلاوت قرآن..... قرآن کریم کی آیت سے ارادے اور قصد سے اس کی حیثیت قرآنی ختم کی جاسکتی ہے، چنانچہ جنبی اور حائضہ

---

❶..... الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۱۸، ۵۶۔ ❷ البدائع ج ۵ ص ۷۱، القوانین الفقھیہ ص ۱۸۷ مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۸۹ کشاف القناع ج ۳ ص ۶۔ ❸ القوانین الفقھیہ ص۔ ۱۸۷، ۱۸۹، مطبعہ النھضہ۔ فاس۔ ❹ البدائع ج ۶، ص ۱۹۳

کے لئے ذکر کی نیت سے قرآن کی وہ آیت جن میں ذکر ہو پڑھنا درست ہے اسی طرح دعائیہ آیتوں کو بھی بقصد دعا پڑھنا جائز ہے۔❶

۱۰......نیت سے متعلق دسویں بحث

نیت کی عقود اور معاملات میں حیثیت، غیر مشروع نیت یا باعث کی عقود پر اثراندازی کا دائرہ کار کی حدود۔

فقہاء کرام کے سبب (اصطلاحی سبب نہیں معروف معنوں میں بولا جانے والا سبب) کے بارے میں دو نظریئے ہیں، ایک نظریہ تو موضوعیت کی نظریا بالفاظ دیگر ظاہری ارادے کو غالب رکھتا ہے اور دوسرا نظریہ وہ ہے جو نیتوں ذاتی اسباب اور پوشیدہ ارادے کو فوقیت دیتا ہے (اس پر مزید گفتگو انشاء اللہ عنقریب آئے گی) پہلا نظریہ تو مذہب حنفی اور شافعی کا ہے❷ یہ حضرات عقود میں ظاہری ارادے پر دارومدار رکھتے ہیں پوشیدہ ارادے پر نہیں دوسرے لفظوں میں معاملات کے استقرار و دوام کے اصول کی حفاظت کے پیش نظر یہ حضرات سبب یا باعث کے نظریے کو نہیں لیتے ہیں اس پر دارومدار نہیں رکھتے ہیں، کیونکہ ان کی فقہ اصول پسندی کے رجحان والی ہے جیسے فقہ جرمانی۔ جب کہ سبب اور باعث جو کہ لوگوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے خود بھی مختلف ہوتے ہیں، ایک ذاتی اور داخلی چیز ہیں جو معاملات میں تشویش پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ سبب اور باعث کا براہ راست عقود پر کوئی اثر نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ ہونے والے عقد کے الفاظ میں ہی کوئی تصریح کر دی گئی ہو جیسے گانے بجانے، نوحہ خوانی کرنے اور لہو ولعب وغیرہ کے لئے کرایہ داری کا معاملہ کرنا، تو یہ سب خالصتاً گناہ کے کام ہیں اور عقد میں ان کا نام لے کر تصریح کئے جانے کے سبب عقد متاثر ہوگا، لیکن اگر اصل عقد میں کوئی ایسی تصریح نہ ہو اس طرح کہ ظاہری ارادہ کسی غیر مشروع سبب یا باعث کو اپنے ضمن میں نہ لیا ہوا ہو تو وہ عقد صحیح ہوگا کیونکہ یہ عقد تمام اساسی ارکان جیسے ایجاب، قبول، اور محل عقد کا حکم کے لئے اہل ہونا یہ سب اساسی ارکان چونکہ پائے جا رہے ہیں اس لئے عقد صحیح ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس چیز پر عقد ہو رہا ہے اس سے معصیت کا کام لیا جانا ضروری نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے معصیت کا کوئی کام نہ لیا جائے اور (چونکہ یہ حضرات احناف وشوافع دارومدار ظاہر پر رکھتے ہیں لہٰذا) عقود کے باطل کرنے میں سبب یا باعث کا کوئی اثر وکردار نہیں ہوگا، مفہوم یہ ہے کہ ظاہری ارکان وغیرہ کی بنیاد پر عقد صحیح ہوگا کیونکہ عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہیں نیت اور غیر مشروع قصد سے بحث کئے بغیر، لیکن یہ مکروہ اور حرام ہوگا کیونکہ نیت غیر مشروع ہے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر احناف اور شوافع ان مندرجہ ذیل عقود کی ظاہر میں صحت کے قائل ہیں تاہم ان میں کراہت تحریمی یا شوافع کے مطابق حرمت پائی جائے گی کیونکہ حدیث میں ان کی ممانعت آئی ہے۔

ا۔ بیع عینہ:......ہ (یعنی وہ بیع جو صورتاً بیع ہو اور اسے سود کا ذریعہ بنالیا جائے) جیسے کچھ سامان ادھار فروخت کیا سو درہم کے بدلے ایک معین مدت پر اس کے پیسے ملنے کے وعدے پر، پھر خریدار سے فی الفور ایک بیس درہم میں دوبارہ خرید لیا تو دونوں کے بیچ کا فرق سود ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس اصول کہ عقد میں غیر مشروع نیت کو نہیں دیکھا جائے گا، سے استثناء کرتے ہوئے اس عقد کو اس صورت میں فاسد قرار دیتے ہیں جب کہ دونوں فریقین کے درمیان کسی تیسرے شخص کا واسطہ نہ ہو جو قرض خواہ مالک اور مقروض خریدار کے درمیان آیا ہو۔ اور فاسد قرار دینے کی بنیاد ایک اور چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی بیع ثمن کے قبضے میں نہ ہونے کی وجہ سے مکمل نہیں ہوئی، اور ایک اور وجہ یہ ہے کہ دوبارہ خریدار سے خریدنا ایسی منقول چیز کی بیع ہے جو قبضے میں نہیں آئی ہے اور قبضے سے باہر چیز کی فروخت شرعاً بیع فاسد کے زمرے میں آتی ہے۔

---

❶...... الأشباه والنظائر ص ۲۰ (ابن نجیم)❷مختصر الطحاوی ص ۲۸۰ تکمله فتح القدیر ج ۸ ص ۱۲۷ البدائع ج ۴ص ۱۸۹ تبیین الحقائق ج ۲ص ۱۲۵۔

۲۔ شراب کشیدہ کرنے والے کے ہاتھ انگور کی فروخت...... یعنی جس کو وہ انگور فروش جانتا ہو کہ وہ اس کی شراب بنالے گا یا اس کا غالب گمان اس کے بارے میں یہ ہو اور اگر صرف شک ہو کہ وہ شراب بنائے گا یا محض وہم ہو تو بیع صرف مکروہ ہو گی، حرام یا فاسد نہیں۔

۳۔ اندرونی خلفشار اور فتنے فساد کے وقت اسلحے کی فروخت...... یا اس شخص کے ہاتھ فروخت جو مسلمانوں سے لڑے یا جنگجو ڈاکوؤں کے ہاتھ اسلحے کی فروخت اور اسی کے ہم مثل مسئلہ ہے سامان جوا بازی فروخت کرنے کا اور گھر کو بدکاری یا جوے بازی کے لئے کرائے پر دینا، اور لکڑی اس شخص کو فروخت کرنا جو اس سے لہو ولعب کے آلات بنائے اور شرابی تک شراب پہنچانے کا کرایہ داری کا معاملہ کرنا اور اس سے مشابہ دیگر مسائل۔

۴۔ حلالہ کرنے والے کی شادی...... محلل (حلال کرنے والا) وہ شخص ہوتا ہے جو اس عورت سے شادی کرے جسے طلاق بائن ہو چکی ہو یعنی بینونت کبری جس کے باعث وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہو، اور شادی کا مقصد اس عورت کے ساتھ ایک رات ہمبستر ہونے بعد اسے طلاق دے کر پہلے شوہر کے لئے حلال کرنا ہوتا کہ پہلا شوہر اس سے دوبارہ شادی کر سکے، یہ عقد بظاہر صحیح ہوتا ہے قرآن کی اس آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (اور اگر وہ اسے طلاق دیدے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے۔ البقرہ آیت ۲۳۰) کی روشنی میں، یہ بات مدنظر رہے کہ اس عقد نکاح میں اس غرض کی تصریح نہیں ہوتی ہے ان میں آپس میں یہ بات خفیہ طور پر پس پردہ طے ہوتی ہے عقد کی تکمیل سے پہلے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس رجحان اور نقطہ نظر کے علم بردار حضرات سبب یا باعث کو مدار حکم نہیں بناتے ہیں ماسوا اس صورت کے کہ وہ عقد کے صیغے (الفاظ) میں ہو اور ارادے سے تعبیر اس سبب کو متضمن ہو خواہ ضمناً (یعنی ارادے کے اظہار سے یہ سبب جو مانع وغیرہ وہ سمجھ آتا ہو خواہ ضمناً سہی) اور صیغہ عقد (عقد کے الفاظ) ایسے سبب کو متضمن نہ ہوں تو عقد کی حیثیت پر فرق نہیں پڑتا۔

دوسرا نقطہ نظر اور نظریہ مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور اہل تشیع کا ہے۔ ❶

یہ حضرات مقصد، نیت اور باعث کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ یہ ایسے تصرف کو باطل قرار دیتے ہیں جو کسی غیر مشروع سبب یا نیت پر مبنی ہو لیکن شرط اس کی یہ ہے کہ فریقین میں سے دوسرا اس غیر مشروع سبب سے واقف ہو، یا اس کے لئے حالات اور قرائن کی مدد سے غلط اور ناجائز مقصد سے واقف ہونا ممکن ہو۔ جیسے دشمن کا مسلمان لشکر کے سپہ سالار کو ہدیہ بھیجنا اور حکام اور سرکاری عہدیداروں کو تحفہ تحائف دینا کیونکہ اس سے مقصود رشوت دینا ہوتا ہے، لہٰذا یہ تحفہ وتحائف حکومت وقت کی ملکیت ہوں گے اس طرح اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو مہر اس لئے معاف کرتے ہوئے ہبہ کر دیتی ہے کہ وہ شخص اس کو طلاق نہ دے بیوی ہی رہنے دے تو اگر شوہر بعد میں طلاق دیدیتا ہے تو بیوی کو وہ مہر واپس لینے کا حق ہوگا جو اس نے اس غرض سے دیا تھا کہ اس کا شوہر اسے طلاق نہ دے بلکہ بیوی کی حیثیت سے اس کا تعلق برقرار رکھے۔ ❷

یہ نظریہ اور نقطہ نظر تقریباً نظریہ سبب یا پوشیدہ ارادے کو مؤثر ماننے والے مسلک کو لیتا ہے جو لاطینی فقہ میں پایا جاتا ہے (یعنی اس نظریے کے حامل افراد کے مذہب میں تقریباً وہی رجحان اور طرز فکر پایا جاتا ہے جو فقہ لاطینی میں رہا ہے) اور اس نظریے کا سبب اخلاقی، ادبی اور دینی عوامل کا لحاظ رکھتا ہے (کہ ان کو لحاظ میں رکھے بغیر محض ظاہری اور سرسری اشیاء پر معاملات کی صحت وفساد نہیں رکھی جا سکتی ہے) لہٰذا اگر باعث (سبب) مشروع ہو تو عقد صحیح ہوگا اور اگر غیر مشروع ہو تو عقد باطل اور حرام ہوگا کیونکہ اس میں اثم وعدوان (گناہ وسرکشی) پر

---

❶...... مالکیہ کی کتب میں سے ملاحظہ کیجئے: بدایة المجتهد ج ۲ ص ۱۴۰ مواهب الجليل ج ۴ ص ۴۰۴ الموافقات ج ۲ ص ۲۶۱، الفروق ج ۳ ص ۲۶۶، اور حنابلہ کے لئے ملاحظہ کیجئے المغنی ج ۴ ص ۱۷۴ ۲۲۲، اعلام الموقعين ج ۳ ص ۱۰۶ ۱۰۸، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۴۸ غاية المنهتى ج ۲ ص ۱۸، ظاہریہ کے لئے: المحلی ج ۹ ص ۳۶، شیعہ جعفریہ کے لئے المختصر النافع فی فقه الاماميه ص ۱۴۰ شیعہ یزیدیہ کے لئے المنتزع المختار ج ۳ ص ۱۹ اور بعد کے صفحے۔ ❷ القواعد لابن رجب ص ۳۲۲۔

اصرار پایا جاتا ہے۔اور اسی بناء مالکیہ اور ان کے موافقین حضرات ان عقود و معاملات کے بطلان کا نظریہ رکھتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور مالکیہ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں کہ کنیسہ بنانے کی غرض سے خریدنے والے کو زمین کی فروخت جائز نہیں، اسی طرح لکڑی فروخت کرنا اس کو جو صلیب بنائے یا غلام خریدنا تا کہ وہ گانے بجانے کا کام کرے یا ایسی کاپیوں اور کتابوں کو کرایہ پر لینا جن میں مثلاً نوح علیہ السلام کے فرامین وعبارتیں ہو اور ریشم کو ایسے شخص کے ہاتھ

فروخت کرنا جو اسے پہنے حرام ہے ❶ (یہ سب امور غیر مشروع) باعث کے پائے جانے کے سبب حرام ہیں اور پہلے بیان شدہ مسائل میں سے شراب کشیدہ کرنے والے کو انگور فروخت کرنا ناجائز ہونے دشمنوں کو اسلحہ فروخت کرنے کے عدم جواز اور اس جیسے دیگر مسائل کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اعانت علی الحرام ہے یا ایسی چیز پر عقد ہو رہا ہے جو معصیت خداوندی کا سبب بنتی ہے لہٰذا یہ عقود درست نہیں ہوں گے۔اور محلل (حلالہ کرنے والے) کا نکاح حلال نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ نکاح کے بلند اور عالی مقام مقاصد کے منافی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ عقد ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اور اس کا مقصود ایک خاندان کی تشکیل ہوتی ہے تا کہ نئی نسل پیدا ہو اور وہ اچھی عمدہ اور مطمئن صورتحال میں پلے بڑھے، اور یہ نکاح ایسی مطلقہ عورت کو پہلے شوہر کے لئے حلال کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے اور یہ ایسی وقتی حالت کے لئے ہے جو کہ پریشان کن ہے تو یہ ایسی چیز کے حلال کرنے کا حیلہ ہے جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہے لہٰذا یہ ایک غیر مشروع قصد ہے۔بیع عینہ اور بیع اجل کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بیع کو سودی معاملات کا حیلہ بنا لیا جاتا ہے حقیقی مقصد خرید فروخت نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ شرعاً حرام عقد کا وسیلہ بنتا ہے اور ان ذرائع کی روک تھام کے قانون کی زد میں آتا ہے جو حرام تک لے جانے کے سبب بنتے ہیں اور اس بناء پر حرام ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ نظریہ مقاصد اور نیتوں کو پیش نظر رکھتا ہے خواہ وہ عقد میں مذکور نہ بھی ہوں شرط صرف یہ ہے کہ دوسرے فریق کو اس کا علم بھی ہو یا حالات اور قرائن اس کے جان لینے کا سبب بنتے ہوں۔اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نیت عمل کی روح اور اصل ہوتی ہے۔اس طرح یہ نظریہ اور رجحان نظریہ سبب کو لیتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ سبب مشروع ہونا ضروری ہے، اگر سبب مشروع نہ ہو تو عقد درست نہیں ہوگا۔

وہ احوال جو غیر مشروع نیت یا برے باعث کے ساتھ نہ ہوں کیا ان میں عقد ایسی نیت کے ساتھ درست ہوگا جس میں سودے یا ڈیلنگ کو بدلنا مقصود ہو (یعنی اگر نیت تو غیر مشروع نہ ہو لیکن نیت سے مقصود عقد کی حیثیت کو بدلنا ہو تو کیا نیت اتنی مؤثر ہو سکتی ہے؟ مقصود یہ ہے کہ نیت سے ان عقود میں کیا جائز مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں)۔مالکیہ اور احناف کی رائے یہ ہے کہ صیغہ عقد (عقد کے الفاظ) میں نیت مؤثر ہوتی ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ نکاح (عقد زواج) ہر اس لفظ کے ساتھ درست ہے جو فی الفور تملیک کے معنی پر دلالت کرنے والا ہو جیسے تزویج نکاح تملیک (جعل (بنانا) ہبہ (تحفہ کرنا) عطیہ اور صدقہ وغیرہ لیکن شرط یہ ہے کہ نیت پائی جائے یا کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو یہ بتائے کہ لفظ سے مراد نکاح اور شادی ہی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ گواہان بھی مقصود سمجھ سکیں، کیونکہ عقد زواج بھی دوسرے عقود کی طرح ہے جو فریقین کی رضامندی سے منعقد ہوتے ہیں، چنانچہ یہ ہر اس لفظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو فریقین کی رضامندی اور ارادے پر دلالت کرے ❷ بیع (خرید و فروخت) اقالہ (بیع کو رضامندی سے ختم کرنا) اجارہ (کرایہ داری) اور ہبہ (تحفے کا لین دین) یہ امور نیت پر موقوف نہیں، چنانچہ اگر مزاحاً کوئی ہبہ کرے تو ہبہ درست ہو جائے گا، لیکن احناف فرماتے ہیں ❸ کہ اگر بیع ایسے صیغہ مضارع کے ساتھ کی گئی ہے جس کے ساتھ "س" کا "سوف" کا اضافہ نہیں (جو کہ مضارع (مستقبل) کے معنی میں قربت پیدا کرے اسے مستقبل قریب میں بدل دیتے ہیں) تو اس صورت میں وہ نیت پر موقوف ہوگی، اگر اس شخص نے نیت فی الفور کرنے کی کی ہو تو وہ بیع ہو جائے گی ورنہ وہ بیع نہیں ہوگی (وعدہ بیع یا پیشکش

❶.....مواهب الجليل للخطاب جلد ۴، ص ۲۵۴ طبع دار الفكر بيروت۔ ❷ فتح القدير ج ۲ ص ۳۴۶، الدر المختار مع الحاشية ج ۲ ص ۳۶۸، شرح الكبير للعلامة الدردير ج ۲ ص ۲۲۰، بداية المجتهد ج ۲ ص ۱۶۸، القوانين الفقهيه ص ۱۹۵۔ ❸ الاشباه والنظائر۔ ابن نجيم ص ۱۸، ۲۰۔

فروخت ہوگی) بخلاف صیغہ ماضی کے کہ اس میں بیع نیت پر موقوف نہیں ہوتی ہے اور وہ مضارع جو خالص مستقبل کے معنی میں ہو تو وہ امر (حکم) کی حیثیت رکھتا ہے اس سے بیع کسی طرح درست نہیں نہ نیت کے ساتھ نہ بلانیت اور بیع ہزل (ہنسی مذاق) میں نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں بیع کے حکم پر اضافہ نہیں پائی جارہی ہوتی ہے۔

اقرار، وکالت، ایداع (دوسرے کے پاس امانت رکھوانا) اعارہ (عاریت رکھوانا) قذف دوسرے پر بدکرداری کا الزام لگانا) اور سرقہ (چوری)۔

تو یہ معاملات نیت پر موقوف نہیں ہوتے ہیں (یعنی ان میں نیت کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا ہے) اور قصاص قاتل کے ارادہ قتل پر موقوف ہے، لیکن احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ ارادہ ایک دلی اور پوشیدہ فعل ہے اس کا جاننا ممکن نہیں لہٰذا آلہ قتل کو اس کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لہٰذا اگر ایسی چیز سے قتل کیا گیا ہو جو عادۃً کاٹنے اور اجزاء کو ٹکڑے کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہو تو یہ قتل عمد کہلائے گا اور قصاص واجب ہوگا۔ اور اگر ایسی چیز سے قتل کیا جو عادتا اجزاء کو علیحدہ نہ کردیتا ہو لیکن غالب طور پر قتل کردیتا ہو تو یہ شبہ عمد کہلائے گا، اس میں قصاص نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

۱۱......گیارہویں بحث متعلقہ نیت

نیت فسوخ میں، (یعنی وہ معاملات جن سے فسخ کا عمل ہوتا ہے) اقالہ (جو کہ عقد بیع کا فسخ ہوتا ہے) اور طلاق (جواز دواجی تعلق کے تحلیل کرنے کا سبب ہوتی ہے) اگر یہ دونوں صریح اور واضح الفاظ میں ہو تو یہ نیت پر موقوف نہیں ہوتے ہیں [1] چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بھولے سے غفلت میں یا غلطی سے طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے حتیٰ کہ احناف نے تو یہ بھی قرار دیا ہے کہ قضاء (عدالتی حیثیت اور روسے) تصحیف شدہ (بدلے ہوئے بگڑے ہوئے) الفاظ سے بھی طلاق ہوجاتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اس لفظ سے طلاق دینے کا ارادہ بھی کرے۔ اور الفاظ کنایات سے طلاق کا وقوع یعنی وہ الفاظ جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور لوگوں میں متعارف نہ ہوں جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے **الحقی باھلك** (اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ) **اذھبی** (چلی جاؤ) **اخرجی** (نکل جاؤ) **انت بائن** (تم مجھ سے جدا ہو بائن ہو) **انت بتة انت خلية** (تم خالی ہو) **برية** (تم بری ہو) **اعتدی** (شمار کرو) **استبرئی رحمك** (اپنے رحم کو صاف کرلو) اور **امرك بيدك** (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) تو یہ سب الفاظ طلاق کے معنی یا دوسرے معنی دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

چنانچہ قضاء حنابلہ اور حنفیہ کی رائے میں نیت طلاق یا ارادہ طلاق جس پر حالت دلالت کرے کے بغیر ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوگی۔ اور وہ اس طرح کہ یہ الفاظ یا تو غصے کی حالت میں کہے جائیں۔ یا مذاکرہ طلاق (طلاق پر گفتگو) کے دوران ایسا ہو۔ مالکیہ اور شوافع کی رائے میں صرف نیت سے طلاق واقع ہوگی، دلالت حال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چنانچہ طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب وہ نیت کرے، اگر وہ شخص کہے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر وہ شخص قسم دلانے پر قسم نہ اٹھانے کو تیار ہو تو (اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے) طلاق کا حکم دے دیا جائے گا۔ شوافع نے نیت کنایت میں یہ شرط قرار دیا ہے کہ وہ ہر لفظ سے متصل ہو، لہٰذا اگر پہلے لفظ سے متصل ہوا اور دوسرے لفظ سے پہلے اس کی نیت نہ رہی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگر شوہر یہ کہے کہ **انت طلاق یا انت الطلاق** یعنی مصدر کا لفظ استعمال کرے یا یوں کہے **انت طالق طلاقًا** (تجھے طلاق ہے طلاق دینا) تو احناف مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کے ذریعے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اگر اس نے کوئی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی، گویا یہ الفاظ ان کے ہاں صریح ہیں کیونکہ اس میں اس شخص نے مصدر کی تصریح کی، اور مصدر قلیل وکثیر دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس شخص نے اس چیز کی نیت کی جس کا یہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ

---

[1]...... الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۸ اور بعد کے صفحات

مصدر کے لفظ میں دو کی نیت درست نہیں، ماسوا اس کے کہ وہ بیوی باندی ہو (جس کی دو طلاقیں ہوتی ہیں) طلاق خلع ایلاء (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم) اور ظہار (بیوی کو ماں کی پیٹھ یا پیٹ سے تشبیہ دینا) کو تفویض کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جو ان میں سے صریح ہو تو اس کے لئے نیت شرط نہیں اور جو کنایہ ہو اس کے لئے نیت شرط ہے۔ اور رجعہ (طلاق کے بعد بیوی سے رجوع کرنا) تو عقد زواج کی طرح ہے، کیونکہ یہ اسی کو برقرار رکھے جانے کا عمل ہے لیکن اس کا صریح لفظ نیت کا محتاج نہیں اور کنایہ لفظ نیت کا محتاج ہوگا۔ شوافع رحمہ اللہ کی رائے راجح قول کے مطابق یہ ہے کہ انت طلاق یا انت اطلاق الفاظ صریحہ میں سے نہیں ہیں، یہ دونوں کنایہ الفاظ ہیں کیونکہ مصادر کا استعمال اعیان (اشیاء) میں توسعا (گنجائش پیدا کرنے کے لیے) ہوتا ہے اصلاً نہیں ہوتا، لہذا، اس میں نیت لازم ہوگی۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ تعریضاً قذف کرنا (یعنی ذو معنی بات کر کے کسی پر بدکاری کا الزام لگانا) جب موجب حد ہوگا جب الزام لگانے والا نیت کرے، گویا یہ کنایات طلاق کی طرح ہے، اور کنایہ لفظ نیت کے ساتھ ہو کہ حد واجب کرتا ہے صریح کی طرح۔

۱۲...... بارہویں بحث متعلقہ نیت

تروک (وہ چیزیں جن کا ترک کرنا مطلوب ہے) میں نیت۔

تروک سے مراد ہے مثلاً ترک ریا (ریا کاری کا چھوڑنا وغیرہ) جن سے شرعاً ممانعت آئی ہے، شرعاً یہ طے ہے کہ ممانعت کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے ممنوع چیز کے چھوڑنے کے لئے نیت ضروری نہیں، صرف ثواب کے حصول کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ مثلاً انجام دہی سے رک جانا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی چیز نفس جس کا خواہشمند ہو اس کے کرنے پر قدرت ہو اس چیز سے خوف خداوندی کی بنیاد پر رک جانا تو نیت کر کے رکنے پر اس پر اجر ملے گا ورنہ اس چیز کے چھوڑنے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ چنانچہ نمازی کو دوران نماز زنا سے بچنے پر ثواب نہیں ملے گا اور نامرد شخص کو زنا سے بچنے پر ثواب نہیں ملے گا اور نہ نابینا شخص کو حرام چیزوں کے نہ دیکھنے پر اجر و ثواب ملے گا۔

فقہ اسلامی میں بعض اعمال ایسے ہیں جو تروک کے حکم میں ہیں، کیونکہ وہ دو حیثیتوں کے درمیان ہیں۔

۱...... وہ افعال ہیں اس حیثیت سے کہ وہ فعل ہیں اور تروک (جمع ترک) اس حیثیت سے کہ وہ اس سے قریب ہیں ایسے افعال کے بارے میں اکثر حضرات نے نیت کو شرط نہیں قرار دیا ہے کیونکہ ان میں تروک سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسے نجاست کا دور کرنا، غصب شدہ چیز اور عاریتاً لی ہوئی چیز کا لوٹانا اور تحفے کا پہچانا وغیرہ کہ ان کی صحت شرعی نیت پر موقوف نہیں، تاہم ثواب نیکی کی نیت کرنے پر منحصر ہوگا۔ میت کا نہلانا تو حنابلہ کے علاوہ اکثر کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ اس میں نیت شرط نہیں جیسے ان اعمال میں نہیں جو ترک سے ملحق ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ میت کو نہلانے سے مقصود صفائی کا حصول ہوتا ہے جیسے نجاست کے ازالے میں مقصود صفائی کا حصول ہوتا ہے، اور اسی طرح نماز سے باہر ہونے کی نیت کا معاملہ ہے کہ راجح بات یہ ہے کہ اس میں نیت شرط نہیں، کیونکہ نیت کا کسی کام کے انجام دینے کے لئے ضروری قرار پانا زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے کسی کام کے ترک کرنے کے لئے ضروری قرار دیا جائے (یعنی کسی کام کو انجام دیتے وقت نیت کا لازم ہونا کہ بلا نیت وہ کام نہ ہو یہ معقول اور قابل قبول بات ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی کام کے چھوڑنے کے لئے اسے لازم قرار دیا جائے) تروک سے ملحق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مویشیوں کو چارہ کھلائے اگر مقصود امتثال حکم خداوندی ہے تو وہ ثواب پائے گا اور اگر مقصود ان جانوروں کو ہلاکت سے بچا کر اپنی دولت و مال کی حفاظت کرنا ہے تو اسے ثواب نہیں ملے گا جیسا کہ علامہ قرافی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے۔ تاہم اس اصول سے یہ مسئلہ مستثنیٰ ہے کہ مجاہد اگر اپنے گھوڑے کو سبیل اللہ میں لگا دے تو اگر وہ اسے پانی پلائے لیکن نیت نہ ہو تو بھی اسے

ثواب ملے گا پہلے بیان کردہ مسائل کی طرح بیوی کا مسئلہ بھی ہے کہ اگر قضاء شہوت میں نیت امتثال امر کی ہو تو اجر ملے گا ورنہ نہیں) اور اسی طرح رات کو گھر کے دروازے بند کرنے میں اور سوتے وقت روشنی گل کرنے میں اگر مقصود حکم خداوندی کا امتثال ہے تو ثواب ملے گا اور اگر کچھ اور مقصود ہے تو نہیں۔ ⓫

۱۳.....تیرہویں بحث: مباحات اور عادات میں نیت کا حکم

انسان سے دن رات صادر ہونے والے مباح اور عادی افعال کی صورت اس لحاظ سے مختلف ہوتی ہے کہ کسی مقصد کے تحت ان امور کی انجام دہی ہوئی ہے اگر ان سے مقصود نیکیوں کے انجام دینے کے لئے قوت کا حصول یا ان تک باآسانی رسائی اور ان کی باآسانی انجام دہی ہو تو یہ عبادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، اور اگر ان سے مقصود عبادت نہ ہو تو ان پر ثواب نہیں ملے گا۔ اور اس تفصیل کی بناء پر تمام مباحات جیسے کھانا، پینا سونا، کمائی کرنا، ہم بستری وغیرہ یہ سب تروک کی طرح ہیں، یعنی جیسے زنا کا ترک شراب کا ترک اور دیگر محرمات کا ترک اور اس حیثیت میں تروک کی طرح ہیں کہ یہ نیت کے محتاج نہیں ہوتے اور عبادت کا درجہ اس وقت تک حاصل نہیں کرتے ہیں جب تک ان سے عبادت مقصود نہ ہو جیسے کھانا پینا نیکیوں کی انجام دہی کے لئے قوت حاصل کرنے کی نیت سے اور ہم بستری اپنے اور بیوی کے پاکدامن اپنے اور گناہ سے بچنے اور نیک اولاد کے حصول کی غرض سے اور زنا اور شراب کا مثلاً امتثال امر کی خاطر ترک کرنا اور اسی طرح ہر وہ فعل جو بالارادہ عبادت بن سکتا ہے اس میں بالارادہ قصد ضروری ہے تاکہ وہ عبادت کا درجہ حاصل کرے اور اس پر ثواب مرتب ہو سکے۔ اور اسی بات کا اشارہ انما الاعمال بالنیات والی حدیث میں ملتا ہے۔ لہٰذا علامہ رملی رحمہ اللہ علیہ کے بقول نیت کا مباحات اور عادی امور کے انجام دیتے وقت استحضار کر لینا بہت مناسب ہے تاکہ اسے ان اعمال پر عبادت کا ثواب ملے، اور ان کاموں میں نیت کر لینے میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے یہ تو خود اس کے نفس کو مرغوب اور لذت انگیز امور ہوتے ہیں، سبحان اللہ، اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے اور کتنی بڑی اس کی رحمت ہے کہ اپنے بندے کے لئے پاکیزہ چیزیں مباح کر دیں جن کو وہ خود پسند کرتا ہے اور ان کی خواہش رکھتا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت بندے کو ان چیزوں پر بھی نیک نیت کر لینے پر ثواب عطا فرماتا ہے جیسے کہ وہ ان عبادتوں پر ثواب عطا کرتا ہے جن کا اس نے بندے سے تقاضا کیا ہے تو تمام تعریف اور احسان نوازی کا شکر یہ اسی کے لئے ہے نہیں کوئی پالن ہار اس کے سوا اور اس کی بھلائی ہی درحقیقت خیر و بھلائی ہے۔

ہر مسلمان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ مباح اور عادی افعال پر ثواب حاصل کرنے کے لئے صبح و شام یہ الفاظ کہے اے اللہ جو کچھ میں اس دن۔ یا اس رات اچھائی کروں تو وہ محض تیرے حکم کی تعمیل میں کروں گا، اور جو گناہ میں ترک کردوں تو وہ تیرے منع کرنے کے حکم کی تعمیل میں ترک کروں گا۔

۱۴۔ چودھویں بحث متعلقہ نیت: نیت دوسرے امور میں

جو امور ہم نے ذکر کیے ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ امور ہیں: میں یہاں ان امور کے بارے میں نیت کے حکم کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔ ⓬

۱۔ جہاد...... بڑی عظیم عبادت ہے، اس کے لئے خلوص نیت ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں جہاد فی سبیل اللہ بن سکے۔

⓫...... الاشباه والنظائر، ابن نجيم ص ۲۱، الاشباه للسيوطی ص ۱۱ شرح الاربعين النوويه للنووی ص ۷۔۸، غاية المنتهی ج ۱ ص ۱۱۵۔ ⓬ غاية المنتهی ج ۱ ص ۱۱۵۔

۲۔ وصیت عتق...... (غلام آزاد کرنا) کی طرح ہے اگر اس سے مقصود تقریب الی اللہ ہو تو اجر ملے گا ورنہ وہ صرف صحیح ہوگی لیکن اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

۳۔ وقف:...... یہ اصلاح عبادت نہیں ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ وقف کافر کا بھی صحیح ہے اگر نیکی کی نیت ہو تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔

۴۔ شادی...... یہ عبادت کے قریب قریب ہے، حتیٰ کہ شادی کرنا افضل ہے عبادت کی غرض سے مجرد رہنے سے اور یہ عام حالت اعتدال نفس میں سنت مؤکدہ ہے مذہب حنفی کے راجح قول کے مطابق لہٰذا حصول ثواب کے لئے نیت ضروری ہوگی اور وہ یہ ہوگی کہ انسان اپنے آپ کا اور اپنی بیوی کے پاک دامن اور گناہ سے بچتے رہنے کی نیت کرے اور اولاد کے حصول کا ارادہ کرے، اور رجعت (طلاق رجعی کے بعد بیوی سے رجوع کرنا) شادی کی طرح ہے، کیونکہ اس سے رشتہ ازدواج کو برقرار رکھا جاتا ہے، چنانچہ اگر صریح لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے لئے نیت کی ضرورت نہیں اور جو کنایہ ہو اس کے لئے نیت ضروری ہوگی۔

۵۔ قضاء: (عدالتی امور)...... عبادات میں سے ہے اور اس پر ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔

۶۔ حدود، تعزیرات...... اور وہ تمام امور جن کو حکام اور افسران بالا انجام دیتے ہیں اور گواہیاں لینا اور دینا ان سب میں اجر و ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔

۷۔ تاوان یا نقصان کی تلافی...... یہ نیت یا ارادے پر موقوف نہیں نقصان کی تلافی ایسے ہی ضروری ہے جیسے ضائع کر دینے کی صورت میں تلافی ضروری ہوتی ہے، خواہ یہ جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض نیت کر لینے سے بھی کہیں تاوان واجب ہو سکتا ہے جب کہ فعل وقوع پذیر نہ ہوا ہو؟ احناف کی ایک مسئلے کے بارے میں رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھا ہوا شخص اگر بدن کی ہیئت کے مطابق بنا ہوا کپڑا پہن لے پھر اسے اتار دے اور اس کا دوبارہ پہننے کا ارادہ ہو اور وہ اس کو پہن لے تو اسی پر متعدد جزا (بدلے، دم) لازم نہیں ہوں گے، اور اگر اس کا ارادہ دوبارہ پہننے کا نہیں تھا پھر بھی پہن لیا تو جزاء (بدلہ، دم) متعدد ہوں گے (جتنی بار پہنا اتنی بار دینا ہوگا) اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کسی کا امانت کپڑا ہو اور وہ اس کو پہن لے پھر اتار دے لیکن دوبارہ پہن لینے کی نیت ہو تو اس کے ضائع ہونے کی صورت میں وہ تاوان سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔

۸۔ کفارات...... خواہ غلام آزاد کرنے کی شکل میں ہوں یا روزے رکھنے کی شکل میں ہوں یا فقراء کو کھانا کھلانے کی شکل میں ہوں ان کے صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری ہے۔

۹۔ ضحایا (قربانی کے جانور)...... ان کے لئے نیت ضروری ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں تاہم احناف کی رائے میں خریداری کے وقت نیت ہونی چاہئے ذبح کے وقت نہیں اور اس پر یہ مسئلہ تفریع ہوتا ہے کہ اگر کسی نے کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدا اور دوسرے شخص نے بلا اجازت ذبح کر دیا تو اگر مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں، اور اگر اپنی طرف سے کیا تو اگر ذبح کرنے والے نے اس کو ذبح شدہ لے لیا اور مالک نے اس سے تاوان نہیں لیا تو قربانی اس کی طرف سے ہو جائے گی اور اگر مالک نے تاوان لیا تو قربانی اس (ذبح کرنے والے) کی طرف سے نہیں ہوگی۔ کیا اضحیہ (قربانی کا جانور) نیت سے متعین ہو جاتا ہے؟ احناف فرماتے ہیں اگر فقیر نے اضحیہ کی نیت سے خریدا تو متعین ہوگا اور وہ اسے فروخت نہیں کر سکتا، اور اگر کسی مالدار شخص نے خریدا تو متعین نہیں ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں صحیح اس قول کو قرار دیا ہے کہ مطلقاً نیت سے متعین ہو جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے ہاں مطلقاً متعین نہیں ہوتا

خواہ قربانی کے دنوں کے علاوہ دنوں میں، اوراس کو چاہیئے کہ وہ اسے صدقہ کردے مذہب شافعی اور ایک قول مالکیہ کے ہاں بھی یہ ہے کہ خریدار کے یہ کہنے سے کہ "یہ میرا قربانی کا جانور ہے" وہ متعین ہوجاتا ہے اسی طرح اس طریقے سے کہنے سے بھی میں نے اسے قربانی کے لئے کردیا اس صورت میں اس پر اس کو ذبح کرنا متعین ہوتا ہے کیونکہ اس جملے کے کہنے سے اس کی ملکیت اس جانور پر سے ختم ہوجاتی ہے، اور مالکیہ اضحیہ یا تو ذبح کرنے سے متعین ہوتا ہے یا ذبح کرنے سے قبل نیت کرنے سے یہ دونوں قول مذہب مالکی میں اس مسئلے کے بارے میں اختلاف اقوال کے سبب ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔اور قابل اعتماد مشہور قول یہی ہے کہ اضحیہ صرف قربانی سے ہی متعین ہوتا ہے نذر مان لینے سے بھی متعین نہیں ہوتا ہے۔

اور اس بحث کے اختتام پر میں یہ کہوں گا کہ یہ سب کچھ نیت اس کی اہمیت اور احکام کا بیان گذرا چنانچہ نیت مسلمان کے دل کا وہ ریڈار اور قطب نما ہے جو اسے یا تو بھلائی کا رخ دکھاتی ہے یا برائی کا، مسلمان کے عمل کا دارومدار اس پر ہے عبادات اور معاملات کے شرعی اعمال کی کسوٹی ہے یا تو عمل شرعی کو یہ صحت سے ہمکنار کرتی ہے یا اسے باطل اور کالعدم کرتی ہے، اور یہی کسی عمل کے اخروی ثواب وعقاب کا سبب بنتی ہے یا تو ثواب اور ہمیشہ کی جنتوں کی کامیابی کا سبب بنتی ہے جیسے جہاد کی، مسلمانوں سے محبت کی اور صفاء قلب کی نیت، اور یا یہ سبب بنتی ہے عتاب وسزا کا جیسے حسد، کینہ، بغض، ریاکاری، شہرت اور دکھاوے کی نیتیں۔

چنانچہ جس کی نیت اچھی ہوئی۔اس کے اندر کی حالت بہتر ہوئی تو وہ فضیلت کامیابی اور بھلائی سے دنیا اور آخرت میں ہمکنار ہوگا اور جس کی نیت بگڑی، اس کے اندر کی حالت خراب ہوئی تو نقصان اور برائی اور ناکامی دنیا اور آخرت میں اس کا نصیب بنے گی۔

القسم الاول: العبادات

پہلی قسم......عبادات کا بیان

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو! سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱

تمہید...... دین کے امور زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق احکام یعنی اعتقادات (عقائد) آداب، عبادات، معاملات اور عقوبات (سزاؤں) کی تفصیلات پر مشتمل ہوتے ہیں، اور ان پر "فقہ اکبر" کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور چونکہ ہماری بحث اور گفتگو کا تعلق ان احکام شرعیہ کی فقہ سے ہے جو عملی ہیں لہٰذا ہم عقیدے اور اخلاقیات کی بحث نہیں چھیڑیں گے (کہ اول کا تعلق عملی احکام سے نہیں نظریاتی احکام سے ہے اور دوسرے کا تعلق شرعی احکام سے نہیں)۔

عبادات کی پانچ قسمیں ہیں۔نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد۔ہماری بحث کے خاکے میں جہاد کی بحث عبادات کے ذیل میں نہیں ہے، اس کو ہم ان احکام کے ذیل میں بیان کیا ہے جن کا تعلق مملکت سے ہوتا ہے۔

معاملات کی پانچ قسمیں ہیں، معاوضات مالیہ (مالی معاوضوں کے معاملات) شادی بیاہ کے معاملات، باہمی تنازعات، امانتوں کے معاملات اور ترکے کے معاملات۔

عقوبات (سزائیں) کی پانچ قسمیں ہیں، قصاص، حد سرقہ (چوری کی حد) حد زنا، حد قذف (بدکاری کے الزام کی حد) اور حد ردت (مرتد بن) جانے کی سزا۔ (۱)

---

(۱)......ردالمحتار ج ۱ ص ۷۳، ان حدود کے ساتھ حد شرب اور حد سکر (شراب نوشی اور نشہ کرنے کی حد) بھی شامل ہیں۔

عبادت:......ایک جامع اور وسیع مفہوم کا حامل نام ہے جو ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہو خواہ اقوال ہوں یا پوشیدہ اور ظاہری افعال واعمال ہوں ❶ اور دین اللہ کا مفہوم ہے اللہ کی عبادت، اطاعت اور اس کے آگے جھک جانا۔

چنانچہ نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، سچ بات بولنا، امانت ادا کرنا والدین سے حسن سلوک کرنا صلہ رحمی کرنا، وعدے پورے کرنا، نیکی کا حکم کرنا برائی سے روکنا کفار اور منافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی یتیم، مسکین اور مسافر سے اور جانوروں تک حسن سلوک اور خوش معاملگی کرنا، دعا، ذکر وتلاوت اور اس کے علاوہ نیکی کے دیگر کام سب عبادت میں سے شمار ہوں گے۔ اسی طرح اللہ اور رسول سے محبت، اللہ کا خوف وخشیت اور اس کی طرف رجوع، اور دین کو اس کے لئے خالص کرنا اس کے حکم کے آگے صبر کرنا، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا، اس پر بھروسہ کرنا اس کی رحمت کی امید کرنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا اور اس طرح کے دیگر ابواب خیر ان سب پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ عبادات خداوندی درحقیقت وہ چیز ہے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہے اور وہ مقصود امر ہے جس کے لئے اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، اللہ فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ سورۃ ذاریات

اور میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور اس پیغام کو لے کر تمام انبیاء بھیجے گئے جیسے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ......سورۃ الاعراف

اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

اور اسی طرح حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کو اپنی اقوام کی طرف اسی پیغام کے ساتھ بھیجا گیا۔

اور چونکہ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہیں، نیکوکار بھی اور برے بھی مومن اور کافر بھی اہل جنت بھی اور اہل جہنم بھی۔ ان سب کا بندہ ہونا اللہ واحد وقہار کی عبادت کو مستلزم ہے (یعنی ان پر بندہ ہونے کے ناطے۔

اللہ کی عبادت لازم ہے) فرمان خداوندی ہے:

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ سورۃ الانبیاء

بے شک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ سورۃ البقرۃ

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے پیدا کیا تمہیں اور تم سے پہلے والوں کو تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔

اور فرمایا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ سورۃ الذاریات

اور میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس بناء پر فقہاء کرام کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ عبادات کو دوسری چیزوں سے پہلے بیان کیا کرتے تھے اس کی عظمت شان کی بناء پر کیونکہ انسانوں کی تخلیق اسی کے لئے ہوئی ہے اسی طرح فقہاء عبادات میں سے نماز کو پہلے بیان کرتے ہیں کیونکہ ایمان کے بعد اللہ کو سب سے پسندیدہ عمل یہی ہے اور اس لئے بھی کہ نماز دین کا ستون ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا

❶......العبودية، شيخ الاسلام امام ابن تيميه ص ۲.

اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ڈھادیا اس نے دین کو ڈھادیا یہ حدیث بیہقی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے یہ حدیث اس طرح بھی آئی ہے **الصلاۃ عمود الدین** یہ حدیث حسن ہے۔

خطۃ البحث (عبادات کی مباحث کا اجمالی خاکہ)

جہاد کے علاوہ عبادات پر گفتگو ان مندرجہ بحثوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۔الطہارۃ، ۲۔الصلوٰۃ، ۳۔الجنائز (جنازے کے احکام)، ۴۔الزکوٰۃ، ۵۔الصیام والاعتکاف، ۶۔الحج، ۷۔قسم اور نذر کا بیان، ۸۔**الاطعمۃ والاشربہ** (ماکولات اور مشروبات کا بیان) ۹۔**الصید والذبائح** (شکار اور ذبح کا بیان) ۱۰۔**الضحایا والعقیقۃ والختان** (قربانی، عقیقے اور ختنے کا بیان) ان امور پر بحث ان نو ابواب پر تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔الباب الاول.....الطہارات، مقدمات الصلوٰۃ اوالوسائل — پہلا باب.....پاکی کا بیان، نماز کے مقدمات یا وسائل و اسباب

۲۔الباب الثانی.....الصلوٰۃ واحکام الجنائز — دوسرا باب.....نماز اور جنازے کے احکام کا بیان

۳۔الباب الثالث.....الصیام والاعتکاف — تیسرا باب.....روزوں اور اعتکاف کا بیان

۴۔الباب الرابع.....الزکوٰۃ وانواعہا — چوتھا باب.....زکوٰۃ اور اس کی اقسام

۵۔الباب الخامس.....الحج والعمرۃ — پانچواں باب.....حج اور عمرے کا بیان

۶۔الباب السادس.....الایمان والنذور والکفارات — چھٹا باب.....قسم، نذر اور کفاروں کا بیان

۷۔الباب السابع.....الحظر والاباحۃ اوالاطعمۃ والاشربۃ

ساتواں باب.....ممنوع اور مباح چیزوں کا بیان.....یا.....ماکولات اور مشروبات کا بیان

۸۔الباب الثامن.....الضحایا والعقیقۃ والختان — آٹھواں باب.....قربانیوں، عقیقے اور ختنے کا بیان

۹۔الباب التاسع.....الصید والذبائح — نواں باب.....شکار اور ذبح کرنے کا احکام

الباب الاوّل

الطہارات، الوسائل اَوْ مقدمات الصلاۃ

پہلا باب.....طہارات کا بیان، یعنی ذرائع طہارت یا نماز کے ابتدائی امور کا بیان

طہارت کی بحث ان مندرجہ ذیل سات فصلوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۔الفصل الاول.....پہلی فصل طہارت، اس کے معنی، اہمیت پاک کرنے والی چیزوں کی اقسام پانی کی اقسام مختلف جھوٹوں اور کنوؤں کا بیان اور پاک چیزوں کی قسمیں۔

۲۔دوسری فصل.....نجاست، اس کی اقسام، قابل معافی مقدار کا بیان، نجاست پاک کرنے کا طریقہ اور غسالہ کا حکم

۳۔تیسری فصل.....استنجاء اس کے معنی، حکم اور ذرائع، اور قضاء حاجت کے آداب۔

۴۔چوتھی فصل.....وضو اور اس کے ذیل کے مباحث جو یہ ہیں:

پہلی بحث:.....وضو کے فرائض شرائط سنتیں نواقض (وضو توڑنے والی چیزیں معذور شخص کا وضو)

دوسری بحث.....مسواک، اس کی تعریف، حکم، کیفیت اور فوائد۔

تیسری بحث.....مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) اس کا مفہوم، مشروعیت کیفیت، شرائط، مدت مسح، پگڑی پر مسح جورب پر مسح اور پٹیوں پر مسح۔

۵۔ پانچویں فصل.....غسل، اس کے فوائد و امتیازات، اس کے موجبات (واجب کرنے والی چیزیں فرائض سنتیں اور مکروہات، جنبی پر حرام چیزیں مسنون غسل، احکام مسجد اور حماموں کے احکام کے دو مباحث جو اس سے ملحق ذکر کیے گئے ہیں۔

۶۔ چھٹی فصل تیمم.....اس کی تعریف، مشروعیت اور حیثیت اس کے اسباب فرائض، کیفیت، شرائط، سنتیں اور مکروہات، نواقض اور دونوں ذرائع طہارت (یعنی پانی اور مٹی) کے نہ پانے والے کا حکم۔

۷۔ حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان اس کے ذیلی مباحث۔

پہلی بحث:.....حیض کی تعریف اور اس کی مدت۔

دوسری بحث.....نفاس کی تعریف اور اس کی مدت۔

تیسری بحث.....حیض، نفاس کے احکام اور حائضہ اور نفاس والی عورت پر حرام چیزوں کا بیان۔

چوتھی بحث.....استحاضہ اور اس کے احکام۔

پہلی فصل.....طہارت

فقہاء طہارت کی بحث کو نماز کی بحث پر مقدم رکھتے ہیں، کیونکہ طہارت نماز کی کنجی ہے اور نماز کے صحیح اور درست ہونے کے لئے شرط ہے اور شرط مشروط سے پہلے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے نماز کی چابی پاکی ہے اور اس کی تحریم ابتداء تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ہے اور اس کی تحلیل (اختتام) تسلیم (السلام علیکم)[1] دوسری حدیث میں ہے "پاکی ایمان کا حصہ ہے۔"[2]

اس فصل میں چھ مباحث ہیں:

۱۔ پہلی بحث:.....طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت

۲۔ دوسری بحث:.....طہارت کے وجوب کی شرائط

۳۔ تیسری بحث.....پاک کرنے والی اشیاء کی قسمیں

۴۔ چوتھی بحث.....پانی کی اقسام

۵۔ پانچویں بحث.....کنوؤں اور جھوٹوں کا بیان

۶۔ چھٹی بحث.....پاک اشیاء کی اقسام

---

[1]..... یہ حدیث حسن اور صحیح ہے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے اسے روایت کیا نصب الرأیۃ ج ۱ ص ۳۰۷۔ [2] یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے روایت کی ہے طہور سے یہاں مراد فعل ہے طاء پر پیش ہے اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس میں اجر ایمان کے آدھے اجر تک ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں ایمان سے مراد ہے نماز، کیونکہ فرمان خداوندی ہے وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ البقرۃ آیت ۱۴۳) اور طہارت چونکہ نماز کی صحت کے لئے شرط ہے اس لئے یہ نماز کے لئے شرط ایک حصہ قرار پائی۔ اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ طہارت سے مراد طہارت معنوی ہے کیونکہ مسلمان جب طہارت کے ساتھ گندی صفات سے متصف ہو جیسے کبر، کینہ، حسد تو اس کا ایمان ضعیف ہوتا ہے اور جب اس کی روح صفائی حاصل کر لے اور اس کا نفس خالص جائے تو اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

ا۔پہلی بحث......طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت

طہارت لغت کے مطابق صفائی ظاہری اور حسی میل کچیل جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ جیسی نجاستیں، اور معنوی میل کچیل جیسے عیوب اور گناہ، وغیرہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے ہیں اور تطہیر کا مطلب ہے تنظیف یعنی کسی جگہ کو صاف کر دینا اس جگہ نظافت پیدا کر دینا۔

اور شرعاً طہارت کہتے ہیں نجاست سے صفائی حاصل کرنے کو خواہ نجاست حقیقی ہو جسے خبث کہتے ہیں یا حکمی ہو جسے حدث کہتے ہیں۔❶

اور خبث حقیقت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو شرعاً ایک گندگی کی حامل چیز ہو جس کا طبعی وجود ہو۔ اور حدث ایک شرعی کیفیت ہے جو اعضاء میں سرایت کرتی ہے اور طہارت کو زائل کر دیتی ہے۔ علامہ نووی شافعی نے طہارت کی تعریف یوں کی ہے کہ حدث کا رفع کرنا یا نجاست کا دور کرنا یا وہ چیز جو ان دونوں (رفع حدث اور ازالہ نجاست) کے معنی میں ہو یا صورت میں ہو❷ آخر کے ان کلمات سے جن سے انہوں نے احناف کی تعریف پر اضافہ کیا ہے ان کا مقصود ہے تیمّم اور مسنون غسل کو تعریف میں شامل کرنا اسی طرح تجدید وضو اور اعضاء کا دوسری اور تیسری مرتبہ دھونے کا عمل حدث اور نجس دونوں صورتوں میں، اور کان کا مسح، اور کلی کرنا اور اس جیسے دیگر امور جو طہارت کے مستحبات میں سے ہیں ان کے علاوہ مستحاضہ اور سلس البول (مستقبل پیشاب کے قطرے آنے کا مریض) جیسے مریضوں کی طہارت کو تعریف طہارت میں شامل کرنا بھی مقصود ہے۔

طہارت کی تعریف مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں بھی ویسی ہی ہے جیسے احناف کے یہاں ہے❸ چنانچہ وہ فرماتے ہیں طہارت شریعت میں کہتے ہیں۔

حدث یا نجاست میں سے نماز کو روکنے والی چیز کو پانی کے ذریعے دور کرنے کے عمل کو یا اس چیز کے جو مانع ہے، حکم کو مٹی کے ذریعے دور کرنے کے عمل کو۔

طہارت کی دو قسمیں......طہارت کی تعریف سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں، طہارت حدث، یہ خاص ہے بدن کے ساتھ اور دوسری ہے طہارت خبث، اور یہ بدن، کپڑے اور جگہ تینوں مقام پر ہو سکتی ہے طہارت حدث کی تین قسمیں ہیں، طہارت حدث کبریٰ (بڑی طہارت) اور وہ غسل ہے، طہارت صغریٰ جو کہ وضو ہے، اور ان دونوں طہارت کا بدل جب کہ ان دونوں کو اپنانے سے انسان معذور ہو اور وہ ہے تیمّم۔ اور خبث (جسم والی گندگی) کی طہارت بھی تین قسم کی ہے غسل (دھونا) مسح (پونچھنا) نضح (چھڑکنا)۔ تو طہارت وضو، غسل، ازالہ نجاست اور تیمّم اور تمام متعلقات کو شامل ہے۔

اہمیت طہارت...... اسلام میں طہارت کی بڑی اہمیت ہے خواہ حقیقی طہارت ہو جو کہ کپڑے بدن اور نماز کی جگہ کی گندگیوں سے پاکی سے عبارت ہے۔

خواہ طہارت حکمی ہو جو عبارت ہے اعضاء وضو کو حدث سے اور پورے ظاہری اعضاء بدن کو جنابت سے پاک کرنے سے۔ کیونکہ یہ طہارت دائمی طور پر شرط ہے نمازوں کے لئے جو کہ دن میں پانچ مرتبہ ہوتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا نام ہے، تو اس کو طہارت کے ساتھ ادا کرنا اللہ کی تعظیم ہی شمار ہو گا اور حدث اور جنابت اگرچہ نظر آنے والی نجاست نہیں ہیں مگر یہ دونوں معنوی نجاست ہیں اور اس شخص کو گندا کر دیتی ہیں جس میں یہ سرایت کر جائیں تو ان دونوں قسموں کا یا ایک کا وجود اللہ کی تعظیم میں مخل ثابت

❶...... اللباب شرح الكتاب ج ١ ص ١٠، الدر المختار ج ١ ٧٩۔❷المجموع شرح المهذب ج ١ ص ١٢٣ مغنى المحتاج جلد ١ ص ١٦۔❸ الشرح الصغير ج ١ ص ٢٥، الشرح الكبير ج ١ ص ٣٠، المغنى ج ١ ص ٦۔

ہوتا ہے، اور صفائی کے اصول کے منافی ہے جو بار بار دھونے سے متحقق ہوتی ہے، چنانچہ طہارت کے ساتھ روح اور جسم دونوں ایک ساتھ پاک ہوتے ہیں۔

اور اسلام کی توجہ ایک مسلمان کے ہمیشہ دونوں مادی اور روحانی❶ رخوں سے پاک رہنے کے امر پر بذات خود مکمل اور پوری دلیل ہے اسلام کی صفائی اور ستھرائی کے عمل کے بارے میں صرف کی، اور اس بات کی بھی کہ اسلام ایک اعلیٰ مثال اور نمونہ ہے زینت اور صفائی کا اور عوام وخواص کی صحت کی حفاظت کا اور جسمانی ڈھانچے کی عمدہ شکل بہترین مظہر اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر کا اور ماحول اور معاشرے کو امراض کے کمزوری کے اور بڑھاپے کے پھیلنے سے روکنے کا بڑا مؤثر ذریعہ ہے کیونکہ گرد وغبار، مٹی کوڑا کرکٹ اور جراثیم کی آماجگاہ بننے والے ظاہری اعضاء کا روزانہ دھونا اور پورے جسم کا کبھی کبھی اور ہر جنابت کے بعد دھونا انسان کو کسی بھی گندگی اور غلاظت میں ملوث ہونے اور لتھڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے اور طبی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وبائی اور دیگر امراض سے بچنے کا سب سے کامیاب اور مؤثر علاج صفائی ہے، اور پرہیز تو ظاہر ہے کہ علاج سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے پاکی حاصل کرنے والوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ سورۃ البقرۃ

اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور خوب صفائی رکھنے والوں کو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل قباء کی اپنے ان الفاظ میں تعریف فرمائی:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ سورۃ التوبہ

اور اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صفائی اور ستھرائی میں ایک روشن نمونہ بن کر رہے اور ظاہر اور باطن دونوں کو پاک وصاف رکھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ اپنے بھائیوں کے پاس آ رہے ہو تو اپنے کجاوے ٹھیک رکھو، اپنے لباس اچھے کرو یہاں تک کہ تم لوگوں میں نمونہ بن جاؤ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اس شخص کو جو فحاشی اختیار کرنے والا ہو اور نہ اس کو جو متفحش ہو۔

۲۔ دوسری بحث.....طہارت کے وجوب کی شرائط

جسم کپڑے یا جگہ کو جو بھی نجاست لگ جائے اسے پاک کر دینا ضروری ہے، دلیل اس کی قرآن کی یہ آیت ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ سورۃ المدثر

اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھیے۔

اور یہ آیت:

أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ سورۃ البقرۃ

یہ کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے ٹھہرنے والوں کے لئے اور رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لئے۔

اور جب کپڑوں اور جگہ کا دھونا لازم ٹھہرا تو بدن کو پاک کرنا بطریق اولی لازم ہوگا کیونکہ یہ نمازی پر زیادہ ضروری ہے۔

---

❶..... یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ظاہری طہارت، طہارت باطن ہی کے ساتھ نافع ہوتی ہے جو کہ عبارت ہے اخلاص للہ، دھوکے، حسد، کینہ، کھوٹ وغیرہ جیسے عیوب سے پاک ہونے اور قلب کو غیر اللہ سے بالکل پاک کر دینا عالم وجود میں تو انسان اللہ کی عبادت کرے اس کی ذات کی خاطر اس کی طرف محتاج ہو کر نہ کہ کسی نفع کے سبب کی وجہ سے۔

طہارت ہر اس شخص پر لازم ہے جس پر نماز فرض ہے اور یہ وجوب دس شرائط کے ساتھ ہے۔ ❶

۱۔ پہلی شرط اسلام کا ہونا...... دوسرے قول کے مطابق دعوت اسلام کا پہنچ جانا، پہلے قول کی بناء پر کافر پر طہارت واجب نہیں ہوگی، اور دوسرے قول کے پیش نظر اس پر طہارت لازم ہوگی، اور یہ اختلاف دراصل اس مشہور اصولی اختلاف پر مبنی ہے جو معروف ہے اور وہ یہ کہ کفار شریعت کے مخاطب ہیں یا نہیں، جمہور علماء کے ہاں کفار عبادات کی فروع کے مکلف ہیں یعنی وہ بروز قیامت ترک ایمان کے علاوہ اضافی طور پر اس بات پر بھی پکڑے جائیں گے کہ انہوں نے عبادات ترک کی ہیں چنانچہ وہ دو سزاؤں کے مستحق ہوں گے۔ ❷

۱...... ایمان کے ترک کرنے کی سزا۔

۲...... فروع دینی کے ترک کرنے کی سزا۔

اور احناف کے ہاں کفار فروع شریعت کے مخاطب نہیں ہیں، چنانچہ بروز آخرت وہ ایک سزا کے مستحق ہوں گے اور وہ ہے ترک ایمان کی سزا فقط، اور اختلاف صرف اخروی سزا کے بارے میں ہے فریقین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دنیاوی احکام میں اس اختلاف کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ چنانچہ کافر جب تک کافر ہے اس کی عبادت صحیح نہیں ہے اور جب کفار اسلام لے آئیں تو ان سے قضا کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا اور اسی بناء پر یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کافر سے اداشدہ نماز درست شمار نہیں کی جائے گی۔ اور مرتد اگر اسلام لے آئے تو دوران ارتداد اس کی قضاء شدہ نمازوں کی قضا اس پر لازم نہیں ہوگی جمہور علماء کے ہاں اور شوافع کے ہاں قضا لازم ہوگی۔

۲۔ دوسری شرط...... عقل کا ہونا، چنانچہ پاگل اور مدہوش شخص پر طہارت واجب نہیں ماسوا اس کے کہ انہیں وقت نماز کے اندر اندر افاقہ ہو جائے، ہاں نشے میں مدہوش شخص سے طہارت ساقط نہیں ہوگی۔

۳۔ تیسری شرط...... بالغ ہونا، اس کی پانچ علامتیں ہیں:

۱...... احتلام ہونا ۲...... زیر ناف بالوں کا نکلنا ۳...... حیض آنا

۴...... جماع کے نتیجے میں حاملہ ہو جانا ۵۔ مقررہ عمر تک پہنچ جانا۔

اور وہ عمر ہے پندرہ سال ایک روایت ہے سترہ سال کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اٹھارہ سال ہے چنانچہ بچے پر طہارت واجب نہیں، تاہم سات سال کی عمر سے اسے یہ سکھانا شروع کر دینا چاہئے اور دس سال کی عمر میں اس پر تنبیہ بھی کرنی چاہئے۔ اگر بچے نے نماز پڑھی پھر نماز کے بقیہ وقت میں وہ بالغ ہو گیا یا دوران نماز بالغ ہو گیا تو مالکیہ کے ہاں اس پر اعادہ لازم ہے اور شوافع کے ہاں اعادہ لازم نہیں ہے۔

۴۔ چوتھی شرط:...... حیض ونفاس کے خون کا رک جانا۔

۵۔ پانچویں شرط...... نماز کے وقت کا داخل ہو جانا۔

۶۔ چھٹی شرط:...... سویا ہوا نہ ہونا۔

۷۔ ساتویں شرط...... بھول نہ جانا۔

۸۔ آٹھویں شرط: اکراہ (جبر) کا نہ ہونا...... یعنی کوئی زبردستی اسے طہارت سے روکا ہوا نہ ہو ورنہ طہارت لازم نہیں ہوگی تاہم سویا ہوا شخص، بھولا ہوا شخص اور جبر کا شکار شخص بالاجماع فوت شدہ نماز کا اعادہ کریں گے۔

---

❶...... اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے سہل بن الحنظلیہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ ❷ القوانین الفقهیة ابن جزی المالکی ص ۱۹ اور بعد کے صفحات

۹۔ نویں شرط: پانی کا ہونا یا پاک مٹی کا ہونا...... لہٰذا اگر کسی کو دونوں چیزیں دستیاب نہ ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ ایسا شخص نماز پڑھے بھی اور بعد میں اعادہ کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ اعادہ نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے بعد میں قضا دہرالے یہ بات مزید وضاحت سے انشاء اللہ تیمّم کے بیان کے آخر میں ذکر کروں گا۔

۱۰۔ دسویں شرط یہ ہے کہ بقدر امکان فعل طہارت انجام دینے کی قدرت ہو...... یعنی جتنی اس شخص کی قدرت ہے اور جتنا اس کے لئے ممکن ہے وہ طہارت کے افعال انجام دے سکے۔

۳۔ تیسری بحث...... پاک کرنے والی اشیاء کی اقسام

یہ بات دلیل قطعی سے، جس پر سب کا اتفاق ہے، ثابت ہے کہ طہارت شرعاً واجب ہے اور طہارت میں سے وضو، غسل جنابت، غسل حیض ونفاس کا کرنا پانی کے ذریعے لازم ہے، اور ان دونوں، وضو اور غسل کی طرف سے تیمّم کافی ہو جاتا ہے اگر پانی موجود نہ ہو یا اس کے استعمال سے ضرر ہوتا ہو، اور نجاست کا ازالہ کرنا پانی کے ذریعے یہ بھی طہارت کا حصہ ہے اور لازم ہے۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پاک پانی یا ماء مطلق سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے **ماءِ مطلق** اس کو کہتے ہیں جسے عرف عام میں "ماء" (پانی) کہا جاتا ہو، آگے پیچھے کوئی اضافی لفظ کسی اضافی وصف کے لئے نہ لگایا جاتا ہو جیسے **ماءِ مستعمل** (کہ اس میں ماء کے ساتھ لفظ مستعمل کی قید لگی ہوئی ہے) یا اضافت نہ ہوتی (یعنی مضاف اور مضاف الیہ نہ ہو) جیسے **ماء الورد** (گلاب کا پانی) ہیں ماء کو الورد کی طرف مضاف کیا گیا ہے ایک اضافی معنی بتانے کے لئے کہ یہ پانی تو ہے مگر عام پانی نہیں گلاب کا پانی ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ سورۃ الفرقان

اور اتارا ہم نے آسمان سے پاک پانی۔

اور یہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ...... سورۃ الانفال

اور اتار رہا تھا تم پر پانی آسمان سے تاکہ تم کو پاک کردے اس سے۔

اسی طرح فقہاء کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ کاغذ یا پتھر سے حالت استنجاء میں پونچھ کر بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے، یعنی دونوں راستوں سے نکلنی والی نجاست کو صرف پونچھ کر بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ نکلنے والا بول وبراز بہت زیادہ نہ پھیل جائے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ مٹی سے طہارت حکمی حاصل کی جاسکتی ہے یعنی تیمم کے ذریعے اور اسی طرح اس شراب کی طہارت پر بھی اتفاق ہے جو شراب سے سرکہ بن جائے باقی طاہر یعنی پاک کرنے والی چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے، پاک کرنے والی چیزوں کے بارے میں فقہاء کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

احناف فرماتے ہیں❶ کہ نجاست کا مقام نجاست سے ازالہ ان چیزوں کے ذریعے درست ہے۔

۱۔ عام پانی...... اگرچہ وہ استعمال شدہ ہو، اس سے طہارت حقیقی اور حکمی (یعنی حدث اور جنابت) حاصل کی جاسکتی ہے۔ ماء مطلق کی مثال جیسے آسمان سے برسا ہوا پانی، دریاؤں، کنوؤں، چشموں اور وادیوں کا پانی جن میں سیلاب کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ

❶...... البدائع ج ۱ ص ۸۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۳ الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۴۔۲۰۲، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۶۹، اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۲۴، مراقی الفلاح ص ۲۷۔۲۸

اللہ تعالیٰ نے پانی کو ''طہور'' (پاک کرنے والا) کہا ہے اپنے اس فرمان میں:

وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ۞ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۸

اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الماء طهور لاينجسه شيء الا ماغير لونه اوطعمه اوريحه

پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی سوائے اس کے جو اس کا رنگ، بواور مزہ بدل دے۔

اور طہور کہتے اس کو جو خود پاک ہو اور دوسرے کو پاک کردے۔ ❶

۲۔ دوسری چیز...... پاک سیال چیزیں، اور مائعات وہ ہیں جو نچوڑے جانے سے نچڑ سکیں یا کم از کم اتنے ایفق (تیلے) ہوں کہ نجاست کو زائل کر سکیں۔ ایسے مائعات سے نجاست حکمیہ تو زائل نہیں ہوتی یعنی حدث اس سے دور نہیں کیا جا سکتا ہے، وضو اور غسل نہیں ہو سکتا ہے، یہ تو احناف اور غیر احناف کا بالاتفاق مسئلہ ہے، کیونکہ حدث حکمی صرف پانی کے ساتھ خاص ہے نص قرآنی کی رو سے، اور وہ لوگوں کے لئے باآسانی دستیاب بھی ہوتا ہے۔ احناف کے ہاں ایسے مائعات سے طہارت حقیقیہ حاصل ہو سکتی ہے، طہارت حقیقیہ کا مطلب ہے نجاست حقیقیہ کا بدن اور کپڑے سے دور کرنا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مائعات ظاہری کی مثال جیسے گلاب کا دیگر پھولوں کا کشیدہ عرق، سرکہ، درخت اور پھلوں کا عرق جیسے انار وغیرہ کا، اور لوبیا کا پانی یعنی وہ پانی جس میں لوبیا ڈال کر اتنا پکایا گیا ہو کہ وہ ٹھنڈا ہونے پر تھوڑا گاڑھا ہو جائے۔ ❷

اور اس طرح کی وہ مائع اور سیال چیزیں جن کو نچوڑے جانے پر نچڑ جائیں، یہاں تک کہ تھوک کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ انگلی پر اگر نجاست لگی ہو اور عورت کے پستان پر اگر لگی ہو تو بچے کو دودھ پلاتے وقت بچہ جب تین مرتبہ اس کو چاٹ لے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اسی طرح شراب نوشی کرنے والے شخص کا منہ تھوک کے بار بار منہ میں لانے اور نگلنے سے منہ پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہو جاتی کہ جو کہ نچوڑے جانے پر نچڑ نہ سکے جیسے شہد، گھی، چربی تیل اور دودھ اگر چہ اس میں سے مکھن نکلا ہوا ہو اور سالن اور اس طرح کے دیگر گاڑھے سیال مائعات تو ان سے طہارت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ اس قسم کے سیال مادوں سے نجاست کے ازالے کا تحقق ممکن نہیں نظر آتا ہے۔ کیونکہ ازالہ نجاست تو ایسے ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء ازالہ کرنے والی چیز (مائع) کے اجزاء کے ساتھ آہستہ آہستہ نکلتے ہیں، اور یہ طریقہ کار اس قسم کے سیال مادوں میں ممکن ہے جو نچوڑے جانے پر نچڑ سکتے ہوں، چنانچہ ایسے پتلے مائعات نجاست کے اجزاء زائل کرنے میں پانی کی طرح ہوں گے کیونکہ مائع پتلا ہونے کے سبب نجاست کے اندر داخل ہو کر اس کے اجزاء کے ساتھ مل جاتا ہے اور نچوڑے جانے پر نجاست کے اجزاء کو بھی ساتھ کھینچ لاتا ہے۔ امام محمد، امام زفر اور احناف رحمہم اللہ علیہم کے علاوہ دیگر فقہاء پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے نجاست کے زائل ہونے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں ❸ وجہ اس کی یہ ہے کہ پانی کا طاہر ہونا از روئے شریعت معلوم ہوا ہے اور شریعت نے پانی کے علاوہ کسی چیز کے طہارت حاصل کرنے کو نہیں بیان کیا تو پانی کے علاوہ دیگر اشیاء پانی سے ملحق نہیں کی جا سکتی ہیں۔

طہارت ایسے پانی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے جس میں کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو متغیر کر دے۔ ❹

---

❶ ...... یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے ابن ماجہ نے حضرت ابو طعمہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے ان الماء طهور لاينجسه شيء الاماغلب على ريحه وطعمه ولونه یہ حدیث ضعیف ہے نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۹۴) ❷ ہاں اگر پانی کا رنگ بغیر پکائے محض رکھے رکھے بدل جائے تو اس سے وضو درست ہے۔ ❸ القوانين الفقهية ص ۳۵، بداية المجتهد ج ۱ ص ۸۰ المغني ج ۱ ص ۱۱، مغني المحتاج ج ۱ ص ۱۷۔ ❹ اور اگر اس کے تینوں اوصاف یا دو اوصاف تبدیل ہو گئے تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا، لیکن صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ درست ہوگا۔

جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان (ایک قسم کی گھاس) صابن یا زعفران مل جائے (اور اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل کر دے) بشرطیکہ اس پانی کی رقت اور سیلان باقی رہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پانی پر پانی کا اطلاق اس حالت میں بھی کیا جاتا ہے (یعنی چیزوں کے مل جانے کے باوجود) اور ان اشیاء سے جو پانی میں مل جاتی ہیں احتراز ممکن نہیں جیسے مٹی، پتے اور درخت وغیرہ، ہاں اگر مٹی غالب ہو یا صابن اور اشنان ملا پانی گاڑھا ہو جائے یا زعفران کا پانی رنگ بن جائے تو اس سے طہارت کا حصول درست نہیں ہوگا۔

۳۔ تیسری چیز دلک...... (ملنا) دلک کہتے ہیں نجاست لگی ہوئی چیز کو زمین پر قوت سے رگڑنا ایسے کہ نجاست کا اثر یا اس کا جسم زائل ہو جائے۔ اور دلک (ملنا۔ رگڑنا) کی طرح حت بھی ہے (کھرچنا) یعنی لکڑی یا ہاتھ سے کھرچنا، اور اس طریقے سے چمڑے کے موزے اور جوتے پاک ہو جاتے ہیں جن پر جسم والی نجاست لگی ہوئی ہو، خواہ خشک ہو یا تر نجاست ہو۔ اور جِـــرْم (جسم) سے مراد ہے ہر وہ چیز ہے جس کا خشک ہونے کے بعد جسم رہ جائے جیسے پاخانہ، گوبر خون، منی، پیشاب اور وہ شراب جس میں مٹی وغیرہ مل جائے یہ بات مدنظر رہے کہ جسم والی نجاست میں گیلی چیز بھی شامل ہے مختار اور صحیح قول کے مطابق، یہ ہی صحیح اور مختار قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ابتلاء عام ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھے، اگر کوئی گندگی نظر آئے تو اسے زمین سے پونچھ دے پھر ان میں نماز پڑھ لے [1] اور اگر نجاست جسم والی نہ ہو تو اسے تین مرتبہ پانی سے دھونا ضروری ہے خواہ وہ خشک بھی ہو جائے، اور دھوتے وقت ہر مرتبہ اتنا نچوڑنا ضروری ہے کہ قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں، اور چمڑے کے موزے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی نمی ختم ہو جائے، خشک ہونا اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں جوتا رگڑنے سے جب صاف ہوگا جب خشک ہو، گیلا ہونے کی صورت میں وہ پاک نہیں ہوگا، کیونکہ روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں پر سے منی کو خشک ہونے کی صورت میں کھرچ دیا کرتی تھیں اور اس کو دھو دیا کرتی تھیں اگر وہ تر (گیلی) ہوتی [2] امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جوتا رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا خواہ گیلا ہو یا خشک ہو۔ کیونکہ نجاست اس میں بھی ایسے ہی گھس جاتی ہے جیسے کپڑے اور بدن میں لگتی ہے لہٰذا اس کے (رگڑ لینے سے وہ پاک نہیں ہوگا) حنابلہ فرماتے ہیں کہ رگڑنے سے معمولی نجاست صاف و پاک ہو سکتی ہے، زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا دھونا لازم ہے۔ [3]

۴۔ چوتھی چیز...... گندگی کو پونچھ کر صاف کرنا جس سے اس کا اثر ختم ہو جائے اس طریقے سے وہ چیزیں پاک ہوتی ہیں جن کی سطح پالش شدہ اور چکنی ہوتی ہے اور ان میں مسام نہیں ہوتے، جیسے تلوار آئینہ اور شیشہ وغیرہ اور چکنا برتن، ناخن، ہڈی، چینی کے برتن اور چاندی کی غیر نقش شدہ پلیٹیں وغیرہ وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں نجاست سرایت نہیں کرتی اور سطح پر لگی ہوئی نجاست پونچھ دینے سے صاف ہو جاتی ہے۔ یہ روایات صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کفار سے جہاد کرتے اور تلواریں پونچھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی بناء پر پچھنے لگی ہوئی جگہ کو تین صاف گیلے کپڑے کے ٹکڑوں سے پونچھ کر پاک کیا جا سکتا ہے۔ مالکیہ کی رائے بھی یہ ہے کہ جو چیزیں دھونے سے خراب ہو جائیں ان پر لگی ہوئی نجاست کو پونچھ کر صاف کیا جا سکتا ہے جیسے تلوار، جوتا، اور چمڑے کا موزہ۔ [4]

---

[1]...... یہ روایت احمد، ابوداؤد، حاکم، اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے، اس کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے، امام ابو حاتم نے العلل میں اس کے موصول ہونے کو ترجیح دی ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۴) [2] اس حدیث کو دار قطنی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور یہ سنداً صرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے دوسرے حضرات سے مرسلاً منقول ہے۔ اور یہ جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا فاغسلیه ان كان رطباء وافركيه ان كان يابسا تو یہ حدیث غریب ہے اور یہ حدیث ایسی ہے جو پہچانی نہیں جاتی (نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۹) [3] نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۴ القوانین الفقهية ص ۳۴، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۸ المغنی ج ۲ ص ۸۳۔ [4] القوانین الفقهية ص ۳۴۔۳۵۔

۵۔ پانچویں چیز...... دھوپ یا ہوا سے خشک ہو جانا یا نجاست کا اثر ختم ہو جانا۔ زمین اور زمین پر موجود ہر چیز جو اس میں گڑی ہوئی ہو جیسے درخت، چارہ اور پتھر (ٹائل وغیرہ) یہ چیزیں اس طریقے کے تحت پاک ہو جاتی ہیں (یعنی ان پر لگی نجاست اگر خشک ہو جائے یا اس کا اثر زائل ہو جائے تو۔ یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں) (صرف نماز کے لئے تیمم کے لئے نہیں، یعنی ایسی زمین خود پاک ہوتی ہے لیکن پاک کرنے والی نہیں ہوتی۔ ہاں وہ چیزیں جو زمین میں گڑی ہوئی نہ ہوں جیسے چٹائی، دری، کپڑا، بدن اور ہر وہ چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہو تو وہ صرف دھونے سے ہی پاک ہوگی۔ اور زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے ذکاۃ الارض یبسھا (زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے) ❶ اور حضرت ابن عمر کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد میں رات کو سویا کرتا تھا اور میں مکمل جوان آدمی تھا، اور کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے لیکن لوگ ان سب چیزوں پر پانی بہایا نہیں کرتے تھے ❷ زمین کے پاک ہو جانے کے اس مسئلے میں تیمّم اور نماز میں اس لئے فرق کیا جاتا ہے کہ نماز کے لئے مطلوب جگہ کا پاک ہونا ہے اور تیمم کے لئے مٹی کا پاک کرنے والا ہونا، اور خشکی سے طہارت حال ہوتی ہے طہوریت نہیں اور طہارت کا ہونا طہوریت کو مستلزم نہیں اور تیمّم میں مٹی کی طہوریت شرط ہے جیسے پانی میں طہوریت پانی شرط ہے۔

احناف کے علاوہ علماء کے ہاں زمین خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی ہے اس کو نجاست لگ جانے کی صورت میں پانی سے دھونا ضروری ہے۔

چنانچہ ناپاک زمین اور حمام کے ٹب، دیواریں اور حوض اور اس جیسی چیزیں پانی کے ان پر سے بکثرت بہہ جانے کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہیں، یعنی برسات وغیرہ کی وجہ سے زیادہ پانی کے ان پر سے گذر جانے کے سبب جسم نجاست ختم ہو جانے کی وجہ سے یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں جیسا کہ اس اعرابی کی حدیث میں ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا تھا۔ ❸

۶۔ چھٹی چیز...... اس لمبے کپڑے کو پہن کر مسلسل چلنا جو پاک اور ناپاک دونوں طرح کی زمینوں پر سے گزرتا ہو۔ یعنی اگر کسی نے طویل کپڑا پہن رکھا ہے اور وہ اس کو پہن کر جا رہا ہے اور اس کا کپڑا زمین پر گھسٹ رہا ہے تو اس گھسٹنے کے سبب وہ کپڑا پاک کہلائے گا کیونکہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو پاک کر دیتا ہے، دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنا دامن لمبا رکھتی تھی اور کبھی گندی جگہ سے گذرنا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس (کپڑے) کو بعد میں آنے والی زمین پاک کر دے گی ❹ مالکیہ اور حنابلہ احناف کے ساتھ اس مسئلے کے بارے میں متفق ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ وہ خشک نجاست پر سے گذرے اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ نجاست بہت معمولی سی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا دھونا لازم ہوگا۔ ❺

۷۔ ساتویں چیز:...... فرک (کھرچنا) اس طریقے سے انسان کی منی کو پاک کیا جاتا ہے جب وہ کپڑے سے لگ کر خشک ہو جائے اور کھرچنے کے بعد اس کے نشان کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے اگر اس کو دھو لینے کے بعد اس کا نشان برقرار رہے تو کوئی فرق نہیں

---

❶...... اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ جملہ حدیث مرفوع ہے احناف نے اس کو اختیار کیا ہے، اور یہ جملہ ابو جعفر محمد باقر سے منقول ہے، اور مراد اس کے خشک ہونے سے پاک ہونا ہے (اسنی المطالب، للحوت البیروتی ص ۱۱۲) ❷ روایت ابوداؤد کی ہے (معالم السنن للخطابی، ج ۱ ص ۱۱۷) ❸ صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام مسلم کے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اسے پکڑنے اٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو اسے اور ایک ڈول پانی بہا دو، تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں "سجل" یا "ذنوب" کے لفظ کے معنی ہیں بڑا عظیم الشان ڈول نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۱) ❹ روایت ابو داؤد۔ ❺ معالم، السنن للخطابی ج ۱ ص ۱۱۸ القوانین الفقھیة ص ۳۵، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۸۔

پڑتا شرط یہ ہے کہ عضوخاص کا سراپاک ہو اس طرح کہ اس شخص نے پانی سے استنجا کیا ہوا ہو، کاغذ یا پتھر سے نہیں، کیونکہ پتھر وغیرہ اس پیشاب کو ختم نہیں کرتے ہیں جو عضو کے سرے پر پھیل چکا ہوتا ہے، ہاں اگر پیشاب پھیلا نہ ہو اور منی باہر نکل کر اس پر لگی بھی نہ ہو تو وہ بھی کھرچنے سے پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ حشفہ کے اندر پیشاب پر سے اس کا گذرنا مضر نہیں ہے۔ اور اس مسئلے میں مرد اور عورت کی منی میں فرق نہیں۔ اگر منی تر ہو یا آدمی کے علاوہ کسی اور کی منی ہو یا آدمی نے کاغذ یا پتھر وغیرہ سے استنجاء کیا ہوا ہو تو وہ منی کھرچنے سے پاک نہیں ہوگی۔ اس کو دھونا ضروری ہوگا۔ اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر سے منی کو دھو دیا کرتی تھیں ❶ اور دارقطنی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کردہ روایت میں ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوتی اور دھو دیا کرتی تھی اگر وہ تر ہوتی۔ ❷

اور یہ بات پیش نظر رہے کہ ترتیب مطہرات میں دلک اور فرک کو ایک چیز گردانا جاسکتا ہے۔ ❸

مالکیہ احناف کے ہمنوا ہیں منی کو ناپاک قرار دینے میں، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی منی پاک ہے۔ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو دارقطنی نے روایت کی ہے اور جو پہلے گذری، اور دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے اس کو اذخر ❹ سے پونچھ کر دور کرلو یا کسی کپڑے کے ٹکڑے سے کیونکہ یہ بمنزلہ ناک کی رینٹ اور تھوک کے ہے۔ ❺

دراصل اس اختلاف کا سبب دو چیزیں ہیں ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اضطراب ہے کبھی وہ اسے دھوتی ہیں اور کبھی کھرچ لیتی ہیں، اور دوسری چیز یہ ہے کہ منی دو حیثیتوں کے بیچ میں زیر گردش ہے کہ یا تو وہ ان چیزوں کے مشابہ ہے جو جسم سے خارج ہوتی ہیں (پیشاب پاخانہ وغیرہ) یا ان پاک چیزوں سے مشابہ ہے جو جسم سے نکلتی ہیں جیسے دودھ وغیرہ۔

میرا میلان منی کی پاکی کے قول کی طرف ہے مقصود لوگوں پر آسانی کرنا ہے، ہاں کپڑے کو گھن کی وجہ سے دھولیا جائے گا نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ حضرت عائشہ کی پہلی حدیث صحیح ہے جس میں وہ صرف منی کھرچنے پر اکتفاء کرتی ہیں اگر چہ یہ حنفیہ کی دلیل اس بارے میں بھی ہے کہ نجاست کو پانی کے علاوہ اشیاء سے بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ ❻

۸۔ آٹھویں چیز:......دھنا، اور اس طریقے سے روئی پاک ہوتی ہے اور نجاست کا اثر چلا جاتا ہے اگر کم ہو۔

۹۔ نویں چیز......تقویر یعنی گندی چیز کے گندگی والے حصے کو علیحدہ کر دینا اس طریقے سے جما ہوا ناپاک گھی چربی وغیرہ پاک ہوتی ہیں جیسے ناپاک گھی اور شیرہ وغیرہ، دلیل اس کی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث ہے کہ ایک چوہا ایک مرتبہ گھی میں گر پڑا اور اس میں مر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی کھالو(۷) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اگر گھی جما ہوا ہو تو نجاست پھینک دی جائے گی اور اس کے اردگرد کا گھی بھی خاص طور پر اور اگر نجاست کسی مائع چیز میں گر جائے جیسے تیل، پگھلا ہوا گھی تو جمہور کے ہاں پاک نہیں ہوگا(۸) اور

---

❶...... روایت بخاری مسلم۔ ابن جوزی فرماتے ہیں اس حدیث میں دلیل نہیں کیونکہ دھونا ناپاکی کی وجہ سے نہیں تھا گھن کی وجہ سے تھا (نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰) ❷ اس حدیث کا حوالہ گذر چکا ہے۔ اور ہم یہ پہلے جان چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کو گیلا ہونے کی صورت میں دھونے کا اور خشک ہونے کی صورت میں کھرچنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ والی حدیث غریب ہے، بیہقی فرماتے ہیں دونوں حدیثوں میں منافات نہیں۔ نصب الرایہ حوالہ گزشتہ۔ ❸ القوانین الفقهیه ص ۳۴، بدایة المجتهد ج ص ۷۹، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۰ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۴۔ ❹ اذخر: ایک خوشبودار گھاس ہے جو گھروں میں چھتوں میں لکڑی پر ڈالی جاتی ہے۔ ❺ اس کو سعید بن منصور اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ ❻ المجموع ج ۲ ص ۵۶۰ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۷۹، نیل الاوطار ج ۱ ص ۵۵۔ ❼ روایت بخاری احمد اور نسائی نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں فی سمن جامد: سبل السلام ج ۳ ص ۸۔ ❽ القوانین الفقهیة ص ۳۵، المغنی ج ۱ ص ۳۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۵۹۔

احناف کے ہاں پاک ہو جائے گا اس طرح کہ اسی کی مقدار پانی اس پر تین مرتبہ بہا دیا جائے یا اسے ایک سوراخ دار برتن میں رکھا جائے اور پھر اس میں پانی ڈالا جائے تو تیل اوپر آ جائے گا تو اس کو نکال لیا جائے یا اس سوراخ کو کھول دیا جائے یہاں تک کہ پانی باہر نکل جائے اور تراشنا تقویر کی (نکال پھینکنا) کی طرح ہے اور ٹھوس چیزیں بھی پاک ہو جاتی ہیں ماسوا ان کے جن میں نجاست سرایت کر جائے، چنانچہ اگر برتن ہو تو وہ ایسے پاک ہوگا کہ پانی اس پر بہایا جائے اور وہ اس پر اتنا ڈالا جائے کہ پورے برتن کو وہ پانی ڈھانپ لے اور اگر وہ چیز ایسی ہے جو پکائی جاتی ہو جیسے گوشت، گندم، مرغی وغیرہ تو یہ اس وقت پاک ہوں گی جب یہ کچی حالت میں پاک کر لی جائیں، اور اگر اسے نجاست سمیت آگ پر جوش دیدیا گیا تو پھر وہ کبھی پاک نہیں ہو سکتی کیونکہ نجاست اس کے اندر سرایت کر چکی ہے، اور اسی بنا پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر جانور کے سر یا اس کی اوجھڑی کو پاک اور صاف کئے جانے سے قبل جوش دے لیا گیا تو وہ کبھی پاک نہیں ہوگی اور اگر مرغی کو پیٹ کی آلائشیں نکالنے سے قبل اس کے پر اکھاڑنے کی غرض سے گرم پانی میں جوش دیدیا گیا تو وہ کبھی پاک نہ ہو سکے گی۔ مالکیہ حنابلہ احناف کے ساتھ اس بارے میں متفق ہیں کہ وہ گوشت جو نجاست کے ساتھ پکایا جائے پاک نہیں ہو سکتا البتہ مالکیہ مزید یہ کہتے ہیں نجس چیز کے ساتھ ابالا ہوا انڈا نجس چیز کے ساتھ نمک لگایا ہوا زیتون اور وہ پکی ہوئی مٹی یا ٹھیکری جس کے اندر

تک نجاست سرایت کر چکی ہو یہ چیزیں کبھی پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔ ہاں اگر پکے ہوئے گوشت میں پکنے کے بعد نجاست گری تو وہ مالکیہ کے ہاں پاک ہو سکتا ہے اس طرح اس سالن وغیرہ کو دھو دیا جائے جس سے نجاست لگی ہو بشرطیکہ نجاست بہت دیر اس میں نہ رہی ہو۔ شوافع فرماتے ہیں وہ جامد چیزیں جن میں نجاست سرایت کر جائے وہ پاک ہو سکتی ہیں چنانچہ اگر گوشت کو نجس چیز میں پکایا جائے یا گندم میں نجاست سرایت کر جائے یا چھری کو نجاست میں بجھایا جائے تو وہ پانی بہا دینے سے پاک ہو جائیں گی ماسوا اس پکی اینٹ کے جو ٹھوس نجاست کے ساتھ گوندھی گئی ہو کہ وہ پاک نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ دسویں چیز......نجس چیز کو تقسیم کر دینا اس طرح کہ نجس اجزاء کو اوپری چیز سے علیحدہ کر دینا اور مثلی چیز کی تقسیم جیسے گندم اور جو اگر نجس ہو جائیں ان کو شرکاء یا خریداروں کے درمیان تقسیم کرنا۔ چنانچہ اگر گدھا اس گندم پر پیشاب کر دے جیسے وہ روند رہا ہو پھر اسے تقسیم کر دیا جائے یا کچھ کو دھو دیا جائے یا کچھ حصہ تحفے میں دے دیا جائے یا کھا لیا جائے یا بیچ دیا جائے تو بقیہ اور استعمال شدہ دونوں پاک شمار ہوں گے اور اسی طرح حکم ہے اس نجس چیز کا جس کو کسی ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جائے جو اس کو نجس نہیں سمجھتا ہو تو وہ اس کے حق میں پاک شمار ہوگی تقویر، تقسیم اور ہبہ حقیقت میں مطہرات نہیں ہیں ان کو سہولت اور آسانی کی خاطر استحساناً پاک قرار دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ گیارھویں چیز......استحالہ (ماہیت کا بدل جانا) یعنی نجس چیز کا بذات خود یا کسی واسطے کی وجہ سے حقیقت و ماہیت بدل لینا، جیسے ہرن کا خون مشک بن جائے اور شراب جب خود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ڈال دینے سے سرکہ بن جائے اور مردہ چیز جب نمک بن جائے یا کتا اگر شورزدہ چیز میں گر جائے نمک کی کان میں گر جائے، اور گوبر جب جل کر راکھ بن جائے اور ناپاک تیل کا صابن بنا لیا جائے، اور گندی نالی کی مٹی اور کیچڑ جب خشک ہو جائے اور اس کا اثر جاتا رہا اور نجاست کو اگر زمین میں دفن کر دیا جائے اور طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے اس کا اثر جاتا رہے۔ تو ان تمام صورتوں میں حقیقت بدل جانے کی وجہ سے یہ چیزیں پاک شمار ہوں گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔ وجہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی یہ ہے کہ نجاست جب استحالہ کر چکی اور اس کی حقیقت اور اوصاف بدل چکے تو یہ نجاست نہیں رہا کیونکہ یہ نام ہے ایک ذات کا جو موصوف ہے بعض صفتوں سے اور جب وصف بدل گیا تو یہ چیز بھی منعدم ہو جائے گی (مفہوم اس بات کا یہ ہے کہ نجاست ایک معنوی چیز ہے اور صفت کی وجہ سے اس کا تعین ہوتا ہے کہ وہ نجس ہے یا نہیں۔ جب اس کی وہ صفت ہی ختم ہو جائے تو وہ معنی (نجاست) نہیں رہیں گے) اور یہ چیزیں حکم کے اعتبار سے اس شراب کی طرح ہوگی جو سرکہ بن جانے کے

بعد بالاتفاق پاک شمار ہوتی ہے۔شراب اور اس کا مٹکا اس وقت پاک شمار ہوگا جب وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا اسے دھوپ سے سائے یا سائے سے دھوپ میں منتقل کرنے سے یہ احناف کے علاوہ دیگر علماء کے ہاں ہے[1] کیونکہ شراب کی نجاست اس کی نشہ آور شدت کے سبب تھی جو ختم ہو چکی اور کوئی نجاست اس نے پیچھے چھوڑی بھی نہیں ہے، اسی طرح مالکیہ کے ہاں شراب سرکہ بنائے جانے پر پاک ہو جاتی ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں شراب کو کسی چیز کے ذریعے سرکہ بنانے سے وہ پاک نہیں ہوگی جیسے پیاز یا خمیری روٹی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا جائے تو وہ پاک نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں ڈالی ہوئی چیز اس سے پہلی مرتبہ ملتے ہی نجس ہو جائے گی اور جو چیز موجود (یعنی شراب) وہ تو ہے ہی نجس لہٰذا نجاست استحالے سے پاک نہیں ہوگی، اور نہ ہی وہ پاک ہوتی ہے آگ سے۔ چنانچہ نجس گوبر کی راکھ نجس ہوگی اور ناپاک تیل سے بنا ہوا صابن نجس ہوگا۔اور نجاست کا دھواں اور اس کی گرد و غبار نجس ہوگی اور نجس پانی کے وہ بخارات جو چکنے جسم رکھنے والی چیز یا کسی اور چیز پر لگیں وہ ناپاک ہوں گے وہ مٹی جو گدھے یا خچر وغیرہ وہ جانور جن کا گوشت کھانا حرام ہے کی لید کو ساتھ ملا کر گوندھی جائے وہ بھی نجس ہے خواہ اس کو آگ میں جلایا بھی جائے جیسے ٹھیکری، اور اگر کتا کسی شوریدہ جگہ گر جائے اور نمک بن جائے یا صابن کے کارخانے میں جا گرے اور صابن بن جائے تو وہ نجس ہوگا۔تاہم مالکیہ نے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی راکھ اور دھویں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہوئے اس کو پاک قرار دیا ہے۔اور یہ قول زیادہ قابل اعتماد ہے۔

حنابلہ نے شراب کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہنے سے سرکہ بننے کی صورت میں یہ شرط رکھی ہے کہ یہ کام سرکہ بنانے کی نیت سے نہ ہو لہٰذا اگر اس کے اِدھر اُدھر منتقل کرنے سے ارادہ سرکہ بنانا ہو تو شراب پاک نہیں ہوگی کیونکہ شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے۔لہٰذا اس حرام عمل کے نتیجے میں شراب کی طہارت حاصل نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں[2] کہ نجس چیزوں میں کوئی چیز بھی استحالے سے پاک نہیں ہوتی ماسوا تین چیزوں کے:

۱..... شراب مع اپنے برتن کے اگر وہ خود سرکہ بنے۔

۲..... کتے اور سور کے علاوہ جانوروں کی کھال جو ان کے مرنے کی وجہ سے ناپاک ہو یہ کھال دباغت کی وجہ سے اندر اور باہر سے پاک ہو جاتی ہے۔

۳..... وہ چیز جو زندہ شکل اختیار کرلے (حیوان بن جائے) جیسے مردار میں اگر کیڑے پڑ جائیں تو وہ کیڑے پاک ہوں گے کیونکہ ان میں حیات (زندگی) متحقق ہوگئی ہے۔

۱۲۔بارہویں چیز ..... ناپاک کھالوں کی دباغت، ناپاک یا مردہ کھالوں کی دباغت کھالوں کو پاک کر دیتی ہے ماسوا انسان اور سور کی کھال کے اور ماسوا ان جانوروں کی کھالوں کے جنہیں دباغت دینا ممکن نہیں جیسے چھوٹے سانپ کی کھال اور چوہے کی کھال۔دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کھال کو دباغت دے دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے''[3] اور روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں کسی قوم کے گھر کے پاس سے گذرے تو آپ نے ان سے پانی طلب فرمایا اور پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے تو ایک عورت بولی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں ایک مشکیزے میں جو مردار جانور کی کھال کا ہے کچھ پانی ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے اسے دباغت نہیں دی تھی وہ بولی ہاں یا رسول اللہ دی تھی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دباغت ہی اس کو پاک کرنے والی

---

[1]..... القوانين الفقهيه ص ۳۴ بداية المجتهد ج ۱، ص ۴۶۱ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۶۔ الشرح الكبير ج ۱ ص ۵۷۔۵۹ د المنتقى على المؤطا ج ۳ص ۱۵۳۔ [2] الحضرمية ص ۲۳۔ [3] یہ روایت حضرت ابن عباس سے نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور حضرت ابن عمر سے دار قطنی نے نقل کی ہے یہ حدیث حسن ہے اور مسلم نے یہ ان الفاظ سے روایت کی ہے۔ اذا دبغ صارا ديمًا.

ہے ❶ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دباغت مردے کی نجاست کو دور کر دیتی ہے یعنی رطوبات اور خون وغیرہ کو تو دباغت بھی گویا ایسی ہے جیسے گندے کپڑے کو دھو دیا جاتا ہے۔

احناف کے ہاں دباغت اگر ایسی چیز سے دی جائے جو سڑنے اور گلنے سے روک دیتی ہو تو وہ دباغت مطہر (پاک کرنے والی) ہوگی خواہ وہ حکمی دباغت ہوں جیسے مٹی مل دینا یا دھوپ لگانا کہ مقصود ان دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے اور ہر وہ چیز جو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح کر دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور صحیح قول کے مطابق دباغت کتے اور ہاتھی دونوں کی کھالوں کو پاک کر دیتی ہے اور انسانی کھال کو اس اصول سے اس لئے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ انسان کو اللہ نے تکریم عطاء کی ہے اور سور کی کھال اسی لئے مستثنیٰ ہے کہ وہ نجس العین ہوتا ہے اور ان سے ملحق وہ جانور ہیں جن کی کھالوں کی دباغت ممکن نہیں جیسے چھوٹا چوہا۔ اور مردار کی کھال پر بال وغیرہ جو ہوتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں اور سانپ کی کینچلی پاک ہوتی ہے۔

دباغت شوافع کے ہاں بھی مطہر ہے ❷ چنانچہ ہر کھال جو موت کی وجہ سے ناپاک ہو چکی ہو اس کا ظاہر دباغت کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے اور اسی طرح باطن بھی مشہور قول کے مطابق اگرچہ وہ جانور غیر ماکول اللحم (وہ جانور جن کو کھانا حرام ہے) ہو دلیل وہی دو حدیثیں ہیں جو پہلے گذریں ساتھ حضرت ابن عباس والی حدیث بھی جو حاشیے میں گذری، لیکن شرط صرف یہ ہے کہ دباغت ایسی چیز کے ساتھ ہو جو اکھاڑنی والی ہو اور اس کا اطلاق ہوتا ہے کھال کی اضافی چیزیں یعنی نمی، رطوبت وغیرہ جن کے رہنے سے کھال خراب ہوتی ہے اور ان کو صاف کر دینے سے کھال اچھی ہوتی ہے کو حریف (تیز ذائقہ، تیزابی کیفیت رکھنے والی چیز) سے صاف کرنے پر اور حریف کا مطلب ہے **مایحرف الفم** جو منہ کو پھیر دے یعنی اس کی تیزی اور چرچراہٹ زبان کو جھلسا دے، اور حریف کی مثال جیسے قرظ، سکم کے پتے جو اخروٹ کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے اس سے دباغت دی جاتی ہے اور بلوط کے درخت کے پتے، انار کے چھلکے اور شب (شب پھٹکری کی طرح کا ایک معدنی نمک ہوتا ہے وغیرہ کہ یہ چیزیں تیزابیت کی کیفیت والی ہوتی ہیں اور ان سے کھال کی دباغت اچھی طرح ہوتی ہے۔ اور دباغت جس چیز سے دی جارہی ہے وہ خواہ پاک ہو یا ناپاک جیسے پرندوں کی بیٹ اس سے دباغت ہو جاتی ہے۔ لیکن دھوپ لگانے، مٹی ملنے، سوکھا لینے یا نمک لگانے وغیرہ جن سے کھال کی رطوبات اور نمی وغیرہ سے صاف کرنے پر اکھڑتی نہیں ہیں، سے دباغت درست نہیں ہوتی خواہ کھال سوکھ جائے اور اس کی بدبو ختم بھی ہو جائے، کیونکہ کھال کے فضلات (اضافی چیزیں) ختم نہیں ہوئی ہیں وہ محض خشک ہوگئی ہیں۔ اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ کھال کو دوبارہ اگر پانی میں ڈالا جائے تو بدبو دوبارہ لوٹ آئے گی۔ اور شوافع کے ہاں دباغت سے کتے، سور سے پیدا شدہ، یا ان دونوں سے پیدا شدہ، یا دونوں میں ایک کے کسی حلال جانور کے سات ملا کر دوغلی نسل پیدا کی گئی ہو بہر حال اس جانور کی کھال کی دباغت جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح دباغت سے مردار کی کھال کے بال وغیرہ پاک نہیں ہو سکتے، تاہم تھوڑا سا تھ معاف ہے بوجہ مشقت اور حرج کے۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی مشہور قول کے مطابق ❸ یہ فرماتے ہیں کہ ناپاک کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے، دلیل اس کی عبداللہ بن علیم

❶......اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے سلمہ بن المحبق سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے ان حضرات نے ایک راوی جون بن قتادہ کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے جیسا کہ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۱۷ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی کو صدقے کی ایک بکری ملی وہ کچھ دنوں بعد مرگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم نے اس کی کھال اتار کر دباغت دے کر اپنے استعمال میں کیوں نہ لے لی تمہیں کچھ فائدہ ہی ملتا۔ وہ لوگ بولے یہ مردار ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ حضرات صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ ❷ مغنی المحتاج۔ ج ۱ ص ۸۲، المهذب ج ۱ ص ۴۸۔ ❸ الشرح الصغير ج ۱ ص ۵۱، بداية المجتهد ج ۱ ص ۷۶، غاية المنتهى ج ۱ ص ۱۴، المغنی ج ۱ ص ۶۶۔ ۶۷

کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ لکھوا کر بھیجا تھا کہ مردار کی نہ کھال سے نفع حاصل کرو اور نہ ان کے پٹھوں وغیرہ سے [1] چنانچہ یہ حدیث پہلے کی احادیث کی ناسخ ہے کیونکہ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری عمر کی فرمائی ہوئی بات ہے، اور حدیث کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ پہلے اس کے استعمال کی اجازت تھی اور یہ بعد کی حدیث ہے۔

علامہ دردیر مالکی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ان الفاظ میں ملتی ہے کہ جو کھال دباغت دیدی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے تو اس سے مراد طہارت لغوی ہے طہارت شرعی مراد نہیں۔ مذہب مالکی کے مشہور قول کے مطابق، اور اس صورت میں اس کھال پر نماز درست نہیں ہے۔

مالکیہ کے دباغت شدہ کھال کے بارے میں مشہور قول کہ وہ نجس ہے، کی بناء پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ کھال کو دباغت کے بعد خشک چیزوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے سیال اور تر چیزوں میں نہیں، جیسے کہ نماز کے علاوہ اسے پہنا جاسکتا ہے اور مسجد کے علاوہ اسے کہیں بچھونا بنایا جاسکتا ہے مائع اور سیال چیزوں میں اس کا استعمال درست نہیں ہے جیسے گھی، شہد، تیل، اور ہر قسم کے روغنیات اور کسی خاص قسم کا پانی (عام سادہ پانی نہیں) جیسے گلاب کا عرق اور تر روٹی خشک ہونے سے قبل اور پنیر وغیرہ کہ یہ چیزیں ایسی کھال میں نہیں رکھی جاسکتی ہیں اور اگر کھال میں رکھی گئیں تو نجس ہو جائیں گی اس اصول سے یہ حضرات سور کی کھال کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ وہ کسی حال میں پاک نہیں ہوگی، دباغت دی جائے یا نہیں، اور نہ ہی خشک چیز میں اس کا استعمال درست ہے اور نہ تر چیز میں۔ اور یہی حکم انسانی کھال کا ہے، کیونکہ انسان مشرف ومکرم ہے۔ ہاں جانور کا اون وغیرہ مالکیہ کے ہاں جانور کی موت سے ناپاک نہیں ہوتا۔

اور حنابلہ کے ہاں ناپاک دباغت شدہ کھال سے فائدہ حاصل کرنے کے بارے میں دو روایتیں منقول ہیں:

۱.....پہلی یہ کہ یہ استعمال جائز نہیں دلیل وہی حدیث حضرت عکیم ہے اسی طرح امام کی یہ حدیث مردار کی کسی چیز سے فائدہ مت اٹھاؤ جو انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ'' میں نقل کی ہے۔

۲.....دوسری روایت جو کہ راجح ہے یہ منقول ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، دلیل اس کی وہی حدیث جو گذر چکی ''کہ کیوں نہ تم نے اس کی کھال اتار لی کہ تمہیں فائدہ ہو جاتا'' دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب فارس کو فتح کیا تو ان کے پالانوں اور ان کے اسلحے اور ان کے ذبح شدہ مردار جانوروں سے فائدہ اٹھایا۔ دوسری بات یہ کہ اس فائدہ اٹھانے میں کوئی ضرر ونقصان نہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کتے سے شکار کھیلنا اور خچر اور گدھے کی سواری کرنا اور مردار جانوروں کے اون، بال، مختلف جانوروں کے بال اور پشم اور پر حنابلہ کے ہاں پاک ہیں۔

میری نظر میں احناف اور شوافع کی رائے راجح ہے کہ دباغت پاک کرنے والی ہوتی ہے، کیونکہ حدیث ابن عکیم میں اختلاف اور اضطراب دونوں ہیں، امام حازمی الناسخ والمنسوخ میں فرماتے ہیں کہ: انصاف کا راستہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ابن عکیم کی حدیث نسخ پر دلالت کرنے میں ظاہر و باہر ہے اگر وہ صحیح ہوتو، لیکن اس میں بہت اضطراب ہے صحت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے برابر نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اختیار کرنا وجوہ ترجیح کی وجہ سے اولیٰ ہے حضرت ابن عکیم والی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد دباغت سے پہلے نفع حاصل کرنے کی صورت ہے اور اس وقت اس کو ''اہاب'' بولا جاتا ہے دباغت کے بعد اسے جلد بولا جاتا ہے اس وقت اسے ''اہاب'' نہیں بولا جاتا جیسا کہ اہل لغت میں یہ مشہور ومعروف ہے اور اس طرح دونوں حکموں پر عمل

---

[1] .....اس حدیث کو پانچوں حضرات (امام احمد اور چاروں سنن کے اصحاب) نے روایت کیا ہے امام شافعی بیہقی اور ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ والوں کو لکھا میں نے تمہیں مردار جانوروں کی کھالوں کے بارے میں رخصت دی تھی اب جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم مردار جانوروں کی کھالوں اور پٹھوں سے فائدہ اٹھانا بند کردو۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۳۔

بھی ہو جائے گا، یہ طریقہ کار ہے تضاد دور کرنے کا❶ اور آخر میں یہ بات بھی پیش رہے کہ سرکہ بنالینا اور دباغت یہ دونوں استحالہ یا انقلاب ماہیت کے ذیل میں آتے ہیں۔

۱۳: تیرہویں چیز: شرعی طریقہ......ذبح، ذبح شدہ جانور کو پاک کرنے کے لئے یعنی شرعی ذبح شدہ جانور کو پاک کر دیتا ہے، اور ذبح کہتے ہیں مسلمان یا کتابی (یہودی یا نصرانی) کے کسی بھی جانور کے ذبح کرنے کو خواہ وہ حرام ہی ہو چنانچہ مذہب حنفی کے صحیح اور راجح ترین قول کے مطابق ذبح کرنے سے حرام جانور کا سب کچھ پاک ہو جاتا ہے ماسوا گوشت اور چربی کے، کیونکہ ہر وہ جانور جس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے اس کی کھال ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ کھال کی دباغت اس کا ذبح کرنا ہے❷ اس حدیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دباغت کو ذکاۃ (ذبح) سے ملحق کر دیا اور کھال چونکہ دباغت سے پاک ہو جاتی ہے لہٰذا اسے ذبح کرنے سے بھی پاک ہونا چاہئے، کیونکہ ذبح کرنا دباغت ہی کی طرح بہتے خون اور رطوبات کے دور کرنے میں تو ذبح کرنا پاکی کا سبب ایسے ہی ہے جیسے دباغت پاکی کا سبب ہے۔ ہاں آدمی اور سور اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور مجوسی کا فعل ذبح ذبح شرعی نہیں، کیونکہ وہ اہل ذبح میں سے نہیں ہوتا، تو اس کا ذبح کرنا طہارت کے لئے مفید نہ ہوگا، اور دباغت ہی ضروری ہوگی۔ اور ہر وہ چیز جس میں خون سرایت نہیں کرتا ہے جانور کی موت سے وہ چیزیں ناپاک بھی نہیں ہوتیں، جیسے بال، ٹوٹا ہوا پر، سینگ، کھر، اور ہڈی اگر اس پر چربی نہ ہو اور پٹھا صحیح قول کے مطابق نجس ہے، اور مشک کا نافہ بھی مشک کی طرح پاک ہے اور حلال جانور کو ذبح کرنے سے اس کی تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

ماسوا بہتے خون کے، یہ تمام مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے❸ کہ اگر حرام جانور (جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا) ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت چربی اور کھال پاک ہو جاتی ہے سوائے آدمی اور سور کے آدمی کا اس لئے نہیں کہ وہ محترم اور مکرم ہے اور سور اس لئے کہ وہ نجس العین ہے تاہم علامہ صاوی اور دردیر فرماتے ہیں کہ مشہور قول مذہب کا یہی ہے کہ ذبح کرنا گدھے، گھوڑے، خچر، کتے اور سور جیسے حرام گوشت جانوروں میں مؤثر اور مطہر نہیں ہوگا۔ ہاں وحشی درندے اور وحشی (جنگلی) پرندے ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❹ کہ حلال گوشت جانور کے علاوہ کسی اور حرام گوشت جانور کو ذبح کے ذریعے پاک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ذبح کا اثر دراصل یہ ہوتا ہے کہ وہ گوشت کو مباح کر دیتا ہے اور کھال گوشت کے تابع ہوتی ہے چنانچہ ذبح کرنا جب گوشت میں مؤثر نہیں ہوا تو گوشت کے علاوہ بھی کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتا ہے جیسے مجوسی شخص کا ذبح یا غیر مشروع ذبح مؤثر نہیں ہوتا۔ اور ذبح کو دباغت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دباغت گندگی اور تمام رطوبات کو دور کر دیتی ہے اور کھال کو اتنا صاف اور اچھا کر دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس حالت پر برقرار رہ سکتی ہے اور اس میں تغیر واقع نہیں ہوتا جب کہ ذبح سے یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی ہے چنانچہ صرف ذبح کر لینے سے دباغت سے کفایت نہیں ہو سکتی ہے، یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے کیونکہ ذبح کا قیاس دباغت پر تعبدیات (عبادت کے معاملات) میں قیاس ہے جو کہ درست نہیں ہوتا۔

۱۴۔ چودہویں چیز......آگ چند جگہوں پر طہارت کا فائدہ دیتی ہے جب اس کے ذریعے نجاست کا استحالہ (حقیقت وماہیت بدلنا) کیا جائے یا نجاست کا اثر اس کے سبب زائل ہو جائے جیسے نئے مٹی کے برتن کو آگ میں پکا دینا اور لید کا راکھ بن جانا اور بکری کی سری

❶ ... نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۵۔ ❷ نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مردار جانوروں کی کھالوں کے بارے میں پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی دباغت ان کی پاکی ہے اسی طرح دارقطنی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کھال کی دباغت اس کی پاکی ہے دارقطنی کہتے ہیں کہ سند میں سب راوی ثقہ ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۳ ابن حبان طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ❸ بداية المجتهد ج ۱ ص ۴۲۷ القوانين الفقهية ص ۱۰۸ حاشية الصاوى على الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۵۔ ❹ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۵۹ المغنى ج ۱ ص ۷۱ غاية المنتهى ج ۱ ص ۱۴۔

کے خون کو جلا دینا اور اسی طرح آگ میں جوش دے دینے سے بھی پاکی حاصل ہو جاتی ہے جیسے چربی یا گوشت کو تین مرتبہ جوش دے دینا، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں، یہ گمان نہ کیا جائے کہ جس چیز میں آگ چلی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ مجھے بعض لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ اس مغالطے میں مبتلا ہیں، مراد یہ ہے کہ نجاست اگر آگ کی وجہ سے استحالہ کرلے یا اس کا اثر زائل ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجاست کا آگ میں جلانا طہارت کا سبب ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں آگ مطہر نہیں ہے جیسا کہ ہم یہ بات بحث استحالہ میں ذکر کر چکے ہیں، چنانچہ نجس چیز کا دھواں اور راکھ ناپاک ہیں تاہم مالکیہ نے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی راکھ کو اور نجس چیز کے دھویں اور نجس ایندھن کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ان چیزوں کو آگ میں جلنے کے سبب پاک قرار دیا ہے۔

۱۵۔ پندرہویں چیز:...... ناپاک کنویں سے پانی نکالنا یا کنویں کے پانی کا زمین میں اتر جانا (کنواں سوکھنا) اتنی مقدار جتنا اس کا نکالنا واجب تھا، یہ پاکی کا سبب ہے۔ کنویں کا سوکھ جانا بھی ایسے ہی مطہر ہے جیسے پانی کا نکالنا۔ نزح: پانی کے نکالنے کا مفہوم ہے جتنے ڈول نکالنا واجب ہے اتنے ڈول نکال لئے جائیں یا کنویں میں آدمی یا کوئی اور جانور نکال لینے کے بعد پورے پانی کا نکال لینا۔ یہ عمل کنویں کو پاک کر دیتا ہے۔ جب کنویں میں سے پورا پانی نکالنا لازم ہو تو پانی کے تمام سوتوں کو بند کر دینا مناسب ہے اگر ممکن ہو پھر اس کے بعد سارا پانی نکالا جائے اور اگر ممکن نہ ہو کہ پانی کے راستے بند کئے جا سکیں، کیونکہ پانی بہت زیادہ نکل رہا ہو تو اس صورت میں مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق پانی نکالا جائے گا۔ ❶

الف...... اگر کنویں میں کوئی جانور گر گیا ہو تو اگر وہ نجس العین ہو جیسے سور تو تمام پانی نکالنا ضروری ہوگا۔ اور احناف کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے۔ اور اگر گرنے والا نجس العین نہ ہو تو اگر آدمی گرا ہو تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا، اور بقیہ حیوانات میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو جیسے خونخوار پرندے اور درندے تو صحیح قول یہ ہے کہ کنواں نجس ہو جائے گا اور اگر گدھا یا خچر گرے تو صحیح یہ ہے کہ پانی مشکوک ہو جائے گا۔

ب...... اور اگر گرنے والا جانور ایسا ہو کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو اگر وہ مرا ہوا نکلے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا نکلا تو سارا پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا نہ نکلے تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ تین قسموں پر ہوگا چوہے اور اس جیسے چھوٹے جانور ہونے کی صورت میں بیس سے تیس ڈول نکالے جائیں گے ڈول کے چھوٹے یا بڑے ہونے کے لحاظ سے اور مرغی جیسے جانور نکلنے کی صورت میں چالیس سے پچاس ڈول نکالے جائیں گے۔ اور آدمی اور اس کے ذیل ڈول کے دوسرے جانور نکلنے کی صورت میں کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس آدمی پر یقینی طور پر نجاست ہو حقیقی یا حکمی یا اس نے وضو یا غسل کی نیت کی ہو۔ ان کی دلیل اس بارے میں صحابہ کرام کا فعل ہے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نبوی مروی نہیں ہے۔

۱۶۔ سولہویں چیز...... پانی کا ایک جانب سے آنا اور دوسری جانب سے نکل جانا۔ یہ چھوٹے حوض کے بارے میں ہے کہ اگر تین مرتبہ اس میں سے اس طرح پانی نکل جائے تو یہ اس کو تین مرتبہ دھونے (پاک) کرنے کے مترادف ہوگا یہ حمام کے حوض اور برتنوں کے پاک کرنے کا طریقہ ہے کیونکہ نجاست کے اثر کے زائل ہونے سے پانی ماء جاری (بہتے پانی) کی طرح ہو جاتا ہے اور نجاست کے اس میں رہنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اس بناء پر یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نالی یا بڑے برتن میں پانی ناپاک ہو جائے تو اس کی ایک جانب سے پاک پانی اتنا ڈال دینے سے کہ دوسری طرف سے وہ بہہ کر نکل جائے وہ پانی پاک ہو جائے گا۔

---

❶ تحفة الفقهاء ج ١ ص ١٠١ طبع دار الفكر دمشق مع تخريج وتحقيق احاديث از مؤلف بسعي پروفيسر منتصر كتاني.

۱۷۔ سترہویں چیز.....کھدائی، یعنی زمین کو ایسے کھودنا کہ اس کا اوپری حصہ پلٹ کر نیچے چلا جائے یہ زمین کو پاک کر دیتا ہے۔

۱۸۔ اٹھارویں چیز.....کپڑے یا بدن کے ایک حصے کو دھونا، یہ پورے بدن کو دھونے کے بدلے میں کافی ہوتا ہے اگر انسان اپنے بدن یا کپڑے کی وہ جگہ بھول جائے جو ناپاک ہوئی تھی اور خواہ یہ دھونا بلا کوشش وتلاش (تحری) کے ہی کیوں نہ ہو احناف کے ہاں یہی بات زیادہ راجح ہے۔ (یہ تو احناف کی رائے کے مطابق مطہرات (پاک کرنے والی اشیاء کی اقسام ہیں یہ کل اٹھارہ چیزیں ہوئیں، دیگر فقہاء کی آراء کا بیان آگے آرہا ہے)

مطہرات کے بارے میں غیر حنفی حضرات کی آراء......احناف کے ہاں مطہرات کی بحث کے ذیل میں ہم نے دیگر مذاہب کی آراء سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی، میں یہاں ان آراء کو مستقل طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

مالکیہ کا مذہب:......مالکیہ کے ہاں مطہرات مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ عام مطلق پاک پانی سے دھونا......یہ ہر اس چیز کے لئے ہے جہاں صرف پونچھنا اور پانی کا چھڑکنا کافی نہ ہو اور پانی کا صرف گذار دینا کافی نہیں ہے بلکہ عین نجاست (جسم نجاست) اور اس کے اثر دونوں کا بالکل ختم ہونا ضروری ہے اور نجاست کا پانی کے علاوہ کسی اور مائع چیز سے دور کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ گیلے کپڑے سے پونچھ دینا......یہ اس چیز کے بارے میں ہے جو دھونے سے خراب ہو جائے جیسے تلوار جوتا اور چمڑے کا موزہ۔

۳۔ تیسری چیز......کپڑے یا چٹائی پر چھڑکاؤ، اگر اس کی نجاست میں شک ہو تو وہ چھڑکاؤ بلا نیت درست ہے جیسے دھونا۔ اور چھڑکنے کا مطلب ہے ہاتھ سے چھڑکنا یا کسی اور ذریعے سے جیسے منہ سے چھڑکاؤ یا بارش کا ایک مرتبہ چھڑکاؤ اس مشکوک جگہ پہ اور یہ چھڑکاؤ عام سادہ پانی (ماء مطلق) سے ہونا چاہئے چنانچہ کسی جگہ کے نجس ہونے کے شک کی صورت میں اس جگہ کا چھڑکاؤ لازم ہے دھونا لازم نہیں ہاں اگر دھولے تو بہتر ہے۔ ہاں بدن کا کوئی حصہ مشکوک ہو کہ نجس ہے یا نہیں تو اس پر چھڑکاؤ درست نہیں اس کا دھونا ایسا ہی ضروری ہے جیسے نجاست کے لگنے کے یقین کی صورت میں دھونا ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی چیز......پاک مٹی تیمم کے لئے یعنی طہارت حکمی کے لئے ذریعہ ہے۔

۵۔ پانچویں چیز......رگڑنا، یہ ذریعہ طہارت ہے موزے، جوتے وغیرہ کو جانوروں کی لید اور ان کے پیشاب وغیرہ لگ جانے کی صورت میں پاک کرنے کے لئے یعنی وہ راستے جن پر جانوروں کی لید اور پیشاب وغیرہ بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ جانوروں کی آمد ورفت ان جگہوں پر بہت ہوتی ہے اور ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جانوروں کے علاوہ دوسرے ذی روح جیسے انسان، کتا بلی وغیرہ تو کپڑے یا بدن پر ان کے فضلات میں سے کوئی چیز اگر لگ جائے تو وہ معاف نہیں ہے اسی طرح اگر جانوروں کی لید اور پیشاب وغیرہ جوتوں کے بجائے کپڑے اور بدن پر لگ جائے تو وہ بھی قابل معافی نہیں ہے۔

۶۔ بار بار چلنا یا گذرنا......عورت کا وہ لمبا کپڑا جو خشک ناپاک زمین پر گھسٹ رہا ہو اس پر اگر گرد وغبار لگ جائے تو اس کے چلتے رہنے سے اور اس کپڑے کے گھسٹتے رہنے سے وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ عورت نے یہ کپڑا تکبر کی غرض سے لمبا نہ کیا ہوا ہو، ستر پوشی کی غرض سے لمبا رکھا ہو۔ اور تر نجاست کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور پاکی اس صورت میں حاصل ہوگی کہ وہ عورت موزے نہ

❶......القوانين الفقهية ص ۳۴. الشرح الصغير ج ۱ ص ۶۴ ۸۲، بداية المجتهد ج ۱ ص ۸۲ الشرح الكبير ج ۱ ص ۵۶

پہنی ہوئی ہواگراس نے موزے پہن رکھے ہوں تو یہ رخصت نہیں ہوگی۔اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جو گیلے پیر کے ساتھ خشک نجاست پر چلے تو بعد والی خشک زمین (جس پر اس کے پاؤں خشک حالت میں پڑیں) اس کو پاک کردے گی ان دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو اپنی اسی حالت میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے ان پر دھونا ضروری نہیں ہے۔اور بارش کا کیچڑ پاک شمار ہوگا اس کا لگنا معاف ہے اگر نجاست غالب نہ ہو یا نجاست کا جسم اس میں برقرار نہ ہو۔

۷۔ساتویں چیز.....تقویر(کاٹ کر نکالنا) یہ جامد اور ٹھوس چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ ہے، جیسے چوہا اگر جمے ہوئے گھی میں گر جائے تو چوہا اور اس کے آس پاس کا گھی نکال دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا امام سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ زیادہ عرصے رہا تو یہ حکم نہ ہوگا۔اور اگر چوہا پگھلے ہوئے گھی میں گر کر مر جائے تو سارا گھی پھینک دیا جائے گا، اور اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ نجاست اگر پانی کے علاوہ کسی اور سیال مادے میں گری تو وہ ناپاک ہو جائے گا چاہے وہ متغیر ہو یا نہ ہو۔

۸۔آٹھویں چیز:......پانی کا نکالنا، جب کوئی جانور کنویں میں گر جائے پانی متغیر ہو جائے تو پورے پانی کا نکالنا واجب ہے، اور اگر پانی متغیر نہ ہوا ہو تو مستحب یہ ہے کہ پانی، گرنے والے جانور، اور کنویں میں موجود پانی، دونوں کے برابر نکالا جائے یعنی پورا پانی نکالا جائے اور اضافی طور پر جانور کے بقدر (ہم وزن) پانی نکالا جائے۔

۹۔نویں چیز:......ناپاکی کی جگہ کو دھونا۔اگر بدن اور کپڑے کی نجاست کی جگہ الگ اور ممتاز ہو تو اکیلا اس جگہ کو دھویا جائے گا بصورت دیگر پورے کو دھونا ہوگا۔

۱۰۔دسویں چیز:......استحالہ: (حقیقت و ماہیت کا بدل جانا) شراب اگر خود سرکہ بن جائے یا اسے سرکہ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گی، اور مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے۔اور قابل اعتماد اور راجح قول یہ ہے کہ نجس چیز کی راکھ اور اس کا دھواں پاک ہے۔

۱۱۔گیارہویں چیز:......شرعی طریقے سے ذبح کرنا، یہ غیر ماکول اللحم (حرام گوشت جانور) کو پاک کر دیتا ہے ماسوا آدمی اور سور کے اور علامہ دردیر رحمۃ اللہ کی رائے کے مطابق مشہور قول مذہب کا یہ ہے کہ حرام گوشت جانوروں کو ذبح کرنا اس کے لئے مطہر نہیں ہوگا جیسے گھوڑے، خچر، گدھے، کتے اور سور۔اور اگر کسی شخص نے نماز ادا کی اور ادائیگی کے بعد دیکھا کہ اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہوئی ہے جس کا اسے علم نہیں تھا یا اسے علم تھا لیکن وہ اسے بھول گیا تھا تو ان مالکی حضرات کے ہاں نماز درست ہو جائے گی تو نجاست کا ازالہ اس وقت ضروری سمجھتے ہیں جب انسان کو یاد ہو اور اس کا زائل کرنا ممکن ہو اور قدرت میں ہو۔

مائع اور جامد اور دیگر چیزوں کو پاک کرنے والی اشیاء شوافع کے ہاں چار ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔[1]

۱۔عام سادہ پانی......(ماء مطلق) یعنی وہ پانی جس پر پانی کا اطلاق کیا جاتا ہو بلا کسی اضافی قید کے جیسے ماء الورد (گلاب کا پانی) یا کسی وصفی قید کا اضافہ بھی نہ ہو جیسے ماء دافق (اچھلنے والا پانی، منی کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے)۔اس پانی ماء مطلق کی چند قسمیں ہیں۔اب جو آسمان سے اترا ہوا ہو جیسے بارش، صرف اور اولوں کا پانی۔

۲۔زمین سے نکلنے والا پانی......یہ چار طرح کا ہے چشموں کا، کنواں کا، نہروں کا اور دریاؤں اور سمندروں کا۔گندگی دور کرنے کے لئے اور حدث دافع کرنے کے لئے اور دیگر چیزوں کے لئے پانی ضروری ہے جیسے وضو کی تجدید وغیرہ۔اور وہ بچہ جو دو سال سے کم کا ہو اور صرف

[1]......تحفة الطلاب شیخ زکریا الانصاری ص ۴ المجموع شرح المهذب ج ۱ ص ۱۸۸، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۷، ص ۸۴

دودھ پیتا ہو کچھ کھاتا نہ ہو اس کی قئے اور پیشاب پر صرف چھڑکاؤ کافی ہے دلیل اس کی دو صحیح احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ کیا جائے گا ❶ اس فرق کے قائل صرف شافعی اور حنبلی حضرات ہیں، مالکیہ نرینہ اور زنانہ بچوں میں فرق نہیں کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ چھڑکاؤ صرف اس صورت میں ہے کہ چیز مشکوک ہو کر نجس ہے یا نہیں اور احناف کی طرح وہ بہر صورت دھونا لازم قرار دیتے ہیں بچہ ہو یا بچی، اور اس سلسلے میں وہ بچی کو بچے پر ہی قیاس کرتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں ❷ اور میرا میلان شوافع اور حنابلہ کی رائے کی طرف ہے کیونکہ اس تفریق کی تصریح موجود ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بچے کا پیشاب قوت سے نکلتا ہے او پھیل جاتا ہے یا یہ کہ بچے کو زیادہ گود میں لیا جاتا ہے تو اس کو دھونے میں مشقت زیادہ ہے، یا یہ اس کا مزاج گرم ہونے کی بناء پر اس کا پیشاب نسبتاً رقیق (پتلا) ہوتا ہے بخلاف بچی کے۔

۲۔ دوسری چیز...... پاک مٹی جس کو پہلے کسی فرض کی ادائیگی مثلاً تیمّم وغیرہ میں استعمال نہ کیا گیا ہو اور کسی چیز سے وہ خلط ملط بھی نہ ہو دلیل یہ آیت ہے:

فتیمموا صعیدًا طیبا ...... سو تم قصد کرو پاک مٹی کا۔

صعیداً طیباً سے تراباً طاهراً پاک مٹی مراد ہے۔

۳۔ تیسری چیز...... دابغ (دباغت کرنے والا) اور اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کھال کے فضلات اور بدبو وغیرہ کو بالکل اکھاڑ پھینکے اور ایسا کر دے کہ کھال کو اگر بعد میں پانی میں ڈالا جائے تو بدبو اور سرانڈ دوبارہ اس میں نہ آئے مثلاً قرظ (ایک خاص درخت کے پتے جو تیزابی خاصیت رکھتے ہیں) اور شب (ایک معدنی نمک) اور دابغ کے نجس ہونے سے بھی فرق نہیں پڑتا جیسے پرندوں کی بیٹیں۔

۴۔ سرکہ بن جانا...... یعنی شراب کا سرکہ بن جانا اس میں کسی چیز کے ڈالے بغیر خواہ اسے دھوپ سے سائے اور سائے سے دھوپ میں رکھنے سے وہ سرکہ بنے۔ اور اگر اس کے سرکہ بننے کے دوران کوئی چیز اس میں پڑ گئی خواہ وہ اس عمل میں مؤثر نہ بھی ہو یا اس میں کوئی نجس چیز گر پڑی اور سرکہ بننے سے قبل نکال لی گئی تو یہ اس کے لئے مطہر نہیں ہوگا، یعنی اب وہ سرکہ بننے سے پاک نہیں ہوگی۔

ان چار مطہرات سے حاصل ہونے والی طہارتیں چار ہیں:

۱...... وضو ۲...... غسل ۳...... تیمم ۴...... نجاست کا ازالہ۔

اس میں استحالہ (حقیقت و ماہیت کی تبدیلی) بھی شامل ہے۔ چکنی اور چمکدار سطح رکھنے والی چیزیں اگر ناپاک ہوں تو وہ محض پونچھنے سے پاک نہیں ہوں گی، ان کا دھونا ضروری ہے، جیسے کہ جوتا صرف رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا جب تک اسے دھو نہ دیا جائے، اور پانی بڑھ جانے سے پاک ہو جاتا ہے خواہ وہ دو قلوں (مٹکوں) کے برابر نہ بھی ہو، اور ناپاک زمین پر زیادہ پانی پڑنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے حنابلہ کے ہاں مطہرات زیادہ شوافع کی ہی تفصیل کے مطابق ہیں ❸ ماسوا دباغت کے مسئلے کہ ان کے ہاں دباغت مطہر نہیں ہوتی ہے چنانچہ مطہرات ان کے ہاں پانی، مٹی اور اسی طرح پتھروں سے استنجاء اور سرکہ بن جانا ہیں۔ چنانچہ ناپاک زمین پانی کے پڑنے سے یعنی نجاست پر پانی اس طرح پڑنے سے کہ پانی نجاست کو بلا تفصیل تعداد (دو مرتبہ یا تین مرتبہ ڈھانپ لے اور نجاست کا جسم باقی نہ رہے اور رنگ اور بو کا اثر نہ رہے

---

❶...... یہ حدیث ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے ابوسمح سے روایت کی ہے صحاح ستہ نے ام قیس بنت محصن سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ کیا ابن ماجہ نے ام کرز سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ ہوگا اور بچی کے پیشاب دھویا جائے گا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۵۔ ❷ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۸۲، نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۷، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۷۔ ❸ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۲، ۲۱۳، ۲۱۸ المغنی ج ۱ ص ۳۵، ۳۹، ج ۲ ص ۹۸

اس وقت ہے کہ اس نجاست کے اور جسم اس کے رنگ وبو کے ازالے یا دونوں میں سے (جسم اور وصف (رنگ وبو) ایک کے ازالے سے عاجز نہ ہوجائے (یعنی اگر جسم نجاست یا رنگ وبو کا بالکل ختم کرنا ممکن نہ ہوتو ان کا بالکل ختم کرنا ضروری نہ رہے گا) اور ناپاک زمین دھوپ یا ہوا کے چلنے سے یا خشک ہوجانے سے پاک نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی شخص کے پیشاب کو دھونے کا حکم دیا تھا، اگر یہ چیزیں پاکی کے لئے کافی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی پر اکتفاء فرماتے اور استحالہ (حقیقت و ماہیت بدل جانے) سے نجاست پاک نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ اگر لید کو جلایا جائے اور وہ راکھ بن جائے یا کتا نمک کی کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ پاک نہیں ہوگا، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے جانوروں اور ان کے فضلات (پیشاب) سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ ❶ کیونکہ یہ جانور گندگی اور نجاست ہوتے ہیں۔ اگر یہ استحالے سے پاک ہوجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منع نہ فرماتے۔ اور نجاست آگ سے بھی پاک نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا گوبر کی راکھ نجس ہوگی اور ناپاک تیل سے بنا ہوا صابن نجس ہوگا نجاست کا دھواں اور گردوغبار نجس ہوگا اسی طرح ناپاک پانی کے بخارات جو سخت اور چکنی سطح والی چیزوں پر آجائیں وہ ناپاک ہوں گے۔ اور پہاڑ کی وہ مٹی جس میں گدھے اور خچر وغیرہ کی لید اور گوبر ملے ہوئے ہوں اور دیگر ان جانوروں کے فضلات جو حرام گوشت ہیں، نجس ہوگی خواہ اس کو جلالیا جائے جیسے ٹھیکری، اس طرح اگر کتا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے یا صابن کے کڑھاؤ میں گر کر صابن بن جائے تو وہ صابن اور نمک نجس ہی ہوگا۔ ❷

اس اصول، کہ استحالہ مطہر نہیں ہے سے یہ مستثنیٰ ہیں: وہ چیز جس سے انسان پیدا ہو، یعنی وہ منی جس سے انسان پیدا ہو پاک ہے، شراب جو خود بخود سرکہ بن جائے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکہ بنانے کی نیت کے بغیر منتقل کرنے سے وہ سرکہ بنے تو وہ پاک ہے۔ ہاں اس کا سرکہ بنانا حرام ہے، اگر اس کا سرکہ بنایا گیا خواہ اس کو محض ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکہ بنانے کی غرض سے منتقل کرنے سے ہی وہ سرکہ بنے (یعنی کسی چیز کے ملائے بغیر ہی وہ سرکہ بن جائے) پھر بھی وہ پاک نہیں ہوگی۔ دلیل اس کی وہ روایت ہے جو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا گیا جو سرکہ بنائی جائے تو آپ نے فرمایا نہیں اسی طرح شراب کا مٹکہ، اس کا برتن بھی اسی کے تابع ہوکر پاک ہوگا۔

اور روغن اگر ناپاک ہوجائے تو وہ دھونے سے پاک نہیں ہوگا کیونکہ پانی کا اس کے تمام اجزاء تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح مٹی کا وہ برتن بھی اندر کی طرف سے پاک نہیں ہوسکتا جس میں نجاست سرایت کرگئی ہو اور نہ ہی وہ گوندھا ہوا آٹا جس میں نجاست سرایت کرگئی ہو کیونکہ اس کا دھونا ممکن نہیں۔ اور وہ گوشت بھی پاک نہیں ہوسکتا ہے جو ناپاک ہوجائے اور نہ وہ برتن جس میں نجاست سرایت کرجائے اور نہ وہ چھری جس کو نجاست میں بجھایا گیا ہو۔ جما ہوا گھی اور اس جیسی جامد چیزیں ان میں نجاست کے گر جانے کی صورت میں وہ نجاست اور آس پاس کی تھوڑی سی وہ جامد چیز نکال دینے سے پاک ہوجاتی ہے۔ اور سیال چیز میں اگر نجاست کچھ دیر رہ چکی ہو تو وہ پاک نہیں ہوسکتی ہے جیسے چوہا اس میں گر کر مرجائے ہاں اگر چوہا گر کر زندہ نکل آئے تو وہ چیز پاک رہتی ہے۔

جس چیز میں نجاست پڑ جائے اس کا اس وقت تک دھونا ضروری ہے۔

اگر بدن، کپڑے یا چھوٹی سی جگہ جیسے چھوٹا سا گھر، میں نجاست کی جگہ معلوم نہ رہے تو اس پورے کا دھونا واجب ہے، محض گمان کا ہونا کافی نہیں کیونکہ پاک چیز نجاست کی وجہ سے مشتبہ ہوچکی ہے لہٰذا، پورے (نجس اور مشکوک) سے بچنا ضروری ہوگا یہاں تک کہ پاکی کا یقین ہوجائے وجہ اس کی یہ ہے کہ نجاست کا ہونا یقینی ہے لہٰذا وہ نجاست یقینی طہارت سے ہی دور ہوگی (یعنی جب نجاست کا ہونا یقینی ہے تو وہ محض

❶ ...امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن غریب قرار دیا ہے۔ ❷ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نجاست کا استحالہ اس کی گندگی اور اس کے جسم کو ختم کردیتا ہے، چنانچہ نجاست کا حکم باقی نہیں رہتا ہے اور وہ چیز پاک ہوتی ہے۔

گمان کی بنیاد پر کچھ جگہ دھو لینے سے پاک نہیں ہوگی جب تک کہ یقینی طور پر طہارت کا حصول نہ ہو جائے اور یقینی طور پر حصول جب ہی ہوسکتا ہے جب پوری جگہ عضو کو ہی دھولیا جائے۔اور اگر مکان نجاست کسی بڑی جگہ میں بھول گیا جیسے بڑا صحرا یا بڑا گھر تو ایسا ہونا مضر نہیں، مقصود یہ ہے کہ مشقت اور حرج سے بچا جاسکے۔

وہ بچہ جو کھانا اپنی رغبت سے نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب اور قے کی جگہ پر پانی کا چھڑکاؤ کافی ہوگا، اگر چہ یہ پیشاب بھی بڑے آدمی کے پیشاب کی طرح ناپاک ہوتا ہے، اور بچی اور ہیجڑے کے پیشاب کا دھونا ضروری ہے۔اور جو تار گرنے سے پاک نہیں ہوتا ہے اس کا دھونا ضروری ہوتا ہے جیسے اس عورت کے دامن کا دھونا بھی ضروری ہے جو چلنے سے زمین پر لگ کر نجس ہو گیا ہو جیسے کہ بدن اور کپڑے کا دھونا ضروری ہوتا ہے، تاہم تھوڑی سی نجاست جو موزے یا جوتے کے تلے میں لگ جائے اس کو رگڑنے سے وہ قابل معافی ہوتی ہے یہ درحقیقت حدیث ابوہریرہ پر عمل کرتے ہوئے جس میں وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی کسی گندی چیز کو اپنی چپل سے روند دے تو ان چپلوں کی پاکی مٹی میں ہے۔ ❶

اور نجس زمین دھوپ، ہوا اور خشک ہو جانے سے پاک نہیں ہوتی ہے گذشتہ حدیث پر عمل درآمد کرتے ہوئے کہ اس (دیہاتی) کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ نے مطہرات (پاک کرنے والی اشیاء) میں ان پر نظر رکھی ہے جن سے شریعت کی مراد مکمل ترین طریقے سے حاصل ہوتی ہے، اور احناف نے مطہرات کے بارے میں توسع سے کام لیا ہے، اور اس بارے میں مالکیہ کہیں کہیں ان کے قریب ہیں۔لوگوں کی ضرورتیں، ان کے عرف وغیرہ مکمل طور پر مذہب حنفی پر عمل کرنے کی۔

تائید کرتے ہیں، اور اس بناء پر ناپاک زمین اور کپڑے پھیلانے کی الگنی جو ناپاک ہو، جمہور کے ہاں دھوپ اور ہوا سے خشک ہونے پر پاک نہیں ہوگی اور احناف کے ہاں پاک ہو جائے گی۔

اور موکیت یا نصب شدہ نشستوں (وہ نشستیں یا بنچیں جو زمین میں یا دیوار میں نصب ہوں) کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست پر پانی بہادیا جائے، اور ناپاک جوتا اور موزہ زمین پر رگڑنے سے ان حضرات کے ہاں پاک ہوگا جو اس کے قائل ہیں، کیونکہ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے کسی گندگی کو روند دے تو مٹی اس کے لئے پاکی ہے۔اس طرح آئینہ، چھری تلوار، شیشہ اور ہر ٹھوس چکنی سطح والی چیز اس طرح کے پونچھے جانے سے پاک ہو جائے گی کہ جس سے نجاست کا اثر ختم ہو جائے یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کے مطابق ہوگا جس میں وہ اپنی تلواروں سے خون پونچھ کر صاف کیا کرتے تھے۔

واشنگ مشینوں میں دھلے ہوئے کپڑے پانی میں ڈوبے ہوئے ہونے کی صورت میں پاک ہوں گے، کیونکہ ان مشینوں میں بار بار پانی بھرا جاتا ہے اور کپڑے کے نچوڑے کا سسٹم (ڈرائیر) بھی اس طرح کام کرتا ہے کہ تیز گھومنے سے کپڑے نچڑ جاتے ہیں۔کسی کپڑے یا جگہ کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک وہاں عین نجاست (نجاست کا جسم) نظر نہ آجائے چنانچہ اگر کسی شخص پر پانی وغیرہ گرے یا اس کے کپڑوں کو رات کو کوئی گیلی چیز لگ جائے تو اس کو پاک قرار دیا جائے گا اس کی نجاست کے بارے میں دریافت نہیں کیا جائے گا اور نجاست کا حکم بھی تب لگایا جائے گا جب ظن غالب ہو (محض خیال کی بنیاد پر نہیں)

❶ ......اس حدیث کو احمد ابوداؤد نے محمد بن عجلان کے واسطے سے روایت کیا ہے اور یہ ثقہ تھے اور حضرت ام سلمہ والی حدیث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خشک راستے پر چل لینا پاک کرنے والا ہے تاہم اس حدیث نے نجاست کے کم یا زیادہ ہونے کی تقیید نہیں کی ہے۔

۴۔ چوتھی بحث...... پانی کی اقسام

پانی تین قسم کے ہوتے ہیں

۱...... پاک کرنے والا۔

۲...... صرف پاک، جوخود پاک ہولیکن دوسرے کو پاک نہ کر سکے۔

۳...... ناپاک پانی۔

۱۔ **پہلی قسم:** ...... الماء الطھور، پاک کرنے والا پانی یا مطلق پانی یہ وہ پانی ہوتا ہے جو بذات خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرتا ہے، اور یہ وہ پانی ہے جو آسمان سے برسا ہو، زمین سے نکلا ہو جب تک وہ اپنی اصل خلقت اور اصلیت پر باقی ہو یعنی اس کے تین اوصاف (۱۔رنگ، ۲۔بو، ۳۔مزہ) میں سے کوئی ایک وصف بھی نہ بدلا ہو بدلا ہو مگر ایسی چیز ملی ہو جس سے پانی کی طہوریت (پاک کردینے کی صفت) ختم نہ ہوئی ہو جیسے مٹی، نمک یا پودے وغیرہ پانی میں مل جائیں۔ اور وہ پانی مستعمل استعمال شدہ بھی نہ ہو ماء مطلق کی مثال بارش کا، وادیوں کا، چشموں کا، کنوؤں کا، دریاؤں، نہروں، سمندروں کا، اور اولوں اور برف کا اور اس طرح کے دیگر ذرائع آب کا پانی خواہ میٹھا ہو یا نمکین وہ ماء مطلق کے تحت آتا ہے، اس میں وہ پانی بھی شامل ہے جو کسی حیوان کی ہیئت اختیار کرلے یا نمک بن جائے یا پھوار اور بخارات کی شکل میں ہو کیونکہ یہ بھی حقیقت پانی ہے۔ تاہم احناف فرماتے ہیں کہ وہ پانی جو نمک بن جائے تو وہ نمک بننے سے پہلے طہور (پاک کرنے والا) ہوگا لیکن نمک بن کر دوبارہ اگر پگھل کر پانی بن جائے تو وہ صرف طاہر ہوگا مطہر نہیں، لہٰذا وہ رفع حدث کے لئے نافع نہیں ہوگا ہاں خبث (نجاست) دور کردے گا۔

یہ پانی جو ماء مطلق (مطلق یعنی بلاقید جس کی صفت بیان کرنے کے لئے کوئی لفظ اس کے ساتھ نہ بولا جائے مثلاً ماء الورد، (گلاب کا پانی) کہلاتا ہے بالاجماع خود بھی پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہوتا ہے (یعنی طاہر و مطہر اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اس پانی کو نجاست کے دور کرنے کے لئے اور وضو اور غسل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دلیل اس کی قرآن کی یہ آیت ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ سورۃ الفرقان

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا۔

اور دوسری آیت:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ...... سورۃ الانفال

اور تم پر نازل کرتا ہے پانی آسمان سے تاکہ تمہیں پاک کردے اس سے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سمندر کے بارے میں فرمان:

هو الطهور ماءه والحل ميتة[1]

س کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔

---

[1] ...... اس حدیث کو سات صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے وہ یہ ہیں، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، علی بن ابی طالب، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو، فراسی، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو چاروں اصحاب سنن نے روایت کیا ہے یہ حدیث اگرچہ اس میں علل ہیں مگر دوسری روایات سے یہ مؤید ہو جاتی ہے۔ نصب الرایہ ج۱ص۹۵۔

اور اسی طرح یہ فرمان:

الماء طهور لاينجسه شيءٌ الا ماغلب على ريحه وطعمه ولونه ①

(پانی پاک ہوتا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے ماسوا اس کے جو اس کی بو، مزے یا رنگ پر غالب آجائے)۔

ماءطہور کی بحث دو مزید باتوں کے جان لینے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

الف:۔ وہ تغیر جو طہوریت (پاک کردینا) پر اثر انداز نہیں ہوتا فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی کو متغیر کرنے والی وہ چیزیں جو غالب حالات میں پانی کے ساتھ ہوتی ہیں وہ پانی کی صفت طہارت (پاکی) اور صفت طہوریت (پاک کرنا) ختم نہیں کرتی ہیں، چنانچہ پانی کے تمام یا بعض اوصاف کا دیر تک رہنے کی بناء پر متغیر ہونا اس کی طہارت اور طہوریت کے لئے مؤثر نہیں ہوتا (یعنی اس کی صفت طہارت اور طہوریت دونوں برقرار رہتی ہیں) کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اسی طرح پاک مٹی کے مل جانے سے کائی کے پیدا ہوجانے سے اور پانی کے راستے اور اس کے ذخیرہ گاہ میں ہونے والی اشیاء خس وخاشاک کے ہونے سے بھی پانی کی ان دونوں مذکورہ صفات پر فرق نہیں پڑتا، اسی طرح مندرجہ ذیل چیزوں سے بھی یہ تغیر مؤثر نہیں ہوتا، پانی کا ایسی چیز سے مل جانا جس سے وہ الگ کیا جاسکتا ہو جیسے عود، دھن خواہ یہ دونوں خوشبو پیدا کردیں، بخور بھی ان میں شامل ہے اور وہ مردار جانور جو پانی کے کنارے پر پڑا ہو اور پانی اس کے بدبو سے متغیر ہورہا ہو، پانی کا اپنے برتن کی قلعی اور صفائی اور دباغت کرنے والی چیز سے متغیر ہونا، جیسے تارکول اور قرظ (کہ اگر ان سے پانی کے برتن، مشکیزے وغیرہ کو دباغت دی گئی ہو قلعی کی گئی ہو اور پانی اس برتن میں رکھنے سے پانی میں کوئی تبدیلی ہوجائے تو وہ مؤثر نہ ہوگی) اور پانی کا بعض کانوں میں متغیر ہونا جیسے نمک یا گندھک کی کان کا پانی، کہ ان سب بیان کردہ صورتوں میں پانی کا متغیر ہونا اس کی طہوریت کے لئے مضر نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جس سے بچنا ممکن نہ ہو اس کی وجہ سے پانی کا متغیر ہونا اس کے لئے مضر نہیں جیسے تنکوں اور پتوں کا پانی میں گرنا۔ فقہاء کی اس سلسلے میں مزید آراء اور تفصیلات ہیں اور کچھ حدود وقیود ہیں، جن کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

احناف فرماتے ہیں ② کہ طہارت ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی ٹھوس چیز مل جائے اور اس کے تینوں اوصاف یا ایک وصف کو متغیر کردے بشرطیکہ یہ تغیر پکائے جانے کے سبب نہ ہو جیسے سیلاب کا پانی جس میں مٹی، پتے اور درخت وغیرہ مل جاتے ہیں بشرطیکہ اس کا پتلاپن غالب رہے، اور اگر مٹی غالب ہوجائے (یعنی پانی کیچڑ کی طرح سے ہوجائے) تو اس سے طہارت جائز نہیں ہوگی اسی طرح وہ پانی جس میں زعفران دودھ، صابن یا اشنان وغیرہ مل جائیں اس کا استعمال بھی جائز ہے بشرطیکہ پانی کا پتلاپن اور سیلان باقی رہے۔ وجہ اس جواز کی یہ ہے کہ ایسے پانی پر پانی کا اطلاق برقرار رہتا ہے، اور ان پانی سے مل جانے والی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر پانی اپنی طبیعت سے باہر نکل گیا یا اس کا نیا نام پڑ گیا جیسے صابن کا پانی گاڑھا ہوگیا یا زعفران کا پانی رنگ بن گیا تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں ③ وہ پانی جو دیر تک ٹھہرے رہنے سے متغیر ہوجائے یا کسی چیز کے اس پر گذرنے اور چلنے سے یا اس میں پیدا ہونے والی چیزوں مثلاً کائی، کیڑے اور زندہ مچھلی وغیرہ سے وہ پانی متغیر ہو تو یہ نقصان دہ نہیں اسی طرح وہ چیز جو پانی سے عام طور پر الگ نہیں ہوتی ہے یا صرف پانی کے ساتھ ہے (یعنی صرف پاس پڑا ہے پانی کے اندر نہیں ہے اس سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہے، اور پانی میں ڈالی گئی مٹی کے سبب پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہوگا صحیح قول کے مطابق اور نہ ہی نمک اور دیگر زمین سے حاصل ہونے والی دیگر اشیاء جیسے پیتل، تانبا،

---

①...... یہ حدیث ابن ماجہ نے ابوامامہ سے روایت کی ہے یہ حدیث ضعیف السند ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۹۴، تاہم امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور اس کی صحیح اسناد بھی ہیں جسے ابن قطان نے ذکر کیا ہے اس حدیث کے بارے میں امام احمد فرماتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ② فتح القدير ج ۱ ص ۴۸، اللباب شرح الكتاب ج ۱ ص ۲۶، مراقی الفلاح ص ۳۔ ③ الشرح الصغير ج ۱ ص ۳۰۔۳۶، القوانين الفقهيه ص ۳۰، بداية المجتهد ج ۱ ص ۲۲، الشرح الكبير ج ۱ ص ۳۵۔۳۹۔

گندھک، لوہا کے بالقصد ڈالنے سے پیدا ہونے والا تغیر مضر ہوگا اسی طرح پاک دباغت دینے والی چیز کے ملنے سے بھی پانی طہوریت سے خارج نہیں ہوتا جیسے کولتار اور ایسے ہی وہ چیزیں جن سے بچنا ممکن نہ ہو ان کا گرنا بھی پانی کے لئے مضر نہیں ہے جیسے تنکے درخت کے پتے جو ہو اسے کنوؤں اور تالابوں میں گر جاتے ہیں اور پانی لانے لے جانے کے لئے تیار کی گئی کھالیں جیسے مشکیزہ اور ڈول وغیرہ جن سے پانی نکالا جاتا ہے ان کو اگر دباغت دی جا چکی ہو تو ان میں رکھے ہوئے پانی سے انتفاع درست ہے خواہ جس پاک چیز کے ذریعے ان کھالوں کو دباغت دی گئی ہے ان کا اثر پانی میں بھی آ جائے جیسے قرظ (ایک خاص قسم کے درخت کے پتے) اور کولتار اور شب (پھٹکری کی طرح کا معدنی نمک) اور پاس پڑی ہوئی چیز سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہے، کیونکہ پانی پاس پڑی ہوئی چیز کی کیفیت اور صفت سے متاثر ہوتا ہے، اور پاس پڑی ہوئی چیز کی مثال مردار جانور کا لاشہ جو پانی سے باہر اس کے قریب پڑا ہوا ہو اور اس کی بدبو سے پانی متاثر ہو رہا ہو۔ اور پانی نکالنے والی اشیاء سے پڑنے والا تغیر مضر نہیں، جیسے ڈول اور اس کی رسی یا وہ چیز جس سے برتن کو دھونی دی گئی ہو دباغت نہیں، یا اسے پانی میں پھینک دیا گیا ہو اور وہ تہہ میں جا کر بیٹھ گئی ہو اور پانی اس سے متغیر ہو جائے (یعنی ایسی چیز جو ڈول وغیرہ پر مل دی گئی ہو جیسے کولتار وغیرہ کہ اسے پانی میں استعمال کئے جانے والے برتنوں پر ملا جاتا ہے تاکہ وہ محفوظ ہیں، اسی طرح کی چیزیں اگر برتن پر لگی ہو یا پانی میں گر جائیں تو وہ متغیر نہیں کرتیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ عرب کولتار کو بہت استعمال کیا کرتے تھے پانی وغیرہ نکالنے کے برتنوں میں، تو اس سے پڑنے والا تغیر ایسا ہی ہے جیسا کہ پانی کے ٹھہرے رہنے سے تغیر واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر پانی میں تغیر پیدا کرنے والی چیز میں شک ہو کہ کیا اس نوعیت کی ہے کہ جس سے تغیر پیدا ہونے سے پانی کے احکام بدل جاتے ہیں جیسے شہد اور خون یا اس نوعیت کی ہے کہ جس سے پیدا ہونے والے تغیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے گندھک یا پانی کا دیر تک ٹھہرا رہنا، تو بھی یہ تغیر مضر نہیں ہوگا اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا۔ اور ایسے ہی پانی میں واقع ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں جس میں شک ہو کہ اس میں تھوک مل گیا ہے یا نہیں جیسے کسی نے منہ میں پانی لے لیا پھر شک ہوا کہ پانی میں تو تھوک شاید مل گیا ہو تو یہ شک مضر نہیں اور پانی پاک ہی شمار ہوگا۔

پانی میں پیدا ہونے والا وہ تغیر جو اس چیز سے پیدا ہوا ہو جو پانی سے الگ تھلگ ہوتی ہے اور پاک بھی ہو ایسا تغیر مضر ہوگا اور پانی طاہر نہ رہے گا۔ جیسے دودھ، گھی، شہد اور گھاس (حشیش، خاص قسم کی گھاس) وغیرہ، تو اگر ان میں سے کوئی چیز پانی میں مل جائے اور اس کے ساتھ جڑ جائے جیسے وہ پھول جو پانی کی سطح پر پڑے ہوں یا وہ تیل جو پانی سے بالکل ملا ہوا ہو اور پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے رنگ، بو اور مزے میں سے تو ایسے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ پانی بذات خود پاک ہوگا لیکن دوسرے کو پاک نہیں کر سکے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر پانی سے کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے تین اوصاف میں سے کسی کو تبدیل نہ کرے تو وہ پانی ماء مطلق (عام پانی) ہے جو طہور (پاک کرنے والا) ہے اور اگر ان تین اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے تو مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں پانی خود پاک ہوگا لیکن مطہر نہیں ہوگا اور احناف کے ہاں طاہر اور مطہر دونوں ہوگا اگر اسے پکانہ لیا جائے یا وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہو جائے، مالکیہ مٹی سے ملحق کرتے ہیں۔ زمین کے تمام اجزاء جیسے گندھک، لوہا، پیتل تانبہ وغیرہ کہ یہ چیزیں پانی کی طہوریت کو سلب نہیں کرتی ہیں اگر یہ پانی کے اوصاف میں سے ایک کو تبدیل کر دیں خواہ انہیں پانی میں قصداً ڈالا گیا ہو۔

شوافع فرماتے ہیں❶ کہ ایسی پاک چیز سے پیدا ہونے والا معمولی تغیر جو پانی کو مطلق پانی کہنے سے مانع نہ ہو وہ مؤثر اور مغیر نہیں ہوتا خواہ یہ مشکوک بھی ہو کہ تغیر تھوڑا ہے یا زیادہ کیونکہ پانی کا ایسی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح عرصے تک ایک جگہ ٹھہرا رہنے سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں خواہ یہ تغیر بہت زیادہ کیوں نہ ہو جائے مٹی اور کائی، پانی کے راستے اور اس کی ذخیرہ گاہ میں موجودہ چیزیں جیسے گندھک ہڑتال (ایک بوٹی) اور چونا وغیرہ سے پیدا ہونے والا تغیر مضر نہیں ہوتا کیونکہ پانی کا ان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اس طرح پانی کے

❶..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۹، المہذب ج ۱ ص ۵۔

نمک سے متغیر ہونا مضر نہیں، ہاں پہاڑی نمک سے پیدا ہونے والا تغیر مضر ہے اگر وہ پانی کے راستے یا ذخیرہ گاہ میں نہ ہو۔ اور وہ نمک جو پانی سے بنا ہو وہ طہارت سے مانع نہیں ہوا کیونکہ وہ فی الاصل پانی ہی تھا تو وہ اولے کی طرح ہو گیا کہ جب وہ پانی میں پگھل جائے تو پانی کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح یہ نمک بھی پانی کے حکم میں ہوگا۔ اس طرح وہ تغیر جو درخت کے پتے بکھرنے اور اڑتے پھرنے اور پانی میں گر جانے سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہوتا، کیونکہ پانی کا ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اور اسی طرح وہ تغیر بھی مضر نہیں جو پاک چیز کے ساتھ پڑا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو جیسے لکڑی اور تیل خواہ یہ خوشبودار ہی کیوں نہ ہوں اور سخت کافور (خوشبودار گھاس) یا مٹی خواہ وہ استعمال شدہ ہو اور پانی میں ڈالی گئی ہو صحیح قول کے مطابق (یعنی وہ مٹی جس سے تیمم کیا جا چکا ہو اور اسے پانی میں ڈال دینے سے پانی متغیر نہیں ہوگا) کیونکہ پانی میں مٹی کے علاوہ چیزوں کا ملنا خوشگواری کے لئے ہے اور مٹی کا ملنا اس کے گدلے پن کا سبب ہوتا ہے جو پانی کے نام کے اس پر اطلاق سے مانع نہیں ہوتا (یعنی ان چیزوں کی ملاوٹ سے پانی کا نام بدل نہیں جاتا ہے وہی رہتا ہے جو دلیل ہے کہ پانی میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے)

حنابلہ کا مذہب شافعیہ کی طرح ہی ہے اس بارے میں کہ پانی کا طویل عرصے تک ٹھہرے رہنے سے پیدا ہونے والا تغیر مؤثر نہیں ❶ یعنی وہ پانی جو طویل عرصے تک اپنی ذخیرہ گاہ میں رہنے کے سبب بدبودار ہو جائے ❷ اس طرح راستے یا جگہ سے پیدا ہونے والا تغیر یا ساتھ پڑی ہوئی چیز سے پیدا ہونے والا تغیر یا اس مردار کی بدبو سے پیدا ہونے والا تغیر کہ ان چیزوں سے احتراز ممکن نہیں، اور پانی کے نمک سے پیدا ہونے والا تغیر۔ پانی کے نمک سے مراد یہ ہے کہ پانی کو بے آباد ویران زمین میں چھوڑ دیا جائے پھر وہ نمک بن جائے کیونکہ اس نمک سے پیدا ہونے والا تغیر درحقیقت پانی سے ہی پیدا ہوا ہے، اور یہ ایسا ہی شمار ہوگا جیسے اولوں کا پانی میں پگھل جانا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ متغیر پانی جس سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں چار قسم کا ہے:

۱..... وہ پانی جس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی جگہ (جہاں وہ ذخیرہ ہو) اس کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے جیسے ماء النہر (دریا کا پانی) ماء البیر (کنویں کا پانی) وغیرہ۔

۲..... وہ چیز جس سے بچنا ممکن نہ ہو جیسے کائی اور خز (ہرے کانٹے) اور ہر وہ چیز جو پانی میں اگتی ہو اس طرح درخت کے وہ پتے جو پانی میں گر جائیں یا ہوا اڑا کر انہیں گرا دے، اور وہ کچرا لکڑی اور تنکے، جو سیلاب میں بہہ کر آ جاتے ہیں اور پانی میں رہ جاتے ہیں اور وہ چیزیں جو پانی کی تہہ میں ہوں جیسے گندھک تارکول وغیرہ جب پانی ان پر چلے اور متغیر ہو جائے یا اس زمین میں یہ چیزیں ہوں جس میں پانی کھڑا ہو۔

۳..... وہ چیز جو پانی کے ہم معنی ہو طہارت اور طہوریت دونوں صفتوں میں۔ جیسے مٹی اگر پانی کو متغیر کر دے تو اس کی طہوریت سے مانع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بھی پانی کی طرح طاہر اور مطہر ہے۔

لیکن اگر پانی اتنا گاڑھا ہو جائے کہ وہ اعضاء پر بہہ نہ سکے تو اس سے طہارت نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ اب صرف مٹی رہ گئی ہے پانی نہیں رہا اور مٹی کے پانی میں گرنے یا ڈالے جانے میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح سمندری پانی کا اور پہاڑی نمک ان دونوں میں بھی فرق نہیں ہے، کیونکہ یہ آخری (معدنی نمک) ایسی چیز ہے جو ضروری اور لازم نہیں ہوتی اور پانی سے بنی ہوئی بھی نہیں ہوتی (یعنی یہ کوئی ایسی ناگزیر چیز نہیں کہ جس کے ہونا ضروری ہو یا پانی کے ساتھ لازماً پائی جائے) تو یہ زعفران وغیرہ کی طرح شمار ہوگا۔

۴..... وہ چیز جس کے ساتھ ہونے سے پانی متغیر ہو اس سے ملے بغیر، جیسے ہر قسم کا تیل اور کولتار، تارکول اور موم اور ٹھوس پاک چیزیں جیسے لکڑی، کافور (خاص قسم کی خوشبودار گھاس) اور عنبر، بشرطیکہ یہ پانی میں ریزہ ریزہ نہ ہوں اور نہ اس کے ساتھ بہیں کیونکہ یہ تغیر ساتھ ہونے سے آیا ہے مل جانے (خلط ملط ہونے) سے نہیں یہ مشابہ ہے اس سے کہ پانی ایک طرف پڑی ہوئی کسی چیز کی بو سے متغیر ہو جائے تو وہ تغیر

---

❶..... کشف القناع ج ۱ ص ۲۵، المغنی ج ۱ ص ۱۳۔ ❷ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایسے پانی سے وضو فرمایا جس میں ناگوار مہک پیدا ہو گئی تھی۔

مؤثر نہیں ہوتا، اور اس مسئلے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل جائے جب تک کہ وہ اس کو متغیر نہ کردے۔ چنانچہ اگر لوبیا، چنا، گلاب اور زعفران وغیرہ اگر پانی میں گر جائیں اور بہت تھوڑے سے ہوں اور ان کا رنگ مزہ، اور بہت زیادہ بو نہ ہو تو ایسے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ محترمہ نے ایسے برتن سے وضو فرمایا تھا جس مین گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔

ب......دوسری بحث ماء طہور سے متعلق وہ طہور (پاک کرنے والا) پانی جس کا استعمال احناف کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے:

ایک پانی ایسا ہے جو طاہر اور مطہر ہے تاہم دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس کا استعمال صحیح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے احناف کے ہاں ❶ اور وہ وہ قلیل پانی ہے، جس سے کسی حیوان نے پی لیا ہو جیسے گھریلو بلی نہ کہ جنگلی بلی کہ اس کا جھوٹا نجس ہوتا ہے اور اس طرح آزاد پھرنے والی مرغی جو گندگی وغیرہ کھاتی پھرتی ہو اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے، سانپ اور چوہے وغیرہ، کیونکہ یہ سب جانور گندگی سے بچتے نہیں ہیں۔ یہ عمل استحسان کے مطابق ہے تاکہ لوگوں پر سہولت ہو جائے وہ کیونکہ بلی انسانوں سے بہت مخالطت رکھتی ہے اور ان کے ہاں آتی جاتی رہتی ہے۔ اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جھوٹے کو طاہر قرار دیا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نجس نہیں ہے وہ تم پر آتے جاتے رہنے والوں میں سے ہے ❷ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پانی کا برتن بلی کے آگے جھکا دیتے وہ پیتی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے ہوئے پانی سے وضو فرماتے ❸ تاہم ایسے پانی کی کراہت اس وقت نہیں رہتی جب اس کے علاوہ کوئی اور پانی دستیاب نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بلی کے منہ اور اس کے جھوٹے کی طہارت کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسری قسم......وہ پاک پانی جو دوسرے کو پاک نہ کرے۔ اس کا حکم احناف کے ہاں یہ ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے یعنی کپڑے اور بدن پر لگی ہوئی نجاست کو یہ دور کر دیتا ہے لیکن حدث کو زائل نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ وضو اور غسل اس سے درست نہیں ہوتے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا......وہ پانی جس کے ساتھ کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے اوصاف میں کسی ایک کو تبدیل کر دے اور اس کی طہوریت کو ختم کر دے اور احناف کے ہاں طہوریت کو سلب کرنے والی چیز پانی کے علاوہ کسی چیز کا پانی پر غالب ہو جانا یا تو جامد چیزوں کے مل جانے سے یا مائعات کے مل جانے سے ❹ ٹھوس چیزوں میں غلبہ اس طرح ہوگا کہ پانی اپنی رقت (پتلے پن) اور بہاؤ کی صفت سے نکل جائے۔ یا پانی کے اوصاف اس ٹھوس چیز کو پکانے سے ختم ہو جائیں، یعنی پانی کا پتلا پن بہاؤ سیراب کرنا اور نشوونما (پودوں وغیرہ کی) جیسے چنا اور دال، اور ایسی چیز پانی میں ملے جس سے مقصود صفائی کا حصول نہ ہو جیسے صابن اور اشنان (مخصوص قسم کی گھاس) دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتن سے غسل فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں غسل فرماتے تھے اور اپنے سر مبارک کو خطمی سے دھوتے تھے، خطمی ایک قسم کے پتے ہوتے ہیں جنہیں پیس کر سر پر لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو احرام باندھا ہوا تھا اور اسے اس کی اونٹنی نے کچل کر ہلاک کر دیا تھا۔ بیری کے پتوں کے جوش شدہ پانی سے غسل دینے کا حکم فرمایا تھا۔ اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو جس وقت وہ اسلام لائے بیری اور پانی سے غسل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ❺

---

❶......مراقی الفلاح ص ۳۔ ❷ اس کو پانچوں (من ھم الخمسۃ) حضرات نے حضرت کبشہ بنت کلب بن مالک سے روایت کیا ہے) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے اس حدیث کو بخاری، عقیلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے، نیل الاوطار ج ا ص ۲۵۔ ❸ حوالہ سابقہ بر وایت دارقطنی۔ ❹ مراقی الفلاح ص ۳۔۴ فتح القدیر ج ا ص ۴۸۔ ❺ نصب الرایہ ج ا ص ۱۰۴، نیل الاوطار ج ا ص ۲۲۹، پہلی حدیث کو نسائی ابن ماجہ اور اثرم نے روایت کیا ہے اور دوسری حدیث کو امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

وہ سیال چیز جس کا کوئی وصف نہ ہو (یعنی اس کا کوئی رنگ، جو مزہ وغیرہ نہ ہو) جیسے ماء مستعمل (استعمال شدہ پانی، وضو وغیرہ میں) اور عرق گلاب جس میں خوشبو نہ رہی ہو، ایسے پانی میں غلبہ کے اعتبار ایسے ہوگا کہ وہ یا تو وزن میں بڑھ جائے جیسے دو رطل مستعمل پانی ایک رطل ماء مطلق میں مل جائے، یہ غلبہ ایسے ہوگا کہ وہ مائع اور سیال چیز جس کے تین اوصاف (رنگ، بو، مزہ) میں دو وصف پانی میں ظاہر ہو جائیں جیسے سرکہ کہ جس کا رنگ، بو، مزہ ہو وہ اگر پانی میں مل جائے تو اس کے جو بھی دو وصف پانی پر غالب آ جائیں پانی کی طہوریت برقرار نہیں رہے گی اور وضو وغیرہ اس سے درست نہیں ہوگا، اور ایک وصف کے ظہور سے کوئی فرق نہیں پڑیگا کہ یہ اس ملنے والی چیز کی قلت کی طرف اشارہ ہے (کہ وہ قلیل مقدار میں ملی ہے جب ہی ایک وصف متاثر ہوا ہے) اسی طرح اگر کسی سیال مادے کے دو وصف ہوں تو ایک وصف کے ظاہر ہونے کو غلبہ سمجھا جائے گا جیسے دودھ کہ اس میں صرف رنگ اور مزہ ہوتا ہے اور بو نہیں ہوتی (یا سفید سرکہ وغیرہ)

وہ پانی جس کی طہوریت مشکوک ہوتی ہے احناف کے ہاں، یہ وہ پانی ہوتا ہے جس میں سے گدھے یا خچر نے پی لیا ہوتا ہے یہ بذات خود تو طاہر ہوتا ہے، تاہم اس کی قوت طہوریت (ازالہ حدث) مشکوک ہوتی ہے، اگر کسی کے پاس پاک پانی نہ ہو تو وہ اس پانی سے وضو کرے اور تیمم بھی کر لے۔ وجہ اس بات کی یہ ہے کہ اس کی اباحت اور حرمت کے دلائل میں تعارض ہے یا یوں کہہ لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی نجاست اور طہوریت میں اختلاف رہا ہے۔ ❶

مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ طہوریت کو ختم کرنے والی چیز جس کے نتیجے میں پانی نہ رفع حدث کر سکتا ہے اور نہ ازالہ نجاست، وہ یہ ہے کہ ہر وہ پاک چیز جو عام طور پر پانی سے الگ ہوتی ہو وہ پانی میں مل جائے اور اس کے اوصاف (رنگ۔ بو۔ مزہ) میں سے کسی ایک وصف کو تبدیل کر دے لیکن وہ زمین کے اجزاء میں سے نہ ہو اور نہ وہ پانی کے برتن کو دباغت دینے والا کوئی مادہ ہو اور نہ ایسی چیز ہو کہ جس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے ایسی پاک چیز کی مثال جو پانی سے الگ اور علیحدہ ہی ہوتی ہے صابن عرق گلاب، زعفران، دودھ، شہد، وہ کشمش جسے پانی میں بھگو دیا گیا ہو، لیمون، مویشیوں کی لید، جلتی ہوئی چیز کا دھواں، گھاس یا درخت کے پتے یا تنکے جو ایسے کنویں میں گریں جس کا ڈھانکنا آسان ہو، وہ کولتار جو پانی میں تہ نشین ہو اور برتن کو اس کے ذریعے دباغت بھی نہ دی گئی ہو، وہ کائی جو پانی میں پکالی گئی ہو اور مردہ مچھلی ہے کہ ان چیزوں کا پانی میں مل جانا اور اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دینا پانی کی طہوریت (پاک کر دینے کی صفت) ختم کر کے اسے صرف طاہر بنا دیتا ہے۔ اور اس متغیر پانی کے حکم میں وہ پانی بھی ہوتا ہے جو پانی نکالنے کے برتن یا ڈول وغیرہ سے متغیر ہو جائے بشرطیکہ وہ ڈول یا برتن زمین کی جنس سے نہ ہو جیسے چمڑے اور لکڑی کا برتن، یا کتان (سن، ایک قسم کا مضبوط ریشہ) یا پٹ سن، غالباً برصغیر میں ستلی جس چیز سے بنتی ہے وہ ریشہ یا چھال کی بنی ہوئی رسی اگر تغیر کم ہو یا قطران (کولتار) کو دباغت کے لئے استعمال کیا گیا تھا تو اس صورت میں وہ مضر نہیں ہوگا اور طہوریت متاثر نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ کہ پانی کی طہوریت کو سلب کرنے والی چیز جو اسے رفع حدث اور ازالہ نجاست کے قابل نہیں رہنے دیتی ہے وہ ہر وہ پاک ملنے والی چیز ہے جس کی پانی کو حاجت نہ ہوتی ہو (یعنی پانی کی وہ ضرورت نہ ہو، پانی کی نقل وحمل اور ترسیل وغیرہ کے لئے) اور وہ پانی میں مل کر پانی کے اوصاف میں سے ایک وصف کو اتنا متغیر کر دے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جا سکتا ہو۔ شرط یہ ہے کہ پانی کو متغیر کرنے والی چیز مٹی نہ ہو اور نہ پانی کا نمک ہو اور یہ دونوں چیزیں خواہ بالقصد بھی ڈال دی جائیں پانی متغیر نہیں شمار ہوگا۔ متغیر کرنے والی چیزوں کی مثال جیسے زعفران، درخت کا عرق مٹی، پہاڑی نمک، چھوہارہ آٹا، پانی میں ڈالی گئی کائی پانی میں بھیگی ہوئی کتان (سن، ایک قسم کا مضبوط ریشہ) یا ملیٹھی کے درخت کی جڑ اور کولتار جو دباغت کے لئے نہ ہو، اور وہ پانی جس میں بیری یا صابن وغیرہ ملائے گئے ہوں تو ایسے پانی سے وضو درست نہیں جس میں یہ مندرجہ بالا چیزیں مل گئی ہوں اس کی مثال جیسے لوبیا کا یا گوشت کا پانی اور یہ تغیر خواہ حسی ہو (یعنی حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہو) یا

---

❶..... فتح القدير اور هداية ج ١ ص ٧٨۔ ❷شرح الكبير ج ١ ص ٣٧، الشرح الصغير ج ١ ص ٣١، القوانين الفقهية ص ٣٠، بداية المجتهد ج ١ ص ٢٦۔ ❸ مغني المحتاج، ج ١ ص ١٨ المهذب ج ١ ص ٥۔

۔۔۔۔ محض مقرر کردہ ہو (یعنی دیکھنے سے معلوم ہوجانے یا محض اندازے یا جان لینے کی بناء پر وہ مقرر کرلیا گیا ہو) چنانچہ اگر پانی میں کوئی ایسا مائع گر جائے جو اوصاف میں اس کے بالکل موافق ہو، جیسے گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو، اور اس کے گرنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہو تو اگر ہم اندازہ کریں کہ ایسے مائع کی جگہ اگر کوئی دوسری چیز (جو ایسا تغیر پیدا کرتی ہو) جو معتدل ہو، رکھی جائے تو وہ اوصاف کو بدل دے تو وہ پانی مطہر نہیں رہے گا جیسے اس کا رنگ، انار کا ذائقہ اور لاذن (ایک قسم کی خوشبو) کی بو (یعنی ہم اگر اندازہ کریں کہ یہ پانی کے ہم وصف چیز جو اس میں ملی ہے وہ اتنی تھی کہ جس سے رنگ، بو یا مزہ تبدیل ہوسکتا تھا تو یہ ملنا مغیر (تبدیل کرنے والا) شمار ہوگا، اور یہ اندازہ جو لگایا جائے گا یہ ایک معتدل چیز کے برابر لگایا جائے گا، یعنی ایسی چیز جس میں خود یہ اوصاف معتدل ہوں اور وہ پانی پر اثر بھی معتدل طور پر کرتی ہو) حنابلہ فرماتے ہیں کہ [1] پانی کی طہوریت (دوسرے کو پاک کرنا) کی صفت کو چند چیزیں ختم کردیتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز جو کسی تدبیر اور طریقے سے نکالی گئی ہو جیسے گلاب، پھولوں، اور خربوزے کا عرق اگر اس کے اجزاء پانی پر غالب آجائیں تو وہ پانی کو مطہر نہیں رہنے دیتے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ پاک چیز جو پانی کا نام بدل دے کہ وہ یا تو رنگ یا سرکہ وغیرہ کے طور پر جانا جائے۔

اور ان میں ایک یہ ہے کہ وہ پاک چیز جو پانی کے اوصاف کو بہت بدل دے اس طرح کہ وہ اس پاک چیز کے ساتھ پکا دیا گیا ہو جیسے لوبیا اور چنے کا پانی یا پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور معدنی نمک، یا کسی ذی ہوش انسان نے اس میں کائی یا پتے وغیرہ پھینک دیے ہوں تو ان سب صورتوں میں وہ پانی ماء مطلق نہیں رہے گا اس سے وضو درست نہیں ہوگا۔

مشتبہ پانی ان کے ہاں وہ ہوتا ہے کہ پاک پانی یا کپڑے مشتبہ ہوں کہ کونسا پاک ہے اور کونسا ناپاک ہے تو اس صورت وہ شخص تحری کرے گا (کوشش کرے گا) اور غور و فکر کرکے، جیسے کہ قبلہ مشکوک ہونے کی صورت میں کرنے کا حکم ہے، ان میں سے ایک کپڑے میں نماز ادا کرلے گا اور دونوں پانیوں میں سے ایک سے وضو کرلے گا جس کے بارے میں اسے کسی علامت وغیرہ کے ذریعے یقین ہو کہ وہ پاک ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور اس کے برتنے اور استعمال کرنے کا حلال ہونا کوشش کے ذریعے جان لینا ممکن ہے، چنانچہ اشتباہ کی صورت میں ایک کو معین کرنا ضروری قرار پایا۔ اور اگر کوئی باخبر شخص یا کوئی فقیہ جو اس کی نظر میں قابل اعتماد ہو اسے ناپاکی کے بارے میں بتائے تو وہ اعتماد کرے۔

۲۔ **ماء طاہر غیر طہور کی دوسری قسم ہے ماء مستعمل قلیل**۔۔۔۔ قلیل پانی وہ ہے جو دو قلہ پانی سے دو رطل سے زیادہ کم ہو اور دو قلہ تقریباً پانچ سو بغدادی رطل یا ۳/۱ ۔ ۴۴۶ رطل مصری [2] یا ۸۱ شامی رطل کے برابر ہوتا ہے اور شامی رطل ڈھائی کلو کا ہوتا ہے اس طرح دو قلہ ۱۹۵،۱۱۲ کلوگرام کے ہوئے جو برابر ہیں ۱۰ اتنکہ کے بعض کہتے ہیں ۱۵ اتنکہ کے یا ۲۷۰ لیٹر کے۔ اور کسی مربع جگہ ان کی پیمائش سوا ذراع (۱۰۴) طول عرض اور عمق کے اعتبار سے ہوگی اور گول کھدی ہوئی جگہ میں دو ذراع قطر اور دو ذراع گہرائی کے برابر ہوں گے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ ڈھائی ذراع گہرا (عمق) اور ایک ذراع قطر کا ہو۔

احناف کے ہاں ماء مستعمل وہ ہوتا ہے [3] جو حدث کے رفع کرنے (وضو یا غسل) کے لئے استعمال ہوا ہو یا ثواب کی نیت سے استعمال ہوا ہو جیسے ایک وضو ہوتے ہوئے پھر دوبارہ وضو کرلینا قربت کی نیت سے یا نماز جنازہ یا مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے اور پڑھنے کی نیت سے۔ اور جسم سے جدا ہوتے ہی پانی مستعمل قرار پائے گا۔ اور مستعمل وہ ہے جو جسم سے ٹکرایا ہو سارا پانی نہیں، اور ان کے ہاں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ طاہر ہے مطہر نہیں (یعنی خود پاک ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرسکتا ہے، یعنی وضو وغیرہ اس سے دوبارہ نہیں کیا جاسکتا ہے تاہم

---

[1] ۔۔۔۔ المغنی ج ۱ ص ۱۴، کشف القناع ج ۱ ص ۳۰۔ [2] رطل بغدادی ۷/۴ ۔ ۱۲۸ درہم کا ہوتا ہے اور رطل مصری ۱۴۴ درہم کا، اور درہم ۳۱۷ گرام کا ہوتا ہے۔ [3] البدائع ج ۱ ص ۶۹، الدرالمختار مع الی شیبۃ ج ۱ ص ۱۸۲ فتح القدیر ج ۱ ص ۵۸، ۶۱،

نجاست کپڑے اور بدن سے دور کی جاسکتی ہے راجح قول کے مطابق مالکیہ کے ہاں ماء مستعمل وہ ❶ وہ پانی ہے جو یا تو حدث رفع کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو یعنی وضو اور غسل میں استعمال ہوا ہو یا نجاست دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، خواہ غسل واجب ہو جیسے غسل میت یا واجب نہ ہو جیسے وضو پر وضو کرنا اور جمعہ اور عید کے غسل، اور وضو میں دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا اگر پانی دھونے سے متغیر نہ ہوتا ہو۔ اور رفع حدث میں مستعمل وہ ہوتا ہے جو اعضاء سے ٹپک جائے یا ان سے متصل ہو یا ان سے جدا ہو لیکن جدا ہونے والا بہت کم ہو یا اس میں دھویا گیا ہو، اگر اس میں ڈبو کر پانی لیا گیا اور اعضا باہر دھوئے گئے تو وہ ماء مستعمل نہ ہوگا۔ اور ماء مستعمل پاک ہے لیکن مطہر نہیں۔ اور راجح قول کے مطابق اس کا دوبارہ استعمال نجاستوں کے ازالے میں یا برتن وغیرہ دھونے میں مکروہ نہیں، تاہم اس کا استعمال حدث رفع کرنے میں یا مندوب ومستحب غسلوں میں دوسرا پانی ہوتے ہوئے بھی اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے اگر وہ کم ہو، اور کراہت کی علت یہ ہے کہ نفوس انسانی ایسے پانی کو ناپسند کرتے ہیں اور شوافع کے ہاں ماء مستعمل ہے ❷ جو حدث کو دور کرتے وقت پہلے فرض غسل (دھونے) کے وقت قلیل پانی استعمال ہوتا ہے۔

جیسے (اعضاء کا تین مرتبہ دھونا مسنون ہونا اور) ایک مرتبہ دھونا کہ یہ فرض ہوتا ہے اور قول جدید کے مطابق صحیح تر بات یہ ہے کہ طہارت کی غیر فرض صورتوں میں استعمال ہونے والا پانی طہور ہوتا ہے، جیسے دوسری اور تیسری مرتبہ اعضاء کے دھونے میں استعمال ہونے والا پانی، اور فرضیت طہات سے مراد ہے فرض خواہ صورۃً بھی ہو جیسے بچے کا وضو۔ کیونکہ بچے کی نماز کے لئے اس پر وضو کرنا ضروری ہے۔ ماء مستعمل میں وہ قلیل پانی بھی داخل ہے جس میں کوئی شخص ہاتھ دھونے کے لئے پانی نکالنے کی غرض سے ہاتھ ڈبوئے کہ وہ پانی نکال کر باہر دھوئے گا لیکن اس نے نیت ہاتھ ڈبونے (چلو بھرنے) کی نہ کی ہو تو یہ پانی مستعمل ہوگا۔ لیکن اگر اس نے اس نیت کے ساتھ ہاتھ ڈبوئے تو وہ پانی طہور ہوگا۔ ماء مستعمل میں وہ پانی بھی داخل ہے جو سر یا موزے کے مسح کے بدلے میں دھونے کی صورت میں گرے یا اس کافرہ عورت کے غسل کا پانی جو اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہونا چاہتی ہو (حیض سے پاک ہو کر) اور میت کے غسل کا پانی اور اس مجنونہ عورت کے غسل کا پانی جو اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہونا چاہتی ہے اور یہ پانی جب مستعمل قرار پائے گا جب یہ عضو سے جدا ہو جائے وہ ماء مستعمل جسے نجاست کے ازالے کے لئے استعمال کیا جائے اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱..... نجاست کی جگہ پانی اس وقت ڈالا جائے جب کہ وہ قلیل ہو صحیح قول کے مطابق اگر نجاست زیادہ ہو تو نہیں تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے جب زیادہ نجاست ہو، کیونکہ پانی محض نجاست کے اس میں پڑ جانے سے ہی ناپاک ہو جاتا ہے۔

۲..... کہ وہ پانی اس جگہ سے طاہر ہی جدا ہو بایں معنی کہ اس کے اوصاف میں سے کوئی بھی تبدیل نہ ہوا ہو اور جگہ بھی پاک ہو چکی ہو۔

۳..... کپڑے نے جتنا پانی لیا ہے اور جتنا میل اس میں چھوڑا ہے اس اعتبار سے کپڑے کا وزن نہ بڑھے اگر پانی متغیر ہو گیا یا اس کا وزن بڑھ گیا یا وہ جگہ ہی پاک نہ ہوئی اس طرح کہ نجاست کا رنگ اور بو دونوں باقی ہوں یا صرف اس کا مزہ باقی ہو اور اس کا دور کرنا مشکل بھی نہ ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، کیونکہ یہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ نجاست کا اصل جسم باقی ہے۔

ماء مستعمل کا حکم یہ ہے کہ وہ خود پاک ہوتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہوتا ہے مذہب جدید کے مطابق، چنانچہ اس سے وضو اور غسل درست نہیں اور نہ نجاست اس سے زائل ہو سکے گی کیونکہ سلف صالحین اس پانی سے احتراز نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے اوپر سے ٹپکنے والے پانی سے احتراز کرتے تھے، صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرض الموت میں عیادت فرمائی اور وضو فرمایا اور ان پر اپنے وضو کا پانی بہا دیا۔ اور صحابہ پانی کی قلت کے وجود ماء مستعمل کو استعمال ثانی کے لئے جمع نہیں کرتے تھے اور نہ اس کو پینے کے لئے

---

❶..... الشرح الصغير ج ١ ص ٢٧، الشرح الكبير مع بداية المجتهد ج ١ ص ٢٦ الدسوقي ج ١ ص ٤١، القوانين الفقهية ص ٣١. ❷ پانی بول کر مٹی سے احتراز کیا ہے کہ مٹی پر دوبارہ تیمم جائز ہے کیونکہ یہ اعضا سے متصل نہیں ہوتی ہے۔

رکھتے تھے، کیونکہ یہ طبعا قابل گھن پانی تھا اور قلیل ماء مستعمل جو پانی میں گر جائے قابل معافی ہے اور ماء مستعمل اگر جمع کر لیا جائے اور وہ دو قلہ کے برابر ہو جائے تو وہ پاک شمار ہوگا صحیح قول کے مطابق۔

حنابلہ کے ہاں ماء مستعمل وہ ہے ❶ جسے حدث اکبر (جنابت) یا اصغر (وضو) کے رفع کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو یا نجاست کے زائل کرنے کے لئے آخری مرتبہ جو دھونا ہوتا ہے اس میں استعمال شدہ پانی، یعنی ساتویں مرتبہ دھوتے وقت استعمال ہونے والا پانی ❷ جیسا کہ مذہب کا مختار ہے شرط یہ ہے کہ پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوں۔

اور ماء مستعمل میں وہ پانی بھی داخل ہے جو غسل میت کا ہو کیونکہ یہ غسل تعبدی ہے حدث کا غسل نہیں ہے، اور پانی اس وقت بھی مستعمل ہوگا اگر جنبی یا وضو کرنے والا کم پانی میں رفع حدث کی نیت کر لیں اگر رفع حدث کی نیت نہیں کی یا صرف چلو بھرنے کی نیت کی یا غبار دور کرنے کی نیت کی یا ٹھنڈک کے حصول کی نیت کی یا محض کھیل کود کشف کی نیت کی تو وہ پانی طہور ہی رہے گا۔ ماء مستعمل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کم پانی جس میں ڈوب جائے یا دھولے اس سے رات کی نیند لے اٹھنے والا اور وہ شخص مسلمان عاقل اور بالغ ہو بچہ، مجنون اور کافر نہ ہو۔ اور ہاتھ بھی اپنا پورا اڈبوئے گٹوں تک اور اگر ہاتھ کے علاوہ چہرہ وغیرہ ڈبویا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

پانی مستعمل اس وقت ہوگا جب وہ محل استعمال سے جدا ہو جائے، اور وہ قلیل ماء مستعمل معاف ہے جو پانی میں گر جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بڑے پیالوں سے وضو کیا کرتے تھے اور لگن (تسلے) سے نہایا کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن سے غسل فرمایا تھا جس میں آپ دونوں کے ہاتھ ادھر ادھر ہو رہے تھے اور دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "میرے لئے رہنے دو" اور اس طرح کی کیفیت میں پانی میں پڑنے والی چھینٹوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر گرنے والا پانی زیادہ ہو اور بڑھ جائے تو اس سے طہارت حاصل کرنا صحیح قول کے مطابق درست نہیں، اور یہ شوافع کا بھی مذہب ہے جسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اور جو پانی مستحب طہارتوں میں استعمال ہوا ہو جیسے تجدید وضو، وضو میں دوسری اور تیسری مرتبہ کا دھونا، جمعہ اور عیدین کے غسل وغیرہ تو ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ ماء مستعمل ہے رفع حدث کے سلسلے میں، کیونکہ اس سے حاصل ہونے والی طہارت مشروع طہارت ہے اور دوسری روایت جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ یہ طہور ہے طہارت کو مانع نہیں کیونکہ نماز اس کے لئے ممنوع نہیں تھی تو یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی ٹھنڈک کے حصول کے لئے وضو کرے۔ اور علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ٹھنڈک اور صفائی کی غرض سے استعمال شدہ پانی طاہر، مطہر اور غیر مکروہ ہوتا ہے اور کم پانی مستعمل نہیں بنتا ہے اگر وضو کرنے والا اپنے ہاتھ دھوتے وقت اس سے چلو بھرے کیونکہ وضو کرنے والے کا مقصود چلو بھرنا ہے ہاتھ دھونا نہیں اور دوسری بات یہ کہ سعید بن عثمان کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے ایک چلو بھرا دائیں ہاتھ سے اور اسے اپنے دائیں ہاتھ پر بہایا اور اسے گٹوں تک تین مرتبہ دھویا۔

ماء مستعمل کا حکم یہ ہے کہ وہ نہ رفع حدث کر سکتا ہے اور نہ ازالہ نجاست، جیسے کہ شوافع کا قول ابھی گذرا۔

اور ماء مستعمل کو جمع کر دیا جائے اور اس کے دو قلے بن جائیں تو اس بارے میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ماء مستعمل ہی ہوگا اور دوسری یہ کہ وہ پاک ہے اور مطہر ہے کیونکہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلہ (بڑا مٹکا) ہے تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا (گندہ نہیں ہوتا) ❸ اور اگر ماء مستعمل اور غیر مستعمل جمع ہو کر دو قلہ بن گئے تو سارا کا سارا طہور ہو جائے گا۔

---

❶ کشف القناع ج ۱ ص ۳۱، المغنی ج ۱ ص ۱۵، ص ۱۸، ۲۲، ۱۲۴۔ ❷ چوتھی مرتبہ دھونا یہ وضو میں پاک ہوتا ہے، پہلی تین مستعمل، اور نجاست کے زوال کے بعد آٹھویں بار دھونا یہ پاک ہوتا ہے پہلے سات مستعمل ہوتے ہیں، حنابلہ کے ہاں نجاست دور کرنے کے لئے سات مرتبہ دھونا شرط ہے۔ ❸ اس حدیث کو پانچ امام اور امام شافعی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے اور حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۔

۳۔ ماء طاہر غیر طہور کی تیسری قسم ہے نباتات کا پانی...... یعنی پھول پھل وغیرہ کے عرق جیسے گلاب کا پھول کا، خربوزے وغیرہ جیسے پھلوں کا عرق طاہر ہے لیکن مطہر نہیں ہے۔

۳۔ پانی کی تیسری قسم، ناپاک پانی الماء المتنجس...... یہ وہ پانی ہوتا ہے جس کے اندر ایسی نجاست گر جائے جو قابل معافی نہ ہو جیسے تھوڑا سا گوبر اور پانی بھی ٹھہرا ہوا اور کم ہو۔ اور قلیل پانی ناپ کے اعتبار سے احناف کے وہ ہے [1] جو دس ضرب دس عام ذراع سے کم ہو یعنی عام باشندوں کی ذراع (انگلیوں کے سرے سے کہنی تک) سے کم ہوا ایسا پانی ناپاک ہو جائے گا خواہ اس میں نجاست کا اثر نہ بھی آئے۔ اور اگر دس ضرب دس ذراع کا مربع حوض یا چھتیس ذراع قطر کا گول حوض ہو اور اس کی گہرائی اتنی ہو کہ اس میں سے چلو بھرنے سے زمین نہ نظر آسکتی ہو، صحیح قول کے مطابق، تو اتنی مقدار میں پانی جب ناپاک ہوگا کہ جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اور ماء جاری بہتا ہوا پانی جب نجس ہوگا جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے، اور نجاست کا اثر اس کا مزہ (ذائقہ) یا رنگ یا بو ہے۔ اس تفصیل کے مطابق پانی کی دو قسمیں ہوئیں۔

۱...... وہ پانی جو پاک اور مطہر ہو اور کم ہو اور اس میں اتنی نجاست گرے جو اس کے کسی وصف کو تبدیل نہ کر سکے۔

۲...... وہ پانی جو طہور ہو اور اس میں اتنی نجاست گرے کہ اس کے تین اوصاف میں سے ایک متغیر ہو جائے، علماء کا اس دوسری قسم کی نجاست جس میں پانی کے تین اوصاف میں سے ایک بدل جائے یعنی رنگ، بو، مزہ کے بارے میں اتفاق ہے اس طرح شوافع اور حنابلہ احناف کے ساتھ پہلی قسم کی نجاست کے بارے میں متفق ہیں، سوا اس کے جو شوافع کے ہاں معاف ہیں جیسے ان حشرات الارض اور مخلوقات کے جسم جن میں خون نہیں ہوتا جیسے مکھی شہد کی مکھی اگر یہ خود گریں یا انہیں ہوا گرا دے۔ مالکیہ راجح روایت کے مطابق پہلی قسم کی طہارت کے قائل ہیں یعنی وہ کم پانی جس میں نجاست گرے اور اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل نہ ہو، تاہم ان کے ہاں یہ مکروہ ہے تاکہ اختلاف کی رعایت رکھی جا سکے [2] (یعنی چونکہ دوسرے ائمہ کے ہاں یہ ناپاک ہے اس لئے ان کے اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے پانی کا استعمال مکروہ ہے) ناپاک پانی کے بارے میں فقہاء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا یا طہارت وصفائی وغیرہ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے صرف جانور کو پلانے یا کھیتی وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا بامر مجبوری پیاس بجھانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

پانی کی قلت وکثرت:...... فقہاء کا قلت وکثرت کی حدود کے یقین میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے ہاں کثرت کا معیار یہ ہے کہ پانی اتنا ہو کہ اگر اس کی ایک طرف کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف حرکت نہ پہنچے [3] اور قلیل پانی وہ ہوتا ہے جو دس ضرب دس ذراع سے کم کے حوض وغیرہ میں ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ مالکیہ کے ہاں کثیر کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ قلیل پانی جو مکروہ ہوتا ہے وہ وہ پانی ہے جو وضو یا غسل کے برتن کی مقدار میں یا اس سے کم ہو اگر اس میں نجاست جا پڑے اور اسے متغیر نہ کرے تو ایسے پانی کا حدث کے رفع کرنے یا نجاست کے ازالے کے لئے استعمال مکروہ ہے اور ایسی چیز میں استعمال جو طہارت پر موقوف ہو جیسے طہارت مسنونہ اور مستحبہ ہاں عادی امور میں اس کا استعمال مباح ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کثیر اور قلیل میں حد فاصل دو قلہ (بڑا مٹکا) ہیں [4] جو ہجر کے قلہ میں سے ہو یعنی پانچ قربہ کا ہوتا ہے اور ہر قربہ سو عراقی رطل کا ہوتا ہے اس طرح دو قلہ (دو بڑے مٹکے) پانچ سو عراقی رطل کے ہوئے۔ چنانچہ پانی کی مقدار اگر دو قلے کے برابر ہو

[1]...... مراقی الفلاح ص ۴۔ [2] الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۳۷، ص ۴۳۔ اشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۱، ص ۳۶، القوانین، الفقھیہ ص ۳۰، بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۳، المہذب ج ۱ ص ۵۔۸، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۲۱، المغنی ج ۱ ص ۲۲۔۲۷ غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۹، کشف القناع ج ۱ ص ۳۷، ۳۹۔۴۲، ۴۴ اور بعد کے صفحے ۲۔ [3] فتح القدیر ج ۱ ص ۵۵۔
[4] القلہ: مٹکے کو کہتے ہیں اور اس کو قلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے معنی اٹھائی جانے والی چیز اور مٹکے کو ہاتھوں سے اٹھایا جاتا ہے۔

اور اس میں نجاست گر جائے ٹھوس ہو یا سیال، مائع اور اس کا ذائقہ، رنگ اور بو تبدیل نہ ہو تو وہ پاک اور مطہر ہوگا کیونکہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلہ کے برابر ہو تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا (یعنی گندا نہیں ہوتا) حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابوداود وغیرہ کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے فانہ لاینجس (کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا) اور یہی مراد ہے آپ کی اس بات سے ''کہ وہ گندگی نہیں اٹھاتا''، یعنی کہ وہ نجس چیز کو دور کر دیتا ہے اور اس کا اثر قبول نہیں کرتا۔ اور اگر نجاست کسی ایسے مائع سیال میں گر جائے جو پانی نہ ہو خواہ وہ دو قلہ کی مقدار میں ہو تو وہ محض نجس چیز سے ملتے ہی نجس ہو جائے گا کیونکہ پانی کا نجاست سے بچانا مشکل ہوتا ہے، بخلاف دوسری چیزوں کے خواہ وہ بہت ہوں۔ اور اگر ماء کثیر کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے خواہ معمولی سا تغیر ہو تو وہ نجس ہو جائے گا دلیل اس کی اجماع امت ہے جو ان دو حدیثوں حدیث قلتین (کہ دو قلہ پانی ناپاک نہیں ہوتا) اور حدیث ترمذی اور ابن حبان کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ ❶ کو خاص کر دیتا ہے (یعنی محدود کر دیتا ہے) جب کہ یہ دونوں عام ہیں۔ امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ اگر اس میں پڑنے والی نجاست اس کے رنگ بو یا مزے کو تبدیل کر دے تو وہ نجس شمار ہوگا جب تک وہ ایسا رہے اور ابوامامہ الباہلی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانی پاک ہوتا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی ہے مگر وہ جو اس کے رنگ بو، اور مزے پر غالب آ جائے اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے ❷ میں شوافع اور حنابلہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ حدیث قلتین کو بنیاد بناتے ہیں جو کہ حدیث صحیح ہے، اگرچہ احناف نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے اور تعارض ہے روایات سے، ایک روایت میں ثلاث قلال، تین قلہ کا لفظ ہے اور ایک روایت میں قلۃ، ایک قلہ کا لفظ ہے، اور وہ یہ بھی علت نکالتے ہیں کہ قلہ کی مقدار نامعلوم ہے تاہم شوافع ان باتوں کا جواب دے چکے ہیں۔ ❸

۵۔ پانچویں بحث...... کنوؤں اور جھوٹوں کا حکم

طہارت سے متعلق پانچویں بحث کنوؤں اور جھوٹوں (پس خوردہ) کے متعلق ہے اس میں دو مباحث ہیں۔

المبحث الاول (پہلی بحث) حکم الاسار، جھوٹوں (پس خوردہ جات) کا حکم

...... آسار جمع ہے سور کی، اور سور کہتے ہیں بقیہ اور فضلہ کو، اور اصطلاح میں برتن اور حوض میں پانی پینے والے کا بچا کھچا پانی، پھر اسے استعارۃً پس خوردہ (کھانے کے بعد بچا کھچا کھانا) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور مویشیوں کا جھوٹا پاک ہے اور ان کے علاوہ کے جھوٹے پر بہت اختلاف ہے۔

احناف کے ہاں جھوٹے کا حکم پینے والے کے لعاب کے پانی یا مشروع میں مل جانے کے سبب سے ہوتا ہے ❹ چنانچہ پینے والے کے لعاب کے پاک یا ناپاک ہونے کے لحاظ سے اس میں بھی فرق ہوگا۔ چنانچہ آدمی اور حلال گوشت جانوروں کا جھوٹا پاک ہوگا اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہوگا۔ اور جھوٹا کبھی مکروہ بھی ہوتا ہے یا مشکوک بھی ہوتا ہے تو اس تفصیل کے مطابق پس خوردہ کی امام ابوحنیفہ کے ہاں چار قسمیں ہوئیں۔ (۱) طاہر (۲) مکروہ (۳) مشکوک (۴) اور نجس۔ یہ اقسام آنے والی تفصیل سے مزید واضح ہو جائیں گی۔

۱۔ وہ جھوٹا جو طاہر اور مطہر ہو بلا کراہت...... یہ وہ جھوٹا ہے جس میں سے آدمی نے پیا ہو یا حلال گوشت جانور (جن جانوروں کا گوشت حلال ہے) نے پیا ہو جیسے اونٹ گائے بکری اور گھوڑا بھی صحیح قول کے مطابق اور ان کی طرح کے دیگر مویشی بشرطیکہ وہ گندگی خور نہ ہوں اور نہ دوران جگالی وہ یہ کریں اگر وہ جگالی کرنے والے جانور ہوں۔ وجہ اس حکم کی یہ ہے کہ وہ تھوک جو پانی پینے کے دوران اس پانی میں مل گیا ہے

---

❶ ...... ملاحظہ کیجئے نصب الرایہ ج ا ص ۹۵، ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خاص کر دی گئی ہے حدیث قلتین کے ذریعے اور یہ دونوں جو حدیثیں بیان ہوئیں، مخصوص کر دی گئی ہیں اس اجماع کے ذریعے کہ نجاست سے متغیر پانی ناپاک ہوتا ہے، پانی کم ہو یا زیادہ۔ ❷ نصب الرایۃ ج ا ص ۹۴۔ ❸ سبل السلام۔ ج ا ص ۱۹۔ ❹ الدرالمختار مع الشامیۃ، ج ا ص ۲۰۵۔ فتح القدیر ج ا ص ۷۴ تبیین الحقائق ج ا ص ۳۱۔

وہ تھوک پاک گوشت سے پیدا ہونے کی وجہ سے پاک ہے۔ اور انسان کے چھوٹے یا بڑے، مسلمان یا کفر، جنبی یا حائض ہونے میں کوئی فرق نہیں، ہر حال میں اس کا جھوٹا پاک ہے ہاں اگر کافر نے شراب پی رکھی ہو تو اس کا منہ ناپاک ہوگا اور وہ اگر شراب نوشی کے بعد فی الفور پانی پیئے تو اس کا جھوٹا نجس ہوگا۔ ہاں اگر اتنی دیر ٹھہر کر پانی پیا کہ جتنی دیر میں اس کا منہ اس کے تھوک کے اندر باہر ہونے سے پاک ہوگیا تو اس کا جھوٹا نجس نہیں ہوگا❶ آدمی کا جھوٹا مطلقاً پاک ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھ سے کبھی اس حالت میں ملتے ہیں کہ میں جنبی ہوتا ہوں تو آپ کے ساتھ بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' سبحان اللہ! مسلمان گندہ نہیں ہوتا❷ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر'' میں اسے آپ کو پکڑا دیتی آپ میرے منہ کی جگہ اپنا منہ رکھ پانی نوش فرماتے۔'' بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا آپ کی داہنی طرف ایک بدو اور باہنی طرف حضرت ابوبکر بیٹھے تھے، آپ نے اس بدو کو وہ دیا اور فرمایا دایاں پھر بایاں۔

۲۔ وہ جھوٹا جو پاک ہو اور دوسرے پانی کے ہونے ہوئے اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہو۔ اور وہ ہے بلی اور ہر طرف گھومنے پھرنے والی مرغی کا جھوٹا❸ اور گندگی کھانے والے اونٹ اور گائے کا یعنی وہ جس کی حالت کا پتہ نہ ہو اور گندگی و غلاظت کھاتی پھرتی ہو۔ اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے جیسے باز، گدھ، شکرا، چیل اور کوا، اور گھریلو جانور جیسے سانپ اور چوہے اگر نجاست ان کے منہ پر نہ لگی ہوئی ہو، کیونکہ یہ جانور گھروں میں آنے والے ہیں، یا یہ آسانی ضرورت کی خاطر ہے اور ان سے نہ بچنے❹

کے امکان کی وجہ سے ہے، اور اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لئے وضو کے برتن کو جھکا دیا کرتے اور وہ اس میں سے پانی پی لیتی پھر آپ اس سے وضو فرماتے۔❺

۳..... وہ جھوٹا جس کی طہوریت (پاک کر دینے کی صفت) میں شک ہو طاہر (پاک) ہونے میں نہیں، اور وہ خچر اور گدھے کا جھوٹا ہے چنانچہ اس سے وضو اور غسل بھی کرے پھر تیمم بھی کرلے دونوں میں سے جسے چاہے مقدم کردے اور یہ عمل احتیاطاً کرے ایک نماز کے لئے، اور شک کا سبب اس کے گوشت کی حرمت اور اباحت کے بارے میں وارد دلائل ہیں یا صحابہ کا اس کے بارے میں اختلاف اس کا سبب ہے یا ضرورت اور عام حاجت کے تحقق کے بارے میں واقع تردد اس شک کا سبب ہے کہ یہ دونوں چیزیں نجاست کے حکم ساقط کر دیتی ہیں، اور سبب اس تردد کا یہ ہے کہ اس جانور کو گھوروں میں باندھا جاتا ہے اور یہ استعمال کے برتنوں میں پیتا ہے اور لوگوں کا اس سے میل جول زیادہ ہوتا ہے اس پر سواری وغیرہ کرنے میں، تو احناف کا مسلک یہ ہے کہ خچر اور گدھے کا جھوٹا پاک تو قطعاً ہے شک صرف اس کے طہور (پاک کرنے والا) ہونے میں ہے۔

اس کی حلت اور حرمت میں واقع تعارض تو اس وجہ سے ہے کہ اس کے گوشت کے حرام ہونے کے بارے میں دو حدیث وارد ہوئی ہیں۔

ا..... حدیث ابجر بن غالب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کیا یا رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ہاں قحط و خشک سالی کا دور دور ہے اور میرے پاس اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لئے صرف موٹ گدھے ہی ہیں اور آپ گدھوں کو حرام کر چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم

---

❶..... اس کی مثل یہ مسئلہ ہے کہ کافر کے عضو پر نجاست لگی اس نے وہ منہ سے چاٹ لی حتیٰ کہ اس کا اثر ختم ہوگیا یا بچے نے ماں کی چھاتی پر قے کر دی پھر اس نے دودھ پیا حتیٰ کہ الٹی کا اثر جاتا رہا تو دونوں صورتوں میں وہ جگہیں پاک ہوں گی۔ ❷ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے، اور انہوں نے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت حذیفہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولے کہ میں جنبی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔ ❸ جلالہ اس مرغی کو کہتے ہیں جو باہر گندگی کھاتی پھرتی ہے گھر میں بند مرغی جو دانہ کھاتی ہو اس کا جھوٹا پاک ہے۔ ❹ دارقطنی نے اس کو دو طریقوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۳۳

اپنے خانہ کو اپنے موٹ گدھے کھلاؤ۔ (۱)

۲......حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے گدھا کھالیا ہے آپ خاموش رہے اس نے دوبارآ کر کہا میں نے گدھا کھالیا ہے آپ خاموش رہے پھر اس نے تیسری مرتبہ آ کر کہا میں نے گدھے تو ختم ہیں کردیئے آپ نے ایک آواز لگانے والے کو حکم دیا کہ وہ آواز لگائے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کیونکہ وہ گندگی ہے چنانچہ دیگچیاں الٹ دی گئیں۔ حالانکہ ان میں گوشت ابل رہا تھا (۲) اور صحابہ کا طہارت اور نجاست میں اختلاف اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر سے اس کی نجاست اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی طہارت منقول ہے۔

حق بات یہ ہے کہ حضرت انس والی حدیث اصح ہے اور گدھوں کا گوشت بلاشبہ حرام ہے اور جب حلال کرنے والے اور حرام کرنے والے میں تعارض ہوتا ہے تو حرام کرنے والے کو مقدم رکھا جاتا ہے جو دو حدیثوں میں ایسا ہو یا صحابہ کے دو مختلف اجتہادوں میں ایسا ہو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ شک کی دلیل ضرورت میں در پیش تردد ہے کیونکہ گدھے گھروں اور میدانوں میں باندھے جاتے ہیں۔ تاہم یہ ضرورت چوہے اور بلی کی صورتحال میں در پیش ضرورت سے کم تر ہے کیونکہ وہ دونوں تو تنگ کر ڈالنے والوں میں ہیں بہ نسبت گدھے اور خچر کے، لہٰذا اس کی طہوریت میں شک واقع ہوگیا چنانچہ یہ لعاب دہن کی وجہ سے نجس ہونا چاہیے اور ضرورت کے در پیش ہونے کی وجہ سے اسے پاک ہونا چاہئے، چنانچہ یہ شک جھوٹے میں پیدا ہو۔ یہ تفصیل ہے شک پیدا ہونے کی وجہ نہیں کہ اس کی حرمت میں یقین نہیں یا صحابہ کا اس کے جھوٹے میں اختلاف ہے۔

۴......وہ جھوٹا جو نجاست غلیظ کے درجے کا نجس ہو۔ اس کا استعمال کسی صورت جائز نہیں ماسوا ضرورت کے جیسے مردار کا کھانا یہ جھوٹا وہ ہے جس میں سے کتے یا سور یا درندوں جیسے شیر، چیتے، بھیڑیے، بندر اور بجو وغیرہ نے پیا ہو، کتا تو اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھولے (۳) جب برتن منہ ڈالنے سے گندہ ہو سکتا ہے تو پانی بطریق اولی منہ ڈالنے سے ناپاک ہوگا اور سور اس لئے کہ وہ نجس العین ہے قرآن میں ہے **فانه رجس** (سو وہ گندگی ہے، سورۃ الانعام آیت ۱۴۵) اور درندوں کا حکم اس لئے ہے کہ ان کا گوشت نجس ہوتا ہے، اور پانی سے ملنے والا ان کا تھوک اس گوشت سے پیدا ہوا ہے لہٰذا پانی ناپاک ہوا۔

مالکیہ فرماتے ہیں (۴) کہ تفصیل یہ ہے:

۱......انسان کے جھوٹے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے اور شراب نوش نہیں تو اس کا جھوٹا طاہر ومطہر ہے بالاجماع۔ اور اگر وہ کافر ہے یا مسلمان شراب نوش ہے تو اگر اس کے منہ میں نجاست ہے تو اس کا جھوٹا اس پانی کے حکم میں ہوگا جس میں نجاست مل جائے اور اگر اس کے منہ میں نجاست نہ ہو تو وہ طاہر اور مطہر ہوگا یہ رائے جمہور علماء کی بھی ہے۔ تاہم مالکیہ کے ہاں وہ مسلمان جو شراب نوش ہو اور کافر جس کے منہ کے بارے میں شک ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور یہ اس کے حکم میں ہے جس میں کوئی اپنا ہاتھ ڈال دے اور وہ متغیر بھی نہ ہو۔

۲......اس کا جھوٹا جو نجاست استعمال کرے۔ جیسے بلی اور چوھا، اگر ان کے منہ میں نجاست دیکھ جائے تو جھوٹے کا حکم وہی ہوگا جو

---

(۱)......ابوداؤد نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (۲) روایت بخاری۔ (۳) یہ روایت احمد اور بخاری ومسلم نے حضرت ابوھریرۃ سے روایت کی ہے امام احمد ومسلم سے روایت ہے تم میں سے جس کے برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھوئے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے ہو۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶۔ (۴) القوانين الفقهيه ص ۳۱، بداية المجتهد ج ۱ ص ۲۷۔ ۳۰ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۳ الشرح الكبير ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۴۔

اس پانی کا ہوتا ہے جس میں نجاست مل جاتی ہے اور اگر ان کے منہ کا پاک ہونا متحقق ہو جائے تو ان کا جھوٹا پاک ہوگا۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو جس سے بچنا مشکل ہو وہ قابل معافی ہے تاہم مکروہ ہے اور جس چیز سے بچنا ممکن ہو اس کی طہارت کے بارے میں دو قول ہیں ❶ راجح قول طہارت کا ہے۔

۳..... جانوروں اور درندوں کا جھوٹا پاک ہے لیکن وہ جانور جو گندگی سے نہ بچتا ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے جیسے پرندے کا۔

۴..... کتے اور سور کا جھوٹا ناپاک ہے، اور اس برتن کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو عبادت کے طور پر ضروری ہے اور وہ برتن جس میں سور نے منہ ڈالا اس کے سات مرتبہ دھونے کے بارے میں دو قول ہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ تفصیل یوں ہے۔

۱۔ آدمی کا جھوٹا پاک ہے مسلمان ہو یا کافر یہ علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان گندہ نہیں ہوتا۔

۲..... حلال گوشت جانور کا جھوٹا پاک ہے ابن منذر کہتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پینا اور اسی سے وضو کرنا جائز ہے۔

۳..... بلی، چوہے، نیولے اور دیگر زمین پر رینگنے والے جانور جیسے سانپ اور چھپکلی وغیرہ کا جھوٹا پاک ہے اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا درست ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم میں سے اکثر اہل علم کے ہاں یہ مکروہ نہیں ہے ماسوا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ بلی کے جھوٹے سے وضو کو مکروہ قرار دیتے ہیں تاہم اگر کسی نے وضو کر لیا تو درست ہو جائے گا۔

۴..... تمام حیوانات یعنی خچر، گھوڑے، گدھے اور درندے جن کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہیں، ان کا جھوٹا طاہر ہے۔ یہ روایت حنابلہ کے ہاں راجح ہے، دلیل اس کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے چھوڑے ہوئے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور ان سب سے بھی جنہیں درندے پی کر چھوڑ دیں ❸ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایسے حیوانات ہیں جن سے انتفاع بغیر ضرورت کے درست ہے چنانچہ یہ بکری کی طرح پاک ہوں گے۔ اور کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم خچر اور گدھے پر سواری فرماتے تھے اگر ان کا جھوٹا نجس ہوتا تو آپ ضرور بیان فرماتے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو ساتھ رکھنے والے کے لئے اس سے تحرز مشکل ہوتا ہے تو یہ بلی کی مشابہ ہوا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خیبر کے دن گدھوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ گندگی ہیں تو اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے کھانے کا حرام ہونا بتانا تھا۔

۵..... کتے، سور اور ان دونوں کے ملاپ سے یا ان میں سے کسی ایک کے دوسرے جانور سے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جانور کا جھوٹا ناپاک ہے دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھو جن میں سے پہلی مرتبہ مٹی سے دھو ❹ اور خنزیر بھی کتے کی طرح ہوگا حکم میں کیونکہ یہ تو کتے سے بدتر ہوتا ہے اور ملاپ سے پیدا ہونے والا جانور کا حکم اس کے اصل کا حکم ہوگا کیونکہ اپنے ماں باپ میں جو زیادہ بدتر ہو نجاست میں اس کے تابع ہوگا یہ مذہب راجح ہے، مالکیہ کا یہ قول کہ دھونے کا حکم عبادت

---

❶..... قرۃ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس برتن کی پاکی جس میں بلی منہ ڈال دے ایک یا دو مرتبہ دھونا ہے“ اور قرۃ محدثین کے ہاں ثقہ ہیں اور امام مالک نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بلاشبہ وہ نجس نہیں ہے، وہ تو تم پر آنے جانے والوں میں سے ہے۔“ ❷ المجموع ج ۱ ص ۲۲۷ المغنی ج ۱ ص ۴۶۔۵۱ مغنی المحتاج ج ۸ ص ۸۳، کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۱۔

❸ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ ❹ روایت مسلم، اور ایک اور روایت جسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے یہ الفاظ ہیں ان میں سے پہلی یا آخری مرتبہ مٹی سے ہو اور ابوداؤد کی روایت میں ہے ساتویں مٹی سے ہو یعنی ”ساتویں بار مٹی کے ساتھ ہو۔“

کے طور پر ہے تو یہ نا قابل فہم ہے کیونکہ اصل تو نجاست کا دھودینا ہے دلیل یہ ہے کہ ہر قسم کے دھونے میں یہی بات مقصود ہوتی ہے۔اور اگر حکم محض تعبدی عبادت کے طور پر دیا جانے والا حکم) ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پانی بہانے کا حکم نہیں دیتے، اور دھونے کا حکم صرف منہ ڈالنے کی جگہ پر نہیں ہوتا، کیونکہ یہ لفظ تو پورے برتن کے بارے میں ہے (خاص حصے کے بارے میں تو نہیں)

۲۔المطلب الثانی (دوسری مبحث) کنوؤں کا حکم......ناپاک کنوؤں کے بارے میں گفتگو اس پانی کے بارے میں ہونے والی گفتگو کی طرح ہے جس میں نجاست مل جائے۔ان دونوں معاملوں میں جمہور کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے، احناف نے بعض صورتوں میں فرق کیا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ اگر ناپاک جانور کنویں میں گر جائے اور پانی کو متغیر کر دے تو تمام کنویں کا پانی نکالنا واجب ہے، اور اگر اسے متغیر نہ کیا ہو تو پانی اور جانور دونوں کے بقدر پانی نکالنا مستحب ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ ٹھہرا ہوا اور چلتا ہوا پانی دونوں قلیل اور کثیر کے فرق میں برابر ہیں، چنانچہ دو قلہ سے کم پانی جو قلیل ہوتا ہے وہ مؤثر نجس چیز سے ملتے ہی ناپاک ہو جاتا ہے خواہ پانی متغیر نہ ہو اور کثیر پانی جو کہ دو قلہ یا زیادہ ہوتا ہے تو یہ پانی نجاست سے ملنے سے ناپاک نہیں ہوتا خواہ ٹھوس نجاست ہو یا مائع نجاست ہو اور اگر وہ نجاست پانی کو متغیر کر دے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔اور اس بناء پر شوافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نجس پانی کو پاک کرنے کا ارادہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ نجاست کیسی ہے اگر نجاست تغیر کی وجہ سے ہو اور پانی دو قلہ سے زیادہ ہو تو وہ تغیر کے خود بخود ختم ہو جانے سے یا اس میں دوسرا پانی ملا دینے سے یا اس میں سے کچھ پانی نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے کیونکہ نجاست تغیر کی وجہ سے تھی اور تغیر اب ختم ہو گیا۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ بارش کے پانی کی ذخیرہ گاہیں اور تالاب جن میں بہت پانی جمع ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نجس نہیں ہوتے۔جب تک کہ پانی متغیر نہ ہو جائے۔یعنی پانی کا رنگ، بو، یا مزہ متغیر نہ ہو جائے اگر ان کا پانی کسی نجاست کے سبب متغیر ہو جائے جیسے انسان کا پیشاب یا اس کا پتلا پاخانہ تو تمام پانی نکالا جائے گا۔ان دونوں حضرات نے نکالے جانے والے پانی کی کوئی مقدار متعین نہیں کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ ان سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کنویں میں پیشاب کر دیا تھا تو آپ نے کنواں خالی کرنے کا حکم دیا اسی طرح کی روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ہے۔امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اس کنویں کے بارے میں جس میں کسی انسان نے پیشاب کر دیا، انہوں نے فرمایا کہ اتنا نکالا جائے کہ وہ ان پر غالب آ جائے میں نے پوچھا اس کی کیا حد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی حد متعین نہیں کی ہے۔گویا حنابلہ بھی کنویں کا سارا پانی نکالنے کے بارے میں مالکیہ کے ہمنوا ہیں۔

احناف جمہور کے ساتھ اس مسئلے میں متفق ہیں❸ کہ زیادہ پانی (ماء کثیر) جو کہ دس ضرب دس کا مربع حوض ہو❹ وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نجاست کا اثر نہ ظاہر ہو جائے اور قلیل پانی نجس ہو جاتا ہے خواہ اس کے اوصاف متغیر نہ ہوں ان حضرات نے استحسان کے اصول کے تحت کنویں کے کم پانی کی صورت میں کچھ معین مقداریں ذکر کی ہیں جن کا نکال دینا کافی ہوتا ہے، اور وہ مقداریں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......کنویں میں گرنے والے کے زندہ ہونے کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر آدمی یا کوئی جانور کنویں میں گر جائے اور زندہ ہو تو اس میں یہ حکم ہے کہ انسان یا حلال گوشت جانور کے کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا اگر وہ زندہ نکل آئے اور اس کے بدن پر کوئی

---

❶......القوانین الفقهیه ص ۳۵۔❷ المجموع شرح المهذب ج ۱ ص ۱۷۸۔۱۸۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۱۔۲۴ المغنی ج ۱ ص ۳۹۔۴۱۔❸ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۸۔۳۰ الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۴، فتح القدیر ج ۱ ص ۶۸، مراقی الفلاح ص ۵ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۳۰۔۳۳۔❹ یعنی دس ذراع لمبائی میں اور دس ذراع چوڑائی میں ہو اگر مربع حوض ہے۔

نجاست نہ ہو، اور اگر اس پر نجاست ہو تو پانی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں سور گر پڑے یا کتے کا لعاب گر جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اور باقی تمام حیوانات جو غیر ماکول اللحم ہیں (حرام گوشت ہیں) جیسے خچر، گدھے، اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے اور وحشی جانور

وغیرہ، ان کا لعاب اگر کنویں میں گر جائے تو صحیح قول کے مطابق پانی کا حکم بھی ان جانوروں کے طاہر مکروہ اور نجس ہونے کے اعتبار سے ہوگا۔ چنانچہ نجس اور مشکوک پانی ہونے کی صورت میں کنویں کا پانی نکالنا واجب ہوگا اور مکروہ ہونے کی صورت میں چند ڈول نکال دینا مستحب ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل آنے والی ہے نجس درندے یا چیر پھاڑ کرنے والے جنگلی جانور ہیں جیسے شیر اور بھیڑیا۔ اور مکروہ ہیں چیر پھاڑ کرنے والے پرندے جیسے گدھ اور عقاب، اور مشکوک فیہ خچر اور گدھے ہیں تو اس تفصیل کے مطابق نجس یعنی جنگلی جانور اور درندوں کا لعاب اور مشکوک یعنی خچر اور گدھے کا لعاب کنویں میں گر جانے سے پانی نکالنا واجب ہوگا اور مکروہ یعنی چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں کے لعاب گرنے سے کچھ ڈول نکالنا مستحب ہوں گے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر چوہا یا بلی یا ان کے جیسے جانور کسی مائع یا پانی میں گر کر زندہ نکل آئیں تو پانی پاک ہوگا۔

۲..... دوسری صورت مقدار کے تعین کی۔ انسان یا جانور کی کنویں میں موت کی صورت۔

الف..... اگر انسان کنویں میں مرجائے تو احناف کے ہاں کنواں ناپاک ہو جائے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے سامنے زمزم کے کنویں کا سارا پانی نکال دینے کا حکم دیا تھا جب کہ اس میں ایک زنجی گر کر مر گیا تھا ❷ یہ مسئلہ ان غیر احناف کی رائے کے خلاف ہے ❸ جو انسان کے کنویں میں مرجانے کی صورت میں کنویں کو پاک قرار دیتے ہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''مؤمن نجس نہیں ہوتا۔'' ❹

ب..... اگر جانور خشکی کا ہو پانی کا نہ ہو جیسے بکری، کتا، مرغی بلی اور چوہا اور یہ کنویں میں مرجائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

ج..... ایسے جانور (یا حشرات الارض) جن میں بہتا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، جھینگر، گبریلا، بھڑ، پسو، بچھو یا وہ جانور جو سمندری ہوں جیسے مچھلی، مینڈک، مگر مچھ، کیکڑا، پانی کا کتا اور پانی کا سور ان کے پانی میں مرجانے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پینے کے پانی میں اگر مکھی گر پڑے تو وہ اس کو ڈبوئے پھر اس کو نکال لے اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا یہ بخاری کی روایت ہے ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں اور وہ اپنے اس پر سے اپنا بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہے ❺ اور یہ بھی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان ہر وہ کھانا اور پینے کی چیز جس میں ایسا جانور گر جائے جس میں خون نہیں ہوتا اور وہ اس میں مرجائے تو اس کھانے کا کھانا اور اس پینے والی چیز کا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔

۳..... تیسری صورت تعیین مقدار کی نجاست کے پانی میں گر جانے کی حالت:

الف..... چھوٹا کنواں نجاست گر جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ نجاست بہت قلیل ہی کیوں نہ ہو جیسے خون کا ایک قطرہ یا شراب کا ایک قطرہ، پیشاب، پاخانہ وغیرہ نجاست کے نکال لینے کے بعد پورا کنواں خالی کیا جانا ضروری ہے پانی نکالنے کے ساتھ کنواں، ڈول، اشیاء اور رسّی (چرخی) اور پانی نکالنے والے کا ہاتھ سب کچھ پاک ہو جائے گا۔

---

❶ المغنی ج ا ص ۵۳۔ ❷ نصب الرایہ ج ا ص ۱۲۹۔ ❸ ..... المغنی ج ا ص ۳۶۔ ❹ اس کو صحاح ستہ کے مصنفین میں سے، سوا بخاری اور ترمذی کے سب نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ ''ان المسلم لاینجس'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا المسلم لاینجس حیاً ولا میتاً (مسلم زندہ یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا) نیل الاوطار ج ا ص ۶،۳۰۔۵ ❺ یہ حدیث احمد، بخاری، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۶،۳۰۔۵

ب:......کنواں اونٹ اور بکری کی مینگنی، گھوڑے، گدھے اور خچر کی لید اور گائے کے گوبر کے گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ دیکھنے والا اس کو بہت سمجھے یا کوئی ڈول مینگنی وغیرہ سے خالی نہ آئے اور قلیل وہ ہے جسے دیکھنے والا قلیل سمجھے اس مسئلے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو پتھر اور ایک لید استنجاء کے لئے لاکر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر لے لئے اور لید کو پھینک کر فرمایا کہ یہ گندگی ہے❶ کنواں کبوتر چڑیا اور ان جیسے وہ پرندے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ تاہم مرغے، بطخ اور مرغابی کی بیٹ کا حکم یہ نہیں ان پرندوں کی بیٹ کے گرنے سے کنویں کے ناپاک نہ ہونے کا حکم استحسانا ہے، کیونکہ ابن مسعود نے کبوتر کی بیٹ کو اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر سے صاف کر دیا تھا اور صحیح قول یہ ہے کہ کنواں ان پرندوں کی بیٹ سے بھی ناپاک نہیں ہوتا ہے جن کا گوشت کھانا حرام ہے جیسے چیر پھاڑ کرنے والے پرندے کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا یعنی کنواں ان بیٹوں وغیرہ سے نہیں بچ سکتا ہے شوافع فرماتے ہیں کہ تمام درندوں اور پرندوں کا فضلہ نجس و ناپاک ہوتا ہے کیونکہ اسے رجس قرار دیا گیا ہے اور رجس نجس چیز کو کہتے ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ حلال جانوروں کا گوبر اور ان کا پیشاب پاک ہے اور حرام جانوروں کا گوبر اور پیشاب نجس ہے پانی کی وہ مقدار جس کا نکالنا واجب ہے۔

ا......کنویں کا پورا پانی نکالنا یا دو سو ڈول نکالنا جب پورے پانی کا نکالنا ممکن نہ ہو ان صورتوں میں واجب ہے۔

کنویں میں انسان یا بڑا جانور مر جائے جیسے خچر، گدھا کتا بکری وغیرہ۔ یا کوئی جانور کنویں میں پھول پھٹ جائے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، یا چوہا، بلی سے ڈر کر بھاگے اور کنویں میں گر جائے یا وہ زخمی حالت میں گر جائے خواہ زندہ نکال لیا جائے یا بلی کتے سے ڈر کر بھاگے، یا زخمی ہو کیونکہ بلی اور چوہا اس حالت میں پیشاب کر دیتے ہیں، اور پیشاب اور خون سیال نجاست ہیں۔

۲......چالیس سے ساٹھ ڈول نکالے جائیں گے اگر وہ جانور متوسط حجم کا ہو جیسے کبوتر، مرغے اور بلی۔ جامع صغیر کی ذکر کردہ روایت کے مطابق اظہر (زیادہ ظاہر اور صحیح) قول یہ ہے کہ چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں گے، اور اگر اس متوسط حجم کے دو جانور گر جائیں تو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا۔ چالیس ڈول واجب اور پچاس مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔

۳......کنویں میں سے بیس سے تیس ڈول، ڈول کے چھوٹے یا بڑے ہونے کے لحاظ سے❸ نکالے جائیں گے اگر اس میں چھوٹا جانور مر جائے جیسے چڑیا، چوہا اور چھپکلی وغیرہ بیس کا نکالنا واجب اور تیس کا نکالنا مستحب ہے۔ یعنی اگر گرنے والا جانور بڑا ہے اور کنواں بھی بڑا ہے تو دس ڈول مستحب ہیں اور اگر دونوں چیزیں چھوٹی ہیں تو استحباب اس سے کم میں ہوگا اور اگر ایک بڑا اور ایک چھوٹا ہو تو پانچ مستحب ہوں اور دوسرے پانچ پہلے کے مقابلے میں کم استحباب کے حامل ہوں گے (مفہوم یہ ہے کہ اگر کنواں اور گرنے والا جانور دونوں بڑے ہوں تو اس صورت میں دس اضافی ڈول نکالنا مستحب ہوں گے بیس واجب ڈول کے علاوہ اور اگر کنواں اور گرنے والا جانور دونوں چھوٹے ہوں تو دس سے کم ڈول میں بھی استحباب حاصل ہو جائے گا اور اگر کنواں بڑا اور جانور چھوٹا ہے یا برعکس معاملہ ہے تو اس صورت میں بڑے کا لحاظ رکھتے ہوئے استحباب زیادہ نکالنے میں ہے اور چھوٹے کا لحاظ رکھتے ہوئے استحباب کم میں حاصل ہو جاتا ہے تو ان دس ڈولوں میں سے پانچ کو کنویں اور پانچ کو جانور کے مقابلے میں سمجھتے ہوئے یہ فرض کرلیں گے کہ پانچ تو مستحب اس لئے ہیں کہ مثلاً کنواں بڑا ہے اور بقیہ پانچ پہلے پانچ سے کم درجے کے مستحب ہوں گے۔

---

❶......یہ حدیث احمد بخاری، ترمذی، نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۸۔ ❷القوانین الفقہیہ ص ۳۳۔ ❸یہ اس کے مطابق ہے جو ہدایہ میں ہے اور قدوری میں بحسب کبرا لحیوان وصغرہ مذکور ہے یعنی جانور کے بڑے یا چھوٹے ہونے کے لحاظ سے یہ کمی و بیشی ہوگی۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے چوہے کے بارے جو کنویں میں گرتے ہی نکال لیا جائے یہ فرمایا تھا کہ کنویں سے بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مرغی کے بارے میں جو کنویں میں مرجائے یہ فرمایا تھا کہ کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔ ❶

ڈول کا حجم...... ڈول کے حجم میں معتبر ایسے کنویں کا ڈول ہے جس کے ساتھ معاملہ پیش آیا ہے اگر اس کنویں کا ڈول نہ ہو تو ایسا ڈول ہو جس میں ایک صاع یعنی قریب ڈھائی کلو یا پونے تین لیٹر پانی آجائے اور اس معیار کے مطابق ڈول نہ ہونے کی صورت میں یعنی اس سے چھوٹا یا بڑا ڈول ہونے کی صورت میں اسی ڈول کے مطابق جو اوپر مذکور ہوا یعنی ڈھائی کلو یا پونے تین لیٹر والا حساب کیا جائے گا، لہٰذا اگر کسی نے واجب مقدار ایک ہی بہت بڑے ڈول سے نکالی تو مذہب حنفی کی ظاہر روایت کے مطابق یہ اس کے لئے جائز ہوگا کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ڈول کا اکثر حصہ بھرا ہوا ہونا کافی ہے جیسا کہ کنویں میں موجود کل پانی کا نکال دینا کافی ہے خواہ وہ مقدار واجب سے کم ہی کیوں نہ ہو کنویں کو پاک کرنا اس طرح بھی ممکن ہے کہ کوئی نالی بنادی جائے یا راستہ کھود دیا جائے جس سے پانی نکل جائے۔ اور اگر کہیں پانی میں مرا ہوا جانور پایا جائے تو اس کی موت کا حکم ایک دن اور ایک رات قبل سے لگایا جائے گا اگر وہ پھولا ہوا نہ ہو اور تین دن رات کا حکم لگایا جائے گا اگر وہ پھولا ہوا ہو۔ چنانچہ اس مدت کی وہ نمازیں جن کا وضو اس پانی سے کیا گیا ہو یا کپڑے دھوئے گئے ہوں اور وہ چیز جس کو وہ پانی لگا ہو اس کے متعلق تین دن رات کا حکم جاری ہوگا۔

۶۔ چھٹی بحث...... پاک چیزوں کی اقسام، طہارت کی چھٹی بحث

دنیا میں موجود تمام چیزیں یا جمادات ہیں، یا ذی روح ہیں یا فضلات ہیں اور اشیاء کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اصلاً وہ پاک شمار ہوں گی جب تک کہ ان کی نجاست کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہو جائے، فقہاء اشیاء کی طہارت کے بارے میں قریب قریب ایک ہی رائے رکھتے ہیں چنانچہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ جمادات یعنی ہر وہ جسم جس میں زندگی نہ پائی جائے اور نہ وہ کسی زندہ چیز سے جدا ہوئی چیز ہو ❷ پاک ہیں ماسوا نشہ آور اشیاء کے، لہٰذا زمین کے تمام اجزاء ٹھوس شکل میں ہوں یا بہتی شکل میں (سیال شکل میں) اور ان سے پیدا ہونے والی تمام اشیاء طاہر ہیں۔ جمادات میں سے معدنیات ہیں جیسے سونا چاندی، لوہا وغیرہ، اور تمام انواع نباتات خواہ وہ زہریلی ہوں یا نشلی ہوں جیسے حشیش، افیون اور بھنگ اور مائعات میں سے پانی ہمہ اقسام کا تیل گنے کا شیرہ، پھولوں کے عرقیات، خوشبو اور سرکہ وغیرہ ہیں۔ اور اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر خشک چیز پاک ہے اور مشک کا نافہ مشک کی طرح پاک ہے اور زباد اور عنبر پاک ہیں، زباد ایک خوشبودار مادہ ہے جو بلّی سے بڑے ایک جانور سے حاصل کیا جاتا ہے اور عنبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے۔ اور حلال جانور کے بال پاک ہوتے ہیں اور خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب پاک ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے وہ پاک ہوتا ہے اور مچھلی اور ٹڈی کے مردار (جسے شرعی طریقے پر ذبح نہ کیا گیا ہو) کی حالت پر بھی اتفاق ہے۔ انسان کی میت کی طہارت پر بھی اتفاق ہے خواہ وہ کافر ہو، سوا احناف کے کہ وہ اس کی نجاست کے قائل ہیں دلیل اس کی پاکی کی یہ آیت ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیٓ اٰدَمَ ...... سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷۰

اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اور ان کو عزت بخشے جانے کا تقاضا ہے کہ وہ پاک شمار ہوں خواہ مردہ ہی اور حدیث میں ہے کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا یعنی غالب اور اکثر

❶...... دو روایتوں کے لئے ملاحظہ کیجئے نصب الرایۃ. ج ۱ ص ۱۲۸۔ ❷ اور وہ چیز جو کسی زندہ چیز سے الگ ہوئی ہو جیسے انڈہ، گھی، شہد تو یہ جمادات میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ زندہ سے الگ ہوئی اشیاء ہیں اور یہ پاک ہیں۔

احوال ہیں، اورقرآن کی اس آیت اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ (بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں، سورۃ التوبہ آیت ۲۸) تو اس سے مراد عقیدے کی گندگی اورناپاکی ہے یامراد ہے کہ ان سے ایسے اجتناب کرنا ہے جیسے کہ وہ نجس ہوں، ظاہری نجاست مرادنہیں۔

اشیاء کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے، احناف فرماتے ہیں❶ کہ سور کے علاوہ کسی بھی حیوان کی وہ چیزیں جن میں خون نہیں دوڑتا ہے مردہ کی ہوں یازندہ کی حلال جانور کی ہوں یاحرام جانور کی، حتیٰ کہ کتا بھی، پاک ہوں گی جیسے بال کترا ہوروا، اورسخت انفحہ❷ چونچ، پھٹا ہوا کھر، مشہورقول کے مطابق پٹھے، سینگ، کھر، ہڈی جس پر چربی نہ ہو یہ سب پاک ہیں، مردار کی چربی نجس ہوتی ہے اورہڈی پاک ہوتی ہے، چنانچہ جب اس پر سے ناپاک چیز چربی ہٹ جائے گی تو نجاست بھی دورہوجائے گی۔ ہڈی بذات خود پاک ہے، دلیل وہ روایت ہے جودارقطنی نے نقل کی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار جانور کا تو صرف گوشت حرام کیا ہے کھال، بال اوران کے بارے میں کوئی حرج نہیں اس کے اندر انسان کے وہ بال بھی داخل ہیں جو اکھاڑے ہوئے نہ ہوں اورانسان کی ہڈیاں اوردانت بھی مطلقاً بلاتفصیل وقیود پاک ہیں، ہاں اکھاڑا ہوا بال ناپاک ہے کیونکہ زندہ ذی روح سے جدا کی ہوئی چیز اس کے مردے کا حکم رکھتی ہے۔ زندہ ذی روح کے آنسو، پسینہ، تھوک اوررینٹ، طہارت اورنجاست کے اعتبار سے جھوٹے (پس خوردہ) کی طرح ہیں اورمذہب کا مختار مسئلہ یہ ہے کہ خچراور گدھے کا لعاب پاک ہے اورچیر پھاڑ کرنے والے پرندوں گھریلو چھوٹے جانور جیسے چوہا، بچھو اوربلی وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے اورسور، کتے اورتمام وحشی جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ انسان کا تھوک اس کے پینے کی طرح پاک ہے ماسوا شراب پینے کی صورت میں کہ اس حالت میں اس کا منہ ناپاک ہوتا ہے۔ اوراس شخص کا منہ دھولینے اورپانی پی لینے سے فی الفور پاک ہوجاتا ہے یا تین مرتبہ تھوک نگل لینے سے بھی پاک ہوجاتا ہے شرمگاہ کی رطوبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پاک ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں پاک نہیں، شرمگاہ کی رطوبت سے وہ رطوبت مراد ہے جوبچے کی ولادت سے بچے کے ساتھ نکلتی ہے، اورخلہ کی رطوبت جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے پاک ہے اسی طرح انڈا بھی لہٰذا اس سے کپڑا اورپانی ناپاک نہیں ہوتا تاہم اس سے وضو کرنا مکروہ ہے اورخشکی کے وہ جانوراورحشرات جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، گھن، چیونٹی، بچھو، بھڑ اورپسو ان کا مردار پاک ہوتا ہے۔ وہ پرندے جن کا گوشت حلال ہے اوروہ ہواؤں میں بیٹ کردیتے ہیں جیسے کبوتر چڑیا اورعقعق (کوے کی شکل کا پرندہ) اوران جیسے دیگر پرندوں کی بیٹ پاک ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ کبوتروں کو مسجد حرام اوردیگر مساجد میں رکھا کرتے تھے، باوجوداس کے ان کا بیٹ کرنا ان کو معلوم تھا اگران کی بیٹیں نجس ہوتیں تو لوگ ایسا نہ کرتے کیونکہ مساجد کو پاک رکھنے کا حکم قرآن کی اس آیت سے نکلتا ہے اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ (کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۵) اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کبوتری نے ان پر بیٹ کردی انہوں نے اسے پونچھ دیا اورنماز ادا کرلی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے چڑیا کے بارے میں اس طرح کی بات منقول ہے۔ اسی طرح وہ پرندے جن کا گوشت حلال نہیں جیسے شکرا، باز، چیل وغیرہ ان کی بیٹ امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں، پاک ہے کیونکہ ضرورت یقینی ہے، یہ پرندے ہواؤں میں بیٹ کرتے پھرتے ہیں اوران سے کپڑوں اوربرتنوں کا بچانا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ مچھلی کا خون امام ابوحنیفہ اورامام محمد رحمہما اللہ کے ہاں پاک ہے، کیونکہ امت کا اجماع ہے کہ اس کو اس کے خون سمیت پکا کر کھایا جاتا ہے، اوردوسری بات یہ کہ یہ حقیقت میں خون نہیں ہوتا ہے، وہ تو پانی کی طرح کی چیز ہوتی ہے جو خون کے رنگ کی ہوتی ہے، کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا ہے وہ خون جورگوں میں اورگوشت میں ذبح کرنے کے

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۲۸،۲۶ الدرالمختار ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۹۵، ۳۲۳ البدائع ج ۱ ص ۶۱۔۶۵۔ ❷انفحہ ایک مادہ ہے جو دودھ پیتے بچھڑے کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، پھراس کو پانی میں نچوڑلیا جاتا ہے اورپنیر میں ڈال کر اسے سخت بنایا جاتا ہے، سخت انفحہ کی طہارت پر سب کا اتفاق ہے، اورسیال انفحہ اورمردار کے تھن میں موجود دودھ کے بارے میں اختلاف ہے امام صاحب کے ہاں پاک ہیں صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں نہیں اورزیادہ ظاہر صاحبین رحمۃ کا قول ہے جیسا کہ علامہ شامی نے وضاحت کی ہے۔

بعد بھی ہوتا ہے پاک ہے، کیونکہ یہ خون بہتا ہوا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کا گوشت کے ساتھ کھالینا درست ہے۔ اور اگر کوئی ناپاک گیلا کپڑا کسی خشک کپڑے کے ساتھ لپیٹ دیا جائے اور وہ گیلا کپڑا اتنا گیلا ہو کہ نچوڑے جانے سے اس میں سے کچھ نہ نکلے تو وہ خشک کپڑا پاک ہوگا۔ اس طرح وہ گیلا کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا جو خشک ناپاک زمین پر بچھا دیا جائے زمین اس سے نم ہو جائے لیکن زمین کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے، اور کپڑا اس ہوا سے بھی ناپاک نہیں ہوتا جو کسی نجاست پر سے گذر کر آئے اور اس کپڑے سے لگ کر گذر رہی ہو ماسوا اس کے کہ نجاست کا اثر کپڑے پر ظاہر ہو جائے۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ ہر ذی روح خواہ وہ کتا ہو یا سور وہ پاک ہے خواہ اس نے نجاست کھائی ہوئی ہو۔ اسی طرح اس کا پسینہ آنسو، رینٹ، اور تھوک جو معدے سے نہ نکلا ہوا ہو وہ پاک ہے (معدے سے نکلا ہوا تھوک جو زرد رنگ کا ہوتا ہے ناپاک ہوتا ہے) اسی طرح انڈا بھی پاک ہوتا ہے، ماسوا سڑے ہوئے اور بعد از موت نکلے ہوئے انڈے کے سڑا ہوا انڈا وہ ہوتا ہے۔ جس میں بدبو آجاتی ہے یا وہ رنگ بدل کر نیلا پڑ جائے وغیرہ یا خون بن جائے بخلاف ممروق انڈے کے اور ممروق انڈا وہ ہوتا ہے جس کی زردی اس کی سفیدی سے مل جائے مگر اس میں بدبو نہ ہو اور جانور میں سے نکلنے والا انڈا، رینٹ، آنسو اور تھوک جو بغیر شرعی طریقے سے ذبح کئے ہوئے اس کی موت کے بعد نکلا ہو وہ نجس ہوتا ہے اگر جانور کا مردہ جسم نجس ہو۔

پاک چیزوں میں سے بلغم بھی ہے، یعنی اسی طرح دماغ سے نکلنے والی وہ رطوبات جو آدمی یا کسی اور کے دماغ سے نکلیں وہ بھی پاک ہوتی ہیں۔ معدے سے نکلنے والا اصفراوی پانی بھی ان حضرات کے ہاں پاک ہوتا ہے کیونکہ ان حضرات کے ہاں معدہ پاک ہوتا ہے جب تک کہ اس میں کوئی تغیر نہ پیدا ہو جیسے وہ قے جو متغیر حالت میں ہو۔ پاک اشیاء میں سے انسان کا لاشہ بھی ہے خواہ وہ کافر ہو یہی صحیح قول ہے اور زمین کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ان کے مرے ہوئے جسم پاک ہیں جیسے بچھو، ایک قسم کی ٹڈی، گبریلا ٹڈی، پسو وغیرہ، بخلاف چیچڑی اور چھپکلی اور سحالی یعنی وہ حشرات جن میں خون اور تھوڑا بہت گوشت ہوتا ہے یہ نجس و ناپاک ہوں گے تاہم ٹڈی کا مردہ پاک ہونے کے باوجود ٹڈی وہی کھانا جائز ہے جو باقاعدہ طور پر ذبح کا طریقہ اپنا کر کھائی جائے (خود بخود مری ہوئی ٹڈی نہیں) ہاں پھلوں کا کیڑا اور مش (دودھ اور نمک) تو ان کو مطلقاً بغیر شرعی طریقے پر حلال کئے جانے کے کھایا جا سکتا ہے، اور اور اس سے زائد چیچڑی معاف ہیں، کیونکہ اس میں حرج لاحق ہوتا ہے، پاک اشیاء میں سمندری جانوروں کا مردار بھی شامل ہے خواہ مچھلی ہو یا کچھ اور خواہ وہ خشکی پر اپنی زندگی گذار لیتا ہو جیسے مگرمچھ، مینڈک اور سمندری کچھوا، اور خواہ وہ سمندری جانور سور یا انسانی شکل کا بھی ہو۔ پاک اشیاء میں وہ تمام جانور داخل ہیں جنہیں ذبح، نحر یا عقر (زخمی کرنا، کونچیں کاٹنا) کے ذریعے حلال کیا جائے ماسوا ان جانوروں کے جو حرام ہیں۔ حرام جانور جیسے گھوڑے خچر اور گدھے حلال کئے جانے سے پاک نہیں ہوتے مذہب کے مشہور قول کے مطابق جیسا کہ علامہ دردیر اور علامہ صاوی نے قرار دیا ہے ❷ اسی طرح کتا اور سور بھی حلال کئے جانے کے عمل سے پاک نہیں ہوتے ہیں، وہ مردار اور نجس رہتے ہیں خواہ انہیں ذبح کر دیا جائے۔

پاک اشیاء میں بال، رواں، اور اون شامل ہیں خواہ یہ چیزیں سور کی کیوں نہ ہوں اسی طرح بالوں کا رواں جو قصبہ کو دونوں طرف سے ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے۔ پاک اشیاء میں تمام جمادات شامل ہیں ماسوا نشہ آور چیزوں کے جیسا کہ یہ بات میں ان اشیاء کے بیان کے ذیل میں ذکر کر چکا ہوں کہ جن کی طہارت پر اتفاق ہے نشہ آور اشیاء ناپاک ہیں خواہ وہ شراب ہو یا کشمش کا بھگویا ہوا پانی یا کھجور کا پانی (جس میں

---

❶..... الشرح الكبير، ج ١ ص ٤٨ الشرح الصغير ج ١ ص ٤٣، بداية المجتهد ج ١ ص ٧٤۔ ❷ وہ جانور جن کا کھانا مکروہ ہے جیسے درندے اور بلی تو اگر ان کو گوشت کھانے کے لئے ذبح کیا گیا ہے تو اس کی کھال تبعاً پاک ہوگی اور اگر صرف کھال کے حصول کے لئے ذبح کیا تو کھال پاک ہوگی اور اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس صورت میں مردار ہوگا یہ فرق اس بناء پر ہے کہ عمل ذبح میں تقسیم وتبعیض راجح قول کے مطابق درست ہے۔ الشرح الکبیر ج ا ص ۴۹۔ (اس کی مزید تفصیل ذبح کے بیان میں آئے گی)

کھجور بھگوئی گئی ہو) البتہ خشک نشہ آور اشیاء یعنی حشیش، افیون اور سیکران وغیرہ پاک ہیں کیونکہ یہ جمادات میں سے ہیں تا ہم ان کا کھانا پینا حرام ہے کیونکہ یہ عقل کو مدہوش کر دیتی ہیں، بیکن ظاہری بدن پر ان کا ستعمال درست ہے۔ پاک اشیاء میں سے انسانی دودھ ہے خواہ کافر ہی کا کیوں نہ ہو اور حلال جانوروں کا دودھ بھی ہے خواہ مکروہ ہو جیسے بلی اور درندے، اور حرام جانوروں کا دودھ جیسے گھوڑے گدھے اور خچر کا تو وہ ناپاک ہے پاک اشیاء میں سے حلال جانوروں کا فضلہ بھی ہے یعنی لید، گوبر، مینگنی، پیشاب، مرغی کی بیٹ، کبوتر اور دیگر پرندوں کی بیٹ پاک ہے بشرطیکہ یہ گندگی استعمال نہ کرتے ہوں، اگر انہوں نے گندگی کو کھانے یا پینے میں استعمال کیا تو ان کا فضلہ نجس ہوگا۔ چوہے کا کھانا مباح ہے لہٰذا اس کا فضلہ پاک ہے اگر نجاست سے ملا ہوا نہ ہو خواہ مشکوک طور پر ہی کیونکہ چوپا عام طور پر گندگی کھاتا ہے جیسے مرغی بخلاف کبوتر کے کہ اس کی بیٹ کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب اس کے نجاست کے استعمال کرنے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔

پاک اشیاء میں اس جانور کا پتّا داخل ہے جس کو ذبح کیا گیا ہو اور اس کا گوشت کھانا مباح یا مکروہ ہو، حرام نہ ہو پتے سے مراد وہ پیلا پانی ہے جو حیوان کے جسم میں جمی ہوئی حالت میں ہوتا ہے اس طرح قلس بھی پاک اشیاء میں داخل ہے، اور قلس اس پانی کو کہتے ہیں جو معدہ بھر جانے کی صورت میں باہر آ جاتا ہے۔ اور الٹی پاک ہے جب تک کہ کھانے کی حالت متغیر ہو کر کھٹاس وغیرہ میں نہ بدل جائے، اگر معدے میں موجود کھانے کی حالت بدل گئی تو الٹی ناپاک ہوگی۔ مشک اور اس کا نافہ پاک اشیاء میں داخل ہیں اسی طرح شراب اگر کسی کے کرنے سے سرکہ بن جائے یا متحجر (ٹھوس) بن جائے یا خود بخود سرکہ بن جائے یا ٹھوس شکل اختیار کر لے وہ پاک ہوگی اس کے ساتھ اس کا برتن بھی پاک ہو جائے گا۔ اور وہ کھیتی جس کو ناپاک پانی سے سیراب کیا جاتا ہو وہ پاک ہے لیکن اس میں اگنے والی چیزوں پر لگی ہوئی نجاست کو صاف کر لینا چاہئے۔ پاک اشیاء میں ناپاک چیز کی راکھ بھی شامل ہے جیسے گوبر اور لید اور ناپاک ایندھن۔ کیونکہ یہ چیزیں آگ میں جل جانے کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اور صحیح قول کے مطابق ناپاک چیز کا دھواں پاک ہوتا ہے پاک اشیاء میں وہ خون شامل ہے جو بہتا ہوا نہ ہو، یعنی ذبح شدہ جانور سے بہہ کر نہ نکلا ہو۔ مراد اس سے وہ خون ہے جو رگوں وغیرہ میں لوتھڑوں کی شکل میں موجود ہوتا ہے یا دل میں موجود ہوتا ہے یا گوشت کاٹتے وقت اس میں سے ٹپکتا ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ تمام حیوانات پاک ہیں۔ ماسوا کتے، سور اور خون کے۔ کیونکہ وہ خون ذبح کرنے کے دوران پیٹ میں گیا ہوتا ہے اور دم مسفوح ہوتا ہے کیونکہ یہ ذبح شدہ جانور کا ایک حصہ اور جز ہی شمار ہوتا ہے اور ذبح شدہ جانور اور اس کے تمام اجزاء پاک ہوتے ہیں ہاں جو گردن کٹنے کی جگہ پر لگا ہوا خون ہوتا ہے وہ بہتے ہوئے خون کا بقیہ ہی ہوتا ہے اور وہ ناپاک ہوتا ہے۔ اس طرح ذبح شدہ جانور کا وہ خون جو اس کے پیٹ میں سے کھال اتارنے کے بعد نکلتا ہے وہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔

اور ان سے پیدا شدہ جانور کے۔ اور جمادات سب کی سب پاک ہیں ماسوا نشہ آور چیزوں کے۔ علقہ (جما ہوا خون) مضغہ (چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا) اور شرمگاہ کی رطوبت، وہ سفید سا پانی جو منی اور مذی کی درمیانی شکل کا ہوتا ہے، ہر پاک حیوان کی خواہ اس کا گوشت کھانا حلال نہ ہو انسان کی ہوں یہ چیزیں یا کسی اور ذی روح کی، حلال ہیں۔ پاک اشیاء میں حلال جانوروں کا دودھ خواہ وہ نر جانور رہا ہو اور چھوٹا ہو اور مردہ ہو اور جانور کے نیچے کا انفحہ ❶ اگر اس کے ذبح کرنے کے بعد لیا جائے پاک ہے اور اس جانور کے بچے نے دودھ کے علاوہ کچھ نہ پیا ہو دودھ خواہ پاک ہو یا نجس۔ اور ہر جانور کے اندر سے مترشح ہونے والی چیزیں پاک ہیں جیسے پسینہ، تھوک، رینٹ، اور بلغم، ماسوا اس چیز کے جس کے معدے سے نکلنے کا یقین ہو۔ زخم اور پھوڑے کا وہ پانی جو متغیر نہ ہوا ہو وہ بھی پاک ہے پاک جانور کا انڈا اگر چہ مردار جانور سے نکلا ہو بشرطیکہ انڈا سخت ہو اور خواہ وہ ایسے پرندے سے نکلا ہو جس کا کھانا حلال نہ ہو اور خواہ انڈا خون میں تبدیل ہو جائے اور قز کا انڈا بھی پاک ہے، بزر القز وہ انڈا جس میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں (ابریشم وغیرہ شاید) سمندری جانور کا مردار جسم بھی پاک اشیاء میں داخل ہے خواہ اس کو مچھلی نہ بھی

❶..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۰، شرح الباجوری ج ۱ ص ۱۰۵، ۱۰۸، شرح الحضر میتہ ص ۲۲، المہذب ج ۱ ص ۱۱، المجموع ج ۲ ص ۵۷۶۔

کہا جاتا ہو ماسوا اگر مچھ مینڈک اور سانپ کے کہ ان کا مردہ لاشہ ناپاک ہے۔ مردار ٹڈی پاک ہے، ٹڈی کے علاوہ دیگر خشکی کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے جیسے مکھی، چیونٹی اور پسو وغیرہ تو ان کے مردار جسم ناپاک ہیں۔ پاک اشیاء میں مشک اور اس کا نافہ جو جانور کی زندگی میں ہی نکال لیا گیا ہو یا اس کو ذبح کرنے کے بعد نکالا گیا ہو اور زباد، ایک قسم کی خوشبو جو ایک بلی سے تھوڑے بڑے جانور سے نکلتی ہے، بھی پاک اشیاء میں ہے، البتہ خشکی کی بلی کے بال جو اس میں ہوتے ہیں وہ پاک نہیں۔ اور عنبر، جو کہ مشہور خوشبو ہے اور ایک سمندری جانور کا گوبر ہے یا اس سے نکلنے والی کوئی چیز ہے، بھی پاک اشیاء میں ہے خواہ اس کو مچھلی نے نگل بھی لیا ہو (اور بعد میں وہ شکار شدہ مچھلی کے پیٹ سے نکلے) بشرطیکہ اس کی حقیقت و ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو۔ پاک چیزوں میں بالا جماع بال، اون، رواں اور حلال جانور کے اون وغیرہ شامل ہیں خواہ ان کو اکھاڑا گیا ہو ذبح کرنے کے بعد یہ چیزیں حاصل ہوتی ہے یا اس کی زندگی میں، ہاں اگر کی موت کے بعد حاصل شدہ ان میں سے کوئی چیز نجس ہوگی۔ جیسے کہ حرام جانور سے حاصل شدہ بال اس کے مردار کی طرح نجس ہوتے ہیں۔ نجاست کا معمولی سا دھواں قابل معافی ہے کتے اور سور کے علاوہ جانوروں کے ناپاک بال اتنی مقدار میں قابل معافی ہیں جس کو عرفاً کم سمجھا جا سکے جیسا کہ سواری کے جانور کے زیادہ بال بھی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا دشوار ہے۔ مچھلی کا فضلہ جو پانی میں گرا ہوا ہو قابل معافی ہے اگر پانی متغیر نہ ہو جائے۔ نجاست کا وہ قلیل دھواں جو ناپاک چیز کو جلانے والی آگ کے ساتھ بلند ہو رہا ہو قابل معافی ہے ہاں وہ بخارات جو جانوروں کے باڑے کی نجاست سے اٹھ رہے ہوں اور پچھلی طرف سے نکلنے والی ہوا پاک ہے۔ پھل درخت اور وہ کھیتی جو نجاست سے پیدا ہوئی ہو یا نجس پانی سے سیراب کی گئی ہو وہ پاک ہے تاہم کھیتی کے اوپری حصے کو پاک کیا جانا ضروری ہے تا کہ اس پر لگی ہوئی نجاست صاف ہو جائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں❶ کہ پاک اشیاء یہ ہیں ذبح شدہ حلال جانور کی رگوں سے نکلنے والا خون اور گوشت میں موجود خون، کیونکہ ایسے خون سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ مچھلی کا خون اور پیشاب، کیونکہ اگر مچھلی کا خون نجس ہوتا تو اس خون کا پہلے ذبح کر کے بہا کر نکالنا ضروری ہوتا دوسری بات یہ کہ وہ پانی بن جاتا ہے اور یہ کہ اس کو کلیجی کی طرح سمجھا جائے گا۔ شہید کا خون جو اس پر لگا ہوا ہو خواہ کتنا ہی ہو۔ کھٹمل، چیچڑی، پسو، مکھی اور ان جیسے حشرات کا خون یعنی جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔ کلیجی اور تلی حلال جانور کی، کیونکہ حدیث میں ہے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں ریشم کا کیڑا اور اس کا خول، مشک اور نافہ، اور عنبر (یہ ایک ٹھوس مادہ ہوتا ہے اس میں کوئی ذائقہ اور خوشبو نہیں ہوتی جب تک اس کو پیسا یا جلایا نہ جائے، یہ مشہور ہے کہ یہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے) کیونکہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عنبر ایسی چیز ہوتی ہے جسے سمندر باہر نکال پھینکتا ہے، یہ ایک مشہور و معروف خوشبو ہے منہ سے نکلنے والی رال، اور ڈکار پاک ہیں ڈکار اس لئے کہ اس میں پیٹ کی کوئی صفت ظاہر نہیں ہوتی (یعنی پیلا پن وغیرہ) اور اس سے بچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ بلغم بھی پاک ہے خواہ پیلا کیوں نہ ہو اور خواہ سر کی طرف سے اترا ہو سینے سے نکلا ہو یا معدے سے نکلا ہوا ہو۔ کیونکہ مسلم کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز اس کو پونچھ دینے کا اشارہ فرمایا تھا۔ حلال گوشت والے جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور علقہ وہ خون کا لوتھڑا جس سے انسان یا پاک حیوان کی تخلیق ہوتی ہے (یعنی رحم میں منی کی دوسرے مرحلے کی شکل) ناپاک ہے، کیونکہ یہ شرمگاہ سے نکلنے والا خون ہے اور سڑا ہوا انڈہ یا خونی بن جانے والا انڈہ بھی ناپاک ہے کیونکہ خون بن جانے والا انڈہ علقہ (خون کے لوتھڑے) کے حکم میں ہوتا ہے۔ حلال گوشت والے جانوروں کا خون، پسینہ، تھوک اور ناک کی رینٹ پاک ہیں اس طرح بلی اور چوہے اور اس طرح کے چھوٹے جانوروں کی بھی یہ چیزیں پاک ہیں بشرطیکہ وہ جانور نجاست سے پیدا شدہ نہ ہو۔

پاک چیزوں میں سمندری حیوانات کا مردار بھی ہے خواہ اس کو مچھلی نہ کہا جاتا ہو، ماسوا اگر مچھ، مینڈک اور سانپ کے، کیونکہ یہ نجس ہیں جیسا کہ شوافع کا قول بھی یہی ہے، اسی طرح خشکی کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے ان کا مردار ناپاک ہے جیسے مکھی چیونٹی اور پسو،

❶..... كشف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ۲۱۹۔۲۲۰ غاية المنتهى، ج ا ص ۱۴۔

ماسوا ٹڈی کے کہ اس کا مردار ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ تفصیل شوافع کے مطابق ہے۔ پاک اشیاء میں ان حضرات کے ہاں بال اور اس جیسی دوسری چیزیں (اون، رواں وغیرہ) ہر اس حیوان کی جس کا گوشت حلال ہو، شامل ہیں خواہ مردار کی ہو یا زندہ جانور کی ہو اور حرام گوشت والے جانوروں میں ان کی پاک ہیں جو بلی کے برابر یا اس سے چھوٹے ہوں اور وہ نجاست سے پیدا ہوئے نہ ہوں، تاہم بالوں کی اور رویں کی جڑیں مطلقاً ناپاک ہیں بلا تفصیل کے۔

دوسری فصل.....نجاست

اس میں پانچ مباحث ہیں:

ا۔پہلی بحث: نجاست کی اقسام کا اجمالی بیان اور ان کے ازالہ کرنے کا ذکر:

نجاست طہارت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور نجس (نون اور جیم پر زبر) طاہر کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور انجاس جمع ہے نجس (نون پر زبر اور جیم کے نیچے زیر)، کی اور اس کا اطلاق گندگی کے جسم پر کیا جاتا ہے، یعنی وہ چیز جس کو شرعاً گندہ سمجھا گیا ہو۔ اس کا اطلاق نجس حکمی اور حقیقی دونوں پر ہوتا ہے، اور خبث صرف نجاست حقیقی کو کہتے ہیں اور حدث صرف نجاست حکمی کو۔ نجس (جیم کے زبر کے ساتھ) اسم واقع ہوتا ہے اور نجس (جیم کے زبر کے ساتھ) صفت۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

ا.....حقیقی ۲.....حکمی

نجاست حقیقی لغت میں گندی چیز کو کہتے ہیں جیسے خون، پیشاب اور پاخانہ، اور شرعاً اس چیز کو کہتے ہیں جو نماز کے صحیح ہونے سے مانع ہو وہاں جہاں کوئی رخصت نہ ہو (یعنی وہ چیز جس کے ہونے سے نماز درست نہ ہو سکتی ہو اور وہاں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جو رخصت کا سبب بنے)

نجاست حکمی ایک اعتباری چیز ہے (یعنی محض ذہنی اور تصوراتی چیز ہے جس کا خارجی اور مادی وجود نہیں بالفاظ دیگر وہ ایک کیفیت ہے جو جسم پر طاری ہو کر نماز سے مانع ہوتی ہے وہاں جہاں کوئی رخصت کی باعث چیز نہ ہو اس میں حدث اصغر، جو وضو سے ختم ہوتا ہے، اور حدث اکبر یعنی جنابت، جو غسل سے ختم ہوتا ہے دونوں شامل ہیں۔

نجاست حقیقی کی کئی اقسام ہیں۔ وہ تو مغلظ ہوتی ہے یا مخففہ جامد ہوتی ہے مائع، نظر آنے والی ہوتی ہے یا نہ نظر آنے والی۔

وہ نجاست جو قابل معافی نہیں ہوتی (تفصیل آگے آئے گی) اس کے کپڑوں، بدن اور نماز کی جگہ سے دور کرنے کا حکم یہ ہے کہ یہ جمہور فقہاء کے ہاں واجب ہے ماسوا مالکیہ کے، دلیل ان فقہاء کی یہ آیت ہے **وثیابك فطهر** (اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، سورۃ المدثر آیت نمبر ۴) مذہب مالکیہ میں دو مشہور قول اس بارے میں پائے جاتے ہیں[1] ایک واجب ہونے کا اور ایک سنت ہونے کا۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب انسان کو یاد ہو، قدرت ہو اور ازالہ ممکن ہو۔ اور زیادہ مشہور اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ مسنون ہے۔ تاہم مذہب کی فروعات (ذیلی مسائل) کی بنیاد وجوب کے قول پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر اس کو دور کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ اپنی نماز لوٹائے گا اور یہ اعادہ اس پر واجب ہوگا کیونکہ نماز باطل ہوگئی ہے۔ اور مشہور قول کے مطابق جس میں نجاست کا ازالہ صرف مسنون قرار دیا گیا ہے، نماز کا اعادہ محض مستحب ہوگا اگر اسے نجاست یاد تھی اور وہ ازالے پر قادر تھا۔ اور دونوں قولوں کے مطابق بھول جانے والے پر اور نجاست کے لگے ہونے سے ناواقف شخص پر اعادہ کرنا مستحب ہے اور اس پر بھی جو نجاست دور کرنے سے عاجز ہو۔

---

[1].....الشرح الكبير ج ا ص ٦٥ الشرح الصغير ج ا ص ٦٤ فتح العلي المالك ج ا ص ١١١۔

اس بحث (نجاست کی اقسام اوران کے ازالے کا حکم) میں دومطالب ہیں۔

ا۔المطلب الاول، پہلا بیان:.......وہ نجاسات جن میں اتفاق ہےاوروہ جن میں اختلاف ہے:

ا......وہ نجاستیں جن پرفقہاء کا اتفاق ہے:

فقہاء کاان مندرجہ ذیل نجاستوں پراتفاق ہے۔❶

الف.....سور کا گوشت، خواہ اس کوشرعی طریقے سے ذبح کیوں نہ کردیا جائے، کیونکہ یہ قرآن کے نص سے نجس العین قرار پاتا ہے، لہٰذا اس کا گوشت اوراس کے تمام اجزاء بدن یعنی بال، ہڈی، کھال، خواہ دباغت شدہ ہوسب ناپاک ہیں اور مالکیہ کے ہاں معتمد بات یہ ہے کہ زندہ سوراس کا پسینہ، آنسو، ناک کی رینٹ اورتھوک پاک ہے۔

ب.....خون انسان کا (شہید کے علاوہ) اورخشکی کے جانوروں کا خون، جواس سے نکلا ہوزندہ یامردہ حالت میں اگر مسفوح (بہتاہوا) ہواورزیادہ ہوتووہ ناپاک ہے شہید کاوہ خون جواس کے جسم پرہومچھلی کاخون کلیجی اورتلی اوردل کا خون اور جانور کے گوشت میں موجودہ خون جو اس کے ذبح کردیئے جانے کے بعد ہوتا ہے، اگروہ بہتاہوانہ ہوچیچڑی کا خون پسوکاخون اورکھٹمل کاخون خواہ وہ زیادہ کیوں نہ ہواحناف کے ہاں اس حکم سے خارج ہیں (یعنی خون کے ناپاک ہونے کے حکم سے بہتاہواخون ناپاک ہے مالکیہ اورشوافع کے ہاں اگرمچھلی مکھی اورچیچڑی سے بہتاخون نکلےتووہ بھی ناپاک ہوگا۔اس کااختلاف کانتیجہ اس صورت میں نکلے گا کہ فسیخ (نمک لگائی ہوئی مچھلی) کا کیا حکم ہے، کہ یہ مچھلیاں ایک دوسرے کے اوپررکھی جاتی ہےاورخون نکل کرایک دوسرے میں جاتا ہے، شوافع کے ہاں ایسی مچھلیاں نہیں کھائی جاسکتی ہیں اور مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ صرف سب سے اوپرکی تہ والی مچھلی اوروہ مچھلی جس کے بارے میں شک ہوکہ یہ سب سے اوپرکی تہ کی ہے یااورکسی تہ کی کھائی جاسکتی ہے احناف اور مالکیہ میں سے ابن عربی کے ہاں ایسی مچھلی کے کھانے کی اجازت ہے کیونکہ مچھلی میں سے نکلنے والی چیزخون نہیں بلکہ خون نمارطوبت ہےاوراس صورت میں یہ پاک شمارہوگی۔❷

ج.....آدمی کا پیشاب اس کی قے❸ اوراس کا پاخانہ ناپاک ہے سوائے دودھ پیتے بچے کے کہ شوافع اورحنابلہ کے ہاں کے اس کے نجس ہونے کے باوجودصرف اس پرچھڑکاؤکردینا کافی ہےاسی طرح حرام گوشت والے جانوروں کا پیشاب پاخانہ اورقے ناپاک ہے ماسواپرندوں کی بیٹوں، چوہےاورچمگاڈرکے پیشاب کے کہ احناف کے ہاں یہ ناپاک نہیں، کیونکہ چوہے سے بچناممکن نہیں اورچمگاڈرفضامیں ہی پیشاب کردیتا ہے، ان کے دونوں کے پیشاب صرف کپڑوں پرلگ جانے اورکھانے میں گرجانے کی صورت میں معاف ہیں برتنوں میں محفوظ پانی کے سلسلے میں یہ معاف نہیں اس طرح جانورجگالی میں جونکالتے ہیں وہ ناپاک ہے۔

د.....شراب، اکثرفقہاء کے ہاں ناپاک ہے، کیونکہ اللہ کافرمان ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ......سورۃ المائدہ، آیت ۹۰

بے شک شراب، جوااورتیروں سے فال نکالنا گندگی ہےاورشیطان کےکاموں میں سے ہے۔

اوربعض محدثین اس کی طہارت کے قائل ہیں، اورخمرشراب کااطلاق ہرنشہ آورمائع چیزپرہوتا ہے جمہورعلماء کے ہاں اوراحناف کے ہاں معتمدقول بھی یہی ہے۔

---

❶..... فتح القدیر ج ا ص ۱۳۵ اللباب شرح الکتاب ج ا ص ۵۵، مراقی الفلاح ص ۲۵، ۵ القوانین الفقهیه ص ۳۴، بدایة المجتهد ج ا ص ۷۳ الشرح الصغیر ج ا ص ۴۹ مغنی المحتاج ج ا ص ۷۷، المهذب ج ا ص ۴۶، کشاف القناع ج ا ص ۲۱۳ المغنی ج ا ص ۵۲ الشرح الصغیر ج ا ص ۴۹۔۵۵۔❷ الشرح الکبیر للدردیر وحاشیة الدسوقی ج ا ص ۵۷۔❸ قے احناف کے ہاں اگرمنہ بھرکرہوکہ اس کوروکنامشکل ہوتووہ نجاست غلیظہ شمارہوگی۔

ہ..... پیپ، یہ بگڑا ہوا خون ہوتا ہے اس میں خون نہیں ملا ہوا ہوتا ہے یہ نجس اس لئے ہے کہ یہ خون ہوتا ہے، جس کی ماہیت بدل چکی ہوتی ہے، اور صدید کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ مادہ جو پتلا ہوتا ہے اور اس میں خون کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے، کم مقدار میں یہ دونوں ہوں تو معاف ہیں نجس اس صورت میں ہیں جب یہ زیادہ مقدار میں ہوں۔

و..... مذی اور ودی، مذی وہ سفید پتلا سا پانی ہوتا ہے جو شہوت کے وقت یا ہمبستری کے خیال کے وقت نکلتا ہے لیکن منی کی طرح اچھل کر نہیں یہ نجس ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق اس کے نکلنے کی صورت میں شرمگاہ کو دھونا اور وضو دوبارہ کرنا لازم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بہت مذی ہوتی تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود پوچھنے میں جھجک محسوس کی میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو پوچھنے کے لئے کہا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا: اس میں وضو لازم ہے اور مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی شرمگاہ دھوئے اور وضو کرلے۔❶

اور ودی وہ گندا اور گاڑھا سا پانی ہوتا ہے جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے یا کوئی بھاری چیز اٹھانے کی صورت میں نکلتا ہے یہ ناپاک ہے اس لئے کہ یہ یا تو پیشاب کے بعد نکلتا ہے یا اس کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کا بھی حکم پیشاب کا ہی ہوگا❷ پیشاب کے بعد نکلنے والی پتھری یا کنکری جو پیشاب کے بعد نکلتی ہے اگر طبیب یہ کہے کہ یہ پیشاب سے بنی ہوئی ہے تو وہ ناپاک ہوگی ورنہ وہ صرف عارض طور پر ناپاک ہوگی دھونے سے پاک ہو جائے گی۔❸

ز..... خشکی کے وہ جانور جن میں بہتا خون ہوتا ہے ان کے مردار جسم کا گوشت، خواہ وہ حلال گوشت والے ہوں یا حرام گوشت والے ہوں جیسے کتا، بکری، بلی، چڑیا وغیرہ، اسی طرح مردار جانور کی بلا دباغت کھال، یہ تفصیل احناف کے ہاں ہے دوسرے فقہاء کے ہاں انسان کے علاوہ تمام جانوروں کے مردار کے تمام اجزاء یعنی ہڈی، بال اون اور رواں وغیرہ سب ناپاک ہیں، کیونکہ ان سب میں زندگی ہوتی ہے (اور مرنے سے ان سب میں سے زندگی ختم ہو جاتی ہے)۔

ح..... حرام گوشت والے جانوروں کے گوشت اور دودھ ناپاک ہیں دودھ گوشت ہی سے پیدا ہونے کی وجہ سے گوشت ہی کا حکم رہے گا۔

ط..... زندہ کی زندگی میں اس سے جدا ہونے والا جز جیسے ہاتھ کولہا وغیرہ، ماسوا بال اور اس طرح کی چیزیں جیسے اون رواں اور چھوٹے بال کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جانور سے اس کی زندگی میں کٹ کر جدا ہونے والی چیز مردار ہوتی ہے۔❹

۲..... وہ نجاستیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے:

فقہاء کا بعض چیزوں کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ کتا..... احناف کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے، کیونکہ اس سے شکار اور نگرانی جیسے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور سور نجس العین ہے، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت "فانہ رجس" (پس وہ گندگی ہے، سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۵) میں ضمیر غائب ہ

---

❶..... یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے احمد و ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ شخص اپنی شرمگاہ اور کپورے دھوئے اور وضو کرلے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۵۱۔ ❷ یہ بات پیش نظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات یعنی خون، پیپ، قے، پیشاب، پاخانہ، مذی اور ودی وغیرہ پاک تھے کیونکہ برکت حبشی عورت نے آپ کا بول پی لیا تھا تو آپ نے فرمایا آگ تیرے پیٹ میں داخل نہیں ہوگی یہ حدیث دار قطنی نے صحیح قرار دی ہے اور ابوطیب نامی شخص نے آپ علیہ السلام کو پچھنے لگانے کے بعد آپ کا خون پی لیا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا جس کے خون سے میرا خون مل گیا اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ❸ مغنی المحتاج ج ا ص ۷۹۔ ❹ یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے بھی ذکر کی ہے اور اسے ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث حسن قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ا ص ۲۸۔

جولفظ فانہ میں ہے وہ لفظ خنزیر کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ عبارت میں وہی قریب ہے، کتے کا صرف منہ تھوک اور گو ناپاک ہے ان چیزوں پر باقی جسم کو قیاس کرتے ہوئے ناپاک نہیں کہا جاسکتا ہے کتے کے برتن میں منہ مارنے کی صورت میں برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے امام احمد و مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں تم میں سے اس شخص کے برتن کے پاک ہونے کا طریقہ جس کے برتن میں کتا منہ مار دے یہ ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھوئے جن میں پہلی مرتبہ وہ مٹی استعمال کرے(1) مالکیہ فرماتے ہیں(2) کہ کتا ہر حالت میں پاک ہے خواہ وہ ایسا کتا ہو جس کے پالنے کی اجازت ہے جیسے چوکیداری اور مویشیوں کی نگرانی کا کتا یا کوئی اور ہو۔ صرف منہ مارنے کی صورت میں، کسی اور چیز کے ڈالنے کی صورت میں نہیں جیسے وہ اپنی ٹانگ یا زبان بلاحرکت دیئے برتن میں ڈال دیئے یا اس کا لعاب گر جائے، سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ بھی تعبدًا(3) یہ بات ان کے مشہور قول کے مطابق ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں(4) کہ کتا اور سور اور ان کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جانور، اور ان کا پسینہ سب نجس ہے اس سے ناپاک ہوئی ہوئی چیز کو سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں پہلی مرتبہ میں مٹی سے دھویا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جب منہ کی نجاست کا گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا جو کہ اس کے جسم میں سب سے صاف چیز ہے۔(5)

منہ سے بار بار زبان باہر نکالنے کی وجہ سے، تو باقی جسم بطریق اولی ناپاک ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں جس کو دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ ایک گھر کے لوگوں نے دعوت دی آپ نے قبول فرمالی، دوسرے گھر کے لوگوں نے دعوت دی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی، آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ہاں کتا ہے آپ سے لوگوں نے عرض کیا کہ پہلے گھر والوں کے ہاں بلی ہے آپ نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ کتا نجس ہے۔

۲۔ سمندری جانور کا مردار اور ان کا مردار جن میں بہتا خون نہیں ہوتا...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سمندری جانور کا مردار اگر مچھلی اور اس طرح کی مخلوق ہو تو وہ پاک ہے، کیونکہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی(6) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے(7) فقہاء کا اس کے مردار کے بارے میں اختلاف ہے جس میں بہتا خون نہ ہو، ان حضرات کی مردار کے بارے میں مطلق عبارات یہ ہیں: احناف فرماتے ہیں(8) کہ پانی میں رہنے والی مخلوقات کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسے مچھلی مینڈک اور کیکڑا لیکن بہتے خون والے جانور کا گوشت اور دباغت سے قبل اس کی کھال ناپاک ہے اور جن میں بہتا خون نہیں ہوتا اگر وہ پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسے کھٹمل، مکھی، بھڑ، بچھو وغیرہ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جس میں مکھی کا ذکر ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پانی میں مکھی گر جائے تو وہ اس کو ڈبو

---

(1)......فتح القدیر ج ۱ ص ۶۴، ردالمحتار لابن عابدین ج ۱ ص ۱۹۱، ۳۰۰ البدائع ج ۱ ص ۶۳۔ (2) احمد بخاری اور مسلم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متفقہ روایت ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶، سبل السلام ج ۱ ص ۲۲۔ (3) الشرح الکبیر ج ۱ ص ۸۳، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۳۔ (4) تعبدا کا مطلب ہوتا ہے وہ حکم جس کی بظاہر علت سمجھ نہ آئے لیکن شریعت کے حکم کی تعمیل میں اس کو انجام دیا جاتا ہو۔ عقلاً اس کی وجہ کا ادراک نہیں کیا جاسکتا ہو جیسے نماز میں قہقہہ لگانے کی صورت میں احناف کے ہاں نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں کہ اس میں وضو کا ٹوٹنا عقل کے برخلاف ہے۔ (5) مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸، کشف القناع ج ۱ ص ۲۸، المغنی ج ۱ ص ۵۲۔ (6) یہ حدیث امام احمد اور دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے البتہ اس میں ضعف ہے سبل السلام ج ۱ ص ۲۵۔ نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۵۰۔ (7) اس حدیث کو چاروں سنن (ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) کے حضرات اور ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے، الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں، ابن خزیمہ اور ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے سبل السلام ج ۱ ص ۱۴۔ (8) فتح القدیر، ج ۱ ص ۵۷، البدائع ج ۱ ص ۶۲، مراقی الفلاح ص ۲۵۔

دے پھر اسے نکال دے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے ❶ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پانی کے جانوروں کا مردہ جسم اور ان کا مردہ جسم جن میں خون نہیں ہوتا حنفیہ کے ہاں پاک ہیں، ان کے ہم مثل مالکیہ کا قول بھی ہے ❷ کہ سمندر کا مردار اور جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ان کا مردار پاک ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ مچھلی اور ٹڈی اور مچھلی کی طرح کے دیگر سمندری حیوانات کا مردار پاک ہے تاہم وہ جن میں بہتا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، کھٹمل، گبریلا، بچھو، اور گھن وغیرہ تو ان کا مردار شوافع کے ہاں ناپاک ہے حنابلہ کے ہاں پاک ہے۔ سمندری جانوروں میں سے وہ جو خشکی پر رہتے ہیں جیسے مینڈک، مگرمچھ، اور سانپ ان کا مردار شوافع اور حنابلہ کے ہاں ناپاک ہے تاہم شوافع فرماتے ہیں کہ مردہ کیڑے جیسے سر کے اور سیب کے کیڑے خود تو نجس ہیں لیکن وہ ان چیزوں کو ناپاک نہیں کریں گے کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں اور ان کا ان چیزوں کے ساتھ کھالینا بھی درست ہے کیونکہ ان کو الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ حنابلہ فرماتے ہیں جس کا بہتا ہوا خون نہ ہو اگر وہ پاک چیزوں سے پیدا ہوا ہے تو وہ پاک ہوگا زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں اور اگر وہ نجاست سے پیدا ہوا ہو جیسے گھاس کا کیڑا اور اس کا گھن وغیرہ کہ (یہ کھاد وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے) یہ ناپاک ہیں زندہ اور مردہ دونوں صورتوں میں، کیونکہ وہ نجاست سے پیدا شدہ ہوتا ہے لہٰذا وہ سور اور کتے کی طرح نجس العین ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پانی کے جانور اور وہ جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے ان کا مردار فقہاء کے ہاں پاک ہے، ماسوا شوافع کے کہ وہ حضرات ان کے مردار جن میں بہتا خون نہیں ہوتا، کی ناپاکی کے قائل ہیں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے حرمت علیکم المیتة (تم پر حرام کیا گیا ہے مردار کو سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳) اور مردار امام شافعی کے ہاں وہ ہوتا ہے جس کی زندگی شرعی طریقہ ذبح کے بغیر ختم ہو جیسے مجوسی (آتش پرست) کا ذبح شدہ اور محرم (احرام باندھے ہوئے شخص کا) ذبح شدہ ہڈی کے ذریعے ذبح شدہ اور حرام گوشت والا جانور جب اس کو ذبح کر دیا جائے۔

مالکیہ فرماتے ہیں وہ تمام جانور جن کو ذبح کیا جائے ذبح کے ذریعے نحر کے ذریعے یا عقر (جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر) اور وہ حلال گوشت والے جانور ہوں تو وہ پاک ہیں اور وہ جانور جو حرام ہیں جیسے گدھے خچر اور گھوڑے تو ذبح کرنا ان میں مؤثر نہیں ہوتا یعنی وہ ذبح سے پاک نہیں ہوتے اسی طرح کتے اور سور میں بھی ذبح کا عمل مؤثر نہیں ہوتا۔ تو ان مذکورہ جانوروں کا مردار ناپاک ہے۔

۳۔ مردار کے وہ ٹھوس اجزاء جن میں خون نہیں ہوتا...... جیسے ہڈی سینگ اور دانت اسی طرح ہاتھی دانت، کھر، پاؤں کے کھر کا اوپری حصہ (موزہ نما) کھر کا نچلا حصہ، پٹھے اور سخت انفحہ ❹ کہ یہ سب اشیاء احناف کے ہاں پاک ہیں ❺ کیونکہ یہ اشیاء مردار نہیں ہوتیں، کیونکہ مردار شرعاً حیوان کا وہ حصہ ہوتا ہے جس سے زندگی دور کی گئی ہو، لیکن انسان کے فعل سے نہیں اور نہ غیر مشروع کسی کام کے سبب ان میں سے زندگی کا ازالہ نہ ہوا ہو (یعنی اس زندگی کا ازالہ ایسے اسباب کے تحت نہ ہوا ہو جو شرعاً حلال کرنے کے اسباب ہیں یعنی کسی مسلمان یا اہل کتاب کے ذبح کا عمل) جبکہ ان مذکورہ اشیاء میں زندگی نہیں ہوتی لہٰذا یہ اشیاء مردار نہیں ہوتیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مردار جانوروں کی نجاست ان رطوبتوں اور بہتے خون کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان میں موجود ہوتی ہیں، جب کہ ان اشیاء میں ان چیزوں کا وجود نہیں ہوتا۔

اسی بناء پر ان اشیاء میں سے جو چیز جانور کی زندگی میں اس سے علیحدہ ہو وہ پاک شمار ہوگی۔ وہ انفحہ جو سیال ہو اور مردار سے نکلا ہوا دودھ

---

❶...... بروایت بخاری از حضرت ابو ہریرۃ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کے غوطے دینے کا حکم نہیں دے سکتے جو اس میں مرجانے کے سبب ناپاک ہو یہ تو ناپاک کر دینے کے مترادف ہے ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ ان الفاظ کو بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اس پر سے بچاؤ کرتے ہے جس میں بیماری ہو۔ نصب الرایة ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❷ ھدایة المجتھد ج ۱ ص ۷۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۴، ۴۵، ۴۹، القوانین الفقھیه ص ۳۴۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸، المھذب ج ۱ ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۴۲۔۴۴ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۳۔ ❹ انفحہ کے بارے میں گذرا کہ یہ بچھڑے کے پیٹ سے نکلنے والی ایک چیز ہے جس سے پنیر بنایا جاتا ہے۔ ❺ البدائع ج ۱ ص ۶۳۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پاک ہے۔دلیل فرمان الٰہی ہے:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

بے شک مویشیوں میں تمہارے لئے ایک نمونہ عبرت ہے ہم تمہیں ان کے پیٹ میں سے خون اور گوبر کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا رچتا ہوا ہے۔سورۃ النحل، آیت ۶۶

صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں نجس ہیں صاحبین کا قول زیادہ واضح اور راجح ہے کیونکہ دودھ اگر چہ بذات خود پاک تھا لیکن ناپاک چیز کے ساتھ کی وجہ سے ناپاک ہوگیا۔احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں [1] کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک ہیں ان میں انفخہ اور دودھ بھی داخل ہیں ماسوااس کے کہ یہ دونوں اگر دودھ پیتے بچے سے نکلیں تو وہ پاک ہیں شوافع کے ہاں۔کیونکہ ان سب اجزاء میں حیات پائی جاتی ہے۔

تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ مردار کا اون اور بال پاک ہیں کیونکہ دارقطنی کی بیان کردہ روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردار کی کھال کا کوئی حرج نہیں اگر اس کو دباغت دے دی جائے اور اس کا اون اور بال سے بھی کوئی حرج نہیں اگر ان کو دھولیا جائے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے مالکیہ نے اس اصول سے (کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک ہیں) یہ چیزیں مستثنیٰ قرار دی ہیں پرندوں کے پروں کا رواں اور بال، وہ حضرات ان کی طہارت کے قائل ہیں کیونکہ ان کو مردار شمار نہیں کیا جاتا ہے۔تاہم ہڈی کا حکم ایسا نہیں کیونکہ وہ مردار شمار ہوتی ہے بعض مالکیہ نے مردار ہاتھی کے دانت کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے اس طرح مردار یا زندہ پرندے کے پر کی بیچ کی ڈنڈی کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔یعنی وہ ڈنڈی جو پر کے بیچ میں ہوتی ہے اور جس کی دونوں جانب بال یا رواں لگا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شوافع کے علاوہ تمام فقہاء مردار کے بال اون اور پروں کو پاک قرار دیتے ہیں۔

۴۔مردار جانور کی کھال...... مالکیہ اور حنابلہ حضرات کے مشہور قول کے مطابق [2] مردار کی کھال ناپاک ہے دباغت شدہ ہو یا نہیں کیونکہ یہ مردار کا ایک جز ہے، چنانچہ یہ بھی حرام ہی ہوگی۔دلیل فرمان خداوندی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ......سورۃ المائدہ آیت ۳

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار کو۔

چنانچہ یہ دباغت سے پاک نہیں ہوگی جیسے گوشت دباغت سے پاک نہیں ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ احادیث نبویہ بھی اس کی ممانعت بتلاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور مردار کی کسی چیز سے نفع مت حاصل کرو [3] اور ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل جہینہ کوار سال کردہ خط ہے جس میں یہ تھا کہ میں نے تمہیں مردار کی کھالوں کی اجازت دے دی تھی جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم مردار کی کھال اور پٹھوں سے فائدہ اٹھانا بند کردو [4] اور دوسرے الفاظ میں یہ حدیث ایسے منقول ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آپ کی

---

[1]...... الشرح الصغير ج ا ص ۴۴، ۴۹ الشرح الكبير ج ا ص ۵۵، مغنى المحتاج ج ا ص ۷۸۔ المغنى ج ا ص ۵۲، ۷۲، ۷۴، ۷۹۔ [2] الشرح الصغير ج ا ص ۵۱، المغنى ج ا ص ۶۶، بداية المجتهد ج ا ص ۷۶۔ [3] یہ حدیث ابوبکر شافعی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بواسط ابوالزبیر نقل کی ہے اور ان کی سند حسن ہے۔ [4] احمد اور ابوداؤد نے یہ حدیث عبداللہ بن علیم سے روایت کی ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اس کی سند اور متن میں اضطراب ہے اور بعض جگہ یہ مطلق آئی ہے اور بعض جگہ مقید آئی ہے کہ اس میں ایک مہینہ یا دو مہینہ کی قید مذکور ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام احمد نے آخر میں اس حدیث کو ترک کر دیا تھا کیونکہ محدثین کا اس کی سند میں اضطراب پایا جاتا ہے بعض حضرات نے اس حدیث اور دیگر صحیح احادیث میں جن سے دباغت کا ذریعہ تطہیر ہونا ثابت ہوتا ہے تطبیق ایسے دی ہے کہ یہ حدیث ''رھاب'' کے بارے میں ہے یعنی وہ کھال جو دباغت شدہ نہ ہو کیونکہ اہاب اس کھال کو کہتے ہیں جو دباغت شدہ نہ ہو۔

وفات سے دو ماہ یا ایک ماہ قبل ہمارے پاس پہنچا اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ پہلے کے احکام کے لئے ناسخ ہے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر کی بات ہے، مالکیہ نے اس حدیث ہر وہ کھال جو دباغت شدہ ہو تو وہ پاک ہو جاتی ہے کی مشہور قول کے مطابق یہ تاویل بیان کی ہے کہ اس سے مراد طہارت لغوی ہے طہارت شرعی مراد نہیں۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی ان حضرات کے ہاں ہے کہ اگر غیر ماکول الحم (حرام گوشت والے جانور) کو ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال ناپاک رہے گی دباغت دی جائے یا نہیں۔ احناف اور شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ موت کی وجہ سے ناپاک شدہ کھال، جیسے حرام گوشت والے اس جانور کی کھال جسے ذبح کر دیا گیا ہو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **ایما اھاب دبغ فقد طھر** (ہر وہ کھال جسے دباغت دیدی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے ❷ مسلم نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ **اذا دبغ الاھاب فقد طھر** (جب کھال کی کو دباغت دیدی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے) یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح حدیث ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ دباغت نجاستوں کو اور رطوبتوں کو کاٹتی اور دور کر دیتی ہے، اس بات کی تائید بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت میمونہ کی ایک باندی کو صدقے میں بکری ملی کچھ دنوں بعد وہ مرگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا آپ نے فرمایا **ھلا اخذتم اھا بھا فد بغتموہ فانتفعتم بہ** (کہ تم نے اس کی کھال لے کر دباغت کیوں نہ دیدی کہ کوئی فائدہ حاصل کر لیتے) وہ لوگ بولے وہ مردار ہے آپ نے فرمایا کہ **انما حرم اکلھا** (حرام تو صرف اس کا کھانا ہے) اور دوسری جگہ یہ الفاظ آئے ہیں **یطھرھا الماء والقرظ** (اس کو پانی اور قرظ (ایک درخت کے پتے) پاک کر دیتا ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے کہ دباغت ہر اس چیز سے جائز ہے جو کھال کے فضلات اور رطوبتوں کو صاف کر دے اور کھال کو اچھا کر دے اور اس کو خراب نہ ہونے دے جیسے شث (ایک خاص قسم کے درخت کے پتے) اور قرظ (اخروٹ کے پتوں کے مشابہ پتے) انار کے چھلکے اور دیگر پاک ادویات (اور کیمیکل) دباغت دھوپ سے حاصل نہیں ہو سکتی ماسوا احناف کے کہ ان کے ہاں دھوپ سے دباغت دینا درست ہے اور نہ مٹی، راکھ اور نمک سے حاصل ہو سکتی ہے صحیح قول کے مطابق اس گفتگو کا مفہوم یہ ہوا کہ احناف اس حقیقی دباغت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو کیمیاوی (تیزابی اثر والی) چیزوں سے ہو اور اس حکمی دباغت کو بھی روا رکھتے ہیں جو گندگیوں کو دور کر سکتی ہو جیسے مٹی میں لتھیڑنا اور دھوپ میں سوکھانا۔ کیونکہ یہ دونوں قسم کی چیزیں نجاست کو اکھیڑنے والی کھال کو خشک کر کے پاک کر دینے والی ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

۵۔ **دودھ پیتے بچے کا پیشاب جو دودھ کے علاوہ کچھ نہ پیتا ہو**..... شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ وہ بچہ جو دو سال سے کم کا ہو اور دودھ کے علاوہ کچھ نہ لیتا ہو اس کے پیشاب اور قے سے ناپاک شدہ چیز پر صرف پانی کا چھڑکاؤ کافی ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ دودھ کے علاوہ کچھ اور نہ کھا لینے کی شرط میں تحنیک کے لئے تالو میں لگائی کھجور داخل نہیں (یعنی بچے کی پیدائش کے فوری بعد جو کھجور وغیرہ کو بالکل باریک مسل کر بچے کے تالو میں لگانے کا عمل اس اصول سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس عمل تحنیک کا مقصد بچے کو کھلانا نہیں ہوتا۔ صرف حصول برکت مقصد ہوتا ہے) بچی اور ہیجڑہ بچے کا پیشاب اس حکم میں داخل نہیں، ان دونوں کا پیشاب ہونے کی صورت میں اس کا دھو لینا ضروری ہوگا کہ اس پر پانی بہا دیا جائے، تا کہ اس اصول کے مطابق طہارت کا حصول ہو سکے جو تمام نجاستوں کے بارے میں نافذ ہے بچے کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دینے کی وجہ اس کو بہت زیادہ ہاتھوں پر اٹھایا جانا ہے جو کہ شیخین کی اس بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ام قیس

❶..... البدائع ج ۱ ص ۸۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۲۔ ❷ اس حدیث کو دو صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ پہلی روایت امام نسائی ترمذی اور ابن ماجہ نے ذکر کی ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے دوسری روایت امام دارقطنی نے ذکر کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہیں نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۴، کشف القناع ج ۱ ص ۲۱۷ المھذب ج ۱ ص ۴۹

بنت محصن فرماتی ہیں کہ وہ اپنا بچہ جوابھی کچھ کھانا شروع نہیں ہوا تھا لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بچے کو گود میں بٹھلایا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اس کو دھویا نہیں ایک روایت امام ترمذی سے بھی منقول ہے جس کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے کہ **یغسل من بول الجاریة ویرش من بول الغلام** ❶ بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر صرف چھڑکاؤ ہوگا) اور ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ بچے کا اٹھایا جانا بچی کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے تو اس کے پیشاب کے بارے میں تخفیف برتی گئی اور دوسری وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بچے کا پیشاب بچی کے مقابلے میں پتلا ہوتا ہے تو وہ اس جگہ پر ایسے نہیں چپک جاتا جیسے بچی کا پیشاب چپک جاتا ہے اور بچی کے ساتھ ہیجڑے کو بھی گردان لیا گیا ہے۔ یہ رائے زیادہ راجح ہے کیونکہ وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے وہ صحیح ہے اور خاص ہے تو اس کو فوقیت حاصل ہوگی اس حدیث پر جس میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے اور وہ عام ہے۔

احناف اور مالکیہ یہ فرماتے ہیں ❷ کہ بچی اور بچے دونوں کا پیشاب اور قے ناپاک ہے اور ان کا دھونا واجب ہے، ان حضرات کی دلیل وہ عمومی احادیث ہیں جن میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے جیسے **استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** ❸ (پیشاب سے بچو، کہ قبر کا عذاب عام طور پر اس کی وجہ سے ہوتا ہے) تاہم مالکیہ نے یہ تخفیف فرمائی ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے کپڑوں اور جسم پر لگ جانے والا پیشاب پاخانہ معاف ہے خواہ وہ عورت ماں ہو یا کوئی اور ہو ہاں شرط یہ ہے کہ وہ نجاست کے دور کرنے کی کوشش کرتی ہو بے احتیاطی کرنے والی عورت کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور اگر پیشاب پاخانہ زیادہ لگ جائے تو اس صورت میں اس نجاست کا دھونا مستحب ہے۔

۶۔ **حلال گوشت والے جانوروں کا پیشاب فضلات اور گوبر کا حکم**......اس بارے میں دو فقہی نظریات پائے جاتے ہیں، ایک تو ان اشیاء کی پاکی کا قائل ہے اور دوسرا نظریہ ان اشیاء کی ناپاکی کا ہے، پہلا قول مالکیہ اور حنابلہ کا ہے اور دوسرا حنفیہ اور شوافع کا ہے مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❹ کہ وہ تمام حیوانات جن کا گوشت حلال ہے جیسے اونٹ گائے بکری، مرغی، کبوتر اور تمام پرندے ان کا پیشاب، فضلہ اور گوبر وغیرہ سب پاک ہیں۔ مالکیہ نے اس جانور کی ان اشیاء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو گندگی خور ہو کہ ایسے جانور کا فضلہ ناپاک ہوا۔ اسی طرح وہ جانور جو مکروہ ہیں (یعنی جن کا گوشت کھانا مالکیہ کے ہاں مکروہ ہے) ان کی یہ چیزیں مکروہ ہیں گویا اس تفصیل کے مطابق جانوروں کی یہ اشیاء ان کے گوشت کے تابع ہیں۔

تو حرام گوشت والے جانوروں کی یہ اشیاء نجس ہیں حلال کا پیشاب پاک ہے اور مکروہ جانور کی یہ اشیاء مکروہ ہیں۔ ان حضرات کی دلیل وہ واقعہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی ❺ اور دوسری بات یہ ہے کہ بکریوں

---

❶......ملاحظہ کیجئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ دونوں حدیثوں کے لئے۔ ❷ بداية المجتهد ج ۱ ص ۷۷، ۸۲ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۳ مراقی الفلاح ص ۲۵، اللباب شرح الكتاب ج ۱ ص ۵۵، فتح القدير ج ۱ ص ۱۴۰ الدارلمختار ج ۱ ص ۲۹۳۔ ❸ یہ حدیث تین صحابہ سے منقول ہے (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ (۲) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلی حدیث دارقطنی کی روایت کردہ ہے اور ''مرسل'' ہے دوسری حدیث دارقطنی نے مستدرک میں حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح اور میں اس میں کوئی علت نہیں جانتا اور دونوں حضرات (بخاری ومسلم) نے اسے روایت نہیں کیا ہے اور تیسری حدیث طبرانی بیہقی، دارقطنی اور حاکم کی روایت کردہ ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۲۸۔ ❹ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۷، بداية المجتهد ج ۱ ص ۷۷، القوانين الفقهيه ص ۳۳، كشف القناع ج ۱ ص ۲۲۰۔ ❺ بخاری ومسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عکل یا عرینہ قبیلے کا ایک گروہ مدینہ آیا انہیں وہاں کی فضاء ناموافق ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دودھ والی اونٹنیوں کے بارے میں حکم دیا اور ان سے کہا کہ وہ مدینہ سے باہر جائیں اور ان اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پئیں حدیث میں وارد لفظ ''اجتووها'' کا مطلب ہے ناگوار سمجھنا کسی جگہ ٹھہرنے سے اجتناب کرنا خواہ وہ اچھی ہو امام خطابی فرماتے ہیں یہ لفظ کس وقت بولا جاتا ہے جب کہیں ٹھہرنا نقصان وہ ثابت ہو اور یہی معنی یہاں مراد لینا بہتر ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۸۔

کے بارے میں نماز پڑھنے کی اجازت ان کی مینگنیوں اور پیشاب کی پاکی کی دلیل ہے❶ شوافع اور احناف فرماتے ہیں❷ کہ پیشاب، قے، اور گوبر وغیرہ انسان کی ہوں یا حیوان کی مطلقاً نجس ہیں، دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بدو کے پیشاب پر پانی بہانے کا حکم ہے جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا❸ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں سے متعلق فرمایا تھا اما احدھما فکان لایستنزہ من البول❹ (ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا) اور وہ حدیث بھی دلیل ہے جو گزر چکی کہ استنزھوا من البول (پیشاب سے بچو) اور یہ حدیث بھی جو گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استنجاء کے لئے دو پتھر خشک اور گوبر پیش کیا گیا آپ نے پتھر لے لئے اور گوبر کو واپس کرتے ہوئے فرمایا ھذا رکس (یہ رکس ہے) اور رکس نجس چیز کو کہتے ہیں اور قے، خواہ وہ پیٹ میں متغیر نہ بھی ہوئی ہو نجس ہے کیونکہ وہ ان فضلات میں سے ہے جو اپنی ہیئت تبدیل کر چکے ہوتے ہیں جیسے پیشاب اسی طرح معدے سے اوپر آنے والا بلغم بھی نجس ہے بخلاف سر یا حلق کے سینے سے ملے ہوئے حصے یا سینے ہی سے نکلنے والے بلغم کے کہ وہ پاک ہوتا ہے۔ عرنیین والی حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیشاب پینے کا حکم دیا تھا تو وہ دواء کے طور پر تھا اور ناپاک چیز کا بطور دواء استعمال جب پاک چیز دستیاب نہ ہو، درست ہے۔ احناف نے اس معاملے میں مزید تفصیل یہ کی ہے کہ حلال گوشت جانوروں کا پیشاب نجاست خفیفہ میں داخل ہے تو نجاست خفیفہ کے ایک چوتھائی کپڑے پر لگے ہوئے ہونے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے، یہ شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ گھوڑے کی لید اور گائے کا گوبر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نجاست غلیظہ میں سے ہیں جیسے حرام گوشت والے جانوروں کی لید اور گوبر نجاست غلیظہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر کو واپس کر دیا اور اسے رجس یا رکس (نجاست) کہا تھا۔ صاحبین کے ہاں یہ دونوں گائے اور گھوڑے کی لید نجاست خفیفہ ہیں۔ چنانچہ ان سے نجس شدہ کپڑے میں نماز اس وقت تک منع نہیں ہوگی جب تک وہ زیادہ مقدار میں لگی ہوئی نہ ہو (یعنی چوتھائی کپڑے سے زیادہ نہ ہو) کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اس بارے میں ضرورت بھی متحقق ہے کہ راستوں میں یہ اکثر ہوتی ہے صاحبین کی رائے زیادہ واضح ہے کیونکہ راستوں میں ان کے پڑے ہونے کی وجہ سے عموم بلوی (مشکل کا بڑے پیمانے پر پایا جانا) اور کثیر مقدار کا پیمانہ یہ ہے کہ لوگ اسے کثیر سمجھتے ہوں جیسے کہ وہ چوتھائی کپڑے سے زائد ہو وغیرہ۔

اس بناء پر حرام گوشت جانوروں کا پیشاب کتے کا گوشت درندوں کا تھوک اور پاخانہ جیسے چیتے سور اور درندہ مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ بدبودار ہونے کی وجہ سے بالاتفاق نجاست غلیظہ شمار ہوں گی اور بمقدار ایک درہم کے معاف ہیں۔

اور گھوڑے، حلال گوشت جانوروں کا پیشاب اور حرام گوشت پرندے جیسے باز، اور چیل وغیرہ کی بیٹ صحیح قول کے مطابق بوجہ عموم ضرورت نجاست خفیفہ میں شمار ہوں گے اور ان میں سے کپڑے پر ایک چوتھائی سے کم مقدار یا جسم کے اعضاء میں ایک چوتھائی عضو سے کم پر لگی ہوئی نجاست معاف ہے، اور چوتھائی اور اس سے زائد مقدار کثیر ہونے کی بناء پر معاف نہیں ہوں گی۔ حلال گوشت وہ پرندے جو ہوا میں بیٹ کر دیتے ہیں جیسے کبوتر وغیرہ تو ان کی بیٹ احناف کے ہاں پاک ہے عموم بلوی کی وجہ سے کہ راستے اور گھروں میں ان کی بیٹ بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح امام محمد نے آخر میں حلال گوشت جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا تھا اور گھوڑے کا پیشاب بھی اس حکم کے تحت ہے اور گوبر

---

❶.....علامہ ابن تیمیہ گذشتہ حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرو چنانچہ یہ حدیث احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوا فی مرابض الغنم ولا تصلوا فی أعطان الابل (بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرو اونٹوں کے باڑے میں مت پڑھو) بعض نے کہا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ اونٹوں میں پایا جانے والا نفور ہے (بھاگ جانا بدکنا) کہ ممکن ہے کہ دوران نماز وہ بدک جائیں اور نمازی کی ہلاکت کا سبب بن جائیں۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۳۷۔ ❷مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۹ المھذب ج ۱ ص ۴۶ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۲ مراقی الفلاح ص ۲۵ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۷، ۹۵۔ ❸یہ روایت بخاری مسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۳ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۲۔ ❹ روایت شیخین (بخاری ومسلم) از حضرت ابن عباس نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۴۔

کے زیادہ ہونے کو بھی مانع طہارت نہیں قرار دیا تھا وجہ اس کی لوگوں کا اس چیز میں ابتلاء عام تھا کہ گھروں اور راستوں میں یہ بکثرت پایا جاتا ہے اور یہ ابتلا عام انہوں نے جب دیکھا کہ جب وہ رے میں خلیفہ کے ساتھ گئے تھے۔مشائخ نے اس پر بخارا کی مٹی کو بھی قیاس کیا تھا کیونکہ وہاں لوگوں اور جانوروں کا راستہ ایک تھا❶ یہ رائے امام مالک اور امام احمد کی رائے کے موافق ہے شوافع فرماتے ہیں❷ کہ پرندوں کی بیٹیں اگر زیادہ ہوجائیں تو معاف ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے میری رائے یہ ہے کہ ان امور میں آسان رائے کو اختیار کیا جائے جب تک کہ نجاست معمولی درجے اور مقدار میں ہو۔

۷۔منی (مادہ منویہ)......یعنی ہم بستری وغیرہ کے وقت شہوت کے ساتھ نکلنے والا مادہ،انسان کی منی کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں دورائے پائی جاتی ہیں۔اانسان کے علاوہ مخلوقات کی منی احناف اور مالکیہ کے ہاں پاک ہے اور حنابلہ کے ہاں جانوروں میں سے حلال گوشت جانوروں کی منی پاک ہے۔اور شوافع کے صحیح ترین قول کے مطابق کتے سور اور ان کے ملاپ سے پیدا شدہ جانوروں کے علاوہ سب کی منی پاک ہے۔انسان کی منی کے بارے میں احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں❸ کہ منی ناپاک ہے اس سے پڑنے والے نشان کو دھونا واجب ہے،تاہم احناف کے ہاں دھونا صرف گیلی منی کا ضروری ہے،اگر وہ خشک ہو تو صرف اس کا کھرچ لینا کافی ہوگا۔

مالکیہ منی کو مطلقاً ناپاک قرار دیتے ہیں خواہ وہ حلال گوشت جانور کی ہی کیوں نہ ہو،یہ ناپاک قرار دینا گھن اور اس کی ماہیت کے فاسد چیز میں بدل جانے کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اصلاً خون ہوتی ہے،اور اصل کی ایک مقدار معاف ہونے سے فرع کی مقدار کا معاف ہونا ضروری نہیں یعنی قلیل مقدار میں خون کا قابل معافی ہونا اس بات کا متقاضی نہیں کہ منی،جو اصلاً خون کی بدلی ہوئی شکل ہے کی بھی کچھ مقدار معاف ہو،کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرع کے لئے وہ حکم ہوتا ہے جو اصل کے لئے نہیں ہوتا ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ:كنت افرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يابسا واغسله اذا كان رطبا❹(میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوا اور اس کو دھو دیا کرتی تھی اگر وہ گیلی ہوتی)بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ (حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھودیا کرتی تھیں اور آپ تشریف لے جاتے اور نماز ادا کرتے اور فرماتیں کہ میں پانی کی تری آپ کے کپڑے پر دیکھ رہی ہوتی اور دوسری طرف یہ کہ یہ بدن سے نکلنے والی دیگر چیزوں سے مشابہ ہے جو کہ کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔

شوافع ظاہر قول کے مطابق اور حنابلہ فرماتے ہیں❺ کہ منی پاک ہے اور اس کا دھونا یا کھرچنا اس وقت مستحب ہے اگر آدمی کی منی ہو دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں اور آپ ان میں نماز ادا کیا کرتے تھے❻ایک روایت میں ہے كنت احكه من ثوبه وهو يصلى فيه❼(میں آپ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی

---

❶......الدر المختار ج ١ ص ٢٩٥، اللباب شرح الكتاب ج ١ ص ٥٦.❷ مغنى المحتاج ج ١ ص ١٨٨.❸ الدر المختار ج ١ ص ٢٨٧ اللباب شرح الكتاب ج ١ ص ٥٥ مراقى الفلاح ص ٢٦ بداية المجتهد ج ١ ٧٩ الشرح الصغير ج ١ ص ٥٤ الشرح الكبير ج ١ ص ٥٦.❹ یہ حدیث دار قطنی نے اپنی سنن اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند اس کو صرف عبداللہ بن زبیر نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ''اغسلیہ ان کا رطبا وافرکیہ ان کان یابسا'' تو یہ روایت غریب ہے نامعلوم اور غیر معروف حدیث ہے نصب الرایہ ج ا ص ۲۰۹ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے بعض میں ''غسل'' (دھونے) کا ذکر ہے اور بعض میں ''فیصلی فیہ'' (اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے) کے الفاظ ہیں۔❺ مغنى المحتاج ج ١ ص ٧٩۔٨٠ كشف القناع ج ١ ص ٢٢٤ المهذب ج ١ ص ٤٨.❻ صحاح ستہ کے حضرات نے یہ حدیث ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں كنت افرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يذهب فيصلى فيه. نيل الاوطار ج ١ ص ٥٣.❼ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

اور آپ اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

امسحه عنك باذخرة اوخرقة فانما هو بمنزلة المخاط والبصاق❶

منی کو اپنے اوپر سے اذخر گھاس سے یا کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ لیا کرو یہ تو تھوک اور رینٹ کی طرح ہوتی ہے۔

اور یہ پیشاب اور مذی سے مختلف ہے کیونکہ یہ انسان کی تخلیق کی بنیاد ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے منی کی نجاست کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور اس کو ان چیزوں سے پاک کر لینا درست ہے❷ یعنی دھونے سے پونچھنے سے یا کھرچ دینے سے۔ میں منی کے پاک ہونے کے قول کو راجح قرار دیتا ہوں تاکہ انسان کی بنیاد کے ناپاک ہونے کا قول لازم نہ آجائے دوسری بات لوگوں پر سہولت وآسانی کرنا بھی مقصود ہے، تاہم منی سے سے پڑ جانے والا نشان اتباع سنت کی غرض سے دھودینا مستحب ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ منی کے پاک ہونے کا حکم اس بات سے مشروط ہے کہ اس سے پہلے مذی نہ نکلی ہو جو کہ عام طور پر شہوت ہونے کی صورت میں نکلتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ عضو تناسل کو پانی سے دھویا ہوا ہو اور اگر اس کو صرف کاغذ سے پونچھے جانے کے سبب پیشاب کا اثر باقی ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے تو نکلنے والی منی پیشاب سے مل جانے کے سبب ناپاک ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی لباس جماع وغیرہ کے لئے خاص کر دینا چاہیے جو اس وقت پہنا جائے تاکہ اختلافی حدود سے باہر رہا جاسکے۔

۸۔زخم کا پانی......احناف اور مالکیہ نے نجاسات میں ان چیزوں کو شمار کیا ہے❸ (۱) قیح، پکی پیپ (۲) صدید، کچی پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو (۳) دانوں کا پانی عام سفید سا پانی جو دانوں سے نکلتا ہے۔ یعنی وہ پانی جو سوزش والے دانے، خارش یا کھجلی کے سبب نکلتا ہے۔ تاہم قلیل مقدار میں قیح اور صدید معاف ہے جیسے خون۔

شوافع اور حنابلہ بھی باقی ائمہ کی طرح پیپ کی نجاست کے قائل ہیں تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ معمولی خون اور اس سے پیدا ہونے والی چیزیں یعنی قیح اور صدید (کچی اور پکی پیپ) دانوں کا پانی، یہ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ میں، اور غیر سیال اشیاء میں قابل معافی ہیں کیونکہ عام طور پر انسان ان سے محفوظ نہیں رہتا اور ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسے استنجاء میں پتھر استعمال کرنے سے پڑنے والا نشان کہ اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں مائع اور مطعوم (کھانے پینے کی چیزیں) میں یہ قابل معافی نہیں ہیں۔ قابل معافی قلیل مقدار وہ ہے جس کے ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا یعنی جو فی نفسہ زیادہ نہیں ہوتی ہے پیپ کی خون کے مقابلے میں زیادہ مقدار قابل معافی ہے اور قابل معافی مقدار اس صورت میں قابل معافی ہے جب وہ حلال گوشت جانور اور انسان میں سے نجاست کے راستے سے نہ نکلی ہو اگر وہ نجاست کے راستے سے نکلی ہو تو وہ قابل معافی نہیں۔

شوافع کے ہاں قطعی حکم یہ ہے کہ چھوٹے پھوڑے پھنسیوں کا خون پسو کا خون، مکھی کا فضلہ، زخم اور چھلی ہوئی جگہ (یا جلی ہوئی جگہ) کا پانی، آبلہ، جس میں ہوا ہو یا صحیح قول کے مطابق ہوا نہ بھی ہو کا پانی اور پچھنے لگانے کی جگہ کا خون کم ہو یا زیادہ یہ سب قابل معافی ہیں۔ اور اظہر قول یہ ہے کہ اجنبی خون، یعنی انسان کا وہ خون جو اس کے جسم سے نکل چکا ہو پھر اس کے جسم پر لگ جائے قابل معافی ہے اگر قلیل مقدار میں ہو۔

۹۔مردہ آدمی اور رزال......مطہرات (پاک کرنے والی چیزوں) کے بیان میں ہم انسانی میت کے بارے میں دو قول جان

---

❶......سعید بن منصور نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور دار قطنی نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔❷ نيل الاوطار ج ١ ص ۵۵۔❸ البدائع ج ١ ص ٦٠ الدر المختار ج ١ ص ٢٨٤ الشرح الكبير ج ١ ص ۵٦ الشرح الصغير ج ١ ص ۵۵ القوانين الفقهية ص ٣٣۔

چکے ہیں۔❶

احناف کا قول یہ ہے کہ بعض صحابہ جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر، کے فتوے کے مطابق وہ نجس ہے جیسے دیگر مردہ اجسام نجس ہوتے ہیں۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان المسلم لاینجس (مسلمان گندہ ناپاک نہیں ہوتا) اور رال (سونے والے کے منہ سے بہنے والا لعاب) پاک ہے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ نے اس کی تصریح کی ہے❷ تاہم مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ اگر معدے سے نکلی ہوئی رال ہو، جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ بدبودار اور پیلا ہو تو معدے سے نکلنے والے بلغم کی طرح نجس ہوگی اور اگر معدے سے نکلی ہوئی نہ ہو یا شک ہو کہ معدے سے نکلی ہے یا نہیں تو وہ رال پاک ہے۔ مالکیہ نے قلس کو بھی پاک شمار کیا ہے، قلس اس کو کہتے ہیں جو معدے کے بھرے ہوئے ہونے کی صورت میں معدے سے نکل آتا ہے، یہ اس وقت پاک شمار ہوگا جب تک کہ یہ اتنا متغیر نہ ہو جائے کہ یہ پاخانے کے اوصاف میں سے کسی کے مشابہ ہو جائے ایسی صورت میں یہ نجس ہوگا۔

۲......المطلب الثانی......دوسری بحث: نجاست حقیقیہ کی اقسام کا بیان

نجاست حقیقیہ کی احناف کے ہاں کئی طرح کی تقسیم ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ التقسیم الاول، پہلی تقسیم......نجاست مغلظہ یا غلیظہ اور نجاست مخففہ یا خفیفہ۔❸

نجاست مغلظہ یا غلیظ: وہ نجاست ہے، جس کا نجس ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے دم مسفوح (بہتا خون) پاخانہ حرام گوشت جانوروں کا پیشاب خواہ وہ ایسے چھوٹے بچے کا ہو جو ٹھوس غذا نہ کھاتا ہو، شراب❹ ان پرندوں کی بیٹ جو ہواؤں میں بیٹ نہیں کرتے ہیں جیسے مرغی بطخ اور مرغابی، مردار کا گوشت اور اس کی کچی کھال (غیر دباغت شدہ) کتے کا گو درندوں کا گو اور تھوک، منہ بھر کر الٹی اور ہر وہ فضلہ جو انسان کے جسم سے نکلتے وقت انسان کا وضو ختم کر دیتا ہو جیسے پاخانہ پیشاب، منی، مذی خون وغیرہ یہ سب نجاست مغلظہ یا غلیظہ کہلاتی ہیں یہ نجاست لگ جانے کی صورت میں نماز میں اس کی ایک درہم یا اس سے کم مقدار قابل معافی ہے اور درہم سے مراد ہے بڑے مثقال والا درہم جس کی پیمائش صحیح قول کے مطابق ہتھیلی کی چوڑائی جتنی ہو وجہ اس کی معافی کی یہ ہے کہ قلیل مقدار سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے اور قلیل کی مقدار کو درہم سے پیمائش کرنا دراصل مقام استنجاء کے اعتبار سے ہے (کہ جتنا وہ ہوتا ہے اتنی ہی نجاست غلیظہ معاف ہے) چنانچہ اگر ایک درہم سے زائد نجاست ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔

نجاست مخففہ یا خفیفہ وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی نہ ہو جیسے حلال گوشت جانوروں کا پیشاب گھوڑا بھی انہی میں داخل ہے حرام گوشت والے پرندوں کی بیٹ۔ اونٹ اور بکری کی مینگنیاں اور گھوڑے، گدھے او خچر کی لید اور گائے کا گوبر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نجاست غلیظہ ہیں جب کہ صاحبین کے ہاں یہ نجاست خفیفہ ہیں صاحبین کی رائے ظاہر ترین ہے۔ کیونکہ راستوں پر ان نجاستوں کی کثرت کے سبب عموم بلوی (مصیبت و پریشانی کا ابتلاء عام) ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو آخر میں ان اشیاء کی طہارت کا فتویٰ دے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ لید مانع طہارت نہیں خواہ وہ زیادہ مقدار میں لگی ہوئی ہو موجودہ زمانے میں پکے راستوں پر یہ نجاستیں خفیفہ ہی شمار کی جانی چاہئیں۔

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۷۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۲۔ المہذب ج ۱ ص ۴۷۔❷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۹، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۰۔❸ العنایہ بہامش فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۴ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳۔۲۹۷ اللباب ج ۱ ص ۵۵ ❹ شراب کے علاوہ دوسرے حرام مشروبات تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ نجاست غلیظہ ہیں اور صاحبین کے قول کی مطابق وہ نجاست خفیفہ ہیں کیونکہ ائمہ کا ان میں اختلاف ہے۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۲۹۵

نجاست خفیفہ نماز میں پورے کپڑے کے ایک چوتھائی پر لگی ہوئی ہونے کی صورت میں معاف ہے اگر کپڑے پر لگی ہوئی ہو اور بدن پر لگے ہونے کی صورت میں جس عضو پر لگی ہو اس کی چوتھائی مقدار معاف ہے اس اندازہ وغیرہ کی تعیین میں لوگوں کی آسانی مطلوب ہے خصوصاً ان عام لوگوں کی جن کی کوئی رائے وغیرہ نہیں ہوتی۔

دوسری تقسیم، نجاست کو جامد اور مائع کی طرف تقسیم کرنا......نجاست جامدہ جیسے مردار جانور کی لاش، اور پاخانہ وغیرہ نجاست مائع جیسے پیشاب خون، اور مذی۔

تیسری تقسیم، نجاست کو مرئیہ (نظر آنے والی) اور غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) کی طرف تقسیم کرنا❶......نجاست مرئیہ (نظر آنے والی) جسے نجاست عینیہ بھی کہتے ہیں وہ نجاست ہوتی ہے جو سوکھ جانے کے بعد آنکھوں سے نظر آسکے جیسے پاخانہ اور خون۔ اس نجاست کی پاکی ایسے حاصل ہوتی ہے کہ اس کا جسم زائل کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ ہی میں وہ زائل ہو جائے۔

صحیح قول کے طابق کیونکہ نجاست اپنی جگہ اپنے جسم کے ساتھ سرایت کر گئی ہے لہٰذا اس کا ازالہ بھی اس کے جسم کو دور کر دینے سے ہو جائے گا نجاست غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) یا غیر عینیہ وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسے پیشاب وغیرہ یعنی جس کا حاسہ بصر سے دیکھ لینا ممکن نہ ہو (حاسہ شامہ (سونگھنے) وغیرہ کے ذریعے اس کا ادراک دوسری بات ہے) اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک دھویا جائے کہ دھونے والے کو یہ گمان ہو جائے کہ جگہ پاک ہو چکی ہے اور وسوسہ والے شخص کے لئے اس کی مقدار تین مرتبہ متعین کی گئی ہے۔ کیونکہ بار بار کرنے سے نجاست کا دور ہو جانا یقینی ہے۔ اور اگر نجاست کے زوال کا یقین نہ ہوا ہو تو غالب گمان کا اعتبار ہے۔ جیسے قبلہ کی جہت تلاش کرنے کے بارے میں غالب ظن کا اعتبار ہے۔ اور دھوتے وقت ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے ظاہر روایت کے مطابق کیونکہ نچوڑنے ہی سے نجاست نکالی جاسکتی ہے۔

احناف کے علاوہ فقہاء کے ہاں نجاست کی اقسام......یہ جو تقسیمیں اوپر بیان ہوئیں احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں بھی معروف ہیں مالکیہ نے ایک اور تقسیم کا اضافہ کیا ہے اور وہ تقسیم ہے وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اتفاق ہو اور وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اتفاق ہو اور وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اختلاف ہوا❷ یعنی مذہب مالکی میں اتفاق یا اختلاف ہو وہ نجاست جس پر مذہب میں اتفاق ہے وہ اٹھارہ ہیں۔ بڑے انسان (بالغ) کا پیشاب پاخانہ، مذی، ودی، مردار کا گوشت سور کا گوشت اور ہڈیاں اور سور کی کھال مطلقاً مردار کی غیر دباغت شدہ کھال، زندہ کے جسم سے اس کی زندگی میں کاٹ کر علیحدہ کی گئی چیز سوائے بالوں اور اس جیسی دیگر چیزوں کے مادہ سور کا دودھ، نشہ آور چیز، حرام گوشت والے جانور کا پیشاب، پاخانہ، اور منی، زیادہ خون اور زیادہ پیپ۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ہر جاندار خواہ کتا ہو یا سور پاک ہے اور اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔

وہ نجاست جس پر مذہب میں اختلاف ہے وہ بھی اٹھارہ ہیں چھوٹے بچے کا پیشاب جو ٹھوس غذا نہ کھاتا ہو مکروہ گوشت والے جانور کا پیشاب مردار کی دباغت شدہ کھال، حرام گوشت والے ذبح شدہ جانور کی کھال اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں مردار کی راکھ، ہاتھی دانت مچھلی کا خون، مکھی کا خون، تھوڑا سا حیض کا خون، تھوڑی سی پیپ کتے کا تھوک سور کے علاوہ حرام گوشت جانوروں کا دودھ نجاست استعمال کرنے والے جانور کا دودھ نجاست استعمال کرنے والے جانور کا پسینہ سور کے بال اور سرکہ بنی ہوئی شراب۔

ان تقسیم شدہ نجاستوں میں باہمی فرق ان کی پاکی کے طریقے اور ان کی قابل معافی مقدار کے بارے میں ظاہر ہوتا ہے (کہ شدید قسم

---

❶......فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۵ الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۷،۳۳، اللباب ج ۱ ص ۵۷ مراقی الفلاح ص ۲۶۔❷القوانین الفقھیہ ص ۳۴۔

والی نجاست میں شدت اور خفیف قسم کی نجاست کے بارے میں خفت برتی گئی ہے)۔

۲۔المبحث الثانی، دوسری بحث.....نجاست کی قابل معافی مقدار کا بیان

فقہاء کرام نے نجاستوں کی قابل معافی مقدار کی مختلف تعیین وتقدیر (اندازے) بیان کیے ہیں، میری رائے میں ان تمام کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں مشقت سے بچنے اور آسانی کی رعایت کے خاطر ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ہر مذہب کے اہم بیان کردہ اندازے اور مقداریں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔احناف کا مذہب❶.....احناف کے ہاں قابل معافی مقدار نجاست کے غلیظہ یا خفیفہ ہونے کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوگی۔یعنی نجاست خواہ مخففہ ہو یا مغلظہ، اس کی قلیل مقدار معاف ہے کثیر مقدار نہیں نجاست غلیظہ جو جامد (ٹھوس) حالت میں ہو اس کی قلیل مقدار ایک درہم یعنی ۲۹۷۵ گرام سے کم متعین کی گئی ہے یعنی جو بیس قیراط ہو۔اور مائع نجاست کی مقدار ہتھیلی کی گڑھے سے کم متعین کی گئی ہے (یعنی مائع نجاست کا پھیلاؤ اگر اتنا ہے کہ ہاتھ پورا کھول دینے کی صورت میں ہتھیلی کے گڑھے جو میرے (مترجم کے) اندازے کے مطابق تقریباً دوانچ قطر کا (کم وبیش) بنتا ہے سے کم ہو، تو یہ معاف ہے) اور مشہور قول کے مطابق نجاست کی اس قلیل مقدار کے ساتھ نماز کی ادائیگی مکروہ تحریمی ہوگی باوجود اس کے کہ وہ قابل معافی ہے۔کپڑوں میں نجاست خفیفہ کی قلیل مقدار اس طرح متعین کی گئی ہے کہ وہ چوتھائی مقدار سے کم ہو اور بدن میں اس طرح متعین کی گئی ہے کہ وہ اس عضو کے چوتھائی حصے سے کم ہو جس پر نجاست لگی ہے مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ اسی طرح معمولی مقدار کے پیشاب یا بلی اور چوہے کے پاخانے کے کھانے کی اشیاء اور کپڑوں پر لگے ہونے کو قابل معافی گردانا گیا ہے اور پانی میں گرنے والی وہ معمولی چھینٹیں جو کوئی چیز دھوتے وقت دھلائی کے پانی سے اڑیں اور پانی میں ان کی پڑنے کی جگہ معلوم نہ ہو اور پیشاب کی انتہائی معمولی چھنٹیں جیسے سوئی کے سرا ہوتا ہے خواہ بدن اور کپڑا اس سے بھر کیوں نہ جائے ہاں اگر تھوڑے پانی میں یہ چیزیں گر پڑیں تو اس کو ناپاک کر دیں گی کیونکہ پانی کی پاکی کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اسی طرح وہ خون جو قصاب پر پڑ جاتا ہے اور اس مکھی کا نشان جو نجاست سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے اسی طرح گدھے کی لید گائے کا گوبر اور ہاتھی کا گوبر بھی ضرورت اور ابتلاء عام کے وقت ایسی ہی رخصت اور اجازت کا حامل ہوگا۔

میت کے نہلاتے وقت اس کے غسالہ (نہاتے وقت جسم پر ڈالا جانے والا پانی جو جسم پر سے اتر کر بہ جائے) کی چھینٹیں جو اس کو نہلانے کے دوران پڑیں اور جن سے بچنا ممکن نہ ہو قابل معافی ہیں۔جیسا کہ راستے کی مٹی اور کیچڑ قابل معافی ہے ضرورت کی خاطر، ماسوا اس کے کہ ٹھوس نجاست اس میں پڑی نظر آ ئے تو وہ قابل معافی نہیں۔وہ خون جو ذبح شدہ حیوان کی رگوں میں باقی ہو وہ قابل معافی ہے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اسی طرح کلیجی تلی اور دل میں موجود خون بھی معاف ہے کیونکہ یہ دم مسفوح نہیں ہے۔اور وہ خون جو وضو نہیں توڑتا وہ بھی معاف ہے (یعنی اتنی مقدار میں نکلنے والا خون جو بہہ نہ سکے، کیونکہ نہ بہنے والا خون جو نکل کر وہیں جما رہے وضو نہیں توڑتا ہے) کھٹمل پسو اور جوں کا خون خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو معاف ہے، مچھلی کا خون صحیح قول کے مطابق، اور خچر اور گدھے کا تھوک بھی قابل معافی ہے۔

مذہب کا قول اس لعاب (تھوک) کی پاکی کا ہے اور شہید پر لگا ہوا خون اس کے حق میں معاف ہے خواہ کتنا ہی کیوں نہ لگا ہوا ہو۔نجس چیز کے بخارات، غبار اور راکھ ضرورت کے تحت قابل معافی ہیں تا کہ ہر دور میں پکائے جانے والی روٹیوں کو ناپاک نہ کہا جا سکے (یعنی ہر دور میں تندور میں روٹیاں پکتی رہی ہیں جن میں بلا تمیز لکڑیاں استعمال ہوتی ہیں، اگر ناپاک چیز کے غبار اور راکھ کو ناپاک قرار دیا جائے تو ان چیزوں کا ناپاک ہونا لازم آئے گا جو کہ بداھتاً غلط ہے) اونٹ اور بکری کی وہ مینگنیاں جو کنویں یا برتن میں گر جائیں وہ قابل معافی ہیں بشرطیکہ وہ بہت

❶.....فتح القدير ج ١ ص ١٤٠۔١٤٦ الدر المختار وحاشية ابن عابدين ج ١ ص ٢٩٥۔٣٠٩ مراقي الفلاح ص ٢٥ اور مابعد کے صفحات۔

زیادہ نہ ہوں یا ایسا نہ ہو کہ ان کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے سبب پانی کی رنگت بدل جائے، قلیل اس کو کہیں گے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے اور کثیر وہ ہے جس کو دیکھنے والا کثیر سمجھے۔ حلال گوشت والے پرندے جو ہوا میں بیٹ کرتے ہوں ان کی بیٹ پاک شمار ہوگی اور اگر وہ ہوا میں بیٹ نہ کرتے ہوں تو ان کی بیٹ نجاست خفیفہ شمار ہوگی جیسا کہ پہلے گزرا۔ تو اس تفصیل کے مطابق معافی کا سبب یا تو ضرورت ہے یا ابتلائے عام ہے یا نجاست سے بچنے کا دشوار ہونا ہے (یعنی یہ تین اسباب کسی نجاست کے معاف کردینے کا عام طور پر سبب بنتے ہیں)

۲۔ مذہب مالکیہ ❶...... مالکیہ کے ہاں خشکی کے جانور کا معمولی مقدار کا خون، قلیل مقدار میں پیپ (کچی اور پکی دونوں) قابل معافی ہے۔ اور قلیل مقدار ان کے ہاں درہم بغلی (خچر کا درہم) ہے، اور درہم بغلی وہ کالا سا دائرہ ہوتا ہے جو خچر کے ہاتھ پر (ذراع پر) ہوتا ہے اتنی یا اس سے کم مقدار قابل معافی ہے خواہ یہ خون وغیرہ خود اس شخص کا اپنا ہو یا دوسرے کا لگا ہوا ہو، انسان کا ہو یا حیوان کا اور حیوان میں سے خواہ سور کا ہو، کپڑے پر لگا ہوا ہو یا بدن پر یا جگہ پر بہرصورت وہ قابل معافی ہوگا۔ اور وہ نجاست جس سے بچنا مشکل ہو وہ نماز اور مسجد میں داخل ہونے کے لئے قابل معافی ہے کھانے پینے کی چیزوں وغیرہ کے حق میں قابل معافی نہیں ایسی نجاست اگر کھانے کی یا پینے کی چیز میں گر جائے تو اس کو ناپاک کردے گی اس کا کھانا یا پینا جائز نہیں ہوگا۔ وہ نجاستیں جن کی معافی ان سے بچنے کے دشوار اور قابل مشقت ہونے کی وجہ سے ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سلس الحدث...... وہ نجاست جو بلا اختیار جسم سے نکل آتی ہو جیسے پیشاب مذی، منی اور پاخانہ جو خود بخود نکل آئے قابل معافی ہوگا اگر یہ روزانہ ہونے لگے خواہ ایک مرتبہ کیوں نہ ہو (یعنی اگر روزانہ ایسا ہونے لگے خواہ ایک مرتبہ روزانہ ایسا ہو تو یہ نجاست قابل معافی ہوگی) اسی طرح بواسیر کے زخم کی نمی اگر بدن یا کپڑے سے روزانہ لگنے لگے خواہ ایک بار ہی تو وہ قابل معافی ہے ہاں اگر یہ نمی ہاتھ یا کپڑے کے ٹکڑے پر لگ جائے تو وہ قابل معافی نہیں اس کا دھونا ضروری ہوگا ہاں اگر بواسیر کے زخم کو بار بار اوپر چڑھانا پڑے تو ہاتھ وغیرہ پر لگنے والی نمی معاف ہوگی یعنی اگر دو سے زائد مرتبہ روزانہ بواسیر کو اوپر چڑھانا پڑے تو وہ لگنے والی نمی قابل معافی ہے بصورت دیگر ہاتھ کو دھونا ضروری ہوگا کیونکہ بدن اور پہنے ہوئے کپڑوں کے مقابلے میں ہاتھ کا دھونا باعث مشقت نہیں ہوتا۔ دودھ پلانے والی وہ عورت جو نجاست سے بچنے کا اہتمام کرتی ہو اس کو لگنے والا پیشاب یا پاخانہ معاف ہے خواہ وہ بچہ اس کا اپنا نہ بھی ہو بخلاف بے احتیاطی کرنے والی عورت کے کہ اس کی یہ چیز یں قابل معافی نہیں۔ اسی طرح قصائی جانوروں کے باڑے کی دیکھ بھال کرنے والا اور وہ معالج جو زخموں کا علاج کرتا ہو ان سب کا بھی یہی حکم ہے کہ احتیاط کرنے کے باوجود لگ جانے والی نجاست قابل معافی ہے تاہم ایسے لوگوں کے لئے نماز کے لئے علیحدہ لباس مختص کردینا بہتر ہے۔ وہ شخص جو جانوروں کی دیکھ بھال اور نگرانی پر مامور ہو اس کے کپڑوں بدن یا جگہ نماز سے لگ جانے والے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے پیشاب اور لید وغیرہ قابل معافی ہیں کیونکہ اس شخص کے لئے ان غلاظتوں سے بچنا دشوار ہے مکھی اور ناموس (چیونٹی کی شکل کا ایک مٹیالا سا حشرات الارض) جو نجاست پر سے گذر کر آئیں ان کے منہ اور پاؤں کے نشانات جو ان کے اڑنے اور بدن اور کپڑوں پر یہ نجاست گرانے کے سبب پڑتے ہیں قابل معافی ہیں کیونکہ ایسی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

گدائی کا نشان جس کا ازالہ دشوار ہو قابل معافی ہے ❷ پچھنے لگائے جانے کی جگہ پر موجود نشان کا کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ سے پونچھا جانا کافی ہے یہاں تک کہ وہ زخم ٹھیک ہو جائے تو اس کو دھونا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے ٹھیک ہونے سے پہلے اس کا دھونا مشقت کا باعث ہے، اس زخم کے ٹھیک ہو جانے پر وجوبا یا استحبابی طور پر دھویا جائے گا دونوں روایت موجود ہیں بہنے والی پیپ کے پھوڑے کے نشانات (یعنی پیپ

❶...... القوانین الفقهیه ص ۳۳، الشرح الکبیر ج ا ص ۵۶، ۵۸، ۷۱-۸۱، و ص ۱۱۲ الشرح الصغیر ج ا ص ۷۱، ۷۹۔
❷ فتح العلی المالک للشیخ علیش ج ا ص ۱۱۲۔

وغیرہ) معاف ہے اگر وہ زیادہ ہوں خواہ خود وہ بہہ جائیں یا دبانے سے پیپ نکلے کیونکہ ان کی کثرت اضطرار کا سبب بننے کا اندیشہ رکھتی ہے جیسے کھجلی اور خارش۔ اور اگر ایک دانہ ہو تو وہ مواد جو خود بہہ کر نکلے یا ضرورت کے پیش نظر دبائے جانے سے نکلے تو وہ معاف ہے اور اگر بلاضرورت دبانے سے مواد نکلا تو وہ بقدر ایک درہم کے معاف ہوگا اس سے زائد نہیں۔ پسو کا خون اگر ایک درہم سے کم ہو اس سے زیادہ معاف نہیں ہے اسی طرح پسو وغیرہ کا فضلہ معاف ہے خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو مردہ کھٹمل اگر قلیل تعداد میں ہوں یعنی تین یا کم تو وہ معاف ہیں۔ منہ سے بہنے والی رال اگر معدے سے آتی ہو اس طرح کہ وہ پیلی اور بدبودار ہو تو اگر مستقل طور پر ہو تو معاف ہے اور اگر مستقل طور پر نہ ہو تو وہ نجس شمار ہوگی۔ بارش کا کیچڑ اور اس کا نجاست ملا پانی بھی معاف ہے اگر وہ کپڑوں یا پاؤں پر لگ جائے جب تک وہ راستے میں گیلا ہو خواہ بارش کے رکنے کے بعد ہو۔ بشرطیکہ نجاست کیچڑ پر غالب نہ ہو بایں معنی کہ وہ یقینی یا ظن غالب کی بنیاد پر غالب ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ انسان کو کسی چیز میں ملے بغیر عین نجاست نہ لگ جائے (یعنی نجاست بغیر کسی چیز میں ملے ہوئے ٹھوس شکل میں موجود ہو اور وہ لگ جائے تو وہ بھی معاف نہیں ہے) اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ کیچڑ لگنے میں اس کے اپنے فعل کا دخل نہ ہو اگر ان تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی پائی گئی تو وہ نجاست (یا کیچڑ) قابل معافی نہیں ہوگی اور دھونا واجب ہوگا اس طرح راستے خشک ہو جانے کے بعد یہ سہولت بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ مشقت کا سبب ختم ہو چکا ہے۔

پتھر یا کاغذ سے استنجاء کئے جانے کی صورت میں مرد کے لئے اس کا پڑنے والا نشان قابل معافی ہے اگر وہ عام صورت سے زائد نہ ہو ہاں اگر بہت زیادہ پھیلا ہوا ہو (یعنی نجاست عام طور پر جتنی پھیلتی ہے اس سے زائد پھیلی ہوئی ہو تو اس صورت میں اس کو پانی سے دھونا ضروری ہوگا، عام طور پر پھیلا ہوا ہونے کی صورت میں قابل معافی ہے عورت کے پیشاب کرنے کی صورت میں پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو استنجاء کی بحث میں آئے گی۔

۳۔ **شوافع کا مذہب ❶**..... شوافع کے ہاں نجاسات میں سے صرف مندرجہ ذیل چیزیں قابل معافی ہیں۔

وہ نجاست جس کو عام معتدل انسانی آنکھ محسوس نہ کر سکے جیسے معمولی سا خون اور پیشاب کی بہت معمولی چھینٹ پھوڑوں پھنسیوں، دانوں، زخموں کا معمولی خون، معمولی سی پیپ (پکی پیپ اور کچی پیپ) پسو، کھٹمل مچھر اور کھٹمل اور اس طرح کے وہ حشرات جن میں خون نہیں ہوتا ہے ❷ اور پچھنے لگائے جانے اور فصد کھلوانے کی جگہ مکھی کے پاخانے کا نشان چمگادڑ کا پیشاب اور سلس البول (مسلسل پیشاب کے قطرے کا مریض) استحاضہ کا خون، زخموں اور آبلوں کا پانی خواہ اس آبلے میں ہوا ہو یا صحیح قول کے مطابق ہوا نہ ہو (یعنی وہ بالکل بھرا ہوا نہ ہو) ان چیزوں کا قابل معافی ہونا اس وجہ سے ہے ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر دانہ پھوڑا یا پسو مارا یا اس کپڑے کو بچھایا یا اٹھالیا جس میں یہ قابل معافی مقدار نجاست ہو تو قلیل مقدار میں ہونے کی صورت میں قابل معافی ہے کثیر ہونے کی صورت میں نہیں کیونکہ اس مقدار میں نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے، تاہم پسو وغیرہ کی کھال (اس میں موجود مواد نکل جانے کے بعد اس کے پر ٹانگ وغیرہ پر مشتمل اس کا ڈھانچہ) قابل معافی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ظاہر قول کے مطابق دوسرے اجنبی کا خون کی قلیل مقدار لگ جانے کی صورت میں قابل معافی ہے کتے اور سور کے علاوہ اجنبی کا۔ اجنبی خون میں وہ بھی شامل ہے جو انسان کے جسم سے نکل کر دوبارہ اس کے جسم سے لگ گیا ہو اس کی قلیل مقدار کے قابل معافی ہونے کا سبب مسامحت ہے کتے کا خون اور اس جیسے دیگر خون قابل معافی نہیں کیونکہ ان کا حکم سخت ہے۔ قلیل اور کثیر کی تحدید عرف کے ذریعے ہوتی ہے قصائی کے کپڑوں سے لگ جانے والا خون اور گوشت پر لگا ہوا خون قابل معافی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اس قسم کے

---

❶..... المجموع ج ۱ ص ۲۶۶، ۲۹۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۱، ۱۹۱۔ ۱۹۴ شرح الباجوری ج ۱ ص ۱۰۴ حاشیۃ الشرقاوی علی تحفۃ الطلاب ج ۱ ص ۱۳۳ شرح الحضرمیۃ لابن حجر ص ۵۰ اور بعد کے صفحات۔ ❷ جیسے مکھی، چیونٹی، بچھو، بھڑ، چھپکلی وغیرہ سانپ مینڈک پر بات ہو نہیں۔

تمام خون اس وقت قابل معافی ہیں جب تک وہ کسی دوسری چیز سے مل نہ گئے ہوں اگر وہ کسی دوسری چیز سے مل جائیں خواہ وہ دوسری چیز خود اس شخص کے بدن کی کسی دوسری جگہ کا خون کیوں نہ ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوں گے۔ استنجاء کے لئے استعمال شدہ پتھروں کے اثرات نشانات جو صفائی کے دوران پڑیں اس شخص کے حق میں قابل معافی ہیں دوسرے کے حق میں نہیں حتیٰ کہ اگر وہ جگہ پسینہ آلود ہونے کی وجہ سے نشان گیلا پڑ جائے اور پھیل جائے اور استنجاء کی جگہ سے باہر نہ نکلے تو بھی معاف ہے۔ ❶

راستے پر پڑی وہ مٹی اور کیچڑ جس کی نجاست یقینی ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے سردیوں کے زمانے میں گرمیوں کے زمانے میں معاف نہیں، شرط یہ ہے کہ یہ نجاست کپڑوں کے نچلے حصے اور ٹانگوں پر لگی ہوئی ہو آستین اور ہاتھ پر لگی ہوئی نہ ہو۔ شرط یہ ہے کہ نجاست کا جسم اس پر لگا ہوا نظر نہ آتا ہو اور انسان اپنے لباس کو گندگی سے بچانے کی کوشش کرے اس طرح کہ وہ اپنا دامن ڈھیلا نہ چھوڑ دے اور اس کو نجاست چلنے پھرنے یا سواری کے دوران لگے نہ کہ زمین پر گر جانے کے سبب کہ ایسی صورت میں وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔ تو وہ قلیل مقدار جو قابل معافی ہوتی ہے اس کا ضابطہ یہ قرار پایا کہ جو چیز کرنے والے کی غفلت اس کے کسی چیز پر گر جانے یا منہ کے بل گر پڑنے کے سبب وقوع پذیر نہ ہوئی ہو وہ قابل معافی ہوگی اور اگر کسی چیز کو ان مندرجہ بالا اسباب کی طرف منسوب کیا جائے تو اس صورت میں وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر کیچڑ کا ناپاک ہونا یقینی نہ ہو صرف اس کے نجاست کے ساتھ خلط ملط ہونے کا شبہ ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر سڑکوں کی صورت حال ہے تو وہ اور اس کے ہم مثل شراب فروشوں بچوں، قصائیوں اور ان کفار کے کپڑے جو نجاست کے استعمال کے اپنے دین میں قائل ہوں (یعنی جو چیز ہمارے ہاں نجس ہے وہ ان کے دین کے مطابق پاک ہو یا استعمال کی اجازت ہو) ان لوگوں کے کپڑے وغیرہ صحیح قول کے مطابق پاک قرار پائیں گے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے۔ اور اگر کیچڑ کی نجاست کا گمان نہ ہو تو وہ قطعاً پاک شمار ہوگی جیسے اس پرنالے کا پانی جس کی نجاست کا محض گمان ہو پاک شمار ہوتا ہے اسی طرح پھل سرکے اور پنیر کے کیڑے جو ان اشیاء میں ہی پیدا ہوئے ہوں اور ان میں مر چکے ہوں وہ معاف ہیں بشرطیکہ ایسا نہ ہوا ہو کہ انہیں باہر نکالا گیا ہو پھر ان کے مر جانے کے بعد انہیں اندر ڈال دیا گیا ہو اور نہ ایسا ہو کہ یہ کیڑے ان اشیاء کے اندر تغیر پیدا کر دیں۔ اسی طرح پنیر بنانے کے لئے استعمال کیا جانے والا انفحہ ادویات اور خوشبویات میں استعمال کیا جانے والا الکحل نجاست کا دھواں ناپاک پانی کے وہ بخارات جو آگ پر گرم کئے جانے کے سبب پیدا ہوئے ہوں قلیل مقدار میں ہونے کی صورت میں اور وہ روٹی جو گرم کی جائے یا دبائی جائے ناپاک راکھ میں خواہ اس کے ساتھ وہ راکھ بھی تھوڑی سی لگ جائے اس طرح وہ گیلے کپڑے جو ناپاک راکھ سے بنی ہوئی دیوار پر پھیلائے جائیں یہ سب قابل معافی میں ان پر لگ جانے والی معمولی نجاست قابل معافی ہوتی ہے اسی طرح وہ مردہ حشرات الارض جن میں خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، شہد کی مکھی اور چیونٹی اگر یہ خود بخود سیال چیز میں جا گریں اور وہ سیال چیز متغیر نہ ہو تو یہ قابل معافی ہیں۔ پرندوں کی بیٹیں جو فرش اور زمین پر گری ہوئی ہوں معاف ہیں اگر ان سے بچنا ممکن نہیں ہو اور نہ ان پر چلنے والا ان پر جان بوجھ کر چلے اور دونوں جانب (بیٹ اور اس پر پڑنے والی چیز) میں کوئی جانب گیلی نہ ہو۔ صرف ضرورت کے وقت یہ شرائط بھی لازم نہ رہے گی۔ جیسے مثلاً گزرنے کا ایک ہی راستہ متعین ہو۔ ناپاک بالوں کی معمولی مقدار معاف ہے جیسے ایک یا دو بال اگر کتے، سور یا ان دونوں

❶ ......مراد ہے وہ خون جو انسان کے اپنے جسم سے نکل کر دوبارہ اس کے جسم سے لگ گیا ہو اگر وہ کسی دوسرے شخص کا خون ہو اور یہ شخص اس کو لے کر اپنے کپڑوں یا بدن پر لگا لے تو یہ صورت قابل معافی نہیں ہے، کیونکہ اس شخص کی تعدی پائی جا رہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نجاست میں لت پت ہونا حرام ہے (از مصنف)

نوٹ: از مترجم: مصنف نے حاشیے میں یہ بات ذکر کی ہے تاہم یہ بات ناقابل فہم ہے کیونکہ مصنف کی عبارت سے یہ خود سمجھ آ رہا ہے کہ اجنبی خون سے کسی کا بھی (اس شخص کے علاوہ) اس شخص کے علاوہ خون مراد ہے جب ہی اس کی تصریح کی کہ وہ خون کتے اور سور کے علاوہ کسی کا بھی ہو مزید آگے جو وضاحت کی کہ اجنبی خون میں وہ خون بھی ہے جو خود اس کا ہو اور اس سے الگ ہو کر پھر اسے لگ گیا ہو اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اجنبی خون سے خود اس کا نہیں دوسرے کا خون مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ از مترجم۔

کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور کے نہ ہوں کہ اس صورت میں قلیل بال بھی قابل معافی نہیں۔ سواری کے جانور کے زیادہ بال بھی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ قابل معافی چیزوں میں گودوانے سے پڑنے والا نشان بھی ہے ❶ اور مچھلی کا گوبھی اگر وہ پانی کو متغیر نہ کردے اور وہ خون بھی جو گوشت یا ہڈی پر لگا ہوا ہو اور سونے والے کی وہ رال جو معدے سے نکل کر آتی ہو صرف اس کے حق میں اسی طرح جگالی کرنے والے جانور کے ہنکانے والے اس کے سائس اور اس طرح کے لوگوں کو لگ جانے والی جگالی کا مواد جو وہ جانور جگالی کے لئے اپنے منہ میں نکالے ہوئے ہوں جیسے اونٹ وغیرہ اسی طرح ان جانوروں کی لید اور گوبر اور پیشاب جو اناج کو کھلیان میں کچلتے ہوں یہ سب قابل معافی ہے۔ اس طرح چوہے کی مینگنی جو بیت الخلا کی پانی کی ذخیرہ گاہوں میں قلیل مقدار میں گر جائے اور پانی کے اوصاف کو تبدیل نہ کردے اور دودھ دوہے جانے والے جانور کے تھنوں کی نجاست اور اس کی مینگنیاں اگر دودھ دوہنے کے دوران دودھ میں گر جائیں تو وہ قابل معافی ہیں اسی طرح جانوروں کے اون، گوبر وغیرہ کے جو مٹی میں ملائے جا چکے ہوں شہد کے چھتے پر پڑنے والے نشانات اور اثرات اور بچے کے منہ کی نجاست کا اثر و نشان اس کو دودھ پلاتے اور چومتے وقت پڑ جائے قابل معافی ہے۔ ان تمام چیزوں سے لگنے والی معمولی نجاست معاف ہے۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب ❷..... حنابلہ فرماتے ہیں کہ قلیل مقدار میں نجاست قابل معافی نہیں ہے خواہ اس کو انسانی آنکھ نہ دیکھ سکتی ہو جیسے وہ نجاست جو مکھی وغیرہ کے پیروں میں لگ کر آجاتی ہے دلیل اس آیت کا عوم ہے ثيابك فطهر (اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھئے المدثر آیت نمبر ۴) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول امرنا ان نغسل الانجاس سبعاً (ہمیں نجاستوں کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے) اور اس جیسے دیگر دلائل اس کے مؤید ہیں۔ تاہم غیر سیال چیز اور کھانے پینے کے علاوہ چیزوں میں قلیل مقدار میں خون، پیپ دانوں کا مواد اور زخم کا پانی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا بہت دشوار ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ پاک حیوان کی ہوں اور اس کی زندگی میں ہو انسان کی ہو یا حلال گوشت جانور کی ہو جیسے اونٹ اور گائے یا مکروہ گوشت والے جانور کی ہو جیسے بلی وغیرہ۔ شرط یہ ہے کہ وہ پیشاب پاخانے کے راستے سے نہ نکلی ہوئی ہو۔ اور اگر یہ نجاستیں سیال چیز یا کھانے کی چیز میں گر جائیں یا نجس حیوان کی ہوں جیسے کتا اور سور، گدھا اور خچر، یا پیشاب پاخانے کے راستے سے نکلی ہوئی ہوں حتیٰ کہ حیض ونفاس اور استحاضہ کا خون بھی تو وہ قابل معافی نہیں ہوں گی استنجاء کا

---

❶..... گودنے کے لئے استعمال ہونے والے لفظ وشم کے معنی بیان کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ کال کو سوئی سے اس طرح گودنا کہ خون نکل آئے پھر اس میں نیلا رنگ وغیرہ بھر دینا کہ وہ تل کی طرح نظر آئے یا یہ کہ گودنے سے خون جم کر خود بخود تل سا بن جائے اس کو وشم کہتے ہیں یہ بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث کی رو سے حرام ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والواشرة والمستوشرة والنامصة والمتنمصة اس طرح کے تل کا ختم کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ اس کے دور کرنے کے نتیجے میں ایسا ضرر نہ لاحق ہوتا ہو جو تیمم کو مباح کردے اگر ایسے ضرور کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا ازالہ ضروری نہیں ہوگا اور توبہ کر لینے کے بعد اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور یہ جب ہے کہ اس نے یہ کام اپنی رضامندی سے بلوغت کے بعد کیا ہوا گر نہ اس پر اس کا دور کرنا لازم نہیں ہوگا مغنی المحتاج ج ا ص ۱۹۱ احناف فرماتے ہیں کہ گودی ہوئی جگہ محض دھونے سے پاک ہو جائے گی کیونکہ اس نشان کا دور کرنا مشقت کا باعث ہے۔ رد المحتار ج ا ص ۳۰۵۔ ❷ مقام کے اعتبار سے نجاست غلیظہ تین موقعوں پر قابل معافی قرار پائی ہے۔

۱..... استنجاء کی جگہ پتھروں کے ذریعے (یا پانی کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے) کیا جانے والا استنجا اگر اچھی طرح اس میں صفائی کی جائے اور مطلوبہ تعداد پوری ہو تو اس کا بقیہ اثر و نشان معاف ہے اس میں کسی کا ہمارے علم کے مطابق اختلاف نہیں۔

۲..... جوتے اور چپل کا تلا اگر اس پر نجاست لگ جائے تو اس کو زمین پر اتنا رگڑنے سے کہ نجاست کا جسم بالکل ختم ہو جائے وہ پاک ہوگا یا نہیں اس بارے میں تین روایات ہیں ایک یہ ہے کہ یہ رگڑنا کافی ہوگا اور اس میں نماز درست ہوگی اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی راجح ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے۔

نشان جواچھی طرح صاف کرنے اور مطلوبہ تعداد پوری کرنے کے بعد رہ جائے وہ قابل معافی ہے ❶ اسی طرح رستے کا وہ کیچڑ جس کی نجاست یقینی ہو اس کی قلیل مقدار بھی معاف ہے کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ پیشاب کے قطرے مسلسل آنے والے کے لئے بہت اہتمام کے باوجود لگ جانے والے چند قطرے معاف ہیں کیونکہ مشقت اس میں بہت ہوتی ہے۔ نجاست کے معمولی سے دھویں غبار اور بخارات بھی معاف ہیں اگر پاک چیز میں ان کا وصف نہ ظاہر ہو جائے کیونکہ ان سے احتراز مشکل ہوتا ہے۔ وہ قلیل مقدار میں نجس پانی جو ایسے پانی کے سبب نجس ہوا ہو جو خود قلیل مقدار کی وجہ سے معاف تھا وہ بھی قابل معافی ہے۔ اسی طرح چکنی سطح والی چیز پر لگ جانے والا زیادہ خون اور اس طرح کی ناپاک چیزیں جیسے قے پیپ وغیرہ ان کو پونچھے جانے کے بعد رہ جانے والا اثر معاف ہے کیونکہ وہ بہت معمولی اثر ہوتا ہے جو پونچھے جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے ان حضرات نے ان چیزوں کو پاک اشیاء میں شمار کیا ہے، حلال گوشت والے جانور کی رگوں میں رہ جانے والا خون، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے مچھلی کا خون، شہید کا اس پر موجود خون خواہ وہ زیادہ مقدار میں ہی کیوں نہ ہو کھٹمل چیچڑی پسو اور مکھی اور اس طرح کے دیگر حشرات الارض جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے کا خون بھی پاک ہے حلال جانور کی کلیجی اور تلی بھی پاک ہے دلیل وہی مشہور حدیث ہے احل لهامیتتان ودمان ریشم کا کیڑا اور اس کا خول مشک اور اس کا نافہ یعنی ہرن کی ناف اور عنبر یہ سب پاک ہیں عنبر کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بروایت بخاری فرمایا العنبر شیءٌ دسرہ البحر (عنبر ایسی چیز ہے جس کو سمندر نے نکال پھینکا ہے۔ سوتے وقت منہ سے نکلنے والی رال بھی پاک ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ڈکار بھی پاک ہے کیونکہ اس میں اپنے مقام کا کوئی وصف ظاہر نہیں ہوتا ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ بلغم خواہ نیلا ہو سر سے ہو سینے سے ہو یا معدے سے پاک ہے۔ دلیل اس کی حدیث ابو ہریرہ ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ:

فاذا تنخع احدكم فلينخع عن يساره اوتحت قدمه فان لم يجد فليقل هكذا فتفل فى ثوبه ثم مسح بعض ببعض

جب تم میں سے کوئی کھنکارے تو اپنی بائیں طرف کھنکار دے یا اپنے پاؤں تلے کھنکار کر تھوک دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو یوں کرے کہ اپنے کپڑے کے کونے اس کو تھوک دے اور اسے مسل دے۔

تو اگر بلغم نجس ہوتا تو اس کو دوران نماز کپڑے میں پونچھنے کا حکم کبھی نہ دیتے مچھلی اور اس طرح کے دیگر کھائے جانے والے جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

۳۔المبحث الثالث.....تیسری بحث

نجاست حقیقیہ کو پانی سے دھونے کے طریقے کا بیان.....جن جگہوں سے نجاست حقیقیہ کو دور کیا جاتا ہے وہ تین ہیں۔

(۱) بدن (۲) کپڑے (۳) نماز کی جگہیں۔ ہم پاک کرنے والی اشیاء کی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ طہور پانی نجاست کے دور کرنے کا اصل ذریعہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء کو حیض والے کپڑے صاف کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے کہا تھا تحتہ، ثم تقرصه بالما ❷ (اس کو کھرچ دے پھر اس کو پانی سے اچھی طرح دھولے) اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ احناف کے ہاں نجاست حقیقیہ، حکمیہ نہیں کے ازالے کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ اس کو پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے پاک کیا جا سکتا ہے جیسے گلاب کا عرق سرکہ، پھلوں کا عرق اور نباتات کا عرق اور یہ کہ پاکی کا یہ عمل دیگر بہت سی پاک کرنے والی چیزوں کے ذریعے ممکن ہے جو کہ احناف کے ہاں تعداد میں اکیس (۲۱) ہیں جن میں سے بعض کے بارے میں دوسرے حضرات احناف سے متفق ہیں اور بعض کے بارے میں مخالف ہیں۔

---

❶ المغنی ج ۱ ص ۳۰ ج ۲ ص ۸۰۔۸۳ کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۱۸۔۲۲۱ ❷ کسی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو دوسری ناپاک ہڈی سے باندھا جائے اس کو جوڑنے کے لئے تو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہونے کی صورت میں اس ناپاک ہڈی کا علیحدہ کرنا ضروری نہیں نماز اس حالت میں درست ہوگی المغنی ج ۲ ص ۸۳۔

پانی سے صاف کرنے کا طریقہ اور اس کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

ا۔ تعداد...... احناف نے نجاست غیر مرئیہ (نظر نہ آنے والی نجاست) جسے نجاست غیر عینیہ بھی کہتے ہیں کے لئے تین مرتبہ دھونا شرط قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو جیسے پیشاب اور کتے کا تھوک تو اس کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنا دھویا جائے کہ دھونے والے کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ وہ چیز پاک ہو چکی ہے۔ اور وہ تین مرتبہ سے کم دھونے سے پاک نہیں ہوگا تین مرتبہ کی تعداد متعین کرنے کا اگر چہ وہ نجاست کتے ہی کی ہو، سبب یہ ہے کہ غالب گمان اسی وقت حاصل ہوتا ہے، لہٰذا سبب ظاہر کو اصل (حصول طہارت) کے قائم مقام آسانی کی خاطر بنا دیا گیا۔ ان حضرات کی دلیل دو حدیثیں ہیں:

ا...... یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلاثاً ❷

برتن کو کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے تین مرتبہ دھویا جائے گا۔

۲...... اذااستیقظ احدکم من نومه فلیغسل یده ثلاثا قبل ان یدخلها فی انائه ❸

جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں ڈالنے سے قبل تین مرتبہ دھولے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا اگر چہ وہاں نہ نظر آنے والی چیز تھی کتے کے منہ ڈالنے پر سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تا کہ لوگوں کی کتوں کو مانوس و مالوف کرنے کی عادت ختم ہو جیسے کہ شراب کے حرام کئے جانے کے وقت مٹکوں کے توڑنے کا اور شراب کے برتنوں میں پانی نہ پینے کا حکم دیا گیا تھا۔

اور نجاست اگر مرئی ہو جیسے خون اور اس طرح کی چیزیں تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ ان نجاستوں کے جسم کو دور کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یہ زائل ہوں۔ ہاں اگر اس کا کوئی اثر و نشان ایسا رہ جائے کہ جس کا دور کرنا مشکل ہو جیسے رنگ یا بو تو اس کے رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور راجح قول کے مطابق نجاست کو اس وقت تک دھویا جائے گا کہ پانی صاف نکلنے لگے دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حائضہ عورت کو خون کا نشان نہ نکلنے کی صورت میں یہ فرمانا ہے یکفیك الماء ولایضرك اثره ❹ (تمہارے لئے پانی کافی ہے اس کا نشان نقصان دہ نہیں ہے۔ مشقت کا تحقق اس وقت بھی شمار ہوگا جب اس کے اثر کو دور کرنے کے لئے سادہ پانی کے بجائے صابن کے پانی یا گرم پانی کی حاجت پڑے (یعنی سادہ پانی سے نجاست کا اثر دور نہ ہو سکتا ہو اور اس کو دور کرنے کے لئے سادہ پانی کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت پڑے تو یہ مشقت شمار ہوگی یعنی صابن یا گرم پانی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں صرف سادہ پانی سے جتنا ازالہ ہو سکے وہ کر لینا کافی

---

❶...... ملاحظہ کیجئے احناف کے لئے البدائع ج ۱ ص ۸۷۔۸۹ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۰۳۔۳۱۰، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۵ اللباب ج ۱ ص ۵۷ مراقی الفلاح ص ۲۶ مالکیہ کے لئے بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۸۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۱۔۸۲ القوانین الفقهیة ص ۳۵ شوافع کے لئے المجموع ج ۱ ص ۱۸۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۳۔۸۵ المهذب ج ۱ ص ۴۸ حنابلہ کے لئے المغنی ج ۱ ص ۵۲۔۵۸ کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۰۸، ۲۱۳۔ ❷ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو طریقوں سے منقول ہے ایک دارقطنی کی روایت سے اس کی سند میں ایک متروک شخص ہے دارقطنی کی دوسری روایت کی سند صحیح ہے دوسرے طریقے سے یہ جو منقول ہے وہ۔ ہے ابن عدی کا ان کی کتاب الکامل میں اور ابن جوزی کی اس واسطے سے نقل شدہ حدیث صحیح نہیں ہے نصب الرایہ ج ا ص ۱۳۰ اور بعد کے صفحات۔ ❸ یہ حدیث امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اپنی اپنی مسانید میں اور صحاح ستہ کے حضرات نے اپنی کتب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ❹ امام احمدؒ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ خولہ بنت یسار نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور میں اسی میں حیض کے دن گذارتی ہوں (اس پر حیض لگ جاتا ہے) آپ نے فرمایا جب تم پاک ہو جاؤ تو کپڑے پر موجود نشان دھو ڈالو اور اس کپڑے میں نماز پڑھ لو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اس کا نشان نہ جائے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے پانی سے دھو لینا کافی ہے اس کے رہ جانے والے نشان کا کوئی حرج نہیں اس کی سند ضعیف ہے نیل الاوطار ج ا ص ۴۰۔

ہے) اس بنیاد پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ وہ کپڑا جسے ناپاک رنگ سے رنگا گیا ہو وہ اگر دھویا جائے اور پانی صاف نکلنے لگے تو وہ کپڑا پاک شمار ہوگا خواہ رنگ نہ بھی نکلے۔

ناپاک تیل اور چکنائی کا نشان جو اس کے جسم کے دھو دینے سے زائل ہو جانے کے بعد برقرار رہے وہ مضر نہیں۔ گھی تیل جو ناپاک ہوں ان میں تین مرتبہ پانی ڈال کر نکال لینے سے وہ پاک ہو جائیں گے دودھ، شہد، شیرہ، اور چربی آگ پر تین مرتبہ جوش دینے سے پاک ہو جائیں گے لہٰذا پانی ان پر ڈال کر انہیں جوش دیا جائے گا یہاں تک کہ چکنائی اوپر آ جائے پھر اسے کسی چیز سے نکال لیا جائے گا پھر اس کے ساتھ یہ عمل دوبارہ مزید کیا جائے گا تو وہ پاک ہو جائے گی۔ شراب کے اندر پکایا گیا گوشت جوش دینے اور ٹھنڈا کر دینے کے عمل کو تین مرتبہ کرنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ وہ مرغی جسے اس کی آلائشیں نکالنے سے قبل پانی میں جوش دیدیا جائے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی اور صحیح قول کے مطابق اس کا باہر اور اندر کا حصہ پاک ہو جائے گا اور اگر مرغی کو محض اس قدر دیر رکھا جائے کہ اگر پانی اس کے مسام میں پہنچ کر انہیں کھول دے تا کہ اس کے بال اتارنا آسان ہو جائیں تو مرغی صرف تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔

شراب میں پکائی گئی گندم کبھی پاک نہیں ہو سکتی ہے مفتی بہ قول کے مطابق اور اگر وہ پیشاب میں پڑی پڑی پھول گئی تو اس کو پانی میں بھگونے کے بعد پانی نتھار کر خشک کر لیا جائے گا یہ عمل تین مرتبہ دھرائے جانے سے وہ گندم پاک ہو جائے گی اور اگر آٹے کو شراب میں گوندھ لیا گیا ہو تو اس میں سرکہ ڈالا جائے گا یہاں تک کہ شراب کا اثر چلا جائے اس طرح وہ پاک ہو جائیگی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ نجاست کو پاک کرنے کے لئے صرف پانی کا بہادینا کافی نہیں ہے، عین نجاست اور اس کے اثر (نشان) کا زائل ہونا ضروری ہے اس طرح کہ پانی صاف پاک ہو کر نکلنا شروع کردے اور نجاست کا ذائقہ تو قطعاً زائل ہو جائے اس کا رنگ اور بو اگر با آسانی زائل ہو سکتے ہوں تو ان کا زائل ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ان کا چھڑانا مشکل ہو تو ایسے رنگ و بو کا باقی رہنا مضر نہیں ہوگا جیسے ناپاک زعفران یا ناپاک نیلہ (ایک قسم کی گھاس جس سے نیلا رنگ رنگا جاتا ہے) وغیرہ سے رنگا ہوا کپڑا وغیرہ کہ یہ دھونے سے پاک ہو جائے گا دھونے کے لئے اصلاً کوئی عدد متعین نہیں ہے، کیونکہ نجاست کے ازالے سے مقصود اس کے عین کا ازالہ کرنا ہے، اور کتے کے منہ مار دینے کی صورت میں سات مرتبہ دھونا شرط ہونا عبادت کے طور پر ہے نجاست کے ازالے کے لئے نہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ سور، کتے، یا ان دونوں کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور یا ان دونوں میں سے ایک کے دوسرے پاک حیوان سے ملاپ کے نتیجے میں پیدا شدہ جانور کی کسی بھی چیز، مثلاً تھوک، پیشاب، تمام رطوبتیں، اور وہ خشک اجزاء جو کسی سیال چیز سے مل گئے ہوں، سے لگ جانے کے سبب ناپاک ہونے والی چیز کو سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں سے پہلی مرتبہ میں مٹی استعمال کرنی ہوگی خواہ وہ ریت کا غبار ہی کیوں نہ ہو۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

يغسل الاناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات اولاهن او اخراهن بالتراب ❶

اس برتن کو جس میں کتا منہ مار دے سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں سے پہلی مرتبہ یا آخری مرتبہ مٹی استعمال کی جائے گی۔

اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی حدیث میں ہے:

اذا ولغ الكلب فى الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفروه الثامنة بالتّراب

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھو اور آٹھویں مرتبہ اس کو مٹی میں لتھیڑ دو۔

---

❶ ..... صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی کتب میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابو داؤد اور مسلم کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ہیں طهور اناء احدكم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات اور امام مالک نے مؤطا میں اذا ولغ کی جگہ اذا شرب کے الفاظ نقل کئے ہیں امام مالک کے علاوہ سب نے اذا ولغ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ نصب الراية ج ۱ ص ۱۳۳۔

سور کو کتے پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ وہ اس سے بدترین اور بدحال ہوتا ہے کیونکہ شارع کا نص اس کی اور اس کو حاصل کرنے کی حرمت پر موجود ہے تو اس میں بھی حکم بطریقہ تنبیہ لاگو ہوگا سور کے بارے میں اس طرح دھونے کے الفاظ اس لئے نہیں آئے کہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کی صورتحال پیش نہیں آتی تھی۔ پہلی مرتبہ دھونے میں مٹی کو لازم رکھنا اس حدیث کی وجہ سے ہے جو اس بارے میں وارد ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس کے بعد استعمال کئے جانے والے پانی سے وہ صاف ہو جائے گی۔ اور پوری جگہ پر مٹی کا لگا ہونا ضروری ہے اس طرح کہ مٹی پانی کے ساتھ پوری نجس جگہ سے گذر جائے۔ اور شوافع کے ہاں ظاہر ترین قول کے مطابق مٹی ہی لازم ہے اس کے علاوہ اشنان (خاص قسم کی گھاس) اور صابن کافی نہیں ہوں گے۔

حنابلہ کے ہاں اشنان، صابن اور بھوسا اور ہر وہ چیز جس میں قوت ازالہ پائی جائے مٹی کے قائم مقام ہو سکتی ہے خواہ مٹی موجود ہو اور وہ جگہ یا برتن اس سے خراب بھی نہ ہوتا ہو کیونکہ مٹی کے اوپر نص کرنے سے مقصود اس چیز کا بتانا ہے جو صفائی کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اگر مٹی اس جگہ یا چیز کو نقصان پہنچا سکتی ہو تو وہ مٹی بھی کافی ہے جس پر مٹی کا اطلاق کیا جا سکتا ہو یعنی تھوڑی سی مٹی پانی سے دھوتے وقت ایک مرتبہ شامل کر دی جائے کیونکہ مال کو خراب کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حدیث میں ہے:

اذا امرتكم بامر فاتوا منه ما استطعتم ❶

جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کیا کرو جس کی تم استطاعت رکھو۔

کتے اور سور کے علاوہ نجاست حنابلہ کے ہاں صاف کرنے والی سات مرتبہ دھلائی سے پاک ہو گی لیکن مٹی کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ **امرنا ان نغسل الا نجاس سبعا** (ہم کو نجاست سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے) اور ظاہر ہے کہ حکم تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دے سکتے ہیں، اور چونکہ کتے کی نجاست کے بارے میں بھی اتنی مرتبہ کا حکم دیا گیا ہے تو تمام نجاستیں حکم میں اس کے ساتھ ملحق ہوں گی اور حکم صرف اس جگہ تک خاص نہیں ہوتا جس کے بارے میں نص آیا ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ کتے کا منہ لگ جانے سے کپڑے اور بدن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح استنجاء کی جگہ بھی سات مرتبہ دھوئی جائے گی اگر سات مرتبہ سے وہ جگہ نہ دھل سکے تو سات سے زیادہ مرتبہ دھویا جائے گا یہاں تک کہ وہ صاف ہو جائے۔ نجاست کا رنگ یا بو یا دونوں کا برقرار رہنا مضر نہیں اگر ان کا ازالہ مشکل ہو۔ دلیل اس کی حضرت خولہ بنت یسار والی حدیث ہے جو گذری "**يكفيك الماء ولايضرك اثره**" اور نجاست کے ذائقے کا برقرار رہنا مضر ہوگا کیونکہ اس میں عین نجاست کے برقرار رہنے کی دلیل ہے اور دوسری بات یہ کہ ذائقے کا ازالہ آسان ہوتا ہے۔

شوافع کے ہاں کتے اور سور کی نجاست کے علاوہ نجاستوں کا حکم یہ ہے کہ اگر نجاست مرئیہ ہو یعنی حواس خمسہ میں سے کسی ایک سے پہچانی جا سکتی ہو تو اس کے جسم رنگ بو اور مزے کو زائل کرنا ضروری ہوگا اور صابن وغیرہ کی طرح ازالہ کرنے والی چیز ضروری ہو گی اگر ازالہ اس پر موقوف ہو۔ ہاں وہ رنگ اور بو جس کا دور کرنا مشکل ہو اس کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جیسا کہ یہ بات بالاتفاق تمام فقہاء نے قرار دی ہے ہاں ان دونوں کا باقی رہ جانا یا صرف مزے کا باقی رہ جانا مضر ہوگا اور معین عدد دھونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اور اگر نجاست غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) ہو یعنی وہ نجاست جس کا وجود یقینی ہو لیکن اس کا رنگ بو اور مزہ معلوم نہ کیا جا سکتا ہو تو اس پر ایک مرتبہ پانی بہا دینا کافی ہے۔ جیسے خشک پیشاب جس کا کوئی اثر نہ باقی رہا ہو، اور بہانے کا مطلب یہ ہے کہ پانی اس جگہ تک اس طرح پہنچے کہ وہ اس پر بہتے ہوئے

---

❶..... اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۱۳۳ (امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں بلاشبہ تم میں سے پہلے لوگ کثرت سے سوال پوچھنے کے سبب اور اپنے انبیاء کے پاس بار بار پوچھنے کے لئے آنے کے سبب ہلاک ہوئے جب میں تمہیں حکم دوں تو وہ کیا کرو جس کی تم استطاعت رکھو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دو یہ حدیث صحیح ہے۔

ٹپکنے لگے (یعنی وہ کپڑا یا جگہ اس طرح گیلی ہو کہ پانی اس پر بہہ کر ٹپکنے لگے تو یہ پانی کا بہانا کہلائے گا)

۲۔اس چیز کا نچوڑنا جس کا نچوڑا جانا ممکن ہو اور اس میں نجاست زیادہ سرایت کرتی ہو......احناف فرماتے ہیں اگر نجاست کی جگہ ایسی ہے جس میں نجاست زیادہ مقدار میں سرایت کرتی ہے تو اگر وہ ایسی چیز ہو جس کا نچوڑا جانا ممکن ہو جیسے کپڑے تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھو کر نچوڑا جائے یہاں تک کہ نجاست کا جسم بالکل زائل ہو جائے اگر نجاست مرئیہ ہو، اور غیر مرئیہ ہونے کی صورت میں تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے سے وہ پاک ہوگا۔ کیونکہ زیادہ نجاست پانی کے ذریعے صرف نچوڑے جانے پر ہی نکلتی ہو اور اس کے بغیر دھونے کا عمل مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ جس میں نجاست بالکل سرایت نہ کرتی ہو جیسے پختہ مٹی کے اور دھات کے بنے ہوئے برتن یا نجاست بالکل معمولی مقدار میں سرایت کرتی ہو جیسے بدن، چمڑے کا موزہ اور جوتا تو ایسی چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست کا جسم زائل ہو جائے۔ اور اگر وہ ایسی چیز ہو جو نچوڑی نہیں جاسکتی ہو جیسے چٹائی، قالین اور لکڑی تو اس کو پانی میں بھگو کر خشک کیا جائے گا تین مرتبہ یہ عمل کرنے سے وہ پاک ہو جائے گی یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور یہ راجح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ چیز کبھی بھی پاک نہیں ہوسکتی ہے۔ زمین کے پاک کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زمین نرم ہے تو اس پر پانی بہایا جائے گا پھر چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زمین کی تہ میں چلا جائے پھر اس عمل کو دوبارہ کیا جائے گا یہاں تک کہ نجاست بالکل زائل ہو جائے اس میں تعداد شرط نہیں ہے یہ باعتبار اپنی غور وفکر اور غلبہ ظن کے ہے کہ جب طہارت کا یقین ہو جائے وہ زمین پاک شمار ہوگی۔ اور پانی کا تہ زمین میں چلا جانا نچوڑنے کے قائم مقام قرار پائے گا۔ اور اگر زمین سخت ہو تو اگر اس کی نچلی جانب کوئی نالی یا گڑھا ہو تو اس زمین پر تین مرتبہ پانی بہا کر اس نالی یا گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اگر پانی بہہ جانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس کو دھویا نہیں جائے گا کیونکہ اس کا دھونا بے فائدہ ہے شوافع کے ہاں اس پر زیادہ پانی کے بہ جانے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی جیسا کہ عنقریب میں یہ بات آگے بیان کرونگا۔ احناف کے علاوہ دیگر حضرات نے نچوڑے جانے کے قابل چیزوں میں نچوڑے جانے کو شرط نہیں قرار دیا ہے اس لئے کہ اس چیز پر باقی رہ جانے والی نمی تو نکل جانے والے پانی کا حصہ ہی ہے اور اس کا دھونا لازم تھا (یعنی اس کپڑے میں موجود نمی اس پانی کا حصہ ہے جس کو دھونا لازم تھا لہٰذا بغیر نچوڑے جانے کے وہ پاک نہیں شمار کیا جاسکتا ہے) اور اختلاف کا اصل سبب غسالہ (دھلائی سے نکلنے والا پانی) کا حکم ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے کہ کیا وہ پاک ہوتا ہے یا ناپاک اگر اس کو پاک قرار دیا جائے تو نچوڑنا لازم نہیں ہوگا بصورت دیگر لازم ہوگا تاہم نچوڑ لینا بہتر ہے تاکہ حدود اختلاف سے باہر نکلا جاسکے۔ ہاں جس کا نچوڑا جانا ممکن نہ ہو تو اس کا نچوڑا جانا بالاتفاق شرط نہیں ہے۔

۳۔پانی بہانا یا پانی کا نجاست پر سے گذرنا برتنوں کے دھونے کا طریقہ......احناف فرماتے ہیں کہ پانی کا بہانا یا اس کا نجاست پر سے گذارنا شرط نہیں ہے۔ برتنوں کا صرف دھونا اور کپڑوں اور بدن کا بھی صرف دھونا وہ بھی اس طرح کہ پانی کو ہر مرتبہ نیا استعمال کیا جائے تین مرتبہ ایسے استعمال ہو اور ہر مرتبہ نچوڑا جائے کافی ہے اور برتن کو پہلی مرتبہ دھونے کے بعد تین مرتبہ مزید دھویا جائے گا دو دفعہ کے بعد دو دفعہ مزید اور تین دفعہ دھو لینے کے بعد تین دفعہ مزید دھویا جائے گا یہ تفصیل جب ہے کہ جب اس کو ایک برتن میں ہی دھویا جائے اگر اس چیز کو تین الگ الگ برتنوں میں دھویا جائے تو ہر برتن پانی کی تبدیلی کے مترادف ہوگا❶ تاہم جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ علامہ شامی کی بھی وضاحت اس بارے میں موجود ہے❷ کہ نجاست مرئیہ کے بارے میں معتبر اس کے جسم کا ازالہ ہے یعنی اس کا جسم بالکل ڈھل جائے خواہ ایک

❶......یہ بات ممکن ہے کہ کچھ حضرات کے لئے خلجان کا باعث بنے اس لئے یہ سمجھ لیں کہ یہ تمام طریقہ متقدمین فقہاء کی بیان کردہ مثالوں کے تحت ہیں آج کل جو نلکے وغیرہ کا طریقہ کار رائج ہے اس میں تفصیل مختلف ہوگی، یہ صورت جو بیان کی گئی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب نجس کپڑے کو ٹب یا برتن میں دھویا جائے تو ایک مرتبہ تو اس کی نجاست کو رگڑ کر مل کر دور کیا جائے گا پھر اس کو نچوڑ لینے کے بعد تین مرتبہ پانی میں ڈبو کر نکال کر نچوڑا جائے گا تین مرتبہ کے اس عمل سے جس میں ہر مرتبہ نیا پانی لیا جائے وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔ نلکے سے دھونے میں بھی تفصیل اور طریقہ کار مختلف ہوگا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ❷ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۸۔

مرتبہ دھونے کے عمل سے ہی ایسا ہو، اور خواہ ایک برتن (ٹب وغیرہ) میں دھونے سے ہوجائے۔ چنانچہ اس میں تین مرتبہ دھونا اور نچوڑنا شرط نہیں ہے غیر مرئی نجاست (نظر نہ آنے والی) تو اس میں معتبر غالب گمان ہے کہ وہ چیز پاک ہوچکی ہے یا نہیں عدد اس میں شرط نہیں ہے مفتی بہ قول کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ تین مرتبہ دھونے کی شرط کے ساتھ گمان کا ہونا معتبر ہے احناف کے ہاں یہ مفتی بہ قول مالکیہ کے مذہب کے قریب ہے جو کہ نجاست کے جسم کے ازالے کے قائل ہیں۔ شوافع کے ہاں پانی کا گزارنا شرط ہے نچوڑنا شرط نہیں ہے۔ یعنی صرف پانی کا محل نجاست پر گزارنا شرط ہے اگر پانی تھوڑا ہوتا کہ معاملہ برعکس ہونے کی صورت میں خود پانی نہ ناپاک ہوجائے۔ کیونکہ پانی تو محض اس میں نجاست کے گرجانے سے ناپاک ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے تسلے میں کوئی کپڑا رکھا اور کپڑے میں قابل معافی خون کی مقدار لگی ہوئی ہو اور پانی اس پر ڈالا تو پانی پہلی ملاپ پر ہی ناپاک ہوجائے گا اور منہ کے ناپاک ہونے کی صورت میں خوب اچھی طرح غرارے کرنا ضروری ہیں اور منہ کے ناپاک ہونے کی حالت میں کسی چیز کا کھانے کی یا پینے کی کسی چیز کا) نگل لینا حرام ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات مدنظر رہے کہ احناف دوسرے فقہاء کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ ناپاک چیز کو اگر بہتے پانی یا تالاب (یعنی اتنی کثیر مقدار میں پانی جو بہتے پانی کے حکم میں ہو) میں دھویا جائے یا اس پر بڑی مقدار میں پانی بہادیا جائے یا اس پر پانی خوب ڈالا جائے تو وہ مطلق بلا شرط پاک ہوجائے گی نچوڑنا اور خشک کرنا اس میں شرط نہیں ہوگا اور نہ ہی تین بار بھگونا شرط ہوگا کیونکہ پانی کا بہتی حالت میں ہونا بار بار دھونے اور نچوڑنے کے مترادف ہوگا۔❶

نجس زمین کا بہت زیادہ پانی ڈالے جانے سے پاک ہونا۔ احناف فرماتے ہیں❷ کہ اگر نجس زمین سخت اور نشیبی ہو تو اس کی نچلی جانب (نشیبی طرف) ایک گڑھا یا نالی بنائی جائے گی اور اس زمین پر تین مرتبہ پانی بہا کر اس گڑھے کی طرف نکال دیا جائے گا، اس طرح کرنے سے وہ زمین پاک ہوجائے گی، دلیل وہ حدیث ہے جو دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس اعرابی کے بارے میں نقل کی ہے جس نے مسجد میں پیشاب کردیا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں احفروا مکانہ ثم صبوا علیہ (اس کی جگہ کو کھودو اور وہاں پانی بہادو)❸ ان حضرات کے ہاں پانی کے زیادہ ہونے سے وہ زمین پاک نہیں ہوگی۔ احناف کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں❹ کہ ناپاک زمین پانی بہانے اور پانی کے زیادہ مقدار میں ڈال دینے سے پاک ہوجاتی ہے❺ یعنی پانی اس پر اتنی کثیر مقدار میں ڈالنا اور بہانا کہ نجاست چھپ جائے دلیل اس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ہے قام اعرابی فبال فی المسجد فقام الناس لیقعوابہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوہ اریقوا علی بولہ سجلا من ماء اوذنوبا من ماء فانکم بعثتم مسرین ولم تبعثو امعسرین❻ (ایک دیہاتی نے آکر مسجد نبوی میں پیشاب کردیا لوگ اس کو پکڑنے کے لئے لپکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو! اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو تم کو آسانی کرنے والا بنایا گیا تنگی کرنے والا نہیں)۔

ناپاک پانی کو زیادہ پانی ڈال کر پاک کرنے کے بارے میں شوافع کے ہاں کچھ تفصیل ہے۔❼

---

❶..... ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۸۔❷ البدائع ج ۱ ص ۸۹۔❸ لیکن یہ حدیث معلول ہے کیونکہ یہ الفاظ صرف عبدالجبار کے ہیں ابن عیینہ کے دیگر حفاظ شاگردوں نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ نیل الاو طار ج ۱ ص ۴۲۔❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۲ المہذب ج ۱ ص ۷، المجموع ج ۱ ص ۱۸۸ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۳ المغنی ج ۲ ص ۹۴۔❺ ناپاک زمین پر پانی کے زیادہ بہانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً نجاست پڑی ہے اور پانی بہادینے کے بعد اس کی نکاسی کا راستہ نہ ہو تو احناف کے ہاں صرف زیادہ پانی بہادینا کافی نہیں ان حضرات کے ہاں مثلاً فرش پر پیشاب پڑا ہو اس پر تین چار بالٹی پانی ڈال کر پانی پھیلا دینا اس کی طہارت کے لئے کافی ہے۔ خواہ پانی وہیں پھیل کر جذب ہوجائے۔ از مترجم۔❻ یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام مسلم کی روایت کی ہے احمد اور بخاری ومسلم نے اس معنی میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں لاتزرموہ دعوہ یعنی اسے پیشاب کرنے کے دوران مت روکو۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۱۔۴۳۔❼ المہذب ج ۱ ص ۶۔۱۰۷ المجموع ج ۱ ص ۱۸۳۔۱۹۵۔

۱.....اگر پانی کی نجاست اس کے متغیر ہونے کے سبب سے ہے اور وہ دوقلہ (بڑا مٹکا) پانی سے زیادہ ہے تو تغیر کے خود بخود ختم ہوجانے یا اس پانی میں مزید پانی ملا دینے سے یا اس کا کچھ پانی نکال کر تغیر ختم کردینے سے وہ پاک ہوجائے گا، کیونکہ نجاست تغیر کی وجہ سے ہوئی تھی اور تغیر ختم ہوجانے سے نجاست ختم ہوگئی۔

۲.....اور اگر اس کی نجاست قلہ کی وجہ سے ہو یعنی کہ وہ دوقلہ سے کم ہو تو وہ مزید اتنا پانی ملا دینے سے کہ وہ دوقلہ بن جائیں پاک ہوجائے گا خواہ اس میں اضافہ پاک پانی کے ذریعے کیا جائے یا ناپاک پانی کے ذریعے کم پانی سے ہو یا زیادہ پانی سے۔ اسی طرح پانی بڑھا دینے سے بھی وہ پاک ہوجائے گا خواہ وہ دوقلہ کی مقدار کو پہنچے یا نہیں جیسے ناپاک زمین پر پانی اتنا بہا دینے سے کہ نجاست اس میں چھپ جائے وہ زمین پاک ہوجاتی ہے کیونکہ پانی نجاست پر سے گذر چکا ہوتا ہے ❶ (اسی طرح یہاں جب ناپاک پانی میں پاک پانی ملایا جائے گا تو وہ بھی اسی طرح شمار ہوگا کہ گویا نجس پانی پر پاک پانی گزار دیا گیا ہے) تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ پانی جو پانی بڑھانے کے ذریعے پاک ہوا ہو اور دوقلہ کے برابر نہ پہنچا ہو وہ صرف پاک ہوگا مطہر نہیں ہوگا کیونکہ نجاست کے دور کرنے میں استعمال کیا ہوا پانی طہارت کے حصول کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر پانی دوقلہ سے زائد ہو اور اس میں پڑی ہوئی نجاست ٹھوس ہو تو فتویٰ یہ ہے کہ اس سے طہارت جائز ہے کیونکہ اس میں موجود نجاست کا کوئی حکم نہیں ہوگا وہ کالعدم شمار ہوگی۔ اور پانی اگر صرف دوقلہ ہو اور اس میں نجاست پوری شکل میں موجود ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے طہارت کا حصول جائز ہے۔ اور اگر نجاست پگھلنے والی ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق اس سے طہارت جائز ہے۔

بہتے پانی سے طہارت کا طریقہ.....احناف فرماتے ہیں ❷ کہ بہتے پانی کا حکم ٹھہرے ہوئے پانی سے مختلف ہے بہتا ہوا پانی وہ ہے جس کو اہل عرف بہتا ہوا سمجھیں ماء جاری میں وہ حوض بھی شمار ہوگا جس میں ایک طرف سے پانی آرہا ہو اور لوگ اس میں سے چلو بھر رہے ہوں ایسے پانی میں ڈالا جانے والا ناپاک برتن اور ہاتھ پانی کو ناپاک نہیں کرتے ہیں اس پانی (ماء جاری) کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں نجاست گرے اور اس کا رنگ، بو اور مزے میں سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو یہ پانی طاہر اور مطہر ہے۔ اس سے وضو کرنا اور نجاست زائل کرنا دونوں درست ہیں کیونکہ نجاست اگر مائع شکل میں ہو تو وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ ٹھہر نہیں سکتی ہے۔ اور اگر وہ نجاست مردار جانور کی لاش ہو تو اگر پانی اس کے نصف یا اس زائد حصے پر سے گذر کر بہہ رہا ہے تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، اور اگر پانی نصف سے کم حصے پر سے گذر کر آرہا ہو اور زیادہ تر پانی پاک جگہ پر سے گذر کر آرہا ہو اور پانی میں بہاؤ (قوت) ہو تو نجاست کا اثر نہ پائے جانے کی صورت میں اس کا استعمال درست ہے۔

تالاب اور حوض عظیم جس میں ٹھہرا ہوا پانی ہو عراقیین کی رائے میں وہ ہوتا ہے جس کی ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف متحرک نہ ہوتی ہو اگر نجاست اس کی دوسری جانب گر جائے اور ظاہر الروایہ کے مطابق جو کہ صحیح تر قول ہے بڑا حوض وہ ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے والے کے ظن اور خیال وغور وفکر پر غالب یہ ہو کہ نجاست ایک جانب پڑے ہونے کی صورت میں دوسری طرف نہیں پہنچے گی۔ ایسے پانی سے وضو کرنا اور نجاست کا زائل کرنا اس جانب کے پانی سے جس جانب نجاست نہ پڑی ہوئی ہو، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہنچتی ہے، اسی طرح مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسے حوض کے تمام جوانب سے وضو کرنا اور نجاست کے لئے پانی استعمال کرنا درست ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں ❸ کہ بہتا پانی ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اگر زیادہ ہو تو وہ نجاست اس کے لئے مضر نہیں

---

❶.....علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض احناف نے جو یہ بات گڑھ رکھی ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ پانی اگر دوقلہ سے ایک کوزہ کم ہو اور اس میں کوئی اپنا پیشاب ڈال کر دوقلہ کی مقدار پوری کردے تو وہ پاک ہے تو یہ صریح بہتان ہے یہ بات ہمارے حضرات میں سے کسی کی نہیں ہے۔ المجموع ج ۱ ص ۱۹۰۔ ❷ الدرالمختار ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۸۰ اللباب ج ۱ ص ۲۷ فتح القدیر ج ۱ ص ۵۴۵۳۔ ❸ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۳، القوانین الفقھیہ ص ۳۰، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۰ اور مابعد کے صفحات مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۴ المہذب ج ۱ ص ۷، کشف القناع ج ۱ ص ۴۰ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۱۳۱ اور بعد کے صفحات۔

ہوگی جو اس کے تین اوصاف رنگ بو، مزہ تبدیل نہ کرے، ایسا پانی پاک ہوگا اور اگر وہ پانی قلیل ہو تو سارا پانی نجس چیز سے پہلی مرتبہ ملتے ہی ناپاک ہو جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں کثرت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کثیر وہ ہے جو دو مٹکوں (قلتین) کی مقدار میں ہو یعنی ۵۰۰ بغدادی رطل تقریباً اور بہتے پانی میں جریہ کا اعتبار ہے، جریہ شوافع کی تعریف پانی کی لہریں اٹھتے وقت بننے والا اس کا حصہ ہے (یعنی بہتا پانی جب چلتا ہے اور اس کی لہریں بنتی ہیں تو لہروں کا مجموعہ تشکیل پاتا ہے اور ایک ایک مجموعہ بن کر چلنے کی سی کیفیت ہوتی ہے وہ پانی کا حصہ جریہ کہلاتا ہے ہم اس کو لہر سے تعبیر کر سکتے ہیں) یعنی خواہ حقیقت میں لہریں بننے سے وہ تشکیل پائے یا محض پانی کا ایک حصہ ہو اگر وہ لہر (جریہ) بڑی ہو تو وہ متغیر ہوئے بغیر ناپاک شمار نہیں ہوگا اور یہ لہر فی نفسہ اپنے آگے اور پیچھے آنے والی لہروں سے حکماً علیحدہ سمجھی جائے گی (یعنی پانی چلنے کے دوران پانی کا یہ حصہ حکماً علیحدہ سمجھا جائے گا اس سے پہلے اور بعد کے دونوں قسم کی لہروں سے) حنابلہ کے ہاں جریہ سے مراد پانی کا وہ حصہ ہے جس میں نجاست پڑی ہوئی ہو اس نجاست کے قریب کا دائیں بائیں اور دونوں طرف کا پانی یا یوں کہا جائے کہ نجاست کو محیط وہ پانی جو نجاست کے اوپر نیچے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو تقریباً دونوں تعریفیں مترادف ہیں۔ اگر پانی چل رہا ہو اور اس میں بہتی ہوئی نجاست پڑی ہوئی ہو جیسے مردہ اور پانی کی وہ لہر (جریہ) بھی متغیر ہو تو اس لہر سے پہلے والا پانی پاک ہے اس لئے کہ اس تک نجاست نہیں پہنچی یہ پانی ایسا ہی ہوا جیسے لوٹے سے کسی نجاست پر پانی ڈالا جا رہا ہو اسی طرح اس لہر کے بعد والا پانی بھی پاک ہوگا کیونکہ اس تک نجاست نہیں پہنچی اور وہ پانی جو نجاست کے اوپر نیچے دائیں بائیں ہو وہ اگر قلتین کی مقدار میں ہو اور متغیر نہ ہو تو وہ پاک ہوگا اور اگر قلتین سے کم ہو تو وہ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ناپاک ہوگا۔ اور ایک جریہ کے اجزاء میں بھی دیکھا جائے گا کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلے میں متغیر ہیں یا نہیں اجزاء جریہ سے مراد ہے کہ نہر کے دونوں کناروں کے درمیان اس لہر کے جو حصے اوپر نیچے ہو رہے ہیں وہ اجزاء جریہ کہلائیں گے۔ اور مختلف جریہ ایک دوسرے سے قوت نہیں حاصل کر سکتے (یعنی دو تین جریہ (لہروں) کا آپس میں مل کر قلتین سے زیادہ مقدار بن جانا معتبر نہیں ہر جریہ کا اعتبار الگ ہوگا) چنانچہ اگر پانی مین نجاست گر جائے اور لہر کے ساتھ چل پڑے تو اس جریہ کی وہ جگہ جو اس نجاست کی وجہ سے گندی ہوئی ہو وہ ناپاک شمار ہوگی اس کے بعد گزرنے والا پانی، جریہ تو اس کا حکم غالہ (ڈھلائی میں نکلا ہوا پانی) شمار کیا جائے گا، اور نجاست اگر کتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کے بعد سات جریہ پانی گزرے جن میں سے ایک جریہ پانی کا مٹی سے گدلا ہونا بھی ضروری ہے۔

اس پانی کا دو قلہ ہونا اس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس کو ناپ کر لمبائی چوڑائی اور گہرائی کو ناپ لیا جائے اس سے خود اندازہ ہو جائے گا اور اگر بہتے پانی کے آگے کوئی آڑ ہو جو پانی کو لوٹا دے تو وہ ٹھہرا ہوا پانی شمار ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نجاست اگر پانی پر سے گذر جائے تو پانی بالاجماع ناپاک ہوگا اور پانی اگر نجاست پر سے گذر جائے تو بھی ناپاک ہو جائے گا❶ (یعنی نجاست پانی پر سے گزرے یا پانی نجاست پر سے گزرے بہر صورت وہ ناپاک ہو جائے گا)۔

۴۔ چوتھی بحث.....غسالہ کا حکم

غسالہ (غین کے پیش کے ساتھ اور سین بلا تشدید زبر کے ساتھ) وہ پانی ہوتا ہے جو نجاست کے ازالے کے لئے استعمال کیا گیا ہو خواہ حدث کے ازالے کے لئے یا خبث کے ازالے کے لئے یعنی نجاست حقیقیہ اور حکمیہ دونوں کے لئے استعمال شدہ پانی۔ اس کا حکم احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ وہ بھی پاک شمار ہوگا اگر دھوئے جانے والی جگہ پاک ہو جائے، اس بارے میں فقہاء نے تفصیلات بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶..... الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۰ اور بعد کے صفحات۔

احناف فرماتے ہیں ❶ نجاست کا غسالہ دو قسم کا ہوتا ہے، نجاست حقیقی کا غسالہ اور نجاست حکمی کا غسالہ یعنی حدث کے ازالے میں استعمال شدہ پانی۔

نجاست حکمیہ کا غسالہ ماء مستعمل کہلاتا ہے، ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ طاہر ہوتا ہے لیکن مطہر نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے وضو جائز نہیں لیکن راجح قول کے مطابق نجاست حقیقیہ کا ازالہ اس کے ذریعے درست ہے اور ماء مستعمل جب کہلاتا ہے جب وہ بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ ٹھہر جائے جب تک وہ اس عضو پر ہو جس کے لئے وہ استعمال ہوا ہے تو وہ مستعمل نہیں شمار ہوگا۔ پانی مستعمل جب کہلائے گا کہ جب اس کو ازالہ حدث کے لئے استعمال کیا جائے یا نیکی (قربت) کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے، جیسے کسی خاص نماز، نماز جنازہ، مسجد میں داخل ہونے، قرآن کو چھونے اور قرآن کو پڑھنے وغیرہ کے لئے کیا جانے والا وضو، اگر وہ شخص حدث کی حالت میں ہو تو ان کے ہاں پانی بلا اختلاف مستعمل کہلائے گا، کیونکہ دو سبب پائے گئے ہیں جو کہ ازالہ حدث اور حصول قربت ہیں اور اگر وہ شخص بے وضو نہیں تو بھی امام زفر کے علاوہ دیگر ائمہ احناف کے ہاں وہ پانی مستعمل کہلائے گا کیونکہ حصول قربت تو پایا گیا کیونکہ وضو علی الوضو کو نور علی نور کہا گیا ہے امام زفر کے ہاں اس لئے ماء مستعمل نہیں بنے گا کہ ازالہ حدث نہیں پایا گیا۔ ہاں اگر وضو یا غسل صرف ٹھنڈک کی خاطر ہو اور وہ شخص حدث کی حالت میں نہ ہو تو وہ پانی مستعمل نہیں کہلائے گا۔

نجاست حقیقیہ کا غسالہ اگر وہ متغیر حالت میں الگ ہو تو وہ ناپاک ہوگا یعنی اگر اس کے رنگ یا مزے میں تغیر پیدا ہو گیا ہو یا مثلاً وہ جگہ پاک نہ ہوئی ہو جیسے وہ پانی نجاست غیر مرئیہ کو تین مرتبہ دھونے کے عمل کا غسالہ، ہو کیونکہ نجاست اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، کیونکہ ہر پانی نجاست سے خالی نہیں ہے غسالہ سے نفع اٹھانا ماسوا مٹی کے گیلا کر دینے یا جانور کے پلا دینے کے درست نہیں اگر اس میں تغیر پیدا ہوا ہو کیونکہ تغیر آ جانے کے بعد اس کا نجس ہونا یقینی ہو گیا تو یہ پیشاب کے مشابہ ہوگیا۔ اور اگر وہ متغیر نہ ہوا ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے، کیونکہ اس کے متغیر نہ ہونے سے یہ یقین ہو گیا کہ نجاست پاکی پر غالب نہیں ہوئی ہے، اور ایسی چیز سے فائدہ اٹھانا جو نجس العین نہ ہو فی الجملہ مباح ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ اگر غسالہ کا رنگ، بو یا مزہ تبدیل ہو جائے تو وہ ناپاک ہوگا اور جگہ بھی ناپاک رہے گی اور اگر جگہ پاک ہو جائے تو غسالہ بھی پاک ہوگا ناپاک چیز کا استعمال عادی چیزوں میں درست نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں ظاہر ترین قول یہ ہے ❸ کہ وہ قلیل غسالہ جو بلا تغیر عضو سے جدا ہو وہ پاک ہے اور وہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی کیونکہ وہ نمی جو اس جگہ باقی ہے وہ جدا ہوئے ہوئے پانی کا ہی حصہ ہے، اب اگر جدا ہوئی ہوئی چیز نجس قرار پائے تو وہ جگہ بھی نجس ہونی چاہئے، اور غسالہ اگر زیادہ ہو تو خواہ وہ جگہ پاک ہو یا نہ ہو وہ غسالہ پاک ہی ہوگا اگر وہ متغیر نہ ہوا ہو۔ اس گفتگو کا مفہوم یہ ہوا کہ قلیل غسالہ جو جدا ہو وہ طاہر ہے مطہر نہیں جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدل جائے یا اس کا وزن نہ بڑھ جائے اس پانی کو نکال کر جو کپڑے پر لگا ہے اور اس پاک میل کے وزن کو نکال کر جو اس میں شامل ہو گیا ہے اور وہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی۔ اور اگر وہ متغیر ہو گیا یا اس کا وزن بڑھ گیا یا وہ جگہ پاک نہ ہوئی تو وہ جگہ کی طرح ناپاک ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غسالہ کا حکم جگہ کا حکم ہے، تو جہاں اس کی پاکی کا حکم لگایا جائے گا وہاں غسالہ بھی پاک شمار ہوگا اور جہاں نہیں وہاں غسالہ بھی پاک شمار نہیں ہوگا۔

حنابلہ بھی شوافع کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق فرماتے ہیں ❹ کہ جس چیز سے نجاست دور کی جائے اگر وہ اس جگہ سے نجاست سے متغیر ہو کر جدا ہوئی ہو یا جگہ کے پاک ہونے سے پہلے جدا ہوئی ہو تو وہ نجس ہوگی۔ کیونکہ وہ نجاست سے متغیر ہو گئی جیسے کہ اگر قلیل پانی کسی جگہ ڈالے جانے کے بعد اسے پاک نہ کر سکے تو وہ ناپاک ہوتا ہے اور ایسا شمار کیا جاتا ہے کہ گویا نجاست اسی پر سے گزری ہے اور اگر غسالہ اس

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۶۶، ۶۹ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۲، القوانین الفقھیہ ص ۳۵۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۵ شرح الحضرمیۃ ص ۲۳ اور مابعد کے صفحات۔ ❹ المغنی ج ۱ ص ۵۸ ج ۲ ص ۹۸۔

دھلائی کا ہو جس سے جگہ پاک ہوئی ہے اور وہ نجاست سے متغیر بھی نہ ہو تو اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر وہ جگہ جس کو دھویا گیا ہو وہ زمین ہے تو وہ چیز پاک ہوگی کیونکہ وہ زمین پاک شمار کی گئی تھی جس پر اعرابی نے پیشاب کر دیا تھا اور اس پر ایک ڈول پانی بہا دیا گیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔ اور اگر وہ جگہ زمین نہ ہو اس کے علاوہ کوئی چیز ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں، اصح قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے۔

تیسری فصل......استنجاء کا بیان

اس فصل میں ہم استنجاء کے معنی، حکم، اس کے ذرائع، اس کے مستحبات اور قضاء حاجت کے آداب بیان کریں گے۔

ا۔ پہلی چیز:.......استنجاء کے معنی اور استنجاء اور استبراء (برأت چھٹکارا حاصل کرنا) اور استنجاء (پتھر استعمال کرنا) وغیرہ میں فرق لغت میں استنجاء کہتے ہیں گندگی یعنی پاخانے کے دور کر دینے کو اور اصطلاح میں کہتے ہیں نجاست کے بالکل اکھاڑ دینے (ختم کر دینے) کو پانی وغیرہ کے ذریعے یا بہت ہی کم کر دینے کو پتھر وغیرہ کے ذریعے پونچھ کر تو گویا استنجا نام ہے پانی یا پتھر استعمال کرنے کا۔ یا وہ نام ہے جسم سے نکلنے والی ہر گندگی کے دور کرنے کا جو گندہ کر دیتی خواہ کبھی کبھی سہی جیسے خون، مذی اور ودی، اور یہ علی الفور نہیں بلکہ بوقت ضرورت پانی یا پتھر وغیرہ سے ہو۔ یا یہ نام ہے اس نجاست کے دور کرنے کا جو پیشاب پاخانے کے راستے سے نکلی ہو۔ لہٰذا ریح کے یا پتھری کے نکلنے اور سونے یا پچھنے لگوانے سے یہ لازم نہیں ہوگا۔ اور استنجاء یا استطابہ پانی سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسری چیزوں سے بھی استجمار کہتے ہیں نجاست کو پتھر وغیرہ سے دور کرنے کو۔ یہ ماخوذ ہے جمرۃ سے بمعنی پتھر۔

اور استبراء کہتے ہیں جم سے خارج ہونے والی چیز سے چھٹکارا پانے یا برأت حاصل کرنے کو یہاں تک کہ نشان یا اثر کے ختم ہو جانے کا یقین حاصل ہو جائے۔ یا استبراء مخرج کو پیشاب کے قطروں سے صاف کرنے کا نام ہے۔

استنزاہ کے معنی ہیں گندگی سے دوری اختیار کرنا یہ استبراء کے معنی میں آتا ہے۔

استنقاء......نقاوت (خوب صفائی) حاصل کرنا اور یہ بولا جاتا ہے مقعد (جائے پاخانہ کو) پتھر سے یا پانی سے دھونے کی صورت میں ہاتھ سے ملنے اور رگڑنے کو❶ یہ سب (۱) استنجاء (۲) استجمار۔

(۳) استبراء اور (۴) استنزاہ نجاست سے پاکی حاصل کرنے کے ذرائع ہیں جب تک انسان مطمئن نہ ہو جائے کہ پیشاب کے قطروں کا اثر اور نشان بالکل ختم ہو چکا ہے۔

۲۔ دوسری چیز......استنجاء، استجمار اور استبراء کا حکم۔ استنجاء کے حکم کے بارے میں احناف فرماتے ہیں❷ کہ وہ عام حالات میں جب نجاست اپنے مخرج سے تجاوز نہ کرے مردوں اور عورتوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے، اور آپ نے فرمایا ہے **من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن، ومن لا فلا حرج**❸ (جو پتھر استعمال کرے وہ طاق عدد میں کرے، کوئی یہ عمل کرے تو بہت اچھا اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے اور تجاوز شدہ

---

❶......الدر المختار مع الحاشیة ج ۱ ص ۳۱۰، ۲۱۹ مراقی الفلاح ص ۷، کشف القناع ج ۱ ص ۶۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۷، ۹۴، ۹۶، ۱۰۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲ اور بعد کے صفحات۔❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۸ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۶، اللباب ج ۱ ص ۵۷ الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۰، ۳۱۳ مراقی الفلاح ص ۷۔❸ یہ حدیث ابوداؤدؒ ابن ماجہؒ احمدؒ بیہقیؒ اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۱۷۔

نجاست ایک درہم جتنی ہوتو اس کا پانی سے دور کرنا واجب ہے۔اور اگر نجاست ایک درہم سے زیادہ ہوجائے تو پانی یا کسی سیال چیز سے اس کا دور کرنا فرض ہوگا۔

احناف کے علاوہ جمہور فرماتے ہیں❶ کہ استنجاء یا استجمار ہر عادی چیز کے سبیلین (پیشاب پاخانے کے راستے) سے نکلنے پر واجب ہے جیسے پیشاب، مذی اور پاخانہ، دلیل فرمان خداوندی ہے والرجز فاھجر (اور گندگی کو آپ چھوڑ دیجیے۔سورۃ المدثر، آیت نمبر ۴) اور یہ جسم اور کپڑوں کے ہر حصے اور جگہ کو شامل ہے، کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا اصل ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے اذا ذھب احد کم الی الغائط فلیذھب بثلاثۃ احجار فانھا تجزی عنہ❷ (جب تم میں کوئی قضاء حاجت کے لئے جائے تو تین پتھر لے جائے، یہ اس کے لئے کافی ہوں گے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کرے، اور مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ میں ہے کہ بلاشبہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں سے کم تعداد سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔یہ امر کا صغیہ ہے جو کہ اصول کے لحاظ سے وجوب کا متقاضی ہوتا ہے۔

سونے والے اور وہ شخص جس کی ریح خارج ہو اس پر باتفاق علماء استنجاء نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ریح کی وجہ سے استنجاء کرے وہ ہم میں سے نہیں اور قرآن کی اس آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ (جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اپنے چہروں کو دھولو۔سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) کے بارے حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو اس کے علاوہ کچھ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کے سبب استنجاء واجب نہیں ہے دوسری بات یہ کہ استنجاء کی مشروعیت نجاست دور کرنے کی غرض سے ہے اور سونے وغیرہ میں نجاست نہیں ہوتی شوافع کا اظہر قول یہ ہے کہ کیڑا نکلنے یا مینگنی کی طرح سخت شکل میں پاخانہ کی صورت میں کہ جس میں آلودگی نہ ہو، استنجاء لازم نہیں، کیونکہ اس صورت میں نجاست باقی نہیں رہتی ہے۔یہ عمل استجمار حنابلہ اور شوافع کے ہاں مستحب اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قضائے حاجت کے بعد استنجاء سے قبل یہ ضروری ہے۔

استبراء:......یہ چلنے، کھانسنے یا دائیں یا بائیں طرف اپنے آپ کو جھکا کر یا پاؤں ہلانے جلانے سے حاصل ہوتا ہے، استبراء کہتے ہیں پیشاب کے راستے کو بالکل خالی کر دینا اس طرح کہ آدمی اپنے عضو تناسل کو بائیں ہاتھ سے آہستگی سے ملنا شروع کرے ملنے کی ابتداء مقعد کے سوراخ سے ذرا پہلے سے کرے جو کہ عضو تناسل کے راستے کی بالکل ابتداء ہوتی ہے وہاں سے ملتے ہوئے عضو تناسل کے سرے تک تین مرتبہ لائے تاکہ عضو تناسل میں کوئی نمی یا قطرہ باقی نہ رہ جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی بیچ کی انگلی (سب سے بڑی انگلی) عضو تناسل کی نچلی طرف رکھے اور انگوٹھا اوپر کی طرف رکھے پھر ان دونو کو نرمی سے دباتے ہوئے عضو تناسل کے سرے تک لے آئے تین مرتبہ اس کو کھینچنا (بھینچ کر کھینچنا) نرمی کے ساتھ بہتر ہے تاکہ اگر اس میں کچھ ہوتو وہ نکل آئے۔

شوافع اور مالکیہ کی عبارت اس طرح ہے...... استبراء تین مرتبہ نرمی سے کھینچے اور سونتنے سے ہوگا، اور وہ اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو عضو تناسل کی جڑ میں رکھے اور انگوٹھے کو اوپر رکھے پھر دونوں کو نرمی سے کھینچتا اور دباتا رہے یہاں تک کہ اس میں موجود قطرے وغیرہ نکل جائیں کا مطلب ہے اس کو کھینچنا، بہتر یہ ہے کہ سونتنے اور کھینچے کا عمل بڑی نرمی سے ہو۔اور یہ استبراء اس لئے ضروری ہے کہ

---

❶...... الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۴،۹۶ القوانین الفقھیة ص ۳۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۰۹، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۶ المھذب ج ۱ ص ۲۷، المغنی ج ۱ ص ۱۴۹ کشف القناع ج ۱ ص ۷۱، ۷۷۔❷ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے، امام شافعی اور بیہقی نے ولیستنج بثلاثۃ احجار کے الفاظ سے یہ حدیث ذکر کی ہے، احمد، نسائی، ابوداؤد اور دارقطنی نے حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچتی ہے اور صحیح ہے اذا ذھب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلاثۃ احجار فانھا تجزی عنہ۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۴، نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۰۔

ظن غالب اس مقام کے پیشاب سے بالکل صاف ہو جانے کا ہو جائے، اور وہم وغیرہ کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے جو کہ دین کے لئے نقصان دہ ہے، بعض عارفین کا کہنا ہے وسوسے کا سبب یا تو عقل میں ٹیڑھ یا دین میں کوتاہی ہوتی ہے امام احمد بن حنبل نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو تناسل کو تین مرتبہ سونتے اور عورت کے لئے استبراء کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اپنے پیڑو پر رکھ کر نرمی سے دبائے تاکہ پیشاب کے راستے میں موجود قطرات باہر نکل جائیں۔ لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کی بناء پر استبراء بھی مختلف انداز سے ہوتا ہے۔ مقصود صرف اتنا ہے کہ وہ شخص یہ گمان کرلے کہ پیشاب کے راستے میں کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، جس کے باہر نکلنے کا اندیشہ ہو لہٰذا یہ مقصود بعض کو تھوڑا سا سونتنے اور دبانے سے حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو کئی مرتبہ ایسا کرنا پڑتا ہے بعض کو کھنکارنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ عضو تناسل کے سوراخ میں روئی کا پھایہ وغیرہ رکھنا مکروہ ہے اسی طرح بیت الخلاء میں بہت دیر تک بیٹھے رہنا بھی غلط ہے کیونکہ اس سے جگر میں درد کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ استبراء کے مقصود و مطلوب ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، لیکن عذاب انہیں زیادہ بڑی بات پر نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک شخص تو اپنے پیشاب سے اجتناب نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ ⓫

جو حضرات استبراء کے صرف مستحب ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: **استنزهوا من البول، فان عامة عذاب القبر منه** (پیشاب سے بچو، قبر کا عذاب عموماً اسی کے سبب سے ہوتا ہے) اور یہ ظاہری اور بدیہی بات ہے کہ پیشاب کے منقطع ہو جانے کے بعد اس کے دوبارہ ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ اور استبراء کے حکم والی حدیث اس شخص کے بارے میں سمجھی جائے گی جس کے سامنے یہ بات متحقق ہو یا اس کے غالب گمان کے مطابق ہو کہ اگر وہ استبراء نہیں کرے تو اس کے عضو تناسل سے کچھ نہ کچھ نکل آتا ہو۔

۳۔ تیسری چیز: استنجاء کے ذرائع اس کی صفت اور کیفیت یعنی طریقہ کار...... استنجا پانی یا پتھر یا اس جیسی دیگر ٹھوس چیزیں جو پونچھنے اور دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور وہ معاشرے میں کوئی احترام یا حیثیت نہ رکھنے والی شمار ہوتی ہوں سے درست ہے جیسے پتے، چیتھڑے، لکڑی اور ٹھیکری وغیرہ کیونکہ پتھر کی طرح ان سے بھی مقصود حاصل ہوتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ ایسی ٹھوس چیز سے صفائی کے بعد پانی سے بھی دھو لیا جائے چنانچہ کاغذ پتے وغیرہ تو پہلے استعمال کیا جائے پھر پانی استعمال کیا جائے کیونکہ نجاست کا ٹھوس جسم تو کاغذ اور پتھر وغیرہ سے دور ہو گیا پھر پانی کے استعمال سے اس کا اثر اور نشان بھی جاتا رہتا ہے ⓬ اور صرف پانی پر اکتفاء کرنا صرف پتھر وغیرہ پر اکتفاء کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ پانی نجاست کے جسم اور اس کے اثر دونوں کو ختم کر دیتا ہے بخلاف پتھر اور کاغذ کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ خوب پاکی حاصل کریں، سورة التوبہ، آیت نمبر ۱۰۸) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کے گروہ، اللہ نے تمہاری تعریف بیان کی ہے پاکی کے بارے میں، تم کیسے طہارت حاصل کرتے ہو، وہ بولے، ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں اور استنجاء پانی سے کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات ہے دراصل! تم لوگ اسی طرح کرتے رہا کرو۔ ⓭

⓫ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ ⓬ اللباب ج ۱ ص ۵۷ اور مابعد کے صفحے، مراقی الفلاح ص ۷ القوانین الفقهیه ص ۳۶،۳۷، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۶ اور بعد کے صفحات، اور ص ۱۰۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۳ المغنی ج ۱ ص ۱۵۱ اور بعد کے صفحے، کشاف القناع ج ۱ ص ۷۲، ۷۵ المهذب ج ۱ ص ۲۷ اور بعد کے صفحات۔ ⓭ یہ حدیث ابن ماجہ حاکم، اور بیہقی نے روایت کی ہے اس کی سند حسن اس کی تائید حضرت ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے نزلت هذه الآية في اهل قباء: فيه رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المتطهرين (التوبة/۱۰۸) فسالهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: انا نتبع الحجارة بالماء نصب الراية ج ۱ ص ۲۱۸ اور بعد کے صفحات۔

پتھر اور کاغذ وغیرہ سے استنجا کرنے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ [1]

۱.....نکلی ہوئی نجاست خشک نہ ہو جائے اگر وہ خشک ہوگئی تو پانی کا استعمال کرنا متعین ہوگا۔

۲.....جس جگہ نکل کر وہ نجاست ٹھہر گئی تھی وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو یا اس کے حشفہ اور آس پاس کی جگہ سے متجاوز نہ ہو، اگر وہاں سے منتقل ہوگئی اس طرح کہ دوسری جگہ لگ گئی اوا اس سے جدا ہوگئی تو جدا ہوئی ہوئی نجاست کو بالاتفاق دھونا لازم ہوگا (یعنی نجاست جسم کے کسی دوسرے حصے پر لگ گئی تو وہ نجاست جو دوسری جگہ لگی ہے وہ پہلی نجاست سے الگ ہوگئی ہے اس کا دھونا ضروری ہوگا)۔

۳.....اس نجاست پر کوئی تر چیز جو اس سے اجنبی ہو، نہ لگے، نجس ہو یا طاہر، اگر اس پر خشک چیز لگ جائے تو وہ مؤثر نہیں ہوگی۔

۴.....نکلی ہوئی نجاست عادی راستے سے ہو، چنانچہ یہ سبیلین کے علاوہ کسی راستے سے نکلی ہوئی نجاست کے بارے میں نہیں ہوگا۔ جیسے رگ سے نکالا ہوا خون، یا معدے کی نچلی طرف بنائے ہوئے کسی سوراخ سے نکلنے والی نجاست، خواہ اصلی منفذ (یعنی پیشاب یا پاخانے کے عادی راستے) عارضی طور پر بند بھی کر دیئے گئے ہوں (یعنی اگر کسی عارضے کی وجہ سے دونوں یا ایک راستے کو بند کر دیا گیا اور کسی اور جگہ سے نجاست نکالی گئی تو بھی اس کے بارے میں استنجاء کے احکام لاگو نہیں ہوں گے) اور کاغذ وغیرہ خنثی مشکل (ہیجڑہ جس کے مرد یا عورت کی خصوصیات کا پتہ نہ چل سکتا ہو) کے پیشاب کے لئے کافی نہیں ہوں گے، خواہ نکلنے والی نجاست دونوں اگلی شرمگاہوں میں سے ایک سے نکلتی ہو (یعنی خنثی مشکل، جس کی پیشاب کی جگہیں اور طرح کی ہوتی ہیں ایک مردانہ اور ایک زنانہ، اور دونوں میں سے پیشاب ہوتا ہے، تو اگر خنثی (ہیجڑہ) ایسا ہو کہ اس کی ایک ہی شرمگاہ سے پیشاب نکلتا ہو تو بھی استنجاء پتھر اور کاغذ سے درست نہیں ہوگا) کیونکہ احتمال زیادہ نکل جانے کا ہے اسی طرح غیر مختون شخص کے پیشاب میں بھی پتھر اور کاغذ وغیرہ سے استنجاء درست نہیں اگر پیشاب کھال کے اندر تک پہنچ جائے۔

مالکیہ کے علاوہ فقہاء کے ہاں حیض اور نفاس کے خون کے لئے کاغذ وغیرہ سے پونچھ لینا کافی ہے اسی طرح پتھر سے استنجاء ان چیزوں کے لئے بھی درست ہے جو کبھی کبھار نکلتی ہوں جیسے خون، مذی اور ودی، یہ شوافع کا اظہر قول اور احناف وحنابلہ کا قول ہے اسی طرح یہ قول اس کے بارے میں بھی ہے جو عادت سے زیادہ پھیل جائے لیکن پاخانہ ہونے کی صورت میں اتنی مقدار سے زائد نہ پھیلا ہو جتنی مقدار سرین کے دونوں حصوں کے بوقت قیام ملنے سے بنتی ہے اور پیشاب کی صورت میں حشفہ سے زیادہ نہ پھیلا ہو یعنی وہ ٹوپی جو عضو تناسل پر ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں منی، مذی اور حیض کے خون میں پتھروں سے استنجاء درست نہیں ہے، منی، حیض ونفاس اور استحاضہ کے خون کا ازالہ صرف پانی سے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ استحاضہ روزانہ نہ ہو، روزانہ خواہ ایک مرتبہ ہی ہو تو یہ شرط نہ رہے گی وہ مسلسل قطرے ٹپکنے کے مریض کی طرح قابل معافی ہوگا اور اس کا ازالہ واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح مالکیہ کے ہاں عورت کے پیشاب کو پاک کرنے کے لئے پانی ہی ضروری ہے خواہ کنواری عورت ہو یا شادی شدہ، کیونکہ عورت کا پیشاب عام طور پر نکلنے کے بعد بہہ کر مقعد کی طرف جاتا ہے۔

استنجاء میں تین پتھروں کے استعمال کا شرط ہونا..... احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ تین پتھروں کا استعمال مستحب ہے واجب نہیں ہے اس سے کم بھی درست ہیں اگر صفائی اس سے حاصل ہو سکے۔ اور صفائی اور انقاء کا مطلب ہے نجاست کے جسم اور اس کی تری کا بالکل ختم ہو جانا اس طرح کہ پتھر پھیرے جانے پر بالکل خشک اور صاف نکلے اس پر کوئی نشان وغیرہ نہ ہو۔ مگر بہت معمولی سا معاف ہے، تو مالکیہ کے ہاں واجب اور احناف کے ہاں سنت اصل میں انقاء (صاف کر دینا) ہے کوئی مقرر تعداد نہیں دلیل وہی حدیث ہے جو گذری "من استجمر فلیوتر، من فعل فقد احسن، ومن لا فلا حرج."

---

[1]..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۴ اور بعد کے صفحے، المهذب ج ۱ ص ۲۸ کشف القناع ج ۱ ص ۷۲، المغنی ج ۱ ص ۱۵۲، ص ۱۵۹ الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۷، ص ۱۰۰ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۸۳ القوانین الفقهیه ص ۳۶ اللباب ج ۱ ص ۵۸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۸، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۷۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انقاء (صاف کردینا) اور تین کا عدد پورا کرنا دونوں واجب ہیں، تین پتھر یا ایک پتھر کے تین اطراف اور اگر تین سے صاف نہ ہو تو چار یا اس سے زائد سے صاف کرنا ضروری ہوگا۔ یہاں تک کہ فقط اتنا معمولی سا اثر باقی رہے جو صرف پانی سے دور ہوسکتا ہو یا باریک کنکریوں سے ڈور ہوسکتا ہو، کیونکہ استنجاء سے مقصود اتنی ہی صفائی ہوتی ہے دلیل ان حضرات کی گذشتہ احادیث ہیں جن میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں ولستنج بثلاثة احجار اور امام مسلم کی حضرت سلمان سے روایت نہانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نستنجى باقل من ثلاثة احجار اور تین پتھروں کے مفہوم میں ایک پتھر کے تین اطراف داخل ہیں۔ اور اگر تین سے زائد تعداد ہوجائے تو طاق عدد میں رکھنا مسنون ہے دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی پتھروں کو استعمال کرے تو وہ طاق عدد میں کرے اس حدیث میں حکمی انداز سے وجوب نہ ثابت ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جو پتھروں سے استنجاء کرے تو وہ طاق عدد میں کرے، جو کرے وہ اچھا کرے گا اور جو نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

پانی سے استنجا کرنے میں اس کی تعداد صحیح قول کے مطابق اس شخص کے رائے کے سپرد ہے کہ جب اس کا دل طہارت کے بارے میں یقینی یا ظن غالب کی حالت میں ہوجائے، یہ ہی صحیح ترین روایت ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ امام احمد سے پانی سے استنجاء کی حد کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ وہ خوب اچھی طرح صاف کرلے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی تعداد نہ عملاً ثابت ہے اور نہ قولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کرنے کا حکم دیا امام احمد رحمہ اللہ سے سات کی تعداد بھی منقول ہے ❶ اس بناء پر استنجاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ ظن غالب اس کا ہوجائے کہ نجاست زائل ہوچکی ہے، ہاتھ میں اس کی محسوس ہونے والی بو مضر نہیں، کیونکہ بدبو کا برقرار رہنا نجاست کے اپنے محل پر برقرار رہنے کی دلیل ہوتی ہے اور ہاتھوں پر ناپاکی کا حکم اسی وقت لگایا جاتا ہے (اور جب ایسا نہیں ہے تو بدبو کا ہونا مضر نہیں)۔

استنجاء کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ پر نجاست لگنے سے پہلے پانی بہانا شروع کردے پھر اپنی اگلی شرمگاہ دھوئے پیشاب نکلنے کی صورت میں صرف نکلنے کی جگہ دھوئے اور مذی نکلنے کی صورت میں پوری شرمگاہ دھوئے (پورا عضو تناسل) پھر اپنی سرین کو دھوئے پانی ڈالتا ہے اور بائیں ہاتھ سے ملتا رہے اور کچھ دیر ٹھہر جائے خوب اچھی طرح ملے تاکہ وہ صاف ہوجائے دائیں ہاتھ سے استنجانہ کرے اور نہ اسے عضو تناسل کو چھوئے۔ ❷

روزے دار کو اپنی گیلی انگلی مقعد کے اندر ڈالنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

استجمار کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے پتھر سے آگے سے پیچھے لے جائے اور دوسرے سے پیچھے سے آگے لائے تیسرے پتھر کو پہلے کی طرح آگے سے پیچھے لے جائے اگر کپورے لٹکے ہوئے ہوں تاکہ وہ گندے نہ ہوجائیں اور اگر وہ لٹکے ہوئے نہ ہوں تو پیچھے سے آگے لے آئے۔ عورت کو چاہئے کہ وہ آگے سے پیچھے لے جائے تاکہ اس کی شرمگاہ گندی نہ ہوجائے۔ ❸

شوافع فرماتے ہیں ❹ کہ تینوں پتھروں سے پوری جگہ کو گھیر کر صاف کرنا ضروری ہے۔ اس طرح کہ پہلے پتھر سے دائیں طرف کی چکتی کے حصے کے ابتدائی سرے سے شروع کرکے اس کے تہائی سرے تک لے جائے دوسرے پتھر سے بائیں چکتی کے ساتھ ایسا کرے اور تیسرے پتھر کو بیچ میں رکھ کر اس طرح حرکت دے کہ پاخانے کا راستہ اور دونوں چکیتوں کے بیچ کا حصہ مکمل طور پر پونچھ جائے۔

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۸ المغنی ج ا ص ۱۶۱ مغنی المحتاج ج ا ص ۴۶۔ ❷ القوانین الفقهیه ص ۳۶ تبیین الحقائق ج ا ص ۷۸۔ ❸ مراقی الفلاح ص ۸۔ ❹ مغنی المحتاج جلد نمبر ا ص نمبر ۴۵ المهذب ج نمبر ا صفحه نمبر ۲۷.

۴۔ استنجاء کے مستحبات...... استنجاء کے اندر جو چیزیں مسنون، ہیں ان کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔ ❶

۱...... ایسے پتھر اور کاغذ سے استنجاء کرے جو صفائی اچھی طرح کر سکے، یعنی نہ تو وہ بہت کھردری سطح والی ہو جیسے اینٹ اور نہ بالکل چکنی سطح والا ہو جیسے عقیق اور ہیرا وغیرہ۔ کیونکہ مقصود صفائی ہے۔ پتھر کی طرح ہر وہ چیز سمجھی جائے گی جو ازالہ نجاست کر سکتی ہو اور مضر نہ ہو اور نہ وہ بذات خود ایک قیمتی یا قابل احترام چیز ہو۔ چنانچہ خود گندہ کرنے والی چیز سے استنجاء نہیں ہو سکتا جیسے کوئلہ اور نہ مضر چیز سے ہو سکتا ہے جیسے شیشہ، اور نہ ہی مالی قیمت اور وقعت رکھنے والی چیز سے یہ درست ہے جیسے ریشم روئی وغیرہ کیونکہ اس میں اتلاف مال ہے اور نہ ایسی چیز سے استنجاء درست ہے جو کسی وجہ سے محترم ہو یعنی یا تو وہ کھانے کی چیز ہو یا بذات خود شرف وعزت والی چیز ہو یا دوسرے کا حق وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کا احترام ضروری ہو۔ یہ بات مدنظر رہے کہ احناف کے ہاں پانی کے علاوہ دوسری مائع چیز سے استنجا درست ہے، جیسے عرق گلاب اور سرکہ۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء نے شرط قرار دیا ہے کہ وہ چیز ٹھوس اور جامد ہو مائع سے استنجاء درست نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ استنجاء ایسی پاک چیز سے درست ہے جو ازالہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہو لہٰذا احناف کے ہاں مکروہ تحریمی اور دوسروں کے ہاں یہ ناجائز ہے کہ گوبر اور لید سے استنجا کیا جائے۔ اور نہ ہڈی اور کھانے کی چیز یا روٹی سے درست ہے خواہ یہ چیزیں انسان کی ہوں یا غیر انسان کی۔ کیونکہ اس میں ضیاع اور بے حرمتی ہے۔ اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو کھاڑ دینے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جیسے شیشہ، چکنا بانس، اینٹ، ٹھیکری اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو بکھر جائے جیسے مٹی یا نرم کوئلہ اور مٹی کا ڈلا بخلاف سخت مٹی اور کوئلے کے کہ ان سے درست ہے۔ اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو بذات خود مشرف و مکرم ہو جیسے سونا، چاندی اور جواہرات یا وہ چیز دوسرے کی ہونے کی وجہ سے قابل حفاظت اور قابل احترام ہو جیسے دوسرے کی ملکیت میں موجود چیز یا دوسرے شخص کی دیوار خواہ وقف چیز ہی ہو۔

مالکیہ نے صرف اتنا ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے کہ پاک ہڈی اور پاک گوبر اور اپنی ملکیت کی دیوار سے استنجاء مکروہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنے کی پانچ شرائط ہیں جو کہ یہ ہیں: ہر ٹھوس پاک چیز جو کھاڑنے اور صاف کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اذیت کا سبب نہ بنے اور نہ وہ قابل احترام ہو اس کے مطعومات میں سے ہونے کی وجہ سے یا اس کے شرف واحترام کی وجہ سے یا اس کا حق الغیر ہونے کی وجہ سے۔ اگر یہ شرائط ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں اور اگر ایسی چیز سے استنجا کر لیا اور اس چیز سے مقصود صفائی حاصل ہو گئی تو استنجاء درست ہو جائے گا۔ اور ہاتھ سے صاف کر لینا اور پتھر وغیرہ کی تین سے کم تعداد سے صاف کر لینا بھی درست ہے۔

احناف نے استنجاء کے لئے استعمال ہونے والی چیز کے لئے اس کے ٹھوس ہونے کی شرط نہیں لاگو کی ہے۔ مالکیہ اور احناف فرماتے ہیں کہ اگر ایسی چیز سے استجمار کیا جس سے جائز نہ ہو تو وہ مع الکراہت درست ہوگا۔

گوبر اور لید سے استنجاء کرنے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے، مسلم اور امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

لاتستنجوا بالروث ولا بالعظام فانهما زاد اخوانكم من الجن❷

گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو، یہ دونوں تمہارے جنات بھائیوں کی غذا ہیں۔

اور دار قطنی نے نقل کیا ہے کہ:

ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی ان نستنجی بروث اوعظم وقال انهما لایطهران❸

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۷، الدرالمختار ج ۱ ص ۳۱۱، ۳۱۵، فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۔ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۸، اللباب ج ۱ ص ۵۸، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۶، ۱۰۰ اور بعد کے صفحے، بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۸۰، القوانین الفقهیه ص ۳۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۳ ص ۴۶، المهذب ج ۱ ص ۲۸ المغنی ج ۱ ص ۱۵۴۔۱۵۸ کشف القناع ج ۱ ص ۷۵۔۷۷۔❷ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۱۹، نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۷۔❸اس کی اسناد صحیح ہیں، نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۶۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ دونوں پاک نہیں کرتے۔

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویفع بن ثابت (جن کا لقب ابوبکرۃ تھا) سے فرمایا:

اخبر الناس انه من استنجى برجيع (اى روث) او عظم فهو برى من دين محمد

لوگوں میں اعلان کردو کہ جو شخص گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے وہ دین محمد سے بری ہے۔ (۱)

اور یہ ممانعت عام ہے پاک کے بارے میں بھی ہے۔ اور جب جنات کی غذا سے استنجاء کی ممانعت کردی گئی تو انسان کی غذا سے استنجاء بطریق اولیٰ منع ہوگا شوافع جانوروں کی غذا سے استنجاء کو جائز قرار دیتے ہیں جیسے گھاس وغیرہ لیکن جمہور علماء اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئلے سے استنجا کی ممانعت کا قول ضعیف ہے اور اگر اس کو صحیح بھی قرار دے دیا جائے تو اس سے وہ کوئلہ مراد ہوگا جو نرم ہو۔

۲..... پتھروں اور کاغذ کا تین مرتبہ استعمال حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مستحب ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں واجب ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ پتھر سے استجا کرنے میں دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ تین دفعہ پونچھا جائے خواہ ایک پتھر کے تین اطراف سے سہی، اور تین سے سات تک طاق عددوں میں استعمال کرنا اگر محل نجاست صاف نہ ہو۔ اور مسنون یہ ہے کہ نجاست کے ہر محل (پاخانہ کی جگہ، اور پیشاب کی جگہ) کے لئے علیحدہ پتھر وغیرہ ہوں۔ ان حضرات کی دلیل دو احادیث ہیں۔

۱..... **اذ اذهب احدكم الى الغائط فليستطب بثلاثة احجار فانها تجزى عنه**

تم میں سے جب کوئی پاخانے کے لئے جائے تو وہ تین پتھروں سے صفائی حاصل کرے یہ اس کے لئے کافی ہوں گے۔

اور دوسری حدیث:

۲..... **من استجمر فليوتر** (۲)

جو شخص استجمار کرے تو طاق عدد میں کرے۔

۳..... یہ کہ دائیں ہاتھ سے استنجا صرف حالت عذر میں کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو تناسل کو دایاں ہاتھ نہ لگائے اور جب قضائے حاجت کے لئے جائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پونچھے اور اگر کچھ پیئے تو ایک سانس میں نہ پیئے (۳) اس لئے استنجاء بائیں ہاتھ سے مسنون ہے۔

۴..... چھپنا اور شرمگاہ کا ایسے شخص کے سامنے نہ کھولنا جو اسے دیکھ لے دوران استنجاء اور دوران قضاء حاجت واجب ہے کیونکہ شرمگاہ کا دکھانا حرام ہے اور یہ عمل فسق ہے تو سنت کو قائم کرنے کی غرض سے اس حرام کام کا ارتکاب نہ کرے اور مخرج کو کپڑوں کے اندر ہی سے پتھر وغیرہ سے پونچھ لے اور اگر وہ اسے چھوڑ دے تو نماز اس کے بغیر بھی درست ہوجائے گی کیونکہ مخرج میں جو کچھ ہے وہ ساقط الاعتبار ہے۔ پردہ کرنے

---

(۱)..... امام احمد مسلم اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے **نهى النبى صلى الله عليه وسلم ان يتمسح بعظم او بعرة** دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کو تین پتھر لانے کا حکم دیا وہ دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے آئے آپ نے گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا اور فرمایا **انها ركس، ائتنى بحجر** (یہ نجاست ہے پتھر لا کردو) بخاری نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اس سے ملتا جلتا قصہ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **ابغنى احجاراً استنفض بها ولا تأتنى بعظم ولا بروثة** نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۶۔ ۲۱۹۔ (۲) پہلی حدیث امام احمد نسائی، ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کی ہے اور اس کی اسناد کو صحیح حسن قرار دیا ہے اور یہ روایت ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کی ہے دوسری روایت امام احمد ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۰۔ ۹۵۔ (۳) یہ حدیث صحاح ستہ کے مصنفین نے حضرت ابوقتادہ سے نقل کی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۰،

کی بہت سی احادیث ہیں جنہیں ابوداؤداور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو قضائے حاجت کے لئے جائے تو وہ پردہ اختیار کرے، اور اگر وہ سوائے اس کے کہ ریت کا ایک ٹیلہ بنائے کچھ نہ کرسکتا ہو تو وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہی چھپ جائے اور جنگل وصحراء وغیرہ میں لوگوں سے اتنی دور چلا جائے کہ اس سے خارج ہونے والی چیز کی آواز اور بو کسی تک نہ پہنچے۔

۵......پانی سے استنجاء کرنے والے کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو زمین وغیرہ کی طرح جگہ پر ملے پھر استنجاء کے بعد اس کو مٹی یا صابن یا اشنان وغیرہ سے دھولے۔

۶......مقعد کو کھڑے ہونے سے پہلے پونچھ دینا اگر وہ روزے دار ہو تا کہ مقعد پانی نہ جذب کرلے (یعنی فی الفور نہ کھڑا ہو پانی کو ہاتھ سے جھاڑ کر کھڑا ہو اگر زیادہ پانی ہو)۔

۷......مرد کو چاہئے کہ وہ استنجاء کرنے کی صورت میں پہلے عضو تناسل کو دھوئے تا کہ پہلے مقعد کو دھونے کی صورت میں اس کے ہاتھ گندے ہو کر عضو تناسل کو بھی گندا نہ کردیں۔ اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہیے پہلے دھولے شوافع اور حنابلہ کے ہاں اپنی شرمگاہ اور کپڑے پر (رومالی کی جگہ) پانی چھڑک لینا مستحب ہے تا کہ وسوسے وغیرہ دور ہوجائیں۔

۵۔ قضاءحاجت کے آداب......قضائے حاجت کرنے والے شخص کیلئے خواہ وہ پیشاب کرے یا پاخانہ، یہ امور مستحب ہیں۔❶

۱......قضاءحاجت کے وقت کوئی ایسی چیز پاس نہ رکھے جس پر اللہ کا نام ہو یا کوئی بھی قابل تعظیم نام ہو۔ جیسے ملائکہ، عزیز، کریم، محمد اور احمد وغیرہ، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے۔ اور اس انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے اور اگر وہ شخص اس کو بحفاظت رکھے اور اس کی گرنے سے حفاظت کرے تو کوئی حرج نہیں۔

۲......اپنے جوتے پہنے، سرڈھکے، استنجاء کے لیے پتھر لے یا انہیں تیار رکھے، یا نجاست کے دور کرنے کا کوئی دوسرا سامان فراہم رکھے۔

۳......قضائے حاجت کی جگہ داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں رکھے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں نکالے، کیونکہ وہ چیز جس میں تکریم اور عزت کا پہلو ہو اس کے انجام میں داہنی طرف کا اور اس کے برخلاف چیز میں باہنی طرف کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کیونکہ تکریم وعزت کی مناسب داہنی جانب اور باہنی جانب، میں گندگی اور غلاظت کا پہلو ہوتا ہے۔ بیت الخلاء میں داخلے کا معاملہ مسجد اور گھر میں داخل ہونے سے مختلف معاملہ ہے کہ ان دونوں میں دایاں قدم رکھنا ہوتا ہے۔ داخل ہوتے وقت یہ کہے''بسم اللّٰہ! اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث ''یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں نرینہ اور زنانہ شیطانوں سے۔ اس میں بخاری ومسلم کی روایت کی پیروی ہے کہ''بنی آدم کی شرمگاہ اور جنات کی آنکھوں کے مابین پردہ یہ ہے کہ تم سے جب کوئی بیت الخلاء جائے تو یوں کہے بسم اللہ......'' دوسری حدیث میں ہے کہ''قضاء حاجت کی جگہیں گندی مخلوقات کی حاضری کی جگہیں ہوتی ہیں، جب کوئی وہاں آئے تو یوں کہے''اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث۔''

بیت الخلاء سے نکلتے وقت یوں کہے''غفرانک! الحمدللہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی ''نسائی کی روایت حدیث کی پیروی میں ایسا کہے۔

۴......بیٹھے ہوئے بائیں پاؤں پر زور دیتے ہوئے بیٹھے، کیونکہ یہ نکلنے والی چیز کے نکلنے میں سہولت پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور

❶......یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کی ہے ابوداؤد نے اس کو حدیث منکر قرار دیا ہے نسائی اور ترمذی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۷۳۔ ❷ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اپنے باب میں یہ صحیح ترین حدیث ہے ابوداؤد کے علاوہ پانچوں حضرات نے اس کو روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ا ص ۸۸۔ ❸ حدیث کے الفاظ یہ ہیں لایبو لن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه

طبرانی نے حضرت سراقہ بن مالک سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ٹانگ پر بیٹھنے اور دائیں کو کھڑا رکھنے کا حکم دیا یہ بھی آداب میں ہے کہ وہ آدمی اپنی ٹانگوں کے درمیان کشادگی رکھے اور بلاضرورت بات نہ کرے اور حاجت سے زیادہ وہاں نہ بیٹھے کیونکہ اس طرح بیٹھنا اس کے لئے مضر ہے کہ اس طرح بواسیر اور جگر کے خون بہنے کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے کپڑے اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ وہ بیٹھنے کے قریب نہ ہو، کیونکہ ایسا کرنا ستر پوشی کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے کپڑے اس وقت تک نہ اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے اور مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرے تاکہ اس کی چھینٹیں اڑ کر اس پر نہ گریں، اور بلاعذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے یہ بڑی قساوت قلبی ہے کہ انسان کھڑا ہو کر پیشاب کرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں جو شخص تم سے یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے ❶ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت بھی منقول ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور بہتر یہ ہے کہ نرم زمین میں پیشاب کرے تاکہ چھینٹیں اڑ کر نہ لگیں، اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے امام احمد وابوداؤد رحمہ اللہ علیہما نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنے پیشاب کی وجہ سے ٹانگیں کھول کر بیٹھے۔

۵...... ہوا کے رخ کے مخالف پیشاب نہ کرے تاکہ اڑ کر دوبارہ اسی پر نہ آجائے اور نہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے نہ قلیل ماء جاری میں اور احناف کے ہاں کثیر پانی میں بھی نہ کرے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے ❷ اور قبروں پر بھی یا ان کے درمیان بھی پیشاب نہ کرے ان کے احترام کی وجہ سے اسی طرح راستوں اور لوگوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں بھی پیشاب وغیرہ نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اتقوا الملا عن الثلاث، البراز في الموارد، وقارعة الطريق والظل ❸

تین لعنتی کاموں سے بچو پاخانہ کرنا پانی کے گھاٹ کے آس پاس بیچ راستے میں اور سائے میں۔

اسی طرح زمین میں موجود کسی سوراخ یا دراڑ میں پیشاب نہ کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کسی پھل دار درخت پر پھل موجود ہونے کی صورت میں اس کے نیچے پیشاب نہ کرے تاکہ پھل اس پر گر کر ناپاک نہ ہو جائے۔ ان چیزوں سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں تو احناف کے ہاں پیشاب کرنا ممنوع ہے ٹھہرے ہوئے پانی میں حرام زیادہ پانی میں (ماء کثیر میں) مکروہ تحریمی اور چلتے ہوئے پانی میں مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا قلیل پانی وغیرہ میں پیشاب سے تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ شوافع کے ہاں پھل دار درخت کے نیچے پیشاب کرنا عام دنوں میں بھی (جب اس پر پھل نہ ہوں) بہتر نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ پھل آنے پر نیچے گرنے سے زمین کے گندہ ہونے کی صورت میں وہ بھی گندے ہوں گے اور طبیعت ان کا کھانا ناپسند کرے گی تاہم اس حالت میں وہ پیشاب کرنے کو حرام نہیں کہتے ہیں کیونکہ بعد میں آنے والے پھل کا ناپاک ہونا غیر یقینی ہے حنابلہ نے پھل نہ ہونے کی صورت میں اس کو جائز رکھا

---

❶...... یہ حدیث ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں آئے ہوئے لفظ مورد سے مراد پانی کا گھاٹ وغیرہ ہے۔ مسلم، احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اتقوا اللاعنين قالو وما اللا عنان يارسول الله ، قال الذي يتخلى في طريق الناس او في ظلهم (دو لعنتی کاموں سے بچو لوگوں نے کہا کون دو یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وہ جو لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے دوسرا وہ شخص جو سائے میں پیشاب کرے) ملاعن کا لفظ ملعن کی جمع ہے اس کا مطلب وہ کام جس پر لعنت ہوتی ہے۔ ❷ یہ حدیث ابوداؤد نے عبداللہ بن سرجس سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۴۔ ❸ یہ حدیث احمد، مسلم، اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اونچے یا گنجان کھجور کے درخت (درختوں کے جھنڈ) کے پیچھے پردہ پوشی کو پسند فرماتے تھے اسی جگہ جہاں قضائے حاجت کی ہو استنجاء کرنا مکروہ ہے اس شخص کو چاہئے کہ وہ وہاں سے ہٹ کر کرے تا کہ غلاظت کی چھینٹیں اس پر نہ گریں۔ اور حمام میں (جہاں غسل کرنا ہو) پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل کی جگہ پیشاب۔

کرے پھر وہیں وضو کرے، کیونکہ وسوسہ عام طور پر ایسے ہی ہوتا ہے❶ تاہم یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب وہاں کوئی راستہ پانی نکلنے یا بہ جانے کا نہ ہو۔

۶.....احناف کے ہاں قبلہ رخ ہونا یا اس کی طرف پیٹھ کرنا قضاء حاجت کے دوران مکروہ ہے خواہ آبادی میں ہو۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے:

اذا تیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستد بروها ببول اوغائط، ولکن شرقوا اوغربوا❷

(جب تم قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رخ ہو کر یا اس طرف پیٹھ کر کے پیشاب یا پاخانہ مت کرو، مشرق اور مغرب کا رخ کر لیا کرو) (وہاں عرب میں مدینہ منورہ میں قبلہ شمالاً جنوباً ہے شرقاً غرباً نہیں) احناف کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اس جگہ میں مکروہ نہیں جو قضائے حاجت کے لئے خاص ہو کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم قبلہ رخ ہو کر پیشاب کریں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے ایک سال قبل قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرتے دیکھا تھا❸ اس حدیث کے بارے میں یہ تاویل ہے کہ آپ کو انہوں نے آبادی اور عمارت کے اندر ایسا کرتے دیکھا ہوگا۔ اور وہ جگہ جو قضاء حاجت کے لئے نہ ہو وہاں قبلہ رخ ہونا یا اس طرف پیٹھ کرنا حرام ہے، اسی طرح کھلے میدان میں ایسی آڑ کے بغیر جو تقریباً دو تہائی ذراع یا اس سے زائد ہو (یعنی کم از کم تقریبا ۴۰ چالیس سینٹی میٹر سے اونچی آڑ ہو جو کہ سوا فٹ سے کچھ زیادہ لمبائی بنتی ہے) اور اس آڑ سے بھی انسان تین ذراع سے زائد دور نہ بیٹھے (یعنی اس آڑ کے قریب بیٹھے اگر دور بیٹھے تو تین ذراع سے زیادہ دور نہ بیٹھے ورنہ مقصود حاصل نہ ہوگا (یعنی تقریباً تین فٹ) اسی طرح کھلے میدان میں بیوی سے ہمبستری بھی بلا آڑ منع ہے آڑ ہونے کی صورت میں ممانعت نہیں ہے، جیسے گھر میں یا کھلی جگہ میں آڑ کے اندر رہتے ہوئے ہم بستری کرنا۔ سورج اور چاند کے عین مد مقابل ہونا منع ہے کیونکہ ان میں نور خداوندی ہے اور یہ اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں اگر ان سے کسی چیز کے ذریعے پردہ کر لیا یا آدمی اس خاص جگہ میں ہو۔ وہ قضاء حاجت کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ہوا کے مخالف پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے تا کہ چھینٹیں نہ اڑ کر واپس آئیں۔

۷.....مستحب یہ ہے کہ وہ نہ آسمان کو دیکھے نہ شرمگاہ کو نہ اس سے نکلنے والی گندگی کو نہ اپنے ہاتھوں سے کھیلے اور نہ دائیں بائیں دیکھے اور نہ مسواک کرے کیونکہ یہ سب اس کی حالت کے منافی امور ہیں اور زیادہ دیر نہ بیٹھے کہ اس سے بواسیر کی شکایت ہو جاتی ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ وہ کھڑے ہوتے وقت آہستہ آہستہ اپنا کپڑا بھی لٹکا تا جائے۔ مسجد میں پیشاب حرام ہے خواہ برتن میں کیا جائے کیونکہ یہ اس کے آداب اور احترام کے خلاف ہے اسی طرح قبر کے اوپر کرنا حرام ہے اور اس کے آس پاس کرنا مکروہ ہے اس کا احترام مقصود ہے۔

اور اگر اس دوران چھینک آئے تو دل میں الحمدللہ کہے اور بیت الخلاء سے استنجاء کے بعد نکلنے کے بعد یہ کہے:

اللھم طھر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش

اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر دے اور میری شرمگاہ کو بے حیائی کے کاموں سے بچائے رکھ۔

---

❶.....یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے۔ ❷ امام احمد اور بخاری ومسلم نے حضرت ابوایوبؓ سے یہ روایت نقل کی ہے نیل الاوطار ج اص ۸۰۔ ❸ ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ''حدیث حسن غریب''۔ باقی محدثین نے بھی یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج اص ۸۰۔۸۱۔

اور یہ کہے:

الحمدللہ الذی اذا قنی لذتہ وابقی فی منفعتہ واخرج عنی اذاہ

اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی، مجھ میں اس کا فائدہ رہنے دیا اور اس کی تکلیف اور زائد چیزوں کو باہر نکال دیا۔

الفصل الرابع ...... چوتھی فصل

وضو اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان

اس فصل میں تین مباحث ہیں:

پہلی بحث، وضو...... اس بحث کے ذیل میں وضو کی تعریف اقسام، فرائض، شرائط، سنتوں، آداب، مکروہات نواقض وضو (وضو توڑنے والی چیزیں) معذور کے وضو اور وہ چیزیں جن سے بے وضو شخص کو روکا جاتا ہے ان سب امور کا بیان ہوگا۔

خبث (نجاست) کو پاک کرنے کی بحث گزر چکی ہے یہ طہارت حقیقیہ کہلاتی ہے اور حدث سے حاصل کی جانے والی طہارت کو طہارت حکمیہ کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) وضو (۲) غسل اور (۳) تیمّم میں پہلے وضو کا بیان کروں گا کیونکہ اس کا سبب حدث اصغر ہوتا ہے اور تیمّم تو وضو اور غسل کا مخصوص حالات میں نعم البدل ہے ہم یہ جان چکے ہیں کہ طہارت حکمیہ ایک وصف ہے جو شرعاً اعضاء بدن کو دھونے سے حاصل ہوتا ہے اور جو نجاست حکمیہ کو زائل کر دیتا ہے۔ اور ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ طہارت حقیقیہ نام ہے گندگی کو دور کرنے کا یعنی وہ گندگی جو شرعاً گندگی اور نجس چیز شمار ہو۔

وضو کی بحث کے تحت ۹ (نو) ذیلی مباحث ہیں۔

۱۔ پہلی بحث: **وضو کی تعریف اور اس کا حکم، یعنی اقسام اور اوصاف**...... لفظ وضو (واؤ کے پیش کے ساتھ) فعل کا نام ہے یعنی مخصوص اعضاء کو مخصوص طریقے سے دھونے کا نام ہے یہی یہاں مراد ہے، یہ وضاء - سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں حسن خوبصورتی اور صفائی کے۔ عربی میں بولتے ہیں وضوالرجل ای صار وضیا (یعنی آدمی خوبصورت بن گیا) وضو (واؤ کے زبر کے ساتھ) اس پانی کو کہتے ہیں جس سے وضو کیا جاتا ہے۔

شرعاً وضو مخصوص صفائی کا نام ہے ⓫ یا وہ نام ہے مخصوص افعال کا جنہیں نیت کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے ⓬ اور وہ ہے چہرے، دونوں ہاتھ پاؤں کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے اس کی سب سے واضح تعریف یہ ہے کہ وضو نام ہے پاک پانی کو جسم کے مخصوص اعضاء میں اس خاص طریقے سے استعمال کرنا جو شریعت نے بتایا ہے ⓭ اس کا اصل مقصود اور حکم اصلی یہ ہے کہ یہ نماز کے لئے فرض ہے کیونکہ یہ نماز کی درستگی کے لئے شرط ہے جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ...... سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اے اہل ایمان! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو دھولو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک اور مسح کرو سر کا اور دھولو پاؤں کو گٹوں تک۔

اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے حدث لاحق ہو جانے والے شخص کی نماز اللہ اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ وضو نہ

⓫...... مراقی الفلاح ص ۹۔ ⓬ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷۔ ⓭ کشف القناع ج ۱ ص ۹۱

کرے (13) اور وضو اس لئے بھی ضروری ہے کہ امت کا اس کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔

وضو شروع تو مکہ میں ہوا تھا مگر اس کی آیتیں مدینہ میں اتریں جیسا کہ محققین نے وضاحت کی ہے۔ ان عضاء کے دھونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ اعضا زیادہ تر گندگی گرد وغبار اور کپڑے وغیرہ کا شکار ہوتے ہیں۔ وضو کے ساتھ کبھی دوسرے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں جو اس کو مستحب یا واجب بنا دیتے ہیں احناف کی تعبیر کے مطابق (۴) یا کبھی ممنوع بھی بنا دیتے ہیں لہٰذا فقہاء نے وضو کی کئی اقسام بیان کی ہیں اور اس کے کئی اوصاف بھی بیان کیے ہیں ان سب کا اگلی سطور میں بیان ہے

ا.....احناف فرماتے ہیں (14) کہ وضو کی پانچ قسمیں ہیں۔

ا۔فرض وضو: الف:.......بے وضو شخص جب نماز کے لئے ارادہ کرے تو اس پر لازم ہوگا نماز خواہ فرض ہو یا نفل مکمل نماز ہو یا نامکمل نماز ہو جیسے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت (15) دلیل وہی آیت ہے جو گذری **اذا قمتم الی الصلاۃ**۔ اور دوسری حدیث جو گذری کہ اللہ تم میں سے اس شخص کی نماز نہیں قبول کرتا جو بے وضو ہو جب تک کہ وہ وضو نہ کرے (16) اور ایک حدیث ہے:

لایقبل اللہ طہارۃ بغیر طہور ولا صدقۃ من غلول (17)

اللہ تعالیٰ نماز بغیر پاکی کے حصول کے اور صدقہ خیانت شدہ مال سے قبول نہیں کرتا۔

ب......قرآن کریم چھونے کے لئے خواہ ایک آیت ہو جو ورق دیوار یا نقدی (سکے نوٹ) وغیرہ پر لکھی ہوئی ہو دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ سورۃ الواقعہ، آیت نمبر ۷۹

قرآن کو صرف پاک لوگ چھوئیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

لایمس القرآن الاطاہر (18)

قرآن کریم صرف پاک آدمی چھوئے۔

۲۔واجب وضو....... وہ وضو ہوتا ہے جو طواف کعبہ کے لئے کیا جاتا ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ فرض ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف نماز ہی کی طرح ہے اللہ نے صرف اس میں باتوں کو حلال کر دیا ہے، جو شخص اس کے دوران بات چیت کرے تو خیر اور بھلائی کی بات کرے (19) احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ طواف صلاۃ حقیقیہ نہیں ہے اس لئے اس کی درستگی اور صحت طہارت پر موقوف نہیں واجب طواف میں طہارت چھوڑ دینے سے دم واجب ہوگا۔ اور فرض طواف میں چھوڑ دینے سے بدنہ (بڑا دم اونٹ یا گائے) لازم ہوگا۔ اور نفلی طواف میں طہارت چھوڑ دینے سے صدقہ لازم ہوگا۔

---

(13)...... روایت بخاری ومسلم۔......فرض احناف کے ہاں وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہوا اور روایت وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو۔

(14) مراقی الفلاح ص ۱۳ اور بعد کے صفحات۔ (15) قرآن کریم میں کچھ آیات میں جنہیں آیات سجدہ کہا جاتا ہے ان کی تعداد شوافع اور حنابلہ کے ہاں چودہ ہے مسلمان جب ان کی تلاوت کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیت اور پاکی کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر سجدہ کرے سجدہ تلاوت احناف کے ہاں واجب اور جمہور کے ہاں سنت ہے۔ (16) روایت بخاری مسلم، ابوداؤد و ترمذی از حضرت ابوہریرہ سبل السلام ج ۱ ص ۴۰۔ (17) بخاری کے علاوہ اصحاب صحاح ستہ نے اس کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے غلول خیانت کو کہتے ہیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۴۔ (18) یہ حدیث اثرم اور دار قطنی نے روایت کی ہے حاکم بیہقی اور طبرانی نے بھی اس کو نقل کیا ہے امام مالک نے مؤطا میں اس کو مرسل ذکر کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ لاباس بہ (اس کو قبول کرنے میں حرج نہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵۔ (19) یہ روایت ابن حبان حاکم، ترمذی از حضرت ابن عباسؓ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۵۷۔

۳۔ مستحب وضو...... یہ بہت ساری حالتوں میں ہوتا ہے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ (11)

الف...... ہر نماز کے لئے تازہ وضو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے لئے وضو اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا (12) تجدید وضو جب مستحب ہے جب پہلے وضو سے نماز ادا کر لی ہو فرض یا نفل کیونکہ یہ وضو نور علی نور شمار ہوگا اور اگر پہلے وضو سے کوئی مقصودی عبادت نہیں انجام دی تو دوسرا وضو اسراف شمار ہوگا (13) دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پاکی کے باوجود وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی (14) اسی طرح ہمیشہ حالت وضو میں رہنا مستحب ہے۔ ابن ماجہ، حاکم، احمد اور بیہقی کی حضرت ثوبان سے نقل کردہ روایت میں ہے ”استقامت پر رہو تم ہرگز احاطہ نہیں کر سکتے جان لو تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے اور وضو کی پابندی تو صرف مؤمن ہی کرتا ہے۔“

ب...... شرعی اور دینی کتابیں مثلاً تفسیر، حدیث، عقیدہ اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کو چھونے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے۔ تفسیر میں اگر قرآن زیادہ ہو تو اس کو بے وضو چھونا حرام ہوگا۔

ج:...... وضو کی حالت میں سونے کے لئے اور نیند سے بیدار ہوتے ہی فوراً حصول طہارت کے لئے وضو مستحب ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سونا چاہو تو نماز کی طرح کا وضو کرو، دائیں کروٹ لیٹو اور یہ دعا پڑھو:

اللهم انی اسلمت نفسی الیك ووجهت وجهی الیك، وفوضت امری الیك والجأت ظهری الیك، لاملجاء ولا منجی منك الا الیك امنت بکتابك الذی انزلت، وبنبیك الذی ارسلت (5)

د...... غسل جنابت سے پہلے وضو مستحب ہے اسی طرح جنبی شخص کے لئے کچھ کھانے پینے سونے یا دوبارہ ہم بستری سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ایسا آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر جنابت کی حالت میں ہوتے اور کھانا یا سونا چاہتے تو وضو کر لیتے (6) یہ بھی ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر سونا چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شرمگاہ دھو لیتے اور نماز والا وضو کر لیتے (7) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور دوبارہ ایسا کرنا چاہے تو وہ وضو کر لے۔ (8)

ھ...... غصہ آ جانے پر وضو کر لینا مستحب ہے۔ کیونکہ وضو سے غصہ کم ہوتا ہے امام احمد نے یہ نقل کیا ہے جب تم میں سے کوئی غصے میں ہو تو وہ وضو کر لے۔

و...... قرآن پڑھنے کے لئے، حدیث پڑھنے اور روایت کرنے کے لئے، دینی کتاب کے مطالعے کے لئے ان کی عظمت شان کی خاطر وضو کر لینا مستحب ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک املاء کراتے وقت وضو کر کے پاک صاف ہو کر بیٹھتے تھے حدیث کی تعظیم وتکریم کی خاطر۔

ز:...... اذان، اقامت کہنے، خطبہ دینے کے لئے خواہ خطبہ نکاح ہو، زیارت نبوی کے لئے، وقوف عرفہ کے لئے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کے لئے وضو مستحب ہے کیونکہ (صفا ومروہ اور عرفہ کا میدان) عبادت کے مقامات ہیں۔

---

(11)...... مغنی المحتاج ج ا ص ۶۳ مزید ملاحظہ کریں۔ (12) امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے نیل الاوطار ج ا ص ۲۱۰۔ (13) ردالمحتار۔ ابن عابدین شامی، ج ۱ ص ۱۱۱۔ (14) یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ (5) یہ حدیث امام احمد، بخاری اور ترمذی نے حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کی ہے جاگنے کے بعد ہاتھ دھونے والی حدیث سے ہمیں جاگنے کے بعد فوری وضو کر لینے کا اشارہ ملتا ہے ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب تم میں کوئی بیدار ہو اور وضو کرنا چاہے تو اپنا ہاتھ وضو کے پانی میں نہ ڈالے جب تک کہ اسے دھو نہ لے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا اور کہاں کہاں اس نے ہاتھ رکھا ہو نصب الرایہ ج ا ص ۲۔ (6) بروایت احمد ومسلم ایک روایت نسائی نے بھی اسی کے ہم معنی نقل کی ہے۔ (7) روایت صحاح ستة۔ (8) روایت صحاح ستہ ما سوا بخاری۔

ح.....گناہ کے ارتکاب کے بعد جیسے غیبت جھوٹ چغل خوری وغیرہ کے بعد وضو کر لینا کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جس سے اللہ گناہوں کو مٹاتے اور درجات کو بلند کرتے ہیں؟ سب بولے: بالکل یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو پورا پورا کرنا ناگواری کے باوجود (یعنی مثلاً شدید سردی یا شدید گرمی میں ٹھنڈے یا گرم پانی سے وضو کی صورت میں وضو کرنا) اور مسجد

کی طرف زیادہ قدم اٹھانا اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ یہی رباط ہے یہی رباط ہے (1) (یعنی پابندی سے کام کرنا یہی ہے)

ط.....نماز کے باہر قہقہہ لگانے کی صورت میں وضو مستحب ہے کیونکہ یہ صورتاً حدث ہے۔

ی.....میت کے غسل دینے اور اٹھانے کے بعد، کیونکہ حدیث میں جو کسی میت کو غسل دے وہ غسل کرے، جو اٹھائے وہ وضو کرے۔ (2)

ک.....علماء کے درمیان اختلافی مسئلہ ہونے کی صورت میں وضو مستحب ہے تاکہ اختلاف سے نکل سکے جیسے عورت کے چھونے یا ہاتھ کے اندر کی طرف سے شرم گاہ کو چھونے یا اونٹ کا گوشت کھا لینے کی صورت میں وضو کر لینا مستحب ہے کیونکہ ان کاموں کے کرنے سے بعض کے ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور مستحب اس لئے ہے کہ اس کی عبادت بالاتفاق سب کے ہاں درست ہو اور دین کا بچاؤ اور حفاظت بھی ہو۔

۴۔مکروہ وضو.....جیسے ایک وضو سے نماز سے پڑھنے سے پہلے دوسرا وضو کر لینا یعنی وضو در وضو مکروہ ہے اور پہلے وضو سے نماز وغیرہ ادا نہ کی ہو، خواہ مجلس بدل بھی جائے۔ (3)

۵۔حرام وضو.....جیسے غصب شدہ پانی سے وضو کرنا یا یتیم کے پانی سے وضو کرنا۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ غصب شدہ چیز وغیرہ سے وضو درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهورد (4)

جو شخص ایسا کام کرے جو ہم نے نہ بتایا ہو تو وہ کام مردود ہے الوٹایا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں بھی وضو کی پانچ قسمیں ہیں (5) واجب، مستحب، سنت، مباح اور ممنوع۔ واجب وضو وہ ہے جو فرض نماز نفل نماز، سجدہ تلاوت نماز جنازہ، قرآن کو چھونے اور طواف کے لئے ہو۔ اور نماز صرف واجب وضو کے ذریعے ہی ادا ہوگی۔ اور اگر کوئی وضو ان اشیاء کے لئے کرے تو اس کے لئے تمام عبادتیں کرنا درست ہوں گی۔

سنت وضو: جیسے جنبی شخص کا سونے کے تیمّم:

مستحب وضو:.....ہر نماز کے لئے وضو مستحاضہ اور سلس البول (قطروں کے مریض) کا ہر نماز کے لئے وضو، مالکیہ کے علاوہ دیگر فقہاء ان دونوں کے لئے اس وضو کو واجب شمار کرتے ہیں۔ نیکی کے لئے وضو کرنا بھی مستحب وضو ہے جیسے تلاوت ذکر، دعا اور تعلیم اور علم وغیرہ کے لئے وضو کرنا۔ ڈراؤنے کاموں کے لئے وضو مستحب ہے جیسے سمندری سفر کے لئے اور بادشاہ یا قوم کے پاس جانے کے لئے بھی وضو مستحب ہے۔

---

(1).....یہ حدیث، امام مالک مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے ابن ماجہ نے بھی اسی معنی ومفہوم کی حدیث حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۵۸۔ (2) ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے یہ حدیث حسن ہے۔ (3) یہ بات علامہ ابن شامی کی تحقیق کے مطابق ہے دیکھئے ردالمحتار ج ۱ ص ۱۱۱، مراقی الفلاح میں یہ ہے کہ اگر مجلس بدل جائے تو وضو علی الوضو مستحب ہے۔ من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد۔ (4) یہ حدیث مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور بخاری ومسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں بھی روایت کی ہے۔ من احدث فی مرنا هذا مالیس منه فهورد۔ (5) القوانین الفقهیه۔ ص ۲۰۔

مباح وضو......وہ جس سے مقصود صرف ٹھنڈک کا حصول یا صفائی مقصود ہو۔

ممنوع وضو: پہلے وضو سے عبادت کئے بغیر ہی دوسرا وضو کرنا:

شوافع اور حنابلہ بھی احناف اور مالکیہ کے ساتھ اوپر بیان کردہ مستحب وضو کی صورتوں میں متفق ہیں ❶ ان کی تفصیل یہ ہے کہ۔ قراءت قرآن یا حدیث، یا علم پڑھنے کے لئے مسجد میں داخل ہونے، بیٹھنے یا گذرنے کے لئے، ذکر، اذان اور سونے کے لئے یا حدث اصغر میں شک رفع کرنے کے لئے، غصے کی حالت میں ❷ حرام گفتگو وغیرہ کرنے کی صورت میں، جیسے غیبت وغیرہ۔ مناسک حج کے لئے جیسے وقوف عرفہ، رمی جمار (شیطان کو کنکریاں مارنا) زیارت قبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کے لئے اور ہر نماز کے لئے۔ ان سب امور کے لئے وضو مستحب ہے۔ ہر نماز کے لئے اس لیے کہ حدیث میں ہے اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لئے وضو کا حکم ان کو دے دیتا❸ شوافع کے ہاں ان صورتوں میں بھی وضو مستحب ہے فصد کھلوانے، پچھنے لگوانے نکسیر پھوٹنے، بیٹھ کر اونگھنے یا سونے میں جب کہ مقعد زمین پر ہو، نماز میں قہقہہ لگانے، آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے، اونٹ کا گوشت کھانے، حدث کے ہونے میں شک کی صورت میں قبروں کی زیارت کے لئے جانے اور میت کے اٹھانے اور چھونے کی صورت میں، ان تمام صورتوں میں وضو شوافع کے ہاں مستحب ہے۔

۲۔ دوسری بحث، وضو کے فرائض:......قرآن کریم نے وضو کے چار ارکان وفرائض کے متعلق بیان کیا ہے جو کہ یہ ہیں۔

۱......چہرے کا دھونا	۲......دونوں ہاتھوں کا دھونا
۳......سر کا مسح	۴......دونوں پاؤں کا دھونا۔

یہ قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوئے ہیں:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ...... سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶

یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ فا غسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق

اے ایمان والوں جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں کو دھوؤ ٹخنوں تک۔

احناف کے علاوہ دیگر تمام فقہاء نے سنت نبویہ کی رو سے مزید فرائض کا اضافہ کیا ہے جس میں نیت کے فرض ہونے پر سب کا اتفاق ہے، مالکیہ اور حنابلہ نے موالات پے در پے ہونا کو لازم قرار دیا ہے جیسے شوافع اور حنابلہ نے ترتیب (یکے بعد دیگرے ہونے) کو شرط قرار دیا ہے مالکیہ نے دلک (عضو کے ملنے) کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ تو وضو کے ارکان احناف کے ہاں چار ہیں جو منصوص ہیں مالکیہ کے ہاں نیت، دلک اور موالات کے اضافے سے یہ سات ہیں شوافع کے ہاں ترتیب اور نیت کے اضافے کے ساتھ چھ، اور حنابلہ اور شیعہ امامیہ کے ہاں نیت، ترتیب اور موالات کے اضافے کے ساتھ سات ہیں۔

اس گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ارکان وفرائض دو قسم کے ہیں

۱......جن پر اتفاق ہے۔	۲......جن میں اختلاف ہے۔

۱۔ پہلی قسم: وضو کے وہ فرائض جن پر اتفاق ہے......یہ فرائض چار ہیں جو قرآن کریم میں منصوص ہیں اور جو مندرجہ ذیل ہیں۔

❶......مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۹، کشف القناع ج ۱ ص ۹۸۔ ❷ کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ کا ہے، اور پانی آگ کو بجھاتا ہے جیسا کہ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے۔ ❸ یہ حدیث امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

ا۔ چہرے کا دھونا...... اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (تو اپنے چہرے دھولو۔ سورہ مائدۃ، آیت ۶) یعنی چہرے کے پورے ظاہری حصے کو ایک مرتبہ دھونا❶ اور دوسری دلیل اجماع امت ہے❷ اور ''غسل'' (غ کے زبر کے ساتھ) پانی کے اس طرح عضو پر بہانے کو کہتے ہیں کہ پانی ٹپک پڑے اور صحیح قول کے مطابق اس کی کم از کم مقدار دو قطرے ہیں بغیر قطرے ٹپکے پانی کا بہادینا کافی نہیں ہوگا اور غسل سے نغسال (ڈھل جانا) مراد ہے یعنی خواہ وضو کرنے والے کے اپنے غسل سے ڈھل جائے یا دوسرے کے کرنے سے ہو اور فرض ایک مرتبہ دھونا ہے تین مرتبہ دھونا سنت ہے فرض نہیں ہے۔

''وجہ'' (چہرہ) اس کو کہتے جس سے انسان کسی کی مواجہت (آمنا سامنا) کرتا ہے۔ اس کی حد لمبائی میں بال اگنے کی تمام جگہ (یعنی جہاں تک عام طور پر بال اگتے ہیں) سے لے کر ٹھوڑی کے ختم تک یا یوں کہیں کہ پیشانی کی ابتداء سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے حصے تک اور ذقن ٹھوڑی کو کہتے ہیں یعنی نچلے جبڑے پر ڈاڑھی اگنے کی جگہ یا لحیین یعنی جبڑے کی وہ دائیں بائیں طرف کی دو ہڈیاں جن پر نچلے دانت ہوتے ہیں (یعنی دونوں جبڑوں کو ذقن کہا جا سکتا ہے مراد ہے، چہرے کے نچلے حصے کی انتہا) اور پیشانی کی وہ جگہ جس پر بال نکل آئیں وہ چہرے میں شامل ہوتی ہے (یعنی اگر کسی کی پیشانی بالوں سے ڈھکی ہوئی ہو تو وہ چہرے میں داخل شمار ہوگی) تاہم نزعہ یعنی کنپٹی پر سے جھڑ جانے والے بال کی جگہ چہرے میں نہیں شمار ہوگی یعنی وہ سفیدی جو سر کے دونوں طرف کی کنپٹیوں کے اوپر کے حصے یعنی پیشانی کے اوپری حصے کے دائیں اور بائیں کے بال جھڑ جانے سے بنتی ہے وہ چہرے میں شمار نہیں ہوگی کیونکہ یہ سر کی گولائی میں ہوتے ہیں۔ چوڑائی کے اعتبار سے چہرے کی حد کان کی دونوں لو کے درمیان کی جگہ ہے اور احناف وشوافع کے راجح قول کے مطابق چہرے میں وہ جگہ بھی داخل ہے جو کان اور داڑھی مابین ہوتی ہے جس پر بال نہیں ہوتے مالکیہ اور حنابلہ اس کو سر میں سے شمار کرتے ہیں اسی طرح مغنی میں بیان کردہ تحقیق کے مطابق تحذیف کی جگہ بھی حنابلہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق چہرے میں شمار ہوگی اور تحذیف اس جگہ کو کہتے ہیں جو پیشانی کی دونوں جانب عذار کی ابتداء اور نزعہ کے مابین کی جگہ جس پر معمولی سے بال نکلے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ چہرے میں داخل ہے❸۔ تاہم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جمہور شافعیؒ فقہاء نے اس بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے کہ تحذیف کی جگہ سر میں سے ہے کیونکہ اس کے بال سر کے بالوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں حنابلہ میں سے صاحب کشف القناع فرماتے ہیں کہ یہ چہرے میں سے نہیں سر میں سے شمار ہوگا۔ اس صورت میں وضو میں اس کا دھونا ضروری نہیں ہوگا۔ اور صدغ سر میں سے شمار ہوگا، یعنی وہ جگہ جو کان سے اوپر اور عذار سے متصل ہوتی ہے (یعنی کنپٹی کے بال) کیونکہ یہ سر کی گولائی میں داخل حصہ ہے۔ منہ دھوتے وقت سر کا تھوڑا سا حصہ شامل کر لینا بہتر ضروری ہے، کیونکہ فریضے کی ادائیگی اس کے بغیر نہیں ہوتی۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ داڑھی اور کان کے درمیانی حصے کو اہتمام سے دھونا مستحب ہے کیونکہ لوگ اکثر اس سے غفلت برتتے ہیں شوافع فرماتے ہیں کہ سر کے اگلے گنجے حصے تحذیف، نزعہ اور صدغ (ان تینوں کی وضاحت گزر چکی ہے) کو چہرے کے ساتھ دھوتے ہوئے شامل کرنا مسنون ہے تا کہ اس اختلاف سے باہر نکلا جا سکے جو ان کے دھونے کے بارے میں ہے (یعنی ان کو دھو لینے سے وہ اختلافی صورت درپیش ہی نہ ہوگی کہ ایک کے ہاں وضو ہو ادوسرے کے ہاں نہیں) اور سر کا تھوڑا سا حصہ حلق کا حصہ ٹھوڑی کا نچلا حصہ اور تھوڑا سا کان کا حصہ دھونا واجب ہے (مقصد یہ ہے کہ

❶..... مسلم کے علاوہ تمام صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ایک ایک مرتبہ اعضا کو دھویا۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۲۔ ❷ الدر المختار ج ا ص ۸۸، فتح القدير ج ا ص ۸، البدائع ج ا ص ۳، تبيين الحقائق ج ا ص ۲ الشرح الصغير ج ا ص ۱۰۴ الشرح الكبير ج ا ص ۸۵ مغني المحتاج ا ص ۵۰، المهذب ج ا ص ۱۶ كشف القناع ج ا ص ۹۲،۱۰۶ المغني ج ا ص ۱۱۴-۱۲۰ بداية المجتهد ا ص ۱۰ القوانين الفقهيه ص ۱۰۔ ❸ اس جگہ کو تحذیف اس لئے کہتے ہیں کہ عربوں میں لوگ اس جگہ کے بالوں کو کاٹ کر چھوٹا رکھتے ہیں تا کہ چہرہ بڑا لگے اس کے اندازہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کان کے اوپر کے سرے پر سے ایک دھاگہ رکھا جائے جو پیشانی کے اوپر کے سرے جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں تک ہو اس کے تحت آنے والے بال تحذیف شمار ہوں گے۔ یعنی وہ بال جو چہرے کی طرف ہوں۔

چہرے کی جو حدود اوپر بیان کی گئیں ان کو مکمل طور پر دھونے کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا حصہ ان چیزوں کا بھی شامل کیا جائے جو اس کی حدود سے متصل ہیں، لہٰذا اس طریقے سے دھونا واجب قرار پایا جاتا کہ مقصود (چہرے کا دھونا) احسن اور اکمل طریقے سے حاصل ہو سکے) اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کے دھونے میں بھی ضروری ہے کہ ان کی متعین حدود سے تھوڑا سا بڑھا کر دھولیا جائے۔ کیونکہ یہ اصول ہے کہ واجب کا حصول جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ چہرے میں ہونٹ کے ظاہری حصے (یعنی ہونٹ کے بند رکھے جانے پر جو حصہ بلا تکلیف سامنے ہوتا ہے) ناک کی نوک (نرم حصہ) اور ناک وغیرہ کا کٹا ہوا حصہ سب شامل ہوں گے ہونٹ کے اندرونی حصہ اور آنکھوں کا اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں بھنوؤں، پلکوں، عذار (کان کے بالمقابل ابھری ہوئی ہڈی کے بال جو ہڈی کنپٹی اور گال کے درمیان ہوتی ہے) کے بال مونچھوں اور رخسار کے بال، ریش بچہ (نچلے ہونٹ کے نیچے والے بال) ڈاڑھی کے بال ظاہراور باطنا (یعنی بال بھی اور اندر سے کھال بھی) خواہ بال موٹے ہوں یا ہلکے ہوں موٹے بال سے مراد بالوں کا ایسا ہونا ہے کہ سامنے والے شخص کو کھال نہ نظر آ سکے، اور ہلکے ہونے کا مطلب اتنا باریک ہونا کہ کھال نظر آ سکے۔ دلیل ان کے دھونے کے لازم ہونے کی وہ حدیث ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے ناخن برابر جگہ اپنے پاؤں پر خشک چھوڑ دی تھی فرمایا لوٹو اور وضو اچھی طرح کر کے آؤ۔ اور داڑھی اگر اتنی گھنی ہو کہ کھال نظر نہ آ سکے تو اس صورت میں صرف داڑھی کے باہر کے حصے کو دھولینا کافی ہے اور اندر کے بالوں میں صرف خلال کر لینا کافی ہے کھال تک پانی پہنچانا لازمی نہیں کیونکہ کھال تک پانی پہنچانا بہت مشکل ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جو بخاری نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ایک چلو پانی بھر کر اپنے چہرہ انور کو دھویا) ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور ایک چلو پانی داڑھی کے اندر تک عام طور پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔

داڑھی کے وہ بال جو لمبے ہوں اور چہرے کے دائرے سے خارج ہوں تو شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق ان کا دھونا واجب ہے، حنابلہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ یہ بال ایسی جگہ اُگے ہوئے ہیں جس کا دھونا فرض ہے اور یہ ظاہراً اس کے نام کے تحت داخل بھی ہوتے ہیں (یعنی چہرہ جب بولا جاتا ہے تو یہ بال اس میں داخل شمار ہوتے ہیں) تاہم سر کے بالوں کا مسئلہ مختلف ہے کہ وہ اگر لمبے اور نیچے تک ہوں تو وہ سر کے تحت نہیں شمار ہوتے ہیں، دوسری بات یہ کہ اس کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت کی ہے کہ پھر جب وہ اپنا چہرہ خدا کے احکام کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ داڑھی کے کنارے سے بہہ جاتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ نے لمبے لٹکے ہوئے بالوں کو دھونا لازمی نہیں قرار دیا ہے کیونکہ یہ بال فرض جگہ سے خارج شمار ہوتے ہیں اور چہرے کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا ہے۔

حنابلہ نے مزید یہ کہا ہے کہ ناک اور منہ چہرے میں شمار ہوں گے، یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا لازم ہیں کیونکہ امام ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ **اذا توضات فمضمض** (جب تم وضو کرو تو مضمضہ (کلی کرو) اور امام ترمذی نے حضرت سلمہ بن قیسؓ سے روایت کی ہے کہ **اذا توضات فانتثر** (جب تم وضو کرو تو ناک صاف کرو) اسی طرح حنابلہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو بھی لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہیں، اور اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام وضو میں نہ لے۔ ❷

۲۔ ہاتھوں کو کہنیوں تک ایک مرتبہ دھونا، دوسرا فرض...... دلیل اس کی آیت قرآنی کے یہ الفاظ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ

---

❶......روایت امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۷۔ ❷ یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت ابو سعیدؓ سے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

(اوراپنے ہاتھ کہنیوں تک، سورۃ المائدہ آیت نمبر ٦) اوراجماع امت ہے ❶ اور کہنی سے مراد ہاتھ کا بیچ کا جوڑ ہے۔

جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ داخل ہیں کے ہاں کہنیوں کو دھونے میں داخل کرنا واجب ہے کیونکہ آیت میں آیا ہوالفظ الی انتہاء غایت کے لئے استعمال ہوا ہے ❷ اور یہ یہاں ''مع'' (ساتھ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (اوروہ تمہیں اضافہ کرے گا قوت کا تمہاری قوت کے ساتھ، سورۃ ہود، آیت ۵۲) اوراس آیت وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (اورمت کھاؤان کے اموال اپنے مال کے ساتھ ملاکر۔ سورۃ النساء، آیت نمبر ۲) میں یہ اس معنی میں آیا ہے اوردوسری بات یہ کہ اصلی لفظ ''ید'' (ہاتھ) کے معنی میں پوراہاتھ ہتھیلی بازو وغیرہ سب داخل ہیں، لیکن مرافق (کہنیوں) کے ذریعے تحدید کردینے سے اس سے آگے کا حصہ حکم میں داخل نہ ہوا۔ اورسنت نبویہ نے مطلوب مقدار کو بیان کرکے مجمل کوواضح کردیا چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے کے بارے میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوشروع کیا تو اپنا چہرہ دھویا اور مکمل دھویا پھراپنا دایاں ہاتھ دھویا یہانتک کہ کہنی سے اوپر کا حصہ تک دھویا پھر بایاں ہاتھ دھویا اس کو بھی اسی طرح کہنی کے اوپر کے حصے تک دھویا ❸ اورامام دارقطنی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آؤ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوکر کے دکھاؤں، پھرانہوں نے اپنا چہرہ دھویا اوردونوں ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ کہنی کے اوپر کے حصے کنارے تک کودھودیا ❹ اسی طرح امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوفرماتے ہیں توپانی اپنی کہنیوں پر بہاتے۔

انگلیوں کی سلوٹوں کا دھونا واجب ہے اسی طرح وہ لمبے ناخن جوانگلیوں کے سروں کو چھپالیں ان کے نیچے دھونا واجب ہے، اسی طرح احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں ناخن کا وہ میل دورکرنا واجب ہے جو پانی کو کھال تک پہنچے سے مانع ہو یعنی وہ کثیر مقدار میں ہو ہاں اگر قلیل مقدار میں ہے تووہ معاف ہے احناف کے ہاں یہ میل کچیل معاف ہے خواہ کم ہو یا زیادہ کیونکہ اس کے دور کرنے میں حرج ہے۔ تاہم ناخن پر لگی ایسی چیز جو پانی کوان تک پہنچنے سے روک دے جیسے پالش اور چکنائی وغیرہ توایسی چیز کا دورکرنا بالاتفاق واجب ہے۔

مالکیہ کے ہاں ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرنا واجب ہے اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا مستحب ہے۔ اوراگرکسی کی ایک انگلی زائد نکلی ہوئی ہو تو اس کا دھونا بھی فرض ہوگا کیونکہ یہ اس جگہ نکلی ہوئی ہے جس کا دھونا فرض ہے۔ اسی طرح حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں اس کھال کا دھونا بھی فرض ہے جو نکلی تو ایسی جگہ ہو جس کا دھونا فرض نہیں لیکن لٹک کراس جگہ تک آگئی ہو جس کا دھونا فرض ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ اگر مثلاً بازو کی کھال لٹک کرنیچے تک آگئی تو اس کا دھونا بالکل بھی ضروری نہیں ہوگا، نہ اس حصے کا جولٹک کرکہنی سے نیچے اس جگہ تک آگیا ہو جو داخل فرض ہے اورنہ دوسرے حصے کا کیونکہ ہاتھ کا اطلاق اس پرنہیں ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ محل فرض سے خارج بھی ہے اوراگر مثلاً ہاتھ کا کچھ حصہ کٹ گیا جس کا دھونا فرض تھا تو بقیہ رہ جانے والے کو دھونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ دھونا صرف اس حصے کا ممکن نہیں جو کٹ چکا ہے، بقیہ حصے کا دھونا ممکن ہے تو فرض کا حکم کالعدم نہیں ہوگا۔ اوردوسری وجہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو۔

---

❶......گزشتہ حوالہ جات: البدائع ص ۴ فتح القدیر ص ۱۰ تبیین الحقائق ص ۳، الدرالمختار ص ۹۰، الشرح الصغیر ص ۱۰۷، الشرح الکبیر ص ۸۷، بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۱۰ القوانین الفقهیه ص ۱۰ مغنی المحتاج ص ۵۲ المهذب ص ۱۶، المغنی، ص ۱۲۲، کشف القناع ص ۱۰۸ اوربعد کے صفحات۔ ❷ لفظ ''الی'' دومعنوں میں آتا ہے ایک تو غایت کو بلاشمول ظاہر کرنے کے لئے، یعنی غایت یعنی وہ حد جو بتائی ہے اس کو شامل کرنا مقصود نہیں ہوتا جیسے اطلب العلم من المهد الی اللحد (علم گود سے قبر جانے تک حاصل کرتے ہو) ظاہر ہے کہ لحد (قبر) مغیا مقصود میں داخل نہیں ہے۔ (۲) دوسرے معنی ہیں غایت کو شمول کے ساتھ ظاہر کرنے کے یعنی وہ غایت جو بتائی ہے وہ بھی مقصود کے اندر شامل ہوتی ہے جیسے اس آیت میں مقصود ہے کہ مغیا یعنی جہاں تک مقصود کو بیان کیا گیا ہے وہ اورغایت دونوں حکم میں داخل ہیں۔ مترجم۔ ❸ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔ ❹ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔

اور اگر کسی شخص کا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹ گیا ہو تو اسی پر صرف بازو کی ہڈی کے سرے کو دھونا فرض ہوگا جو کہ کہنی کا بقیہ حصہ ہے۔ اور اگر کہنی کے اوپر سے کٹ گیا ہو تو بقیہ بازو کا دھونا صرف مستحب ہوگا تا کہ بازو طہارت سے خالی نہ رہ سکے۔ جمہور علماء کے ہاں تنگ انگوٹھی کا ہلانا واجب ہے مالکیہ کے ہاں وہ انگوٹھی جس کی مرد اور عورت کو اجازت ہے اس کو دھونا ضروری نہیں خواہ وہ اتنی تنگ ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچتا ہو کیونکہ ایسی انگوٹھی حائل شمار نہیں ہوگی۔

٣۔ تیسرا فرض...... سر کا مسح، اس کی دلیل قرآنی آیت کے یہ الفاظ ہیں:

وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ

اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر ٦

اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی پر اور عمامہ مبارک پر مسح فرمایا۔

مسح کہتے ہیں گیلے ہاتھ کو عضو پر پھیرنا، اور سر کا اطلاق اس حصے پر ہوتا ہے جہاں عام طور پر بال اگتے ہیں سامنے کی طرف سے پیشانی کے اوپر سے گردن کے نچلے حصے تک اس میں دونوں صدغ بھی داخل ہوں گے صدغ اس حصے کو کہتے ہیں جو چہرے کی ابھری ہوئی ہڈی کے اوپر کا حصہ ہوتا ہے۔

مسح کی وہ مقدار جو کافی ہو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ❶ احناف مشہور اور معتمد قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو کہ پیمائش میں پیشانی جتنا ہو (یعنی جتنی پیمائش پیشانی کی ہے اتنی پیمائش و مقدار میں سر کا مسح ہو) اور کان کے اوپر ہو بالوں کی لٹوں پر نہیں خواہ یہ مسح بارش کے قطرات سے ہو یا ہاتھ پر موجود تری سے ہی ہو بشرطیکہ یہ تری کسی دوسرے گیلے وضو پر ہاتھ پھیر کر نہ لی گئی ہو۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عرفاً مسح کے معنی کی تعیین ضروری ہے اور عرف میں جس مقدار کو مسح کہا جاسکتا ہے وہی مراد ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ بروؤسکم میں آنے والا ''ب'' الصاق (ملانے) کا مفہوم دیتا ہے، تو اصل عبارت گویا یوں بنی **وامسحوا بایدیکم ملصقة برؤوسکم** (اور اپنے ہاتھ پھیرو اس حال میں کہ وہ سر پر لگے ہوئے (ملے ہوئے ہوں) اور قاعدے کے مطابق تفصیل یہ ہوئی کہ ''ب'' اگر اس چیز پر داخل ہو جو ممسوح (جس پر مسح کیا جائے گا) ہو تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ آلے (جس میں مسح کیا جائے گا) کے استیعاب۔ (پورے طور پر استعمال ہونا) کا تقاضا کرے اور اگر ''ب'' آلے پر داخل ہو تو ممسوح کے استیعاب کا تقاضا کرے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آلے (ہاتھ) کا استیعاب مقصود ہے اور آلے (ہاتھ) کی مقدار کے برابر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ پورے آلے (ہاتھ) کا استعمال عام طور پر چوتھائی سر پر ہوسکتا ہے تو آیت کا مطلوب و مقصود چوتھائی سر اہو۔ اسی بات کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام بخاری و مسلم نے حضرت مغیرة بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر آپ نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر مسح فرمایا اور موزوں پر بھی مسح فرمایا اور اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جو ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا آپ کے سر پر قطر کا بنا ہوا عمامہ تھا آپ نے عمامہ کے نیچے ہاتھ ڈالا اور سر کے اگلے حصے پر مسح کیا اور اپنا عمامہ نہیں کھولا ❷ تو یہ دونوں حدیثیں، قرآن کی آیت کے اجمال کا بیان ہوئیں کیونکہ پیشانی یا سر کا اگلا حصہ تقریباً سر کا چوتھائی حصہ ہی بنتا ہے کیونکہ یہ سر کے چاروں اطراف میں سے ایک ہے لہٰذا اس کا چوتھائی حصہ بنا اور غالباً سب سے راجح رائے یہ ہے کہ اتنی مقدار میں مسح فرض ہے جس کو

---

❶......تبیین الحقائق ج ١ ص ٣ البدائع ج ١ ص ٤ فتح القدير ج ١ ص ١٠ الدرالمختار ج ١ ص ٩٢ بداية المجتهد ج ١ ص ١١ القوانين الفقهية ص ٢١ الشرح الصغير ج ١ ص ١٠٨ الشرح الكبير ج ١ ص ٨٨، مغنی المحتاج، ج ١ ص ٥٣ المهذب ج ١ ص ١٧، المغنی ج ١ ص ١٢٥ اور بعد کے صفحات، کشف القناع عن متن الاقناع ج ١ ص ١٠٩ اور بعد کے صفحات۔ ❷ نيل الاوطار ج ١ ص ١٥٧، ١٦٧ نصب الراية ج ١ ص ٢.١

عرف میں ہاتھ پھیرنا شمار کیا جاسکے۔

مالکیہ اور حنابلہ اپنے دو میں سے راجح قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اور مسح کرنے والے پر اپنے بالوں کی لٹیں کھولنا ضروری نہیں اور نہ ہی سر کے لٹکتے ہوئے بالوں کا مسح ضروری ہے، اور صرف ان لٹکتے ہوئے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں ہوگا ہاں وہ بال جو سر سے نیچے نہ لٹک رہے ہوں ان پر مسح کر لینا فرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوگا۔ اور اگر اس کے بال نہ ہوں تو کھال پر مسح کرنا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے اعتبار سے

سر کا ظاہری حصہ یہی ہے۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر قول تو یہ ہے کہ مرد کے لئے پورے سر کا استیعاب ضروری ہے لیکن عورت کے لئے سر کے اگلے حصے کا مسح کافی ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا کرتی تھیں، ان حضرات کے ہاں کان کے اندر اور باہر کا مسح ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں سر میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے الاذنان من الرأس۔❶ (دونوں کان سر میں سے شمار ہوں گے) ان حضرات کے ہاں مسح ایک مرتبہ کافی ہے اور سر اور کانوں کا بار بار مسح کرنا مستحب نہیں ہے امام ترمذی اور ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرنے والے حضرات کی اکثریت نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے اپنے سر کا مسح ایک مرتبہ فرمایا اس لئے کہ ان حضرات نے وضو کے افعال کو تین تین مرتبہ کرنے کا نقل کیا ہے اور مسح کے بارے میں سب نے یہ کہا کہ: آپ نے مسح فرمایا اور کوئی تعداد اس کے ساتھ بیان نہیں کی جیسے دوسرے افعال کے ساتھ بیان کی تھی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ”ب“ الصاق (ملانے) کے معنی میں ہوتا ہے یعنی فعل کو مفعول سے ملا دینا تو گویا آیت کے الفاظ یوں ہوئے الصقوا المسح برؤوسکم، ای المسح بالماء (مسح (فعل) کو اپنے سر (مفعول) سے ملا دو، یعنی پانی کے ساتھ مسح کو دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے سر کا مسح فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا دونوں ہاتھوں سے مسح فرمایا ان دونوں ہاتھوں کو آپ آگے اور پیچھے لے گئے، سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا اور ہاتھ پھیرتے ہوئے گدی تک لے گئے پھر اس جگہ ہاتھ لے آئے جہاں سے شروع فرمایا تھا❷ یہ حدیث پورے سر کے مسح کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے جو کہ علامہ نووی کے بیان کے مطابق باتفاق علماء مستحب ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ سر کے کچھ حصے کا مسح فرض ہے خواہ وہ سر کا ایک بال ہی ہو سر کے بال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بال جس رخ سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا ہے اس جہت سے وہ لٹکائے جانے پر سر کی حدود سے باہر نہ نکل جائے شوافع کے صحیح قول کے مطابق اس کو دھو لینا بھی جائز ہے، کیونکہ دھونے کے عمل میں مسح کچھ زیادت عمل کے ساتھ ہے، اسی طرح ان کے ہاں سر پر صرف ہاتھ رکھ دینا بھی کافی ہے کیونکہ تری اس طرح بھی پہنچ جاتی ہے اور حصول مقصود ہو جاتا ہے۔ حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق بغیر ہاتھ پھیرے سر کا دھو لینا کافی نہیں، اور دھونے کے ساتھ ہاتھ پھیرنا بکراہت کافی ہوگا۔

شوافع کی دلیل حضرت مغیرہ والی حدیث ہے جو امام بخاری و مسلم نے روایت کی اور جو پہلے گذری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

---

❶..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا اور دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کیا یہ حدیث امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۲۔ ❷ یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے روایت کی ہے ابوداؤد اور امام احمدؒ نے حضرت ربیع بنت معوذؓ سے حدیث روایت کی ہے جو کہ حدیث حسن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں وضو کیا اپنے سر کا مسح فرمایا بالوں کے اوپر سے اور بالوں کی ڈھلکتی ہوئی ہر جہت سے مسح کیا اور بالوں کو اپنی ہیت سے نہیں ہٹایا (یعنی ان کو بکھیرا نہیں) نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۶)

پیشانی اور عمامے پر مسح فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء فرمایا، کیونکہ مطلوب چیز مطلقاً مسح ہے جو کہ آیت وضو میں بیان کیا گیا ہے اور مطلق مسح تو کچھ حصے پر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حرف ''ب'' جب ایسی چیز کے ساتھ استعمال ہو جس میں تعدد کے معنی ممکن ہوں تو وہ تبعیض (بعض مراد ہونے) کے لئے ہوتا ہے تو اس میں قلیل بھی کافی ہو جاتا ہے جیسے کثیر کافی ہوتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ یہ آیت بالکل مطلق ہے اور یہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ سر پر مسح کر لیا جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاتی اور سر کے کسی بھی جز پر، خواہ قلیل ہو یا کثیر، مسح کر لینا کافی ہوگا بشرطیکہ وہ عمل ایسا ہو کہ عرف میں اسے مسح کہہ سکتے ہوں اور ایک یا تین بالوں پر مسح کرنے کے عمل پر مسح کا اطلاق حقیقت میں ہوتا ہی نہیں ہے۔ ❶

۴۔ چوتھا فرض، پاؤں گٹوں تک دھونا...... اس کی دلیل آیت وضو کے یہ الفاظ ہیں وارجلکم❷الی الکعبین (اور اپنے پاؤں کو دھوؤ ٹخنوں تک۔ المائدہ آیت نمبر ۶) اور دوسری دلیل فقہاء کا اجماع ہے اور یہ حدیث بھی دلیل ہے جو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ پھر اپنے سر کا مسح ایسے کرے جیسے اللہ نے حکم دیا ہے پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک ویسے دھوئے جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔

اس کی ایک دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ہے جو ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے وضو کر کے پاؤں دھونے کے بعد فرمایا میں نے ایسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ اور ان احادیث کے علاوہ بھی دوسری احادیث اس کی دلیل ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول احادیث۔

کعبین (کعب کا تثنیہ) وہ ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں جو پیر کے جوڑ پر دونوں جانب ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ یعنی ٹخنے۔

جمہور فقہاء کے ہاں ٹخنوں کا دھونا اور ٹخنوں کے کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں ان کے اندازے معنی قدر ہما ان کے برابر پاؤں سمیت دھونا فرض ہے جیسے کہنیوں کا دھونا فرض ہے کیونکہ یہاں بھی غایت مغیا میں داخل ہے یعنی لفظ ''الی'' سے قبل کا لفظ اس کے بعد آنے والے لفظ کو شامل رکھتا ہے۔ ❸ اور دوسری دلیل حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث ہے جو پہلے گذری کہ پھر انہوں نے اپنا دایاں پاؤں اتنا دھویا کہ گویا پنڈلی بھی دھونا شروع کر دی، پھر انہوں نے اپنا بایاں پاؤں دھویا یہاں تک کہ گویا پنڈلی دھونی شروع کر دی پھر اس کے بعد فرمایا میں نے ایسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ ❹

جمہور کے ہاں دونوں پاؤں کا دھونا ضروری ہے ان پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں **ویل للاعقاب من النار**❺ (ایڑیوں کے لئے بربادی ہو آگ کی) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح کرنے پر وعید بتائی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پاؤں دھونے پر ہمیشہ مداومت فرمائی اور آپ سے صحیح طور پر مسح ثابت نہیں ہے بلکہ آپ نے دھونے کا حکم دیا جیسا کہ دارقطنی کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

---

❶...... ملاحظہ کیجئے مقارنۃ المذاہب فی الفقہ از استاذ شیخ محمود شلقوت، اور شیخ محمد علی السایس، ص ۱۱۔ ❷ المزید من التحقیق لمعنی ''السبع'' سبع قرأت زبر کی ہے (یعنی لام پر زبر) اور باقی نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے جسے جر جوار کہتے ہیں اس میں عطف ہے ''وجوہ'' کے لفظ پر زبر کی صورت میں عطف لفظاً ہے اور زیر کی صورت میں معنی عطف ہے۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۰۹ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۳ المغنی ج ۱ ص ۱۳۲۔ ❹ بروایت مسلم، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔ ❺ یہ حدیث امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں پیچھے چھوٹ گئے جب آپ ہم سے ملے تو عصر کا وقت جا رہا تھا ہم نے جلدی میں وضو کرنا اور پاؤں کو پونچھنا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل للاعقاب من النار دو یا تین مرتبہ فرمایا نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۷۔

روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم نماز کے لئے وضو کریں تو اپنے پاؤں دھوئیں اسی طرح یہ عمل (دھونا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت ابوہریرہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث جو پہلے گذر چکی ہیں، ان میں آپ کے وضو کا طریقہ نقل کیا گیا اور ان احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر آپ نے اپنے پاؤں دھوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے پاؤں دھونے کے بعد یہ فرمانا کہ جس نے اس پر کچھ اضافہ کیا یا کمی کی اس نے برا کیا اور ظلم کیا❶ بھی اس کی دلیل ہے کہ پاؤں دھونا فرض ہیں ان پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں دھونے کے مقابلے میں صرف مسح نقص ہے اور ایک دلیل آپ کا یہ فرمان بھی ہے جس میں آپ نے اعرابی سے فرمایا تھا ایسے وضو کرو جیسے اللہ نے حکم دیا ہے❷ پھر آپ نے اس کو وضو کا طریقہ بتایا۔اور ایک دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع تھا۔یہ سب باتیں وارجلکم (لام کے زیر کے ساتھ) کی قرأت کو مخصوص حالات کے ساتھ مقید کرنا لازم کرتی ہیں کہ یہ ظاہر کے بر خلاف مخصوص حالات کے لئے حکم ہے ایک متنازع فیہ امر پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے اور اس کا عطف لفظ برؤوسکم زیر کے ساتھ مجاورت کی وجہ سے ہے اور زبر کے ساتھ کی قرأت تو ایدیکم پر عطف ہے اور حکم غسل (دھونا) میں اس کے ساتھ شریک ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا دھونے کے وجوب کی دلیل ہے❸ ورنہ مسح میں خلال کے کیا معنی۔

شیعہ امامیہ کے ہاں پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے❹ دلیل اس کی منجملہ احادیث کے ایک وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اوس بن ابی اوس الثقفی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی ایک قوم کی نہر کے کنارے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنی چپلوں اور پاؤں پر مسح فرمایا❺ اور دوسری دلیل لفظ وارجلکم کی لام کے زیر والی قرأت ہے (جس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ سروں اور پاؤں کا مسح کرو، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایتیں بھی ان کی ہیں تاہم ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا رجوع اس سے ثابت ہے، امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسح واجب قرار دینے والے لوگ جو کہ شیعہ امامیہ ہیں تو وہ کتاب اللہ اور قولی وفعلی سنت متواترہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کوئی واضح دلیل پیش کرنے سے بھی قاصر ہیں اور ان لوگوں نے وارجلکم کی زبر والی قرأت کو برؤوسکم پر عطف قرار دیا ہے۔❻

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زبر اور زیر دونوں قرائتوں کے پائے جانے کے سبب مسح اور غسل دونوں کے ارجلکم پر اطلاق کا سبب بظاہر اسراف سے بچنے کی تعلیم دینا ہے کیونکہ پاؤں میں اس کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو کے متفق علیہ ارکان چار ہیں (۱) چہرہ دھونا (۲) دونوں ہاتھ دھونا (۳) دونوں پاؤں دھونا یہ تینوں ارکان ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہیں (۴) سر کا مسح ایک مرتبہ۔اعضاء کا تین مرتبہ دھونا سنت ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

۲۔دوسری قسم، وضو کے وہ فرائض جن میں اختلاف ہے.....

فقہاء کا نیت، ترتیب، موالات (پے در پے ہونا) اور دلک

❶...... بروایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ اور اس کے تمام طرق صحیح ہیں محدث ابن خزیمہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔اس کو نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۶۸، ۱۷۳۔ ❷ بروایت احمد، ابوداؤد، دارقطنی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ نیز یہ امام احمد اور مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔نیل الاوطار ج ص ۱۷۰، ۱۷۵۔ ❸ امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۳۔ ❹ المختصر النافع فی فقه الامامية ص ۳۰۔ ❺ یہ حدیث معلول ہے، کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو تو بعض اس کے نسخ کے قائل ہیں امام ہیثم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۹۔ ❻ نیل الاوطار۔حوالہ گذشتہ۔

(ملنا) کے بارے میں اختلاف ہے کہ واجب ہیں یا نہیں۔ احناف کے علاوہ فقہاء نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، مالکیہ حنابلہ اور شیعہ امامیہ موالات (افعال وضو کا پے درپے ہونا) کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور شوافع، حنابلہ اور شیعہ امامیہ ترتیب کے وجوب کے قائل ہیں۔ مالکیہ ان سب میں دلک (ملنے) کو واجب قرار دینے میں منفرد ہیں۔ ان تمام امور میں واقع اختلاف پر میں ذیل میں بحث کرتا ہوں۔

ا۔ پہلی چیز: نیت.....لغت میں نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں زبان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں شریعت میں نیت کہتے ہیں اس کو کہ پاکی حاصل کرنے والا ادائیگی فرض یا حدث کو رفع کرنے یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جس کے لئے طہارت درکار ہوتی ہے۔ جیسے وضو کرنے والا شخص یوں کہے: نویت فرائض الوضو (میں فرائض وضو کی نیت کرتا ہوں) یا وہ شخص جو دائمی مریض ہو جیسے مستحاضہ اور قطرے یا ریح کے بار بار نکلنے کا مریض وہ یہ کہے میں فرض نماز کو جائز کرنے کی نیت کرتا ہوں یا طواف کی یا قرآن چھونے کی۔ یا پاکی حاصل کرنے والا مطلقاً یہ نیت کرے کہ میں حدث رفع کررہا ہوں یعنی وہ کام جو طہارت پر موقوف ہوتا ہے۔

اس کی ادائیگی سے مانع چیز کو میں رفع کررہا ہوں۔ احناف نے نیت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ دل کا کسی فعل کے انجام دینے پر مضبوط ارادہ کر لینے کا نام ہے۔

نیت کو طہارت کے لئے شرط قرار دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف فرماتے ہیں[1] کہ وضو کرنے والے کے لئے نیت سے شروع کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ثواب حاصل کرسکے۔ اور اس کا وقت استنجاء سے پہلے ہے تاکہ اس کا سارا فعل نیکی شمار ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص حدث کے دور کرنے یا نماز کے قائم کرنے یا وضو کرنے یا امتثال امر شرعی کا ارادہ کرے۔ اور اس کی جگہ دل ہے اگر وہ زبان سے یہ کہے تاکہ دل اور زبان کے فعل باہم جمع ہو جائیں تو مشائخ کے ہاں یہ مستحب ہے۔ ان حضرات کے اس قول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محض ٹھنڈک کے حصول کی غرض سے وضو کی طرح اعضا دھو لینے والے پانی میں تیراکی یا صفائی یا کسی ڈوبتے شخص کو بچانے کے لئے چھلانگ لگانے والے شخص کا وضو یا غسل وغیرہ درست قرار پائے۔

ان حضرات نے اس قول پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

ا.....قرآن کریم میں اس پر نص موجود نہیں یعنی آیت وضو صرف تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا بتاتی ہے اور حدیث واحد سے نیت کو شرط قرار دینا نص کتاب پر اضافہ ہے اور زیادۃ علی الکتاب (کتاب کے مفہوم میں اضافہ) نسخ کے مترادف ہوتا ہے جو کہ آحاد حدیث سے درست نہیں۔

۲.....سنت نبویہ میں بھی اس پر نص موجود نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس کی تعلیم نہیں دی جس کو ارکان وضو کی تعلیم دی حالانکہ وہ اعرابی اس چیز سے قطعاً ناواقف تھا۔ اور تیمّم میں نیت اس لئے فرض ہے کہ وہ مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی فی الاصل حدث یا گندگی زائل کرنے والی نہیں ہے۔ تو بحیثیت بدل کے استعمال ہوتی ہے۔

۳.....طہارت کی تمام دیگر انواع پر قیاس کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وضو پانی کے ذریعے پاکی حاصل کرنے کا نام ہے تو اس کے لئے نیت شرط نہیں ہوگی جیسے ازالۂ نجاست کے لئے شرط نہیں ہوتی۔ اسی طرح جیسے نماز کی دیگر شرائط میں بھی نیت ضروری نہیں جیسے ستر عورت اسی طرح نیت وضو میں بھی لازم نہیں ہونی چاہئے۔

اسی طرح نیت اس ذمی عورت پر بھی لازم نہیں ہوتی ہے جو غسل حیض اپنے مسلمان شوہر کے لئے کرتی ہے۔

۴.....وضو نماز کا ذریعہ اور وسیلہ ہے یہ بذات خود مقصود چیز نہیں ہے اور نیت مقاصد میں مطلوب ہوتی ہے وسائل میں نہیں۔

---

[1]..... الدر المختار ج ا ص ۹۸۔۱۰۰، اللباب ج ا ص ۱۶ مراقی الفلاح ص ۱۲ البدائع ج ا ص ۱۷ مقارنۃ المذاھب فی الفقہ ص ۱۴۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ نیت وضو میں فرض ہے حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے عبادت کے تحقق یا ارادہ قربت و نیکی کے لئے ❶ لہٰذا وہ وضو جو عبادت کے علاوہ کسی اور کام کے لئے کیا گیا ہو جیسے کھانا، پینا، سونا وغیرہ تو اس سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے:

۱.....حدیث سے دلیل تو وہ مشہور حدیث **انما الاعمال بالنیات** ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ ❷

مقصد یہ ہے کہ وہ اعمال جو شرعاً معتبر ہیں ان کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور وضو ایک عمل ہے لہٰذا شرعاً اس کا تحقق بلانیت نہیں ہوگا۔

۲.....عبادت میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ......سورۃ البینہ، آیت نمبر ۵

اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اور وضو ایک مامور بہ عبادت ہے اس کا تحقق بلا اخلاص نیت ممکن نہیں، کیونکہ اخلاص تو دل کا فعل ہے جو کہ نیت ہے۔

۳.....قیاس بھی دلیل ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے نیت نماز میں شرط ہے ایسے ہی وضو میں بھی شرط ہونی چاہئے اور تیمّم میں بھی نماز کو مباح کرنے کے لئے نیت شرط ہے اسی طرح وضو میں بھی ہونی چاہئے۔

۴.....وضو ایک مقصود چیز کا وسیلہ ہے تو اس کا بھی مقصود والا حکم ہوگا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

یہ دلیل ہے کہ وضو نماز کے لئے مامور بہ ہے اور اس عبادت کی غرض سے ہے۔ تو مطلوب اور مقصود نماز کی خاطر اعضاء جسم کا دھونا ہوا اور یہی معنی نیت کے ہیں۔

اور حق بات یہ ہے کہ نیت کو فرض قرار دیا جائے، کیونکہ احادیث آحاد سے بسا اوقات وہ احکام ثابت ہوتے ہیں جو قرآن میں موجود نہیں ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اعضاء پر پانی کا لگ جانا بلا ارادہ یا ٹھنڈک و راحت کے حصول کے ارادے سے، وضو کے لئے دھونا نہیں قرار پاتا ہے کہ اس سے اس کا فریضہ شرعی ادا کیا جا سکے اور اس سے مامور بہ ویسے ہی ادا ہو سکے جیسے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ ❸

متعلقات نیت.....گزشتہ صفحات میں کی گئی بحث سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نیت سے متعلق امور کی تفصیل اس طرح ہے۔ ❹

۱۔ حقیقت نیت.....لغت میں ارادے کو نیت کہتے ہیں اور شرعاً نیت نام ہے کسی چیز کا ارادہ جو اس کے فعل سے متصل ہو۔

۲۔ حکم نیت:.......جمہور کے ہاں وجوب اور احناف کے ہاں استحباب۔

۳۔ مقصود نیت.....عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا یا عبادت کے درجات اور رتبوں میں امتیاز دینا مقصود ہوتا ہے جیسے نماز کبھی نفل اور کبھی فرض ہوتی ہے۔

---

❶..... المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱۔ المهذب ج ۱ ص ۱۴، بداية المجتهد ج ۱ ص ۷، القوانين الفقهيه ص ۲۱، الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۱۴، الشرح الكبير ج ۱ ص ۹۳ مغنى المحتاج، ج ۱ ص ۴۷ اور مابعد، المغنى ج ۱ ص ۱۱۰ كشف القناع ج ۱ ص ۹۴۔۱۰۱۔ ❷ یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے اس کو صحاح ستہ کے اصحاب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۱۔ ❸ مقارنة الفقه فى المذاهب، ص ۱۷۔ ❹ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۴۷ اور دیگر تمام گزشتہ مراجع اور المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔

۴۔شرط نیت...... نیت کی شرط یہ ہے کہ نیت کرنے والا مسلمان ہو اور وہ اس چیز کو جانتا ہو جس کی نیت کر رہا ہے اور ایسی چیز کا ارتکاب نہ کرے جو اس کے منافی ہو یعنی وہ نیت کو حکماً ساتھ رکھے مثلاً وہ وضو کرتے ہوئے دوسرا کام نہ شروع کردے (کہ یہ منافی نیت کہلائے گا) اور یہ کہ نیت معلق نہ ہو لہٰذا اگر اس نے نیت کے بعد انشاء اللہ کہہ دیا تو اگر مقصود تعلق (معلق، مشروط کرنا) تھی یا ایسے ہی بلا نیت کہہ دیا تو نیت درست نہیں ہوگی اور اگر مقصود حصول برکت تھا تو نیت درست ہو جائے گی۔

احناف کے علاوہ فقہاء نے دائم المرض لوگوں جیسے قطرے ٹپکنے کا مریض اور مستحاضہ وغیرہ کے لئے وقت کے داخل ہونے کی شرط رکھی ہے، کیونکہ ایسے افراد کی طہارت طہارت عذر اور طہارت ضرورت ہوتی ہے تو وہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے تیمّم۔

۵۔محل نیت...... نیت کا محل (مرکز) دل ہے، کیونکہ نیت قصد اور ارادے سے عبارت ہے، اور قصد وارادے کا مرکز دل ہوتا ہے، تو، اگر دل سے ارادہ کرے اور زبان سے تلفظ نہ بھی کرے تو یہ کافی ہے، ہاں اگر دل میں نیت ہو ہی نہیں تو یہ فعل جو اس نے انجام دیا ہے وضو کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ مالکلیہ کے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ نیت کا تلفظ نہ کیا جائے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس کا تلفظ (زبان سے کہنا) مسنون ہے، تاہم حنابلہ کے ہاں آہستہ سے تلفظ کرنا مستحب ہے زور سے تلفظ کرنا اور بار بار کرنا مکروہ ہے۔

۶۔طریقہ نیت...... یہ ہے کہ وہ شخص اپنی طہارت سے ایسی چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جو طہارت کے بغیر مباح نہیں ہوتی ہے۔ جیسے نماز طواف اور قرآن کا چھونا، اور حدث اصغر کے رفع کرنے کی نیت کرے۔ یعنی اس ممانعت کے دور کرنے کی نیت کرے جو اعضا کے نہ دھونے کے نتیجے میں اس پر لاگو ہے مقصد یہ ہے کہ نیت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص رفع حدث یا حدث سے پاکی حاصل کرنے کی نیت کرے دونوں میں سے جو بھی نیت کرے گا اس کے لیے جائز ہوگی۔ کیونکہ اس نے مقصود کی نیت کرلی ہے جو کہ رفع حدث ہے۔

اور اگر اس نے طہارت کی نیت سے ایسی چیز کا ارادہ کیا جس کے لئے طہارت مشروع نہیں جیسے آرام اور ٹھنڈک کا حصول، کھانا، پینا خرید وفروخت شادی وغیرہ، اور طہارت شرعی کی نیت نہیں کی تو اس کا حدث ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے نہ طہارت کی نیت کی اور نہ ایسی چیز کی نیت کی جو طہارت کی نیت کو متضمن ہو تو اس کو کچھ حاصل نہیں ہوگا جیسے وہ شخص جو کسی چیز کا قصد نہ کرے اور اگر نماز کی نیت کے ساتھ اور چیزوں جیسے ٹھنڈک اور صفائی وغیرہ کا حصول۔ دوسروں کو سکھانا نجاست کا دور کرنا وغیرہ کی زنیت کی تو یہ نیت صحیح ہوگی اور وضو درست ہوگا۔ لیکن اگر مطلق نیت کی یعنی مطلق طہارت کے حصول کی نیت کی جو طہارت حدث اور نجاست دونوں کو شامل ہو تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی اور جائز بھی نہیں۔ جب تک کہ عادت اور عبادت میں تمیز نہ حاصل ہو اور تمیز صرف نیت سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طہارت کبھی حدث سے ہوتی ہے اور کبھی خبث سے تو نیت مطلقاً درست نہیں ہوگی اور اگر وضو کنندہ شخص ایسی چیز کی نیت کرے جس کے لئے طہارت مسنون ہو جیسے قرأت قرآن، ذکر، اذان، سونا، مسجد میں بیٹھنے یا تعلیم دینے یا حاصل کرنے یا کسی عالم کی زیارت کرنے کی نیت کرنا وغیرہ تو اس کا حدث مرتفع ہو جائے گا اور حنابلہ کے ہاں وہ جتنی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی جو صحت طہارت کی ضروریات میں سے ہے مالکیہ کے ہاں نماز کے لئے یہ وضو کافی نہیں ہوگا بغیر رفع حدث کی نیت کئے ہوئے، کیونکہ اس نے جس چیز کی نیت کی ہے وہ حدث کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔ اسی طرح شوافع کے اصح قول کے مطابق بھی یہ وضو اس کے لئے کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ افعال حدث کے ساتھ بھی مباح ہیں تو اس کا قصد رفع حدث کو متضمن نہیں ہوگا۔

تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر اس شخص نے نفل نماز کی نیت کی یا ایسی چیز کی نیت کی جس کی انجام دہی کے لئے طہارت لازم ہے جیسے طواف اور قرآن کا چھونا تو وہ اپنے اس وضو سے فرض نمازیں ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس طرح کی نیت سے اس کا حدث مرتفع ہو گیا ہے [۱۵] اور اگر دوران طہارت اس کو نیت میں شک واقع ہو گیا تو اس پر طہارت کی دوبارہ ابتداء لازم ہوگی کیونکہ اس طرح عبادت کی شرط میں

[۱۵]...... المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔

ایسے شک پیدا ہوا ہے کہ وہ اس عبادت میں مشغول ہے تو یہ ایسے درست نہیں ہوگا جیسے نماز اور طہارت سے فراغت کے بعد نیت میں واقع ہونے والا شک مضر نہیں جیسے تمام عبادات میں ہوتا ہے۔ اور اس شخص کو کوئی دوسرا آدمی وضو کروائے تو نیت وضو کرنے والے کی معتبر ہوگی کرانے والے کی نہیں۔ کیونکہ وضو کا حکم درحقیقت وضو کرنے والے سے ہے کرانے والے سے نہیں اور وضو اس شخص کا ہوتا ہے اور وضو کرانے والے کی حیثیت محض ایک آلے کی ہے۔ اور وہ لوگ جو دائم المرض ہوں جیسے مسلسل قطرے کے مریض اور مستحاضہ اور ان جیسے افراد تو ان کو نماز مباح کرنے کی نیت کرنی چاہئے نہ کہ رفع حدث کی کیونکہ رفع حدث کا امکان ان کے حق میں نہیں ہے۔

۷۔ وقت نیت:...... احناف فرماتے ہیں کہ اس کا وقت استنجاء ہے پہلے سے تاکہ اس کا سارا فعل نیکی شمار ہو حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت اول واجب کی ادائیگی کے وقت ہے یعنی وضو میں بسم اللہ پڑھتے وقت اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس کا محل چہرہ ہے (یعنی چہرے کا دھونا) اور یہ قول بھی ہے کہ اول طہارت ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ چہرے کا پہلا جزء دھوتے وقت اس کی نیت ہونی چاہئے تاکہ وہ اول فرض سے مل سکے۔ جیسے نماز اور مستحب یہ ہے کہ وہ ہتھیلیاں دھونے سے قبل نیت کرے تاکہ نیت مسنون اور فرض دونوں طہارتوں کو شامل ہو جائے اور ان دونوں پر ثواب کا حصول ہو سکے اور نیت کا طہارت سے کچھ دیر قبل ہونا جائز ہے، اگر زیادہ زمانے پہلے ہو تو درست نہیں۔

نیت کا آخر طہارت تک ساتھ رہنا مستحب ہے تاکہ تمام افعال نیت سے ملے ہیں اور اگر نیت کے بجائے حکم نیت ساتھ رہے تو بھی جائز ہے اور حکم نیت کا مطلب ہے کہ وہ نیت کے قطع کرنے کا ارادہ نہ کرے تاہم نیت کا ذہن سے نکل جانا اور اس سے غافل ہونا مضر نہیں اگر وہ وضو کے شروع میں یہ انجام دے چکا ہو کیونکہ وہ فعل جس کے لئے نیت ضروری ہے وہ نیت کے ذہن سے نکل جانے اور بھول جانے سے باطل نہیں ہوتا ہے جیسے نماز اور روزہ ہاں چھوڑ دینے اور ترک کر دینے سے نیت ختم ہو جاتی ہے یعنی وضو کے دوران اس کو باطل کر دینا، بایں طور کہ وہ دل سے یہ ارادہ کرلے کہ میں اپنا وضو باطل کر رہا ہوں کہ اس طرح کرنے سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں وضو کرنے والے شخص کے لئے اعضاء وضو پر نیت کو تقسیم کر دینا درست ہے اس طرح کہ ہر عضو کو دھوتے وقت وہ رفع حدث کی نیت کرے، کیونکہ افعال وضو کی تفریق کرنا درست ہے اس طرح نیت کو بھی افعال وضو پر تقسیم کرنا درست ہے۔

مالکیہ کے ہاں معتمد بات یہ ہے کہ نیت کا اعضاء پر تفریق کرنا درست نہیں بایں معنی کہ وضو کو مکمل کرنے کے ارادے کے بغیر ہر وضو کی نیت کرے پھر ارادہ ترک کر دے پھر خیال آنے پر دوبارہ نیت کر کے عضو کو دھوئے اور اسی طرح سارا وضو مکمل کرے۔ ہاں اگر نیت کو اعضاء پر وضو کو مکمل کرنے کی نیت کے ساتھ تقسیم کیا تو یہ جائز ہے ⓫ تاہم مالکیہ میں سے علامہ ابن رشد رحمہ اللہ کے ہاں اظہر قول اس کے برخلاف ہے۔ مالکیہ کی اس تفصیل سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مالکیہ بھی شوافع اور حنابلہ کے ہم رائے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کا نیت کے تیمم کے لئے واجب ہونے پر بالکل اتفاق ہے اور حدث اصغر اور حدث اکبر کے لئے واجب ہونے کے بارے میں دو قول ہیں ایک وجوب کا اور ایک عدم وجوب کا۔

۲۔ دوسری چیز: ترتیب (اعضا کو یکے بعد دیگرے دھونا)...... ترتیب کہتے ہیں اعضاء وضو کو ایک کے بعد دوسرے کو اس طرح دھونا جیسے قرآن کریم میں آیا ہے، یعنی پہلے چہرہ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک، پھر سر کا مسح اور آخر میں دونوں پاؤں ٹخنوں تک ترتیب کے واجب ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ⓬

⓫..... یہ دراصل ایک اصولی مسئلے کے اندر اختلاف کا نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا نیت میں تجزی (تقسیم) درست ہے یا نہیں اس میں واقع اختلاف کے نتیجہ میں ان مسائل میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ ⓬ الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۳ مراقی الفلاح ص ۱۲ فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳، البدائع ج ۱ ص ۱۷، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۲۰ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۰۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۴، المهذب ج ۱ ص ۱۹ المغنی ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۸ کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۶ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۶ القوانین الفقهیه ص ۲۲، المجموع ج ۱ ص ۴۸۰۔۴۸۶۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے فرض نہیں لہٰذا انسان کو چاہئے اس چیز سے شروع کرے جس سے اللہ نے شروع کیا ہے اوران چیزوں سے بھی جو دائیں طرف سے شروع ہوں، کیونکہ وہ نص قرآنی جو آیت وضو میں تعداد فرائض بتاتا ہے اس میں فرائض کو صرف واؤ عطف کے ذریعے آگے پیچھے بیان کیا گیا ہے جو محض جمع کے معنی بتاتا ہے ترتیب کے معنی کا متقاضی نہیں ہے اگر ترتیب مطلوب ہوتی تو وہ حروف جن میں ترتیب کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں استعمال ہوتے جیسے ''ف'' اور ثم اور فاغسلوا میں ''جوف'' ہے وہ تمام اعضاء کی تعقیب (پیچھے لانے) کے لئے ہے (یعنی اس ف سے وہ مفہوم حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ تعقیب کے لئے ہے یعنی اس میں تمام اعضا کو بعد میں دھونا بیان کرنا مقصود ہے) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایات ترتیب کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے پروا نہیں کہ کس عضو سے میں شروع کروں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پاؤں سے شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاتھ کے بجائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے پاؤں کو دھونا شروع کرو۔ ❶

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ترتیب وضو میں فرض ہے غسل میں نہیں، کیونکہ وہ وضو جس کا حکم دیا گیا ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح عمل موجود ہے جو اس کی وضاحت کرتا ہے ❷ اور دوسری بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر فرمایا تھا اس سے ابتداء کرو جس سے اللہ نے ابتداء کی ہے ❸ اور اعتبار الفاظ کی عمومیت کا ہوتا ہے ایک بات یہ بھی ہے کہ خود آیت وضو میں اس کا قرینہ موجود ہے کہ اس میں ترتیب مراد ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسح کی جانے والی چیز کو دھوئے جانے والی چیزوں کے درمیان کرکے بیان کیا ہے اور عربوں کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ہم معنی اور ہم مثل چیزوں کے بیچ میں بلاوجہ فصل نہیں کرتے ہیں، اور وہ فائدہ یہاں ترتیب ہی کا ہے۔ اور ایک بات یہ ہے کہ یہ آیت واجبات وضو کا بیان ہے کیونکہ اس میں سنتوں کا ذکر نہیں ہے ایک اور بات یہ ہے کہ جیسے ارکان نماز میں ترتیب ضروری ہوتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے وضو کے ارکان میں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔ چنانچہ اگر کسی نے ترتیب کو الٹ دیا اور پاؤں کی طرف سے شروع کیا اور منہ پر لاکر ختم کیا تو تمام افعال میں سے صرف چہرے کا دھونا صحیح قرار پائے گا باقی غلط ہوں گے۔ اور غیر مرتب وضو کو صحیح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اعضاء کو چار مرتبہ دھولے، اس طرح پہلی مرتبہ میں منہ، دوسری مرتبہ میں ہاتھ تیسری دفعہ میں مسح اور چوتھی دفعہ میں پاؤں کے دھونے کا فریضہ ادا ہو جائے گا (یعنی اگر وہ اس طرح دھوئے کہ ایک مرتبہ پاؤں کا مسح، ہاتھ اور منہ دھوئے اور چار مرتبہ اس عمل کو دہرائے لیکن اگر ایک ایک عضو کو الگ الگ تین یا زائد مرتبہ دھوئے تو اس کی تصحیح ممکن نہیں اور اگر کسی نے اپنے اعضا ایک ساتھ دھو لئے تو اس کا وضو درست نہیں ہوگا اسی طرح اگر چار آدمیوں نے چاروں اعضاء ایک ساتھ دھو دیئے تب بھی مقصود حاصل نہیں ہوگا کیونکہ واجب ہے ترتیب نہ کہ عدم تنکیس (ترتیب کا نہ الٹنا) اور چاروں ایک ساتھ دھل جانے کی صورت میں ترتیب نہیں رہتی ہے اور اگر حدث اصغر والے شخص نے رفع حدث کی نیت سے وضو کیا تو شوافع کے ہاں اصح بات یہ ہے کہ اگر ترتیب کا اندازہ لگایا جانا ممکن ہو اس طرح کہ مثلاً اس نے غوطہ لگایا ہو (سر کے بل) تو وضو صحیح ہو جائے گا خواہ بغیر ٹھہرے ہو کیونکہ یہ بڑے حدث کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے تو حدث اصغر کے رفع کرنے کے لئے بطریق اولی کافی ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ معین لحات میں ترتیب کا اندازہ لگانا بھی ممکن ہے۔ حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا وضو کے لئے کافی نہیں ہے ماسوا اس کے کہ وہ پانی میں اتنی دیر رہے کہ ترتیب کا تحقق ہو سکے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ پہلے منہ نکالے، پھر ہاتھ، پھر سر پر مسح کرے پھر پانی سے باہر آجائے پانی خواہ ٹھہرا ہوا ہو یا بہتا ہوا ہو۔

اور ترتیب صرف فرائض کے مابین مطلوب ہے ہاتھ پاؤں دھونے میں دائیں بائیں ترتیب ضروری نہیں، یہ صرف مستحب ہے، کیونکہ

---

❶ ...... پہلی دو روایتیں دار قطنی نے نقل کی ہیں تیسری روایت بے اصل ہے۔ ❷ بروایت مسلم وغیرہ از حضرت ابوھریرہ، نیل الاوطار ج ا ص ۱۵۲۔ ❸ روایت نسائی باسناد صحیح۔

ان کوقرآن کریم میں ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آیت میں ہے: وایدیکم ...... وارجلکم۔

فقہاء دونوں ہاتھوں کوایک عضواور دونوں پاؤں کوایک عضوتسلیم کرتے ہیں اور ایک عضو میں ترتیب واجب نہیں ہے۔اور یہی مقصود ہے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے قول سے، امام احمد نے فرمایا ہے کہ ان دونوں حضرات کی مراد بائیں کو دائیں سے پہلے دھونا تھی کیونکہ ان دونوں (دائیں اور بائیں) کا بیان قرآن میں ایک ہی لفظ میں ہے۔

میرے اندازے کے مطابق ترتیب کے قائل حضرات کا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً اس پر عمل فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل کرتے رہے ہیں، وضو میں وہ ترتیب ہی کو جانتے تھے اور ترتیب کے مطابق ہی وضو کرتے تھے، اور مسلمانوں میں ہر دور میں ترتیب ہی رائج رہی ہے۔ واو کا ترتیب کے لئے نہ ہونا بالکل تسلیم ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب ترتیب پر دلالت کرنے والے قرائن موجود نہ ہوں اور ترتیب پر دلالت کرنے والے قرائن بہت ہیں اور وہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مواظبت (علی الدوام پابندی)

۳۔تیسری چیز......موالات پے در پے کرنا اختلافی فرائض میں سے تیسرا فرض موالات کا مفہوم ہے افعال وضو کو اس طرح یکے بعد دیگرے پے در پے انجام دینا کہ ان کے درمیان اتنا فرق نہ واقع ہو جو عرف میں فاصلہ کر دینے والا سمجھا جائے یا یوں کہہ لیا جائے کہ پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھو لینا اور یہ خشک ہونا بالکل معتدل حالات میں ہوں، یعنی وضو کرنے والے کی کیفیت جسمانی وہ زمانہ وہ علاقہ اور وہ جائے نزول سب معتدل حالات میں ہوں اور پہلا عضو خشک ہونے سے قبل دوسرا دھو لیا جائے۔ اس کے وجوب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❶

احناف اور شوافع فرماتے ہیں کہ موالات سنت ہے فرض نہیں ہے اگر کسی نے اپنے اعضاء کے دھونے میں معمولی سا فصل کر دیا تو یہ مضر نہیں ہے، کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اگر کسی نے زیادہ فصل کر دیا یعنی اتنا فصل کر دیا کہ معتدل حالات میں اس کا دھویا ہوا پہلا عضو خشک ہو جائے تو بھی اس کا وضو درست ہو جائے گا کیونکہ وضو ایسی عبادت ہے کہ اس میں قلیل یا کثیر مقدار میں فصل واقع ہونا مضر نہیں جیسے زکوٰۃ اور ارکان حج میں اتنا فصل مضر نہیں ہوتا ہے۔

ان حضرات نے اپنی رائے کی دلیل کے طور پر یہ امور ذکر کئے ہیں:

ا......روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بازار میں وضو فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھ کو دھو کر مسح کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازہ آنے کی اطلاع ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور جنازے کی نماز پڑھائی ❷ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان کافی فصل ہے۔

۲......دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے وضو میں اس طرح تفریق (فصل) فرمائی اور کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ موالات وضو میں فرض ہے غسل میں نہیں دلیل یہ ہے۔

ا......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس کے تلوے پر خشک جگہ درہم کی مقدار جتنی رہ گئی تھی جہاں پانی

---

❶......بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۷، القوانين الفقهيه ص ۲۱، المجموع ج ۱ ص ۴۸۹۔۴۹۳، الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۳، الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۱۱، الشرح الكبير ج ۱ ص ۹۰، مغني المحتاج ج ۱ ص ۶۱، كشف القناع ج ۱ ص ۱۱۷، المغني ج ۱ ص ۱۳۸، المهذب ج ۱ ص ۱۹۔ ❷ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ ان ابن عمر توضأ في السوق ...... الخ المجموع ج ۱ ص ۴۹۳۔

نہیں پہنچ سکا تھا اس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور وضو کے اعادہ کا حکم دیا[11] اگر موالات واجب ہوتی تو صرف اس خشک جگہ کو دھو دینا کافی ہوتا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور ایک ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کر کے آؤ تو وہ لوٹا پھر آ کے نماز پڑھی۔[12]

۳...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موالات پر مواظبت کہ آپ نے ہمیشہ موالات کے ساتھ وضو فرمایا اور موالات نہ کرنے والے کو نماز کو لوٹانے کا حکم دیا۔

۴...... نماز پر قیاس کہ وضو ایسی عبادت ہے جسے حدث فاسد کر دیتا ہے تو اس میں موالات شرط ہو گی جیسے نماز میں (یعنی وضو اور نماز میں قدر مشترک ان دونوں کا حدث سے بطلان ہے لہٰذا یہ دونوں موالات کے حکم میں شریک ہوں گے) مصنف فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں موالات کو لازم قرار دینے کی بات زیادہ درست ہے ماسوا اس کے کہ کوئی ایسی ضرورت پیش ہو جو عبادات میں واقعتاً ضرورت کا درجہ رکھتی ہو اور ان سے لاپروائی یا ان کی بے وقعتی کے سبب نہ ہو اسی طرح وہ ضرورت عبادات اور سنت فعلی کی حیثیت کے بھی مناسب ہو اور شریعت کے مطلوب ومقصود امر کے صحیح طور پر ایک دوسرے کے ساتھ انجام دینے کے ارادے اور نیت اور عملی نفاذ سے بھی متفق ہو بغیر کسی ایسے کام کے خلل انداز ہونے کے جو اس فعل کی معنویت سے متصادم ہو (مصنف کی بات کا مقصود یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کی جیسے تعلیم دی ہے مکمل تعمیل واطاعت کے جذبے سے اس کی انجام دہی اور اس کو غیر اہم بے وقعت اور ثانوی چیز سمجھنے کا اشارہ دینے والے امور سے اجتناب کرتے ہوئے ان کو بجا لانا ضروری ہے اور اس کے پیش نظر اگر وضو کے افعال کی ادائیگی کے دوران کوئی واقعی حاجت وضرورت درپیش ہو جو اوپر ذکر کردہ چیزوں کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو تو وہ معاف ہونی[13] ہئے ورنہ موالات لازم ہی سمجھنی چاہئے۔

۴۔ چوتھی چیز:...... ہاتھ سے ہلکے ہلکے اعضا کو ملنا۔ اختلافی فرائض میں سے چوتھا فرض دلک: کہتے ہیں عضو پر پانی بہانے کے بعد اس کے خشک ہونے سے قبل اس کو ملنا۔ اور ہاتھ سے مراد اندرونی حصہ ہتھیلی وغیرہ ہے، ایک عضو کو دوسرے عضو پر ملنا کافی نہیں ہے۔

اس کے وجوب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[14]

جمہور فقہاء ماسوی مالکیہ کے فرماتے ہیں کہ دلک سنت ہے واجب نہیں کیونکہ آیت وضو میں اس کا کوئی حکم نہیں اور سنت سے بھی یہ ثابت نہیں کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے میں مذکور نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ وضو میں تو صرف پانی کا بہانا اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں پھیرنا (خلال کرنا) مذکور ہے۔[15]

مالکیہ فرماتے ہیں کہ دلک واجب ہے اور وضو میں ہاتھ کے اندر کے حصے سے یہ عمل انجام دیا جانا چاہئے ہاتھ کی پشت سے نہیں، اور غسل میں پاؤں سے ملنا بھی جائز ہے اور وضو میں دلک کا مفہوم یہ ہے کہ ایک عضو کو دوسرے عضو پر متوسط طریقے سے پھیرنا اور مستحب یہ ہے کہ ہلکے

---

[11]...... بروایت امام احمد، ابوداؤد، بیہقی رحمہم اللہ علیہم از خالد بن معدان کہ انہوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کیا ہے تاہم علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف السند اور امام احمد بن حنبل نے اس کو جید الاسناد کہا ہے۔ [12] بروایت امام احمد و مسلم یہ دونوں حدیثیں نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۴ میں ملاحظہ کریں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں موالات پر دلیل نہیں ہے۔ [14] فتح القدیر ج ا ص ۹۔ الدر المختار ج ا ص ۱۱۴، مراقی الفلاح ص ۱۲، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۱۰ اور بعد کے صفحات الشرح الکبیر ج ا ص ۹۰ نیل الاوطار ج ا ص ۲۲۰، ۲۴۵۔

[15] حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے دھونے کی کیفیت کو غسل کے لفظ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''افاض'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے معنی دونوں کے ایک ہیں اس وجہ سے اس کو دلک کے عدم وجوب کی دلیل بھی مانا گیا ہے اور اس بناء پر بھی کہ غسل کے معنی میں دلک شامل نہیں ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۲۴۴ اور بعد کے۔

سے پھیرا جائے بہت دبا کر ہاتھ پھیرنا اور بار بار پھیرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں دین میں تشدد اور بیجا سختی کا شائبہ ہے جو کہ وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اور مشہور قول کے مطابق یہ بہرحال فرض ہے خواہ پانی کھال تک پہنچ بھی جائے ان حضرات کی دلیل یہ امور ہیں۔

۱.....اعضاء کا دھونا جس کا حکم آیت فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں دیا گیا ہے وہ بغیر ملنے کے متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ پانی کا محض وضو تک پہنچ جانا غسل شمار نہیں ہوتا جب تک کہ بہانے کے ساتھ کوئی کیفیت نہ اپنائی جائے اور اس کا نام دلک ہے (مفہوم ہے کہ محض پانی بہانا تو دھونا نہیں شمار ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ ایک اور چیز نہ شامل ہو جو اس عمل کو بہانے سے دھونے میں بدل دے اور یہ چیز ملنا ہے)

۲.....یہ حدیث بلوا الشعر والنقوا البشر ❶ (بالوں کو گیلا کرو اور کھال کو صاف کرو) اگر صحیح قرار پائے تو یہ دلک کے واجب ہونے کا پتہ دیتی ہے، کیونکہ انقاء (صاف کرنا) محض پانی بہانے سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

۳.....تیسری دلیل قیاس ہے، کہ حدث اصغر کو یہ حضرات نجاست سے طہارت حاصل کرنے پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے نجاست سے طہارت کا حصول ملنے اور رگڑنے سے ہوتا ہے ایسے ہی وضو میں بھی حصول طہارت حکمیہ ایسے ہی ہوگا۔ اسی طرح یہ حضرات اسے غسل جنابت پر قیاس کرتے ہیں اس آیت کے حکم میں وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اگر تم جنبی ہو تو خوب طہارت حاصل کرو) کہ اس میں صیغہ مبالغے کا ہے اور مبالغہ دلک سے ہی ہو سکتا ہے میرا خیال یہ ہے کہ دلک اعضاء کی ظاہری ہیئت وشکل کی صفائی اور تزئین کا ذریعہ ہے اور اس مقصد کا حصول دلک کو صرف سنت قرار دینے سے حاصل ہو جاتا ہے نہ کہ اس کو واجب قرار دینے سے۔ کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ بتانے والی احادیث دلک (ملنے) کے معنی پر دلالت نہیں کرتی ہیں اور کتب لغت بھی یہ نہیں بتاتی ہیں کہ دلک غسل کے معنی ومفہوم میں داخل ہے، تو واجب صرف وہ فعل ہوگا جو لفظ "غسل" سے باعتبار لغت کے سمجھ آتا ہو کوئی ایک فرض بھول جانے والے کا حکم: علامہ ابن جزی مالکی فرماتے ہیں ❷ کہ جو شخص وضو کے فرائض میں سے کوئی فرض بھول جائے تو اگر عضو کے خشک ہونے کے بعد اس کو یاد آیا تو وہ صرف وہ فعل کرلے جو اس نے چھوڑ دیا ہے اور اگر عضو خشک ہونے سے قبل یاد آ گیا تو وضو دوبارہ شروع کرے، اور علامہ طلیطلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اس عضو کو دھوئے جو وہ بھول گیا ہے اور اس کے بعد افعال انجام دے از سر نو وضو شروع نہ کرے، اور یہ قول ہی صحیح ہے۔

۳۔ تیسری بحث.....شرائط وضو

تیسری فصل کی بنیادی تین مباحث میں سے پہلی بحث وضو کی تیسری ذیلی بحث

وضو کے وجوب کا سبب حدث اور نماز کے وقت کا داخل ہونا اور نماز کی ادائیگی کا ارادہ وغیرہ ہونا ہے۔ شوافع کے ہاں اصح قول یہ ہے کہ دو چیزیں ایک ساتھ سبب بنتی ہیں (۱) حدث (۲) نماز کی ادائیگی کا ارادہ کرنا وغیرہ۔

وضو کی شرائط دو قسم کی ہیں۔ (۱) شرائط وجوب (۲) شرائط صحت۔ ❸ شرائط وجوب کا مطلب ہے وہ شرائط جن کے پائے جانے کے وقت انسان پر طہارت کا حصول واجب ہوتا ہے۔ اور شرائط صحت کا مطلب ہے وہ شرائط جن کے بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی ہے۔

۱۔ شرائط وجوب.....کسی شخص پر وضو واجب ہونے، یعنی اس کے وضو کا مکلف وپابند قرار پانے، کے لئے آٹھ شرائط ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

❶.....نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۰۔ ❷ القوانین الفقهیه ص ۲۳۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۱۵، الدر المختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۸۰، مراقی الفلاح ص ۱۰، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۱۔۱۳۴ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۸۴ اور بعد کے صفحات۔ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ کشف القناع ج ۱ ص ۹۵۔

ا۔ عقل...... لہٰذا یہ کیفیت جنون کے دوران مجنون پر نہ واجب ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے اس کا صدور صحیح قرار پاتا ہے اور نہ بے ہوش شخص پر بیہوشی کے دوران اور نہ ہی سونے والے اور غافل شخص پر یہ واجب ہوتا ہے اور نہ ان دونوں سے اس کا صدور درست قرار پاتا ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں۔ کیونکہ سونے والے یا غافل شخص کی نیند اور غفلت کے دوران کوئی نیت نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ بلوغت...... چنانچہ بچے پر یہ لازم نہیں ہوتا۔ لیکن وضو بھی اس بچے کا صحیح ہوتا ہے جو تمیز کر سکتا ہو یعنی تمیز وضو کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

۳۔ اسلام:...... یہ احناف کے ہاں شرط وجوب ہے اور یہ اس بناء پر کہ ان کے ہاں مشہور قول یہ ہے کہ کفار فروع شریعت یعنی عبادات وغیرہ کے مکلف نہیں ہیں، لہٰذا کافر پر یہ واجب نہیں کیونکہ کافر فروع شریعت
کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور فقہاءُ کے ہاں یہ شرط صحت ہے اس بناء پر کہ ان کے ہاں یہ طے ہے کہ کافر فروع شریعت کا مخاطب ہے تاہم کافر سے اس کا صدور درست قرار نہیں پائے گا کیونکہ اس کی ادائیگی کی درستگی کے لئے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے [1] اور یہ شرط تمام عبادات میں ہے یعنی طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔

۴...... اتنی مقدار میں موجود پاک پانی کے استعمال پر قدرت جو اس کے لئے کافی ہو لہٰذا پانی کے استعمال سے معذور شخص پر یہ واجب نہیں اسی طرح پانی اور مٹی کے نہ پانے والے مگر اتنا کم کہ وہ تمام اعضاء کے لئے ایک ایک بار کافی نہ ہو اور نہ اس معذور شخص پر واجب ہے جس کے لئے پانی مضر ہو۔ تو قادر (قدرت رکھنے والے) سے مراد پانی پالینے والا وہ شخص ہے جس کے لئے پانی مضر نہ ہو یہ تفصیل حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ہے شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں اس پانی کا استعمال کرنا واجب ہے جو نا کافی ہے وہ اس کو استعمال کرے پھر تیمم بھی کرے۔

۵۔ حدث کا پایا جانا...... لہٰذا وضو کیے ہوئے شخص پر وضو کا اعادہ واجب نہیں، یعنی وضو علی الوضو واجب نہیں۔

۶ اور ۷...... حیض اور نفاس کا منقطع ہو جانا یعنی شرعاً ان کا انقطاع متحقق ہو چکا ہو، لہٰذا حائض اور نفساء (نفاس والی عورت) پر وضو واجب نہیں ہے۔

۸۔ وقت کا تنگ ہونا...... یعنی نماز کے وقت کا کم رہ جانا کیونکہ اس صورت میں خطاب شرعی مکلف کے حق میں مضیق (تنگ کرنے والا، گنجائش کم کرنے والا) کی حیثیت سے متوجہ ہوتا ہے اور ابتداءِ وقت میں موسع (گنجائش دینے والا) کی حیثیت سے متوجہ ہوتا ہے، لہٰذا وقت میں گنجائش ہونے کی صورت میں وضو واجب نہیں ہوتا وقت کے تنگ ہو جانے کی صورت میں وضو واجب ہو جاتا ہے۔

آسان الفاظ میں ان شرائط کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ مکلف شخص کا پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر ہونا شرط وجوب ہے۔

۲۔ شرائط صحت:...... وضو کے (درست) ہونے کیلئے احناف کے ہاں تین اور جمہور کے ہاں چار شرائط ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ پوری کھال پر پانی کا بہہ جانا...... یعنی پانی جس عضو پر بہایا جا رہا ہے اس پورے کے پورے عضو پر پانی اس طرح بہہ جائے کہ اس کا ذرا سا حصہ بھی بغیر دھلے نہ رہے تا کہ پانی پوری کھال کو ڈھانپ لے حتیٰ کہ اگر ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی خشک جگہ رہ گئی جو گیلی نہ ہوئی ہو تو وضو صحیح نہیں ہوگا۔

اس بناء پر تنگ انگوٹھی کو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک وضو کے دوران حرکت دینا واجب ہے تا کہ پانی انگوٹھی کے نیچے پہنچ سکے۔

---

[1]...... ملاحظہ کیجئے میری کتاب اصول الفقہ الاسلامی ج ا ص ۱۴۶ طبع دار الفکر دوسری اشاعت۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ وہ انگوٹھی جس کی شرعاً مرد اور عورت کو اجازت ہو ایسی انگوٹھی کا حرکت دینا ضروری نہیں ہے خواہ وہ اتنی تنگ کیوں نہ ہو جس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے اور ایسی انگوٹھی حائل نہیں سمجھی جائے گی بخلاف اس انگوٹھی کے جو شرعاً ممنوع ہو جیسے سونے کی انگوٹھی یا ایک سے زائد انگوٹھی مرد کے لئے کہ ایسی انگوٹھی کا اتارنا اگر وہ اتنی تنگ ہو کہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے لازم ہے اور صرف اس کا ہلانا بھی اس لئے کافی ہے کہ یہ ہلانا بمنزلہ ملنے کے شمار ہوگا۔

اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے وضو جائز نہیں جیسے سرکہ، عرق اور دودھ وغیرہ جیسے کہ ناپاک پانی سے وضو درست نہیں کیونکہ نماز طہارت کے بغیر نہیں ہوتی۔

۲.....ایسی چیز دور کرنا جو پانی کو اس عضو تک پہنچنے سے روک دے یعنی وہ عضو جس کا دھونا واجب ہے اس پر کوئی ایسی چیز نہ ہو جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روک دے جیسے موم چربی، تیل اور چکنائی وغیرہ اسی قبیل سے آنکھوں کا چیپڑ، چینی، سیاہی جو جمی ہوئی ہو نیل پاش وغیرہ ہیں کہ یہ پانی کے پہنچنے سے مانع ہیں تاہم تیل وغیرہ پانی کو کھال تک پہنچنے سے نہیں روکتا ہے۔

۳.....وضو کے منافی چیز یا وضو کی توڑنے والی چیز جو بدن سے نکلی یا نہیں ان کا نہ ہونا بھی شرط ہے یعنی ہر اس چیز کا وضو سے قبل منقطع ہونا جو وضو توڑ دیتی ہو جیسے حیض ونفاس پیشاب وغیرہ کا منقطع ہونا۔ اسی طرح دوران وضو حدث کا منقطع ہونا کیونکہ پیشاب وغیرہ جیسی وضو کے توڑنے والی چیزیں ظاہر ہونے سے وضو درست نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ غیر معذور شخص کا وضو حدث کے خروج یا ناقض پائے جانے کی صورت میں درست نہیں ہوتا ہے۔

۴.....تیمّم کے لئے وقت کا داخل ہونا، یہ شرط جمہور کے ہاں ہے احناف کے ہاں نہیں اسی طرح وہ لوگ جن کا حدث دائمی ہوتا ہے جیسے سلس البول (پیشاب کے قطرے کا دائمی مریض) وغیرہ ان کے لئے بھی شوافع اور حنابلہ کے ہاں وقت کا داخل ہونا شرط ہے کیونکہ ان کی طہارت عذر اور ضرورت کی بناء پر ہوتی ہے تو یہ صرف وقت کے ساتھ مقید رہیگی اور اسلام تمام عبادات کی صحت کے لئے شرط ہے احناف کے علاوہ فقہاء کے لئے جیسا کہ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں اور احناف کے ہاں یہ شرط وجوب ہے اور تمیز (یعنی انسان کا اتنا ذی شعور ہونا کہ وہ اپنے فعل کی جو وہ انجام دے رہا ہے حقیقت سے واقف ہو) تمام علماء کے ہاں وضو اور دیگر عبادات کی صحت کے لئے شرط ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل کی تیرہ شرائط ہیں:

(۱).....اسلام (۲) شعور تمیز (۳، ۴) حیض ونفاس سے صاف ہونا (۵) ایسی چیز سے صاف ہونا جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روکے (۶) فرضیت کا علم رکھنا (۷) اس کے معین فرائض میں سے کسی کو سنت نہ سمجھے (۸) پانی کا طہور (پاک کرنے والا اور خود بھی پاک) ہونا (۹) نجاست عینیہ (نظر آنے والی وہ نجاست جس کا جسم ہو) کا دور کرنا (۱۰) عضو پر ایسی چیز کا نہ ہونا جو پانی کو متغیر کر دے (۱۱) نیت کو معلق نہ کرے (۱۲) دائم الحدث لوگوں کے لئے وقت کا داخل ہونا اور (۱۳) موالات یعنی ایسی چیز کا نہ ہونا جو اعراض کی دلیل ہو۔

۴۔ چوتھی بحث......وضو کی سنتیں

احناف سنت اور مستحب (مندوب) میں فرق کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سنت (یعنی سنت مؤکدہ) کہتے ہیں **الطریقة المسلوکة فی الدین من غیر لزوم** (کسی بھی فعل کے بارے میں دین کا وہ طریقہ جو دین نے بغیر لازم کئے ہوئے اپنایا ہو (اس کا حکم دیا ہو) لیکن اس پر عمل مواظبت (ہیشگی) کے ساتھ کیا گیا ہو (مفہوم ومقصود یہ ہے کہ وہ عمل جو شریعت نے کسی چیز کے بارے میں اپنایا ہو اور ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہو لیکن لازم نہ کیا ہو بایں معنی کہ کبھی کبھی اسے بلا عذر ترک بھی کر دیا ہو) یعنی وہ عمل جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر بھی ترک فرما دیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عتاب ہوتا ہے۔ اور مستحب یا مندوب

وہ عمل ہوتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہ فرمائی ہو، یہاں وضو کے بیان میں اس کو ادب یعنی آداب وضو کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی ہے۔

وضو کی اہم سنتیں احناف کے ہاں اٹھارہ ہیں، مالکیہ کے ہاں آٹھ ہیں، شوافع کے ہاں تیس کے قریب ہیں کیونکہ یہ حضرات سنت اور مستحب میں فرق نہیں کرتے ہیں اور حنابلہ کے ہاں بیس کے قریب مطلوب ہیں۔ ❶

۱.....نیت احناف کے ہاں سنت ہے، اس کا وقت استنجاء سے قبل ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص حدث کے رفع کرنے یا نماز کے قائم کرنے کی یا وضو کی یا حکم کی بجا آوری کی نیت کرے اس کا محل (جگہ) قلب ہے مشائخ احناف اس کے زبان سے کہنے کے استحباب کے قائل ہیں اور احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں یہ فرض ہے جیسا کہ اس پر تفصیلی گفتگو فرائض وضو کے بیان میں گزر چکی ہے۔

۲.....ہاتھوں کو تین مرتبہ گٹوں تک دھونا برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہیں کیونکہ دونوں ہاتھ طہارت کے آلے ہیں، اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا۔ ❷ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں یہاں تک کہ وہ ان کو تین مرتبہ دھولے تاہم راجح یہی ہے کہ ایک مرتبہ ہاتھ دھونا مسنون ہے جیسے وضو کے باقی افعال ایک ہی مرتبہ فرض ہیں اور تین مرتبہ دھونا مستحب ہے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دھونا اس شخص کے لئے مسنون ہے جو رات کی نیند سے نہ اٹھا ہو اور رات کی نیند سے بیدار ہونے والے پر واجب ہے۔

۳۔وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا:.....اس طرح کہ ہاتھ گٹوں تک دھوتے وقت بسم اللہ پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طبرانی کی نقل کردہ روایت کے مطابق جو انہوں ❸ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن اسناد کے ساتھ نقل کی ہے یہ پڑھنا چاہئے باسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام، اور ایک قول یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اس حدیث پر عمل درآمد ہو جاتا ہے جس میں ہے ہر وہ کام جس کو بسم الله الرحمن الرحيم سے نہ شروع کیا جائے تو وہ بے برکت ہوتا ہے۔❸ مالکیہ نے بسم اللہ پڑھنے کو وضو کے آداب میں سے شمار کیا ہے جب کہ حنابلہ وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو اور اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام وضو کے موقع پر نہ لے ❹ اسی طرح ایک اور حدیث جو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے انہی الفاظ میں منقول ہے ❺ بھی ان کی دلیل ہے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث لاوضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه ❻ بھی ان کی مؤید ہے۔

---

❶..... البدائع ص ۱۸۔۲۳ فتح القدیر ۱۳۔۲۳، الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۱۔۱۱۴، مراقی الفلاح ص ۱۰۔۱۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۱۷۔۱۲۱ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۹۶۔۱۰۴ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۸۔۱۲، القوانین الفقهیه ص ۲۲، المهذب ج ۱ ص ۱۹۔۱۹ کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۲۲۔ المغنی ج ۱ ص ۹۶۔۱۴۳۔ ❷ صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۲۔ ❸ یہ حدیث عبدالقادر رہاوی نے الاربعین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ❹ یہ حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ نصب الرایه ج ۱ ص ۳۔ ❺ یہ حدیث امام احمد، ابن ماجہ، ترمذی اور حاکم نے روایت کی ہے امام احمد نے فرمایا کہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث اس باب میں سب سے احسن حدیث ہے امام ترمذی اور بخاری فرماتے ہیں کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ والی حدیث احسن ہے، تمام احادیث کی اسناد میں ایک ہی کلام ہے۔ نصب الرایه ج ۱ ص ۴، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۴۔ ❻ حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے دوسرے حضرات نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نصب الرایه ج ۱ ص ۴۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ❶ کہ جو شخص وضو کرے اور اللہ کا نام اس میں لے تو وہ اس کے تمام بدن کے لئے طہارت کا ذریعہ ہوگا، اور جو شخص وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو وہ صرف اس کے اعضاء وضو کی طہارت کا ذریعہ ہوگا❷ اور ایک اور دلیل وہ روایت ہے جو نسائی اور ابن خزیمہ نے جید اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وضو کرو بسم اللہ کہتے ہوئے اور اس کا کامل ترین اس کا کمال ہے پھر اللہ کی تعریف اسلام اور اس کی نعمتوں پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پانی کو پاکی کا ذریعہ بنایا اور تسمیہ واجب ہوتی ہے آیت وضو کی وجہ سے جو فرائض وضو کو بیان کرنے والی ہے۔❸

۴۔کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا...... مضمضہ (کلی) کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ پانی منہ میں ڈال کر منہ میں گردش دینا اور پھینک دینا یا یہ کہ سارے منہ میں پانی بھر لینا اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے کا مفہوم ہے ناک میں پانی چڑھانا) ان دونوں چیزوں سے ایک اور سنت بھی ملحق ہے اور وہ ہے استنثار (ناک سنکنے) کی سنت۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے کو ناک میں داخل کر کے صفائی کرنا اور ناک ایسے سنکنا جیسے بلغم کھنکار کر نکالتے وقت کرنا ہوتا ہے یہ تمام امور حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے تم میں سے جو شخص وضو کرے اور کلی کرے ناک میں پانی ڈالے اور ناک سنکے مگر اس کے منہ اور ناک سے گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں تاہم یہ روایت تمضمضوا واستنشقوا ضعیف ہے اور ان کے واجب نہ ہونے کی وجہ آیت وضو ہے جس نے وضو کے فرائض بیان کئے ہیں۔❹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو میں سے مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے) کا طریقہ مضمضہ اور استنشاق تین تین مرتبہ مسنون ہیں دلیل اس کی بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے برتن منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا اور ان کو دھویا پھر دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا پھر کلی کی اور ناک سنکی پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک تین تین مرتبہ دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایسا وضو فرمایا جیسے میں نے کیا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے او دو رکعت ادا کرے جس میں اس کے دل میں خیالات نہ آئیں تو اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا❺ اور دلیل میں یہ حدیث بھی ہے جو امام احمد، مسلم، اور سنن اربعہ (یعنی ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی) کے محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں اور ان میں مضمضہ اور استنشاق کا بھی ذکر کیا اور فطرت سے مراد سنت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ منہ اور ناک جو مخفی عضو ہیں تو ان کا دھونا ضروری ایسے ہی نہیں جیسے آنکھوں کے اندر کے حصے اور گھنی داڑھی کے اندر کے حصے کو دھونا ضروری نہیں ہوتا ہے، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ وجہ کہتے ہیں اس چیز کو جو سامنے پڑتی ہو (مواجہت جس سے ہوتی ہو) اور ان دونوں کے ذریعے مواجہت نہیں ہوتی ہے۔

❶......امام دارقطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے الجامع الصغیر: نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۶۔ ❷اس حدیث کو امام دارقطنی نے نقل کیا ہے اس حدیث کا ایک راوی ضعیف ہے، نصب الرایہ ج ۴ ص، ۱۸۳ اور نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۶۔ ❸ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ بعض روایات میں منقول ہے لاوضو کاملاً اور امام رافعی نے اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ نیل الاوطار حوالہ بالا۔ ❹یہ حدیث دارقطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے اس کی سند میں ایک راوی متروک اور وضع حدیث کے الزام سے متہم ہے یہ حدیث دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے اس کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں دارقطنی اور بیہقی نے یہ حدیث ایک اور طریقہ سے بھی نقل کی ہے اس کی سند میں ایک متروک شخص ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۵۔ ❺نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۹ اس کی تائید ایک ضعیف حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو دارقطنی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے ان الفاظ کے ساتھ المضمضة والاستنشاق سنة.

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ روزے دار کے علاوہ لوگوں کے لئے ان دونوں چیزوں میں مبالغہ کرنا مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم وضو کرو تو مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرو اگر تم روزے دار نہ ہو ابن قطان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس طرح لقیط بن صبرۃ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جس کے الفاظ ہیں وضو مکمل کرو انگلیوں میں خلال کرو اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو اگر تم روزے دار نہ ہو ① روزے دار کے لئے ان چیزوں میں مبالغہ درست نہیں بلکہ مکروہ ہے روزہ ٹوٹ جانے کے خطرے کی وجہ سے اور مضمضہ میں مبالغہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی کو حلق میں جہاں تک لے جانا ممکن ہو لے جائے اور منہ میں پانی کو ایسے گھمائے کہ وہ دانتوں کی دونوں جانب لگے، اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں دانتوں پر پھیرنا مسنون ہے، اور استنشاق میں مبالغے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کو ناک کے بانسے میں چڑھائے اور پانی منہ میں گردش دینا پھر اسے پھینکنا مسنون ہے۔ ناک سنکنا بھی مسنون ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ناک سنکو خوب اچھی طرح دو مرتبہ یا تین مرتبہ۔ ②

احناف کی اس کے بارے میں عبارت یہ ہے کہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں جو دیگر پانچ سنتوں پر مشتمل ہیں (۱) ترتیب (۲) تثلیث (تین مرتبہ کرنا) (۳) پانی نیا لینا (۴) دائیں ہاتھ سے کرنا (۵) ان دونوں میں مبالغہ کرنا غرارے کے ذریعے ناک کے بانسے سے اوپر پانی چڑھا کر یہ روزے دار کے علاوہ افراد کے لئے سنت ہے کیونکہ روزے دار کا روزہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے ③ مالکیہ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کرنا مستحب ہے اور دونوں مضمضہ اور استنشاق کے لئے نیا پانی لینا مستحب ہے اور غیر روزے دار کے لئے مبالغہ کرنا مستحب ہے۔ صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں ان میں ترتیب لازم ہے مستحب نہیں بخلاف دائیں کو بائیں سے پہلے دھونے کے کہ وہ مستحب ہے۔ علامہ نووی کے منہاج میں ذکر شدہ قول کے مطابق اظہر قول شوافع کے ہاں یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو ایک چلو سے کرنا زیادہ بہتر ہے دونوں کو الگ کرنے سے تین چلوں سے جن میں سے ہر چلو سے پہلے کلی کرے پھر ناک میں پانی ڈالے مفہوم یہ ہے کہ ایک چلو سے پہلے مضمضہ کرے پھر استنشاق کرے پھر دوسرے چلو سے ایسا کرے پھر تیسرے چلو سے بھی ایسا ہی کرے اور یہ افضل اس لئے ہے کہ صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ④ حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں کیونکہ چہرے کا وضو اور غسل دونوں میں دھونا فرض ہے اور منہ اور ناک چہرے میں داخل ہیں اور دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ مضمضہ اور استنشاق وضو کے ان افعال میں سے ہیں جو ضروری ہیں ⑤ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ہمیشہ مداومت (پابندی) فرمائی ہے جیسا کہ ان تمام احادیث میں یہ ذکر آیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ منقول ہے جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ والی حدیث، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ انہوں نے وضو کا پانی منگوایا اور مضمضہ اور استنشاق کیا اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی اور یہ کام تین مرتبہ کیا۔

پھر فرمایا یہ اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ طہارت تھا ⑥ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈالے پھر ناک جھاڑے اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمضہ اور استنشاق کا حکم دیا۔ ⑦

---

①......امام ترمذی اور دوسرے حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور پانچوں حضرات نے اس کو روایت بھی کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۵۔ ② بروایت امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم اور ابن الجارود، اس کو ابن القطان نے صحیح قرار دیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو تلخیص میں ذکر کیا ہے اور اس کا ضعف نہیں بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام منذری نے بھی نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۶۔ ③ الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۸۔ ④ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۸۔ ⑤ یہ حدیث امام ابوبکر نے الشافی میں اپنی اسناد کے ساتھ نقل کی ہے امام دارقطنی نے اپنی سنن میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ ⑥ یہ حدیث امام احمد اور نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۳۔ ⑦ پہلی حدیث متفق علیہ ہے اور دوسری دارقطنی نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۳،

حق یہ ہے کہ یہ احادیث مضمضہ اور استنشاق کے واجب کرنے کے بارے میں بالکل واضح ہیں اور شوافع وغیرہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں کی دلیل کے ضعف کا اعتراف کیا ہے کہ جو مضمضہ، استنشاق اور استنشار کے عدم وجوب کے قائل ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابن منذر نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے عدم وجوب استنشاق کی دلیل صرف یہ بیان کی ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا ترک کرنے والا مستحق وعید نہیں ہوتا جب کہ یہ باب بھی ہے کہ وجوب کا امر صحیح ہے۔ یہ دلیل امام شافعی رحمہ اللہ کی فقہی دلیل ہے کیونکہ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم میں سے ماسواء عطاء رحمہ اللہ کے منقول نہیں ہے۔ ❶

۵۔ مسواک کرنا...... یہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق سنت ہے ماسوا مالکیہ کے جو اس کو فضائل میں شمار کرتے ہیں اور میں اس سلسلے میں مستقل طور پر ایک الگ بحث میں گفتگو کروں گا۔

۶۔ گھنی ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنا...... گھنی ڈاڑھی کا خلال داڑھی کی نچلی طرف سے ایک چلو پانی کے ذریعے کرنا مسنون ہے ❷ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا یہ دونوں امور باتفاق فقہاء سنت ہیں، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے بھی اس کی تصحیح کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک میں خلال فرماتے تھے، اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لیتے اور اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے سے ڈالتے اور اپنی ڈاڑھی کا اس سے خلال فرماتے، اور فرماتے کہ اس طرح میرے رب نے مجھے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ❸

اسی طرح حضرت لقیط بن سبرہ کی روایت کردہ حدیث جو استنشاق میں مبالغے کی دلیل ہے جو کہ پہلے گزری کی وضو مکمل کرو اور انگلیوں میں خلال کرو اور استنشاق میں مبالغہ کرو ماسوا اس کے کہ تم روزہ دار ہو ❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم وضو کرو تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو ❺ حضرت مستورد بن شداد کی روایت کردہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو پاؤں کی انگلیوں میں چھنگلی سے خلال فرماتے تھے۔ ❻

۷۔ اعضاء کو تین مرتبہ دھونا...... فقہاء نے بالاتفاق اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کو سنت کہا ہے ماسواء مالکیہ کے وہ اس کو فضائل میں شامل کرتے ہیں دلیل اس کے سنت ہونے کی حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث ہے کہ ہاتھ چہرے اور بانہوں کو تین تین دفعہ دھویا جائے گا ❼ یہ عمل واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ بھی اعضا کو دھویا ہے اور فرمایا کہ یہ وہ مقدار ہے کہ اللہ عمل کم از کم اتنے ہونے پر قبول فرماتے ہیں اور دو دو مرتبہ بھی دھویا اور فرمایا یہ وہ مقدار ہے جس پر اللہ اجر کو دوگنا کر دیتے ہیں اور تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے۔ ❽

---

❶..... نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۱۔ ❷ ہلکی داڑھی اور گھنی ڈاڑھی جو چہرے کی حد میں ہو اور مرد کے رخسار اور گال پر ہو تو پانی اس کے ظاہری اور اندرونی حصے اور اس کی جڑوں میں خلال وغیرہ کے ذریعے پہنچانا ضروری ہے۔ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۶۰۔ ❸ دونوں حدیثیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۸ میں، ملاحظہ کیجئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث جو بخاری کے صفة وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم کے باب میں ہے وہ پانی کو گھنی داڑھی کے اندر پہنچانے کو لازم نہیں کرتی ہے نیل الاوطار ص ۱۴۷ تخلیل لحیہ کے بارے میں وارد احادیث نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۳ میں ملاحظہ کیجئے۔ ❹ صحاح ستہ ماسوی امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۵۔ ❺..... یہ حدیث امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۳۔ ❻ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے (حوالہ بالا) تخلیل اصابع کی احادیث کے لئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۷۔ ❼ یہ حدیث ابواؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے هكذا لوضو فمن زاد على هذا اونقص فقد اساء وظلم أوظلم واساء نصب الرايه ج ۱ ص ۲۹۔ ❽ بروایت دارقطنی از حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنھما تاہم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔ (حوالہ گزشتہ)

سر کے مسح کو بار بار کرنا جمہور اور اکثر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں مسنون نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وضو نقل کیا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں اور آپ نے مسح فرمایا اپنے سر کا ایک مرتبہ ❶ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنے سر پر ایک مرتبہ مسح فرمایا پھر فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ جس کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھے تو وہ اس وضو کو دیکھ لے امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہما اور حضرت ربیع کی روایت کردہ تمام احادیث میں ان حضرات نے فرمایا کہ آپ نے اپنے سر پر ایک مرتبہ مسح فرمایا ان حضرات نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نقل فرمایا یہ درحقیقت آپ کے فعل مداومت کا بیان ہے، اور آپ ہمیشہ افضل اور اکمل چیز پر ہی مداومت فرماتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسح طہارت ہے لہٰذا اس کا بار بار کرنا ایسا ہی خلاف سنت ہونا چاہیے جیسے تیمّم کا مسح، پٹی پر مسح اور تمام اقسام کے مسح میں ان کا بار بار کرنا درست نہیں ہوتا۔

شوافع فرماتے ہیں کہ مسح کا تین بار کرنا مسنون ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین مرتبہ کرنا افضل ہے اسی طرح حضرت شقیق بن سلمہ کی روایت جو ابوداؤد نے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی بانہوں کو تین مرتبہ دھویا اور سر کا مسح تین بار کیا پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا اس قسم کی روایت ایک سے زیادہ صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت ابو مالک حضرت ربیع اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین ان سب سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین دفعہ کرتے ہوئے وضو کیا۔

تاہم جمہور علماء نے شوافع کی تردید کی ہے کہ ان کی صریح احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ اور بظاہر معلوم بھی یہی ہوتا ہے کہ جمہور کی رائے احادیث صحیحہ کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

۸۔ پورے سر کا مسح:...... بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کا مسح احناف اور شوافع کے ہاں مسنون ہے احناف کے ہاں ایک مرتبہ اور شوافع کے ہاں تین مرتبہ اور مسنون اس لئے بھی ہے کہ اس اختلاف سے نکلا جا سکے جو ان حضرات کے قول کے مطابق واقع ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی، مالکیہ اور حنابلہ کہ ان کے ہاں پورے سر کا مسح واجب ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصے پر رکھے انگوٹھے کنپٹی پر رکھے اور انگلیاں ملالے پھر ہاتھ کو پھیرتا ہوا گردن تک لے جائے پھر دوبارہ وہیں ہاتھ لے آئے جہاں سے لے گیا تھا اگر اس کے بال اتنے ہوں کہ مسح کرنے سے اپنی جگہ سے ہل گئے ہوں ❷ اور اگر مسح کرنے سے بال نہ ہلیں چھوٹے ہونے یا بالکل نہ ہونے کی وجہ سے تو ہاتھ لوٹانا ضروری نہیں اس لئے کہ بے فائدہ ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ ہاتھ لوٹانا مسنون ہے خواہ بال نہ بھی ہوں بشرطیکہ ہاتھ پر پانی کی تری باقی ہو ورنہ لوٹانا مسنون نہیں۔

احناف کی دلیل حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما والی دونوں حدیثیں جو پہلے گذریں ان میں یہ الفاظ ہیں پھر انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا۔ ان دونوں حضرات نے کوئی تعداد ذکر نہیں کی، اسی طرح ابوحبہ والی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ وضو کے بارے میں ہے اس کے الفاظ ہیں اور انہوں نے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا ❸ شوافع کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو گذری جو

---

❶...... متفق علیه۔ ❷ اس طرح ہی جماعت محدثین نے حضرت عبداللہؓ بن زیدؓ سے نقل کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص، ۱۵۴۔ ❸ بروایت صحیح ترمذی، حواله بالا ص ۱۵۸۔

کہ ابوداؤد نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں کہ انہوں نے وضو کیا اور سر کا تین مرتبہ مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے مسح کرتے دیکھا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بیہقی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور سر کا مسح تین دفعہ کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔

شوافع اور حنابلہ نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر پگڑی کا اتارنا مشکل ہو تو کچھ سر اور کچھ پگڑی پر مسح کر لینا درست ہے، کیونکہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی اور عمامے پر اور موزوں پر مسح فرمایا۔❶

۹۔ کانوں کو اندر اور باہر سے مسح کرنا نئے پانی سے...... جمہور کے ہاں نئے پانی سے ایسا کرنا مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کے دوران اپنے سر اور کانوں پر مسح فرمایا کانوں کے اندر اور باہر دونوں طرف مسح کیا اور انگشت مبارک کان کے سوراخ میں ڈالی کان کے سوراخوں کے لئے نیا پانی لیا حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تو آپ نے کانوں کے لئے نیا پانی لیا یعنی اس پانی سے مختلف جو سر کے مسح کے لئے لیا تھا❷ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تھے تو اپنی انگلیوں کے ذریعے کانوں کے لئے نیا پانی لیتے تھے❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ کانوں کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ کان سر کا حصہ ہیں جیسا کہ اس حدیث الاذنان من الرأس (کان سر میں سے ہیں)❹ سے ظاہر ہوتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کانوں کا بھی سر کے ساتھ مسح فرمایا ہے اور جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔❺

میرے نزدیک راجح قول کانوں کے مسح کے سنت ہونے کا ہے۔ کیونکہ الاذنان من الرأس والی حدیث ثابت نہیں ہے وہ ضعیف ہے یہاں تک کہ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ اس کا ضعف بہت زیادہ ہے جو کثرت طرق سے بھی ختم نہیں ہو سکتا ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آئی ہوئی احادیث اس بارے میں دلیل نہیں بن سکتی ہیں یقینی چیز صرف استحباب ہے اور وجوب کا قول اسی وقت اختیار کیا جائے گا جب دلیل قائم ہو ورنہ یہ عمل اللہ کی طرف اس چیز کو منسوب کرنا کہلائے گا جو اللہ نے نہیں فرمائی ہے❻ کانوں کا مسح شوافع کے ہاں تین مرتبہ اور جمہور کے ہاں ایک مرتبہ ہے۔

۱۰...... ہاتھ اور پاؤں دھونے میں دائیں طرف سے شروع کرنا مالکیہ نے اس کو فضائل میں سے شمار کیا ہے، اس کے سنت ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے کام شروع کرنے کو جوتا پہننے کنگھی کرنے اور پاکی حاصل کرنے کے عمل میں اور اپنے تمام کاموں میں پسند فرماتے تھے❼ یہ حدیث جوتا پہننے کنگھی کرنے اور پاکی کے کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنے سنت اور مشروعیت کی دلیل ہے اسی طرح جسم کی داہنی طرف کو باہنی طرف سے پہلے دھونے کے سنت ہونے کی بھی دلیل ہے اور داہنی طرف سے ابتداء کرنا تمام اعمال میں مسنون ہے۔ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کپڑے پہنو اور جب تم وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔❽

---

❶...... بروایت مسلم وبروایت و صحیح ترمذی، از حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حوالہ بالا ص ۱۶۴۔ ❷ بروایت حاکم وبیهقی، اور فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۔ ❸ بروایت امام مالک درموطا حوالہ بالا۔ ❹ بروایت ابن ماجہ بلا بیان وجہ تاہم سند میں ایک راوی ایسا ہے جس پر کلام ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۰۔ ❺ ان احادیث میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے اور وہ حدیث ابن عباس جو ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہے اسی طرح حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو ابوداؤد، اور ترمذی نے روایت کی ہے، ان دونوں نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۰۔۱۶۲۔ ❻ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۱۔ ❼ یہ متفق علیہ حدیث ہے ابن حبان اور ابن مندہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۰۔ ❽ یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کی ہے ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس قابل ہے کہ اس کو صحیح قرار دیا جائے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۰۔

احناف اور شوافع نے مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ عمل طہارت کی ابتداء انگلیوں کے سرے اور سر کے اگلے حصے سے کی جائے، شوافع مزید یہ فرماتے ہیں چہرے کے اوپر کے حصے سے ابتداء کی جائے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ دھونے اور مسح کرنے میں عضو کے اگلے حصے سے شروع کرنا مسنون ہے یعنی چہرے ہاتھ پاؤں اور سر وغیرہ میں۔

۵۔ پانچویں بحث.....آداب وضو یا فضائل وضو

احناف ان چیزوں کو آداب سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ جمع ہے ادب کی اور مراد اس سے ہے وہ عمل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے والا ثواب کا حقدار ہوگا اور ترک کرنے پر کوئی وعید وغیرہ نہیں ہوگی۔ احناف کے ہاں وضو کے آداب چودہ چیزیں ہیں۔ مالکیہ ان کو فضائل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی فضلیت والے اعمال وعادات اور یہ ان کے ہاں دس ہیں اس کے اور سنت کے درمیان فرق یہ ہے کہ سنت وہ ہے جس کے کرنے کی شارع نے تاکید فرمائی ہو اور اس کو عظیم القدر بتایا ہو۔ اور مندوب یا مستحب وہ ہے جس پر شارع نے عمل درآمد کا حکم دیا ہو مگر اس کا بہت تاکید سے مطالبہ نہ کیا ہو اور اس کے معاملے کو ہلکا رکھا ہو، ان دونوں کے کرنے پر ثواب ملتا ہے لیکن چھوڑنے پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔

اہم آداب یہ ہیں:

۱۔ قبلہ رخ ہونا..... کیونکہ یہ جہت سب سے معزز جہت ہے اور اس حالت میں قبولیت دعا زیادہ متوقع ہے اس کو شوافع اور حنابلہ سنت کہتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں سنت اور ادب میں فرق نہیں ہے۔

۲۔ اونچی جگہ بیٹھنا..... استعمال شدہ پانی سے بچنے کے لئے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ وضو کا ایسی جگہ کرنا مستحب ہے جو خود پاک ہو اور پاک رہنے والی ہو لہٰذا وضو بیت الخلا اور پاخانے میں کرنا اس کو استعمال کرنے سے پہلے بھی مکروہ ہے ❶ جیسے کہ اس کے علاوہ ناپاک جگہوں پر بھی وضو کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ بات چیت نہ کرنا..... کیونکہ اس سے انسان دعا ماثورہ پڑھنے سے رہ جاتا ہے۔

۴۔ دوسرے سے مدد نہ لینا..... ماسوا عذر کے یعنی پانی بہانے وغیرہ کے لئے ❷ مدد نہ لینا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل یہی تھا اور دوسری بات یہ کہ اس میں ایک طرح کا کبر اور ناز ونعمت برداری کی جھلک ہے جو کہ عبادت کرنے والے کے لئے مناسب نہیں اور اجر وثواب تو مشقت کے اعتبار سے ملتا ہے یہ عمل (یعنی دوسرے سے مدد لینا) خلاف اولیٰ ہے بعض حضرات کے ہاں مکروہ ہے اگر یہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً وہ مریض ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجازت دی ہے جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آپ اپنی ضرورت کے تحت تشریف لے گئے تھے اور حضرت مغیرہ نے آپ کے لئے پانی ڈالنا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو شروع کیا۔

---

❶..... کیونکہ وہ صرف بیت الخلاء یا پاخانہ بنا دینے سے ہی شیاطین کا مرکز بن جاتا ہے تو وہاں وضو کرنے میں وسوسے پیش آنے کا خطرہ ہے خواہ چھینٹوں سے وہ ناپاک نہ بھی ہوئے ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وضو ناپاک جگہ میں مکروہ ہے اور اس جگہ میں بھی مکروہ ہے جہاں نجاست ہونے کا امکان ہوتا ہو کیونکہ وضو خود طہارت ہے۔ وجہ اس ممانعت کی یہ ہے کہ اس کی چھینٹیں نجاست پر گر کر اڑ کر اس کو نہ لگ جائیں۔ ❷ پانی منگوانے کے لئے استعانت وغیرہ میں کوئی حرج نہیں تاہم اس کا نہ کرنا افضل ہے اور اعضاء دھلوانے میں مدد لینا مکروہ ہے مغنی المحتاج ۱/ ۶۱)

آپ نے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا(11) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر میں وضو کراتے وقت پانی ڈالا کرتا تھا(12) یہ دونوں حدیثیں دوسرے سے مدد لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ان دونوں حدیثوں کو حنابلہ نے اختیار کیا ہے اور اس عمل (دوسرے سے امداد لینا) کو مباح قرار دیا ہے۔

۵۔ کشادہ اور ڈھیلی انگوٹھی کو حرکت دینا...... مقصد دھونے میں مبالغہ ہوتا ہے۔ حضرت ابورافع سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیا کرتے(13) اسی طرح تنگ انگوٹھی کو حرکت دینا بھی مستحب ہے اگر پانی کا اس کے نیچے پہنچ جانا یقینی ہو اور اگر یقینی نہ ہو تو اس کو حرکت دینا فرض ہوگا۔ اور یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ شرعاً جائز انگوٹھی کو مالکیہ کے ہاں حرکت دینا ضروری نہیں ہے۔

۶...... کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے عمل کا دائیں ہاتھ سے اور ناک سنکنے اور اس کو صاف کرنے کا عمل بائیں ہاتھ سے کرنا مستحب ہے کیونکہ پہلا کام بہتری کے اور دوسرا منفی پہلو کا حامل ہے۔

۷...... غیر معذور شخص کے لئے نماز کے وقت کے داخل ہوتے ہی وضو کر لینا نیکی کے انجام دینے میں جلدی اور سرعت کی خاطر۔ معذور اور تیمم کرنے والے کے لئے اس میں تعجیل کرنا امام ابوحنیفہ کے ہاں مستحب نہیں ہے۔ جمہور کے ہاں وقت شروع ہونے کے بعد تک کے لئے تاخیر کرنا ضروری ہے (کیونکہ ان کے ہاں یہ لوگ وقت کے داخل ہونے سے قبل وضو وغیرہ نہیں کر سکتے ہیں)

۸...... پانی میں تر چھنگلی کو کانوں کے سوراخ میں داخل کرنا مستحب ہے، مقصود صفائی میں مبالغہ کرنا ہے۔

۹...... گردن کا مسح ہاتھ کی پشت سے کرنا احناف کے ہاں مستحب ہے(14) ہاں حلقوم (گلے) کا مسح مستحب نہیں۔ دلیل وہ حدیث ہے جو لیث نے طلحہ بن مصرف سے بواسطہ ان کے والد اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا مسح کرتے ہوئے گدی سے ذرا اوپر کے حصے پر مسح کرتے ہوئے گردن کے ابتدائی سرے تک ہاتھ لے جاتے تھے۔(5)

جمہور فقہاء گردن کے مسح کو مستحب نہیں بلکہ بدعت شمار کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ غلو فی الدین ہے۔

۱۰...... "غرۃ" اور "تحجیل" کو بڑھانا، غرہ کو بڑھانے کا مطلب ہے چہرے کے تمام اطراف میں واجب مقدار سے بڑھ کر دھونا، اس کی انتہائی حد یہ ہے کہ سر کے کچھ اگلے حصے اور گلے سے کچھ شروع کے حصے کو بھی (یعنی ٹھوڑی کے تھوڑا سا نیچے تک) دھو لیا جائے۔ اور تحجیل کا مطلب ہے ہاتھ اور پاؤں کی واجب مقدار سے زائد دھونا تمام اطراف سے اور اس کی انتہائی حد ہے بازو اور پنڈلیوں کو ساتھ دھو لینا یہ عمل جمہور کے ہاں مستحب ہے۔ دلیل اس کی بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ میری امت کے لوگ بروز قیامت وضو کے نشانات کی وجہ سے چمکتے دمکتے آئیں گے تو جو تم میں سے اپنے غرہ کو بڑھا سکتا ہو وہ ایسا کر لے اور دوسری دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ تم قیامت کے روز وضو کو مکمل کرنے کے سبب چمکدار اور دمکتے ہوئے ہو گے جو تم میں سے کر سکتا ہو تو وہ اپنی غرہ اور تحجیل کو بڑھا دے۔(6)

مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل مستحب نہیں یعنی مقدار فرض سے بڑھا کر دھونا۔ بلکہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ غلو فی الدین ہے ہاں طہارت کا برقرار رہنا اور اس کو تازہ کرتے رہنا مستحب ہے اور اسی کو بھی غرہ کا بڑھانا کہا جائے گا جیسا کہ اس معنی میں اس حدیث کو بھی محمول کیا گیا ہے

---

(11)...... بخاری و مسلم کی متفقہ روایت کر دہ حدیث نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۵۔ (12) بروایت ابن ماجہ یہ روایت امام بخاری نے بھی التاریخ الکبیر میں نقل کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۵۔ (13) بروایت ابن ماجہ ودارقطنی تاہم یہ ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۳۔ (14) یہ قول راجح اور صحیح ہے صاحب مراقی الفلاح نے صاحب البحر الرائق کی پیروی میں اسے وضو کی سنتوں میں شمار کیا ہے۔ الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۵۔ (5) بروایت امام احمد۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۳۔ (6)...... نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔

کہ من استطاع منکم ان یطل غرته (جوتم میں سے اپنے غرہ کو ہمیشہ بڑھا سکے تو بہت اچھا ہے) یہاں پر اطالہ (لمبا کرنا، بڑھانا) دوام اور استمرار کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور لفظ غرہ وضو پر محمول کیا گیا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ غرہ کو بڑھانے کے دو مطلب ہوئے)۔

۱..... مقدار واجب سے زائد دھونا۔

۲..... وضو کو قائم ودائم رکھنا تو پہلا عمل ان کے ہاں مکروہ ہے اور دوسرا مطلوب ہے۔

۱۱..... تولیے یا رومال سے نہ پونچھنا احناف اور حنابلہ کے ہاں اور صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں بھی مستحب ہے مقصد ہے عبادت کے اثر اور نشان کو برقرار رکھنا۔ دوسری بات یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل فرمانے کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تولیہ لے کر آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا اور پانی کو جھاڑتے ہوئے فرمایا کہ ایسے (یعنی ایسے پونچھنا ہے تولیے سے نہیں)۔❶

مالکیہ فرماتے ہیں کہ تولیے رومال وغیرہ سے پونچھ لینا جائز ہے دلیل اس کی حضرت قیس بن سعد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ہمارے گھر تشریف لائے حضرت سعد نے آپ کے لئے نہانے کا پانی رکھنے کا حکم دیا وہ رکھ دیا گیا آپ نے غسل فرمایا پھر انہوں نے آپ کو زعفران یا ورس میں رنگا ہوا لپیٹنے کا کپڑا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لپیٹ لیا❷ حنابلہ کی عبارت یہ ہے کہ پاکی حاصل کرنے والے کے لئے اپنے اعضاء کو خشک کرنا مباح ہے❸ اور ایسا نہ کرنا افضل ہے یہ قول راجح ہے۔

۱۲..... پانی کو نہ جھاڑنا (ہاتھ سے پانی جسم پر سے سونتنا) صحیح قول کے مطابق شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحب ہے۔ بعض حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے اور شوافع کے ہاں خلاف اولیٰ ہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھ نہ جھاڑو کیونکہ یہ شیطان کے پنکھے ہیں❹ باقی ائمہ کی طرح اظہر اور راجح قول حنابلہ کے ہاں یہ ہے کہ یہ عمل مکروہ نہیں ہے۔

۱۳..... دوران وضو پانی کم سے کم استعمال کرنا مستحب ہے کیونکہ پانی میں اسراف مکروہ ہے۔

۱۴..... کھلے اور بڑے منہ کے برتن، جیسے تھال اور میز وغیرہ کو اپنی دائیں طرف رکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ لینے میں مددگار اور معاون ثابت ہوا ہے۔

۱۵..... وضو کے بعد دعا اور شہادتین کہنا مستحب ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ غسل کے بعد بھی یہ مسنون ہے۔ اور اس کے الفاظ یوں ہیں:

أشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريك له واشهد أن محمداً عبده ورسوله اللهم اجعلنى من التوابين واجعلنى من المتطهّرين، سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك

اور وضو کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا مستحب ہے اور وہ اس طرح ہے اللهم صل وسلم على محمد وعلى آل محمد شہادتین پڑھنا مستحب تو مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی اس حدیث سے جو ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ تم میں سے جو شخص وضو کرے اور تمام اعضاء کو دھوئے یا وضو تمام کرے پھر کہے اشهد ان لااله الخ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے وہ داخل ہو جائے ترمذی کی روایت میں اضافہ یہ ہے کہ سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الاانت استغفرك واتوب اليك اور اس میں مزید اضافہ ہے کہ اللهم اجعلنى من التوابين

---

❶..... بروایت شیخین شوافع فرماتے ہیں کہ اس میں پانی جھاڑنے کے مباح ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان جواز کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۱۔ ❷ بروایت امام احمد، ابن ماجہ ابوداؤد، نسائی اس حدیث کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے، علامہ نووی نے اس کو ضعیف کی فصل میں ذکر کیا ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۷۵ اکمر) ❸ دلیل وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ اور طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت سلمان سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر آپ جو جبہ پہنے ہوئے تھے اس کو ایک طرف سے الٹا اور اس سے اپنے چہرہ مبارک کو پونچھا۔ ❹ معمری وغیرہ نے بختری بن عبید سے روایت کیا ہے اور یہ متروک ہے۔

واجعلنی من المتطھرین اس کو امام احمد وابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ امام نسائی اور حاکم نے بتصحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص وضو کرے اور یہ الفاظ کہے **سبحنك اللّٰہ وبحمدك اشھد ان لاالہ الاانت استغفرك واتوب الیك** تو یہ الفاظ ایک ورق میں لکھے جائیں گے پھر اس پر چاندی کی مہر لگائی جائے گی اور قیامت تک وہ مہر نہیں توڑی جائے گی یعنی وہ عمل باطل نہیں ہوگا علامہ سامری فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ سورۃ القدر بھی پڑھے۔

وضو کے مختلف اعضاء دھوتے وقت کی دعاؤں کی کتب حدیث میں کوئی اصل موجود نہیں ہے جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا ہے احناف نے ان دعاؤں کو مستحب قرار دیا ہے ❶ مالکیہ نے بھی ان کو مستحب شمار کیا ہے ❷ اور بعض شوافع نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ...... بخاری مسلم، ابوداؤد، اور نسائی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان کے غلام حمران فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک مرتبہ پانی کا برتن منگوایا ❸ برتن کو جھکا کر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر چلو میں پانی لیا کلی کی اور ناک سنکی ❹ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور کہنیوں تک ہاتھوں کو بھی دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا وضو کرتے دیکھا تھا، اور آپ نے وضو کے بعد فرمایا تھا کہ جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نفل پڑھے جس میں اس کو خیالات نہ آئیں تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ❺

وضو کی سنتوں اور مستحبات کے بارے میں مختلف مذاہب کی آراء کا خلاصہ

ا۔ **مذہب حنفی** ❻...... وضو کی سنتیں ان کے ہاں سترہ ہیں، (۱) گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (دونوں کام وضو کی ابتداء میں ہوں) (۴) تین مرتبہ کلی کرنا (خواہ ایک چلو سے) (۵) ناک میں پانی ڈالنا تین الگ الگ چلو میں پانی لے کر (۶) مضمضہ اور استنشاق میں خوب اچھی طرح مبالغے سے کام لینا یہ روزے دار کے علاوہ شخص کے لئے ہے (۷) گھنی داڑھی میں ایک چلو پانی نچلی طرف سے ڈالے اور خلال کرے (۸) انگلیوں کا خلال (۹) تین تین مرتبہ دھونا (۱۰) پورے سر کا مسح کرنا (۱۱) کانوں کا مسح خواہ سر کے مسح کے پانی سے ہی ہو۔ (۱۲) دھوتے وقت ملنا (۱۳) نیت کرنا (۱۴) قرآن میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق کرنا (۱۵) دائیں طرف سے شروع کرنا (۱۶) انگلیوں کے سروں اور سر کے اگلے حصے سے عمل شروع کرنا۔

---

❶...... چنانچہ ہاتھ دھوتے وقت یہ پڑھے اللھم احفظ من معاصیک کلھا کلی کے وقت پڑھے اللھم اعنی علی تلاوۃ القران وذکرک وشکرک وحسن عبادتک ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھے بسم اللہ اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ ولا ترحنی رائحۃ النار چہرہ دھوتے وقت پڑھے اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ دایاں ہاتھ دھوتے وقت پڑھے اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا بایاں دھوتے وقت پڑھے اللھم لاتعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری سر کا مسح کرتے وقت پڑھے اللھم حرم شعری وبشری علی النار کانوں کے مسح کے وقت اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ پاؤں دھوتے وقت پڑھے اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام بعض شوافع حضرات نے بھی ان دعاؤں کا مانگنا مباح لکھا ہے۔ ❷ مالکیہ فرماتے ہیں کہ دوران وضو ذکر اللہ کے علاوہ بات چیت منع ہے اور روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوران وضو یہ فرماتے تھے اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی وقنعنی بما رزقتنی ولاتفتنی بما زویت عنی بروایت ترمذی از حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۲۷. ❸ ایک روایت کے الفاظ ہیں وضوء یعنی وضو کا پانی منگوایا وضو (واؤ پر پیش) فعل وضو کو کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے وضاءت سے خوبصورتی کے معنی میں ہے۔ ❹ ایک روایت میں ہے استنشق واستنثر معنی وہی ہیں ناک میں پانی ڈالنا۔ ❺ جامع الاصول ج ۸، ص ۷۶. ❻ مراقی الفلاح ص ۱۰-۱۳۔ الدر المختار ج ۱ ص ۹۵-۱۲۲۔

۲۔ مستحبات وضو...... یہ پندرہ ہیں:

(۱) صرف گردن کا مسح (حلق کا نہیں) (۲) اونچی جگہ بیٹھنا (۳) قبلہ رو ہونا (۴) دوسرے سے مدد نہ لینا (۵) لوگوں کی عام گفت وشنید نہ کرنا (۶) دل کی نیت اور زبان کے فعل کو جمع کرنا (یعنی منہ سے بھی کہنا (۷) ماثور دعائیں پڑھنا (۸) ہر عضو پر بسم اللہ پڑھنا (۹) کان کے سوراخ میں چھنگلی ڈالنا (۱۰) کشادہ انگوٹھی کو حرکت دینا (۱۱) کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا کام دائیں ہاتھ سے کرنا (۱۲) ناک بائیں ہاتھ سے سنکنا (۱۳) غیر معذور کے لئے وقت سے قبل وضو کر لینا (۱۴) وضو کے بعد شہادتیں کہنا (۱۵) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا اور یہ کہنا اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین آداب وضو میں سے سورۃ القدر پڑھنا بھی ہے [۱] اور دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا اگر وقت مکروہ نہ ہو (۲) اور آداب میں سے یہ ہے کہ وضو کرنے والا موقیہ...... اپنے ٹخنوں، ایڑی سے اوپر کے پٹھے اور اپنے تلووں کا دھیان رکھے اور ان کو اہتمام سے صاف کرے۔

۲۔ مذہب مالکی [۲]: ا...... وضو کی سنتیں آٹھ ہیں:

ا...... ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا برتن میں داخل کرنے سے پہلے۔

۲...... کلی کرنا۔

۳...... ناک میں پانی ڈالنا ان دونوں کو الگ الگ چلوؤں سے کیا جائے گا اور غیر روزے دار کو ان دونوں میں مبالغہ کرنا چاہئے۔

۴...... ان تینوں سنتوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے کئے یا تو وضو کی سنتوں کی نیت کی جائے یا ہاتھ دھوتے وقت وضو ادا کرنے کی نیت کروں۔

۵...... ناک سے پانی سنکنا۔

۶...... دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا ایک مرتبہ اور دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا۔

۷...... سر کے مسح کو دوبارہ ہاتھوں کو گردن کی طرف سے اگلی طرف لاتے ہوئے کرنا اگر ہاتھ پر تری باقی ہو (یعنی اگر پہلی دفعہ مسح کرتے وقت ہاتھ پر تری لگی ہوئی رہ گئی ہو تو ہاتھوں کو دوبارہ سر پر الٹی طرف سے پھیرنا)

۸...... وضو کے فرائض کو ترتیب سے کرنا کہ پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ پھر سر کا مسح پھر دونوں پاؤں۔ اور اگر وہ کسی فرض کو اس کی مشروع جگہ سے پہلے کر لے تو صرف اسی کا اعادہ کرے اس کے بعد والے اعضاء کا نہیں۔ اور سنت کے ترک کرنے کے بارے میں معتمد قول یہ ہے کہ صرف اسی کا اعادہ کرے اس کے بعد والی کا نہیں خواہ یہ ترک طویل ہو یا کم (یعنی اس کو ترک کئے ہوئے زیادہ وقت گزر گیا ہو یا نہیں) لیکن اگر کسی نے وضو یا غسل کے فرائض میں سے نیت کے علاوہ کوئی فرض چھوڑ دیا کوئی جگہ کسی عضو پر خشک چھوڑ دی تو اس فرض کے بعد کے فرائض کو اس وقت ادا کر سکتا ہے جب ترک کو زیادہ عرصہ نہ ہوا ہو بصورت دیگر (یعنی ترک کو طویل عرصہ گذرے ہوئے ہونے کی صورت میں سارے فرائض باطل ہو جائیں گے کیونکہ موالات (پے در پے ہونا) نہیں رہی۔

۲۔ وضو کے فضائل (مندوبات)...... دس ہیں:

فضائل سے وہ خصائل وافعال مراد ہیں جن کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہیں:

ا...... پاک جگہ وضو کرنا اور ایسی جگہ وضو کرنا جو پاک ہی ہوا کرتی ہو (یعنی ایسی جگہ نہ ہو جو فی الوقت پاک ہو لیکن وہ ناپاک بھی ہوا کرتی

---

[۱]...... اس بارے میں روایت منقول ہیں تاہم علامہ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قولی وفعلی چیز مروی نہیں ہے۔ [۲] دلیل وہ حدیث ہے جو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اچھا کرے اور دو رکعت دل لگا کر پڑھے تو اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔ [۳] الشرح الصغیر ج ا ص ۱۱۷۔۱۲۴ الشرح الکبیر ج ا ص ۹۶۔۱۰۶۔

ہو جیسے بیت الخلاء کا پاخانے کا حصہ)

۲......قبلہ رو ہونا۔

۳......بسم اللہ کہنا ہاتھوں کو گٹوں تک دھوتے ہوئے۔

۴......وضو کے دوران پانی کم استعمال کرنا۔❶

۵......ہاتھ اور پاؤں میں دائیں کو مقدم رکھنا بائیں پر۔

۶......کھلے منہ والے برتن جیسے تھال وغیرہ میں پانی ہونے کی صورت میں اس کو دائیں ہاتھ پر رکھنا۔

۷......دھونے اور مسح کرنے میں عضو کے اگلے سرے سے شروع کرنا۔

۸......سنت اور فرض عمل میں دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا یہاں تک کہ پاؤں کو بھی۔

۹......سنتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ یا فرائض کے ساتھ ترتیب سے ادا کرنا۔

۱۰......مسواک کرنا خواہ انگلیوں کو منہ میں پھیر کر ہی۔

۳۔شوافع کا مذہب❷......ان کے ہاں وضو کی سنتیں تقریباً تیس ہیں۔

۱......مسواک چوڑائی میں (عرضاً) ہاتھ چلاتے ہوئے صحیح قول کے مطابق انگلی سے نہیں اور یہ بھی اس شخص کے لئے ہے جو روزے دار نہ ہو زوال کے بعد۔

۲......ہاتھ دھوتے وقت نیت کے ساتھ ہی بسم اللہ پڑھنا۔❸

۳......نیت کو زبان سے کہنا اور اس کو برقرار رکھنا (استصحاب نیت)۔

۴......ہاتھوں کا دھونا اگر ان کی پاکی کا یقین نہ ہو تو ان کا کسی مائع یا قلیل پانی میں تین مرتبہ دھوئے بغیر ڈبونا مکروہ ہے۔

۵......مضمضہ (کلی کرنا)۔

۶......استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) اظہر اور راجح قول (جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بخلاف علامہ رافعی کے) یہ ہے کہ ان دونوں (مضمضہ اور استنشاق) تین چلو پانی سے اس طرح کیا جائے گا کہ ایک چلو سے پہلے مضمضہ پھر استنشاق پھر دوسرے سے بھی ایسے ہی اور تیسرے سے بھی ایسے ہی۔

۷......ان دونوں کو کرنے میں خوب مبالغہ کرنا بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔

۸......اور دھونے، مسح کرنے، خلال کرنے، ملنے اور مسواک کرنے کے اعمال وافعال کو تین تین مرتبہ کرنا۔❹

۹......پورے سر یا کچھ حصے کا مسح کرنا اور بقیہ عمامہ پر ہی کر لینا (یعنی اگر عمامہ پہنا ہوا ہے تو ایسے مسح کر لینا کہ کچھ پگڑی پر لگے اور کچھ سر پر)۔

۱۰......دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا اور کانوں کے سوراخ کے مسح کے لئے نیا پانی لینا۔

---

❶......کم کی مقدار معین نہیں، اعضاء اور لوگوں کے مزاج وعادات کے اختلاف کے سبب یہ کم یا زیادہ ہو سکتا ہے، مراد ہے اتنا جو عضو پر بہہ سکے خواہ وہ ٹپکے نہیں۔❷مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۵۔۶۲ الحضر میہ ص ۱۱۔۱۳ بعض کتابوں جیسے بجیرمی خطیب (ج ۱ ص ۱۳۹) وغیرہ میں وضو کی سنتیں دس بتائی ہیں۔❸اگر وضو کے شروع میں بسم اللہ چھوڑ دے خواہ جان بوجھ کر تو وضو ختم کرنے سے قبل کہہ لے کھانے وغیرہ میں یاد رہنے پر بسم اللہ اولہ وآخرہ کہا جاتا ہے ایسے ہی یہاں پر بھی ہوگا۔❹اگر تین کے بارے میں شک ہو کہ کتنی دفعہ ہوا ہے تو یقینی تعداد کو واجب چیزوں میں واجب طور پر اور مندوبات میں استحبابی طور پر اختیار کیا جائے گا تاہم تین سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

۱۱.....گھنی داڑھی کا خلال کرنا انگلیوں کا ایک دوسرے میں پیوست کر کے خلال کرنا۔ اور پاؤں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس طرح کرنا کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔

۱۲.....پے در پے کرنا۔

۱۳.....دائیں طرف کو مقدم رکھنا۔

۱۴.....غرہ اور تحجیل کو بڑھانا (چہرے اور ہاتھوں کو معین اور فرض مقدار سے زائد دھونا)۔

۱۵.....پانی کو جھاڑنے (سونتنے) اور صحیح قول کے مطابق خشک کرنے اور بلا عذر دوسرے سے مدد لینے سے اجتناب کرنا۔

۱۶.....انگوٹھی کو حرکت دینا (اگر پانی نیچے پہنچ جاتا ہو بصورت دیگر یہ حرکت دینا واجب ہوگا)۔

۱۷.....چہرے کو دھوتے وقت اوپر کی طرف سے دھونا شروع کرنا۔

۱۸.....ہاتھ اور پاؤں کو خود دھونے کی صورت میں انگلیوں سے شروع کرنا (اور اگر دوسرا وضو کرائے تو کہنی اور ٹخنوں سے دھونا شروع کرنا)۔

۱۹.....عضو کا ملنا۔

۲۰.....گوشۂ چشم کا ملنا (اور اگر ان میں گندگی چیپڑ وغیرہ لگا ہوا ہو تو ملنا واجب ہوگا)

۲۱.....قبلہ رو ہونا۔

۲۲.....بڑے منہ کا برتن ہونے کی صورت میں اسے دائیں جانب رکھنا۔

۲۳.....اور اس سے بہا کر نکالنے کی صورت میں اس کو بائیں جانب رکھنا۔

۲۴.....وضو کا پانی ایک مد سے کم نہ ہو یعنی ۶۷۵ گرام سے کم نہ ہو۔

۲۵.....دوران وضو بلا ضرورت نہ بولے۔

۲۶.....چھپکا چہرے پر زور سے نہ مارے

۲۷.....گردن کا مسح نہ کرے۔

۲۸.....وضو کے بعد یہ کہے:

اشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله اللهم اجعلنى من التوابين واجعلنى من المتطهرين سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك

۲۹.....اس کے بعد یہ کہنا مسنون ہے وصلى الله وسلم على محمد و آل محمد اور سورۃ القدر پڑھے اور دو رکعت ادا کرے۔

۴۔ مذہب حنابلہ ❶.....ان کے ہاں وضو کی تمام سنتیں بیس کے قریب ہیں:

۱.....قبلہ رو ہونا۔

۲.....کلی کے وقت مسواک کرنا۔

۳.....تین مرتبہ ہاتھ دھونا اس شخص کے لئے جو رات کی نیند سے بیدار نہ ہوا ہو رات کی نیند سے بیدار شخص کے لئے یہ عمل واجب ہے۔

۴.....چہرہ دھونے سے قبل مضمضہ اور استنشاق کرنا اور ان میں خوب مبالغہ کرنا روزے دار نہ ہونے کی صورت میں اور تمام اعضاء کے دھونے میں مبالغہ کرنا (ہر شخص کے لئے خواہ روزے دار ہو یا بے روزہ)۔

❶.....کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸، المغنی ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۳۹۔۱۴۲

۵..... بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑنا۔

۶..... ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۷..... چہرے پر موجود گھنی داڑھی کا خلال کرنا (یعنی چہرے کی حدود سے باہر گھنی داڑھی کا خلال مسنون نہیں۔

۸..... دائیں طرف کو پہلے دھونا حتیٰ کہ رات کی نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے دونوں ہاتھ دھوتے وقت یہ فرق رکھنا مسنون ہے اسی طرح کان کے مسح میں بھی یہ فرق مسنون ہے۔

۹..... سر کے مسح کے بعد کانوں کا مسح نئے پانی سے۔

۱۰..... فرض جگہ سے تجاوز کرنا (یعنی دھوتے وقت فرض مقدار سے زائد دھولینا)۔

۱۱..... دوسری اور تیسری بار دھونا۔

۱۲..... نیت وضو کی سنتوں سے قبل کرنا۔

۱۳..... نیت کا آخر وضو تک برقرار رہنا۔

۱۴..... داڑھی کے علاوہ چہرے پر موجود گھنے بالوں کو اندر تک دھونا۔

۱۵..... چہرہ دھوتے وقت پانی زیادہ استعمال کرنا، کیونکہ اس پر شکنیں اور بال ہوتے ہیں، اور اندرونی اور بیرونی تمام چیزوں کو دھونا تاکہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔

۱۶..... وضو خود بغیر کسی کی معاونت کے کرنا۔

۱۷..... اعضاء کو خشک نہ کرنا (نہ پونچھنا) تاہم یہ مباح ہے۔

۱۸..... چوڑے منہ کے برتن کو دائیں طرف رکھنا۔

۱۹..... پانی نہ جھاڑنا (اعضاء پر سے نہ سونتنا) تاہم اس کا کرنا مکروہ نہیں تینوں ائمہ سے اتفاق کرتے ہوئے۔

۲۰..... اور وہ دعا پڑھنا جو شوافع کی سنتوں کے بیان میں گذری۔ یہ دعا وضو سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر پڑھنا[1] اسی طرح یہ دعا غسل کے بعد بھی مسنون ہے۔

۶۔ چھٹی بحث..... وضوء کے مکروہات

مکروہ احناف کے ہاں دو طرح کے ہیں:

۱۔ مکروہ تحریمی..... وہ جو حرام کے قریب ہوتا ہے، اس کا ترک کرنا واجب ہوتا ہے، اور عام طور پر مکروہ بولے جانے پر یہی مراد ہوتا ہے۔

۲۔ مکروہ تنزیہی..... وہ جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو یعنی خلاف اولیٰ اور بسا اوقات یہ بھی علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے۔ اس بناء پر اگر فقہاء احناف کسی چیز کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل میں دیکھا جائے گا اگر وہ دلیل ظنی ممانعت کی ہے (یعنی نہی ظنی الثبوت ہے) تو کراہت تحریمیہ کا حکم لگایا جائے گا، ماسوا اس کے کہ کوئی قرینہ اس کو حرمت سے ندب واستحباب کی طرف لوٹا دے اور اگر دلیل نہی ظنی نہیں ہو بلکہ ترک کرنے پر آئے لیکن بالجزم نہیں تو وہ کراہت تنزیہی ہوگی (یعنی اگر وہ بالجزم اور یقینی ممانعت نہ ہو اس سے نہ کرنے کی بہت شدت سے ممانعت سمجھ نہ آتی ہو تو وہ کراہت تنزیہی کہلائے گی)۔

---

[1]..... اس دعا کی حدیث امام احمد وابوداؤد نے روایت کی ہے جیسا کہ یہ گزرا بعض روایات میں ہے کہ پھر اس نے اچھا وضو کیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔

احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کراہت کی دو تقسیم کرتے ہوئے ان میں فرق کے قائل نہیں ہیں، کراہت سے مراد ان کے ہاں تنزیہی ہوتی ہے۔ وضو کرنے والے کے لئے وہ چیزیں مکروہ ہیں ① جن کی ضد اور مخالف چیزوں کا کرنا مستحب ہے ② ان میں سے اہم کا بیان مندرجہ ذیل ہے:

ا۔ **پانی بہانے میں اسراف برتنا**...... یعنی شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنا یا کافی مقدار سے زیادہ استعمال یہ اس صورت میں ہے کہ پانی اس وضو کرنے والے شخص کے لئے مباح ہو یا اس کی ملکیت ہو، اور اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف ہے جیسے وضو کے لئے آجکل مسجدوں میں پانی رکھا جاتا ہے تو ایسے پانی میں اسراف کرنا حرام ہے۔

اس عمل کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت سعد پر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف ہے؟ انہوں نے دریافت کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! خواہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔ اسراف میں تین مرتبہ سے زائد دھونا اور ایک مرتبہ سے زائد مسح کرنا داخل ہے جمہور علماء کے ہاں ماسوا شوافع کے، دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذری کہ جو اس یعنی تین مرتبہ دھونے پر زیادہ کرے یا اس سے کم کرے تو اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔ ⑬

احناف کے ہاں یہ کراہت تنزیہیہ ہے ماسوا اس کے کہ وہ تین مرتبہ سے علاوہ زائد کو وضو کا حصہ سمجھے کہ اس صورت میں یہ کراہت تحریمی ہوگی علامہ ابن عابدین نے ذکر کیا ہے کہ یہ کراہت مطلقاً کراہت تنزیہی شمار ہوگی۔ اگر صفائی اطمینان قلب وغیرہ کے لئے ایسا کرے تو اس میں کراہت نہیں اسی طرح تقتیر (انتہائی کم مقدار میں پانی استعمال کرنا کہ وہ دھونے کے بجائے مسح لگے کہ پانی کا ٹپکنا اس عضو سے بالکل پتہ نہ چلتا ہو یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ وضو اچھی طرح مکمل طور پر انجام دیا جائے، اور تقتیر اس کے منافی ہے)۔

۲۔ **اعضاء پر پانی زور سے چھپکے کی طرح مارنا**...... یہ مکروہ ہے اور کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ اس سے ماء مستعمل کپڑوں پر گرتا ہے، اس کا نہ کرنا اولیٰ ہے اور ویسے بھی وقار اور شائستگی کے خلاف ہے اور اس صورت میں اس کی ممانعت اخلاقی ہوگی۔

۳۔ **بات چیت کرنا**...... یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ دعاؤں سے غفلت برتنے کا سبب بنتا ہے شوافع کے ہاں یہ خلاف ورزی ہے۔

۴۔ **دوسرے سے بلا عذر مدد لینا**...... کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی گذشتہ حدیث ''...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پانی کسی کو نہیں دیا کرتے تھے۔'' ⑭ یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ دوسرے کی اعانت وضو میں لینا درست ہے تاہم یہ حالت عذر کی صورت پر محمول ہے کیونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیا کرتی ہیں۔

۵۔ **ناپاک جگہ پر وضو کرنا**...... تاکہ وہاں چھینٹیں وغیرہ پڑنے سے یہ شخص ناپاک نہ ہو۔ احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ عورت کے

---

① ...... الدرالمختار ج ا ص ۱۲۱۔۱۲۳ مراقی الفلاح ص ۱۳ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۲۶۔۱۲۹ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۲۶ الحضرمیة ص ۱۴ کشف القناع ج ا ص ۱۱۸۔۱۲۰۔ ② شوافع مکروہ اس کو کہتے ہیں جو خلاف سنت مؤکدہ یا خلاف سنت مختلفہ ہو (وہ جس کے مؤکدہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہو)۔ ان دونوں کے علاوہ سنت کا چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے۔ ⑬ بروایت نسائی، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص سنت طریقے سے ٹھیک کر رہا ہے۔ ⑭ یہ حدیث ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کی ہے یہ ضعیف ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۶ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ سے یہ فرمانا جب وہ جلدی سے پانی ڈالنے بڑھے میں وضو میں کسی سے مدد نہیں لیتا علامہ نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔

وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا یا مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے ماسوا اس کے کسی ایسے برتن یا جگہ میں کیا جائے جو بطور خاص اس لئے ہو مقصود یہ ہے کہ مسجد اس سے گندی نہ ہو۔ حنابلہ فرماتے ہیں (1) کہ وضو کا یا غسل کا پانی مسجد میں بہانا یا عام چلنے پھرنے کی جگہ بہانا مکروہ ہے کیونکہ وضو کا پانی عبادت کا اثر ہونے کے سبب تعظیم کے قابل ہے اس کو بے ادبی اور بے حرمتی سے بچانا چاہئے وضو اور غسل مسجد میں درست ہیں اگر اس سے کسی کو اذیت نہ ہو اور مسجد بھی گندی نہ ہو، کیونکہ وضو کا عضو سے جدا ہونے والا پانی پاک ہے۔

۶۔ گردن کا پانی سے مسح کرنا...... احناف کے علاوہ جمہور نے اس کو مکروہ گردانا ہے کیونکہ یہ غلو فی الدین اور شدت پسندی شمار ہو گی۔ شوافع فرماتے ہیں کہ گردن کا مسح مسنون نہیں کیونکہ اس بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے علامہ نووی نے تو اس کو بدعت قرار دیا ہے مالکیہ نے بھی اسے مکروہ بدعت قرار دیا ہے۔ (2)

۷..... روزے دار کا مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ آمیزی کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کا روزہ جاتے رہنے کا خدشہ ہے۔

۸..... وضو کی سنتوں میں سے کوئی سنت چھوڑنا جن کا مختلف مذہب کا بیان گزر چکا مثلاً حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے مکروہ ہے کہ وہ ناک جھاڑنے اور صاف کرنے، میل کچیل صاف کرنے، جوتا اتارنے اور چیز پکڑنے کے عمل کو دوسرے سے کروائے اس طرح یہ عمل دائیں ہاتھ سے کرے جب کہ وہ بائیں سے کرسکتا ہو۔ یہ مطلقاً مکروہ ہے۔ (3)

۹..... عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا اگر اس نے اس پانی کو اٹھایا ہو۔ حنابلہ امام احمد سے منقول مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں (4) کہ مکروہ ہے مرد کا وضو عورت کے اس بچے ہوئے پانی سے جسے وہ اکیلی لے کر علیحدہ استعمال کرے نا جائز ہے، اور اگر اس کے ساتھ اگر مرد شریک ہو گیا تو کوئی حرج نہیں دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جائے (5) دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اس چیز کو ناپسند کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت پانی کو لے کر تنہائی میں جائے تو اس پانی سے وضو نہ کیا جائے۔

اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو امام مسلم اور امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے (6) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ایک بڑے تھال سے غسل کیا، اور اس میں کچھ پانی بچادیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر وضو شروع فرمادیا میں نے کہا کہ میں نے اس پانی سے وضو کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی پر جنابت نہیں طاری ہوتی ہے (7) دوسری بات یہ ہے کہ یہ پاک پانی ہے عورت کے لئے اس سے وضو جائز ہے۔ تو مرد کے لئے بھی ایسے ہی وضو جائز ہوگا جیسے مرد کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے جائز ہے یہ بات زیادہ صحیح ہے اور یہ ممانعت کراہت تنزیہہ پر محمول ہوگی اس کا قرینہ وہ احادیث ہیں

---

(1) ...... کشف القناع ج ۱ ص ۱۲۰۔ المغنی ج ۱ ص ۱۴۳۔ (2) مغنی المحتاج ج ۱ صفحہ ۶۰، الشرح الصغیر ج ۱ صفحہ ۱۲۸۔ (3) کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸۔ (4) المغنی ج ۱ ص ۲۱۴، اور بعد کے صفحات، المہذب ج ۱ ص ۳۱۔ (5) اصحاب خمسہ نے اس حدیث کو حضرت عمرو الغفاری سے روایت کیا ہے تاہم نسائی اور ابن ماجہ نے یہ فرمایا ہے کہ وضوالمراۃ اور امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حفاظ کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علامہ نووی نے یہ کہہ کر بڑی عجیب بات کی ہے اس حدیث کا ایک شاہد ابوداؤد اور نسائی کے پاس ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۔ (6) اس حدیث کے صحیح مسلم میں ہونے کے باوجود ایک گروہ نے اس کو معلول کہا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۔ (7) اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی کنت جنبا فقال ان الماء لایجنب حسن صحیح ہے ایک نسخے میں ہے لایجنب من جنب نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶ اور امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت میمونہ سے روایت کیا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ بفضل غسلها من الجنابة

جو جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۰۔ گرم پانی اور سورج کی تمازت سے گرم شدہ پانی......شوافع فرماتے ہیں کہ انتہائی گرم اور انتہائی ٹھنڈے پانی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے اسی طرح دھوپ کی تپش سے گرم ہونے والا وہ پانی جو کسی ڈھلے ہوئے برتن میں خاص گرمی کی جہت میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو اس سے بھی طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے۔ تاہم یہ حصول طہارت بدن کے بارے مکروہ ہے کپڑے وغیرہ کو ایسے پانی سے پاک کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات

مدنظر رہے کہ یہ کراہت طبی بنیاد پر ہے کہ اس طرح کے پانی کے استعمال سے برص کی شکایت ہوسکتی ہے۔ لیکن حرام اس لئے نہیں کہ ایسے پانی کے استعمال سے برص ہونا لازمی نہیں کبھی کبھار ہوتی ہے۔ اور یہ کراہت پانی کے ٹھنڈا ہوجانے سے زائل ہوجاتی ہے۔

۷۔ ساتویں بحث......نواقض وضو، وضو توڑنے والی اشیاء

نواقض ناقضۃ اور ناقض کی جمع ہے اور نقض جب مادی چیزوں کے بارے میں استعمال ہو جیسے نقض الحائط (دیوار کا نقض) تو اس سے مراد ہوتا ہے اس چیز کا ٹوٹ جانا بکھر جانا بے ترتیب ہوجانا (یعنی اس کے ترتیب سے جڑے ہوئے اجزاء کا بے ترتیب ہوجانا) اور جب یہ لفظ ذہنی امور کی طرف منسوب کر کے بولا جائے جیسے نقض الوضوء وغیرہ تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ اس چیز کا اپنی مطلوب ومقصود کے حصول کی صفت سے خارج ہوجانا (یعنی وہ چیز جو کسی مطلوب ومقصود کے حصول کا سبب بنتی ہے اس کا اس مقصود کے حصول کے لئے سبب کے طور پر قائم نہ رہنا) یہاں نقض کے دوسرے معنی مراد ہیں تو ناقض وضو سے مراد ہوا وہ چیز جو وضو کو اس کی اس صفت سے نکال دے جو اس کے مطلوب کے حصول کا سبب ہوتی ہے یعنی نماز وغیرہ کا مباح ہوجانا وضو کے ذریعے (یعنی وضو کرنے سے ذہنی طور پر اس کا وجود قائم ہو جس سے نماز وغیرہ ادا کی جاسکتی ہیں یہ صفت جس چیز سے کالعدم ہو وہ ناقض وضو کہلائے گی)۔

وضو توڑنے والی اشیاء وامور جو وضو کا حکم کالعدم کردیتی ہیں ان میں سے اکثر متفق طور پر نواقض ہیں بعض میں اختلاف ہے احناف کے ہاں یہ بارہ ہیں اور مالکیہ کے ہاں تین نوعیت کے ہیں، شوافع کے ہاں پانچ چیزیں ہیں حنابلہ کے ہاں آٹھ انواع ہیں، ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ [1]

۱......دونوں گندگی خارج کرنے کے راستوں میں نکلی ہوئی کوئی بھی چیز: جو عادی ہو جیسے پیشاب، پاخانہ، ہوا، مذی، ودی اور منی (مذی وہ رقیق سادہ جو جنسی سرگرمی کے وقت نکلتا ہے اور ودی وہ گاڑھا سا مادہ جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے) یا وہ چیز غیر عادی ہو جیسے کیڑا اکنکر خون، کم ہو یا زیادہ دلیل اس کی یہ آیت ہے اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ (یا تم میں سے کوئی پاخانے سے ہوآئے۔ سورۃ المائدۃ آیت ۶) یہ کنایہ ہے پیشاب یا پاخانے سے ہوجانے والے حدث سے اور یہ حدیث مزید اسباب حدث یا نواقض وضو کو بیان کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہاری نماز جب کہ تم حالت حدث میں ہو اس وقت قبول کرتا ہے جب تم وضو کرلو یہ سن کر حضرت موت کے ایک شخص نے

---

[1]...... فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۔۳۷ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۔۱۲ البدائع ج ۱ ص ۲۴۔۳۳ الدرالمختار ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۳۸ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۱۷۔۲۰۔ مراقی الفلاح ص ۱۴ اور بعد کے صفحات الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۵۔۱۴۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۱۴۔۱۱۶ القوانین الفقھیہ ص ۲۴ اور بعد کے صفحات المہذب ج ۱ ص ۲۲۔۲۵ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۶۹۔۷۴ المجموع ج ۲ ص ۳۔۶۸ کشف القناع من متن الاقناع ج ۱ ص ۳۸۔۱۴۸۔ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۳۔۳۹۔ المغنی ج ۱ ص ۱۶۸،۱۹۶۔

راوی حدیث حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ابوہریرۃ حدث کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا گوز اور پھسکی (۱) اس طرح یہ حدیث بھی دلیل ہے وضو اس وقت لازم ہوگا جب انسان آواز سنے یا بو محسوس کرے (۲) وہ غیر عادی چیز کے نکلنے سے وضو کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو عام طور پر نہیں نکلتی ہے وہ اگر دونوں راستوں میں سے نکل آئی تو وہ اسی راستے سے نکلی ہوئی ہے تو یہ مذی کے مشابہ ہوئی جو کبھی کبھار نکلتی ہے، دوسری بات یہ کہ ایسی چیز کے ساتھ لازمی طور پر تھوڑی بہت تری اور نمی ضرور نکلتی ہے تو اس کے نکل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے وضو کا حکم دیا ہے جب کہ اس کا خون غیر عادی طریقے پر نکلنے والا ہوتا ہے۔ (۳)

اصح قول کے مطابق احناف نے اگلی شرمگاہ سے نکلنے والی ہوا کو غیر ناقض قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اعصاب اور رگوں کی پھڑکن ہوتی ہے ہوا نہیں، اور اگر یہ ریح ہو بھی تو اس میں نجاست نہیں ہوتی۔ احناف کے علاوہ حضرت نے اس کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے۔ وجہ وہی گذشتہ حدیث ہے جس کے الفاظ میں سے یہ بھی ہے اور ریح تو یہ اگلے اور پچھلے دونوں راستوں سے نکلنے والی ریح کو شامل ہوں گے۔

حق بات یہ ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس قسم کی ریح کے وجود کا علم نہیں، اور نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ کسی کو ایسی ریح ہوتی ہے۔

مالکیہ نے غیر عادی چیزوں کے حالت صحت میں نکلنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسے خون، پیپ کنکر، اور کیڑا اسی طرح ریح یا پاخانے کا اگلے راستے سے نکلنا یا پیشاب کا پچھلے راستے سے نکلنا اور منی کا بلا لذت معتاد نکلنا جیسے خارش کے سبب سے کھجانے پر یا جانور کے اس کو گرادینے پر منی کا نکلنا، تو ان چیزوں کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا حتیٰ کہ اگر کنکر اور کیڑے پر نجاست بھی لگی ہوئی ہو (یعنی پیشاب و پاخانہ) تو بھی وضو نہیں ٹوٹے گا بخلاف ان دونوں (کنکر اور کیڑے) کے کہ ان کے ساتھ نجاست لگی ہوئی نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ اگر خون اور پیپ کے ساتھ گندگی لگی ہوئی نکلی تو وضو ٹوٹ جائے گا (۴) اسی طرح سوراخ سے نکلی ہوئی چیز سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا ماسوا اس کے کہ وہ سوراخ معدے کے نیچے ہو اور دونوں معتاد راستے بند ہو چکے ہوں لہٰذا معدہ سے اوپر ہونے والے سوراخ سے نکلنے والا پیشاب پاخانہ یا ہوا وضو نہیں توڑے گا خواہ وہ دونوں راستے بند ہوں یا کھلے اور معدے کے نیچے بنے ہوئے سوراخ سے نکلنے والی چیز اس وقت ناقض ہوگی جب دونوں راستے بند ہوں کیونکہ اس صورت میں یہ دونوں راستے سے نکلنے والی نجاست کی طرح ناقض وضو ہوں گے۔

ان کے ہاں وہ مریض جس کو آدھے وقت یا اس سے زیادہ مدت قطرے ٹپکتے ہوں۔ یا کوئی نجاست نکلتی ہو تو اس میں سے نکلنے والی چیز ناقض نہیں ہوگی۔

بصورت دیگر اگر آدھے وقت سے زیادہ ایسا ہو تو ٹوٹ جائے گا سلسل: وہ ہے جو خود بخود بہہ نکلے طبیعت کے بدل جانے کے سبب جیسے پیشاب، ہوا، پاخانہ اور مذی، اور استحاضہ کا خون سلس میں شمار ہے۔ مستحاضہ کے علاوہ باقی معذورین کے حق میں یہ جب ہے کہ جب وہ قابو میں نہ آسکے اور وہ شخص علاج پر قادر نہ ہو اگر وہ قابو آسکے یا قابل اندازہ ہو کہ مثلاً اس کی عادت یہ پڑ گئی ہو کہ اول یا آخر وقت میں وہ منقطع

---

(۱)...... یہ حدیث متفقہ طور پر بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ (۲) بروایت ترمذی اور ابن ماجہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے علامہ سیوطی نے اس پر ضعف کا نشان لگایا ہے، امام مسلم نے دوسری الفاظ میں نقل کیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اس کو شک ہو کہ کچھ نکلا ہے یا نہیں تو وہ مسجد سے اس وقت کر تک نکلے جب تک وہ آواز نہ سن لے یا بو نہ سونگھ لے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۸۔ (۳) ابوداؤد اور دارقطنی نے اسناد موثوق کے ساتھ فاطمہ بنت ابی حبیش سے بواسطہ حضرت عروہؓ روایت کیا ہے کہ انہیں استحاضہ ہوا کرتا تھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر وہ حیض کا خون ہے تو وہ کالا سا ہوتا ہے جو پہچانا جا سکتا ہے اگر ایسا معاملہ ہو تو نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسرا معاملہ ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو، کیونکہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے اس حدیث میں آپ نے ان کو وضو کا حکم دیا جب کہ ان کا خون غیر معتاد تھا اسی پر قیاس کیا جائے گا دوسری نجاستوں کو بھی خواہ وہ چیز جو نکلی ہے پاک ہو جیسے بغیر خون کے نکلنے والا بچہ یا وہ چیز نجس ہو جیسے پیشاب وغیرہ۔ (۴) ابن رشد کے ذکر کردہ مشہور قول کے مطابق ان سے (خون اور پیپ) وضو مطلقاً نہیں ٹوٹے گا جیسے کنکر اور کیڑا نکلنے سے نہیں ٹوٹتا ہے۔

ہوجائے تو اس پر نماز اس صورت میں اس وقت واجب ہے اور اگر وہ دوادارو پر قدرت رکھتا ہوتو اس پر وہ کرنا لازم ہے۔

شوافع نے انسان کی اپنی منی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ وہ ناقضِ وضو نہیں کیونکہ اس کا نکلنا زیادہ بڑے کام کا سبب بنتا ہے یعنی غسل کا۔ تاہم ان کے ہاں وضو ایسی چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جائے گا جو ایسے سوراخ سے نکلی ہو جو معدے سے نیچے بنا ہوا ہو اور عام راستہ بند ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ سوراخ ہی عام راستہ بن جاتا ہے یعنی کہ ان کے ہاں بھی مالکیہ کی طرح کی تفصیل ہے اور اگر عام معتاد راستہ بند نہ ہوا ہو تو صحیح یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ معدے کے نیچے بنے ہوئے راستے سے یہ نجاست نکلے یا اوپر بنے ہوئے راستے سے نکلے۔

حنابلہ نے دائم الحدث شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس کا وضو دائمی حدث والی چیز سے نہیں ٹوٹے گا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ معتاد (عام عادی) چیز ہو یا غیر معتاد (غیر عادی) وجہ حرج اور مشقت ہے اور اگر اس کو دائمی حدث نہ ہو تو بول یا براز وغیرہ نکل جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا خواہ کم ہو یا زیادہ معدے کے نیچے سے نکلے یا اوپر سے دونوں راستے بند ہوں یا کھلے کیونکہ اس بارے میں آیت وضو عام ہے اور پہلے گذری ہوئی حدیث بھی عام ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے اپنے آگے یا پیچھے والے راستے سے روئی یا سلائی ڈالے پھر نکالے تو خواہ وہ تر نہ بھی ہو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر کسی نے اپنے مثانے کے سوراخ میں تیل وغیرہ ڈالا پھر وہ نکل آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر آنت کا سرا نکل آیا یا کیڑے کا سر باہر نکلا تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲...... بچے کی پیدائش اس طرح ہو کہ ماں کو خون (نفاس) نہ آئے۔ احناف کے ہاں راجح اور صحیح صاحبین کا قول ہے کہ عورت اس صورت میں نفساء نہیں بنتی کیونکہ نفاس کا تعلق خون سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا اس عورت پر صرف رطوبت نکلنے کی وجہ سے وضو لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ احتیاطاً اس پر غسل واجب ہے کیونکہ ایسی صورت میں تھوڑا بہت خون ضرور نکلتا ہے۔

۳...... دونوں راستوں کے علاوہ جگہ سے نکلنے والی چیزیں: جیسے خون پیپ خون والی پیپ یہ احناف کے ہاں اس وقت ناقض ہوں گی جب یہ بہہ کر ایسی جگہ چلی جائیں جہاں تطہیر کا حکم لاحق ہوتا ہو یعنی ظاہری بدن یعنی فی الجملہ اس کی تطہیر واجب ہو خواہ استحبابی طور پر سہی جیسے ناک کے اندر خون کا بہنا اور سیلان (بہنے) سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی نکلنے کی جگہ سے متجاوز ہو جائے اس طرح کہ وہ زخم کے اوپر بلند ہو پھر نیچے کی طرف بہہ جائے۔ لہٰذا ایک دو نقطے پڑ جانے سے وضو لازم نہیں ہوگا۔ اور کسی چیز کے دانت سے کاٹ کر کھانے یا مسواک کرنے کی صورت میں خون کا اثر ہو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس جگہ سے خون نکلنے پر بھی وضو نہیں ٹوٹے گا جس جگہ تطہیر کا حکم نہیں لگتا جیسے آنکھ کے اندر کے زخم کا یا کان کے زخم کا یا پستان کے اندر کے زخم کا یا ناف کے زخم سے نکلنے والا خون جو نکل کر ایک جانب بہہ جاتا ہو۔

حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ وہ خون کثیر ہو اور کثیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہر انسان کے اپنے اعتبار سے قلیل وکثیر ہو یعنی کہ جسم کے موٹاپے اور پتلے پن کو پیش نظر رکھا جائے گا اگر دبلے آدمی سے خون نکلے اور وہ اس کے جسم کے اعتبار سے زیادہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زیادہ وہ ہے جو تمہارے دل کو زیادہ محسوس ہو"۔

احناف کی دلیل یہ حدیث ہے **الوضوء من کل دم سائل** (ہر بہتے خون کے سبب وضو لازم ہے) اور یہ حدیث کہ جو قے کرے اس کی نکسیر پھوٹے تو وہ لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو مکمل کرے جب تک کہ اس نے بات نہ کی ہو (یعنی اگر اس نے دوران وضو بات نہ کی ہو تو وہ اس نماز کو دوبارہ شروع کردے ❶ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خون کے ایک دو قطروں میں وضو لازم نہیں الا یہ کہ وہ بہتا خون ہو ❷ بروایت ترمذی حنابلہ کی دلیل حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو پہلے

---

❶...... یہ دارقطنی نے تمیم داری سے روایت کی ہے اس میں دو مجہول راوی ہیں ابن عدی نے الکامل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں ایک راوی نا قابل احتجاج (جس کی سند قبول نہ ہو) ہے نصب الرایہ ج ا ص ۳۷۔ ❷ بروایت ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث روایت ہے جو دارقطنی نے کی ہے مگر وہ معلول ہے ایک راوی کی وجہ سے نصب الرایۃ ج ا ص ۳۸، نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۷

گذری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ کے خون کو فرمایا یہ رگ کا خون ہے تو تم ہر نماز کے لئے وضو کرلیا کرو اور دوسری بات یہ کہ خون وغیرہ بدن سے نکلنے والی نجاست ہے تو یہ سبلین میں سے نکلنے والی نجاست کی طرح شمار ہوں گی۔ اور کم خون کے ناقض نہ ہونے والی بات کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے اگر بہت سا ہو تو اس پر اعادہ لازم ہے اور حضرت ابن عمر نے دانہ پھوڑا اس میں سے خون نکلا انہوں نے پونچھ کر نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا اور ابن ابی اوفی نے بھی ایک مرتبہ دانہ دبایا اور ان کے علاوہ حضرات کے بارے میں بھی ایسا مروی ہے۔❶

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ خون وغیرہ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا صرف پچھنے کی جگہ کو دھولیا❷ اسی طرح حضرت عباء بن بشر کی حدیث کہ ان کو ایک مرتبہ دوران نماز تیر لگا، انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی❸ اور یہ بعید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بڑے واقعے سے بے خبر رہیں، اور یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان کو ان کی نماز کے باطل ہونے کا بتلایا ہو۔

۴۔ قے...... اس کے بارے میں بھی اختلاف ویسا ہی ہے جیسا خون وغیرہ کے بارے میں یعنی وہ چیزیں جو سبیلین کے علاوہ راستوں سے نکلتی ہیں، اس اختلاف کے دو پہلو ہیں۔

ا...... پہلا نقطۂ نظر احناف اور حنابلہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، احناف کے ہاں اس صورت میں کہ جب وہ منہ بھر کر ہو یعنی اتنی مقدار جو منہ میں بدقت رک سکے، یہ صحیح قول ہے، اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں کہ جب وہ بہت زیادہ ہو، اور بہت زیادہ کا مطلب ہر شخص کے اپنے اعتبار سے ہے اور قے خواہ کھانا ہو پانی ہو یا جما ہوا خون ہو، یا صفراء کا پانی ہو۔ معدے، سینے اور سر سے نکلا ہوا بلغم وضو نہیں فاسد کرتا جیسے تھوک اور ناک کی رینٹ، یہ بدن سے پیدا ہونے کی وجہ سے پاک شمار ہوگا۔ اور ڈکار سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

دلیل ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو گذری کہ جس کو الٹی ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے یا قلس نکل جائے یا مذی نکلے تو وہ لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو جاری رکھے (بنا کرے) اور اس دوران وہ بات نہ کرے❹ اور قلس کہتے ہیں علق کو جو منہ بھر کر یا اس سے کم ہو۔ یہ قے نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ لوٹ جائے تو وہ قے ہوتا ہے۔ دوسری دلیل حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ قے ہوئی، آپ نے وضو کیا، راوی کہتے ہیں کہ میری حضرت صفوان سے دمشق کی مسجد میں ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ بولے انہوں نے سچ کہا، میں نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ڈالا تھا۔❺

خلاصہ کلام یہ قے ان حضرات کے ہاں تین شرائط کے ساتھ ناقض وضو ہے۔

ا۔ معدہ سے ہو۔

۲۔ منہ بھر کر ہو یا زیادہ ہو۔

۳۔ اور ایک دفعہ میں اتنی مقدار میں ہو۔

۲۔ دوسرا نقطہ نظر مالکیہ اور شوافع کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وضو قے سے نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قے

---

❶...... بروایت دارقطنی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث مرفوع ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں، راویوں میں ایک متروک ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹ نصب الرایہ ج ا ص ۴۴۔ ❷ نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹۔ ❸ بروایت دارقطنی وبیہقی یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹۔ ❹ بروایت بخاری تعلیق کے طور پر اور بروایت ابوداؤد اور ابن خزیمہ۔ ❹ بروایت ابن ماجہ ودارقطنی بیہقی فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۷۔ ❺ بروایت احمد وترمذی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس بات میں اصح ترین حدیث یہی ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۶۔

کی اور آپ نے وضو نہیں فرمایا❶ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قے سے وضو واجب ہوتا ہے آپ نے فرمایا: اگر واجب ہوتا تو تمہیں کتاب اللہ میں اس بات کا ذکر ملتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ راستے (نجاست کے راستے یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ) سے نہیں خارج ہوئے ہیں اور ان کے خارج ہوتے وقت دونوں عادی مخرج باقی ہیں (یعنی وہ دونوں عادی مخرج کسی بیماری کے سبب بند نہیں ہو گئے ہیں) لہٰذا یہ طہارت کے لئے ناقض نہیں ہوگا جیسے تھوک ناقض نہیں ہوتا۔ حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ مراد وضو سے ہاتھوں کا دھونا ہے میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ جگہ سے نکلی ہوئی چیزیں جیسے خون قے، وغیرہ یہ وضو جب توڑیں گی جب یہ کثیر مقدار میں ہوں یعنی حنابلہ کی تفصیل کے مطابق اور یہ ناقض وضو سبیلین سے خارج نجاست پر قیاس کرتے ہوئے قرار پائیں گی۔ اس لئے کہ تمام احادیث میں کلام ہے اور وہ خالی از ضعف نہیں۔

۵..... عقل کا غائب ہو جانا یا نشہ آور یا مسکر اشیاء سے عقل کا مغلوب ہونا یا بے ہوشی اور جنون کے سبب عقل سے بیگانہ ہونا یا مرگی اور نیند کی وجہ سے عقل سے بے نیاز ہونا۔ یہ سبب (یعنی عقل کا غائب ہونا) اور اس کے بعد کا سبب عورت کا چھونا یا عضو تناسل کا یا اگلی شرمگاہ کا یا پچھلی شرمگاہ کا چھونا ان کے نتیجے میں عام طور پر دونوں راستوں میں سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے جو کہ ناقض وضو ہوتا ہے، کیونکہ جس شخص کی عقل زائل ہوگئی ہو وہ تو کسی حالت میں باشعور نہیں ہوتا اور سونے سے انسان بے حس ہو جاتا ہے، جنون اور بے ہوشی وغیرہ نیند سے زیادہ عقل کے مغلوب ہونے میں مؤثر ہوتے ہیں اس بات پر دلیل کہ گہری نیند یا غیر یسر (یعنی وہ نیند جو کم نہ ہو) نیند ناقض وضو ہے وہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العين وكاء السه فمن نام فليتوضا (آنکھ پچھلی شرمگاہ کو باندھنے کا دھاگہ ہے جو شخص سو جائے وہ وضو کرلے)❷ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آنکھ پچھلی شرمگاہ کو باندھنے کا دھاگہ ہے جب آنکھیں سو جائیں تو یہ برتن کھل جاتا ہے❸ یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نیند وضو کے توڑنے کا احتمالی سبب ہے بذات خود ناقض نہیں ہے۔

فقہاء کا اختلاف نیند کے ناقض وضو ہونے کے بارے میں ہوا ہے ان کی مختلف آراء ہیں ان کو علامہ نووی نے شرح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۷) میں ذکر کیا ہے۔ ان آراء میں سے میں صرف وہ آراء بیان کروں گا جو باہم قریب ہیں، ان میں باہم اختلاف صرف نیند کے گہرے ہونے کی حد بیان کرنے میں ہے، کہ کتنی گہری نیند کو ریح نکل جانے کا سبب سمجھا جائے گا، ان دونوں آراء کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

۱..... پہلی رائے احناف اور شوافع کی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں وہ نیند جو ناقض وضو ہے وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا مقعد زمین پر نہ ہو یا پہلو کے بل یا ٹیک لگانا، اوندھے منہ لیٹنا کیونکہ لیٹنا وغیرہ جوڑوں کے ڈھیلے پڑ جانے کا سبب ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسے سوئے کہ اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو جیسے زمین پر یا چلتے ہوئے جانور کی پیٹھ پر بیٹھ کر سونا تو ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر وہ کسی چیز پر ایسے ٹیک لگا کر سو رہا ہو کہ جس کے ہٹا دینے سے یہ شخص گر جائے اور اس کا مقعد بھی زمین پر نہ ہو تو اس کا وضو اس طرح سونے سے ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس طرح سونے سے اعضاء کا ڈھیلا پن نہایت درجے کا ہو جاتا ہے، شوافع کے ہاں وضو اس صورت میں نہیں ٹوٹے گا اگر اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو، کیونکہ ایسی صورت کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں ہوتا ہے، اس طرح دونوں مذاہب کا حکم ایک سا ہی ہے۔ احناف کے ہاں قیام کی رکوع کی اور سجدے کی حالت میں نماز میں یا اس کے علاوہ حالت میں، وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ اس حالت میں مکمل ڈھیلا پن نہیں ہوتا تھوڑی بہت گرفت باقی رہتی ہے، کیونکہ اگر یہ گرفت نہ ہو تو وہ شخص گر پڑے تو ان صورتوں میں ڈھیلا پن مکمل نہ ہوا۔ ان حضرات کی دلیل چند احادیث ہیں جن میں

❶..... بروایت دار قطنی۔ ❷ بروایت امام احمد ابن ماجہ وابوداؤد، وکاء کہتے ہیں اس فیتے کو جس سے کسی چیز کو باندھا جائے اور السہ کہتے ہیں دبر (پچھلی شرمگاہ کو) اور مفہوم یہ ہے کہ جاگنا اس کا محافظ ہے، علم میں رہے کہ کچھ نکلا تو نہیں ہے سونے کے بعد انسان کو علم میں نہیں رہتا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۲۔
❸ بروایت احمد ودار قطنی حوالہ بالا۔

سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہماوالی حدیث ہے کہ سجدے کی حالت میں سونے والے پر وضونہیں ہے جب تک وہ لیٹا ہوانہ ہو، کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❶ اور دوسرے الفاظ میں ہے اس شخص پر وضونہیں جو بیٹھے ہوئے سوجائے، وضوتو اس پر ہے جولیٹ کر سوئے کیونکہ جولیٹ کرسوتا ہے اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❷ اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے، وضواس پر لازم نہیں جو بیٹھ کر، کھڑے ہوئے یا سجدے کی حالت میں سوئے یہاں تک کہ وہ پہلو کے بل نہ سوجائے۔

ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ والی بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عشاء کا انتظار کرتے رہتے تھے وہ بیٹھے بیٹھے سوجاتے تھے پھر نماز ادا کرتے تھے اور وضونہیں کرتے تھے۔ ❸ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معمولی سی نیند وضو کے لئے ناقض نہیں ہے۔ ایک حدیث حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بروایت اپنے والد، روایت کردہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیٹھ کر سوئے تو اس پر وضونہیں ہے، اور جو اپنا پہلو ٹیک دے اس پر وضو لازم ہے ❹ امام مالک نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوتے تھے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں سوتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ کو خراٹے آنے لگے پھر آپ اٹھے اور نماز شروع کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سو گئے تھے آپ نے فرمایا وضو صرف اس پر لازم ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❺ محقق علامہ ابن ھمام حنفی فرماتے ہیں اور اگر تم غور کرو ان میں جو حدیثیں ہم نے پیش کی ہیں تو حدیث تمہاری نظر میں حسن کے درجے سے کم نہ ہوگی۔ ❻

۲..... دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہلکی نیند یا خفیف نیند ناقض وضونہیں، گہری نیند ناقض وضو ہے مالکیہ کی عبارت یہ ہے گہری نیند خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو ناقض وضو ہے ہلکی نیند کا عرصہ خواہ طویل ہو وہ ناقض وضونہیں ہے گہری نیند وہ شمار ہوگی کہ سوئے ہوئے شخص کو آوازوں کا یا اپنے ہاتھ سے گرنے والی چیز کا یا اپنے تھوک وغیرہ کے بہنے کا علم نہ ہو اور اگر اس کو ان چیزوں کا ادراک ہو تو وہ نیند ہلکی کہلائے گی۔ ان حضرات کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، جو پہلے گزری کہ عشاء کا انتظار کرتے کرتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سر ڈھلک جایا کرتے تھے پھر وہ نماز شروع کر دیا کرتے تھے اور وضونہیں کرتے تھے۔ دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات قیام کیا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوئے میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف کر دیا میں جب بھی اونگھنے لگتا آپ میرے کان کی لو پکڑ کر بیدار کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے گیارہ رکعات ادا فرمائیں ان دونوں حدیثوں میں واضح دلیل ہے کہ ہلکی نیند ناقض وضونہیں ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ نیند بہر صورت ناقض وضو ہے ماسوا بیٹھے یا کھڑے ہوئے شخص کی اس نیند کے جو عرفاً ہلکی اور کم سمجھی جائے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ دونوں حدیثیں ہیں جو ابھی گذریں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ قلیل نیند کی کوئی حد نہیں، اس کے بارے میں اعتبار اس کا ہے جو عادت لوگوں میں قائم ہو جائے تو ٹیک لگا کر سونے والے وغیرہ کا گر جانا وضو کے لئے ناقض ہے، اور اگر ایک شخص سو جائے اور اس کو شک ہو کہ اس کی نیند کثیر تھی یا کم تھی تو وہ شخص باوضو سمجھا جائے گا کیونکہ یہ کیفیت اس کی یقینی تھی وضو کے ٹوٹنے میں اسے شک ہے۔ اور اگر کسی نے نیند میں خواب دیکھا تو یہ کثیر نیند کہلائے گی رکوع کی اور سجدے کی حالت میں موجود شخص کی ٹیک لگائے

---

❶..... بروایت احمد یہ حدیث ضعیف ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۹۳۔ ❷ بروایت ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ حوالہ بالا۔ ❸ بروایت امام شافعی ابوداؤد، مسلم، اور ترمذی، یہ حدیث صحیح ہے حوالہ گزشتہ۔ ❹ بروایت ابن عدی نصب الرایہ ج ا ص ۴۵ اس طرح کی حدیث بیہقی نے بھی حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے۔ ❺ نصب الرایہ ج ا ص ۴۴۔ ❻ فتح القدیر ج ا ص ۳۳۔

ہوئے شخص کی پہلو کو ٹیکے ہوئے شخص کی اور گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے شخص کی ہلکی اور کم نیند ناقض وضو ہوگی جیسے پہلو کے بل لیٹے ہوئے شخص کی نیند ناقض ہوتی ہے۔ سوتے ہوئے جس شخص کی عقل مغلوب نہ ہوئی ہو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ نیند مغلوبیت عقل کا نام ہے اور عقل کا مغلوب ہونا ہی دراصل ناقض وضو ہے اور جب تک عقل مغلوب نہیں ہوئی ہے اور اس شخص کی حس قائم ہے مثلاً وہ شخص جو نیند کی اس کیفیت میں ہو کہ اپنے پاس کی جانے والا بات کو سن اور سمجھ رہا ہو تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا خلاصہ کلام یہ ہے کہ لیٹ کر پہلو کے بل سونا، نماز میں یا خارج نماز اس حالت میں کہ مقعد زمین پر نہ ہو بلا اختلاف فقہاء ناقض وضو ہے اور عقل کا مغلوب اور زائل ہونا کسی بھی سبب سے ہو خواہ بے ہوشی سے ہو جنون سے ہو یا نشے سے ہو، وضو کے لئے ناقض ہے نیند پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور حق بھی یہی ہے۔

۶۔ **عورت کا چھونا**...... احناف کے ہاں عورت کو چھونے سے اس وقت وضو ٹوٹے گا جب یہ لمس مباشرت، فاحشہ کے ذریعے ہو، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مرد یا عورت کی کھال ملنے سے اس وقت ٹوٹے گا جب وہ دونوں لذت محسوس کریں یا ان پر شہوت طاری ہو جائے۔ شوافع کے ہاں محض بدن کی کھال چھو جانے سے دونوں، چھونے والے اور چھوئے جانے والے کا وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ لمس شہوت کے بغیر ہی ہو۔

ان مذاہب کی آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ وضو مباشرت فاحشہ سے ٹوٹتا ہے، اور مباشرت فاحشہ کہتے ہیں مرد اور عورت کی اگلی شرمگاہوں کا بلا کسی ایسے حائل کے ملنا جو جسم کی حرارت کو مانع ہو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ عضو تناسل میں انتشار بھی ہو۔ یا یوں کہہ لیا جائے کہ مرد عورت سے ملے شہوت کے ساتھ اور اس کے عضو تناسل میں انتشار بھی پیدا ہو جائے اور ان کے مابین کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہ ہو اور کوئی نمی یا تری بھی محسوس نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو کئے ہوئے بالغ شخص کا وضو دوسرے کسی شخص کو شہوت کے ساتھ چھونے سے ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ وہ شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت کا حصول کیا جاتا ہو مرد ہو یا عورت، خواہ نابالغ ہو، اور خواہ اپنی بیوی کو چھوئے یا اجنبی کو چھوئے یا محرم عورت کو چھوئے، یا لمس ناخن پر ہو یا پاؤں پر یا کسی حائل کے اوپر سے ہو جیسے کپڑا وغیرہ اور خواہ وہ حائل اتنا باریک ہو کہ چھونے والا بدن کی نرمی اور حرارت کو محسوس کرے یا وہ حائل موٹا ہو۔ اور یہ لمس خواہ مردوں کے درمیان ہو یا عورتوں کے بہر حال وہ ناقض وضو ہوگا۔

لہٰذا شہوت کے ساتھ چھونا ناقض ہے اسی طرح منہ پر چومنا مطلقاً وضو کے لئے ناقض ہے خواہ بلا لذت ہو کیونکہ وہ لذت کا جائے گمان ہے اور منہ کے علاوہ کہیں اور چومنا چنانچہ اگر دونوں بالغ ہوں تو چومنے والے اور چومے جانے والے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اگر وہ دونوں بالغ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک بالغ ہو اور وہ دوسرے خواہ نابالغ کو چھوئے جس کو شہوت سے چھوا جاتا ہو اگر چھوئے جانے کے وقت شہوت پائی جائے خواہ بالجبر ایسا ہو یا غفلت سے ہو۔ تو لمس سے وضو ٹوٹنا تین شرطوں کے ساتھ ناقض ہے۔

۱...... چھونے والا بالغ ہو۔

۲...... چھوا جانے والا شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت حاصل کی جا سکتی ہو۔

۳...... چھونے والا بالقصد لذت حاصل کرے یا شہوت پائے خواہ بلا قصد صرف سوچنے اور غور کرنے سے حاصل ہونے والی لذت سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ عضو تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے جب تک کہ وہ بالفعل لذت حاصل نہ کرے (یعنی ہاتھ وغیرہ سے) اسی طرح بہت چھوٹی بچی جس سے شہوت حاصل نہ کی جاتی ہو یا جانور یا داڑھی والے مرد کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ داڑھی والے مرد سے عموماً شہوت نہیں حاصل کی جاتی ہے جب اس کی ڈاڑھی نکل آئے۔

حنابلہ مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کھال کو بلا حائل چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر چھوا جانے والا شخص عادتاً شہوت کے قابل ہو بچہ یا بچی نہ ہو خواہ وہ چھوا جانے والا میت ہو، بوڑھی عورت ہو محرم ہو یا قابل شہوت چھوٹی بچی ہو اور یہ وہ بچی ہوتی ہے جو سات سال

یا زائد عمر کی ہو چنانچہ اجنبی اور محرم، بڑی اور چھوٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بال ناخن اور دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور نہ ہی کٹے ہوئے عضو کے چھونے سے کیونکہ اس کی حرمت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور نہ ہی امرد (بے ریش لڑکے) کو چھونے سے وضو ٹوٹے گا خواہ شہوت سے چھوا جائے اور نہ ہی خنثی مشکل (وہ ہیجڑہ جس میں مردانہ اور زنانہ دونوں اوصاف برابر پائے جائیں) مرد کے مرد کو چھونے اور عورت کے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت کے ساتھ یہ عمل ہو اور اگر کسی کا وضو عورت کے چھونے سے نہ ٹوٹتا ہو (یعنی کوئی شرط نہ پائی جانے کے سبب) تو وضو کر لینا پھر بھی مستحب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تین مذاہب (حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ) کے ہاں وضو اس عام چھونے اور لمس کرنے سے نہیں ٹوٹتا جو عام اور عادتاً ہوا کرتا ہے۔

دلائل......ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱......فرمان خداوندی ''اولمستم النساء'' (یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔ سورۃ النساء، آیت نمبر ۶) اور لمس کہتے ہیں کھال کے ملنے کو احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے سے منقول قول کو اختیار کیا ہے کہ لمس سے مراد جماع ہے اور ابن السکیت سے منقول قول کو بھی ان حضرات نے لیا ہے کہ لمس جب عورتوں کے بارے میں بولا جائے تو اس سے مراد ہم بستری ہوتی ہے، عرب کہا کرتے ہیں ''لمست المراۃ'' مراد ہوتی ہے میں نے عورت سے ہم بستری کی۔ تو اس آیت میں لمس کے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہیں اور وہ یہ کہ لمس سے مراد ہم بستری ہو، اور اس کا قرینہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ جنہوں نے لمس کو اس صورت میں ناقض وضو مانا ہے کہ جب وہ شہوت کے ساتھ ہو، تو یہ حضرات آیت اور احادیث کو مجموعی طور پر اختیار کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ سے منقول ہیں۔

۲......دوسری دلیل ان حضرات کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کو بوسہ دیتے اور اس کے بعد بلا وضو نماز ادا کر لیا کرتے۔ ❶

۳......تیسری دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے ہوتے تھے اور میں آپ کے سامنے ایسے لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازہ رکھا ہوتا ہے آپ جب وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنے پاؤں سے ہلا دیتے ❷ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا چھونا ناقض وضو نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاؤں سے چھونا بلا حائل ہوتا ہوگا۔

۴......چوتھی دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا میں نے آپ کو ٹٹولا تو میرے ہاتھ آپ کے تلووں پر لگے اور آپ مسجد میں تھے دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آپ فرما رہے تھے: اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك لااحصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك ❸ یہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ چھونا ناقض وضو نہیں۔

شوافع فرماتے ہیں اجنبی نامحرم عورت کو چھو لینے سے مرد کا وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ مردہ ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، وضو چھونے والے اور چھوئے جانے والے دونوں کا ٹوٹ جائے گا خواہ وہ بوڑھی کھوسٹ عورت ہو یا بڈھا کھوسٹ مرد ہو اور خواہ بلا قصد چھوا

---

❶ ...... یہ حدیث ابوداود، نسائی، امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے یہ مرسل ہے امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اس کے تمام طریقے معلول ہیں علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے، اور اگر صحیح ثابت بھی ہو تو وہ اس پر محمول ہوگی کہ یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب عورت کے لمس سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں تھا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۵۔ ❷ بروایت نسائی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۶۔
❸ بروایت مسلم و ترمذی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے، حوالہ بالا اور نصب الرایہ ج ۱ ص ۷۰۔ ۷۵۔

ہو بالوں ناخن اور دانتوں کو چھونا یا کسی حائل کے درمیان میں ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے مرد اور عورت سے مراد ہے وہ مرد اور عورت جو عرف اور عادت کے لحاظ سے حد شہوت تک پہنچ چکے ہوں یعنی سلیم الطبع افراد کے ہاں وہ قابل شہوت شمار ہوں۔ اور محرم سے مراد ہے وہ جس کا نکاح نسب رضاعت یا سسرالی رشتہ داری کے سبب حرام ہو۔ اس تفصیل کے مطابق اتنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کا چھونا جن میں سے کوئی ایک عرفاً اہل سلیم الطبع کے ہاں قابل شہوت نہ ہو ناقض وضو نہیں سات سال وغیرہ کے ذریعے تحدید نہیں کی جائے گی، کیونکہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں بھی اختلاف اور کمی بیشی ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شہوت کے ہونے کا گمان اس صورت میں نہیں ہوتا ہے۔ اور محرم خواہ نسب کے ذریعے ہو یا رضاعت یا سسرالی رشتے کے ذریعے اس کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ وہاں احتمال شہوت نہیں ہوتا جیسے ساس۔

وضو کے ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ چھونا تلذذ کا احتمال رکھتا ہے جو کہ شہوت کا بھڑکانے والا کام ہوتا ہے اور ایسا عمل پاکی حاصل کرنے والے کی حالت کے منافی ہے۔

ان حضرات کی دلیل ملامست کے حقیقی لغوی معنی پر عمل درآمد ہے جو اس آیت میں ہے **اولمستم** (سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۶) اور اس کے معنی ہیں ہاتھ سے چھونا یا کھال کو ملانا یا ہاتھ سے چھونا دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کی ایک قرأت ''**اولمستم**'' بھی ہے جو کہ واضح طور پر محض چھونے کے معنی بتاتی ہے نہ کہ جماع کے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں بوسے کا ذکر ہے تو وہ ضعیف اور مرسل ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو پاؤں کے چھونے کے بارے میں ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ لمس حائل کے ساتھ ہوا ہو یا یہ کہ یہ عمل خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ لیکن اس تاویل میں تکلیف اور مخالفت ظاہر ہے۔

میری رائے کے مطابق وہ لمس جو عارضی ہو یا اچانک ہو گیا ہو یا جس میں لذت اور شہوت کا عنصر نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں ہے وہ لمس جس کے ساتھ شہوت کا عنصر پایا جائے تو ایسا لمس ناقض وضو ہوگا۔ میرے خیال میں یہ راجح ترین رائے ہے۔

۷۔ **شرمگاہ کا چھونا، یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ**...... احناف کے ہاں شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جمہور کے ہاں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان دونوں مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دلیل اس کی حضرت طلق بن علی کی روایت کردہ حدیث ہے آدمی اپنے عضو کو چھوتا ہے کیا اس پر وضو ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے بدن کا ایک ٹکڑا ہے[1] اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عمران بن حصین، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے کہ یہ حضرات عضو تناسل کو چھونے کو ناقض وضو نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کی نوک کو چھوؤں۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو عضو تناسل کو چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے مقعد کو چھونے سے نہیں اور عضو تناسل کا چھونا اس وقت ناقض شمار ہوگا جب وہ جسم سے لگا ہوا ہو کٹا ہوا عضو نہیں۔ اس عضو کو خواہ کسی بھی حصے سے چھوا ہو اس سے لذت ہو یا نہ ہو، بھول کر یا جان بوجھ کر بلا حائل ہتھیلی سے یا ہاتھ کے دائیں بائیں جانب سے (اطراف سے) یا انگلیوں کے اندرونی حصے سے یا ان کے اطراف سے چھوئے ان کی اوپر کی طرف سے نہیں۔ اور خواہ وہ انگلی زائد ہو بشرطیکہ اس میں حس ہو اور اس سے وہ تصرف کرتا ہو جیسے دوسری انگلیوں سے کرتا ہے۔ اور یہ اس

[1]...... یہ حدیث امام ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی امام احمد اور دارقطنی نے مرفوعاً روایت کی ہے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں سب سے احسن روایت ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۶۰ اور بعد کے صفحات۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۸۔

وقت ہے کہ جب وہ بالغ ہو بچے کا اپنے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں یعنی مس ذکر اس وقت ناقض ہے جب بالغ شخص اپنی انگلیوں اور ہاتھ کی اندر کی جانب سے مس کرے۔

مقعد کے حلقے یا کپورے چھونے سے یا عورت کے اپنی شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ وہ لذت کے حصول کے لئے ایسا کرے یعنی اپنی ایک یا زائد انگلیوں کو اپنی شرمگاہ میں داخل کردے، اس طرح بچے کا اپنے عضو کو چھونا یا بڑے کا دوسرے کے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو اپنے عضو کو چھوئے تو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک وضو نہ کرلے❶ اور یہ حدیث جو اپنے ہاتھ کو عضو تک لے جائے اس طرح کہ دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو اس پر وضو لازم ہوگا۔❷

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انسان کی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، عضو تناسل ہو یا مقعد ہو یا عورت کی اگلی شرمگاہ ہو اپنا عضو ہو یا دوسرے کا، بچے کا یا بڑے کا زندہ کا یا مردہ کا۔ مقعد کو عضو تناسل پر قیاس کرنا امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب جدید ہے، شرط یہ ہے کہ ہاتھ کے اندرونی طرف سے ہو یعنی ہتھیلی اور انگلیوں کے اندرونی طرف سے یہ مس ہو ہتھیلی کے باہر کی طرف سے اطراف سے اور انگلیوں کے سرے یا ان کے بیچ سے جو معمولی سے دباؤ کے بعد جو بچتا ہو وہ حصہ یعنی ناقض وضو وہ مس ہے جو دو ہتھیلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر معمولی سا دبانے سے ایک دوسرے سے ملتا ہو اس حصے سے کیا جائے۔ انگوٹھوں میں ایک کا اندرونی حصہ دوسرے کے اندرونی حصے پر رکھا جائے۔ اور اگر تحامل (دباؤ) زیادہ ہو تو غیر ناقض زیادہ ہوگا اور ناقض کم ہوگا۔ اس مسئلے میں شوافع مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ ہاتھ کی پشت چھونے کا آلہ نہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے اپنی ران سے چھونا۔

حنابلہ کے ہاں ہتھیلی کا اندر کا حصہ اور پشت حکم میں ایک ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذری جس میں ہاتھ پہنچانے کا بیان ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے اور دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو وہ شخص وضو کرے اور ہاتھ کی پشت بھی ہاتھ میں داخل ہے، اور افضاء کا مطلب ہے ہاتھ بلا حائل لگانا۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل گذشتہ دونوں حدیثوں کا مجموعہ ہے حدیث بسرہ بنت صفوان اور حدیث ام حبیبہ کہ جو شخص اپنے عضو کو چھووے وہ وضو کرے اور دوسرے الفاظ میں ہے جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت ابوہریرۃ والی حدیث جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو تک لے جائے تو اس پر وضو واجب ہے اور دوسرے الفاظ یہ منقول ہیں جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے......اور شرمگاہ (فرج) اگلی اور پچھلی شرمگاہ دونوں کو شامل ہے، اور مقعد بھی دو شرمگاہ میں سے ایک ہے، تو وہ عضو کے مشابہ ہوگا۔

عورت کو چھونے سے وضو کا مطلقاً ٹوٹنا حدیث بسرۃ اور ام حبیبہ کی وجہ سے ہے، کہ جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کردہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وہ وضو کرے، جو عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے❸ میرے نزدیک راجح احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کا مذہب ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی کی حدیث ضعیف یا منسوخ ہے، اس کو امام شافعی، ابوحاتم ابوزرعہ، دارقطنی بیہقی اور ابن جوزی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان، طبرانی، ابن عربی حازمی اور دیگر حضرات نے اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔

---

❶ ......یہ حدیث پانچوں حضرات (یعنی اصحاب سنن اور امام احمد) نے روایت کی ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس کو امام مالک شافعی ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ابن جارود نے روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس بات کی اصح ترین حدیث یہی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۷ نصب الرایہ ج ۱ ص ۵۴۔ ❷ امام احمد اور ابن حبان نے اسے روایت کیا ہے ابن حبان نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے اور اس کے راوی سب عدول ہیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۹، اس کو امام شافعی نے اپنی مسند میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے اذا افضی احدکم الی ذکرہ فقد وجب علیہ الوضوء۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات۔ ❸ بروایت احمد وبیہقی نصب الرایہ ج ۱ ص ۵۸۔

۸۔ **نماز میں قہقہہ**......صرف احناف کے ہاں یہ ناقض وضو ہے باقی کے ہاں نہیں وہ بھی اس صورت میں کہ نمازی بالغ ہو عمداً یہ حرکت ہوئی ہو یا سہواً مقصود نمازی کو تنبیہ اور توبیخ کرنا ہے کیونکہ یہ عمل مناجات خداوندی کے منافی ہے۔ چنانچہ بچے کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ وہ اہل زجر وتوبیخ میں سے نہیں ہے۔ قہقہہ وہ ہنسی ہے جو آس پاس کے لوگوں کو سنائی دے اور ضحک وہ ہے جو وہ خود سنے اس کے آس پاس کے لوگ نہ سنیں قہقہے سے نماز اور وضو دونوں باطل ہو جاتے ہیں اور دوسرے (یعنی ضحک) سے صرف نماز باطل ہوتی ہے اور صرف مسکراہٹ یعنی جس میں بالکل آواز نہ ہو خواہ دانت دکھائی دیں اس سے کوئی چیز فاسد نہیں ہوتی۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو تم میں سے قہقہہ لگا کر ہنسے وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے ❶ احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں قہقہے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ یہ خارج نماز میں مفسد وضو نہیں، تو داخل نماز میں بھی مفسد نہیں ہوگا جیسے چھینک اور کھانسی۔ اس حدیث کو ان حضرات نے اس کے ضعیف ہونے اور اصول کے مخالف ہونے کی بناء پر رد کر دیا ہے اور مخالفت اصول اس طرح ہے کہ ایک چیز نماز کے باہر ناقض نہ ہو اور نماز کے اندر وہ ناقض بن جائے۔ ❷

میں جمہور کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں اس لئے کہ احناف کی حدیث ثابت نہیں ہے۔

۹۔ **اونٹ کا گوشت کھانا**......صرف حنابلہ کے ہاں، دوسرے حضرات کے ہاں نہیں، اونٹ کا گوشت کسی بھی حالت میں کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کچا ہو یا پکا، جانتا ہو یا ناواقف ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا ان کی وجہ سے وضو کیا کرو، بکریوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا اس کی وجہ سے وضو نہیں کیا جائے گا ❸ اور حضرت اسید بن حضیر نے حدیث نقل کی ہے کہ اونٹ کے گوشت کی وجہ سے وضو کیا کرو اور بکریوں کے گوشت کی وجہ سے وضو نہ کیا کرو ❹ حنابلہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو واجب ہونا ایسی بات ہے جو محض تعبدا (بطور عبارت) انجام دینی ضروری ہے، اس کے سبب کو عقلاً نہیں جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہوگا بھی نہیں لہٰذا اونٹ کا دودھ پینے اس کے گوشت کا شوربہ پینے، اس کا جگر، کلیجی، کوہان، کھال اور اوجھڑی کھانے سے وضو کرنا لازم نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے (یعنی آگ پر پکی ہوئی) یا آگ کو چھوئی ہوئی چیز دوسری بات یہ ہے کہ یہ دوسری کھائی جانے والی اشیاء کی طرح ایک چیز ہے۔

میرے نزدیک جمہور کی رائے راجح ہے کیونکہ ہر زمانے کے تمام فقہاء عہد اول کے بعد اس بات پر متفق ہیں کہ آگ کی چھوئی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کے واجب ہونے کا حکم ساقط ہے کیونکہ اس کا خلفاء راشدین کا عمل ہونا ثابت ہے بلکہ حنابلہ بذات خود جمہور کی حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس کو آگ لگی ہو۔

---

❶ اس کی چھ روایات مسند ہیں اور چھ مرسل مسند میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جو طبرانی نے نقل کی ہے۔ حضرت انس حضرت نقل کی ہے حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بروایت دارقطنی حدیث حضرت ابن عمر بروایت ابن عدی، اور حضرت انس حضرت جابر، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوالملیح کی روایت دارقطنی نے نقل کی ہے۔ لیکن یہ تمام احادیث ضعیف ہیں مرسل احادیث چار ہیں (۱) ابوالعالیہ کی مرسل حدیث (۲) ابوالملیح جہنی کی حدیث (۳) ابراہیم نخعی کی مرسل حدیث (۴) حسن بصری کی مرسل حدیث نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۷۔ ۵۴۔ ❷ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۹۔ ❸ بروایت مسلم وابوداؤد، مسلم اور احمد نے حضرت جابر بن سمرہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں ❹ بروایت اسحٰق وامام احمد امام احمد نے اس کو صحیح کہا ہے ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو سے بھی ایسی حدیث روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۰۔

۱۰۔ میت کا نہلانا...... اکثر حنابلہ کے ہاں میت کے نہلانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے پوری میت یا کچھ حصہ نہلانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔خواہ نہلائی جانے والی میت بچے کی ہو یا بڑے کی مرد کی ہو یا عورت کی مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ میت نہلانے والے کو وضو کا حکم دیا کرتے تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس میں کم از کم وضو ہے اور اس میں غالب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ میت کی شرمگاہ پر پڑنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کو نہلانے سے وضو لازم نہیں یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں کوئی شرعی نص منقول نہیں اور نہ وہ منصوص علیہ کی قبیل میں سے ہے (یعنی نہ وہ اس قسم کے مسائل میں سے ہے کہ اس کے بارے میں نص آئی ہو) اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ آدمی کو نہلانا ہے تو یہ زندہ کے نہلانے کے مشابہ ہوا۔

علامہ ابن رشد نے ان آخری تین نواقض پر تبصرہ کرتے ہوئے کتنی بہترین بات فرمائی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے شاذ قول اختیار کیا اور انہوں نے ابوالعالیہ کے مراسیل کی بناء پر نماز میں ہنسنے سے وضو لازم قرار دیا...... اور ایک قوم نے شاذ قول اختیار کرتے ہوئے میت کو اٹھانے کی وجہ سے وضو لازم قرار دیا ہے اور اس بارے میں ایک ضعیف روایت ہے کہ جو میت کو غسل دے وہ خود غسل کرے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے ❶ اہل حدیث کی ایک قوم نے اس

بات کو اختیار کیا کہ وضو اونٹوں کے صرف گوشت کھانے سے واجب ہوتا ہے ❷ ان حضرات میں امام احمد امام اسحٰق اور ان کے علاوہ کچھ لوگ ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ثابت ہے۔ ❸

۱۱۔ وضو میں شک واقع ہونا...... مالکیہ مشہور مذہب کے مطابق فرماتے ہیں کہ جس شخص کو طہارت کا یقین ہو یا اس کا گمان ہو پھر اس کو حدث کے بارے میں شک ہو جائے تو اس پر وضو لازم ہے اور اگر حدث یقینی ہو اور طہارت میں شک ہو تو اس پر وضو لازم ہے کیونکہ ذمہ بدستور لازم ہے تو وہ یقین کے حصول کے بغیر ذمہ سے بری نہیں ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا ہے، تو جس کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو یا حدث کا یقین ہو اور طہارت کا شک ہو تو وہ یقینی صورتحال پر عمل کرے پہلی صورت میں طہارت اور دوسری صورت میں حدث یقینی ہے دلیل اس کی حضرت عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا قضیہ پیش کیا گیا کہ اس کو نماز میں خیالات آتے ہیں کہ اس کا کچھ نکل گیا ہے آپ نے فرمایا اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آواز یا بو نہ سونگھ لے ❹ دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کو شک ہوا تو دونوں امور قابل سقوط ہو گئے جیسے جب دو عمارتیں ٹکراتی ہیں تو گر جاتی ہیں (تو اس صورت میں بھی دونوں متعارض ہوئے تو دونوں کالعدم شمار ہوئے) اور یقین پر عمل درآمد ضروری ہو گیا اور اسی بناء پر فقہاء نے یہ عام اور اصولی قاعدہ وضع فرمایا ہے کہ:

اليقين لايزول بالشك

یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔

۱۲۔ غسل واجب کرنے والی اشیاء...... حنابلہ فرماتے ہیں کہ موت کے علاوہ ہر وہ چیز جو غسل لازم کرتی ہیں ان سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، موت غسل واجب کرتی ہے مگر وضو نہیں غسل کے واجب کرنے والی چیزوں میں سے یہ چیزیں ہیں:

---

❶ ......بروایت ابوداؤد وترمذی و ابن ماجہ۔ ❷ لیکن ان کے یہاں میت اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بعض کتابوں میں ان کی طرف یہ جو منسوب ہے وہ اس کے برخلاف ہے۔ ❸ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۳۹۔ ❹ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس کو ترمذی کے علاوہ وہ اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے امام مسلم نے اسی طرح کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ نہیں و هو في الصلاة۔

۱......دونوں ختنوں کی جگہوں (مرداورعورت کی) کا ملنا۔

۲......منی کا منتقل ہونا۔

۳......کافر کا اسلام لانا، خواہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، مرتد اگر دوبارہ اسلام لے آئے۔

تو اس پر غسل واجب ہوگا، اور جب غسل واجب ہوگا تو وضو بھی واجب ہوگا مرتد ہو جانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ وہ اعمال کو حبط کرنے والا عمل ہے اور اعمال میں سے وضو اور غسل بھی ہیں، یہ مالکیہ کی رائے کے موافق ہے احناف اور شوافع کے ہاں مرتد ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

نواقض وضو کے بارے میں مزید اضافی گفتگو......یہ نواقض وضو اُن تمام لوگوں کے بارے میں مشترک ہیں جو طہارت حاصل کئے ہوئے ہوں خواہ انہوں نے موزوں پر مسح کیا ہوا ہو یا کچھ اور۔ وضو کے کچھ نواقض ایسے ہیں جو خاص ہیں جیسے مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) اور اس جیسے دیگر مسح وغیرہ کا مدت ختم ہو جانے پر ختم ہو جانا یا ان موزوں وغیرہ کے اتار لینے سے وضو کا ختم ہو جانا۔ اسی طرح مستحاضہ اور دیگر معذورین کی طہارت کا جیسے پیشاب کے قطروں کا مریض وغیرہ وقت نکل جانے سے ختم ہو جانا اور تیمم کرنے والے کی طہارت کا پانی کے مل جانے کی صورت میں کالعدم ہو جانا وغیرہ ان مباحث کو میں ان سے متعلق خاص مباحث میں بیان کروں گا۔ حرام گفتگو سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسے جھوٹ، غیبت، تہمت اندازی اور گالی گلوچ وغیرہ تاہم اس طرح کے کاموں کے بعد وضو مستحب ہے بال اتارنے ناخن تراشنے وغیرہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

مذاہب اربعہ کی رو سے نواقض وضو کا خلاصہ

۱۔ مذہب حنفی......وضو کو بارہ اشیاء توڑ دیتی ہیں۔

۱......دونوں راستوں سے نکلنے والی کوئی بھی چیز ماسوائے صحیح قول کے مطابق اگلی شرمگاہ سے نکلنے والی ریح۔

۲......نفاس کے خون نکلے بغیر بچے کی ولادت۔

۳......دونوں راستوں کے علاوہ جگہ سے نکلنے والی بہتی ہوئی نجاست جیسے خون، پیپ، قے پانی کھانے یا جمے ہوئے خون کی یا صفراوی پانی کی اگر وہ منہ بھر کر ہو اور منہ بھر کر قے کا مطلب صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ اتنی مقدار جو منہ میں بڑی دقت اور مشکل سے سما سکے اور اگر سبب ایک ہی متلی ہو تو متفرق طور پر ہوئی قے جمع کی جائے گی ❶ (یعنی جو تھوڑی تھوڑی ہوئی ہے وہ جمع کر کے اس پر حکم لگایا جائے گا۔

۴......منہ میں نکلنے والا وہ خون جو تھوک پر غالب آ جائے یا اس کے برابر ہو۔

۵۔ پہلو کے بل یا ٹیک لگا کر یا ایسی چیز کا سہارا لے کر سونا جو ہٹائے جانے پر سونے والا گر پڑے یعنی ایسی نیند جس میں سونے والے کا مقعد زمین پر نہ ہو۔

۶......زمین پر سونے والے شخص کا مقعد زمین سے اس کے سونے سے پہلے اٹھ جانا خواہ وہ شخص زمین پر نہ گرے۔

۷......بے ہوشی۔

۸......جنون۔

---

❶......یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جو کہ صحیح ہے، سبب کے متحد ہونے کا مطلب متلی کا ایک وجہ سے ہونا ہے، اگر ایک وقت کی متلی سے چار پانچ دفعہ تھوڑی تھوڑی قے ہو تو وہ ایک شمار کی جائے گی۔

۹.....نشہ آوری۔

۱۰.....بالغ جاگتے ہوئے شخص کا رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانا خواہ اس سے مقصود بالا رادہ نماز سے نکلنا ہی ہو۔

۱۱.....عضو تناسل کا انتشار کی حالت میں عورت کی اگلی شرمگاہ سے متصل ہونا۔

دس چیزیں وضو نہیں توڑتی ہیں۔

۱.....وہ خون جو اپنی جگہ سے نہ بہے۔

۲.....گوشت کا بغیر خون بہے کٹ کر گر جانا۔

۳.....کیڑے کا زخم، ناک، اور کان سے نکلنا۔

۴.....عضو تناسل کا چھونا۔

۵.....عورت کا چھونا۔

۶.....قے کا منہ بھر کر نہ ہونا۔

۷.....بلغم کی قے کا ہونا خواہ زیادہ مقدار میں ہو۔

۸.....سونے والے کا جھومنا اس طرح کہ اس کے مقعد کا زمین سے ہٹ جانے کا شبہ ہو۔

۹.....جم کر بیٹھے ہوئے شخص کی نیند خواہ ایسی چیز پر ٹیک لگا کر ہو جو ہٹانے سے ہٹ سکے۔

۱۰.....نمازی کی نیند خواہ رکوع اور سجدے کی حالت میں ہو۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب.....نواقض وضو تین قسم کے ہیں:

۱.....احداث ۲.....اسباب ۳.....مرتد ہونا یا طہارت کے بارے میں شک ہونا۔

احداث کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو دونوں راستوں سے نکلتی ہوں اور وہ آٹھ اشیاء ہیں:

۱.....پیشاب ۲.....پاخانہ ۳.....ریح با آواز یا بلا آواز

۴.....ودی (پیشاب کے بعد نکلنے والا گاڑھا سا پانی) ۵.....مذی (لذت کی کیفیت کے موقع پر نکلنے والا پانی)

۶.....ودی، عورت کی شرمگاہ سے بوقت ولادت نکلنے والا پانی۔

۷.....استحاضہ کا خون اور اس کی قبیل کی اشیاء یعنی پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی کیفیت میں ٹپکنے والے قطرے بشرطیکہ کبھی کبھی نکلتے ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نکلنے کی کیفیت نماز کے اوقات کے نصف یا اس سے زیادہ وقت پر محیط نہ ہو اور اگر یہ کیفیت آدھے یا زیادہ وقت تک محیط ہو کہ اتنی مدت میں قطرے ٹپکتے ہوں تو وہ قطرے ناقض نہیں کہلائیں گے۔

۸.....مرد کی وہ منی جو عورت کی شرمگاہ سے غسل جنابت کرنے کے بعد نکلے۔[1]

وہ چیزیں جو عادتاً ان راستوں سے نہ نکلتی ہوں ان کا نکلنا ناقض وضو نہیں جیسے خون، پیپ کنکر اور کیڑا اسی طرح ان راستوں کے علاوہ دیگر غیر عادی جگہوں سے نکلنے والی چیز بھی ناقض نہیں ہوگی جیسے ہوا یا پاخانے کا اگلی شرمگاہ سے نکلنا یا مقعد سے پیشاب کا نکلنا منی کا بلا لذت نکلنا، یعنی وہ عادی لذت جو منی کے نکلتے وقت ہوتی ہے اس کے بغیر نکل جان اس طرح کہ یا تو لذت ہو ہی نہیں یا غیر معتاد طریقے پر ہو جیسے خارش کے لئے کھجانے والے کی منی کا یا اس شخص کی منی کا نکل جانا جس کو کسی جانور وغیرہ نے ٹکر مار دی ہو۔ اور جو منی عادی لذت کے ساتھ نکلے جیسے

---

[1]..... مالکیہ کی بیان کردہ تفصیل کی مزید تشریح یوں سمجھیں کہ آٹھ احداث میں سے دو مقعد سے ہیں (۱) پاخانہ (۲) ریح اور چھ اگلی شرمگاہ سے ہیں۔ (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) بعض صورتوں میں منی (۵) ودی (۶) استحاضہ وغیرہ جیسی چیزیں مخصوص شرط کے ساتھ۔

جماع سے، چھونے سے یا غور وفکر کرنے سے منی نکل آئے تو وہ موجب غسل ہوگی۔ وہ پیشاب پاخانہ یا ریح جو معدہ کے اوپر بنے ہوئے سوراخ سے نکلنے وہ ناقض وضو نہیں خواہ دونوں راستے بند ہوں یا کھلے ہوں اور معدے کے نیچے بنے ہوئے سوراخ سے نکلنے والی یہ چیزیں اس وقت ناقض وضو ہوں گی جب دونوں راستے بند ہوں، اسی طرح دونوں راستے بند ہو جانے کے بعد منہ کے راستے پاخانہ یا پیشاب آنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ اسباب:...... یہ تین طرح کے ہیں:

۱...... عقل کا زائل ہو جانا۔

۲...... بالغ شخص کا کسی قابل شہوت شخص کو چھو لینا۔

۳...... بالغ شخص کا اپنے عضو تناسل کو ہاتھ کے اندرونی حصے یا ہاتھ کی ایک جانب سے یا انگلی سے بلا حائل چھو لینا۔ خواہ حائل ہلکا ہی کیوں نہ ہو۔ حائل اس وقت کالعدم شمار ہوگا جب وہ اتنا پتلا حائل ہو کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو، عقل کا زائل ہونا، جنون، بے ہوشی یا گہری نیند سے ہوتا ہے خواہ یہ نیند تھوڑے عرصے کی ہو۔ منہ پر چومنا ناقض وضو ہے خواہ بلا شہوت ہو۔ مرتد ہونا ناقض وضو ہے اور طہارت کے یقینی ہونے کے بعد یا غیر یقینی ہونے کی کیفیت میں شک ہونا، یعنی حدث کا یقین ہوا ہو یا محض ظن ہو کہ طہارت نہیں ہے۔ یہ دونوں امور ناقض وضو ہیں جب کہ دونوں نہ احداث میں سے ہیں نہ اسباب میں سے۔

۳۔ مذہب شوافع...... نواقض وضو چار قسم کے ہیں:

۱...... دونوں راستوں سے نکلنے والی چیز ماسوا منی کے یعنی انسان کی اپنی منی، کہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے وضو نہیں۔

۲...... عقل کا زائل ہو جانا خواہ جنون کے ذریعے یا بے ہوشی کے سبب یا نیند کی وجہ سے۔ ماسوا اس نیند کے جس میں سونے والا اپنی مقعد اپنی جگہ جما کر بیٹھے جیسے زمین وغیرہ پر یا چلتے جانور کی پیٹھ پر خواہ ایسی چیز کی ٹیک لگا کر بیٹھا ہو جو ہٹانے سے نہ ہٹ سکے۔

۳...... مرد اور عورت کی کھال کا ملنا خواہ مردہ ہی کیوں نہ ہوں۔ عمداً ہو یا سہوا، چھونے والے اور چھوئے جانے والے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان بچے بچیوں کو چھونے سے نہیں ٹوٹے گا جو اتنے چھوٹے ہوں کہ قابل شہوت نہ ہوں ناخن بال اور دانت چھونے سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اوران محرمات کو بھی چھونے سے نہیں ٹوٹے گا جو نسب رضاعت یا سسرالی رشتے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حرام ہوں، وہ محرمات جو عارضی طور پر حرام ہوتی ہیں جیسے سالی وغیرہ تو ان کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

۴...... آدمی کی اگلی شرمگاہ اور مقعد کے سوراخ کا حلقہ ہاتھ کی اندرونی طرف سے چھونا اس عمل سے صرف چھونے والے کا وضو ٹوٹے گا چھوئے جانے والے کا نہیں، مردہ شخص یا بچے کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا مقعد کے پورے گڑے کو چھونا صرف سوراخ کو نہیں اور کٹا ہوا عضو تناسل جانور کی شرمگاہ کو چھونے سے نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی انگلیوں کے سروں سے چھونے سے۔

۴۔ مذہب حنابلہ...... نواقض وضو آٹھ قسم کے ہیں:

۱...... دونوں راستوں سے نکلنے والی چیز ماسوا اس شخص کی جس کا حدث دائمی ہو کہ اس شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا ریح خواہ مرد یا عورت کی اگلی شرمگاہ سے نکلے وہ ناقض ہوگی۔ اسی طرح روئی سلائی تیل یا شرمگاہ سے چڑھائی جانے والی دوا اس شرمگاہ سے نکلے تو وہ ناقض ہوگی اس طرح اگر آنتیں یا کیڑے کا سر نمودار ہو تو وہ ناقض ہوگا مرد کی منی یا عورت سے نکلنے والی مرد کی وہ منی جو اس نے اپنی شرمگاہ میں چڑھائی ہو اس کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲...... نجاستوں کا بقیہ بدن کے کسی حصے سے نکلنا، نجاست کا اگر پاخانہ یا پیشاب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ دونوں چیزیں قلیل مقدار

میں ہوں۔
معدے کے اوپر بنے ہوئے سوراخ سے نکلیں یا نچلے سوراخ سے، دونوں راستے بند ہوں یا کھلے ہوئے ہوں۔اور اگر نجاست پیشاب پاخانے کے علاوہ ہو جیسے قے خون، پیپ، زخم کا کیڑا تو اس کے زیادہ ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹے گا اور زیادہ کا اندازہ ہر شخص کے بارے میں اس کے حساب سے ہوگا۔

۳.....عقل کا جنون وغیرہ کے ذریعے زائل ہو جانا یا عقل کا بے ہوشی یا نشے کی وجہ سے پس پردہ چلا جانا خواہ نشہ کم ہو یا زیادہ اور نیند کی وجہ سے عقل کا پس پردہ ہو جانا ماسوا اس نیند کے جو عرفاً کم شمار ہو خواہ بیٹھے ہوئے شخص کی یا کھڑے ہوئے شخص کی۔رکوع سجدے کی حالت میں، ٹیک لگا کر، سہارا لے کر اور گوٹ مار کر سونے والے لوگ اگر تھوڑی سی نیند لے لیں تو ان کا وضو ایسے ہی ٹوٹ جائے گا جیسے لیٹ کر سوئے ہوئے شخص کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۴.....عضو تناسل، اگلی شرمگاہ اور مقعد کا چھونا، خواہ اپنی خواہ دوسرے کی اور خواہ بلاشہوت کے سہی، ہاتھ کی اندرونی سطح سے یا اس کی پشت سے یا اس کے اطراف سے ماسوا ناخن کے۔اور یہ چھونا بغیر حائل کے ہو اور اگر یہ ہاتھ کی زائد انگلی سے بھی چھوا گیا تو ناقض ہوگا۔چھوئے جانے والے شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا کٹے ہوئے عضو کو یا اس کی جگہ کو یا قلفہ (ختنے میں کاٹا جانے والا کھال کا ٹکڑا) کو کٹ جانے کے بعد چھونا ناقض عضو نہیں اسی طرح زائدہ عضو تناسل کو چھونا ناقض نہیں کیونکہ یہ فرج نہیں ہے اسی طرح عورت کا اپنی اگلی شرمگاہ کے اوپر منڈھی ہوئی کھال کے کناروں کو چھونا بھی ناقض نہیں، کیونکہ فرج کہتے ہیں حدث کے نکلنے کی جگہ ہو کو اور وہ ان دونوں کناروں کے بیچ میں ہوتی ہے نہ کہ خود یہ دونوں کنارے۔

۵.....مرد کی کھال کا عورت کی کھال کو شہوت کے ساتھ چھو لینا بشرطیکہ بلا حائل ہو۔سات سال سے کم عمر بچے اور بچی کا چھونا اگر بلاشہوت ہو تو ناقض نہیں ہے، اور شہوت کے ساتھ چھونا ناقض وضو ہے خواہ میت ہو یا بڑھیا ہو محرم ہو یا سات سال کے زائد عمر کی بچی ہو (یعنی قابل شہوت لڑکی) دلیل اس کی آیت کا یہ ٹکڑا ہے اولـمستم چھوئے جانے والے کا وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ اس کی طرف سے شہوت بھی پائی جائے۔سوچنے اور بار بار دیکھنے سے انتشار کی کیفیت طاری ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح بال، ناخن اور دانت چھونے سے بھی نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ یہ بمنزلہ علیحدہ شدہ عضو کے ہوتے ہیں کٹے ہوئے عضو کو چھونا بھی ناقض وضو نہیں کیونکہ اس کی حرمت و منزلت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔اس طرح بے ریش لڑکے کو چھونا خواہ شہوت کے ساتھ ہو ناقض نہیں، کیونکہ آیت اس کو شامل نہیں۔مرد کا مرد کو چھونا اور عورت کو عورت کا چھونا ناقض نہیں خواہ عورتیں باہم شہوت سے چھوئیں۔

۶.....میت کو نہلانا ناقض وضو ہے خواہ میت کا کچھ حصہ ہی نہلایا ہو اور خواہ قمیص میں ہی نہلایا ہو۔میت کا تیمم نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس کا دھونا متعذر ہے۔اور میت کو غسل دینے والا وہ ہوتا ہے جو اس کو الٹتا پلٹتا ہے اور غسل کا کام کرتا ہے خواہ ایک دفعہ سہی پانی ڈالنے والا نہلانے والا نہیں ہے۔

۷.....اونٹ کا کچا یا پکا ہوا گوشت کھانا۔

۸.....غسل واجب کرنے والے امور، جیسے شرمگاہوں کا ملنا، منی کا منتقل ہونا، اصلی کافر کا اسلام لانا یا مرتد کا اسلام لانا۔

۸۔آٹھویں بحث.....معذور کا وضو

دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے نکلنے والی نجاست کے باعث وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر یہ حالت صحت میں ہو اور اگر یہ نجاست کا نکلنا بیماری کے باعث ہو تو ایسا شخص معذور کہلاتا ہے اور احناف کی تعریف کے مطابق معذور وہ شخص ہے جس کو پیشاب کے قطرے اس طرح

آتے ہوں کہ ان کا روکنا ممکن نہ ہو، یا اس کا پیٹ اس طرح جاری ہو یا اس کی ریح خارج ہوتی رہتی ہو یا اس کو مسلسل نکسیر پھوٹنے کے شکایت ہو یا زخم کا خون مستقلاً بہتا ہو یا استحاضہ کا مرض ہو❶ اسی طرح جسم سے نکلنے والا ہر وہ مادہ جو تکلیف کے ساتھ نکلے خواہ کان سے نکلے یا پستان سے یا ناف سے، خون نکلے یا خون کی آمیزش والی پیپ یا پیپ، یا وہ زخم کا پانی ہو یا دانے کا، پھنسی کا، پستان کا، آنکھ کا یا کان کا❷ معذور کے وضو اور نماز کے احکامات میں مذاہب میں مختلف تفصیلات ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ مذہب حنفی❸......معذور کا ضابطہ یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو ابتدائے امر میں اس حالت میں ہو کہ اس کا عذر فرض نماز کے پورے وقت پر محیط ہو وہ اس طرح کہ وہ تمام دورا ہے میں اتنا وقت نہ پائے جس میں وہ وضو کر سکے اور حدث کے لاحق ہوئے بغیر نماز پڑھ سکے جیسے مثلاً اس کے پیشاب کے قطرات ظہر کے وقت کی ابتداء سے لے کر عصر تک جاری رہے۔تو اگر کوئی شخص ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے اور وہ اس کو رہنے لگے تو ایسے مرض کا، بعد کے حالات میں وقت نماز کے دوران کسی وقت ہونا خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو کافی ہوگا، مثلاً کوئی عصر کے وقت کے دوران صرف ایک قطرہ خون دیکھے جب کہ نماز ظہر کے وقت کے دوران اس کو مسلسل خون کے قطرات آرہے ہوں اور یہ اس وقت قابل معافی نہیں ہوگا جب تک کہ ایسی صورت نہ درپیش ہو کہ مکمل نماز کا وقت اس کی وجہ سے حرج پذیر ہو یعنی ابتدائی مرحلے میں (جب کوئی معذور نہ بنا ہو) عذر کے ثابت ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ عذر پورے وقت کو محیط ہو، اور اس کے دوام کی شرط یہ ہے کہ اس ایک وقت کے بعد آنے والے وقت میں یہ پایا جائے خواہ ایک مرتبہ ہی پایا جائے تا کہ اس دوبارہ پائے جانے سے اس کا باقی رہنا معلوم ہو سکے اور اس عذر کے منقطع ہونے اور اس شخص کے معذور برقرار رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایک پوری نماز کا وقت اس عذر کے بغیر گذر جائے مثلاً یہ عذر پورے وقت عصر کے دوران نہ رہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا شخص ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گا ہر فرض اور نفل کے لئے نہیں۔دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مستحاضہ عورت ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی (۳) اور مستحاضہ پر باقی تمام اصحاب عذر لوگوں کو قیاس کیا جائے گا اور یہ شخص اس وضو سے جتنی چاہے فرائض نمازیں اور نوافل ادا کرے۔اس شخص کا وضو دو شرطوں کے ساتھ باقی رہے گا۔

ا......اس شخص نے عذر کی وجہ سے وضو کیا ہو (یعنی اس کے وضو کے وقت اس کا عذر موجود ہو اور وہ اس کی نیت سے وضو کرے)۔

۲......اور اس دوران کوئی دوسرا حدث واقع نہ ہو مثلاً ریح نہ نکلے یا کسی اور جگہ سے خون نہ نکل آئے۔معذور شخص کا وضو صرف فرض نماز کا وقت نکل جانے سے ٹوٹے گا وقت کے داخل ہونے سے نہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے سورج نکلنے کے بعد عید کی نماز کے لئے وضو کیا اور پھر ظہر کا وقت بھی شروع ہو گیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ دخول وقت (وقت کا شروع ہونا) ناقض وضو نہیں اسی طرح عید کی نماز کے وقت کے خروج (ختم ہو جانے) سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ فرض نماز کا وقت نہیں ہے یہ تو ایک بالکل خالی اور فارغ وقت ہے اس وقت کے دوران نماز عید کی ادائیگی ایسی ہی ہے جیسے چاشت کی نماز کی ادائیگی (یعنی جیسے چاشت کی نماز کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا جیسے دوسری فرض نمازوں کا ہوتا ہے، اسی طرح عید کی نماز کا یہ کوئی خاص وقت نہیں ہے ہاں نماز عید اس کے دوران ہی ادا کی جائے گی یہ درحقیقت ایک فقہی اور اصولی مسئلہ ہے جس کے تحت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وقت نماز کے لئے ظرف ہے یا وہ مہمل ہے اس کی تفصیل آگے نمازوں کے اوقات کی بحث میں انشاء اللہ آئے گی) اور صرف اس حال میں معذور کا وضو درست ہوتا ہے کہ وہ وقت کے شروع ہونے سے قبل وضو کر لے۔معذور شخص کا وضو وقت کے

---

❶......الدر المختار ج ا ص ۲۸۰ اور بعد کے صفحات۔❷ الدر المختار ج ا ص ۱۳۹، ۲۸۱، ۲۸۳ فتح القدير ج ا ص ۱۲۴۔۱۲۸ مراقی الفلاح ص ۲۵ تبيين الحقائق ج ا ص ۶۴۔❸ بروایت سبط ابن جوزی از امام ابوحنیفہ، تاہم علامہ زیلعی نے اس کو غریب جدا قرار دیا ہے، نصب الرایہ ج ا ص ۲۰۴۔

خروج (ختم ہو جانے) سے ٹوٹتا ہے شروع ہو جانے سے نہیں ❶ لہٰذا جب وقت ختم ہو جائے تو معذور شخص کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور دوسری نماز کی ادائیگی کے لئے وہ از سر نو وضو کرے گا، یہ مذہب ہی حنفی کے ائمہ ثلثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کا ہے احناف میں سے امام زفر فرماتے ہیں کہ وہ وقت کے دخول شروع ہو جانے کی صورت میں نئے سرے سے وضو کرے گا۔ اور اگر کسی نے سورج طلوع ہونے سے قبل وضو کیا تو سورج طلوع ہونے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ فرض کا وقت خارج (ختم) ہو گیا ہے اسی طرح ظہر کی نماز کے بعد وضو کرنے کے بعد عصر کا وقت شروع ہونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ ظہر کا وقت نکل گیا ہے۔

معذور شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے عذر و بیماری کو اپنی بقدر استطاعت روکنے کی کوشش کرے جیسے گدیاں (پیڈ وغیرہ جو ماہواری کے دوران خواتین استعمال کرتی ہیں) مستحاضہ کے لئے اور دوران نماز بیٹھ جانا اگر حرکت اور قیام زیادہ بہنے کا سبب بنے۔ مرد کے لئے مستحب ہے کہ اگر اس کے دل میں وسوسے آئیں تو وہ گدیلا (لنگوٹ نما چیز جس میں روئی وغیرہ رکھتے ہیں) باندھے (تاکہ شبہ نہ رہے کہ کپڑے ناپاک ہیں) اور اگر قطرے صرف اس طرح رک سکتے ہوں تو ایسا کرنا واجب ہے۔

معذور شخص پر اپنا کپڑا جس پر اس کے جسم کی نکلنے والی نجاست قابل معافی مقدار سے زیادہ لگی ہوئی ہو۔ دھونا لازم نہیں اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کو اتنا وقفہ نہ مل سکے گا کہ وہ نماز بلا قطرہ ٹپکے پڑھ سکے اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ ایک مرتبہ دھو لینے کے بعد نماز کی ادائیگی کے دوران قطرے ٹپکنے کا امکان نہیں تو اس پر وہ دھونا لازم ہے فتویٰ اسی قول پر ہے۔

۲۔ **مذہب مالکیہ** ❷...... سلس وہ ہے کہ طبیعت میں بگاڑ پیدا ہو جانے کے سبب خود بخود بہہ نکلتا ہو، پیشاب ہو یا پاخانہ، ریح، پانی وغیرہ ہو اسی قبیل سے استحاضہ کا خون بھی ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب مرض شخص کا یہ عذر کسی طور منضبط نہ ہو پاتا ہو اور وہ شخص علاج پر بھی قادر نہ ہو اور اگر وہ منضبط ہو سکتا ہو مثلاً اس کی عادت ایسی بن جائے کہ نماز کے آخر وقت میں اس کا وہ مرض رک جاتا ہو تو اس شخص پر نماز کو آخر وقت میں پڑھنا لازم ہے اور اگر ایسا اول وقت میں ہو تو اس پر اول وقت میں ایسا کرنا لازم ہے اور اگر وہ علاج کرانے یا شادی کر لینے پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے (یعنی اگر اس کو کثرت مذی کا مرض ہو گیا ہے اور وہ شادی کر سکتا ہے تو اس پر ایسا کرنا لازم ہو گا تاکہ اس کا یہ مرض کنٹرول میں آ جائے) اور علاج اور شادی کے دوران کا وقت قابل معافی ہو گا۔ تو سلس عرصہ دراز تک کنوارہ رہنے سے نہیں

---

❶...... امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ معذور شخص کا وضو صرف خروج وقت سے باطل ہو گا کیونکہ وہ وقت اداء نماز کے لئے خاص کیا گیا ہے شرعاً لہٰذا طہارت کا اس سے قبل پایا جانا تاکہ وہ وقت کے داخل ہونے کے وقت نماز کی ادائیگی کر سکے ضروری ہے جیسا کہ عام اشخاص کے لئے ادائیگی نماز کے لئے طہارت کو پہلے سے کر لینا ضروری ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ وقت کا داخل ہونا طہارت کی حاجت کی دلیل ہے اور اس کا ختم ہونا (خروج وقت) حاجت کے ختم ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا وضو حاجت کے زائل ہونے کی صورت میں ٹوٹے گا یعنی وقت کے نکلنے کے وقت نہ کہ وقت کے دخول کے وقت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو دونوں صورتوں میں باطل ہو گا یعنی دخول وقت اور خروج وقت دونوں صورتوں میں کیونکہ طہارت کی حاجت صرف وقت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا وقت سے پہلے یا بعد میں طہارت (بوجہ عدم حاجت) معتبر نہیں ہو گی۔ امام زفر طرفین (امام ابوحنیفہ و محمد) کے بالکل برعکس فرماتے ہیں کہ وضو صرف وقت کے داخل ہونے سے ٹوٹے گا وقت کے خروج سے نہیں کیونکہ وقت سے قبل طہارت کی حاجت نہیں لہٰذا وقت سے پہلے وہ معتبر نہیں ہو گی۔ اس باہمی اختلاف کا نتیجہ دو چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک وہ شخص جو زوال سے قبل وضو کرے یا طلوع شمس سے قبل وضو کرے تو پہلی صورت میں طرفین کے ہاں وضو اس وقت ٹوٹے گا جب ظہر کا وقت ختم ہو اور دوسری صورت میں وقت کے نکلنے (طلوع شمس) سے ٹوٹے گا۔ امام ابو یوسف کے ہاں دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا امام زفر کے ہاں دوسری صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا ہے اور پہلی صورت میں ٹوٹ جائے گا کیونکہ ظہر کا وقت داخل ہو گیا ہے تو امام ابو یوسف و زفر دخول وقت سے طہارت کے واجب ہونے میں متفق ہیں کیونکہ یہ حاجت کا وقت ہوتا ہے، یہ قول شوافع اور حنابلہ کے موافق ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے اور یہ چاروں ائمہ احناف مستحاضہ وغیرہ کے وضو کے خروج وقت کے سبب ٹوٹ جانے پر متفق ہیں۔ ❷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۹ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۱۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۱

ہوا۔ یہ تو طبیعت اور مزاج کے اندر تبدیلی پیدا ہو جانے یا ٹھنڈک و بیماری کے سبب ہوتا ہے۔ مالکیہ کے ہاں وضو اس صورت میں نہیں ٹوٹتا ہے کہ پیشاب یا مذی مسلسل سلس کے طور پر نکلے اور مسلسل نکلنے کا مطلب ہے کہ وہ نماز کے آدھے یا اس سے زیادہ وقت پر محیط ہو یا پورے وقت پر ہی محیط ہوتا ہم اگر پورے وقت پر محیط نہ ہو تو وضو کر لینا مستحب ہے۔

ایسے معذور کا وضو اس صورت میں ٹوٹ جاتا ہے جب وہ طبعی طور پر پیشاب کرے (یعنی بیماری کے قطرات کے علاوہ اس کو پیشاب آئے اور وہ پیشاب کرلے تو وضو ٹوٹ جائے گا) اسی طرح اگر اس کی مذی عموماً طبعی لذت کے ساتھ نکلے اس کے دیکھنے یا غور وفکر کرنے کے سبب تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی پہچان اس طرح ہوتی ہے کہ طبعی طور پر آنے والا پیشاب زیادہ ہوتا ہے اور اس کو روکا جا سکتا ہے اور طبعی مذی شہوت کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح اگر اس لفظ کو دیکھا جائے کہ اصل لفظ کیا ہے کہیں سلس لکھا ہے اور کہیں سلس کا عذر تھوڑے وقت کے لئے ہو تو بھی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر سلسل کا عذر ایسا ہو کہ اس کا وضو نہ ٹوٹتا ہو تو وہ اس وضو سے جتنی چاہے نمازیں ادا کر سکتا ہے جب تک دوسرا کوئی ناقض وضو نہ پایا جائے تاہم مستحاضہ اور سلسل کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کریں لیکن یہ ان پر واجب نہیں۔

۳۔ **مذہب حنابلہ** ❶...... دائمی حدث میں مبتلا شخص جس کے قطرے ٹپکتے ہوں یا بکثرت مذی نکلتی ہو یا خون بہتا ہو یا مستقل ہوا خارج ہوتی ہو وغیرہ، ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے جیسے مستحاضہ عورت اور یہ حکم جب ہے کہ جب اس کا یہ حدث دائمی طور پر ہو اور نماز کے وقت کے دوران اتنی دیر کے لئے بھی منقطع نہ ہو کہ اس وقت میں وہ طہارت کے ساتھ اس کو ادا کر سکے۔ اور اگر اس کا یہ عذر و بیماری اتنی دیر منقطع رہ سکے کہ نماز اور طہارت کا وقت اس کو مل جائے تو اس پر اس حالت میں اس وقت کے دوران نماز ادا کرنا وقت کے دوران لازم ہوگی۔

اگر اس کے اس دائمی حدث سے جو اس کو ہر نماز کے وقت میں لاحق ہوتا ہے کوئی چیز نکل آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو دھوئے اور اس کو باندھے پھر وضو کرے اور اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ چیز حتی الامکان نہ نکلے اور اس کا وضو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد ہی درست ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا تم ہر نماز کے لئے وضو کرو یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے ❷ اور دوسری روایت میں ہے تم ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو ❸ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عذر اور ضرورت کی طہارت ہے تو یہ وقت کے ساتھ مقید رہے گی جیسے تیمم چنانچہ اگر اس نے وقت شروع ہونے سے قبل وضو کیا پھر اس سے کوئی چیز نکل آئی تو اس کی طہارت باطل ہو جائے گی مستحاضہ وغیرہ کے لئے ایک وضو سے دو فرض نمازوں کی ادائیگی درست ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش کو ایک مرتبہ کے غسل سے دو نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا ❹ اسی طرح آپ نے حضرت سہلہ بنت سہیل کو بھی ایسا ہی حکم دیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی عورت و معذورین کا وضو آخری وقت تک باقی رہتا ہے اور تیمم کرنے والے کو بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے تو ایسے شخص کو بطریق اولیٰ ایسا کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور اگر عذر ختم ہو جائے جیسے مثلاً مستحاضہ کا خون ایسے وقت میں آنا رک جائے کہ اس کو نماز کا اور وضو کر لینے کا وقت مل جائے تو طہارت باطل ہو جائے گی اور اس پر اس طہارت کو از سر نو کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ عذر کے اس طرح منقطع ہونے سے وہ ان لوگوں کے حکم میں ہو گیا جن کا حدث دائمی نہیں ہوتا ہے۔

معذور کا وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مستحاضہ پہلے محل نجاست کو دھوئے پھر روئی وغیرہ جیسی کوئی چیز رکھے تاکہ خون رک سکے اور قطرے یا مذی کے آنے کے مریض کو چاہئے کہ وہ محل نجاست کو دھوئے اور عضو تناسل کو کسی کپڑے وغیرہ سے باندھ لے اور حتی الامکان اس کی دیکھ بھال کرے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جس کی ریح نکلتی ہو یا خون بہتا ہو اس جگہ کو باندھ دے تاکہ کم سے کم وہ چیز نکلے اور اگر وہ ایسی چیز ہو جس

❶...... کشاف القناع ج ۱ ص ۱۳۸۱، ۲۴۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ۱ ص ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ❷ بروایت احمد ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۵۔ ❸ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ صحیح قرار دیا ہے۔

کا باندھنا ممکن نہ ہو مثلاً ایسا زخم ہو بواسیر ہو یا ایسا ناسور ہو گیا ہو جس کا باندھنا ممکن نہ ہو تو اپنی اس حالت کے ساتھ نماز ادا کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کو نیزہ وغیرہ مارا گیا تو آپ نے اس حالت میں نماز ادا کی کہ آپ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

معذور شخص نماز کو اپنے لئے مباح کرنے کی نیت کرے رفع حدث کی نیت نہ کرے کیونکہ دائم الحدث ہونے کی بناء پر یہ نیت درست نہیں۔

۴۔ **مذہب شافعیہ** ❶...... مسلسل نجاست کے آتے رہنے کا مریض خواہ اس کو پیشاب آئے یا مذی یا پاخانہ یا ریح آئے، اور مستحاضہ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ جائے نجاست دھوئیں اور اس کے اندر کوئی چیز رکھ دیں بشرطیکہ وہ روزہ دار نہ ہوں یا مستحاضہ وغیرہ کو اس عمل سے اذیت ہوتی ہو کہ خون کے رکنے سے اس کو جلن ہوتی ہو تو اس صورت میں اندر کی طرف روئی وغیرہ رکھنی ضروری نہیں روئی وغیرہ رکھنے کے بعد ان حضرات کو چاہئے کہ وہ پٹی باندھ لیں۔ اور باندھ لینے کا طریقہ مثلاً مستحاضہ کے لئے یہ ہے کہ (لنگوٹ نما کپڑے کی طرح) ایسا کپڑا لے جس کی دونوں طرف پھٹی ہوئی ہوں ان کو نیچے سے گزار کر ایک آگے لے آئے اور ایک پیچھے لے جائے اور ان کو ازار بند کی طرح ایک دوسری پٹی سے باندھ لے ❷ پھر اس کے فوراً بعد وضو یا تیمم کرے یعنی پٹی وغیرہ باندھنے اور وضو کرنے کے افعال کا پے در پے ہونا ضروری ہے، نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد یہ امور انجام دے کیونکہ یہ طہارت ضرورت کے تحت ہے لہٰذا قبل از وقت اس کی انجام دہی درست نہیں ہے جیسے تیمم قبل از وقت درست نہیں ان امور کی انجام دہی کے بعد نماز کی ادائیگی میں بھی جلدی کرے تا کہ حدث کم سے کم خارج ہو، اگر نماز سے متعلق کسی کام کی وجہ سے تاخیر ہو جائے۔ مثلاً ستر عورت، اور اذان واقامت کے لئے یا جماعت کے انتظار میں، یا قبلہ رخ معلوم کرنے کی کوشش میں، مسجد جانے میں یا سترہ (نماز کے دوران جاء نماز کے آگے گاڑی یا رکھی جانے والی لکڑی وغیرہ جس سے قبلے کے آگے آڑ بنانا مقصود ہوتا ہے) حاصل کرنے وغیرہ جیسے امور میں تاخیر ہو تو یہ مضر نہیں کیونکہ ان امور کی انجام دہی کے سبب وہ قصوروار نہیں گردانا جائے گا۔ اور اگر کسی اور کام کے سبب تاخیر کی جو نماز سے متعلق کام نہ ہو جیسے مثلاً کھانا پینا، بات چیت، اور کوئی اور کام جیسے کپڑا بنانا وغیرہ امور جن کا تعلق نماز سے نہیں تو ایسے امور کی انجام دہی کے سبب وقوع پذیر ہونے والی تاخیر مضر ہوگی اور وضو باطل ہو جائے گا اور وضو اور ان تمام احتیاطی تدابیر کا دوبارہ کرنا لازم ہوگا کیونکہ حدث اور نجاست واقع پذیر ہو چکی ہیں جب کہ ان سے اجتناب ممکن تھا۔ وضو اور پٹی کا دوبارہ باندھنا صحیح قول کے مطابق ضروری ہوگا اور وضو ہر فرض کے لئے الگ کرنا ہوگا خواہ وہ نذر مانی ہوئی نماز ہو جیسے تیمم ضروری ہوتا ہے وجہ اس کی حدث کا برقرار رہنا ہے۔ اور اس وضو سے صرف نوافل جتنی چاہے ادا کر سکتا ہے۔ جنازے کی نماز کا حکم نفل کا سا ہے۔ دلیل ان احکامات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے یہ فرمان ہے: ہر نماز کے لئے وضو کرو اور اگر یہ عذر و بیماری اتنی مدت کے لئے ختم ہو سکے کہ اس کے دوران نماز اور وضو کی ادائیگی ممکن ہو مثلاً خون آنا رک جائے وغیرہ تو اس صورت میں وضو کرنا اور شرمگاہ پر موجود خون وغیرہ دور کرنا لازم ہوگا اور وہ شخص جس کی منی ٹپکتی ہو اس پر ہر نماز کے لئے غسل کرنا فرض ہوگا اور اگر نماز میں بیٹھنے سے حدث رک جاتا ہو تو ایسا کرنا واجب ہوگا اور اعادہ بھی ضروری نہیں ہوگا۔ قطرے ٹپکنے کے مریض کے لئے کوئی ایسی بوتل وغیرہ باندھ لینا درست نہیں جس میں پیشاب جمع ہوتا رہے اور معذور شخص نماز کے مباح کرنے کی نیت کرے رفع حدث کی نہیں کیونکہ اس کا حدث دائمی ہے جو وضو سے رفع نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسا وضو صرف اس شخص کے لئے عبادت کو مباح کر دیتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب شافعی وحنبلی معذور کے وضو کے احکام میں تقریباً متفق ہیں تاہم حنابلہ اور ان کی طرح احناف بھی یہ فرماتے ہیں کہ ایک وضو سے ایک وقت میں ایک سے زائد فرض نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ شوافع اس وضو سے صرف ایک فرض نماز کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں ہر فرض نماز کے لئے

---

❶...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۱ اور بعد کے صفحات، الحضرمیہ ص ۲۸۔ ❷ آج کل انڈر ویئر اس کا زیادہ بہتر متبادل ہے۔

ازسرنو وضو کرنا لازم ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ معذور شخص کے لئے تجدید وضو واجب ہے، مالکیہ کے ہاں تجدید وضو صرف مستحب ہے اور وضو کا وقت کے داخل ہونے کے بعد کرنا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضروری ہے احناف کے ہاں بھی ظہر کے علاوہ اوقات کے داخل ہونے کی صورت میں وضو کرنا ضروری ہے ظہر کے وقت کے دخول سے قبل وضو کر لینا احناف کے ہاں درست ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کا وقت ان کے ہاں مہمل ہے (یعنی کسی فرض نماز کا وقت نہیں ہے)۔

۹۔نویں بحث......حدث اصغر لاحق ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو جانے والے امور بالفاظ دیگر بے وضو کے ممنوع امور

حدث اصغر یعنی بے وضو جانے کے سبب تین امور حرام ہو جاتے ہیں۔

(۱) نماز وغیرہ (۲) طواف (۳) قرآن کریم اور اس کے تابع چیزوں کا چھونا۔ ان مسائل کے بارے میں مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔❶

۱۔نماز وغیرہ...... بے وضو شخص پر ہر قسم کی نماز پڑھنا حرام ہوتا ہے خواہ فرض ہو یا نفل، اسی طرح نماز کی طرح کے امور یعنی سجدہ تلاوت سجدہ شکر، خطبہ جمعہ اور نماز جنازہ، کیونکہ فرمان نبوی ہے: اللہ تم میں سے کسی کی نماز بے وضو ہو جانے کے بعد اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ وضو نہ کرے❷ اور دوسری حدیث میں ہے اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو۔❸

۲۔فرض یا نفلی طواف...... کیونکہ یہ بھی نماز کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کا طواف نماز ہی ہے، لیکن اللہ نے اس میں بولنا حلال کیا ہے، تو جو شخص بولے وہ اچھائی کی بات بولے۔❹

تاہم احناف طہارت کو طواف کے لئے واجب قرار دیتے ہیں شرط صحت نہیں قرار دیتے ہیں چنانچہ طواف بے وضو کرنا کراہت تحریمیہ کے ساتھ درست ہے۔ کیونکہ گذشتہ حدیث کی رو سے طواف نماز کے مشابہ ہے اور یہ بھی طے ہے کہ طواف حقیقت نماز نہیں ہے۔ تو اس کے حقیقت طواف ہونے کی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے جواز کا حکم دیا جاتا ہے اور اس کی نماز سے مشابہت کے پیش نظر کراہت کا حکم دیا جاتا ہے۔

۳۔قرآن حکیم کا چھونا...... پورے قرآن کا یا کچھ حصے کا خواہ ایک آیت سہی، اس کو چھونا ہے خواہ اعضاء وضو کے علاوہ کسی حصے سے چھوا جائے دلیل اس کی یہ آیت ہے لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو صرف خوب پاک لوگ چھوتے ہیں سورۃ الواقعہ آیت نمبر ۷۹) مطہرون سے مراد متطہرون (پاک لوگ) ہیں یہ جملہ خبریہ کے انداز میں نہی (ممانعت) ہے اور دوسری دلیل حدیث نبوی ہے نبی کریم صلی اللہ

---

❶...... البدائع ج ۱ ص ۳۳، الدرالمختار ج ۱ ص ۱۶۵.۶۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۴۹ المجموع ۲، ص ۷۱.۷۹ الحضرمیه ص ۱۶ حاشیة الباجوری ج ۱ ص ۱۲۱، المغنی ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۷ کشف القناع ج ۱ ص ۱۵۲.۱۵۷ ۔ ❷بروایت بخاری مسلم ابوداؤد اور ترمذی از حضرت ابوهریره رضی الله عنه ۔❸ بروایت امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجه از حضرت ابوهریره نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۴ ۔❹ بروایت طبرانی، ابونعیم درحلیۃ، حاکم اور بیہقی در سنن از حضرت ابن عباس، یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام احمد، نسائی، ترمذی، حاکم اور دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، ابن سکن، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو موقوف اور مرفوع دونوں صورتوں میں ان الفاظ کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے انما الطواف بالبیت صلاة، فاذا طفتم فاقلوا الکلام۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵ نصب الرأیه ج ۱ ص ۱۹۶۔

علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے [1] اور عقلی طور پر یہ بات ہے کہ قران کی تعظیم واجب ہے اور یہ تعظیم کے برخلاف امر ہے کہ قرآن یعنی اللہ کی کتاب کو ایسے ہاتھوں سے چھوا جائے جس میں حدث (بے وضو ہونے کی کیفیت) سرایت کر چکی ہو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بے وضو شخص کے لئے قران کی زبانی تلاوت یا صرف اس کو دیکھنا جائز ہے، اسی طرح بچے کے لئے بھی فقہاء نے تعلیم کی غرض سے قرآن کا چھونا جائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہوتا ہے تاہم افضل بچے کے لئے بھی یہ ہے کہ اس کو وضو کرا دیا جائے۔

مالکیہ اور شافعیہ نے قران کو چھونا بے وضو ہونے کی کیفیت میں مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے خواہ کسی حائل یا لکڑی کے واسطے سے ہی کیوں نہ ہو۔ احناف اور حنابلہ کسی حائل کے یا لکڑی کے ذریعے اس کو چھونے کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ یہ دونوں پاک ہوں۔ اس مسئلے کے بارے میں فقہاء کی عبارات مندرجہ ذیل ہیں۔

احناف فرماتے ہیں مصحف پورا یا اس کا کچھ حصہ چھونا حرام ہے یعنی اس کی لکھے ہوئے حصے کو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو جو سکوں وغیرہ پر کندہ ہو یا دیوار پر لکھی ہوئی ہو۔ اسی طرح قران کا وہ غلاف جو اس کی جلد کے ساتھ متصل ہو اس کا چھونا بھی حرام ہے، کیونکہ وہ قرآن کے تابع ہے اور اس کا چھونا قرآن کا چھونا شمار ہوگا۔ وہ غلاف اور کور جو قرآن کی جلد سے الگ ہو اس کا چھونا درست ہے جیسے قرآن جزدان گرد پوش وغیرہ۔ اسی طرح لکڑی، قلم اور علیحدہ کپڑے وغیرے سے اس کا چھونا درست ہے۔ آستین سے اس کو چھونا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ آستین کپڑے پہننے والے کی تابع ہوتی ہے اور حائل چیز جزدان کی طرح شمار ہوگی صحیح قول کے مطابق (خریطہ (جزدان) سے مراد وہ ڈبہ وغیرہ ہے جو چمڑے کا بنایا جاتا ہے اور اس پر فتیہ وغیرہ باندھا جاتا ہے) غیر مسلم شخص کے لئے قرآن کا چھونا درست نہیں ہے، قرآن کا سیکھنا اور فقہ وغیرہ کا سیکھنا اس کے لئے جائز ہے، بچے کے لئے قران کریم یا اس کی تختی کا چھونا حفظ وغیرہ کے مقصد کے لئے جائز ہے، آیت کا ورق پر لکھنا ناجائز نہیں، کیونکہ حرام تو لکھی ہوئی چیز کو ہاتھ سے چھونا ہے اور قلم تو محض ایک واسطہ ہے جو جدا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے الگ کپڑے سے قرآن چھونا۔ اور مفتی بہ قول بھی یہ ہے کہ قرآن کریم کو الگ خلاف (جزدان) یا تھیلی وغیرہ میں ہونے کی صورت میں چھونا جائز ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اگر تفسیر زیادہ ہو تو اس کا چھونا مکروہ نہیں اور اگر قرآن کریم برابر اس سے زائد ہو تو اس کا چھونا مکروہ تحریمی ہے باقی کتب شرعیہ کا بلا وضو چھونا جائز ہے، جیسے فقہ، حدیث اور عقائد وغیرہ کی کتابیں، تاہم مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ اسی طرح دیگر آسمانی کتابیں جن میں تحریف واقع ہو چکی ہے ان کا بلا وضو چھونا درست ہے۔ تاہم تورات انجیل اور زبور کا پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ سب اگر چہ کلام الٰہی ہیں مگر ان میں واقع شدہ تبدیلی غیر متعین ہے۔

عورت سے اس گھر، کمرے میں ہمبستر ہونا جس میں قرآن کریم چھپا کر رکھا گیا ہو جائز ہے قرآن کریم کو سر کے نیچے رکھنا ناجائز ہے ماسوا اس کے کہ حفاظت مقصود ہو فقہ وغیرہ جیسے علوم شرعیہ جس کاغذ پر تحریر ہوں اس کاغذ میں کسی چیز کو لپیٹنا (یعنی پڑیا وغیرہ بنانا) مکروہ ہے قرآن کریم اگر اس درجہ ضعیف ہو جائے کہ کہ اس کی تلاوت ممکن نہ ہو تو اس کو بھی ایسے ہی دفن کیا جائے گا جیسے مسلمان کی تدفین ہوتی ہے۔ شرعی کتب کو بوسیدہ ہو جانے پر دفن کرنا، بہتے پانی میں ڈالنا اور آگ میں جلا دینا سب درست ہے تاہم پہلی چیز زیادہ بہتر ہے۔ کتابت شدہ حروف کو خواہ وہ قرآن کے ہوں تھوک سے مٹا دینا درست ہے، قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ اگر ایسی چیز میں باندھا گیا ہو جو اس سے الگ ہو جیسے اسے موم جامہ کر دیا گیا ہو تو اس کو بیت الخلاء لے جانا چھونا وغیرہ جائز ہے خواہ جنبی شخص اس کو چھوئے۔

مالکیہ فرماتے ہیں: حدث اصغر والے شخص یعنی بے وضو آدمی کے لئے قرآن کریم یا اس کا کوئی حصہ چھونا، اس کا لکھنا اس کو اٹھانا خواہ کسی چیز کے ذریعے یا کپڑے کے ذریعے یا تکیے کے ذریعے یا اس کرسی کو اٹھانا جو اس مصحف کے نیچے ہو سب ممنوع ہیں۔ اور چھونا خواہ کسی آڑ کے

---

[1] ..... عمرو بن حزم کے واسطے سے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے دارقطنی طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی ہے طبرانی نے یہ عثمان بن ابی العاص سے روایت کی ہے اور ثوبان سے بھی نقل کی ہے تاہم یہ آخری تو بہت ہی ضعیف ہے اور باقی بھی ضعیف احادیث ہیں، یہ حدیث امام مالک نے عمرو بن حزم سے مرسلاً روایت کی ہے، نیل الاوطار ج ا ص ۲۰۵ نصب الرایۃ ج ا ص ۱۹۶۔

ساتھ ہو یا کپڑے کے ساتھ ہو یا اٹھانا ایسی چیزوں کے ساتھ ہو جن کا اٹھانا مقصود نہ ہو تو بھی ناجائز ہے، ہاں اگر کچھ سامان اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس میں قرآن بھی موجود ہو جیسے صندوق وغیرہ اٹھایا تو اٹھانا جائز ہے یعنی اگر صرف مصحف اٹھانے کا ارادہ ہو یا دیگر سادن کے ساتھ مصحف اٹھانے کا بھی ارادہ ہو تو ناجائز ہے اور اگر صرف سامان اٹھانے کا ارادہ ہو تو اٹھانا جائز ہے۔ قرآن سیکھنے اور سکھانے والے افراد کے لئے چھونا اور اٹھانا بحالت حدث جائز ہے اگر اس کا ازالہ ان کی قدرت میں نہ ہو جیسے حائض اور نفساء عورت، کیونکہ اس مانع کا ازالہ ان کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ اور جنبی شخص کے لئے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ وہ غسل یا تیمّم کے ذریعے اس کو دور کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح صرف مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قران کو ایسے گرد پوش ڈبے وغیرہ میں بند ہونے کی صورت میں جو اس کو چھپالے اور اس کو محفوظ رکھنے والا ہو چھولے، خواہ جنبی ہو یا حائضہ عورت ہو، اور خواہ پورا قران ہو۔ تفسیر کا چھونا اس کو اٹھانا اس کا مطالعہ کرنا محدث شخص کے لئے جائز ہے خواہ وہ بے وضو ہو یا جنابت والا۔ کیونکہ تفسیر سے مقصود قرآن کے معانی ہوتے ہیں اس کی تلاوت نہیں شوافع فرماتے ہیں: قرآن کریم کا اٹھانا اس کا صفحہ چھونا اس کے اطراف کو چھونا اس کی جلد کو چھونا جو اس سے متصل (ملی ہوئی، چپکی ہوئی ہو) اس کے جزدان کو چھونا اس کو باندھنے والی چیز اسکے ڈبے اور قرآن سیکھنے والے کے لئے لکھی جانے والی تختیاں وغیرہ سب چھونا ناجائز ہے خواہ کپڑے کے کسی ٹکڑے کے ذریعے چھوا جائے یا کسی آڑ کے ذریعے۔ اور قرآن کریم کو دیگر سامان کے اندر موجود ہوتے ہوئے اٹھانا جائز ہے خاص اسی کو اٹھانے کے مقصد سے اس کو سامان کے اندر رکھ کر اٹھانا درست نہیں۔ وہ تفسیر جس میں قرآن کم ہو تفسیر کا متن زیادہ ہو اس کو اٹھانا جائز ہے، اور اگر قرآن برابر یا زیادہ ہو تو اس کا اٹھانا جائز نہیں، ہے دوسرے علوم کی وہ کتابیں جو تفسیر نہ ہو اور ان میں آیات قرآنیہ مذکور ہوں ان کا اٹھانا بھی جائز ہے۔ قرآن کے صفحے کو لکڑی وغیرہ سے پلٹنا جائز ہے، وہ بچہ جو باشعور ہو اس کو تعلیم وتدریس کی غرض سے قرآن اٹھانے اور چھونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ تعویذوں کا اٹھانا سکوں کا اٹھانا اور وہ کپڑے جن پر قرآنی آیات نقش کی جاتی ہیں جیسے غلاف کعبہ وغیرہ ان کا اٹھانا جائز ہے کیونکہ ان سے مقصود قرآن نہیں ہوتا۔ بے وضو شخص کے لئے قرآن کریم کا لکھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ آیات قرآنی کو چھوئے نہیں۔ کسی چیز کا قرآن کے اوپر رکھنا حرام ہے جیسے روٹی نمک وغیرہ، کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے، اسی طرح قرآن کو یا سورت کو چھوٹا کر دینا (بہت باریک باریک لکھنا) بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں نقص کا خطرہ رہتا ہے، خواہ اس عمل سے اس کی تعظیم مقصود ہو۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مصحف کو چھونا خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اپنے جسم کے کسی بھی حصے سے، حرام ہے۔ اور کسی حائل یا لکڑی وغیرہ سے چھونا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں پاک ہوں۔ اسی طرح اس کو اس سے جڑی ہوئی کسی چیز سے اٹھانا یا اس کے ڈبے کے ساتھ اٹھانا جائز ہے خواہ قرآن کو ہی اٹھانا مقصود ہو اسی طرح اس کو لکھنا خواہ ذمی ہی لکھے جائز ہے، بشرطیکہ حروف سے ہاتھ نہ لگیں، اسی طرح اس کو کسی چھپا دینے والی پاک اور محفوظ چیز کے ساتھ اٹھانا بھی جائز ہے بچے کے سرپرست کے لئے بچے کو قرآن یا قرآنی تختی کو اس کے بے وضو ہونے کی صورت میں چھونے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ حفظ یا تعلیم کے مقصد ہی سے ہو یعنی ان کے ہاں قرآن کو بلا وضو چھونے کی حرمت بچے پر بھی لاگو ہے۔

تفسیر اور فقہ وغیرہ کی کتابیں بے وضو چھونا جائز نہیں خواہ اس میں قرآنی آیات ہوں، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں ایک آیت بھی موجود تھی ❶ اور راجح قول کے مطابق وہ سکے جن پر قرآنی آیات منقوش ہوں یا وہ کپڑا جس پر قرآنی آیت نقش ہو اس کو بے وضو چھونا جائز ہے، کیونکہ ان کو قران نہیں کہا جاتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان سے احتراز ممکن نہیں تو یہ ایک قول کے مطابق بچوں کی سکھائی کی تختیوں کے مشابہ ہیں بے وضو شخص کو اگر قرآن چھونے کی حاجت ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمّم کرلے، اس طرح اس کے لئے قرآن چھونا جائز ہو جائے گا۔ کافر ذمی شخص ہو یا کوئی اور، کو قرآن چھونے، اس کو پڑھنے اس کو ملکیت میں لینے سے منع کیا جائے گا مسلمان کے لئے بھی یہ ممنوع ہے کہ وہ اس کو کافر کی ملکیت میں دیدے، اور قرآن کا فروخت کرنا خواہ مسلمان کو سہی، حرام ہے قرآن

❶..... متفق علیہ روایت از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

پر ٹیک لگانا، اس سے وزن کرنا اس کا تکیہ بنانا یا اِن کتابوں کے ساتھ ایسا کرنا جن میں قران ہو حرام ہے، اگر ان کتابوں میں قرآن موجود نہ ہو تو ان کے ساتھ یہ افعال مکروہ ہوں گے ماسوا اس کے کہ ان کی چوری کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ان کو اس ضرورت کے پیش نظر تکیہ کے طور پر رکھا جاسکتا ہے قرآن کریم کو دارالحرب۔ لے جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو دشمنوں کی زمین پر مت لے جاؤ، کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بے حرمتی کریں گے۔ ❶

خلاصہ کلام یہ ہے کہ داؤد ظاہری کے علاوہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی شخص کا قران کو چھونا جائز نہیں، بے وضو شخص کے بارے میں دلائل اس بات کا قطعیت کے ساتھ تو نہیں بتاتے ہیں کہ اس کو اس حالت میں بھی چھونا ناجائز ہوتا ہم اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید اس بات کے قائل ہیں کہ بے وضو شخص کے لئے قرآن کو چھو لینا جائز ہے ❷ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ سے مراد لوح محفوظ میں موجود قرآن ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں اور اگر۔ یہ بات ظاہر کے درجے میں نہ ہو تو اس کا احتمال ضرور ہے۔ اسی طرح حدیث لایمس القرآن الاطاھر میں آئے ہوئے لفظ طاہر سے مراد مومن بھی ہوسکتا ہے، اور حدث اصغر و اکبر سے پاک شخص بھی ہوسکتا ہے اور وہ بھی ہوسکتا ہے جس کے بدن پر نجاست نہ ہو۔ بے وضو شخص کے لئے جمہور فقہاء کے نزدیک قران یا بعض آیات قرآنیہ کا لکھنا جائز ہے خواہ تعلیم و تعلم کی غرض سے نہ بھی ہو بشرط یہ ہے کہ وہ اس کو اٹھائے نہیں اور اس کے حروف کو دوران کتابت چھوئے نہیں، بصورت دیگر حرام ہوگا۔ تاہم مالکیہ اس تفصیل کے قائل نہیں، ان کے ہاں کتابت مطلقاً ممنوع ہے۔

معتمد قول کے مطابق مالکیہ قرآن یا اس کی کچھ حصے کی کتابت کو بے وضو کے لئے اس کے چھونے اور اٹھانے کی طرح غلط اور حرام قرار دیے ہیں۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں بچوں کے لئے تعلیم و تعلم کی غرض سے چھونا اور لکھنا جائز ہے کیونکہ اس میں ضرورت اور حاجت کا پہلو پایا جاتا ہے اور مشقت سے بچاؤ بھی ہے۔

مالکیہ نے حیض اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کا پڑھنا اٹھانا چھونا تعلیم و تعلم کے دوران جائز قرار دیا ہے جیسا کہ تعلیم کی حالت کے علاوہ صورت میں مالکیہ ان کے لئے قران کی تلاوت اتنی جائز قرار دیتے ہیں جو قلیل ہو جیسے آیت الکرسی، سورۃ الاخلاص اور معوذتین اور بغرض علاج پڑھی جانے والی دم وغیرہ کی آیات جن سے مقصود شفاء کا حصول ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری مبحث......مسواک

چوتھی فصل یعنی وضو اور اس کے ذیلی امور کے بیان والی فصل کی دوسرے بنیادی مبحث

(۱) تعریف (۲) حکم، (۳) کیفیت، اور طریقہ (۴) اور فوائد

۱۔ پہلی گفتگو: مسواک کی تعریف......سواک لغت میں ملنے اور ملنے کے لئے استعمال ہونے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔ شرعاً وہ لکڑی وغیرہ یعنی اشنان صابن وغیرہ جس کو دانت اور اس کے آس پاس کی جگہ کی صفائی میں استعمال کیا جاتا ہوتا کہ ان کا پیلا پن اور گندگی ختم ہوجائے۔

۲۔ دوسری گفتگو: مسواک کا حکم:......مسواک سنن فطریہ میں سے ہے فطرت کی سنتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ سنت ہے یا یہ کہ یہ

---

❶......مسلم کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ ہیں: قرآن کو لے کر مت سفر کرو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کرے۔ شاید یہ ممانعت ابتداء اسلام میں تھی اور آج کل تو قرآن کثرت طباعت کے سبب پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ ❷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵۔۲۰۷

دین کا حصہ ہے۔ کیونکہ یہ منہ کی صفائی اور استعمال کرنے والے کے لئے رضا الٰہی کا سبب بنتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک منہ کو صاف کرنے والی ہے اور اللہ کو راضی کرانے والی ہے ❶ یہ حدیث مسواک کے مطلق شروع ہونے پر دلالت کرتی ہے اس کو کسی وقت کے ساتھ معین کئے بغیر اور کسی حالت کے ساتھ بھی مخصوص ہونے کا اس حدیث سے علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ کسی بھی وقت مسنون ہے، یہ واجب بہر حال نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر بھاری نہ گزرتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور امام احمد کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ہیں میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا ❷ امام بخاری کی تعلیق شدہ روایت جو انہوں نے صیغہ جزم (حتمی الفاظ) کے ساتھ ذکر کی ہے اور ان کی اس طرح کی تعلیقات حدیث صحیح کا درجہ رکھتی ہیں کہ میں انہیں مسواک کا ہر وضو کے ساتھ حکم دیتا۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ شارع علیہ السلام کی پابندی اور اس کے بارے میں اتنی ترغیب یہی بتاتی ہے۔

فقہاء کے ہاں اس کا حکم اس طرح ہے: احناف کے ہاں کلی کرتے وقت اس کا کرنا سنت ہے اور مالکیہ کے ہاں کلی سے پہلے اسے کرنا فضائل وضو میں سے ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا ❸ تاہم اگر کوئی شخص دوران وضو اس کو بھول جائے تو نماز کے لئے کر لینا مستحب ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ ہر نماز کے لئے سنت مستحب ہے دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی وہی حدیث ہے جسے صحاح ستہ کے حضرات نے روایت کیا ہے کہ اگر میں اس بات کو امت پر بھاری نہ سمجھتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسورک کرنے کا حکم دیتا۔ اور وضو میں ہاتھ دھونے کے بعد کلی کرنے سے قبل یہ مسنون ہے اس طرح منہ یا دانت میں سونے کھانے، یا بھوک یا طویل خاموشی یا طویل بات چیت سے پیدا ہو جانے والے تغیر اور نا گوار بو کے موقع پر بھی مسواک مسنون ہے۔ دلیل اس کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بیدار ہوتے تو منہ مبارک میں مسواک فرماتے اور نیند پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا جاتا ہے اس بناء پر کہ منہ میں پیدا ہونے والا ان سب میں قدر مشترک ہے۔ اور جیسے نماز کے لئے، منہ میں تغیر پیدا ہو جانے اور دانتوں کے پیلا پڑ جانے کے سبب اس کے کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح تلاوت قرآن شرعی گفتگو، شرعی علم، ذکر خداوندی سونے اور جاگنے کے لئے، گھر میں آنے کے بعد اور بوقت نزع سحر کے وقت کھانا کھانے کے لئے وتر کے بعد اور روزے دار کے لئے ظہر سے قبل کرنے کا حکم ہے ❹ شافعیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ مسواک سے پہلے اور بعد میں اور کھانے کے بقیہ ذرات وغیرہ کے لئے خلال کرنا مسنون ہے۔

ان کے دلائل یہ ہیں: وہ حدیث جو صحاح ستہ (ماسوا بخاری وترمذی کے) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو مسواک فرماتے ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مسواک کرتا ہوں اور میں نے اتنی مسواک کی مجھے خدشہ ہوا کہ میں اپنے اگلے دانت نہ گھس ڈالوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

❶...... بروایت صحاح ستہ اسی طرح کی حدیث بروایت حضرت جابر اور زید بن خالد سے بھی منقول ہے۔ ابن مندہ نے فرمایا ہے کہ اس کی صحت پر اتفاق ہے امام مالک شافعی نے اس کو مرفوعا روایت کیا ہے، نیل الاوطار ج ا ص ۱۰۴ ❷ بروایت بخاری تعلیقاً نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے حاکم نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول صحیح حدیث قرار دیا ہے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت علی ابن ابی طالب سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❸ برویت صحاح ستہ از حضرت حذیفہ، ماسوی ترمذی، صحیحین کے الفاظ ہیں (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذقام من النوم یشوس فاہ بالسواک نیل الاوطار ج ا ص ۱۰۵) ❹ فتح القدیر ج ا ص ۱۵ اللباب ج ا ص ۱۴ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۲۴۔۱۲۶ المجموع ج ا ص ۳۲۹۔۳۴۲ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۰۲ مغنی المحتاج ج ا ص ۵۵ المھذب ج ا ص ۱۳ المغنی ج ا ص ۹۵۔۹۷ کشف القناع، ج ا ص ۷۸۔۸۱

سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن یا رات میں سو کر بیدار ہوتے تو آپ وضو سے قبل مسواک ضرور فرماتے (1) دوسری بات یہ ہے کہ نیند کھانا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو منہ کی بو میں تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور مسواک کی مشروعیت کا مقصود منہ کی بو کا خاتمہ کرنا اور اسے صاف کرنا ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں روزے دار کے لئے مسواک کرنا زوال کے بعد مکروہ ہے یعنی ظہر کی نماز سے لے کر غروب شمس تک۔ وجہ اس کی بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث ہے کہ بے شک روزے دار کے منہ کی خلوف (ناگوار بو وغیرہ) (2) اللہ کے ہاں مشک کی بو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور خلوف کا اطیب ہونا اس کے برقرار رکھے جانے کا متقاضی ہے، لہٰذا اس کا ازالہ مکروہ ہوا اور یہ کراہت غروب شمس سے زائل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ شخص اس وقت روزے سے نہیں ہوتا اور خلوف کا زوال کے بعد کے وقت کے ساتھ خاص ہونا اس وجہ سے ہے کہ منہ کا روزے کی وجہ سے ناخوشگوار بو والا ہونا اسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔ مالکیہ اور احناف کے ہاں روزے دار کے لئے مسواک کرنا مطلقاً جائز ہے اور یہ ان احادیث کی بناء پر ہے جو پہلے گزریں اور جو مطلقاً مسواک کے استحباب کا بتلاتی ہیں اور دوسری بات وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے دار کی اچھی خوبیوں میں سے ایک خوبی مسواک ہے (3) حضرت ربیعہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا کہ میں اسے شمار نہیں کرسکتا (4) علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ روزے دار کے لئے دن کے شروع اور آخر دونوں میں مسواک کرنا مستحب ہے اور یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔

۳۔ اس کا طریقہ اور اس کا آلہ..... انسان کو دائیں ہاتھ سے منہ کی داہنی طرف عرضاً (چوڑائی میں) اندر اور باہر دونوں طرف سے سامنے کے دانتوں سے لے کر داڑھ تک مسواک کرنی چاہیے اور زبان پر لمبائی میں ہاتھ چلانا چاہئے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے کام انجام دینے کو پسند فرماتے تھے، جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور پاکی حاصل کرنے اور تمام کاموں میں (5) اور ایک حدیث ہے جب تم مسواک کرو تو عرضاً کرو (6) مسواک دانتوں پر لمبائی میں کرنا بھی درست ہے تاہم مکروہ ہے کیونکہ اس سے مسوڑھے زخمی ہو جاتے ہیں اور ان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے زبان پر لمبائی میں مسواک کرنا مسنون ہے جیسا کہ علامہ ابن دقیق العید نے ابوداؤد میں آئی ہوئی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے۔ (7)

حنابلہ فرماتے ہیں کہ داہنی داڑھ سے شروع کرے، بائیں ہاتھ سے کرے مسواک کا مقصود پتلی سی کھجور وغیرہ کی ٹہنی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جس سے منہ صاف ہو جائے اور نہ وہ مضر ہو۔ نہ زخمی کرے اور نہ اس کے اجزاء ٹوٹ کر بکھریں جیسے پیلو اور برش وغیرہ۔ افضل یہ ہے کہ پیلو کے درخت کی ہو اس کے بعد درجہ ہے کھجور کی مسواک کا پھر خوشبودار درخت کی مسواک کا پھر خشک مسواک کا جس کو تر کیا گیا ہو پھر لکڑی کی مسواک کا۔ دوسرے کی مسواک بلا اجازت استعمال کرنا حرام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی موجود تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا آپ نے مسواک دیتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ بڑے کو دو یعنی بڑے کو پہلے کرنے دو۔ مسواک نہ ہونے کی صورت میں احناف اور مالکیہ کی رائے میں انگلی سے کر لینا درست ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے ملنا مسواک کرنا ہے بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع

---

(1)...... بروایت امام احمد وابوداؤد۔ (2) خلوف: منہ کی مہک کو کہتے ہیں اور خلوف کا اطلاق زوال کے بعد کی منہ کی مہک پر ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ چیزیں عطاء کی گئی ہیں پھر آپ نے فرمایا: دوسری چیز یہ ہے کہ وہ اس حال میں سہ پہر کرتے ہیں کہ ان کے منہ کی مہک اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ اچھی شمار ہوتی ہے، اس حدیث میں آیا ہوا لفظ یمسون (سہ پہر کرنا، شام میں داخل ہونا) مساء سے ماخوذ ہے اور مساء زوال کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں۔ (3) بروایت ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (4) بروایت امام احمد و ترمذی امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے اس کو اصحاب سنن اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۰۷۔ (5) متفق علیہ۔ (6) اس کو امام ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔ (7) ابو بردہ سے بروایت ان کے والد سے روایت ہے کہ اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نستحملہ، فرأیتہ یستاک علی لسانہ ابوداؤد ج ا ص ۱۲، للامام ابن دقیق العید ص ۱۶۔

حدیث نقل کی ہے کہ مسواک انگلیوں سے بھی کافی ہوجاتی ہے ❶ طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کسی آدمی کے منہ میں ناگوار بو پیدا ہوجائے تو کیا وہ مسواک کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا: وہ کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا اپنی انگلی منہ میں ڈال کر ملے۔ ❷

حنابلہ اور شوافع کے صحیح قول کے مطابق انگلی سے دانت مل لینے سے مسواک نہیں شمار ہوگی جیسا کہ حنابلہ کے ہاں کپڑے کے ٹکڑے سے مل لینے سے بھی مسواک شمار نہیں ہوگی۔ شوافع کے ہاں ہر کھردری اور سخت چیز سے مسواک ہوجاتی ہے وجہ ان مسائل کی یہ ہے کہ انگلی کا استعمال مسواک کرنا نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی شریعت میں ایسا وارد ہے اور اس سے وہ صفائی بھی نہیں ہوسکتی ہے جو لکڑی وغیرہ کے ذریعے صفائی سے حاصل ہوتی ہے۔ مسواک استعمال کرلینے کے بعد اس کو دھولینا چاہئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرماتے پھر مجھے اس کو دھونے کے لئے پکڑا دیتے میں پہلے اس سے خود مسواک کرتی پھر دھوکر آپ کو تھمادیتی۔ ❸

انار کی ٹہنی، اس کی ٹہنی، گل ریحان کے پودے کی ٹہنی، خوشبودار پودوں کی ٹہنیوں سے مسواک نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ منہ کے گوشت کے لئے مضر ہیں اور ان سے صفائی بھی حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی شریعت میں یہ وارد ہے۔ حدیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریحان اور انار کے درخت کی ٹہنیوں سے خلال نہ کرو کیونکہ یہ جذام کی رگ کو تحریک دیتی ہیں ❹ جو کے سرکنڈے، حلفاء (ایک نوکیلی قسم کی گھاس جو پانی کے کنارے اگتی ہے) کی ٹہنی اور اس جیسی چیزوں سے مسواک نہ کرے یعنی مضر یا زخمی کردینے والی چیزوں سے اور دوسری وجہ یہ کہ ان سے آکلہ (جسم کا گلنا) اور برص کی بیماری ہوتی ہے کسی ایسی چیز سے مسواک نہ کرے جس کو وہ جانتا نہ ہوتا کہ اس سے ضرر نہ پہنچے۔

مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهم طهر قلبي ومحص ذنوبي

اے اللہ! میرے قلب کو پاک کردے اور میرے گناہوں کو ختم کردے۔ ❺

بعض شوافع فرماتے ہیں اس کے ساتھ سنت کی ادائیگی کی نیت کرے۔ مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ کراہت پر دلالت کرنے والی کوئی مخصوص دلیل نہیں پائی جاتی ہے، مسواک کا ایک بالشت سے بڑا ہونا مکروہ ہے بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک رکھنے کی جگہ کان تھا جیسا کہ لکھنے والے اپنے کان پر قلم رکھتے ہیں۔

۴۔ مسواک کے فوائد..... علماء نے مسواک کے یہ فوائد ذکر کئے ہیں:

۱..... منہ کو صاف کرتی ہے۔
۲..... اللہ کو راضی کرنے کا سبب ہے۔
۳..... دانتوں کو صاف کرتی ہے۔
۴..... سانس کی مہک کو خوشگوار بناتی ہے۔
۵..... کمر کو مضبوط کرتی ہے۔
۶..... مسوڑھوں کو طاقتور بناتی ہے۔
۷..... بڑھاپے کو ٹالتی ہے۔
۸..... انسان کی ہیئت اور خلقت کو درست اور برابر کرتی ہے۔

---

❶..... اس حدیث پر محدثین نے کلام کیا ہے اس حدیث کو ابن عدی اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۶ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۰۔

❷ اس میں ایک راوی ضعیف ہے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۰ امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک برتن پانی منگوایا منہ اور ہاتھ تین دفعہ دھوئے تین مرتبہ کلی کی اور اپنی کچھ انگلیاں منہ میں ڈالیں۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ انگلیوں سے مسواک کرنا درست ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۶۔

❸ بروایت ابوداؤد۔ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۔ ❹ بروایت حافظ محمد بن حسین الازدی مع اپنی اسناد از قبیصة بن ذؤیب۔

❺ بعض لوگوں نے یہ مستحب شمار کیا ہے یہ الفاظ کہے: اللهم بيض به اسناني وشدبه لثاتي، وثبت به لهاتي وبارك يا ارحم الراحمين امام نووی نے فرمایا کہ اس دعا کے کرلینے میں کوئی حرج نہیں باوجود اس کے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں تاہم یہ اچھی دعا ہے مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۶۔

۹......ذہانت کو تیز کرتی ہے۔ ۱۰......اجر کو دوگنا کرتی ہے۔

۱۱......نزع کے وقت آسانی کرتی ہے۔ ۱۲......موت کے وقت۔

کلمہ یاددلاتی ہے❶ اوراس طرح کے دیگر فوائد پہنچاتی ہے جن کی تعداد تیس سے کچھ اوپر بنتی ہے ان کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظم میں ذکر کیا ہے❷ عصر حاضر کی اطباء کی رائے کے مطابق مسواک کا استعمال دانتوں میں سوراخ پیدا ہونے اور بوسیدگی سے بچاتا ہے، دانت پر پیلی تہہ جمنے سے روکتا ہے، اور مسوڑھوں اور منہ کی سوزش سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلکہ حافظے کی کمزوری اور ذہن کی بے وقوفی اور بداخلاقی کے عیب کو دور کرتا ہے۔

مسواک سے ملحق اچھی عادات کی سنتوں جن کو سنت فطرت بھی کہا جاتا ہے، کا بیان: سنت نبویہ میں ایسی احادیث وارد ہیں جو انسان کے جسم کے بعض اجزاء کی صفائی ستھرائی سے متعلق بعض آداب اور سنتوں کا مجموعہ بیان کرتی ہیں یہاں مسواک کے بیان کے ساتھ ان کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان کے بیان کے بعد فقہاء کی طرف کے مطابق ان کی توضیح وتشریح بھی سپرد قلم کی جائے گی۔

ان میں سے دواحادیث اہم ہیں پہلی حدیث میں فطرت کی پانچ خصلتوں کا اور دوسری حدیث میں دس خصلتوں کا بیان ہے۔

فطرت کی پانچ سنتیں......حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں۔

(۱) استرا استعمال کرنا (۲) ختنہ (۳) مونچھیں کاٹنا (۴) بغل کے بال اکھاڑنا (۵) ناخن تراشنا۔❸

۱۔ **استرا استعمال کرنا**...... سے مراد ہے زیر ناف بالوں کا دور کرنا یہ بالاتفاق سنت ہے یہ مونڈنے سے کترنے، نوچ کر اکھیڑنے سے اور چونے وغیرہ کے ذریعے کیا جاسکتا ہے، علامہ نووی نے افضل مونڈنے کو قرار دیا ہے زیر ناف (عانہ) سے مراد ہے مرد اور عورت کی اگلی شرمگاہ کے اردگرد اگے ہوئے بال۔

۲۔ **ختنہ**:......اس سے مراد ہے مرد کے عضو تناسل کے اگلے سرے (حشفہ) پر موجود کھال کا وہ حصہ جو اس کو ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کو بالکل کاٹ دینا یہاں تک کہ پورا حشفہ ظاہر ہو جائے اور عورت کا ختنہ یہ ہے کہ اس کی شرمگاہ کی اوپری طرف موجود کھال کو کاٹ دیا جائے مرد کے ختنہ کو عربی میں اعذار اور عورت کے ختنہ کو خفض کہا جاتا ہے اور خفض عورتوں میں ویسا ہی ہے جیسے ختنہ مردوں میں ختنہ ولادت کے ساتویں دن مستحب ہے اور ظاہر قول یہ ہے کہ ولادت کا دن بھی شمار ہوگا یہ مرد کے حق میں سنت ہے اور عورت کے حق میں ایک اچھی چیز ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں۔ دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ ختنہ مردوں میں سنت اور عورتوں میں اچھی چیز ہے۔❹

شوافع اور حنابلہ کے ہاں مرد اور عورت دونوں کا ختنہ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نومسلم شخص سے فرمایا تھا کہ اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور ختنہ کرو❺ اور دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اسلام لائے وہ ختنہ کرے❻ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ دوسری حدیث میں ہے ابراہیم علیہ السلام نے

---

❶...... مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۷۔❷ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر للدردیر، ج ۱ ص ۱۲۵۔❸ بروایت صحاح ستہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۸۔❹ بروایت امام احمد وبیہقی از حجاج بن ارطاۃ اور یہ مدلس تھے، اور حدیث میں اضطراب ہے اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۳ اس کو خلال نے اپنی اسناد سے شداد بن اوس سے نقل کیا ہے۔❺ اس کو ابوداؤد نے عثیم سے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ قابل اعتراض کلام ہے۔❻ یہ حدیث حافظ ابن حجر نے التخلیص الجبیر میں ذکر کی ہے اور اسے ضعیف قرار نہیں دیا ہے تاہم ابن منذر کے قول کو لے کر انہوں نے اعتراضا یہ کہا ہے کہ ختنے کے بارے میں کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں اور نہ قابل اتباع سنت مروی ہے۔

جو اللہ کے دوست تھے۔اسّی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور کلہاڑی سے کیا❶ اور مزید یہ کہ یہ مسلمانوں کا شعار ہے تو دوسرے تمام شعاروں کی طرح یہ واجب ہے۔اس بات کی دلیل کہ یہ عورتوں کے حق میں محض ایک اچھی چیز کا درجہ رکھتا ہے یہ حدیث ہے ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے اور یہ حدیث اشمی ولا تنهکی (جلدی سے کر گزرنا اور بہت زیادہ نہ کرنا)❷ اور حضرت ام عطیہ کی حدیث میں ہے جب تم خفض (عورت کا ختنہ) کرو تو جلدی سے کر گزرو۔

۳۔مونچھوں کا تراشنا...... یہ بالاتفاق سنت ہے،مونچھیں کاٹنے والے کو اختیار ہے کہ وہ خود یہ کرے یا دوسرے سے کروائے کیونکہ مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔بخلاف بغل اور زیر ناف بالوں کے تراشنے کے۔شوافع اور مالکیہ کے نزدیک مونچھیں تراشنے کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹوں کے کنارے ظاہر ہو جائیں یہی اس حدیث کے معنی ہیں جس کے الفاظ ہیں مونچھیں خوب کترواور داڑھیوں کو چھوڑ دو مجوسیوں کی مخالفت کرو❸ ایک روایت میں ہے جزوا الشوارب احناف کے ہاں مراد بالکل مونڈ دینا ہے کیونکہ گذشتہ حدیث احفوا وانهکوا کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے حنابلہ کے ہاں مونچھیں تراشنے اور بڑھانے میں اختیار ہے اور نص کے مطابق بڑھانا اولیٰ ہے۔

۴۔داڑھی کا چھوڑنا یا بڑھانا......اس کا مطلب ہے داڑھی کو چھوڑ دینا اور بالکل نہ متغیر کرنا۔مالکیہ اور حنابلہ نے داڑھی مونڈنے کو حرام قرار دیا ہے ایک مٹھی سے زائد کو تراش دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی حلق کے نیچے سے تراشنے میں کوئی حرج ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کرنا منقول ہے❹ احناف کے ہاں داڑھی مونڈنا مکروہ تحریمی ہے شافعیہ کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں داڑھی کے بارے میں دس چیزیں مکروہ قرار دی ہیں جن میں سے مونڈنا بھی ہے،تاہم اگر عورت کی داڑھی نکل آئے تو اس کا مونڈنا مستحب ہے۔

بغل کے بال اکھاڑنا بالاتفاق سنت ہے۔

۵۔ناخن تراشنا بالاتفاق سنت ہے......ان تمام چیزوں کے بارے میں دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے وجہ اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ دائیں جانب سے کاموں کو شروع کرنا مسنون ہے۔اس حدیث کی الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتا پہنے کنگھی کرنے اور وضو کرنے اور تمام کاموں میں دائیں جانب سے شروع کرنا پسند تھا۔

فطرت کی دس خصلتیں......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں فطرت میں سے ہیں:

۱......مونچھیں تراشنا	۲......داڑھی بڑھانا	۳......مسواک
۴......پانی سے ناک صاف کرنا	۵......ناخن تراشنا	۶......انگلیوں کے جوڑوں گھائیوں کو دھونا
۷......بغل کے بال اکھاڑنا	۸......زیر ناف بال تراشنا	۹......پانی سے استنجاء کرنا

---

❶...... متفق علیه. نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۱۔❷ جابر بن زید سے ان تک موقوف حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کرنے والی سے کہا اشمی ولا تنهکی یعنی تھوڑا سا کاٹنا بالکل جڑ سے نہ اکھاڑ دینا۔❸ بروایت امام احمد ومسلم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اسی کے ہم معنی امام احمد اور بخاری ومسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ امام احمد،نسائی اور ترمذی نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ جو اپنے مونچھیں نہ تراشے وہ ہم میں سے نہیں امام ترمذی نے اس کو حدیث صحیح قرار دیا ہے۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۔
❹ حضرت ابن عمر عمرہ یا حج کرتے تو اپنی داڑھی کو پکڑتے جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے تراش دیتے۔حوالہ بالا۔

۱۰۔حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ میں دسویں بھول گیا شاید وہ کلی کرنا تھی۔(۱۱)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ دسویں چیز شاید ختنہ کرنا تھی یہ بات زیادہ قابل قبول ہے۔ان تمام خصلتوں اور اچھی باتوں کا بیان گذشتہ حدیث کی تشریح اور وضو کی سنتوں کے بیان میں گزر چکا ہے۔براجم سے مراد ہے انگلیوں کے پورے جوڑ اور وہ تمام حصے جو مڑتے ہوں یہ ایک مستقل سنت ہے واجب نہیں علماء فرماتے ہیں کہ براجم کے قریب ان سے ملحق اور ان کے حکم میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں کان کے اندر اس کے موڑ وغیرہ اور سوراخ کے اندر جمع ہو جانے والا میل ان کو پونچھ کر صاف کر لینا چاہئے۔انتقاص الماء سے مراد استنجاء ہے،ایک روایت میں ہے انتضاح یعنی وضو کے بعد شرمگاہ پر تھوڑا سا پانی چھڑک لینا تاکہ وسوسے نہ آئیں۔(۱۲)

فطرت کی ان خصلتوں کے بارے میں فقہاء کی آراء......ان دو گذشتہ حدیثوں اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کی روشنی میں فقہاء کی کچھ آراء واقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔خوشبو، ناخن، سرمہ:......بدن اور سر میں کبھی تیل لگانا مسنون ہے طاق عدد میں ہر آنکھ میں سونے سے قبل سرمہ لگانا مسنون ہے ناخن اس طرح تراشنا کہ جیسا کہ شوافع کی رائے ہے۔دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور چھنگلی تک لے جائے پھر انگوٹھے کا ناخن کاٹے اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے انگوٹھے تک کاٹتا ہوا آئے ناخن تراشنے کے بعد انگلیوں کے سروں کو دھونا مستحب ہے تاکہ صفائی کی تکمیل ہو سکے۔بالوں اور ناخنوں کو دفن کر دینا چاہئے لیکن ان کو پھینک دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔دانتوں سے ناخن کترنا مکروہ ہے اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے۔ان تمام امور کی بالترتیب دلائل یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے سے قبل اثمد کا سرمہ استعمال فرماتے تھے اور ہر آنکھ میں تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔(۱۴)

ناخن تراشنا بھی سنن فطرت میں سے ہے جیسا کہ گذشتہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔عورت کو گھر میں خوشبو لگانی چاہئے اپنے گھر کے علاوہ خوشبو وغیرہ استعمال کرنے سے اس کو روکا جائے گا کیونکہ ایسا کرنا باعث فتنہ ہے۔احناف فرماتے ہیں ناخن تراشنا مسنون ہیں ماسوا دارالحرب کے کہ وہاں ناخن بڑھانا مستحب ہے۔

۲۔جوتا پہننا اور کپڑے لمبے کرنا......بلا عذر ایک جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے،کیونکہ اس کی ممانعت سند صحیح سے ثابت ہے،اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا توازن نہ بگڑے اور چال میں فرق نہ آئے،جیسا کہ کھڑے ہو کر جوتا پہننا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث میں ممانعت آئی ہے کیونکہ اس سے گرنے کا خطرہ در پیش ہوتا ہے۔

عمامے کا شملہ بہت لمبا کرنا،کپڑا المبار کھنا اور ٹخنوں سے نیچے کپڑا کرنا مکروہ ہے اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے پگڑی کا شملہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا دونوں مکروہ نہیں ہیں (یعنی دونوں درست ہیں) اسی طرح عورت کے لئے اپنا کپڑا ایک ذراع زمین پر چھوڑ

---

(۱۱)......بروایت امام احمد مسلم نسائی،اور ترمذی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابوداؤد نے حضرت عمار سے روایت نقل کی ہے ابن سکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے۔حاکم اور بیہقی نے اس کو حضرت ابن عباس سے موقوفا روایت کیا ہے نیل الاوطار ج اص ۱۱۰۔(۱۲) المغنی ج ۱ ص ۹۴۸۵ کشف القناع ج ۱ ص ۸۲۔۹۱ الحضر میہ ص ۹ الفتاویٰ الھندیہ ج ۵ ص ۳۶۷۔۳۷۰۔(۱۳) بروایت امام احمد،ابوداؤد،نسائی اور ترمذی از حضرت عبداللہ بن مغفل ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج اص ۱۲۳۔امام احمد نے حضرت ابوایوب سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ اربع من سنن المرسلین الحناء والتعطر والسواک والنکاح اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا میں سے یہ چیزیں پسند ہیں۔عورتیں اور خوشبو میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہ حدیث نسائی امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اس میں حدیث مرسل زیادہ قریب الی الصواب ہے نیل الاوطاج اص ۱۲۷۔(۱۴) بروایت امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ۔

دینادرست ہے۔

۳۔ختنہ:......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سنت ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں مرد اور عورت دونوں کے لئے واجب ہے جیسے کہ ابھی یہ بیان گزرا حنابلہ کی رائے میں مرد اور عورت کے لئے بوقت بلوغت یہ کرنا واجب ہے۔اگر ان کو اپنے آپ کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ لوگ بچوں کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ باشعور نہ ہو جاتا ❶ بچپن میں ختنہ کرنا شعور پیدا ہونے سے قبل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس وقت جلدی زخم مندمل ہوتا ہے۔ولادت کے ساتویں دن سے قبل ختنہ مکروہ ہے۔خود اپنا ختنہ کر لینا بھی جائز ہے اگر انسان خود کر سکے اور اچھی طرح کر سکتا ہو کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنا ختنہ فرمایا تھا۔

۴۔بال......کبھی کبھار کنگھی کرنا ایسا ہی مسنون ہے جیسے تیل لگانا اور ضرورت کی صورت میں روزانہ کرنا چاہئے دلیل اس کی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جو نسائی نے نقل کی ہے داڑھی کا بھی سر کے بالوں کا حکم ہے۔مونچھیں تراشنا داڑھی بڑھانا اور بغل کے بال نوچنا مسنون ہے، کیونکہ یہ گذشتہ حدیث کی رو سے خصال فطرت ہیں یہ چیزیں اور ناخن تراشنے اور زیر ناف بالوں کی صفائی کا عمل جمعے کے دن ہونا چاہئے ایک قول یہ ہے کہ جمعرات کے دن اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے ناخن، بال اور خون دفن کر دینا چاہئے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی ثابت ہے۔❷

یہ تمام امور جو اوپر ذکر ہوئے ہر ہفتے انجام دینے چاہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناخن اور مونچھیں ہر جمعہ تراشتے تھے ❸ لہٰذا افضل یہ ہوا کہ انسان ہفتے میں ایک مرتبہ اپنے ناخن تراشے، مونچھیں کترے، زیر ناف بالوں کی صفائی کرے اور نہا کر اپنے بدن کو صاف کرے چالیس دن سے زیادہ عرصے تک ناخن نہ ترشوانا سر کے اور زیر ناف بال صاف نہ کرنا اور بغل کے بال نہ اکھاڑنا مکروہ ہے، ہر جمعہ سر منڈوانا مستحب ہے، سر کا کچھ حصہ مونڈنا تین انگلی کے برابر اور کچھ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اپنی گدی کا منڈوانا مکروہ ہے مگر بوقت پچھنے لگوانے کے، حالت جنابت میں بال ترشوانا اور ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار سر منڈوانے کے بارے میں یہ تھا کہ آپ یا تو بالکل ہی نہیں منڈواتے یا پورا منڈواتے تھے یہ آپ کا طریقہ نہیں تھا کہ کچھ منڈواتے اور کچھ چھوڑ دیتے یہ بھی مسنون ہے کہ انسان سر کو دھوئے اور اس میں کنگھی کرے دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے کیونکہ حدیث میں ہے جس شخص کے بال ہوں اس کو چاہئے کہ وہ ان کو اچھا رکھے ❹ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ہر دور میں علماء کا اتفاق رہا ہے کہ سر منڈوانا مباح ہے یعنی مرد کے لیے حج اور ضرورت کے علاوہ بھی سر منڈوانا مباح ہے۔سفید بال کو نہیں اکھاڑنا چاہئے یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بال اکھاڑنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ یہ اسلام کا نور ہے ❺ اور داڑھی کے بال اکھاڑنا بھی مکروہ ہیں

اور قزع بھی مکروہ ہے یعنی سر کا کچھ حصہ منڈوالینا جیسا کہ پہلے گزرا کہ یہ عمل ممنوع ہے۔گدی کو سر سے علیحدہ مونڈ لینا جب کہ حجامت وغیرہ مقصود نہ ہو مکروہ ہے۔کیونکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ کار ہے سفید بال کو سرخی یا پیلاہٹ سے رنگ لینا چاہئے سنت کی اتباع کی خاطر ❻ کالا خضاب

---

❶......بروایت بخاری۔❷ خلال نے اپنی سند کے ساتھ مثلہ بنت شرح الاشعریہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد کو ناخن تراش کر انہیں دفن کرتے دیکھا؛ وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے ابن جریج سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخن کا دفن کر دینا پسند تھا، حضرت ابن عمر اپنے بال اور ناخن دفن کر دیتے تھے کشاف القناع ج ۱ ص ۸۴ المغنی ج ۱ ص ۸۸، دیلمی نے مسند الفردوس حضرت علی سے ایک ضعیف روایت میں نقل کیا ہے ناخن تراشنا بغل کے بال اکھاڑنا اور زیر ناف بال تراشنا جمعرات کے دن نہانا خوشبو لگانا اور کپڑے بدلنا جمعہ کے دن ہے۔❸ بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے۔کشف القناع ج ۱ ص ۸۴۔❹ بروایت امام ابواؤد۔، اور اس کی اسناد حسن ہیں۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳۔❺ خلال نے یہ حضرت عمرو بن شعیب سے بواسطہ ان کے دادا کے روایت کی ہے اور خلال نے طارق بن صہیب کے واسطے سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ من شاب شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ المغنی ج ۱ ص ۹۱۔❻ بروایت امام احمد وغیرہ۔المغنی ج ۱ ص ۹۱ اور بعد کے صفحات

مکروہ یا حرام ہے ماسوا حالت جنگ کے جب کفار کو ڈرانا مقصود ہو شادی شدہ عورت کے لئے اجازت ہے کہ اگر اس کا شوہر پسند کرے تو وہ ہاتھ پاؤں پر مہندی لگالے۔ عورت کے بلا عذر اپنے سر کو منڈوانا اور بال مکمل کاٹ دینا مکروہ ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنا سر مونڈے ❶ اور اگر کوئی عذر ہو جیسے دانے وغیرہ ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔ کسی پریشانی اور رنج و غم کے موقع پر عورت کے لئے سر منڈوانا مکروہ ہے جیسے ماتم یا رونے پیٹنے یا کپڑے پھاڑ لینے وغیرہ کے موقع پر عورت کے لئے کانوں کی لو سے نیچے تک بال کٹوا لینا جائز ہے۔ کانوں سے نیچے اس لئے کہ مردوں سے مشابہت نہ ہو۔ عورت کے لئے شوہر اور دوسری خواتین کے لئے بننا سنورنا مختلف طریقوں سے درست ہے جب تک کسی کافر یا گری پڑی عورت سے مشابہت مقصود نہ ہو۔

۵۔ زیب وزینت اختیار کرنا...... آئینہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اس موقع پر یہ دعا پڑھے:

اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی وحرم وجھی علی النار ❷

بچے کا کان چھیدوانا مکروہ ہے بچی کا کان چھیدوانا نص کی رو سے جائز ہے کیونکہ بچی کو زیب وزینت اختیار کرنے کی حاجت ہوتی ہے بخلاف لڑکے کے۔ چہرے کے بال نوچنا دانت گھسنا تاکہ وہ باریک ترتیب دار اور خوبصورت معلوم ہوں، اور جسم کو گودنا یہ تینوں حرام ہیں اسی طرح بالوں میں بال ملا کر باندھنا بھی حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو جسم گودنے اور گودوانے والی عورتوں پر چہرے کے بال نوچنے اونوچوانے والی عورتوں پر اور دانتوں میں فاصلہ کرنے اور کروانے والی عورتوں پر ❸ اور کسی چیز پر لعنت بھیجنے کا مطلب اس کا حرام ہونا ہے کیونکہ مباح چیز کا کرنے والا لعنت کا مستحق تو ہوتا نہیں ہے اور اس بناء پر عورت کے لئے اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کا ملانا اس حدیث کی رو سے ناجائز ہے۔ ہاں بالوں کے علاوہ اگر کوئی چیز ہو تو اگر وہ ایسی ہے جس کی ضرورت بال باندھنے میں پڑتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور اس سے احتراز ممکن نہیں۔

اسی طرح صحیح قول کے مطابق حاجت سے زائد مقدار بھی درست ہے اگر اس میں کوئی آرائش وغیرہ کے فائدے کا حصول ہو کہ عورت اپنے شوہر کے لئے مزین ہو سکتی ہو اور وہ بے ضرر بھی ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہر چیز سے ملانے کو ناجائز قرار دیتے ہیں خواہ بالوں سے ملائے یا اون سے یا کپڑے کے ٹکڑوں سے۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنے بالوں میں کچھ ملائے ❹ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں تفصیل ہے، اگر عورت کسی انسان کے بال میں ملائے تو وہ بالاتفاق حرام ہے، مرد کے بال ہوں یا عورت کے خواہ محرم کے ہوں شوہر کے ہوں یا ان کے علاوہ کسی کے کیونکہ اس کی حرمت پر دلالت کرنے والے دلائل عام ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انسانی بدن کے اجزاء واعضا سے فائدہ اٹھانا اس کی عظمت وکرامت کے منافی ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ انسان کے بال ناخن اور تمام اجزاء دفن کئے جائیں گے۔ اور اگر وہ عورت انسانی بال کے علاوہ کوئی اور چیز اپنے بالوں کے ساتھ ملائے تو

---

❶......خلال نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ سے بواسطہ قتادہ روایت کیا ہے۔ ❷ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث جو ابو بکر بن مردویہ نے روایت کی ہے سے معلوم ہوتا ہے پہلے لفظ خلق سے مراد ظاہری شکل وصورت دوسری سے مراد سیرت ہے۔ ❸ صحاح ستہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے صحاح ستہ نے حضرت ابن عمر سے یہ حدیث نقل کی ہے: لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمہ یہ دونوں صحیح حدیث ہیں نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۰۔ واصلہ کہتے ہیں بالوں کو بالوں میں ملانے والی عورت کو تاکہ اس عورت کے بال زیادہ معلوم ہوں اور مستوصلہ وہ عورت جو یہ کروار ہی ہو اس کو موصولہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور گودنا حرام ہے کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر متنمصات وہ عورت جو اپنے چہرے سے بال نچوائے نامعہ جو یہ کام کرے۔ متفلجات دانتوں کے درمیان فاصلہ کروانے والی جو سامنے کے دانتوں اور ان کے اطراف کے دانتوں میں فاصلہ کرواتی ہیں۔ علامہ دمیری فرماتے ہیں: عورت کو آرائش اور زیبائش کے لئے اپنی اس خلقت کو جس پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے کمی کے ذریعے یا اضافے کے ذریعے بدل دینا جائز نہیں۔ نہ شوہر کی خاطر اور نہ کسی اور کے لئے جیسے وہ عورت جس کا بھنویں ملی ہوئی ہوں اور وہ ان کے درمیان کے بالوں کو کشادگی کے لئے دور کرے یا برعکس تحفۃ الاحوذی بشرح الترمذی ج ۱ ص ۶۷۔ ❹ نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۱

اگر وہ نجس بال ہوں یعنی ان حضرات کی تفصیل کے مطابق مردار کے بال اور حرام گوشت والے جانوروں کے وہ بال جوان کی زندگی میں ان سے علیحدہ کئے گئے ہوں تو ایسا کرنا حرام ہوگا حدیث کی بناء پر اور اس بناء پر کہ وہ نماز اور غیر نماز میں نجاست ساتھ لئے پھر رہی ہوگی۔ ان دونوں صورتوں (انسانی بال یا نجس بال اپنے بالوں میں ملانا) میں شادی شدہ عورت اور دیگر عورتیں اور مرد سب کا ایک حکم ہے❶ تاہم شافعیہ کے ہاں شوہر کی اجازت سے چہرے سے بال نچوا لینا درست ہے کیونکہ شوہر کو اس کی زینت وآرائش میں رغبت ہوتی ہے اور اس نے اس عمل کی اجازت بھی دے دی ہے غیر انسانی پاک بالوں کا حکم یہ ہے کہ اگر شادی شدہ عورت نہیں ہے تو بال ملانا حرام ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو صحیح قول کے مطابق شوہر کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ ان حضرات کے ہاں بالوں کا نوچنا مطلقاً حرام ہے ماسوا اس کے کہ عورت کی داڑھی نکل آئے یا مونچھیں بن جائیں تو ان بالوں کا دور کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے جیسا کہ علامہ نووی وغیرہ نے فرمایا ہے اور یہ حرمت جو حدیث میں مذکور ہے اس وقت ہے جب غرض خوبصورتی کا حصول ہو بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہونے کی صورت میں حرام نہیں۔ اور حرام صرف چہرے سے بالوں کا اکھیڑنا ہے ان کا مونڈنا یا صاف کرنا حرام نہیں ہے بلکہ عورت کو اس کی اجازت ہے جیسا کہ نص میں اس کی تصریح ہے۔ عورت کے لئے کنپٹی اور کان کے مقابل چہرے پر موجود بالوں کے درمیان والے بالوں کو چھوڑ دینا جائز ہے تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مرد کے لئے چہرے کو مونڈنا چھپانا مکروہ ہے۔ اس بناء پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانت کا نکلنا یا زائد عضو یا زائد انگلی کا کٹوا دینا ناجائز ہے کیونکہ یہ تغیر خلق اللہ میں شامل ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں: ماسوا اس کے کہ یہ زائد اعضاء تکلیف دہ ہوں اور ان کو ان سے تکلیف پہنچے اور ضرر لاحق ہو تو اس صورت میں ان کا نکلنا درست ہے یہ علامہ طبری نے بھی ان چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن سے ضرر اور اذیت ہوتی ہو جیسے اضافی دانت یا لمبا دانت جو کھانے میں دقت پیدا کرے یا وہ زائد انگلی جو تکلیف اور ضرر کا باعث ہو، خواہ مرد کی ہو یا عورت کی❷ کنگھی کرنے والی کی کمائی مکروہ ہے جیسے حمام والے کی کمائی مکروہ ہے۔ عورتوں پر مرد کے مشابہ ہونا حرام ہے جیسا کہ مردوں پر عورتوں سے مشابہت حرام ہے۔ اور جیسا کہ پہلے گزرا سفید بال کا ایسی جگہ سے اکھاڑ دینا جہاں سے بال کو عام طور پر نہیں اکھاڑا جاتا ہے مکروہ ہے ترمذی کی روایت کردہ ایک حدیث جنہیں انہوں نے حسن بھی قرار دیا ہے کہ الفاظ ہیں سفید بال کو مت اکھاڑو کیونکہ یہ مؤمن کا نور ہے۔

۶۔ برتن ڈھانپنا...... برتن کو ڈھانکنا مسنون ہے خواہ لکڑی سے ہی ڈھانپا جائے۔ حدیث میں ہے اپنا مشکیزہ باندھ کر رکھو، اللہ کا نام لو اپنا برتن ڈھانکو اور اللہ کا نام لو خواہ ایسا ہی کرو کہ چوڑائی میں لکڑی رکھ دو❸ اور بسا اوقات زمین پر رینگنے والے حشرات وغیرہ کو اس پر رینگنے یا گزرنے سے روکنا کا سبب بنتا ہے شام ہوجانے پر اللہ کے نام کے ساتھ پانی کے مشکیزے کا منہ باندھ دینا بھی مسنون ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ نیند...... سوتے وقت اللہ کا نام لے کر دروازے بند کرنا اور روشنیاں گل کر دینا اور انگارے بجھا دینا مسنون ہے، یہ بھی گذشتہ حدیث کی رو سے ثابت ہے سوتے وقت بستر جھاڑنا بھی مسنون ہے، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سونا مسنون ہے دائیں پہلو پر قبلہ رخ لیٹنا چاہئے کہ یہ مسنون ہے اور توبہ استغفار کرنا چاہئے اور یہ الفاظ بھی کہے جو حدیث میں آئے ہیں: **باسمك ربی وضعت جنبی وبك ارفعه ان امسكت نفسی فاغفرلی وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين** سورۃ الم سجدہ اور سورۃ الملک کی قرأت مستحب ہے امام احمد ترمذی اور خلال نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا کرتے تھے یعنی دعا اور سورتوں کی قرأت سورۃ البقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے آخر تک پڑھنا بھی مستحب ہے، آیت الکرسی معوذتین اور سورۃ

---

❶...... مغنی المحتاج، ج ا ص ۱۹۱ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اجنبی لوگوں سے چہرہ چھپا رہے۔ ❷تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی ج ا ص ۶۸۔ ❸متفق علیه۔

اخلاص کا پڑھنا بھی مستحب ہے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سورۃ آل عمران کی آخری آیات ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل الایۃ بھی پڑھ لینی چاہئیں ایسی چھت پر سونا جس کے اوپر کوئی رکاوٹ وغیرہ نہ بنی ہو مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ❶ اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ لڑھک کر گر جائے۔ پیٹ کے بل اور گدی کے بل سونا مکروہ ہے ❷ اگر شرمگاہ کے کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ عصر کے بعد سونا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل بگڑ جائے تو وہ اپنے آپ کو قصوروار گردانے ❸ فجر کے بعد سونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ رزق تقسیم ہونے کا وقت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ آسمان تلے صرف ستر چھپا کر باقی جسم ننگا رکھ کر سونا اسی طرح جاگے ہوئے لوگوں کے درمیان سونا دونوں عمل مکروہ ہیں کیونکہ یہ آداب واخلاق کے منافی امور ہیں۔ اکیلا سونا بھی مکروہ ہے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہائی سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی منع فرمایا ہے کہ انسان رات اکیلا نہ گزارے۔ ❹

اسی طرح اکیلا سفر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے تنہا شخص شیطان ہے ❺ آدھے سائے اور آدھی دھوپ میں سونا اور بیٹھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے منع فرمایا ہے اور روایت میں ہے کہ یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ سمندر میں تلاطم کی صورت میں سفر کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے۔

دوپہر میں قیلولہ کرنا مستحب ہے خواہ اس دوران نیند نہ بھی آئے۔ سردی اور گرمی دونوں میں۔

میت کے سرہانے یٰس کی تلاوت مستحب ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ایسا کرنا چاہئے۔ مریض کے پاس فاتحہ، سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہاتھوں میں پھونک مار کر اس پر پھیر دینا مستحب ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور بخاری میں منقول ہے سورۃ کہف جمعہ کے دن اور رات کو پڑھنا مستحب ہے۔

حظر اور اباحت...... (مباح اور ممنوع چیزوں) کے بیان میں انسان کے احوال اور زندگی کی مختلف سرگرمیوں یعنی کھانا، پینا پہننا برتنوں کا استعمال چھونا، دیکھنا کھیل کود وغیرہ کا مزید بیان آئے گا۔ ❻

۳۔ تیسری بحث......موزوں پر مسح کا بیان

وضو اور اس کے متعلقات سے متعلق تیسری بحث چمڑے کے موزوں پر مسح کا مطلب مشروعیت طریقہ اور اس کی جگہ شرائط مدت اس کے باطل کرنے والے امور پگڑی پر مسح عام موزوں پر مسح اور زخم وغیرہ پر بندھی ہوئی پٹیوں پر مسح کرنے کا بیان۔

ا۔ مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) کے معنی اور اس کی مشروعیت...... مسح علی الخفین وضو میں پاؤں کے دھونے کے بدلے میں مشروع کیا گیا ہے۔ لغت میں اس کا مطلب ہے ہاتھ کا کسی چیز پر پھیرنا اور شرعاً اس کا مطلب ہے تر ہاتھ کو موزوں پر خاص حصے میں خاص وقت میں پھیرنا۔ اور خف (موزہ) شرعاً وہ ہوتا ہے جو چمڑے کا ہو اور ٹخنوں کو ڈھانپ لے یا ان سے بھی اوپر ہو اور مخصوص جگہ کا مطلب ہے موزوں کے اوپر نہ کہ اندر اور مخصوص زمانے سے مراد ہے کہ ایک دن رات مقیم شخص کے لئے اور تین دن تین رات مسافر کے لئے ❼ مالکیہ نے

---

❶ ......بروایت ترمذی از حضرت جابر۔ ❷ بعض حضرات نے آداب میں لکھا ہے کہ گدی کے بل سونا خراب عمل ہے اس طرح زیادہ سونے سے آنکھ اور منہ کو ضرر پہنچتا ہے ہاں اگر کوئی صرف آرام کرنے کے لیے لیٹے سوئے بغیر تو یہ جائز ہے اور سب سے خراب طریقہ منہ کے بل سونا ہے۔ ❸ ابو یعلی موصلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو روایت کیا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے ❹ بروایت امام احمد از حضرت ابن عمر یہ مرفوع ہے اور حدیث حسن ہے۔ ❺ بروایت حاکم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ہے الواحد شیطان والاثنان شیطانان والثلثۃ رکب اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ❻ بروایت امام احمد۔ ❼ الدر المختار ج ا ص ۲۴۰ اور بعد کے صفحات۔

مسح کی کوئی مدت متعین نہیں کی ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا اسی طرح شیعہ امامیہ نے اس کو بقدر ضرورت جائز قرار دینے کے باوجود مسح کی مدت ایک یا تین دن متعین نہیں کی ہے۔

مسح بطور رخصت مشروع ہے یہ چاروں مذاہب میں سفر اور حضر میں مرد اور عورتوں کے لئے جائز ہے ❶ مقصود اس سے لوگوں کو سہولت اور آسانی دینا ہے بالخصوص سردی اور ٹھنڈ کے زمانے میں سفر میں اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہوں جیسے فوجی پولیس والے اور وہ طلبہ جو یونیورسٹیوں میں مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ۔

اس کی مشروعیت سنت نبویہ میں وارد بہت سی احادیث سے ثابت ہے جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر دین کے معاملات صرف رائے پر چلتے تو موزوں کی نچلی طرف مسح کرنا اولیٰ ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کی اوپری طرف مسح کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اور تین رات کی مدت مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم شخص کے لئے معین فرمائے۔ ❷

۲.....حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ❸ آپ نے وضو فرمایا میں نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے فرمایا ان کو رہنے دو میں نے انہیں باوضو حالت میں پہنا تھا، پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا۔ ❹

۳.....حضرت صفوان بن عسال کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں جب کہ ہم نے انہیں باوضو حالت میں پہنا ہو۔ حالت سفر میں تین دن اور جس وقت مقیم ہوں تو ایک دن رات کریں اور پاخانہ پیشاب کرنے کی صورت میں نہ اتاریں صرف جنابت کی صورت میں ان کو اتاریں۔ ❺

۴.....حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث: انہوں نے وضو فرمایا موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کی قضائے حاجت فرمائی، پھر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا ❻ اور یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت جریر سورۃ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد اسلام لائے تھے جس میں آیت وضو ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو صحابہ کی اتنی تعداد نے نقل کیا ہے جو نا قابل شمار ہیں، حفاظ حدیث کے ایک گروہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کی حدیث متواتر ہے بعض نے اس کے راویوں کی تعداد ذکر کی ہے جو اسّی (۸۰) سے متجاوز ہے ان میں سے دس تو عشرہ مبشرہ ہیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ سے چالیس مرفوع حدیثیں منقول ہیں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے ستر صحابہ نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے ❼ اور مسح کا قول حضرت علی سعد بن ابی وقاص حضرت بلال، حضرت حذیفہ، حضرت بریدۃ، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت سلمان اور حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سب کا ہے۔

شیعہ امامیہ، زیدیہ، اباضیہ اور خوارج مسح علی الخفین کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں ❽ اور حقیقت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امامیہ مسح

---

❶..... بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۷ القوانين الفقهيه ص ۳۷ مراقی الفلاح ص ۲۱۔ ❷ پہلی حدیث ابوداؤد اور دار قطنی نے حسن اسناد کے ساتھ نقل کی ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسری حدیث امام مسلم ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے سبل السلام ج ۱ ص ۵۸، ۶۰ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۴۔ ❸ یعنی سفر میں ساتھ تھے جیسا کہ بخاری میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کے سفر کا واقعہ ہے۔ ❹ متفق عليه سبل السلام ج ۱ ص ۵۷ نيل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۰۔ ❺ بروایت امام احمد ابن خزیمہ نسائی اور ترمذی، امام ترمذی اور خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام شافعی ابن ماجہ ابن حبان دار قطنی اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ نيل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۱ سبل السلام ج ۱ ص ۵۹۔ ❻ متفق علیہ، اور امام ابوداؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۶۔ ❼ بروايت ابن ابی شیبہ۔ ❽ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۶۔۱۷۸ کتاب الخلاف فی الفقه للطوسی عند الامامیه ج ۱ ص ۶۰۔۶۱ شامل الاصل والفرع عندالاباضيه از شيخ محمد بن يوسف لطفيش ج ۱ ص ۲۱۱ سبل السلام ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات۔

علی الخفین کو اختیاری طور پر کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے، بوقت ضرورت خوف اور تقیہ کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں، خوارج کے ہاں تو ضرورت کی تحت بھی جائز نہیں ہے۔

ان لوگوں نے اپنی رائے میں جن دلیلوں سے استدلال کیا ہے وہ اعتراضات سے پاک نہیں بلکہ وہ بالکل بودی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... یہ وضو کی آیت کے ذریعے منسوخ ہے یعنی سورہ مائدہ کی آیت وضو جس میں موزوں پر مسح کا کوئی ذکر نہیں ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وارجلکم الی الکعبین (اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک المائدہ آیت ۶) تو اس آیت نے دونوں پاؤں پر پانی استعمال کرنے کی تعیین کر دی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کتاب اللہ موزوں کے مسح کے حکم پر فوقیت رکھتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المبارک کی آیت کے نزول کے بعد مسح نہیں فرمایا۔ تاہم روایت یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ وضو بالاتفاق سورۃ مائدہ سے پہلے بھی ہوتا تھا۔ اور اگر موزوں پر مسح سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل بھی ہوتا تھا تو سورہ مائدہ کا دونوں پاؤں کے دھونے یا شیعہ امامیہ کے مطابق دونوں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم بلا ذکر مسح علی الخفین اس کے حکم کے نسخ کو ثابت نہیں کرتا ہے اور اگر مسح آیت مائدہ کے نزول سے قبل ثابت نہ ہو تب تو بالکل بھی نسخ ہونا ممکن نہیں۔ پھر حدیث کے راوی حضرت جریر کا اسلام لانے کا واقعہ سورۃ المائدہ کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے خود دیکھا ہے اور نسخ کی شرط یہ ہے کہ نسخ بعد میں ہو خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو کی آیت غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح فرمایا تھا[1] تو بعد میں آنے والا پہلے کی چیز کو کیسے منسوخ کر دے گا۔ ابن ابی شیبہ کے نقل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ منقطع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت بھی منقطع ہے دوسری بات یہ کہ ان سے منقول یہ روایتیں ان سے نقل شدہ دیگر ان روایتوں کے بھی خلاف ہیں جو ان سے مسح کے جواز کو نقل کرتی ہیں اسی طرح ان کی ان روایتوں کے معارض حدیث زیادہ صحیح ہے ان کی روایتوں کے مقابلے میں یعنی حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

۲..... دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں وارد احادیث اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مطلقاً عام آیت ہے جس میں موزوں کے ہونے یا نہ ہونے سے قطع نظر حکم بیان کیا گیا ہے تو اس آیت کے ذریعے موزوں پر مسح کی آیت مخصوص یا مقید کرنے والی قرار دی جائے گی لہٰذا نسخ نہیں ہوا اور یہ احادیث متواتر ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا تو ان کا مخصص (مخصوص کرنے والی) ہونا بالکل درست ہے یہ اس کی اہلیت رکھتی ہیں۔ یعنی آیت کے یہ الفاظ وارجلکم عام ہیں ان کو ان احادیث نے مقید (مخصوص) کر دیا اس حالت کے ساتھ جب کہ پاؤں پر موزے نہ ہوں اسی طرح اس کا عام ہونا بھی ممکن ہے کہ یہ عام تھی اس کو احادیث نے خاص کر دیا۔

۳..... تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ وضو کی احادیث میں مسح علی الخفین کا ذکر نہیں ملتا ہے ان میں صرف پاؤں کے دھونے کا ذکر ملتا ہے مسح کا نہیں ان احادیث میں پاؤں کے دھونے کے ذکر پر جب وضو کا عمل مکمل ہو جاتا ہے یہ الفاظ فرمائے گئے، اللہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ کہنا جنہوں نے ایڑیاں دھوئی تھیں ہلاکت ہو ایڑیوں پر آگ کی۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ وضو کی احادیث زیادہ سے زیادہ دھونے کا بتلاتی ہیں نہ کہ حصر کا اور نہ قصر کا (یعنی ان سے نہ تو یہ سمجھ آتا ہے کہ یہی عمل کیا جا سکتا ہے دوسرا نہیں اور نہ ہی کسی ایسی کمی کا بیان ہے) جو اس دوسرے عمل کی مشروعیت کو کالعدم قرار دے اگر اس میں ایسے الفاظ ہوتے جو صرف دھونے پر دلالت کرتے تو بھی یہ آیت متواتر احادیث کے باعث مخصص (مخصوص شدہ) شمار کی جاتی۔ رہی بات ان الفاظ کی

---

[1]..... غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق چھٹی ہجری میں شعبان کے مہینے میں ہوا تھا اور جھڑپ ایک پانی والے مقام پر ہوئی تھی جسے مریسیع کہا جاتا ہے جو کہ قدید سے ساحلی طرف جاتے ہوئے واقع ہے غزوہ تبوک یا غزوۃ العسرۃ رجب کے مہینے میں نویں سال ہجری میں پیش آیا تھا۔

کہ اللہ اس کے بغیر قبول نہیں فرماتا ہے تو یہ الفاظ قابل اعتبار طریقے سے ثابت بھی نہیں ہیں۔ اور ایڑیوں کے خشک رہ جانے پر ان کے بارے میں وارد حدیث تو یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو صرف پاؤں پر مسح کرلے (جلدی جلدی چھوڑ چھاڑ کر دھوئے) اس کو دھوئے نہیں۔ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں نہیں وارد ہے اور یہ مسح علی الخفین کو شامل ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ مسح علی الخفین کی صورت میں انسان پورا پاؤں چھوڑ دیتا ہے نہ کہ صرف ایڑیاں۔ علاوہ ازیں مسح علی الخفین کی احادیث مسح کرنے والے کی اس وعید سے تخصیص بھی کر دیتی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت وضو میں ارجلکم کے لام کے زیر والی قرأت جس میں ارجلکم کا عطف رؤوس پر ہے اور ان دونوں پر مسح ثابت کرتی ہے تو وہ قرأت مسح علی الخفین پر ہی محمول ہوگی جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور مسح کا ثبوت اس طرح کتاب اور سنت دونوں سے ہوگا۔ یہ سب سے بہترین توجیہ ہے جو زیر والی قرأت کے بارے میں بیان کی جاتی ہے۔

۲۔مسح علی الخفین کا طریقہ اور اس کا مقام ومحل......اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیوں پر ہاتھ کی انگلیاں رکھ کر لکیروں کی شکل بناتے ہوئے ہاتھ پنڈلی تک لے جایا جائے۔ احناف کے ہاں مسح میں واجب یہ ہے ❶ کہ ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر مسح ہو اور وہ پاؤں کی پشت پر ہو ایک مرتبہ ہو اور یہ باعتبار آلہ مسح کے ہے (یعنی چونکہ مسح ہاتھ سے کیا جاتا ہے لہٰذا ہاتھ کا اعتبار کرتے ہوئے کم از کم تین انگلیوں کے برابر مسح ہونا واجب ہوا) چنانچہ پاؤں کے تلوے پر مسح کرنا جائز نہیں، نہ اس کی پچھلی طرف نہ اس کے اطراف میں اور نہ پنڈلی پر اس کا دھرانا یا تلوے پر مسح کرنا مسنون نہیں ہے، کیونکہ مسح کرنے میں شریعت کے بیان کردہ تمام طریقوں کی رعایت اور لحاظ ضروری ہے۔

مالکیہ کے ہاں واجب یہ ہے ❷ کہ موزوں کے اوپری پورے حصے پر مسح کیا جائے نچلی طرف کرلینا بھی مستحب ہے شوافع کے ہاں واجب یہ ہے ❸ کہ اتنی مقدار میں مسح کرلیا جائے جس کو عرف میں مسح کہا جائے۔

جیسے سر کا مسح ہوتا ہے، اور یہ مسح فرضیت کے محل میں ہونا چاہئے یعنی موزوں کا اوپری حصہ اس کا نچلا حصہ کنارہ اور پچھلا حصہ نہیں وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ مسح کا حکم مطلقاً آیا ہے لہٰذا اس کے بارے میں کوئی مقدار معین کرنا درست نہیں ہے اتنا کرلینا ضروری ہے جس کو مسح کہا جا سکے جیسے ہاتھ یا لکڑی وغیرہ کا پھیر دینا وغیرہ یعنی وہ کم سے کم فعل جس کو مسح کہا جا سکے وہ کرنا لازم ہے۔ موزوں کے اوپری نچلے اور پچھلے حصے کا مسح مسنون ہے جیسا کہ مالکیہ کا قول بھی یہی ہے اور مسح بھی لکیریں بناتے ہوئے کرنا مسنون ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❹ مسح میں یہ ضروری ہے کہ موزوں کے اوپری حصے کا اگلا حصہ زیادہ تر مسح ہو جائے اور مسح بھی لکیروں کی شکل میں ہو موزوں کا نچلا اور پچھلا حصہ مسح کرنا مسنون نہیں جیسا کہ احناف کی بھی یہی رائے ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مسح کا لفظ مطلقاً وارد ہوا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اپنے فعل سے فرمائی ہے لہٰذا اس وضاحت کے مطابق ہی انجام دیا جانا واجب ہے اور مسح کی تفسیر و وضاحت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو خلال نے اپنی اسناد سے نقل کیا ہے جس میں مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں موزوں پر اور بایاں ہاتھ بائیں موزوں پر رکھا پھر ان دونوں کے اوپری حصوں کو ایک ہی دفعہ میں مسح کیا گویا کہ میں ابھی بھی آپ کی مبارک انگلیوں کے نشانات موزوں پر دیکھ رہا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک پورے اوپری حصے کا مسح واجب ہے جیسے کہ وضو کے تمام اعضاء کے بارے میں حکم ہے اور احناف کے ہاں ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر مسح واجب ہے جیسے وضو میں سر کا مسح ہوتا ہے اور حنابلہ کے ہاں اوپری حصے کے اکثر حصے کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپری حصے پر مسح کرتے دیکھا ❺

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۲۲۲۔ البدائع ج ۱ ص ۱۲ اللباب ج ۱ ص ۴۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۳، الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۶۰۔ ❷ القوانین الفقهیه ص ۳۹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۹۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۷، المهذب ج ۱ ص ۲۲۔ ❹ المغنی ج ۱ ص ۲۹۸ کشف القناع ج ۱ ص۔ ۱۳۰، ۱۳۳۔ ❺ بروایت امام احمد وابو داؤد

شوافع کے ہاں وہ کم از کم مقدار جس کو عرف میں مسح کہا جاسکے۔ کیونکہ شریعت میں وارد حکم جو مطلقاً وارد ہوا ہو وہ اس کی متوقع صورتوں اور حالتوں میں سے جس کو بھی انجام دیا جائے اس کے پائے جانے پر متحقق ہو جاتا ہے۔ اور راجح بات یہ ہے کہ موزوں پر مسح کا ہونا متحقق ہونا ضروری ہے جیسا کہ سر کے مسح کے بارے میں بھی راجح قول صرف مطلقاً مسح کے پائے جانے کا ہے۔

موزوں کے نچلے حصے پر مسح کرنے کے بارے میں واقع اختلاف کا سبب دو روایتوں میں واقع تعارض ہے۔ ❶

۱.....پہلی روایت تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپری اور نچلے حصوں پر مسح فرمایا ❷ اس بات کو مالکیہ اور شوافع نے اختیار کیا ہے۔

۲.....دوسری روایت حضرت علی سے منقول وہ بات ہے جو گزر چکی کہ اگر دین محض رائے سے ہی حاصل کیا جاسکتا تو موزوں کا نچلا حصہ اس کے اوپری حصے کے مقابلے میں زیادہ مسح کئے جانے کے قابل ہوتا لیکن میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپری حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے اسی بات کو احناف اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے۔ پہلے فریق نے دونوں حدیثوں کو جمع کر دیا اور حضرت مغیرہ والی حدیث کو استحباب اور حضرت علی والی حدیث کو وجوب پر محمول کیا دوسرے فریق نے ترجیح والی روش اپنائی اور حضرت علی والی حدیث کو حضرت مغیرہ والی حدیث پر ترجیح دی کیونکہ وہ سند اً زیادہ راجح ہے دوسری بات یہ کہ موزوں پر مسح قیاس کے بالکل برخلاف مشروع ہے لہٰذا وہ صرف اسی حد تک محدود رہے گی جو شریعت نے بیان کی ہے میرے خیال میں دوسری بات زیادہ راجح ہے اگر ابن رشد نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلے میں شیر تو صرف امام مالک ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسح کی جگہ موزوں کی اوپری سطح ہے اندرونی اور نچلی سطح پر حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں مسح نہیں کیا جائے گا۔ مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اس کا محل فرض اوپری حصہ ہے اس کے ساتھ نچلے حصے کا مسح مسنون ہے۔

مسح کی سنت......اوپر جو کچھ گذرا اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسح کی سنت کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کی انگلیوں سے اس طرح مسح کرے کہ پاؤں کی انگلیوں سے شروع کرے اور لکیریں بناتا ہوا پنڈلی تک لے جائے۔ دلیل اس کی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا اپنا دایاں ہاتھ دائیں موزے پر اور بایاں بائیں موزے پر رکھا اور اوپر تک (پنڈلی تک) ایک دفعہ میں مسح کرتے ہوئے لے گئے ❸ اور اگر پنڈلی سے انگلیوں تک مسح کرتا ہوا لے جائے (یعنی برعکس عمل کرے) تو بھی مسح ہو جائے گا دائیں پاؤں پر دائیں ہاتھ سے اور بائیں پاؤں بائیں ہاتھ سے مسح کرنا مسنون ہے گذشتہ حدیث کی رو سے۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ مسح کا مستحب اور مندوب طریقہ یہ ہے کہ بائیں پاؤں کی انگلیوں پر دائیں ہاتھ کا اندر کا حصہ (ہتھیلی وغیرہ) رکھے اور بائیں ہاتھ کو پاؤں کے تلوے پر انگلیوں کے نیچے، مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں ایڑی کے نیچے رکھے اور دونوں ہاتھوں سے مسح کرتے ہوئے دوسری طرف لے جائے یعنی ان کے ہاں مسح اوپر اور نیچے دونوں طرف مسنون ہے پورے موزے پر مسح کر لینا مسنون نہیں مسح دھرانا یا موزہ دھولینا مکروہ ہے کیونکہ اس سے موزہ خراب ہوتا ہے تاہم اگر اس نے ایسا کر لیا تو بھی جائز ہے۔

۳۔مسح علی الخفین کی شرائط......مسح کی کچھ شرائط متفقہ اور کچھ اختلافی ہیں ❹ یہ پیش نظر رہے کہ یہ شرائط مسح وضو کی صورت میں ہیں

---

❶..... بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۸۔ ❷ پانچویں حضرات نے ماسوا نسائی کے اس کو روایت کیا ہے دارقطنی، بیہقی اور ابن الجارود نے بھی اس کی روایت ہے لیکن وہ ضعیف اور معلول ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ ❸ بروایت بیھقی وابن ابی شیبہ۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۸۰۔ ❹ الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۱۔۲۴۵ البدائع ج ۱ ص ۹۔ مراقی الفلاح ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۶ القوانین الفقھیہ ص ۳۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۵ المھذب ج ۱ ص ۲۱ المغنی ج ۱ ص ۲۸۲، ۲۹۳، ۲۹۶ کشف القناع، ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۳۳ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۹۔۲۱۔

جنابت کی صورت میں مسح جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے مسح جائز نہیں۔ دلیل اس کی حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث ہے، جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں اگر ہم نے انہیں بحالت وضو پہنا ہو مسافر ہونے کی صورت میں تین دن اور رات اور مقیم ہونے کی صورت میں ایک دن رات اور پاخانہ، پیشاب اور نیند کی صورت میں انہیں نہ اتاریں صرف جنابت کی صورت میں انہیں اتاریں۔

متفقہ شرائط......فقہاء کا تین شرائط پر اتفاق ہے کہ مسح علی الخفین وضو کے لئے کیے جانے کی صورت میں یہ شرط ہیں:

ا......ان کو مکمل طہارت کی حالت میں پہنا جائے جیسا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے فرمایا: ان کو ایسے ہی چھوڑ دو میں نے انہیں پاکی کی حالت میں پہنا تھا پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا❶ جمہور نے یہ شرط قرار دی ہے کہ یہ طہارت پانی کے ذریعے حاصل شدہ ہو۔ شوافع نے یہ جائز رکھا ہے کہ طہارت پانی کے ذریعے حاصل شدہ ہو یعنی وضو یا غسل وغیرہ یا وہ طہارت تیمم کے ذریعے حاصل شدہ ہو وہ تیمم جو کہ پانی کے فقدان کے باعث نہ کیا گیا ہو (یعنی ایسا تیمم نہ ہو جو صحت مند شخص نے پانی کے نہ ہونے کے باعث کیا ہو بلکہ ایسا ہو جو کسی بیمار وغیرہ نے کیا ہو) مالکیہ اس شرط کے ساتھ مزید پانچ شرائط مسح کرنے والے پر بھی عائد کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

ا۔ موزہ اس نے طہارت کی حالت میں پہنا ہو اگر بے وضو حالت میں پہنا تو اس پر مسح درست نہیں ہوگا۔ شیعہ امامیہ موزے کو طہارت یا عدم طہارت دونوں حالتوں میں پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۲۔ طہارت پانی سے حاصل شدہ ہو مٹی سے حاصل شدہ نہیں۔ یہ شرط شوافع کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں ہے اگر تیمم کرنے کے بعد مسح کرے تو جمہور علماء کے ہاں مسح نہیں ہوگا کیونکہ اس شخص نے کامل طہارت کے بعد اس کو نہیں پہنا ہے۔ اور مزید یہ کہ یہ مسح علی الخفین طہارت ضرور یہ ہے جو اصل (پاؤں دھونے) کو باطل کر دیتی ہے او یہ بھی بات ہے کہ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے، لہٰذا تیمم کی حالت میں کرنے سے درحقیقت اس نے حدث کی حالت میں ہی موزہ پہنا ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ اگر تیمم اس بناء پر اس نے کیا تھا کہ پانی اس کو نہیں مل سکا تھا تو پانی مل جانے کے بعد اس شخص کے لئے مسح کرنا جائز نہیں ہوگا پانی مل جانے کے بعد اس پر موزہ اتارنا اور پورا وضو کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر تیمم بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو تو اس کے لئے مسح کرنا جائز ہے۔

۳۔ وہ طہارت مکمل ہو وہ اس طرح کہ اس شخص نے وضو یا غسل مکمل کرنے کے بعد ان کو پہنا ہو اور اس دوران اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو اگر پاؤں دھونے سے پہلے اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کے لئے مسح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ پاؤں اپنے اصل مقام پر ہی حدث سے متصف ہو گیا ہے اور وہ شخص بے وضو بھی ہو گیا ہے تو گویا ایسا ہو گا کہ اس نے پہننا شروع کیا ہی جب سے جب وہ بے وضو تھا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ طہارت پہنتے وقت مکمل ہو یعنی پوری طہارت کا مکمل ہونا ضروری ہے احناف کے ہاں طہارت موزہ پہنے کے بعد واقع ہونے والے حدث کے وقت مکمل ہونی چاہئے یعنی احناف کے ہاں مطلوب طہارت کا مکمل کرنا ہے، اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ جب کوئی بے وضو شخص اولا اپنے پاؤں دھوئے اور اپنے موزے پہن لے پھر اپنا بقیہ وضو بھی بے وضو ہونے سے قبل مکمل کرلے تو احناف کے ہاں موزوں پر مسح کرنا درست ہوگا، کیونکہ شرط پائی گئی کہ موزے طہارت کی حالت میں پہنے گئے تھے اور موزے پہنے جانے کے بعد واقع ہونے والے حدث کے وقت وہ شخص طاہر تھا شوافع اور حنابلہ کے ہاں درست نہیں ہوگا کیونکہ موزے پہنتے وقت طہارت کامل نہیں تھی، کیونکہ ترتیب ان کے ہاں شرط ہے تو دوسرے اعضاء سے پہلے پاؤں دھولینا نہ دھونے کے برابر ہے۔

---

❶...... متفق عليه.

۴۔مسح کرنے والا موزہ پہننے سے کوئی عیش وآرام طلبی مقصود ہو جیسے کوئی اپنے پاؤں کی مہندی کو بچانے کی خاطر یا محض سنوارنے کی خاطر یا محض اپنے حاکم ہونے کے سبب یا محض مسح کی غرض سے یا مچھر وغیرہ کے خوف سے موزہ پہنا ہو تو اس کے لئے مسح درست نہیں ہاں اگر سردی گرمی یا جگہ سخت ہونے کے بنا پر یا بچھو سانپ وغیرہ سے بچنے کی خاطر پہنے تو اس پر مسح درست ہے۔

۵۔پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ شخص اپنے اس فعل میں گنہگار اور خطا کار نہ ہو جیسے مثلاً حج یا عمرے کا احرام باندھا ہوا شخص جو موزہ پہننے پر شدید مجبور بھی نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے مسح جائز نہیں، ہاں وہ شخص جو پہننے پر مجبور ہو اسی طرح عورت تو ان کے لئے حالت احرام میں موزہ پہن کر اس پر مسح کر لینا درست ہے۔ مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں معتبر بات یہ ہے کہ مسح اس شخص کے لئے بھی جائز ہے جو اپنے سفر میں مرتکب گناہ ہو جیسے ماں باپ کا نافرمان اور ڈاکو وغیرہ مالکیہ کے ہاں اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ رخصت جو حضر میں جائز ہو جیسے موزوں پر مسح تیمم اور مردار کا کھانا تو ایسی رخصت سفر میں بھی انجام دی جائے گی۔ اور وہ رخصت جو سفر کے ساتھ خاص ہو جیسے نماز میں قصر اور رمضان کے روزہ کا ترک کرنا تو وہ سفر میں اس شخص کے لئے جائز ہیں جو اس سفر میں مرتکب گناہ نہ ہو اور اگر کوئی اس سفر کو سبب گناہ بنا رہا ہو تو اس کے لئے وہ رخصت نہیں ہوگی۔ ❶

۲۔ دوسری متفقہ شرط......موزے پاک ہوں اور پاؤں دھونے کی جو فرض مقدار ہے اس کو ڈھانپے ہوئے ہوں یعنی پاؤں بمع ٹخنوں کے اور اطراف کے نہ کہ اوپری جانب۔ لہٰذا ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو ٹخنوں کو بھی پاؤں کے ساتھ نہ ڈھانپے اسی طرح ناپاک موزوں پر بھی مسح درست نہیں ہے جیسے دباغت سے قبل مردار کی کھال احناف اور شوافع کے قواعد کی رو سے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں دباغت کے بعد بھی کیونکہ ان کے ہاں دباغت پاک کرنے والی چیز نہیں ہے، اور نجس موزہ پہننا ممنوع ہے۔

۳۔ تیسری شرط......اس موزے کو پہن کر عادتاً جتنا چلا جاتا ہے اتنا چلنا ممکن ہو تاہم اس کی مقدار وحدود کی تعیین اختلافی چیز ہے، احناف فرماتے ہیں موزہ ایسا ہو کہ جس کو پہن کر عام طور پر چلنے کے انداز میں ایک فرسخ تک یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو ❷ لہٰذا مسح ایسے موزے پر جو شیشے لکڑی یا لوہے کا ہو درست نہیں اسی طرح پتلا موزہ جو چلنے سے پھٹ جائے اس پر بھی مسح درست نہیں، موزے کے بارے میں ان حضرات نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ پاؤں پر بغیر باندھے رکے رہیں۔ مالکیہ کے ہاں قابل اعتماد بات یہ ہے وہ موزہ ایسا ہو کہ اس میں چلنا عادۃً ممکن ہو تو ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو بہت کشادہ ہو کہ اس میں قدم نہ ٹھہریں۔ اور چلنے میں اس موزے سے پاؤں نکل جاتا ہے۔ اکثر شوافع کے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اس موزے کو پہنے ہوئے اپنی حاجتیں پوری کرنا ممکن ہو مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات کا سفر جو کہ قصر کا سفر ہوتا ہے کیونکہ مدت گزرنے کے بعد موزہ اتارنا ضروری ہوتا ہے حنابلہ نے ایک منفرد رائے اختیار کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عرفاً اس میں چلنا ممکن ہو خواہ عادتاً چلنا ممکن نہ ہو لہٰذا چمڑے اون لکڑی شیشے، اور لوہے وغیرہ کے موزوں پر مسح درست ہے۔ کیونکہ یہ ایسا موزہ ہوتا ہے جو چھپانے والا ہوتا ہے اور اس میں چلنا ممکن ہوتا ہے، تو یہ کھال کے مشابہ ہو گیا۔ تاہم شرط یہ ہے کہ وہ اتنا کشادہ نہ ہو کہ اس سے مقام فرضیت (یعنی پاؤں دھونے کی جگہ) نظر آجائے یعنی جیسا کہ احناف اور مالکیہ کی رائے ہے۔

فقہاء کے درمیان اختلافی شرائط......ان مذ ب میں کچھ شرائط اور بھی ہیں جن میں ان میں باہمی اختلاف ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ موزہ صحیح سالم اور سوراخ وغیرہ سے محفوظ ہو۔ یہ شرط متفقہ شرائط میں سے شرط نمبر تین پر تفریع ہے، یہ فقہاء کے ہاں شرط ہے، تاہم ان کا

---

❶...... الشرح الکبیر للدردیر ج ۱ ص ۱۴۳ کشف القناع ج ۱ ص ۱۲۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۶۔ ❷ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے جس کی مسافت بارہ ہزار فٹ بنتی ہے میل ۱۸۴۸ میٹر کا ہوتا ہے تو فرسخ اس طرح ۵۵۴۴ پانچ ہزار پانچ سو چوالیس) میٹر کا ہوا۔

اختلاف اس مقدار پر ہے جو کہ قلیل اور قابل معافی شمار کی جا سکے۔

شوافع جدید قول کے مطابق اور حنابلہ اس موزے پر مسح کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں جن میں سوراخ ہوں خواہ تھوڑے ہی ہوں کیونکہ اس صورت میں وہ قدم چھپانے والا نہیں اور خواہ یہ سوراخ سلائی کی جگہ پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ جو نظر آ رہا ہے اس کا حکم دھونے کا ہے اور جو چھپا ہوا ہے اس کا حکم مسح کا ہے، اور ان دونوں کو جمع کرنا درست نہیں، لہٰذا دھونے کا حکم ہی غالب شمار ہوگا، یعنی چونکہ جو ظاہر ہو گیا ہے اس کا حکم دھونے کا ہے اور چھپے ہوئے کا حکم مسح کا ہے تو دھونے کا حکم اصل ہونے کی بناء پر غالب ہو جائے گا، جیسے ایک پاؤں کا موزہ اتر جانے کی صورت میں یہی حکم ہے۔ مالکیہ اور احناف نے استحساناً اور حرج کے دور کرنے کی غرض سے معمولی سے سوراخ والے موزوں پر مسح کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ عادتاً موزوں میں سوراخ ہوتے ہی ہیں، تو سوراخ والے موزوں پر مسح دفع حرج کی خاطر جائز ہے ہاں زیادہ بڑی پھٹن اور سوراخ تو وہ مسح سے مانع ہو جاتے ہیں اور اس کی مقدار مالکیہ کے ہاں یہ ہے کہ جس کو پہن کر چلنا ممکن نہ ہو یعنی وہ سوراخ ایک تہائی پاؤں کے برابر ہو خواہ وہ پھولا ہوا ہو یا کچھ حصہ کچھ سے چپک گیا ہو جیسے مثلاً پھٹ گیا ہو یا سلائی کھل گئی ہو اور موزے کا ایک حصہ دوسرے سے چپک گیا ہو۔ اور اگر سوراخ ایک تہائی سے کم ہو تو اگر وہ کھل جانے والا ہو تو بھی مسح کے لئے مانع ہوگا اور اگر وہ پھٹ کر ایک دوسرے سے چپک گیا ہو تب نہیں۔ اور بالکل معمولی پھٹن کہ مسح کے وقت ہاتھ کی تری اس کے نیچے پاؤں پر نہ محسوس کی جا سکتی ہو قابل معافی ہے۔

احناف کے ہاں بڑے سوراخ سے مراد ہے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار پھٹ جانا۔

۲۔ دوسری شرط:......یہ شرط مالکیہ کے ہاں ہے ان کے ہاں کپڑوں کے موزوں پر مسح درست نہیں ہے اسی طرح جراب پر بھی ان کے ہاں مسح درست نہیں ہے۔ جراب سے مراد وہ موزہ ہے جو روئی، کتان یا اون سے بنا ہوا ہو ماسوا اس صورت کے کہ اس پر کھال پہنا دی جائے۔ اور اگر اس کو کھال نہ پہنائی گئی تو اس پر مسح درست نہیں ہوا۔ اسی طرح شوافع فرماتے ہیں کہ ایسے بنے ہوئے موزے پر مسح درست نہیں جو بنائی کی جگہ (سوراخ وغیرہ) کے علاوہ دوسری جگہ سے پانی بہائے جانے کی صورت میں اس کے موٹے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے نیچے سے مانع نہ ہو مالکیہ نے یہ بھی شرط قرار دیا ہے کہ وہ گانٹھا ہوا ہو کسی چپکانے والی چیز سے چپکا کر نہ بنایا گیا ہو ان کے پیش نظر رخصت کو صرف اس حد تک محدود رکھنا جس حد تک وہ وارد ہوئی ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء نے چمڑے اور کپڑے وغیرہ چیزوں کے بنے ہوئے موزوں پر مسح کو جائز قرار دیا ہے ان حضرات نے یہ شرط نہیں رکھی ہے۔ احناف اور شوافع نے یہ شرط رکھی ہے کہ موزے پانی کو جسم تک پہنچنے دینے سے مانع ہو کیونکہ موزے عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ پانی کے نفوذ سے مانع ثابت ہوتے ہیں تو شرعی احکام میں وہی مراد ہوں گے۔

جراب پر مسح......احناف کے راجح قول کے مطابق ❶ ایسے موزوں پر مسح جن کو پہننے والا پہن کر ایک فرسخ یا زیادہ چل سکے اور وہ موزہ پنڈلی پر ٹھہرا ہوا ہو اور اس کے نیچے بھی نظر نہ آئے اور نہ اتنا پتلا ہو کہ آر پار دیکھ سکے۔ حنابلہ نے اس موٹے جراب پر بھی مسح جائز قرار دیا ہے جو چلنے پر گر نہ جائے اور یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ ہے۔

۱......وہ اتنا موٹا ہو کہ پاؤں بالکل نظر نہ آئے۔ ❷

۲......اس میں چلنا ممکن ہو

اور یہ واجب ہے کہ دونوں جورب اور نعل کے تسموں پر واجب مقدار میں مسح کیا جائے اس بارے میں فقہاء کی آراء کی تفصیلات آ گے آ رہی ہیں۔

❶...... البدائع ج ۱ ص ۱۰ الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۳۴۸، جراب پر تفصیلی بحث آ گے آ رہی ہے۔ ❷ شیخ جمال الدین القاسمی نے جراب پر مسح کی اجازت دی ہے خواہ وہ موٹا نہ بھی ہو جیسے کہ آج کل کے موزے۔

شوافع اور حنابلہ نے اس موزے پر مسح جائز قرار دیا ہے جس کے پاؤں کی طرف کا حصہ پھٹا ہوا ہو۔ جیسے وہ موزہ جو لمبا ہو اور پنڈلیوں تک جاتا ہو اور کاج فیتے کے ذریعے باندھا گیا ہو۔ صحیح قول کے مطابق اس پر مسح درست ہے بشرطیکہ اس طرح ہو کہ فرض جگہ میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو جب وہ اس میں چلے۔

۳......موزہ صرف ایک ہو جرموق نہ ہو۔ یہ بھی صرف مالکیہ کے ہاں شرط ہے ❶ لہٰذا اگر کسی نے موزے پر موزہ پہنا یعنی جرموق پہنا ❷ تو اس پر مسح کرنے کے بارے میں دو قول ہیں راجح قول ان کے ہاں یہ ہے کہ اس حالت میں اوپر والے پر مسح درست ہے، اور اگر اس نے اس کو اتار دیا اور باوضو ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ نچلے موزے پر فی الفور مسح کرے۔

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ جرموق پر جو موزے پر پہنا ہوا ہو مسح جائز ہے جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں۔ دلیل اس کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموق پر مسح فرمایا ❹ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصیف اور جرموق پر مسح کرو۔ ❺

تاہم احناف نے جرموق پر مسح درست ہونے کے لئے تین شرطیں قرار دی ہیں۔

۱......یہ کہ اوپر والا موزہ چمڑے کا ہو اور اگر وہ چمڑے کا نہ ہو تو اوپر والے پر مسح جب درست ہوگا جب پانی نچلے والے تک پہنچ جائے۔

۲......اوپر والا موزہ ایسا ہو کہ صرف اس کو پہن کر چلنا ممکن ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو اس پر مسح اس وقت درست ہوگا کہ جب نچلے موزے تک پانی نہ پہنچ سکے۔

۳......یہ کہ اوپر والے موزے کو بھی اسی طہارت کی حالت میں پہننا جس طہارت پر اس نے نیچے والا پہنا تھا۔

حنابلہ نے اوپر والے موزے پر مسح اس وقت درست قرار دیا ہے جب وہ بے وضو ہونے سے پہلے کرے خواہ دونوں میں سے کوئی ایک پھٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو، دونوں اگر پھٹے ہوئے ہوں تب نہیں، اسی طرح نچلے موزے پر بھی مسح درست ہے اس طرح کہ وہ اوپر والے کے اندر ہاتھ داخل کر کے نچلے موزے پر مسح کرلے، کیونکہ دونوں میں مسح کا محل بننے کی صلاحیت ہے، تو اس پر مسح درست ہے اگر وہ درست حالت میں ہو۔

شوافع کے ہاں اظہر قول کے مطابق صرف اوپر والے موزے پر مسح درست نہیں ہے یعنی ایک دوسرے کے اوپر پہنے ہوئے موزوں میں سے جو دونوں مسح کے قابل ہوں ایک پر مسح درست نہیں کیونکہ رخصت مسح موزے کے بارے میں کثرت حاجت کی وجہ سے وارد ہوئی ہے اور جرموق کی حاجت عام نہیں ہوتی ہے، یعنی اوپری اور نچلے دونوں موزوں پر مسح لازم ہوگا۔

۴......موزے کا پہننا اس وقت مباح ہو۔ یہ شرط مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ہے لہٰذا ایسا موزہ جو غصب شدہ ہو اس پر مسح درست نہیں اور نہ ایسی چیز سے بنے ہوئے موزے پر مسح درست ہے جو حرام ہو جیسے ریشم حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ خواہ یہ استعمال ضرورت کے پیش نظر کیوں نہ ہو۔ جیسے وہ شخص جو برفانی علاقے میں ہو اور اس کو اپنی انگلیاں شدت سردی سے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو غصب شدہ یا ریشم سے بنا ہوا موزہ اتارنے کی صورت میں تو بھی اس کے لئے مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ دراصل ممنوع ہے اور یہ ضرورت بالکل نادر ہے لہٰذا اس کا کوئی حکم نہیں ہوگا اور ان حضرات کے ہاں احرام باندھے ہوئے شخص کے لئے ضرورت کے باوجود موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔ شوافع کے ہاں صحیح

❶......القوانين الفقهيه ص ۳۹ الشرح الكبير ج ۱ ص ۴۵ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۵۷ اور بعد کے صفحات۔ ❷ جرموق اس کھال کے بنے ہوئے کور کو کہتے ہیں جو موزے پر پہنا جاتا ہے تاکہ اس کو مٹی وغیرہ سے محفوظ رکھا جاسکے یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ اس کو موق بھی کہا جاتا ہے جرموق یہی ہے۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۷ فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۸ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۳۱ المغنی ج ۱ ص ۲۸۴۔ ❹ بروایت امام احمد و ابو داؤد۔ ❺ سعید بن منصور نے اپنی کتاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کی ہے۔

قول یہ ہے کہ یہ شرط لازم نہیں (یعنی موزوں کے استعمال کے مباح ہونے کی شرط) لہٰذا ان کے ہاں غصب شدہ موزے موٹے دیباج کے موزے سونے چاندی کے تاروں سے بنائے گئے موزے مرد وغیرہ سب کے لئے ان کے اوپر مسح درست ہے۔ تاہم ان سے احرام باندھنے والا مستثنیٰ ہے کیونکہ احرام میں تو کپڑا پہننا ہی ممنوع ہے اور ممانعت اس کی کپڑا ہونے کی وجہ ہی سے ہے اور غصب شدہ چیز وغیرہ سے ممانعت تو دوسرے کی چیز کو بلا اجازت استعمال کرنے کی بناء پر ہے۔

۵..... موزے کے باریک اور پتلا ہونے کے سبب پاؤں نہ جھلکتے ہوں یہ حنابلہ کے ہاں شرط ہے لہٰذا پتلے شیشے پر مسح درست نہیں ہوگا کیونکہ وہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہے۔ اور نہ ایسے موزے پر درست ہے جس میں سے کھال دکھے۔

مالکیہ کے ہاں مطلوب یہ ہے کہ موزہ چمڑے کا ہو جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، اور احناف وشوافع کے ہاں مطلوب یہ ہے کہ وہ موزہ ایسا ہو کہ سلائی کی جگہ کے علاوہ سے اس کے اوپر پانی بہائے جانے کی صورت میں اپنے اندر پانی جانے سے وہ روک دے اپنے موٹے نہ ہونے کے سبب اور اسی بناء پر نائیلون کے بنے ہوئے وہ موزے جو دبیز ہوں ان پر مسح درست ہے اسی طرح اور وہ تمام شفاف اور آر پار دکھائی دینے والی چیزوں کے بنے ہوئے موزے کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی پہنچنے سے وہ مانع ہو۔

۶۔ پاؤں کا اگلا حصہ کم از کم ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر موجود ہو..... یہ شرط احناف عائد کرتے ہیں اس صورت میں کہ کسی شخص کے پاؤں کا کچھ حصہ کٹ گیا ہو مقصود یہ ہے کہ مسح کی جگہ میں سے فرض مقدار کے بقدر وضو کا حصہ موجود ہو چنانچہ اگر ٹخنوں کے اوپر سے پاؤں کٹ جائے تو اس کا فرض ہی ساقط ہو جائے گا اور موزے پر مسح کی حاجت ہی نہیں رہے گی اور دوسرے پاؤں کے موزے پر مسح کرلیا جائے گا۔ اور اگر ٹخنوں سے پہلے کا اتنا حصہ باقی ہو جو تین انگلیوں سے کم ہو تو بقیہ عضو کے دھونے ہی کے فرض ہونے کی بناء پر اس کا مسح درست نہیں ہوگا۔ اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاؤں کا اگلا حصہ کٹ جائے تو اس کے لئے موزے پر مسح درست نہیں ہوگا خواہ ایڑی کی طرف کا حصہ موجود ہو، کیونکہ یہ فرض مسح کا محل نہیں ہے، اس کا دھونا ہی لازم ہے دوسرے فقہاء کے ہاں پاؤں کے اس حصے کے جو وضو میں دھونا فرض ہے کسی بھی حصے کے باقی ہونے کی صورت میں اس پاؤں پر پہنے ہوئے موزے پر مسح درست ہے، اور اگر بالکل بھی وہ حصہ نہ رہے جس کا دھویا جانا فرض ہے اور آدمی کی ایک ہی ٹانگ ہو تو وہ صرف دوسری ٹانگ پر مسح کرے گا ایسا کسی صورت میں جائز نہیں کہ وہ ایک پاؤں پر تو مسح کرے اور دوسرے کو دھوئے کیونکہ ایک ہی جگہ بدل اور مبدل (جس چیز کا بدل دیا جائے) دونوں کا پایا جانا درست نہیں ہے۔

مذاہب میں بیان کردہ شرائط کا خلاصہ:

۱..... احناف یہ فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح کے لیے چھ شرائط ہیں۔

الف:..... ان کو دونوں پاؤں دھونے کے بعد پہنا جائے خواہ وضو کے مکمل ہونے سے قبل ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ وہ وضو کو ناقض وضو سے قبل ہی مکمل کرلے۔

ب..... دونوں موزے ٹخنوں کو چھپانے والے ہوں۔

ج:..... ان دونوں کو پہن کر چلنا ممکن ہو

د:..... دونوں میں اتنے سوراخ نہ ہوں جو کی پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہوں۔

ہ: پاؤں پر بغیر باندھے وہ رکے رہیں۔

و:..... پاؤں کے کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں اس کا اگلا سرا ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر باقی ہو۔

۲..... مالکیہ مسح کے جواز کے لئے گیارہ شرائط عائد کرتے ہیں، چھ مسح کئے جانے والے موزوں کے بارے میں اور پانچ مسح کرنے

والے کے بارے میں۔مسح کرنے والے کی شرائط کا تذکرہ تو میں پہلی متفقہ شرط کے بیان میں کر چکا ہوں اور مسح کئے جانے والے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔وہ موزے چمڑے کے ہوں۔لہٰذا چمڑے کے علاوہ چیز پر مسح درست نہیں۔

۲۔وہ موزے پاک ہوں، مقصود مردار کی کھال کے بنے ہوئے موزوں سے احتراز ہے خواہ وہ دباغت شدہ کھال کے ہوں۔

۳۔وہ موزے گانٹھے گئے ہوں سلے ہوئے ہوں۔کسی چپکانے والی چیز سے چپکائے ہوئے نہ ہوں۔

۴۔موزوں کا کچھ حصہ پنڈلی نما بھی ہوتا کہ وہ پنڈلیوں کو ڈھانپ سکے۔لہٰذا پنڈلیوں کو نہ ڈھانپنے والے موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

۵۔اس میں عادتاً چلنا ممکن ہو۔مقصود داس موزے سے احتراز ہے جو اتنا ڈھیلا ہو کہ چلتے وقت نکل جائے۔

۳۔شوافع مسح کے جواز کے بارے میں دو شرائط عائد کرتے ہیں:

ا۔یہ کہ وہ موزہ دونوں حدث وبے وضوئی اور جنابت سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد پہنے۔

۲۔موزہ پاک ہو اور مضبوط ہو کہ بوقت ضرورت اس میں چلتے رہنا ممکن ہو❶ اور جو دھوئے جانے کی فرض مقدار کے برابر پاؤں کو ڈھانپنے والا بھی ہو یعنی پاؤں ٹخنے اور تمام اطراف اوپری حصہ نہیں❷ اور سلائی اور پھٹنے کی جگہ کے علاوہ جگہ سے پانی کا مزاحم بھی ہو (کہ پانی اس میں سرایت نہ کر جاتا ہو) اور پاؤں کا پھٹا ہوا وہ حصہ جو کاج کے ذریعے باندھا جائے اس پر بھی مسح درست ہے بشرطیکہ چلنے میں فرض جگہ ظاہر نہ ہو۔

حنابلہ مسح علی الخفین کے لئے سات شرائط عائد کرتے ہیں:

ا۔پانی سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد موزے پہنے جائیں۔

۲۔وہ خود یا نعل کے ذریعے ٹھہرا رہے ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو فقط باندھنے سے رکا ہوا ہو۔ایسے موزے پر مسح درست ہے جو خود رکا ہوا ہو لیکن اس کا کچھ حصہ نظر آ رہا ہو اور اس کو کاج بنا کر کڑے وغیرہ سے باندھا ہوا ہو۔جیسے زربول جس کی پنڈلی بنی ہوئی ہو۔تو ایک دوسرے میں ڈال کر ان کو باندھ دیئے جانے سے سوراخ چھپ جاتا ہے اور محل فرض پوشیدہ رہتا ہے۔

۳۔اس کا مباح ہونا لہٰذا غصب شدہ اور ریشم کے موزے پر مسح درست نہیں خواہ اس کی ضرورت بھی در پیش ہو۔

۴۔عرفاً اس میں چلنا ممکن ہو (یعنی جس مقدار کو عرف میں چلنا کہیں اتنا چلنا ممکن ہو) خواہ عادتاً جتنا چلا جاتا ہے۔

اتنا نہ چلا جا سکتا ہو۔لہٰذا چمڑے، اون لکڑی، شیشے اور لوہے وغیرہ جیسی چیز سے بنے ہوئے موزوں پر مسح درست ہے کیونکہ یہ موزہ ایسا ہوگا جو چھپانے والا ہوگا اور اس میں چلنا ممکن ہوگا۔

۵۔وہ موزہ بذات خود پاک ہو، لہٰذا نجس پر مسح جائز نہیں ہوگا خواہ ضرورت کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔اور ضرورت کے وقت دونوں پاؤں کی وجہ سے تیمم کر لے، کیونکہ ان دونوں کا دھونا ضروری ہے۔

۶۔باریک ہونے کی وجہ سے پاؤں نہ جھلکیں جیسے پتلا شیشہ کیونکہ وہ فرض جگہ کا چھپانے کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا ہے۔لہٰذا ایسا موزہ جس میں سوراخ اور پھٹن ہو اور کچھ پاؤں کا حصہ ظاہر ہوتا ہو اس پر مسح درست نہیں ہے خواہ یہ سلائی کی جگہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہوتا ہے اور اگر موزہ پہننے سے سوراخ مل کر بند ہو جائے تو اس پر مسح جائز ہے کیونکہ فرض جگہ کے چھپنے کی شرط حاصل ہو جاتی ہے۔

---

❶.....یعنی وہ حاجت جو پہننے کے دوران واقع ہو یعنی تین دن رات مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم کے لئے، چنانچہ بالکل پتلا جو تھوڑا سا چلنے سے خراب ہو جائے اس پر مسح درست نہیں ہے۔❷ چنانچہ اگر قدم اوپر سے نظر آئے جیسے مثلاً اس کا سرا بڑا ہو تو ایسا ہونا مضر نہیں۔

۷۔اتنا کشادہ نہ ہو کہ اس میں سے فرض جگہ نظر آجائے۔

۴۔مسح کی مدت......مسح علی الخفین سے متعلق چوتھی بحث،مسح کی مدت کی تحدید کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں،مالکیہ اس کی تحدید نہیں کرتے ہیں،جب کہ جمہور علماء اس کی تحدید کرتے ہیں مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ موزوں پر مسح بلا تحدید وقت درست ہے یعنی جب تک چاہے وہ مسح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کو اتارے نہیں اور نہ اس کو جنابت لاحق ہو کہ ایسی صورت میں اس کو غسل کے لئے موزہ اتارنا ہی پڑتا ہے،اور اتارنے پر مسح ٹوٹ جاتا ہے اور پاؤں کا دھونا واجب ہوتا ہے،اور غسل واجب ہونے کی صورت میں مسح درست نہیں ہے،کیونکہ مسح وضو میں ہوتا ہے تاہم کسی مدت معینہ کے اندر موزہ اتار دینے کو واجب قرار نہ دینے کے باوجود یہ حضرات یہ مستحب قرار دیتے ہیں کہ ہر ہفتے ایک مرتبہ اسی دن موزہ اتار لینا مستحب ہے جس دن اس نے پہنا تھا۔ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔حضرت ابی بن عمارہؓ کی حدیث،وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں موزوں پر مسح کر لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں،میں نے عرض کیا ایک دن تک آپ نے فرمایا ہاں ایک دن تک میں نے عرض کیا دو دن تک؟ آپ نے فرمایا ہاں دو دن تک بھی میں نے عرض کیا تین دن تک؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو۔❷

۲۔صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے موزوں پر مسح کے بارے میں عدم تعیین وقت منقول ہے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ شامل ہیں جن سے منقول روایت دارقطنی میں موجود ہے۔

۳۔یہ طہارت کے دوران کیا جانے والا مسح ہے تو یہ بھی دیگر مسح جیسے سر کے اور پٹی پر کئے جانے والے مسح کی طرح بلا تعیین وقت ہوگا کیونکہ وقت کی تعیین طہارت کے کالعدم کرنے میں مؤثر نہیں ہو سکتی ہے،نواقض (طہارت کو باطل اور کالعدم کرنے والے امور) تو پاخانہ پیشاب اور ان کی طرح کی دیگر نجاستیں ہیں۔اور یہ قیاس چونکہ ان احادیث کا معارض ہے جو مدت مسح کی تحدید پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس پر حدیث ابن عمارہ کی وجہ سے عمل کیا جائے گا کہ وہ حدیث دیگر حدیثوں کی معارض ہے۔

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ مسح کی مدت مقیم شخص کے لئے ایک دن رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات ❸ اور احناف فرماتے ہیں کہ وہ مسافر جس کا سفر معصیت کے لئے ہو وہ بھی دیگر مسافروں کی طرح شمار ہوگا شوافع اور حنابلہ ایسے شخص کے لئے صرف مقیم والی مدت ہی کے قائل ہیں۔ان حضرات کے دلائل وہ احادیث ہیں جو مشروعیت مسح کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات مسح کا حکم ہے ❹ ان میں سے ایک حدیث حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم شخص کے لئے ایک دن اور رات ❺ ایک حدیث ان میں سے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں اگر ہم نے ان

---

❶...... الشرح الصغير ج ١ ص ١٥٤، ١٥٨ الشرح الكبير ج ١ ص ١٤٢ بداية المجتهد ج ١ ص ٢٠ القوانين الفقهيه ص ٣٩.

❷ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور یہ قوی حدیث نہیں ہے۔امام بخاری نے بھی یہی بات فرمائی ہے امام احمد فرماتے ہیں اس کے راوی غیر معروف ہیں،امام دارقطنی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ثابت نہیں ہے اور اس کی سند میں تین مجہول شخص ہیں امام ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے،حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی مضبوط سند نہیں ہے،علامہ جوزقانی نے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے،نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۲ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ اس درجے کی حدیث سے ایسی فرضیت والے کام کے خلاف دلیل قائم نہیں ہوتی ہے جس کا معارض نہ موجود ہو۔❸ فتح القدير ج ١ ص ١٠٢، ١٠٧ تبيين الحقائق ج ١ ص ٤٨ البدائع ج ١ ص ٨، مغني المحتاج ج ١ ص ٦٤ المهذب ج ١ ص ٢٠ كشاف القناع ج ١ ص ١٢٨ المغني ج ١ ص ٢٨٢-٢٨٧، ٢٩١.

❹ بروایت امام احمد و مسلم،نسائی اور ابن ماجہ۔❺ بروایت امام احمد ابوداؤد اور ترمذی،ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

کو حالت طہارت میں پہنا ہو تین دن مسح کریں جب ہم مسافر ہوں اور ایک دن رات مسح کریں جب ہم مقیم ہوں انہیں ہم پاخانہ، پیشاب اور سونے وغیرہ کے سبب نہ اتاریں اور ہم اس کو صرف اس وقت اتاریں جب جنابت لاحق ہو❶ ان میں سے ایک حدیث حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح کا حکم دیا جب ہم مسافر ہوں تو تین دن رات کریں اور مقیم ہوں تو ایک دن رات مسح کریں❷ وقت کی تعیین وتحدید کا قول حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس، رضی اللہ عنہم اجمعین سے، اسی طرح حضرت ابوزید، حضرت شریح، عطاء، ثوری اور امام اسحٰق رحمہم اللہ علیہم سے ثابت ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ مسح کی مدت کی تعیین کا قول ہی درست ہے، کیونکہ حضرت عمارہ والی حدیث ثابت نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان صحیح احادیث کی بناء پر منسوخ ہو، کیونکہ یہ احادیث بعد کی ہیں کیونکہ حضرت عوف کی حدیث غزوہ تبوک کے موقع کی ہے اور غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ نہیں رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مالکیہ کا قیاس تیمّم کے معاملے سے ٹوٹ جاتا ہے (یعنی ان کا یہ کہنا کہ وقت ناقض وضو نہیں یعنی وقت کا ختم ہو جانا کسی چیز کو کالعدم نہیں کر سکتا تو یہ اصول تیمّم سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اس میں پانی مل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، باوجود اس کے کہ کوئی ناقض نہیں پایا جاتا ہے:

مدت کی ابتداء..... مسح کی مدت جمہور کے نزدیک موزے پہن لینے کے بعد لاحق ہونے والے پہلے حدث کے وقت سے شروع ہو کر دوسرے دن اسی وقت ختم ہوتی ہے مقیم کے لئے اور مسافر کے لئے تیسرے دن ختم ہوتی ہے یعنی تیسرا دن ختم ہو کر جب چوتھا شروع ہو تو مدت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مسح کا وقت اسی وقت شروع ہوتا ہے لہٰذا مدت مسح کو اسی سے شروع سمجھا گیا، جیسے نماز کا وقت ان کے فعل کے جواز کے ساتھ شروع ہوتا ہے (یعنی موزہ باوضو حالت میں پہننے کے بعد مسح تو جب کرنا ہو گا جب انسان بے وضو ہو جانے کے بعد دوبارہ باوضو ہو کر مسح کرنا چاہے لہٰذا اس کی مدت جب سے شمار کی جائے گی جب سے بے وضوکی حالت اس پر آئے نہ کہ محض موزے پہن لینے سے ایک بات اور یہ ہے کہ حضرت صفوان کی گذری ہوئی حدیث کے الفاظ ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے موزے نہ اتاریں تین دن اور رات ماسوا جنابت ہو جانے کے اور پاخانہ، پیشاب اور سو جانے سے نہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ پاخانہ وغیرہ کرنے کی صورت میں تین دن گزرنے پر موزے اتارے جائیں گے، دوسری بات یہ کہ فقہی طور پر موزہ حدث کے پاؤں میں سرایت کر جانے سے مانع ہے لہٰذا مدت اسی وقت سے شمار ہو گی جب وہ حدث سے ممانعت کا کام انجام دے گا یعنی حدث کے طاری ہونے کے وقت سے ان اصولی مسائل کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کیا اور موزے پہن لئے پھر طلوع شمس کے بعد وہ بے وضو ہو گیا اور زوال کے وقت وضو اور مسح کیا تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ دوسرے دن وقت حدث تک مسح کر سکتا ہے یعنی طلوع شمس کے بعد تک اور مسافر ہونے کی صورت میں چوتھے دن طلوع شمس کے بعد اس کی مدت ختم ہو گی۔

اور اگر کسی نے اقامت پذیر ہونے کی حالت میں مسح کیا پھر سفر شروع کر دیا یا اس کے برعکس کیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں وہ مقیم کی مدت یعنی ایک دن رات تک کی تکمیل کرے گا، کیونکہ سفر کے مقابلے میں حضر کو ترجیح ہو گی کیونکہ وہی اصل ہے لہٰذا دونوں حالتوں میں ایک دن اور رات ہی مسح کرنا ہو گا احناف کے ہاں اگر کسی نے اقامت پذیر ہوتے ہوئے مسح کیا پھر ایک دن رات کی تکمیل سے قبل ہی سفر شروع کر دیا تو وہ تین دن رات مسح کرے گا، کیونکہ وہ مسافر بن گیا ہے، اور مسافر کی مدت مسح تین دن رات ہے، اور اگر مسافر اقامت پذیر ہو جائے تو اگر وہ مدت اقامت یعنی ایک دن رات مکمل کر چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ موزہ اتار دے، کیونکہ رخصت سفر بغیر حالت سفر کے برقرار نہیں رہے گی۔

❶..... بروایت امام احمد اور ابن خزیمہ خطابی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۱۔ ۱۸۳۔ ❷ بروایت امام احمد وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں سب سے اچھی اور عمدہ حدیث ہے کیونکہ یہ غزوہ تبوک کی ہے اور وہ آخری غزوہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور یہ آپ کا آخری فعل بھی تھا۔

اوراگر مدت اقامت مکمل نہ ہوئی ہوتو وہ مقیم ہونے کے سبب اس کو مکمل کرے گا۔اوراگر اس کوشک ہوجائے کہ اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں حنابلہ کے ہاں وہ یقینی چیز پر اعتماد کرے ❶ اور وہ ہے مقیم شخص کا مسح کیونکہ مسح کے مباح ہونے یا نہ ہونے میں شک واقع ہونے کی صورت میں مسح جائز نہیں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں ❷ کہ مدت کے باقی رہنے کے بارے میں شک میں پڑ جانے والے شخص کے لئے مسح جائز نہیں ہے، مدت باقی ہو یا ختم ہو چکی ہو اسی طرح اس مسافر کے لئے مسح جائز نہیں جسے شک ہو کہ کیا اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں کیونکہ مسح ایسی رخصت ہے جو کچھ شرائط کے ساتھ مشروع ہے اوران شرائط میں سے مدت بھی ہے لہٰذا اگر مدت ہی میں شک ہوجائے تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی دھونا لازم ہوگا۔

۵۔مسح علی الخفین کے باطل کرنے والے امور.....موزے پر مسح ان مندرجہ ذیل حالات میں کالعدم ہوجاتا ہے۔

ا۔نواقض وضو.....وضو کو توڑنے والے امور موزوں پر مسح وضو توڑنے والے تمام امور میں سے کوئی سا بھی امر پائے جانے کی صورت میں کالعدم ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ وضو کا ہی حصہ ہے اودوسری بات یہ ہے کہ یہ خود بدل ہے اوراصل کے کالعدم کرنے والے امور سے یہ خود بھی کالعدم ہوجائے گا۔

۲۔جنابت وغیرہ.....موزے پہننے والا شخص اگر جنبی ہوجائے یا کوئی غسل واجب کرنے والا کوئی امر درپیش ہوجائے جیسے حیض وغیرہ دوران مدت آجائے تو مسح باطل ہوجائے گا اور پاؤں دھونا واجب ہوں گے اوراگر نہانے کے بعد وہ موزوں پر مسح کرنا چاہے تو وہ ازسرنو موزے پہنے گا جیسا کہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مسافر ہونے کی صورت میں یہ حکم فرماتے کہ ہم تین دن اوررات موزے نہ اتاریں ماسوا اس کے کہ ہم جنابت کی حالت میں ہوں۔اور جنابت پر دوسری ان چیزوں کو بھی قیاس کیا جائے گا جو اس کے ہم معنی ہیں جیسے حیض نفاس اور بچے کا پیدا ہونا (یعنی عورت کے جسم سے بچے کا ولادت کے وقت باہر آنا)

۳۔ایک یا دونوں موزوں کا اتر جانا.....اوراگر یہ اترنا ایسے ہو کہ پاؤں کی طرف کا اکثر حصہ موزے کے پنڈلی والے حصے میں چلا جائے تو بھی مسح کالعدم ہوجائے گا کیونکہ مسح کا مقام (یعنی پاؤں) اپنی جگہ سے ہٹ چکا ہے، اوراکثر کا حکم کل کا ہوتا ہے۔اوراس صورتحال میں ماسوا حنابلہ کے جمہور کے ہاں وہ شخص اپنے پاؤں دھوئے گا کیونکہ پاؤں کی طہارت باطل ہوچکی ہے وہ اس طرح کہ اصل لازم تھا ان کا دھونا اور مسح بدل ہے تو جب بدل کا حکم کالعدم ہوا تو اصل کو اختیار کرنا لازم ہوجائے گا جیسے تیمم میں پانی مل جانے کے بعد حکم ہوتا ہے۔اورایک موزہ اتر جانے کی صورت میں صرف ایک پاؤں دھولینا کافی نہ ہوگا دونوں کا دھونا ضروری ہوگا، کیونکہ دھونے اور مسح کرنے کے عمل کو جمع نہیں کیا جاسکتا ہے اور جرموق ہونے کی صورت میں اوپری موزہ اتر جانے کی حالت میں مالکیہ فرماتے ہیں کہ نچلے موزے پر علی الفور مسح لازم ہوگا جیسا کہ یہ ان کے اصول ''موالات'' (طہارت کے ذرائع) (وضو اور غسل کا پے درپے واقع ہونا) کے پیش نظر ضروری ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔

۴۔پاؤں کے کچھ حصے کا موزہ پھٹ جانے یا کاج وغیرہ کھل جانے سے ظاہر ہوجانا.....اس طرح کا واقعہ پیش آنے

---

❶..... المغنی ج ۱ ص ۲۹۲۔مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۶۷۔❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۵ البدائع ج ۱ ص ۱۲، الدر المختار ج ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۶ مراقی الفلاح ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۶۔۱۵۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۵۔۱۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۸، المہذب ج ۱ ص ۲۲، المغنی ج ۱ ص ۲۸۷ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۳۶ اور بعد کے صفحات۔

سے شوافع اور حنابلہ کے ہاں وضوٹوٹ جائے گا۔اور احناف کے ہاں پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر ظاہر ہونے کی صورت میں مسح کالعدم ہوگا اور مالکیہ کے ہاں ایک تہائی قدم ظاہر ہوجانے کی صورت میں کالعدم ہوگا خواہ وہ پھٹ کر کھل جائے یا پھٹ کر بھی ایک دوسرے سے ملا ہوا ہو جیسے سلائی کا کھل جانا یا سوراخ کا اس طرح سے کھل جانا کہ پہننے کہ دونوں سرے مل جاتے ہوں۔اسی طرح مالکیہ کے ہاں ایک تہائی سے کم ہونے کے باوجود اگر ایسا پھٹا ہوا ہو کہ اس سے پاؤں نظر آتا ہو یعنی پہننے پر کھل جاتا ہو تو بھی مسح کالعدم ہوجائے گا ہاں اگر ایک تہائی سے کم پھٹا ہوا ایسے پھٹا ہوا ہو کہ اس کے دونوں سرے پہننے پر مل جاتے ہوں اور پاؤں نہ نظر آتا ہو تو یہ قابل معافی ہے۔اور اگر کھلا ہوا حصہ اتنا معمولی سا کھلا ہوا ہو کہ ہاتھ کی نمی مسح کے وقت نیچے پاؤں تک اس سوراخ کے ذریعے نہ پہنچے تو بھی وہ مضر نہیں ہے۔

۵۔ پانی کا موزے کے اندر پاؤں کی موجودگی کی حالت میں اس تک پہنچ جانا...... صحیح قول کے مطابق احناف کے ہاں یہ مسح کے لئے ناقض ہے، مثلاً اگر پورا پاؤں تر ہوجائے تو موزہ اتار کر پاؤں دھونا ضروری ہوگا۔مقصود غسل (دھونے) اور مسح کے جمع کرنے سے بچنا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ایک پاؤں تو دھل رہا ہو اور دوسرے پر صرف مسح ہو، کیونکہ ایسا کرنا بالاتفاق درست نہیں ہے۔

۶۔ مدت کا گزر جانا...... مدت مقیم کے لئے ایک دن اور رات اور مسافر کے لئے تین دن اور رات ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے منقول روایتوں سے مسح کی مدت کی تحدید اسی تفصیل کے مطابق ثابت ہوتی ہے۔اس صورت اور گذشتہ تینوں صورتوں، یعنی موزوں کا اتر جانا، پاؤں کا ظاہر ہوجانا یا اکثر کا ظاہر ہوجانا، اختلاف کی تفصیلات کے مطابق وغیرہ میں احناف، مالکیہ کے ہاں اور راجح قول کے مطابق شوافع کے ہاں بھی۔

صرف دونوں پاؤں کا دھولینا کافی ہے، وضو کا از سر نو کرنا ضروری نہیں ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ شخص باوضو ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ حدث کا اثر صرف موزوں تک محدود رہے گا یا صرف پاؤں کی طہارت کے بطلان تک محدود رہے گا اور چونکہ اصل ان کا دھونا تھا اور مسح صرف بدل تھا اس لئے جب بدل کا حکم زائل ہوگا تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ تیمم کے بعد پانی مل جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔احناف اس صورت سے ضرورت کی حالت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہ محسوس کرے کہ ٹھنڈک سے اس کے پاؤں ہی بے کار یا ضائع ہوجائیں گے تو اس پر موزہ اتارنا ضروری نہیں ہوگا اس کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ محفوظ اور مامون ہوجانے تک موزہ نہ اتارے یعنی بلاتحدید وقت وہ مسح کرسکتا ہے، تاہم اس صورت میں اس پر پورے موزے کا مسح کرنا ضروری ہوگا کہ ہر طرف وہ ہاتھ پھیرے اور یہ زخم کی پٹی پر مسح کرنے کے حکم میں ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں مدت کے گزر جانے یا موزہ اتر جانے کی صورت میں وضو کا از سر نو کرنا لازم ہے، کیونکہ وضو ایسی عبادت ہے جو حدث سے باطل ہوجاتی ہے، تو وضو کے بعض (کچھ) حصے کی طہارت کا باطل ہونا پورے وضو کے باطل ہونے کے مترادف ہوگا۔یعنی ان کے ہاں حدث (بے طہارت ہونے کی کیفیت) قابل تقسیم نہیں ہے، اس کے اجزاء نہیں بن سکتے ہیں لہذا مدت کے ختم ہوجانے پر یا موزہ اتر جانے پر حدث اس عضو کی طرف لوٹ آئے گا جس پر موجود موزے پر اس نے مسح کیا تھا، اور اس طرح دیگر اعضاء میں بھی وہ سرایت کرے گا لہٰذا اس شخص پر وضو کا از سر نو کرنا لازم ہوگا خواہ وہ فی الفور ہی کیوں نہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسح کالعدم کرنے والی اشیاء احناف کے ہاں چار ہیں۔

۱......ہر ناقض وضو۔

۲......موزے کا اتر جانا خواہ اس طرح ہی اترے کہ پاؤں موزے کے پنڈلی پر آنے والے حصے میں آجائے۔

۳......پانی کا موزے میں موجود پاؤں کے اکثر حصے تک پہنچ جانا (صحیح قول کے مطابق)

۴..... مدت کا گزر جانا اگر سردی وغیرہ سے پاؤں کے ضائع یا بیکار ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو کہ ایسی صورت میں قابل اطمینان صورتحال حاصل ہونے تک مسح کرنا اس کے لئے جائز ہے۔

۶۔ چھٹی بحث..... پگڑی وغیرہ پر مسح

احناف فرماتے ہیں ❶ کہ مسح پگڑی ٹوپی، برقع (وہ نقاب جو اعرابی عورتیں اپنے چہروں پر ڈالتی ہیں) اور دستانے (یا قفاز ❷ پر مسح درست نہیں کیونکہ مسح خلاف قیاس ثابت ہے لہٰذا جس پر ثابت ہے ان کے علاوہ چیزوں کو ان سے ملحق کر کے مسح جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ کوئی مرد اگر وضو کر کے عمامہ (پگڑی) پہن لے پھر بے وضو ہو جائے تو وضو کرتے وقت اس کے لئے پگڑی پر ہی مسح کر لینا جائز ہے کیونکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ❹ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور عمامہ پر مسح فرمایا ❺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور خمار (اوڑھنی پگڑی وغیرہ) پر مسح فرمایا ❻ اور اس بات کے قائلین میں حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت انس اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ امام خلال نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو عمامہ پر مسح پاک نہ کرے (یعنی اس کو پگڑی پر مسح کرنے سے طہارت کا اطمینان نہ ہو) تو اللہ اس کو پاک نہ کرے۔

اور واجب اکثر عمامے کا مسح کرنا ہے، کیونکہ یہ موزے کی طرح بدل ہے اور مسح پگڑی کے پیچوں پر ہونا چاہئے اس کے بیچ پر نہیں کیونکہ اس کا بیچ ایسا ہی ہے جیسے موزے کے حق میں موزے کا نچلا حصہ اور پگڑی کے باندھنے میں سر کا جو حصہ کھلا رکھنا معروف ہو (یعنی کان کے آس پاس کا حصہ اور پچھلا حصہ) اس کا مسح واجب نہیں کیونکہ پگڑی سر کے عوض میں ہے (اس کے اوپر بندھی ہوئی اور بطور نائب ہے) لہٰذا فرض مسح اس کی طرف منتقل ہو گیا اور حکم اسی سے متعلق ہو گیا اور ٹوپی پر مسح جائز نہیں ہے۔

پگڑی پر مسح ان شرائط کے ساتھ درست ہے:

۱..... پگڑی مباح ہو، حرام نہ ہو، مثال غصب شدہ یا ریشم کی نہ ہو۔

۲۔ پگڑی ''محنک'' ہو (تحنیک شدہ ہو) محنک اس پگڑی کو کہتے ہیں جس کو باندھتے وقت ایک یا دو پیچ حلق کے نیچے سے گزارے جاتے ہیں خواہ اس پگڑی کا شملہ ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ عربوں کی پگڑی تھی اور اس کا اتارنا مشکل ہوتا تھا، اور یہ زیادہ چھپانے والی ہوتی تھی (یعنی سر اس کے ذریعے زیادہ چھپ جاتا تھا) شملے والی پگڑی (جو محنک بھی ہو) پر بھی مسح درست ہے کیونکہ شملہ نکالنا سنت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سیاہ پگڑی پہنائی اور پچھلی طرف چار انگلیوں کے برابر شملہ چھوڑا۔ لہٰذا بغیر شملے اور تحنیک کی پگڑی پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مسلمانوں میں رائج پگڑی نہیں تھی، اور نہ ہی اس کا اتارنا مشکل ہوتا ہے، تو یہ ٹوپی ہی کے مشابہ ہے۔

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۲۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۹ اللباب ج ۱ ص ۴۵ اور بعد کے صفحات۔ ❷ قفاز آج کل دستانوں کو کہتے ہیں ویسے اس کا اطلاق اس گدی نما چیز پر ہوتا ہے جس میں روئی بھری جاتی ہے اور اس کو ہاتھ سے کہنی کے درمیانی حصے پر پہنا جاتا تھا عورتیں سردی سے بچنے کے لئے پہنتی تھیں شکاری اس کو چمڑے کا یا اون کا بناتے تھے تاکہ شکاری پرندوں کو بٹھانے کی صورت میں ان کے پنجوں سے محفوظ رہیں۔ ❸ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۶ اور بعد کے صفحات ۱۳۴ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۳۰۰۔ ۳۰۴۔ ❹ بروایت امام احمد، امام بخاری اور امام ابن ماجہ۔ ❺ بروایت امام مسلم اور امام ترمذی۔ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❻ صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام بخاری اور ابو داؤد کے روایت کیا ہے اور امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موزوں اور خمار پر مسح کرو نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۴۔

۳۔ پگڑی مرد کی ہو عورت کی نہیں، کیونکہ عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے لہٰذا عورت کے لئے عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں خواہ اس نے کسی ضرورت کے تحت پگڑی پہنی ہو مثلاً سردی وغیرہ سے بچنے کے لئے۔

۴۔ وہ پگڑی سر کے ان تمام حصوں کو ڈھانپی ہوئی ہو جو عادتاً پگڑی کے اندر چھپائے جاتے ہیں جیسے سر کا اگلا حصہ دونوں کان اور سر کے اطراف۔

مالکیہ فرماتے ہیں (۱) کہ ایسی پگڑی پر مسح درست ہے جس کے اتارنے میں ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ شخص اس چیز پر بھی مسح کرنے پر قادر نہ ہو جو پگڑی کے نیچے ہو یعنی ٹوپی وغیرہ اور اگر وہ شخص سر کے کچھ حصے پر مسح کرنے پر قادر ہو تو سر کے اتنے حصے پر مسح کرتے ہوئے پگڑی پر اس کو مکمل کرے گا۔

شوافع فرماتے ہیں کہ صرف پگڑی پر مسح کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا آپ نے قطر کا بنا ہوا عمامہ پہنا ہوا تھا، آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا (۲) دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسح سر پر کرنا فرض قرار دیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنے کے بارے میں وارد حدیث قابل تاویل ہے، لہٰذا یقینی چیز کو احتمالی چیز کی بنیاد پر نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اور پگڑی پر مسح سر پر مسح نہیں شمار ہوتا ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں (۳) کہ: خلاصہ یہ ہے کہ صرف سر پر بھی مسح ثابت ہے، صرف پگڑی پر مسح بھی ثابت ہے اور سر اور پگڑی دونوں پر بھی مسح ثابت ہے، تو ان تمام منقول امور میں سے ایک کی اجازت پر اکتفاء کرنا وہ بھی بلا سبب اہل انصاف کا شیوہ نہیں ہے۔

۷۔ ساتویں بحث...... جوراب پر مسح

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جوراب پر مسح درست ہے اگر ان میں نعل لگے ہوں یا چمڑا لگا ہوا ہو (جوراب پاؤں پر پہنے جانے والی چیز کو کہتے ہیں علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ: یہ اونی غلاف کا ہوتا ہے جو گرمائش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، حنابلہ کی شرح المنتہی میں ہے کہ: شاید اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو پاؤں میں پہنی جائے اور موزے کی طرح بنی ہوئی ہو لیکن چمڑے کی نہ ہو یعنی خواہ اون ہو، روئی کی ہو بالوں کی ہو، جوٹ کی ہو یا کتان کی بنی ہوئی ہو) عام جورب، جو نعل دار اور چمڑہ دار نہ ہو اس کے بارے میں دو نقطۂ نظر فقہاء کے ہاں پائے جاتے ہیں۔

ایک نقطۂ نظر جس کو فقہاء کی ایک جماعت نے جن میں امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور شوافع ہیں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر مسح درست نہیں ہے دوسرا نقطۂ نظر جس کو فقہاء کی دوسری جماعت نے جن میں حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین شامل ہیں، اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ فتوی احناف کے ہاں صاحبین کے قول پر ہے فقہاء کی یہ آراء مندرجہ ذیل ہیں۔ (۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جورب پر مسح درست نہیں ہے ماسوا اس کے کہ وہ مجلد ہوں یا ان میں نعل لگا ہوا ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ جوراب خف (چمڑے کے موزے) کی طرح نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس میں مسلسل چلتے رہنا ممکن نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ اس پر نعل لگا ہوا ہو۔ اور جن حدیثوں سے جورب پر مسح کا ثبوت ملتا ہے ان میں مراد یہی جورب ہوتا ہے۔ اور مجلد سے مراد وہ ہے جس کے اوپر اور نیچے چمڑہ لگا

---

(۱)...... الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۳ اور بعد کے صفحات۔ (۲) بروایت امام ابوداؤد، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قابل اعتراض ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۷+۶۔ (۳) نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۶۔ (۴) الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۸ البدائع ج ۱ ص ۱۰ مراقی الفلاح ص ۲۱ بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۱۹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۶ المجموع ج ۱ ص ۵۳۹ المهذب ج ۱ ص ۲۱، المغنی ج ۱ ص ۲۹۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۳۰

دیا گیا ہو۔ تاہم امام ابوحنیفہ نے آخری عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور اپنے مرض میں جوربین پر مسح فرمایا اور اپنے عیادت کنندگان سے فرمایا کہ میں نے وہ کام کرلیا جس سے میں منع کیا کرتا تھا، ان کی اس بات کو ان کا رجوع سمجھا گیا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ جورب پر مسح درست ہے اگر وہ موٹا ہو اور اس سے پاؤں نہ جھلکے۔ صاحبین کے قول پر ہی مذہب حنفی میں فتویٰ ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جورب پر مسح فرمایا تھا❶ دوسری بات یہ ہے کہ جورب اگر موٹے ہوں تو ان کو پہن کر چلنا ممکن ہے جیسے آج کل کے اونی موٹے موزے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ جورب پر مسح درست ہے اگر وہ اتنا موٹا ہو کہ اس کو پہن کر ایک فرسخ یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو اور وہ پنڈلی پر خود ٹھہر سکے اور اس سے پاؤں نہ نظر آئیں اور نہ جھلکیں۔ مالکیہ نے بھی امام ابوحنیفہ کی طرح یہ شرط رکھی ہے کہ جورب پر اندر اور باہر سے چمڑہ لگا ہو یعنی کہ عادتاً اس میں چلنا ممکن ہو اس طرح وہ بھی چمڑے کے موزوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اور جن احادیث میں جورب پر مسح کا ثبوت ملتا ہے ان سے مراد یہی جورب ہیں۔

شوافع جورب پر مسح دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں:

۱......وہ اتنا موٹا ہو کہ اس سے پاؤں نہ جھلکیں اور اس کو پہن کر چلتے رہنا ممکن ہو۔

۲......وہ نعل دار ہو۔ اگر دونوں میں ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کو پہن کر چلتے رہنا ممکن نہیں ہے جیسے کپڑے کے موزوں میں اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوربیں (دونوں جورب) اور جوتوں پر مسح فرمایا کو امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح محدثین نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

حنابلہ نے جورب پر مسح ان ہی دونوں شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جو دو شرطیں انہوں نے خف (چمڑے کے موزے) کے بارے میں عائد کی ہیں۔

۱......وہ اتنا موٹا ہو کہ اس سے پاؤں بالکل نظر نہ آئیں۔ ۲......اس میں چلتے رہنا ممکن ہو اور وہ خود برقرار رہے۔

ان حضرات کی دلیل وہ اقوال ہیں جو جورب پر مسح کے جواز کے بارے میں نو صحابہ کرام سے منقول ہیں جو کہ یہ ہیں (۱) حضرت علی (۲) حضرت عمار (۳) حضرت ابن مسعود (۴) حضرت انس (۵) حضرت ابن عمر (۶) حضرت براء (۷) حضرت بلال (۸) حضرت ابن ابی اوفی اور (۹) حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور اس کے جواز کا قول مشاہیر تابعین سے بھی منقول ہے جیسے عطاء حسن بصری سعید بن المسیب ابن جبیر نخعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم احادیث نبویہ سے بھی جورب پر مسح ثابت ہے۔ جن میں چند حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور جرابیں اور جوتوں پر مسح فرمایا❷ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جرموق اور عمامہ پر مسح فرمایا❸ راجح حنابلہ کی رائے

---

❶......سنن ابن ماجہ ابوداؤد نسائی اور ترمذی میں حضرت مغیرہ والی حدیث منقول ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے اسی طرح حضرت ابوموسیٰ کی حدیث ابن ماجہ اور طبرانی کے ہاں مذکور ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث طبرانی نے نقل کی ہے آخری دونوں حدیثوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۸۴ اور بعد کے صفحات۔ ❷ بروایت اصحاب سنن خمسہ ماسوا نسائی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے تاہم وہ متصل اور قوی حدیث نہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۹ پیش نظر رہے کہ علامہ زیلعی نے امام نسائی کو بھی حدیث مغیرہ کا راوی قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں امام نسائی کو رواۃ حدیث میں شامل نہیں کیا ہے۔ ❸ بروایت امام احمد ترمذی اور طبرانی۔ موق اس کو کہتے ہیں جو چمڑے کے موزوں پر پہنا جاتا ہے یا اس کو جس کا پنڈلی کا حصہ نہ ہو صرف جوتے کی طرح نچلا حصہ ہو۔ اس حدیث میں وارد لفظ خمار کا مطلب عمامہ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول روایت جو سنن سعید بن منصور میں مذکور ہے کہ امسحوا علی النصیف والخمار تو اس سے مراد بھی وہی بے پنڈلی کا موزہ ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۹۔

۸۔آٹھویں بحث......زخم کی پٹیوں پر مسح

اس میں جبیرہ (زخم کی پٹی) کے مفہوم و معنی، اس پر مسح کی مشروعیت اس کے حکم مسح کی شرائط مسح کی مقدار مطلوب اور یہ بحث کہ مسح اور تیمم کو جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور یہ بحث کہ کیا اس کے بعد نماز کا اعادہ واجب ہے؟ مسح کے نواقض اور موزوں اور پٹی پر مسح کے درمیان فرق کی بحث ذکر کی جائیں گی۔

پٹی کے معنی ومفہوم......عربی میں اس کو جبیرہ یا جبارہ کہتے ہیں اور اس کا مطلب ہے وہ لکڑی یا بانس کی کھچی جو ہڈی ٹوٹ جانے یا اتر جانے کے مقام پر باندھی جاتی ہے تاکہ چوٹ صحیح ہوجائے ❶ اور آج کل ہڈی ٹوٹ جانے پر اس کو جوڑنے کے لئے لگایا جانے والا رائج پلاسٹر بھی اسی کے حکم میں ہے، اسی طرح آپریشن کے بعد لگائی جانے والی پٹی خواہ سر کے زخم کی ہو پچھنے لگائے جانے کی جگہ اور داغ لگائے جانے کے مقام پر لگائی جانے والی پٹی اور زخم پر لگائی گئی پٹی وغیرہ سب اس حکم میں ہیں، یعنی وہ تمام پیٹاں جو زخم کو ٹھیک کرنے وغیرہ کی غرض سے زخم کی جگہ باندھی جائیں۔علامہ ابن جزری مالکی فرماتے ہیں: جبائر (جمع جبیرہ کی، پٹیاں) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو جراحت، زخم اور پچھنے کی جگہ پر باندھی جائے۔❷

پٹی پر مسح کرنے کی مشروعیت......پٹی پر مسح از روئے سنت نبوی اور عقل جائز ہے۔سنت نبوی کی رو سے جائز ہونے کے لئے تو وہ احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک ہاتھ کا گٹا ٹوٹ گیا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے مجھے پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا ❸ اسی طرح ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس کا سر زخمی ہوگیا تھا اس نے نہالیا اس سے اس کی موت واقع ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم دھوڈالتا۔❹

اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ پٹیوں پر مسح کرنے کی ضرورت تو ظاہر ہے کہ درپیش ہوتی ہے کیونکہ ان کے اتارنے میں حرج اور ضرر ہے۔ علامہ مرغینانی ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اس کے اتارنے میں واقع ہونے والا حرج موزے اتارنے میں واقع ہونے والے حرج سے بڑھ کر ہے تو یہ مسح کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔❺

حکم مسح، آیا یہ واجب ہے یا سنت......امام ابوحنیفہ اور صاحبین فرماتے ہیں ❻ کہ پٹی پر مسح واجب ہے فرض نہیں یہ صحیح قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنے سے اگر اس کو نقصان ہو تو مسح بھی ساقط ہوجائے گا کیونکہ جب عذر کی بناء پر دھونا ساقط ہے تو مسح کرنا بطریق اولی ساقط ہوگا۔مسح کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ فرضیت قطعی دلیل سے ثابت ہوتی ہے اور

---

❶......مغنی المحتاج ج ا ص ۹۴ ابن قدامہ نے المغنی ج ا ص ۲۷۷ میں اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ چیز جو ٹوٹی ہڈی کو درست کرنے کے لئے بنائی جائے۔
❷القوانين الفقهيه ص ۳۹۔❸ یہ حدیث ابن ماجہ دارقطنی اور بیہقی نے نہایت ہی بے اعتبار سند کے ساتھ نقل کی ہے نصب الرایہ ج ا ص ۱۸۶ اور بعد کے صفحات سبل السلام ج ا ص ۹۹۔❹ بروایت ابی داؤد بسند ضعیف امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں منقول صحیح تر حدیث ہے باوجود اس کے کہ اس کی سند میں اختلاف ہے نصب الرایہ ج ا ص ۱۸۷ سبل السلام ج ا ص ۹۹ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند کے طرق مؤید و مضبوط ہیں ان سے سند پکڑنا درست ہے اس کو حضرت علی کی حدیث سے بھی قوت حاصل ہوتی ہے تاہم حضرت جابر کی حدیث دونے مسح کرنے اور تیمم تینوں کو جمع کرنے پر دلالت کرتی ہے نیل الاوطار ج ا ص ۲۵۸۔❺ فتح القدير ج ا ص ۱۰۹۔❻ البدائع ج ا ص ۱۳ اور بعد کے صفحات ردالمحتار لابن عابدین ج ا ص ۲۵۷ اور تحقیقی بات یہی ہے یہ اس کے برخلاف ہے جو بدائع میں مذکور ہے کہ مسح امام صاحب کے ہاں مستحب ہے واجب نہیں اور صاحبین کے ہاں واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث خبر واحد ہے لہٰذا اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اس کے وجوب بمعنی اس کے ترک کے جائز نہ ہونے پر اتفاق ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا ترک کرنے والا گناہگار ہوگا اور نماز بھی اس کی درست ہوگی لیکن اعادہ بھی واجب ہوگا گویا ان کے ہاں وجوب سے مراد ادنیٰ درجہ وجوب ہے اور صاحبین کے ہاں نماز اس کے بغیر درست ہی نہیں ہوگی گویا ان کے ہاں اعلیٰ درجہ وجوب مراد ہے۔

جمہور فقہاء یعنی مالکیہ،شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ پٹی پر پانی سے مسح کرنا فرض ہے، جتنا بھی استعمال کرنا ممکن ہو یہ قیاس کرتے ہیں موزوں پر اور قدر مشترک ان دونوں میں ضرورت کو قرار دیتے ہیں اور وہ بھی بطریق اولی دوسری بات یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں، باوجود اس کے کہ وہ ضعیف ہے، مسح کا حکم موجود ہے مسح علی الجبائر (پٹیوں پر مسح کرو) اور امر وجوب کے معنی دیتا ہے۔

اور یہ صورت بالاتفاق درست نہیں کہ کوئی شخص ایک پاؤں پر پٹی باندھا ہوا پٹی پر مسح کرلے اور دوسرے پاؤں پر جو صحیح اور تندرست ہو موزے پر مسح کرے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ غسل اور مسح کرے (یعنی پٹیوں والے پاؤں پر مسح کرے اور دوسرے پاؤں کو دھوئے)

پٹیوں پر مسح کی شرائط......اس کے جواز کے لئے مندرجہ ذیل امور شرط ہیں۔❷

ا......پٹی کا نکال لینا ممکن نہ ہو یا اس کے اتارنے اور عضو کو دھونے سے مرض کے ہوجانے یا بڑھنے کا اندیشہ ہو یا زخم کے درست ہونے میں تاخیر کا امکان ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تیمّم میں ہوتا ہے۔مالکیہ فرماتے ہیں کہ مسح اس وقت واجب ہے جب ہلاکت کا یا نقصان کے بڑھنے یا تکلیف کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے مثلاً سننے دیکھنے وغیرہ کی قوتوں کے ضیاع کا خطرہ ہو۔اور مسح اس وقت جائز ہے جب درد بڑھ جانے یا زخم کے دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو اور دیر سے ٹھیک ہونے سے کوئی عیب بھی لاحق نہ ہوتا ہو اسی طرح آنکھوں میں خرابی یا پھوڑے وغیرہ نکل آنے کا اندیشہ ہو۔اور اسی طرح اگر زخم وغیرہ اعضاء وضو میں ہوں حدث اصغر کی صورتحال میں یا جسم میں کہیں ہوں حدث اکبر کی صورتحال میں۔

۲......خود اس زخم وغیرہ کا ضرر و نقصان کے سبب دھولینا ممکن نہ ہو، اگر اس کے دھولینے پر انسان قادر ہو تو پٹی پر مسح درست نہیں ہے اس صورت میں کہ زخم کے اوپر مسح کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا ہو زخم کے اوپر ہی مسح کرنا چاہئے پٹی پر مسح کرنا ایسی صورت میں درست نہیں مالکیہ فرماتے ہیں آشوب چشم میں مبتلا شخص اگر اپنی آنکھوں یا پیشانی پر مسح نہ کرسکے اور اندیشہ نقصان ہو تو وہ کپڑے کا ایک ٹکڑا پیشانی یا آنکھ پر رکھ کر مسح کرلے۔احناف فرماتے ہیں کہ ضرر لاحق ہونے کی صورت میں دھونے کی طرح مسح بھی ساقط ہوگا بصورت دیگر وہ شخص مسح نہ ترک کرے۔شوافع فرماتے ہیں کہ مرض کی جگہ کو پانی سے نہ دھوئے صحیح عضو کو دھولے اور بیمار وضو کی طرف سے تیمّم کرلے اور پٹی ہونے کی صورت میں اس پر مسح کرلے۔

۳......پٹی جائے ضرورت سے زائد نہ ہو اگر محل ضرورت سے زائد ہو تو اس کا اتارنا لازم ہوگا اور موضع ضرورت سے مراد ہے وہ جگہ جو پٹی کے باندھنے اور اس کے ٹھہرانے کے لئے ضروری ہو۔اور زائد جگہ کی پٹی ہٹا کر دھونا اس لئے ضروری ہے کہ مسح طہارت حاجت ہے تو وہ بقدر ضرورت ہی رہے گی۔اور اگر زائد کے ہٹانے سے تلف ہونے یا نقصان کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو حاجت سے زائد مقدار کے لئے تیمّم کرے اور جائے ضرورت پر مسح کرے اور باقی کو دھولے تو اس طرح غسل (دھونا) تیمّم اور مسح تینوں جمع ہوجاتے ہیں۔اور بیماری کی جگہ پر پانی سے مسح کرنا واجب نہیں خواہ کسی ضرر کا اندیشہ نہ بھی ہو کیونکہ واجب دھونا ہے مسح نہیں، تاہم مسح مستحب ہے، اور یہ بھی واجب نہیں کہ بیماری کی

❶......الشرح الصغير ج ا ص ۲۰۲ الشرح الكبير ج ا ص ۱۶۳ مغنی المحتاج ج ا ص ۹۴ بجيرمی الخطيب ج ا ص ۲۶۲-۲۶۵ المغنی ج ا ص ۲۸۶ كشاف القناع ج ا ص ۱۲۷، ۱۳۵ القوانين الفقهيه ص ۳۹، المهذب ج ا ص ۳۷۔
❷البدائع ج ا ص ۱۳، الدرالمختار ج ا ص ۵۸ اور دیگر گزشتہ حوالہ جات

جگہ پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھ کر اس پر مسح کرلیا جائے کیونکہ مسح رخصت ہے اور مسح کا وجوب اس کے لئے مناسب نہیں (یعنی رخصت کے اندر وجوب کا قول رخصت کے منافی ہے) یہ شرط شوافع اور حنابلہ نے ذکر کی ہے شوافع مطلقاً تیمّم کو بھی واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ آگے آئے گا۔

حسن بن زیاد کے ذکر کردہ قول کے مطابق احناف فرماتے ہیں کہ اگر پٹی کھول کر زخم کے آس پاس جگہ دھونے سے زخم کو نقصان پہنچتا ہو تو زائد پٹی پر مسح جائز ہوگا اور اس پر مسح اس کے نیچے کی جگہ کو دھونے کے قائم مقام ہوگا جیسے اس پٹی پر مسح جو ٹھیک زخم کے اوپر ہو اور اگر اس جگہ کو دھونے سے زخم کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو صرف زخم کے اوپر پٹی کا مسح درست ہوگا پوری پٹی پر مسح درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ پٹی پر مسح کا جواز عذر کی وجہ سے تھا اور اس صورت میں عذر نہیں رہتا ہے۔ یہ تفصیل مالکیہ کے نزدیک بھی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ اس میں فرق نہیں کرتے کہ پٹی تکلیف زدہ جگہ تک ہی ہو یا ضرورت کے تحت اس سے زائد ہو (کہ یہ بہرصورت پٹی پر مسح کو جائز کہتے ہیں ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تب نہیں)

۴..... پٹی پانی سے حاصل شدہ طہارت کے بعد باندھی گئی ہو بصورت دیگر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ یہ شرط حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں ہے کیونکہ پٹی پر مسح موزے پر مسح سے اولی ہے، کیونکہ ضرورت کا عنصر اس میں زیادہ ہے اور موزوں کا طہارت کے حصول کے بعد پہنا جانا ضروری ہے۔ اور نماز اس صورت میں واجب الاعادہ نہیں ہوگی اگر پٹی صرف اس قدر ہو کہ جتنی زخم پر باندھنے کے لئے ضروری تھی اور وہ طہارت کے بعد باندھی گئی ہو اور پٹی کے نیچے کے صحیح اور تندرست حصے کو دھویا گیا ہو زخم کے لئے تیمّم کرلیا گیا ہو اور زخم پر موجود پٹی پر مسح کرلیا گیا ہو۔ اور اگر پٹی طہارت کے بغیر باندھ لی گئی ہو تو اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو اتارے اور اس کے نیچے کے حصے کو دھولے اور اگر اندیشہ نقصان کا ہو کہ اس کو اتارنے سے عضو کے تلف ہونے یا ضرر کا امکان ہو تو نچلے حصے کے دھونے کے بجائے تیمّم کرلے۔ اور اگر پٹی تیمّم کے عضو کی جگہ (یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ) کا احاطہ کرلے تو حنابلہ کے ہاں صرف پانی سے مسح کرلینا کافی ہے اور تیمّم ساقط ہوجائے گا اور شوافع کے ہاں وہ شخص نماز کا اعادہ کرے گا کیونکہ یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو دونوں پاک کرنے والی چیزیں (پانی اور مٹی) کو نہ پاسکتا ہو (یعنی فاقد الطهورين)

حنفیہ اور مالکیہ پٹی کا طہارت کے بعد باندھا جانا ضروری نہیں قرار دیتے ہیں، خواہ پاکی کی حالت میں باندھے یا بغیر پاکی کی حالت میں باندھے اس پٹی پر مسح جائز ہوگا اور صحیح ہونے کے بعد وہ شخص مسح نہیں کرے گا۔ مقصود اس حرج کا دور کرنا ہے جو ایسے شخص کو لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ بات زیادہ قابل فہم اور معقول ہے کیونکہ اس طرح کی پٹیوں کے باندھنے کے عمل میں اچانک اور ناگہانی طور پر واقع ہونے کا عنصر ہوتا ہے ایسی صورت میں طہارت کی شرط لگانا قابل حرج و مشقت امر ہے۔

۵..... پٹی کسی غصب شدہ چیز کی نہ باندھی ہو اور نہ ریشم کی باندھی ہو جو مردوں پر حرام ہوتا ہے اور نہ ہی ناپاک چیز سے باندھی ہو جیسے مردار کی کھال اور ناپاک کپڑا ایسی صورت میں مسح باطل ہوگا اور نماز بھی باطل قرار پائے گی۔ یہ شرط صرف حنابلہ عائد کرتے ہیں۔

پٹی پر مسح کرنے میں شرعاً مطلوب مقدار کا بیان...... احناف کے ہاں پٹی کے اکثر حصے پر ایک مرتبہ مسح کرلینا کافی ہے پوری پٹی پر مسح کرنا اور دوبارہ کرنا اور نیت کا ہونا بالاتفاق شرط نہیں ہے، یہ احناف کی ہاں مفتی بہ قول ہے[1] اور یہ اسی طرح ہے جیسے سر، موزے اور پگڑی کے مسح میں نیت شرط نہیں ہے پٹی پر مسح کرنے میں اکثر حصے پر مسح کرنے کو شرط قرار دینے اور سر اور موزوں پر کئے جانے والے مسح میں اکثر کے اوپر مسح کرنے کو شرط قرار نہ دینے میں کہ ان میں صرف تین انگلیوں کی مقدار کرلینا کافی ہے جب کہ اس میں نہیں۔ فرق یہ ہے کہ سر کا مسح قرآن کی آیت کے سبب مشروع ہے اور اس میں آیا ہوا حرف ب عربی قواعد کے تقاضے سے تبعیض (بعض کے مراد ہونے نہ کہ کل کے مراد ہونے) کا تقاضا کرتا ہے اور موزوں پر مسح اگر قران کی آیت وضو کے لفظ وارجلکم کی اس قرأت سے ثابت کیا جائے جس میں یہ لفظ

[1]..... الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۰ فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۹ البدائع ج ۱ ص ۱۲

مجرور (لام کے زیر کے ساتھ) استعمال ہوا ہے تو اس صورت میں وہ لفظ برؤسکم پر عطف ہوا اسی کے حکم میں ہوگا اور حرف ب کے تبعیض کے معنی یہاں بھی مراد ہوں گے۔ اور اگر یہ حدیث سے ثابت ہوتو بھی حدیث نے وضاحت سے یہ بتا دیا ہے کہ کل کا مسح نہیں جزء کا مسح ہوگا جب کہ پٹیوں پر مسح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو تبعیض کے معنی ومفہوم پر دلالت کرے لہٰذا اس میں پوری پٹی کا مسح ہی ضروری قرار پایا تاہم قلیل مقدار حرج کے دور کرنے کی خاطر ساقط قرار پائی اور اکثر کو قائم مقام اس کے (پورے کے) قرار دیا گیا جمہور علماء یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ پانی کا جتنا زیادہ سے زیادہ استعمال ممکن ہو کرتے ہوئے پوری پٹی کا مسح کرنا واجب ہے عقلی طور پر اس لئے کہ اس کا مسح اس کے نیچے کے وضو کا بدل ہوتا ہے اور پٹی کے نیچے موجود حصے کا پورا دھونا واجب تھا اسی طرح اس کا پورا مسح بھی واجب ہوگا اور اس کے پورے کے پورے کا مسح کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں بخلاف موزے کے کہ اس کے پورے کے پورے کا مسح باعث مشقت بھی ہے اور مسح اس موزے کے خراب اور ضائع کرنے کا سبب بھی بنے گا مالکیہ اور احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ اصل واجب یہ ہے کہ زخمی جگہ کو خود یا تو دھویا یا مسح کیا جائے اگر بلا ضرر ایسا کر لینا ممکن ہو اور اگر اس پر مسح کر لینا ممکن نہ ہو تو زخم پر موجود جبیرہ (پٹی) پر مسح کرے اور جبیرہ سے مراد وہ پٹی ہے، جس میں دواء وغیرہ لگی ہوئی ہوتی ہے اور وہ زخم پر لگائی جاتی ہے یا آشوب زدہ آنکھ پر رکھی جاتی ہے اور اگر اس پٹی پر (جو زخم پر لگی ہوئی ہو اور اس میں دواء وغیرہ ہو) مسح کرنا ممکن نہ ہو یا اس کا کھولنا مشکل ہو تو اس پٹی پر مسح کرے جو اس پٹی کے اوپر باندھی گئی ہو اور اگر کئی پٹیاں ہوں تو انہی پر مسح کرے لیکن اس کے لئے پٹیوں کے اوپر مسح اس صورت میں جائز نہیں ہوگا جب کہ وہ ان کے نیچے مسح کرنے پر قادر ہو اور مسح کی کوئی مدت نہیں ہے، یہ اس وقت تک کیا جائے گا جب تک شفاء نہ ہو جائے، کیونکہ اس بارے میں کوئی تحدید وقت منقول نہیں ہے دوسری بات یہ کہ موزوں کے برخلاف اس پٹی کو حالت جنابت میں اتارنے کا حکم نہیں ہے علاوہ ازیں پٹی پر مسح ضرورت کے تحت مشروع ہے اور ضرورت اس پٹی کے کھول لینے یا زخم کے ٹھیک ہو جانے تک برقرار رہتی ہے۔ جمہور کے ہاں اور احناف کے ہاں زخم کے ٹھیک ہونے تک ضرورت برقرار رہتی ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) جنبی شخص اور دیگر لوگ جب چاہے مسح کر سکتے ہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس عضو کو دھوتے وقت ہی مسح کرنا ہوگا جس پر یہ زخم موجود ہے کیونکہ ان حضرات کے ہاں ترتیب شرط ہے اور اس شخص کو مسح اور دھونے سے پہلے تیمّم کر لینے کا بھی اختیار ہے بلکہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ ساتر (چھپانے والا پٹی کا وہ حصہ جو زخم کے علاوہ جگہ پر ہو) کا مسح بھی واجب ہے خواہ اس پر خون کیوں نہ لگا ہو کیونکہ پاکی حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جانے والا پانی قابل معافی ہوتا ہے ❷ اور اس کا مسح اس کے بدلے ہوتا ہے جو عضو کا صحیح حصہ اس کے نیچے آیا ہوا ہوتا ہے، اور اگر ساتر کے نیچے کچھ نہ ہو یعنی صحیح حصہ اس کے نیچے نہ ہو صرف زخمی حصہ ہی ہو یا ہو لیکن وہ شخص اس کو دھولے تو معتمد قول کے مطابق شوافع کے ہاں اس کا مسح واجب نہیں ہے۔

شوافع نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر وہ شخص حالت طہارت میں صحیح ہو جائے تو اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا کیونکہ بیماری ختم ہو چکی ہے، اور جائے عذر کا دھونا واجب ہوگا وہ شخص جنبی ہو یا بے وضو ہو لیکن پوری طہارت از سر نو دہرانی ضروری نہیں۔ کیونکہ کچھ باطل ہونا پورے کے باطل ہونے کا متقاضی نہیں ہے۔ بے وضو شخص پر لازم ہے کہ بیماری والے اعضاء کے دھونے کے ساتھ اس کے بعد والے اعضاء کو بھی ترتیب قائم رکھنے کے لئے دھوئے کیونکہ وضو میں ترتیب ان کے ہاں شرط ہے جیسے اگر کوئی شخص کسی وضو میں کوئی چھوٹا سا حصہ دھونا بھول جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ تاہم جنبی کا حکم یہ نہیں ہے وہ بیماری والے عضو کے بعد کے اعضاء نہیں دھوئے گا کیونکہ غسل میں ترتیب باتفاق فقہاء شرط نہیں ہے۔

---

❶ ..... الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۹ المھذب ج ۱ ص ۳۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۴ بجیر می الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۸ اور بعد کے صفحات، ص ۱۳۵۔ ❷ اس طرح وہ خون بھی قابل معافی ہوتا ہے جو اس پر ہو خواہ وہ بالقصد مسح کے پانی سے مل بھی جائے کیونکہ ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے اور مسح کا درست ہونا اسی پر موقوف ہے۔ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲۔

کیا پٹی پر مسح اور تیمّم دونوں کرنا ضروری ہیں:

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ صرف پٹی پر مسح کر لینا کافی ہے یہ پٹی کے نیچے کے عضو کے دھو لینے کا بدل ہے تیمّم کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا کیونکہ دو طہارتوں کو ایک ساتھ نہیں جمع کیا جا سکتا ہے۔

شوافع ظاہر قول کے مطابق پٹی پر مسح کے ساتھ تیمّم بھی کرنا لازم قرار دیتے ہیں❷ لہٰذا وہ شخص صحیح عضو کو دھوئے پٹی پر مسح کرے اور تیمّم بھی کرے یہ اس پر واجب ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور دار قطنی نے صحیح سند کے ساتھ جس کے تمام راوی ثقہ ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس شخص کے بارے میں جس کے سر پر چوٹ تھی اس کو احتلام ہوا تو اس نے غسل کیا اور پانی اس کے زخم میں چلا گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے تو اتنا کافی تھا کہ وہ تیمّم کرتا سر پر ایک پٹی باندھتا اس پر مسح کرتا اور سارے بدن کو دھوڈالتا اور تیمّم اس عضو کے بدلے میں جو مرض کا شکار ہے اس پٹی کا مسح بدل ہے اس حصے کے دھونے کا جو پٹی لپیٹنے میں زخم کے اطراف کا صحیح حصہ اس کے نیچے آیا ہوا ہے۔ کیونکہ عام طور پر پٹی وغیرہ مرض شدہ جگہ سے کچھ زائد ہی ہوتی ہے چنانچہ اگر وہ صرف بقدر اس جگہ ہی کے ہو یا زائد ہو لیکن وہ شخص اس زائد جگہ کو دھولے تو مسح واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کے جسم میں کئی جگہ پٹیاں بندھی ہوئی ہوں اور وہ جنبی ہو جائے اور غسل کا ارادہ ہو تو ان سب کی طرف سے ایک تیمّم کافی ہوگا کیونکہ اس کا بدن ایک عضو کی طرح ہے اور حدث اصغر بے وضو ہونے کی کیفیت (صورت) میں زخمی اعضاء کے بقدر تیمّم بھی متعدد ہوں گے صحیح قول کے مطابق جیسا کہ پٹی کے متعدد ہونے کی صورت میں مسح بھی متعدد ہوں گے۔ اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی کو تمام اعضاء وضو میں زخم ہوں لیکن پورے پورے عضو میں نہ ہوں تو اس کو تین تیمّم کرنے ہوں گے پہلا چہرے کے لئے دوسرا ہاتھوں کے لئے تیسرا پاؤں کے لئے اور سر میں جو تھوڑا بہت بچ گیا ہے اس کا مسح کافی ہے لیکن اگر زخم پورے سر میں ہو تو چار تیمّم لازم ہوں گے اور اگر پورے پورے عضو زخمی ہوں تو ایک تیمّم کافی ہوگا کیونکہ دھونے کا فریضہ ساقط ہونے سے ترتیب بھی ساقط ہو جائے گی۔

حنابلہ نے اعتدال سے کام لیتے ہوئے فرمایا ہے❸ کہ پٹی پر مسح تیمّم کے بغیر ہی کافی ہوگا (بشرطیکہ پٹی ضرورت سے زائد نہ لپیٹی گئی ہو)۔ کیونکہ یہ مسح حائل پر ہوتا ہے تو یہ بلا تیمّم درست ہوگا جیسے موزوں پر مسح بلکہ یہ زیادہ اولی طریقے پر مسح کے حکم کا اہل ہے، کیونکہ ضرورتمند شخص زیادہ تخفیف کا حقدار ہوتا ہے۔❹

اور اگر پٹی ضرورت سے زائد جگہ لپیٹی ہوئی ہو یا اس کے اتارنے سے اندیشہ نقصان ہو تو مسح اور تیمّم دونوں لازم ہوں گے تیمّم تو اس کے لئے ہوگا جو زخم کے آس پاس وہ صحیح جگہ ہے جس پر پٹی لپیٹ دی گئی ہے اور مسح اس جگہ کے لئے جو واقعی قابل ضرورت ہے اور باقی جگہ کے لئے دھونے کا عمل ہوگا۔ تو اس صورت میں دھونے مسح کرنے اور تیمّم تینوں کو جمع کرنا ہوگا اور اگر زخم پر پٹی نہ ہو تو وہ صحیح حصے کو دھوئے اور زخمی جگہ کے لئے تیمّم کرے۔ اور میرے اندازے کے مطابق یہ سب سے بہتر رائے ہے اور تیمّم بھی ان کے ہاں متعدد ہوں گے جیسا کہ شوافع نے قرار دیا ہے۔

زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد نماز کے لوٹانے کا حکم......جن حضرات نے پٹی حالت طہارت میں باندھنا شرط نہیں قرار دیا تھا جو

---

❶......الدر المختار ج ۱ ص ۲۵۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۲۔❷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۴ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲ اور بعد کے صفحات حاشیة الباجوری ج ۱ ص ۱۰۱ المھذب ج ۱ ص ۳۷۔❸ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۳۵ اور بعد نے صفحات المغنی ج ۱ ص ۲۷۹ اور بعد کے صفحات ❹ حنابلہ نے سر کے زخم والے شخص کے واقعے والی حدیث کو نا قابل قبول قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کرنا کمزور ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ واو او کے معنی میں ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ تیمّم کرنے کا حکم پٹی کے بغیر طہارت کے باندھے جانے کی بناء پر ہو۔ حوالہ بالا۔

کہ حنابلہ اور احناف ہیں ❶ اور انہی کی رائے برحق بھی ہے، یہ حضرات زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد نماز کے اعادے کو لازم نہیں قرار دیتے ہیں کیونکہ علماء کا نماز کے جواز پر اجماع ہے اور جب نماز جائز قرار پاتی ہے تو اس کا اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

اور وہ حضرات جو پٹی کے باندھتے وقت طہارت کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں یعنی شوافع اور حنابلہ ❷ تو ان میں سے شوافع نماز کے اعادے کو اس شرط کے نہ پائے جانے کی بناء پر لازم قرار دیتے ہیں یعنی پٹی کے حالت طہارت میں نہ باندھے جانے کی بناء پر اور حنابلہ تیمّم کر لینے کی صورت میں اعادے کو لازم نہیں قرار دیتے ہیں۔

شوافع کے ہاں نماز ان مندرجہ ذیل تین صورتوں میں لوٹانی ضروری ہوگی۔ ❸

۱......اگر پٹی اعضاء تیمّم یعنی چہرے اور ہاتھوں پر ہو علی الاطلاق خواہ طہارت کی حالت میں یا بے وضو ہونے کی حالت میں باندھی گئی ہو۔

۲......پٹی حدث کی حالت میں باندھی گئی ہو خواہ اعضاء تیمّم پر خواہ اس کے علاوہ عضو پر۔

۳......پٹی ضرورت سے زائد ہو یعنی زخم کے اور پٹی کے ٹھہرنے کے لئے درکار جگہ سے زائد جگہ بندھی ہوئی ہو۔ یہ مطلقاً ہے خواہ حالت طہارت میں باندھی گئی ہو یا حالت حدث میں۔

دوصورتوں میں ان کے ہاں نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا:

۱......اگر وہ اعضاء تیمّم کے علاوہ اعضاء پر بندھی ہوئی ہو اور ضرورت سے زائد نہ ہو خواہ حالت حدث میں باندھی گئی ہو۔

۲۔......اگر وہ اعضاء تیمّم کے علاوہ بندھی ہوئی ہو اور حالت طہارت میں باندھی گئی ہو خواہ وہ ضرورت سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

پٹی پر مسح کے نواقض (کالعدم کرنے والے توڑنے والے امور...... پٹی پر مسح دو حالتوں میں باطل ہو جاتا ہے جو کہ یہ ہیں۔ ❹

۱۔اس کا اترنا اور گر جانا......احناف فرماتے ہیں پٹی پر مسح اس وقت باطل ہو جائے گا جب وہ زخم درست ہونے کے سبب گر جائے کیونکہ عذر زائل ہو چکا ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص نماز میں ہو تو وضو مکمل کرنے کے بعد نماز از سر نو شروع کرے کیونکہ وہ بدل کے ذریعے مقصود حاصل ہونے سے پہلے ہی اصل پر قادر ہو گیا ہے اور اگر پٹی زخم درست ہونے سے پہلے ہی گر پڑے تو مسح باطل نہیں ہوگا کیونکہ عذر بدستور قائم ہے۔ اور اس پر مسح کرنا گویا اس کو دھونا ہوتا ہے جب تک عذر قائم رہے۔ یعنی مسح کا باطل ہونا درحقیقت زخم کے ٹھیک ہونے ہی سے ہوگا اس کا دوسری پٹی سے بدل دینا بھی جائز ہے اس پر دوبارہ مسح واجب نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ دوبارہ مسح کر لے۔ اور اگر کسی کو آشوب چشم کا مرض لاحق ہو جائے اور کوئی مسلمان حاذق طبیب اس کو آنکھوں میں پانی ڈالنے سے منع کرے یا اس کا ناخن جھڑ جائے یا اس میں کوئی بیماری ہو جائے اور وہ اس پر دوا ڈالا ہوا ہو تو اس پر مسح ضرورت کے تحت جائز ہے اور اگر مسح کرنے سے ضرر ہوتا ہو تو مسح بھی ترک کر دینا جائز ہے، کیونکہ ضرورت اپنی قدر کے مطابق مؤثر ہوتی ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ دواء وغیرہ کرنے کے لئے پٹی کے اتارنے یا گرنے سے مسح باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا جیسے ہی زخم صحیح ہو وہ شخص فوراً اس جگہ کو دھولے اور اگر زخم صحیح نہ ہو اور اس نے دوا کی خاطر اس کو بدلا ہو تو مسح دوبارہ کرے۔ اور اگر پٹی دوران نماز گر جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی، وہ شخص پٹی کو دوبارہ اپنی جگہ رکھے دوبارہ اس پر مسح کرے بشرطیکہ فاصلہ زیادہ نہ ہو گیا ہو پھر اپنی نماز شروع کرے۔ وجہ

---

❶...... القوانین الفقهيه ص ۳۹ الدر المختار ا ج ا ص ۲۵۸۔ ❷بجیرمی الخطیب ج ا ص ۲۶۵ کشاف القناع ج ا ص ۱۳۱۔ ❸بجیرمی الخطیب ج ا ص ۲۶۵ حاشية الباجوری ج ا ص ۱۰۰ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۰۷ المهذب ج ا ص ۳۷۔ ❹ البدائع ج اص ۱۴ فتح القدير ج ا ص ۱۱۰ اللباب ج ا ص ۴۶ مراقی الفلاح ص ۲۳ القوانين الفقهيه ص ۳۹ الشرح الصغير ج ا ص ۲۰۶ الشرح الكبير ج ا ص ۱۶۶ بجير می الخطیب ج ا ص ۲۶۲ كشاف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

اس کی یہ ہے کہ اس مسح شدہ جگہ کی پاکی اس کے ظاہر ہو جانے سے کالعدم ہوگئی وضو کرنے والا شخص اپنے سر کا مسح کرے گا اگر اس کا ساتر (چھپانے والا) گر پڑے یعنی وہ ساتر جس پر اس نے مسح کیا تھا خواہ وہ زخم کی پٹی ہو یا صرف پٹی ہو یا پگڑی ہو۔اور اگر ساتر کے گرنے اور مسح کے درمیان وقفہ طویل ہوگیا اور بھولے سے ایسا ہو تو وہ مسح کے بعد دوبارہ نماز شروع کرسکتا ہے، اور اگر بھولے سے ایسا نہ ہوا ہو تو از سر نو طہارت کا عمل شروع کرے یعنی وضو لوٹالے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر پٹی دوران نماز گر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی خواہ صحت یابی کے بعد پٹی گرے یا ویسے ہی گر جائے جیسے موزہ نکل جانے سے ہوتا ہے اور اگر صحت یابی ہو چکی ہو تب طہارت بھی باطل ہو جائے گی اور اگر صحت یابی نہ ہوئی ہو تو پٹی کو اس کی جگہ رکھ کر صرف اس پر مسح کرلینا کافی ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ پٹی کا ھٹ جانا اس کے صحیح ہو جانے کی طرح ہے خواہ ھڈی کا ٹوٹا ہوا مقام یا زخم صحیح ہونے سے قبل ہی وہ گرے۔اور اس کا صحیح ہو جانا ایسا ہے جیسے موزے کا اتر جانا مسح، طہارت اور نماز سب باطل ہو جائیں گے، یہ سب امور از سر نو کرنے ہوں گے، کیونکہ مسح پٹی کے نیچے موجود حصے کو دھونے کا بدل (عوض) تھا۔تاہم جنابت کی حالت میں پٹی ہٹنے کی صورت میں اس کا نیچے کا حصہ دھونا ہی کافی ہے اور بے وضو ہونے کی صورت میں اگر پٹی صحیح ہونے کی بناء پر گری ہے تو صرف وضو کرنا ہوگا بصورت دیگر یعنی بغیر ٹھیک ہوئے گرنے کی صورت میں تیمّم اور وضو دونوں کا اعادہ لازم ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ احناف کے علاوہ جمہور علماء پٹی کے مسح کو پٹی گر جانے یا اتر جانے کی صورت میں کالعدم اور باطل قرار دیتے ہیں۔

۲۔حدث...... پٹی کا مسح بالاتفاق حدث لاحق ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن حدث کے لاحق ہونے کی صورت میں شوافع کے ہاں پٹی والے شخص پر تین کام کرنا لازم ہوں گے ❶۔(۱) صحیح حصے کو دھونا۔(۲) پٹی پر مسح کرنا اور (۳) تیمّم۔اور اگر حدث نہ لاحق ہوا اور وہ دوسری فرض نماز کے پڑھنے کا ارادہ کرے تو وہ صرف تیمّم کرے گا دھونے اور مسح کرنے کے عمل کو نہیں لوٹائے گا کیونکہ ان کے ہاں ہر فرض نماز کے لئے تیمّم کا کرنا لازم ہے۔❷

یہاں ایک قابل ذکر بات پیش نظر رہے جو شوافع نے داغ لگانے سے پڑ جانے والے آبلے کے بارے میں فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر زخم کے ٹھیک کرنے کے لئے دوسری چیز اس سے بہتر ہو سکتی ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوگا اور اس کو ساتھ لے کر نماز درست نہیں ہوگی اور اگر دوسری چیز اس سے بہتر قائم مقام نہیں ہو سکتی ہو تو اس کے ساتھ نماز درست ہوگی اور اس کا اپنی جگہ پر پھولنا نقصان دہ نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی ضرورت ہو اور حاجت کے ختم ہونے کے بعد اس کا ہٹانا واجب ہے اور اگر وہ اس کو بلا عذر چھوڑ دے تو وہ مضر ہوگا اور نماز درست نہیں ہوگی۔احناف فرماتے ہیں کہ اگر داغ کے آبلے سے خون اپنی جگہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور یہ محض پٹی کے تر ہونے سے ہو جائے گا۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۹

موزوں اور پٹی پر کئے جانے والے مسح کے درمیان اہم فرق...... احناف نے ان دونوں نوعیت کے مسحوں کے مابین فرق بیان کئے ہیں اور وہ ستائیس ہیں، ان میں علامہ ابن عابدین شامی نے دس کا اضافہ کیا ہے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں۔❸

۱......پٹیوں پر مسح دنوں وغیرہ کے ذریعے معین اور محدود الوقت نہیں ہے، وہ ٹھیک ہو جانے کے ساتھ متصل ہے۔اور مسح علی الخفین ایام کی

❶..... حاشیة الباجوری ج ۱ ص ۱۰۱۔❷بحیرمی للخطیب ج ۱ ص ۲۶۵۔❸البدائع ج ۱ ص ۱۴ فتح القدیر وحاشیة العنایه ج ۱ ص ۱۰۹ الدر المختار وحاشیة لابن عابدین ج ۱ ص ۲۵۹۔۲۶۰

تحدید وقت کے ساتھ مشروع ہے مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن اور رات۔

۲...... پٹیوں کے باندھنے کی لئے طہارت کا ہونا شرط نہیں ہے، بے وضو شخص کے لئے بھی ان پر مسح درست ہے، جب کہ موزوں کے پہننے کے لئے طہارت شرط ہے بے وضو شخص کے لئے موزہ پہن کر مسح درست نہیں۔

۳ زخم کی پٹی اگر زخم کے ٹھیک ہوئے بغیر گر جائے تو مسح نہیں ٹوٹے گا جب کہ موزوں میں سے ایک یا دونوں کا نکل جانا مطلقاً مسح ٹوٹنے کا باعث ہے۔

۴..... پٹیوں پر مسح جب درست ہے جب زخم پر مسح کرنا مضر ہو، اگر وہ مضر نہ ہو تو پٹیوں پر مسح درست نہیں، جب کہ موزوں پر مسح مطلقاً جائز ہے خواہ آدمی اپنے پیر دھونے سے عاجز نہ بھی ہو۔

۵ پٹیوں پر مسح مطلقاً جائز ہے خواہ یہ پاؤں پر ہوں یا جسم کے کسی اور حصے میں جب کہ موزوں پر مسح صرف پاؤں میں پہنے ہوئے ہونے کی صورت میں درست ہے۔

باقی فرق بھی ان دونوں قسم کے مسحوں کی نوعیت اور شرائط سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

حنابلہ نے دونوں قسم کے مسحوں کے درمیان پانچ فرق بیان کئے ہیں وہ احناف کے ساتھ پہلے دوسرے اور چوتھے فرق میں متفق ہیں، باقی دو فرق ان کے ہاں یہ ہیں، ا۔ پٹی پر مسح طہارت کبریٰ میں بھی کیا جا سکتا ہے، کیونکہ پٹی اتارنے سے اس شخص کو ضرر لاحق ہوتا ہے بخلاف موزوں کے۔

۲......ان کے ہاں پوری پٹی پر مسح کرنا ضروری ہے کیونکہ پوری پٹی کا احاطہ کرنا پٹی کے لئے مضر نہیں، بخلاف موزوں کے کہ ان میں پورے موزے پر مسح باعث مشقت ہے اور موزہ بھی پورے مسح کرنے سے نقصان زدہ ہوتا ہے۔ (۱)

پانچویں فصل...... غسل کا بیان

اس میں غسل کی خصوصیات اس کے واجب کرنے والے امور فرائض سنتوں مکروہات جنبی پر حرام امور اور مسنون غسل کا بیان اور اس فصل سے متعلق دو ضمیموں پہلا احکام مساجد سے متعلق او دوسرا احرام کے احکام سے متعلق کا بیان ہوگا۔

ا۔ پہلی بحث غسل کی خصوصیات...... غسل، غین کے پیش یا زبر کے ساتھ نہانے کو کہتے ہیں اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے نہایا جائے لغت میں مطلقاً پانی کے کسی چیز پر بہنے اور بہانے کو کہتے ہیں، اور غسل غین کے زیر کے ساتھ وہ چیز جس سے نہایا جائے یعنی اشنان صابن وغیرہ۔

غسل شرعاً کہتے ہیں پاک پانی کو پورے بدن پر مخصوص طریقے پر بہانا (۲) شوافع اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ غسل پورے بدن پر نیت کے ساتھ پانی بہانے کو کہتے ہیں (۳) مالکیہ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: پانی کا پورے بدن پر مل مل کر پہنچانا نماز کے مباح کرنے کی نیت کے ساتھ۔ (۴)

اس کی مشروعیت کی دلیل قرآن کے یہ الفاظ ہیں: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اور جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) اور یہ حکم ہے پورے بدن کے پاک کرنے کا ہاں صرف وہ جگہیں مستثنیٰ شمار ہوں گی جن تک پانی کا پہنچانا مشکل ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا دھونا کہ یہ اس آیت میں مراد نہیں، کیونکہ اس کے دھونے میں تکلیف اور اذیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔

---

(۱) المغنی ج ا ص ۲۷۸۔ (۲) کشف القناع ج ا ص ۱۵۸۔ (۳) مغنی المحتاج ج ا ص ۶۸۔ (۴) حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ا ص ۱۶۰

غسل سے مقصود صفائی کا حصول اور تازگی اور چستی کو حاصل کرنا ہے، کیونکہ جنابت کا عمل سارے جسم میں اثر کرتا ہے اور اس کے اثرات نہا کر دور کئے جاسکتے ہیں اور نہانے کے عمل میں شارع کے امتثال امر کا ثواب بھی ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پاکی ایمان کا حصہ ہے اور پانی وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے۔

اس کا رکن ہے پورے جسم پر، جس جس حصے پر بلاحرج پانی پہنچانا ممکن ہو، پاک پانی پہنچانا۔

اس کا سبب ہے اس چیز کا ارادہ کرنا جو جنابت کی حالت میں درست نہ ہوں یا ایسی چیز کا واجب ہوجانا❶ (یعنی نماز وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز جو پہلے ممنوع ہو اس کا حلال ہوجانا اس کے کرنے پر ثواب کا مستحق ہوجانا اللہ کی رضا جوئی کی خاطر نہانے کے لئے پردہ کرنے کا حکم یہ ہے کہ تنہائی میں غسل کرتے وقت برہنہ ہونا درست ہے اسی طرح اس کے سامنے بھی برہنہ ہونا درست ہے. جس کے سامنے برھنہ ہونا درست ہو لیکن ستر اور پردہ افضل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بہز بن حکیم سے یہ فرمانا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو ماسواء بیوی اور ان کے جو تمہاری ملکیت میں ہوں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے❷ اس بات کی دلیل ہے کہ پردہ بہر حال افضل ہے۔

۲۔ دوسری بحث، وضو واجب کرنے والے امور..... غسل کو واجب کرنے والے امور کو حدث اکبر کہا جاتا ہے، جیسے وضو واجب کرنے والے امور کو حدث اصغر کہا جاتا ہے مکلف عاقل بالغ مرد یا عورت پر غسل واجب کرنے والے امور احناف کے ہاں سات ہیں، مالکیہ کے ہاں چار ہیں شوافع کے ہاں پانچ ہیں اور حنابلہ کے ہاں چھ ہیں یہ سب امور مندرجہ ذیل ہیں۔❸

۱۔ منی کا نکلنا..... یعنی منی کا مرد یا عورت کی اگلی شرمگاہ سے عام عادی لذت کے ساتھ، بحالت نیند یا جاگتے میں دیکھنے، یا ہمبستری کا سوچنے یا عملاً کام کرنے سے اچھل کر باہر نکلنا خواہ زندہ انسان کی ہو یا مردہ انسان کی یا جانور کی تاہم احناف مردہ جانور اور نا قابل شہوت چھوٹی بچی سے جنسی فعل کرنے کو موجب غسل نہیں قرار دیتے ہیں۔ اور منی وہ گاڑھا سا اچھل کر نکلنے والا پانی ہے جو شدت شہوت کے وقت نکلتا ہے۔ عورت کی منی پتلی اور پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔ مذی وہ رقیق سا سفید مادہ ہے جو آدمی کے اپنی بیوی سے بوس وکنار کے وقت نکلتا ہے۔ اور ودی پیشاب کے بعد آنے والا گاڑھے پن کی طرف مائل مادہ ہوتا ہے۔

شوافع کے بیان کے مطابق منی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اچھل اچھل کر نکلتی ہے یا لذت کے ساتھ نکلتی ہے اور اس کے نکلنے کے ساتھ عضو تناسل بھی ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور شہوت کم ہوجاتی ہے خواہ وہ قلیل ہونے کی وجہ سے اچھل کر نہ بھی نکلے یا وہ خون کے رنگ کی نکلے۔ اسی طرح اس کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس کی بوتر ہونے کی صورت میں، گندم کے گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور خشک ہونے کی صورت میں مرغی وغیرہ کے انڈے کی سفیدی کی بو کی طرح اس کی مہک ہوتی ہے۔ اور اگر وہ شخص اس سے لذت نہ اٹھائے اور وہ منی اچھل کر نہ نکلے جیسے مثلاً نہانے کے بعد بقیہ منی نکل آئے تو اس شخص پر دوبارہ غسل کرنا لازم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منی کا نکلنا خواہ وہ بوجھ اٹھانے کے سبب ہو یا اونچائی سے گرجانے کے سبب ہو یا وہ کپڑے میں پائی جائے بہر حال وہ شوافع کے ہاں غسل واجب کرنے والی ہوگی خواہ وہ شہوت کے ساتھ نکلے یا بلاشہوت نکلے عام عادی طریقے سے نکلے یا کسی اور طریقے سے نکلے جیسے مثلاً کمر ٹوٹ جانے پر نکل آئے۔ ہاں اگر غیر عادی طریقے پر بیماری کی وجہ سے نکل آئے تو وہ غسل واجب کرنے والی نہیں ہوگی۔

❶.....مراقی الفلاح ص ۱۵۔ ❷ بروایت امام احمد سنن اربعہ کے مصنفین حاکم اور بیہقی از حضرت بہز بن حکیم بروایت اپنے والد اپنے دادا سے۔ ❸ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱۔ ۴۴ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۸۔ ۱۵۶ مراقی الفلاح ص ۱۶ اللباب ج ۱ ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۶۰۔ ۱۶۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۱۳۰ القوانین الفقهیه ص ۲۵۔ ۳۰ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۴۴ المهذب ج ۱ ص ۲۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۸۔ ۷۰ المغنی ج ۱ ص ۱۹۹۔ ۲۱۱ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۵۸۔ ۱۶۷۔

حنابلہ فرماتے ہیں اگر منی بلا لذت وشہوت نکلے جیسے کسی مرض کے سبب نکلے یا سردی سے نکلے یا کمر ٹوٹ جانے سے نکل جائے۔ اور سوتے ہوئے یا پاگل یا بے ہوش یا نشے میں چور شخص کی نہ ہو تو وہ موجب غسل (غسل واجب کرنے والی) نہیں ہوگی۔ اور اس صورت میں وہ صرف نجس ہوگی اور صرف اس جگہ کا دھونا لازم ہوگا جس جگہ وہ لگی ہو جیسا کہ منی بہتے رہنے کے مریض پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے، صرف وضو واجب ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنے کپڑوں میں منی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے، اور جس کا خیال ہو کہ اس کو احتلام ہوا ہے لیکن وہ منی نہ دیکھے تو اس پر باتفاق علماء غسل واجب نہیں ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ غسل کے واجب کرنے والے امور میں احتیاطاً یہ بھی شامل ہے کہ کوئی شخص نشے یا بے ہوشی سے افاقہ ہونے کی صورت میں اپنے کپڑوں پر تری دیکھے جس پر اس کو منی ہونے کا گمان ہو جیسا کہ ان کے ہاں اس شخص پر غسل واجب ہے جس کے نہانے کے بعد منی نکل آئے۔ احناف کے ہاں وہ منی جو موجب غسل ہو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اچھل کر شہوت کے ساتھ مرد یا عورت میں سے نکلے بحالت نیند یا بحالت بیداری لہٰذا اگر بھاری بوجھ اٹھانے کے سبب یا اونچی جگہ سے گر جانے کے سبب منی نکل آئے تو غسل واجب نہیں ہوگا، کیونکہ قرآنی آیت کے اس حصے وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا میں وہ شخص مراد ہے جس کی منی شہوت کے ساتھ نکلے۔ ائمہ احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل جب تک واجب نہیں ہوگا جب تک کہ منی اپنے مقام سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر عضو تناسل سے باہر نہ آ جائے اور یہاں احناف کا مشہور اختلاف ہے کہ کیا منی کے عضو تناسل سے باہر نکلنے کے لئے بھی شہوت کا ہونا شرط ہے یا نہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ شرط نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرط ہے اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ ایک شخص کو احتلام ہو اور وہ لذت محسوس کرے اور اس کو انزال نہ ہو پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھے پھر اس کو انزال ہو جائے تو وہ شخص طرفین کی رائے میں صرف غسل کرے گا نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس پر غسل لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص جماع کے بعد سونے پیشاب کرنے یا چلنے سے پہلے نہا لے پھر اس کی منی بلا شہوت نکل آئے تو طرفین کے ہاں غسل کا اعادہ واجب ہوگا امام ابو یوسف کے ہاں واجب نہیں ہوگا۔ طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمد) کا قول زیادہ مبنی بر احتیاط ہے، کیونکہ جنابت نام ہے شہوت پوری کرنے کا اور جب شہوت کا پورا کرنا پایا جائے تو اس کا اطلاق متحقق ہو جاتا ہے۔

مالکیہ بھی احناف اور حنابلہ کی طرح فرماتے ہیں کہ منی غسل کو واجب کرتی ہے اور منی سے مراد ہے عادتاً جتنی لذت ہوتی ہے اتنی لذت کے ساتھ نکلنے والی منی اور اگر عادی لذت کے ساتھ نہ نکلے جیسے کسی مرض یا چوٹ، یا سلس ہونے کی بناء پر یا بچھو وغیرہ کے کاٹ لینے سے نکل آئے تو غسل واجب نہیں ہوگا اس شخص پر صرف وضو لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ غیر عادی لذت کے ساتھ نکل آئی جیسے عضو تناسل کے خارش زدہ ہونے کی صورت میں اس کو کھجلی دینے سے یا جانور کے حرکت کرنے سے یا گرم پانی میں جانے کے باعث نکل آنے والی منی غسل کو واجب نہیں کرے گی اس کے نکلنے سے صرف وضو واجب ہوگا لیکن گرم پانی میں اترنے یا عضو تناسل کے علاوہ کسی اور جگہ کے خارش زدہ ہونے کی صورت میں اس کو کھجانے سے اگر منی تھوڑی بہت ابتدائی شہوت اور لذت کے ساتھ بھی نکلے تب بھی غسل واجب نہیں ہوگا، کیونکہ گرم پانی وغیرہ شہوت جماع سے بعید ہوتا ہے۔ اور جانور کے ہلنے سے منی کے نکل آنے یا عضو تناسل کو کھجانے سے اگر وہ شہوت ولذت کے ابتدائی درجے کو محسوس کرے اور انزال بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہو تو غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل جماع کی شہوت کے قریب عمل ہیں اور جو شخص نیند سے بیدار ہو اور اپنے کپڑوں یا بدن پر تری پائے اور اس کو شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی تو اس پر غسل واجب ہوگا کیونکہ شک طہارت واجب کرنے میں مؤثر ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ عورت پر اس منی کے سبب غسل واجب نہیں ہوتا جو اس کی شرمگاہ میں داخل ہو جب تک وہ منی اس کو حاملہ کرنے والی نہ ثابت ہو۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے اور اس کا دھو لینا مسنون ہے۔

منی کے نکلنے پر غسل کے واجب ہونے کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث ہے وہ فرماتے ہیں میں ایسا شخص تھا جس کے

مذی بہت نکلتی تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا مذی کے نکلنے سے وضو لازم ہے اور منی کے نکلنے سے غسل لازم ہے ❶ اور امام احمد کی نقل کردہ روایت میں ہے اگر تمہاری منی نکلے تو غسل کرو جنابت کا اور اگر نہ نکلے تو غسل مت کرو اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ حدیث کہ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ حق سے نہیں شرماتا ہے کیا عورت پر بھی احتلام ہونے سے غسل واجب ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اگر وہ پانی دیکھے حضرت ام سلمہ نے دریافت کیا کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟' آپ نے فرمایا تمہارا بھلا ہو اس کا بچہ اس کے مشابہ کیسے ہوتا ہے ❷ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ان دونوں کے نکلنے سے وضو اور عضو تناسل کا دھونا واجب ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر جوان آدمی کو مذی ہوتی ہے اور مذی کے ہونے پر وضو لازم ہے۔ ❸

۲۔ دوختنوں والی جگہوں کا ملنا..... خواہ بغیر انزال کے سہی ❹ یا عضو تناسل کے حشفہ یا اس کے بقدر عضو کے حصے کا اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کا حشفہ کٹا ہوا ہو، ایسی شرمگاہ میں داخل ہونا جو جماع کے قابل ہو خواہ اگلی شرمگاہ ہو یا پچھلی مرد کی ہو یا عورت کی خوشی سے ہو یا جبری سوتے وقت ہو یا جاگتے وقت ہو۔ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ وہ غیر بالغ شخص کی شرمگاہ ہو لہٰذا اس میں تکلیف (مکلف ہونا) شرط نہیں لہٰذا بچے اور پاگل کے عضو تناسل داخل ہونے سے یہ دونوں جنبی ہو جائیں گے اور شوافع کے نزدیک ان پر غسل ان کے کامل ہونے پر اور وہ بچہ جو تمیز کر سکتا ہو اس کا غسل کرنا درست ہے اور اس کو اس کا حکم دیا جائے گا جیسے وضو کا حکم دیا جاتا ہے، حنابلہ دس سال کے بچے اور دس سال کی بچی پر غسل اور وضو دونوں واجب کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں وطی کریں اور ایسی چیز کا ارادہ کریں جو غسل پر موقوف ہو جیسی تلاوت قراءت یا ایسی چیز کا ارادہ کریں جس کے لئے وضو لازم ہو جیسے نماز اور طواف۔

مالکیہ اور احناف یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ وطی کا عمل مکلف، بالغ، عاقل نے کیا ہو لہٰذا غیر مکلف شخص پر غسل واجب نہیں ہوگا اور مالکیہ کے ہاں معتمد قول کے مطابق قریب البلوغ اور چھوٹی لڑکی جس کے ساتھ بالغ شخص نے ہم بستری کی ہو اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے احناف فرماتے ہیں کہ قریب البلوغ شخص کو غسل کر لینے تک نماز سے روکا جائے گا اور دس سالہ بچے کو تادیبا اس کا حکم دیا جائے گا۔

ہمبستری میں انزال بالاتفاق شرط نہیں ہے، کیونکہ وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں بلاشبہ نہانا جب واجب ہے جب پانی (منی) نکلے بالاجماع منسوخ ہے، تاہم احناف نے مردہ جانور اور بہت چھوٹی بچی سے ہم بستری کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اگر بچی کی بکارت زائل نہ ہوئی ایسی صورت میں انزال ہونے سے غسل واجب ہوگا اور اگر نہ انزال ہوا اور نہ چھوٹی بچی کی بکارت وطی کرنے سے ختم ہو تو اس صورت میں نہ غسل واجب ہوگا نہ وضو صرف عضو تناسل کو دھو لینا لازم ہے۔ کیونکہ ایسی وطی سلیم الطبع لوگ نہیں کرتے ہیں ❺ ان کے ہاں مقصود نہیں ہوتی ہے۔

جمہو علماء فرماتے ہیں کہ مردہ اور جانور سے وطی کرنے سے غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ بھی ایسے شرمگاہ میں اپنا عضو داخل کرنا ہے جیسے عورت سے اس کی زندگی میں وطی کرنا۔ اور مردہ عورت سے وطی کرنا بھی غسل کے واجب کرنے والی احادیث کے عموم کے تحت داخل ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں وطی خواہ کسی حائل کے ساتھ ہو یا بغیر حائل کے وہ غسل واجب کرتی ہے، تاہم مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس صورت میں واجب ہوگا کہ جب وہ اپنے عضو تناسل پر پتلا کپڑا لپیٹے اور اگر موٹا کپڑا لپیٹے تو واجب نہیں ہوگا شوافع فرماتے ہیں غسل بہر حال واجب ہے خواہ عضو تناسل پر باریک کپڑا لپٹا ہوا ہو یا موٹا کپڑا ہو حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ کسی حائل کے ساتھ داخل کرنے کی صورت میں

---

❶..... بروایت امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی منقول ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی سے بھی نقل کی ہے مسلم اور بخاری نے حضرت علی والی حدیث کو مختصرا بیان کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱۸۔ ❷ متفق علیہ۔ اور رائق الماء ماء سے مراد ہے منی کا بیدار ہونے کے بعد دیکھ لینا اور تربت یداک سے مراد ہے ڈانٹ ڈپٹ اصل معنی مراد نہیں (کہ تو فقیر بن) ❸ بروایت ابوداؤد اور امام احمد از عبداللہ بن سعد انصاری اور اسحاق اور طحاوی نے حضرت علی سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۹۳۔ ❹ دوختنوں کی جگہوں سے مراد مرد عورت کی اگلی شرمگاہوں کا ختنہ شدہ حصہ ہے مراد التقاء ختانین سے جماع ہے۔ ❺ حاشیة ابن عابدین ج ۱ ص ۱۵۴۔

انزال نہ ہونے پر غسل واجب نہیں جیسے کوئی شخص اپنے عضو پر کپڑا لپیٹ لے یا اس پر تھیلی چڑھالے حنابلہ اور شوافع یہ شرط لگاتے ہیں کہ عضو کو اصلی شرمگاہ میں داخل کیا جائے لہٰذا غیر اصلی فرج میں بغیر انزال کے صرف داخل کر لینے سے غسل واجب نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص ہیجڑے کی اگلی شرمگاہ میں عضو داخل کردے کیونکہ اس صورت میں اصل فرج (شرمگاہ) کا ہونا یقینی نہیں اسی طرح اگر ہیجڑہ اپنی عضو تناسل نما شرمگاہ بلا انزال کسی کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ میں داخل کردے تو بھی بلا انزال غسل لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہاں اصلی حشفہ کا غائب ہونا یقینی نہیں (یعنی ہیجڑے کے عضو تناسل کا ہونا یقینی نہیں ہے) مالکیہ وغیرہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ یہ دخول ایسی شرمگاہ میں ہو کہ جو طاقت رکھتی ہو لہٰذا بلا انزال تھوڑا سا حشفہ اندر کرنے یا پورا اندر کرنے سے لیکن وہ اندر بھی ایسی شرمگاہ کے ہو جو اس کی طاقت نہ رکھے یا شرمگاہ سے نیچے نیچے کہیں ڈال دینا جیسے ران میں یا پیٹ سے رگڑنا یا شرمگاہ کے اوپر کے دونوں کناروں میں ڈالنا یا شرمگاہ کے گڑھے میں ڈالنا یا دونوں شرمگاہوں یا بغیر داخل کئے ملنا اور عورت کا دوسری عورت سے چپٹی کرنا وغیرہ ان سب امور میں بلا انزال محض عضو کے ڈالنے سے غسل لازم نہیں ہوگا۔

التقاء ختانین (دو ختنے کی جگہوں کے ملنے) سے غسل کے لازم ہونے کی دلیل خدا کا یہ فرمان ہے **وان کنتم جنبا فاطھروا** اور بہت سی احادیث بھی ہیں جن میں ایک حدیث یہ ہے جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہوگا خواہ انزال نہ بھی ہو ❶ اور یہ حدیث جب مرد اس کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اس کو بھینچ لے تو اس وقت اس پر غسل واجب ہے ❷ اور امام مسلم اور امام احمد نے **وان لم ینزل** کے الفاظ نقل کئے ہیں (یعنی خواہ اس کو انزال نہ ہو) اور یہ حدیث بھی دلیل ہے جب وہ شخص عورت کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر ختنے کی جگہ ختنے کی جگہ سے مل جائے تو غسل لازم ہو جائے گا ❸ ترمذی کے الفاظ ہیں: ختنے کی جگہ دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کرلے تو غسل لازم ہو جائے گا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث بے شک یہ فتوی جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ غسل منی نکلنے پر واجب ہے ایک رخصت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں دی تھی، پھر آپ نے اس کے بعد ہمیں غسل کرنے کا حکم دینا شروع کر دیا ❹ اور ترمذی کی نقل کردہ حدیث جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کے الفاظ یہ ہیں کہ غسل کے منی کے نکلنے ہی پر واجب ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں رخصت تھا پھر اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت جو امام احمد نے نقل کی ہے کہ **الماء من الماء** (غسل کا حکم پانی (منی نکلنے پر ہے) منسوخ ہے، اور یہ حدیث انصار کے اس گروہ کے خلاف دلیل بھی ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ بغیر انزال داخل کرنا اور نکالنا موجب غسل نہیں کیونکہ یہ تمام احادیث التقاء ختانین کے سبب غسل واجب قرار دینے میں صریح ہیں خواہ اس شخص کو انزال ہو یا نہ ہو۔ اور صحابہ کا اس پر اجماع بھی ہے، التقاء ختانین سے مراد دونوں شرمگاہوں کا آمنے سامنے ہونا یا صرف ملنا نہیں بلکہ مراد ہے ایک ختنے کی جگہ کا دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کر دینا تو گویا یہ مجاز ہے اور اس سے مراد ہے عضو کا داخل کرنا یا حشفہ کا شرمگاہ میں داخل کرنا۔ کیونکہ ختانا (دو ختنے والی جگہوں) سے مراد ختنے میں جہاں سے کھال کاٹی جاتی ہے وہ جگہ ہے، اور عورت کی ختان (ختنے کی جگہ) پیشاب کے راستے سے اوپر ہوتی ہے، اور پیشاب کی جگہ عضو تناسل داخل کرنے کی جگہ سے اوپر ہوتی ہے (یعنی ختنے کی جگہ ملنے سے مراد کنایۃً عضو تناسل کا عورت کی اندام نہانی میں داخل کرنا ہے اصلی ختنے کی جگہ مراد نہیں ہے) حنابلہ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مردہ عورت سے وطی کئے جانے کی صورت میں اس کو دوبارہ غسل دینا لازم ہوگا۔

---

❶ ..... بروایت امام مسلم اور ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ❷ متفق علیہ بروایت حضرت ابوہریرۃ، نیل الاوطار ج ا ص ۲۱۹۔ اور چار گوشوں سے مراد یا تو دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں یا دونوں پاؤں اور دونوں رانیں ہیں بعض نے اور بھی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ ❸ بروایت امام احمد، مسلم اور ترمذی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ا ص ۲۲۱۔ ❹ بروایت امام احمد وابوداؤد، حوالہ بالا حضرت رافع بن خدیج سے منقول روایت جو امام احمد نے نقل کی ہے تو اس میں ایک مجہول راوی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے حوالہ بالا۔

۳، ۴ حیض اور نفاس...... یہ دونوں امور بالاتفاق غسل واجب کرتے ہیں، حیض تو اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے: فاعتزلوا النساء فی المحیض (سو عورتوں سے حالت حیض میں دور رہو، سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲) اور بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ لوٹ جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اور نفاس اس لئے کہ وہ حیض کا جمع شدہ خون ہے، حیض اور نفاس کے خون کا رک جانا غسل کے واجب ہونے اور اس کے درست ہونے کے لئے شرط ہے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ (جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲) مراد ہے جب وہ نہالیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شوہر کو غسل سے پہلے ہم بستری سے منع کیا گیا جو دلیل ہے اس کی کہ غسل واجب ہے۔

اور اگر بچہ پیدا ہوا اور کوئی تری نہ نظر آئے تو مالکیہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق غسل واجب ہوگا، احناف کا مختار قول بھی یہی ہے اور شوافع کے ہاں اصح قول یہی ہے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ خواہ وہ علقہ یا مضغہ (بچے کی تخلیق کے ابتدائی مراحل) ہو شوافع کے ہاں، وہ جمی ہوئی منی ہوتا ہے، اور وہ عام طور پر تری کے بغیر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ بذات خود اسی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، جیسے نیند کے بعد تری کا کپڑوں پر نظر آنا اور اس طرح کے بچے کی پیدائش پر عورت افطار کرلے گی۔ بخلاف اس کے کہ اس کے ہاں پیدائش میں صرف ہاتھ یا پاؤں وغیرہ نکل آئے تو اس صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا، اور نہ وہ روزہ چھوڑے گی، اس کو غسل اور وضو دونوں میں سے جو چاہے کر لینے کا اختیار ہوگا۔

حنابلہ راجح قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ خون کا لوتھڑا وغیرہ نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس چیز کے معنی و مفہوم میں ہے جو نص میں وارد ہے۔ لہٰذا اس کے نکلنے سے روزہ باطل نہیں ہوگا اور نہ ہی نہانے سے قبل اس سے وطی حرام ہوگی۔ علقہ منی کی جمی ہوئی شکل جو حمل کے ابتدائی زمانے میں ہوتی ہے) اور مضغہ کے نکلنے سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ ولادت نہیں شمار ہوتی ہے، بچہ جو نکلتا ہے وہ پاک ہوتا ہے، خون کے ساتھ ہونے پر اس کا دھونا واجب ہوتا ہے جیسے تمام نجس اشیاء کا حکم ہے۔ استحاضہ کا خون نکلنے سے نہانا واجب نہیں لیکن اس کے رک جانے پر غسل کرنا مستحب ہے۔

۵۔ مسلمان کی موت شہادت نہیں...... مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر دوسرے مسلمان کی میت کا نہلانا، اگر وہ شہید نہ ہو واجب کفایہ ہے، اور یہ حکم تعبدی (عبادت کے طور پر انجام دیا جانے والا) ہے اور وہ شخص ایسا ہو کہ جنبی نہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی سواری سے گر کر مر گیا تھا فرمایا تھا کہ اس کو بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی اور سادہ پانی سے غسل دو اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دے دو❶ یہ دلیل ہے اس کی کہ میت کا نہلانا واجب ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی غسل دیا گیا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی غسل دیا گیا تھا اور مسلمان یہ کرتے چلے آئے ہیں۔

۶۔ کافر کا اسلام لانا...... خواہ وہ مرتد ہو یا باشعور بھی ہو مالکیہ اور حنابلہ کافر پر اسلام لانے کے بعد غسل کرنا لازم قرار دیتے ہیں، دلیل اس کی حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا❷ شوافع اور احناف فرماتے ہیں اگر وہ شخص جنبی نہ ہو تو غسل مستحب ہے، اس کے لئے وضو کر لینا بھی کافی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اسلام لانے پر غسل کرنے کا حکم نہیں دیا، اگر یہ واجب ہوتا تو بعض کی بعض سے تخصیص نہ کی جاتی (سب کو حکم دیا

---

❶...... متفق علیہ۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سبل السلام ج ۱ ص ۹۲۔ ❷ پانچوں اصحاب سنن نے اس کو روایت کیا ہے ماسوا ابن ماجہ کے ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ ابن السکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۴۔

جاتا) تو یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے اور اگر کافر حالت جنابت میں اسلام لائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ دلائل جو اس کے وجوب کا فیصلہ دیتے ہیں مثلاً آیت وضو کا یہ حصہ **وان کنتم جنبا فاطھروا** (اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶) ان میں مسلم اور کافر میں تفریق نہیں پائی جاتی ہے۔

غسل واجب کرنے والے اور نہ کرنے والے امور کا خلاصہ..... یہ جو امور بیان ہوئے یہ حنابلہ کے ہاں غسل واجب کرنے والے چھ امور ہیں، احناف کے ہاں سات اسباب غسل یہ ہیں: منی کا ظاہری جسم پر شہوت کے ساتھ نکل آنا، حشفہ یا عضو کٹے شخص کے عضو کا بقدر حشفہ زندہ آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں داخل ہونا مردہ انسان یا جانور کے ساتھ وطی کرنے میں انزال کا ہو جانا سونے کے بعد پتلے سے مادے کا پایا جانا اگر نیند سے پہلے اس شخص کا عضو تناسل تنا ہوا نہ ہو۔ تری کا بے ہوشی اور نشے سے افاقہ پانے کے بعد دیکھنا جس کے بارے میں منی ہونے کا گمان ہو۔ حیض اور نفاس۔ مزید اضافہ یہ حضرات اس کا کرتے ہیں کہ میت کا نہلانا بھی فرض ہے۔ یعنی فرض کفایہ۔

مالکیہ کے ہاں چار اسباب فرضیت غسل یہ ہیں۔ منی کا نکلنا، حشفہ کا غائب ہونا، حیض اور نفاس۔

شوافع کے ہاں پانچ یہ ہیں موت، حیض، نفاس، ولادت بغیر کسی تری کے، صحیح قول کے مطابق حشفہ کا یا اس کے بقدر عضو کا عورت کی اگلی شرمگاہ میں داخل ہونے کے سبب جنابت کا ہونا۔ اور منی کا عام عادی طریقے وغیرہ سے نکلنا۔

احناف فرماتے ہیں دس چیزیں ایسی ہیں جن کی بناء پر غسل لازم نہیں ہوگا۔ (۱) مذی (۲) ودی (۳) احتلام بغیر تری کے (۴) ولادت بغیر خون کے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اور علامہ ابن عابدین کے قول کے مطابق صحیح قول یہ ہے کہ احتیاطاً اس صورت میں بھی غسل واجب ہو۔ (۵) ایسا کپڑا لپیٹ کر عضو تناسل داخل کرنا جو لذت کے حصول سے مانع ہو، صحیح قول کے مطابق۔ (۶) ختنہ کرانا۔ (۷) دونوں راستوں میں یا ایک میں انگلی ڈال لینا۔ (۸) جانور یا مردہ سے بلا انزال وطی کرنا۔ (۹) باکرہ لڑکی سے اس طرح ہمبستر ہونا کہ اس کی بکارت بھی زائل نہ ہو اور اس شخص کو انزال بھی نہ ہو یہ بات پیش نظر رہے کہ جب دو اسباب غسل لازم کرنے والے جمع ہو جائیں جیسے حیض اور جنابت یا التقاء ختانین اور انزال وغیرہ تو ایک غسل کرنا کافی ہوگا اسی طرح جمہور علماء کے ہاں غسل کی نیت وضو کی طرف سے بھی نیت شمار ہوگی کیونکہ وہ اس کے ذیل میں انجام پاتا ہے، بخلاف اس کے برعکس کرنے کے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ وضو کی نیت بھی ضروری ہے۔

۳۔ تیسری بحث...... غسل کے فرائض

غسل کی فرضیت قرآن کی آیت:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ......

نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک کہ تم سمجھ نہ سکو جو تم کہہ رہے ہو اور نہ حالت جنابت میں ماسوا اس کے کہ تم راستہ عبور کر رہے ہو یہاں تک کہ تم نہا نہ لو (سورۃ النساء آیت نمبر ۴۳) سے ثابت ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ: غسل کرنے کا مکمل طریقہ سنت نبویہ سے معلوم ہو جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے تو اس طرح شروع کرتے کہ پہلے اپنے ہاتھ دھوتے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو فرماتے ❶ پھر پانی لیتے اور پانی اپنے بالوں پر ڈالتے ہوئے اپنی

---

❶...... علماء کا غسل سے قبل وضو کرنے کے استحباب پر اتفاق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ غسل میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور اس میں اچھا رہتا ہے المغنی ج ا ص ۲۱۹۔

انگلیاں بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے پھر اپنے سر پر تین مرتبہ دونوں ہاتھ کے چلو بھر کر پانی ڈالتے پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہاتے پھر اپنے دونوں پاؤں دھوڈالتے۔ (1)

علماء کرام نے غسل میں مندرجہ ذیل امور لازم قرار دیئے ہیں۔ (2)

۱۔ پورے جسم اور بالوں پر پاک پانی بہانا...... یہ فقہاء کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے، بالوں اور کھال پر ایک مرتبہ پانی مکمل طور پر بہانا واجب ہے، لہٰذا اگر تھوڑی سی جگہ بھی خشک رہ جائے تو اس کا دھونا بھی واجب ہے بدن کے وہ حصے جن میں سلوٹیں اور جھریاں وغیرہ ہوں ان کا دھیان اور خیال رکھنا واجب ہے جیسے وہ حصے جو پھٹ گئے ہوں سلوٹیں، ناف، بغل اور بدن میں گہرائی اور دباؤلی ہوئی چیز۔ ان سب کا خیال رکھنا اور صحیح طرح پانی بہانا لازم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بلاشبہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بال دھواور کھال صاف کرو۔ (3) احناف فرماتے ہیں بدن کے وہ سارے اعضاء اور حصے دھونا لازم ہیں جو بغیر حرج کے دھوئے جاسکتے ہوں جیسے کان ناف، مونچھ، بھنویں، داڑھی کی جڑیں سر کے بال اور عورت کی اگلی شرمگاہ کا بیرونی حصہ (جو کھڑے ہونے کی صورت میں ڈھنپ جاتا ہے) وہ چیز جس کے دھونے میں حرج ہو اس کا دھونا لازم نہیں ہے جیسے آنکھ کا اندرونی حصہ اور قلفہ (غیر مختون شخص کی وہ کال جو ختنے میں کاٹ دی جاتی ہے) کا اندرونی حصہ۔ اور اصح قول کے مطابق احناف کے ہاں ان کا دھونا مستحب ہے۔

کیا بٹے ہوئے اور گندھے ہوئے بالوں کی لتوں کا کھولنا واجب ہے؟ اس بارے میں علماء کی باہم قریب قریب آراء ہیں۔ احناف فرماتے ہیں چٹیا یا جوڑے کی جڑ تک پانی کا پہنچ جانا کافی ہے اور یہ دفع حرج کی وجہ سے ہے کہ ان کا کھولنا اور پھر باندھنا حرج اور مشقت کا کام ہے اور بال اگر کھلے ہوئے ہوں تو ان کا پورے کا پورا دھونا لازم ہے اور اگر بٹے اور گندھے ہوئے بالوں کی جڑیں تر نہ ہوں ایسے کہ وہ چپکائی ہوئی ہوں یا گھنی ہو یا اتنی سختی سے لٹیں بنائی گئی ہوں کہ پانی ان میں نہ جاسکے تو ان کو کھولنا لازم ہوگا صحیح قول کی مطابق، لیکن اگر سر دھونے سے اس کو ضرر ونقصان لاحق ہو تو وہ دھونے کو ترک کرسکتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مسح کرلے اور اپنے شوہر کو ہم بستری سے نہیں روکے۔

احناف کے ہاں قلفہ کے اندر تک دھونا واجب ہے اس کو کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے مرد کے لئے بالوں کی لٹوں کو کھولنا اور بالوں کی جڑوں کو دھونا مطلق واجب ہے۔

اسی تفصیل کے مطابق مالکیہ بھی فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں نہانے والے پر اپنے بٹے ہوئے بالوں کو کھولنا لازم نہیں ہے جب تک کہ وہ انتہائی سختی سے بٹے ہوئے نہ ہوں کہ کھال تک پانی پہنچنا ممکن نہ ہو یا ان کو اتنے دھاگوں سے باندھا گیا ہو جو پانی کو کھال تک پہنچے سے روک دیں یا بالوں کی تہ تک پہنچنے سے روک دیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے بالوں کو باندھتی ہوں تو کیا میں ان کو غسل جنابت یا غسل حیض کے لئے کھولا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم لپ بھر کر پانی تین مرتبہ اپنے سر پر ڈال لو۔ (4)

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر پانی بالوں کی جڑ تک بال کھولے بغیر نہ پہنچے تو ان کو کھولنا ضروری ہوگا، لیکن بندھے ہوئے بالوں کی جڑ قابل

---

(1)...... متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں سبل السلام ج ۱ ص ۸۹ اور اس طرح کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (2) الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۳، مراقی الفلاح ص ۱۷، اللباب ج ۱ ص ۲۰، فتح القدير ج ۱ ص ۳۸ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۶۶۔۱۷۰ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۳۳۔۱۳۵ بداية المجتهد ج ۱ ص ۴۲ القوانين الفقهيه ص ۲۶ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۷۲ المهذب ج ۱ ص ۳۱، المغنى ج ۱ ص ۲۱۸۔۲۲۹۔ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۷۷۔ (3) بروایت ابوداؤد اور ترمذی۔ امام ترمذی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۹۲۔ (4) بروایت امام مسلم، لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں اشد ظفر راسی اس حدیث میں موجود شعر اسی کے بجائے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۹۱

معافی ہے اور آنکھ اور ناک میں اگنے والے بالوں کا دھونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر ان پر نجاست لگی ہوئی ہو تب ان کا دھونا ضروری ہوگا۔ ناخنوں کا دھونا واجب ہے اور کانوں کے سوراخ کا وہ حصہ جو ظاہر ہو وہ دھونا بھی ضروری ہے اور غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کی اندرونی طرف کا دھونا بھی ضروری ہے دلیل ان امور کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو پہلے گزری اور جو پانی کو بالوں اور کھال تک پہنچانے کو لازمی قرار دینے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو اس صورت کے ساتھ مقید قرار دیتے ہیں جب پانی بال کی لتوں تک بغیر کھولے ہوئے پہنچ سکے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حیض اور جنابت کے درمیان فرق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عورت حیض یا نفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا لازم ہے اور جنابت کے سلسلے میں اگر بال کی جڑیں بھیگ جائیں تو ان کا کھولنا ضروری نہیں ہے جنابت کے بارے میں یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کے کھولنے کو لازم قرار دینے کے لئے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حالت حیض۔

میں فرماتے تم پانی لو اور بیری بھی لو اور بالوں میں کنگھی کرو ❶ اور بالوں میں کنگھی جب ہی ممکن ہے جب وہ کھلے ہوئے ہوں نہ کہ بندھے ہوئے یا لٹ بنے ہوئے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں اپنا سر کھولو اور کنگھی کرو ابن ماجہ کے روایت کردہ الفاظ بھی یہی ہیں۔ تاہم ابن قدامہ فرماتے ہیں حیض کے غسل میں بال کھولنا مستحب ہے اور ان شاء اللہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اکثر فقہاء کا قول یہی ہے، کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ ایک جگہ اس طرح آئے ہیں افا نقضه للحيض؟ قال: لا (کیا میں حیض کے غسل کے لئے ان کو کھولوں؟ آپ نے فرمایا نہیں)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ عورت کے لئے بال کھولنا واجب نہیں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے جیسا کہ حضرات ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے جس تک پانی نہ پہنچ سکا ہو تو اس کے لئے صرف اس حصے کو دھولینا ہی کافی ہے۔ حنابلہ کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ دوسری یا تیسری مرتبہ دھوتے ہوئے بالوں میں رہ جانے والا پانی بھی اگر اس خشک حصے پر نچوڑ لیا جائے اور پانی اس حصے پر بہہ جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس خشک حصے کو بالوں کے پانی سے دھولینا ایسا ہی ہے جیسے اس کو نئے پانی سے دھولیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اسی بارے میں وارد احادیث بھی اس کے جواز کا بتاتی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے جسم پر ایک جگہ خشک رہ گئی ہے اس تک پانی نہیں پہنچ سکا ہے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال اس جگہ نچوڑ دے۔

سر کی کھال دھونے کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہے، سر کے بال کم ہوں یا زیادہ اسی طرح بال کے نیچے کی کھال بھی دھونا واجب ہے، جیسے ڈاڑھی کے نیچے کی کھال کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا تم میں سے جو غسل کرے وہ پانی لے اور پاک ہو جائے اور اچھی طرح پاک ہو، پھر اپنے سر پر پانی بہائے اور اس کو ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اس پر پانی بہالے ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص جنابت کے غسل میں ایک بال برابر جگہ بھی خشک چھوڑ دے جس تک پانی نہ پہنچے تو اللہ اس جگہ کے ساتھ جہنم کی آگ میں سے ایسا ایسا کریں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کی ہے، امام ابوداؤد نے مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی اپنے بالوں کو کٹا ہوا رکھتے تھے ❸ اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ بال کے نیچے کھال تک پانی بلا ضرر پہنچانا ممکن ہے تو اس پر پورے

---

❶ ...... یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے۔ ❷ ...... بروایت امام مسلم۔ ❸ بروایت ابوداؤد اور امام احمد۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۷۔

جسم کی کھال کی طرح یہاں بھی پانی پہنچانا لازم ہوگا۔

لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا شوافع کے ہاں واجب ہے دلیل اس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ غسل کی جگہ اگا ہوا بال ہے تو اس کا دھونا بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے بھنوؤں اور پلکوں کے بال دھونا واجب ہے۔

مالکیہ اور احناف کے ہاں یہ واجب نہیں ہے دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے جو بالوں کے نہ کھولنے کے بارے میں ہے جب کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتادیا تھا کہ انہوں نے اپنے سر کے بال باندھے ہوئے ہیں، اگر ان بالوں کا دھونا واجب ہوتا تو ان کا کھولنا بھی واجب ہوتا تا کہ ان کو بھی دھویا جا سکے۔

حنابلہ کے اس کے بارے میں دو قول ہیں، ان میں راجح قول وجوب کا ہے جیسے شوافع کا ہے، اور پانی بہاتے وقت ان بالوں کو ملے تا کہ پانی نیچے کھال تک پہنچ جائے لہٰذا اس کے اندر انگلیاں ڈالنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ وہ کھال کو بھی ملے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے، وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال مستحب اور ہاتھ کی انگلیوں کا خلال واجب ہے۔ مالکیہ کے ہاں فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے سر کے بالوں میں خلال کرے خواہ وہ گھنے کیوں نہ ہوں، خواہ وہ سر کے بال ہوں یا کہیں اور کے۔ اور خلال کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو ملا دے (یعنی ان میں انگلیاں پھیر کر انہیں ہاتھ سے سونتے جس سے وہ مل کر جمع ہو جائیں)۔

۲.....کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا: حنفیہ اور حنابلہ ان دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآن کی آیت کے الفاظ پر عمل رکھتے ہوئے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اور اس حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے کہ پھر تم اپنے اوپر پانی بہاؤ، تو اس میں پورے بدن کو پاک کرنے اور اس پر پانی بہانے کا حکم ہے ان دونوں کا مطالبہ کیا گیا ہے ❶ مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ یہ غسل میں بھی سنت ہیں جیسے وضو میں ہیں، دلیل اس کی وہ مشہور حدیث ہے کہ دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں اور ان میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہیں۔ ❷

۳.....بدن کا پہلا حصہ دھوتے وقت نیت کا ہونا۔ یعنی فرض غسل کی نیت کا ہونا یا جنابت یا حدث اکبر دور کرنے کی نیت کرنا یا ایسی چیز کے مباح کرنے کی نیت کرنا جو اس کی محتاج ہو (یعنی طہارت کی) جیسے نماز یا طواف کے مباح کرنے کی نیت کرنا کہ یہ دونوں غسل پر موقوف ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسی چیز کی نیت کی جس کی ضرورت درپیش نہ ہوتی ہو جیسے عید کے دن کے لئے غسل کی نیت تو غسل جنابت صحیح نہیں ہوگا۔ اور نیت کا مقام دل ہے اور اس کا فرض کے اول حصے سے ملا ہوا ہونا ضروری ہے اور وہ ہے بدن کا وہ حصہ جو غسل میں پہلے دھویا جائے خواہ اوپری حصہ ہو یا نچلا حصہ ہو کیونکہ غسل میں ترتیب لازمی نہیں ہے۔

احناف کے علاوہ جمہور علماء غسل کے لئے نیت کو لازمی قرار دیتے ہیں جیسے وضو کے لئے اور دلیل اس کی انما الاعمال بالنیات والی حدیث ہے۔ احناف کے ہاں نیت کے ساتھ شروع کرنا سنت ہے تا کہ اس کا فعل ایک نیکی شمار ہو جو باعث ثواب بن جائے۔

بسم اللہ پڑھنا جمہور کے ہاں سنت ہے، حنابلہ کے ہاں فرض ہے جیسے وضو میں تاہم یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا حکم جنابت کے بارے میں ہلکا ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں وارد حدیث صراحتاً صرف وضو کے بارے میں ہے کسی اور چیز کے بارے میں نہیں۔

۴.....ملنا اور پے درپے انجام دینا: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل میں ترتیب واجب نہیں، لہٰذا جسم کے اوپری یا نچلے کسی بھی حصے سے غسل شروع کرنا درست ہے۔ فقہاء میں سے صرف مالکیہ ملنے کو واجب قرار دیتے ہیں، خواہ کپڑے سے ملا جائے اور موالات (پے درپے

❶.....علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ احناف کا مضمضہ اور استنشاق کے باری میں وارد حدیث سے یہ استدلال کہ یہ دونوں غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہیں غریب ہے (یعنی غیر مشہور و نامانوس ہے) نصب الرایۃ ج ۱ ص ۷۸۔ ❷ اصحاب صحاح ستہ نے ماسوا امام بخاری، اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۷۶۔

انجام دینا) بھی واجب ہے اگر انسان کو یاد رہے اور اس کے کرنے پر قدرت ہو۔

اور دلک یعنی ملنے سے مراد ہے عضو کا جسم کے ظاہری حصے پر پھیرنا، ہاتھ ہو یا پاؤں، لہٰذا پاؤں کو دوسرے سے ملنا کافی ہے اور ہاتھ کی پشت سے، بازو سے اور ہاتھ اور کہنی کے درمیانی حصے سے بھی مل لینا کافی ہے، بلکہ ہاتھ سے مل لینے پر قدرت رکھنے کے باوجود صحیح قول کے مطابق کپڑے سے ملنا درست ہے اور وہ اس طرح کہ کپڑے دونوں اطراف کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے اور بیچ کے حصے سے بدن کو رگڑے اسی طرح رسی سے بھی ایسا کرنا درست ہے، اور پانی جسم پر ڈالنے کے بعد اس کے بہہ جانے کے بعد بھی ایسا کرنا درست اور کافی ہے بشرطیکہ پانی خشک نہ ہو جائے، اور اگر ملنا ممکن نہ ہو تو وہ قابل معافی ہوگا اور صرف پورے بدن پر پانی بہالینا کافی ہوگا جیسے دیگر تمام فرائض میں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

اور پے درپے کرنا غسل میں بھی ایسے ہی فرض ہے جیسے وضو میں فرض ہے اگر جان بوجھ کر دیر کرے تو اگر وقفہ لمبا ہو جائے تو غسل باطل ہو جائے گا اور اگر وقفہ لمبا نہ ہوا ہو تو نیت کر کے اس کو مکمل کرلے۔

مالکیہ کے علاوہ فقہاء ملنے کو اور پے درپے کرنے کو واجب نہیں قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ آیت **فاطھروا** اور غسل کے بارے میں وارد احادیث ان دونوں امور سے تعرض نہیں کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ واجب نہیں ہوں گے۔

غسل کے فرائض کا مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے خلاصہ

۱۔ **احناف کا مذہب**...... غسل میں گیارہ چیزیں فرض ہیں، منہ، ناک اور پورے بدن کا ایک مرتبہ دھونا، قلفہ کے اندرونی حصے کا دھونا اس کو مشقت اور تکلیف سے کھولے بغیر، ناف، اور کسی بھی کھلے ہوئے سوراخ کو دھونا عورت کے گندھے ہوئے بالوں کے اندرونی حصے کو دھونا اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ سکے داڑھی کی کھال، مونچھوں کے تلے کھال، بھنوؤں کے نیچے کی کال اور عورت کی شرمگاہ کا وہ حصہ جو بیٹھنے اور انگلی سے اس کو پھیلانے سے ظاہر ہوتا ہے، اس کو دھونا۔ تاہم صحیح قول یہ ہے کہ قلفہ کی اندرونی طرف کو دھونا صرف مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

۲۔ **مذہب مالکیہ**: غسل کے فرائض ان کے ہاں پانچ ہیں...... فرض غسل کی یا رفع حدث کی یا حالت جنابت میں ممنوع چیز کے مباح کرنے کی نیت پہلے عضو کو دھوتے وقت کرنا اس طرح کہ وہ اپنے دل سے غسل ادا کرنے کی نیت کرے یا حدث اکبر رفع کرنے کی نیت کرے یا جنابت رفع کرنے کی نیت کرے یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جو حدث اکبر کی وجہ سے ممنوع ہو یا مثلاً نماز مباح کرنے کی نیت کرے اور موالات (پے درپے افعال غسل کا انجام دینا) اگر یاد رہے اور اس پر قدرت ہو جیسے یہ وضو میں بھی فرض ہے اور پورے جسم کے ظاہری حصے پر پانی بہانا، اور جسم ملنا خواہ پانی بہانے کے بعد سہی اور خواہ کسی کپڑے سے سہی، بالوں، ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔

۳...... شوافع فرماتے ہیں غسل میں تین چیزیں فرض ہیں، نیت، نجاست کا دور کرنا اگر وہ ہو، پانی کا ظاہراً نظر آنے والی کھال پر اور اس کھال پر موجود بال وغیرہ پر بہانا تاکہ پانی بالوں کے نیچے تک پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ باقی امور سنت ہیں۔

۴۔ **حنابلہ کا مذہب**:...... ان کے ہاں غسل کے واجبات گیارہ امور ہیں:

نجاست اور ایسی چیز کا دور کرنا جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روک دے، نیت، بسم اللہ پڑھنا پورے بدن، منہ اور ناک تک میں پانی بہانا اور ڈالنا لہٰذا مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) غسل میں بھی ایسے واجب ہے جیسے وضو میں بال کے اندر اور باہر دھونا مرد کے ہوں یا عورت کے لٹکے ہوئے ہوں یا نہیں اور حیض ونفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا غسل جنابت کے لئے نہیں اگر بالوں کی جڑیں گیلی

ہو جائیں غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کو اندر سے دھونا اگر اس کا پلٹنا ممکن ہو انگوٹھی وغیرہ کے نیچے کا حصہ دھونا لہٰذا اس کو وہ حرکت دے تا کہ پانی اس کے نیچے پہنچ سکے، اور عورت کی شرمگاہ کا وہ ظاہری حصہ جو عورت کے بیٹھنے کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کا حکم ظاہر کا ہے۔ اور شرمگاہ کے اندر کا دھونا ضروری نہیں اور نہ ہی آنکھوں کے اندر کا حصہ دھونا ضروری ہے بلکہ مستحب بھی نہیں ہے خواہ ضرر کا اندیشہ نہ بھی ہو۔ ترتیب اور پے در پے ہونا اعضاء وضو کو دھوتے وقت ضروری نہیں کیونکہ غسل ان کی طرف سے ہو جاتا ہے کیونکہ وضو اور غسل ایسی عبادتیں ہیں جو ایک دوسرے میں داخل ہیں لہٰذا چھوٹی عبادت کا حکم ساقط ہے جیسے عمرہ حج کے ساتھ ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا ہے۔ اور جسم کا ملنا واجب نہیں اگر یقین یا گمان غالب اس بات کا ہو کہ پانی پورے جسم پر بہہ چکا ہے۔

۴۔ چوتھی بحث، غسل کی سنتیں...... میں نے گذشتہ صفحات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ بیان کیا تھا، وہ غسل کے کامل اور جامع طریقے کی دلیل ہے جس میں واجب اور سنت دونوں کا بیان آ جاتا ہے، حنابلہ کی رائے کے مطابق یہ وہ ہے جس میں دس چیزیں جمع ہوں۔ ❶

(۱) نیت (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) دونوں ہاتھ تین دفعہ دھونا (۴) جسم پر موجود گندگی دھو دینا (۵) وضو کرنا (۶) سر پر تین لپ بھر کر پانی ڈالنا جس سے بالوں کی جڑیں گیلی ہو جائیں (۸) پورے جسم پر پانی بہانا (۸) جسم کی دائیں جانب سے پہلے شروع کرنا (۹) ہاتھ سے اپنے بدن کو ملنا (۱۰) نہانے کی جگہ سے ہٹ جانا (۱۱) پھر اپنے پاؤں دھو لینا اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی جڑ میں پانی ڈال کر خلال کرنا ان پر پانی بہانے سے پہلے۔

غسل کی وہ سنتیں جن کے کرنے سے غسل کی تکمیل ہوتی ہو، مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

۱...... دونوں ہاتھ اور شرمگاہ دھونے سے غسل کی ابتداء کرنا نجاست کو بدن پر سے دور کرنا اگر نجاست ہو اور شوافع کے بیان کے مطابق اگلی اور پچھلی شرمگاہ دھونے کی نیت کرے اور اس طرح کہے: میں جنابت کی ان دونوں جگہوں اور ان کے درمیان سے دور کرنے کی نیت کرتا ہوں۔

۲...... پھر نماز کے لئے کیا جانے والا وضو کرے احناف کے ہاں اگر نہانے والا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی ٹھہر جاتا ہو جیسے بڑا تسلہ وغیرہ تو پاؤں بعد میں دھونا اولی ہے اور اگر وہ ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی اس کے پاؤں سے نہ لگتا ہو جیسے کسی تختے یا کسی اونچی جگہ یا پتھر پر کھڑا ہو تو اس صورت میں پاؤں پہلے دھونا افضل ہیں۔ اور وضو کرنے سے احناف اور حنابلہ کے ہاں واجب، مضمضہ اور استنشاق بھی اس کے ضمن میں ادا ہو جاتے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں کان کے سوراخ میں گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے اس کو دھونے وغیرہ میں مبالغہ آمیزی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا سماعت کے لئے نقصان دہ ہے کان کا ظاہری اور باطنی حصہ ظاہر بدن کی طرح ہے اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

۳...... پھر شوافع کے ہاں وہ بدن کے ان حصوں کو دیکھ بھال کے ساتھ دھوئے جن میں موڑ یا گہرائی وغیرہ ہو اور اس طرح کرے کہ ہاتھ میں پانی لے کر اونچی نیچی مڑنے والی جگہیں جیسے کان، پیٹ کی سلوٹیں اور ناف وغیرہ میں اہتمام سے پہنچائے، کیونکہ اس طرح کرنے سے پانی کے پہنچنے کا زیادہ اہتمام رہتا ہے اسی طرح کان میں بھی اہتمام کرے اور ہاتھ میں پانی لے کر کان میں ڈالے تا کہ پانی کان کے اندرونی

❶...... المغنی ج ا ص ۲۱۷ غسل کا مکمل طریقہ مالکیہ کے ہاں الشرح الکبیر ج ا ص ۱۳۷ پر ملاحظہ کریں۔ القوانین الفقہیہ ص ۲۶۔ ❷ فتح القدیر ج ا ص ۳۹۔ الدر المختار ج ا ص ۱۴۰ مراقی الفلاح ص ۱۷، اللباب ج ا ص ۲۱۔ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۳۵۔۱۳۷ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۷۰ القوانین الفقہیہ ص ۲۶، المہذب ج ا ص ۳۱، مغنی المحتاج ج ا ص ۷۳، المغنی ج ا ص ۲۱۷ کشاف القناع ج ا ص ۱۷۳۔۱۷۶۔

حصے اس کی مڑنے والی جگہوں پر پہنچ جائے اور اپنے حلق کے نیچے اور آس پاس دھیان کرے بغلوں اور ناف کے اردگرد کی رگوں کو بھی دھیان اور احتیاط سے دھوئے۔

۴..... پھر پانی اپنے سر پر ڈالے اور بالوں میں خلال کرے پھر اپنے پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے جسم کی دائیں طرف پر پہلے ڈالنا شروع کرے پھر بائیں جانب ڈالے، کیونکہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکی حاصل کرنے میں دائیں طرف سے کام شروع کرنا مرغوب تھا۔ پھر بالوں میں خلال کرے اور ان کی جڑوں میں اچھی طرح ہاتھ پھیرے کیونکہ حدیث میں ہے ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے یہ مسنون ہے کہ وہ اپنے بدن کو دونوں ہاتھوں سے ملے کیونکہ اس سے زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے، اور اس طرح پانی کا تمام جگہوں اور سلوٹوں وغیرہ تک پہنچنے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس طرح اس اختلاف سے بھی نکلا جا سکتا ہے جو ان حضرات کے دلک کو واجب کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی مالکیہ حضرات۔ پانی کے تمام بدن اور کھال پر بہہ جانے کے لئے صرف غالب گمان کا ہونا کافی ہے، کیونکہ یقین کا حصول باعث مشقت وحرج ہوتا ہے۔

احناف فرماتے ہیں اگر کوئی شخص بہتے پانی یا اس کی طرح کے پانی میں غوطہ لگائے اور اس میں ٹھہرا رہے تو اس کو سنت کا حصول ہو جاتا ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت وضو کے دھونے کی طرف سے کافی ہو سکتا ہے اگر وہ شخص رفع حدث اکبر کی نیت کر لے خواہ حدث اصغر کے رفع کرنے کی نیت نہ بھی کرے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو عمل سرزد نہ ہو جیسے عضو تناسل وغیرہ کا چھونا، اور شوافع بھی ایک قول کے مطابق یہی فرماتے ہیں کہ غسل کر لینا کافی ہے خواہ اس کے ساتھ وضو کی نیت کرے یا نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں غسل وضو کی طرف سے بھی کافی ہو جاتا ہے اگر وہ شخص مضمضہ اور استنشاق کرلے اور وضو اور غسل دونوں کی نیت کرلے تاہم وہ افضل اور اولیٰ عمل کا ترک کرنے والا شمار ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ فقہاء کے ہاں غسل میں پے درپے کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا ہے، مالکیہ کے ہاں یہ فرض ہے، اسی طرح یہ ترتیب بھی مسنون ہے کہ سر سے شروع کرکے پھر دائیں کندھے پر ڈالے پھر بائیں کندھے پر ڈالے۔ تاہم ترتیب بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ کیونکہ پورا بدن ایک ہی چیز ہے، اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص جسم میں کوئی جگہ خشک چھوڑ دے یا پٹی کی جگہ چھوڑ دے تو صرف اس جگہ کو دھو لینا کافی ہے اس کے بعد والی جگہ کو دھونا ضروری نہیں۔

بالوں کی لٹوں کا کھولنا مالکیہ کے ہاں واجب نہیں اگر وہ سختی سے نہ بندھی ہوئی ہوں اور حنابلہ کے ہاں جنابت کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں حیض اور نفاس کی حالت میں کھولنا واجب ہے اور احناف کے ہاں عورت کے لئے اپنی لٹوں کا کھولنا لازم نہیں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور مرد پر علی الاطلاق بالوں کا کھولنا لازم ہے۔ شوافع کے ہاں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچے تو بال کھولنا لازم ہوں گے جیسا کہ ہم یہ بات ابھی بیان کر چکے ہیں۔ فی الجملہ لٹوں کا کھولنا مسنون ہے از روئے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب کہ وہ حالت حیض میں تھیں اپنے بال کھولو اور نہالو ❶ حنابلہ کے ہاں بیری یعنی صابن نما چیز اس شخص کے لئے غسل میں استعمال کرنا مسنون ہے جو اسلام لایا ہو دلیل حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ گذشتہ حدیث ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری سے نہانے کا حکم دیا ❷ ایسے شخص کے لئے اپنے بال اتارنا مسنون ہے لہٰذا وہ اگر مرد ہو تو اپنا سر منڈوالے۔

زیرناف بال اور بغل کے بال مطلقاً (مرد ہو یا عورت) صاف کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جو اسلام لایا تھا فرمایا اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور ختنہ کرو ❸ اور کافر جب اسلام لائے تو وہ واجبی طور پر ختنہ کرے بشرطیکہ وہ مکلف ہو اور اس کو اپنے آپ پر اس کے کرنے سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حنابلہ کے ہاں غسل حیض ونفاس میں بھی بیری کا استعمال مسنون ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ

---

❶.....بروایت ابن ماجہ بسند صحیح۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۹۔ ❷ بروایت امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی، ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ ❸ بروایت ابوداؤد۔

حدیث ہے جو پہلے گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم حیض کی حالت میں ہوتو پانی اور بیری کے پتے لو اور کنگھی کرو❶ اور حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے نہانے والی پانی اور بیری لے اور پاکی حاصل کرلے❷ شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ مسنون ہے کہ وہ عوت جو احرام نہ باندھی ہوئی ہو یا عدت میں نہ ہو وہ حیض اور نفاس کے خون کے نشانات کی جگہ خوشبو یا مشک یا پانی استعمال کرے، اور ان چیزوں کو ایک روئی کے ٹکڑے میں لگائے یا کسی چیتھڑے وغیرہ میں اور شرمگاہ دھونے کے بعد وہاں رکھ دے تا کہ حیض ونفاس کی بو رک جائے دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حیض کے غسل کے بارے میں پوچھنے کے لئے حاضر ہوئی آپ نے فرمایا مشک کی خوشبو لگا کر کپڑے کا ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو اس نے پوچھا میں اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا! خدا کی شان ہے! اور اپنے کپڑے میں منہ چھپاتے ہوئے فرمایا بھئی اس سے پاکی حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اپنے پاس کھینچا اور اس کو بتایا کہ خون کے نشانات پر لگاؤ اس کو بلا عذر چھوڑ نا مکروہ ہے۔

غسل دوبارہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ اس بارے میں ایسی کوئی بات منقول نہیں، اور اس میں مشقت بھی ہے، بخلاف وضو کے کہ اگر پہلے وضو سے عبادت کر چکا ہوتو وضو دوبارہ کرنا مسنون ہے۔

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار.....شوافع اور حنابلہ کے ہاں مسنون ہے کہ وضو کا پانی تقریباً ایک مد سے کم نہ ہو، ایک مد ایک جمع ایک تہائی بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے جو کہ ۶۷۵ گرام کے برابر ہوتا ہے اور غسل کا پانی تقریبا ایک صاع سے کم نہ ہو جو چار مد ہوتا ہے جو کہ ۲۱۷۵ گرام کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ امام مسلم کی روایت کے مطابق جو انہوں نے حضرت سفینہ سے کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے۔❸ وضو اور غسل کے پانی کی کم از کم مقدار کوئی بھی نہیں، اگر اوپر والی مسنون مقدار سے کم پانی ہو۔

اور وہ اعضا پر پورا بہہ جائے تو بھی کافی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسے برتن سے وضو کیا جس میں دو تہائی مد پانی آتا تھا دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غسل کا حکم دیا اور وہ شخص اس طرح کرنے سے فعل انجام دے دیتا ہے اور وہ فعل مکروہ نہیں ہوتا اور وضو اور غسل میں اسباغ (پورا پورا دینا) کا مفہوم یہ ہے کہ سارے اعضاء پر پانی بہہ جائے مسح کی طرح صرف پونچھنا نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت فاغسلوا وجوھکم میں دھونے کا حکم دیا ہے اور مسح دھونا نہیں شمار ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص وضو پر مسح کرلے یا برف اس پر پھیرلے تو طہارت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ یہ صرف مسح ہوگا غسل نہیں ماسوا اس کے کہ برف ہلکی ہو اور پھیرنے سے پگھل جائے اور عضو پر بہہ جائے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ مطلوب دھونا اس طرح حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر وضو میں ایک مد سے اور غسل میں ایک صاع سے زیادہ استعمال کرے تو بھی جائز ہے دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے تھے جس کو فرق کہا جاتا تھا❹ اور فرق سولہ عراقی رطل کا ہوتا ہے (تقریباً دس کلوگرام وزن بنتا ہے)

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں غسل اور وضو میں استعمال کئے جانے والے پانی کی کوئی متعین مقدار نہیں کیونکہ لوگوں کے احوال کے اختلاف سے یہ بھی مختلف ہوتے ہیں تاہم نہانے والے کو چاہئے کہ وہ اسراف اور کنجوسی کے بغیر میانہ روی سے کام لے۔

غسل کے آداب: مالکیہ اور حنفیہ غسل کی سنت اور آداب یا فضائل میں فرق کرتے ہیں، مالکیہ فرماتے ہیں❺ کہ اس کی سنتیں پانچ

---

❶.....بروایت امام بخاری۔ ❷بروایت امام مسلم۔ ❸ یہ حدیث امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے معنی ومفہوم میں اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۰۔ ❹ متفق علیہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۱۔
❺القوانین الفقھیہ ص ۲۶ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۰ اور بعد کے صفحات۔

ہیں۔(۱) دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا۔(۲) مضمضہ۔(۳) استنشاق۔(۴) کانوں کے اندر مسح کرنا۔(۵) بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر مسح کرنا۔ بالوں میں انگلیاں ڈالے بغیران کواوپر سے اچھی طرح ہلانا توان کے ہاں فرائض غسل میں سے ہے جیساکہ میں بیان کر چکا ہوں۔احناف اور حنابلہ مضمضہ اور استنشاق کواور شوافع سر کے بالوں میں خلال کرنے کوواجب قرار دیتے ہیں۔

غسل کے فضائل پانچ ہیں۔(۱) بسم اللہ پڑھنا۔(۲) سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا۔(۳) پہلے وضو کرنا۔(۴) وضو سے پہلے گندگی وغیرہ دور کرنا۔(۵) اوپری اور داہنی طرف سے شروع کرنا۔

احناف فرماتے ہیں❶ کہ غسل میں بارہ چیزیں مسنون ہیں:(۱) بسم اللہ سے شروع کرنا۔(۲) نیت کرنا۔(۳) گٹوں تک ہاتھ دھونا۔(۴) نجاست دھونا اگر وہ الگ سے لگی ہو۔(۵) شرمگاہ دھونا۔(۶) نماز والا وضو کرنا۔(۷) دھونے کے عمل کو تین مرتبہ کرنا اور مسح ایک مرتبہ کرنا تاہم پاؤں کے دھونے کو اس صورت میں مؤخر کرنا چاہیے کہ اگر غسل ایسی جگہ کر رہا ہو جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو۔(۸) پھر پانی اپنے بدن پر بہانا۔(۹) پانی ڈالنے میں پہلے سر پر ڈالنا۔(۱۰) سر کے بعد دایاں کندھا دھونا۔(۱۱) پھر بایاں کندھا دھونا۔(۱۲) اپنے بدن کوملنا۔

اور غسل کے آداب وہی ہیں جو وضو کے ہیں تاہم غسل میں قبلہ رخ نہ ہو، کیونکہ غسل میں انسان عام طور پر برہنہ ہوتا ہے۔

۵۔ پانچویں بحث......غسل میں مکروہ امور

احناف فرماتے ہیں❷ کہ غسل میں بھی وہی چیزیں مکروہ ہیں جو وضو میں مکروہ ہیں اور وہ چھ چیزیں ہیں۔(۱) پانی میں اسراف کرنا۔(۲) کنجوسی سے استعمال کرنا کہ فرض صحیح طور پر ادا نہ ہو۔(۳) پانی چہرے پر مارنا۔(۴) لوگوں سے گفتگو کرنا۔(۵) بلاضرورت دوسرے سے مدد لینا۔(۶) دوران غسل دعا کرنا یہ اضافی چیز ہے کیونکہ وضو میں ماثور دعائیں اور ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں❸ مالکیہ فرماتے ہیں کہ غسل کے مکروہ امور پانچ ہیں:

(۱) پانی زیادہ بہانا۔(۲) غسل کے انجام دینے میں ڈھیلا پن اختیار کرنا۔(۳) جسم کو ایک مرتبہ دولینے کے بعد بار بار دھونا۔(۴) بیت الخلاء میں نہانا۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ بات چیت کرنا۔

شوافع فرماتے ہیں❹ کہ پانی بہانے اور دھونے میں اسراف کرنا وضو اور غسل ٹھہرے ہوئے پانی میں کرنا تین دفعہ سے زیادہ دھونا اور مضمضہ اور استنشاق چھوڑ دینا مکروہ ہے۔جنبی، اور حیض ونفاس کا خون جس کا ختم ہو جائے اس کے لئے شرمگاہ دھونے اور وضو کرنے سے قبل کھانا، پینا سونا اور ہم بستری مکروہ ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں❺ کہ پانی میں اسراف کرنا مکروہ ہے خواہ آدمی بہتی نہر پر ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سعد پر گزر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے دریافت کیا یہ اسراف کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں خواہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔❻

جس شخص نے نہانے سے پہلے وضو کر لیا ہو اس کے لئے نہانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کی رو سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے، ہاں اگر کسی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے مثلاً عضو تناسل پر ہاتھ لگانے وغیرہ کی وجہ سے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے کی وجہ سے یا جسم میں سے کچھ نکل آنے کی وجہ سے تو اس صورت میں نماز وغیرہ کے لئے وضو کرنا ہوگا۔جنبی اور حیض ونفاس کا خون جس کو آنا ختم ہو چکا ہو اور وہ سونا چاہے تو

❶...... مراقی الفلاح ص ۱۷۔❷ص ۱۸۔❸ القوانين الفقهيه ص ۲۶۔❹ الحضرميه ص ۲۱ اور بعد کے۔❺ كشاف القناع: ج ۱ ص ۱۷۹ اور بعد کے صفحات۔ المغني ج: ۱ ص: ۲۲۹۔❻ بروايت ابن ماجه

اس کے لئے نیند کے لئے وضو نہ کرنا مکروہ ہے تاہم کھانے پینے یا دوبارہ ہم بستری کے لئے وضو نہ کرنا مکروہ نہیں۔ اس کے لئے وضو مستحب ہے، دلیل اس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کردہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب وہ وضو کرلے تو سو جائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حالت جنابت میں سونا چاہتے تو اپنی شرمگاہ دھوتے اور نماز کا وضو کرلیتے (1) اور وضو کا کھانے پینے کے لئے مستحب ہونا تو اس حدیث کی رو سے ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لئے یہ رخصت دی کہ وہ جب کھائے یا پیئے تو وہ نماز والا وضو کرلے (2) اور ہم بستری کے لئے وضو کا مستحب ہونا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث کی رو سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور وہ دوبارہ ہمبستری کرنا چاہے تو وہ دونوں کے مابین وضو کرے۔ (3)

امام حاکم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ یہ دوبارہ کرنے کے لئے زیادہ چستی اور نشاط کا سبب ہے، تاہم دوبارہ ہم بستری کے لئے غسل کرنا وضو کرنے سے زیادہ افضل ہے کیونکہ وہ زیادہ باعث نشاط ہے۔

حنابلہ کے ہاں جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت اپنے بال اور ناخن اتار سکتی ہے اور نہانے سے قبل خضاب لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اس پر ان کے ہاں امام مالک کا نص موجود ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جنبی کے لئے حالت جنابت میں ناخن تراشنا، استرا پھیرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، خون نکلوانا یا اپنے جسم کے کسی عضو یا حصے کو الگ کرنا ممنوع ہے کیونکہ انسان کو تمام اجزاء آخرت میں واپس دیئے جائیں گے تو یہ چیزیں ناپاک ملیں گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر بال کی جنابت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (4)

۶۔ چھٹی بحث..... جنبی وغیرہ پر حرام امور

جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت پر وہ امور حرام ہیں جو حدث اصغر میں مبتلا شخص پر حرام ہیں یعنی نماز طواف قرآن یا اس کے کچھ حصے کو چھونا جیسے کہ جنبی پر قرآن کی تلاوت، مسجد میں داخل ہونا بھی حرام ہیں ان احکام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔ (5)

۱۔ نماز اور اس کے مثل سجدۂ تلاوت وغیرہ بالاجماع جنبی شخص پر حرام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو، سورہ مائدہ آیت نمبر ۶)

۲۔ طواف کعبہ، خواہ نفلی ہو، کیونکہ یہ نماز ہی کی طرح ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ بلاشبہ طواف کعبہ نماز ہے، جب تم طواف کرو تو بات چیت کم کیا کرو۔ (6)

۳..... قرآن کریم کا چھونا، یہ بھی حرام ہے اللہ کا فرمان ہے لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، سورۃ واقعہ آیت ۷۹) مطہرون سے مراد ہے متطہرون یعنی خوب پاکی حاصل کئے ہوئے لوگ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قرآن کو

---

(1)..... متفق علیہ۔ (2) بروایت امام احمد بسند صحیح۔ (3) بروایت امام مسلم اور حاکم سبل السلام ج ۱ ص ۸۹۔ (4) مغنی المحتاج ج : ۱ ص : ۷۵۔ (5) الدرالمختار ج : ۱ ص : ۱۵۸۔ ۱۶۱ الشرح الکبیر ج : ۱ ص : ۱۳۸ اور بعد کے ص : ۱۷۲۔ ۱۷۴ الشرح الصغیر ج : ۱ ص : ۱۷۶، ۲۱۵، القوانین الفقھیہ ص ۲۹ اور بعد کے صفحات بدایۃ المجتھد ج : ۱ ص : ۴۶ اور بعد کے صفحات، المھذب ج : ۱ ص ۳۰ مغنی المحتاج ج : ۱ ص : ۷۱ اور بعد کے صفحات، کشاف القناع ج : ۱ ص : ۱۶۸۔ ۱۷۰ فتح القدیر، ج : ۱، ص : ۱۱۴۔ ۱۱۶۔ (6) بروایت امام احمد، نسائی، ترمذی، حاکم، دارقطنی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یہ صحیح حدیث ہے، نیل الاوطار ج : ۱ ص : ۲۰۷۔

صرف پاک آدمی ہی چھوئے۔❶

یہ تینوں امور حدث والے شخص پر حرام ہیں خواہ حدث اصغر ہو (یعنی بے وضو ہونے کی کیفیت) یا حدث اکبر ہو (یعنی جنابت) جنبی وغیرہ کے لئے مزید یہ امور بھی حرام ہیں۔

۴.....مسلمان کے لئے تلاوت قرآن کریم زبانی طور پر خواہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو یا صحیح قول کے مطابق ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو یہ احناف اور شوافع کا قول ہے، بشرطیکہ ارادہ قراءت کا ہو لہٰذا اگر دعا ثناء یا کسی کام کے ابتداء کی غرض سے یا سکھانے کی غرض سے یا محض اعوذ باللہ پڑھنے کی غرض سے یا ذکر کے طور پر وہ پڑھے تو ایسا کرنا حرام نہیں ہوگا جیسے سواری کے وقت سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ پڑھنا، کہیں قیام کے لئے اترتے وقت وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا پڑھنا، مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا۔ اسی طرح اگر قرآن کریم کسی کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جائے تو وہ گناہگار نہیں ہوگا ہاں اگر صرف قرآن پڑھنے کا قصد ہو یا تلاوت اور ذکر دونوں کا ارادہ ہو تو حرام ہوگا۔

بسم اللہ، الحمد للہ، سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورہ اخلاص بقصد ذکر پڑھنا حرام نہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے اور جنابت کی حالت میں بول سکنے والے کے لئے زبان سے تلاوت اور گونگے شخص کے لئے اشارے سے تلاوت کرنا حرام ہے کیونکہ گونگے شخص کا اشارہ کرنا بمنزلہ بولنے کے ہے اور خواہ وہ تلاوت آیت کے ایک حصے ہی کی کیوں نہ ہو جیسے ایک حرف کیونکہ یہ خلاف تعظیم ہے۔

اس کے حرام ہونے کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث ہے جو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جنبی اور حائضہ قرآن کریم ذرا سا بھی نہ پڑھیں❷ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے جب تک کہ آپ حالت جنابت میں نہ ہوں۔❸

حنابلہ نے جنبی شخص کے لئے آیت کا کچھ حصہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے خواہ وہ اس کو بار بار دھرائے کیونکہ کچھ حصے میں اعجاز (معجزے) کے معنی نہیں ہوتے جب تک کہ وہ طویل نہ ہو اسی طرح یہ حضرات حنفیہ کے ساتھ ساتھ قرآن کو ہجے کر کے پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ قرات قرآن نہیں۔ اور اس کے لئے ایسی قراءت بھی درست ہے جو نماز میں درست نہیں ہوتی یعنی دل ہی دل میں پڑھنا، اور جنبی کے لئے قرآن کریم میں بغیر تلاوت کئے دیکھنا اور بالکل زبان ہلائے بغیر پڑھنا بھی درست ہے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ قراءت نہیں شمار ہوتی ہے۔

مالکیہ نے وہ قراءت جو جنبی کے لئے جائز ہوتی ہے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ وہ آیت جو بطور تعوذ اور حفاظت پڑھی جائے جیسے آیۃ الکرسی سورۃ اخلاص، سورۃ معوذتین یا اپنے اوپر یا دوسرے پر بغرض دم تکلیف یا نظر کے علاج کے لئے پڑھنا یا کسی حکم پر بطور استدلال پڑھنا جیسے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا وغیرہ۔ اور مالکیہ کے ہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کی تھوڑی مقدار میں تلاوت حائضہ

❶.....یہ روایت نسائی نے اور ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں عمرو بن حزم سے روایت کی ہے اور سند میں ایک متروک شخص ہے اور یہ حدیث طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ایک اختلافی شخص ہے یہ حدیث حاکم نے بھی روایت کی۔ ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث عمرو بن حزم سے صحیح الاسناد منقول ہے طبرانی نے یہ حدیث عثمان بن ابو العاص سے نقل کی ہے اور اس کو علی بن عبد العزیز نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور اس کی سند حد درجہ ضعیف ہے، نصب الرایہ ج: ۱ ص: ۱۹۶۔۱۹۹۔ ❷ علامہ نووی نے اس کو المجموع میں ذکر کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے تاہم اس کے ایسے شواہد ہیں جس سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہو۔ ❸ بروایت امام ترمذی، اور انہوں نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے باقی اصحاب سنن اربعہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ سبل السلام: ج ۱ ص ۸۸۔

اور نفاس والی عورت جائز قرار دی گئی ہے بشرطیکہ خون آنے کے اوقات ہوں، خواہ وہ جنبی ہو یا نہیں اور اگر خون کا آنا رک چکا ہو تو نہا لینے تک پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ ان کی دلیل استحسان ہے کہ وہ عورت کافی عرصے تک حیض آنے کے سبب اس کو کر سکتی ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کریم میں دیکھنا حرام نہیں، کیونکہ جنابت آنکھوں کے دیکھنے میں سرایت نہیں کرتی ہے۔

۵..... مسجد میں اعتکاف، یہ بالاجماع حرام ہے، اور مسجد میں داخل ہونا احناف اور مالکیہ کے ہاں مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس کو عبور کرنے یا پار کرنے کی غرض سے یہ کام ہو، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ کرام کے گھر کے دروازے مسجد میں نکلے ہوئے دیکھے تو آپ نے فرمایا ان گھروں کا رخ مسجد سے ہٹا دو، میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں ❶ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے صحن میں تشریف لائے اور باآواز بلند فرمایا مسجد حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں ہے ❷ اور قرآن کریم میں آیت میں آئے ہوئے لفظ عابری سبیل میں عابرین سے مسافر مراد ہیں مسافر حالت جنابت میں نہائے بغیر نماز کے قریب جانے کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، آیت نے یہ بیان کردیا کہ اس کا حکم تیمم کا ہے۔ شوافع اور حنابلہ جنبی وغیرہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے اور اس میں بلاضرورت آنے جانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں ❸ مسجد کو عبور کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں خواہ وہ بلاضرورت عبور کرے۔ کیونکہ اللہ کا یہ فرمان لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ میں راستہ مراد ہے اور سعید بن منصور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی مسجد میں سے حالت جنابت میں گزر جایا کرتا تھا، اور حضرت زید بن اسلم سے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مسجد میں حالت جنابت میں چلا پھرا کرتے تھے۔

تاہم یہ اباحت اس وقت ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے گزرنے سے مسجد گندی نہ ہو اور اگر مسجد کے گندے ہونے کا امکان ہو تو ایسا کرنا ممنوع ہوگا اور اس میں ٹہلنے کی طرح گزرنا بھی حرام ہوگا۔

۷۔ ساتویں بحث..... مسنون غسل کی اقسام

غسل کبھی واجب ہوتا ہے جیسے غسل جنابت غسل حیض اور غسل نفاس، اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہے اور غسل کبھی سنت بھی ہوتا ہے، اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں غسل کبھی مندوب یا مستحب بھی ہوتا ہے۔ مسنون غسل مندرجہ ذیل ہیں۔ ❹

۱..... نماز جمعہ کے لئے غسل یہ متعدد احادیث کی رو سے مسنون ہے ان احادیث میں سے ایک حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر لازم ہے ❺ اور اس میں واجب (لازم) ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ مسنون ہے اور مؤکد ہے اور اس بات کی

---

❶..... بروایت ابن امامہ اور اس کا سند میں ایک مختلف فیہ شخص ہے امام بخاری نے بھی اس حدیث کو تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ ❷ بروایت بیہقی اور ابن ماجہ، بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❸ شوافع فرماتے ہیں کہ یہ حرمت مسلمان اور غیر نبی کے لئے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حرمت نہیں تھی، اور کافر کے لئے مسجد میں ٹھہرنا صحیح قول کے مطابق درست ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا قائل نہیں ہوتا ہے تاہم کافر کو خواہ وہ جنبی نہ بھی ہو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا سوائے کسی ضرورت کے جیسے قرآن سننے یا اسلام لانے کے لئے کھانے پینے وغیرہ کے لئے نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ مسلمان اس کو داخل ہونے کی اجازت دے ہاں اگر کافر کا کوئی مقدمہ وغیرہ ہو اور قاضی مسجد میں ہو تو اس کو جانے کی اجازت ہے مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۱۔ ❹ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴، الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۶، ۱۵۸، اللباب ج ۱ ص ۲۳، مراقی الفلاح ص ۱۸، القوانین الفقهیه، ص ۲۵ کشاف القناع ج ۱، ص ۱۷۱۔۱۷۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۵۰۳۔ ❺ یہ حدیث ساتوں حضرات (یعنی صحاح ستہ کے حضرات اور امام احمد) نے روایت کی ہے۔

دلیل دوسری احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت سمرہ کی حدیث ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن وضو کر لے تو بہت اچھا ہے اور خوب ہے اور جو غسل کرے تو غسل افضل ہے ❶ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی بناء پر غسل فرماتے تھے۔(۱) جنابت۔(۲) جمعہ کا دن۔(۳) پچھنے لگوانے کے بعد، اور (۴) میت کو نہلانے کے بعد ❷ جمعہ کے لئے حاضر ہونے والے شخص کے لئے غسل کرنا جمعہ کے دن طلوع فجر سے لے کر زوال تک مسنون ہے مالکیہ نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ غسل مسجد جانے کے ساتھ متصل ہو، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص تم میں سے جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے مالکیہ کے ہاں اور صحیح قول کے مطابق احناف کے ہاں بھی یہ غسل نماز جمعہ کے لئے ہے دوسرے حضرات کے ہاں یہ غسل جمعہ کے دن کے لئے ہے۔اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ اگر ایک شخص جمعہ کے دن وضو کرے پھر بے وضو ہونے کے بعد وضو کرے اور نماز جمعہ ادا کر لے تو پہلے حضرات کے ہاں اس کو سنت کا ثواب نہیں ملے گا، اور دوسرے حضرات کے ہاں ثواب ملے گا۔اور نماز جمعہ کے بعد کیا جانے والا غسل بالا جماع معتبر نہیں ہوگا (یعنی مسنون شمار نہیں ہوگا)

جو شخص جنابت یا عورت حیض وغیرہ کا غسل جمعہ یا عید کے غسل کے ساتھ کرے تو یہ غسل دونوں کی طرف سے ہو جائے گا اگر وہ جنابت کی پھر جمعہ کی نیت کر لے یہ حکم بالاتفاق مذاہب ہے جیسے کوئی فرض نماز اور تحیۃ المسجد کی نیت کرے تو وہ شوافع کے ہاں درست ہوتی ہے، اور جیسے کوئی عورت جنابت اور حیض کا غسل کرے تو ایک غسل دونوں کی طرف سے بالاتفاق کافی ہوتا ہے۔

مسنون غسل میں سے سب سے زیادہ تاکید اس غسل جمعہ کی ہے تاہم یہ خواتین کے لئے مستحب نہیں۔

۲.....عیدین کی نماز کے لئے غسل: یہ مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے غسل فرماتے تھے ❸ تاہم علامہ شوکانی فرماتے ہیں اس حدیث سے عید کے غسل کے مسنون ہونے پر استدلال کیا گیا ہے لیکن اس باب میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو کسی شرعی حکم کو ثابت کر سکے۔عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ ایسی نماز ہے جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے تو یہ جمعہ کے مشابہ ہوئی۔یہ غسل عید کے دن عید کی نماز کے لئے حاضر ہونے والے شخص کے لئے ہے خواہ وہ اکیلا پڑھے بشرطیکہ اکیلا پڑھنے سے اس کی نماز درست ہو سکے مثلاً وہ ایک معتبر تعداد کے ادا کرنے کے بعد اپنی نماز ادا کرے۔لہٰذا یہ غسل طلوع فجر سے قبل درست نہیں ہے۔

۳.....حج یا عمرے کے احرام کے لئے اور زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے۔احرام کے لئے مسنون ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے لئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا ❹ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیض ونفاس کی صورت میں بھی یہ کرنا ہوگا ❺ دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت عمیس کو اس کا حکم دیا تھا جب ان کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔❻

---

❶.....بروایت صحاح ستہ اور اس کی سند جید ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سات دن میں ایک مرتبہ نہائے جس میں وہ اپنا سر اور بدن دھوئے متفق علیہ۔❷ بروایت ابوداؤد، ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام احمد اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ہے جس پر کلام کیا گیا ہے۔سبل السلام ج ۱ ص ۸۶۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۱۔۲۳۶۔❸ حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے جو کہ صحابی ہیں، روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن عرفہ کے دن، عید کے دن اور یوم النحر میں غسل فرماتے تھے یہ حدیث عبداللہ بن امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے تاہم انہوں نے جمعہ کا ذکر نہیں کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۶۔

❹ بروایت امام ترمذی انہوں نے اس کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۹۔❺ بروایت امام مسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۰۔❻ متفق علیہ۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۰

مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کا مسنون ہونا اس عورت کے لئے بھی جو حالت حیض میں ہو اس کی دلیل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو انجام دینا ہے اور اس کے ظاہری الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے بھی مسنون ہے جو حدود حرم میں مقیم ہو اور مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے جیسے منیٰ میں مقیم شخص جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت بھی غسل مستحب ہے مدینہ منورہ کی تعظیم کے لئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضری کی عظمت کے تقاضے کے پیش نظر۔ اور وقوف عرفہ کے لئے اس لیے مسنون ہے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے ❶ مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے اور رمی جمار طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے اس لئے غسل مستحب ہے کہ یہ حج کی ذیلی عبادتیں ہیں لوگوں کا ان میں اجتماع ہوتا ہے اس میں لوگوں کا پسینہ بہتا ہے اور اس کی بو سے لوگ تکلیف اٹھاتے ہیں اس لئے ان مواقع پر بھی غسل ایسے ہی مستحب ہے جیسے جمعہ کے موقع پر تا کہ بدبو دور ہو اور صفائی حاصل ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ طواف، سعی، وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ کے لئے غسل مستحب ہے اور احرام اور مکہ میں داخلے کے لئے غسل مسنون ہے، احناف فرماتے ہیں احرام اور عرفہ کے میدان میں داخل ہونے کے لئے غسل مسنون ہے، اور وقوف مزدلفہ اور دخول مکہ کے لئے مندوب ہے۔

۴.....سورج گرھن، چاند گرہن، اور صلاۃ استسقاء (بارش کے لئے ادا کی جانے والی نماز) کے لئے بھی غسل مسنون ہے، کیونکہ یہ ایسی عبادتیں ہیں جن میں مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے یہ عیدین اور جمعہ کے مشابہ ہیں۔

احناف انہیں صرف مندوب قرار دیتے ہیں۔

۵.....میت کو غسل دینے کے بعد، میت مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ یہ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میت کو غسل دے وہ خود نہائے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے ❷ اور یہ حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں ہے بلاشبہ تمہاری میت پاک حالت میں مری ہے تمہارے لئے اپنے ہاتھ دھولینا کافی ہیں ❸ اور دوسری حدیث میں ہے صحابہ فرماتے ہیں ہم میت کو نہلایا کرتے تھے ہم میں سے بعض نہالیا کرتے تھے اور بعض نہیں نہاتے تھے ❹ احناف فرماتے ہیں یہ واجب نہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے تم پر میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا لازم نہیں۔(۵)

ابن عطاء نے فرمایا ہے اپنے مردوں کو نجس مت کہو، مسلمان نہ زندہ نجس ہوتا ہے اور نہ مردہ نجس ہوتا ہے(۶) تاہم احناف فرماتے ہیں ان لوگوں کے اختلاف کے پیش نظر جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں غسل کر لینا مستحب ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں اس غسل کو مستحب قرار دینے کی بات ہی حق ہے کیونکہ اس کو مستحب قرار دینے میں تمام دلائل باحسن طریقہ جمع ہو جاتے ہیں اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ میت کے نہلانے کے بعد غسل کرنے کا حکم چاروں مذاہب میں مندوب ہے۔

۶۔ مستحاضہ کے لئے، یعنی وہ عورت جس کو حیض کے علاوہ بھی خون آتا ہو، شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے لئے غسل کرنا مسنون ہے مالکیہ اس کو مستحب قرار دیتے ہیں، احناف فرماتے ہیں کہ خون رک جانے پر غسل کرنا مندوب ہے۔ مستحاضہ کے لئے غسل

---

❶..... بروایت امام از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بواسطہ حضرت نافع، امام شافعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے اس کو مرفوعا روایت کیا ہے۔ ❷ بروایت اصحاب سنن و امام احمد امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ منسوخ ہے امام بخاری اور امام بیہقی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے نیل الاوطار ۱/ص ۲۳۷۔ ❸ بروایت امام بیہقی علامہ ابن حجر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ خطیب نے حضرت عمر سے نقل کی ہے علامہ ابن حجر نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❺ دار قطنی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کی ہے امام بیہقی نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا درست نہیں ہے۔ ❻ اس حدیث کی سند صحیح، ہے یہ مرفوعا بھی منقول ہے دار قطنی اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا یہ بھی منقول ہے لاتنجسوا موتاکم یعنی اپنے مردوں کو ناپاک نہ کہو۔ نیل الاوطار ۱/ص: ۲۳۸

کے مستحب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام حبیبہ کو استحاضہ ہو گیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے انہیں نہانے کا حکم دیا تو وہ ہر نماز کے موقع پر نہایا کرتی تھیں (1) اور دوسری روایت میں ہے جو حدیث صحیح کے درجے کی نہیں ہے کہ آپ نے انہیں ہر نماز کے لئے نہانے کا حکم دیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کو استحاضہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ہر نماز کے لئے غسل کرو (2) اور وہ نمازیں جن میں دو کو اکھٹا کر کے پڑھا جا سکتا ہو ان میں دو کے لئے ایک غسل کافی ہے جیسے ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ روایت کے مطابق حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو استحاضہ میں مبتلا ہوئیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اپ نے انہیں ہر نماز کے موقع پر نہانے کا حکم دیا ان پر یہ کرنا گراں گزرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کے لئے ایک ایک غسل کریں اور فجر کے لئے ایک غسل کرلیں۔ (3)

۷.....جنون، بے ہوشی اور نشے سے افاقہ پانے کی صورت میں غسل مسنون ہے۔

ان لوگوں کے لئے غسل مسنون ہے، علامہ ابن منذر فرماتے ہیں یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ہوشی کی وجہ سے غسل فرمایا تھا۔ (4)

۸...... پچھنے لگوانے کی صورت میں، شب برأت کے موقع پر اور لیلۃ القدر کے موقع پر اگر اس کو پالے۔ احناف کے ہاں پچھنے لگوانے کے بعد غسل اس لئے مندوب ہے تا کہ ان حضرات کے اختلاف سے نکلا جا سکے جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ شب برأت یعنی شعبان کی پندرھویں شب میں اس رات میں جاگنے کے لئے اور رات کی عظمت شان کی وجہ سے مسنون ہے کیونکہ اس رات میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اجل مقرر کی جاتی ہے۔ اور لیلۃ القدر کے موقع پر اس کو دیکھنے اور پالینے کے بعد اس لئے کہ اس رات قیام کر سکے۔ کسی ڈرانے والے سے ڈر کے موقع پر یہ مسنون ہے۔ اللہ سے الحاح وزاری کے لئے تا کہ وہ تکلیف دور کر دے۔ اندھیرے اور شدید آندھی کے موقع پر یہ مسنون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سرکش قوموں کو تباہ کیا تھا۔

گناہ سے توبہ کر لینے والے کے لئے بھی غسل مستحب ہے، اسی طرح سفر سے لوٹ آنے والے کے لئے، اور اس شخص کے لئے جس کو کوئی نجاست لگ جائے اور اس کی جگہ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں پورا بدن اور کپڑے احتیاطاً دھو لینا بہتر ہے۔

غسل کی بحث سے ملحق دو اضافی بحثیں

ا۔ پہلی بحث مسجد کے احکام...... مسجدیں روئے زمین کی سب سے بہتر اور افضل جگہیں ہیں۔

افضل ترین مساجد تین ہیں۔ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ۔

ان تینوں میں افضل مسجد جمہور علماء کے ہاں ماسوا امام مالک، مسجد حرام ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مسجد نبوی ان سب میں افضل ہے، جیسا کہ امام مالک نے دیگر علماء کے برخلاف مسجد نبوی کو مسجد حرام پر افضل قرار دیا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کسی علوم کے استاد کی مسجد بالاتفاق افضل ہوگی۔ اور محلے کی مسجد جامع مسجد سے افضل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کی وفات سنہ ۶۷۶ ہجری میں ہوئی) مساجد

(1)...... متفق علیہ۔ (2) بروایت ابوداؤد اور ابن ماجہ علامہ نووی نے اس کے بعض طریقوں سندوں کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج اص ۲۴۱۔ (3) بروایت امام احمد اور ابوداؤد، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ ابن اسحٰق کو اس میں وھم ہو گیا تھا۔ نیل الاوطار ج اص ۲۴۲۔ (4) متفق علیہ۔ روایت از حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا نیل الاوطار ج ا ص ۳۳۔

کے تینتیس (۳۳) احکامات بیان فرمائے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱)

۱.....جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے حنابلہ اور شوافع نے بغیر رکے گزرنے کو مباح قرار دیا ہے، ان کے ہاں اس میں کوئی کراہت نہیں خواہ کسی ضرورت کے پیش نظر ایسا ہو یا بلاضرورت ہو، تاہم اولی یہ ہے کہ بلاضرورت اس کو عبور نہ کرے تا کہ حنیفہ اور مالکیہ کے اختلاف سے نکل سکے جیسا کہ میں یہ بات جنبی وغیرہ پر حرام امور کے بیان کے تحت ذکر کر چکا ہوں۔ احناف کے ہاں مسجد کو بلا عذر راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں سے زیادہ گزرنا مکروہ ہے اگر مسجد راستے سے پہلے بنی ہوئی ہوں اور اگر راستہ پہلے بنا ہو تو اس میں کراہت نہیں۔

۲.....اگر مسجد میں احتلام ہو جائے تو اس سے نکلنا واجب ہے ماسوا اس کے کہ مسجد بند ہو جانے وغیرہ کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے یا اس کو اپنی جان یا مال کا خوف ہو۔ چنانچہ اگر وہ باہر نکلنے سے عاجز ہو یا خوف ہو تو اس کے لئے ضرورت کے پیش نظر رک جانے میں کوئی قباحت نہیں مسجد کی مٹی وغیرہ سے تیمّم نہ کرے کہ ایسا کرنا حرام ہے اگر وہ مخالفت کرتے ہوئے تیمم کرے تو وہ درست ہو جائے گا۔ اور اگر وہ جنابت کی حالت میں ہو اور پانی مسجد میں ہو تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور وہاں غسل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ مسجد میں حالت جنابت میں آنے کا مرتکب ہو جائے گا۔ اور اگر پانی پینے کے لئے آئے تو بقدر حاجت رکنے کی اجازت ہے اس سے زائد رکنا ممنوع ہے۔

۳.....بے وضو شخص کے لئے مسجد میں بیٹھنا باجماع امت درست ہے، خواہ وہ شرعی غرض کے تحت بیٹھے جیسے اعتکاف قرآن کی سماعت یا کوئی علمی بات سننے کی غرض سے بیٹھے یا بلاغرض بیٹھے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۴.....مسجد میں سونا جائز ہے، اس میں شوافع کے نزدیک کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کیا کرتے تھے، اور اصحاب صفہ (وہ فقراء اور تنگدست صحابہ کی جماعت جو مسجد نبوی میں سایہ دار چبوترے پر رہا کرتے تھے) بھی مسجد میں سویا کرتے تھے اور عرینہ کے لوگ بھی مسجد میں ٹھہرے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، صفوان بن امیر رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے تھے ان کے علاوہ حضرات بھی سویا کرتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسافروں کے لئے ایسا کرنے میں حرج نہیں، لیکن مقیم شخص کے لئے میں اسے مناسب نہیں سمجھتا ہوں، احناف فرماتے ہیں مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے علاوہ افراد کے لئے ممنوع ہے، امام احمد اور اسحٰق فرماتے ہیں اگر وہ مسافر یا اس کی طرح کا آدمی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ مسجد کو رات کے سونے اور دن کے آرام کی جگہ بنالے تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں (۲) کہ کافر کا مسجد میں بلاضرورت داخل ہونا ممنوع ہے خواہ مسلمان اس کو اس کی اجازت بھی دیدے ماسوا اس کے کہ کوئی ضرورت ہو اور ضرورت میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کام میں اس کی اجرت مسلمان سے کم ہو یا وہ کوئی کام مسلمان سے زیادہ اچھا کرتا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کافر کے لئے ہر مسجد میں داخل ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں شوافع کے ہاں کافر کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے ماسوا مسجد حرام اور حرم مکہ کے اور کافر کے لئے مسجد میں رات گزارنا بھی جائز ہے خواہ وہ جنبی ہو۔ تاہم وہ ایسا مسلمانوں کی اجازت سے کرے۔

۵.....مسجد میں وضو کرنا جائز ہے اگر وضو کے پانی سے گندی نہ ہو تاہم بہتر یہ ہے کہ کسی برتن میں وضو کیا جائے، علامہ ابن منذر فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو اہل علم میں سے تھا اس نے مسجد میں وضو کو مباح قرار دیا بشرطیکہ مسجد اس سے گیلی نہ ہو اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچے، ایسا کرنا مکروہ

---

(۱) المجموع ج ۲ ص ۱۸۷-۱۹۶ ج ۴ ص ۳۳، مزید ملاحظہ کریں اعلام الساجد باحکام المساجد از علامہ زرکشی (وفات سہ ۷۹۴ھ) بطور خاص صفحہ نمبر ۳۰۱ تا ۴۰۷ جہاں انہوں نے مسجد کے ۱۳۷ احکام بیان فرمائے۔ یہ ابوظہبی میں طبع ہوئی ہے۔ القوانین الفقھیہ ص ۹۴، المغنی ج ۲ ص ۲۴۳، الدر المختار و ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴-۶۱۹ کشاف القناع ج ۲ ص ۴۲۴-۴۳۶۔

(۲) حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۸۔

ہے۔امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضوکرنا مکروہ ہے مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی خاطر تاہم احناف نے اس جگہ وضوکر نے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو وضو کے لئے تیار کی گئی ہو۔

۶.....مسجد میں کھانے پینے اور دستر خوان بچھانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس میں (ہاتھ دھونے کے برتن میں) ہاتھ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، احناف فرماتے ہیں ایسی چیز کا کھانا جس میں ناگوار بو نہ ہو مکروہ تنزیہی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں مسافروں کے لئے مسجد میں کھانا جائز ہے بشرطیکہ مسجد گندی نہ ہو۔اسی طرح حنابلہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مسجد میں کھانا اس شرط کے ساتھ مباح ہے کہ مسجد کو کھانے والے گندہ نہ کریں۔

۷.....لہسن، پیاز اور کراث (لہسن اور پیاز کی طرح کی ایک بدبودار سبزی) اوران جیسی دیگروہ چیزیں جس میں ناگوار بو ہوتی ہے۔

اور کھانے کے بعد ان کی مہک باقی رہتی ہے ایسی چیزیں کھا کر مسجد میں بلاضرورت جانا مکروہ ہے۔دلیل اس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس پودے یعنی لہسن کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے یا یہ فرمایا، ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے ❶ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ جو شخص اس پودے کو کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے ❷ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث جو شخص لہسن یا پیاز کھالے وہ ہم سے دور رہے یا یہ فرمایا ہماری مساجد سے دور رہے۔❸

احناف فرماتے ہیں ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں یہ حرام ہے۔

۸.....مسجد میں تھوک پھینکنا مکروہ ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوک پھینکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ تھوک کو دفن کردیا جائے۔

۹.....مسجد میں پیشاب کرنا، فصد کھلوانا، یا پچھنے لگوانا حرام ہے اگر کسی برتن میں نہ ہو۔اور کسی برتن میں کروانا مکروہ ہے حرام نہیں، احناف فرماتے ہیں مسجد میں پیشاب، پاخانہ اور ہم بستری کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ وہ آسمان تک مسجد ہی شمار ہوتی ہے اور مسجد میں نجاست کا لانا ممنوع ہے لہٰذا ناپاک تیل سے روشنی کے چراغ جلانا مکروہ ہے اور اس کو ناپاک چیز سے لیپنا اور اس میں فصد کھلوانا مکروہ ہے۔

شوافع فرماتے ہیں مسجد میں نجاست لانا حرام ہے۔اور وہ شخص جس کے بدن پر نجاست ہو یا زخم ہو تو اگر وہ مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اور اگر مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ نہ ہو تو حرام نہیں۔مسجد کی تعمیر اور چونے اور گچ کا کام ناپاک چیز سے کرنا درست نہیں۔احناف کے ہاں یہ مکروہ تحریمی ہے اور مسجد میں ناپاک تیل اور ناپاک چربی سے روشنی کرنا مکروہ ہے۔

ان چیزوں کے حرام ہونے کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ یہ مساجد ان چیزوں پیشاب اور گندگی وغیرہ کے لئے ٹھیک نہیں ہیں، یہ تو اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہیں۔

۱۰.....مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے اسی طرح کنواں کھدوانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ دوسرے کے مال میں تعمیر اور بنانے کے مترادف عمل ہے اور امام وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مسجد میں بوئے ہوئے تمام درختوں کو اکھاڑ لے احناف فرماتے ہیں مسجد میں درخت بونا مکروہ ہے ماسوا کسی فائدے کے لئے جیسے مثلاً سیم وتھور والی زمین میں سیم کم کرنے کے لئے درخت لگانا۔

---

❶.....بروایت بخاری ومسلم۔مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں مساجدنا (ہماری مساجد) ❷ بروایت بخاری ومسلم۔❸ اور مسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ان مذکورہ چیز کے معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے یہ بات پیش نظر رہے کہ مسجد میں ہوا کا خارج کرنا مکروہ نہیں ہے تاہم اس سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ مسلم شریف کی حضرت جابرؓ سے روایت جو پہلے گزری کہ جو پیاز، لہسن اور کراث کھائے ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو اس سے تکلیف ہوتی جس سے بنی آدم کو تکلیف ہوتی ہے کراث: خاص قسم کی سبزی ہے۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۴۔

۱۱..... مسجد میں لڑنا، آواز بلند کرنا، گم شدہ چیز کا اعلان کرنا خرید وفروخت اجارہ وغیرہ اور دیگر عقد وغیرہ کرنا مکروہ ہے۔ دلیل اس کی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے جو امام مسلم امام احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے کہ جو شخص کسی آدمی کو گم شدہ چیز مسجد میں اعلان کرتا دیکھے تو وہ کہے: اللہ تمہاری چیز تم تک نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس لئے نہیں بنی ہیں اور ترمذی کی روایت میں ہے جب تم کسی کو مسجد میں بیچتا یا خریدتا دیکھو تو کہہ دو اللہ تمہاری تجارت سودمند نہ بنائے اور جب تم کسی کو اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو تو کہہ دو: اللہ تم کو یہ چیز واپس نہ لوٹائے۔[1]

اسی طرح حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں خرید وفروخت مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں حرام ہے اور اگر ہو جائے تو باطل ہو گی۔ اور نمازیوں کے لئے اگر ذکر با آواز بلند کرنا باعث تشویش والجھن ہو تو حنابلہ احناف کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے تاہم حنابلہ کے ہاں فقہ حاصل کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں غیر مباح کلام مکروہ ہے اور مباح کلام اگر نمازیوں کے لئے باعث تشویش نہ ہو تو مکروہ نہیں مالکیہ فرماتے ہیں مسجد میں آواز بلند کرنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ ذکر کے لئے ہو یا علم کے لئے ہو۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے اور مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے اور مسجد میں شعر گنگنانے سے منع فرمایا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

شوافع کے ہاں سائل کو مسجد میں کچھ دینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کیا تم میں سے کسی نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: میں مسجد میں جب داخل ہوا تو میں نے ایک سائل کو مانگتے دیکھا میں نے عبدالرحمٰن (بیٹے) کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا تو میں نے اس سے لے کر اس فقیر کو وہ دے دیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں مانگنے کو مکروہ گردانا ہے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم دینا جائز ہے حنفیہ فرماتے ہیں مسجد میں مانگنا حرام ہے اور سائل کو کچھ دینا مکروہ ہے۔

۱۲..... جانوروں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا مکروہ ہے، اور ان بچوں کو بھی جو مسجد کی تمیز نہ کر سکیں کیونکہ ان لوگوں سے مسجد کا گندہ ہونا محفوظ و مامون نہیں تاہم ان کو لانا حرام نہیں ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ بنت زینب (نواسی) کو گود میں اٹھائے ہوئے نماز پڑھی اور اپنے اونٹ پر طواف فرمایا۔ تاہم یہ کراہت کی نفی نہیں کرتا کیونکہ بیان جواز کے لئے آپ کا عمل تھا۔ اس طرح وہ آپ کے حق میں افضل ہوا کیونکہ بیان کرنا آپ پر لازم تھا۔ یہ حکم حنابلہ کے ہاں بھی ہے، تاہم وہ پاگلوں کو مسجد میں کسی ضرورت کے تحت لانے کی اجازت دیتے ہیں مالکیہ اور حنفیہ بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانے سے منع کرتے ہیں اور یہ کرنا مکروہ ہے۔ عورتوں کے لئے مسجدوں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے اگر فساد اور فتنے کا خوف نہ ہو اور نوجوان لڑکی کا مسجد جانا مکروہ ہے۔

۱۳..... مسجد کو کسی پیشے وغیرہ کا مرکز یا بیٹھک بنانا مکروہ ہے جیسے درزی وغیرہ کا پیشہ، دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو نویں مسئلے کے ذیل میں گزری لیکن وہ شخص جو علم کی بات لکھ رہا ہو یا اتفاقاً اس میں بیٹھ کر سینے لگا ہو اس کو باقاعدہ سلائی کے لئے نشت گاہ نہ بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۴..... مسجد میں گدی کے بل لیٹنا، ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھنا اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسانا وغیرہ سب امور جائز ہیں بخاری اور مسلم میں وارد حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام امور انجام دیے ہیں۔

۱۵..... مسجد میں علمی مجالس منعقد کرنا مستحب ہے، اس طرح مواعظ اور ترغیبی باتیں بیان کرنا بھی مستحب ہے۔ صحیح احادیث اس بارے میں بہت سی وارد ہوئی ہیں جو مشہور بھی ہیں۔

---

[1] ..... ابوداؤد نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

مسجد میں مباح گفتگو کرنا جائز ہے، اور دنیاوی مباح معاملات پر بھی گفتگو جائز ہے خواہ اس میں ہنسی بھی آجائے یہ جب تک جائز ہے جب تک یہ مباح ہو دلیل اس کی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد اپنی جاءنماز سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک سورج نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ اٹھ جاتے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ بات چیت کرتے رہتے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں شروع کرتے اور ان باتوں پر ھنسا کرتے اور آپ بھی ان پر تبسم فرماتے تھے۔ ❶

۱۶..... مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگر وہ نعتیں ہو یا اسلام کی تعریف میں ہو یا حکمت کی باتوں والا ہو یا مکارم اخلاق سے تعلق رکھتا ہو یا زہد وتقویٰ سے متعلق ہو یا اسی طرح دیگر اچھی اور بھلائی کی باتوں پر مشتمل ہو۔ اس کی دلیل حضرت سعید بن المسیب کی نقل کردہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اور حضرت حسان شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمران کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بولے میں شعر اس وقت پڑھتا تھا جب اس مسجد میں وہ موجود تھے جو آپ سے بہتر تھے پھر وہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم بتاؤ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا: میری طرف سے جواب دو، اے اللہ اس کی مدد کر روح القدس کے ذریعے، حضرت ابو ہریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ❷ ہاں وہ شعر جن میں بری باتیں ہوں جیسے مسلمان کی برائی شراب کی تعریف عورتوں یا بے ریش لڑکوں کا بیان ظالم کی تعریف وتوصیف ہو یا ممنوع چیز پر فخر کرنا وغیرہ ناجائز امور ہوں تو شعر پڑھنا حرام ہوگا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی رو سے جو مسئلہ نمبر نو کے تحت بیان ہوئی اور دوسری اس حدیث کی رو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ تفصیل تمام دوسرے مذاہب کے ہاں بھی ہے۔

۱۷..... مسجد میں جھاڑو دینا اور صفائی کرنا مسنون ہے۔ اسی طرح اس میں موجود رینٹ اور تھوک وغیرہ صاف کرنا بھی مسنون ہے بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوک پڑا ہوا دیکھا آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مسل دیا ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اجر پیش کئے گئے حتیٰ کہ وہ تنکا بھی جو نمازی مسجد سے نکالتا ہے۔

۱۸..... بڑی ناپسندیدہ بدعتوں میں سے یہ بدعت ہے کہ مخصوص اور مقدس راتوں میں بہت سارے چراغ بلب، فانوس اور روشنیاں جلائی جائیں جیسے شب برأت میں وغیرہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت ہے آگ وغیرہ کا اہتمام کرنے میں اور مال کا ضیاع بھی ہے۔

۱۹..... مسجد میں اسلحہ لے کر داخل ہونے والے شخص کے لئے یہ مسنون ہے کہ وہ اسلحے کی دھار سے اس کو پکڑے جیسے تیر کی نوک نیزے کی انی وغیرہ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں تیر لے کر گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نوک کی طرف سے اس کو پکڑو۔ ❸

۲۰..... سفر سے واپس لوٹ کر آنے والے کے لئے یہ مسنون ہے کہ وہ پہلے مسجد جائے اور دو رکعت ادا کرے۔ کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد جاتے اور وہاں دو رکعات ادا فرماتے۔ ❹

۲۱..... مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے یا علم میں مشغول شخص یا کسی اور نیک یا مباح کام میں مشغول شخص کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اعتکاف کی۔ ❺

---

❶..... بروایت امام مسلم۔ ❷ بروایت امام بخاری و امام مسلم۔ ❸ یہ حدیث حسن ہے نسائی نے اس کو حسن سند کے ساتھ عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے بواسطہ والد روایت کیا ہے۔ ❹ بروایت بخاری ومسلم ان حضرات نے اسی معنی میں ایک حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ ❺ بروایت امام بخاری ومسلم۔

نیت کرلے، کیونکہ اس طرح اعتکاف خواہ قلیل عرصے کے لئے ہی ہو درست ہو جاتا ہے۔

۲۲..... نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کے پیش نظر۔ اور اگر اس کے کھولے رکھنے میں فساد کا خوف نہ ہو اور نہ اس کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو اور لوگوں کے لئے اس کے کھلنے میں آسانی اور راحت ہو تو اس کا کھولے رکھنا مسنون ہے۔ جیسے کہ مسجد نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد بھی بند نہیں ہوا کرتی تھی۔

۲۳..... مسجد میں داخل ہونے والے شخص کے لئے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے۔

۲۴..... قاضی کو چاہئے کہ وہ مسجد کو فیصلوں کی جگہ (عدالت کچہری وغیرہ) نہ بنائے ہاں سوائے ان معاملات کے جو فی الفور وہیں واقع ہوں تو ان میں وہیں فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۵..... قبر کے اوپر مسجد کا بنانا مکروہ ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا❶ اور قبر کا مسجد میں کھودنا تو یہ نہایت درجہ حرام چیز ہے۔

شوافع حنفیہ، اور حنابلہ کے ہاں مسجد کی دیواروں اور چھتوں پر کتابت کرنا ممنوع ہے، مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں قبلہ کی طرف کتابت ممنوع ہے تاکہ نمازی کا دھیان نہ بٹے۔ بسا اوقات ان آیات کے پڑھنے میں لگ جانے سے توجہ بٹ جاتی ہے۔ اسی طرح مسجد میں نقش ونگار بنانا اور ایسے امور انجام دینا جو نمازی کی توجہ بانٹنے کا سبب بنیں مکروہ ہیں۔

۲۶..... مسجد کی دیوار اندر اور باہر سے دیکھ بھال اور تعظیم کی لحاظ سے واجب کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح چھت بھی، اور وہ کنواں بھی جو مسجد میں ہو اس طرح اس کا صحن بھی (یہ سب دیکھ بھال اور تعظیم کے قابل ہیں) امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اعتکاف مسجد کے صحن اور چھت پر درست ہے اور مسجد کے ہال کے اندر موجود شخص کی اقتداء میں مسجد کے صحن میں نماز پڑھنے والے کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ مسجد کی چھت بقیہ مذاہب میں بھی مسجد کی طرح شمار کی جاتی ہے (یعنی بقیہ ائمہ کے ہاں بھی)

۲۷..... مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے مسنون ہے کہ وہ اپنے جوتے دیکھے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ان پر لگی ہوئی گندگی وغیرہ دور کرے کیونکہ حدیث میں ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ دیکھ لے اگر اس کے جوتے چپل میں گندگی یا غلاظت لگی ہوئی ہو تو وہ اس کو پونچھ لے اور ان میں نماز پڑھ لے۔❷

۲۸..... اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر بلا عذر نکلنا مکروہ ہے کیونکہ روایت میں ہے ابوالشعثاء فرماتے ہیں ہم حضرت ابوہریرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن نے اذان دی دی مسجد میں سے ایک شخص اٹھ کر جانے لگا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے نگاہ گھمائی، وہ آدمی مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: اس آدمی نے تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔❸

۲۹..... مسجد میں داخل ہوتے وقت اعوذ باللہ العظیم وبوجہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم باسم اللہ والحمدللہ، اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل محمد وسلم، اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك کہنا مستحب ہے۔ جب مسجد سے نکلے تو یہ الفاظ دوبارہ کہے اور آخر میں کہے اللھم افتح لی ابواب فضلك❹

---

❶..... بروایت امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ❷ بروایت ابوداؤد باسناد صحیح یہ حدیث حسن ہے۔ ❸ بروایت امام مسلم۔ ❹ یہ اذکار بعض تو صحیح مسلم میں ہیں اور اکثر ان میں سے ابوداؤد میں ہیں اور نسائی میں اگر یہ تمام الفاظ پڑھنا طویل ہوں تو صرف اس پر اکتفا کرلینا کافی ہے جو صحیح مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ کہے اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور جب نکلے تو کہے اللھم انی اسئالک من فضلک۔

داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور بایاں پاؤں بعد میں رکھے، اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالے۔

۳۰..... مسجد کی کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے، جیسے پتھر، کنکر اور مٹی وغیرہ کیونکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ بلاشبہ کنکری اس کو خدا کے واسطے دیتی ہے جو اس کو مسجد سے نکالتا ہے۔❶

۳۱..... مسجد کا بنانا اس کی تعمیر کرنا اور اس کی دیکھ بھال اور اس کی بوسیدہ چیزوں کی اصلاح مسنون ہے، کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے اسی طرح جنت میں گھر بناتا ہے❷ حنابلہ فرماتے ہیں مسجدیں شہروں گاؤں اور محلوں میں حسب ضرورت وحاجت بنانا واجب ہے یہ فرض کفایہ ہے، مسجد کی تعمیر اور اس کی عمارت کی دیکھ بھال مستحب ہے اور یہ مسنون ہے کہ مسجد کو میل کچیل، رینٹ، ناخن تراشنے، بال کاٹنے اور اکھاڑنے وغیرہ سے اور ناگوار بو مثلاً لہسن، پیاز اور کراث وغیرہ کی بو سے محفوظ رکھا جائے اور مسجد کا ان چیزوں سے بچاؤ کیا جائے مسجد کی تعمیر ایسی جگہ کرنا جو کنیسہ یا بیعہ (یہودیوں کا معبد) یا قبرستان وغیرہ جو بے آباد اور ویران ہو چکا ہو درست ہے اگر اس کی مٹی وغیرہ ٹھیک کر لی جائے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابو العاص کی نقل کردہ حدیث اس بات کی طرف مشیر ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اہل طائف کی مسجد وہاں بنائیں جہاں ان کے بت خانے تھے❸ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بعض مشرکین کی قبریں تھیں جن کو اکھاڑ دیا گیا تھا۔❹

مسجد کو سرخ اور پیلے رنگ سے منقش ومزین کرنا مکروہ ہے تاکہ نمازی کا دل پریشان نہ ہو۔ اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مسجد (کی تعمیرات وغیرہ) میں ایک دوسرے سے فخر ومباہات نہ کرنے لگیں❺ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مجھے بلند وبالا مسجدیں بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم لوگ ان کی بھی ایسی ہی آرائش وزیبائش کرو گے جیسے یہود ونصاری نے آرائش وزیبائش کی تھی❻ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مساجد کا بلند وبالا اور زائد از ضرورت عمدہ تعمیر والا بنانا بدعت ہے اور کراہت کا یہ حکم مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں ہے، لیکن احناف نے حلال مال کے ذریعے مسجد میں نقش ونگار کی اجازت دی ہے ماسوا اس کی محراب کے کہ اس میں یہ کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ نمازی کا دھیان بٹتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں اجازت منقول ہے۔ ابو طالب مکی سے منقول ہے کہ محراب کی آرائش میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

۳۲..... مسجد کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہیں مساجد اور سب سے ناپسند جگہیں بازار ہیں۔❼

۲۔ دوسری بحث..... حمام کے عام احکامات

شوافع اور حنابلہ نے حمام کے احکام اور اس میں جانے کے آداب ذکر کئے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔❽

---

❶..... بروایت ابوداؤد بسند صحیح از حضرت ابو ہریرہ۔❷بروایت بخاری ومسلم امام احمد از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۷۔❸بروایت ابوداؤد بہ سند جید ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۵۔❹بروایت بخاری ومسلم۔❺ماسوا امام ترمذی کے اصحاب سنن وامام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔❻یہ روایت ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے تشید کی معنی ہیں بلند وبالا تعمیرات کرنا حضرت ابن عباس کے اسی قول میں ایک نوعیت کی تنبیہ اور ڈانٹ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کی ایک وضاحت وہ تفصیل تھی جو کتب حدیث میں ملتے ہیں (بتلخیص) نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۰۔❼امام مسلم نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد اور حاکم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔❽ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۲، المغنی ج ۱ ص ۲۳۰۔ ۲۳۳ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۸۱۔ ۱۸۳ الفتاویٰ الھندیہ ج ۵ ص ۳۷۳۔

ا.....سب سے بہتر حمام وہ ہے جو بلند ہو میٹھے پانی کا ہو معتدل حرارت والا ہو معتدل کمروں والا ہو اور پرانا بنا ہوا ہو۔

۲.....حمام کا بنانا اور اس کا خریدنا اور بیچنا اور کرائے پر دینا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ اس میں شرمگاہوں کے پردے میں بے احتیاطی ہوتی ہے اور ان بے پردہ جگہوں پر نظریں پڑتی ہیں اور خواتین کا ان میں آنا جانا ہوتا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں جو شخص خواتین کے لئے حمام بناتا ہے وہ شرعاً عادل شمار نہیں ہوگا (یعنی اس کی گواہی وغیرہ نا قابل قبول ہوگی) بعض حضرات نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب یہ ان ملکوں میں ہو جو ٹھنڈے نہیں ہوتے ہیں۔حمام اور نائی کی کمائی حنابلہ کے ہاں مکروہ ہے۔

۳.....حمام میں داخل ہونا مردوں کے لئے حمام میں داخل ہونا مباح ہے ان پر لازم ہے کہ وہ ایسی چیزوں سے نظریں بچا کر رکھیں جن پر نظر کرنا یا دیکھنا ان کے لئے حرام ہو اسی طرح ان کے لئے اپنے ستر کو ایسے افراد کے سامنے کھولنا جن کے سامنے ستر کھولنا نا جائز ہو درست نہیں ہے اس سے بچنا ضروری ہے یا نہانے کے علاوہ ستر کھولنا جائز نہیں۔کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ جحفہ کے مقام پر ایک حمام میں گئے تھے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ حمام میں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔

اگر یہ خوف ہو کہ ستر پر نظر پڑنے سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا اور لوگوں کی نظروں سے بھی اپنے ستر کی حفاظت نہیں کر سکے گا تو اس کے لئے حمام میں جانا مکروہ ہے۔کیونکہ اس صورت میں ممنوع چیز میں گرفتار ہوئے بغیر اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہے۔کیونکہ ستر کا کھولنا اور دیکھنا حرام ہے۔دلیل حضرت بہز بن حکیم کی روایت کردہ حدیث ہے جو غسل کی بحث کے شروع میں گزری کہ اپنے ستر کی حفاظت کرو ہر کسی سے سوائے بیوی اور زیر ملکیت باندیوں کے ❶ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے نہ عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھے، اور دوسری جگہ فرمایا ننگے ہو کر مت چلو پھرو ❷ اور فرمایا ران ستر میں داخل ہے ❸ عام حمام میں بغیر تہ بند کے داخل ہونا حرام ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے مردوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں بغیر تہ بند کے نہ داخل ہو اور میری امت کی عورتوں میں سے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے وہ حمام میں داخل نہ ہو۔❹

دوسری حدیث میں ہے مردوں پر حرام ہے کہ وہ حمام میں بغیر تہ بند کے داخل ہوں ❺ یہ بھی مروی ہے جب کوئی شخص حمام میں ننگا داخل ہوتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اس کو لعنت کرتے ہیں ❻ عورتوں کے لئے حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے ماسوا اس کے کہ ان کو کوئی عذر لاحق ہو جیسے حیض نفاس، یا کوئی مرض یا غسل کی حاجت ہو اور عورت کے لئے گھر میں نہانا ممکن نہ ہو کیونکہ روایت میں ہے کوئی عورت اپنے کپڑے اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور اللہ کے درمیان پردہ چاک کر دیتی ہے۔❼

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم پر سرزمین عجم فتح کی جائے گی اور تم ان میں ایسے گھر دیکھو گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے، تو مرد اس میں بغیر تہ بند کے نہ جائیں اور عورتوں کو ان میں جانے سے منع کرو سوائے مریضہ کے یا نفاس والی عورت کے۔❽ وجہ اس کی یہ ہے کہ عورتوں کا معاملہ زیادہ پردے کا ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے نکلنے اور جمع ہونے میں فتنے اور شر کا زیادہ امکان ہے ❾ اور عورت کے

---

❶..... بروایت امام احمد وسنن اربعہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❷ بروایت امام مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ران ننگی نہ کرنا اور کسی زندہ یا مردہ کی ننگی ران کبھی نہ دیکھنا۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❸ بروایت امام ترمذی اور امام احمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❹ بروایت امام احمد از حضرت ابوهریرة رضی اللہ عنہ۔ ❺ بروایت امام نسائی، حاکم از حضرت جابر۔ ❻ یہ روایت قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس آیت ﴿كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ سورۃ الانفطار آیت نمبر ۱۱۔۱۲۔ کی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ ❼ ترمذی نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر کے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ ❽ بروایت ابوداؤد وغیرہ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ❾ بعض شوافع فرماتے ہیں کہ ہیجڑے بھی عورتوں کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ اصول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

لئے اپنے گھر کے حمام میں نہانا جائز ہے جہاں اس کے ستر کو ایسا کوئی نہ دیکھے جس کے لئے اس کا دیکھنا حرام ہے۔

۴.....لوگوں کے درمیان ننگا ہو کر نہانا حرام ہے، جو شخص لوگوں میں ننگا ہو کر نہائے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کے سامنے شرمگاہ کھولنا حرام ہے جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ حیاوالا اور پوشیدہ ہے حیاء اور پوشیدگی کو پسند فرماتا ہے، سو جب تم میں سے کوئی نہائے تو وہ چھپ کر نہائے ❶ ہاں اگر وہ شخص تنہائی میں نہائے تو ننگا ہو کر نہانا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برہنہ ہو کر غسل فرمایا تھا ❷ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے برہنہ ہو کر غسل فرمایا تھا ❸ اور اگر کوئی دوسرا شخص کپڑے سے اس کے لئے پردہ کردے تو یہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے پردہ کر کے نہاتے تھے اور تنہائی میں بھی پردہ کر لینا بہتر ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے زیادہ اس کا حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

پانی میں پیراکی بغیر ستر چھپائے نہ کرے، کیونکہ پانی پردے کا کام نہیں کر سکتا ہے، تو اس میں ننگے نہانے والے کا بدن نظر آجائے گا۔

۵.....غسل اور وضو حمام کی پانی سے جائز ہے کیونکہ وہ پاک پانی ہوتا ہے اور اگر وہ حوض سے نکل کر بہہ کر آتا ہو تو وہ بمنزلہ بہتے پانی کے ہوتا ہے یعنی وہ پانی جو بہہ کر نکل جائے کیونکہ بعد میں آنے والا پانی تو حوض میں ٹھہر جاتا ہے۔

۶.....پردہ اختیار کئے ہوئے شخص کے لئے حمام میں ذکر میں مشغول رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کا ذکر ہر جگہ اچھا ہے جب تک کہ اس جگہ کے بارے میں ممانعت نہ وارد ہو۔ روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ حمام میں تشریف لے گئے، اور اندر جا کر کہا لا الہ الا اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے تھے۔

حمام میں قرآن کریم کی تلاوت امام مالک اور نخعی کے ہاں مکروہ نہیں جیسے ذکر اللہ مکروہ نہیں ہے، امام احمد نے اس کو حمام میں ناپسند کیا ہے خواہ نیچی آواز میں ہی کیوں نہ پڑے۔ کیونکہ حمام ننگے ہونے کی جگہ ہے اور اس میں وہ کچھ کیا جاتا ہے جو دوسری جگہ اچھا نہیں ہوتا، لہٰذا قرآن کو وہاں سے بچایا جائے گا جیسے وہاں سلام کرنا مکروہ ہے۔ بعض حنابلہ نے اس کو مباح قرار دیا ہے کیونکہ اصل اشیاء میں ان کا مباح ہونا ہے۔

۷۔حمام کے آداب......حمام لینے والا شخص زائد از حاجت وعادت پانی استعمال نہ کرے اور حاجت سے زیادہ دیر تک نہ رہے۔ اور حمام کے آداب میں سے یہ ہے کہ مقصود اس میں جانے سے صفائی ستھرائی ہو عیش وعشرت نہ ہو۔ اور داخل ہونے سے پہلے اجرت دے دے، بسم اللہ پڑھ کر داخل ہو پھر تعوذ پڑھے جیسے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پڑھتے ہیں۔ داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں رکھے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں نکالے۔

حمام کی حرارت کے موقع پر جہنم کی حرارت کو ذہن میں رکھے، اور اگر وہاں کوئی ننگا آدمی ہو تو وہ شخص خود داخل نہ ہو۔ اور گرم کمرے میں جانے میں جلدی نہ کرے جب تک کہ پہلے کمرے میں اس کو پسینہ نہ آجائے کیونکہ طبی نقطہ نگاہ سے ایسا کرنا بہتر ہے۔ زیادہ بات چیت نہ کرے، اور داخل ہوتے وقت فارغ ہونے کا یا خلوت کا انتظار کرے اگر اس پر قدرت ہو اور دائیں بائیں کم سے کم دیکھے کیونکہ یہ شیاطین کی جگہ ہے تو یہ استغفار کرے اور نکلنے کے بعد دو رکعت پڑھے، کیونکہ لوگ کہا کرتے تھے حمام کا دن گناہوں کا دن ہوتا ہے۔

شوافع غروب سے تھوڑا پہلے اور مغرب وعشاء کے درمیان حمام میں داخل ہونے کو مکروہ کہتے ہیں، کیونکہ یہ شیاطین کی منتشر ہونے کا وقت ہوتا ہے، حنابلہ فرماتے ہیں مکروہ نہیں ہے، کیونکہ خاص ممانعت اس بارے میں کوئی وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور دوسرے کے ملنے میں کوئی حرج نہیں سوائے ستر کی جگہ کے اور اس جگہ کے جس کے ملنے سے شہوت کا امکان ہو۔

روزے دار کے لئے حمام لینا مکروہ ہے کیونکہ غسل سے جسم کمزور پڑتا ہے، دوسری بات یہ کہ یہ انداز عیش وعشرت ہے جو روزے کے

---

❶ بروایت ابوداؤد از حضرت یعلی بن امیہ۔ ❷ بروایت امام بخاری۔ ❸ جیسا کہ المغنی کے مصنف علامہ ابن قدامہ المقدسی نے ذکر کیا ہے۔

مناسب نہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی پانی اس کے پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔حمام سے نکل کر ٹھنڈے پانی سے پاؤں دھولینے چاہئیں۔اور وہاں سے نکل کر ٹھنڈا پانی پینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ طبی لحاظ سے بہتر ہے اسی طرح دوسرے شخص کو فاک اللہ (اللہ تمہیں سلامتی میں رکھے) کہنے میں کوئی حرج نہیں اور مساج کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

چھٹی فصل.....تیمّم کا بیان

اس فصل میں تیمّم کی تعریف، اس کی مشروعیت، کیفیت اسباب، فرائض، طریقہ شرائط، سنتوں، مکروہات، نواقض اور اس شخص کے حکم کا بیان ہوگا جس کے پاس دونوں ذرائع طہارت یعنی پانی اور مٹی موجود نہ رہیں (یعنی فاقد الطہورین کا حکم)

ا۔پہلی بحث: ، تیمّم کی تعریف، مشروعیت اور کیفیت یا صفت.....تیمّم لغت میں ارادے کو کہتے ہیں اسی معنی میں اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ......سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۶۷

اور مت ارادہ کرو گندی چیز کا کہ اس میں سے تم خرچ کرو۔

اور شرعاً فقہاء نے اس کی باہم قریب قریب الفاظ سے تعریف فرمائی ہے، احناف فرماتے ہیں ❶ تیمّم چہرے اور دونوں ہاتھوں پر پاک مٹی پھیرنے کا نام ہے اور ارادہ اس کے لئے شرط ہے، کیونکہ تیمّم خود نیت کے معنی میں ہے تو گویا تیمّم نام ہے پاک مٹی کے ارادے کا اور اس کو مخصوص طریقے پر استعمال کرنے کا تا کہ قربت کا قیام ہو سکے۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❷ تیمّم مٹی سے حاصل ہونے والی طہارت کا نام ہے جو نیت کے ساتھ چہرے اور ہاتھ کے مسح کا نام ہے۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ مٹی کو منہ اور ہاتھوں تک وضو کے بدلے یا غسل کے بدلے یا ان دونوں کے کسی وضو کے بدلے مخصوص شرائط کے ساتھ پہنچانے کا نام ہے حنابلہ فرماتے ہیں ❹ یہ نام ہے پاک مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کو مخصوص طریقے سے مسح کرنے کا نام ہے۔

مشروعیت تیمّم.....تیمّم امت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ہے، یہ غزوہ بنی المصطلق (یا غزوۃ المریسیع) میں مشروع ہوا، چھٹی سنہ ہجری میں یہ مشروع ہوا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کی تلاش میں لوگ بھیجے نماز کا وقت قریب آ گیا لوگوں کے پاس پانی بھی نہیں تھا تو اس موقع پر آیت تیمّم نازل ہوئی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی واقعہ افک سے برأت کی آیات سورہ نور میں نازل ہوئی تھیں، اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر پکار اٹھے تھے کہ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں اے عائشہ! آپ کے ساتھ جب بھی کوئی ناپسند بات پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے اس میں کشادگی رکھ دیتے ہیں۔

یہ رخصت ہے، حنابلہ اس کو عزیمت قرار دیتے ہیں، اس کی مشروعیت کی دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت تینوں ہیں۔

قرآن کریم کی تو یہ آیت دلیل ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ......سورہ مائدہ آیت نمبر ۶

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے ہو آئے یا عورتوں سے ہمبستر ہوئے اور تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا سو پھیرو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر اس مٹی میں سے۔

---

❶.....مراقی الفلاح ص ۱۹، فتح القدیر ج ۱ ص ۸۴ اللباب ج ۱ ص ۳۵، البدائع ج ۱ ص ۴۵ حاشیۃ لابن عابدین ج ۱ ص ۲۱۱۔ ❷ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۹۔ ❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۷۔ ❹ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۸۳

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تیمّم فرض ہے جو پانی سے دھونے۔

کے بدلے میں ہے سنت رسول سے مشروعیت تیمم پر بہت سے دلائل ہیں ان میں سے ایک روایت امام مسلم نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین پوری کی پوری ہمارے لئے مسجد اور اس کی مٹی پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے ❶ اور ایک حدیث یہ ہے مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے خواہ دس سال تک ہو اگر وہ پانی نہ پائے یا حالت حدث میں ہو ❷ اور فی الجملہ تیمم کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے۔

تیمم کی صفت کیفیت......یعنی وہ طہارت جس کے بدل کے طور پر تیمم ہوتا ہے اکثر فقہاء فرماتے ہیں ❸ کہ تیمم وضو یا غسل جنابت غسل حیض اور غسل نفاس کی طرف سے بدل بن جاتا ہے، تاہم احناف کے علاوہ فقہاء کے ہاں حائضہ عورت کے شوہر کے لئے بیوی سے ہمبستری جب تک جائز نہیں ہے جب تک وہ غسل نہ کرلے، لہٰذا محدث جنبی حائضہ، نفاس والی عورت اور وہ عورت جو خشک بچہ جنے (یعنی خون وغیرہ نہ نکلے) یہ سب نماز اور دیگر عبادتوں کے لئے تیمم کریں گے، کیونکہ اللہ کے قول فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا میں ضمیر خطاب محدث کی طرف اور جنبی کی طرف لوٹ رہی ہے (ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو لامستم کے معنی صرف چھونا نہیں بلکہ ہم بستری مراد لیتے ہیں اور جن حضرات کے ہاں اس کے معنی صرف چھونے کے ہیں تو اس صورت میں ضمیر صرف حدث اصغر والے شخص کی طرف لوٹتی ہے اور اس صورت میں جنبی کے لئے تیمم کی مشروعیت سنت نبوی سے ثابت ہوگی۔ مثلاً حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ نے نماز پڑھائی نماز کے بعد آپ نے ایک شخص کو اکیلا کھڑا دیکھا آپ نے دریافت کیا کیا بات ہے تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی اس نے کہا میں حالت جنابت میں ہوں اور پانی نہیں ہے، آپ نے فرمایا تم مٹی لے لو وہ تمہارے لئے کافی ہے ❹ یہ حدیث پانی نہ ہونے کے وقت جنبی اور بے وضو کے فرق کے بغیر تیمم کے مشروع ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے صعید کہتے ہیں منہ پر چڑھ جانے والی مٹی کو اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں ہم سفر میں نکلے ہم میں سے ایک شخص کو سر پر پتھر لگا اس کے سر پر زخم آیا، پھر اس کو احتلام ہوگیا اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تمہارے خیال میں مجھے تیمم کرنے کی اجازت ہے، وہ بولے ہم تو تمہارے لئے تیمم کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، اس شخص نے غسل کرلیا جس سے اس کا انتقال ہوگیا جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اس کو قتل کردیا اللہ انہیں غارت کرے، جب نہیں جانتے تھے تو پوچھ لیتے، بے شک عاجز شخص کی شفاء تو پوچھ لینے میں ہے، اس شخص کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اور نچوڑتا یا اپنے سر پر پٹی باندھتا، اس پر مسح کرلیتا اور سارے بدن کو دھولیتا ❺ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرر کے اندیشے کے پیش نظر تیمم کرلینا جائز ہے اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ جب انہیں غزوہ ذات السلاسل ❻ میں بھیجا گیا، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شدید ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہوگیا مجھے نہانے سے خطرہ محسوس ہوا، میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو نماز فجر پڑھادی جب ہم

---

❶..... امام احمد نے اسی معنی ومفہوم میں دو حدیثیں حضرت ابی امامہ اور عمرو بن شعیب سے بواسطہ ان کے والد اور دادا کے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۸۔ ❷ ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت ابوداؤد رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بزار اور طبرانی نے روایت کی ہے پہلی حدیث کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۴۸۔ ❸ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۱ القوانین الفقھیہ ص ۳۸ البدائع ج ۱ ص ۵۵ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۷ المغنی ج ۱ ص ۲۳۷، ۲۵۷، ۲۷۳ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۴ المہذب ج ۱ ص ۳۲، فتح القدیر ج ۱ ص ۸۷ غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۵۳۔ ❹ متفق علیہ۔ نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۵۶۔ ❺ یہ حدیث امام ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے، ابن سکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۷۔ ❻ یہ وادی قری کے پیچھے ایک جگہ ہے یہ غزوہ جمادی الاولی ۸ ہجری میں پیش آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے تو لوگوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے دریافت کیا تم نے حالت جنابت میں نماز پڑھادی میں نے عرض کیا مجھے یہ فرمان خداوندی یاد آیا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (اور اپنے آپ کو ہلاک مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے) تو میں نے تیمّم کر لیا اور نماز پڑھادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مسکرادیے اور کچھ نہیں فرمایا❶ تو یہ حدیث شدید سردی کی بناء پر تیمّم کر لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور اس حالت میں اس شخص پر نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں ہوتا ہے۔ یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔

وہ امور جن کے لئے تیمّم کیا جاسکتا ہے، ہر وہ کام جس کے لئے طہارت حاصل کی جاتی ہے اس کے لئے تیمّم بھی کیا جاسکتا ہے جیسے فرض نماز، نفل نماز، قرآن کریم کا چھونا تلاوت قرآن، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر، یا مسجد میں ٹھہرنا وغیرہ ان سب میں گزشتہ احادیث کی رو سے تیمّم کر لینادرست ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم سے وہ تمام چیزیں مباح ہوجاتی ہیں جو پانی کی طہارت سے مباح ہوتی ہیں۔

کون کون سے حدث کے لئے تیمّم کیا جاسکتا ہے؟ تیمّم حدث اصغر، جنابت، حیض اور نفاس کے لئے بالکل برابری کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے (یعنی بلا کسی افضلیت وتفصیل کے) روایت ہے کہ کچھ لوگ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم ایسی قوم ہیں جو ریتیلے علاقے میں رہتے ہیں، ہم لوگ مہینہ دو مہینہ پانی نہیں پاتے ہیں، ہم میں جنبی حائضہ اور نفاس والی عورتیں ہوتی ہیں (تو ہم کیا کیا کریں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین کو لازم پکڑلو (یعنی طہارت اس سے حاصل کرو)۔❷ اسی طرح قرآن کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمّم تمام ان امور کے لئے ہوسکتا ہے جن کو پانی کی طہارت کے بعد انجام دیا جاسکتا ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

نوعیت بدل:.......احناف فرماتے ہیں❸ تیمّم مطلقاً بدل ہے بدل ضروری نہیں ہے (یعنی ضرورت کے ساتھ خاص نہیں ہے) لہٰذا ادا کی جانے والی نماز کے حق میں حدث تیمّم کے ذریعے اس وقت تک مرتفع ہوجاتا ہے جب تک پانی نہ ملے دلیل اس کی وہ حدیث ہے تیمّم مسلمان کا وضو ہے خواہ دس سال تک کیوں نہ ہو جب تک وہ پانی نہ پائے یا حدث نہ ہوجائے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کو وضو قرار دیا ہے، اور وضو حدث کو زائل کرنے والا ہوتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے❹ اور طہور پاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حدث تیمّم سے زائل ہوجاتا ہے، تاہم اس کے زوال کی تحدید اس طرح کردی گئی کہ پانی کا ملنا اس کی انتہاء قرار دیدیا گیا لہٰذا اگر پانی مل جائے تو حدث لوٹ آئے گا اور اس اصول پر یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ تیمّم وقت کے داخل ہونے سے پہلے درست قرار پائے اور تیمّم کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے، وہ پانی ملنے تک یا دوبارہ حدث لاحق ہونے تک جتنی چاہے فرائض اور نوافل ادا کرے، اور اگر نفل کے لیے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے اس کے لئے نفل اور فرض دونوں کے ادا کرنے کی اجازت ہے احناف کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں❺ کہ تیمّم بدل ضروری ہے (یعنی ضرورت کے ساتھ خاص ہے) لہٰذا اس شخص کی لئے نماز حدث کے حقیقۃً موجود ہونے کے باجود ضرورت کے پیش نظر جائز ہوتی ہے جیسے مستحاضہ کی طہارت، دلیل اس کی

❶......بروایت امام احمد، ابوداؤد، دارقطنی نے ابن حبان اور حاکم، امام بخاری نے بھی تعلیقات میں اس کو ذکر کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۸۔
❷ بروایت امام احمد، بیہقی اور اسحٰق بن راھویہ از حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یہ حدیث ضعیف ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۵۶ وہ حدیث جو متفق علیہ ہے وہ حدیث ہے جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے اور پہلے گزرچکی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حالت جنابت میں پانی نہ ملنے پر تیمّم پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔❸ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات، الدار لمختار ج ۱ ۲۲۳۔❹ بروایت بخاری مسلم اور نسائی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔❺ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۴ مغنی المحتاج: ج ۱ ص ۹۷ بجیر می الخطیب ج ۱ ص ۲۵۳ کشاف القناع ج ص ۱۹۹

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی جلد پر مل لو (یعنی پانی سے دھولو) کیونکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر یہ حدث کو رفع کرنے والا ہوتا تو پانی مل جانے پر اس کی ضرورت نہ پڑتی۔ اسی طرح پانی دیکھ لینے پر حدث کا لوٹ آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدث مرتفع نہیں ہوا تھا، لیکن اس شخص کے لئے حدث کے ہونے کے باوجود نماز کی ادائیگی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دی گئی جیسے مستحاضہ کے معاملے میں ہوتا ہے۔ اس تفصیل پر گذشتہ احکام کے برعکس احکام مرتب ہوتے ہیں تاہم حنابلہ مالکیہ اور شوافع کے برخلاف ایک تیمّم سے فوت شدہ کئی فرض نمازوں کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

تیمّم کی نوعیت بدلیت پر مرتب ہونے والی مختلف مذاہب کی فقہی آراء کا بیان

ا۔ تیمّم کا وقت...... احناف جو کہ تیمّم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں ❶ کہ تیمّم قبل از وقت اور ایک فرض سے زائد کے لئے کیا جاسکتا ہے، اور فرض کے علاوہ نوافل کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ تیمّم پانی کے نہ ہونے کی صورت میں مطلقاً بدل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے حدث پانی کے پائے جانے کے وقت تک مرتفع ہو جاتا ہے۔ اور تیمّم بدل ضروری نہیں ہے کہ یہ حدث کے حقیقتاً موجود ہونے کی باجود صرف عارضی طور پر اباحت کر دیتا ہو جیسا کہ جمہور کا خیال ہے کہ ان کے ہاں وقت سے پہلے یہ جائز نہیں ہوتا ہے اور ایک سے زائد فرض اس سے نہیں ادا کئے جاسکتے ہیں احناف کی دلیل یہ ہے کہ عبادات میں وقت کی تحدید و تعیین ایسی چیز ہے جو صرف نقلی اور سماعی دلیل سے ثابت ہو سکتی ہے۔ (عقل کا اس کی تعیین میں کوئی عمل دخل نہیں) اور اس بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے، لہٰذا اس کو وضو پر قیاس کیا جائے گا۔ اور وضو قبل از وقت درست ہو جاتا ہے لہٰذا یہ بھی قبل از وقت درست ہوگا۔

جمہور یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ تیمّم صرف اس فرض یا نفل کے وقت شروع ہونے کے بعد صحیح ہوگا جس کے لئے انسان تیمّم کر رہا ہو۔ لہٰذا فرض نماز کے لئے اس کے وقت شروع ہونے سے قبل تیمّم کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معین نفل یا سنت کے لئے اس کے وقت سے پہلے تیمّم کیا جاسکتا ہے جیسے فرائض کی سنتیں۔ فرض کے بارے میں یہ حکم اس لئے ہے کہ قرآن کی آیت کے یہ الفاظ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ یہی معنی دیتے ہیں کیونکہ نماز کی طرف کھڑا ہونا وقت داخل ہونے کے بعد ہی ممکن ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے کہ سو میری امت میں سے جس شخص کو نماز مل جائے تو وہ پڑھ لے اور وہ حدیث جو امام احمد نے روایت کی ہے کہ جہاں مجھے نماز ملتی ہے میں مسح کرتا ہوں اور نماز پڑھ لیتا ہوں یعنی تیمّم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تیمّم نماز کو پانے کے بعد کرنا چاہئے، اور نماز کو وقت داخل ہونے کے بعد ہی پایا جاسکتا ہے اور نفل کے بارے میں یہ حکم حضرت ابوامامہ سے مروی مرفوع حدیث کی وجہ سے ہے جس کے الفاظ ہیں زمین پوری کی پوری میرے اور میری امت کے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے تو جہاں میری امت کے کسی فرد کو نماز مل جائے تو وہیں اس کی مسجد ہے اور وہیں اس کو پاک کردینے والی چیز بھی۔ ❸

اور وضو تو وقت سے قبل اس لئے جائز ہے کہ وہ حدث کو رفع کرنے والا ہے بخلاف تیمّم کے کہ وہ ضرورت کے موقع کی طہارت ہے، تو یہ

---

❶...... البدائع ج ا ص ۵۴ الدر المختار وحاشية ابن عابدين ج ا ص ۳۲۳۔ ❷ بداية المجتهد ج ا ص ۶۵، القوانين، الفقهيه ص ۳۷ مغنى المحتاج ج ا ص ۱۰۵ المهذب ج ا ص ۳۴ كشاف القناع ج ا ص ۱۸۴۔ ❸ بروایت امام احمد امام بخاری امام مسلم اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل فرمائی ہے مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) میری مدد ایک مہینے کی مسافت دور سے طاری ہو جانے والے رعب کے ذریعے کی گئی ہے۔ (۲) زمین میرے لئے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے تو میری امت کا جو شخص نماز پائے تو وہ اس کو ادا کرے (۳) میرے لیے غنیمت حلال کی گئی ہے مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں کی گئی تھی۔ (۴) مجھے شفاعت دی گئی ہے۔ (۵) نبی پہلے کسی خاص قوم کے پاس بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وقت سے پہلے درست نہیں ہوگی جیسے مستحاضہ کی طہارت۔طواف کی دو رکعت کے لئے تیمّم ہر وقت درست ہے کیونکہ وہ ہر وقت مباح ہے اور وہ فوت شدہ نماز جو اس شخص کو یاد آ جائے اور وہ اس کو انجام دینے کا ارادہ کرے اس کے لئے بھی تیمّم ہر وقت درست ہے کیونکہ اس نماز کو ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔تیمّم سورج گرہن کی نماز کے لئے سورج گرہن کے وقت کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ممنوعہ اوقات نہ ہوں❶ اور صلاۃ الاستقاء کے لئے جمع ہو جانے پر اس کے لئے تیمّم کرنا درست ہے، اور نماز جنازہ کے لئے میت کو غسل دینے جانے کے وقت یا عذر کی وجہ سے تیمّم کرے عید کی نماز کے لئے اس کا وقت شروع ہونے پر تیمّم کیا جا سکتا ہے اور نذر نماز کے لئے کسی بھی وقت تیمّم کیا جا سکتا ہے۔اور نفل کے کرنے کا سبب پائے جانے پر تیمّم کر لینا درست ہے جیسے تحیۃ المسجد کیونکہ اس کا سبب پایا جانا اس کا وقت ہوتا ہے۔

نفل معین یا نفل مؤقت کہہ کر مطلق نفل سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ ان نوافل کا کوئی معین وقت نہیں ہوتا ہے ماسوا ممنوعہ اوقات کے وہ جب چاہے ان کے لیے تیمّم کر سکتا ہے۔

کیا تیمّم کو وقت کے آخر تک مؤخر کیا جا سکتا ہے چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے❷ کہ پانی ملنے کی امید ہونے پر تیمّم کو آخر وقت تک مؤخر کرنا افضل ہے۔اور اگر پانی ملنے کی امید نہ ہو تو جمہور کے ہاں ماسوا حنابلہ کے اس کو اول وقت میں کر لینا مستحب ہے، امام احمد سے منصوصاً منقول ہے کہ تیمّم کو ہر حال میں مؤخر کرنا اولیٰ ہے اور احناف کے ہاں صحیح ترین بات یہ ہے تاخیر کا مستحب ہونا نماز کے مستحب وقت کے اخیر تک کے لئے ہے (یعنی اتنا مؤخر کرنا افضل ہے کہ نماز اپنے مستحب وقت کے آخری حصے میں ادا ہو جائے) کیونکہ تاخیر میں صرف یہ فائدہ ہے کہ نماز کو دو طہارتوں میں سے کامل طہارت کے ذریعے ادا کیا جا سکے گا اور پانی ملنے کے یقین ہونے کی صورت میں تاخیر کرنا واجب ہے، خواہ اس میں قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہو جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ننگے شخص کو کپڑا ملنے کے یقین پر یا کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول مل جانے کے یقین پر تیمّم کو مؤخر کرنا واجب ہے جب تک کہ قضاء ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔شوافع نے انتظار کی افضلیت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اس شخص کو آخر وقت میں پانی کے مل جانے کا یقین ہو چنانچہ اگر پانی ملنے کا شک ہو یا صرف ظن ہو پانی ملنے کا کہ شاید آخر وقت میں مل جائے تو اس صورت میں تیمّم میں تعجیل کرنا افضل ہوگا اظہر قول کے مطابق کیونکہ اس صورت میں تعجیل کرنے کی فضلیت یقینی ہے اور وضو کی فضلیت یقینی نہیں ہے۔

مالکیہ نے اس بارے میں تفصیل کی ہے، وہ فرماتے ہیں پانی کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جانے والے کے لئے تیمّم کو اول وقت کر لینا مستحب ہے، اور پانی ملنے کے بارے میں تردد کا شکار ہونے کی صورت میں یعنی شک یا گمان کی صورت میں (جو غالب گمان نہ ہو) تیمّم کو وقت کے بیچ تک مؤخر کرنا افضل ہے اور جس شخص کو امید ہو یعنی وہ شخص جس کا ظن غالب پانی ملنے کا ہو کہ پانی مل جائے گا اس کے لئے تیمّم کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

۲۔ایک تیمّم سے کیا کیا انجام دیا جا سکتا ہے......احناف فرماتے ہیں❸ کہ تیمّم کرنے والا اپنے تیمّم سے جتنے چاہے فرائض و نوافل ادا کر سکتا ہے، کیونکہ نہ ہونے کی صورت میں وہ (تیمّم) ہی طہور (پاک کرنے والا) شمار ہوتا ہے، تو جب تک شرط پائی جائے (یعنی پانی کا نہ ہونا) اس وقت تک اس چیز کا وجود برقرار رہیگا لہٰذا وہ ایک تیمّم سے دو یا اس سے زائد فرض ادا کر سکتا ہے، اور جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔

❶......نفل نماز پانچ اوقات میں مکروہ ہے۔(۱) فجر کی نماز کے بعد۔(۲) سورج کے طلوع ہوتے وقت۔(۳) زوال ہوتے وقت۔(۴) عصر کی نماز کے بعد اور (۵) غروب آفتاب کے وقت۔❷الدر المختار مع الشامی ج ۱ ص ۲۲۹ البدائع ج ۱ ص ۵۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۸۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۹ المغنی ج ۱ ص ۲۴۳۔❸فتح القدیر ج ۱ ص ۹۵

حنابلہ فرماتے ہیں (1) تیمّم وقت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تیمّم ہر نماز کے لئے ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر نماز کے لئے تیمّم کرو دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم ضرورت کی طہارت ہے، لہٰذا وہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے مستحاضہ کی طہارت۔ اور فرض طواف فرض نماز کی طرح ہے اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص حاضر نماز کے لئے تیمّم کرے تو اس سے وہ نماز ادا کرے اور اگر اس کی قضاء نمازیں ہوں تو ان کو بھی اس تیمّم سے ادا کرے لہٰذا وہ موجود نماز پڑھے دو نمازوں کو جمع کرے اور فوت شدہ نمازیں ادا کریں اور دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک وہ جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں (2) کہ ایک تیمّم سے دو فرض نمازیں ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تیمّم کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک تیمّم سے ایک فرض سے زیادہ ادا کرے ہاں وہ نوافل ایک سے زائد ادا کر سکتا ہے، اور مالکیہ کے ہاں فرض اور نفل ایک تیمّم سے ادا کر سکتا ہے اگر فرض کو پہلے ادا کرے۔ اور شوافع کے ہاں فرض کے پہلے اور بعد میں جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ نوافل کی تعداد متعین نہیں ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں وہ شخص ہر نماز کے لئے تیمّم کرے خواہ اس کو حدث بھی لاحق نہ ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ طہارت ضرورت ہے لہٰذا ہر فرض کے لئے اس کا دوبارہ کرنا ضروری ہوا خواہ دو فرض ایک وقت میں ادا کئے جارہے ہوں جیسے ظہر عصر کے ساتھ اور خواہ تیمّم مریض کو کرنا پڑتا ہو اور اس پر تیمّم بار بار کرنا شاق گزر رہا ہو۔

مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں بھی صحیح قول کے مطابق ایک تیمّم سے ایک فرض نماز اور نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہیں، کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے تو فی الجملہ وہ نفل کی طرح شمار ہو تیمّم کے اس کے لئے ساقط ہونے کے معاملے میں۔ نماز کے لئے کئے جانے والے تیمّم سے قرآن کریم چھونا اور حالت جنابت میں تیمّم کرنے کی صورت میں اس تیمّم سے نماز کی ادائیگی کے ساتھ تلاوت قرآن بھی کرنا جائز ہے اور شوافع کے ظاہر قول کے مطابق نذر فرض کی طرح ہے لہٰذا اس کے لئے بھی از سر نو تیمّم ضروری ہوگا۔ دوسرے فرض کے ساتھ، خواہ وہ ادا ہو یا قضاء ایک تیمّم میں جمع کرنا درست نہیں ہے۔

فرض طواف اور خطبہ جمعہ شوافع کے ہاں فرض نماز کی طرح ہے لہٰذا ایک تیمّم سے دو فرض طواف ادا نہیں کئے جاسکتے ہیں اسی طرح فرض طواف اور فرض نماز بھی ایک تیمّم سے ادا نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ خطبہ جمعہ اور نماز کو ایک تیمّم سے ادا کیا جاسکتا ہے کیونکہ خطبہ جمعہ اگرچہ فرض کفایہ ہے تاہم یہ فرض عین سے ملحق ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قائم مقام دو رکعت کے ہے۔ مالکیہ ایک تیمّم سے فرض نماز، طواف غیر واجب اور نفل تینوں کو ادا کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس طرح وہ بھی شوافع سے مل جاتے ہیں۔

۳۔ نفل کے لئے کیا جانے والا تیمّم کیا فرض کو جائز کر سکتا ہے...... احناف جو کہ تیمّم کو بدل مطلق قرار دیتے ہیں (3) فرماتے ہیں اگر کسی نے نفل کے لئے تیمّم کیا تو اس کے لئے اس تیمّم سے فرض اور نفل دونوں ادا کرنا جائز ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمّم کیا ہوا شخص وضو کئے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے اگر ان کے پاس پانی نہ ہو کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم طہارت مطلقہ ہے، لہٰذا ان وضو کئے ہوئے لوگوں کے لئے اس تیمّم کئے ہوئے شخص کی اقتداء جائز ہے۔ اور اگر ان کے پاس پانی موجود ہو تو ان کی نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ تیمّم پانی کا بدل ہے اس وقت کہ جب پانی موجود نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں (4) کہ وہ تیمّم جو فرض کے علاوہ کسی چیز کی نیت سے کیا گیا ہو اس سے فرض ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے فرض نماز کی ادائیگی کی نیت اس تیمّم سے کر رکھی ہو تو وہ اپنے ذمے لاگو فرض اور جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ فرض نماز نفل سے پہلے

---

(1)..... المغنی ج ۱ ص ۲۶۲۔ ۲۶۴۔ (2)..... الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۸۶۔ ۱۸۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۱ المہذب ج ۱ ص ۳۶، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۰۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۸۔ (3) البدائع، ج ۱ ص ۵۵ اور بعد کے صفحات۔ (4) حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۴

ادا کرلے، اور اس تیمّم سے فوت شدہ فرض نماز نہیں ادا کرسکتا اور اگر تیمّم سے مطلق نماز کی نیت کی تھی تو صرف نفل ادا کرسکتا ہے فرض نہیں کیونکہ فرض کے لئے ایسی نیت درکار ہوتی ہے جو اس کو خاص کرے اور جو نفل کی نیت کرے وہ اس سے فرض نہیں پڑھ سکتا ہے۔

اور جنابت وغیرہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنے والے پر نماز کو مباح کرنے یا حدث دور کرنے کی نیت کرتے وقت حدث اکبر کے رفع کرنے کی نیت کرنا لازم ہے اگر اس نے اس کو پیش نظر نہ رکھا اس طرح کہ وہ مثلاً اس کو بھول گیا اس کا خیال ہوا کہ وہ جنبی وغیرہ نہیں ہے تو اس صورت میں تیمّم اس کے لئے جائز نہیں ہوگا اور اس کو لازماً اعادہ کرنا ہوگا۔

اور تیمّم کرتے وقت نماز کے مباح کرنے یا حدث سے ممنوع امور کے مباح کرنے کی نیت کے وقت حدث اصغر رفع کرنے کی نیت کرلینا مستحب ہے۔ ہاں اگر وہ یہ نیت کرے کہ میں فرض تیمّم کررہا ہوں تو اس صورت میں حدث اصغر یا حدث اکبر کے رفع کرنے کی علیحدہ نیت ضروری نہیں ہے، کیونکہ فرض کی نیت کرنا ان دونوں کی طرف سے نیت ہوجاتی ہے۔ اور اگر قرأت قرآن یا بادشاہ کے پاس جانے وغیرہ کی نیت سے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❶ کہ اگر تیمّم میں فرض اور نفل کی نیت کی تھی تو اس سے فرض اور نفل ادا کرسکتا ہے، اور اگر فرض کی نیت کی تھی تو اس جیسا فرض اور اس سے کم درجے کی عبادت جائز ہوگی جیسے نوافل وغیرہ، کیونکہ نفل درجے میں کم ہوتی ہے اور فرض کی نیت اس کو شامل ہوتی ہے، اور فرض اعلیٰ ہونے کے سبب کم درجے کے عبادت کو مباح کردیتا ہے۔ اور اگر نفل کی نیت کی یا مطلقاً نماز کی نیت کی مثلاً نماز کے مباح کرنے کی نیت کی فرض یا نفل کی نیت نہیں کی تو وہ صرف نفل ادا کرے گا فرض ادا نہیں کرے گا، کیونکہ فرض اصل ہے اور نفل تابع ہے تو اصل کو تابع نہیں بنایا جائے گا، اور اس میں اس مسئلے پر بھی قیاس کیا جائے گا مثلاً کسی شخص نے مطلق نماز کی نیت کی تو اس کی وہ نماز نفل شمار ہوگی۔

۲۔ دوسری بحث اسباب تیمّم

......تیمّم کے اسباب یا وہ عذر جن کی بناء پر تیمّم جائز ہوجاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔❷

ا۔ وضو یا غسل کے لئے پانی کا ناکافی ہونا

......یہ یا تو حسی طور پر ناکافی ہو بایں معنی یہ پانی اس کے پاس ہو ہی نہیں یا ہو لیکن ناکافی ہو یا شرعی طور پر وہ پانی کا نہ پانے والا قرار پائے اور وہ اس طرح کہ یا تو پانی تک کا راستہ پر خطر ہو یا احناف کے ہاں پانی اس شخص سے ایک میل (یعنی ۱۸۴۸ میٹر یا چار ہزار ذراع یا فٹ) دور ہو یا اس سے زیادہ دور ہو یا بقول مالکیہ دو میل دور ہو یا اس کو قیمت دینا پڑ رہی ہو یا وہ معروف قیمت سے مہنگا مل رہا ہو دلیل اس کی وہی آیت وضو ہے جس میں تیمّم کا ذکر ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدًا طیبًا۔

شوافع پانی کے نہ ملنے اور اس کے تلاش کرنے اور تیمّم کے جائز ہونے کے بارے میں کچھ تفصیل کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

الف:......اگر آس پاس پانی نہ ہونے کا یقین ہو تو بغیر تلاش کئے تیمّم کرے۔

ب......اگر پانی ملنے کا خیال یا گمان ہو یا شک ہو تو اپنی جائے اقامت اور اپنے دوستوں کے پاس تلاش اور کم از کم اتنی مسافت تک تلاش میں آنا جانا کرے جو حد الغوث کہلاتی ہے (یعنی اتنی مسافت کہ اس کے دوست واحباب کی مدد اس تک پہنچ سکے ان کی مشغولیات و مصروفیات کے ساتھ) اور اس کا اندازہ اتنا ہے جتنا ایک تیر کمان سے چھوڑے جانے پر دور جاکر گرتا ہے یعنی غلوۃ سہم اور یہ آجکل کے اعتبار سے چار سو ذراع یا تقریباً ۸، ۱۸۴ میٹر بنتا ہے، اس مسافت میں تلاش کرنے پر پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کرلے احناف صرف اس پر اکتفاء کرتے ہوئے

---

❶...... مغنی المحتاج ج ا ص ۹۸ کشاف القناع ج ا ص ۲۰۱ اور بعد کے صفحات بجیرمی الخطیب ج ا ص ۲۵۲۔ ❷البدائع ج ا ص ۴۶۔۴۹ تبیین الحقائق ج ا ص ۳۶ اللباب ج ا ص ۳۶ فتح القدیر ج ا ص ۸۳۔۸۶ مراقی الفلاح ص ۱۹ الدر المختار ج ا ص ۲۱۴۔۲۲۶، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۷۹، ۱۸۳ ص ۱۹۹ بدایۃ المجتھد ج ا ص ۶۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۷ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۴۹ مغنی المحتاج ج ا ص ۸۷۔۹۵ المغنی ج ا ص ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۵ کشاف القناع ج ا ص ۱۸۴۔۱۹۴۔

فرماتے ہیں کہ اگر اس شخص کو امن کے ساتھ پانی ملنے کا امکان ہو تو چار سو قدم تک وہ پانی تلاش کرے پھر بھی نہ پائے تو تیمّم کرلے۔

ج:.......اور اگر پانی ملنے کا یقین ہو تو اتنی مسافت میں تلاش کرے جو حد القرب ہو اور س سے مراد ہے اتنی دوری جتنی دوری میں لوگ لکڑیاں اور گھاس وغیرہ چننے اور کاٹنے آئیں جو کہ موجودہ دور کے لحاظ سے چھ ہزار قدم (فٹ) کی مسافت بنتی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں اگر یقین ہو یا گمان ہو تو دو میل سے کم مسافت پر تلاش کرے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ اتنی مسافت پر تلاش کرے جو عادۃً قریب شمار ہوتی ہو۔ شوافع کے ہاں قریب یا دور میں تلاش کرنے کا حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو جان، مال اور رفقاء سفر سے کٹ جانے کا خطرہ نہ ہو اور شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں بھی اگر وہ اتنا پانی پائے جو اس کا کافی نہ ہو تو وہ استعمال کرے پھر اس کے بعد تیمّم کرے یہ حکم بخلاف دوسرے فقہاء کے ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھو۔

پانی کا خریدنا اس وقت واجب ہے جب وہ عام بازار کی قیمت کے مطابق ملے بشرطیکہ وہ اپنے مال پر محیط قرضے کے یا سفر کے اخراجات یا کسی ذی روح کے خرچے کے سبب ضرورت مند نہ ہو۔ وہ ذی روح آدمی ہو یا کوئی اور حیوان وغیرہ۔ اور اگر کسی کو تحفتاً پانی ملے یا ڈول عاریتاً مل جائے تو علماء کے ہاں یہ قبول کرنا لازم ہوگا شوافع کے ہاں اصح قول بھی یہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص تحفتاً اس کی قیمت پیش کرے تو اس کا قبول کرنا بالاجماع واجب نہیں ہے، کیونکہ قیمت اور روپیہ وغیرہ دینے کا احسان زیادہ بڑا شمار ہوتا ہے۔ خواہ باپ اپنے بیٹے کو ہی کیوں نہ دے پانی کے بھول جانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص پانی کا اپنے سامان میں ہونا بھول گیا اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی پھر نماز سے فراغت کے بعد دوران وقت ہی پانی یاد آ گیا تو شوافع کے اظہر قول کے مطابق امام ابو یوسف اور امام مالک کے ہاں نماز دوبارہ ادا کرے گا کیونکہ وہ پانی پانے والا تھا لیکن اس بارے میں واقفیت میں اس سے کوتاہی ہوئی لہٰذا اس پر نماز ادا کرنا ضروری ہوگی جیسے کوئی شخص اپنا ستر چھپانا بھول جائے تو اس پر اعادہ لازم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کجاوے میں کپڑا بھول جائے ❶ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ نماز نہیں لوٹائے گا کیونکہ بغیر واقفیت کے وہ پانی پر قادر نہیں ہے تو گویا وہ پانی پانے والا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ پانی پالینے سے مراد ہے اس کے استعمال پر قدرت رکھنا اور بغیر جانے اور واقفیت رکھے قدرت نہیں ہوتی ❷ اور اگر پانی دوران نماز یاد آیا تو وہ بالاتفاق نماز توڑ کر وضو کر کے ازسرنو پڑھے گا جیسا کہ اس پر اعادہ اس وقت بھی لازم ہوگا جب وہ پانی ختم ہو جانے کا گمان کر بیٹھے۔ اور جس شخص کے پاس پانی نہ ہو اس کے لئے ہم بستری مکروہ نہیں ہے خواہ اس کو وطی نہ کرنے سے مشقت نہ بھی ہو (یعنی شہوت کا ہیجان وغیرہ نہ ہو) کیونکہ اصل اشیاء کے بارے میں اباحت ہے ماسوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

۲۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا...... مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ فرماتے ہیں وہ شخص جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو اور استعمال پر قدرت نہ رکھے جیسے مجبور اور قید شخص پانی کی قریب بندھا ہوا شخص یا درندے یا چور سے جان کا خوف رکھنے والا شخص خواہ سفر میں ہو یا حضر میں، اور خواہ وہ سفر معصیت (گناہ کے کام لئے سفر) ہو ان لوگوں کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے کیونکہ تیمّم مطلقاً مشروع ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں نیکی میں ہو یا بدی کے لئے سفر کر رہا ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شخص پانی سے محروم شخص ہے، اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عام ہے کہ پاک مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے خواہ وہ دس سال پانی نہ پائے پس جب وہ پانی پالے تو اپنی کھال سے لگالے کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے ❸ تاہم شوافع فرماتے ہیں وہ مقیم شخص جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرے وہ پانی مل جانے پر دوبارہ نماز ادا کرے مسافر نہیں، ہاں اگر وہ سفر معصیت میں ہو تو وہ بھی قضاء کرے گا صحیح قول کے مطابق وہ رخصت کا اہل نہیں ہے ❹ باقی مذاہب کے نزدیک اور راجح

---

❶.....مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۹۱۔ ❷فتح القدیر وحاشیۃ العنایہ ج ۱ ص ۹۷ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۳۰۔ ❸بروایت ترمذی حضرت ابوذر، اور انہوں نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۶

قول کے مطابق حنابلہ کی ہاں بھی وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے ذمہ لازم کام انجام دے لیا ہے، لہٰذا وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ براہو گیا اور دوسری بات یہ کہ اس نے مشروع تیمّم کے ساتھ مشروع طریقے پر نماز کی ادائیگی کی تو وہ مریض اور مسافر کے مشابہ قرار پایا ❶ تاہم احناف نے اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو تیمّم کرنے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ شخص تیمّم کرے اور بعد میں نماز کا اعادہ کرے۔

۳۔مرض یا صحت یابی میں تاخیر:......اگر پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان یا کسی عضو کو کوئی مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے نزلہ بخار وغیرہ یا پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہو یا طول پکڑ جانے کا خطرہ ہو تو وہ شخص تیمّم کر سکتا ہے، اسی طرح اگر صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو جس کا علم عادتاً ہو سکتا ہے یا کوئی ماہر طبیب اس کے بارے میں کچھ کہے خواہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ مسلمان ہو تو اس صورت میں تیمّم کیا جا سکتا ہے شافعیہ اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ بھی مزید یہ فرماتے ہیں کہ ظاہری عضو پر کسی واضح عیب کے ہو جانے کا خطرہ بھی تیمّم کے جواز کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ وہ عیب انسان کی ظاہری شکل وصورت کو بدنما بنانے کا سبب بنتا ہے اور اس کا ضرر ہمیشہ رہتا ہے۔اور ظاہری عضو سے مراد وہ عضو جو کام کے وقت ظاہر ہوتا ہو جو کہ چہرہ اور ہاتھ ہیں۔حنابلہ فرماتے ہیں جو شخص مریض ہو اور ہلنے جلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کو وضو کرا دے تو وقت کے جاتے رہنے کے خدشے کی صورت میں وہ تیمّم کر سکتا ہے۔

۴۔حال یا مستقبل میں پانی کی ضرورت پڑنا......اگر کسی شخص کو خیال یا گمان ہو خواہ مستقبل کے بارے میں سہی کہ اس کو پانی کی سخت ضرورت پڑے گی اور پانی نہ ہونے کی صورت میں ہلاکت یا شدید تکلیف میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو کہ کوئی ذی روح، جو شرعاً قابل احترام ولحاظ ہو اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو وہ شخص تیمّم کر سکتا ہے۔وہ ذی روح خواہ آدمی ہو۔یا حفاظت کا کتا ہو یا مویشی وغیرہ ہوں یا شکاری کتا ہو۔بخلاف حربی کافر مرتد اور اس کتے کے جو شرعاً ممنوع ہو، حنابلہ کے ہاں کالا کتا بھی شرعاً ممنوع ہے، اور مقصود اس سے اس روح کا بچانا ہے جو کسی درجے میں شریعت کی نظر میں قابل احترام ہو حاجت کی اقسام میں سے پانی کا آٹا گوندھنے اور پکانے کی ضروریات میں استعمال ہے یا ایسی نجاست کے ازالے میں استعمال ہے جو قابل معافی نہ ہو شوافع کے ہاں شرط یہ ہے کہ وہ نجاست بدن پر نہ لگی ہوئی ہو اور اگر وہ نجاست کپڑے پر لگی ہوئی ہو تو وضو کرے اور اگر ستر چھپانے کے لئے کپڑا نہ ہو تو برہنہ حالت میں نماز ادا کرلے اور اس پر اعادہ نماز نہیں ہوگا شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ اگر اس کے بدن پر نجاست ہو اور پانی نہ ہونے یا اس کے استعمال سے اندیشہ نقصان کے سبب وہ نجاست کو نہ دھو سکے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے اور شوافع کے ہاں اس پر قضاء لازم ہوگی حنابلہ کے ہاں اس پر قضا لازم نہیں ہوگی اور جو مسافر پینے کے لئے پانی ختم ہو جانے کے ڈر سے تیمّم کر لے اس پر بالاتفاق اعادہ لازم نہیں ہے۔

۵۔پانی کی تلاش سے مال کے ضیاع کا اندیشہ......مالکیہ فرماتے ہیں کہ پانی کے استعمال پر قدرت رکھنے والا شخص سفر کی یا حضر کی حالت میں تیمّم کر سکتا ہے اگر اس کو پانی کی تلاش میں جس کا ملنا یقینی ہو یا ظن غالب میں ہو۔ایسے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جو قیمتی ہو، خواہ اس کا اپنا ہو یا دوسرے کا ہو اور اگر پانی ملنے کا محض شک یا وہم ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے خواہ مال کم بھی ہو۔اور قیمتی مال سے مراد ہے وہ مال جو اتنی قیمت والا ہو جو پانی کی اس قیمت سے زیادہ ہو جو اس پر خریدنا لازم ہوتی ہو مالکیہ کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی دشمن آدمی کا یا انسان کے علاوہ کسی دشمن کا یا آگ کا یا چور کا خوف تیمّم اور پانی کے نہ تلاش کرنے کو جائز کر دیتا ہے، خواہ آدمی اپنی جان کا خوف محسوس کرے یا مال کا یا امانت کے ضیاع کا یا عورت پانی کی پاس موجود کسی فاسق (بدکردار، اوباش) کا خوف محسوس کرے یا مفلس مقروض شخص دھر لئے جانے کا خطرہ محسوس کرے یا اپنے مطلوب کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو جیسے مثلاً کسی بھگوڑے کے بھاگ جانے کا خطرہ ہو تو ایسے تمام لوگوں کو شرعاً

---

❶......المغنی ج ۱ ص ۲۳۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۵۔❷مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۶ المغنی ج ۱ ص ۲۷۳ اور بعد کے صفحات۔

پانی نہ پانے والا سمجھا جائے گا کیونکہ پانی کی تلاش میں جانے سے ایسے لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے جو کہ نا قابل قبول ہے۔

۶۔ سردی کی شدت (یعنی پانی کا زیادہ ٹھنڈا ہونا)......سردی کی شدت کے خوف سے تیمّم جائز ہے اگر پانی کے استعمال سے ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو اور پانی گرم کرنے کا کوئی ساز و سامان بھی نہ ہو۔ تاہم احناف نے اس مسئلے میں تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمّم جب جائز ہے کہ جب جان کو یا عضو کو خطرہ لاحق ہو یا مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، اور یہ ہے بھی صرف جنبی شخص کے لئے خواہ وہ حضر کی حالت میں کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کے پاس حمام جانے کے لئے پیسے نہ ہوں اور نہ خود گرم کرنے کے اسباب ہوں کیونکہ ایسے شخص کے بارے میں ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس سہولت کا حق دار ہے۔ اور وہ شخص جو صرف بے وضو ہو اس کے لئے ٹھنڈک کے خوف سے صحیح قول کے مطابق تیمّم کرنا درست نہیں ہے۔ مالکیہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمّم کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط رکھتے ہیں کہ اس شخص کو جان کا خطرہ لاحق ہو۔ شوافع اور حنابلہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمّم کو اس وقت مباح قرار دیتے ہیں جب پانی کا گرم کرنا مشکل ہو یا اعضاء کو گرمائش پہنچانے کا کوئی فائدہ نہ ہو یا کسی عضو کی منفعت کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہو یا کسی واضح عیب کے لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہو وغیرہ۔ شوافع کے ہاں یہ خطرہ کسی ظاہری عضو میں عیب آ جانے کا ہو اور حنابلہ کے ہاں محض بدن میں ہی عیب آ جانے کا اندیشہ ہو ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کے سبب شوافع کے ہاں اظہر قول کے مطابق جو شخص بیماری یا ٹھنڈ کی وجہ سے تیمّم کرے وہ بعد میں نمازوں کی قضاء کرے۔ مالکیہ اور احناف کے ہاں اس شخص پر قضاء نہیں ہے، حنابلہ سے اس بارے میں دو روایتیں منقول ہیں۔ (۱) یہ کہ قضاء لازم نہیں۔ (۲) اس پر اعادہ لازم ہے۔

۷۔ پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا مثلاً ڈول، رسی وغیرہ......وہ شخص جو پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہو لیکن کوئی اس کو پانی دینے والا نہ ہو یا وہ پانی حاصل کرنے کے آلات نہ حاصل کر سکے جیسے ڈول رسی وغیرہ اس کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے اگر وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو کیونکہ یہ شخص پانی کا نہ پانے والا شمار ہوگا۔ حنابلہ اس شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ اس پر ایسے آلات کا جو پانی نکال سکیں عاریتاً حاصل کرنا لازم ہے کیونکہ وہ چیز جس کے اوپر کسی واجب کی تکمیل منحصر ہو وہ خود بھی بمنزلہ واجب ہوتی ہے۔ اور عاریتاً ملنے پر اس کو قبول کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسی چیزوں کے بارے میں بار احسان بہت بڑا نہیں ہوتا۔ اور اگر کنویں وغیرہ کا پانی اس طرح نکالنے پر قادر ہو کہ کپڑا اس میں ڈال کر باہر نکال کر نچوڑ نچوڑ کر پانی جمع کر سکے تو اس پر ایسا کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ اس طرح پانی پر قدرت رکھنے والا شمار ہوگا اور ایسا شمار ہوگا جیسے اس نے ڈول اور رسی پالی ہو شرط صرف یہ ہے کہ اس طرح کے عمل سے کپڑے کی قیمت نہ گھٹے اور اس پانی کی عام بازاری قیمت سے بھی کم نہ ہو جو وہ نکال رہا ہے، اور اگر اس کپڑے کی قیمت پانی کی قیمت سے زیادہ گھٹ جائے (یعنی اتنی گھٹ جائے کہ اس سے کم میں پانی خرید کر مل جاتا ہے تو) اس پر پانی نکالنا لازم نہیں ہوگا جیسے پانی کا خریدنا لازم نہیں ہوتا ہے۔ اور اس شخص پر بطور قرض ملنے والے پانی یا اس کی قیمت کا قبول کرنا لازم ہے اگر اس کے پاس اس کو چکانے کی رقم موجود ہو۔ کیونکہ بار احسان اس بارے میں کم تر ہوتا ہے ہاں پانی کی قیمت دوسرے سے قرض مانگ کر لینا لازم نہیں کیونکہ اس میں بار احسان بہت ہوتا ہے۔ اور تحفتاً ملنے والے پانی کا قبول کرنا اس پر لازم ہے کیونکہ اس میں زیر باری کم ہوتی ہے کیونکہ عادتاً وہ بہت قیمتی نہیں شمار ہوتا ہے۔ لیکن پانی کی قیمت کو تحفۃً قبول کرنا اس شخص پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ بار احسان اس بارے میں زیادہ شمار ہوتا ہے۔ اور اپنے ذمے قرض رکھ کر پانی خرید لینا اس پر لازم نہیں ہے خواہ وہ اپنے شہر میں اس کی ادائیگی پر قادر بھی ہو کیونکہ اس میں اس کے ذمے قرض کا بار باقی رہنے سے ضرر لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ رقم ادا کرنے سے قبل ہی وہ شخص فقیر اور بے مال و دولت والا بن جائے۔

۸: نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ......شوافع وقت نماز نکل جانے کے اندیشے کے سبب تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں[1]

[1]...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۸، الحضرمیة: ص ۲۴۔

کیونکہ یہ شخص ایسی صورتحال میں پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنے والا قرار پاتا ہے (جو کہ ظاہر ہے کہ غلط ہے) اس سے یہ حضرات مسافر کی حالت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کیونکہ پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس کے لئے وقت نکلنے کے اندیشے پر یا جان مال کو خطر لاحق ہونے پر یا رفقاء سفر سے پیچھے رہ جانے کے اندیشے پر تیمّم کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مالکیہ بھی وقت نکل جانے کے خوف سے تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں خواہ جنازے کی نماز کے نکل جانے کا اندیشہ ہو یا عید کی نماز کے یا فرض نماز کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن وہ مسافر جس کو علم ہو کہ پانی قریب میں ہے لیکن اس کو لینے کے لئے جانے آنے میں نماز کا وقت نکل جائے گا تو اس کے لئے یہ درست ہے کہ وہ تیمّم کرے اور نماز پڑھ لے، اس پر اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دوران وقت اس کے استعمال پر قدرت نہ رکھنے کی بناء پر پانی نہ پانے والے کی طرح شمار ہوگا۔ ⓫

احناف وقت کے ختم ہو جانے کے خوف سے تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں ماسوا ان صورتوں کے۔ ⓬

ا...... پانی نہ ہونے کے سبب نماز جنازہ فوت ہو جانے کے ڈر سے وہ تیمّم کر سکتا ہے خواہ وہ جنبی ہو یا نماز عید کے چھوٹ جانے کے اندیشے کی صورت میں بھی وہ تیمّم کر سکتا ہے مثلاً اس کو عید کی نماز میں وضو میں مشغول ہونے کی صورت میں امام کے فارغ ہو جانے کا اندیشہ ہو یا زوال کے وقت ہو جانے کا اندیشہ ہو، اور صحیح قول کے مطابق خواہ وہ خود امام ہو یا کوئی اور ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کے نکل جانے پر ان کا کوئی بدل یا قضاء نہیں ہوتی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے جب نماز جنازہ اچانک ہونے لگے اور تمہیں اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم کر کے اس کو پڑھ لو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک جنازہ آیا اور وہ بے وضو تھے تو انہوں نے تیمّم کر کے اس پر نماز پڑھ لی۔ اور جب نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے تو پانی نہ ہونے پر تمام نمازوں کے لئے تیمّم کر لینا بھی درست ہے۔ ⓭

۲......گرہن کی نماز اور فرائض کی سنتیں فوت ہو جانے کے خوف سے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کر لینا درست ہے، خواہ سنت فجر کے لئے ہی ہو اور وہ اس طرح کہ وضو کرنے سے اس کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

تیمّم تمام فرض نمازوں، وتر اور نماز جمعہ کے لئے درست نہیں اگر ان کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو کیونکہ جمعہ کا بدل ظہر کی شکل میں موجود ہے اور بقیہ نمازیں بھی قابل قضا ہیں۔

مالکیہ صحیح قول کے مطابق فرماتے ہیں ⓮ کہ پانی نہ پانے والے شخص کے لئے فرض نمازوں کے لئے تیمّم کرنا درست ہے اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو مقصود نماز کو بروقت ادا کرنا ہے اور اگر گمان ہو کہ غسل یا وضو کرنے کے بعد وہ ایک رکعت بھی پا سکتا ہے تو وہ تیمّم نہ کرے۔ مشہور قول کے برخلاف ظاہر قول یہ ہے کہ پانی نہ پانے والے شخص کے لئے جو مقیم ہو تیمّم کر لینا درست ہے جمعہ، نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے خواہ وہ متعین ہو یا نہیں اگر اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو نماز ادا کرنے کے بعد اس کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا۔ اس طرح پانی نہ پانے والے شخص کے لئے سنت اور مستحب کی ادائیگی کے لئے قرآن چھونے کے لئے اور غیر واجب طواف کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیمّم کے اسباب دو قسموں کے بنتے ہیں:

⓫...... كشاف القناع ج ا ص ٢٠٦. ⓬الدر المختار ج ا ص ٢٢٣. ٢٢٧ مراقی الفلاح ص ١٩، البدائع ج ا ص ٥١ فتح القدير ج ا ص ٩٦. ⓭احناف کے ہاں پانی نہ ہونے کی صورت میں فی نفسہ تیمّم کر لینا بعض چیزوں کے لئے درست ہے خواہ اس تیمّم سے نماز ادا کرنا درست نہ بھی ہو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ تمام امور جن کے لئے طہارت شرط نہیں جیسے غیر جنبی کے لئے قراءت قرآن زبانی یا دیکھ کر قرآن کی تعلیم مسجد میں داخل ہونا اور نکلنا میت کی تدفین اور قبروں کی زیارت اذان اور اقامت مریض کی عیادت سلام کرنا اور جواب دینا اور مختار قول یہ ہے پانی کے ہوتے ہوئے بھی سجدہ تلاوت کے لئے تیمّم کرنا صرف مسافر کے لئے جائز ہے۔ ⓮ الشرح الصغير ج ا ص ١٨٢. ١٨٤ الشرح الكبير ج ا ص ١٥٠ اور بعد کے صفحات۔

۱...... پانی کا نہ پانا۔ اس میں تمام صورتیں شامل ہیں کہ پانی کی خود اس کو ضرورت ہو خواہ مستقبل میں یا مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کی تلاش یا استعمال کرنے سے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۲...... پانی استعمال نہ کرسکنا اس میں تمام بقیہ حالات داخل ہیں یہ دوسری قسم پہلی قسم پر قیاس شدہ ہے اور وہ ہے پانی کا نہ پانا جو کہ آیت تیمّم میں منصوص ہے۔ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں کے لئے تیمّم درست ہے مریض کے لئے مسافر کے لئے اگر اس کو پانی نہ ملے تیمّم سے ادا کی ہوئی نماز کیا دوبارہ ادا کی جائے گی؟ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لے پھر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد پانی ملے تو اس پر پڑھی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ تاہم اگر وہ پانی نماز کے وقت کے دوران ہی پالے یا اس نے دوسرے اسباب کی وجہ سے تیمّم کیا ہوا ہو تو اس بارے میں

فقہاء کرام میں اختلاف ہے ❶ حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں وہ شخص جو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے پھر دوران وقت اس کو پانی مل جائے تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہے اس طرح اگر اس نے دوسرے اسباب کی وجہ سے تیمّم کیا ہو تو بھی اس پر بعد میں قضاء لازم نہیں ہے تاہم مالکیہ یہ فرماتے ہیں وہ شخص جس کو تیمّم کا حکم ہوا گر وہ پانی کی تلاش میں کوتاہی کا مرتکب ہو یا اس کے حصول کی کوشش صحیح طرح نہ کی ہو تو اس کو نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے اگر وہ دوران وقت پانی پالے۔ اسی طرح احناف نے بھی اس شخص کو اعادہ نماز لازم نہ ہونے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جس نے تیمّم اس وجہ سے کیا ہو کہ وہ قید یا بندش میں ہونے کے سبب پانی استعمال نہ کرسکا ہو تو وہ اگر مقیم تھا تو اعادہ کرے گا اور اگر مسافر تھا تو نہیں اور اس رائے کا اختیار کرنا زیادہ آسان ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤد نے حضرت ابوسعید سے روایت کی ہے کہ دو آدمی سفر میں نکلے نماز کا وقت آ گیا ان کے پاس پانی نہیں تھا انہوں نے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی پھر دوران وقت انہیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا تم نے سنت کے مطابق کام کیا تمہاری نماز درست ہوگئی تھی، اور جس نے نماز لوٹائی تھی اس سے فرمایا تمہارے لئے دو اجر ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اس طرح نماز عصر ادا کی کہ وہ سفر سے واپسی پر مدینہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور انہیں مدینہ کی آبادی نظر آنی شروع ہوگئی تھی انہوں نے تیمّم سے نماز ادا کی اور مدینہ میں داخل ہوتے وقت سورج بلند تھا مگر انہوں نے نماز کا اعادہ نہیں کیا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے نے اپنے ذمے لازم فریضہ ادا کر دیا اور اپنے فرض کو ہدایات کے مطابق انجام دیا لہٰذا اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ پانی کا نہ ہونا ایک عادتاً پایا جانے والا عذر ہے جب اس شخص نے اس عذر کی موجودگی میں تیمّم کیا تو یہ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ فرض اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے جیسے مرض کی حالت میں ادا شدہ نماز میں ہوتا ہے اور ایک مرتبہ ساقط شدہ چیز دوبارہ ذمے میں لازم نہیں ہوتی ہے مذہب کے مشہور قول کے مطابق حنابلہ فرماتے ہیں کہ وہ تیمّم کیا ہوا شخص جو دوران نماز پانی پالے اس کا تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی طہارت کالعدم ہو جاتی ہے وہ شخص طہارت دوبارہ حاصل کرے اور نماز از سر نو ادا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی کھال سے لگالو ❷ یہ حدیث اپنے مفہوم میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ پانی کی موجودگی میں طہارت دینے والا نہیں ہوتا ہے اور اپنے الفاظ سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی پائے جانے کے وقت اس کو استعمال کرنا لازم ہو جاتا ہے، اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ شخص پانی

---

❶..... المغنی ج ا ص ۲۴۳، ص ۲۶۵، ۲۶۸ کشاف القناع ج ا ص ۱۹۳۔۱۹۵، ۲۰۶ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۹۰ مراقی الفلاح ص ۱۹۔ الوجیز للغزالی ج ا ص ۲۳ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۰۱ ۱۰۶ اور بعد کے صفحات، المھذب ج ا ص ۳۶، الجموع ج ۲ ص، ص ۳۴۲۔۳۵۲۔ ❷ بروایت امام ابوداؤد، حاکم اور نسائی از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح حدیث قرار دیا ہے۔

کے استعمال پر قادر ہو گیا ہے تو اس کا تیمّم ایسے ہی ٹوٹ جائے گا جیسے نماز سے باہر شخص کا تیمّم پانی ملنے پر ٹوٹ جاتا ہے۔ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمّم ضرورت کی طہارت ہے تو ضرورت ختم ہوتے وقت یہ باطل ہو جائے گا جیسے مستحاضہ عورت کی طہارت خون آنا رک جانے پر باطل ہو جاتی ہے اور اگر وہ پانی نہ پائے تو تیمّم کر کے نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔کیونکہ یہ تیمّم کے ذریعے ادا شدہ صحیح نماز ہے۔اور اگر کسی شخص کو پینے کے لئے پانی کے نہ بچے رہنے کا اندیشہ ہو تو وہ پانی بچائے اور تیمّم کر لے اور اس پر نماز کا اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

شوافع فرماتے ہیں اگر تیمّم پانی نہ ہونے کی وجہ سے کیا پھر پانی مل گیا تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

الف:......اگر نماز شروع کرنے سے قبل پانی مل گیا تو اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا کیونکہ اس نے مقصود کی ادائیگی شروع نہیں کی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی کھال سے لگالو۔

ب:......اور اگر پانی اس کو دوران نماز ملے تو اگر وہ مقیم ہو تو نماز اور تیمّم دونوں باطل ہو جائیں گے۔کیونکہ پانی موجود ہونے کی وجہ سے اس پر اعادہ لازم ہوتا ہے اور یہاں اس نے پانی پالیا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ نماز کے اعادے میں مشغول ہو جائے۔اور اصح قول یہ ہے کہ اس شخص کا وضو کے لئے نماز کو توڑ کر اس سے نکلنا افضل ہے اور اگر وہ شخص حالت سفر میں ہو تو ایک مذہب کے مطابق اس کا تیمّم باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس نے مقصود چیز کی ادائیگی کی ابتداء کر دینے کے بعد اصل کو پایا ہے تو اس پر اصل کی طرف منتقل ہونا لازم نہیں ہے۔اور اگر اس نے دوران نماز حالت سفر میں پانی پالیا پھر اس کی نیت قیام کی ہو گئی تو اس کا تیمّم اور نماز دونوں باطل ہو جائیں گے۔کیونکہ سفر اور حضر کا حکم نماز میں جمع ہو گیا لہٰذا یہ لازم ہوا کہ حضر کے حکم کو غالب رکھا جائے اور وہ شخص ایسا ہو گیا گویا اس نے حضر میں تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے اور پانی اس کو مل گیا ہے۔

ج......اور اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی ملا تو اگر وہ حضر میں ہے تو وہ اعادہ کرے گا کیونکہ حالت حضر میں پانی کا نہ ملنا بڑا نادر اور غیر متصل (یعنی برقرار نہ رہنے والا) عذر ہے لہٰذا اس کے ذریعے فریضہ نماز ساقط نہیں ہو سکتا ہے جیسے اگر ایسی نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی جسے وہ بھول گیا ہو۔اور اگر وہ شخص حالت سفر میں ہے تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہے امام شافعی کے زیادہ مشہور قول کے مطابق خواہ وہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا۔ اور اگر سفر معصیت کا ہو تو اصح بات یہ ہے کہ اس پر ایسے ہی اعادہ لازم ہے جیسے مقیم پر لازم ہوتا ہے۔کیونکہ تیمّم سے فرض کا ذمے سے ساقط ہو جانا ایسی رخصت ہے جس کا تعلق سفر سے ہے اور سفر گناہ کا ہے لہٰذا رخصت اس سے متعلق نہیں ہوگی۔اور اگر اس نے مرض کی وجہ سے تیمّم کیا پھر صحت یاب ہو گیا تو اس پر وقت میں اعادہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ مرض عام اعذار میں سے ہے تو گویا یہ ایسے ہوا جیسے حالت سفر میں پانی کا نہ پانا۔اور اگر شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر یہ شدت ٹھنڈ جاتی رہی تو اگر وہ حضر میں ہے تو اس پر اعادہ لازم ہے کیونکہ یہ نادر العذار میں سے ہے اور اگر سفر میں ایسا ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں راجح قول یہ ہے کہ اعادہ لازم ہو کیونکہ ایسی سردی جو ہلاکت خیز ہو اور انسان ایسی چیز بھی نہ پائے کہ وہ اپنے سے اس ضرر کو دور کر سکے ایسا عذر ہے جو نادر اور غیر متصل (نہ برقرار رہنے والا ہے) ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حالت حضر میں پانی نہ پانا۔اور تیمّم سے ادا شدہ نماز کی قضاء کے بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو مقیم ہو اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کرے وہ نماز کی قضاء کرے گا مسافر نہیں کرے گا ہاں وہ مسافر جو سفر معصیت پر ہو جیسے بھگوڑا غلام اور نافرمان بیوی تو صحیح قول کے مطابق ان پر دوبارہ ادا کرنا لازم ہے کیونکہ یہ لوگ اہل رخصت نہیں ہیں اور اظہر قول کے مطابق سفر میں شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمّم کرنے والا قضاء پڑیگا اسی طرح وہ شخص جو ایسے مرض کی وجہ سے تیمّم کرے جو مطلق پانی کے استعمال سے مانع ہو یا اعضاء وضو میں سے کسی عضو میں پانی استعمال کرنے سے مانع ہو اور اس پر کوئی ساتر (چھپانے والی چیز) نہ ہو یا ساتر ہو جیسے زخم کی پٹی جو تیمّم کی جگہوں چہرہ، دونوں ہاتھ پر ہو تیمّم اس لئے کیا گیا ہو کہ ساتر ہو مگر اعضاء وضو کے علاوہ عضو میں بلا طہارت باندھا گیا ہو ان تمام صورتوں میں تیمّم سے ادا شدہ نماز کی بعد میں قضاء ادا کرنی ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو نماز دائمی عذر کی وجہ سے حالت تیمّم میں ادا کی گئی ہو جیسے مستحاضہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے والا مریض اور مسافر کہ ان پر

اداشدہ نماز کی قضاء پڑھنا لازم نہیں ہے اور جو عذر غیر دائمی ہو اور اس کا کوئی بدل بھی ہو جیسے دونوں ذرائع طہارت نہ پانے والا شخص (فاقد الطهورين) اور سولی پر چڑھا ہوا وہ شخص جو اشارے سے نماز ادا کرے تو یہ لوگ بعد میں نماز کی قضا کریں گے۔ اور جو ایسا عذر ہو جو دائمی نہ ہو اور اس کا بدل موجود ہو جیسے مقیم شخص کا اور مسافر کا شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمم تو اس کی قضاء پڑھنے کے بارے میں دو قول ہیں راجح قول یہ ہے کہ وہ شخص قضاء کرے گا اور یہ مخفی نہیں کہ شوافع کی رائے میں کسی قدر سختی اور شدت ہے جو احناف اور ان کے موافق حضرات کی رائے کی طرف جھکاؤ اختیار کرنے کی متقاضی ہے۔

۳۔تیسری بحث......تیمّم کے ارکان یا فرائض

تیمّم کے کچھ ارکان اور فرائض ہیں، اس میں یہ بات پیش نظر رہے کہ رکن یا فرض سے مراد ہے وہ چیز جس پر بنیادی طور پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو یا وہ چیز جو اس چیز کی قول جانب ہو یہ احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کی اصطلاح ہے، احناف رکن کو اس مفہوم میں منحصر کرتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہو۔ اسی بناء پر وہ فرماتے ہیں تیمّم کے دو رکن ہیں، اور وہ ہیں دو دفعہ ہاتھ مارنا اور ۲۔ چہرے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ تیمّم کے ارکان چار یا پانچ ہیں ان میں موجود اختلاف کی تفصیل کے ساتھ اور یہ فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

ا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کرنا...... یہ باتفاق چاروں مذاہب کے فرض ہے، احناف میں سے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ اس کے قائل ہیں۔ احناف کی ایک جماعت اور بعض حنابلہ نے اس کو شرط قرار دیا ہے یہ دونوں مذاہب، حنابلہ اور احناف، کے ہاں معتمد اور مفتی بہ بات ہے۔

مالکیہ کے ہاں نیت اس طرح ہوگی کہ آدمی نماز مباح کرنے کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہے یا چہرے کے مسح کے وقت فرض تیمّم کی نیت کرے۔ اور اگر اس نے صرف حدث رفع کرنے کی نیت کی تو اس کا تیمّم باطل ہوگا، کیونکہ ان کے مشہور قول کے مطابق تیمّم حدث کو دور کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر تیمّم کرنے کی نیت کی تو یہ جائز ہو جائے گا، اور حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعیین یا حدث اصغر کی تعیین سے لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر نماز کے مباح کرنے کی نیت کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہو تو حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعیین لازم کر دے گی اور حدث اصغر کی نیت مستحب ہے جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے۔

وہ نماز جس کے لئے تیمّم کیا جا رہا ہو، خواہ فرض ہو یا نفل علیحدہ علیحدہ یا ایک ساتھ اس کی تعیین مستحب ہے۔ اگر نماز کی تعیین نہ کرے تو نفل کی نیت سے فرض ادا نہیں کر سکتا، اور مطلق نماز کی نیت سے بھی فرض ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ فرض کے لئے ایسی نیت ضروری ہے جو اس کے لئے خاص ہو۔

شوافع فرماتے ہیں کہ نماز مباح کرنے وغیرہ کی نیت ضروری ہے لہٰذا صحیح قول کے مطابق فرض تیمّم کی نیت یا فرض طہارت کی نیت یا طہارت عن الحدث کی نیت یا جنابت سے طہارت کی نیت یا رفع حدث کی نیت وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تیمّم ان کے ہاں حدث کو رفع نہیں

---

❶...... البدائع : ج ۱ ص ۴۵ اور بعد کے صفحات ص ۵۲ فتح القدير ج ۱ ص ۸۹،۸۶ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۱۲، اللباب ج ۱ ص ۳۷ تبيين القائق ج ۱، ص ۳۸ اور بعد کے صفحات مراقی الفلاح ص ۱۹۔۲۰ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۵۴ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۹۲۔۱۹۸ القوانين الفقهيه ص ۳۷ اور بعد کے صفحات بداية المجتهد ج ۱ص ۶۶،۶۴، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۷۔۹۹ المهذب ج ۱ ص ۳۲، المغنی ج ۱ ص ۲۵۴ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۹۔۲۰۲۔

کرتا ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم بذات خود مقصود نہیں ہوتا ہے،اس کو ضرورت کے تحت انجام دیا جاتا ہے لہٰذا اس کو مقصود بنانا درست نہیں ہے،لہٰذا اگر مطلق نیت کرے تو جو چاہے وہ فرض ادا کرسکتا ہے اور اگر کسی فرض کی تعیین کردی تو دوسری فرض یا نفل کی ادائیگی وقت میں یا غیر وقت میں درست ہوگی۔تاہم فرض کو نفل کی نیت سے ادا نہ کرے اور نہ مطلق نماز مباح کرنے کی نیت سے فرض کو ادا کرے یعنی وہی بات جو مالکیہ نے فرمائی تھی۔ان حضرات کے ہاں نیت کا چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت جو گرد کے منتقل ہونے کا مرحلہ ہے ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ پہلا رکن ہے اور صحیح قول کے مطابق چہرے کے کچھ حصے کے مسح کرنے تک نیت کا برقرار رہنا ضروری ہے۔

حنابلہ کے ہاں اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جو تیمّم سے مباح ہوجاتی ہے جیسے نماز وغیرہ یعنی طواف اور قرآن کریم کا چھونا یعنی جیسا کہ شوافع کے ہاں تفصیل ہے۔اور رفع حدث کی نیت سے یہ درست نہیں کیونکہ شوافع اور مالکیہ کی طرح ان کے ہاں بھی تیمّم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول وہی حدیث ہے جو کئی مرتبہ پہلے بھی گزری کہ جب تمہیں پانی مل جائے تو اس کو اپنی کھال پر ملو کیونکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ❶ ان حضرات کے ہاں جس چیز کے لئے تیمّم کررہا ہے اس کے لئے تعیین ضروری ہے مثلاً نماز طواف اور قرآن کریم چھونا وغیرہ اور حدث اکبر حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت یا بدن پر سے نجاست دور کرنے کی نیت وغیرہ، کیونکہ تیمّم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے،وہ تو فقط نماز کو مباح کردیتا ہے،تو نیت کی تعیین ضروری ہے تاکہ اس کمزوری کو سہارا مل سکے۔

اور تعیین اس طرح ہو کہ وہ نماز ظہر کو مباح کرنے کی نیت کرے مثلاً جنابت سے اگر وہ جنبی ہو یا حدث سے اگر وہ بے وضو ہو یا ان دونوں سے اگر وہ بے وضو اور جنبی ہو اور اس سے ملتی جلتی چیزیں۔اور اگر جنابت کے لئے تیمّم کرے تو وہ حدث اصغر کی طرف سے کافی نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں طہارت ہیں تو ایک طہارت دوسرے کی نیت سے ادا نہیں ہوگی احناف فرماتے ہیں وہ تیمّم جس سے نماز ادا کرنا درست ہوتا ہے اس کے صحیح ہونے کے لئے تین امور شرط ہیں:

۱.....یا تو حدث سے طہارت حاصل کرنے کی نیت ہو۔

۲.....یا نماز مباح کرنے کی نیت ہو۔

۳.....یا ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو جو طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی ہو جیسے نماز یا سجدہ تلاوت یا نماز جنازہ۔

چنانچہ اگر فقط تیمّم کی نیت کی نماز کو مباح کرنے کے یا موجود حدث کو رفع کرنے کی نیت کے بغیر تو اس سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی جیسے نماز اس وقت بھی صحیح نہیں ہوگی اگر وہ ایسی چیز کی نیت کرے جو اصلاً عبادت نہ ہو جیسے مسجد میں داخل ہونا اور قرآن کریم کو چھونا وغیرہ ❷ یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود عبادت نہ ہو جیسے اذان اور اقامت ❸ یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود ہو لیکن بغیر طہارت کے درست ہو جیسے بے وضو شخص (حدث اصغر والے شخص) کا قرآن کی تلاوت کے لئے یا سلام کرنے کے لئے یا اس کا جواب دینے کے لئے تیمّم کرنا۔

اور اگر جنبی شخص تلاوت قرآن کے لئے تیمّم کرے تو اس کے لئے اس تیمّم کے ذریعے تمام نمازیں ادا کرنا درست ہے۔احناف کے ہاں حدث یا جنابت کی تعیین ضروری نہیں تیمّم مطلق نیت سے بھی ہوجاتا ہے اور رفع حدث کی نیت سے بھی ہوجاتا ہے،کیونکہ تیمّم بھی حدث کو ایسے رفع کرتا ہے جیسے حدث اس کو رفع کرتا ہے ان کے ہاں نیت کے صحیح ہونے کے لئے اصلاً تمیز اور جس چیز کی نیت کررہا ہے اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ وہ اس چیز کی حقیقت سے باخبر ہوسکے جس کی وہ نیت کررہا ہے۔

اور مذہب حنفی یہاں سب سے بہتر رائے ہے کیونکہ وہ سب سے آسان سہولت اور گنجائش رکھتا ہے۔

❶.....امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ کیونکہ عبادت مسجد میں داخل ہونا اور قرآن چھونا نہیں بلکہ اعتکاف اور تلاوت ہیں۔ ❸ کیونکہ ان دونوں سے مقصود اعلان وتشہیر ہوتی ہے۔

اور نیت کے شرط ہونے کے لئے دلیل وہی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، احناف کا استدلال اس طرح ہے کہ مٹی درحقیقت گندہ کرنے والی ہوتی ہے، تو وہ پاک کرنے والی صرف نیت کے ذریعے بنے گی۔ یعنی مٹی حقیقتاً طہارت کا ذریعہ نہیں ہے (جیسا کہ ظاہر ہے) وہ تو بوقت ضرورت وحاجت طہارت قرار دی گئی ہے، اور حاجت کا علم نیت کے ذریعے ہوسکتا ہے بخلاف وضو کے کہ وہ حقیقتاً طہارت ہے اس کے ذریعے بننے کے لئے حاجت کا ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اس کے لئے نیت شرط نہیں ہوگی۔

۲.....چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مکمل طور پر ہاتھ پھیرنا❶ دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے فامسحوا بوجوھکم وایدیکم احناف اور شوافع کے ہاں ہاتھوں میں مطلوب مقدار مکمل طور پر کہنیوں تک مسح کرنا ہے جیسے وضو میں، کیونکہ تیمّم قائم مقام وضو کے ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ لفظ ید (ہاتھ) تیمّم میں مطلقاً بولا گیا ہے، اور وضو میں اس کو قید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی الی المرافق (کہنیوں تک) تو تیمّم کو بھی وضو کے مطابق ہی شمار کریں گے اور اس کو وضو پر ہی قیاس کیا جائے گا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ مارنا ہے منہ اور دونوں ہاتھوں پر❷ مالکیہ اور حنابلہ ہاتھوں پر صرف گٹوں تک مسح کرنے کو فرض کی ادائیگی کے لئے کافی قرار دیتے ہیں اور گٹوں سے کہنیوں تک کے عمل کو سنت قرار دیتے ہیں یہ حضرت دلیل اس آیت سے قائم کرتے ہیں وایدیکم اور جب حکم مطلق ہاتھوں سے متعلق کیا گیا تو اس میں ذراع (گٹوں سے اوپر کا حصہ داخل نہیں ہوگا جیسے چور کے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں حکم ہے، دوسری دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیمّم کرنے کا حکم دیا چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے❸ اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں ایک مرتبہ جنبی ہوگیا، اور مجھے پانی نہیں ملا، میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی آپ نے فرمایا تمہارے لیے اتنا کرلینا کافی تھا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ مٹی پر مارے پھران میں پھونک ماری۔

پھران دونوں کو اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرلیا۔❹

شوافع اور حنابلہ کے ہاں فرض دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے، ایک مرتبہ چہرے کے لئے اور ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لئے مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں پہلی مرتبہ مارنا فرض ہے یعنی دونوں ہاتھ مٹی پر پھیرنا اور دوسری مرتبہ ایسا کرنا سنت ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔

اس میں واقع ہونے والے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت اس بارے میں مجمل ہے اور احادیث متعارض ہیں، اور تیمّم کو تمام احوال میں وضو پر قیاس کرنا اختلافی معاملہ ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہاتھ مارنا چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ساتھ ہے، اور بعض دوسری احادیث میں دو مرتبہ مارنے کا تذکرہ ملتا ہے جمہور نے ان احادیث کو تیمّم کو وضو پر قیاس کرتے ہوئے ترجیح دیدی ان احادیث میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے تیمّم دو دفعہ مارنا ہے، ایک دفعہ چہرے کے لئے اور ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کے لئے❺ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمّم کیا ایک مرتبہ میں چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دوسری مرتبہ میں اپنی دونوں ذراع (گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ) پر ہاتھ پھیرا❻ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمّم میں انگوٹھی کا اتارنا واجب

---

❶ ...... یہ بات مدنظر رہے کہ مالکیہ نے ان کو دو فرض بنا دیا ہے ۱۔ مٹی پر دونوں ہاتھ مارنا ۲۔ چہرے اور ہاتھ گٹوں تک مکمل مسح کرنا شوافع اور حنابلہ کے ہاں پورے چہرے کا مسح ایک فرض ہے اور ہاتھوں کا مسح دوسرا فرض ہے۔ ❷ بروایت امام احمد وابوداؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث تیمّم دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے ایک دفعہ مارنا چہرے کے لئے اور دوسری دفعہ مارنا ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک تو یہ ضعیف ہے۔ ❸ بروایت وتصحیح امام ترمذی۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۳۔ ❹ متفق علیہ، اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں تمہارے لئے کافی تھا کہ تم اپنے دونوں ہاتھ مٹی میں مارتے پھران میں پھونک مارتے پھرتم ان کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر گٹوں تک پھیر لیتے بروایت دارقطنی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۴۔ ❺ بروایت حاکم، دارقطنی اور بیہقی تاہم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ ❻ اس کا ایک راوی محدثین کی نظر میں قوی نہیں لہٰذا اس کی سند ضعیف ہے، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۵۰۔۱۵۴۔

ہے بخلاف وضو کے کیونکہ مٹی بھاری اور ٹھوس شکل میں ہونے کی بناء پر انگوٹھی کے نیچے نہیں جا سکتی بخلاف پانی کے اور شوافع کے ہاں محل وجوب دوسری مرتبہ مارنے میں ہے (یعنی دوسری مرتبہ مارتے وقت اتارنا واجب ہے) پہلی مرتبہ میں مستحب ہے اور اتارنا بھی ہاتھ پھیرتے وقت واجب ہے مٹی میں ہاتھ مارتے وقت نہیں۔ مالکیہ اور احناف انگلیوں میں ہتھیلی یا انگلیوں کی اندرونی طرف سے خلال کرنے کو واجب کہتے ہیں تاکہ مسح صحیح طرح ہو سکے۔ شوافع اور حنابلہ ہاتھ پر مسح کرنے کے بعد انگلیوں میں خلال کو احتیاط کی خاطر مستحب قرار دیتے ہیں۔

اور مٹی کا ہلکے بالوں کی جڑ میں پہنچانا، واجب نہیں لہٰذا مٹی کو داڑھی کے بالوں کے اندر پہنچانا ضروری نہیں خواہ داڑھی ہلکی ہو، کیونکہ اس طرح کرنے میں مشقت و تنگی ہے بخلاف وضو کے اور تیمّم میں مضمضہ (کلی کرنا) اور استنشاق (ناک صاف کرنا) نہیں ہے، تاکہ مٹی ناک اور منہ میں نہ گھس جائے بلکہ یہ مکروہ ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے گندگی بڑھتی ہے۔

۳.....ترتیب شوافع کے ہاں فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں حدث اکبر کے علاوہ صورت میں فرض ہے۔ یعنی تیمّم کے دونوں اعضاء پر تیمّم کرنے کے دوران۔ کیونکہ تیمّم پانی کی طہارت کی نیابت میں ہوتا ہے اور وضو میں ترتیب فرض ہے تو تیمّم میں جو اس کے قائم مقام ہے نیت فرض ہوگی۔ اور حدث اکبر یا بدن پر لگی ہوئی نجاست کے لئے تیمّم کرنا تو اس میں ترتیب فرض نہیں ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں چہرے اور ہاتھوں کے درمیان ترتیب مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ اصلی فرض مسح کرنا ہے، اور مٹی کا ان اعضاء تک پہنچانا اس کا ذریعہ ہے۔

۴.....پے در پے افعال کا انجام دینا مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ فرض ہے تاہم مالکیہ ترتیب کی طرح اس کو بھی حدث اکبر کے علاوہ صورتوں میں تیمّم کئے جانے کی صورت میں فرض قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کرے کہ تیمّم کے دونوں افعال کو ایک دوسرے کے بعد انجام دے اور اس طرح انجام دے کہ دوسرے عضو پر اس عمل کو کرنے میں اتنی تاخیر نہ ہو جتنی تاخیر وضو میں کر دینا ممنوع ہو یعنی جیسے وضو میں ایک عضو کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلا عضو اتنے عرصے میں خشک ہو جائے عام معتدل حالات میں۔ مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ تیمّم اور وہ عبادت یا غرض جس کے لئے تیمّم کیا گیا ہے، ان کے درمیان موالات (پے در پے ہونا) ضروری ہے شوافع اور احناف فرماتے ہیں تیمّم میں موالات (پے در پے ہونا) مسنون ہے جیسے وضو میں مسنون ہے جیسے تیمّم اور نماز کے مابین بھی موالات مسنون ہے، اور یہ مسنون اس لئے ہے کہ اس اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو ان حضرات کا ہے جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یعنی مالکیہ حضرات جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۵.....پاک مٹی کا ہونا، یہ مالکیہ کے ہاں فرض اور دوسرے حضرات کے ہاں شرط ہے اور مالکیہ کے ہاں[1] پاک مٹی میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اجزاء زمین میں سے اس پر نمودار ہوں جیسے مٹی، اور یہ دوسرے اجزاء کے مقابلے میں افضل ہے اگر یہ دستیاب ہو اور ریت، پتھر، کنکر گچ جس کو آگ پر پکایا نہ گیا ہو اگر جلا دیا پکا دیا گیا ہو تو اس سے تیمّم درست نہیں ہوگا۔ اور خواہ یہ چیزیں زمین پر سے ہٹائی ہوئی ہوں یعنی ان کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے کسی ایسی چیز میں رکھ دیا گیا ہو جو زمین نہ ہو۔

کان میں موجود چیزوں پر بھی تیمّم درست ہے اگر وہ اپنی جگہ پر ہوں اور وہاں سے منتقل نہ کی گئی ہوں، اور سونا چاندی نہ ہوں، اور نہ جواہرات میں سے ہو، جیسے موتی وغیرہ۔ لہٰذا شب (پھٹکری نما معدنی نمک) نمک، لوہے سیسے، رانگ اور سرے کی نکلی ہوئی مقداروں پر اس وقت تیمّم درست نہیں ہوگا اگر وہ کانوں سے نکل کر لوگوں کے پاس مال کی شکل میں موجود ہوں اسی طرح سونے اور چاندی پر بھی مسح درست نہیں خواہ وہ اپنی اصلی جگہ موجود ہوں اور نہ ہی جواہرات پر درست ہے جیسے یاقوت، زبرجد اور موتی وغیرہ خواہ وہ اپنی جگہ موجود ہوں۔ اور ایک قول کے مطابق لکڑی اور گھاس پر تیمّم درست نہیں خواہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز نہ بھی دستیاب ہو اس لئے کہ یہ دونوں نہ مٹی میں سے ہیں اور نہ مٹی

[1]..... الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۵، القوانین، الفقهیة ص ۳۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۵

کے مشابہ اس کی جنس میں سے ہیں اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ چیز نہ ہونے کی صورت میں ان پر تیمّم درست ہے۔ اور پانی کا وہ نمک جو زمین یا سمندر کے کنارے جم جاتا ہے اس پر تیمّم درست ہے، کیونکہ وہ جمنے کی وجہ سے پتھر کے مشابہ ہوگی اور اجزاء زمین کی طرح شمار ہوگا۔

احناف کا مذہب بھی مالکیہ کی طرح ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں ❶ کہ تیمّم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، غبار، ریت، پتھر، گچ، چونا، سرمہ اور ہرتال وغیرہ، خواہ ان چیزوں پر غبار وغیرہ نہ بھی ہو۔ کیونکہ صعید کے لفظ کے اطلاق روئے زمین پر ہوتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں کوئی اختصاص (خصوصیت) کا مفہوم نہیں ہے بلکہ یہ تمام اجزائے زمین کو شامل ہے اور دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ کچھ گاؤں کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بولے کہ ہم لوگ ریتلے علاقے میں رہنے والے ہیں تین تین چار چار ماہ ایسے ہی رہتے ہیں، ہم میں جنبی حائضہ اور نفاس والی عورتیں ہوتی ہیں ہمیں پانی نہیں ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین کو اپنالو (اور یوں کرو) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے چہرے پر پھیرنے کے لئے پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں پر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھیر لئے ❷ امام بخاری فرماتے ہیں کہ شوریدہ زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمّم کرنے میں حرج نہیں، اور مراد وہ زمین ہے جس میں شور (نمک وغیرہ) اور سیم وغیرہ ہو (یعنی سیم وتھور والی زمین)۔

مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں تیمّم اس پتھر یا چٹان پر سے درست ہے جس پر گرد نہ ہو اور اس گیلی مٹی پر بھی جس سے غبار ہاتھ پر نہ لگے اس طرح تیمّم گرد پر کر لینا درست ہے جیسے کوئی شخص کپڑے گدے، یا زین وغیرہ پھر ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ مارنے سے گرد وغبار اڑے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ تیمّم صرف اس پاک مٹی سے درست ہے جو گرد وغبار والی ہو ہاتھ پر لگ جاتی ہو اور جلی ہوئی چیز کی نہ ہو اور اگر وہ بہت دبی ہوئی یا نم ہو کہ ہاتھ ملنے سے وہ ہاتھ پر نہ لگے تو اس سے تیمّم کر لینا کافی نہیں ہوگا۔ شوافع مزید یہ فرماتے ہیں کہ گرد وغبار والی ریت سے تیمّم درست ہے۔ جب کہ حنابلہ کے ہاں ریت سے تیمّم درست نہیں ہے۔ اسی طرح پتھر کے تراشنے سے نکلنے والا تراشہ اور چھیلن سے بھی تیمّم درست نہیں ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ریت سے تیمّم جائز ہے۔

دونوں فریقین کے ہاں معدنی چیز سے تیمّم درست نہیں ہے، جیسے تیل، گندھک اور چونے کی کان وغیرہ یا ٹھیکری وغیرہ کا پوڈر کیونکہ اس کو عرف میں مٹی نہیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مٹی جو آٹے وغیرہ سے مل گئی ہو جیسے زعفران اور گچ، کیونکہ یہ مٹی کو عضو تک پہنچنے نہیں دیتی ہیں، اس طرح پکے ہوئے چونے سے بھی نہیں کیونکہ وہ مٹی نہیں ہے اس طرح ٹھیکری وغیرہ سے بھی نہیں یعنی جن کا گرد وغبار نہیں ہوتا ہے۔ اور گیلی مٹی سے بھی تیمّم درست نہیں اور نہ ہی ناپاک مٹی سے تیمّم درست ہے ناپاک مٹی سے تیمّم کا درست نہ ہونا جیسے ناپاک پانی سے وضو درست نہیں ہوتا ہے، یہ علماء میں اتفاقی مسئلہ ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا اور شوافع کے ہاں اس مٹی سے بھی تیمّم درست نہیں جو ایک مرتبہ عضو پر تیمّم میں استعمال ہو چکی ہو اور حنابلہ کے ہاں غصب شدہ زمین وغیرہ سے بھی تیمّم درست نہیں، جیسے مسجد کی مٹی سے۔ اور اگر کسی نے اونی گدے، کپڑے یا قالین وغیرہ پر ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ پر گرد لگ گئی اور اس نے اس سے تیمّم کر لیا تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

---

❶..... فتح القدير ج ١ ص ٨٨، لبدائع ج ١ ص ٥٣ اللباب، ج ١ ص ٣٧ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی اور ریت پر مسح درست ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صعید سے وہ مٹی مراد لی ہے جو اگانے والی مٹی ہو اور ریت کا اضافہ اس حدیث کی رو سے ہے جو طرفین نے دلیل میں ذکر کی ہے۔ ❷ بروایت امام احمد بیهقی، اسحاق بن راهويه ابويعلى الموصلى اور طبرانی، تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ نصب الراية ج ١ ص ١٥٦۔ ❸ الهذب ج ١ ص ٣٢ مغنى المحتاج ج ١ ص ٩٦ اور بعد کے صفحات، المغنى ج ١ ص ٢٤٧، ٢٤٩ كشاف القناع ج ١ ص ١٩٧ اور بعد کے صفحات بجير مى الخطيب ج ١ ص ٢٥٢ غاية المنتهى ج ١ ص ٦١۔

امام احمد بن حنبل نے تیمّم کی خاطر مٹی ساتھ رکھنے کو پسند فرمایا ہے تاکہ عبادت کے معاملے میں احتیاط رہے۔ان حضرات کی دلیل یہ فرمان خداوندی ہے فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه اوراس کا تقاضا یہ ہے کہ صعید (مٹی) کے جز سے تیمم کیا جائے تو ایسی چیز جس پر گرد نہ ہو جیسے چٹان تو اس پر سے کوئی چیز ہاتھ پھیرنے سے ہاتھ پر نہیں لگتی ہے اور تیمّم چونکہ طہارت ہے اس لئے اس میں پاک کرنے والی چیز کو پوری جگہ پہنچانا لازم ہے جیسے سر کے مسح میں ایسا ہونا ضروری ہے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مٹی میرے لئے پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔ ❶

حنابلہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اولے پائے لیکن ان کو پگھلانے کا امکان نہ ہو تو اس پر اپنے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے اس سے اپنے کو دھونا لازم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھو اور اگر ان کو اعضاء پر پھیرا ہو اور وہ پھیرے جانے کے باوجود پورے عضو پر بہے نہ ہوں تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے پانی کے فی الجملہ ہونے کے باوجود بغیر کامل طہارت کے نماز ادا کی ہے جیسے اگر کوئی خشک مٹی کے پاس ہونے کے باوجود اس لئے بلا تیمم نماز پڑھ لے کہ اس کے پاس اس مٹی کو پیسنے یا کھرچ کر قابل مسح بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تاکہ وہ مسح کر سکے۔اور اگر وہ برف اعضاء پر بہہ جائے تو نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اتنا دھونا پایا گیا جو شرعاً لازم ہے خواہ وہ بہت کم ہی ہو۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شوافع مسح کئے جانے والے وضو تک مٹی منتقل کئے جانے کو تیمّم کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن شمار کرتے ہیں ❷ لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنے عضو پر سے جس پر از سر نو مٹی آ گئی ہو مٹی مل کر تیمّم کے دونوں عضو پر پھیر دی تو صحیح قول کے مطابق یہ درست ہوگا کیونکہ نقل پائی گئی ہے۔اور اگر عضو پر مٹی موجود ہو اور وہ اس عضو پر ایک جانب سے دوسری جانب سے کیے جائے تو کافی نہ ہوگا اور درست نہیں ہوگا اور میری نظر میں شوافع اور حنابلہ کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت کی روشنی میں یہی زیادہ قابل قبول بات لگتی ہے۔

۴۔چوتھی بحث......تیمّم کا طریقہ

تیمّم کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱......احناف اور شوافع فرماتے ہیں ❸ کہ تیمّم دو دفعہ ہاتھ مارنے کا نام ہے، ایک مرتبہ ہاتھ مارنا چہرے پر ملنے کے لئے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملنے کے لئے۔اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم دو دفعہ ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ مارنا چہرے کے لئے اور دوسری مرتبہ مارنا دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک کے لئے ہے ❹ اور دوسری دلیل یہ ہے ہاتھ تیمم میں مسح کیا جانے والا ایک عضو ہے تو اس پر بھی بکمل طور پر عمل تیمّم کا ہونا ایسے ہی ضروری ہے جیسے چہرے پر ضروری ہے۔اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث جو صرف ہتھیلیوں کے مسح پر اکتفاء کرنے کا بتلاتی ہے تو اس کی تاویل یہی ہے کہ مراد یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو کہنیوں تک مسح کیا اور دلیل اس کی حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

---

❶...... بروایت امام شافعی واحمد از حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حدیث حسن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صعید کھیتی والی مٹی ہے، اور پاک مٹی کو کہتے ہیں۔ ❷ بقیہ ارکان ان کے ہاں یہ ہیں (۱) نماز مباح کرنے کی نیت۔(۲) چہرے کا مسح۔(۳) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح اور (۴) ہاتھ اور چہرے کے تیمم میں ترتیب پیش نظر رکھنا۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۴۶ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۸، المهذب ج ۱ ص ۳۲۔ ❹ یہ حدیث بروایت حضرت جابر حاکم اور دار قطنی نے بھی نقل کی ہے اور بزار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تاہم ان روایات میں اعتراض اور ضعف ہے۔ نصب الراية ج ۱ ص ۱۵۰ اور بعد کے صفحات۔

یہی روایت قابل اتباع اور ترجیح ہے کیونکہ تیمّم وضو کا بدل ہے تو اس کا محل ومقام بھی وہی اعضاء وضو ہوں گے جو نص میں وارد ہیں اور تیمّم کا وجوب ان کے بارے میں منقول ہے۔

۲..... مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ➊ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ واجب تیمّم صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے جس میں انگلیوں کے اندرونی حصے اور چہرے پر پھیر لے اور ہتھیلیوں کو وہ اپنے ہاتھوں پر (گٹوں تک) پھیر لے دلیل اس کی حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ مارنا ہے چہرے کے لئے اور ہاتھوں کے لئے ➋ اور وجہ اس بات کی ہے کہ یہ لفظ ید جب مطلقاً بولا جائے تو اس میں ذراع (گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ) شامل نہیں ہوتا اور اس کی دلیل حد سرقہ (چوری کی سزا) میں ہاتھ کاٹے جانے کا حکم ہے۔

تاہم ان حضرات کے ہاں کامل طریقہ حد اختلاف سے نکلنے کے لئے یہی ہے کہ دو مرتبہ مارا جائے گا جس میں سے دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مسح کیا جائے گا۔ اور ہاتھ پھیرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کی اوپری طرف گٹوں کے اوپر سے شروع کر کے کہنیوں تک لے جائے پھر کہنی کی نچلی طرف سے ہاتھ پھیرتا ہوا گٹوں تک لے جائے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ایسے ہی پھیر لے اور اگر مسح مکمل طور پر ہو تو خواہ کسی طریقے سے بھی ہو درست ہو جائے گا۔

اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دو دفعہ سے زیادہ ہاتھ جھاڑ کر تیمّم کیا تو بھی جائز ہوگا کیونکہ مقصود مٹی کا فرض جگہ پہنچانا ہے تو وہ جیسے بھی پہنچ جائے جائز ہوگا جیسے وضو۔

۵۔ پانچویں بحث.....شرائط تیمّم

احناف نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرائط عائد کی ہیں شوافع نے دس بیان کی ہیں مالکیہ اور حنابلہ دو شرطیں عائد کرتے ہیں یہ شرائط کبھی ان فرائض سے مل جاتی ہیں جو متقدم فرائض ہیں، اور کبھی وہ اسباب ہی ہوتے ہیں جو پہلے ہوتے ہیں۔

مالکیہ شرائط کو اسباب کہتے ہیں اور فرماتے ہیں ➌ کہ فی الجملہ تیمّم کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں، پانی کا نہ ہونا یا اس کے استعمال سے معذور ہونا۔

ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱..... پانی کا سفر میں نہ ہونا۔

۲.....مرض۔

۳.....حالت حضر میں ناکافی پانی کا ہونا۔

۴.....یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا جیسے ڈول رسی وغیرہ۔

۵۔ پانی کے ختم ہو جانے سے پینے وغیرہ کے لئے نہ ہونے کا خطرہ ہونا خواہ اپنے آپ کے خواہ کسی اور انسان کے خواہ جانور کے۔

۶..... پانی لینے میں چور یا درندوں کا خطرہ ہونا۔

۷..... پانی اس کو اتنی قیمت پر مل رہا ہو جو ناقابل برداشت ہو۔

۸.....یا پانی لینے جانے اس کے منتظر رہنے استعمال کرنے وغیرہ میں وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

➊.....شرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۸۔۱۹۴۔ القوانین الفقهيه ص ۳۸ المغنی ج ۱ ص ۲۵۴،۲۴۴ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۰۰۔۲۰۵۔ ➋ بروایت امام احمد اور صحاح ستہ کے حضرات سے بسند صحیح منقول ہے۔ نصب الرایة ج ۱ ص ۱۵۴۔ ➌ القوانین الفقهيه ص ۳۷۔

۹.....یا شدت ٹھنڈ سے موت کا اندیشہ ہو۔

۱۰.....یا مرض کے لاحق ہونے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

۱۱.....یا ایسا مریض ہو کہ دوسرا اس کو پانی اٹھا کر دینے والا نہ ہو اور خود استعمال نہ کر سکتا ہے۔

۱۲.....یا جنبی ایسا ہو کہ سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا ہو یا دانے بہت ہو گئے ہوں یا بے وضو شخص کے اعضاء وضو میں زخم اور دانے بھر گئے ہوں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ حالات اسباب تیمّم ہیں۔وہ امور جن کو مالکیہ کے ہاں شرط قرار دیا جا سکتا ہے وہ دو ہیں۔

۱.....اس کو وقت داخل ہونے کے بعد کرنا۔ ۲.....پانی کا طلب کرنا۔

حنابلہ کے ہاں تیمّم کی دو شرطیں یہ ہیں۔

۱.....اس فرض کے وقت کا داخل ہونا جس کے لیے تیمّم کر رہا ہو۔

۲.....پانی کے استعمال سے عاجز ہو جانا۔

اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تیمّم کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔پہلی شرط.....پاک مٹی،لہٰذا تیمّم زمین کی مٹی کے علاوہ چیز سے نہیں ہو سکتا ہے،اور مٹی کے بارے میں یہ تفصیل گذری کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس سے صرف مٹی جب کہ احناف اور مالکیہ کے ہاں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جنس زمین میں سے ہو،اسی طرح ناپاک مٹی سے بھی تیمّم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا یہ شرط تیمّم کے لئے جمہور فقہاء کے نزدیک ہے مالکیہ کے ہاں یہ فرض تیمّم میں سے ہے جیسا کہ تیمّم کے فرائض کے بیان میں یہ بات گزری حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ وہ مٹی ایسی ہو کہ اس کا استعمال مباح ہو لہٰذا غصب شدہ زمین،یا بار بار اکھاڑی اور بنائی قبر کی مٹی یا مسجد کی مٹی سے تیمّم کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔دوسری شرط.....تیمّم کا وقت کے داخل ہونے کے بعد ہونا،یعنی وہ عبادت جس کے لئے وہ تیمّم کر رہا ہے اس کا وقت شروع ہو چکا ہو۔یہ جمہور کے ہاں شرط ہے،احناف کے ہاں یہ شرط نہیں ہے،جیسا کہ یہ تیمّم کی کیفیت اور صفت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے۔

۳۔تیسری شرط.....پانی کا طلب کرنا،باتفاق چاروں مذاہب پانی کے نہ ہونے کا یقین نہ ہونے کی صورت میں اس کی تلاش ضروری ہے،کیونکہ اس شخص کو فاقد الماء(پانی کا نہ پانے والا)اس وقت تک نہیں شمار کیا جائے گا جب تک وہ پانی تلاش نہ کرے اور تلاش کے بعد اس کو پانی نہ ملے تاہم فقہاء کا اس مسافت کی تعیین میں اختلاف ہے جتنی مسافت میں پانی کی تلاش لازمی ہے میں اس بحث کو اسباب تیمّم کی بحث میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں،یہاں میں اس بات کو تفصیلاً بیان کرتا ہوں۔

۱۔مذہب احناف.....❶ وہ شخص جو شہر میں مقیم ہو اس پر تیمّم سے پہلے پانی کی تلاش لازمی ہے خواہ پانی قریب ملنے کا گمان ہو یا نہ ہو مسافر اور شہر سے باہر کا شخص جو تیمّم کرنا چاہے اس پر پانی کی تلاش اس وقت لازم نہیں اگر اس کا غالب گمان یہ نہ ہو کہ قریب میں پانی ملے گا۔ کیونکہ شہر سے باہر جنگلوں میں عام طور پر پانی دستیاب نہیں ہوتا ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان پانی ملنے کا ہو تو اس کے لئے تیمّم درست نہیں جب تک کہ وہ خود یا بذریعہ کسی شخص کے پانی تلاش نہ کر لے اور ہر طرف اتنی مسافت تک تلاش کرے جتنی دور تیر پھینکنے سے جا کر گرتا ہے تاہم ایک میل تک دور جانا اس پر ضروری نہیں ہے ❷ اور اس مسئلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر چل کر جانا لازم نہیں ہے بلکہ صرف ان اطراف میں

---

❶.....البدائع ج ۱ ص ۴۶ فتح القدیر ج ۱ ص ۹۸،۸۴ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۲۷ اللباب، ج ۱ ص ۳۶. ❷ تیر پھینک مارنے کی مسافت چار سو ذراع (۱۸۴،۸ میٹر) بنتی ہے لغت میں میل کہتے ہیں اتنی دوری کو جو حد نگاہ ہو یہاں مراد چار ہزار فٹ یا تین فرسخ یا ۱۸۴۸ میٹر کی مسافت ہے۔

دیکھ لینا کافی ہے تا کہ وہ شخص اپنے رفقاء سفر سے کٹ نہ جائے۔اور دوسری بات یہ کہ اپنی ذات سے وہ حرج اور پریشانی کو دور رکھ سکے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے جو تیمّم کے حکم کے بعد ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ...... سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اللہ تم پر مشکل اور دقت نہیں ڈالنا چاہتا ہے لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔

اور حرج کا نہ ہونا ایک میل سے کم جانے میں ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں قریب ترین قول ایک میل والا ہے کیونکہ تیمّم کا جواز حرج دور کرنے کے لئے ہے پھر آگے وہ فرماتے ہیں کہ اتنی دور تک طلب کرے کہ اس کو اور اس کے رفقاء کو انتظار کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔اور پانی کی تلاش میں کوتاہی برتنے اور بغیر تلاش کئے نماز ادا کر لینے کی صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس شخص پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔اور اگر اس شخص کے رفیق سفر کے پاس پانی موجود ہو تو تیمّم سے قبل اس سے مانگنا ضروری ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ اس طرح کی چیزوں کا انکار نہیں کرتے ہیں، اور اگر وہ منع کر دے تو اس کے لئے تیمّم کرنا درست ہے کیونکہ پانی کا نہ ہونا اس صورت میں متحقق ہو جاتا ہے۔تاہم اگر اپنے ساتھی سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ درست ہو جائے گا کیونکہ دوسرے کی ملکیت میں موجود چیز کا تقاضا اس شخص پر لازم نہیں ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس کے لئے درست نہیں ہے، کیونکہ پانی عرف وعادت میں خرچ کرنے اور استعمال کرنے کے لئے ہی ہوتا ہے (لہٰذا امکان یہ ہے کہ وہ شخص پانی مانگنے پر دیدے گا) اور اگر وہ شخص اس پانی کو عام عادی قیمت پر فروخت کرنے پر آمادہ ہو اور اس شخص کے پاس رقم موجود ہو تو اس کے لئے تیمّم درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں پانی کے استعمال کی قدرت اس شخص کے پاس پائی جاتی ہے۔تاہم اس شخص پر غبن فاحش (بہت زیادہ فرق) کے ساتھ خریدنا لازم نہیں ❶ اور اگر اس شخص کا غالب گمان پانی کے قریب ہونے کا نہ ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے پانی ملنے کی امید پر اس کے لئے تلاش مستحب ہے لازم نہیں۔اور اگر اس شخص کے اور پانی کے درمیان ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو وہ تیمّم کرے گا۔

۲۔ **مذہب مالکیہ** ❷:...... یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی کا نہ ہونا یقینی ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے، اور اگر پانی کے موجود ہونے کا اس کو علم ہو یا گمان ہو یا اس کے کسی جگہ ہونے کے بارے میں شک ہو یا پانی کے ہونے کا وہم ہو تو ہر نماز کے لئے پانی کی اتنی تلاش لازم ہے جو بالفعل اس پر بھاری نہ ہو اور اس کی مسافت ہے دو میل سے کم کم مسافت اسی طرح اگر اس کو گمان یا خیال یا شک یا وہم اس بات کا ہو کہ اس کے رفقاء سفر اس کو پانی مانگنے پر دیدیں گے تو ان سے پانی مانگنا ضروری ہے اور اگر ان سے بغیر مانگے تیمّم کر لیا پھر پانی کا ہونا اس پر ظاہر ہوا یا پانی کا ہونا تو یقیناً ظاہر نہیں ہوا لیکن اس کو گمان یا خیال ایسا ہو کہ پانی مانگنے پر مل جائے گا تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔اور اگر محض شک اور وہم مل جانے کا ہو تو وقت کے اندر اعادہ لازم ہوگا بعد میں نہیں اس شخص پر اتنی قیمت پر پانی خریدنا ضروری ہے جو عادی اور معروف ہو، بشرطیکہ وہ اس رقم کا ضرورت مند نہ ہو خواہ نقدی کے طور پر یا ذمے میں دین بن جانے کے طور پر اور اگر عام معروف قیمت سے زیادہ قیمت ہو خواہ راجح قول کے مطابق ایک درہم زائد قیمت کیوں نہ ہو اور اس جگہ اور آس پاس پانی اسی قیمت پر ملے تو اس پر پانی خریدنا لازم نہیں ہوگا۔

۳۔ **شوافع کا مذہب**...... ❸ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر مسافر مقیم شخص کو پانی کے آس پاس نہ ہونے کا یقین ہو تو پانی کے تلاش کے بغیر ہی اس کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے اور اگر پانی کے ہونے کا وہم ہو یعنی ذہن میں ہو کہ مل سکتا ہے تو وہ اپنے رفقائے سفر سے مانگ لے اور آس پاس تلاش کرے اگر وہ برابر شدہ زمین پر ہو اگر اس کو آگے پیچھے ہونا پڑے تو وہ چاروں جہات میں بقدر حد نگاہ تلاش کرے اگر اس

❶...... امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر وہ شخص پانی ڈبل قیمت پر فروخت کرے تو یہ بہت مہنگا کہلائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مہنگی چیز جب شمار ہوگی جب وہ قیمت ایسی ہو جو قیمت لگانے والوں کی قیمت سے بڑھ کر ہو۔ ❷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۳۔ ❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۷۔۹۰

کو جان مال اور رفقاء سفر سے بچھڑ جانے کا خوف نہ ہو اور یہ مسافت حد غوث کی ہے جو کہ تیر کے گرنے کی جگہ کو کہا جائے گا۔اور پھر بھی پانی نہ ملے تو تیمّم کر لے اور اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر طاری ہونے والی حالت میں تلاش لازم ہوگی اور اگر پانی کا کسی جگہ میں ملنا یقینی ہو تو وہ شخص اس کو حد قرب میں تلاش کرے اور حد قرب سے مراد ہے چھ ہزار فٹ کی مسافت اور اگر وہ شخص قادر ہو پانی کو عام قیمت مثل پر خریدنے پر نقد وغیرہ کے ذریعے اور وہ اس کی ضرورت بھی نہ رکھتا ہو تو اس پر خریدنا لازم ہوگا۔اور قیمت مثل سے مراد صحیح قول کے مطابق وہ قیمت ہے جو اس حالت میں اس مقام پر بخوشی و رغبت قابل قبول ہو۔ہاں اس سے زائد قیمت پر خریدنا اس کے لئے لازم نہیں ہے۔خواہ وہ رقم قلیل ہو۔تاہم اگر اس کو کسی مدت تک کے لئے اضافے کے ساتھ فروخت کیا جائے اور اس مدت کا اعتبار نہ ہو اور وہ شخص مالدار بھی ہو اور وہ مدت اتنی ہو کہ وہ شخص اپنی مال کی جگہ پہنچ سکے تو اس پر خریدنا لازم ہوگا کیونکہ ایسا ہونا اس کو پچھلی قیمت سے نکال نہیں دیتا ہے۔اور اگر مثلی قیمت سے زائد ہو اور وہ خریدنے پر قادر ہو تو اس کے لئے اس کو خریدلانا مستحب ہے۔

۴۔ **مذہب حنابلہ** ❶.....ان کے ہاں اس شخص پر وقت داخل ہو جانے پر ہر نماز کے وقت کے لئے پانی تلاش کرنا لازم ہے اور یہ تلاش وہ اپنے ساز و سامان اور جائے سکونت میں تلاش کرے اور اس مقام میں تلاش کرے جو عرف و عادت میں اس کے قریب شمار ہو۔اور چاروں جہتوں میں اتنے قریب تک جا کر پانی تلاش کرے جہاں تک عام طور پر قافلے وغیرہ جایا کرتے ہوں اور اپنے رفقاء سفر میں ایسے شخص سے پانی کے بارے میں دریافت کرے جو تجربہ کار ہو اور پانی کے ملنے کی جگہوں کا اس کو علم ہو۔اسی طرح ایسے شخص کے بارے میں بھی دریافت کرے جو پانی فروخت کرتا ہو یا اس کو تقسیم کرتا ہو۔اور اگر ایسی چیز دیکھے جو پانی کے وجود پر دلالت کرے جیسے سبزہ وغیرہ تو اس جگہ جانا اس پر لازم ہے۔اور اگر اس کے قریب کوئی ٹیلہ یا کوئی کھڑی ہوئی چیز ہو اور اس کو پانی ملنے کا شک ہو تو اس پر اس جگہ آنا اور پانی تلاش کرنا لازم ہے۔اور وہ چل رہا ہو تو صرف اس جہت میں پانی تلاش کرے جس سمت وہ جا رہا ہے، کیونکہ اس سے ہٹ کر تلاش کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔اور اگر اس کو کسی ثقہ معتبر آدمی نے پانی کا بتایا تو اگر وہ عرف کے اعتبار سے قریب شمار ہو تو اس طرف جانا لازم ہوگا۔اور پانی کی تلاش کے باوجود نہ ملنے پر اگر وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا تیمّم درست ہوگا اور نماز بھی درست ہوگی اس پر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تیمّم کی صحیح نماز ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات مدنظر رہے کہ حنابلہ نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے ایک اور شرط عائد کی ہے اور وہ ہے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا کیونکہ پانی کے استعمال سے عاجز نہ ہونے والا وہ شخص جس کو پانی مضر نہ ہو وہ آیت تیمّم کے تحت شامل نہیں اس آیت کے تحت وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ...... فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا تاہم یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ درحقیقت تیمّم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔بعض حنابلہ نے تیمّم کے لئے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں جو یہ ہیں۔(۱) نیت۔(۲) اسلام۔(۳) عقل۔(۴) تمیز۔(۵) استجمار۔(۶) بدن پر سے نجاست کا دور کرنا۔(۷) نماز کے وقت کا داخل ہونا، خواہ وہ عذر نماز کیوں نہ ہو جس کے لئے کسی معین وقت کی نذر مانی ہو۔(۸) پانی کے استعمال سے معذور ہو جانا خواہ قید میں پڑ جانے وغیرہ کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

احناف کے ہاں شرائط تیمّم:......احناف نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں، بعض اسباب تیمّم میں سے ہیں اور بعض فرائض تیمّم میں سے ہیں یعنی ان امور میں سے جو دوسرے حضرات کے ہاں فرض ہیں، اور بعض تیمّم کے طریقے میں داخل ہیں، یہ شرائط مختصرا بیان کی جاتی ہیں۔❷

---

❶..... کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۲، اور بعد کے صفحات غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۵۴۔ ❷ البدائع ج ۱ ص ۵۲ الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۳، ۲۲۸ مراقی الفلاح ص ۱۹ اور بعد کے صفحات۔

۱۔نیت......یعنی دل کا کسی کام کا ارادہ کر لینا اس کا وقت وہ ہے جب انسان اپنے ہاتھ اس چیز پا مارے جس سے تیمّم ہوگا۔نیت کے صحیح ہونے کے لئے ان حضرات کے ہاں تین چیزیں شرط ہیں۔(۱) اسلام۔(۲) تمیز۔(۳) اس چیز کا علم جس کی وہ نیت کر رہا ہے۔جیسے تیمم سے نماز پڑھنے کے لئے کی جانے والی نیت کے لئے تین میں سے ایک چیز ضروری ہے، یا تو طہارت کی نیت ہو یا کسی ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو ❶ جو بغیر طہارت نہ ہوتی ہو لہٰذا نماز، نماز جنازہ، یا سجدہ تلاوت کی نیت سے کئے جانے والے تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے جب کہ مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے کی غرض سے کئے جانے والے تیمّم سے خواہ وہ بحالت جنابت ہو نماز درست نہیں ہوگی۔کیونکہ یہ عبادت غیر مقصودہ ہے تاہم بے وضو شخص کے لئے تلاوت کی نیت سے کئے جانے والے تیمّم سے نماز ادا کرنا درست ہے کیونکہ قراءت قرآن بلاتیمّم بھی درست ہے تاہم جنبی شخص کے تلاوت قران کے لئے تیمّم کر لینے سے اس کے لئے نمازوں کی ادائیگی بھی درست ہے۔اور زیارت قبور اذان تکبیر سلام جواب سلام یا اسلام کے لئے کئے جانے والے تیمّم سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے کیونکہ یہ امور بلا طہارت درست ہو سکتے ہیں۔

۲۔تیمّم کو مباح کرنے والا عذر......جیسے کسی شخص کا پانی سے ایک میل دور ہونا خواہ وہ شہر میں ہی ہو، مرض کا ہو جانا ایسی ٹھنڈک ہونا کہ جس سے عضو کے ضیاع یا مرض کا اندیشہ ہو یا دشمن کا یا پیاسا رہ جانے کا خوف ہو یا پانی کی ضرورت ہو آٹا گوندھنے کے لئے سالن بنانے کے لئے نہیں کیونکہ اس کا بننا اتنا ضروری نہیں یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا یا وضو میں مصروف ہونے کی صورت میں نماز جنازہ یا نماز عید چھوٹ جانے کا خوف، ہو ❷ تاہم وضو میں مشغول ہونے کی صورت میں جمعے کے نکل جانے کا خوف تیمّم کے لئے عذر نہیں ہے اسی طرح وقت کا نکل جانا بھی عذر نہیں شمار ہوگا۔

۳۔تیمّم زمین کی جنس کی کسی پاک چیز سے کیا جائے......جیسے مٹی، پتھر، ریت، فیروزہ، عقیق وغیرہ لکڑی، سونا، چاندی، پیتل لوہا وغیرہ نہیں اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو راکھ بن سکے یا جلانے سے نرم ہو جائے تو اس سے تیمّم درست نہیں بصورت دیگر جائز ہے دلیل وہی آیت ہے فتيمموا صعيدا طيبا اور صعید روئے زمین کو کہتے ہیں، مٹی ہو یا کچھ اور۔

۴......پورے محل مسح کو عمل تیمّم سے ڈھانپ لینا۔

۵......پورے ہاتھ یا اکثر حصے یعنی تین انگلیوں سے مسح ہو چنانچہ اگر مثلاً دو انگلیوں سے مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا خواہ وہ بار بار یہ عمل کرے پورے محل مسح کو ڈھانپ لے بخلاف وضو میں سر کے مسح کے۔

۶......دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہاتھ کی اندرونی طرف سے ہو خواہ زمین کی ایک ہی جگہ پر ہو اور اگر مٹی جسم میں لگ جائے اور اس شخص کی نیت مٹی لگانے سے تیمّم کی ہو تو وہ دو دفعہ ہاتھ مارنے کا قائم مقام سمجھی جائے گی۔

۷......حیض، نفاس یا حدث کا منقطع ہونا جیسا کہ یہ امور وضو میں بھی شرط ہیں۔

۸......کھال پر مسح روک دینے والی چیزوں کا دور ہونا جیسے موم اور چربی وغیرہ تاکہ مسح کا پورے جسم کے ظاہری حصے پر ہونا متحقق ہو اور یہ چیزیں مسح کے متحقق ہونے سے مانع ہوتی ہیں۔

تیمّم کی شرائط شوافع کے ہاں......شوافع نے تیمّم کی دس شرائط ذکر کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ❸

❶......عبادت مقصودہ وہ ہے جو کسی دسری چیز کے ضمن میں تبعیت کے طور پر ادا نہیں ہوتی ہو۔ ❷ خواہ یہ تیمّم نماز پر بناء کی خاطر ہی کیوں نہ ہو، جیسے کسی کو نماز جنازہ یا نماز عید میں حدث ہوا تو اس کے لئے تیمّم کر کے نماز مکمل کرنا درست ہے، کیونکہ یہ پانی کے استعمال سے عاجز شمار ہوگا۔ ❸ المهذب ج ۱ ص ۳۲۔۳۴ مغني المحتاج ج ۱ ص ۹۶۔۹۹ الحضرمیہ ص ۲۶

۱.....مٹی سے تیمّم ہو خواہ مٹی کسی بھی رنگ کی ہو جیسے گارے کی اور شوریدہ زمین کی مٹی ❶ یعنی وہ جس پر گردوغیرہ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مٹی بھی جو ادویات میں استعمال ہوتی ہو جیسے ارمنی مٹی (۱) بشرطیکہ وہ پسی ہوئی ہو حتیٰ کہ موٹی ریت کا غبار بھی اور باریک ریت کا بھی پکی ہوئی ریت اور مٹی کا نہیں جس کا نام رہ جائے اور غبار ختم ہو جائے۔

۲.....مٹی پاک ہو دلیل اس کی آیت کے الفاظ ہیں صعید طیبا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ہے پاک مٹی۔

۳.....وہ مٹی استعمال شدہ نہ ہو جیسے پانی بھی استعمال شدہ (مستعمل) ہوتا ہے اور استعمال شدہ مٹی سے مراد ہے وہ مٹی جو اعضاء تیمّم پر ہو یا وہ جو دوران تیمّم عضو پر لگ کر اڑ گئی ہو۔ یہ تفصیل اصح قول کے مطابق ہے۔

۴.....اس مٹی میں آٹا وغیرہ نہ مل جائے جیسے زعفران اور گن، کہ یہ چیزیں مٹی کو عضو تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔

۵۔ وہ بالقصد اس فعل کو انجام دے لہٰذا اگر مٹی کو ہوا اڑا کر اس پر لے آئے اور اس کے اعضاء پر وہ پھیر دے اور وہ شخص نیت کر لے تو تیمّم ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بالقصد مٹی کو اپنے اعضا پر نہیں لگایا ہے مٹی تو خود بخود اس تک آ گئی ہے ہاں اگر اس کے بغیر اجازت کوئی دوسرا شخص اس کو تیمّم کرا دے تو یہ تیمّم درست ہو جائے گا۔

۶.....اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مسح دو دفعہ ہاتھ مار کر کرے خواہ یہ ہاتھ مارنا کسی کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ کے ذریعے ہی ہو۔

۷..... پہلے نجاست کو دور کرے لہٰذا اگر نجاست دور کرنے سے قبل تیمّم کر لیا تو معتمد قول کے مطابق یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ تیمّم عبادات وغیرہ کو مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے اور مانع کے موجود ہونے کی صورت میں اباحت کا تصور نہیں لہٰذا یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی قبل از وقت تیمّم کر لے۔

۸.....قبلے کے بارے میں خوب اچھی طرح کوشش کر کے اس کی جہت متعین کر لے اگر اس کی جہت کے بارے میں کوشش کئے بغیر تیمّم کر لیا تو صحیح قول کے مطابق تیمّم درست نہیں ہوگا۔

۹.....تیمّم وقت کے داخل ہونے کے بعد ہو، کیونکہ یہ طہارت ضرورت ہے اور قبل از وقت ضرورت نہیں پائی جاتی ہے لہٰذا نفلوں کے لئے وقت کراہت کے علاوہ میں تیمّم کرے اور نماز جنازہ کے لئے میت کے غسل کے بعد تیمّم کرے اور نماز استسقاء کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کے بعد تیمّم کرے اور فوت شدہ نماز کے لئے اس کے یاد آنے کے بعد تیمّم کرے۔

۱۰.....ہر فرض عین کے لئے الگ تیمّم کرے کیونکہ تیمّم ضرورت کی طہارت ہے، لہٰذا وہ بقدر ضرورت ہی ہوگی۔

۶۔ چھٹی بحث.....تیمّم کی سنتیں اور مکروہ باتیں

تیمّم میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں ❷ یہ بات مدنظر رہے کہ یہ احناف کے ہاں سات مالکیہ کے ہاں نو، شوافع کے ہاں پندرہ اور حنابلہ کے ہاں دو ہیں۔

احناف کے ہاں ان کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....وضو کی طرح اس کی ابتداء میں بھی بسم اللہ پڑھنا، اور اس طرح پڑھے صرف یہ کہے بسم اللہ، ایک قول یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھے۔

۲، ۳، ۴.....ہاتھوں کی اندرونی طرف کو مٹی پر مارنا اور مٹی میں ہاتھ آگے پیچھے کرنا، تا کہ مٹی کے اچھی طرح دونوں ہاتھوں پر چڑھ جانے

---

❶.....ارمنی مٹی ایسی سمجھ لی جائے جیسے برصغیر کی معاشرت میں ملتانی مٹی یا چکنی مٹی کی حیثیت ہے۔ ❷الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۳ مراقی الفلاح، ص ۲۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۷ القوانین الفقهیه ص ۳۸ بجرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۵۶، المهذب ج ۱ ص ۳۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۹، کشف القناع ج ۱ ص ۲۰۴

کا عمل صحیح طرح تکمیل پائے۔اس عمل کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا تا کہ چہرہ گندا نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے۔

۵......انگلیاں کھولنا تا کہ مٹی ان کے درمیان بھی پہنچ سکے۔

۶،۷......ترتیب اور ولاء (پے در پے انجام دینا) یعنی بعد والے پہلے والے کے بعد اس طرح کرنا کہ اگر یہ عمل پانی سے کیا جاتا تو پانی اتنی دیر میں خشک نہ ہوتا۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا مالکیہ کے ہاں تیمّم کی سنتیں چار ہیں۔

۱......ترتیب کہ پہلے چہرے پر مسح کرے پھر دونوں ہاتھوں پر اور اگر برعکس ترتیب سے کیا تو صرف اس عضو کے تیمّم کا عادہ کرنا ہوگا جو پلٹ دیا گیا ہے،یعنی دونوں ہاتھ (کہ ترتیب الٹنے میں دونوں ہاتھوں پر پہلے مسح ہوتا ہے اور چہرے پر بعد میں اور اس صورت میں ہاتھ کا مسح دھرا لینے سے مسح ہوجائے گا۔اور شرط یہ ہے کہ دوبارہ ہاتوں پر مسح کا عمل فی الفور قریبی وقت میں ہوجائے،اور اس الٹے تیمّم سے نماز نہ پڑھی ہو۔ورنہ یہ تیمّم باطل ہوجائے گا وار موالات (پے در پے کرنا) ان کے ہاں فرض ہے۔

۲،۳......دوسری مرتبہ ہاتھوں پر مسح کے لئے ہاتھ مٹی پر ہاتھ مارنا اور کہنیوں تک مسح کرنا۔

۴۔مٹی پا ہاتھ مار کر لگنے والے غبار کا براہ راست مسح کئے جانے والے عضو پر۔

پر لگنا اور اس تک منتقل ہونا،اور وہ اس طرح کہ اس عضو سے قبل کسی چیز پر وہ ہاتھ نہ پھیرے جائیں اور اگر ان دونوں ہاتھوں کو اس سے قبل کسی چیز پر پھیر دیا گیا تو مکروہ ہوگا تاہم تیمّم جائز ہوجائے گا۔یہ بات مدنظر رہے کہ اس حکم کے تحت دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر ملتے ہوئے ہلکا سا جھاڑنا داخل نہیں ہے،اس کا حکم الگ ہے۔

مالکیہ نے تیمّم کے دیگر بھی مندوبات اور فضائل بیان کئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......بسم اللہ پڑھنا،اس طرح پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔یہ ظاہر اور صحیح قول کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ صرف بسم اللہ کہے ۲،۳۔ خاموش رہنا اور قبلہ رخ ہونا۔

۴،۵......دائیں ہاتھ سے شروع کرنا اور اس طرح کرے کہ دائیں ہاتھ کے اوپری حصے پر انگلیوں کی طرف بائیں ہاتھ کا اندرونی حصہ رکھے پھر اس کو ہاتھ کی اوپری سطح پر پھیرتا ہوا کہنی تک لے جائے پھر کہنی کی اندرونی طرف پر پھیرتا ہوا گٹوں تک لائے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر اسی طرح مسح کرے،پھر انگلیوں کا خلال کرے جو کہ واجب ہے جیسا کہ میں فرائض کے بیان میں اس کی وضاحت میں کر چکا ہوں۔

شوافع کے ہاں تیمّم کی سنتیں تقریباً پندرہ ہیں...... وضو اور غسل کی طرح اس کی ابتداء میں بھی پوری بسم اللہ پڑھنا چہرے کے اوپری حصے سے شروع کرنا دونوں ہاتھوں میں سے دائیں کو بائیں پر مقدم کرنا پہلی دفعہ ہاتھ مارنے میں انگلیوں میں تفریق کرنا دونوں ہاتھوں پر مسح کے بعد احتیاطاً خلال کرنا،غبار کو جھاڑ کر اتنا کم کر دینا کہ وہ صرف بقدر ضرورت رہے تا کہ اس کا چہرہ وغیرہ گندہ نہ ہو اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے بھی۔موالات (پے در پے کرنا) جیسے وضو میں یہ مسنون ہے کیونکہ یہ دونوں عمل طہارت ہیں اور تیمّم اور نماز میں بھی موالات ہونی چاہئے تا کہ ان حضرات کے اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی مالکیہ حضرات۔

ہاتھ کا عضو پر پھیرنا جیسے وضو میں عضو دھوتے وقت ملنا مسنون ہے اور یہ کہ وضو کے مسح سے ربل اس پر سے ہاتھ نہ اٹھائے ان کے اختلاف سے باہر رہنے کے لئے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔اس کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بازو کے بھی کچھ حصے پر بھی مسح کر لیا جائے جیسے وضو میں تعجیل مسنون ہے مسح کا بار بار نہ کرنا بھی مسنون ہے،کیونکہ مطلوب ومقصود گرد کا کم کرنا ہے۔

قبلہ رخ ہونا، اور تیمّم کے بعد اشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریك لہ پڑھنا مسنون ہے جیسے وضو کے بعد یہ پڑھنا مسنون ہے۔

پہلی دفعہ مٹی پاہاتھ مارتے وقت انگوٹھی کا اتار دینا مسنون ہے اور دوسری مرتبہ مسح کرتے وقت انگوٹھی کا اتارنا واجب ہے۔

تیمّم کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں جیسے وضو کے بعد تحیۃ الوضو اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد اعضاء پر ہاتھ پھیرنے سے قبل مسواک کرنا بھی مسنون ہے جیسے وضو میں دونوں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے درمیان یہ مسنون ہے حنابلہ نے بسم اللہ پڑھنا ترتیب (یکے بعد دیگرے ہونا) اور موالات (پے در پے ہونا) کو تیمّم میں بھی ایسے ہی واجب قرار دیا ہے جیسے وضو میں واجب ہے تیمّم کی سنتوں میں وہ صرف تیمّم کو پانی مل جانے کی امید میں ہر حال میں آخر وقت تک مؤخر کرنے کو رد کرتے ہیں دلیل اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے جنبی کے بارے میں کہ وہ آخری وقت تک رکا رہے اگر اس کو پانی مل جائے تو ٹھیک و گرنہ وہ تیمّم کر لے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کارات کے کھانے اور قضاء حاجت کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے تاکہ انسان کا دل فارغ رہے اور وہ مکمل خشوع وخضوع سے نماز ادا کر سکے اسی طرح جماعت سے پڑھنے کے لئے بھی نماز کو موخر کر دینا درست ہے تو اس طہارت کے حصول کے لئے نماز کو مؤخر کرنا جو طہارت شرط ہے، زیادہ اولی ہے اسی طرح یہ حضرات انگلیوں میں خلال کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں فرض نہیں شمار کرتے ہیں۔ ❶

تیمّم کا طریقہ ان حضرات کے ہاں یہ ہے ❷ کہ اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جس کے لئے تیمّم کر رہا ہے جیسے فرض نماز کو حدث اصغر یا حدث اکبر کی حالت سے مباح کر کے ادا کرنے کی نیت کرے پھر بسم اللہ پڑھے، بھول جانے پر بسم اللہ قابل معافی ہے۔ پھر انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے تاکہ انگلیوں کے درمیان غبار پہنچ سکے، مٹی پر یا اس چیز پر ہاتھ مارے جو گرد آلود ہو اور اس میں پاک مٹی ہو۔ جیسے نمدہ کپڑے چٹائی یا گدھے کا پالان وغیرہ ایک مرتبہ ہاتھ مارے انگوٹھی وغیرہ اتار دے تاکہ مٹی نیچے بھی پہنچ سکے اور اگر مٹی بہت کم ہو تو اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے تاکہ وہ پھونکنے سے اتنی کم نہ ہو جائے کہ دوبارہ اس کو لینا پڑے۔ پھر انگلیوں کے اندرونی حصے کو چہرے پر پھیر لے اور اپنے ہاتھوں پر ہتھیلیوں کو پھیرے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ ہاتھ مارنا ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لئے۔ ❸

اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ دو دفعہ ہاتھ مار کر ہاتھ پھیرے ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرے دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔

تیمّم کی مکروہ باتیں اور امور:

تیمّم کی سنتوں کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں اوپر بیان شدہ سنتوں میں سے کوئی بھی سنت چھوڑنا اور بار بار ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ پھیرنے ایک مرتبہ سے زیادہ کرنا مکروہ ہے اور ذکر اللہ کے علاوہ کثرت گفتار بھی مکروہ ہے اور مسح میں کہنیوں سے اوپر بازو پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے جو کہ وضو میں مستحب ہے اور اس کو وضو میں غرہ اور تحجیل بڑھانا کہتے ہیں۔ شوافع فرماتے ہیں مٹی زیادہ استعمال کرنا بار بار ہاتھ پھیرنا اور تیمّم کی تجدید کرنا جب کہ تیمّم ٹوٹا نہ ہو خواہ نماز پڑھ لینے کے بعد ہی سہی مکروہ ہے۔ اور تیمّم کے بعد ہاتھ جھاڑنا بھی مکروہ ہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں مسح کا بار بار کرنا مکروہ ہے اور منہ اور ناک میں مٹی ڈالنا دو مرتبہ سے زیادہ مٹی پر ہاتھ مارنا اور مٹی کم ہونے کے باوجود اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے۔

---

❶ المغنی ج ۱ ص ۲۴۲، ۲۵۴-۲۵۴۔ ❷ کشف القناع ج ۱ ص ۲۰۴ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۲۵۴۔ ❸ بروایت امام احمد وابوداؤد بسند صحیح۔

۷۔ساتویں بحث......تیمّم کوتوڑنے اور باطل کرنے والے امور

تیمّم کومندرجہ ذیل چیزیں توڑ دیتی ہیں۔❶

۱......ہر وہ چیز جوضواور غسل کوتوڑ دیتی ہے وہ تیمّم کوبھی توڑ دیتی ہے کیونکہ تیمّم ان کا ہی بدل ہے اور اصل کوتوڑنے والی چیز بدل کے لئے بھی ناقض ہوگی۔لہٰذااگرکسی نے جنابت کے لئے تیمّم کیا پھروہ بے وضوہوگیاتو وہ صرف بے وضوشمار ہوگا جنبی نہیں شمار ہوگا۔لہٰذاوہ تیمّم کرے اورموزے پہنا ہواہوتوان کواتاردے اس کے بعدان پرمسح کرجب تک پانی نہیں پاتا۔

۲......اس عذر کا دور ہوجانا جوتیمّم کومباح کردیتا ہو،جیسے دشمن کا چلے جانا،مرض،ٹھنڈ،کاختم ہوجانا،پانی نکالنے کے آلات کامل جانا اوراس قید ہونے سے آزادی مل جانا جس میں پانی نہ ہوکیونکہ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہے وہ عذر کے ختم ہوجانے پر کالعدم بھی ہوجائے گی۔

۳......پانی کادیکھ لینایاکافی پانی کے استعمال پرقدرت ہوناخواہ وہ پانی اعضاء وضوکوایک مرتبہ دھونے کے لئے ہی ہواحناف اور مالکیہ کے ہاں اورشوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ ناکافی پانی ہی پالے یہ نماز سے پہلے ہونے کی صورت میں ہے نماز کے اندر ہونے کی صورت میں ایک جماعت کے ہاں نہیں جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی اس شخص کی حاجت سے زائد ہومثلاً پینے آٹا گوندھنے نجاست وغیرہ دھونے کی ضروریات کے لئے کافی پانی ہو۔کیونکہ ایسا پانی حاجت میں ہونے کے سبب طہارت وغیرہ کے کام نہیں آسکتا ہے اوراحناف ومالکیہ کی رائے میں ناکافی پانی کاہونانہ ہونے کے برابر ہے احناف فرماتے ہیں سونے یااونگھنے والے شخص کاپانی پرسے گزرنا جوکہ اس کے لئے کافی ہواس کوجاگنے والے کی طرح کردیتا ہے یعنی اس کاتیمّم باطل ہوجائے گا۔

اوراگراس شخص کودوران نماز پانی نظر آگیاتواحناف اورحنابلہ کے ہاں اس کاتیمّم باطل ہوجائے گا کیونکہ سبب زائل ہوجانے کے سبب اس کی طہارت کالعدم ہوگئی۔اوردوسری بات یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کوحالت وضومیں اداکیاجاتا،اوروہ شخص مقصود،یعنی نماز کی ادائیگی اصل کے ذریعے اداکرنے پرقادر ہے بجائے بدل کے ذریعے اداکرنے کے لہٰذاتیمّم کالعدم ہوجائے گااورنص سے ثابت دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جوپہلے نمازلوٹانے کی بحث میں گزرچکے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں اس شخص کاتیمّم نہیں ٹوٹے گااور شوافع کے ہاں مسافر ہونے کی صورت میں تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔کیونکہ شرعاًیہ شخص تیمّم کے ذریعے نمازاداکرنے کامجاز تھااوراصول کاتقاضا ہے کہ یہ اجازت اس شخص کے لئے برقرار ہے۔اوراللہ کافرمان ہے وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (اوراپنے اعمال ضائع نہ کروسورۃ محمدآیت نمبر ۳۳)اورپانی نظر آنے سے قبل اس شخص کاعمل صحیح اوردرست تھا،لہٰذاوہ برقرار بھی اسی حالت پررہے گااوردوسری بات یہ ہے کہ اس صورت کواس پرقیاس کریں گے کہ اگرنماز سے فراغت کے بعدپانی نظر آئے تونماز کالعدم شمار نہیں ہوتی ہے کیونکہ پانی کادیکھ لیناباعث حدث نہیں ہے۔لہٰذانماز کی حرمت وتقدس کے پیش نظرنماز کالعدم شمار نہیں ہوگی۔

شوافع کے ہاں مقیم شخص اگردوران نماز پانی دیکھ لےتواس کی نماز باطل ہوجائے گی،جیسا کہ میں یہ بات پہلے بیان کرچکاہوں کہ پانی مل جانے کی صورت میں نماز کااعادہ اس شخص کے لئے لازم ہوگااورچونکہ یہ شخص پانی پاچکا ہے لہٰذااس پرلازم ہے کہ وہ نماز کے اعادے کے عمل کوشروع کرے۔

---

❶......الدرالمختار ج ۱ ص ۲۳۴۔۲۳۶ مراقی الفلاح ص ۲۱،اللباب ج ۱ ص ۳۷ فتح القدیر ج ۱ ص ۹۱ البدائع ج ۱ ص ۵۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۹ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۸ القوانین الفقھیہ ص ۳۸ بجری اخطیب ج ۱ ص ۲۵۷۔۲۶۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۱،المھذب ج ۱ ص ۳۶ المغنی ج ۱ ص ۲۶۸،۲۷۲،کشف القناع ج ۱ ص ۱۹۰،۲۰۲ غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۶۳ اور بعد کے صفحات۔

مالکیہ اس حکم سے پانی بھول جانے کی صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود پانی کو بھول گیا اور اس نے تیمّم کرلیا اور نماز کی نیت باندھ لی پھر اس کو پانی یاد آیا تو اگر وقت میں دوبارہ نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہو تو اس کی نماز کالعدم ہوجائے گی۔

اور اگر کوئی شخص نماز کی تکمیل کے بعد پانی دیکھے تو اگر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دیکھے تو بالا جماع اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے، کیونکہ دوبارہ نماز پڑھنے کے عمل میں حرج ہے اور اگر وقت باقی ہو تو جمہور علماء ماسوا شوافع کے ہاں نماز نہیں لوٹائیگا شوافع کے ہاں مقیم شخص پر نماز کا لوٹانا لازم ہوگا مسافر پر نہیں بشرطیکہ مسافر اپنے سفر میں مرتکب معصیت نہ ہو (یعنی اس کا سفر معصیت نہ ہو) یہ بات میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں۔

۴......وقت کا نکلنا، حنابلہ کے ہاں نماز کا وقت نکل جانے سے تیمّم باطل ہوجاتا ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا تو اس کا تیمّم اور نماز دونوں باطل ہوجائیں گے کیونکہ نماز کا وقت ختم ہونے سے اس شخص کی طہارت بھی ختم ہوگئی اور نماز بھی باطل ہوگئی جیسے کہ مسح کی مدت دوران نماز ختم ہونے سے بھی یہی ہوتا ہے۔مرتد ہونا، شوافع کے ہاں مرتد ہونا تیمّم کے باطل کرنے کا سبب ہے بخلاف وضو کے کیونکہ وضو قوی ہوتا ہے اور س کا بدل یعنی تیمّم ضعیف ہوتا ہے، تاہم مرتد ہونا وضو کی نیت کو باطل کردیتا ہے لہٰذا اس کی تجدید ضروری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم نماز مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور مرتد ہونے کی صورت میں نماز مباح کرنے کا ارادہ کالعدم ہے، اور مرتد ہونا خواہ صورتاً ہی ہو تیمّم کے باطل ہونے کا سبب ہے جیسے بچے سے سرزد ہونے والا عمل ارتداد۔

احناف وغیرہ کے ہاں مرتد ہونے سے تیمّم باطل نہیں ہوتا، لہٰذا دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں وہ اس سے نماز ادا کرسکتا ہے، کیونکہ تیمّم سے حاصل شدہ چیز صفت طہارت ہے اور کفر اس کے منافی نہیں جیسے وضو کے منافی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مرتد ہونا عمل کے ثواب کو ضائع کردیتا ہے حدث کے زوال کو کالعدم نہیں کرتا ہے۔

۶......تیمّم اور نماز میں طویل فاصلہ، مالکیہ کے ہاں تیمّم اور نماز کے درمیان طویل وقفہ آجانے سے تیمّم باطل ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ حضرات تیمّم اور نماز کے درمیان موالات کو شرط قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ بات گزرچکی ہے۔

۸۔آٹھویں بحث......دونوں پاک کرنے والی چیزوں کے نہ پانے والے شخص (فاقد الطہورین) کا حکم

فاقد الطہورین کا مطلب ہے وہ شخص جو دو پاک کرنے والی چیزوں یعنی پانی اور مٹی کو نہ حاصل کرسکتا ہو اس کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں جیسے کوئی شخص ایسی جگہ قید کردیا جائے جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں یا وہ ناپاک جگہ ہو جہاں پاک مٹی کا حصول ممکن نہ ہو یا اتنا پانی پائے جو خود اس کی حاجت اور ضرورت کے لئے ہو مثلاً پینے وغیرہ کے لئے یا اس کو گیلی مٹی ملے اور اس کو خشک کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اسی طرح وہ شخص جو کہیں لٹکا ہوا ہو یا ایسی کشتی میں سوار ہو کہ وہ پانی حاصل نہ کرسکتا ہو۔اس حکم میں وہ شخص بھی ہے جو ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ نہ وہ وضو کرسکے اور نہ تیمّم جیسے وہ شخص جس کے پورے بدن پر ایسے زخم ہوں کہ جن کے سبب وہ نہ وضو کرسکے نہ تیمّم۔

اس شخص کے حکم کے بارے میں دو رائے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ نماز واجب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ بعض کے ہاں اس پر اعادہ واجب نہیں ہے، یہ حضرات حنابلہ ہیں، اور احناف و شوافع کے ہاں اس پر اعادہ لازم ہے۔

دوسری رائے مالکیہ کی ہے صحیح قول کے مطابق ان کے ہاں اس شخص سے نماز ساقط ہے۔ان آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔❶

❶ ......الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۲ مراقی الفلاح ص ۲۱، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۰ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۲ المجموع للنووی ج ۲ ص ۳۵۱ المہذب ج ۱ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۵ اور بعد کے صفحات کشف القناع ج ۱ ص ۱۹۵ اور بعد کے صفحات۔

۱۔احناف کی رائے......ان حضرات کے ہاں مفتی بہ قول صاحبین کا ہے،اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص لازمی طور پر نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے گا،لہٰذا وہ رکوع اور سجدہ کرے گا اگر خشک جگہ دستیاب ہو اور کھڑے ہو کر اشارہ بھی نہیں کرے گا اور نہ قرأت کرے گا اور نہ نیت کرے گا اور پانی یا مٹی مل جانے پر وہ نماز کا اعادہ کرے گا۔اور وہ شخص جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ زخمی ہو تو ایسا شخص بلا وضو اور تیمم نماز پڑھے گا اور اس پر صحیح قول کے مطابق اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

اور وہ شخص جو کہیں قید میں ہو اور اس نے تیمم سے نمازیں پڑھی ہوں تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ نمازوں کا اعادہ کرے گا کیونکہ ضرورت کا تحقق اس کے حق میں نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ حضر میں پانی ملنے کا گمان زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ضرورت اس کے حق میں نہ رہی،اور سفر میں ہونے کی صورت میں اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا،کیونکہ سفر میں غالب پانی کا نہ ہونا ہوتا ہے،یہ شوافع کا مذہب ہے جیسا کہ میں نماز لوٹانے کی بحث میں یہ بیان کر چکا ہوں۔

۲۔مالکیہ کا مذہب......صحیح مذہب یہ ہے کہ فاقد الطهورين (پانی اور مٹی نہ پانے والا شخص) اور وہ شخص جو ان دونوں کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو جیسے جبراً روکا ہوا شخص اور بندھا ہوا شخص ایسے شخص پر سے نماز اداء اور قضاء ساقط ہے یعنی نہ اس کا ادا کرنا لازم ہے اور نہ اس کی قضا لازم ہے،لہٰذا وہ حائضہ عورت کی طرح نہ نماز پڑھیگا اور نہ قضاء کرے گا کیونکہ پانی اور مٹی کا ہونا نماز کی ادائیگی کے وجوب کے لئے شرط ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے اور قضاء لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ نمازی کے ذمہ یہ چیز لازم ہوتی ہو،اور اس شخص کے ذمے یہ عبادت لازم ہو ہی نہیں رہی ہے کیونکہ خطاب اس کی طرف نہیں لوٹتا ہے اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے۔

۳۔شوافع کا مذہب......یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کرے امام شافعی کے قول جدید کے مطابق یہی حکم ہے، اور نماز ادا بھی اپنی حالت پر ہی کرے قرأت بھی کرے اور نیت بھی کرے،کیونکہ نماز کے وقت کی حرمت کا تقاضا یہی ہے،تاہم یہ شخص نوافل نہ پڑھے،اور پانی یا پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی مل جانے پر نماز کا اعادہ کرے کیونکہ ایسا عذر بہت شاذ و نادر لاحق ہوتا ہے،اور مستقلاً ہوتا بھی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ نماز کی شرائط میں سے کسی شرط کا نہ ہونا نماز چھوڑ دینے کو مباح نہیں کرتا ہے،جیسے ستر عورت،نجاست کا ازالہ، قبلہ رو ہونا،قیام اور قرأت،اور وہ شخص جس کے بدن پر نجاست ہو اور اس کا دور کرنا دھونا مشکل ہو یا وہ شخص جو نماز سے روکا جائے جیسے فاقد الطهورين تو ایسے تمام لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ فقط فرض ادا کریں گے اور جنبی شخص کو چاہئے کہ وہ فقط فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے میرے نزدیک راجح رائے یہی ہے یعنی نماز تو اپنے عام معروف طریقے کے مطابق ادا کرے،اور چونکہ ایسی صورت کے بارے میں کوئی واضح حکم نص میں موجود نہیں ہے اس لئے وہ شخص نماز لوٹائے بھی۔

۴۔حنابلہ کی رائے......یہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کرلے اپنی حالت پر ہی ادا کرے یہ اس پر لازم ہے،کیونکہ بخاری اور مسلم کی نقل کردہ حدیث بروایت حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو،دوسری بات یہ کہ شرط ادا کرنے سے عاجز ہو جانا مشروع کو ترک کر دینے کو لازم نہیں کرتا ہے جیسے کوئی شخص سترہ اور قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے یعنی یہ حضرات بھی شوافع ہی کی طرح کا حکم لاگو کرتے ہیں۔تاہم ان کے ہاں اس شخص پر اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت اسماء سے ایک ہار عاریت لیا تھا وہ ان سے گم ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگ اس کی تلاش میں بھیجے وہ ان کو مل گیا نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا انہوں نے بلا وضو نماز ادا کرلی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاملہ عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت تیمم نازل فرمائی۔[1]

---

[1]...... متفق عليه.

اور ایسا شخص نماز میں فقط اتنی مقدار میں امور انجام دے جو نماز کے جواز کے لئے کافی ہوں، للہٰذا وہ صرف فاتحہ پڑھے، ایک مرتبہ تسبیح پڑھے اور اطمینان سے رکوع اور سجدے کرنے پر اکتفاء کرے اور محض دوسجدوں کے درمیان بیٹھے اور اسی طرح اول اور آخری تشہد میں صرف بقدر جواز پر اکتفاء کرے پھر فی الفور سلام پھیر دے، اور نہ نفل ادا کرے اور نہ پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کرنے والے کسی شخص کی امامت کرے، کیونکہ ایک پاک شخص کے لئے ایسے شخص کی اقتداء درست نہیں جو اس کے بے وضو ہونے کے بارے میں جانتا ہو۔ اور جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت ہونے کی صورت میں وہ اپنی نماز میں قرآن کی تلاوت بھی نہ کرے، اور حدث واقع ہونے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور ایسی نجاست کے لگ جانے سے بھی جو قابل معافی نہ ہو کیونکہ یہ منافی نماز چیز ہے۔ اور وقت نکلنے سے نماز باطل نہیں ہوگی بخلاف تیمّم کرنے والے شخص کے کیونکہ وہاں تیمّم کے باطل ہونے کے سبب نماز باطل ہوتی ہے۔

اور میت کو پانی یا مٹی نہ ہونے کے سبب اگر غسل نہ دیا گیا یا تیمّم نہ کرایا گیا تو اس کی نماز جنازہ باطل ہو جائے گی، اور قبر میں میت کے پھولنے سے قبل اس کو قبر کھود کر غسل یا تیمّم کے لئے نکالنا درست ہے، کیونکہ یہ ایسا فائدہ ہے جو بلا فساد ہے ہاں اگر میت کے پھول جانے کا خدشہ ہو تو اس کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا۔

ساتویں فصل......حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان

عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلنے والے خون تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱......حیض کا خون، یہ خون حالت صحت میں نکلتا ہے۔

۲......استحاضہ کا خون، یہ خون حالت بیماری میں نکلتا ہے، یہ حیض کا خون نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تو رگ کھینچ جانے کے سبب نکلنے والا خون ہے، یہ حیض نہیں ہے۔ ❶

۳......نفاس کا خون، یہ خون بچے کی پیدائش کے موقع پر نکلتا ہے ان تینوں اقسام کے احکام ہیں، اس فصل میں چار مباحث ہیں۔

۱۔ پہلی بحث......حیض کی تعریف اور اس کا وقت:

اس فصل میں دو بحثیں ہیں:

۱۔ پہلی بحث: حیض کی تعریف......حیض لغت میں بہنے کو کہتے ہیں، عربوں کا محاورہ ہے'' حاض الوادی'' یعنی وادی بہہ پڑی اور کہا جاتا ہے حاضت الشجرۃ یہ جب کہتے ہیں جب درخت میں سے گوند نکلنے لگے۔

شریعت کی اصطلاح میں یہ وہ خون ہوتا ہے جو عورت کے رحم کے نچلے حصے سے صحت کی حالت میں ولادت یا بیماری کے علاوہ صورت میں نکلتا ہے اور مخصوص مدت تک ہوتا ہے، اور عام طور پر یہ سیاہی مائل خون ہوتا ہے، یہ بہت گرم مزاج کا تکلیف دہ اور بدبودار ہوتا ہے، اس کے احکام کے بارے میں بنیاد یہ آیت ہے **ویسئلونك عن المحیض** (یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲) اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے بارے میں فرمایا یہ چیز اللہ نے اولاد آدم میں عورتوں پر لکھ دی ہے۔

اس کا وقت عورت کے بالغ ہونے کی عمر ہے جو کہ کم از کم نو قمری سال ہیں ❷ اور یہ سن ایاس تک ہوتا ہے (سن ایاس سے مراد ہے اتنا عمر

❶......بروایت امام بخاری ومسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث مکمل آگے آئے گی۔ ❷ قمری سال ۱/ ۵، ۳۵۴، یا ۱/ ۶، ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے، یعنی تین سو چون اعشاریہ پانچ یا چھ دن۔

رسیدہ ہو جانا کہ حیض آنا ختم ہو جائے اس بارے میں تفصیل آگے آئے گی) لہٰذا اگر کوئی عورت نو سال کی عمر سے پہلے یا سن ایاس کے بعد خون دیکھے تو وہ خراب خون ہوگا یا محض جریان خون ہوگا۔

حیض کا خون دیکھنے کے بعد عورت بالغ، تمام احکام کی مکلف اور تمام احکام شریعت یعنی نماز، روزہ، حج وغیرہ کی پابند سمجھی جانے لگتی ہے اور اسی طرح لڑکا احتلام کے بعد منی نکل آنے پر بالغ سمجھا جاتا ہے۔ بلوغت پندرہ سال کی عمر ہو جانے سے بھی ہو جاتی ہے اگر یہ علامات بلوغت یعنی حیض اور احتلام نہ پائی جائیں۔ سن ایاس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، کیونکہ اس بارے میں نص وارد نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء اس بارے میں مختلف علاقوں اور ممالک کی عورتوں کے احوال ومزاج پر بنیاد رکھتے ہوئے اس کی تعیین وتحدید کرتے ہیں۔ ❶

مفتی بہ اور مختار قول کے مطابق احناف فرماتے ہیں سن ایاس پچپن سال کی عمر تک ہے اور اگر کوئی عورت اس کے بعد سخت سیاہ یا شدید سرخ خون دیکھے تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اور اس اصول کی بناء پر سن ایاس والی عورت (جس کو فقہاء آئسہ (مایوس ہو جانے والی عورت) کہتے ہیں اور ہم ترجمے میں بھی آگے یہی لفظ استعمال کریں گے) اگر خون دیکھے تو وہ خون استحاضہ کا شمار ہوگا، بشرطیکہ وہ خالص خون حیض نہ ہو یعنی سیاہی مائل یا سفید سرخ۔

مالکیہ فرماتے ہیں سن اَیاس ستر سال کی عمر ہے اور پچاس سے ستر سال کی عمر کی عورت کے بارے میں عورتوں سے پوچھا جائے گا اگر وہ ایسی عورت کے آنے والے خون کو حیض کہیں یا انہیں اس کے حیض ہونے کے بارے میں شک ہو تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اسی طرح عورتوں سے مراہقہ (قریب البلوغ لڑکی) کے بارے میں بھی دریافت کیا جائے گا اور مراہقہ نو سے تیرہ سال کی درمیانی مدت کی عمر والی لڑکی کو کہتے ہیں۔

شوافع فرماتے ہیں سن ایاس کی کوئی آخری حد نہیں ہے جب تک عورت زندہ ہو حیض کا اس کے حق میں ہونا ممکن ہے تاہم غالب یہ ہے کہ باسٹھ سال کی عمر سن یاس ہوتی ہے۔

حنابلہ نے سن اَیا س کی تحدید پچاس سال سے کی ہے، دلیل اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ان کا قول ہے جب عورت پچاس سال کی ہو جائے وہ حیض کی حد سے نکل جاتی ہے ❷ اور یہ بھی ان سے منقول ہے کہ عورت کو پچاس سال کی عمر کے بعد بچہ نہیں ہوتا ہے ❸ حاملہ عورت کو حیض آنے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

مالکیہ اور شوافع کا بھی قول جدید مطابق اظہر قول یہ ہے ❹ کہ حاملہ عورت کو بھی حیض ہوتا ہے، اور کبھی کبھی اس کو خون بھی آتا ہے خواہ ایام حمل کے آخر میں سہی اور غالب یہ ہے کہ حاملہ عورت کو عموما خون نہیں ہوتا ہے، ان کی دلیل پہلے گزری ہوئی آیت حیض کا عمومی اطلاق ہے نیز وہ احادیث بھی جو یہ بتاتی ہیں کہ حیض عورت کی طبیعت کا خاصہ اور اس کی طبعی عادت ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ حیض کے خون کی طرح اچانک آنے والا خون ہے تو وہ غیر حاملہ کو آنے والے خون کی طرح حیض شمار ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❺ کہ حاملہ کو آنے والا خون حیض نہیں ہوتا ہے احناف کے ہاں بچے کا اکثر حصہ باہر آنے سے قبل نکلنے والا خون بھی حیض نہیں شمار ہوگا، حنابلہ فرماتے ہیں کہ بچے کی ولادت سے دو تین دن قبل آنے والا خون نفاس کا شمار ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا۔ حاملہ عورت سے

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۲۳ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۸ تحفۃ الطلاب ص ۳۳، الحضرمیہ ص ۲۷ المغنی ج ۱ ص ۳۶۳، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۳۲، الدر المختار ج ۱ ص ۲۷۹۔ ❷ یہ روایت امام احمد نے ذکر کی ہے۔ ❸ بروایت ابو اسحاق شالنجی۔ ❹ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۵۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۸۔ ❺ الدر المختار ج ۱ ص ۲۶۳، المغنی ج ۱ ص ۳۶۱ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۲۳۲۔

وضع حمل سے قبل ہم بستری نہیں کی جائے گی، اور نہ غیر حاملہ سے ہم بستری کی جائے گی جب تک کہ اس کو حیض نہیں آ جاتا❶ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے ہونے کو رحم کے خالی اور فارغ ہونے کی علامت قرار دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں، جب انہوں نے اپنی اہلیہ کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی فرمایا تھا اس کو چاہئے کہ وہ اس عورت کو پاکی کی یا حمل کی حالت میں طلاق دے❷ اس حدیث میں بھی حمل ہونے کو حیض نہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ طہر کو حیض ختم ہونے کی علامت سمجھا گیا ہے اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جس میں عورت کو عموماً حیض نہیں آتا، تو اس حالت میں آنے والا خون حیض شمار نہیں ہوگا جیسے آئسہ کو آنے والا خون حیض شمار نہیں ہوتا ہے۔ طبی نقطہ نظر اور وقوع پذیر حالات ومعاملات اس رائے کے مؤید ہیں۔

اور اس بنیاد پر یہ حکم متفرع ہوتا ہے کہ حاملہ عورت خون آتا دیکھ کر نماز نہیں چھوڑے گی، کیونکہ یہ حیض کا خون نہیں یہ فساد اور بیماری کا خون ہے اس طرح وہ عورت روزہ۔ اعتکاف اور طواف وغیرہ یعنی عبادات کو اس خون کے آنے کے باعث نہیں چھوڑے گی اور نہ ہی شوہر کو ہم بستری سے روکے گی کیونکہ یہ عورت حائضہ نہیں ہے، اور حاملہ عورت کو آنے والا خون جب رک جائے تو اس کے لئے غسل کر لینا مستحب ہے، تاکہ اختلاف سے احتراز ممکن ہو۔

خون کے رنگ..... باتفاق فقہاء ماہواری عادت کے دوران حیض کے خون کے رنگ مندرجہ ذیل ہوں گے❸ سیاہی مائل، سرخ، پیلا، اور گدلا، ماہواری عادت کے بعد آنے والا پیلے یا گدلے رنگ کا خون حیض شمار نہیں ہوگا۔ اور حیض کا آنا رکنے کا علم جب ہو سکتا ہے جب عورت خالص سفیدی دیکھے، اس طرح کہ عورت اپنی شرمگاہ میں صاف کپڑے کا ٹکڑا یا روئی کا پھایہ رکھ کر دیکھے کہ خون کے نشانات وغیرہ ابھی ہیں یا ختم ہو چکے ہیں۔

ا..... احناف فرماتے ہیں کہ حیض کے خون کے چھ رنگ ہیں:

(۱) سیاسی۔ (۲) سرخی۔ (۳) پیلا پن۔ (۴) گدلا پن۔ (۵) سبز، اور (۶) مٹیالا (صحیح قول کے مطابق) ان رنگوں میں جس رنگ کا خون ایام حیض میں وہ عورت دیکھے وہ حیض شمار ہوگا۔ جب تک کہ وہ خالص سفیدی نہ دیکھ لے اور خالص سفیدی ناک کی رینٹ کی طرح کی ایک چیز ہوتی ہے جو حیض کے آخر میں نکلتی ہے یا اس سے مراد روئی کا وہ پھایہ ہے جس سے عورت حیض کے ہونے یا نہ ہونے کو چیک کر سکے، اگر وہ پھایہ سفید نکل آیا تو وہ عورت پاک شمار ہوگی۔

سبزی مائل خون گدلے خون کی ایک قسم ہے، یہ ماہواری والی عورت کو فاسد غذا کھانے کے سبب ہوا کرتا ہے کہ غذاء سے خون کا رنگ بدل جاتا ہے۔ جیسا کہ بڑی آئسہ عورت کو صرف سبزی مائل خون ہی ہوتا ہے۔

شوافع حیض کے خون کو اس کی قوت وشدت کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں خون کے پانچ رنگ ہیں، ان میں سب سے قوی سیاہ، پھر سرخ، پھر مٹیالا، پھر پیلا اور آخر میں گدلا ہے۔ پھر حیض کے خون کی چار صفات ہیں ان میں قوی تر ہے وہ جو گاڑھا اور بدبودار ہو، پھر نمبر ہے بدبودار کا پھر گاڑھے اور آخری درجہ اس کا جو نہ بدبودار ہو نہ گاڑھا ہو۔

اس بات کی دلیل یہ حیض کے دوران آنے والے تمام رنگوں کے یہ خون حیض شمار ہوں گے یہ ہے کہ یہ تمام رنگوں کے خون اس عمومی حکم

❶..... بروایت امام احمد اور ابوداؤد بروایت قاضی شریک اس میں غیر حاملہ قیدی عورتوں کو فارغ الحمل جاننے کے لئے ایک حیض اور حاملہ کے استبراء کے لئے وضع حمل کو طریقہ کار مقرر کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ❷بروایت صحاح ستہ ماسوی بخاری از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ نیل الاوطار ج ۶، ص ۲۲۱۔ ❸ فتح القدیر مع حاشیۃ العنایۃ ج ۱ ص ۱۱۲ اللباب ج ۱ ص ۴۷، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۳ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۲ کشف القناع ج ۱ ص ۲۴۶ البدائع ج ۱ ص ۱۳۹۔

کے تحت داخل ہوتے ہیں جو نص قرآنی وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ سے ماخوذ ہے اوران احکامات کے تحت بھی جو سنت میں وارد ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی ہے جب عورتیں ان کے پاس شرمگاہ میں رکھی جانے والی گدیلیاں بھیجا کرتی تھیں جن میں روئی کے پھائے ہوا کرتے تھے جن میں پیلا یا گدلا خون لگا ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے فرماتیں: جلدی مت کرو جب تک کہ تم خالص سفیدی نہ دیکھ لو❶ ان کی مراد ہوتی تھی کہ جب تمہیں مکمل صفائی حاصل نہ ہو تمہارا طہر شروع نہیں ہوگا، اور اس بات کی دلیل کہ حیض کے بعد نظر آنے والا پیلا یا گدلا خون حیض شمار نہیں ہوگا حضرت ام عطیہ کا یہ قول ہے کہ ہم طہر کے شروع ہو جانے کے بعد پیلے اور گدلے خون کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔❷

۲۔ دوسری بحث......حیض اور طہر کی مدت

خون اس وقت حیض شمار ہوگا جب وہ ان رنگوں میں سے ایک رنگ کا ہو جن کا بیان گزرا، اور اس وقت جب کہ اس سے قبل کم از کم مدت پاکی (مدت طہر) گزر چکی ہو جو کہ جمہور فقہاء کے ہاں پندرہ دن ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ خون حیض کی کم از کم مدت پر ضرور محیط ہو، یہ فقہاء میں اختلافی حکم ہے کہ حیض کی کم از کم مدت کتنی ہے❸ حیض کی اکثر مدت یا کم از کم مدت سے بڑھا یا گھٹا ہوا خون استحاضہ شمار ہوگا۔

احناف کی رائے یہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن بمع رات ہے، اس سے کم حیض نہیں استحاضہ ہوگا۔ اور اس کی اوسط مدت پانچ دن ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ورات ہیں، اور اس سے زائد دن آنے والا خون استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے حیض کی کم از کم مقدار کنواری یا ثیبہ عورت کے لئے تین دن اور زیادہ سے زیادہ مقدار دس دن ہے❹ اور اس مدت کے بعد آنے والا خون استحاضہ کا ہوگا۔ کیونکہ شریعت کا کسی چیز کا تعین کر دینا دوسری چیز کو اس کے ساتھ کرنے سے روک دیتا ہے۔

مالکیہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ بنسبت عبادت وغیرہ کے اس کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اس کی کم از کم حد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک قطرہ ہی نکل آئے، اور ایک لمحے کے لئے نکلے، اس صورت میں وہ حائضہ شمار ہوگی، اور خون رک جانے پر وہ غسل کرے گی۔ اور روزہ دار ہونے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ اس دن کے روزے کی قضاء کرے گی، ہاں بہ نسبت عدت اور رحم کے استبراء کے❺ تو اس کی کم از کم مدت ایک دن یا دن کا اتنا حصہ ہے جو قابل شمار ہو۔

حیض کی اکثر مدت ان حضرات کے ہاں عورتوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہ چار قسم کی عورتیں ہیں (۱) مبتدأة۔ (۲) معتادہ۔❻ (۳) حاملہ۔ (۴) مختلطہ۔

---

❶......بروایت امام مالک، اس روایت میں وارد لفظ القصہ (ق کے زبر کے ساتھ) گچ کو کہتے ہیں، مقصود سفید ہونے میں تشبیہ ہے امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مادہ ہے جو سفید ہوتا ہے اور حیض کے بعد رحم سے نکلا کرتا ہے۔❷ بروایت ابوداؤد، حاکم اور امام بخاری، تاہم امام بخاری نے لفظ بعد الطہر (طہر کے بعد) ذکر نہیں کیا ہے۔❸ فتح القدير ج ۱ ص ۱۱۱ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۲ البدائع ج ۱ ص ۲۰۸ اور بعد کے صفحات بداية المجتهد ج ۱ ص ۴۸ القوانين الفقهيه ص ۳۹ اور بعد کے صفحات مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۱۳ حاشية الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴، المغنی ج ۱ ص ۳۰۸ كشف القناع ج ۱ ص ۲۳۳۔❹ طبرانی اور دارقطنی نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی نے مزید یہ حضرت واثلہ بن الاشجع سے ابن عدی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، ابن جوزی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور ابن جوزی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، تاہم یہ تمام احادیث ضعیف ہیں، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۹۱۔❺ استبراء رحم فقہی اصطلاح ہے اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا مختصر یہ سمجھ لیں کہ عورت کے رحم کی صورت حال جانچنے کو استبراء رحم کہا جاتا ہے کہ وہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ (از مترجم)❻ مبتدأہ سے مراد وہ لڑکی جس کو پہلی مرتبہ حیض آیا ہو اور معتادہ جس کو حیض آیا کرتا ہو اور اس کی ایک عادت بن چکی ہو مثلاً سات دن ہر دفعہ۔

مبتداٗہ کی اکثر مدت پندرہ دن ہے، اس سے زائد خون بیماری ہے اور خرابی کا ہوگا۔ اور معتادہ کے لئے اکثر مدت حیض اس کی اکثر عادت سے تین دن زائد تک شمار ہوگی (مثلاً اگر اس کی ماہواری کی مدت چھ دن ہے تو اس کی اکثر مدت حیض نو دن سمجھی جائے گی) اور عادت ایک مرتبہ سے بھی متعین ہو جاتی ہے۔ اور اکثر مدت کا اس کی عادت ماہواری سے تین دن زائد ہونا غلبہ کی بنیاد پر ہے۔ شرط اس بارے میں یہ ہے کہ اس کی اکثر مدت پندرہ دن سے زیادہ نہ بنتی ہو۔

اور حاملہ عورت کے حمل ہونے کے دو مہینے بعد اس کی اکثر مدت حیض بیس دن ہوگی۔ اور چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جانے پر اس کی اکثر (یعنی زیادہ سے زیادہ) مدت حیض تیس دن ہوگی۔

اور مختلطہ یعنی وہ عورت جو چند دن خون دیکھے پھر پاکی ہو جائے پھر خون دیکھے پھر پاکی ہو جائے یعنی اس کو مکمل طہر نہ مل سکتا ہو تو ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خون آنے والے دن جوڑے گی۔ اور ان کو شمار کرے یہاں تک کہ اکثر مدت حیض یعنی پندرہ دن مکمل ہو جائیں، اور ان کے درمیان پڑنے والے پاکی (طہر کے دن) کے دنوں کو وہ شمار نہیں کرے گی۔ اور مدت حیض سے زائد دن آنے والا خون استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ❶

اور جس دن وہ خون نہ دیکھے اس دن وہ غسل کرے اس امید پر کہ شاید یہ مکمل طہر بن جائے۔ اور جس دن وہ خون دیکھے وہ حائضہ شمار ہوگی، اور ان چیزوں سے اجتناب اس پر لازم ہوگا جن سے حائضہ پر اجتناب لازم ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن ورات ہے یعنی چوبیس گھنٹے اور اس طریقے میں متصلاً خون آتا رہے جیسے اس بارے میں عادت ہو اور وہ اس طرح کہ اگر وہ روئی کا پھایا وغیرہ رکھے تو وہ خون سے گندہ ہو جائے لہٰذا خون کا تواتر کے ساتھ مسلسل بہنا شرط نہیں ہے اس بناء پر یہ حکم ہے کہ خون بظاہر آرہا اور رک رہا ہوگا لیکن فی الواقع وہ مسلسل اور متصل ہوگا اور اس کے اس طرح ہونے کا روئی کے پھائے وغیرہ کے رکھنے سے علم ہو سکے گا ❷ اور اگر وہ عورت ایک دن رات سے کم خون دیکھے تو وہ حیض کا نہیں استحاضہ کا خون ہوگا۔

اور عام طور پر حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو پوچھنے پر بتایا تم حیض کی مدت اتنی گزار دو جتنی اللہ کے علم میں ہے چھ یا سات دن، پھر نہاؤ اور جو بیس دن بمع رات یا تئیس رات نمازیں پڑھو یہ تمہارے لئے کافی ہوگا ❸ اور حیض کی اکثر مدت پندرہ دن بمع رات ہیں اس سے زائد مدت آنے والا خون استحاضہ کا ہے۔ حیض کے اور استحاضہ کے خون میں رنگ اس کے شدید ہونے اور اس کی ناگوار بو وغیرہ کے ذریعے فرق کیا جا سکتا ہے۔

ان حضرات کی دلیل عورتوں کے احوال ومزاج کا تتبع استقراء اور تحقیق وتلاش ہے جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں فرمائی تھی، کیونکہ لغۃً اور شرعاً اس کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے، لہٰذا یہ عرف وعادت کے اعتبار کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور اس بارے میں قابل اعتماد چیز عرف وعادت ہی ہے جیسا کہ شرعاً قبضہ کرنے ملکیت میں داخل کرنے اور خرید وفروخت کرنے والوں کے مابین جدا ہونے کی صورت وغیرہ میں یہ حکم لاگو ہوتا ہے۔ ان کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ حیض کی کم از کم مقدار ایک دن ورات ہے اور پندرہ دن سے زیادہ مدت کے بعد ہونے والا خون استحاضہ کا ہے۔

---

❶ .....مثلاً کسی عورت کو مہینے کی پہلی کو خون آیا پھر رک گیا پھر تین کو آیا چھ کو رک گیا اس طرح ہوتے ہوتے وقفے وقفے سے پچیس تاریخ تک خون آیا کل اٹھارہ دن خون آیا تو پندرہواں دن جس تاریخ کو پڑے اس تاریخ تک وہ دن شمار کرے اور وہ حیض کے دن شمار ہوں گے باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ (از مترجم)

❷ مقصود اس بات سے یہ کہنا ہے کہ خون کے مستقل آتے رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل بھی رکے بغیر بہتا رہے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ وہ آتا رہے خواہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر رک کر آئے خواہ مسلسل۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ شرمگاہ میں روئی کا پھایہ رکھ دیا جائے وہ نکالے جانے پر خون آلود ہو تو یہ علامت خون کے آتے رہنے کی ہوگی۔ ❸ حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے اور اس طرح ہر مہینے کرو جیسے عورتوں کو حیض آیا کرتا ہے اور وہ اپنے حیض اور طہر کی مدت پر پاک ہو جایا کرتی ہے۔ بروایت ابوداؤد ونسائی امام احمد اور ترمذی آخر الذکر دونوں حضرت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام بخاری نے اس کو حسن کہا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۱۔

اسی طرح حضرت عطاء کا یہ قول میں نے عورتوں کو دیکھا ہے کہ بعض کو ایک دن حیض آتا تھا اور بعض کو پندرہ دن۔ اور شوافع کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ، جیسا کہ علامہ نووی نے المنہاج میں ذکر کیا ہے، کہ اگر عورت کو جو حیض والی عورت ہو، حیض آئے اور کم از کم مدت سے زیادہ ہو لیکن اکثر مدت کو پار نہ کرے تو یہ سب کا سب حیض ہوگا، خواہ وہ مبتدأہ ہو یا معتادہ، اس کی عادت بدلی ہو یا نہیں اور اگر عورت کم از کم مدت حیض سے کم خون دیکھے یا حیض کی اکثر مدت کے بعد دیکھے (یعنی پندرہ دن کے بعد بھی) تو وہ استحاضہ کا خون ہوگا حیض کا نہیں۔

طہر کی کم سے کم مدت: حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں ❶ کہ دو حیض کے درمیان آنے والے طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے، کیونکہ مہینہ عام طور پر طہر اور حیض کے بغیر نہیں ہوتا ہے، اور جب حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے تو یہ ضروری ہوا کہ طہر کی کم از کم مدت بھی پندرہ دن ہو۔ طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کبھی کبھی لمبا ہو جاتا ہے اور سال دو سال کے لئے بھی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی عورت کو حیض آتا ہی نہیں ہے۔ اور کبھی سال میں صرف ایک مرتبہ آتا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ دو حیض کے مابین کم از کم مدت طہر تیرہ دن ہے دلیل اس کی وہ روایت ہے جو امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک عورت حضرت علی کے پاس آئی، اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی تھی اس عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کو ایک مہینے میں تین حیض ہوئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے کہا اس بارے میں کچھ کہو، وہ بولے اگر یہ اپنے خاص اہل خاندان کی جو دین دار اور دیانت دار ہوں کی گواہی پیش کرے اور وہ اس کے وقوع میں گواہی دیدے تو یہ سچی ہوگی ورنہ یہ جھوٹی شمار ہوگی حضر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قالون (یعنی بہت خوب) یہ رومی زبان کا لفظ ہے جو عمدگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ایسی بات عقل سے کہنا ممکن نہیں یہ کسی دلیل کی بنیاد پر کی ہوگی اور یہ بات ہے بھی حضرت علی جیسے مشہور صحابی کی اور اس کی مخالفت بھی معلوم نہیں ہے اور ایک مہینے میں تین حیض کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ تیرہ دن کا طہر کامل اور درست ہوتا ہے ❸ اور طہر کی اکثر مدت کی متعین نہ ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ اور طہر سے مراد ہے حیض اور نفاس سے پاک ہونے کا زمانہ اور اس کی دو علامتیں ہیں! ۔ خون کا خشک ہونا رک جانا ۲۔ اور خالص سفیدی کا آنا یعنی وہ پتلا سفید سا پانی جو حیض کے آخر میں آتا ہے ❹ ایام حیض میں خون کا رک جانا۔ یعنی ماہواری عادت شروع ہونے کے بعد حیض کا کچھ وقفے کے لئے رک جانا پھر دوبارہ آنا تو بیچ کی اس مدت کا کیا حکم ہے کیا یہ حیض میں سے شمار ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں دو فقہی آراء پائی جاتی ہیں، پہلی رائے شوافع او احناف کی ہے، دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے ❺ پہلی رائے والے حضرات فرماتے ہیں ایام حیض میں دوران عادت واقع ہو جانے والا وقفہ حیض ہی شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک دن خون دیکھا پھر دوسرے دن حیض رک گیا اور اس طرح رکا کہ روئی کا پھایہ شرمگاہ میں رکھنے کے باوجود وہ خون آلود نہ ہوا پھر تیسرے دن خون آ گیا اور دوران مدت اس طرح ہوتا رہا تو وہ عورت اس تمام مدت میں حائضہ شمار ہوگی۔

دوسری رائے والے حضرات ان ایام کو ملانے کا اصول اپناتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ خون والے دنوں کو الگ اور خون نہ آنے والے دنوں کو الگ سمجھا جائے گا اور وقفہ طہر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر حائضہ عورت کو ایک یا دو دن خون آیا پھر رک گیا پھر آیا پھر رک گیا تو خون والے

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۱، مراقی الفلاح ص ۲۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۹ بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۴۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۹ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۶ المهذب ص ج ۱ ص ۳۹۔ ❷ کشف القناع، ج ۱ ص ۲۳۴۔ ❸ تاہم یہ اس صورت میں ہے جب حیض کم سے کم مدت یعنی ایک دن ہوا ہو اس عوت کو تین مرتبہ ایک دن ہی حیض ہوا ہو۔ ❹ بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۵۲، القوانین الفقهیه ص ۴۱۔ ❺ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۲ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۲۶۷، اللباب ج ۱ ص ۴۹، بدایۃ المجتهد ج ۱ ص ۵۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۹ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴ المهذب ج ۱ ص ۳۹، المغنی ج ۱ ص ۳۵۹ کشف القناع ج ۱ ص ۲۴۶

یہ دن ایک دوسرے سے ملا کر شمار کرلئے جائیں گے اور باقی دن طہر شمار ہوں گے (مثلاً کسی عورت کو وقفے وقفے سے دس دن خون آیا بیچ بیچ میں ایک ایک دن چار مرتبہ نہیں آیا تو ان حضرات کے ہاں چھ دن حیض کے اور چار دن طہر کے شمار ہوں گے) البتہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر دوحیضوں کے درمیان پندرہ دن، جو کہ طہر کی کم سے کم مدت ہے کا وقفہ ہوجائے یا زیادہ کا تو تو وہ طہر شمار ہوگا اور دنوں حیضوں کے درمیان فاصل شمار ہوگا۔ اور اس سے پہلے اور بعد کے خون والے دن اگر کم سے کم مدت حیض تک پہنچے ہوئے ہوں تو وہ حیض شمار ہوں گے۔ ان آراء کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ مذہب حنفی:......متاخرین فقہاء احناف میں سے بہت سے لوگوں نے امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آخری کا قول بھی تھا اور وہ یہ کہ دوخون کے درمیان واقع خون فاصلہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ وہ مسلسل خون کی طرح شمار ہوگا بشرطیکہ طہر کے دونوں جانب (یعنی شروع اور آخر میں) خون کا آنا پایا جائے، تو حیض کی ابتداء طہر سے ہونی اور اس انتہائی پر ہونی درست ہے۔ لہٰذا اگر کسی مبتدا نے ایک دن خون دیکھا اور چودہ دن خون نہیں آیا پھر ایک دن خون آیا تو پہلے دس دن حیض ہوں گے اور معتادہ عورت نے اپنی عادت سے پہلے ایک دن خون دیکھا اور اس دن تک اس کو خون نہیں ہوا پھر ایک دن خون دیکھا تو وہ اس دن جن میں اس نے خون نہیں دیکھا حیض کے شمار ہوں گے اگر اس کی عادت اتنے دن کی تھی، ورنہ اس کی عادت کے برابر دن حیض کے باقی طہر کے شمار ہوں گے۔

اور حالت نفاس کے چالیس دنوں میں اگر طہر درمیان میں واقع ہو تو وہ فاصل شمار نہیں ہوگا (وہ بھی نفاس سمجھا جائے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے خواہ یہ وقفہ پندرہ دن کا ہو کم کا ہو یا زیادہ کا ہو۔ اور طہر کے پہلے اور بعد میں ہونے والے خون کو ایسا سمجھا جائے گا جیسے وہ خون مسلسل ہے وقفہ نہیں ہوا ہے۔

۲۔ مذہب شوافع...... ظاہر اور قابل اعتماد قول ان حضرات کے ہاں یہ ہے کہ حیض کی کم یا زیادہ مدت کے درمیان واقع وقفہ حیض کے تابع شمار ہوگا اس کی چند شرائط ہیں ایک یہ کہ یہ وقفہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کا نہ ہو دوسری یہ کہ آنے والے خون حیض کی اقل مدت سے کم نہ ہوں اور یہ کہ یہ وقفہ دو خون کے درمیان واقع ہو۔ اس حکم کو حکم اسحب (کھینچنے کا حکم) کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہم نے حیض کا حکم اس وقفے پر بھی کھینچ کر لاگو کر دیا جو حیض نہیں تھا اور سب کو حیض قرار دیا۔ شوافع کے ہاں ایک قول اور ہے جس کو قول اللقط (اٹھا لینے کا حکم) کہا جاتا ہے اس کے مطابق بیچ میں واقع دن طہر کے کہلائیں گے کیونکہ خون حیض ہے تو خون نہ ہونا طہر ہونا چاہئے۔ اس کو قول اللقط اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بیچ کے دنوں کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور حالت نفاس میں واقع وقفہ صحیح قول کے مطابق طہر شمار ہوگا، لیکن یہ مدت نفاس کے ساٹھ دنوں کے اعتبار سے شمار ہوگا، یعنی نفاس کی مدت جو کہ ساٹھ دن ہے، گویا یہ نفاس میں عدد کے اعتبار سے شمار ہوگا حکم کے اعتبار سے نہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیض کے درمیان خون کا رک جانا حیض کے حکم میں ہی ہوگا اور نفاس کے درمیان رک جانے سے وہ نفاس کے حکم میں نہیں ہوگا لیکن یہ دن نفاس کی اکثرت مدت یعنی ساٹھ دن میں شمار ہوں گے۔

۳۔ مالکیہ کا معتمد مذہب اور حنابلہ کا مذہب...... یہ حضرات تلفیق (دو چیزوں کو ملانا) کے قائل ہیں یعنی خون والے دن کو دوسرے خون والے دن سے ملانا اور طہر کو خون کے درمیان واقع ہونے کو یہ حضرات درست سمجھتے ہوئے اس کو طہر قرار دیتے ہیں، لہٰذا اگر ایک دن خون آیا اور ایک دن یا زیادہ منقطع ہوگیا اور یہ انقطاع آدھے مہینے سے کم ہی رہا جو کہ اکثر مدت حیض ہے تو صرف خون آنے والے دن ملا لئے جائیں گے اور بیچ کے وہ دن جن میں خون نہیں آیا وہ طہر شمار ہوں گے۔ ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جب بھی اس کا خون آنا رکے اس پر غسل کرنا واجب ہے اور وہ نماز پڑھے گی، روزہ بھی رکھے گی اور اس سے ہم بستری کرنا بھی جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ حقیقی طہر ہے تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ طہر کے زمانے میں اس سے ہم بستری کرنا مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں وہ اسی طرح کرتی رہے یہاں تک کہ خون آنے کے دن اور رک

جانے کے دن حیض کی اکثر مدت سے بڑھ جائیں مثلاً وہ ایک دن خون دیکھے دوسرے دن خون نہ آئے تیسرے دن آئے چوتھے دن نہ آئے اسی طرح اٹھارہ دن ہو جائیں تو اس صورت میں وہ مستحاضہ قرار پائے گی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ معتادہ اور مبتداہ آدھے مہینے یعنی پندرہ دن تک تلفیق کریں (یعنی ایک دن خون ایک دن پاکی کا عمل پندرہ دن تک ہو تو وہ خون والے دنوں کو ایک دوسرے سے ملاتے رہیں) اور وہ عورت جس کو پندرہ دن سے کم کی عادت ہو وہ اپنی عادت کے مطابق ملائے اور اپنی اکثر عادت سے تین دن زائد مزید شمار کرے ان دنوں کو ایام استظہار کہا جاتا ہے۔اور اس کے بعد جو خون آئے وہ استحاضہ کا ہوگا حیض کا نہیں۔

۲۔دوسری بحث......نفاس کی تعریف اور اس کی مدت

۱۔نفاس کی تعریف......احناف اور شوافع کے نزدیک نفاس کی تعریف یہ ہے ❶ کہ وہ خون جو ولادت کے بعد نکلے، اور بچے کے ساتھ یا بچے کے باہر نکلنے سے پہلے نکلنے والا خون خراب اور استحاضہ کا خون ہوتا ہے لہٰذا (صرف وضو کر لینا کافی ہے اور) وہ وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ وہ تیمم کرلے اور اشارے سے نماز پڑھ لے نماز کو مؤخر نہ کرے تاہم شوافع ولادت سے پہلے حیض کے خون کے ساتھ ساتھ نکلنے والے خون کو اس حکم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور یہ اس بناء پر کہ ان کے نزدیک صحیح قول کے مطابق حاملہ عورت کو حیض آتا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ ولادت سے قبل نکلنے والا خون حیض ہے۔حنابلہ کے ہاں نفاس وہ خون ہے ❷ جو ولادت کے باعث نکلنے والا ہو اور وہ خون جو ولادت سے دو تین دن قبل نکلے اور اس کی کوئی علامت بھی پائی جائے جیسے درد زہ اور وہ خون جو ولادت کے ساتھ نکلے یہ دونوں خون ان کے ہاں نفاس کے خون ہیں اور ایسے ہی جیسے ولادت کے بعد نکلنے والا خون۔

ان تمام حضرات کے ہاں بچے کا اکثر باہر آجانے پر نکلنے والا خون نفاس کا ہوگا خواہ بچہ ایک ایک عضو کٹی ہوئی حالت میں نکلے یا ایسا ناقص الخلقت نکلے جس کے بعض اعضاء بنے ہوں جیسے انگلی اور ناخن وغیرہ اور خواہ وہ دو جڑواں بچوں کے درمیان نکلنے والا خون ہو ❸ تاہم شوافع کے ہاں اصح قول یہ ہے کہ نفاس کا اعتبار دوسرے بچے کے بعد ہوگا۔اور پہلے بچے کے بعد نکلنے والا خون اگر حیض کے خون کے ساتھ نکلے تو وہ حیض ہوگا (یعنی ولادت سے قبل عورت کو حیض آرہا ہو) بصورت دیگر وہ استحاضہ ہوگا۔اور اگر بالکل ابتدائی شکل کے جنین کے نکلنے کے بعد خون آئے تو وہ نفاس نہیں ہوگا۔مالکیہ فرماتے ہیں ❹ کہ نفاس وہ خون ہے جو عورت کی اگلی شرمگاہ سے بچے کی ولادت کے وقت ولادت کے ساتھ یا اس کے بعد نکلے خواہ دو جڑواں بچوں کے درمیان ہی نکلے اور وہ خون جو ولادت سے قبل نکلے وہ حیض شمار ہوگا راجح قول کے مطابق لہٰذا وہ نفاس کے ساٹھ دنوں میں شمار نہیں ہوگا۔

۲۔مدت نفاس......نفاس کی مدت تین قسم کی ہے کم از کم متوسط اور غالب طور پر ہونے والی کم سے کم مدت کے بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ یہ مدت ایک لحہ بھی ہو سکتی ہے۔یعنی خواہ ایک مرتبہ ہی ہو معمولی سی مقدار میں۔باقی فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی کم از کم مدت کی کوئی تعیین نہیں، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی تعیین وارد نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس کی عملی صورتحال ہی کو دیکھا جائے گا اور عملی صورتحال میں یہ کم اور زیادہ دونوں طرح ہوتا ہے۔ان دونوں آراء پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت دونوں میں کوئی اختلاف نہیں

---

❶......کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۶۔❷ جڑواں بچے وہ ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کے حمل سے دو بچے ہوں اور دونوں میں فاصلہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ سے کم کا ہو۔❸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۶ اور بعد کے صفحات القوانین الفقھیہ ص ۴۰۔❹ گزشتہ حوالہ جات جو تمام مذاہب کے پچھلی بحث میں گزر چکے ہیں۔

دونوں رائے ایک ہیں۔ کبھی عورت کی ہاں ولادت ہوتی ہے لیکن خون نہیں نکلتا چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک عورت کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ولادت ہوئی تو اس کو نفاس نہیں ہوا اس کا نام ''ذات الجفوف'' (خشکی والی) رکھ دیا گیا۔

شوافع کے ہاں اس کی غالب مدت چالیس دن ہے اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے، اور اعتبار اس بارے میں تحقیق وتتبع اور تلاش کا ہے۔ احناف اور حنابلہ کے ہاں اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اس سے زیادہ جو ہو وہ استحاضہ ہے دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نفاس والی عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چالیس دن اور رات آرام کیا کرتی تھیں۔ [1]

۳۔ تیسری بحث......حیض ونفاس کے احکام اور ان چیزوں کے بیان میں جو حائضہ اور نفاس والی عورتوں پر ممنوع ہیں

حیض کے پانچ احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ [2]

۱۔ حیض......اور اس کی طرح نفاس بھی خون رک جانے پر غسل واجب کرتے ہیں، دلیل اس کی حیض کے بارے میں قرآن کی وہ آیت ہے جو پہلے بھی گزری۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲

لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے: یہ تو گندگی ہے، سو تم لوگ عورتوں سے دوران حیض دور رہو، اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک یہ پاک نہ ہو جائیں، جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اسی راستے سے جاؤ جہاں کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، اور جب چلا جائے تو خون دھولو اور نماز پڑھو [3] اور بخاری کی روایت میں ہے لیکن اتنے دنوں کی نماز چھوڑ دو جن میں تمہیں حیض آیا ہو پھر نہا کر نماز پڑھ لو۔

۲۔ بلوغت:......دوسرا حکم جو حیض سے ثابت ہوتا ہے وہ ہے لڑکی کا بالغ ہونا لڑکی حیض آنے پر بالغ اور شرعی احکامات کی مکلّف سمجھی جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیض والی عورت (یعنی بالغ عورت) کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتا [4] تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض آنے کی وجہ سے پردہ اختیار کرنے کا حکم دیا جو دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے شروع ہو جانے کے بعد عورت مکلف بن جاتی ہے۔

۳......حیض کے ذریعے عدت شمار کرنے کی صورت میں رحم کے خالی ہونے اور فراغت کا علم حیض کے آنے سے ہوتا ہے، اور یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ عدت کے حکم کا اصل مقصد رحم کے فارغ ہونے کا معلوم کرنا ہوتا ہے۔

۴......حیض کے اعتبار سے عدت گزارنا حنفیہ اور حنابلہ کی رائے کے مطابق ہے، کیونکہ قرآن کریم میں وارد لفظ ''قروء'' میں قرء سے مراد

---

[1]...... بروایت امام احمد ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ یہ حدیث امام دارقطنی اور حاکم نے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اس حدیث کو ضعیف قرار دینا غلط ہے جیسا کہ علامہ نووی فرماتے ہیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۲ تاہم اس بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ اس میں زیادتی کی نفی پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی یا یہ غالب احوال پر محمول ہے یا خاص عورتوں سے متعلق ہے۔ [2] کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۸۔ [3] بروایت صحاح ستۃ ماسوی ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نیل الاوطار ج ص ۵۲۸۔ [4] بروایت امام احمد وغیرہ۔

حیض ہے، اور عدت میں تین قرء یعنی تین حیض مراد ہیں غیر حاملہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض گزرنے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے، اور جس حیض کے دوران طلاق ہوئی ہے وہ شمار نہیں ہوگا۔ مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ قرء سے طہر مراد ہے، تو عدت کا شمار طہر کے زمانے سے ہوگا اور تیسرا حیض شروع ہونے سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اور وہ طہر جس میں طلاق واقع ہوئی ہو وہ عدت کے تین طہروں میں ہی شمار ہوگا خواہ وہ ایک لمحے کے لئے ہی رہا ہو۔

۵.....دوران حیض ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم ہونا۔ یہ حکم حنابلہ کے ہاں ہے اس پر مزید گفتگو حائضہ پر حرام چیزوں کے بیان میں آئے گی۔

حیض اور نفاس سے حرام ہونے والے امور.....حیض اور نفاس سے بھی وہی امور حرام ہوتے ہیں جو جنات سے حرام ہوتے ہیں اور وہ سات امور ہیں۔ (۱) تمام نمازیں۔ (۲) سجدہ تلاوت۔ (۳) قرآن کا چھونا۔ (۴) مسجد میں داخل ہونا۔ (۵) طواف۔ (۶) اعتکاف اور (۷) قرآن کریم کی تلاوت۔ تاہم معتمد قول کے مطابق مالکیہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے دل میں تلاوت قران کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اس کو خون آنا نہ رکا ہو۔ خون آنا رک جائے تو غسل سے پہلے یہ کرنا اس کے لئے ممنوع ہوگا۔ اور یہ اجازت بہر حال ہے خواہ وہ حالت حیض میں جنبی بھی ہو یا نہیں۔

ان پر مزید امور کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے، احناف نے حائضہ اور نفاس والی عورت پر حرام امور آٹھ گنوائے ہیں، مالکیہ نے بارہ گنوائے ہیں سات تو وہ جو گزرے اور پانچ مزید اور وہ یہ ہیں۔ (۱) روزہ۔ (۲) طلاق۔ (۳) خون رکنے سے پہلے خاص شرمگاہ میں ہم بستری کرنا۔ (۴) خون رکنے سے قبل شرمگاہ کے علاوہ آس پاس ہم بستری کرنا اور (۵) خون رکنے کے بعد غسل کرنے سے پہلے ہم بستری کرنا۔

شوافع نے آٹھ امور گنوائے ہیں اور حنابلہ نے پندرہ۔ حالت حیض ونفاس میں ممنوع ان امور کی تفصیل بمعہ دلائل وغیرہ مندرجہ ذیل ہے۔ ❶

۱۔ **طہارت**.....غسل یا وضو یہ حکم شوافع اور حنابلہ کی رائے کے مطابق ہے، عورت کو جب حیض آئے تو اس پر حیض سے طہارت حاصل کرنا حرام ہے، کیونکہ حیض اور اس کی طرح نفاس طہارت کو واجب کرتے ہیں، اور جو چیز طہارت کو واجب کرے وہ طہارت کی صحت سے مانع ہوتی ہے جیسے پیشاب کا نکلنا، یعنی نجاست کا رک جانا طہارت کی صحت کے لئے ضرری ہے تاہم جنابت احرام اور مکہ میں داخل ہونے وغیرہ کے لئے غسل کرنا جائز ہے ❷ بلکہ مستحب ہے۔

۲۔ **نماز**.....حائضہ اور نفاس والی عورت پر نماز حرام ہے دلیل اس کی حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو تاہم نماز کا فرض اس سے بالکل ساقط ہے باتفاق اس پر نماز کی قضاء واجب نہیں ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم عورتیں حالت حیض میں ہوا کرتی تھیں،

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۴۴ الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۶۲، ۲۶۸، ۲۷۴، فتح القدير ج ۱ ص ۱۱۴۔۱۱۹ تبيين الحقائق ج ۱ ص ۵۶ اور بعد کے صفحات، مراقی الفلاح ص ۲۴ الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۱۵، اور بعد کے صفحات، القوانين الفقهيه ص ۴۰ بداية المجتهد ج ۱ ص ۵۴۔۵۷، ۶۱، المهذب ج ۱ ص ۳۸، ۴۵ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۲۰ تحفة الطلاب ص ۳۳ اور بعد کے صفحات بجير می الخطيب ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۲۳، حاشيه الباجوری ج ۱ ص ۱۱۷۔۱۱۹ المغنی ج ۱ ص ۳۰۶ اور بعد کے صفحات، ص ۳۳۳۔۳۳۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۶۔۲۳۳۔ ❷ حنابلہ نے وضو کو دوسرے امر کے طور پر ذکر کیا ہے جیسے کہ دوسری شق کے بارے میں انہوں نے دو باتیں ذکر کی ہیں، نماز اور اس کا وجوب ان کو الگ الگ شمار کیا ہے۔

ہمیں روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا جاتا تھا نماز قضاء پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا (۱) دوسری بات یہ ہے کہ حیض کے بار بار ہونے اور اس کی مدت کے طویل ہونے کی بناء پر نمازوں کی قضاء پڑھنا باعث حرج کام تھا بخلاف روزے کے حائضہ عورت پر نمازوں کی قضاء پڑھنا حرام ہے اور شوافع کے ہاں معتمد بات یہ ہے کہ وہ مطلق نفل بن جائے گی جو باعث ثواب بھی نہ ہوگی۔

۳۔روزہ...... حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ حرام ہے، اور رکھے جانے پر وہ درست بھی نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کی رو سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے خواتین اس کے سبب روزہ چھوڑ دیا کرتی تھیں، تاہم اس کی قضاء ان سے معاف نہیں ہے، لہٰذا حائضہ اور نفاس والی عورت روزے کی قضاء رکھیں گی لیکن نماز کی قضاء نہیں پڑھیں گی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ روزہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے تو اس کی قضاء دشوار نہیں ہے، لہٰذا وہ ساقط بھی نہیں ہوگا یہاں ایک اور حدیث بھی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدمی ہوتی ہے وہ بولیں بالکل آپ نے فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ حیض کی حالت میں نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے وہ بولیں ہاں، آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی کی علامت ہے۔ (۲)

۴۔طواف...... اس کے ممنوع ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے جب تمہیں حیض آئے تو ایسا ہی کرو جیسے حج کرنے والا کرتا ہے سوائے اس کے تم پاک ہونے تک کعبہ کا طواف نہ کرنا (۳) دسری بات یہ ہے کہ طواف کے لئے طہارت ضروری ہے۔ اور طہارت حائضہ کی درست نہیں ہوتی ہے۔

۵۔قرأت قرآن اور قرآن کریم کا چھونا اور اٹھانا...... یہ امور ممنوع ہیں جیسا کہ جنابت کے بیان میں یہ بات واضح ہو چکی ہے دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حائضہ اور جنبی شخص ذرا سا بھی قرآن نہ پڑھیں (۴) شوافع نے یہ صورتیں مستثنیٰ کی ہیں کہ قرآن کے ڈوب جانے، جل جانے نجاست لگنے یا کافر کے ہاتھ پڑنے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو اٹھا لینا واجب ہے جیسا کہ باالتفاق علماء ایسی تفسیر کو اٹھانا جائز ہے جس میں قرآن کریم سے تفسیری مواد بالیقین زیادہ ہو۔ شوافع کے ہاں معتمد قول کے مطابق بالارادہ سامان کے ساتھ اس کو ناپاکی کی حالت میں اٹھانا درست نہیں ہے احناف نے قرآن اٹھانے کی اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ وہ ایک الگ غلاف میں جو قرآن سے علیحدہ ہو اس کی جلد کا حصہ نہ ہو۔ اور آستین سے پکڑنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ پہننے والے کے تابع ہوتی ہے۔ کتب شریعت یعنی حدیث فقہ اور تفسیر وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے کے لئے آستین اور ہاتھ سے ورق وغیرہ الٹنے کی رخصت ہے بوجہ ضرورت، تاہم ان کا چھونا مکروہ ہے کیونکہ عام طور پر ان میں قرآن کریم کی آیات ہوتی ہیں اور مستحب یہ ہے کہ قرآن کریم کا صفحہ بلا وضو نہ پلٹا جائے، احناف نے اس کی اجازت دی ہے کہ قرآن کے صفحات پڑھنے کے لئے قلم وغیرہ سے پلٹ لیے جائیں۔ جیسا کہ یہ حضرات بچے کے لئے قرآن کریم پکڑنا اور اٹھانا جائز قرار دیتے ہیں تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر۔ جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کریم دیکھنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ جنابت آنکھوں میں سرایت نہیں کرتی ہے، قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کے نام درہم محراب، دیواروں اور ایسی چیزوں پر لکھنا اور کندہ کرنا مکروہ ہے جو بچھائے جانے کے کام میں آئیں۔ قرآن کی تلاوت بیت الخلاء غسل خانے اور حمام

---

(۱)...... بروایت اصحاب صحاح ستہ از حضرت معاذہ، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۰۔ (۲) بروایت بخاری، نیل الاوطار، مسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے وہ رات کو ٹھہری رہتی ہے نماز نہیں پڑھتی ہے، اور رمضان میں روزہ چھوڑتی ہے تو یہ اس کی دین کی کمی ہوئی۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۵۔ (۳) متفق علیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (۴) ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۹۵۔

میں کرنا مکروہ ہے اور آیت الکرسی کا ایسے کاغذ پر لکھنا جو لکھنے والے سے علیحدہ ہو مکروہ نہیں ماسوا اس کے کہ اس کا ہاتھ اس پر لگے تو مکروہ ہوگا۔

۶۔ **مسجد میں داخل ہونا**......اس میں ٹھہرنا اور اعتکاف کرنا خواہ وضو کر کے ہی سہی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں۔ (۱)

شوافع اور حنابلہ حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ مسجد گندی نہ ہو کیونکہ مسجد میں ٹہل کر غلاظتوں سے اس کو گندہ کرنا حرام ہے، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا مجھے چھوٹی چٹائی مسجد سے اٹھا دو میں نے عرض کیا میں حیض کی حالت میں ہوں آپ نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے (۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ہم میں سے کوئی بھی مسجد میں چٹائی لے جا کر بچھا دیتی جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتی تھی (۳) اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہئے کہ حنابلہ حائضہ عورت کے لئے خون رک جانے کے بعد وضو کر کے مسجد میں ٹھہرنے کو مباح قرار دیتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ممنوع چیز اب ختم ہو چکی ہے اور وہ ہے مسجد کے گندہ ہونے کا خدشہ۔

۷۔ **شرمگاہ میں ہم بستری کرنا خواہ کسی آڑ حائل کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو**......اسی طرح گھٹنے اور ناف کے درمیانی حصے سے لذت اندوزی جمہور کے ہاں ممنوع ہے ماسوا حنابلہ کے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ

اور اس آیت میں اعتزال (دور رہنے) کا مطلب ہم بستری سے رکنا ہے اور دوسری دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن سعد سے یہ فرمانا ہے کہ تمہارے لئے ازار (گھٹنے سے ناف تک باندھا جانے والا کپڑا) سے اوپر اوپر کا حصہ ہے جب انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ میرے لئے اپنی بیوی سے کیا لذت اٹھانا درست ہے (۴) اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ ازار کے نچلے حصے سے لطف اندوز ہونا ہم بستری کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا وہ حرام ہے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے منقول بخاری اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص چراہ گاہ کے ارد گرد گھومے گا [ ] قریب ہے کہ وہ اس میں جا پڑے ازار کا اطلاق اس کپڑے پر ہوتا ہے جو جسم کے درمیانی حصے سے نیچے کے حصے تک کو ڈھانپ لے، اس کا اطلاق عموماً ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کو ڈھانپنے والے کپڑے پر ہوتا ہے، چنانچہ ان جگہوں کے علاوہ باقی جگہوں پر عضو تناسل ملنا، بوس و کنار کرنا، معانقہ کرنا چھونا وغیرہ سب درست ہے۔

حنابلہ حائضہ وغیرہ سے ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر کے حصے سے بھی لطف اندوز ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں ماسوا خاص شرمگاہ میں ہمبستری کرنے کے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے ہر کام کرو سوائے ہم بستری کے (۵) اسی طرح یہ حضرات اس شخص کے لئے ہم بستری بھی جائز قرار دیتے ہیں جس کو شہوت کا شدید غلبہ ہو بشرطیکہ اس کی شہوت کم ہونے کا امکان صرف شرمگاہ میں ہم بستری کرنے سے

---

(۱)...... بروایت ابو داؤد۔ (۲) بروایت امام مسلم، حدیث میں وارد لفظ خمرہ کا مطلب نماز کی چٹائی ہے۔ (۳) بروایت امام نسائی۔ (۴) یہ حدیث ابوداؤد نے حضرت حرام بن حکیم سے اور انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۷، اسی طرح کی حدیث حضرت عکرمہ سے ابوداؤد نے نقل کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ لیٹنا پسند فرماتے تو آپ اس کو فی الفور حیض کی جگہ تہ بند باندھنے کا حکم دیتے پھر ان کے ساتھ مل کر لیٹتے۔ اس حدیث میں وارد لفظ مباشرت سے مراد کھال کھال سے ملانا ہے جماع مراد نہیں، اور تہ بند باندھ لینے سے مراد ہے ایسی تہ بند باندھ لینا جو ناف کو ڈھانپے اور گھٹنوں تک ہو۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۷ اور بعد کے صفحات۔ (۵) بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ میں مسروق بن اجدع سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا عورت کے حالت حیض میں ہونے پر مرد اس کے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہر چیز سوائے شرمگاہ کے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۶ اور بعد کے صفحات۔

ہی ہو اور اس کو خطرہ ہو کہ ہم بستری نہ کرنے سے اس کے کپورے پھٹ پڑیں گے اور حائضہ عورت کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور عورت بھی نہ ہو یعنی اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہوئی ہو اس کے پاس دوسری شادی کے بعد عورت کو دینے کے لئے مہر کی رقم نہ ہو ❶ اور نہ باندی کو خریدنے کی قیمت ہو۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہم بستری اور ناف سے نچلے حصے سے لطف اندوزی اس وقت تک برقرار رہے گی جب کہ وہ عورت غسل نہ کرلے، یعنی پانی سے طہارت حاصل کرے نہ کہ تیمّم سے۔ہاں اگر پانی نہ ہو یا وہ عورت اس کے استعمال سے عاجز ہو تو تیمّم کر لینے کی صورت میں بھی ایسی عورت سے ہم بستری درست ہے۔ان حضرات کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امر کم اللہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم بستری کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں رکھیں (۱) خون کا رک جانا۔(۲) نہانا۔پہلی شرط ان الفاظ حتی یطھرن سے ثابت ہوتی ہے اور دوسری شرط فاذا تطھرن سے ثابت ہوتی ہے، کہ اس سے مراد ہے نہا لینا۔لہٰذا اس عورت سے ہم بستری کا جائز ہونا غسل کر لینے پر موقوف ہے۔حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے ہم بستری کی حرمت کے بارے میں۔

احناف بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر حیض کا خون دس دن سے کم مدت پر آ نا رکا ہو تو اس سے ہم بستری یا ناف سے نیچے نیچے لطف اندوز ہونا جب جائز ہے جب وہ غسل کر لے یا شرائط کے ساتھ تیمّم کر لے۔اگر چہ وہ اس تیمّم سے صحیح قول کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتی ہے۔کیونکہ خون کبھی آ تا ہے اور کبھی رک جاتا ہے، لہٰذا غسل کر لینا ضروری ہے تا کہ خون کے رک جانے او بند ہو جانے کا امکان قوی تر ہو جائے۔اور اگر اس نے غسل نہیں کیا اور اس پر ایک نماز کا پورا وقت گزر گیا اس طرح کہ اس کو خون رک جانے کے بعد اتنا وقت ملا کہ وہ نہاتی، کپڑے پہنتی اور نماز کی نیت باندھ لیتی اس کے باوجود اس نے نماز نہ ادا کی اور وقت نکل گیا تو اس سے ہم بستری حلال ہے، کیونکہ نماز اس کے ذمے قرض بن چکی ہے لہٰذا وہ حکماً طاہر (پاک) سمجھی جائے گی۔

اور اگر حائضہ کا خون آنا عادت کے دن پورے ہونے سے پہلے رک گیا لیکن تین دن سے زیادہ آ کر رکا تو اس کی عادت کے دن پورے گزر جانے تک اس سے ہم بستری نہ کرے خواہ وہ نہا بھی لے، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دوران عادت خون رک جانا ان حضرات کے ہاں حیض شمار ہوتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ دوران عادت خون کا دوبارہ شروع ہو جانا عام طور پر ہوتا ہے۔تو احتیاط اجتناب برتنے میں ہے۔

اور اگر حائضہ کا خون دس دن کے بعد رکا، جو کہ ان کے ہاں اکثر مدت حیض ہے تو غسل سے قبل اس سے ہم بستری درست ہے۔ کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا ہے، تاہم غسل کر لینے سے پہلے ہم بستری نہ کرنا مستحب ہے کیونکہ ایک قراءت کی رو سے اس کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے، جس قرأت میں ہے وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطَّهَّرْنَ (طا اور ہا کی تشدید کے ساتھ، خوب پاکی حاصل کرنے کے معنی میں۔کیونکہ تشدید اسی معنی کا فائدہ دیتی ہے۔اور یہ عمل (خوب طہارت حاصل کرنا) عملاً غسل کے ذریعے ہی ممکن ہے صرف خون رکنے سے نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف نے حیض اور نفاس کی حالت میں غسل سے پہلے صرف دو صورتوں میں ہم بستری کی اجات دی ہے، دلیل قرآن کی یہ آیت ہے وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ (طاء پر تشدید نہیں) کیونکہ اس میں طہر کو حرمت کی انتہاء قرار دیا گیا ہے۔تاہم ان کے ہاں طاء پر تشدید والی قرأت سے حاصل شدہ حکم کے تحت غسل سے قبل ہم بستری نہ کرنا مستحب ہے تا کہ حدود اختلاف سے باہر رہا جا سکے۔

❶.....مصنف نے یہ تفصیل کتب قدیمہ کی طرز پر ہی بیان کر دی موجودہ حالت کے تناظر میں اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اس شخص کی ایک بیوی ہو دوسری شادی نہ ہوئی ہو۔ظاہر ہے کہ صرف مہر کا ہونا آج کل کی معاشرت میں دوسری شادی کے لئے کافی نہیں ہوتا ہے اس کے علاوہ دیگر معاشرتی تقاضوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔اور باندیوں کا بھی فی زمانہ تصور نہیں ہے، از مترجم۔

وہ دو حالتیں جن میں اجازت دی ہے وہ یہ ہیں:

۱.....عورت کا خون دس دن سے قبل کا ہو اس کے خون رکنے کے بعد سے ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے اور وہ نماز نہ پڑھے۔

۲.....عورت کا خون دس دن کے بعد کے یعنی ایام حیض کی اکثرت مدت گزار لینے کے بعد۔

اور وہ حالت جو عورتوں میں غالب ہو یعنی چھ یا سات دن پر خون کا رک جانا تو اس صورت میں غسل کر لینے سے قبل اس سے ہم بستری درست نہیں جب تک کہ نماز اس کے ذمے دین نہ بن جائے جو کہ جائز حالتوں میں سے پہلی ہے۔اور جس کا خون اکثر مدت حیض کے مکمل ہونے کے بعد رکے وہ فی الفور حلال ہو جاتی ہے۔اور اقل مدت حیض گزرنے پر وہ نماز کا مکمل وقت گزر جانے تک حلال نہیں ہوتی ہے۔

حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کا کفارہ: مالکیہ احناف اور مذہب جدید کے مطابق شوافع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کرنے والے پر کفارہ واجب نہیں ہے اس پر صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ انسان پر کفارہ لازم نہ ہو اور اس اصول سے ہٹنے (یعنی کفارہ لازم ہونے) کے لئے دلیل درکار ہے اور کفارہ بیان کرنے والی حدیث مضطرب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہم بستری گندگی ہونے کی بناء پر حرام ہے، تو اس سے کفارہ لازم نہیں ہوگا جیسے پچھلی طرف (دبر میں) ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے منقول راجح روایت کے مطابق حنابلہ کی رائے میں اس شخص پر کفارہ لازم ہے جو شخص عورت سے دوران حیض یا نفاس ہم بستری کرے اور عورت پر بھی لازم ہوگا اگر وہ مرد کو ہمبستری اپنی خوشی سے کرنے دے اور یہ ایسے ہی لازم ہوگا جیسے حالت احرام میں ہم بستری کر لینے کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔اور اگر اس کے ساتھ جبراً ہم بستری کی تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مکلف نہیں رہتی ہے اور کفارہ بہ ہر حال لازم ہوگا خواہ بھولے سے کیا یہ کام ہو، یا یا جبراً ہوا، ہو، حیض سے واقف ہو یا ناواقف، اس کے حرام ہونے سے واقف ہو یا ناواقف یا دونوں (حیض اور حرمت) سے ناواقف ہو اور خون رک جانے کے بعد ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور کفارہ ایک دینار یا آدھا دینار ہے، دونوں میں اختیار ہے، جو دیدے جائز ہو جائے گا۔دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر جو بیوی سے حالت حیض میں ہم بستری کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرنا لازم کیا ہے۔[1]

اور اگر کوئی شخص یہ کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر سے یہ ساقط ہو جائے گا جیسے رمضان میں ہم بستری کرنے کا کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہونے پر وہ ساقط ہو جاتا ہے۔

شوافع فرماتے ہیں خون آنے کے دوران ہم بستری کرنے والے کے لئے ایک دینار صدقہ کرنا مسنون ہے، اور خون ختم ہونے کے وقت ہم بستری کرنے والے کے لئے آدھا دینار صدقہ کرنا مسنون ہے۔دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری اور جو امام ترمذی نے ذکر کی ہے کہ اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلا ہو تو آدھا دینار۔

حائضہ سے ہم بستری کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے۔

۸۔طلاق دینا......دوران حیض طلاق دینا حماقت ہے اور ایسی طلاق (جو فقہی اصطلاح میں طلاق بدعی (بدعت والی طلاق) کہلاتی ہے واقع ہو جاتی ہے۔وجہ اس حرمت کی یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے عورت کی عدت طویل ہو جاتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مخالفت بھی ہے **واذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن** (جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے (وقت میں) دو کہ ان کی عدت (شروع) ہو سکے، سورۃ الطلاق آیت نمبر ۱) مراد ہے ایسے وقت میں طلاق دو کہ ان کی عدت شروع ہو سکے، کیونکہ بیچ حیض میں

---

[1] یہ حدیث سنن اربعہ کے حضرات اور امام احمد نے روایت کی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن میں شدید اضطراب ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۸۔

طلاق دینے سے بقیہ مدت حیض عدت میں شمار نہیں ہوتی، تو اس کو رکنے اور ٹھہرنے کے لئے طویل مدت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو طلاق دیدی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: اس سے بیوی سے رجوع کرنے کے لئے کہو، پھر وہ اس کو پاکی کی حالت میں یا حاملہ ہونے کی حالت میں طلاق دے۔❶

تاہم خون آنا رک جانے کے بعد غسل سے قبل طلاق دینے کی اجازت ہے، اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خون رک جانے پر نہانے سے قبل صرف روزہ طلاق، طہارت کا حاصل کرنا اور فرض نماز، اگر دونوں پاک کرنے والی چیزیں (یعنی مٹی اور پانی) اس عورت کو نہ مل سکیں، جائز ہے، روزہ اس لئے جائز ہے کہ اس کی حرمت حیض کے آنے کی وجہ سے ہے حدث اکبر ہونے کی وجہ سے نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ جنبی کا روزہ درست ہو جاتا ہے، اور حیض ختم ہو چکا ہے، اور طلاق اس لئے جائز ہو جاتی ہے کہ اس کو حرام کرنے کا سبب دور ہو چکا ہے اور وہ ہے عدت کا طویل ہونا۔ اور طہارت کا حصول اس لئے کہ طہارت کا حصول اس وقت اس پر ایسے ہی ضروری ہو جاتا ہے، اور فرض نماز اس لئے کہ اس کا بھی حکم ہے۔

اور دوران حیض طلاق دینے سے عورت کی عدت شروع نہیں ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں ٹھہریں گی تین حیض کی مدت۔

اور کچھ قرء (حیض یا طہر) پورا قرء (حیض یا طہر) نہیں ہوتا ہے۔

حیض اور جنابت میں فرق...... یہ ہم پہلے جان چکے ہیں کہ جو چیز حائضہ وغیرہ پر حرام ہوتی ہے وہ جنبی شخص پر بھی حرام ہوتی ہے اس کے علاوہ کچھ اور فرق بھی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔❷

جنبی شخص کے لئے جنابت کی حالت کے ساتھ ساتھ روزہ رکھ لینا درست ہے اس کا روزہ ادا ہو جاتا ہے جب کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حیض اور نفاس جنابت سے زیادہ سختی اور شدت کے معنی رکھتے ہیں، اور عورت کے دین کے ناقص ہونے کے یہی معنی ہیں جو اس روایت میں بیان ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر عورت اپنی زندگی میں کچھ وقت ایسا گزارا کرتی ہے کہ وہ نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ وہ نماز پڑھتی ہے❸ جنبی پر نماز اور روزے کی قضاء لازم ہے، حائضہ وغیرہ پر نماز کی قضاء لازم نہیں صرف روزے کی قضا لازم ہے۔ کیونکہ حیض ہر مہینے آیا کرتا ہے اور ان دنوں کی قضاء لازم کرنے میں حرج ہے، جب کہ روزہ کی قضاء میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ سال میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے۔

حیض اور نفاس کی حالت میں عورت سے ہم بستری ممنوع ہوتی ہے، جب کہ جنبی عوت سے ہم بستری ممنوع نہیں اللہ تعالیٰ نے حیض کے بارے میں فرمایا:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲

❶...... یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے سوا امام بخاری کے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۲۱۔❷البدائع ج ۱ ص ۴۴۔❸ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابو حاتم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے عورتیں ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہیں، آپ سے پوچھا گیا ان کا ناقص دین ہونا کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا عورتوں میں ہر ایک عمر کا ایک حصہ ایسے گزارتی ہے کہ وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے امام بیہقی فرماتے ہیں: میں نے اس کو کتب حدیث میں کہیں نہیں پایا، ابن مندہ فرماتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طور ثابت نہیں ہے۔

پس حیض میں عورتوں سے دور رہو۔

جب کہ جنابت کے بارے میں ایسا کوئی حکم وارد نہیں بلکہ اللہ کے اس فرمان فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (اب ان سے ہم بستر ہو اور تلاش کرو وہ جو اللہ نے تمہاری لئے لکھ دیا ہے یعنی اولاد، سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷) سے اس کی اباحت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر قید کے مطلق اولاد طلب کرنے اور ہم بستری کی اجازت عطاء فرمائی ہے۔

حیض اور نفاس میں فرق:......حیض کا نفاس سے تین چیزوں میں فرق ہے جو کہ یہ ہیں۔ ❶

۱......حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں عدت کا شمار حیض کے ذریعے ہوگا۔ کیونکہ عدت کے گزرنے کا شمار قرء (حیض یا طہر) کے ذریعے ہوگا اور نفاس قرء نہیں ہوتا ہے۔

۲......نفاس بلوغت کی علامت نہیں، کیونکہ بلوغت تو اس کے ہونے سے پہلے حمل سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بچہ مرد اور عورت کے ملاپ سے رحم مادر میں تشکیل پاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۭ سورۃ الطارق آیت نمبر ۶۔۷

انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے پانی سے جو کہ نکلتا ہے کمر اور سینے کے درمیان سے۔

۳......نفاس عرصہ ایلاء کی مدت کے شمار کرنے میں شامل نہیں ہوگا ❷ جو کہ قرآن کی آیت سے ثابت حکم میں ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ......سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۶

وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ایلاء کریں ان کے لئے چار مہینے ٹھہرے رہنا ہے۔

کیونکہ یہ عام عادی چیز نہیں ہے، بخلاف حیض کے کہ وہ چار مہینے کے دورانیے میں شامل ہوگا۔

حائضہ عورت کا بدن، پسینہ اور جھوٹا پاک ہے اس کا کھانا پکانا آٹا گوندھنا وغیرہ سب درست ہے، اسی طرح سیال چیزوں میں ہاتھ ڈالنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے، اس کو ان سب کاموں میں الگ تھلگ نہیں کرنا چاہئے اس کے الگ کرنے اور اس سے دور رہنے کے حکم کا مطلب اس سے ہم بستری کرنے سے اجتناب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حالت حیض میں پانی پیتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کا برتن تھما دیتی تو آپ اپنا دہن مبارک برتن میں میرے منہ کی جگہ پر رکھ کر اس کو نوش فرماتے ❸ اور میں ہڈی چوستی جب کہ میں حالت حیض میں ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھماتی تو آپ میرے منہ کی جگہ منہ رکھ کر نوش فرماتے۔

۴۔ چوتھی بحث......استحاضہ اور اس کے احکامات

استحاضہ کی تعریف: خون کا غیر عادی اوقات میں آتے رہنا یعنی حیض و نفاس کے اوقات کے علاوہ اور یہ خون کسی بیماری یا خرابی کے سبب ہو اور رحم کی نچلی طرف رگ کے سبب یہ آتا ہے، اس کو عاذل کہتے ہیں ہر وہ عورت ذات جس کو حیض کی عمر سے قبل جو کہ نو سال ہے خون آئے یا

---

❶...... كشف القناع ج ۱ ص ۲۳۳۔ ❷ ایلاء شرعی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے نام کی یا صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھالے کہ وہ بیوی کے پاس چار مہینے یا زیادہ عرصے تک نہیں جائے گا یا بیوی کے پاس جانے پر اپنے اوپر کوئی مشقت والی چیز لازم کرلے جیسے روزہ، حج، اور فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ یہ ایلاء کہلاتا ہے مزید تفصیل اس کے بیان میں آئے گی۔ ❸ بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری اور ترمذی، اور حدیث میں وارد لفظ التعرق العرق کا مطلب ہے ہڈی پر موجود گوشت دانتوں سے کاٹ کر کھانا امام احمد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے کے بارے میں میں دریافت کیا آپ نے فرمایا کھالیا کرو۔ نيل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۱۔

حیض کی کم سے کم مدت سے کم خون آئے یا اکثر مدت حیض (یعنی دس یا پندرہ دن اختلاف اقوال کے ساتھ یا نفاس کی اکثر مدت (یعنی چالیس یا ساتھ دن، اختلاف اقوال کے ساتھ) سے زیادہ آئے یا عام ماہواری عادت سے زیادہ آجائے اور اکثر مدت حیض سے بڑھ جائے یا حاملہ عورت کو خون آجائے، احناف اور حنابلہ کی رائے کے مطابق یہ استحاضہ ہوگا۔(1)

مستحاضہ کے احکام...... یہاں تین امور قابل بحث ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **پہلی بحث**...... کیا حائضہ کی طرح مستحاضہ پر بھی کوئی چیز حرام ہے استحاضہ ایک دائمی حدث ہے جیسے پیشاب کے قطرے ٹپکنے، مذی کے ٹپکنے مستقل پاخانہ نکلے یا مستقل ریح کے نکلنے کا مرض ہوتا ہے باتفاق فقہاء یا دائمی نکسیر یا دائمی زخم والا جس کا خون نہ رکے احناف اور حنابلہ کے ہاں۔ لہٰذا استحاضہ ان تمام چیزوں میں کسی کے لئے مانع نہیں ہوگا جن کے لئے حیض اور نفاس مانع بنتے ہیں یعنی نماز، روزہ خواہ نفل ہو طواف قرآن کا پڑھنا اور چھونا مسجد میں داخل ہونا اعتکاف اور ہم بستری وغیرہ یہ سب امور جائز ہیں اور وجہ ان کے جائز ہونے کی ضرورت اور حاجت کا عنصر ہے (2) اور وہ احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہیں جن میں چیز یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے استحاضہ ہوتا ہے میں پاک نہیں رہ سکتی ہوں کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ نے فرمایا یہ ایک رگ ہے (جو بہہ پڑتی ہے) یہ حیض نہیں ہے، چنانچہ جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب اس کی مدت پوری ہو جائے تو اپنے سے خون دھولو اور نماز پڑھ لو۔(3)

۲...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بنت جحش کو حالت استحاضہ میں نماز اور روزہ کرتے رہنے کا حکم دیا تھا۔(4)

۳...... ابوداؤد نے حضرت حمنہ بنت جحش کے بارے میں حضرت عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ مستحاضہ تھیں اور ان کے شوہر ان سے ہم بستری کرتے تھے، اور مزید وہ فرماتے ہیں کہ ام حبیبہ کو بھی استحاضہ ہوتا تھا اور ان کے شوہر ان سے ہم بستری کیا کرتے تھے، حضرت حمنہ حضرت طلحہ کی اہلیہ تھیں، اور حضرت ام حبیبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی۔(5)

مستحاضہ عورت سے ہم بستری کے مباح ہونے کے بارے میں مذکور یہ امور تمام فقہاء کے نزدیک ہیں، جن میں ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں، دوسری روایت جو کہ بظاہر راجح معلوم ہوتی ہے کے مطابق حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ عورت سے ہم بستری نہ کرنا بہتر ہے بشرطیکہ اس کے شوہر کو کسی گناہ میں پڑ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ دلیل اس کی خلال کی روایت کردہ حدیث ہے جو انہوں نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں مستحاضہ عورت کا شوہر اس سے ہم بستری نہ کرے دوسری دلیل یہ ہے کہ جیسے حیض بھی اذی گندگی ہے اسی طرح استحاضہ بھی گندگی ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں ہم بستری ممنوع ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیض کی حالت میں عورتوں سے کنارہ کشی برتنے کی علت اس کا گندگی ہونا بتلایا ہے چنانچہ آیت میں ہے

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ...... سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۲

تاہم مستحاضہ عورت کا خون رک جانے پر اس سے بغیر غسل کے بھی ہم بستری درست ہے، کیونکہ استحاضہ کے لئے غسل ضروری نہیں ہے

---

(1)...... الدرالمختار ورد المحتار ج ۱ ص ۲۶۲، مراقی الفلاح ص ۲۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۷ القوانین الفقهیه ص ۴۱، مغنی المحتاج ج ۱، ص ۱۰۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۶، ۲۳۶۔ (2) الدرالمختار ج ۱ ص ۲۷۵ مراقی الفلاح ص ۲۵ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۰ القوانین الفقهیه ص ۴۱ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۱۱، المغنی ج ۱ ص ۳۳۹، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۳۵، ۲۳۷۔ (3) بروایت امام بخاری، نسائی اور ابوداؤد، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۸۔ (4) بروایت ابوداؤد امام احمد اور ترمذی، امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (5) جحش کی صاحبزادیاں تین تھیں۔ (۱) ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا (۲) حمنہ اور (۳) ام حبیبہ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۳۔

جیسے سلس البول وغیرہ پر غسل ضروری نہیں ہے۔

۲۔ دوسری بحث...... مستحاضہ عورت کی طہارت وضواور غسل ہے

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ مستحاضہ عورت کے لئے ہر نماز کے لئے وضو کرنا مستحب ہے جیسے اس کے لئے خون آنا بند ہونے پر غسل کر لینا مستحب ہے۔

احناف، حنابلہ اور شوافع فرماتے ہیں❷ کہ مستحاضہ عورت پر اپنی شرمگاہ کو دھونے اس پر کپڑا وغیرہ باندھنے اور اس میں روئی وغیرہ بھر لینے کے بعد ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرنا واجب ہے شرمگاہ میں روئی بھرنے کا مقصد خون کو آنے سے روکنا اور واپس کرنا ہے، اور یہ اس صورت میں معاف ہے جب عورت کو خون کے روکنے سے تکلیف ہو یا وہ روزے دار ہو دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو آپ نے حضرت حمنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے خون کے کثرت سے آنے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے کرسف (گدیلا) تجویز کرتا ہوں۔

یہ خون کو روک دیتا ہے❸ اور اگر یہ عورت کپڑا باندھ لے یعنی کہ وہ ایسا کپڑا باندھ لے کہ جس کے دوسرے ہوں ایک آگے دوسرا پیچھے نکلے پھر اس کو ایک اور کپڑے سے بیچ کمر پر باندھ دیا جائے جیسے کمر بند سے باندھا جاتا ہے (یعنی لنگوٹ درست طریقے سے باندھ لے) پھر بھی خون نکل آئے اور خون نکلنے کا سبب باندھنے میں کوئی کوتاہی کرنا نہ ہو تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کو استحاضہ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا اپنے حیض کے دنوں میں نماز سے دور رہو پھر غسل کر لو اور ہر نماز کے لئے وضو کرو پھر نماز پڑھ لو خواہ خون چٹائی پر گرتا رہے۔❹

اور اس بات کی دلیل کہ مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لئے وضو لازم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحاضہ کے بارے میں یہ فرمانا ہے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے رکھے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے غسل کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے❺ اور چونکہ یہ ضرورت اور عذر کی طہارت ہے اس لئے یہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے تیمم مستحاضہ پر صرف ایک غسل لازم ہے بالاتفاق چاروں مذاہب کے دلیل وہی گذشتہ حدیث ہے جیسے حضرت حمنہ والی حدیث۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کے لئے ہر نماز کے لئے غسل کرنا مسنون ہے احناف مالکیہ کی طرح ہر نماز کے لئے غسل کو مستحب قرار دیتے ہیں دلیل وہ حدیث ہے جو مسنون غسل کی اقسام کے بیان میں گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ کو غسل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔❻

مستحاضہ وغیرہ احناف کے نزدیک اپنے وضو سے جتنے چاہیں فرائض اور نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ وقت نماز کے ختم ہونے سے مستحاضہ کا وضو ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ معذور افراد کے وضو کے احکامات کے تحت اس کا بیان گزر چکا ہے حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ عورت کے لئے ایک وضو سے دو نمازوں کی ادائیگی کی اجازت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش کو دو نمازیں ایک غسل سے پڑھنے کی اجازت

---

❶..... القوانین الفقهیه ص ۲۶، ۴۱ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات۔ ❷اللباب ج ۱ ص ۵۱ مراقی الفلاح ص ۲۵، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۱۱، المهذب ج ۱ ص ۴۵، المغنی ج ۱ ص ۳۴۰۔ ۳۴۲۔ ❸بروایت امام احمد و ابوداؤد، دونوں حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۱۔ ❹بروایت پانچوں حضرات یعنی امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ابن حبان نے ہی اس کو نقل کیا ہے امام مسلم نے یہ حدیث صحیح مسلم میں روایت کی ہے تاہم اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور ہر نماز کے لئے وضو کرو نصب الرایة ج ۱ ص ۱۹۹ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۵۔ ❺ابوداؤد و ابن ماجہ اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۴ نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۲ اور یہ حدیث "المستحاضة تتوضأ لكل صلاة" جو سبط ابن جوزی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے جیسا کہ اس کی تخریج پہلے گزری تو اس کے بارے میں زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ بہت غریب ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۴۔ ❻متفق علیہ۔

دی تھی اور حضرت سہلہ بنت سہیل کو بھی اسی طرح کرنے کا حکم دیا تھا۔ان حضرات کے ہاں وقت کا نکلنا اس طہارت کو باطل کر دیتا ہے۔گویا احناف اور حنابلہ کا مذہب اس بارے میں متفق ہے شوافع فرماتے ہیں ہر فرض کی ادائیگی کے لئے وضو ضروری ہے خواہ وہ فرض نذر کا ہی کیوں نہ ہو۔اور یہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے تیمم ہر فرض کے لئے ضروری ہے۔وجہ اس کی حدث کا عملاً برقرار رہنا ہے مستحاضہ اس وضو سے جنازہ اور جتنے چاہے نوافل ادا کرسکتی ہے اسی طرح ہر فرض کے لئے ازسرنو پٹی (لنگوٹ) وغیرہ کا باندھنا صحیح قول کے مطابق ضروری ہے وضو پر قیاس کرتے ہوئے۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وضو کے بعد فی الفور نماز ادا کرنے کی کوشش کرے ماسوا اس کے کوئی ضرورت درپیش ہو جیسے ستر عورت، اذان یا اقامت، جماعت کا انتظار، قبلہ کا صحیح رخ اور سمت تلاش کرنے کا عمل اور سترہ کا حصول وغیرہ۔ان امور کا تفصیلی بیان معذور کے وضو کے بیان میں گزر چکا ہے۔

۳۔تیسری بحث......مستحاضہ عورت کے حیض کی مدت کی تحدید

مستحاضہ عورت کی بیماری کی وجہ سے نکلنے والے خون کے مستقل نکلتے رہنے کے پیش حیض کی ماہواری مدت کا تعین ضروری ہے، تاکہ اس مدت میں آنے والے خون پر حیض کے احکامات جاری ہوں اور باقی ماندہ مدت میں آنے والا خون استحاضہ شمار ہو۔اس بارے میں احادیث میں کچھ بنیادی اصول وارد ہوئے ہیں، یہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔**خون کی کیفیت اور شکل وصورت سے فرق کرنا**...... چنانچہ اگر خون کالے پن کی صفت والا ہے تو یہ حیض کا خون کہلائے گا ورنہ وہ استحاضہ ہوگا، یعنی اگر عورت خون کے رنگوں کے فرق سے حیض اور استحاضہ میں فرق کر سکے تو وہ اس طرح کرلے۔اور یہ حضرت عروہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے جو انہوں نے حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش سے روایت کی ہے کہ انہیں استحاضہ ہوتا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب حیض کا خون آئے تو وہ تو سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جاسکتا ہے تو ایسی صورت میں نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسری طرح کا خون آئے تو وضو کرلو اور نماز پڑھ لو، کیونکہ یہ خون تو رگ کی وجہ سے آتا ہے۔❶

۲......وہ عورت جس کی حیض کا خون آنے کی کوئی عادت اور مدت معمول بن گئی ہو اسی کو بنیاد بنالینا۔اس کا بیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جو انہوں نے حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش سے نقل فرمائی تھی بخاری کی روایت میں ہے لیکن تم اتنے دنوں نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آیا کرتا تھا، پھر تم نہالو اور نماز پڑھ لو۔❷

۳......مستحاضہ کو عورتوں میں غالب اور زیادہ تر وقوع پذیر حالت کے مطابق کرنے کا حکم دینا۔یعنی عادت اور رنگ کے متعین نہ ہونے اور رنگ کے ذریعے فرق نہ کر سکنے کی صورت میں عورتوں میں غالب اور معروف عادت کو اپنانا۔جو کہ چھ یا سات دن ہوتی ہے۔یہ بات حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس طویل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا......یہ تو شیطان کی طرف سے ایک دھچکا ہے۔(جس سے وہ دینی امور میں تلبیس اور وسوسے کی راہ پیدا کرلیتا ہے) تو تم حیض گزارو (یعنی اپنے آپ کو حائضہ سمجھو) چھ یا سات دن جو بھی اللہ کے علم میں ہے پھر غسل کرو جب تم سمجھ لو کہ تم پاک ہوگئی ہو اور صاف ہو چکی ہو تو چوبیس دن ورات یا تیس دن ورات نمازیں پڑھو اور روزہ بھی رکھو ایسا کرنا تمہارے لئے کافی ہوگا اور اسی طرح ہر مہینے کرو جیسا کہ عورتیں حیض کی مدت گزارا کرتی ہیں اور جیسا کہ وہ اپنی حیض کی مدت اور طہر کی مدت کے لئے پاک ہوتی ہیں۔❸

---

❶......بروایت ابوداؤد ونسائی ابن حبان اور حاکم، آخری دونوں حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے دارقطنی اور بیہقی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے نیل الاوطار ج ا ص ۲۷۰۔❷نیل الاوطار ج ا ص ۲۶۸، سبل السلام ج ا ص ۱۰۰۔❸بروایت ابوداؤد اور ترمذی ان دونوں حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ا ص ۲۷۱ سبل السلام ج ا ص ۱۰۲۔

مذاہب اربعہ میں مستحاضہ کے حیض کی مدت کی تحدید کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف ہے:

مذہب حنفی...... ❶ مستحاضہ عورت یا تو مبتدأہ ہوگی یعنی وہ عورت جس کو بلوغت کا پہلا حیض آیا ہو یا اس کو نفاس شروع ہوا پھر وہ مستقل ہو گیا ہو یا مستحاضہ عورت معتادہ ہوگی یعنی وہ عورت جس کو ایک مرتبہ حیض اور طہر صحیح طور پر ہو چکے ہوں، یا وہ متحیرہ ہوگی یعنی وہ معتادہ عورت جو اپنی عادت بھول چکی ہو۔

مبتدأہ ہونے کی صورت میں اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے حیض کو دس دن شمار کرے گی، کیونکہ حیض دس دن سے زائد نہیں ہوتا ہے اور اس کا طہر بقیہ بیس دن ہوا یعنی دس دن حیض اور بیس دن استحاضہ ہوگا۔ یہ تفصیل اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں یہ منقول ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے رکھے گی اسی طرح اس کا نفاس چالیس دن شمار ہوگا اس کے بعد کے بیس دن طہر شمار ہوں گے پھر اس کا حیض دس دن کا شمار کیا جائے گا۔ اور جب تک اس کی یہ کیفیت رہے تاحیات وہ اسی طرح زندگی گزارے گی معتادہ یعنی وہ عورت جو اپنی عادت سابقہ بھولی نہ ہو تو استحاضہ کی صورت میں حیض اور طہر کے بارے میں اپنی سابقہ عادت کے مطابق احکامات پر عمل کرے گی۔ (جتنی مدت حیض کی ہوا کرتی تھی اتنے دن حیض کے باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے) لہٰذا مدت حیض کے بعد وہ نمازیں ادا کرے گی۔ تاہم اگر اس کی عادت طہر کے بارے میں چھ مہینے کی تھی تو عدت گزرنے کے حق میں چھ مہینے سے ایک لمحہ کم وہ شمار ہوگا اور عدت کے علاوہ احکام میں اپنی عادت کے مطابق گزارے گی۔ اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

محیرہ یا متحیرہ عورت یعنی وہ جو اپنی عادت بھول چکی ہو تو اس کے بارے میں حیض یا طہر کے کوئی متعین احکامات لاگو نہیں کئے جا سکتے ہیں احکام شرعیہ کے حق میں وہ احتیاط پر عمل کرے گی۔ ❷

اور ایسی عورت کے حق میں عدت گزرنے کے لئے ایک لمحہ کم چھ مہینے مدت ہے، کیونکہ دو خونوں کی درمیانی مدت حمل کی کم از کم مدت سے عادتاً کم ہوتی ہے ❸ لہٰذا ہم کم از کم مدت حمل سے ایک لمحہ کم کو اس کے حق میں طہر تسلیم کریں گے چنانچہ اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین لمحے کم انیس مہینے ہوگی وہ اس طرح کہ یہ امکان ہے کہ اس عورت کو طہر کی ابتداء میں طلاق ہوئی ہو لہٰذا عدت گزارنے کے لئے تین حیض کا گزرنا ضروری ہوا جو کہ ایک مہینے کی مدت بنی (ہر حیض دس دن کا) اور تین طہروں کا پایا جانا بھی ضروری ہے، اور تین طہروں کا مجموعہ تین لمحہ کم اٹھارہ مہینے ہوا (اس طرح کل مدت تین لمحہ کم انیس ماہ بنی)

مذہب مالکیہ ❹...... یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مستحاضہ یعنی وہ عورت جس کا خون حیض کی تکمیل کے بعد آتا رہے اگر وہ حیض کے خون میں بو، رنگ، گاڑھے یا پتلے پن یا تکلیف ہونے وغیرہ کی وجہ سے فرق کر سکے تو وہ حیض ہوگا ❺ خون کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے فرق نہیں پڑتا شرط یہ ہے کہ اس سے قبل کم از کم طہر ضرور گزر رہا ہو جو کہ پندرہ دن ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ حیض کا خون سیاہ اور گاڑھا ہوتا ہے جب کہ استحاضہ کا خون پتلا سرخ، پیلا یا گدلا ہوتا ہے جیسا کہ خون کے رنگوں کی بحث میں میں یہ بات بیان کر چکا ہوں۔

جو عورت تمییز کر سکے وہ اپنی عادت سے تین دن زائد کو بطور استظہار شمار نہیں کرے گی صحیح قول کے مطابق وہ اپنی عادت پر اقتصار کرے

---

❶...... تبیین الحقائق ج ۱ ص ۶۲ الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۲۔۱۲۴ اللباب ج ۱ ص ۵۰، البدائع ج ۱ ص ۴۱ اور بعد کے صفحات۔ ❷ یعنی ایسی عورت احتیاطاً ہمیشہ ان امور اور اشیاء سے اجتناب کرے گی جس سے حائضہ بچا کرتی ہے یعنی قرأت قرآن قرآن کا چھونا اور مسجد میں داخل ہونا وغیرہ اس کا شوہر اس سے ہم بستری بھی نہ کرے ایسی عوت ہر نماز کے لئے غسل کرے گی اور اس سے فرض اور وتر ادا کرے اور اتنی قرأت کرے جس سے نماز جائز ہو سکے۔ ❸ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۷۱ القوانین الفقهیہ ص ۴۱۔ ❺ عبادت کے معاملات میں تو یہ اتفاقی مسئلہ ہے (یعنی مذہب مالکی میں) اور عدت گزرنے کے بارے میں مشہور قول یہی ہے۔

گی۔ بشرطیکہ حیض کی صفت کے ذریعے جس کو اس نے ممتاز کیا تھا وہ بھی دائمی نہ ہو جائے اگر وہ دائمی ہو جائے تو معتمد قول کے مطابق وہ استظہار کرے گی۔ اور عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

اور اگر وہ ممیّزہ نہ ہو (یعنی تمیز نہ کر سکے) تو وہ مستحاضہ شمار ہوگی، یعنی وہ پاک شمار ہوگی خواہ وہ پوری عمر اس حالت میں رہے۔

اور وہ شک والی عورت کی طرح خالی سال کی عدت گزارے گی۔ اسی طرح اگر وہ طہر کی کم از کم مدت گزرنے سے قبل تمیز کر سکے تو بھی وہ مستحاضہ شمار ہوگی، کیونکہ اس تمیز کا نہ اعتبار ہے اور نہ فائدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ حائضہ کے حکم میں تین شرطوں کے ساتھ ہوگی۔

۱.....وہ عورت ممیّزہ ہو (خون کی کیفیت سے وہ حیض اور استحاضہ میں فرق کر سکے)

۲.....خون استحاضہ کی کیفیت سے بدل کر حیض کی کیفیت میں آئے۔

۳.....استحاضہ کے دن کم از کم اقل مدت طہر (طہر کی کم از کم مدت) کے برابر اس سے قبل گزارے ہوں یعنی پندرہ دن۔

مذہب شوافع ❶.....وہ عورت جس کو پندرہ دن سے زائد خون آئے وہ مستحاضہ کہلاتی ہے اور اس کی سات صورتیں ہیں۔

۱۔ مبتدأہ ممیّزہ.....وہ عورت جس کو پہلی مرتبہ خون آئے اور وہ رنگوں میں تمیز کر سکے اور قوی اور ضعیف دیکھے جیسے سیاہ اور سرخ وغیرہ۔ ❷

اس کا حکم یہ ہے کہ قوی خون حیض کا اور ضعیف خون استحاضہ کا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ قوی خون حیض کی اکم از کم مقدار یعنی ایک دن سے کم نہ ہو اور اکثر مدت حیض یعنی پندرہ دن سے زائد نہ ہو کیونکہ حیض اس سے زائد نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ضعیف خون اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن سے کم نہ ہو یعنی وہ مستقل پے درپے پندرہ دن تک آتا رہے۔

اور اگر قوی خون کم از کم مدت حیض سے کم ہو یا اکثر مدت حیض سے زیادہ ہو یا ضعیف خون کم از کم مدت طہر سے کم ہو یا وہ مسلسل پے درپے نہ آیا ہو مثلاً وہ ایک دن سیاہ خون دیکھے اور ایک دن سرخ خون دیکھے تو یہ عورت تمیز (امتیاز) کی شرائط میں ایک شرط نہ پورا کرنے والی قرار پائے گی اور اس کا حکم دوسری صورت سے سمجھ میں آئے گا۔

۲۔ مبتدأہ غیر ممیّزہ.....وہ عورت جو پہلی مرتبہ خون دیکھے لیکن وہ خون کو ایک ہی صفت اور کیفیت میں دیکھے اس صورت میں وہ عورت بھی داخل ہے جس میں تمیز کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا حیض ایک دن اور رات شمار ہوگا اور انتیس دن طہر کے شمار ہوں گے۔ بشرطیکہ اس کو خون آنے کی ابتداء کا وقت معلوم ہو۔ بصورت دیگر یہ متحیرہ شمار ہوگی جس کا حکم آگے آئے گا۔

۳۔ معتادہ ممیّزہ.....یعنی وہ عورت جس کو پہلے حیض اور طہر آچکا ہو اور وہ قوی اور ضعیف دونوں قسم کے خون دیکھتی ہو، اور اصح قول یہ ہے کہ عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ تمیز پر عمل کرے گی نہ عادت پر اگر وہ تمیز کے برخلاف ہو۔ صحیح قول یہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ قوی اور ضعیف کے درمیان کم از کم مدت طہر نہ واقع ہو جائے۔ چنانچہ اگر کسی کی عادت مہینے کے شروع کے پانچ دن تھے بقیہ دن طہر ہوتے تھے پھر حیض آیا اور مستقلاً ہو گیا اور اس نے مہینے کے دس دن سیاہ خون دیکھا اور باقی دنوں میں سرخ تو حیض دس دن شمار ہوگا صرف پانچ دن نہیں دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمیز عادت سے قوی ہوتی ہے، کیونکہ تمیز خون کی اندرونی کیفیت اور علامت ہے جب کہ عادت اس عورت کی کیفیت اور صفت ہے۔

اور اگر عادت تمیز کے ساتھ متفق ہو جائے تو دونوں کا حکم ساتھ لاگو ہوگا۔ مثلاً عادت پانچ دن تھی اور مثلاً سیاہ خون بھی پانچ دن آیا اور اگردو

---

❶.....مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۳۔۱۱۸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴ اور بعد کے صفحات۔ ❷ خون کی قوت وضعف کے اعتبار سے درجہ بندی کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ سب سے قوی سیاہ اس کے بعد سرخ پھر مٹیالا پھر پیلا اور آخر میں گدلا۔

دن نوعیت کے خون کے درمیان کم از کم مدت کا طہر آ گیا۔ مثلاً اس نے اپنے عادت والے پانچ دن کے بعد بیس دن کمزور خون دیکھا پھر پانچ دن قوی خون آیا پھر ضعیف خون آیا تو عادت کو عادت ہونے کی وجہ سے حیض شمار کیا جائے گا اور تمیز کو دوسرا حیض سمجھا جائے گا تمیز کی بناء پر۔

۴۔ وہ عورت جو معتادہ ہو لیکن ممیّزہ نہ ہو...... اور اس کو اپنی عادت کا وقت اور مقدار دونوں یاد ہوں یعنی وہ عورت جس کو حیض اور طہر دونوں آ چکے ہوں لیکن خون اس کو ایک ہی کیفیت کا آتا ہو اور اس کو اپنی عادت کی مقدار اور اس کا وقت یاد ہو اس کا حکم یہ ہے کہ مقدار اور وقت کے اعتبار سے اس کی عادت ہی معیار ہوگی چنانچہ مثلاً کوئی عورت مہینے کے شروع میں پانچ دن حیض کا خون دیکھے، اس کے بعد اس کو استحاضہ شروع ہو جائے تو اس کا حیض مہینے کے شروع کے وہی پانچ دن ہوں گے۔ اور بقیہ مہینہ طہر شمار ہوگا۔ اس کی عادت کو بنیاد بناتے ہوئے خواہ اس کی عادت کئی مرتبہ نہ بھی ہوئی ہو، کیونکہ ایک مرتبہ ہونے سے عادت ثابت ہو جاتی ہے! اگر وہ بدلے نہیں اور اگر بدل جائے تو ایک مرتبہ سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

۵۔ معتادہ عورت جو ممیّزہ نہ ہو اور اپنی عادت کی مقدار اور وقت کو بھول چکی ہو...... یعنی اس کو حیض اور طہر ایک مرتبہ ہو چکے ہوں اور وہ اپنی عادت کی مقدار اور وقت بھول چکی ہو۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بعض احکام میں حائضہ کی طرح ہوگی یعنی اس سے نفع کا حصول ممنوع ہوگا اور قرآن کی تلاوت نماز کے علاوہ، قرآن کا چھونا وغیرہ یہ امور احتیاطاً ممنوع ہیں، کیونکہ ہر گزرنے والا وقت حیض ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اور وہ عورت بعض احکام میں پاک شمار ہوگی جیسے نماز خواہ فرض ہو یا نفل صحیح قول کے مطابق اور روزہ وغیرہ یہ امور احتیاطاً لازم ہوں گے، کیونکہ گزرنے والا وقت پاکی کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ اور یہ عورت ہر فرض نماز کے لئے غسل کریگی کیونکہ خون آنا رک جانے کا وقت نہ جاننے کی صورت میں ہر وقت یہ احتمال ہے کہ خون رک جائے۔

اور اگر اس کو علم ہو کہ خون کب رکے گا مثلاً غروب تک رک جائے گا تو غروب آفتاب تک اس پر غسل لازم نہیں ہوگا۔ غروب آفتاب کے وقت اس پر غسل لازم ہو جائے گا۔ اور باقی فرائض کے لئے وہ وضو کرے گی کیونکہ غروب کے وقت خون رک جانے کا احتمال ہے۔ غروب کے بعد والے فرائض کے لئے نہیں۔

رمضان کے روزے رکھے گی اور اس کے بعد ایک ماہ مزید روزے رکھے گی، اور دو دن اس کے باقی رہ جائیں گے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے دن اس پر حیض ہوا ہو (اگر کم از کم مدت مراد لیں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو اکثر مدت حیض کی مقدار (یعنی پندرہ دن) حیض آیا ہو تو سولہویں دن اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔، کیونکہ اس دن کے دوران خون آ جائے گا اور منقطع بھی ہو (رک) جائے گا۔ دونوں مہینوں کے چودہ چودہ دن یعنی اٹھائیس روزے شمار ہوں گے دو دن رہ جائیں گے ان کے لئے وہ اٹھارہ دن مزید روزے رکھے لے تین مہینے ابتداء میں اور تین مہینے کی انتہاء میں۔ اس طرح وہ دونوں روزے جو باقی رہ گئے ہیں حاصل ہو جائیں گے یہ بات مدنظر رہے کہ طہر کی کم از کم مقدار پندرہ دن ہے۔

۶۔ وہ معتادہ عورت جو ممیّزہ نہ ہو...... اس کو اپنی عادت کی صرف مقدار یاد ہو وقت یاد نہ ہو (یعنی یہ تو یاد ہو کہ مثلاً چھ دن خون آتا تھا لیکن کب شروع ہوتا تھا مثلاً وہ یوں کہے: میرا حیض مہینے۔ کے ابتداء اس دنوں میں ہوتا تھا، لیکن اس کا شروع ہونا مجھے معلوم نہیں یہ مجھے یاد ہے کہ میں مہینے کے پہلے دن پاک ہوتی تھی۔ تو اس صورت میں پہلا دن یقینی طور پر پاکی کا ہے اور چھٹا یقینی طور پر ناپاکی کا جیسے آخری دونوں عشرے یقیناً پاکی کے ہیں۔ دوسے لے کر پانچ تک میں حیض اور طہر دونوں کا احتمال ہے خون رکنے کا نہیں اور سات سے دس تک میں حیض طہر اور انقطاع (خون رکنے) تینوں کا احتمال ہے۔

تو جس کے حیض یا طہر ہونے کا یقین ہو اس کا وہی حکم ہوگا اور جن میں احتمال ہو ان میں وہ بھولنے والی شمار ہوگی، وہی احکامات ہوں گے

جو پانچویں صورت کے ذیل میں بیان ہوئے اور یہ بیان ہو چکا ہے اس پر غسل صرف خون رک جانے کے احتمال پر لازم ہے۔اور جس میں انقطاع کا احتمال ہو وہ طہر مشکوک کہلائے گا۔اور جس میں احتمال نہ ہو وہ حیض مشکوک کہلائے گا۔

۷۔وہ عورت جو معتادہ ہو ممیّزہ نہ ہو......لیکن اس کو اپنی عادت کے صرف وقت کا علم ہو مقدار کا نہیں مثلاً وہ یوں کہے کہ میرا حیض مہینے کے شروع میں ہوتا تھا لیکن کتنا ہوتا تھا یہ مجھے یاد نہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایک دن رات تو یقینی طور پر حیض ہیں بقیہ نصف مدت یقینی طور پر طہر ہے، درمیانی مدت حیض،طہر اور انقطاع کا احتمال رکھتی ہے۔تو حیض اور طہر کی یقینی صورت میں ان کے احکام ہوں گے اور احتمالی صورت میں یہ عورت بھولنے والی کی طرح شمار ہوگی، جیسا کہ چھٹی صورت میں یہی تفصیل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آخری تین صورتوں پر متحیرہ کا اسم صادق آتا ہے یعنی وہ عورت جو اپنی عادت کو مقدار اور وقت دونوں اعتبار سے بھول گئی ہو یا صرف مقدار بھولی ہو وقت نہیں یا برعکس ہوا ہو۔اس کے حکم کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ احتیاط واجب ہے لہٰذا اس سے ہم بستری حرام ہے اس کے لئے قران کا چھونا نماز کے علاوہ قران کا پڑھنا ممنوع ہے اور یہ تمام فرائض ادا کرے گی اور صحیح قول کے مطابق نوافل بھی اور ہر فرض نماز کے لئے غسل کرے گی رمضان کے روزے رکھے گی پھر اس کے بعد ایک مہینہ اور روزہ رکھے گی اس طرح دونوں مہینوں سے چودہ چودہ دن نکل آئیں گے پھر مزید اٹھارہ روزے رکھے تین مہینے کے شروع میں اور تین آخر میں (اس طرح تین مرتبہ کرنے سے تین ماہ میں اٹھارہ روزے بنیں گے اور دو کی کمی پوری ہو جائے گی اور متحیرہ کے علاوہ کے احکام یہ ہیں کہ وہ اولاً تمیز کے اعتبار سے کام کرے اگر وہ ممیّزہ ہو خواہ مبتداہ ہو یا معتادہ، او اگر وہ ممیّزہ نہ ہو اور وہ اپنی عادت کی مقدار اور وقت کو جانتی ہو تو اس کی عادت کے اعتبار سے احکام ہوں گے۔اور اگر وہ مبتداہ ہو ممیّزہ نہ ہو یا تمیز کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوتی ہو تو ظاہر قول کے مطابق اس کا حیض ایک دن اور طہر انتیس دن شمار ہوں گے)۔

حنابلہ کا مذہب❶......یہ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ یا تو مبتداہ ہوتی ہے یا معتادہ، اور ہر دو یا ممیّزہ ہوگی یا نہیں۔اگر مبتداہ ممیّزہ ہو تو اس کی تمیز کے مطابق عمل کیا جائے گا۔اور اگر وہ ممیّزہ نہ ہو تو اس کو ادا کرے احتیاطاً، تا کہ وہ فرائض سے سبکدوش ہو سکے۔

ایک دن اور رات شمار ہوگا اس کے بعد وہ غسل کرے گی، اور بقیہ مہینے وہ پاک شمار ہوگی۔ابتدائی تین ماہ وہ ایسا ہی کرے گی، چوتھے مہینے وہ حیض کی غالب طور پر آنے والی مقدار کو اپنالے گی جو کہ چھ یا سات دن ہے، ان حضرات کی گفتگو کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔مبتداہ غیر ممیّزہ......وہ عورت جس کو حیض شروع ہوا ہو اور وہ ممیّزہ نہ ہو، یہ اپنا حیض ایک دن رات شمار کرے گی، کیونکہ یہ مقدار تو یقینی ہے، اور اس سے زائد مشکوک ہے جیسے مستحاضہ کے علاوہ۔پھر وہ غسل کرے اور احتیاطاً نماز پڑھے فرائض سے عہدہ برا ہونے کے لئے۔ لیکن پندرہ دن تک اس سے ہم بستری ممنوع ہوگی اگر اس مدت میں اس کا خون جاری رہے اور اگر اس مدت سے قبل خون رک جائے تو خون رکنے پر وہ دوسرا غسل کرے اور اس سے ہم بستری بھی اس وقت درست ہوگی یہ عورت تین ماہ اسی طرح کرے گی ہر مہینے ایک مرتبہ کیونکہ عادت تین مرتبہ مکرر ہونے تک ثابت نہیں ہوتی ہے امام احمد سے منقول اکثر روایات یا ظاہر مذہب کے مطابق۔چوتھے مہینے یہ عورت حیض کی غالب مدت جو کہ چھ یا سات دن ہوتی ہے کو اختیار کرے گی اپنی کوشش غور و فکر اور تلاش کے بعد۔تو اس کے گمان پر غالب ہو کہ وہ اس کی عادت کے قریب ہے یا اس کی عورتوں کی عادت کے قریب ہے یا جس کی حیض ہونے کا زیادہ امکان ہے اس کو اختیار کر لے گی۔اور اگر اس کا خون پندرہ دن سے زائد ہو جائے یعنی حیض کی اکثرت مدت سے تو وہ مستحاضہ شمار ہوگی۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ

❶......کشف القناع ج ۱ ص ۲۳۴، ۲۴۶ المغنی ج ۱ ص ۳۳۲۔ ۳۵۱ اور بعد کے صفحات۔

ایک رگ (کے سبب) ہے، یہ حیض نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ سارے کا سارا خون حیض شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مبتداہ ممیّزہ...... یعنی یہ عورت سیاہ یا گاڑھے یا بد بودار کو پتلے، سرخ اور بے بد بو خون سے ممتاز کرسکتی ہو تو یہ عورت اس تمیز کے مطابق عمل کرے گی۔ اور اس کا حیض کالے خون یا گاڑھے خون یا بد بودار خون کا زمانہ ہوگا اگر وہ حیض کی کم از کم مدت سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت سے زیادہ نہ ہو۔ یعنی ایک دن سے کم اور پندرہ دن سے زائد۔ دلیل اس کی حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کے واقعے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ روایت ہے۔

جس کے نسائی کی روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں اگر حیض ہو، جو کہ سیاہ خون ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، تو نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسرا معاملہ ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو، کیونکہ یہ تو رگ کا خون ہوتا ہے اور اگر یہ خون ایک دن رات سے کم ہو تو یہ استحاضہ کا خون ہوگا اور اگر پندرہ دن سے بڑھ جائے مثلاً دس دن سیاہ اور تیس دن سرخ خون آئے تو کالا خون جتنی مدت آیا وہ حیض باقی استحاضہ شمار ہوگا۔ کیونکہ وہ حیض نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ معتادہ غیر میزہ...... یہ اپنی عادت کے مطابق عمل کرے گی جیسا کہ اگلی صورت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

۴۔ معتادہ ممیّزہ:...... مثلاً وہ عورت کچھ خون سیاہ دیکھے یا گاڑھا یا بد بودار دیکھے تو اس صورت میں عادت کو تمیز پر فوقیت ہوگی، خواہ تمیز و عادت متفق ہوں مثلاً اس کی عادت مہینے کی ابتداء میں چار دن ہوں اور یہاں بھی اس کو چار دن سیاہ خون آئے اور باقی دنوں میں سرخ خون آئے۔ یا عادت اور تمیز مختلف ہوں مثلاً اس کی عادت چھ دن ہو اور اس وقت وہ چار دن سیاہ خون دیکھے اور باقی دنوں میں سرخ دیکھے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے سو تم اتنے دنوں نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آیا کرتا تھا پھر غسل کرو اور نماز پڑھ لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ عادت زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ اس کی حیثیت کبھی کالعدم نہیں ہوتی بخلاف رنگ کے کہ اگر وہ حیض کی اکثر مدت سے بڑھ جائے تو اس کی حیثیت کالعدم ہو جاتی ہے۔

۵۔ معتادہ جو ممیّزہ ہو...... لیکن اپنی عادت بھول گئی ہو، یہ عورت مبتداہ کی طرح عمل کرے گی تمیز صالح کے ساتھ، تاکہ یہ خون حیض شمار ہو۔ اور تمیز صالح کا مفہوم ہے خون ایک دن رات سے کم اور پندرہ دن سے زائد نہ ہو۔ اور یہ حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کی حدیث پر عمل درآمد کرتے ہوئے ہے۔ جس کے الفاظ ہیں اگر حیض کا خون ہو جو کہ سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، تو نماز سے رک جاؤ، اور اگر دوسری قسم کا خون ہو تو وضو کرلو، کیونکہ یہ تو رگ کا خون ہوتا ہے۔

۶۔ متحیرہ...... وہ عورت جو اپنے حیض کے بارے میں اپنی عادت بھول جائے اور تمیز نہ کرسکنے کے سبب متحیر (سرگرداں حیران و پریشان) ہو۔ ایسی عورت کے تین احوال ہوتے ہیں۔

ا...... وہ عورت جو اپنی عادت کے وقت اور تعداد کو بھول چکی ہو۔ ایسی عورت کا حیض ہر ماہ چھ یا سات دن ہوگا اور اس کی تعیین اس کی کوشش غور وفکر اور سوچ و بچار کے بعد اس کے ظن غالب کے مطابق ہوگا کہ اس کا ظن غالب یہ ہو جائے کہ یہ اس کی عادت کے قریب تر ہے یا اس کی عورتوں (غالباً خاندان کی عورتیں مراد ہیں۔ مترجم) کی عادت کے قریب تر ہے یا جس کے اس عورت کے حیض بننے کا زیادہ امکان ہو۔ پھر اس مدت کو گزار کر وہ غسل کرلے اور اس کے بعد وہ مستحاضہ شمار ہوگی۔ روزہ رکھے گی، نماز ادا کرے گی اور طواف بھی کرسکے گی۔ اور اس میں عمل درآمد ہے حضرت حمنہ بنت جحش والی حدیث پر کہ سو تم حیض شمار کرو چھ یا سات دن جو بھی اللہ کے علم میں ہے، پھر نہالو۔

۲...... وہ عورت، جو اپنی عادت کا عدد بھول گئی ہو اور وقت اس کو یاد ہو مثلاً وہ عورت جس کو یاد ہو کہ اس کا حیض مہینے کے پہلے عشرے میں

ہوتا تھا۔لیکن اس کو اس کے دنوں کی تعداد یاد نہ ہو اس کا حکم بھی پہلی حالت کی طرح ہوگا۔غالب عادت کی طرح اس کی مدت حیض شمار کی جائے گی یعنی چھ یا سات دن،صحیح روایت کے مطابق۔

۳.....وہ عورت جو اپنی عادت کا وقت بھول گئی ہو لیکن تعداد اس کو یاد ہو یعنی یہ یاد نہ رہا ہو کہ کس زمانے میں ہوتا تھا جیسے اس کو دن تو یاد ہوں لیکن یہ نہ یاد ہو کہ مہینے کے شروع میں ہوتا تھا بیچ میں یا آخر میں ہوتا تھا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا حیض ہر قمری مہینے کے شروع دنوں میں سمجھا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ کا حیض مہینے کے شروع میں قرار دیا تھا اور بقیہ دنوں میں نماز کی اجازت دی تھی دوسری بات یہ ہے کہ خون کا حیض ہونا اصل ہے اور استحاضہ ہونا عارضی امر ہے تو حیض کا خون اس معاملے میں مقدم سمجھا جائے گا۔❶

الباب الثانی.....الصلوٰۃ❷

اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

۱۔**پہلی فصل**.....اس میں (۱) نماز کی تعریف (۲) مشروعیت اور حکمت تشریع (۳) فرضیت اور اس کے فرائض اور (۴) تارک نماز کے حکم کا بیان ہے۔

۲۔**دوسری فصل**:.....اس میں نماز کے اوقات کا بیان ہے اور اس بارے میں بحث ہے کہ نماز کو کب ادا کیا جا سکتا ہے۔

۳۔**تیسری فصل**.....اذان اور اقامت کی بحث۔

۴۔**چوتھی فصل**:.....نماز کی شرائط کا بیان،شرائط وجوب یا شرائط تکلیف اور مریض کی نماز کی شرائط پر بحث۔

۵۔**پانچویں فصل**.....نماز کے ارکان (یا فرائض) اور واجبات (احناف کے ہاں) کا بیان اس فصل میں مریض کی نماز کی بحث ہے۔

۶۔**چھٹی فصل**.....اس میں نماز کی سنتیں،اس کے مندوبات،اس کا طریقہ اس کے مکروہات،اور اس کے بعد منقول اوراد اور اذکار کا بیان ہے اس فصل میں تین مستقل امور پر علیحدہ بحثیں بھی ہیں۔(۱) نمازی کا سترہ (آڑ) (۲) قنوت کا بیان اور (۳) وتر کی بحث

۷۔**ساتویں فصل**.....نماز کے مفسدات یا مبطلات۔

۸۔**آٹھویں فصل**.....نوافل اور ان کی ترتیب افضلیت۔

۹۔**نویں فصل**.....خاص قسم کے سجدوں کا بیان یعنی سجدہ سہو سجدہ تلاوت،اور سجدہ شکر اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان۔

۱۰۔**دسویں فصل**.....نماز کی اقسام

اس فصل میں آٹھ مباحث ہیں۔

۱۔**پہلی مبحث**.....جماعت کی نماز کے احکام،یعنی اقتداء اور امامت کا ذکر و بیان،اس فصل میں مسبوق کی نماز کا بیان ہے،اور

---

❶.....قدتم بحمدالله الباب الاول من العبادات، اعنی الطهارات وذلک فی یوم الاثنین، الثانی والعشرون من ابریل سنة ۲۰۰۲ المیلادیه والله ادعو ان یوفقنی لاتمام هذا الکتاب الجلیل انه علی ما یشاء قدیر ساعة ۰۵:۴۔❷طہارت عبادت کو انجام دینے کا وسیلہ ہے نماز مقصد اور غایت کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا وسیلے اور ذریعے کی بحث کے بعد اس کا بیان مناسب ہے۔

دوسرے شخص کو نماز میں خلیفہ (نائب) بنانے کا اور نماز پر بناء کرنے کا بیان ہے۔

۲۔دوسری مبحث.....نماز جمعہ اور اس کا خطبہ

۳۔تیسری مبحث.....مسافر کی نماز جمعہ اور قصر کا بیان

۴۔چوتھی مبحث.....عیدین کی نمازوں کا بیان

۵۔پانچویں مبحث.....چاند گرہن اور سورج گرہن کی نمازوں کا بیان

۶۔چھٹی مبحث.....استسقاء کی نماز کا بیان۔

۷۔ساتویں مبحث.....صلاۃ الخوف کا بیان۔

۸۔آٹھویں مبحث.....نماز جنازہ جنازے کے احکام اور شہید کے احکامات کا بیان۔

(ان مباحث پر بحث شروع کرنے سے قبل حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے مصنف نے درج فرمایا ہے ساری مباحث اور سارے احکام کی بنیادی حیثیت سے اس کو سب سے مقدم رکھا ہے، پہلے اس کا ترجمہ سپرد قلم کیا جائے گا اس کے بعد فقہی مباحث شروع ہوں گے۔از مترجم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ.....یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا واضح طریقہ ہے، نماز پر مفصل گفتگو شروع کرنے سے قبل میں اس کو سپرد قلم کررہا ہوں اور یہ اس کے مطابق ہے جیسا کہ ثقہ اور با اعتماد محدثین نے اس کو نقل فرمایا ہے۔

امام بخاری، ابوداؤد، اور امام ترمذی نے محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کے گروہ میں، جن میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے، فرماتے سنا، انہوں نے فرمایا (آؤ) میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ سکھاؤں، اردگرد بیٹھے صحابہ نے کہا کیوں؟ تم ہم سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار نہیں تھے اور نہ ہی تم ہم سے زیادہ طویل شرف صحبت رکھتے ہو (پھر تم ہمیں یہ کیوں سکھا رہے ہو؟ تم ہماری طرح کے آدمی ہو پھر ہم کیوں تم سے سیکھیں) وہ بولے: بالکل صحیح فرمایا آپ لوگوں نے (میں ویسے ہی سنانا چاہتا ہوں) وہ صحابہ بولے: ٹھیک ہے سناؤ، وہ بولے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اتنے اونچے کرتے کہ کندھوں کے برابر ہوجاتے، پھر تکبیر کہتے یہاں تک کہ آپ کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ سکون سے اعتدال کے ساتھ ٹھہر جاتا پھر آپ قرأت فرماتے پھر آپ تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ وہ اعتدال کے ساتھ کندھوں کے برابر ہوجاتے، پھر آپ رکوع فرماتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ دیتے او بالکل میانہ روی فرماتے نہ اپنا سر جھکاتے اور نہ ہی اس کو اونچا کرتے، پھر آپ اپنا سر اٹھاتے اور یہ فرماتے: سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے کہ وہ کندوں کے متوازی ہوجاتے پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھک جاتے (اور سجدے میں چلے جاتے) اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوں سے دور رکھتے پھر سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھ جاتے ❶ اور سجدے کی حالت میں اپنے پاؤں کی انگلیاں کھلی رکھتے۔اور سجدہ فرماتے، پھر اللہ اکبر کہتے او اٹھ جاتے بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ بیٹھ جاتا پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح تمام کام انجام دیتے۔

پھر جب آپ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے یہاں تک کہ وہ کندھوں کے متوازی ہوجاتے

---

❶.....اس کو قعدہ استراحت کہا جاتا ہے۔مصنف (اس کی تفصیل آگے آئے گی۔مترجم)

جیسا کہ نماز کے شروع کرتے وقت آپ نے کیا تھا پھر اسی طرح باقی نماز میں بھی کرتے جب آپ وہ سجدہ کرتے جس کے بعد سلام پھیرنا ہوتا تو اپنے پاؤں کو پیچھے کرتے اور بائیں جانب کولہے پر بیٹھتے۔ یہ سن کر وہ حضرات بولے تم نے درست کہا، آپ ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کی ایک مجلس میں موجود تھا وہ بولے: آپ کی نماز کا ذکر کرو، تو حضرت ابوحمید بولے: پھر کچھ حدیث کا حصہ بیان کیا پھر انہیں کچھ یاد آیا تو وہ بولے: جب آپ رکوع فرماتے تو ہاتھوں سے گھٹنے پکڑ لیتے اور اپنی انگلیاں کھول کر رکھتے اور کمر کو جھکاتے نہ اپنے سر کو اٹھا کر رکھتے اور نہ ہی اپنے رخسار کو دائیں بائیں کرتے (یعنی چہرہ بالکل سیدھ میں رہتا کسی جانب جھکا ہوا نہیں ہوتا۔ اور مزید انہوں نے فرمایا: جب آپ دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے تلوے کے اوپر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے، اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے تو اپنے بائیں کولہے کو زمین پر رکھتے اور دونوں پاؤں ایک جانب نکال دیا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں جب آپ سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو صرف رکھتے نہ تو ان کو بچھاتے اور نہ ان کو دور کرتے (روکتے) اور ہاتھ کی انگلیاں قبلہ رخ رکھتے۔

ایک اور روایت میں ہے وہ بولے: پھر آپ اپنا سر اٹھاتے یعنی رکوع سے اٹھاتے۔ اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لك الحمد اور ہاتھ بھی بلند فرماتے۔

امام ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو کو نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے جب اس نے نماز پڑھی اور اس میں ہلکے پن سے کام لیا آپ نے فرمایا بلاشبہ کسی شخص کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ وضو نہ کرلے، اور ٹھیک سے نہ کرلے، پھر تکبیر کہے، اللہ کی حمد کرے اور اس کی ثنا کرے، پھر جتنا چاہے قرآن پڑھے، پھر کہے: اللہ اکبر، پھر رکوع میں جائے یہاں تک کہ اس کے جوڑ پرسکون ہوجائیں، پھر اٹھے اور کہے: سمع اللہ لمن حمدہ اور اتنا کھڑا ہو کہ وہ سیدھا ہوجائے پھر اللہ اکبر کہے اور سجدہ کرے یہاں تک کہ اس کے جوڑ پرسکون ہوجائیں، پھر اللہ اکبر کہے اور سر اٹھائے یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے پھر کہے: اللہ اکبر، پھر سجدہ کرے یہاں تک کہ اس کے جوڑ اپنی جگہ ٹھہر جائیں اور دوبارہ اٹھے تکبیر کہنے کے لئے، جب ایسا کرلے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

پہلی فصل.....نماز کی تعریف، مشروعیت اور حکمت تشریع
فرضیت اور فرائض اور تارک نماز کے حکم کے مباحث و بیان

الصلاۃ (نماز) کی حقیقت: صلاۃ لغت میں مطلقاً مانگنے یا بھلائی مانگنے کے معنی و مفہوم میں آتا ہے، فرمان خداوندی ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ .... سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۳

اس آیت میں صل علیھم ادع لھم (ان کے لئے دعا کریں خیر مانگیں) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور شرعی اصطلاح میں مخصوص افعال و اقوال (کے مجموعے) کا نام ہے جو تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتے ہیں۔

اس کی مشروعیت.....نماز قرآن سنت اور اجماع کی رو سے فرض ہے قرآن کی آیات جو اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں ان میں ایک آیت یہ ہے:

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ ۝

سورۃ البینہ، آیت نمبر ۵

اسی طرح یہ آیت:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ......سورة الحج، آیت ۷۸)

سو قائم کرو نماز کو اور زکوٰۃ دیا کرو اور مضبوطی حاصل کرو اللہ سے، وہ تمہارا مالک ہے، سو کیا خوب مالک ہے اور کیا خوب کارساز ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں جیسے ایک آیت یہ ہے:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ ......سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳

اور حدیث نبوی میں بہت ساری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث ہے، کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) گواہی اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (۲) نماز کا قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان کے روزے، اور (۵) بیت اللہ کا حج اس شخص کے لئے جو اس کی استطاعت رکھے۔ ❶

اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی مشہور حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں اور اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر اس کی استطاعت ہو ❷ اور اجماع امت کی رو سے دلیل یہ ہے کہ پوری امت کا ایک دن (دن بمع رات) میں پانچ نمازیں فرض ہونے پر اجماع ہے۔

تاریخ نماز، نوعیت فرضیت اور اس کے فرائض...... اہل سیرت کے درمیان مشہور قول کے مطابق نماز شب معراج میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل فرض ہوئی دلیل اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج میں پچپس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر ان کو کم کیا گیا یہاں تک کہ وہ صرف پانچ رہ گئیں پھر آپ کو ندا دی گئی اے محمد! میرے نزدیک بات بدلتی نہیں ہے تمہارے لئے ان پانچ کے بدلے پچاس کا ثواب ہے۔ ❸ بعض احناف فرماتے ہیں شب معراج میں ہفتے کے روز سے قبل سترہ رمضان کو فرض ہوئی تھی اور ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل ایسا ہوا تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تاکید سے فرماتے ہیں کہ یہ رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی، یہ قول قبول کیا گیا ہے ہر زمانے کے اہل علم کا اس پر ہی عمل ہے۔

یہ ہر مکلف (یعنی عاقل و بالغ شخص) پر فرض عین ہے، تاہم بچوں کو سات سال کی عمر سے اس کی تلقین کرنی چاہئے اور دس سال کی عمر میں ان کو ہاتھ سے اس کے بارے میں سرزنش کرنی چاہئے، بید اور ڈنڈے سے نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں، اور اس بارے میں ان کی سرزنش کرو وپس دس سال کی عمر میں اور ان کے بستر علیحدہ کردو۔ ❹

ایک دن رات میں فرض نمازیں پانچ ہیں، مسلمانوں میں اس کے وجوب و فرضیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں سوائے نذر کے۔ دلیل گذشتہ احادیث ہیں، دوسری دلیل اعرابی والی مشہور حدیث ہے۔ جس میں ہے پانچ نمازیں ایک دن رات میں ہیں، اعرابی نے دریافت کیا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی چیز لازم ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تم نفل پڑھو ❺ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے یہ فرمانا تم ان کو یہ بتلا دو کہ اللہ نے ان پر ہر دن و رات

---

❶ اور ❷...... متفق علیہ حدیث ہے۔ ❸ بروایت امام احمد ونسائی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے صحیحین میں ایک روایت میں ہے اللہ نے میری امت پر معراج کی رات پچاس نمازیں فرض کی تھیں، میں برابر اللہ سے رجوع کرتا رہا اور تخفیف مانگتا رہا حتیٰ کہ اللہ نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں کردیں۔

❹ بروایت امام احمد، ابوداؤد، حاکم، ترمذی اور دارقطنی از حضرت عمرو بن شعیب۔ انہوں نے یہ حدیث اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۲۹۸۔ ❺ متفق علیہ اس حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے وہ اعرابی بولا: قسم اس ذات جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نہ اس پر کچھ بڑھاؤں گا اور نہ کمی کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامیاب ہوگیا یہ شخص اگر اس نے سچ کہا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۶۔

میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ ❶

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: بلا شبہ اللہ نے تم پر ایک نماز اضافی لازم کی ہے، جو کہ وتر ہے ❷ اور یہ انداز اس کے واجب ہونے کا متقاضی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

الوتر واجب علی کل مسلم

(وتر ہر مسلمان پر واجب ہے)۔ ❸

نماز کی مشروعیت کی حکمت کلمہ اسلام کے بعد سب سے عظیم اور اہم عبادت نماز ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث اس کی مؤید ہے مسلمان اور کفر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔ ❹

یہ اللہ کی کثیر نعمتوں کے شکرانے کے طور پر فرض کی گئی ہے، اس کے دینی اور تربیتی دونوں طرح کے فوائد انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر پائے جاتے ہیں۔

اس کے دینی فوائد میں سے چند یہ ہیں:

انسان کا اپنے رب سے تعلق، اور اس میں اپنے خالق ومعبود سے مناجات کی لذت پائی جاتی ہے، اللہ کے لئے عبودیت کا اور تمام کاموں کی باگ ڈور اللہ کے سپرد کرنے کا اظہار ہوتا ہے، امن وسکون اور اس کے دامن میں نجات حاصل کرنے کی التماس ہوتی ہے۔ یہ کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے، گناہ اور برائیوں کا کفارہ بنتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ ......سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱

تحقیق مومن کامیاب ہوئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝۱۹ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝۲۰ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝۲۱ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝۲۲ سورۃ المعارج آیت نمبر ۱۹۔۲۱

انسان پیدا ہوا ہے ہلڑ باز، جب اس کو پہنچے برائی تو خوب آہ وزاری کرتا ہے اور جب اس کو ملے بھلائی تو سوائے نمازیوں کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کا میل باقی رہے گا؟ صحابہ بولے: اس کو تو ذرہ بھی میل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا یہ مثال ہے پانچوں نمازوں کی، اللہ ان کے ذریعے غلطیاں معاف کرتا ہے۔ ❺

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ تا جمعہ بیچ کی چیزوں کے لئے کفارہ ہے، جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کرے۔ ❻

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب انسان کھڑا ہو کر نماز شروع کرتا ہے تو اس کے گناہ لائے جاتے ہیں، اور

❶......یہ حدیث صحیحین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دسویں سال حج سے قبل مبعوث کر کے بھیجا تھا، سبل السلام ج ۲ ص ۱۲۰۔ ❷ اس حدیث کو آٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے حضرت خارجہ بن حذافہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عقبہ بن عساکر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوبصرہ الغفاری، حضرت عمرو بن شعیب کے دادا حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تاہم یہ تمام احادیث معلول ہیں۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۰۹۔ ❸ بروایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن حبان اور حاکم از حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ۔ ❹ بروایت امام مسلم۔ ❺ بروایت امام بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۳۳۔ ❻ بروایت امام مسلم اور ترمذی وغیرہ، حوالہ بالا۔

وہ اس کے سر یا کندھے پر ڈال دیئے جاتے ہیں، جب جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے یہ گر جاتے ہیں❶ یعنی کہ خدا کے حکم سے سب گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

اس کے انفرادی فوائد میں ایک بڑا فائدہ اللہ سے قریب ہونا ہے نفس انسانی کا عروج کر کے اپنے رب تک جانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ سورۃ الذاریات، آیت نمبر ۵۶

میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

نماز میں نفس اور ارادے کی قوت کا سامان ہوتا ہے صرف عزت اللہ سے حاصل کی جاتی ہے دوسروں سے نہیں دنیا اور اس کے سامان شان وشوکت سے بلندی اور ان کو وراے ڈالنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی آرائشوں اور پرکشش چیزوں سے دور رہنے کی صلاحیت جنم لیتی ہے نماز سے نفسی میں وہ قوت اور اللہ سے ربط قائم ہوتا ہے جس کے سبب انسان جاہ وحشمت اور مال ودولت اور سلطنت کی کشش سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۵

اور تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک یہ بھاری ہے سب پر سوائے ان کے جو خشوع کی صفت والے ہیں۔

اسی طرح نماز میں عظیم روحانی لذت، روحانی سکون وقرار نصیب ہوتا ہے، اور اس غفلت سے بچا جا سکتا ہے جو انسان کو اس کے عظیم اور بلند مقصد سے دور رکھتی ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے لئے تمہاری دنیا میں سے دو چیزیں مرغوب کی گئی ہیں، خواتین اور خوشبو، اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے❷ امام احمد کی روایت ہے کہ جب کوئی معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث پریشانی وتشویش ہوتا تو آپ فرماتے بلال ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ❸ نماز میں، امور زندگی میں، امور افعال واعمال میں نظم وضبط اور تنظیمی کیفیت پیدا کرنے کی مشق ملتی ہے وقت کا احترام اور اس کی قدر وقیمت سے آگاہی ہمیں نماز سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نمازیں اوقات کے نظام کے تحت ادا کی جاتی ہیں۔ انسان اسی کے ذریعے حلم وبردباری، سکینت ووقار جیسی عمدہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرتا ہے، انسان اسی کے سبب اپنی فکری صلاحیتوں کو اچھے کاموں میں استعمال کرنے کی عادت ڈالتا ہے، کیونکہ وہ غور وخوض اور سوچ وبچار کو قرآن کی آیات کے معانی اور اللہ کی عظمت کے بارے میں غور وفکر پر مرتکز کر دیتا ہے، اسی طرح نماز کے معانی ومقاصد پر بھی۔ اسی طرح نماز ایک اخلاقی عملی تربیتی ادارے کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے وہ سچائی اور دیانت داری جیسی عمدہ خصلتوں کو پروان چڑھاتی ہے، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَ الْمُنْكَرِ ۭ ...... سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۴۵

اور نماز قائم کیجئے بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

نماز کے معاشرتی فوائد...... ایسے جامع عقیدے کا احیاء، واثبات جو معاشرے کے تمام افراد کے لئے جامع ہو ان کو اپنی ذات میں قوی بنا دے اور اسی طرح یہ جماعت کے نظم کو اس طرح تقویت دیتی ہے کہ ان کو اس عقیدے کے اردگرد جوڑے رکھتی ہے، اس میں جماعت اور اجتماعیت کے احساس کو تقویت ملتی ہے، امت کی باہمی تعلق کے روابط کا فروغ ہوتا ہے معاشرتی یکجائیت کو ترقی ملتی ہے سوچ اور جماعت کی وحدت کے تحقق فروغ ملتا ہے وہ جماعت جو بمنزلہ جسد واحد ہے، اگر عضو بیماری یا آفات کا شکار ہو تو بقیہ جسم بھی اس کے اس احساس تکلیف میں برابر کا شریک ہوتا ہے نماز با جماعت میں بھی بڑے گہرے دوررس اثرات وفوائد ہیں، ان میں اہم اور ممتاز چیز مساوات

---

❶ ...... بروایت ابن حبان در صحیح ابن حبان۔ ❷ بروایت امام احمد نسائی، حاکم بیہقی از حضرت انس بن مالک یہ حدیث حسن ہے۔ ❸ بروایت ابو داؤد۔

اور برابری کا اظہار ہے یک صف ہونے کا اعلان ہے اور ایک کلمہ ہونے کی وضاحت ہے اس اہم فوائد میں سے عمومی اجتماعی یا مشترک مسائل میں اطاعت امیر کے جذبے کی سیرابی اور اس کا احیاء ہے ان امور میں جو اللہ کی خوشنودی کا باعث بنیں، اور ایک مقصد اور غایت کی طرف بڑھنا اور اسی طرف رخ رکھنا بھی اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے اور مقصد جس کا حصول اس کا ایک فائدہ ہے وہ مقصد ہے حصول رضائے الٰہی۔ نماز باجماعت مسلمانوں کے باہمی تعارف، یگانگت اور موانست کا ذریعہ ہے، ان کو خیر کے کام پر جمع کرنے کا سبب ہے اور مسلمانوں کے احوال ومعاملات کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام کی فکر میں نئی روح پھونکنے کا سبب ہے اسی طرح کمزور لوگ گرفتار افراد تہمت زدہ لوگ اور خاندان اور اہل خانہ سے بچھڑے ہوئے افراد کی امداد واعانت ان کی دست گیری، ان کی خبر گیری وغیرہ جیسے عظیم امور اس عمل ہی کے بدولت ہیں۔

مسجد اور اس میں نماز کی ادائیگی کو ایک ہیڈ کوارٹر سمجھنا چاہئے اس عوامی مرکز اور فاؤنڈیشن کا جو منظم ہو باہم تعاون کرنے والا ہو اور ایک دوسرے کا مدد ومعاون ہو، جو معاشرے کو قیادت فراہم کرے شرعی حکمرانی کی حمایت ومعاونت کرے، اس کی غلطیاں بے راہ رویاں اور خطائیں نصیحت آمیز کلمات اور عمدہ طریقے سے دور کرے نرم انداز اختیار کر کے ان کو راست بازی پر جمع کرے اور مثبت تنقید کا سامان کرے۔ کیونکہ حدیث کے مطابق مومن دوسرے مؤمن کے لئے ایسا ہے جیسے دیوار کہ اس کے پتھر ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ ❶

نماز مسلمان کو دوسرے سے تمیز دیتی ہے اس طرح وہ بھروسے اور امانت ودیانت کا سبب بنتی ہے اور محبت کی روح کو لوگوں میں اجاگر کرنے کا سبب بنتی ہے حدیث میں آیا ہے جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے ہماری نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے ہیں اور اس پر وہی سب لازم ہے جو ایک مسلمان پر لازم ہے۔ ❷

تارک نماز کا حکم......مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پاک شخص پر فرض ہے مراد یہ ہے کہ حیض ونفاس میں مبتلا یا جنون وبے ہوشی میں گرفتار کوئی شخص نہ ہو یہ خالص بدنی عبادت ہے جو نیابت بالکل قبول نہیں کرتی ہے چنانچہ دوسرے کی طرف سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے جیسے دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا بھی درست نہیں۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ کافر ومرتد ہے، کیونکہ اس کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، سستی اور کاہلی اور غفلت کے سبب چھوڑنے والا فاسق ہے۔ ہاں اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا مسلمانوں سے اتنا عرصہ میل جول نہ رکھا ہو کہ اس تک نماز کے وجوب کا حکم پہنچتا تو اس کا حکم یہ نہیں ہوگا۔

نماز کا چھوڑنا دنیوی اور اخروی دونوں قسم کی سزاؤں کا باعث ہے، اخروی سزا کی دلیل تو یہ آیت ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ سورۃ المدثر آیت ۴۲۔۴۳

تمہیں کونسی چیز جہنم میں کھینچ لائی وہ بولیں گے ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے۔

دوسری آیت:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ سورۃ الماعون آیت نمبر ۴۔۵

سو بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

تیسری آیت:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ سورۃ مریم آیت ۵۹

❶......بروایت امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ ❷ یہ حدیث بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جامع الاصول ج ۱ ص ۱۵۸۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو اللہ اور رسول کا ذمہ اس سے بری ہے ❶ نماز جان بوجھ کر سستی کے سبب یا معمولی گردانتے ہوئے چھوڑنے کی مختلف سزائیں فقہاء کرام نے بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا......احناف فرماتے ہیں ❷ کہ نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے اس کو گرفتار کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق اس کو اتنا سخت پیٹا جائے گا کہ اس سے خون بہہ نکلے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع کرے اور توبہ تائب ہو یا جیل خانہ میں ہی مر جائے اسی طرح رمضان کے روزے چھوڑنے والے کا حکم ہے ایسے شخص کو قتل اس وقت نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ان دونوں کے وجوب کا منکر نہ ہو جائے یا ان میں سے کسی ایک کو حقیر نہ سمجھے مثلاً وہ سرعام بلا عذر روزہ کھائے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا روا نہیں مگر تین چیزوں کے سبب (۱) شادی شدہ زانی (۲) قتل کے بدلے قتل، اور (۳) اپنے دین و مذہب کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو۔ ❸

احناف اضافہ کے طور پر یہ فرماتے ہیں کہ نماز ادا کرنے والے کے اسلام کا فیصلہ کیا جائے گا چار شرائط کے ساتھ، وقت میں ادا کرے جماعت کے ساتھ ادا کرے یا وقت میں اذان دے یا آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت کرے۔ ظاہر الراویۃ کے مطابق کافر کے اسلام کا فیصلہ اس کے روزہ رکھنے حج کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے ائمہ فرماتے ہیں ❹ کہ نماز کو بلا عذر چھوڑنے والا خواہ ایک نماز ہی چھوڑے اس کو توبہ دلائی جائے گی جیسے مرتد کے ساتھ ہوتا ہے ❺ اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس کو بطور حد کے قتل کیا جائے گا کفر کے سبب نہیں یعنی اس کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن اس کو دیگر حدود کی طرح بطور حد قتل کیا جائے گا جیسے زنا، قذف اور چوری وغیرہ کی حد جاری کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس شخص کی موت کے بعد اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور مسلمانون کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل نماز کے چھوڑنے والے کے کافر نہ ہونے کے بارے میں یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ......سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۸

بلاشبہ اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں جو ان کو ادا کرے اور ان میں سے کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے ضائع نہ کرے تو یہ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو ان نمازوں کو انجام نہ دے تو اللہ پر کوئی عہد اور ذمہ نہیں چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ ❻

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ بروز قیامت بندے سے پہلا سوال فرض نماز کا ہوگا اگر اس نے اس کو پورا کر دیا تو ٹھیک ورنہ کہا جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نفل نمازیں بھی ہیں؟ اگر نفل ہوئیں تو فرائض کی تکمیل ان کے ذریعے کر دی جائے گی، پھر تمام فرض

---

❶...... بروایت امام احمد از مکحول، یہ حدیث جید مرسل ہے۔ ❷ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۲۶، مراقی الفلاح ص ۶۰۔ ❸ بروایت امام بخاری ومسلم از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ❹ القوانین الفقھیہ ص ۴۲ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۳۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۳۲۷، المہذب ج ۱ ص ۵۱ کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۳ المغنی ج ۲ ص ۴۴۲۔ ❺ شوافع اور جمہور کے ہاں اس موقع پر توبہ کرانا مندوب ہے مرتد سے توبہ لینا واجب ہے کیونکہ مرتد ہونا دائمی جہنمی ہونا ہے تو اس کو اس سے بچانا لازم ہے بخلاف نماز سستی کی بناء پر چھوڑنے والے کے کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔ ❻ بروایت امام احمد ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۴

اعمال کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا❶ لہٰذا نماز کے ترک کرنے سے وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر عقیدے کی بناء پر ہوتا ہے اور عقیدہ اس کا صحیح ہے، اور اس کے وجوب کے منکر ہونے کے عقیدے کے ساتھ اگر اس کو ترک کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ یہ حضرات ان آنے والی احادیث کی جن کو امام احمد بن حنبل نے اپنی دلیل بنایا ہے تاویل کرتے ہیں کہ یہ محمول اس صورت پر ہیں کہ جب چھوڑنے والے اس کے چھوڑنے کو حلال سمجھ کر چھوڑے یا وہ مراد ہے جو کافر کی سزا کا حقدار ہو جو کہ قتل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں❷ کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جانے کے سبب قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۞ سورۃ التوبہ، آیت ۵

سو جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو گھیر لو اور ان کے لئے ہر مورچے میں بیٹھ جاؤ سو اگر وہ توبہ کر لیں نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تو اس آیت میں راستہ چھوڑ دینے کا حکم اس شخص کے لئے نہیں ہوگا جو نماز چھوڑ دے کیونکہ وہ اس شرط کو پورا نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا قتل کرنا علی حالہ مباح رہے گا اور نماز نہ قائم کرنے والے کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انسان اور کفر میں فاصلہ صرف نماز چھوڑنے کا ہے❸ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنا موجبات کفر میں سے ہے۔

اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان ذمہ فقط نماز ہے جو اس کو چھوڑ دے وہ کافر ہو جائے گا۔❹

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ علامہ شوکانی نے اس رائے کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے اور بعض اقسام کفر ایسی ہیں جو مغفرت اور شفاعت سے مانع نہیں ہوتیں (یعنی کفر کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ جن کا مرتکب مغفرت اور شفاعت کا حق دار ہو سکتا ہے)۔

میرا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے یعنی نماز کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہے، کیونکہ بکثرت ایسے دلائل وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمان کلمہ پڑھ لینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اللہ کی علاوہ معبودان باطل کی تکفیر کردی تو اس کا مال اور خون محترم ہو گیا، اور اس کا حساب و کتاب اللہ کے سپرد ہے❺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم سے وہ شخص نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا یا اور اس کے دل میں جو دانے کے برابر بھی خیر کا مادہ ہوا اور جہنم سے وہ شخص بھی نکل جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اس کے دل میں ایک گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہو جہنم کی آگ سے وہ شخص بھی نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی ہوئی۔❻

جمہور فقہاء کے ہاں (ماسوا احناف) نماز کے ترک کرنے والے کے قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن ماردی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے۔

---

❶..... یہ حدیث پانچوں اصحاب نے روایت کی ہے ان دونوں احادیث کے مضمون پر مشتمل اور احادیث بھی منقول ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۵ اور بعد کے صفحات۔ ❷المغنی ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۷۔ ❸ بروایت اصحاب صحاح ستہ ما سوا بخاری اور نسائی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۱۔ ❹ بروایت پانچوں حضرات اور ابن حبان حاکم کے نسائی اور عراقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس مضمون کی اور احادیث بھی ملاحظہ کریں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۳ اور بعد کے صفحات۔ ❺امام مسلم نے یہ حدیث حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جامع الاصول ج ۱ ص ۲۱۱۔ ❻امام بخاری نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

نماز کی فرضیت کا تاعمر برقرار رہنا...... نماز کسی حال میں معاف نہیں ہے، حالت حضر ہو یا سفر یا حالت مرض ہو مسلمان جب تک زندہ ہو اس پر نماز لازم ہے بشرطیکہ اس پر عقل کے غائب ہونے اور ہوش وحواس کھودینے کی کیفیت طاری نہ ہو اسلام نے نماز ادا کرنے کے طریقے میں سہولت اور آسانی پیدا کی ہے جیسے صلاۃ الخوف میں اور مریض کی نماز کا طریقہ جیسے بھی وہ ادا کرنے پر قادر ہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر پہلو کے بل، گُدی کے بل (سر کے بل منہ کے بل) یا سر کے یا آنکھوں کے اشارے سے یا صرف۔

دل ہی دل میں ارکان ادا کرنے سے وغیرہ۔ اور جو شخص کسی آپریشن وغیرہ کے نتیجے میں خون میں لت پت ہو یا اس کے ساتھ ایسی تھیلی بندھی ہوئی ہو جس میں خون جارہا ہو، یا ٹوٹی ہڈیوں پر پلستر وغیرہ چڑھا ہوا ہو وغیرہ تو وہ شخص اسی حالت میں نماز پڑھے گا سب قدرت وضو یا تیمم سے پھر شفاء ہو جانے کے بعد احتیاطاً وہ نماز کا اعادہ کرلے۔

دوسری فصل...... نماز کے اوقات

سنت نبویہ نے نماز کے اوقات کی بہت باریک بینی سے تحدید فرمائی ہے اول وقت ❶ کی اور آخر وقت کی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا: اٹھیے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی جب سورج ڈھل گیا پھر وہ عصر کے وقت تشریف لائے اور عرض کیا: اٹھیے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے عصر کی نماز ادا کی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل بڑھ گیا پھر وہ مغرب کے وقت آئے اور عرض کیا: اٹھیے نماز پڑھیے، آپ نے مغرب کی نماز سورج کے غروب ہونے پر ادا فرمائی پھر عشاء کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے تو آپ نے نماز ادا فرمائی جب شفق غروب ہوگئی، پھر وہ فجر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے تو آپ نے نماز ادا فرمائی جب فجر ہوئی۔ روشنی ہوگئی پھر دوسرے دن ظہر کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے آپ نے نماز ادا فرمائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہو گیا، پھر وہ عصر کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے نماز ادا کی جب ہر چیز کا سایہ دو چند ہو گیا پھر مغرب کے لئے اسی وقت آئے جس وقت کل آئے تھے، اس سے ہٹے نہیں پھر وہ عشاء کے وقت آئے جب آدھی رات گزر گئی تھی، یا راوی نے یوں کہا دو تہائی رات گزر گئی۔ اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر آپ کے پاس آئے جب خوب روشنی ہوگئی اور فرمایا: اٹھئے نماز ادا کیجئے چنانچہ آپ نے فجر کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان کا وقت نماز کا وقت ہے۔ ❷ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازوں کے دو وقت ہوتے ہیں ماسوا مغرب کی نماز کے۔

وقت کی تحدید کے بارے میں ایک اور حدیث بھی ہے جو حضرت عقبہ بن عامرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت اس وقت تک خیر سے رہے گی یا یہ فرمایا فطرت پر رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کر دیا کریں کہ ستارے گڈمڈ ہونے لگیں یعنی اتنے ستارے نکل آئیں کہ آپس میں گڈمڈ ہو جائیں ❸ یہ حدیث نماز مغرب کی جلد ادائیگی کے استحباب پر اور اس کو ستارے نکل آنے تک مؤخر کرنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔

ان احادیث کی بناء پر فقہاء کرام نے ہر نماز کے وقت کی تشریح ووضاحت مندرجہ ذیل طریقہ کار کے مطابق فرمائی ہے ❹ اور اس پر

---

❶...... وقت سے مراد ہے وہ زمانہ جو عبادت کے لئے شرعاً مقرر کیا گیا ہو۔ ❷...... بروایت امام احمد اور نسائی، امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے امام بخاری فرماتے ہیں مواقیت کے بارے میں سب سے صحیح حدیث یہی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❸ یہ حدیث امام احمد و ابوداؤد نے اپنی کتب میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۔ ❹ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۱۔ ۱۶۰، الدر المختار ج ۱ ص ۳۳۱۔ ۳۴۳ اللباب ا ص ۵۹۔ ۶۲ القوانین الفقهیه ص ۴۳ الشرح الصغیر ج ا ص ۲۱۹۔ ۲۳۸ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۷۶۔ ۱۸۱ مغنی المحتاج، ج ا ص ۱۲۱۔ ۱۲۷، المهذب ج ا ص ۵۱۔ ۵۴، بجیرمی الخطیب ج ا ص ۳۴۵، المغنی ج ا ص ۳۷۰۔ ۳۹۵ کشف القناع ج ا ص ۲۸۹۔ ۲۹۸۔

بھی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ پانچوں نمازیں خاص اوقات کے اندر ادا کی جائیں گی جو معین اور محدود ہیں اور صحیح عمدہ احادیث سے ثابت ہیں، نماز اول وقت میں وجوب موسع (گنجائش والا وجوب) کے ساتھ واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اتنا وقت رہ جائے جس میں نماز کی ادائیگی کی گنجائش رہ جائے تو اس وقت نماز کا وقت تنگ ہو جاتا ہے (اور وجوب مضیق (تنگی والا وجوب) کے ساتھ نماز واجب ہوتی ہے)

قطبی ممالک (خط استاء پر واقع) وغیرہ اپنے سے قریب ممالک کے اعتبار سے نماز کے اوقات ترتیب دیں گے یا مکہ مکرمہ کے وقت کے اعتبار سے۔

۱۔فجر کا وقت...... یہ صبح صادق کا طلوع ہونے سے لیکر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، اور صبح صادق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں عرضاً (چوڑائی) میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں صبح کاذب ہوتی ہے، یہ وہ صبح ہوتی ہے جو مستطیل شکل اوپر کی طرف اٹھی ہوئی آسمان کے بیچ میں ظاہر ہوتی ہے جیسے سرحان (بھیڑیے) کی دم ❶ اس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم (یعنی صبح صادق) وہ ہے جس سے احکام شریعت متعلق ہوتے ہیں یعنی روزے کی اور صبح کے وقت کی ابتداء اور عشاء کے وقت کا اختتام، اور دوسری قسم (یعنی صبح کاذب) سے کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہوتا ہے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے صبح دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو کھانے پینے کو ممنوع کر دیتی ہے اور نماز کو حلال کر دیتی ہے دوسری وہ جس میں نماز حرام ہو جاتی ہے، یعنی فجر کی نماز، اور کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو امام مسلم نے روایت کی ہے منقول ہے صبح کی نماز کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے جب تک کہ سورج نہ نکلے، اور سورج نکلنے کے بعد سے ظہر تک کا وقت مہمل کہلاتا ہے، اس میں کوئی فرض ادا نہیں کیا جاتا ہے۔

۲۔ظہر کا وقت...... سورج کے زوال کے بعد سے ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے علاوہ اس کے برابر ہو جانے تک رہتا ہے، یہ صاحبین کی رائے ہے جس پر احناف کے ہاں فتویٰ ہے اور ائمہ ثلثہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق جو کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اس کا آخری وقت اس وقت تک ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دوچند (ڈبل) ہو جائے تاہم چونکہ یہ وقت بالاتفاق عصر کا ہے اس لئے ظہر کی نماز کو اس سے قبل ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ عبادات کے بارے میں احتیاط کا پہلو اپنانا چاہئے۔

زوال شمس کا مطلب ہے سورج کا بیچ آسمان سے ڈھلنا اور سورج کے وسط آسمان تک پہنچنے کو وقت استواء کہا جاتا ہے۔

اور جب سورج مشرقی جہت سے مغربی جہت کی طرف بڑھتا ہے تو زوال متحقق ہو جاتا ہے۔

زوال کو اس طرح پہچانا جا سکتا ہے کہ انسان کی قامت یا کوئی ستون یا لکڑی وغیرہ ہموار زمین پھر کھڑی کر دی جائے اس کا سایہ اگر گھٹ رہا ہو تو یہ زوال سے قبل کا وقت ہے اور اگر سایہ ٹھہر جائے گھٹے بڑھے نہیں تو یہ استواء کا وقت ہے، وار جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ زوال ہو چکا ہے۔

تو جب کسی چیز کے اصلی سائے (یعنی وہ سایہ جو اس چیز کے حالت استواء شمس کے وقت تھا) سے اس کا سایہ بڑھ جائے یا سورج مغربی جانب ڈھلنا شروع ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا وقت کسی چیز کے سائے کے اس چیز کی طرح مقدار اور لمبائی میں ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ سایہ جو اس چیز کے برابر ہوگا اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس چیز کے اس سائے سے زائد ہو جو اس کا اصلی سایہ ہے یعنی جو استواء کے وقت تھا۔ ❸

---

❶ ...... سرحان بھیڑیے اور شیر دونوں کو کہتے ہیں یہاں مراد سیاہ بھیڑیے کی دم ہے کہ اس کی دم کا نچلا حصہ سفید اور اوپری حصہ سیاہ ہوتا ہے، اور صبح کاذب چونکہ سیاہی اور سفیدی کا مجموعہ ہوتی ہے اس لئے اس کو اس سے تشبیہ دی۔ ❷ بروایت ابن خزیمہ اور حاکم۔ ان دونوں حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❸ کسی بھی چیز کا ایک سایہ تو وہ ہوتا ہے جو سورج کے عین اوپر ہونے کے وقت اس چیز کے بالکل نیچے پڑ رہا ہوتا ہے یہ سایہ سایہ اصلی کہلاتا ہے باقی سایہ جو شمار ہوگا وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ مترجم

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز دوسرے دن اس وقت پڑھائی تھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوگیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بات قوی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے سے ہوتی ہے (۱) اور ان علاقوں میں شدید گرمی اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہوتا ہے۔

اور ظہر کے وقت کی ابتداء کی دلیل ان تمام حضرات کے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ...... سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۸

اور نماز قائم کرو سورج کے ڈھل جانے پر۔

دلوک سے مراد زوال ہے۔

۳۔ **عصر کا وقت**...... عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہو جانے پر شروع ہوتا ہے۔ اور ظہر کا وقت اسی تفصیل اور اختلاف کے مطابق ختم ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کے ہم مثل سائے سے بڑھنا شروع ہو جائے۔ جمہور کے ہاں تو ایک مثل سے ذرا سا بھی بڑھے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا امام ابوحنیفہ کے ہاں جب تک دو مثل سائے سے نہ بڑھے وقت شروع نہیں ہوگا۔

اور عصر کا وقت تو باتفاق فقہاء سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ختم ہو جاتا ہے دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے جس شخص نے صبح کی نماز میں ایک رکعت بھی پالی سورج طلوع ہونے سے قبل تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس نے عصر کی نماز میں سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔ (۲)

اکثر فقہاء سورج پیلا پڑ جانے پر عصر کی نماز کو مکروہ گردانتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، اور جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچتا ہے تو یہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار دیتا ہے اللہ کو بالکل معمولی سا یاد کرتا ہے (۳) اسی طرح دوسری حدیث میں ہے عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ پڑ جائے۔ (۴)

اور عصر کی نماز ہی صلاۃ وسطی ہے (جو قرآن کی اس آیت میں مذکورہ ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصلاة الوسطى) دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کی ہے کہ آپ نے پڑھا: حَافِظُوْا على الصلوٰة والصلاة الوسطى اور صلاة وسطی سے عصر کی نماز مراد ہے (۵) حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلاة الوسطى عصر کی نماز ہے۔ (۶)

اور اس کو وسطی (درمیانی) اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ دو دن کی اور دو رات کی نمازوں کے بیچ میں پڑتی ہے۔

---

(۱)...... امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے ان الفاظ میں اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاة فان شدة الحر من فيح جهنم نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۸۔ (۲) یہ حدیث صحاح ستہ میں مروی ہے حدیث کے یہ الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۸۔ (۳) یہ حدیث صحاح ستہ میں، ماسوا بخاری اور ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۷۔ اور شیطان کے دو سینگوں سے مراد یا تو حقیقت ہے یا مجاز مراد ہے یعنی اس کی حکومت اور اس کے دغیرہ کا گلہ۔ (۴) بروایت مسلم از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی معنی میں ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ہوتی ہے جس کا ذکر حضرت بریدہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے دن عصر کی نماز ادا کی اور سورج سفید چمکدار تھا اس پر کوئی پیلاہٹ نہ تھی۔ (۵) بروایت ابوداؤد و ترمذی۔ انہوں نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۶) امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے یہ مدنظر رہے کہ علامہ شوکانی نے صلاۃ الوسطیٰ کے بارے میں سولہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۱۱۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ فجر کی نماز صلاۃ وسطی ہے کیونکہ نسائی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ حدیث اس کی مؤید ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رات کو سفر کیا اور رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا آپ کی آنکھ جب کھلی جب سورج تھوڑا یا پورا نکل آیا تھا۔آپ نے اس وقت تک نماز ادا نہ کی جب تک سورج بلند نہیں ہو گیا آپ نے نماز ادا فرمائی۔اور یہ صلاۃ وسطی ہے۔پہلی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں منقول احادیث صحیح ہیں۔

۴۔مغرب کا وقت......اس کا وقت بالا جماع سورج غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے یعنی سورج کی ٹکیہ مکمل غائب ہو جانے پر اور جمہور فقہاء یعنی احناف حنابلہ اور اظہر قول شوافع کا بھی یہ ہے اور یہ امام شافعی کا مذہب قدیم ہے، ان کے نزدیک اس کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔❶

صاحبین حنابلہ اور شوافع کے ہاں شفق سے مراد سرخ شفق ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے❷ احناف کے ہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے امام ابوحنیفہ کا رجوع اس قول کی طرف ثابت ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں ہوتی ہے اور عموماً سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔اس کے بعد سیاہی آتی ہے۔ان دونوں شفق میں تین درجوں کا فرق ہے، اور ہر درجہ چار منٹ کا ہوتا ہے گویا شفق ابیض شفق احمر سے بارہ منٹ مؤخر ہوتی ہے) ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے اور مغرب کا آخری وقت جب ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے ❸ یہ بات حضرت ابوبکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت معاذ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول اور امام شافعی کا جدید مذہب جو کہ غیر اظہر ہے اور شوافع کے ہاں معمول بہ بھی یہی ہے کہ: مغرب کا وقت وضوء کرنے ستر عورت کا اہتمام کرنے اذان واقامت اور پانچ رکعات کی ادائیگی کے بقدر رہتا ہے۔یعنی اس کا وقت مضیق (تنگ) ہے لمبا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نماز پڑھائی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے جو پہلے گزری۔تو اگر مغرب کا کوئی اور آخری وقت ہوتا تو اس کو ضرور بیان فرماتے جیسے باقی نمازوں کے اوقات بیان فرمائے۔تاہم اس بات کو دوسرے حضرات یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مختار اور فضیلت والا وقت بیان کیا اور وقت جواز جو کہ ہمارا اختلافی مسئلہ ہے تو حدیث میں اس سے کوئی تعرض نہیں۔

۵۔عشاء کا وقت...... مذاہب کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق یہ وقت شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے مذہب حنفی میں مفتی بہ قول یہی ہے۔دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو پہلے گزرا کہ شفق سے سرخی مراد ہے جب یہ غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جاتی ہے۔اور حضرت ابوقتادہ والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ کوتاہی سو جانے میں نہیں ہے کوتاہی کا اعتبار اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے۔یہ

---

❶ ......**بروایت امام مسلم از حضرت عبداللہ بن عمرو۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۶۔** ❷ بروایت دارقطنی اس کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے دیگر حضرات نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے اور حدیث مکمل اس طرح ہے تو جب شفق غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جاتی ہے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے کہ شفق کی سرخی غائب ہو جائے سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۴، علامہ نووی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ ❸ یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اور بلاشبہ اس کا۔یعنی مغرب کا۔آخری وقت جب ہوتا ہے جب یہ افق میں غائب ہو جائے اور اس کا غائب ہونا جبھی متحقق ہوتا ہے جب وہ سفیدی غائب ہو جائے جو سرخی کے بعد آتی ہے تاہم یہ حدیث سنداً درست نہیں ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ یہ نماز اس وقت تک ادا کرتے جب تک افق پر سیاہ نہ ہو جاتا۔

حدیث وضاحت سے یہ بتاتی ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت شروع ہونے تک رہتا ہے تاہم اس کلئے سے باتفاق واجماع امت فجر کی نماز کا وقت خارج ہے (کہ وہ دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہوتا ہے)

عشاء کا افضل اور مختار وقت ایک تہائی رات یا آدھی رات ہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء رات کے تہائی یا نصف تک مؤخر کردیں ❶ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کیا پھر اسے ادا فرمایا ❷ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہوتا ہے۔ ❸

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کافی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا اور اہل مسجد سو گئے پھر آپ تشریف لائے اور نماز پڑھی اور فرمایا: بے شک یہ اس کا وقت ہے اگر میں اپنی امت پر اس کو بھاری نہ سمجھتا ❹ تو اس حدیث میں اگرچہ اس کا اشارہ ہے کہ عشاء کے مختار اور افضل وقت کو آدھی رات کے بعد بھی ہونا چاہئے لیکن اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور عامۃ اللیل رات کے بڑے حصے سے مراد بہت سا حصہ ہے اکثر حصہ شب مراد نہیں۔

وتر کا اول وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت طلوع فجر سے پہلے پہلے تک ہے۔

افضل یا مستحب وقت......نمازوں کے افضل یا مستحب وقت کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں احناف فرماتے ہیں ❺ کہ مردوں کے لئے فجر کی نماز (اسفار) روشنی میں پڑھنا مستحب ہے (یعنی جب تھوڑی بہت روشنی ہو جائے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو یہ بڑے اجر کا باعث ہے ❻ اور اس کی حد یہ ہے کہ سفیدی اور روشنی ہونے کے بعد جب نماز شروع کی جائے تو قرأت مسنونہ کے ساتھ ادا کی جا سکے۔ قرأت مسنونہ کا مطلب ہے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ کے قریب آیات تلاوت کی جا سکیں، اور اتنا وقت بچے کہ نماز خراب ہونے کی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کو دوبارہ ادا کیا جا سکے۔ اور دوسری وجہ روشنی میں پڑھنے کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ اس حالت میں پڑھنے سے نمازی زیادہ شریک ہو سکیں گے، اور جلدی پڑھ لینے سے نمازی کم شریک ہو پائیں گے، اور نمازیوں کی تعداد بڑھانے والا عمل بہر حال افضل عمل ہے۔ اور ایک اور بات یہ ہے کہ اس فضیلت کا حاصل کرنا آسان ہو سکے گا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حدیث حسن ہے کہ جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے سورج طلوع ہونے تک پھر دو رکعت ادا کرے تو اس کو ایک مکمل حج کا ایک مکمل عمرے کا ثواب ملے گا۔

خواتین کے لئے اندھیرے میں فجر ادا کرنا افضل ہے کیونکہ یہ زیادہ باعث ستر ہے فجر کی علاوہ نمازوں میں انہیں مردوں کے جماعت سے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اسی طرح اندھیرے میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے پڑھنا افضل ہے جب وہ حج کر رہے ہوں اور مزدلفہ میں ہوں۔

اور گرم علاقوں وغیرہ میں گرمیوں میں ظہر کی نماز نسبتاً ٹھنڈا اور مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اتنا مؤخر کرنا چاہئے کہ چیزوں کا سایہ بننے

---

❶ بروایت امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی، انہوں نے حدیث کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۔ ❷ متفق علیہ۔ حوالہ گذشتہ ص ۱۲۔ ❸ بروایت امام ابوداؤد، احمد، مسلم اور نسائی۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۶۔ ❹ بروایت امام مسلم ونسائی حوالہ بالا ج ۲ ص ۱۲۔ ❺ اللباب ج ۱ ص ۶۱ اور بعد کے صفحات فتح القدیر اور عنایہ ج ۱ ص ۱۵۶۱۔ اور بعد کے صفحات۔ ❻ یہ حدیث سات صحابہ نے روایت کی ہے۔ (۱) حضرت رافع بن خدیج (۲) حضرت بلال (۳) حضرت انس (۴) حضرت قتادۃ بن نعمان (۵) حضرت ابن مسعود (۶) حضرت ابوہریرۃ اور (۷) حواء انصار رضی اللہ عنہم حضرت رافع بن خدیج سے چاروں اصحاب سنن نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۳۵۔

لگے (دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہے گرمی کے علاوہ سردی بہار اور خزاں کے موسم میں اس کو جلدی پڑھنا افضل ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی بڑھ جانے پر نماز جلدی ادا کیا کرتے تھے اور گرمی بڑھ جانے پر نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ ❶

عصر کو مطلقاً مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے تا کہ نوافل ادا کرنے کی گنجائش زیادہ سے زیادہ مل سکے، تاہم اتنا مؤخر نہیں کرنا چاہئے کہ سورج میں تغیر پیدا ہو جائے اور اس کی روشنی کم ہو جائے، اور اس کو دیکھنے سے آنکھیں، چندھیائیں نہیں، خواہ سردی کا زمانہ ہو یا گرمی کا، وجہ تاخیر کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ زیادہ نوافل ادا کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے، کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہوتے ہیں۔

مغرب کو مطلقاً جلدی ادا کرنا افضل ہے۔ لہٰذا اذان مغرب اور اقامت کے مابین صرف تین آیات کی بقدر یا تھوڑی سی دیر بیٹھنے کے بقدر فصل کرنے کی اجازت ہے، اس کی تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی۔ یا یہ کہا کہ۔ فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کرے کہ ستارے آپس میں گڈمڈ ہو جائیں (یعنی اتنے زیادہ ہو جائیں کہ آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں)۔ ❷

رات کی پہلی تہائی تک عشاء کا مؤخر کرنا افضل ہے بادل نہ ہونے کی صورت میں بادلوں کے ہونے کی صورت میں اس کی تعجیل مستحب ہے۔ دلیل وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کریں۔

جو شخص رات کو نوافل پڑھنے کا عادی ہو (یعنی تہجد پڑھنے کا) اور رات کو جاگنے کا اس کو بھروسہ ہو اس کے لئے وتر کو آخری رات تک مؤخر کرنا افضل ہے۔ اور اگر اپنے جاگنے کا بھروسہ نہ ہو تو سونے سے قبل پڑھ لینا چاہئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص خدشہ محسوس کرے کہ وہ رات کے آخر میں نہیں اٹھ سکے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے ہی وتر ادا کر لے اور جو آخر میں اٹھ کر ادا کرنے کا خواہشمند ہو تو وہ رات کے آخر میں ادا کرے کیونکہ رات کی نماز حاضر کی جاتی ہے (یعنی مقبول ہوتی ہے یا فرشتے اس کے پڑھنے والے کے پاس آتے ہیں) اور یہ افضل ہوتی ہے۔ ❸

مالکیہ فرماتے ہیں ❹ کہ افضل وقت مطلقاً ہر نماز کے لئے ظہر ہو یا کوئی اور ایک فرد پڑھے یا جماعت سے پڑھی جائے سردی کی شدت ہو یا گرمی کم ہو ہر حالت میں پہلا وقت ہے کیونکہ اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوچھنے والے کے جواب میں فرمایا تھا جس نے پوچھا تھا: کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز ادا کرنا ❺ یا یہ فرمایا اول وقت میں نماز ادا کرنا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نماز اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اس کی مغفرت ہے ❻ لہٰذا فجر عصر اور مغرب میں تعجیل افضل ہے۔

---

❶ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۴۴۔ ❷ یہ حدیث امام ابوداؤد نے اپنی سنن ابوداؤد میں روایت کی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۴۶۔ ❸ بروایات امام مسلم از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۴۹۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۲۷ اور بعد کے صفحات الشرح الکبیر وللدسوقی ج ۱ ص ۱۷۹ اور بعد کے صفحات القوانین الفقھیۃ ص ۴۳۔ ❺ یہ حدیث امام بخاری اور دارقطنی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے امام حاکم نے اس کو شرط شیخین کے مطابق قرار دیا ہے صحیحین کے الفاظ ہیں الصلاۃ علی وقتھا۔ ❻ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کی خوشنودی نیک لوگوں کے لئے ہوتی ہے اور مغفرت ومعافی غالب یہ ہے کہ کوتاہی برتنے والوں کے لئے ہوتی ہے۔

تاہم مشہور قول کے مطابق افضل یہ ہے کہ ظہر کو سردی اور گرمی دونوں میں اتنا مؤخر کیا جائے کہ انسانی قد کے اصلی سائے کے علاوہ چوتھائی سایہ بن جائے یعنی بقدر ذراع سایہ بن جائے۔ اسی طرح اتنی مدت تک تاخیر جتنی دیر میں چوتھائی قد (ایک ذراع) سایہ بنتا ہے نماز کو جماعت سے ادا کرنے کے لئے یا اس میں اضافہ ہونے کے لئے مستحب ہے تاکہ نماز باجماعت کا ثواب پاسکے۔ اور اگر شدید گرمی کا موسم ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے لئے تاخیر مستحب ہے۔

مدونہ میں مذکور ایک ضعیف قول کے مطابق مساجد میں عشاء میں قلیل تاخیر مستحب ہے، تاہم علامہ دسوقی کے بیان کے مطابق راجح مطلقا یہی ہے کہ عشاء کو جماعت کے لئے مقدم کرنا افضل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول وقت میں ادا کرنا مطلقا افضل ہے سوائے اس صورت کے کوئی شخص جماعت کا انتظار کرے یا گرمی کی صورت میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی صورت میں۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ نماز کو جلدی پڑھنا مسنون ہے خواہ عشاء کی نماز ہو سوائے ظہر کے لہٰذا شدید گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مسنون ہے۔ ان احادیث کی مطابق جو مذہب حنفیہ اور مالکیہ کے بیان میں گزریں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ٹھنڈے وقت میں مؤخر کر کے پڑھنا صرف گرم علاقوں کے لئے ہے، مسجد وغیرہ میں جماعت کے لئے ہے جیسے مثلاً اسکول، کالج، مدرسے وغیرہ کہ جہاں دور سے لوگ آتے ہوں۔

مغرب کو عشاء کہنا اور عشاء کو عتمہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں ممانعت وارد ہے ❷ عشاء کی نماز سے قبل سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا مکروہ ہے ماسوا بھلائی کے باتوں کے کیونکہ صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عشاء کو مؤخر کرنا پسند فرماتے تھے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں اور آپ نماز سے قبل سونا اور اس کے بعد بات چیت ناپسند کرتے تھے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے ماسوا عشاء کی نماز کے اور شدید گرمی میں ظہر کے علاوہ اور بادلوں کے ہونے کی صورت میں مغرب کے علاوہ کہ ان تینوں نمازوں کو ان صورتوں میں مؤخر کرنا افضل ہے۔ عشاء کی نماز اس کے آخری وقت تک مؤخر کرنا جو افضل وقت ہے، مستحب ہے یعنی تہائی رات یا نصف شب تک بشرطیکہ نمازیوں پر یا ان میں سے کچھ پر بھاری نہ ہو ایسی صورت میں اس کو مؤخر کرنا مکروہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر دیں۔ دوسری بات یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف برتنے کا حکم فرمایا کرتے تھے امت پر نرمی کی خاطر۔

گرمی ہونے کی صورت میں ظہر کو بہر حال مؤخر کرنا مستحب ہے اور عشاء کے وقت میں اس کی تعجیل مستحب ہے اس حدیث کی بناء پر جو پہلے گزری کہ جب گرمی بڑھے تو ٹھنڈے وقت میں نماز ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

---

❶..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۵ اور بعد کے صفحات، المہذب ج ۱ ص ۵۳۔ ❷ پہلی چیز کی ممانعت بخاری کی روایت میں ہے کہ تمہارے مغرب کی نماز کے نام پر بدو ہرگز غالب نہ آجائیں بدو مغرب کو عشاء کہا کرتے تھے دوسری چیز کی ممانعت مسلم کی روایت ہے کہ تمہاری نماز کے نام پر اعراب ہرگز غالب نہ آجائیں خبردار یہ عشاء ہے بدو اونٹوں کو اندھیرے میں لے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے اونٹ کے دودھ دوہنے کو اندھیرے میں کرتے ہیں مفہوم یہ ہے کہ یہ اس کو عتمہ کہتے ہیں لیکن یہ اونٹوں کے دودھ دوہنے کا کام رات اندھیرے میں کرتے ہیں (یعنی عتمہ (رات دیر سے کئے جانے والی چیز) سے مراد یہ عشاء لیتے ہیں جب کہ اصلا یہ دودھ دوہنے کے عمل کا نام ہے) یہ دوسری حدیث امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۶۔ ❸ المغنی ج ۱ ص ۳۸۵، ۳۸۸۔ ۳۹۵ کشف القناع ج ۱ ص ۲۹۱۔ ۲۹۵۔

ابرآلود ہونے کی صورت میں مغرب اور ظہر کی تاخیر مستحب ہے اور عصر اور عشاء کی تعجیل مستحب ہے، کیونکہ ایسی صورت میں بارش، ہوا اور ٹھنڈ وغیرہ جیسے عوارض پیش آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو پہلی نماز کو مؤخر کر کے دو نمازوں کے مابین جمع کرنے کا عمل بارش وغیرہ سے بچنے کے لئے اور دوسری نمازوں کو جلدی پڑھ لینے میں اس مشقت و تکلیف سے بچنا ممکن ہوتا ہے جو ان عوارض کی بناء پر لاحق ہو سکتی ہے حنابلہ کے ہاں عشاء کو عتمہ کہنا مستحب نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو عتمہ کہتا سنتے تو غضبناک ہو جاتے اور چیختے اور فرماتے کہ یہ عشاء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ افضل وقت اول وقت ہے احناف فجر میں اسفار (روشنی میں کر کے پڑھنا) کو افضل سمجھتے ہیں، جمہور اس کو جلدی پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، اور سب حضرات ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، احناف عصر کو مؤخر کر کے پڑھنے کو افضل سمجھتے ہیں مالکیہ اس شخص کے لئے تاخیر کو مستحب قرار دیتے ہیں جو جماعت کے انتظار میں ہو۔اور حنابلہ عشاء کو مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں اسی طرح ابرآلود موسم میں بارش کے خدشے کے پیش نظر ظہر اور مغرب کو جمع بین الصلاتین دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے لئے) مستحب قرار دیتے ہیں۔

نماز کس وقت میں اداشدہ شمار ہوگی؟ اس لئے شریعت کی طرف سے خاص کردہ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اگر اپنے وقت میں سے کسی بھی حصے میں ادا کر لی جائے تو وہ ادا شمار ہوتی ہے، اور اگر وقت کے دوران ہی اسے پہلی دفعہ میں کسی خلل یا فساد واقع ہونے کی بناء پر دوبارہ ادا کیا جائے تو اس کو اعادہ (نماز لوٹانا) کہا جاتا ہے اور وقت مقرر گزر جانے کے بعد ادا کی جانے والی نماز قضاء کہلاتی ہے تو قضاء کی تعریف ہوئی، واجب چیز کو وقت گزرنے کے بعد انجام دینا اور اگر نمازی کو وقت میں نماز کا صرف کچھ حصہ ہی مل سکا تو کیا وہ نماز ادا شمار ہوگی یا نہیں؟ فقہاء کی اس بارے میں دو قسم کی آراء ہیں پہلی رائے احناف کی ہے اور حنابلہ کی بھی راجح قول کے مطابق یہی رائے ہے دوسری رائے مالکیہ اور شوافع کی ہے۔

ا۔پہلی رائے......احناف کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دو روایتوں میں راجح قول کے مطابق ⓫ حنابلہ کے نزدیک بھی نماز کے خاص مقررہ وقت میں اگر تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز اداء شمار ہوگی۔خواہ اس شخص نے عذر کی وجہ سے نماز مؤخر کی ہو جیسے حائضہ جو بالکل آخر وقت میں پاک ہوئی ہو یا پاگل کو بالکل آخر وقت میں افاقہ ہوا ہو اور خواہ اس شخص نے بلا عذر اتنا مؤخر کیا ہو۔دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عصر کا ایک سجدہ سورج غروب ہونے سے قبل پالیا یا فجر کی نماز کا ایک سجدہ سورج طلوع ہونے سے قبل پالیا تو اس نے نماز کو پالیا ⓬ اور بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں فلیتم صلاته (تو وہ اپنی نماز پوری کر لے) اور یہ ایسے ہی درست ہے جیسے مسافر کا مقیم کی نماز کو پالینا یا جماعت کو پانا، اور اس لئے بھی درست ہے کہ بقیہ نماز اس کے تابع شمار ہوگی، جو وقت میں ادا ہوا ہے۔

۲۔دوسری رائے......یہ مالکیہ کی اور اصح قول کے مطابق شوافع کی رائے ہے ⓭ ان کے ہاں نماز جب ادا شمار ہوگی جب ایک مکمل رکعت دو سجدوں سمیت وقت میں ادا ہوئی ہو اور اگر ایک رکعت سے کم وقت میں ادا ہوئی ہو تو وہ قضاء شمار ہوگی دلیل اس کی بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے اس نے پوری نماز پالی ⓮ مراد ہے اس نے اداء نماز پالی، اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے پوری رکعت نہ پائی اس کی نماز ادا شمار نہیں ہوگی ان دونوں معاملوں میں فرق یہ ہے کہ رکعت نماز کے اکثر افعال پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے بعد افعال اسی کی طرح کے ہوتے ہیں، گویا ان کو مکرر انجام دیا جارہا ہوتا ہے۔تو یہ اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔

⓫......الدر المختار ج ۱ ص ۶۷۷ کشف القناع ج ۱ ص ۲۹۸ المغنی ج ۱ ص ۳۷۸۔ ⓬ بروایت امام مسلم احمد نسائی اور ابن ماجہ تاہم امام مسلم نے یہ فرمایا ہے کہ سجدہ سے رکعت مراد ہے۔ ⓭ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۳۱ القوانین الفقهیه ص ۴۶ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۶ المهذب ج ۱ ص ۵۴ نهایة المحتاج ج ۱ ص ۲۸۰۔ ⓮ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۵۱

اور بظاہر یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سجدے سے مراد رکعت ہے۔ دلیل اس کی وہ بات ہے جو امام مسلم نے ذکر کی اور صحاح ستہ کے حضرات کی روایت ان الفاظ سے: جس شخص نے صحیح کی نماز میں سے ایک رکعت پائی اس نے...... (الی آخرہ)

وقت کے بارے میں کوشش اور غور وفکر...... جو شخص نماز کے وقت کو نہ جان سکے بادلوں کے ہونے کے سبب سے یا اندھیری جگہ میں بند ہونے کے سبب ❶ یا ایسے شخص کے نہ ہونے کے سبب جو قابل بھروسہ ہو اور اس کو بتا سکے اور اس شخص کے پاس گھڑی بھی نہ ہو جو اس کو وقت بتا سکے تو وہ وقت کے داخل ہونے کا اندازہ لگائے اور اس بارے میں غور وفکر کرے اور مختلف چیزوں مثلاً قران کریم کی تلاوت کی آواز درس ومطالعہ وغیرہ اور نماز۔ اس طرح سلائی کی آواز اور آزمودہ مرغ کی اذان وغیرہ سے وقت کا اندازہ لگائے اور اپنے ظن وگمان کے مطابق عمل کر لے جو اس کے گمان پر غالب ہو اور اگر وقت کے بارے میں یقینی صورت کا علم آنکھوں سے دیکھنے سے عاجز ہونے کے سبب سے ہو یا کسی اور سبب سے ہو تو اس صورت میں کوشش اور غور وفکر کرنا لازم ہوگا مثلاً فجر یا سورج کے نکلنے کا معلوم کرنے کے لئے نکلنا اور اگر ان چیزوں کو انجام دینے کی قدرت ہو تو اس صورت میں غور وفکر وغیرہ جائز ہوگا واجب نہیں۔

اور اگر کسی قابل بھروسہ اور پر اعتماد شخص نے مرد یا عورت نے وقت کے داخل ہونے کا اس کو بتایا اور وہ بھی جانتے ہوئے یعنی خود مشاہدے کے بعد تو اس پر عمل کر لینا اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ یہ ایک دینی معاملے کی خبر ہے جو غور وفکر کرنے والے کو قابل بھروسہ آدمی کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ماننا ہوگی جیسے رسول خدا کا فرمان ایک عام امتی کے لئے۔ ہاں اگر وہ خود اپنے اجتہاد (غور وفکر) سے اس کو بتائے تو اس پر اس کی بات ماننا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی پیروی لازم نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت کے شروع ہونے کے بارے میں شبہ ہو تو اس وقت تک ادا نہ کرے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ وقت شروع ہو چکا ہے، یا اس کا ظن غالب نہ ہو جائے کہ وقت شروع ہو چکا ہے اور اس صورت میں اس کے لئے نماز مباح ہوگی تاہم اس کی قدرے تاخیر پھر بھی مستحب ہے تاکہ ظن غالب میں مزید پختگی پیدا ہو جائے ہاں اگر وقت ہی نکلنے کا خدشہ ہونے لگے تب تاخیر مستحب نہ رہے گی۔

اور اگر اس کو یقین ہو جائے کہ نماز قبل از وقت ہوئی ہے، خواہ وہ ایسے ثقہ اور با اعتماد شخص کے بتانے سے ہی کیوں نہ ہو جس کی روایت قابل قبول ہو اور اس نے اپنے مشاہدے سے بتایا ہو تو شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور اکثر علماء کے نزدیک وہ قضاء کرے گا۔ اور اگر قبل از ادا کرنے کا یقین نہ ہو تو اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی۔ قضاء لازم ہونے کی صورت کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز لوٹائی تھی، کیونکہ انہوں نے قبل از وقت ادا کر لی تھی۔ دوسری بات یہ کہ نماز کی ادائیگی کا حکم وقت داخل ہونے پر ہی مکلف پر لازم ہوتا ہے، اور جب ذمہ سے وہ ساقط نہ ہوئی ہو تو علی حالہ وہ باقی رہے گی۔

نماز میں تاخیر کرنا۔ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دینا درست ہے، دارقطنی کی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہلا وقت اللہ کی رضا وخوشنودی کا ہے اور آخر وقت اللہ کی مغفرت کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم تاخیر کرنے کو جائز نہ قرار دیں تو لوگوں پر بڑی تنگی ہو جائے گی، لہٰذا ان کو مؤخر کرنے کی اجازت دیدی گئی لیکن اگر کسی نے نماز اتنی مؤخر کر دی کہ دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا (یعنی وہ نماز پڑھ رہا تھا) تو وہ شخص گنہگار ہوگا لیکن نماز بہر حال ہو جائے گی۔ ❷

مکروہ اوقات...... سنت نبوی سے پانچ اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تین کا ذکر ایک حدیث میں ہے، اور دو کا دوسری حدیث میں۔ تین کا ذکر تو حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ تین وقت ایسے

---

❶...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۷ المغنی ج ۱ ص ۳۸۶، ۳۹۵ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۳۵۵. نهایة المحتاج، ج ۱ ص ۲۸۱.

❷ المهذب ج ۱ ص ۵۳ المحرر فی الفقه الحنبلی ج ۱ ص ۲۸

ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے اور مردوں کی تدفین سے بھی روکتے تھے۔

۱.....جب سورج طلوع ہوتا تھا جب تک کہ وہ اونچا نہ ہو جاتا۔ [1]

۲.....اور جس وقت سورج بیچ آسمان میں پہنچتا۔ [2] جب تک زوال نہ ہو جاتا۔

۳.....اور جس وقت سورج ڈوبنے کو ہوتا۔ [3]

ان تین اوقات میں خاص طور پر دو امور منع ہیں:

۱.....مردوں کی تدفین۔

۲.....نماز باقی دو اوقات کے بارے میں وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ان دو وقتوں میں صرف نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

یہ پانچ ممنوع اوقات ہیں:

۱.....فجر کی نماز کے بعد کا وقت جب تک سورج طلوع ہو کر اتنا روشن نہ ہو جائے کہ آنکھوں میں سوئی کی طرح چبھنے لگے۔

۲.....سورج کے طلوع ہونے کا وقت یہاں تک کہ وہ ایک نیزے کے برابر اوپر ہو جائے یعنی اس کے طلوع ہونے کے تین ساعت بعد تک۔

۳.....وقت استواء [4] میں یہاں تک کہ زوال ہو جائے یعنی ظہر کا وقت داخل ہو جائے۔

۴.....سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد یہانتک کہ وہ غروب ہو جائے۔

۵.....عصر کی نماز کے بعد یہانتک کہ سورج غروب ہو جائے۔

ان اوقات میں نماز اور نوافل کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز سے ممانعت کی وجہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتی ہے جو مسلم ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے او وہ یہ ہے کہ سورج طلوع ہوتے وقت شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتی ہے اور کفار اس کے لئے عبادت وغیرہ کرتے ہیں اور رستواء شمس کے وقت جہنم میں آگ بھڑکائی جاتی ہے اور اس کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور غروب کے وقت وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اور کفار اس وقت عبادت کرتے ہیں تو حکمت یا تو سورج کے پجاری کفار سے مشابہت سے بچنا ہے یا یہ ہے کہ زوال کا وقت وقت غضب ہوتا ہے۔

اور فجر اور عصر کے بعد نوافل کی ادائیگی سے ممانعت وقت کے اندر پائی جانے والی کسی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وقت گویا حکماً وقت کے فرض میں ہی مشغول ہے اور وہ حقیقی نفل سے افضل ہے۔

اور اس ممانعت سے حاصل ہونے والے حکم کی نوعیت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حنابلہ کے ہاں ان پانچوں اوقات میں نفل مکروہ

---

[1]..... حضرت عمرو بن عنبسہ کی حدیث سے اس کی بلندی کی مقدار بھی معلوم ہو جاتی ہے جس کے الفاظ ہیں اور وہ بلند ہو جائے ایک یا دو نیزے کے برابر یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے اور نیزے کی لمبائی ڈھائی میٹر ہوتی ہے یا سات ذراع تقریباً آنکھوں کے دیکھنے سے۔ مالکیہ فرماتے ہیں بارہ بالشت [2] حضرت ابن عنبسہ کی حدیث کے الفاظ ہیں یہاں تک کہ نیزہ اپنے سائے کے برابر ہو جائے حدیث میں وارد لفظ قائم الظہیرۃ سے مراد ہے سورج کا استواء کے وقت ہونا۔ [3] سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۱، اور بعد کے صفحات میں دونوں حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔ [4] وقت زوال کے بجائے وقت استواء سے تعبیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ زوال کے وقت نماز بالاجماع مکروہ نہیں ہے زوال شمس تو نصف النہار کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ہیں، مالکیہ کے ہاں تین اوقات میں مکروہ ہے اور آخری دونوں وقتوں میں مکروہ تنزیہی ہے۔ احناف کے ہاں پانچوں اوقات میں مکروہ تحریمی ہے شوافع کے ہاں پہلے تین اوقات کے بارے میں بھی اصح قول یہی ہے (۱) اور آخری دو وقتوں کے بارے میں شافعی مذہب کا مشہور قول یہ ہے کہ ان میں پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اور حرام ہونا یا مکروہ تحریمی ہونا (۲) نماز کے نہ ہونے کا کس حیثیت میں تقاضا کرتا ہے اس بارے میں اختلاف کا ذکر آگے آرہا ہے۔

مکروہ نمازوں کی نوعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

ا۔ تین اوقات، طلوع شمس غروب شمس، وقت استواء۔

احناف فرماتے ہیں (۳) کہ ان اوقات میں ہر نماز مطلقاً ممنوع ہے فرض ہو یا نفل ہو یا واجب ہو خواہ وہ اس کی قضاء ہی کیوں نہ ہو جو ذمے میں واجب ہو یا نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو سوائے معتمد قول کے مطابق جمعے کے دن اس وقت نفل پڑھنا اور اسی دن کی عصر کی نماز ادا کرتے ہوئے کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ فرض ادا نہیں ہوگا اور نہ ہی فرض سے ملحق چیز یعنی واجب منعقد ہوگا۔ اور نفل شروع کر لینے سے لازم ہو جائے گی کراہت تحریمیہ کے ساتھ، لہٰذا اگر دوران نماز ان مکروہ اوقات میں سے کوئی وقت شروع ہو جائے تو وہ نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس نماز جناز کے جو جنازہ اسی وقت حاضر ہوا ہو اور سجدۂ تلاوت کے جس کی آیت کی تلاوت اسی وقت ہوئی ہو اور اس دن کی عصر کی نماز اور وہ نفل یا نذر نماز جو اس وقت کے ساتھ مقید ہو فاسد کی قضاء جو اس نے اسی وقت میں شروع کی ہو پھر اس کو فاسد کر لیا ہو۔ تو ان چھ چیزوں میں سے پہلی با ا کراہت منعقد ہوگی دوسری کراہت تنزیہیہ کے ساتھ اور بقیہ چار کراہت تحریمی کے ساتھ۔

ان حضرات کی دلیل ان اوقات میں نماز پڑھنے کے بارے میں وارد عمومی ممانعت ہے اور قضاء نماز کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فرض نماز کامل طور پر واجب ہوئی تھی لہٰذا اس کی ادائیگی ناقص طور پر درست نہیں ہے۔

سورج کے طلوع ہوتے وقت اس دن کی فجر کی نماز درست نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ کامل وقت میں واجب ہوئی ہے لہٰذا فاسد وقت میں ادائیگی سے یہ باطل ہو جائے گی تاہم عوام کو اس کی ادائیگی سے منع نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس وجہ سے وہ نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور اس طرح ادا کر لینا کہ کسی فقیہ کے نزدیک وہ جائز ہو اس کے ترک کر دینے سے بہتر ہے۔ اور عصر کی نماز کراہت تحریمہ کے ساتھ صحیح ہوگی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ جو شخص عصر کی ایک رکعت سورج کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اس نے عصر کو پالیا۔ (۴)

---

(۱)..... مراقی الفلاح ص ۳۱ الدر المختار ج ص ۳۴۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۹۶ کشف القناع ج ۱ ص ۵۲۸ المغنی ج ۲ ص ۱۰۷ اور بعد کے صفحات۔ (۲) اگر حرام اور مکروہ تحریمی دونوں سے گناہ لازم ہوتا تاہم حرام وہ ہوتا ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو کتاب سے ہو سنت سے اجماع سے یا قیاس سے اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو احتمال تاویل رکھے۔ (۳) فتح القدیر مع العنایہ ج ۱ ص ۱۶۱۔۱۶۶ مراقی الفلاح ص ۳۱ الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۳۔۳۴۹۔ (۴) صحاح ستہ کے حضرات نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے جس شخص نے فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے قبل پالی اس نے فجر کو پالیا اور جس شخص نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے قبل پالی اس نے عصر کی نماز پالی (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۱) احناف پر اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث کی رو سے ان دونوں میں فرق درست نہیں حدیث کی رو سے عصر اور فجر دونوں میں برابری ثابت ہوتی ہے اس کا دفعیہ یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ جب اس حدیث میں اور تین اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت کرنے والی حدیث میں تعارض واقع ہوا تو تعارض واقع ہونے کی صورت میں اصول کے مطابق ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور از روئے قیاس اس حدیث کا حکم عصر کی نماز کے بارے میں اور ممانعت کا حکم فجر کی نماز کے بارے میں لاگو کر دیا (رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۶) اور حق بات یہ ہے کہ یہ تفریق میری نظر میں قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رو سے حدیث کے کچھ حصے پر عمل کرنا اور کچھ کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

وہ سجدہ تلاوت جس کی تلاوت ممنوع اوقات میں ہوئی ہو اس کی ادائیگی ممنوع وقت میں یا نذر مانی ہوئی نماز کی ادائیگی یا اس نفل کی ادائیگی جو اس نے اسی ممنوع وقت میں شروع کردی ہو ان کی ادائیگی ممنوع اوقات میں کراہت تنزیہیہ کے ساتھ درست ہے۔ کیونکہ وہ اسی وقت میں واجب ہوا ہوتا ہے، اسی طرح جنازہ اگر وقت مکروہ میں حاضر ہو تو اس کی نماز بھی درست ہے کیونکہ ترمذی کی روایت ایک حدیث میں ہے اے علی تین چیزیں قابل تاخیر نہیں ہوتی ہے:

ا.....نماز جب آجائے (یعنی اس کا وقت ہوجائے)۔

۲.....جنازہ جب حاضر ہو۔

۳۔اور بیوہ عورت کا جب ہم سرل جائے تو اس کی شادی۔

احناف کے ہاں جمعے کے دن زوال کے وقت نوافل پڑھنے کا قول جو کہ صحیح اور معتمد قول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کی دلیل حضرت ابو ہرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسند امام شافعی میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت زوال ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے سوائے روز جمعہ کے۔

۲۔**دوسرے دو ممنوعہ اوقات**:......فجر اور عصر کے نماز کے بعد کے اوقات ان دونوں اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ فجر کی سنتیں ہوں یا عصر کی سنتیں ہوں یا تحیۃ المسجد ہوں، یا نذر کی نماز ہو یا دوگانہ طواف ہوں یا سجدہ سہو ہو یا نماز جنازہ ہو۔ کیونکہ اس وقت میں کراہت اس لئے ہے کہ یہ وقت اصل فریضے کی وجہ سے مشغول (غیر فارغ) ہوتا ہے اور جب فرض ادا کرلیا جائے تو دوسرے فرائض یا واجبات کے حق میں کراہت باقی نہیں رہتی ہے (یعنی ان کو ادا کرنا مکروہ نہیں ہوتا ہے) تاہم یہ کراہت کا فرائض اور واجبات کے بارے میں مرتفع ہونا اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ پڑ جائے اگر وہ پیلا پڑ جائے تو اس وقت فرض کی ❶ رو سے ان دونوں میں فرق درست نہیں۔ حدیث کی رو سے فجر اور عصر دونوں میں برابری ثابت ہوتی ہے اس کا دفعیہ یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ جب اس حدیث میں اور تین اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت کرنے والی حدیث میں تعارض واقع ہوا تو تعارض واقع ہونے کی صورت میں اصول کے مطابق ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور از روئے قیاس اس حدیث کا حکم عصر کی نماز کے بارے میں اور ممانعت کا حکم فجر کی نماز کے بارے میں لاگو کردیا۔(ردالمختار ج ا ص ۳۴۶) اور حق بات یہ ہے کہ یہ تفریق میری نظر میں قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رو سے حدیث کے کچھ حصہ پر عمل کرنا اور کچھ کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔ اس کی قضاء ادائیگی بھی درست نہیں ہوگی خواہ اس شخص نے اس دن کی عصر نہ بھی پڑھی ہو۔ مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ تین ممنوعہ اوقات میں نفل ممنوع ہے فرض ممنوع نہیں ہے اور فوت شدہ فرض نمازوں کی ادائیگی ان اوقات میں اور ان کے علاوہ میں درست ہے۔ اور ان حضرات کے ہاں نماز جنازہ نذر مانی ہوئی نوافل نفل کی فاسد کی ہوئی نماز اور نماز کے بعد ادا کئے جانے والا سجدہ سہو ان حضرات کے ہاں نوافل کے زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب سنت ہیں اور اس ممانعت میں عمل درآمد دراصل اس ممانعت پر ہے جو حدیث سے ثابت ہے جو پہلے گذری۔

آخری دو وقتوں (فجر اور عصر کے بعد کے اوقات) میں نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے جب تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد بقدر ایک نیزے کے بلند نہ ہوجائے ❸ اور جب تک مغرب کی نماز ادا نہ کرلی جائے تاہم اس اصول سے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت مستثنیٰ ہیں ان کو فجر کی نماز کے بعد صبح خوب روشن ہونے سے قبل اور عصر کے بعد سورج کے زرد پڑ جانے سے قبل ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ مندوب ہے اور فجر کی دو

---

❶.....تاہم اس کی سند ضعیف ہے۔ سبل السلام ج ا ص ۱۱۳۔❷الشرح الصغیر ج ا ص ۲۴۱ القوانین الفقھیہ ص ۴۶ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۸۶ اور بعد کے صفحات ❸مراد وہ نیزے ہیں جو عرب استعمال کیا کرتے تھے ان کی لمبائی درمیانی ماپ کی بارہ بالشت ہوتی ہیں۔

سنتیں بھی اس سے مستثنیٰ ہیں، یہ فجر طلوع ہونے کے بعد بھی مکروہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ترغیب وارد ہے اور یہ رغیبہ ہیں جیسا کہ یہ تفصیل آگے آئے گی۔

اور نفل کی نیت باندھنے والے پر نماز توڑنا واجب ہوگی اگر وہ حرام وقت میں نیت باندھے، اور مکروہ وقت میں نیت باندھنے پر نیت توڑنا مندوب ہوگا اور اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ نفل نماز معتمد قول کے مطابق تین اوقات میں مکروہ تحریمی ہے اور بقیہ دو وقتوں میں مکروہ تنزیہی ہے۔ اور نماز دونوں صورتوں میں منعقد نہیں ہوگی کیونکہ شریعت میں وارد ممانعت جب خاص ذات عبادت کے لئے وارد ہو یا اس کے ساتھ رہے تو وہ اس کے فساد اور خرابی کو مقتضی ہوتی ہے خواہ وہ تحریمی ہو یا تنزیہی اور کرنے والا دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا کیونکہ کراہت تنزیہی اگرچہ عموماً گناہ کی مقتضی نہیں ہوتی ہے مگر اس حالت میں نماز پڑھنے والا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ فاسد عبادت انجام دے رہا ہے، اور جو شخص ممنوعہ اوقات میں نوافل وغیرہ پڑھے وہ قابل سزا ہے۔ شوافع نے چند حالات کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ ❷

ا۔ جمعہ کا دن ...... وقت استواء کے وقت جمعے کے دن نماز مکروہ نہیں کیونکہ بیہقی کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کے مطابق یہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصف النہار کے وقت نماز کی ادائیگی سے ممانعت فرماتے تھے سوائے جمعے کے دن کے۔ اسی طرح امام ابوداؤد کی حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایت بھی اس معنی ومفہوم میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے سوائے جمعے کے دن کے اور فرماتے تھے کہ جہنم کو روزانہ بھڑکایا جاتا ہے، سوائے جمعے کے ❸ اور ان حضرات کے ہاں اصح قول کے مطابق اس وقت نماز مطلقاً درست ہے خواہ وہ شخص جمعے کی نماز کے لئے جائے یا نہیں۔

۲۔ حرم مکہ: ...... صحیح قول یہ ہے کہ ان اوقات میں حرم مکہ میں نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبد مناف کسی شخص کو اس گھر کا طواف کرنے سے نہ روکو اور نہ نماز پڑھنے سے روکو دن میں یا رات میں جس وقت وہ چاہے ❹ دوسری وجہ یہ ہے کہ حرم میں نماز کی فضیلت زیادہ ہے لہٰذا وہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہونی چاہئے، تاہم یہ خلاف اولیٰ ضرور ہے کیونکہ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ❺

۳...... وہ نماز جو ایسے سبب والی ہو جو بعد میں آنے والا نہ ہو، جیسے فوت شدہ نماز گرہن کی نماز تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور سجدہ شکر کیونکہ فوت شدہ نماز، تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا سبب پہلے گزرا ہوتا ہے سورج گرہن کی نماز اور صلاۃ الاستسقاء نماز جنازہ اور طواف کی دوگانہ کا سبب ملا ہوا ہوتا ہے (مقارن ہوتا ہے) اور فوت شدہ فرض یا نفل تو حدیث کی رو سے کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ اس کو پڑھ لے جب اس کو یاد آجائے ❻ اور صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت ادا کیں اور فرمایا یہ وہ ہیں جو ظہر کے بعد کی ہیں کسوف (سورج گرہن) کی نماز تحیۃ المسجد وغیرہ کے فوت ہو جانے کا بہت

---

❶...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۸ اور بعد کے صفحات حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۹۶ اور بعد کے صفحات۔ ❷ کراہۃ تحریمی اور تنزیہی میں فرق یہ ہے کہ پہلی کراہت گناہ کا باعث ہوتی ہے اور دوسری نہیں۔ ❸ یہ حدیث ضعیف ہے سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۳ اور بعد کے صفحات۔ ❹ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند میں لیث بن ابو سلیم ہے جو ضعیف ہے تاہم اس عمل کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے فعل سے ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نفل پڑھا کرتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے لئے جلدی جانے کی ترغیب دی ہے پھر امام کے نکلنے تک نفل پڑھنے کی ترغیب دی ہے بغیر تخصیص واستثناء کے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۴۔ ❺ بروایت اصحاب خمسہ وابن حبان امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام شافعی دارقطنی ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ حوالہ بالا۔ ❻ متفق علیہ۔

امکان ہوتا ہے اور صحیحین میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے اس عمل کے بارے میں تو بتاؤ جس (کے عند اللہ مقبول ہونے کے) بارے میں تم سب سے زیادہ پر امید ہو کیونکہ تمہاری چپلوں۔ ❶ کی چاپ میں نے اپنے آگے سنی، وہ بولے: میں اپنے اعمال میں سب سے زیادہ پر امید اس پر ہوں کہ میں نے جب بھی دن میں یا رات میں طہارت حاصل کی تو میں اس کے بعد جتنی اللہ نے توفیق دی نماز ضرور ادا کی۔

سجدہ شکر کے بارے میں صحیحین میں وارد ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت کے وقت انہوں نے فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے قبل سجدہ شکر کیا تھا۔

اور وہ نوافل جن کا سبب متاخر ہو جیسے استخارے کی دو رکعات اور احرام کی نوافل تو وہ ایسے ہی منعقد نہیں ہوں گی جیسے وہ نماز منعقد نہیں ہوتی ہے جس کا سبب نہیں ہوتا۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ فوت شدہ فرض نمازوں کی ادائیگی تمام اوقات ممنوعہ اور غیر ممنوعہ میں درست ہے کیونکہ پہلے گزری ہوئی حدیث معنی و مفہوم کے اعتبار سے عام ہے کہ جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ یاد آنے پر اس کو ادا کرے دوسری دلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ تفریط اور کوتاہی نیند میں نہیں کوتاہی تو جاگتے رہنے میں ہے تو جب کوئی نماز بھول جائے یا سو جائے تو یاد آنے پر وہ اس کو ادا کرلے ❸ اور اگر فجر کی نماز کی ادائیگی کے دوران سورج نکل آئے تو وہ اس کو مکمل کرلے، یہ قول احناف کے قول کے برخلاف ہے دلیل وہی گذشتہ حدیث ہے کہ جب کوئی فجر کی نماز میں سے نکلنے سے قبل ایک سجدہ بھی پالے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے۔ اور منت مانی ہوئی نماز ممنوعہ اوقات میں پڑھنا درست ہے، خواہ اس شخص نے اسی وقت میں نذر مانی ہو بخلاف احناف کے دلیل حنابلہ کی یہ ہے کہ یہ واجب نماز ہے تو یہ فوت شدہ فرض نماز اور نماز جنازہ کے مشابہ ہوئی۔ دوگانہ طواف کا ادا کرنا درست ہے، دلیل وہی حدیث ہے جو شوافع کے نزدیک دلیل تھی کہ اے بنی عبد مناف کسی شخص کو اس گھر کا طواف کرنے یا اس میں نماز پڑھنے سے مت روکو دن یا رات میں سے جس وقت وہ چاہے۔

نماز جنازہ آخری دو وقتوں (فجر اور عصر کے بعد کے اوقات) میں پڑھنا درست ہے یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے اور پہلے تین اوقات (طلوع شمس غروب شمس اور وقت استواء) میں نماز جنازہ درست نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت درپیش ہو تو ضرورت کے پیش نظر یہ درست ہے اس کی ممانعت کی دلیل تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ تین اوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے اور مردوں کی تدفین سے منع فرماتے تھے۔

اور جماعت کا ممنوعہ اوقات میں سے کسی بھی وقت لوٹانا جائز ہے بشرطیکہ وہ جماعت مسجد میں ہو رہی ہو اور وہ شخص مسجد میں ہو یا وہ مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز ادا کر رہے ہوں خواہ وہ جماعت کے ساتھ پڑھے یا اکیلا پڑھے دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نے نماز ختم فرمائی تو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا نہیں کی تھی، آپ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا؟ وہ بولے ہم نے اپنے خیموں میں نماز پڑھ لی تھی، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھو اور مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھ لو، یہ تمہارے لئے نفل بن جائے گی ❹ یہ حدیث فجر کے بارے میں نص ہے اور بقیہ اوقات بھی اسی کی طرح ہیں اور اس لئے بھی کہ اگر وہ ساتھ شریک نہ ہو تو امام کے بارے میں کسی قسم کی تہمت بازی اور غلط فہمی کا اندیشہ رہے گا (کہ کیا وجہ ہے کہ یہ شخص اس امام کے پیچھے

---

❶ ..... حدیث کے الفاظ ہیں دف نعلیک اس سے مراد اس کی حرکت اور چاپ ہے جیسا کہ امام بخاری نے یہی فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۶۔ ❷ المغنی ج ۲ ص ۱۰۷۔ ۱۲۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۵۲۸۔ ۵۳۱۔ ❸ بروایت امام نسائی ابوداؤد اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل اولاوطاج ۲ ص ۲۷۔ ❹ بروایت ابوداؤد اور ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

ان حضرات کے ہاں اوپر بیان شدہ نمازوں کی استثناء کے علاوہ باقی تمام نوافل ان پانچوں مکروہ اوقات میں ممنوع ہیں وجہ وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں۔ خواہ نوافل ہوں جن کا کوئی سبب ہو جیسے سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر، یا فرائض کی تابع سنتیں ہوں جیسے فجر کی سنتیں جو نماز فجر کے بعد ادا کی جائیں یا عصر کے بعد اسی طرح سورج گرہن کی نماز صلاۃ الاستسقاء تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء وغیرہ یا وہ ہوں جن کا کوئی سبب نہ ہو جیسے نماز استخارہ وغیرہ کیونکہ ممانعت عام ہے، اور ان احادیث جو ممانعت ثابت کرتی ہیں ان احادیث پر جو تحیۃ المسجد وغیرہ کی ترغیب دیتی ہیں ترجیح اس لئے حاصل ہے کہ یہ حرمت ثابت کرنے والی ہیں اور پہلی والی حدیث اباحت ثابت کرتی ہیں اور ممانعت ثابت کرنے والی چیز اباحت ثابت کرنے والی پر مقدم ہوتی ہے۔ اور عصر کے بعد نماز کی ادائیگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے تاہم جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران داخل ہونے والے شخص کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا درست ہے دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز کی ادائیگی سے منع فرمایا ہے سوائے جمعے کے دن کے۔

اور صحیح قول کے مطابق عصر کی نماز کے بعد نمازوں کی سنتوں کی ادائیگی درست ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام انجام دیا ہے کیونکہ آپ نے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں عصر کے بعد ادا فرمائی تھیں جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور عصر سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ ان کی قضاء نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کیا میں نے آپ سے عرض کیا: کیا آپ ان کو قضا کریں گے اگر یہ فوت ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں [1] اور فجر کی سنتوں کی قضاء فجر کے بعد درست ہے تاہم امام احمد نے ترجیح اس کو دی ہے کہ ان کو سورج طلوع ہونے کے بعد کے وقت ادا کیا جانا چاہئے تاکہ اس اختلاف کی حدود سے باہر نکلا جا سکے جو اس بارے میں ہے،

مذہب کا مشہور قول یہ ہے کہ سنتوں کی قضاء ممنوعہ اوقات میں درست نہیں ہے، اور مکہ مکرمہ اور دوسرے شہروں میں ممانعت میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اس بارے میں وارد ممانعت عام ہے۔ اسی طرح زوال کے وقت کے بارے میں وارد ممانعت میں جمعہ اور دوسرے دنوں میں فرق نہیں ہے اور نہ گرمی اور سردی میں فرق ہے کیونکہ اس بارے میں وارد احادیث عام ہیں۔

دوسرے اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت...... احناف اور مالکیہ نے دوسرے بعض اوقات میں بھی نوافل پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں [2] یہ بات پیش نظر رہے کہ ان تمام امور میں احناف کے ہاں کراہت تحریمی ہے۔

۱۔ طلوع فجر کے بعد فجر کی نماز سے پہلے...... احناف فرماتے ہیں کہ اس وقت میں سوائے فجر کی سنتوں کے نوافل ادا کرنا مکروہ ہے بعض شوافع اس وقت نفل کی ادائیگی کی کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ تاہم مذہب کا مشہور قول اس کے برخلاف ہے، اسی طرح حنابلہ کے ہاں بھی اس وقت نوافل کی ادائیگی درست ہے، کیونکہ ممانعت ثابت کرنے والی صحیح احادیث میں فجر سے قبل نماز کی صراحت نہیں ہے اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آتی ہے جو غریب ہے اس بناء پر فجر سے قبل وتر کی ادائیگی درست ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں طلوع فجر کے بعد نماز سے پہلے نفل نمازیں مکروہ تنزیہی ہیں، اس وقت میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء، فجر کی سنتیں وتر اور معمول کی اپنے اوپر مقرر کردہ نوافل درست ہیں مالکیہ اور احناف کی دلیل اس کراہت پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فجر کا وقت شروع ہونے کے

---

[1] ...... ابن نجار نے اپنی حدیث کے پانچویں، جزء میں اس کو نقل کیا ہے۔ [2] الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۹۔۳۵۱ مراقی الفلاح ص ۳۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۸۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۲، وص ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۳۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۹، ص ۳۱۳ المحلی علی المنھاج مع قلیوبی وعمیرۃ ج ۱ ص ۱۱۹ الحضرمیہ ص ۳۲ المغنی ج ۲ ص ۱۱۶۔۱۱۹۔۱۲۹، ۱۳۵۔۳۸۷ کشف القناع ج ۲ ص ۴۷ و ۶۳

بعد فجر کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے سوائے فجر کی دوسنتوں کے۔(۱۱)

۲۔ مغرب کی نماز سے قبل:......احناف اور مالکیہ کے ہاں مغرب کی نماز سے قبل نوافل پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ مغرب کی نماز جلد ادا کرنے کے بارے میں واردا حادیث میں عمومیت پائی جاتی ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈوب جاتا اور پردے کے پیچھے چلا جاتا۔(۱۲)

اور حضرت عقبہ بن عامرؓ والی حدیث میری امت خیر پر یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کریں کہ ستارے گڈمڈ ہو جائیں(۱۳) اور نفل کی ادائیگی مغرب میں تاخیر کا سبب بنتی ہے، جب کہ مغرب کی ادائیگی میں جلد بازی مستحب ہے۔

شوافع مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں مغرب سے قبل دو رکعت نفل مستحب ہیں، یہ سنت غیر مؤکدہ ہے حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف جائز ہیں سنت نہیں ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دو رکعت ادا فرمائی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت پڑھا کرتے تھے(۱۴) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب سے قبل دو رکعتیں ادا کرو پھر فرمایا مغرب سے قبل دو رکعت ادا کرو پھر تیسری مرتبہ فرمایا: یہ حکم اس کے لئے ہے جو چاہے کہ وہ پڑھے۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔(۱۵)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ مغرب سے قبل دو رکعتوں کی مشروعیت کی احادیث ان احادیث کے لئے مخصص (معنی کو مقید کرنے والی) ہیں جو مغرب کی نماز کو جلد پڑھنے کو مستحب بتاتی ہیں۔

۳۔ جمعہ، عید، حج، نکاح، کسوف (سورج گرہن) اور استسقاء کے خطبے کے دوران نفل کی ادائیگی......احناف اور مالکیہ کے نزدیک خطیب کے نکل آنے کے بعد نماز سے فارغ ہو لینے تک نفلوں کی ادائیگی مکروہ ہے دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اگر تم نے جمعے کے دن اپنے ساتھ بیٹھے شخص سے کہا: انصت (خاموش ہو جاؤ) اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو اور غلط کا ارتکاب کیا(۴) مالکیہ مزید فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد لوگوں کے مسجد سے چلے جانے تک نفلوں کی ادائیگی مکروہ ہے۔(۱۶)

حنابلہ اور شوافع کے ہاں بھی اس حالت میں نفلوں کی ادائیگی مکروہ تنزیہی ہے۔

تاہم تحیۃ المسجد کی اجازت ہے بشرطیکہ تکبیر تحریمہ فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو اور اس شخص پر لازم ہے کہ وہ مختصراً ادا کرے یعنی صرف واجبات کی ادائیگی پر اکتفاء کرے اور اگر اس نے جمعے کی پہلی سنتیں ادا نہ کی ہوں تو ان کی نیت بھی تحیۃ المسجد کے ساتھ کر لے، کیونکہ دو رکعت سے زائد ادا کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور شوافع کے ہاں تحیۃ المسجد کے علاوہ دوسری نماز منعقد بھی نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل صحیحین کی روایت ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے اور یہ روایت ممانعت والی حدیث کی مخصص ہے۔ حضرت جابر

---

(۱۱)...... یہ حدیث طبرانی نے معجم اوسط میں نقل کی ہے لیکن عبداللہ بن خراش اس کے ساتھ منفرد ہیں لہٰذا یہ غریب ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے امام دار قطنی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لیبلغ شاهد کم غائبکم ان لاصلاة بعد الفجر الار کعتین اس کی سند میں ایک شخص جس کے بارے میں اختلاف ہے ابوداؤد اور ترمذی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لاصلاة بعد االفجر الا سجدتين تاہم یہ حدیث غریب ہے۔ نصب الراية ج ا ص ۲۵۵۔ (۱۲) بروایت صحاح ستہ ما سوا نسائی۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۔ (۱۳) بروایت امام احمد، ابوداؤد اور حاکم، حوالہ سابقہ ج ۲ ص ۳۔ (۱۴) بروایت امام مسلم اور ابوداؤد نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۔ (۱۵) بروایت امام احمد بخاری اور ابوداؤد، ایک روایت میں ہے بین کل اذانين صلاة بين كل اذانين صلاة ثم قال في الثالثة لمن شاء بروایت صحاح ستہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۔ (۱۶) بروایت صحاح ستہ ما سوا ابن ماجہ سبل السلام ج ۲ ص ۵۰۔

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیرہے تھے آپ نے فرمایا اے سلیک کھڑے ہو اور دو رکعت پڑھو اور ان میں تخفیف برتو ❶ یعنی جلدی پڑھو۔

۴۔ **عید سے پہلے اور بعد میں**...... احناف حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں عید سے قبل اور بعد میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل اس کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے قبل کوئی نماز نہ پڑھتے اور جب اپنے گھر لوٹتے تو دو رکعت ادا فرماتے ❷ حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ سے نکل جانے کے بعد نفلوں کی ادائیگی میں مضائقہ نہیں ہے یہ کراہت احناف اور حنابلہ کے ہاں امام اور مقتدی سب کے لئے برابر ہے خواہ مسجد میں ہو یا عیدگاہ میں، مالکیہ کے ہاں کراہت اس وقت ہے جب اس کی ادائیگی عیدگاہ میں ہو رہی ہو۔ مسجد میں ہونے کی صورت میں یہ حکم نہیں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ امام کے لئے عید سے قبل اور بعد نفل مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہم کے مقابلے میں غیر اہم سے اشتغال لازم آتا ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مخالفت بھی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن صرف (عید کی) دو رکعت ادا فرمائیں، نہ اس سے پہلے کوئی نماز ادا کی اور نہ بعد میں) ❸ ان کے ہاں سورج کے بلند ہو جانے کے بعد عید سے قبل امام کے علاوہ لوگوں کے لئے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے اور عید کے بعد نفل مکروہ نہیں اگر وہ شخص خطبہ نہ سن رہا ہو، خطبہ سننے کی صورت میں مکروہ ہے۔

۵۔ **فرض نماز کھڑے ہونے کے وقت**...... احناف فرماتے ہیں فرض نماز کے کھڑے ہو جانے کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حدیث میں ہے جب نماز کھڑی ہو جائے تو صرف فرض نماز ہی پڑھی جائے گی دوسری نہیں ❹ تاہم سنت فجر اس حکم سے مستثنیٰ ہے بشرطیکہ جماعت چھوٹ جانے کا خدشہ نہ ہو خواہ جماعت صرف تشہد ہی پالینے کا امکان ہو۔ اور اگر بالکل چھوٹ جانے کا خدشہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے لہٰذا اقامت کے وقت فجر کی سنتوں کی ادائیگی درست ہے کیونکہ اس کے بارے میں تاکید بہت زیادہ ہے اور ترغیب کافی وارد ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پابندی بھی بہت فرماتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ ❺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے جتنا اہتمام فجر کی دو سنتوں کا کرتے تھے کسی اور کا نہیں کرتے تھے ❻ اور امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو نماز کھڑی ہو چکی تھی تو آپ نے فجر کی سنتیں مسجد کے ایک ستون کی آڑ میں ادا فرمائیں۔

اسی طرح فرض کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں نوافل کی ادائیگی مکروہ ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں فرض کے چھوٹ جانے کا خدشہ ہے۔

شوافع اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں ❼ کہ نماز کھڑی ہو جانے کے بعد کسی بھی قسم کی دوسری نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ نمازوں کی

---

❶...... بروایت امام مسلم، بخاری کی روایت میں ہے جمعے کے دن ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے دوران مسجد میں داخل ہوا آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ س نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت پڑھو۔ سبل السلام ج ۲ ص ۵۱۔ ❷ بروایت ابن ماجہ بسند حسن، سبل السلام ج ۲ ص ۶۸ یہ حدیث حاکم اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ ❸ بروایت اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبل (یعنی ساتوں حضرات) سبل السلام ج ۲ ص ۶۶۔ ❹ بروایت امام مسلم اور چاروں اصحاب سنن از حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت صحیح ہے۔ ❺ یہ حدیث امام مسلم امام احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۹۔ ❻ متفق علیہ سبل السلام ج ۲ ص ۴۔ ❼ شرح مسلم للنووی ج ۵ ص ۲۲۱، المجموع ج ۳ ص ۲۷۳۔ ۵۵۰ المغنی ج ۱ ص ۴۵۶۔

سنتیں ہوں جیسے فجر، ظہر اور عصر کی سنتیں، یا وہ دوسرے نوافل ہوں جیسے تحیۃ المسجد وغیرہ۔ علامہ نووی نے اس بحث پر عنوان ان الفاظ میں باندھا ہے: باب اس بارے میں کہ مؤذن کے تکبیر اقامت شروع کردینے کے بعد نفل شروع کرنا مکروہ ہے خواہ وہ نمازوں کی سنتیں ہوں جیسے فجر اور ظہر کی سنتیں وغیرہ، اور خواہ اس کو اس بات کا اندازہ ہو کہ وہ سنتیں ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو کر ایک رکعت پالے گا یا نہیں ہو۔ جمہور فقہاء کی اس بارے میں دلیل یہ فرمان نبوی ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں ادا کی جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو نماز پڑھ رہا تھا اور فجر کی نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی آپ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے ایسا کرنے والا فجر کی چار رکعتیں پڑھنے والا شمار ہو اس کا مفہوم یہ ہے کہ فجر کی نماز کی تکبیر کہے جانے کے بعد صرف فرض کی ادائیگی میں مشغول ہونا چاہئے ❶ تو جو شخص اقامت کہے جانے کے بعد دو رکعتیں ادا کرے پھر فرض میں شریک ہو تو گو یا وہ ایسا ہوگا جیسے اس نے فجر کی چار رکعتیں ادا کی ہوں کیونکہ اس نے تکبیر کہے جانے کے بعد چار رکعت ہی ادا کی ہیں اور اقامت کے بعد نوافل کی ادائیگی سے ممانعت کی حکمت میں صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ شخص فرض کی ادائیگی کے لئے پہلے لمحے سے ہی فارغ ہو اور امام کے شروع کرنے کے فی الفور بعد خود شروع کردے، اور اگر وہ نفلوں میں مشغول ہو جائے گا تو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے کا موقع ضائع ہو جائے گا اور بعض ایسی چیزیں اس سے چھوٹ جائیں گی جو فرائض کی تکمیل کرنے کی حیثیت رکھتی ہیں، لہٰذا فرض نماز اس کی زیادہ حقدار ہے کہ اس کے مکمل کرنے کا زیادہ اہتمام ہو اور دوسری حکمت اس ممانعت میں یہ ہے کہ ائمہ کی مخالفت نہ پائی جائے (یعنی امام نے تو نماز شروع کردی اور یہ شخص اپنی الگ نماز شروع کر رہا ہے)۔

تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر رکعت چھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو ان دو سنتوں کو مسجد سے باہر ادا کرلے۔

تیسری فصل......اذان اور اقامت

اس فصل میں اولاً اذان کے معنی، اس کی مشروعیت اور فضیلت، اس کے حکم اس کی شرائط، اس کے طریقے اس کی سنتیں اور مکروہات، مؤذن کو جواب دینا اور اذان کے بعد کے مستحب اعمال کا بیان ہوگا پھر اس کے بعد دوسرے مرحلے میں اقامت کی صفت کیفیت اور طریقے اور اس کے احکام کا بیان ہوگا۔

ا۔ پہلی بحث......اذان

لغت میں اذان کے معنی اعلان کے ہیں، اسی معنی میں یہ آیت ہے:

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ ...... سورۃ توبہ آیت نمبر ۲

اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے۔

اور یہ آیت

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ...... سورۃ الحج آیت نمبر ۲۷

اور اعلان کردیجئے لوگوں میں حج کا۔

شریعت کی اصطلاح میں یہ مخصوص نداء ہے جس سے فرض نماز کے وقت کے بارے میں جانا جاتا ہے ❷ یا یوں کہہ لیا جائے یہ نام ہے نماز کے وقت کے اعلان کا مخصوص الفاظ کے ساتھ۔ ❸

---

❶ ......اس میں احناف پر رد ہے جو اقامت ہو جانے کے بعد مسجد میں بھی فجر کی دو سنتوں کی ادائیگی کی اجازت دیتے ہیں۔ ❷ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۳۳۔ ❸ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱، اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۶۲ کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۶۔

اس کی مشروعیت اور فضیلت...... قرآن، سنت اور اجماع امت اذان کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں اس میں بڑی فضیلت اور بڑا اجر ہے۔

قرآن میں سے دلیل تو یہ آیت ہے:

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۵۸

اور جب تم بلاتے ہو (پکار کر) نماز کی طرف......

اور حدیث میں سے دلیل بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے صحیحین کی یہ روایت بھی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے لے اور تم میں سے کوئی بڑا تمہاری امامت کرے (1) اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث اذان کے طریقے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے جو کہ اس خواب سے معلوم ہوا تھا جس کی تائید بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی یہ طویل حدیث ہے اسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان شاء اللہ سچا خواب ہے تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کو وہ الفاظ سکھا دو جو تم نے دیکھے وہ تمہارے مقابلے میں زیادہ بلند آواز والے ہیں (2) اذان کی سند اور دلیل صرف خواب نہیں ہے، اس خواب کے ساتھ ساتھ وحی کی بھی تائید اس کو ہے، بزار کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اذان دکھادی گئی تھی اور آپ نے اس کا مشاہدہ ساتوں آسمانوں سے اوپر کیا تھا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو آگے کیا آپ نے اہل آسمان کی امامت فرمائی ان میں حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام بھی تھے، اس طرح اللہ نے آپ کی فضیلت اہل آسمان وزمین پر شرف وبزرگی عطاء فرمادی۔ تاہم یہ حدیث غریب ہے اور صحیح روایت یہ ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ منورہ میں ہوئی جیسا کہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے (3) اس بنیاد پر اذان کے خواب کا واقعہ پہلی سن ہجری کا واقعہ شمار ہوگا اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی تھی۔

اذان میں بڑا ثواب ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اگر لوگ جانتے کہ نداء اور صف اول میں کیا رکھا ہے اور ان کو قرعہ اندازی کرنا پڑتی تو وہ ان پر قرعہ اندازی کیا کرتے (4) اور یہ فرمان نبوی ہے جب تم اپنے جانوروں کے گلے میں ہو یا اپنے صحراء اور جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دینا ہو تو آواز بہت بلند کرو کیونکہ مؤذن کی آواز انسان جنات اور چیزوں میں سے جو بھی سنے تو وہ بروز قیامت اس کے بارے میں گواہی دے گا۔ (5)

اور ایک اور حدیث میں ہے مؤذن قیامت کے دن سب سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ (6)

اذان بمع اقامت اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں بھی امامت سے افضل ہے دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ......سورۃ فصلت آیت نمبر ۳۳

اور اس سے اچھی بات کون کہنے والا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل انجام دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اذان دینے والے ہیں اور دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے اے اللہ ائمہ کو ہدایت عطاء فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما (7) اور

---

(1)...... بروایت مالک بن الحویرث نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۲ (2) بروایت امام احمد وابوداؤد، نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۵ اور بعد کے صفحات۔ (3) دیکھئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۶۰ اور بعد کے صفحات۔ (4) متفق علیہ از حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نداء سے مراد اذان ہے۔ (5) بروایت امام بخاری از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (6) یہ حدیث امام مسلم امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۳، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو شخص سات سال اللہ کے لئے اذان دے تو اس کے لئے جہنم سے برأت لکھ دی جائے گی۔ (7) یہ حدیث امام شافعی امام احمد بن حنبل ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ (8) ص ۳۳ اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو سورج چاند تارے اور سائے کو اللہ کی یاد کے لئے دیکھتے رہتے ہیں (یعنی یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کب کونسی چیز کا وقت ہوگا)۔

حضرات کے پاس وقت کم تھا ❶ احناف فرماتے ہیں کہ اقامت اور امامت اذان سے افضل ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے امامت انجام دی ہے لیکن اذان نہیں دی۔

اذان کا حکم...... جمہور فقہاء ماسوا حنابلہ کے ہاں اذان اور اقامت مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے ❷ مسجد میں جماعت کے لئے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے ان کے علاوہ نمازوں کے لئے نہیں حنابلہ میں سے خرقی حنبلی بھی ان فقہاء میں شامل ہیں عید، سورج گرہن، تراویح اور جنازے کی نمازوں کے لئے یہ نہیں ہیں، ان نمازوں کے لئے صرف الصلوٰۃ جامعۃ (نماز شروع ہو رہی ہے) کے الفاظ کافی ہیں۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو یہ پکار لگائی گئی الصلوٰۃ جامعۃ (نماز شروع ہو رہی ہے) اور اذان و اقامت سے مقصود فرض نماز کے وقت کے داخل ہونے اور اس کے لئے کھڑی ہونے کا اعلان ہے نفل اور نذر نماز کے لئے یہ مسنون نہیں ہے اس کے سنت ہونے کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ اگر لوگ جانتے کہ اذان اور صف اول میں کیا بات ہے تو وہ اس پر قرعہ اندازی کرتے دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو ان دونوں کا حکم نہیں دیا تھا، حالانکہ آپ نے وضو، قبلہ رخ ہونے اور ارکان نماز کی اس کو تعلیم دی تھی۔ اور اس بناء پر کسی شہر کے باشندے اگر اذان ترک کرنے پر متفق ہوں تو وہ گناہگار نہیں ہوں گے اگر ان کے علاوہ لوگ اس کو انجام دے رہے ہوں اور نہ ہی اس عمل پر انہیں سزا دی جائے گی نہ مارا جائے گا اور نہ قید کیا جائے گا۔

شوافع اور مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ صرف اقامت اذان نہیں، عورت یا خواتین کی جماعت کے لئے مسنون ہے اذان کے مسنون ہونے کی وجہ اس فتنے کا خدشہ ہے جو ان کی آواز سے پھیلنے کا امکان ہے۔ احناف فرماتے ہیں خواتین کے لئے اذان کی طرح اقامت بھی مکروہ ہے۔

کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کراہت خواتین کے لئے منقول ہے دوسری بات یہ ہے کہ ان کی حالت کی بنیاد ستر پر ہے اور ان کی آواز کا بلند ہونا حرام ہے۔

فوت شدہ نماز کے لئے اذان اور اکیلے شخص کے حق میں اذان کا حکم...... شوافع کے ہاں معتمد قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت منفرد (اکیلے تنہا شخص) کے لئے قضاء اور اداء دونوں نمازوں کے لئے مسنون ہے خواہ اس نے مسجد یا محلے کی اذان سن بھی لی ہو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی آواز بلند رکھے سوائے اس حالت کے کہ وہ مسجد میں ہو جس میں نماز ہو چکی ایسی مسجد میں اس لئے با آواز اذان نہیں کہنی چاہئے کہ نمازیوں کو دوسری نماز کے وقت شروع ہو جانے کا گمان نہ ہو جائے۔ فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان کا استحباب امام شافعی کا قدیم قول ہے اور یہی اظہر قول ہے جیسا کہ علامہ نووی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ وجہ اس حکم کی وہ احادیث ہیں جو اذان کی فضیلت کے بارے میں وارد ہیں اور جو پہلے گزر چکی ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابو صعصعہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں بکریوں اور جنگلوں کو پسند کرنے والا دیکھتا ہوں، تو جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دو تو اپنی آواز بلند رکھو، کیونکہ مؤذن کی آواز جنات اور انسانوں اور چیزوں میں سے جو بھی سنتا ہے وہ قیامت کے دن گواہی دے گا میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ❸ اور اگر نمازی پر بہت ساری قضاء نمازیں جمع ہو جائیں

---

❶...... المغنی ج ۱ ص ۴۰۳، کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۸۔ ❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۲،۶۷، ۱۷۸ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۵۶ البدائع ج ۱ ص ۱۴۶ اور بعد کے صفحات کا اللباب ج ۱ ص ۶۲۔۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۳ اور بعد کے صفحات المھذب ج ۱ ص ۵۵ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۰۳ نھایۃ المحتاج ج ۱ ص ۳ المجموع ج ۳، ص ۸۲، ۱۳۱۔ ❸ بروایت امام احمد امام مالک، امام شافعی بخاری نسائی اور ابن ماجہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۵۔

یا وہ جمع تقدیم کرے (کہ ایک نماز کو مقدم کر کے دوسری نماز کے وقت میں دونوں کو ساتھ پڑھے) یا جمع تاخیر کرے (کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں مؤخر کرے اور دونوں کو ساتھ ادا کرے) تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اس لئے کہ بخاری اور مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے لئے صرف ایک اذان دی جائے امام کے سامنے منبر کے پاس کیونکہ جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف بلال رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے۔

شوافع کا یہ مذہب ہے فوت شدہ نمازوں کے بارے میں، احناف فرماتے ہیں کہ قضاء نمازوں کو دہرانے والا اذان اور اقامت دونوں کہے گا کیونکہ وہ بمنزلہ موجود نماز کے ہوتی ہے اور اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو صرف پہلی نماز کے لئے اذان کہے اور اقامت کہے اور باقی نمازوں کے بارے میں اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور اقامت کہے یہ اولیٰ ہے کیونکہ جو چیز اداء نماز کے لئے مسنون ہے وہ قضاء کے لئے بھی مسنون ہے اور اگر وہ شخص چاہے تو پہلی نماز کے بعد بقیہ کے لئے اقامت پر اکتفاء کر سکتا ہے، کیونکہ اذان جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور یہ سب لوگ حاضر اور موجود ہیں، اور اولی یہ ہے کہ اذان اور اقامت ہر فریضے کے لئے الگ ہو دلیل اس کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابو یعلی نے روایت کی ہے کہ جب غزوہ احزاب کے موقع پر مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مشغول کر دیا کہ آپ ظہر، عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا نہ کر سکے تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے لئے اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف اقامت کہے اذان نہ دے، کیونکہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں غزوہ احزاب کے موقع پر ہم نمازوں کے لئے فرصت نہ پا سکے، حتیٰ کہ مغرب کے بعد رات کا ایک حصہ گزر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کے لئے اقامت کہی اور آپ نے نماز ادا فرمائی، پھر آپ نے حکم دیا تو انہوں نے عصر کی نماز کے لئے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی، اور وجہ یہ بھی ہے کہ اذان وقت کے بارے میں اعلان کے لئے ہوتی ہے، اور وقت گزر چکا ہے۔ اور اس بناء پر مالکیہ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینا مکروہ ہے اور اس نماز کے لئے بھی مکروہ ہے جو وقت ضرورت والی ہو یعنی جس میں جمع تقدیم یا جمع تاخیر ہوئی ہو اور نماز جنازہ کے لئے بھی مکروہ ہے اور نفل کے لئے بھی جیسے عید اور سورج گرہن وغیرہ۔

مالکیہ اذان کے ہر مسجد کے لئے مسنون ہونے کو، خواہ مساجد آپس میں ملی ہوئی ہوں اس بات سے مقید کرتے ہیں کہ جماعت ہو جو دوسروں کو بھی بلانے والی ہو (یعنی دوسرے لوگوں کو بھی بلانا مقصود ہو) خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں، منفرد شخص کے لئے یا ایسی جماعت کے لئے مسنون نہیں جو بلانے والی نہ ہو (یعنی جماعت کے تمام افراد حاضر ہوں) بلکہ حالت حضور میں تو مکروہ ہے اور دوران سفر منفرد کے لئے اور اس جماعت کے لئے جو دوسروں کو بلانے والی نہ ہو اذان دینا مسنون ہے خواہ مسافت قصر سے کم مسافت پر ہی کیوں نہ ہوں یعنی ۸۹ کلومیٹر سے کم مسافت۔

حنابلہ کی اکثریت کی رائے یہ ہے ❷ کہ اذان اور قامت پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے فرض کفایہ ہیں، دلیل وہ گذشتہ حدیث ہے جب نماز حاضر ہو جائے تو تمہارے لئے کوئی ایک اذان دے اور تمہارا بڑا تمہاری امامت کرے اس میں حکم ہے اور حکم کسی بھی فرد وجوب کا تقاضا

---

❶...... مجمع الزوائد ج ۲ ص ۴ یہ حدیث امام احمد نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی حرج کی بات نہیں تاہم ابو عبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماعت نہیں کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۰۔ ❷ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۶۸، ۲۷۸ المغنی ج ۱ ص ۴۱۷۔ ۴۲۲ غایة المنتهی ج ۱ ص ۸۷

کرتا ہے، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ کوئی بھی تین افراد جو نہ اذان دیں اور نہ ان میں نماز کی اقامت ہو تو ان پر شیطان غالب آ جاتا ہے ❶ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہیں لہٰذا یہ جہاد کی طرح فرض کفایہ ہوں گے اگر کچھ لوگ ان کی ادائیگی کریں تو باقیوں سے یہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اس بناء پر اگر کوئی اہل شہر ان کو ترک کر دیں تو ان سے جہاد کیا جائے گا اور اذان واقامت کا پانچوں نمازوں کے لئے ترک کرنا مکروہ ہے، لیکن نماز کا اعادہ لازم نہیں اور شہر میں ایک اذان کافی ہے اور باقی لوگ صرف اقامت پر اکتفاء کر سکتے ہیں۔ یہ احناف اور مالکیہ کی بھی رائے ہے تاہم یہ شوافع کی رائے کے برخلاف ہے جیسا کہ میں یہ بات بیان کر چکا ہوں، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علقمہ اور اسود نے بغیر اذان کے نماز ادا کی تھی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ شہر کی اقامت ان کے لئے کافی ہے، احناف فرماتے ہیں کہ جو شخص شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھے اس کو چاہئے کہ وہ اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کرے تاکہ نماز جماعت کی ہیئت کے مطابق ادا ہو اور اگر وہ دونوں کو ترک کر دے تو بھی جائز ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے محلے کی اذان ہمارے لئے کافی ہے، تاہم یہ روایت غریب ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی نے فرمایا ہے۔

جس شخص کی کئی نمازیں چھوٹ جائیں یا دو نمازیں جمع تقدیم کے ساتھ پڑھے (یعنی پہلی نماز کے وقت میں پڑھے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلی کے لئے اذان دے اور پھر ہر نماز کے لئے اقامت کہے، یہ شوافع کے قول کے موافق حکم ہے۔ اس پر دلیل ان حضرات کی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب تم اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہو اور حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ والی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یہ سب لوگ سوئے تو ان کی آنکھ جب کھلی جب سورج نکل آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال، اٹھو اور نماز کے لئے اذان دو ❷ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور وہاں نماز ہو چکی ہو تو اگر وہ چاہے تو اذان دے اور اقامت کہے، دلیل وہ روایت ہے جو اثرم اور سعید ابن منصور نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے جس میں نماز ہو چکی تھی آپ نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان دی اور اقامت کہی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی۔ اور اگر کوئی چاہے تو بغیر اذان اور اقامت کے بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

اور عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے، بخلاف شوافع کے اور بخلاف مالکیہ کے اقامت کے بارے میں کیونکہ نجاد نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور کے ہاں فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دی جائے گی مالکیہ کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے اور اذان صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں بالاتفاق اور عورتوں کے لئے سراً اقامت مسنون ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک احناف کے ہاں مکروہ ہے جب کہ مالک حنابلہ اس کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں۔ جمہور کے ہاں محلے کی اذان کافی ہے شوافع کے ہاں کافی نہیں ہے۔

اذان کی شرائط......اذان اور اقامت میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں۔ ❸

---

❶......بروایت امام احمد ابوداؤد نسائی طبرانی ابن حبان اور حاکم، حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۔ ❷ متفق علیہ یہ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان دی تو ہم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر حکم دیا پھر انہوں نے اقامت کہی اور ہم نے نماز پڑھی متفق علیہ۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۳۶۲۔۳۶۵ البدائع ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۵۱ فتح القدير ج ۱ ص ۱۷۰،۱۷۶ مراقی الفلاح ص ۳۲ اللباب ج ۱ ص ۶۴ الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۵۱ القوانين الفقهيه ص ۴۷ بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۰۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۷۔۱۳۹ الحضرمية ص ۳۴ المهذب ج ۱ ص ۵۵،۵۷ المغنی ج ۱ ص ۴۰۹۔۴۱۱، ۴۱۳۔۴۱۵ كشف القناع ج ۱ ص ۲۷۱۔۲۷۹ غاية المنتهی ج ۱ ص ۸۷، الشرح الكبير مع الدسوقی ج ۱ ص ۱۹۴،۱۹۸ المهذب ج ۱ ص ۵۷ تحفة الطلاب ص ۵۴،المجموع ج ۳،ص ۱۳۶۔

ا۔ وقت کا داخل ہونا......لہٰذا باتفاق فقہاء اذان وقت سے قبل درست نہیں ہوتی اور بہ اتفاق فقہاء حرام ہے، اگر کسی نے اذان دے بھی دی تو وقت کے اندر اس کا لوٹانا ضروری ہوگا کیونکہ اذان اعلان کے لئے ہے، اور وقت کے ہونے سے پہلے ہی اذان دیدینا معاملے کو مزید انجانا کرنے کے مترادف ہے لہٰذا قبل از وقت اذان حرام ہے کیونکہ اس میں تلبیس اور جھوٹ ہے وقت کے شروع ہوجانے کے بارے میں شوافع کے ہاں اذان کا دوہرانا مکروہ ہے تاہم مسجد میں معروف اذان کا شمار اس میں سے نہیں تاہم جمہور فقہاء نے جن میں احناف کے صرف امام ابویوسف شامل ہیں نصف شب کے بعد فجر کے لئے اذان (اول) دینے کو جائز قرار دیا ہے اور سحری کے وقت یعنی رات کے آخری چھٹے حصے میں اذان کو مستحب قرار دیا ہے، پھر صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دوبارہ فجر کی اذان دی جائے گی ❶ دلیل صحیحین کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں، تو تم لوگ کھاتے پیتے رہا کرو جب تک کہ تم ابن ام مکتوم کی اذان نہ سن لو امام بخاری کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اور ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے، اس وقت تک اذان شروع نہیں کرتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہہ اٹھتے کہ بھئی آپ نے صبح کردی ہے آپ نے تو صبح کردی ہے۔ تاہم اس مسئلے میں دیگر احناف کا اختلاف ہے، اور قبل از وقت اذان دینے والے کو چاہیے کہ وہ راتوں کو ایک ہی وقت میں اذان دیا کرے، تاکہ لوگوں پر معاملہ ملتبس نہ ہوجائے۔ اور اذان پر مامور شخص کے لئے اوقات کا علم ضروری ہے، جو شخص اذان پر باقاعدہ مامور نہ ہو (ملازم نہ ہو) اس کے لئے مواقیت کا علم ضروری نہیں ہے، تو جو شخص اپنے لئے یا ایک جماعت کے لئے ایک مرتبہ اذان دے یا وہ نابینا ہو تو ان کی اذان درست شمار ہوگی اگر دوسرے کسی شخص سے وقت کے داخل ہونے کا اس کو علم ہوجائے۔

۲......اذان عربی زبان میں ہو۔ لہٰذا اگر جماعت کے لئے اذان دی تو عربی میں نہ ہونے کی صورت میں وہ درست نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی غیر عربی شخص نے اپنے لئے اذان دی اور اس کو اچھی عربی نہ آتی ہو تو شوافع کے ہاں یہ جائز ہوگا۔ حنابلہ اور احناف کے ہاں یہ مطلقاً درست نہیں، کیونکہ یہ قرآن کی طرح خالص عربی زبان میں وارد ہے۔

۳......اذان اور اقامت میں، جماعت کے بعض لوگوں کو سنانا ضروری ہے اور اکیلا ہونے کی صورت میں خود سننا ضروری ہے۔

۴......ترتیب اور موالات (یکے بعد دیگرے اور پے درپے ہونا) یہ اتباع سنت کے لئے ضروری ہے، جیسا کہ امام مسلم وغیرہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کلمات اذان میں پے درپے ہونے سے اس کے اعلان ہونے کی حیثیت پر فرق پڑتا ہے۔ لہٰذا اذان صرف ترتیب وار ہی درست ہے (یعنی اس ترتیب کے مطابق جو حدیث میں وارد ہے) جیسا کہ پے درپے نہ ہونے کی صورت میں درست نہیں، غیر مرتب اور غیر متوالی (پے درپے) اذان واجب الاعادہ ہوگی۔ اور معمولی نیند مدہوشی خاموشی یا بات چیت سے آنے والا فصل مضر نہیں اور مرتد ہوجانے سے فقہاء کے ہاں یہ باطل ہوجاتی ہے، اوا گر اذان کے اختتام پر مرتد ہوا تو باطل نہیں ہوگی یہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں شرط ہے، احناف اور مالکیہ کہتے ہیں اذان واقامت کے کلمات میں ترتیب اور موالات مسنون ہیں بغیر ترتیب اور موالات کے بھی اذان درست ہوجاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ، اور اس صورت میں افضل یہ ہے کہ اذان اور اقامت کا اعادہ کرے۔

---

❶......فجر اور جمعے سے پہلے کی اذانوں کے علاوہ تسبیح وتہلیل، دعاؤں کا بالجہر پڑھا جانا اور اس طرح کے دیگر امور جو اذان خانوں میں انجام دیئے جاتے ہیں تو یہ بالکل بھی مسنون نہیں ہیں، اور علماء میں سے کسی نے بھی ان کو مستحب نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ من جملہ مکروہ اور ناپسندیدہ بدعتوں کے ہے، کیونکہ یہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ کے عہد میں نہیں تھیں اور نہ ہی ان چیزوں کی کوئی اصل اور بنیاد ہے۔ كشف القناع ج ۱ ص ۲۸۱۔ غاية المنتهى ج ۱ ص ۹۱۔

نوٹ از مترجم: فجر کے لئے دو اذانوں کا رواج آج کل حرم شریف میں ہے پہلی اذان جو سحری کے وقت دی جاتی ہے وہ تہجد کی اذان کے نام سے معروف ہے۔

بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ حرام بات سے اذان باطل ہو جاتی ہے خواہ وہ معمولی سی ہو جیسے گالی گلوچ وغیرہ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ باطل نہیں ہوتی جیسے مباح بات چیت ہونے کی صورت میں وہ باطل نہیں ہوتی ہے۔

۵......ایک شخص کے ذریعے انجام پائے لہٰذا اگر کوئی شخص کچھ اذان دیدے اور بقیہ اذان دوسرا شخص پوری کرے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہوگا کہ دو آدمی اذان دیں اور ان میں سے ہر ایک ایک ایک جملہ کہے۔ کیونکہ اذان عبادت بدنیہ ہے تو دو آدمیوں کے اس طرح انجام دینے سے یہ درست نہیں ہوتی کہ ایک کا فعل دوسرا مکمل کرے۔ ہاں مؤذنوں کا ایک گروہ ہونا درست ہے بایں معنی کہ ہر ایک الگ الگ اذان دے مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں اس طرح مؤذنوں کا اجتماع مکروہ ہے کہ ایک کی اذان دوسرا مکمل کرے اور ایک نماز کے لئے زیادہ اذانوں کا ہونا مکروہ ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ لوگ جنہوں نے دو اذانیں ایجاد کیں وہ بنو امیہ تھے اور اجتماعی اذان مکروہ نہیں جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔

۶......مؤذن مسلمان، عاقل اور مرد ہو لہٰذا کافر کی اذان درست نہیں ہے اسی طرح پاگل اور اس بچے کی اذان بھی جس میں شعور نہ پیدا ہوا ہو اسی طرح مدہوش اور نشے میں چور شخص کی اذان بھی درست نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لوگ عبادت کے اہل نہیں اور عورت کی اذان درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی اذان حرام ہے اور اس کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ اور اس کی مردوں کے لئے امامت درست بھی نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی آواز کی وجہ سے فتنے کا خدشہ ہے، اور ہیجڑے کی اذان بھی درست نہیں کیونکہ اس کا مرد ہونا معلوم نہیں ہوتا ہے۔

یہ شرط مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے، مذہب حنفی ان سے قریب تر ہے، کیونکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی اذان مکروہ تحریمی ہے جن میں یہ شرائط نہ پائی جائیں اور اذان کا اعادہ مستحب ہوگا، اور اس بناء پر احناف کے ہاں مسنون یہ ہے کہ مؤذن مرد ہو عاقل ہو متقی ہو سنت سے واقف ہو اور اوقات نماز سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں بلوغ اور عادل ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا باشعور بچے، اور فاسق کی اذان بھی درست ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ مؤذن بالغ اور دیانت دار ہو کیونکہ وہ ایسا شخص ہے نماز اور روزے کے اوقات اس پر موقوف ہوتے ہیں، تو امانت دار نہ ہونے کی صورت میں اس کا خدشہ ہے کہ وہ لوگوں کو بے وقت اذان کے ذریعے دھوکہ دے دے گا احناف فرماتے ہیں کہ فاسق شخص کی اذان مکروہ ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے لئے عادل اور بالغ ہونا شرط ہے، لہٰذا فاسق اور باشعور بچے کی اذان اس وقت درست شمار ہوگی جب اس نے وقت کے داخل ہونے کے بارے میں کسی بالغ شخص کی بات پر اعتماد کیا ہو۔ یہ حضرات عادل ہونے کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بناء پر شرط قرار دیتے ہیں چاہئے کہ تمہارے عمدہ لوگ اذانیں دیں اور تمہارے قرآن کے عمدہ پڑھنے والے امامت کریں❶ احناف کے ہاں اور اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں نیت شرط نہیں ہے تاہم اذان کے علاوہ کسی اور چیز کا ارادہ نہ کرنا شرط ہے، لہٰذا اگر مقصود دوسرے کو سکھانا ہوا تو اس اذان کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے فقہاء کے نزدیک نیت شرط ہے، چنانچہ اگر اذان کے مخصوص الفاظ بلا نیت ادا کرے تو وہ اذان نہیں شمار ہوگی۔ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اذان اور اقامت میں طہارت قبلہ رخ ہونا، کھڑا ہونا اور اس کے دوران بات چیت نہ کرنا شرط نہیں ہے، یہ صرف مستحب ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک بے وضو شخص کے لئے اذان مکروہ ہے اور جنبی شخص کے لئے زیادہ شدت سے مکروہ ہے۔ اور اقامت تو اس سے بھی زیادہ شدت سے مکروہ ہے اور احناف کے ہاں جنبی کی اذان میں کراہت تحریمی ہے اس کی اذان ان کے اور حنابلہ کے نزدیک لوٹائی جائے گی اور بے وضو شخص کی اذان مذہب حنفی کے ایک قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ وضو میں طہارت کے مستحب ہونے کی دلیل حدیث ہے اذان

❶...... بروایت ابوداؤد ابن ماجه اور طبرانی درمعجم۔ نصب الرایة ج ۱ ص ۲۷۹

صرف باوضو شخص دے❶ اور بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے اس طرح قبلے کی طرف پیٹھ کر کے اذان دینا اور دوران اذان گفت وشنید مکروہ ہے۔

مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اذان دینے والے ہی کے لئے اقامت کہنا مسنون ہے، کیونکہ اس میں اتباع سنت ہے❷ اور اگر مؤذن کے علاوہ کسی نے اقامت کہہ دی تو بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما جنہوں نے خواب میں اذان دیکھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اقامت کہی❸ ان شرائط کی بنیاد پر اذان اور اقامت ان امور سے باطل ہو جاتی ہے۔

۱.....مرتد ہونے سے۔ ۲.....نشے میں ہونے سے۔ ۳.....مدہوش ہونے سے۔

۴.....طویل نیت سے ۵.....پاگل پن سے۔ ۶.....اذان کا کوئی کلمہ چھوڑ دینے سے۔

۷.....طویل خاموشی یا طویل گفتگو کے ذریعے زیادہ فاصلہ آ جانے کی وجہ سے شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوران اذان مرتد ہو گیا اور پھر فوراً اسلام لے آیا تو اس کے لئے اسی اذان کو جاری رکھنا درست ہے (اس پر بنا کرنا)۔

اذان کا طریقہ یا اس کے صیغے.....فقہاء کا اذان کے اصلی صیغوں پر جو مخصوص طریقے کے مطابق متواتر انقل ہوتے چلے آرہے ہیں اتفاق ہے کہ وہ بلا کمی وبیشی دو دو دفعہ کہے جائیں گے اسی طرح ان کا تثویب پر بھی اتفاق ہے یعنی فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلاۃ خیر من النوم کا کلمہ دو مرتبہ کہنا اور یہ اس طریقے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے❹ اور دوسری دلیل امام احمد اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابومحذورہ سے یہ کہنا ہے اور جب فجر کی اذان ہو تو تم کہو: الصلاۃ خیر من النوم۔

فقہاء میں ترجیع کے بارے میں اختلاف ہے اور ترجیع کا مطلب ہے شہادتین (اشھد ان لاالــــہ الااللہ اور اشھد ان محمدرسول اللہ) کو جہر سے کہنے سے پہلے ایک مرتبہ آہستہ سے کہنا، چنانچہ مالکیہ اور شافعیہ اس کے قائل ہیں حنفیہ اور حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں، تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر ترجیع کی تو یہ مکروہ نہیں ہوگی۔

حنفیہ اور حنابلہ مختار اور اصح قول کے مطابق فرماتے ہیں❺ کہ اذان کے پندرہ کلمات ہیں، اور اس میں ترجیع نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں یہ وارد ہے❻ اور وہ کلمات ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لاالہ الااللہ، اشھد ان لاالہ الااللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلاۃ حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح حی علی الفلاح اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ۔ اور ان کلمات کو جیسا کہ بدائع اور مراقی الفلاح میں مذکور ہے تکبیر میں راء پر جزم کے ساتھ اور کلمات اذان اور اقامت کے سکون کے ساتھ جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں۔ اور درمختار میں ہے کہ لفظ اکبر کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں، یعنی دونوں تکبیروں کو ایک سانس میں پڑھا جائے گا اور پہلی تکبیر کے

---

❶..... بروایت ترمذی از حضرت ابوھریرۃ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۲، اور یہ ضعیف ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۹۔❷ امام ترمذی نے زیاد بن حارث صدائی سے روایت کی ہے کہ صداء کے بھائی نے اذان دی اور جو اذان دے اسی کو اقامت کہنی چاہئے تاہم یہ ضعیف ہے اثرم نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی، سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۹ المغنی ج ۱ ص ۴۱۶۔❸ بروایت امام ابوحنیفہ اور ابوداؤد تاہم حاکم فرماتے ہیں کہ اس کے متن میں ضعف ہے سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۹، نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۷ المغنی ج ۱ ص ۴۱۵۔۴۱۶۔❹ بروایت طبرانی وغیرہ۔ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۶۴۔❺ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۶۲ البدائع ج ۱ ص ۱۴۷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۷ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۵۸، المغنی ج ۱ ص ۴۰۴ کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۳۔❻ یہ حدیث اس فرشتے کی اذان کی ہے جو آسمان سے اترا تھا ابوداؤد نے اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۵۹

لفظ اکبر کے راء پر زبر ہوگا اور دوسری تکبیر کے لفظ اکبر کے راء پر جزم ہوگا۔ بعض شوافع فرماتے ہیں اذان کے کلمات کے آخر میں وقف کرنا مسنون ہے کیونکہ روایت کے مطابق وہ موقوف ہی نقل ہوئے ہیں۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں (۱) کہ اذان کے کلمات مشہور ہیں اور ترجیع کے ساتھ اس کے کلمات کی تعداد انیس بن جاتی ہے یہ حکم مسنون اذان پر عمل درآمد کرتے ہوئے ہے جو کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان ہے (۲) اور اس میں ترجیع ہے یعنی شہادتین دو دو مرتبہ ہیں۔

اذان کے کلمات کے معانی......اذان کے الفاظ کے معنی یہ ہیں: اللہ اکبر، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، یا یہ مطلب ہے اللہ اس بات سے کہیں بڑا ہے کہ اس کی طرف ایسی بات منسوب ہو جو اس کے شایان شان ہو یا اس کا مطلب ہے اللہ بہت بڑا ہے، (اللہ اکبر) اور اشہد کا مطلب ہے میں جانتا ہوں (یا میں گواہی دیتا ہوں) حی علی الصلاۃ، نماز کی طرف بڑھو دوڑو۔ اور فلاح سے مراد ہے کامیابی اور بقاء دائمی کیونکہ نمازی انشاء اللہ جنت میں داخل ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور فلاح کی طرف بلانے کا مطلب ہے اس کے سبب کی طرف بلانا اور لا الہ الا اللہ پر ختم کرنے کا مقصد توحید پر اور اللہ کے نام پر اختتام ہو جیسے اللہ کے نام سے ابتداء ہوئی تھی۔ (۳)

اذان کی سنتیں......اذان میں مندرجہ ذیل امور مسنون ہیں۔ (۴)

۱......مؤذن بلند آواز اور خوش آواز ہو اور اذان میں اپنی آواز اونچی رکھے اور اونچی جگہ کھڑا ہو اور مسجد کے قریب ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت جو پہلے گزری فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھا دو وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے اور اس لئے بھی دور پہنچانے کے لئے یہ مؤثر ہے اور اس لئے بھی کہ سننے والے کا دل نرم پڑے اور وہ پکار کا جواب دے اور اس لئے بھی کہ داعی کو شیریں گفتار ہونا چاہئے دارمی اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس افراد کو حکم دیا انہوں نے اذان دی، آپ کو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز پسند آئی اور آپ نے ان کو اذان سکھائی۔

آواز کا بلند ہونا تو اس لئے کہ اس کو زیادہ دور تک پہنچایا جا سکے، اور زیادہ ثواب کا باعث ہو جیسا کہ حضرت ابوسعید کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزری کہ جب تم اپنی بکریوں میں ہو اور اس دلیل کے باعث جو پانچوں حضرات نے ماسوا امام ترمذی کے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤذن کے لئے اس کی آواز کی دوری تک مغفرت کی جاتی ہے اور ہر خشک و تر چیز اس کے لئے گواہی دیتی ہے تاہم اپنی طاقت سے زیادہ زور لگا کر آواز نہ بلند کرے، تاکہ اس کو نقصان نہ پہنچے اور اس کی آواز بھی نہ ٹوٹے، اور تنہا شخص کے لئے اذان کی آواز اس سے زیادہ اونچی کرنی مسنون ہے جتنی آواز وہ خود سنتا ہے اور جماعت کے لئے اذان دینے والے کے لئے اتنی اونچی آواز کرنا مسنون ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو سنا سکے اور اس جگہ اپنی آواز کو پست رکھنا چاہئے جہاں جماعت کھڑی ہو چکی ہو۔

اور اونچی جگہ کھڑے ہونے کا حکم بھی اس غرض سے ہے کہ اس کی آواز دور تک پہنچ سکے، ابوداؤد نے عروہ بن الزبیر سے انہوں نے بنونجار کی ایک عورت سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میرا گھر مسجد کے آس پاس کے گھروں میں سب سے اونچا تھا، اور حضرت بلال فجر کی

---

(۱)......الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۸۔۲۵۰، القوانین الفقهیہ ص ۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۵، المهذب ۱ ص ۵۵ اور بعد کے صفحات، المجموع ج ۳ ص ۹۷۔ (۲) بروایت صحاح ستہ از حضرت ابومحذورہ اس کے بعض الفاظ میں ہے: انہوں نے ان کو انیس کلمات سکھائے اور چار تکبیروں کی طرح چار شہادتوں کا بھی ذکر کیا ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۲۶۳، نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳۔ (۳) کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۷۳۔ (۴) البدائع ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۵۲ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۵۹۔۳۶۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۰۔۱۷۶ اللباب ج ۱ ص ۶۳ مراقی الفلاح ص ۳۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۲ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۵۔۱۹۸ القوانین الفقهیہ ص ۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۸، المهذب ج ۱ ص ۵۷، ۵۹ المغنی ج ۱ ص ۴۰۷، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۲۹، کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۰۔۲۸۲، المجموع ج ۳ ص ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۲۹ الحضرمیہ ص ۳۵۔

اذان اسی پر دیا کرتے تھے، وہ سحری کے وقت آئے یعنی رات کی آخری چھٹے حصے میں وہ گھر پر بیٹھ کر فجر کا انتظار کیا کرتے تھے، اور جب وہ نماز پڑھتے اور فجر کو پھیلتا دیکھتے پھر دعا میں یہ الفاظ کہتے: اے اللہ میں تجھ سے مدد چاہتا ہوں اور اعانت طلب کرتا ہوں قریش کے بارے میں کہ وہ آپ کا دین قائم کریں وہ فرماتی ہیں کہ پھر وہ اذان دیتے۔ ❶

اور مسجد کے قریب ہونے کا حکم اس لئے ہے کہ یہ جماعت کی طرف بلانا ہے اور یہ بلانا مسجد میں ہی ہو تو افضل ہے۔ ❷

۲..... کسی دیوار یا مینار پر چڑھ کر اذان دے تا کہ دور دور تک سنا سکے ابن منذر فرماتے ہیں وہ اہل علم جن کی باتیں محفوظ کی گئیں ہیں ان کا اجماع ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان کھڑے ہو کر دی جائے اور حضرت ابو قتادہ رح کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو اور اذان دو ❸ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے، ہاں اگر کوئی عذر یا مرض وغیرہ ہو تو بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے۔ اسی طرح اقامت بھی کھڑے ہو کر کہنا مسنون ہے۔

۳..... مؤذن آزاد، بالغ امانت دار، نیک صالح نماز کے اوقات سے واقف ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو پہلے گزری کہ چاہیے تم میں سے اچھے لوگ اذان دیا کریں اور تمہاری امامت تمہارے قراء کیا کریں اس امر کی دلیل ہے، یہ چیزیں مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں سنت ہیں، مالکیہ عادل ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں، اسی طرح شوافع کے ہاں اذان کے لئے مقرر کردہ شخص کا اوقات نماز سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

۴..... اذان دینے والا باوضو اور پاک ہو دلیل اس کی سابق حدیث ہے کہ اذان صرف باوضو شخص دے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اذان نماز سے متصل ہوتی ہے سو تم میں سے کوئی اس حالت میں اذان نہ دے کہ وہ پاک نہ ہو۔ ❹

۵..... مؤذن بینا ہو نابینا نہ ہو کیونکہ نابینا شخص وقت کو نہیں پہچان سکتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ غلطی کر جائے تاہم اگر نابینا شخص اذان دے تو وہ اذان درست شمار ہوگی۔ کیونکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان دیا کرتے تھے، بخاری کی روایت کے مطابق ابن عمرو فرماتے ہیں وہ ایک نابینا شخص تھے، اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک لوگ ان سے یہ نہ کہہ دیتے بھئی آپ نے تو صبح کر دی، آپ نے تو صبح کر دی۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ نابینا کی اذان درست ہے اگر وہ دوسرے کے تابع ہو یا کسی قابل بھروسہ شخص کی وقت کے شروع یا ختم ہونے کے بارے میں پیروی کرے۔

۶..... اپنی دو انگلیاں کانوں میں ڈالے کیونکہ اس سے آواز کچھ بلند کرنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو ابو حنیفہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں ❺ اور حضرت سعد سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں، اور فرمایا یہ تمہاری آواز کو بلند کرے گا۔ ❻

۷..... اذان میں ہر دو کلموں کے درمیان تھوڑا سا ٹھہرے، اور اقامت کو تیز تیز کہے، یعنی دو دو کلموں کو ملا کر کہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب تم اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو، اور جب تم اقامت کہو تو تیز تیز کہو ❼ اور دوسری وجہ اس کی یہ ہے

---

❶..... نصب الراية ج ۱ ص ۱۹۲۔ ❷ ابن سعد اپنی سند سے ام زید بن ثابت کے حوالے سے فرماتے ہیں میرا گھر مسجد کے اردگرد سب سے اونچا گھر تھا حضرت بلال شروع سے اس پر ہی اذان دیا کرتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کی تعمیر کر لی اس کے بعد حضرت بلال مسجد کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے۔ اس کی چھت پر ایک اونچی سی چیز بنا دی گئی تھی مصر کے مینار پر اذان کے لئے سب سے پہلے شرحبیل بن عامر المرادی چڑھے تھے اور سلمہ نے حضرت معاویہ کے حکم سے اذان کے لئے مینارے تعمیر کئے تھے اس سے قبل مینار نہ تھے۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۰۔ ❸ متفق علیہ نصب الرایۃ بھی ملاحظہ کریں ج ۱ ص ۲۹۲۔ ❹ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۹۔ ❺ متفق علیه۔ ❻ بروایت ابن ماجه، حاکم، طبرانی، اور ابن عدی، نصب الرایة ج ۱ ص ۲۷۸۔ ❼ بروایت امام ترمذی، تاہم اس کی سند مجہول ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۲۷۵۔

کہ اذان غیر موجود لوگوں کو وقت کے داخل ہونے کے بارے میں بتانے کے لئے ہوتی ہے، اور ٹہر ٹہر کر بات بیان کر نا بات پہنچانے میں زیادہ معاون ہوتا ہے۔ اور اقامت تو موجود لوگوں کو نماز شروع کرنے کے بارے میں بتانے کے لئے ہوتی ہے، اور یہ مقصود تیز پڑھنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

۸.....اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہونا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرات قبلہ رخ اذان دیا کرتے تھے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مناجات کا پہلو ہے لہٰذا اس کو قبلہ رخ ہی انجام دیا جانا چاہئے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت مستحب یہ ہے کہ مؤذن

دائرے کی شکل میں گھومے یا اپنا چہرہ حی علی الصلاۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف موڑے اپنے پاؤں موڑے بغیر کیونکہ اس میں پکار ہے، اس طرح کرنے سے دائیں اور بائیں دونوں طرف کے لوگوں کو آواز پہنچائی جا سکے گی اور اس کی دلیل حضرت ابو جحیفہ کی یہ روایت بھی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اذان دے رہے تھے، تو میں نے ان کے منہ کو دیکھا کہ وہ دائیں بائیں کر رہے تھے اور حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہہ رہے تھے، اور ان کی دو انگلیاں ان کے دونوں کانوں میں تھیں ❶ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ چمڑے کے بنے ہوئے سرخ خیمے میں تشریف فرما تھے، حضرت بلال آئے اور انہوں نے اذان دی جب وہ حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو دائیں بائیں مڑے لیکن دائرے میں نہیں گھومے۔ ❷

شوافع کے ہاں مینار میں گھومنا اور قبلے کی طرف ضرورت کے تحت پیٹھ کر لینا جائز ہے، حنابلہ کے ہاں اس بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ گھومے نہیں دلیل وہی حدیث ہے جو قبلہ رخ ہونے کا بتاتی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنی حد میں گھوم سکتا ہے کیونکہ اعلان کا مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

دوسری روایت زیادہ درست ہے۔

اذان کے ختم ہونے کے بعد اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ ضرور رکھنا چاہئے کہ نمازی حاضر ہو سکیں تاہم اس میں مستحب وقت کی رعایت ضروری ہے اور مغرب کے وقت تین چھوٹی آیات پڑھنے کے بقدر ٹہرنا مستحب ہے دلیل اس کے مستحب ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال اپنی اذان اور اقامت کے مابین اتنی مہلت رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو سکے اور حاجت پوری کرنے والا اپنی حاجت پوری کر سکے۔ ❸

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا اس نے اذان دی تھی اور کچھ دیر بیٹھا تھا یعنی جماعت کے انتظار میں بیٹھا تھا یہاں تک کہ اذان کا مقصود حاصل ہو جائے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اصح قول کے مطابق اذان کے بعد تمام اوقات میں تثویب مستحب ہے مثلاً اس طرح کہے نماز! نماز! اے نمازیو وجہ اس کی یہ ہے کہ دینی معاملات میں سستی پیدا ہو گئی ہے۔ شوافع فرماتے ہیں مؤذن کے لئے مستحب ہے کہ وہ اذان کے یا حی علی

---

❶.....اس حدیث کی اصل متفق علیہ ہے اور اس کو امام احمد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۲ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۶۔ ❷ بروایت امام ابوداؤد سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۲ اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۶۔ ❸ یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے حضرت بلال سے کہا اپنی اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والا پینے سے اور قضاء حاجت کے لئے داخل ہونے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔

الصلاة حی علی الفلاح کے بعد برسات کی رات یا آندھی وطوفان کی یا شدید اندھیری رات میں یہ کہے الاصلوا فی الرحال (نمازیں اپنے گھروں میں پڑھ لو)

۹......مؤذن فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دے اور اذان واقامت پر اجرت نہ لے، یہ باتفاق علماء مسئلہ ہے۔ احناف کے ہاں اور حنابلہ کے ظاہر مذہب کے مطابق ان امور پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ طاعت (نیک اعمال) پر اجرت لینا ہے اور انسان نیکی کا کام خالص اپنے لئے کرسکتا ہے لہٰذا اس پر اجرت کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے جیسے امامت پر۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابوالعاص سے فرمایا تھا اور ایسا مؤذن مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے ❶ مالکیہ نے اور شوافع نے اصح قول کے مطابق اذان پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایک معلوم عمل ہے اور اس پر اجرت لینا ایسے ہی جائز ہے جیسے دیگر اعمال پر اجرت لینا جائز ہے۔ متاخرین احناف وغیرہ نے جیسا کہ آگے اجارے کی بحث میں آئے گا دینی امور پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ ان کے حصول کی ضمانت رہے وجہ اس اجازت کی یہ ہے کہ اہل علم کے لئے مختص وظائف جو بیت المال سے ملا کرتے تھے ان کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

اسی طرح حنابلہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر فی سبیل اللہ بلاعوض اذان واقامت کی خدمت انجام دینے والا نہ ملے تو ان خدمات کو انجام دینے والے کو مال فئے میں سے دیا جائے گا جو مفاد عامہ کے کاموں کے لئے مختص ہوا کرتا ہے۔

۱۰......جمہور فقہاء ماسوا احناف کے ہاں مستحب ہے کہ جماعت کے لئے دو مؤذن ہوں زیادہ نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔ ❷

اور مسجد کے لئے ایک مؤذن پر اکتفاء کرنا جائز ہے اور اس حدیث کی رو سے افضل یہ ہے کہ دو مؤذن ہوں اور اگر دو سے زائد کی ضرورت پیش آئے تو چار تک کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چار مؤذن تھے اور بقدر حاجت وضرورت حنابلہ اور شوافع کے ہاں چار سے زائد بھی مؤذن رکھے جاسکتے ہیں اور مؤذن متعدد ہوں تو مستحب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے اذان دیں جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک دوسرے کے بعد اذان دیا کرتا تھا اور وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ یہ اعلان کے اعتبار سے زیادہ دور تک پہنچانے والا ہے۔

اور مؤذن کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں یہ بھی درست ہے کہ ہر ایک مینار پر اذان دے یا کنارے پر اذان دے یا سب کے سب ایک ہی دفعہ ایک جگہ اذان دیں۔

۱۱......یہ مستحب ہے کہ مؤذن اول وقت میں اذان دے تاکہ لوگ جان سکیں اور نماز کے لئے تیاری کریں۔ حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال اذان کو وقت سے مؤخر نہیں کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھار اقامت کو تھوڑا مؤخر کر دیا کرتے تھے ❸ اور ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال سورج ڈھلتے ہی اذان دے دیا کرتے تھے تاخیر نہیں کرتے تھے پھر اقامت اس وقت تک نہیں کہتے تھے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لے آتے جب آپ کو دیکھتے تو اقامت شروع کر دیتے۔ ❹

۱۲......اور امراء وغیرہ سے نماز کے لئے کہنا درست ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت بلال آئے اور بولے: السلام علیک یارسول اللہ وبرکاتہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اللہ کی آپ پر رحمت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہہ دو وہ نماز پڑھا دیں اور حضرت بلال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ایسے ہی سلام کیا کرتے تھے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے تھے۔

---

❶......یہ حدیث ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ❷ یہ حدیث صحیح ہے بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ❸ یہ حدیث امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ ❹ یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔

۱۳..... مستحب ہے کہ انسان مؤذن کے فارغ ہونے سے قبل اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہو، بلکہ تھوڑا صبر کرے یہاں تک کہ وہ فارغ ہوجائے یا فراغت کے قریب ہوجائے کیونکہ اذان سنتے ہوئے حرکت کرنے میں شیطان سے مشابہت ہے۔

مکروہات اذان..... اذان میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں۔ ❶

۱..... پچھلی بحث میں بیان شدہ سنتیں نہ ہونے کی صورت میں اذان مکروہ ہوگی، احناف نے سنتوں کے نہ ہونے کی صورت میں ہونے والے احوال کراہت شمار کرائے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

جنبی کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے اور اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا، اور ایک قول کے مطابق بے وضو شخص کی اقامت کا بھی اعادہ ہوگا اسی طرح ان لوگوں کی اذان بھی مکروہ ہے پاگل، مغلوب العقل، بے شعور بچہ، عورت، ہیجڑا، فاسق، نشے میں مدہوش، بیٹھا ہوا شخص سوائے اس کہ وہ اپنے لئے اذان دے اور سوار شخص سوائے اس کے کہ وہ مسافر ہو۔

۲..... اور لحن بنا کر اذان دینا مکروہ ہے، اس کا مطلب ہے آواز کو نچا کر، گنگنا کر نکالنا یا اتنا کھینچنا کہ اذان کے کلمات تبدیل ہوجائیں یا ان میں اضافہ یا کمی ہوجائے وغیرہ ہاں آواز کو بلا ان خرابیوں کے اچھا کرنا مطلوب ومقصود امر ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق تلحین کرنے والے کی اذان درست ہوجائے گی کیونکہ مقصود اس سے بھی ایسے ہی حاصل ہوتا ہے، جیسے بغیر تلحین کی اذان سے اور لحن یا عبارت میں غلطی بھی مکروہ ہے (یعنی زبر زیر وغیرہ کی غلطی)

۳..... اذان کے دوران چلنا پھرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اعلان میں مخل ثابت ہوسکتا ہے، اذان کے دوران بات چیت بھی ممنوع ہے خواہ سلام کا جواب دینا ہی کیوں نہ ہو اور مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے ❷ اور مؤذن پر سلام کرنے والے کو اذان کے بعد جواب دینا لازم ہے۔ اور معمولی گفتگو سے اذان باطل نہیں ہوتی ہے، ہاں طویل گفتگو سے نماز باطل ہوجاتی ہے کیونکہ یہ اس موالات (پے در پے ہونے) کو ختم کردیتی ہے جو احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں شرط ہے۔ حنابلہ کی گفتگو سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اذان واقامت کے دوران سلام کا جواب دینا درست ہے۔

۴..... فجر کے علاوہ نمازوں میں تثویب نماز کے بلانے کے لئے پکار وغیرہ مکروہ ہے، خواہ اذان میں ہی تثویب کرے یا اس کے بعد کرے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں فجر میں تثویب کروں اور مجھے عشاء میں تثویب کرنے سے منع فرمایا ❸ اور وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ فجر میں لوگ سور ہے ہوتے ہیں لہٰذا اس وقت تثویب مناسب ہے کیونکہ ان کو نیند سے بیدار کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۵..... حنابلہ فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا حرام ہے اور بلا عذر جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا یہی معمول تھا ابوالشعثاء فرماتے ہیں، ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان دے دی ایک شخص مسجد میں سے اٹھ کر چلا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس کے پیچھے اپنی نظریں لگادیں جب وہ مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: اس

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۶ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۴ مراقی الفلاح ص ۳۲، القوانین الفقھیہ ص ۴۸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۸ المھذب ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ۱ ص ۴۰۸، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۳۰ کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۶، ۲۷۹، ۲۸۱، اور ۲۸۳. ❷ مالکیہ فرماتے ہیں حج یا عمرے کا تلبیہ پڑھنے والے کو اپنی حاجت پوری کر رہے شخص کو ہمبستری میں مشغول شخص کو اہل بدعت کو، لہو ولعب میں مشغول شخص کو، اور اہل معاصی کو سلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح نوجوان لڑکی کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے اور اہل معصیت اگر مبتلائے معصیت ہوں اور نوجوان لڑکی کو سلام کرنے سے اندیشہ فتنہ ہو تو سلام کرنا حرام ہوگا نمازی طہارت حاصل کرنے والے کھانے والے اور قرآن پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۸۔ ❸ بروایت امام ابن ماجہ۔

شخص نے تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ❶ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو مسجد میں اذان مل جائے پھر وہ نکلے اور وہ بھی بلاضرورت اور اس کا ارادہ لوٹنے کا بھی نہ ہو تو وہ شخص منافق ہے ❷ ہاں کسی ضرورت کے تحت نکلنا مباح ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تثویب کے لئے اس کے وقت کے علاوہ نکل جاتے تھے۔

شوافع فرماتے ہیں اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر بلاعذر نکلنا مکروہ ہے۔

۶.....حنابلہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں فجر سے پہلے صرف ایک اذان دے دینا مکروہ ہے یعنی صرف ایک اذان پر اکتفاء کرنا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ اس کو فجر کی اذان سمجھ کر سحری نہ چھوڑ دیں۔ اور یہ بات بہت ممکن ہے کہ یہ امر اس شخص کے لئے مکروہ نہ شمار ہو جس کی رات میں اذان دیدینے کی عادت لوگوں میں مشہور و معروف ہو کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسا کیا کرتے تھے، دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے بے شک بلال رات میں اذان دے دیتا ہے تم لوگ کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے دے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تمہاری سحری سے تمہیں بلال کی اذان نہ روکے وہ تو رات میں سونے والوں کو جگانے کے لئے اذان دے دیتا ہے اور اس لئے قیام کرنے والا لوٹ سکے۔ اور ان حضرات کے ہاں اقامت سے پہلے **اللھم صل علی محمد** کہنا مکروہ ہے اس سے پہلے کھنکارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں اذان کے بعد بازاروں وغیرہ میں نماز کے لئے آواز لگانا مکروہ ہے مثلاً یوں کہے نماز انماز یا کہے اقامت ہو رہی ہے یا یوں کہے نماز پڑھو! اللہ کی تم پر رحمت ہو وغیرہ علامہ نووی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اقامت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مسنون ہے۔

مؤذن اور اقامت کہنے والے کو جواب دینا......احناف کے راجح قول کے مطابق اذان سننے والے پر واجب اور اقامت سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کی طرح ہر کلمے کو دو دو مرتبہ کہتا جائے صرف حیعلتین کے آنے پر **حی علی الصلاۃ** اور **حی علی الفلاح** کے بجائے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کہے اور اس کے معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق یہ ہوتے ہیں کہ گناہوں سے بچنا صرف اللہ کی حفاظت سے ممکن ہے اور نیکی کی قوت صرف اس کی مدد سے ممکن ہے۔

دوسرے حضرات کے ہاں یہ عمل (یعنی مؤذن اور اقامت کہنے والے کو جواب دینا) مسنون ہے اور **الصلاۃ خیر من النوم** کے کلمے کے جواب میں یوں کہے **صدقت وبررت** (تم نے سچ کہا او نیک کام کیا) تو اجابت (جواب دینا، قبول کرنا) ❸ یہ درحقیقت زبان ہی سے ہے احناف کے ہاں اور ظاہر احناف کے ہاں یہی ہے ❹ بعض احناف فرماتے ہیں کہ یہ اجابت قدموں کے ذریعے ہونی چاہئے۔ تاہم یہ امر مشکل ہے کیونکہ اس صورت میں اس شخص پر اول وقت میں وجوب ادا لازم ہو جاتا ہے (یعنی اول وقت میں اس پر ادائیگی لازم ہونا لازم آئے گی) مالکیہ صرف شہادتین کے آخر تک کہنے کو کافی قرار دیتے ہیں خواہ وہ شخص نفل نماز میں ہو اور مؤذن کی بقیہ اذان میں وہ نقل نہ کرے ایسا کرنا مکروہ ہوگا راجح اور معتمد قول یہی ہے اسی طرح **الصلاۃ خیر من النوم** میں بھی قطعاً یہ الفاظ نہ دہرائے اور نہ **صدقت وبررت** کہے (یعنی تم نے سچ کہا اور نیک کام کیا) تاہم اقامت میں **قد قامت الصلاۃ** کے بعد **اقامھا اللہ وادامھا** (اللہ اس کو قائم ودائم

---

❶......بروایت ابوداؤد و ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ ❷ بروایت امام ابن ماجہ۔ ❸ اذان ایک پکار ہے اس کا جواب دینا ضروری ہے لیکن جواب دینے سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے اکثر احناف کی رائے یہ ہے اور یہی مذہب حنفی کا ظاہری قول بھی ہے کہ مراد زبان سے جواب دینا ہے یعنی ان کلمات کا کہنا جو جواب میں کہنے مسنون ہیں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مراد ہے قدموں سے جواب دینا یعنی مسجد جانا۔ از مترجم ❹ البدائع ج ۱ ص ۱۵۵ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۳ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۷ اور بعد کے صفحات۔ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۸ المجموع ج ۳ ص ۱۲۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۰ المھذب ج ۱ ص ۵۸ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۸۴ المغنی ج ۱ ص ۴۲۶۔۴۲۸۔

رکھے) کہہ دینا چاہئے۔

اجابت (جواب دینے) کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو ایسے ہی کہو جیسے مؤذن کہہ رہا ہو[1] تاہم مالکیہ فرماتے ہیں کہ لفظ **سمعتم** (جب تم سنو) سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ خواہ بعض ہی سنو اور خصوصاً یہ بات قابل قبول اس لئے بھی ہے کہ یہ فرمایا تم ایسے ہی کہو جیسے وہ کہہ رہا ہو یہ نہیں فرمایا کہ تم ایسے کہو جیسے اس نے کہا ہو لیکن میرے خیال میں اس تاویل میں واضح بیجا پن ہے اور ظاہر بات وہی ہے جو بعض مالکیہ نے بھی فرمائی ہے کہ وہ پوری اذان کو نقل کرے اور اس حدیث میں حکم احناف کے ہاں وجوب کے لئے ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک استحباب کے لئے ہے جیسے نماز کے بعد دعا کرنے کا حکم ہے۔

امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مؤذن کے جواب میں اسی کی طرح الفاظ دھرانے کی فضلیت نقل فرمائی ہے، سوائے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے ان کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے[2] اور ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے یہ عمل کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کہے تو اس کے بعد الصلاۃ خیر من النوم کہے[3] ابوداؤد نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت بلال نے اقامت شروع کی، جب یہ کلمہ کہا قد قامت الصلاۃ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقامھا اللہ وادا مھا[4] اور تثویب (الصلاۃ خیر من النوم) کے بارے میں بھی ایک روایت منقول ہے جیسا کہ ابن رفعہ نے کہا ہے تاہم یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اور وہ شخص جو کچھ پڑھنے میں مشغول ہو خواہ قرآن کریم اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی قرأت روک دے تا کہ وہ مؤذن کی اذان یا اقامت کا جواب دے سکے کیونکہ یہ چیز چھوٹ سکتی ہے جب کہ قراءت نہیں چھوٹ سکتی ہے تاہم اگر نماز میں سنے تو اس کا جواب نہ دے تا کہ وہ نماز میں ایسی چیز میں مشغول نہ ہو جو نماز میں سے نہیں ہے جب کہ ایک روایت میں یہ منقول ہے بے شک نماز میں شغل ہوتا ہے (یعنی نماز میں اس کی اپنی مشغولیت ہوتی ہے۔ اور اس بناء پر احناف کے ہاں یہ حکم ہے کہ اذان واقامت کے دوران نہ بات چیت کرے اور نہ کسی چیز میں مشغول ہو۔

اور جمہور کے ہاں جواب دینے کا حکم سب کو عام ہے خواہ جنبی شخص ہو حائضہ عورت ہو یا نفاس والی ہو، یا وہ شخص نفلی یا فرض طواف میں مشغول ہو اور ہم بستری کے بیت الخلاء سے فراغت کے اور نماز کے بعد جواب دے گا اگر فصل بہت زیادہ واقع نہ ہو گیا ہو۔

احناف فرماتے ہیں کہ جواب دینے کا حکم ہر اذان سننے والے کے لئے ہے خواہ وہی جنبی ہو لیکن حائضہ نفاس والی خطبہ سننے والا نماز جنازہ میں مشغول شخص ہم بستری کرتا ہوا شخص بیت الخلاء میں قضائے حاجت کرتا ہوا شخص کھاتا ہوا علم سیکھنے اور سیکھانے کا عمل کرنے والا شخص ان تمام لوگوں کو جواب دینے کا حکم شامل نہیں ہوگا۔ تاہم دوران قراءت قرآن جواب دینا چاہئے کیونکہ یہ چیز یعنی تلاوت فوت نہیں ہوتی ہے اور قرأت کو لوٹانا باعث اجر ہے احناف کے ہاں اذان سنتے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ چلتا ہوا آدمی رک جائے تا کہ جواب دینے کا عمل ایک جگہ انجام پائے اور مؤذن کو ہر حال میں جواب دے خواہ پوری اذان سنے یا آدھی، اور اگر دوری یا بہرے پن کی وجہ سے سن نہ پائے تو جواب دینا مسنون نہیں ہوگا۔

---

[1] ...متفق علیہ یہ حدیث حضرات صحاح ستہ (یعنی جماعت) نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے ان میں حضرت ابو ہریرہ حضرت عمرو بن العاص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ام حبیبہ شامل ہیں مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جواب دینے کا طریقہ نقل فرمایا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۱، ۵۳۔ [2] سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۶۔ [3] سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۰۔ [4] حوالہ گزشتہ ج ۱ ص ۱۲۷، اور ابوداؤد کی سند ضعیف کے ساتھ روایت کردہ ایک روایت میں ہے یوں کہے: اقامھا اللہ وادامھا مادامت السموات والارض اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا بھی منقول ہے اللھم اقمھا وادمھا واجعلنی من صالح اھلھا۔

اور مؤذن کے جواب کا تدارک کرنا چاہئے اگر فصل زیادہ نہ ہوگیا ہو اور اگر فصل ہوگیا تو نہیں۔ (1)

اور اگر متعدد اذانیں ہوں تو جیسا کہ الدرالمختار میں ہے، صرف پہلی اذان کا جواب دے خواہ اس کی مسجد کا مؤذن ہو یا کہیں اور کا تاہم علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں میرے نزدیک سب کا جواب قولاً دینا بہتر ہے کیونکہ سب متعدد ہے اور وہ ہے اذان کا سننا جیسا کہ یہ مسئلہ بعض شوافع کے ہاں بھی ہے علامہ نووی المجموع میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک کے بعد دوسرے مؤذن کو سنے تو مختار قول یہ ہے کہ اصل فضیلت سب کو جواب دینے کی ہے تاہم اول کا جواب ضروری ہے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ (2)

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن اذان دینا شروع کر چکا ہو تو وہ شخص تحیۃ المسجد وغیرہ نہ پڑھے بلکہ کھڑا رہ کر مؤذن کو جواب دے یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو جائے، تاکہ یہ شخص جواب دینے اور تحیۃ المسجد دونوں کے اجر کو پا سکے احناف فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن اذان دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ اذان یا اقامت ختم ہو جائیں اور امام اپنی جانماز پر چلا جائے۔

. **اذان کے بعد مستحب امور**......اذان اور اقامت کے بعد مندرجہ ذیل امور مسنون ہیں۔ (3)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا یہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اذان سے فراغت کے بعد مؤذن اور سامع دونوں کے لئے مسنون ہیں دلیل وہ حدیث ہے جو آرہی ہے اور اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر درود بھیجنے کی رسم سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں سنہ ۷۸۱ھ میں پیر کی عشاء کی اذان میں پڑی۔ اس کے بعد جمعے کے دن پڑی پھر دس سال بعد تمام نمازوں میں ماسوا مغرب کے یہ رسم رائج ہوگئی پھر مغرب میں بھی دو مرتبہ ایسا ہونے لگا۔ فقہاء فرماتے ہیں یہ بدعت حسنہ ہے۔

۲......ماثور دعا پڑھے یعنی اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمدا الوصیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقامًا محمودا الذی وعدتہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم مؤذن کی اذان سنو تو ویسے ہی کہو جیسے وہ کہتا ہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک درود بھیجے اللہ اس پر اس کے سبب دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک شخص کو ملے گا اور میں کہتا ہوں کہ میں وہی ہوں گا تو جو شخص میرے لئے وسیلہ طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہے (4) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص اذان سن کر یہ کہے وانا اشھد ان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریك لہ وان محمداً رسول اللہ

---

(1)...... ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۰۔ (2) ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۰۔ (3) فتح القدیر ج ۱ ص ۴۷ اور بعد کے صفحات الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۲ مراقی الفلاح ص ۳۳ القوانین الفقھیہ ص ۴۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۱ المھذب ج ۱ ص ۵۸ المغنی ج ۱ ص ۴۲۷ کشف القناع ج ۱ ص ۲۸۶۔ (4) اصحاب صحاح ستہ نے ماسوا بخاری اور ابن ماجہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے حدیث کا مطلب یہ ہے اللھم (اے اللہ) یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا اس میں سے یا ہٹادی گئی اور اس کے بدلے میم لایا گیا اس لئے یہ دونوں جمع ہو کر یا اللھم نہیں آتے ہیں الدعوۃ التامہ سے مراد ہے دعوت توحید کیونکہ اس میں تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے یا مراد اذان واقامت کی دعوت ہے، اس کو تامہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل ہے اور ہر نقص سے محفوظ ہے الصلاۃ القائمۃ: وہ نماز جو کھڑی ہونے والی ہے الوسیلہ: اللہ سے قریب ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک مقام ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں وارد ہے یہ معنی زیادہ صحیح اور متعین ہیں کیونکہ حدیث میں یہی منقول ہے فضیلۃ: وہ مرتبہ جو تمام اخلاف وغیرہ سے زائد ہو مقام محمود: شفاعت کبریٰ روز قیامت مراد ہے کیونکہ اس دن سب سے اول وآخر آپ کی تعریف فرمائیں قرآن میں ہے عسی ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا اور اللہ سے اس سے مانگنے کی حکمت جب کہ اللہ اپنے وعدے کے سبب اس کو ویسے ہی پورا کردے گا آپ کی کرامت اور عظمت کا اظہار ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم رضیت باللہ یا وبالاسلام دینا وبحمد رسولاً تو اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان سن کر یہ کہے اللھم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته تو اس شخص کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہوگی۔❷

اور اگر مغرب کی اذان ہو تو یہ کلمات کہے:

اللهم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعاتك وحضور صلواتك فاغفرلی

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو یہ دعائیہ کلمات کہنے کا حکم دیا تھا❸ اور فجر کے وقت یہ کہے:

اللهم هذا اقبال نهارك وادبار ليلك واصوات دعاتك فاغفرلی

۳......اذان سے فراغت کے بعد اس کے اور اقامت کے درمیان دعا مانگے، اور اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی ہے لوگوں نے عرض کیا تو ہم لوگ کیا کہا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ سے مغفرت اور دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرو۔❹

اور یہ مستحب ہے کہ مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھ کر کچھ دیر جماعت کا انتظار کرے جیسا کہ اذان کی سنتوں میں یہ بات بیان کر چکا ہوں۔

۲۔ دوسری بحث......اقامت

اقامت کا طریقہ اور اس کی کیفیت اقامت موجودہ اور فوت شدہ وقتی نمازوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے اکیلے شخص کے لیے بھی اور جماعت کے لئے بھی۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں مردوں اور عورتوں کیلئے بھی، حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اذان واقامت نہیں ہے۔

اقامت کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی تین قسم کی آراء مانی جاتی ہیں❺ احناف فرماتے ہیں اقامت میں دو دو دفعہ کلمات کہے جائیں گے اور تکبیر چار دفعہ کہی جائے گی اذان کی طرح تاہم اس میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہا جائے گا اس طرح اس کے کلمات ان حضرات کے ہاں سترہ ہوں گے دلیل اس کی وہ روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بتلایا ہے کہ عبداللہ بن زید انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا اس پر دو سبز چادریں تھیں، وہ ایک دیوار پر کھڑا ہوا پھر اس نے دو دو کلمات کر کے اذان دی اور دو دو کلمات کی تکبیر کہی۔❻

---

❶...... بروایت مسلم۔❷بروایت صحاح ستہ مسلم نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات۔❸بروایت ابوداؤد وترمذی، المهذب ج ۱ ص ۵۹ بھی ملاحظہ کیجئے۔❹یہ صحیح حدیث ہے اس کو امام احمد ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے امام نسائی ابن خزیمہ ابن حبان اور ضیاء نے المختارہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۵ سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۰۔

❺البدائع ج ۱ ص ۱۴۸ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۰ اللباب ج ۱ ص ۶۳ فتح القدير ج ۱ ص ۱۶۹ الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۵۶ القوانين الفقهيه ص ۴۸ بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۰۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۳ ۱۳۶ المهذب ج ۱ ص ۵۴ ۵۷ المغنی ج ۱ ص ۴۰۶ كشف القناع ج ۱ ص ۲۶۷۔❻اس حدیث کے رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ کی طرح ہیں، یہ حدیث متصل شمار ہوگی کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں ان کے نام سے ناواقف ہونا مضر نہیں ہے، یہ حدیث بیہقی نے بھی روایت کی ہے اس طرح کی روایت امام ابوداؤد وغیرہ کے ہاں بھی موجود ہے۔ نصب الراية ج ۱ ص ۲۶۶۔۲۶۷۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان جفت ہوا کرتی تھی اذان میں بھی اور اقامت میں بھی ❶ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لئے انیس کلمات اور اقامت کے لئے سترہ کلمات سکھائے تھے۔ ❷

مالکیہ فرماتے ہیں اقامت دس کلمات ہیں، قد قامت الصلاۃ بھی ایک مرتبہ کہا جائے گا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ بلال کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اذان میں جفت عدد میں کلمات کہیں اور اقامت میں طاق عدد میں کلمات کہیں۔ ❸

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں اقامت ایک ایک کلمہ کر کے کہی جائے گی اور کل گیارہ کلمات ہوں گے اور ایک ایک کلمہ کہنے کے اصول سے قد قامت الصلاۃ مستثنیٰ ہے اس کو دو مرتبہ کہا جائے گا اور دلیل اس کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو دو کلمات ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ لیکن مؤذن اقامت میں قد قامت الصلاۃ دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ ❹

میری رائے میں یہ سب سے صحیح رائے تھے، یا معاملہ اس رائے اور احناف کی رائے کے درمیان اختیاری ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مقید ہے۔

اقامت کے احکام...... اقامت کے احکام اذان کے پہلے بیان شدہ احکامات کی طرح ہی ہیں ان میں اضافہ ان مندرجہ ذیل امور کا ہے۔ ❺

۱...... اقامت کو تیز تیز پڑھنا مسنون ہے۔ یعنی اتنا تیز پڑھنا کہ حروف واضح رہیں لہٰذا دو کلموں کو ایک آواز میں پڑھنا اور دوسرے کلمے کو الگ آواز میں پڑھنا چاہئے اس حکم میں عمل درآمد اس حدیث پر ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور پہلے گزری کہ جب تم اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو، اور جب اقامت کہو تو تیز تیز کہو، اور اپنی اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔

۲...... چاروں مذاہب میں افضل یہ ہے کہ اقامت وہی کہے جو اذان دے سنت کی پیروی میں جیسا کہ اذان کی شرائط کے بیان میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حدیث میں ہے جو اذان دے وہی اقامت کہے اور اگر ایک اذان کہے اور دوسرا اقامت کہے تو یہ جائز ہوگا۔

تاہم احناف فرماتے ہیں کہ اگر اذان دینے والے کی دوسرے کی اقامت کہنے سے دل آزاری ہو تو دوسرے کے لئے اقامت کہنا مکروہ ہے اور اگر اس کی دل آزاری نہ ہو تو جائز ہے۔

۳...... حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اذان کی جگہ ہی اقامت کہی جائے کیونکہ اقامت اعلان کی غرض سے مشروع کی گئی ہے لہٰذا اذان کی جگہ ہی یہ مشروع ہے تاکہ پکار دوسروں تک پہنچنے میں زیادہ مبالغہ رہے ہاں اگر اذان مینار پر ہوتی ہو یا مسجد سے باہر کسی جگہ پر ہو تو اذان کے علاوہ جگہ میں بھی کھڑا ہو کر اقامت کہہ سکتا ہے تاکہ دور آنے جانے سے نماز کا کچھ حصہ چھوٹ نہ جائے۔

---

❶...... نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۶۷ اذان کے ان حضرات کے ہاں پندرہ کلمات ہیں۔ ❷ یہ حدیث پانچوں حضرات نے روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے حوالہ بالا و نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳ اذان کے انیس کلمات ترجیع کی وجہ سے ہوں گے اور اقامت کے سترہ قد قامت کی وجہ سے۔ ❸ بروایت صحاح ستہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۰۔ ❹ بروایت امام احمد نسائی ابوداؤد، امام شافعی ابو عوانہ دار قطنی ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳۔ ❺ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۱، ۳۷۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۰ البدائع ج ۱ ص ۱۵۱ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۰۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۵ المہذب ج ۱ ص ۵۹ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۳۶، ۱۳۸ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۵۸ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۲۷۵ اور بعد صفحات ص ۲۷۹، ۲۸۱۔

شوافع فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ اقامت اذان کی جگہ پر نہ ہو اور اذان سے ہلکی آواز میں ہو اور اقامت اس وقت تک شروع نہ کرے جب تک امام اس کی اجازت نہ دیدے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کیا کرتے تھے۔ اور زیاد بن حارث صدائی کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا شروع ہو گیا: اقامت کہہ دوں؟ اقامت کہہ دوں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤذن اذان کا مالک ہے اور امام اقامت کا۔ (11)

۴.....نمازی اقامت کے وقت اس وقت تک نہ کھڑے ہوں جب تک کہ امام کھڑا نہ ہو جائے یا وہ آنے نہ لگے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب نماز کھڑی ہونے لگے تو اس وقت تک مت اٹھو جب تک مجھے نہ دیکھ لو (12) مقتدیوں کے لئے کھڑے ہونے کے وقت کی تعیین کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ نمازی کے لئے اقامت کے دوران یا اس کے شروع میں یا اس کے بعد کھڑا ہونا جائز ہے۔ یعنی اس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے یہ لوگوں کی قوت اور طاقت پر منحصر ہے، ان میں بھاری اور ہلکے دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں احناف کہتے ہیں کہ مقتدی حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور امام کے کھڑے ہونے کے بعد کھڑا ہو۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے ان الفاظ قد قامت الصلاۃ پر کھڑا ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلاۃ کہہ دیتا شوافع فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مقتدی اقامت کے ختم ہونے کے بعد کھڑا ہو اگر امام نمازیوں کے ساتھ مسجد میں ہو (14) اور ان کا فی الفور جلدی سے کھڑا ہونا ممکن ہو تا کہ وہ تکبیر اولیٰ پا سکیں۔ بصورت دیگر اس وقت تک کھڑا ہو جائے کہ وہ تکبیر اولیٰ پا سکے۔

۵.....اذان کی طرح اس میں بھی کھڑے ہو کر پاک حالت میں قبلہ رخ ہو کر کہنا مسنون ہے، دوران اقامت وہ نہ چلے اور نہ بات چیت کرے اور یہ بھی شرط ہے کہ اقامت اور نماز میں طویل فصل نہ ہو۔ اور طویل فصل ہونے کی صورت میں یا ایسی چیز کے پائے جانے کی صورت میں جو قاطع شمار ہو جیسے کھانا اقامت کو لوٹا لینا چاہئے اور مسنون یہ ہے کہ اقامت سے فراغت کے بعد امام فوراً تکبیر تحریمہ کہہ لے، اور اقامت اور نماز میں ایسی چیز سے ہی فصل کر سکتا ہے جو مستحب اور مندوب ہو جیسے صفوں کے سیدھے کرنے کا حکم وغیرہ اور عورت کی اقامت مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، اور شوافع کے نزدیک جو شخص اہل ہو اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ اذان واقامت دونوں کہے، اسی طرح احناف کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے اور افضل یہ ہے کہ امام ہی مؤذن ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ الضیاء میں منقول ہے سفر میں خود اذان دی اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی۔

اقامت کا اونچی جگہ پر ہونا مسنون نہیں ہے اور نہ ہی کانوں میں انگلیاں ڈالنا مسنون ہیں، اور نہ اس میں ترجیع ہے اور نہ ترتیل (تجوید اور مخارج حروف کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا) ہے۔

۶.....جب مؤذن اذان دے اور اقامت کہے تو تمام لوگوں کے لئے اذان دینا اور اقامت کہنا مستحب نہیں ہے، لوگوں کو چاہئے کہ صرف ویسا ہی کہہ دیں جیسے مؤذن کہے کیونکہ سنت میں ایسے ہی منقول ہے۔

۷.....امام کے لئے صفوں کا درست کرانا مستحب ہے دائیں بائیں متوجہ ہو کر اس قسم کے انداز میں کہے صفیں سیدھی کر لیں اللہ آپ پر رحمت فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اپنی صفیں سیدھی کرو صفوں کا سیدھا کرنا نماز کو مکمل کرنے کا ہی حصہ ہے۔ (15)

---

(11).....یہ حدیث ابن عدی نے روایت کی ہے ان کا مکمل نام حافظ کبیر ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی تھا ابن القصار کے نام سے بھی یہ معروف ہیں مشہور زمانہ کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل انہی کی ہے ۲۷۹ میں ولادت اور ۳۶۵ھ میں وفات ہوئی۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۰۔ (12) متفق علیه۔ (13) سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۱ الحضرمیه ص ۴۷ المجموع ج ۳ ص ۲۳۷ المغنی ج ۱ ص ۴۵۸ الدر المختار ج ۱ ص ۴۴۷۔ (14) متفق علیه

ضمیمہ......نماز کے علاوہ امور کے لئے اذان کا حکم

اوپر بیان شدہ تفصیل کے ساتھ یہ پیش نظر رہے کہ اذان نماز کے علاوہ چند اور چیزوں کے لئے بھی مستحب ہے۔

ا.....نومولود بچے کے دائیں کان میں ولادت کے بعد اذان دینا اسی طرح بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی پیدائش پر ان کے کان میں اذان دی تھی۔ ❶

۲.....آگ لگ جانے پر جنگ کے موقع پر اور مسافر کے پیچھے اذان دینا۔

۳.....غمگین مرگی کے دورے پڑنے والے اور بہت غصے والے شخص کے کان میں اذان دینا اور اس شخص کے کان میں اذان دینا جو بہت بد اخلاق ہو یا سرکش جانور کے کان میں اذان دینا اسی طرح بھوت پریت اور جنات بدروح وغیرہ نظر آنے پر اذان دینا تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہا جا سکے، کیونکہ شیطان اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے۔ اور شوافع کے معتمد قول کے مطابق مردے کو قبر میں ڈالتے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

چوتھی فصل......نماز کی شرائط

نماز کی صحت اس کی شرائط وارکان کے پائے جانے پر موقوف ہے شرط لغت میں علامت کو کہتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں وہ چیز جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کی حقیقت وماہیت میں بھی نہ ہو۔

رکن لغت میں قوی جانب کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں وہ چیز جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ ایسا ذاتی جز ہو جو اس چیز کی حقیقت وماہیت میں داخل ہو اس چیز کی حقیقت وماہیت اسی سے مل کر تشکیل پاتی ہو۔ شرط اور رکن دونوں پر فرضیت کے وصف کا اطلاق ہوتا ہے، یہ دونوں فرض ہوتے ہیں لہٰذا بعض فقہاء اس بحث کو فروض الصلاۃ کا عنوان دیتے ہیں شرط دو قسم کی ہوتی ہیں، شرط تکلیف یا شرط وجوب اور دوسری ہے شرط صحت اور اداء شرط وجوب اس شرط کو کہتے ہیں جس پر نماز کا واجب ہونا موقوف ہو جیسے بلوغت اور عقل وغیرہ اور شرط صحت اس شرط کو کہتے ہیں جس پر نماز کی صحت موقوف ہوتی ہے جیسے طہارت وغیرہ۔

نماز کے وجوب کی شرائط......نماز مسلمان، عاقل بالغ پر واجب ہے جس کے ساتھ کوئی مانع نہ ہو جیسے حیض اور نفاس تو نماز کے وجوب کی شرائط تین ہوئیں۔ ❷

ا۔ اسلام......نماز ہر مسلمان پر واجب ہے، مرد ہو یا عورت لہٰذا جمہور کے ہاں کافر پر نماز اس حیثیت میں واجب نہیں کہ اس سے دنیاوی طور پر مطالبہ کیا جا سکے کیونکہ نماز کا صدور اس سے صحیح سے ہے ہی نہیں تاہم اخروی حیثیت کے اعتبار سے اس پر واجب ہوگی کہ اس کے نہ انجام دینے پر اس کو سزا ملے گی کیونکہ اس کے لئے اس کی ادائیگی اس طرح ممکن ہے کہ وہ اسلام لے آئے کیونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک کافر حالت کفر میں شریعت کی فروعات کا یا اسلام کا مکلّف ہوتا ہے۔

احناف کے ہاں کافر پر واجب نہیں ہے، اور یہ حکم اس اصول کی بنیاد پر ہے کہ احناف کے ہاں کافر فروع شریعت کے مکلّف نہیں ہے نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ اخروی اعتبار سے۔

---

❶.....بروایت امام ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ مراقی الفلاح ص ۲۸ القوانین الفقهیه ص ۴۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۶۰، ۲۶۵، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۰۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۰-۱۳۲ المهذب ج ۱ ص ۵۳ المغنی ج ۱ ص ۳۹۶-۴۰۱، ۶۱۵ کشف القناع ج ۱ ص ۳۰۶، ۳۶۴ المحرر فی الفقه الحنبلی ج ۱ ص ۲۹-۳۳

کافر پر اسلام لانے کے بعد بالاتفاق قضاء لازم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ......سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۸

آپ کہہ دیجئے کافروں سے اگر وہ رک جائیں تو ان کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام پہلے کی چیزوں کو کالعدم کر دیتا ہے ❶ مراد یہ ہے کہ وہ گناہ جو حالت کفر میں اس شخص کے لئے ہوں ان کے اثرات اسلام لانے سے ختم ہو جائیں گے، مرتد پر احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک اسلام لانے کے بعد بیچ کے زمانہ کفر کی نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی یہ حکم اس پر شدت اور سختی برتنے کے پیش نظر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ہونے کی بناء پر اس نے یہ چیز اپنے اوپر لازم کر لی تھی لہٰذا اب اس کے منکر ہو جانے سے وہ ساقط نہیں ہوگی جیسے انسانوں کے مالی حقوق احناف کے ہاں کافر اصلی کی طرح اس شخص پر بھی قضاء نہیں ہوگی وہ نیکیاں وہ بھلائی کے کام جو کافر انجام دے تو وہ آخرت میں اس کے لئے نافع نہیں ثابت ہوں گے اگر وہ حالت کفر میں مر جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حوالے سے فرماتا ہے:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۳

اور ہم لوٹے ان کے ان اعمال کی طرف جو انہوں نے انجام دیئے سو ہم نے انہیں کر دیا۔

دنیاوی طور پر امور رزق میں گنجائش اور زندگی میں سہولت و آسانی کا سبب بن سکے گی۔ اور اگر وہ اسلام لے آئے تو ان اعمال پر ثواب ملے گا اور اسلام ان کے اعمال کو کالعدم نہیں کرے گا دلیل حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو امام مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ کا کیا خیال ہے ان کاموں کے بارے میں جو میں زمانہ جاہلیت میں بطور نیکی کیا کرتا تھا؟ کیا مجھے ان پر اجر ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان بھلائیوں سمیت جو تم پہلے کر چکے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کوئی شخص اسلام لائے اور اس کا اسلام خوب اچھا ہو تو اللہ اس سے وہ تمام برائیاں معاف کر دیتے ہیں جو اس نے پہلے کی ہوں، اور اس برابری کے بعد نیکی کے بدلے میں جیسی دس ملیں گی سات سو گنا تک اور برائی کے بدلے میں اس جیسی برائی ہی ملے گی سوائے اس کے کہ اللہ اس سے درگزر کر دے ❷ علامہ نووی فرماتے ہیں درست بات جو محققین نے اختیار کی ہے، بلکہ بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ: کافر اگر اچھے کام انجام دے جیسے صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ پھر اسلام لائے اور اسلام پر اس کا انتقال ہو تو ان اعمال کا ثواب اس کے نام لکھا جائے گا۔ ❸

۲۔ **بلوغت**...... بچے پر نماز واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قلم تین آدمیوں پر سے اٹھا لیا گیا ہے، پاگل شخص سے جو مغلوب العقل ہو جب تک کہ وہ ٹھیک نہ ہو جائے سونے والے پر سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ ❹

تاہم بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کو نماز کا حکم دیا جائے گا عادت ڈالنے کی خاطر اور یہ جب کرنا چاہئے جب وہ سات سال کا ہو جائے یعنی

❶...... بروایت امام احمد وطبرانی اور بیہقی از حضرت عمرو بن العاصؓ امام مسلم نے اپنی کتاب میں اسی معنی میں حضرت عمرو ہی سے روایت کی ہے کہ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ اسلام اپنے سے پہلے کے کاموں کو کالعدم کر دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے اعمال کو کالعدم کر دیتی ہے اور حج پہلے کے اعمال کو کالعدم کر دیتا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۹۔ ❷ بروایت امام بخاری اور نسائی از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ ❸ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❹ بروایت امام احمد، ابوداؤد، اور حاکم از حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، حاکم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستقظ وعن المبتلى حتى يبرأ وعن الصبى حتى يكبر نيل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۸

باشعور ہو جائے، اور دس سال کا ہو جانے پر نماز چھوڑنے پر اس کو ہاتھ سے مار کر لکڑی سے نہیں سرزنش کی جائے گی، یہ مار تین سے زائد نہ ہو اور یہ بھی جب ہے جب ایسا کرنا فائدہ مند ہو ورنہ نہیں۔ مقصود اس مار سے تنبیہ کرنا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی اولادوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور دس سال کا ہونے پر ان کو مارو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ کرو ❶ یعنی اس طرح لیٹنے نہ دو کہ وہ برہنہ حالت میں ایک کپڑے تلے اکٹھے لیٹے ہوں۔ اور اگر ہر ایک الگ کپڑے پہن کر لیٹا ہو تو ایک بستر میں لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

اور دس سال کی عمر میں الگ کرنے کا حکم استحبابی ہے اور دو بالغ آدمیوں کا بقصد لذت اپنی ستر کی جگہوں کا ملانا حرام ہے، اور بلا لذت ملانا مکروہ ہے جیسے سینے ملانا۔

اور بچے کے لئے احکامات اس کے ولی کی طرف لوٹتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ......سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۳۲

اور حکم دیجئے اپنے اہل خانہ کو نماز کا اور اس پر قائم رہیے۔

اور فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ......سورۃ تحریم، آیت نمبر ۶

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے اپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے۔

۳۔ عقل...... لہٰذا جمہور فقہاء ماسوا حنابلہ کے ہاں پاگل مغلوب العقل اور ان کی طرح کے دیگر لوگ جیسے بے ہوش شخص وغیرہ پر نماز واجب نہیں ہے سوائے اس کے کہ نماز کے بقیہ وقت میں انہیں افاقہ ہو جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ عقل بنیاد اور مدار ہے مکلف ہونے کی، جیسا کہ پہلے گزری ہوئی ایک حدیث میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عن المجنون حتى يبرأ (پاگل پر سے احکام مرتفع ہیں یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائے) البتہ شوافع کے نزدیک ان لوگوں کے لئے گذشتہ ایام کی قضا کر لینا مسنون ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو مرض، یا بے ہوشی، یا مباح دوا استعمال کرنے سے مغلوب العقل ہو گیا ہو اس پر قضاء لازم ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں روزے کو ساقط نہیں کرتی ہیں لہٰذا نماز کو بھی ساقط نہیں کریں گی نماز کا حائضہ اور نفاس والی عورت سے مطالبہ نہیں ہوگا اور نہ ان پر قضاء لازم ہوگی خواہ عورت اپنا اسقاط حمل چوٹ سے یا دواء کے استعمال سے خود ہی کر لے۔ اور نشے والے شخص پر قضاء لازم ہے کیونکہ وہ نشہ کرنے میں سرکشی اور بے اعتدالی کا مرتکب ہوا ہے۔

سوتے ہوئے شخص پر قضاء لازم ہے، اور وقت کے تنگ ہونے کی صورت میں اس کو خبردار کرنا لازم ہے، قضاء لازم ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ اس کو ادا کرلے جب اس کو یاد آجائے اس کا کوئی کفارہ اس کے سوا نہیں ❷ اور یہ حدیث دلیل ہے ان فرض نمازوں کی قضاء کی جو بھول سے یا بالقصد چھوٹ گئی ہوں خواہ کتنا لمبا عرصہ گزر جائے علامہ نووی المجموع میں فرماتے ہیں، سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لئے بیدار کرنا مسنون ہے بالخصوص جب وقت تنگ ہو جائے کیونکہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نماز کے لئے نکلے آپ جس سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے اس کو بیدار کر دیا۔ اسی طرح اگر کسی کو نمازیوں کے سامنے سوتا دیکھے یا وہ صف اول میں سو رہا ہو یا مسجد کی محراب میں، یا ایسی چھت پر سو رہا ہو جس میں کوئی منڈیر وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کو بھی بیدار کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس بارے میں ممانعت منقول ہے اسی طرح اگر کوئی شخص آدھا دھوپ اور آدھا سائے میں سو رہا ہو یا طلوع فجر کے بعد سو رہا

---

❶...... بروایت امام احمد ابوداؤد اور حاکم از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے نیل الاوطار۔ ❷ بروایت امام بخاری و مسلم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ہو یا طلوع شمس سے پہلے سو رہا ہو یا عشاء کی نماز سے قبل سو رہا ہو یا عصر کے بعد سو رہا ہو یا اکیلا تنہا سو رہا ہو یا عورت بالکل چت سو رہی ہو یا مرد پیٹ کے بل لیٹا ہو کہ اللہ کو اس طرح لیٹنا ناپسند ہے ان تمام صورتوں میں سونے والے کو اٹھا دینا چاہئے اور دوسرے شخص کو تہجد کی نوافل کے لئے اٹھانا سحری کے لئے بیدار کرنا عرفات میں وقوف کے وقت سوئے ہوئے شخص کو اٹھانا مستحب ہے، کیونکہ یہ اللہ سے مانگنے اور اس کے آگے گڑگڑانے کا وقت ہوتا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں یہ مسئلہ اس کے برخلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناپاک پانی سے وضو کرتا دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو اس بارے میں بتائے۔

عذر اور مانع کا نماز کے وقت کے دوران ختم ہونا...... جب نماز سے روکنے والے یہ اعذار زائل ہو جائیں۔ چنانچہ بچہ بالغ ہوئے یا پاگل کو افاقہ ہو جائے یا حائضہ اور نفاس والی عورت پاک ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے حنابلہ کے نزدیک اور شوافع کے نزدیک بھی اظہر قول کے مطابق وقت اتنا باقی ہو کہ وہ شخص تکبیر تحریمہ کہہ سکے یا اس سے زیادہ باقی ہو تو نماز کی قضاء واجب ہوگی۔ اسی طرح جمہور فقہاء کے نزدیک اس آخری نماز کی قضاء بھی لازم ہوگی جس کو اس نماز کے ساتھ جمع کرنا ممکن تھا جس کے وقت میں عذر زائل ہوا ہے۔ چنانچہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر عصر کے آخری وقت میں مانع دور ہوا تو ظہر کی قضاء بھی لازم ہوگی اور اگر مانع عشاء کے آخری وقت میں دور ہوا تو مغرب کی قضاء بھی لازم ہوگی وجہ اس کی یہ ہے کہ عذر کی صورت میں ظہر اور عصر کا وقت ایک ہو جاتا ہے اس طرح مغرب اور عشاء کا بھی ہے۔ لہٰذا ضرورت کی صورت میں بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا تاہم شرط اس میں یہ ہے کہ یہ شخص عذر سے آزاد ہونے کے بعد طہارت اور دونوں نمازوں کا کم از کم اتنا وقت ضرور پائے کہ جس میں یہ جائز ہو سکیں جیسے مسافر کے حق میں دو رکعتیں۔

مالکیہ فرماتے ہیں اگر اس شخص کو حالت حضر میں پانچ اور مما لک سفر میں تین رکعات کی بقدر وقت ملا تو پہلی نماز بھی لازم ہوگی، کیونکہ پانچ رکعتوں میں پہلی رکعت کا وقت حالت عذر کا وقت تھا، لہٰذا اس کے پالینے سے نماز لازم ہوگی جیسا کہ اگر اس کے وقت مختار میں سے اتنا وقت پاتا۔ بخلاف اس کے کہ اس سے کم وقت پائے۔ اور اگر کل وقت ایک رکعت کے بقدر پایا تو پہلی نماز کی قضاء لازم نہیں ہوگی اور اگر ایک رکعت سے کم وقت پایا تو دونوں نمازیں ساقط ہو جائیں گی۔

احناف فرماتے ہیں صرف وہ نماز لازم ہوگی جس کے وقت میں وہ مانع دور ہوا ہے کیونکہ پہلی نماز کا وقت حالت عذر میں ہی گزر رہا ہے تو وہ لازم نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص دوسری نماز کا وقت بالکل بھی نہ پائے تو وہ بھی لازم نہیں ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ رائے زیادہ معقول ہے کیونکہ نماز وقت معین میں واجب ہوتی ہے جب وقت نکل گیا تو وجوب بھی ساقط ہو گیا۔

نماز کا اتنا وقت گزر جانے کے بعد عذر اور مانع کا ہو جانا جتنے وقت میں نماز ہو سکتی تھی یہ صرف جنون، بے ہوشی، حیض اور نفاس کے بارے میں متصور ہے کفر اور بچپنے کے بارے میں ظاہر ہے اس صوت کا اطلاق ممکن نہیں۔

چنانچہ اگر بالغ شخص پاگل ہو گیا یا بیہوش ہو گیا یا عورت کو حیض آ گیا یا نفاس ہونا شروع ہو گیا اول وقت میں یا دوران وقت میں لیکن اس طرح کہ نماز کا ادا کر لینا ممکن تھا تو احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اس شخص پر اس نماز کی قضاء لازم ہے بشرطیکہ اتنا وقت گزر رہا ہو کہ یہ طہارت کے ساتھ نماز ادا کر سکتا اور اس کے بعد کی دوسری نماز کی قضا واجب نہیں ہوگی جس کو اس کے ساتھ جمع کرنا ممکن تھا۔ کیونکہ پہلی کا وقت دوسری کے لئے جب صحیح ہو سکتا ہے جب دونوں کو جمع کر کے پڑھنا ممکن ہو بخلاف برعکس صورت کے۔

جمہور کی موجودہ وقتی فرض قضاء لازم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وقت کے حصوں میں سے پہلا حصہ ہی سبب وجوب ہے یعنی خطاب شرعی کے مکلّف کے حق میں وارد ہونے کی علامت ہے تو جب وقت شروع ہو گیا تو مکلّف شخص اس کو ادا کرنے کا پابند ہو گیا جس کو وقت کے تمام اجزاء اور حصوں میں ادا کرنے کا اختیار ہے، بشرطیکہ وہ مکلف بننے کا اہل ہو، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ...... سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷۸

نماز قائم کرو سورج ڈھلنے پر۔

تو اس آیت میں دُلُوْكِ شَمْسِ (سورج کا ڈھلنا) مکلّف کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے اور جب سنت نبویہ نے نماز کے اوقات کے ابتدائی اور انتہائی حصوں کے بارے میں بتادیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت ان دونوں حدوں کے درمیان کا ہے جیسا کہ یہ حدیث گزر چکی ہے تو ان سب امور نے یہ بتادیا کہ مکلّف شخص پر نماز ادا کرنے کی وسعت ہے اور جب واجب ذمے میں لازم ہوگیا تو وہ برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا۔

میری نظر میں یہ رائے صحیح تر ہے۔

احناف فرماتے ہیں ❶ کہ ان عذر والے لوگوں پر اس وقت کی نماز لازم نہیں ہوگی کیونکہ نماز واجب کرنے کا سبب وہ جز ہوتا ہے جس جز سے دوران وقت ادائیگی کا فعل متصل ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص ادا نہ کرے تو آخری جزء وقت جس میں وہ واجب سما سکتا ہو اس حیثیت سے متعین ہوجاتا ہے۔ اور وقت کے نکل جانے کے بعد سببیت کو پورے وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

نماز کی صحت کی شرائط..... نماز کی صحت کے لئے مندرجہ ذیل امور شرط ہیں:

اسلام، شعور عقل، یہ تین وجوب نماز کے لئے بھی شرط ہیں چنانچہ باشعور بچے کی نماز تو درست ہوگی لیکن اس پر لازم نہیں ہوگی۔ ان کے علاوہ گیارہ مزید شرائط ہیں جن پر فقہاء کا اتفاق ہے جو کہ یہ ہیں:

۱..... وقت کا داخل ہونا۔ ۲..... دونوں حدث سے طہارت کا ہونا ۳..... نجاست سے پاک ہونا۔

۴..... ستر عورت۔ ۵..... قبلہ رو ہونا۔ ۶..... نیت۔

۷..... نماز کی ادائیگی میں ترتیب رکھنا۔ ۸..... اس کے افعال پے در پے انجام دینا

۹..... بات چیت نہ کرنا منہ سے صرف وہ الفاظ نکالنا جو از جنس نماز ہوں۔

۱۰..... نماز کی جنس سے خارج افعال کا ترک کرنا۔

۱۱..... کھانا پینا ترک کردینا۔

۱۔ پہلی شرط ...... وقت کے داخل ہونے کا علم

نماز اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی ہے جب تک وقت کی معرفت یقینی یا ظن غالب کے طور پر کوشش سے معلوم نہ ہو جائے جو شخص اس کے بغیر نماز پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے، خواہ وہ وقت میں ہی ادا ہو۔ وجہ اس شرط کی یہ ہے کہ عبادت پکی نیت کے ساتھ ادا ہو جس میں شکوک وشبہات نہ ہوں، جس شخص کو شک ہوجائے اس کی نماز درست نہیں ہوتی کیونکہ شک یقین پیدا نہیں کرنے دیتا، دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳

---

❶ ...... یہ اختلاف دراصل ایک معروف اصولی اختلاف کے نتیجے میں ہے، اس پر گفتگو اصول فقہ کے مباحث میں سے واجب موسع کی بحث میں مل جائے گی۔

❷ مراقی الفلاح ص ۳۳، ۳۹، ۵۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۹۱ البدائع ج ۱ ص ۱۱۴۔۱۲۶ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۵۔۱۰۳ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۷۲۔۴۱۰ اللباب ج ۱ ص ۶۴۔۸۶، القوانین الفقهیه ص ۵۰۔۵۷ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۱۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۶۵۔۳۰۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۲۔۱۵۰،۱۸۴۔۱۹۹ المهذب ج ۱ ص ۵۹۔۶۹ کشف القناع ج ۱ ص ۲۸۷۔۳۷۴ المحرر فی الفقه الحنبلی ج ۱ ص ۲۹، حاشیة الباری ج ۱ ص ۱۴۱۔۱۴۹۔

مراد ہے فرض جو وقت کے ساتھ تحدید شدہ ہو۔ نماز کے اوقات کی بحث اور وقت کے بارے میں اجتہاد (غور وخوض) وغیرہ کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۲۔ دوسری شرط...... دونوں حدثوں سے پاک ہونا: ❶

دونوں حدثوں سے مراد ہے اصغر واکبر یعنی بے وضو اور جنبی ہونے کی کیفیت کا وضو اور غسل یا تیمّم کے ذریعے دور کر کے پاکی حاصل کر لینا دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا ہے۔ ❷ دوسری حدیث ہے اللہ تم میں سے اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو بے وضو ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔ ❸

حدث سے طہارت کا ہونا ہر نماز کے لئے شرط ہے، فرض ہو یا نفل، کامل ہو یا ناقص جیسے سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر اور اگر بے وضو نماز پڑھے تو نماز منعقد نہیں ہوگی۔ اور اگر جان بوجھ کر حدث طاری کر لے تو بالاجماع اس کی نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس کے نماز کے آخر میں یہ عمل کرے تو احناف کے ہاں باطل نہیں ہوتی۔ اور اس کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کی نماز شوافع اور حنابلہ کے ہاں فی الفور باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں کسی شخص کی نماز میں ریح خارج ہو جائے تو وہ لوٹے، وضوء کرے اور اپنی نماز لوٹا لے ❹ احناف فرماتے ہیں وہ فی الحال باطل نہیں ہوگی وہ جب باطل ہوگی جب وہ جاگتی حالت میں بلاعذر حدث طاری ہونے کے باوجود ایک رکن کی بقدر ٹھہرا رہے، چنانچہ اگر کوئی عذر پائے مثلاً نکسیر تو اگر وہ چاہے تو اپنی نماز پر بناء کر لے یعنی عذر گزرنے کے بعد طہارت حاصل کر کے اس کو مکمل کر دے اور اگر چاہے تو ازسرنو نماز پڑھے، نماز سے وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر نکلے۔

مالکیہ احناف کی طرح فرماتے ہیں کہ نکسیر کی صورت میں نماز پر بناء کرنے کی اجازت چھ شرائط کے ساتھ ہے، یہ ضروری ہے کہ ایسا شخص اپنی ناک اوپر کی طرف بانسے کے اوپر سے پکڑ کر نکلے نیچے سے پکڑ کر نہ نکلے تاکہ خون ناک کے سوراخوں میں جمع نہ رہ جائے یہ چھ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱...... خون اتنا زیادہ نہ لگے کہ ایک درھم سے زائد ہو بصورت دیگر وہ شخص نماز توڑ دے۔

۲...... کسی قریبی ایسی جگہ سے خون متجاوز نہ ہو جس کو دھونا ممکن ہو اگر متجاوز ہو کر وہاں تک پہنچ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۳...... وہ جگہ جہاں خون دھویا جائے گا قریبی ہو، اگر وہ بہت دور ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۴...... قبلے کی طرف بلاعذر پیٹھ نہ کرے بلاعذر پیٹھ کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

۵...... راستے میں کسی نجس چیز کو نہ روندے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

۶...... خون دھونے کے لئے جاتے ہوئے راستے میں کسی سے بات نہ کرے اگر کسی سے بات کر لی خواہ بھولے سے ہی سہی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

---

❶...... لغت میں حدث کا مطلب ہے حدوث پذیر ہونے والی چیز یعنی پیدا ہونے والی وجود میں آنے والی چیز اور شریعت میں اس سے مراد ہے ایسی شرعی کیفیت کا اعضاء پر طاری ہونا جو نماز سے مانع ہو اور جب تک اس کا ازالہ کرنے والا عمل نہ ہو وہ برقرار رہے۔ ❷ بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ❸ بروایت امام بخاری مسلم، ابوداؤد اور ترمذی از حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ❹ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴ ۵۸۵ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۹۰ الشرح الکبیر لابن قدامہ ج ۱ ص ۴۷۵۔

۴۔ تیسری شرط......خبث سے طہارت کا ہونا یعنی نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا نماز کے صحیح ہونے کے لئے اس نجاست سے پاکی حاصل ہونا ضروری ہے جو معاف نہیں ہوتی اس سے کپڑوں بدن اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، پاؤں، ہاتھ گھٹنے اور پیشانی رکھنے کی جگہوں کا پاک ہونا احناف کے اصح قول کے مطابق ضروی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے وثیابك فطهر (اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھئے) امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے پانی سے دھونا اور دوسری دلیل صحیحین کی وہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ جانے لگے تو خون دھولو اور نماز پڑھو اور اعرابی والی حدیث جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو، تو یہ آیت کپڑوں کی پاکی پر دلیل ہے اور پہلی حدیث بدن کی طہارت کے وجوب کی دلیل ہے اور دوسری حدیث جگہ کے پاک کرنے کے وجوب کی۔ مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نجاست کو پاک کرنا سنت مؤکدہ ہے جن حضرات نے اس کو شرط قرار دیا ہے جیسے شیخ خلیل اور ان کے شراح تو وہ اس قول کی طرف گئے ہیں کہ وہ یاد رہنے اور قدرت ہونے پر فرض ہے۔

کپڑے، بدن اور جگہ کی پاکی پر متفرع ہونے والے مسائل:

ا۔ کپڑے اور بدن کا پاک ہونا: (الف)......اگر نمازی کے کپڑے نماز پڑھتے ہوئے نجس جگہ لگ جائیں جیسے عباوغیرہ اگر جاء نماز سے ہٹ کر زمین پر گر پڑے تو احناف کے ہاں یہ مضر نہیں، کیونکہ ان کے ہاں نماز میں فساد جب واقع ہوتا ہے جب کوئی نجاست قیام کی جگہ، پیشانی رکھنے کی جگہ اور ہاتھ اور گھٹنے رکھنے کی جگہ پر ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں نماز فاسد ہو جائے گی لہٰذا ایسے شخص کی نماز درست نہیں جس کے لباس کا کچھ حصہ یا بدن کا کچھ حصہ نجاست سے لگا ہوا ہو کیونکہ نمازی کا کپڑا اس کے بدن کے تابع ہوتا ہے، اور وہ اعضاء سجدہ کی طرح شمار ہوگا۔

(ب) نجاست سے ناواقف ہونا......اگر کسی شخص نے اتنی نجاست کے ساتھ نماز پڑھی جو قابل معافی نہ ہو اور اس کو اس کا علم بھی نہ ہو تو اس کی نماز تین مذاہب (مالکیہ کے علاوہ مذاہب) میں باطل ہوگی، اور اس پر اس کی قضاء لازم ہوگی۔ کیونکہ طہارت نفس الامر میں ہونی ضروری ہے خواہ وہ شخص نجاست کے ہونے سے یا اس کے باطل کر دینے کے وصف سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وثیابك فطهر مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ نجاست کو پاک کرنا یا اس کا ازالہ کرنا یاد رہنے اور قادر ہونے کی صورت میں واجب ہے تو جس شخص نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کو یاد ہو اور اس کے ازالے پر وہ قادر بھی ہو تو اعادہ کرے گا اور بھول جانے یا عاجز ہونے کی صورت میں یہ معاف ہے۔

اور اگر بھول میں یا دور کرنے کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ [1]

(ج) ناپاک کپڑا یا ناپاک جگہ:......اگر نمازی کو ایسے کپڑے کے علاوہ کوئی کپڑا نہ ملے جس پر اتنی نجاست لگی ہوئی ہو کہ وہ قابل معافی نہ ہو اور اس نجاست کو دھونا بھی ممکن نہ ہو یا پانی تو مل جائے لیکن دھونے والا نہ ملے اور وہ خود دھونے سے عاجز ہو (قادر نہ ہو) یا دھونے والا ملے مگر وہ اجرت اور معاوضہ مانگتا ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو یا اجرت تو اس کے پاس ہو لیکن وہ شخص اجرت مثل سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہو یا اس کو ایسی جگہ قید کر دیا گیا ہو جہاں نجاست ہو اور اس کو ایسے بچھونے کی ضرورت ہو جس کو وہ اس پر ڈال سکے تو شوافع کے ہاں اس کے لئے ناپاک کپڑا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نجس ڈھانپنے والی چیز ہے حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کا پہننا درست ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں اگر وہ اپنی ستر پوشی کے لئے کپڑا نہ پائے تو وہ کھڑا ہو کر عریاں حالت میں نماز ادا کرے، کیونکہ ستر چھپانے پر قدرت

---

[1]......فتح القدير ج ١ ص ١٧٩ الدر المختار ج ١ ص ٣٧٣ مغني المحتاج ج ١ ص ١٨٨ الشرح الصغير ج ١ ص ٦٤، ٢٩٣ كشف القناع ج ١ ص ٢٢، ١ لمغني ج ص ١٠٩ المهذب ج ١ ص ٥٩ المجموع ج ٣، ص ١٦٣۔

ہونے کی صورت میں اس کا چھپانا ضروری ہے، اور معتمد قول یہ ہے کہ اگر نماز کے وقت کے اندر اندر پاک کپڑا مل جائے تو وہ اعادہ کرے گا اگر اس نے نجس کپڑے یا ریشم، یا سونا پہن کر خواہ انگوٹھی سہی نماز پڑھی ہو یا ننگا ہو کر نماز پڑھی ہو۔

احناف اور حنابلہ کے ہاں چھپانے والا کپڑا نہ ملنے کی صورت میں بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق عمل کرتے ہوئے، خلال نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان لوگوں کے بارے میں جن کی سواریاں (کجاوے وغیرہ) ٹوٹ گئے ہوں اور ننگے نکلے ہوں یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں اور اپنے سروں سے اشارے کریں اور عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں جو شخص کشتی میں نماز پڑھے اور جو برہنہ حالت میں نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ ہاں اگر جسم کو چھپانے کے لئے ناپاک کپڑا ملے تو وہ اس میں نماز پڑھے اور اس پر اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا، وہ برہنہ ہو کر نماز نہ پڑھے کیونکہ ستر کا چھپانا نجاست کے دور کرنے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، لہٰذا اس کا چھپانا اولیٰ ہوگا۔

اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی ران چھپاؤ اور یہ عام ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ستر کا چھپانا بالاتفاق شرط ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اور نجاست سے پاکی حاصل کرنا اختلافی امر ہے لہٰذا متفق علیہ چیز کا اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔

شوافع کے ہاں وہ شخص برہنہ حالت میں نماز پڑھے اور نماز کے ارکان صحیح طور پر پورے کرے۔ اور ان کے ایک مذہب کے مطابق اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ برہنہ حالت میں پڑھی جانے والی نماز سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کے بدن پر اتنی نجاست ہو جو قابل معافی نہ ہو اور اس کو دھونے کے لئے پانی بھی نہ ہو تو وہ نماز پڑھے گا اور **فاقد الطهورين** (دو پاک کرنے والی چیزوں پانی اور مٹی کا نہ پانے والا) کی طرح بعد میں اس کا اعادہ کرے گا کیونکہ نجاست کے ساتھ ادا کی گئی نماز سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا ہے احناف نے اس مسئلے میں کچھ تفصیل کی ہے، وہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو تو حتمی طور پر اسی میں نماز پڑھے برہنہ ہو کر نماز نہ پڑھے کیونکہ چوتھائی کا حکم کل ہی کی طرح ہوتا ہے اور یہ کئی جگہ کل کے قائم مقام ہوتا ہے ان میں سے ایک جگہ ستر کا کھلنا بھی ہے ❷ اور اس شخص پر امکانی حد تک نجاست کو کم سے کم کرنا لازم ہوگا۔ اور دو کپڑوں میں سے کم نجس کپڑے کو استعمال کرے۔ اور اگر اس کا چوتھائی سے کم کپڑا پاک ہو تو اس کپڑے میں قیام رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ برہنہ ہو کر اشاروں سے نماز پڑھ لے۔ اور پورے ناپاک کپڑے میں نماز برہنہ ہو کر پڑھنے سے بہتر ہے یہ شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے ❸ اور اگر مسافر کو ایسی چیز نہ ملے جس سے نجاست کا ازالہ کر سکے یا اس کو کم کر سکے تو اس کے ساتھ پڑھ لے یا برہنہ ہی پڑھ لے اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے نجاست دور کرنے والی کوئی چیز نہ پانے والا شخص نجاست کے ساتھ ہی نماز ادا کرے گا اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

اور نہ اس شخص پر اعادہ لازم ہوگا جو اپنا ستر ڈھانکنے کے لئے کچھ نہ پائے اور برہنہ نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پاؤں قبلے کی طرف پھیلا کر بیٹھے، کیونکہ اس میں پوشیدگی کا عنصر زیادہ ہے اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے اس طرح پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ ستر کا اہتمام کرنے کی تاکید زیادہ ہے۔

(د) کپڑے میں نجاست کی جگہ سے ناواقف ہونا...... اگر ناپاک کپڑا ملے لیکن اس پر نجاست کی جگہ مخفی ہو تو احناف کے ہاں کپڑے کے ایک سرے کو دھو لینا کافی ہے خواہ بغیر تلاش کئے ہی ایسا کرے اور کپڑا پاک شمار ہوگا۔ شوافع کے ہاں اگر پورے کپڑے یا بدن

---

❶......تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۸۔ ❷ شریعت نے چوتھائی حصے کو کئی جگہ کل کے قائم مقام قرار دیا ہے جیسے محرم کے حق میں چوتھائی سر کا حلق کرنا وضو میں چوتھائی سر کا مسح اور ستر کا کھلنا وغیرہ کیونکہ یہ جگہ احتیاط کی ہے۔ ❸ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۸۳ اور بعد کے صفحات البدائع ج ۱ ص ۱۱۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۸۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۸۶ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۴۴ المھذب ج ۱ ص ۶۰۔۶۱ المغنی ج ۱ ص ۵۸۷، ۵۹۲، ۵۹۴ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۴ اللباب ج ۱ ص ۶۶، مراقی الفلاح ص ۳۸۔

میں کہیں بھی لگے ہونے کا اندیشہ ہوتو پورا دھونا ہوگا اور اگر ایک طرف لگا ہونے کا گمان ہوتب بھی پوا کپڑا دھونا لازم ہوگا۔ کیونکہ کپڑا اور بدن ایک ہی ہوتا ہے اور اگر اس پر پاک اور ناپاک کپڑوں یا جگہوں کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو دونوں کے بارے میں خوب کوشش کرے (کہ کون سا پاک ہے)۔❶

(ہ) کپڑے کے اطراف کا نجاست پر گرنا......اگر نمازی کے کپڑے یا کسی اور چیز کا کوئی کنارہ حصہ نجاست پر گر جائے جیسے طویل عمامے کا شملہ یا لمبی آستین جو نجاست پر گر پڑے تو شوافع کے ہاں اس کی نماز درست نہیں ہوگی جیسے پہلے مسئلے میں حکم ہے خواہ اس کے کپڑے کا وہ حصہ جو نجاست سے لگا ہوا ہے دوران نماز اس کی نقل وحرکت سے حرکت میں نہ آتا ہو، کیونکہ نجاست سے اجتناب تعظیم کی غرض سے مشروع کیا گیا ہے، اور یہ عمل اس کے منافی ہے، یہ حکم بخلاف اس صورت کے ہے کہ اگر یہ شخص نجاست سے متصل چیز کے اوپر سجدہ کرے اور وہ اس کے حرکت سے متحرک نہ ہو کیونکہ سجدے میں مطلوب یہ ہے کہ دوسری چیز پر پیشانی ٹھہر جائے کیونکہ حدیث میں ہے اپنی پیشانی ٹھہرادو تو جب ایسی چیز پر سجدہ کیا جو متصل ہے اور اس کی حرکت سے متحرک نہیں ہوتا تو مقصود حاصل ہوجاتا ہے اور اسی بناء پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی نجس چیز نمازی کے سینے کے متوازی ہو رکوع اور سجدے وغیرہ میں تو اس کا ہونا نماز کے لئے مضر نہیں ہے صحیح قول کے مطابق کیونکہ وہ اس سے مل نہیں رہا ہے۔

احناف فرماتے ہیں اگر نجس طرف اس کی حرکت سے متحرک نہیں ہوتو نماز درست ہوگی، اور اگر متحرک ہوتو درست نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے ہاں شرط یہ ہے کہ نمازی کا کپڑا اور اس کے ساتھ حرکت والی چیز پاک ہو یا اس کا اٹھانے والا ہو جیسا کہ یہ مسئلہ آگے آئے گا۔ اور یہ مسئلہ اس صورت کے برخلاف ہے کہ وہ چیز متصل نہ ہو جیسے وہ چٹائی جس کا کنارہ نجس ہو اور کھڑے ہونے اور سجدے کی جگہ پاک ہو تو یہ نماز کی صحت سے مانع نہیں ہوگا۔❷

(و) ایسی رسّی کا تھامنا جو نجاست سے بندھی ہوئی ہو......اگر نمازی نے ایسی رسی تھامی ہوئی ہو جو نجس چیز سے بندھی ہوئی ہو جیسے وہ رسی جو کتے کے گلے میں ڈلے ہوئے پٹے سے بندھی ہوئی ہو یا جانور یا چھوٹی سواری جو نجاست لی ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ کتا چھوٹا ہو یا بڑا ان کے ہاں نجس العین ہوتا ہے اور نماز اس حالت میں نجاست اٹھانے والا شمار ہوگا کیونکہ جب وہ چلے گا تو وہ اس کے ساتھ ساتھ چلے گا بخلاف بڑی کشتی کے جو کھینچنے سے نہ چلے وہ بمنزلہ ایک گھر کے شمار ہوگا، اس سے متصل رسی کے ہونے کے ساتھ نماز درست ہوجائے گی لیکن اگر اس شخص نے اس کو اپنے پاؤں تلے دبادی تو تمام صورتوں میں نماز درست ہوگی شوافع کے نزدیک بھی۔

احناف کے ہاں پہلی حالت کی طرح اس صورت میں بھی کتے کی رسی تھامے ہوئے ہونے کی صورت میں نماز درست ہوگی اس بناء پر کہ راجح ان کے ہاں یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے، اس کا ظاہری جسم پاک ہے دوسرے حیوانات کی طرح سوائے سور کے تو وہ صرف اس وقت ناپاک ہوگا جب وہ مرا ہوا ہو اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کتے کے منہ سے ایسی کوئی چیز نہ نکلے جو مانع نماز ہو جیسے لعاب وغیرہ۔❸

(ز) ایسے انڈے کا ساتھ رکھنا جس کی سفیدی خون بن چکی ہو......اگر نمازی نے گندا انڈا اٹھایا ہوا ہو یعنی ایسا انڈہ جس کی

---

❶...... المهذب ج ۱ ص ۶۱ مغنى المحتاج، ج ۱ ص ۱۸۹. ❷الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۳ مغنى المحتاج ج، ج ۱ ص ۱۹۰، المهذب ج ۱ ص ۶۱ مراقی الفلاح ص ۳۸. ❸الدر المختار مع الحاشية: ج ۱ ص ۳۷۴ مغنى المحتاج، ج ۱ ص ۱۹۰ المهذب ج ۱ ص ۶۱ المجموع ج ۳، ص ۱۵۵ اور بعد کے صفحات۔

سفیدی خون بن چکی ہو تو احناف کے ہاں نماز درست ہو جائے گی جیسے کتے کے مسئلے میں ان کے ہاں حکم ہے۔ کیونکہ خون ابھی انڈے کے خول میں ہی ہے اور کوئی چیز جب تک اپنے مقام میں ہو اس کو نجات کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص بوتل میں پیشاب لے کر نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ پیشاب اپنے مستقر و مقام میں نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں دونوں صورتوں میں نماز نہیں ہوگی، انڈے کے بارے میں اصح قول کے مطابق اور بوتل کے بارے میں صحیح قول کے مطابق کیونکہ یہ شخص نجاست کو اٹھانے والا شمار ہوگا۔ (۱)

(ح) چھوٹے بچے کو نماز میں اٹھانا......اگر چھوٹے بچے کو نماز میں اٹھایا اور اس پر نجاست لگی ہوئی ہو تو اگر وہ بچہ خود اٹھا ہوا نہ ہو بلکہ اس شخص نے اٹھایا ہو تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ نجاست کا اٹھانے والی شمار ہوگا ان حضرات کے ہاں اس چیز کی طہارت شرط ہے جس کو یہ شخص اٹھایا ہوا ہو، باستثناء ان صورتوں کے نجاست اپنے محل و مقام میں بند ہو جیسے کتے اور انڈے کا مسئلہ۔ اور بچہ اگر خود اس شخص کو تھاما ہوا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں وہ نجاست کا اٹھانے والا شمار نہیں ہوگا۔

اور شافعیہ احناف کی طرح اور دیگر حضرات بھی بالاتفاق یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے بچے کو نماز میں اٹھایا جس پر کوئی نجاست نہ ہو تو اس کا اٹھانا مضر نہیں ہے، اسی طرح اگر پاک جانور کو نماز میں اٹھایا تو نماز درست ہوگی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ بنت ابوالعاص کو حالت نماز میں گود میں اٹھایا تھا (۲) اور جانور کو اٹھانے کی اجازت اس لئے ہے کہ جانور میں جو بھی نجاست ہے وہ اپنے مقام پر ہے اور یہ اس نجاست کی طرح ہے جو خود نمازی کے پیٹ میں موجود ہے۔ (۳)

(ط) ہڈی کو نجس چیز سے جوڑنا......شوافع فرماتے ہیں اگر نمازی نے اپنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو پاک چیز نہ ملنے کی وجہ سے ناپاک چیز سے جوڑا ہوا ہو تو وہ شخص معذور کہلائے گا اس کی نماز اس چیز کے ساتھ ضرورت کے پیش نظر جائز ہوگی۔ (۴)

۲۔ دوسرا مسئلہ: جگہ کی پاکی......نمازی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے اس جگہ کا جو نمازی کے جسم سے لگ رہی ہو اگر نجاست اس کے جسم سے نہ لگے تو نماز جائز ہوگی، جیسے ان مندرجہ ذیل صورتوں میں:

الف: ایسی چٹائی پر نماز جس پر نجاست ہو......اگر ایسی چٹائی پر نماز پڑھی تو اگر اس کے ناپاک حصے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو بالاتفاق نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ وہ نجاست سے مل رہا ہے اور نجاست والی جگہ پر ہاتھ رکھنا بمنزلہ اس کو اٹھانے کے ہے، اور اگر پاک حصے پر نماز پڑھی تو بالاتفاق نماز درست ہوگی، احناف کے ہاں خواہ چٹائی چھوٹی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ نجاست سے ملنے والا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایسی چیز کا اٹھانے والا ہے جو نجاست سے متصل ہے۔ (۵)

ب: ناپاک جگہ پر کسی حائل چیز پر نماز پڑھنا:......اگر نجس زمین پر کچھ بچھا کر نماز پڑھی تو اگر وہ بچھونا اتنا موٹا ہو کہ ستر عورت کا مقصود اس سے حاصل ہو سکتا ہو تو نماز بالاتفاق درست ہو جائے گی کیونکہ یہ نہ تو نجاست سے مس کر رہا ہے اور نہ ایسی چیز وہ اٹھا رہا ہے جو نجاست سے متصل ہے اور اگر بچھونے کے سوراخوں سے نجاست کو مس کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی (۶) احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ ایسے موٹے دبیز بچھونے پر نماز درست ہے جس کی ایک طرف پاک اور ایک جانب ناپاک ہو اور ایسے کپڑے پر بھی درست ہے جو خود پاک ہو اور اس کا استر ناپاک ہو بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ سلا ہوا نہ ہو کیونکہ وہ دو کپڑوں کی طرح شمار ہوں گے جو ایک

(۱)...... ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴، المهذب ج ۱ ص ۶۱، المجموع ج ۳ ص ۱۵۷۔ (۲) یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ (۳) ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴ الهذب ج ۱ ص ۶۱۔ (۴) مغنی المحتاج ۱ ج ۱ ص ۱۹۰۔ (۵) ردالمحتار حواله بالا، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۹۰، المهذب ج ۱ ص ۶۲، مراقی الفلاح ص ۳۸۔ (۶) ردالمحتار حواله بالا، المهذب ج ۱ ص ۶۲

ج: گھر اور میدان میں نجاست:......اگر گھر یا میدان میں نجاست ہو اور ان کی جگہ معلوم ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھ لینا درست ہے اور اگر وہ جگہ نامعلوم ہو تو احناف کے ہاں غور وخوض کر کے پاک جگہ تلاش کرے اور اس پر نماز پڑھ لے شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ اگر زمین بڑی ہو جیسے میدان تو اگر اس میں کسی جگہ نماز پڑھ لی تو نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ نجاست اس کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل اس میں طہارت ہے اور پوری زمین کا دھونا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر زمین چھوٹی ہو جیسے گھر وغیرہ تو اس میں نماز اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک وہ اس کو دھو نہ لے جیسے کپڑے کے کسی حصے کے نجس ہونے کے بارے میں شک ہونے کی صورت کا حکم ہے کیونکہ گھر وغیرہ کا دھونا اور نجاست سے محفوظ رکھنا ممکن ہے اور جب وہ نجس ہو جائے تو اس کو دھولیا جائے اور اگر ناپاک جگہ مخفی ہو جائے تو پورے کو دھولیا جائے جیسے کپڑے کا حکم ہے۔

اور اگر نجاست دو گھروں میں سے ایک میں ہو اور یہ مشتبہ ہو کہ کون سا ناپاک ہے تو تحری (غور وخوض) کرے اور اگر کوئی شخص کسی ناپاک جگہ قید کر دیا جائے مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں تو جمہور علماء کے نزدیک اس پر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس میں سے وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو ❷ اور اس کے حکم کو اس مریض پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے جو بعض ارکان ادا کرنے سے عاجز ہو اور جب ایسا شخص نماز پڑھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیٹھنے میں نجاست سے حتی الامکان بچے ہاتھوں اور گھٹنے وغیرہ کے ذریعے اور اس پر سجدے وغیرہ میں اتنا جھکنا یا اشارہ کرنا واجب ہے کہ اس سے زیادہ جھکنے میں نجاست کے لگنے کا اندیشہ ہو اور سجدہ نہ کرے صحیح قول کے مطابق کیونکہ نماز اشارے کے ذریعے درست ہوسکتی ہے لیکن نجاست کے ساتھ جائز نہیں ہوتی اور اصح قول کے مطابق پاک جگہ پہنچ کر اس کا اعادہ لازم ہوگا اور قدیم قول کے مطابق اعادہ مستحب ہوگا۔ اعادہ واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے فرض کو ایسے نادر عذر کی وجہ سے ترک کیا ہے جو متصل نہیں ہے، لہٰذا فرض اس سے ساقط نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص بھول کر سجدے چھوڑ دے اور جس کو فرض نماز شمار کیا جائے گا وہ دوسری نماز ہے شوافع کے اصح قول کے مطابق۔

۴۔ چوتھی شرط: ستر کا چھپانا......عورت (ستر) لغت میں نقص کے معنی میں آتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں وہ حصہ بدن جس کا چھپانا لازم اور اس کو دیکھنا حرام ہو نماز کی بحث میں پہلے معنی یعنی بدن کا چھپانا مراد ہیں ستر کا آنکھوں سے پوشیدہ ہونا شرط ہے خواہ وہ شخص تنہائی میں اندھیرے میں ہو بشرطیکہ اس پر قدرت ہو یہ جمہور کا اتفاقی مسئلہ ہے احناف فرماتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی موجودگی میں ستر کا چھپانا بالا جماع واجب ہے اور خلوت میں بھی صحیح قول کے مطابق لازم ہے چنانچہ اگر کوئی شخص تنہائی میں برہنہ ہو کر نماز ادا کرے خواہ اندھیرے کمرے میں ہی کیوں نہ ہو اور اس کے پاس پاک کپڑے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔❸

ستر کا چھپانا نماز میں اور نماز کے علاوہ خواہ تنہائی کیوں نہ ہو واجب ہے، سوائے ضرورت کے جیسے نہانا، پاخانہ کرنا یا پیشاب کرنا۔ ستر کے واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ......سورۃ الاعراف

اپنی زینت لو ہر سجدے کے موقع پر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد نماز میں کپڑے پہننا ہیں۔

---

❶......المهذب ج ۱ ص ۶۲ المجموع ج ۱ ص ۱۶۰ اور بعد کے صفحات۔ ❷ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے مانهيتكم عنه فاجتنبوه وما امرتم به فاتوا منه مااستطعتم ❸ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۵

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اللہ جوان عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا ہے ❶ اوڑھنی (خمار) سے مراد ہے وہ کپڑا جس سے عورت اپنا سر ڈھانکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو اچھا نہیں ہے کہ اس کے جسم سے کچھ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے اور چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا ❷ اور علماء کا اجماع ہے کہ عورت پر مطلقاً پردہ لازم ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ۔

ستر (چھپانے والی چیز) کی شرائط:

۱.....یہ لازم ہے کہ ستر دبیز اور موٹا ہو اور لازم ستر کو ایسی چیز سے چھپانا ہے جو کھال کی رنگت کو نہ ظاہر ہونے دے خواہ موٹا کپڑا ہو یا چمڑہ یا پتے اور اگر کپڑا بالکل ہلکا اور اتنا پتلا ہو کہ اس کے نیچے کا حصہ بالکل صاف نظر آتا ہو یا کھال کی رنگت اس سے نظر آتی ہو اس کی سرخی یا سفیدی معلوم ہو سکتی ہو تو اس میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ ستر اس طرح کے کپڑے سے حاصل نہیں ہوتا ہے، اور اگر رنگت کو تو چھپا دے لیکن اس کی ھیئت اور حجم کو ظاہر کر دے تو نماز جائز ہوگی کیونکہ اس طرح کی چیز سے احتراز ممکن نہیں ہے خواہ وہ ساتر موٹا ہی کیوں نہ ہو تاہم شوافع کے ہاں ایسے کپڑے عورتوں کے لئے مکروہ اور مردوں کے لئے خلاف اولیٰ ہیں۔

شوافع فرماتے ہیں ساتر کی شرط یہ ہے کہ وہ جسم کی رنگت کو چھپا دے خواہ وہ بہت گدلا پانی کیوں نہ ہو یا کیچڑ کیوں نہ ہو ایسا خیمہ نہیں جو تنگ ہو اور نہ تاریک اور یہ بھی ان کے ہاں ضروری ہے کہ ساتر پاک ہو۔ مالکیہ فرماتے ہیں اگر اس سے نیچے کی چیز نظر آتی ہو تو وہ کالعدم ہوگا اور اگر نظر نہ آئے لیکن پتہ چل سکتا ہو تو مکروہ ہوگا۔ ❸

۲.....شوافع اور حنابلہ کے ہاں شرط ہے کہ ڈھانکا ہوا حصہ لباس وغیرہ سے ڈھانکا ہوا ہو لہٰذا اس طرح کا خیمہ وغیرہ پہن لینا کافی نہیں جو تنگ (ہو اور جسم پر آجائے) اور نہ ہی اندھیرا کافی ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں اندھیرا بھی ساتر کا کام دے سکتا ہے بوقت ضرورت۔ کیونکہ اصل واجب ان حضرات کے ہاں ستر کو دوسروں سے چھپانا ہے خواہ حکماً جیسے اندھیری جگہ اپنے آپ سے چھپانا لازم نہیں ہے مفتی بہ قول کے مطابق۔

۳.....اور مطلوب ستر کا اطراف سے چھپانا ہے احناف کے ہاں صحیح قول کے مطابق اور دیگر فقہاء کے ہاں بھی لہٰذا نیچے سے چھپانا یا قمیض کے اوپر کے کھلے ہوئے حصے سے چھپانا لازم نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے آئینے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی جس سے اس کے اعضاء نظر آئے تو نماز ہو جائے گی۔

اور اگر اس کو صرف اتنی سی چیز ملے کہ وہ اپنے ستر کا کچھ حصہ چھپا سکے تو اس کا چھپانا لازم ہوگا خواہ یہ مقصد ہاتھ سے چھپا کر حاصل ہو، یہ شوافع کے اصح قول کے مطابق ہے۔ اور چھپانے والی چیز اگر اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں کے لئے کافی ہو تو ان دونوں کا چھپانا لازم ہوگا اور اگر وہ صرف ایک شرمگاہ کو چھپا سکے تو شوافع کے ہاں اس پر پہلے اگلی شرمگاہ چھپانا لازم ہوگا اس کے بعد پچھلی شرمگاہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس کے برعکس حکم ہے، اور اگر قمیص سے شرمگاہ رکوع وغیرہ میں جاتے ہوئے جھلک جاتی ہو تو اس میں بٹن لگانا یا پیچ سے باندھنا ضروری ہوگا۔

---

❶ ..... یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم پر ہے اور یہ حدیث اصحاب خمسہ نے ماسوا ابن ماجہ بھی روایت کی ہے اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول صحیح قرار دیا ہے اس حدیث میں وارد لفظ حائض سے مراد بالغ عورت ہے یعنی وہ عورت جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے حائضہ مراد نہیں کیونکہ زمانہ حیض میں اس کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۷۔ ❷ بروایت ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث مرسل ہے۔ نصب الرایة ج ۱ ص ۲۹۹۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۵۴۔

حرام کپڑوں میں نماز کا حکم...... اگر ایسی چیز سے ستر پوشی کی جس کا پہننا حرام ہو جیسے ریشم کا کپڑا مردوں کے لئے تو مالکیہ اور شوافع کے ہاں حرمت کے ساتھ ستر درست ہوگا، اور احناف کے ہاں کراہت تحریمیہ کے ساتھ نماز درست ہوگی، اور بلا عذر پہننے سے گنہگار ہوگا جیسے غصب شدہ زمین میں نماز کی ادائیگی۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ نماز حرام چیز کے ساتھ درست نہیں ہوگی، جیسے ریشمی کپڑے کا پہننا یا غصب شدہ زمین میں نماز کی ادائیگی، خواہ اس زمین کا کچھ حصہ غصب شدہ ہو یا صرف اس سے حاصل شدہ منفعت غصب شدہ ہو یا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس کی پوری قیمت یا کچھ قیمت حرام مال سے دی ہوئی ہو یا وہ شخص سونے کی انگوٹھی پہنا ہوا ہو اگر وہ جانتا ہو اور اس کو یاد ہو❶ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص دس درہم کا کپڑا خریدے اور اس میں ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا جب تک یہ کپڑا اس کے جسم پر ہو یہ کہہ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دو انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کیں اور فرمایا بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہو❷ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ نا قابل قبول ہے❸ اور ایک بات یہ ہے کہ اس شخص کا کھڑا ہونا بیٹھنا اور رہنا حرام کپڑوں میں ہو رہا ہے جو کہ ایک ممنوع امر ہے لہٰذا یہ فعل عبادت عبادت بنے گا ہی نہیں جیسے حیض کے زمانے میں نماز پڑھنا یا نجاست کے ساتھ پڑھنا۔

اور اگر وہ شخص اس کے ریشم ہونے سے ناواقف ہو یا اس کے غصب شدہ ہونے سے واقف ہو یا وہ یہ چیزیں بھول گیا ہو یا وہ غصب شدہ جگہ یا نجس جگہ قید کر دیا گیا ہو تو اس کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں وہ گناہگار نہیں ہوگا۔

مالکیہ اور احناف ناپاک کپڑوں میں نماز کو جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ میں پہلے اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔

اور تمام مذاہب کے علماء کا اتفاق ہے کہ ستر کا چھپانا ضروری ہے خواہ عاریتاً کپڑا لے کر ہی سہی، چنانچہ اگر عاریت والے کپڑے کی موجودگی میں برہنہ نماز پڑھ لی یا ریشم کے پاک کپڑے کی موجودگی میں برہنہ ہو کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی تاہم حنابلہ کے نزدیک پاک ریشم کے کپڑے کا وجود کالعدم کی حیثیت میں ہے اور اگر اس کو کپڑا دینے کا وعدہ کیا گیا ہو تو وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک وقت کے نکل جانے کا خدشہ نہ ہو احناف کے ہاں اظہر قول یہی ہے اور اس پر ثمن مثلی (قیمت مثلی) کے عوض خریدنا لازم ہوگا❹ جیسا کہ یہ تفصیل پانی کی خریداری کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے۔

ستر چھپانے کے لئے کچھ نہ پانے والے کا حکم:...... جو شخص ستر چھپانے کے لئے کچھ نہ پائے تو وہ مالکیہ کے ہاں برہنہ حالت میں نماز پڑھ لے کیونکہ ستر کا چھپانا قدرت ہونے کی صورت میں لازم ہے اور عاجز ہونے کی صورت میں یہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں بیٹھ کر اشارے سے ادا کرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق جیسا کہ میں تیسری شرط کے بیان میں یہ ذکر کر چکا ہوں۔

اور شوافع اور احناف کے ہاں اس پر نماز ادا کرنا لازم ہے خواہ مٹی وغیرہ مل کر نماز ادا کرنی پڑے، یا گدلے پانی میں بیٹھ کر یا اس کو مل کر نماز ادا کرنی پڑے مالکیہ اور احناف کے ہاں اضطراری صورتحال میں گھپ اندھیرا ساتر بن سکتا ہے اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں بھی ہاتھ سے ڈھانپ کر یہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور شوافع کے ہاں کھڑا ہو کر ارکان کو پورا کر کے

---

❶...... کشف القناع ج ۱ ص ۳۱۳، المغنی ج ۱ ص ۵۸۷ اور بعد کے صفحات۔ ❷ تاہم اس کی سند میں دو آدمی ہیں ھاشم اور بقیہ امام بخاری فرماتے ہیں: ہاشم ثقہ نہیں اور بقیہ مدلس ہیں۔ ❸ بروایت امام احمد و مسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ❹ الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۲ المجموع ج ۳، ص ۱۹۳۔

نماز ادا کرے اور ایک قول کے مطابق اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا جیسا کہ میں اس بات کی وضاحت پہلے کر چکا ہوں۔ احناف اور حنابلہ کے ہاں بیٹھ کر رکوع اور سجدے کے اشارے سے نماز پڑھے گا اور اس طرح پڑھنا کھڑے ہو کر اشارے سے یا کھڑے ہو کر رکوع وسجود کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ ستر ارکان کی ادائیگی سے زیادہ اہم ہے حنابلہ فرماتے ہیں جو شخص پانی اور کیچڑ میں ہو اور اس کے لئے زمین پر سجدہ کرنا اس طرح ممکن ہو کہ وہ مٹی اور کیچڑ میں لت پت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے جانور ہی پر نماز پڑھ لے اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے۔ ❶

ستر کا اچانک کھل جانا، اگر نمازی کا ستر غیر ارادی طور پر اچانک کھل گیا مثلاً ہوا وغیرہ سے اور اس نے فی الفور اس کو ڈھانک لیا تو حنابلہ اور شوافع کے ہاں اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، کیونکہ ممنوع چیز نہیں پائی گئی اور اگر اس کی کوتاہی کے سبب کچھ دیر یا زیادہ دیر کھلا رہا تو نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ زیادہ کھلنے سے ستر کا کھلنا زیادہ ہو جاتا ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے لہٰذا وہ قابل معافی نہیں ہے ❷ مالکیہ فرماتے ہیں کہ شرمگاہ کا کھلنا مطلقاً نماز کو باطل کر دیتا ہے احناف فرماتے ہیں اگر ستر کے اعضاء میں سے چوتھائی عضو کھل جائے تو اگر ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے بشرطیکہ خود اس کے کرنے سے ایسا نہ ہوا ہو اور اگر اس کے کرنے سے ایسا ہو تو فی الفور نماز فاسد ہو جائے گی۔

برہنہ لوگوں کی جماعت...... برہنہ لوگوں کے لئے جماعت کرنا درست ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ان کے لئے جماعت کے ساتھ اور تنہا پڑھنے کی اجازت ہے اور جماعت کی شکل میں نماز ادا کرنے کی صورت میں امام بیچ میں کھڑا ہوگا اور مقتدی ایک صف میں رہیں گے تاکہ ایک دوسرے کی شرمگاہ پر نظر نہ پڑے اور اگر دو صفیں بنانی پڑیں تو آنکھیں نیچی کر کے نماز پڑھ لیں۔

اور اگر برہنہ عورتیں جمع ہو جائیں تو ان کے لئے جماعت مستحب ہے۔

اور ان کی امام عورت بیچ میں کھڑی ہوگی ہر حال میں، کیونکہ عورتیں بذات خود ستر ہیں، جماعت مستحب اس لئے ہے کہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے افضل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، شوافع کے ہاں کھڑے ہو کر ارکان پوری طرح ادا کریں گے اور اشارے سے پڑھیں گے۔ اور حنابلہ کے ہاں سجدے میں رکوع سے زیادہ جھکنا چاہئے۔

اور افضل صورت کیا ہے؟ جماعت سے نماز یا تنہا نماز؟ شوافع فرماتے ہیں اگر وہ لوگ نابینا ہوں یا اندھیرے میں ہوں اس طرح ہوں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں تو بلا خوف جماعت مستحب ہے، اور ان کا امام ان کے آگے کھڑا ہوگا اور اگر اس طرح ہوں کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہوں تو اصح قول یہ ہے کہ جماعت سے پڑھنا اور تنہا پڑھنا برابر ہے۔

اور اگر کسی شخص کے پاس پہنانے کے لئے کپڑے ہوں تو مستحب یہ ہے کہ وہ ان کو عاریتاً دے دے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے غصب نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کی نماز بغیر ستر کے چھپائے ہو سکتی ہے۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ وہ اکیلے پڑھیں گے اور ایک دوسرے سے دور کھڑے ہوں گے اور اگر اندھیرے میں ہوئے تو جماعت سے پڑھیں گے اور امام آگے کھڑا ہوگا ❸ اور اگر ان کا علیحدہ ہو کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو جماعت سے ایک صف میں کھڑے ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھیں گے ان کا امام بیچ میں کھڑا ہوگا اور ان پر آنکھیں جھکانا لازم ہوگا۔

ستر کی حد...... ائمہ مذاہب کے ہاں نماز کی صحت کے لئے ستر کا چھپانا شرط ہے جیسا کہ پہلے گزرا لیکن فقہاء کا مرد عورت اور باندی کے ستر کی حدود میں اختلاف ہے ان کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶...... المغنی ج ۱ ص ۵۹۹۔ ❷ مغنی المختار، ج ۱ ص ۱۸۸، المغنی ج ۱ ص ۵۸۰۔ ❸ المجموع ج: ۳ ص: ۱۹۱ اور اس کے بعد کے صفحات، المہذب ج: ۱ ص: ٦ المغنی ج: ۱ ص: ۵۹٦ اور صفحہ نمبر ۵۹۸ الشرح الکبیر مع الدسوقی ج: ۱ ص: ۲۲۱۔

مذہب حنفی ❶:

۱۔ مرد کا ستر:......مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہوتا ہے) ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے لہٰذا گھٹنا ران کے تحت شمار ہوگا اور ستر میں داخل ہوگا اصح قول کے مطابق دلیل وہ روایت ہے مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے یا یہ روایت ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ گھٹنوں سے متجاوز ہو ❷ اور دوسری دلیل ایک حدیث ضعیف ہے جو دارقطنی نے روایت کی ہے کہ گھٹنا ستر میں سے ہے۔ ❸

۲۔ باندی (غلام عورت، کنیز)...... یہ ستر کے اعتبار سے مرد کی طرح ہے اس کے ساتھ اس کی کمر پیٹ اور پہلو بھی ستر میں شامل ہیں، دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو انہوں نے ایک باندی سے کہا تھا، اولونڈیا اپنے اوپر سے اوڑھنی ہٹا کیا تو آزاد عورتوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے ❹ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کی ضروریات کے لئے اپنے کام کاج کے کپڑوں میں نکلتی ہے، تو اس کو اجانب کے حق میں محارم کی طرح سمجھا جائے گا حرج دور کرنے کی غرض سے۔

۳۔ آزاد عورت اسی طرح ہیجڑا بھی......اس کا سارا بدن ستر ہے حتیٰ کہ اس کے لٹکے ہوئے بال بھی ماسوا چہرے اور ہتھیلیوں کے اور پاؤں کے پاؤں اور ہاتھ کا اندر اور باہر کے دونوں حصے معتمد قول کے مطابق کہ یہ چیزیں ستر میں داخل نہیں وجہ اس کی عنصر ضرورت ہے، اور عورت کی آواز راجح قول کے مطابق ستر نہیں ہے ❺ ہاتھ کا اوپری حصہ ایک قول کے مطابق ستر ہے، تاہم اصح قول یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ اور اوپر کا حصہ ستر نہیں ہے، اور دونوں قدم بھی نماز کے حق میں صحیح قول کے مطابق ستر نہیں ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ دیکھنے اور چھونے کے اعتبار سے ستر کے حکم میں ہیں، ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا...... سورۃ النور آیت نمبر ۳۱

اور وہ ظاہر نہ کریں اپنی زینت سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہے۔

زینت سے مراد جائے زینت ہے اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دوسری دلیل یہ حضرات یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ عورت ستر ہے جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاڑ لیتا ہے ❻ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی گذشتہ حدیث بھی دلیل ہے کہ اے اسماء جب عورت بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے تو اچھا نہیں ہے کہ اس کے جسم میں سے کچھ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا ❼ ایک اور دلیل حضرت عائشہ

---

❶......الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۵۔۳۷۹ تبيين الحقائق للزيعلي ج ۱ ص ۹۵۔۹۷۔ ❷ یہ مضمون تین احادیث سے ماخوذ ہے (۱) پہلی حدیث دارقطنی امام احمد ابوداؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی سند سے نقل کی ہے اس حدیث میں ہے.....تو جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی کرادے تو ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر تک کا حصہ نہ دیکھے کیونکہ ناف سے نیچے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۲) دوسری حدیث حاکم کی ہے جو عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا درمیانی حصہ ستر ہے یہ موضوع حدیث ہے۔ (۳) تیسری دارقطنی نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے گھٹنوں سے اوپر کا حصہ ستر ہے اور ناف سے نیچے کا حصہ ستر ہے یہ حدیث غریب ہے۔ نصب الراية ج ۱ ص ۲۹۶۔۲۹۷۔ ❸ نصب الراية ج ۱ ص ۲۹۷۔ ❹ علامہ زیلعی فرماتے ہیں یہ غریب ہے اس معنی میں ایک روایت عبدالرزاق نے بھی حضرت عمر سے نقل کی ہے بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول آثار درست ہیں۔ نصب الراية ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❺ تاہم عورت کی گنگناتی آواز اور لوچ والی آواز اذان میں یا کسی اور میں ہو ستر میں داخل ہے اس کا سننا درست نہیں۔ ❻ بروایت امام ترمذی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح غریب قرار دیا ہے ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الراية ج ۱ ص ۲۹۸۔ ❼ بروایت امام ابوداؤد یہ حدیث مرسل۔

رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ بھی پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا ہے۔ جوان عورت کو اپنا چہرہ مردوں کے سامنے کھولنے سے منع کیا جائے گا اس لئے نہیں کہ وہ ستر ہے بلکہ فتنے کے خدشے کے پیش نظر یا شہوت ⓫ وغیرہ کے پیش نظر منع کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کو چہرہ کھولنے سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ لوگ اس کا چہرہ نہ دیکھیں ورنہ ان کے فتنے اور شہوت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ چہرہ کھلا ہونے کی صورت میں اس پر شہوت کے ساتھ نظر پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

جو رشتے کا خواہشمند ہو، اس کو دیکھنے کی اجازت ہے خواہ وہ شہوت کے ساتھ دیکھے تاہم نیت سنت پر عمل کی ہو شہوت پوری کرنے کی نہ ہو۔ اسی طرح علاج اور دوا کی غرض سے مرض کی جگہ کو بقدر ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے۔

اور احناف کا معتمد قول یہ ہے کہ اعضاء عورت (ستر) میں سے کس عضو کا چوتھائی حصہ خواہ وہ عورت غلیظہ (ستر کا وہ حصہ زیادہ شدت کا حامل ہوتا ہے) ہو یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ اوران کے آس پاس کا حصہ یا عورت خفیفہ (ستر کا وہ حصہ جو نسبتاً کم شدت کا حامل ہوتا ہے) ہو یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ کے علاوہ ران کے حصے ⓬ اگر ظاہر ہو جائے اور اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا ہے اور بالقصد یہ نہ کیا ہو بھول سے ہو گیا ہو تو نماز باطل ہو جائیگی، کیونکہ چوتھائی کا حکم پورے کا ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس سے کم ظاہر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے چنانچہ جس کا چوتھائی پیٹ ظاہر ہو جائے یا ران یا سر کے لٹکے ہوئے بال یا پچھلی شرمگاہ یا عضو تناسل یا دونوں کپورے یا شرمگاہ ظاہر ہو جائے اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر ایک رکن کی ادائیگی کی مدت کے بقدر وہ کھلا رہے، بصورت دیگر نماز باطل نہیں ہوگی۔

مالکیہ کا مذہب ⓭:

ان حضرات کے ہاں ستر کا لوگوں کی آنکھوں سے چھپانا بالا جماع واجب ہے اور نماز میں صحیح قول کے مطابق جن چیزوں کا چھپایا جانا ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں

الف..... مرد کا ستر نماز میں صرف عورت غلیظہ (شدت والا ستر) ہے یعنی دونوں شرمگاہیں سامنے کی شرمگاہ میں سے عضو تناسل اور دونوں کپورے اور پچھلی شرمگاہ میں سے دونوں کولہوں کا درمیانی حصہ (یعنی وہ حصہ جہاں سے پاخانہ خارج ہوتا ہے اور تھوڑا سا آس پاس کا حصہ) چنانچہ نماز کا لوٹانا وقت کے اندر اندر صرف اس شخص پر واجب ہوگا۔ جس کی دونوں چکتیاں (سرین) کھلی ہوئی ہوں یا اس کا اگلی شرمگاہ کا حصہ کھلا ہوا ہو ان حضرات کے ہاں ران ستر میں داخل نہیں ہے ستر صرف دونوں شرمگاہیں ہیں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اپنی ران پر سے کپڑا ہٹا لیا تھا گویا کہ میں ابھی بھی آپ کی ران مبارک کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں۔ ⓮

ب..... کنیز کا ستر بھی دونوں شرمگاہیں ہیں ان کے ساتھ سرین کے دونوں جانب (دونوں چکتیاں) بھی ستر ہیں اگر ان میں کوئی چیز کھل گئی یا پوری ران کھل گئی یا کچھ حصہ کھل گیا تو وقت کے اندر اندر لازماً اعادہ کرے گی جیسے مرد کا حکم ہے اور ظہر اور عصر کے لئے اعادے کا وقت

⓫..... شہوت کے ساتھ عورت اور بے ریش لڑکے کے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت یا حاجت درپیش ہو جیسے قاضی یا گواہ کے سامنے چہرہ کھولنا یا اس کے خلاف گواہی کے پیش نظر اس کا چہرہ کھولنا یا ایسے شخص کے سامنے چہرہ کھولنا۔ ⓬ دونوں ستر (غلیظہ اور خفیفہ) میں فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ غلیظہ کی طرف نظر کرنا خفیفہ کی طرف نظر کرنے کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے۔ ⓭ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۸۵ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۱۱، القوانین الفقھیہ ص ۵۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۱۱۔۲۱۷ شرح الرسالہ ج ۱ ص ۹۸۔ ⓮ یہ حدیث امام احمد اور امام بخاری نے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۴ اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران کھولے بیٹھے تھے حضرت ابوبکر آئے اجازت طلب کی آپ نے اجازت دی وہ اندر آئے آپ اسی حالت پر بیٹھے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی آپ نے اجازت دی وہ اندر آئے آپ اسی حالت پر بیٹھے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی آپ نے اپنی ران پر کپڑا ڈال لیا..... نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۳۔

سورج کے پیلے پڑ جانے تک ہے اور مغرب اور عشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے طلوع شمس تک ہے۔
ج......آزاد عورت کی عورت (ستر) غلیظہ: اس کا ستر پورا بدن ہے سوائے سینے کے سر کے اطراف کے اور دونوں ہاتھ اور پاؤں کے اور سینے کے بالمقابل کمر کا حصہ بھی سینے کے حکم میں ہے اور عورت (ستر) خفیفہ میں سے کوئی بھی حصہ یعنی اس کے سینے اور اطراف ستر کا حصہ خواہ پاؤں کا اوپری حصہ ہی کیوں نہ ہو اگر کھل جائے تو وقت کے اندر اس پر اعادہ لازم ہوگا اس وقت ضروری کا بیان پہلے گزرا کہ فجر کے لئے طلوع شمس ظہر اور عصر کے لئے سورج کے زرد پڑ جانے تک اور مغرب وعشاء کے لئے رات کے آخر تک۔

یہ حکم نماز کے اعتبار سے ہے بہ نسبت دیکھنے کے اور نماز کے اعتبار سے بھی مرد اور باندی کا ستر پوشیدہ ہونا واجب ہے شرط نہیں ہے اور آزاد عورت کا دوسری عورت کے سامنے ستر خواہ وہ دوسری عورت مسلمان ہو یا کافرہ، تو دیکھنے کے اعتبار سے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا درمیانی حصہ ہے، اسی طرح آزاد عورت پر اجنبی مرد کے سامنے یعنی جو اس کا محرم نہ ہو پورے بدن کا چھپانا واجب ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے یہ دونوں یعنی چہرہ اور ہاتھ ستر نہیں ہیں، اگرچہ اس پر ان دونوں کا چھپانا فتنے سے بچنے کی غرض سے لازم ہے، مرد کے لئے اپنی محرم عورت کا خواہ وہ سسرالی رشتے کی وجہ سے محرم ہو یا رضاعت کی وجہ سے سینہ وغیرہ دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ لذت اندوز بھی نہ ہو صرف چہرہ اور اطراف کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ یہ مسئلہ بخلاف شوافع وغیرہ کے ہے یہ حضرات ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کے علاوہ جگہ کو دیکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اس حکم میں کافی ڈھیل ہے۔ اور چہرے کے اطراف سے گردن سر، اور پاؤں کا اوپری حصہ مراد ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی ستر کی جگہیں نماز کے اعتبار سے دو طرح کی ہیں غلیظہ اور خفیفہ، تو ستر کی غلیظہ جگہیں (عورت غلیظہ) مرد کے لئے اگلی اور پچھلی شرمگاہیں ہیں یعنی اگلی شرمگاہ اور دبر کا حلقہ۔ اور اس کے ستر کی خفیفہ جگہیں (عورت خفیفہ) شرمگاہ سے زائد وہ حصہ ہے جو گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور کنیز کے لئے ستر غلیظہ (عورت غلیظہ) سرین کی دونوں جانب (دونوں چکتیاں) اور ان کے درمیان پچھلی شرمگاہ کا سوراخ وغیرہ اور اگلی شرمگاہ میں سے سوراخ اور اس کے آس پاس کے حصے جن کو عانہ کہا جاتا ہے (یعنی وہ جگہیں جن پر بال اگتے ہیں) ہیں۔ اور ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) رانیں اور ناف سے نیچے کا حصہ ہے اور آزاد عورت کا ستر غلیظہ (عورت غلیظہ پورا بدن ہے ماسوا اطراف بدن، سینہ اس کے بالمقابل کمر کا حصہ۔ اور ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) اس کے بدن کا بقیہ حصہ ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ تو جو شخص ستر غلیظہ کا کچھ حصہ کھلی ہوئی حالت میں نماز پڑھے جب کہ اس کو یاد ہو اور راجح قول کے مطابق ڈھانپنے کی قدرت بھی ہو خواہ ڈھانپنے کے لئے کچھ خرید کر یا عاریت پر لے کر ہی سہی تو ایسے شخص کی نماز باطل ہو جائے گی اور مشہور قول کے مطابق اس پر لوٹانا لازم ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) کا کچھ حصہ کھلا ہوا ہونے کی صورت میں نماز پڑھی تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اگرچہ اس کا کھولنا مکروہ ہے اور اس کو دیکھنا حرام ہے، تاہم جو شخص ستر خفیفہ کے کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھے اس کے لئے وقت ضروری کے اندر اعادہ کر لینا مستحب ہے، وقت ضروری ظہر اور عصر کے لئے سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے تک کا وقت ہے اور مغرب وعشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے سورج طلوع ہونے سے پہلے تک کا وقت ہے۔

ستر کی جگہوں کو دیکھنا حرام ہے خواہ بلا لذت دیکھے بشرطیکہ وہ ڈھکی ہوئی نہ ہوں اگر وہ ڈھکی ہوئی ہوں تو ان کی طرف نظر کرنا جائز ہے تاہم کسی ساتر (ڈھانکنے اور چھپانے والی چیز) کے اوپر سے ان کو چھونا درست نہیں ہے۔

اور دیکھنے کے جائز یا ناجائز ہونے کے اعتبار سے مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے، اور عورت کا اجنبی مرد کے سامنے ستر پورا بدن ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے اور اپنے محرم مردوں کے سامنے چہرے اور اطراف بدن کے علاوہ پورا جسم ہے اطراف بدن میں سر گردن، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں شامل ہیں تاہم اگر محرم کو ان چیزوں کے دیکھنے میں لذت محسوس ہو تو ان کا دیکھنا حرام ہوگا ستر کی ہونے کی وجہ سے نہیں لذت اندوز ہونے کی وجہ سے۔ اور عورت کا عورت کے لئے یا اپنے ذوی محارم کے لئے ستر ایسا ہی ہے جیسے مرد کا مرد کے لئے ستر

ہوتا ہے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کو چھوڑ کر وہ باقی جگہیں دیکھ سکتی ہے اور عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے عورت کے محارم اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی عورت اجنبی مرد کا چہرہ اور اطراف بدن یعنی سر ہاتھ اور پاؤں دیکھ سکتی ہے۔

مذہب شافعی (1):

الف.....مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہوتا ہے نماز طواف، اجنبی مردوں اور اجنبی عورتوں کے حق میں۔ دلیل اس کی وہ روایت ہے جو حارث بن ابو سامہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مسلمان مرد کا ستر اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں کے درمیان ہے اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی (کسی دوسرے شخص سے) کر دے تو اس باندی کے ستر کو نہ دیکھے اور ران کے ستر ہونے کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اپنی رانیں کبھی نہ کھولنا اور کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کبھی نہ دیکھنا (2) ان میں سے ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جرھد اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا ہے اپنی ران ڈھک کر رکھو، کیونکہ ران ستر ہے (3) تو ناف اور گھٹنے صحیح قول کے مطابق ستر میں سے نہیں ہیں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے مذہب مالکیہ کے بیان میں گزری جس میں یہ بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زانو مبارک کھولے ہوئے تھے۔ تاہم ران چھپانے کی غرض سے گھٹنے کا کچھ حصہ چھپانا ضروری ہے، اسی طرح ناف کا بھی، کیونکہ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوتی وہ بھی واجب ہوتی ہے جیسا کہ شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے اصول فقہ میں اس اصول کی صراحت کی ہے (4) اور مرد کا ستر اجنبی عورتوں کے سامنے باعتبار دیکھنے کے پورا بدن ہے اور تنہائی میں صرف دونوں شرمگاہ ہیں۔

مالکیہ کے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کو چار وجوہ سے رد کیا گیا ہے۔

۱.....حدیث میں صرف فعل کی حکایت ہے اور ران کا ایک حصہ کھل جانے میں کبھی کبھی تسامح برت لیا جاتا ہے بالخصوص جنگ اور لڑائی کے مواقع پر اور اصول فقہ میں یہ اصول ہے کہ قول فعل سے راجح ہوتا ہے۔

۲.....حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں ان صحیح اور عام اقوال کا معارضہ نہیں کر سکتی ہیں جو تمام مردوں کے بارے میں وارد ہیں۔

۳.....حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے اس میں تردد ہے اس میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور اپنی ران یا پنڈلی کھولی ہوئی تھی جب کہ پنڈلی ستر میں بالاجماع داخل نہیں ہے۔

۴.....ران کھولنے کے اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا بتاتی ہو۔

ایسی صورت میں ان اقوال کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو ران کے ستر ہونے کے بارے میں واضح اور کھلے ہوئے ہیں۔

ب: کنیز کا ستر.....اصح قول کے مطابق مرد کی طرح کا ہے اس کو مرد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اس وجہ سے کہ سر ان دونوں کا ستر نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ سر اور ذراع ایسے اعضاء ہیں جن کو کھلے رکھنے کی حاجت درپیش رہتی ہے۔

---

(1)..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۸۵ المھذب ج ۱ ص ۶۴ المجموع ج ۳ص ۱۷۰۔۱۷۶۔ (2) یہ حدیث ابوداؤد ابن ماجہ، حاکم اور بزار نے نقل کی ہے تاہم اس میں علت ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ (3) بروایت امام مالک در مؤطا وامام احمد ابوداؤد اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے اس کو ابن حبان نے بھی صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۳۔ (4) شرح اسنوی ج ۱ ص ۱۲۷ المدخل الی مذہب احمد ص ۶۱ مختصر ابن لحاجب ص ۳۸۔

ج: آزاد عورت اور اسی طرح ہیجڑے کا ستر......ان کا ستر چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ بدن کا حصہ ہے۔ ہاتھوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصے انگلیوں کے سرے سے لیکر گٹوں تک ستر نہیں ہے دلیل اس کی یہ آیت ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا......سورۃ النور آیت نمبر ۳۱

اور وہ اپنی زینت ظاہر نہیں کریں گی سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں فرماتے ہیں اس سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں اور دوسری بات یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھی ہوئی عورت کے لئے دستانے اور نقاب پہننے سے منع فرمایا ہے ❶ اور اگر چہرہ ستر ہوتا تو حالت احرام میں اس کا ڈھانپنا ممنوع نہیں ہونا، دوسری بات یہ ہے کہ خرید و فروخت کے معاملات میں چہرے کھلے ہونے کی حاجت پڑتی رہتی ہے اور ہاتھ کے کھلے ہونے کی ضرورت لینے دینے میں پڑتی ہے، لہٰذا اس کو ستر میں نہیں شمار کیا گیا ہے اور اگر ستر کا کچھ حصہ نماز میں کھل جائے اور اس کو چھپانے کی قدرت ہو تو نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس صورت کے کہ وہ یا تو ہواء سے کھل جائے یا بھولے سے کھل جائے اور وہ شخص اس کو فی الفور چھپالے تو اس صورت میں نماز باطل نہیں ہوگی جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور اگر ہواء کے بجائے کسی اور چیز سے یا جانور کے سبب یا کسی بے شعور کے سبب کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

انسان پر اپنے ستر کو اپنے آپ سے چھپانا لازم نہیں ہے لیکن اس کو دیکھنا مکروہ ہے۔

اور آزاد عورت کا ستر اس کو دیکھنے کی حیثیت سے کیا ہے؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز کے باہر اس کا پورا بدن اجنبی مردوں کے سامنے ستر ہے اور غیر مسلم عورتوں کے سامنے ان حصوں کے علاوہ جو کام کاج اور ضروریات کے تحت کھلے ہوتے ہیں۔

پورا بدن ستر ہے اور مسلمان عورتوں اور محرم مردوں کے سامنے اس کا ستر ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا ہوتا ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک۔ تمام فقہاء کی ستر کے چھپانے کے واجب ہونے اور مرد کے لئے مرد کا ستر نہ دیکھنے اور عورت کے لئے عورت کا ستر نہ دیکھنے کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں رہے ❷ اور بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی حدیث بھی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے ستر میں سے کتنے کو دیکھ سکتے ہیں اور کتنے کو ہمیں چھوڑ دینا چاہئے؟ آپ نے فرمایا اپنے ستر کی حفاظت کرو ہر کسی سے سوائے بیوی کے اور زیر ملکیت کنیز کے میں نے عرض کیا اور اگر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں تب؟ آپ نے فرمایا اگر تم اتنی استطاعت رکھتے ہو کہ کوئی اس کو نہ دیکھے تو ہرگز ہرگز کوئی اس کو نہ دیکھے میں نے عرض کیا اور اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو تو آپ نے فرمایا اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے ❸ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تنہائی میں ننگا ہونا جائز نہیں ہے اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہوتی ہے جو امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم ننگے ہونے سے بچو تمہارے ساتھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں (یعنی فرشتے) جو تمہارا ساتھ صرف اس وقت چھوڑتی ہیں جب تم قضاء حاجت کے لئے جاتے ہو اور جب ایک شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جاتا ہے تو تم ان کا اکرام کیا کرو۔ امام بخاری نے نہاتے وقت برہنہ ہونے کے جواز پر استدلال حضرت موسیٰ اور حضرت ایوب علیہما الصلوٰۃ السلام کے واقعے سے کیا ہے۔

---

❶......صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احرام باندھنے والی عورت نقاب نہ باندھے اور نہ دستانے پہنے۔ ❷ بروایت امام مسلم ابوداؤد اور ترمذی نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱۔ ❸ بروایت اصحاب خمسہ ماسوا نسائی نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱۔

حنابلہ کا مذہب ❶:

الف: مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے...... دلیل وہی احادیث ہیں جن سے احناف اور شوافع نے استدلال کیا ہے۔ناف اور گھٹنے ستر میں شامل نہیں ہیں دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ بے شک ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں ناف کے نیچے کا اور گھٹنے سے اوپر کا حصہ ستر میں سے ہے ❷ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رکبہ (گھٹنا) حد کے طور پر بیان کیا گیا ہے لہٰذا وہ ستر میں داخل نہیں ہوگا اور خنثیٰ مشکل (وہ ہیجڑا جس میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیات ہوں) مرد کی طرح شمار ہوگا کیونکہ ہم احتمالی امر کی بنیاد پر اس پر ستر لازم نہیں کرسکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نماز کی صحت کے لئے ظاہر مذہب کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنا ایک کندھا ضرور ڈھانپے خواہ وہ ایسے باریک کپڑے سے ہی کیوں نہ ہو جو کھال کی رنگت بتادے کیونکہ کندھوں کے ڈھانکنے کا وجوب حدیث سے ثابت ہے، حدیث کے الفاظ ہیں انسان ایسے ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کپڑے کا بالکل کوئی حصہ نہ ہو ❸ اور یہ نہی ہے جو حرمت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا یہ قیاس پر بھی مقدم ہوگی۔ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جائے جس کو پورا لپیٹ دیا گیا ہو اور کندھے پر نہ ڈالا گیا ہو۔تاہم اگر کسی شخص کے پاس صرف اتنا کپڑا ہو کہ وہ یا تو ستر ڈھانکے یا کندھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ستر ڈھانک کر کھڑا ہو کر نماز پڑھے،اور کندھوں کو نہ ڈھانپے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کپڑا کشادہ ہو تو دونوں جانب کو الگ الگ جگہ ڈال لو اور اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کو صرف اپنے کولہے پر باندھ لو۔❹

انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ستر کو نظروں سے بچائے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی قمیص کے بڑے گریبان سے اپنے ستر کو دیکھ لیتا ہو رکوع اور سجدے میں جاتے ہوئے تو اس پر اس میں بٹن وغیرہ لگانا لازم ہے تاکہ وہ ستر کو چھپا سکے وجہ اس حکم کی ستر کے چھپانے کا حکم عام ہونا ہے۔اس طرح اس شخص پر اپنا ستر چھپانا اس وقت بھی لازم ہے جب وہ تنہائی میں یا اندھیرے میں ہو دلیل حضرت بہز بن حکیم والی حدیث ہے جو پہلے گزری یعنی اپنے ستر کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور کنیز کے سب لوگوں سے ستر کا چٹائی گڑھے، مٹی اور گدلے پانی سے چھپانا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے،اور گڑھے میں تو حرج بھی ہوتا ہے۔

ستر اگر تھوڑا سا ظاہر ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو عمرو بن سلمہ سے منقول ہے کہ چادر چھوٹی ہونے کے سبب سجدے میں جاتے ہوئے ان کا ستر نظر آجاتا تھا،اور ستر کا اگر زیادہ حصہ کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور کم اور زیادہ کے معاملے کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے۔لیکن اگر ستر کا زیادہ حصہ سہواً (جان بوجھ کر نہیں) کھل گیا اور اس شخص نے اس کو فوراً ڈھانپ لیا اور دیر نہ ہونے دی تو نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ کم مدت کے لئے کھلا ہونا ایسا ہی ہے جیسے تھوڑا سا کھلا ہو اور اگر زیادہ دیر تک کھلا رہے یا جان بوجھ کر کھلا رہے تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔

ب: کنیز کا ستر مرد کی طرح ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے...... راجح قول کے مطابق دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ مرفوع حدیث ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی کرادے تو اس کے ستر کا کوئی حصہ نہ دیکھے، کیونکہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔ستر کا یہ حکم کنیزوں کے لئے صرف نماز کے اعتبار سے ہے، مقصد تخفیف اور حرج کا

---

❶...... المغنی ج ۱ ص ۵۷۷۔۵۸۲ ۶۰۱۔۶۰۶ کشاف القناع ج ۱ ص ۳۰۶۔۳۱۵ غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۹۷۔۹۹۔
❷ بروایت امام ابوبکر، انہوں نے اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ ❸ بروایت امام بخاری مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ از حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ❹ بروایت امام ابوداؤد۔

رفع کرنا ہے اور اس پر اور لوگوں پر آسانی کرنا ہے کیونکہ کنیزیں اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتی ہیں اور کنیزوں کا کام عموماً ہلکا اور بوسیدہ رہنا اور کام کرتے رہنا ہوتا ہے اور ان کی طرف میلان بھی عموماً نہیں ہوتا ہے۔ ان کی طرف نظر کرنے اور دیکھنے کے اعتبار سے ان کا حکم یہ ہے کہ اس کے آقا کے علاوہ لوگوں پر اس کو تاڑنا اور بغور دیکھنا منع ہے فتنے کے خدشے کے پیش نظر، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آنکھیں جھکانے کا حکم تمام عورتوں کے بارے میں ہے۔

ج: **آزاد بالغ عورت**...... اس کے چہرے کے علاوہ اور ایک جماعت کے نزدیک دو میں سے راجح روایت کے مطابق اس کے ہاتھ کے علاوہ پورا بدن ستر ہے دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے تھے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں ❶ نماز میں ہاتھ اور چہرے کے علاوہ اس کے لئے کچھ کھولنا جائز نہیں ہے دلیل اس کی وہ احادیث ہیں جو شوافع کے مذہب کے بیان میں گزریں۔ اور دونوں پاؤں کے ڈھانکنے کے واجب ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کی ہے وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عورت ایسے کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے کہ صرف اوڑھنی ہو اور لمبا کرتا ہو لیکن تہہ بند نہ ہو آپ نے فرمایا ہاں اگر اتنی بڑی قمیص ہو کہ قدموں کو ڈھانک لے ❷ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی جگہ ہے کہ جس کا حالت احرام میں کھولنا لازم نہیں ہے لہٰذا اس کا نماز میں کھولنا درست نہیں ہوگا۔

اور عورت کے لئے وہ لباس کافی ہے جو اس کا ستر ڈھانپ دے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث اس کی دلیل ہے، مستحب یہ ہے کہ عورت نماز ایسے پڑھے کہ ایک قمیص پہنی ہو اتنی لمبی کہ وہ پاؤں تک پہنچے اور اوڑھنی ہو جو سر اور گردن کو ڈھانک دے اور بڑی چادر ہو جس کو وہ قمیص کے اوپر سے لپیٹ لے چہرے اور ہاتھ کے علاوہ عورت کے ستر میں سے کسی چیز کے کھل جانے کا حکم وہی ہے جو مرد کے ستر کھل جانے میں بیان ہوا یعنی کم وزیادہ کا فرق وغیرہ ہوگا۔

عورت کا اپنے محرم مردوں کے سامنے ستر چہرے گردن ہاتھ، پاؤں اور پنڈلی کے علاوہ سارا بدن ہے۔ اور نماز کے علاوہ عورت کا پورا بدن حتیٰ کہ چہرہ اور ہاتھ بھی ستر ہے جیسا کہ شوافع بھی فرماتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عورت ستر ہے جیسا کہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ستر کا کھولنا ضرورت کے تحت درست ہے، جیسے علاج کے لئے بیت الخلاء میں ختنے کے لئے بلوغت کا جاننے کے لئے بکارت اور ثیوبت (شادی شدہ ہونا کنواری نہ رہنا) جاننے کے لئے اور عیب وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ستر کھولنا۔

مسلمان عورت کا کافرہ کے سامنے ستر...... حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں آزاد مسلمان عورت کا ستر کافر عورتوں کے سامنے اتنا ہے جتنا محرم مرد کے سامنے ہوتا ہے یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ احناف اور شوافع کے ہاں گھریلو کام کاج کے لئے جتنا حصہ کھلتا ہے اس کے علاوہ پورا بدن ستر ہے۔ اس اختلاف کا اصل سبب سورۃ نور کی آیت حجاب میں وارد لفظ نسائھن کی تفسیر میں موجود اختلاف ہے حنابلہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورتیں ہیں، کافر اور مسلمان کی تخصیص کے بغیر لہٰذا مسلمان عورت کے لئے اپنی زینت میں سے کافرہ کے سامنے بھی وہ سب ظاہر کرنا درست ہے جو وہ مسلمان عورت کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ احناف اور شوافع فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں، یعنی جو عورتیں ان کی دوست ہوں اور دینی بھائی چارے میں شریک ہوں اس بناء پر مسلمان عورت کے لئے کافرہ عورت

---

❶...... بروایت بیہقی تاہم اس میں ضعف ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ان حضرات کے برخلاف ہے۔ ❷ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ایک جماعت نے اس کو حضرت ام سلمہ پر موقوف کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس موضوع کے بارے میں حدیث نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر کرنا درست نہیں ہے۔ ❶

ستر کا علیحدہ شدہ حصہ......احناف اور شوافع کے ہاں مرد کے ستر کو دیکھنا ہر صورت حرام ہے خواہ وہ جسم سے جڑا ہوا ہو یا علیحدہ ہو چکا ہو یعنی بال ران اور ذراع (بازو) وغیرہ۔ حنابلہ فرماتے ہیں اس کو دیکھنا حرام نہیں ہوگا، کیونکہ علیحدہ ہونے سے اس کی حرمت ختم ہو چکی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں زندگی میں علیحدہ ہوئے ہوئے اعضاء ستر کو دیکھنا جائز ہے اور مرنے کے بعد علیحدہ ہوتے ہوئے اعضاء جڑے ہوئے کی طرح شمار ہوں گے۔

عورت کی آواز......عورت کی آواز جمہور علماء کے ہاں ستر نہیں کیونکہ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے دینی احکام کے بارے میں مسائل دریافت کیا کرتے تھے تاہم لوچ دار اور گنگناتی آواز سننا خواہ تلاوت قرآن ہی کیوں نہ ہو حرام ہے سبب فتنے کا اندیشہ اور خدشہ ہے احناف کے عبارت ہے راجح یہ ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ دونوں شرمگاہیں ستر ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرد کا ستر ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ہے اور عورت کا نماز میں ستر چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ پورا بدن ہے اور احناف کے ہاں دونوں قدم بھی ستر نہیں ہیں، اور نماز کے علاوہ عورت کا پورا بدن ستر ہے گھٹنے کے بارے میں اختلاف ہے احناف اس کو ستر شمار کرتے ہیں جمہور اس کو ستر شمار نہیں کرتے ہیں تاہم اس کا اور ناف کا کچھ حصہ چھپانا اس لئے ضروری ہے کہ ستر کا واجب حصہ اس کے بغیر نہیں چھپ سکتا ہے۔ اور واجب کا دار و مدار جس پر ہو وہ چیز واجب ہوتی ہے۔

عورت کا محرم مردوں اور مسلمان عورتوں کے سامنے ستر احناف اور شوافع کے ہاں ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے، مالکیہ کے ہاں پورا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور اطراف بدن کے اور اطراف بدن میں سر گردن، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں داخل ہیں، حنابلہ کے نزدیک چہرے گردن، سر دونوں ھاتھ، پاؤں اور پنڈلی کے علاوہ پورا بدن ستر ہے تو قدم (پاؤں) حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں ستر نہیں ہے۔

بچے کے ستر کی حدود......بچے کی چھوٹی عمر کی حد کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف کرنے والے حضرات تین نوعیت کے ہیں۔ سخت رائے والے جیسے شوافع۔ تخفیف والے جیسے مالکیہ اور متوسط رائے والے جیسے حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں ❷ کہ بہت چھوٹے بچے کا ستر نہیں ہوتا ہے، اور بہت چھوٹا بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر چار سال یا کم ہو چنانچہ اس کے بدن کو دیکھنا اور چھونا جائز ہے، پھر جب تک وہ قابل شہوت عمر تک نہ پہنچے تو صرف شرمگاہیں اس کا ستر ہیں، پھر دس سال کی عمر تک اس کے ستر میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اس وقت اس کا ستر پچھلی شرمگاہ اور آس پاس کا حصہ یعنی چلکتیاں اور اگلی شرمگاہ اور اس کا آس پاس کا حصہ اور دس سال کی عمر ہو جانے پر اس کا ستر بالغ آدمی کے ستر کی طرح ہوگا نماز میں بھی اور اس کے علاوہ بھی لڑکا ہو یا لڑکی۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❸ کہ مرد اور عورت میں فرق ہوگا۔

الف:......وہ بچہ (لڑکا) جو نماز کا حکم دیئے جانے کے قابل ہو جائے یعنی جو سات سال عمر پوری کر چکا ہو اس کا ستر نماز کے اندر یہ ہوگا دونوں شرمگاہیں، سرین کی دونوں چلکتیاں عانہ (جھانٹ، اگلی شرمگاہ کے آس پاس کا وہ حصہ جس پر بال اگتے ہیں) اور دونوں رانیں ایسے لڑکے کے لئے ان چیزوں کا چھپانا مستحب ہوگا جیسے بالغ شخص سے ستر مطلوب ہوتا ہے اور وہ بچی جو نماز کا حکم دیئے جانے کے قابل ہو اس کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہوتا ہے، اس کے لئے اس حصے کا چھپانا مستحب ہوگا جیسے بالغہ عورت سے ستر مطلوب ہوتا ہے۔

---

❶......تفسیر آیات الاحکام بالا زھر ج ۳ ص ۱۶۴۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۸۔ ❸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۶۷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۲۱۶۔

ب.....نماز کے باہر آٹھ سال یا اس سے کم عمر بچے کا کوئی ستر نہیں ہوتا ہے چنانچہ عورت اس کے بدن کو دیکھ سکتی ہے اور اس کے مردہ بدن کو غسل بھی دے سکتی ہے اور نو سے بارہ سال تک کے لڑکے کے پورے بدن کو عورت دیکھ سکتی ہے لیکن اس کو چھو نہیں سکتی ہے، اس کو غسل نہیں دے سکتی ہے اور تیرہ سال یا اس سے زائد عمر کے لڑکے کا ستر مرد کے ستر کی طرح ہوگا۔

اور دو سال آٹھ مہینے کی بچی کا کوئی ستر نہیں ہوتا ہے، اور تین سال سے چار سال کی بچی کا ستر دیکھنے کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے لیکن اس عمر کی بچی کا ستر چھونے کے اعتبار سے ہوتا ہے چنانچہ مرد اس کو غسل نہیں دے سکتا ہے اور قابل شہوت بچی جیسے چھ سال عمر کی یہ عورت کی طرح شمار ہوگی مرد اس کے نہ ستر کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کو نہلا سکتا ہے۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ بچے کا ستر خواہ وہ باشعور نہ بھی ہو مرد کی طرح ہوتا ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے کے درمیان کا حصہ اور بچی کا ستر بڑی عورت کی طرح ہوتا ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ وہ بچہ جو سات سال تک نہ پہنچا ہو اس کا کوئی ستر نہیں ہوتا اس کو دیکھنا اور اس کا پورا بدن چھونا درست ہے سات سے دس سال کے بچے کا ستر صرف دونوں شرمگاہیں ہیں اور سات سے دس سال کی بچی کا ستر نماز میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ہے اور نماز کے علاوہ میں وہ بڑی عورت کی طرح شمار ہوگی۔ اور محرم مردوں کے سامنے اس کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے اور اس کے لئے باقی اعضاء کی پوشیدگی اور ستر کا چھپانا بالغہ عورت کی طرح احتیاطاً مستحب ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے چہرے، سر، گردن دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور پنڈلی اور قدم کے علاوہ باقی جسم ستر ہے اور دس سال کا لڑکا اور لڑکی بڑے کی طرح شمار ہوں گے۔

میرے خیال میں یہ رائے اور احناف کی رائے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کی تائید سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دینے اور دس سال کی عمر میں اس کے لئے پٹائی کرنے کا حکم دینے والی حدیث سے ہوتی ہے۔

۵۔ پانچویں شرط: قبلہ رخ ہونا..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے قبلہ رخ ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

اور جہاں سے آپ نکلیں تو پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور تم جہاں بھی ہو تو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لو۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۰

تاہم یہ دو حالتوں میں شرط نہیں ہے:

۱.....شدید خوف کی حالت میں۔

۲.....اور مسافر کے لئے نفل نماز میں جو وہ سواری پر پڑھ رہا ہو۔

مالکیہ اور احناف نے قبلہ رخ ہونے کی شرط کو اس قید کا پابند کیا ہے کہ دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو اور انسان اس پر قادر ہو چنانچہ حالت خوف میں قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ہی عاجز ہونے کی صورت میں جیسے بندھا ہوا شخص یا وہ مریض جس کو الٹنے پلٹنے کی طاقت نہ ہو اور نہ کوئی اس کو قبلہ رخ کرانے والا موجود ہو تو وہ جہت قبلہ کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے جہاں بھی وہ رخ کر سکے کیونکہ عین متحقق ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کعبہ کو خود دیکھ سکتا ہو تو اس کے لئے عین قبلہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں اسی طرح حکم ہے اہل مکہ کا یا وہاں رہنے والے کا خواہ بیچ میں آڑ موجود ہو جیسے دیواریں وغیرہ۔

اور جو شخص عین قبلہ کو نہ دیکھ رہا ہو تو جمہور فقہاء ماسوا شوافع کے نزدیک اس پر جہت قبلہ کا پانا فرض ہے ❸ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶..... مغنی المحتاج ج: ۱ ص: ۱۸۵۔ ❷ کشف القناع ج: ۱ ص ۳۰۸ اور بعد کے صفحات۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۳۹۷۔۴۰۶ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۹۲۔۲۹۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۲۲،۲۲۸ القوانین الفقهیه ص ۵۵ کشف القناع ج ۱ ص ۳۵۰، ۳۶۴ المغنی ج ۱ ص ۴۳۱۔۴۵۲ اللباب ج ۱ ص ۶۷ مراقی الفلاح ص ۳۴ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۰۰ اور بعد کے صفحات۔

نے فرمایا ہے:

مابين المشرق والمغرب قبلة❶

مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی سمجھ آتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تمام کا تمام قبلہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر عین قبلہ کا پانا ضروری ہوتا تو ان لوگوں کی نماز درست نہیں ہوتی جو خط استواء پر ایک طویل صف بناتے اور نہ ان دو آدمیوں کی جو ایک دوسرے سے دور ہوں اور ایک قبلے کی طرف رخ کر رہے ہوں کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ انسان بڑی صف کے ساتھ قبلہ رخ ہو مگر اسی کے بقدر یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے۔

امام شافعی الام میں فرماتے ہیں کہ مکہ سے غائب شخص کا فرض عین قبلہ کو پانا ہے کیونکہ جس شخص کے لئے قبلے کا فرض لازم ہو۔

اس کے لئے عین قبلہ کا پانا ضروری ہے جیسے مکہ میں رہنے والا شخص۔ اور اللہ کا فرمان وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره بھی اس کی دلیل ہے یعنی اس شخص پر قبلے کی طرف منہ کرنا لازم ہے، لہٰذا اس پر عین قبلہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے جیسے دیکھنے والے پر ہوتا ہے۔❷

باقی ائمہ مذاہب کے مطلوب جہت قبلہ کے بدن کے ساتھ اور آنکھوں سے دیکھ کر محاذی ہونا ہے❸ اس طرح کہ چہرے کا کچھ حصہ کعبہ کے محاذی (بالمقابل) ہو یا اس کی فضاء کے بالمقابل ہو یہ حکم جمہور کے ہاں ہے سوائے مالکیہ کے اور یہ بھی اس طرح کہ اگر زاویہ قائمہ کے بیچ سے لکیر کھینچی جائے تو وہ سیدھی کعبہ پر یا اس کی ہواء میں سے گزرے اور کعبہ ساتویں زمین سے لے کر عرش تک کعبہ ہے تو جو شخص اونچے پہاڑوں یا گہرے کنوؤں میں نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا اس طرح کعبہ کی چھت پر اس کے اندر بھی نماز جائز ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ خانہ کعبہ خدانخواستہ) ڈھے گیا ہے تو اس کی دیواروں کی بنیادوں کی طرف رخ کر کے نماز درست ہوگی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کی عمارت کا رخ کرنا واجب ہے صرف ھواء کعبہ کی جہت کا رخ کرنا کافی نہیں ہے۔

قبلے کے بارے میں اجتہاد (غور وخوض، سوچ وبچار)

جو شخص قبلے کی جہت سے ناواقف ہو اور اس پر جہت قبلہ مشتبہ ہوگئی ہو اور ایسا ثقہ با اعتماد آدمی بھی نہ ہو جو اس کو اس بارے میں صحیح طور پر علم رکھتے ہوئے بتا سکے تو اس پر سوچ وبچار اور خوب کوشش آثار وعلامات کے ذریعے قبلے کا رخ جاننا واجب ہے اور اگر کوئی قابل اعتماد شخص مل جاتا ہے تو اس کی بات مان لے کیونکہ اس شخص کی بات اس کی کوشش سے زیادہ قوی ہے۔

تحری (سوچ وبچار اور غور وخوض) کے واجب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اندھیری رات میں تھے ہمیں نہیں پتہ چل سکا کہ قبلہ کس طرف ہے تو ہم میں سے ہر شخص نے اپنے سامنے کی طرف نماز پڑھ لی جب صبح ہوئی اور ہم نے رسول اللہ سے یہ ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ ...... سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۱۵

---

❶..... بروایت ابن حبان وترمذی از حضرت ابوہریرۃ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔❷ بروایت ابن حبان وترمذی از حضرت ابوہریرۃ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔❸ شوافع فرماتے ہیں کہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے شخص پر حقیقتاً قبلہ رخ ہونا واجب ہے اور رکوع اور سجدے والے پر حکماً قبلہ رخ ہونا لازم ہے پہلو کے بل اور لیٹے ہوئے شخص پر سینے اور چہرے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے اور چت لیٹے ہوئے شخص پر چہرے اور پاؤں کے تلوے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے۔

سوئم جس طرف بھی گھومو وہاں تم اللہ کو پاؤ گے۔❶

اور جو شخص کسی قابل بھروسہ آدمی کو نہیں پائے تو وہ آثار وعلامات پر بھروسہ کرے مثلاً صبح کے ہونے سے شفق سے، سورج سے، اور قطب تارے وغیرہ سے اور شرقی، غربی اور جنوبی ہوا وغیرہ اور دیگر قرائن سے، ان سب میں قوی ترین قرینہ رات کے وقت قطب ستارہ ہے اور کمزور ترین قرینہ ہوائیں ہیں۔

قطب ستارہ ستاروں کے بنات نعش نامی گروہ میں سے ایک ستارہ ہے جو فرقد بخا اور جدی کے درمیان ہوتا ہے مختلف علاقوں اور ملکوں میں اس کا مقام بدلتا رہتا ہے مصر میں یہ نمازی کے بائیں کان کے پیچھے عراق میں دائیں کان کے پیچھے یمن کے اکثر علاقوں میں سامنے کی طرف تھوڑا سا بائیں جانب ہٹ کر اور شام میں پیچھے کی طرف ہوتا ہے

اجتہاد وتحری میں خطا کا واقع ہونا...... اگر اس شخص کو اپنی غلطی کا یقین ہو جائے کہ جس طرف رخ کیا ہے وہ قبلہ نہیں بلکہ دوسری جانب ہے تو احناف فرماتے ہیں کہ وہ نماز میں گھوم جائے اور نماز مکمل کر لے اور اگر ہر رکعت الگ جہت میں ہو تو بھی جائز ہے، اور اگر نماز کے بعد اس پر خطا ظاہر ہو تو آنے والے نماز اس رخ کے مطابق پڑھے جو نماز پڑھ چکا اس کا اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی وسعت کے مطابق کام انجام دے چکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تلاش کرنے والے کا قبلہ اس کی وہ جہت ہے جس کا وہ ارادہ کرلے اور اگر کسی نے بغیر تلاش کئے نماز پڑھ لی خواہ صحیح رخ پر پڑھی ہو وہ نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس کا فرض تحری تھا ہاں اگر فراغت کے بعد اس کو اپنے صحیح رخ پر پڑھنے کا پتہ چل گیا تو بالاتفاق سب کے نزدیک نماز درست ہو جائے گی۔

اور اگر ایک شخص اندھیری رات میں کسی قوم کی امامت کرے اور قبلے کی تحری کر کے ایک جہت کی طرف نماز پڑھی اور اس کے پیچھے موجود لوگوں نے تحری کی اور ہر ایک نے الگ جہت پر نماز پڑھی اور ہر ایک امام کے پیچھے تھا تو جس شخص کو اپنے امام کی حالت کا علم ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر کسی کو پتہ نہ چلے کہ امام نے کیا کیا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی اور اس کی طرف سے ادا ہو جائے گی کیونکہ تحری کے بعد سمجھ آنے والی جہت کی طرف متوجہ ہونا پایا گیا ہے اور مقتدیوں کی امام کی مخالفت نماز کی صحت سے مانع نہیں ہوگی جیسے کعبہ کے اندر نماز پڑھنا مالکیہ فرماتے ہیں اگر کوشش کرنے والے کے لئے اپنی غلطی ظاہر ہو جائے۔

خواہ یقینی طور پر خواہ گمان کے طور پر اور وہ دوران نماز ہو تو اگر وہ دیکھنے والا ہو (یعنی بینا ہو) اور قبلے سے بہت زیادہ منحرف ہو مثلاً اس کی پیٹھ قبلے کی طرف ہوگئی ہو یا مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لیا ہو❷ اور اقامت کے ساتھ نماز شروع کی ہو تو وہ اپنی نماز کو قطع کر دے اس کے لئے صرف قبلے کی طرف منہ موڑ لینا کافی نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ شخص نابینا ہو یا معمولی سا منحرف ہو تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا اور اگر وہ دیکھ سکنے والا ہو یا اس جہت کو بھول گیا جس جہت کی طرف اس کی اجتہاد نے پہنچانا ہو یا وہ جہت جس کے بارے میں اس کو کسی باخبر آدمی نے بتایا ہو وہ یہ بھول گیا ہو تو مشہور قول کے مطابق وہ وقت کے اندر اعادہ کرے گا۔

شوافع فرماتے ہیں اگر غلطی کا نماز کے دوران یا اس کے بعد یقین ہو جائے تو نماز از سر نو پڑھے گا کیونکہ اس کے لئے اس چیز کے بارے میں خطا کا ہونا یقینی ہو گیا ہے جس کا تدارک قضاء کے ذریعے ممکن ہے، لہٰذا پہلے انجام دیئے ہوئے عمل کا اعتبار نہیں ہوگا جیسے حاکم اگر ایک حکم دے دے پھر اس کو اس کے خلاف نص مل جائے (تو اس کو از سر نو دوسرا حکم دینا لازمی ہوتا ہے)

---

❶...... یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے تاہم امام ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند عمدہ نہیں ہے اس میں ایک ضعیف راوی ہے اس بارے میں ایک ضعیف حدیث بھی ہے جو حضرت جابر سے منقول ہے جس کو حاکم، بیہقی اور طبرانی نے نقل کیا ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۰۴۔ ❷ مشرق یا مغرب کا مسئلہ عرب ممالک کے اعتبار سے ہے برصغیر میں شمال وجنوب کی طرف رخ کرنا یا مشرق کی طرف منہ کرنا زیادہ انحراف سمجھا جائے گا۔ مترجم

اور اگر دوسری نماز ادا کرتے ہوئے اس کا اجتہاد بدل گیا اور اس کا گمان غالب دوسری جہت کے بارے میں ہو گیا تو صرف دوسری نماز اس جہت کی طرف پڑھے گا اس پر پہلی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ جیسے حاکم اگر اجتہاد کرے پھر اس کا اجتہاد بدل جائے تو وہ حکم کالعدم نہیں ہوتا جس کے بارے میں اس نے پہلے اجتہاد کے ذریعے حکم دیا ہو۔

اور ہر فرض نماز کے لئے سوچ و بچار کرے اگر وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو تو اس صورت میں وہ جیسے چاہے نماز پڑھ لے لیکن اس پر ان نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا کیونکہ اس طرح کا معاملہ بہت نادر الوقوع ہوتا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں اگر دوران نماز خطا کا علم ہو جائے تو جہت کعبہ کی طرف گھوم جائے اور جتنی نماز ہو چکی اس کا بقیہ پورا کرے جیسا کہ احناف کے ہاں بھی یہی حکم ہے کیونکہ جو ادا ہو چکا ہے وہ صحیح تھا تو اس کے اوپر بناء کرتے ہوئے نماز کو مکمل کرنا درست ہے۔

جیسے اگر اس کے لئے خطا ظاہر نہ ہوتی تو اسی نماز کو مکمل کر لینا کافی ہوتا۔ اسی طرح پوری جماعت امام کے ساتھ گھوم سکتی ہے اگر سب کو ایک ساتھ غلطی کا ادراک ہوا ہو۔

اور اگر اس کو اپنی غلطی کا ادراک نماز کے مکمل کر لینے کے بعد ہوا مثلاً اس کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ جس طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی وہ غلط تھا تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا، اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جس نے دوسرے شخص کی تقلید میں نماز پڑھی تھی پھر اس شخص کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس مقلد پر بھی اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ یہ مذہب حنفی کے موافق ہی ہے۔ تاہم اگر کسی شخص نے حضور میں کعبے کے علاوہ کہیں رخ کر کے نماز پڑھی خواہ وہ شخص نابینا ہو یا بینا ہو پھر اس کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس پر اعادہ لازم ہوگا کیونکہ حضر (حالت قیام) میں اجتہاد (سوچ و بچار) کی گنجائش نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہاں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو قبلے کا رخ محراب وغیرہ اور دیگر علامت سے بتا سکتے ہیں اور اس کو ایسے شخص کو ملنا بھی مشکل نہیں جو یقینی طور پر اس کو بتا سکے چنانچہ اس کے لئے اس معاملے میں اجتہاد (سوچ و بچار) کی گنجائش نہیں ہوگی جیسے وہ شخص جو درپیش معاملے میں نص پاتا ہو تو اس کے لئے اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف اور حنابلہ دوران نماز غلطی کا علم ہونے پر نماز کے جاری رکھنے کا کہتے ہیں اور اعادہ واجب قرار نہیں دیتے ہیں اگر غلطی کا علم ہو نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی تاہم حنابلہ اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب کہتے ہیں اگر یہ واقعہ ایسے شخص کے ساتھ پیش آئے جو حضر میں ہو سفر میں نہیں۔

مالکیہ اور شوافع خطا کا علم ہونے پر نماز قطع کرنا لازم قرار دیتے ہیں اور نماز کے بعد علم ہونے پر نماز کا اعادہ لازم قرار دیتے ہیں مالکیہ اعادہ صرف وقت ضروری کے اندر لازم قرار دیتے ہیں اور شوافع مطلقاً اعادہ واجب قرار دیتے ہیں وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی کیونکہ پہلی نماز کا فاسد ہونا یقینی ہو چکا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ قبلہ رخ ہونے کی اس بحث کے ساتھ دو اور چیزوں کی بحث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ (۱) کعبہ میں نماز کی بحث۔ (۲) مسافر کی سواری پر نماز۔ ذیل میں انہی دو مباحث پر گفتگو ہے۔

کعبہ میں نماز...... یہ بات ہم جان چکے ہیں کعبہ کے کچھ حصہ کا رخ کرنا یا اس فضاء کا رخ کرنا جو کعبہ کے اوپر ہے، غیر مالکیہ کے نزدیک شرعاً ضروری ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ کعبہ مشرفہ میں فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے اور اس میں نماز ادا فرمائی تھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز ادا فرمائی تھی، وہ بولے ہاں ان دو ستونوں کے درمیان نماز ادا فرمائی تھی جو داخل ہونے پر تمہارے بائیں جانب پڑتے ہیں پھر آپ باہر نکلے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت ادا فرمائیں [1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے کہ نبی کریم

---

[1]...... بروایت امام احمد و بخاری امام بخاری اور مسلم نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں ان لوگوں کا بیان ہے جو ساتھ تھے یہ حضرات حضرت اسامہ بن زید حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۰۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں صرف تکبیر کہی تھی اس میں نماز ادا نہیں کی تھی تو اس کے مقابلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ ان کی حدیث مثبت (چیز کو ثابت کرنے والی) ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نافی (نفی کرنے والی) ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ وہ اضافی فائدے پر مبنی ہوتی ہے (۱) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ نہیں تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے نفی اس لئے کی ہوگی کہ انہوں نے وہی نقل کر دیا جو انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کونے میں دعاء میں مشغول تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دوسرے کونے میں تھے، اور یہ سب اندھیرے میں ہوا تھا کیونکہ کعبہ کا دروازہ بند تھا (۲) فقہاء کرام نے بھی خانہ کعبہ کے اندر نماز کو جائز قرار دیا ہے، احناف فرماتے ہیں (۳) کہ نماز کی ادائیگی خواہ فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو انفرادی طور پر ہو یا باجماعت ہو کعبہ کے اندر اور اس کی چھت پر سترہ کے بغیر درست ہے تاہم کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح خانہ کعبہ کے اوپر چڑھنے میں بے ادبی ہے اور یہ عمل تعظیم کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اگر باجماعت نماز ہو اور امام نماز پڑھائے اور بعض کی کمر امام کی پیٹھ کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اور نماز ہو جائے گی اور جس کی کمر امام کے منہ کی طرف ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ امام سے آگے ہوگا۔

اور جب امام خانہ کعبہ میں نماز پڑھائے تو لوگ خانہ کعبہ کے گرد حلقے کی شکل میں صف بنائیں اور امام کے اقتداء میں پڑھ لیں، اور امام کے مقابلے میں جو شخص خانہ کعبہ کے قریب ہو اس کی نماز جب جائز ہوگی جب وہ امام والی جانب نہ ہو اگر وہ امام کی جانب میں ہو تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ آگے اور پیچھے ہونے کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب جانب ایک ہو۔

مالکیہ میں سے شیخ خلیل فرماتے ہیں (۴) کہ خانہ کعبہ میں جس جہت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا چاہیں درست ہے اور خانہ کعبہ کی چھت پر نفل غیر مؤکد نماز درست ہے نفل غیر مؤکد نماز میں نمازوں کی سنتیں، فجر کے علاوہ شامل ہیں جیسے ظہر سے قبل کی چار رکعات چاشت کی چار رکعات اور عشاء کے بعد کی دو سنتیں۔ اسی طرح مقام ابراہیم میں موجود حجر اسماعیل پر قبلہ رخ ہو کر نفل پڑھنا درست ہے ان کے ہاں کعبہ میں فرائض کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

سنت مؤکدہ اس کے اندر پڑھنا مکروہ ہے جیسے وتر عیدین، فجر کی سنتیں اور دوگانہ طواف (ان کا خانہ کعبہ کے اندر ادا کرنا مکروہ ہے) فرض نماز خانہ کعبہ کے اندر یا حجر اسماعیل میں درست نہیں ہے اگر کوئی پڑھ لے تو وقت ضروری کے اندر اس کا اعادہ کرنا لازم ہوگا وقت ضروری ظہر اور عصر کے لئے سورج زرد ہونے سے قبل تک مغرب اور عشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے سورج طلوع ہونے تک ہے۔ اور خانہ کعبہ کی چھت پر پڑھی جانے والی فرض نماز باطل ہوگی اور اس کا اعادہ مطلقاً لازم ہوگا کیونکہ عمارت کعبہ کی طرف رخ کرنا لازم ہے اس فضاء کی طرف رخ کرنا جو کعبہ کے اوپر ہے کافی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قول جس کو علامہ خلیل نے اختیار کیا ہے، اور اس نماز کے جواز کا قول مالکیہ کے نزدیک ضعیف قول ہے جیسا کہ شارح خلیل نے اس کی تصریح کی ہے ابن جزری مالکی فرماتے ہیں کہ کعبہ کی چھت پر نماز مکروہ ہے اور مذہب کے مطابق فرائض کی ادائیگی کعبہ کے اندر درست نہیں ہے۔

---

(۱)...... مسلم الثبوت ج ۲ ص ۲۰۲ ا ۱۶ المستسفی ج ۲ ص ۱۲۹ التلویح علی التوضیح ج ۲ ص ۱۰۹ الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۸۶۔ (۲) نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۱ اور بعد کے صفحات۔ (۳) البدائع ج ۱ ص ۱۱۵ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۷۹ اور بعد کے صفحات مراقی الفلاح ص ۷۰ اللباب ج ۱ ص ۱۳۸، اور بعد کے صفحات۔ (۴) الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۹۷ القوانین الفقھیہ ص ۴۹۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ فرض یا نفل دونوں طرح کی نماز کعبہ میں اور اس کی چھت پر جائز ہے بشرطیکہ آدمی اس کی عمارت میں سے یا اس کی مٹی میں سے کسی چیز کی طرف رخ کرے یعنی سترہ جیسے چوکھٹ دوسرا دروازہ جو بند ہو چکا ہے، یا اس لاٹھی کی طرف رخ کرے جو اس میں گڑھی ہو یا ٹھنکی ہوئی ہو جو آدمی کی ذراع کے دو تہائی کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو خواہ وہ اس شخص سے تین ذراع یا اس سے زائد دور ہو۔ اور فضاء قبلہ کا رخ کرنا اس شخص کے لئے ہے جو کعبہ سے باہر ہو کیونکہ اس صورت میں وہ اس کی طرف رخ کرنے والا شمار ہوگا جیسے ابوقبیس پہاڑ پر نماز پڑھنے والا بخلاف اس شخص کے جو اس سے قریب ہو اس کے اندر ہو یا اوپر (کہ یہ شخص رخ کرنے والا شمار نہیں ہوگا)۔

حنابلہ بھی ❷ نفل نماز کعبہ کے اندر یا اس کی چھت پر جائز قرار دیتے ہیں فرض نماز درست نہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره

اور اس کے اندر یا اوپر نماز پڑھنے والا اس کی جہت کا رخ کرنے والا شمار نہیں ہوتا اور نفلوں کے معاملے میں تخفیف اور مسافت کا اصول ہے دلیل اس کی یہ ہے بیٹھ کر نفل پڑھنا درست ہے اس طرح سفر میں سواری پر بیٹھے ہوئے قبلہ کے علاوہ رخ کر کے بھی نفلیں پڑھنا درست ہے۔

مسافر کے لئے سواری پر بیٹھے ہوئے نفل پڑھنا..... مسافر کے لئے سواری پر بیٹھے ہوئے منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے نفل پڑھنا باجماع علماء جائز ہے، اور سنت نبویہ سے بھی یہ ثابت ہے حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تسبیح پڑھ رہے تھے اپنے سر سے اشارہ فرما رہے تھے جس طرف بھی آپ کا رخ ہوتا اور آپ ایسا فرض نماز میں نہیں کرتے تھے۔ ❸

فقہاء کی سواری پر نماز کے بارے میں مختلف آراء اور شرائط ہیں احناف فرماتے ہیں ❹ کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز شخص جو بیماری یا سوار ہونے کی وجہ سے قبلہ رخ نہیں ہو سکتا ہو اس کا قبلہ وہ جہت ہے جہاں رخ کرنے کی اس کو قدرت ہو خواہ پہلو کے بل لیٹ کر ہی، اور اشارے سے نماز پڑھے گا۔ یعنی ایسا شخص جس جہت کی طرف رخ کرنے پر قادر ہو اس طرف رخ کر لے خواہ یہ مسافر ہو یا دشمن سے چور سے یا درندے سے خوفزدہ ہو یا دشمن سے ڈر کر بھاگ رہا ہو لیکن جانور پر نماز پڑھنے کی شرط یہ ہے کہ یہ شخص جانور روک دے اگر اس کی قدرت رکھتا ہو اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً اس کو ضرر کا اندیشہ ہو کہ قافلہ چلا جائے گا اور یہ کٹ کر رہ جائے گا تو اس صورت میں جانور کا روکنا اور قبلہ رخ ہونا دونوں ضروری نہیں ہیں حتیٰ کہ تکبیر تحریمہ کے لئے بھی ضروری نہیں ہے۔ اور جائز نماز نفل اور سنت مؤکدہ ہیں سوائے سنت فجر کے چنانچہ فرض نماز اور ہر قسم کی واجب نماز جیسے وتر نذر اور نماز جنازہ درست نہیں یعنی یہ امور بلا عذر جانور پر ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان میں حرج اتنا زیادہ نہیں ہے۔ اور نفل نماز اس مقیم شخص کے لیے بھی درست ہے جو مسافت قصر یعنی ۸۹ کلومیٹر سفر کرنے کے ارادے سے شہر سے باہر نکلے اسی طرح مسافر کے لئے بطریق اولی جائز ہے پہلی نوعیت کا آدمی دوسرے کے حکم میں شمار ہوگا۔

اور نماز رکوع اور سجدے کا اشارہ کرنے سے ہو جائے گی خواہ جانور کسی بھی طرف رخ کرے اور یہ جواز ضرورت کے عنصر کے پیش نظر ہے اس نفل کو شروع کرنے میں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا کیونکہ جب قبلے کے علاوہ جہت کی طرف رخ کر کے نماز ہی درست ہے تو نماز غیر جہت قبلہ کی طرف رخ کر کے شروع کرنا بھی درست ہوگا۔

ظاہر مذہب اور اصح قول یہ ہے کہ زین اور پاؤں ڈالنے والی حصے پر کثیر نجاست لگی ہو تب بھی نفل درست ہے۔

---

❶..... المجموع ج ۳ ص ۱۹۷، الحضرمية ص ۵۲ المهذب ج ۱ ص ۶۷۔ ❷ كشف القناع ج ۱ ص ۳۵۴ المغنی ج ۲ ص ۷۳۔
❸ یہ حدیث متفق علیہ ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۴ اس حدیث میں وارد لفظ راحلہ کا مطلب ہے سواری کی اونٹنی اور ہر قسم کے سواری کا جانور ہے خواہ اونٹ نہ ہو۔ ❹ الدر المختار وردالمختار ج ۱ ص ۴۰۲، ۴۵۴، ۶۵۸۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ وہ مسافر جو سفر میں سواری پر سوار ہو اور سواری سے اترنے میں اسے چور کا یا درندے کا خوف ہو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نفل ادا کرلے خواہ وتر ہی سہی اور یہ نوافل وہ جانور پر بیٹھے بیٹھے ادا کر سکتا ہے جو قبلہ رخ یا کسی اور رخ جا رہا ہو جیسا بھی اس کا رخ ہو خواہ وہ ڈولی میں یا کجاوے میں یا ایسی دیگر چیزوں میں ہو جن میں بیٹھا جاتا ہے اور اس میں وہ چار زانو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اور سوار شخص اشارے سے نماز پڑھے گا رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا اور رکوع کے مقابلے میں سجدے میں نسبتاً زیادہ جھکے گا اس دوران بات چیت نہ کرے اور نہ اِدھر اُدھر متوجہ ہو اور زمین کا پاک ہونا شرط نہیں ہے۔

دوران سفر نوافل کے لئے یہ حضرات چند شرائط عائد کرتے ہیں۔

۱.....سفر طویل ہو اور مسافت سفر جتنا ہو یعنی ۸۹ کلومیٹر اور جائز سفر ہو لہٰذا وہ شخص جو سفر معصیت پر ہو وہ نوافل ادا نہیں کرے گا۔

۲.....وہ سوار ہو چلتا ہو یا بیٹھا ہوا نہ ہو کشتی میں سوار شخص قبلہ رخ ہو کر پڑھے گا اور کشتی اگر رخ بدلے تو وہ بھی گھوم جائے۔

۳.....وہ جانور یعنی گھوڑا، گدھا، خچر اور اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کشتی میں سوار نہ ہو یا پیدل نہ چل رہا ہو۔

۴.....جانور پر وہ عام عادی طریقے سے سوار ہو الٹا سوار نہ ہو اور نہ دونوں پاؤں ایک طرف لٹکایا ہوا ہو۔

اور فرض نماز جانور پر پڑھنا درست نہیں ہے خواہ نمازی قبلہ رخ ہی ہو سوائے چار صورتوں کے۔

۱.....کافر دشمن وغیرہ سے لڑائی کے دوران یعنی ہر وہ لڑائی جو جائز ہو اور اس کے دوران جانور پر سے اترنا ممکن نہ ہو تو نماز اسی پر سوار اشارہ کرتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر پڑھے اگر ممکن ہو اور لڑنے والا نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔

۲.....دشمن سے خوف زدہ ہونے کی صورت میں جیسے سواری سے اترنے میں درندے یا چور کا خوف ہو تو اس پر بیٹھے ہوئے اشارے سے قبلہ رخ ہو کر اگر ممکن ہو نماز پڑھے اور اگر ممکن نہ ہو تو قبلہ کے علاوہ کسی اور جہت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور نماز کے بعد اگر امن ہو جائے اور خطرہ کم ہو جائے تو وقت کے اندر اعادہ کرلے۔

۳.....وہ شخص جو ایسی جگہ سفر کر رہا ہو جہاں تھوڑا تھوڑا پانی کھڑا ہو جس میں اترنا ممکن نہ ہو یا اترنے پر کپڑے گندے ہو جانے کا اندیشہ ہو اور وقت اختیاری (یعنی عادی) یا وقت ضروری کے نکلنے کا خدشہ ہو ❷ تو اس کے لئے سواری پر ہی فرض پڑھنا جائز ہے اور یہ شخص اشارے سے نماز پڑھے اور اگر وقت نکلنے کا خدشہ نہ ہو تو نماز کو وقت اختیاری کے آخر تک مؤخر کرنا ضروری ہوگا۔

۴.....سوار ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس کا اترنا ممکن نہ ہو تو وہ جانور کو ٹھہرا کر اس پر بیٹھے بیٹھے اشارے سے نماز ادا کرے جیسے وہ زمین پر بھی اشارے سے ہی ادا کرتا۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ کہ مباح سفر کرنے والے مسافر کے لئے خواہ وہ طویل سفر پر ہو یا چھوٹے سفر پر ہو سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے اور سفر میں گناہ کے مرتکب شخص کے لئے اور آوارہ گردی کرنے والے کے لئے یہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ پیدل چلنے والے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے ان لوگوں پر تمام شرائط اور ارکان پورے کرنے لازم ہیں یعنی قبلہ رخ ہونا اور رکوع سجدہ کرنا اور چلنے والا صرف قیام میں اور تشہد میں چلنے کی اجازت ہے اور نفل پڑھنے والا شخص رکوع اور سجدے اشارے سے کرے گا اور اس کا سجدہ رکوع کی نسبت جھکا ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ نماز کو قبلہ رخ ہو کر شروع کرے اگر ایسا کرنا ممکن ہو اور جانور کی لگام پکڑے ہوئے شخص کی نماز لگام پر نجاست لگے ہونے کی صورت میں

---

❶..... القوانين الفقهيه ص ۵۵ الشرح الصغير ج ۱ ص ۳۹۸۔۳۰۲۔ ❷ مالکیہ احناف اور شوافع کے ہاں وقت دو قسم کے ہیں وقت اختیار یعنی نماز کا وہ وقت جو معروف وقت ہوتا ہے اور دوسرا ہے وقت ضرورت یہ وہ وقت ہوتا ہے جو ضرورت کے عنصر کے پیش نظر عام معروف وقت اختیاری سے زیادہ لمبا ہوتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جس میں دو نمازیں جمع کرنا جائز ہوں دیکھئے القوانین الفقهیہ ص ۴۳ اور بعد کے صفحات۔ ❸ حاشية البا جوری ج ۱ ص ۱۴۸ المهذب ج ۱ ص ۶۹ المجموع ج ۳ ص ۲۱۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۲ اور بعد کے صفحات

درست نہیں ہوگی۔ اور اگر جانور گیلی یا خشک نجاست روند دے جو اس کے پاؤں سے لگی رہے تو اس شخص کی نماز باطل ہو جائے گی۔
اور اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

الف.....اگر سوار مرقد (ڈولی نما کمرہ) میں سوار ہو یا بڑی پالکی میں سوار ہو تو اس پر لازم ہے وہ پوری نماز میں قبلہ رخ رہے اور پورے ارکان یا کچھ ارکان یعنی رکوع اور سجدے پورے کرے اگر اس کے لئے یہ کرنا آسان ہو اور اگر یہ کرنا مشکل ہو تو اس پر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا ضروری ہوگا اگر ممکن ہو مثلاً سواری رکی ہوئی ہو یا اس کا پھیرنا ممکن ہو یا وہ جانور چل رہا ہو اور لگام اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ با آسانی چلانے والے کے تابع رہتی ہو۔ اور اگر وہ جانور سرکش ہو یا اس کا گھمانا ممکن نہ ہو یا وہ قطار میں ہوں تو اس پر قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں مشقت اور چلنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور نماز کے لئے اپنے راستے سے انحراف کرنا حرام ہے سوائے اس کے کہ قبلہ رخ ہونا ہو۔

نماز کی ابتداء میں قبلہ رخ ہونے کے شرط ہونے کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور اپنی سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو قبلہ رخ ہوتے تکبیر کہتے پھر نماز شروع کر دیتے جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا۔ ❶

ب.....کشتی کے ناخدا کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ کہ اس کے لئے ایسا کرنا دشواری کا باعث ہے۔
حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ وہ مسافر جو سوار ہو پیادہ نہ ہو اگر معین سمت میں جانے کا قصد ہو تو وہ سواری پر بیٹھے نفل پڑھ سکتا ہے خواہ سفر طویل ہو یا مختصر رکوع اور سجدے میں اشارہ کرے گا سجدے کا اشارہ رکوع کی نسبت زیادہ جھکا ہوا کرے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام سے بھیجا میں جب واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سوار مشرق کی طرف رخ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کا سجدہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا تھا۔ ❸

اور سفر کے بجائے حضر میں ہونے کی صورت میں قبلہ رخ ہونے کا حکم ساقط نہیں ہوگا، جیسے وہ سوار جو اپنے شہر یا گاؤں میں چل رہا ہو، کیونکہ وہ مسافر نہیں ہوتا آوارہ گردی کرنے والے (بے مقصد گھومنے والا) حیران و پریشان گھومنے والا اور سیر و تفریح کی غرض سے گھومنے والے کے لئے نفل کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی جہت معین نہیں ہوتی ہے۔ اونٹ، گدھے اور دیگر جانوروں پر بیٹھ کر نوافل پڑھنا درست ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گدھے پر تشریف فرما نماز ادا فرما رہے تھے اور وہ خیبر کی طرف رخ کئے ہوئے تھا ❹ لیکن اگر ناپاک جانور پر نماز پڑھے تو یہ ضروری ہے کہ سوار اور جانور کے درمیان کوئی آڑ وغیرہ ہو جو پاک ہو اور نمازی کا قبلہ وہی ہوتا ہے جس جانب اس کا رخ ہو اور اپنی منزل کی جہت کے علاوہ دوسری طرف مڑنا اس کے لئے جائز نہیں ہے اگر اس کا امکان ہو (یعنی نہ مڑنے کا امکان ہو تو مڑنا جائز نہ ہوگا) سوائے اس کے کہ قبلے کی طرف مڑنا ہو۔ اور اگر یہ کام بے دھیانی میں یا نیند میں کرلیا تو اس کی نماز برقرار رہے گی۔ اور اگر بڑی سواری ہو یا بڑی کشتی ہو تو اس میں گھومے جیسا چاہے اور اگر وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے اور رکوع اور سجود پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر دوران نماز قبلہ رخ ہونا لازم ہوگا اور اس چیز پر سجدہ جس پر وہ سوار ہو اگر کرنا ممکن ہو اور اگر صرف قبلہ رخ ہونے پر قادر ہو رکوع و سجدے پر نہیں تو وہ صرف قبلہ رخ ہو جائے اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے۔ اور اگر قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے تو یہ بالاتفاق ساقط ہو جائے گا جیسا کہ قبلہ رخ ہونا اور اعذار کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسے شدید جنگ میں اور سیلاب یا آگ سے یا درندے وغیرہ سے بھاگتے ہوئے اور خواہ عذر بالکل نادر ہو جیسے مریض جو قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے یا مفلوج شخص جو کسی ایسے

❶..... بروایت امام احمد و ابوداؤد شیخین نے بھی اسی طرح کی حدیث روایت کی ہے جو یہاں منقول ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۷۲۔ ❷المغنی ج ۱ ص ۴۳۴۔ ۴۳۸ ص ۶۰۰ کشاف القناع ج ص ۳۵۰۔ ۳۵۳۔ ❸بروایت ابوداؤد۔ ❹بروایت امام ابوداؤد اور نسائی۔

شخص کو نہ پائے جو اس کو قبلہ رخ کر سکے یا بندھا ہوا شخص وغیرہ اور اگر کوئی شخص نماز کی ابتداء میں قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے جیسے ایسی سواری کا سوار جو جانور قابو میں نہ آتا ہو یا وہ قطار کی شکل میں ہوں تو اس صورت میں قبلہ رخ ہونا اس پر ضروری نہیں ہوگا اور کشتی کے ناخدا پر قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں خواہ فرض نماز ہو کیونکہ اس کو کشتی چلانے کی مستقل ضرورت رہتی ہے اور اگر اس کے لئے نماز شروع کرتے وقت قبلہ رخ ہونا ممکن ہو جیسے وہ سوار جس کا جانور قابو میں ہو تو اس پر قبلہ رخ ہونا لازم ہونے کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں۔

ایک رائے جو کہ راجح بھی ہے، یہ ہے کہ اس پر ایسا کرنا لازم ہوگا دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مذہب شافعی کے بیان میں گزر چکی ہے اور اس بناء پر سوار شخص پر نفل شروع کرتے وقت جانور سمیت قبلہ رخ ہونا لازم ہوگا اور وہ اس طرح کہ وہ اس کو قبلے کی طرف امکانی حد تک بلا مشقت و دشواری گھمائے یا خود قبلہ رخ ہو جائے اگر بلا مشقت ایسا کرنا ممکن ہو۔

دوسری روایت امام احمد سے یہ ہے کہ یہ اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے تو یہ باقی تمام اجزاء کی طرح شمار ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو لازم کرنے میں مشقت اور دشواری ہے لہٰذا یہ ساقط ہوگا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت فضیلت اور استحباب پر مبنی ہے۔

مسافر کے لئے اپنی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے خواہ یہ نفل وتر ہو یا دیگر نماز کے بعد کی سنتیں اور سجدہ تلاوت ہو سفر میں پیادہ شخص کے لئے چلنے کے دوران نماز جائز نہیں ہے اس کے لئے نفل کا قبلہ رخ ہو کر شروع کرنا ضروری ہے جیسے اس پر قبلہ رخ ہو کر رکوع اور سجدہ کرنا لازم ہے کیونکہ اس کے لئے چلتے رہنے کے ساتھ ساتھ یہ کرنا مشکل نہیں ہے نماز کے باقی افعال وہ چلتے چلتے منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے انجام دے سکتا ہے سواری پر مرض کے سبب نماز پڑھنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

۱.....ایک یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ بیماری کی حالت میں سواری سے اترنا برسات کی حالت میں اترنے سے زیادہ باعث مشقت ہے اور جو شخص بیماری یا برسات کے سبب سواری پر نماز پڑھے تو اس کے لئے قبلہ رخ ہونے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۲.....دوسری روایت یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے مریضوں کو سواریوں سے اتروایا کرتے تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ شخص نماز یا سجدے پر قادر ہے تو اس کے لئے ان کا چھوڑنا ایسے ہی جائز نہیں ہوگا جیسے غیر مریض کے لئے جائز نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سواری پر سفر طویل ہونے کی صورت میں نفل پڑھنا جائز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز اشاروں میں ہوگی اس میں اختلاف ہے کہ چھوٹے سفر میں جائز ہے یا نہیں شوافع اور حنابلہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں مالکیہ اور احناف اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ کے ہاں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا شرط ہے اگر ایسا کرنا ممکن ہو اور ایسا نہ کر سکنے کی صورت میں یہ ساقط ہو جاتا ہے مثلاً اس کے لئے نفل کا قبلہ رخ ہو کر شروع کرنا بلا مشقت اور دشواری ممکن نہ ہو مثلاً اس کی سواری سرکش اور اڑیل ہو اس کا گھمانا اور موڑنا مشکل ہو۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جانور پر نجاست کا لگا ہونا مضر نہیں ہے شوافع کے ہاں اس سے فرق پڑے گا حنابلہ کے ہاں جانور پر اگر پاک ساتر چیز ڈال دی جائے (یعنی کپڑا وغیرہ) تو نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ نفل کے صحیح ہونے کے لئے نمازی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے جیسے زین اور پالان وغیرہ کیونکہ اس طرح قرار دینے میں مشقت نہیں ہوتی = چنانچہ اگر سواری کا جانور نجس العین ہو یا سواری کی جگہ پر نجاست لگ گئی ہو اور اس کے اوپر پاک حائل موجود ہو جیسے موٹی چادر وغیرہ تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر جانور نجاست کو روند دے تو احناف کے ہاں اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

جانوز پر فرض نماز درست نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کو مکمل ارکان اور پوری شرائط کے ساتھ ادا کرے اور جو شخص کشتی میں نماز پڑھے اس پر لازم ہے کہ وہ قبلہ رخ ہو اگر اس پر قادر ہو اور دوران نماز کشتی گھومنے سے جہت بدل جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بھی اپنی جہت بدل لے۔

۶۔چھٹی شرط......نیت

نیت نماز کی شرائط میں سے ہے احناف اور حنابلہ کے ہاں اور راجح قول کے مطابق مالکیہ کے ہاں بھی، شوافع کے ہاں نماز کے فرائض یا ارکان میں سے ہے یہ بعض مالکیہ کا بھی قول ہے کیونکہ نیت نماز کے ایک حصہ میں لازم ہوتی ہے پوری نماز میں نہیں لہٰذا تکبیر اور رکوع کی طرح یہ بھی رکن ہوگی۔

لغت میں اس کے معنی قصد وارادے کے ہیں اور شرعاً دل کے عبادت کو اللہ کے لئے انجام دینے کے عزم کا نام ہے یعنی وہ اس کے انجام دینے سے اللہ کی رضا چاہتا ہو کسی اور چیز کو نہیں مخلوقات کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے کسی مخلوق کی تعریف وثناء حاصل کرنا یا خوشامد وغیرہ اس کا مقصود نہ ہو اس کا نام اخلاص ہے۔

نماز میں نیت باتفاق علماء، واجب ہے تاکہ عادت اور عبادت میں امتیاز ہو اور نماز میں اللہ کے لئے اخلاص متحقق ہو سکے کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہے عمل کو کلیتاً خالص اللہ کے لئے کرنے کا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ......سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵

اور ان کو حکم دیا گیا تھا وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں: اخلاص عرب کے کلام میں نیت کا نام ہے اور نیت کی معروف حدیث بھی اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ارشاد نبوی ہے:

انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ مانوى ❶

چنانچہ نماز بغیر نیت کے کسی حالت میں درست نہیں ہے۔

اور نیت کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ نمازی پہلے ایمان کا استحضار کرے اور نماز سے اللہ کے تقرب کی نیت کرے اور اس دن اس کے واجب ہونے اور ادا کرنے کا خیال دل میں رکھے اور اس کی تعیین کرے اس کی رکعات کی تعداد کی نیت کرے اور امامت یا اقتداء یا انفرادیت (تنہا پڑھنے) کی نیت کرے پھر تکبیر تحریمہ کی نیت کرے اور باتفاق فقہاء نیت کے حکم یا پورے عمل میں ساتھ رہنا ضروری ہے حقیقت نیت کا نہیں اور مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ اس کے قطع کرنے کی نیت نہ کرے اور اگر وہ اس کو بھول جائے اور دوران نماز اس کے ذہن میں نہ رہے تو یہ مضر نہیں۔

نیت کا تکبیر سے متصل ہونا......احناف کے ہاں نیت کا نماز سے کسی اجنبی چیز کے فاصل ہوئے بغیر متصل ہونا ضروری ہے ❷ اس طرح کہ نیت اور تکبیر تحریمہ متصل ہوں اور فاصل سے مراد ایسا عمل ہے جو نماز کے مناسب نہ ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ ہاں اگر ایسے عمل سے فصل کیا جو نماز کے مناسب ہو جیسے وضو اور مسجد کی طرف جانا تو ایسا فاصل مضر نہیں چنانچہ اگر کسی نے نیت کی پھر وضو کیا یا مسجد کی طرف چلا اور تکبیر تحریمہ کہی اور نیت اس کو مستحضر نہ تھی تو یہ جائز ہوگا کیونکہ اجنبی فاصل نہیں پایا گیا، دلیل اس کی یہ ہے کہ جس شخص کا وضو دوران نماز ٹوٹ جائے تو

❶......بروایت اصحاب صحاح ستہ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نصب الراية ج ۱ ص ۳۰۱۔ ❷ تبيين الحقائق ج ۱ ص ۹۹۔

اس کے لئے تجدید وضو کے بعد اسی نماز پر دوبارہ بناء کرنا درست ہوتی ہے۔

اور نیت کا تکبیر تحریمہ سے ملانا مستحب ہے اختلاف سے باہر رہنے کے لئے اور نیت کا تکبیر تحریمہ سے متاخر ہونا صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہے اس طرح حج میں نیت کا مقدم کرنا جائز ہے چنانچہ اگر وہ گھر سے حج کے ارادے سے نکلے اور احرام باندھتے وقت اس کو نیت مستحضر نہ ہو تو یہ درست ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مال اگر کل مال سے نیت کرتے ہوئے علیحدہ کیا گیا ہو تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور تکبیر تحریمہ سے نیت کا متاخر ہونا درست نہیں ہے، تاہم روزے میں اس کے شروع کرنے سے نیت کا مؤخر کرنا ضرورت کے عنصر کے تحت جائز ہے اور یہ ضرورت کا عنصر نماز میں نہیں پایا جاتا۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ افضل یہ ہے کہ نیت تکبیر سے ملی ہوئی ہو اس اختلاف کی حدود سے نکلنے کے لئے جو حضرات اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور نیت اگر تکبیر سے کچھ وقت پہلے ہو اور نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو ادا اور راتبہ میں اور اس شخص نے نیت کو فسخ بھی نہ کیا ہو اور یہ صورت اسلام کے باقی رہنے کی صورت میں پیش آئی ہو یعنی مثلاً وہ مرتد نہ ہوا تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ کیونکہ نیت کا تکبیر سے کچھ وقت پہلے ہونا نماز کو منوی (نیت شدہ) ہونے سے نہیں نکالتا ہے اور نہ ہی فعل انجام دینے والے کو اس کے مخلص نیت والے ہونے سے خارج کرتا ہے، کیونکہ نیت نماز کی شرائط میں سے ہے تو اس کا بقیہ شرائط کی طرح مقدم ہونا درست ہے۔ اور اس کے فعل تکبیر تحریمہ سے ہمیشہ متصل ہونے میں حرج اور مشقت ہے تو یہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ...... سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸

اور نہیں رکھا تم پر تمہارے دین میں کوئی حرج (اور تنگی)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کا پہلا حصہ اس کے اجزاء میں سے ہے تو نیت کا اس میں استحضار (بالقوۃ ساتھ ہونا) کافی ہوگا جیسے باقی افعال میں کافی ہوتا ہے۔

اور مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت نیت کا استحضار واجب ہے یا اس سے کچھ دیر پہلے۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ نیت کا فعل نماز سے متصل ہونا شرط ہے اور اگر اس سے متاخر ہو تو اس کو عزم کہا جائے گا، اور اگر کسی نے کہا میں نیت کرتا ہو ظہر پڑھنے کی اللہ اکبر میں نیت کرتا ہوں تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا تکبیر کے بعد دوبارہ یہ کہنا میں نیت کرتا ہوں ایسا کلام ہے جو نماز کے لئے اجنبی ہے اور یہ نماز کے منعقد ہونے کے بعد واقع ہوا ہے لہٰذا یہ نماز کو باطل کر دے گا۔

نیت شدہ چیز (منوی) کی تعیین:...... فرض کی نوعیت کی تعیین باتفاق فقہاء ضروری ہے جیسے یہ کہ ظہر ہے یا عصر ہے کیونکہ فرض بہت سارے ہیں اور ان میں کوئی فرض دوسرے کی نیت سے ادا نہیں ہو سکے گا۔

محل نیت...... تعین کا مقام بالاتفاق قلب ہے۔ جمہور فقہاء ماسوا مالکیہ کے نزدیک نیت کو زبان سے ادا کرنا مستحب ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ زبان سے تلفظ کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ نماز ہو یا کچھ اور زبان سے تلفظ نہ کرے۔ شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق ❹ فرضیت کی نیت کرنا واجب ہے تاہم اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں ہے، اس طرح نیت کی شرط ان کے ہاں تین ہیں (۱) قصد (۲) تعیین اور (۳) فرضیت۔

نیت کے بارے میں فقہاء کی آراء...... نیت کے بارے میں مذاہب کی آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

---

❶...... كشف القناع ج ا ص ۳۶۷. ❷ الشرح الصغير ج ا ص ۳۰۵. ❸ حاشية الباجوری ج ا ص ۱۴۹. ❹ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۴۹

احناف فرماتے ہیں❶ نیت کے بارے میں گفتگو بنیادی طور پر تین چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔نیت کی تفسیر نیت کا طریقہ، نیت کا وقت۔

الف:تفسیر نیت......نیت نام ہے ارادے کا تو نماز کی نیت ہوئی نماز کو اللہ کے لئے کرنے کا ارادہ اور ارادہ دل کا فعل ہوتا ہے، تو نیت کا محل (مقام) قلب ہے یعنی وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کونسی نماز ادا کر رہا ہے زبان سے کہہ کر یاد رکھنا ضروری نہیں ہے، دل کی مدد کے طور پر کہ دل کی نیت اور زبان کا تلفظ جمع ہو جائے یہ مستحب ہے اور تعیین افضل ہے اور عمومی طور پر احتیاط اسی میں ہے، پھر نماز اگر فرض ہو جیسے ظہر یا عصر یا نماز واجب ہو جیسے وتر اور سجدہ تلاوت نذر اور عیدین کی نماز تو تعیین ضروری ہوگی۔اسی طرح قضاء نماز کی صورت میں دن یا وقت کی تعیین ضروری ہے لیکن قضاء کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔اور اداء نماز ہونے کی صورت میں نیت کو دن یا وقت سے ملانا ضروری نہیں ہے جیسے رکعات کی تعداد کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

اور نفل نماز کی نیت خواہ سنت فجر ہو یا تراویح وغیرہ ہو صحیح قول کے مطابق تو ان کے لئے مطلق نیت کر لینا کافی ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ تعیین کر دی جائے تو وہ شخص نیت کرتے ہوئے نفل نماز کی صفت کی تراویح کہہ کر یا سنت وقت کہہ کر تعیین کر دے اور نماز یا روزے کو اللہ کی مشیت سے متعلق کرنے سے نماز یا روزے کی نیت باطل نہیں ہوگی کیونکہ نیت کا مقام قلب ہے۔

اور معتمد قول یہ ہے کہ افعال والی عبادات نیت کو تمام پر لاگو کر لیتیں ہیں اور اگر کسی شخص نے لوگوں کو نماز میں پایا اس کو نہیں پتہ کہ وہ فرض ادا کر رہے ہیں یا تراویح تو وہ فرض کی نیت کر لے اگر وہ فرض میں ہوئے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ نفل بن جائے گی۔

ب:نیت کا طریقہ:......اگر نمازی تنہا ہو تو وہ فرض یا واجب کی قسم کو متعین کر دے اور اگر نفل پڑھ رہا ہو تو صرف نماز کی نیت کر لینا کافی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔اور اگر نمازی امام ہو تو وہ تعیین کرے گا جیسے پہلے گزرا تاہم مرد کے لئے مردوں کی نیت امامت ضروری نہیں ہے، ان کی اقتداء اس کے پیچھے درست ہے خواہ اس نے امامت کی نیت کی ہو یا نہیں۔البتہ عورتوں کی اقتداء درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس امام نے ان کو امامت کرانے کی نیت کی ہو اور فرق یہ ہے کہ اگر عورت کی اقتداء مرد کے پیچھے درست ہوتی تو بسا اوقات وہ مرد کے بالکل برابر کھڑی ہوتی اور مرد کی نماز خراب ہوتی اور اس کو بلا اختیار و رضا نقصان پہنچ جاتا، لہٰذا ان کی اقتداء کے درست ہونے کے لئے ان کے امام کی نیت امامت ضروری قرار دے دی گئی۔تاکہ اس کو ضرر بغیر اس کے خود لازم کئے اور بغیر اس کی رضا کے نہ پہنچے اور یہ معنی مردوں کی طرف نہیں پائے جاتے (یعنی مردوں میں کوئی شرط لاگو کر کے یہ بات حاصل نہیں کی جاسکتی ہے) خلاصہ یہ ہے کہ امام پر نیت کرنا ایک صورت میں لازم ہوگی اور وہ صورت ہے مرد کا عورتوں کی امامت کرنا، اور اگر وہ شخص مقتدی ہو تو اس کو بھی تعیین کرنی ہوگی۔

جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے، اور مزید نیت اس کو امام کی اقتداء کی کرنی ہوگی مثلاً وہ وقت کے فریضے اور امام کی اقتداء کی نیت کرے یا یوں نیت کرے کہ وہ امام کی نماز میں شروع کر رہا ہے یا امام کی اس کی نماز میں اقتداء کرے۔

ج:نیت کا وقت:......مستحب یہ ہے کہ نیت تکبیر کے وقت ہو، یعنی اس سے ملی ہوئی ہو ان حضرات کے ہاں نیت کا تکبیر سے پہلے ہونا بھی درست ہے بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان ایسا کام واقع نہ ہو جائے جو ایک کو دوسرے سے قطع کر دے اور متصل ہونا شرط نہیں ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں❷......نیت کہتے ہیں کسی چیز کا ارادہ کرنے کو، اور اس کا مقام قلب ہے اور نماز کی نیت فرض ہے اور راجح قول یہ ہے کہ نیت شرط ہے اور وہ اس طرح ہوگی کہ وہ دل سے مثلاً ظہر کا فرض ادا کرنے کی نیت کرے اور کسی چیز کا ارادہ اس کی ماہیت سے خارج ہوتا

---

❶......البدائع ج ا ص ۱۲۷ الدر المختار ج ا ص ۴۰۶ تبیین الحقائق ج ا ص ۹۹ فتح القدیر ج ا ص ۱۸۵ اللباب ج ا ص ۶۶۔اوران سب صفحات کے بعد والے صفحات۔❷ صحیح قول اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ سنت نہیں مستحب ہے۔

ہے۔اور اولیٰ یہ کہ زبان سے نیت نہ کی جائے سوائے اس شخص کے جو بہت وسوسے کا شکار ہو اس کے لئے زبان سے تلفظ مستحب ہے تاکہ التباس نہ رہے اور واجب ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ سے متصل ہو اگر نیت متاخر ہو جائے یا بہت پہلے ہو جائے تو وہ باطل ہو جائے گی بالاتفاق اور اگر معمولی سی مقدم ہو جائے تو ایک قول کے مطابق جو مختار قول ہے اور راجح ہے کہ وہ صحیح شمار ہوگی جیسے احناف کے ہاں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ باطل ہو جائے گی جیسے شوافع کا قول ہے اور فرائض میں، پانچ سنتوں یعنی وتر عید، گرہن کی نماز، چاند گرہن کی نماز اور استقاء کی نماز میں اور فجر کی سنت میں تعیین ضروری ہے نوافل میں ضروری نہیں ہے جیسے چاشت کی نوافل اور نمازوں کے ساتھ کی سنتیں اور تہجد کی نفلیں ان میں مطلق نیت نفل درست ہے اور زوال سے قبل کی نفل ہوئی تو وہ چاشت کی نفلوں میں بدل جائے گی اور ظہر سے قبل ہونے کی صورت میں وہ ظہر کی سنت شمار ہو جائے گی اسی طرح بعد میں ہونے کی صورت میں بھی اور تحیۃ المسجد میں تبدیل ہو جائے گی اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی۔

اور رات میں اس طرح کی نفلیں تہجد کی طرف سے شمار ہو جائے گی اور وتر سے قبل ادا کئے جانے کی صورت میں وہ عشاء کے بعد کی دو سنتیں شمار ہو جائے گی۔

قضاء یا اداء کی یا تعداد رکعات کی نیت شرط نہیں ہے، چنانچہ قضاء اداء کی نیت سے اور بالعکس طریقے سے نماز ادا ہو جاتی ہے تعیین کے واجب ہونے سے صرف ایک صورت مستثنٰی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور امام نماز پڑھا رہا تھا وہ یہ سمجھا کہ شاید امام جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہے اس نے جمعہ کی نیت کر لی بعد میں پتہ چلا کہ یہ ظہر کی نماز تھی تو یہ نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اس کے برعکس ہونے کی صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔

منفرد ہونے کی اومقتدی ہونے کی نیت واجب ہے امامت کی نیت صرف جمعے میں اور برسات یا خوف کی وجہ سے جمع بین الصلاتین مقدم کر کے دو نمازوں میں سے ایک کو مقدم کر کے دوسری نماز کے وقت میں جمع کر لینا ❶ کی صورت میں اور خلیفہ بنانے کی صورت میں ❷ امامت کی نیت لازم ہے کیونکہ ان میں امام کا ہونا شرط ہے علامہ ابن رشد مزید یہ فرماتے ہیں جنازے میں بھی امامت کی نیت شرط ہے چنانچہ امام اگر جمعے میں امامت کی نیت ترک کر دے تو اس کی اور دیگر مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور برسات کی صورت میں مقدم کی گئی نماز میں اگر امامت کی نیت ترک کر دے تو دوسری نماز باطل ہو جائے گی۔اور صلاۃ الخوف میں نیت امامت چھوڑ دینے کی صورت میں صرف پہلے گروہ کی نماز باطل ہوگی اور دوسرے گروہ اور امام کی نماز درست ہو جائے گی اور خلیفہ بنانے کی صورت میں اگر نیت ترک کی تو اس کی نماز درست ہوگی اور مقتدیوں کی باطل ہو جائے گی۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ نیت کسی چیز کے اس ارادے کا نام ہے جو اس کے فعل سے متصل ہو اور اس کا مقام قلب ہے اور تکبیر تحریمہ سے قبل زبان سے نیت کا تلفظ مستحب ہے اور نیت کے بعد اگر انشاء اللہ کے الفاظ دل میں ہوئے یا زبان سے ان الفاظ کا تلفظ کیا تو اگر مقصد محض تبرک کا کہنا تھا اور اللہ کی مشیت کے مطابق فعل کا انجام پانا مراد تھا تو نیت صحیح ہو جائے گی اور اگر مقصود معلق کرنا یا شک تھا تو نیت صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ اگر نماز فرض ہو خواہ فرض کفایہ ہو جیسے جنازے کی نماز یا قضاء نماز ہو یا لوٹائی جانے والی نماز ہو یا نذر ہو تو تین امور ضروری ہیں فرضیت کی نیت یعنی نماز کے فرض ہونے کا لحاظ اور ارادہ ہو نیت میں اور فعل واقع کرنے کا قصد یعنی مثلاً نماز کے فعل کی نیت کرے تاکہ باقی افعال سے اسے امتیاز

---

❶......بعض فقہاء کے نزدیک بعض اعذار اور ضروریات کی صورت میں ایک نماز کو مؤخر کر کے دوسری کے وقت میں یا ایک کو مقدم کر کے پہلی کے وقت میں ادا کیا جا سکتا ہے اس کی شرائط وتفصیلات میں جو آگے آئیں گی اس عمل کو جمع بین الصلاتین کہتے ہیں (از مترجم) ❷ خلیفہ بنانے (یا استخلاف) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام کسی عذر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جانے پر مقتدیوں میں سے کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جگہ لا کر کھڑا کر دے تاکہ وہ بقیہ نماز کی تکمیل کر دے اس کی شرائط وتفصیلات ہیں جو آگے اپنے مقام پر آئیں گی۔ ❸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۴۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۸، ۱۵۰، ۲۵۲۔۲۵۳۔ المہذب ج ۱ ص ۷۰، المجموع ص ۲۴۳۔۲۴۲۔

حاصل ہو اور تیسری چیز ہے فرض کی قسم کی تعیین کہ یہ فجر کی نماز ہے یا ظہر کی وغیرہ مثلاً وہ فرض نماز ظہر کے واقع کرنے کی نیت کرے۔ (۱)

اور شرط یہ ہے کہ یہ تکبیر تحریمہ کے اجزاء میں سے کسی جزء سے متصل ہو، یہ جو تفصیل ہم نے عرض کی یہی ان کی مراد و مقصود ہوتی ہے استحضار اور مقارنت سے یعنی تکبیر تحریمہ سے قبل فعل نماز یعنی اس کے اقوال، اور افعال کا اول اور آخر میں ارادہ کرے خواہ اجمالی طور پر سہی اور ذھن میں موجود فوری استحضار جو تکبیر تحریمہ کے دوران تھا سے یہ متصل ہو جائے اور نماز اگر کسی معین وقت کی نفلی نماز ہو جیسے نماز کی سنتیں یا سبب والی ہو جیسے استسقاء کی نماز تو اس صورت میں دو چیزیں واجب ہیں ایک اس کے فعل کا ارادہ دوسری چیز اس کی تعیین جیسے مثلاً سنت ظہر یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ وغیرہ اور صحیح قول کے مطابق نفلیت (نفل ہونے) کی نیت شرط نہیں ہے اور نفل مطلق یعنی جو کسی وقت اور سبب سے مقید نہیں ہوتی ہے جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء اس میں فقط فعل نماز کی نیت کافی ہے۔

فعل نماز کو اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں ہے (یعنی یوں کہنا: واسطے اللہ تعالیٰ کے) کیونکہ عبادت تو اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے تاہم ایسا کرنا اس لئے مستحب ہے کہ اخلاص کے معنی متحقق ہو جائیں۔

قبلہ رخ ہونے اور رکعات کی تعداد کی نیت مستحب ہے، تاکہ اختلاف سے باہر رہا جاسکے اور اگر تعداد میں غلطی ہوگئی، مثلاً ظہر کی پانچ یا تین رکعات کی نیت کر لی تو اس کی نماز منعقد نہیں ہوگی۔ اسی طرح اداء اور قضاء کی نیت کرنا بھی مستحب ہے اور اصح قول یہ ہے کہ قضاء کی نیت سے اداء اور اداء کی نیت سے قضاء پڑھنا درست ہے اگر عذر کے سبب ہو مثلاً ابر آلود موسم وغیرہ کی وجہ سے وقت کا علم نہ ہوا اگر کسی نے یہ گمان کیا کہ وقت نکل چکا ہے اور اس نے قضاء کی نیت سے نماز پڑھ لی بعد میں پتہ چلا کہ وقت تو باقی ہے یا وقت باقی سمجھ کر ادا کی نیت کر لی بعد میں علم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا، تو ان دونوں صورتوں میں نماز درست ہوگی۔ اسی طرح عذر کے علاوہ بھی نماز درست ہو جائے گی اگر اس نے (ادیت اور قضیت کے) لغوی معنی مراد لئے کیونکہ اداء اور قضاء لغت کے اعتبار سے مترادف ہیں یوں کہا جاتا ہے قضیت الدین (میں نے قرض چکا دیا) اور ادیت الدین (میں نے قرض ادا کر دیا) دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی ہیں یعنی دے دینا ہاں اگر بلا عذر ایسا کیا اور لغوی معنی بھی مراد نہیں تھے تو نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ یہ کھیل کرنے کے برابر شمار ہوگا۔

وقت سے تعرض کرنا شرط نہیں ہے چنانچہ اگر کسی نے دن کی تعیین کی لیکن اس میں غلطی کر دی تو کوئی مضائقہ نہیں اور جس شخص پر کئی قضاء نمازیں ہوں تو معین دن کی قضاء کی نیت شرط نہیں ہے بلکہ صرف نیت نماز کافی ہے دن مہینے یا سال کا ذکر معتمد قول کے مطابق مستحب نہیں ہے۔

اور نیت پوری نماز میں شرط ہے چنانچہ اگر نیت کے بارے میں شک ہو جائے کہ نیت کی ہے یا نہیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور امام کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے صرف مستحب ہے تاکہ جماعت کا ثواب اور فضیلت پا سکے۔ اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو اس کو فضیلت حاصل نہیں ہوگی امامت کی نیت چار حالتوں میں شرط ہے: جمعہ میں بارش کی وجہ سے جمع بین الصلاتین میں جمع تقدیم کئے جانے کی صورت میں وہ نماز جو وقت کے اندر جماعت کے ساتھ لوٹائی جا رہی ہو، اور وہ نماز جس کے بارے میں اس نے منت مانی ہو کہ وہ اس کو با جماعت ادا کرے گا تاکہ وہ گناہ سے نکل سکے۔

مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت شرط نہیں ہے یعنی مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء تمام (اقتداء) یا موجودہ امام کے پیچھے جماعت کرنا یا محراب میں موجود شخص کی اقتداء کی نیت وغیرہ (یعنی وہ تمام صورتیں جن میں اقتداء کے معنی و مفہوم ثابت ہوتے ہوں ان سے اقتداء کی نیت کی جاسکتی ہے) وجہ اس کی یہ ہے کہ تابع ہونا ایک عمل ہے لہٰذا اس میں نیت کی ضرورت پڑے گی کیونکہ انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرے اقتداء کی نیت کا امام کی طرف نسبت کئے بغیر مطلقاً ہونا کافی نہیں ہے چنانچہ اگر بلا نیت متابعت کر لی یا شک کے ساتھ کی تو اگر دیر تک

---

(۱)..... بعض حضرات نے ان تینوں کو شعر میں جمع کر کے اس طرح کہا ہے: یاسائلی علی شروط النیة القصد والتعین والفرضیة۔ اے نیت کی شرائط کے بارے میں پوچھنے والے (یہ تین ہیں) قصد تعیین اور فرضیت۔

اس کیفیت میں رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ فرماتے ہیں(1) کہ عبادت کو اللہ سے تقرب کے لئے انجام دینے کے قوی ارادے (عزم) کا نام نیت ہے چنانچہ اس کے بغیر عبادت کسی حالت میں درست نہیں ہوسکتی ہے اور اس کا مقام قلب ہے وجوبی حیثیت میں اور استحبابی حیثیت میں اس کا مقام زبان ہے۔اگر نماز فرض ادا کی جا رہی ہو تو دو امور شرط ہیں نماز کی نوعیت کی تعیین۔مثلاً ظہر ہے یا عصر یا کوئی اور اور دوسری چیز ہے فعل کا قصد، فرضیت کی نیت شرط نہیں ہے(2) یعنی یوں کہنا میں ظہر کی فرض نماز کی نیت کرتا ہوں اور فوت شدہ نماز کے بارے میں اگر اس نے اپنے دل میں تعیین کرلی ہے کہ وہ مثلاً آج کی ظہر پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں قضاء یا اداء کی نیت ضروری نہیں ہوگی اور قضاء کی نیت سے اداء اور اداء کی نیت سے قضاء درست ہو جاتی ہے اگر اس کے گمان کے برخلاف معاملہ نکلنے کی صورت میں ایسا ہوا ہو اور اگر نفل نماز ہو تو اگر وہ معین یا کسی وقت خاص میں ادا کی جانے والی نماز ہو تو اس کی تعیین ضروری ہوگی جیسے سورج گرہن کی نماز اور استسقاء کی نماز اور تراویح وتر اور نماز کی متعلقہ سنتیں۔اور اگر مطلق عام نماز ہو تو اس کی تعیین ضروری نہیں ہے۔جیسے رات کی نوافل اس صورت میں مطلق نماز کی نیت کافی ہوگی کچھ اور نہیں کیونکہ اس میں تعیین نہیں ہوتی گویا اس مسئلے میں یہ حضرات شوافع کے ہمنوا ہیں۔

فقہاء حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر نماز مین کوئی متردد نیت سے داخل ہو کہ پورا کرے یا نماز قطع کردے تو ایسی نیت کے ساتھ نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ نیت پختہ عزم کا نام ہے اور تردد کی صورت میں پختگی نہیں پائی جاتی ہے یہ مسئلہ بالاتفاق فقہاء ہے۔اور اگر کوئی شخص نماز صحیح نیت کے ساتھ شروع کرے پھر اس کو قطع کرنے اور اس سے نکلنے کی نیت کرلے تو جمہور علماء کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ نیت پوری نماز میں شرط ہے اور وہ اس عمل سے نیت کو توڑ چکا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے نیت باطل نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جس کا شروع کرنا اس کے لئے درست ہے لہٰذا صرف نکلنے کی نیت سے وہ کالعدم نہیں ہوگی جیسے حج۔

نیت میں شک کا ہونا......اگر دوران نماز شک ہوا کہ نیت کی ہے یا نہیں، یا تکبیر تحریمہ کے بارے میں شک ہوا تو وہ اس کو از سر نو کرے گا جیسا کہ شوافع کا قول ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز میں شک واقع ہو وہ کالعدم ہوتی ہے۔اور اگر اس کو یاد آ گیا کہ اس نے نیت کی تھی یا نیت قطع کرنے سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ دی تو وہ نماز جاری رکھے (بناء کرے) اور مکمل کرلے کیونکہ اس صورت میں باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور اگر نماز میں شک کے ساتھ کوئی کام انجام دیا تو نماز باطل ہو جائے گی جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔

نیت میں تبدیلی:......اگر ایک فرض نماز شروع کی پھر اس کو دوسری کی طرف منتقل کردیا تو دونوں باطل ہو جائیں گی کیونکہ اس نے پہلی کی نیت کو قطع کردیا ہے اور تکبیر تحریمہ کے وقت دوسری کی نیت نہیں کی ہے گویا اس مسئلے میں بھی یہ حضرات شوافع کے ہمنوا ہیں۔اور اگر فرض کو نفل میں تبدیل کردیا تو اس بارے میں شوافع اور حنابلہ کی دو رائے ہیں راجح رائے یہ ہے کہ وہ نفل بن جائے گی کیونکہ فرض کی نیت نفل کو متضمن ہوتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرض کی نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے پھر یہ علم ہو کہ وقت شروع نہیں ہوا ہے تو اس کی نماز نفل بن جائے گی اور فرض درست نہیں ہوگا۔اور نفل کو کالعدم کرنے والا کوئی امر نہیں پایا گیا۔

تمام عبادات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا شرط نہیں ہے یعنی یوں کہنا میں اللہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہو یا میں اللہ کے لئے روزہ رکھ رہا ہوں وغیرہ کیونکہ عبادات تمام کی تمام اللہ کے لئے ہی ہوتی ہیں۔البتہ جن حضرات نے اس کو واجب کیا ہے ان کے اختلاف سے بچنے کی خاطر ایسا کرلینا مستحب ہے، اسی طرح رکعت کی تعداد کا ذکر کرنا بھی شرط نہیں ہے، اور نہ قبلہ رخ ہونا شرط ہے جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔نیت کو تکبیر

---

(1)...... المغنی ج ۱ ص ۴۶۴۔۴۶۹ اور ج ۲ ص ۲۳۱ کشف القناع ج ۱ ص ۳۶۴۔۳۷۰۔ (2) علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ تعیین ضروری ہے اور نماز اس کی طرف سے واقع ہوگی جو ذہن میں موجود ہو۔

تحریمہ کے وقت ہونا چاہئے یا تو اس سے متصل یا اس سے کچھ وقت پہلے جیسا کہ مالکیہ اور احناف کی رائے ہے تاہم افضل اس کا متصل ہونا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

جماعت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ امام اور مقتدی دونوں اپنی اپنی حالت کی نیت کریں امام اپنے امام ہونے کی اور مقتدی یہ نیت کرنی کہ وہ مقتدی ہے اور یہ نیت نماز کے شروع میں ہونی چاہئے۔تاہم دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ مقتدی مسبوق ہو (یعنی اس کی کچھ رکعتیں نکل گئی ہوں) تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوسرے مسبوق کی اقتداء کی نیت کرلے تاہم یہ حکم جمعے کے علاوہ نمازوں میں ہے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مقیم مسافر کی اقتداء کرے جو قصر کر رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز میں اپنے جیسے شخص کی (یعنی جو اس کی طرح نماز میں شریک ہو) اقتداء کرلے۔

ساتویں اور آٹھویں شرط:......نماز کی ادائیگی میں ترتیب اور اس کے افعال میں موالات پے در پے انجام دینا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نماز کے ارکان کی شرائط ہیں۔

۹۔نویں شرط......ایسے کلام کا ترک کردینا جس کا تعلق نماز سے نہ ہو نماز ایک عبادت ہے جو خالص اللہ کے لئے انجام دی جاتی ہے اس میں بات چیت درست نہیں ہے چنانچہ اس شخص کی نماز باطل ہوجائے گی جو شخص صرف دو حرف بھی ایسے بولے جو مفہوم و معانی رکھتے ہوں جیسے عربی لفظ قم (کھڑے ہو) یا اقعد (بیٹھو) یا ایک حرف بھی جو مفہوم و معنیٰ رکھتا ہو جیسے عربی مصدر روقایہ کا صیغہ امر ق (ق کے زیر کے ساتھ بچانے کے معنی میں) یا ع (زیر کے ساتھ سمجھنا) ف (زیر کے ساتھ پورا کرنا) اور ش (زیر کے ساتھ) اسی طرح شوافع کے اصح قول کے مطابق۔

کسی حرف کے بعد حرف مد کا ہونا جیسے آ خواہ یہ معنیٰ و مفہوم نہ بھی رکھتا ہو اس طرح واو، اور یا کا ہونا کیونکہ مدوالاحرف درحقیقت دو صرف ہوتے ہیں۔

دلیل اس کی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت اتری:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ

اور اللہ کے لئے کھڑے رہو۔

تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا۔اسی طرح حضرت معاویہ بن حکم سلمی کی روایت جنہوں نے نماز میں چھینکنے والے سے یرحمك الله کہہ دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس نماز میں لوگوں کی ذرا سی بھی بات چیت ٹھیک نہیں اس میں تو تسبیح تکبیر اور تلاوت قرآن ہونی چاہئے [1] اس موضوع پر تفصیلی کلام نماز کو باطل کرنے والے امور کی بحث میں آئے گا۔

۱۰۔دسویں شرط:......نماز سے غیر متعلق کام کا ترک کرنا بشرطیکہ زیادہ ہو۔

یعنی ایسا کام کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ اس کا کرنے والا نماز میں نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث نماز باطل کرنے والے امور کے بیان میں ہی آئے گی۔

۱۱۔گیارہویں شرط:......کھانا پینا چھوڑنا، اس کی وضاحت بھی نماز باطل کرنے والے امور کی بحث میں آئے گی۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات پیش نظر رہے کہ شوافع نے پانچ مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

---

[1]......یہ روایت امام احمد بن حنبل امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے امام ابوداؤد کی روایت میں لا یصلح (ٹھیک نہیں ہے) کے بجائے لا یحل (حلال نہیں ہے) کے الفاظ ہیں امام احمد کی ایک روایت میں ہے یہ تو تسبیح تکبیر حمد وثناء اور قرأت قرآن ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۴)

۱.....نماز کی فرضیت کا علم ہونا۔
۲.....نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کو سنت نہ سمجھے۔
۳.....کوئی قولی یا فعلی رکن اس کیفیت میں ادا نہ کرے کہ نیت میں شک ہو رہا ہو کہ اس نے نیت کی ہے یا نہیں یا نیت مکمل کی ہے یا نہیں یا یہ کہ نیت پوری نہیں کی کچھ کی ہے یا یہ شک ہو کہ نیت کی بعض شرائط چھوٹ گئی ہیں۔
۴.....نماز کے قطع کرنے کی۔

نیت نہ کرے یا اس کو قطع کرنے میں متردد نہ ہو چنانچہ جب بھی وہ اس کے قطع کرنے کی نیت کرے خواہ اس کو چھوڑ کر دوسری شروع کرنے سے یا اس میں تردد واقع ہو یا اس کو جاری رکھنے میں تردد ہو جائے تو نیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ نیت کے پختہ ہونے کے منافی امور ہیں اور آخری۔

۵.....یہ کہ اس کے قطع کرنے کو کسی چیز پر معلق نہ کرے چنانچہ اگر وہ اس کو کسی چیز پر معلق کر دے خواہ وہ محال ہی ہو تو نیت باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ بھی نیت کے پختہ ہونے کے منافی کام ہے۔

بحمداللہ تعالٰی وعونہ ومنہ وکرمہ تم ترجمۃ المجلد الاول من کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ وذلک فی یوم الثلثاء الثلثون من ابریل الوافق ۱۶ من صفر الخیر سنہ ۲۰۰۲ء المیلادیۃ وسنۃ ۱۴۲۳ الھجریۃ بدا واللہ ادعوان یوفقنی لاتمام الکتاب لمحض فضلہ ومنہ وکرمہ صلی اللہ علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وبارک وسلم

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاِسلامیُ وَأدِلّتُہُ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائی کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

حصہ دوم

بابُ الصّلوٰۃ

مؤلّف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مُفتی ابرار حسین صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دارالاشاعت اردو بازار، کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اصطلاحات

رکن.....جس پر کسی عمل کا ہونا موقوف ہو اور وہ چیز اس عمل میں داخل ہو بخلاف شرط کے وہ اس عمل میں داخل نہیں ہوتی۔

تکبیر تحریمہ.....نماز شروع کرتے ہوئے پہلی تکبیر جس کے بعد ممنوعاتِ نماز حرام ہو جاتی ہیں۔

قیام.....نماز میں کھڑے ہونے کو کہا جاتا ہے۔

قومہ.....رکوع کرنے کے بعد سیدھا اوپر کھڑا ہونا۔

جلسہ.....دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو کہا جاتا ہے۔

تعدیلِ ارکان.....ارکانِ نماز کو ٹھہر ٹھہر کر تسلی اور اطمینان سے ادا کرنا۔

رفع یدین.....نماز میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا۔

تعوذ.....اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا۔

تسمیع.....سمع اللہ لمن حمدہ کہنا۔

تحمید.....ربنا لک الحمد کہنا۔

تشہد.....نماز میں بیٹھ کر التحیات پڑھنا۔

مسبوق.....وہ مقتدی جس کی باجماعت نماز سے کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں۔

مدرک.....وہ مقتدی جو امام کے ساتھ شروع سے آخر تک رہا ہو۔

لاحق.....وہ مقتدی جو شروع نماز میں امام کے ساتھ رہا ہو لیکن دورانِ نماز وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے امام کی اقتدا نہ کر سکے۔

سترہ.....ایسی چیز جو نمازی کے سامنے کھڑی کی جائے۔

قنوت نازلہ.....مصیبت اور ابتلاء کے وقت نماز فجر میں آخری رکوع کے بعد کھڑے ہو کر پڑھی جانے والی مخصوص دعا۔

دعائے قنوت.....وتروں میں پڑھی جانے والی مخصوص دعا

محاذات.....عورت کا مرد کی صف میں اس طرح کھڑا ہو جانا کہ دونوں کے درمیان کوئی فصل نہ رہے اور امام نے عورتوں کی اقتداء کی نیت بھی کی ہو۔

تطوع.....نفلی عبادت یا نفلی نماز کو کہا جاتا ہے۔

سنت مؤکدہ.....وہ نماز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلسل کے ساتھ پڑھی ہو البتہ کبھی کبھار چھوڑ بھی دی ہو۔

سنت غیر مؤکدہ.....وہ نماز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار پڑھی ہو۔

اداء.....جیسے نماز واجب ہوئی ہو اسی طرح اسے پڑھ لینا ادا ہے۔

قضاء.....واجب ہونے والی نماز کی مثل ادا کرنا۔

ترتیل وترجین.....ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا۔

سہو.....بھول جانا۔

سجدہ سہو.....نماز میں کسی واجب کو چھوڑ دینے پر آخری قعدہ میں دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرنا۔
سجدۂ تلاوت.....قرآن مجید میں ۱۴ سجدے ہیں دورانِ تلاوت ان سجدوں میں سے کسی سجدہ کا کرلینا۔
سجدۂ شکر.....کسی نعمت یا خوشخبری کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کرنا۔
فوائت.....فوت شدہ نمازیں۔
عذر.....ایسی کیفیت جس میں معمول سے زیادہ ضرر اور مشقت کے بغیر حکمِ شرعی کا انجام دینا ممکن نہ ہو۔
جماعت.....اکٹھے ہو کر کسی ایک شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا۔
سعی.....نمازِ جمعہ کے لئے ذوق وشوق کے ساتھ چل پڑنا۔
استخلاف.....دورانِ نماز امام کا کسی مقتدی کو اپنا قائم مقام بنادینا۔
قصرِ صلوٰۃ.....چار رکعتی نماز کو نصف یعنی دو رکعات پڑھنا۔
جمع بین الصلاتین.....دو نمازوں کو اکٹھا کرکے پڑھنا۔مثلاً پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر فوراً بعد عصر کی نماز پڑھ لی۔
نماز کسوف.....سورج گرہن کے وقت پڑھی جانے والی نماز۔
نماز خسوف.....چاند گرہن کے وقت پڑھی جانے والی نماز۔
نماز استسقاء.....بارش طلبی کے لئے پڑھی جانے والی نماز
نمازِ خوف.....دورانِ جنگ یا خوف کے وقت پڑھی جانے والی نماز۔
تلقین.....میت دفنا لینے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر سورتِ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا۔
تعزیت.....میت کے ورثاء کو تسلی اور اطمینان دلانا۔

پانچویں فصل......ارکان نماز

حنفیہ کے ہاں نماز کے ارکان (فرائض) اور واجبات......فقہاء کرام نے صفۃ الصلاۃ کے عنوان کے تحت نماز کے طریقہ کار یعنی ارکان وشرائط، اجزاء یعنی سنتیں (واجبات) جن کی تکمیل (رہ جانے کی صورت میں) سجدہ سہو سے ہوتی ہے اور کیفیت یعنی سنتیں جن کے (رہ جانے کی صورت میں) سجدہ سہو سے تکمیل کی ضرورت نہیں ہوتی سے بحث کی ہے جب کہ کیفیت صلاۃ سے اس کی ترکیبی صورت مراد ہے۔

اور ضروری ہونے میں رکن شرط کی طرح ہے ہاں شرط نماز کی حقیقت سے خارج اور نماز سے پہلے ہوتی ہے اور نماز میں اس کا برقرار رہنا فرض ہے جیسے پاک وصاف ہونا اعضائے مستورہ کا ڈھانپنا وغیرہ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اور رکن جس پر نماز مشتمل ہوتی ہے جیسے رکوع سجود وغیرہ جن سے متعلق یہاں بحث ہوگی۔ اور رکن جان بوجھ کر یا غلطی یا جہالت سے رہ جانے سے ساقط نہیں ہوتا۔ رکن اس کا نام اس وجہ سے پڑا کہ رکن کا معنی ستون آتا ہے جس طرح ستون کے بغیر کوئی چھت قائم نہیں رہ سکتی ایسے ہی نماز رکن کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

رکن کی تعریف......جس کا کرنا واجب ہے اور وہ حقیقت فعل کا جزء ہے۔

شرط کی تعریف......جس کا کرنا واجب ہے لیکن وہ حقیقت فعل کا جزء نہیں بلکہ (شرط) فعل کے مقدمات وتمہیدات میں سے ہے۔

نماز کے بنیادی مقاصد کی تعداد واقسام میں فقہاء کا اختلاف

حنفیہ کا مسلک...... ❶ فرائض نماز چھ ہیں: کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنا، قیام کرنا، قرأت کرنا، رکوع، سجود کرنا اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا۔ یہ فرائض امام قدوری نے ذکر فرمائے ہیں امام محمدؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ البتہ حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق تکبیر تحریمہ نیت کی طرح شرط ہے رکن نہیں یہی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی رائے ہے برخلاف جمہور فقہاء کے۔

واجبات نماز کا بیان......واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ جان بوجھ کر چھوڑنے والا عذاب کا مستحق ہوتا ہے لیکن اس کے چھوٹ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ غلطی سے واجب چھوٹ جانے سے نماز میں جو کمی ہوگی اس کے لئے سجدہ سہو ضروری ہے اور جان بوجھ کر واجب چھوڑا یا سہواً واجب چھوٹا اور سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز کو دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔ اگر دوبارہ نماز نہ پڑھی تو فاسق اور گنہگار ہوگا یہی حکم اس نماز کا بھی ہے جو مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ واجبات نماز اٹھارہ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ عیدین کی نماز کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں کو لفظ اللہ اکبر سے شروع کرنا۔

۲۔ **سورۃ فاتحہ پڑھنا**......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جو شخص امام یا منفرد سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی ❷ چونکہ لا صلاۃ میں لانفی کمال کے لئے ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی اور یہ خبر واحد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

---

❶......اللباب شرح الکتاب: ۱/۶۸-۷۷ الدر المختار ورد المحتار: ۱/۴۰۶، ۴۱۰ و مابعدها ۴۲۴-۴۳۷ مراقی الفلاح: ص ۳۷، ۳۹ وما بعدها، فتح القدیر، ۱/۱۹۲-۲۲۶، البدائع: ۱/۱۰۹، ۶۰-۱۶۳۔ ❷ رواه الائمة الستة فی کتبهم عن عبادة بن الصامت (نصب الرایة: ۱/۳۶۵)

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ......المزمل: ۷۳/۲۰

پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو کے لئے ناسخ نہیں بن سکتی، لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ چونکہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں سورۃ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھنا واجب ہے پوری سورت واجب نہیں لہٰذا اگر کسی نے اس کا اکثر حصہ چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہے کم پر نہیں۔

حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ نماز کی تمام رکعات میں پڑھنا فرض ہے۔ البتہ شوافع کے ہاں مطلقاً فرض ہے اور مالکیہ کے ہاں جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے فرض نہیں۔

۳۔ سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملانا...... سورۃ کوثر یعنی تین چھوٹی آیات جو کم از کم تیس حروف پر مشتمل ہوں جیسے:

ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ المدثر: ۷۴/۲۱ تا ۲۳)

کا پڑھنا یا ایک یا دو بڑی آیات جو کم از کم تیس حروف پر مشتمل ہوں کا ملانا واجب ہے۔

سورۃ واجب ہونے کی دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو آسان ہو وہ پڑھیں۔ ❶ اس حدیث میں امر وجوب کے لئے ہے۔

جمہور کے ہاں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا آیت ملانا سنت ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا: ہر نماز میں قرآن پڑھا جائے جس نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن سنایا (یعنی جہراً پڑھا) اس میں ہم نے تم کو سنایا اور جس نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پوشیدہ پڑھا اس میں ہم نے بھی تم سے پوشیدہ پڑھا (یعنی سراً، آہستہ پڑھا) اگر تم سورۃ فاتحہ پر کوئی اور آیت زیادہ نہ کرو تب بھی کافی ہے اور اگر پڑھو تو بہتر ہے۔ ❷

۴۔ مفتی بہ قول کے مطابق فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ پڑھتے رہے ہیں۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق فرض کی آخری دو رکعتوں (تیسری اور چوتھی) میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

اگر کسی نے مغرب اور عشاء کی پہلی ایک یا دو رکعتوں میں سورۃ نہ پڑھی تو صحیح قول یہ ہے کہ عشاء کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی تیسری رکعت میں، سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملا کر بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ کو سورۃ سے پہلے پڑھے اگر کسی نے سورۃ فاتحہ چھوڑ دی تو آخری دو رکعتوں میں دوبارہ نہیں پڑھے گا، وتر کی تمام رکعات میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا واجب ہے جیسا کہ سنتوں میں واجب ہے نفل نماز کی تمام رکعات میں بھی سورۃ ملانا واجب ہے کیونکہ نفل کا ہر دوگانہ مستقل نماز ہے۔ اور دوسری دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے کہ فرض ہوں یا نفل سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ ❸

۵۔ سورۃ فاتحہ کو سورۃ سے پہلے پڑھنا...... اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح پڑھتے رہے ہیں۔ اگر کسی نے بھول کر سورت کو سورۂ فاتحہ سے پہلے شروع کر لیا درمیان میں یاد آ گیا یا رکوع کرنے سے پہلے یاد آ گیا تو سورۃ چھوڑ کر پہلے سورہ فاتحہ پھر سورۃ پڑھے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ کو پہلے پڑھنے میں تاخیر کی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے سورۃ فاتحہ کو دو بار پڑھا پھر سورت پڑھی تو وہ بھی سورت پڑھنے میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے گا۔

---

❶......رواہ ابوداؤد وابن حبان واحمد وابویعلی الموصلی رفعہ بعضھم و وقفہ بعضھم (نصب الرایۃ: ۱/۳۶۴) ❷حدیث موقوف رواہ الشیخان (البخاری ومسلم) عن ابی ھریرۃ (نصب الرایۃ: ۱/۳۶۵) ❸ حدیث ضعیف رواہ ابن عدی فی الکامل (نصب الرایۃ: ۱/۳۶۳)

(۶۔سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کا رکھنا...... اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہمیشہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔اگرکسی نے سجدے میں صرف ناک پر اکتفا کیا تو نماز صحیح نہیں ہوگی،صحیح قول یہی ہے۔

۷۔نماز کے جو اعمال مکرر ہیں مثلاً سجدہ ثانیہ ان میں ترتیب برقرار رکھنا......اس طرح کہنے میں زیادہ گہرائی ہے کہ قرأت رکوع اور وہ ارکان جو ایک رکعت میں مکرر ہوتے ہیں ان میں ترتیب قائم رکھنا لہٰذا دوسرا سجدہ نماز کے باقی ارکان ادا کرنے سے پہلے ادا کرے گا دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ترتیب کی رعایت کی ہے ایک رکعت کے مکرر ارکان میں ترتیب قائم رکھنے کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تقدیم وتاخیر سے ترتیب کی ظاہری حالت جو صورت تک تبدیل ہوتی ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی پس اگر کوئی نماز کی پہلی رکعت میں ایک سجدہ بھول گیا❶ تو اس کو ادا کرنا ضروری ہے چاہے قعدۂ اخیرہ کے بعد یا سلام کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے ہو۔پھر اس کے بعد تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کرے ایک سلام کے بعد پھر دوبارہ تشہد پڑھ کر نماز مکمل کرے البتہ قرأت کے علاوہ جو رکن ہر رکعت یا پوری نماز میں مکرر (دوبار) نہیں ان میں ترتیب فرض ہے جیسے قیام،رکوع،پہلا سجدہ اور قعدۂ اخیرہ۔لہٰذا قیام رکوع سے پہلے اور رکوع سجدے سے پہلے کرنا فرض ہے۔

اگر کسی نے قرأت سے پہلے رکوع کرلیا تو یہ رکوع صحیح ہے کیونکہ ہر رکعت میں رکوع کا قرأت کے بعد ہونا شرط نہیں۔برخلاف رکوع اور سجود کی ترتیب کے کیونکہ وہ فرض ہے۔لہٰذا اگر کسی نے رکوع سے پہلے سجدہ کرلیا تو اس کا اس رکعت کا سجدہ نہیں ہوگا کیونکہ سجدہ کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہر رکعت میں رکوع کے بعد ہو جیسے رکوع قیام کے بعد ہوتا ہے۔

۸۔تعدیل ارکان......یعنی رکوع،سجدے اور قومے وغیرہ میں ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا تاکہ ہر عضو کی حرکت بند ہوجائے اور ہر عضو اپنی جگہ آجائے اور اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تعدیل ارکان کا لحاظ رکھا دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے تعدیل ارکان کی رعایت کیے بغیر آپ علیہ السلام کے سامنے نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا: ارجع فصل فانك لم تصل دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ آپ کی نماز ہوئی ہی نہیں۔پھر آپ علیہ السلام نے اس کو تعدیل ارکان کی کیفیت یوں سکھائی کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو تکبیر کہیئے پھر جتنا ہوسکے اتنی قرآن کی تلاوت کیجئے پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کیجئے،پھر رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہوجائیے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کیجئے پھر سجدے سے اٹھ کر تھوڑی دیر بیٹھیے پر اطمینان سے دوسرا سجدہ کیجئے اپنی پوری نماز میں ایسے ہی تعدیل ارکان کی رعایت کیجئے۔❷

۹۔تین یا چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولی......یہ بھی واجب ہے،کیونکہ ایک اس پر حضور علیہ السلام نے دوام اور ہیشگی اختیار کی ہے اور دوسرے یہ کہ بھولے سے رہ جانے کی صورت میں آپ علیہ السلام نے سجدہ سہو بھی کیا ہے۔❸ (سجدہ سہو کرنا وجوب کی نشاندہی کرتا ہے)

جس طرح کلمات تشہد میں زیادتی کرنا صحیح نہیں اسی طرح قعدہ اولیٰ میں بھی تاخیر کرنا صحیح نہیں۔

۱۰۔قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھنا......وجوب کی دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرو تو التحیات للہ پڑھو۔

اس حدیث میں 'قولوا' صیغہ امر ہے جو وجوب کے لئے ہے حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات قعدۂ اولیٰ اور تشہد پڑھنے کو سنت قرار دیتے ہیں کہ

---

❶......متفق علیه عن ابی هریرةؓ (نیل الاوطار: ۲/۲۶۴)❷ رواه الجماعة عن عبدالله بن بحينة (نيل الاوطار: ۲/۲۷۳)❸رواه احمد والنسائی عن ابن مسعود(نيل الاوطار: ۲/۲۷۱)

آپ علیہ السلام کا مافات کی تلافی نہ کرنا عدم وجوب پر دلیل ہے۔

۱۱۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا...... کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس کو ہمیشہ پڑھا ہے۔ اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اگر کسی سے تشہد کا کچھ حصہ یا پورا تشہد پڑھنا رہ گیا دونوں قعدوں میں تو وہ سجدہ سہو سے نماز پوری کرے گا۔

۱۲۔ قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھنے کے بعد فوراً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا...... لہٰذا اگر کسی نے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد بھولے سے درود شریف کم از کم اللھم صلی علی محمد یا زیادہ پڑھ لیا تو (وہیں چھوڑ کر کھڑا ہو جائے) آخر میں سجدہ سہو کرے تاخیر واجب کی وجہ سے۔

۱۳۔ نماز کے آخر میں کم از کم السلام دائیں بائیں کہہ کر نماز سے نکلنا کیونکہ نبی علیہ السلام نے (لفظ السلام) پر مواظبت اختیار کی ہے۔ البتہ ''علیکم ورحمۃ اللہ'' سنت ہے اور پہلا دوسرا اسلام راجح قول کے مطابق واجب ہے۔

مسئلہ...... اگر مقتدی امام کے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو گیا پھر کوئی بات کی یا کچھ کھایا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

لفظ السلام سے نماز سے نکلنا فرض نہیں...... اور السلام کے الفاظ کہنا فرض نہیں دلیل ابن مسعور رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی ❶ یہ حدیث دونوں طرف سلام کہہ کر نکلنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات لفظ السلام سے نماز سے نکلنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔

۱۴۔ فجر کی دونوں رکعتوں، مغرب، عشاء کی پہلی دو رکعتوں (اگر چہ قضاء ہی پڑھ رہا ہو) جمعہ عیدین، تراویح اور وتر رمضان میں امام کو بلند آواز ❷ سے قرأت کرنا واجب ہے۔ آپ علیہ السلام کے ہمیشہ اس پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

البتہ اکیلے نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ ہاں اتنی بات ہے کہ بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے تا کہ اس کی نماز، جماعت کی طرز پر ہو جائے۔

رات کی نماز...... رات کو نفل پڑھنے والے کو بھی اختیار ہے چاہے بلند آواز سے قرأت کرے چاہے آہستہ البتہ نیند سے بچنے کے لئے تھوڑی اونچی آواز سے قرأت کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد میں ایسی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے جس سے بیدار مانوس ہوتے اور سوئے ہوئے بیدار نہ ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رات کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی ہوتی تھی؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے۔ ❸

۱۵۔ نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی آخری رکعات میں اور دن کے نوافل میں امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے آہستہ قرأت کرنا واجب ہے۔

۱۶۔ دعائے قنوت پڑھنا

۱۷...... عیدین کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا...... (ہر رکعت میں تین) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں دعائے قنوت کے لئے تکبیر

---

❶...... رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی...... واصلہ فی صحیح مسلم (نیل الاوطار: ۲/۲۹۲) ❷الجھر: اسماع الغیر ولو واحداً والاسرار: اسماع النفس، فی الصحیح۔ ❸ رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی ورجالہ رجال الصحیح: نیل الاوطار: ۳/۵۹)

کہنا بھی واجب ہے۔ جب کہ صاحبینؒ کے ہاں چونکہ وتر سنت ہیں۔اس لئے تکبیر بھی سنت ہے۔

نیز عیدین کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کہنا بھی تکبیرات زائد کے ساتھ ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔اور پہلی رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب نہیں۔

۱۸۔مقتدی کا خاموش رہ کر امام کی پیروی کرنا باجماعت نماز میں۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں نماز کے ارکان......علامہ خلیل رحمہ اللہ اور ان کی کتاب کے شارحین نے مالکیہ کا مذہب نقل کیا کہ مالکیہ کے ہاں نماز کے فرائض چودہ ہیں: نیت، تکبیر تحریمہ، تکبیر تحریمہ کے لئے فرض نماز میں کھڑا ہونا، امام اور مقتدی کا فاتحہ پڑھنا، فاتحہ کے لئے فرض نماز میں قیام رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ استراحت، سلام، سلام کے لیے بیٹھنا، تمام ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا، رکوع سجدے کے بعد اعتدال ارکان کو ترتیب سے ادا کرنا یعنی پہلے نیت پھر تکبیر تحریمہ پھر فاتحہ پھر رکوع پھر سکون واطمینان پھر سجدہ وغیرہ۔

مالکیہ کا ارکان نماز کے لئے ضابطہ......مالکیہ کے ہاں ارکان نماز کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں: نماز اقوال وافعال سے مرکب ہے، اور اقوال میں صرف تین چیزیں فرض ہیں تکبیر تحریمہ، فاتحہ اور سلام اور افعال سارے فرض ہیں سوائے تین چیزوں کے، تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا، تشہد کے لئے بیٹھنا اور سلام میں دائیں طرف سلام کرنا۔

شوافع کے ہاں ارکان نماز ❶......شافعیہ کے ہاں ارکان نماز تیرہ (۱۳) ہیں، نیت، تکبیر تحریمہ کہنا اور فرض نماز میں تکبیر تحریمہ کے لئے کھڑا ہونا اگر طاقت ہو، اور ہر نمازی کے لئے فاتحہ پڑھنا سوائے معذور کے مسبوق ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، رکوع، دونوں سجدے، جلسہ استراحت، آخری تشہد پڑھنا، قعدہ اخیرہ کرنا، آخری تشہد کے بعد بیٹھے ہوئے درود شریف پڑھنا، سلام اور ترتیب سے ارکان ادا کرنا۔

حنابلہ کے ہاں ارکان نماز......❷ حنابلہ کے ہاں ارکان نماز چودہ ہیں: تکبیر تحریمہ کہنا، فرض نماز میں تکبیر تحریمہ کے لئے کھڑا ہونا اگر طاقت ہو، ہر رکعت میں امام اور مقتدی دونوں کو فاتحہ پڑھنا رکوع، رکوع کے بعد اطمینان، سجدہ کا سجدے کے بعد اطمینان، جلسہ استراحت، رکوع اور اس کے بعد والے افعال میں سکون واطمینان سے نماز پڑھنا، آخری تشہد پڑھنا۔اکثر حنابلہ کے ہاں آخری تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا، درود شریف اور دونوں سلاموں کے لئے بیٹھنا، دونوں سلام کہنا، ارکان ترتیب سے ادا کرنا۔

فائدہ......فرض اور رکن، جان بوجھ کر، بھولے سے اور جہالت سے ساقط نہیں ہوتے۔

ارکانِ نماز کا تفصیلی جائزہ......ہم ان تمام ارکان کو تفصیل سے بیان کریں گے، چونکہ حنفیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ (ابن رشد اور ابن جزی) کے ہاں نیت شرائط نماز میں سے ہے اور نیت کی تفصیل شرائط میں بیان کردی گئی ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ نیت رکن ہے اور تکبیر تحریمہ میں نیت اور تکبیر دونوں شامل ہیں۔

نماز کے متفقہ ارکان......چھ فرائض وارکان پر سب فقہاء کا اتفاق ہے جو یہ ہیں۔

۱......تکبیر تحریمہ	۲......قیام	۳......قرأت
۴......رکوع	۵......سجدہ	

۶......قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد یعنی التحیات تا عبدہ ورسولہ تک پڑھے جانے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔

---

❶......مغنی المحتاج: ۱/۱۴۸۔۱۸۴۔ ❷المغنی: ۱/۴۶۰، ۵۵۸

ا۔ تکبیر تحریمہ...... منفرد اللہ اکبر (تکبیر تحریمہ) کو قیام کی حالت میں اتنی آواز سے کہے کہ خود سن لے البتہ جو قیام سے عاجز ہے وہ مستثنیٰ ہے۔

جو شخص عربی میں کہہ سکتا ہے وہ الفاظ تکبیر عربی میں کہے دوسری زبان میں جائز نہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک...... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں الفاظ تکبیر کے درمیان نہ وقف کرنا صحیح ہے اور نہ کسی دوسرے لفظ کا اضافہ۔

اگر امام ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ تکبیر اتنی آواز سے کہے کہ مقتدی سن لیں۔

نیز تکبیر تحریمہ رکن ہے شرط نہیں لہٰذا نماز صرف اللہ اکبر سے شروع ہوگی بشرطیکہ گونگا یا کسی بھی زبان میں تکبیر کہنا نہ جانتا ہو تو تکبیر ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر کچھ الفاظ کسی بھی زبان میں بامعنی تکبیر کے کہہ سکتا ہے تو کہنے ضروری ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کے دلائل...... مالکیہ اور حنابلہ کی اس بات پر دلیل کہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ......المدثر ۷۴/ ۳

اور حضرت علیؓ کی روایت جو پہلے بھی گذر چکی ہے کہ نماز کی چابی پاکیزگی ہے اور اس کا تحریمہ تکبیر ہے ❶ اسی طرح رفاعہ بن رافع کی حدیث اللہ تعالیٰ بندے کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک بندہ وضوء کو اپنی جگہ پر نہ رکھے پھر قبلہ کی طرف منہ کرے اور اللہ اکبر نہ کہہ لے۔ ❷ اسی طرح آپ علیہ السلام کا ارشاد نماز بھول جانے والے کے لئے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو ❸ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی، نماز تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت کا نام ہے یہاں پر آپ علیہ السلام نے تکبیر کو قرأت کے ساتھ ملایا ہے جو رکنیت پر دلیل ہے۔

شوافع کا مذہب...... تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے کے سلسلہ میں شوافع اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ ❹ بھی رکنیت کے قائل ہیں نہ کہ شرط کے البتہ شوافع لفظ اللہ اکبر میں ایسی زیادتی کے قائل ہیں جس کی وجہ سے تکبیر کا نام تبدیل نہ ہو جیسے اللہ اکبر کیونکہ یہ تکبیر پر دلالت کرتے ہیں اور راجح قول کے مطابق ایسا اضافہ جو تعظیم پر دلالت کرے جیسے: اللہ الجلیل اکبر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایسی صفت کا اضافہ کرنا جس کی وجہ سے زیادہ فصل نہ ہوتا کہ نظم برقرار ہے۔

تکبیر کا سننا...... قرأت اور سارے ارکان قولیہ کی طرح تکبیر کا خود سننا بھی شرط ہے۔

اور تکبیر صاف اور واضح کر کے ادا کرے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ جہاں مد نہیں وہاں مد نہ کرے اگر اس نے مد کو اس انداز سے کیا جس کی وجہ سے معنی میں تبدیلی آ جائے تو یہ صحیح نہیں مثلاً: اللہ اکبر میں دو جگہ ہمزہ ہے اس کو مد نہ کرے، اکبر کی ''ب'' کو مد نہ کرے، کیونکہ اس سے معنی تبدیل ہو جاتا ہے۔

شوافع کے ہاں راجح قول یہ ہے کہ جو شخص عربی زبان میں تکبیر نہ کہہ سکتا ہو تو وہ جس زبان میں چاہے تکبیر کے معنی پر دلالت کرنے والے الفاظ کہہ لے۔ البتہ عربی زبان میں الفاظ تکبیر اگر سیکھنے کی طاقت ہے تو سیکھنا واجب ہے۔ اور جو تکبیر تحریمہ کہنے سے عاجز ہو جیسے کہ گونگا تو اس کے لئے زبان اور ہونٹوں کا ہلانا ممکنہ حد تک لازم ہے، اگر اس سے بھی عاجز ہے تو دل سے نیت کرے۔

امام اعظم اور ابو یوسف رحمہما اللہ کا مذہب...... امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ❺ فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ شرط ہے رکن نہیں اور حنفیہ کے ہاں یہی قول مفتی بہ ہے۔

❶......رواہ ابوداؤد والترمذی ❷ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ ❸ متفق علیہ ❹ مغنی المحتاج ۱/ ۱۵۰۔ ❺ فتح القدیر ۱/ ۱۹۲، ۱۹۸ الدر المختار ورد المحتار ۱/ ۴۱۱، ۴۱۲۔

شیخینؒ کے دلائل..... حنفیہ شرط ہونے کے سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮ ......الاعلیٰ ۸۷/ ۱۵

طریق استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں "فصلی" کا عطف "اسم ربہ" پر ہے عطف میں مغایرت ہوتی ہے لہٰذا ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے جو نماز کے علاوہ ہے۔

دوسری دلیل حضرت علیؓ والی روایت ہے "وتحریمها التکبیر" اس میں تحریم کی اضافت صلاۃ کی طرف ہے اور مضاف، مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے کیونکہ کوئی چیز اپنی ذات کی طرف مضاف نہیں ہوسکتی۔

ثمرۂ اختلاف..... چونکہ شیخین کے ہاں تکبیر شرط ہے اور امام محمدؒ کے ہاں رکن اور فرض ہے لہٰذا ان کے درمیان ثمرہ اختلاف اور فرق درج ذیل مسائل سے واضح ہوتا ہے۔

۱..... تکبیر تحریمہ کہتے وقت اگر نمازی نے نجاست اٹھائی تھی اور تکبیر مکمل کرنے سے پہلے پہلے اس کو گرادیا۔

۲..... یا نمازی کا ستر کھلا ہوا تھا اور تکبیر مکمل کرنے سے پہلے پہلے اس نے ستر ڈھانپ لیا۔

۳..... یا نمازی قبلہ رخ نہیں تھا اور تکبیر مکمل کرنے سے پہلے پہلے قبلہ رخ ہوگیا۔

۴..... یا نمازی نے زوال سے پہلے ظہر کی تکبیر کی ابتداء کی اور تکبیر مکمل کرنے سے پہلے پہلے زوال ہوگیا۔

تو ان تمام مسائل میں شیخینؒ کے ہاں نماز ہوگئی اور امام محمدؒ کے ہاں نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ..... ایسے ہی ایک دوسرے مسئلے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے نمازی کے فرائض فاسد ہوجائیں تو شیخین کے ہاں اس کے فرض نفل ہوجائیں گے جب کہ امام محمدؒ کے ہاں نفل نہیں ہوں گے۔

مسئلہ..... البتہ نماز جنازہ کی تکبیر تحریمہ اس کی بقیہ تکبیرات کی طرح متفقہ طور پر رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔

حنفیہ کے ہاں تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ اکبر کی حیثیت..... جیسا کہ پہلے بھی واجبات الصلاۃ میں معلوم ہوچکا کہ حنفیہ کے ہاں لفظ اللہ اکبر سے نماز کی ابتداء کرنا واجب ہے اور اس کے علاوہ باقی الفاظ سے مکروہ ہے۔

ہر ایسا لفظ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرتا ہو اس سے نماز کی ابتداء کرنا طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے ہاں درست ہے۔

مثلاً: نمازی کا اللہ اجل، اللہ اعظم، اللہ اکبر، اللہ جلیل، الرحمٰن اعظم، سبحان اللہ، لاالٰہ الا اللہ، الحمدللہ جیسے الفاظ سے تکبیر تحریمہ کہنا۔ اس لئے کہ ان تمام الفاظ میں عظمت و بڑائی کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا اس معنی میں یہ اللہ اکبر کے مشابہ ہیں۔

اگر نمازی نے اللھم اغفرلی سے نماز شروع کی تو جائز نہیں کیونکہ اس میں تعظیم نہیں بلکہ اپنی حاجت ہے۔ البتہ اگر کسی نے اللھم سے نماز شروع کی تو صحیح قول کے مطابق نماز ہوجائے گی کیونکہ اس کا معنی ہے یا اللہ۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اللہ اکبر، اللہ الکبیر اور اللہ الکبار وغیرہ سے نماز کی ابتداء کرنا درست ہے البتہ اللہ اکبر سے نماز کی ابتداء کرنے کے بارے میں وہ متردد ہیں۔

البتہ جو شخص تکبیر کے الفاظ ادا نہ کرسکتا ہو اس کے حق میں یہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے جیسے گونگا وغیرہ اس کے لئے تحریمہ کی بجائے صرف نیت ہی کافی ہوگی۔

ایک قول کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں تکبیر کہنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا

ارشاد وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ الاعلیٰ ۸۷/ ۱۵...... کیونکہ اللہ کا نام لینا ضروری ہے چاہے جس زبان میں بھی ہو۔

البتہ صاحبینؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر وہ صحیح طریقہ سے عربی زبان میں نہ کہہ سکتا ہو تو پھر عربی کے علاوہ دوسری زبان سے کہنا بھی درست ہے۔ اور اگر عربی زبان میں کہنے پر قادر ہو تو عربی کے علاوہ دوسری زبان میں کہنے سے نماز نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد صلوا کما رأیتمونی اصلی ❶ تم ویسے ہی نماز ادا کرو جیسے کہ میں نے نماز پڑھ کر تمہیں دکھائی ہے۔

حنفیہ کے ہاں تکبیر تحریمہ کی ادائیگی کی شرائط...... حنفیہ کے ہاں اس کی بیس (۲۰) شرطیں ہیں۔ وقت کا داخل ہونا، وقت کے داخل ہونے کا یقین یا غالب گمان ہونا، ستر کو ڈھانپنا، حدث اصغر اور اکبر سے پاک ہونا، بدن، کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا، نفل نماز کے علاوہ میں قیام پر قادر شخص کے لئے قیام کرنا، نماز فجر کی سنتوں میں قیام، امام کی اتباع کی نیت کرنا (درحقیقت یہ اقتداء کی صحت کے لئے تو شرط ہے تحریمہ کی صحت کے لئے شرط نہیں) تکبیر تحریمہ زبان سے کہنا (جس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ بذات خود اس کو سن لے صرف دل سے پڑھنا کافی نہیں جیسا کہ نماز کے تمام قولی ارکان) فرض نماز کی تعیین۔ مثلاً ظہر، عصر یا مغرب وغیرہ۔ واجب نماز کی تعیین۔ مثلاً طواف عیدین وتر نذر کی نماز اور قضاء نمازوں وغیرہ کی تعیین۔ تکبیر تحریمہ خالص اللہ کے ذکر پر مشتمل ہو اس میں کسی اپنی ضرورت یا خواہش کی ملاوٹ نہ ہو۔ لہٰذا استغفار جیسے اللھم اغفرلی، وغیرہ کے ذریعے نماز درست نہیں ہوگی البتہ راجح قول کے مطابق اللھم سے بھی اللہ اکبر کی طرح نماز درست ہو جائے گی۔ جب کہ ظاہر الراویۃ کے مطابق ان دونوں سے نماز درست نہیں ہوگی۔ تکبیر تحریمہ کی جگہ بسم اللہ کہنے سے نماز نہیں ہوگی۔ جو عربی زبان میں تکبیر تحریمہ کہہ سکتا ہے اس کو غیر عربی میں کہنا درست نہیں۔ ہاں البتہ کوئی عربی زبان میں نہیں کہہ سکتا تو فارسی وغیرہ میں جس طرح نماز پڑھ سکتا ہے اس طرح تکبیر بھی کہہ سکتا ہے۔

البتہ صحیح قول کے مطابق حنفیہ کے ہاں بالاتفاق عربی زبان پر قادر شخص کے لیے بھی غیر عربی زبان میں تکبیر کہنا تو جائز ہے لیکن قرأت جائز نہیں۔ لفظ اللہ کے ''ہ'' کو حذف نہ کرے لفظ اللہ کے ''ہمزہ'' اکبر کے ''ہمزہ'' اور اکبر کی باء پر مد نہ کرے۔ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان غیر متعلقہ کلام اور کھانے پینے کا فاصلہ نہ ہو، تکبیر تحریمہ کا نیت کے بعد ہونا۔ عام حالات میں قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہنا البتہ دو اشخاص اس سے مستثنیٰ ہیں معذور اور ایسا سوار جو شہر سے باہر ہو اور سواری پر ہی نفل نماز ادا کر رہا ہو۔

جمہور فقہاء کے ہاں امام کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کے لیے تکبیر کہنا لازم ہے دلیل متفق علیہ حدیث ہے۔ امام اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے پھر تم اس کے بعد تم تکبیر کہو جب کہ حنفیہ کے ہاں امام کے ساتھ ساتھ بھی تکبیر کہی جا سکتی ہے جیسے: رکوع ساتھ کرنا صحیح ہے۔

۲۔ فرض، واجب اور سنت نمازوں میں قیام کرنا...... دوسرا رکن قیام پر قدرت رکھنے والے شخص کے لیے فرض اور واجب نمازوں میں قیام کرنا البتہ حنفیہ کے ہاں ❷ صحیح قول کے مطابق سنت نمازوں میں بھی قیام کرنا فرض ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا قول وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۸) اللہ کے حضور مطیع اور فرمانبردار بن کر قیام کریں خشوع وخضوع کی حالت میں قیام کریں۔ دوسری دلیل حدیث عمران ابن حصین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''صلّ قائمًا'' ❸ کھڑے ہو کر نماز پڑھئے۔

البتہ نفل نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود بھی کھڑا ہونا واجب نہیں ہے کیونکہ نوافل کا دارومدار وسعت اور سہولت پر رکھا گیا ہے نیز نوافل کی کثرت کی وجہ سے اگر اس میں قیام کو ضروری قرار دیا جائے تو ان کی ادائیگی میں انتہائی مشقت ہوگی اور ممکن ہے کہ لوگ نوافل

---

❶ رواہ البخاری و احمد. ❷ تبیین الحقائق: ۱/ ۱۰۴، فتح القدیر: ۱/ ۱۹۲، ۲۰۴، ۲۷۸. ❸ نصب الرایة: ۲/ ۱۷۵.

پڑھنا ہی چھوڑیں۔

ایسے ہی ایسا مریض عاجز جو قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے فرض یا نفل کسی نماز میں بھی قیام ضروری نہیں۔ اس لیے کہ احکام شرعیہ (ممکنہ حد تک) وسعت کے مطابق ہی لاگو کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا جو قیام سے عاجز ہے وہ جس طرح چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے۔

قیام کی حد.....حنفیہ کے ہاں قیام کی حد یہ ہے کہ اس طرح سے کھڑا ہو کہ ہاتھ لمبے کر کے گھٹنے پکڑنا چاہے تو نہ پکڑ سکے۔ جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کی حد یہ ہے کہ نہ بیٹھا ہوا ہو اور نہ ہی رکوع کی حالت کی طرح جھکا ہوا ہو۔ البتہ عاجزی وغیرہ کی وجہ سے سر جھکانے سے قیام میں کوئی خلل نہیں پڑتا اور ایسا آدمی قائم ہی کہلائے گا۔

امام شافعی کے ہاں نمازی کی کمر کا سیدھا رہنا ضروری ہے کیونکہ قیام اسی کا نام ہے۔ گردن سیدھی رکھنا کوئی ضروری نہیں بلکہ سر کا جھکانا تو مستحب ہے اگر جھک کر کھڑا ہو یا دائیں بائیں اس طرح مائل ہو کر کھڑا ہو کہ جسے قیام کرنے والا نہ کہا جا سکے تو بغیر کسی عذر کے یہ واجب چھوڑنے کی وجہ سے اس کا قیام صحیح نہیں ہوگا اور قیام کے منافی جھکنا یہ ہے کہ رکوع کے قریب ہو جائے، اگر وہ قیام ہی کے قریب ہو یا قیام اور رکوع کے درمیان درمیان ہو تو ایسا قیام کرنا صحیح ہے۔ اس مسئلے میں ان کا مذہب بھی مالکیہ اور حنابلہ کی طرح ہو جائے گا۔

اور جو شخص کسی فرض کی وجہ سے سیدھا کھڑا نہ ہو سکتا ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی کمر جھک جائے تو صحیح قول کے مطابق یہ ایسے ہی کھڑا ہو البتہ وسعت بھر جھکاؤ کم کرنے کی کوشش کرے۔

قیام کی فرض مقدار.....حنفیہ کے ہاں تکبیر تحریمہ، سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانے کی مقدار کھڑا ہونا فرض ہے۔

جب کہ جمہور کے ہاں صرف تکبیر تحریمہ اور سورت فاتحہ کی مقدار قیام فرض ہے۔ اس لئے کہ ان کے ہاں صرف فاتحہ ہی کی قرأت فرض ہے سورۃ ملانا سنت ہے۔

سیدھا کھڑا ہونا.....حنفیہ کے ہاں جو شخص سیدھا کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہو اس کو فرائض میں سیدھا کھڑا ہونا شرط ہے، پس جس نے عصا، دیوار یا اس طرح کی کسی چیز پر ٹیک لگائی کہ اگر اس چیز کو ہٹا دیا جائے تو گر جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے سہارا لے کر کھڑا ہوا تو نماز درست ہوگی۔

نوافل میں سیدھا کھڑا ہونا شرط نہیں چاہے عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر ہاں! اتنی بات ہے کہ یہ نماز اس کی مکروہ ہوگی کیونکہ اس طرح بے ادبی ہے۔ نیز ثواب میں بھی کمی ہوگی اگر بغیر عذر کے ٹیک لگائی۔

مالکیہ کے ہاں امام اور منفرد کے لئے تکبیر تحریمہ سورۃ فاتحہ پڑھتے اور رکوع کی طرف جاتے وقت سیدھا کھڑا ہونا فرائض میں واجب ہے۔ البتہ سورۃ پڑھتے وقت سیدھا کھڑا ہونا سنت ہے لہٰذا اگر کسی نے کسی چیز پر سہارا لیا ٹیک لگائی کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو گر جائے۔ یہ اگر سورۃ کے علاوہ کی حالت میں ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ فرض پورا نہیں کیا، اور اگر سورت پڑھتے وقت سہارا لیا تو نماز باطل نہیں ہوگی البتہ سہارا لگانا مکروہ ہے اور اگر سورت پڑھتے وقت بیٹھ گیا تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ ہیئت نماز میں خلل آ گیا ہے۔ رہ گیا مقتدی تو اس پر سورت فاتحہ پڑھتے وقت سیدھا کھڑا ہونا واجب نہیں اگر اس نے سورت فاتحہ پڑھتے وقت کسی ستون وغیرہ سے ٹیک لگائی تو اس کی نماز درست ہوگی۔

شوافع کے ہاں قیام میں سیدھا کھڑا ہونا شرط نہیں، اگر کسی چیز سے ٹیک لگائی تو نماز مع الکراہت درست ہوگی کیونکہ قیام کا وجود ہے۔ لیکن اگر کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگائی کہ جب چاہے قدم اٹھا سکے اور ٹیک لگا ہوا رہے اور گرے نہ تو نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ یہ قیام نہیں بلکہ لٹکا ہوا ہے۔

حنابلہ کے ہاں، جو شخص سیدھا کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہو اس کو فرائض میں سیدھا کھڑا ہونا شرط ہے پس اگر کسی نے بغیر کسی عذر کے

مضبوط ٹیک لگائی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

قیام کب ساقط ہوتا ہے.....فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص فرض اور نفل نماز میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس سے قیام ساقط ہے دلیل حضرت عمران بن حصین کی گذشتہ روایت ہے صل قائما کھڑے ہو کر نماز پڑھئے اگر اس کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو لیٹ کر البتہ اگر ایک آیت بھی کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کی بقدر کھڑا ہونا لازمی ہے۔

اسی طرح شوافع کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں ننگے آدمی سے بھی قیام ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے گا جب ستر عورت اس کے پاس نہ ہو جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

اسی طرح اگر زخم ہے کہ اس سے خون بہنے لگتا ہے تو قیام ساقط ہے یا لیٹ کر آنکھ کا علاج کروا رہا ہے تو قیام ساقط ہے۔ اسی طرح اگر کھڑے ہونے سے پیشاب کے قطرے آتے ہیں تو بھی قیام ساقط ہے۔ اور بیٹھ کر پڑھے اور اس پر اعادہ بھی نہیں، شوافع کے ہاں بھی یہی حکم ہے۔ اگر دشمن کا خوف ہو کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو دشمن دیکھ لے گا تو بیٹھ کر نماز پڑھے اس صورت میں بھی اعادہ نہیں شوافع کے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

مریض کی نماز.....مریض کی نماز کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کی آراء قریب قریب ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے آسان ہیں۔

حنفیہ کا مذہب (1): الف.....اگر مریض کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو قیام اس سے ساقط ہو جائے گا وہ بیٹھ کر نماز پڑھے جس وضع میں بیٹھنا آسان ہو اس کے لئے۔ اگر رکوع سجود کی طاقت ہے تو رکوع سجود کرے اور اگر رکوع سجود کی یا صرف سجدہ کی طاقت نہیں تو سر کے اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ نیچے تک کرے یعنی ان میں فرق کرے دلیل عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے۔

سجدے کے لئے کرسی تکیہ وغیرہ کوئی چیز بھی اٹھا کر اس پر سجدہ نہ کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے تکیہ اٹھا کر پھینک دیا۔ مریض نے ایک لکڑی اٹھا کر رکھی تو آپ نے اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا: اگر طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارے سے پڑھو اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ کرو (2) (یعنی سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکو)

ب.....اگر مریض بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو پیٹ کے بل لیٹ کر اس طرح نماز پڑھے کہ پاؤں قبلے کی طرف ہوں اور رکوع وجود کے لئے اشارہ کرے۔

لیکن اگر پہلو کے بل لیٹا اور منہ قبلہ کی طرف کیا اور اشارہ سے نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے۔ البتہ پہلی صورت زیادہ اولیٰ ہے۔

کیونکہ چت لیٹے ہوئے کا اشارہ کعبہ کی طرف ہوگا جب کہ پہلو کے بل لیٹنے والے کا اشارہ اس کے قدموں کی طرف ہوگا، خلاصہ یہ کہ چت لیٹنا، پہلو کے بل لیٹنے سے بہتر ہے اور دائیں پہلو پر لیٹنا بائیں پہلو پر لیٹنے سے بہتر ہے حنفیہ کے ہاں۔

ج.....جب مریض سر کے ساتھ اشارہ کرنے سے بھی عاجز ہو تو نماز کو مؤخر کر دے اور اس کو آنکھ یا ابرو، یا دل کے اشارہ سے نماز پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ ان چیزوں کے اشارے کا کچھ اعتبار نہیں، اس کی دلیل بھی وہ گذشتہ دو حدیثیں ہیں جو حضرت عمران بن حصین اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہیں۔

نیز نماز کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے رائے کے ذریعے اس کا بدل اس کے قائم مقام رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح آنکھ، ابرو اور دل کو سر پر قیاس کرنا بھی درست نہیں کیونکہ اس کے ذریعے نماز کا رکن ادا ہو جاتا ہے۔

---

(1).....اللباب: ۱/۱۰۰ وما بعد، فتح القدیر: ۱/۳۷۵ وما بعد۔ (2) اخرجه البزار والبیهقی وابویعلی موصلی (نصب الرایة: ۲/۱۷۵)

کیا مریض قضاء کرے گا......اس طرح مریض سے نماز ساقط نہیں ہوتی بلکہ اس پر قضاء واجب ہے۔ اگر نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں اور مریض کی عقل قائم ہے تو قضاء واجب ہے یہی صحیح قول ہے ہدایہ میں اسی طرح ذکر ہے۔

بدائع وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب نمازیں پانچ سے زیادہ ہوجائیں تو ان کی قضاء واجب نہیں اگرچہ اس کی عقل قائم بھی ہو کیونکہ نماز پڑھنے پر قادر نہیں اور شریعت میں حرج (تنگی) منع ہے یہی پسندیدہ قول ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

مزید مسائل......اگر مریض قیام پر تو قادر ہوگیا لیکن رکوع وسجود پہ قادر نہیں تو اس پر قیام لازم نہیں بیٹھ کر سر کے اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے کیونکہ یہ سجدے کے مشابہ ہے کیونکہ سر زمین سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اگر تندرست آدمی نے کھڑے ہوکر نماز شروع کی پھر اس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا کہ قیام نہیں کرسکتا تو باقی نماز بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر وہ رکوع وسجود پر بھی قادر نہیں تو بیٹھ کر اشارے سے باقی نماز پڑھے اور اگر بیٹھنے پر بھی قادر نہیں رہا تو لیٹ کر اشارے سے باقی نماز پڑھے، نئے سرے سے پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ادنیٰ کی اعلیٰ اور ضعیف کی قوی پر بناء کرنا یہ زیادہ افضل ہے ساری نماز کو ضعیف طریقے سے ادا کرنے سے۔

اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجدے سے نماز پڑھ رہا تھا کہ نماز میں ہی تندرست ہوگیا اور قیام پر قادر ہوگیا تو باقی نماز کھڑے ہوکر پوری کرے۔ اس لیے کہ نماز کا پورا کرنا اقتداء کی طرح قائم، قاعد کی جب اقتداء کرسکتا ہے تو قاعد قیام کرکے نماز پوری کرسکتا ہے۔ اگر بیماری کی وجہ سے مریض میں رکوع وسجود کی قوت نہ تھی اس لئے سر کے اشارے سے رکوع وسجود کیا پھر کچھ نماز پڑھ چکا تو رکوع وسجود پر قادر ہوگیا تو اب یہ نماز جاتی رہی اس کو پورا نہ کرے کیونکہ رکوع کی قدرت رکھنے والے کی نماز اشارہ کرنے والے کے پیچھے درست نہیں اسی طرح بناء بھی درست نہیں۔

مالکیہ کا مذہب ❶: الف......اگر نمازی کو فرض نماز میں کھڑے ہونے سے سخت تکلیف ہو یا سر چکرا کر گر جانے کا خوف ہو تو فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ اور بغیر کسی عذر کے لیٹ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور تمام اہل مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بعض نماز کھڑے ہوکر اور بعض بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

ب......جو فرض نماز میں قیام پر قادر ہے لیکن اسے کسی ایسے نقصان کا اندیشہ ہے جو تیمم کی طرف لے جانے والا ہو (جیسے کھڑے ہونے سے نزلہ یا بے ہوشی یا بیماری کے اضافے اور تندرستی کے موخر ہونے کا خطرہ ہو) یا ہوا خارج ہونے کا خوف ہے تو قیام کے وقت دیوار یا بانس یا کسی رسی سے سہارا لینا درست ہے یا کسی جنبی اور حائض کے علاوہ کسی شخص کا سہارا لے لینا بھی جائز ہے لیکن اگر جنبی یا حائض کا سہارا لیا تو وقت کے اندر اندر اعادہ کرے۔

اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر کسی چیز کا سہارا لگا کر نماز پڑھنے پر قادر تھا اور بیٹھ کر پڑھی تو اس کی نماز درست ہوجائے گی۔

ج......اور کوئی شخص سیدھا کھڑا ہوکر یا سہارا لے کر کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو اگر بیٹھنے کی قدرت ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر خود بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو ٹیک لگا کر بیٹھ جائے۔

تکبیر تحریمہ سورۃ فاتحہ اور رکوع کی حالت تک آلتی پالتی مار کر بیٹھنا مستحب ہے اس کے علاوہ باقی حالتوں جلسہ استراحت اور تشہد میں جس طرح مرضی بیٹھے۔

د......اگر سیدھا ہوکر یا ٹیک لگا کر بھی نہ بیٹھ سکتا ہو تو اس کے لئے دائیں کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا مستحب ہے اگر دائیں پر بھی نہ لیٹ سکتا

❶ الشرح الصغیر ۳۵۸/۱۔۳۶۳۔

ہو تو بائیں کروٹ پر لیٹ پڑے اور یہ دونوں صورتیں بھی ممکن نہ ہوں تو پھر چت لیٹ کر پڑھے اور پاؤں قبلے کی طرف ہوں۔ اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو اپنا چہرہ قبلے کی طرف کر کے پیٹ کے بل لیٹ کر پڑھ لے۔

جو شخص صرف قیام پر قادر ہو رکوع سجدے اور بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو کھڑے ہو کر رکوع سجدے اشارے سے ادا کرے۔

اور جو شخص قیام کے ساتھ ساتھ بیٹھنے پر بھی قادر ہو لیکن رکوع اور سجدے پر قادر نہیں تو قیام کی حالت میں رکوع کا اشارہ کرے اور بیٹھنے کی حالت میں سجدے کا اشارہ کرے۔ دونوں صورتوں میں اس کا برعکس کرنے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جو شخص قیام یا جلسے کی حالت میں سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو تو سجدے کا اشارہ کرتے وقت عمامہ وغیرہ اپنی پیشانی سے ہٹا لے، جس طرح کے سجدہ کرنے کی صورت میں اپنی پیشانی سے عمامہ ہٹا کر زمین وغیرہ پر اپنی پیشانی رکھنا لازم ہے۔

اگر نمازی کی پیشانی پر زخم ہوں تو صرف ناک پر سجدے کرنے سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، کیونکہ سجدے کی حقیقت (پیشانی کو زمین پر رکھنا) جاننے کے باوجود بھی اس نے اپنی مقدور بھر سجدہ کر لیا۔

اسی طرح اگر نمازی پہلی رکعت میں تو تمام ارکان نماز ادا کرنے پر قادر تھا حتیٰ کہ اس نے قرأت کے بعد رکوع وسجدہ بھی کر لیا لیکن اب دوسری رکعت کے قیام پر قادر نہیں ہے تو اپنی بقیہ نماز بیٹھ کر ادا کرے۔

ہ.....اگر نمازی ارکان نماز میں سے صرف نیت پر قادر ہے بایں طور کہ وہ نیت کا استحضار کر سکتا ہے یا صرف اشارے سے نیت کر سکتا ہے تو پھر بھی اس پر اپنی قدرت کے مطابق اتنی ہی نماز واجب ہو گی اور جن ارکان پر قادر نہیں ہے وہ ارکان اس سے ساقط ہو جائیں گے اور نیت کے ساتھ اگر سلام پر بھی قادر ہے تو سلام بھی پھیر دے جتنے ارکان پر قادر ہے وقت کے اندر اندر ہی ان کی ادائیگی کرے اس میں تاخیر درست نہیں۔

شوافع کا مذہب [1]: الف.....اگر نمازی فرائض میں قیام پر قادر نہیں یعنی کمر سیدھی رکھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو جھک کر کھڑا ہو جائے۔

ب.....اور اگر سیدھا بالکل کھڑا ہی نہیں ہو سکتا (بایں طور کے اسے ایسی تکلیف ہو رہی ہے جو عادۃ وہ برداشت نہیں کر سکتا مثلاً: سوار کا سر چکرانا دوران سواری) تو جس طرح مرضی بیٹھ کر نماز پڑھ لے، دلیل عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی روایت ہے (جو حنفیہ کے مذہب کے تحت گذر گئی ہے) رکوع کے لیے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے البتہ رکوع میں افضل یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ سجدے کی جگہ کے برابر پیشانی آ جائے کیونکہ نمازی کے لیے سجدے کی جگہ پر نظر رکھنا سنت ہے، لہٰذا مریض کا رکوع وسجدہ بھی قیام کی حالت میں رکوع وسجدہ کرنے والے کی طرح ہونا چاہیے یعنی نظر سجدہ کی جگہ پر ہو۔

اسی طرح مریض کے لیے افتراش (یعنی پاؤں بچھا کر بیٹھنا) افضل ہے آلتی پالتی مار کر بیٹھنے سے۔ جس طرح تندرست آدمی کے لئے تشہد اول میں افتراش افضل ہے۔ کیونکہ نماز میں اس طرح بیٹھنا مشروع ہے لہٰذا اس طرح بیٹھنا کسی اور طرح بیٹھنے سے اولیٰ ہے۔ اور اقعاء مکروہ یعنی سرین کے بل گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا کیونکہ اس طرح بندر اور کتا بیٹھتے ہیں۔

ج.....اگر مریض بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو بایں طور کے اس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس طرح پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھنا واجب ہے کہ چہرہ اور بدن کا سامنے والا حصہ قبلہ رخ ہو نیز دائیں پہلو پر لیٹنا بائیں پہلو سے افضل ہے اور بغیر کسی عذر کے بائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

د.....اگر مریض پہلو کے بل لیٹنے پر بھی قادر نہ ہو تو اس طرح چت لیٹنا واجب ہے کہ سر کے نیچے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ لے تاکہ اس کا چہرہ اور بدن کا سامنے والا حصہ قبلہ رخ ہو، لیکن خانہ کعبہ میں سر کے نیچے تکیہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کعبہ کی چھت بھی کعبہ میں داخل ہے لہٰذا چت لیٹنا کافی ہے۔

---

[1].....مغنی المحتاج: ۱/۱۵۴۔

اور اگر کعبے کی چھت پر ہو تو منہ کے بل لیٹ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ وہاں جس طرف بھی منہ کرے گا تو قبلہ رخ ہی شمار ہوگا۔ اور بقدر وسعت رکوع اور سجود کے اشارے کرے، اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ ہونا چاہیے۔

ہ......اگر مریض سر سے اشارے کرنے پر بھی قادر نہیں تو اپنی آنکھوں سے نماز کے افعال کی طرف اشارہ کر دے۔

و......اور اگر اس پر بھی قادر نہیں تو دل میں نماز کے فرائض اور سنن کے متعلق سوچے بایں طور کہ اپنے آپ کو کھڑا رکوع سجود وغیرہ کی حالت میں تصور کرے۔ کیونکہ اس طرح ممکن ہے۔

اسی طرح اگر مریض کی زبان بند ہو جائے تو قرأت وغیرہ بھی دل میں ادا کرے اور مریض سے نماز ساقط نہیں ہوتی جب تک اس کی عقل برقرار ہے کیونکہ مدار تکلیف موجود ہے۔

دوران نماز مریض کو اگر رکوع، سجود، قرأت وغیرہ پر قدرت ہو جائے تو ان کو ادا کرے گا۔

ز......تندرست آدمی نفل نماز بیٹھ کر اور صحیح قول کے مطابق پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ سکتا ہے، البتہ چت لیٹ کر نہیں پڑھ سکتا، نیز پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع اور سجود کے لیے بیٹھے اشارے سے رکوع اور سجود ادا کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس طرح سنت سے ثابت نہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب، کھڑے ہونے سے نصف ہے اور لیٹ کر پڑھنے کا بیٹھنے کے نصف ہے۔

خلاصہ......حاصل یہ ہے کہ مریض کو جس طرح سے ممکن ہو سکے وہ نماز پڑھے گا اور اعادہ اس پر نہیں۔

جبکہ غرق ہونے والا اور قیدی نماز اشارے سے پڑھیں اور ان پر اعادہ بھی ہے۔

حنابلہ کا مذہب......مریض کی نماز کے متعلق حنابلہ کا مذہب، شوافع کی طرح ہی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

الف......حنابلہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ مریض فرض نماز سیدھا کھڑے ہو کر پڑھے گا اگر سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا تو جھک کر رکوع کی حالت کی طرح پڑھے۔

ان کی دلیل حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے جس میں ہے: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی طاقت نہیں تو پہلو کے بل لیٹ کر (رواہ الجماعۃ) اور نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ اگر اس کی طاقت بھی نہیں تو چت لیٹ کر نماز پڑھو۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ جب تمہیں میں کسی کام کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کو کرو۔

کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر چہ کسی چیز کے ساتھ اجرت مثل دے کر یا تھوڑی زیادہ دے کر کھڑا ہونا پڑے جب اجرت دینے پر قادر ہو اور اگر اجرت دینے پر قادر نہ ہو تو جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے جیسے کہ مالکیہ کا مذہب۔

ب......اگر مریض سیدھا کھڑے ہونے پر قادر نہیں یا اس کو سخت تکلیف کا اندیشہ یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ یا زخم کے مندمل ہونے وغیرہ میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو حدیث سابق کی وجہ سے اس طرح چوکڑی مار کر بیٹھ کر نماز پڑھے جیسے نفل پڑھتا ہے۔ جیسے مالکیہ بھی کہتے ہیں۔ یا جس طرح بھی بیٹھے تو جائز ہے اور رکوع وسجود میں ٹانگیں ٹیڑھی کر لے۔

ج......اگر بیٹھنا بھی مشکل ہے تو حدیث سابق کی رو سے پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔

البتہ دائیں پہلو پر لیٹنا بائیں پہلو کے بل لیٹنے کی بنسبت افضل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کی وجہ سے: آپ علیہ السلام نے فرمایا مریض کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر اس کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں تو اشارے سے سجدے کرے اور سجدے کے لیے رکوع سے زیادہ جھکے۔ اگر اس پر بھی قادر نہیں تو دائیں پہلو پر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے اور اگر اس پر بھی قادر نہیں تو چت لیٹ جائے اور اپنے دونوں پاؤں قبلے کی طرف کرے ❶ نیز حضرت عمران کی روایت کے مطابق اگر بائیں پہلو پر بھی لیٹ کر نماز پڑھے تو جائز ہے کیونکہ استقبال

---

❶......رواہ الدار قطنی۔

قبلہ پایا جا رہا ہے۔

اور پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے کی طاقت کے باوجود پیٹھ کے بل لیٹ کر پاؤں قبلہ رخ کر کے نماز پڑھنا بھی مع الکراہت جائز ہے، کیونکہ کسی نہ کسی درجے کا استقبال قبلہ اس میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہاں اگر پہلو کے بل لیٹ کر پڑھنا مشکل ہو تو پیٹھ کے بل لیٹ کر ہی پڑھے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذرا۔

اور آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کہ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کو کرو'' کی رو سے مریض پر جہاں تک ممکن ہو سر سے رکوع اور سجدے کے لیے اشارہ کرنا لازم ہے۔ البتہ سجدے کے لئے رکوع کی بنسبت زیادہ جھکنا واجب ہے۔ لحدیث علی، تا کہ دونوں میں فرق ہو سکے۔

ہ......اگر مریض عاجز قیدی کی طرح رکوع اور سجود کے لئے سر سے اشارہ کرنے بھی قادر نہ ہو تو آنکھ سے اشارے کرے اور دل میں نیت کرے جیسا کہ حضرت زکریا ساجی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو آنکھوں سے اشارہ کرو۔

و......اگر مریض آنکھ سے اشارہ کرنے سے بھی عاجز ہے تو دل کے اشارے سے نماز پڑھے نیز اگر قرأت پر بھی قادر نہیں تو دل میں خیال کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ......الحج ۲۲/۷۸

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ نیز لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲/۲۸۶) اللہ تعالیٰ نے کسی کو وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنانا۔ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اذا امرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم

جب تک مریض کی عقل قائم ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وہ دل سے ارادہ کر سکتا ہے اور آنکھ وغیرہ سے اشارہ۔ نماز کے واجب ہونے کی دلیلیں عام ہیں۔

تمام مذاہب کا خلاصہ......حنفیہ کے ہاں مریض کی لیے آسانی سے نماز پڑھنے کی انتہائی صورت یہ ہے کہ وہ سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔

اور مالکیہ کے ہاں آنکھ کے اشارے یا دل کی نیت سے نماز پڑھے جب کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ارکان نماز وسنن کا دل پر جاری کرنا انتہائی اور آخری صورت ہے۔

نیز اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جب تک مریض کی عقل باقی ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوگی اور حنفیہ کے ہاں سر کے اشارہ کی طاقت نہیں رکھتا تو قضاء واجب ہوگی۔

۳۔ قرأت کا بیان......تیسرا رکن قرأت ہے اس شخص کے لیے جو قرأت کرنے پر قادر ہو۔

حنفیہ کا مذہب......❶ حنفیہ کے ہاں نفل اور وتر کی تمام رکعات اور فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں امام اور منفرد دونوں کے لیے قرأت کرنا فرض ہے اور اس فرض قرأت کی مقدار میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے ہاں کم سے کم چھ حروف پر مشتمل آیت کی قرأت کرنا فرض ہے چاہے وہ حقیقتاً چھ حروف پر مشتمل ہو جیسے ثُمَّ

❶......ردالمحتار مع الدرالمختار: ۱/۴۱۵ فتح القدیر: ۱/۱۹۳، ۲۰۵، ۲۲۲،

نَظَرَ (المدثر ۷۴/۲۱) یا تقدیری اور حکمی طور پر اس میں چھ حروف موجود ہوں جیسے: لَمْ یَلِدْ (الاخلاص ۱۱۲/۳) یہ اصل میں لَمْ یُوْلَدْ تھا صاحبینؒ کے ہاں کم سے کم تین چھوٹی آیات یا ایک ایسی بڑی آیت جو تین چھوٹی آیات کے برابر ہو کی قرأت کرنا فرض ہے۔

نوٹ..... حنفیہ کے ہاں مطلقاً قرأت فرض ہے اس میں کسی سورت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں اور دلیل ’’فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ‘‘ (المزمل ۷۳/۲۰) چونکہ یہاں پر صیغہ اصرا استعمال کیا گیا ہے جو کہ مطلقاً وجوب پر دلالت کرتا ہے اور دوسری دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: لاصلاۃ إلا بقراۃ۔ ❶

فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں ہی کو قرأت کے لئے متعین کرنا حنفیہ کے ہاں واجب ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: کہ پہلی دو رکعتوں کی قرأت آخری دو رکعتوں میں قرأت سے بے نیاز کر دیتی ہے اور اسی طرح حضرت ابن مسعود اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آخری دو رکعات میں نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قرأت کرے یا تسبیح پڑھے۔

ایسے ہی حنفیہ کے ہاں سورہ فاتحہ، کسی اور سورت کی قرأت یا تین آیات کی قرأت بھی واجب ہے البتہ حنفیہ کے ہاں سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا نہ سری نمازوں میں فرض ہے نہ جہری نمازوں میں ایسے ہی نہ یہ امام پر فرض ہے نہ مقتدی پر، بلکہ حنفیہ کے ہاں تو مقتدی کے لئے اس کی قرأت مکروہ تحریمی ہے۔

حنفیہ کے ہاں تسمیہ کی حیثیت..... حنفیہ کے ہاں سورہ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ تسمیہ نہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے نہ کسی اور سورت کا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمازیں پڑھیں مگر کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ ❷

لیکن حنفیہ کے ہاں منفرد کے لیے آمین کی طرح ہر رکعت کی سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے گویا کہ حنفیہ کے ہاں منفرد نمازی تسمیہ اور تامین دونوں کو آہستہ آواز سے پڑھے۔ البتہ امام کے لیے بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھنا بھی درست نہیں ہے، تا کہ دو جہری قرأتوں کے درمیان سری چیز نہ آجائے۔ ❸

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: چار چیزیں امام آہستہ آواز سے پڑھے گا تعوذ، تسمیہ، آمین اور تحمید۔ ❹

حنفیہ کے دلائل:

۱..... فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ... المزمل ۷۳/۲۰

جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھو۔ یہاں مطلق قرأت کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا کم سے کم اتنی قرأت جس کو قرآن کہا جا سکے کے ذریعے سے اس حکم کی تعمیل ہو جائے گی اور اس بات پر بھی تمام حضرات کا اتفاق ہے کہ نماز کے علاوہ قرآن کی قرأت فرض نہیں لہٰذا یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ نماز کے اندر ہی قرأت فرض ہے۔

۲..... چونکہ مطلق قرأت کی فرضیت قرآن سے ثابت ہے لہٰذا خبر واحد کی وجہ سے سورہ فاتحہ کی قرأت کو فرض قرار دینا خبر واحد کی وجہ سے قرآن پر زیادتی واضافہ کرنا تصور کیا جائے گا جو حنفیہ کے ہاں درست نہیں ہے۔ ہاں البتہ خبر واحد کی وجہ سے اس کی قرأت واجب ہوگی اور فاتحہ کے چھوڑنے کی وجہ سے نماز تو مکمل ہوگی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

---

❶ رواہ مسلم عن أبي ہریرۃ ❷ رواہ مسلم و احمد ❸ حنفیہ کے ہاں امام اور منفرد دونوں کے لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھنا سنت ہے وعند البعض واجب ہے البتہ تیسری اور چوتھی رکعت میں مستحب ہے۔ صاحب کتاب نے یہ مسئلہ کہاں سے لیا ہے اس کا تعین نہیں ہو سکا واللہ اعلم۔ ❹ رواہ ابن ابی شیبۃ۔

۳.....حدیث مسئی صلاۃ (جو پہلے گذر چکی ہے) میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: جب آپ نماز کا ارادہ کریں تو پہلے اچھی طرح سے وضو مکمل کرلیں پھر قبلہ رخ ہوکر تکبیر کہیں پھر جتنی میسر ہوسکے قرآن کی قرأت کریں۔ ❶ آیت قرآنی کی طرح اس حدیث رسول میں بھی مطلقاً قرأت کو فرض قرار دیا گیا ہے اگر سورہ فاتحہ کی قرأت فرض یا رکن ہوتی تو آپ علیہ السلام اس حاجت منداور احکام شرعیہ سے ناواقف صحابی کو اس کی قرأت فرضیت کا ضرور بتلاتے۔

۴.....حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ❷ صحاح ستہ میں مروی شدہ حدیث:

لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب

سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والے کی نماز (فضیلت اور ثواب کے اعتبار سے) ادھوری رہتی ہے میں زیادہ سے زیادہ فضیلت کی نفی ہے صحت کی نہیں ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث:

ترجمہ.....مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہوتی ❸ میں بھی فضیلت ہی کی نفی ہے۔

مقتدی کی قرأت کا حکم.....حنفیہ کے ہاں مقتدی کے لئے قرأت نہیں اس پر درج ذیل دلائل ہیں۔

قرآن کریم سے دلیل.....اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ .....الاعراف: ۷/ ۲۰۴

ترجمہ.....جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں اتری ہے۔ اور اس میں سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔ سننا جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہے اور خاموش رہنا جہری وسری دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا مقتدیوں پر لازم واجب ہے کہ وہ جہری نمازوں میں سنیں اور سرّی نمازوں میں خاموش رہیں۔ احادیث میں بھی اس آیت کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے جو استماع وغیرہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اور ان کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے بھی قرأت ہے ❹ یہ حدیث جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے فرمایا: امام تو صرف اسی لیے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ ❺

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی ایک صحابی نے آپ کے پیچھے سورۃ اعلیٰ کی قرأت شروع کر دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو پوچھا کہ تم میں سے کون پڑھ رہا تھا تو ایک صحابی نے عرض کی میں پڑھ رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: میں سمجھ رہا تھا کہ تم میں سے بعض میرے ساتھ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ حدیث قرأت نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے سری نماز میں۔ جہری نماز میں تو بدرجہ اولیٰ عدم قرأت پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ قیاس سے دلیل.....اگر مقتدی پر قرأت واجب ہوتو پھر مسبوق سے قرأت ساقط نہ ہوتی جیسے باقی ارکان ساقط نہیں، لہٰذا فقہاء نے مقتدی کی قرأت کو مسبوق کی قرأت پر ساقط ہونے کے اعتبار سے قیاس کیا ہے۔ لہٰذا مقتدی کے لیے قرأت مشروع نہیں۔

جمہور کا مذہب.....حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کہتے ہیں کہ نماز میں قرأت کا رکن واجب سورۃ فاتحہ ہے۔ دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے لاصلاۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والے کی نماز (فضیلت اور ثواب کے اعتبار

❶..... نصب الرایۃ ۱/ ۳۶۶ ❷ نصب الرایۃ ۱/ ۳۶۵۔ ❸ رواہ الدارقطنی عن جابر وعن ابی ھریرہ رضی اللہ عنھما ❹ رواہ ابو حنیفہ عن جابر رضی اللہ عنہ ❺ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ۔

سے) ادھوری رہتی ہے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: وہ نماز مکمل نہیں جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے ❶ نیز اسی طرح آپ کا عمل ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے۔ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔

باقی سورہ فاتحہ پہلی دو رکعتوں کے علاوہ میں پڑھنا تو وہ تمام نمازوں میں سنت ہے۔ البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مقتدی سری نمازوں میں سورہ فاتحہ اور سورت بھی پڑھے گا جب کہ جہری نمازوں میں کچھ بھی نہیں پڑھے گا۔

جب کہ شوافع کے ❷ ہاں صرف جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھے امام احمد رحمۃ اللہ کے ہاں امام کے سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے۔ پھر باقی فاتحہ باقی سکتات میں پڑھے جب کہ سکتات کے علاوہ امام کی قرأت کو سنے۔

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ فاتحہ کا پڑھنا متعین ہے چاہے زبانی پڑھے یا قرآن کریم میں دیکھ کر یا کسی سے سن کر ہر رکعت میں امام ومقتدی اور منفرد سب کے لئے۔ نیز نماز چاہے جہری ہو یا سری فرض ہو یا نفل ان دلائل کی بنیاد پر جو پہلے ذکر کر دیے گئے ہیں۔ اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو آپ پر قرأت کرنا بوجھل ہو گیا جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرا خیال ہے تم لوگ امام کے ساتھ قرأت کرتے ہو؟ عبادۃ بن صامت فرماتے ہیں ہم نے عرض کی جی ہاں تو آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی نہ پڑھو کیونکہ اس شخص کی نماز مکمل نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ ❸

یہ نص صریح ہے جو مقتدی کی قرأت کے ساتھ خاص اور اس کے لئے فاتحہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔ اور نفی اجزاء کی ہے کہ نماز کافی نہیں ہو گی لہٰذا یہ ذات نماز کی نفی کی طرح۔

اگر نمازی بھول کر سورہ فاتحہ چھوڑ دے تو جدید قول کے مطابق اس کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ رکن جو ہوتا ہے وہ بھولنے کی وجہ سے نہیں چھوٹتا جیسے رکوع، سجدہ وغیرہ۔ مسبوق کے علاوہ باقی نمازیوں سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہوتا البتہ مسبوق کی ایک رکعت میں چونکہ امام اس کی طرف سے قرأت کر چکا ہے لہٰذا اس میں ضروری نہیں۔

اسی طرح وہ مسبوق جو رش کی وجہ سے یا اس بات کو بھول جانے کی وجہ سے کہ وہ نماز میں ہے۔ یا جلدی حرکت کرنے کی وجہ سے بایں طور کہ وہ سجدے سے نہیں اٹھا تھا کہ امام رکوع میں یا رکوع کے قریب تھا یا اسے امام کے رکوع کے بعد فاتحہ پڑھنے میں شک ہو گیا اور وہ پیچھے رہ گیا۔

شوافع کے ہاں تسمیہ......شوافع کے ہاں تسمیہ فاتحہ کی آیت ہے جیسا امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ کی سات آیات شمار کی ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ان ہی میں شمار کیا ہے۔ دار قطنی نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم الحمد للہ پڑھو تو بسم اللہ پڑھو کیونکہ فاتحۃ القرآن، ام الکتاب، اور سبع مثانی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔ ❹

نیز چونکہ صحابہ کرام نے قرآن کریم جمع فرماتے وقت بسم اللہ کو باقی رکھا ہے یہ باقی رکھنا ہی فاتحہ کی آیت ہونے پر دلیل ہے۔

لہٰذا اگر جہری نماز میں ہو تو اس کو بھی جہراً پڑھے جیسے کے ساری فاتحہ جہراً پڑھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً پڑھا ❺ چونکہ آپ نے تعوذ کے بعد بسم اللہ پڑھی تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فاتحہ کی ایک آیت ہے لہٰذا اس کو بھی باقی فاتحہ کی طرح جہراً پڑھنا سنت ہے۔

فاتحہ میں چودہ شدّیں ہیں جن میں سے تین بسم اللہ میں پائی جاتی ہیں لہٰذا اگر کسی نے ایک تشدید بھی تخفیف سے ادا کی تو اس کی اس کلمے کی

❶......رواہ ابن خزیمۃ۔ ❷المجموع: ۳/۳۴۴، ۳۵۰۔ ❸رواہ ابو داؤد (سبل السلام: ۱/۱۷۰) ❹سبل السلام: ۱/۱۷۳ ❺الجموع ۳/۳۰۲

قرأت باطل ہو جائے گی چونکہ نظم میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

قرأت کی شرائط..... قرأت میں ایسی غلطی نہ کرے جس سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے انعمت میں ت کو پیش یا زیر سے پڑھنا، اسی طرح قرأۃ شاذہ نہ ہوں اور وہ ان سات مقامات کے علاوہ ہیں جب کہ معنی تبدیل ہو جاتا ہو جیسے: **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** میں لفظ اللہ پر پیش اور **العلماء** کو زبر دے کر پڑھنا۔ یا ایک حرف بھی زیادہ یا کم کرنا جب بھی ایسی کمی زیادتی پائی جائے گی تو اس کی قرأت باطل ہو جائے گی۔

مالکیہ کا مذہب: ا..... مالکیہ کے ہاں اگر قرأت شاذہ مصحف عثمانی کے رسم الخط کے موافق ہوں تو پڑھنا درست ہے، اگر چہ ان کی قرأت کافی نہیں ہوگی۔

اسی طرح قرأت میں لحن (غلطی) اگر چہ فاتحہ ہی میں ہو جان بوجھ کر ایسا نہ ہو تو درست ہے، البتہ امام گناہ گار ہوگا جب کوئی دوسرا صحیح قرأت کرنے والا موجود ہو۔ نیز ضاد اور ظاء میں تمیز نہ کرنے سے بھی قرأت درست ہو جائے گی، جیسا کہ لغت عرب میں ضاد کو ظاء سے بدل دیتے ہیں۔

ہاں! جان بوجھ کر لحن یا حروف کی تبدیلی سے قرأت درست نہیں ہوتی اور ایسے امام کی اقتداء بھی درست نہیں ہوگی۔

اگر کسی نے صاد کو ظاء سے تبدیل کر دیا تو اس کلمے کی قرأت صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے معنی اور الفاظ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

قرأت میں ترتیب (بایں طور کہ آیات کو معروف نظم کے مطابق پڑھے) اور پے در پے (بایں طور کہ بغیر فصل کیے بعض کلمات کو بعض کلمات سے ملائے) پڑھنا واجب ہے سنت پر عمل کرتے ہوئے کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا لہٰذا اگر کسی نے چھینک پر الحمد للہ کہہ دیا تو موالات ختم ہو جائے گی۔

البتہ اگر فصل ایسی چیز کا ہو جو متعلقات نماز میں سے ہے۔ مثلاً امام کی قرأت کے بعد آمین کہنا، امام کو لقمہ دینا، اللہ سے رحمت طلب کرنا، عذاب سے پناہ مانگنا، سجدہ تلاوت کرنا وغیرہ ان سے موالات ختم نہیں ہوگی صحیح قول کے مطابق۔

موالات کو لمبا سکتہ بھی ختم کر دیتا ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جان بوجھ کر اعراض کر رہا ہے۔ اسی طرح ایسا خفیف کر سکتا جس سے اس نے قرأت ختم کرنے کا ارادہ کیا ہو وہ بھی موالات کو ختم کر دیتا ہے۔

اگر فاتحہ نہیں آتی تو کیا کرے..... اگر کوئی شخص فاتحہ نہیں پڑھ سکتا بایں طور کے پڑھانے والا ہی کوئی نہیں یا مصحف وغیرہ نہیں تو اس کی جگہ سات پے در پے آیات یا متفرق آیات پڑھے اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا تو پھر آخرت سے متعلق سات دعائیں یا ذکر وغیرہ پڑھ لے اور ان کے حروف فاتحہ سے کم نہیں ہونے چاہئیں۔ دلیل ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں قرآن کریم سے کچھ بھی حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لہٰذا مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دیجئے جو اس کی جگہ کافی ہو تو آپ نے فرمایا:

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو۔

اگر کوئی شخص قرآن اور ذکر وغیرہ بھی نہ جانتا ہو تو وہ اتنی دیر تک خاموش کھڑا رہے جتنی دیر میں فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

آمین کا حکم..... سورۂ فاتحہ کے بعد تھوڑی دیر توقف کر کے آمین کہنا مستحب ہے (اور آمین کی میم میں مد کرنا بھی جائز ہے اور مدنہ کرنا بھی) معنی ہے قبول فرما، چاہے نماز میں ہو یا نہ، البتہ نماز میں استحباب اشد ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ نے ولا الضالین پڑھا تو آمین کہا اور

آواز کو لمبا کیا۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہوئی تو اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

بلند آواز سے امام کی آمین کے ساتھ آمین کہے۔ امام کی اتباع کرتے ہوئے ابن حبان وغیرہ سے روایت ہے انھوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے کہ: جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو اس طرح نماز پڑھو۔

سورہ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا امام اور منفرد دونوں کے لئے سنت ہے البتہ تیسری اور چوتھی رکعت میں نہ پڑھنا مسنون ہے حدیث کی رو سے جیسا کہ بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔

مسبوق کی اگر دونوں رکعتیں رہ گئی ہوں تو اس کے لئے پڑھنا مسنون ہے کیونکہ اس نے امام کے ساتھ جو پڑھی ہیں وہ آخری رکعتیں ہیں اور جو رہ گئی ہیں وہ پہلی رکعتیں ہیں یہ اس سے پڑھے تاکہ اس کی نماز دو سورتوں سے خالی نہ رہ جائے۔

مقتدی جہری نمازوں میں سورت نہ پڑھے ہاں! اگر وہ اتنا دور ہے کہ امام کی قرآت نہیں سن سکتا، یا وہ بہرا ہے یا آواز تو آتی ہے لیکن سمجھ نہیں آتی اسی طرح سری نمازوں میں وہ سورت پڑھے صحیح قول کے مطابق کیونکہ اس کے خاموش رہنے کے کوئی معنی نہیں۔

امام اور منفرد کے لیے سورۂ فاتحہ کا حکم..... مالکیہ کا مشہور قول اور حنابلہ کے ہاں امام اور منفرد پر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی جہری نمازوں میں فاتحہ نہیں پڑھے گا البتہ سرّی نمازوں میں مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو استماع اور انصات کا حکم ہے وہ جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس کے خاص ہونے کی دلیل وہ روایت ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جہری نماز سے فراغت پائی اور فرمایا کہ کیا تم میں سے ابھی کوئی شخص قرأت کررہا تھا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی جی ہاں! یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا: اسی لیے میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کے بارے میں کیوں جھگڑا ہو رہا ہے تو صحابہ کرام جہری نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے جب آپ سے یہ بات سنی۔ ❶

مقتدی کے لیے جہری نمازوں میں قرأت کے مکروہ ہونے پر یہ واضح دلیل ہے۔

رہ گئی ان کی دلیل سرّی نماز میں قرأت کے استحباب پر تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں سرّی قرأت کروں تو تم بھی قرأت کیا کرو۔ ❷

حنابلہ نے شوافع کی طرح ان تمام نمازوں کو جن میں دوری یا کسی تکلیف یا امام کے سکوت والی صورت میں جہر نہیں ہوسکتا، ان کو سری نمازوں کے ساتھ ملادیا ہے، چونکہ مقتدی ان حالتوں میں قرأت نہیں سن سکتا تو استماع کا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

صاحبِ کتاب کا فیصلہ..... مصنف فرماتے ہیں کہ یہ رائے (یعنی حنابلہ والی) میرے نزدیک باقی آراء سے زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے قرآن کریم اور حدیث کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں استماع (سننے) کا وجوب ثابت ہے اور حدیث سے سرّی نماز میں قرأت ثابت ہے اسی طرح انصات سری نماز میں واجب نہیں لیکن میں فاتحہ کے مطلقاً ترک پر مطمئن نہیں اس حدیث کی وجہ سے جو متفق علیہ اور متواتر ہے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات سے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے یہ نماز میں فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر واضح دلیل ہے اور ظاہری اعتبار سے اس میں صحت کی نفی ہے نہ کہ کمال اور فضیلت کی۔

---

❶ ..... رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی عن ابی ہریرۃ ❷ رواہ الدارقطنی والترمذی

مالکیہ کے ہاں بسم اللہ کی حیثیت...... مالکیہ کے ہاں بسم اللہ فاتحہ کی آیت نہیں لہٰذا فرائض میں چاہے جہری ہوں یا سری بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی نہ فاتحہ کے ساتھ اور نہ کسی اور سورت کے ساتھ۔

مالکیہ کے ہاں فاتحہ کا سیکھنا اگر ممکن ہو تو واجب ہے۔ لیکن اگر فاتحہ کا سیکھنا گونگا ہونے وغیرہ یا معلم کے نہ ہونے یا وقت کے کم ہونے کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو ایسے شخص کی اقتداء کرنا واجب ہے جو صحیح طرح فاتحہ پڑھ سکتا ہو اگر ایسے شخص کی اقتداء نہیں کرتا تو نماز باطل ہوگی، اور اگر ایسا شخص نہیں ملتا تو اکیلا نماز پڑھ لے، اور حنفیہ کی طرح ان کے ہاں آمین آہستہ کہنا مستحب ہے۔

حنابلہ کے ہاں بسم اللہ...... حنابلہ کے ہاں بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے لہٰذا نماز میں اس کو آہستہ پڑھنا واجب ہے چاہے نماز جہری ہو یا سری شوافع کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی نمازی پر فاتحہ کو پے در پے مشدد اور لحن جس سے معنی تبدیل ہو جائے کے بغیر پڑھنا واجب ہے اگر نمازی نے ترتیب یا کوئی شد یا ایسی غلطی (لحن) کی کے معنی تبدیل ہو گیا مثلاً ایاک کے کاف کو زیر یا انعمت کی تاء کو پیش یا اھد نا میں ہمزہ وصلی کو زبر لگا کر پڑھا تو قرأت درست نہ ہوگی، البتہ اگر کوئی اس پر قادر نہیں تو یہ الگ بات ہے۔

اگر نمازی نے فاتحہ کی قرأت کے درمیان ذکر دعا، قرأت سکتہ خفیفہ یا امام کی قرأت کے دوران آمین کے ذریعے سے موالات کو توڑ دیا تو قرأت منقطع نہیں ہوگی اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ لحن اگر چہ معنی بھی تبدیل کر دے تب بھی اس سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

قرأت سننا...... سورۂ فاتحہ میں کم سے کم آواز جو جواز کے لئے کافی وہ خود سننا ہے یا اتنی ہو کہ اگر سننے والا ہو تو سن سکے جیسا کہ تکبیر تحریمہ میں مقدار مقرر ہے۔ کیونکہ اس سے کم مقدار قرأت نہیں کہلائے گی۔

مستحب یہ ہے کہ ترتیل کے ساتھ عربی زبان میں فاتحہ پڑھے، اور ہر آیت پر ٹھہرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ......المزمل ۷۳/۴)

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔

مالکیہ کے ہاں اگر اتنی آواز سے پڑھے کہ خود نہ بھی سن سکے تب بھی قرأت ہوگئی۔

عربی زبان میں قرأت...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں قرأت جائز نہیں اسی طرح کسی ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدلنا چاہے اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی وجہ سے قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (یوسف: ۱۲/ ۲) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء: ۲۶/ ۱۹۵) (دوسری بات یہ ہے) قرآن کریم لفظ و معنی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے لہٰذا جب اس کو تبدیل کر دیا گیا تو اپنے نظم سے نکل جائے گا نہ قرآن رہے گا نہ اس کا مثل بلکہ تفسیر بن جائے گی اور تفسیر تو مفسر کا غیر ہے اور یہ اس قرآن کے مثل نہیں جس کا چیلنج دیا گیا کہ اس کی مثل ایک سورت لا دکھاؤ۔ البتہ جو شخص عربی میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اس کے لیے حنفیہ نے اجازت دی ہے کہ وہ جس زبان میں چاہے فاتحہ پڑھ لے۔ ❶

حنابلہ اور باقی فقہاء کے ہاں امام و مقتدی دونوں کے لیے آمین کہنا سنت ہے سابقہ احادیث کی روشنی میں البتہ حنابلہ شوافع کی طرح جہری نمازوں میں امام اور مقتدی کے لئے جہراً اور سری نمازوں میں سراً امین کہنے کے قائل ہیں۔

۴۔ رکوع...... چوتھا رکن رکوع ہے۔

رکوع لغت میں...... جھکنے کو کہتے ہیں۔

---

❶...... البدائع: ۱/ ۱۱۲۔

شرعاً...... اور شرعاً رکوع پیٹھ اور سر کو اکٹھے اس طرح جھکانا کہ ہاتھ (یا ہتھیلی) گھٹنوں تک پہنچ جائے۔
رکوع کی کم مقدار یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ ہتھیلی گھٹنوں تک پہنچ جائے اور اس کی کامل و مکمل مقدار یہ ہے کہ پیٹھ اور گردن کو برابر کر لے پنڈلیوں اور رانوں کو سیدھا رکھے سر اور سرین برابر ہوں۔ اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا اور انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا کافی ہے۔ سر کو نہ اوپر اٹھائے اور نہ نیچے جھکائے اور مرد اپنی کہنیوں کو پہلو سے الگ رکھے البتہ عورت بالکل ملا کر رکھے۔ اور جس شخص کی کمر کمان کی طرف جھکی ہوئی ہو تو وہ تھوڑا زیادہ جھکے اگر اس پر قادر ہو۔ ❶

فرضیت رکوع کے دلائل...... رکوع کے فرض ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا ......الحج: ۲۲/۷۷

اے ایمان والو! رکوع کرو۔

اسی طرح حدیث مسئی صلاۃ میں ہے پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان سے رکوع کر لے۔ نیز رکوع کی فرضیت پر اجماع بھی ہے۔

ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی دلیل...... وہ روایت ہے جسے ابوحمید نے ذکر کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع میں دیکھا آپ نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا اور اپنی پیٹھ دبائی ہوئی تھی یعنی سیدھی کی ہوئی تھی۔''

انگلیوں کے درمیان فاصلہ کی دلیل...... وہ روایت ہے جسے ابومسعود عقبہ بن عمرو نے ذکر کیا ہے: کہ آپ علیہ السلام نے رکوع فرمایا الگ کیا اپنے ہاتھوں کو۔

اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور انگلیوں کو کشادہ کیا اور کہا کہ میں نے آپ کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ ❷

سر نہ اٹھانے اور نہ زیادہ جھکانے کی دلیل...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو نہ سر کو اٹھاتے نہ جھکاتے بلکہ اس کے درمیان رکھتے ❸ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو اگر پانی کا برتن آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو وہ حرکت نہ کرتا۔ یہ پیٹھ کے برابر ہونے کی وجہ سے ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں رکوع کے لیے شرط یہ ہے کہ صرف رکوع ہی کی نیت ہو کسی اور چیز کی نیت نہ کرے لہٰذا اگر کسی نے سجدہ تلاوت کی نیت سے رکوع کیا تو یہ کافی نہ ہوگا۔

اطمینان سے رکوع کرنا...... رکوع میں سکوت واطمینان کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک تسبیح کی مقدار اس طرح ٹھہرے کہ تمام اعضاء رکوع و سجود میں برابر ہو جائیں۔ یہ اطمینان حنفیہ کے ہاں واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ......الحج: ۲۲/۷۷

رکوع اور سجدہ کرو اس میں اطمینان کا ذکر نہیں۔

جب کہ جمہور کے ہاں اطمینان فرض ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے حدیث مسئی صلاۃ میں پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان سے رکوع ہو۔ اسی طرح حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں سے چوری کرے، تو عرض کیا گیا: کہ نماز سے کس طرح چوری ہوتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ رکوع سجود اور خشوع کو پورا نہ کرنا ❹ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ وہ نماز پوری نہیں جس میں آدمی رکوع اور سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے ❺ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے

❶ فتح القدیر ۱/ ۱۹۳، ۲۰۸ الدر ۱/ ۴۱۶۔ ❷ رواہ احمد ❸ متفق علیہ ❹ نیل الاوطار: ۲/ ۲۶۸ ❺ رواہ البخاری

ہیں کہ یہ تمام اخبار احاد ہیں۔

ان کے ذریعے نص قرآنی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا پر اضافہ نہیں کیا جا سکتا جو کہ فرض ہے تا کہ آحاد کے ذریعے متواتر کا نسخ کرنا لازم نہ آئے کیونکہ نص پر زیادتی حنفیہ کے ہاں نسخ ہے۔ جب کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اطمینان فرض ہے۔

۵۔ قومہ اور اعتدال...... پانچواں رکن رکوع سے اٹھنا اور اعتدال ہے امام ابوحنیفہ اور محمد رحمھما اللہ فرماتے ہیں کہ قومہ اور سیدھا کھڑا ہونا اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے رکن نہیں کیونکہ یہ سب تعدیل ارکان کے مقتضیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ''ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا'' اب صرف جھکنے ہی سے رکوع ہو جاتا۔ اعتدال وغیرہ کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا بلکہ رکوع سجود اور قیام کا حکم فرمایا ہے ہذا ان کے علاوہ باقی چیزیں فرض نہیں ہوں گی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قومے پر ہمیشگی اختیار کی ہے اور اسی اعتدال کا حدیث مسئی صلاۃ میں حکم فرمایا۔ کہ پھر رکوع سے سر اٹھائیے یہاں تک کے سیدھے کھڑے ہو جاؤ یہ وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ خبر واحد سے ثابت ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے قومہ ترک کر دیا یا اس کا کچھ حصہ ترک کر دیا بھول کر تو سجدہ سہو لازم ہوگا اور اگر جان بوجھ کر اس کو چھوڑ دیا تو اس میں کراہت سخت ہے اور اس پر لازم ہوگا نماز کو وقت کے اندر اندر لوٹائے یہ اعادہ پہلی نماز کے لئے جبیرہ ہوگا۔ کیونکہ فرض میں تکرار نہیں۔

مشہور مذہب حنفیہ کا قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ اور تعدیل ارکان کے بارے میں وجوب کا ہے۔ یہ دلائل کے موافق اور درست ہے اور یہی کمال بن ہمام (صاحب فتح القدیر) اور متاخرین حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

جب کہ امام ابو یوسف اور دوسرے ائمہ کرام قومہ جلسہ تعدیل وغیرہ کو فرض گردانتے ہیں اور قومہ یہ ہے کہ اس حالت پر واپس لوٹ آئے جس پر رکوع سے پہلے تھا، چاہے بیٹھا تھا یا کھڑا اور مقدور بھر اس کو کرے اگر عاجز ہے اور قومے میں کسی دوسری چیز کا ارادہ نہ کرے۔ اگر کوئی کسی چیز سانپ وغیرہ سے ڈر کر کھڑا ہو گیا تو یہ کھڑا ہونا اس کے قومے کے لئے کافی نہ ہوگا جیسا کہ شوافع نے اس کی وضاحت کی ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے سجدہ کیا اور تعدیل و اعتدال نہ کیا تو اس کی نماز سجدہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے ارکان نماز میں سے ایک رکن چھوڑ دیا ہے۔ دلائل میں ایک وہی حدیث مسئی صلاۃ ہے دوسرا آپ علیہ السلام کا دوام ہے رکوع پر اور آپ نے فرمایا جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو اس طرح نماز پڑھو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئی صلاۃ والے صحابی کے تمام افعال کی نفی فرما دی تھی، یہ سب باتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اعتدال اور اطمینان رکن ہیں اور قومہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ رکوع کے بعد وہ لازمی ہوتا ہے۔

۶۔ دو سجدے کرنا...... چھٹا رکن: ہر رکعت میں دو سجدے کرنا، سجدے کے چند ایک لغوی معنی آتے ہیں جو درج ذیل ہیں خشوع خضوع اللہ کے سامنے عاجزی کرنا، اطمینان، مائل ہونا۔ شرعاً سجدے کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ کھلی ہوئی پیشانی کا بعض حصہ زمین یا مصلے وغیرہ پر رکھا جائے دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: جب آپ سجدہ کریں تو اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکیں اور مرغ کی طرح ٹھونگیں نہ ماریں ❶ حضرت خباب بن ارت کی روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گرم کنکریاں ہماری پیشانی اور ہتھیلیوں کو جلاتی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہیں کیا۔ ❷ (اور بدستور ایسے ہی سجدہ کرتے رہے) اور کامل سجدہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ گھٹنے، پاؤں، پیشانی اور ناک پر سجدہ کیا جائے۔

سجدے فرض ہیں بالاجماع۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا ......الحج: ۲۲/۷۷

نیز سجدے پر آپ علیہ السلام نے مواظبت اختیار فرمائی ہے اور مسئی صلاۃ کو سجدے کا حکم ان الفاظ میں فرمایا: پھر سجدہ اطمینان سے کر کے

---

❶..... رواہ ابن حبان فی صحیحہ۔ ❷ رواہ البیہقی بسند صحیح۔

سر اٹھا اور اطمینان سے بیٹھ پھر سجدہ اطمینان سے کر اور امت کا اس کی فرضیت پر اجماع ہے۔

مالکیہ کے ہاں پیشانی کے جس جزو سے آسانی سے سجدہ ہو سکے واجب ہے اور پیشانی کا وہ جزو سامنے کا حصہ ہے جو ابروؤں کے اوپر ہے اور پوری پیشانی کو زمین سے ملانا اور رکھنا مستحب ہے۔ اور ناک پر سجدہ کرنا بھی مستحب ہے۔

اگر وقت ضروری باقی ہو تو ناک پر سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نماز دھرائی جائے اور وقت ضروری ظہر کے لیے ظہر کا آخری وقت عصر کے لیے اصفرار شمس مغرب کے لیے غروب شفق اور عشاء کے لیے طلوع فجر اور فجر کے لیے طلوع شمس ہے) اگر کسی نے صرف پیشانی پر سجدہ کیا ناک نہ لگائی تو یہ سجدہ کافی نہ ہوگا اور مشہور مذہب ان کا یہ ہے کہ صرف پیشانی پر سجدہ کر لینا کافی ہے لیکن صرف ناک پر سجدہ کرنا کافی نہیں۔ اگر کسی شخص کی پیشانی پر زخم ہوں اور سجدہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو وہ اشارے سے سجدہ کرے۔

رش میں پیٹھ پر سجدہ کرنا...... شوافع حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر ازدھام (رش) اتنی زیادہ ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا مشکل ہے تو ایسے شخص کو کسی انسان کی پیٹھ سامان اور جانور وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو بیہقی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ جب رش زیادہ ہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرے۔

باقی ہتھیلی..... گھٹنے اور پاؤں پر سجدہ سنت ہے اور اس میں دلیل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو سات اعضاء اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں: چہرہ دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔ ❶

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے ❷ کہ کامل سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے چہرہ دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور اطراف قدم۔ دلیل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں پیشانی اور ناک دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم ❸ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سات اعضاء پر سجدہ کریں بالوں اور کپڑوں کو نہ روکیں۔ پیشانی، دونوں ہاتھ گھٹنے اور پاؤں کپڑوں اور بال نہ روکنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے ساتھ لگنے سے ان کو نہ روکیں تاکہ متکبرین سے مشابہت نہ ہو۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا مستحب ہے اور ابن منذر رحمہ اللہ نے اس بات پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے کہ صرف ناک پر سجدہ کرنا کافی نہیں۔

اسی طرح حنفیہ اور دوسرے آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے صرف پیشانی پر سجدہ کیا ناک زمین سے نہ لگائی تو یہ جائز ہے: البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ نمازی کو پیشانی اور ناک لگانے میں اختیار ہے، اگر دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کر لیا تو یہ جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ امام صاحب کا استدلال سابقہ روایات میں سے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کیونکہ اس میں پیشانی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ناک کی طرف بھی اشارہ ہے نیز کتاب اللہ میں جو حکم ہے وہ سجود کا ہے وَاسْجُدُوْا (الحج ۲۲/۷۷) اور مامور بہ سجدہ بعض حصہ چہرے کا ہے اجماعاً اور وہ ناک سے بھی پورا ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ کسی اور چیز کی زیادتی شرط کرنے خبر واحد سے ہے لہٰذا پیشانی کی طرح ناک پر اکتفاء کرنا جائز ہے، البتہ ٹھوڑی، رخسار وغیرہ چونکہ محل سجدہ نہیں اجماعاً اس لیے ان سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ لیکن حنفیہ کے ہاں سجدہ میں ناک کو پیشانی کے ساتھ رکھنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے۔

صاحبین کے ہاں بغیر کسی عذر کے سجدہ صرف ناک پر کرنا جائز نہیں اسی سابقہ حدیث کی وجہ سے جس میں پیشانی کو اعضاء سجدہ کے ساتھ شمار کیا گیا ہے حنفیہ کے ہاں انہی کا مذہب راجح ہے۔

---

❶..... نیل الاوطار: ۲/۲۵۷ ❷ فتح القدیر: ۱/۲۱۲-۲۱۴۔ ❸ نیل الاوطار: ۲/۲۵۸۔

حنفیہ کے ہاں ہاتھوں اور گھٹنوں کا سجدہ میں رکھنا سنت ہے کیونکہ ان کے بغیر بھی سجدہ ہوسکتا ہے۔ بہر حال پاؤں رکھنا فرض ہیں سجدے میں جیسا کہ صاحب قدوری نے ذکر فرمایا ہے۔

خلاصہ..... حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں پیشانی کا تھوڑا سا حصہ بھی زمین سے لگانے سے فرض سجدہ ادا ہوجاتا ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں اکثر حصہ رکھنا واجب ہے اسی طرح پاؤں کی ایک انگلی رکھنے سے بھی فرض ادا ہوجائے گا، لیکن اگر کسی نے ایک انگلی بھی نہ رکھی تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔

اکثر حنفیہ کے ہاں سجدے کا دوبارہ کرنا شرعی حکم ہے، جس کا معنی عقل کے ادراک سے بالا ہے اور یہ امتحان ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں عمامہ (پگڑی) کے اس حصہ پر سجدہ کیا جو پیشانی پر ہے یا فاضل لٹکنے والے کپڑے پر سجدہ کیا تو یہ جائز ہے لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کہ ہم سخت گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے جب ہم میں سے کوئی گرم زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا تو کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا۔ اس کی وجہ سے بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

دوران نماز گھٹنوں کے ننگا کرنے کے واجب نہ ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ جیسا کہ پاؤں اور ہاتھوں کو ننگا کرنا واجب نہیں لیکن (ہاتھوں اور پاؤں کو) ننگا کرنا سنت ہے تاکہ اختلاف سے نکل جائیں۔

ہاتھوں کے ننگا نہ کرنے کے جائز ہونے کی دلیل حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہمیں مسجد بنی الاشہل میں آپ نے نماز پڑھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ دوران سجدہ آپ کے ہاتھ کپڑے میں تھے۔

شوافع کی رائے..... شوافع کے ہاں اگر کسی شخص نے ایسے لمبے کپڑے پر سجدہ کیا جو اس کے جسم کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کی حرکت سے وہ حرکت نہیں کرتا جیسے لمبی آستین یا عمامہ وغیرہ تو یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ الگ کپڑے کے حکم میں ہے۔ لیکن اگر وہ کپڑا نمازی کی حرکت مثلاً قیام، قعدہ وغیرہ سے وہ حرکت کرے جیسے کندھے پر رکھا ہوا رومال وغیرہ تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔

اب اگر اس نے اس پر جانتے ہوئے سجدہ کیا تو نماز باطل ہوجائے گی اور اگر بھول کر یا نہ جانتے ہوئے سجدہ کیا تو نماز باطل نہیں ہوگی البتہ سجدے کا اعادہ کرے۔

اسی طرح جسم سے لگے ہوئے ایسے کپڑے پر سجدہ کیا جو اس کی حرکت سے حرکت نہیں کرتا تو اس کی نماز درست ہوگی۔

وہ روایات جن میں عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے ان کو شوافع نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یا ان کو وہ حالت عذر پر محمول کرتے ہیں۔

سات اعضاء پر سجدہ..... شوافع اور حنابلہ حدیث میں مذکور سات اعضاء پر سجدہ واجب ہونے میں اتفاق کے باوجود ناک کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں شوافع کے ہاں ناک کو پیشانی کے ساتھ رکھنا مستحب ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں ناک کا کچھ حصہ رکھنا واجب ہے۔

شافعیہ اس بات کی شرط بھی لگاتے ہیں کہ ہتھیلی اور پاؤں کی انگلیوں کا اندرونی حصہ پر سجدہ ہونا چاہئے یعنی پیشانی کی طرح باقی سات اعضاء کا کچھ کچھ حصہ رکھنا کافی ہے اور ہاتھوں میں اندرونی حصہ کا اعتبار ہے چاہے انگلیاں ہوں یا ہتھیلی اور پاؤں میں انگلیوں کے اندرونی حصہ کا اعتبار ہے اوپر والا حصہ یا انگلیوں کے کنارے سے سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔

اطمینان سے سجدہ کرنا..... نمازی کے لئے اطمینان سے سجدہ کرنا جمہور کے ہاں فرض اور حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔ دلیل مسئی صلاۃ والی روایت ہے جس میں ہے: پھر اطمینان سے سجدہ کرو شوافع کے ہاں بھی واجب ہے۔ بایں طور کے سر کا بوجھ سجدہ کی جگہ پر ہو مذکورہ حدیث کی وجہ سے کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنی پیشانی کو زمین پر رکھو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر روئی یا گھاس وغیرہ نیچے ہو تو وہ ادھر اُدھر نہ کرو بلکہ اس کا اثر ہاتھ میں ظاہر ہونا چاہیے۔

مزید خلاصہ......سابقہ تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شوافع کے ہاں سجدہ کے صحیح ہونے کے لئے اطمینان شرط ہے اور پیشانی کا ننگا ہونا جب کہ جمہور کے ہاں اس قسم کی کوئی شرط نہیں۔اسی طرح پیشانی پر سجدہ کرنا بالاتفاق جب کہ حنفیہ کے ہاں پیشانی کے ساتھ ساتھ پاؤں پر بھی سجدہ ضروری ہے۔اسی طرح دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں حنابلہ اور شوافع کے ہاں ساتھ ملانے ضروری ہیں جب کہ حنابلہ کے ہاں ناک رکھنا بھی ضروری ہے۔نیز سجدہ ایسی چیز پر ہونا چاہیے جس پر پیشانی ٹھہر سکے اسی طرح تنکس یعنی سر نیچے ہو اور سرین وغیرہ اونچی البتہ اگر بھیڑ زیادہ ہو تو کسی دوسرے نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کیا جا سکتا ہے۔اس بات کی وضاحت حنفیہ اور شوافع نے کی ہے۔نیز شوافع کے ہاں سجدے کا ارادہ بھی ہونا چاہئے۔

اگر کوئی شخص پیشانی کے بل گر گیا تو دوبارہ اس پر اعتدال سے سجدہ ضروری ہے۔

سجدے کا مسنون طریقہ......جمہور کے ہاں سجدے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی سب سے پہلے زمین پر اپنے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ، پھر پیشانی پھر ناک، اور اٹھاتے وقت پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے۔دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔فرماتے ہیں جب آپ علیہ السلام نے سجدہ فرمایا تو میں آپ کو دیکھ رہا تھا، آپ نے اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے اور جب آپ اٹھے تو ہاتھ پہلے اٹھائے گھٹنوں سے ❶ ہاں اگر کسی نے اس ترتیب کا عکس کر دیا تو جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے اگر عذر سے کیا تو کچھ بھی نہیں۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث جو امام مالک کے مذہب میں آرہی ہے اس سے اصح ہے۔

مالکیہ کے ہاں سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھنا مستحب ہے جب کہ سجدے سے قرأت کے لیے اٹھتے وقت گھٹنے پہلے اور ہاتھ بعد میں اٹھانا مستحب ہے۔ان کی دلیل حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے۔کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے۔

اس طرح نہ بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے بلکہ پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھنے چاہئیں۔❷

ابن سید الناس پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھنے والی احادیث کو راجح قرار دیتے ہیں۔

جب کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دونوں مذہبوں میں سے کسی ایک کی ترجیح میرے ہاں ظاہر نہیں۔

نماز کی جگہ......مالکیہ کے ہاں زمین یا نباتات زمین کے علاوہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔حنابلہ کے ہاں اگر برف کا اتنا حجم ہو کہ اعضاء سجود ٹھہر سکیں تو برف پر حائل اور بغیر حائل دونوں طرح نماز پڑھنا صحیح ہے۔جیسا کہ گھاس اور رنگین روئی کا اگر حجم ہو تو اس پر نماز پڑھنا صحیح ہے۔لیکن اگر برف وغیرہ کا حجم نہ ہو یعنی اس پر پیشانی ٹھہر نہیں سکتی تو نماز درست نہیں۔❸

۷۔دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا......دوسجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا جمہور کے ہاں رکن اور فرض ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔دلیل مسئی صلاۃ والی روایت ہے کہ پھر سجدے سے سر اٹھائے اور اطمینان سے بیٹھے اور صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ نہ کرتے جب تک اطمینان سے بیٹھ نہ جاتے۔❹

شوافع نے ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے کسی چیز سے ڈر کر نہ اٹھا ہو اگر کسی چیز سے ڈر کر اٹھا تو یہ کافی نہ ہوگا۔

دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کو نہ زیادہ طویل کرے اور نہ زیادہ اعتدال کرے کیونکہ یہ دونوں مختصر رکن ہیں جو بذات خود مقصود نہیں بلکہ دو سجدوں کے درمیان حد فاصل کی حیثیت سے ہیں۔

دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کا مسنون طریقہ:

بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ بائیں پاؤں کو بچھالے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اس پاؤں کی انگلیوں کا اندرونی

❶......نیل الاوطار: ۲/۲۵۳۔ ❷ نیل الاوطار: ۲/۲۵۵ ❸ کشاف القناع ۱/۳۴۶۔ ❹ ردالمحتار ۱/۴۳۲۔

حصہ زمین کی طرف رکھے تا کہ اس کے پاؤں کے اطراف قبلہ کی طرف ہوں اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقے میں یہ بات آ رہی ہے کہ پھر آپ نے بایاں پاؤں بچھایا اور اس پر بیٹھ گئے پھر اتنا اعتدال کیا کہ تمام ہڈیاں اپنی جگہ پر واپس آ گئیں پھر دوسرے سجدے کے لیے جھکے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔ ❶

اور ہاتھوں کو رانوں پر گھٹنوں کے قریب رکھے نیز دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھے۔

۸۔ **قعدہ اخیرہ**...... آٹھواں رکن قعدہ اخیرہ مقدار تشہد ہے یہ حنفیہ کے ہاں عبدہٗ ورسولہٗ تک صحیح قول کے مطابق فرض ہے پس اگر مقتدی، امام کی فراغت سے پہلے فارغ ہو گیا اس نے کوئی بات کی یا کھا پی لیا تو اس کی نماز مکمل ہے۔

جب کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اللھم صل علی محمد درود شریف کی مقدار تک فرض و رکن ہے اور مالکیہ کے ہاں سلام کہنے تک کی مقدار بیٹھنا رکن ہے۔ ❷

یہ بات یاد رہے کہ تشہد اول حنفیہ کے ہاں تشہد اخیر کی طرح واجب ہے جب کہ جمہور کے ہاں سنت ہے۔ جیسا کہ درود شریف تشہد اخیر میں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سنت ہے۔

حنفیہ کی دلیل...... حنفیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد سکھایا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جب آپ یہ کہہ چکے یا یہ کر چکے تو آپ کی نماز مکمل ہے۔ یعنی جب تشہد پڑھ لیا یا قعدہ کر لیا تو تمہاری نماز مکمل ہے ❸ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے خاتمے کو دو چیزوں میں سے ایک سے معلق فرمایا ہے اور وہ تشہد پڑھنا اور قعدہ ہے اب فعل سے معلق کرنا جو کہ بیٹھنا ہے چاہے تشہد پڑھے یا نہ پڑھے۔ کیونکہ تشہد کا پڑھنا قعدے کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد قعدہ کے علاوہ نہیں پڑھا۔ گویا نماز کے اختتام کو صرف قعدے ہی سے معلق کیا گیا ہے حقیقتاً کیونکہ یہ قرأت کے لیے لازم ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو کسی چیز پر معلق ہو وہ اس چیز کے بغیر نہیں پائی جا سکتی اور یہ بات ہے کہ نماز کا مکمل کرنا واجب یا فرض ہے اور نماز کی تکمیل قعدے کے علاوہ نہیں ہو سکتی۔ پس قعدہ فرض ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو سکتا ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ خبر واحد ہے اس کے ذریعے فرضیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے تو بات یہ ہے کہ یہ اصل میں بیان ہے قرآن کریم کے مجمل کا۔ اور ظنی چیز بیان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بخلاف سورہ فاتحہ کا پڑھنا نص قرآن کی موجودگی میں کیونکہ وہاں نص قرآنی مجمل نہیں بلکہ خاص ہے لہٰذا اس پر خبر واحد سے زیادتی نسخ ہوگی جو کہ جائز نہیں۔

مالکیہ کی دلیل: مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ تشہد اور قعدہ واجب نہیں کیونکہ سہو کی وجہ سے دونوں ساقط ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ سنن کے مشابہ ہیں۔

شوافع اور حنابلہ کا استدلال...... شوافع اور حنابلہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ کیا ہے اور اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی ہے اور تشہد کا حکم بھی فرمایا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ تم التحیات للہ پڑھو نیز جب آپ سے یہ قعدہ رہ گیا تو آپ نے اس کے لیے سجدہ سہو بھی کیا۔ اور آپ ہی کا فرمان ہے کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھا کرو۔

---

❶...... نصب الراية: ۱/۴۱۸۔ ❷ فتح القدير: ۱/۱۱۳۔ ❸ نيل الاوطار: ۲/۲۹۸۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک ہم پر تشہد فرض نہیں کیا گیا تھا تو ہم کہتے تھے: السلام علی اللہ قبل عبادہ اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو جبرائیل میکائیل وغیرہ پر سلام ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ السلام علی اللہ نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تو سلام (یعنی سلامی والے) ہیں بلکہ التحیات للہ کہا کرو۔ ❶

اس روایت سے دو طرح سے استدلال ہو رہا ہے۔ اس میں تشہد کو فرض کیا گیا ہے۔ اس کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آخری قعدہ ہی میں ہے، باقی تشہد کے لیے بیٹھنا تو چونکہ یہ اس کا محل ہے لہٰذا اس کے تابع ہوگا۔

درود کی فرضیت...... علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ درود شریف نماز کے علاوہ واجب نہیں لہٰذا تشہد اخیر میں واجب ہے۔ نیز حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کی کہ ہم آپ پر سلام بھیجنا تو جانتے ہیں لیکن درود کس طرح پڑھیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کہو۔ ❷

اور ایک روایت میں ہے کہ جب ہم نماز میں ہوں تو آپ پر کس طرح درود شریف پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ درود بتایا۔ ❸

تشہد اخیر ہی درود شریف کے لیے مناسب ہے لہٰذا اسی میں واجب ہے یہاں یہ بات یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز میں درود پڑھا ہے جیسا کہ ابوعوانہ نے اپنی کتاب میں اس کو ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف آپ کا یہ ارشاد پیش نظر رہنا چاہیے صلوا کما رأیتمونی اصلی لہٰذا وجوب سے یہ نہیں نکل سکتا۔

اس طرح وجوب پر ترمذی کی روایت بھی دلالت کرتی ہے اور امام ترمذی نے اس روایت حسن کو صحیح قرار دیا ہے کہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ تشہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے سب سے قوی دلیل وجوب پر حاکم اور بیہقی کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں تشہد پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اللھم صل علی محمد...... پڑھے۔

تشہد اول میں شوافع کے ہاں درود شریف پڑھنا راجح قول کے مطابق سنت ہے چونکہ تشہد اول میں تخفیف ہے۔ نیز اس میں آل پر درود سنت نہیں۔ البتہ آل (بنو ہاشم اور بنو مطلب) پر تشہد اخیر میں درود سنت ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ آل پر بھی درود واجب ہے کیونکہ حدیث میں قولوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

تشہد اخیر میں بیٹھنے کا طریقہ

حنفیہ کے ہاں...... حنفیہ کے ہاں جس طرح دو سجدوں کے درمیان بائیاں پاؤں بچھا کر دائیاں کھڑا رکھ کر بیٹھا جاتا ہے اسی طرح قعدہ اخیرہ میں بھی بیٹھا جائے۔ چاہے وہ تشہد نماز کا آخری ہو یا نہ ہو۔

دلیل حضرت ابوحمید الساعدی کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بائیاں پاؤں بچھا کر اور دائیں پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف کر کے بیٹھے۔ ❹

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ آیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ دیکھوں جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے تو آپ نے بائیاں پاؤں بچھالیا اور دائیاں پاؤں کھڑا کر لیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا۔ ❺

---

❶......رواہ الدارقطنی ❷ متفق علیہ ❸ رواہ الدارقطنی والحاکم۔ ❹ رواہ البخاری وھو حدیث صحیح حسن (نیل الاوطار: ۲/۲۷۵) ❺ رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح نیل الاوطار: ۲/۲۷۳)

مالکیہ کے ہاں...... مالکیہ کے ہاں قعدہ اولیٰ واخیرہ دونوں میں تورک کرے ❶ (یعنی دونوں پاؤں دائیں طرف نکال لے دونوں سرین زمین پر رکھے) دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اولیٰ اور اخیرہ میں تورک کرتے تھے۔❷

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... حنابلہ اور شوافع کے ہاں تشہد اخیر میں تورک سنت ہے تورک، افتراش کی طرح ہی ہے البتہ بایاں پاؤں دائیں طرف نکالے اور اپنی سرین کو زمین سے ملالے۔ دلیل ابوحمید الساعدی کی روایت ہے جب وہ رکعت ہوتی جس میں نماز مکمل ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں پاؤں کو پیچھے کرتے اور سرین پر بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔❸

تورک...... نماز میں تورک بائیں سرین پر بیٹھنے کو کہتے ہیں جس طرح کہنیاں بازوؤں سے اوپر ہوتی ہیں اسی طرح سرین رانوں سے اوپر کا حصہ ہے۔

حنابلہ کا کہنا ہے کہ صبح کے تشہد میں تورک نہ کرے کیونکہ یہ وہ دوسرا تشہد نہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورک کیا تھا، چونکہ دونوں تشہدوں میں فرق کی لئے آپ نے ایسا کیا لہٰذا جس نماز میں ایک تشہد ہو اس میں کوئی اشتباہ نہیں لہٰذا فرق کی ضرورت بھی نہیں۔

خلاصہ کلام...... تشہد ثانی میں تورک جمہور کے ہاں سنت ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں سنت نہیں۔

الفاظ تشہد...... تشہد کے لیے دو طرح کے صیغے منقول ہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں الفاظ تشہد...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ❹ تشہد کے الفاظ درج ذیل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سکھائے تھے۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ❺

مالکیہ کے ہاں الفاظ تشہد...... مالکیہ کے ہاں حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ والا تشہد افضل ہے جس کی ابتداء درج ذیل الفاظ سے ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، اَلزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَلصَّلَوٰاتُ لِلّٰهِ

اس کے بعد باقی عبداللہ ابن مسعود والا تشہد ہے۔

شافعیہ کے ہاں...... شوافع کے ہاں ❻ تشہد کے کم سے کم الفاظ یہ ہیں:

اَلتَّحِيَّاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

جب کہ مکمل اور کامل تشہد وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والا ہے جس میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح تشہد سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے اس کے الفاظ یہ ہیں:

اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

---

❶...... الشرح الصغير: ۱/ ۳۲۹۔ ❷ المغنی: ۱/ ۵۳۳۔ ❸ نيل الاوطار: ۲/ ۱۸۴۔ ❹ فتح القدير ۱/ ۲۲۱۔ ❺ رواه الجماعة (نيل الاوطار ۲/ ۲۷۸) ❻ مغنی المحتاج ۱/ ۱۷۴

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ❶

الفاظ تشہد کے معانی...... "التحیات للہ" کا معنی: (قولی عبادتیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کیونکہ مخلوق سے جو بھی ثنا ہوتی ہے اس کا وہ مالک مستحق ہے نیز یہ تحیۃ کی جمع ہے جس سے بقاء عظمت بادشاہت اور کہا گیا ہے سلامتی مراد ہے۔ المبارکات بڑھنے والی الصلوات عبادات فعلیہ نماز پنج گانہ وغیرہ، الطیبات اعمال صالحہ۔ السلام کے دو معنی ہیں:

۱..... اللہ تعالیٰ کا نام آپ پر ہیں۔

۲..... یا وہ سلامتی اور سلام جو انبیاء اور رسولوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے آپ پر ہو "علینا" یعنی حاضرین نماز امام مقتدی فرشتوں وغیرہ پر العباد عبد کی جمع ہے بندے۔ الصالحین صالح کی جمع ہے نیک جو حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے والے ہیں۔ رسول اللہ کا مطلب جو اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی خبریں لوگوں تک پہنچاتے ہیں

تشہد کو تشہد اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں شہادتین پڑھی جاتی ہیں۔

قعدہ اخیرہ میں درود شریف...... درود شریف کی کم سے کم مقدار جو شوافع اور حنابلہ کے ہاں فرض ہے تشہد اخیر میں وہ یہ ہے کہ اللھم صل علی محمد کیونکہ قرآن کریم کی آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب ۳۳/۵۶) سے یہی ظاہر ہے، اور یہ آیت وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ امر وجوب کے لیے ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ تشہد میں سلام السلام علیک کے الفاظ کی صورت میں موجود ہے۔ اور آل پر درود سنت ہے۔

اور مکمل درود کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ان الفاظ اور صیغوں کے ساتھ درود شریف بخاری اور مسلم شریف میں موجود ہیں بلکہ بہت سارے راویوں نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ سکھایا ہے لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ تو آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہو۔ ❷

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں درود شریف پڑھنا سنت ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

عربی الفاظ میں تشہد...... تشہد اور تمام اذکار منقولہ کا عربی میں ہونا اور پے در پے ہونا شرط ہے۔ لہٰذا جو عربی میں تشہد وغیرہ کہہ سکتا ہے اس کے لیے بغیر عربی تشہد درود وغیرہ۔ پڑھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے تحت ہم نے ذکر کیا ہے۔ البتہ گونگے کی طرح جس شخص کو پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو سیکھنے تک اس کو اجازت ہے۔ جو شخص تشہد اور درود سیکھنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس پر سیکھنا لازم ہے کیونکہ یہ سیکھنا فرض عین ہے۔ لہٰذا قرأت کی طرح اس کا یاد کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی نے سیکھنے کی قدرت ہونے کے باوجود سیکھنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لی تو نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ اگر وقت ختم ہونے یا سیکھنے پر قادر نہیں تو جتنا ممکن ہے اتنا پڑھ لے۔ ضرورۃً اس کی اجازت ہے لیکن اگر اچھی

❶..... نیل الاوطار ۲/ ۲۸۱۔ ❷ نیل الاوطار: ۲/ ۲۸۴ وما بعد، تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۰۷۔

طرح پڑھنے پر قادر نہیں تو اس کے ذمہ سے تشہد پڑھنا ساقط ہے۔ ❶

۹۔ سلام...... نواں رکن سلام ہے۔ پہلا سلام قعدہ کی حالت میں نماز سے نکلنے کے لیے مالکیہ اور شوافع کے ہاں فرض ہے۔ دونوں سلام حنابلہ کے ہاں فرض ہیں ❷ البتہ نماز جنازہ نفل نماز سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر میں ان کے ہاں ایک سلام سے بھی فرض پورا ہو جائے گا۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں پہلے سلام سے نماز مکمل ہو جائے گی جب کہ حنابلہ کے ہاں دوسرے سلام سے مکمل ہوگی۔

ان سب حضرات کی دلیل:

۱..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نماز کی چابی پاکیزگی (طہارت) ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل سلام ہے۔ ❸

۲..... آپ علیہ السلام نماز سے سلام کے ذریعے نکلتے تھے ❹ اور اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی ہے کبھی چھوڑا نہیں۔

۳..... آپ کا ارشاد ہے:

صلوا کما رأیتمونی اصلی

ابن منذر فرماتے ہیں کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے نماز سے نکلنے کے لیے ایک سلام پر اکتفا کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ ❺

خروج بصنع المصلی...... حنفیہ ❻ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے پیش نظر جس میں ہے ''اذا قضیت ھذا تمت صلاتك'' نمازی کے فعل کو فرض قرار دیتے ہیں اور لفظ سلام سے نکلنا ان کے ہاں فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب بھی ایک نہیں دونوں سلام ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص قعدہ میں مقدار تشہد بیٹھا پھر نماز سے سلام کلام کام یا حدث کے ذریعے نکلا تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسی صلاۃ والی حدیث میں سلام کا ذکر نہیں نیز حنفیہ کے ہاں پہلے سلام میں السلام کے الفاظ سے آدمی نماز سے نکل جاتا ہے۔

سلام کے فرض نہ ہونے اور قعدہ اخیرہ مقدار تشہد فرض ہونے پر دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص والی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام نے نماز پوری کی اور قعدہ کیا پھر بات کرنے سے پہلے اپنے آپ کو بے وضو کر دیا تو اس کی نماز مکمل ہوگی اور اور مقتدیوں کی نماز بھی مکمل ہوگی ❼ اس حدیث کی تائید ابن عباس والی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، جس شخص نے تشہد سے فارغ ہو کر اپنے آپ کو بے وضو کر دیا تو اس کی نماز مکمل ہوگی۔ ❽

سلام کے صیغے (الفاظ)

حنفیہ کے ہاں...... حنفیہ کے ہاں واجب سلام کے لئے کم سے کم دو مرتبہ (دونوں طرف) السلام کے الفاظ ہیں نہ کہ علیکم بھی۔ جب کہ مکمل اور سنت یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ (دونوں طرف) دو مرتبہ کہے۔

امام سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں فرشتوں مسلمان انسانوں اور جنوں کی نیت کرے سلام میں تخفیف اور جلدی مسنون ہے احمد اور ابوداؤد میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے کہ سلام میں حذف سنت ہے ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مدنہ کرے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں کم سے کم مقدار السلام علیکم ہے شوافع کے ہاں ایک طرف جب کہ حنابلہ کے ہاں دو مرتبہ دائیں بائیں اس طرح کے پہلی مرتبہ دائیں رخسار اور دوسری مرتبہ بائیں رخسار کی سفیدی نظر آئے۔

---

❶..... المغنی: ۱/۵۴۵۔ ❷ القوانین الفقهیة: ص ٦٦۔ ❸ النظم المتنا ثر: ص ۵۷۔ ❹ نیل الاوطار ۱/۲۹۲۔ ❺رواه البخاری۔ ❻ فتح القدیر: ۱/۲۲۵ الدر: ۱/۴۱۸۔ ❼رواه الترمذی (نصب الراية: ۲/٦۳) ❽رواه ابونعیم الاصفهانی و ابن ابی شیة والبیهقی (نصب الراية ۲/٦۳)

جبکہ مکمل سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔اس سلام میں امام دائیں بائیں فرشتوں انسانوں جنوں اور مقتدیوں کی نیت کرے۔اور مقتدی امام کے سلام کے جواب اور باقی مقتدیوں کی نیت کریں۔شوافع کے ہاں جو مقتدی امام کی دائیں جانب ہیں وہ دوسرے سلام میں اور جو امام کی بائیں جانب ہیں وہ پہلے سلام میں جب کہ جو امام کے برابر میں پیچھے ہیں وہ دونوں سلاموں میں سے جس میں چاہیں امام کی نیت کریں۔

اس بات کی دلیل حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم امام کو سلام کا جواب دیں۔اور ہم میں سے بعض بعض پر سلام کریں۔ ❶

سلام نیت......حنفیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے جواب کے لئے اگر امام مقتدی کی دائیں جانب ہے تو پہلے سلام میں اور اگر اس کی بائیں جانب ہے تو دوسرے سلام میں جب کہ اگر وہ مقتدی کے بالمقابل ہے تو دونوں سلاموں میں امام کے جواب کی نیت کرے اور منفرد کے لیے صرف فرشتوں کی نیت سنت ہے۔

وبرکاتہ کا اضافہ......معتمد قول کے مطابق وبرکاتہ کا اضافہ کرنا مستحب نہیں نہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اور نہ حنفیہ کے ہاں۔ان سب کی متفقہ دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں جانب سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرماتے تھے اور آپ کے رخساروں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

اگر کسی نے سلام کے الفاظ کو الٹ دیا علیکم السلام کہا یا سلام علیکم کہا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا جائز نہیں۔

نماز سے نکلنے کی نیت......صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں نماز سے نکلنے کی نیت واجب نہیں جیسا کہ ساری عبادات میں ہے۔اس لیے بھی کہ نیت تو تمام نماز سے پہلے ہوتی ہے، البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے سنت ہے۔یہی مالکیہ کا مشہور اور معتمد قول ہے اور حنابلہ کے ہاں دونوں سلاموں میں نماز سے نکلنے کی نیت مسنون ہے جس طرح تکبیر تحریمہ سے نماز کا امتیاز وتمیز ہوتی ہے اس طرح خروج میں بھی اگر نیت نہ کی تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن امام احمد سے منقول صحیح قول یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہوگی۔اسی طرح امام مقتدی وغیرہ کا ایک دوسرے پر سلام کی نیت بھی مستحب نہیں۔

اگر کسی نے محافظ فرشتوں، امام یا مقتدیوں پر سلام کی نیت کی تو یہ جائز ہے حضرت سمرہ بن جندب والی سابقہ حدیث کی وجہ سے۔

بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ پہلے سلام سے نماز سے نکلنے کی نیت کرے جب کہ دوسرے سلام سے اگر امام ہے تو فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرے اور اگر مقتدی ہے تو امام اور فرشتوں کی نیت کرے۔

مالکیہ کے ہاں الفاظ سلام......مالکیہ کے ہاں کم سے کم الفاظ السلام علیکم ہیں جب کہ سلام علیکم کہنا بھی جائز ہے۔اور مکمل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے۔دلیل ابوداؤد میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت اسی طرح صحیح ابن حبان میں اور ابن ماجہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ❷

مشہور یہ ہے کہ مالکیہ کے ہاں مقتدی تین سلام کرے ایک کے ذریعے نماز سے نکلے، دوسرا امام کے جواب میں تیسرا اگر بائیں طرف کوئی ہے تو اس کے جواب میں۔

مقتدی کا اپنے امام کو جواب دینا مسنون ہے اور اگر بائیں طرف کوئی ایسا شخص ہے جو ایک رکعت یا زیادہ میں اس کے ساتھ شریک رہا تو اس کی نیت کرے البتہ ایک رکعت سے کم والے کی نہیں۔

مالکیہ اور شوافع کی ایک سلام کے اکتفاء پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام پھیرا

---

❶......رواہ احمد وابوداؤد۔ ❷ نیل الاوطار: ۲/۲۹۴

کرتے تھے اسی طرح سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سلام پھیرتے ہوئے دیکھا۔ ❶ اس لیے بھی کہ پہلے سلام سے وہ نماز سے نکل جاتا ہے۔ تو اس کے بعد سلام مشروع نہیں جیسا کہ دوسرے سلام کے بعد مشروع نہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں دونوں سلاموں کے واجب ہونے کی دلیل ایک تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث ہے اور دوسری حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ والی روایت مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے ہر ایک لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنی ران پر ہاتھ رکھے پھر دائیں بائیں ساتھیوں پر سلام کرے۔

۱۰۔ متعین افعال میں اطمینان...... دسواں رکن مخصوص افعال میں سکون واطمینان ہے۔ جمہور کے ہاں تعدیل ارکان (ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا، رکن یا رکن کی شرط ہے رکوع، قومہ، سجدہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں۔ جب کہ حنفیہ کے ہاں تعدیل ارکان واجب ہے۔

دلیل مسئی صلاۃ والی حدیث ہے جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھو پھر اطمینان سے رکوع کرو پھر قومہ اطمینان سے اس طرح کرو کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر اسی طرح ساری نماز ادا کرو ❷ اس میں تعدیل ارکان کا حکم ہے۔

نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع سجود مکمل ادا نہیں کر رہا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا: تم نے نماز نہیں پڑھی، اگر تم مر گئے تو اس فطرت پر نہیں مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے ❸ پوری نماز میں یہ رکن ہے۔

اطمینان کی تعریف...... اطمینان حرکت کے بعد سکون یا دو حرکتوں کے درمیان سکون کو کہتے ہیں کہ اس سے حرکت اور سکون میں فرق ہو مثلاً اٹھنا۔ اطمینان کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ رکوع میں اعضاء قرار پکڑ لیں مثلاً: قومہ جھکنے سے الگ ہو جائے جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے اور یہ واجب ذکر کی مقدار ہے اس کے لیے جسے یاد ہو۔ اور بھولنے والے کے لیے تھوڑا سا سکون ہے جیسا کہ بعض حنابلہ کا مذہب ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ تھوڑا سا سکون ہی اطمینان ہے۔ یا ایک تسبیح کی مقدار رکوع وسجود وغیرہ میں اعضاء کو سکون ہونا جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے یا اعضاء کا قرار پکڑنا ہے تمام ارکان نماز میں جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے۔

۱۱۔ ارکان نماز کو ترتیب سے ادا کرنا...... گیارہواں رکن مسنون طریقے پر ترتیب سے ارکان کو ادا کرنا۔ جمہور کے ہاں ترتیب رکن ہے۔ حنفیہ کے ہاں ❹ قرأت اور جو چیز دو بار ہے ہر رکعت میں اس میں واجب ہے اور پوری نماز یا ہر رکعت میں جو چیز دو بار نہیں اس میں ترتیب فرض ہے جیسے: قیام رکوع سجدہ وغیرہ۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں پہلے نیت کرنا پھر تکبیر پھر فاتحہ پھر رکوع پھر قومہ پھر سجدہ پھر سلام اور تشہد اخیر درود سے پہلے پڑھنا۔

دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ترتیب سے ادا فرمائی ہے نیز مسئی صلاۃ کو تم کے ذریعے ترتیب سے نماز سکھائی ہے اس لیے بھی کہ یہ عبادت ہے مدت سے باطل ہو جائے گی جمہور کے ہاں تو گویا ترتیب بھی باقی ارکان کی طرح رکن ہے۔

جمہور کے ہاں ترتیب رکن ہے اس لیے اس پر یہ مسائل مرتب ہوں گے جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا ہے اگر کسی نے ترتیب کو عمداً چھوڑ دیا بایں طور کہ رکوع سے پہلے سجدہ کر لیا تو اجماعاً اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر ترتیب بھول گیا تو بھولنے کے بعد والے افعال بیکار ہوں گے کیونکہ اپنی جگہ پر ادا نہیں ہوئے اب اگر ترتیب چھوڑے ہوئے ارکان دوسری رکعت کے برابر تک پہنچ گئے تو جب یاد آ گئے فوراً ان کو ادا کر لے

❶...... رواهما ابن ماجه۔ ❷ نیل الاوطار: ۲/ ۲۶۴۔ ❸ رواه البخاری۔ ❹ الدر المختار: ۱/ ۴۲۹۔ ۴۳۱۔

اگر پھر مؤخر کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور اگر یاد نہ آیا حتیٰ کہ دوسری رکعت کے مثل تک متروک افعال پہنچ گئے تو اس کی رکعت پوری ہو جائے گی اور باقی نماز پوری کرے۔

اگر کسی کو یقین ہو گیا کہ اس نے آخری رکعت کا سجدہ چھوڑا ہے تو وہ سجدہ کرے پھر تشہد دوبارہ پڑھے۔ اگر سجدہ آخری رکعت کا نہیں یا اس کو شک ہو گیا کہ آخری رکعت کا سجدہ رہ گیا ہے تو اس پر ایک رکعت پڑھنا ضروری ہے کیونکہ ناقص تو مکمل ہو گی اس سجدے کے ذریعے جو اس کے بعد والی رکعت میں اس نے کیا اور باقی نماز لغو ہو گی۔

اگر کوئی دوسری رکعت کے لیے اٹھا اور اس کو یاد آیا کہ اس نے پہلی رکعت کا سجدہ چھوڑ دیا ہے اب اگر وہ بیٹھا تھا اس سجدے کے بعد جس کو چھوڑ کر کھڑا ہوا ہے چاہے استراحت کے لیے ہی بیٹھا ہو تو فوراً سجدہ کر لے۔ اور اگر پہلے بیٹھا نہیں تھا تو پھر پہلے اطمینان سے بیٹھے پھر سجدہ کرے۔

اگر کسی کو چار رکعت والی نماز کے آخر میں یاد آیا کہ اس سے دو یا تین سجدے رہ گئے ہیں اور کون سے رہے ہیں یہ بھی معلوم نہیں۔ تو اس شخص پر دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے کم سے کم فرض کی مقدار کو لیتے ہوئے (دو رکعتیں واجب ہیں) پہلی رکعت مکمل ہو جائے گی دوسری رکعت کے سجدے سے اور باقی لغو اور تیسری رکعت مکمل ہو جائے گی چوتھی رکعت کے سجدے سے اور باقی لغو ہو جائیں گی۔

اگر کسی کو معلوم ہوا کہ اس سے چار سجدے رہ گے ہیں تو اس پر ایک سجدہ اور دو رکعتیں پڑھنا لازم ہے اور اگر پانچ یا چھ سجدے رہ گئے تو اس پر تین رکعتیں لازم ہیں۔ اور اگر سات سجدے رہ گئے تو ایک سجدہ اور تین رکعتیں لازم ہیں۔

اگر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ کوئی رکن رہ گیا ہے تو اب اگر وہ رکن نیت تکبیر تحریمہ ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی اور رکن ہے تو پھر جب تک زیادہ دیر یا منافی نماز مثلاً نجاست وغیرہ کو ہاتھ نہیں لگایا تو سابقہ نماز ہی پر بناء کرے۔

تھوڑی دیر تک قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور تھوڑی بہت بات چیت کرنے سے بناء پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ نماز میں ان دونوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن اگر فصل زیادہ ہو گیا تو پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔

حنفیہ کے ہاں ہر رکعت میں دوبارہ آنے والے افعال واجب ہونے کی وجہ سے درج ذیل مسائل مرتب ہوں گے۔ اور کسی نے سجدہ کیا پھر رکوع کیا تو اس کے سجدے کا اعتبار نہیں بلکہ اور سجدہ کرنا ضروری ہے اگر سجدہ کر لیا تو نماز درست ہو جائے گی کیونکہ مطلوبہ ترتیب حاصل ہو گئی۔ اور سجدہ سہو لازم ہو گا کیونکہ فرض سجدے کو مقدم کیا ہے۔

اگر کسی نے قعدہ اخیرہ کیا اور اس کو نماز کا کوئی سجدہ یاد آ گیا تو یہ سجدہ کرے پھر قعدہ دوبارہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ قعدہ اخیرہ اور اس سے قبل سجدہ وغیرہ میں ترتیب واجب تھی۔ اور قعدہ اخیرہ نماز کے سجدہ کے رہ جانے یا سجدہ تلاوت کے رہ جانے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا۔

اگر کسی سے رکوع رہ گیا تو بعد والے سجدوں کے ساتھ اس کی قضاء کرنا اور اگر کسی کو قرأت یا قیام یاد آ گیا تو وہ ایک رکعت پڑھے۔

اگر پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا تو سلام کے بعد قیام سے پہلے پہلے جب یاد آ جائے تو اس کی قضاء کرے پھر تشہد پڑھے پھر سجدہ سہو کرے پھر تشہد یعنی التحیات عبدہٗ ورسولہٗ تک پڑھے۔

چھٹی فصل.....سنن نماز، نماز کا طریقہ، مکروہات اور نماز کے بعد کے اذکار کا بیان

اس فصل میں سات مباحث ہیں:

نماز کی سنتوں کی دو قسمیں ہیں: ا۔ نماز کے اندر کی سنتیں ۲۔ نماز سے باہر کی سنتیں جیسے: مسواک کرنا، نمازی کا بدن کو ڈھانپنا وغیرہ جن کی تفصیل آ رہی ہے۔

پہلی بحث: نماز کے اندر کی سنتیں..... نماز کی سنتیں وہ اقوال وافعال ہیں جن سے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر عذاب نہیں البتہ سرزنش اور ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر سنت رہ جائے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی نہیں کی جاتی اور جان بوجھ کر چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

سنت کی تعریف..... حنفیہ نے ❶ سنت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ افعال جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور بغیر عذر کے کبھی چھوڑا نہ ہو جیسے ثناء پڑھنا تعوذ رکوع اور سجود کی تکبیریں وغیرہ۔ حنفیہ کے ہاں نماز کی کچھ سنتیں اور کچھ آداب ہیں۔

آداب کی تعریف..... وہ فعل جس کو آپ علیہ السلام نے ایک دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر ہمیشگی اختیار نہ فرمائی ہو جیسے: رکوع اور سجدے میں تین سے زیادہ تسبیحات مسنون قرأت سے زیادہ قرأت وغیرہ۔ یہ آداب سنتوں کی تکمیل کے لئے ہیں۔

سنت یا ادب حنفیہ کے ہاں واجب سے کم درجے کے ہیں کیونکہ واجب وہ ہوتا ہے جس کے بغیر نماز درست ہو جائے اور بھول کر چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو۔

حنفیہ نے نماز کی اکیاون سنتیں اور سات آداب ذکر فرمائے ہیں۔

مالکیہ نے نماز کی چودہ سنتیں اور اڑتالیس آداب ذکر کئے ہیں اور مالکیہ کے ہاں سنت کی تعریف: وہ فعل ہے جس کا مطالبہ شریعت کی طرف سے ہو اور اس کی تاکید ہو اس کی عظمت ہو اور جماعت کے ذریعے اس کو ظاہر کیا اس کا کرنے والا ثواب کا مستحق اور چھوڑنے والوں کو عذاب نہیں جیسے وتر اور عیدین کی نماز۔

مندوب کی تعریف:..... جس کو شریعت نے لازم طور پر طلب نہ کیا ہو اور اس میں تخفیف کی ہو، کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عذاب نہ ہو۔ جیسے ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں۔ البتہ آٹھ سنتوں کے چھوڑنے پر سجدہ سہو کرنا لازم ہے وہ ہیں سورۃ، جہر، اخفاء، تکبیر، تحمید، دونوں تشہد، اور تشہد کے لیے بیٹھنا۔

شوافع کے ہاں نماز کی سنتوں کی دو قسمیں ہیں ابعاض اور ھیات۔

ابعاض: وہ آٹھ سنتیں جن کی تلافی سجدہ سہو سے کی جاتی ہے وہ یہ ہیں تشہید اول اور اس کے لیے بیٹھنا، تشہد کے بعد درود شریف اور آل پر درود صبح کی نماز میں قنوت اور آخری پندرہ روزوں کے وتر، قنوت کے لیے کھڑا ہونا۔ قنوت کے بعد درود اور آل پر درود۔

ھیئات..... ہیات چودہ ہیں جیسے تسبیحات وغیرہ۔ جن کی تلافی رہ جانے کی صورت میں سجدہ سہو سے نہیں کی جاتی۔

سنت اور مستحب کو شوافع کے ہاں اگر نمازی نے چھوڑ دیا اور دوسرا فرض شروع کر دیا تو اس کی طرف لوٹ کر نہ آئے اگر کسی نے پہلا تشہد چھوڑ دیا سیدھا کھڑا ہونے کے بعد یاد آیا تو تشہد کے لیے نہ بیٹھے البتہ اس کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ اگر واپس لوٹنے کی حرمت جانتے بوجھتے واپس لوٹ آیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر بھول کر لوٹ آیا تو فوراً کھڑا ہو جائے نماز باطل نہیں ہوگی اور آخر میں سجدۂ سہو کرے ان مسائل کا تعلق امام یا منفرد کی صورت سے ہے۔

اگر نمازی مقتدی ہو تو امام کی متابعت میں واپس لوٹنا واجب ہے۔ کیونکہ فرض شروع کرنے سے متابعت زیادہ مؤکد ہے اب اگر مقتدی اس بات کو جانتے ہوئے بھی لوٹا نہیں اور جدائی کی ❷ نیت بھی نہیں کی تو نماز باطل ہو جائے گی اگر جدائی کی نیت کر لی تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

حنابلہ کے ہاں ❸ جو چیز فرض نہیں تو اس کی دو قسمیں ہیں: واجبات۔

---

❶..... فتح القدير والعناية: ١/ ١٩٤۔ البدائع ١/ ١٩٨۔ ٢٢٠۔ ❷ جدائی کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نماز پڑھنے کا ارادہ کر لینا کیونکہ شوافع کے ہاں ایسا کرنے سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ ❸ كشاف القناع: ١/ ٤٥٠، ٤٥٥، ٤٦٠۔

اور سنن، واجبات وہ ہیں جنہیں جان بوجھ کر چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور سہواً یا لاعلمی کی حالت میں رہ جانے کی صورت میں سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی۔ اور واجبات آٹھ ہیں:

۱۔ تکبیر.....یعنی اللہ اکبر کہنا، اور یہ کسی عمل کی انتہاء اور دوسرے کی ابتداء میں انتقال کے لیے ہے۔ دلائل یہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تکبیر کہتے تھے نیز آپ نے فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو لہٰذا اگر نمازی نے رکوع یا سجدہ وغیرہ کے لیے جھکنے سے پہلے تکبیر کہہ دی تو یہ کافی نہیں ہوگی۔ البتہ دوسرے فعل کی طرف منتقل ہونے کی ابتداء یا انتہاء میں کہنے سے نماز ہوجائے گی۔

یہ بات یاد رہے کہ یہ تکبیر تحریمہ اور اس شخص کی تکبیر جو رکوع میں امام سے ملا ہے کی تکبیر سے علاوہ ہیں کیونکہ تکبیر تحریمہ تو رکن ہے اور مقتدی کی تکبیر سنت ہے کیونکہ یہ تکبیر تحریمہ کے بدلے میں ہے۔

۲۔ تسمیع.....یعنی امام اور منفرد کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا۔

۳۔ تحمید.....امام مقتدی اور منفرد کے لیے ربنا لك الحمد کہنا۔

۴۔ رکوع کی تسبیح.....یعنی سبحان ربی العظیم کہنا۔

۵۔ سجدہ کی تسبیح.....یعنی سبحان ربی الاعلیٰ کہنا۔

۶۔ دو سجدوں کے درمیان دعا.....یعنی رب اغفرلی پڑھنا ایک مرتبہ واجب ہے اور کامل یہ ہے کہ بار بار کہے اور کم درجہ یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے۔

۷۔ تشہد اول پڑھنا.....کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمیشہ پڑھا بھی ہے اور اس کا حکم بھی فرمایا ہے لہٰذا اگر کوئی بھول گیا تو سجدہ سہو کرے۔

اس تشہد کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھے۔

۸۔ تشہد اول کے لیے بیٹھنا.....یہ اور نمبر ۷ اس مقتدی پر واجب نہیں جس کا امام بھول کر کھڑا ہوگیا ہو۔

جب کہ سنن کی تین قسمیں ہیں سنن اقوال، سنن افعال، سنن ھیئات۔ سنن اقوال سترہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

ثناء، تعوذ، تسمیہ، آمین کہنا چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھنا نماز فجر جمعہ عیدین اور نفلی نماز کی تمام رکعتوں میں سورت پڑھنا جہر کی جگہ جہر اور اخفا کے موقع پر اخفاء کرنا مقتدی کے علاوہ امام منفرد کا تحمید کے بعد یہ دعا پڑھنا:

ملء السموات وملء الارض وملء ماشئت من شیء بعد

رکوع اور سجود کی تسبیح ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھنا دو سجدوں کے درمیان رب اغفرلی پڑھنا اور تشہد اخیر کے آخر میں یہ دعا پڑھنا اعوذ باللہ من عذاب جھنم تشہد اخیر کے آخر میں دعا کرنا تشہد اخیر میں آل نبی پر درود اور برکت کی دعا بارك علی محمد وعلی آل محمد پڑھنا اور تشہد اول میں اضافہ کرنا اور وتروں میں دعا قنوت پڑھنا۔

ان کے علاوہ باقی افعال اور ھیئات کی سنتیں ہیں مثلاً انگلیوں کو ہاتھ اٹھاتے وقت ملی ہوئی اور سیدھی قبلہ رخ رکھنا اور ان کو کندھے کے برابر اٹھانا تکبیر تحریمہ رکوع قومہ وغیرہ کے وقت اٹھانا اور پھر چھوڑ دینا۔

نماز کے اندر داخل سنتوں کی تفصیل:

ا۔ تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانا...... تکبیر تحریمہ کے وقت نماز کی ابتداء میں ہاتھوں کے اٹھانے کے مستحب ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اٹھانے کہاں تک ہیں تو مالکیہ اور شوافع کی ہاں دونوں کندھوں کے برابر تک، حنابلہ کے ہاں کانوں کی لو اور کندھوں کے برابر اٹھانے میں اختیار ہے۔ جب کہ حنفیہ کے ہاں مرد اپنے انگوٹھوں کو کانوں تک اور عورت کندھوں کے برابر اٹھائے کیونکہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انگلیوں کے پورے اس جگہ تک پہنچائے اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ انگلیوں کے پورے کانوں کی اوپر کی طرف انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھے۔ مالکیہ نے اس کیفیت کو معتمد قرار دیا ہے اور فقہاء نے انگلیوں کے پوروں کو قبلہ کی طرف مائل کرنے کو مسنون قرار دیا ہے۔

حنفیہ کی دلیل...... وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرما رہے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور تکبیر کہی اور ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے گئے۔ ❶ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر اٹھاتے ❷ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کہتے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے کانوں کے برابر اٹھائے۔ ❸

شوافع اور مالکیہ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ ❹

حنابلہ کی دلیل...... حنابلہ کا کہنا یہ ہے کہ دونوں صورتیں آپ علیہ السلام سے منقول ہیں کندھوں کے برابر اٹھانا حضرت ابوحمید ❺ ابن عمر علی اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور کانوں کے برابر اٹھانا وائل بن حجر اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ❻

تکبیر کے وقت ہاتھ کب اٹھائے:

حنفیہ کے ہاں...... صحیح قول کے مطابق حنفیہ کے ہاں پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے کیونکہ اس کے اس فعل سے اللہ کے علاوہ کی بڑائی کی نفی ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... تکبیر تحریمہ شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اس طرح کھلے ہوئے اٹھائے کہ اندرونی حصہ زمین اور بیرونی حصہ آسمان کی طرف ہو خوفزدہ شخص کی طرح۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... تکبیر تحریمہ کی ابتداء میں ہاتھ اٹھائے اور جب تکبیر ختم ہو تو ہاتھ نیچے کرے یعنی دونوں کام اکٹھے کرے۔ چونکہ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اس لیے اگر کسی نے بھول کر ہاتھ نہ اٹھائے یہاں تک کہ تکبیر تحریمہ ختم ہوگئی تو اب نہ اٹھائے لیکن اگر درمیان میں یاد آجائے تو اٹھائے کیونکہ محل باقی ہے۔

---

❶......رواہ مسلم (نصب الرایۃ: ۱/۳۱۰) ❷رواہ احمد والطحاوی (نصب الرابۃ: ۱/۳۱۱) ❸رواہ الحاکم (نصب الرایۃ: ۳۱۱/۱۵۱) ❹متفق علیہ ❺رواہ الجماعۃ ❻ نیل الاوطار: ۲/۱۷۹۔۸۳)

اگر کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی طاقت نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے اٹھالے، اسی طرح اگر ایک اٹھا سکتا ہے دوسرا نہیں تو اس ایک کو اٹھالے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کو کرو۔''

اور اگر حالت مسنون سے زیادہ اٹھانے کی طاقت ہے، تو زیادہ اٹھالے کیونکہ سنت پوری ہو جائے گی۔

انگلیاں کس طرح رکھے:

حنفیہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں...... ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے نہ ملائے نہ کھلی رکھے بلکہ درمیانی حالت میں رکھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ اٹھاتے تھے تو انگلیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ ❶ یعنی اپنی حالت پر ہوتی تھیں۔

حنابلہ کے ہاں: انگلیوں کو ملانا اور لمبا کرنا مستحب ہے حضرت ابوھریرۃ کی روایت ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو ملا کر اٹھاتے۔ ❷

تکبیر تحریمہ بلند آواز سے...... مالکیہ کے ہاں ❸ ہر نمازی چاہے امام ہو مقتدی ہو یا منفرد کے لیے تکبیر تحریمہ کو بلند آواز سے کہنا مستحب ہے البتہ باقی تکبیرات میں امام کو بلند آواز سے اور باقی مقتدی یا منفرد کو آہستہ سے کہنا افضل ہے۔

باقی تکبیر میں ہاتھ اٹھانا:

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں...... تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع اور قومہ وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا (رفع یدین) سنت نہیں کیونکہ ان کے ہاں اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہیں۔

دلائل...... یہ حضرات ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر اس کے بعد نہ اٹھاتے سے استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی اس میں صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے اس کے بعد نہیں اٹھائے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر دوبارہ نہیں اٹھائے ❹ اسی طرح آپ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی یہ حضرات ابتداء نماز کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ ❺

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت یعنی قومہ میں ہاتھ اٹھانا بھی سنت ہے دلیل اکیس صحابہ سے مروی متواتر حدیث ہے ❻ جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے پھر تکبیر کہتے پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور سمع الله لمن حمده اور ربنا ولك الحمد کہتے۔ ❼

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوافع کے ہاں درست بات یہ ہے کہ تشہد اول سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھائے جائیں دلیل حضرت نافع کی روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے جب رکوع کرتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب

---

❶...... نیل الاوطار ۲/۱۷٦۔ ❷ الشرح الکبیر: ۱/۲۴۴۔ ❸ نیل الاوطار: ۲/۱۸۱۔ ❹ اخرجه ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال: حدیث حسن (نصب الرایة: ۱/۳۹۴) ❺ نصب الرایة: ۱/۳۹٦۔ ❻ راجع النظم المتناثر۔ ❼ نیل الاوطار: ۲/۱۷۹۔۱۸۲

سمیع کہتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے فارغ ہو کر اٹھتے جب بھی ہاتھ اٹھاتے اور ابن عمر اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے۔ ❶

خلاصہ..... خلاصہ یہ کہ جمہور کے ہاں ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیاں اپنی حالت پر رہنی چاہیے۔ حنابلہ کے ہاں ملی ہوئی ہونی چاہیے۔ بالاتفاق ہاتھوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے تاکہ ہتھیلی والی طرف قبلہ رخ ہو قبلہ کی عظمت کی وجہ سے۔

۲۔ مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر سے ملی ہوئی ہونا..... حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ملی ہوئی ہونا سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب امام تکبیر کہے تو مقتدی بھی تکبیر کہے۔ شرط یہ ہے کہ مقتدی امام کی تکبیر سے پہلے اپنی تکبیر ختم نہ کرے۔

۳۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا:

جمہور کا مذہب..... مالکیہ کے علاوہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت اور کلائی پر رکھے دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے جب نماز میں داخل ہو رہے تھے پھر تکبیر کہی پھر آپ نے کپڑے درست فرمائے پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت کلائی اور بازو پر رکھا ❷ اسی طرح وہ روایت بھی جسے حضرت قبیصہ بن ھلب اپنے باپ ھلب سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے ❸ نیز وہ روایت بھی جسے سہل بن سعد نے روایت کیا کہ لوگ حکم دیتے تھے اس بات کا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے ❹ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ نماز میں تھے اور بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دائیں ہاتھ کو اٹھا کر بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔ ❺

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر کس طرح رکھے؟:

حنابلہ اور شوافع کے ہاں..... دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی کے قریب رکھے دلیل ابن حجر رضی اللہ عنہ والی گزشتہ روایت ہے۔ اور 'کوع' ہاتھ کے گٹے کی طرف والی جگہ کو کہتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں..... دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے کلائی پر حلقہ بنالے اور عورت حلقہ بنائے بغیر سینہ پر ہاتھ رکھے کیونکہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

ہاتھ کہاں باندھے؟:

حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب..... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا سنت یہ ہے کہ دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے ناف کے نیچے ❻ اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

---

❶..... المجموع: ۳/۴۲۴۔ ❷ رواہ احمد ومسلم وابو داؤد والنسائی ❸ رواہ الترمذی۔ ❹ رواہ البخاری ❺ رواہ ابو داؤد ❻ رواہ احمد وابو داؤد

شوافع کا مذہب...... شافعیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر بائیں جانب مائل کرتے باندھے کیونکہ دل اسی جانب ہے۔ لہٰذا دونوں ہاتھ اعضاء میں سے سب سے عظمت والے عضو (دل) پر ہوں گے۔ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ گذشتہ حدیث پہ عمل کرتے ہوئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں دیکھا آپ نے ایک ہاتھ دوسرے پر سینے پر رکھا ہوا تھا۔ اس حدیث کی تائید ابن خزیمہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ ہاتھوں کو سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چھوڑ دے قوت سے نہیں اور ہاتھوں کو سامنے نہ رکھے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے منافی ہے البتہ نفل نماز میں چونکہ کسی چیز کا سہارا لینا جائز ہوتا ہے لہٰذا نفل نماز میں ہاتھوں کو سینے پر باندھنا جائز ہے۔ اور فرائض میں باندھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سہارا ہے البتہ اگر کسی نے سہارا لینے کی غرض سے ہاتھ نہ باندھے بلکہ سنت سمجھ کر باندھے تو فرض میں بھی مکروہ نہیں نیز بغیر کسی نیت کے باندھے تب بھی درست ہے۔

مصنف فرماتے ہیں میرے نزدیک جمہور کا مذہب یعنی ہاتھ باندھنا دائیں کو بائیں پر رکھنا راجح متعین ہے۔ اور یہ مذہب مالکی کی حقیقت سے بھی متفق ہے۔

۴۔ سجدے کی جگہ پر نظر رکھنا...... شافعیہ اور دوسرے حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی اپنی نظر سجدے کی جگہ پر رکھے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے زیادہ قریب ہے نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو نظر صرف سجدے کی جگہ پر رکھتے [1] البتہ تشہد میں شہادت کی انگلی پر نظر رکھے۔ [2]

۵۔ ثناء پڑھنا:

مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کے ہاں ثناء پڑھنا مکروہ ہے بلکہ نمازی تکبیر کہنے کے بعد قرأت شروع کرے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

جمہور کا مذہب...... جمہور کے ہاں ثناء پڑھنا پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد سنت ہے میرے ہاں یہی مذہب راجح ہے۔

الفاظ ثناء...... ثناء کے لیے کئی الفاظ اور صیغے ہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں الفاظ ثناء...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ثناء کے الفاظ درج ذیل ہیں

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك

دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو سبحانك اللهم پڑھتے۔

الفاظ ثناء کے معنی...... سبحانک یہ تسبیح سے ہے معنی ہے پاک وتبارك اسمك یہ برکت سے ہے اللہ تعالیٰ کی خیر کا کسی چیز میں ثابت ہونا وتعالى جدك جد کا معنی عظمت اور تعالیٰ باب تفاعل سے ہے بلندی یعنی آپ کی عظمت بلند ہے ہر ایک سے ترجمہ: اے اللہ تیری ذات پاک ہے خوبیوں والی اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان اونچی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

شوافع کے ہاں الفاظ ثناء...... شافعیہ کے ہاں پسندیدہ الفاظ ثناء یہ ہیں:

إنی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين ان صلاتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشريك له وبذلك امرت وانا من المسلمين

---

[1] ...... نیل الاوطار: ۱۸۹/۲۔ [2] نیل الاوطار: ۱۸۹/۲

یہ حضرت علی بن ابی طالب سے احمد مسلم اور ترمذی میں روایت ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے، یہ قران کریم کی آیت ہے البتہ ایک مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ آخر میں وہ انا من المسلمین کہے اصل میں اول المسلمین ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔

ترجمہ...... میں نے اپنے چہرے کو اس ذات کی جانب متوجہ کیا جس نے آسمان وزمین بنائے ہیں اور میں شرک کرنے والا نہیں ہوں یقیناً میری نماز، میری قربانی، میرا زندہ رہنا اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

امام احمد رحمۃ اللہ سبحانك اللهم کے علاوہ باقی الفاظ ثناء بھی پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ حنفیہ نفل نمازوں میں ثناء اور انی وجہت وغیرہ کو جمع کرنے کی اجازت دیتے جب کہ جنازے میں صرف ثناء کی اجازت ہے۔

ثناء کب تک پڑھنے کی اجازت ہے...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جب امام قرأت جہری یا سری نماز میں شروع کرے تو مقتدی کو اس وقت ثناء پڑھنے کی اجازت نہیں چاہے مقتدی مسبوق ہو یا مدرک یعنی شروع سے امام کے ساتھ شریک ہوا ہو یا قرأت کے بعد، کیونکہ جہری نماز میں قرآن سننا فرض ہے اور سری نمازوں میں قرأت کی عظمت کی وجہ سے سنت اور یہ سنت بذات خود مقصود نہیں۔ نیز سری نمازوں میں مقتدی کا قرأت نہ کرنا وجوب انصات کی وجہ سے نہیں بلکہ امام کی قرأت اس کی طرف سے بھی قرأت ہے اس وجہ سے۔

حنابلہ کے ہاں مقتدی سرّی نمازوں اور جہری نماز کے سکتات میں ثناء اور تعوذ پڑھے گا شوافع کے ہاں درج ذیل الفاظ سے نماز کی ابتداء یعنی ثناء کی جگہ پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً:

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله، والله اكبر اور الله اكبر كبيرا والحمدلله كثيرا وسبحان الله وبحمده بكرة واصيلا اوراللهم با عد بينى وبين خطاياى كما با عدت بين المشرق والمغرب اللهم نقنى من الخطا يا كما نقيت الثوب الا بيض من الد نس اللهم اغسلنى بالماء والثلج والبرد وغیرہ۔

منفرد اور ایسے لوگوں کا امام جو میری ہیں اور طویل قرأت پر خوش ہیں ان کے لیے ان سب دعاؤں کو پڑھنا مستحب ہے اور یہ مزید ایک اور دعا بھی ساتھ ملا کر پڑھے وہ یہ ہے:

اللهم انت الملك لا اله الا انت انت ربى وانا عبدك ظلمت نفسى واعتر فت بذنبى فا غفرلى ذنوبى جميعا فا نه لا يغفر الذ نوب الا انت واهدنى لا حسن الا خلاق فا نه لا يهدى لا حسنها الا انت واصرف عنى سيئها فانه لا يصرف سيها الا انت لبيك وسعديك والخير كله فى يديك والشر ليس اليك انا بك واليك تبار كت ربى وتعاليت فلك الحمد على ما قضيت استغفرك واتوب اليك

ترجمہ...... یا اللہ! آپ بادشاہ ہیں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ میرے پروردگار ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں بس میرے گناہ معاف فرما دیجئے کیونکہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت دیجئے۔ اچھے اخلاق کی ہدایت آپ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اور مجھ سے برے اخلاق کو دور کرے دیجئے، برے اخلاق کو آپ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا، میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تمام بھلائی آپ کے ہاتھوں میں ہے اور برائی آپ کا رخ نہیں کر سکتی میں آپ ہی کا محتاج ہوں اور آپ ہی کی طرف رخ کرتا ہوں آپ برکت والے اور بلندی والے ہیں اس پر آپ ہی کی تعریف ہے جو آپ نے فیصلہ کیا میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

شوافع کے ہاں نماز فرض ہو یا نفل اسی طرح نمازی منفرد ہو یا امام یا مقتدی سب کے لیے دعائے توجہ (وجهت وجهى للذى) پڑھنا درج ذیل پانچ شرائط کے ساتھ مستحب ہے:

۱.....نماز جنازہ نہ ہو کیونکہ اس میں تعوذ سنت ہے۔

۲.....نماز کے اداء کا وقت فوت نہ ہوتا ہو۔ وہ وقت وہ ہے جس میں ایک رکعت پڑھی جاسکتی ہو لہٰذا اگر صرف ایک رکعت پڑھنے کی مقدار وقت باقی ہو تو دعاء توجہ پڑھنا سنت نہیں۔

۳.....امام کو قیام کی حالت میں پائے۔ اگر قیام کے علاوہ مثلاً قومہ وغیرہ میں امام کو پایا تو بھی یہ دعا سنت نہیں البتہ اگر تشہد میں یا امام سلام پھیر چکا ہے یا مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو پڑھنا سنت ہے۔

۴.....مقتدی کو فاتحہ کا کچھ حصہ رہ جانے کا خطرہ نہ ہو اگر خطرہ ہے تو سنت نہیں اور شروع کر ہی دی تو پھر بقدر فاتحہ ہی پڑھے۔

۵.....تعوذ یا قرأت اگرچہ بھولے ہی سے شروع کر دی ہے تو پھر دعا توجہ نہ پڑھے۔

۶۔قرأت سے پہلے تعوذ پڑھنا:

مالکیہ کا مذہب......مالکیہ کے ہاں تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہے فاتحہ ہو یا سورت سے پہلے مکروہ ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما نماز کو **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع فرمایا کرتے تھے۔

حنفیہ کے ہاں......حنفیہ کے ہاں صرف پہلی رکعت میں تعوذ پڑھے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں......شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہر رکعت میں قرأت سے پہلے تعوذ سراً پڑھنا سنت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور امام احمد کے ہاں پہلے وہ **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** (۱) پھر **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** آہستہ پڑھے حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جب کہ جہری نماز میں شوافع کے ہاں جہراً پڑھے اور یہ حضرت تعوذ کی سنت کی دلیل اس آیت سے پیش کرتے ہیں:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۹۸) ......النحل ۱۶/۹۸

۷۔**آمین کہنا**......سورۃ فاتحہ کے ختم پر نمازی چاہے امام ہو یا مقتدی اور منفرد آمین کہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں آہستہ کہے، جب کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں سری نمازوں میں سرّاً اور جہری نمازوں میں جہراً کہے۔ اور مقتدی امام کی آمین کے ساتھ آمین کہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہو گی تو اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا کرتے تھے۔ (۲)

حنابلہ نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر امام آمین کہنا بھول جائے تو مقتدی بآواز بلند آمین کہے تاکہ امام کو یاد آجائے اور وہ بھی کہے کیونکہ تعوذ کی طرح یہ بھی سنت قولیہ ہے لہٰذا اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی کو کہنی چاہئے۔ اسی طرح اگر امام نے سرّاً آمین کہی تو مقتدی جہراً کہے اگر نمازی بھول کر یا جان بوجھ کر آمین کہنا چھوڑ دے اور سورت شروع کر دے تو پھر آمین نہ کہے کیونکہ اس کا محل فوت ہو گیا۔

مالکیہ اور حنفیہ کی دلیل......آمین سرّاً کہنے کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے تعوذ تسمیہ تحمید اور آمین۔ (۳)

شوافع اور حنابلہ کی دلیل......جہراً کہنے کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب **غیر المغضوب**

---

(۱)...... نیل الاوطار ۲/۱۹۶۔ (۲)نیل الاوطار: ۲/۲۲۲۔ (۳)رواہ ابن ابی تیمیہ۔

علیھم ولاالضالین تلاوت فرماتے تو آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے ❶ اسی طرح حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر المغضوب علیھم ولاالضالین پڑھتے ہوئے سنا اور آپ نے آمین کہی آواز کو لمبا کیا۔ ❷

۸۔سکتہ کرنا:

شوافع کے ہاں.....نماز میں بقدر سبحان اللہ چھ سکتے کرنا سنت ہیں۔ البتہ امام کے لیے جہری نماز میں آمین اور سورت کے درمیان مقتدی کی فاتحہ پڑھنے کی مقدار سکتہ کرنا سنت ہے۔ نیز ان سکتات کے درمیان امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ قرأت کرے یا دعا وغیرہ میں سرًّا مشغول رہے۔ ہاں قرأت کرنا بہتر ہے سکوت کا مطلب یہ ہے کہ جہر نہ کرے ورنہ نماز میں حقیقتاً سکتہ مطلوب نہیں۔

چھ سکتے:

۱.....تکبیر تحریمہ اور دعا توجہ (وجھت وجھی للذی) کے درمیان۔

۲.....توجہ اور تعوذ کے درمیان۔

۳.....تعوذ اور تسمیہ کے درمیان۔

۴.....فاتحہ اور آمین کے درمیان۔

۵.....آمین اور سورت کے درمیان۔

۶.....سورت اور رکوع کی تکبیر کے درمیان۔

گویا تین سورۂ فاتحہ سے پہلے اور تین بعد میں۔ چوتھے سکتے میں حکمت یہ ہے کہ مقتدی کو معلوم ہو جائے کہ لفظ آمین قرآن میں سے نہیں۔

حنابلہ کے ہاں امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ کرے تا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے تا کہ دونوں کا نزاع نہ ہو اس میں۔ جیسا کہ سکوت مستحب ہے تکبیر کے بعد قرأت کے بعد اور فاتحہ کے بعد آمین سے پہلے۔

سکتہ مشروع ہونے کی دلیل:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے.....کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے تھے ایک جب نماز شروع کرتے اور آپ جب قرأت سے فارغ ہوتے اور ایک روایت میں ہے، ایک سکتہ تکبیر کے بعد اور ایک سکتہ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد ❸ اس روایت میں تین سکتے تکبیر کے بعد فاتحہ کے بعد اور قرأت کے بعد کرنے کی دلیل ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں.....سکتہ مکروہ ہے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں فاتحہ کی بحث میں یہ بات ہے کہ خاموش رہ کر فصل کرنا مستحب ہے یا ذکر کرے اور یہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے درمیان ہے تا کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے درمیان التباس نہ ہو اگر کسی نے فصل نہ کیا اور رکوع کر لیا تو بھی صحیح ہے۔

آخری دو رکعتوں میں کیا کرے.....حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق فرض نماز پڑھنے والے کو آخری دو رکعتوں (تیسری اور چوتھی) میں اختیار ہے چاہے فاتحہ پڑھے یا تین بار تسبیح پڑھ لے یا اتنی مقدار خاموش کھڑا رہے۔ اور اس خاموش کھڑا رہنے کی وجہ سے وہ گناہ گار

---

❶.....نیل الاوطار ۲/۲۲۴۔ ❷ المصدر السابق۔ ❸ نیل الاوطار: ۲/۲۳۹

نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے، جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتحہ پڑھنا وجوب سے خالی ہے۔

۹۔ دو قدموں کے درمیان فاصلہ:

حنفیہ کے ہاں...... دونوں قدموں کے درمیان چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ رکھنا سنت ہے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے زیادہ قریب ہے۔

شوافع کے ہاں...... دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت فاصلہ رکھنا مسنون ہے اور بغیر عذر کے دونوں قدموں کو ملانا مکروہ ہے کیونکہ یہ منافی خشوع ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... دونوں پاؤں کو درمیانی حالت میں رکھے نہ زیادہ فاصلہ ہو اور نہ ملائے ہوئے ہوں تاکہ عرفاً برا محسوس نہ ہو۔

۱۰۔ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا...... سورۃ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا حنفیہ کے ہاں تو واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، البتہ جمہور کے ہاں سورت پڑھنا سنت ہے پہلی دو رکعتوں میں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً پڑھے کیونکہ آپ علیہ السلام اسی طرح پڑھتے تھے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے پہلی رکعت لمبی اور دوسری مختصر اور کبھی کبھی کوئی آیت سنائی دیتی تھی۔ اور آپ علیہ السلام عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے پہلی رکعت طویل اور دوسری مختصر۔ اسی طرح صبح کی نماز میں پہلی رکعت لمبی اور دوسری مختصر ہوتی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو آیتیں پڑھتے تھے ❶ اور جہری نمازوں میں تو سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت پڑھنا مشہور ہے اور متواتراً اس کا ثبوت ہے نیز حضرت معاذ نے تو ان الفاظ میں پڑھنے کا حکم بھی فرمایا: کہ سورۃ الشمس، اعلیٰ اور واللیل اذا یغشٰی پڑھا کرو۔ ❷

پڑھی جانے والی سورت کی نوعیت:...... حنفیہ کے ہاں ❸ ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھنا اسی طرح ایک رکعت میں سورت کا ایک حصہ اور دوسری رکعت میں دوسرا حصہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ایک ہی سورت میں دو بار زیادہ آیتیں چھوڑ کر پڑھے تو بھی صحیح ہے۔

البتہ چھوٹی سورتوں میں فصل اور اسی طرح الٹا پڑھنا بایں طور کے پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی دوسری میں اس سے پیچھے والی پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ سورتوں کی ترتیب واجبات تلاوت میں سے ہے ہاں! چھوٹے بچوں کو بطور تعلیم آسانی کی وجہ سے معکوس پڑھانا جائز ہے اسی طرح اگر کسی نے قرآن کریم کی تلاوت ختم کی تو سورۂ بقرہ پڑھنا جائز ہے۔

اگر کسی نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی اور دوسری سورۂ فیل یا سورۂ لہب پڑھی پھر قرأت یاد آ گئی تو نماز مکمل ہوگئی۔ البتہ نوافل میں جس طرح بھی پڑھے مکروہ نہیں بڑی آیت میں سے تین آیتیں پڑھنا جو ایک چھوٹی سورت کے برابر ہوں واجب ہے کیونکہ تحدی (چیلنج) اور معجزہ اسی مقدار سے ہوسکتا ہے ایک آیت سے نہیں نیز کثرت ثواب کی وجہ سے فضیلت میں ترجیح ہوتی ہے کسی بھی پوری سورت یا سورۃ کے کچھ حصہ میں اکثر آیات کا اعتبار ہے۔

جہری اور سری قرأت کے مواقع...... علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صبح، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور وتر رمضان میں جہر

---

❶...... متفق علیہ ❷ متفق علیہ ❸ الدار لمختار ۱/ ۵۱۰۔ ۵۱۱

قرأت سنت ہے اور ظہر وعصر میں سرًّا قرأت مسنون ہے جب کہ نوافل میں وتر وغیرہ کی طرح فقہاء کے ہاں تفصیل ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... امام پر رمضان میں وتر کی تمام رکعات میں عیدین اور تراویح میں جہراً قرأت کرنا واجب ہے، جب کہ امام اور منفرد کے لیے نماز کسوف، استسقاء اور دن کے نوافل میں سرًّا قرأت کرنا واجب ہے۔ اور رات کے نوافل میں اختیار ہے۔

منفرد کو جہری نمازوں میں اختیار ہے کہ وہ چاہے تو جہری قرأت کرے چاہے سری اور جہری نماز اپنے وقت پر پڑھ رہا ہو یا قضاء البتہ رات کے وقت جہری نماز میں جہراً قرأت افضل ہے اور سرّی نمازوں میں صحیح قول کے مطابق منفرد پر سرًّا قرأت واجب ہے۔ جب کہ مقتدی کو ہر حال میں خاموش رہنا واجب ہے۔

مالکیہ کے ہاں رات کے تمام نوافل میں جہر مستحب ہے جب کہ دن کے تمام نوافل میں سر مستحب ہے البتہ وہ نوافل جن کے لیے خطبہ ہے ان میں دن میں بھی جہر مستحب ہے جیسے عیدین استسقاء وغیرہ اور مقتدی کے لیے سر مستحب ہے۔

شوافع کے ہاں...... عیدین، خسوف، استسقاء، تراویح اور رمضان کے وتر اور طواف کی دو رکعتوں (اگر رات یا صبح کے وقت کیا ہو) میں جہر کرنا سنت ہے اور اس کے علاوہ میں سرًّا قرأت مسنون ہے البتہ رات کے نوافل میں اسے جہر اور سر میں توسط اختیار کرنا چاہیے۔ توسط کا مطلب یہ ہے کہ کبھی جہراً پڑھے کبھی سرًّا جب کہ اس سے کسی سونے والے یا نمازی وغیرہ کو تشویش نہ ہو۔ اور فرض کی قضاء میں وقت قضاء کا اعتبار ہے (یعنی اگر دن کو قضاء پڑھ رہا ہے تو سراً پڑھے اور اگر رات کو قضاء پڑھ رہا ہے تو جہراً پڑھے اور عورت اگر گھر میں کوئی غیر محرم نہ ہو تو مرد سے کم جہر کرسکتی ہے۔

حنابلہ کے ہاں..... نماز عید استسقاء کسوف، تراویح اور وتر جب تراویح کے بعد پڑھے جائیں میں جہراً قرأت کرنا سنت ہے جب کہ ان کے علاوہ میں سراً مسنون ہے باقی منفرد کو حنفیہ کی طرح جہری نمازوں میں جہر اور سر کا اختیار ہے۔

دوران قرأت دعا...... رحمت کی آیات کی تلاوت پر رحمت طلب کرنا اور عذاب وغیرہ کی آیات کے وقت پناہ طلب کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور جہنم کے تذکرے کے وقت فرماتے تھے: اعوذ باللہ من النار ویل لاھل النار ❶ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جہنم کی آگ سے اور جہنمیوں کے لیے ہلاکت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی وعید وخوف والی آیت تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور پناہ مانگتے اور جب بھی کسی خوشخبری والی آیت کی تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور مانگنے کی ترغیب دیتے ❷ اور جب آپ الیس ذلك بقادر علٰی ان یحیٰی الموتٰی (القیامۃ ۷۵/۴۰) تلاوت فرماتے تو سبحانك فبلٰی پڑھتے ❸ اسی طرح تسبیح والی آیت پر تسبیح پڑھنا بھی سنت ہے مثلاً فسبح باسم ربك العظیم (الواقعۃ:۵۶/۷۴) (پر تسبیح پڑھنا) سورۃ التین اور سورۃ القیامۃ کے آخر میں بلٰی وانا علٰی ذلك من الشاھدین اور سورۃ المرسلات کے آخر میں آمنا باللہ پڑھنا چاہیے۔

سورت کب اور کیسے پڑھے:

شوافع کا مذہب...... شافعیہ کے ہاں جہری نماز میں مقتدی پر سورت پڑھنا ضروری نہیں بلکہ وہ سنے اگر چہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ سری نماز میں صحیح قول کے مطابق سورت پڑھے۔ کیونکہ اس صورت میں خاموش رہنے کا کوئی معنی نہیں شوافع کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں مقتدی پر سورت پڑھنا ضروری نہیں۔

❶...... رواہ احمد وابن ماجہ ❷ رواہ احمد عن عائشۃ ❸ نیل الاوطار: ۲/۳۲۳۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک...... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے نیز سورۃ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھنا اگرچہ لمبی ہی کیوں نہ ہو مستحب ہے لہٰذا ایک آیت یا زیادہ یا سورت کے بعض حصہ پر اکتفانہ کرنا چاہیے۔

سری نمازوں مغرب کی آخری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت کرنا مستحب ہے۔

جمہور کے ہاں دو رکعتوں میں ایک سورت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ دوسری رکعت میں اس سورت کے علاوہ بعد والی سورت پڑھے جو پہلی میں پڑھی ہے اس سے پہلے والی نہ پڑھے لہٰذا اگر پہلی رکعت میں سورت البینۃ پڑھی ہو تو دوسری رکعت میں سورۃ القدر نہ پڑھے۔

جب کہ حنفیہ کے ہاں ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور کے ہاں فرض کی دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی نسبت کم قرأت کرنا مستحب ہے جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں صرف فجر کی پہلی رکعت میں طویل قرأت کرنا مستحب ہے فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ پہلی رکعت لمبی ہو اور دوسری چھوٹی کیونکہ ظہر اور عصر کے بارے میں بخاری و مسلم دونوں میں جب کہ صبح کی نماز کے بارے میں مسلم شریف میں روایت موجود ہے اسی پر دوسری نمازوں کو قیاس کیا گیا ہے۔

ترتیب سے سورت پڑھنا...... تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورتیں جس ترتیب سے قرآن کریم میں ہیں اسی ترتیب سے پڑھنا مستحب ہے، الٹ کر پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ کسی سورت کے درمیان یا آخر سے پڑھنا مکروہ نہیں دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو آسان ہو وہ پڑھیں۔

نفل نماز میں ایک رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنا...... نفل نمازوں میں ایک رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنا جائز ہے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۃ بقرۃ، آل عمران اور سورت نساء پڑھی البتہ فرض نمازوں میں مستحب یہ ہے کہ سورت فاتحہ کے بعد ایک ہی سورت پڑھے زیادہ نہ پڑھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض اکثر اسی طرح پڑھے ہیں۔

نمازوں میں پڑھی جانے والی مستحب سورتیں...... نماز فجر میں طوال مفصل پڑھنا اور اسی طرح مالکیہ، حنفیہ اور شوافع کے ہاں ظہر کی نماز میں بھی البتہ حنابلہ کے ہاں ظہر میں اوساط مفصل پڑھنا سنت ہے۔ عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل، جب کہ مالکیہ کے ہاں عصر میں بھی قصار مفصل مسنون ہیں۔

دلیل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ فلاں شخص کے علاوہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا سلیمان بن یسار فرماتے ہیں: میں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو صبح کی نماز میں اس نے طوال مفصل سے تلاوت کی اور مغرب میں قصار مفصل سے، عشاء میں اوساط مفصل سے ❶ چونکہ فجر اور ظہر میں وقت زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں قرأت طویل کی جاتی ہے تاکہ وہ لوگ بھی ان نمازوں میں حاضر ہوسکیں جو نیند کے غلبہ کی وجہ سے رات کے آخری پہر اور قیلولہ میں غفلت میں ہوتے ہیں۔ اور عصر میں اوساط مفصل کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اپنی دوسری مشغولیتوں میں دن کے آخری وقت میں مشغول ہوتے ہیں اور عشاء میں نیند اور اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے جب کہ مغرب میں وقت کی تنگی کی وجہ سے قصار مفصل پڑھی جاتی ہیں نیز تمام نمازوں کی قرأت کے متعلق جامع حدیث جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں سورۃ ق وغیرہ پڑھتے تھے، جب کہ آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی اور ایک روایت میں ہے ظہر میں واللیل اذا یغشی اور عصر میں بھی اس کے مثل پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں ان سے لمبی سورتیں پڑھتے تھے ❷ اور ایک روایت میں ہے جب سورج زائل ہوتا (یعنی زوال کا وقت ہوتا) تو آپ ظہر کی نماز پڑھتے اور اس میں واللیل اذا یغشی

---

❶ رواہ احمد والنسائی، واللفظ لہ۔ ❷ رواھما احمد ومسلم

وغیرہ اور عصر میں بھی اسی طرح پڑھتے اور تمام نمازیں آپ کی اسی طرح ہوتیں البتہ صبح کی نماز میں طویل قرأت فرماتے۔ ❶

ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں سورۃ الکافرون اور اخلاص پڑھتے اور امام کے لیے تخفیف عموماً مستحب ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ کیا تم فتنہ ڈالنے والے ہو؟ کیوں نہ تم نے سورۃ اعلیٰ، سورۃ شمس اور سورۃ اللیل سے نماز پڑھائی۔ ❷ بخاری شریف میں روایت ہے جو شخص لوگوں کو امامت کرائے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں ضعیف کمزور مریض اور حاجتمند لوگ ہوتے ہیں۔ ❸

طوال مفصل وغیرہ کی تعیین......طوال مفصل اوساط مفصل اور قصار مفصل کی مقدار کی تعیین میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔

حنفیہ کے ہاں......مفتی بہ قول کے مطابق طوال مفصل: سورۃ حجرات سے۔

سورۃ بروج کے آخر تک (یا چالیس پچاس آیتوں کی مقدار قرأت)

اوساط مفصل......سورۃ طارق سے سورۃ البینۃ تک (یا پندرہ آیات کی مقدار)

قصار مفصل......سورۃ البینۃ سے آخر قرآن کریم تک یا ہر رکعت میں پانچ آیات کی بقدر پڑھنا)

مالکیہ کے ہاں...... ❹ طوال مفصل: سورۃ حجرات سے سورۃ نازعات تک اور اوساط مفصل: سورۃ عبس سے واللیل تک اور قصار مفصل: والضحیٰ سے آخر قرآن تک۔

شوافع کے ہاں...... ❺ سورۃ حجرات سے سورۃ نباء تک اوساط مفصل: نباء سے ضحیٰ تک اور قصار مفصل: الضحیٰ سے آخر تک۔ جمعہ کے دن صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری رکعت میں الدھر پڑھے کیونکہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایسا ہی ہے۔ ❻

حنابلہ کے ہاں...... ❼ طوال مفصل کی پہلی سورت ق یا حجرات ہے۔ حنابلہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مصحف عثمانی کے موافق قرأت کرتے یعنی جو صحیح سند کے ساتھ تواتر سے لغت عربی کے موافق ہے اور مصحف عثمانی کے علاوہ باقی قرأت کو پڑھنا حرام ہے نماز بھی صحیح نہیں ہوگی مثلاً ابن مسعود کی قرأت قرأت شاذ وغیرہ۔ اور قرأت شاذہ وہ ہیں جن میں ارکان قرأت متواترہ میں سے کوئی ایک رکن نہ پایا جائے اور ارکان قرأت متواترہ تین ہیں۔

۱......عربیت کے موافق ہو چاہے کسی بھی طرح۔

۲......مصاحف عثمانیہ کے موافق ہو اگرچہ احتمال ہی ہو۔

۳......اور سند صحیح ہو۔ ❽

جہر اور سر کی حد......حنفیہ کے ہاں: جہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ امام کے قریب صف اول والے سن لیں اگر ایک یا دو آدمیوں نے سنا تو جہر نہیں شمار ہوگا۔ اور سراً قرأت کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے یا قریب کے ایک دو آدمی سن لیں۔

مالکیہ کے ہاں......جہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ جو ساتھ کھڑے ہیں وہ سن لیں اور سر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ زبان کو حرکت ہو۔ البتہ عورت کے لیے جہر اپنے آپ کو سنانا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ قریب کھڑا شخص سن لے اگرچہ ایک ہی ہو۔ اور سر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ خود

---

❶......نیل الاوطار: ۲/ ۲۳۱۔ ❷نیل الاوطار: ۲/ ۲۳۵۔ ❸الدر المختار وردالمحتار: ۱/ ۵۰۴ تبیین الحقائق: ۱/ ۱۳۰۔ ❹الشرح الصغیر: ۱/ ۳۲۵۔ ❺شرح المحلی: ۱/ ۱۵۴۔ ❻نیل الاوطار: ۳/ ۲۷۷۔ ❼کشاف القناع: ۱/ ۳۹۹۔ ❽نیل الاوطار: ۲/ ۲۳۷۔

سن لے۔البتہ عورت اجنبی کی موجودگی میں جہر نہ کرے۔

۱۱۔رکوع سجود وغیرہ کے لیے تکبیر کہنا..... رکوع، سجدہ، سجدہ سے اٹھتے وقت اور قیام کے وقت تکبیر کہنا سنت ہے۔یعنی اللہ اکبر یہ اجماع امت سے ثابت ہے۔اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھکتے اٹھتے قیام اور تعوذ میں تکبیر کہتے ہوئے دیکھا❶ یہ روایت ان تمام حالتوں میں تکبیر کی مشروعت پر دلالت کرتی ہے البتہ رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہا جائے۔حنابلہ کے ہاں سمع اللہ اور ربی اغفرلی کی طرح تکبیر بھی واجب ہے اور تشہد اول بھی۔

رکوع کی سنتیں: (الف)..... گھٹنوں کو ہاتھوں سے سہارا دے کر پکڑے۔کمر برابر رہے مرد کے ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رہیں اور عورت کے ہاتھوں کی انگلیاں بند رہیں۔پنڈلیوں کو سیدھا رکھے، سر اور کمر برابر رہیں، سر نہ جھکائے نہ اونچا کرے مرد بازو پہلو سے علیحدہ رکھے۔
دلیل ابو مسعود عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے رکوع کیا اپنے ہاتھوں کو پہلو سے الگ کیا ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور انگلیاں گھٹنوں پر کھل کر رکھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے❷ نیز مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے رکوع میں اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان کر لیا تو انھوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ہم اس طرح کرتے تھے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔❸

اسی طرح ابوحمید الساعدی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بیان میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ رکوع میں گھٹنوں پر رکھتے، بازو سیدھے رکھتے اور پہلو سے الگ کرتے❹ اور ابن ماجہ میں وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ نے رکوع کیا تو اپنی پیٹھ کو برابر کر لیا یہاں تک کہ اگر اس پر پانی بہایا جائے تو ٹھہر جائے۔اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو سر کو نہ اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ (کمر کے برابر) بیچ میں رکھتے۔

ب..... سبحان ربی العظیم کہنا یہ کم مقدار ہے۔کمال کا ادنی درجہ تین مرتبہ کہنا ہے جمہور کے ہاں مالکیہ کے ہاں اس کی کوئی مقدار متعین نہیں اسی طرح مالکیہ شوافع اور حنابلہ وبحمدہ کا اضافہ بھی کرتے ہیں دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا۔جب کوئی آیت رحمت پڑھتے تو ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے مانگتے اور عذاب کی آیت پر اس سے پناہ مانگتے۔❺ نیز حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ جب ''فسبح باسم ربک العظیم'' یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اپنے رکوع میں شامل کر لو اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم رکوع کرو تو تین دفعہ سبحان ربی العظیم کہو اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے۔❻

مقتدیوں کی رعایت کی وجہ سے امام کے لیے تین سے زیادہ تسبیحات کہنا مکروہ ہے البتہ شوافع کے ہاں منفرد اور ایسے مقتدیوں کا امام جو طویل نماز پر راضی ہوں تو وہ یہ بھی پڑھ سکتا ہے۔

اللھم لک رکعت، وبک آمنت ولک اسلمت خشع لک سمعی وبصری ومخی
وعظمی وعصبی وما استقلت بہ قدمی❼

❶.....نیل الاوطار: ۲/۲۴۔❷ المصدر السابق ص: ۲۴۳۔❸ المصدر السابق ص ۲۴۴۔❹ المرجع السابق ص ۱۸۴۔❺ نیل الاوطار: ۲/۲۴۷ ❻ المرجع السابق: ص ۲۴۶۔❼ رواہ مسلم۔

حنفیہ کے ہاں رکوع کو لمبا کرنا یا قرأت کو کسی آنے والے کے لیے جس کو جانتا ہو مکروہ تحریمی ہے اگر جانتا نہ ہو تو مکروہ نہیں اور یہ بات دوسرے ائمہ کے موافق ہے رکوع اطمینان سے کرنا ائمہ اربعہ کے ہاں واجب ہے کما مرّ۔

۱۲۔ تسبیح اور تحمید.....یعنی ''سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد'' کہنا امام اور منفرد تحمید سرًّا کہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اور حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں مقتدی صرف ربنالك الحمد یاربنا ولك الحمد یا اللهم ربنا ولك الحمد کہے۔ ان میں سے شوافع کے ہاں پہلے الفاظ افضل ہیں، حنفیہ کے ہاں سب سے آخری پھر دوسرے پھر پہلے کہنا افضل ہے جب کہ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں ربنا ولك الحمد کہنا افضل ہے۔

مالکیہ کے ہاں امام ''ربنا لك الحمد'' اور مقتدی سمع الله لمن حمده نہ کہے جب کہ منفرد دونوں کو کہے کھڑے ہو کر صرف رکوع سے اٹھتے ہی دونوں نہ کہہ دے کیونکہ اٹھنے کی حالت میں تو سمع الله لمن حمده کہے گا اور جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو ربنا لك الحمد کہے۔

خلاصہ.....یہ کہ جمہور کے ہاں مقتدی صرف تحمید کہے، شوافع کے ہاں تسمیع اور تحمید ہر نمازی کہے چاہے وہ منفرد ہو یا امام یا مقتدی۔

شوافع کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے، اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع الله لمن حمده کہتے اور پھر یونہی کھڑے کھڑے ربنا ولك الحمد پڑھتے متفق علیہ حدیث ہے ایک اور روایت میں ربنا لك الحمد بھی ہے۔❶

جمہور کی دلیل.....حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا لك الحمد پڑھو۔❷

شوافع اور حنابلہ کے ہاں تحمید کے لیے یہ الفاظ کہنا سنت ہے:

ربنا لك الحمد ملا السموات وملا الارض، وملأ ما شئت من شيءٍ بعد

ترجمہ.....اے ہمارے رب تیرے ہی لیے ساری حمد وستائش ہے اتنی کہ جس سے (زمین) وآسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین وآسمان سے آگے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں'' یعنی عرش کرسی وغیرہ اور وہ چیزیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

منفرد اور قیدیوں کا امام جب کہ وہ نماز کی طوالت پر راضی ہوں یہ الفاظ بھی پڑھیں:

اهل الثناء والمجد، احق ما قال العبد، و كلنا لك عبد، لامانع لما اعطيت
ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذاالجد منك الجد

ترجمہ.....اے تعریف اور بزرگی کے مالک! بندہ جو کچھ کہہ سکتا ہے۔ اور ہم سب آپ کے بندے ہیں اس میں سب سے سچی بات یہ ہے کہ اے اللہ! جو کچھ آپ عطا کریں، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو آپ روک دیں اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی صاحب نصیب کو آپ کے خلاف اس کا نصیب فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں دونوں قسم کے الفاظ موجود ہیں (جن کا ترجمہ اور الفاظ ذکر کر دیئے ہیں)❸ اور حنفیہ بھی اس روایت کی بناء پر منفرد کو درج بالا الفاظ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔❹

---

❶.....متفق عليه۔ ❷متفق عليه۔ ❸رواه مسلم والنسائي۔ ❹منية المصلى ص ٣١٨

۱۳۔ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پھر ہاتھوں پھر چہرہ کا رکھنا.....اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا سنت ہے۔ یہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کا مسلک ہے دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے اور جب سجدے سے اٹھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھایا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلے ہاتھ رکھے پھر گھٹنے اور سجدے سے اٹھتے ہوئے پہلے گھٹنے پھر ہاتھ اٹھائے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ پہلے ہاتھ رکھے پھر گھٹنے۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور دونوں طریقوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں۔

۱۴۔ سجدے کی دوسری حالتیں: الف.....حنفیہ کے ہاں چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھنا سنت ہے۔ حنفیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں سجدے میں ہاتھوں کو کندھوں کے مقابل رکھنا سنت ہے، جب کہ انگلیوں کو ملا کر ننگا رکھ کر ہتھیلی پر سہارا لیتے ہوئے قبلہ رخ کرنا بالاتفاق مسنون ہے۔ اور شوافع کے ہاں دونوں پاؤں گھٹنوں اور رانوں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رکھنا۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھنا مسنون ہے۔

حنفیہ کی دلیل.....حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھتے۔ ❶

ہاتھ کی انگلیوں کو ملانے میں حکمت یہ ہے کہ انگلیاں قبلہ کی عظمت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوں نیز سجدے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے جو انگلیاں ملانے کی صورت میں زیادہ حاصل ہوسکتی ❷ انگلیوں کو ملا کر قبلہ رخ رکھنے کی دلیل حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو نہ تو اپنے ہاتھوں کو بند رکھا اور نہ انگلیاں کھلی رکھیں اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھا۔ ❸

جمہور کی دلیل حضرت ابوحمید الساعدی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے مقابل رکھتے۔ ❹

ہاتھوں کو کپڑوں سے الگ رکھنے کی دلیل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کپڑے میں ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا جس کی کوئی جانب کھلی ہوئی نہ ہو۔ ❺

ہتھیلیوں پر سہارا اس لئے لیا جاتا ہے تاکہ حرکت میں آسانی ہو اور خشوع وخضوع زیادہ پایا جاتا ہے اور قدموں وغیرہ میں فاصلہ سنت کی بناء پر ہے۔

ب.....مرد کے لیے پیٹ کو رانوں کہنیوں کو پہلو سے جدا رکھنا، اور بازوؤں کو سجدے میں زمین سے الگ رکھنا گھٹنوں اور پاؤں کے درمیان فاصلہ رکھنا سنت ہے البتہ بھیڑ کی صورت میں بازوؤں کو زمین سے ملانے کی گنجائش ہے۔

اور عورت تمام حالتوں میں پیٹ کو رانوں سے ملائے رکھے کیونکہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

مرد کے طریقہ سجدہ کے دلائل کئی احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں ہوتے اس وقت اگر بکری کا بچہ نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔ ❻

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے اتنا جدا رکھتے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔ ❼

---

❶.....رواہ مسلم وابو داؤد۔ ❷ردالمحتار ۱/۴۶۵، ۴۷۰۔ ❸رواہ البخاری۔ ❹ رواہ البخاری۔ ❺متفق علیہ۔ ❻رواہ مسلم۔ ❼متفق علیہ

تیسری حدیث حضرت ابوحمید الساعدی کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو دونوں رانوں کو کھلا رکھتے اور پیٹ کورانوں سے جدار کھتے تھے ❶ چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ میں اعضاء کو برابر رکھواور کوئی تم میں سے اپنی بانہوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔ ❷

ج......تعدیل ارکان بالاتفاق واجب ہے جیسا کہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے۔اور ناک کو پیشانی کے ساتھ رکھنا مستحب ہے کمامرّ۔دلیل حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھتے تھے اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدار کھتے تھے اور ہاتھوں کو کندھوں کے مقابل رکھتے تھے۔ ❸

د......سجدے میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہنا اس کی کم سے کم مقدار ایک مرتبہ اور کمال کا ادنیٰ درجہ تین مرتبہ کہنا بالاتفاق سنت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔ ❹

حنفیہ کے ہاں مقتدیوں کی رعایت کی وجہ سے امام تین سے زیادہ مرتبہ تسبیح نہ کہے جب کہ مالکیہ کے ہاں اس کی کوئی حد نہیں ہے۔
مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں وبحمدہ، کا اضافہ کرنا چاہئے اور شوافع کے ہاں منفرد اور امام جو ایسے مقتدیوں کا ہو جو طویل نماز پر راضی ہوں تو یہ دعا بھی پڑھیں۔

سبوح قدوس رب الملائكة والروح اللهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت، سجده وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره تبارك الله احسن الخالقين

ترجمہ......اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکی والا ہے، تمام فرشتوں اور روح کا پروردگار ہے، یا اللہ! میں آپ ہی کو سجدہ کرتا ہوں آپ ہی پر ایمان لاتا ہوں، آپ ہی کے آگے جھکتا ہوں، میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا، اور اس کی صورت بنائی اور اس میں کان اور آنکھ کے شگاف پیدا کیے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے، بہت برکت والا ہے۔

ان کی (سبوح قدوس) جملہ اولیٰ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سجدہ میں سبوح قدوس رب الملائکہ والروح فرمایا کرتے تھے۔ ❺ سبوح قدوس اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی اللہ پاک ہے اور پاکی والا ہے اور سبوح کا معنی ہے جو تمام نقائص شریک اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اس سے پاک ہو۔ اور قدوس کا معنی جو چیز خالق کے شایان شان نہ ہو اس سے پاک ہے۔ اور باقی تسبیحات مسلم شریف میں ہیں۔

ہ......سجدے کی دعا، حنفیہ کے ہاں ❻ نمازی فرائض میں تسبیحات کے علاوہ کچھ نہ پڑھے اور جو تسبیحات منقول ہیں وہ نفل نماز وغیرہ کے لیے ہیں مالکیہ کے ہاں سجدہ میں امور دین ودنیا آخرت اپنے لیے دوسرے کے لیے خصوصی عمومی اور بغیر کسی حد کے جتنی وسعت سے دعا کرے تو مستحب ہے۔

اور حنابلہ کے ہاں ادعیہ ماثورہ وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور شوافع کے ہاں دعا مانگنے میں تاکید کرے۔

ان کی دلیل مسلم شریف وغیرہ کی روایت ہے کہ بندہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا اس میں زیادہ دعا کرو کیونکہ قبول ہونے کی زیادہ امید ہے ❼ اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! جب تم سجدے میں اپنا چہرہ رکھو تو کہا کرو:

---

❶......رواه ابوداؤد ❷نيل الاوطار: ۲۵۶/۲ ❸رواه ابوداؤد والترمذي وصححه (نيل الاوطار: ۲۵۷/۲) ❹رواه ابن ماجه وابوداؤد، ولم يقل (ثلاث مرات) ❺رواه مسلم ❻الدر المختار: ۴۷۲/۱ ❼رواه مسلم واحمد.

اللھم اعنی علی شکرك وحسن عبادتك

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ کلام یہ ہے کہ بندہ سجدے میں: رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی کہے۔①

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں:

اللھم اغفرلی ذنبی کلہ، دقہ وجلہ واولہ وآخرہ وعلانیتہ وسرہ

یا اللہ میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیجئے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے اول ہوں یا آخر، اعلانیہ ہوں یا خفیہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔②

۱۵۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا...... مرد کا دو سجدوں کے درمیان بائیاں پاؤں بچھا کر داہنا کھڑا رکھ کر اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرے اس طرح بیٹھنا کہ ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں کے برابر کھلی ہوئی رانوں پر ہوں۔

البتہ عورت حنفیہ کے ہاں تورک کرے بایں طور کہ اپنے بائیں پاؤں کو بھی داہنی طرف نکال کر سرینوں پر بیٹھے کیونکہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

مرد کے بیٹھنے کے طریقے پر دلیل حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے پھر آپ نے اتنا اطمینان کیا کہ تمام ہڈیاں اپنی جگہ پر آ گئیں پھر آپ سجدے کے لئے جھکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے تھے۔③

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے...... نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ داہنا پاؤں اس طرح کھڑا رکھا جائے کہ اس کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔④

کتے کی طرح بیٹھنا...... کتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے بایں طور کہ دونوں پاؤں بچھا کر ایڑیوں پر بیٹھنا دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دو سجدوں کے درمیان کتے کی طرح نہ بیٹھو اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم سجدے سے اپنا سر اٹھاؤ تو اس طرح نہ بیٹھو جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔⑤

شوافع اور حنابلہ کے ہاں سجدے سے اٹھتے یا بیٹھتے وقت ہاتھوں کا سہارا لینا مسنون ہے اور ممانعت کی روایت ضعیف ہیں۔⑥

۱۶۔ دو سجدوں کے درمیان دعا...... حنفیہ کے ہاں رکوع سے اٹھتے وقت جس طرح دعا نہیں اسی طرح دو سجدوں کے درمیان بھی کوئی دعا مسنون نہیں ہے۔ اسی طرح تسبیحات کے علاوہ رکوع وسجود میں بھی کوئی دعا مسنون نہیں اور جو دعائیں منقول ہیں وہ نفل یا تہجد کے لئے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں بھی دو سجدوں کے درمیان دعا مستحب نہیں ہے البتہ دعا کا تذکرہ ابن جوزی نے کیا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں دو سجدوں کے درمیان مسنون ہے اور حنابلہ تو اس کے وجوب کے قائل ہیں اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک مرتبہ اللھم اغفرلی کہے، اور کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ تین مرتبہ کہے جیسے رکوع وسجدہ میں تسبیح ہے۔

الفاظ دعا...... مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں دعا کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

رب اغفرلی، وارحمنی، واجبرنی، وارفعنی، وارزقنی، واھدنی وعافنی

---

①......رواھما سعید بن منصور فی سننہ ②رواہ مسلم ③متفق علیہ ④رواہ البخاری ⑤رواھما ابن ماجہ ⑥شرح الحضرمیہ ص ۴۶

حنابلہ کے ہاں ایسی دعا مانگنا جو ادعیہ ماثورہ میں نہ ہو یا جس میں آخرت کا تذکرہ نہ ہو بلکہ اس میں دنیاوی ضروریات ہوں تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔

سجدوں کے درمیان دعا کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ کو دو سجدوں میں رب اغفرلی پڑھتے ہوئے سنا ❶ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان ''اللهم اغفرلی، وارحمنی، واهدنی وعافنی وارزقنی'' پڑھتے تھے۔ ❷

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی آپ کے پاس آگئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! جب میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں تو کس طرح مانگوں۔ تو آپ نے فرمایا یوں کہہ: اللهم اغفرلی وارحمنی وارزقنی یہ دعا تیری دنیا و آخرت کی ضروریات پوری کرے گی'' کیونکہ استغفار میں پردہ ہے (عیوب کا) اور عافیت انسان سے مصائب دور کرنا اور رزق کی دو قسمیں ایک بدن کے لیے جیسے غذائیں دو باطن کے لئے جیسے علوم و معارف۔

جلسہ استراحت: شوافع کے ہاں ❸ دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون اور اس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، البتہ سجدہ تلاوت کے بعد جلسہ استراحت سنت نہیں کیونکہ بخاری شریف میں اس کا مسنون طریقہ موجود ہے اور جلسہ استراحت کی دلیل حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے آپ کو وتر پڑھتے ہوئے دیکھا آپ اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک سیدھے بیٹھ نہیں گئے۔ ❹

جمہور کے ہاں جلسہ استراحت مستحب نہیں اس لئے کہ ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کے بیان میں ہے اس میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ ❺

۱۷۔ تشہد اول...... پہلا تشہد اور اس کے لیے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی طرح افتراش اور آخری تشہد میں تورک کرنا۔

تشہد کے لیے صیغ شوافع کے ہاں یہ ہیں:

اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

فقہاء کا تشہد اول کے بعد اس کے لیے بیٹھنے کے مشروع ہونے پر اتفاق ہے البتہ یہ دونوں جمہور کے ہاں سنت ہیں اور حنفیہ کے ہاں واجب ہیں، دلیل یہ ہے کہ تشہد کا حکم دیا گیا ہے اور اگر رہ جائے تو سجدہ سہو کا حکم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دو رکعتوں میں بیٹھو تو یہ پڑھا کرو:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

پھر تم میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جو پسند ہو وہ دعا کرے اور اسے مانگے۔ ❻

حنابلہ نے تشہد کے وجوب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور اس پر ہیشگی اور اس کے حکم دینے سے استدلال کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ التحیات پڑھو اسی طرح آپ نے تشہد کے رہ جانے کی صورت میں سجدہ سہو کیا۔

---

❶......رواه النسائی ❷رواه الترمذی ❸مغنی المحتاج ۱/۱۷۱۔ ❹ رواه الجماعة الامسلماً ❺نيل الاوطار ۲/۲۸۴۔ ❻نيل الاوطار: ۲/۲۸۱

جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

جمہور کے ہاں اس تشہد پر زیادتی و اضافہ اور اس کو طویل کرنا مستحب نہیں، جب کہ حنابلہ کہتے ہیں جب مسبوق امام کے ساتھ کچھ نماز پالے تو تشہد پر زیادتی تو نہ کرے لیکن بار بار اس کو پڑھتا رہے یہاں تک کہ امام سلام پھیر دے۔

شوافع کے ہاں مسنون یہ ہے کہ مسبوق تشہد اول میں درود شریف کا اضافہ بھی کرے اور یہ الفاظ پڑھے:

اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی

خلاصہ..... مالکیہ کے ہاں دونوں تشہد سنت ہیں۔ حنفیہ کے ہاں دونوں واجب ہیں، اسی طرح پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا بھی اگرچہ نفل نماز ہی میں کیوں نہ ہو صحیح قول کے مطابق۔ شوافع کے ہاں پہلا تشہد پورا یا اس کا کچھ حصہ سنت ہے جب کہ دوسرا تشہد فرض ہے، حنابلہ کے ہاں پہلا واجب اور دوسرا فرض ہے۔

تشہد آہستہ پڑھنا..... تمام فقہاء وائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تشہد آہستہ پڑھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آواز سے نہیں پڑھا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تشہد کو آہستہ سرًّا پڑھنا سنت ہے ❶ نیز تشہد تسبیح کی طرح ذکر ہے قرأت نہیں لہٰذا سرًّا پڑھنا مستحب ہے۔

تشہد میں کس طرح بیٹھے..... حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں تشہد اول میں افتراشاً بیٹھے بایں طور کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور داہنے پاؤں کو کھڑا رکھے اور حنفیہ کے ہاں عورت تورک کرے اس میں پردہ زیادہ ہے۔ اور افتراش کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے تھے ❷ اسی طرح حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے سجدہ کیا پھر آپ بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے ❸ ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بایاں پاؤں بچھا کر اور داہنا کھڑا کر کے اس کا رخ قبلہ کی طرف رکھ کر بیٹھے ❹ اور حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی (دیہاتی) سے کہا، جب تم سجدہ کرو تو اپنے سجدہ کے لیے (پیشانی وغیرہ) ٹیکو۔ اور جب تم بیٹھو تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھو۔ ❺

مالکیہ کے ہاں دونوں تشہدوں میں تورک کرے دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے تشہد اور آخری دونوں میں تورک کرتے تھے ❻ حنفیہ کے ہاں تشہد اخیر میں بھی پہلے تشہد کی طرح بیٹھے سابقہ حدیث کی وجہ سے شوافع اور حنابلہ کے ہاں آخری تشہد میں تورک سنت ہے یہ بھی افتراش کی طرح ہے فرق صرف یہ ہے کہ بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرینوں پر بیٹھے، دلیل ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب آخری رکعت ہوتو آپ اپنے بائیں پاؤں کو پیچھے کر لیتے اور اپنے سرین پر تورکاً بیٹھے پھر سلام پھیرا اور صحیح قول کے مطابق مسبوق اور سجدہ سہو کرنے والا افتراش کرے۔

خلاصہ..... جمہور کے ہاں آخری تشہد میں تورک مسنون ہے اور حنفیہ کے ہاں سنت نہیں اور حنابلہ کے ہاں جس نماز میں تشہد ہیں وہاں تورک کرے ایک تشہد والی نماز میں نہیں جیسے صبح کی نماز۔

۱۸۔ ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا..... اس طرح سے کہ انگلیوں کے پورے گھٹنوں پر ہوں اور تشہد میں شہادت کے وقت شہادت کی انگلی اٹھانا۔

---

❶ ..... رواہ ابوداؤد ❷ رواہ مسلم ❸ رواہ احمد وابوداؤد ❹ رواہ البخاری ❺ رواہ احمد ❻ المغنی: ۱/۵۳۳

حنفیہ کے ہاں...... ❶ دو سجدوں کے درمیان جس طرح ہاتھ رکھ کر بیٹھا جاتا ہے اسی طرح یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر انگلیاں کھلی اور ران کے پورے گھٹنوں پر رکھے اور گھٹنوں کو نہ پکڑے اور دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شہادت پڑھتے وقت اشارہ کرے کہ لاالـــــہ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی نفی کے وقت انگلی اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے اثبات یعنی الا اللہ پڑھتے وقت گرادے تاکہ اٹھاتے وقت نفی کی طرف اور رکھتے وقت اثبات کی طرف اشارہ ہو اور انگلیوں کا عقد نہ بنائے۔

ان کی دلیل مسلم شریف کی وہ روایت ہے جس میں صرف اشارہ کا ذکر ہے اور اس کے راوی ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❷

مالکیہ کے ہاں...... ❸ بائیں ہاتھ کو لٹکائے اور دائیں ہاتھ کا عقد بنالے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے علاوہ باقی چھنگلیہ اور دونوں انگلیوں سے اور ان کے سروں کو انگوٹھے کے پاس رکھے اور شہادت کی انگلی کو اشارہ کرنے کی شکل میں رکھے اور یہ ۲۹ کی شکل وہیئت بن جاتے کیونکہ انگشت شہات کی انگوٹھے کے ساتھ ۲۰ کی صورت اور تین کو ملانے سے ۹ کی صورت بنتی ہے اور انگشت شہادت کو دائیں بائیں درمیانی حرکت دینا شروع تشہد سے آخر تک مستحب ہے اور یہ نیچے نہیں یہ استدلال کرتے ہیں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا پھر ایک بائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے اور آپ نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران اور گھٹنے پر رکھا اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو دائیں ران پر رکھا پھر اپنی دو انگلیوں کو ملا کر حلقہ بنایا پھر ایک انگلی کو اٹھایا میں نے دیکھا کہ اس کو حرکت دے رہے ہیں ❹ اور دعا کر رہے ہیں۔ ❺

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... ❻ دونوں قعدوں میں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا سنت ہے بائیں ہاتھ کو دراز کرے کھلا ہوا اور شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق انگلیاں ملا کر رکھے اس طرح کے انگلیاں گھٹنوں پر ہو اور سب کا رخ قبلہ ہو اور انگلیوں کو کشادہ نہ رکھے اس وجہ سے کہ انگوٹھے کا رخ قبلہ سے ہٹ جائے گا۔

اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر دے جب کہ شوافع کے ہاں درمیانی انگلی کو بھی بند کرے جب کہ حنابلہ کے ہاں انگوٹھے کے ساتھ درمیانی انگلی سے حلقہ بنائے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرے اس طرح کہ الا اللہ پر اٹھائے اور حرکت نہ دے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا ہے اور اسی انگلی کی طرف دیکھتا رہے اس کی دلیل ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ روایت ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ انگوٹھے کو انگشت شہادت سے ملائے جیسے ۵۳ کا عقد بنتا ہے بایں طور کہ اس کو انگوٹھے کے نیچے ہتھیلی والی طرف رکھے اگر انگشت شہادت اور انگوٹھا دونوں اکٹھے چھوڑ دے یا دونوں کو درمیانی انگلی کے اوپر ملا لیا یا دونوں کے پوروں سے حلقہ بنا لیا یا درمیانی انگلی کو انگوٹھے کے عقد میں رکھا تو بھی سنت ادا ہوگئی کیونکہ یہ سب طریقے منقول ہیں۔ لیکن شوافع کی ہاں پہلا طریقہ افضل ہے کیونکہ اس کے راوی فقیہ ہیں۔

ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ۵۳ کا عقد بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے ❼ اور انگلیوں کو حرکت نہ دینے کی دلیل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے وقت انگشت شہادت سے اشارہ کرتے اور اسے ہلاتے نہ تھے ❽ اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں اپنی انگلی کے ذریعے دعا کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا احد احد اور انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا۔ ❾

---

❶......نیل الاوطار: ۲/۱۸۴۔ ❷الدر المختار ۱/۴۷۴۔ ❸ الشرح الصغیر ۱/۳۳۰۔ ❹ نیل الاوطار: ۲/۲۸۳۔ ❺المصدر السابق۔ ❻المغنی: ۱/۵۳۴۔ ❼ رواہ مسلم ❽رواہ ابوداؤد۔ ❾رواہ النسائی

۱۹۔فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ پڑھنا:

حنفیہ کے ہاں......صحیح قول کے مطابق سنت ہے اگر کسی نے ساتھ سورت بھی ملالی تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ان دو رکعتوں میں بغیر کسی مقدار کے قرأت شروع ہے۔

شوافع کے ہاں......فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں......امام اور منفرد کے لیے واجب ہے۔

حنفیہ کی دلیل......یہ ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں متعین نہیں اور قرآن کریم میں سے کسی بھی جگہ سے آیت پڑھنا کافی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ المزمل:۷۳/۲۰

جتنا آسانی سے ہوسکے قرآن سے پڑھواسی طرح فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد مسیٔ صلاۃ کے لیے کہ پھر قرآن کریم میں سے جو تجھے آسان ہو پڑھ نیز فاتحہ اور تمام قران کریم تمام احکام میں برابر ہیں، نماز میں بھی اسی طرح ہیں اور بعض صحابہ (علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم) سے آثار بھی اس کی سنیت کے منقول ہیں، لہٰذا وجوب، سنیت کی طرف پھر جائے گا ان احادیث کی وجہ سے جو فاتحہ کی مواظبت پر وارد ہیں اور یہ ادنی درجہ ہے۔

جمہور کی دلیل......حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ❶ نیز اس وجہ سے بھی کہ قرأت فرض اور رکن ہے نماز میں لہٰذا رکوع اور سجدے کی طرح متعین ہے۔

باقی مسیٔ صلاۃ والی روایت مقید ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: پھر ام قرآن کو پڑھ اور جو اللہ چاہے تم پڑھو ❷ لہٰذا یہ فاتحہ پر محمول ہے اور ما تیسر من القرآن اس سے زیادہ پر محمول ہے۔

۲۰۔تشہد اخیر میں درود شریف وغیرہ:

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں......درود ابراہیمی سنت ہے یعنی تشہد اخیر میں درود شریف پڑھنا سنت ہے جیسا کہ پورا تشہد کہ اس میں چاہے سجدہ سہو ہی کا ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں......درور شریف پڑھنا واجب ہے آخری تشہد میں اور شوافع کے ہاں آل پر درود سنت ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں واجب ہے۔

حنابلہ کی وجوب پر دلیل......حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو ہمیں سکھایا ہے لیکن ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد پڑھو ❸ اثرم نے فضالہ بن عبید سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دعا کرتے ہوئے سنا کہ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کررہا تھا اور نہ آپ پر درود پڑھ رہا تھا تو آپ صلی اللہ

❶......متفق علیہ ❷ رواہ ابو داؤد ❸ متفق علیہ

علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے جلدی کی پھر اس کو آپ علیہ السلام نے بلا کر فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو اپنے رب کی بزرگی وتعریف سے شروع کرے پھر نبی پر درود بھیجے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے (اس حدیث میں صیغہ امر استعمال ہوا ہے) اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود بھیجنے کا طریقہ حضرت کعب کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔

شوافع کی دلیل...... شوافع وجوب درود پر اس آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۵۶﴾ (الاحزاب: ۳۳/۵۶) سے استدلال کرتے ہیں اور گزشتہ حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

نیز ایک اور حدیث جسے الدارقطنی، ابن حبان اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے ایسے ہی مسند احمد، مسلم، نسائی اور ترمذی کی حدیث بھی ہے اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ❶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کم از کم درود پڑھنے کی مقدار اللهم صل على محمد و آله ہے اور زیادہ انك حميد مجيد تک سنت ہے۔

اور آل پر درود پڑھنے کے سنت ہونے کی دلیل حضرت ابوزرعۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے جس نے اس کو چھوڑا وہ نماز کا اعادہ کرے اس حدیث میں آل کا ذکر نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل...... حنفیہ اور مالکیہ درود شریف کے سنت ہونے پر مذکورہ احادیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ احادیث میں مذکور اوامر کیفیت تعلیم سے تعلق رکھتے اور اس سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ❷ میرے نزدیک درود کا وجوب ان احادیث سے ثابت نہیں جن سے قائلین استدلال کرتے ہیں۔ اور اگر وجوب مان بھی لیا جائے تو پھر مسیء صلاۃ کو درود کا حکم نہ دینا اس کے وجوب کی نفی کرتا ہے اور خاص کر کے آپ کا یہ ارشاد کہ جب تم یہ ادا کر چکے تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی یہ واضح دلیل ہے درود کے مستحب ہونے پر، اور اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشہد کی تعلیم دینے کے بعد یہ کہنا کہ جب آپ نے یہ پڑھ لیا یا مکمل کر لیا تو تم نے اپنی نماز مکمل کر لی اب اگر تم کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ ❸ سے بھی ہوتی ہے۔

نماز کے علاوہ اوقات میں درود پڑھنے کا حکم...... البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کے علاوہ اوقات میں درود پڑھنا مستحب ہے اور طبری رحمہ اللہ نے آیت کے اندر حکم کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا۔

حنفیہ کے ہاں ❹ زندگی میں ایک دفعہ درود پڑھنا فرض ہے۔

اور فتویٰ اس بات پر ہے کہ جب بھی بار بار آپ علیہ السلام کا تذکرہ ہو تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے چاہے ایک ہی کیوں نہ ہو۔

درود میں سیدنا کا اضافہ کرنا...... حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❺ درود ابراہیمی میں سیدنا کا اضافہ کرنا مستحب ہے کیونکہ ان الفاظ کا اضافہ کرنا عین ادب ہے اور اس کو پڑھنا افضل ہے۔ البتہ وہ روایت جس میں آپ نے نماز میں سیدنا پڑھنے سے منع فرمایا ہے تو یہ روایت موضوع اور جھوٹ ہے۔ آپ پر کامل درود اس طرح ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

❶ الدر المختار ۱/ ۴۷۹۔ ❷ نیل الاوطار: ۲/ ۲۸۸۔ ❸ رواہ الدارقطنی۔ ❹ الدر المختار: ۱/ ۴۸۰۔ ❺..... نیل الاوطار: ۲/ ۲۸۴۔

۲۱۔ درود شریف کے بعد دعا...... حنفیہ کے ہاں نمازی ماثور ومنقول دعائیں پڑھے۔ جمہور کے ہاں دنیا وآخرت دونوں کی خیرو عافیت کی دعا کرسکتا ہے، البتہ منقول دعائیں افضل ہیں۔ اور تمام لوگوں کے لیے دعا کرنا مستحب ہے کیونکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ اور عام دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے:

اللهم اغفرلنا ولوالدينا ولمن سبقنا بالايمان مغفرة عزما

ترجمہ...... یااللہ! ہماری ہمارے والدین اور ان تمام لوگوں کی یقینی مغفرت فرمادے جو ہم سے ایمان لینے میں سبقت لے گئے۔

ماثور دعائیں:

۱...... رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

ترجمہ...... اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائیے اور آخرت میں بھی اچھائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیے۔ ❶

۲...... اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً كثيراً وانه لايغفر الذنوب الا انت،
فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفو رالرحيم ❷

ترجمہ...... یااللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے، اور آپ کے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا، لہٰذا آپ خاص اپنی طرف سے میری مغفرت فرمادیجئے۔

اور مجھ پر رحم کیجئے بے شک آپ ہی بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

۳...... اللّٰهم انی اعوذبك من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا
والممات ومن شر فتنة المسيح الدجال ❸

ترجمہ...... یااللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور عذاب قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے کے مکر سے۔

۴...... اللّٰهم انی اعوذبك من المغرم والمأثم

ترجمہ...... یااللہ میں قرض داری اور گناہ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۵...... اللهم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت
وما انت اعلم به منی، انت المقدم وانت الموخر لااله الا انت ❹

ترجمہ...... یااللہ! معاف فرمائیے میرا وہ گناہ جو میں نے پہلے کیا ہو یا بعد میں جو میں نے خفیہ طریقے پر کیا ہو یا اعلانیہ اور میری ہر زیادتی کو اور گناہوں کو معاف فرمادیئے جن کا آپ کو مجھ سے زیادہ علم ہے آپ ہی آگے کرنے والے ہیں اور آپ ہی پیچھے کرنے والے ہیں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ درج ذیل دعائیں پڑھا کرتے تھے:

۶...... اللهم انی اسالك من الخير كله ما علمت منه وما لم اعلم، واعوذبك منالشر كله
ما علمت منه وما لم اعلم، اللهم انی اسا لك من خير ماسالك عبادك الصا لحون،

---

❶...... اسنى المطالب: ❷ ۲۵۳ رواه البخاری۔ ❸ سبل السلام ۱/ ۱۹۴۔ ❹ رواه مسلم

واعوذبك من شر ماعاذ منه عبادك الصالحون، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ربنا اغفرلنا ذنوبنا و کفرعنا سیا تنا وتوفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیامة انك لا تخلف المیعاد ⓫

ترجمہ...... یااللہ! میں آپ سے تمام کی تمام بھلائیاں مانگتا ہوں جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا، اور میں تمام کے تمام شرور سے پناہ مانگتا ہوں جو میں جانتا ہوں اور جو انہیں جانتا، یااللہ! میں آپ سے ان تمام اچھی چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ سے آپ کے نیک بندوں نے مانگی ہیں اور ان تمام بری چیزوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جن سے آپ کے نیک بندوں نے آپ کی پناہ مانگی ہے اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیے۔ اے ہمارے پروردگار! پس ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے اور ہماری برائیوں کا کفارہ کر دیجئے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے اور ہمارے پروردگار! ہمیں وہ عطا کر دیجئے جن کا وعدہ آپ نے اپنے رسولوں سے کیا ہوا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

۷۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا میں تمہیں چند کلمات کی وصیت کرتا ہوں ان کو ہر نماز میں پڑھا کرو:

اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك ⓬

ترجمہ...... اے اللہ! میری اس بات میں مدد فرما کہ میں آپ کا ذکر کر سکوں آپ کا شکر ادا کروں اور آپ کی اچھی عبادت کروں۔

۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور اپنی نماز یا کہا اپنے سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے:

اللھم اجعل فی قلبی نورا، وفی سمعی نورا وفی بصری نورا وعن یمینی نورا وعن شمالی نورا وامامی نورا وخلفی نورا وفوقی نورا وتحتی نورا واجعل لی نورا اوقال: واجعلنی نورا ⓭

ترجمہ...... یااللہ! میرے دل میں نور عطا فرما اور میری ساعت میں نور میری آنکھ میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے سامنے نور، میرے پیچھے نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور اور میرے لیے نور مقرر فرما دیجئے۔

حنفیہ کے ہاں...... نماز میں ایسی دعا مانگنا جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو جائز نہیں مثلاً: اللھم ارزقنی کذا یا ایسی چیز کی دعا مانگنا جو لوگوں سے حاصل کی جا سکتی ہے مثلاً: اللھم زوجنی فلانة اس طرح کی دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر تشہد اخیر میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے اس طرح کی دعا مانگ لی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر بعد میں مانگے تو واجب فوت ہو جائے گا کیونکہ سلام سے پہلے اس طرح کی دعا کرنے کی وجہ سے وہ نماز سے خارج ہو جائے گا بغیر سلام پھیرے۔ حنفیہ مسلم شریف کی گزشتہ حدیث کہ یہ نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی نماز تو تسبیح تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے، سے استدلال کرتے ہیں۔

باقی فقہاء کے ہاں...... حنفیہ کے علاوہ باقی فقہاء ہر قسم کی دعا کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو بعض صحابہ یعنی ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ⓮ وغیرہ سے منقول ہے اور تشہد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث پھر جو پسند آئے وہ دعا کرو' اور ایک روایت میں ہے پھر مانگنے میں اختیار ہے جو چاہو اور ایک روایت میں ہے کہ پھر جو کلام چاہے پڑھو ⓯ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

⓫......رواہ الاثرم ⓬رواہ مسلم ⓭رواہ مسلم ⓮سبل السلام: ۱/۱۹۵۔ ⓯ نصب الرایة: ۱/۴۲۸

عربی میں دعا کرنا.....تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دعا عربی میں مانگی جائے حنفیہ کے ہاں عربی کے علاوہ دعا مانگنا حرام ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نماز کے باقی اذکار عربی کے علاوہ زبان میں بھی صحیح ہیں لیکن مکروہ تحریمی ہیں جب کہ صاحبین اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ جب کہ شوافع کے ہاں جو شخص عربی پر قادر نہ ہو تو وہ دعا ذکر مستحب وغیرہ کو اپنی زبان میں پڑھ سکتا ہے اور عربی پر قادر شخص صحیح قول کے مطابق نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں۔ ❶

۲۲۔ پہلے دائیں پھر بائیں سلام پھیرنا.....یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ سلام حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور جمہور کے ہاں رکن ہے اور دائیں بائیں اس طرح منہ پھیرنا کہ رخسار کی سفیدی نظر آ جائے بھی کرے جب کہ پہلا سلام شوافع اور مالکیہ کے ہاں واجب ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں دونوں سلام واجب ہیں۔

دائیں بائیں منہ پھیرنے کی دلیل.....حضرت ابن مسعود اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی سابقہ روایات ہیں۔ نیز یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ نمازی دائیں بائیں سلام پھیرتے وقت فرشتوں، انسانوں اور جنوں کی نیت کرے اور امام مقتدیوں اور مقتدی امام کی نیت کریں، البتہ حنفیہ کے ہاں اگر مقتدیوں کی دائیں جانب امام ہے تو پھر پہلے سلام میں اس کی اور اگر بائیں جانب ہے تو دوسرے سلام میں اس کی نیت کریں۔ اور شوافع کے ہاں اس کے برعکس ہے قفال الشاشی الکبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلام کا مطلب یہ ہے کہ پہلے چونکہ یہ مصروف تھے اب ان کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ ❷

سلام پھیرتے وقت قبلہ رخ ہونا:

حنفیہ کے ہاں.....پہلے سلام میں دائیں طرف مڑنا اور دوسرے سلام میں بائیں طرف مڑنا سنت ہے۔

مالکیہ کے ہاں.....مقتدی کے لیے تو سلام میں مکمل دائیں طرف مڑنا مستحب ہے البتہ امام اور منفرد لفظ السلام پر تو قبلہ کی طرف اشارہ کریں اور علیکم کے کاف اور میم پر دائیں طرف مڑیں یہاں تک کہ ان کا چہرہ پیچھے والے دیکھ سکیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں.....السلام علیکم تو قبلہ رخ ہو کر کہے اور ورحمۃ اللہ پر مڑے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ کہ آپ علیہ السلام سلام پھیرتے تھے مطلب یہ کہ ابتداء تو قبلہ رخ سے کرتے تھے اور انتہاء دائیں طرف مڑ کر کرتے تھے۔

۲۳۔ دوسرا سلام پست آواز سے کہنا:

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں.....دوسرا سلام پہلے کی بنسبت پست آواز میں کہے کیونکہ پہلے سلام میں اعلان مقصود تھا وہ جہراً ہو گیا۔ لہٰذا اس کے علاوہ جہر مشروع نہیں۔

مالکیہ کے ہاں.....نماز سے نکلنے کے لیے ایک سلام آواز سے کہنا سنت ہے یعنی امام مقتدی اور منفرد کے لیے نماز سے نکلنے کے لیے آواز سے کہنا سنت ہے اور مقتدی کے لئے پہلے سلام کا جواب اور بائیں طرف موجود نمازیوں پر سلام وغیرہ پست آواز سے مستحب ہے۔

حنابلہ کے ہاں.....امام پہلا سلام جہراً کہے اور باقی (منفرد مقتدی اور امام کا دوسرا سلام کہنا) سراً مستحب ہے۔

۲۴۔ مقتدی کا امام کے سلام کے ساتھ سلام کہنا.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقتدی کے لیے امام کے ساتھ سلام پھیرنا ایسے ہی سنت ہے جیسے سلام کے علاوہ تکبیر تحریمہ اور بقیہ تکبیرات ساتھ کہنا سنت ہے۔

---

❶.....مغنی المحتاج ۱: /۱۷۷۔ ❷المرجع السابق

اور صاحبین اور شوافع کے ہاں مقتدی کے لیے امام کے سلام کہنے کے بعد سلام کہنا سنت ہے تاکہ دنیاوی کاموں میں بھی مقتدی امام سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے شافعیہ کہتے ہیں کہ چونکہ امام کے سلام پھیرنے سے اس کی امامت ختم ہو جائے گی اس وقت تک مقتدی دعا وغیرہ میں مشغول رہے اس کے بعد سلام پھیرے۔ اگر امام نے صرف ایک ہی سلام پھیرا تو مقتدی ثواب حاصل کرنے کی غرض سے دونوں سلام پھیرے اور پہلے سلام سے امام کی متابعت بھی ختم ہونے کی وجہ سے۔

۲۵۔ **مسبوق کا امام کے دونوں سلاموں کا انتظار کرنا**...... چونکہ متابعت کرنا واجب ہے اور اس انتظار سے اسے معلوم ہو جائے کہ امام پر سجدہ سہو نہیں اور یہ حنفیہ کے ہاں سنت ہے۔

۲۶۔ **شوافع کے ہاں خشوع قرأت واذکار میں غور وفکر**...... کرنا سنت ہے اور نماز میں نشاط سے اور دل کو دنیاوی مشاغل سے فارغ کر کے داخل ہونا بھی سنت ہے کیونکہ اس سے زیادہ خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں آداب نماز...... ادب کی تعریف: وہ کام جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر ہمیشگی اور دوام اختیار نہ کیا ہو جیسے رکوع وسجود میں زیادہ تسبیحات پڑھنا، قرأت مسنونہ سے زیادہ قرأت کرنا وغیرہ۔ اور آداب سنت کو پورا کرنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں اور حنفیہ کے ہاں آداب درج ذیل ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت آستینوں سے دونوں ہتھیلیاں نکالنا، کیونکہ اس میں تواضع زیادہ ہے البتہ سردی وغیرہ کی وجہ سے نہ بھی نکالے تو گنجائش ہے اور عورت نہ نکالے کیونکہ بازو کھلنے کا خطرہ ہے۔

۲۔ قیام (اور قومہ) میں سجدہ کی جگہ رکوع میں پیروں کے اوپر سجدہ میں ناک پر جلسہ (اور قعدہ) میں گود میں اور سلام پھیرتے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا خشوع وخضوع حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے اس ارشاد کو دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ سب تفصیل بعض حنفیہ کے ہاں ہے البتہ ظاہر روایت کے مطابق نظر سجدہ کی جگہ رکھنا ادب ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے۔

۳۔ جمائی میں منہ بند کرنا اور کھل جانے پر بائیں ہاتھ کی پشت یا آستین سے روکے کیونکہ بلاضرورت ڈھانپنا مکروہ ہے۔

۴۔ جہاں تک ہو سکے کھانسی روکنا کیونکہ بلا عذر کھانسنا مفسد نماز ہے۔

۵۔ جب امام محراب کے قریب ہو تو ''حی علی الفلاح'' پر مقتدیوں اور امام کو کھڑا ہو جانا چاہیے کہ اس کی رعایت رکھی جائے اور اگر امام موجود نہ ہو تو باہر سے آتے ہوئے جس صف سے گزرے اس صف والے کھڑے ہوتے جائیں۔ اور اگر امام محراب کی جانب سے داخل ہو تو اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر امام مسجد میں کھڑا تھا تو جب تک وہ محراب میں جا کر کھڑا نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

امام ''قد قامت الصلاۃ'' ہوتے وقت نماز شروع کر دے ہاں! اگر اس نے اقامت کے ختم کرنے کا انتظار کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بالا جماع۔ یہ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے حنفیہ کے علاوہ اور یہ معتدل مذہب ہے۔

مکبّر مقرر کرنا...... تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام کو بقدر ضرورت جہر کرنا تکبیرات تسبیحات اور سلام میں سنت (اور مالکیہ کے ہاں مستحب ہے) پیچھے والوں کو اطلاع کے لیے۔ اگر امام آواز سے نہ کہہ سکتا ہو تو کسی دوسرے کو مکبر مقرر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایام میں تکبیرات کہا کرتے تھے مقتدیوں کے لیے منفرد اور مقتدی صرف اپنے آپ کو سنائیں اور مالکیہ کے ہاں ہر نمازی کے لئے تکبیر تحریمہ کو بلند آواز سے کہنا مستحب ہے کما مرّ اگر امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو تو تکبیرات کے لیے مکبر مقرر کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔

اور تکبیر کہنے والے کے لئے ضروری ہے چاہے وہ امام ہو یا مکبر کہ وہ تکبیر تحریمہ سے نماز کے احرام کی نیت کرے اگر کس نے صرف اطلاع کی نیت کی تو نماز منعقد نہیں ہوگی اور شوافع کے ہاں اگر تکبیر تحریمہ سے کسی چیز کی نیت بھی نہ کی تو نماز نہیں ہوگی اور اگر احرام کے ساتھ اطلاع کی بھی نیت ہو تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں نماز درست ہو جائے گی۔

جمہور کے ہاں اگر مکبر یا امام نے باقی تکبیرات انتقال تسبیح اور تحمید میں صرف اطلاع کی نیت کی تو نماز باطل نہیں ہوگی البتہ ثواب نہیں ملے گا۔

اور حنفیہ کے ہاں اگر تکبیرات وغیرہ سے لوگوں کو مرعوب کرنا مقصود ہو تو پھر صحیح قول کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جیسے کہ جس نے ضرورت سے زیادہ آواز بلند کی تو اس سے وہ گناہ گار ہوگا اور گناہ کراہت سے کم درجہ ہے۔

شوافع کے ہاں تکبیرات انتقال وغیرہ میں اگر کہنے والا عام آدمی نہ ہو اور پھر وہ فقط اطلاع کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

البتہ عام آدمی کی نماز باطل نہیں ہوگی اگر چہ اس نے صرف اطلاع کی ہی نیت کی ہوں۔

مکبّر مقرر کرنے کی دلیل...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی حضرت ابو بکر صدیق مکبر تھے، جب آپ تکبیر کہتے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمیں سنانے کے لیے تکبیر کہتے۔

ہر مذہب کے مطابق نماز کی سنتوں کا اجمالی خاکہ...... نماز کی سنتوں کی تعداد ہر مذہب میں الگ الگ ہے اس لیے کہ بعض حضرات کسی ایک فعل کو سنت گردانتے ہیں جبکہ دوسرے مذہب والوں کے ہاں بغیر وہی چیز فرض شمار کی جاتی ہے۔

حنفیہ کے ہاں نماز کی سنتیں...... حنفیہ کے ہاں جس طرح نماز کے آداب مستقل طور پر مقرر ہیں ایسے ہی نماز کی سنتیں بھی ہیں جن کی تعداد اکیاون ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت مردوں کا کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور عورت کا دونوں کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا۔

۲۔ ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑنا نہ بالکل ملائی جائیں نہ ہی کھولی جائیں۔

۳۔ مقتدی کی تحریمہ، امام کی تحریمہ سے متصل ہو۔

۴۔ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا اور عورت کے لیے سینے پر باندھنا۔

۵، ۶، ۷۔ ثناء پڑھنا، تعوذ پڑھنا اور ہر رکعت میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

۸، ۹، ۱۰۔ آمین اور ربنا لك الحمد کہنا، ان دونوں سمیت ثناء تعوذ اور تسمیہ کو آہستہ آواز سے کہنا۔

۱۱۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر جھکائے بغیر سیدھا کھڑا ہونا۔

۱۲۔ امام کا تکبیر تسمیع اور سلام کا اونچی آواز سے کہنا

۱۳۔ قیام کی حالت میں چار انگلیوں کی بقدر دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ رکھنا۔

۱۴۔ مقیم کے لیے نماز اور ظہر میں فاتحہ کے بعد طوال مفصل میں سے کوئی سورت پڑھنا، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل میں سے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا، البتہ مسافر کوئی سی بھی سورت پڑھ سکتا ہے۔

۱۵۔ حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق تمام نمازوں کی پہلی رکعت کو دوسری کے مقابلہ میں تھوڑا لمبا کرنا۔

۱۶، ۱۷۔ رکوع اور سجدے میں جاتے وقت اور سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا اور رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور

رکوع میں تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم ''اور سجدے میں ''سبحان ربی الاعلیٰ '' کہنا۔

۱۸۔رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔

۱۹۔مرد کا رکوع کی حالت میں انگلیاں کھول کر رکھنا اور عورت کا نہ کھولنا۔

۲۱۔ ۲۰۔رکوع میں پیٹھ اس طرح رکھنا کہ سر اور سرین دونوں برابر ہوجائیں۔

۲۲۔ ۲۳۔جلسہ اور قومہ کو اطمینان سے ادا کرنا۔

۲۴۔سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ اور پھر چہرے کا رکھنا جب کہ سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔

۲۵۔سجدے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھ کر ان دونوں کے درمیان سجدہ کرنا۔

۲۶۔مرد کا سجدے کی حالت میں اپنے پیٹ کو رانوں سے اور بازوں کو پہلو سے جدا رکھنا اور ایسے ہی کہنیوں کو سجدے کی حالت میں زمین سے اٹھائے رکھنا۔

۲۷۔عورت کا اپنے پیٹ کو سجدے کی حالت میں اپنی رانوں سے ملا کر رکھنا۔

۲۸۔دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا لیکن حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق واجب ہے سنت نہیں ہے۔

۲۹۔جلسہ اور تشہد کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا۔

۳۰۔جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف رہیں۔

۳۱۔عورت کا جلسہ اور قعدہ میں تورک کرنا (تفصیل پہلے گذر چکی ہے)۔

۳۲۔تشہد میں لا الہ پر انگشت شہادت سے اشارہ کرنا اور لا الہ پر گرا دینا۔

۳۳۔پہلی دو رکعتوں کے بعد آخری رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

۳۴۔قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا اور بہتر درود ابراھیمی ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔

۳۵۔درود کے بعد ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا پڑھنا۔

۳۶۔سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں رخ کرنا۔

۳۷۔امام کے لیے سلام پھیرتے وقت باری باری دونوں طرف کے مقتدیوں ملائکہ اور نیک جنات کی بھی نیت کرنا۔

۳۸۔مقتدی کے لیے دائیں طرف سلام پھیرتے وقت اگر امام دائیں طرف ہے اس کی نیت کرنا اور اگر بائیں طرف ہے تو بائیں طرف سلام پھیرتے وقت اور اگر بالکل سامنے ہے تو دونوں سلاموں میں امام کی بھی نیت کرنا نیز امام کے ساتھ ساتھ نمازیوں فرشتوں اور نیک جنات کی نیت کرنا۔

۳۹۔البتہ منفرد صرف فرشتوں ہی کی نیت کرے۔

۴۰۔دوسرے سلام کو پہلے سلام کی بنسبت پست آواز سے کہنا۔

۴۱۔مقتدی کے لیے امام کے سلام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرنا۔

۴۲۔پہلے دائیں طرف سلام پھیرنا۔

۴۳۔مسبوق کے لیے امام کے دوسرے سلام پھیرنے تک انتظار کرنا تا کہ سجدہ سہو نہ ہونے کا یقین ہوجائے۔

مذہب مالکیہ میں نماز کی سنتیں...... مالکیہ کے ہاں نماز کی چودہ سنتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱...... اگر وقت میں گنجائش ہو تو پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک آیت یا بڑی آیت کا ایسا حصہ پڑھنا جو معنی خیز ہو جیسے ''اللہ لاالٰہ الا ھو الحی القیوم'' البتہ پوری سورت پڑھنا مستحب ہے۔

۲...... سورۃ فاتحہ کے بعد والی سورت پڑھتے وقت فرض نمازوں میں قیام کرنا ہاں! اگر کسی ایسی چیز کے ساتھ ٹھیک لگائی اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو وہ گر جائے تو تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی لیکن اس کو بیٹھ کر ادا کرنا درست نہیں اس سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ مالکیہ کے ہاں فرض نماز میں قیام فرض ہے، البتہ نفل اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ نفل نماز میں قیام فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔

۳...... نماز فجر، جمعہ اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں جہراً قرات کرنا۔

۴...... ظہر، عصر، مغرب کی آخری اور عشاء کی آخری دو رکعات میں آہستہ آواز سے قرأت کرنا۔ جہر اور سر کا تعلق سورۃ فاتحہ سے ہے نہ کے اس کے بعد والی سورت سے۔

نوٹ...... یہ چاروں سنتیں فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔ نفل نماز میں یہ مسنون نہیں۔

مرد اور عورت کے لیے جہر کی کم سے کم مقدار متوسط سماعت والے ساتھ کھڑے شخص کو سنانا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کا کوئی غیر محرم وہاں موجود نہ ہو اور سر کی کم سے کم مقدار زبان ہلانا ہے۔

۵...... تکبیر تحریمہ کے علاوہ تمام تکبیرات کہنا۔

۶...... امام اور منفرد کے لیے رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع کہنا جب کہ مقتدی کے لیے تسمیع مکروہ ہے۔

۷...... قعدہ اولیٰ، قعدہ اخیرہ اور سجدہ سہو کے قعدے میں تشہد پڑھنا۔

۸...... اور اس تشہد کے لیے بیٹھنا۔

۹...... قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد کوئی سا بھی درود شریف پڑھنا البتہ افضل وہ درود شریف ہے جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۱۰۔ پاؤں کے اگلے حصے گھٹنوں اور ہتھیلیوں پر سجدہ کرنا اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ واجب سجدہ صرف پیشانی پر ہے۔

۱۱...... مقتدی کا اپنے امام کے سلام کے جواب کی سنیت، اور اگر ایک رکعت سے زیادہ شریک نماز رہا تو بائیں طرف والے نمازیوں کی نیت کرنا اور اس میں سلام علیکم یا وعلیکم السلام کے الفاظ کافی ہیں۔

۱۲...... صرف پہلے سلام کو جہراً کہنا نہ کہ دوسرے کو۔

۱۳...... جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے خاموش رہنا اگرچہ امام خاموش ہی رہے یا مقتدی کو آواز نہ آتی ہو تب بھی۔

۱۴...... واجب اطمینان کی بقدر اطمینان بھی سنت ہے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مالکیہ حنفیہ کے ساتھ درج ذیل سنن کے علاوہ سنتوں میں متفق قرأت کے لیے قیام تشہد اور اس کے لیے بیٹھنا چھ اعضاء پر سجدہ کرنا اور جہری نمازوں میں مقتدی کا خاموش رہنا۔

مالکیہ کے ہاں مستحبات نماز...... مالکیہ کے ہاں مستحبات نماز اڑتالیس ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ اداء نماز میں اداء کی نیت کرنا اور قضاء نماز میں قضا کی۔

۲۔ تعداد رکعات کی نیت کرنا۔

۳۔ خشوع یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا استحضار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی بندگی کا ارادہ نہ ہونا اور اس نماز میں اللہ تعالیٰ کے حکم

کی تعمیل کا استحضار یہی مستحب خشوع ہے اور اصل خشوع واجب ہے۔

۴۔صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھانا نہ کہ باقی تکبیرات رکوع وقومہ وغیرہ میں۔

۵۔ہاتھوں کو عزت واحترام کے ساتھ چھوڑے رکھنا البتہ نفل نماز میں سینے پر باندھنا جائز ہے اور فرائض میں مکروہ ہے کیونکہ یہ سہارا لگانے کے مترادف ہے جو کہ مکروہ ہے۔

۶۔سورۃ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھنا لہٰذا سورت کے کچھ حصہ یا ایک بڑی آیت پر اکتفاء درست نہیں۔

۷۔فرض نماز کی دوسری رکعت میں وہ سورت پڑھنا جو پہلی میں نہ پڑھی ہو نہ کہ نفل میں جیسے ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح دو رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا بھی مکروہ ہے البتہ نفل نماز میں فاتحہ کے بعد ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنا جائز ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ نفل کی ایک رکعت میں بھی ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنا مکروہ ہے۔

۸۔صبح اور ظہر کی نماز میں لمبی قرأت کرنا البتہ ظہر کی نماز میں صبح کی نماز کی بہ نسبت کم ہونی چاہیے۔اور صحیح قول کے مطابق طوال مفصل سورۃ حجرات سے شروع ہیں منفرد اور مقتدیوں کو نماز پڑھانے والے امام جن کی لمبی قرأت پر مقتدی راضی ہو تو ان کے لیے نماز لمبا کرنا ورنہ امام کے حق میں ہلکی نماز پڑھانا افضل ہے کیونکہ لوگوں میں کمزور اور کام کاج والے ہوتے ہیں۔

۹۔مغرب اور عصر میں قصار مفصل جو والضحیٰ سے شروع ہیں کی قرأت کرنا۔

۱۰۔اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل جو سورۃ عبس سے سورۃ اللیل کے آخر تک ہیں میں سے قرأت کرنا۔

۱۱۔دوسری رکعت کو پہلی سے کم پڑھنا اور برابر بھی جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔اور دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا مکروہ ہے۔

۱۲۔نمازی کا سری نمازوں میں اس طرح قرأت کرنا کہ خود سن لے کیونکہ یہ مکمل ہے نیز جن کے ہاں نفس کو سنانا ضروری ہے ان کے اختلاف سے بھی آدمی نکل جاتا ہے۔

۱۳۔مقتدی کا سری نمازوں اور مغرب کی آخری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنا۔

۱۴۔منفرد اور مقتدی وغیرہ کے لیے جہری وسری نمازوں میں ولا الضالین کے بعد آمین کہنا جب کہ مقتدی نے امام کی آواز سنی ہو اور امام کا صرف سری نمازوں میں آمین کہنا۔

۱۵۔ہر نمازی کا آمین کو آہستہ کہنا۔

۱۶۔رکوع میں پیٹھ برابر رکھنا۔

۱۷۔رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھنا کہ گھٹنے پکڑے ہوئے ہوں۔

۱۸۔گھٹنوں کو رکوع میں سیدھا رکھنا تاکہ جھکاؤ نہ ہو۔

۱۹۔رکوع میں سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کہنا نیز رکوع میں دعا اور قرأت نہ کرنا البتہ سجدے میں دعا کی گنجائش ہے۔

۲۰۔کہنیوں کو پہلو سے الگ رکھنا۔

۲۱۔منفرد اور مقتدی کا ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد ''اللھم ربنا ولك الحمد'' کہنا۔اس میں واو کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔البتہ حذف نہ کرنا افضل ہے جبکہ امام ''ربنا لك الحمد'' نہ کہے جیسا کہ مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہتا البتہ منفرد تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔

۲۲۔رکوع، سجدہ، سجدہ سے اٹھتے وقت اور تشہد اول سے اٹھنے وقت تکبیر کہنا۔

۲۳۔ زمین یا تخت یا چھت وغیرہ پر سجدہ میں پیشانی اور ناک رکھنا۔

۲۴۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھنا اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔

۲۵۔ سجدہ میں ہاتھوں کو اس طرح کانوں کے برابر رکھنا کہ انگلیاں کانوں کے بالمقابل ہوں۔

۲۶۔ ہاتھوں کی انگلیاں اور پورے اس طرح ملانا کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔

۲۷۔ دوران سجدہ پیٹ کو رانوں سے، کہنیوں کو گھٹنوں سے اور کہنیوں سے اوپر کے حصے کو پہلو سے الگ رکھنا۔ البتہ عورت ہر حالت میں ان کو ملا کر رکھے۔

۲۸۔ سرین سجدہ کی حالت میں سر سے اوپر ہوں اگر سر اور سرین برابر یا سرین سر سے اوپر ہوئی تب بھی مالکیہ کے ہاں نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں شوافع اور حنفیہ کے ہاں باطل ہو جائے گی۔

۲۹۔ سجدہ میں تسبیح کے بعد دین دنیا، آخرت، اپنے لیے یا کسی اور کے لیے خصوصی یا عمومی بغیر کسی حدوقید کے جتنی اللہ نے توفیق دی ہے دعا کرنا۔

۳۰۔ دو سجدوں کے درمیان اور تشہد اول واخیر میں اس طرح بیٹھنا کہ دایاں پاؤں کھڑا رہے اور بایاں پاؤں دائیں پاؤں کی طرف کر کے بچھا کر رکھے۔

۳۱۔ اور بیٹھتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں پر رکھنا اور پورے گھٹنوں کے برابر رکھنا۔

۳۲۔ دونوں رانوں کو اس حالت میں کشادہ رکھنا، اور عورت کا ملا کر رکھنا۔

۳۳۔ انگوٹھے اور انگشت شہادت کے علاوہ باقی انگلیوں کا تشہد کی حالت میں حلقہ بنانا اور انگشت شہادت کو دائیں بائیں حرکت دیتے رہنا شروع تشہد سے آخر تک۔

۳۴۔ دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے صبح کی نماز میں دعا قنوت آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے جونسے الفاظ پڑھے مثلاً ''اللهم اغفرلنا ورحمنا'' البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول درج ذیل الفاظ پڑھنا مستحب ہے اور انہی کو امام مالک نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہیں۔

اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونخنع لك ونخلع ونترك من يكفرك اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد، واليك نسعى ونحفد ونرجوا رحمتك ونخاف عذابك ان عذابك الجد با لكافرين ملحق

اے اللہ! ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں اور آپ سے بخشش چاہتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور علیحدہ کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے، اے اللہ! ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف کوشش کرتے ہیں اور ہم حاضری دیتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک آپ کا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

۳۵۔ درود شریف کے بعد سلام سے پہلے دعا کرنا۔

۳۶۔ ہر دعا آہستہ کرنا مستحب ہے لہٰذا تشہد کی طرح دعا بھی آہستہ کرنا۔

۳۷۔ عمومی دعا کرنا کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ ان عمومی دعاؤں میں سے کچھ یہ ہیں:

اللهم اغفرلنا ولوالدينا و لائمتنا ولمن سبقنا بالايمان مغفرة عزما

ترجمہ...... یا اللہ ہمارے والدین ہمارے ائمہ اور جو لوگ ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے، ان کی یقینی مغفرت فرمادے۔

اللھم اغفرلنا ماقدمنا وما اخرنا وما اسررنا واعلنا ومااانت اعلم بہ منہ
ربنا آتنا فی الدنیا حنسۃ وفی الآخرۃ حسنۃ، وقنا عذاب النار

ترجمہ...... یا اللہ! معاف فرمائیے ہمارے وہ تمام گناہ جو ہم نے پہلے کیے ہیں یا بعد میں جو ہم نے پوشیدہ کیے ہوں یا اعلانیہ اور ان گناہوں کو جن کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطاء فرمائیے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرمائیے۔ یعنی ہمیں ہدایت وعافیت اور دنیا کی زندگی میں اصلاح اور نیک لوگوں کے ساتھ شمولیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرت میں شفاعت نصیب فرما ہمارے اور آگ کے درمیان بچاؤ پیدا فرما تا کہ ہم اس میں داخل نہ ہوں۔ سب سے عمدہ دعائیں وہ ہیں جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ہیں پھر وہ دعائیں جو نیک بندے کرتے ہیں۔

۳۸۔ مقتدی کے لیے پہلے سلام میں دائیں طرف سلام کرنا البتہ امام اور منفرد سلام کہتے وقت قبلہ کی طرف رخ کریں اور علیکم کے کاف اور میم پر اس طرح دائیں طرف مڑیں کے پیچھے سے رخسار نظر آئیں۔

۳۹۔ امام اور منفرد کا اپنے سامنے سترہ رکھنا البتہ مقتدی کا سترہ امام ہی ہے۔ سترہ: وہ چیز جو گذرنے والوں کے لیے نمازی کے سامنے رکھی جاتی ہے۔

شوافع کے ہاں سنتیں...... یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ شوافع کے ہاں سنت کی دو قسمیں ہیں ابعاض اور ھیئات ابعاض آٹھ ہیں، جو ذکر کردی ہیں بلکہ بیس ہیں جن کو ہم سجدہ سہو کی بحث میں ذکر کریں گے۔ اور ہیئات چالیس ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ، رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت کندھوں تک اٹھانا جیسا کہ شیخین نے ذکر کیا ہے اور کندھوں کے برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے پورے کانوں کے برابر، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں تکبیر اور تسمیع شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھائے۔

۲۔ ہاتھوں کی انگلیاں کھلی اور قبلہ جانب مائل ہوں۔

۳۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف سے اوپر سینہ سے نیچے رکھنا۔

۴، ۵۔ ثناء اور تعوذ پڑھنا فرائض اور نوافل میں اور دعا افتتاح یہ ہے وجھت وجھی للذی فطر السموات (پہلے گذر چکی ہے)

۶، ۷۔ صبح، جمعہ، عیدین، نماز خسوف استسقاء مغرب کی پہلی دو رکعتوں اور عشاء کی دو رکعتوں تراویح رمضان میں وتر اور رات یا صبح کو طواف کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت کو جہراً پڑھنا جیسا کہ شیخین نے روایت ذکر کی ہے۔ اس کے علاوہ تمام نمازوں میں سراً قرأت کرنا البتہ اگر کسی سونے والے یا نمازی وغیرہ کو تشویش نہ ہو تو رات کے نوافل میں درمیانی آواز سے قرأت کرنا۔ فرائض کی قضاء میں جہر واسرار کرنے کے سلسلہ میں قضاء کے وقت کا اعتبار ہے اور رات کے نوافل میں توسط دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا...... الاسراء ۱۷/ ۱۱۰

نہ زیادہ بلند اور نہ زیادہ پست آواز سے نماز پڑھے اور عورت اگر کوئی غیر محرم نہ ہو تو مرد سے کم جہر کرے۔

۸۔ فاتحہ ختم ہونے پر، جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً آمین کہنا۔

فائدہ...... پانچ جگہوں پر مقتدی بھی جہر کرے آمین دعا قنوت صبح کی نماز میں آخری پندرہ روزوں کے وتر کی قنوت اور پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ اور جب امام کو لقمہ دے۔

۹۔ اور امام مقتدی کا سورہ فاتحہ کے بعد پہلی دو رکعتوں میں سورۃ پڑھنا ہاں مقتدی جہری نمازوں میں سورت نہ پڑھے، پڑھنا مکروہ ہے

اس طرح حدث اکبر ہو گیا اور نہ پانی ہے نہ تیمم نماز جنازہ پڑھنے والا اور مسبوق سورہ نہ پڑھے کیونکہ یہ تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت کرے گا جب کہ مسبوق جس قدر جماعت میں شامل ہوا وہ پہلی نماز تھی اور قرأت کی کم سے کم مقدار ایک بڑی آیت یا تین آیتیں سورہ کوثر کی ہے پہلی رکعت کی قرأت دوسری سے لمبی کرنا سنت ہے جیسے سورتوں کا پے در پے ہونا اور قرآن کریم کی ترتیب سے ہونا جب کہ اس کے برعکس خلاف اولیٰ ہے۔

قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھ لینے سے بھی سنت پوری ہو جائے گی البتہ سورت پڑھنا پسندیدہ ہے اگر چہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو البتہ تراویح میں لمبی سورت پڑھنا افضل ہے کیونکہ تراویح میں پورا قرآن پڑھنا سنت ہے۔ نیز دو رکعت نفل پڑھنے والے کے لیے بھی سورت پڑھنا سنت ہے، ہاں حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں چار رکعت والے نوافل میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت نہ پڑھنا فرائض کی طرح مستحب ہے صبح کی سنتوں میں تخفیف مستحب ہے لہٰذا پہلی رکعت میں قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (البقرۃ ۱۳۶/۲) پڑھنا اور دوسری رکعت میں قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ (آل عمران آیت ۶۴) پڑھنا سنت ہے مسلم شریف میں اسی طرح روایت ہے اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھے۔ جب کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ دھر (الانسان) پڑھنا سنت ہے اب اگر کسی سے پہلی رکعت میں سورۃ السجدۃ رہ گئی تو وہ دوسری رکعت میں پڑھ لے اگر کسی نے دونوں سورتوں کا کچھ کچھ حصہ پڑھا یا ان کے علاوہ کوئی سورت پڑھی تو یہ خلاف سنت ہے اگر وقت تنگ ہو تو جتنا ہو سکے چاہے ایک ایک یا دونوں سے پڑھ لے۔ البتہ بعض شوافع کے ہاں اس پر مداومت اختیار نہ کی جائے تا کہ معلوم ہو کہ یہ پڑھنا واجب نہیں۔

۱۰۔ رکوع کے علاوہ باقی اٹھتے جھکتے تکبیر کہنا جب کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔

۱۱۔ دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنا اور انگلیوں کو اس طرح کھلا رکھنا کہ قبلہ رخ ہوں۔

۱۲۔ رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم وبحمدہ پڑھنا۔

۱۳۔ قومے میں ہر نمازی چاہے امام ہو یا مقتدی و منفرد سمع اللہ لمن حمدہ کہے نیز امام کے لیے جہراً کہنا سنت ہے اور مکبّر کے لیے بھی جب ضرورت ہو کیونکہ یہ رکن کی تبدیلی کے اذکار ہیں البتہ ربنا لک الحمد کو بلند آواز سے نہ کہے جیسے تسبیحات اور دوسرے اذکار ہیں اتنی بات ضرور ہے کہ آج کل تحمید کو تو لوگ بلند آواز سے کہتے ہیں اور تسمیع کو پست آواز سے حالانکہ یہ ائمہ و مؤذن حضرات سنت رسول سے دور ہو رہے ہیں[1] پھر جب نمازی سیدھا کھڑا ہو جائے تو ہاتھ کو چھوڑ کر یہ تحمید پڑھے:

ربنا لک الحمد ملا السموات وملا الارض ملا ماشئت من شیءٍ بعد (اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے)

جب کہ منفرد اور لمبی قرأت کرنے والا امام مزید اس کا بھی اضافہ کرے:

اھل الثناء والجد احق ما قال العبد و کلنا لک عبد لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاینفع ذا الجد منک الجد (ترجمہ گذر چکا ہے)

۱۴۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک اور پیشانی رکھنا۔

۱۵۔ ہر سجدے میں تین چار مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ" کہنا۔

۱۶۔ سجدے میں دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھنا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر قبلہ رخ رکھنا۔

۱۷۔ مرد کے لیے بازوں کو پہلو سے پیٹ کو رانوں سے رکوع و سجدے میں جدا رکھنا جب کہ عورت اور خنثیٰ جدا نہ رکھیں بلکہ یہ ملا کر رکھیں

---

[1] ......اس سنت کو شاید مالکیہ کے ہاں ترک کیا جاتا ہو تو ہو لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں بلکہ صرف تسمیع ہی کو بلند آواز سے کہا جاتا ہے اور اگر مکبّر کی ضرورت ہو تو وہ صرف تحمید خبردار کرنے کی نیت سے بلند آواز سے کہتا ہے جو کہ درست ہے۔

کیونکہ عورت کے لیے اسی میں پردہ ہے اور خنثیٰ کے لیے احتیاط اسی میں ہے۔ نیز مرد گھٹنوں اور دونوں قدموں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رکھے۔

۱۸۔ سجدے میں چاہے مرد ہو یا عورت دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کو قبلہ رخ رکھیں

۱۹۔ دونوں سجدوں کے درمیان ربی اغفرلی وارحمنی واجبرنی وارفعنی وارزقنی واهدنی وعافنی پڑھنا۔

۲۰۔ دو سجدوں کے درمیان اور تشہد اول میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نمازی کو حرکت ہوتی ہے اور افتراش اس کی ہلکی صورت ہے۔

۲۱۔ جلسہ استراحت (دوسرے سجدے کے بعد) اسی طرح کرنا تا کہ اطمینان سے اچھی طرح بیٹھے اور پھر اٹھے اگر امام جلسہ استراحت نہ کرے تو مقتدی پھر بھی کرے۔

۲۲۔ سجدے وغیرہ سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا کیونکہ اس میں خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے اور اس میں نمازی کے لیے آسانی ہے۔

۲۳۔ تشہد اول سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا۔

۲۴۔ تشہد اخیر میں اس طرح تورک کرنا کہ بائیں سرین پر بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال لے۔ البتہ اگر سجدہ سہو کرنا ہو تو پھر افتراشاً بیٹھے۔

۲۵۔ دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنانا سوائے انگشت شہادت کے اس کے ذریعے تشہد میں لا الٰہ الا اللہ پر اشارہ کرنا اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر سیدھا چھوڑ دینا۔

۲۶۔ نظر انگشت شہادت سے آگے نہ بڑھانا۔

۲۷۔ قعدۂ اخیرہ میں درود کے بعد دعا پڑھنا مثلاً:

اللّٰهم اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر، لااله الا انت استغفرك واتوب اليك اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً كثيراً كبيراً ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحيم (ترجمہ پہلے ہو چکا ہے)

۲۸، ۲۹۔ دوسرا سلام پھیرنا اور پہلے سلام سے نماز سے نکلنے کی نیت کرنا اگر اس سے پہلے نکلنے کی نیت کر لی تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر درمیان یا بعد میں نیت کی تو سنت کے خلاف ہوگا۔

۳۰۔ سلام کے وقت منہ کو دائیں اور بائیں اس طرح پھیرنا کہ داہنے رخسار پہلے والے سلام میں اس طرح کے پیچھے والے نمازیوں کو اور دوسرے سلام میں بائیں طرف والے نمازیوں کو بائیں رخسار نظر آ جائیں نیز سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں طرف کے مقتدیوں فرشتوں اور جنوں کی نیت کرنا۔ نیز مقتدی کے لیے امام کے بعد سلام پھیرنا اگر بقیہ ارکان کی طرح سلام بھی امام کے ساتھ ادا کیا تو جائز ہے البتہ تکبیر تحریمہ بعد میں کہے۔

۳۱۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت مسواک کرنا اگر چہ کپڑے ہی کے ذریعے ہو چاہے وہ فاقد الطہورین ہی ہو [1] البتہ روزہ دار زوال کے بعد مسواک نہ کرے اس کے لیے مکروہ ہے۔

۳۲۔ پوری نماز خشوع سے ادا کرنا، خشوع کا مطلب ہے دل حاضر رکھ کر اعضاء کو سکون سے رکھنا اس طور پر کہ سوچے اللہ تعالیٰ کے سامنے

---

[1] ......فاقد الطہورین وہ شخص جو نہ تیمم کر سکتا ہو اور نہ ہی وضو کے لیے پانی ہو۔

کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ .....المؤمنون ۲۳/۱-۲

تحقیق وہ مومن فلاح وکامیابی حاصل کریں گے جنہوں نے نماز خشوع وخضوع سے ادا کی۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو بھی مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ مکمل طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ❶

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ ❷

۳۳۔ قرأت میں غور وفکر کرنا کیونکہ اس سے ادب اور خشوع وخضوع حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴ محمد ۴۷/۲۴

قرآن میں کیونکر غور نہیں کرتے کیا دلوں پر تالے لگے ہیں۔

اور ترتیل سے قرأت کرنا بھی سنت ہے اور ترتیل چھوڑنا اور جلدی پڑھنا مکروہ ہے۔ چاہے نماز میں ہو یا خارج نماز قرآن پڑھتے وقت رحمت کی آیات پر رحمت کا سوال اور عذاب کی آیات پر عذاب سے پناہ کی دعا مانگنا اسی طرح تسبیح والی آیات پر تسبیح پڑھنا مثال والی آیات پر تفکر کرنا سنت ہے۔ جب اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸ (التین: ۹۵/۸) پڑھے تو اس وقت کہے: بلٰی وانا علٰی ذلك من الشاهدين اور جب فبأی حديث بعده يؤمنون پڑھے تو کہے: "آمنت باللّٰه" اور فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰ (الملک: ۶۷/۳۰) پڑھے تو الله رب العالمين کہے۔

۳۴۔ ذکر میں تدبر کرنا۔

۳۵۔ نماز میں نشاط اور دل کو دنیاوی مشاغل سے خالی کر کے داخل ہونا چاہئے کیونکہ سستی کی مذمت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى .....النساء: ۴/۱۴۲

جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

اور کسل: کام میں کوتاہی اور سستی کرنے کو کہتے ہیں یہ متعدی پھرتی کی ضد ہے۔ کیونکہ دل کا خالی ہونا خشوع وخضوع میں مددگار ہے۔ نیز دوران نماز دنیاوی معاملات اور مسائل فقہ میں غور وفکر کرنا مکروہ ہے جب کہ اخروی معاملات میں غور وفکر کرنے میں کوئی حرج نہیں دوران قرأت تو مستحب ہے۔

۳۶۔ امام کو دوران نماز غلطی پر متنبہ کرنا۔ ❸ سنت یہ ہے کہ آدمی دوران نماز امام کو سہو وغیرہ پر متنبہ کرے کسی اندھے کے گرنے کے خوف سے اس کو روکے یا کوئی غافل ہے وغیرہ ان چیزوں سے سبحان اللہ کہہ کر روکے اور عورت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مار کر متنبہ کرے اس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے کہ جسے نماز میں کوئی عذر پیش آئے تو اسے چاہیے تسبیح پڑھے جب کہ تصفیق عورتوں کے لیے ہے ❹ خنثیٰ بھی عورتوں کی طرح کرے یہ متفقہ مسئلہ ہے البتہ مالکیہ عورت کے لیے تصفیق کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

نماز کے اندر عورتوں کے مخصوص مسائل..... شوافع کے ہاں عورت کی نماز میں چار چیزیں ہیں جن میں وہ مردوں کے خلاف کریں گی جو کہ درج ذیل ہیں۔

---

❶ ..... رواہ مسلم۔ ❷ رواہ الترمذی۔ ❸ مغنی المحتاج: ۱/۱۹۷۔ ❹ نیل الاوطار: ۲/۳۲۰

۱.....مرد کہنیوں کو پہلو سے اور رکوع وسجدے میں پیٹ کورانوں سے جدا رکھے گا جب کہ عورت رکوع وسجدے میں کہنیوں کو پہلوؤں سے پیٹ کورانوں سے اور گھٹنوں اور پاؤں کوملا کر رکھے۔

۲.....مرد جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سرًّا قرأت کرے جب کہ عورت اگر اجنبی موجود ہو تو صرف سراً ہی قرأت کرے گی اس کی وجہ یہ نہیں کہ عورت کی آواز ہی پردہ ہے بلکہ فتنہ کی وجہ سے یہ حکم ہے ورنہ عورت کا اپنی آواز کسی کو سنانا حرام نہیں مگر فتنہ کے خوف سے حرام ہے۔

۳.....جب کوئی امر نماز میں پیش آجائے جب کہ غیر محرم کوئی نہ ہو تو عورت اس طرح تالی بجائے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے۔ خنثیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کسی عورت نے بطور لہو ولعب کے اپنا ہاتھ مارا تو علم حرمت کے باوجو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر لعب کا ارادہ نہیں تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

نیز بقدر ضرورت زیادہ تالی بجاتے رہنا بھی جائز ہے اس سے نماز باطل نہیں ہوگی اسی طرح اگر مرد بھی تالی بجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ انگلیوں کو حرکت دینے کے مشابہ ہے۔ اسی طرح اگر صرف خبردار کرنے کی غرض سے تالی بجائی تو نماز باطل نہیں ہوگی چاہے مرد ہی کیوں نہ بجائے برعکس تسبیح کے کہ اگر اس میں صرف خبردار کرنے کی نیت کی تو نماز باطل ہو جائے گی وجہ یہ ہے کہ تسبیح لفظ ہے جس میں ذکر کی صلاحیت ہے جب کہ تالی صرف فعل ہے۔

نماز کے علاوہ تالی بجانے کے بارے میں رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بغیر لہو ولعب کے ارادہ کے بھی مکروہ ہے جب کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے ہاں لہو ولعب کے قصد سے مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کی جاہلیت کی زندگی سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ الانفال آیت ۳۵

ترجمہ..... ''اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اب اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو''۔

۴.....مرد کے لیے ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے نماز طواف اور محرم عورتوں اور مردوں کی موجودگی میں۔ جب کہ غیر محرم عورتوں کی موجودگی میں پورا بدن ستر ہے جب کہ خلوت اور تنہائی میں صرف شرمگاہیں ہیں۔ باندی بھی مرد کی طرح ہے۔

ان کے ہاں ناف اور گھٹنے پردہ میں داخل نہیں البتہ اتنا حصہ چھپانا واجب ہے جس سے اس کا کوئی جسم چھپ جائے۔

آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے یہ تو نماز کا حکم نماز کے علاوہ پورا بدن بمعہ منہ اور ہاتھ ستر ہے۔

حنابلہ کے ہاں نماز کی سنتیں.....حنابلہ کے ہاں سترہ سنتیں ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں سنن قولیہ اور سنن فعلیہ سنن قولیہ سترہ ہیں جو پہلے ذکر کی جا چکی ہیں اور سنن فعلیہ چھپن ہیں اہم درج ذیل ہیں۔

۱، ۲، ۳.....تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا، انگلیوں کا ملا ہوا ہونا اور قبلہ کی طرف رخ رکھنا کندھوں کے برابر اٹھانا۔

۴.....تکبیر تحریمہ کو اتنی بلند آواز سے کہنا کہ مقتدی سن کر تکبیر کہہ سکیں۔ قیام وقرأت کی حالت میں۔

۵، ۶۔ رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا۔

۷، ۸.....تکبیر تحریمہ کے بعد ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی کے جوڑ پر رکھنا۔

۹.....قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھنا۔

۱۰، ۱۱.....ٹھہر ٹھہر کر قرأت کرنا اور امام کا قرأت ہلکی کرنا۔

۱۲، ۱۳.....نماز خوف کے علاوہ باقی نمازوں میں پہلی رکعت کی قرأت دوسری سے لمبی کرنا۔

۱۴.....دونوں قدموں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھ کر کھڑا ہونا۔

۱۵، ۱۶.....رکوع میں دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا اور انگلیوں کو خوب کھلا رکھنا۔

۱۷، ۱۸۔ رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں رکھنا سر کو نہ اونچا رکھے نہ نیچا۔

۱۹.....رکوع میں دونوں بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھنا۔

۲۰، ۲۱.....سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھنا اور اٹھتے وقت اس کے برعکس پہلے ہاتھ اٹھانا پھر گھٹنے۔

۲۲، ۲۳.....تمام اعضاء سجود کو زمین پر رکھنا یعنی پوری پیشانی پوری ناک اور ہاتھ وغیرہ اس طرح رکھنا کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

۲۴.....سجدہ میں بازوؤں کو پہلو سے، پیٹ کو رانوں سے، رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھنا۔

۲۵۔ سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو دور دور رکھنا دونوں پاؤں کو کھڑا رکھنا اور ان کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا یہی حکم دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے اور تشہد میں بیٹھنے کا ہے۔

۲۶.....سجدے میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھنا، انگلیاں سیدھی رکھنا۔

۲۷.....ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر قبلہ رخ رکھنا۔

۲۸.....سجدے کے بعد جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو پنجوں کے بل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا البتہ عذر کی حالت میں زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۲۹، ۳۰، ۳۱.....دو سجدوں کے درمیان اور تشہد اول میں افتراشاً بیٹھنا اور تشہد اخیر میں تورکاً بیٹھنا۔ ❶

۳۲۔ ۳۵.....دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا، سیدھا رکھنا، انگلیوں کو ملا کر رکھنا، قبلہ کی طرف رخ رکھنا۔

۳۶.....چھنگلیاں اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرنا درمیانی اور انگشت شہادت سے انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنانا۔

۳۷.....تشہد میں لا الہ پر انگشت شہادت سے اشارہ کرنا۔

۳۸، ۳۹.....بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تشہد میں ملا کر قبلہ رخ رکھنا۔

۴۰.....ابتدائے سلام میں چہرے سے قبلہ کی طرف اشارہ کرنا۔

۴۱، ۴۲.....دونوں سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں مڑنا، دائیں طرف بائیں کی نسبت زیادہ مڑنا۔

۴۳.....نماز سے نکلنے کی نیت کرنا۔

۴۴.....خشوع وخضوع سے نماز پڑھنا گذشتہ آیت اور حدیث کی وجہ سے۔ خشوع یہ ہے کہ تمام اعضاء سکون سے رہیں عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف چند مقامات میں ان کو مردوں کے خلاف کرنا چاہیے مثلاً رکوع سجود میں ملا کر رکھنا سنت ہے اور تورک کریں اور قرأت پست آواز سے کرنا اگر کوئی غیر محرم ہو، خنثیٰ مشکل بھی عورت کی طرح ہے۔

دوسری بحث: نماز کے باہر کی سنتیں:

نماز کی کچھ سنتیں تو وہ ہیں جو نماز سے پہلے ہیں مثلاً: مسواک کرنا، اذان واقامت اور سترہ رکھنا۔ ہم یہاں سترہ سے متعلق تفصیلی بحث کریں گے جب کہ باقی چیزوں پر بحث پہلے ہو چکی ہے۔

---

❶.....افتراش: بائیں پاؤں کو بچھا کر اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنے کو کہتے ہیں جب کہ تورک سرین پر بیٹھنا اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکالنے کو کہتے ہیں۔

۱۔ سترہ کی تعریف...... وہ چیز جو نمازی اپنے سامنے گزرنے والوں کے لیے رکھتا ہے۔

۲۔ سترہ کا حکم...... سترہ سنت ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو حائل ہو اور اس کے قریب ہو اور کسی کو گذرنے کے لیے نہ چھوڑے اگر کوئی گزرنا چاہے تو اس سے لڑے کیونکہ وہ شیطان ہے ❶ سترہ رکھنا واجب نہیں، تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کیونکہ امر ندب کے لیے ہے کیونکہ سترہ نہ ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ نماز کے لیے شرط ہے۔ نیز سلف صالحین نے سترہ کا التزام نہیں کیا اگر واجب ہوتا تو وہ ضرور اس کا التزام کرتے۔ اور گناہ گزرنے والے کو ہوتا ہے نمازی کو نہیں ہوتا اگر واجب ہوتا تو نمازی کو بھی گناہ ہوتا نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی جگہ پر بغیر سترہ کے بھی نماز پڑھی ہے۔

۳۔ سترہ کی حکمت...... نمازی کے سامنے سے گذرنے کو روکنا تا کہ خشوع وخضوع ختم نہ ہو۔

اور نمازی نماز میں مشغول رہے نیز نمازی اپنی نظر سترہ سے آگے نہ بڑھائے تا کہ خشوع وخضوع فوت نہ ہو۔

۴۔ فقہاء کی آراء سترہ کے بارے میں...... فقہاء کی دو رائے ہیں سترہ کے بارے میں ایک تو کسی کے گذرنے کا خوف نہ ہو اور ایک حالت کسی کے گذرنے ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں ❷...... اگر کسی کے گزرنے کا خوف ہو تو فرض اور نفل نمازوں میں امام اور منفرد کے لیے سترہ رکھنا مستحب ہے۔ اور مقتدیوں کے لیے امام کا سترہ کافی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء مکہ میں نماز پڑھائی آپ کے آگے نیزہ تھا اور باقی نمازیوں کے سامنے کچھ نہ تھا۔ ❸

اور اگر کسی کے گزرنے کا خوف نہ ہو تو سترہ نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص میدان وغیرہ میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے کوئی لکڑی وغیرہ گاڑھ دینا مستحب ہے کسی چیز کو گاڑنے کا اعتبار ہے پھینکنے اور خط کھینچنے کا اعتبار نہیں کیونکہ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے کوئی نہ گزرے اور خط وغیرہ کھینچنے سے یہ حاصل نہیں ہوتا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❹...... مستحب یہ ہے کہ نمازی سترہ کی طرف نماز پڑھے چاہے مسجد میں ہو یا گھر میں لہٰذا دیوار یا ستون کی طرف پڑھے یا فضاء (میدان) میں ہو تو سامنے کچھ رکھ کر نماز پڑھے مثلاً عصا یا نیزہ یا اونٹ یا اس کا کجاوا وغیرہ۔ اگر یہ اشیاء نہ ہوں تو سامنے خط کھینچ لے مصلی بچھالے وغیرہ۔ ان کی دلیل حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نیزہ گاڑھا گیا آپ آگے بڑھے اور ظہر کی دو رکعتیں پڑھائی آپ کے سامنے سے گدھا، کتا وغیرہ گذرے آپ نے روکے نہیں ❺ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رحل کی طرح کی کوئی چیز سامنے رکھ کے تو پھر نماز پڑھے اور اس کے پاس سے گزرنے والی چیزوں کی پرواہ نہ کرے۔ ❻

امام کا سترہ، مقتدیوں کا بھی سترہ ہے بالاتفاق اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ کی طرف نماز پڑھی اور صحابہ کرام کو دوسرا سترہ گاڑھنے کا حکم نہیں دیا جیسا کہ

مالکیہ اور حنفیہ کے مذہب میں ذکر کیا۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور آپ کے آگے کوئی دیوار نہیں تھی، میں بعض صف کے سامنے سے

---

❶...... رواہ ابوداؤد و کذا فی البخاری ۱/۷۳۔ ❷فتح القدیر: ۱/۲۸۸ الشرح الکبیر: ۱/۲۴۴۔ ❸ نصب الرایۃ: ۱/۸۴۔ ❹مغنی المحتاج ۱/۲۰۰۔ ❺متفق علیہ ❻رواہ مسلم۔

گزرا پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔❶

حنابلہ کے ہاں مکہ مکرمہ میں بغیر سترہ کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے مکہ میں نماز پڑھی آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان سترہ نہیں تھا گویا مکہ کے ساتھ خاص ہے۔

۵۔ سترہ کس طرح اور کس مقدار کا ہو.....اس حوالے سے فقہاء کی آراء قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں.....سترے کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ شرعی (۴۶،۲ سم) اور موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر ہو۔ دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو جب تم سامنے رکھ لو تو پھر گزرنے والے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحرا میں جس نیزہ کی طرف نماز پڑھی تھی وہ ایک ہاتھ شرعی تھا۔ اس میں گاڑنے کا اعتبار ہے پھینک دینے یا خط کھینچنے کا اعتبار نہیں۔

حنفیہ کے ہاں بیٹھنے یا کھڑے آدمی کی پیٹھ یا جانور وغیرہ کو بطور سترہ استعمال کیا جا سکتا ہے البتہ قرآن کریم اور تلوار کو نہیں۔ اگر کوئی سوار سامنے سے گذرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سواری سے اتر کر اس کو نمازی کے سامنے کھڑی کر دے پھر گذر جائے اسی طرح جو کوئی گزرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز رکھ دے اور پھر گزر رے۔

مالکیہ کے ہاں.....مالکیہ بھی حنفیہ کی طرح کہتے ہیں کہ سترے کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ ہو اور موٹائی نیزہ کی بقدر۔ شرط یہ ہے کہ کوئی پاک چیز ہو نجس چیز رکھنا مکروہ ہے اور وہ چیز دل کو مشغول کرنے والی نہ ہو لہٰذا بچہ، عورت، باتیں کرنے والا جھمگھٹا، کوڑا، رسی، تولیہ، اور ایسے جانور کو جو بندھا ہوا نہ ہو سترہ بنانا صحیح اور جائز نہیں۔ اور اونٹ گائے اور بندھی ہوئی بکری کو سترہ بنانا درست ہے کیونکہ مالکیہ کے ہاں ان کا فضلہ پاک ہے۔ اور خط کھینچنا یا گڑھا کھودنے کر سترہ بنانا جائز نہیں۔

دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن عید گاہ کی طرف جاتے تو نیزہ لے جانے کا حکم فرماتے وہ آپ کے سامنے گاڑھ دیا جاتا آپ اس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے اور آپ سفر میں بھی ایسا ہی کرتے۔❸

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عنزہ ہوتا تھا یہ چھوٹا عصاء ہے اس میں لوہا لگا ہوتا ہے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں خط کھینچے کا ذکر ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے مالکیہ کے ہاں غیر محرم عورت کی پیٹھ اور کافر کی پیٹھ کو بطور سترہ استعمال کرنا مکروہ ہے جب کہ محرم عورت اور مسلمان مرد کی پیٹھ کو بطور سترہ استعمال کرنا جائز ہے۔

شوافع کے ہاں.....ایسی چیز جو تین ہاتھ لمبی ہو اگرچہ چوڑی نہ بھی ہو جیسے تیر وغیرہ رکھنا مستحب ہے۔ دلیل حدیث ہے کہ سترہ رکھ کر نماز پڑھ چاہے تیر ہی کیوں نہ ہو❹ نیز ان کے ہاں جانور کو بطور سترہ استعمال کرنا درست نہیں۔

حنابلہ کے ہاں.....حنابلہ حنفیہ اور مالکیہ کی طرح لمبائی کم از کم ایک ہاتھ شرعی کے قائل ہیں البتہ موٹائی میں ان کے ہاں کوئی حد نہیں لہٰذا تیر اور نیزہ کی طرح باریک اور دیوار کی طرح موٹی چیز بھی سترہ بن سکتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنزہ (نیزہ) کی طرف نماز پڑھی ہے۔

خط کھینچنا.....شوافع اور حنابلہ خط کھینچنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو سامنے کوئی چیز رکھ لے اگر کچھ نہ ہو تو عصا گاڑھ لے اگر عصا بھی ساتھ نہ ہو تو خط کھینچ لے تو جو

---

❶.....متفق علیہ ❷مسلم ❸متفق علیہ ❹رواہ الحاکم

کوئی سامنے سے گذرے گا کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ ❶

شوافع کے ہاں سیدھا خط کھینچے جب کہ حنابلہ کے ہاں چاند کی طرح اور پل کی طرح جب کہ بعض حنابلہ کے ہاں جس طرح بھی خط کھینچ لیا جائے تو کافی ہے چاہے عرضا یا طولا۔

اگر کسی کے پاس عصاء ہو اور اس کو گاڑھنا ممکن نہ ہو تو جمہور کے ہاں اس کو عرضا رکھ لینا چاہیے کیونکہ یہ خط کی طرح ہے لہٰذا اس کے قائم مقام ہو جائے گا جبکہ مالکیہ کے ہاں اس کو گاڑنا ہی ضروری ہے۔

حنابلہ، اونٹ، کسی بھی جانور اور کسی بھی انسان کو بطورستر ہ استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں دلیل حضرت ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہما کا عمل ہے نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھی ❷ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کجاوہ سامنے رکھا اور اس کی طرف نماز پڑھی فرماتے ہیں میں نے عرض کی جب سوراری چلی گئی تو پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ کجاوہ کی آخری لکڑی کو رکھو اور اس کی طرف نماز پڑھو، اگر کسی نے انسان کو ستر ہ بنایا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ستر ہ کے قائم مقام ہے۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد کے ستونوں میں کوئی ستون ستر ہ کے لیے خالی نہ پاتے تو مجھے کہتے اپنی پیٹھ میری طرف کردو۔

حضرت حمید بن ھلال فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور لوگ اس کے سامنے سے گذر رہے تھے (ستر ہ نہ تھا) تو آپ نے اپنی پیٹھ اس کے سامنے کردی اور ستر ہ بن گئے وہ اپنے کپڑے اور ہاتھ سے ہٹنے کا اشارہ کررہا تھا تو آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور جلدی نہ کرو۔ ❸

خلاصہ......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مرد اور عورت کی پیٹھ بطورستر ہ استعمال کرنا جائز ہے۔ حنابلہ کے ہاں مطلقاً آدمی کو بطورستر ہ رکھنا صحیح ہے چاہے پیٹھ ہو یا چہرہ شوافع کے ہاں آدمی کو بطورستر ہ استعمال کرنا درست نہیں۔

جمہور کے ہاں غصب شدہ چیز کو ستر ہ بنانا درست ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا درست نہیں اور اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جمہور کے ہاں نجس چیز کو ستر ہ بنانا جائز ہے جبکہ مالکیہ کے ہاں جائز نہیں۔ اور دیوار کو بالاتفاق ستر ہ بنانا درست ہے۔

۶۔ انسان کے چہرے، آگ، تصویر یا نماز پڑھتی عورت کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی انسان کے چہرے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سزا دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تخت کے درمیان میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی تھی مجھے کچھ ضرورت پیش آئی میں نے اٹھنا ناپسند کیا تو آپ تھوڑے الگ ہوگئے ❹ نیز اس میں اس شخص کو سجدہ کرنے کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں اس طرح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اسی طرح بالاتفاق تنور کی آگ، چراغ، فانوس، موم بتی، لائٹ وغیرہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے اس لیے کہ آگ کی پوجا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں لہٰذا اس طرف نماز پڑھنا مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

اسی طرح تصویر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ تصویر کی بھی عبادت کی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہمارے پاس ایک کپڑا تھا اس پر تصویریں تھیں میں نے اس کپڑے کو آپ نماز پڑھ رہے تھے سامنے لٹکا دیا تو آپ نے مجھے

---

❶......نیل الاوطار: ۳/۴۔ ❷متفق علیہ ❸رواھما البخاری ❹متفق علیہ

روک دیا یا فرمایا کہ آپ نے اس کو ناپسند کیا ❶ نیز یہ بات بھی ہے کہ تصویروں کی وجہ سے نمازی نماز کی بجائے ان کی طرف مشغول ہو جاتا ہے اور نماز بھول جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبلہ کی طرف کوئی چیز لٹکی ہوئی ہونا مکروہ ہے چاہے وہ قرآن کریم ہو یا کچھ اور البتہ زمین پر کوئی چیز رکھی ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں حنفیہ کے ہاں سامنے قرآن کریم یا تلوار وغیرہ لٹکی ہوئی ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی اسی طرح ایسے کپڑے پر نماز پڑھنے میں بھی حرج نہیں جس پر تصاویر ہوں کیونکہ اس صورت میں ان کی توہین ہوتی ہے۔

اسی طرح سامنے عورت نماز پڑھ رہی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان کو پیچھے کرو جیسا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے کیا ہوا ہے ❷ البتہ نماز کے علاوہ عورت کا سامنے ہونا مکروہ نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے فرماتی ہیں میرا بستر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے سامنے ہوتا تھا۔

۷۔ سترہ کتنے فاصلے پر ہو...... جمہور کے ہاں سترہ نمازی کے قدم سے تقریباً تین ہاتھ کے فاصلے پر ہونا مستحب ہے دلیل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے نماز پڑھی آپ کے اور دیوار کے درمیان تقریبا تین ہاتھ کا فاصلہ تھا ❸ اسماعیلی نے سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منبر اور قبلہ کی دیوار کے درمیان بکری یا ہرن کے گذرنے کا فاصلہ تھا۔ بکری یا ہرن کے گزرنے کا فاصلہ تین ہاتھ ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... نمازی اور سترہ کے درمیان بلی یا بکری کے گذرنے کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین ہاتھ فاصلہ ہونا چاہئے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور دیوار کے درمیان بکری کے گزرنے کا فاصلہ تھا۔

۸۔ نمازی سترہ سے کس جانب کھڑا ہو...... ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نمازی سترہ کے بالکل سامنے سیدھ میں نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو اور چہرے کے بالکل سامنے نہ رکھے۔ دلیل ابوداؤد میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی درخت لکڑی یا ستون کی طرف نماز پڑھتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ وہ آپ کے دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے ہوتا تھا آپ کے چہرے کے سامنے نہ ہوتا تھا۔ ❹

۹۔ نمازی کے سامنے سے گذرنا...... حنفیہ کے ہاں ❺ نمازی کے سجدہ کی جگہ میں سے کسی کا گزرنا مکروہ تحریمی ہے اور گزرنے والا گناہ گار ہوگا جب کہ سترہ بھی ہو تب بھی اور کوئی چیز دیوار یا ستون وغیرہ درمیان میں نہ ہو نیز یہ اس وقت ہے جب وہ نماز میدان وغیرہ میں پڑھ رہا ہو اور گزرنے والے کے بعض اعضاء نمازی کے بعض اعضاء کے برابر ہوں اگر دو آدمی گذرے تو گناہ گار وہ ہوتا جو نمازی کی جانب ہے۔

اگر سترہ ہو اور سجدہ کی جگہ کے علاوہ آگے سے کوئی گذرے یا سترہ تو نہیں لیکن کوئی حائل ہے اگرچہ پردہ ہی ہو یا نمازی کے اعضاء کے برابر گزرنے والے کے اعضاء نہ ہو یا مسجد میں سترہ کے پیچھے سے کوئی گذرے تو گزرنا مکروہ نہیں اور نہ ہی گزرنے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ گناہ تو نماز ی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے ہوتا ہے نیز مسجد ایک جگہ کی مانند ہے اگر صف میں کوئی حائل ہو تو پھر مسجد میں نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔

---

❶......رواه عبد الرحمن بن ابی حاتم ❷ اخرجه رزين۔ ❸ نيل الاوطار: ۳/۳۔ ❹ نيل الاوطار ۳/۵۔ ❺ فتح القدير ۱/۲۸۷۔

اسی طرح نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ لوگوں کے گزرنے کی جگہ پر بغیر سترہ کے نماز پڑھے لہٰذا نمازی اپنے فعل کی وجہ سے لوگوں کے گزرنے کی صورت میں گناہ گار ہوگا سترہ نہ رکھنے کی وجہ سے نہیں۔ اور اگر کوئی نہ گذرے تو گناہ گار نہ ہوگا کیونکہ سترہ رکھنا واجب نہیں۔

گناہ گار کون ہوگا نمازی یا گزرنے والا اس کی چار صورتیں ہیں:

۱.....گزرنے والے کو نمازی کے سامنے کے علاوہ بھی گزرنے کی جگہ ہے اور وہ نمازی کے سامنے گذرے تو صرف گزرنے والا گناہگار ہوگا۔

۲.....نمازی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں سے اور کوئی گزرنے کا راستہ نہیں تو اس صورت میں نمازی گناہ گار ہوگا۔

۳.....نمازی گزرنے کی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہے گزرنے کی اور جگہ بھی ہے تو اس صورت میں دونوں گناہ گار ہوں گے۔

۴.....ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں گزرنے کی بھی اور جگہ نہیں اور نمازی کی بھی اور جگہ نہیں تو اس صورت میں کوئی بھی گناہ گار نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں ❶.....گزرنے والا گناہگار ہوگا جب کہ وہ نمازی کے سامنے سے ایسی جگہ سے گذرے جو نماز کے لیے متعین ہے چاہے سترہ رکھا ہو یا نہ البتہ اگر پہلی صف میں خالی جگہ پر کرنے یا نکسیر وغیرہ دھونے کے لیے کوئی گذرے تو گناہ نہیں ہوگا اسی طرح اگر طواف کر رہا ہے تو اس صورت میں بھی نمازی کے سامنے سے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں اگر چہ ان دونوں صورتوں میں گزرنے کا اور کوئی راستہ بھی ہو جس سے گذرا جا سکتا ہے تب بھی گناہ نہیں۔ اور پہلی والی صورت میں جب گناہ ہوگا جب کہ کوئی اور راستہ گزرنے کا ہو اگر کوئی راستہ نہیں تو پھر کسی صورت میں بھی گناہ نہیں۔

نمازی گناہ گار ہوگا جب وہ ایسی جگہ بغیر سترہ نماز پڑھے جہاں سے کسی کے گزرنے کا خدشہ ہو اور کوئی سامنے سے گزرے۔ اور دونوں گناہ گار ہوں گے جب گذرگاہ پر بغیر سترہ نماز پڑھے اور گزرنے کا راستہ اور بھی ہو۔

دونوں میں سے ایک گناہ گار ہوگا اگر نمازی نے گذرگاہ پر نماز پڑھی اور گزرنے کا راستہ نہیں تو پھر نمازی گناہ گار ہوگا اور اگر گزرنے کا اور راستہ بھی ہے اور نمازی نے الگ نمازی پڑھی تو پھر گزرنے والا گناہ گار ہوگا۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا جب کہ گزرنے والا مجبور ہو اور نمازی نے بھی نماز صحیح جگہ پڑھی ہو۔

شوافع کے ہاں ❷.....شافعیہ کے ہاں اگر نمازی نے سترہ رکھا ہو اور گزرنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو تب بھی گزرنا حرام ہے، دلیل حضرت ابوجہم انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نمازی کے سامنے سے گزرنے والا گزرنے کا گناہ اگر جان لے تو چالیس خریف کھڑا رہنا اس کے لیے گزرنے سے بہتر ہوتا۔ ❸

اور نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں سے لوگ گذرتے ہیں۔

حنابلہ کے ہاں ❹..... والا گناہ گار ہوگا چاہے نمازی نے سترہ نہ بھی رکھا ہو اور گزرنے کی جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے ان کا مذہب شوافع کی طرح ہے۔

دوران طواف نمازی کے سامنے سے گزرنا.....تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طواف کرنے والا کعبہ میں داخل اور مقام ابراہیم پر موجود حضرات نمازی کے سامنے سے گذریں تو یہ بالکل جائز ہے اگر چہ اس نے سترہ بھی رکھا ہو جب کہ حنابلہ کے ہاں پوری وادی مکہ میں نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام نہیں۔

---

❶.....الشرح الصغیر: ۱/۳۳۶۔ ❷مغنی المحتاج: ۱/۲۰۰۔ ❸رواہ الشیخان ❹المغنی: ۱/۲۴۵

۱۰۔ کہاں تک گزرنا منع ہے:

حنفیہ کے ہاں ❶..... میدان یا بہت بڑی مسجد میں سجدے کی جگہ تک گزرنا منع ہے۔ اور اگر نماز گھر یا عام چھوٹی بڑی مسجدوں میں پڑھ رہا ہے تو قبلہ کی دیوار تک آگے سے گزرنا مکروہ ومنع ہے جب کہ سترہ نہ ہو۔ لیکن اگر نمازی کے آگے سترہ ہو تو گزرنا مکروہ نہیں۔

بہت بڑی مسجد اور میدان کو ایک جگہ کی طرح اس لیے قرار نہیں دیتے تاکہ گزرنے والوں کو تنگی نہ ہو۔

مالکیہ کے ہاں ❷..... اگر سترہ رکھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے اور سترہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور سترہ کے آگے سے گزرنا حرام نہیں۔ اور اگر سترہ نہیں تو پھر اس کے قیام رکوع اور سجدہ کی جگہ سے گزرنا حرام ہے۔

شوافع کے ہاں ❸..... نمازی اور سترہ کے درمیان سے تین ہاتھ تک گزرنا حرام ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❹..... اگر نمازی نے سترہ رکھا ہوا ہے تو اس کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور سترہ نہیں رکھا تو پھر اس کے قدموں سے تین ہاتھ تک گزرنا حرام ہے۔

۱۱۔ گزرنے والے کو روکنا..... اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ نمازی کے سامنے گزرنے والا کو روکنا چاہیے کیونکہ صحیح احادیث سے روکنا ثابت ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہ دے اگر وہ نہ روکے تو اس سے لڑو کیونکہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ ❺

اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں کے درمیاں حائل رہے اور کوئی شخص اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترہ کے درمیان سے) گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے روک دینا چاہیے اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ ❻

فقہاء نے گزرنے والے کو روکنے کی فضیلت میں اختلاف کیا ہے:

حنفیہ کے ہاں ❼..... روکنا رخصت ہے اور نہ روکنا اولیٰ اور بہتر ہے اور نہ چھیڑنا عزیمت ہے باقی جو مقاتلہ کا حکم ہے تو یہ ابتداء اسلام میں تھا جب نماز میں عمل کثیر جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اگر کوئی شخص رخصت پر عمل کرتے ہوئے گزرنے والے کو روکنا چاہے تو اسے اشارہ کے ذریعہ یا تسبیح کے ذریعے یا بلند آواز سے قرأت کے ذریعہ روکنا چاہیے۔ دونوں کو جمع نہ کرے جب کہ عورت اشارۃً تالی کے ذریعہ روکے اور تالی دائیں ہاتھ اندر کے حصے کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنا ہے اشارہ سے روکنے کی دلیل آپ علیہ السلام کا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو روکنے والا عمل ہے اور تسبیح کے ذریعے روکنے کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جسے نماز میں کوئی چیز پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ تسبیح پڑھے کیونکہ تسبیح پڑھنے کی وجہ سے وہ متوجہ ہوگا جب کہ عورتیں تالی بجائیں۔ ❽

مالکیہ کے ہاں ❾..... عمل قلیل کے ذریعے روکنا مستحب ہے اگر عمل کثیر ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر اس نے اس کو سختی سے روکا اور اس کی کوئی چیز ضائع ہو گئی مثلاً کپڑے جل گئے یا مال وغیرہ گر گیا یہ ضامن ہوگا اگرچہ اتنی حد تک روکا ہو جس کی اجازت ہے۔ ❿

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ⓫..... نمازی کے لیے سنت ہے کہ وہ اپنے اور سترہ کے درمیان سے گذرنے والے کو روکے احادیث سابقہ

---

❶..... الدرالمختار: ۱/۵۹۳ ❷ الشرح الکبیر: ۱/۲۴۶ ❸ المجموع: ۳/۲۳۰ ❹ المغنی: ۲/۲۳۹۔ ❺ مسلم ❻ متفق علیہ ❼ الدرالمختار ۱/۵۹۶۔ ❽ نصب الرایۃ: ۲/۸۵۔ ❾ نصب الرایۃ ۲/۷۵۔ ❿ القوانین الفقھیۃ ص ۵۶۔ ⓫ المغنی: ۲/۲۴۵

پرعمل کرتے ہوئے اگر گزرنے والے کو قتل کردیا یا تکلیف پہنچائی تو ضامن ہوگا یہ سب مکہ اور حرم سے باہر کے لیے ہے مکہ اور حرم میں نمازی کے سامنے گزرنا منع نہیں دلیل مطلب بن وداعہ کی روایت ہے جسے احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی سہم کے دروازے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا سترہ بھی نہ تھا اور لوگ سامنے سے گذر رہے تھے۔

۱۲۔ **کیا نمازی کے سامنے سے گزرنا قاطع نماز ہے**...... ائمہ اربعہ کے نزدیک نمازی کے سامنے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کے لیے قاطع نہیں نہ ہی نماز باطل ہوتی ہے البتہ نہ روکنے کی وجہ سے ثواب میں کمی آئے گی ❶ دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آدمی کی نماز کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی البتہ روکو جتنی تم کو وسعت ہو ❷ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدمی کا گزرنا آدھی نماز کم کردیتا ہے حضرت عبداللہ جب کوئی سامنے سے گذرتا تو اس کو روک کر ہی چھوڑتے تھے ❸ قاضی ابویعلی حنبلی نے فرمایا کہ نماز کی کمی اس کے لیے ہوگی جو روکنے پر قادر تھا پھر نہ روکا لیکن اگر اس نے روکا اور نہ رکا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی کیونکہ اس کی طرف سے کم کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور دوسرے کا گناہ کوئی اثر نہیں کرے گا۔

امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ صرف سیاہ کتا قاطع نماز ہے دلیل مسلم شریف کی روایت ہے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا اے ابوذر سیاہ کتے کا سرخ اور زرد کتے سے کیا فرق ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اے بھائی جو کچھ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہو یہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سیاہ کتا تو شیطان ہے۔ معاذ اور مجاد فرماتے ہیں کہ سیاہ کتا تو شیطان ہے نماز باطل کردیتا ہے۔

جمہور علماء (مالک ابوحنیفہ، شافعی) ظاہریہ اور حسن بصری کے علاوہ تمام اس بات کے قائل ہیں کہ نماز کتے یا کسی اور جانور کے گزرنے سے باطل نہیں ہوتی جیسا کہ کسی انسان چاہے مسلم ہو یا کافر کے گزرنے سے باطل وختم نہیں ہوتی۔

دلیل دار قطنی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ کوئی بھی چیز نماز کو باطل وختم نہیں کرتی ابوامامہ کی روایت ہے طبرانی اور دار قطنی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی ہے۔ اسی طرح دار قطنی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کتا اور گدھا (نمازی کے سامنے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل نہیں کرے گا جتنی حد تک ہو سکے ان کو روکو۔ ❹

اس مذہب کی تائید اس حدیث مسروق سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان چیزوں کا تذکرہ کیا گیا جو نماز کو باطل کردیتی ہیں ان میں کتے، گدھے اور عورت کا تذکرہ بھی ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ تم ہمیں گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دے رہے ہوں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تھے میں ان کے سامنے قبلہ کی طرف تخت پر لیٹ رہی ہوتی تھی۔ ❺

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی کسی جانور چاہے گدھا ہو یا کوئی اور گزرنے پر نماز کے باطل ہونے کے قائل نہیں۔

حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو صحابہ کے عمل کو دیکھا جائے گا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو جن سے حنابلہ ظاہریہ اور حسن بصری نے استدلال کیا ہے رد کیا اور شافعیہ خطابی اور محققین فقہاء محدثین کی طرف سے جواب دیا کہ قطع صلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں خشوع فی الصلاۃ کے لیے خصوصیت سے قاطع ہیں کہ ان کی طرف مشغولیت اور توجہ ہو جاتی ہے نہ کے نماز فاسد ہوتی ہے۔

---

❶......ردالمحتار ۱/ ۵۹۳۔ ❷نصب الرایة: ۳/ ۷۶۔ ❸رواہ البخاری۔ ❹نیل الاوطار: ۳/ ۱۳۔ ❺رواہ البخاری ومسلم

رات کا کھانا نماز عشاء سے پہلے کھانا......اگر نماز عشاء کے وقت کھانا بھی تیار موجود ہو تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اگر بھوک زیادہ لگی ہے اور دل کھانے کی طرف کرنا مستحب نہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا سامنے ہو یا تیار ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ اور نماز مغرب بعد میں پڑھو اور رات کے کھانے کو مؤخر نہ کرو۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور پیشاب روک کر نماز نہیں ہوتی۔ نیز نماز چاہے جماعت سے ہو یا بغیر جماعت اس میں کوئی فرق نہیں۔ دلیل مسلم شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: جب تم میں سے کسی ایک کا رات کا کھانا تیار ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو تم پہلے کھانا شروع کرو اور جلدی نہ کرو جب تک وہ فارغ نہ ہو جائیں یعنی جماعت قائم ہو جائے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کھانا کم ہو تو پہلے کھالے ورنہ پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔

تیسری بحث: نماز کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ......حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھا ان میں ایک ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ میں نے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں جانتا ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا نہ تو آپ کی محبت ہم سے زیادہ ہے اور نہ آپ کے پاس آنا جانا زیادہ ہے یہ فرماتے ہیں میں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے تو انھوں نے کہا بیان کیجیے تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے پھر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے پھر جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جاتے پھر سیدھے جاتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ زیادہ اونچا کرتے اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور ہاتھ اٹھاتے سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آ جاتی پھر آپ زمین کی طرف سجدہ کے لیے جھکتے اور اللہ اکبر فرماتے پھر آپ (جلسہ استراحت) میں اپنے بائیں پاؤں کو موڑ کر اس پر بیٹھتے یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی جگہ واپس آ جاتیں پھر آپ اٹھتے۔

پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے یہاں تک کہ دو سجدوں کے بعد جب کھڑے ہوتے تو تکبیر بھی کہتے اور ہاتھ بھی اٹھاتے کندھوں کے برابر جیسا کہ نماز شروع کرتے وقت کیا تھا پھر اسی طرح نماز پڑھتے جب آخری رکعت ہوتی تو قعدہ میں تورک کرتے پھر سلام پھیرتے تو صحابہ نے فرمایا یہ آپ نے سچ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔

نماز کی پوری ترکیب......اس حدیث اور شرائط وارکان وسنن وآداب نماز سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز کا مکمل طریقہ یہ ہے جو ذکر کیا جارہا ہے۔

جب کسی کا نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو وہ تمام شرائط نماز کے ساتھ شروع کرے یعنی پہلے بدن کو حدث اصغر و اکبر سے اور ظاہری ناپاکی سے پاک کرے پاک کپڑا پہن کر پاک جگہ پر اذان واقامت وقت داخل ہونے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو پھر دل میں نماز کی نیت کرے اور جمہور کے ہاں زبان سے الفاظ نیت کہنا مناسب ہے پھر ہاتھوں کو آستینوں سے نکال کر کانوں کی لو تک اس طرح اٹھائے کہ انگلیاں اور ہتھیلیاں قبلہ رخ ہوں اور انگلیاں جدا جدا ہوں پھر اللہ اکبر کہے جب کہ حنفیہ کے علاوہ کے ہاں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے پھر دونوں ہاتھوں کو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ناف کے نیچے جب کہ شوافع کے ہاں سینہ کے نیچے باندھے اور مالکیہ کے ہاں لٹکائے نمازی سجدہ کی جگہ پر دیکھے پھر حنفیہ وحنابلہ کے ہاں ثناء پڑھے شوافع کے ہاں دعائے توجہ (انی وجهت) پڑھے جب کہ مالکیہ کے ہاں کچھ بھی ان میں سے نہ پڑھے۔

پھر تعوذ بالاتفاق قرأت کے لیے سراً پڑھے۔حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں بسم اللہ سراً پڑھے شوافع کے ہاں آواز سے پڑھے اور امام مالک کے ہاں بسم اللہ نہ پڑھے پھر فاتحہ پڑھے اور **ولا الضالین** پر نمازی آمین کہے مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں آہستہ جب کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں آواز سے پھر فاتحہ کے بعد فجر وظہر میں طوال مفصل میں سے کوئی سورت پڑھے اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل میں سے جب کہ حنابلہ کے ہاں ظہر میں بھی اوساط میں سے پڑھے۔اور مغرب میں قصار مفصل میں سے پڑھے جب کہ مالکیہ کے ہاں عصر میں قصار مفصل میں سے پڑھے۔ رات کی نمازوں میں جہراً قرأت کرے اور دن کی نمازوں میں سراً۔

پھر رکوع کے لیے جھکتے ہوئے تکبیر کہے جو رکوع کے ختم تک ختم ہو جائے جمہور کے ہاں ہاتھ بھی اٹھائے حنفیہ کے ہاں نہ اٹھائے۔ رکوع میں انگلیوں کو کھلا کر کے ان سے گھٹنوں کو پکڑے پیٹھ کو سیدھا بچھا دے اور سرین اور سر برابر ہوں سر کو نہ اونچا کرے نہ جھکائے پنڈلیوں کو کھڑا کرے کہنیاں پہلو سے الگ ہوں اور تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم** کہے۔حنفیہ کے ہاں باقی حضرات **وبحمدہ** کا اضافہ کرتے ہیں۔

پھر رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے جب کہ مقتدی صرف **ربنا لک الحمد** سراً کہے۔جمہور کے ہاں اور شوافع کے ہاں تسمیع اور تحمید دونوں کہے جیسے منفرد دونوں کہے گا مالکیہ کے ہاں نیز حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں ہاتھ بھی اٹھائے اور اطمینان سے قومہ کرلے۔پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کے لیے جھکے اس طرح کہ پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک وپیشانی رکھے اور پاؤں اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں چہرہ حنفیہ کے ہاں دونوں ہاتھوں کے درمیان، پیٹ ران سے بازو پہلو سے جدا ہوں انگلیاں قبلہ رخ ہوں زمین پر سہارا ہو اور **سبحان ربی الاعلیٰ** تین بار کہے۔جب کہ دوران سجدہ باقی حضرات کے ہاں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے اور **وبحمدہٖ** کا اضافہ کرے پھر تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھالے اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے اس طرح بیٹھے کہ بایاں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں کھڑا رکھے اور ہاتھ رانوں پر ہو اور **ربی اغفرلی** کہے پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کرے۔پھر دوسری رکعت کے لیے تکبیر کہتے ہوئے پنجوں کے بل اٹھے جلسہ استراحت یا زمین پر سہارا نہ لے بلکہ گھٹنوں پر سہارا لے کر اٹھے حنفیہ کے ہاں البتہ اگر مشکل ہو تو زمین پر سہارا لے کر اٹھ سکتا ہے شوافع کے ہاں جلسہ استراحت بھی کرے نیز شوافع اور حنابلہ کے ہاں زمین پر سہارا لے کر اٹھنا بھی صحیح ہے۔ نیز جلسہ استراحت کے بعد اٹھتے وقت ہاتھ بھی اٹھائے شوافع کے ہاں۔

پھر جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جاتے تو بالاتفاق ثنائی وغیرہ نہیں پڑھے البتہ تعوذ وتسمیہ سراً پڑھے مالکیہ کے ہاں تسمیہ بھی نہ پڑھے جمہور کے ہاں تسمیہ پڑھے پھر فاتحہ اور اس کے بعد سورت پڑھے دوسری رکعت کی قرأت پہلی سے کم کرے پھر پہلی رکعت کی طرح رکوع کرے اور مالکیہ کے ہاں صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے اور شوافع کے ہاں رکوع کے بعد اور رکوع کے بعد وتر میں پورا سال حنابلہ کے ہاں پھر جب دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ مکمل ہو جائے تو تشہد میں جمہور کے ہاں افتراشاً بیٹھے جب کہ مالکیہ کے ہاں تورک کرے تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔انگلیوں کا رخ قبلہ ہونا چاہیے۔ہاتھوں کو رانوں پر رکھے انگلیاں سیدھی ہوں حلقہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا بنا ہوا ہو اور لا الہ انگشت شہادت سے اشارہ کرے پھر الا اللہ پر حنفیہ کے ہاں چھوڑ دے اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف اشارہ کرے حرکت نہ دے اور مالکیہ کے ہاں اشارہ بھی ہو اور حرکت بھی شروع تشہد سے۔

پھر کوئی سابھی تشہد **عبدہٗ ورسولہٗ** تک پڑھے جب کہ شافعیہ کے ہاں قعدہ اولیٰ میں بھی درود پڑھے اور قعدہ اخیرہ میں درود شریف بھی پڑھے اور قعدہ اخیرہ میں باقی حضرات کے ہاں تورکاً بیٹھے اور حنفیہ کے ہاں افتراشاً اور پھر دعا کرے ماثور دعاؤں میں سے حنفیہ کے ہاں جب کہ جو دعا کرے باقیوں کے ہاں پھر دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرے دو رکعت والی نماز سے اور سلام میں نہ جلدی کرے نہ لمبا کرے۔

اگر نماز تین یا چار رکعتوں والی ہے تو پھر ایک یا دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ فاتحہ کے علاوہ ان میں کچھ نہ پڑھے البتہ نوافل میں اور وتر کی تمام رکعات میں حنفیہ کے ہاں سورت پڑھے گا جب کہ شوافع کے ہاں فرائض کی طرح نہ پڑھے۔

چوتھی بحث.....مکروہات نماز

اس بحث میں چار مقاصد ہیں:

۱.....نماز میں کیا مکروہ ہے۔

۲.....وہ جگہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۳.....کیا کیا کام نماز میں مکروہ نہیں۔

۴.....جہاں نماز پڑھنا حرام ہے۔

جمہور کے ہاں کراہت صرف تنزیہی ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں تنزیہی اور تحریمی دو طرح کی کراہت ہے جب بھی مطلقاً کراہت کا ذکر ہو تو اس سے تحریمی ہی مراد ہوتی ہے اور کراہت تحریمی وہ کراہت ہے جس کا ثبوت ظنی الدلالت دلیل سے ثابت ہو اور اس کو تحریم سے ہٹانے والی کوئی دلیل نہ ہو اگر ہو تو پھر کراہت تنزیہی ہوگی۔

سنت موکدہ کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے جب کہ سنت غیر مؤکدہ مثلاً نماز چاشت کو چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ مستحب وغیرہ کو چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے۔ فقہاء کے ہاں اگر کسی نے کراہت تحریمہ سے نماز پڑھی ہو تو وقت کے اندر اندر اسے لوٹانا مستحب ہے۔

۱۔ نماز میں مکروہ افعال.....نماز میں درج ذیل چیزیں مکروہ ہیں۔

۱.....حنفیہ کے ہاں نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو جان بوجھ کر چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے مثلاً سورہ فاتحہ یا سورت چھوڑ دینا یا سری نماز میں جہر اور جہری نماز میں سراً قرأت کرنا نماز تو صحیح ہوگی لیکن واجب الاعادہ ہوگی نیز حنفیہ کے ہاں رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا بھی مکروہ ہے البتہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۲.....سنن نماز میں سے کسی سنت کو عمداً چھوڑ دینا بھی مکروہ ہے مثلاً ثناء یا دعائے توجہ یا تسبیح رکوع وسجدے کی یا تکبیر، تسمیع تحمید یا رکوع میں سر کو اونچا یا نیچا کرنا یا ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ سے پھیر دینا یہ بالاتفاق ہیں۔

۳.....مالکیہ کے ہاں فرض نماز میں فاتحہ اور سورت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا مکروہ ہے اور نفل نماز میں پڑھنا جائز ہے البتہ نہ پڑھنا بہتر ہے نیز بسم اللہ پڑھنا اختلاف سے بچتے ہوئے اولیٰ ہے۔

۴.....مالکیہ کے ہاں فاتحہ سے پہلے یا سورت سے پہلے یا دوران قرأت دعا پڑھنا مکروہ ہے۔

۵.....دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے قرأت لمبی کرنا مکروہ ہے حنفیہ نے تین آیتوں کی مقدار اس کی حد بیان کی ہے۔

۶.....فرض نماز کی ایک رکعت میں ایک ہی سورت کو دوبار پڑھنا یا دو رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا مکروہ ہے البتہ حنفیہ کے ہاں نوافل میں مکروہ نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں ایک ہی سورت دو رکعتوں میں پڑھنا مکروہ نہیں دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورت اعراف پڑھی۔ (1) باقی فاتحہ کو ایک رکعت میں دو دفعہ پڑھنا اس لیے مکروہ ہے کہ وہ رکن ہے حنابلہ کے ہاں حنفیہ کے ہاں کوئی ایک ہی سورت نماز کے لیے متعین کرنا بھی مکروہ ہے۔

۷.....قرآن کریم کی ترتیب کے برعکس قرأت کرنا بھی بالاتفاق مکروہ ہے مثلاً پہلی رکعت میں سورۃ الاخلاص اور دوسری میں سورۃ اللھب یا

(1).....رواه سعيد بن منصور في سننه۔

سورۃ الکافرون پڑھنا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو دوسری رکعت میں اس سے بعد والی سورت پڑھنا منقول ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو قرآن کریم کو برعکس پڑھے تو آپ نے فرمایا اس کا دل الٹا ہے۔

ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر یہ کی کہ جو سورت پہلے پڑھی اس کے بعد اس سے پہلے والی سورت پڑھنا۔

۸......مالکیہ وغیرہ کے ہاں رکوع سجدے میں قرأت کرنا مکروہ ہے یا سورت کو رکوع میں مکمل کرنا اسی طرح فاتحہ کو رکوع میں مکمل کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ فاتحہ ان کے ہاں فرض ہے البتہ حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے کیونکہ فاتحہ ان کے ہاں فرض نہیں۔ نیز مالکیہ نے سجدے میں بطور دعا پڑھنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا پڑھنا۔ نیز رکوع میں دعا کرنا مکروہ ہے اسی طرح قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے سے پہلے دعا کرنا، اور التحیات کو جہراً پڑھنا بھی مکروہ ہے اسی طرح مقتدی کا سلام کے بعد وہ دعا بلند آواز سے پڑھنا جو سجدے وغیرہ میں کی جاتی ہے۔

اسی طرح کسی خاص دعا کو ہمیشہ کرنا کہ اس کے علاوہ اور دعا نہ کرنا بھی مکروہ ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ کبھی مغفرت کی دعا کرے کبھی وسعت رزق کی کبھی اصلاح نفس اولاد بیوی کی اصلاح کی اور کبھی دنیا اور آخرت کے دوسرے احوال کی اور اللہ تعالیٰ تو بڑے فضل والے ہیں اور سب سے جامع دعا یہ ہے:

اللهم انی اسالك من كل خير ماسألك منه محمد نبيك ورسولك واعوذبك
من كل شرا ستعاذك منه محمد نبيك ورسولك صلى الله عليه وسلم

۹......اپنے کپڑے یا بدن یا داڑھی سے کھیلنا، ناک یا منہ کو بغیر ضرورت کے ڈھانپ لینا مکروہ تحریمی ہے حنفیہ کے ہاں دلیل قضاعی کی روایت ہے یحییٰ بن ابی کثیر سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزیں ناپسند کی ہیں نماز میں کھیلنا روزہ کی حالت میں برائی اور قبرستان میں ہنسنا'' اگر پسینہ وغیرہ خشک کرنے یا مٹی ہٹانے یا جمائی روکنے لیے ہاتھ وغیرہ رکھا تو مکروہ نہیں۔ اسی طرح انگلیاں چٹخانا کنکریاں الٹنا پلٹنا سجدے کی جگہ سے کنکریاں ہٹانا بھی مکروہ ہے اس سے منع کیا گیا ہے معیقب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو سجدے میں مٹی سیدھی کر رہا تھا فرمایا اگر سیدھی کرنی ہی ہے تو ایک مرتبہ کرو' اسی طرح ابوداؤد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریاں نہ پکڑے کیونکہ رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

کھیلنے کے مکروہ ہونے کی دلیل ایک تو احادیث میں منع کیا گیا ہے نیز یہ خشوع کے منافی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے والوں کی تعریف فرمائی ہے، فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ المؤمنون: ۲۳، ۱۔۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چٹخانے سے منع فرمایا ہے کہ تم نماز میں ہو تو انگلیاں مت چٹخاؤ۔ ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مین منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے۔ عورت کے لئے نماز میں نقاب لگانا مکروہ ہے کیونکہ نماز کی حالت میں عورت کے چہرہ کا پردہ نہیں جیسے مرد کا نہیں۔

حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ دوران نماز عمل قلیل میں ضرورت کے وقت کوئی حرج نہیں مثلاً فرائض میں بچے کو اٹھانا دلیل حضرت ابو قتادہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے آپ نے اسی حالت میں چل کر دروازہ کھولا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ اور بچھوں کو نماز میں مارنے کا حکم فرمایا ہے پس اگر نمازی بچھو دیکھے جو اس کی طرف آ رہا ہے تو اس کو جوتا اٹھا کر مارنے اور واپس جوتا رکھنے کی اجازت ہے اور یہ بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر نماز میں دیکھا کہ دو بچے لڑ رہے ہیں اور خطرہ کہ ایک دوسرے کو کنویں وغیرہ میں گرا دے گا تو جا کر انھیں

چھڑا کر واپس نماز میں آنا صحیح ہے۔

عمل قلیل اور کثیر میں فرق عرف کے اعتبار سے ہوگا البتہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے مشابہ ہو وہ فعل یسر و عمل قلیل ہے۔

اگر کسی نے بہت سارے متفرق افعال کئے کہ اگر ان کو جمع کر دیا جائے تو کثیر بن جائے جب کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ عمل قلیل ہے تو یہ ان کے ہاں عمل قلیل ہی شمار ہوں گے دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امامہ کو نماز میں اٹھانا ہر رکعت میں اور پھر چھوڑ دینا ہے البتہ حنفیہ کے ہاں بچے وغیرہ کو نماز میں اٹھانا مکروہ ہے اور یہ جو آپ علیہ السلام سے ثابت ہے یہ ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہے آپ نے فرمایا نماز میں بھی مشغولیت ہوتی ہے البتہ جو چیز زیادہ ہو اور افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائے تو وہ نماز کو باطل کر دیتی ہے چاہے کسی حالت وضرورت کی بناء پر ہو یا نہ البتہ اگر ضرورت بہت سخت ہو تو پھر یہ خائف کے حکم میں ہوگا اور نماز باطل نہ ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں مچھروں، پسو وغیرہ کو نماز میں مارنا مکروہ ہے۔ حنفیہ حنابلہ کی طرح ہیں کہ عمل قلیل بلا عذر مکروہ ہے جیسے کھٹمل نے کاٹا نہیں تھا اس کو پکڑ لیا تو یہ مکروہ ہے اسی طرح رکوع وسجدے میں جاتے وقت کپڑوں میں سمیٹنا اور اوپر اٹھانا بالوں کو سر پر جمع کرے چٹلا (جوڑا) باندھنا دلیل حدیث میں ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور کپڑے اور بال نہ سمیٹوں۔

نماز ختم کرنے سے پہلے چہرے پر لگے غبار کو ہٹانا بھی مکروہ ہے ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پیشانی صاف کرنا جفا اور بے وفائی ہے۔

۱۰.....ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا نماز میں کولہے یا کوکھ یا کمر پر ہاتھ رکھنا بالاتفاق مکروہ ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں ہو تو اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے کیونکہ اس طرح کرنا شیطان کی طرف سے ہے اور تم میں سے ہر ایک آدمی جب تک مسجد میں ہو تو وہ نماز میں ہوتا ہے جب تک مسجد سے نکل نہ جائے۔

ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انھوں نے اس شخص کے بارے میں جو تشبیک کر کے نماز پڑھ رہا تھا فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی نماز ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولہے اور کوکھ وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح انگلیوں کو چٹخانا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا اگرچہ نماز کے انتظار یا اس کی طرف چل کر جا رہا ہو تب بھی مکروہ ہے اور کوکھ وغیرہ پر ہاتھ رکھنا حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح نماز کے علاوہ مکروہ تنزیہی ہے جب کہ انگلیاں چٹخانا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا نماز کے علاوہ مکروہ نہیں۔

۱۱.....آنکھوں کو بند کرنا البتہ اگر نماز میں دل لگنے کے لیے ہو تو مکروہ نہیں۔ حضرت ابن عدی نے روایت کی ہے جب تم میں سے کوئی ایک نماز کے لیے کھڑا ہو تو آنکھیں بند نہ کرے۔

نیز چونکہ سنت تو یہ ہے کہ نظریں سجدہ کی جگہ پر ہوں اور بند کرنے میں اس سنت کا ترک لازم آ رہا ہے لہٰذا آنکھیں بند کرنا مکروہ تنزیہی ہے بالاتفاق۔

۱۲.....مالکیہ کے ہاں بغیر کسی ضرورت کے پورا جسم قبلہ سے پھیرنا جب کہ پاؤں قبلہ جانب ہوں تو مکروہ ہے اور اگر پاؤں بھی قبلہ سے پھر گئے تو پھر نماز باطل ہو جائے گی۔ حنفیہ کے ہاں صرف گردن یعنی پورا یا کچھ چہرہ پھیرنا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ اگر سینہ پھر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ گوشہ چشم سے دیکھنا گردن پھیرے بغیر مکروہ نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ چشم سے نماز میں دائیں بائیں دیکھتے تھے اور اپنی گردن نہ پھیرتے۔

شوافع کے ہاں بغیر کسی ضرورت کے چہرہ پھیرنا مکروہ ہے اگر ضرورت ہے تو مکروہ نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے آپ نے ایک گھڑسوار گھاٹی میں بطور چوکیدار بھیجا پھر آپ نماز پڑھنے لگے اس دوران آپ گھاٹی کی طرف پھر کر دیکھتے تھے۔ البتہ اگر کسی کا سینہ قبلہ رخ سے ہٹ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ قبلہ سے پھر گیا ہے۔

حنابلہ کے ہاں دوران نماز تھوڑا جیسا پھرنا بھی بلاضرورت مکروہ ہے۔ اگر پورا پھر گیا یا قبلہ کی طرف پیٹھ ہوگئی تو نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ بلاعذر استقبال قبلہ چھوڑ دیا ہے البتہ اگر خانہ کعبہ میں ہے یا سخت خوف ہے یا اجتہاد تبدیل ہوگیا تو پھر پورا پھرنے کی وجہ سے بھی نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں استقبال قبلہ ساقط ہوگیا ہے اور اجتہاد کی صورت میں دوسرا قبلہ بن جائے گا اسی طرح اگر صرف سینہ یا چہرہ پھر گیا تو نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ پورا نہیں گھوما۔

بغیر ضرورت کے دائیں بائیں پھرنا بالاتفاق مکروہ ہونے کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ شیطان بندے کو اچکتا ہے نیز ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی طرف نماز میں متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ پھرے نہ۔ جب بندہ چہرہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا نماز میں التفات سے بچو کیونکہ نماز میں دیکھنا ہلاکت ہے اگر ضروری ہی ہو تو پھر نفل نماز میں نہ کہ فرض میں پھر آخری الفاظ میں ضرورت کے وقت نفل نماز میں اس کی گنجائش ہے اور فرائض میں منع ہے۔ علی بن شیبان کی روایت سے ضرورت کے وقت اِدھر اُدھر دیکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے گوشہ چشم سے اس شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ کو برابر نہ رکھتا تھا آپ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو اپنی پیٹھ کو نماز میں سیدھا نہ رکھے۔

۱۳..... آسمان کی طرف دیکھنا دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ نماز میں اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟ اس بارے میں آپ کا یہ ارشاد انتہائی سخت کہ آپ نے فرمایا: اس سے رک جائیں یا پھر ان کی آنکھیں اچک لی جائیں۔ البتہ مالکیہ کے ہاں اگر آیات سماء میں غور وفکر کی وجہ سے اٹھائے تو مکروہ نہیں اور حنابلہ کے ہاں۔

۱۴..... ایک پاؤں پر کھڑا ہونا یا ایک پاؤں کو اٹھا کر دوسرے پر بلاضرورت وعذر کھڑا ہونا البتہ اگر عذر ہو مثلاً دوسرے کو تکلیف ہے تو اس صورت میں مکروہ نہیں۔

مالکیہ کے ہاں ساری نماز میں قدم ملا کر رکھنا بھی مکروہ ہے اگر شوافع کے ہاں ایک پاؤں کو آگے دوسرے کو پیچھے یا دونوں کو بلاعذر ملانا مکروہ ہے کیونکہ یہ تکلیف ہے اور خشوع وخضوع کے منافی ہے۔ البتہ اگر قیام طویل ہو تو پھر ایک پاؤں پر سہارا لینا استراحت کے لیے جائز ہے۔

۱۵..... پیشاب یا پاخانہ یا دونوں کی حاجت ہونے کی حالت میں یا غلبہ ریح کے وقت جب کہ وقت بہت ہے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح بہت بھوک لگی ہو کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے پہلے نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے اگر شدید بھوک۔ ہو کہ خشوع وخضوع قائم نہ رہ سکے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کھانا موجود ہونے اور پیشاب پاخانہ روکنے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی پیشاب کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حنفیہ کے ہاں۔

اگر سخت اونگھ ہو کہ صحیح طرح قرأت نہیں کرسکتا تو اس حالت میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران اونگھ آئے تو اسے سوجانا چاہیے یہاں تک کہ نیند ختم ہوجائے اس لیے کہ اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے والا شاید استغفار کرنا چاہے جب کہ اس میں وہ اپنے آپ کو بد دعا دے رہا ہو۔

۱۶..... مسجد کے علاوہ دوران نماز اپنے سامنے یا دائیں جانب تھوکنا یا بلغم پھینکنا مکروہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں

سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے لہٰذا اپنے سامنے یا دائیں جانب مت تھوکو اور بخاری میں ہے کیونکہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے البتہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکو۔

نماز کے علاوہ بھی اپنے سامنے یا دائیں جانب اگر قبلہ ہو تھوکنا مکروہ ہے قبلہ کے احترام کی وجہ سے۔

۱۷...... مالکیہ کے ہاں کسی دنیاوی معاملے میں غور وفکر کرنا مکروہ ہے اسی طرح آستین میں کچھ اٹھانا یا منہ میں کوئی چیز رکھنا جس کی وجہ سے قرأت میں رکاوٹ نہ ہو اگر رکاوٹ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح چھینکنے والے کو جواب دینا یا کسی کو کوئی خوشخبری دوران نماز الحمد للہ کے ذریعے دینا بغیر ضرورت جسم کو خارش کرنا اگرچہ کم ہی ہو اگر زیادہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی جان بوجھ کر تھوڑا سا مسکرانا مکروہ ہے۔ زیادہ مسکرانا اگرچہ ضرورت ہو نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں ایسی چیز اٹھانا جو نماز کو مکمل کرنے سے ہٹا دے مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح خشوع نہیں رہتا، منہ سے زبان نکالنا یا منہ بند رکھنا یا اس میں کوئی چیز رکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ساری صورتیں نماز کی ہیئت کے خلاف ہیں البتہ اگر ہاتھ یا آستین میں کچھ رکھا اور وہ نماز کے مکمل ہونے میں خلل نہیں ڈالتا تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔

۱۸..... جمائی لینا کیونکہ یہ سستی یا شیطان کی وجہ سے ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے محفوظ تھے، اگر کسی پر جمائی کا غلبہ ہو تو اس کو روکنا چاہیے۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکو۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے منہ کو بند کرو کیونکہ شیطان منہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اور عورتوں کے سامنے جمائی لینے سے منع کیا ہے البتہ اپنی بیوی یا باندی کے سامنے اجازت دی ہے۔ البتہ اس میں کراہت تنزیہی ہے اگر جان بوجھ کر کرے تو تحریمی ہے۔ کیونکہ عبث ہے اور عبث نماز میں مکروہ تحریمی ہے۔

۱۹...... حنابلہ وشوافع کے ہاں دیوار یا کسی ایسی چیز پر ٹیک لگانا کہ اس کے گرنے سے آدمی گر جائے بلا ضرورت مکروہ ہے اگر ضرورت ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب زیادہ عمر والے ہو گئے اور گوشت زیادہ ہو گیا تو آپ ایک ستون کے ساتھ سہارا لے کر نماز پڑھتے تھے۔

اگر اسے ہٹا دیا جائے تو نمازی گر جائے یا وہ پاؤں زمین سے اٹھا سکتا ہے تو پھر اس کی نماز باطل ہو گی کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کھڑا نہیں ہوا۔ اسی طرح بیٹھنے کی حالت میں ہاتھ پر سہارا لے کر بیٹھنا مکروہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ کا سہارا لے کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۰...... حنفیہ کے ہاں ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ بھی سلام ہے اگر سلام کی نیت سے کسی نے مصافحہ کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نیز ہر قسم کا اشارہ چاہے آنکھ سے ہو یا ہاتھ سے مکروہ ہے۔

شوافع کے ہاں اشارہ سے سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔ اسی طرح چھینکنے والا الحمد للہ اتنی آواز سے کہے کہ خود سن لے۔ اگر مقتدی نے امام کے **ایاك نستعین** قرأت کرنے کے بعد استعنا باللہ بغرض تلاوت یا دعا نہ کہا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

مالکیہ کے ہاں سلام کا جواب اشارہ سے دینا مکروہ نہیں البتہ ان کے ہاں چھینک کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے مثلاً **یرحمك اللہ** کہنا یا اپنی چھینک پر **الحمد للہ** کہنا۔

ان کے ہاں ہلکا سا اشارہ کرنا جائز ہے جیسے حنفیہ کے ہاں نمازی کے لیے بات یا سر کے اشارہ سے جواب وغیرہ دینا جائز ہے۔ البتہ کلام کے ذریعے جواب دینا نماز کو باطل کر دیتا ہے بالاتفاق۔

۲۱..... فرض کی آخری رکعتوں میں پوری سورت یا کچھ آیتیں پڑھنا شوافع نے مسبوق کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے، جس کی پہلی دو رکعتیں رہ گئی ہوں وہ آخری دو رکعتوں میں قرأت کرے گا کیونکہ یہ اس کی پہلی دو رکعتیں ہی ہیں۔ کیونکہ جو اس نے پائی ہے وہ پہلی نماز ہے لہٰذا اگر وہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کر سکا تو آخری میں کرے گا تا کہ اس کی نماز سورت سے خالی نہ رہ جائے۔ اگر صرف پہلی رکعت رہ گئی تو پھر وہ دوسری یا تیسری رکعت میں قرأت کرے۔

۲۲..... جہاں سراً قرأت کرنا تھی وہاں جہراً کر دی یا جہاں جہراً کرنا تھی وہاں سراً کر دی تو یہ مکروہ ہے اور شوافع کے ہاں امام کے پیچھے جہر کرنا نیز جہاں تشویش ہو وہاں جہر کرنا حرام ہے مالکیہ کے ہاں ان صورتوں میں سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

۲۳..... شوافع کے ہاں جلسہ استراحت کو دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ کرنا اور تشہد اول کو لمبا کرنا اگر چہ درود اور دعا ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔ اسی طرح تشہد اخیر میں دعا چھوڑنا اختلاف سے بچنے کی وجہ سے۔ نیز امام کے افعال واقوال کے ساتھ افعال و اقوال کا ملا ہوا ہونا کیونکہ نماز کے صحیح ہونے میں اس صورت میں اختلاف ہے۔ یہ آخری کراہت جماعت کی فضیلت کو ختم کرتی ہے مثلاً تنہا ایک صف میں رہنا خالی جگہ ہونے کے باوجود پُر نہ کرنا یہ حنفیہ کے ہاں مکروہ ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اگر اکیلا پڑھے گا امام سے بلندی پر ہونا یا اس سے نیچے بغیر ضرورت کے ہونا اگر چہ مسجد ہی میں ہو اسی طرح مخالف کی اقتداء کرنا مثلاً فاسق یا بدعتی کی اقتداء کرنا نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرنا۔

ظہر والے یا عصر والے کی عصر یا ظہر کی نیت سے اقتدا کرنا۔ اسی طرح امام کے لیے مقتدیوں سے ممتاز ہونے کی غرض سے اونچی جگہ کھڑا ہونا حنفیہ کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے۔ حاکم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو بلند جگہ پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا کہ لوگ نیچے ہوں اس کی علت تشبہ باھل الکتاب بیان کی گئی ہے کیونکہ ان کا امام اونچی جگہ پر کھڑا ہوتا ہے۔

۲۴..... بالوں کو مینڈھیاں بنانا یا آستین کا اوپر چڑھانا مکروہ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں اگر نماز کے لیے آستین چڑھائے تو مکروہ ہے اور بالوں کو مینڈھیاں بنانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ابو رافع کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی نماز پڑھے اور اس کے سر پر مینڈھی بنی ہوئی ہو یہ بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے جب کہ آستین چڑھانے کو حنفیہ مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں جبکہ سر تک چڑھایا ہوا گر اس سے کم ہے تو کم کراہت ہے۔

۲۵..... نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا یعنی رانیں کھڑے کر کے بیٹھنا اور رانوں کو پیٹ سے اور گھٹنوں کو سینے سے ملا لینا اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ لینا مالکیہ کے ہاں اس طرح بیٹھنا تو حرام ہے لیکن نماز باطل نہیں ہوگی ان کے ہاں اس میں چار صورتیں مکروہ ہیں۔ ان میں سے انگلیوں کا اندرونی حصہ زمین کی طرف کرنا، پاؤں کھڑے رکھنا، سرین ایڑیوں پر رکھنا یا پاؤں پر بیٹھنا اور ان کے ظاہری حصہ زمین کی طرف ہونا۔

کتے کی طرح بیٹھنے کے مکروہ ہونے کی دلیل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے ایک تو مرغ کی طرح ٹھونگ لگانے سے دوسرا کتے کی طرح بیٹھنے سے اور تیسرا لومڑی کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے سے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو سجدوں کے درمیان کتے کی طرح نہ بیٹھو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا سر سجدے سے اٹھاؤ تو کتے کی طرح نہ بیٹھنا۔

نماز میں بلا عذر چار زانو (آلتی پالتی مار کر) بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مسنون طریقہ بیٹھنے کا ترک ہو جاتا ہے البتہ نماز کے علاوہ مکروہ نہیں۔ اس لیے کہ آپ علیہ السلام اپنے صحابہ کے ساتھ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی۔

۲۶..... درندے کی طرح دونوں بازو پھیلا کر رکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کی طرح بیٹھنے اور درندے کی طرح بازؤوں کو پھیلانے سے منع فرماتے تھے۔

۲۷..... مالکیہ کے ہاں نماز میں تالی بجانا ہر حال میں مکروہ ہے چاہے کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے ہو جس کا تعلق نماز سے ہے مثلاً امام کو سہو یاد دلانے سے پہلے یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دینے کی وجہ سے یا ایسی ضرورت ہے جس کا تعلق نماز سے نہ ہو مثلاً نمازی کے سامنے گزرنے والے کو روکنا یا کسی بھی بات پر متنبہ کرنا ہو شرعاً صرف اگر کوئی ضرورت پیش آ جائے سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔

نیز مالکیہ کے ہاں زمین کے علاوہ باقی جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے پہلے ذکر کیا ہے۔

۲۸..... گھر میں کام کاج کے لیے پہننے والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جب کہ ان کے علاوہ اور کپڑے بھی ہوں اگر نہ ہوں تو مکروہ نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ......الاعراف ۷/ ۳۱

ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

۲۹..... صرف شلوار یا تہبند پہن کر نماز پڑھنا جب کہ قمیض پہننے کی طاقت ہو سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے البتہ ذلت اور عاجزی کی نیت سے ننگے سر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نماز کا مقصد ہی خشوع وخضوع اختیار کرنا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ مرد دو کپڑے پہنے یعنی قمیض اور چادر (تہبند) یا قمیض اور شلوار ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دو کپڑے پہن کر نماز پڑھے اللہ تعالیٰ زیادہ اس بات کے حق دار ہیں کہ ان کے لیے زینت اختیار کی جائے جس کے پاس دو کپڑے نہ ہوں تو وہ ازار باندھ کر نماز پڑھے اور یہود کی طرح چادر نہ باندھے سر ڈھانپنا بھی مستحب ہے۔

۳۰..... ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جس پر کسی جاندار (انسان یا حیوان) کی تصویر ہو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو نیز ایسا شخص بت اٹھانے والے کے مشابہ ہوتا ہے۔ نیز بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وہ ڈھانپتی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اس کپڑے کو ہٹا اس کی تصویریں نماز میں خلل ڈال رہی ہیں البتہ اگر نقش ونگار ہوں تو حرام نہیں زید بن خالد کی روایت کے آخر میں ہے کہ اگر کپڑے پر (تصویر کے علاوہ) کوئی نقش ونگار ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

نیز ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ نمازی کے سر کے اوپر چھت وغیرہ میں یا اس کے سامنے یا دائیں یا بائیں یا پیچھے یا آگے کسی جاندار کی تصویر ہو خواہ لٹکی ہوئی ہو یا گڑی ہوئی ہو نیز تکیہ پر اگر ہوں تو بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کفار کے مشابہ ہے اور بتوں کی پوجا کے مشابہ ہے۔

حنابلہ اور شوافع کے ہاں اگر چہ تصویر چھوٹی ہی ہو اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے حنفیہ کے ہاں اگر پاؤں کے نیچے یا بیٹھنے کی جگہ پر یا ہاتھ میں یا انگوٹھی پر غیر واضح تصویر ہو تو مکروہ نہیں اسی طرح کسی بکس یا کسی اور کپڑے وغیرہ میں پوشیدہ تصویر بھی مکروہ نہیں۔

نیز ان سب صورتوں میں کراہت تحریمی ہے حنفیہ کے ہاں۔ حنفیہ نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر ایسی تصویر ہو جس کے اعضاء دیکھنے والے کو نظر نہ آتے ہوں تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ نیز جس کا سر یا چہرہ نہ ہو وہ تصویر کے حکم میں نہیں یا ایسا عضو مٹا ہوا ہو جس کے بغیر زندہ پڑھنا ناممکن ہے نیز غیر جاندار اشیاء کی تصویر بھی حرام نہیں کیونکہ ان میں سے کسی چیز کی عبادت نہیں کی جاتی نیز مسلم شریف کی حدیث جبریل ہے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو یہ خاص ہے ان تصویروں کے ساتھ جن کا احترام کیا جاتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں اگر نمازی کے سامنے یا سر کے اوپر قرآن کریم یا تلوار یا کوئی اور ایسی چیز ہو جس کی پوجا نہیں کی جاتی تو کوئی کراہت نہیں۔

کپڑے پر صلیب کا نشان ہو تو یہ بھی مکروہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں صلیب

والی تمام اشیاء توڑ دی تھیں۔

۳۱.....حنفیہ کے ہاں امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر قدم باہر ہوں اور سجدہ محراب میں تو مکروہ نہیں تا کہ امام باقی نمازیوں سے ممتاز نہ جگہ کے اعتبار سے کیونکہ محراب دوسری جگہ شمار ہوتا ہے اور یہ اھل کتاب کی عادت ہے۔

البتہ اگر جگہ تنگ ہو تو پھر کراہت نہیں۔ اسی طرح حنفیہ کے ہاں آیات سورتوں اور تسبیحات وغیرہ تو فرائض یا نوافل میں ہاتھ پر گننا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں۔ البتہ نماز کے علاوہ مکروہ نہیں اسی طرح دو باتیں کرنے والوں کے سامنے نماز پڑھنا یا کسی مشغول یا سونے والوں کے سامنے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا بھی مکروہ ہے جب کہ پیشانی زمین پر لگتی ہو ورنہ نماز ہی درست نہ ہوگی نیز اس طرح عمامہ باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ ننگا رہے مکروہ ہے۔ نیز فقہا کا ارشاد ہے کہ تسبیح کا استعمال کرنا جائز ہے اگر ریا کاری و دکھلاوے کے لیے نہ ہو۔

۳۲.....جلتی آگ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت ہے البتہ شوافع نے مکروہات میں اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

۳۳۔ سدل (کپڑے کو لٹکانا).....یعنی کپڑے کو بغیر پہنے ہوئے سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے لٹکتے رہیں یہ مالکیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں بلا عذر مکروہ ہے دلیل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا لٹکانے سے منع فرمایا اور منہ ڈھانپنے سے۔

حنفیہ کے ہاں یہ کراہت تحریمی ہے جب کہ مالکیہ کے ہاں کندھوں پر چادر ڈالنا مستحب ہے بلکہ امام مسجد کے لیے ضروری ہے۔

۳۴۔ اشتمال الصما.....یعنی چادر یا کسی اور کپڑے میں اس طرح لپٹ جانا کہ کوئی جانب ایسا نہ رہے جس سے ہاتھ باہر نکل سکیں۔ ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک کپڑا لپیٹنا کہ اس پر دوسرا کپڑا نہ ہو پھر اس کی ایک جانب کو اٹھا کر کندھے پر رکھنا تا کہ اس سے کچھ جگہ بن جائے اس کے مطابق اس طرح کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

اگر احرام کی طرح کپڑا لپیٹا کہ ہاتھ نکالنے کے لیے جگہ نہ ہو تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صما اور احتباء سے منع فرمایا ہے۔

شیرازی نے مہذب میں فرمایا: اشتمال الصما مکروہ ہے وہ یہ کہ اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ پھر سینے کی جانب سے ہاتھ نکالنا۔

۳۵.....حنابلہ کے ہاں جس طرح سرخ کپڑا مردوں کے لیے پہننا مکروہ ہے اسی طرح سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے امام احمد نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سرخ کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے نیز عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں ایک شخص جس پر دو سرخ چادریں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

حنفیہ کے ہاں عصفر اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے اور سرخ و زرد کپڑے مردوں کے لیے پہننا مکروہ تنزیہی ہے البتہ عورتوں کے لیے تمام رنگ پہننا جائز ہیں۔

امام مالک کے ہاں سنہری اور زینت کے لیے سرخ کپڑے پہننا مکروہ ہیں البتہ کام کاج اور گھروں میں پہننا جائز ہیں۔ امام شافعی سرخ رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے کو مباح قرار دیتے ہیں۔

۳۶...... مالکیہ کے ہاں ایسے کپڑے پہننا جن سے ستر کی جگہ ظاہر ہو باریک یا تنگ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہیں۔ چاہے نماز کے علاوہ ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ سلف صالحین کے طریقے کے خلاف یہ طریقہ ہے۔

۳۷۔ اضطباع...... یعنی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے گذار کر بائیں کندھے پر ڈالنا اس طرح کے دایاں کندھا خالی رہے یہ بھی مکروہ ہے۔

۳۸۔ تکبیرات واذکار کو اپنے وقت پہ ادا نہ کرنا...... مثلاً رکوع کی تکبیر رکوع پورا ہونے کے بعد یا سمع اللہ لمن حمدہ قومہ کرنے کے بعد کہنا، غیرہ مکروہ ہے کیونکہ ان اذکار کو انتقال کی ابتداء کے ساتھ شروع کرنا سنت ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں اگر جان بوجھ کر اس طرح کیا تو نماز باطل ہو جائے گی البتہ مالکیہ کے ہاں مستحب کے خلاف ہے۔

۳۹۔ سترہ نہ رکھنا...... آخری بات یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں بیت الخلاء میں قبلہ رخ بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے نیز پیٹھ کر کے بیٹھنا بھی مکروہ ہے دلیل وہ حدیث کہ جب تم بیت الخلاء آؤ تو نہ اس کی طرف منہ کر دنہ بیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو[1] یہ نماز سے خارج مکروہات میں سے ہے اس پر بحث پہلے کی جا چکی ہے۔

۲۔ جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے...... حنابلہ تو مذکورہ جگہوں پر نماز پڑھنا حرام قرار دیتے ہیں جب کہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں ان جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے پھر حنفیہ کے ہاں احادیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ ان جگہوں کو عام طور پر جگہ کی پاکیزگی کے ذکر کے وقت شرائط نماز میں ذکر کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کوڑا ڈالنے کی جگہ، مذبح، قبرستان، راستہ کے درمیان، حمام اونٹ باندھنے کی جگہ اور بیت اللہ کی چھت پر اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر ان سات جگہوں پر نماز پڑھنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔

ان مواضع پر نماز پڑھنے سے روکنے کی حکمت اور حکم کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وسط راہ نماز پڑھنا حنفیہ اور شوافع کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ راستہ لوگوں کی گذرگاہ ہے لہٰذا نجاست وغیرہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ گوبر پیشاب وغیرہ پایا ہی جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کی گزرنے کی وجہ سے خشوع ختم ہو جائے گا، اگر نماز پڑھ لی تو صحیح ہوگی کیونکہ خشوع کا نہ ہونا یا لوگوں کا گزرنا ایسی چیزیں نہیں جن کی وجہ سے نماز باطل ہو نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنائی گئی ہے اور ایک روایت میں ہے جہاں کہیں نماز کا وقت ہو وہیں نماز پڑھ کیونکہ وہ مسجد ہے۔ شوافع نے بازار اور مسجد سے خارج جگہوں پر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

مالکیہ کے ہاں راستہ کے درمیان کوڑا ڈالنے کی جگہ، قبرستان، حمام اور مذبح وغیرہ میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اگر نجاست سے محفوظ ہو۔ لیکن اگر نجاست سے محفوظ نہ ہو یعنی یقیناً نجاست کا خطرہ ہو یا گمان ہو تو پھر نماز باطل ہے اور اگر نجاست لگنے کا شک ہو تو راجح قول کے مطابق وقت کے اندر اندر نماز لوٹائی جائے، البتہ اگر مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے راستے میں نماز پڑھی اور طہارت کا شک ہے نماز نہیں لوٹائی جائے گی۔ البتہ راستے میں گزرنے والوں کی وجہ سے نماز میں کراہت رہے گی۔

حنابلہ کے ہاں وسط راہ، کوڑا ڈالنے کی جگہ، قبرستان، مذبح، حمام اور اونٹ باندھنے کی جگہ نماز پڑھنا حرام ہے درست نہیں جیسا کہ ان کی سطح پر نماز پڑھنا درست نہیں اس لیے کہ فضاء تابع ہوتی ہے، قرار کی دلیل یہ ہے کہ جنبی کو مسجد کی سطح پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں نیز اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ گھر میں داخل نہیں ہوگا اگر وہ سطح پر داخل ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ راستہ کی چھت پر نماز پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ فضاء قرار کے تابع ہے اسی طرح نہر کی سطح پر بھی نماز صحیح نہیں کیونکہ پانی راستے کی طرح ہے لہٰذا اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی حنابلہ۔ قبرستان اور اس کی سطح پر

---

[1] یہ مدینہ منورہ کے اعتبار سے ہے ہمارے اعتبار سے جنوب شمال کی طرف منہ کرنا چاہیے۔

نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ انھوں نے تھوڑے گھروں والے راستے اور اسی طرح راستے کہ دائیں بائیں کی جگہوں پر نماز پڑھنے کو بلا کراہت صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ وہ جگہیں وسط راہ نہیں ہیں نیز ان جگہوں پر کسی عذر کی بنا پر نماز پڑھنا جائز ہے مثلاً کسی کو قید کیا گیا ہو ان جگہوں پر۔

حنابلہ کے ہاں ان سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے جو منع کیا گیا ہے یہ امر شرعی وتعبدی ہے ظاہری کوئی علت نہیں مثلاً نجاست وغیرہ ہونا دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت یہ سب چیز کشاف القناع میں مذکورہ ہیں۔ مغنی میں ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان تمام جگہوں پر نماز پڑھنا صحیح ہے سوائے قبرستان کے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین میرے لیے مسجد بنائے گئی ہے یہ حدیث ان تمام جگہوں کو شامل ہے جو اس قبلہ کے تحت آتی ہیں۔ البتہ ان جگہوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر پڑھ لی تو ہو جائے گی۔ اس روایت کے مطابق حنابلہ کا مذہب بھی جمہور کی طرح ہے البتہ قبرستان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے ان کے پاس دو صحیح احادیث ہیں۔ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بناتے تھے خبردار میری قبر کو مسجد مت بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں نیز آپ کا ارشاد ہے: یہود و نصاری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا دیا تھا۔ لہٰذا قبرستان میں نماز درست نہیں منع ہونے کی وجہ سے اور اس کے علاوہ باقی جگہوں میں نماز پڑھنا مباح ہے۔

۲.....حمام میں نماز پڑھنا..... حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ یہ شیطان کا ٹھکانا ہے اور ستر کھل جانے کا امکان ہے اور نجاست وغیرہ گرانے کی جگہ ہے۔

۳.....اونٹ باندھنے کی جگہ نماز پڑھنا..... جو حضرات یعنی حنفیہ اور شوافع ان کے پیشاب اور لید کے نجس ہونے کے قائل ہیں ان کے ہاں مکروہ ہے نیز اونٹ میں بھاگنا پایا جاتا ہے بسا اوقات وہ نماز میں ہو اور اونٹ بھاگ کھڑا ہو لہٰذا نماز توڑنا پڑے گی یا اونٹ سے تشویش ہوئی تکلیف ہوگی دل میں خشوع وخضوع نہ رہے گا۔

مالکیہ کے ہاں بھی اونٹ باندھنے کی جگہ پہ نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ بکریوں اور گایوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھنا ان کے ہاں مکروہ نہیں دلیل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو لیکن اونٹ باندھنے کی جگہ نماز نہ پڑھو۔ نیز بکریوں کے باڑے میں بالاتفاق نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

مالکیہ کے ہاں اگر کسی نے اونٹ باندھنے کی جگہ نماز پڑھ لی تو وہ وقت کے اندر اس نماز کو لوٹائے اگرچہ وہ نجاست سے محفوظ رہا ہو یا کوئی پاک چیز بچھا کر ہی نماز پڑھی ہو تب ہی۔

۴.....کوڑا ڈالنے کی جگہ اور مذبح میں نماز پڑھنا..... مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ یہ جگہ نجاست کے قریب ہے یا نجاست کے پائے جانے کا گمان ہے پہلی جگہ تو ہے ہی نجاست ڈالنے اور گندگی کی اور مکھیوں کی اور دوسری جگہ جانور ذبح کرنے کی جگہ ہے ان جگہوں پر نماز اس وقت درست ہوگی جب کچھ بچھا کر اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ درست نہیں ہوگی جب کہ شوافع کے ہاں تو اگر نجاست یقینی ہو تو پھر اس پر کچھ بچھا کر نماز پڑھنا ہی مکروہ ہے البتہ ایسی جگہ جہاں نجاست کے بارے میں غالب گمان ہو کچھ بچھا کر پڑھی تو مکروہ نہیں۔

بیت الخلاء اس کے دروازے اور چھت وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ممنوع ہے اور بات چیت کرنا بھی لہٰذا نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے۔

۵.....کنیسہ (عیسائیوں کی عبادت گاہ) بیعۃ (یہودیوں کی عبادت گاہ) اور اسی طرح کے کفار کی دوسری عبادت گاہیں ان میں جمہور اور ابن

عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے یہ آباد ہوں یا غیر آباد البتہ ضرورت اگر ہو مثلاً گرمی سردی بارش یا دشمن اور درندے کا خوف ہو تو کراہت نہیں۔ مکروہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ جگہیں شیطان کا ٹھکانا ہیں ان میں مورتیاں اور تصویریں ہوتی ہیں نیز یہ فتنہ کی آماجگاہ ہیں جن کی وجہ سے خشوع ختم ہو جاتا ہے حنابلہ کے ہاں پاک صاف کنیسہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں نیز حضرت حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز شعبی، اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور عمر اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اجازت دیتے ہیں یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی اس میں تصویریں ہیں۔ نیز کنیسہ آپ کے اس ارشاد کے عموم میں داخل ہے جہاں بھی نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھ کیوں کہ وہ جگہ مسجد ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے مجموع میں فرمایا کہ شیطان کے ٹھکانوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے مثلاً شراب خانہ، ٹیکس لینے کی جگہ وغیرہ، گناہوں کی جگہ پر۔

۶.....قبرستان میں نماز پڑھنا، مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ قبرستان میں نجاست ہوتی ہے پیپ وغیرہ کی شکل میں نیز اس میں یہود سے مشابہت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت کی ہے کہ انہوں نے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا دیا۔ میری قبر کو میرے بعد سجدہ گاہ نہ بنانا نیز قبرستان میں نماز پڑھنے کے بارے میں ان کے ہاں تفصیل ہے جو درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے ہاں قبر اگر نمازی کے سامنے ہو بایں طور کہ خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے ہوئے قبر پر نظر پڑے، تو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر قبر پیچھے ہو یا اوپر ہو یا نیچے ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں۔ جیسا کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں جنہیں نماز کے لیے بنایا گیا ہے بغیر نجاست وغیرہ کے۔ اسی طرح انبیاء کی قبروں کے پاس بھی مطلقاً نماز مکروہ نہیں شوافع کے ہاں جو قبرستان اکھیڑا نہیں گیا اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے قبریں سامنے ہوں یا پیچھے دائیں یا بائیں اوپر یا نیچے سوائے انبیاء اور شہدا کی قبروں کے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے نیز یہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ شہداء زندہ ہیں۔ البتہ اگر کوئی ان کی تعظیم کے لیے نماز پڑھے تو حرام ہے نیز وہ قبرستان جو اکھیڑا گیا ہو حائل کے ساتھ اس میں نماز پڑھنا صحیح ہے ورنہ نہیں۔

حنابلہ کے ہاں قبرستان سے مراد وہ ہے جہاں کم سے کم تین قبریں ہوں اور وہ جگہ وقف شدہ ہو اگر تین قبریں نہیں تو اس میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے جب کہ قبر کی طرف منہ نہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔ اور ان کے ہاں قبرستان میں نماز پڑھنا درست نہیں دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ قبرستان اور حمام کے علاوہ ساری کی ساری زمین مسجد ہے نیز قبرستان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بلا حائل مکروہ ہے حضرت ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قبرستان کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ قبرستان پر بیٹھو'' نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اپنے گھر میں بھی (نفل) نماز پڑھو ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ نیز مسجد قبرستان کے بعد بنائی گئی ہو یا قبرستان مسجد کے بعد بنایا گیا ہو دونوں صورتیں برابر ہیں۔

۷.....خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا، مکروہ ہے کیونکہ اس میں تعظیم ترک ہو جاتی ہے نیز نمازی کے سامنے کسی قسم کا سترہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیت اللہ پر نماز پڑھ رہا ہے بیت اللہ کی طرف نماز نہیں پڑھ رہا لیکن نفل نماز خانہ کعبہ کی چھت پر یا اندر پڑھنا درست ہیں بالاتفاق جب کہ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں فرض پڑھنا ان دونوں جگہوں پر درست نہیں۔ حنفیہ اور شوافع کے ہاں ان دونوں جگہوں پر ہر قسم کی نماز چاہے فرض ہوں یا نفل پڑھنا درست ہے۔ جیسے ہم نے استقبال قبلہ شرط ہونے کے بیان میں بیان کر دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

البتہ حنابلہ کے ہاں اگر دروازہ یا چھت پر اس طرح نماز پڑھی کے سامنے کوئی چیز بنی جو کعبہ سے متصل تھی تو نماز درست ہو جائے گی ورنہ درست نہ ہوگی کیونکہ قبلہ رخ نہیں پایا گیا۔

لیکن ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اولیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کا نمازی کے سامنے ہونا شرط نہیں کیوں کہ استقبال قبلہ کہ میں واجب تو اس کی جگہ یا فضاء ہے دیواریں نہیں اس وجہ سے کہ اگر (خدانخواستہ نعوذ باللہ) خانہ کعبہ منہدم ہوجائے تو نماز اس کی طرف پھر بھی صحیح ہے اسی طرح اگر کسی بلند پہاڑی پر نماز پڑھی جو اس کی دیواروں سے اونچی ہے تو پھر بھی نماز صحیح ہو جائے گی کیونکہ اس کی فضاء کی طرف پڑھی گئی لہٰذا یہاں بھی درست ہوگی۔

۳۔ نماز میں کیا کیا افعال مکروہ نہیں...... حنفیہ کے ہاں درج ذیل افعال مکروہ نہیں۔

۱...... کسی آدمی کی پیٹھ کی طرف نماز پڑھنا چاہے وہ کھڑا ہو یا بیٹھا اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ بات چیت کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں خلل نہیں آ رہا ہے تب بھی نماز صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے سفروں میں اپنے غلام نافع کو بطور سترہ استعمال کرتے تھے۔

۲...... اگر نمازی کے سامنے یا سر کے اوپر قرآن کریم یا تلوار وغیرہ لٹکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کی پوجا نہیں کی جاتی۔

۳...... اگر ایسی چٹائی ہے جس پر تصویریں ہیں اور ان پر سجدہ نہیں ہو رہا بلکہ پاؤں سے روندی جاتی ہیں تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴...... بالاتفاق جب تک عمل کثیر نہ ہو تو دوران نماز سانپ بچھو اور ایذاء دینے والے جاندار کو قتل کرنا مکروہ نہیں اگر چہ قبلہ سے انحراف ہی کیوں نہ ہو جائے دلیل حدیث سابق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اسودین کو قتل کرنے کا حکم فرمایا یعنی سانپ اور بچھو۔

۵...... عمل قلیل کے ذریعے کپڑے جھاڑنا مکروہ نہیں نیز رکوع میں جسم سے کپڑے چمٹ نہ جائیں اعضاء سے الگ کرے، مکروہ نہیں۔

۶...... امام کو لقمہ دینا مکروہ نہیں جب رک جائے یا غلط تلاوت کرے اس کی مزید تفصیل نماز باطل کر دینے والی اشیاء کے تحت آئے گی۔

۷...... ایک پاؤں پر سہارا لینا کثرت قیام کی وجہ سے مکروہ نہیں لیکن اگر اکتاہٹ کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے۔

۴۔ جن جگہوں پر نماز پڑھنا حرام ہے...... غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا بالاجماع حرام ہے کیونکہ اس جگہ پر نماز کے علاوہ بھی ٹھہرنا حرام ہے تو نماز میں بدرجہ اولیٰ حرام ہے لیکن کیا نماز غصب شدہ جگہ پر صحیح ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جمہور کے ہاں اگر کسی نے نماز پڑھ لی تو نماز درست ہوگی کیونکہ پڑھنے سے جو منع کیا گیا ہے وہ نماز کی طرف نہیں نہ ہی اس کی صحت کی طرف یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے نماز پڑھی اور ایک آدمی کو پانی میں غرق ہوتا دیکھا اب یہ اس کو نکال تو سکتا تھا لیکن نکالا نہیں یا کسی کو آگ لگی دیکھی بجھا سکتا تھا لیکن بجھائی نہیں یا قرض خواہ کو ٹال دیا حالانکہ ادائیگی کر سکتا تھا اور نماز پڑھتا رہا لہٰذا اس کے غصب شدہ جگہ پر نماز پڑھنے سے فرض ساقط ہو جائے گا گناہ لازم ہوگا تو ثواب بھی حاصل ہوگا لیکن عمل کا اور گناہ ہوگا اس جگہ پڑھنے کا لہٰذا گناہ صرف مکان مغصوب پر ٹھہرنے کا ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق غصب شدہ جگہ پر نماز درست نہیں ہونی چاہیے وہ جگہ مشترک ہی کیوں نہ ہو یا اس میں وہ اپنی ملک کا دعویٰ ہی کیوں نہ کر رہا ہو یا وہ غصب شدہ زمین کی منفعت یا کسی حیوان یا اس کے چارے کا دعویٰ کر رہا ہو یا اس نے اس کو بغیر حق کے قبضہ کیا ہو کیونکہ یہ اس جگہ پر عبادت کر رہا ہے جہاں یہ عبادت کرنا منع ہے لہٰذا نماز درست نہیں جیسے حائضہ کی نماز اور روزہ کیوں کہ نہی تو فعل کے حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے اور اس سے روکنے کا اور اس فعل کے کرنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے لہٰذا یہ کیسے اطاعت کرنے والا ہوگا گناہ کے کام کے ساتھ اور کیسے حکم کی تعمیل کرنے والا شمار ہوگا جب کہ یہ اس پر حرام ہے اور کیسے تقرب حاصل کرنے والا شمار ہوگا جس سے دور رہنے کا حکم ہے اس لیے کہ اس کی حرکات، سکنات، رکوع، قیام، سجدہ وغیرہ افعال اختیاری ہیں اور ان کے ذریعے وہ روکی ہوئی چیز کے ساتھ گناہ گار ہو رہا ہے نیز غرق ہونے اور جلنے والی صورتوں سے یہ معاملہ مختلف ہے اس لیے کہ یہاں افعال نماز بذات خود منع ہیں۔

حنابلہ کے ہاں غصب شدہ جگہ پر وضو، کرنا، اذان دینا، زکوٰۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا، خرید وفروخت، نکاح وغیرہ طلاق، خلع سب درست ہیں، کیونکہ ان چیزوں کے لیے زمین شرط نہیں برخلاف نماز کے اسی طرح ایسی جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے جس کی دیواریں غصب شدہ ہوں اگر چہ ان سے ٹیک لگا کر ہی پڑھے کیونکہ اعتبار زمین کا ہے۔اسی طرح اس شخص کی نماز درست ہے جو ودیعت یا غصب شدہ چیز کے لوٹانے کا مطالبہ کر رہا ہے۔صاحب حق کو حق پہنچنے سے پہلے بلا عذر بھی ایسے شخص کے لیے نماز درست ہے کیونکہ حرمت نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زرعی زمین پر نماز پڑھی اس کو تکلیف پہنچائے بغیر یا غصب کرنے کے بغیر یا اس کی جائے نماز (مصلی) پر بغیر غصب اور نقصان پہچائے نماز پڑھی تو یہ جائز ہے نماز صحیح ہوگی۔

اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت یا بھول کر غصب شدہ جگہ پر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ یہ گناہ کرنے والا نہیں۔اسی طرح اگر کسی کو غصب شدہ جگہ پر قید کر دیا گیا تو اس کی نماز بھی درست ہوگی دلیل حدیث ہے کہ میری امت کو غلطی، بھولنا اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا جائے معاف ہے۔

جس زمین پر عذاب اترا ہے.....جس زمین وجگہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے اس پر نماز پڑھنا صحیح ہے جیسے وہ زمین جو دھنسا دی گئی ہے یا ہر وہ جگہ جہاں عذاب نازل ہوا مثلاً بابل کی زمین حجر کی زمین مسجد ضرار البتہ ان جگہوں پر نماز مکروہ ہے کیونکہ یہ مسجد عذاب والی جگہ ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجر سے گذر ہوا تھا فرمایا تھا کہ ان جگہوں پر روتے ہوئے داخل ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچے جو ان کو پہنچا ہے۔

کپڑے جنہیں پہن کر نماز پڑھی جائے.....شوافع اور حنابلہ نے چار قسم کے کپڑوں کا ذکر کیا ہے۔

۱: لباس میں سے جو کافی ہے.....وہ صرف ایک کپڑا ہے جس سے اعضاء مستورہ کو ڈھانپا جائے اور اس کا بعض حصہ حنابلہ وغیرہ کے ہاں کندھے پر ہونا چاہیے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا کہ اس کا ایک حصہ کندھے پر تھا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کپڑا زیادہ ہو تو اس کو اوپر لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو پھر صرف تہبند باندھو۔

اعضاء مستورہ کا چھپانا ایسے کپڑے سے واجب ہے جس سے جلد کا رنگ نظر نہ آئے اگر ایسا کپڑا اڑھانپا جس کے باریک ہونے کی وجہ سے جلد کا رنگ نظر آ رہا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے ستر حاصل نہیں ہوتا۔

۲: فضیلت والے کپڑے.....یہ ہیں کہ آدمی دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھے کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ خوشحالی بنائیں تو تم بھی خوشحالی اختیار کرو اپنے کپڑے پہنے چاہیے آدمی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے یا تہبند اور قمیض میں یا تہبند اور قباء میں، شلوار اور چادر میں، شلوار قمیض میں، شلوار اور قباء میں یا جانگیا اور قمیض پہن کر نماز پڑھے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس دو کپڑے ہوں تو ان دونوں میں نماز پڑھنی چاہیے اگر صرف ایک کپڑا ہو تو اس کو بطور ازار (تہبند) استعمال کرنا چاہیے اور یہود کی طرح نہیں پہننا چاہیے اور عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے (خمار) اوڑھنی جس سے سر اور گردن ڈھانپے (درع) قمیض جس سے پورا بدن اور ٹانگیں چھپائے (ملحفۃ) بڑی موٹی چادر جس سے کپڑے چھپائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے قمیض اوڑھنی اور تہبند۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: عورت قمیض اوڑھنی اور بڑی موٹی چادر میں نماز پڑھے۔

مستحب یہ ہے کہ عورت بڑی موٹی چادر رکھے جس سے اعضاء بدن نظر نہ آئیں اور رکوع سجود میں اس کو الگ کرے تا کہ کپڑے نہ

پہچانے جائیں۔

۳۔ مکروہ کپڑے...... اشتمال الصماء یعنی آدمی اپنے آپ کو ایک کپڑے کے اندر اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے ہاتھ پاؤں نکالنے کے لیے کپڑے میں کوئی شگاف نہ چھوڑے البتہ ہاتھ سینے کی جانب سے نکالے۔ جیسے آج کل عباء ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ اشتمال الصماء کے معنی یہ ہیں کہ آدمی ایک کپڑا اوڑھے اس طرح کہ کوئی دوسرا کپڑا اس کے جسم پر نہ ہو۔

اضطباع کا معنی یہ ہے کہ چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کی ایک جانب کندھے پر ڈال دی جائے اور دایاں کندھا کھلا رہے اس کی تفصیل مکروہات میں گذر چکی ہے۔

سدل یعنی کپڑے کو سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے لٹکتے رہیں اور ایک سرا دوسرے کندھے پر نہ ڈالے اور نہ ہاتھ سے دونوں طرفوں کو ملائے اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اسبال بھی مکروہ ہے یعنی تکبر کی وجہ سے قمیض شلوار وغیرہ کو لٹکا کر رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے گھسیٹا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں کریں گے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے نماز میں اپنی تہبند کو تکبر کی وجہ سے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حل وحرام کا کوئی نہیں نیز اپنے چہرہ اور منہ کو ڈھانپنا بھی مکروہ ہے جیسے کہ پہلے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی گئی ہے۔

حنابلہ سے ناک ڈھانپنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک میں مکروہ ایک میں مکروہ نہیں۔

زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے اسی طرح کسم (عصفر) میں رنگے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح مسلم شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسم (عصفر) میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عصفر میں رنگے ہوئے دو کپڑے لپیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ تو کافروں کا لباس ہے اسے مت پہنو۔

پٹکا، ازار اور کسی کپڑے سے درمیان کمر باندھنا مکروہ نہیں یا قباء باندھنا بھی مکروہ نہیں حنابلہ کے ہاں مردوں کے لیے سرخ کپڑے پہننا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ابن عمر کی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس پر دو سرخ چادریں تھیں ابن قیم فرماتے ہیں: کہ آپ علیہ السلام سے صحیح روایت ہے۔ جس کا معارض بھی نہیں کہ کسم میں رنگے ہوئے کپڑے اور سرخ کپڑے پہننا منع ہے۔

۴۔ جن کپڑوں کا پہننا حرام ہے...... اس کی دو قسمیں ہیں:

الف...... وہ کپڑے جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے پہننے حرام ہیں ان کی دو قسمیں ہیں

۱...... نجس ناپاک کہ ان پر اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ نجاست نہ ہونا شرائط نماز میں سے ہے۔

۲...... غصب شدہ کپڑے جمہور کے ہاں ان میں نماز صحیح ہو جائے گی حنابلہ کے ہاں درست نہیں۔

ب...... وہ کپڑے جو صرف مردوں کے لیے حرام ہیں نہ کہ عورتوں کے لیے وہ ریشم ہے، سونے سے بنی ہوئی چیز وغیرہ۔ نماز اور نماز کے علاوہ مرد کے لیے ریشم پہننا بچھانا حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت کے مردوں کے لیے ریشم اور سونے کا لباس حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے اسی طرح آپ نے فرمایا، ریشم نہ پہنو جو دنیا میں اسے پہنے گا آخرت میں اسے نہ پہنایا جائے گا۔

مردوں کے لیے ریشم کا استعمال عام حالات میں بالاتفاق حرام ہے جب کہ حالت اضطراری وعذر میں گنجائش ہے مزید تفصیل حظر واباحۃ میں آئے گی۔

۵۔عورت کتنی چیزوں میں مردوں کی مخالفت کرے.....شوافع نے چھ چیزوں میں عورت کی مردوں سے مخالفت کومسنون قرار دیا ہے۔

١.....عورت سجدے میں اپنے پیٹ کورانوں سے، کہنیوں کوزمین سے ملاکررکھے گی جب کہ مرد الگ رکھے گا۔

٢..... عورت جہری نمازوں میں اگر غیر محرم موجود ہوتو پست آواز سے قرأت کرے گی جب کہ مرد کے لیے بلند آواز سے قرأت کرنا سنت ہے۔

٣.....اگرنماز میں کوئی ضرورت پیش آتے تو عورت تالی بجائے گی جب کہ مرد بلند آواز سے تسبیح کہے گا۔

۴.....دوران نماز عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن رستر ہے جب کہ مرد کا صرف ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔

۵.....عورت کے لیے اقامت سنت ہے نہ کہ اذان عورت کے لیے اذان بلند آواز سے دینا مکروہ ہے جب کہ مرد کے لیے اذان اور اقامت دونوں ہر نماز کے وقت سنت ہیں۔

٦.....شوافع کے ہاں عورت اگر عورتوں کی امامت کرے تو ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی اور مردوں کے پیچھے جب مرد پہلی صف میں ہوں گے۔

پانچویں بحث.....نماز کے بعد کے اذکار

نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور منقول دعائیں پڑھنا سنت ہیں یہ یا تو فرضوں کے فوراً بعد پڑھنی چاہئیں اگر ان کے بعد سنت نہ ہوں جیسے صبح اور عصر کی نماز یا سنت پڑھنے کے بعد جیسے ظہر، مغرب اور عشاء اس لیے کہ استغفار نماز کی کمی تلافی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نماز کے ساتھ قربت کے بعد دعا ثواب واجر کا ذریعہ ہے۔

یہ دعائیں اور اذکار مذکورہ ترتیب کے مطابق آہستہ پڑھنی چاہئیں البتہ اگر امام مقتدیوں کی تعلیم کی خاطر بلند آواز سے پڑھے تاکہ وہ سیکھ لیں تو امام کو چاہیے کہ وہ حاضرین کی طرف متوجہ ہو اور اپنی بائیں جانب محراب کی طرف رکھے ❶ حضرت سمرۃ فرماتے ہیں: کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے ہماری طرف اپنے چہرے کے ساتھ متوجہ ہوتے۔❷

١۔استغفر اللہ تین مرتبہ کہے یا استغفر الله العظيم الذى لااله الا هو الحى القيوم واتوب اليه میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم ہے اور اس کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

تین مرتبہ کہے پھر "اللّٰهم انت السلام ومنك السلام واليك السلام تباركت وتعاليت يا ذاالجلال والاكرام" کہے۔

یعنی اے اللہ! آپ ہی سلامتی والے ہیں اور آپ ہی کی طرف سے سلامتی ہے اور آپ ہی کی طرف سلامتی لوٹتی ہے۔ آپ برکت والے ہیں اور بلند ہیں اے عظمت اور بزرگی والے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز مکمل کرتے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے پھر اللهم انت السلام ومنك کہتے❸ پھر کہے اللهم اعنى على ذكرك و شكرك وحسن عبادتك اے اللہ! اپنے ذکر شکر اور عمدہ عبادت پر میری مدد فرما۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھ سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا کہ میں تجھے چند کلمات کی وصیت کرتا ہوں یہ ہر نماز کے بعد پڑھا کرو اللهم اعنى على ذكرك...... الخ۔❹

---

❶.....الدر المختار ١/٥٩٥۔❷رواہ البخاری❸ رواہ الجماعة❹نيل الاوطار: ٢/٢٩١

۲۔ آیت الکرسی، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور سورۃ فاتحہ پڑھے۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو وہ دوسری نماز تک اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے ❶ اور حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ جو شخص آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص ہر فرض نماز کے بعد پڑھے تو موت کے علاوہ اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی ❷ نیز عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھا کروں۔ ❸

۳۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار پڑھے اور سو پورا کرنے کے لیے ایک بار یہ پڑھے:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمت وھو علی کل شیءٍ قدیر
اللّٰھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اس کے لیے حمد ہے زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! جو کچھ آپ عطا کریں اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو آپ روک دیں اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب نصیب کو آپ کے خلاف اس کا نصیب فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے یہ اسماء الحسنٰی کی تعداد کے موافق ننانوے مرتبہ ہوگے اور پھر سو پورا کرنے کے لیے لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہٗ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر کہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں ❹ نیز حدیث میں یہ بھی ہے کہ دس دس مرتبہ تسبیح تحمید اور تکبیر کہے ❺ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر
اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاینفع ذاالجد منک الجد ❻

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے اسی طرح منقول ہے۔ اور علی کل شیءٍ قدیر کے بعد اس کا اضافہ کرنا چاہیے:

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ لاالہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ والفضل ولہ الثناء الحسن
لاالہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ الکافرون۔

۴.....نماز فجر اور مغرب کے بعد بات چیت کرنے سے پہلے اور جو دعائیں مذکور ہیں ان سے پہلے دس مرتبہ یہ دعا پڑھے:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد یحییٖ ویمیت وھو علی کل شیء قدیر

حضرت احمد بن عبدالرحمٰن بن غنم کی مرفوع روایت میں اس کا ذکر ہے ❼ اور اسی حالت میں سات مرتبہ اللّٰھم اجرنی من النار پڑھنا چاہیے۔ مسلم بن حارث التمیمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم نے ان سے سرگوشی کی اور فرمایا جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو اللّٰھم اجرنی من النار سات مرتبہ کہو اور ایک روایت میں ہے کسی سے بات چیت سے پہلے اگر تم یہ پڑھ لو اور پھر اسی رات میں تم مر جاؤ تو تمہارے لیے جہنم سے پناہ ہوگی اور جب تم فجر کی نماز پڑھو پھر اسی طرح کہو اگر تم اس دن میں مرگئے تو تمہارے لیے اللہ کی پناہ ہوگی۔ حارث فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ ہمیں بتایا تھا اور ہم اپنے بھائیوں کو اس کے ذریعے ابھارتے ہیں۔ ❽

---

❶.....رواہ الطبرانی ❷سبل السلام ۱/۲۰۰۔ ❸رواہ الترمذی۔ ❹رواہ مسلم اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ ❺نیل الاوطار: ۲/۳۰۱۔
❻متفق علیہ ❼الترمذی ❽ابوداؤد

۵......پھر نمازی اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی دعا کرے خصوصاً نماز فجر اور عصر کے بعد کیونکہ ان اوقات میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ دعا پر آمین کہتے ہیں لہٰذا قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی سب سے افضل دعائیں وہ ہیں جو احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت میں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو درجہ ذیل دعا اس طرح سکھاتے تھے جیسے استاد شاگردوں کو لکھائی سکھاتے ہیں اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ذریعے ہر نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰهم انی اعوذبك من البخل، واعوذبك من الجبن واعوذبك ان اردّ الی ارذل العمر واعوذبك من فتنة الدنيا واعوذبك من عذاب القبر ❶

اے اللہ! میں آپ سے بخل اور بزدلی سے پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ بڑھاپے کی طرف لوٹایا جاؤں اور دنیا کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔

دعا کے آداب......دعا کے وقت دونوں ہاتھ زیادہ سے زیادہ کندھوں تک اٹھائے اس طرح کہ بغلوں کی سفیدی نظر آجائے پھر ختم کرنے کے بعد دونوں ہاتھ منہ پر پھیرنے چاہئیں سنت کی پیروی میں۔ ابوداؤد شریف میں مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اپنی ہتھیلیوں کو سامنے کر کے دعا کرو ہاتھ الٹے کر کے دعا نہ کرو نیز دونوں ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں۔ طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو ہتھیلیوں کو ملا کر چہرے کے سامنے رکھتے۔ اس روایت کو المواہب میں ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پھر درود شریف اس کے بعد دعا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر جو چاہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ ❷

سب سے بہتر حمد یہ ہے:

الحمدلله حمد ايوافی نعمه ويكا فی مزيده يا ربنالك الحمد كما ينبغی لجلال وجهك وعظيم سلطانك

دعا کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ یونس ۱۰/۱۰

جیسا کہ اس آیت کریمہ سے دعا کا اختتام کیا جاتا ہے:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۝ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الصافات ۳۷/۱۸۲

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو یہ پسند کرتا ہے کہ قیامت کے دن پورے پورے کیل کے ساتھ اس کو اجر دیا جائے تو اسے چاہیے کہ جب وہ مجلس سے اٹھے تو اس کا آخری کلام یہ ہونا چاہیے: ❸

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۝ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

دعا کے شروع وآخر میں درود شریف پڑھنا چاہیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ رکھو ❹ کیونکہ سوار اپنا پیالہ بھر کر رکھتا ہے پھر سامان اٹھاتا ہے اگر پیاس لگے تو پانی پیتا ہے یا وضو کی ضرورت ہو تو وضو کرتا ہے ورنہ گرا دیتا ہے لیکن مجھے تم دعا کے شروع درمیان اور آخر میں رکھو۔ ❺

❶......رواہ البخاری: ❷رواہ ابوداؤد ❸رواہ البخاری ❹یعنی مجھے ذکر میں اور دعا میں آخر میں نہ رکھو۔ ❺مجمع الزوائد: ۱۰/۱۵۵

امام کے علاوہ دعا کرنے والی کو قبلہ رخ ہو کر رہنا چاہیے اس لیے کہ بہترین مجالس وہ ہیں جن میں قبلہ رخ ہو اور امام کے لیے قبلہ رخ ہونا مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں کی طرف رخ کرے سابقہ حدیث کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منہ کرتے۔

خوب الحاح وزاری اور خوف کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں ❶ نیز حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کی قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا نہیں سنتے۔ ❷ نیز دعا کو تین بار کرے کیونکہ یہ بھی عاجزی کی ایک قسم ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو تین بار کرتے اور جب سوال کرتے تو تین بار کرتے۔ ❸

پاک صاف ہونا چاہیے اور اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ نیز آہستہ دعا کرنا بلند آواز سے دعا کرنے سے افضل ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ......الاعراف: ۷/ ۵۵

یعنی اللہ تعالیٰ سے عاجزی سے اور پوشیدہ وآہستہ مانگو نیز اس طرح دعا کرنا اخلاص کے زیادہ قریب ہے نیز سوائے حاجی کے باقی کسی نماز وغیرہ میں بلند آواز سے دعا کرنا مکروہ ہے حدیث میں ہے کہ بہترین حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا ہو نیز دعا عمومی کرے۔ یعنی سب کے لیے دعا کرے آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! عمومی دعا کرو۔ نیز دعا کے وقت بیٹھنے، الفاظ خشوع وخضوع، یقین وشوق، حضور قلب اور امید وغیرہ سب میں باادب طریقہ سے رہے گزشتہ حدیث میں تھا کہ غافل دل والے کی دعا قبول نہیں کی جاتی نیز دعا کے لیے اخلاص شرط ہے اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات اور توحید وغیرہ کے وسیلہ سے دعا کرے اسی طرح دعا سے پہلے صدقہ کرے اور ان اوقات کو تلاش کرے جن میں دعا قبول ہوتی ہے اور وہ اوقات یہ ہیں۔

رات کا آخری ثلث، اذان واقامت کے درمیان، فرض نمازوں کے بعد، جمعہ کے دن امام صاحب کے منبر پر جانے سے لے کر نماز ختم ہونے تک، جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کا آخری حصہ، عرفہ اور جمعہ کا دن، بارش کے وقت، جہاد میں صفوں کی ترتیب کے وقت اور سجدے کی حالت میں دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ دعا کی قبولیت کا انتظار کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث میں گذرا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو اور قبولیت کا یقین کرو نیز جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ یہ کہتا پھرے میں نے دعا مانگی تھی قبول نہیں ہوئی۔ جیسا کہ مرفوع حدیث ہے تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوگی جب کہ وہ جلدی نہ کرے صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! جلدی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (یہ نہ کہے) کہ میں نے دعا کی تھی قبول نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت اس کی دعا رد کر دی جاتی ہے۔

حنابلہ کے ہاں آنکھیں آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ نہیں، صرف اپنے لیے دعا مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ابوبکرہ، ام سلمہ اور سعید بن وقاص رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے اے اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ سے سوال کرتا ہوں اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خاص کیا ہے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آدمی کا اپنے لیے دعا کرنا افضل دعا ہے" نیز دعا ہلکی کرنی چاہیے کیونکہ آپ علیہ السلام نے دعا میں زیادتی سے منع فرمایا ہے اور افراط زیادہ سوال کرنے کو شامل ہے۔

اور قرآن کریم، احادیث مبارکہ، صحابہ، تابعین اور آئمہ مشہورین سے منقول دعائیں مانگنی چاہئیں ان ہی دعاؤں میں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فراغت کے بعد اللھم انی اسئلك علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً۔

---

❶......رواہ الترمذی ❷رواہ الترمذی ❸رواہ مسلم

ماثور دعاؤں میں سے ایک جامع دعا یہ ہے:

اللھم انی اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والسلامة من كل اثم والغنيمة من كل بر والفوز بالجنة والنجاة من النار، اللهم انی اعوذبك من الهم والحزن۔ واعوذبك من العجز والكسل واعوذبك من الجبن والبخل والفشل ومن غلبة الدين وقهر الرجال اللهم انی اعوذبك من جهد البلاء ودرك الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء وعضال الداء

اے اللہ! میں اپ سے آپ کی رحمت کے اسباب اور مغفرت کے اسباب مانگتا ہوں اور ہر گناہ سے بچا رہنا اور ہر نیکی کی لوٹ اور جنت کی کامیابی اور دوزخ سے نجات اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں فکر اور غم سے اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں کم ہمتی اور سستی سے اور آپ کی پناہ میں آتا ہوں بزدلی اور بخل سے اور قرض کے گھیر لینے سے اور لوگوں کے دباؤ سے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے پالینے سے اور بڑی تقدیر سے اور دشمنوں کے طعنوں سے اور لاعلاج بیماری سے۔

نمازی فرض نماز کے بعد کیا کرے.....فقہاء نے فرائض کے بعد درج ذیل چیزوں کو مستحب قرار دیا ہے ۱۔اگر جماعت میں عورتیں بھی شریک ہوں تو تھوڑی دیر تک ٹھہرے رہنا تا کہ عورتیں چلی جائیں اور مردوں سے ان کا میل جول نہ ہو۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو اپنی جگہ کچھ دیر ٹھہرے رہتے۔عورتیں چلی جاتی، پھر کھڑے ہوتے،فرماتی ہیں واللہ علم یہ اس لیے ٹھہرتے تا کہ عورتیں چلی جائیں اس سے پہلے کے مردوں کے ساتھ اختلاط ہو۔ ❶

۲.....نمازی کو اس طرف پھرنا چاہیے جس طرف ضرورت ہو، اگر دائیں جانب ضرورت ہو تو دائیں جانب مڑے اور اگر بائیں جانب ضرورت ہو تو بائیں جانب مڑے لیکن اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو پھر دائیں جانب مڑنا افضل ہے۔دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے تم میں سے کوئی بھی اپنی نماز میں شیطان کے لیے حصہ نہ رکھے اس طرح کے صرف دائیں جانب ہی مڑے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب مڑتے ہوئے دیکھا ہے ❷ نیز قبیصہ بن ھلب اپنے والد (ہلب) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جانب مڑا کرتے تھے۔ ❸

۳.....مستحب یہ ہے کہ نمازی فرض اور سنت نمازوں کے درمیان فرق کرے بات چیت یا جگہ تبدیل کر کے البتہ جگہ تبدیل کرنا افضل ہے کیونکہ جس جگہ فرض پڑھے ہیں وہیں پر سنتیں پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اس جگہ سے ہٹ کر پڑھنا اس لیے بھی افضل ہے کہ جتنی جگہوں پر نماز پڑھے گا قیامت کے دن وہ جگہ اس کے نماز پڑھنے کی گواہی دے گی اور صبح کی نماز اور سنتوں میں فرق تھوڑی دیر دائیں یا بائیں کروٹ پر لیٹ کر کرے سنت کی پیروی میں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نے جس جگہ فرض پڑھے ہیں اس جگہ سنتیں اور نفل نہ پڑھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی طرح ہے۔نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مقتدی اگر اپنی اسی جگہ سنتیں پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عمر نے ایسا کیا ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس جگہ سنتیں وغیرہ نہ پڑھے جس جگہ اس نے لوگوں کو نماز پڑھائی ہے۔ ❹

شوافع کے ہاں ❺ جن نفلوں کی جماعت نہیں انھیں مسجد کی بہ نسبت گھر پڑھنا افضل ہے یہ اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے نیز تا کہ نماز کی برکت گھر میں بھی ہو۔

---

❶.....رواہ البخاری ❷رواہ مسلم ❸رواہ ابو داؤد(۴)المغنی: ۵۶۲/۱ (۵)شرح الحضرمیة : ص ۴۹

چھٹی بحث.....نماز میں دعاء قنوت پڑھنا

نماز میں دعا قنوت پڑھنا مستحب ہے، لیکن کس نماز میں دعاء قنوت پڑھے اس میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں حنفیہ اور حنابلہ اس بات پر تو متفق ہیں کہ وتر میں قنوت پڑھے لیکن کب پڑھے اس میں حنفیہ کے ہاں رکوع سے پہلے اور حنابلہ کے ہاں رکوع کے ہاں البتہ ان کے ہاں اس کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھی جائے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں صبح کی نماز میں رکوع کے بعد پڑھے البتہ مالکیہ کے ہاں رکوع سے پہلے پڑھنا افضل ہے نیز مالکیہ کے ہاں صبح کی نماز کے علاوہ باقی نمازوں میں قنوت پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آجائے تو جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی جائے حنفیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں صبح کی نماز میں جب کہ شوافع کے ہاں تمام فرض نمازوں میں ہر مذہب پر تفصیلی روشنی آئندہ مباحث میں ہے۔

۱۔دعائے قنوت وتر میں یا صبح کی نماز میں:

حنفیہ کے ہاں..... ❶ نمازی نماز وتر میں دعائے قنوت اس طرح پڑھے کہ قرأت ختم ہونے کے بعد ہاتھ اٹھائے جس طرح ابتداء نماز میں اٹھاتا ہے پھر ان کو ناف کے نیچے باندھ لے پھر قنوت پڑھے اس کے بعد رکوع کرے، نماز وتر کے علاوہ قنوت نہ پڑھے البتہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آجائے تو جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فجر کی نماز میں ایک مہینہ قنوت پڑھی ہے وہ بالا جماع منسوخ ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ایک ماہ قنوت پڑھی پھر اس کو چھوڑ دیا۔ ❷

حکم.....امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں قنوت پڑھنا واجب ہے اور صاحبین رحمہ اللہ کے ہاں سنت ہے جیسا کہ وتر کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔

کب پڑھے؟.....پورا سال وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھے۔دلیل وہ حدیث ہے جو بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (جن میں حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قنوت وتر میں رکوع سے پہلے ہوتی تھی۔ ❸

مقدار قنوت؟اس کی مقدار سورہ انشقاق جتنی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ قنوت میں اللھم انا نستعينك یا اللھم اهدنا فيمن هديت.....الخ پڑھتے تھے اور یہ دونوں اس صورت کے برابر ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں الفاظ قنوت: درج ذیل ہیں:

اللهم انا نستعينك ونستهديك ونستغفرك ونتوب اليك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثنى عليك الخير كله ونشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعى ونحفد نرجوا رحمتك ونخشى عذابك ان عذاب الجد بالكفار ملحق

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے راہنمائی چاہتے ہیں اور تیری بخشش چاہتے ہیں اور آپ کی طرف توبہ کرتے ہیں اور تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری تمام خوبیاں بیان کرتے ہیں، تیرا شکر کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور علیحدہ رہتے ہیں اور چھوڑتے ہیں ہم اس کو جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور خدمت کرتے ہیں تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں تحقیق تیرا

---

❶.....البدائع: ۱/ ۲۷۳۔ ❷نصب الراية: ۲/ ۲۷ واحمد وبخاری۔ ❸نصب الراية: ۲/ ۱۲۳

سخت عذاب کافروں کو پہنچے والا ہے۔

اس کی دلیل مراسیل ابوداؤد میں خالد بن ابی عمران کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ مضر والوں کے لیے بددعا فرما رہے تھے جبریل آئے۔ انھوں نے آپ کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں تو آپ خاموش ہو گئے تو جبرائیل نے کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا آپ کو تو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے آپ کا احکام میں کچھ حصہ نہیں پھر آپ کو قنوت سکھائی: اللھم انا نستعینك۔

نیز تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس قنوت پر متفق ہیں لہٰذا افضل یہ ہے کہ اس کو پڑھا جائے البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی قنوت پڑھے تو وہ بھی جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور بھی پڑھے تو زیادہ بہتر ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کے بعد وہ قنوت پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھائی تھی یعنی اللھم اھدنا فیمن ہدیت پھر قنوت کے بعد مفتی بہ قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے یعنی وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم پڑھے۔

اور جو شخص عربی اچھی طرح نہ جانتا ہو یا اس کو قنوت یاد نہ ہو تو وہ درج ذیل میں سے کوئی دعا پڑھ لے:

یارب تین مرتبہ یا اللھم اغفرلی تین مرتبہ یا ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار البتہ یہ آخری آیت پڑھنا افضل ہے۔

بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے تو حنفیہ کے ہاں امام اور مقتدی دونوں پست آواز سے پڑھیں۔ اگر کوئی بھول جائے تو پھر کیا کرے؟ اگر نمازی قنوت پڑھنا بھول گیا یہاں تک کہ رکوع کر لیا اور پھر رکوع میں یا رکوع کے بعد یاد آیا تو اب لوٹ کر قنوت نہ پڑھے بلکہ قنوت اس سے ساقط ہو گئی صرف آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ لیکن اگر کوئی لوٹ آیا اور قنوت پڑھ لی تو دوبارہ رکوع نہ کرے کیونکہ رکوع قرأت کے بعد ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔

مقتدی بھی قنوت پڑھے گا اور اگر کسی شافعی المسلک کے پیچھے نماز پڑھی تو رکوع کے بعد پڑھے کیونکہ اس میں اختیار کی گنجائش ہے یا یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

اگر مقتدی وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں امام سے ملا تو وہ نماز کے آخر میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ حکماً اس نے قنوت پالی ہے۔

اگر امام صبح کی نماز میں قنوت پڑھے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں مقتدی خاموش کھڑا رہے قنوت نہ پڑھے یہی صحیح ہے کیونکہ یہ قنوت منسوخ ہے اس میں متابعت صحیح نہیں جب کہ امام ابو یوسف کے ہاں قنوت پڑھ لے کیونکہ مقتدی امام کے تابع ہے اور قنوت پڑھنا اجتہادی مسئلہ ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... مالکیہ کے ہاں صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے آہستہ قنوت پڑھنا مستحب ہے اور رکوع کے بعد جائز ہے نماز وتر اور دوسری نمازوں میں پڑھنا مکروہ ہے۔

الفاظ قنوت وہی ہیں جو حنفیہ کے ہاں ہیں یعنی اللھم انا نستعینك اور مشہور قول کے مطابق اللھم اھدنا فیمن ہدیت اس کے ساتھ نہ ملائے۔

نیز امام مقتدی اور منفرد سب آہستہ پڑھیں اور ہاتھ اٹھانے میں بھی حرج نہیں۔

شوافع کے ہاں...... شافعیہ کے ہاں نماز فجر کی دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا سنت ہے اور شوافع کے قنوت کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم اھدنی فیمن ہدیت وعافنی فیمن عا فیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما

اعطيت وقنى شر ماقضيت فانك تقضى ولايقضى عليك وانه لايذل من واليت ولا يعز من عاديت تبارکت ربنا وتعاليت ولك الحمد على ماقضيت استغفر واتوب اليك صلى الله عليه وسلم ومحمد النبى الامى وعلى آله وصحبه وسلم

امام کو قنوت جمع کے صیغوں کے ساتھ پڑھنی چاہیے یعنی اللهم اهدنا کیونکہ بیہقی میں جمع کے الفاظ کے ساتھ روایت ہے جو امام پر محمول ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاذکار میں فرمایا ہے کہ امام کے لیے مکروہ ہے کہ صرف اپنے لیے دعا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ کوئی بندہ امامت کرنے والا صرف اپنے لیے دعا نہ کرے مقتدیوں کو چھوڑ کر اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔

شوافع کی ان الفاظ پر دلیل مستدرک حاکم میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے: اللهم اهدنى فيمن هديت اور بیہقی نے فلك الحمد على ماقضيت کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر میں قنوت پڑھتے رہے ہیں یہاں تک کہ دنیا کو داغ مفارقت دے گئے نیز عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کی موجودگی میں نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے ہیں صحیح یہ ہے کہ قنوت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے کیونکہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے نیز آل پر بھی درود پڑھا جائے اور ہاتھ بھی اٹھانے سنت ہیں جیسا کہ تمام دعاؤں میں سنت کی اتباع میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔

نیز اگر کسی مصیبت کے خاتمے کے لیے دعا کی جائے تو پھر ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرنا سنت ہے اور اگر کوئی نعمت حاصل کرنی ہے تو پھر ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرنی چاہیں اور بعض شوافع نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قنوت میں وقنى شر ما قضيت پڑھتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے جائیں کیونکہ نماز میں حرکت مطلوب نہیں۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ قنوت کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر نہ پھیرے کیونکہ پھیرنا ثابت نہیں جیسا کہ بیہقی میں ہے۔ نیز امام قنوت بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی آمین کہیں وقنى شر ماقضيت تک اور فانك تقضى پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء آہستہ کرے کیونکہ یہ بھی ثناء اور ذکر ہے جس میں خفت ضروری ہے۔ یا کہے اشہد لیکن ثناء بیان کرنا اولیٰ ہے اور بعض کے ہاں اشہد کہنا اولیٰ ہے اور اگر مقتدی امام کی قنوت نہ سنے تو خود آہستہ آہستہ پڑھتا رہے جیسا کہ ساری دعائیں اور اذکار نہ سننے کی صورت میں آہستہ پڑھتا ہے۔

قنوت کے آخر میں درود شریف پڑھنا دعا ہے تاکہ آمین کہے یا ثناء ہے تاکہ خود بھی پڑھے صحیح تو یہ ہے کہ دعا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ آمین بھی کہے اور درود خود بھی پڑھے صرف آمین کہنے پر اکتفاء نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے" یہ نمازی کے لیے نہیں اور آمین بھی درود پڑھنے کے مترادف ہے۔

اس دعا کے علاوہ باقی دعائیں پڑھنا جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور ثناء وتعریف ہو درست ہے مثلاً اللهم اغفرلى ياغفور اس میں اغفرلی دعا ہے اور یاغفور ثناء ہے اسی طرح وارحمنى يارحيم ياالطف بى يالطيف وغیرہ پڑھنا، البتہ بہتر یہی ہے کہ سابقہ دعا اللهم اهدنى ہی پڑھی جائے جس طرح تشہدوں کو لمبا کرنا مکروہ ہے اسی طرح قنوت کو لمبا کرنا بھی مکروہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والی قنوت اللهم اهدنى اور عمر وابن عمر رضی اللہ عنہ والی قنوت اللهم انا نستعينك دونوں کو ملا کر پڑھنا منفرد اور لمبی قرأت پر راضی مقتدیوں کے امام کے لیے مستحب ہے لیکن اگر صرف ایک پڑھنا چاہے تو پہلی قنوت ہی پڑھے۔

نیز ان دونوں قنوتوں پر درج ذیل الفاظ کا اضافہ کر سکتا ہے:

اللهم عذب الكفرة والمشركين اعدائك اعداء الدين الذين يصدون عن سبيلك

ویکذبون رسلك ویقاتلون اولیائك اللھم اغفر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات اللھم اصلح ذات بینھم والف بین قلوبھم واجعل فی قلوبھم الایمان والحکمۃ وثبتھم علی ملۃ رسولك واوزعھم ان یوفوا بعھدك الذی عاھدتھم علیہ، وانصرھم علی عدوك وعدوھم الہ الحق واجعلنا منھم

اے اللہ! کفار اور مشرکین جو آپ کے اور آپ کے دین کے دشمن ہیں انہیں عذاب دے جو کہ آپ کے راستے سے روکتے ہیں اور آپ کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور آپ کے نیک بندوں کو قتل کرتے ہیں۔ اے اللہ! مغفرت فرمادیجئے مومنین اور مومنات کی مسلمان مردوں اور عورتوں کی جو ان میں سے زندہ ہیں یا وفات پاگئے۔ اے اللہ! ان کے درمیان اصلاح کا معاملہ فرما ان کے دلوں میں محبت پیدا فرما اور ان کے دلوں میں ایمان اور حکمت ڈال دے اور انہیں اپنے رسول کی ملت پر ثابت قدم رکھ اور ان کے دل میں الہام کر اس بات کا کہ جو عہد آپ نے ان سے کیا ہے اس کو پورا کریں اور ان کی مدد فرما اپنے اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں اے برحق معبود ہیں بھی ان ہمیں سے بنادے۔

قنوت چونکہ نماز کے ابعاض میں سے ہے لہٰذا اگر کسی نے پوری یا آدھی یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قنوت میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیا جب کہ دونوں کو ملا کر پڑھا تھا یا درود شریف آخر میں نہ پڑھا تو سجدہ سہو کرے جیسے کہ اگر کسی حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی وجہ سے قنوت چھوڑ نے یا اس امام کے قنوت چھوڑنے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا ہے۔

حنابلہ کا مذہب..... حنابلہ کے ہاں بھی حنفیہ کی طرح وتر کی آخری رکعت میں پورا سال قنوت پڑھنا سنت ہے اور رمضان نصف آخر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے البتہ اگر اس میں بھی رکوع سے پہلے پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور حمید نے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نماز فجر میں قنوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم رکوع سے پہلے اور کبھی بعد میں بھی قنوت پڑھتے تھے۔

اور اگر امام ہے یا منفرد ہے تو جہراً قنوت پڑھے یعنی اللھم انا نستعینك اور اللھم اھدنی فیمن ھدیت البتہ اللھم اھدنی پڑھنا ان کے ہاں اولیٰ ہے جیسے کہ ابن قدامہ حنبلی نے ذکر کیا ہے دلیل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات وتر میں پڑھنے کے لیے سکھائے یعنی اللھم اھدنی فیمن ھدیت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز فجر میں یہ قنوت پڑھتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم انا نستعینك۔ اور آخر میں درود شریف پڑھے نیز ان کے علاوہ باقی دعائیں پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

جب امام قنوت پڑھنا شروع کرے تو مقتدی آمین کہتے رہیں اس میں ہاتھ بھی اٹھائے اور آخر میں منہ پر بھی پھیرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم دعا کرو تو ہتھیلیاں سامنے رکھ کر دعا کرو ہاتھ الٹے نہ رکھو اور جب فارغ ہو جاؤ تو دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لو۔ نیز سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے مقتدی اگر قنوت سن رہا ہو تو صرف آمین کہے اور اگر خود قنوت نہیں سن رہا تو دعا کرتا رہے۔

حنفیہ کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی قنوت صرف وتر میں پڑھی جائے فجر یا دوسری نمازوں میں نہ پڑھی جائے دلیل حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک (فجر کی نماز میں) عرب کے ایک قبیلہ کے لیے بددعا کی پھر اس کو چھوڑ دیا۔

۲۔ قنوت نازلہ..... حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے، حنفیہ کے ہاں صرف جہری نمازوں میں حنابلہ کو شوافع

کے ہاں تمام فرض نمازوں میں البتہ حنابلہ کے ہاں جمعہ میں صرف خطبہ پڑھے قنوت نازلہ نہ پڑھے اور اس قنوت کو جہراً آواز بلند پڑھے۔

نازلہ کے معنی...... اگر مسلمانوں پر کسی قسم کا خوف، قحط سالی، وبا، بیماری ٹڈی دل یا اس طرح کی کوئی مصیبت نازل ہو (تو اسے نازلہ کہتے ہیں) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ کے شہدا صحابہ کے قافلوں پر ایک مہینہ قنوت پڑھی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے بددعا کرتے یا دعا کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے نیز شوافع کے ہاں قنوت صرف کسی مصیبت وغیرہ کے موقع پڑھی جائے ہمیشہ پڑھنا مشروع نہیں۔

اور وہ قنوت نازلہ پڑھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ یہ قنوت پڑھتے تھے۔

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، والف بين قلوبهم واصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم اللهم العن كفرة اهل اللكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون اوليائك اللهم خالف بين كلمتهم وزلزل اقدامهم وانزل بهم باسك الذى لايرد عن القوم المجرمين بسم الله الرحمٰن الرحيم اللهم انا نستعينك

اگر قنوت نازلہ رہ جائے تو سجدہ سہو کرنا سنت نہیں کیونکہ یہ نماز کے ابعاض میں سے نہیں جیسا کہ شوافع نے کہا ہے۔

ساتویں بحث: نماز وتر...... نماز وتر کے متعلق درج ذیل چیزیں بیان ہوں گی حکم یا صفت یعنی واجب ہے یا سنت، کس پر واجب ہے، مقدار کیا ہے، وقت کونسا ہے، قرأت کی کیفیت، قنوت پڑھنا، اور محل قنوت یعنی کب قنوت پڑھی جائے گی۔

ا۔ وتر کا حکم...... وتر پڑھنا بالا جماع مطلوب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر کو پسند کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وتر فرض تھے حدیث میں ہے آپ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض ہیں تم پر فرض نہیں:

ا...... نماز چاشت　　　۲...... قربانی　　　۳...... اور وتر۔

امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نماز عید کی طرح وتر بھی واجب ہیں جب کہ صاحبین اور باقی فقہاء کے ہاں سنت ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے سنو وہ وتر ہے اس کو عشاء اور فجر کے درمیان پڑھو ''فصلوا'' امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تمام حنفیہ کے ہاں وتر کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا وجوب اخبار آحاد سے ہے یہی معنی ان کا جو اس کو سنت کہتے ہیں البتہ امام ابوحنیفہ کے ہاں بلا عذر بیٹھ کر یا سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں۔

امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید دوسری احادیث بھی کرتی ہیں ان میں سے ایک ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے کہ وتر حق ہیں جو پانچ پڑھنا پسند کرے تو وہ پانچ پڑھے اور جو تین پڑھنا پسند کرے وہ تین پڑھے اور جو ایک پڑھنا پسند کرے تو وہ ایک پڑھے اور ایک بریدۃ کی حدیث ہے کہ وتر حق ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

جمہور وتروں کی سنیت پر بہت ساری احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

ا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعرابی (دیہاتی) کو یہ کہنا جب کہ اس نے فرائض کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا پانچ نمازیں فرض ہیں پھر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ میرے اوپر کچھ ہے تو آپ نے فرمایا نہیں صرف نفل ہیں۔

۲......عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جھوٹا قرار دیا جس نے ان سے کہا تھا کہ وتر واجب ہیں اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک انسان پر دن رات میں پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں۔

۳......حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ وتر فرض نہیں جس طرح کے فرض نمازیں ہیں البتہ سنت ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جاری کیا ہے۔

نیز بغیر ضرورت کے سواری پر وتر پڑھنا جائز ہیں لہٰذا یہ سنت کے مشابہ ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر وتر پڑھے۔

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ جمہور کی رائے حق ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اگر وہ صحیح ہوں تو پھر تائید پر محمول ہیں لیکن محدثین نے ان پر کلام کیا ہے مثلاً حدیث من لم یوتر فلیس منا ضعیف ہے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث الوتر حق اگرچہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ تاکید پر محمول ہے۔ امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے جان بوجھ کر وتر چھوڑے وہ برا آدمی ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔

۲۔ وتر کس پر واجب ہیں......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وتر جمعہ اور عیدین کی طرح ہر مسلمان عاقل بالغ مرد وعورت پر واجب ہیں دلیل ابوایوب رضی اللہ عنہ والی گزشتہ روایت ہے کہ وتر حق ہیں اور ہر مسلمان پر واجب ہیں جو پانچ پڑھنا پسند کرے وہ پانچ پڑھے اور جو تین پڑھنا پسند کرے وہ تین پڑھے اور جو ایک پڑھنا پسند کرے وہ ایک وتر پڑھے۔

جب کہ جمہور کے ہاں ہر مسلمان پر سنت مؤکدہ ہیں۔

۳۔ وتر کی مقدار اور طریقہ......حنفیہ کے ہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں، جن میں سلام کے ذریعے فصل نہیں بلکہ سلام آخر میں ہے جیسے نماز مغرب میں یہی وجہ ہے اگر کوئی تشہد اول بھول کر کھڑا ہو گیا تو اب واپس نہیں بیٹھے اگر واپس بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے اور سلام آخر میں پھیرتے تھے۔ [1]

وتر کی نماز نیت کے بغیر جائز نہیں بلکہ تین رکعات وتر کی نیت کی جائے اور تینوں رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھے دو تشہد یعنی اول واخیر کرے تیری رکعت کے شروع میں ثناء نہ پڑھے تیسری رکعت کی قرأت کے اختتام پر تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے پھر رکوع سے قنوت پڑھے۔ آخر میں دائیں بائیں سلام پھیرے پس وتروں میں ایک تکبیر تحریمہ اور ایک سلام ہے۔

مالکیہ کے ہاں وتر کی ایک رکعت ہے البتہ اس سے پہلے عشاء کی دو سنتیں پڑھ کر سلام پھیرے پھر ایک وتر اس طرح پڑھے کہ اس میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھے۔

حنابلہ بھی ایک رکعت وتر کے قائل ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ ہم وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں، اگر کسی نے تین یا اس سے زیادہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

شوافع کے ہاں وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ہیں اور افضل یہ ہے کہ جو شخص ایک رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو وہ اس کی رکعات میں سلام کے ذریعے فاصلہ کرے اس طرح کہ پہلے وتر کی دو رکعتوں کی نیت کرے اور سلام پھیرے پھر ایک رکعت کی نیت کرے اور سلام پھیرے ابن حبان میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں اور وتروں کے درمیان فصل کرتے تھے۔

جو دلیل مالکیہ اور حنابلہ کی ہے وہی دلیل شوافع کی بھی ہے وتر کی کم مقدار پر مسلم شریف میں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ایک رکعت وتر ہیں۔

---

[1] رواه الحاكم وقال انه على شرط البخاري ومسلم.

ابوداؤد میں ابوایوب کی روایت میں ہے کہ جو شخص ایک وتر پڑھنا پسند کرے تو وہ ایک پڑھ لے اور صحیح ابن حبان میں ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پڑھے کمال کی کم سے کم مقدار تین ہیں اور کمال کی کامل مقدار پانچ پھر سات پھر نو پھر گیارہ رکعات ہیں۔ گیارہ رکعات صحیح احادیث کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ کی آخری حد ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ ہی رکعات پڑھتے تھے تمام سنتوں کی طرح ان پر زیادتی واضافہ صحیح نہیں مسلم شریف میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں جب تم صبح ہونے کا خطرہ محسوس کرو تو ایک وتر پڑھ لیا کرو۔

وتر کی پانچ رکعتیں ابوایوب رضی اللہ عنہ کی گذشتہ روایت سے ثابت ہیں یعنی وتر حق ہیں اور ہر مسلمان پر واجب ہیں پس جو پانچ وتر پڑھنا پسند کرے تو وہ پانچ پڑھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ پانچ وتر پڑھا کرتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سے پانچ وتر پڑھتے تھے اس طرح کہ صرف آخر میں بیٹھتے تھے اسی طرح ابن عباس سے بھی روایت ہے اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین وتر نہ پڑھا کرو پانچ یا سات وتر پڑھا کرو اور نماز مغرب کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ وتر کی سات اور نو رکعتیں مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہیں اور ان کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے جب کہ وتر کی گیارہ رکعتیں بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں ثابت ہیں جس کا تذکرہ پہلے ہو گیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ احادیث جن میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پڑھے تو اس سے پہلے نماز ہوتی تھی۔

۴۔ **وتر کا وقت**......اصل اور مستحب وقت: جمہور کے ہاں وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک کا ہے لہٰذا نماز عشاء پڑھنے سے پہلے وتر پڑھنا صحیح نہیں اگر کسی نے نماز عشاء سے پہلے جان بوجھ کر یا بھول کر وتر پڑھ لیے تو ان کا اعتبار نہیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر یہ مشروع عشاء کے بعد ہیں پس نماز عشاء پڑھنے سے پہلے ان کو ادا کرنا جائز نہیں باوجود یکہ یہ اس کا وقت ہے کیونکہ شرط نہیں یعنی ترتیب نہیں پائی گئی۔ البتہ اگر کسی نے بھول کر نماز عشاء پڑھنے سے پہلے وتر پڑھ لیے تو دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔ صاحبین اور باقی فقہاء کے ہاں لوٹانے ہوں گے دلیل حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے ایک نماز سے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ وتر ہیں اللہ تعالیٰ نے عشاء طلوع فجر کے درمیان اس کو تمہارے لیے رکھا ہے۔

پوری رات اس کا وقت ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات میں وتر ادا کیے ہیں کبھی شروع میں، کبھی درمیان رات اور کبھی آخر رات آپ کے وتر سحری کے وقت ختم ہوتے تھے۔ ابوسعید کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ۔

مالکیہ کے ہاں وتر کا اختیاری وقت ثلث لیل تک ہے اور وقت ضروری طلوع فجر سے نماز صبح ختم ہونے تک اگر اس نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وتر کا وقت ضروری نکل جائے گا اور وتر ساقط ہو جائیں گے کیونکہ نوافل میں سے صرف فجر کی سنتوں کی قضاء ہے ان کے ہاں وہ بھی زوال سے پہلے پہلے، وقت ضروری تک تاخیر کرنا بلا عذر مکروہ ہے اور رات کے آخری حصہ میں وتر کا افضل وقت ہے۔ جس شخص نے رات کے پہلے حصہ میں وتر پڑھے پھر بعد میں نفل پڑھے تو وہ وتر دوبارہ نہیں پڑھے گا یہ جمہور کے ہاں ہے کیونکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہیں۔

شوافع کے ہاں آدھی رات تک پسندیدہ وقت ہے اور باقی وقت جائز ہے جب عشاء کو مغرب کے ساتھ ملا کر مغرب کے وقت میں پڑھے تو اس وقت اگر چہ عشاء کا وقت داخل نہ ہوا ہو وتر پڑھنا جائز ہے نیز وتر کو رات کی آخری نماز کے طور پر رکھنا چاہیے اگر چہ اس سے پہلے سو لے شیخین کی روایت ہے رات کی آخری نماز وتر بنائیں اگر کسی نے تہجد پڑھنی ہے تو وتر کو تہجد سے مؤخر کرے ورنہ عشاء کے فرض اور سنتوں سے مؤخر کرے اگر رات کے آخری حصہ میں بیدار نہ ہو سکتا ہو اور اگر بیدار ہونے کی امید ہے تو پھر وتر موخر کرنا افضل ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ جسے خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں بیدار ہو سکے گا تو وہ شروع ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے امید ہو کہ اٹھ سکے گا تو وہ آخر رات میں وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز حاضری کی جائے گی۔

یہ افضل ہے اور اسی پر مسلم شریف کی یہ حدیث کہ صبح پر وتر کے ذریعہ سبقت لے جاؤ۔

اگر کسی نے پہلے وتر پڑھے پھر تہجد پڑھے تو وتروں کو دوبارہ نہیں پڑھے گا یعنی وتر کا اعادہ مسنون نہیں حدیث کی وجہ سے ایک رات میں دو وتر نہیں۔

حنفیہ کے ہاں وتر کا مستحب وقت رات کا آخری حصہ ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وتروں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کبھی رات کے شروع میں پڑھتے تھے کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں لیکن پر آخری عمر تک آپ نے وتر رات کے آخری حصے ہی میں پڑھے ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے کوئی ایک دو رکعتیں پڑھتا رہے جب صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھے اور اس کو وتر بنالے جو رات میں پڑھا ہے۔

حنابلہ کے ہاں بھی رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا افضل ہیں اور یہ متفق علیہ بات ہے مسلم شریف کی حدیث سابق کی وجہ سے من خاف الا یقوم من آخر اللیل اور شیخین کی روایت کہ رات کی آخری نماز وتر بناؤ اگر رات کے آخری پہر میں جاگنے کی امید نہ ہو تو شروع میں نماز وتر پڑھنا مستحب ہے۔ یہ بھی متفق علیہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ، ابوذر اور ابودرداء رضی اللہ عنہم کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت کی ہے اور فرمایا جسے خوف ہو کہ رات کے آخری پہر میں نہیں جاگ سکے گا تو وہ شروع رات میں وتر پڑھ لے جس شخص نے رات کو وتر پڑھ لیے پھر تہجد کے لیے اٹھا تو حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھے اور وتر کو نہ توڑے اس کا معنی یہ ہے کہ جب تہجد کے لیے اٹھے تو ایک رکعت پڑھ کر پہلے وتر کو شفع بنادے پھر دو دو رکعتیں پڑھے اور پھر تہجد کے آخر میں وتر پڑھے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ حنابلہ کی یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے۔

حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ نماز پڑھی تو وتر میں اس کی متابعت کرے لیکن آخر رات میں وتر پڑھنا پسندیدہ ہے پس جب امام سلام پھیرے تو مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو شفع بنادے۔

۵۔ وتر میں قرأت...... حنفیہ کے ہاں وتر کی تمام رکعات میں قرأت کرنا واجب ہے، ان کے ہاں پہلی رکعت میں سورت اعلی دوسری میں کافرون تیسری میں اخلاص پڑھنا حدیث کی رو سے مستحب ہے۔ ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے اور سلام صرف آخر میں پھیرتے تھے۔ مالکیہ کے ہاں وتر کی ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھنا مستحب ہے اور اس سے پہلے کی دو رکعتوں میں سے پہلی میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الکافرون، فاتحہ کے بعد پڑھنا اور اس شفع اور وتر کی رکعت کے درمیان سلام کے ذریعے فصل کرے البتہ اگر کسی کی اقتداء میں ہے اگر وہ فصل نہیں کرتا تو یہ بھی نہ کرے لیکن پہلی دو رکعتوں میں شفع کی اور آخری رکعت میں وتر کی نیت کرے۔ اور منفرد کا وتر کی رکعت کو شفع کے ساتھ ملانا مکروہ ہے نیز صرف ایک رکعت وتر پڑھنا اور اس سے پہلے دو رکعتیں نہ پڑھنا بھی مکروہ

ہے اگر چہ مریض یا مسافر ہی کیوں نہ ہو۔

شوافع کے ہاں تین رکعات وتر پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ وتر کی پہلی رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص اور معوذتین پڑھے اور جو تین سے زیادہ رکعات پڑھنا چاہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان میں اسی طرح پڑھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں **قل ھو اللہ احد** اور معوذتین پڑھتے تھے۔ حنابلہ کے ہاں تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص پر اکتفاء کرنا مستحب ہے حدیث ابی بن کعب کی وجہ سے اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت ثابت نہیں کیونکہ اس میں یحییٰ بن ایوب ہے جو کہ ضعیف ہے امام احمد اور یحییٰ بن معین نے معوذتین کی زیادتی کا انکار کیا ہے۔

۶۔ **وتر میں قنوت**...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں سارا سال وتر میں قنوت پڑھی جائے گی البتہ حنفیہ کے ہاں تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے چاہے ادا پڑھ رہا ہو یا قضاء کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے پھر قنوت پڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قنوت پڑھنے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے پھر قنوت پڑھتے یہی مالکیہ کی رائے ہے نماز فجر میں نہ کہ وتر میں اور حنابلہ کے ہاں رکوع کے بعد قنوت پڑھے۔ مسلم شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور حضرت ابو ہریرۃ اور انس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ حضرت ابی ابن کعب والی روایت کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کلام ہے اور ابن مسعود والی روایت کو متروک قرار دیتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں قنوت کے الفاظ عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما والی مشہور دعا ہے جو قنوت کی بحث میں ذکر کر دی ہے یعنی **اللھم انا نستعینک** اور مفتی بہ قول کے مطابق آخر میں درود پڑھے۔ حنابلہ کے ہاں **اللھم اھدنی فیمن ھدیت** یہ دعا پڑھنا بہتر ہے اور **اللھم انا نستعینک** پڑھنا بھی جائز ہے حنفیہ کے ہاں قنوت آہستہ پڑھی جائے جب کہ حنابلہ کے ہاں امام منفرد با آواز بلند پڑھیں گے۔

شوافع کے ہاں نصف رمضان کے بعد وتر کے آخر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنا صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کی طرح مستحب ہے اور اس کے بعد **اللھم انا نستعینک ونشھدک ونستغفرک** پڑھے ابوداؤد اور بیہقی میں روایت ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان کے نصف اخیر میں جب تراویح پڑھتے تو قنوت پڑھتے۔

وتر کے بعد ذکر...... وتر کے بعد "**سبحان الملک القدوس**" تین بار پڑھنا مستحب ہے اور تیسری بار بلند آواز سے پڑھے حضرت ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو **سبحان الملک القدوس** پڑھتے عبدالرحمٰن بن ابزی نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سورۃ اعلیٰ، سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھتے اور جب وتر ختم کرتے تو سبحان الملک القدوس تین مرتبہ پڑھتے اور تیسری دفعہ با آواز بلند پڑھتے۔

وتر کے بعد دعا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں **اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعا فاتک من عقوبتک واعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک** پڑھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی کیفیت...... حضرت سعید بن ہشام سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں بتایئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور پانی تیار رکھتیں پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ رات کو اٹھتے مسواک فرماتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دعا کرتے پھر اٹھتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے قعدہ کرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، تعریف و دعا کرتے پھر سلام پھیرتے جو ہم سن لیتی پھر سلام کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے یہ گیارہ رکعتیں ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رسیدہ ہو گئے تو سات وتر پڑھتے اور پھر پہلے کی طرح بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے یہ نو رکعتیں ہو گئیں اے بیٹے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز پڑھتے تو اس پر دوام پسند فرماتے جب کبھی نیند کا غلبہ ہوتا یا کوئی بیماری ہوتی قیام اللیل نہ کر سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعتیں پڑھ لیتے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن کریم ایک رات میں پڑھا ہو یا پوری رات نماز پڑھی ہو اور نہ رمضان کے علاوہ آپ نے پورا مہینہ روزہ رکھا ہے۔ احمد نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور گوشت بڑھ گیا تو اب سات رکعات وتر پڑھتے چھٹی یا ساتویں رکعت میں بیٹھتے اور ساتویں رکعت ہی میں سلام پھیرتے۔

اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ سات رکعتیں پڑھتے صرف آخری رکعت میں قعدہ کرتے تھے۔

ساتویں فصل......نماز کے مفسدات

نماز اقوال وافعال مخصوصہ والی عبادت ہے اس کو پورے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے تاکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا کہ ''جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اس طرح پڑھو'' کے مطابق صحیح طریقہ سے ادا ہو۔

جب نماز کسی ایسی کیفیت سے پڑھی جائے جو شریعت کے خلاف ہے تو اس سے نماز فاسد یا باطل ہو جاتی ہے فساد اور بطلان بالاتفاق عبادات میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور معاملات مثلاً بیع وغیرہ میں حنفیہ کے ہاں دو مختلف مفہوموں میں استعمال ہوتے ہیں۔

جب عبادت فاسد ہو جائے تو اس کا اعادہ واجب ہے پس فساد و بطلان یہ ہے کہ عبادت عبادت ہونے سے نکل جائے کسی فرض وغیرہ کے رہ جانے کی وجہ سے

نماز کبھی تو شروع ہی سے فاسد ہوتی ہے اس کی شرائط وغیرہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مثلاً: طہارت ستر عورت وغیرہ اور دوران نماز ستر کا کھل جانا حنفیہ کے ہاں مفسد نماز ہے جب کہ ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار کھلا رہے اور وہ تین تسبیحات کی مقدار ہے جیسا کہ کبھی نماز فاسد ہوتی ہے فرائض میں سے کسی فرض کے رہ جانے کی وجہ سے مثلاً: تکبیر تحریمہ نہ کہنا اور کبھی فاسد ہوتی ہے کسی رکن کے رہ جانے کی وجہ سے جیسے رکوع یا سجدے کا رہ جانا وغیرہ۔

۱۔ **فقہاء کے ہاں مفسدات نماز**......اہم مفسدات نماز یہ ہیں جب کہ یہ بات معلوم رہے کہ حنفیہ کے ہاں مفسدات نماز اڑسٹھ ہیں اور مالکیہ کے ہاں تیس کے قریب۔ شوافع کے ہاں ستائیس جب کہ حنابلہ کے ہاں چھتیس کے قریب ہیں۔

۱۔ **کلام**......یعنی بات خواہ بھول کر ہو یا قصداً جبکہ وہ دو حرفوں سے مرکب ہو اگرچہ ان کا کوئی مفہوم نہ ہو یا ایک حرف با معنی ہو اور نماز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو دلیل زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نماز میں بات چیت کیا کرتے تھے ایک آدمی دوسرے ساتھی سے جو اس کے پہلو میں ہوتا تھا بات کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ پس ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت

سے روک دیا گیا ❶ اور حضرت معاویہ بن الحکم السلمی کی روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی میں نے یرحمك الله کہا اس پر لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا میں نے کہا کہ مجھے میری ماں گم کرے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کیے بہر حال جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو میرے ماں باپ پر قربان ہوں میں نے آپ سے بہترین معلم نہ تو آپ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا بخدا نہ تو آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بلکہ یہ فرمایا کہ نماز میں لوگوں کی بات چیت مناسب نہیں نماز تو تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔ ❷

نماز کو باطل کرنے والے کلام میں سے...... کھانسنا یا کھنکارنا بلا عذر جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ حرف بن جائیں آہ آہ کرنا رونا اُف اُف کرنا اور ایسا رونا کہ اس سے حروف پیدا ہو گئے اگر کسی بیماری یا اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہو تو مفسد نماز نہیں۔ اسی طرح چھینک کا جواب دینا سلام کا جواب دینا ایسی دعا لوگوں کی بات چیت کے مشابہ ہو البتہ فقہاء کی اس میں تفصیلات ہیں جن کا ذکر مناسب ہے۔

حنفیہ کے ہاں ❸...... نماز کلام سے فاسد ہو جاتی ہے۔ خواہ قصداً ہو یا بھول کر لاعلمی کی حالت میں ہو یا غلطی سے یا زبردستی ہو صحیح قول کے مطابق جب کہ وہ کلام کم سے کم دو حرفوں سے مرکب ہو یا ایک حرف ہو تو بامعنی جیسے (عربی میں) ''عِ''۔ (بمعنی حفاظت کر) اور ''قِ'' (بمعنی بچا) اسی طرح کسی کو سلام کرنا یا زبان سے سلام کا جواب دینا نہ کہ ہاتھ سے البتہ یہ بھی مکروہ ہے۔ یا چھینک کا جواب دینا کسی کو لفظ یا سے پکارنا اگرچہ بھول ہی کر ہو لیکن اگر کسی نے نماز مکمل ہونے سے پہلے اس گمان سے کہ نماز مکمل ہو گئی ہے بھول کر سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہ ہو گی لیکن اگر سلام کی نیت سے کسی سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اگر کسی نے کتے یا بلی کو بھگایا یا گدھے کو ہانکا اس طرح کے حروف ہجا پیدا نہیں ہوئے تو نماز فاسد نہیں ہو گی کیونکہ یہ آواز ہے جس کے ہجے نہیں ہیں۔ اور جو شخص کسی مصیبت وغیرہ پر اپنی زبان میں بلند آواز سے رویا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس سے مصیبت کا اظہار ہے۔

کھانسنا یا، کھنکارنا، بلا عذر نماز کو فاسد کرتا ہے اگر عذر کے ساتھ ہو مثلاً نمازی طبیعت کو نہیں روک سکتا یا کسی غرض صحیح کے ساتھ ہو مثلاً آواز کو درست کرنے یا امام کو غلطی بتانے کے لیے ہو یا اپنا متعلق نماز میں ہونے کی خبر دینا کے لیے ہو تو مفسد نماز نہیں اور اس طرح کا کھانسنا نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ ایسی دعا جو قرآن کریم احادیث میں نہ ہو اور لوگوں سے اس کا مانگنا محال نہ ہو یعنی لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو تو یہ بھی مفسد نماز ہے۔

آواز سے کراہنا آہ یا اُف کہنا یا ایسا رونا کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں کسی بیماری یا مصیبت کی وجہ سے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر تکلیف کی وجہ سے اپنے نفس کو نہیں روک سکتا تو نماز فاسد نہیں ہو گی کیونکہ اس وقت بوجہ ضرورت چھینک، کھانسی، ڈکار اور جمائی کی طرح ہو گا اگرچہ حروف پیدا ہو جائیں سنائی دینے والی آواز سے پھونک مارنا چاہے اس سے ناگواری کا اظہار ہو یا نہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے نماز میں پھونک مارنا کلام ہے ❹ امام کی قرأت کے دوران جنت یا جہنم کے ذکر کے وقت دعا کرنا یا رونا یا بلی اور نعم کہنا مفسد نماز نہیں۔ کیونکہ یہ خشوع وخضوع پر دلالت کرتا ہے۔

نماز میں بری خبر سن کر انا لله وانا اليه راجعون پڑھنا جب کہ جواب کی نیت سے ہو تو مفسد نماز ہے کیونکہ یہ لوگوں کے کلام کی طرح ہو گیا۔ اور ہر اس کلام سے نماز باطل ہو جائے گی جس سے جواب کا ارادہ کیا گیا ہو مثلاً کہا گیا هل مع الله اله؟ تو اس نے کہا لا اله الا الله یا ما مالك اس نے کہا الخيلَ والبِغالَ والحَمير یا پوچھا گیا من اين جئت تو اس نے کہا وبئرٍ معطلةٍ وقصرٍ مثلاً اسی طرح

❶......نیل الاوطار: ۲/۱۱۳۔ ❷رواہ احمد ومسلم۔ ❸الدر المختار ۱/۵۷۴-۵۹۳۔ ❹نیل الاوطار: ۲/۳۱۷

خطاب سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی مثلاً نمازی نے اسے جس کا نام یحییٰ یا موسیٰ تھا کہا یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃ یا ماتلك بیمینك یاموسٰی یا دروازے پر کھڑے شخص کو کہا ”ومن دخلہ کان آمنا“ اسی طرح اگر نمازی نے اللہ کا نام سن کر جلا جلالہ کہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھا یا قرأت سن کر ”صدق اللہ ورسولہ“ کہا اگر جواب کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر تعظیم اور ثنا کے ارادہ سے کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود منافی نماز نہیں۔ کسی لکھے ہوئے پر نظر پڑی اس کو سمجھ لیا تو نماز فاسد نہیں لیکن مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اٹھانا اس کو دیکھنا اوراق الٹنا وغیرہ عمل کثیر ہے نیز یہ باہر سے لقمہ دینے اور لینے والے کے مشابہ ہے۔ البتہ صاحبین رحمہ اللہ کے ہاں نماز فاسد نہیں ہوتی مکروہ ہوتی ہے کیونکہ قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا عبادت ہے جو دوسری عبادت سے مل گئی ہے لیکن مکروہ ہے کیونکہ اہل کتاب سے مشابہت ہے۔

مالکیہ کے ہاں ❶......نماز کی صحت کے لیے کلام کو چھوڑنا شرط ہے سوائے اس کے جو نماز کی جنس سے ہو یا اس سے نماز کی اصلاح ہو۔ نماز باطل ہوجائے گی اجنبی کلام سے اگر چہ وہ ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو مثلاً کسی نے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو نمازی نے نعم یا لا کہا۔ لیکن اگر کلام نماز کی اصلاح کے لیے بقدر ضرورت ہو۔

اور زیادہ نہ ہو تو نماز باطل نہیں ہوتی جیسے امام چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے یا پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے اور تسبیح نہ سمجھ سکے مقتدی اسے کہے: کہ تم نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے تو اس سے نماز کا نقصان نہ ہوگا ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے قصہ پر عمل کرتے ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں قبلہ کی طرف تھی اس طرح کھڑے ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک تھے قوم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر ہیبت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نہ کر سکے جلد باز لوگ مسجد سے نکلنے لگے ذوالیدین نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہوگئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوالیدین کیا کہہ رہے ہیں تو صحابہ نے عرض کیا یہ صحیح کہہ رہے ہیں آپ نے صرف دو رکعتیں پڑھائی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ ❷

اگر کسی شخص نے مثلاً ادخلوھا بسلام تلاوت کی اور اس سے کسی شخص کو سمجھانا مقصود ہو تو کوئی نقصان نہیں اسی طرح نماز باطل ہوجائے گی اگر کسی نے جان بوجھ کر کوے کی آواز کی طرح خالی آواز نکالی جس کے حروف نہ ہوں یا جان بوجھ کر منہ سے پھونک ماری نہ کہ ناک سے یا جان بوجھ کر سلام پھیر دیا جب کہ نماز کے مکمل نہ ہونے کا علم یا گمان یا شک تھا۔

شوافع کے ہاں ❸......نماز باطل ہوجائے گی اگر انسانوں کے کلام کی طرح دو حرف بامعنی بول دیئے اگر چہ نماز ہی کی اصلاح کی غرض سے بولے ہوں مثلاً کھڑے مت ہوئیے یا بیٹھ جائیے یا ایک بامعنی حرف یا ایک حرف کو کھینچا کیونکہ مدوالا صرف حقیقت میں ایک نہیں دو ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ کھانسنا، رونا، کراہنا اور پھونک مارنا اگر ان سے دو حرف پیدا ہوجائیں تو نماز باطل ہوجائے گی اور معذور تصور کیا جائے گا اگر سبقت لسانی سے تھوڑا کلام کر دیا یا نماز بھول گیا حضرت ذوالیدین کے واقعہ پر عمل کرتے ہوئے یا نماز میں کلام کے حرام کا علم نہیں تھا جب کہ تازہ تازہ مسلمان ہوا ہو۔ اور زیادہ کلام سے نماز باطل ہوجائے گی صحیح قول کے مطابق اسی طرح معذور شمار کیا جائے گا تھوڑا کھانسنے وغیرہ کی طرح کھانسی چھینک وغیرہ میں اگر چہ اس سے دو حرف پیدا ہوجائیں اور ہر پھونک وغیرہ سے ان چیزوں کے غلبہ کی وجہ سے اس کا قصور نہیں ہوگا یا کھانسنے کی حالت میں قرأت واجبہ اور ارکان قولیہ کی ادائیگی مشکل ہو اور جہراً قرأت کرنا عذر یسر نہیں شمار ہوگا اور اگر نمازی کو تھوڑے کلام پر مجبور کیا گیا تب بھی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔

❶......الشرح الصغیر: ۱/۳۴۴۔ ❷ اخرجہ البخاری ومسلم ❸ مغنی المحتاج: ۱/۱۹۴

حنابلہ کے ہاں ❶......دو آدمیوں کے کلام جیسے کلام سے (یعنی جو دو یا دو سے زیادہ حروف سے مل کر بنے) نماز باطل ہو جائے گی اگر نماز کی اصلاح کیلئے نہ ہو جیسے یا غلام اسقنی اے لڑکے پانی پلاؤ وغیرہ اور اگر نماز مکمل ہونے سے پہلے سلام پھیرنے والے نے بھول کر تھوڑی بہت بات چیت کی جو نماز کی اصلاح کی غرض سے ہو اس سے نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ ذوالیدین کے واقعہ میں ہوا۔ چاہے یہ امام ہو یا مقتدی اسی طرح اگر بغیر اختیار کے بات ہو جائے تو بھی نماز باطل نہ ہوگی مثلاً بھول کر سلام پھیر دیا یا ہو گیا اور بات چیت کی کیونکہ یہ مرفوع القلم ہے یا دوران قرأت سبقت لسانی سے قرآن کے علاوہ کوئی کلمہ زبان پر آ گیا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں یا کھانسی کا غلبہ ہو یا چھینک اور جمائی آئے ان سے حروف پیدا ہوں وغیرہ۔ البتہ پھونک مارنے سے اگر دو حرف پیدا ہو گئے تو نماز باطل ہو جائے گی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے جس نے نماز میں پھونک ماری گویا اس نے بات چیت کی اسی طرح آواز سے رونا کہ اس سے دو حروف پیدا ہو جائیں تو بھی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اللہ کے خوف سے رونے سے نہیں۔ کھنکھارنا بغیر ضرورت کے جب کہ دو حرف پیدا ہو جائیں تو بھی نماز باطل لیکن اگر ضرورت سے کھنکار اتو باطل نہ ہوگی۔

حنابلہ کے ہاں قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا دوران نماز جائز ہے، البتہ حافظ کے لیے مکروہ ہے کیونکہ خشوع اور سجدہ کی جگہ سے نظر ہٹ جائے گی بغیر ضرورت کے جیسا کہ فرض میں مطلقاً مکروہ ہے کیونکہ عادۃً فرائض میں اس کی ضرورت پیش نہیں آتی البتہ ان دو جگہوں کے علاوہ ضرورت کی وجہ سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔

جواز کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک غلام نے نماز پڑھائی قرآن کریم سے دیکھ کر انہی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو رمضان میں قرآن دیکھ کر پڑھے (یعنی تراویح میں) تو انہوں نے کہا ہمارے بہترین لوگ قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔

امام کو یا کسی دوسرے کو لقمہ دینا......یعنی قرأت کی اصلاح کے لیے راہنمائی کرنا مقتدی کا اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو لقمہ دینا نماز کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ سیکھنا سکھانا ہے جو لوگوں کے کلام میں سے ہے، البتہ مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینا تو اس بارے میں فقہاء کے ہاں تفصیل ہے۔

حنفیہ کے ہاں ❷......جہاں امام قرأت میں ٹھہر جائے یا متردد ہو اور دوسری آیت کی طرف منتقل نہ ہوا ہو تو مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو لقمہ دے یعنی درستگی کی طرف لے جائے نیز اس میں لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرأت کی کیونکہ لقمہ دینے کی اسے اجازت ہے رہ گئی قرأت خلف امام تو وہ مکروہ تحریمی وممنوع ہے اگر امام کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اسی طرح اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ بغیر ضرورت کے تلقین وتلقن پایا گیا ہے۔

مقتدی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ امام کو لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اس کے لیے جلدی کرنا مکروہ ہے جیسا کہ امام کے لیے مکروہ ہے مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرنا بلکہ اسے جب رکاوٹ یا تردد ہو تو وہ فوراً رکوع میں چلا جائے یا دوسری آیت پڑھنا شروع کر دے۔ مقتدی نے اگر اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دیا اور اس میں تلاوت کی نیت نہ تھی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر تلاوت کی نیت تھی تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح اگر امام نے اپنی نماز سے باہر آدمی کا لقمہ لیا یا کسی کے حکم کی تعمیل کی مثلاً کوئی خالی جگہ رہ گئی اور اسے کہا گیا کہ اس کو بھر دو اور اس نے بھر دیا وغیرہ تو ان صورتوں میں بھی نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اس آخری صورت میں اگر وہ کچھ دیر ٹھہرا رہا پھر اپنی طرف سے وہ جگہ بھری تو کچھ مضائقہ نہیں۔ امام کو لقمہ دینے کے جواز کی دلیل حضرت المسور بن یزید المکی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور ایک آیت رہ گئی نماز کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کہ فلاں آیت رہ گئی تو آپ نے فرمایا مجھے کیوں یاد نہیں دلائی ❸ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور دوران نماز آپ پر قرأت میں التباس ہوا

❶......کشاف القناع: ۱/۴۶۹۔ ❷فتح القدیر: ۱/۲۸۳۔ ❸رواہ ابوداؤد نیل الاوطار: ۲/۳۲۲

جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: تمہیں کس نے منع کیا تھا (کہ لقمہ نہیں دیا)۔ ❶

مالکیہ کے ہاں...... اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینا چاہے وہ نماز میں ہو یا نہ ہو مثلاً کوئی قرأت کر رہا ہے اور وہ دوران قرأت ٹھہرا تو اس نے اسے لقمہ دے دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ تو مکالمہ ہو گیا۔ البتہ اپنے امام کو لقمہ دینا جب وہ ٹھہر جائے یا متردد ہو اگرچہ فاتحہ کے بعد ہی ہو تو جائز ہے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ واجب ہے۔ اگر امام ٹھہرا اور متردد نہ تھا تو اس کو لقمہ دینا مکروہ ہے۔

شوافع کے ہاں...... امام کو لقمہ دینا اس وقت ہے جب وہ ٹھہر جائے اور خاموش ہو۔ جب تک وہ تلاوت دہرا رہا ہے یا رحمت کا سوال اور عذاب سے پناہ مانگ رہا ہو اس طرح کی آیات پڑھنے کی وجہ سے تو لقمہ نہ دیا جائے۔ سکوت کی حالت میں لقمہ دینے سے مقتدی کی قرأت کی موالاۃ ختم نہیں ہوتی اور تردد کی حالت میں اس کی قرأت کی موالات ختم ہو جائے گی اور اس کے لیے نئے سرے سے تلاوت کرنا لازم ہو گا۔
ان کے ہاں لقمہ دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف قرأت کا ارادہ کرے یا قرأت کے ساتھ لقمہ کی نیت بھی کرے۔ اگر کسی نے صرف لقمہ کی نیت کی یا کسی چیز کی بھی نیت نہ کی تو صحیح قول کے مطابق اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینے سے قرأت کی موالات ختم ہو جائے گی۔

حنابلہ کے ہاں...... نمازی کو اجازت ہے کہ وہ اپنے امام کو جب وہ قرأت سے رک جائے یا غلط قرأت کرنا چاہے فرض نماز میں ہو یا نفل میں لقمہ دے۔ جب کہ امام کو لقمہ دینا واجب ہے اگر وہ فاتحہ میں رک جائے یا غلط پڑھے کیونکہ نماز کی صحت تو فاتحہ پر موقوف ہے۔ اسی طرح سجدہ وغیرہ یا کوئی اور رکن بھول جائے تو اس پر متنبہ کرنا بھی واجب ہے۔ اگر کوئی نمازی سورت فاتحہ پوری کرنے سے عاجز ہو گیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دوران نماز کوئی قیام سے عاجز آ جائے لہٰذا جتنی قدرت ہے اتنی پڑھے اور جتنی سے عاجز ہے وہ ساقط ہو جائے گی اور اس کا اعادہ بھی نہیں۔

ابن قدامہ نے المغنی میں فرمایا: صحیح یہ ہے کہ جب کوئی فاتحہ پڑھنے پر قادر نہ ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ وہ نماز کو قرأت کے ساتھ پڑھنے پر قادر ہے لہٰذا بغیر قرأت اس کی نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ آپ علیہ السلام کا ارشاد عام ہے کہ لاصلاۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب۔ نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو لقمہ دے جو دوسری نماز میں مشغول ہے یا جو نماز میں نہیں کیونکہ یہ چیز اسے اپنی نماز سے ہٹا دے گی لیکن اس کی نماز باطل نہیں ہو گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔

۲۔ کھانا پینا...... بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے اس کی جزئیات کی تفصیل فقہاء کے مذاہب یہ ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... کھانا، پینا تھوڑا ہو یا زیادہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں۔ لیکن اگر کسی کے دانتوں میں چنے کے دانے سے چھوٹا ذرہ رہ گیا اس کو نگل لیا تو نماز باطل نہ ہو گی کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے جیسا کہ روزہ کی حالت میں۔ نیز زیادہ چبانا مثلاً پے درپے تین بار تو یہ مفسد نماز ہے منہ میں موجود مصری یا شکر وغیرہ گھل کر حلق میں جائے اور نگل لے یہ بھی مفسد نماز ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... قصداً کھانا چاہے ایک لقمہ ہو اور پینا اگرچہ کم ہو نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ البتہ تھوڑا کھانا مثلاً دانتوں کے درمیان دانہ تھا کھا لیا تو اس سے نماز باطل نہیں ہو گی جیسے کہ بھول کر کھانے پینے سے باطل نہیں ہوتی اس کے لیے سجدہ سہو کرے۔ اگر کھانا پینا دونوں ہوئے یا ان میں سے ایک اور بھول کر سلام کر لیا تو نماز باطل ہو گی۔

---

❶ ...... المصدر السابق

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... تھوڑا کھانا بھی قصداً کھانے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ نماز اور کھانے میں منافات ہے کیونکہ کھانے سے نماز سے اعراض کا اظہار ہوتا ہے اور تھوڑا کھانا بھول کر یا لاعلمی کی حالت میں ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ زیادہ کھانا نماز کو باطل کر دیتا ہے چاہے بھول کر اور لاعلمی ہی کی حالت میں کیوں نہ ہو اور تھوڑا تھوڑا کر کے بھی کیوں نہ ہو۔

برخلاف روزے کے کہ وہ اس سے باطل نہیں ہوتا۔ کسی چیز کو زیادہ چبانا اگر چہ چبائی ہوئی چیز پیٹ میں نہ بھی پہنچے تو نماز باطل ہوگی۔ منہ میں موجود مصری شکر وغیرہ کا نگل جانا صحیح قول کے مطابق نماز باطل کر دیتا ہے کیونکہ یہ نماز کے منافی ہے۔ البتہ تھوک کے ساتھ دانتوں کے درمیان موجود کھانے کا پیٹ میں پہنچنا جب کے اس میں فرق اور علیحدگی نہ کی جاسکتی ہو تو نماز باطل نہیں ہوتی۔

۳۔ پے درپے عمل کثیر کرنا...... اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لگاتار عمل کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے اگر چہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حنفیہ کے ہاں...... عمل کثیر جب کہ وہ عمل نماز کی جنس سے نہ ہو یا نماز کی اصلاح کی غرض سے نہ ہو تو مفسد نماز ہے جیسے رکوع اور سجدے زیادہ کرنا یا جو بے وضو ہو جائے اس کا وضو کے علاوہ چلنا۔ اور نماز فاسد نہیں ہوگی تکبیرات زوائد میں ہاتھ اٹھانے سے البتہ مکروہ ہے۔ اور عمل کثیر: وہ عمل جس کو دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں تو یہ عمل کثیر ہے ورنہ قلیل۔

مالکیہ کے ہاں...... عمل کثیر سے نماز باطل ہو جائے گی چاہے قصداً ہو بھول کر مثلاً جسم کو خارش کرنا، داڑھی سے کھیلنا، چادر کو کندھے پر رکھنا، گذرنے والے کو روکنا اور ہاتھ سے اشارہ کرنا۔ اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی مثلاً صرف اشارہ یا چہرے کی کھال کو خارش کرنا وغیرہ اور جو عمل کثیر و قلیل کے درمیان ہے اگر قصداً ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی جیسے نماز سے پھرنا اور اگر بھول کر ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... عمل کثیر چاہے قصداً ہو یا بھول کر نماز باطل ہو جاتی ہے نہ کہ قلیل سے۔ اور کثرت کی پہچان عرف وعادت سے کی جائے گی۔ پس دو قدم رکھنا یا دو دفعہ کرنا عمل قلیل ہے اور پے درپے تین دفعہ یہ کام کرنا کثیر ہے اور پے درپے کا مطلب یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا شمار نہ کیا جاسکتا ہو۔

نماز زیادہ اچھلنے کودنے سے بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ نماز کے منافی ہے البتہ آہستہ آہستہ پے درپے حرکات کرنے سے نماز باطل نہیں ہوگی جیسے تسبیح کے لیے انگلیوں کو حرکت یا گرہ لگانا یا خارش وغیرہ کرنا یا زبان کو حرکت دینا یا پلکوں کو یا ہونٹوں کو یا آلہ تناسل کو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی اسی طرح وہ عمل قلیل جو نماز کے اعمال سے نہ ہو اس سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے دروازہ کھولا تھا اور امامہ کو اٹھایا تھا اور واپس رکھا تھا جیسے کہ وہ عمل کثیر جو متفرق ہو اس کی وجہ سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نیز کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی حرکت وغیرہ ہو جائے کہ اس پر صبر نہیں کر سکتا نماز کے وقت میں مثلاً مریض ہے تو اس سے بھی نماز باطل نہ ہوگی۔ بغیر ضرورت کے عمل کثیر متفرق کرنا مکروہ ہے حنابلہ کے ہاں عمل کثیر کی تعیین تین یا کسی بھی عدد سے ثابت نہیں۔

شوافع کے ہاں عمل کثیر عرف میں تین یا اس سے زیادہ افعال کو کہتے ہیں اگر چہ وہ بہت سارے اعضاء سے ہو جیسے سر اور ہاتھ کو حرکت دینا ہاتھ کا جانا اور واپس آنا ایک شمار ہوگا جب کہ درمیان میں ٹھہرے نہ۔ اسی طرح پاؤں کا اٹھانا چاہے جہاں تھا وہاں واپس آئے یا نہ البتہ پاؤں کا جانا اور واپس آنا دو مرتبہ کے حکم میں ہے اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ چھلانگ لگانا عمل کثیر ہے اسی طرح سارے بدن کو حرکت دینا یا زیادہ حصے کو حرکت اگر چہ قدم اپنی جگہ سے نہ بھی ہلیں۔ عمل کثیر سے نماز باطل ہونے کی جگہ یہ ہے کہ عمل کثیر بوجھل عضو سے ہو اگر ہلکے عضو سے ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی جیسے ہاتھ ہلائے بغیر انگلیاں ہلانا تسبیح میں یا گرہ لگانا یا زبان، پلکیں اور ہونٹ یا آلہ تناسل کو حرکت دینا وغیرہ اگر چہ کئی بار ہو کیونکہ اس سے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لہذا عمل قلیل کے لیے یہ اگر کسی کو کسی عمل کے قلیل یا کثیر ہونے میں شک ہو تو صحیح بات یہ ہے

کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اس بات میں فرق کے کلام تھوڑا ہو یا زیادہ نماز باطل ہو جاتی ہے اور کام زیادہ ہو تو نماز باطل ہوتی ہے کم ہو تو نہیں۔ یہ ہے کہ کام سے بچنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا اس میں قلیل مقدار معاف ہے اور کلام قصداً شوافع کے ہاں اور بھول کر ہو تو قلیل بھی نقصان نہیں پہنچاتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنے سے نماز کے باطل ہونے کے دو سبب ہیں۔

۱.....کہ قرآن کریم اٹھانا دیکھنا اور ورق الٹنا عمل کثیر ہے۔

۲.....قرآن سے پڑھنا ایسے ہے جیسے کسی غیر سے پڑھ رہا ہے صاحبین کے ہاں جائز مع الکراہت ہے۔ امام شافعی اور احمد کے ہاں بلاکراہت جائز ہے۔

دوران نماز چلنا.....نماز کے اندر قبلہ جانب اسی طرح چلنا کہ ایک صف کی بقدر چلا پھر ایک کی مقدار ٹھہرا پھر ایک رکن کی مقدار چلا یہ چلنا اگر چہ کثیر ہے لیکن غیر متواتر ہے لہٰذا نماز باطل نہ ہوگی البتہ اس چلنے میں مکان تبدیل نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً مسجد سے نکل جانا یا صحراء میں صفوں سے آگے گذر جانا اس صورت میں نماز باطل ہوگی۔

۴۔ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا.....حنفیہ اور شوافع کے ہاں بغیر عذر کے سینہ کو قبلہ سے پھیرنا۔ اگر عذر کے ساتھ ہو مثلاً وضو کے لیے جانا تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ شوافع کے ہاں عذر میں سے جاہل یا بھول جانے والے کا قبلہ سے انحراف کرنا بھی ہے جب کہ وہ جلدی ہی لوٹ آئیں مالکیہ کے ہاں جب تک نمازی کے قدم نہ قبلہ سے مڑیں اس وقت تک نماز باطل نہ ہوگی اور حنابلہ کے ہاں جب تک نمازی پورے کا پورا قبلہ سے نہ مڑ جائے اس وقت تک نماز باطل نہ ہوگی۔

۵۔ قصداً ستر کھولنا.....قصداً ستر کھولنا یا ستر کا ایک رکن کی مقدار ہوا وغیرہ سے کھل جانا یعنی تین تسبیحات کی مقدار حنفیہ کے ہاں جب کہ اعضاء مستورہ میں سے چوتھائی وضو کھلے۔ اور اگر اسی وقت ڈھانپ لیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں نماز باطل نہ ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں شرمگاہ کا کھل جانا مطلقاً مفسد نماز ہے نہ کے اور اعضاء ستر کا۔ اور ستر عورت میں جانبوں کا اعتبار ہے نیچے کا اعتبار نہیں، اگر کسی کا ستر نیچے کی جانب سے ظاہر ہو جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

۶۔ حدث لاحق ہونا.....دوران نماز طہارت کا باقی نہ رہنا اگر چہ فاقد الطہورین ہی کو ہو قصداً ہو یا بھول کر اور دائم الحدث کو اس کے علاوہ حدث لاحق ہونا البتہ اگر طہارت ختم ہونے کا صرف شک ہو تو پھر نماز جاری رکھے اور حدث میں سے ہے سو جانا اس طرح کہ مقعد زمین پر نہ ہو حنفیہ کے ہاں وہ حدث مفسد نماز ہے جو قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد یا پہلے قصداً لاحق کیا جائے اگر کسی کو حدث لاحق ہو گیا سلام سے پہلے قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بعد تو نماز درست ہوگی اگر دوران نماز بغیر ارادہ کے حدث لاحق ہو جائے تو وضو کر کے بناء کر لے اسی نماز پر مثلاً بدن سے پیشاب، پاخانہ ہوا (ریح) نکسیر یا کسی زخم سے خون بہہ نکلا یا پھوڑے وغیرہ سے۔

۷۔ ایسی نجاست جو معاف نہیں کا بدن، کپڑے یا جگہ پر ہونا.....اگر کسی کا بدن یا کپڑے نجس ہو گئے یا ایسی چیز پر سجدہ کیا جو نجس تھی یا منہ ناک اور کان وغیرہ سے نجاست نکل کر بہہ گئی تو نماز باطل ہو جائے گی البتہ اگر نجاست اتنی ہے جو معاف ہے یا کپڑے وغیرہ پر خشک نجاست لگی اور اس کو گرا دیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

۸۔ قہقہہ لگانا.....یعنی ہنسنا آواز سے جمہور کے ہاں نماز کو فاسد کر دیتا ہے جب کہ اس سے دو یا زیادہ حروف پیدا ہو جائیں یا ایک بامعنی حرف اس میں فساد کلام کے اعتبار سے ہے۔

حنفیہ نے ضحک اور قہقہہ میں فرق کیا ہے بایں طور کہ ضحک وہ ہنسنا ہے جسے صرف نمازی کے ساتھ والا نہ سن سکے اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے صرف نماز فاسد ہوتی ہے اور وضو نہیں ٹوٹتا۔

اور قہقہہ وہ ہنسنا ہے جسے نمازی اور اس کے ساتھ والا بھی سن لے اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نماز اور وضو دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔ اور تبسم (مسکرانا) جس میں آواز نہ ہو اس سے کچھ بھی فاسد نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی دلیل حدیث ہے کہ جو تم میں سے قہقہہ مار کر ہنسے تو وہ نماز اور وضو دونوں لوٹائے۔ حنفیہ کے ہاں جس طرح قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے قصداً حدث لاحق کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح قہقہہ سے بھی فاسد ہو جاتی ہے اور اگر اس کے بعد ہو تو صرف وضو ٹوٹتا ہے اور باقی نماز مکمل ہوتی ہے البتہ جس جزو میں قہقہہ مارا ہے وہ فاسد ہوتا ہے۔

جیسا کہ اسی طرح مسبوق کی نماز میں سے فاسد ہوتی ہے لہٰذا فوت شدہ کی بناء کرنا صحیح نہیں ہے اس پر کیونکہ جس جزو میں قہقہہ پایا گیا اس نے مقتدیوں کی نماز کے درمیان سے نماز فاسد کی اور جب ایک جزء فاسد ہو گیا تو مسبوقین کی نماز فاسد ہو گئی۔

۹۔ نمازی کا مرتد ہو جانا یا مر جانا یا جنون اور بے ہوش ہو جانا بھی مفسد نماز ہے۔

۱۰۔ نیت تبدیل کرنا...... نیت تبدیل کرنے سے یا نیت میں شک سے یا نیت باطل کرنے کے عزم سے یا نماز سے نکلنے کی نیت کرنا یا نماز جو پڑھ لی اس کو باطل کرنے کی نیت کرنا یا نیت کرنے نہ کرنے میں شک کرنا اور اسی شک پر عمل کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ یہ متفق علیہ ہے۔ حنفیہ کے ہاں دوران نماز ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہونا بھی نماز کو باطل کر دیتا ہے جیسے کسی نے ایک رکعت ظہر کی پڑھی پھر تکبیر کہہ کر عصر یا نفل کی نماز شروع کر دی تو اس نے ظہر کو ختم کر دیا کیونکہ دوسری نماز شروع کرنا صحیح ہے لہٰذا وہ اس سے نکل گیا۔ اگر کوئی تنہا فرض پڑھ رہا تھا پھر اس نے امام کی اقتداء میں پڑھنے کی نیت سے تکبیر کہی یا عورتوں کی امامت کی نیت سے تکبیر کہی تو اس کی پہلی نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری نماز شروع۔ اسی طرح اگر کسی نے نفل یا واجب یا نماز جنازہ شروع کیا دوسرا جنازہ لایا گیا اور اس نے دونوں کی نیت سے تکبیر کہی یا کسی دوسری نماز کی نیت سے تکبیر کہی تو اس کی پہلی پڑھی ہوئی نماز باطل ہو جائے گی اور یہ دوسری نماز پڑھنے والا ہو جائے گا۔

اگر کسی نے ظہر کی نماز شروع کی ایک رکعت یا اس سے کم زیادہ پڑھنے کے بعد نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت سے تکبیر کہی تو جو نماز اس نے ادا کی ہے وہ فاسد نہ ہو گی اور پڑھی ہوئی رکعت شمار ہو گی، کیونکہ دوبارہ شروع کرنے کی نیت درست نہیں کیونکہ اس نے بعینہ اس نماز کی نیت کی ہے جس کو پڑھ رہا ہے پس نیت کرنا لغو ہو گا۔ ہاں اگر عورتوں کی امامت کی نیت سے تکبیر کہی یا امام کی اقتداء کی نیت کی یا مقتدی تھا تنہا نماز پڑھنے کی نیت کی تو ان صورتوں میں گزشتہ نماز باطل ہو جائے گی اور نئی نماز شروع کرنے والا شمار ہو گا۔

اگر کسی نے نئی نیت کو زبان سے ادا کیا تو ہر صورت میں نئے سرے سے شروع کرنے والا شمار ہو گا چاہے کسی دوسری نماز کی طرف منتقل ہوا ہو یا اسی نماز میں جسے پڑھ رہا ہے کیونکہ زبان نیت کی ادائیگی کلام ہے جو پہلی نماز فاسد کر دیتا ہے لہٰذا نماز کا شروع کرنا صحیح ہو گا۔

خلاصہ...... جب نمازی نئی نماز شروع کرنے کی لیے تکبیر کہے تو دیکھا جائے گا کہ دوسری نیت اگر اسی نماز کی ہے جس کو پڑھ رہا ہے ہر اعتبار سے تو نماز باطل نہ ہو گی جو پڑھ چکا ہو شمار ہو گی ہاں! اگر اس نے زبان سے نیت کی یا امام کی اقتداء کی نیت کی یا عورتوں کی جماعت کی نیت کی تو نماز باطل ہو گی اور اگر دوسری نیت پہلی نماز سے مختلف ہے تو نماز باطل ہو جائے گی اور نئے سرے سے شروع کرے گا چاہے دل سے نیت کی ہو یا زبان سے۔ شوافع فرض نماز سے نفل نماز کی طرف منتقل ہونے کی اجازت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ پہلی نماز باطل ہو عنقریب اس کو ہم بیان کریں گے۔

۱۱۔ قرأت میں غلطی یا قاری کی لغزشیں...... قاری کی لغزشوں کے بارے میں حنفیہ کی دو رائے ہیں۔

ا۔ مقتدمین کی رائے اس میں شوافع بھی ان کے ساتھ ہیں اور یہ احوط ہے۔ متاخرین کی رائے یہ آسان ہے۔

مقتدمین کی رائے کا خلاصہ..... ہر وہ لفظ جس سے معنی ایسا تبدیل ہو کہ اس کا اعتقاد کفر ہو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور ہر غلطی سے جس سے تغیر فحش ہو جائے اور قرآن میں اس کا مثل نہ ہو جیسے **هٰذَا الغُراب** (المائدہ: ۵/۳۱) کی جگہ **هذا الغبار** پڑھ دیا یا ہر وہ غلطی کہ اس کا مثل نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معنی ہے جیسے **السَّرائرُ** (الطارق ۸۶/۹) کی جگہ **السرائل** پڑھ دیا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے ہاں نماز ایسی غلطی سے بھی فاسد ہو جائے گی جس کا مثل قرآن کریم میں ہو لیکن معنی بعید ہو اگرچہ تغیر فاحش نہ بھی ہو اور امام ابو یوسف کے ہاں فاسد نہ ہوگی عموم بلوی کی وجہ سے۔

اور اگر اس کا مثل قرآن میں نہیں اور معنی بھی تبدیل نہیں ہوتا ہے جیسے **قوّامین** (النساء: ۴/۱۳۵) کی جگہ **قیامین** پڑھنا تو اس سے طرفین کے ہاں نماز فاسد نہ ہوگی امام ابو یوسفؒ کے ہاں فاسد ہو جائے گی۔

متأخرین کی رائے..... اگر غلطی صرف اعراب میں ہے تو نماز مطلقاً فاسد نہ ہوگی اگرچہ اس کا اعتقاد کفر ہی ہو کیونکہ عوام الناس میں سے اکثر وجوہ اعراب کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے۔

اور اگر ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا اور ان میں فرق کرنا آسان ہے اور فرق نہیں کیا جیسے صاد کا طاء کے ساتھ الصالحات کی جگہ الطالحات پڑھ دیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر فرق کرنا مشکل ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی جیسے صاد اور سین میں فرق **الصراط** کی جگہ **السراط** پڑھ دیا۔

تشدید کی جگہ تخفیف اور تخفیف کی جگہ تشدید کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جیسے **افعیینا** کو تشدید سے پڑھنا اور **اھدنا الصراط** میں لام کا اظہار کرنا جیسے ایک حرف یا زیادہ کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسے **الصراط الذین** پڑھنا یا ایک کلمے کے ایک حرف کو دوسرے کلمے کے حرف سے ملا دینا جیسے "**ایاك نعبد**" کو **ایا کنعبد** پڑھنا یا بے موقع وقف وابتداء کرنا اگرچہ معنی بدل جائیں تب بھی نماز فاسد نہ ہو گی۔ لیکن **رب العالمین** اور **ایاك نعبد** میں تشدید نہ کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ کوئی کلمہ زیادہ کرنا یا کوئی کلمہ کم کرنا یا حرف کم کرنا یا حرف کی تقدیم وتاخیر کرنا اگر معنی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسے "**من ثمرہ اذا أثمر واستحصد**" اور **تعال جد ربنا** اور **انفجرت** کی جگہ **انفرجت** اور **اواب** کی جگہ **ایاب** پڑھنا اور اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر کسی حرف یا کلمے کا تکرار کیا اگر یہ معنی تبدیل بھی ہو جائیں تب بھی نماز فاسد نہیں ہوئی جیسے **رب رب العالمین** پڑھنا۔

اگر ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ پڑھنا اور معنی تبدیل ہو گیا تو نماز فاسد ہو جاتے گی جیسے **ان الفجار لفی جنات یالعنۃ اللہ علی کر الموحدین** یا نسب تبدیل کر دیا جیسے عیسیٰ بن لقمان پڑھا بر خلاف موسیٰ بن لقمان کے (کہ اس سے فاسد نہ ہوگی) مریم بنت غیلان وغیرہ اور اگر معنی تبدیل نہ ہو جیسے الکریم کی جگہ الرحمٰن پڑھنا تو نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوئی۔

حنابلہ کہتے ہیں اگر فاتحہ کے علاوہ قرأت میں غلطی کر دی تو نماز صحیح ہوگی اور اس کو مکمل کرنا بھی صحیح ہے لیکن اگر قصداً ایسا کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر فاتحہ میں معنی تبدیل ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی مطلقاً۔

۱۲۔ کسی رکن کو بغیر قضاء کیے چھوڑنا یا کسی شرط کو بلا عذر چھوڑنا..... پہلے کی مثال کسی رکعت کا ایک سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو ادا کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا دوسرے کی مثال بغیر عذر اعضاء مستورہ کو نہ ڈھانپا ہاں اگر عذر ہو مثلاً کپڑا ہی نہیں یا ہے نجس ہے پاک کرنے کی کوئی چیز نہیں یا استقبال قبلہ پر قدرت نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۳۔ مقتدی کا امام سے پہلے کوئی رکن ادا کرنا اور اس میں امام کے ساتھ شریک نہ ہونا..... جیسے رکوع کیا اور امام کے

رکوع میں جانے سے پہلے رکوع سے سر اٹھالیا اگر یہ بھول کر ہے تو امام کی طرف لوٹ آئے تو نماز باطل نہ ہوگی لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ یا اس کے بعد اس کو نہ دھرایا تو نماز باطل ہو جائے گی اگر امام کے ساتھ یا اس کے بعد اس کو دھرالیا اور امام کے ساتھ سلام پھیریں تو نماز باطل نہ ہوگی۔

شوافع کے ہاں جب تک دو رکن فعلی بلا عذر امام سے پہلے نہ کرے تو نماز باطل نہیں ہوتی یا اس سے پیچھے رہ جائے عمداً بغیر عذر جیسے آہستہ قرأت کرنا تب بھی نماز باطل نہ ہوگی۔

عورت کی محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہونے کی شرائط:

۱۴۔ نماز میں عورت کا مرد کے محاذات میں ہونا بایں طور کہ دونوں کے درمیان اتنی جگہ خالی نہ ہو جس میں ایک نمازی کھڑا ہو سکے یا درمیان میں کچھ حائل نہ ہو چاہے وہ عورت محرم ہو یا غیر محرم بہن بیٹی یا بیوی وغیرہ حنفیہ کے ہاں درج ذیل شرائط سے محاذات متحقق ہوتی ہے۔

۱..... عورت (کا قدم) پنڈلی اور ٹخنے (مرد کے کسی بھی عضو) کے برابر ہوں۔

۲..... دونوں تحریمہ اور ادا کی رو سے نماز میں مشترک ہوں اور امام نے اس عورت کی یا مطلق عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو نیز عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو، پس اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت ہی نہیں کی (تو عورت کی محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی) کیونکہ عورت کی نماز شروع ہی نہیں ہوگی یا اگر اشارہ کر دیا اور وہ پیچھے نہ ہٹی تو اس کی اپنی نماز فاسد ہوگی نہ کہ مرد کی۔

۳..... دونوں ایک ہی جگہ پر ہوں اور درمیان میں کچھ (ستون، دیوار، پردہ وغیرہ) حائل نہ ہو۔

۴..... وہ عورت ایسی ہو جو شہوت کی حد کو پہنچ گئی ہو۔ امام محمد کے ہاں پورے رکن میں محاذات برابر رہی ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں رکن کی مقدار یعنی تین تسبیحات کی مقدار محاذات رہی ہو۔

۱۵۔ تیمم کر کے نماز پڑھنے والا دوران نماز پانی پالے اور اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں صرف پانی دیکھنے ہی سے نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ حنفیہ کے ہاں جب قعدۂ اخیر میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے دیکھے تو باطل ہوگی ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد اس کی نماز پوری ہوگئی۔ جبکہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں صرف پانی دیکھنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں مالکیہ کے نزدیک پانی موجود تھا اسے بھول گیا پھر یاد آ گیا تو اس صورت میں اگر پانی کے استعمال کے بعد بھی ایک رکعت پڑھ سکنے کی مقدار ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

۱۶۔ ستر کے لیے کپڑا مل جانا..... جب ننگا نماز پڑھنے والا دوران نماز ستر کے ڈھانپنے کے لیے کپڑا پالے اور اس کو پہننے کے لیے عمل کثیر کی ضرورت ہو تو نماز باطل ہو جائے گی البتہ مالکیہ کے ہاں اگر کپڑا دو صفوں کی مقدار دور ہو جس صف میں کھڑا ہے اسے چھوڑ کر تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ نماز مکمل کرے اور پھر وقت کے اندر اندر اس کو دہرا لے۔

۱۷۔ نماز مکمل ہونے سے پہلے قصداً سلام پھیرنا..... اگر بھول کر سلام پھیرے تو نماز باطل نہیں ہوگی بشرطیکہ عمل کثیر نہ کیا ہو اور نہ ہی زیادہ بات چیت کی ہو۔ اس اختلاف کے مطابق جو سلام کے بحث میں گزر چکا ہے۔

۱۸۔ بارہ مسائل جن میں امام صاحب کے ہاں نماز باطل اور صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں درست ہوتی ہے:

درج ذیل بارہ مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نماز فاسد ہو جاتی ہے:

متیمم کا پانی دیکھ لینا، موزوں پر مسح کی مدت کا ختم ہو جانا، کسی ان پڑھ کا کسی قاری سے ایک آیت سیکھ لینا، ننگے کا کپڑا پالینا، رکوع وسجود کی

قدرت ہوجانا اشارہ سے نماز پڑھنے والے، کو صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آنا، ایسے شخص کو خلیفہ بنانا جو امام بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو مثلاً عورت کو، نماز فجر میں سورج طلوع ہوجانا، عیدین کی نماز میں زوال کا وقت ہوجانا جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت ہوجانا، زخم ٹھیک ہو کر پٹی کا گر جانا، معذور کا عذر ختم ہوجانا (ان سب صورتوں میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد بھی نماز فاسد ہوجائے گی)۔

دلیل یہ ہے کہ یہ مذکورہ چیزیں فرض کو تبدیل کرنے والی ہیں چاہے شروع نماز میں پیش آئیں یا آخر میں صاحبین کے ہاں اگر مذکورہ مسائل قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پیش آئیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ ''جب تم نے یہ کہہ دیا یا یہ کام کر دیا تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی''۔ پس یہ قعود کے ساتھ نماز کے مکمل ہونے پر صریح دلیل ہے لہٰذا اس کے بعد کوئی چیز فرض نہیں ہوگی اور کسی چیز کو فرض قرار دینا اس نص پر زیادتی ہے۔ اور یہ اشیاء اگر چہ مفسد نماز تو ہیں لیکن تمام ارکان وفرائض کے مکمل ہونے کے بعد پیش آتے ہیں لہٰذا نماز فاسد نہ ہوگی۔

مزید مفسدات نماز...... یہاں کچھ اور نادر الوقوع مفسدات بھی ہیں جو مذاہب کے بیان میں آرہے ہیں۔

۲۔ ہر مذہب کے مطابق علیحدہ علیحدہ مفسدات نماز:

حنفیہ کے ہاں...... اڑسٹھ وجوہ سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

کلام یعنی بات کرنا خواہ بھول کر ہو یا قصداً، ایسی دعا مانگنا جو بندوں سے مانگنا ممکن ہو مثلاً اللّٰھم ارزقنی فلانۃ یا البسنی ثوبا سلام کرنے کی نیت سے سلام کرنا اگر چہ بھول کر ہی ہو، زبان سے سلام کا جواب دینا یا مصافحہ کرنا عمل کثیر کرنا، قبلے کی طرف سے سینہ پھیرنا باہر سے کوئی چیز کھانا اگر چہ کم ہی ہو یا منہ میں لگی ہوئی کوئی چیز چنے کے برابر کھانا، پانی پینا، اگر گوند چبایا دوران نماز تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ دیکھنے والا اس کو نماز میں مشغول شمار نہیں کرتا، بلا عذر کھانسنا۔

اُف کہنا مثلاً مٹی جھاڑنے کے لیے یا پریشانی کی وجہ سے کراہنا، آہ کہنا کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے رونا نہ کہ جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے چھینک کا جواب دینا یعنی زبان سے یرحمك اللہ کہنا، اللہ تعالیٰ کے شریک یا مثل کے سوال پر لاالہ الا اللہ سے جواب دینا کسی بری خبر پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا کسی خوشی کی خبر پر ''الحمد للہ'' کہنا، تعجب کی خبر پر ''لاالہ الا اللہ'' یا ''سبحان اللہ'' اور ہر ایسی بات جس سے جواب کا ارادہ ہو مثلاً کوئی کتاب مانگ رہا ہے تو کہنا یا یحیٰی خذ الکتاب وغیرہ کوئی چیز لانے والے کو آتنا غداء نا کہنا جو شخص کچھ لینے کی اجازت مانگ رہا ہو اسے تلك حدود اللہ فلا تقربوھا کہنا، اگر ان مذکورہ الفاظ سے جواب دینا مقصود نہ ہو بلکہ اپنے متعلق نماز میں ہونے کی خبر دینا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، قعدۂ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے تیمم سے نماز پڑھنے والے کا پانی دیکھ لینا موزوں پر مسح کی مدت ختم ہوجانا، موزہ اتار دینا، ان پڑھ کا ایک آیت سیکھ لینا، جب کہ مقتدی نہ ہو اشارہ سے نماز پڑھنے والے کا رکوع وسجود پر قادر ہونا، صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آنا جب کہ وقت بھی ہو، جو امامت کے لائق نہ ہو اسے خلیفہ بنانا، ننگے کا ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا پالینا، فجر میں سورج طلوع ہونا، عیدین میں زوال کا وقت ہوجانا جمعہ میں عصر کا وقت ہوجانا زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر جانا، معذور کا عذر زائل ہوجانا، ان بارہ مسائل کا قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے پیش آنا قصداً حدث لاحق کرنا یا کسی اور وجہ سے جیسے پھل گرنے سے خون کا نکل آنا، بے ہوش ہونا، مجنون ہوجانا، دیکھنے سے جنابت ہونا، سہارہ لے کر سونے والے کو احتلام ہونا شہوت کی حد کو پہنچی ہوئی عورت کا مرد کے محاذات میں پنڈلی اور ٹخنے برابر ہونا اگر چہ اس کی محرم ہو یا بیوی ہو یا کھوسٹ بوڑھی ہو، ایک رکن کی مقدار امام محمد کے نزدیک اور مقدار رکن امام ابو یوسف کے نزدیک رکوع وسجود والی نماز میں۔ نماز جنازہ باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں سجدہ نہیں۔ مرد کے ساتھ تحریمہ میں شریک ہو یعنی دونوں،

ایک ہی امام کے مقتدی ہوں یا عورت نے اس مرد کے محاذی میں اس کی اقتداء کی ہو ایک ہی جگہ بغیر حائل کے جو ایک ہاتھ ہو یا جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہو اور مرد نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو اگر اشارہ کیا لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹی تو اس صورت میں عورت کی نماز فاسد ہوگی مرد کی نہیں مرد آگے بڑھنے کا مکلف نہیں کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور امام نے اس کی امامت کی نیت بھی کی ہو اگر نیت نہیں کی تو عورت کی نماز نہیں ہوگی تو محاذات متحقق نہ ہوگی یہ نو شرطیں ہیں جن کو پہلے ہم نے مختصراً پانچ کی شکل میں بیان کیا تھا۔

جسے حدث لاحق ہوا ہے اس کا ستر ظاہر ہونا ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر چہ وہ اس طرح کرنے پر مجبور ہی ہو جیسے عورت کا وضو کرنے کے لیے اپنے بازو کھولنا یا مرد کا ستر حدث لاحق ہونے کے بعد کھلنا صحیح قول کے مطابق جسے حدث لاحق ہوا ہے اس کا وضوء کی طرف جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے قرأت کرنا کیونکہ حدث کے ساتھ اس نے ایک رکن ادا کیا حدث لاحق ہونے کے بعد بلا عذر بیداری کی حالت میں ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار ٹھہرنا اگر ہجوم یا نکسیر ختم کرنے کے لیے رکا تو نماز فاسد نہ ہوگی قریب والا پانی چھوڑ کر دور والے پانی کی طرف جانا حدث لاحق ہونے کے گمان پر نمازی کا مسجد سے باہر نکل جانا، کیونکہ بلا عذر منافی نماز چیز پائی گئی لیکن اگر مسجد سے نہیں نکلا تو نماز فاسد نہ ہوگی نماز کی جگہ سے اس خیال سے ہٹنا کہ وضو نہیں یا مسح کی مدت ختم ہوگئی یا فوت شدہ نماز بقایا ہے یا نجاست ہے اگر چہ مسجد سے نہ بھی نکلے جب بھی نماز فاسد ہے بلا ضرورت اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینا البتہ امام کو لقمہ دینا جائز ہے اگر چہ وہ فرض مقدار قرأت کر بھی چکا ہو نمازی کا کسی دوسرے کے لقمہ کو لینا یا نماز میں کسی باہر والے کی بات ماننا کسی دوسری نماز کی نیت سے تکبیر کہنا جیسے منفرد امام کی اقتداء کی نیت کرلے یا مقتدی اکیلے نماز پڑھنے کی نیت کرے یا تکبیر کے ذریعے ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف یا فرض سے نفل کی طرف یا اس کے برعکس کرے اور یہ سب کچھ قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے ہو ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ قعود کے بعد سلام سے پہلے نما کے منافی کچھ کرنے سے نماز صحیح ہوتی ہے مختار یہی ہے کیونکہ خروج بفعل المصلی واجب ہے صحیح قول کے مطابق (اور وہ پایا گیا) تکبیر کے ہمزہ کو مد کرے جو یاد نہیں وہ قرآن سے دیکھ کر پڑھنا کسی دوسرے کو قرأت بتانا ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار یا ایک رکن مثلاً رکوع ادا کرنا ستر کھلنے کی حالت میں یا اتنی نجاست کے ساتھ جو نماز سے مانع ہو مقتدی کا اپنے امام سے پہلے کسی رکن کو کر لینا اور پھر اس میں اس کا شریک نہ ہونا مسبوق کا سجدہ سہو میں اپنے امام کی پیروی اس وقت کرنا جب کہ وہ امام سے الگ ہو چکا ہو یعنی جب کہ وہ اپنی مسبوقانہ نماز کی رکعت کا سجدہ کر چکا ہو اس وقت امام کو سجدہ سہو یاد آیا ہو اور مسبوق اس وقت امام کی متابعت کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے اس حالت میں اقتدی کی جبکہ وہ منفرد ہو چکا تھا سجدہ نماز یا سجدہ تلاوت بھولنے پہ جب قعدہ اخیرہ کے بعد یاد آنے پر ادا کیا اور قعدہ اخیرہ کا اعادہ نہ کیا، جس پورے رکن کو نیند کی حالت میں ادا کیا جاگنے پر اس کو دوبارہ نہ کرنا، مسبوق کے امام کا قہقہہ مار کر ہنسنا یا قصداً حدث لاحق کرنا جب کہ یہ قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد ہو تو اس امام کی اور مدرک کی نماز پوری ہو جائے گی اور مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ تمام ارکان مکمل ہونے سے پہلے مفسد نماز پایا گیا لیکن اگر مسبوق امام کے سلام سے پہلے کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو پھر اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ منفرد ہو گیا تین یا چار رکعت والی نماز میں اس خیال سے کہ مسافر ہے یا کوئی اور نماز پڑھ رہا ہے دو رکعتوں پر سلام پھیر دینا مثلاً ظہر پڑھ رہا تھا خیال ہوا کہ جمعہ پڑھ رہا ہے یا تراویح یا تازہ تازہ اسلام قبول کیا ہوا ہے اور فرض دو رکعتیں ہی پڑھتا ہے مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا اگر برابر ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی، قرأت میں غلطی کرنا اور قاری کی لغزش و غلطی یعنی آیت میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی تبدیل ہو جائے جیسے **فما لهم لايومنون** کو **فما لهم يومنون** پڑھنا اگر معنی تبدیل نہ ہو مثلاً "**وجزاء وسيئة مثلها**" پڑھنا اور دوسرا سیئۃ چھوڑ دینا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھنا اور سمجھنا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ کلام نہیں اسی طرح چنے کے برابر دانتوں میں موجود چیز کھانے سے بھی فاسد نہیں ہوتی کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے، نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی چاہے گھر میں بڑی مسجد چھوٹی مسجد میدان یا نمازی کی جگہ کے نیچے سے گذرے چاہیے گذرنے والا کتا یا عورت ہی ہو اسی طرح چاہے سجدے کی جگہ ہی سے کوئی گذرے نماز

فاسد نہیں ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں..... تین چیزوں سے نماز فاسد ہوتی ہے جو درج ذیل ہیں:

نیت توڑنا رکن یا شرط قصداً چھوڑنا، کسی رکن کو بھول کر چھوڑنا، اتنی دیر کہ چھوڑنا طویل ہو اور سلام پھیر دینا، کسی فعل رکن کو قصداً زیادہ کرنا جیسے رکوع سجدہ برخلاف رکن قولی کے جیسے قرأت پہلی یا تیسری رکعت کے بعد قصداً تشہد زیادہ کرنا قہقہہ مار کر ہنسنا چاہے قصداً ہو یا بھول کر۔ قصداً کھانا اگرچہ ایک لقمہ ہی ہو یا پینا اگر یہ کم ہی ہو کلام قصداً کرنا جو کہ نماز کی اصلاح کے لیے نہ ہو اگر نماز کی اصلاح کے لیے ہے اور قلیل ہے تو نماز باطل نہ ہوگی اگر زیادہ ہے تو باطل ہو جائے گی قصداً آواز نکالنا مثلاً کوے کی آواز قصداً منہ سے پھونک مارنا قصداً قی کرنا اگرچہ کم ہی ہو نماز مکمل ہونے کے شک میں قصداً سلام پھیرنا کسی ناقص وضو کا پیش آجانا یا یاد آجانا شرم گاہ کا کھل جانا نجاست پڑنا یا یاد آنا دوران نماز اپنے کے علاوہ کو لقمہ دینا ایسا عمل کثیر جو نماز کی جنس سے نہیں قصداً یا بھول کر کرنا جیسے جسم کو کھجلی کرنا، داڑھی سے کھیلنا، مونڈھے پر چادر رکھنا، کسی سامنے سے گزرنے والے کو زبردستی روکنا یا ہاتھ کے اشارہ سے روکنا اگر عمل قلیل ہے تو نماز باطل نہ ہوگی۔

کسی ایسی چیز کا پیش آنا جو فرض تمام کرنے سے روکنے والی ہو مثلاً پیشاب روکنا یا زیادہ غم لاحق ہونا یا متلی آنا یا منہ میں کچھ رکھنا دو اکٹھی نمازیں کسی دوسری نماز میں یاد آنا جیسے ظہر عصر کہ جب عصر پڑھ رہا ہو تو یاد آئے کہ ظہر نہیں پڑھی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ ان میں ترتیب واجب ہے چار رکعات پر اضافہ کرنا چار رکعات والی نماز میں بھول کر اگرچہ سفر ہی میں ہو یا تین رکعات والی پر اضافہ کرنا اور دو رکعت والی پر دو رکعتیں زیادہ کرنا جیسے صبح اور جمعہ کی نماز یا وتر پر زیادتی کرنا یا عیدین استسقاء کسوف وغیرہ پر زیادتی کرنا مسبوق کا سجدہ کرنا اس رکعت کا جو اس نے امام کے ساتھ نہیں پائی سجدہ سہو برابر ہے کہ سجدہ سلام سے پہلے کرے یا بعد میں کیونکہ امام کا وہ سجدہ مسبوق کو لازم نہیں کیونکہ حقیقتاً مقتدی نہیں پس اس کا امام کے ساتھ سجدہ کرنا محض نماز پر زیادتی ہے اگر اس نے امام کے ساتھ ایک رکعات دونوں سجدوں سمیت پائی پھر اس کے ساتھ سجدہ کیا پھر سلام کے بعد جو اس کے ذمہ تھا اس کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو اور بعد والے سجدے کو مؤخر کیا نماز مکمل کرنے کے لیے پس اگر اس کو مقدم کر دیا جو اس کے ذمہ ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ سلام سے پہلے سجدہ ترک سنت خفیفہ ہے جیسے تکبیر تسمیع یا ترک مستحب یا فضیلت جیسے قنوت، تین سنتیں چھوڑ دینا بھول کر اور اس کے لیے سجدہ سہو بھی نہ کرنا یہاں تک کہ سلام پھیر دینا، مرتد ہو جانا، دوران قیام بلا عذر کسی دیوار یا عصاء پر ٹیک لگانا اس طور پر کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو وہ گر جائے قبلہ معلوم نہ ہونا خانہ کعبہ میں یا اس کے اوپر فرض نماز پڑھنا، متیمم کو پانی یاد آنا، مقتدی اور امام کی نیت مختلف ہونا امام کی نماز کا بغیر سجدہ سہو کیے فاسد ہونا۔

شوافع کے ہاں..... مفسدات نماز ستائیس ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱، ۲..... حدث اصغر یا اکبر لاحق ہو اگرچہ بلا قصد ہو بدن، لباس اور جگہ پر اتنی نجاست لگنا جو معاف نہیں ہاں، اگر فوراً اس کو دور کر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۳۔ کلام یعنی بات کرنا قصداً دو حروف پر مشتمل یا ایک بامعنی حرف ہو اگرچہ نماز کی اصلاح ہی کے لیے ہو جیسے اگر امام ایک زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اسے کہا جائے کھڑے مت ہوئیے یا بیٹھ جائیے یا یہ پانچویں رکعت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو یا ذکر دعا ہو تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی جیسے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو ان کو خطاب کر کے الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ کہنے سے نماز باطل نہیں ہوتی البتہ اگر قرآن کریم کو کسی اور مقصد کے لیے پڑھے جیسے کوئی شخص کسی چیز کے لینے کی اجازت طلب کرے تو اسے کہے یایحییٰ خذ الکتاب بقوۃ اس سے اگر قرأت اور سمجھانے کے لیے کہا تو نماز باطل نہ ہوگی ورنہ باطل ہو جائے گی۔ (۱۳)

طرح ذکر اور دعا جو بغیر خطاب کے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق کے لیے ہو تو اس سے بھی نماز باطل نہ ہوگی کسی قربت اور نیکی کے کام کو زبان سے ادا کیا جس میں خطاب وغیرہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق کے لیے جیسے نذر ماننا وغیرہ کیونکہ یہ بھی دعا کی جنس سے ہے تو نماز باطل نہ ہوگی، اسی طرح بلا عذر کافی دیر خاموش رہنے سے نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ نماز کے نظم میں رکاوٹ نہیں اگر امام نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھا اور مقتدی نے کہا استعنا باللہ تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ہاں اگر دعا کا ارادہ کرے تو باطل نہ ہوگی اور اگر کہا صدق اللہ العظیم تو نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ ثناء ہے۔ مفسدات نماز میں سے رونا، کراہنا، ہنسنا، کھانسنا بھی ہیں اگر ان سے دو حروف پیدا ہو جائیں اگر با معنی نہ بھی ہوں اسی طرح ذکر اور دعا اگر اس سے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہو جیسے نمازی کا کسی انسان کو یرحمک اللہ کہنا۔

۴۔ روزہ توڑنے والی اشیاء میں سے کھانا پینا چاہیے تھوڑا ہو یا زیادہ اگر چہ زبردستی ہی ہو اگر اس حالت میں وہ شخص اس کی حرمت کو نہ جانتا ہو تو مفسد نماز نہیں۔

۵..... پے درپے عمل کثیر کرنا جو نماز کی جنس میں سے نہ ہو جیسے تین قدم چلنا ہاتھ کو لانا اور لے جانا تین مرتبہ پورے جسم کو حرکت دینا نماز خوف اور سفر کے نوافل کے علاوہ نمازوں میں چھلانگ لگانا چاہے قصداً ہو یا بھول کر کیونکہ اس بچنا ممکن ہے۔ اور عمل قلیل جیسے تسبیح کے لیے انگلیوں کو حرکت دینا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھ رہے تھے جب سجدہ کرتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیتے اگر کسی کو کھجلی کا مرض ہے تو اس کے اس عمل کثیر سے نماز فاسد نہ ہوگی اسی طرح اگر عمل کثیر پے درپے نہ ہو تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

۶، ۷، ۸..... نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا، مرتد ہو جانا اور جنون لاحق ہونا۔

۹، ۱۰..... نماز خوف کے علاوہ قبلہ سے سینہ پھیرنا، قصداً ستر کھولنا باوجودیکہ ڈھانپنے پر قادر بھی ہے یا زبردستی کھولنا اور پھر اس کو اسی وقت نہ ڈھانپنا لیکن اگر ہوا نے ستر کھول دیا اور اسے ڈھانپ لیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

۱۱..... ننگے بدن نماز پڑھنے والا اگر اپنے سے دور کپڑا پالے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے عمل کثیر کرنا پڑے یا کافی دیر تک ستر کھلا رہا لیکن اگر قریب کپڑا ہو اور عمل کثیر کے بغیر ستر ڈھانپ لیا تو نماز باطل نہ ہوگی ورنہ باطل ہوگی۔

۱۲..... نیت میں شک کے ساتھ ارکان نماز میں سے ایک رکن ادا کیا یا اتنا وقت گذر گیا جس میں ایک رکن ادا ہو سکتا ہے یا شرائط نماز میں شک ہو گیا مثلاً طہارت میں یا اس بات میں شک ہو گیا کہ نیت ظہر کی کی ہے یا عصر کی۔

۱۳..... نیت تبدیل کرنا ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف یعنی فرض سے دوسری کسی نماز کی پس اگر جس نماز میں ہے اسے چھوڑ کر دوسری نماز کی نیت کی قصداً تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر فرض نفل میں تبدیل کر دیا تا کہ جماعت میں شرکت کر سکے مثلاً منفرد تھا دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا تا کہ جماعت سے پڑھے تو نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اگر وقت ہے تو تبدیل کرنا مستحب ہے ورنہ حرام، اگر کسی نے متعین نفل مثلاً چار سنت کے نوافل کو تبدیل کر دیا تو یہ صحیح نہیں کیونکہ نیت کے وقت اس نے انہیں متعین کر دیا تھا، یا وہ جماعت کسی اور نماز کی ہے مثلاً یہ ظہر پڑھ رہا ہے اور جماعت عصر کی شروع ہوئی تو اس صورت میں انہیں تبدیل کرنا جائز نہیں جیسے امام ایسا شخص ہے کہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تو اس میں تبدیل کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اگر چار یا تین رکعت والی نماز کی تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو بھی تبدیل کرنا مستحب نہیں بلکہ مباح ہے جیسے پہلی رکعت میں ہو اگر چہ دو رکعت والی نماز ہو، کیونکہ مطلق نفل میں ایک رکعت پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے۔

۱۴، ۱۵، ۱۶..... نماز مکمل ہونے سے پہلے نماز سے نکلنے کی نیت کرنا یا نماز ختم کرنے کا عزم کرنا اور نماز کے جاری رکھنے یا ختم کرنے میں

شک میں مبتلا ہونا یا نماز کے ختم کرنے کو کسی چیز پر معلق کرنا چاہیے وہ عادۃً محال ہی کیوں نہ ہو جیسے دل میں کہے اگر زید آ گیا تو میں نماز ختم کردوں گا، اگر نماز سے نکلنے کو کسی محال عقلی پر معلق کیا جیسے متضاد کا جمع کرنا تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

۱۷، ۱۸، ۱۹.....ارکان نماز میں سے کسی رکن کو قصداً چھوڑ دینا اگر چہ وہ قولی ہی ہو لیکن اگر کسی رکن کو بھول کر چھوڑ دیا تو نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس کا تدارک کرے کسی رکن فعلی کو قصداً دوبارہ کرنا بطور لہو لعب یا اس کو کسی دوسرے فعلی رکن پر مقدم کرنا کیونکہ یہ صورت نماز کے منافی ہے لیکن اگر کسی قولی رکن کو قصداً دوبارا ادا کیا مثلاً فاتحہ یا تشہد کو دوبار پڑھا یا اسے کسی دوسرے قول رکن پر مقدم کیا یا کسی فعلی رکن کو بھول کر دوبارا ادا کیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

۲۰، ۲۱.....موزے سے پاؤں کا کچھ حصہ ظاہر ہو گیا یا پھٹن پایا گیا یا مسح کی مدت ختم ہوگئی (اس سے بھی فاسد ہوگی) کیونکہ مکمل طہارت باقی نہیں رہی۔

۲۲.....ایسے شخص کی اقتداء کرنا جس کی اقتداء کفر وغیرہ کی وجہ سے صحیح نہیں اگر چہ لاعلمی ہی میں ہو۔

۲۳.....کسی مختصر رکن کو طویل کرنا بایں طور کہ قومہ اتنا لمبا کردے کہ فاتحہ کی بقدر اس میں دعا پڑھے یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اتنا طویل کردے کہ اس کی دعا بقدر تشہد پڑھے البتہ اس سے تمام نمازوں کی آخری رکعت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا فی الجملہ لمبا کرنا ثابت ہے جیسے قنوت نازلہ وغیرہ میں اسی طرح صلاۃ تسبیح میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی مستثنیٰ ہے۔

۲۴.....مقتدی کا دو فعلی رکعتوں میں امام سے آگے بڑھ جانا یا اس سے پیچھے رہ جانا بلا عذر۔

۲۵.....قصداً سلام پہلے پھیر دینا۔

۲۶.....تکبیر تحریمہ کو دوبار نماز شروع کرنے کی نیت سے کہنا۔

۲۷.....یہ جانتے ہوئے کہ تشہد اول میں کھڑے ہونے کے بعد بیٹھنا حرام ہے پھر بھی بیٹھ جانا کیونکہ یہ قصداً مقرر میں اضافہ ہے لیکن اگر بھول کر لوٹ آیا یا اس کی حرمت کا علم نہیں تو نماز باطل نہ ہوئی۔

حنابلہ کے ہاں.....مفسدات نماز تقریباً چھتیس ہیں اور شوافع کے مفسدات کے مشابہ ہیں نواقض وضوء کا پیش آنا نجاست لگنا قبلہ کی جانب پیٹھ ہونا، ستر کا کھلنا ہاں اگر ہوا سے کھلے اور فوراً ڈھانپ لے تو مفسد نماز نہیں ننگے کا دور کپڑا پانا کسی چیز پر سہارا لینا کسی بھی رکن کو چھوڑنا، قصداً واجب چھوڑنا، کسی رکن فعلی کو قصداً زیادہ کرنا، جیسے رکوع قصداً بعض ارکان کو بعض پر مقدم کرنا تشہد اول کی طرف لوٹنا قرأت شروع کرنے کے بعد، نماز مکمل ہونے سے پہلے قصداً سلام پھیرنا مقتدی کا قصداً اپنے امام سے پہلے سلام پھیرنا یا بھول کر پھیرنا پھر دوبارہ نہ لوٹانا، قرأت میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی تبدیل ہو جائے درست پڑھ سکتا انعمت کی تاء پر پیش پڑھنا، نیت توڑنا، نیت توڑنے میں قادر، نیت توڑنے پر عزم اگر چہ بالفعل نہ توڑے نیت میں شک کرنا کہ نیت کی ہے یا نہیں کوئی عمل شک میں کرنا مثلاً رکوع سجدہ وغیرہ تکبیر تحریمہ میں شک خالص سیاہ کتے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا، رکوع سجدے کی تسبیح قومہ اور جلسہ میں کہنا، سجدے کے بعد مغفرت کی دعا کرنا دنیا کی چیزوں کی دعا مثلاً خوبصورت بیوی مانگنا، کلام کرنا چاہے تھوڑا ہی ہو چاہے بھول کر ہو زبردستی ہو یا ہلاکت سے ڈرانے کے لیے ہو خطاب کے طور پر ''ک'' کا استعمال اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کے لیے، قہقہہ مار کر ہنسنا، بلا عذر کھانسنا، ایسی پھونک مارنا جس سے دو حرف پیدا ہو جائیں، اللہ کے خوف کے علاوہ رونا جب کہ دو حرف پیدا ہوں البتہ اگر رونے کا غلبہ ہو تو مفسد نماز نہیں ہونے والے کا کلام بیٹھنے اور کھڑے رہنے والے کلام سے مختلف ہے۔ بلا ضرورت عمل کثیر پے در پے کرنا جو نماز کی جنس میں سے نہ ہو جیسے خوف اور بھاگنا دشمن وغیرہ کی وجہ سے اگر بھول کر اور لاعلمی ہی کی وجہ سے ہو عمل قلیل کو تین دفعہ کی مقدار یا کسی اور تعداد سے شمار نہیں کیا گیا گونگے کا اشارہ اس کے عمل کی طرح ہے کھانا

پینا البتہ اگر بھول کر اور لاعلمی کی حالت میں تھوڑا بہت کھا پی لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی شکر وغیرہ کی مٹھاس نگلنا جو منہ میں موجود ہے اگر کم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جو نماز کے فساد کو جانتا ہو اور پھر وہ کر گذرے تو اس کی تادیب کی جائے گی۔

عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی عمل کثیر جو پے درپے نہ ہو اس سے بھی البتہ بلا ضرورت مکروہ ہے اور اس کی وجہ سے سجدہ سہو مشروع نہیں قصداً منہ میں موجود ذرات کو بلا چبائے نگلنا قصداً تھوڑا پینے سے نفل فاسد نہیں ہوتے کسی چیز کو زیادہ نہ دیکھنا مثلاً کتاب کو، یا دل میں پڑھنا اسی طرح دل کے عمل سے فاسد نہیں ہوتی وسوسہ کی وجہ سے بھی فاسد نہیں ہوتی کھانسی چھینک اور جمائی آنا اگرچہ ان سے حروف پیدا ہوں کھڑے کھڑے یا بیٹھے ہوئے سونے والے کا تھوڑا کلام جب کہ نیند بھی تھوڑی ہو۔

حنابلہ کے ہاں قبرستان میں بیت الخلاء حمام اور اونٹوں کے باندھنے کی جگہ نماز باطل ہو جاتی ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زمین ساری کی ساری مسجد ہے سوائے حمام اور قبرستان کے اور حدیث ہے اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ شیطان ہیں۔ منع کرنا حرمت کا تقاضا کرتا ہے نیز ان میں سے بعض جگہیں گندگی وغیرہ والی ہیں۔

۳۔ نماز توڑ دینے کے احکام وعذرات..... نماز کو توڑ دینا کبھی واجب ہوتا ہے کسی ضرورت کی وجہ سے اور کبھی کسی عذر کی وجہ سے جائز ومباح ہوتا ہے۔

کب نماز توڑ دینا واجب ہے..... درج ذیل ضرورتوں کی وجہ سے نماز توڑ دینا واجب ہے۔

۱۔ کسی مصیبت میں مبتلا شخص کے مدد طلب کرنے پر نماز توڑ دینا واجب ہے اگرچہ فرض ہی پڑھ رہا ہو اور چاہے اس نے اس نمازی کو نہ بھی پکارا ہو مثلاً کسی شخص کو دیکھا کہ پانی میں گر گیا یا اس پر کسی جانور نے حملہ کر دیا یا اس پر کوئی ظلم کر رہا ہے اور یہ نمازی اس کی مدد کرنے کی طاقت رکھتا ہے حنفیہ کے ہاں ماں باپ وغیرہ اگر کسی فریاد کے لیے نہیں پکار رہے بلکہ ویسے ہی پکار رہے ہوں تو نماز توڑنا واجب نہیں کیونکہ بلا ضرورت نماز توڑنا جائز نہیں۔

۲۔ جب نمازی کو کسی اندھے کے گر جانے کا خوف ہو یا کسی بچے وغیرہ کے گر جانے کا خوف ہو تو نماز توڑ دینا واجب ہے جیسا کہ نماز توڑ دینا واجب ہے جب آگ کے شعلے بڑھنے کا خوف ہو یا کسی سامان کے جل جانے کا خوف ہو یا بھیڑیے کے بکریوں پر حملہ کرنے کا خوف ہو کیونکہ ان صورتوں میں کسی انسان کی جان یا مال بچایا جا رہا ہے نیز نماز دوبارہ پڑھی جا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں نرمی ہے۔

کب نماز توڑ دینا جائز ہے..... درج ذیل اعذار کی وجہ سے نماز توڑ دینا جائز ہے:

۱..... کسی مال کے چوری ہونے خوف ہو اور اس کی قیمت کم از کم ایک درہم ہو خواہ مال اپنا ہو یا کسی دوسرے کا۔

۲..... ماں کو بچے کا خوف ہونا یا ہنڈیا جل جانے یا روٹی جل جانے کا خوف ہو بچہ جنانے والی دائی کو اگر بچے کی جان کا یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا یا بچے کی ماں کی جان کے نقصان کا خوف ہو تو نماز چھوڑ دینا اور موخر کرنا واجب ہے۔

۳..... مسافر کو اگر چوروں یا ڈاکوؤں کا خطرہ ہو۔

۴..... کسی نقصان دینے والے جانور کو قتل کرنے کے لیے جب عمل کثیر کرنا ضروری ہو۔

۵..... جانور اگر بدک گیا اس کو واپس لانے کے لیے۔

۶..... نماز میں اگر پیشاب یا پاخانہ زور کرے تو نماز توڑ دینا اگرچہ جماعت جاتی رہے۔

۷..... ماں باپ اگر پکاریں اور نفل نماز پڑھ رہا ہے اور انہیں معلوم نہیں کہ نماز میں ہے البتہ فرض نماز کو ضرورت کے علاوہ نہ توڑے اور یہ متفق علیہ ہے۔

آٹھویں فصل......نوافل کے مسائل

تطوع کی تعریف......تطوع کا لغوی معنی ہے اطاعت کرنا اور شرعاً تطوع غیر مفروضہ عبادت کرنے کو کہتے ہیں پس نفل نماز: وہ ہے جو فرض کے علاوہ مکلف آدمی سے پڑھنا مقصود ہیں اور قیامت کے دن کے ذریعے جو فرائض رہ گئے ہوں گے ان کی تکمیل کی جائے گی اور اس سلسلے میں امام احمد نے مسند میں صحیح مرفوع روایت نقل کی ہے۔ (1)

نوافل کا حکم یہ ہے کہ ان کے کرنے پر ثواب ہے نہ کرنے پر عذاب نہیں۔ پھر یہ نوافل یا تو مستقل طور پر ہیں فرائض سے ہٹ کر جیسے عیدین، نماز استقاء، کسوف، خسوف، تراویح وغیرہ۔

حنفیہ کے ہاں نماز عیدین واجب ہے اور حنابلہ کے ہاں نماز عیدین فرض کفایہ ہے۔ یا نوافل فرائض کے تابع میں جیسے نماز سے پہلے اور بعد کی سنتیں۔

نفل کی تحقیق......نوافل، نافلۃ کی جمع ہے لغوی معنی زائد ہے۔ اور شرعی معنی فرض واجب اور سنت کے علاوہ عمل یا نماز (2) شوافع کے ہاں نوافل فرائض کے علاوہ سارے اعمال کو کہتے ہیں اور نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ فرائض سے زائد ہیں (3) نوافل کی مشروعیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے مسلم شریف میں ربیعہ بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگو! میں نے عرض کی جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے علاوہ میں نے کہا بس یہی آپ نے فرمایا تو اس میں اپنے نفس پر زیادہ سجدوں کے ذریعے میری مدد کرو۔ نیز بدنی عبادات میں سب سے افضل نماز ہے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ثابت قدم رہو اور ہر گز شمار مت کرو اور جان لو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور وضو پر مداومت صرف مؤمن ہی کرتا ہے (4) نیز اس میں بہت ساری وہ چیز جمع ہیں جو کسی دوسری عبادت میں نہیں مثلاً طہارت و پاکیزگی قبلہ رخ ہونا قرآن کریم کی تلاوت اللہ تعالیٰ کا ذکر درود شریف وغیرہ اور اس میں وہ تمام چیزیں منع ہیں جو باقی تمام عبادتوں میں منع ہیں اور اس میں بات چیت چلنے اور باقی تمام افعال سے منع کر دیا گیا ہے اور اس کے نوافل افضل نوافل ہیں۔

نوافل کی تقسیم میں فقہاء کے مذاہب میں مختلف اصطلاحات ہیں ہر ایک مذہب کی اصطلاحات کا علیحدہ ذکر کرنا مناسب ہے۔

حنفیہ کے ہاں نوافل......حنفیہ کے ہاں نوافل کی دو قسمیں ہیں نوافل مسنون نوافل مندوب۔ (5)

سنت......وہ سنت مؤکدہ ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت اختیار کی ہو اور ان کو کبھی کبھار ہی چھوڑا ہوتا کہ ان کی عدم فرضیت معلوم ہو، مندوب وہ سنت غیر مؤکدہ جنہیں کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور کبھی چھوڑ دیا۔

ا۔ سنن مؤکدہ: درج ذیل ہیں:

ا......نماز فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں اور یہ بہت مؤکد سنتیں ہیں آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہیں (6) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (نوافل و سنن میں سے) سب سے زیادہ اہتمام فجر کی دو سنتوں کا فرماتے تھے (7) ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر یا سواری پر پڑھنا جائز نہیں اور فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی سنتوں کی قضا نہیں اگر یہ رہ جائیں تو زوال سے پہلے ان کی قضاء کی جائے اور اگر صرف فرض پڑھے تو پھر قضاء نہ

---

(1)...... کشاف القناع ۱/۴۸۱۔ (2) اللباب شرح الکتاب: ۱/۹۱۔ (3) مغنی المحتاج: ۱/۲۱۹۔ (4) رواہ احمد۔ (5) فتح القدیر: ۱/۳۱۴۔ ۳۳۵۔ (6) رواہ مسلم (7) متفق علیہ

کرے اور ان سنتوں کا وقت نماز صبح کا وقت ہے نیز فجر کی سنتوں کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھنا سنت ہے نیز ان کو گھر میں پہلے وقت میں پڑھ لے لیکن اگر ان کو پڑھنے سے پہلے جماعت کھڑی ہوجائے تو اگر دوسری رکعت تک شرکت کی امید ہو تو ان کو پڑھے ورنہ چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہوجائے اور اس کے بعد قضاء نہ کرے فجر کی سنتوں کو بھی صبح خوب روشن ہونے کے بعد پڑھنا افضل ہے۔

۲.....**نماز ظہر اور نماز جمعہ کے فرضوں سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے**.....حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑتے تھے ❶ فجر کی سنتوں کے بعد سب سے زیادہ مؤکدہ یہ سنتیں ہیں اور باقی سب برابر ہیں۔

نوافل میں افضل ترتیب.....مذکورہ مسائل سے واضح ہوگیا کہ فجر کی سنت بالاتفاق سب سے مؤکدہ واہم ہیں پھر نماز ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں پھر باقی ساری برابر ہیں۔

۳.....**نماز ظہر کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں**.....مستحب یہ ہے کہ چار پڑھے اور نماز جمعہ کے فرضوں کے بعد چار رکعتیں ایک سلام سے کیونکہ آپ علیہ السلام کا ظہر کے بارے میں ارشاد ہے جو شخص نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور بعد میں چار رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام قرار دی ہے ❷ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی چار چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ❸

۴.....**مغرب کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں**.....ان میں قرأت لمبی کرنا مسنون ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے عشاء کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں اور ان سنتوں کے مؤکدہ ہونے کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص رات دن میں فرائض کے علاوہ بارہ رکعتیں پڑھے اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بناتے ہیں ❹ مسلم شریف کے الفاظ اس طرح ہیں جو شخص رات اور دن میں بارہ رکعتیں پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ اور ترمذی شریف کی روایت اس طرح ہے۔ جو شخص رات دن میں بارہ رکعتیں پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے چار رکعتیں نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے اور نسائی میں ہے دو رکعتیں عصر سے پہلے اور اس میں عشاء کے بعد کی دو رکعتوں کا ذکر نہیں۔

پہلے کی سنتیں شیطان کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لیے ہیں کہ وہ کہے کہ اس نے جو فرض نہیں وہ نہیں چھوڑے تو فرض کیسے چھوڑے گا؟ اور بعد والی سنتیں نقصان کی تلافی کے لیے ہیں تاکہ آخرت میں یہ ان کے قائم مقام ہوجائیں جو فرائض میں عذر وغیرہ کی وجہ سے رہ گئے ہیں۔

۶۔نماز تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی ہے تراویح کے لیے جماعت سنت ہے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تیسویں پچیسویں اور ستائیس ویں رات کو جماعت سے تراویح پڑھائی پھر جماعت کی پابندی اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ کہیں مسلمانوں پر تراویح فرض نماز کر دی جائے اور آپ آٹھ رکعتیں پڑھاتے رہے اور باقی رکعتیں صحابہ کرام گھروں میں پورا کرتے رہے اور ان کی آواز سنائی دیتی جیسے کھجور کے کیڑے کی آواز زیر زیر آتی ہے۔ تراویح کا وقت رمضان المبارک میں نماز عشاء کے بعد سے نماز فجر تک ہے وتر سے پہلے بھی بعد بھی حنفیہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور حنفیہ کے ہاں نصف کے بعد بھی مکروہ نہیں نیز ان کے ہاں اگر تراویح رہ جائے تو اس کی قضاء نہیں اگر کسی نے قضاء کی تو وہ نفل ہوں گے تراویح نہ ہوگی جیسے مغرب اور عشاء کی سنتیں کیونکہ قضاء تو فرائض

❶.....رواہ البخاری ❷ نیل الاوطار: ۱۶/۳ ـ ❸ نصب الرایہ: ۲۰۶/۲ ـ ❹ المصدر السابق ۱۳۸/۲

واجبات کی خصوصیات میں سے ہے جیسے وتر عیدین وغیرہ۔

تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اگر سارے اہل محلّہ چھوڑ دیں تو گناہ گار ہوں گے اور ہر وہ عبادت جس کے لیے جماعت مشروع ہے تو ان میں مسجد افضل ہے اور جماعت سے رہ جانے والا جب الگ پڑھے تو وہ صرف جماعت کی فضلیت سے محروم ہوگا کیونکہ صحابہ کرام سے علیحدہ پڑھنا ثابت ہے۔

انفرادی بھی تراویح ادا کی جاسکتی ہے لیکن جماعت افضل ہے اور اس میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرنا سنت ہے اور اگر لوگ اکتا جائیں تو پھر جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا پڑھنا چاہیے تاکہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو جیسے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ایک یا دو آیتوں پر اکتفاء کرلینا بھی مکروہ نہیں اگر ترتیل سے پڑھے اور رکوع سجود میں تسبیح وغیرہ اطمینان سے ادا کرے اور ہر تشہد میں دعا تعوذ اور درود شریف نہ چھوڑے۔

رکعات تراویح......تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، دو دو رکعتیں کرکے ادا کی جائیں اور چار رکعات کے بعد ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے اور ہر تراویح دس سلاموں کے ساتھ پوری کرے پھر اس کے بعد وتر ادا کریں رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھے جائیں تو تراویح پر دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس تراویح پر مسجد میں جمع کیا اور تمام صحابہ نے آپ کی موافقت کی اور خلفاء راشدین کے بعد بھی آپ کی کسی نے مخالفت نہیں کی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرا طریقہ اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کا طریقہ لازم پکڑو۔

بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں بیس رکعت بغیر جماعت کے پڑھتے تھے اور وتر۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ان کا اجراء نہیں کیا اور نہ ہی وہ ان کے اجراء میں بدعتی ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان کا حکم دیا سوائے اس اصل کے جو ان کے پاس تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد بعض اہل حدیث (غیر مقلدین) کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز کا جو عدد ثابت ہے وہ آٹھ رکعتیں ہیں دلیل بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔

۲۔سنن غیر مؤکدہ......درج ذیل ہیں:

۱......نماز ظہر کی بعد کی دو سنتوں کے بعد دو رکعتیں۔

۲......عصر سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائیں جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے اور عصر سے پہلے صرف دو رکعت پڑھنے کا جواز اس حدیث سے ثابت ہے کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔

۳......نماز عشاء سے پہلے اور بعد چار چار رکعتیں ایک سلام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر عشاء کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے پھر سو جاتے اور اگر کوئی صرف دو سنت مؤکدہ پر اکتفا کرلے تو بھی درست ہے گذشتہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔

۴۔نماز اوّابین......یہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں ہیں ایک سلام دو یا تین سلاموں کے ساتھ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشقت کا کام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا (الاسراء۱۷/۲۵) نیز عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو مغرب کے

بعد چھ رکعت پڑھے اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

شوافع اور حنابلہ کی طرح کمال بن الھمام رحمۃ اللہ علیہ بھی نماز مغرب سے پہلے ہلکی سی دو رکعتوں کے استحباب کے قائل ہیں صحیحین میں عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو اور تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے پڑھے اور یہ نوافل فرائض کے تابع ہیں اور جو نوافل مستقل ہیں وہ یہ ہیں۔

۵۔ **نماز چاشت**......اس کی چار سے آٹھ رکعت افضل ہیں اور کم سے کم دو رکعت ہیں اس کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے نصف النہار شرعی (زوال) سے پہلے تک ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعت پڑھتے تھے اور ان کے درمیان کلام نہیں کرتے تھے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے، اور ان سے زیادہ بھی پڑھتے جو اللہ چاہتا تھا اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو رکعت چاشت کی بھی ثابت ہیں البتہ افضل وقت چوتھائی دن چڑھنے کے بعد پڑھنا ہے۔

۶۔ **تحیۃ الوضو**......وضو کے بعد اعضاء خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھنا۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضوء کر کے کھڑا ہو کر خوب دل لگا کے متوجہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔

۷۔ **تحیۃ المسجد**......جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

حنفیہ کے ہاں مکروہ وقت میں نہ پڑھے، اگر مسجد میں آتے ہی کوئی اور نماز فرض یا سنت پڑھی جائے تو وہی نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی اگر چہ اس میں تحیۃ المسجد کی نیت نہ کی گئی ہو اگر مسجد میں کسی ضرورت کی وجہ سے ایک وقت میں کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہو تو صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے اور بیٹھنے کی وجہ سے تحیۃ المسجد ساقط نہ ہوں گے ابن حبان میں روایت ہے اے ابوذر مسجد کے لیے تحیت و تعظیم ہے اور مسجد کی تعظیم دو رکعتیں ہیں کھڑے ہو کر ان کو پڑھیے اور گذشتہ حدیث جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہوا یہ اس کے لیے بیان ہے۔ باقی مساجد سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا تحیۃ المسجد طواف ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ نماز نہیں پڑھ سکتا بے وضو ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تو اس کی لیے یہ کلمات کہنا مستحب ہے:

سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

۸۔ **نمازِ تہجد**......رات کے آخری حصے میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور یہ دن کے نفلوں سے افضل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ......السجدۃ: ۳۲/۱۷

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ......السجدۃ: ۳۲/۱۶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرائض کے بعد افضل نماز، نماز تہجد ہے طبرانی میں مرفوع روایت ہے کہ رات کو نماز پڑھنا ضروری ہے اگر چہ بکری دوہنے کے وقت کی بقدر ہی ہو اور جو نماز رات کو عشاء کے بعد پڑھی جائے وہ صلاۃ اللیل ہی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تہجد کی نماز اپنے ذمہ کر لو اس لیے کہ یہ نیک لوگوں کی عادت ہے جو تم سے پہلے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والی ہے، گناہوں کو مٹاتی ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے، اس کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔

عیدین، رمضان کی آخری دس راتوں، ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں، پندرہویں شعبان کو جاگنا اور عبادت کرنا مستحب ہے ساری رات عبادت

کرے یا اکثر حصہ ان کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔

سحری کے وقت زیادہ استغفار کرنا مستحب ہے اور سید الاستغفار یہ ہے:

اللھم انت ربی لاالہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شر ماصنعت ابوء لك بنعمتك وابوء بذ بنبی فاغفرلی فانہ لایغفر الذنب الا انت

ان راتوں میں مساجد وغیرہ میں جمع ہو کر عبادت کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا جیسا کہ رجب کے پہلے جمعہ کو صلاۃ الرغائب کے لیے جمع ہونا مکروہ ہے اور بدعت ہے۔

لمبا قیام کرنا زیادہ سجدے کرنے سے پہلے بہتر ہے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: افضل نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو اور اس لیے بھی کہ قیام لمبا کرنے کی وجہ سے قرأت زیادہ ہوگی اور زیادہ سجدے کرنے سے تسبیحات زیادہ ہوں گی جب کہ قرأت کرنا تسبیحات سے افضل ہے۔

۹۔ نماز استخارہ...... یعنی جس کام میں خیر ہے اسے طلب کرنا، استخارہ جائز اور مباح کاموں کے لیے ہوتا ہے جن کی درستگی معلوم نہ ہو اس کی دو رکعت ہیں ان کے بعد دعا ماثور پڑھے امام مسلم کی علاوہ باقی حضرات نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام معاملات میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں سکھاتے تھے آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی کام پیش آ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد پڑھے:

اللھم انی استخیرك لعلمك واستقدرك بقدرتك واسالك من فضلك العظیم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذاالامر خیرلی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری اوقال عاجل امری واجلہ فا قدرہ لی ویسرہ لی ثم بارك لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری اوقال عاجل امری واجلہ فا صرفہ عنی واصر فنی عنہ واقدرلی الخیر حیث کان ثم رضینی بہ

ترجمہ...... اے اللہ! میں بھلائی مانگتا ہوں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ اور قدرت مانگتا ہوں مجھ سے تیری قدرت کے ساتھ اور مانگتا ہوں مجھ سے تیرے بڑے فضل میں سے کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو بہت جاننے والا ہے اچھی باتوں کا اے اللہ! اگر تو جانتا ہے اس کام کو اچھا میرے لیے میرے دین میں اور میرے معاش میں اور میرے انجام کار میں تو تجویز کر دے اس کو میرے لیے اور آسان کر دے اس کو میرے لیے پھر برکت دے اس میں میرے لیے، اور اگر تو جانتا ہے اس کام کو برا میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو ہٹا دے اس کو مجھ سے اور ہٹا دے مجھے اس سے اور نصیب کر مجھے بھلائی جہاں کہیں بھی ہو پھر راضی رکھ مجھ کو اس پر۔"

آپ نے فرمایا اور جب ہذا الامر پر پہنچے تو اس وقت اپنے کام کا خیال کرے۔

اس دعا کی ابتداء وانتہاء پر اللہ تعالیٰ کی تعریف وحمد بیان کرنا مستحب ہے اور درود شریف پڑھنا بھی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھے۔

اگر کچھ معلوم نہ ہو اور تردد ہو تو سات دن تک استخارہ کیا جائے۔ ابن السنی نے روایت نقل کی ہے کہ اے انس! جب کوئی کام پیش آئے تو سات مرتبہ اپنے رب سے استغفار کرو پھر اپنے دل کی طرف دیکھو جس طرف متوجہ ہو اسی میں خیر ہے۔ اگر کسی وجہ سے نماز استخارہ نہ پڑھ سکے تو دعاء استخارہ ہی پڑھ لیا کرے۔

۱۰۔صلوٰۃ التسبیح......اس نماز کی بہت بڑی فضلیت ہے اور اس میں بے انتہاء ثواب ہے۔

مکروہ اوقات کے علاوہ اس کو پڑھے اگر ہو سکے تو ہر روز ایک مرتبہ اس کو پڑھ لیا کرے ورنہ ہفتہ میں ایک بار یا جمعہ کو یا مہینہ میں ایک بار اور اگر ہر مہینہ میں بھی نہ ہو سکے تو تمام عمر میں ایک بار پڑھ لے۔

صلوٰۃ التسبیح چار رکعتیں ہیں ایک سلام یا دو سلاموں کے ساتھ اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھے اور ان چار رکعات میں تین سو مرتبہ یہ تسبیح ''سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر '' پڑھے جب کہ ہر رکعت میں ۷۵ تسبیحات پڑھی جائیں گی۔

ثناء کے بعد پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے پھر قرأت کے بعد رکوع میں قومہ میں دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس مرتبہ تسبیح پڑھے رکوع سجدے میں ان تسبیحات کے بعد یہ تسبیح پڑھی جائے یہ طریقہ جو حضرت عبداللہ بن مبارک سے ترمذی شریف میں مذکور ہے وہ ہے جو دوسری روایتوں کی نسبت پسندیدہ ہے اس نماز کی تسبیحات کو نمازی اگر دل میں شمار کر سکتا ہو تو ہاتھوں کی انگلیوں پر شمار نہ کرے۔

۱۱۔نماز حاجت......اس کی چار رکعت ہیں جو عشاء کے بعد پڑھی جائیں اور ایک قول یہ ہے کہ دو رکعتیں ہیں مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے پھر تین مرتبہ آیت الکرسی اور باقی تین رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت میں ایک مرتبہ فاتحہ پھر اخلاص پھر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ایک ایک مرتبہ پڑھے۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی حاجت اللہ تعالیٰ یا کسی بندے سے ہو تو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے اور درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے:

لاالہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العالمین اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لاتدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضا الا قضیتھا یاارحم الراحمین

ترجمہ......کوئی معبود نہیں سوائے اللہ بردبار کرم کرنے والے کے، پاک ہے اللہ عرش عظیم کا پروردگار، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا، میں سوال کرتا ہوں تجھ سے ان کاموں کا جو تیری رحمت اور بخشش کا موجب ہیں، اور فائدہ کا ہر نیکی سے اور سلامتی کا ہر گناہ سے، نہ چھوڑ میرے لیے کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کئے اور کوئی حاجت اپنی پسندیدہ بغیر پوری کیے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

نفل نماز کے احکام:

الف: دن رات کے نوافل ادا کرنے کا طریقہ......دن کے نفلوں میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور چار بھی البتہ دن میں چار رکعتوں سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور رات کے نوافل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آٹھ رکعتیں ایک سلام سے پڑھی جا سکتی ہیں ان سے زیادہ ایک سلام سے مکروہ ہیں نیز امام ابو رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں افضل یہ ہے کہ خواہ دن ہو یا رات چار چار رکعت پر سلام پھیرے امام ابویوسف اور امام محمد کے ہاں افضل یہ ہے کہ رات کے نوافل میں دو دو رکعت پر سلام پھیرے اور دن کے وقت چار رکعت ایک سلام سے پڑھے۔حنفیہ کے ہاں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔

امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد چار رکعت پڑھی اور چاشت کی نماز میں چار رکعت پر ہمیشگی اختیار فرمائی نیز اس میں مشقت زیادہ ہے لہٰذا فضلیت بھی زیادہ ہے۔اور ان پر زیادتی مکروہ ہونے کی

دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں اگر کراہت نہ ہوتی تو بطور جواز زیادہ پڑھتے اور صاحبین تراویح پر قیاس کرتے ہیں کہ اس کی دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔

ب: قرأت واجبہ.....نفل نماز کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی بھی تمام رکعتوں میں۔ نفل میں تو اس لیے کہ اس کا ہر دوگانہ مستقل نماز ہے اور تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہونا نئے تکبیر تحریمہ کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تحریمہ پر صرف دو رکعتیں ہی واجب ہیں وتر میں بطور احتیاط قرأت واجب ہے۔

البتہ فرائض میں قرأت جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ صرف پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے اور آخری رکعات میں نمازی کو اختیار ہے چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے چاہے تین تسبیحات کی مقدار خاموش کھڑا رہے اور چاہے تو تین بار تسبیح پڑھ لے یہی حضرت علی، ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے البتہ سورۃ فاتحہ پڑھنا افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دوام اختیار فرمایا ہے اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سورۃ فاتحہ رہ جانے پر سجدہ سہو نہیں۔

مسائل مذکورہ کی بنا پر اگر کسی نے نفل نماز کی چار رکعتیں پڑھیں اور ان میں قرأت نہ کی تو طرفین کے ہاں نماز کا اعادہ ہوگا کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہ کرنا تکبیر تحریمہ کو باطل کر دیتا ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں چار رکعت کی قضاء کرے گا کیونکہ پہلے دوگانہ میں قرأت نہ کرنا تحریمہ کو باطل نہیں کرتا ہاں ادا کو فاسد کرتا ہے کیونکہ قرأت رکن زائد ہے اور ادائیگی کا فاسد ہونا تحریمہ کو باطل نہیں کرے گا۔

ج: نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں.....حنفیہ کے ہاں نفل چاہے نماز ہو یا روزہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ نفل شروع کرنے والا متبرع ہے اور متبرع پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ......(التوبۃ: ۹/ ۹۱)

ترجمہ.....نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔ شوافع کے ہاں حج، عمرہ اور فرض کفایہ کے علاوہ سنتیں شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتیں پس جہاد، نماز جنازہ، حج اور عمرہ شروع کرنے سے لازم ہو جائیں گے اور حنفیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ ......سورۃ محمد: ۴۷/ ۳۳

اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔ لہٰذا اعمال وغیرہ کو ختم کرنا توڑنا حرام ہے۔

حنفیہ کے ہاں تکبیر تحریمہ کہنے سے یا تیسری رکعت کی طرف اٹھنے سے نفل لازم ہو جاتے ہیں پس جب دوسرے دوگانہ کو فاسد کرے گا تو صرف اسی کی قضاء لازم ہوگی اور یہ پہلے دوگانہ کی طرف سرایت نہیں کرے گی کیونکہ ہر دوگانہ علیحدہ نماز ہے اسی بنا پر جس شخص نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کیا تو اس کی قضاء کرے گا اور اگر چار رکعتیں پڑھیں اور قعدہ اولیٰ بھی کیا پھر آخری دو کو فاسد کر دیا تو صرف دو رکعتیں قضاء کرے گا۔ البتہ درج ذیل صورتیں قضاء سے مستثنیٰ ہیں فرائض پڑھنے والے کی اقتداء میں نفل کی نیت سے شریک اگر نفل توڑ دے یا اس خیال سے فرض شروع کیے کہ ابھی تک نہیں پڑھے پھر یاد آ گیا کہ میرے ذمہ فرض نہیں تو ان دونوں صورتوں میں قضاء نہیں۔

د: چار رکعت سنت مؤکدہ میں تشہد اول.....چار رکعت سنت مؤکدہ یعنی ظہر سے پہلے، جمعہ سے پہلے اور بعد پڑھنے والا قعدہ اولیٰ میں صرف التحیات پڑھے اور تیسری رکعت میں ثناء نہ پڑھے البتہ سنت غیرہ مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ میں التحیات اور درود ابراھیمی بھی پڑھے اور تیسری رکعت میں ثناء تعوذ وغیرہ بھی یعنی ہر دو رکعت کے بعد۔

ہ: دو رکعت سے زیادہ نفل ایک قعدہ کے ساتھ.....جب کوئی شخص دو رکعتوں سے زیادہ نفل کی رکعتیں پڑھے اور صرف آخر میں

قعدہ کرے تو یہ استحسانا درست ہے کیونکہ یہ چار رکعت والی نماز بن گئی جس میں صرف قعدہ اخیرہ فرض ہوتا ہے اور قعدہ چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے اور تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آ جائے تو قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے۔

و: بیٹھ کر یا سواری پر نفل پڑھنا...... جائز ہیں ہم نے نماز میں قیام کی بحث میں بیان کر دیا ہے کہ جو شخص کھڑے ہو کر نفل پڑھنے پر قادر ہے اس کو بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے البتہ ثواب آدھا ملے گا اگر بلا عذر ایسا کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کھڑے ہو کر نماز (نفل) پڑھے یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کو اس کی نسبت آدھا ثواب ملے گا اور جو لیٹ کر پڑھے اس کو بیٹھ کر پڑھنے والے کے ثواب سے آدھا ثواب ملے گا شوافع کے ہاں لیٹ کر نفل پڑھنا جائز ہیں اور باقی مذاہب میں عذر کی بناء پر جائز ہیں۔

نوافل میں قعدہ کی کیفیت وہی ہے جو تشہد کی ہے اسی بات پر حنفیہ اور شوافع کا فتویٰ ہے۔ جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں آلتی پالتی مارنا مستحب ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق کھڑے ہو کر نفل شروع کرنے کے بعد ان کو بیٹھ کر مکمل کرنا باوجودیکہ کھڑے ہونے پر قادر ہے بلا کراہت جائز ہے۔

نوافل کو اگرچہ سنت مؤکدہ ہی ہوں جیسے فجر کی سنتیں شہر سے باہر سواری پر ادا کرنا جائز اور صحیح ہے رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے اور جس طرف ہی سواری جارہی ہے اسی طرف منہ کرے اور جب سواری سے اترے تو نماز کو پورا کرلے اور تکبیر تحریمہ کے لیے سواری روکنے سے عاجز ہونا شرط نہیں ظاہر الروایہ میں۔ پاؤں کو حرکت دینا یا سواری کو مارنا اگر اس سے عمل کثیر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

سواری پر نفل پڑھنے کی دلیل...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل پڑھتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے پڑھ رہے تھے البتہ سجدہ میں زیادہ جھکتے تھے دونوں رکعتوں میں۔

کجاوے میں (نفل) نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے سواری پر نماز پڑھنا چاہے سواری چل رہی ہو یا ٹھہری ہوئی ہو البتہ اگر کجاوہ زمین پر رکھا ہوا ہو تو پھر اس میں فرض نماز پڑھنا بھی درست ہے۔ جانور اور سواری پر اگر نجاست ہو چاہے زین یا رکاب ہی میں ہو تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا پیدل چلنے والے کی نماز بالاتفاق درست نہیں تھکاوٹ وغیرہ کی وجہ سے نفل پڑھنے والے کو کسی چیز سے ٹیک لگانا بلا کراہت جائز ہے اور اگر بلا عذر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ بے ادبی ہے۔

ز: سواری پر فرض واجب پڑھنا...... سواری (جانور) پر فرائض اور واجبات جیسے وتر، نذر کی نماز، نفل کی قضاء، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت جبکہ آیت زمین پر پڑھی ہو وغیرہ بلا عذر و بلا ضرورت پڑھنا جائز نہیں البتہ اگر کوئی ضرورت یا عذر ہو مثلاً چور کا خوف یا درندے کا خوف یا کیچڑ وغیرہ ہو یا مرض و بیماری ہے کہ اگر اتر گیا تو سوار کون کرائے گا تو جانور و سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

ح: کشتی ہوائی جہاز اور گاڑی میں نماز پڑھنا...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کشتی ہوائی جہاز اور گاڑی میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز ہے البتہ رکوع سجود کرنا ضروری ہیں صاحبین کے ہاں بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں اور عذر سر چکرانا اور اترنے کی طاقت نہ ہونا ہے۔

ابتدائے نماز میں قبلہ رخ ہونا شرط ہے اور جب کشتی وغیرہ قبلہ سے پھر جائے تو قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اگر استقبال قبلہ نہ کیا تو نماز جائز نہ ہوگی اور اگر کوئی استقبال قبلہ سے عاجز ہو تو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک استقبال پر قادر نہ ہو جائے۔ سمندر کے درمیان میں رکی ہوئی کشتی جسے ہوا حرکت دے رہی ہے وہ چلنے والی کشتی کے حکم میں ہے اور اگر ہوا حرکت نہیں دے رہی تو پھر ٹھہری ہوئی کے حکم میں ہے۔

ساحل سمندر پر لنگر انداز کشتی میں بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کشتی میں نماز پڑھنے والوں کے لیے سنت سے ثابت حکم یہ ہے کہ

قیام واجب ہے اگر غرق ہونے کا خوف نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کشتی میں کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا اگر غرق ہونے کا خوف نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھو‘‘

مالکیہ کے ہاں نوافل...... مالکیہ کے ہاں نوافل کی تین قسمیں ہیں۔

ا.....سنت ۲.....فضیلت ۳.....نفل

ا۔سنت...... یہ دس نمازیں ہیں: وتر اور اس کی ایک ہی رکعت ہے جس میں سورہ فاتحہ اخلاص اور معوذتین پڑھی جائیں اور یہ سب سنتوں سے مؤکد ہے نیز وتر میں جہر مستحب ہے فجر کی دو رکعتیں (سنت) ان کو مالکیہ کے ہاں رغیبہ کہتے ہیں یعنی ان کی ترغیب دی گئی ہے یہ مستحب سے اوپر اور سنت سے نیچے کا درجہ ہے ان کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک کا ہے نماز صبح کی طرح پھر اگر رہ جائیں تو ان کی قضاء صرف زوال تک کی جاسکتی ہے۔ اگر کسی نے فجر کے فرض پہلے پڑھ لیے تو پھر ان کی قضاء سورج کے ایک نیزہ (۱۲ بالشت متوسط) بلند ہونے سے پہلے کرنا مکروہ ہے اور حنفیہ کی طرح ان کے ہاں بھی سوائے ان سنتوں کے باقی نوافل وغیرہ اگر گر رہ جائیں تو ان کی قضاء نہیں نیز ان کو مسجد میں پڑھنا مستحب ہے اس شخص کے لیے جو فرائض مسجد میں پڑھنے جارہا ہو اور ان کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھی جائے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز، نماز کسوف، نماز خسوف، نماز استسقاء، سجدہ تلاوت طواف کی دو رکعتیں احرام کی دو رکعتیں (یہ سب سنت ہیں) ان کی ترتیب وفضیلت یہ ہے پہلے وتر پھر نماز عید پھر کسوف پھر استسقاء علامہ خلیل نے اپنی کتاب میں نماز خسوف کو مستحب لکھا ہے۔

۲۔فضیلت...... فضائل بھی دس نمازیں ہیں: تحیۃ الوضوء مسجد میں داخل ہو کر اس میں بیٹھنے والے کے لیے، تحیۃ المسجد اگر چہ اوقات مکروہ ہی ہوں نیز یہ فرض اداء کرنے سے ادا ہو جائے گی، نماز چاشت یہ مؤکدہ ہے اور اس کی کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں تہجد اور ان کو جہراً پڑھنا مستحب ہے۔ یہ بھی مؤکد ہیں آخیر رات میں پڑھنا افضل ہیں وتر کے علاوہ اس کی دس رکعتیں ہیں اور اکثر کی کوئی حد نہیں تراویح سنت موکدہ ہیں بیس رکعتیں ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ یہ وتر اور دوگانہ کے علاوہ ہیں اور یہ تہجد سے زیادہ مؤکد ہیں اور تراویح میں قرآن کریم ختم کرنا مستحب ہے اور ہر رات ایک پارہ بیس رکعت میں پڑھے۔ نیز تراویح کو مساجد میں جماعت سے پڑھا جائے اور تمام لوگوں کے سامنے کیونکہ ان میں اقتداء ضروری ہے اگر مساجد میں نہ پڑھی گئی تو اس سے مساجد کی ویرانی لازم آئے گی لہٰذا علیحدہ نہ پڑھے نماز ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں نماز عصر سے پہلے کی سنتیں نماز مغرب سے بعد اور عشاء سے بعد بغیر کسی تعداد کے البتہ استحباب کے حصول کے لیے دو رکعتیں کافی ہیں مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کے بعد (جن کے بعد نوافل ہیں) چار رکعتیں پڑھنا بہتر ہے جب کہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں بہتر ہیں وتر سے پہلے دوگانہ پڑھنا ایک سلام سے اور اس دوگانہ کو (ایک وتر) سے ملانا بغیر سلام کے مکروہ ہے اور صرف ایک وتر پر اکتفاء کرنا بغیر دوگانہ کے یہ بھی مکروہ ہے ہاں وتر پر بغیر دوگانہ کے بھی صحیح ہو جائیں گے اور وتر سے پہلے دوگانہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی اور دوسری میں کافرون پڑھنا مستحب ہے نیز سنت فجر اور دن کے نوافل کو سراً پڑھنا مستحب ہے وتر اور رات کے نوافل کو جہراً پڑھنا مستحب ہے مسجد نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے اور مسجد حرام کا تحیۃ طواف کے سات چکر ہیں البتہ مکی کے لیے طواف کی دو رکعتیں کافی ہیں۔

۳۔نوافل...... نوافل کی پھر دو قسمیں ہیں:

ا...... وہ نوافل جن کا کوئی سبب نہ ہو یہ اوقات مکروہ خمسہ کے علاوہ پڑھنا جائز ہیں۔

۲...... وہ نوافل جن کا کوئی سبب ہے یہ دس ہیں سفر میں نکلتے وقت، سفر سے واپسی پر، گھر میں داخل ہونے کے بعد، گھر سے نکلتے وقت استخارہ کی دو رکعتیں نماز حاجت کی دو رکعتیں۔ صلوٰۃ تسبیح چار رکعات اذان واقامت کے درمیان دو رکعتیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں سے مراد اذان واقامت ہیں۔زوال کے بعد چار رکعتیں توبہ کی رکعتیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا ......آل عمران ۳/ ۱۳۵

ابن حبان بیہقی اور ابن خزیمہ نے پھر دو رکعتیں پڑھے، کا اضافہ نقل کیا ہے۔بعض مالکیہ کے ہاں دعا کے وقت دو رکعتیں اور جس کو قتل کیا جا رہا ہوں اس وقت دو رکعتیں پڑھنے کا اضافہ بھی منقول ہے حضرت حبیب بن عدی کی تقلید میں۔

مالکیہ کے ہاں نوافل کی ادائیگی میں مکروہ چیزیں......وتر کو بلا عذر نیند یا غفلت وغیرہ کی بنا پر وقت ضروری طلوع فجر تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح نماز صبح کے بعد دنیاوی معاملات میں گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ سنت فجر کے بعد اور فرض سے پہلے مکروہ نہیں۔سنت فجر کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے پہلو کے بل لیٹ کر آرام کرنا مکروہ ہے۔حنفیہ کے ہاں بھی یہی حکم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے کیونکہ آپ لیٹ کر فرض اور سنت میں فرق نہیں کرتے تھے بلکہ فرماتے ہیں کہ کونسا فرق سنت فجر سے افضل ہو سکتا ہے سوائے سلام کے کیونکہ سلام ہی تو فرق کے لئے ہے اور یہ سلام نماز سے نکلنے کے لیے کسی کام یا بات سے افضل ہے۔نماز تراویح کے علاوہ باقی نوافل کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نفل کی شان تو علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہے۔

شوافع کے ہاں نوافل......نوافل کی دو قسمیں ہیں:

۱......وہ قسم جس میں جماعت سنت ہے۔

۲......وہ قسم جس میں جماعت سنت نہیں۔

ا۔وہ نوافل جن کے لیے جماعت سنت ہے:

وہ سات نمازیں ہیں......نماز عید الفطر، عید الاضحیٰ، نماز کسوف، خسوف، نماز استسقاء نماز تراویح کیونکہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی راتیں تراویح کی نماز پڑھائی صحابہ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ نے پورا مہینہ گھر میں نماز تراویح پڑھی اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ تراویح کی جماعت تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ نیز ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آٹھ رکعتیں رمضان میں پڑھائیں پھر وتر پڑھائے جب دوسری رات آئی ہم مسجد میں جمع ہوئے اور ہم انتظار کرتے رہے کہ آپ آئیں گے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (اور آپ نہ آئے) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ تیسری اور چوتھی رات حاضر ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے لیے مردوں کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں اور عورتوں کو سلیمان بن ابی خیثمہ کی اقتداء میں جمع فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک لوگ مسجد میں جماعت سے تراویح نہیں پڑھتے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہو جانے کے خوف سے انفرادا پڑھی تھی اب چونکہ یہ خوف نہ تھا۔

رمضان میں نماز عشاء سے طلوع فجر کے درمیان دس سلاموں کے ساتھ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنا سنت ہیں نیز صحابہ نے بھی ان پر دوام وہمیشگی اختیار فرمائی ہے۔بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے جذبہ سے رمضان میں تراویح پڑھے اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ہر شخص ہر دو رکعتوں میں تراویح کی نیت کرے اگر کسی نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھی لی تو یہ درست نہیں۔نیز وتر کو تراویح کے بعد

جماعت سے پڑھنا مستحب ہے لیکن اگر کسی کو رات کے آخری پہر میں جاگنے کا یقین ہو تو اس کے لیے مؤخر کرنا افضل ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ جس شخص کو یہ خوف ہو کہ وہ رات کے آخری پہر میں نہ اٹھ سکے گا تو وہ پہلے ہی وتر پڑھ لے اور جسے اٹھنے کی امید ہو تو پھر وہ آخری پہر میں وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری پہر کی نماز۔

یہ نوافل ان نوافل سے افضل ہیں جن کے لیے جماعت مسنون نہیں کیونکہ یہ فرائض کے مشابہ ہیں جماعت میں ان کی ترتیب یہ ہے سب سے مؤکدہ نماز عید کیونکہ یہ فرائض کی طرح وقت معین میں ہے پھر نماز کسوف کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر ہے پھر نماز استقاء اور صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ تراویح سے افضل ہیں کیونکہ سنت مؤکدہ کو آپ علیہ السلام نے ہمیشہ ادا فرمایا ہے نہ کہ تراویح کو۔

۲۔ وہ نوافل جن کے لیے جماعت سنت نہیں...... ان کی دو قسمیں ہیں (الف) وہ سنتیں جو فرائض کے تابع ہیں ان کو سنن مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ سترہ رکعتیں ہیں دو رکعتیں فجر کی چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد چار عصر سے پہلے دو مغرب کے بعد تین عشاء کے بعد جن میں ایک وتر ہے اور وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے جب کہ زیادہ گیارہ رکعتیں ہیں اور وتر کا وقت عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ہے اگر کسی نے قصداً یا بھول کر عشاء سے پہلے وتر پڑھ لیے ان کا اعتبار نہیں ہوتا نیز نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں اور بعد میں بھی چار رکعتیں سنت ہیں (ب) وہ سنتیں جو فرائض کے تابع نہیں اور یہ وہ نوافل ہیں جنہیں آدمی دن یا رات میں پڑھتا ہے ان میں سے افضل تہجد ہیں جنہیں قیام اللیل بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرائض کے بعد افضل نماز نماز تہجد ہے نیز چونکہ تہجد لوگوں کی غفلت اور اطاعت کے ترک کے وقت پڑھے جاتے ہیں اس لیے افضل ہیں۔

دن میں مطلقاً نفل پڑھنے سے رات میں پڑھنا افضل ہیں پھر رات کے درمیان میں نفل افضل پھر رات کے آخری حصہ میں جب کوئی مسلمان رات کو تین حصوں میں تقسیم کرے تو یہ ترتیب ہے اور اگر کوئی رات کو دو حصوں میں تقسیم کرے تو پھر رات کے آخری حصہ میں نفل پڑھنا پہلے حصہ سے افضل ہیں اور سب سے افضل یہ ہے کہ رات کو چھ حصوں میں تقسیم کرے پہلے تین حصوں میں سو جائے چوتھے اور پانچویں حصے میں نفل پڑھے اور چھٹے حصے میں سو جائے تاکہ صبح کی نماز کے لیے چستی اور نشاط سے حاضر ہو سکے۔

اور پوری رات نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم دن کو روزہ رکھتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا رات کو نفل پڑھتے ہو تو میں نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور بیوی سے ہمبستری بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ (۱)

اور دن کے نوافل نے گھر میں پڑھنا افضل ہیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے۔ (۲)

تہجد میں ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرنا سنت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں اور جب صبح ہو جائے تو ایک وتر پڑھ لیا کرو (۳) لیکن اگر کسی نے تہجد کی تمام رکعات ایک سلام سے پڑھ لی تو یہ بھی جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تیرہ رکعات پڑھیں ان میں سے پانچ وتر پڑھے آپ آخری رکعت میں بیٹھنے اور سلام پھیرا اور آپ نے سات یا پانچ وتر پڑھے ان کے درمیان سلام یا کلام سے فصل نہیں کیا۔ (۴)

اگر کسی نے ایک رکعت نفل پڑھا تو یہ بھی جائز ہے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک مسجد سے گذرے آپ نے اس میں ایک رکعت پڑھی

(۱) رواه البخاری ومسلم۔ (۲) ایضًا۔ (۳) ایضًا۔ (۴) المجموع: ۳/ ۵۴۱

آپ کے پیچھے ایک آدمی پڑ گیا اور کہنے لگا اے امیر المؤمنین آپ نے ایک رکعت پڑھی ہے (آپ نے فرمایا) یہ نفل ہیں جو چاہے زیادہ پڑھے یا کم پڑھے۔ ❶

مستحب یہ ہے کہ آدمی نیند سے اٹھنے کی نیت کرے جب بیدار ہو تو چہرے پر ہاتھ پھیرے اور آسمان کی طرف دیکھے اور پڑھے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ...... آل عمران ۳/ ۱۹۰

تہجد کو ہلکی سی دو رکعتوں سے شروع کرے اور رات کے نوافل میں سنت یہ ہے کہ نہ جہراً ہوں نہ سراً بلکہ درمیانی آواز سے۔

قیام لمبا کرنا زیادہ سجدوں سے تہجد میں افضل ہے اور دوران نماز اونگنے اور رات کی تمام ساعات میں دعا اور استغفار زیادہ کرے نصف آخیر میں اور سحری کے وقت افضل ہے۔

ان نوافل میں سے نماز چاشت ہے اس کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں مسلم شریف میں روایت ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صبح کے وقت صدقہ ہے اور چاشت کی دو رکعتیں اس کے لیے کافی ہیں۔ کمال کی ادنیٰ مقدار چار رکعت ہیں اور اکمل چھ رکعت ہیں اور افضل آٹھ رکعت ہیں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعت پڑھیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں ابوداؤد شریف میں ہے دو رکعت چاشت پڑھنے والا غافلوں میں نہیں لکھا جاتا اور چار رکعتیں پڑھنے والا محسنین میں لکھا جاتا ہے اور چھ رکعت پڑھنے والا عبادت گذاروں میں لکھا جاتا ہے اور آٹھ رکعت پڑھنے والا کامیابوں میں اور دس رکعت پڑھنے والے کے اس دن کے گناہ نہیں لکھے جاتے اور بارہ رکعتیں پڑھنے والے کا گھر جنت میں بنا دیا جاتا ہے ❷ اور اس کا وقت سورج بلند ہونے سے زوال تک ہے۔

غیر مؤکدہ میں سے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ جتنی بار مسجد میں داخل ہوگا اتنی بار اس کو پڑھنا پڑھے گا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو اور جماعت کھڑی تھی تو تحیۃ المسجد نہ پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں اور اس لیے بھی اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل ہو جائے گا نیز اس کے علاوہ بھی کسی فرض یا نفل کو پڑھنے سے جس تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل ہو جائے گا اگرچہ نیت نہ بھی کی ہو کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کی پامالی نہ کرے بغیر نماز کے اس بناء پر اگر فرض کی جماعت کھڑی ہو یا مسجد حرام میں داخل ہو اور طواف سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھے یہ مکروہ ہے یا نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو البتہ خطیب کے لیے جب وہ خطبہ کے لیے آئے تو تحیۃ المسجد مسنون نہیں۔ اسی طرح اس شخص کے لیے بھی مسنون نہیں اگر وہ تحیۃ المسجد پڑھے تو جمعہ کا اول حصہ فوت جاتے ان نوافل میں سے نماز توبہ بھی ہے۔ ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے کہ جس بندے سے گناہ ہو جائے پھر وہ وضو کرے دو رکعتیں پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔ ان نوافل میں سے صلوٰۃ تسبیح کی چار رکعت ہیں ہر رکعت میں قرأت کے بعد پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اور رکوع میں قومہ میں دونوں سجدوں اور ان کے درمیان اور جلسہ استراحت اور تشہد میں پہلے دس دس مرتبہ پڑھے یہ ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ ہوں گے۔

نماز استخارہ کی دو رکعتیں...... بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت جو ہم نے حنفیہ کے ہاں نوافل میں بیان کر دی ہے البتہ اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھے زوال کے بعد کی دو رکعتیں ان

❶...... المجموع: ۳/ ۵۳۱۔ ❷ رواہ البیہقی

دونوں میں فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور اخلاص پڑھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انھوں نے یہ دو رکعت پڑھی ہیں اور پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ حدیث غریب ہے کہ اس کا راوی منفرد ہے سفر سے واپسی پر دو رکعتیں مسجد میں پڑھنا گھر جانے سے پہلے سنت کی پیروی میں اس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

تحیۃ الوضو اگرچہ نیا وضو بنایا ہو صحیحین میں روایت ہے کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھی کہ ان میں کوئی غلطی نہ کی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے نماز اوابین اس کو صلاۃ الغفلۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ لوگ عشاء یا نیند وغیرہ کی وجہ سے اس غافل ہوتے ہیں اس کی مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعتیں ہیں اور کم سے کم دو رکعت ہیں ترمذی شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بارہ رکعت کی عبادت لکھ دیں گے۔

شوافع کے ہاں مؤکد اور غیر مؤکد نوافل :

ا۔ سنن مؤکدہ : الف...... دس رکعتیں جو فرائض کے تابع ہیں دو رکعتیں سنت فجر دو رکعتیں ظہر یا جمعہ سے پہلے اور دو بعد میں اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد۔ مغرب اور فجر کی دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھے اور روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فجر کی پہلی رکعت میں **قولوا آمنا باللہ وما انزل علینا** سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۳۶ پڑھی اور دوسری رکعت میں **قل یااھل الکتاب تعالوا** آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ پڑھی۔

خلاصہ..... خلاصہ یہ ہے کہ فجر، مغرب، استخارہ، تحیۃ المسجد، احرام کی دو رکعتوں اور زوال کی دو رکعت میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھے۔

سنت فجر اور فرض میں دائیں پہلو پر لیٹ کر یا بات چیت کے ذریعے فصل سنت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن کی اذان کے بعد فجر طلوع ہوتی تو دو ہلکی سی رکعتیں پڑھتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن اقامت کے لیے آتا تو مسجد میں جاتے۔

حنابلہ کے مذہب کے موافق ہے اس میں مالکیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

ب : وتر...... جب کوئی تین وتر پڑھنے کا ارادہ کرے تو افضل یہ ہے کہ دو سلاموں سے پڑھے کیونکہ اس بارے میں صحیح احادیث ہیں نیز عبادت کی کثرت ہوتی ہے کیونکہ نیت کی تجدید ہوگی دعا افتتاح نماز کے آخر کی دعا اور سلام وغیرہ کی کثرت ہوگی۔

ج : نماز تہجد، نماز چاشت اور نماز تراویح

افضلیت کی ترتیب...... بہت زیادہ مؤکدہ سنتیں ہیں جو فرض کے تابع ہیں سنت فجر اور وتر کیونکہ ان دونوں کی فضیلت میں جو احادیث وغیرہ ہیں ان کے علاوہ کے بارے میں وہ نہیں اور شوافع کا نیا مذہب جو کہ صحیح ہے یہ کہ وتر سنت فجر سے افضل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ایک نماز زائد کی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ فرض کے تابع سنن تراویح سے افضل ہیں اور تراویح کا درجہ ان کے بعد ہے پھر نماز چاشت پھر دو رکعت طواف اور دوگانہ احرام پھر تحیۃ المسجد پھر تحیۃ الوضو۔

سنن مؤکدہ کا وقت...... جو سنن جن فرائض سے پہلے ادا کی جاتی ہے تو وہ اس فرض کے وقت میں داخل ہیں اور ان کا وقت فرض کے

وقت کے ختم تک رہتا ہے اور جو فرائض کے بعد ہیں تو فرض سے فارغ ہونے کے بعد ان کا وقت شروع ہوتا ہے اور فرض کے وقت کے ختم تک ان کا وقت رہتا ہے نیز فرض سے پہلی سنتوں کو اگر فرض کے بعد ادا کیا جائے تو ان کو ادا ہی شمار کیا جائے گا اور مناسب یہ ہے کہ ان کو اپنے وقت مؤخر نہ کیا جائے ہاں اگر جماعت وغیرہ کھڑی ہو چکی ہو تو الگ بات ہے فرض سے بعد والی سنتوں کو فرض سے پہلے ادا کرنے سے ان کی ادائیگی شمار نہ ہوگی اسی طرح سنن موکدہ کو سفر میں بھی ادا کرنا سنت ہے چاہے قصر کرے یا مکمل نماز پڑھ رہا ہو لیکن حالت اقامت میں یہ مؤکد ہیں۔

نوافل کی قضاء..... سنن موکدہ اگر فوت ہو جائیں تو صحیح یہ ہے کہ ان کی قضاء کرنا مستحب ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے کہ جو شخص نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فجر کی قضاء طلوع آفتاب کے بعد فرمائی تھی جب آپ (لیلۃ التعریس) میں سو گئے تھے اور ظہر سے بعد کی دو رکعت کی قضاء عصر کے بعد فرمائی تھی نیز چونکہ ان نمازوں کا وقت مقرر ہے لہٰذا فرائض کی طرح ان کی بھی قضاء کی جائے گی چاہے سفر میں ہو یا حضر میں۔

۲۔ سنن غیر مؤکدہ:

الف..... بارہ رکعتیں یعنی ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں یہ سنت مؤکدہ کے علاوہ ہیں۔ اور جمعہ کی ظہر کی طرح چار، عصر سے پہلے دو، مغرب سے پہلے اور ان دو کو مؤذن کی اذان کے بعد ہلکی سی ادا کرنا مسنون ہے کیونکہ حدیث میں ہے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اور اذانین سے اذان و اقامت مراد ہیں اور دو رکعتیں عشاء سے پہلے۔

ب..... سنن مؤکدہ کے علاوہ تمام نوافل۔

ج..... نفل مطلق یعنی جس کے لیے نہ وقت متعین ہے نہ سبب یعنی نہ اس کی کوئی تعداد ہے اور نہ ہی رکعات کی تعداد۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہے نماز بہترین چیز ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اگر کسی نے دو سے زیادہ رکعت کی نیت سے تکبیر تحریمہ کیا تو اس کو ہر دو رکعت پر تشہد پڑھنا چاہیے اور ہر رکعت میں تشہد نہ پڑھے اگر کسی نے خاص تعداد کی نیت کی تو اس کو اس میں کمی زیادتی کرنے کا اختیار ہے نیت تبدیل کر کے ورنہ وہ باطل ہو جائیں گے۔ پس اگر کسی نے دو رکعتوں کی نیت کی پھر تیسری رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہو گیا تو اصح یہ ہے کہ یہ قعدہ کرے پھر زیادہ کے لیے کھڑا ہوا گر چاہے پھر آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ ہم نے یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ رات کو نوافل افضل ہیں پھر اس کے درمیان کے پھر آخر کے نفل کی ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور پوری رات ہمیشہ قیام کرنا مکروہ ہے اسی طرح جمعہ کی رات کو قیام کے لئے خاص کرنا بھی مکروہ ہے، تہجد کو پڑھنے کے بعد بلا عذر چھوڑنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن عمرو کو ارشاد ہے اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو کہ وہ پہلے تہجد پڑھتا تھا پھر اس نے چھوڑ دیئے۔

حنابلہ کے ہاں نوافل..... حنبلی مذہب، شافعی مذہب کے زیادہ مشابہ ہے حنابلہ کے ہاں نوافل کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ نوافل جن کی لیے جماعت مسنون ہے جیسے نماز کسوف استسقاء اور تراویح دوسری قسم جو نوافل انفرادا پڑھے جائیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں:

۱..... سنت معینہ۔

۲..... نفل مطلق۔

۱۔ سنت معینہ..... کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: سنن مؤکدہ..... اور ہر ایک رکعت وتر اس کو پڑھنا مؤکد ہے اور چھوڑنا مکروہ اور اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں جو ہمیشہ وتر نہ پڑھتا ہو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو شخص قصداً وتر چھوڑے وہ برا ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ اور دس رکعت یعنی ظہر سے پہلے

اور بعد دو دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشا کے بعد دو رکعتیں فجر سے پہلے دو رکعتیں البتہ سفر میں اختیار ہے چاہے انھیں پڑھے یا نہ پڑھے کیونکہ سفر میں مشقت ہے یہی وجہ ہے کہ قصر کی اجازت ہے البتہ فجر کی سنتیں اور وتر پڑھنا ضروری ہیں کیونکہ ان کی تاکید زیادہ ہے۔

تمام سنن چاہے مؤکدہ ہوں یا غیرہ مؤکدہ جن کی لیے جماعت مشروع نہیں ان کو گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔ ظہر سے پہلے دو رکعت اور بعد میں بھی دو رکعت مغرب کے بعد دو رکعت اپنے گھر میں عشاء کے بعد دو رکعت گھر میں اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں یہ دو رکعتیں اس وقت پڑھتے تھے کہ میں آپ کے پاس نہ ہوتا تھا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ جب موذن اذان دیتا اور فجر طلوع ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھتے ❶ اور مسلم شریف میں ہے کہ جمعہ کے بعد دو سجدے اور اس میں صبح کی سنتیں مذکور نہیں فجر کی سنت میں تخفیف مسنون ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی دو رکعتیں اتنی ہلکی پڑھتے تھے کہ میں سمجھتی شاید آپ سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے ہیں یا نہیں۔ ❷ فرض پڑھنے سے پہلے سنت کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا مسنون ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی دو رکعتیں پڑھتے تو پہلو کے بل لیٹ جاتے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں جاگ رہی ہوتی تو میرے ساتھ بات چیت کرتے ورنہ پہلو کے بل لیٹ جاتے ❸ حنابلہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا اقوال وافعال میں یہ بہتر ہے آپ کی مخالفت سے۔

مغرب اور فجر کی دو رکعت میں سورۃ الکافرون اور اخلاص پڑھنا مسنون ہے فجر کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور مغرب کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ❹ یا فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ کی آیت ۱۳۶ قولوا امنا باللہ پڑھے اور دوسری میں آل عمران کی آیت ۶۴ قل یا اھل الکتاب تعالوا پڑھے۔

فجر کی سنتوں وتروں وغیرہ کو سواری پر پڑھنا بھی جائز ہے سوائے فرائض کے مسلم شریف میں فجر کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور بخاری میں بھی ہے۔ اور ان سب میں سے زیادہ مؤکد فجر کی سنتیں ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سے زیادہ کسی کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔

سنن مؤکدہ جو فرائض سے پہلے ہیں ان کا وقت فرائض سے پہلے ہے اور بعد والی سنتوں کا وقت بعد میں ہے فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی کی قضاء نہیں امام احمد نے چاشت کے وقت ان کی قضاء کو پسند فرمایا ہے جیسا کہ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں۔ اور امام احمد کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے فجر کے فرائض کے بعد پڑھ لی تو بھی جائز ہے نیز سنن مؤکدہ کی قضاء عصر کے بعد بھی جائز ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر سے پہلے کی دو رکعت کی قضاء عصر کے بعد کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس کی اقتداء متعین ہے اور عصر کے بعد کی جو نہی وہ خفیف ہے۔

کشاف القناع میں ہے کہ: تمام سنن کی قضاء کی جائے کیونکہ باقی سنتوں کو فجر اور عصر کی سنتوں پر قیاس کیا جائے ابن حامد فرماتے ہیں کہ تمام سنن مؤکدہ کو اوقات نہی کے علاوہ تمام اوقات میں قضاء کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کی قضاء کی ہے باقی کو ہم ان پر قیاس کریں گے۔

دوسری قسم...... سنن غیر مؤکدہ اور یہ بیس ہیں چار ظہر سے پہلے چار بعد میں چار نماز عصر سے پہلے چار نماز مغرب کے بعد نماز عشاء کے بعد اور مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مباح ہے۔

---

❶...... متفق علیہ۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً۔ ❹ مسلم والترمذی

ان کی دلیلیں

ظہر کی دلیل......حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور بعد میں چار رکعات پر محافظت کی تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام قرار دیتے ہیں۔

اور عصر کے بارے میں: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائیں جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ علیہ السلام کی نماز کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت نماز ظہر سے پہلے زوال کے بعد پڑھتے تھے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور پھر ان کے بعد چار رکعتیں اور چار رکعتیں عصر سے پہلے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔

مغرب کے بارے میں......جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھے ان کے درمیان کسی قسم کی بری بات نہ کرے تو بارہ سال کی عبادت کے برابر ان کا ثواب ہوگا۔

عشاء کے بارے میں......شریح بن ھانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں آپ نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت تک کبھی نہ پڑھتے تھے جب تک اس سے پہلے چار یا چھ رکعت نہ پڑھ لیتے" مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے حضرت انس سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو رکعتیں پڑھی۔ آپ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، نہ ہمیں پڑھنے کا حکم دیا اور نہ ہم کو منع فرمایا (یعنی خود نہیں پڑھی) کشاف القناع میں ہے: جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے سنت مؤکدہ نہیں ہیں اور جمعہ کے بعد کم سے کم دو رکعت ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور دو رکعت جمعہ کے بعد گھر میں" اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعت ہیں نیز جمعہ کی سنتیں مسجد میں پڑھنا گھر پر پڑھنے سے افضل ہیں۔ البتہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں امام احمد کے ہاں ان کا پڑھنا مستحب نہیں لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو جائز ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ سنت نہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کے تہجد کے بارے میں سب نے بیان کیا ہے لیکن ان دو رکعت کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا تہجد کے بارے میں ابن عباس زید بن خالد اور عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا ہے۔

ہر فرض اور سنت کے درمیان بات چیت یا کھڑے ہو کر فرق وفصل کرنا سنت ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس وقت تک نماز نہ ملائیں جب تک بات چیت نہ کرلیں یا باہر نکل جائیں۔

تیسری قسم......متعین ومستقل نمازیں۔

ا۔ نماز تراویح:......کی بیس رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جاری وادا فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے سختی سے حکم نہ فرماتے تھے آپ نے فرمایا جس نے رمضان میں تراویح ایمان وطلب ثواب کے جذبہ سے پڑھی اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے [1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھائی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر دوسرے دن بھی پڑھائی اور لوگ زیادہ ہوئے پھر صحابہ تیسری اور چوتھی رات جمع ہوتے رہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے نہیں گئے جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا تھا اور مجھے مسجد آنے سے اس خوف نے روکا کہ کہیں تراویح تم پر فرض نہ کردی جائے راوی کہتے ہیں

---

[1] رواہ اصحاب الکتب الستة

یہ رمضان کی بات ہے۔❶

بیس رکعت تراویح کی دلیل...... یزید بن رومان سے مؤطا مالک میں روایت ہے لوگ عمر بن بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان مبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور بیس رکعات میں راز یہ ہے کہ فرائض کی بیس رکعت ہیں رمضان میں ڈبل (دگنی) کر دی گئی کیونکہ یہ محنت وکوشش کا وقت ہے حضرت عمر کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس کا حکم دینا عام شہرت کا موقع تھا اس لیے یہ اجماع ہوا۔

ابوبکر بن عبدالعزیز نے اپنی کتاب الشافی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو آپ لوگوں کو بھی بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ اور حضرت علی سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا اور یہ اجماع کی طرح ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے"

تراویح میں سلف صالحین کی اتباع میں جہراً قرات کرنا چاہیے نیز تراویح کو جماعت سے پڑھنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ اور صحابہ کرام کو جمع کیا اور فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ رہا امام کے نماز ختم کرنے تک تو اس کے لیے پوری رات قیام کا ثواب لکھا جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے آپ جماعت سے پڑھتے تھے اور بیہقی میں حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ مردوں کے لیے بھی ایک امام مقرر فرماتے اور عورتوں کے لیے بھی ایک امام مقرر فرماتے نیز حضرت علی حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین جماعت سے تراویح پڑھتے تھے اور صحابہ کا اس پر اجماع ہے۔

تراویح کی تعداد میں علماء کے تین قول ہیں:

۱..... بیس رکعت سنت ہیں یہ بہت سارے علماء کا قول ہے کیونکہ مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل رہا ہے۔

۲..... چھتیس رکعتیں ہیں وتروں کے علاوہ یہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھا اور اہل مدینہ قدیم کا عمل بھی ہے۔

۳..... تیرہ رکعت یہ بعض لوگوں کا قول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ درست یہ ہے کہ یہ سب ہی عمدہ اور بہتر ہے۔

جیسا کہ امام احمد نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور تراویح میں کسی عدد کو مقرر نہیں کیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا کوئی عدد مقرر نہیں کیا۔ پس رکعات کا زیادہ یا کم ہونا قیام کے طویل یا قصیر ہونے کی وجہ سے ہوگا شوکانی نے فرمایا: رمضان المبارک میں تراویح جماعت کے ساتھ اور تنہا پڑھنے پر احادیث دلالت کرتی ہیں اور تراویح کو کسی خاص عدد پر منحصر کرنا اور مخصوص قرأت اس میں کرنا سنت سے ثابت نہیں۔

تراویح میں قرأت...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رمضان مبارک کے مہینے میں امام اس قدر قرأت کرے جو لوگوں پر آسان ہو گراں نہ ہو اور خاص کر چھوٹی راتوں مین۔

قاضی ابویعلی نے فرمایا: قرآن ختم کرنا سنت ہے اس سے کم مستحب نہیں اور نہ زیادتی صحیح ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو مشقت ہوگی۔

صاحب مغنی کا تعاقب...... صاحب مغنی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا لوگوں کے حالات کے مطابق مقرر کرنا اولیٰ ہے اس لیے کہ اگر لوگ اس بات پہ متفق ہو جائیں کہ زیادہ پڑھیں گے تو افضل ہے جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تراویح پڑھی حتیٰ کہ ہمیں فلاح یعنی سحری فوت ہونے کا اندیشہ ہونے لگا۔

اور مستحب یہ ہے کہ تراویح کی ابتداء سورۃ العلق سے کرے کیونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے نازل ہونے والا حصہ یہی ہے۔ پس جب

❶..... مسلم

اس کا سجدہ تلاوت کرے تو کھڑا ہو کر سورہ بقرہ سے پڑھے۔

تراویح کی نیت...... ہر دو رکعت پر تراویح پڑھنے کی سرًا نیت کرے کہ میں مسنون تراویح کی دو رکعتیں پڑھنے کی نیت کرتا ہوں، حدیث میں ہے اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے اور ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر استراحت کرے اور ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنا ترک کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور ترویحہ کے دوران دعا نہ کرے کیونکہ اس کا ثبوت نہیں البتہ تراویح کے بعد دعا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فاذا فرغت فانصب''۔الانشراح ۹۴/ ۷

وقت تراویح......تراویح کا وقت نماز عشاء کی سنتوں کے بعد اور وتروں سے قبل طلوع فجر تک ہے لہٰذا تراویح نماز عشاء سے پہلے پڑھنا صحیح نہیں۔ پس جس نے عشاء پڑھ کر تراویح پڑھی پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے بے وضو عشاء پڑھی ہے تو تراویح کا بھی اعادہ کرے گا کیونکہ یہ سنت ہیں جو فرائض کے بعد پڑھے جانے چاہیں لہٰذا پہلے صحیح نہیں، جیسے کہ عشاء کی سنت اگر طلوع فجر ہو جائے تو تراویح کا وقت ختم ہو جائے گا اور ان کی قضاء نہیں اگر کسی نے تراویح عشاء کے فرائض کے بعد اور سنتوں سے پہلے پڑھ لی تو صحیح ہیں لیکن افضل یہ ہے کہ سنت کے بعد پڑھے۔

مسجد میں پڑھنا......تراویح کو مساجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تین راتیں پے در پے نماز تراویح پڑھائی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور ایک مرتبہ تین مختلف راتوں میں پڑھائی جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ تراویح پڑھے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے، صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مساجد میں مختلف جماعتوں میں پڑھتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو جمع فرمادیا تمام صحابہ نے آپ کی اتباع کی اور آپ کے بعد کے لوگوں نے بھی نیز تراویح کو شروع رات میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ شروع رات میں پڑھتے تھے۔

تراویح کے بعد وتر......تراویح کے بعد جماعت سے تین رکعت وتر پڑھے موطا مالک کی یزید بن رومان کی گزشتہ روایت کی وجہ سے اگر تہجد پڑھتے ہوں تو وتر کو تہجد کے بعد پڑھنا مستحب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ اگر تہجد نہیں پڑھنے تو وتر کو امام کے ساتھ پڑھے تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو تہجد پڑھنے والا اگر امام کے ساتھ وتر پڑھنا چاہے تو جب امام سلام پھیرے یہ کھڑا ہو کر ایک اور رکعت ملالے پھر جب تہجد پڑھے وتر بھی پڑھ لے تو یہ امام کی اتباع کی فضیلت بھی پائے گا اور وتر کو آخری نماز بنانے کی فضیلت بھی وتر جماعت سے یا تنہا پڑھنے کے بعد جو شخص نفل پڑھنا چاہیے تو وہ وتر کو نہ توڑے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے جب ان سے اس شخص کی متعلق پوچھا گیا جو وتر توڑتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ وتروں کے ساتھ کھیل رہا ہے اور طلوع فجر تک دوگانہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام سے صحیح روایت ہے کہ آپ نے وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھی اور اس کے بعد وتر نہ پڑھے بلکہ تہجد سے پہلے وتروں پر اکتفاء کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔

دوران تراویح یا بعد میں نفل پڑھنا......دوران تراویح نفل پڑھنا مکروہ ہے اور طواف مکروہ نہیں اور نہ بعد میں طواف مکروہ ہے اہل مکہ ہر تراویح کے بعد طواف کے سات چکر لگاتے ہیں اور دو رکعت طواف کی پڑھتے ہیں تراویح اور وتر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔ چاہے زیادہ وقت گذرا ہو یا کم۔

۲۔نماز چاشت...... مستحب ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا

حکم دیا ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنے، دو رکعت چاشت اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا۔ چاشت کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت ہیں، ام ہانی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر فتح مکہ کے دن آئے اور آٹھ رکعت پڑھیں اس سے ہلکی نماز میں نے کبھی نہیں دیکھی رکوع سجود پورے ادا کرتے ہیں۔ اس کا وقت جب سورج بلند ہو اور گرمی ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز چاشت اس وقت پڑھی جائے جب گرمی ہو۔

بعض حنابلہ کے ہاں چاشت کو ہمیشہ پڑھنا مستحب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز چاشت نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا نیز اس پر ہمیشگی اختیار کرنا اس کو فرائض کے مشابہ کردے گا۔

ابو الخطاب فرماتے ہیں: نماز چاشت پر ہمیشگی اختیار کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس وصیت کی ہے اور فرمایا جو شخص چاشت کی دو رکعت پر مداومت کرے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے۔

۳۔ **صلوٰۃ التسبیح**..... امام احمد کے ہاں مستحب نہیں کیونکہ اس بارے میں روایت شدہ احادیث سے اس کا ثبوت نہیں لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو کچھ حرج نہیں کیونکہ نوافل وغیرہ کے لیے صحیح حدیث کا ہونا ضروری نہیں۔

۴۔ **نماز استخارہ**..... سنت ہے بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے۔

۵۔ **نماز حاجت**..... بھی سنت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ترمذی میں اور امام ترمذی نے اس کو حدیث غریب فرمایا ہے۔

۶۔ **نماز توبہ**..... یہ بھی سنت ہے ترمذی اور ابوداؤد میں حدیث ہے حضرت علی سے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

۷۔ **تحیۃ المسجد**..... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے سنت ہے۔ بخاری ومسلم

۸۔ **نماز زوال**..... یہ مستحب ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں بھی مستحب ہے۔

مطلق نفل..... رات بھر نوافل پڑھنا اور دن بھر سوائے اوقات مکروہ کے نوافل پڑھنا مشروع ہیں رات کو نفل پڑھنا دن میں پڑھنے سے افضل ہیں امام احمد فرماتے ہیں: فرض نمازوں کے بعد تہجد سے افضل کوئی نماز میرے یہاں نہیں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الاسراء:۱۷/۷۹

اور بعض حصہ شب میں بیدار ہوا کرو اور تہجد کی نماز پڑھا کرو یہ شب خیزی تمہارے لئے اضافی نماز ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض کے بعد افضل نماز تہجد ہے۔ اور تہجد کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! رات کے کون سے حصہ میں زیادہ سنا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں بس جو چاہو نماز پڑھو۔

گھر میں نوافل پڑھنا افضل ہے حدیث میں ہے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا لازم کرلو اس لیے کہ فرائض کے علاوہ سب سے بہتر نماز وہ ہے جو آدمی گھر میں پڑھے تہجد سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف فرماتے۔ تہجد کو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرنا مستحب ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو اسے چاہیے دو ہلکی رکعتوں سے اپنی نماز کی ابتداء کرے۔

رکعات تہجد...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی رکعات میں اختلاف ہے زید بن خالد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ تیرہ رکعت ہیں جن میں سے تین وتر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں گیارہ رکعت ہیں جن میں سے تین وتر ہیں۔ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کبھی آپ نے تیرہ رکعت پڑھی ہوں گی اور کبھی گیارہ۔

تہجد پڑھنے والے کی قرأت...... مستحب یہی کہ تہجد پڑھنے والا تہجد میں قرآن کریم کا ایک حصہ پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہے ہیں قرأت جہراً یا سراً کرنے میں اختیار ہے البتہ اگر جہر قرأت کرے گا تو اس سے قرأت میں چستی اور نشاط حاصل ہوگا، یا کسی کی موجودگی میں جو قرأت سننا چاہتا ہو یا اس سے نفع ہوگا لہٰذا جہراً قرأت افضل ہے۔ اور اگر اس کے قریب کوئی اور تہجد پڑھ رہا ہو یا کسی کو بلند آواز سے تکلیف ہوگی ہو تو اس صورت میں سراً قرأت اولیٰ ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر جس طرح چاہیے قرأت کرے۔

تہجد کی قضاء...... اگر کسی کے تہجد رہ جائیں تو وہ فجر اور ظہر کے درمیان ان کی قضاء کرے۔

مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل...... مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنا مستحب ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ ۳۲/۱۶) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں کے بارے میں منقول ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے ہیں۔

نفل دو دو رکعات...... شوافع کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی نفل دو دو رکعت پڑھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رات کی نماز دو دو رکعت ہیں اگر دن کو کسی نے چار رکعت نفل پڑھے تو کوئی حرج نہیں دن کے نوافل میں بھی افضل یہ ہے کہ رات کی طرح دو دو رکعت پڑھے۔

بیٹھ کر نفل...... بیٹھ کر نفل پڑھنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کھڑے ہو کر نفل پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر نفل پڑھے اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے نصف ثواب ہے مسلم شریف کے الفاظ ہیں آدمی کی بیٹھ کر نماز آدھی نماز ہے بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کے لیے حالت قیام میں آلتی پالتی مار کر بیٹھنا مستحب ہے کیونکہ قیام قعود سے الگ رہے لہٰذا دونوں کی ہیئت الگ ہونی چاہے جیسا کہ قیام کی ہیئت باقی حالتوں سے الگ ہے نیز اس طرح سہو اور اشتباہ بھی نہیں ہوتا۔

رات کو نیند سے بیدار ہونے کی دعا...... مستحب یہ ہے کہ رات کو اٹھتے وقت حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے منقول دعا پڑھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رات کو جاگے تو وہ کہے:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر
الحمدللہ وسبحان اللہ ولاالہ الااللہ واللہ الأکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ

پھر اللھم اغفرلی کہے یا کوئی بھی دعا کرے تو قبول کی جائے گی اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم لک الحمد انت نورالسموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت قیوم السموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت ملک السموت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق ولقاؤ ک حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ حق والنبیون حق والحمد حق اللھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ماقدمت

وما آخرت وما اسررت وما اعلنت انت المقدم وانت المؤخر لااله الا انت ولا حول ولا قوۃ الا بك۔

قرآن کریم کو پڑھنا اور یاد کرنا...... قرآن کریم تمام ذکروں سے بہتر ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو قرآن کریم نے میرے ذکر اور دعا سے مشغول رکھا تو میں اس کو سب مانگنے والوں سے افضل دوں گا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے لیکن خاص مواقع پر خاص اوراد میں مشغول ہونا جیسے فرائض وغیرہ کے بعد اذکار وغیرہ یہ افضل ہیں اس وقت میں تلاوت سے، قرآن کریم تمام کتابوں سے افضل کتاب ہے اور قرآن کا بعض دوسرے بعض سے افضل ہے یا تو ثواب کے اعتبار سے یا تعلق کے اعتبار سے اس پر دلالت کرنے والی روایت جس میں سورۃ الاخلاص فاتحہ اور آیت الکرسی وغیرہ کا ذکر ہے۔

حفظِ قرآن...... قرآن حفظ کرنا بالاجماع مستحب ہے اور اس کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے بالاجماع اور جتنے قرآن سے نماز ہو سکتی ہے اتنا یاد کرنا واجب ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ مشہور قول کے مطابق یا سورہ فاتحہ اور کوئی ایک سورۃ۔ بچہ بالغ ہونے سے پہلے اسے اس کا ولی قرآن کی تعلیم دے اس کو پورا قرآن حفظ کرائے اگر حفظ کرانا مشکل ہو تو جتنا ممکن ہو یاد کروالے قرأت واجبہ سیکھنے کے بعد احکام شرعیہ سیکھنا مقدم ہے۔

قرآن سننا...... قرآن سننا مطلقاً واجب ہے کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خاص واقع کا نہیں لیکن قرآن کا سننا فرض کفایہ ہے تاکہ اس کا حق قائم رہ سکے بایں طور کہ اس کی طرف متوجہ ہونا ضائع نہ کرنے والا ہو) اور یہ بعض کے خاموش رہنے سے حاصل ہوگا جیسا کہ سلام کے جواب میں ہے۔

راستہ میں تلاوت کرنا...... راستہ میں چلتے پھرتے، لیٹے ہوئے، بیٹھے ہوئے سواری پر تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں دلیل وہ روایت ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سورۂ کہف کو راستے میں پڑھتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اپنے تخت پر لیٹی ہوتی تلاوت کرتی رہتی تھی اس کو فریابی نے روایت کیا ہے شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھے ہوتے تھے جب کہ میری ماہواری کے دن ہوتے اور آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے۔

ہر سات دن میں قرآن کریم ختم کرنا مستحب ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: قرآن کریم سات دنوں میں پڑھ اس پر اضافہ نہ کرو۔

ختم قرآن...... قرآن کریم کو چالیس دن سے زیادہ میں ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کتنے دنوں میں قران کریم ختم کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا چالیس دن میں پھر فرمایا ایک مہینے میں پھر فرمایا بیس دن میں پھر فرمایا دس دن میں پھر فرمایا سات دن میں اور سات دن سے کم میں نازل نہیں ہوا❶ اگر کسی نے تین دن میں ختم کیا تو یہ بھی اچھا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے طاقت ہے آپ نے فرمایا تین دن میں پڑھ لیا کرو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا مکروہ ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تین دن سے کم میں ختم کرے وہ قرآن کو سمجھ نہیں سکتا۔❷

ٹھہر ٹھہر کر اور ترنم سے پڑھنا...... زیادہ جلدی پڑھنے سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا افضل ہے قرآن سمجھنا اور دل سے غور کرنا افضل ہے بغیر غور کے پڑھنے سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

❶...... ابوداؤد۔ ❷ رواہ اصحاب السنن

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ المزمل ۷۳/۴

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو نیز كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص:۳۸/۲۹) (یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور مستحب ہے عمدہ طریقے سے قرأت کرنا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور عربی میں پڑھنا اور حروف ومدات وغیرہ کو بغیر تکلف ادا کرنا ترتیل کے حکم کی وجہ سے امام احمد فرماتے ہیں قاری قرآن کریم کو بہترین آواز سے پڑھے اور غور وفکر سے پڑھے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عمدہ آواز اور ترنم سے پڑھنا مستحب ہے مکروہ نہیں جب کہ اس سے حروف میں زیادتی یا الفاظ میں تغیر وتبدیل نہ ہو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی وجہ سے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اس کو خوشنما بنا کر آپ کے سامنے پڑھتا۔ حضرت عبداللہ بن المغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر سورت فتح پڑھتے سنا فرماتے ہیں ابن مغفل نے تلاوت کی اور اپنی آواز کو حلق میں ترنم سے گھمایا پس ترجیع اور تحسین مکروہ نہیں بلکہ یہ مستحب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی اجازت نہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز کے ساتھ لے سے قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے ❶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قرآن کو اپنی آوازوں کے ذریعے زینت دو ❷ وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو عمدہ آواز سے نہ پڑھے ❸ لحن سے قرآن پڑھنا مکروہ ہے یعنی حرکات کو حروف بنا دینا اور جہاں مد نہیں وہاں مد کرنا کیونکہ قرآن کریم لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے اور الحان اس کو تبدیل کرنا ہے پس اگر لحن سے نظم قرآن میں تبدیلی ہوگی اور حرکات حروف بن گئے تو یہ حرام ہے۔

آداب تلاوت...... قرأت وتلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ النحل ۱۶/۹۸

اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

ختم تلاوت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا اس کی توفیق اور نعمت پر مستحب ہے۔

اور آداب تلاوت میں سے رونا بھی ہے اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت بنا لینا اور آیات رحمت پر اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگنی چاہیے اور آیات عذاب پر پناہ مانگنی چاہیے اور لوگوں سے بات چیت کے لیے بلاضرورت تلاوت سے رکنا نہ چاہیے اور تلاوت نیک لوگوں اور جاننے والوں کے طریقہ پر ہونی چاہئے۔ باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، جب کہ بیٹھ کر پڑھ رہا ہو اور ہر سال اپنے سے زیادہ پڑھے ہوئے کے سامنے پڑھا کرے ہر سورت کے درمیان وقف بالتسمیہ کے ذریعہ فصل کرنا فخر کرنا چھوڑ دے اسی طرح طلب دنیا نہ کرے اور سکون واطمینان وقار وقناعت سے تلاوت کرے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے نمازیوں کے درمیان سونے والوں کے پاس اور تلاوت کرنے والوں کے پاس جب کہ ان کو تکلیف ہوتی ہو بلند آواز سے نہ پڑھنا۔

قرآن کریم کی تلاوت دن کے پہلے حصہ میں فجر کے بعد افضل ہے دن کے آخری حصہ میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ الاسراء ۱۷/۷۸

کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا مو جب حضور (ملائکہ) ہے اور ایک کلمہ کو سات قرأتوں سے پڑھنا جائز ہے۔ (زبانی) تلاوت بغیر وضو یا بدن وکپڑوں کی ناپاکی کی حالت میں بیوی کو چھونے کے بعد یا مس ذکر کی حالت میں مکروہ نہیں، نجاست اور گندگی والی جگہوں پر تلاوت کرنا مکروہ ہے قرآن کی عظمت کی وجہ سے اور مکروہ ہے ہوا خارج ہوتے وقت پڑھنا ہوا خارج ہو پھر پڑھے، جنازے کے ساتھ بلند آواز سے

❶...... بخاری ❷ احمد والنسائی ❸ بخاری

تلاوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نوحہ ہے منہ کے ناپاک ہونے کی وجہ سے قرأت منع نہیں ابن عقیل نے بازاروں میں جہاں شور شرابا ہو خرید وفروخت کا وہاں تلاوت کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

قرآن کریم سے تلاوت کرنا مستحب ہے اور سننا بھی مستحب ہے تاکہ سننے والا بھی پڑھنے والے کے ساتھ ثواب میں شریک ہوجاتے دوران تلاوت بے فائدہ باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ الاعراف ۷/ ۲۰۴

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے نیز سننے سے اعراض کرنا ثواب کو ضائع کر دیتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن کریم کے ختم پر دعا کرنا مستحب ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فعل کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جب قرآن ختم ہوتا اپنے اہل وعیال کو بلاتے اور دعا کرتے۔

جب قرآن کریم ختم ہوجائے تو دوبارہ شروع کرنا مستحب ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہتر عمل الحل اور الرحلۃ ہے پوچھا گیا یہ کیا ہیں آپ نے فرمایا قرآن کریم شروع کرنا اور ختم کرنا۔

سورت الضحیٰ سے آخر تک ہر سورت کے ختم پر صرف تکبیر کہنا مستحب ہے تہلیل وتحمید مستحب نہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی آپ نے تکبیر کا حکم فرمایا: سورۃ اخلاص کو بار بار پڑھے قرآن کے اختتام پر سورت فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتداء پانچ آیات نہ پڑھے کیونکہ اس طرح پڑھنا ثابت نہیں مقامات مقدسہ میں زیادہ تلاوت کرنا مستحب ہے مثلاً مکہ مکرمہ میں بغیر اہل خانہ جانے والے کے لیے اس زمانے کو اور جگہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے لغت عربی کے موافق قرآن کریم کی تفسیر کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن عربی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ......النحل ۱۶/ ۴۴

تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو اور اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کی مذمت میں فرمایا:

اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ......التوبۃ: ۹/ ۹۷

اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت) اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ان سے واقف (ہی) نہ ہوں۔

قرآن کی تفسیر......تفسیر بالرائے جائز نہیں یعنی نہ ہی وہ لغت کے موافق ہو اور نہ ہی وہ تفسیر منقول ہو جس شخص نے قران کی تفسیر اپنے رائے سے بیان کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالینا چاہیے چاہیے درست تفسیر کرے تب بھی غلطی کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی مرفوع روایت ہے کہ جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے باوجود جانتا نہیں اس سے کی تو اسے چاہیے آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے ❶ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور درست کی پھر بھی اس نے غلطی کی ❷ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کیونکہ انھوں نے قرآن کریم کے اترنے کا مشاہدہ کیا ہے اور تفسیر کے وقت حاضر تھے یہ ظاہری دلیل ہے رجوع کی البتہ مشہور قول کے مطابق تابعی کی تفسیر کی طرف رجوع ضروری نہیں کیونکہ ان کا قول حجت نہیں۔ قرآن کریم کو اپنے کلام کی جگہ استعمال کرنا جائز نہیں مثلاً کسی شخص کو اپنے وقت پر آتے دیکھ یہ آیت پڑھنا: ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۴۰) پھر اے موسیٰ تم اندازے پہ آ پہنچے۔

---

❶......رواہ ابو داؤد ❷ رواہ النسائی

مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ کسی سورت کو اجتماعی طور پر پڑھنا مثلاً سورہ یٰسٓ کو مکروہ تحریمی ❶ ہے (یعنی عملاً حرام ہے) جیسا کہ بالاتفاق مساجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور دکھلاوے کا شبہ بھی ہے۔

نویں فصل......سجدہ کی خاص اقسام اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان

اس فصل میں دو مباحث ہیں۔

پہلی بحث: سجدہ کی خاص اقسام:

سجدۂ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدۂ شکر......اس بحث میں تین اقسام کے سجدوں پر گفتگو ہوگی یہ سجدے اصل نماز سے نہیں ہیں وہ یہ ہیں سجدہ سہو سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر۔

پہلا مقصد: سجدۂ سہو، سجدۂ سہو کا حکم اس کے اسباب محل اور طریقہ:

لاعلمی میں کسی چیز کو ترک کر دینا سہو کہلاتا ہے عربی میں اسے السھو فی الشیء کہتے ہیں اگر علم ہوتے ہوئے کسی شے کو ترک کر دیا جائے تو اس پر بھی سہو کا اطلاق ہوتا ہے اور عربی میں اسے السھو عن الشیء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ناسی (بھول جانے والا) اور ساہی (جس سے سہو ہو جائے) میں یہ فرق ہے کہ ناسی کو اگر یاد دلایا جائے تو اسے یاد آ جاتا ہے بخلاف ساہی کے کہ اسے اگر یاد دلایا جائے تو اسے بھولی ہوئی چیز یاد نہیں آتی۔

اول......سجدۂ سہو کا حکم:

سجدہ سہو کی مشروعیت میں کوئی شک نہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ چیزیں پہنچی ہیں جو ہم نے یاد رکھی ہیں آپ نے دو چیزوں کے بھولنے پر سلام پھیرا اور سجدہ کیا تین چیزوں کے بھولنے پر سلام پھیرا اور سجدہ کیا نماز میں کمی بیشی ہو جانے پر بھی سجدہ کیا آپ نے دو رکعتوں پر قیام بھی کیا اور تشہد نہیں پڑھا۔

علامہ خطابی کہتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ پانچ احادیث کی طرف ہے یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو شک ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں اسے چاہیے کہ شک کو دور کرے اور جو یقینی تعداد ہو اس پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعے اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے۔ ❷

سجدہ سہو نماز میں نقص واقع ہونے کے جبیرہ (کمی پوری کرنے) کے لیے مشروع ہوا ہے تا کہ اعادہ نماز سے بچ رہے اور سجدہ اعادہ کا فدیہ بن جائے سجدہ سہو کسی ایسی کمی بیشی کی وجہ سے لازم ہوتا ہے جو نماز کی اساس میں سے نہیں ہوتی۔

اگر نماز میں جان بوجھ کر کمی یا زیادتی کر دی تو اس صورت میں سجدہ سہو مشروع نہیں ہے اس کی دلیل طبرانی کی روایت ہے کہ جو کہ حضرت

---

❶......حنفیہ کے ہاں بھی کسی سورت یا ذکر وغیرہ کو اجتماعی طور پر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ شامی عالمگیریہ اور باقی کتب حنفیہ میں اسی طرح ہے۔ ❷ رواہ احمد و مسلم (نیل الاوطار: ١١٦/٣) قال ابن المنذر حدیث ابی سعید اصح حدیث فی الباب۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جوشخص نماز پوری کرنے سے پہلے بھول جائے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے دوسجدے کرلے حدیث میں سجدے کو سہو (بھول پر معلق کیا گیا ہے) دوسری وجہ یہ بھی ہی کہ سجدہ سہو کمی یا زیادتی کے نقص کی تلافی کے لیے مشروع ہوا ہے اور جوشخص جان بوجھ کر کمی یا زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے وہ معذور نہیں ہوتا لہٰذا سجدہ سہو سے نماز کا جبیرہ نہیں ہوگا۔

حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق سجدہ سہو واجب ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں فی الجملہ سنت ہے ❶ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو جب واجب ہے تو اگر نمازی پر سجدہ سہو واجب ہوا لیکن اس نے سجدہ چھوڑ دیا تو گناہ گار ہوگا البتہ اس کی نماز باطل نہیں ہوگی چونکہ سجدہ سہو فوت شدہ چیز کا ضمان ہوتا ہے اور اس صفت کا جو ضمان ہو وہ واجب ہوتا ہے سجدہ سہو سے قراۃ تشہد اور سلام مرفوع ہوجاتا ہے جب کہ قعدہ رفع نہیں ہوتا چونکہ وہ رکن ہے۔

سجدہ سہو کس پر واجب ہے......سجدہ سہو امام اور منفرد (جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو) پر واجب ہے البتہ اگر مقتدی جب امام کی اقتداء میں ہو وہ بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے ❷ ہاں البتہ اگر امام سے بھول ہوجائے اور وہ سجدہ کرے تو اس کی اقتداء میں مقتدی کا سجدہ کرنا واجب ہے اگرچہ نمازی حالت اقتداء میں مدرک ہو یا مسبوق ہو ❸ اگر امام سجدہ سہو نہ کرے تو مقتدی کے ذمہ سے سجدہ ساقط ہوجاتا ہے چونکہ امام کی متابعت لازمی ہے البتہ مسبوق سجدہ میں امام کی اتباع کرے سلام میں اتباع نہ کرے۔

سجدہ سہو اس وقت واجب ہوگا جب وقت نماز کے لئے صالح اور صحیح ہو اگر نماز فجر میں سلام پھیرنے کے بعد سورج طلوع ہوجائے یا نماز عصر میں سلام پھیرنے کے بعد سورج زرد پڑ جائے تو سجدہ سہو ساقط ہوجائے گا چونکہ سجدہ سہو اس نقص کی تلافی کے لیے واجب ہوا ہے جو دسترس میں ہو جیسے قضاء میں ہوتا ہے، چنانچہ نمازی نے نماز میں اگر کوئی ایسا فعل کردیا جو بنائے نماز کے مانع ہو مثلاً بات کرلی زور سے ہنس دیا یا جان بوجھ کر وضو توڑ دیا یا مسجد سے باہر نکل گیا یا قبلہ سے دوسری طرف منہ موڑ لیا حالانکہ اسے یاد ہو تو یہاں بوجہ ضرورت کے سجدہ سہو ساقط ہوجائے گا چونکہ سجدہ سہو کا محل فوت ہو چکا اور وہ نماز کی تحریمہ ہے۔

جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں سجدہ سہو ترک کردینا چاہیے یہ حکم اس وقت ہے جب اجتماع زیادہ ہو اور لوگوں کے اشتباہ میں پڑنے کا خوف ہو جوشخص سجدۂ سہو میں بھول گیا تو اس پر سجدہ نہیں۔

سجدۂ سہو کے وجوب پر دلیل......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں شک ہو تو اسے چاہیے کہ وہ درستی اور ثواب کی تلاش کرے پھر اسے پورا کرے پھر سلام کرے اور پھر دوسجدے کرے۔

اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دوسجدے ہیں ❹ ان احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ سجدہ کرنا واجب ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اس پر مواظبت کی ہے مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ سجدہ سہو تلافی نقصان کے لیے مشروع ہوا ہے لہٰذا حج کے دم جبر کی طرح واجب ہے تاکہ عبادت میں کمال متحقق ہوجائے۔

مالکیہ......کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو امام اور منفرد کے لیے سنت مؤکدہ ہے رہی بات مقتدی کی سو سنت موکدہ میں کمی واقع ہونے کی وجہ سے اس پر سجدہ نہیں چونکہ مقتدی کی طرف سے امام اس کا ضامن ہوتا ہے اگر مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد بھول جائے تو اپنے لیے سجدہ سہو کرے۔

---

❶......دیکھئے فتح القدیر ١/٣٥٥، البدائع ١/١٦٣، مراقی الفلاح ٧٩، الشرح الصغیر ١/٣٧٧، مغنی المحتاج ١/٢٠٤، کشاف القناع ١/٤٥٩۔ ❷ چونکہ اگر مقتدی سجدہ کرے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے۔ ❸ مدرک وہ نمازی ہو امام کے ساتھ نماز شروع کرے پھر کسی عارض کی وجہ سے درمیان سے نماز رہ جائے۔ مسبوق وہ ہوتا ہے جس سے ایک یا دو رکعتیں شروع کی فوت ہوجائیں اور امام آگے بڑھ جائے ❹ رواہ الجماعۃ الا الترمذی (نصب الرایۃ ٢/١٦٧)

رہی بات مسبوق کی جس نے امام کے ساتھ صرف ایک رکعت پائی ہوتو وہ پہلے سے واجب ہونے والے سجدے کو امام کے ساتھ کرے یہ تب ہے جب امام سجدہ کرے اور اگر امام نے سجدہ نہ کیا تو مقتدی نماز پوری کرنے سے پہلے سجدہ کرلے اور بعد میں واجب ہونے والے سجدہ کو موخر کرے اور سلام کے بعد سجدہ کرے چنانچہ اگر سجدہ مقدم کردیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں......امام اور منفرد کے لیے سجدہ سہو سنت ہے اگر مقتدی امام کے پیچھے بھول جائے تو اس پر سجدہ نہیں ہے چونکہ اقتداء کی حالت میں امام مقتدی کا ضامن ہوتا ہے البتہ اگر امام بے وضو ہو تو اس صورت میں مقتدی کا ضامن نہیں ہوگا چونکہ یہاں حقیقت میں اقتداء ہے ہی نہیں۔

صرف ایک حالت میں سجدہ سہو واجب ہے وہ تب کہ جب مقتدی امام کی اقتداء میں ہو اگرچہ مسبوق ہی ہو تو اگر امام سے بھول ہو جائے تو امام کی اتباع میں سجدہ واجب ہوگا چونکہ امام کی متابعت واجب ہے اگر مقتدی نے سجدہ نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز کا اعادہ واجب ہوگا البتہ اگر مقتدی کو امام کے بھولنے کا علم ہو جائے تو اس کی اتباع نہ کرے اگر مسبوق نے امام کی اتباع کی اور امام بھول گیا ہو خواہ مسبوق کی اتباع سے پہلے بھولا ہو یا بعد میں بھولا ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے مستحب یہ ہے کہ نماز کے آخر میں مسبوق پھر سجدہ کرے چونکہ یہ سہو کا محل ہے۔

جب امام نے سجدہ چھوڑ دیا تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اگر جمعہ کا امام بھول گیا مقتدیوں نے سجدہ کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ سجدہ فوت ہوا ہے تو ظہر کی نماز مکمل کریں اور نماز کے آخر میں دوسرا سجدہ کریں چونکہ یہ معلوم ہو چکا کہ پہلا سجدہ نماز کے آخر میں نہیں تھا۔

اگر نمازی کو بھول جانے کا گمان ہوا اس نے سجدہ سہو کرلیا سجدہ کرنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ فی الواقع اس سے بھول نہیں ہوئی چونکہ نماز میں زیادتی کردی ہے لہٰذا سجدہ سہو کرے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ سجدہ سہو میں بھول کا واقع ہونا سجدہ کا مقتضی نہیں جب کہ بھول اس کی مقتضی ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں سجدہ سہو واجب ہے کبھی سجدۂ سہو مباح ہوتا ہے اور کبھی مستحب ہوتا ہے، تاہم مندرجہ ذیل صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

الف.....نماز میں ایسی کمی یا زیادتی کردی جو اگر جان بوجھ کر کی جائے تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہو جیسے کسی رکن فعلی کا ترک کردینا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں یہی حکم دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھو ایسی ہی نماز پڑھو۔

ب.....بھول کر کسی واجب کو ترک کردیا جیسے رکوع اور سجدے کی تسبیحات چھوڑ دیں۔

ج.....نماز میں شک کردیا جیسے کسی رکن یا کسی رکعت کے چھوڑنے میں شک ہوا۔

د.....نماز میں ایسی لفظی غلطی کردی جس سے معنی بدل جائے خواہ بھول کر یا جان بوجھ کر۔

سجدۂ سہو مستحب ہے......سجدہ سہو اس صورت میں مستحب ہے جب کوئی مشروع قول ایسی جگہ کہہ دیا جو فی الواقع اس کا محل نہ ہو خواہ جان بوجھ کر ایسا کیا یا بھول کر جیسے بھول کر قرأت کردی یا قعدہ کردیا یا حالت قیام میں تشہد پڑھ دیا یا آخری دو رکعتوں میں سورت پڑھ لی۔

مباح سجدۂ سہو......نماز میں کوئی سنت ترک کردی تو سجدہ سہو کرنا مباح ہے

یہ ساری تفصیل امام اور منفرد کے حق میں ہے رہی بات مقتدی کی سو امام کی اتباع اس پر واجب ہے چونکہ اگر امام کی اتباع نہیں کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح مسبوق پر بھی امام کی اتباع واجب ہے اگر سجدۂ سہو کا سبب مسبوق کے شامل ہونے سے پہلے امام سے

سرزد ہو ہوا تب بھی مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اگر مسبوق نے امام کے ساتھ ایک سجدہ پایا تو جب امام سلام پھیرے تو وہ کا دوسرا سجدہ بھی کرلے۔تاکہ دونوں سجدوں میں تسلسل رہے۔

دوم: سجدۂ سہو کے اسباب......سجدہ سہو کے اسباب کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف ہے بہتر یہی ہے کہ ہر مذہب کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے۔

حنفیہ کا مذہب......جان بوجھ کر یا بھول کر کسی چیز کو چھوڑ دیا یا بھول کر کسی چیز کا اضافہ کر دیا یا بھول کر کسی چیز کا محل تبدیل کر دیا یہ امور تین احوال میں متحقق ہوتے ہیں۔

ا......جان بوجھ کر اگر کسی چیز کو ترک دیا تو تین صورتوں میں سجدہ کرے: پہلا قعدہ ترک کر دیا یا پہلی رکعت کے ایک سجدہ کو آخر نماز تک موخر کر دیا یا نماز میں سوچ و بچار شروع کر دی۔حتی کہ ایک رکن کی مقدار کے برابر تاخیر ہوگی تو سجدہ کرے۔

۲......نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو بھول کر چھوڑ دیا خواہ واجب کو مقدم کر دیا یا موخر کر دیا یا اس میں کمی کر دی یا زیادتی کر دی ان کی تعداد گیارہ ہے ان میں سے چھ واجبات اصلیہ ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(اول)......نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ چھوڑ دی یا اکثر فاتحہ چھوڑ دی۔

(دوم)......سورت فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیات یا کوئی سورت یا کوئی طویل آیت نہ ملائی

(سوم)......جہری اور سری نمازوں میں الٹ کر دیا یعنی سری نمازوں میں جہر کر دیا جہری نمازوں میں سر کر دیا۔

(چہارم)......تین یا چار رکعتی نمازوں میں پہلا قعدہ چھوڑ دینا۔

(پنجم)......آخری قعدہ میں تشہد چھوڑ دینا۔

(ششم)......ایک ہی رکعت میں فعل مکرر میں ترتیب کی رعایت نہ کرنا مثلاً ایک رکعت مین دو سجدے کیے جاتے ہیں لیکن نمازی نے ایک ہی سجدہ کیا پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا اور دوسری رکعت دو سجدوں کے ساتھ پوری کرلی پھر نمازی کو متروک سجدہ یاد آیا اب نماز کے آخر میں اس نے متروک سجدہ کرلیا تو ترتیب کی رعایت نہ کرنے پر سہو کے دو سجدے واجب ہوں گے چونکہ نمازی نے واجب اصلی بھولے سے چھوڑ دیا ہے لہٰذا سجدہ سہو واجب ہوگا۔

جو افعال نماز میں مکرر نہیں آتے ان میں اگر نمازی نے ترتیب قائم نہ کی مثلاً تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد رکوع کر دیا پھر اوپر اٹھ کر قرأت کی تو اس پر رکوع کا اعادہ کرنا واجب ہوگا اور سجدہ سہو بھی کرے گا۔اسی طرح اگر نماز میں سجدہ تلاوت اپنے محل میں نہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔فرض رکن میں تاخیر کر دی یا اس میں تغیرؒ وتبدل کر دیا جیسے کھڑے ہونے کی جگہ بیٹھ گیا یا اس کا الٹ کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(ہفتم)......رکوع اور سجدہ میں طمانیت ترک کر دی چنانچہ صحیح قول کے مطابق اگر بھولے سے طمانیت چھوڑ دی (یعنی اطمینان اور تسلی سے رکوع سجدہ نہ کیا) تو سجدہ سہو واجب ہے۔

(ہشتم)......فرض نمازوں میں قرأت کا محل تبدیل کر دیا مثلاً قرأت میں پہلے سورت پڑھی پھر فاتحہ پڑھی یا چار رکعتی نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورت پڑھ لی یا دوسری اور تیسری رکعت میں قرأت کر دی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(نہم)......وتر میں دعائے قنوت چھوڑ دی۔یعنی رکوع کر دیا اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت نہ پڑھی۔

لہٰذا جو شخص دعائے قنوت ترک کر دے وہ سجدہ سہو کرے۔

(دہم) دعائے قنوت کے لیے تکبیر ترک کر دی تو بھی سجدہ سہو کرے۔

(یازدہم)......عیدین کی تکبیرات ترک کردیں یا ان میں سے کچھ ترک کردیں یا دوسری رکعت میں رکوع کے لیے جو تکبیر کہی جاتی ہے وہ ترک کردی۔ رکوع کے لیے تکبیر کہنا واجب ہے۔

۳......نماز میں کسی ایسے فعل کی زیادتی کردینا جو نماز کی جنس میں سے نہ ہو مثلاً دو رکوع کردیئے تو ایسی صورت میں بھی نمازی سجدۂ سہو کرے۔

بھولے ہوئے فعل کی طرف عود کرنا...... جو شخص قعدہ اولیٰ میں بھول گیا پھر اسے یاد آیا اب اگر وہ بیٹھنے کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے بیٹھ کر تشہد پڑھ لے اور اگر حالت قیام کے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اور سہو کے دو سجدے کرلے جو شخص قعدہ آخیرہ کو بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور پانچویں رکعت کو لغو کردے اور سجدہ سہو کرے اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اس کی فرض نماز باطل ہوگئی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نماز نفل ہوجائے گی اب یہ ایک رکعت اور پڑھے تاکہ چھ رکعتیں پوری ہوجائیں اور اگر چوتھی رکعت کے اختتام پر بقدر تشہد بیٹھا ہو پھر کھڑا ہوا ہو سلام نہ پھیرا ہو اور پہلا قعدہ سمجھ کر کھڑا ہو گیا ہو تو پانچویں رکعت کا جب تک سجدہ نہیں کیا واپس لوٹ آئے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کردیا تو مستحب ہے کہ ایک رکعت اور پڑھے تو نماز پوری ہوجائے گی چونکہ اخیر جلوس پایا گیا ہے اور دو زائد رکعتیں نفل ہوں گی۔

نماز میں شک کا واقع ہوجانا...... جب کوئی شخص نماز میں بھول جائے اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں اگر یہ پہلی مرتبہ بھولا ہو اس کی عادت بھولنے کی نہ ہو تو از سر نو نماز کو دہرائے یہ نماز باطل ہوجائے گی بیٹھے بیٹھے سلام پھیر کر نماز کا اعادہ کرے چونکہ حدیث ہے۔'' جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شک ہوجائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو وہ اپنی نماز دہرائے۔ (۱۱) نیز ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کو یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یہاں تک کہ اسے یاد رہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب نماز دہرائے گا یقین کامل کے ساتھ ادا کرے گا۔ اگر سلام پھیر دینے کے بعد اس طرح کا شک پیدا ہوا تو نمازی پر اعادہ نہیں جیسے سلام سے پہلے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد شک ہو۔

اگر نمازی کو اکثر شک ہوجانے کی عادت ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اگر طرفین میں سے کسی جانب کو ترجیح ہو چونکہ اکثر شک ہوجانے کی صورت میں اعادہ نماز میں حرج ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو درستی کے لیے تحرّی کرے۔ (۱۲)

اگر نمازی کو ظن غالب نہ ہو تو رکعات کی کم از کم تعداد پر بنا کرے چونکہ قلیل یقینی ہے پھر ہر رکعت کے بعد قعدہ کرے تاکہ فرض قعدہ ترک نہ ہو اگر چار رکعتی نماز میں شک ہو کہ آیا یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت ہے تو نمازی تحری پر عمل کرے اگر تحری میں بھی کوئی راہ نہ نکلنے پائے تو اقل پر عمل کرے یعنی پہلی رکعت قرار دے اور دوسری پڑھے پھر بیٹھے چونکہ ممکن ہے کہ یہ دوسری رکعت ہو جب کہ دوسری رکعت پر قعدہ کرنا واجب ہے پھر کھڑا ہو دوسری رکعت پڑھے اور قعدہ کرے رکعات کی اقل تعداد پر بنا کرنے کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں شک ہو اور اسے یقین نہ ہو کہ آیا تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں پڑھی ہیں تو وہ شک کو لغو سمجھے اور اقل پر بنا کرے۔ (۱۳)

---

(۱۱)......قال الزيلعي: حديث غريب (نصب الراية ۲/۱۷۳) (۱۲) اخرجه البخاري ومسلم عن ابن مسعود مرفوعاً (۱۳) اخرجه مسلم۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ میں مختلف احادیث کو جمع کیا ہے۔

مالکیہ کا مذہب.....سجدہ سہو کے تین اسباب ہیں:

۱.....فقط کمی ۲.....فقط زیادتی ۳.....کمی اور زیادتی معاً

نماز میں کمی ہو.....سنت موکدہ جو کہ نماز میں داخل ہوا سے بھول کر یا جان بوجھ چھوڑ دیا جیسے سورت کو اس کے محل میں نہ پڑھا یا دو یا دو سے زیادہ خفیف سنتیں چھوڑ دیں جیسے تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ تکبیرات یا دو تسمیعات چھوڑ دیئے یا ایک تکبیر اور ایک تسمیہ چھوڑ دیا اسی طرح سنت چھوڑنے کی مثالوں میں سے جیسے فاتحہ جہراً پڑھنا چھوڑ دی یا صبح کی فرض رکعتوں میں سورت پڑھنی چھوڑ دی۔ البتہ زبان کو معمولی سی حرکت دینے پر اکتفا کر لیا اور یا تشہد چھوڑ دیا چونکہ یہ بھی سنتِ خفیفہ ہے ان ساری صورتوں میں نماز میں نقص یعنی کمی ہوتی ہے لہٰذا سلام سے پہلے سجدے کرے۔

اگر جان بوجھ کر نماز کے کسی رکن میں نقص (کمی) ڈالا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر رکن میں بھول کر کمی کی تو جب تک اس کا محل نہ فوت ہو تو اس کمی کو پورا کرے اگر محل فوت ہو جائے تو رکعت کو لغو کر دے اور پھر نماز کی قضاء کرے۔

زیادتی ہو جائے.....یعنی نماز میں کسی فعل کی زیادتی کر دی جو فعل کثیر نہ ہو[1] اور نماز کی جنس میں سے بھی نہ ہو یا نماز کی جنس سے ہو۔ پہلے کی مثال جیسے تھوڑا سا کھا لیا یا بھولے سے تھوڑا سا کلام کر دیا دوسرے کی مثال جیسے ایک رکوع زائد کر دیا یا ایک سجدہ زائد کر دیا یا نماز کا کچھ حصہ زائد کر دیا جیسے ایک یا دو رکعتیں زائد پڑھ لیں یا دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا لہٰذا سلام پھیرنے کے بعد زیادتی کی وجہ سے دو سجدے کرے۔

اوپر تفصیل فعل کی تھی اگر نماز میں قول کی زیادتی کر دی اگر قول نماز کی جنس میں سے ہو تو وہ معاف ہے اگر جنس نماز میں سے نہ ہو تو سجدہ کرے۔

نماز میں زیادتی اور کمی معاً ہو جائے.....یہ کہ سنت میں کمی کر دی اگرچہ سنت غیر موکدہ ہو اور سبب ثانی میں جو امور بیان ہوئے ان کی زیادتی کر دی مثلاً سورت میں جہر کرنا چھوڑ دیا اور نماز میں بھولے سے ایک رکعت زائد پڑھ دی یوں کمی اور زیادتی دونوں جمع ہو جائیں گی لہٰذا زیادتی اور نقصان کے لیے سلام سے پہلے سجدہ کرے اس میں جانب نقص کو جانب زیادتی پر ترجیح دی گئی ہے۔

بھولی ہوئی چیز کی طرف عود کرنا.....فرض نماز میں جو شخص زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے جب اسے یاد آئے لوٹ آئے اور سلام کے بعد سجدہ کرے حتیٰ کہ سلام پھیرنے تک یاد آئے تو بھی سجدہ سہو کر لے رہی بات مقتدی کی سوا سے اگر زیادتی کا علم ہوا اور امام کی اتباع کر لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر بھولے سے یا شک کی حالت میں امام کی اتباع کر لی تو نماز صحیح ہوگی جس شخص نے ناواقفی میں یا تاویل کر کے اتباع کر لی تو اس میں دو اقوال ہیں: (۱) نماز صحیح ہے (۲) نماز صحیح نہیں جس شخص نے امام کی اتباع نہ کی اور بیٹھ رہا اس کی نماز صحیح ہوئی۔

اگر نفلی نماز میں کوئی شخص تیسری کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اگر رکوع سے پہلے یاد آ جائے واپس لوٹ آئے اور سلام کے بعد سجدہ کرے اگر رکوع کے بعد یاد آئے تو اب ایک رکعت اور ملائے اور چار رکعت پر سلام پھیرے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے۔

جس شخص نے درمیانی جلسہ ترک کر دیا اگر زمین سے ہاتھ جدا ہونے سے پہلے پہلے یاد آ جائے تو جلسہ کی طرف لوٹ آئے اگر واپس لوٹ آیا تو سجدہ سہو نہیں اگر واپس نہ آئے تو سجدہ سہو کرے اگر ہاتھ زمین سے اٹھ گئے تو مشہور قول کے مطابق واپس نہ لوٹے اگرچہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد ہی یاد آئے واپس نہ آئے اور سجدہ سہو کر لے اگر واپس لوٹا تو برا کیا مشہور قول کے مطابق نماز باطل نہیں ہوگی یہ حنفیہ کے مذہب

---

[1].....چونکہ فعل کثیر نماز کو باطل کر دیتا ہے اگر فعل واجب ہو جیسے سانپ کو قتل کرنا بچھو کو مارنا یا نابینا وغیرہ کو ہٹانا اگر فعل یسیر کیا جیسے دانتوں کے درمیان پھنسے ہوئے ٹکڑے کو نگل لیا یا خارش کے لیے انگلیوں کو حرکت دی تو یہ معاف ہے۔

کے خلاف ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک قریب کوشیء کا حکم دیا جاتا ہے۔

جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو کہ کیا اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں پڑھی ہیں تو وہ اقل پر بنا کرے اور سلام کے بعد سجدہ کرے۔

شافعیہ کا مذہب...... نماز میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے ترک کرنے پر سجدہ سہو کیا جائے گا یا نماز میں کسی ممنوع فعل کو کر دیا تو بھی سجدہ سہو کیا جائے گا اگر نمازی نے سنت چھوڑ دی اور نمازی فرض میں مصروف ہو گیا مثلاً قعدہ اولیٰ میں تشہد چھوڑ دیا اور قیام میں مشغول ہو گیا سیدھا کھڑا ہونے کے بعد اسے یاد آیا تو تشہد کے لیے نہ لوٹے اور اگر تحریم کا علم رکھتے ہوئے واپس لوٹ آیا تو نماز باطل ہو جائے گی ہاں البتہ اگر بھولے سے لوٹ آیا تو نماز باطل نہیں ہوگی اسی طرح اگر ناواقفی (جاہل ہونے کی حالت) میں لوٹ آیا تو صحیح قول کے مطابق نماز باطل نہیں ہوگی۔ سجدہ سہو کیا جائے گا۔ تشہد کے لیے نہ لوٹنے کی دلیل ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے تسبیحات کہیں لیکن آپ نے نماز جاری رکھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔ ⓫

دو چیزیں سجدہ سہو کی متقضی ہیں۔ زیادتی اور کمی۔ سجدہ سہو کے اسباب چھ امور میں منحصر ہیں۔

۱...... کچھ حصہ کے چھوڑنے کا یقین ہو۔

۲...... بھولے سے فعل ممنوع کے کر گزرنے کا یقین ہو۔

۳...... بعض معین کے ترک میں شک ہو۔

۴...... ممنوع فعل کے کر گزرنے کا شک ہو اور ساتھ زیادتی کا احتمال بھی ہو۔

۵...... نیت کے ساتھ مطلوب قولی کو غیر محل کی طرف منتقل کرنا۔

۶...... نماز کا کچھ حصہ چھوڑنے والے کی اقتدا کرنا۔

وہ چھ امور یہ ہیں۔

اول: امام یا منفرد کا جان بوجھ کر یا بھولے سے سنت موکدہ کا چھوڑنا...... نماز کے اندر کی سنن موکدہ کو ''ابعاض صلوٰۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ چھ ہیں ⓬ تشہد اول تشہد کے لیے قعدہ، صبح کی نماز میں قنوت، رمضان کے نصف ثانی میں وتر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا، قنوت کے لیے قیام، پہلے تشہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آخری تشہد میں آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔

دوم: قولی رکن کو غیر محل میں منتقل کرنا...... جیسے حالت جلوس میں فاتحہ کو دہرا دیا سلام کی جگہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ بھول کر سلام کر دیا ایسے ہی سنت قولیہ کو منتقل کر دیا مثلاً سورت ایسی جگہ پڑھ دی جو اس کی جگہ نہ ہو تو سجدہ سہو کرے چونکہ سورت اپنی جگہ میں نہیں پڑھی یہ ایسا ہی ہے جیسے سلام کسی جگہ کر دیا البتہ اگر فاتحہ سے پہلے سورت پڑھ لی تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے لہٰذا سجدہ سہو نہ کرے۔

سوم: بھولے سے کوئی فعل کر گزرنا...... ایسا فعل جو اگر جان بوجھ کر کیا جائے تو وہ نماز کو باطل کر دے جیسے کسی چھوٹے رکن کو بہت طویل کر دیا مثلاً تعدیل ارکان کو طویل کر دیا یا دو سجدوں کے درمیان جلوس طویل کر دیا بھولے سے تھوڑا سا کلام کر دیا وہ بھی اسی میں شامل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا تھا اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بات کر لی تھی آپ

⓫...... رواہ نسائی (نیل الاوطار ۳/۱۱۹) ⓬ چھ کا قول حصر اضافی ہے ورنہ ابعاض صلوٰۃ بیس (۲۰) ہیں

نے نماز پوری کی اور سہو کے دو سجدے کیے۔ ❶

زیادہ کلام کرنا یا کھا پی لینا خواہ بھولے سے ہو یا جان بوجھ کر ہو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، صحیح قول کے مطابق سجدہ سہو نہ کرے۔ وہ چیز جو بھولے سے ہو یا جان بوجھ کر مبطل صلوٰۃ نہیں جیسے گردن کے معمولی گھماؤ سے دائیں بائیں دیکھ لینا یا ایک دو قدم چل لینا خواہ بھولے سے ہو یا جان بوجھ کر سجدہ سہو نہ کرے۔

چہارم: زیادتی میں شک واقع ہو...... اگر نمازی کو شک ہو کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ ایک رکعت اور پڑھے اور سجدہ سہو کرے اصح یہی ہے کہ وہ سجدہ کرے اگر چہ سلام پھیرنے سے پہلے اس کا شک زائل بھی ہو جائے اسی طرح جو نماز حالت تردد میں پڑھے اور اہتمام زائد رکعتیں پڑھ لینے کا ہو اگر چہ سلام پھیرنے سے پہلے شک زائل ہو جائے اگر سلام پھیرنے کے بعد کسی فرض کے چھوڑنے کا شک ہو تو اسے ترجیح نہ دی جائے شک کی وجہ سے سجدہ سہو کی دلیل یہ ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اسے یقین نہ ہو کہ آیا ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں تو ایک رکعت قرار دے۔ اور جب یقین نہ ہو کہ آیا دو رکعتیں پڑھی ہیں یا تین تو دو رکعتیں قرار دے اور جب یقین نہ ہو کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو تین رکعتیں قرار دے پھر جب نماز سے فارغ ہو تو بیٹھے ہوئے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ ❷

اسی اصول پر یہ صورت بھی ہے کہ جب نمازی کو پڑھی ہوئی رکعات کی تعداد میں شک ہو مثلاً جیسے کسی شخص کو شک ہو کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ یقین پر بنا کرے اور یقینی تعداد کم از کم تعداد ہوتی ہے جسے مذکورہ مثال میں تین رکعات یقینی ہیں پھر ایک رکعت ساتھ اور ملائے اور سجدہ سہو کرے نمازی کو غلبہ ظن نفع نہیں پہنچائے گا کہ اس نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اسی طرح کسی دوسرے شخص کے کہنے کا بھی اعتبار نہیں کہ اس نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اگر چہ قائل کو تواتر کی تعداد رکعات معلوم ہو۔

پنجم: نماز کے کچھ معین حصہ کو چھوڑنے میں شک ہو...... جیسے کسی کو شک ہو کہ اس نے دعائے قنوت چھوڑ دی ہے یا مبہم یعنی غیر معین حصہ کے چھوڑنے میں شک ہو جیسے معلوم ہی نہ ہو کہ آیا اس نے دعائے قنوت پڑھی یا نہیں یا درود پڑھا یا نہیں۔

ششم: اس شخص کی اقتداء کرنا جس کی نماز میں کوئی خلل ہو...... اگر چہ مقتدی کو خلل کا یقین ہو جیسے کسی ایسے شخص کی اقتدا کر لینا جس نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت چھوڑ دی ہو یا ایسے شخص کی اقتداء کر لی جس نے رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھ لی ہو یا ایسے شخص کی اقتداء کر لی جس نے پہلے تشہد میں درود چھوڑ دیا ہو تو وہ امام کے سلام کے بعد اپنے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

خلاصہ...... وہ زیادتی جو موجب سہو ہے دو قسم پر ہے یا تو زیادتی قول میں ہو گی یا فعل میں۔ قول کی مثال جیسے: اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں اور سلام پھیر دیا یا بھول کر بات کر دی۔ فعل کی مثال جیسے نماز میں ایک رکعت زائد پڑھ لی یا رکوع زائد کر لیا یا سجدہ یا قیام یا قعدہ زائد کر لیا یا قنوت کی جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ قنوت کی نیت سے قیام طویل کر دیا یا کسی اور جگہ تشہد کی نیت سے بھول کر بیٹھ گیا تو ان صورتوں میں سجدہ سہو کرے اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھ لیں آپ سے عرض کیا گیا کہ آیا نماز میں (من جانب اللہ) اضافہ کر دیا گیا ہے آپ نے فرمایا: بھلا کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کی: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھ لی ہیں چنانچہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔ ❸

---

❶..... متفق علیه عن ابی هریرة (نیل الاوطار ۳/۱۰۷) ❷رواه احمد وابن ماجه والترمذی وصححه۔ ❸رواه الجماعة (نیل الاوطار: ۳/۱۲۱)

رہی بات کمی کرنے کی: وہ یہ کہ سنت مقصودہ ترک کردی اس کی دو حالتیں ہیں:

(اول)......یہ کہ بھولے سے پہلا تشہد چھوڑ دے تو سجدہ سہو کرے اس کی دلیل حضرت بحینہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے۔

(دوم)......یہ کہ بھولے سے دعائے قنوت چھوڑ دے تو بھی سجدہ سہو کرے چونکہ دعائے قنوت اپنے محل میں پڑھنا سنت مقصودہ ہے لہٰذا اس کے ترک کے ساتھ سجدہ متعلق ہے جیسے پہلا تشہد چھوڑ دیا۔

اگر سنت غیر مقصودہ کو ترک کر دیا جیسے تکبیرات اور تسبیحات جہر، سر، تورک، افتراش اور ان جیسی دوسری چیزیں تو سجدہ سہو نہ کرے چونکہ یہ سنن اپنی جگہ میں فی ذاتہ مقصود ہیں لہٰذا ترک پر جبیرہ متعلق نہیں ہوتا۔

ملاحظہ:......ہو کہ دوسرا تشہد اس قول تک ہے: ان محمد رسول اللہ یا عبدہ ورسولہ یا رسولہ تک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے ساتھ مسنون ہے رہی بات آخیر تشہد میں آل پر درود بھیجنا سو وہ سنت ہے اور پہلے تشہد میں معتمد مذہب کے مطابق خلاف اولیٰ ہے بلکہ اسے مکروہ کہا گیا ہے لہٰذا اس کے ترک پر سجدہ سہو نہ کرے اور نہ اس کے پڑھنے سے سجدہ سہو کرے۔ (۱)

مذہب الحنابلہ......حنابلہ کے نزدیک سہو کے تین اسباب ہیں:

۱......زیادتی　　۲......کمی

۳......اور بعض صورتوں میں شک کا واقع ہونا۔

حنابلہ کا مذہب بھی قریب قریب شافعیہ کے مذہب جب کمی یا زیادتی جان بوجھ کر نماز میں کی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ کمی یا زیادتی فعلی نوعیت کی ہو اور اگر کمی یا زیادتی قولی نوعیت کی ہو اور غیر محل میں ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی نماز جنازہ میں بھولنے پر سجدہ سہو نہیں ہے اسی طرح سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر میں بھولنے میں بھی سجدہ سہو نہیں۔ (۲)

۱۔نماز میں زیادتی ہو جائے......مثلاً نمازی نے بھولے سے نماز میں کسی فعل کا اضافہ کر دیا اور وہ اضافہ نماز کی جنس میں سے ہو۔ مثلاً قیام کر لیا یا قعدہ کر لیا اگرچہ قعدہ بقدر جلسہ استراحت ہو اور قعدہ استراحت کے جگہ سے ہٹ کر ہو یا قیام کر لیا یا سجدہ کر لیا یا تشہد کے ساتھ سورت فاتحہ پڑلی یا سورت فاتحہ کے ساتھ تشہد پڑھ لیا تو فعلی نوعیت کی زیادتی کی وجہ سے وجوبی طور پر سجدہ سہو کرے قولی نوعیت کی زیادتی کی وجہ سے استحباباً سجدہ سہو کرے۔ چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ جب کوئی شخص نماز میں زیادتی کر دے یا کمی کر دے تو اسے دو سجدے کر لینے چاہیں۔ (۳)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ زیادتی بھی سہو ہے لہٰذا یہ بھی صحابی کے اس قول میں داخل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھول ہوئی اور آپ نے سجدہ کیا بلکہ زیادتی بھی ایک معنی میں نقص ہے لہٰذا زیادتی کے لیے بھی سجدہ مشروع ہے تاکہ نقص کا جبیرہ ہو سکے۔

جس شخص سے نماز میں اضافہ (زیادتی) ہو جائے اور اسے جب زیادتی یاد آ جائے تو تکبیر کیے بغیر نماز کی اصل ترتیب کی طرف لوٹ آئے تاکہ ہونے والا اضافہ لغو ہو جائے اور آگے نہ بڑھنے پائے چنانچہ اگر صبح کی نماز میں تیسری رکعت کا اضافہ کر دیا یا مغرب کی نماز میں چوتھی رکعت کا اضافہ کر دیا یا ظہر عصر عشاء کی نماز میں پانچویں رکعت کا اضافہ کر دیا تو اس اضافی رکعت کو توڑ دے یعنی اسی وقت بیٹھ جائے اور تکبیر نہ کہے اور اس اضافہ سے پہلے کے فعل پر نماز کی بنا کرے اگر تشہد پڑھ چکا ہو تو وہ دوبارہ تشہد نہ پڑھے پھر سجدہ سہو کرے اور سلام پھیرے پر اس اضافی رکعت کو شمار میں نہ لائے۔

اگر اضافہ کرنے والا امام ہو یا منفرد ہو اور اضافہ پر دو ثقہ آدمی اسے آگاہ کریں تو مقتدیوں کو امام کی تنبیہ پر سجدہ سہو لازم ہوگا چونکہ مقتدیوں

---

(۱)......حاشیۃ الشرقاوی ۱/۱۹۶۔ (۲) کشاف القناع ۱/۴۶۱۔ (۳) رواہ مسلم

کی نماز اور امام کی نماز میں باہمی ربط اور جوڑ پایا جاتا ہے چنانچہ امام کی نماز کے باطل ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہوجاتی ہے، برابر ہے آگاہ کار امام کو اضافہ پرآگاہ کریں یا نقص (کمی) پر لہٰذا امام کو واپس لوٹنا لازمی ہوگا اگر چہ آگاہ کاروں کی خطا کا گمان ہی کیوں نہ ہو چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے قصہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کیا۔

امام کی تنبیہ کے بارے میں عورت مرد کے حکم میں ہے:

اگر امام ثقہ آگاہ کاروں کے قول کی طرف رجوع نہ کرے تو اس صورت میں درج ذیل تفصیل ہے۔

الف......اگر امام کا رجوع نہ کرنا جبیرہ نقصان کی وجہ سے ہو مثلاً پہلا تشہد پڑھنے سے قبل اٹھ کھڑا ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے کھڑے مقتدیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو تسبیح کے ذریعہ آگاہ کیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے برابر نماز جاری رکھی جب آپ رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کی سلام پھیرا تو دو سجدے کر لئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ (۱)

ب......اگر امام جبیرہ و نقصان کے علاوہ کے لیے جان بوجھ کر نہ لوٹے تو اس کی نماز اور اس مقتدی کی نماز باطل ہوجائے گی جسے امام کی نماز کے بطلان کا علم ہو چونکہ ایسی صورت میں وہ ایسے امام کی اقتدا کرے گا جس کی نماز کے بطلان کا اسے علم ہے یہ ایسا ہی جیسے کسی مقتدی کو امام کے بے وضو ہونے کا علم ہو البتہ اس مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوگی جو ناواقف ہو یا بھولا ہوا ہو چونکہ صحابہ کرام نے پانچویں رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی چونکہ انھیں علم نہیں تھا یا صحابہ کو منسوخی کا وہم ہوا تھا پھر انھیں اعادہ نماز کا حکم بھی آپ نے نہیں دیا۔

جو امام زائد رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے اس سے الگ رہنا یعنی اس کی اتباع میں کھڑا نہ ہونا واجب ہے چونکہ ایسی صورت میں امام خطا پر ہوتا ہے الگ ہونے والا اپنی تئیں نماز پوری کرے۔

۲۔ **نماز میں نقصان کا ہوجانا**......مثلاً رکوع یا سجدہ چھوڑ دیا یا سورت فاتحہ پڑھنی چھوڑ دی وغیرہا۔ اور بھولے سے چھوڑے تو اس نقصان کا تدارک کرنا واجب ہوگا اور آخر نماز میں سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا۔

اگر پہلا تشہد بھول گیا تو واپس لوٹ کر تشہد پڑھنا لازمی ہوگا۔ بشرطیکہ نمازی سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہوجائے اور ابھی تک سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور سہو کے دو سجدے کرے۔ (۲)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نمازی نے رکن میں شروع ہونے سے قبل نماز میں خلل ڈال دیا ہے لہٰذا اس خلل کو دور کرنا لازمی ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے اوپر اٹھ رہا ہو لیکن ابھی تک گھٹنے زمین سے نہ اٹھنے پائے ہوں اور وہ بیٹھ جائے امام کی متابعت مقتدیوں کو لازم ہوگی اگر چہ کھڑے ہونے کے بعد ہی کیوں نہ بیٹھے یا قرأت ہی کیوں نہ شروع کردے چونکہ حدیث ہے امام تو اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔ (۳)

اگر سیدھا کھڑا ہوگیا لیکن ابھی قرأت شروع نہ کی کہ اسے تشہد یاد آگیا تو تشہد کی طرف نہ لوٹنا اولیٰ ہے اس کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے۔ مقتدی بھی امام کی متابعت کرے (۴) تشہد ساقط ہوجائے گا اگر قرأت شروع کر دی تو اب تشہد کی طرف لوٹنا جائز نہیں ہے اس کی دلیل بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے چونکہ نمازی نے رکن مقصود شروع کر دیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے رکوع شروع کردے اور جب شروع ہونے کے بعد رکوع کردے تو امام کی نماز باطل ہوجائے گی۔ ہاں البتہ اگر ناواقف ہو یا بھول جائے تو اس صورت میں امام پر سجدۂ سہو ہوگا اس کی دلیل مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور دوسری حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص بھول جائے تو دو سجدے کرے۔

---

(۱)......رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وقال حسن صحیح (نیل الاوطار ٣/١١٩) (۲) رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ من روایۃ جابر الجعفی وقدتکلم فیہ (۳) متفق علیہ عن ابی ھریرۃ (۴) یعنی مقتدی بھی امام کے ساتھ کھڑا رہے بیٹھے نہیں۔

یہی حکم رکوع اور سجدہ میں تسبیح کرنے اور دونوں سجدوں کے درمیان دعا رب اغفرلی کرنے کا ہے اسی طرح بھولے سے ہر واجب کو ترک کرنے کا یہی حکم ہے چنانچہ اعتدال سے پہلے (قومہ سے پہلے) رکوع کی تسبیحات کی طرف لوٹ آئے اس کے بعد نہ لوٹے۔

۳۔ نماز میں شک پڑ جانا جو بعض صورتوں میں سجدہ سہو کا مقتضی ہو..... مثلاً اس نماز میں سے کسی رکن کے ترک کا شک ہو یا تعداد رکعات میں شک ہو تو یقین پر بناء کرے اور جس کا شک ہو وہ بجالائے اور نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرے اس کی دلیل حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اس معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو جو یقین ہو اس پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے [1] شک کی حالت میں ترک واجب کی صورت میں سجدہ سہو نہ کرے جیسے تسبیحات رکوع یا تسبیحات سجدہ چھوڑ دیں چونکہ سجدہ تب ہوتا ہے جب بھولے سے واجب چھوڑ دے نہ کہ شک کی وجہ سے۔

جیسے آخری رکعت کی زیادتی کے بارے میں تشہد کے دوران شک ہونے پر سجدہ سہو نہیں چونکہ اصل زیادتی کا نہ ہونا ہے البتہ اگر آخری رکعت میں تشہد سے قبل زیادتی کا شک ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اسی تفصیل پر سجدہ کے متعلق شک ہونے کی مثال بھی ہے۔

ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا قصہ اور یہ کہ بھولے سے کلام کرنا مبطل نماز نہیں..... سلف وخلف کے جمہور علماء نے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ نماز سے نکلنے اور نماز کو توڑنے کی نیت سے نماز کا بطلان نہیں ہوتا جب کہ نماز کامل ہونے کا گمان ہو۔ [2] اگر چہ سلام پھیر چکے اور یہ کہ بھولے سے کلام کر لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی اسی طرح جو شخص نماز مکمل ہونے کے گمان سے کلام کر دے اس کی نماز بھی باطل نہیں ہوتی۔ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا قصہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نمازوں میں سے ایک نماز کی دو رکعتیں پڑھیں اور پھر سلام پھیر دیا پھر مسجد کے آگے ایک لکڑی کے اس پارچہ کے پاس کھڑے ہوئے اور لکڑی پر ہاتھ رکھ دیا جب کہ لوگوں میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے تاہم یہ دونوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے سے مرعوب ہوئے جب کہ جلد باز لوگ مسجد سے باہر نکل گئے صحابہ نے عرض کی: کیا نماز میں (من جانب اللہ) کمی کر دی گئی ہے اور ایک اور شخص بھی تھا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین [3] کہا کرتے تھے اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز میں کمی کر دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ ہی میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کمی کی گئی ہے پھر فرمایا: جی ہاں میں بھول گیا ہوں چنانچہ آپ نے دو رکعتیں اور پڑھیں اور پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی پھر معمول کے مطابق سجدہ کیا یا سجدہ قدرے طویل کیا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر سر رکھا اور تکبیر کہی اور سجدہ کیا اور معمول کے مطابق سجدہ کیا یا سجدہ قدرے طویل کیا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ [4]

دو یا دو سے زیادہ مرتبہ نماز میں بھولنا..... علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب آدمی نماز میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ بھولے تو اسے سہو کے دو سجدے کافی ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا تھا اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ سے

---

[1] رواہ مسلم واحمد [2] جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں کلام خواہ بھولے سے ہو یا ناواقفی سے ہو مبطل نماز ہے حنفیہ کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم کی حدیث ہے جس سے دوران نماز کلام کی ممانعت ہے اور حنفیہ کہتے ہیں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث ان دو حدیثوں سے منسوخ ہو چکی ہے۔
[3] ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا اصل نام خرباق بن عمرو تھا ذوالیدین انھیں اس لئے کہا جاتا تھا چونکہ ان کے ہاتھ معمول سے قدرے طویل تھے ایک اور صحابی بھی ہیں جنھیں ذوالشمالین کہا جاتا ہے وہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں زہری کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے ان دونوں کو ایک ہی صحابی قرار دیا ہے۔ [4] متفق علیہ واللفظ للبخاری حنفیہ کہتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز آیت کریم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا۔ یعنی جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

بات بھی کی پھر بھی آپ نے دوسجدوں پر اکتفا کیا نیز سابق حدیث ہے جب تم میں سے کوئی شخص بھول جائے تو سہو کے دوسجدے کر لے یہ حدیث دوجگہوں میں بھولنے کو بھی شامل ہے۔

نوافل فرائض کی مانند ہیں...... سجدہ سہو میں نوافل کا حکم فرائض جیسا ہے یہ جمہور علماء کا قول ہے چونکہ سابق حدیث میں عموم ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص بھول جائے تو سہو کے دوسجدے کرے۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ نفل نماز بھی تو رکوع وسجدہ والی نماز ہوتی ہے لہٰذا فرض نماز کی طرح اس میں بھی سہو کے دوسجدے کئے جائیں گے۔

بھولنے پر امام کو متنبہ کرنا...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص نماز میں بھول جائے اس کے لیے تسبیح کی جائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق (ہتھیلی پر ہتھیلی مارنا) عورتوں کے لیے ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق عورتوں کے لیے اس حدیث کی وجہ سے دوسری رائے راجح ہے۔

سوم: سجدہ سہو کا مقام اور طریقہ ادائیگی:

احناف کے ہاں سلام کے بعد جب کہ شافعیہ اس کے برعکس سلام سے پہلے سجدہ سہوادا کرنے کے قائل ہیں۔ مالکیہ کبھی سلام سے پہلے اور کبھی بعد میں ادا کرتے ہیں اس سلسلہ میں حنابلہ کے ہاں نمازی کو دونوں میں اختیار ہے۔

احناف کا قول...... مسنون سجدہ سہو کا محل ومقام مطلقاً سلام کے بعد ہے چاہے نماز میں بھول چوک کمی یا اضافے سے ہوئی ہو البتہ اگر کوئی شخص سلام سے پہلے سجدہ سہو کر لیتا ہے تو کافی ہے۔

سجدہ سہو کا طریقہ...... نمازی اپنی دائیں جانب صرف ایک سلام پھر کر دوسجدے کرے۔ اس کے بعد تشہد پڑھے جس کی مقدار بیٹھنا واجب ہے۔ اس کے بعد سے قعدہ میں نبی علیہ السلام پر درود بھیجے اور دعا پڑھے (بعض نے کچھ اور لکھا ہے لیکن) یہ صحیح قول ہے اس واسطے کہ دعا کا محل نماز کا اخیر ہے اس کے متعلق احناف کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے: جب آپ نماز کے تمام ارکان سے فارغ ہوئے پھر سلام پھیر کر دوسجدے کیے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا❶ اور دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث ہے: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز بھولے سے پانچ رکعت پڑھ دی تو کسی نے کہا: کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: ایسی تو کوئی بات نہیں کیوں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی تو آپ نے سلام کے بعد دوسجدے کیے ❷ یہ بحث تو سجدہ سہو کے مقام کے متعلق تھی۔ سجدہ سہو کے طریقہ کے بارے میں احناف کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی جس میں آپ سے سہو ہو گیا تو آپ نے دوسجدے کیے پھر تشہد پڑھ کے سلام پھیرا❸ اور حضرت ثوبان کی سابقہ حدیث کہ ہر سہو کے سلام کے بعد دوسجدے ہیں۔❹

مالکیہ کا مسلک...... اگر سجدہ سہو کا سبب صرف کمی یا کمی زیادتی دونوں ہوں تو مسنون سجدہ سہو کا مقام سلام سے پہلے ہے اگر اس کا سبب فقط زیادتی ہو تو سلام کے بعد ہوگا۔ بعد والے سجدے کے لیے نیت کرنا واجب ہے جھکتے اور سر اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور دونوں سجدوں کو بیٹھ کر ادا کرے تشہد پڑھنا مسنون ہے البتہ برخلاف احناف کے نہ دعا مانگے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اس کے بعد سلام

---

❶......رواہ احمد والترمذی وصححہ (نیل الاوطار: ۱۹۹/۳) ❷ رواہ الجماعۃ (سابقہ حوالہ ❸ ۱۲۱ رواہ ابوداؤد والترمذی (سابقہ حوالہ ۱۲۱) ❹ اخرجہ ابوداؤد وابن ماجہ (نصب الرایۃ ۱۶۷/۲)

پھیرے جو واجب ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سجدہ سہو کے واجبات پانچ بنتے ہیں۔ نیت پہلا اور دوسرا سجدہ دونوں کے درمیان بیٹھنا اور سلام پھیرنا یادر ہے سلام واجب ہے شرط نہیں جہاں تک تکبیر اور تشہد کا تعلق ہے تو وہ اس کے بعد مسنون ہے جان بوجھ کر کسی نے سلام سے پہلے والا سجدہ سہو مؤخر کر دیا تو اس سے نماز تو باطل نہیں ہوگی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور سلام سے پہلے بعد والے سجدے کو ادا کر دیا تو مذہب کے مطابق کافی ہے لیکن جان بوجھ مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے نماز صحیح ہو جائے گی مگر جب تاخیر وتقدیم کا قصد نہ ہو تو نہ مکروہ ہے اور نہ حرام۔

شافعیہ کا جدید قول.....سجدہ سہو کا مقام تشہد وسلام کے درمیان ہے نمازی نے جان بوجھ کر سلام پھیر دیا تو اصح قول کے مطابق سجدہ سہو فوت ہو جائے گا اگر بھولے سے سلام پھیر دیا اور کافی دیر گزر گئی تو جدید قول کے مطابق پھر بھی فوت ہو جائے گا اس صورت میں اگر فصل وتاخیر زیادہ نہ ہوئی تو فوت نہیں ہوگا وہ سجدہ کرلے جب وہ سجدہ کرلے گا تو نماز کی طرف لوٹ آئے گا یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ نماز جمعہ میں امام کو سہو ہو گیا لوگوں نے سجدہ کیا اسی دوران انھیں معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کا وقت نکل چکا ہے تو وہ لوگ ظہر کی نماز مکمل کر کے سجدہ سہو کرلیں۔ نمازی کو گمان ہوا کہ اس سے بھول ہوئی اور وہ سجدہ سہو کر چکا بعد میں یاد آیا کہ سہو نہیں ہوا پھر بھی صحیح قول کے مطابق سجدہ کرے۔

سجدہ سہو کا طریقہ.....نماز کے سجدوں کی طرح جن میں ان کے واجبات ومندوبات کا لحاظ رکھا جاتا ہے مثلاً پیشانی زمین پر رکھنا اطمینان سے اٹھنا، جھکنا، جلوس میں پاؤں پھیلا کر بیٹھنا اور دونوں سجدوں کے بعد سرین پر بیٹھنا یہ بھی دو سجدے کریں۔ البتہ قلبی نیت کی ضرورت ہے یادر ہے زبانی نیت نہ کی جائے اگر ایسا کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

بعض حضرات نے یہ بات نقل کی ہے کہ نمازی دونوں سجدوں میں یوں کہے: سبحان من لاینام ولا یسھو (وہ ذات پاک ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ وہ بھولتا ہے) بعض کا قول ہے: کہ بظاہر یہ نماز کے سجدوں میں ذکر یعنی تسبیح کی طرح۔ سجدہ سہو کا مقام سلام سے پہلے ہے اس پر شافعیہ کی دلیل ابوسعید خدری کی وہ سابقہ حدیث ہے جو مسلم اور مسند احمد میں ہے: پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے اور حدیث ابن بحسینہ جس کا ذکر نسائی کے ہاں ہے: جب نماز (کے ارکان) سے فارغ ہوئے دو سجدے کیے اور سلام پھیرا سجدہ سہو کے بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ ذوالیدین کے قصہ میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے صرف دو سجدوں پر اکتفا کیا نیز اور دوسری احادیث میں یہ واقعہ ملتا ہے۔

حنابلہ کا مسلک.....سجدہ سہو کے نماز سے پہلے اور بعد میں ادا کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف تو صرف افضل اور اولیٰ کا ہے افضل یہ ہے کہ سلام سے پہلے ہو اس واسطے کہ اس سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے سوائے دو حالتوں کے جن کا بیان نیچے آرہا ہے سجدہ سہو کی حیثیت نماز میں اصلی سجدوں جیسی ہے۔

پہلی صورت.....ایک یا زیادہ رکعت کی کمی کے لیے سجدہ کر رہا ہو جب کہ نماز مکمل کرنے سے پہلے وہ سلام بھی پھیر چکا جس کی دلیل حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے چنانچہ حدیث عمران بن حصین میں ہے: آپ نے ایک اور رکعت ادا کر کے سلام پھیر دیا اس کے بعد دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔

دوسری صورت.....یہ ہے کہ امام کو اپنی نماز میں شک ہو گیا اور اس نے گمان غالب پر بنا کی تو سلام کے بعد اس کے لیے دو سجدے کرنا مستحب ہے۔ جس کی دلیل حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: جب تم میں سے کسی کو نماز میں سہو ہو جائے تو وہ صحیح کا اندازہ لگائے اور اسی پر بنا کرے اور پھر دو سجدے کرے [1] بخاری میں ہے سلام کے بعد۔

اس کا طریقہ.....سجدہ میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہے چاہے سجدہ سہو سلام سے پہلے ہو یا بعد میں اس کے بعد نماز کے سجدوں کی طرح دو سجدے کرے اگر سجدہ سہو بعد والا ہے تو اس میں سلام سے پہلے پڑھا جانے والا تشہد پڑھے پھر سلام پھیر دے اور اگر سجدہ سہو

---

[1]..... نیل الاوطار ۳/۱۰۷، ۱۱۳

پہلے والا ہے تو اس میں تشہد نہ پڑھے بعد میں سلام پھیر دے سجدہ سہو میں وہی کلمات کہے جو وہ نماز کے سجدوں میں کہتا ہے اس لئے کہ یہ نماز کا شرعی سجدہ ہے اس مناسبت سے یہ اصلی سجدہ کے مشابہ ہے، جس نے واجب سجدہ سہو کو جان بوجھ کر ترک کر دیا تو چونکہ اسے نماز نے اپنے محل سے جو سلام سے پہلے تھا ہٹا دیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ اس نے ایک واجب کو چھوڑا ہے جیسا دیگر واجبات کے چھوٹنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے البتہ جس سجدہ سہو کا مقام سلام کے بعد ہو تو اس کے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوگی جیسے حج کی تکمیل کرنے والے افعال آدمی سجدہ سہو بھول اور کافی دیر گزر گئی تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ عبادت کے بعد اسے مکمل کرنے والا ہے جیسے حج کی تکمیل کرنے والے ارکان اگر زیادہ دیر گزر گئی تو سجدہ نہ کرے بصورت دیگر سجدہ کرے۔ ❷

المطلب الثانی: سجدہ تلاوت...... سجدۂ تلاوت کے متعلق یہاں چند امور میں بحث ہوگی اس کے مشروع ہونے کی دلیل اس کا حکم اس کے شرائط مفسدات اسباب اس کا طریقہ وہ جگہیں جہاں قرآن میں یہ سجدہ مطلوب ہے کیا تلاوت کی تکرار سے سجدہ تلاوت متکرر ہوگا نیز اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے فروعی احکام پر کلام ہوگا۔

اول: سجدہ تلاوت کے مشروع ہونے کی دلیل...... اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو وہ جھکتے ہیں میں سجدہ ترک کرنے والی کی مذمت کی ہے اور آپ علیہ السلام سے اس کے متعلق کئی احادیث ثابت کریں جن میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے سورت کی تلاوت فرماتے، آیت سجدہ کی تلاوت کرتے تو سجدہ فرماتے جس پر ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے ہماری اتنی بھیڑ ہوتی کہ کسی کو پیشانی دھرنے کی جگہ نہ ملتی تھی ❸ نیز ان کی حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کی تلاوت فرماتے جب آیت سجدہ آتی تو آپ تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے ہم بھی آپ سے ساتھ سجدہ کرتے۔ ❹

آیت سجدہ کا ادا کرا ایمان کی دلیل اور جنت کا راستہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع روایت کرتے ہیں: انسان جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا تو شیطان یکسو ہو کر روتے ہوئے کہتا ہے: افسوس انسان کو سجدے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا جس کے صلہ میں اسے جنت ملے گی (ایک میں ہوں کہ) مجھے سجدے کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر دیا جس کی پاداش میں میرے لیے جہنم ہے ❺ پڑھنے اور سننے والا دونوں سجدہ کریں جس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ علیہ السلام نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا آپ کے ساتھ امیہ بن خلف کے سوا جن وانس نے سجدہ کیا وہ جنگ بدر میں مشرک مارا گیا۔ ❻

قرآن مجید میں سجدے کا مطالبہ...... یا تو واضح امر کے صیغہ سے ہوگا واسجد واقترب یا انبیاء کی فرمانبرداری اور تمام مخلوق کا بیان ہوگا جیسے اذا تتلی علیہم آیات الرحمن خروا سجدا وبکیا وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرھا۔

دوم اس کا فقہی حکم...... احناف کے ہاں سجدۂ تلاوت، تلاوت کی وجہ سے پڑھنے اور سننے والے پر واجب جب کہ بقیہ ❼ فقہاء کے نزدیک سنت ہے پھر احناف اور شافعیہ کے ہاں اس میں کوئی فرق نہیں کہ سننے والے نے سننے کا قصد کیا ہے یا نہیں یعنی پڑھنے اور سننے والے

---

❷ متفق علیه ❸ متفق علیه والمسلم فی روایة فی غیر صلاة (نیل الاوطار ۳/۱۰۰) ❹ رواه ابو داؤد والحاکم وفی روایة ابی داؤد ضعیف وراویه عند الحاکم ثقة وقال علی شرط الشیخین واصله فی الصحیحین من حدیث ابن عمر بلفظ آخر (نیل الاوطار: ۳/۱۰۳) ❺ رواه مسلم وابن ماجه (نصب الرایة ۲/۱۷۸) ❻ متفق علیه فی الصحیحین ❼ انظر مایتعلق با لسجدة فتح القدیر: ۱/۳۸۰-۳۹۲، البدائع ۱/۱۷۹-۱۹۵، الدرالمختار ۱/۷۱۵-۷۳۰ اللباب ۱/۱۰۳-۱۰۵ الشرح الصغیر ۱/۴۱۶

سے سجدے کا مطالبہ ہوگا۔ مستمع سے مراد جس نے سننے کا قصد وارادہ کیا اور سامع جس کا ارادہ تو نہ ہو لیکن اس کے کان میں آواز پڑ گئی۔ رہی حیض اور نفاس والی عورت تو اس سے بالاتفاق سجدے کا مطالبہ نہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ تلاوت صرف پڑھنے اور قصداً سننے والے کے لئے مسنون ہے بغیر ارادہ سننے والے کے لئے مستحب ہے۔ وجوب پر حنفیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے سجدہ تلاوت سننے اور تلاوت کرنے والے پر (واجب) ہے یہ ایجاب کا کلمہ ہے اور اس میں قصد کی کوئی قید نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہے انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو جھکتے نہیں، مذمت ہمیشہ ترک واجب پر کی جاتی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ نماز کا سجدہ واجب ہے اور اسے بھی نماز میں کیا جاتا ہے۔

سجدہ تلاوت کے مسنون ہونے پر جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ نجم کی قرأت کی ہم میں سے کسی نے سجدہ نہیں کیا [1] ایسا ہونا اجماع صحابہ ہے امام بخاری اور اثرم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے جمعہ کے روز منبر پر صحابہ کے سامنے سورہ نحل کی تلاوت کی جب آیت سجدہ آئی آپ نے اتر کر سجدہ کیا لوگوں نے بھی سجدہ کیا آئندہ جمعہ پھر وہی سورت پڑھی آیت سجدہ آ گئی تو فرمایا: لوگوں ہم تلاوت کرتے آیت سجدہ سے گزرتے ہیں تو جو کوئی سجدہ کرلے تو اس نے درست کام کیا اور جس نے نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا تھا ایک روایت کے الفاظ ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہم پر ہماری مرضی کے بغیر (فرائض کے علاوہ) سجدہ کرنا فرض نہیں کیا [2] اس بنا پر جو سجدہ کرلے تو بہتر اور جس نے چھوڑ دیا اس پر کوئی عتاب نہیں۔

سامع سے سجدہ کے مطابق پر دلیل...... وہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے کیونکہ وہ آیت سجدہ سنتا ہے تو اس کا حکم قصداً سننے والے جیسا ہے اگر چہ قصداً سننے والے کے لیے سجدے کی زیادہ تاکید ہے (یہ تو حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ہوا) حنابلہ اور مالکیہ کی دلیل کہ سامع سے سجدہ کا مطالبہ نہیں حضرت عثمان ابن مسعود اور عمران کا فعل ہے حضرت عثمان فرماتے ہیں: سجدہ تو قصداً سننے والے پر ہے۔

احناف کے ہاں فوراً سجدہ واجب ہے یا تاخیر سے...... نماز سے باہر تو کسی بھی وقت واجب سجدہ تلاوت کو ادا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ تلاوت کرنے والا اور سننے والا وجوب کا اہل ہو اس نے سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور جس سے سنا ہے اس کا انسان عاقل اور بیدار ہونا ضروری ہے اگر چہ وہ جنابت سے ہو یا حیض ونفاس والی کوئی عورت یا کوئی کافر ہو یا سمجھدار بچہ یا نشے والا ہو۔

آیت سجدہ اگر کسی پرندے مثلاً طوطے یا صدائے بازگشت مثلاً ریکارڈنگ کے آلات سے سنے تو سجدہ واجب نہیں۔ سوئے ہوئے شخص نے نیند میں آیت سجدہ پڑھی یا بے ہوش مجنون اور معصوم بچے کی زبان سے آیت سجدہ سن لی تو دو روایتوں میں سے جو زیادہ صحیح ہے اس کی بناء پر سجدہ واجب نہیں۔ کیونکہ پہچان کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اسے تلاوت کا نام دینا صحیح نہیں (یہاں تک تو نماز سے باہر کی بحث تھی آگے نماز میں سجدہ تلاوت کے احکام بیان ہوں گے)۔ جہاں تک نماز میں سجدہ تلاوت کا تعلق ہے تو یہ ایسا واجب ہے جس کی تاکید ہے اس کا تعلق وجوب ایسی چیز سے ہے جو نماز کا فعل ہے اور وہ قرأت ہے لہٰذا اُسے بھی نماز کے افعال میں شامل کر دیا گیا۔ گویا نماز کا ایک جز بن گیا قرأت کرنے والے نے اپنی قرأت آیت سجدہ تک پہنچا کر بس کر دی تو اسے چاہیے یا مستقل سجدہ کر کے دوبارہ قرأت کرے یا اس سجدہ تلاوت کو رکوع یا سجدے میں شامل کرے رکوع میں نیت سے شامل ہوگا جب کہ سجدے میں نیت کرے یا نہ کرے ادا ہو جائے گا اگر قاری نے آیت سجدہ تک قرأت نہیں پہنچائی بلکہ لگاتار پڑھتے پڑھتے تین یا اس سے زیادہ آیات پڑھ دیں تو اس پر لازم ہے کہ نماز کے سجدے کے علاوہ مستقل سجدہ کرے دوبارہ قرأت کے لئے لوٹنا مستحب ہے پھر تین یا زیادہ آیات کی قرأت کر کے رکوع کرے اور اپنی نماز مکمل کرے۔

---

[1] ......هذا الفظ الدارقطنی رواه الجماعة الا ابن ماجة (نيل الاوطار ۳/ ۱۰۱) [2] نيل الاوطار (۳/ ۱۰۲)

سجدۂ تلاوت میں امام کی پیروی اور نماز سے باہر کی آیت سجدہ سننے کا مسئلہ ہو......احناف فرماتے ہیں: امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو مقتدی اس کے ساتھ سجدہ کرے اس واسطے کہ مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے (اس کی برعکس) اگر مقتدی آیت سجدہ پڑھ دے تو نہ امام سجدہ کرے اور نہ مقتدی کی نماز میں تو نہیں کریں گے باہر بھی نہیں کریں گے وجہ یہ ہے کہ مقتدی پر امام کے تصرف کے نافذ ہونے کی وجہ سے اسے قرأت سے روکا گیا ہے نمازی نے نماز میں ایسے شخص سے آیت سجدہ سنی جو نماز سے باہر ہے تو نماز میں سجدہ نہ کرے البتہ نماز کے بعد سجدہ کر سکتا ہے نماز میں اس لیے سجدہ کر بھی دیا تو کافی نہیں نماز بھی فاسد نہیں ہوگی اس لیے کہ صرف سجدہ نماز کے تحریمی کو ختم نہیں کرتا۔ ایسا ہی احناف کے علاوہ علماء کا قول ہے: سجدہ میں امام کی متابعت ضروری ہے۔ اگر امام نے سجدہ تلاوت کیا اور مقتدی ٹھہرا رہا یا مقتدی نے اپنے امام کے بغیر سجدہ کر لیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی نمازی کسی بھی صورت میں دوسرے کی قرأت کی وجہ سے سجدہ تلاوت نہ کرے اور نہ مقتدی اپنی قرأت کی وجہ سے سجدہ تلاوت کرے اگر اس نے ایسا کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز میں ایک سجدہ کا اضافہ کر دیا ہے۔

سوم: سجدۂ تلاوت کی شرائط:

ا۔ **وجوبی شرائط**......احناف کے ہاں سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کے لئے نماز کے فرض ہونے کی اہلیت شرط ہے وہ اہلیت اسلام، عقل، بلوغت حیض ونفاس سے پاکی پر منحصر ہے اسی بنا پر یہ سجدہ تلاوت کافر، بچے، مجنون اور حیض ونفاس والی عورت پر واجب نہیں۔

مالکیہ کے ہاں قصداً سننے والے کے لئے وقت سجدہ تلاوت مسنون ہے جب پڑھنے والے میں امام بننے کی اہلیت ہو یعنی وہ مرد عاقل اور بالغ ہو ورنہ اس پر سجدہ لازم نہیں۔

بلکہ صرف پڑھنے والے کے لیے سجدہ کرنا مسنون ہے شافعیہ کے ہاں اگر چہ پڑھنے والا سمجھدار بچہ اور قصداً بننے والا مرد یا بے وضو یا کافر شخص ہو سجدہ مسنون ہے لیکن کسی جنابت والے اور نشیلے کی قرأت سے سجدہ کرنا مسنون نہیں اس واسطے کہ ان دونوں کے لیے قرأت جائز نہیں حنابلہ کی ہاں قصداً سننے والے کے سجدے کے لیے یہ شرط ہے کہ پڑھنے والا سننے والے کے لئے امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یعنی اس کی اقتداء جائز ہو جیسا مالکیہ کا مسلک ہے چنانچہ عطاء سے مروی ہے: ایک صحابی نے آیت سجدہ پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو ہمارا امام ہوتے ہوئے سجدہ کرتا تو ہم بھی تیرے ساتھ سجدہ کرتے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن مسعود نے تمیم بن حدلم سے فرمایا: جب وہ لڑکے تھے قرأت کرو تو انہوں نے آیت سجدہ کی قرأت کی آپ نے فرمایا سجدہ کرو کیونکہ تو س میں ہمارا امام ہے ❷ دائیں جانب جگہ ہونے کے باوجود قصداً سننے والا پڑھنے والے شخص کی بائیں جانب یا آگے سجدہ نہ کرے اسی طرح مرد عورت اور ہیجڑے کی تلاوت کی وجہ سے سجدہ تلاوت نہ کرے اس وجہ سے کہ قرأت کرنے والے مذکورہ لوگ ان احوال میں امام نہیں بن سکتے قصداً سننے والا شخص جب کسی ان پڑھ یا بیمار یا کسی بچے سے آیت سجدہ سنے تو سجدہ تلاوت کرے اس واسطے کہ نفل میں مرد کے لئے بچے کی اقتداء کرنا درست ہے اور نفل میں فاتحہ پڑھنا اور قیام کرنا بھی واجب نہیں۔

۲۔ **سجدۂ تلاوت کے صحیح اور جائز ہونے کی شرائط**......سجدہ تلاوت انہی شرائط سے صحیح ہوگا جس سے نماز درست ہوتی ہے یعنی بے وضوگی سے پاک ہونا (چاہے وضو کے ذریعہ ہو یا غسل سے) نجاست سے پاک ہونا (جس میں بدن، کپڑے اور سجدہ کرنے کھڑے ہونے والے اور بیٹھنے کی جگہ کا پاک ہونا شامل ہے) شرمگاہ کا ڈھانپنا قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا وغیرہ اس قدر شرائط پر تو اتفاق ہے ان کے علاوہ کے متعلق اختلاف ہے۔

احناف کا قول ہے......سجدہ تلاوت کے لئے تحریمہ اور وقت کے تعین کی نیت شرط نہیں اسی طرح اس میں سلام پھیرنے کی بھی شرط

❶......رواه الشافعي مرسلاً ومنه ابراهيم بن يحيىٰ وفيه كلام. ❷ رواه البخاري تعليقاً

ہیں جیسا کہ نماز میں ہے جمعہ وعیدین کے خطیب اور سامعین پر آیت سجدہ واجب ہوگی لیکن منبر پر امام کو چاہیے کہ وہ آیت سجدہ نہ پڑھے ایسا کرنا مکروہ ہے بصورت دیگر وہ منبر سے اتر کر خود بھی سجدہ کرے اور لوگ بھی اس کے ساتھ سجدہ ریز ہوں۔

مالکیہ کا قول ہے..... سجدہ تلاوت میں تکبیر تحریمہ ہے اور نہ سلام جب کہ قصداً سننے والے کے لیے تین شرائط ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔

اول..... قرأت کرنے والا شخص فرض نماز پڑھنا کے صلاحیت رکھتا ہو یعنی وہ عاقل بالغ باوضو مسلمان مرد ہو چنانچہ قرأت کرنے والی عورت ہو یا پاگل یا کوئی بچہ یا کافر یا بے وضو شخص ہو تو قصداً سننے والے پر سجدہ کرنا لازم نہیں اگر عورت یا بچہ تو صرف قرأت کرنے والا شخص سجدہ کرے۔

دوم..... قرأت کرنے والے کا مقصد لوگوں کو اپنی دلکش آواز سنانا نہ ہو اگر ایسا ہو تو سننے والا سجدہ نہ کرے۔

سوم..... سننے سے سامع کا قصد قاری سے قرأت کی تعلیم حاصل کرنا یا احکام تجوید مثلاً مد، قصر، اخفاء ادغام وغیرہ ہو۔ نماز جنازہ اور خطبہ جمعہ میں سجدۂ تلاوت نہیں۔

شافعیہ کا قول ہے..... صحیح قول کے مطابق نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ شرط ہے جیسا کہ ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے نیز نماز پر قیاس کریں تو اسی طرح جیسا کہ نماز میں ہے اس میں بھی قعود کے بعد اظہر روایت کی بنا پر سلام پھیرنا شرط ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تشہد شرط نہیں۔

نماز پڑھنے والے اور نماز سے باہر آدمی میں چند دیگر شرائط:

اول..... جائز قرأت ہو چنانچہ اگر اس قرأت کا کرنا حرام ہو جیسے جنابت والا شخص یا مکروہ ہو جیسے رکوع میں نمازی کا قرأت کرنا تو اس صورت میں قرأت کرنے اور سننے والے کے لئے سجدہ کرنا مسنون نہیں۔

دوم..... قرأت کرنا مقصود ہو لہٰذا بھولے وغیرہ سے قرأت ہوئی مثلاً کسی پرندے یا ٹیپ ریکارڈر سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ کرنا جائز نہیں۔

سوم..... پوری آیت سجدہ پڑھی گئی ہو اس سے اگر کچھ آیت پڑھی تو سجدہ نہ کرے۔

چہارم..... فاتحہ نہ پڑھ سکنے کی مجبوری میں آیت سجدہ اس کی جگہ نہ پڑھی گئی ہو۔

پنجم..... آیت سجدہ پڑھنے اور سجدہ میں زیادہ تاخیر نہ ہوئی ہو اور نہ اس سے اعراض ہو چنانچہ اگر فصل لمبا ہو گیا یا آیت سجدہ کو چھوڑ دیا تو سجدہ نہیں۔ فصل سے مراد یہ ہے کہ دو رکعت والی نماز کی مقدار میں اوسط قرأت سے زیادہ وقت لگا دے۔

ششم..... آیت سجدہ کی تلاوت صرف ایک آدمی نے کی ہو لہٰذا اگر آدھی آیت ایک نے پڑھی اور مکمل دوسرے نے کی تو سجدہ نہیں۔

ہفتم..... جیسا کہ ہم پہلے اتفاقی امر بیان کر آئے ہیں کہ سجدہ تلاوت ہے وہی طہارت و پاکی شرط ہے جو نماز کے لیے ضروری ہے اس بنا پر سوتے جنبی نشئیلے بھولے سے پڑھنے والے شخص اور تربیت یافتہ پرندوں کی قرأت کی وجہ سے سننے والا آدمی سجدہ نہ کرے۔

نماز میں مشغول شخص کے لیے مزید دو شرطیں:

اول..... آیت کی تلاوت سے سجدہ مقصود نہ ہو۔ اگر اس کا ارادہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی اس سے جمعہ کی صبح سورہ سجدہ مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا پڑھنا مسنون ہے اسی طرح مقتدی بھی مستثنیٰ ہے کہ اگر اس کا امام سجدہ کرے تو یہ بھی سجدہ کرلے۔ جیسے سجدے کی غرض سے نماز میں آیت سجدہ کا قصد صحیح نہیں ایسے ہی مکروہ وقت میں اس آیت کا پڑھنا بھی صحیح نہیں اگر ایسا کرلیا تو اس وقت سجدہ نہ کرے۔

دوم..... نمازی خود قرأت کر رہا ہو۔ قرأت کسی اور نے کی اور سجدہ بھی کیا تو یہ سجدہ نہ کرے اگر سجدہ کر بیٹھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسے علم ہو اور اس کا قصد بھی ہو نماز جنازہ میں سجدہ نہیں جمعہ کا خطیب آیت سجدہ کی قرأت کے دوران سجدہ کر لے سامعین نہ کریں ان کے لیے سجدہ کرنا اس حالت میں حرام ہوگا کیونکہ یہ خطبہ سے اعراض و بے التفاتی ہو جائے گی سننے والے کے لیے پوری آیت کا سننا شرط ہے جیسے پوری آیت پڑھنا صرف سجدے کا لفظ کافی نہیں اگر سجدہ کی آیت ختم کرنے سے پہلے سجدہ کر لیا اگرچہ ایک حرف ہی رہتا ہو سجدہ جائز نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں..... سننے والے کے لیے اتفاقی شرطوں کے علاوہ دو مزید شرطیں ہیں۔

اول..... قاری امامت کی صلاحیت رکھتا ہو لہٰذا کسی عورت غیر انسان مثلاً طوطا مینا یا آلات ریکارڈنگ سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ کرنا مسنون نہیں۔

دوم..... قرأت کرنے والا سجدہ کرے لہٰذا اگر وہ سجدہ نہیں کرتا تو قصداً سننے والے کے لئے سجدہ مسنون نہیں۔

چہارم: سجدۂ تلاوت کے مفسدات..... جس چیز سے نماز ٹوٹتی ہے سجدہ تلاوت بھی اس سے باطل ہو جاتا ہے جس میں بے وضو ادائیگی عمل کثیر، گفتگو، قہقہہ لگانا شامل ہے۔ اگر یہ امور پائے گئے تو دوبارہ سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے۔ اس سلسلہ میں احناف کے ہاں تھوڑی تفصیل ہے وہ یہ کہ سجدہ تلاوت کے دوران قہقہہ سے وضو نہیں جائے گا اور نہ عورت کا برابر میں کھڑا ہونا اسے فاسد کرتا ہے اگرچہ وہ اس کی امامت کی نیت کرے کیونکہ یہاں دونوں کی ایک نماز میں شرکت معدوم ہے اور شرکت کی بنیاد تکبیر تحریمہ ہے جو احناف کے ہاں سجدۂ تلاوت میں نہیں ہے۔ اس بنا پر نماز کے مفسدات جیسے کھانا وغیرہ سے بچنا بالاتفاق شرط ہے سجدے کا وقت ہونا بھی شرط ہے کہ اس نے آیت سجدہ پڑھی یا سنی ہو۔

پنجم: سجدۂ تلاوت کے اسباب اور اس کا طریقہ..... سجدہ تلاوت کے اسباب کا دارومدار آیت سجدہ کی تلاوت کرنے اسے سننے اور قصداً سماع پر ہے جیسا مذاہب میں اس کی وضاحت گزری ہے۔

احناف فرماتے ہیں..... سجدہ تلاوت کے تین اسباب ہیں:

اول..... تلاوت، لہٰذا تلاوت کرنے والے پر سجدہ واجب ہے اگرچہ وہ خود نہ سنے مثلاً وہ بہرا ہے۔

دوم..... آیت سجدہ کا سننا چاہے قصد سے ہو یا بغیر قصد کے۔

سوم..... اقتداء، لہٰذا اگر امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو مقتدی پر سجدہ لازم ہے اگرچہ اس نے آیت نہ سنی ہو۔

احناف کے ہاں سجدے کا طریقہ..... بغیر ہاتھ اٹھائے پیشانی رکھنے کے لئے تکبیر کہے جیسے نماز کا سجدہ کیا جاتا ہے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہوئے سجدہ کرے پھر سر اٹھانے کے لئے تکبیر کہے یہ دونوں تکبیریں سنت ہیں سر اٹھا لے نہ تشہد پڑھے اور نہ سلام پھیرے اس لئے کہ تحریمہ موجود نہیں ہے۔ سجدے میں وہی الفاظ یعنی سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے۔

مالکیہ کا قول ہے..... سجدۂ تلاوت کا سبب صرف دو باتیں ہیں تلاوت اور کان لگا کر سننا جیسا کہ اس کی شرائط میں مذکور ہے۔

طریقہ..... یہ ایک سجدہ ہے جس میں تکبیر تحریمہ اور سلام نہیں بلکہ سجدہ کرنے کے لیے تکبیر کہے۔ اس کے بعد سر اٹھانے کے لیے ان دو جگہوں میں تکبیر کہنا مستحب ہے کھڑا شخص قیام کی حالت سے تکبیر کہے بیٹھے نہیں اور بیٹھا شخص بیٹھے تکبیر کہے سجدہ تلاوت کرنے والا اگر سوار ہے تو اتر آئے۔ البتہ اگر وہ مسافر ہو تو جس رخ سفر کر رہا ہے اشارے سے سجدہ کر لے کیونکہ یہ نفل ہے اور اس میں ویسی ہی تسبیح پڑھے جیسی نماز

میں پڑھتا ہے: سبحان ربی الاعلیٰ تین بار۔ اس لحاظ سے طریقہ کے بیان میں مالکیہ کا مذہب احناف کے قریب ہے سجدے میں ان الفاظ کا اضافہ کرے جو صحیح حدیث میں آئے ہیں:

اللھم اکتب لی بھا اجرا وضع عنی وزرا واجعلھا لی عندك ذخرا وتقبلھا منی کما قبلتھا من عبدك داؤد❶

اے اللہ! میرے لئے اس سجدہ کے بدلے اجر لکھ دے اور مجھ سے گناہ کا بوجھ ہٹا دے اور میرے لیے اسے اپنے ہاں ذخیرہ بنا دے اور مجھ سے یہ سجدہ ایسے ہی قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں...... سجدہ تلاوت کا سبب، تلاوت، سماع اور استماع ہے جیسا کہ سابقہ شرائط کے ساتھ حنفیہ کا قول ہے اس کے دو رکن ہیں: غیر مقتدی (منفرد) کے لیے نیت کا کرنا رہا مقتدی تو اس کے لیے امام کی نیت کافی ہے۔ اور سجدہ ایک ہے جیسے نماز کا سجدہ ہوتا ہے نماز میں مشغول شخص دل سے نیت کرے گا۔ لیکن جو شخص نماز سے باہر ہے اس کے لئے تین مزید ارکان ہیں تکبیر تحریمہ جلوس (بیٹھنا) بعد از سجدہ اور سلام نیز اس کے لیے الفاظ میں نیت کرنا مسنون ہے۔

طریقہ...... جھکنے اور اٹھنے کے لیے تکبیر کہے نماز میں ہوتے ہوئے ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں البتہ جب نماز سے باہر ہو تو ہاتھ اٹھانا مسنون ہے نماز میں سجدہ تلاوت ادا کرتے وقت جلسہ استراحت نہ کرے سجدے میں تین بار سبحان اللہ ربی الاعلیٰ کہے، اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ملا لے:

سجد وجھی الذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته تبارك الله احسن الخالقین

جس ذات نے میرا چہرہ بنایا اور اسے صورت بخشی اس میں کان آنکھیں اپنی طاقت وقدرت سے لگائیں برکت والا ہے اللہ جو سب سے اچھا خالق ہے یہ بھی کہے:

اللھم اکتب لی بھا عندك اجر واجعلھا لی عندك ذخرا وضع عنی بھا
وزرا واقبلھا منی کما قبلتھا من عبدك داؤد❷

یہ کہنا بھی مستحب ہے:

سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا

جیسا کہ امام شافعی سے ثابت ہے اگر وہ کلمات بھی کہہ دیئے جو سجدے میں کہے جاتے ہیں تب بھی کافی اور جائز ہیں۔ جو چیز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہے وہ سجدہ تلاوت کے بھی قائم مقام ہے چنانچہ اگر کوئی شخص سجدہ تلاوت نہ کرے اور چار بار سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں...... سجدہ تلاوت کا سبب، تلاوت اور سابقہ شرائط کے ساتھ غور سے سننا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ سجدہ تلاوت اور اس کے سبب میں عرفاً فصل نہ ہو۔ اگر قرأت کرنے والا یا سننے والا بے وضو ہو لیکن پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرلے مقتدی صرف اپنے امام کی متابعت میں سجدہ کرے۔ امام سری نماز پڑھ رہا ہے آیت سجدہ کی قرأت کی وجہ سے سجدہ کرنا مکروہ ہے ایسا نہ ہو مقتدیوں کی نماز خلط ملط ہو جائے۔ اگر امام نے ایسا کیا تو مقتدی کو امام کی متابعت اور ترک متابعت کا اختیار ہے اس واسطے کہ وہ نہ تلاوت کرنے والا اور نہ سننے والا ہے

❶......رواہ الجماعة الا ابن ماجه وصححه الترمذی (نیل الاوطار ۱۰۳/۳) ❷رواھما الحاکم وصححھا وروی الاول الترمذی ایضاً عن عائشة رضی الله عنھا وقال: ھذا حدیث حسن صحیح وروی الثانی ایضا الترمذی وابن ماجه عن ابن عباس رضی الله عنه وقال الترمذی ھذا حدیث غریب وھو حسن (نیل الاوطار ۱۰۳/۳۔۱۰۴)

بہر کیف امام کی متابعت میں سجدہ کر لینا بہتر ہے۔

سجدۂ تلاوت کے ارکان تین ہیں..... سجدہ کرنا اور سجدے سے سر اٹھانا پہلا سلام پھیرنا جہاں تک دوسرے سلام کا مسئلہ ہے تو وہ واجب نہیں۔ سجدے میں جانے اور سجدے سے سر اٹھانے کے لئے تکبیر کہنا سجدے میں تسبیحات پڑھنا واجب ہے جیسا کہ نماز کے اصلی سجدے کا حکم ہے البتہ سلام پھیرنے کے لئے بیٹھنا مستحب ہے۔

افضل یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر سجدے میں جائے اس لیے کہ اسحاق بن راھویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ قرآن مجید کی دیکھ کر قرأت کرتیں۔ جب آیت سجدہ پر پہنچیں تو کھڑے ہو کر سجدے میں جاتیں۔ ❶ اس وجہ سے بھی کہ اس کی نفل نماز سے مشابہت ہے۔

اس کا طریقہ..... یہ ہے کہ سجدہ کرتے اور سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے۔ اگر سجدہ تلاوت کی ادائیگی نماز سے باہر ہو تو سجدے کی تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھائے اس واسطے کہ یہ تکبیر افتتاح ہے جیسا کہ شافعیہ کا مسلک ہے جہاں تک نماز کی حالت میں سجدہ تلاوت کی ادائیگی ہے تو مذہب کا قیاس یہ ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے یعنی رفع یدین نہیں کرتے تھے ❷ جب سجدے سے سر اٹھائے تو سلام پھیرے۔

اور اس سجدہ میں وہی دعا پڑھے جو نماز کے سجدوں میں پڑھتا اور ان الفاظ کا اضافہ کرے جن کا شمول شافعیہ نے کیا ہے:

سجد وجهی ...... اللهم اكتب لی بها عندك اجرا ...... الخ

احناف کے سوا کسی کے نزدیک رکوع سجدے کا قائم مقام نہیں اس واسطے کہ یہ ایک شرعی سجدہ ہے رکوع اس کا نائب نہیں بن سکتا جیسے نماز کا سجدہ ہے۔ ❸

ششم..... وہ مقامات جہاں سجدے کا مطالبہ ہے:

مالکیہ..... کی مشہور روایت کے مطابق سجدات تلاوت کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دس سجدے اتفاقی ہیں جو درج ذیل سورتوں میں آتے ہیں سورہ اعراف آیت (۲۰۶) رعد (۱۵) نحل (۴۹) اسراء (۱۰۷) مریم (۵۸) سورہ حج کے آغاز میں (۱۸) فرقان (۶۰) نمل (۲۵) الم السجدۃ (۱۵) فصلت (۳۸) اور ص آیت (۲۴) احناف ❹ سورہ صٓ کے سجدہ میں مالکیہ سے متفق ہیں۔ ان کے نزدیک تین اور سجدے جو سورۃ نجم (۶۲) انشقاق (۲۱) علق (۱۹) میں ملانے سے کل چودہ بن جاتے ہیں رہا سورہ حج کا دوسرا سجدہ تو وہ نماز کے حکم کے لئے ہے جس کی دلیل یہ ہے اس کے ساتھ رکوع مذکور ہے۔ جن احادیث میں سورہ حج کی فضیلت دو سجدوں سے ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ ❺..... فرماتے ہیں: کل سجدے چودہ ہی ہیں جن میں سورہ حج کے دونوں سجدے پہلا اور دوسرا (۷۷) بھی شامل ہے، رہا سورہ ص کا سجدہ تو وہ سجدِ شکر ہے جس کا نماز سے باہر ادا کرنا مستحب ہے نماز میں اس کی ادائیگی حرام ہے نماز میں ادا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی جس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے سورہ ص کا سجدہ وجوبی سجدوں میں شامل نہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اس سورہ کا سجدہ ادا کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سجدہ حضرت داؤد نے بطور توبہ ادا کیا اور ہم بطور شکر ادا کرتے ہیں ❻ اس رائے کی تائید حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی

---

❶..... چونکہ آپ مصاحف کی مختلف تختیوں سے دیکھ کر پڑھتی تھیں۔ اس لیے احتمال ہے کہ آپ مصحف رکھنے کھڑے ہوتی ہوں گی نہ کہ سجدہ تلاوت کے لئے۔ (علی تقی ندوی) ❷ متفق علیہ ❸ القوانین الفقهية ص ۹۰ اور اس کے بعد الشرح الصغير ۱/ ۴۱۸۔ ❹ رواه ابو داؤ و ابن ماجه ❺ الكتاب مع اللباب ۱/ ۱۰۳۔ ❻ مغنی المحتاج ۱/ ۲۱۴ وبعد ازاں كشاف القناع ۱/ ۵۲۴

اللہ علیہ وسلم نے انھیں قرآن کے پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل (نجم، انشقاق، علق) میں دو سورہ حج میں ہیں (1) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدوں کی تعداد پندرہ ۱۵ ہے جن میں دو سجدے سورہ حج کے اور ایک سورہ ص کا سجدہ ہے۔ مالکیہ مفصل (نجم، انشقاق، علق) کے سجدوں کی نفی میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پیش کرتے ہیں جو ابوداؤد اور ابن السکن نے اپنی صحیح میں ان الفاظ سے نقل کی ہے نبی علیہ السلام جب سے مدینہ منتقل ہوئے مفصل کی کسی سورہ کا سجدہ نہیں کیا۔ (12)

(مالکیہ کے علاوہ) جمہور نے مفصل کے سجدوں کو ثابت کرنے کے لئے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بطور دلیل پیش کی ہے فرمایا اور ہم لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ والی سورتوں میں سجدہ کیا اور اس بات کا سب کو علم ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہجرت کے ساتویں سال مسلمان ہوئے تھے جمہور کا استدلال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث سے بھی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی تو آپ نے سجدہ کیا آپ کے ساتھ سب لوگوں نے بھی سجدہ کیا ماسوائے ایک قریشی بوڑھے کے اس نے مٹھی بھر خاک یا کنکریاں اٹھائیں اور انھیں اپنی پیشانی پر لگالیا کہنے لگا: میرے لئے اتنا ہی کافی ہے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: بعد میں میں نے اسے دیکھا کہ وہ کافر مارا گیا۔ (13)

ہفتم: کیا تلاوت کے دہرانے سے سجدہ بھی دہرایا جائے...... جمہور کے نزدیک تلاوت کے دہرانے سے سجدہ تلاوت بھی دہرایا جائے جب کہ احناف کے ہاں اگر آیت سجدہ کی تلاوت ایک ہی مجلس میں ہو تو سجدہ تلاوت بار بار کرنے کی ضرورت نہیں۔

احناف کا قول (14)...... جس نے ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ آیت سجدہ دہرائی تو اس کے لیے ایک سجدہ کر لینا کافی ہے پہلی مرتبہ دہرانے کے بعد ہی سجدہ کر لینا بہتر ہے بقول بعض تاخیر میں احتیاط ہے یعنی آیت اور مجلس کا ایک ہونا شرط ہے کئی جگہوں میں آیت سجدہ کو دہرایا یعنی مجلس مختلف رہی تو سجدہ کو دہرانا واجب ہے

اگر کوئی شخص آیات سجدہ دہراتا ہے تو ہر آیت کے عوض سجدہ واجب ہوگا مجلس ایک ہو یا مختلف صحراء اور راستے میں کھڑا شخص آیت سجدہ پڑھتا ہے تو اس کی مجلس تین قدموں کی منتقلی سے بدلے گی اور درخت پر ہے تو ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر پہنچنے سے اور اگر نہر یا بڑے حوض میں ہے تو تیراکی سے مجلس تبدیل ہوگی یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

چھوٹے کمرے کے کونوں اور مسجد کے گوشوں کو بدلنے سے، اسی طرح کشتی گاڑی کے چلنے سے، ایک دو رکعتوں سے، پانی کا گھونٹ پینے اور دو لقمے کھالینے سے، اسی طرح دو قدم چلنے، ٹیک لگانے، بیٹھنے، کھڑے ہونے، سوار ہونے اور تلاوت کی جگہ اترنے سے۔ اور نماز پڑھتے ہوئے اپنی سواری چلانے سے مجلس تبدیل نہیں ہوگی پڑھنے والا اپنی جگہ بیٹھا ہے لیکن سننے والے کی مجلس تبدیل ہوئی تو وجوب کی تکرار ہوگی ایک شخص سواری پر نماز پڑھتے ہوئے آیت سجدہ دہرا رہا ہے ساتھ اس کا غلام چل رہا ہے غلام پر وجوب کی تکرار ہوگی سوار پر نہیں اس کے برعکس سننے والے پر تکرار واجب نہیں ہوگی جس کی صورت یہ ہے کہ قاری کی مجلس تبدیل ہو سننے والے کی مجلس ایک رہے یہی مفتی بہ قول ہے (5) ایک شخص آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ نہ کر سکا بعد میں نماز شروع کر دی پھر وہی آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ تلاوت کر لیا تو یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے کافی ہے۔

---

(11)......لکن فی اسنادہ ضعیفان وان کا نا من رجال مسلم قال النووی حدیث ابن عباس ضعیف الا سنادلا یصح الا حتجا ج بہ وعلی فرض صحتہ فالا حادیث الا خری مثبتۃ وھی مقد مۃ علی النفی (12) رواہ الجماعۃ الا البخاری (نیل الاوطار ۹۸/۳) (13) متفق علیہ (14) مر اقی الفلاح ص ۸۴ وما بعد ھا الدر المختار وردالمحتار ۷۲۶/۱۔۷۲۸۔ (5) رہا نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ تو راجح یہ ہے درود دہرایا جائے گا تکرار کی رائے متاخرین حنفیہ کی ہے جب آپ کا ذکر بھی متکرر رہو اگر چہ مجلس ایک ہو۔ رہی چھینک تو صحیح یہ ہے کہ جب تین سے زائد ہوں تو جواب نہ دے۔

آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی پھر نماز پڑھی اور اس میں وہی آیت دہرائی اسی کے لیے سجدہ کرے یہ سجدہ پہلی آیت سجدہ کے لیے کافی نہیں ہوگا۔

نماز میں آیت سجدہ پڑھی سلام پھیرنے کے بعد وہی آیت دہرائی تو دوسرا سجدہ کرے نماز کی آیت سجدہ کی قضا نماز سے باہر نہیں ہوگی اس لئے کہ اس کا مقام ومرتبہ ہے ناقص سے ادا نہیں ہوگا اسے توبہ کرنی چاہئے۔

مالکیہ کا قول ہے...... استاد اور شاگرد نے آیت سجدہ دہرائی تو پہلی بار ہی دونوں کے لیے سجدہ کرنا مسنون ہے تا کہ مشقت نہ ہو۔ آیت سجدہ سے اگر ایک یا دو آیتوں کی مقدار آگے نکل گیا تو بھی سجدہ کرے اگر تجاوز زیادہ ہو تو آیت سجدہ دہرا کر سجدہ کر لے اگر چہ فرض نماز میں ہو لیکن جب رکوع کے لیے نہ جھکا ہو تو فرض میں سجدہ نہ کرے۔

شافعیہ کا قول ہے...... اگر کسی نے آیت سجدہ کا تکرار ایک یا دو مجالس میں کیا تو زیادہ صحیح روایت کی بنا پر ہر دو بار کے لیے آیت سجدہ کے بعد سجدہ کرے رکعت ایک مجلس اور دو رکعتیں دو مجلسوں جیسی ہیں۔ اگر اس نے سجدہ نہ کیا اور اسی حالت میں کافی دیر گزر گئی جسے عرف میں تاخیر سمجھا جاتا ہے اگر چہ کسی مجبوری سے ایسا ہو گیا تو وہ اس کی ادائیگی کے لیے سجدہ نہ کرے اس واسطے یہ سجدہ قرأت کے تابع ہے۔

حنابلہ...... فرماتے ہیں: آیت سجدہ کئی بار پڑھی یا سنی تو اسی کی مقدار سجدہ کرنا مسنون ہے کیونکہ اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔

ہشتم: سجدہ تلاوت کے فروعی احکام

احناف کا قول ہے...... (الف) سجدہ ❶ سے بچنے کے لیے) باقی سورۃ پڑھ لینا اور آیت سجدہ چھوڑ دینا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے نظم قرآنی میں کانٹ چھانٹ اور اس کی رہی ترتیب میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو چونکہ یہ بھی قرآن کا حصہ ہے اور قرآن میں سے پڑھنا عبادت ہے جسے دیگر سورتوں میں کوئی سورت پڑھی جاتی ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ اس کے ساتھ مابعد یا ماقبل کی ایک دو آیات ملالی جائیں تا کہ کسی کے ذہن میں فضیلت کا وہم نہ پیدا ہو۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے میں سب کا رتبہ ایک جیسا ہے اگر چہ بعض وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہیں انہیں فضیلت حاصل ہے۔

ب...... جو شخص سجدہ کے لیے تیار نہیں اس سے آیت سجدہ کا اخفاء بہتر ہے راجح یہ ہے کہ کسی کام میں مشغول شخص پر بھی سجدہ واجب ہے جب اس نے آیت سجدہ سن رکھی ہو تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے کلام سے غفلت برتنے کی وجہ سے تنبیہ ہو۔ سری نماز میں امام کے لئے آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے تا کہ مقتدیوں کو شبہ نہ ہو جیسا کہ جمعہ اور عید کی نماز میں ہے ہاں اس صورت میں ٹھیک سرا پڑھنے کے بعد رکوع یا سجدے میں گیا ہو تو ادا ہو جائے گا۔ امام نے منبر پر آیت سجدہ کی تلاوت کر دی تو باوجود کراہت کے منبر پر یا نیچے سجدہ کرے سننے والے بھی سجدہ کریں۔

ج...... ایک شخص نے کسی جماعت سے آیت سجدہ مختلف حروف میں سنی تو وہ سجدہ نہ کرے اس واسطے کہ اس نے کسی تلاوت کنندہ سے یہ آیت نہیں سنی وجہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا ایک آدمی ہو یہ شرط ہے۔

د...... آیت سجدہ کے لیے قیام کرنا اور پھر سجدہ کرنا مستحب ہے اسی طرح تلاوت کرنے والے کے سر اٹھانے سے پہلے سامع سر نہ اٹھائے نہ تو تلاوت کنندہ کو آگے ہونے کا حکم دیا جائے اور نہ سننے والوں کو صف بندی کا کہا جائے بلکہ جیسا کیسا ممکن ہو سجدہ کر لیں۔

بقول بعض...... جو شخص ایک ہی مجلس میں کئی آیات سجدہ پڑھے اور ہر ایک آیت پر سجدہ کرتا جائے اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان کر دے

---

❶...... الدر المختار ۱/ ۷۲۹۔ ۷۳۲۔ مراقی الفلاح ص ۸۵

الف...... بدیں وجہ عصر حاضر میں موبائل پر قرآنی آیت کی آواز لگانا ممنوع ہے۔ عامر تقی ندوی

گا بظاہر یہ کہ تمام آیات کو ملا کر پڑھے پھر سجدہ کرے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تمام آیات پڑھ لینے کے بعد ہر آیت پر سجدہ کرے۔ ایسا کرنا مکروہ بھی نہیں۔

مالکیہ کا قول ہے.....سجدے کے لیے آیت پر اکتفا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ احناف کا قول ہے مثلاً یوں قرأت کرے: **انما یومن بایاتنا** قرأت کر کے سجدہ نہ کرنا بھی مکروہ ہے۔

ب.....فرض میں اگر چہ جمعہ کی نماز فجر ہو یہ مشہور قول ہے نماز میں مشغول شخص کے لیے قصداً آیت سجدہ مکروہ ہے کہ اس کی ایک آیت پڑھ لے۔ جب کہ نفل میں پڑھنا مکروہ نہیں فرض میں اگر جان بوجھ کر یا بھولے سے آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ کر لے چاہے ممنوع وقت خطبہ جمعہ وغیرہ کے دوران اس کی تلاوت کی تو سجدہ نہ کرے تا کہ روٹین (نظام) خراب نہ ہو۔

ج.....سری نماز مثلاً ظہر کے امام کو چاہیے کہ وہ آیت سجدہ کا جہر کرے تا کہ مقتدی اس کی آواز سن کر اس کی پیروی میں سجدہ کر سکیں اگر امام نے ایسا نہ کیا بلکہ سراً آیت پڑھ کر سجدہ کر لیا تو مقتدیوں کو اس کی اتباع کرنی چاہیے کیونکہ نہ بھولنا اصل ہے اگر وہ اس کی اتباع نہ کریں پھر بھی ان کی نماز درست ہوگی وجہ یہ ہے کہ امام کی پیروی واجب ہے شرط نہیں اور سجدہ تلاوت حقیقت میں مقتدی یہ یعنی امام کا فعل نہیں اور جس واجب کی حیثیت شرط کی سی نہ ہو اس کے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

د.....تلاوت کرتے کوئی شخص ایک یا دو آیتوں کی مقدار آگے نکل گیا تو قرأت کا اعادہ کیے بغیر سجدہ کر لے اس لیے کہ سجدہ کا محل ہے۔

اگر زیادہ آگے نکل گیا تو آیت سجدہ دہرائے چاہے فرض نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو۔ پھر نماز خواہ نفل ہو یا فرض جب تک رکوع کے ارادے سے نہ جھکا ہو سجدہ کر سکتا ہے اگر رکوع کے لیے جھک گیا تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ فرض کے بجائے نفل کی دوسری رکعت میں قرأت کا اعادہ مستحب ہے لیکن یہ تب ہے جب دوسری رکعت میں اس کی قرأت نہ ہوئی ہو۔ چونکہ سبب پہلے ہوتا ہے اس واسطے بظاہر فاتحہ سے پہلے اس کا اعادہ کرے۔

ھ.....نماز میں سجدہ تلاوت کرنے والے کے لئے رکوع سے پہلے قرآن کا کچھ حصہ پڑھ لینا مستحب ہے چاہے دوسری سورت سے ہو تا کہ اس کا رکوع قرأت کے بعد واقع ہو قرأت کا جو محل تھا اس کے بعد سجدے کی ادائیگی کا قصد کیا اور نیت کر کے جھک گیا لیکن بھولے سے رکوع کر لیا تو امام مالک کے نزدیک اس کا رکوع صحیح ہے کیونکہ رکن کے لئے حرکت شرط نہیں پھر اگر اس نے اطمینان سے رکوع کر لیا تو اس اضافے کی وجہ سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔ اور اگر اس نے جم کر رکوع نہیں کیا تو سجدہ تلاوت کرے اور اس کے ذمے سجدہ سہو نہیں۔

حنابلہ [۱] کا قول ہے:

ا.....برخلاف شافعیہ کے انسان ممنوع اوقات میں سجدہ تلاوت نہ کرے جن میں نفل نماز پڑھنا جائز نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد عام ہے نماز فجر کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے اور نماز عصر کے بعد جب تک غروب نہ ہو جائے کوئی نماز (پڑھنا صحیح) نہیں آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد حضرت ابن عمر، حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

ب.....اگر نماز میں سورۃ کے اختتام پر آیت سجدہ پڑھی تو پھر چاہے رکوع کرے یا سجدہ اگر سجدہ کر لیا تو واپس کھڑے ہو کر پھر رکوع کرے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو رکوع کرو چاہو تو سجدہ کرو۔

ج.....دوران سفر اگر قرأت کرنے والا سواری پر ہے تو جس رخ پر ہے اشارے سے سجدہ کرنا جائز ہے جیسے نفل نماز اشارے سے پڑھی جاتی ہے اس مسئلہ پر تمام مسالک [۲] میں اتفاق ہے جس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱].....المغنی ۱/ ۶۲۳۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ [۲] رواہ احمد و ابو داؤد (نیل الاوطار ۳/ ۱۰۰)

نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی تو آپ کے ساتھ سب لوگوں نے سجدہ کیا جن میں کچھ لوگ سواری اور کچھ زمین پر سجدہ کر رہے تھے بعض سوار تو اپنے ہاتھ پر سجدہ کر رہے تھے۔ ❶

د...... آیات سجود کا اختصار مکروہ ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ آیات میں سے آیات سجدہ نکال کر پڑھتے پڑھتے ان کا سجدہ کرے اس لئے کہ سلف سے ایسا کرنا منقول نہیں بلکہ اس کی کراہت مروی ہے اس سلسلہ میں احناف کے جواز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ھ...... سری نماز میں امام کا آیت سجدہ کی تلاوت کرنا مکروہ ہے بالفرض اگر اس نے تلاوت کر لی تو سجدہ نہ کرے اس لئے کہ اس سے مقتدیوں کو وہم ہونے کا خدشہ ہے یہ مسئلہ احناف کی رائے کے موافق ہے جب کہ امام شافعی نے اسے مکروہ نہیں فرمایا۔ دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ تلاوت کیا پھر آپ نے سجدہ سے کھڑے ہو کر رکوع کیا جس سے آپ کے صحابہ سمجھ گئے کہ آپ نے سورہ سجدہ کی تلاوت کی ہے۔ ❷

المطلب الثالث...... سجدہ شکر:

جمہور کے نزدیک سجدہ شکر مستحب ہے مالکیہ کے ہاں مکروہ ہے اس کے متعلق فقہاء کی عبارتیں درج ذیل ہیں۔

احناف...... ❸ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے البتہ یہ ایک عبادت ہے جس پر ثواب ملتا ہے، جس کی دلیل وہ روایت ہے جو سوائے نسائی کے باقی کتب ستہ کے مصنفین نے نقل کی ہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ کو جب کوئی خوش امر پیش آتا یا کوئی خوشخبری ملتی تو آپ سجدہ ریز ہو جاتے اس کی کیفیت بالکل سجدہ تلاوت جیسی ہے فتویٰ اس پر ہے کہ یہ سجدہ مستحب ہے لیکن یاد رہے کہ نماز کے بعد یہ سجدہ مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اسے سنت یا واجب سمجھ لیتے ہیں اور جس مباح سے ایسا اعتقاد پیدا ہو وہ مکروہ ہے۔ اس بنا پر نماز کے بعد جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ بالاجماع مکروہ ہے اس واسطے کہ عوام کا اس کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ واجب یا سنت ہے اور جس جائز سے ایسا اعتقاد پیدا ہو وہ مکروہ ہے کوئی شخص نماز کے رکوع یا سجدے میں ضمناً اس کی نیت کر لے تو کافی ہے جس نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اس کے وقت میں سجدہ شکر ادا کرنا بھی مکروہ ہے اس کے علاوہ وقت میں مکروہ نہیں۔

مالکیہ...... ❹ خوشخبری ملنے پر سجدہ شکر کرنا اسی طرح زلزلہ کے وقت سجدہ کرنا مکروہ ہے جب کہ اصل یہ ہے کہ جب کوئی نعمت ملے یا کوئی مصیبت ٹلے دوگانہ ادا کیا جائے اسی پر اہل مدینہ کا عمل رہا ہے البتہ مالکیہ میں سے ابن حبیب مالکی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سابقہ ❺ حدیث کی وجہ سے سجدہ شکر جائز قرار دیا ہے۔

شافعیہ...... ❻ سجدہ شکر نماز میں شامل نہیں لیکن کسی نعمت کے حصول مثلاً بچہ کی پیدائش یا کسی عہدہ کے ملنے پر یا کسی مصیبت کے ٹل جانے مثلاً جلنے یا ڈوبنے سے بچاؤ کا سامان پیدا ہو گیا اس پر یا کسی بدنی بیماری وغیرہ میں مبتلا شخص کو دیکھنے پر یا کھلے بندوں گناہ کرنے والی کو دیکھ کر سجدہ شکر بجالانا مسنون ہے گناہگار کے سامنے اس کا اظہار کرے لیکن مبتلائے مصیبت سے مخفی رکھے اس کے احکام سجدہ تلاوت جیسے ہیں زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ یہ دونوں سجدے مسافر کے لیے سواری پر بیٹھے بیٹھے اشارے سے جائز ہیں کیونکہ اس میں اترنے کی مشقت ہے اگر مسافر شخص نماز کی تلاوت کی وجہ سے سجدہ کرے تو یقیناً نفل کی اتباع کرتے ہوئے جائز ہے جیسے سجدہ سہو ہوتا ہے۔

---

❶......ایضا المغنی ۱/ ۲۱۹۔ ❷رواہ ابوداؤد (نیل الاوطار: ۱۰۲/۳) ❸ الدرالمختار وردالمحتار ۱/ ۳۴۴۔ ۷۳۱ مراقی الفلاح ص ۸۵ وبعدازاں ❹الشرح الصغیر : ۱/ ۴۲۲۔ ❺ قال الترمذی عنہ: ھو حسن غریب وفی اسنادہ بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرۃ عن ابیہ عن جدہ وھو ضعیف عند العقیلی وغیرہ وقا ابن معین : انہ صالح الحدیث (نیل الا وطار ۱۰۴/۳ وما بعدھا ❻مغنی المحتاج ۱/ ۲۱۹

کسی نئی نعمت کے ملنے اور کسی مصیبت کے ٹلنے کی صورت میں سجدہ شکر کے متعلق ان کے دلائل یہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث اور حدیث عبدالرحمٰن بن عوف کہ نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے اور شہر کی بڑی عمارت کی طرف متوجہ ہوئے اس میں داخل ہوئے اور قبلہ رخ سجدہ ریز ہو گئے کافی دیر سجدے میں رہے اس کے بعد سر اٹھایا (ہم لوگوں سے) فرمانے لگے: جبرائیل نے آ کر خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اسے سلام بھیجوں گا تو میں شکر بجالانے کے لیے سجدہ میں گر گیا۔ (1)

ابوداؤد نے حسن سند سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے اپنی امت کے بارے میں شفاعت کی اجازت تین تہائی تک دی گئی جس کی وجہ سے میں اپنے رب کے حضور شکر بجالانے کے لیے سجدہ ریز ہو گیا۔

مصیبت زدہ شخص کو دیکھ کر سجدہ شکر کے بارے میں ان کی یہ حدیث دلیل ہے جو بیہقی نے روایت کی ہے سلامتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، رہی گنہگار کو دیکھنے کی حالت تو چونکہ دین کی نافرمانی دنیا کے گناہ سے زیادہ بڑی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اے اللہ ہمیں دین کے بارے میں مصیبت میں نہ ڈالیو! کافر کو دیکھ کر سجدہ شکر بجالانا زیادہ بہتر ہے۔

حنابلہ...... کا قول ہے: (2) نئی نعمت کے ملنے پر اور مصیبت کے ٹل جانے پر سجدہ شکر بجالانا مستحب ہے، جس کی دلیل حدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ہے جو پہلے گزری ہے یمامہ فتح ہوا تو صدیق اکبر نے سجدہ شکر ادا کیا۔

سجدہ شکر کے وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کے ہیں البتہ نماز میں ہوتے ہوئے سجدہ شکر نہ کرے اس لیے کہ اس سجدہ کا سبب نماز میں شامل نہیں سو اگر اس نے ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی الا یہ کہ وہ بھول گیا ہو یا اس کی حرمت سے ناواقف ہو۔

دوسری بحث: فوت شدہ نماز کی قضاء...... اس میں چند مباحث بیان ہوں گے قضاء کا معنی اور اس کا شرعی حکم وہ عذر جن سے نماز ساقط یا مؤخر ہو سکتی ہے سفر وحضر، سری و جہری نماز کی قضاء فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا لحاظ تعداد یاد نہ رہنے کی صورت میں قضاء جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے ان میں قضاء کرنا وغیرہ۔

اول: قضاء کا معنی اور اس کا شرعی حکم:

ادائیگی......: واجب کو اس کے وقت میں ادا کرنا حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اتنا وقت پالینا جس میں تکبیر تحریمہ کہہ سکے ادا کہلائے گا جب کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز کی ایک رکعت پالینے سے ادائیگی متصور ہو گی جس کی وضاحت، ہم نماز کے اوقات کی بحث میں کر چکے ہیں۔

دہرانا...... واجب جیسا کام اس کی گھڑی میں کرنا جب میں فساد کے علاوہ کوئی اور خلل واقع ہوا ہو احناف فرماتے ہیں جو نماز کراہت تحریمی سے ادا کی گئی وقت میں اس کی دہرائی واجب ہے اور وقت گزرنے کے بعد مستحب ہے۔

قضا...... واجب کا وقت گزر جانے کے بعد اسے کرنا یا نماز کا وقت نکل جانے کے بعد اسے ادا کرنا۔

دین اور عقل کے لحاظ سے ایک مسلمان کی تو یہ حالت ہونی چاہیے کہ وہ نماز کے وقت میں اسے جلدی ادا کرنے کی کوشش کرے بلا عذر وقت سے مؤخر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو گا جس کی تفصیل نماز کی فضلیت میں ہم بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد جب تمہیں (دشمن سے) اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو کیونکہ نماز ایمان والوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے اور بلا عذر نماز کو مؤخر کرنا ایسا گناہ ہے جو صرف قضاء سے ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ توبہ یا قضاء کے بعد حج کرنے کی ضرورت ہے۔

---

(1)...... رواہ احمد ورواہ ایضا البزار وابن ابی عاصم والعقیلی فی الضعفاء والحاکم (نیل الاوطار ۳/۱۰۵) (2) المغنی ۱/۶۲۷ وما بعدھا

کسی شرعی عذر (جن کی تفصیل ابھی بیان ہوگی) کی وجہ سے کسی نے نماز مؤخر کی تو اسے کوئی گناہ نہیں۔آعذار یہ ہیں: دشمن کا خوف دائی جنائی کو بچنے کے مرنے کا خوف یا جب بچے کا سر نکل آئے اس کی ماں کے مرنے کا خوف چنانچہ خندق کے روز آپ علیہ السلام نے نماز مؤخر کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مشرکین نے خندق کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازوں سے غافل کر دیا یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ بھی جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا گزر گیا آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا پھر انہوں نے اقامت کہی اس کے بعد آپ نے ظہر کی قضاء کی پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ نے عصر کی قضاء کی پھر اقامت کہی تو نماز مغرب کی قضاء پھر اقامت کہی تو نماز عشاء ادا کی ہے۔ ❶

جو کسی قسم کی بھی ذمہ داری میں مشغول رہا جب تک نماز کی قضاء یا ادا تفصیل نہ کرے عہدہ برآ نہیں ہوگا جس کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے ❷ تو جس کے ذمہ نماز واجب ہو اور اس کا مخصوص وقت فوت ہو گیا ہو اس کی قضا لازم ہے ❸ جان بوجھ کر چھوڑنے سے گنہگار ہوگا قضاء اس کے ذمہ واجب ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی نماز (کی ادائیگی) سے (غافل) سو جائے یا غفلت میں پڑ جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ ❹ بخاری میں ہے جو نماز بھول جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں بخاری ومسلم کی تمام احادیث میں اس پر اتفاق ہے جو نماز بھول جائے یا اس کی ادائیگی کے وقت سو تا رہ جائے جب یاد آئے پڑھ لے تو جس کی نماز نیند یا بھول سے رہ جائے وہ اس کی قضاء کرے اور جس کی جان بوجھ کر کوتاہی کی وجہ سے رہ جائے تو اس پر قضا کا واجب ہونا ❺۔

اولیٰ اور بہتر ہے نماز کو جان بوجھ کر نیند یا بھولے سے چھوڑنے کی وجہ سے قضاء واجب ہوگی اگر چہ شک ہی کیوں نہ ہوں مالکیہ کے نزدیک جنون، بے ہوشی، کفر، حیض نفاس یا سامان طہارت (وضو وتیمم) کی عدم دستیابی کی وجہ سے قضاء واجب نہیں ہے۔

جس آدمی نے نیند یا نسیان کے عذر سے نماز مؤخر کر دی وہ گنہگار نہیں ہوگا جس کی دلیل حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہے۔فرمایا: لوگوں نے آپ علیہ السلام سے نیند کی وجہ سے نماز رہ جانے کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ ❻

دوم: نماز ساقط ہونے اور اسے مؤخر کرنے کے عذر

نماز ساقط ہونے کے عذر...... اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے حیض ونفاس کے دنوں میں نماز ساقط ہو جاتی ہے اس واسطے دوران حیض ونفاس اس کی جو نماز رہ گئیں ان کی قضا اس پر لازم نہیں ہے جیسے اس پر اتفاق ہے کہ کافر اور مجنون پر قضاء لازم نہیں۔ ❼

حنفیہ...... ذکر کرتے ہیں کہ پاگل اور بے ہوش سے نماز تب ساقط ہو جاتی ہے جب پاگل پن اور بے ہوشی کا دورانیہ پانچ نمازوں سے بڑھ جائے چنانچہ اگر یہ سلسلہ پانچ یا پانچ سے کم نمازوں کی مقدار جاری رہا تو ان دونوں کے ذمہ قضا لازم ہے جس نماز کا انھیں اتنا وقت مل گیا جس میں وہ تحریمہ سے کچھ بڑھ کر ادا کر سکیں قضا واجب ہے اگر انھیں اتنا وقت نہیں ملا جس میں تحریمہ کی مقدار کچھ کہہ سکیں تو اس وقت کی نماز ان

---

❶ الدر المختار ۱/۶۷۶۔❷ ۶۷۹ رواہ الترمذی والنسائی واحمد قال الترمذی لیس باسنادہ بأس الا ان ابا عبیدۃ رواہ عن ابیہ عن ابن مسعود لم یسمع من ابیہ ورواہ النسائی ایضا عن ابی سعید الخدری رواہ البزار عن جابر بن عبد اللہ (نصب الرایۃ ۲/۱۶۴۔۱۶۶)❸ رواہ البخاری والنسائی عن ابن عباس وھناک احادیث اخری فی الحج فی معناہ(نیل الاوطار ۴/۲۸۵ ومابعدھا) ❹ الکتاب مع اللباب ۱/۸۸، الشرح الصغیر ۱/۳۶۴ مغنی المحتاج ۱/۱۲۷، المھذب ۱/۱۵۴ المجموع ۳/۷۲ وما بعدھا المغنی ۲/۱۰۸ بدایۃ المجتھد ۱/۱۷۵۔❺ مسلم عن انس بن مالک (نیل الاوطار ۲/۲۵۔❻ نسائی والترمذی وصححہ (نیل الاوطار ۲/۲۷۔❼ الدرمع رد ۱/۳۳۰،۶۸۸

پرواجب نہیں رہا مرتد (نعوذ باللہ منہ) تو وہ حالت ارتداد اور اس سے پہلے وقت کی فوت شدہ نماز میں قضا نہیں کرے گا صرف حج کی قضا لازم ہے۔اس واسطے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ اصلی کافر جیسا ہو گیا جو حربی دار الحرب میں اسلام لایا تو اسے لاعلمی کی وجہ سے معذور قرار دیا گیا ہے کافی عرصہ ایسے ہی رہنے سے اپنے اوپر واجب نمازوں کی قضا نہیں کرے گا۔اس واسطے کہ مخاطب ہونے کا علم مکلف ہونے کے لئے شرط ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مالکیہ کا کہنا ہے: کہ جنون بے ہوشی، کفر، حیض نفاس اور وضو تیمم کا سامان نہ ملنے کی صورت میں قضاء لازم نہیں۔ ❶

شافعیہ ❷ فرماتے ہیں......دیگر مسالک والوں کی طرح حیض و نفاس والی عورت پر نماز واجب نہیں رہا پکا کافر تو جب وہ اسلام لے آئے تو نماز کی قضاء کا وہ مخاطب نہیں بنے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں سے کہہ دو! اگر تم (اپنے کفریہ نظریات سے) باز آجاؤ تو تمہارے گزشتہ قصور معاف کر دیے جائیں گے اور اس وجہ سے بھی کہ ان پر قضا واجب کرنے سے لوگ اسلام سے متنفر ہوں گے اس واسطے اسے معاف رکھا گیا جہاں تک مرتد کا مسئلہ ہے جب وہ (دوبارہ) اسلام لائے تو نماز کی قضا اس پر لازم ہے وہ اس پر واجب تھی اور اس کے وجوب کا اسے یقین واعتقاد بھی تھا نیز اسے اس کی ادائیگی کے اسباب مہیا کرنے پر قدرت تھی اس ضمن میں وہ بے وضو شخص کی طرح ہوگا بلکہ یہاں تک کہ اگر حالت ارتداد میں اس پر جنون طاری ہوا اور اس کی وجہ سے کئی نماز میں فوت ہو گئیں تو ان کی قضا اس پر لازم ہے۔اگر کسی شخص کی عقل جنون بے ہوشی بیماری یا کسی مباح سبب کی وجہ سے جاتی رہی تو نہ اس پر نماز واجب ہے اور نہ اس کی قضاء، جس کی دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے تین کے ذمہ کچھ واجب نہیں پھر آپ نے مجنون کی صراحت بیان کی جس پر ہر اس آدمی کو قیاس کیا گیا ہے جس کی عقل کسی مباح سبب سے ختم ہوگئی رہا وہ شخص جس کی عقل کسی حرام چیز کے استعمال سے زائل ہوئی مثلاً اس نے نشہ آور شئی پی یا بلا ضرورت کوئی ایسی دوا کھالی جس سے عقل جاتی رہی تو جب اسے افاقہ ہوگا اس پر قضا واجب ہوگی۔اس لئے کہ اس کی عقل حرام چیز کے ذریعہ زائل ہوئی لہٰذا اس سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔

حنابلہ ❸ فرماتے ہیں......بچے، کافر، حیض اور نفاس والی عورت پر نماز واجب نہیں رہا کافر اصلی تو حالت کفر میں اس کی رہ گئی عبادات کی قضا لازم نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں جس کی دلیل سابقہ آیت ہے کافروں سے کہہ دو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور بعد میں بہت سے لوگ اسلام لائے کسی کو قضا کا حکم نہیں دیا گیا قضاء کا حکم دینے سے لوگ اسلام سے متنفر ہوں گے جیسا کہ شافعیہ نے فرمایا ہے۔

البتہ مرتد پر قضاء لازم ہونے کے متعلق امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ایک روایت احناف کی طرح کہ اس پر کچھ لازم نہیں اس لیے کہ اس کا عمل کفر کرنے کی وجہ سے باطل ہو گیا جس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ (شرک اتنا بڑھا ہوا ظلم ہے) اگر آپ سے (بفرض محال) شرک ہو جاتا تو اس کا لازم نتیجہ تھا کہ آپ کے اعمال بھی برباد ہو جاتے اگر اس نے حج کیا تو از سر نو حج کرنا لازم ہے الغرض وہ تمام احکام میں اصلی کافر کی طرح ہے دوسری شافعیہ کی طرح ہے حالت ارتداد اور اس سے پہلے حالتِ اسلام میں اس کی جو عبادات چھوٹ گئیں ان کی قضا لازم ہے۔البتہ حج کا اعادہ ضروری نہیں ہے کیونکہ عمل شرک پر مرنے سے باطل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم میں سے جو کوئی مرتد ہو کر اسی کفر کی حالت میں مر جائے تو یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا دنیا آخرت میں برباد گیا مجنون غیر مکلّف ہے اس پر حالت جنون میں رہ گئی نمازوں کی قضاء نہیں ہاں اگر وہ نماز کے وقت میں ٹھیک ہو جائے تو وہ بالغ بچہ کے حکم میں ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے: تین افراد پر کچھ واجب نہیں۔سوتا شخص جب تک بیدار نہیں ہو گیا بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا اور مجنون یہاں تک کہ اس کی عقل واپس آجائے ❹ چونکہ اس کی مدت اکثر لمبی ہو جاتی ہے لہٰذا وجوب قضاء باعث مشقت بن جائے گا اس سے معاف رکھا گیا۔

---

❶ الشرح الصغیر ۱/۳۶۴۔ ❷ المهذب ۱/۵۰ وما بعدها۔ ❸ المغنی ۱/۳۹۸۔۴۰۱۔ (۴) ابوداؤد ابن ماجه والترمذی وقال حدیث حسن

بے ہوش آدمی ان تمام نمازوں کی قضا کرے گا جو حالت بیہوشی میں اس پر واجب تھیں جیسے سوتا شخص نماز روزہ وغیرہ شرعی واجبات سے سبکدوش نہیں ان کی قضا اس پر واجب ہے۔ یہی حال بے ہوش آدمی کا ہے۔ جس کی دلیل اثرم کی روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تین روز بے ہوش رہے تو انہوں نے قضاء نمازوں کو ادا کیا نیز سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے کسی نے بے ہوش آدمی کی نماز کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ رہ گئی تمام نمازیں پڑھے گا جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں یہ رائے حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے مسلک کے خلاف ہے کسی نے ایسی دوا کھالی جس سے عقل ٹھکانے نہ رہی تو دیکھا جائے اگر اکثر اوقات ایسی حالت نہیں ہے تو اس کا حکم بے ہوشی کا ہے اور اگر یہ کیفیت طول اختیار کرے تو اس کا حکم جنون کا ہے رہا نشہ تو اگر کسی نے حرام نشہ آور شے استعمال کی جس کی وجہ سے کسی وقت عقل پر قابو نہ رہا تو اس سے وجوب ساقط نہیں ہوگا لہٰذا بلا اختلاف جتنی مدت اس کی عقل بے قابو رہی اتنے وقت کی فوت شدہ نمازیں قضا کرے گا دیکھیں! مباح نیند سے جب قضا واجب ٹھہری تو حرام نشے سے بدرجہ اولیٰ لازم ہوگی۔

میّت سے نماز روزے وغیرہ کا ساقط ہونا:

احناف...... ❶ بیمار کا جب اس حالت میں انتقال ہوا کہ وہ سر کے اشارے سے بھی نماز پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا تو اسے ان نمازوں کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں اگر چہ وہ چند ایک نمازیں ہوں اسی طرح مسافر اور بیمار جب روزہ افطار کرلیں اور دونوں اقامت کرنے اور تندرست ہونے سے پہلے فوت ہو جائیں تو ان دونوں پر بھی اس کی وصیت کرنا لازم نہیں۔ البتہ نماز روزے وغیرہ کے فدیے کی وصیت کرنا مستحب ہے۔

جس کا انتقال اس عالم میں ہوا کہ اس کے ذمہ بلا عذر کئی نمازیں واجب تھیں جن کی ادائیگی پر اگر چہ اشارے سے بھی ہوتی اسے قدرت تھی تو اسے ان نمازوں کا کفارہ دینے کی وصیت کرنا لازم ہے اور اگر یہ صورت نہیں تو پھر اس پر کچھ لازم نہیں اگر چہ وہ نمازیں کم ہوں یعنی چھ سے کم ہوں اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: اس بیمار کو اگر اس کی بھی طاقت نہیں ❷ تو اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اسی طرح وہ شخص جس نے رمضان میں بلا عذر افطار کر لیا تو اسے حسب طاقت اپنے ذمہ واجب روزے کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا لازم ہے جو اسی کے ذمہ واجب رہے گا مرنے کے بعد اس کا وارث اس کے تہائی ترکے سے ادا کرے وارث کو چاہیے کہ فدیہ دینے کی نیکی کرے اگر چہ مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور نہ مال چھوڑا ہو۔

احناف کے ہاں نماز جس میں وتر بھی شامل ہیں اور روزے کا کفارہ یہ ہے کہ روزانہ ہر نماز اور روزے کا گندم کا آدھا صاع (دمشقی مد کا چوتھائی جو احسان لیے بغیر اتنا ہو جس سے ہاتھ آلودہ ہو جائیں) جیسے ہر نماز اور روزہ کا جدا جدا فطرانہ دیا جاتا ہے فوت ہونے والے کے تہائی مال سے روزے کا فدیہ اور کفارہ لیا جائے گا اگر میت کا مال نہ ہو تو اس کا وارث نصف صاع قرض لے کر فقیر کو ہبہ کردے اس کے بعد فقیر وہ مال میت کے ولی (قریبی) کو دے جس پر وہ قبضہ کرلے پھر وہ فقیر کو دے جس سے اسی کی مقدار نماز روزہ ساقط ہوگا پھر فقیر اسے ہبہ کردے اور ولی اس پر قبضہ کرلے ولی دوبارہ فقیر کو دے اسی طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ اس پر واجب نماز روزے ساقط ہو جائیں لیکن یاد رہے اس طرح کا حیلہ قابل قبول نہیں اس واسطے کہ نماز ایک بدنی عبادت ہے جسے اس طرح کے خالی نقشے اور کھوکھلے بہانے ساقط نہیں کر سکتے کفارہ قسم کے برخلاف کسی ایک شخص کو نمازوں کا سارا فدیہ دینا بھی جائز ہے اگر کسی فقیر کو آدھے صاع سے کم دیا اپنی زندگی میں بیماری کی حالت میں اپنی نمازوں کا فدیہ دینا صحیح نہیں لہٰذا زندگی میں نماز کا کوئی فدیہ نہیں جب کہ روزے کا فدیہ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔ میت کے حکم دینے کے باوجود وارثوں کو اس کی طرف نماز کی قضاء کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نماز ایک بدنی شخصی عبادت ہے بخلاف حج کے وہ نیابت کو قبول کرتا ہے اس لیے

❶ ..... الدر المختار: ۱/۶۸۵ وما بعد ۴۵۸/۵ مراقی الفلاح ص ۷۴ وما بعد ❷ ..... جب یہ یقین ہو کہ اب دوبارہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ (عامر تقی ندوی)

دوسرے کی طرف سے ادا ہو سکتا ہے۔

ب: نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنے کے عذر...... یہ بات ہم پہلے جان چکے ہیں کہ نماز کو کسی عذر مثلاً نیند نسیان اور غفلت کی وجہ سے مؤخر کرنے سے قضا واجب اور گناہ ساقط ہوتا ہے جس کی دلیل حدیث سابق ہے جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نیند میں کوتاہی نہیں کوتاہی بیداری میں ہے۔

البتہ شافعیہ نے کہا ہے: اگر نسیان کوتاہی سے پیدا نہ ہو تو وہ بھی عذر ہے، لہٰذا کھیل میں مشغولی کے باعث کوئی نماز کو بھول گیا تو وہ معذور نہیں ہوگا بلکہ نماز کو لیٹ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

سوم: رہ گئی نمازوں کی قضاء اور اس کا طریقہ:

احناف...... ❶ فرماتے ہیں جیسی کوئی نماز قضاء ہوئی ویسی ہی ادا کی جائے چاہے قیام کی نماز ہو یا سفر کی۔ چنانچہ جس کی سفر میں قصر نماز رہ گئی وہ دو رکعتیں قضا کرے گا اگرچہ حضر میں ہو۔ جہاں تک قضاء میں سری اور جہری نمازوں کی قرأت کا مسئلہ ہے تو نماز کی قسم کا لحاظ رکھا جائے پس اگر وہ سری نماز ہے مثلاً ظہر ہے تو اس میں آہستہ آواز سے قرأت کرے اور اگر جہری ہے تو امام ہونے کی صورت میں جہری قرأت کرے۔ منفرد ہے تو جہراً و سراً میں اختیار ہے قضا فوراً واجب ہے البتہ اہل وعیال کے لئے دوڑ دھوپ اور ضروریات میں مشغول کے عذر سے تاخیر جائز ہے یہ زیادہ صحیح قول ہے۔ ایسے ہی نماز سے باہر سجدہ تلاوت نذر مطلق اور رمضان کی قضاء میں گنجائش ہے سابقہ عذر کی وجہ سے تاخیر جائز ہے۔

مالکیہ...... ❷ حنفیہ کی طرح کہ جیسے نمازیں فوت ہوئیں ویسے ہی قضاء کی جائیں سفر میں یا حضر میں سری نماز ہو یا جہری فوراً ادا کی جائے تاخیر کرنا حرام ہے حتی کہ ممنوع اوقات مثلاً طلوع آفات اور غروب کے وقت جمعہ کے خطبہ کے وقت بھی قضا کرے البتہ ضرورت کے وقت مثلاً کھانے پینے اور اس نیند کے وقت جو بے حد ضروری ہے قضاء حاجت کے وقت اور اپنی معاشی ضرورت کی تکمیل کے وقت تاخیر کر سکتا ہے۔

اس بناء پر حضر کی نماز مکمل قضا کی جائے گی اگرچہ وہ سفر میں رہ گئی اور دن کی نماز سراً ادا کی جائے اگرچہ وہ رات میں رہ گئی اور رات کی نماز جہراً ادا کی جائے اگرچہ وہ دن کے وقت رہ گئی اس لئے کہ قضاء ادا کی نقل ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... فرماتے ہیں: ❸ قضاء کی جگہ اور وقت کو دیکھا جائے گا لہٰذا مسافر چار رکعتی نماز کی قضاء دو رکعت کرے گا چاہے اس کی یہ نماز سفر میں فوت ہوئی ہو یا حضر میں اور اگر حضر میں ہو تو چار رکعت کی قضا چار رکعت کرے گا اگرچہ وہ سفر میں رہ گئی ہو اس لیے کہ اتمام مکمل کرنا اصل ہے حضر میں۔ اس کی طرف رجوع ہوگا اس واسطے کہ قصر کا سبب سفر ہے جو حضر میں بکثرت نہیں ہوتا سفر میں سفر کی فوت شدہ نماز قصر ادا کی جائے نہ کہ حضر میں امام شافعی کی اظہر روایت ہے سبب کی موجودگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم ہے۔

وقت کی مناسبت سے نماز میں جہر و اخفاء کیا جائے چنانچہ اگر کوئی شخص دن میں طلوع شمس سے غروب تک کوئی نماز پڑھتا ہے تو اخفاء کرے اور اگر غروب کے بعد سے طلوع تک پڑھتا ہے تو جہر کرے البتہ حنابلہ کا قول ہے اگر قضاء رات کی ہو تو امام جہر کرے کیونکہ قضا ادا کے مشابہ ہے اگر اکیلا ہو تو مطلقاً اخفاء کرے امام احمد فرماتے ہیں: جہر تو جماعت کے لیے کیا جاتا ہے۔

فوت شدہ نماز کی قضا باجماعت اور سنتوں کی قضاء...... حنابلہ نے اس بات کا اضافہ کیا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء باجماعت

---

❶ ......اللباب شرح الكتاب ۱/۱۱۰، فتح القدير ۱/۴۰۵۔ ❷ الشرح الصغير ۱/۳۶۵، الشرح الكبير مع الدسوقی ۱/۲۶۳، القوانين الفقهية ۷۱۔ ❸ مغنی المحتاج ۱/۱۲۷، ۱۲۲، ۲۶۳، المغنی ۱/۵۶۹ ومابعدها، ۲/۲۱۶، ۲۸۲ مابعد

مستحب ہے جیسا نبی علیہ السلام نے خندق کے روز کیا جب آپ کی چار نمازیں رہ گئیں تو آپ نے ان کی جماعت سے ادائیگی فرمائی، فرائض سے سنن رواتب کی قضاء مکروہ نہیں فجر کے فرضوں کی قضاء سے پہلے دو سنتوں کی قضاء مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ایک رات ہم نے نبی علیہ السلام کے ہمراہ پڑاؤ کیا تو سورج طلوع ہونے تک ہم میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص اپنی سوار کو لے کر چلتا بنے کیونکہ یہ ایسا مقام ہے جہاں شیطان موجود ہے فرماتے ہیں ہم نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے پانی منگوایا وضو کیا اور دو رکعت ادا کیں پھر اقامت نماز ہوئی اور آپ نے نماز فجر پڑھائی۔ ❶

فوری قضاء.....فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قضاء فوری ہونی چاہیے چاہے نماز عذر کی وجہ سے فوت ہوئی ہو یا بغیر عذر کے البتہ شافعیہ نے کچھ تفصیل بیان کی ہے وہ یہ اگر فوت شدہ نماز کسی عذر مثلاً نیند اور نسیان کی وجہ سے رہ گئی تو اسے جلدی ادا کرنا مستحب ہے اور جو نماز بلا عذر رہ گئی ہو اس کی قضا فوراً کرنا واجب ہے دونوں کے متعلق زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ تعجیل کی جائے تا کہ انسان بری الذمہ ہو جائے فی الفور وجوب کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ: میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ چونکہ وقت کے بعد نماز میں تاخیر کرنا نافرمانی ہے جس سے فوراً دستبردار ہونا ضروری ہے۔

چہارم: رہ گئی نمازوں میں ترتیب اور ترتیب کب ساقط ہوتی ہے:

احناف.....فرماتے ہیں جب تک وقتی نماز کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تا یہاں تک پانچ نمازوں بشمول وتر فوت شدہ اور وقتی نمازوں میں ترتیب لازمی حق ہے۔ پہلے وقتی نماز پڑھی جائے پھر فوت شدہ کی قضا کی جائے جس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو نماز سے (غافل) سوتا رہا یا بھول گیا پھر اسے امام کے ساتھ وہ نماز یاد آئی تو فی الحال اسی نماز کو پڑھے جس میں وہ مشغول ہے بعد میں جو نماز یاد آتی اس کی قضا کرے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی تھی ❷ جس کی کئی نمازیں فوت ہوگئی ہوں وہ ان کی ترتیب وار قضا کرے جیسا کہ اصل میں اس پر واجب ہوئی تھیں کیونکہ نبی علیہ السلام کو خندق کے روز چار نمازوں کی فرصت نہیں ملی بعد میں آپ نے ان کی ترتیب وار قضاء کی پھر فرمایا: جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو ویسے نماز پڑھو۔ ❸ ہاں اگر نمازیں (وتر کے علاوہ) چھ سے زائد ہو جائیں تو ان میں ترتیب برقرار نہیں رہے گی جیسے فوت شدہ اور وقتی میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ فوت شدہ نماز بڑھ گئیں اور چھٹی نماز کا وقت نکل جانے سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ جب نمازیں کم ہو جائیں تو دوبارہ ترتیب قائم نہیں ہوتی یہی مختار قول ہے صاحب ھدایہ فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ترتیب دوبارہ قائم ہو جاتی ہے اسی بنا پر اگر فوت شدہ نماز کے یاد ہوتے کسی نے فرض پڑھے اگرچہ وہ فوت شدہ نماز وتر ہی ہو تو اس کے فرض موقوف فساد سے فاسد ہو جائیں گے (جس کی تفصیل چند سطروں میں آئے گی) اگر فجر کی نماز فوت ہوئی اور اس کی یاد کے باوجود ظہر ادا کی تو ظہر کی نماز فاسد ہوگی یہ فساد موقوف رہے گا اور اگر فجر کی قضا کرنے سے پہلے عصر کی نماز پڑھی۔

تو عصر کی نماز فساد موقوف سے فاسد ہو جائے گی اسی طرح دوسرے دن کی نماز فجر کا وقت نکلنے تک۔ اگر اس نے اس سے پہلے پہلے ان کی نماز فجر کی قضاء کی تو سب نمازوں کی فرضیت باطل ہو جائے گی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک نفل میں تبدیل ہو جائیں گی جس کا اعادہ اس پر لازم ہے۔ ❹

---

❶.....البدائع ۱/۱۳۱، الدرالمختار ۱/۶۷۹، ۶۸۵ الکتاب مع اللباب ۱/۸۹، مراقی الفلاح ص ۷۵، فتح القدیر ۱/۳۴۶۔ ❷ ۳۵۲ الدارقطنی والبیھقی عن ابن عمر بلفظ من نسی صلاۃ فلم یذ کرھا الا وھو مع الا ما م فلیتم صلاۃ فاذا فرغ من صلاتہ فلیعد التی صلاھا مع الامام والصحیح انہ من قول ابن عمر (نصب الرایۃ ۲/۱۶۲. ❸روی الحدیث عن ابن مسعود والخدری وجابر وقد سبق تخریجہ (نصب الرایۃ ۲/۱۶۴، ۱۶۶) ❹وھکذا یقال: صلاۃ واحدۃ تفسد خمسا واخری تصحح خمساً فالمتروکۃ تفسد الخمس بقضائھا فی وقت الخامسۃ من المودیات والسادسۃ من المودیات تصحح الخمس قبلھا والحقیقۃ خروج وقت الخا مسۃ ھوا لمصحح لھا.

تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب کے وجوب کا گمان ہو یا نہ ہو ترتیب کے چھوڑنے سے نماز کی بنیاد فاسد ہو جاتی ہے جو موقوف رہتی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک فساد یقینی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق فوت شدہ نمازیں بکثرت ہو جائیں اور فاسد ہونے والی نماز میں فوت شدہ نمازوں کے ساتھ مل کر چھ بن جائیں۔ ان کا صحیح ہونا پانچویں کے وقت نکلنے سے جو فوت شدہ نمازوں میں سے چھٹے نمبر پر ہے ظاہر ہوگا اگر چھ نہ بنیں تو ان کا صحیح ہونا ظاہر نہیں ہوگا بلکہ نفل بن جائیں گی۔

پھر جب کسی کی نماز فوت ہو جائے چاہے وتر ہی ہو اس کے بعد اسے یاد رکھتے ہوئے جو نماز بھی پڑھے گا تو وہ وقتی نماز اس فوت شدہ کی قضا کرنے پر موقوف فاسد ہوگی پس اگر اس نے اس کی قضا کرنے سے پہلے اس کے بعد پانچ نماز پڑھ لیں جو فساد یقینی ہو جائے گا اور فوت شدہ سے پہلے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نفل میں تبدیل ہو جائیں گی اور اس کی قضاء کیے بغیر پانچویں کا وقت نکل گیا اور فواسد کو فوت شدہ کے ساتھ شمار کریں تو چھ نمازیں بن جاتی ہیں۔ تو صحیح ہو جائیں گی اس لیے ان کی کثرت ظاہر ہوگئی اور اس تکرار کی حد میں داخل ہوگئیں جس سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

درج ذیل تین امور میں سے کسی ایک سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:

الاول..... جیسا ہم بیان کر آئے ہیں فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں مذکورہ مقدار میں وتر شامل نہیں ہوں گے۔

ثانی..... مستحب وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ اس میں فوت شدہ اور وقتیہ نماز کی گنجائش نہ ہو۔

ثالث..... ادائیگی کے وقت فوت شدہ نماز کی بھول ہو جائے دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے خطا و نسیان اور جس بات پر انہیں اکسایا جائے معاف کر دی ہے۔ ❶

مالکیہ ❷ **کا کہنا ہے**..... اگر ترتیب قائم رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو یاداش اور قدرت کی وجہ سے ترتیب واجب ہے ان دو وقتی نمازوں میں ترتیب شرط ہے جو وقت میں مشترک ہوں وہ نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی ہیں جنہیں ظہرین اور مغربین بھی کہا جاتا ہے ایک شخص عصر کی نماز میں مشغول ہے اسے ظہر کی نماز یاد ہے تو عصر باطل ہو جائے گی یہی حال عشاء کا مغرب کے ساتھ ہے اس واسطے کہ وقتی نماز کی ترتیب ایسا واجب ہے جو شرط کا درجہ رکھتا ہے اگر وقتی نماز کی رکعت مکمل نہیں کی تو اسے توڑ دے اگر ایک رکعت مکمل کرے تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے تا کہ دو رکعتیں مل کر نفل بن جائیں۔

سابقہ دو شرطوں (یاداش اور قدرت) کے ساتھ چند فوت شدہ نمازوں اور وقتی نماز میں ترتیب واجب ہے فوت شدہ نماز کو وقتی نماز سے مقدم کیا جائے گا۔ مثلاً کسی پر مغرب، عشاء اور فجر کی نماز واجب قضاء تھی تو ان نمازوں کو وقتی فجر کی نماز سے مقدم کرنا واجب ہوگا اگرچہ اس کے کچھ فوت شدہ نمازوں کو مقدم کرنے سے وقتی نماز کا وقت نکل گیا جس کا اس سے مقدم کرنا واجب ہے اور یہ ایسا واجب ہے جو شرط نہیں چنانچہ اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اپنے محل و مقام سے مقدم کی گئی نماز باطل تو نہیں ہوگی البتہ وہ گنہگار ہوگا صرف اس کے کرنے سے اس کے وقت نکل جانے سے اس پر دہرانا واجب نہیں اگر اس نے وہ نماز بھولے سے یا مجبوری سے مقدم کر دی تو نماز صحیح ہو جائے گی اسے کچھ گناہ نہیں ہوگا اگر جان بوجھ کر ضروری وقت میں (جو ظہرین میں سورج کا زرد پڑ جانا اور مغربین میں فجر کا طلوع ہونا ہے) کچھ فوت شدہ نمازوں سے وقتی نماز کو مقدم کر دیا تو وقتی نماز کا اعادہ مستحب ہے کچھ فوت شدہ نمازیں پانچ یا اس سے کم ہیں۔ وہ انہیں وقتی نماز سے پہلے پڑھے اگرچہ اس کا وقت تنگ ہو۔

---

❶.....رواه ابن ماجه عن ابى ذر رواه الطبرانى والحاكم عن ابن عباس ورواه الطبرانى ايضا عن ثو بان هو صحيح ❷الشرح الكبير ١/٢٦٥، الشرح الصغير ١/٣٦٦، ٣٧٠، ٣٧٤، القوانين الفقهية ص ٧١، بداية المجتهد ١/١٧٧

اگر نمازی کو وقتی فرض پڑھتے کچھ فوت شدہ نمازیں یاد آئیں اگر چہ فجر یا جمعہ کی نماز ہو اور جسے یاد آئیں وہ امام یا منفرد ہو اگر اس نے ایک رکعت سجدوں سمیت پوری نہیں کی تو نماز توڑ دے یہ اس صورت میں ہے جب وہ امام یا منفرد ہو مقتدی اس کی پیروی کرے گا اگر وہ مقتدی ہے تو وہ اپنی نماز نہ توڑے کیونکہ اس پر امام کا حق ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وقت ضروری میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بعد اس وقتی نماز کا اعادہ کرلے۔ اگر اس نے ایک رکعت دونوں سجدوں سمیت پوری کرلی تو مستحب یہ ہے کہ بنیت نفل اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملالے اور سلام پھیر کر فوت شدہ نماز شروع کردے۔

اگر دو رکعتی یا تین رکعتی نماز کی دو رکعتوں کے بعد یاد آئی یا چار رکعتی کی تین رکعتوں کے بعد یاد آئی تو اس نماز کو مکمل کرلے اس لئے کہ جو کسی چیز کے قریب ہوتا ہے اسے اس کا حکم دیا جاتا ہے پھر فوت شدہ نمازیں پڑھے اس کے بعد وقتی نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا مستحب ہے اگر اس کا وقت باقی ہو۔

نفل پڑھتے وقت چند فوت شدہ نمازیں یاد آئیں تو مطلقاً نفل مکمل کرلے البتہ جب وقتی نماز کے وقت نکل جانے کا خوف ہو تو توڑ دے لیکن ایسا تب کرے جب اس نے رکعت مکمل نہ کی ہو پھر فرض پڑھ لے۔ اگر فوت شدہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں تو اس وقت انہیں وقتی نماز سے مقدم کرنا لازم نہیں بلکہ وقتی نماز کو مقدم کرلے اگر اس کے وقت میں گنجائش ہو اور اگر وقت تنگ ہے تو اسے مقدم کرنا واجب ہے۔

حنابلہ کا قول ہے...... جو مذہب کا صحیح قول ہے [1] فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ خود فوت شدہ نمازوں میں ترتیب قائم رکھنا فوت شدہ اور وقتی نماز میں ترتیب برقرار رکھنا واجب ہے۔ اگر فوت شدہ نماز کی قضاء کے وقت میں گنجائش ہو اگر گنجائش نہیں تو ترتیب ساقط ہوجائے گی وقتی نماز کو باجماعت پالینے کی وجہ سے ظاہری مذہب میں ترتیب ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جماعت سے زیادہ تاکید ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے برخلاف جماعت کے اسی طرح ترتیب کے وجوب سے ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب ساقط نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز میں ترتیب واجب ہے اور احکام شرعیہ سے ناواقفیت کوئی عذر نہیں۔

ظہر کی فوت شدہ نماز سے پہلے عصر پڑھ لی تو اپنے محل سے پہلے ادا کی گئی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اگر دوسری کی ادائیگی کے دوران پہلی یاد آگئی تو دوسری باطل ہوجائے گی لیکن جو کسی نماز میں مشغول ہو اگر دوسری نماز یاد آبھی جائے تو پہلے اسے مکمل کرلے اور یاد آمدہ کی قضاء کرلے۔ اگر وقت باقی ہو تو جس میں تھا۔

اس مسئلہ میں امام منفرد اور مقتدی برابر ہے مکمل کرنے کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اپنے اعمال باطل نہ کرو" اور ترتیب واجب کرنے کی دلیل یہ روایت ہے کہ خندق کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں رہ گئیں تو آپ نے ان کی ترتیب وار قضا کی۔

اگر فوت شدہ نمازیں بکثرت ہوجائیں تو جب تک بدن اور مال میں کوئی مشقت پیدا نہ ہو قضاء کی ادائیگی میں مشغول رہنا چاہیے جیسے کسی مخصوص دن کی نماز بھول گیا تو وہ کسی دن اور رات کی ایک نماز دہرالے یہی اکثر اہل علم کا قول ہے اس واسطے کہ فرض کی صحت کے لئے تعین شرط ہے جو پانچ نمازوں کو دہرائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

شافعیہ......فرماتے ہیں:

فوت شدہ نماز میں ترتیب اور اسے وقتی نماز سے مقدم کرنا جب تک اس کے وقت ختم ہونے کا خوف نہ ہو خندق والے واقعہ میں نبی علیہ السلام کے فعل پر عمل کرتے ہوئے اور جس نے اسے ترتیب کو واجب قرار دیا ہے اس کے اختلاف سے بچنے کی ترتیب مسنون ہے فوت شدہ نماز کی ترتیب اور اسے وقتی نماز سے مقدم رکھنا دو شرطوں پر موقوف ہے۔

---

[1] ......مغنی المحتاج ۱/۱۲۷ مابعد المهذب ۱/۵۴

اول.....وقتی نماز کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو بایں طور کہ وقت میں اس کی ایک رکعت نہ مل سکے۔

دوم.....وقتی نماز شروع کرنے سے پہلے فوت شدہ نماز یاد ہو اگر ایسا نہیں تو وقتی نماز کو مکمل کرنا ضروری ہے وقت تنگ ہو یا کشادہ اس یقین سے فوت شدہ نماز کو شروع کیا کہ وقت کافی ہے پھر خیال آیا کہ وقت تنگ ہے ادا نماز نہیں مل سکے گی اسے توڑنا واجب ہے تاکہ یہ بھی فوت نہ ہو جائے (یک نہ شد دو شد والا قصہ نہ بن جائے)

افضل یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد اسے نفل میں تبدیل کر دے اگر وقتی نماز کی جماعت رہ جانے کا ڈر ہو تو ترتیب افضل ہے کیونکہ اس جماعت کے واجب کی ترتیب ہونے میں اختلاف ہے اکٹھی دو وقتی نماز مقدم کرنا واجب ہے البتہ مؤخر کرنا سنت ہے۔

پنجم: فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہونے کی صورت میں قضاء:

احناف.....[1] جس کے ذمہ اتنی مقدار میں فوت شدہ نمازیں ہوں کہ ان کی تعداد کا علم نہ ہو تو بری الذمہ ہونے کے لئے غالب گمان کے مطابق قضاء کرے اسے چاہیے کہ زمانے کا تعین کرلے پہلے ظہر کی نیت کرے جس کا وقت تو اسے ملا لیکن ادا نہ کر سکا یا ظہر کے آخری وقت کی نیت کرے جو اس کے ذمہ تھی جس کا وقت تو ملا لیکن ادا نہ کرسکا ایسا اس کی سہولت کے لیے کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ [2] کا قول ہے.....فرائض سے بری الذمہ ہونے کے لیے جب تک اسے یقین نہ ہو جائے قضا کرتا رہے وقت کی تعین ضروری نہیں بلکہ جس کی نیت ہے مثلاً ظہر یا عصر وہی کافی ہے۔

ششم: جس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اس وقت کی قضاء:

احناف.....تین اوقات میں فرائض اور وہ واجبات جو اپنے وقت سے پہلے لازم ہوں، ان میں سے کچھ بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ طلوع شمس کے وقت یہاں تک سورج بلند ہو کر سفید ہو جائے اور ایک یا دو نیزہ کی مقدار افق پر دکھائی دے۔ دوسرے کے وقت جب سورج آسمان کے وسط میں ہو یہاں تک کہ ڈھل جائے اور مغرب کی۔

سورج کی زردی کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے دلیل حضرت عقبہ عامر رضی اللہ عنہ کا قول ہے تین اوقات میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے، مردے دفن کرنے (یعنی جنازہ پڑھ کر) سے منع فرمایا ہے طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے، زوال کے وقت یہاں تک کہ ڈھل جائے اور جب غروب کے لئے مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔[3]

ان کے علاوہ اوقات میں قضاء نماز پڑھنا درست ہے اگرچہ عصر اور نماز فجر کی ادائیگی جیسے جنازہ آجائے یا ان اوقات میں سجدہ تلاوت کی آیت پڑھی ہو اور جیسا ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسی دن کی نماز عصر سورج غروب ہوتے وقت باوجود کراہت کے صحیح ہے لیکن ہم پہلے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نفل نماز اگرچہ ذوات الاسباب ہو جیسے نذر اور طواف کی دو رکعتیں ان تین اوقات میں مکروہ تحریمی ہے ایسا ہی طلوع فجر کے بعد اس کی دو سنتوں سے زائد نفل پڑھنا اور نماز فجر کے بعد مکروہ ہے اسی طرح عصر کی نماز کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے امام کا خطبہ کے لئے آنے کے وقت یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے اقامت نماز کے وقت صرف فجر کی سنتیں پڑھ سکتا ہے عید کی نماز سے پہلے چاہے اپنے گھر میں نفل پڑھے مکروہ ہے ایسا ہی عید کے بعد مسجد میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے عرفہ میں دو جمعوں کے درمیان اگرچہ ظہر کی سنت ہو اور جمع مزدلفہ میں اگرچہ مغرب کی سنت ہو صحیح قول کے مطابق مکروہ ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے ان کے درمیان نفل نہیں پڑھے۔ فرض کا وقت تنگ ہونے کے وقت جس سے فرض اپنے وقت سے رہ جائے پیشاب پاخانے کے دباؤ کے وقت جب کھانا آجائے اور جی بھی للچا رہا ہو جو

---

[1].....مراقی الفلاح ۷۶۔ [2] القوانین الفقهية ۷۲ مغني المحتاج ۱/۱۲۷ كشاف القناع ۱/۳۰۵۔ [3] مسلم

چیزوں کو مشغول رکھے اور خشوع میں خلل پیدا ہو مکروہ ہے۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ❷ کا قول ہے.....فوت شدہ فرائض کی قضا تمام اوقات میں چاہے ممنوع وقت ہو صحیح ہے یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مروی ہے نیز سابقہ حدیث ہے جو نماز سے (غافل) سو گیا یا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے ❸ اور حدیث ابی اقتادہ جو پہلے گزر چکی کہ جو نماز نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت ہو گیا اس کی بیداری میں کوتاہی جس کسی سے ایسا ہو جائے تو جب بیدار ہو اسے پڑھ لے۔ ❹

سابقہ پانچ اوقات میں نماز سے روکنے کی ممانعت آخری دو وقتوں میں قضاء اور اسی دن کے عصر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے ہم محل نزاع کو مخصوص پر قیاس کرتے ہیں۔ نماز فجر ادا کرتے ہوئے اگر سورج طلوع ہو گیا تو وہ نماز مکمل کر لے جس کی دلیل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جب نمازی سورج غروب ہونے سے پہلے ایک سجدہ نماز عصر کا پالے تو نماز مکمل کر لے اور جب سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز فجر کا ایک سجدہ حاصل کر لے تو اپنی نماز مکمل کر لے ❺ مذکورہ مسئلہ میں یہ (حدیث) نص ہے جو اس کے علاوہ کے عموم سے مقدم ہوگی حنفیہ فرماتے ہیں: اس وقت اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ وہ ممنوع وقت میں داخل ہو گئی۔

دسویں فصل.....نماز کی اقسام

اس فصل میں آٹھ مباحث ہوں گے:

پہلی بحث: باجماعت نماز اور اس کے احکام (یعنی امامت واقتداء)

اس بحث کے تحت مسبوق کی نماز، نماز میں نائب بنانے کا مسئلہ، نماز پر بنا کرنے (وضو ٹوٹنے یا کسی اور عذر سے نماز سے نکلنے اور دوبارہ اسی نماز کو متروکہ مقام سے شرع کرنے) کا مسئلہ ہے اس لحاظ سے اس مبحث کی گفتگو پانچ مقاصد کو شامل ہوگی جو درج ذیل ہیں: جماعت، امامت، پیشوائی، امام ومقتدی کے مابین مشترک امور نماز میں نائب بنانا۔

مطلوب اول: جماعت.....نماز کی تعریف، اس کی شرعی حیثیت، فضلیت، حکمت اور اس کا حکم جماعت کی کم سے کم تعداد اور کس سے جماعت منعقد ہوتی ہے، افضل جماعت کونسی ہے جماعت کا ثواب پانا فرض تک رسائی جماعت کے لیے پیدل چلنا، امام کی معیت میں جماعت کی طرف جلدی بڑھنا، مسجد میں جماعت کی تکرار، جماعت کے ساتھ اعادہ (دہرانا) نماز قائم کرنے کا مستحب وقت، جمعہ اور جماعت ترک کرنے کے عذر۔

اول: جماعت کی تعریف:

جماعت.....امام اور مقتدی کی نماز کے درمیان پیدا ہونے والے ربط وتعلق کا نام ہے۔ شریعت اسلامی نے مقررہ اوقات میں عبادت کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کے مابین بہت سے تعلقات اور اجتماعی ملاقاتیں مشروع قرار دی ہیں۔ جن میں سے شب وروز پانچ نمازوں کی ادائیگی، ہفتے میں جمعہ کی نماز، ہر شہر والوں کے لیے سال میں ایک بار عیدین کی نماز ایک عام اجتماع جو تمام شہروں کے لئے ہے جس میں سال میں ایک مرتبہ بمقام عرفہ وقوف کرتے ہیں تاکہ باہمی میل ملاپ اور محبت باقی رہے اور قطع تعلقی کا قلع قمع ہو۔

❶.....مراقی الفلاح ۳۱ ❷الشرح الصغیر ۳۶۵/۱، مغنی المحتاج ۱۲۹/۱ المغنی، ۱۰۲/۲. ❸متفق علیہ❹ایضاً❺ایضاً

دوم: جماعت کی شرعی حیثیت، فضلیت اور حکمت...... جماعت کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کتاب اللہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جب آپ ان میں موجود ہوا کریں تو ان کی امامت کر کے نماز قائم کیا کریں اللہ تعالیٰ نے دوران جہاد خوف کی حالت میں باجماعت نماز کا حکم دیا ہے تو امن میں بطور اولیٰ قائم کی جائے۔ اگر جماعت مقصود نہ ہوتی تو اس میں رخصت مل جاتی کہ خوف کی حالت ہے رہنے دو نماز کے واجبات میں اس کی وجہ سے خلل جائز نہیں۔

رہا سنت سے ثبوت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے سر جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیس (۲۷) ❶ اور ایک روایت میں پچیس (۲۵) درجے زیادہ فضلیت رکھتی ہے ❷ اجماع سے ثبوت چنانچہ ہجرت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی مشروعیت پر اجماع ہے امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں بحوالہ ابوسلیمان دارانی منقول ہے فرماتے ہیں: جس کی باجماعت نماز فوت ہوتی ہے وہ ضرور کسی گناہ کا خمیازہ ہے فرماتے ہیں سلف رحمہم اللہ کی عادت تھی کہ اگر تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تو تین دن اپنے (ماتم کی طرح) (افسوس کرتے اور جماعت رہ جاتی تو سات دن صدمے میں گزارتے۔

جماعت کی فضلیت...... جیسا کہ سابقہ حدیث میں مذکور ہے کہ باجماعت نماز منفرد کی نماز سے ستائیس درجے فضلیت رکھتی ہے اس کی طرف اٹھائے جانے والی ہر قدم پر نیکی ملتی اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے اسی طرح حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے: جس شخص کو اس سے بات سے خوشی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اسلام کی حالت میں ملے اسے چاہیے کہ ان نمازوں کی حفاظت (سے ادائیگی) کرے جہاں ان کے لیے اذان ہوتی ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدایت کے طریق مشروع کیے ہیں اور یہ نمازیں بھی انہی میں سے ہیں: اگر تم بھی فلاں شخص کی طرح جو اپنے گھر پڑا رہتا ہے اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگے تو اپنے نبی کی سنت کے ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے گے۔

جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر ایک درجہ بلند کرتا اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور ہماری تو یہ حالت تھی کہ جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا جو کھلم کھلا منافق ہوتا ورنہ ایسے شخص بھی تھے کہ دو آدمیوں کے سہارے پاؤں گھسیٹتے گھسیٹتے صف میں لا کھڑے کر دیے جاتے۔ ❸

نیز یہ مسلمان کا قیامت کے روز نور ہوگا جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے رات کی تاریکیوں میں مساجد کی طرف بکثرت جانے والوں کو قیامت کے نور کامل کی خوشخبری دے دو ❹ جمعہ کے علاوہ باجماعت نمازوں میں سے زیادہ تاکید نماز فجر پھر عشاء ❺ اور اس کے بعد عصر کی ہے جس کا ثبوت ان آئندہ دو حدیثوں سے ملتا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اذان اور صف اول کی فضلیت کا علم ہو جائے تو پھر ان کا نمبر پانے کے لیے قرعہ اندازی سے کام لینا پڑے تو قرعہ اندازی کرنے لگیں اگر انہیں دوپہر کی فضلیت کا پتہ چل جائے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں اگر یہ جان لیں کہ عشاء اور فجر میں کتنا ثواب ہے تو اگر گھٹنوں چل کر ان کے لئے آنا

---

❶......رواه الجماعة الاالنسائی وابوداؤد عن ابن عمر والفذ: فرد (جامع الا صول ۱۰/۲۵۰) ❷ هذه رواية ابی هريرة ورواه البخاری ايضا عن ابی سعيد الخدری واحمد عن ابن مسعود (نيل الاوطار ۳/۲۶ اومابعد) قال فی المجموع: ولا منافاة لان القليل لاينفی الكثير اوانه اخبر اولا بالقليل ثم اعلمه الله تعالیٰ بزيادة الفضل فاخبر بها وان ذلک يختلف باختلاف احوال المصلين كثرة وقلة وقال الشوكانی: والراجح عندی اولها لدخول مفهوم الخمس تحت مفهوم السبع. ❸ مسلم ابوداؤد (نصب الراية ۲/۲۱-۲۲) جامع الاصول ۶/۳۷۰ جانبین سے اس کی مدد کی جاتی ایک روایت میں ہے اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دوگے تو کافر ہو جاؤ گے۔ ❹ ابوداؤد ترمذی عن بريدة وابن ماجة والحاكم عن انس وسهل بن سعد وهو الصحيح ❺ المجموع ۳/۱۹۱

پڑے آجائیں گے۔[1]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس نے نماز عشاء باجماعت پڑھ لی گویا اس نے نصف شب قیام کیا اور جس نے نماز فجر باجماعت پڑھ لی تو اس نے گویا رات بھر (نفل) نماز پڑھی۔ رہی عصر کی نما تو چونکہ وہ درمیانی نماز ہے۔

جماعت کی حکمت...... باہمی الفت وتعارف اور مسلمانوں میں آپس کے تعاون کو فروغ دینا ان کے دلوں میں محبت ودوستی کی جڑیں لگانا اور انہیں یہ بتانا کہ وہ خوشحالی وبدحالی میں آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے ضامن بھائی ہیں۔ ان میں درجے رتبے پیشے دولتمندی مقام مرتبے مالداری اور ناداری کا کوئی فرق نہیں۔

اس سے نظم وضبط نیکی سے محبت کی عادت پڑتی ہے جس کے عمومی اور خصوصی زندگی پر اثرات پڑتے ہیں باجماعت نماز اچھے نتائج دیتی اور دوررس مقاصد کو ثابت کرتی ہے اور لوگوں کی ترتیب اعلیٰ اصولوں پر کرتی ہے اور معاشرے کے افراد کو مضبوط روابط سے جوڑتی ہے اس لیے کہ ان کا رب ایک، ان کا امام ایک، ان کا مقصد ایک اور ان کا رستہ ایک ہے۔

الدرالمختار میں فرماتے ہیں: جماعت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے الفت کا نظام چلتا ہے اور عالم سے جاہل سیکھتا ہے نمازوں کے اوقات میں پڑوسیوں کے باہمی میل جول سے دیکھ بھال سے الفت پیدا ہوتی ہے۔

سوم۔ جماعت کی نماز کا حکم...... باجماعت نماز سنت مؤکدہ ہے یا فرض ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کا قول ہے...... جمعہ کے علاوہ فرائض کی جماعت عاقل بالغ اور کسی تنگی کے بغیر اس کی قدرت رکھنے والے مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔ اس لیے عورتوں، بچوں، پاگلوں، غلاموں اپاہج مریض، بوڑھے کھوسٹ، لنجے ہاتھ پاؤں والے شخص پر واجب نہیں اس کا سنت ہونا سابقہ حدیث کے ظاہر سے ثابت ہے اور باجماعت نماز منفرد کی نماز سے پچیس درجے یا ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ باجماعت نماز مستحب کی جنس ہے گویا یہ واجب نماز پر مزید کمال ہے نبی علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے زیادہ کامل ہے کمال کسی چیز کے اجزاء سے زائد ہوتا ہے اس کی تاکید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جماعت کی نماز ہدایت کے طریقوں سے تعلق رکھتی ہے جس سے کوئی منافق ہی پیچھے رہ جاتا ہے[2] آسانی کے لئے یہ رائے دوسری آراء سے بہتر ہے خاص کر عصر حاضر میں جہاں مشاغل کی بھرمار اور کام کے مقررہ اوقات کی جکڑ ہے اگر کسی کو جماعت میں شرکت کا موقع مل جائے تو اسلام کے شعائر کو ثابت کرنا واجب ہے۔

شافعیہ...... کے ہاں جو زیادہ صراحت[3] ہے وہ یہ ہے کہ جماعت ان آزاد مقیم مردوں کے لیے فرض نماز کی ادائیگی کے لیے فرض کفایہ ہے جو ننگے نہ ہوں بایں طور اس کے قائم کرنے سے جماعت کا شعار ظاہر ہو اور یہ جماعت ہر چھوٹے بڑے شہر میں قائم کی جائے اگر سب اس کے قیام سے باز رہیں تو ایسے لوگوں سے جنگ بادشاہ یا اس کا نائب کرے (لوگوں میں سے نہ کوئی اٹھ کھڑا ہو) اصح روایت کے مطابق جتنی تاکید مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں جس کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے جس گاؤں اور قصبے میں تین مسلمان ہوں اور وہ جماعت نہ کرائیں تو شیطان ان پر حاوی ہو جاتا ہے تو نماز باجماعت کی پابندی کرنا اس لئے کہ بھیڑیا (ریوڑ سے) دور بکری کو کھا جاتا ہے۔

---

[1]...... یہی رائے بعض شوافع کی ہے۔ فتح القدیر ۱/۲۴۳، الدرالمختار ۱/۵۱۵، اللباب ۱/۸۰ تبیین الحقائق ۱/۱۳۲ الشرح الصغیر ۱/۴۲۴ بدایۃ المجتهد ۱/۱۳۶ المهذب ۱/۹۳۔ [2]قال عنه الزيلعي غريب بهذا اللفظ وفي معناه حديث مسلم السابق عن ابن مسعود (نصب الراية ۲/۲۱) [3]مغني المحتاج ۱/۲۲۹، المهذب ۱/۹۳، المجموع ۴/۴۴ وما بعد

حنابلہ فرماتے ہیں...... ❶ جماعت گزشتہ آیت ”جب آپ ان میں موجود ہوں تو جماعت قائم کیا کریں“ کی بنا پر فرض عین ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”دو نماز میں منافقوں کے لیے انتہائی گراں ہیں عشاء اور فجر کی نماز۔ انہی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ ایندھن جمع کیا جائے پھر اذان ہو اور ایک شخص کو نماز کی امامت کا حکم دوں اور پھر ان لوگوں کا رخ کروں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ ❷

اور ایک نابینا صحابی کی حدیث تو مشہور ہے کہ ایک نابینے شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ان کا مقصد نبی علیہ السلام سے رخصت مانگنا تھا تا کہ وہ اپنے گھر نماز پڑھ لیا کریں آپ نے انہیں اجازت دے دی جب وہ جانے لگے آپ نے بلا کر کہا: کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو انہوں نے عرض کیا: جی ہاں آپ نے فرمایا تو اس کا (عملی) جواب دیا کرو ❸ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ”ہمارا تو یہ حال تھا کہ جماعت سے صرف وہی شخص رہ جاتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم تھا اور حضرت جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے ❹ اس سے بھی وجوب جماعت کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب شریعت نے خوف کی حالت میں ایسے ایسے طریقے سے مشروع قرار دیا ہے جو صرف امن میں جائز ہے اور بارش کی وجہ سے جمع ہونے کو مباح قرار دیا ایسا صرف اس لئے تا کہ جماعت کی پابندی کی جائے اگر جماعت سنت ہوتی تو جائز نہ ہوتی۔ لیکن (یاد رہے) نماز کے صحیح ہونے کے لیے جماعت شرط نہیں جیسا کہ امام احمد کی صراحت موجود ہے۔

چہارم: کم سے کم افراد کی جماعت یا کس سے جماعت منعقد ہوتی ہے؟...... کم سے کم دو آدمیوں کی جماعت ہے ایک امام اور ایک مقتدی شافعیہ اور حنفیہ ❺ کے نزدیک چاہے ساتھ بچہ ہو مالکیہ اور حنابلہ ❻ کے ہاں سمجھدار بچہ کی معیت میں جماعت منعقد نہیں ہوتی لیکن حنابلہ کے ہاں یہ مسئلہ فرض میں ہے نہ کہ نفل میں۔ نفل میں اس کے ساتھ جماعت ہو جاتی ہے اس واسطے کہ بچہ فرض میں امام نہیں بن سکتا اور نفل میں بچہ امام بن سکتا ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امامت کی جب وہ کم سن تھے کم سے کم جماعت کے بارے میں ان کی دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے دو اور دو سے زیادہ جماعت ہیں۔ ❼

پنجم: زیادہ افضل جماعت اور جماعت میں عورتوں کی حاضری...... جس مسجد میں عورت اور ہیجڑے کے سوا کی جماعت دوسری جگہ کی جماعت سے افضل ہے جیسے گھر اور عورتوں کی جماعت ❽ صحیحین کی حدیث کی وجہ سے۔ لوگو! اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو کیونکہ آدمی کی فرض نماز کے سوا باقی (سنن ونفل) نمازیں گھر میں افضل ہیں یعنی فرض مسجد میں افضل ہے اس واسطے مسجد شرف وطہارت شعائر کے اظہار اور کثرت جماعت پر مشتمل ہے۔ ❾

---

❶......متفق علیہ رواہ ایضًا مالک ابوداؤد والترمذی والنسائی (جامع الاصول ۳۶۹/۶) ❷ مسلم ورواہ ابوداؤد باسناد صحیح او حسن عن ابن ام مکتوم ❸ دارقطنی ھو حدیث ضعیف رواہ البیھقی عن علی موقوفًا علیہ ❹ ابوداؤد والنسائی وصححہ ابن حبان والحاکم ❺ المغنی ۱۷۶/۲، کشاف القناع ۵۲۲/۱۔ ❻ ابن ماجہ والحاکم والبیھقی والعقیلی عن ابی موسٰی الاشعری واخرجہ البیھقی عن انس واخرجہ الدارقطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ورواہ ابن عدی من حدیث الحکم بن عمیرۃ وکلھا ضعیفۃ (نصب الرایۃ ۱۹۸/۲) ❼ مغنی المحتاج ۲۳۰/۱ / المغنی ۱۷۹/۲۔ ❽ الدر المختار ۵۱۷/۱، المجموع ۹۳/۴ مغنی المحتاج ۲۲۹/۱، ۲۳۳ البدائع ۱۵۶/۱۔ ❾ کشاف القناع ۵۳۲/۱ المغنی ۱۷۸/۱ الشرح الکبیر ۳۲۱/۱ الشرح الصغیر ۴۲۷/۱۔

جن مساجد میں جماعت ہوتی ہے فقہاء نے ان کی فضیلت ترتیب وار بیان کی ہے:

حنابلہ...... ❶ فرماتے ہیں: اگر شہر سرحد پر واقع ہو یعنی وہ خطرے کا مقام ہو تو اس شہر کے باسیوں کے لیے ایک مسجد میں جمع ہونا افضل ہے جس سے کلمہ بلند ہوگا اور دشمن کے دل میں زیادہ ہیبت بیٹھے گی ان کے علاوہ لوگوں کے لئے افضل یہ ہے ہر شخص اس مسجد میں نماز پڑھے جہاں صرف اس کے جانے سے جماعت قائم ہو سکتی ہے اس سے مسجد کی آبادی کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو وہاں نماز پڑھنے آئے گا اسے جماعت مل جائے گی۔

جب کہ دوسری جگہ ایسا نہیں۔ اگر اس کی حاضری کے بغیر بھی جماعت ہو جاتی ہو پھر اس کے جانے سے امام اور جماعت کی دلجوئی ہوگی اس کے بعد مسجد عتیق (مکہ کی مسجد) ہے کیونکہ وہاں سب سے پہلے عبادت ہوئی۔ پھر وہ مسجد افضل ہے جہاں جماعت بکثرت ہو نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے اکیلے شخص کی نماز سے دوسرے کے ساتھ با جماعت نماز افضل ہے اور ایک سے دو کے ساتھ والی با جماعت نماز افضل ہے اور جس میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ❷ پھر قریبی مسجد سے دور والی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے نماز میں اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو تمام لوگوں سے زیادہ دور سے چل کر آئے ❸ جتنے زیادہ اس کے قدم اتنی زیادہ اس کی نیکیاں ہوں گی زیادہ مجمع کے انتظار سے پہلے وقت کی زیادہ فضیلت ہے۔ مطلقاً جماعت پہلے وقت سے مقدم کی جائے گی کیونکہ یہ واجب ہے اور اول وقت سنت ہے جب کہ سنت اور واجب میں تعارض ہیں۔

شافعیہ...... ❹ اگر گھر میں جماعت کی تعداد زیادہ نہ ہو تو مردوں کے لئے مساجد میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے جس جماعت کی کثرت ہو وہ افضل ہے البتہ اس کثرت کی وجہ سے قریبی مسجد سے بند ہو جائے تو کم مقدار والی جماعت افضل ہے۔

مالکیہ...... ❺ اس میں کسی کا کوئی نزاع نہیں جو نماز علماء صلحاء اور اہل خیر کے کثیر اجتماع کے ساتھ ادا کی جائے گی وہ دوسری جماعت سے افضل ہے کیونکہ یہ جماعت دعا، جلد قبولیت و کثرت رحمت اور قبول شفاعت پر مشتمل ہوگی۔

مساجد میں عورتوں کی حاضری...... رہا مساجد میں عورتوں حاضری کا مسئلہ تو بوڑھی عورت کے لیے جائز اور نو جوان کے لیے بوجہ فتنہ مکروہ ہے عورتوں کے لئے مطلقاً اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین ❻ فرماتے ہیں: نو جوان عورتوں کے لیے مطلقاً جماعت کی حاضری مکروہ ہے کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے امام ابوحنیفہ کا قول ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بوڑھی عورت مغرب، عشاء اور نماز فجر میں جماعت کے لیے آتی ہو کیونکہ شہوت کی تیزی فتنے کا باعث ہوتی ہے ان اوقات کے علاوہ اچکے بدمعاش فجر وعشاء میں سوئے ہوتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور صاحبین نے تمام نمازوں میں اس کے نکلنے کی اجازت دی ہے اس لیے کہ یہاں فتنہ نہیں ان سے عموماً لوگ بے رغبت ہوتے ہیں متاخرین کے نزدیک مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ عورتوں کے لیے مطلقاً جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے چاہے یہ حاضری جمعہ عیدین یا وعظ کے لیے ہو۔ اگر چہ بوڑھی عورت رات کو نکلے اس لیے کہ زمانے میں فساد آ چکا اور اچکے لفنگے کھلے عام پھرنے لگے ہیں۔

مالکیہ...... ❼ اگر چہ خلاف اولیٰ پھر بھی ایسی عورت کا جس میں سے مردوں کو رغبت نہ ہو مسجد، عید کی جماعت، جنازے، استسقاء اور

---

❶......مسلم عن ابی موسیٰ الاشعری مرفوعاً۔ ❷ کشاف القناع ۱/۵۳۶ المغنی ۱/۱۷۹۔ ❸ رواہ احمد وابو داؤد وصححہ ابن حبان عن ابی بن کعب۔ ❹ الحضرمیۃ ۶۴ مغنی المحتاج ۱/۲۶۲۔ ❺ الشرح الکبیر ۱/۳۲۰۔ ❻ الکتاب مع اللباب ۱/۸۳ فتح القدیر ۱/۵۲۹ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۱/۵۲۹۔ (۷) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/۳۳۵ الشرح الصغیر ۱/۴۴۶

کسوف کے لئے نکلنا جائز ہے اسی طرح وہ نوجوان عورت اپنے گھر والوں کی قریبی مسجد میں اور جنازے میں شرکت کے لیے جاسکتی ہے جب وہ کسی کے لئے باعث فتنہ نہ ہو لیکن جب فتنے کا اندیشہ ہو تو مطلقاً اس کے لیے نکلنا ناجائز ہے۔ ابن رشد فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ خواتین چار طرح کی ہوتی ہیں۔

بوڑھی عورت، جس سے مردوں کو سروکار نہیں اس کی حیثیت مردوں کی سی ہے تو وہ مسجد میں فرائض کے لئے اور ذکر و علم کی مجالس میں، صحراء (کھلے میدان) میں عیدین اور استسقاء کے لیے اپنے گھرانے اور رشتہ داروں کے جنازے کے لئے اور اپنی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔

ب..... وہ عورت جس سے مردوں کی ضرورت بالکلیہ ختم نہ ہوئی ہو ایسی عورت مسجد کے لیے فرائض اور علم وذکر کی مجالس کے واسطے نکل سکتی ہے اپنی ضروریات کی برآری کے لیے زیادہ آنا جانا نہ رکھے ورنہ اس کا نکلنا مکروہ ہوگا علامہ خلیل کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی عورت پہلی کی طرح ہے۔

ج..... ایسی جوان لڑکی جو جوانی اور نزاکت میں سوجھ بوجھ نہ رکھتی ہو وہ باجماعت نماز کے لیے مسجد میں قریبی عزیز و رشتہ دار کے جنازے میں شرکت کے لیے آسکتی ہے لیکن عید استسقاء اور علم وذکر کی مجالس میں شرکت کے لیے نہیں نکل سکتی۔

د..... ایسی جوان لڑکی جو جوانی و رعنائی میں پورے جوبن پر ہو ایسی عورت کو اختیار ہے بہرکیف اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ باہر نہ نکلے۔

حنابلہ (۱۱) اور شافعیہ..... فرماتے ہیں کہ حسین اور جس کی شکل وشباہت نوجوان لڑکی سے ملتی جلتی ہو وغیرہ عورتوں کے لیے مردوں کی جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ فتنے کا خطرہ ہے وہ اپنے گھر نماز پڑھ لیا کرے البتہ کم حسین عورت جب اپنے خاوند کی اجازت سے بنے سورے بغیر نکلے تو اس کی حاضری مباح ہے مگر اس کے لیے بھی گھر بہتر ہے دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں کو مساجد جانے سے مت روکو! اگرچہ ان کے گھر ان کی عبادت کے لیے زیادہ بہتر ہیں نیز نبی علیہ السلام کا ارشاد: اگر رات کے وقت عورتیں تم سے مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دینا (۱۲) یعنی جب فساد کا خدشہ نہ ہو عورت کی باہر جانے کی کیفیت کے متعلق آپ کا فرمان ہے اللہ کی بندیوں کو مساجد جانے سے نہ روکو (تمہیں اگر غیرت مانع ہے تو) وہ خوشبو میں رچی بسی نہ نکلیں (۱۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھروں کا درمیانی حصہ ہے۔ (۱۴)

ششم: جماعت کے ثواب کا حصول..... مکمل ثواب تو اسے ملتا ہے جو شروع سے اخیر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو اور اگر امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نصیب ہو جائے تو (سونے پر سہاگہ) فضیلت کی بات ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: جس شخص نے چالیس روز تک امام کے

ساتھ تکبیر اولیٰ سمیت نماز پڑھی اسے دو پروانے ملیں گے: جہنم سے نجات اور نفاق سے بری ہونا (۵) ایک روایت میں ہے ہر چیز کا ایک خالص حصہ ہوتا ہے جو نماز میں تکبیر اولیٰ ہے لہٰذا اس کی حفاظت کیا کرو (۶) اور حدیث ہے امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے سو جب رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب سجدے میں جائے تو سجدہ کرو (۷) یہاں فاء وقفہ کے لئے ہے۔

---

(۱۱)..... مغنی المحتاج ۱/۲۳۰ کشاف القناع ۱/۵۳۵۔۵۵۱، ۵۶۹، المغنی ۲/۲۰۲۔ (۱۲) سوائے ابن ماجہ ایک پوری جماعت نے اسے روایت کیا ہے جب کہ پہلی روایت امام احمد وابوداؤد کی بحوالہ ابن عمر ہے (نیل الاوطار ۳/۱۳۰) (۱۳) رواہ احمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ سابقہ حوالہ۔ (۱۴) رواہ احمد (نیل الاوطار ۳/۱۳۱) (۵) حدیث منقطع ہے لیکن فضائل میں گنجائش ہے۔ (۶) رواہ البزار عن حدیث ابی ھریرۃ وابی الدرداء مرفوعاً (۷) مغنی المحتاج ۱/۲۳

شافعیہ......کا صحیح قول یہ ہے کہ جب تک امام نے سلام نہ پھیرا ہو جماعت کی فضیلت مل جاتی ہے اگر چہ امام کے ساتھ قعدہ نہ ملے مثلاً اس کی تکبیر تحریمہ کے بعد امام نے سلام پھر دیا ہو اگر چہ اس نے (امام نے) سلام کی ابتداء اس سے پہلے کردی پھر رکن مل جانے کی وجہ سے ثواب مل جائے گا لیکن یہ فضیلت شروع سے شریک شخص سے کم ہے اس سلسلہ میں انہوں نے جمعہ کی نماز کو مستثنیٰ (جدا) قرار دیا ہے مکمل کیونکہ (ان کے ہاں) جب تک اس کی ایک مکمل رکعت نہ ملے اس کی جماعت نہیں مل سکتی۔

حنابلہ وحنفیہ ❶ فرماتے ہیں......جس نے امام کے پہلے سلام سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لی اس نے جماعت کو پالیا۔ اگر چہ بیٹھنے کا موقع نہ ملا ہو اس واسطے کہ اس نے امام کی نماز کا ایک جز حاصل کرلیا تھا جو اس کے مشابہ ہے گویا اس نے ایک رکعت پائی۔

مالکیہ ❷ فرماتے ہیں......جس جماعت کے ثواب کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے کہ وہ پچیس یا ستائیس درجے ہے اس کی فضیلت تبھی حاصل ہوسکتی ہے جب امام کے ساتھ پوری رکعت حاصل کرلے جس کی صورت یہ ہے کہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہل اپنے دونوں گھٹنوں یا ان کے قریبی حصے کو مضبوطی سے تھام لے اگر چہ اس نے امام کے سر اٹھانے کی بعد جم کر رکوع کیا ہو۔ لیکن جسے رکعت سے کم نماز ملی تو اسے جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی مگر پھر بھی اسے امام کے ساتھ شامل ہونے کا حکم ہے اور اس میں کسی کا نزاع واختلاف نہیں کہ اسے اجر ملے گا۔

ہفتم۔ امام کے ساتھ فرض حاصل کرنے کا بیان......جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آئمہ ❸ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے امام کے رکوع میں رکوع کرلیا اسے رکعت مل گئی اور قرأت (کی ذمہ داری) اس سے ساقط ہوجائے گی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت حاصل کرلی گویا اسے نماز مل گئی ❹ امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اگر اس نے رکوع کیا تو یہ رکعت شمار نہیں ہوگی البتہ مالکیہ کا کہنا ہے: امام کے رکوع سے منتقل ہونے سے پہلے اگر مقتدی اپنی پہلی رکعت میں جھک گیا اگر چہ امام سر اٹھا رہا ہو اور امام کے سر اٹھالینے کے بعد ہی مقتدی نے جم کر رکوع کیا تب جا کے اسے رکعت ملے گی اس کے بعد رکوع یا سجدے کے لئے تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر کہے امام کے ساتھ کسی بھی حالت میں شامل ہونے کے لیے تاخیر نہ کرے یہاں تک اس سے اگلی رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اگر اسے شک ہو کے اس نے امام کے سیدھا ہونے سے پہلے یا بعد میں رکوع کیا ہے تو یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

حنابلہ فرماتے ہیں......جس نے رکوع میں امام کو پالیا تو تکبیر تحریمہ تکبیر رکوع کے لیے کافی ہے جس کی دلیل یہ نص ہے کہ زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہے اور صحابہ میں ان کے اس فعل کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں۔ چونکہ ایک جنس کی دو عبادتیں اکٹھی ہو گئیں۔ رکن واجب کے لیے کافی ہے جیسے طواف زیارت اور وداع (رخصت) ہے۔

اور شافعیہ نے مالکیہ کی طرح تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع کی تکبیر کو شرط قرار دیا ہے تا کہ قیام کا جزء حاصل ہوجائے۔

جس نے صف میں پہنچنے سے پہلے امام کو رکوع میں پایا کیا وہ شخص رکوع کرے؟:

مالکیہ...... ❺ جس شخص کو امام کے رکوع سے سر اٹھانے کی وجہ سے رکعت فوت ہوجانے کا خدشہ ہو تو وہ صف سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ لے اگر تکبیر تحریمہ نہیں کہی جب یہ گمان ہو کہ وہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے صف پالے گا اگر یہ گمان نہ ہو تو وہ بن دوڑے چلتا رہے البتہ اگر آخری رکعت ہو تو وہ اپنی جگہ صف سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ لے تا کہ اس کی نماز فوت نہ ہو پھر چلتے چلتے صف میں شامل ہوجائے۔

---

❶......المغنی ۲/۵۴۰،۵۴۶. ❷الشرح ۱/۳۲۰۔ ❸فتح القدیر ۱/۳۴۴ تبیین الحقائق ۱/۱۸۴ مراقی الفلاح ص ۷۸ الشرح الصغیر ۱/۴۲۶ ۴۶۳ کشاف القناع ۱/۵۴۰ ❹رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار ۳/۱۵۱) ❺الشرح الصغیر ۱/۴۶۱

حنابلہ وغیرہ فقہاء فرماتے ہیں...... ❶ جب تک امام کے سر اٹھانے سے پہلے چل کر صف میں شامل ہونے اور کسی دوسرے کے ساتھ کھڑے ہونے کی امید نہ ہو صف سے پہلے رکوع نہ کرے حاصل یہ کہ جو شخص بھی صف سے پہلے رکوع کر کے صف میں شامل ہوگا اس کی تین حالتیں ہیں۔

الف...... جب وہ پوری رکعت (صف سے باہر) پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح نہیں اس واسطے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے صف سے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں۔ ❷

ب...... امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں چلتا چلتا صف میں شامل ہو جائے یا کوئی آ کر اس کے ساتھ صف بنالے تو اس صورت میں اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اس واسطے کہ اس نے صف میں امام کے ساتھ اتنی نماز پالی جس سے رکعت حاصل ہو جاتی ہے۔

ج...... اگر امام کے سر اٹھا لینے کے بعد صف میں شامل ہوا تو جب تک وہ اس کے حرام ہونے سے لاعلم تھا اس کی نماز صحیح ہے لیکن جب علم ہو گیا پھر اس کی نماز صحیح نہیں۔ جس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نماز میں شریک ہونے کے لیے نبی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ رکوع میں تھے انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا ❸ آپ نے انہیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا بلکہ دوبارہ ایسا کرنے سے روک دیا۔

ہشتم: جماعت کے لیے پیدل چلنا اور امام کے ساتھ اس کے لیے جلدی کرنا:

جماعت کے لئے چلنا...... جس کا جماعت کا ارادہ ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ چل کر جائے وقار ❹ وسکون کو مدنظر رکھے۔ نبی علیہ السلام کا اشاد ہے جب تم اقامت کی آواز سنو تو نماز کے لیے چل نکلو سکون وقار کا مظاہرہ کرنا جلدی نہ مچانا جو نماز مل جائے پڑھ لینا اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔ ❺

مالکیہ...... نے ذکر کیا ہے کہ با جماعت نماز پانے کے لیے جلدی کرنا جائز ہے جس میں بھاگ دوڑ نہ ہو بھاگنے سے کم کیفیت مکروہ ہے کیونکہ اس سے خشوع ختم ہو جاتا ہے تیز چال (جو بھاگنے کے قریب ہو) زیادہ بہتر ہے۔

امام کی اقتداء کے لیے جلدی کرنا...... امام جس حالت میں ہو چاہے قیام میں ہو یا رکوع سجدے میں اس کی اقتداء کے لیے مقتدی کو جلدی کرنا چاہیے۔

کیا وہ نفل پڑھ سکتا ہے

مالکیہ فرماتے ہیں...... کہ امام کی نماز کے لئے جب اقامت کہہ لی جائے تو پیچھے رہ جانے والے شخص کے لیے کسی بھی نماز کی ابتدا کرنا

---

❶...... المغنی ۲/۲۳۴۔ ❷رواہ احمد وابن ماجۃ عن علی بن شیبان (نیل الاوطار ۳/۱۸۴)۔ ❸بخاری احمد، ابوداؤد نسائی ابوداؤد کی روایت ان الفاظ میں ہے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے انہوں نے صف سے پہلے رکوع کر لیا پھر چلتے چلتے صف تک آ گئے جب آپ علیہ السلام نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا تم میں سے کس نے صف سے پہلے رکوع کیا اور صف تک چلتا ہوا آیا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری حرص بڑھاتے آئندہ ایسا نہ کرنا (نیل الاوطار ۳/۱۸۴) ❹المھذب ۱/۹۴ کشاف القناع ۱/۳۷۸۔ ❺اسے ترمذی کے علاوہ ایک جماعت کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا امام احمد رحمہ اللہ اور شیخین نے اسی مفہوم کی روایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ (نیل الاوطار ۳/۱۳۴)

حرام ہے چاہے وہ نماز فرض یا نفل ہو جماعت سے ہو یا بغیر جماعت اگر اس نماز کی اقامت مسجد میں ہوئی اور نمازی مسجد میں یا اپنے دالان وغیرہ میں فرض یا نفل نماز پڑھ رہا ہے اگر تو اسے امام کے ساتھ ایک رکعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو تو پھر وہ اپنی نماز توڑ دے اور مطلقاً امام کے ساتھ شریک ہو جائے جس نماز کی اقامت کہی گئی اس کے علاوہ چاہے جو نماز فرض یا نفل ہو کوئی بھی ہو خواہ اس نے ایک رکعت کر لی ہو یا نہیں وہ اپنی نماز سلام یا نماز کے منافی کسی عمل مثلاً گفتگو کرنے اور نماز ختم کرنے کی نیت سے توڑے۔

اگر رکعت فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو.....تو جو نماز وہ پڑھ رہا تھا اگر نفل ہے تو اس کی دو رکعتیں پوری کر لے مستحب یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر مکمل کرے اگر وہ نماز جس میں وہ مشغول ہے یہی نماز ہے جس کی اقامت کہی گئی مثلاً اگر عصر کی نماز تھی اور اسی نماز کے امام کے لیے اقامت کہی گئی۔ تو وہ دوسرے شفعہ (دو رکعتی حصہ) سے پلٹ آئے اسے مکمل نہ کرے اور اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے دوسری اس کے ساتھ ملا دے اور اگر دوسری رکعت میں ہو تو اسے پورا کر دے اور اگر تیسری رکعت کو اس کے سجدوں سمیت مکمل نہیں کیا بیٹھنے کے لیے لوٹ آئے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے یہ اس صورت میں ہے جب وہ چار رکعتی نماز میں ہو چنانچہ اگر فجر یا مغرب کی نماز میں تھا اور اقامت ہوئی نماز توڑ دے اور امام کے ساتھ میں شامل ہو جائے تاکہ ممنوع وقت نفل پڑھنے والا نہ بنے اگر مغرب کی دوسری یا تیسری یا فجر کی دوسری رکعت پوری کر لی تو انہیں فرض کی نیت سے پورا کر دے۔

شافعیہ فرماتے ہیں...... ❶ نمازی اگر نفل میں مشغول تھا ادھر جماعت کی اقامت ہوئی اگر اسے جماعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو نفل مکمل کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اگر اس نے وقتی فرض شروع کیے پھر جماعت کے لیے اقامت ہوئی تو افضل یہ ہے کہ توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے مذہب کا جدید قول جو اصح ہے یہ ہے کہ اپنی نماز توڑے بغیر جماعت میں شامل ہونے کی نیت کرے کیونکہ جیسے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی کچھ نماز منفرداً پڑھے پھر امام بن جائے مثلاً کوئی آ کر اس کی اقتداء کر لے اسی طرح یہ جائز کہ کچھ نماز منفرد ہو کر پڑھے پھر آ کر مقتدی بن جائے یہ بھی ان کے ہاں ثابت ہے کہ متابعت کے ذریعہ اپنی نماز تبدیل کر سکتا ہے مثلاً کسی سے ایک رکعت رہ گئی۔

اگر وہ شخص اس وقت آیا کہ اقامت ہو چکی تھی تو وہ نفل میں مشغول نہ ہو۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو سوائے فرض کے کوئی نماز صحیح نہیں ❷

حنابلہ فرماتے ہیں...... ❸ ابن حبان کی روایت کی موافقت کرتے ہوئے جس کے الفاظ یہ ہیں جب مؤذن اقامت کہنا شروع کرے مؤذن جب اس نماز کی اقامت کہنا شروع کرے جسے وہ اس کے امام کے ساتھ پڑھنا چاہتا ہے تو سوائے فرض کے کوئی نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں تو چونکہ سابقہ حدیث ''جب نماز کی اقامت کہی جائے'' عام ہے مسجد وغیرہ بلکہ گھر میں بھی مطلقاً نفل نماز روزانہ پڑھی جانے والی سنتیں مثلاً فجر وغیرہ کی سنتیں نہ پڑھے۔ اگر اس نے اقامت کے آغاز کے بعد نفل شروع کیے تو وہ منعقد نہیں ہوں گے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر اس نماز پر مارتے تھے جو اقامت کے بعد شروع کی جاتی۔

اگر اس کے نفل میں ہوتے ہوئے اقامت ہوئی تو اگرچہ مسجد سے باہر ہو مختصر قرأت سے اسے پورا کرے چاہے جماعت کی ایک رکعت رہ جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اپنے اعمال برباد مت کرو۔'' دو رکعتوں سے زائد نہ پڑھے سو اگر اس نے تیسری رکعت شروع کر دی تو انہیں چار کر کے مکمل کرے کیونکہ وہ تین سے افضل ہیں اگر تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں مسئلوں میں صراحت کی وجہ سے جائز ہے البتہ اگر نفل پڑھنے والے کو اتنی مقدار کے فوت ہونے کا خدشہ ہو جس سے جماعت مل سکتی ہے تو وہ نفل توڑ دے اس واسطے کہ فرض کی اہمیت زیادہ ہے۔

احناف...... کے ہاں خاص تفصیل ہے جو فرضیت ختم کرنے میں مذہب مالکیہ اور شافعیہ کے مشابہ ہے اور فجر کی سنت۔

---

❶ ......المہذب ۱/ ۹۴ المجموع ۴/ ۱۰۵، ۱۱۰۔ ❷ متفق علیہ عن ابی ہریرۃ۔ ❸ کشاف القناع ۱/ ۵۳۹ وما بعد

اکیلے نمازی نے فرض کی ادائیگی یا قضا شروع کی پھر اقامت ہوئی تو دیکھا جائے گا اگر وہ فجر یا مغرب کی نماز ہے اس کے بعد آیا وہ اگر پہلی رکعت میں ہے اگر چہ سجدہ کے بعد ایسا ہوا ہو تو وہ سلام سے اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر دوسری رکعت میں ہے پھر اس کی دو صورتیں ہیں اگر سجدہ سے پہلے ہے تو توڑ دے ❶ اور اگر سجدہ کے بعد یہ صورت بنی تو اکیلے ہی اسے مکمل کر لے۔ اگر چار رکعتی نماز مثلاً ظہر یا عصر شروع کی تو اگر منفرد سجدے سے پہلے پہلی ❷ رکعت میں ہو تو اپنی نماز توڑ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اگر سجدے کے بعد ہو تو دو رکعتیں یعنی شفع مکمل کر کے سلام پھیرے اور جماعت میں شریک ہو جائے تا کہ اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو سکے جو اس نے ادا کیا وہ نفل بن جائے گا اور جو کچھ اور کیا گیا وہ باطل ہونے سے بچ جائے اگر وہ تیری رکعت کے لیے اٹھا اور سجدہ کرنے سے پہلے اقامت شروع ہو گئی تو کھڑے کھڑے ایک سلام پھیر کر نماز توڑ دے البتہ اگر چار رکعتی نماز یا مغرب کی تیسری رکعت پوری کر لی تو وہ تنہا ہی اپنی نماز مکمل کر لے اس واسطے کہ اکثریت کو کل کا مرتبہ حاصل ہے اس کے بعد جماعت سے بنیت نفل پڑھے اس واسطے کہ فرض کی ایک وقت میں تکرار نہیں ہو سکتی جس کی دلیل حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی علیہ السلام کے پاس تھا میں نے آپ کی معیت میں مسجد خیف میں نماز فجر پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو دو آدمی لوگوں سے پیچھے نظر آئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی آپ نے فرمایا انہیں مرے پاس لاؤ. وہ لائے گئے تو خوف سے ان کا شریر (جسم کی کھال) کانپ رہا تھا ❸ آپ نے فرمایا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا تھا؟ وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم نے اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھ لی تھی آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو جب تم اپنے مقام پر نماز پڑھ کر جامع مسجد آؤ (وہاں نماز نہ ہوئی ہو) تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو وہ تمہارے لئے نفل بن جائے گی۔ ❹

جو شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ وہاں نماز کی اقامت ہو رہی تھی وہ سنت پڑھنے کے بجائے جماعت میں شریک ہو جائے جس کی ادائیگی وہ فرض اور بعد کی سنتوں کے بعد کرے گا صرف فجر کی سنتیں جب جماعت رہ جانے کا خوف نہ ہو مستثنیٰ ہیں انہیں مسجد کے دروازے کے قریب ادا کر کے اندر داخل ہو اس لیے کہ اسے دو فضیلتیں حاصل کرنا ممکن ہے اگر جماعت فوت ہونے کا خدشہ ہو تو امام کے ساتھ فرض میں شامل ہو جائے کیونکہ جماعت کا زیادہ ثواب ہے اور جماعت ترک کرنے کی وعید (شرعی ڈانٹ) سخت ہے۔

اگر اس کی فجر والی سنتیں رہ گئی ہوں تو طلوع شمس سے پہلے ان کی قضاء نہ کرے چونکہ ان کی حیثیت مطلق نفل کی ہے اور فجر کے بعد نفلوں کی ادائیگی مکروہ ہے اسی طرح شیخین کے نزدیک سورج بلند ہوتے وقت بھی ان کی قضاء نہ کرے اس واسطے کہ سنت کی قضاء ہے ہی نہیں کیونکہ قضا واجب کے ساتھ خاص ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنتوں کی قضاء کی ہے تو وہ لیلۃ التعریس ❺ کی وادی میں صبح طلوع شمس کے وقت فرضوں کی پیروں میں کی تھی، اس کے علاوہ حکم اپنی اصل پر رہے گا جو عدم القضاء ہے (قضا کا نہ ہونا) اس بنا پر فجر کی سنتیں صرف فرضوں کے تابع ہو کر قضا ہوں گی جب کبھی فرض فوت ہو گئے ہوں امام محمد فرماتے ہیں: زوال کے وقت تک فجر کی سنتیں قضا کی جائیں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس واسطے کہ نبی علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کی صبح سورج بلند ہونے کے بعد ان کی قضا کی تھی اگر اس نے ظہر کی پہلی سنتیں شروع کیں پھر اقامت ہوئی یا جمعہ کی سنتیں شروع کیں اور خطیب منبر پر آ گیا زیادہ بہتر یہی ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے پھر فرضوں اور بعد کی سنتوں کی ادائیگی کے بعد چار سنتوں کی قضا کرے تا کہ خطبہ سننے اور پورے طریقہ سے ادائیگی کا فرض نہ رہ جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

---

❶ فتح القدیر ۱/۳۳۵، ۳۴۲ تبیین الحقائق ۱/ ۱۸۰، ۱۸۴ مراقی الفلاح ۷۷۔ ❷ اس سلسلہ میں ان کی عبارت یوں ہے پہلی رکعت کو سجدہ سے مقید نہ کیا ہو تو اسے توڑ کر امام کے ساتھ شریک ہو یا جائے یہی صحیح ہے۔ ❸ فرائص فریصہ کی جمع ہے وہ گوشت جو پہلو اور کندھے کے درمیان دھڑکتا رہتا ہے ہوتا یہ جانور میں ہے انسان کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے کیونکہ انسان کا بھی ایک ٹکڑا خوف کے وقت کانپتا ہے ان کے شریر اس لیے کانپے کہ نبی علیہ السلام میں باوجود تواضع کے بہت زیادہ ہیبت اور جسمانی طاقت وعزت موجود رہتی جو ہر دیکھنے والے کو محسوس ہوتی تھی ❹۔ رواہ الخمسۃ الا ابن ماجۃ (نیل الاوطار ۹۲/۳) ❺ تعریس کا مطلب قوم کا کسی جگہ استراحت کے لیے پڑاؤ کر کے چل پڑنا۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بعد کی سنتوں سے پہلے ان کی قضا کی جائے علامہ شبلی [1] فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ بعد کی دو سنتیں مقدم کی جائیں اس لیے کہ چار سنتیں پہلے والی تو اپنے مسنون مقام سے فوت ہو چکی ہیں تو یہ دو رکعتیں قصداً بلا ضرورت تو فوت نہ ہوں۔

نہم: مسجد میں جماعت کی تکرار.....نماز کے مکروہات میں ہم یہ بات پہلے جان چکے ہیں کہ احناف [2] کا کہنا ہے کہ محلّہ کی مسجد میں اذان واقامت سے جماعت کی تکرار مکروہ ہے ہاں اس صورت میں مکروہ نہیں جب اس میں پہلی جماعت وہاں کے لوگوں کے علاوہ کسی اور نے کرائی ہو یا کرائی تو محلے کے لوگوں نے ہو لیکن آہستہ اذان سے یا وہاں کے لوگوں نے جماعت کی تکرار اذان واقامت کے بغیر کی ہو یا وہ راستے کی مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو جس کا امام ومؤذن نہ ہو وہاں لوگ ٹولیاں ٹولیاں کر کر نماز پڑھتے ہوں اس وقت افضل یہ ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان واقامت سے نماز پڑھے محلّہ کی مسجد سے وہ مسجد مراد ہے جس کا امام اور جماعت جانی پہچانی ہو جب اذان دہرائی جائے اس وقت کراہت ہے اگر کوئی جماعت محلّہ کی مسجد میں بلا اذان ہو تو مباح ہے مگر احناف کی ظاہر الراویت سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہ ہے لہٰذا بعض مساجد میں جو مختلف اماموں سے کئی جماعتیں کرائی جاتی ہیں ان کے نزدیک مکروہ ہیں۔

لیکن فقہاء کے ہاں نماز لوٹانے کے متعلق تفصیل ہے:

احناف.....[3] فرماتے ہیں منفرد شخص امام کے ساتھ جماعت کی صورت میں اعادہ کر سکتا ہے جو جائز ہے اس کی دوسری نماز نفل ہوگی جس کی دلیل حدیث یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جو فرض میں ملنے کی بحث میں گزر چکی ہے اور وہ حدیث جس میں نبی علیہ السلام نے ان دو آدمیوں سے فرمایا جو لوگوں کی صفوں کے اخیر میں آپ کے ساتھ ظہر کی نماز میں شریک نہ ہو سکے تھے جب تم اپنے مقام پر نماز پڑھ چکے پھر جامع مسجد آنا ہو تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو وہ تمہارے لئے نفل ہوگی جب وہ نفل ہوئی تو اسے حکم بھی نفل والا ہی ملے گا اس لئے عصر کی نماز کا اعادہ مکروہ ہے اس واسطے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے نفلی نماز کے پیچھے نفلی نماز مکروہ ہے جب جماعت کی تعداد تین سے زیادہ ہو ورنہ مکروہ نہیں اگر اس کا اعادہ بلا اذان کریں اور اگر اذان سے اعادہ کریں تو مطلقاً مکروہ ہے اور اس صورت میں جائز ہے جب اس نماز کا امام فرض پڑھ رہا ہو نہ کہ نفل چونکہ فرض کے پیچھے نفل نماز مکروہ ہیں۔

مالکیہ [4] فرماتے ہیں.....جس نے با جماعت نماز پڑھ لی ہو وہ دوسری جماعت سے نماز نہ دہرائے البتہ اگر تین مساجد (مکہ مدینہ اور اقصیٰ) میں سے کسی ایک میں گیا ہو تو اعادہ کرنا مستحب ہے جس نے اکیلے نماز پڑھی جماعت کی صورت میں اعادہ کرنا جائز ہے چاہے دو یا زیادہ کی جماعت ہو ایک کے ساتھ نہیں ہاں البتہ اگر مسجد میں متعین ہے امام ہو تو اس کے ساتھ دہرا سکتا ہے کیونکہ مخصوص امام جماعت کی طرح ہے۔ سوائے مغرب اور وتروں کے بعد عشاء کے تمام نمازیں دہرا سکتا ہے جماعت کی فضلیت حاصل کرنا مکروہ نہیں۔ البتہ یہ مکروہ ہے کہ اس کی غیر حاضری میں کوئی شخص نماز پڑھائے بلکہ اور انتظار کیا جائے)۔

متعین امام کے اختتام کے بعد غیر متعین امام کی جماعت مکروہ نہیں صرف مکہ اور مدینہ کی مسجد میں مکروہ ہے جماعت کی کثرت میں رغبت دلانے کی لئے وہاں جماعت ثانیہ مکروہ ہے ایسا نہ ہو لوگوں کو دوسری جماعت ملنے کی وجہ سے ان دونوں مساجد میں متعین امام کے ساتھ جماعت کی حاضری میں سستی ہونے لگے یہ کسی عذر مثلاً کوئی شخص نیند وغیرہ کی وجہ سے جماعت سے رہ گیا تو جس کی جماعت رہ گئی ہو اس کے

---

[1].....حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق ۱/۱۸۳) [2] الدر المختار وردالمحتار ۱/۵۱۶۔ [3] فتح القدیر ۱/۳۳۷۔ [4] بدایة المجتهد ۱/۱۳۷ القوانین الفقهیة ۶۸ الشرح الصغیر ۱/۴۶۷

لئے جماعت کا اعادہ دونوں مساجد میں مکروہ نہیں۔ دونوں مساجد میں متعین اماموں کا بکثرت ہونا مکروہ تاکہ دیر سے آنے والے پہلے وقت کی فضیلت سے محروم اور جماعت کی کثرت فوت ہوجائے گی اگرچہ مسالک مختلف ہوں امام کو ایک نماز کا دوبارہ اعادہ کرنا مکروہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو ایک ہی نماز کی دوبار امامت کرائے اور دوسری نماز میں فوت شدہ نماز یا کسی اور کی نیت کرے اور پہلی میں وقتی فرض کی نیت کرلے اس پر ائمہ کا اتفاق ہے یہ مکروہ بدعت ہے۔

دہم: منفرد کا جماعت کی صورت میں نماز کا اعادہ...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے اکیلے نماز پڑھی ہو جماعت کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا جائز ہے دوسری نماز نفل ہوگی تاکہ یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث جو سنت سے ثابت ہے اس پر عمل ہوجائے ایک اور حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر کی نماز پڑھا چکنے کے بعد ایک شخص مسجد میں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کون احسان کرے گا کہ اس کے ساتھ نماز باجماعت پڑھے؟ چنانچہ لوگوں میں سے ایک آدمی نے اس کے ساتھ جماعت کرائی۔ ❶

نمازوں سے افضل ہے۔ جب مقررہ ائمہ کی تعداد زیادہ ہوجائے بایں طور کہ ایک کے بعد دوسرا پڑھائے راجح قول کے مطابق مکروہ ہے ایک ہی وقت میں مختلف جماعتیں مکروہ ہیں کیونکہ اس سے پریشانی بڑھے گی۔

شافعیہ...... ❷ فرماتے ہیں:

مقررہ امام کی اجازت کے بغیر چاہے پہلے ہو یا بعد میں یا ساتھ مطلقاً مسجد میں جماعت قائم کرنا مکروہ ہے لوگوں کی گزرگاہ میں بنائی گئی مسجد میں یا بازار میں یا اس مسجد میں جماعت کی تکرار مکروہ نہیں جس کا امام مقرر نہ ہو یا امام تو ہو لیکن مسجد مجمع کی گنجائش سے کم پڑ جائے یا وقت ختم ہونے کا خدشہ ہو تب بھی مکروہ نہیں وجہ یہ ہے تکرار کو دھوکا دہی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

حنابلہ کا مسلک ہے...... ❸ مقررہ امام کی اجازت کے بغیر مسجد میں امام سے پہلے جماعت قائم کرنا حرام ہے اس واسطے کہ اس کی حیثیت صاحب خانہ کی سی ہے جو گھر کا زیادہ حقدار ہوتا ہے اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کوئی آدمی دوسرے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر ہرگز امامت نہ کرائے ❹ نیز اس کے ذریعہ لوگ اس سے متنفر ہوں گے ایسے ہی مخصوص امام کی نماز کے دوران دوسری جماعت قائم کرنا حرام ہے ان دونوں حالتوں میں نماز صحیح نہیں ہوگی اس بناپر متعین امام کی اجازت سے جماعت (ثانیہ) نہ حرام ہوگی اور نہ مکروہ اس واسطے کہ اجازت سے جسے اجازت ملی وہ متعین امام کا نائب ٹھہرا اسی طرح اگر متعین امام کو کسی عذر کی بناپر تاخیر ہوجائے یا یہ گمان (غالب) ہو کہ وہ نہیں ہے یا گمان ہو امام ادھر ہی ہے لیکن موجود نہ ہو تو جماعت کا قائم کرنے کے اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کسی قوم میں صلح کرانے گئے واپس آئے تو لوگ نماز پڑھ چکے تھے آپ اپنے گھر تشریف لائے اور گھر کے افراد کو جمع کرکے (جماعت کی صورت میں) نماز پڑھی اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو آپ مسجد کی جماعت کے مقابلہ میں گھر کی جماعت کو اختیار نہ فرماتے نیز (تکرار کی ممانعت) سے جماعت کی کثرت میں اضافہ ہوتا ہے اگر تکرار مباح ہوتی تو لوگ بغیر کراہت جمع نہ ہوتے کیونکہ انہیں پہلے سے علم ہوگا کہ ہماری جماعت نہیں رہے گی۔

رہی راستے کی مسجد تو اس کے لوگ برابر ہیں اس میں ایک کے مقابلہ میں دوسرے فریق کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اسی بناپر راستے کی مساجد میں جماعت کی تکرار مکروہ نہیں۔ ایسی مساجد وہ ہوتی ہیں جن کا کوئی مقرر امام ومؤذن نہ ہو۔

مالکیہ ❺ **فرماتے ہیں**...... جس مسجد میں امام مقرر ہو اس میں جماعت کی تکرار مکروہ ہے اس طرح مقررہ امام سے پہلے جماعت قائم

---

❶......رواه ابوداؤد والترمذی وحسنه من حدیث ابی سعید الخدریؓ واسناده جید۔ ❷مغنی المحتاج: ۱/۲۳۴ المهذب ۱/۹۵۔
❸کشاف القناع ۱/۵۳۶، ۵۳۹ المغنی ۱/۸۰۔ ❹ابوداؤد عن ابی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال لايحل لرجل يؤمن بالله واليوم الاخر ان يوم قوما الا باذنهم ولا يخص نفسه بدعوة دونهم فان فعل فقد خانهم (نيل الاوطار ۳/۱۵۹) ❺الشرح الصغیر ۱/۴۲۲، ۴۴۲،

کرنا مکروہ ہے متعین امام کی جماعت کے ساتھ جماعت قائم کرنا حرام ہے اس سلسلہ میں ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب مخصوص امام کی نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی تو پھر دوسری فرض نفل نماز کی جماعت یا انفرادی قیام جائز نہیں جس نے متعین کے امام کے ساتھ اپنی جماعت میں نماز پڑھی اسے چاہیے کہ وہ مسجد سے نکل جائے تا کہ امام پر طعن و تشنیع کا موقع نہ ملے جب کوئی جماعت مسجد آئے اور متعین کو دیکھے کہ وہ نماز پڑھا چکا ہے تو ان کے لئے مسجد سے نکل جانا مستحب ہے تا کہ وہ مسجد سے باہر جماعت سے نماز پڑھ سکیں صرف تین مساجد (مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) مستثنیٰ ہیں اس میں اکیلے اکیلے نماز پڑھیں گے اگر وہاں جانے کا موقع ملے اس واسطے کہ وہاں کی تنہا نماز دوسری مساجد کی جماعت والی۔

ان دونوں کو دہرانا حرام ہے رہی مغرب تو وہ اس وجہ سے نہیں دہرا سکتا کہ وہ پہلے کے ساتھ شفع بن جائے گی اس لیے کہ دہرائی گئی نماز نفل کا حکم رکھتی ہے اور عشاء کو وتروں سے دہرایا جائے گا وتروں کے بعد نہیں کیونکہ اگر وتر دہرائے تو نبی علیہ السلام کے ارشاد کی مخالفت لازم آئے گی کہ ایک رات میں دو وتر نہیں اور اگر انہیں نہ دہرایا تو اس حدیث کی مخالفت ہو جائے گی رات کی اپنی آخری نماز وتر کرلیا کرو۔

ہر منفرد نماز کا اعادہ کر سکتا ہے صرف وہ منفرد اعادہ نہ کرے جس نے تین مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھی ہو تو اس کے لیے ان مساجد سے باہر نماز کا جماعت کی صورت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے جماعت کی صورت ان کا اعادہ انہی مساجد میں کرنا مستحب ہے مقتدی ہو تو اعادہ کرے امام ہو تو اعادہ نہ کرے جیسا کہ حنفیہ کا کہنا ہے اعادہ کرنے والا فرض کی نیت اس طرح کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے جونسی نماز اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔

شافعیہ...... ❶ اکیلے شخص اسی طرح اصح قول کے مطابق جماعت کے لیے اصح قول میں فرض کی نیت سے منفرد یا جماعت کے ساتھ فرض کا اعادہ کرنا مسنون ہے جسے وقت میں پا سکے اگر چہ ایک رکعت ہی ہو یہی راجح قول ہے اگر چہ وقت مکروہ ہو اور اعادہ صرف ایک بار ہو راجح قول کے مطابق جس نفل نماز کی نذر مانی ہو اس کا اور نماز جنازہ کا اعادہ مستحب نہیں کیونکہ یہ نفل نہیں پڑھی جائیں دوسری نماز کا صحیح ہونا شرط ہے اگر چہ قضاء کی ضرورت نہ ہو اور دوسری نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت صف سے تنہا نہ ہو باوجودیکہ صف میں اس کے داخل ہونے کا امکان ہو اور دوسری نماز قیام پر قادر شخص کی ہو اور جو جماعت کا اعادہ کر رہا ہے اس کے حق میں جماعت مطلوب ہو اگر اعادہ کرنے والے کے پاس کپڑے نہ ہوں تو وہ اندھیرے کے علاوہ کسی وقت نہ دہرائے یہ صحیح ہے کہ اعادہ کرنے والا امام ہو۔ ایک شخص نے نماز پڑھ کر پھر جماعت کے ساتھ اعادہ کیا قول جدید کے مطابق فرض پہلے ہونگے جس کی دلیل حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث ہے چونکہ اس میں نبی علیہ السلام نے دوسری نماز کو نفل شمار کیا ہے نیز پہلی نماز کی وجہ سے فرض ساقط ہو گئے اس لیے اب ضروری ٹھہرا کہ دوسری نماز نفل ہی رہے وہ فرض نماز لوٹانے کی نیت کرے تا کہ نماز ابتداء ہی سے نفل نہ بنے۔

حنابلہ...... ❷ کسی شخص کے مسجد میں ہوتے نماز کی اقامت ہو اور وہ اس سے پہلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہے نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے اگر چہ اعادہ کا وقت ممنوع وقت ہو پھر چاہے اعادہ مخصوص امام یا کسی اور کے ساتھ ہو سوائے مغرب کے کیونکہ اس کا اعادہ مسنون نہیں اعادہ کی ہوئی نماز نفل ہوتی ہے اور وہ نفل نماز طاق نہیں ہوتی ہے اس کی پہلی نماز فرض ہو گی حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث اس کی دلیل ہے دوسری میں اعادہ کی نیت کرے کیونکہ فرضیت پہلی سے ساقط ہو گئی اگر اس نے اعادے والی نماز میں نفل کی نیت کی تو کیفیت کے مطابق صحیح ہے مثلاً اس نے ظہر کی نیت کی تو نماز صحیح ہو جائے گی پر ہو گی نفل۔

مسجد سے باہر شخص نے دیکھا کہ جماعت ہونے لگی ہے پس اگر وہ وقت ممنوع ہو تو اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا مستحب نہیں یہاں تک

---

❶......مغنی المحتاج ۱/۲۳۳ المهذب ۱/۹۵۔ ❷ کشاف القناع ۱/۵۳۷

کہ جماعت ہو جائے اس کے لیے اعادہ حرام ہوگا صحیح نہیں ہوگا چاہے اس نے مسجد میں داخل ہونے سے جماعت میں شامل ہونے کا قصد کیا ہو یا نہیں۔ بہر کیف اگر وقت ممنوع نہ ہو اور اعادہ کے لئے مسجد کا قصد ہو تو اس کے لئے اعادہ مسنون نہیں اور اگر اس کا قصد نہ ہو تو اعادہ مسنون ہے۔

یازدھم: نماز اور جماعت کے لیے کھڑے ہونے کا مستحب وقت:

نماز اور اقامت کی بحث میں ہمیں نماز اور جماعت کے لیے کھڑنے ہونے کے مستحب وقت کے بارے میں فقہاء کی چار آراء کی پہچان ہوئی تھی یہاں ہم ان کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں امام کے کھڑے ہونے کے بعد نمازی حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔

حنابلہ......کا مذہب ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

شافعیہ......کی رائے یہ ہے کہ اقامت کہنے والے کی اقامت کے بعد کھڑے ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں یہ بات لوگوں کی حسب طاقت ہے چاہے اقامت کی حالت میں کھڑے ہوں شروع میں یا آخر میں اس لیے کہ شرع میں اس کے متعلق منقول روایت نہیں صرف حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا جب نماز کی اقامت ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہوا کرو۔ ابن رشد فرماتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہے ہم (صاحب الفقہ الاسلامی) پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ متفق علیہ حدیث ہے تو اس پر عمل واجب ہے ورنہ مسئلہ اپنی اصل پر رہے گا یعنی معاف ہے اور شرع میں کوئی مسموع روایت نہیں جب بھی کوئی کھڑا ہو جائے بہتر ہے۔ ❶

دوازدہم: جمعہ و جماعت ترک کرنے کے عذر...... ❷ مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر آدمی جمعہ اور جماعت ترک میں معذور سمجھا جائے گا۔

ا۔ ایسی بیماری جس کے ساتھ مسجد میں حاضر ہونا مشکل ہو جیسے بارش کی مشقت اگرچہ وہ بیماری فرض ساقط ہونے کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ اس کے برخلاف ہلکی بیماری جیسے معمولی سر درد ہلکا بخار تو وہ عذر نہیں۔ اسی طرح ایسے بیمار کی تیمارداری جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار نہ ہو اس لئے کہ آدمی سے تکلیف دور کرنا اہم کام ہے نیز قریبی رشتہ دار کے بارے میں مال کا نقصان ہونے سے زیادہ دکھ درد محسوس ہوتا ہے غیر قریبی رشتہ داروں میں بیوی داماد دوست اور استاذ شامل ہے بیماری کی معذوری کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کسی قسم کی تنگی روا نہیں رکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو اتنی نقاہت ہوگئی کہ مسجد جانے سے رہ گئے لوگوں سے فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کی امامت کرے ❸ اس سلسلہ میں کسی بیماری کے پیدا ہونے سے خوفزدہ شخص بھی معذور ہے جس کی دلیل وہ روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی تفسیر خوف اور بیماری سے فرمائی ❹ اس سے بیمار اپاہج کافی عرصے کا مریض جس کے مخالف سمت ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوں یا صرف پاؤں کٹا ہو فالج زدہ بے حد عاجز بوڑھا نابینا ان لوگوں پر جماعت واجب نہیں حنفیہ کی رائے کے مطابق اگرچہ اسے لے جانے والا مل جائے جب کہ حنابلہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں ترک جمعہ میں تو معذور ہوگا جماعت چھوڑنے میں معذور نہیں ہوگا جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔

---

❶......بداية المجتهد ١/١٤٥۔ ❷الدر المختار ١/٥١٩، مراقى الفلاح ٤٨ البدائع ١/١٥٥، مغنى المحتاج، ٢٣٤، ٢٣٦، المهذب ١/٩٤ المجموع ٤/١٠٠۔١٠٢ كشاف القناع ١/٥٨٣، ٥٨٧، الحضر مية ٦٦ القوانين الفقهية ٦٩، الشرح الصغير ١/٥١٦،٥۔ ❸ متفق عليه۔ ❹رواه ابوداؤد وغيره وفى اسناده رجل مدلس ولم يضعفه ابوداؤد

نمازی کو اپنی جان مال اور آبرو کے بارے میں خدشہ ہو یا ایسی بیماری کا خوف ہو جس کے ساتھ جانا باعث مشقت ہو جیسا کہ ذکر ہوا ہے جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اذان سنتا ہو اور (عملی) جواب نہ دیتا ہو اس کی نماز (گھر میں) نہیں ہوتی ہاں کوئی عذر ہو (تو جدا بات ہے) لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! معذوری کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا:

خوف یا بیماری اس واسطے ظالم کے خوف کی وجہ سے تنگدست کی قید کی وجہ سے یا تنگدست سے قرض خواہ جدا نہیں ہوگا ننگے پن اور کسی ایسی سزا کے خوف سے جس کے ترک کرنے کی امید ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعزیرات یا کسی آدمی کی طرف سے ہو قصاص، اور تہمت کی ایسی حد جس میں اگر کچھ ایام غائب رہا تو معافی قبول کی جاسکتی ہے بیماری کے بڑھنے یا اس میں تاخیر ہونے کا خوف ہو تو جماعت اور جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔

اگر مریض کو سوار ہو کر مسجد آنے یا اٹھا کر لائے جانے میں تکلیف نہ ہوتی ہو یا اس پر کوئی یہ احسان کرے کہ اسے سوار کر لائے یا لا دلائے اور اگر نابینا ہے تو اس کا ہاتھ تھام لائے ان تمام صورتوں میں حنابلہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جمعہ اس پر لازم ہے کیونکہ جمعہ میں تکرار نہیں اور جماعت لازم نہیں ہے سفر میں اگر چہ وہ سفر سیر سیاحت کا ہو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا خدشہ ہو یا مال مثلاً تنور میں لگی روٹیوں اور آگ پر دھرے سالن کے جلنے کا خوف ہو یا کسی موقع کا ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہو مثلاً ایسے شخص کے چلے جانے کا خوف ہو جو کسی جگہ کسی ضائع ہونے والی چیز کا پتہ بتائے گا۔

۳..... بارش، کیچڑ انتہائی سردی، ظہر کے وقت سخت گرمی، رات میں نہ کے دن میں تیز تند ہوا اور بے حد تاریکی جس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرمایا: ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہوتے شب دیجور یا بارانی رات ہوتی تو آپ کا قصد یہ اعلان کرتا: اپنے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو ❶ اولے اور برفباری بارش کا حکم رکھتی ہے۔

۴..... پیشاب پاخانے کا دباؤ یا ان میں سے کسی ایک کی شدت، چونکہ اس سے نماز کی تکمیل اور خشوع پورا نہیں ہوتا کھانے کی موجودگی جب دل للچارہا ہو یعنی بھوک پیاس کی تیزی ہو جس کی دلیل صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہرگز جلدی نہ کرنا اس سے فارغ ہو جاؤ سفر کا ارادہ، خطرہ ہو کہ قافلہ کوچ کر جائے گا یعنی سفر کے ساتھیوں کے ساتھ تیار ہو رہا ذاتی سفر تو وہ عذر نہیں اونگھ و مشقت کا غلبہ چنانچہ ایک شخص نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز شروع کی جب حضرت معاذ نے نماز تھوڑی لمبی کی تو وہ شخص علیحدہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی لیکن اپنے آپ پر قابو اور ثابت قدمی بہتر ہے تاکہ اونگھ وغیرہ ختم ہو جائے با جماعت نماز افضل ہے اس واسطے کہ اس میں جماعت کا ثواب ملے گا احناف نے فقہ (دینی مسائل) میں مشغول نہ کہ کسی اور چیز کا مشغلہ بھی شامل کیا ہے۔

۵..... نیم پختہ بدبودار چیز کا کھانا جب کہ اس کی بو ختم نہ ہو سکتی ہو جس نے لہسن، پیاز یا مولی کھائی ہو اس کا مسجد آنا مکروہ ہے جب اس کی بدبو ختم نہ ہو جائے تاکہ اس کی بدبو سے فرشتوں کو اذیت نہ ہو حدیث میں آتا ہے جس نے لہسن یا پیاز کھایا ہو وہ ہم سے اور ہماری مساجد سے دور رہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر بیٹھ رہے ❷ بدبودار گاجر اسی کے حکم میں ہے اسی طرح ہر بدبودار شے اس واسطے کہ اصل سبب اذیت پہنچانا ہے۔ جس شخص کو برص کوڑھ وغیرہ ہو جس سے اذیت پہنچ سکتی ہے اگر اسے لہسن کھانے پر قیاس کریں تو ایسا شخص اذیت کا جامع ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

---

❶ ..... رواہ البخاری ومسلم لفظهما الا صلوا فی الرحال رحال سے مراد ٹھکانے چاہے مٹی کے ہوں بالوں یا کسی اور چیز کے رواہ ابن ماجہ باسناد صحیح ولم یقل فی السفر وهناک احادیث اخری فی الموضوع (نیل الاوطار ۳/۱۵۵) ❷ رواہ البخاری ومسلم عن جابر وفی لفظ من اکل من هذه الشرة الخبیثة فلا یقربن مصلا

۶.....کسی جگہ کی قید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کسی متنفس سے اس کی گنجائش سے زیادہ کام کا ذمہ دار نہیں بناتا۔

۷.....شافعیہ نے ان میں بازاری چھتوں کے ٹپکنے زلزلہ اور لُو (دوپہر یا رات کی گرم ہوا) بھی شامل کی ہے نیز گم شدہ چیز کی تلاش جس کے مل جانے کی امید ہو چھینی شے واپس لوٹانے کی کوشش، حد سے بڑھا ہوا موٹاپا، ایسی پریشانی جس سے خشوع میں فرق پڑے، میت کی تجہیز وتکفین کی مشغولی، راستے یا مسجد میں نمازی کو اذیت پہنچانے والی چیز کی موجودگی، رات کی نماز میں سہاگ رات کا آجانا شرعی حد سے امام کا نماز لمبی کرنا مقصودی سنتوں کا ترک کرنا امام تیز رفتاری سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی سبت رفتار ہو یا امام ان لوگوں میں سے جن کی اقتداء مکروہ ہے۔

یا اسے خود اس کے ذریعہ فتنہ میں پڑنے کا خدشہ ہے۔

حنابلہ نے امام کی لمبی قرأت شب زفاف اور شادی کے مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے مالکیہ کے ہاں سہاگ رات کی وجہ سے چھ دن تک جمعہ وجماعت ساقط ہو جاتی ہے اور مشہور قول کے مطابق ساتویں روز دولہے سے ساقط نہیں ہوتی، انہوں نے شافعیہ کی طرح اس شخص کو بھی شمار کیا ہے جس پر قصاص ہو اور معافی کی امید ہو اسے معذور سمجھا جائے گا اور جس پر تہمت کی حد ہو اور اس کی کسی آدمی سے معافی کی امید ہو رہا وہ شخص جس پر حدود اللہ میں سے مثلاً حد زنا، حد شراب نوشی اور ڈاکہ زانی کی حد ہو تو وہ معذور نہیں کہ جمعہ اور جماعت چھوڑ دے کیونکہ حدود میں مصالحت شامل نہیں ہو سکتی بخلاف قصاص کے اس پر صلح ہو سکتی ہے۔

احناف کے ہاں جس عذر سے جماعت کی حاضری ساقط ہو جاتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے.....اٹھارہ ❶ امور میں سے کوئی ایک ہو تو جماعت میں حاضری ساقط ہو جاتی ہے: (۱) بارش (۲) اولے (۳) خوف (۴) اندھیرا (۵) قید (۶) نابیناپن (۷) فالج (۸) ہاتھ اور پاؤں کا کٹا ہوا ہونا (۹) اپاہج پن (۱۰) بیماری (۱۱) کیچڑ (۱۲) کئی سالوں کی بیماری (۱۳) بڑھاپا (۱۴) ایسی جماعت کے ساتھ فقہ کی تکرار جو اس کے بغیر رہ جائے (۱۵) کھانے کی موجودگی جس کی خواہش ہو رہی ہو (۱۶) سفر کا ارادہ (۱۷) بیمار کی تیمارداری (۱۸) دن کے بجائے رات میں تیز تند ہوا۔ اگر کوئی شخص ان مباح عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ گیا تو اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔

مقصد ثانی: امامت.....اس کی تعریف، اس کی دو قسمیں، اماموں کی شرائط یا کس کی امامت صحیح ہے، امامت کا زیادہ حقدار، امامت کے مکروہات، کس کی امامت مکروہ ہے مقتدی کے سوا امام کی نماز کب فاسد ہو جاتی ہے اور کس سے امام مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے امام مقتدی سے کیا وصول کر سکتا ہے امام کے خصوصی احکام وغیرہ۔

اول: امامت کی تعریف اور اس کی دو قسمیں.....خیر وشر میں جس کی پیروی اور اقتداء کی جائے وہ امام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں سے امام (رہنما) بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔'' ارشاد ہے اور ہم نے ان کفار کو جہنم کی طرف بلانے والے امام بنایا ہے۔

امامت کی دو قسمیں ہیں.....کبریٰ اور صغریٰ۔

امامت کبریٰ، لوگوں پر عمومی تصرف وکنٹرول کا نام ہے۔ عمومی تصرف سے مراد بادشاہ کی فرمانبرداری ہے یا وہ کوئی دین ودنیا کی عام ریاست ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہو۔ ماوردی ❷ فرماتے ہیں: امامت دین ودنیا کی حفاظت کے لیے خلافت نبوی کے لیے مقرر کی گئی ہے اس پر علماء ❸ کا اتفاق ہے کہ امام بادشاہ کا تعین ایک اہم شرعی واجب ہے امام کا مسلمان صاحب قدرت، قریشی، عاقل، بالغ، آزاد اور مرد ہونا شرط ہے لیکن اس کا ہاشمی اور علوی (یعنی حضرت علی کی اولاد سے جیسا کہ شیعہ کا کہنا ہے) معصوم۔ (جیسا شیعہ) امامیہ اور اسماعلیہ کا عقیدہ ہے ہونا شرط نہیں، فاسق کو بادشاہ بنانا مکروہ ہے فاسق ہونے کی وجہ سے اسے معزول کر دینا چاہیے ہاں کسی فتنہ کی وجہ سے ہو تو الگ بات ہے بادشاہ

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۱/۱۱ ۵۔۱۳ ۵ ❷ الاحکام السلطانیة ۳۔ ❸ سابقہ حوالے

کے لیے درستگی کی دعا کرنی چاہیے تین میں سے کسی ایک امر سے امامت و بادشاہت صحیح ہے۔

ارباب حل وعقد کا اخیار، وراثت یعنی سابقہ بادشاہ کا ولی عہد، ارباب (11) حل وعقد کی بیعت کے بغیر ضرورت کی بناپر غلبہ اور زبردستی۔

امامت صغریٰ.....نماز کی امامت ہے جو اصل میں امام اور مقتدی کی نماز کا تعلق ہے۔

دوم: امامت یا جماعت صحیح ہونے کی شرطیں.....نماز کے امام کی امامت ان شروط سے صحیح ہوتی ہے۔ (12)

اسلام..... (13) اس لئے بالاتفاق کسی کافر کی امامت صحیح نہیں۔

حنابلہ (14) نے ذکر کیا.....جب کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی جس کے مسلمان ہونے میں شک تھا یا وہ ہیجڑا تھا تو مقتدی کی نماز صحیح ہے جب تک اس کا واضح کفر اور خنثیٰ مشکل (ایسا ہیجڑا جس کا مرد یا عورت) ہونا ظاہر نہ ہو جائے کیونکہ بظاہر نمازی مسلمان ہی نہیں خاص کر جو امام ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ہیجڑا نہیں ہوگا خصوصا وہ شخص جو مردوں کی امامت کرتا ہے۔

نماز کے بعد مقتدی کو پتہ چلا کر وہ کافر یا خنثیٰ مشکل ہے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے نماز کی وجہ سے آدمی کو مسلمان سمجھا جائے گا خواہ وہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں اور چاہے اکیلے نماز پڑھا ہو یا جماعت اس کے بعد وہ اگر اسلام پر قائم رہا ہو کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ اسلام پر قائم نہ رہا تو وہ مرتد ہے اس پر مرتدوں کے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس کے مرنے سے پہلے کوئی خلاف اسلام بات ظاہر نہیں ہوئی تو وہ مسلمان شمار ہوگا اس کے کافر وارثوں کے بجائے مسلمان وارث اس کی میراث کے حقدار ہوں گے۔

ایسا ہی شافعیہ کا قول ہے:

کہ اگر امام کا کافر یا عورت ہونا معلوم ہو جائے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۲۔ **عقل**.....اس لیے مجنون کے پیچھے نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس کی اپنی نماز باطل ہے سو اگر اس کا جنون ختم ہو گیا تو افاقہ کے وقت اس کی اقتداء میں نماز درست ہے لیکن اس کی اقتداء کرنا مکروہ ہے کہیں نماز کے دوران مفسد نماز کوئی چیز پیش نہ آجائے کیونکہ نماز میں جنون تو موجود ہے البتہ نماز صحیح ہوگی کیونکہ اصل حالت سلامتی کی ہے صرف شک کی بناپر نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان دو شرطوں کے بارے میں تسامح ہوا ہے کیونکہ یہ دونوں مطلقا نماز کی شرطیں ہیں نہ کہ امام کی، مدہوش اور نشے میں مست شخص مجنون کی طرح ہے ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں اسی طرح ان کی اپنی نماز بھی صحیح نہیں چہ جائیکہ ان کی اقتداء کرنے والے کی نماز۔

۳۔ **بالغ ہونا**.....لہٰذا جمہور کے نزدیک سمجھدار بچے کی امامت بالغ کے حق میں حنفیہ کے ہاں فرض یا نفل میں صحیح نہیں مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک صرف فرض میں صحیح نہیں۔ رہے نفل کسوف جیسے (گرہن اور تراویح وغیرہ تو اس کی امامت اپنے جیسے شخص کے لیے صحیح ہے اس وجہ سے ایک متنفل دوسرے متنفل کی امامت کر رہا ہے اس سلسلہ میں ان کی دلیل اثرم رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ عنہما ہے بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے امامت نہ کرے اس واسطے کہ امامت کمال کی حالت ہے اور بچہ کامل لوگوں میں سے نہیں۔ نیز بچہ نماز کی شرط اور قرأت میں خلل سے محفوظ نہیں ہوتا۔

شافعیہ.....فرماتے ہیں بالغ شخص سمجھدار بچے کی اقتداء کر سکتا ہے چنانچہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی

---

(1).....سابقہ حوالے (2) الدر المختار ۱/۵۱۳، ۵۳۹، ۵۵۴، اللباب ۱/۸۲ البدائع ۱/۵۶ الشرح الصغیر ۱/۴۳۳، ۴۳۶ القوانین الفقهية ۶۷ المهذب ۱/۱۶ مغنی المحتاج ۱/۲۳۸، ۲۴۱ کشاف القناع ۱/۵۵۹ ۵۶۰، ۵۶۴، ۵۷۰، المغنی ۱/۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۲۸ المجموع ۴/۱۴۷، ۱۶۲۔ (13) المغنی ۱/۲۰۰ (14) مغنی المحتاج ۱/۲۴۱

اللہ علیہ وسلم کے دور میں امامت کرائی حالانکہ میں سات سالہ بچہ تھا (۱) زیادہ صحیح روایت ان کے ہاں یہ ہے کہ جمعہ میں بھی کراہت کے ساتھ بچے کی امامت صحیح ہے۔

ثابت شدہ مردانگی جب امام مرد یا ہیجڑا ہو..... لہٰذا عورت اور ہیجڑے کی مردوں کو امامت کرانا صحیح نہیں نہ فرضوں میں اور نہ نفلوں میں البتہ جب اقتداء کرنے والی عورتیں ہوں تو جمہور کے ہاں ان کے امام کے لیے مرد ہونا شرط نہیں اس صورت میں عورت کی امامت عورتوں کے حق میں صحیح ہے۔ جس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ ام سلمہ اور عطاء سے مروی ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے دارقطنی نے ام ورقہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے گھرانے کی عورتوں کی امامت کرنے کی اجازت دی تھی۔ (۲)

شافعیہ کے ہاں عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے ان کی امام درمیان میں کھڑی ہو (۳) اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں (۴) ہیں۔ ایک روایت استحباب کی اور ایک عدم استحباب کی۔

احناف فرماتے ہیں..... عورتوں کی تنہا جماعت چاہے تراویح کی ہو مردوں کے بغیر مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز جنازہ مستثنیٰ ہے اس میں ان کی جماعت مکروہ نہیں کیونکہ یہ ایسا فرض ہے جو مکروہ نہیں۔ اگر انہیں جماعت پڑھانی پڑ جائے تو ان کی امام عورت درمیان میں کھڑی ہو جیسے ننگے باجماعت نماز پڑھیں گے۔ کراہت کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد عورت کی نماز اس کے گھر میں اس کے حجرے کی نماز سے بہتر ہے اور اس کے پردے کی جگہ کی نماز اس کے گھر کی نماز سے افضل ہے (۵) چونکہ عورتوں کو دو ممنوع کام کرنا پڑتے ہیں ایک امام کا درمیان صف میں قیام کرنا جو مکروہ ہے یا آگے بڑھ کے کھڑا ہونا یہ بھی ان کے حق میں مکروہ ہے تو ان کی حیثیت ننگوں کی سی ہوئی اس لئے ان کے حق میں بنیادی طور پر جماعت جائز و مشروع ہی نہیں۔ اسی بنا پر ان کے لئے اذان دینا مشروع نہیں جو جماعت کا بلاوا ہے اگر ان کی جماعت مکروہ نہ ہوتی تو اذان مشروع ہوتی اسی طرح ان کے نزدیک عورتوں کا مطلقاً جماعت میں حاضر ہونا اگر چہ جمعہ عیدین یا رات کے وعظ کے لئے مکروہ ہے رہا دن کا وعظ تو اگر فتنے سے امن ہو تو جائز ہے یہی مفتی بہ مذہب ہے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسی طرح کسی ایک مرد کی تمام عورتوں کو امامت کرانا جہاں دوسرا مرد نہ ہو اور نہ اس مرد کی کوئی محرم عورت مثلاً اس کی بہن یا بیوی نہ ہو مکروہ ہے اگر ان عورتوں کا مذکورہ لوگوں میں سے کوئی ہو یا ان کی امامت مسجد میں کرائے تو پھر مکروہ نہیں یہ قول حنابلہ کے مذہب کے موافق ہے اس واسطے نبی علیہ السلام نے مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے نیز اس سے وساوس پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ ظاہری اور باطنی نجاست سے پاکی..... ایسے ہی کسی بے وضو شخص یا جس پر کوئی نجاست لگی ہو کی امامت صحیح نہیں کیونکہ اس کی نماز باطل ہے پھر جمہور کے نزدیک چاہے اسے اس کا علم ہو یا نہ ہو (بھولے سے ایسا ہوا ہو)

مالکیہ..... فرماتے ہیں: جان بوجھ کر بے وضوگی کا قصد نہ کرنا شرط ہے اگر چہ امام کو اس کا علم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہوا ہو چنانچہ اگر امام جان بوجھ کر بے وضوگی کا قصد کرے گا تو اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر بھولے سے ایسا ہوا تو اس کی نماز صحیح ہے اگر چہ نجاست کا پتہ نماز سے فراغت کے بعد ہوا ہو اس واسطے کہ ان کے نزدیک صرف طہارت ظاہری کا علم نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اس لئے اگر پتہ ہو تو بے وضو اور جنبی آدمی کی اقتداء صحیح نہیں۔ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مقتدیوں کی نماز صحیح ہے انھیں اجر و ثواب بھی ملے گا شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں جمعہ کی نماز مستثنیٰ ہے جب امام کو حدیث ہو یا اس پر نجاست لگی ہو مقتدیوں کی تعداد چالیس ۴۰

---

(۱)..... رواہ البخاری صحیحہ عن جابر ورواہ البخاری والنسائی بنحوہ عن عمر وبن سلمہ (نیل الاوطار ۱۶۵/۳)

(۲) المجموع ۹۶/۴۔ (۳) المغنی ۲۰۲/۱ کشاف القناع ۵۶۴/۱۔ (۴) تبیین الحقائق ۱۳/۱، الدر المختار ۵۲۸/۱ اللباب ۸۲/۱۔

(۵) ابو داؤد عن ابن مسعود واخرجہ احمد والطبرانی من حدیث امام حمید الساعدیۃ نحوہ (نیلا الاوطار ۱۳۲/۳)

امام کے بے وضو ہونے اور اس پر نجاست کا علم نماز سے فراغت کے بعد ہوا ہو تو صحیح نہیں اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب جنبی شخص کسی قوم کی امامت کرے تو وہ اپنی نماز لوٹائے قوم کی نماز پوری ہوگئی۔ ❶

شافعیہ.....فرماتے ہیں: جس شخص پر نماز کا اعادہ لازم ہو اس کی اقتداء صحیح نہیں جیسے کوئی مقیم پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کرے یا کسی کے بدن پر نجاست لگی اس کے دھونے سے خوف ہو اور وہ بے وضو شخص جس نے پانی مٹی کی عدم دستیابی کی وجہ سے نماز پڑھ لی۔

۶۔ اچھے انداز سے قرأت اور ارکان کی ادائیگی.....یعنی امام اتنی اچھی قرأت کر سکتا ہو جس کی بغیر نماز صحیح نہیں ارکان کو بھی قائم کرے اس لئے قرأت کرنے والے کی اقتداء کسی ❷ ان پڑھ کے پیچھے جمہور کے نزدیک صحیح نہیں اس کی اقتداء کرنے والے قاری کی نماز واجب الاعادہ ہے اسی طرح گونگے کے پیچھے اگرچہ مقتدی بھی اسی جیسا گونگا ہو صحیح نہیں اور نہ اس کے پیچھے جو رکوع سجود قعود یا استقبال قبلہ سے یا نجاست سے بچنے سے عاجز ہو البتہ اپنے جیسے شخص کی امامت کر سکتا ہے اس لیے ایک جیسے شخصوں کی نماز صحیح ہوگی احناف کے ہاں تین لوگ مستثنیٰ ہیں کہ ان کی نماز اپنے جیسے امام کے پیچھے نہیں ہوگی خنثی مشکل حیض والی اور حیض کی موجود اور عدم موجودگی کے متعلق ❸ حیران عورت کیونکہ حیض آنے کا احتمال ہے۔

مالکیہ.......فرماتے ہیں امام کے لئے ارکان کی ادائیگی پر دسترس شرط ہے چنانچہ وہ ایک رکن چاہے قولی ہو جیسے فاتحہ پڑھنا یا فعلی ہو جیسے رکوع سجدے یا قیام کی قدرت نہ ہو اس کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہاں اس صورت میں صحیح ہے جب امام اور مقتدی عاجزی میں برابر ہوں تو اس وقت ان پڑھ اپنے جیسے ان پڑھ کی اقتدا کر سکتا ہے جب قرأت کرنے والا کوئی نہ ملے یہی زیادہ صحیح قول ہے گونگے کی اپنے جیسے گونگے کی اقتداء اور قیام سے عاجز اپنے جیسے شخص کی بیٹھ کر اقتداء کرنا صحیح ہے البتہ ایسا شخص جو قیام جلوس اور لیٹ کر نماز پڑھنے کے بجائے اشارے سے فرض پڑھے اپنے جیسے شخص کی اقتداء کرنا مشہور قول کے مطابق صحیح نہیں۔

۷۔ امام کسی کا مقتدی نہ ہو......اس پر اجماع ہے کہ جس کی اقتداء کی جا رہی ہے وہ کسی کا مقتدی نہ ہو حالانکہ اسے قدرت ہو تو جب وہ دوسرے کا تابع ہوا تو اس کا سہو اس پر لازم ہوگا جب کہ امام مستقل اختیار والا ہوتا ہے وہ تو دوسرے کے سہو کا متحمل ہوتا ہے اس لیے یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

رہا اس شخص کی اقتداء کرنا جو امام کا مقتدی (یعنی مسبوق) تھا پیشوائی ختم ہونے کے بعد تو اس میں کئی آراء ہیں۔

احناف...... ❹ مسبوق نہ کسی کی اقتداء کر سکتا ہے نہ کسی کو اس کی اقتداء کرنا جائز ہے چونکہ اصل میں وہ غیر کا تابع تھا وہ خود اقتداء کے مقام میں ہے اقتداء کی بناء تحریمہ پر تحریمہ سے ہوتی ہے اب مقتدی نے اس وقت تحریمہ باندھا جب امام کا تحریمہ اس کے لیے منعقد ہوا تو جب بھی امام کا تحریمہ اس کے لیے ہوگا مقتدی کی طرف سے بنا درست ہوگی جو اس طرح نہ ہو وہ نہیں۔

ایسا ہی قول مالکیہ کا ہے...... ❺ جو مسبوق اپنے ذمہ واجب کی قضاء کے لیے کھڑا ہوا اور کسی نے اسی کی اقتداء کر لی اگرچہ اسے نماز سے فراغت کے بعد پتہ چلا کہ اس کا امام خود مقتدی تھا اقتداء جائز نہیں ہے۔ رہا مدرک جسے امام کے ساتھ ایک رکعت سے کم نماز ملی جب وہ اپنی باقی ماندہ نماز کے لئے اٹھے تو اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے مدرک اگرچہ اقتداء کی نیت میں تھا بعد میں امام ہونے کی نیت کر لے کیونکہ وہ منفرد

---

❶ رواه محمد بن الحسين الحراني عن البراء بن عازب وروى مثله عن عمر وعثمان وعلي وابن عمر (كشاف القناع ۱/۵۶۵)
❷ امی ان پڑھ سے مراد وہ شخص جو پوری یا بعض فاتحہ صحیح نہ پڑھ سکے یا اسے کسی حرف میں رکاوٹ ہو اگرچہ باقی صحیح پڑھ سکے لہٰذا جو اچھے طریقے سے نہ پڑھ سکے اس کی اقتداء جائز نہیں۔ البتہ اسی جیسا شخص اقتداء کر سکتا ہے۔ ❸ جسے اپنی عادت کا شمار بھول گیا ہو اسے ضالہ او مضلہ بھی کہا جاتا ہے۔ ❹ فتح القدير ۱/۲۷۷۔ ❺ الشرح الصغير ۱/۴۳۴

ہے جس کے لیے مقتدی ہونے کا حکم ثابت نہیں ہوا۔

حنابلہ...... ⓫ فرماتے ہیں اگر امام نے سلام پھیر دیا اور کوئی نمازی ساتھ والے نمازی کی اقتداء میں اپنی رہ گئی نماز کی قضاء کرنے لگا تو صحیح ہے یا مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقیم نے اپنے جیسے کسی مقیم کی اقتداء میں اپنی باقیماندہ نماز شروع کر دی کیونکہ یہ ایک جماعت سے دوسری جماعت کی طرف منتقلی ہے جو نماز میں خلیفہ بنانے کی طرح جائز ہے اور اس کی دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والا وہ واقعہ ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں تشریف لائے حضرت ابوبکر نماز میں تھے حضرت ابوبکر پیچھے ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو گئے آپ نے لوگوں کو نماز مکمل کرائی ایسا آپ نے ایک اور مرتبہ بھی کیا اور دونوں حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ اسی طرح اس کی اقتداء کرنا بھی صحیح ہے جو امام کے سلام پھیرنے کے وقت مسبوق تھا یا امام سے جدا ہونے کے بعد نیت کی ان کے ہاں سوائے جمعہ کے مفارقت کی نیت صحیح ہے البتہ جمعہ میں اقتداء صحیح نہیں۔

شافعیہ...... ⓬ فرماتے ہیں: پیشوائی کا سلسلہ اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب امام سلام پھیر دے یا بے وضوگی وغیرہ کے ذریعہ نماز سے علیحدہ ہو جائے چونکہ اب رابطہ منقطع ہو گیا اس وقت وہ اپنے سہو کا سجدہ کرے اور کوئی اس کی اور یہ کسی کی اقتداء کر سکتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ اور مالکیہ امام کے سلام کے بعد مقتدی کی اقتداء کرنے کو جائز نہیں کہتے اور شافعیہ وحنابلہ کے ہاں اقتداء صحیح ہے یہی اولیٰ بہتر ہے۔

۸۔ **حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک معذوری سے سلامت رہنا شرط ہے......** جیسے ہمیشہ پھوٹنے والی نکسیر، ہوا کا چلنا، مسلسل پیشاب کے قطرے آنا وغیرہ لہٰذا ان مذکور معذوروں والا شخص اپنے جیسے معذور شخص ہی کی امامت کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں ایک عذر سے معذور ہوں کیونکہ نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو بارش میں اشارے سے نماز پڑھائی اگر امام اور مقتدی کا عذر مختلف ہوگا تو جائز نہیں لہٰذا جیسے پیشاب کے قطرے آتے ہیں وہ اپنے جیسے شخص کی اقتداء کر سکتا ہے البتہ جب وہ سلسل البول اور ریاحی مریض کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس لئے جائز نہیں کہ امام دو عذروں والا اور مقتدی ایک عذر والا ہے ایک عذر والے کی اقتدا دو عذروں والا کر سکتا ہے اس کے برعکس صحیح نہیں۔

مالکیہ نے یہ شرط نہیں لگائی بلکہ ان کے ہاں معذور کی غیر معذور کی امامت کرنا مکروہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک جسے پیشاب کے قطروں کا مرض ہو اس کی امامت صحیح ہے اگرچہ وہ بیماری آدھا وقت رہی ہو ایسے ریاح وغیرہ جس سے ان کے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا امامت صحیح ہے۔ اسی طرح شافعیہ نے بھی اس کی شرط نہیں لگائی۔ چنانچہ ان کے ہاں ایسے معذور شخص کی اقتداء میں تندرست وسلامت آدمی کی نماز صحیح ہے جس امام کے ساتھ نماز کا اعادہ واجب نہ ہو۔

۹۔ **امام کی زبان صحیح ہو کہ اس سے حروف پورے ادا ہو سکتے ہوں......** لہٰذا ہکلے کی امامت صحیح نہیں جو را کو غین سے یا سین کو ثاء سے یا ذال کو زاء سے بدل دیتا ہے تمیز نہ ہونے کی بنا پر ایسا ہو جاتا ہے البتہ اگر مقتدی کی حالت اسی جیسی ہو تو صحیح ہے۔

احناف کے ہاں تو تلا بھی ہکلے میں شمار ہوتا ہے جو اپنی گفتگو میں راز یاد بولتا ہو اور جو فا کی زیادہ تکرار کرتا ہو (ففو) یہ صرف اپنے جیسے لوگوں کی امامت کر سکتے ہیں۔ حنابلہ نے مغضوب اور الضالین کے ضاد کو ظا سے بدلنے والے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے چنانچہ اس کی امامت ظاء سے بدلنے والے کے حق میں صحیح ہے کیونکہ اس تبدیلی سے وہ ان پڑھ شمار نہیں ہوگا (ارت) ایسا تو تلا جو بے موقع ادغام کرتا ہو جیسے مستقیم میں تا کی تشدید پڑھنے والا اسے متقیم ادا کرے اور جو حرف یا تشدید سے فاتحہ میں رکتا ہو یہ دونوں شافعیہ کے نزدیک ہکلے کی طرح ہیں ان کی امامت صرف انہی جیسوں کے حق میں صحیح ہے۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے (تمتام) تو تلے (فافا) ففو کی امامت چاہے اپنے جیسے کے لیے نہ ہو کراہت کے

⓫......المغنی ۲/۱۰۵، ۲۳۳ کشاف القناع ۱/۳۷۶۔ ⓬ مغنی المحتاج ۱/۲۵۹

ساتھ صحیح ہے۔

دوسرے مسلک والے کے پیچھے نماز:

۱۰۔ حنفیہ، شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ امام کی نماز مقتدی کے مسلک میں صحیح ہو...... چنانچہ اگر کسی حنفی نے کسی شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھی جس کا خون بہہ پڑا اور اس نے وضو نہیں کیا یا کسی شافعی نے کسی ایسے حنفی کے پیچھے نماز پڑھی جس نے عورت کو چھوڑا ہو تو مقتدی کی نماز باطل ہے کیونکہ وہ اپنے امام کی نماز باطل سمجھتا ہے۔

حنفیہ ❶ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کسی شافعی کے پیچھے نماز مکروہ ہے شافعیہ ❷ فرماتے ہیں حنفی وغیرہ دیگر لوگ جو بعض ارکان کے وجوب اور شرائط کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کے بجائے شافعی امام کے پیچھے نماز افضل ہے اگر چہ اسے ان کے کرنے کا علم ہو لیکن اس کے باوجود وہ بعض ارکان کو واجب نہیں کہتا۔

مالکیہ اور حنابلہ ❸ فرماتے ہیں...... جو چیز نماز کے صحیح ہونے میں شرط کی حیثیت رکھتی ہے اس میں صرف امام کے مسلک کا اعتبار ہے چنانچہ اگر کوئی مالکی یا حنبلی کسی ایسے حنفی یا شافعی کی اقتداء کرتا ہے جس نے وضو میں پورے سر کا مسح نہیں کیا چونکہ وہ پہلے دونوں مسلکوں میں شرط ہے تو اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس کے مذہب کے مطابق امام کی نماز صحیح ہے۔

اور جو چیز اقتداء کے صحیح ہونے میں شرط ہو اس میں مقتدی کے مسلک کا اعتبار ہوگا لہٰذا جب کوئی مالکی یا حنبلی فرض نماز میں کسی ایسے شافعی کی اقتداء کرے جو نفل پڑھ رہا ہے تو اس (مقتدی) کی نماز باطل ہے وجہ یہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام و مقتدی کی نماز میں اتحاد و یگانگت اقتداء کی شرط ہے۔ میری رائے میں پہلی شق میں مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ گفتگو کے لحاظ سے وہ زیادہ صحیح ہے یوں مذہبی فروع میں اختلاف کرنے والوں کے پیچھے نماز صحیح ہو گی مکروہ نہیں ہوگی کیونکہ اعتبار امام کی نماز کا ہے چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے بعد کے لوگ باوجود آپس کے فروعی اختلافات کے ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے اسی طرح یہ ایک گونا اجماع ہو گیا اور اسی سے مسلکی تعصبی انتشار کا خاتمہ ہوگا۔ ❹

۱۱۔ حنابلہ کے ہاں شرط ہے کہ امام شریف شخص ہو...... چنانچہ فاسق چاہے اپنے جیسے کی امامت کرائے صحیح نہیں کسی نے انجانے سے فاسق کی اقتدا کر لی بعد میں علم ہوا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

البتہ جمعہ وعیدین کی نماز مستثنیٰ ہے کیونکہ اگر کوئی شریف امام میسر نہ ہو تو وہ فاسق کی قتداء میں بھی ہو جاتی ہیں۔

مالکیہ...... کے ہاں شرط ہے کہ امام نماز سے متعلق فسق سے محفوظ ہو مثلاً وہ اس کے شرائط وفرائض میں سستی کرتا ہو یا مثلاً کوئی بے وضو ہی پڑھتا پھرے یا فاتحہ کی قرأت چھوڑ دے۔ رہا وہ فسق جس کا نماز سے تعلق نہیں جیسے زانی، شراب خور وغیرہ تو راجح قول کے مطابق کراہت کے ساتھ اس کی امامت صحیح ہے۔

۱۲۔ مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط ہے کہ امام جماعت کی فضیلت پانے کے لیے اپنی نماز دہرا نہ رہا ہو:

لہٰذا فرض پڑھنے والے کی اقتداء نماز دہرانے والے کے پیچھے صحیح نہیں کیونکہ دہرانے والے کی نماز نفل ہے جب کہ فرض نفل کے پیچھے نہیں ہوتے اور امام کو نماز کی اس کیفیت کا علم ہونا چاہیے جس سے نماز صحیح ہوتی ہے لہٰذا سے شرائط صلوۃ کی کیفیت کا پتہ ہو جیسے وضو کرنا صحیح طریقہ

---

❶......الدر المختار ۱/۵۲۶۔ ❷الحضرمية: ۶۴۔ ❸ الشرح الصغير ۱/۴۴۴، المغنی ۲/۱۹۰، کشاف القناع ۱/۵۵۷، ۵۶۳۔
❹ فاسق سے مراد گناہ کبیرہ کا مرتکب یا صغیرہ کا اصرار کرنے والا ہے۔

سے چہرہ دھونا اگر چہ اسے ارکان کی تمیز نہ ہو۔

سوم: امامت کا زیادہ حقدار...... ہمارے اس جدید دور میں نماز کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جسے دین کی زیادہ سمجھ اور نماز کے احکام زیادہ علم ہو یہ تو فقہی مفہوم ہوا البتہ فقہاء نے ایک ترتیب ذکر کی ہے جسے ہر مسلک کے مطابق کرنا بہتر ہے۔

مسلک ❶ حنفی...... نماز کی امامت کا زیادہ حقدار صرف وہ شخص ہے جسے نماز کے احکام کا زیادہ علم ہو کہ کب نماز صحیح اور کب فاسد ہوتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ ظاہری فاحشات (بری باتوں) سے بچتا ہو بقدر فرض قرآن یاد ہو یعنی جس سے نماز جائز ہوتی ہو۔

پھر جو زیادہ اچھی قرأت اور تجوید کرتا ہو نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: قوم کی امامت اللہ تعالیٰ کی کتاب کی زیادہ قرأت کرنے والا کرے۔ اگر قرأت میں برابر ہوں تو جسے سنت کا زیادہ علم ہو ❷ پھر زیادہ متقی یعنی جو شبہات سے زیادہ بچے تقویٰ حرام سے اجتناب کا نام ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اگر تمہیں اس سے خوشی ہوتی ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تمہاری امامت تمہارے علماء کریں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے قاصد ہیں ❸ پھر عمر رسیدہ کیونکہ اس کا خشوع زیادہ ہوگا نیز اس کی وجہ سے جماعت کی کثرت ہوگی۔ نبی علیہ السلام کا ابن ابی ملیکہ سے ارشاد ہے تم دونوں میں بڑی عمر والا امام بنے ❹ پھر جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو لوگوں سے الفت ومحبت سے پیش آتا ہو پھر جس کا چہرہ (زیادہ تہجد گزاری کی وجہ سے) خوبصورت کھلا ہوا ہو پھر جس کا نسب زیادہ شرافت والا ہو پھر جس کے کپڑے زیادہ صاف ہوں اگر ان سب باتوں میں بھی برابر ہو تو پھر قرعہ اندازی کی جائے یا قوم کو اختیار دیا جائے پھر بھی اختلاف ہو تو اکثریت کا اعتبار ہوگا۔

اگر ان میں بادشاہ موجود ہو تو اسے مقدم کیا جائے گا پھر گورنر اس کے بعد قاضی پھر گھر کا مالک اگر چہ وہ گھر اجرت اور کرائے پر لیا ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو کسی قوم سے ملنے جائے تو وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ انہی کا ایک شخص امامت کرے ❺ قاضی کو امام مسجد سے مقدم کیا جائے گا اسی بنا پر بادشاہ یا قاضی کو فوقیت حاصل ہوگی ان میں سے کوئی نہ ہو تو صاحب خانہ آگے ہوگا مسجد کا متعین امام بھی اسی زمرے میں ہے جو مطلقاً دوسروں سے زیادہ امامت کا حقدار ہے۔ ❻

مالکیہ کا مسلک ہے...... بادشاہ یا اس کے نائب کو مقدم کرنا مستحب ہے اگر چہ مسجد میں متعین امام ہو اس کے بعد مخصوص امام پھر گھر میں اس کا مالک کرائے پر لینے والا مالک سے مقدم ہوگا کیونکہ وہ تو اس کے منافع کا مالک ہے اگر گھر کی مالک کوئی عورت ہو تو وہ کسی امامت کے لائق شخص کو اپنا نائب بنائے کیونکہ عورت کی امامت صحیح نہیں بہتر یہ ہے کہ وہ کسی افضل شخص کو اپنا اختیار دیدے پھر دین کی زیادہ سمجھ رکھنے والا (یعنی جیسے نماز کے احکام کا زیادہ علم ہو) پھر جسے سنت یا حدیث کا حفظ وروایت میں زیادہ علم ہو پھر زیادہ قرأت کرنے والا یعنی قرآن کے طرق یا قرأت کی زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور دوسروں سے بڑھ کر حروف کے مخارج پر قدرت رکھتا ہو۔ پھر زیادہ عبادت گزار یعنی صوم وصلوٰۃ کے ذریعہ پھر جو سب سے پہلے اسلام لایا ہو پھر جس کا نسب زیادہ اونچا ہو جیسے قریشی جس کا نسب معلوم ہے اسے مجہول النسب پر توفیت دی جائے گی پھر جس کے اخلاق اچھے ہوں پھر جس کا لباس زیادہ اچھا ہو یعنی حسن وجمال والا ہو اور اس نے ریشم کے علاوہ نیا مباح جائز لباس زیب تن کر رکھا ہو شرعی لحاظ سے اچھا لباس خصوصاً سفید کپڑے ہیں نئے ہوں یا پرانے اگر ان سب چیزوں میں لوگ برابر ہوں تو ایسا شخص مقدم کیا جائے گا جو آزاد پرہیزگار اور شبہات ❼ سے اجتناب کرنے والا ہو زیادہ شریف اس سے مقدم ہوگا جس کا کچھ پتہ نہ ہو باپ بیٹے سے اور چچا

❶......الدرالمختار ۱/۵۲۰، ۵۲۲، فتح القدیر ۱/۲۴۵۔۲۴۸، الکتاب مع اللباب ۱/۸۱، البدائع ۱/۱۵۷۔ ❷رواہ الجماعۃ الا البخاری من حدیث ابی مسعود انصاری (نصب الرایۃ ۲/۲۴) ❸الطبرانی فی معجمہ والحاکم الا انہ قال: فلیومکم خیارکم وسکت عنہ من حدیث ابی مرثد الغنوی سابقہ حوالہ ❹اخرجہ الائمہ الستۃ عن مالک بن الحویرث (حوالہ سابقہ ۲۶) ❺رواہ الخمسۃ (احمد واصحاب السنن) عن مالک بن الحویرث (نیل الاوطار ۳/۱۵۹) ❻الشرح الصغیر ۱/۴۵۴، ۴۵۷، بدایۃ المجتہد ۱/۱۳۹، القوانین الفقہیۃ ۶۸، الشرح الکبیر ۱/۳۴۲، ۳۴۵۔ ❼محرمات میں مبتلا ہونے کے خوف سے شبہات ترک کرنے والا۔

بھتیجے سے مقدم ہوگا اگر ہر چیز میں برابری ہو تو ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی ہاں اگر کسی ایک کی پیشوائی پر سب رضا مند ہوں تو پھر اس کی ضرورت نہیں۔

مسلک شافعیہ...... (۱) یہ ہے کہ امامت کا زیادہ حقدار اپنی سربراہی میں سربراہ ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسرے کی سربراہی میں امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اس کی مخصوص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے (۲) علامہ شوکانی فرماتے ہیں سربراہ سے مراد لوگوں کے کاموں کا ذمہ دار شخص ہے نہ کہ صاحب خانہ وغیرہ اگر اس کے علاوہ کسی کے ہاں ہو تو یا خود آگے ہو جائے یا کسی کو آگے کر دے اگر دوسرا شخص قرآن فقہ احتیاط وفضلیت میں سربراہ سے بڑھ کر ہو پھر بھی سربراہ اپنی سربراہی کی جگہ میں فقیہ اور مالک سے زیادہ حقدار ہے۔
پھر مخصوص امام پھر جو رہائش کا حق رکھتا ہو اگر امامت کا اہل ہو (منافع کا مالک فقیہ سے زیادہ امامت کا مستحق ہے اصح یہ ہے کہ مالک سے کرائے دار کو اور مانگے پر دینے والے سے مانگے پر لینے والے کو مقدم رکھا جائے گا) اگر وہ اہل نہ ہو تو پھر اسے (مالک اور بغیر مانگے پر دینے والے کو) مقدم کیا جائے گا پھر زیادہ فقاہت والا پھر زیادہ قرأت والا پھر زیادہ بچنے والا پھر جو ہجرت میں سبقت رکھتا ہو پھر اسلام میں سبقت لے جانے والا پھر افضل نسب والا پھر اچھے کردار والا پھر زیادہ صاف کپڑوں والا پھر صاف بدن والا پھر اچھے ہنر والا پھر اچھی آواز والا پھر خوبصورت شکل والا پھر شادی شدہ اگر ان مذکورہ صفات میں بھی برابر ہوں اور تنازعہ ابھی باقی ہو تو قرعہ اندازی ہوگی شریف فاسق سے مقدم ہوگا (اگر چہ وہ زیادہ فقیہ اور قاری ہو) بالغ شخص بچہ سے مقدم ہوگا۔ اگر چہ وہ بچہ زیادہ فقیہ اور قاری ہو) آزاد، غلام سے بہتر ہے اور مقیم مسافر سے، حلالی حرامی سے بہتر ہے نابینا آنکھ والے کی طرح ہے کیونکہ نابینے کو مشغول کرنے والی کوئی چیز نہیں دکھتی اس لیے اس کا خشوع زیادہ ہوگا آنکھ والا خبیث شی کو دیکھے گا جس سے اجتناب کرنے کی اسے زیادہ حفاظت کرنا پڑے گی۔

حنابلہ کا مسلک...... (۳) امامت کا زیادہ مستحق اچھی طرح تجوید کرنے والا اور فقہ کی تعلیم رکھنے والا ہے جس کا ثبوت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جب تین شخص ہوں تو ان میں ایک امامت کرائے یہ حق اسے پہنچتا ہے جو زیادہ قرأت کرنے والا ہو (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگے کیا کیونکہ ایک تو وہ قرآن کے حافظ تھے دوسرے وہ تمام صحابہ سے زیادہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ قاری فقیہ سے مقدم ہوگا جس کی دلیل حدیث ابو مسعود رضی اللہ عنہ ہے جو پہلے گزر گئی اللہ تعالیٰ کی کتاب زیادہ پڑھنے والا قوم کی امامت کرے یہ بات دوسرے ائمہ مسالک کے خلاف ہے اس لیے کہ ان کے ہاں جیسا ہم بیان کر چکے ہیں فقیہ کو مقدم رکھا جائے گا اس واسطے کہ جو صحابہ میں زیادہ قاری ہوگا وہ یقیناً زیادہ فقیہ ہوگا بخلاف اس صورت حال کے جس سے (ہم) لوگ آج کل دوچار ہیں چونکہ امامت میں قرأت سے زیادہ فقاہت (مسائل کی سمجھ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے)۔
پھر اچھی تجوید کرنے والا فقیہ پھر وہ جو صرف تجوید سے قرأت کرے، اگر چہ فقیہ نہ ہو جب کہ اسے نماز کے احکام وضروری مسائل کا علم ہو پھر زیادہ فقیہ اور نماز کے احکام کا علم رکھنے والا اس قاری کو جسے نماز کی سمجھ بوجھ نہیں اس فقیہ سے مقدم رکھا جائے گا جو فاتحہ بھی صحیح طریقہ سے نہیں پڑھ سکتا چونکہ یہ نماز کا رکن ہے بخلاف احکام کی پہچان کہ وہ رکن نہیں اگر قاری نہ ہونے میں سب برابر نکل آئیں تو جو نماز کے احکام سے زیادہ واقف ہوگا اسے مقدم کیا جائے گا، اور فقہ وقرات میں برابر ہوں تو زیادہ عمر والا مقدم ہوگا جس کی دلیل حدیث مالک بن حویرث ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے تم میں سے بڑی عمر والا تمہاری امامت کرے پھر جس کا نسب زیادہ شرافت والا ہو امامت کبری پر قیاس کرتے ہوئے وہ

---

(۱)......المهذب ۱/ ۹۸ ۹۹ مغنی المحتاج ۱/ ۲۴۴،۱۴۲ الحضرمية ۷۲،۷۳۔ (۲) رواه احمد ومسلم وفی رواية ابی داؤد: ولا يوم الرجل فی بيته ولا فی سلطانه ورواية سعيد بن منصور لايوم الرجل فی سلطانه الا باذنه (نيل الاوطار ۳/ ۱۵۷)
(۳) المغنی ۲/ ۱۸۱، ۱۸۵، كشاف القناع ۱/ ۵۵۴، ۵۵۶۔ (۴) رواه مسلم وروى ابوداؤد عن ابن عاس مرفوعاً ليؤذن لكم خياركم وليو مكم اقرؤ كم

قریشی ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خلفاء قریش سے ہوں ❶ پھر جس نے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے میں سبقت کی ہو ❷ اسلام میں سبقت کرنے والا بھی اسی زمرے میں شامل ہے حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے اگر لوگ ہجرت کی (فضیلت) میں برابر ہوں تو جو پہلے پہل مسلمان ہوا ہو پھر زیادہ بچنے والا اور پرہیزگار اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عزت و منزلت زیادہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہوگا، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں قرعہ اندازی ہوگی۔

بادشاہ کو بلاتفریق مقدم کیا جائے گا جیسا مسجد میں امام مخصوص کو پیشوائی حاصل ہے اور گھر میں گھر کا مالک مقدم ہوگا اگر اس میں امامت کی صلاحیت ہے۔❸

چہارم: جس کی امامت مکروہ ہے

امامت کے مکروہات...... بعض لوگوں کی امامت مکروہ ہے جن کا ذکر آئے گا۔

ایسا عالم جو کھلے عام گناہ میں مبتلا ہو چکا ہے اپنے جیسے کی امامت کرے یہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ اسے دین کا اہتمام نہیں البتہ حنابلہ نے جمعہ وعیدین کی نماز مستثنیٰ قرار دی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے یہ صحیح ہو جاتی ہیں۔ احناف نے اس جیسے شخص کے لیے اس کی امامت جائز قرار دی ہے کراہت کی دلیل وہ حدیث ہے، جو ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بحوالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے ہرگز کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے نہ کوئی دیہاتی کسی مہاجر کی اور ہرگز کوئی فاجر کسی مومن کی امامت کرے البتہ وہ اسے بادشاہ کے ذریعے دبائے اور اسے اس کی تلوار یا کوڑے کا ڈر ہو اس کی امامت اس لئے صحیح ہے کہ شیخین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور روایت ہے ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔❹

ایسا بدعتی جس کی اس بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ ہوتی ہو فاسق کے حکم میں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے بدعتی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کے خلاف اعتقاد رکھتا ہو اس میں عناد نہ ہو بلکہ اسے کوئی شبہ ہو گیا ہو جیسے شیعہ حضرات کا پیروں پر مسح کرنا اور موزوں پر مسح کرنے کا انکار وغیرہ۔

ملحوظ رہے کہ جو اہل قبلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کی شبہ پر مبنی کسی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی یہاں تک خوارج کہ وہ خوارج جو ہمارا خون اور مال لوٹنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہنا جائز سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر اور اس کے دیدار کے جواز کا انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ بدعت ایک شبہ اور تاویل سے پیدا ہوں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول ہے۔ اگر کوئی بدعتی ضروریات دین میں سے کسی معلوم چیز کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اللہ تعالیٰ کا جسم دیگر اجسام جیسا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب ہوتی ہے "جب وہ اپنے ساتھ سے کہہ رہے تھے" تو ایسے شخص کی اقتداء سرے سے صحیح نہیں۔

۳۔نابینا...... حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا: احناف نے اسے قوم

---

❶ رواہ احمد والنسائی وایضاً عن انس (الفتح الکبیر ۱/۵۰۴) جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے قریش کو مقدم رکھو ان سے آگے نہ بڑھو اسے امام شافعی اور بیہقی نے حوالہ زہری بلاغاً نقل کیا ہے اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے حضرت علی سے طبرانی نے عبداللہ بن سائب سے سب سندیں صحیح ہیں۔ (الجامع الصغیر) ❷ پاس سے ہجرت کے باقی رہنے کا علم ہوا۔ ❸ الدر المختار ۱/۵۲۲، ۵۳۱، مراقی الفلاح ۴۹، فتح القدیر ۱/۲۴۹، البدائع ۱/۱۵۶، الشرح الصغیر ۱/۴۳۹، ۴۴۹، القوانین الفقهیة ۶۷، ۶۹ مغنی المحتاج ۱/۲۳۲، ۲۴۲، المغنی ۲/۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۹، ۲۱۱، کشاف القناع ۱/۵۴۹، ۵۶۶، ۵۷۱، ۵۸۱ الحضرمیة ۷۰۔ ❹ اسے دار قطنی نے بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا۔ یہ منقطع حدیث ہے اللہ کا شکر ہے ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کیا: اپنی ملت والوں کی تکفیر نہ کرو اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کریں اور ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو ہر امام کی اطاعت میں جہاد کرو اہل قبلہ ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو اس میں مجہول راوی ہے۔ (نصب الرایة ۲/۲۶، ۲۷، نیل الاوطار ۳/۱۶۲)

میں زیادہ عالم ہونے کی بنا پر مستثنیٰ قرار دیا کہ وہ زیادہ بہتر ہے جب کہ شافعیہ نے بلا کراہت اس کی امامت جائز کہی کہ وہ بینا کی طرح کیونکہ نابینا زیادہ خشوع والا ہوتا ہے اور بینا نجاست سے بچ سکتا ہے اہر ایک اپنی خصوصیت کا حامل ہے جو دوسرے میں نہیں سب کے نزدیک اس کی امامت صحیح ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ آپ نابینے ہو چکنے کے بعد امامت کیا کرتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن امکتوم کو اپنا نائب مقرر کیا وہ نابینا ہونے کے باوجود امامت کرتے تھے ❶ پھر نابیناپن ایک حاسے کی کمی ہے اس سے نماز کے افعال وشرائط میں سے کوئی چیز خلل پذیر نہیں ہوتی جیسے کسی کی سونگھنے کی حس نہ رہے رتوندی والا جسے رات یا دن میں صحیح دکھائی نہ دے نابینے کے حکم میں ہے۔ حنابلہ کے ہاں بہرا نابینے جیسا ہے اس کی امامت بہتر ہے مقطوع الیدین کی امامت ایک روایت کے مطابق جسے قاضی ابویعلی نے اختیار کیا صحیح ہے اور ایک روایت میں مرجوح (کم درجہ) ہے اس کی امامت صحیح نہیں مقطوع الرجلین کو امام بنانا صحیح نہیں۔

۴......لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت کرنا احناف کے ہاں یہ کراہت تحریمی ہے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جو لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت کے لئے آگے ہو جائے۔ ❷

۵......قرأت اور اذکار میں مسنون مقدار سے زیادہ وقت لگانا مکروہ ہے احناف کے ہاں کراہت تحریمی ہے۔ لوگ رضامند ہوں یا ناراض البتہ شافعیہ اور حنابلہ نے کسی محصور (قید) جماعت کی لمبی نماز پڑھانے پر رضامندی کو مستثنیٰ کیا ہے ان کے لیے نماز لمبی کرنا مستحب ہے کیونکہ یہاں کراہت کی وجہ سے تنفر کرنا موجود نہیں۔ نماز لمبی کرنے کی کراہت پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو لوگوں کی امامت کا موقع ملے تو وہ مختصر نماز پڑھائے کیونکہ بسا اوقات ان میں کوئی کمزور بیمار اور عمر رسیدہ شخص ہوگا اور جب اکیلے نماز پڑھنے لگے تو جتنا جی چاہے لمبی کرے۔ ❸

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض گزار ہوا کہ میں فلاں شخص کی لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے نماز فجر میں تاخیر سے آتا ہوں فرماتے ہیں: میں نے آپ کو اس دن سے زیادہ نصیحت کرنے میں اتنا غضب ناک نہیں دیکھا فرمایا لوگو! تم تنفر کرتے ہو، جو لوگوں کی امامت کرے مختصر نماز پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور بزرگ اور کوئی ضرورت مند ہوگا اس کا مطلب یہ ہے تسبیحات اور دیگر اذکار نماز کی کم سے کم مقدار پر اکتفا کرے۔

۶: اندر آنے والے کا انتظار......شافعیہ ❹ کے علاوہ جمہور کا قول ہے اندر آنے والے کا انتظار کرنا امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ اس کا انتظار عبادت میں شرک ہے جو ریاء ونمود کی طرح ناجائز ہے نیز نمازیوں سے (انتظار کی) مشقت دور کرنے کے لئے کیونکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو جو امام کے ساتھ ہیں ان کا بنسبت آنے والے کے زیادہ پاس ہونا چاہیے لہٰذا اس اندر آنے والے کی وجہ سے انھیں مشقت میں نہ ڈالے۔

شافعیہ......❺ فرماتے ہیں: مسلک کے مطابق امام اور منفرد کے لیے نماز کے مقام میں اقتداء کی غرض سے آنے والے کا رکوع میں انتظار کرنا (ماسوائے صلوٰۃ کسوف کے دوسرے رکوع میں اور اس نماز کے آخری تشہد میں جس کی امامت جائز ہے) مستحب ہے لیکن شرط یہ

---

❶......رواہ ابوداؤد واحمد (نیل الاوطار ۳/ ۱۶۰) وروی البخاری والنسائی ان عتبۃ بن مالک کان یوم قوم وھو اعمی (سابقہ حوالہ) ❷رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو وروی الترمذی عن ابی امامۃ ثلاثۃ تجاوز صلاتھم آذانھم عنھم وامام قوم وھم لہ کارھون (نیل الاوطار: ۳/ ۱۷۶) ❸رواہ الجماعۃ وروی احمد و الشیخان عن انس حدیث فی تخفیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاتہ (نیل الاوطار ۳/ ۱۳۷ نصب الرایۃ ۲/ ۲۹۔ ❹الشرح الصغیر ۱/ ۴۳۲ القوانین الفقھیۃ ۶۹، کشاف القناع ۱/ ۵۵، المغنی ۲/ ۲۳۶۔ ❺الحضرمیۃ ۶۵ المغنی سابقہ حوالہ مغنی المحتاج ۱/ ۲۳۲

ہے کہ وہ رکوع لمبا نہ ہو باین طور کہ اگر سے پوری نماز پر تقسیم کیا جائے تو اس کا اثر ظاہر ہو جائے آنے والوں میں دوستی شرف و منزلت یا سرداری وغیرہ کی بنا پر تا کہ انھیں رکعت مل جائے یا وہ جماعت کی فضیلت حاصل کر لیں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھنا چاہیے احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو اتنا لمبا کرتے تھے یہاں تک کہ قدموں کی چاپ بھی سنائی نہ دیتی تھی اور چونکہ نماز کا منتظر نماز (کے حکم) میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کا انتظار فرماتے نماز خوف میں انتظار مشروع ہے تا کہ اسے دوسرا گروہ حاصل کر سکے۔

ابن قدامہ حنبلی نے شافعیہ کی موافقت کی ہے اور حنابلہ میں سے قاضی کا قول ہے: انتظار جائز ہے، مستحب نہیں، حرمت وعزت والوں مثلاً اہل علم لوگوں کا انتظار کیا جائے گا۔

۷..... زیادہ غلطیاں کرنے والے کی امامت مکروہ ہے جس سے معنی تبدیل ہو جائے جیسے الحمد کی دال پر زیر اور لفظ اللہ کی ھاء پر زبر اور الرب کا زبر پڑھ دے ایسے ہی فاتحہ کے دیگر الفاظ جو غلطی نہ کرتا ہوں اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے فرض ادا کر دیا۔

۸۔ اس شخص کی امامت مکروہ ہے جو بعض حروف صاف نہ کہہ سکتا ہو جیسے ضاد اور قاف البتہ اس کی امامت صحیح ہے خواہ وہ عجمی ہو یا عربی جیسا ہم بتا چکے کہ احناف کے سوا جمہور کے نزدیک تمتو (تاء تا کرنے والے) اور فففو (فافا کرنے والے) کی امامت مکروہ ہے البتہ ان کے پیچھے نماز صحیح ہے کیونکہ وہ حروف مکمل ادا کرتے ہیں صرف اس میں ایک گنا زیادتی واضافہ کرتے ہیں جس میں وہ بے بس ہیں جو ان کے حق میں معاف ہے لیکن اس اضافے کی وجہ سے امام بنانا مکروہ ہے۔

۹۔ دیہاتی کی امامت اپنے علاوہ شہری لوگوں کے لیے چاہے سفر میں ہو مکروہ ہے البتہ اپنے جیسے کے لیے مکروہ نہیں۔ احناف نے ذکر کیا کہ ترکمانی، کردی اور عامی (جسے دین کی سمجھ بوجھ نہ ہو) دیہاتی کی طرح ہے کیونکہ اس میں تند مزاجی ہو گی اور امام سفارشی ہوتا ہے جسے نرمی اور رحمدلی والا ہونا چاہیے جہالت کی وجہ اور جاہل امام کی امامت باوجود عالم کے مکروہ ہے چاہے وہ دیہاتی ہو یا شہری۔ حنابلہ فرماتے ہیں دیندار دیہاتی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۰۔ امام مقتدیوں سے ایک گز یا اس سے زیادہ اونچائی پر خواہ اس کا ارادہ انہیں تعلیم دہی کا ہو یا نہ ہو جس کی دلیل حدیث حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی قوم کی امامت کرے تو ان سے زیادہ اونچی جگہ پر ہرگز نہ کھڑا ہو ❶ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے منع فرماتے تھے اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے مقتدیوں کا امام سے گز یا زیادہ مقدار اونچائی پر ہونا مکروہ ہے اور یہ کراہت اس قید سے مقید ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کے مقام پر کوئی ایک مقتدی بھی نہ ہو اگر ایک یا زیادہ مقتدی اس کے ساتھ پائے گئے تو پھر مکروہ نہیں۔ مالکیہ نے اس سے نماز جمعہ کا استثناء کیا ہے کیونکہ وہ چھت پر باطل ہے جیسا کہ انہوں نے شافعیہ کی معیت میں اس بات کو مستثنیٰ کیا ہے کہ ضرورت وحاجت یا مقتدیوں کو نماز کی کیفیت کی تعلیم دینے کے لیئے بلندی پر ہونا جائز ہے لیکن جب بلندی پر امام نے تکبیر کا قصد کیا تو نماز کی غرض کے منافی ہونے کی وجہ سے امام اور مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ کے ہاں کراہت اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو امام سے زیادہ پست جگہ پر ہو اس کی وجہ سے کراہت نہیں جو اس کے ساتھ یا اس سے اونچا ہو کیونکہ یہ مفہوم پست جگہ والے میں پایا گیا نہ کہ دوسروں میں۔ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں تھوڑی بلندی جیسے منبر کی سیڑھی یا بالشت یا گز کے الگ بلند ہونے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مالکیہ نے لوگوں کو نماز کی تعلیم کے لیئے بلندی پر ضرورتاً کھڑے ہونے کو مستثنیٰ کیا ہے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے سب سے نچلے درجہ (سیڑھی) پر نماز پڑھی۔ ❷

۱۱..... حنابلہ کے علاوہ دوسروں کے ہاں دوسرے آدمی کے ہوتے ہوئے حرامی کے پیچھے نماز مکروہ ہے کیونکہ اس کے باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے جو اس کی تعلیم وتربیت کر کے اسے ادب سکھاتا لہٰذا عموماً وہ جاہل ہوتا اور لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے احناف کے ہاں اس کی

❶..... رواھما ابو داؤد (نیل الاوطار ۱۹۳/۳) ❷ متفق علیہ (حوالہ سابقہ)

امامت اس شرط سے مکروہ ہے کہ اگر وہ جاہل ہولیکن جب عالم پرہیز گار ہوتو اس کی امامت مکروہ نہیں کیونکہ کراہت نقائص کی وجہ سے ہے نہ کہ ذات کی بنا پر ہے اسی طرح مالکیہ کے ہاں اگر اسے مخصوص امام بنایا تو مکروہ ہے شافعیہ اسی جیسے کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

مسالک میں امامت کے مکروہات:

مسلک حنفی...... ❶ خوبصورت چہرے والے بے ریش لڑکے کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر چہ وہ پوری قوم میں سے زیادہ عالم ہو اگر اس کی امامت سے فتنہ اور شہوت کا اندیشہ ہو ورنہ بظاہر کوئی کراہت نہیں۔ بے وقوف (جو عقل وشریعت کے مطابق تصرف نہ کر سکے) کی امامت فالج زدہ، برص والا جس کے نشانات پھیلے ہوں۔ کوڑھی، جس کا آلہ کٹ چکا ہو، پیشاب روکے ہوئے کی، وہ لنگڑا جو کچھ پاؤں ٹیک کر چلتا ہو، ہتھ کٹا، شرابی، ❷ سود خور، چغل خور (جو لوگوں میں فساد کی غرض سے باتیں منتقل کرے چغل خوری کبیرہ گناہ جس کا قبول کرنا انسان کے لیے حرام ہے) دکھاوا کرنے والا (جس کا قصد وارادہ لوگوں کو دکھانا ہو چاہے عبادات کو اچھا کرنے کی کوشش کرے یا نہ کرے، تصنع وبناوٹ (جو عبادات کو اچھا کرنے کا تکلف) کرنے والے کی امامت مکروہ ہے جو اجرت پر لوگوں کی امامت کرے البتہ اگر وقف پر دینے والا اس کے ساتھ اجرت کی شرط لگائے تو اس کی امامت مکروہ نہیں جیسے وہ صدقہ یا امداد کے طور پر لے گا بڑی جماعت کی امامت کراتے ہوئے امام مخصوص کا محراب سے ہٹ کر کھڑے ہونا مکروہ تنزیہی ہے تا کہ اس کا درمیان میں قیام کرنا لازم نہ آئے اگر ایسا نہیں تو کوئی کراہت نہیں جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

مسلک مالکی...... ❸ جس شخص کو مسلسل کسی چیز کے آنے کی بیماری ہو جیسے پیشاب وغیرہ اور جس کا پھوڑا بہتا رہتا ہو انھیں صحیح سالم آدمی کی امامت کرانا مکروہ ہے انہی میں ایسا شخص شامل ہے جسے اتنی نجاست لگی ہو جو معاف ہے البتہ اپنے جیسے نجاست لگے (ہوئے شخص) کی امامت کرنا مکروہ نہیں۔

جس کے آلہ کی کھال بڑھی ہو یا وہ بے ختنہ ہو اس کی اور مجہول حال جس کا پتہ نہیں کہ شریف ہے یا اوباش اور جس کے نسب (باپ دادا) کا علم نہ ہو اس کی امامت مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کی امامت کسی کسی وقت مکروہ ہے...... خصی (خواجہ سرا) اور جو عورتوں کی طرح نرمی سے گفتگو کرے اور حرامی کو فرض یا سنت جیسے عید ہوگئی میں مستقل امام بنانا مکروہ ہے البتہ جب اسے مخصوص امام نہیں بنایا گیا تو پھر مکروہ نہیں، ستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہے بلاضرورت مقتدی کا امام سے آگے نماز پڑھنا البتہ ضرورت ہو تو مکروہ نہیں۔

بحری جہاز کے نچلے طبقہ کا اوپر والے طبقہ کی اقتداء کرنا مکروہ ہے کیونکہ انھیں اپنے امام کی حالت نظر نہیں آئے گی بسا اوقات کشتی، جہاز گھوم بھی جاتا ہے جس سے نماز میں خلال واقع ہوگا اس کے برخلاف یعنی اوپر والے نیچے والوں کی اقتداء کریں تو مکروہ نہیں اسی طرح جبل ابی قبیس والا مسجد حرام والے کی اقتداء کرے (یہ پہاڑ اونچائی پر حجر اسود کے رکن کے سامنے ہے کیونکہ امام کے مکمل افعال پر قدرت نہیں ہوگی۔ ایک مرد عورتوں کے درمیان یا ایک عورت مردوں کے درمیان نماز پڑھے مکروہ ہے۔ مسجد میں امام اپنے کندھوں پر چادر ڈالے بغیر امامت کرائے تو مکروہ ہے یہی کیفیت مقتدی یا اکیلے نماز پڑھنے والے کی ہے تو مکروہ نہیں خلاف اولیٰ ہے کیونکہ چادر ہر نمازی کے لئے مستحب ہے اور امام کے واسطے مستحب کی زیادہ تاکید ہے امام کا محراب میں نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ امامت کی حالت میں وہ اس کا مستحق ہے نیز دیکھنے والے کو وہم ہوسکتا کہ وہ فرض پڑھا رہا ہے اور اس کی اقتداء کرنے لگ جائے مخصوص امام سے پہلے مسجد جماعت نماز مکروہ ہے وراس کے ساتھ حرام ہے جیسے مخصوص امام کی جماعت کے بعد یا جماعت نماز مکروہ ہے جیسا ہم پہلے جماعت کی تکرار میں بیان کر چکے ہیں

---

❶ الدر المختار وردالمحتار ۱/۵۲۵، ۵۳۱۔ ❷ ایسا شخص فاسق کے زمرے میں آتا ہے۔ ❸ الشرح الصغیر ۱/۴۳۹، ۴۴۹

کہ اگر وہ کسی اور کو اس کی اجازت دے۔

بعض لوگوں کی امامت باوجود خلاف اولیٰ ہونے کے جائز ہے جو یہ ہیں...... چنانچہ نابینا، فروع میں مخالف اور لکنت والے (جو بعض حروف کو عجمی وغیرہ ہونے کی بنا پر صحیح مخرج سے ادا نہ کر سکے) کے پیچھے نماز جائز ہے مثلاً وہ لکنت والا حاء کو ھا سے راء کو لام سے یا ضاد کو لام سے بدل دے۔

جس پر تہمت لگانے کی حد لگی یا اس نے شراب پی یا ان کے علاوہ کوئی اور جس کا آلہ ❶ کارگر نہ وہ ہاتھ کٹا یا پیر کٹا یا جس کا ہاتھ پاؤں شل ہے یہی راجح قول ہے کہ ان کی امامت جائز ہے جذامی کوڑھی کی امامت جائز ہے لیکن جب اس کا جذام بڑھ جائے تو اسے امامت سے ہٹانا بلکہ لوگوں سے میل جول سے دور رکھنا ضروری ہے۔

بچہ اپنے جیسے بچہ کی امامت کر سکتا ہے جیسا ہم بیان کر آئے ہیں بن دوڑے تیز رفتار سے چلنا تاکہ جماعت مل جائے جائز ہے مسجد میں بچھو سانپ اور چوہے کو مارنا جائز ہے اور ایسے بچے کو بھی مسجد لایا جاسکتا ہے جو فضول حرکات نہ کرتا ہو اور منع کرنے سے رک جاتا ہو ورنہ اسے مسجد لانا ممنوع ہے جس مسجد میں کنکریاں یا مٹی ہو یا چٹائی کے نیچے معمولی تھوک جائز ہے لیکن زیادہ تھوکنا یا اس مسجد میں تھوکنا جس میں پتھروں کا فرش ڈلا ہوا ہے یا چٹائی پر تھوکنا یا مسجد کی دیوار پر تھوکنا گھن کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اپنے رومال میں تھوکنا بہتر ہے یا پھر بائیں یا اپنے بائیں قدم تلے تھوک دے۔ اگر مشکل ہو تو دائیں جانب ادھر بھی مشکل ہو تو سامنے تھوک دے۔ جیسا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ جس عورت میں مردوں کو رغبت نہ ہوں وہ جماعت اور عید کے لیے نکل سکتی ہے جس کی تفصیل عورتوں کا مساجد جانا میں گزر چکی ہے۔ چھوٹی نہر رستے یا فصل وغیرہ سے امام اور مقتدی کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جانا کہ امام کے افعال دیکھ سکے اور اس کی آواز سن سکے اور نماز میں خلل پڑنے سے مامون ہو تو جائز ہے۔ اور یہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ جمعہ کے علاوہ امام سے مقتدی کا اونچی جگہ ہونا اگر چہ چھت پر ہو خلاف اولیٰ ہونے کے باوجود جائز ہے کیونکہ جمعہ مسجد کی چھت پر صحیح نہیں تھوڑی اونچائی یا ضرورت یا مقتدیوں کو نماز کی کیفیت کی تعلیم دکھانے کے لئے امام کا اونچی جگہ کھڑا ہونا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے اور اگر اونچائی سے تکبر کا ارادہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی امام کے پیچھے آواز پہنچانا اور لوگوں کا مبلغ کی آواز سن کر اقتداء کرنا جائز ہے امام یا مقتدی کو دیکھ اقتداء کرنا جائز ہے اگر چہ مقتدی کسی حویلی میں اور امام مسجد میں ہو اس تک پہنچنا شرط نہیں۔

مسلک شافعی...... ❷ جو شخص امامت کا مستحق نہیں زور سے اس پر قابض ہے اس کی امامت مکروہ ہے اور جو نجاست سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا اور جو کوئی گھٹیا پیشہ کرتا ہو جیسے سینگی لگانا اور جسے زیادہ لوگ کسی مذموم (برے) کام پر اکسائیں جیسے زیادہ ہنسانا اور جس کے باپ کا پتہ نہ ہو اور ولد زنا حرامی ان کی امامت مکروہ لیکن یہ اپنے جیسوں کی امامت کرا سکتے ہیں جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسی طرح بچے کی امامت مکروہ ہے اگر چہ وہ بالغ سے زیادہ فقیہ ہو جیسا ہم ذکر کر آئے ہیں ففوؔو (واو واو کرنے والا) تتو اور ایسی غلطی کرنے والا جس سے معنی میں تبدیلی نہ ہو جیسے اللہ کی کا پیش صراط کے صاد کا پیش احد نا کا ھمزہ وغیرہ اگر ایسی واضح غلطی کی جس سے معنی تبدیل ہو جائے مثلاً انعمت کی تاء پر پیش یا زیر پڑھ دی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جسے سیکھنا ممکن ہو اور اگر اس کی زبان اس کی ادائیگی سے عاجز ہو یا اس کی ممکنہ تعلیم کا وقت نہ گزرا ہو تو دو صورتیں ہیں۔ اگر فاتحہ میں ہو تو وہ ان پڑھ کی طرح ہے جدید قول میں قاری ان پڑھ کی اقتداء نہیں کر سکتا رہی فاتحہ کے علاوہ کی حالت تو کوئی ایسی آیت تھی۔ مثلاً ان اللہ بریئ من المشرکین ورسولہٗ رسولہٗ کی لام پر زیر پڑھ دیا تو اگر وہ عاجز ہو یا جاہل ہو اور اس کی ممکن تعلیم کا وقت ابھی ہیں اور یا بھولنے والا ہو تو اس کی نماز اور اسے امام بنانا صحیح ہے کیونکہ تھوڑا کلام ان شرائط سے نماز میں برا اثر نہیں کرتا۔ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں کہ فروع میں مخالف کی امامت مکروہ ہے اور بلا ضرورت مثلاً مسجد کی جگہ تنگ ہے امام کی جگہ مقتدیوں کی جگہ سے یا مقتدیوں کا

---

❶ جس کا آلہ اتنا چھوٹا ہو کہ اس سے وظیفہ زوجیت ادا نہ کر سکے یا اس میں انتشار نہ ہوتا ہو۔ ❷ مغنی المحتاج ۱/ ۲۳۰، ۲۴۱، الحضرمیۃ ۷۳

مقام امام سے اونچا ہو مکروہ ہے اندھے کی امامت مکروہ نہیں۔

مسلک حنبلی...... ❶ جیسا ہم بتا چکے ہیں ان لوگوں کے ہاں ان اشخاص کی امامت مکروہ ہے: اندھا، رتوندی والا، بہرا، بے ختنہ اگر چہ بالغ ہو ❷ دونوں ہاتھ کٹا یا ایک ہتھ کٹا، مقطوع الرجلین صرف اپنے جیسے کی امامت کرائے تو صحیح ہے اس لیے کہ اسے قیام کی کوئی امید نہیں تو جیسے لمبے عرصے کے مریض کی نماز کی امامت صحیح نہیں اس کا بھی یہی حکم ہے اصح قول یہ ہے ایسا مقطوع الرجلین یا جس کا ایک پیر کٹا ہوا اور وہ کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کی امامت باوجود کراہت کے صحیح ہے کیونکہ وہ اپنے باقی پاؤں یا اس کے حائل پر سجدہ کرے گا جس کی صورت یہ ہے کہ وہ لکڑی وغیرہ کے پاؤں بنالے نکٹے اور جس کی صورت یا حالت دیکھ کر ہنسی آتی ہو یا جس کی امامت صحیح ہونے میں اختلاف ہو ایک رائے میں کہیں عامی شخص اس کی اقتداء نہ کرے۔ ان کے ظاہری کلام سے پتہ چلتا ہے مکروہ نہیں۔ جیسا ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ففو تو اور جو بعض حروف صاف نہ بول سکتا ہو جیسے ضاد قاف اور ایسی غلطی کرنے والا جس سے معنی میں تبدیلی نہ ہو ان لوگوں کی نماز مکروہ ہے مثلاً الحمد للہ کی دال پر زیر پڑھ دے جس سے لفظی غلطی نہ ہوتی تو اس کی نماز صحیح ہے اس لیے کہ اس نے فرض قرأت ادا کر دی۔

اسی طرح امام کی جگہ مقتدیوں سے ایک گز یا زیادہ اونچی ہونا مکروہ ہے نہ کہ اس کا برعکس مقتدیوں کے مقام سے اونچا ہونے سے کراہت نہیں جس نے جمعہ کی نماز مسجد کی چھت پر پڑھی اسے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں امام شافعی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھی اسی روایت کو سعید بن منصور نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ایسی قوم کی امامت کرنا مکروہ ہے جس کی اکثریت امام کی دینی یا عزت میں کوتاہی کی وجہ سے امامت نہ چاہتے ہوں۔ اگر آدھے اسے مجبور کریں تو مجبور نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی امامت نہ کرے تا کہ یہ اختلاف دور ہو جائے اسے امام بنانا مکروہ نہیں کیونکہ اس کے حق میں کراہت ان کے علاوہ لوگوں کو ہے اجنبی عورتوں کی امامت جن کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اکیلے مرد کے لیے مکروہ ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنے سے منع فرمایا ہے ❸ اس سے وساوس کا اندیشہ۔

اپنی محرم عورتوں کی امامت میں کوئی حرج نہیں یا عورتیں اجنبی ہوں لیکن ان کے ساتھ ایک یا زیادہ مرد ہوں اس لئے کہ عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں حاضر ہوتی تھیں، افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت مکروہ ہے۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے جب کوئی شخص ایسی قوم کی امامت کرے جس میں اس سے بہتر شخص ہو تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں پڑتی جائے گی۔ ❹

حرامی، راہ سے ملے، لعان کی وجہ سے جلاوطن، آختہ (خصی) فوجی اور دیہاتی کی امامت میں کوئی حرج نہیں جب ان کا دین سلامت اور ان میں صلاحیت امامت موجود ہو۔ اس لیے کہ آپ علیہ السلام کا فرمان عام ہے قوم کی امامت زیادہ قرأت کرنے والا کرے سابقین اولین صحابہ نے ابن زیاد کے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ ان کے نسب نسبت میں لوگوں کو تامل تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں اس پر اس کے والدین کوئی بوجھ نہیں فرمانی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور چونکہ ان میں کا ہر شخص آزاد اور اپنی دین داری میں پسندیدہ تو وہ دوسروں کی طرح صلاحیت رکھتے ہیں۔

پنجم: مقتدی کے بجائے صرف امام کی نماز کب فاسد ہوتی ہے...... احناف ❺ اگر امام کو حدث (بے وضوگی) یا جنابت لاحق

---

❶......المغنی ۲/۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۹، ۲۳۰، کشاف القناع ۱/۵۵۶، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۸۱۔ ❷ اس کی امامت کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے قلفہ کے نیچے کوئی نجاست ہے بھی تو اسے دھونا ممکن نہیں وہ معاف ہے اور اس قسم کی نجاست کا نماز پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ❸ رواہ البخاری و مسلم عن ابن عباس: لا یخلون رجل با مراۃ الا ومعہا ذو محرم ولا تسافر والمرأۃ الامع ذی محرم (سبل السلام ۲/۱۸۳) ❹ ذکرہ احمد فی رسالتہ، سفال پستی بلند کا متضاد ہے۔ ❺ الدر المختار وردالمختار ۱/۵۵۳، ۵۶۷ الکتاب شرح اللباب ۱/۸۴۔

ہوئی یا تکبیر امام سے پہلے مفسد صلوۃ کوئی امر پیش آیا یا مقتدی کی تکبیر کے ساتھ یا امام کی تکبیر کے بعد اور مقتدی کی تکبیر سے پہلے پیش آیا تو اسی صورت میں امام مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔ چونکہ مقتدی کی نماز کا صحیح اور فاسد ہونا امام کی نماز پر موقوف ہے یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہوتی ہے تو جب امام کی۔

نماز صحیح تو مقتدی کی صحیح البتہ کوئی رکاوٹ ہو اور جب امام کی نماز فاسد تو مقتدی کی بھی فاسد چونکہ جب کوئی چیز فاسد ہوتی ہے جو اس کے ضمن میں ہو وہ بھی فاسد ہو جاتی ہے جس نے ایسے امام کی اقتداء کی بعد میں پتہ چلا کہ امام صاحب بے وضو تھے بالاتفاق نماز لوٹائے گا اس کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر کوئی مفسد طاری ہو جائے یا شرط یا رکن میں خلل واقع ہو جائے تو ابتدا نماز منعقد ہو گی پھر خلل یا حدث کے ہوتے ہوئے امام کی نماز باطل ہو جائے گی مقتدی اپنی نماز نہیں لوٹائے گا جیسے (نعوذ باللہ) امام مرتد ہو گیا یا ظہر با جماعت پڑھنے کے بعد جمعہ کے لیے چل پڑا تو فقط امام کی نماز فاسد ہے ایسا ہی اگر مقتدیوں کے منتشر ہو چکنے کے بعد سجدہ تلاوت کی طرف لوٹ آیا یا امام کے قدر تشہد بیٹھنے کے بعد اگر قوم نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا پھر امام کو حدث لاحق ہوا تو صرف امام کی نماز باطل ہے اسی طرح لوگوں نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہیں کیا اور پھر حدث لاحق ہوا تو صرف امام کی نماز باطل ہے۔

ان مسائل میں امام کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور مقتدی کی نماز صحیح رہتی ہے اور سابقہ قاعدہ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہے) نہیں ٹوٹتا اس لیے کہ یہ فساد نماز سے فراغت کے بعد امام کی نماز پر طاری ہوا ہے لہٰذا فی الحقیقت نہ کوئی امام تھا اور نہ مقتدی۔

مالکیہ ❶ امام نے جب جنابت یا بغیر وضو کی حالت میں نماز پڑھائی تو عمد (جان بوجھ کر) ونسیان (بھولے سے) بالاتفاق نماز باطل ہو جائے گی اور مقتدی کی نماز عمد میں باطل ہے نسیان میں باطل نہیں۔

شافعیہ ❷ جب پتہ چل گیا کہ امام عورت تھی یا کافر تھا تو مقتدی کے لیے نماز کا اعادہ واجب ہے اس واسطے کہ اس نے نیک امام کی تلاش باوجود قدرت ترک کی نیز امام امامت کا اہل نہ تھا۔

البتہ جب امام کا جنبی بے وضو ہونا یا کپڑے بدن پر نجاست خفیفہ والا ظاہر ہوا تو اس صورت میں مقتدی پر نماز کا اعادہ ضروری نہیں کیونکہ یہ کوتاہی مفقود ہے صرف جمعہ کی نماز مستثنیٰ جب بے وضو یا نجاست لگی امام کے ساتھ صرف چالیس ۴۰ نمازی ہوں اگر نجاست ظاہری ہو تو مقتدی کے لیے نماز کا اعادہ واجب ہے اس واسطے کہ اس حالت میں کوتاہی پائی جا رہی ہے نجاست ظاہری یہ ہے جس میں مقتدی تھوڑی غور و فکر سے کام لے دیکھ لے اور خفیفہ اس کے برخلاف ہے۔

حنابلہ...... ❸ جب معلوم ہوا کہ امام عورت یا کافر ہے تو حسب قول شافعیہ نماز کا اعادہ مقتدی کے لیے ضروری ہے کیونکہ عورت آواز اور چال ڈھال سے پہچان لی جاتی ہے اور کفر بھی عموماً مخفی نہیں رہتا لہٰذا اس سے ناواقف کوتاہی کرنے والا شمار ہوگا۔

جس بے وضو اور نجاست والے کو پتہ ہے اس کی امامت صحیح نہیں کیونکہ اس نے باوجود قدرت کے نماز کی شرط میں خلل ڈالا جو مذاق کرنے والے کے حکم میں ہے امام کو اپنے بے وضو ہونے یا نجاست لگے ہونے کا علم ہو تو مقتدی اپنی نماز لوٹائے اگر چہ اسے امام کی حالت کا پتہ نہ ہو لیکن جب امام ہی دونوں باتوں (بے وضو اور نجاست) سے بے خبر ہے اور مقتدیوں کا بھی یہی حال ہے یہاں تک نماز مکمل کر چکے تو امام کے بجائے صرف مقتدی کی نماز صحیح ہے جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے جب جنبی کسی قوم کی امامت کرے تو وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے (مقتدی) قوم کی نماز صحیح ہے اسی بنا پر امام نے جب حدث یا جنابت کی حالت میں جماعت کرائی جس کا نہ اسے علم ہے اور نہ مقتدیوں کو یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے تو بالاتفاق مقتدیوں کی نماز صحیح اور امام کی نماز باطل ہے۔

---

❶ ......القوانین الفقهیة ٦٩ ـ ❷ مغني المحتاج ٢٤١/١، المهذب ٩٧/١ ـ ❸ كشاف القناع ٥٥٩/١، ٥٦٤، ٥٦٥، المغني ٩٩/٢ ـ ❹ بداية المجتهد ١٥٠/١

ششم: جس سے امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے.....سابقہ نکتے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دوران نماز جب امام پر حدث طاری ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے مقتدیوں کی نماز بدستور قائم رہے گی رہی یہ صورت کہ جب امام نے جنابت یا حدث کی حالت میں نماز پڑھائی اور مقتدیوں کو نماز سے فراغت کے بعد پتہ چلا تو کیا ان کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ جس کا جواب سابقہ نکتے میں دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے احناف: ان کی نماز مطلقاً فاسد ہے۔

مالکیہ.....عمد کی حالت میں فاسد ہے نسیان میں فاسد نہیں شافعیہ اور حنابلہ: ان کی نماز صحیح ہے ماسوائے جمعہ کے جب امام کی معیت میں صرف چالیس نمازی ہوں تو ان کی نماز فاسد ہے۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا مقتدی کی نماز کی صحت امام کی نماز کے صحیح ہونے پر ہے یا اس کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ جن کے ہاں ارتباط و تعلق ہے" وہ احناف ہیں ان کے بقول: ان کی نماز فاسد ہے اور جن کے ہاں تعلق وارتباط نہیں وہ شافعیہ اور حنابلہ ہیں ان کے بقول: ان کی نماز صحیح ہے اور جنہوں نے عمد و سہو میں فرق کیا ہے وہ مالکیہ ہیں جن کا مسلک اس روایت سے ماخوذ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا آغاز کر کے تکبیر تحریمہ کہی ہی تھی کہ پھر انھیں اشارہ کیا کہ اسی طرح ٹھہرے رہو آپ اندر داخل ہوئے تھوڑی دیر بعد باہر تشریف لائے آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے انھیں نماز پڑھائی نماز پڑھا چکنے کے بعد فرمایا: میں بھی تم ہی جیسا ایک انسان ہوں واقعہ یہ تھا کہ میں جنابت سے تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسی پر اپنی نماز کی بنا کی ہے شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر نماز مرتبط (جڑی ہوئی) ہوتی تو ضروری تھا کہ وہ دوسری بار نماز شروع کرتے۔

ہفتم: امام مقتدی کی کس چیز کا ذمہ دار ہے.....امام مقتدی کے سجدہ سہو کا ذمہ دار ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام مقتدی کی قرأت کے سوا نماز میں کسی چیز کا ذمہ دار نہیں اس میں بھی ان کا اختلاف تین اقوال میں ظاہر ہوا ہے۔ ❶

قول اول: مالکیہ وحنابلہ کا ہے.....مقتدی امام کے ساتھ سری نماز میں قرأت کرے گا اور جہری میں قرأت نہیں کرے گا اسی طرح حنابلہ کے ہاں اس جہری نماز میں قرأت کرے گا جس میں امام کی آواز سنائی نہ دے جب سنائی دے تو پھر قرأت نہ کرے۔ ❷

دوسرا قول احناف کا ہے: مقتدی مطلقاً (امام کے ساتھ) قرأت نہ کرے۔

تیسرا قول شافعیہ کا ہے: سری نمازوں میں فاتحہ وغیرہ کی قرأت کرے اور جہری میں صرف فاتحہ پڑھے۔

اصل میں اس سلسلہ میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس موضوع کی احادیث مختلف ہیں ایسی کل چار احادیث ہیں جو ارکان نماز میں گزر چکی ہیں۔

۱.....نماز فاتحہ بنا نہیں ہے۔

۲.....حدیث مالک بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں جہری قرأت کی تھی فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی تھی ایک شخص نے عرض کیا: جی میں نے یارسول اللہ! فرمایا: میں بھی کہوں کہ کیا ہوا ایسا لگتا تھا جیسا کہ قرآن کے پڑھنے میں کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے میں پڑھتا ہوں اور مجھے پڑھنے نہیں دیتا پھر جن نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہری قرأت کرتے لوگ ان میں آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے باز آ گئے۔

۳.....حدیث عبادہ بن الصامت فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی آپ کے لئے قرأت کرنی مشکل ہوگئی جب

---

❶.....بدایۃ المجتہد ۱/۱۴۹۔ ❷ان کا کہنا ہے کہ امام کے سکتوں میں مقتدی کا قرأت فاتحہ کرنا مسنون ہے چاہے یہ سکتہ سانس لینے کے لئے ہو فاتحہ کو ٹکڑوں میں پڑھنا بھی ٹھیک ہے سری نمازوں میں اس کی قرأت مسنون ہے جس کی دلیل ابن ماجہ کی عبداللہ بن جابر سے مروی روایت ہے ظہر وعصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور سورہ پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ (کشاف القناع ۱/۵۴۴)

نماز سے فارغ ہوئے فرمایا: لگتا ہے تم (اپنے) امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: سوائے سورۃ فاتحہ کے ایسا نہ کیا کرو۔ (1)

۴.....حضرت جابر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ہے آپ نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے (2) اس مفہوم کی ایک پانچویں حدیث ہے جسے امام احمد نے صحیح کہا ہے جو یہ ہے "جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو ان احادیث کی تطبیق وجمع میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ شافعیہ قرأت کی ممانعت سے جہری نمازوں میں صرف فاتحہ کو حدیث ابن الصامت رضی اللہ عنہ پر عمل کرتے ہوئے مستثنیٰ کیا ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ نے حدیث "نماز صرف فاتحہ سے ہوتی ہے" کے عموم سے جہری نمازوں میں صرف مقتدی کو مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ حدیث ابوہریرہ میں جہری نماز میں قرأت کی ممانعت ہے جس کی تاکید اللہ تعالیٰ کے ارشاد "جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اخاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے" فرماتے ہیں یہ حکم نماز کے متعلق ہے۔

احناف نے صرف مقتدی نماز پر جو قرأت واجب ہے اس کا استثناء کیا ہے چاہے جہری نماز ہو یا سری اور قرأت کے متعلق وجوب کو فقط امام اور منفرد کے لیے قرار دیا ہے جس کے ذریعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہو جائے گا اس لحاظ سے حدیث جابر نبی علیہ السلام کے ارشاد جتنا تو آسانی سے پڑھ سکے اتنا قرآن پڑھ کی تخصیص کردے گی اس لیے کہ وہ نماز میں فاتحہ کی قرأت کے واجب ہونے کے قائل نہیں وہ تو مطلقاً قرأت کے واجب ہونے کے قائل ہیں دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

حنابلہ کی ذکر کردہ باتیں جنہیں امام مقتدی کی طرف سے برداشت کرسکتا ہے

حنابلہ.....(3) فرماتے ہیں: امام مقتدی کی طرف سے آٹھ چیزوں کا ذمہ دار ہے۔

فاتحہ، جب مقتدی امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو (جسے لاحق کہتے ہیں) سجدہ سہو کا اس کے آگے سترے کا جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے پہلے تشہد کا جب چار رکعتی نماز میں امام ایک رکعت میں آگے نکل چکا ہو کیونکہ اتباع واجب ہے اس سجدہ تلاوت کا جسے مقتدی امام کی نماز میں پڑھے جب امام تلاوت کے لیے سجدہ کرے جسے اس نے سری نماز میں پڑھا ہو سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کا مِلْءُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءُ الْاَرْضِ آخر تک تحمید کے بعد کہنے کا دعائے قنوت اگر مقتدی اس کی آواز سن رہا ہو تو آمین ہی کہے ورنہ قنوت پڑھے۔

حنفیہ اور مالکیہ.....فاتحہ اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے اور مل السموات والارض کہنے میں حنابلہ کے موافق ہیں جیسا کہ بقیہ مسالک باقی مسائل میں ان کے موافق ہیں۔

ہشتم: امام کے مخصوص احکام.....امام کے ساتھ چار مسائل خصوصی تعلق رکھتے ہیں جو یہ ہیں: قرأت فاتحہ کی فراغت کے بعد آیا امام آمین کہے گا یا صرف مقتدی آمین کہے گا؟ امام تکبیر تحریمہ کب کہے امام کو جب التباس ہو جائے تو کیا مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں آیا امام کی جگہ مقتدیوں کی جگہ سے اونچی ہو سکتی ہے۔

مسالک میں ان مسائل کے احکام سے تو ہم واقف ہو چکے ہیں صرف ان میں سے دوسرا حکم باقی ہے جس کے متعلق ہم یہاں اختصار سے گفتگو کریں گے۔ (4)

---

(1).....قال ابن عبدالبر: حدیث عبادة هنا من رواية مكحول وغيره متصل السند صحيح۔ (2) حدیث جابر کو صرف جابر جعفی نے ہی مرفوع روایت کیا اور جابر جعفی تنہا روایت میں حجت نہیں ابن عبدالبر فرماتے ہیں یہ حدیث صرف جابر سے مرفوع روایت کی جاتی ہے۔ (3) کشاف القناع ۱/۵۴۴۔ (4) بداية المجتهد ۱/۱۴۱، ۱۴۳

پہلا مسئلہ: قرأتِ فاتحہ کے بعد کیا صرف امام آمین کہے یا صرف مقتدی ہی آمین کہے..... امام مالک کا مذہب ہے کہ وہ آمین نہ کہے، جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ مقتدی کی طرح آمین کہے ان کے اختلاف کا سبب بظاہر دو متعارض حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہا کرے تو تم بھی آمین کہا کرو اس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے ❶ دوسری بھی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہا کرے تو تم آمین کہا کرو۔ ❷

سو پہلی حدیث امام کی آمین میں نص ہے اور دوسری حدیث سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ امام آمین نہ کہے اس لئے کہ اگر وہ آمین کہتا تو امام کے آمین کہنے سے پہلے مقتدی کو فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنے کا حکم نہ ہوتا اس واسطے کہ امام جیسا کہ حدیث میں ہے نبی علیہ السلام کا فرمان ہے امام اقتداء کے لیے بنایا جاتا ہے امام مالک نے دوسری حدیث جو انہوں نے روایت کی اسے ترجیح دی ہے کیونکہ آمین کہنے والا (مقتدی) سننے والا ہوتا ہے نہ کہ قاری جو دعا کر رہا ہے جب کہ جمہور نے پہلی حدیث کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ وہ موضوع کے متعلق نص ہے اس میں امام کا کوئی حکم نہیں۔ اس میں اور دوسری حدیث میں صرف مقتدی کی آمین کہنے کی جگہ میں اختلاف ہے اس میں اختلاف نہیں کہ آیا امام آمین کہے یا نہ کہے۔

دوسرا مسئلہ: امام کب تکبیر تحریمہ کہے...... جمہور فرماتے ہیں: صفیں سیدھی ہونے اور اقامت مکمل ہونے کے بعد ہی امام تکبیر تحریمہ کہے۔

احناف...... تکبیر کا مقام اقامت مکمل ہونے سے پہلے ہے چنانچہ ان کے ہاں بہتر یہی کہ اقامت کہنے والا مؤذن جب **قد قامت الصلوٰۃ** کہے امام تکبیر کہے۔

اختلاف کا سبب حدیث انس رضی اللہ عنہ اور حدیث بلال رضی اللہ عنہ بظاہر تعارض ہے حدیث انس رضی اللہ عنہ یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہنے سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ایک دوسرے سے مل کر اپنی صفیں بناؤ اس لئے کہ بسا اوقات میں تمہیں (بذریعہ وحی) پیٹھ پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں ❸ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو اقامت کی فراغت کے بعد ہوئی اسی طرح حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے وہ اس وقت تکبیر کہتے جب اقامت مکمل ہو چکتا اور صفیں سیدھی ہو جاتیں۔

رہی حدیث بلال رضی اللہ عنہ تو وہ روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اقامت کہتے ہوئے عرض کرتے یا رسول اللہ! آمین کہنے میں مجھ سے پہل نہ کیجئے گا ❹ جس سے پتہ چلتا ہی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اقامت مکمل ہونے سے پہلے تکبیر کہتے تھے۔

تیسرا مسئلہ: جب امام کو اشتباہ ہو جائے تو کیا لقمہ دے یا نہ دے...... اس کے متعلق بحث کا ذکر تو مبطلات صلوۃ میں گزر چکا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسالک اربعہ وغیرہ نے اشتباہ کے وقت

امام کو لقمہ دینا جائز قرار دیا ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے جب کہ بعض علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے یہاں بھی اختلاف کا سبب آثار کا مختلف ہونا ہے چنانچہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور بھولے سے ایک آیت رہ گئی ایک شخص عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! فلاں آیت رہ گئی آپ نے فرمایا: تم نے مجھے یاد کیوں نہ دلایا ❺ اسی طرح

---

❶...... رواہ الجماعۃ (نیل الاوطار ۲/۲۲۲۔ ❷رواہ مالک وفی روایۃ ابی داؤد وابن ماجہ: قال آمین(نیل الاوطار ۲/۲۲۴)
❸رواہ البخاری ومسلم(المجموع ۴/۱۴۲) ❹اخرجہ الطحاوی۔ ❺رواہ ابوداؤد احمد و عبداللہ بن احمد فی مسندابیہ عن مسور بن یزید المالکی (نیل الاوطار ۲/۳۲۲) وروی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترد وفی آیۃ فلما انصرف قال ابن ابی سالم یکن فی القوم ای یر مد الفتح علیہ

آپ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! نماز میں امام کو لقمہ نہ دینا❶ جب کہ پہلی روایت صحیح ہونے اور عمل میں وزنی ہے۔

چوتھا مسئلہ: امام کا مقتدیوں سے اونچا ہونا...... ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مذاہب اربعہ میں امام کا مقتدیوں سے اونچائی پر کھڑے ہونا کراہت کے ساتھ جائز ہے رہی تھوڑی بہت اونچائی تو وہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مکروہ نہیں اسی طرح شافعیہ کے ہاں ضرورت کی بنا پر یا تعلیم کے ارادے سے ایسا کرنا جائز ہے۔ جب کہ ایک قوم نے اسے ممنوع قرار دیا ہے اس میں اختلاف کا سبب دو متعارض حدیثیں ہیں ان میں سے ایک ثابت حدیث ہے آپ علیہ السلام نے لوگوں کو نماز سکھانے کے لئے منبر پر امامت کی جب سجدہ کرنا چاہتے تو منبر سے نیچے تشریف لے آتے ❷ دوسری حدیث جسے ابوداؤد نے روایت کیا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چبوترے پر۔

لوگوں کی امامت کی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی قمیض سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا جب نماز پڑھا چکے آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگوں کو اس سے منع کیا جاتا تھا۔❸

پانچواں مسئلہ: جو شامل کیا گیا ہے کیا امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟...... ایک قوم کا مذہب ہے کہ یہ امام پر واجب نہیں جس کی دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ وہ نماز میں شامل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہوگئے اور ایک قوم کی رائے ہے کہ اس کا احتمال ہے اور یہ ضروری ہے کیونکہ امام مقتدیوں کے بعض افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے یہ ان لوگوں کے مسلک کے مطابق ہے جن کی رائے ہے کہ امام مقتدی کے فرض اور نفل کا ذمہ دار ہے ہم اس بحث میں دوبارہ پڑتے نہیں۔

مقصد ثالث: پیشوائی...... پیشوائی کی شرائط امام سے جدا ہونے اور پیشوائی ختم کرنے کی نیت، مقتدی کی حالتیں (مدرک، لاحق اور مسبوق)

اول: پیشوائی کی شرط...... شافعیہ ❹ نے ذکر کیا ہے کہ پیشوائی صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں جنہیں گزشتہ مقصد ثانی کی تفصیل میں دیکھ کر سمجھنا ممکن ہے جو یہ ہیں۔

۱...... مقتدی کو امام کی نماز بے وضوگی وغیرہ سے باطل ہونے کا علم نہ ہو فروع میں مسلکی اختلاف کے علاوہ اجتہاد کے ذریعہ امام کی نماز کے باطل ہونے کا اعتقاد نہ ہو جیسے دو مجتہد قبلہ یا پانی کے۔

دو برتنوں میں، پاک ناپاک، کے بارے میں اختلاف کریں اور دونوں مسئلوں میں ہر ایک کا اجتہاد دوسرے سے مختلف ہو اگر برتن زیادہ ہوں مثلاً تین ہوں اور ان میں سے پاک دو ہوں اور مجتہد تین ہوں ہر ایک اپنے برتن کو پاک سمجھتا ہو تو وہ ایک دوسرے کی اقتدا کریں صحیح ہے۔ جب تک امام کا برتن نجس ہونے میں متعین نہ ہو ان میں سے کسی ایک کو اپنے اجتہاد سے دوسرے کے برتن کی پاکی کا گمان ہوا تو اسے اس کی اقتدا کرنا یقیناً جائز ہے۔

رہا فروعات میں اختلاف۔ مثلاً کسی شافعی نے کسی ایسے حنفی کی اقتداء کر لی جس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا ہے یا پچھنے لگوائے ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ فصد کھلوانے میں اقتداء صحیح ہے نہ کہ چھونے میں مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ وہ مس سے اس کے نزدیک بے وضو ہے نہ

---

❶...... اخرجه ابوداؤد عن ابی اسحاق السبیعی عن الحرث الاعور عن علی لکن لم یثبت سماع السبیعی عن الاعور ورواه عبد الرزاق بلفظ لاتفتحن علی الامام وانت فی الصلاة۔❷هذا حدیث سهل بن سعد وهو متفق علیه(نیل الاوطار ۱۹۳/۳)❸رواه ابوداؤد عن همام ان حذیفه الناس بالمدائن علی دکان...... الحدیث(نیل الاوطار ۱۹۳/۳)
❹مغنی المحتاج ۱/۲۳۷۔۲۴۰ الحضرمیة ۶۷

...سد کھلوانے سے۔

...... قضا نماز کے واجب ہونے کا اعتقاد نہ ہو مثلاً کسی متیمم نے ایسی جگہ تیمم کیا جہاں پانی کی موجودگی زیادہ ہوتی ہے۔

۳..... وہ کسی کا مقتدی نہ ہو پیشوائی کی حالت میں کسی مقتدی کی اقتداء صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ دوسرے کا تابع ہے جسے اس کا سہو لاحق ہو سکتا ہے جب کہ امام مستقل ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے سجدے کا باردار ہوتا ہے اس لئے دونوں یکجا نہیں ہو سکتے یہی اجماع ہے۔

۴..... اس کے امام یا مقتدی ہونے میں شک نہ ہو اگر شک ہوا تو اس کی اقتدا صحیح نہیں۔

۵..... وہ ان پڑھ نہ ہو۔ ان پڑھا۔ سے کہتے ہیں جو فاتحہ کا ایک لفظ اچھے طریقے سے نہ پڑھ سکے یا تشدید سے اس میں خلل ڈالتا ہو ہاں کوئی اسی جیسا اس کی اقتداء کرے تو جائز ہے۔

۶..... مرد عورت کی اقتداء نہ کر رہا ہو۔ نماز پڑھ چکنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ کافر مجنون، عورت، مقتدی یا ان پڑھ تھا تو نماز لوٹائے گا ہاں اگر اس کا بے وضو جنبی ہونا یا اس پر نجاست خفیفہ کا اثر ظاہر ہونا یا وہ زائد رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس کی اقتداء کر لی تھی تو اس پر اعادہ لازم نہیں اگر اپنے امام کے بے وضو ہونے کو بھول گیا تو جب یاد آئے دہرا لے۔

دوم۔ امام سے جدائی اور پیشوائی ختم کرنے کی نیت..... ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ شافعیہ کے ہاں صرف نماز سے امام کے نکلنے کی وجہ سے چاہے بے وضوگی سے یا کسی اور وجہ سے ہو پیشوائی ختم ہو جاتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا قول [1] ہے ایک شخص نے مقتدی بن کر تکبیر تحریمہ کہی بعد میں امام سے جدائی اور اپنی نماز تنہا مکمل کرنے کی نیت کی تو شافعیہ کے ہاں خواہ عذر سے ہو جائز ہے یا بغیر عذر ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اس نے ایسی جماعت سے جدائی اختیار کی ہے جو واجب یا جس کا استحباب مؤکد ہے حنابلہ کے ہاں صرف عذر کی وجہ سے جائز ہے بغیر عذر کے بارے میں دو روایتیں ہیں جن میں زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق صحیح ہے شافعیہ نے جمعہ کا استثناء کیا ہے لہٰذا اس کی پہلی رکعت میں جدائی کی نیت صحیح نہیں اور وہ نماز جس کا اعادہ جماعت کی صورت میں کرنا چاہتا ہے اس میں سے کسی رکعت میں جدائی کی نیت ایسے ہی وہ نماز جو جماعت کے ساتھ پہلے پڑھ لی ہو مفارقت کی نیت صحیح نہیں۔ عذر یہ ہیں امام کا نماز لمبی کرنا، سنت مقصودی ترک کرنا جیسے تشہد اول اور قنوت تو اس صورت میں اس سنت کو ادا کرنے کے لیے مفارقت کی اجازت ہے یا بیماری ہو یا اونگھ زیادہ آنے کا خدشہ ہو یا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا مال کے کھو جانے یا ضائع ہونے کا ڈر ہو یا ساتھیوں کے بچھڑنے کا خطرہ ہو یا کوئی صف سے نکل گیا تو اپنے ساتھ کھڑے ہونے والا نہ ملے تب بھی معذوری ہے ان کی دلیل صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقتدیوں کو لمبی نماز پڑھائی تو ایک شخص علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے لگا پھر آپ علیہ السلام کے پاس آ کر واقعہ کی اطلاع دی، آپ ناراض ہوئے اور حضرت معاذ کو تو ڈانٹا لیکن اس شخص پر نکیر نہیں کی اور نہ اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

احناف [2] نے صرف امام سے پہلے کراہت کے ساتھ مقتدی کے سلام پھیرنے کو جائز کہا ہے مفارقت جائز نہیں [3] مالکیہ فرماتے ہیں: جو امام کا مقتدی بن گیا وہ امام سے جدا نہیں ہو سکتا۔

سوم: مقتدی کی حالتیں (مدرک، لاحق، مسبوق)..... مقتدی کی ان تینوں حالتوں کے متعلق مسالک میں احکام کی تفصیل ہے۔

---

[1] مغنی المحتاج ۱/۲۵۹ المغنی ۲/۲۳۳، کشاف القناع ۱/۳۷۲ المہذب ۱/۹۷۔ [2] الدر المختار ۱/۵۶۰۔ [3] الشرح الصغیر ۱/۴۴۹

مسلک حنفی ①

مدرک...... جو امام کے ساتھ پوری نماز پڑھے اس کی نماز مکمل ہے اس میں کوئی چیز نہیں رہی۔

لاحق...... جس کی امام کے ساتھ شریک ہونے کے بعد ساری یا کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں خواہ کسی عذر سے مثلاً نیند، غفلت یا بھیڑ یا وضوٹوٹ جائے یا نماز خوف ہو (یعنی پہلے گروہ میں، رہا دوسرا گروہ تو وہ مسبوق ہے) یا مثلاً مقیم تھا کسی مسافر کی اقتداء کر لی یا بلا عذر ہو مثلاً رکوع یا سجدے میں امام سے پہل کر لے تو وہ ایک رکعت کی قضاء کرے گا۔

اس کا حکم...... لاحق اپنی رہ گئی نماز میں حقیقتاً مقتدی کی طرح ہے لہٰذا وہ امام کی پیروی سے نہیں نکلا اس لئے وہ رہ گئی رکعتوں میں نہ قرأت کرے اور نہ سجدہ سہو کرے اس واسطے کہ مقتدی سے امام کے پیچھے کوئی بھول چوک ہو جائے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں اور نہ اس کے فرض تبدیل ہونگے مثلاً وہ مسافر تھا تو اقامت کی نیت سے چار ہو جائیں امام کی نماز کے دوران اس کی جو رکعات رہ گئی ہیں پہلے ان کی قضاء کرے پھر اگر امام سے مل جائے تو اس کی پیروی کر کے اس کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اور اگر اسے نہ مل سکے تو اپنی نماز مکمل کر لے۔ اگر لاحق مسبوق ہو مثلاً اس نے امام کی دوسری رکعت سے نماز شروع کی پھر امام کے پیچھے ہی اس کی ایک یا زائد رکعت فوت ہوگئی تو رہ گئی نماز کی قضاء میں قرأت کرنا لازم ہے۔

مسبوق...... جس سے امام ساری نماز میں یا بعض رکعات میں آگے نکل جائے ② حکم اس کا یہ ہے کہ رہ گئی نماز کی قضاء میں وہ منفرد جیسا ہے چنانچہ وہ ثناء وتعوذ پڑھے جو قرأت کے لئے ہے پھر قرأت کرے وہ نماز کی ابتداء کی قضاء قرأت کے حق میں کرے گا اگر اس نے قرأت چھوڑ دی تو نماز فاسد ہو جائے گی اسی طرح نماز کے اخیر کی قضاء تشہد کے حق میں کرے گا۔

ثناء پڑھنے کا مقام...... اگر سری رکعت میں ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھے اور اگر امام کو جہری رکعت میں پایا ہے تو صحیح روایت کے مطابق امام کے ساتھ ثناء نہ پڑھے۔ بلکہ جب رہ گئی رکعات کی قضا کر رہا ہو اس وقت ثناء پڑھے اس وقت تعوذ اور تسمیہ پڑھے جیسے منفرد ہوتا ہے مسبوق اگر رکوع میں امام سے ملے تو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہے پھر امام کے ساتھ رکوع کرے اس کی یہ رکعت شمار ہوگی۔

اگر رکوع کے بعد ملا ہے تو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہے پھر جس حالت میں امام ہے اس کی پیروی کرے یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔ پھر امام کے سلام کے بعد رہ گئی نماز کی قضا کرے اپنی نماز کی پہلی اور دوسری رکعتوں کی قضاء میں سورہ فاتحہ اور ساتھ سورت ملا کر پڑھے۔ اگر اس کی یہ دونوں رکعتیں رہ گئیں تو جن کی قضاء کر رہا ہے ان میں فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔ اگر مثلاً اس کی ایک رکعت رہ گئی تو ایک رکعت کی قضا میں فاتحہ اور سورت پڑھے۔

مسبوق منفرد کی طرح صرف چار مسائل میں اس کا حکم مقتدی جیسا ہے اول وہ کسی کی اقتداء نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کی اقتداء کر سکتا ہے دوم اگر اس نے اسے توڑ کر نئی نماز کی نیت کر لی تو پہلی نماز توڑ نئی نماز شروع کرنے والا بن جائے جب کہ منفرد ایسا نہیں کر سکتا۔ سوم اگر وہ ان رکعت کی قضاء کے لیے اٹھ کھڑا ہو جن میں امام آگے نکل گیا تھا اس وقت امام پر سہو کے دو سجدے واجب تھے اگر اس کی اقتداء کرنے سے پہلے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وہ لوٹ آئے اور امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے یہ اس صورت میں ہے جب اس نے اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو جس کی قضاء کر رہا ہے اور اگر وہ نہ لوٹا یہاں تک کہ امام نے سجدہ کر لیا تو وہ اپنی نماز جاری رکھے نماز کے اختتام پر دو سجدے کرنا اس پر لازم نہیں۔ منفرد

---

①...... الدر المختار ۱/۵۵۵، ۵۶۰، فتح القدير ۱/۲۷۷، تبيين الحقائق ۲/۱۳۷۔ ② تمام رکعات میں امام آگے نکل گیا مثلاً اس نے آخری رکعت میں امام کی اقتداء کی اور کچھ رکعات میں سبقت یوں ہے کہ بعض رکعات فوت ہو جائیں۔

اس سے برعکس ہے کیونکہ اس پر دوسرے کے سہو کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہیں۔ مذکورہ تفصیل کی بنا پر سجدہ تلاوت کی قضاء میں امام کی متابعت اور پیروی لازم ہے چہارم احناف کے ہاں بالاتفاق مسبوق تکبیرات تشریق کہے منفرد کے برعکس اس کے متعلق امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ وہ نہ کہے۔

ا.....احناف کے ہاں عیدالاضحیٰ میں عرفہ کی فجر کے بعد عید کی عصر تک ایک مرتبہ تکبیر تشریق کہنا واجب ہے۔

یہ بھی مسبوق کے احکام ہیں.....مسبوق جب تشہد کی مقدار بیٹھ چکا تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے رہ گئی نماز کی قضاء کے لیے کھڑے ہونا مکروہ تحریمی ہے البتہ چند مقامات پر معذور شمار کیا جائے گا جو یہ ہیں۔

اول.....مسح کرنے والا مسبوق جب امام کے سلام کے انتظار میں مدت ختم ہونے سے ڈر رہا ہو۔

دوم.....وہ معذور ہو اور وقت ختم ہونے کا خدشہ ہو کہیں اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔

سوم.....امام کے انتظار میں جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت شروع ہونے کا خوف ہو۔

چہارم.....جب عیدین میں ظہر کے وقت شروع ہونے کا خدشہ ہو یا فجر میں سورج طلوع ہونے کا خوف ہو۔

پنجم.....مسبوق کو یہ خوف ہو کہ اسے حدث لاحق ہو جائے گا۔

ششم.....اسے خوف ہو کہ اگر اس نے امام کا انتظار کیا تو اس کے سامنے سے لوگ گزرنا شروع ہو جائیں گے۔ ان تمام صورتوں میں مسبوق کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اپنی نماز کی تکمیل کے لئے اٹھ جائے۔

مسلک مالکیہ.....❶ جس نے امام کے ساتھ پوری نماز پائی ہو اس کی نماز مکمل ہے امام کے سلام کے بعد اس پر قضاء نہیں اس واسطے کہ اس کی کوئی رکعت نہیں رہی۔

لاحق:.....وہ شخص ہے جس کی کچھ نماز کسی معذوری کی وجہ سے امام کے ساتھ شامل ہونے کے بعد رہ گئی ہو۔ جیسے بھیڑ یا اور ایسی اونگھ جس سے وضو نہ ٹوٹے۔ اس کی تین حالتیں ہیں: اس کا رکوع یا رکوع میں برابری رہ گئی یا اس کا ایک یا دو سجدے رہ گئے ہوں یا ایک یا ایک سے زیادہ رکعت رہ گئی ہو۔

پہلی حالت.....مقتدی سے رکوع یا رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا رہ گیا ہو۔ یہ صورت حال یا تو پہلی رکعت میں پیش آئی ہو گی یا کسی اور رکعت میں اگر پہلی رکعت میں ہو تو جس حالت میں امام کو پائے اس کی پیروی کرلے۔ اس رکعت کو فضول شمار کرے اور سلام کے بعد ایک رکعت کی قضاء کرے۔

اور اگر پہلی رکعت کے علاوہ ہو تو اگر وہ امام کو سجدے میں چاہے دوسرے سجدے میں مل سکتا ہے تو امام کو پانے کے لیے رہ گئی نماز پوری کرے۔ اور اگر امام کو سجدے میں نہ مل سکے تو اس رکعت کو بھی فضول شمار کرے اور سلام کے بعد اس کی قضاء کرے۔

دوسری حالت.....اس کے ایک یا دو سجدے رہ گئے تو اگر سجدے کر کے قریب والی رکعت میں میں امام سے ملنا ممکن ہو تو رہ گئی چیز کی ادائیگی کے بعد امام سے جا ملے اس کی یہ رکعت شمار ہو گی اور اگر اس نہج پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اس رکعت کو بیکار کر کے جس حالت میں امام ہے اس سے مل جائے اور امام کے سلام کے بعد ایک رکعت ادا کرے البتہ سجدہ سہو نہ کرے اس واسطے کہ امام اس کی طرف سے اس کا ذمہ دار ہے۔

تیسری حالت.....امام کے ساتھ شامل ہونے کے بعد اس کی ایک یا زیادہ رکعتیں فوت ہو گئی ہوں تو رہ گئی نماز کی قضاء امام کے سلام

❶.....الشرح الصغير ١/٤٥٨-٤٦١، الشرح الكبير ١/٣٤٥، ٣٤٩ القوانين الفقهية ٧٠، بداية المجتهد ١/١٨١-١٨٢

پھیرنے کے بعد کرے جیسے رہی ہیں ویسے ہی قرأت وقنوت کے حوالہ سے ان کی قضاء کرے۔

رہا مسبوق......جس کی امام کے ساتھ شامل ہونے کے بعد ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئی ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہ گئی نماز کی قضا کرے۔

مشہور یہ ہے کہ وہ قولی حصے کی قضا اور افعال پر بنا کرے کیونکہ یہ معلوم ہے جو سمع اللہ لمن قنوت ربنا لك الحمد اور قنوت کو شامل ہے۔

قولی حصے کی قضاء کا مطلب ہے: اپنی نماز کے پہلے حصے کی نسبت امام کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے رہ گئی نماز ادا کرے۔ اور جو اس کے ساتھ پائے اسے آخر میں رکھے چنانچہ قرأت کو اسی انداز سے سری یا جہری کرے افعال پر بنا کا مطلب یہ ہے کہ جو وہ امام کے ساتھ پائے اسے نماز کا ابتدائی اور جو رہ گئی اسے نماز کا انتہائی حصہ بنائے یوں وہ تنہا نماز پڑھنے والے کی طرح ہے یہ صورت قول پر بنا کرنے کے برعکس ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر مسبوق نے عشاء کی صرف چوتھی رکعت پائی، جب امام سلام پھیرلے تو یہ ایک رکعت ادا کرے گا جس میں قرأت فاتحہ اور سورۃ جہری کرے گا اس واسطے کہ قرأت کے لحاظ سے یہ اس کی نماز کا پہلا حصہ ہے اس کے بعد تشہد کے لیے بیٹھ جائے اس واسطے کہ بیٹھنے کے لحاظ سے یہ اس کی نماز کا دوسرا حصہ ہے اس کے بعد اٹھے اور رکعت ادا کرے جس میں فاتحہ اور سورت کا جہر کرے اس لیے کہ قرأت کے لحاظ سے یہ اس کی دوسری رکعت ہے اس کے بعد تشہد کے لیے نہ بیٹھے اس واسطے کہ بیٹھنے کے لحاظ سے یہ اس کی تیسری رکعت ہے اس کے بعد تیسری رکعت ادا کرے جس میں سری قرأت کرے اس کے بعد آخری تشہد کے لیے بیٹھے اس واسطے کہ افعال کے لحاظ سے یہ چوتھی رکعت ہے اس کے بعد سلام پھیرے نماز فجر میں امام کے ساتھ دوسری رکعت پانے والا قضاء والی رکعت میں قنوت پڑھے کیونکہ فعل کے لحاظ سے وہ پیروی رکعت ہے جہاں قنوت پڑھا جاتا ہے۔ البتہ اگر امام نے سجدہ سہو کیا، اگر تو وہ سلام سے پہلی حالت کا ہو تو اس کے ساتھ سجدہ کر لے اور اگر بعد کا ہو تو پہلے رہ گئی نماز پوری کرے سجدہ مؤخر کردے رہی مسبوق کی رہ گئی نماز کی قضاء کے لئے اٹھتے وقت کی تکبیر تو اگر وہ امام کے ساتھ دو رکعتیں یا ایک رکعت سے کم نماز پالے تو قیام کی حالت میں تکبیر کہے اس واسطے کہ اس کا بیٹھنا اپنی جگہ ہے لہٰذا تکبیر کے ساتھ اٹھے ورنہ قیام کے وقت تکبیر نہ کہے بلکہ خاموشی سے اٹھ جائے اس واسطے کہ اس کا بیٹھنا بے موقع ہے جو محض امام کی موافقت ہے۔ اگر مسبوق امام کا رکوع پالے تو امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے اپنے گھٹنے مضبوطی سے تھام لے اگر مسبوق نے آخری رکعت کا رکوع نہیں پایا اور امام کے ساتھ سجدے یا جلسے میں شامل ہوا تو اس کی ساری نماز رہ گئی اٹھ کر اسے پوری ادا کرے اگر ایسی صورت حال جمعہ میں پیدا ہوئی ہو تو ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے۔

شافعیہ [1] مقتدی یا امام کے موافق ہو یا مسبوق موافق وہ ہے جو امام کے ساتھ فاتحہ کی مقدار پالے چاہے وہ پہلی یا دوسری رکعت ہو۔ مسبوق وہ ہے جو امام کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت کی فاتحہ پڑھنے کی مقدار نہ پاسکے۔ موافق: اگر امام سے کسی فعلی رکن میں عمداً یا بلا عذر پیچھے رہ جائے بایں طور کہ امام اس رکن سے فارغ ہوجائے اور وہ اس سے پہلے والے میں ہے تو اصح روایت کے مطابق اس کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ وہ تھوڑا پیچھا رہا ہے خواہ وہ رکن طویل ہو مثلاً امام نے اعتدال سیدھے ہونے کی ابتداء جب کہ مقتدی قرأت کرنے کے قیام میں ہے یا وہ رکن چھوٹا ہو مثلاً امام نے پہلے سجدہ سے سر اٹھایا اور جلسہ کے بعد دوسرے کے لیے جھک پڑا اور مقتدی ابھی تک پہلے سجدہ میں ہو۔ اگر دو فعلی رکنوں میں پیچھے رہ گیا بایں طور کہ امام ان سے فارغ بھی ہوگیا اور وہ ابھی تک ان سے پہلے والے میں ہے مثلاً امام نے سجدے میں جانے

[1]......مغنی المحتاج ۱/۲۵۶، ۲۵۸، المهذب ۱/۹۵ حاشية الباجوری ۱/۲۰۴ الحضرمية ۷۱

کی ابتداء کر دی اور مقتدی قرأت کے قیام میں ہے۔

الف.....پھر اگر وہ (تاخیر) عذر سے نہ ہو مثلاً وہ سورۃ پڑھنے یا رکوع سجود کی تسبیحات کے لیے پیچھے رہ گیا تو چونکہ زیادہ مخالفت پائے جانے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

ب.....اور اگر عذر سے ہو مثلاً شروع کی دعا میں مشغول تھا یا اس کے امام نے تو رکوع کر لیا لیکن اسے فاتحہ کے متعلق شک ہوا یا اس کا چھوڑ دینا یاد آ گیا یا امام نے جلدی قرأت کر لی۔ یا مقتدی سستی سے قرأت کرتا ہو عاجز ہو نہ کہ وسوسہ اور امام نے مقتدی کی فاتحہ مکمل کرنے سے پہلے رکوع کر لیا صحیح یہ ہے کہ مقتدی فاتحہ مکمل کرے اور امام کے پیچھے اپنی نماز کی ترتیب میں کوشش کرے جب تک امام ایسے تین ارکان میں اس سے آگے نہ نکل چکا ہو جو بذات خود مقصودی نہیں ہوں بھی بے یعنی جب تک تین یا تین سے زیادہ میں آگے نہ نکل چکا ہو جو رکوع اور دو سجدے ہیں جو ہم نے نبی علیہ السلام کی عسفان میں پڑھی گئی نماز سے اخذ کیا ہے لہٰذا چھوٹا رکن اس میں شمار نہیں ہوگا جیسے اعتدال اور دونوں سجدوں میں بیٹھنا۔

اگر امام تین ارکان سے زیادہ مقدار میں آگے نکل گیا بایں طور کہ وہ ابھی تک فاتحہ سے فارغ نہیں ہوا اور امام سجدوں سے اٹھ چکا یا تشہد پڑھنے بیٹھا ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ اسے مفارقت لازم نہیں بلکہ وہ جس حالت میں امام ہے اس کی پیروی کرے اور امام کے سلام کے بعد رہ گئی رکعتوں کا تدارک کرے جیسا کہ مسبوق ہے وہ اس کھلی مخالفت سے اپنی نماز کے طریقے کی حفاظت کر سکے اس کا سارا دارومدار اس پر ہے کہ مقتدی امام کا پیرو ہے۔

رہا مسبوق.....تو اس کے لئے تکبیر تحریمہ کے بعد سنت میں مشغول نہ ہونا مسنون ہے بلکہ فاتحہ پڑھے۔ البتہ اگر اسے گمان ہو کہ سنت عمل میں مشغولی کے ساتھ اسے پالے گا تو ٹھیک ہے اور اگر وہ سنت میں مشغول نہیں ہوا، تو رکوع میں امام کی پیروی واجب ہے فاتحہ کا باقی ماندہ حصہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور اگر رہ گئی فاتحہ کی تکمیل کے لیے وہ امام سے پیچھے رہ گیا اور ادھر امام نے رکوع سے سر اٹھا دیا تو اس کی رکعت فوت ہوگئی لیکن اس کی نماز باطل نہیں ہوگی ہاں اگر بلا عذر وہ دو فعلی رکنوں سے پیچھے رہ گیا تو نماز باطل ہے۔

اگر مسبوق سنت عمل میں مثلاً افتتاح کی دعا اور تعوذ میں مشغول ہو گیا اسی کی مقدار سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے پھر اگر وہ قرأت سے فارغ ہو چکا اور امام کے ساتھ اطمینان یقین سے رکوع پالیا تو اسے رکعت مل گئی اور اگر واجب کی فراغت کے بعد امام کو اعتدال میں پایا اسی میں امام کی موافقت کرے گا اور اب اس کی رکعت رہ گئی اور اگر واجب سے فارغ نہیں ہوا اور قرأت کرتا رہا ادھر امام سجدے کے لیے جھک گیا مفارقت کی نیت متعین ہو جائے گی کیونکہ امام کے سجدے کے لیے جھکنے کے وقت اس نے مفارقت کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر وہ بھی امام کے ساتھ جھک گیا پھر بھی نماز باطل ہے اور اگر وہ سنت عمل میں مشغول نہیں ہو قرأت ختم کرے امام کے ساتھ رکوع کرلے مقتدی کو رکوع میں معلوم ہوا کہ اس نے فاتحہ ترک کر دیا یا اسے شک ہوا تو اسے پڑھنے کے لئے نہ لوٹے بلکہ امام کے سلام کے بعد ایک رکعت پڑھ لے۔

ترک فاتحہ یا اس میں شک کا پتہ اس وقت چلا جب امام رکوع کر چکا اور اس نے ابھی تک رکوع نہیں کیا تو اس کا محل باقی ہونے کی وجہ سے اسے پڑھنا واجب ہے اسے پیچھے رہ جانے میں معذور سمجھا جائے گا۔ اسی پر سست رفتاری سے قرأت کرنے کو موافق میں شمار کیا جائے گا رہا وہ مسبوق جس کی امام کے ساتھ نماز کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں: تو اگر اس نے امام کے ساتھ جائز رکوع کی مقدار پالی مثلاً اسے رکوع میں پایا اور اطمینان سے رکوع کر لیا تو اسے رکعت مل گئی یا اگر اسے یوں نہیں پایا یا اسے زائد رکعتوں یا صلاۃ کسوف خسوف کے دوسرے میں پایا تو اسے رکعت نہیں ملی اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جیسے جمعہ کے روز امام کی آخری رکعت مل گئی تو وہ

ایک رکعت شامل کرلے اور جسے رکوع نہیں ملا وہ ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے۔ ❶

اگر امام کو سجدے کی حالت میں پایا ہے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر بغیر تکبیر کہے سجدے میں چلا جائے یہ مسلک کے مطابق ہے اور اگر اسے نماز کے آخر میں پایا تو تکبیر تحریمہ کہہ کر بیٹھ جائے اسے نماز با جماعت کی فضیلت حاصل ہوگئی پھر اگر اسے امام کے ساتھ آخری رکعت مل گئی تو یہ اس کی نماز کا آغاز ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جتنی رکعتیں تمہیں مل گئیں وہ تمہاری نماز کا آغاز ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: تکبیر کہے اور جب امام سلام پھیر چکے، کھڑے ہو کر اپنی رہ گئی نماز ادا کرے اسی سے مسلک کا قاعدہ ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ مسبوق کو جو نماز مل جائے وہ ابتداء حصہ اور جس کی بعد قضاء کرے گا وہ آخری حصہ ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے جتنی نماز تمہیں میسر آئے پڑھ لو جو رہ گئی اسے بعد میں پورا کرلو۔ ❷

یہ بات دیگر ائمہ مسالک کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے ہاں یہ ہے کہ جو نماز کا حصہ اسے ملا وہ آخری ہے اور جس کی وہ قضاء کرے گا وہ ابتدائی ہے جس کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے جتنی نماز مل جائے پڑھ لیا کرو اور جو رہ جائے اس کی قضاء کرلیا کرو۔ ❸

اگر وہ نماز قنوت والی ہو اور اس نے امام کے ساتھ قنوت پڑھا تو نماز کے آخر میں قنوت کا اعادہ کرے اس واسطے کہ امام کے ساتھ جو کچھ اس نے ادا کیا وہ بطور متابعت کیا لیکن جب اس کے اپنے محل تک پہنچے گا تو اعادہ کرے گا مثلاً اس نے امام کے ساتھ تشہد نے پڑھا پھر اپنی باقی ماندہ نماز کے لیے کھڑا ہوا تو سے تشہد کا اعادہ کرنا پڑے گا جس مسبوق کی پہلی دو رکعتیں یا آخری رکعتوں میں سے ایک رہ جائے اس کے لئے سورۂ فاتحہ کے بعد آخری دو رکعتوں میں یا ان میں سے پہلی رکعت میں سورت کا پڑھنا مسنون ہے تاکہ اس کی نماز سورت پڑھنے سے خالی نہ رہے۔

حنابلہ...... ❹ کے ہاں مسبوق وہی ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں لاحق ہے لہٰذا جس نے نماز کی ابتدا میں یا ایک سے زیادہ رکعت کے بعد امام کی اقتدا کی اور اس میں سے اس کا کچھ حصہ رہ گیا تو وہ دونوں حالتوں میں مسبوق ہے لاحق جس نے ابتدا سے امام کے ساتھ نماز شروع کی تھی اور پھر کسی عذر مثلاً نیند جس سے وضو نہیں ٹوٹا یا غفلت بھول چوک یا جلدی جیسے بھیڑ میں ہوتا ہے کی وجہ سے امام سے ایک یا دو رکنوں میں پیچھے رہ گیا تو اس پر واجب ہے کہ یہ فعل ادا کرے اور جب تک دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو۔

کیونکہ بغیر کسی ناجائز امر کے اسے اس رکن کی تلافی کرنا ممکن ہے اس لیے لازم ہے جس رکعت میں اس نے اسے ادا کیا وہ صحیح ہوگی اور اگر اس نے اسے ادا نہ کیا یا دوسری رکعت امام کے ساتھ رہ جانے کا خدشہ تھا تو اس پر امام کا اتباع واجب ہے اور وہ رکعت بے کار گئی امام کے سلام کا بعد اسی طرح سے اس کی قضا لازم ہے۔

اس رکعت کو اسی طرح ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی پہلی رکعت رہ گئی تو اسے ثناء، تعوذ اور فاتحہ کے بعد سورۃ کی قرأت سے ادا کرے گا اور اگر دوسری رکعت تھی تو فاتحہ کے بعد سورت پڑھے گا اور اگر تیسری یا چوتھی رکعت ہے تو صرف فاتحہ پڑھے گا۔ اگر امام کے ساتھ سجدہ کرنے میں کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تو دوسرے سجدہ میں امام کی پیروی کرنے سے اس کی رکعت پوری تب ہوگی جب وہ امام کے سلام کے بعد اسی طرح سے رہ گئی نماز کی قضا کرے۔

اگر امام کے ساتھ ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئیں جب کہ وجہ نیند غفلت وغیرہ عذر بنا تو باقیماندہ نماز میں امام کی اتباع کرے اور امام کے سلام کے بعد رہ گئی نماز کی قضاء مسبوق کی طرح کرے اگر مقتدی بلا عذر امام سے ایک رکن میں پیچھے رہ گیا اس کی مثال امام سے ایک رکن آگے نکل

---

❶......ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے یہ روایت قطنی نے ضعیف سند سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں من ادرک من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرى فان ادركهم جلوسا على الظهر اربعا (المجموع ۱۳۳/۴) ❷رواه البخاری ومسلم عن ابی هريرة من طريق كثيره فهذه الرواية اولىٰ كما قال البيهقى۔ ❸رواه احمد والبخارى والمسلم والنسائى (حواله سابقه) ❹كشاف القناع جلد ۱ / ۵۴۳، ۵۴۰، ۵۴۶، ۵۴۹)

جانے والے کی سی ہے اگر وہ ایسا جان بوجھ کرے تو اس کی نماز باطل ہے اس لئے کہ اس نے متابعت کو عمداً چھوڑا ہے اور اگر ناواقفیت اور بھولے سے ایسا کرے تو صرف وہی رکعت فوت ہوگی جس کی امام کے ساتھ رہ گئی چیزیں ادا نہ کرے اس واسطے کہ اس نے رکوع میں اپنے امام کی اقتدا کی البتہ اس کی نماز صحیح ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے میری امت سے خطاء ونسیان اور مجبوری میں کرائے گئے کام معاف ہیں۔

رہا مسبوق.....تو اگر وہ رکوع یا دو رکعتوں میں آگے نکل گیا تو مطلقاً اس کی نماز باطل ہے اور اگر بغیر رکوع کسی عمل مثلاً سجدے میں جھکنے یا بھولے سے آگے نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہیں البتہ جو افعال اس نے اپنے امام کے بعد کئے ہیں ان کا اعادہ واجب ہے ورنہ اس کی رکعت رائیگاں جائے گی مسبوق اپنے امام کے ساتھ نماز میں جو حصہ پائے وہ اس کی نماز کا اخیر حصہ ہے جیسا ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اگر اسے پہلی رکعت کے بعد دوسری یا تیسری رکعت میں پایا تو نہ ثنا پڑھے اور نہ تعوذ مسبوق جو نماز قضاء کرے گا وہ اس کا نماز کا ابتدائی حصہ ہے اس میں وہ ثناء وتعوذ اور سورت پڑھے گا جس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنی نماز مل جائے پڑھ لیا کرو اور جو رہ جائے اس کی قضاء کر لیا کرو۔ [1]

مسبوق اپنے امام کے ساتھ تورک (کولہوں کے بل بیٹھنا) کے مقام پر تورک کرے اس لیے کہ وہ اس کی نماز اخیر ہے اگر چہ وہ شمار نہ کرے اسی طرح اپنی قضا نماز میں تشہد ثانی میں تورک کرے اگر اس نے چار رکعتی نماز سے دو رکعتیں پائیں تو امام کے ساتھ تشہد اول کے لیے امام کی پیروی میں بیٹھ جائے دو رکعتیں قضا کرنے کے بعد بھی تورک کرے کیونکہ اس کے بعد اس نے سلام پھیرنا ہے تشہد اول کی تکرار مستحب ہے یہاں تک کہ اس کا امام دو سلام پھیرے۔ اس واسطے کہ یہ تشہد نماز کے وسط میں واقع ہے جس میں پہلے پر زیادتی واضافہ مشروع نہیں۔

جب مسبوق نے بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو نماز کے آخر میں اس پر سجدہ سہو واجب ہے اسی طرح اس نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے جس کی قضاء وہ منفرداً کرے گا۔ اگر چہ امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہوا۔ اور اگر امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو مسبوق پر رہ گئی نماز کی قضاء کے بعد سجدہ سہو واجب ہے۔ مسبوق جب اپنے امام کی پہلے سلام پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لے تو جماعت پالینے والا شمار ہوگا اور رکعت اس وقت ملے گی۔ جب امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے امام کے ساتھ رکوع کرے اور اسے اس میں بھی شک نہ ہو کہ امام کو رکوع میں پالیا ہے اگر چہ جم کر رکوع نہ کیا ہو پھر امام سے جا ملے جس کی دلیل مرفوع حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم لوگ سجدے میں ہوں تو ہمارے ساتھ سجدہ کر لیا کرو لیکن اسے (رکعت) شمار نہ کرنا اور جسے رکوع مل گیا اسے رکعت مل گئی۔ [2]

چہارم: مقتدی اپنے امام کے واجبات وغیرہ کی فراعت کے بعد کیا کرے...... احناف [3] نے امام کی فراغت کے بعد مقتدی کے لیے کچھ فروعی احکام ذکر کیے ہیں جو یہ ہیں۔

الف.....اگر مقتدی کے تشہد پڑھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی تشہد مکمل کر کے سلام پھیرے۔

ب.....اگر امام نے مقتدی کے درود ابراہیمی اور دعا پڑھنے سے پہلے سلام پھیر دیا تو وہ انھیں ترک کر کے امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔

ج.....اگر امام مقتدی کے تشہد اول سے فارغ ہونے سے پہلے اٹھ گیا تو مقتدی اسے مکمل کر کے امام کی پیروی کرے۔

د.....مقتدی نے ابھی تک رکوع یا سجود کی تین تسبیحات پوری نہیں کیں اور امام نے رکوع یا سجود سے سر اٹھا لیا تو مقتدی امام کی پیروی کرے اور تسبیحات چھوڑ دے۔

---

[1] .....رواه الشيخان واحمد والنسائي من طريق ابن عيينة عن الزهري عن ابن المسيب عن ابى هريرة قال مسلم: اخطاء ابن عيينة في هذه اللفظة فاقضوا ولا اعلم رواها عن الزهري غيره [2] رواه ابوداؤد با سناد حسن۔ [3] مراقي الفلاح ص ۵۰ الدرالمختار ۱/ ۵۶۰

ھ.....اگر امام نے زائد سجدہ کر دیا یا قعدہ اخیرہ کے بعد بھولے سے کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بلکہ اس کا انتظار کرے۔ اور امام کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے سبحان اللہ کہے پس اگر امام زائد سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آیا تو امام سجدہ سہو کرے اور مقتدی اس کے ساتھ سلام پھیر دے اگر زائد کے بعد اس نے سجدہ کیا تو مقتدی اکیلے سلام پھیر دے کیونکہ امام اپنی نماز سے باہر نکل گیا ہے اور اگر مقتدی نے امام کے زائد رکعت کو سجدہ سے مقید کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا تو اس کے فرض فاسد ہو جائیں گے۔

و.....مقتدی کے لیے امام کے تشہد کے بعد اس کے سلام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے جیسا کہ صحیح قول کے مطابق امام کی نماز صحیح ہے۔

ز.....اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے یہاں تک کہ وہ شخص نماز پڑھ لے ہاں البتہ اگر وہ کسی دوسری مسجد کا امام یا مؤذن ہو یا اکیلے نماز پڑھنے سے بعد نکل جائے۔

ح.....امام کو سہو کا گمان ہوا اور اس نے سجدہ سہو کر لیا مقتدی نے بھی اس کی اتباع کر لی پھر اسے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو تو نہ تھا مناسب یہ ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہو اس لئے کہ اس نے تنہائی کے مقام میں امام کی اقتداء کی ہے۔

مقصد رابع: امام ومقتدی کے درمیان مشترکہ امور.....امام کی اقتداء کرنے کی شرائط، امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ، امام کا صفیں سیدھی کرنے کا حکم دینا اکیلے شخص کا صف سے باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔

اول: امام کی اقتداء کرنے کی شرائط.....ہمیں امام مقتدی میں سے ہر ایک کی مخصوص شرائط کا پتہ چل چکا ہے اب ہم مقتدی کے امام سے ربط وتعلق کی شرائط یا جماعت صحیح ہونے کی شرائط کے بارے میں بحث کریں گے جو یہ ہیں۔ ❶

ا۔ باتفاق مسالک مقتدی کا اقتداء کی نیت کرنا.....یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مقتدی اقتداء کرنے یا جماعت یا مقتدی ہونے کی نیت کرے، اگر اس نے یہ نیت چھوڑ دی یا اس میں شک ہوا اور افعال میں امام کی پیروی کی بھی تو اس کی نماز باطل ہے امام کی تعیین نام سے ضروری نہیں اگر اس نے تعین کی اور وہ غلط نکلی تو شافعیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہے لیکن متعین امام کی امام ہونے کی صفت کے ساتھ تعین کرنا ضروری ہے چنانچہ اگر اس نے دو نماز پڑھتے ہوئے شخصوں کی اقتداء کی کسی ایک کو متعین نہیں کیا تو صحیح نہیں یہاں تک کہ کسی ایک کے امام ہونے کی تعین کرے کیونکہ یہ شرط ہے۔ ایک سے زیادہ کی اقتداء کرنا جائز نہیں پس اگر اس نے دو اماموں کی اقتداء کی تو جائز نہیں اس واسطے کہ اکھٹے دو اماموں کی پیروی ممکن نہیں۔ شافعیہ کے ہاں نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ سے متصل ہو، البتہ حنفیہ اس کے تحریمہ سے پہلے اس شرط سے کہ اس میں اور تحریمہ میں کسی اور عمل ❷ کے ذریعہ فاصلہ نہ ہونے کے جواز کے قائل ہیں ان کے اور حنابلہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ نیت ملی ہوئی ہو، تا کہ اختلاف سے بچا جا سکے مالکیہ نے تحریمہ کے ساتھ نیت کا ملنا اور اس سے تھوڑی دیر پہلے شرط قرار دیا جیسا کہ نماز میں نیت کی شرط کے بحث میں گزر چکا ہے اس شرط کی بنا پر اگر کسی شخص نے اکیلے نماز شروع کی تو اس کے لئے جماعت میں منتقل ہونا سوائے نائب ہونے کی حالت کے جائز نہیں جیسا کہ آ رہا ہے اسی طرح احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس کے برعکس بھی جائز نہیں وہ یہ کہ آدمی جماعت سے منفرد ہو جائے بایں طور کہ امام سے مفارقت کی نیت کر لے جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں امام سے مفارقت کی نیت کو جائز قرار دیا ہے اور منفرد کا حنابلہ کے ہاں کسی معذوری کی وجہ سے نماز مکمل کرنا اور شافعیہ کے ہاں بلا عذر کراہیت کے ساتھ جائز ہے یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

---

❶.....الدر المختار ۱/۵۱۳، ۵۱۵، ۵۵۲، البدائع ۱/۱۳۸، ۱۴۶، الکتاب مع اللباب ۱/۸۴، الشرح الصغیر ۱/۴۴۹، ۴۵۳، الشرح الکبیر ۱/۳۳۷، ۳۴۱، القوانین الفقهية ۶۸، مغنی المحتاج، ۱/۲۵۲، ۲۵۸، الحضرمية ۶۸، ۷۱ المغنی ۲/۲۱۳، ۲۳۱، ۲۲۴، کشاف القناع ۱/۴۶۵، ۵۷۱، ۵۷۹۔ ❷ حنفیہ فرماتے ہیں جو دوسرے کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے اسے دو نیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اول نماز کی نیت اور امام کی پیروی کی نیت جس میں وقت فرض اور امام کی اقتدا کی نیت کرے گا۔

امام کا امامت کی نیت کرنا تو جمہور کے نزدیک سوائے حنابلہ کے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے تا کہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اگر وہ یہ نیت نہیں کرتا تو اسے فضیلت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ انسان کا وہی عمل ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرے شافعیہ اور مالکیہ نے اس نماز کو مستثنیٰ کیا ہے جس کا صحیح ہونا جماعت پہ موقوف ہے جیسے جمعہ بارش کے لیے اعادے کی نماز نماز خوف وغیرہ اس میں امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ حنفیہ نے عورتوں کی کسی مرد کی اقتدا کرنے کو مستثنیٰ کیا ہے اس لیے کہ عورتوں کی اقتداء اسی وقت صحیح ہوگی جب امام ان کی امامت کی نیت کرے۔

حنابلہ..... فرماتے ہیں امامت کی نیت بھی شرط ہے چنانچہ امام امام ہونے کی اور مقتدی، مقتدی ہونے کی نیت کرے گا ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی لیکن کسی شخص نے اکیلے تکبیر تحریمہ کہی پھر وہ دوسرا شخص اس کے ساتھ آ کے نماز پڑھنے لگا اور اس نے اس کی امامت کی نیت کرلی تو نفل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے صحیح ہے جو یہ ہے فرمایا: میں نے اپنی خالہ میمونہ کے ہاں رات گزاری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات نفل پڑھنے کے لیے اٹھے مشکیزے کی طرف بڑھے وضو فرمایا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے میں نے جب آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو میں بھی اٹھ گیا چنانچہ میں نے بھی مشکیزے سے وضو کیا اور پھر آ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا آپ نے پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھما کے دائیں طرف لے آئے۔ ❶

رہا فریضہ تو اگر نمازی کسی کا منتظر ہو جیسے امام مسجد تو اسے اکیلے تحریمہ باندھنا حرام ہے وہ آنے والے کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے البتہ حنابلہ کے نزدیک ایسا کرنا بھی جائز ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اکیلے تکبیر تحریمہ کہی پھیر جابر اور جبارۃ آئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تحریمہ کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی آپ نے ان دونوں کے فعل پر نکیر نہیں کی جس سے ظاہر ہوتا ہے وہ فرض نماز ہی تھی کیونکہ وہ لوگ مسافر تھے رہی اس کے علاوہ کی حالت تو جس نے نیت نہ کی ہو اس کی اقتداء کرنا صحیح نہیں۔

۲۔ امام اور مقتدی کی نمازوں کا ایک ہونا..... اس اتحاد کی تعریف میں فقہاء کی کئی آراء ہیں چنانچہ احناف ❷ فرماتے ہیں: اتحاد یہ ہے کہ مقتدی کے لئے اپنی نماز میں امام کی نماز کی نیت کے ساتھ داخل ہونا ممکن ہو یوں امام کی نماز مقتدی کی نماز کو شامل ہوئی اس لیے فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ اقتداء بنیاد ہے اور فرض ہونے کی تعریف امام کے حق میں معدوم ہے۔ لہٰذا معدوم پر بنیاد ثابت نہیں ہوگی، اور ایک فرض پڑھنے والا کوئی فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ اقتداء شرکت اور موافقت کا نام ہے لہٰذا سبب فعل اور وصف میں اتحاد کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اقتدا کی بنیاد تحریمہ پر تحریمہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اتحاد فرضیت اور فرضیت کی قسم میں ہوتا ہے۔

نفل والا فرض والے کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ اس میں ضعیف کی بنیاد قوی پر ہے جو جائز ہے سوائے تراویح کے جس کے متعلق صحیح روایت ہے اس لیے کسی فرض پڑھنے والی کی اقتداء میں تراویح صحیح نہیں ہوگی اس واسطے کہ یہ مخصوص ہیئت کے ساتھ مسنون ہے ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس کی مخصوص کی رعایت رکھی جائے گی۔ نفل والا نفل والے کی اقتداء کر سکتا ہے اسی طرح جس نے نفل کی نذر مانی وہ نفلی نذر پڑھنے والی کی اقتداء کر سکتا ہے اور جو وتر کو واجب سمجھتا ہے (وہ احناف ہیں) اسے سنت سمجھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے جس نے حالت قیام میں غروب کے بعد اسی شخص کی اقتداء کی جس نے غروب سے تحریمہ باندھا تو جائز ہے کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کے ساتھ تینوں صورتوں میں متحد ہے۔

---

❶..... متفق علیہ ❷ الکتاب بشرح اللباب (۸۴/۱) الدر المختار و رد المحتار ۵۱۴/۱، ۵۵۵، ۵۵۲ فتح القدیر ۲۶۱/۱، ۲۶۵/۱۹

وضو والا تیمّم والے کی پاؤں دھونے والا مسح کرنے والے کی چاہے موزے پہ ہو یا پٹی پر کھڑا بیٹھے کیا جو رکوع وسجود کرتا ہو اقتداء کر سکتا ہے نہ کہ اشاہ کرنے والا اشارے والے کے پیچھے اشارہ والا ہی پڑھے البتہ اگر مقتدی بیٹھا ہو اور امام لیٹا ہوا ہو جائز نہیں کیونکہ قعود کا اعتبار ہے اس سے قعود ثابت ہو جائے گا۔

رہی کھڑے شخص کی بیٹھے کی اقتداء میں نماز تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور لوگ کھڑے تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر پہنچا رہے تھے ❶ اسی طرح کھڑے شخص کا کبڑے کی اقتدا کرنا صحیح ہے اگر چہ اس کا کھڑا پن معتمد روایت کے مطابق رکوع تک پہنچ چکا ہو۔ اسی طرح لنگڑے کی اقتداء کرنا صحیح ہے ایسے ہی اشارہ کرنے والا اپنے جیسے اشارہ کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے البتہ اگر امام لیٹا ہوا اور مقتدی بیٹھا یا کھڑا ہو تو مختار قول کے مطابق جائز نہیں اس لئے کہ مقتدی کی حالت قوی ہے۔

مالکیہ...... ❷ فرماتے ہیں اصل نماز میں اتحاد و یگانگت ضروری ہے، لہٰذا ظہر پڑھنے والا عصر پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا نیز نماز کے ادا اور قضاء ہونے میں اتحاد ہو لہذا قضاء کے پیچھے ادا اور نہ اس کا برعکس صحیح ہے نماز کے وقت میں اتحاد ہو اگر چہ وہ قضا کرنے میں ایک ساتھ ہوں، اس لئے ہفتے کی ظہر: اتوار کی ظہر کے پیچھے صحیح نہیں اور نہ اس کے برعکس۔ نماز فجر میں طلوع شمس کے بعد اس شخص کی اقتداء کرنا صحیح نہیں جسے طلوع شمس سے پہلے ایک رکعت مل گئی اس لیے کہ وہ نماز امام کے حق میں ادا اور مقتدی کے حق میں قضاء ہے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے مثلاً سورج طلوع ہونے کے بعد فرض قضا پڑھنے والے کی اقتداء میں چاشت کی دو رکعتیں سفری نماز کے پیچھے دو نفل یا حضری (حالت قیام) نماز کے پیچھے چار رکعتیں نفل ادا کرنا۔

حنابلہ...... ❸ فرماتے ہیں: وقت اور نام کے لحاظ سے فرض کی قسم میں اتحاد ہونا چاہیے لہٰذا ظہر پڑھنے والے کو عصر پڑھنے والے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں یا ان دونوں نماز کے علاوہ مثلاً عشاء ہوگئی اور اس کے برعکس اسی طرح فرض پڑھنے والی کی نماز کسی اور وقت اور نام کے فرض پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے سو امام سے اختلاف نہ کرو، اسی حدیث کی وجہ سے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں اور چونکہ مقتدی کی نماز امام کی نیت سے ادا نہیں ہوگی جس کی مثال ایسی ہوگئی کہ کوئی ظہر پڑھنے والے کے پیچھے جمعہ پڑھنے لگے جسے وضو کے لیے پانی اور تیمّم کے لیے مٹی نہ ملے یا جسے پھوڑے ہوں اور ان کی وجہ سے جلد کو چھو نہ سکتا ہو اسے کسی کی امامت کرنا یا جس سے وضو کیا ان میں سے کسی ایک کی اقتداء کرنا صحیح نہیں جو نماز افعال میں دوسری نماز کے خلاف ہو اقتداء کرنا صحیح نہیں جیسے نماز کسوف یا جمعہ ایسے شخص کے پیچھے پڑھنا جو ان نمازوں کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھ رہا ہو یا ان دونوں نماز کے علاوہ کی نمازیں یہ نمازیں پڑھنے والے کے پیچھے پڑھنا اس سے افعال میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے جس سے منع کیا گیا ہے نفل والا فرض والے کی اقتدا کرے صحیح ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نماز کو با جماعت لوٹانے کے متعلق ہے اس پر کون احسان کرے گا چنانچہ ایک شخص اٹھا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی وضو والا تیمّم والے کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ اس نے لازمی طریقہ سے طہارت حاصل کی ہے برعکس زیادہ بہتر ہے حائل پر مسح کرنے والا دھونے والے کی اس لئے کہ دھونے سے حدث زائل ہو جاتا ہے۔ ادا پڑھنے والا قضاء پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی کیونکہ نماز تو ایک ہے صرف وقت مختلف ہے: آج کی ظہر کی قضاء کرنے والا دوسرے دن کی ظہر کی قضاء کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ نماز ایک صرف وقت مختلف ہے یہ بات محفوظ خاطر رہے کہ یہ دونوں حالتیں مسلک مالکیہ کے خلاف ہیں قیام سے لاچار شخص اپنے جیسے کا امام بن سکتا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھنے والا قیام کی قدرت رکھنے والوں کی امامت دو شرطوں سے۔

---

❶......بخاری ومسلم عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود (نصب الرایۃ ۲/ ۴۱) ❷الشرح الصغیر ۱/ ۴۵۔ ❸کشاف القناع ۱/ ۵۶۱، ۵۷۰ المغنی ۲/ ۲۲۰، ۲۲۷

اول...... وہ محلّہ کا امام ہو اس لیے کہ لوگوں کو سوائے مخصوص امام کی عدم موجوگی کے معذور شخص کو آگے کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ بغیر ضرورت نماز میں کسی رکن کے ساقط کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایسا کیا تو آپ مقرر امام تھے۔

دوم...... اس کی بیماری کے ختم ہونے کی امید ہو اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شفایاب ہونے کی امید تھی، اس واسطے کہ کافی عرصے سے بیمار اور جس کے صحتمند ہونے کی امید نہ ہو اسے مخصوص امام بنانا لوگوں کے لئے قیام ترک کرنے کا سبب بنے گا جس کی چنداں ضرورت نہیں۔

اسی بنا پر قیام سے لاچار کے پیچھے نماز صحیح نہیں اس لیے کہ اسے نماز کے ارکان میں سے ایک رکن سے لاچاری ہے لہٰذا اس کی اقتداء صحیح نہیں جیسے کوئی شخص قرأت سے عاجز ہو تو وہ اپنے ایسے کی امامت کر سکتا ہے صرف محلّہ کا امام جس کی بیماری ختم ہونے کی امید ہو اس سے مراد ہر مسجد کا مخصوص امام ہے محلّہ کا امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں جس کی دلیل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اقتداء کے لیے بنایا جاتا ہے اس کی مخالفت نہ کرو جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھا کرو ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں بیماری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی کچھ لوگوں نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کی آپ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ نماز کے بعد ارشاد فرمایا: امام اقتداء کے لیے بنایا جاتا ہے جب امام رکوع کرے تو رکوع کرو جب رکوع سے سر اٹھائے تم بھی سر اٹھاؤ اور جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہا کرو اور جب (کسی مجبوری سے) بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو ❷ چونکہ یہ امام کے قعود کی حالت ہے جس کی پیروی مقتدیوں کے لیے تشہد کی حالت کی طرح ضروری ہے۔ اگر لوگوں نے ایسے امام کے پیچھے جس کی بیماری زائل ہونے کی امید ہے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو ان کی نماز صحیح ہے اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کو اعادے کا حکم نہیں دیا کیونکہ قیام اصل ہے ایسے امام کے لیے افضل یہ ہے کہ جب وہ بیمار ہو کسی کو نائب بنا دے کیونکہ لوگوں کا اس کی امامت صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے یوں وہ اختلاف سے بچ جائے گا اور چونکہ کھڑے شخص کی نماز زیادہ کامل ہے اس واسطے مستحب ہے کہ کامل نماز والا شخص امام ہو۔

شافعیہ نے امام مقتدی کی نمازوں کے نظم کی موافقت کو کافی قرار دیا ہے اگر ان کی نمازوں کے نظم میں اختلاف ہو مثلاً فرض اور کسوف کی نماز یا فرض اور جنازے کی نماز تو صحیح روایت کی بنا پر پیشوائی صحیح نہیں کیونکہ دونوں نمازوں کے افعال میں اختلاف کی وجہ سے اتباع مشکل ہے ادا کرنے والے کو قضاء پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہے اس کے برعکس بھی فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اور اس کے برعکس عصر والے کے پیچھے ظہر اور اس کے برعکس اسی ظہر پڑھنے والا فجر اور مغرب پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اس صورت میں مقتدی مسبوق جیسا ہوگا اپنے امام کے سلام کے بعد اپنی نماز مکمل کرے گا اس حالت میں قنوت اور مغرب کے آخری قعود میں امام کی متابعت سے کچھ ضرر نہیں۔ اپنی نماز کے طریقہ کی رعایت کے لیے مقتدی کو اجازت ہے کہ وہ قنوت پڑھنے اور قعدہ اخیرہ میں امام کی مشغولی کے وقت جدا ہو جائے۔ اظہر روایت کے مطابق ظہر کے پیچھے فجر کی نماز صحیح ہے جب امام تیسری رکعت کے لیے اٹھے تو چاہے اس سے جدا ہو کر سلام پھیر دے اور چاہے تو سلام تک اس کا انتظار کرے انتظار کرنا افضل ہے اگر مقتدی کے لیے دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا ممکن ہو تو قنوت پڑھے ورنہ چھوڑ دے قنوت پڑھنے کے لیے امام سے جدا ہونے کی اجازت ہے۔

---

❶ متفق عليه قال ابن عبد البر روى هذا فوعا من طرق متواترة. ❷ وروى انس نحوه اخرجهما البخاري ومسلم وروى جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله اخرجه مسلم ورواه اسيد بن حضير وعمل به قال ابن عبدالبر روى هذا الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم من طرق متواترة من حديث انس وجابر وابي هريرة وابن عمر وعائشة كلها باسانيد صحاح.

خلاصہ......یہ تمام مسالک میں سے امام مقتدی کی نماز کے متحد ہونے کی شرط میں مسلک مالکی زیادہ سخت ہے پھر حنفی پھر حنبلی اور پھر شافعی ہے۔

۲۔ اگر نماز بیٹھ کر ہو تو مقتدی اپنی ایڑی یا سرین کے ذریعہ اور اگر لیٹ کر ہو تو اپنے پہلو کے ذریعہ امام سے آگے نہ بڑھے......اگر دونوں برابر ہوں جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے امام سے تھوڑا سا پیچھے ہونا مستحب ہے اور اگر آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز صحیح نہیں یہ شرط جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ ❶) کے نزدیک ہے دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام اقتداء کے لیے بنایا گیا ہے کیونکہ اقتداء میں اسے اپنے پیچھے التفات کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور چونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں اور نہ منقول کے معنی میں ہے ایڑی سے آگے بڑھنے کا اعتبار ہے۔ اگر پاؤں کی لمبائی کی وجہ سے مقتدی کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے بڑھ گئیں تو جب تک پاؤں کا اکثر حصہ آگے نہ بڑھے نماز صحیح ہے۔

۳۔ حنفیہ اور حنابلہ نے کعبہ کے اردگرد نماز میں مقتدی کو امام سے آگے بڑھنے کی اجازت دی ہے......اسی طرح شافعیہ نے اس وقت آگے بڑھنے کی اجازت دی ہے جب مقتدی امام کی جہت میں نہ ہو۔ اگر دونوں ایک جہت ہوں تو مقتدی کا آگے بڑھنا صحیح نہیں بلاضرورت آگے بڑھنا مکروہ ہے ضرورت جیسے کسی مسجد کا تنگ ہونا تو اس صورت میں مکروہ نہیں جدید قول میں اگر مقتدی امام سے آگے بڑھا تو نماز باطل ہے اس لیے کہ وہ ایسی جگہ کھڑا ہو جو کسی حالت میں مقتدی کی جگہ نہیں یوں اس کی مشابہت اس سے ہوگئی جیسے کوئی نجس جگہ کھڑا ہو۔

مالکیہ......یہ شرط قرار نہیں دیتے چنانچہ اگر مقتدی اپنے امام سے آگے بڑھا اگرچہ تمام مقتدیوں نے ایسا کیا تو نماز صحیح ہے یہی معتمد قول ہے لیکن بلاضرورت آگے ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے اقتداء ممنوع نہیں ہوجاتی اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی پیچھے ہوجائے۔

۴۔ امام ومقتدی کی نماز کی جگہ کا متحد ہونا خواہ دیکھ کر یا سن کر اگرچہ آواز پہنچانے والے کے ذریعہ ہو......اگر دونوں کی جگہیں علیحدہ ہوئیں تو اقتداء صحیح نہیں جس کی تفصیل مسالک میں مختلف ہے یہ شرط مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ہے اس واسطے کہ اقتداء نماز میں تابع ہونے کا تقاضا کرتی ہے اور جگہ نماز کے لوازمات سے ہے تو جگہ میں تابع ہونا ضرورتاً ثابت ہوا اور جگہ کے بدلنے سے جگہ میں پیروی ختم ہوجائے گی یوں نماز میں پیروی معدوم ہوجائے گی اس لئے کہ اس کا لازم نہ رہا۔

مالکیہ......کے ہاں یہ شرط نہیں لہٰذا امام ومقتدی کی جگہ بدلنے سے اقتداء میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح کسی حائل مثلاً نہر رستہ، دیوار سے اقتدا ختم نہیں ہوتی لیکن شرط یہ ہے کہ امام کے افعال کا آنکھ یا کان سے پتہ چلتا رہے اس تک پہنچنا شرط نہیں۔ البتہ اس سے جمعہ کی نماز مستثنیٰ ہے چنانچہ کسی شخص کا گھر جمعہ مسجد سے ملا ہوا ہے اور وہ اپنے امام کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے اس لئے جامع مسجد کا ہونا جمعہ صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

احناف......کی رائے کی تفصیل یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی جگہ میں تبدیلی سے اقتداء فاسد ہوجاتی ہے خواہ مقتدی کو امام کی حالت کا اشتباہ ہو یا نہ ہو یہی صحیح قول ہے چنانچہ اگر کسی پیدل نے سواری یا اس کے برعکس یا سوار نے سوار کی جبکہ دونوں کی سواریاں مختلف ہوں اقتداء کی تو صحیح نہیں کیونکہ جگہ میں فرق آگیا اگر دونوں ایک سواری پر ہوں تو جگہ ایک ہونے کی وجہ سے اقتداء صحیح ہے۔ جس نے اس طرح امام کی اقتداء کی کہ درمیان میں کھلا راستہ ہے جہاں سے لوگ گزرتے ہیں یا بڑی نہر ہے صحرا میں کھلی فضاء ہے یا بہت بڑی مسجد میں جیسے مسجد اقصیٰ جس میں

---

❶......المجموع: ۱۹۴/۴

دو یا زیادہ صفیں سما سکیں یا بلا حائل عورتوں کی صف ہو جن میں ہاتھ بھر کا فاصلہ ہو یا ان کے بلند ہوئے بغیر قد انسان جتنا فاصلہ ہو تو اقتداء صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس سے دونوں جگہوں عرفاً تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں بھی اختلاف ہے جو اقتداء کے صحیح ہونے میں رکاوٹ ہے جس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جس شخص اور امام کے درمیان نہر راستے یا عورتوں کی صف کی وجہ سے فاصلہ ہو جائے اس کی نماز نہیں جس عام راستے کی وجہ سے (اقتداء صحیح نہیں اس کی مقدار یہ ہے جس میں سے بیل گاڑی یا بار بردار (لدے ہوئے) جانور گزر سکیں۔ اور نہر سے مراد جس میں کشتی سما سکے اگر رستے پر صفیں ملی ہوں جیسا حرمین یا نمازیوں سے بھری مساجد میں ہوتا ہے تو اقتداء جائز ہے اس لیے کہ صفوں کے اتصال سے اب وہ رستہ نہ رہا بلکہ اس نماز کی جگہ بن گیا اسی طرح اگر نہر پر پل ہو اور اس پر متصل صف ہو تب بھی یہی حکم ہے امام اور مقتدیوں کے درمیان اگر بڑی دیوار حائل ہو تو جب تک امام کی آواز یا مبلغ کی آواز سے یا دیکھنے سے اگر چہ امام صرف کسی ایک مقتدی کو دکھائی دے چاہے کھڑکی نما دروازے سے دکھائی جس میں سے گزرنا مشکل ہے اور جگہ بھی حقیقت مختلف نہ ہو جیسے مسجد اور گھر کیونکہ مسجد ایک جگہ ہے ان صورتوں میں اگر امام کا حال مشتبہ نہ ہو تو اس سے اقتداء پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہاں البتہ جب مسجد بہت ہی بڑی ہو اسی طرح گھر کا حکم مسجد جیسا ہے صحرا کا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر حائل سے اشتباہ اور جگہ کا اختلاف نہیں تو اقتداء صحیح ہے امام تک پہنچنا یا نہ پہنچنا شرط نہیں۔

امام اگر محراب میں ہو تو مسجد کے انتہائی حصہ میں اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے اس واسطے کہ مسجد باوجود اپنے گوشوں کی دوری کے ایک جگہ کے حکم میں ہے اور مکبر اپنی تکبیر تحریمہ سے صرف آواز پہنچانے کا قصد کرے تو اس کی آواز پر اقتداء کرنے والے کی نماز باطل ہے مقتدی اگر مسجد یا کسی ایسی عمارت کی چھت پر کھڑا ہو جو مسجد کے ساتھ ہو اور اس سے ملی ہو درمیان میں کوئی راستہ نہ ہو اور امام کی اقتداء کرے پس اگر اس کا قیام امام کے پیچھے یا اس کے برابر ہو تو کافی ہے اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتداء کی تھی جو اس کے اندر تھا اور چونکہ مسجد کی چھت مسجد کی تابع ہے اور تابع کا حکم اصل جیسا ہوتا ہے تو گویا وہ مسجد میں ہوا یہ اس صورت میں ہے جب امام کی حالت مشتبہ نہ ہو اگر حالت کا اشتباہ ہو تو جائز نہیں۔ اگر وہ امام سے آگے کھڑا ہو کافی نہیں اس لئے تابع ہونے کا مفہوم باقی نہیں رہا رہی یہ صورت جب کوئی شخص اپنے گھر میں کسی امام مسجد کی اقتداء کرے اور اس کا گھر مسجد سے جدا ہو خواہ درمیان میں رستہ یا کوئی اور چیز ہو تو جگہوں کے بدلنے کی وجہ سے اقتداء صحیح نہیں۔

خلاصہ...... یہ ہوا کہ جگہوں کے بدلنے سے اقتداء صحیح نہیں ہونی چاہیے مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ ہو یا نہ ہو اور مسجد یا گھر میں باوجود جگہ ایک ہونے کے اگر کوئی ایسا حائل آ گیا جس سے فاصلہ پیدا ہو گیا تو اقتداء صحیح نہیں چاہے امام کا حال مشتبہ ہو۔ رہا اتنا فاصلہ جس میں دو یا زیادہ صفیں سما سکیں صحراء ہو یا بڑی مسجد تو وہ اقتداء کے لئے مانع ہے۔

شافعیہ...... (1) اقتداء کے لیے امام کے انتقالات کا علم ہونا شرط ہے بایں طور کہ اسے امام یا کچھ صف دکھائی دے یا اس کی آواز سنے خواہ مبلغ کے ذریعہ سے ہو اگر چہ وہ نماز میں شریک نہ ہو۔

الف...... امام اور مقتدی اگر کسی مسجد میں جمع ہوں تو اقتداء صحیح ہے اگر چہ ان کا درمیانی فاصلہ تین سو ہاتھ ۳۰۰ سے زیادہ ہو یا ان کے مابین عمارتیں جیسے کنواں چھت اور مینارہ ہو یا دوران نماز دروازہ بند کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ ایک شخص مسجد کی آخری کنارے میں نماز پڑھ رہا ہے اور امام پہلے حصہ میں کھڑا ہے تو لوگوں کے گزرنے کے امکان کی شرط کے ساتھ اقتدا صحیح ہے بایں طور کہ کوئی ایسا حائل نہ پایا جائے جو مقتدی کو امام تک پہنچنے سے روک سکے جیسے نماز میں شامل ہونے سے پہلے کا دروازہ امام تک پہنچنے میں کوئی فرق نہیں خواہ وہ شخص قبلہ رخ ہو یا قبلہ پشت، مسجد کی چھت اور اس کا صحن لان مسجد کے حکم میں شمار ہوتا ہے۔

---

(1)...... مغنی المحتاج ۱/۲۴۸، ۲۵۱ الحضر میة ۶۹

ب.....اگر امام مقتدی مسجد سے باہر ہوں جیسے صحراء وغیرہ تو اس شرط کے ساتھ نماز صحیح ہے کہ ان دونوں کے درمیان اور دونوں صفوں کے درمیان تقریباً تین سو ۳۰۰ ہاتھ کا فاصلہ نہ ہو تین ہاتھ کی زیادتی سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ان کے درمیان دیوار بند یا پھرا ہوا دروازہ یا کھڑکی نہ ہو اگر امام مسجد میں اور مقتدی باہر ہو تو تین سو ہاتھ کا شمار مسجد کے آخری گوشے سے کیا جائے گا۔ صحیح قول کے مطابق کسی فاصلے والی شے کا ہونا یا راستے کا خلل انداز ہونا یا اس بڑی نہر کا ہونا جس میں کشتیاں چلتی اور تیراکی کرنے والے تیراکی کرتے ہوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور نہ دو کشتیوں کے درمیان سمندر کا خلل انداز ہونے سے کچھ ہوتا ہے۔ اگر امام اور مقتدی دو عمارتوں میں ہوں مثلاً مدارس کے کمرے یا دو آبادیاں ہوں دو طریقوں میں زیادہ صحیح طریقے کی بناء پر اقتداء صحیح ہے۔ اگر مقتدی کا کمرے دائیں یا بائیں ہو تو وہ دو عمارتوں میں سے ایک کی صف کا دوسرے سے ملا ہوا ہونا ضروری ہے اصح قول میں ایسی خالی جگہ جس میں کھڑے ہونے والا آدمی نہ آسکے سے کچھ ضرر نہیں صحیح یہ ہے کہ اقتداء کے لیے یہ شرط ہے کہ دو صفوں میں تین سو ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اگر ایک شخص کی اقتداء کسی دوسری عمارت میں صحیح ہو جائے تو اس کے پیچھے یا ساتھ والوں کی اقتداء بھی صحیح ہو جائے گی اگر چہ درمیان میں دیوار حائل ہو اگر مقتدی مسجد کے علاوہ کسی اونچی جگہ کھڑا ہو جیسے حویلی کے درمیان میں برجی وغیرہ اور امام نیچے ہو جیسے حویلی کا صحن یا اس کے برعکس صورت ہو ایک صف کا دوسری صف سے اتصال کی ایک اضافی شرط مقتدی کے کچھ بدن کا امام کے کچھ بدن کے برابر ہونا ہے وہ اس طرح کہ نچلے کا سر اوپر والے کے پاؤں کے برابر ہو اور نیچے والے کا قد درمیانہ ہو۔

حنابلہ ⓬.....کے ہاں مستقل تفصیل ہے۔ جس کے متعلق وہ کہتے ہیں امام اور مقتدی کی جگہوں کے فرق سے اقتداء صحیح نہیں رہتی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

الف.....اگر امام مقتدی مسجد میں ہوں تو اقتداء صحیح ہے خواہ ان کے درمیان کوئی حائل ہو یا امام دکھائی نہ دے جب تک تکبیر تحریمہ سنائی دے اگر چہ صفیں متصل نہ ہوں اس واسطے کہ مسجد کی بنیاد ہی جماعت کے لیے رکھی گئی ہے جسے یہاں جگہ مل گئی اسے جماعت میں مل گئی۔ اس کے برخلاف مسجد سے باہر والا شخص ہے اسے جماعت میں شمار نہیں کیا جائے گا اسی بناء پر صرف مسجد میں اتصال شرط ہے۔

ب.....اگر دونوں (امام مقتدی) مسجد سے باہر ہوں تو جب تک امام دکھائی نہ دے یا امام کے پیچھے کھڑے لوگوں کا مشاہدہ نہ ہو خواہ نماز کی بعض حالتوں میں مثلاً قیام یا رکوع میں ہو اگر چہ ان کے درمیان تین سو سے زائد ہاتھ کا فاصلہ ہو اور چاہے امام ایسی جگہ سے نظر آئے جہاں سے انسان کا گزر ممکن نہ ہو جیسے کھڑکی وغیرہ تب تک اقتداء صحیح نہیں۔ اگر مقتدی امام یا اس کے پیچھے کھڑے لوگوں کو نہ دیکھ سکے۔ تو اس کے لیے امام کی اقتداء صحیح نہیں اگر چہ وہ تکبیر کی آواز سن رہا ہو جس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے جو آپ نے اپنے حجرے میں نماز پڑھنے والی خواتین سے فرمایا: تم امام کی اقتداء کر کے نماز نہ پڑھنا اس لیے کہ تم اس سے پردے میں ہو ویسے بھی عموماً اس کی اقتداء ممکن نہیں ہوتی۔ دیکھنے کی شرط کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھتے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر آیا تو وہ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے ⓭ اور صبح اس کے متعلق باتیں ہونے لگیں دوسری رات پھر آپ نے قیام کیا تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے بظاہر وہ قیام کی حالت میں آپ کو دیکھ لیتے ہوں گے۔ مسجد سے باہر صفوں کا اتصال شرط نہیں کیونکہ مسجد میں اور باہر کوئی فرق نہیں جب اتنا نظر آنے لگا جو معتبر ہے اور اقتداء ممکن ہو۔

ج.....اگر ان کے دونوں کے بیچ ایسی نہر ہو جس میں کشتیاں چلتی ہیں تو اقتداء صحیح نہیں اسی طرح جب ان کے بیچ میں راستہ ہو اور اس میں

⓫.....درمیانے آدمی کا ہاتھ جو دو بالشت بنتا ہے۔ ہاتھ سے مراد انگلیوں والا ہاتھ نہیں بلکہ کہنی سے لیکر درمیانی انگلی کا آخری کنارہ ہے۔ (عامر تقی ندوی)

⓬ كشاف القناع ۱/ ۵۸۰،۵۱۹، المغنی ۲/ ۲۰۹،۲۰۶۔ ❶ رواہ البخاری۔

عرفاً صفوں کا اتصال نہ ہو اور نماز بھی ایسی ہو جو راستے میں صحیح نہیں ہوتی جیسے نماز جمعہ عید، استسقاء، کسوف اور جنازہ۔

راستے میں اگر صفوں کا اتصال ہو تو اقتداء اور مقتدی کی نماز صحیح ہے رہی یہ صورت کہ جب راستے میں صفوں کا مطلق اتصال نہ ہو خواہ یہ ان نمازوں سے ہو جو راستے میں نہیں ہوتی یا ان میں سے نہ ہو مقتدی کی نماز صحیح نہیں اس واسطے کہ راستہ نماز کی جگہ نہیں جو ایسا ہو گیا جیسے نہر ہوتی ہے اسی طرح جو شخص ایک کشتی میں اور اس کا امام دوسری کشتی میں ہو اور دونوں جڑی نہ ہوں نماز صحیح نہیں اس لئے کہ پانی (کشتیوں کا) راستہ ہے اور صفیں متصل نہیں ہاں جب سخت خوف ہو تو ضرورت کی بنا پر وہ اقتداء ممنوع میں ہوگی۔

جب صفوں میں اتصال ہو تو جو شخص مسجد کے بالائی حصے میں یا مسجد سے باہر ہو وہ امام کی اقتداء کر سکتا ہے بلندی اقتداء کے لئے مانع نہیں۔

۵۔ مقتدی کی اپنے امام کی اتباع..... چونکہ اقتداء نماز کے افعال میں پیروی کا تقاضا کرتی ہے اور پیروی تب ثابت ہوگی جب مقتدی وہی نماز پڑھے جو اس کا امام پڑھ رہا ہے جب کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے امام اسی لیے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہا کرو اور جب رکوع کرے تو رکوع کیا کرو۔

اس شرط کے مفہوم کی تحقیق میں مسالک میں کئی آراء ہیں جو اگر نہ ہو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے پیروی واتباع تین صورتوں میں سے ایک کو نافذ کرنے سے متصور ہوگی مقارنہ مقتدی کا فعل امام کے فعل سے ملا ہوا ہو مثلاً تکبیر تحریمہ یا رکوع وغیرہ اس سے ملا ہوا ہو تعقیب عملاً مقتدی کا فعل امام کے فعل کے بعد ہو فعل میں قدرے تاخیر امام کو اپنا فعل ادا کر لینے کے بعد یہ اس فعل کو ادا کرے اور دوسرے رکن میں منتقل ہونے سے پہلے اس سے جا ملے۔

احناف..... فرماتے ہیں مذکورہ تین صورتوں میں سے ایک صورت کے ذریعہ اتباع نماز کے فرائض میں سے ایک فرض واجبات میں سے ایک واجب اور سنتوں میں سے ایک سنت ہے چنانچہ اگر اس کا امام کے ساتھ رکوع رہ گیا بایں طور کہ وہ امام سے پہلے یا بعد میں رکوع کرے رکوع میں اس کے ساتھ شرکت نہ کرے یا سجدہ امام سے پہلے یا بعد میں کرے امام کے ساتھ اس میں شریک نہ ہو، تو وہ رکعت بے کار جائے گی جس میں اتباع ثابت نہیں ہوئی۔ نماز کے سلام کے بعد اس کی قضاء واجب ہے ورنہ اس کی نماز باطل ہوئی اگر قنوت میں متابعت ترک کرے گا تو گنہگار ہے اس لیے کہ ایک واجب چھوڑ دیا اور اگر رکوع کی تسبیحات چھوڑیں تو اس نے سنت ترک کی ہے۔

لیکن یاد رکھا جائے چار کاموں میں اتباع لازمی نہیں۔ اوّل: جب امام جان بوجھ کر اپنی نماز میں ایک سجدے کا اضافہ کرے۔ دوم: عید کی تکبیرات میں اضافہ کرے۔ سوم: جنازہ کی تکبیرات میں اضافہ کر دے پانچ تکبیر کہہ دے۔ چہارم: قعدہ اخیرہ کے بعد فرض میں امام بھولے سے زائد رکعت کے لیے اٹھ گیا اگر مقتدی کے تنبہ کرنے سے لوٹ آئے تو نماز صحیح ہے سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر زائد رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو مقتدی اکیلے سلام پھیر دے۔ اگر امام قعدہ اخیرہ سے پہلے اٹھ گیا اور زائد رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو سب کی نماز باطل ہے۔

مقتدی کو نو کام کرنے چاہئیں ان کے چھوڑنے میں پیروی نہ کرے..... تحریمہ میں رفع یدین، ثناء پڑھنا، تکبیرات رکوع، تکبیرات سجود، ان کی تسبیحات سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، تشہد پڑھنا، سلام پھیرنا، تکبیر تشریق۔

پانچ امور چھوڑنے میں امام کا اتباع کرے..... تکبیرات عید، قعدۂ اولی، سجدہ تلاوت، سجدۂ سہو، قنوت پڑھنے میں جب رکوع فوت ہونے کا خدشہ ہو البتہ جب یہ اندیشہ نہ ہو تو قنوت پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تحریمہ میں متابعت وپیروی افضل ہے اگر اس نے امام سے پہلے تکبیر کہہ لی تو اس کی نماز صحیح نہیں۔ اگر تکبیر میں تاخیر ہوگئی تو تکبیر تحریمہ کی فضیلت کا وقت نکل گیا اگر امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی تو جائز ہے اگر امام سے پہلے تکبیر کہنے میں فارغ ہو گیا تو جائز نہیں۔ اسی طرح سلام پھیرنے میں امام کا اتباع افضل ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے اگر وہ تشہد مکمل کر چکا ہے نہ پہلے نہ بعد میں تشہد مکمل کرنے سے بعد امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو اگر

بلاعذر ہوتو کراہت کے ساتھ اس کی نماز صحیح ہے اور اگر بعد میں سلام پھیرا تو افضلیت ترک کر دی اگر مقتدی نے تشہد مکمل نہیں کیا تو مکمل کر کے پھر سلام پھیرے۔

مالکیہ ❶ : متابعت...... یہ ہے کہ مقتدی کا فعل، امام کے فعل کے بعد ہے، جس میں نہ سبقت کرے نہ برابری اور نہ تاخیر سے کام لے اس مفہوم میں امام کی پیروی تکبیر تحریمہ اور سلام میں شرط ہے جس کی صورت یہ ہے کہ امام کے بعد تکبیر تحریمہ اور امام کے بعد سلام پھیرے اگر اس کے برابر رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ صحیح قول کے مطابق امام کے بعد شروع کرے اور یقیناً اس کے بعد یا اس کے ساتھ ختم کرے رہی تکبیر تحریمہ اور سلام۔ کے علاوہ متابعت تو وہ شرط نہیں مثال کے طور پر اگر مقتدی رکوع سجود میں امام کے مساوی ہوا تو کراہت کے ساتھ اس کی نماز صحیح ہے سلام اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی ارکان میں امام سے سبقت کرنا حرام ہے امام کے ساتھ شریک رہتے ہوئے اگر اس سے سبقت ہوگئی تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ اگر رکوع یا سجدے میں سبقت کی اور امام کا انتظار کیا یہاں تک (پھر) رکوع اور سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہے اس سبقت میں اگر عملاً ایسا کیا تو گنہگار ہوگا اور اگر اس کا انتظار نہیں کیا بلکہ اس سے پہلے سر اٹھالیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر بھولے سے سر اٹھایا اور پھر لوٹ آیا تو نماز صحیح ہے اگر امام سے پیچھے رہ گیا مثلاً جب امام نے رکوع سے سر اٹھایا اس وقت اس نے رکوع کیا تو اگر یہ صورت حال پہلی رکعت میں عمداً پیش آئی تو نماز باطل۔ ہے اس لیے کہ اس نے مقتدی ہونے سے اعراض کیا ہے اور اگر بھولے سے پیش آئی تو اس رکعت کو شمار نہ کرے اور امام کے سلام کے بعد اس کی قضاء کرے رہی یہ صورت کہ جب وہ اپنے امام سے پہلے پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں سر اٹھاتا ہے تو نماز باطل نہیں ہوگی اگر جان بوجھ کر کرے گنہگار ہوگا اگر نماز فجر میں مقتدی نے قنوت چھوڑ دیا جب کہ امام نے پڑھا ہے تو اسے گناہ نہیں ہوگا کیونکہ قنوت مستحب ہے۔

مقتدی ان امور میں امام کی پیروی نہ کرے...... بھولے سے امام زائد رکعت کے لیے اٹھے تو مقتدی بیٹھا رہے جان بوجھ کر اس کی پیروی کی نماز باطل ہو جائے گی جنازے میں چار سے زائد تکبیرات کہہ دے امام عید کی تکبیرات میں اضافہ کر دے اگر چہ زیادتی امام کے مسلک کے مطابق ہو۔

مقتدی یہ امور ادا کرے اگر چہ امام انہیں چھوڑ دے...... تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا جو مستحب ہے نماز کی تکبیرات، جو سنت ہیں نماز کے بعد تکبیرات تشریق جو مستحب ہیں، اگر مقتدی نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اپنے امام سے سجدہ سہو کی ادائیگی جو سنت ہے اگر رکعت نہیں ملی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی تکبیرات عید جو سنت ہیں مقتدی کو چاہیے کہ اگر امام نے قعدہ اولیٰ چھوڑ دینے میں اور گھٹنے ہاتھ زمین سے اٹھانے سے پہلے واپس آنے میں اپنے امام کی پیروی کرے اسی طرح اگر وہ سجدہ تلاوت چھوڑ دے تو اس میں بھی اس کی پیروی کرے سلام پھیرنا اگر امام نے ترک کر دیا تو نماز باطل ہے اگر چہ مقتدی نے اسے ادا کیا اس لیے کہ یہ ایسا رکن ہے جو ہر نمازی کے لئے ضروری ہے۔

شافعیہ...... ❷ فرماتے ہیں نماز کے افعال میں اتباع واجب ہے نہ کہ نماز کے اقوال میں مثلاً وہ اس طرح کہ مقتدی کے فعل کا آغاز امام کے فعل کی ابتداء کے بعد ہو اور امام کے فعل سے فراغت سے پہلے مقتدی کا فعل ہو اقوال میں متابعت مستحب ہے جس کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے: امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء و پیروی کی جائے اگر کسی فعل یا قول میں امام سے مل گیا تو نہ اس کا ضرر ہے اور نہ گنہگار ہوگا اس لیے کہ اقتداء ترتیب وار ہے نہ کہ اس میں مخالفت ہو رہی ہے البتہ اس سے کراہت ہوتی اور جماعت کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔

---

❶......الشرح الصغير ١/ ٤٥٢، ٤٥٤، الشرح الكبير ١/ ٣٤٠ بداية المجتهد ١/ ١٥٨ ـ ❷ مغني المحتاج ١/ ٢٥٥ الحضرمية ٧١، المهذب ١/ ٩٦

سوائے تکبیر تحریمہ کے اس میں اگر مقتدی امام سے مل گیا تو نماز باطل ہو جائے گی ایسے ہی اگر مقتدی بلاعذر دو فعلی رکنوں میں امام سے آگے بڑھ گیا یا پیچھے رہ گیا یعنی اپنی پوری تکبیر تحریمہ میں امام کی مکمل تکبیر تحریمہ سے یقینی طور پر آگے نہ بڑھے یہ شرط ہے اور نہ اپنے امام سے بلاعذر دو فعلی رکنوں میں پہل و تاخیر نہ کرے اور نہ امام کے سلام سے سلام پھیرنے میں ہی پہل کرے۔

اس بنا پر اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی فعل میں امام سے مل گیا یا کسی فعلی رکن میں آگے یا پیچھے ہو گیا تو اصح قول کے مطابق نماز باطل نہیں ہوگی البتہ صرف سلام میں مقارنت و برابری مکروہ ہے امام سے پہلے سلام پھیرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص امام سے دو فعلی رکنوں میں بلاعذر آگے بڑھ گیا جیسے امام ابھی قرأت میں مشغول ہے اور یہ سجدہ کرے تو نماز باطل ہو جائے گی غیر فعلی دو رکنوں میں سبقت سے کچھ نہیں ہوتا مثلاً تشہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں پہل کر لی۔ البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے دو مختلف رکنوں مثلاً ایک فعلی اور دوسرا قولی ہو میں پہل کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا جیسے فاتحہ پڑھنا اور رکوع کرنا لیکن فعلی رکن حرام ہے۔ چنانچہ کسی مکمل فعلی رکن میں امام سے پہلے سبقت کرنا مقتدی کے لیے حرام ہے۔ جیسے امام ابھی قیام میں ہے اور وہ رکوع کرلے یا رکوع سے سر اٹھالے جس کی دلیل صحیح کی حدیث ہے: اس شخص کو کوئی خوف نہیں جو امام سے پہلے سر اٹھالیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا بنادے یا اس کی شکل گدھے کی طرح کردے ❶ اگر کسی معذوری کی وجہ سے مقتدی امام سے پیچھے رہ گیا مثلاً بلاوسوسہ قرأت کرنے میں سستی کرنا موافق (ملنے والے) کا ثناء پڑھنے میں مشغول ہونا یا اس کے امام نے رکوع کر لیا ہے اور اسے فاتحہ کے بارے میں شک ہو گیا یا اس کا چھوڑ دینا یاد آ گیا یا امام نے جلدی قرأت کرلی، تو تین لمبے ارکان تک اسے معذور سمجھا جائے گا جیسا ہم موافق (شافعیہ کی اصطلاح ہے) کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر اس نے اضافہ کر دیا تو اصح یہ ہے کہ وہ اسی حالت میں امام کی پیروی کرے پھر امام کے سلام کے بعد اس کی تلافی کرے۔

حنابلہ...... ❷ فرماتے ہیں: متابعت یہ ہے کہ نماز کے کسی فعل میں امام سے آگے نہ بڑھے خواہ تکبیر تحریمہ ہو یا سلام ہو ایسے کسی فعل میں امام سے پیچھے نہ رہے مقتدی کے لیے مستحب یہ ہے کہ امام جب اپنے رکن سے فارغ ہو جائے تب مقتدی اس کا آغاز کرے جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے ”امام اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ اس کا اتباع کیا جائے۔“

اگر اس نے عمداً امام سے پہلے رکوع کر لیا بایں طور کہ اس نے رکوع کیا اور امام کے رکوع سے پہلے ہی سر بھی اٹھالیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی اگر رکوع کے علاوہ کسی رکن جیسے سجدہ کے لئے جھکنے میں سبقت کی، یا دوسری رکعت کے واسطے کھڑے ہونے میں پہل کر دی تو اس کی نماز باطل نہیں ہوئی لیکن اس پر واجب ہے کہ امام کے بعد اپنے کیے ہوئے افعال کی طرف لوٹ آئے ایسا اگر جہالت یا سہوا کیا تو اس کی نماز صحیح ہے لیکن جو کچھ اپنے امام کے بعد کیا ہے اس کا اعادہ اس پر لازم ہے۔ نماز کے کسی فعل میں امام سے سبقت کرنا حرام ہے جس کی دلیل سابقہ دو حدیثیں ہیں امام اس لیے بنایا گیا ہے...... اسے کوئی خوف نہیں جو تم میں اپنا سر اٹھالیتا ہے...... مقتدی کے لیے سوائے تکبیر تحریمہ اور سلام پھیرنے میں اپنے امام سے پیش قدمی اور موافقت مکروہ نہیں جیسے قرأت کرنا تسبیحات پڑھنا اور تشہد وغیرہ۔

اگر دو رکنوں میں عمدا سبقت کی تو اس کی نماز باطل ہے اور اگر سہواً ہو تو نماز باطل تو نہیں ہوتی البتہ کیے گئے فعل کا اعادہ کرے اگر اعادہ نہ کیا تو یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔ مقتدی اگر نماز کے افعال میں امام سے مل گیا تو شافعیہ کی طرح (ہمارے ہاں بھی) مکروہ ہے تکبیر تحریمہ میں امام سے آگے بڑھ گیا یا برابر رہا تو اس کی نماز باطل ہے خواہ عمداً ایسا کیا ہو یا سہواً۔ اور سلام میں عمداً پہل کی تو اس کی نماز باطل ہے اگر سہواً ایسا کیا تو امام کے سلام کے بعد سلام پھیرے ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

---

❶......الشرح الصغیر ۱/ ۴۵۲، ۴۵۴، الشرح الکبیر ۱/ ۳۴۰ بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۵۸۔ ❷ کشاف القناع ۱/ ۵۴۶، ۵۴۹

اگر مقتدی جان بوجھ کر امام سے ایک رکن میں پیچھے رہ گیا اگر وہ رکن رکوع ہو تو نماز باطل ہے اور اگر رکوع کے علاوہ ہو یا تاخیر جہالت یا بھولے سے ہو تو جب تک دوسری رکعت کے رہ جانے کا اندیشہ نہ ہو اسے ادا کرنا واجب ہے اور اگر اس کا اندیشہ ہو تو امام کی پیروی کرے اور یہ رکعت شمار نہیں ہوگی امام کے سلام کے بعد اسے ادا کرنا واجب ہے۔

اگر امام سے تاخیر دو رکنوں میں عمداً ہو تو اس کی نماز باطل ہے اگر سہواً ہوئی ہو تو جب تک دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف نہ ہوا نہیں ادا کرنا واجب ہے ورنہ یہ رکعت شمار نہیں ہوگی امام کے سلام بعد اس رکعت کی قضاء کرے۔ اگر مقتدی بلا عذر کسی رکن میں اپنے امام سے پیچھے رہ جائے تو اس کی تفصیل آگے نکل جانے کے حکم جیسی ہے اگر نیند غفلت وغیرہ کسی عذر سے پیچھے رہ گیا تو اسے کر کے اپنے امام سے ملنا واجب ہے اگر ایسا نہ کیا تو وہ رکعت صحیح نہیں۔ امام کے سلام کے بعد اسے ادا کرے۔

اگر مقتدی قرأت کرنے میں امام سے آگے نکل گیا اور امام نے رکوع کر لیا مقتدی قرأت چھوڑ کر امام کی پیروی کرے اس واسطے کہ اس کے حق میں مستحب ہے جب کہ اتباع واجب ہے اور واجب و مستحب میں تعارض و ٹکراؤ نہیں۔ رہا تشہد تو، اگر اس میں امام آگے بڑھ گیا تو مقتدی اسے پورا کر کے پھر سلام پھیرے۔ کیونکہ تشہد کے متعلق اوامر عام ہیں۔

خلاصہ...... یہ کہ امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملنا حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک جائز اور مالکیہ وشافعیہ کے ہاں ناجائز ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے جیسا اس میں (تکبیر تحریمہ میں) پہل کرنا بالاتفاق نماز کو باطل کر دیتا ہے رہا وہ شخص جس نے امام سے پہلے سر اٹھا لیا تو اس نے جمہور کے نزدیک (یعنی ائمہ اربعہ) برا کیا لیکن نماز اس کی جائز ہے اس پر رجوع کرنا واجب ہے آ کر امام کا اتباع کرے۔

۶۔ شافعیہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے...... کہ اس سنت میں امام کی موافقت کی جائے جس میں زیادہ مخالفت بن جاتی ہے چنانچہ اگر امام نے سجدہ تلاوت چھوڑ دیا مقتدی نے سجدہ کر لیا یا اس کے برعکس ہوا، یا امام نے تشہد اول چھوڑ دیا اور مقتدی نے اسے ادا کیا تو اگر اسے معلوم ہے اور عمداً ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہے۔ اگر امام نے تشہد پڑھا اور مقتدی عمداً کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وہ دوسرے فرض کی جانب منتقل ہوا ہے جو قیام ہے لیکن لوٹ آنا مستحب ہے، تا کہ اس اختلاف سے بچ سکے جو اس پر واجب ہو رہا ہے۔ سنت میں موافقت تین سنتوں میں منحصر ہے جمعہ کے روز نماز فجر کا سجدہ تلاوت سجدہ سہو، پہلا تشہد رہا قنوت تو اس میں مقتدی کے لیے اپنے امام کی پیروی واجب نہیں۔ خواہ پڑھے خواہ ترک کرے۔ شافعیہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ امام ایسی نماز میں ہو جس کا اعادہ کرنا واجب نہیں لہٰذا دو طہارتیں (وضو و تیمم) نہ پانے والے کی اقتداء کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس کی نماز واجب الاعادہ ہے۔

۷۔ احناف کے ہاں صف میں عورت کا برابر نہ کھڑے ہونا بھی شرط ہے اگر چہ وہ محرم ہو...... ورنہ تین آدمیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی دائیں بائیں اور پیچھے والے کی نصوص پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی چھ شرائط ہیں جو یہ ہیں۔ (۱)

اول...... برابر میں کھڑی عورت رغبت دلانے والی ہو بایں طور اس کی عمر سات سال ہو اور اتنی فربہ ہو کہ اس سے صحبت کی جا سکے یا آٹھ یا زیادہ سالوں کی ہو۔ مجنون (پگلی) کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس کی نماز جائز نہیں۔

دوم...... مطلق یعنی پورے ارکان والی نماز ہو جس میں رکوع سجدہ ہو اگر چہ دونوں اشارے سے پڑھ رہے ہوں۔ یا ان کی نماز ایک نہ ہو مثلاً صحیح قول کے مطابق ظہر کی نماز عصر پڑھنے والے کے پیچھے، مطلق نماز کہنے سے نماز جنازہ خارج ہو گئی اس میں عورت کی برابری سے نماز جنازہ فاسد نہیں ہوگی۔

---

(۱)...... تبیین الحقائق ۱/ ۱۳۷، فتح القدیر ۱/ ۲۵۷، الدر المختار ورد المحتار ۵۱۴، ۵۳۵، ۵۳۷ تحقیقاً ادائیگی یہ ہے کہ برابری کی حالت میں اور تقدیراً یہ ہے کہ اس حالت میں جب لاحق اسے مکمل کر رہا ہو گویا تقدیراً فرضاً وہ امام کے پیچھے ہے۔

سوم...... تکبیر تحریمہ اور ادائیگی میں بھی وہ نماز دونوں میں مشترک ہو تحریمہ میں شرکت کا مفہوم یہ ہے کہ ان دونوں کے تحریمہ کی بنیاد امام سے تحریمہ پر ہو، اور ادائیگی میں شرکت کا مطلب ہے کہ جو کچھ وہ ادا کر رہے ہیں اس میں ان کا حقیقتاً یا تقدیراً امام ہوتا کہ مدرک کو بھی شامل رہے، جس نے شروع سے امام کے ساتھ مکمل نماز پائی ہے۔ اور لاحق کو بھی جس نے ابتدائی نماز پائی، نیند یا بے وضوگی کی وجہ سے نماز کا آخری حصہ اس سے رہ گیا ہو۔ رہا مسبوق تو اس کی رہ گئی نماز مکمل یا قضا کرتے فاسد نہیں ہوگی بغیر اشتراک نماز میں برابری مکروہ ہے۔ ❶

چہارم...... ان کے درمیان کم از کم انگلی کی موٹائی میں ہاتھ بھر یا اتنی گنجائش نہ ہو جس میں آدمی سما سکے۔

پنجم...... کامل رکن میں برابری ہو، چنانچہ اگر یہ صورت حال ہوئی کہ اس عورت نے تحریمہ ایک صف میں اور رکوع دوسری صف اور سجدہ تیری صف میں کیا تو اس کے دائیں بائیں اور پیچھے والوں سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ششم...... جہت ایک ہو چنانچہ اگر جہت بدل گئی جیسے کعبہ کے اندر کی نماز اور تاریک رات میں اندازے سے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے سے برابری کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ان شرائط کا حاصل یہ ہوا...... برابر میں کھڑی عورت رغبت والی ہو امامت کی نیت ہو، رکن میں ہو مطلق نماز ہو تحریمہ اور ادائیگی میں اشتراک ہو، جگہ اور جہت ایک ہو، درمیان میں کوئی حائل اور کشادگی نہ ہو۔

اکیلی عورت کی وجہ سے تین آدمیوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے...... دائیں والے بائیں والے اور اس کے پیچھے والے کی صفوں کی انتہا تک اس کے علاوہ نہیں اس واسطے کہ جس کی نماز فاسد ہوگئی وہ اس عورت اور اس کے ساتھ والے کے درمیان حائل بن گیا۔

دو عورتیں چار آدمیوں کی نماز فاسد کر دیتی ہیں...... دو دائیں بائیں والوں کی، صحیح قول کے مطابق تین عورتیں اپنے دائیں والے کی اور ایک بائیں والے کی نماز فاسد کر دیتی ہیں اور تین تین آخری صف تک۔ خوبرو قابل شہوت بے ریش لڑکے کی برابری کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی اس واسطے کہ عورت کی وجہ سے نماز کے فاسد ہونے کی علت شہوت نہیں بلکہ جگہ کی فرضیت کا ترک کرنا ہے۔

احناف کے علاوہ جمہور فرماتے ہیں...... عورت اگر مردوں کی صف میں کھڑی ہوگئی تو اس کے ساتھ والے اور پیچھے والے کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور نہ عورتوں کی پوری صف کی وجہ سے ان سے پیچھے والے مردوں کی اقتداء میں کوئی رکاوٹ آئے گی، نہ اگلوں کی نماز باطل ہے اور نہ اس کی اپنی نماز اس طرح جیسے کوئی عورت نماز سے باہر کسی جگہ کھڑی ہو عورتوں کو مؤخر کرنے کا حکم "انھیں اس جگہ پیچھے رکھو جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں پیچھے رکھا ہے" ❷ اس کی عدم موجودگی سے فساد کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ صفوں کی ترتیب صرف سنت نبوی ہے مردوں وعورتوں کا اس کے خلاف کرنے سے نماز باطل نہیں ہوگی جس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہوئے ان کی نماز باطل نہیں ہوتی، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صف کے باہر ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کر کے چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں ترقی دے دوبارہ ایسے نہ کرنا۔

اسی طرح حنفیہ کے ہاں اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ امام مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف نہ ہو اگر وہ تین ہوئیں تو آخری صف تک تین مردوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر دو ہیں تو دو مردوں کی نماز آخری صفوں تک باطل ہو جائے گی اور اگر ایک ہو تو اس کے دائیں بائیں والوں کی نماز فاسد ہوگی۔ اور جو اس کے پیچھے ہے یعنی آخری صف میں سے ایک (آدمی مرد) کی نماز فاسد ہے۔

---

❶ الشرح الصغیر ۱/۴۵۸، المہذب ۱۰۰/۱، کشاف القناع ۱/۵۷۵، المغنی ۱/۲۱۵، ۲۲۳، القوانین الفقہیۃ ۶۹۔ ❷ اس کے متعلق زیلعی کہتے ہیں غریب مرفوع حدیث ہے جو مصنف عبدالرزاق میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل ہے جس کا طریق عبدالرزاق ہے اسے طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔ نصب الرایہ ۲/۳۶)

احناف کے علاوہ فقہاء کا قول ہے..... مرد نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے کوئی دوسری عورت نماز پڑھ رہی ہو تو مکروہ ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے ''انہیں وہیں مؤخر کرو جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں مؤخر رکھا ہے'' رہی نماز کے علاوہ کی حالت تو وہ مکروہ نہیں جس کی دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور ابوحفص حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں فرمایا: میرا بستر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کے پاس (برابر) تھا۔ احناف نے اقتداء کی صحیح ہونے کے لیے ایک اور شرط کا ذکر کیا ہے جیسا ہم بتا چکے ہیں وہ امام کی شرط ہے۔ وہ امام کی نماز کا صحیح ہونا ہے اگر اس کا فاسد ہونا امام کے فسق یا بھولے سے موزوں پر مسح کی مدت ختم ہو جانے کی وجہ سے یا بے وضوگی وغیرہ کے ذریعہ ظاہر ہو جائے تو مقتدی کی نماز صحیح نہیں کیونکہ امام کی نماز (پر بنیاد رکھنا) کو بنیاد بنانا صحیح نہیں۔ ایسے ہی اس وقت بھی اقتداء صحیح نہیں جب امام کے خیال میں نماز صحیح ہو اور مقتدی کے خیال میں فاسد ہو کیونکہ وہ اپنے گمان میں فاسد کو بنیاد بنا رہا ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ رہی یہ صورت کہ جب امام کے گمان میں نماز فاسد ہوگئی اور اسے اس کا علم نہیں۔ جب کہ مقتدی کو پتہ چل گیا تو اکثر کا قول یہ ہے کہ نماز صحیح ہے یہی زیادہ صحیح ہے اس واسطے کہ مقتدی اپنے امام کی نماز کو جائز سمجھتا ہے اپنے بارے میں اس کی اپنی رائے معتبر ہے۔ ❶

۸۔ حنابلہ کے ہاں...... یہ شرط ہے کہ مقتدی اگر ایک ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اگر اس نے مخالفت کی اور بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہو گیا جب کہ دائیں جانب جگہ خالی ہے اور اس نے مکمل ایک رکعت پڑھ لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی مرد ہو یا ہیجڑا اس واسطے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کو نماز میں دائیں جانب پھیر لیا۔ اور اگر عورت ہو تو امام کے پیچھے کھڑے ہونے سے اس کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے کھڑے ہونے کی شرعی جگہ یہی ہے۔ مقتدی جب امام کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا ابھی تک تکبیر تحریمہ کہی ہو یا نہ کہی ہو امام کے لئے مسنون ہے کہ اسے اپنے پیچھے سے دائیں جانب گھمالائے اس کا تحریمہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ برتاؤ اس کی دلیل ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ ❷

دوم: امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کا مقام...... با جماعت نماز کے لئے مخصوص ترتیب وار کیفیت سنت نبوی سے ثابت ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ امام آگے اور مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ ❸ سوائے ننگوں کے سب امام آگے ہوں چنانچہ ننگے لوگوں کے امام کا درمیان میں کھڑے ہونا حنابلہ کے ہاں واجب اور دیگر فقہاء کے ہاں مستحب ہے اور عورتوں کی امام آگے کھڑے ہونے سے مستثنیٰ ہے چنانچہ وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہو۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے اور سعید بن منصور نے اسے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے عورتوں کی درمیان میں کھڑے ہو کر امامت کی ❹ نیز عورت کے لئے پردے میں ہونا مستحب ہے اور یہ صورت عورت امام کے لیے زیادہ پردے کا باعث ہے۔

اور مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی یہ صورت ہے۔ ❺

الف..... امام کے ساتھ جب ایک مرد یا سمجھدار بچہ ہو تو اسے امام کی دائیں جانب اپنی ایڑی قدرے پیچھے رکھ کے کھڑے ہونا مستحب ہے جمہور کے ہاں برابری میں کھڑے ہونا مکروہ ہے یا بائیں جانب یا پیچھے کھڑے ہونا کیونکہ اس سے سنت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ البتہ نماز باطل نہیں ہوتی نماز صحیح ہے جیسا بیان کر چکے ہیں حنابلہ اس کے قائل ہیں کہ اگر اس طریقے کے مخالف ایک پوری رکعت پڑھی تو اس کی نماز باطل ہے۔

---

❶ ..... ردالمحتار ۱/۵۱۴۔ ❷ کشاف القناع ۱/۵۷۳۔ ❸ رواہ احمد وابوداؤد عن ابی مالک الاشعری (نصب الرایة ۲/۳۶ نیل الاوطار ۳/۱۸۲۔ ❹ رواھما الشافعی فی مسندہ والبیھقی فی سننه باسنادین حسنین۔ ❺ الدر المختار ۱/۵۲۹، ۵۳۴، فتح القدیر ۱/۳۵۴، الکتاب شرح اللباب ۱/۸۲، الشرح الصغیر ۱/۴۵۷، القوانین الفقھیة ۶۹ المھذب ۱/۹۹، المجموع ۱۸۶ مغنی المحتاج ۱/۲۳۶ کشاف القناع ۱/۵۷۱، ۵۷۹، المغنی ۲/۲۰۴، ۲۱۲، ۲۱۲ بدایة المجتھد ۱/۱۴۳

اس کیفیت کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے اپنی خالہ میمونہ کے ہاں رات بسر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر نماز پڑھنے لگے میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا۔ (1)

ب......اگر مرد اور عورت ہو تو مرد امام کے داہنے طرف اور عوت مرد کے پیچھے کھڑی ہو اور حنابلہ فرماتے ہیں: اگر مرد خنثیٰ مشکل کی امامت کر رہا ہو تو صحیح یہ ہے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اسی میں احتیاط ہے ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو۔ اگر ہیجڑے کے ساتھ ایک اور مرد بھی ہو تو مرد امام کی دائیں جانب اور ہیجڑا بائیں جانب مرد کی دائیں جانب کھڑا ہو دونوں امام کے پیچھے نہ کھڑے ہوں اس لئے کہ ممکن ہے وہ عورت ہو۔ اگر دو مرد اور ایک ہیجڑا ہو تو تینوں امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوں۔

ج......اگر دو مرد یا ایک مرد اور بچہ ہو دونوں امام کے پیچھے صف بنائیں۔ اسی طرح ایک یا کئی عورتیں ہوں وہ یا ساری امام کے پیچھے ایسی کھڑی ہوں کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو جس کی دلیل بحوالہ جابر رضی اللہ عنہ مسلم کی حدیث ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی اور آپ کی دائیں جانب کھڑا ہوا پھر جابر بن صخر آئے وہ آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ہاتھوں سے پکڑا اور ہمیں اپنے پیچھے لا کھڑا کیا (2) رہا مرد بچہ عورت اور کئی عورتیں تو جیسا کہ صحیحین کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر نماز پڑھی میں اور یتیم آپ کے پیچھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (3) جو کچھ ہم نے ذکر کیا اگر اس کی مخالفت ہوئی تو مکروہ ہے۔

د......جب مرد، بچے، ہیجڑے، اور عورتیں جمع ہوں تو پہلے مرد پھر بچے پھر ہیجڑے اگر چہ جدا ہوں پھر عورتیں صف باندھیں دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے میرے قریب (نماز میں) اہل عقل و دانش ہوا کریں پھر ان سے قریب تر پھر ان سے قریب تر اور اختلاف نہ کرنا ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور خبردار بازاری شور وشغب سے بچنا (4) اس بنا پر پہلی صف میں فضیلت وعمر والے لوگ آگے ہوں اور امام کے نزدیک زیادہ کامل لوگ ہوں بچوں اور لڑکوں کو پیچھے رکھا جائے وہ امام کے قریب نہ ہونے پائیں۔ زائد آدمی صف کے پیچھے کھڑا ہو اگر ایک شخص امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اس کے پیچھے صف ہے ایسا کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔

ھ......امام صف میں لوگوں کے وسط میں کھڑا ہو کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ امام کو درمیان میں رکھنا اور خلا کو پر کرنا (5) سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو کیونکہ مساجد کی محرابیں درمیان میں بنائی گئی ہیں یوں دونوں جانبین برابر رہیں گی۔ ان کی وجہ سے امام کے مقام کی تعین بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر امام لوگوں کی دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہوا تو اس نے برا کیا اور سنت کی مخالفت کی یہ برائی احناف کے ہاں مکروہ تحریمی سے کم درجہ کی ہے۔ البتہ مکروہ تنزیہی سے زیادہ بڑی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور ان کا قول زیادہ صحیح ہے مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ امام دو ستونوں کے درمیان یا کسی گوشے میں یا مسجد کے کونے میں یا کسی ایک ستون کے پاس کھڑا ہو کیونکہ یہ امت کے عمل کے برخلاف ہے احناف کے ہاں امام کا صف سے آگے ہونا واجب ہے۔

پہلی صف کی فضیلت......مستحب یہ ہے کہ لوگ پہلی صف کی طرف پیش قدمی کریں (6) اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صف اول میں کیا (فضیلت) ہے تو قرعہ اندازی ہونے لگے (7) اور حضرت براء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف

---

(1) رواہ البخاری ومسلم (2) رواہ مسلم وابوداؤد ولفظ الا خیران جابر وجبارا (3) روی من حدیث ابن مسعود وابی مسعود وبراء بن عازب فاما الاول فاخرجہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی واما الثانی رواہ مسلم وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ واما الثالث فرواہ الحاکم فی المستدرک (نصب الرایۃ ۲/۳۷) (4) رواہ ابو داؤد (5) ردالمحتار ۱/۵۳۰۔ (6) القوانین الفقہیۃ ۶۹، بدایۃ المجتہد ۱/۱۴۴، المجموع۴/۱۹۰، الدرالمختار ۱/۵۳۲ (7) رواہ البخاری ومسلم

والوں پر سلام بھیجتے ہیں (۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بری صف آخری ہے جب کہ عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بری صف پہلی ہے (۲) اس میں پہلی صف کی مردوں کے حق میں افضلیت کی وضاحت ہے اور وہ بہترین صف ہے کیونکہ اس میں فضلیت کا حصول ہے اور آخری صف کا برا ہونا اس لحاظ سے ہے کہ آگے بڑھنے کی فضلیت جو صف اول میں مل رہی تھی اسے چھوڑ دیا گیا اور عورتوں کے حق میں آخری صف افضل ہے کیونکہ اس میں مردوں سے اختلاط سے دوری ہے۔ مستحب یہ ہے کہ لوگ امام کی دائیں جانب کا قصد کریں اس لیے حدیث میں آتا ہے: حضرت براء سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب پسند تھی اس لیے کہ آپ پہلے دائیں جانب سے اختتام کر کے ان پر سلام بھیجتے (۳) اگر پہلی صف میں گنجائش نظر آئے تو اسے بھر دے یہ مستحب ہے اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی صف مکمل کرو۔ اگر کوئی کمی ہو تو وہ آخری صف میں رہے۔ (۴)

سوم: امام کا صفیں برابر کرنے اور خلا پر کرنے کا حکم دینا...... امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ صفیں برابر کرنے اور خلا پر کرنے اور کندھے سیدھے رکھنے کا حکم دے (۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: صفوں میں سیدھے رہو اور مل کر رہو اس لیے کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم دیکھتے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھ والے ساتھ اور اپنا قدم اپنے ساتھ والے کے قدم کے ساتھ ملا رہا ہوتا تھا (۶) اور امام کہے: اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کونے سے دوسرے کونے تک صف میں خلا کو تلاش کرتے، ہمارے سینوں اور کندھوں کو ہاتھ سے چھوتے اور فرماتے (آگے پیچھے ہو) اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل بگڑ جائیں گے۔ (۷)

چہارم: اکیلے شخص کی صف سے باہر نماز کا حکم...... صفوں سے باہر اکیلے شخص کی نماز کے صحیح ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے: جس کے متعلق دو آراء ہیں (۸) حنابلہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے: اگر کوئی انسان سے صف سے باہر اکیلے نماز پڑھے تو اس کی نماز (فرضیت کے ساقط ہونے میں) کافی ہے، جس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ سابقہ حدیث ہے جس میں ضمناً بوڑھی عورت کے صف سے باہر اکیلے قیام کا ذکر ہے اور حدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ہے کہ وہ رکوع کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے ابھی تک صف میں شامل نہیں ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ ہوا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے دوبارہ ایسا نہ کرنا (۹) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ میں رات کے آخری حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کھینچ کر اپنے برابر لے آئے۔ (۱۰)

البتہ شافعیہ اور حنفیہ کا کہنا ہے نماز باوجود کراہت کے صحیح ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں: اگر نمازی تکبیر تحریمہ کہنے کی گنجائش نہ پائے پھر کسی کو صف میں سے کھینچ لے تاکہ صف بنا لے اختلاف سے بچنے کے لیے ٹھیک ہے اور جو احادیث اعادے کے متعلق وارد ہوئی ہیں انہیں استحباب پر محمول

---

(۱)...... حديث صحيح رواه ابوداؤد باسناد صحيح (۲) رواه الجماعة الا البخاري عن ابي هريرة (نيل الاوطار ۱۸۳/۳) (۳) رواه مسلم ولفظ : كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احبنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه (۴) رواه ابوداؤد باسناد حسن (۵) المجموع ۱۲۴/۴ بداية المجتهد ۱/۱۴۴۔ (۶) رواه البخاري ومسلم (نيل الا وطار ۱۸۷/۳ وروى الجماعة الا البخاري عن النعمان بن بشير عبادالله لتسونّ بين صفوفكم اوليخالفن الله بين (قلو بكم) وجو هكم (بحواله سابق) (۷) رواه مسلم عن ابي هريرة ورواه عبد الرزاق عن جابر بن عبد الله رواه احمد وابوداؤد عن ابن عمر (۸) البدائع ۱/۱۴۵ بداية المجتهد ۱/۱۴۴، المجموع ۱۹۲/۴، الحضر مية ۶۸، المغني ۲/۲۱۱، القوانين الفقهية ۶۹ (۹) رواه احمد والبخاري وابوداؤ والنسائي (نيل الاوطار ۱۸۴/۳) (۱۰) رواه احمد (بحواله سابقه)

کیا ہے تا کہ دلائل میں تطبیق واتفاق ہو سکے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے صف سے باہر پڑھنے والے نمازی کی نماز نہیں ہوتی یعنی نماز کامل نہیں ہوتی جیسے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کھانے کی موجودگی میں نماز (یکسوئی سے) نہیں ہوتی یہ رائے دلیل کی مضبوطی کی وجہ سے بہتر ہے البتہ احناف کا کہنا ہے اگر اس نے اکیلے نماز شروع کی پھر چل کر صف میں پہنچا تو اگر نماز میں ایک صف کی مقدار چلا تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر اس سے زیادہ چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور مالکیہ نے شافعیہ سے اتفاق نہیں کیا وہ فرماتے ❶ جسے صف میں جگہ نہ ملے اس کے پیچھے نماز پڑھ کے اپنی طرف کسی کو نہ کھینچے۔

حنابلہ..... فرماتے ہیں کہ اکیلے شخص کی نماز جب وہ صف سے باہر پوری رکعت پڑھے تو فاسد ہے جائز نہیں اس کا اعادہ واجب ہوگا جس کی دلیل حدیث وابصۃ بن معبد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف سے باہر نماز پڑھتے دیکھا تو اسے اپنی نماز لوٹانے کا حکم دیا اور حدیث علی بن شیبان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف سے باہر ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا آپ ٹھہر گئے یہاں تک کہ وہ شخص جانے لگا آپ نے فرمایا: اپنی نماز پھر سے پڑھو کیونکہ صف سے الگ ہو کر نماز پڑھنے والی کی نماز صف کے پیچھے نہیں ہوتی۔

مقصد پنجم: نماز میں نائب وخلیفہ بنانا:

استخلاف...... امام کا نمازیوں میں سے کسی ایسے مقتدی کو اپنا نائب بنانا جو امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تا کہ جس معذوری کی وجہ سے امام ہٹا ہے وہ اس کی جگہ نماز مکمل کر سکے۔ دوسرا امام بن جائے گا اور پہلا امام ہونے سے نکل جائے گا اور دوسرے امام کا مقتدی بن جائے گا۔

استخلاف کا طریقہ...... امام مقتدی کا کپڑا پکڑے اگرچہ وہ مسبوق ہو اور اسے محراب کی جانب کھینچے لیکن مسبوق کی جگہ مدرک کو نائب بنانا زیادہ بہتر ہے اور امام کبڑا بن کے ناک پر ہاتھ رکھ پیچھے ہٹ جائے تا کہ لوگوں کو یہ تاثر ہو کہ اس کی نکسیر پھوٹ پڑی ہے خلیفہ بنانے کو اشارے سے مکمل کرے نہ کہ کلام وگفتگو سے باقی ماندہ رکعات کی طرف انگلی سے اشارہ کرے رکوع چھوڑنے کا اشارہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کرے اور سجدہ چھوڑنے کا اشارہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اور قرأت چھوڑنے کا اشارہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کرے۔

اس کا سبب...... امام کو کسی عذر مثلاً بے وضوگی، سخت بیماری یا واجب قرأت جیسے فاتحہ وغیرہ سے لاچارگی کا پیش آنا اس کا سبب ہے اس کے احکام واسباب اور شرائط کے متعلق مسالک میں تفصیل ہے چنانچہ احناف ❷ فرماتے ہیں: نماز میں خلیفہ بنانا جائز ہے جس کی دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منہ بھر کر ❸ الٹی ہو یا مذی نکلے تو اسے چاہیے وہ وہاں سے پلٹے وضو کرے اور اپنی سابقہ نماز پر بنا کرے اس تمام صورتحال میں کوئی بات نہ کرے ❹ علامہ کاسانی نے بدائع میں یہی روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے لیکن مجھے نہیں ملی: جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران قے یا نکسیر آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اور اس شخص کو آگے کرے جو مسبوق نہیں اور خود وہاں سے ہٹ کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک اس نے بات نہ کی ہو۔

اس سلسلہ میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نائب بنانے کے بارے میں زیادہ صحیح ہے ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

❶......رواہ الخمسة الا النسائی (نیل الاوطار ۱۸۴/۳) ❷البدائع ۱/۲۲۰، ۲۳۳، الدر المختار ۱/۵۶۰، ۵۷۴، فتح القدیر ۱/۲۶۷، ۲۷۶ تبیین الحقائق ۱/۱۴۷، الکتاب مع اللباب ۱/۸۶۔ ❸ منہ بھر یا اس سے کم جو حلق سے نکلے اگر وہ لوٹ جائے تو قے ہے ورنہ قے نہیں۔ ❹اخرجه ابن ماجه والدارقطنی والصحيح أنه مرسل وفيه ضعيف (نصب الراية ۲/۶۱) نيل الاوطار ۱/۱۸۷ وروی فی معناه عن ابن عباس عند الدارقطنی وغيره وفيه متروک عن ابی سعید عند الدار قطنی وفيه متروک ایضاً (نیل الاوطار ۱/۱۸۸)

وہیں سے قرأت کا آغاز کیا جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے۔❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ کو حدث لاحق ہوا تو آپ پیچھے ہٹ گئے اور کسی شخص کو آگے کر دیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایسا ہی منقول ہے چونکہ لوگوں کو اپنی نماز پوری کرنے کے لیے امام کی ضرورت پڑتی ہے اور امام نے اس کا بندوست کر دیا ہے تو جب وہ اپنے ذمہ لازم کام کی ادائیگی سے لاچار ہو جائے تو اس کی قدرت رکھنے والے سے کام لے گا جس میں مقتدیوں کی مصلحت کی رعایت ہے تاکہ اس کشمکش میں ان کی نماز باطل نہ ہو۔ اسی بنا پر امام کو اگر حدث لاحق ہو جائے تو وہ واپس ہو جائے اگر امام ہو تو کسی کو نائب بنائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بنا کرے تمام نمازیوں کے از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ اس اختلاف سے نکلا جا سکے کیونکہ بعض لوگ بناء کے قائل نہیں اگر وہ شخص جنون یا بے وضوگی کی وجہ عمداً قعدہ اولیٰ کی مقدار نہیں بیٹھا تو استئناف (از سر نو پڑھنا) متعین ہو جاتا ہے۔ یا نیند سے یا سوچنے دیکھنے شہوت سے چھونے کی وجہ سے احتلام ہو جائے یا بیہوشی اور قہقہہ سے تو چونکہ یہ عوارض شاذ ونادر پیش آتے ہیں لہٰذا شریعت کا بیان کردہ معذور شمار نہیں ہوگا بلکہ نئے سرے سے وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

نائب بنانے کا سبب...... یا تو مجبوراً وضو کا ٹوٹنا ہے یا اس میں اور اس کے سبب میں امام کا اختیار نہیں۔ اس میں وہ بے وضوگی بھی شامل ہے جو چھینک وغیرہ سے پیدا ہو یا امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق مقدار فرض قرأت سے لاچاری ہو جس کی دلیل حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کیونکہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ محسوس کی تو قرأت کرنے سے رک گئے اور پیچھے ہٹ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور نماز مکمل کرائی۔

پیشاب پاخانے کے دباؤ یا رکوع سجود کرنے سے لاچار ہونے کی وجہ سے کسی کو نائب نہ بنائے کیونکہ وہ بیٹھ کر نماز مکمل کر سکتا ہے یا خوف اور بالکل قرأت بھول جانے کی وجہ سے اس لیے کہ وہ ان پڑھ ہو گیا قوم کی نماز فاسد ہو جائے گی یا دوسرے سے نجاست لگنے کی وجہ سے جیسے بغیر حدث لاحق ہوئے بہت زیادہ پیشاب، یا ایک رکن کی مقدار نماز میں ستر کھلا رہ جائے اس وقت اس کی اور لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

احناف کے ہاں نیابت تین شرطوں سے صحیح ہوگی:

اول...... پہلی نماز کو بنیاد بنانے کے لئے شرائط کی کثرت ہو اس واسطے کہ نیابت حقیقت میں نائب کی طرف سے امام کی پڑھی گئی نماز کو بنیاد بنانے کا نام ہے جو تیرہ ۱۳ شرطیں ہیں۔

بے وضوگی اس کے بدن سے زبردستی پیدا ہو کسی اور کی نجاست سے نہ ہو وہ حدث ایسا ہو کہ اس سے غسل واجب نہ ہو جیسے سوچنے سے انزال کا ہو جانا شاذ ونادر نہ ہو جیسے بیہوشی پاگل پن اور قہقہہ حدث کی حالت میں ایک رکن ادا نہ کرے یا چلے اور جان بوجھ کر نماز کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو جیسے اپنے اختیار سے بے وضو ہو جانا نہ کوئی ایسا کام ہو جس کی اسے ضرورت نہیں جیسے قریب ہوتے ہوئے دور پانی کے لیے جانا بلا عذر ایک رکن کی مقدار تاخیر نہ کرے عذر یہ ہو سکتا ہے جیسے بھیڑ وغیرہ اور نہ یہ بات واضح ہوئی ہو کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی بے وضو تھا اگر وہ صاحب ترتیب تھا اور ترتیب اس سے مطلوب بھی تھی لیکن اسے فوت شدہ نماز یاد آئی جس کی صورت یہ ہے کہ چھٹی نماز کا وقت فوت شدہ نماز کے بعد ختم ہو جائے) اس لیے کہ اس سبب سے وہ جو وقتی نماز پڑھے گا فاسد ہو جائے گی اور مقتدی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں نماز مکمل نہ کرے جس امام یا مقتدی کو حدیث لاحق ہوا اسے چاہیے کہ وہ وضو کر کے لوٹ آئے اور اگر اس کا امام ابھی تک نماز مکمل نہیں کر چکا تو اس کے ساتھ نماز پڑھے۔ اگر اس نے اسی جگہ نماز مکمل کی تو اس کی نماز فاسد ہے رہا منفرد تو وہ اپنی اور دوسری جگہ نماز مکمل کر سکتا ہے اور امام اس شخص کو خلیفہ نہ بنائے جس میں امامت کی صلاحیت نہیں جیسے بچہ عورت اور ان پڑھ شخص۔ ان میں سے کسی ایک کو نائب بنایا تو اس کی اور لوگوں کی نماز

❶......رواہ البخاری ومسلم

فاسد ہے۔

دوم...... یہ کہ امام مسجد سے یا عام نماز صحرا میں یا اس گھر سے جس میں وہ نائب بنانے سے پہلے نماز پڑھتا تھا نہ نکلے کیونکہ جب تک وہ حد کو عبور نہیں کرے اپنی امامت پر برقرار رہے گا اگر اس سے نکلا تو صحیح قول کے مطابق نائب اور قوم کی نماز باطل ہے امام کی نہیں بشرطیکہ جب تک کوئی نماز یا امامت کی نیت سے آگے نہ بڑھا ہو۔

سوم......اگر وہ دائیں یا بائیں گیا تو نائب بنانے سے پہلے صفوں سے آگے نہ نکلا ہو اور اپنے سامنے دھرے سترے کو عبور نہ کیا ہو اور اگر سترہ نہیں تو معتمد قول کے مطابق اگر صحرا میں ہے تو سجدے کی جگہ کو پار نہ کیا ہو۔ اگر نیابت نہ ہوئی اور لوگوں نے تنہا تنہا نماز مکمل کی تو سب کی نماز باطل ہوئی۔

اگر امام نے کسی مسبوق لاحق یا مقیم کو خلیفہ بنایا اور وہ خود مسافر تھا صحیح تو ہے لیکن مدرک زیادہ بہتر ہے اگر مسبوق نے امام کی نماز مکمل کرائی تو سلام پھیرنے کے لیے کسی مدرک کو آگے کردے اگر خلیفہ کی دو رکعتیں رہ گئیں تو اس کے لیے دو قعدے فرض ہیں اس واسطے کہ قعدہ اولیٰ تو امام پر فرض تھا اور یہ اس کا قائم مقام ہے اور دوسرا قعدہ اس پر فرض ہے۔ اگر خلیفہ بقیہ نماز کی مقدار سے ناواقف ہو تو احتیاطاً ہر رکعت میں قعدہ کرلے اس واسطے کہ احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ رکعت امام کی نماز کا اخیر ہو۔

مالکیہ ⓫: نائب بنانا...... کسی معذوری کی وجہ سے امام کا مقتدیوں میں سے کسی ایک کو نائب بنانا تاکہ لوگوں کو نماز مکمل کرائے۔ اس کا حکم یہ ہے: جمعہ کے سوا مستحب اور جمعہ میں واجب ہے طریقہ لوگوں کو نماز مکمل کرانے کے لیے جماعت میں سے کسی ایک کو گفتگو یا اشارے سے نائب بنادے اپنی قریب والی صف میں سے نزدیکی آدمی کو خلیفہ بنانا مستحب ہے۔ اسے امام کے افعال کا زیادہ پتہ ہوگا اور اسے آگے کرنے میں آسانی بھی ہے خلیفہ اگر دو صفوں مقدار قریب ہے تو اصلی امام کی جگہ تک پیش قدمی کرنا مستحب ہے بے وضوگی اور اس کے یاد آنے اور ایسی نکسیر پھوٹنے کے وقت جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے گفتگو ترک کرنا مستحب ہے نماز سے نکلتے وقت امام کا اپنی ناک کو پکڑ کر نکلنا مستحب ہے تاکہ لوگوں کو یہ تاثر دے کہ اس کے نکسیر پھوٹی ہے یوں اس پر پردہ بھی پڑ جائے گا۔

شرط...... یہ ہے کہ خلیفہ عذر لاحق ہونے سے پہلے نماز میں شامل ہو چکا ہو اگر چہ وہ خلیفہ نہیں بنا جماعت لوگوں میں سے ایک کو آگے کر دے اگر وہ کسی کو آگے نہ کریں تو خود ہی ایک آدمی آگے ہوجائے اگر ایسا نہ کیا اور تنہا تنہا نماز پڑھ لی تو سوائے جمعہ کے ان کی نماز صحیح ہے رہا جمعہ تو چونکہ اس میں جماعت شرط ہے اس لئے تنہا مکمل کرنے سے باطل ہوجائے گا۔ جہاں پہلا امام رکا ہے وہیں سے خلیفہ شروع کرے۔

خلیفہ بنانے کے عذر و اسباب تین ہیں:

اول...... امام یا کسی کے مال کا خوف ہو یا کسی کی جان ضائع ہونے کا ڈر اگر وہ بدستور نماز پڑھتا رہا، چنانچہ جب امام کو چوری یا غصب یا کسی بچے کا کنویں میں گر جانے یا آگ میں گر کر ہلاک ہونے یا زیادہ اذیت پہنچنے کا خوف ہو تو مال کی حفاظت اور جان کو ہلاکت سے نکالنے کے لیے نماز توڑنا واجب ہے۔

دوم...... امام پر ایسا عذر طاری ہو جائے جو امامت سے روک دے جیسے کسی رکن سے لاچاری قیام یا رکوع یا قرأت فاتحہ وغیرہ یا ایسی نکسیر جو امامت کے لیے مانع ہو جو درھم سے کم ہو وہ مانع نہیں رہی وہ نکسیر جو نماز کے لیے مانع ہے وہ ایک درھم سے زائد ہو اور بہہ کر جگہ سے لگ جائے یا مسجد پر لگنے کا خوف ہو تو اس صورت میں امام کے لیے خلیفہ بنانا مستحب ہے اگر چہ اس کے لیے نماز توڑنا واجب ہو۔ معتمد قول کے مطابق اس کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی اسی طرح نماز میں امام پر نجاست گرنا یا اس کا یاد آجانا معتبر قول کے مطابق بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

⓫...... الشرح الصغیر ۱/۴۶۵، ۴۷۲، الشرح الکبیر ۱/۳۴۹، ۳۵۸، القوانین الفقهیة ۶۹

سوم.....امام پر کوئی ایسا عذر طاری جو جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے جیسے پیشاب، ہوا وغیرہ سے نماز پڑھتے وضو کا ٹوٹ جانا یا اسے یاد آ گیا کہ وہ نماز سے پہلے ہی بے وضو ہو یا قہقہہ قابو سے باہر ہو گیا یا جنون، بیہوشی یا موت طاری ہو گئی یا مشہور قول کے مطابق اتنی نکسیر پھوٹی جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے یا اسے یہ شک ہو گیا کہ وہ وضو کر کے نماز میں داخل ہوا یا بغیر وضو کے یا اتنا تو یقین ہو کہ وضو اور حدث ہے لیکن یاد نہیں کہ پہلے کیا پیش آیا۔ البتہ اگر اس میں شک ہو کہ وضو ٹوٹا یا نہیں تو نماز نہ توڑے بلکہ جاری رکھے پھر باوضو ہونا معلوم ہو گیا تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اگر یہ صورتحال نہیں تو صرف امام نماز کا اعادہ کرے۔

مسبوق، خلیفہ کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے اگر انتظار نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہے اگر خلیفہ مسبوق ہے تو سب کی طرف اشارہ کرے کہ بیٹھے رہو اور خود باقیماندہ نماز کی قضاء کے لیے کھڑا ہو جائے اگر مسبوق خلیفہ کو پہلے امام کی نماز کا پتہ نہ ہو ان کی طرف اشارہ کر دے وہ اشارہ سے اسے سمجھائیں یا بات کر کے اگر اشارہ نہ سمجھ سکے، کسی نے خلیفہ سے کہا تم نے رکوع ساقط کر دیا تو اسی پر عمل کرے اگر چہ اس کے برعکس کا اسے علم نہ ہو خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ امام کی نماز کے نظم کی رعایت کرے اور وہیں سے قرأت کا آغاز کرے جہاں سے امام نے چھوڑی ہے اگر اس کا پتہ ہو ورنہ ابتداء سے پڑھے اور بیٹھنے کی جگہ بیٹھے اس طرح سری اور جہری نمازوں کے مطابق کرے۔

شافعیہ.....(۱) مذہب جدید میں خلیفہ بنانا جائز ہے، پس جب امام جمعہ وغیرہ کی نماز سے جان بوجھ کر بے وضو ہونے یا حدث لاحق ہونے یا اسے بھولنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے جیسے نکسیر اور نماز باطل ہونے کا کام کا پے در پے کرنا یا بنا کسی سبب نکلے تو جدید مذہب کی اظہر روایت کے مطابق خلیفہ بنانا جائز ہے کیونکہ وہ نماز کا امین و ذمہ دار ہے جو جائز ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور لوگوں نے آپ کی اقتداء کر لی (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیزہ لگتے وقت خلیفہ بنایا تھا۔

نائب بنانا امام کے لیے مستحب ہے اگر از خود کوئی آگے بڑھ گیا تو جائز ہے نمازیوں کا کسی کو خلیفہ بنانے امام کے خلیفہ بنانے سے بہتر ہے کیونکہ یہ حق انہیں پہنچتا ہے البتہ جب جمعہ کی پہلی رکعت ہو تو اس وقت مقتدیوں پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک کو خلیفہ بنائیں تا کہ جمعہ مل جائے نہ کہ دوسری رکعت میں اس میں خلیفہ بنانا لازمی نہیں کیونکہ مقتدیوں کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی جسے مسبوق کی طرح ایک رکعت کے ساتھ تنہا تنہا مکمل کر لیں گے۔

جمعہ کی نماز میں نیابت، دو شرطوں سے صحیح ہے:

پہلی.....کہ امام حدث لاحق ہونے سے پہلے کسی مقتدی کو جمعہ کا خلیفہ بنائے لہٰذا جو امام کا مقتدی نہیں اسے خلیفہ بنانا جائز نہیں اس مقتدی کا خطبہ میں اور پہلی رکعت میں حاضر ہونا شرط بھی نہیں یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

دوسری.....قریب سے خلیفہ بنائے تا کہ خلیفہ بنانے سے پہلے اتنا وقت نہ گزرے جس میں کوئی چھوٹا رکن نماز ادا کیا جا سکے۔ اگر خلیفہ نے امام کے ساتھ جمعہ کی پہلی رکعت پالی تو خلیفہ اور مقتدیوں کا جمعہ مطلقاً مکمل ہوا اور اگر پہلی رکعت نہیں پائی تو اس کے علاوہ مقتدیوں کا جمعہ مکمل ہو گیا یہی زیادہ صحیح روایت ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ مقتدیوں کے لیے جمعہ وغیرہ میں از سر نو اقتداء کی نیت لازمی نہیں البتہ جمعہ کے علاوہ کوئی شے نیابت صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ مقتدی کے علاوہ شخص کو بھی خلیفہ بنایا جا سکتا ہے زیادہ فاصلہ گزرنے کے بعد خلیفہ بنائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب خلیفہ مقتدی نہ ہو تو مقتدیوں کو دل میں خلیفہ بنانے سے پہلے اقتداء کی نیت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی نماز امام کی نماز

(۱).....رواه الشيخان كما بينا (۲) رواه البيهقي۔

کے مخالف ہو کہ وہ مثلاً پہلی رکعت میں اور امام دوسری میں تھا اس وقت بھی مقتدیوں کو نیت کی ضرورت ہوگی جب اتنا وقت گزر جائے جس میں رکن ادا کیا جا سکے۔ خلیفہ کو امام کی نماز کے نظم کی حفاظت واجب میں واجب اور مستحب میں مستحب ہے مسبوق پر بھی لازم ہے کہ وہ امام کی نماز کے طریقہ کی حفاظت کرے جب ایک رکعت پڑھ لے تو تشہد پڑھ کر ان کی طرف جدا ہونے کا اشارہ کرے یا وہ اس کا انتظار کریں۔

جمعہ کی نماز میں جب کسی کو خلیفہ نہیں بنایا گیا تو مقتدی جدائی کی نیت کر لیں اور اکیلے اپنی نمازیں مکمل کر لیں نماز صحیح ہے رہا جمعہ تو جب وہ جماعت کی رکعت پالیں تو مفارقت وجدائی کی نیت کی ضرورت ہے اور اگر آخر تک نمازیوں کی تعداد چالیس رہے تو دوسری رکعت میں اکیلے اکیلے جمعہ مکمل کر لیں۔

حنابلہ...... ❶ فرماتے ہیں: کسی عذر مثلاً خوف سخت بیماری قولی رکن مثلاً فاتحہ پڑھنے سے یا کسی واجب قولی رکن مثلاً رکوع وسجود کی تسبیحات پڑھنے سے لاچاری ہو تو خلیفہ بنانا جائز ہے امام کو حدث لاحق ہونے کی صورت میں خلیفہ بنانا جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کی نماز تو باطل ہوگئی اسے نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی اس میں باقی ائمہ کا اختلاف ہے ان کی دلیل حدیث علی بن طلق رضی اللہ عنہ ہے جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو وہ پلٹے وضو کرے اور اس نماز کا اعادہ کرے ❷ جب کہ جمہور کی رائے زیادہ صحیح ہے اس واسطے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو (اس وقت خلیفہ جب آپ کو نماز فجر میں نیزہ لگا تھا۔ خلیفہ اگر مقتدی نہ ہو جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے تو وہ امام کی نماز کو بنیاد بنائے۔ چاہے قرأت ہو یا رکوع وسجدہ ہو اور مقتدیوں کی فراغت کے بعد قضا کرے اور اگر مسبوق ہو تو سلام سے پہلے کسی اور شخص کو سلام پھیرنے کے لیے خلیفہ بنائے اور جو نماز امام سے رہ گئی اس کی قضا کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اگر وہ (مسبوق خلیفہ) کسی (مدرک) کو خلیفہ نہ بنائے مقتدی کو اختیار ہے چاہے تو از خود سلام پھیر لیں اور چاہیں تو اس کا انتظار کریں اور اسے اپنی نماز کی قضاء کرنے بیٹھے ہیں پھر وہ انھیں سلام پھروائے۔ اگر امام خلیفہ نہ بنائے تو قوم کے لئے اس کی جگہ کسی کو خلیفہ بنانا جائز ہے تا کہ انہیں نماز مکمل کرائے جیسا اکیلے ان کے لیے نماز مکمل کرنا جائز ہے۔ اگر مقتدیوں میں سے ہر ٹولی نماز پڑھانے کے لیے امام کو آگے کرتی ہے تو شافعیہ کی طرح ان کے نزدیک جائز ہے احناف فرماتے ہیں: ان سب کی نماز فاسد ہے۔ جو خلیفہ نماز میں امام کے ساتھ تھا وہ امام کی ترتیب پر نماز کی بنیاد رکھے یہاں تک کہ جہاں سے امام نے قرأت چھوڑی وہیں سے اس کا آغاز کرے کیونکہ امام کی قرأت اس کی قرأت ہے رہا وہ خلیفہ جو نماز میں امام کے ساتھ نہیں تھا تو وہ فاتحہ سے ابتداء کرے اور امام کی قرأت کو بنیاد نہ بنائے اس واسطے کہ اس نے فرض قرأت ادا نہیں کی اور اس فرضیت کو ساقط کرنے والا کوئی سبب بھی نہیں پایا گیا کیونکہ وہ کسی حالت میں مقتدی نہیں بنا لیکن جو فاتحہ کی قرأت امام نے کی ہے اسے سرا پڑھے اور باقی ماندہ قرأت کو جہراً پڑھے تا کہ امام کے فعل کو بنیاد بنانا ثابت ہو جائے۔ اگر مسبوق خلیفہ کو یا اسے جو نماز میں امام کے ساتھ شامل نہیں تھا پہلے امام کی پڑھی گئی نماز کا علم نہ ہو تو خلیفہ یقین کی بنیاد پر پڑھے جیسا کہ کسی نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو جاتا ہے اگر مقتدی نے تنبیہ کے لیے سبحان اللہ کہا تو لوٹ کر پہلی ترتیب کو بنیاد بنائے خلاصہ: یہ کہ نائب بنانے کے سلسلہ میں سب سے وسیع مسلک شافعیہ کا ہے کیونکہ وہ اسے بلاسبب بھی جائز گردانتے ہیں اور امام کے بولنے سے بھی جائز ہے۔ پھر مالکیہ پھر حنفیہ پھر حنابلہ۔

دوسری بحث......نماز جمعہ:

اس کی فرضیت ومقام، اس کی طرف جانے کی فضیلت وحکمت، کس پر جمعہ واجب ہے، اس کی کیفیت ومقدار، صحیح ہونے کی شرائط خطبہ کی سنتیں اور مکروہات، جمعہ کی سنتیں اور مکروہات خطبہ کے مفسدات جمعہ کے روز ظہر کی نماز، یوں اس بحث میں نو مقاصد ہوں گے۔ چونکہ جمعہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے جمعہ کہتے ہیں بقول بعض: اس دن کی کئی بھلائیاں یکجا ہو جاتی ہیں۔ کسی کا قول ہے: کہ اس دن حضرت آدم

---

❶......المغنی ۲/۱۰۲، ۱۰۵، کشاف القناع ۱/۳۷۴، ۳۷۷۔ ❷رواہ ابو داؤد باسناد جید

علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ یا اس وجہ سے حضرت حواء علیہا السلام سے ان کا ملاپ ہوا جاہلیت میں اس کا پرانا نام یوم العروبۃ ہے یعنی قابل تعظیم واضح، کسی نے یوم الرحمۃ بھی کہا ہے۔

مقصد اول: جمعہ کی فرضیت اور اس کا مقام...... جمعہ کے نماز فرض عین ❶ ہے چونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے یہ ایک مستقل فرض ہے جمعہ ظہر کا بدل نہیں کیونکہ جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں جیسے مسافر اور عورت ان کی طرف سے ظہر کی نیت سے ادا نہیں ہوتا اس کی تاکید ظہر سے زیادہ ہے بلکہ یہ تمام نمازوں سے افضل ہے اور اس کا دن تمام دنوں سے افضل مقام کا حامل ہے اور ایسا بہترین دن ہے جس میں سورج طلوع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ سات لاکھ جہنمیوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جس کی وفات اس دن ہوئی ہوگی انھیں شہید جتنا اجر ملے گا عذاب قبر سے بچایا جائے گا اس کی فضیلت کی دلیل ایک مرفوع حدیث ہے جمعہ باقی دنوں کا سردار اور ان سے عظمت والا ہے (بلکہ) اللہ تعالیٰ ہاں کے اس کی عظمت وفضیلت عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے زیادہ ہے ❷ ترمذی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلوع شمس والے دنوں میں جمعہ بہترین دن ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی میں جنت جانا ہوا اور اسی میں وہاں سے نکالے گئے، اور قیامت صرف اسی دن قائم ہوگی۔ اس کے فرض عین اور مستقل فرض ہونے کے دلائل کہ یہ فرض کفایہ ہیں۔

قرآن سے دلائل یہ ہیں...... اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دی جائے تو خرید وفروخت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کیا کرو یہاں سعی کا حکم ہے اور حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے سعی وکوشش کسی واجب تک پہنچنے کے لئے ہی ہوتی ہے اور خرید وفروخت سے اس لیے روکا گیا تاکہ اس کے ذریعہ جمعہ سے غفلت نہ ہوا گر جمعہ واجب نہ ہوتا تو اس کی وجہ سے خرید وفروخت ترک کرنے کا حکم نہ ہوتا یہاں سعی سے مراد جمعہ کی طرف جانا ہے نہ کہ دوڑنا۔

حدیث سے دلائل یہ ہیں...... کچھ لوگ جمعے چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ اور وہ پھر لازماً غافل لوگوں میں شمار ہوں گے ❸ ارشاد ہے: جمعہ کی طرف جانا ہر بالغ مرد کے لئے لازم ہے ❹ اسی طرح ارشاد ہے: جس نے سستی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دیے اللہ تعالیٰ اس کا دل ہدایت سے بند کر دے گا گویا اس پر مہر لگ گئی۔ ❺

اسے ترک کرنے والا سزا کا حقدار ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد ان لوگوں کے متعلق ہے جو اس سے رہ جاتے تھے "میرا ارادہ بن گیا تھا کہ میں ایک شخص کو جماعت کرانے کا حکم دوں پھر اپنے گھروں میں جمعہ سے رہ جانے والوں کے گھر جلا دوں۔ ❻

اجماع...... مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ واجب ہے۔

ہجرت سے پہلے مکہ میں فرض ہوا چنانچہ دارقطنی کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے جمعہ کی اجازت دی گئی لیکن مکہ میں جمعہ پڑھنے کا موقع نہ ملا آپ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا، امابعد! اس دن کا انتظار کرنا جس میں یہودی اپنا سبت منانے کے لیے اونچی آواز سے زبور پڑھتے ہیں تو تم لوگ اپنی مسلمان خواتین اور بچوں کو جمع کر لینا زوال کے وقت جب

---

❶...... الدر المختار ۱/۷۴۷ الشرح الصغیر ۱/۴۹۳ مغنی المحتاج ۱/۲۷۶، المغنی ۲/۲۹۴ کشاف القناع ۲/۲۱۔ ❷ ذکرہ البیھقی فی فضائل الا وقات من حدیث ابی لبانۃ بن عبد المنذر ❸ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رواہ احمد والنسائی من حدیث ابن عمر وابن عباس (نیل الا وطار ۳/۲۱) ❹ رواہ النسائی عن حفصۃ رضی اللہ عنھا ورواہ ابوداؤد عن طارق بن شھاب بلفظ الجمعہ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک اوامراۃ اوصبی اومریض (نیل الا وطار ۳/۲۲۶) ❺ رواہ الخمسۃ عن ابی الجعد الضمری ولہ صحبۃ وصححہ الحاکم ولا حمد وابن ماجہ من حدیث جابر نحوہ (نیل الاوطار ۳/۲۲۱)
❻ رواہ احمد ومسلم عن ابن مسعود (نیل الا وطار ۳/۲۲۱)

سورج جمعہ کے روز ڈھل جائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور دو رکعتیں ادا کر کے تقرب حاصل کرنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد تک حضرت مصعب بن عمیر نے سب سے پہلے جمعہ پڑھایا چنانچہ یہ لوگ ظہر زوال کے وقت جمعہ پڑھتے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا مصعب ان کے ہاں مہمان تھے انھیں نماز پڑھاتے انھیں قرآن پڑھاتے اور اسلام کی تعلیم دیتے ان کا نام مقری تھا۔ بہر کیف اسعد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلایا اور مصعب نے نماز پڑھائی۔ اس کی دلیل کہ جمعہ مستقل فرض ہے ظہر کا آدھا نہیں اگر چہ اس کا وقت ظہر والا ہی ہے اسے پالیا جاتا ہے ظہر اس کی جگہ نہیں لے سکتی ہے حضرت عمر کا قول ہے: جمعہ کی دو رکعتیں ہیں پوری ہیں قصر نہیں، یہ بات تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہے جو جھوٹ گھڑے اس کا کچھ نہ رہے۔ (۱)

دوسرا مقصد...... جمعہ کی طرف جانے کی فضیلت وحکمت:

حکمت...... اجتماعی فکر کو تقویت دینے مسلمانوں کے جمع ہونے، آپس میں ان کے تعارف باہمی محبت، ان کی بات کو یکجا کرنے اور انہیں قائد کی فرمانبرداری کی تربیت قیادت کے مطالبات کی ذمہ داری نبھانے شریعت اسلامی کے ذریعے ایک دستور، احکام، اخلاق آداب وسلوک کی یاددھانی اور جہاد کے اوامر کی تنفیذ اور جس کا مطالبہ اندرونی و بیرونی مصلحت کرتی ہے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے جمعہ کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔

خلاصہ...... کہ ہر ہفتے ہمیشہ وعظ ونصیحت کی تکرار کا فرد اور جماعت کی اصلاح پر واضح اثر پڑتا ہے "نصیحت کرتے رہو اس لیے کہ نصیحت سے ایمان والوں کو فائدہ ہوتا ہے۔"

جمعہ کی طرف جانا...... ان بلند مقاصد واہداف کے لیے اور اخروی ثواب حاصل کرنے کے لئے جمعہ کے لئے جانا واجب قرار دیا گیا جس کا حکم جمعہ جیسا ہے اس لیے کہ یہ اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلو، وہاں پہلے پہنچنا فضیلت کا باعث ہے تجارتی کام جیسے لین دین اور زندگی کے مختلف کام چھوڑنا لازمی ٹھہراتا کہ اس سے غفلت نہ ہو اور ان کی مشغولی اسے بے کار و بے مقصد نہ بنا دے۔ جمہور کے ہاں اس پہلی اذان سے جمعہ کی طرف آنے کی ابتداء ہو جاتی ہے جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے اور احناف کے ہاں پہلی اذان جو زوال کے وقت ہوتی ہے اسی سے ابتداء ہوتی ہے البتہ اگر اس کا گھر مسجد سے دور ہو تو اس پر اتنی سعی فرض ہے جس سے وہ فرض تک پہنچ سکے۔ (۲)

جمعہ کے لیے پہلے پہنچنے میں ثواب کے کئی درجات ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے روز غسل جنابت کیا اور چل پڑا تو گویا اس نے ایک اونٹ قربان کیا اور جو دوسرے گھڑی پہنچا تو گویا اس نے گائے قربان کی اور جو تیسری گھڑی گیا تو اس نے گویا سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور جو چوتھی گھڑی گیا تو اس نے مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی گیا اس نے گویا انڈے کی قربانی دی اور جب امام نکل آتا ہے تو فرشتے ذکر سننے حاضر ہو جاتے ہیں۔ (۳)

جمعہ کے لیے جانے کا پسندیدہ وقت...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ وہ گھڑیاں دن کی ابتداء سے زوال تک ہیں جو پانچ حصوں میں منقسم ہوتی ہیں لہٰذا ان کے ابتدائی حصے میں نکلنا مستحب ہے لیکن جو کچھ مالکیہ نے ذکر کیا وہ زیادہ ظاہر ہے: یہ اس گھڑی کے اجزاء ہیں جو زوال سے پہلے ہوتی ہے اس واسطے کہ گھڑی (ساعۃ) شرعاً اور لغتاً وقت کے ایک جزء کو کہا جاتا ہے اور کسی ایک صحابی سے یہ منقول نہیں کہ وہ طلوع شمس سے پہلے یا طلوع کے تھوڑی دیر بعد جمعہ کے لئے نکلے ہوں۔ (۴)

---

(۱)......رواه الامام احمد وغيره وقال النووى فى المجموع: انه حسن (۲) المغنى ۲/۲۹۷۔ (۳) رواه الجماعة الا ابن ماجه عن ابى هريرة رضى الله عنه (نيل الاوطار ۳/۲۳۷) (۴) بداية المجتهد ۱/۱۶۰ نيل الاوطار ۳/۲۳۰

جمعہ کے آداب سے جمعہ کی ادائیگی کی وجہ سے مومن کے دو جمعوں کے درمیانی گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان سے دوسرے رمضان درمیانی عرصے کے گناہوں کی مغفرت و کفارے کا سبب ہیں جب تک انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے (۴۱) اور نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص غسل کر کے جمعہ کے لیے آیا اور امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک وہیں رہا پھر امام کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی تو اس کے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دے جائیں گے اور مزید تین دن کے بھی۔ (۴۲)

قبولیت کی گھڑی...... جمعہ میں ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر کر کے فرمایا: اس میں گھڑی ہے جو کسی مسلمان بندے کو مل جائے اور وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا اللہ تعالیٰ عطا کر دے گا آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے فرمایا وہ بہت کم ہے کہ اسے کوئی حاصل کرے (۴۳) گھڑی کی حد بندی کے متعلق کئی اقوال ہیں ان میں سے زیادہ صحیح جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں ثابت ہے یہ ہے: کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کے اختتام تک کی گھڑی ہے۔

جمعہ کی خصوصیات...... جمعہ کی تقریباً سو خصوصیات ہیں جنہیں امام سیوطی نے ایک خاص کتاب میں خصوصیات یوم الجمعہ کے عنوان سے تفصیل سے لکھا ہے (۴۴) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں ارواح جمع ہوتی ہیں قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اس دن مردہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے جس شخص کا جمعہ یا شب جمعہ میں انتقال ہوگا اسے اس دن عذاب قبر سے امن ملے گا اس میں جہنم کو نہیں بھڑکایا جاتا اسی دن اہل جنت اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ (۴۵)

عبادت میں شرکت...... جو شخص اپنے گھر سے جمعہ اور اپنی ضروریات کے لئے نکلا لیکن اس کا بڑا مقصد جمعہ ہے تو اسے جمعہ کی طرف جانے کا ثواب مل جائے گا حنفیہ فرماتے ہیں (۴۶) اس سے معلوم ہوا کہ جو عبادت میں شریک ہوا تو اعتبار اکثریت کا ہے۔

جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت...... جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دوسری اذان جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے جمہور کے نزدیک اس وقت جمعہ کے لیے جانا واجب ہے جب کہ احناف فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے: کہ پہلی اذان کے بعد جمعہ کے لیے جانا واجب ہے اگر چہ ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہ تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی اور دیگر فقہاء کے ہاں جمعہ سے غافل ہو کر خرید فروخت کرنا جیسے لین دین نکاح صلح کرنا اسی طرح بقیہ کام کاج، حرام ہیں یہ جمہور کے ہاں خطیب کے سامنے اذان شروع ہونے کے بعد کی بات ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کی طرف جانے سے غفلت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جمعہ کے روز نماز کی اذان دی جائے تو خرید وفروخت کی مشغولی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چل پڑو! نص میں بیع خرید وفروخت کا ذکر ہے بقیہ کاموں کو اس پر قیاس کیا گیا ہے چاہے وہ کوئی سودا ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ تمام کام مقصود اصلی جو جمعہ کی ادائیگی ہے اس سے روکتے ہیں (۴۷) شافعیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ زوال کے بعد اور اذان سے پہلے بھی خرید وفرخت کی مشغولی مکروہ ہے۔

---

(۴۱)......رواه مسلم عن ابی هريرة (الترغيب والترهيب ۹۲/۲) (۴۲) رواه مسلم عن ابی هريرة ورواه احمد عن ابی ابوب بلفظ اخر، ورواه الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر ورواه البز ارو الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس واخر جه ابو داؤد عن عبد الله بن عمرو بن العاص (سبل السلام ۵۴/۲ نيل الاوطار ۲۳۶/۳۔ (۴۳) متفق عليه (سبل السلام ۵۴/۲)۔ (۴۴) طبع دار الفكر بدمشق عام ۱۹۶۴۔ (۴۵) الدر المختار ۷۷۳/۱۔ (۴۶) الدر المختار ۷۷۲/۱۔ (۴۷) الدر المختار وردالمحتار ۷۷۰/۱ البدائع ۲۷۰ بداية المجتهد ۱۶۰/۱، ۱۶۷/۳۲، القوانين الفقهية ۳۱، المهذب ۱۱۰/۱، حاشية الدسوقی ۳۸۶/۱، مغنی المحتاج ۲۵/۱

حنابلہ...... (۱) فرماتے ہیں: کہ خرید وفروخت کے ماسوا معاملات جیسے معاملہ کرنا صلح اور نکاح کرنا حرام ہیں اس لئے کہ ممانعت خرید وفروخت کی ہے۔ باقی کام غفلت میں اس کے برابر نہیں کیونکہ ان کا وجود نادر ہے اس لیے خرید وفروخت پر انہیں قیاس کرنا صحیح نہیں۔

لیکن مجھے نہ تو پہلی رائے کی درستگی میں تردد ہے اور نہ دوسری رائے کی طرف دھیان ہے اس واسطے کہ تمام کام اپنے اپنے مقصد سے ہوتے ہیں چونکہ حنابلہ ذرائع بند کرنے کے قائل ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ ان تمام وسائل کو روکیں جو جمعہ سے غافل کرنے والے ہیں بیع کی حرمت اور جانے کا وجوب جمعہ کے مخاطب لوگوں کے حق میں خاص ہے رہے ان کے علاوہ لوگ جیسے عورتیں بچے اور مسافر تو ان کے حق میں یہ حرمت ثابت نہیں۔

کیا اذان کے وقت کا سودا صحیح ہے یا باطل ہے توڑ (۲) دینا چاہیے۔

احناف...... فرماتے ہیں: بیع صحیح ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے اس واسطے کہ بیع چھوڑنے کا حکم بیع کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ سننے کے ترک کی وجہ سے ہے انہی کے قریب شافعیہ کا قول ہے بیع صحیح ہے لیکن ہے حرام: مالکیہ فرماتے ہیں: وہ بیع فاسد بن جائے گی مشہور قول کے مطابق فسخ ہوگی ایسا ہی حنابلہ کا قول ہے یہ بیع صحیح ہیں اختلاف کا سبب: یہ ہے کسی ایسی چیز کی ممانعت جس کی اصل مباح ہے جب نہی کی صفت سے مقید ہو تو جس چیز سے روکا گیا ہے آیا اس کے فساد کو لوٹا دے گی یا نہیں۔

مقصد ثالث: جمعہ کس پر واجب ہے اور وجوب کی شرطیں...... ارکان، شرائط اور آداب کے لحاظ سے جمعہ دوسری پانچ نمازوں کی طرح ہے البتہ واجب ہونے صحیح اور لازم ہونے اور آداب بجالانے کے لحاظ سے چند شرائط کے ساتھ مخصوص ہے۔

جمعہ ہر مکلف (عاقل بالغ) آزاد مرد جو مقیم ہو مسافر نہ ہو کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ یعنی معذور نہ ہو اور اس نے اذان سنی ہو اس پر واجب ہے لہٰذا بچہ مجنون وغیرہ اس وجوب سے خارج ہیں ایسے ہی غلام، عورت، مسافر، بیمار، خوفزدہ، اندھا، اگرچہ احناف کے ہاں اسے پہنچانے والا ہو جب کہ مالکیہ وشافعیہ کے ہاں لے جانے والے کی موجودگی سے اس پر بھی واجب ہے۔ جسے (دور ہونے کی وجہ سے) اذان کی آواز نہ پہنچے جس کی تفصیل آرہی ہے اور نہ بارش کیچڑ اور اولے وغیرہ کی مشقت اٹھانے کی معذوری کی وجہ سے واجب ہے لیکن اگر یہ لوگ آجائیں اور لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں تو وقتی فرض سے سبکدوش ہوجائیں گے اس واسطے کہ انہوں نے مشقت برداشت کی ہے یوں اس مسافر کی مانند ہوجائیں جو (مسافر ہونے کے باوجود) روزہ رکھ لے اس واسطے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس پر جمعہ واجب نہیں اگر وہ جمعہ ادا کرے تو اس کی ظہر جیسے صحیح ہے جمعہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ جب بے عذر کی طرف سے صحیح ہے تو معذور شخص زیادہ مستحق ہے ساقط تو اس پر شفقت کی وجہ سے ہوا ہے۔ یوں معذور کے لیے چھوڑنا رخصت ہے اگر اس نے جمعہ ادا کرلیا تو ظہر کے فرض ذمہ سے اتر جائیں گے اور یہ جمعہ فرض واقع ہوگا، رخصت ترک کرنے سے امر عزیمت کی طرف لوٹ آتا ہے یعنی اگر وہ اس میں حاضر ہونے کی مشقت اٹھائے گا تو اس پر واجب ہوجائے گا اور ادا بھی ہوجائے گا اور وہ اس میں امام بھی بن سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

وجوب جمعہ کے لیے طہارت، نماز کی شرط واجب ہے یوں جمہور کے نزدیک تین (سلام، بلوغت، عقل) شرطیں ہیں اور مالکیہ کے ہاں دس ۱۰ ہیں جو یہ ہیں: مسلمان، بالغ عقلمند ہونا، حیض ونفاس سے پاک ہونا، وقت کا داخل ہونا، بیداری، نسیان نہ ہو، زبردستی نہ ہو، پانی یا مٹی کا ہونا جہاں تک ممکن ہے فعل کی قدرت ہونا ان پر چار شرطوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱)...... الدر المختار ۱/۷۶۲، ۷۶۴ البدائع ۱/۲۵۶، الكتاب مع اللباب ۱/۱۱۱ ۱۱۳، فتح القدير ۱/۴۱۷ الشرح الصغير ۱/۴۹۴ القوانين الفقهية ۷۹ بداية المجتهد ۱۵۱، مغني المحتاج ۱/۲۷۶، المهذب ۱/۱۰۹ كشاف القناع ۲/۲۳، ۲۵ المغني ۲/۲۹۸، ۳۲۷ ۳۳۲ ۳۳۸، ۳۴۲ (۲) احناف کے ہاں مدت اقامت ۱۵ روز جب کہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں چار روز ہے۔ (۳) روی مرفوعا لكن قال البيهقي الصحيح وقفه على ابن عمر۔

۱.....مرد ہونا، لہٰذا عورت پر واجب نہیں۔

۲.....آزادی: اس لیے غلام، پر واجب نہیں۔

۳.....مقیم ہونا: جہاں جمعہ ہوتا ہو، اس لیے اس مسافر پر جمعہ واجب نہیں جس نے اقامت کی نیت نہیں کی جس کی دلیل یہ حدیث ہے مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ اس سلسلہ میں مسالک میں کچھ تفصیل ہے۔

حنفیہ.....فرماتے ہیں: بڑے شہر میں مقیم ہونا شرط ہے وہ ایسا شہر ہے جہاں جمعہ کے روز مکلف لوگ بڑی مساجد میں نہ سما سکیں گاؤں اس کے برعکس ہے لہٰذا گاؤں کے مقیم پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

جو شخص شہر کے فنا (صحن) وہ علاقہ جہاں تک اس کے اطراف پھیلے ہوئے ہیں جس کا اندازہ ایک فرسخ (۵۵۴۴م) مختار فی الفتاوی یہی قول ہے۔ میں رہتا ہو سو اس پر بھی جمعہ واجب ہے۔ رہا وہ شخص جو شہر سے باہر ہے تو اگر وہ میناروں سے بآواز بلند آذان سنتا ہے تو اس پر جمعہ واجب ہے یہ امام محمد کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے شہر کے اطراف کے رہائشی پر جمعہ واجب نہیں۔ اس کے اور شہر کے درمیان کھیتوں وغیرہ کا فاصلہ ہو اگر چہ وہ اذان سنتا ہو مسافت کا اندازہ غلوۃ (چار سو ہاتھ) یا میل وغیرہ سے لگانا کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

خلاصہ.....یہ ہوا کہ شہر کے باسی یا اس سے متصل علاقے کے رہائشی پر جمعہ واجب ہے۔ دیہات والوں پر واجب نہیں اگر چہ وہ قریب ہوں جو مسافر پندرہ دن کی نیت کر لے اس پر جمعہ واجب ہے کسی جگہ کا مستقل وطن (ہمیشہ کی اقامت) گاہ بن جانا جمعہ واجب ہونے کی شرط نہیں۔

مالکیہ.....جو مسافر چار صحیح یا زیادہ ایام قیام کرنے کی نیت کر لے اس پر جمعہ واجب ہے۔ اگر چہ اس سے منعقد نہیں ہوتا جمعہ شہر میں مقیم آدمی پر جمعہ واجب ہے اس مقیم پر بھی واجب ہے جو کسی گاؤں یا شہر سے دور تقریباً فرسخ یا تین میل، نہ کہ اس سے زیادہ مسافت میں رہتا ہو شہر کے کونے میں مینارے سے مسافت کا اندازہ لگایا جائے گا شہر کے لئے بڑا شہر ہونا شرط نہیں اس لئے گاؤں اور جھونپڑا آبادی میں جمعہ صحیح ہے۔ بالوں کے بنے گھروندے والوں پر جمعہ واجب نہیں اس لیے کہ اکثر وہ لوگ خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ جب جمعہ شہر کے نزدیک ہوں اس طرح اس شخص پر واجب نہیں جو کسی جگہ کچھ وقت کے لیے قیام پذیر ہے خواہ اس میں مہینہ لگ جائے۔

اس لئے کسی شہر کو وطن بنانا ضروری ہے: جو ہمیشہ کی اقامت کہلاتی ہے۔

شافعیہ.....فرماتے ہیں: شہر، بڑے شہر اور گاؤں کے مقیم پر جمعہ واجب ہے خواہ اذان کی آواز سنے یا نہ سنے: اور شہر سے باہر والا اگر اذان کی آواز سنتا ہے تو اس پر بھی واجب ہے دلیل نبی علیہ السلام کا قول ہے: اذان سننے والے پر جمعہ واجب ہے لہٰذا فصل کاٹنے والوں پر اس وقت تک واجب نہیں جب تک اذان کی آواز نہ سنیں سننے کے سلسلہ میں اس کا اعتبار ہے کہ مؤذن شہر کے کونے میں کھڑا ہو آوازیں دی ہوں، ہوا ساکن ہو اور اس نے کان لگا رکھا ہو، اس صورت حال میں جب اذان سنے گا تو جمعہ لازم ہے اگر نہیں سنی تو لازم نہیں جس مسافر نے چار دن اقامت کی نیت کر لی یا جمعہ کی نماز فجر کے بعد سفر کیا تو اس پر جمعہ واجب ہے اگر فجر سے پہلے سفر کیا تو جمعہ واجب نہیں لیکن مسافر کی وجہ سے مطلوب عدد جو چالیس افراد ہیں کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا۔ بلکہ چالیس آدمی اسی وطن کے ہوں وطن بنانا انعقاد کی شرط ہے واجب ہونے کی شرط نہیں جیسا کہ جمعہ کی صحیح ہونے کی شرط آبادی ہے نہ کہ صحرا۔

حنابلہ.....کا مسلک ہے آبادی کے باسی یا اس کے قریب صحراء کے رہائشی پر جمعہ واجب ہے کوئی شخص شہر میں مقیم ہے اگر چہ وہ بڑا شہر نہیں اس میں جمعہ قائم کر لیا جائے اگر چہ اس کے اور جمعہ قائم کرنے کی جگہ کے درمیان فرسخ کا فاصلہ ہو اگر چہ وہ اذان نہ سنے کیونکہ وہ سارا

ایک شہر ہے قریب بعید ہونے میں کوئی فرق نہیں اس واسطے کہ فرسخ کی دوری قریب کے درجہ میں ہے اسی طرح اس شخص پر جمعہ واجب ہے جو شہر سے باہر ہے جہاں جمعہ قائم کیا جاتا ہے، شرط یہ ہے کہ اس میں اور اس جگہ میں تقریباً ایک فرسخ یا اس سے کم فاصلہ ہو جیسا مالکیہ کا قول ہے اس لیے کہ وہ جمعہ والوں میں سے ہے اذان سنتا ہے جیسے شہر ہوتے ہیں مینارہ سے سننے کا اعتبار سے نہ کہ امام کے سامنے سے۔

معتبر سننے کا امکان ہے۔ جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے جب مؤذن بلند آواز ہو، ہوا رکی ہو، آوازیں بہت ہوں اور عوارضات بھی نہ ہوں مسافر پہ جمعہ اس وقت واجب ہے جب وہ چار یا زیادہ دن قیام کی نیت کر لے یا سفر سفر معصیت نہ ہوتا کہ کہیں معصیت اس کے لئے تخفیف کا سبب نہ بن جائے یا اس کے اور اس کے قیام والے شہر کے درمیان فرسخ یا کم کا فاصلہ ہو یا اس نے سفر کی مسافت سے کم مسافت میں سفر کیا ہو۔ جس گاؤں کی تعداد چالیس افراد سے کم ہو ان پر جمعہ واجب نہیں یا وہ خیموں (جو درخت کی شاخوں سے بنائے گئے گھر)۔

یا بالوں کے گھروں میں مقیم ہو یا سفری مسافت والا مسافر ہو (۸۹ کلومیٹر) یا اس کے اور جمعہ والی جگہ کے درمیان فرسخ یا زیادہ کا فاصلہ ہو یا اسی گاؤں میں رہتا ہو جہاں کے لوگ بجائے گرمیوں کے سردیوں میں یا سال کے کسی حصہ میں نقل مکانی کر جاتے ہیں تو چونکہ وہ وہاں کے باسی نہ ہوئے اور نہ وہ جمعہ کی اذان سنتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ حج وغیرہ کا سفر کرتے تو ان میں سے کسی نے سفر میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی قرآن وسنت سے صراحت کی وجہ سے منی اور عرفہ میں جمعہ نہیں اس لیے کہ وہاں اس کا کرنا منقول نہیں۔

جمعہ کے دن سفر کرنا...... جمعہ کے روز نماز فجر کے بعد سفر کرنے کے ❶ متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں جائز ہے جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے اسے اس وقت ممنوع قرار دیا ہے جب جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد اور نماز جمعہ ادا کرنے سے پہلے تو اس کی (سفر) ممانعت پر اتفاق ہے احناف فرماتے ہیں: جمعہ کے روز سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں جب ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے شہری آبادی سے نکل جائے اور صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد اور نماز پڑھنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے۔ جب کہ زوال سے پہلے مکروہ نہیں۔

مالکیہ...... نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ جمعہ کے روز زوال سے پہلے سفر کرنا جائز۔ یہ لیکن جسے راستے میں جمعہ کی نماز نہ مل سکے اس کے لئے مکروہ ہے اور زوال کے بعد سے لے کر نماز سے پہلے تک بالاتفاق حرام اور ممنوع ہے ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... فرماتے ہیں: جس پہ جمعہ واجب ہو اس کے لئے زوال سے پہلے اور بعد میں سفر کرنا حرام ہے ہاں اگر اسے راستے میں جمعہ مل سکتا ہو یا ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے کا ضرر ہو یا وہ سفر واجب ہو جیسے اس حج کے لیے سفر جس کا وقت تھوڑا ہو اور رہ جانے کا خدشہ ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے اقامت کے گھر سے جمعہ کے روز سفر کیا اس کے لئے فرشتے بددعا کرتے ہیں اس کا سفر میں ساتھ نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی ضرورت میں مدد کی جاتی ہے ❷ یہ وعید مباح سفر کو شامل نہیں چونکہ جمعہ اس پہ واجب ہوا تھا اسے لہو ولعب میں مشغول ہو کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے ایسا ناجائز ہے ایسے ہی شافعیہ کے ہاں شب جمعہ میں سفر کرنا مکروہ ہے امام غزالی کی احیاء العلوم، میں لکھا ہے جو شب جمعہ میں سفر کرتا ہے اس کے دونوں فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں میرے اندازے میں مالکیہ اور حنفیہ کی رائے زیادہ صحیح ہے اس میں لوگوں کے لئے آسانی اور حرج کا دفعیہ ہے جب کہ فریق ثانی کی حدیث ضعیف ہے۔

---

❶.....الدر المختار ۱/۷۷، الشرح الصغیر ۱/۲ ۱ ۵، القوانین الفقهیة ۸۰، المهذب ۱/۱۱۰، مغنی المحتاج ۱/۲۷۸، المغنی ۲/۳۶۲،۳۶۴ الشرح الصغیر ۱/۵۱۴،۵۱۶ خصوصیات یوم الجمعه للسیوطی ۷۳ الشرح الکبیر ۳۸۷۔ ❷رواه الدارقطنی فی الافراد واخرجه الخطیب فی الرواة عن مالک بسند ضعیف عن ابی هریرة

۴۔ معذوری سے سلامتی...... جس شخص پر جمعہ واجب ہوتا ہے اس کے لئے صحتمند، مامون، آزاد، بینا ہونا، چلنے کی قدرت، اور قید نہ ہونا ضروری ہے، سخت بارش، کیچڑ اور اولے وغیرہ نہ ہوں جیسا کہ ہم تفصیلاً جمعہ جماعت کو ساقط کرنے والے عذروں میں بیان کر چکے ہیں۔اس مریض پر جمعہ واجب نہیں جو اس کی ادائیگی سے لاچار ہے نہ اس تیماردار پر جس کے چلے جانے سے بیمار کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو بوڑھے کھوسٹ پر واجب نہیں یا جسے اپنی جان مال کا خوف ہو یا قرض خواہ کا ڈر ہو یا کسی ظالم یا فتنے کا خطرہ ہو غلام پر بھی جمعہ واجب نہیں اس واسطے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے نابینا حنفیہ کے ہاں معذور ہے جب کہ حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک اگر اسے لے جانے والا ہو تو اس پر واجب ہے۔امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اگر لے جانے والا میسر بھی ہو پھر بھی جمعہ واجب نہیں جس کا پاؤں مفلوج یا کٹا ہوا ہو اس پر اور لنجے پر واجب نہیں قیدی پر اور بارش کیچڑ اور اولوں کی مشقت سے معذور پر واجب نہیں احناف کے ہاں دیہاتی پر بھی جمعہ واجب نہیں۔ ❶

حنابلہ کے ہاں بادشاہ کے سوا عید کے موقع پر حاضر ہونے والوں پر سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے:

حنابلہ فرماتے ہیں...... ❷ جیسے معذوروں مثلاً بیمار وغیرہ سے اور مشاغل کی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے ایسے ہی ان لوگوں سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے جو بادشاہ کے ساتھ عید کے موقع پر حاضر ہوں جب اتفاق سے عید و جمعہ اکٹھے ہو جائیں لیکن یہ سقوط اسقاط حضور ہے نہ اسقاط وجوب سوائے امام کے اس سے ساقط نہیں: البتہ اگر اسے کوئی جمعہ پڑھانے والا نہ ملے تو ساقط ہے اس کا امام بننا صحیح ہے افضل یہ ہے کہ اس میں حاضر ہو جائے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے، ان کی دلیل حضرت زید بن ارقم کی حدیث ہے جو چاہے جمعہ پڑھے ❸ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں تمہارے اس دن دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں جو چاہے اس کے لئے جمعہ سے کافی ہے اور ہم تو جمعہ پڑھیں گے ❹ چونکہ جمعہ ظہر سے ایک خطبہ ہی کی وجہ سے زائد ہے جس کا سماع عید میں ہو گیا تو دوسری بار بھی اس کا سماع کافی ہے اور دونوں کا وقت ایک ہے اس لیے ایک کے ذریعہ دوسرا ساقط ہو جائے گا جیسے ظہر کے ساتھ جمعہ آپ علیہ السلام کا یہ اشارہ کہ ہم تو جمعہ پڑھیں گے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بادشاہ سے ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس نے چھوڑ دیا تو جن لوگوں پر جمعہ واجب تھا یا جن سے ساقط ہوا لیکن وہ اسے پڑھنا چاہتے ہیں اس کی ادائیگی سے رک جائیں گے بادشاہ کے علاوہ لوگ اس کے برعکس ہیں ان کا یہ سبب نہیں۔

چوتھا مقصد: جمعہ کی کیفیت و مقدار...... جمعہ کی دو رکعتیں اور دو خطبے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جمعہ کی نماز دو رکعتوں پر مشتمل ہے (یہ ظہر کی) قصر (نماز) نہیں جو جھوٹ گھڑے اس کا ناس ہو ❺ اس کے دو رکن ہیں نماز اور خطبہ بالاجماع نماز کی دونوں رکعتوں میں جہری قرأت ہوگی اور خطبہ فرض ہے نماز سے پہلے دو خطبے پڑھے جائیں جو صحیح قول کے مطابق جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہیں عرب کے ہاں کم از کم خطبہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود دین و دنیا کے بارے وعظ و نصیحت اور قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اس سے پہلے چار رکعات سنت ہیں اور جمہور کے ہاں ماسوائے مالکیہ کے بعد میں بھی چار رکعتیں ہیں۔

مقصد پنجم...... جمعہ صحیح ہونے کی شرائط:

جمع صحیح ہونے کی سابقہ گیارہ ۱۱ شرائط کے علاوہ حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں مزید سات شرطیں اور مالکیہ کے نزدیک مزید پانچ اور

---

❶...... المغنی ۳۵۸/۲، کشاف القناع ۴۴۱/۲۔ ❷ رواہ الامام احمد وابوداؤد ولفظہ من شاء ان یصلی فلیصل۔ ❸ رواہ ابن ماجہ وعن ابن عمر وابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو ذلک ❹ البدائع ۲۵۶/۱، بدایۃ المجتہد ۱۵۵/۱ القوانین الفقہیۃ ۸۱ مغنی المحتاج ۲۷۶/۱ کشاف القناع ۲۱/۲، ۴۱ ❺ رواہ احمد وابن ماجہ والنسائی

حنابلہ ① کے ہاں چار مزید شرطیں ہیں۔

ا۔ **ظہر کا وقت**...... جمعہ صرف اسی وقت صحیح ہے اس کے بعد نہیں اور نہ جمعہ کی قضا ہے اگر وقت تنگ ہو تو ظہر کی تکبیر تحریمہ کہہ لیں سوائے حنابلہ کے جمہور کے نزدیک زوال سے پہلے جمعہ صحیح نہیں جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوال کے بعد جمعہ کی ادائیگی پر مواظبت وہیشگی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سورج ڈھل جاتا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ ادا فرماتے ⑫ اسی پر خلفاء راشدین اور بعد کے لوگوں کا عمل جاری رہا ہے چونکہ جمعہ اور ظہر دونوں ایک وقت کے فرض ہیں ان کے اوقات میں اختلاف وتبدیل ہیں جیسے حضر وسفر کی نماز کے اوقات مختلف ہیں۔

حنابلہ...... کہتے ہیں کہ زوال سے پہلے جمعہ ادا کرنا جائز ہے اس کا پہلا وقت عید کا پہلا وقت ہے جس کی دلیل عبداللہ بن میدان سلمی کا قول ہے: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمعہ میں شریک تھا آپ کا خطبہ اور نماز دوپہر سے پہلے تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا موقع ملا ان کی نماز اور خطبہ میرے کہنے کے مطابق دوپہر کے وقت تھا پھر حضرت عثمان کے دور میں ان کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا میرے کہنے کے مطابق جب دن ڈھل چکا اس وقت تھا میں نے کسی کو آپ پر نکتہ چینی کرتے نہیں دیکھا اور نہ کسی نے نکیر کی ⑬ یوں یہ اجماع بن گیا چونکہ یہ بھی نماز عید ہے اس لیے عیدوں کے مشابہ ہوگئی۔

زوال سے پہلے جواز یا رخصت کے طور پر ادا کی جا سکتی ہے البتہ زوال کی وجہ سے واجب ہوگی لیکن زوال کے بعد ادا کرنا افضل ہے چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جب سورج ڈھل جاتا اس وقت ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جمعہ پڑھتے پھر واپسی پر ہم لوگ سایہ ڈھونڈتے جاتے ⑭ تاکہ گرمی سے بچا جاسکے۔

جمعہ کا آخری وقت بلا اختلاف وہی ظہر کا آخری وقت ہے چونکہ یہ اس کا بدل ہے اس کی جگہ واقع ہے اس لئے اسی کے ساتھ ملانا ضروری ہے چونکہ دونوں میں کئی طرح سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

جمعہ کی نماز کب ملتی ہے...... امام کے ساتھ نماز جمعہ کا کوئی حصہ پالینے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ حنفیہ کا راجح قول یہ ہے ⑤ جمعہ کے روز جو امام کے ساتھ جتنی نماز جمعہ پالے پڑھ لے اس کا جمعہ مکمل ہے اس نے جمعہ پالیا اگر وہ امام سے تشہد یا سجدہ سہو میں جا ملے یہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جس کی بنیاد نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے جتنی نماز مل جائے پڑھ لو جو رہ گئی اس کی قضا کرلو ⑥ جمہور ⑦ فرماتے ہیں: جب امام کے ساتھ دوسری رکعت مل گئی تو جمعہ پالیا اور اسے جمعہ ہی مکمل کرے اگر دوسری رکعت نہیں ملی تو اسے ظہر مکمل کرے اس لئے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد عام ہے جسے جمعہ کی ایک رکعت ملے وہ اس کے ساتھ ایک اور ملا لے اور روایت میں ہے جسے ایک رکعت مل گئی تو گویا اسے نماز مل گئی۔

---

①......الدر المختار ۱/۷۴۷، ۷۶۱ فتح القدير ۱/۴۰۸۔۴۱۶، البدائع ۱/۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۶ اللباب ۱/۱۱۰، ۱۱۲ الشرح الصغير ۱/۴۹۵۔ ۵۰۰ الشرح الكبير ۱/۳۷۲، ۳۷۸ بداية المجتهد ۱/۱۵۲، ۱۵۴ القوانين الفقهية ۸۰۔۸۱ مغنى المحتاج ۱/۲۷۹، ۲۸۵ المهذب ۱/۱۱۰، ۱۱۷ حاشية الشرقاوى ۱/۲۶۱، ۲۶۶ كشاف القناع ۲/۲۷، ۳۴، ۴۲ المغنى ۲/۲۹۵، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۵۶، ۳۵۹ ⑫ رواه احمد والبخارى وابوداؤد والترمذى (نيل الاوطار ۳/۲۵۹) ⑬ رواه الدارقطنى واحمد واحتج به وقال وكذلك روى عن ابن مسعود وجابر وسعيد ومعاويه انهم صلوها قبل الزوال (نيل الاوطار ۳/۲۵۹) ⑭ رواه الشيخان (نيل الاوطار سابقه حواله) ⑤ فتح القدير ۱/۴۱۹ الكتاب مع اللباب ۱/۱۱۴۔ ⑥ رواه احمد وابن حبان عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة مرفوعاً قال مسلم: اخطا ابن عيينة فى هذه اللفظة ولا علم رواها عن الزهرى غيره اخرجه ائمة الستة بلفظ: فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا (نصب الراية ۲/۲۰۰) ⑦ مغنى المحتاج، ۱/۲۹۹ كشاف القناع ۲/۲۸، ۳۳، المغنى ۲/۳۱۲

دوسری روایت میں ہے جسے جمعہ میں ایک رکعت پڑھنے کا موقع مل گیا تو اسے نماز (جمعہ) مل گئی۔ ❶

۲۔ شہر..... نماز جمعہ بڑے شہر میں ہو یا شہر کی عید گاہ میں ہو یہ شرط احناف کے ہاں ہے شہر ہر وہ جگہ ہے جہاں گورنر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرتے اور حدود قائم کرتے ہوں یہ فقہ حنفی کا مشہور مذہب ہے لیکن اکثر احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ شہر وہی ہے جس کی تعریف ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: جس کی سب سے بڑی مسجد میں جمعہ کے مکلّف لوگ نہ سما سکیں۔ یہ تو وجوب اور صحیح ہونے کی شرط ہے لہٰذا شہر یا اس کے آس پاس کے علاوہ جگہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوگا گاؤں والوں پر جمعہ نہیں کیونکہ وہ شہر کے آس پاس کا علاقہ نہیں بنتے اس لئے وہاں جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں بڑے شہر کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے جمعہ اور تشریق (عید صرف بڑے شہر میں ہوتے ہیں۔

مالکیہ..... اس کی جگہ آبادی کی ہو جو یا شہر ہو گا یا گاؤں پتھروں وغیرہ سے ان کی تعمیر ہوئی ہوتی ہے یا جھونپڑے جو نرکل یا شاخوں سے بنے ہوتے ہیں۔ نہ کہ بالوں اور کپڑوں کے بنے خیمے کیونکہ وہ لوگ خانہ بدوش ہوتے ہیں ایک جگہ پڑے نہیں رہتے۔ ان کی مشابہت مسافروں سے ہوگی یہ جمعہ صحیح ہونے اور واجب ہونے کی شرط مالکیہ کے ہاں ہے۔ اس واسطے کہ ان کا ہاں صحیح یہ ہے کہ چار شرطیں امام، جماعت، مسجد اور آبادی کی جگہ وجوب اور صحیح ہونے دونوں کی شرطیں ہیں عموماً گاؤں اپنے باسیوں کے لئے خود کفیل ہوتا ہے وہاں انہیں امن میسر ہوتا اور دوسروں سے اپنی معاشی زندگی میں باکفایت ہوتے ہیں۔ ان کی سوا اس سے کم زیادہ کے ذریعہ کوئی حد بندی نہیں جا سکتی۔

شافعیہ..... نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جمعہ شہر یا گاؤں کے نشان زدہ علاقہ میں قائم کیا جائے اگرچہ مسجد میں نہ ہو صحرا میں ہمیشہ رہنے والے خیمہ زدہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں اس واسطے کہ ان کی حالت مسافروں جیسی یا وہ سفر کے لئے تیار رہتے ہیں ان کے آبادی کی طرح بنے ہوئے گھر نہیں ہوتے نیز قبائل عرب جو مدینہ کے گرد نواح میں مقیم تھے جمعہ کے لیے نہیں آتے تھے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کا حکم ہی دیا تھا۔ نشان زدہ علاقے سے مراد وہ زمین ہے جس پر تعمیرات کے لئے نشانات مقرر ہوں یہاں اس سے مقصود شہری عمارتیں ہیں جو ہمارے دور میں ہر کالونی کی ڈویلپمنٹ کے مشابہ ہے عرف کے مطابق عمارتوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔

حنابلہ..... جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے وہ تعداد میں چالیس افراد یا اس سے زیادہ ہو آبادی کے رہنے والے یعنی کسی ایسے گاؤں کے مقیمی ہوں جس کی عمارتیں اکٹھی ہیں وہاں کا جیسا تعمیرات کا دستور ہے خواہ وہ پتھر سے یا مٹی یا پکی اینٹوں سے یا نرکل یا درختوں سے بنی ہوں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دیہاتوں کی طرف پیام بھیجا کہ وہ جمعہ پڑھا کریں خیموں، بالوں کے گھروندوں والوں اور خانہ بدوش لوگوں پر جمعہ واجب نہیں۔ اور نہ ان کی طرف سے اس کی ادائیگی صحیح ہے اس لئے کہ عموماً یہ آبادی کے لئے نصب نہیں کیے جاتے۔

خلاصہ..... یہ ہوا کہ جمہور کے ہاں جمعہ قائم کرنے کے لئے شہر یا گاؤں کا ہونا اور احناف کے ہاں بڑے گاؤں کا ہونا ضروری ہے لہٰذا چھوٹی بستیوں میں رہنے والوں پر جمعہ واجب نہیں یعنی ان (احناف) کے نزدیک بڑے شہر کا ہونا ضروری ہے ان کے علاوہ فقہاء کے ہاں شہر کا ہونا شرط نہیں: گاؤں اور شہر جمعہ قائم کرنے کے لئے برابر ہیں۔

۳۔ جماعت..... اصح قول کے مطابق طرفین (ابوحنیفہ ومحمد رحمہما) کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین مرد (آدمی) ہوں اگرچہ وہ بیمار یا مسافر ہوں اس واسطے کہ جمع کی کم از کم صحیح تعداد تین ہے جمعہ جماعت مستقل شرط ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلو جمعہ جماعت سے مشتق (نکلا) ہے ان کے لئے ایک واعظ کا ہونا ضروری ہے جو خطیب ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے امام کو چھوڑ دیا یا تحریمہ کے بعد

---

❶..... اللفظ الاول لابن ماجه والثاني متفق عليه عند الشيخين والثالث رواه الاثرم

سجدے سے پہلے چلے گئے تو جمعہ باطل ہو جائے گا ظہر کی نماز پڑھی جائے گی، اگر واپس آ کر امام کو رکوع میں پایا یا امام کے ساتھ تین آدمی نماز پڑھتے مل گئے یا یہ لوگ خطبہ کے بعد چلے گئے اور امام نے دوسروں کو جماعت کرائی تو جمعہ صحیح ہے بہر کیف جماعت کا ہونا جمعہ کی ادائیگی منعقد ہونے کی شرط ہے نماز کے آخر تک دائمی اور باقی شرط نہیں۔ ادائیگی تمام ارکان کے پائے جانے سے ہوگی جو قیام قرأت رکوع اور سجود ہے اگر یہ لوگ تحریمہ کے بعد سجدے سے پہلے چلے گئے تو جمعہ فاسد ہے جیسا ہم بیان کر آئے ہیں از سر نو ظہر پڑھی جائے گی۔

مالکیہ......نماز اور خطبہ کے لئے بارہ ۱۲ مردوں کا ہونا شرط ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آپ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے شام کا ایک تجارتی قافلہ آیا لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے یہاں تک آپ کے پاس صرف بارہ مرد رہ گئے جس پر جمعہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی، جب یہ لوگ تجارت یا کوئی لہو ولعب کی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف لپک پڑتے ہیں اور تمہیں کھڑے کا کھڑا چھوڑ بھاگتے ہیں ❶ اس شرط کے لئے دو شرطیں ہیں اول: یہ تعداد شہر والوں کی ہو تجارت وغیرہ کے لئے قیام کرنے والی تعداد صحیح نہیں اس لئے کہ شہر میں مقیم لوگوں کی مذکورہ تعداد حاضر نہ تھی۔ دوم یہ امام کے ساتھ شروع خطبہ سے نماز کے سلام تک یہ لوگ باقی رہیں اگر ان میں سے کسی ایک کی نماز۔ اگر چہ امام کے سلام کے بعد فاسد ہوئی تو جمعہ باطل ہو جائے گا یعنی مشہور مسلک کے مطابق نماز مکمل ہونے تک جماعت کا باقی رہنا شرط ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ......فرماتے ہیں کہ امام کے ساتھ چالیس یا زائد مردوں کی حاضری میں جن کا گاؤں والے مکلف آزاد مرد اور رہائشی ہونا ضروری ہے جمعہ قائم کیا جائے گا بشرطیکہ ان میں سے کوئی بھی سوائے ضرورت کے سردی یا گرمی میں رخت سفر نہ باندھتا ہو، اگر چہ وہ بیمار گونگے یا بہرے ہوں مسافر بھی نہ ہوں البتہ امام مسافر ہو تو جائز ہے جب مذکورہ چالیس کی تعداد سے افراد زیادہ ہوں۔ چالیس سے کم تعداد میں جمعہ منعقد نہیں ہوگا، جس کی دلیل حدیث کعب ہے جو مدینہ میں سب سے پہلی جمعہ کی نماز کی اس تعداد کو متضمن ہے جو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی گئی کہ وہ چالیس مرد تھے۔ ❷

بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ پڑھایا تو چالیس مرد تھے چالیس سے کم کو آپ نے جمعہ پڑھایا ہو ثابت نہیں لہٰذا اس سے کم تعداد جائز نہیں اگر خطبہ میں چالیس کے چالیس یا کچھ نکل گئے جمعہ صحیح نہیں اس لیے کہ چالیس افراد کا خطبہ کے ارکان کا سماع کرنا مقصود ہے کیونکہ خطبہ کا مقصد ہی لوگوں کو سنانا ہے اگر جمعہ مکمل کرنے سے پہلے چالیس کی تعداد کم ہو گئی تو ظہر از سر نو پڑھیں گے جمعہ مکمل نہیں کریں گے اس واسطے کہ تعداد شرط ہے جس کا پورے جمعہ میں طہارت کی طرح اعتبار کیا گیا ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ جمعہ اجتماع کا مطالبہ کرتا ہے جب عرفاً بڑے جماعت کا ثبوت ہو جائے گا تو جمعہ واجب اور صحیح ہوگا کسی متعین عدد کے بارے میں صریح نص نہیں ہے البتہ جمعہ میں جماعت بالاتفاق شرط ہے، اور یہ بات شریعت سے پہلے ہی معلوم ہے کہ نماز میں موجودگی کی حالت میں ہو۔

۴۔ امیر یا اس کا نائب ہی امام بنے اور بادشاہ کی طرف سے جامع مسجد کے دروازے آنے والوں کے لئے کھول کر عام اجازت دی جائے......احناف نے یہ دو شرطیں رکھی ہیں، اول بادشاہ ہو اگر چہ وہ حکومت پر قابض ہو یا اس کا نائب ہو یا جسے جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو جیسے آج کل وزارت اوقاف ہی جمعہ کی امام وخطیب ہے اس لیے کہ جمعہ بڑے مجمع میں قائم کیا جاتا ہے اور کبھی جمعہ کے سلسلہ میں لڑائی جھگڑا بھی بن جاتا ہے اس واسطے اس کے حکم کو پورا کرنا اور کسی کو آگے بڑھنے سے روکنا ضروری ہے دوم عام اجازت، جس کی

❶......حدیث الانفضاض هذا رواه احمد ومسلم والترمذي صحيحه (نيل الاوطار ۳/ ۲۸۱) ❷ رواه ابن ماجه وابو داؤد (نيل الاوطار ۳/ ۲۳۰)

صورت یہ ہے کہ جامع مسجد کے دروازے کھلے ہوں اور لوگوں کو اندر آنے کی کھلی اجازت ہو یعنی کسی ایسے شخص کو اندر نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے جس کا جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ اس لئے کہ ہر مجمع حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اجتماع کا مفہوم صرف اجازت سے حاصل ہو سکتا ہے اور چونکہ جمعہ شعائر اسلام کا حصہ اور دین کا خاصہ ہے اس بنا پر اسے مشہور اور عام کر کے قائم کرنا چاہیے۔

احناف کے علاوہ کسی نے یہ دو شرطیں نہیں لگائیں۔ لہٰذا جمعہ صحیح ہونے کے لئے نہ کھلی اجازت ضروری ہے اور نہ بادشاہ وغیرہ کا حاضر ہونا شرط ہے اس لئے کہ جب حضرت عثمان محصور تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ پڑھایا کسی نے نکیر نہیں کی، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ❶ نے اسے درست قرار دیا چونکہ جمعہ وقت کا فرض ہے اس لئے ان دو شرطوں کے نہ ہونے میں ظہر کے مشابہ ❷ ہے۔

۵۔ امام کے ساتھ اور جامع مسجد میں ہوں...... یہ دو شرطیں مالکیہ نے لگائی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ مقیم امام کی اقتداء میں جمعہ پڑھا جائے علیحدہ علیحدہ پڑھنا صحیح نہیں وہ امام مقیم ہو مسافر نہ ہو اگر چہ وہاں کا رہائشی نہ ہو وہی خطیب ہو البتہ کوئی معذوری جیسے نکسیر یا وضو کا ٹوٹنا پایا جائے جس کی وجہ سے خلیفہ بنانا مباح ہو جائے وہ آزاد ہو لہٰذا غلام کی اقتداء میں جمعہ صحیح نہیں والی و حاکم ہونا بخلاف حنفیہ کے شرط نہیں۔

اس جامع مسجد میں ہو جہاں ہمیشہ لوگ جمع ہوتے ہوں لہٰذا گھروں حویلی کے صحن، خانگاہ اور نہ کسی کھلی زمین پر جائز ہے خلاصہ یہ کہ (دوسروں کے لئے) ممنوعہ علاقوں میں جائز نہیں جیسے حویلیاں اور دکانیں وغیرہ۔

جامع مسجد کے لئے چار شرطیں ہیں...... تعمیر شدہ ہو اور اس کی عمارت عرف و معاشرے کے مطابق ہو خواہ نرکل وغیرہ سے ہو ایک اور شہر سے متصل ہو لہٰذا شہر میں جمعہ ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب کئی جمعے ہوں تو جس میں جمعہ صحیح ہوگا وہی جامع مسجد کہلائے گی پرانی اور سب سے پہلی جمعہ کی مسجد ہو اگر چہ اس کی تعمیر بعد میں ہوئی ہو راجح یہی ہے کہ جامع مسجد کا چھت والی ہونا شرط نہیں اور نہ اس میں ہمیشہ جمعہ یا ہمیشہ نماز پنجگانہ قائم کرنے کا ارادہ ہو۔

مسجدوں کے صحنوں میں جمعہ جائز ہے یہ ہر وہ جگہ ہے جو مسجد کے وسیع ہونے کی وجہ سے احاطہ سے باہر زائد ہوتی ہے مسجد سے متصل راستوں میں بھی جمعہ جائز ہے جب کہ درمیان میں دکانوں گھروں یا رکاوٹ بننے والی چیزوں کا فاصلہ نہ ہو خواہ مسجد تنگ ہو یا صفیں متصل ہوں یا نہ ہو لیکن بلا ضرورت راستوں اور صحنوں میں جمعہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر چہ مسجد لوگوں سے تنگ پڑ جائے پھر بھی مسجد کی چھت پر اور ممنوع جگہوں مثلاً حویلیاں اور دکانیں جمعہ جائز نہیں۔

۶۔ بلاضرورت کئی جمعے نہ ہوں...... شافعیہ نے جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط قرار دی ہے کہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ شہر یا گاؤں میں جمعہ نہ ہو ہاں البتہ شہر بڑا ہو اور لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہو یا شہر کے اطراف دور ہوں انہیں جمعہ واجب ہونے کی سابقہ شرائط کے ساتھ مؤذن کی آواز نہ پہنچتی ہو تو دوسرا جمعہ جائز ہے اس شرط کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد جمعہ قائم نہیں کیا ایک پر اکتفا مقصود کو ثابت کرنے کا زیادہ سبب ہے تا کہ اجتماع کا شعار ظاہر کیا جائے اور ایک بات کا پرچار کیا جائے۔

اگر اس سے پہلے کوئی جمعہ ہو جائے تو وہ صحیح ہے جب کہ بعد والا باطل ہے اس لیے ایک سے زائد نہیں ہوتا اگر دونوں ایک ساتھ مل گئے تو دونوں باطل ہوں گے پہلے اور برابر ہونے کا اعتبار ہے: جو امام کی تکبیر تحریمہ کی ''را'' سے پتہ چلے گی اگر پہلے والے کو معلوم ہوا لیکن بھول گیا تو سب کا جمعہ باطل ان پر ظہر واجب ہے صحیح فاسد کے ساتھ مل گیا اس لئے اگر مقارنۃ برابری کا علم ہو یا سبقت اور برابری کا علم نہ ہو تو اگر وقت کافی ہو تو جمعہ کا اعادہ کیا جائے اس واسطے کہ یہاں جمعہ جائز طریقہ سے نہیں ہوا جگہ کی تنگی کی وجہ سے کئی جمعے ہوں تو جائز ہے اور صحیح قول کے مطابق سب کی نماز صحیح ہے چاہے اماموں کی تکبیرا کٹھی واقع ہوئی ہیں یا آگے پیچھے ترتیب وار، البتہ ظہر کی نماز احتیاطاً مسنون ہے، احتیاط اس کے

---

❶..... رواہ البخاری بمعناہ ❷ کشاف القناع ۲/ ۴۱

لئے ہے جس نے ایسے شہر میں جمعہ پڑھا جہاں ضرورت کی بنا پر کئی جمعے ہوئے۔ اگر اس کے پہلے ہونے کا علم نہ ہو تو اس کے اختلاف سے بچنے کے لئے جو ضرورت کی بنا پر بھی کئی جمعوں کا قائل نہیں ظہر سمجھ کر اعادہ کیا جائے گا جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی آخری یا احتیاط ظہر کی نیت کرے تا کہ ظہر ادا کر کے وقتی فرض کی ذمہ داری سبکدوش ہو سکے۔

جمعہ کے بعد ظہر کی نماز..... اگر بلا ضرورت کئی جمعے ہوئے تو واجب ہے اور اگر کئی جمعے صرف بقدر ضرورت ہوئے تو مستحب ہے یا ضرورت سے زائد ہوئے لیکن یہ پتہ نہ ہو کہ تعدد و اضافہ ضرورت کی بنا پر تھا یا نہیں۔ اس صورت میں ظہر کی نماز حرام ہے جب پورے شہر میں صرف ایک جمعہ ہوتا ہو جیسے رکھوں کا کوئی گاؤں۔ اسی طرح مالکیہ نے راجح قول کے مطابق کہا ہے: دو مسجدوں یا کئی مساجد میں کئی جمعے ممنوع نہیں جب شہر ایک ہو تو صرف ایک ہی جمعہ ہوگا کئی جمعے ہوئے تو پرانی اور سب سے پہلی جامع مسجد کا جمعہ صحیح ہے اگر چہ اس کی تعمیر بعد میں ہوئی ہو جیسا ہم بتا چکے ہیں۔ ①

مذکور قول میں حنابلہ شافعیہ اور مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ ②

اگر شہر بڑا ہو جس میں کئی جامع مساجد کی ضرورت ہو یا فتنہ کے خوف والی حالت ہو کہ شہریوں میں پھوٹ پڑتی ہو یا شہر وسیع اور اس کے اطراف والے علاقے دور ہوں تو پورے شہر میں جمعہ کی نمازیں جائز ہیں اس لیے کہ اس نماز کے لئے اجتماع اور خطبہ مشروع ہے تو عید کی نماز کی طرح کئی جگہوں پر جائز ہے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عید کے روز عید گاہ کی طرف جاتے اور کمزور لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو نائب بنا جاتے۔

رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا دوسرا جمعہ قائم نہ کرنا تو اس کی چنداں ضرورت نہ تھی اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کو سننا اور وہاں حاضر ہونے کو ترجیح دیتے تھے اگر چہ ان کے گھر دور ہوتے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتے تھے پھر جب شہروں میں کئی جمعوں کے پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو کئی مقامات پر جمعے پڑھے گئے کسی نے نکیر نہیں کی یوں یہ اجماع کی صورت اختیار کر گیا۔ اگر دو جمعوں کی ضرورت پڑے تو بلا ضرورت تیسرا اسی طرح چوتھا یا پانچواں جائز نہیں ہوگا۔ بلا ضرورت شہر کی کئی جگہوں میں عید اور جمعہ قائم کرنا حرام ہے۔ بلا ضرورت دوسرے جمعہ کی اجازت دینا حرام ہے جیسے ضرورت سے زائد میں اجازت دینا حرام ہے۔ اگر بلا ضرورت کئی جگہ جمعے قائم ہوئے تو وہ جمعہ جو بادشاہ نے خود پڑھایا پڑھایا اور اس کی اجازت دی وہ صحیح ہے کیونکہ دوسرے کو صحیح قرار دینا فیصلہ ہے اور اس کے جمعہ کو فوت کرنا ہے۔ اگر دو جمعے اجازت و عدم اجازت میں برابر ہو جائیں تو پہلا صحیح ہے اور دوسرا باطل ہے پہل کا پتہ امام کی تکبیر تحریمہ سے چلے گا جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے خطبہ یا سلام شروع کرنے سے نہیں اور اگر دونوں جمعے اکھٹے مل جائیں اور اجازت و عدم اجازت میں برابر ہوں تو دونوں باطل ہیں اس لئے کہ کسی ایک کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں۔

اگر کسی شہر میں بلا ضرورت پڑھے گئے پہلے جمعہ کا پتہ نہ ہو یا یہ پتہ نہ ہو کہ کونسا پہلے تھا یا پہلے پتہ تھا پھر بھول گئے تو ظہر کی نماز پڑھیں گے۔

خلاصہ یہ رہا ہے کہ جمہور (مالکیہ کے مشہور قول اور شافعیہ حنابلہ) اور احناف میں سے علامہ کاسانی کی رائے بلا ضرورت کئی جمعے ناجائز ہیں۔

رہے جمہور ③ احناف تو مفتی بہ قول کے مطابق ایک شہر کی کئی جگہوں میں حرج سے بچنے کے لئے ایک سے زیادہ جمعے ادا کرنا جائز ہے اس لئے کہ ایک ہی جگہ کو لازم قرار دینا انتہائی تنگی اور حرج ہے اکثر حاضرین کو مسافت طویل پڑے گی کئی جمعے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں ضرورت و حاجت اس شرط کے نہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے خصوصاً بڑے شہروں میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

---

① الشرح الصغیر ۱/۵۰۰ القوانین الفقهية ۸۰۔ ② المغنی ۲/۳۳۴ کشاف القناع ۲/۴۲،۴۴۔ ③ الدر المختار وردالمحتار ۱/۷۵۵ قال فی شرح المنية الاولی هو الاحتياط لا ن الخلاف فی جواز التعددوعد مه قوی و کون الصحيح جواز التعد دلضرورة للفتوی لايمنع شرعية الا حتياط للتقوی

حق یہ ہے..... آبادی وسیع اور لوگوں کی کثرت جمعہ کی ادائیگی میں آسانی کو مدنظر رکھنے کی ضرورت کی بنا پر یہ رائے وزنی ہے کئی جمعوں کو ممنوع قرار دینے کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ ابن رشد فرماتے ہیں: اگر تعدد نہ ہونا شرط ہوتا اور شہر، بادشاہ مسجد کے مالک کی جمعہ صحیح ہونے کی شرط لگائی جاتی تو یہ جائز نہ تھا کہ نبی علیہ السلام اس سے خاموش رہے اور نہ اس کا بیان کرنا ترک کرے۔ تاکہ آپ ان احکام کو لوگوں سے بیان کریں جوان کی طرف آئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تاکہ آپ ان کے اختلافی مسائل کو واضح کریں آج کے دور میں کئی جمعے اسلام کی ابتدائی آسانی اور نمازوں سے تنگی دور کرنے میں متفق ہے جیسے بعض شافعیہ نے ثابت کیا ہے کسی نمازی پر ظہر کی نماز واجب نہیں۔ جیسا کہ علامہ رملی نے کیا ہے مثلاً جن بڑے شہروں مثلاً قاہرہ، بغداد اور دمشق وغیرہ میں یہ صورت حال پیش آتی ہے رہا اس کا جمعہ جس نے پہل کی تو اس کا مطلب مسجد میں پہلے پہنچنے والے کے لیے اجر وثواب کی زیادتی ہے۔ ❶

۷۔ نماز سے پہلے خطبہ..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے اس کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ❷ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے ذکر کی طرف چلو ذکر سے مراد خطبہ ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جمعہ خطبہ کے بغیر نہیں پڑھا ❸ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہوا ایسے نماز پڑھا کرو حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: خطبہ کی وجہ سے نماز جمعہ قصر (کم) ہوئی احناف کے ہاں اصح یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام نہیں بلکہ ثواب میں ان کے برابر ہے جیسا کہ ایک اثر (صحابی کا قول) منقول ہے خطبہ نماز کا آدھا ہے یہ بالاتفاق نماز سے پہلے دو خطبے ہیں خطبہ کے شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

احناف ❹ فرماتے ہیں: طوال مفصل کی کسی سورت کی مقدار زوال کے بعد نماز سے پہلے امام دو مختصر مختصر خطبے دے۔ جن کے درمیان تین آیات کی مقدار بیٹھے پہلے سے دوسرے کو آہستہ پڑھے خطبہ کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے دونوں طرح کی بے وضوگیوں سے پاک ہو کر شرمگاہ ڈھانپ کر خطبے دے اگر چہ حاضرین بہرے یا سوئے پڑے ہوں اگر بیٹھ کر خطبہ دیا یا بے وضو دیا مقصد حاصل ہونے کی بناء پر جائز تو ہے لیکن ایک تو منقول عمل کی مخالفت دوم نئے وضو کرنے کی وجہ سے خطبہ اور نماز میں فاصلے کی وجہ سے مکروہ ہے قیام ان کے ہاں سنت ہے جس کا سبب یہ ہے کہ خطبہ اصح قول کے مطابق دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں اس واسطے کہ یہ تو نماز کے منافی ہے کہ اس میں قبلہ بر پشت ہونا اور کلام کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے نماز کی سی شرائط نہیں۔

اگر خطیب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفا کرے مثلاً الحمدللہ لاالہ الا اللہ یاسبحان اللہ کہہ دے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں باوجود کراہت کے جائز ہے اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلو جس سے مراد خطبہ ہے اس پر مفسرین کا اتفاق ہے ذکر کا اطلاق بھی کیا گیا ہے کم تھوڑے کا کوئی فرق نہیں اس پر زیادتی نسخ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب وہ خلیفہ بنے اور پہلے جمعہ کے لئے منبر پر چڑھے تو کہا الحمدللہ پھر کچھ نہ پڑھ سکے اتر آئے اور نماز پڑھائی علماء صحابہ موجود تھے کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی جس سے معلوم ہوا یہ مقدار کافی ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں: اتنا لمبا ذکر ضروری ہے جسے خطبہ کا نام دیا جاسکے جس کی کم سے کم مقدار تشہد ہے اس لئے کہ خطبہ واجب ہے اور سبحان اللہ الحمدللہ کو خطبہ نہیں کہا جاتا ہے۔

---

❶..... بداية المجتهد ۱/ ۱۵۴۔ ❷ تبيين الحقائق ۱/ ۲۱۹ الشرح الصغير ۱/ ۴۹۹ مغنى المحتاج ۱/ ۲۸۵ المغنى ۲/ ۳۰۲۔ ❸ اسے بیہقی نے ذکر کیا اور اس سے ابن الجوزی نے خطبہ کے واجب ہونے کی دلیل نکالی ہے ساتھ یہ حدیث بھی ہے جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسے نماز پڑھو اور مسلم نے بحوالہ جابر بن سمرۃ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو جاتے خطبہ کھڑے ہو کر ہی دیتے ابوداؤد نے بحوالہ ابن عمر نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے منبر پر چڑھنے کے بعد مؤذن کی تک بیٹھے رہتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے بات چیت نہ کرتے اور کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگتے اس کے ایک راوی میں کلام ہے۔ ❹ (نصب الراية ۲/ ۱۹۶) فتح القدير مع العناية ۱/ ۴۱۳، ۴۱۵ الدر المختار ۱/ ۷۵۷، ۷۶۰ مراقى الفلاح ۸۷ البدائع ۱/ ۲۶۲ تبيين الحقائق ۱/ ۲۱۹

احناف کے خطبہ کی چھ شرطیں ہیں......نماز سے پہلے خطبہ کے ارادے سے وقت میں ہو صحیح قول کے مطابق کم از کم وہ آدمی سن لے جن کی وجہ سے جمعہ ہوتا ہے اس لئے غلام، بیمار مسافر اگر چہ جنبی ہو کی حاضری کافی ہے صرف بچے اور عورت کا ہونا کافی نہیں اور نہ جماعت کا سننا شرط ہے یہ بھی شرط ہے کہ کسی زیادہ اجنبی عمل کا فاصلہ نہ ہو جیسے دوپہر کا کھانا یا نماز اور خطبہ میں غسل کرنا اگر اتنا فاصلہ پایا گیا تو خطبہ دہرایا جائے گا اس لئے کہ پہلا خطبہ باطل ہو چکا ہے امام اور خطیب کا ایک ہی ہونا شرط نہیں لیکن خطیب کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانا مناسب نہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی ہیں انہوں باوجود عربی کی قدرت ہونے کے عربی میں خطبہ دینا خواہ لوگ عربی ہوں یا نہ ہوں جائز قرار دیا ہے۔

دوسرے خطبہ سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ من الشیطان الرحیم پڑھے اس کے بقدر حمد وثناء پڑھے دونوں شہادتوں کا ذکر کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرے خلفاء راشدین اور آپ علیہ السلام کے دونوں چچوں (عباس وحمزہ) کا ذکر کرنا مستحب ہے بادشاہ کا ذکر کرنے دعا کرنا مستحب نہیں۔ جب کہ بعض نے جائز قرار دیا ہے یہ ثابت ہے کہ امیر کوفہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کے لیے دعا کی تھی۔ جو کمال اس میں نہیں اسے بیان کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ نے جمعہ کے دونوں خطبوں کی نو شرطیں لگائی ہیں: ❶

اول......خطیب کھڑا ہو، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ واجب ہے شرط نہیں اگر بیٹھ کر خطبہ مکمل کر لے تو صحیح ہے۔

دوم......دونوں خطبے زوال کے بعد ہوں، اگر اس سے پہلے ہوئے تو جائز نہیں سوم وہ ایسے ہوں کہ عرب ان کو خطبہ کہتے ہیں اگر چہ ایک ہی وزن پر ہو جیسے اتقواللہ فیما امر وانتھوا عما عنہ نھی وزجر اگر اس نے سبحان اللہ لاالہ الااللہ یا اللہ اکبر کہہ لیا تو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ثناء نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مستحب ہے اس طرح تقویٰ کا حکم دینا مغفرت کی دعا کرنا اور قرآن کی تھوڑی بہت قرآت کرنا مندوب ومستحب ہے جب خطیب نے کہا:

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد:

اوصیکم بتقوی وطاعتہ واحذرکم عن معصیۃ ومخالفۃ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا پھر بیٹھ جائے پھر کھڑے ہونے کے بعد حمد وثناء اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے کے بعد کہے أما بعد! فاتقو اللہ فیما امر وانتھوا عمانھی وزجر یغفراللہ لنا ولکم تو باتفاق علماء خطبہ دینے والا بن جائے گا۔

چہارم......نماز کی طرح خطبہ مسجد کے اندر ہو اگر مسجد سے باہر دونوں خطبے دیے تو صحیح نہیں ہوں گے۔

پنجم......دونوں خطبے نماز سے پہلے ہوں ان دونوں سے پہلے نماز پڑھنا صحیح نہیں اگر دونوں خطبوں کو نماز سے مؤخر کیا تو اگر عرف کے لحاظ سے وقت قریبی ہو تو نماز لوٹائی جائے گی اور مسجد سے نہ نکلا ہو اگر وقت زیادہ گزر گیا دونوں خطبے لوٹائے جائیں اس لئے ان کی حیثیت نماز کے ساتھ ظہر کی دو رکعتوں کی طرح ہے۔

ششم......دونوں خطبوں میں ایک جماعت حاضر ہو جو تعداد میں بارہ ہوں اگر وہ پہلے سے حاضر نہیں تو خطبے جائز نہیں اس واسطے کہ ان کی حیثیت دو رکعتوں کی سی ہے۔

ہفتم، ہشتم اور نہم......یہ ہے کہ جہراً دونوں خطبے ہوں عربی میں ہوں اگر چہ سننے والے عجم ہوں ان کے اجزاء باہمی ملے ہوں اور نماز ان سے ملی ہو مشہور قول کے مطابق خطبوں کے لیے طہارت وضو شرط ہیں۔ لیکن حدث اصغر واکبر کی وجہ سے طہارت حاصل نہ کرنا مکروہ ہے عرفا

❶......الشرح الصغیر ۱/۴۹۹ الشرح الکبیر ۱/۳۷۲، ۳۷۸، ۳۸۶

جس عذر کا ختم ہونا قریب ہو اس کا انتظار کرنا واجب ہے جیسے خطبہ کے بعد بے وضو ہو جانا یا معمولی نکسیر پھوٹی اور پانی قریب ہے سوائے کسی معذوری کے خطبہ دینے والے کے علاوہ کوئی جمعہ نہ پڑھائے پاگل پن اور نکسیر باوجود یکہ پانی دور ہو طاری ہونے کی وجہ سے تو عذر ہے ورنہ امام خطیب ایک ہونا شرط ہے۔

شافعیہ...... ❶ خطبہ میں پندرہ ارکان وفرائض ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا تقویٰ کی وصیت کرنا یہ تین باتیں تو دونوں خطبوں میں ضروری ہیں کسی ایک خطبہ ایسی آیت کی قرأت کرنا جو سمجھ میں آسکتی ہو۔

ضروری کام کے لئے مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا۔

پہلا رکن حمد...... چنانچہ امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے دوسرا خطبہ اس لیے کہ خطبہ عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذکر کی ضرورت پڑتی ہے جیسے اذان اور نماز ہے تیسرا رکن بھی امام مسلم نے روایت کیا ہے چونکہ خطبہ سے مقصود وعظ ونصیحت اور خوف دلانا ہے وصیت کا لفظ تقویٰ سے متعین نہیں ہو جاتا یہی صحیح قول ہے اس لئے کہ فرض وعظ ونصیحت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارنا ہے لہٰذا جو نصیحت کو واضح کرے وہی کافی ہے خواہ طویل ہو یا مختصر جیسے اطیعو اللہ وراقبوہ رہا چوتھا رکن تو شیخین نے اسے روایت کیا ہے چاہے وہ آیت وعد ہو یا وعید کوئی حکم ہو یا قصہ ہو۔ اور پانچوں رکن تو اسے خلف نے سلف سے نقل کیا ہے دعا کا دوسرے خطبہ میں ہونا تو یہی مناسب ہے کیونکہ دعا خاتمے پر ہوتی ہے۔ اصح یہ ہے کہ ارکان کی ترتیب شرط نہیں بلکہ سنت ہے دونوں خطبوں کی مندرجہ ذیل پندرہ شرطیں ہیں۔

نماز سے پہلے ہوں کسی سبب سے ان سے اعراض نہ ہو سنت کا اتباع کرتے ہوئے جیسے قیام کی قدرت ہو قیام کرنا عربی میں ہونا وقت میں زوال کے بعد ہونا دونوں خطبوں میں اتنی دیر اطمینان سے بیٹھنا جس میں سورہ اخلاص پڑھی جا سکے جیسے جلسہ کیا جاتا ہے مستحب ہے۔ اگر خطبہ دینے والا بیٹھا ہوا ہے تو دونوں خطبوں میں سکتہ کر کے فاصلہ کرے۔ اتنی تعداد کو سننا جن کی موجودگی میں جمعہ ہو جاتا ہے یعنی خطیب اتنی آواز بلند کرے کہ پورے تیس افراد امام کے علاوہ ان خطبوں کے ارکان کو سن لیں سنانے اور سننے کا عملاً پایا جانا ضروری ہے صرف سننے سنانے کی صلاحیت سے کام نہیں چلے گا اگر وہ یا ان میں بعض افراد بہرے ہوں تو صحیح نہیں جیسے وہ دور ہوں خطیب بھی اگر چالیس افراد میں شامل ہو تو اپنے آپ کو سنانا بھی شرط ہے اور اگر وہ بہرا ہے تو کافی ہیں۔ دونوں خطبوں کے کلمات کو پے در پے کہنا اور ان میں اور نماز میں ترتیب برقرار رکھنا سنت کا اتباع کرتے ہوئے جائز ہے لہٰذا خطبہ اور نماز میں زیادہ فاصلہ نہ ہو جیسے احناف کہتے ہیں۔

سنت کے اتباع کی وجہ سے شرمگاہ ڈھانپنا جگہ مکان بدن اور کپڑے کا نجاست سے پاک ہونا حدث اصغر واکبر سے پاکی حاصل کرنا ضروری ہے اس لیے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے یوں اس کی حیثیت نماز کی سی ہو گئی جس کے لئے وقت کا داخل ہونا تک شرط ہے اسی طرح نماز کی بقیہ شرائط جیسے شرمگاہ ڈھانپنا کپڑے بدن اور مکان کا پاک ہونا ضروری ہے، دونوں خطبے ایسی جگہ دیے جائیں جہاں جمعہ صحیح ہو خطیب مرد ہو اس کا قوم کی امامت کرنا صحیح ہو، اور عالم رکن کو رکن اور سنت کو سنت ہونے کا اعتقاد رکھے اور غیر عالم فرض کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔

حنابلہ...... ❷ جمعہ سے پہلے دو خطبوں کا ہونا شرط ہے جس کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں حضرت عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے ان کا دو رکعتوں کا بدل ہونا بھی معلوم ہو چکا ہے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ظہر کی دو رکعتوں کا بدل نہیں اس واسطے کہ جمعہ ظہر کا بدل نہیں بلکہ اگر جمعہ رہ جائے تو ظہر اس کا بدل ہے دونوں خطبوں کے صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں: لفظ الحمد للہ سے اللہ کی تعریف ہو اس کے علاوہ کوئی لفظ کافی نہیں جس کی دلیل حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کلام میں الحمد للہ سے آغاز نہ ہو تو وہ ادھورا

❶......مغنی المحتاج ۱/ ۲۸۵، ۲۸۷ المھذب ۱/ ۱۱۱ الحضرمیۃ ۸۰۔ ❷ المغنی ۲/ ۳۰۲۔ ۳۱۰ کشاف القناع ۲/ ۳۴، ۳۷، ۴۰۔

ہے ❶ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہد پڑھتے تو الحمد للہ کہتے۔ ❷

نبی علیہ السلام کے درود وسلام لفظ صلوٰۃ سے ہو اس لئے کہ جس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اللہ کے رسول کا ذکر بھی ہوتا ہے جیسے اذان میں ہے صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھیجنا واجب نہیں پوری آیت کا پڑھنا جس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیات پڑھ کر لوگوں نصیحت کرتے ❸ چونکہ دونوں خطبے دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں خطبہ فرض ہے اس لئے اس میں قرأت بھی واجب ہے جیسے نماز میں لیکن کوئی آیت مخصوص نہیں جو چاہے پڑھے اگر اس نے ثم نظر و مدھا متان پڑھا تو کافی نہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت جو مقصود اصلی ہے اس کے بھی الفاظ متعین نہیں۔ کم از کم اتقو اللہ واطیعو اللہ کے الفاظ ہیں یہ چاروں ارکان یا شرائط شافعیہ کے ساتھ متفق ہیں خطیب اگر کسی انسان کے لیے دعا کرنا چاہے تو دعا کرے کیونکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے حق میں دعا کرنا سنت ہے کس مخصوص شخص بادشاہ تک کے لئے دعا کرنا فی الجملہ مستحب ہے اس واسطے کہ جب مسلمانوں کے بادشاہ میں بھلائی ہوگی تو وہ بھلائی مسلمانوں کو بھی پہنچے گی جیسا ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ سیدنا ابوبکر وعمر کے لئے دعا کرتے تھے۔ اگر خطیب نے صرف اطیعو اللہ واجتنبوا معاصیہ پر اکتفا کیا تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کافی نہیں سبحان اللہ لا الہ الا اللہ خطبہ نہیں عام عرف میں جسے خطبہ کا کہا جاتا ہے اس کا ہونا ضروری ہے خطبہ کے دوران حرام گفتگو تھوڑی سی ہو تب بھی خطبہ باطل ہے جیسے اذان باطل ہو جاتی ہے خطبہ میں بارہ شرطیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: سابقہ شرائط جسے قیام کی قدرت ہو قیام کرنا، اگر لاچاری یا کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ گیا تو حرج نہیں جیسے قیام سے لاچار بیٹھے شخص کی نماز صحیح ہے۔

دو خطبوں، ان کے اجزاء اور نماز میں تسلسل ہو جیسا ذکر ہوا لمبا فاصلہ صحیح نہیں اگر لمبی گفتگو یا لمبی سکوت سے فعل کیا تو نئے سرے سے خطبہ دے لمبے اور تھوڑے فاصلے کا اندازہ عرف سے لگایا جائے گا اگر وضو کی ضرورت پڑے تو جب تک فاصلہ زیادہ نہ ہو وضو کر کے اپنے خطبہ کو بنیاد بنا سکتا ہے۔

انما الاعمال بالنیات حدیث کی وجہ سے نیت شرط ہے اگر بغیر نیت خطبہ دیا تو احناف اور ان کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں مالکیہ نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا۔ جیسے شافعیہ کے ہاں شرط نہیں۔ انہوں نے تو نہ پھیرنے والے کی شرط لگائی ہے چنانچہ کسی کو چھینک آئی تو اس نے الحمد للہ کہہ دیا تو خطبہ کے لئے کافی نہیں اتنی آواز بلند ہو جسے متعین تعداد جو چالیس افراد پر مشتمل ہے سن سکے، اگر سننے سے کوئی رکاوٹ جیسے نیند غفلت یا بعض کا بہرا پن کا عارضہ نہ پیش آئے۔ آواز کا پستی یا دوری کی وجہ سے انہوں نے خطبہ نہ سنا تو صحیح نہیں اس لئے کہ مقصود حاصل نہیں ہوا، اگر شنوائی نیند غفلت یا بارش وغیرہ کی وجہ سے یا بہرے پن یا حاضرین کے عجمی ہونے کی وجہ سے نہ ہو سکے اور امام خطیب سننے والا اعربی ہے تو نماز وخطبہ صحیح ہے۔

خطبہ عربی میں ہو باوجود قدرت کے عربی کے بغیر صحیح نہیں جیسے قرآن کا پڑھنا جو بغیر عربی کے صحیح نہیں قرأت کے بجائے لاچاری کی وجہ سے خطبہ دوسری زبان میں صحیح ہے، معتبر تعداد کو سنانا: جو چالیس یا اس سے زیادہ افراد ہوں واجب مقدار کے سننے کی وجہ سے ضروری ہے اس لئے کہ یہ نماز کے لئے شرط ہے جس کے لئے یہ تعداد بھی شرط ہے جیسے تکبیر تحریمہ کا معاملہ ہے۔ حدث اصغر واکبر سے پاکی حاصل کرنا، ستر ڈھانپنا، نجاست دور کرنا خطبہ کے لئے شرط نہیں یہ تمام چیزیں سنت ہیں ابن قدامہ فرماتے ہیں: مسلک کے کے مناسب جنابت سے پاکی حاصل کرنا ہے۔

یہ بھی شرط نہیں کہ جو خطبے دے وہی نماز پڑھائے کیونکہ خطبہ نماز سے الگ ہے البتہ یہ سنت ہے اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ دونوں کام کرتے تھے آپ کے خلفاء کا بھی یہی عمل رہا کسی معذوری کی بنا پر ایک شخص خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے جائز ہے۔ اسی طرح

---

❶ ......رواہ ابوداؤد ورواہ جماعۃ مرسلاً۔ ❷ رواہ ابوداود۔ ❸ رواہ مسلم

دونوں خطبے ایک شخص کو دینا بھی شرط نہیں اس واسطے کہ دونوں خطبے جدا جدا ہیں بلکہ ایسا کرنا مستحب ہے تا کہ مذکورہ اختلاف سے گلوخلاصی ہو دونوں خطبوں کے درمیان خفیف سا جلسہ کرنا مستحب ہے۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کیا کرتے تھے (۱) معذوری کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے خطبہ دیا اور سکتہ کر کے فصل کیا تو جائز ہے لوگوں کی طرف خطیب کا رخ کرنا مسنون ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس سے جلدی سنائی دیتا ہے اور زیادہ بہتر ہے۔ اگر اس کی مخالفت کر کے قبلہ رخ ہوا اور لوگوں کی طرف پیٹھ کی تو اس کے بغیر بھی مقصد حاصل ہو جانے کی بنا پر صحیح ہے۔

مقصد ششم ...... خطبہ کی سنتیں اور مکروہات:

رہی خطبے کی سنتیں تو احناف کے ہاں اٹھارہ ۱۸ ہیں جن کی تفصیل فقہاء کی آراء سمیت آرہی ہے۔ (۲)

۱..... طہارت اور ستر ڈھانپنا جمہور کے نزدیک سنت اور شافعیہ کے ہاں خطبہ صحیح ہونے کی شرط ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

۲..... خطبہ منبر پر ہونا بالاتفاق ہے تا کہ اتباع سنت ہو جیسا کہ شیخین نے روایت کیا ہے منبر کا محراب کی دائیں جانب (یعنی امام کی نماز گاہ سے) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ایسے ہی رکھا گیا ہے قبلہ کی جانب اور منبر میں ایک یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہے۔ اگر منبر دستیاب نہیں تو کسی اونچی جگہ پہ خطبہ دے کیونکہ اس سے زیادہ شنوائی ہوتی ہے اگر مشکل ہو تو کسی چیز جیسے لاٹھی وغیرہ سے ٹیک لگا کر خطبہ دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دینے کا یہی انداز تھا جب ابھی تک منبر نہیں بنا تھا آپ نے کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا جب منبر بن گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر منتقل ہو گئے جس پر تنے سے رونے کی آواز آئی آپ اس کے پاس آئے اس سے چمٹ گئے اس پر ہاتھ پھیرا، آپ کے منبر کے سوائے آرام والی سیڑھی کے تین سڑھیاں تھیں قریب والی سیڑھی پر کھڑے ہونا مستحب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

۳..... خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھنا حدیث ابن عمر پر عمل کی وجہ جو پہلے گزر چکی ہے اور ابوداؤد نے روایت کی ہے، متفق علیہ ہے۔

۴..... بجائے دائیں بائیں متوجہ ہونے کے لوگوں کی طرف رخ کرنا بالاتفاق سنت ہے چنانچہ ابن ماجہ نے بحوالہ عدی بن ثابت وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہوتے تو لوگوں کا رخ آپ کی طرف ہوتا تھا۔

۵..... منبر پر چڑھتے لوگوں کو سلام کرے تا کہ سنت کا اتباع ہو یہ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں ہے اور مالکیہ کے ہاں خطبہ دینے کے لیے نکلتے وقت سلام کرے جس کی دلیل ابن ماجہ کی روایت بحوالہ جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تو سلام کرتے (۳) کیونکہ اس میں لوگوں کی طرف پشت کرنے کے بعد منبر پر چڑھتے ہوئے رخ کرنا پڑتا ہے جو کسی قوم سے جدائی کے مشابہ ہے اور پھر وہ شخص واپس آجائے سلام کا جواب دینا واجب ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک قوم کو سلام نہ کرے اس لئے کہ وہ انہیں ممنوع کلام پر مجبور نہیں کرسکتا۔ جب کہ دوسری حدیث غیر مقبول ہے۔

۶..... خطیب کے سامنے جب وہ منبر پر بیٹھ جائے ایک مؤذن اذان دے نہ کہ پوری جماعت یہ وہی متفق علیہ اذان ہے جو عہد نبوی میں

---

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ دونوں خطبے کھڑے ہو کر دیتے اور دونوں میں تھوڑی دیر بیٹھتے متفق علیہ۔ (۲) مراقی الفلاح ۸۸ البدائع ۱/۲۶۳، ۲۶۵، فتح القدیر ۱/۴۲۱ الدر المختار ۱/۸۵۸، ۷۶۰، ۷۷۲الشرح الصغیر ۱/۵۰۳، ۵۰۵، ۵۱۰القوانین الفقهية ۸۱ بداية المجتهد ۱/۱۵۲، ۱۵۸، المهذب ۱/۱۱۲ مغنی المحتاج ۱/۲۸۸، ۲۹۰، الحضرمية ۸۱ كشاف القناع ۲/۳۸، ۴۱، ۴۹، ۵۵، المغنی ۲/۲۹۵، ۳۰۰، حاشية الباجوری ۱/۲۳۰ المجموع ۴/۴۲۰، ۴۲۴۔ (۳) ورواه الاثرم عن ابی بكر وعمر وابن مسعود دوابن الزبير وراوى البخاری عن عثمان لكن فی اسناد حديث جابر ابن لهيعة (نيل الاوطار ۳/۲۶۱)

تھی، امام بخاری سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جمعہ کے روز پہلی اذان امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے یہی عہد نبوی صدیقی اور فاروقی کا معمول تھا جب حضرت عثمان والی بنے اور لوگوں کی تعداد بڑھ گئی انہوں نے زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی مؤذن ہوتا تھا۔

۷.....الحمد للہ اللہ کی ثناء، شہادتین، نبی پر درود، وعظ ونصیحت اور قرآن کی کسی ایت سے آغاز کرنا دو خطبے دینا دونوں کے درمیان بیٹھنا، دوسرے خطبہ کے آغاز میں حمد وثناء اور درود دہرانا۔ اسی میں مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت نعمتوں کے اجراء عذاب کے دفعیہ دشمنوں کی مغلوبی بیماریوں سے شفایابی کے لئے دعا واستغفار کرنا۔

یہ تمام امور احناف کے ہاں سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہیں انہی میں سے شافعیہ کے ہاں پانچ ارکان وہ ہیں جو سوائے دعا جو حنابلہ کے ہاں ہے چار شرطیں ہیں جیسا ہم بیان کر آئے ہیں۔

زوراء معتبر یہ ہے کہ مدینہ کے بازار کی ایک جگہ ہے یہ تیسری اذان حقیقت میں منبروں پر پہلی اذان ہے زائد ہونے کی بنا پر تیری اور حقیقی اذان ہونے کی وجہ سے دوسری ہے اسے تیسری اذان سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اقامت دوسری اذان ہے۔

ورواہ ایضا النسائی وابوداؤد، نیل الاوطار ۳/ ۲۶۲

مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں یہ آیت یا ایها الذین امنوا اتقو الله وقولوا قولاً سد یداً سے لے کر فوزاً عظیما تک پڑھا کرتے تھے مالکیہ کے ہاں پہلا خطبہ کسی قرآنی آیت پر ختم کرنا چاہیے اور دوسرے کے اختتام پر یہ الفاظ کہنے چاہیے: یغفر الله لنا ولکم اسی طرح صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کہہ کر بادشاہ کے لئے دشمن پر غلبہ اور اس کے ذریعہ اسلام کی شان وشوکت کی دعا کرنا چاہیے۔

شافعیہ.....فرماتے ہیں دوسرا خطبہ استغفر الله لی ولکم پر ختم کرنا چاہے۔

۸.....آواز بلند کر کے لوگوں کو خطبہ سنانا جمہور کے ہاں سنت مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے کیونکہ اس سے زیادہ پتہ چلتا ہے مسلم جابر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے آپ کی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو جاتے آواز بلند ہو جاتی اور غصہ بڑھ جاتا یوں لگتا آپ کسی لشکر کے بارے میں خبردار کر رہے ہیں کہ وہ لشکر صبح پہنچا یا شام پہنچا فرماتے: اما بعد سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے.....

۹.....دوران خطبہ خطیب کا کھڑے کھڑے بائیں ہاتھ سے لاٹھی تلوار یا کمان پر سہارا لینا جمہور کے ہاں سنت مالکیہ کے ہاں مستحب ہے چنانچہ حکم بن حزن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں وفد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہمیں آپ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا موقع ملا آپ اپنی کوکھ سے تلوار کمان یا لاٹھی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے ❶ یہ آپ کے لئے ممکن تھا نیز اس سے خطیب کو قوت ملتی ہے جیسے وہ منبر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے۔

۱۰.....دونوں خطبے مختصر ہوں پہلے کی نسبت دوسرا زیادہ مختصر ہو یہ بھی جمہور کے ہاں سنت اور مالکیہ کے ہاں مستحب ہے۔ چنانچہ امام مسلم حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے مرد کا لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کی دینی سمجھ کی علامت ہے سو نماز لمبی اور خطبہ مختصر پڑھا کرو ❷ خطبہ کا بلیغ قابل سمجھ اور اذان کی طرح ہو رنگ برنگے کلام سے خالی ہونا مسنون ہے خطیب لوگوں کو وعظ میں وہی باتیں کہے جن جن پر اس کا اپنا عمل ہوتا کہ اس کے وعظ وبیان سے فائدہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو! ان باتوں کا دعویٰ کیوں کرتے ہو جن پر عمل

---

❶.....ابن القیم نے زاد المعاد میں اس کی تحقیق کر کے لکھا ہے کہ منبر بننے سے پہلے ایسا کیا کرتے تھے۔ ❷ رواہ احمد ایضا (نیل الاوطار ۳/ ۲۶۹

نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات بے حد ناراضگی کا سبب ہے کہ تم ایسی باتیں کرو جن پر تمہارا عمل نہیں۔ ❶

۱۱.....خطبہ کے دوران خاموش رہنا شافعیہ ❷ کے ہاں حاضرین کے لیے مسنون ہے ان کے لئے بولنا مکروہ ہے۔ جدید قول میں ہے: ان کے لئے گفتگو کرنا حرام نہیں ارشاد ربانی ہے جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ خطبہ کے بارے میں ہے گفتگو کی کراہت نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے جمعہ کے دن جب تم نے اپنے ساتھ والے سے کہا: چپ رہو اور ادھر امام خطبہ دے رہا ہے تو تم نے لغو کام کیا ❸ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: جس نے کہا: چپ ہو جاؤ تو اس نے لغو بات کہی اور جو لغویات کرے اس کا جمعہ نہیں ❹ علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس کا جمعہ کامل نہیں کیونکہ وقتی فرض سے وہ سبکدوش ہو جاتا ہے امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے: جمعہ کے روز امام کے خطبہ کے دوران جس نے گفتگو کی تو اس کی مثال کتابیں لادے گدھے کی طرح ہے اور جو اس سے کہے: چپ رہو! تو اس کا جمعہ نہیں خطبہ کے دوران کلام و گفتگو کا حرام نہ ہونا ان احادیث کی وجہ سے ہے جن میں بولنے کی اجازت کا پتہ چلتا ہے جیسے صحیحین کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے: ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے ایک دیہاتی کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال ہلاک ہو گئے اہل و عیال بھوکے ہو گئے اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے لئے دعا فرمایئے آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی آپ نے اس کی گفتگو پر نکیر نہیں کی اور نہ اس کے سامنے خاموشی کے وجوب کو بیان کیا اس وقت تمام حاضرین برابر تھے۔

شافعیہ اور انہی کی طرح حنابلہ نے خاموشی میں سے چند امور مستثنیٰ قرار دیے ہیں۔ اندھے کو کنویں میں گرنے سے ڈرانے کے لئے بولنا یا اس کی طرف بچھو کے رینگنے کی اطلاع کرنا اگر اشارے سے کام چلے نہ بولنا مستحب ہے مسجد میں داخل ہونے والے مختصر سی تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں جن میں صرف واجبات پر اکتفا کرے۔ چھینکنے والے کو جواب دینا جب اس نے الحمد للہ کہا ہو اور چھینکنے والے کو چھینک کے وقت الحمد للہ کہنا، سلام کا جواب دینا اگرچہ آنے والے کے لئے سلام میں پہل کرنا مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ سلام کا جواب واجب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سننے پر درود پڑھنا۔ اسی طرح حنابلہ نے امام کے دعا شروع کرتے وقت کلام کرنے کو مباح کہا ہے کیونکہ اس وقت خطبہ کے ارکان سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے اور دعا کے لئے خاموش رہنا ضروری نہیں اور جو شخص امام خطیب سے دور ہو اور اس کی آواز نہ سن رہا ہو اس کے لئے آہستہ آہستہ ذکر و قرأت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی مشغولی کو مباح قرار دیا ہے۔ ایسا کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہے تاکہ اجر و ثواب حاصل ہو۔ عام دلائل کی وجہ سے سجدہ تلاوت کرے اپنی آواز اونچی نہ کرے نہ قرآن پڑھانے اور نہ فقہ کی تکرار و مذاکرہ کے وقت تاکہ دوسرا شخص بے کان لگا کر سننے سے غافل نہ ہو۔

نماز نہ پڑھے اس لئے کہ امام کے آجانے کے بعد سوائے تحیۃ المسجد کے کسی نفل نماز کی ابتدا کرنا حرام ہے۔ حلقہ بنا کر نہ بیٹھے اس واسطے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ بنانے سے منع فرمایا ہے: ❺ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں امام کے خطبہ شروع کرتے وقت اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف منبر پر بیٹھتے وقت سے ہی خاموش رہنا واجب ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں سوائے خطیب کے کسی کے لئے گفتگو کرنا حرام ہے مالکیہ کی ہاں نہ سلام کرے نہ جواب دے اور چھینک والے کو دعا دے احناف کے ہاں دور ہو یا نزدیک بات کرنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا چھینک والے کو دعا دینا جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہی خطبہ میں ممنوع ہیں لہٰذا کھانا پینا بولنا اگرچہ تسبیح یا نیکی کا حکم ہو حرام ہے اسے چاہیے کہ وہ کان لگائے اور خاموش رہے گونگے کا اشارہ

❶.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے فرمایا: مجھے ایک قوم دکھائی گئی جن کے ہونٹ قینچی سے کاٹے جارہے ہیں مجھے بتایا گیا یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو اپنے کہے پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ❷مغنی المحتاج ۱/۲۸۷۔ ❸رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ (نیل الاوطار ۳/۲۷۱۔ ❹رواہ احمد وابوداؤد عن علی رضی اللہ عنہ (المصدر السابق) ❺ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی

گفتگو جیسا ہے اس واسطے کہ خرید وفروخت میں یہ بولنے کے قائم مقام ہے۔ خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد بولنا بالا تفاق مباح ہے۔ خطبوں کے درمیان جلوس میں شافعیہ حنابلہ اور امام ابو یوسف کے ہاں مباح ہے جب کہ مالکیہ اور امام محمد بن الحسن کے نزدیک اس حالت میں حرام ہے۔ مالکیہ کے ہاں خطبہ کے دوران چھینکنے والے کو آہستہ سے الحمدللہ کہنا مستحب ہے نیز ان کے ہاں اگر چہ خلاف اولیٰ ہے تھوڑا بہت اللہ تعالیٰ کا ذکر جیسے سبحان اللہ لاالہ الا اللہ آہستہ آہستہ کرنا جائز ہے۔ ❶

جبکہ زیادہ ذکر اور اونچی آواز سے ممنوع ہے اس لئے کہ اس سے واجب جو کان لگا کر سننا ہے چھوٹ جاتا ہے۔

خطیب اور خطیب سے پوچھنے کے لئے بولنا حرام نہیں جیسے وہ کسی لغوم کام کرنے والے کو حکم دے یا کوئی سنت کی مخالفت کر رہا ہو یا اسے روک رہا ہو کہ چپ رہو بات نہ کرو لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگوں وغیرہ اور جسے اس نے حکم دیا اسے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے جواب دینا جائز ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک سے پوچھا جو مسجد میں داخل ہوئے ہی تھے کیا تم نے نماز پڑھی لی آپ اس وقت خطبہ دے رہے انہوں نے عرض کیا نہیں ❷ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے حضرت عمر نے منبر سے ہی انہیں پکار کر کہا: یہ کونسا وقت ہے وہ کہنے لگے: آج میں مشغول تھا اور اپنے گھر نہ جاسکا اسی دوران اذان سنی اور مجھے وضو کرنے سے زیادہ کچھ کرنے کا موقع نہ ملا حضرت عمر نے فرمایا: صرف وضو! تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کا حکم دیتے تھے ❸ چونکہ بات کرنے کی حرمت کی وجہ اس خاموش رہنے سے غفلت اور خطبہ سننے میں خلل ہے جو یہاں نہیں پائی جارہی اسی طرح مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ضرورت کے متعلق یا کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے امام سے گفتگو کر سکتا ہے۔

خطیب کے سامنے آیت درود پڑھنا...... ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی اور حدیث اذاقلت لصاحبك انصت فقد لغوت پڑھنا جو بدعت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس وجہ سے مکروہ تحریمی ہے کہ امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد بولنا حرام ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز ہے مالکیہ کے ہاں مکروہ بدعت ہے البتہ اگر واقف نے اپنی وقف کی تحریر میں یہ شرط لگائی ہو تو الگ بات ہے شافعیہ فرماتے ہیں: یہ ایک اچھی بدعت ہے جس میں بھلائی کی یاد دہانی ہے اور حنابلہ نے خطبہ سے پہلے اور دونوں خطبوں میں جلسہ کے وقت بات کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

۱۲...... امام کے خطبہ دیتے وقت آنے والے کا تحیۃ المسجد پڑھنا شافعیہ ❹ حنابلہ کے ہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے سنت ہے: ایک شخص اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ آپ اس وقت لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے فرمایا: اے فلاں تم نے نماز پڑھ لی ہے اس نے کہا: نہیں فرمایا: اٹھو اور پڑھ لو ایک روایت میں ہے دو رکعتیں پڑھ لو ❺ ایک اور روایت میں آپ کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی مسجد آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے دو رکعتیں پڑھ لینی چاہیے ❻ تحیۃ المسجد کے علاوہ جو نماز بھی ہے وہ امام کے منبر پر چڑھ جانے سے حرام ہو جاتی ہے اگر چہ آپ نے خطبہ شروع نہ کیا ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک ❼ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب امام منبر پر بیٹھنے کے

---

❶ ...... البدائع ۱/۲۶۴، الکتاب مع اللباب ۱/۱۱۵ مراقی الفلاح ۸۸ الشرح الصغير ۵۰۹ الشرح الكبير ۱/۳۸۷ بداية المجتهد ۲/۳۲۰، ۳۲۵ کشاف القناع ۲/۳۷۔ ❷ رواه مسلم وروى فى موضوعه عن جابر (نيل الاوطار ۳/۲۵۶) ❸ متفق عليه۔ ❹ المجموع ۴/۴۲۷، المهذب ۱/۱۱۵ المغنى ۲/۳۱۹۔ ❺ متفق عليه بل رواه الجماعة وروى الخمسة الا اباداؤد عن ابى سعيد الخدرى مثله (نيل الاوطار ۳/۲۵۵) ❻ رواه مسلم بلفظه والبخارى بمعناه عن جابر ورواه احمد ومسلم وابوداؤد اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فلير كع ركعتين ليتجوز فيها (نيل الاوطار ۳/۲۵۶)۔ ❼ اللباب ۱/۱۱۵ مراقى فلاح ۸۸ القوانين الفقهية ۸۱ بداية المجتهد ۱/۱۵۸

لئے آجائے تو نہ کوئی نماز ہے اور نہ گفتگو لہٰذا تحیۃ المسجد نہیں پڑھی جائے گی مکروہ ہے آنے والا آکر بیٹھ جائے دوگانہ ادا نہ کرے۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جو لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو بڑی اذیت وتکلیف پہنچائی (۱) البتہ مالکیہ اس شخص کے لئے تحیۃ المسجد جائز قرار دیتے ہیں۔جس کی لوگ اقتداء کرتے ہوں جیسے امام بادشاہ اور عالم ان کے علاوہ کے لئے جائز نہیں۔

۱۳۔امام کا منبر سے اترنا.....شافعیہ فرماتے ہیں کہ جتنا ممکن ہو خطبہ اور نماز کے درمیان ترتیب وتسلسل کو برقرار رکھا جائے اس لئے مؤذن کی اقامت سے فراغت کے ساتھ امام کو محراب میں پہنچنے کے لئے منبر سے جلدی اترنا چاہیے۔

حنابلہ.....فرماتے ہیں امام جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو مؤذن کے قد قامت الصلاۃ پر نیچے اتر آئے جیسا کہ نماز کے وقت خطیب کے علاوہ ان کے ہاں کھڑا ہو جاتا ہے منبر پر تو وقار سے چڑھنا چاہیے لیکن اترتے وقت بغیر جلد بازی کے تیزی کرنی چاہیے۔تا کہ خطبوں اور نماز میں تسلسل برقرار رہے۔شافعیہ کے علاوہ جمہور جنہوں نے خطبوں میں وضو کو شرط قرار نہیں دیا وہ اسے سنت مانتے ہیں۔

خطبہ کے مکروہات:

حنفیہ و مالکیہ ...... کے نزدیک خطبہ کے مکروہات یہ ہیں سابقہ سنتوں میں سے کسی سنت کو ترک کرنا ان میں سب سے اہم (مکروہ) لمبا خطبہ اور وضو ترک کرنا ہے یہ دونوں مکروہ ہیں انہی میں سے امام ابوحنیفہ کے ہاں: امام کا منبر پر بیٹھتے لوگوں سلام کرنا ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ امام کے علاوہ اور جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوران خطبہ لوگوں کی گردنیں پھاندنا مکروہ ہے اس سے بیٹھے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث عبداللہ بن بسر میں جو پہلے گزر چکی اس سے منع فرمایا ہے بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو بڑی اذیت پہنچاتی ہے (۲) شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مختار قول کے مطابق کراہت تحریمی ہے۔البتہ خالی جگہ ہو تو جائز کیونکہ لوگ خالی جگہ چھوڑنے میں کوتاہی کرتے ہیں باوجودیکہ مالکیہ کے ہاں خلاف اولیٰ ہے الانگنے کی کراہت حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں مطلقاً ہے خواہ خطبہ سے پہلے ہو یا خطبہ کے دوران اس لئے کہ اصل علت بیٹھے لوگوں کو اذیت پہنچانا ہے۔جگہ نہ ہونے کی وجہ سے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے مالکیہ کے ہاں الانگ پھلانگ مکروہ ہے کیونکہ اس سے بیٹھے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے البتہ انہوں نے خطبہ کے بعد نماز کے لئے پھلانگنے کو جائز قرار دیا ہے اور نماز سے پہلے جگہ یا کسی اور وجہ سے بھی جائز ہے اسی طرح دوسروں کے ساتھ انہوں نے مطلقاً صفوں میں چلنے کی اجازت دی ہے چاہے خطبہ کی حالت میں ہو اس لئے کہ اس کا تعلق الانگ سے نہیں ہے۔

حنابلہ نے خالی جگہ کے لئے اور اس شخص کے لئے پھلانگنے کی اجازت دی ہے جو مخصوص جگہ نماز پڑھنے کا عادی ہو اس طرح جگہ کے لئے شافعیہ پھاندنے کو جائز کہتے ہیں اس کے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب پھاندنے والا ایسا آدمی ہو جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا جیسے نیک یا عظیم شخص تو جائز ہے یا پہلی صفیں ان لوگوں سے پر ہوں جن سے جمعہ منعقد نہیں ہوتا جیسے بچے تو اس صورت میں پھاند پھلانگ واجب ہے احناف فرماتے ہیں: دوشرطوں سے گردنیں پھلانگنے میں کوئی حرج نہیں اول: اس فعل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے مثلاً کسی کے کپڑے پر پاؤں آئے یا کسی کے بدن سے چھوئے۔دوم امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہو ورنہ مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر پھاندنا کسی ضرورت کی وجہ سے مثلاً جگہ تک پہنچنا پھاندنے سے ہی ممکن ہو لہٰذا ان کے ہاں امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور کسی کو تکلیف دیے بغیر پھاندنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱).....رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ واحمد عن عبداللہ بن بسر وزاد احمد: آنیت ای ابطات وتاخرت (نیل الاوطار ۲۵۲/۳) (۲) وروی احمد ایضا عن ارقم بن ابی الارقم المخزومی الذی یتخطی رقاب الناس یوم الجمعہ ویفرق بین الاثنین بعد خروج الامام کالجارّ قصبہ (ای امعاءہ) فی النار (نیل الاوطار ۲۵۲/۳)

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں سابقہ سنتوں کو ترک کرنا علی الاطلاق مکروہ نہیں بلکہ بعض مکروہ اور بعض خلاف ہے۔

خطبہ میں شافعیہ کے ہاں مکروہ کام......دوران خطبہ سننے والا گفتگو کرے ایک جماعت خطیب کے سامنے اذان دے یہ حنابلہ کے ہاں بھی مکروہ ہے دوسرے خطبہ میں امام متوجہ ہوا پنے ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنا منبر کی سیڑھوں کو بجانا دوران خطبہ حاضرین احتباء (پٹکے سے کمر اور ٹانگیں باندھ) کر کے بیٹھنا اس لئے کہ اس کی ممانعت صحیح حدیث سے ثابت ہے ❶ نیز اس سے نیند آتی ہے مندرجہ ذیل کام بھی شافعیہ کے نزدیک خلاف اولیٰ ہیں: خطبہ کے دوران امام اور حاضرین کا بلاضرورت آنکھیں بند کرنا جسے اونگھ آئے مسنون ہے کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہو جائے اگر پھلانگ سے کسی کو تکلیف نہ ہو جس کی دلیل ترمذی کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے صحیح قرار دیا ہے جب تم میں سے کسی کو بیٹھے بیٹھے اونگھ آ جائے تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو جائے سنت اونگھ پر حملہ اور اس پر غلبہ پانے والی ہے۔

حنابلہ ❷ کے ہاں یہ کام مکروہ ہیں......خطبہ دیتے وقت خطیب کا لوگوں کی طرف پیٹھ کرنا خطبہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا اس میں مالکیہ شافعیہ وغیرہ سے اتفاق ہے ستر پوشی کے ساتھ حنابلہ نے احتباء (پٹکا بندی) کی اجازت دی ہے کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت کا فعل ہے اس سے ممانعت والی حدیث کو ضعیف کہا ہے اسی طرح انہوں نے قرفصاء اکڑوں بیٹھنے کو جائز قرار دیا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ سرینوں پر بیٹھ کر دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملایا جائے اور پاؤں کے دونوں تلوے زمین سے لگے ہوں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے اس سے زیادہ عاجزی سے بیٹھنے کا کوئی انداز نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مسجدوں میں انگلیاں باہم ملانا اس وقت سے مکروہ ہے جب آدمی اپنے گھر سے مسجد کے ارادے سے نکلے، چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو ہرگز اپنی انگلیاں باہم نہ ملائے اس لئے کہ یہ شیطانی عمل ہے تم میں سے وہ شخص نماز میں ہی شمار کیا جائے گا جب تک مسجد سے باہر نہ نکلے ❸ بعض علماء کا قول ہے: جب وہ نماز کے انتظار میں ہوتا کہ احادیث میں تطبیق ہو سکے اس لئے کہ روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس نماز سے فارغ ہوتے جسے مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیرا ہوتا اپنی انگلیوں کو آپس میں ملا لیتے، رہی مسجد جاتے ہوئے تشبیک کی کراہت تو اس حدیث کی وجہ سے ہے جو حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اچھی طرح وضو کرے اور مسجد کے ارادے سے باہر نکلے تو ہرگز اپنی انگلیوں کو آپس میں نہ ملائے اس لئے کہ وہ (حکماً) نماز میں ہے ❹ خطبہ کے دوران فضول کام کرنا مکروہ ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا ❺ اسی طرح جب تک سخت پیاس نہ لگے پانی پینا مکروہ ہے۔

خطبہ کے وقت صدقہ خیرات کرنا:

احناف......❻ فرماتے ہیں: ہر حال میں سوال کے لئے گردنیں پھلانگنا مکروہ تحریمی ہے بعض حنفیہ نے اس وقت سوال کرنا اور دینا پسند کیا ہے جب سوال کرنے والا نمازی کے سامنے سے نہ گزرے نہ گردنیں پھلانگے اور نہ اصرار کر کے مانگے ایسا ہی حنابلہ ❼ وغیرہ نے کہا ہے: کہ خطبہ کے وقت کسی سائل کو صدقہ نہ دے اس لئے کہ سائل نے ایک ناجائز کام کیا ہے لہٰذا کوئی آدمی ناجائز کام پر اس کی مدد نہ کرے۔ امام احمد فرماتے ہیں: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ سائل کو کنکریاں ماری جائیں اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا جب ایک

---

❶......رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ عن سہل بن معاذ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الحبوۃ یوم الجمعۃ والامام یخطب ❷المغنی ۳۲۶/۲ کشاف القناع ۴۰/۲،۷۹/۱ ❸رواہ احمد ورواہ مسلم فی صحیحہ عن ابی ہریرۃ ❹رواہ ابوداؤد ❺رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ وھو حدیث حسن وصححہ الترمذی۔ ❻الدر المختار ۷۷۲/۱۔ ❼کشاف القناع ۵۳/۲ المغنی ۳۲۶/۲

سائل نے سوال کیا اور امام خطبہ دے رہا تھا۔ اور نہ سائل کو خطبہ کے دوران صدقہ دیا جائے کیونکہ یہ حرام پر اعانت ہے۔

اگر کسی نے خطبہ سے پہلے سوال کیا پھر خطبہ دینے بیٹھ گیا تو اس پر صدقہ کرنا اور اسے صدقہ دینا جائز ہے حنابلہ نے بن مانگے سائل کو خطبہ کے دوران صدقہ دینا جائز قرار دیا ہے اسی طرح اسے بھی جس کے لئے امام نے سوال کیا ہو مسجد کے دروازے پر آتے یا جاتے صدقہ دینا بنسبت خطبہ ہوتے وقت صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

مقصد ہفتم...... جمعہ کی سنتیں اور مکروہات:

نماز جمعہ کے لئے مندرجہ ذیل امور سنتیں ہیں:

۱...... جمعہ کے لئے جانے والے شخص کو چاہیے کہ وہ غسل کر کے خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہنے یہ جمہور کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب عمل ہے۔ جس کی دلیل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جو جمعہ کی طرف سویرے جانے کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے جو جمعہ کے دن (اگر جنابت سے ہو) غسل جنابت کر کے چل نکلے تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی گردانی اور بیہقی کی حدیث جو صحیح سند سے مروی ہے: جو مرد اور عورت بھی جمعہ کے لئے آئے غسل کر کے آئے اور جو کسی معذوری کی وجہ سے) نہ آسکے اس پر غسل واجب نہیں دونوں حدیثوں کا تذکرہ مسنون غسلوں میں گزر چکا ہے جو یہ ہیں: جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے یہ وجوب سنت ہونے پر محمول ہے دوسری حدیث ہے: جس نے جمعہ کے روز وضو کیا تو بھی بہتر اور اچھی بات ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے غسل کا وقت جمعہ کی فجر سے زوال تک ہے نماز کے لئے جانے کے قریب غسل کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس سے بدبو ختم کرنے میں زیادہ مدد ملتی ہے مالکیہ کے ہاں مسجد جانے کے ساتھ اس کا اتصال شرط ہے تھوڑے بہت وقفے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اگر زیادہ تاخیر ہوگئی یا وہ مسجد سے باہر کوئی چیز کھانے لگا یا مسجد سے باہر اپنے اختیار یا مجبوری سے سو گیا تو غسل کو لوٹائے گا اس لئے کہ وہ غسل باطل ہو چکا ہے اس لئے ان کے ہاں فجر سے پہلے والا غسل کافی نہیں اور نہ اس غسل کا اعتبار ہے جو جانے کے ساتھ متصل نہ ہو۔ غسل میں نیت کی ضرورت ہے اس واسطے کہ یہ محض عبادت ہے۔ جس میں نیت کی ایسے ہی ضرورت ہے جیسے نیا وضو کرتے وقت ضرورت پڑتی ہے۔(۱)

مالکیہ...... فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت جمعہ کے لئے جانا چاہیے اور زوال سے گھڑی بھر پہلے آغاز کرنا چاہیے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ امام سے نزدیک ہونا مقصود ہے ذکر میں (خطبہ) حاضر ہوا کرو امام کے قریب ہو کیونکہ آدمی پیچھے ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں تاخیر سے داخل ہوگا اگر وہاں اس کا داخلہ مقدر ہے (۲) اور سکون سے چلنا اس حدیث سے ثابت ہے جو صحیحین میں ہے جب نماز کے لئے آؤ تو تم پر وقار کی کیفیت طاری ہو اگر معذوری ہو تو آنے جانے میں سوار ہونا جائز ہے قرأت یا ذکر میں مشغول ہونا اس حدیث کی وجہ سے ہے جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی (مسجد والی) جگہ پر بیٹھا رہتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں وہ کہتے ہیں اللہ! اس کی مغفرت فرما، اللہ! اس پر رحم فرما، جب تک بے وضو نہ ہو یہ دعا جاری رہتی ہے جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز کی وجہ سے پابند ہو تو وہ نماز میں ہی شمار سمجھا جائے گا (۳) جس سے پتہ چلا کہ نمازی کی کیفیت قرأت ذکر میں مشغول رہنا ہونی چاہیے جمعہ کے لیے سویرے جانا امام کے علاوہ لوگوں کے لئے مسنون ہے اس کے لئے سویرے آنا مسنون نہیں (تحصیل حاصل ہے)

۳...... نماز سے پہلے کپڑے بدن وغیرہ کی صفائی کرنا جس میں ناخن ترشوانا، مونچھیں کاٹنا، بغلیں نوچنا (افضل ہے) زیر ناف بال صاف

---

(۱) البدائع ۲۶۹/۱ الدر المختار ۷۷۲/۱ الشرح الصغیر ۵۰۹،۵۰۳/۱ بدایۃ المجتہد ۱۵۸/۱ القوانین الفقهیة ۸۱ مغنی المحتاج ۲۹۵،۲۹۰/۱ حاشیة الباجوری ۲۳۰،۲۲۸/۱ المهذب ۱۱۳/۱ کشاف القناع ۵۳،۴۶/۲ المغنی ۳۵۵،۳۵۰/۲، ۳۶۵۔ (۲) رواہ ابو داؤد صححه الحاکم ووافقه الذهبی (۳) رواہ الشیخان

کرنا وغیرہ شامل ہیں منہ کی بدبو وغیرہ کو مسواک سے دور کرنا اور جہاں کہیں جسم میں میل کچیل جم جاتا ہو امام کو چاہیے کہ اپنی ہیئت صورت عمامہ اور چادر اوڑھنے میں اچھا انداز اپنائے تا کہ سنت کا اتباع ہو اس لیے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں ہوگا۔

اگر اس نے جمعہ اور جنابت کا ایک ہی غسل کیا اور نیت دونوں کی کر لی تو بلا اختلاف کافی ہے جمعہ کا غسل سنت موکدہ ہے۔

رہی خوشبو لگانا اور عمدہ یا اچھے کپڑے پہننا تو وہ اس حدیث کی وجہ سے ہے: جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اور اگر اس کے پاس خوشبو تھی تو وہ لگائی اور اپنے عمدہ کپڑے پہنے اور سکون و وقار سے نکلا یہاں تک کہ مسجد آ گیا موقع ملا تو دو رکعتیں ادا کیں اور کسی کو اذیت بھی نہیں پہنچائی اور جب امام نکلا تو خاموش رہا یہاں تک نماز ادا کر لی تو یہ نماز جمعہ اس کے لئے دوسرے جمعہ تک کفارہ ہے ⓫ جمعہ کے روز سفید لباس پہننا مستحب ہے سفید کپڑے افضل لباس ہیں جس کی دلیل یہ حدیث ہے سفید لباس پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہوتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ ⓬

۲..... جمعہ کے لئے سکون و وقار کے ساتھ سویرے سویرے پیدل جانا، امام کے قریب بیٹھنا راستے میں قرأت یا ذکر میں مشغول رہنا جیسا کہ سنت سے ثابت ہے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: جس نے جمعہ کے دن اعضاء دھوئے اور غسل کیا دوسرے کو سویرے اٹھایا اور خود بھی سویرے اٹھا سوار ہوئے بغیر پیدل چلا امام کے قریب رہا کان لگا کر خطبہ سنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اسے ہر قدم کے بدلے سال بھر کے عمل کا ثواب یوں ملے گا کہ اس نے روزے رکھے اور رات قیام کیا ہے۔ ⓭

اسی طرح اگر ناخن بڑھے ہوں تو جمعہ کے روز تراشنا مسنون ہے، جمعرات اور سوموار کے روز بقیہ دنوں کی سنت مسنون ہے جمعہ کے روز بن سنور کر رہنے کی دلیل وہ حدیث ہے جو بغوی نے اپنی سند سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ اپنی موچھیں اور ناخن تراشتے۔

احناف..... ⓮ افضل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد سر منڈائے اور ناخن تراشے جمعہ سے پہلے ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں حج کا مفہوم پایا جاتا ہے جب کہ حج سے پہلے سر منڈانا اور ناخن وغیرہ تراشنا جائز ہے۔

۴..... جمعہ اور شب جمعہ میں سورۃ الکہف پڑھنا آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے جو جمعہ کے روز سورۃ الکہف پڑھتا ہے اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیانی دنوں میں نور کی روشنی ہوتی ہے ⓯ ایک روایت میں ہے: جس نے جمعہ یا شب جمعہ میں سورۃ الکہف پڑھ لی وہ دجالی فتنے سے محفوظ ہوگا البتہ دن کے وقت پڑھنے کی زیادہ تاکید ہے حکمت یہ ہے کہ قیامت جمعہ کے روز برپا ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور جمعہ اس سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے کہ لوگوں کا اس میں اجتماع و اکٹھا ہوتا ہے اور سورۃ الکہف میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔

۵..... جمعہ اور شب جمعہ میں دعا کی کثرت کرنا، دن کے وقت تو اس لئے کہ امید ہے قبولیت کی گھڑی مل جائے اس واسطے کہ نبی صلی اللہ

⓫..... رواہ احمد عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۳/۲۳۶) ⓬ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم عن سمرۃ وھو الصحیح حسن۔ ⓭ رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ وابوداؤد وابن ماجہ وقولہ غسل یہ لفظ تشدید سے جائز اور تخفیف سے راجح ہے مراد اپنے کپڑے اور سر دھویا پھر غسل کیا یا بیوی سے صحبت کر کے اسے غسل کرنے پر مجبور کیا پھر غسل کیا جیسا کہ حنابلہ کے ہاں جمعہ کے روز یہی سنت ہے یا اعضاء وضو دھونے پر غسل بھی کر لیا۔ ⓮ الدر المختار ورد المحتار ۱/ ۷۷۲، ۷۸۸ ⓯ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد وروی الدارقطنی والبیھقی من قرء الیلۃ الجمعۃ اضاء لہ من النور ما بین وبین السبت العتیق وفی بعض الطرق: غفر لہ الی الجمعۃ الاخری وفضل ثلاثۃ ایام وصلی علیہ الف ملک حتی یصبح وعوفی من الداء وذات الجنب والبرص والجذام وفتنۃ الدجال۔

علیہ وسلم نے جمعہ ذکر کر کے فرمایا: اس کی ایک گھڑی میں اگر کسی مسلمان بندے کا نماز پڑھتے اتفاق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے اس گھڑی میں جو کچھ مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دے گا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے فرمایا: وہ گھڑی بہت ہی کم ہے ❶ اور مسلم کی روایت ہے وہ مختصری گھڑی ہے درست یہ ہے کہ قبولیت کی گھڑی میں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے وہی قول اختیار کیا جائے جو صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کے اختتام تک رہتی ہے۔

۶...... جمعہ اور شب جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا جس کی دلیل یہ حدیث ہے تمہارا سب سے فضیلت والا دن جمعہ ہے جس میں مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو اس واسطے کہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے ❷ اور اس حدیث کی وجہ سے جمعہ اور شب جمعہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ ❸

درود کے الفاظ یوں ہونے چاہیے:

اللّٰھم صل علی محمد عبدك ونبيك ورسولك النبی الامی

یا یہ ہونے چاہیں:

اللھم صلی علی محمد کما ذکرك الذاکرون وصل علی محمد وعلی ال محمد کما غفل عن ذکرہ الغافلون

۷۔ امام پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ منافقون پڑھے تاکہ سنت کا اتباع ہو جیسے مسلم نے روایت کیا ہے نیز مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھا کرتے تھے۔

۸......سورۃ الم السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھنا جمعہ کی نماز فجر میں مسنون ہے اس لیے کہ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی فجر میں الٓمّٓ تنزیل اور ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ ❹ پڑھا کرتے تھے لیکن ان کی پابندی نہیں کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ سے ان کا پتہ چلتا ہے کہیں لوگ انہیں فرض نہ سمجھ لیں۔ ❺

۹...... جمعہ سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں جیسے ظہر کی ہیں جمہور کے ہاں مستحب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت ادا فرماتے تھے ❻ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ❼ محدثین کی جماعت نے ماسوائے امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے جمعہ کے بعد کی کم از کم سنتیں دو رکعت ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں ہیں جیسا کہ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جمعہ سے پہلے نفل پڑھنا جب تک امام منبر پر نہ پہنچے ❽ تو پھر تحیۃ المسجد ہی ہے امام احمد نبیشۃ الھذلی سے بحوالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں: فرمایا: مسلمان جب جمعہ کے روز غسل کرتا ہے پھر مسجد آتا ہے کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا پھر جب دیکھتا ہے کہ امام ابھی تک نہیں آیا تو جتنی میسر ہوتی ہے نماز پڑھ لیتا ہے اور دیکھے کہ امام نکل آیا بیٹھ جاتا ہے کان لگا کر سنتا اور خاموش رہتا ہے یہاں تک کہ امام جمعہ ادا کرلے۔ تو اگر اس جمعہ اس کے تمام گناہ نہ بخشے گئے تو دوسرے جمعہ تک کے لئے کفارہ بن جائے گا مالکیہ ❾ فرماتے ہیں: پہلی اذان کے وقت نفل پڑھنا مکروہ

❶......رواہ الشیخان وذکر فی روایۃ وھو قائم یصلی والمراد با لصلاۃ انتظار ھا وبا لقیام الملازمۃ ❷رواہ ابوداؤد وغیرہ باسانید صحیحۃ ❸رواہ البیھقی با سناد جید۔ ❹رواہ مسلم ❺رواہ ابن ماجہ ❻رواہ سعید بن منصور ❼رواہ ابوداؤد ومن حدیث ابن عمر وروی الجماعۃ عن ابی عمران صلی اللہ علیہ وسلم کا ن یصلی بعد الجمعہ رکعتیں فی بیتہ (نیل الاوطار ۲۸۰/۳) ❽رواہ ابوداؤد۔ ❾الشرح الصغیر ۵۱۱/۱

ہے مسجد میں بیٹھے شخص کے لئے اذان سے پہلے مکروہ نہیں اور نہ اسے آنے والے کے لئے جو قابل اقتداء شخص ہو جیسے عالم بادشاہ اور امام ان کے علاوہ لوگوں کے لئے مکروہ ہے خوف ہے کہ لوگ اسے واجب سمجھنے کا عقیدہ نہ بنالیں۔ لوگوں کے جانے تک جمعہ کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ سنت پڑھنے والے کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ حنابلہ کے نزدیک مسجد میں اپنی مخصوص جگہ پر پڑھے۔ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان میں اور جمعہ کے خطبہ کے درمیان گفتگو یا جگہ منتقل کرنے یا اپنے گھر جانے کے ذریعہ فصل کرلے۔ جیسا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے "فرمایا: میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصود (محراب کے ساتھ بنے کمرہ) میں جمعہ پڑھا جب امام نے سلام پھیر دیا تو میں اپنی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا جب آپ تشریف لائے تو میری طرف پیام بھیجا فرمایا: جو کچھ کیا ہے دوبارہ نہ کرنا اس لیے جب کبھی بھی جمعہ پڑھو تو گفتگو یا باہر جانے کے بغیر کوئی نماز نہ پڑھو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ ہم گفتگو کیے یا باہر نکلے بغیر اس کے ساتھ اور نماز ملائیں۔

شافعیہ...... ❶ فرماتے ہیں: جمعہ کی نماز کے ساتھ کسی نماز کو نہ ملانا مسنون ہے تاکہ اتباع ہو جس روایت کو امام مسلم نے روایت کیا ہے گفتگو یا جگہ بدلنے وغیرہ سے فاصلہ ہوجاتا ہے۔

۱۰...... جمعہ کے بعد سورۃ فاتحہ، اخلاص اور معوذتین پڑھنا۔

ابن السنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جس نے جمعہ کے دن امام کے سلام پھیرتے وقت اپنے پاؤں دہرے کرنے سے پہلے سورۃ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور معوذتین سات بار پڑھے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے بقدر اجر وثواب دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ جمعہ کے روز اونگھنے والے کے لئے جگہ تبدیل کرنا مستحب ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جمعہ کے دن جب تم میں سے کسی کو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اونگھ آجائے تو وہ دوسری جگہ چلا جائے۔ ❷

سابقہ مکروہات خطبہ کے بعد مزید مکروہات جمعہ:

احناف...... ❸ جمعہ کے روز ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے جہاں جمعہ قائم کیا جاتا ہے وہ شہر ہے جیل یا جیل سے باہر ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲...... نیز احناف فرماتے ہیں: جب امام منبر پر بیٹھ جائے اور موذن اس کے سامنے اذان دے دے تو خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کی دلیل ہے اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دی جائے تو خرید وفروخت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر (خطبہ) کی طرف چل پڑو بیع (خرید وفروخت) ترک کرنے کا حکم اس کے کرنے سے نہی ہے اور نہی کا کم سے کم درجہ کراہت ہے۔

۳...... باتفاق علماء گردنیں پھلانگنا مکروہ ہے جس کی تفصیل مکروہات خطبہ میں بیان ہوچکی۔

۴...... کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھانا اور خود اس جگہ بیٹھنا حرام ہے ❹ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور خود وہاں بیٹھ جائے ❺ چونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

❶......مغنی المحتاج ۱/ ۲۹۵۔ ❷ رواہ الامام احمد فی مسند وابو مسعود احمد بن الفرات فی سننہ۔ ❸البدائع ۱/ ۲۷۰۔
❹ کشاف القناع ۲/ ۴۹ المغنی ۲/ ۳۵۱۔ ❺متفق علیہ ولفظ مسلم: لا یقیمن احدکم اخایوم الجمعۃ ثم لیخالف الی مقعدہ فیقعد فیہ ولکن یقول: افسحوا!

اس (مسجد حرام) میں ٹھہرنے والا اور باہر سے آنے والا (استحقاق ومقداری میں) برابر ہے تو جو کسی جگہ پہلے پہنچ گیا وہی اس کا مستحق ہے۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے" جو کسی ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کوئی پہلے نہیں پہنچا تو وہی اس کا حقدار ہے۔ ❶

اگر کوئی جائے نماز بچھی دیکھے تو حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق اسے نہ اٹھائے۔ جو اس کی طرف سے نائب ہے اور اس طرح اس کا مالک محروم ہوگا اور دوسری کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہوگا بعض دفعہ اس سے جھگڑے تک کی نوبت آجاتی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے پہنچا تھا۔ جیسے کوئی غیر آباد زمین میں جا کر پتھروں کی حد بندی کردے یہ نماز سے پہلے کی بات ہے لیکن جب نماز ہونے لگے تو اس جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے کیونکہ اس کپڑے کا کوئی مقام نہیں عزت واحترام تو اس کے مالک ہے اور وہ موجود نہیں اس پر بیٹھنا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۵۔ مالکیہ...... ❷ جمعہ کے روز جمعہ کی وجہ سے کام کاج چھوڑنا مکروہ ہے جس میں یہود ونصاری کے ساتھ ہفتے اور اتوار منانے میں مشابہت ہے آنے اور بیٹھنے والے کا کسی کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا خواہ اشارہ سے ہو حرام اسی طرح چھینکنے والے کو جواب دینا اور اس کا آگے سے جواب دینا لغو کام کرنے والے کو منع کرنا یا لغو کام سے باز رہنے کا اشارہ کرنا حرام ہے۔

بھیڑ میں پیٹھ وغیرہ پر سجدہ کرنا...... حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ بھیڑ میں پھنسے شخص کو جب کسی انسان کی پیٹھ یا قدم پر سجدہ کرنے کی قدرت ہو اس پر لازم ہے اور یہ اس کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب بھیڑ بڑھ جائے تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرے ❹ اس لئے کہ عاجزی میں جتنا اس سے ہو سکا اس نے کر دیا تو صحیح ہے جیسے کوئی کہنی پر سجدہ کرے۔ اس میں اجازت کی ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ یہ معمولی کام ہے۔ مالکیہ: فرماتے ہیں: ایسا نہ کرے اگر ایسا کیا تو نماز باطل ہو جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زمین پر اپنی پیشانی ٹکاؤ۔

مقصد ہشتم...... جمعہ فاسد کرنے والے امور:

جن چیزوں سے باقی نمازیں فاسد ہو جاتی ہیں ان سے جمعہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ بعض مخصوص مفسدات کا اضافہ کیا جاتا ہے جو یہ ہیں: ❺

۱..... جمہور کے نزدیک دوران نماز ظہر کے وقت کا ختم ہونا اور مالکیہ فرماتے ہیں: فاسد نہیں ہوتا جمعہ دیگر نمازوں کی طرح اپنے وقت پر مقرر ہے۔ جو ظہر کا وقت ہے اور وقت نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد وقت ختم ہونے سے باطل ہو جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگا۔

۲..... جماعت کا جمعہ سے امام کا رکعت کو سجدہ سے مقید کرنے سے پہلے، رہ جانا جس کی صورت یہ ہے کہ لوگ اس کے پیچھے سے چلے جائیں یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے صاحبین کے نزدیک جمعہ فاسد نہیں ہوگا رہا امام کا رکعت کو سجدہ سے مقید کرنے کے بعد جماعت کا رہ جانا یعنی چلے جانا تو اس پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے کہ جمعہ فاسد نہیں ہوتا۔ اگر وقت ختم ہونے پہ جماعت کے رہ جانے سے جمعہ فاسد ہو گیا تو ظہر ادا کی جائے گی۔ اور اگر ان مفاسد سے فاسد ہوا جس سے عام نمازیں فاسد ہوتی ہیں جیسے قصداً وضو توڑنا بات چیت وغیرہ کرنا تو شرائط کے ہوتے ہوئے جمعہ ادا کیا جائے گا۔

مقصد نہم...... جمعہ کے دن ظہر کی نماز:

اگر چہ جمعہ کی نماز ایک بنیادی فریضہ ہے: لیکن بعض حالات میں اس کی جگہ ظہر کی نماز ادا کی جاتی ہے: جمعہ کے بعد اور جمعہ سے پہلے گھر

---

❶......رواه ابوداؤد ❷الشرح الصغير ۱/۱۱ ۵۱۳،۵ ـ ❸ المحتاج ۱/۲۹۸ المهذب ۱/۱۵ المغنى ۲/۳۱۳ كشاف القناع ۲/۳۲۔ ❹رواه البيهقى باسناد صحيح وسعيد بن منصور فى سننه ❺البدائع ۱/۲۶۹

میں بلاعذر ظہر کی نماز پڑھنا، معذور لوگوں کا ظہر کی باجماعت نماز ادا کرنا، اور جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں انہیں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا۔ جن شرائط سے جمعہ صحیح ہوتا ہے ان میں خلل یا وقت ختم ہونے کی بنا پر ظہر کی نماز ادا کرنا۔

اول: جمعہ کے بعد ظہر کی نماز ادا کرنا...... اگر شہر میں ایک ہی جمعہ ہوتا ہو تو باتفاق فقہاء وہ صحیح ہے کسی کو ظہر کی نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس صورت میں حرام ہے البتہ جب ہر شہر میں بیشتر جمعے ہوتے ہوں جیسا عصر حاضر میں ہو رہا ہے تو مالکیہ کے نزدیک سب سے پہلی جامع مسجد کا جمعہ صحیح ہے دوسری جامع مساجد کے نمازیوں پر ظہر کی نماز ادا کرنا واجب حنابلہ کے نزدیک وہ جمعہ صحیح ہے جس میں حاکم شریک ہو باقی جامع مسجدوں کے نمازیوں کو ظہر کی نماز ادا کرنا ضروری ہے پہلا جمعہ تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کی راہ سے معتبر سمجھا جائے گا۔ وہی شافعیہ کے ہاں منعقد ہے دوسری مساجد والوں پر ظہر کی نماز ادا کرنا واجب ہے۔ اس شخص پر بھی ظہر کی نماز واجب ہے جو جمعہ سے لیٹ ہوجائے یا برابری کی حالت میں ہو یا پہل اور برابری میں شک ہو اگر بلاضرورت کئی جمعے ہوں جیسا کہ اسلامی ممالک میں رائج ہے اور اگر متعدد جمعے ضرورت کی وجہ سے ہوں تو ظہر کی نماز احتیاطاً پڑھ لینی چاہیے۔ آج کل اس فرض کو قابو میں رکھنا بے حد مشکل ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق ایک شہر میں کئی جمعے صحیح ہیں تاکہ تنگی نہ ہو اور جمعہ کے بعد ظہر کی باجماعت نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی ساری تفصیل بلاضرورت کئی جمعے نہ پڑھنے کی شرط میں گزر چکی ہے حق بات یہ ہے کہ جمعہ وقتی فرض ہے۔ جس نے کئی جمعوں کی نفی شرط قرار دی ہے اس کی اسلام کے آغاز میں کوئی عملی شکل نہیں جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ افضل ایک جمعہ ہی ہے جو کوئی اکیلے ظہر پڑھنا چاہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ جماعت کے بعد ظہر کی باجماعت نماز پر اس لئے پابندی مناسب ہے تاکہ مسلمانوں کی جمعیت کی حفاظت ہو۔ بڑے شہروں کی حالت اور اس کی آبادی کی کثرت کو اسلام کے آغاز میں مدینہ منورہ پر قیاس نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ اس وقت لوگ کم تعداد میں تھے خلیفہ مسلمانوں کا خطیب ہوتا ہے اور اس کا منبر تمام مسلمانوں کو جہاد میں بتانے اور وباء قحط وغیر بڑے حادثات کی باگ ڈور قابو کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتا ہے۔

دوم: جمعہ کے روز بلاعذر گھر پر ظہر کی نماز پڑھنا:

احناف...... ❶ جمعہ کے روز جس نے اپنے گھر کسی مجبوری کے بغیر امام سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو حرام ہے اور اس کی نماز کا جواز موقوف ہے پھر اسے خیال آیا اگرچہ مسلک کے مطابق وہ معذور تھا کہ وہ جمعہ میں جائے اور ادھر رخ کر لیا امام جمعہ کی تیاری میں تھا ابھی اقامت نہیں ہوئی تو اس کی ظہر کی نماز باطل ہوگئی چلنے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نفل میں تبدیل ہو جائے گی اگرچہ وہ اسے نہ مل سکے کیونکہ جمعہ کی طرف چلنا جمعہ کی خاصیت ہے لہٰذا اسے احتیاطاً ظہر کے خاتمہ میں اس کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ برعکس اس صورت کے جب اس سے فارغ ہوگیا کیونکہ اس کے لیے نہیں چلا جاتا۔

صاحبین فرماتے ہیں: جب تک امام کے ساتھ شامل نہ ہو جائے ظہر باطل نہیں ہوتی کیونکہ چلنا ظہر کے علاوہ ہے جسے مکمل ہونے کے بعد ختم نہیں کرے گا۔ جب کہ جمعہ کا درجہ ظہر سے بڑھ کر ہے جو اسے ختم کر دے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امام کے فارغ ہونے کے بعد چلے۔ اس پر تینوں ائمہ (ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد علیہم الرحمۃ) کا اتفاق ہے کہ اگر جمعہ سے فراغت کے بعد چلنے کی وجہ سے بالاتفاق ظہر باطل نہیں ہوگی۔ جمہور (مالکیہ اور شافعیہ جدید قول میں اور حنابلہ) فرماتے ہیں: امام کی جمعہ کی ادائیگی سے ظہر پڑھنا صحیح نہیں۔ اگر گمان ہو کہ وہ جمعہ پالے گا تو اس کی طرف جانا لازم ہے کیونکہ وہ فرض ہے اگر مل جائے تو پڑھ لے اگر رہ جائے تو ظہر کی نماز واجب ہے اگر یہ گمان ہو کہ جمعہ کی نماز نہیں ملے گی۔ انتظار کرے اور یقین ہو جائے کہ امام جمعہ سے فارغ ہو چکا ہے پھر ظہر پڑھے۔

❶......الکتاب مع اللباب ۱/۱۱۳، البدائع ۱/۲۵۷ الدر المختار ۱/۷۶۴ فتح القدیر ۱/۴۱۷ مراقی الفلاح ۸۹

خلاصہ یہ ہوا...... جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لی تو صحیح نہیں بلکہ جمعہ واجب ہے اور اگر جمعہ کے بعد پڑھا تو باوجود نافرمانی کے کافی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وہ نماز پڑھی جس کے پڑھنے میں اسے مخاطب نہیں کیا گیا اور جس کا مخاطب تھا اسے چھوڑ دیا لہٰذا صحیح نہیں۔ جیسے کوئی ظہر کے بجائے عصر پڑھ لے اس میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں کہ اسے جمعہ کا خطاب ہے لہٰذا اس سے ظہر ساقط ہوگئی جیسے اگر وہ دور ہوتا تو یہی حکم تھا نیز اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ اسے چھوڑنے اور جمعہ کی طرف نہ جانے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

سوم: معذور لوگوں کا ظہر کی باجماعت نماز پڑھنا:

احناف...... ❶ فرماتے ہیں کہ جس جگہ جمعہ ہوتا ہے جیسے بڑا شہر وغیرہ تو وہاں جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد معذور لوگوں کا جن میں مسافر، بیمار، قیدی وغیرہ شامل ہے۔ ظہر کی جماعت کرانا مکروہ تحریمی ہے اس سے جمعہ میں خلل پڑتا ہے جو تمام جماعتوں کو جمع کرتا ہے بسا اوقات جسے عذر نہیں وہ بھی ان کی اقتداء کر لیتا ہے نیز اس میں دوسری جماعت قائم کر کے جمعہ سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ رہے وہ دیہاتی لوگ جن پر جمعہ واجب نہیں ظہر کی باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان شہری لوگوں کے لئے ظہر کی نماز جماعت کی شکل میں مکروہ ہے۔ جس کا جمعہ رہ گیا ہے۔ انہیں ظہر کی نماز تنہا تنہا بغیر اذان اقامت اور جماعت کے پڑھ لینی چاہئے امام کے فارغ ہونے تک مریض کے لئے ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔

احناف کے علاوہ جمہور...... ❷ کا کہنا ہے: جس شخص کا جمعہ کسی معذوری کی وجہ سے رہ گیا ہو یا جن پر جمعہ واجب نہیں انہیں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے۔ تا کہ جماعت کا ثواب حاصل ہو سکے حدیث ہے جماعت کی نماز فرد کی نماز سے پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا جمعہ رہ گیا تو انہوں نے علقمہ اور اسود کو لے کر باجماعت نماز ادا کی۔

لیکن مالکیہ فرماتے ہیں: جو لوگ زیادہ معذور ہیں ان کے علاوہ لوگوں کے لئے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مستحب نہیں جنہیں زیادہ معذوری رہتی ہے وہ جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔

حنابلہ...... کی رائے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں اس کا اعادہ جماعت کی صورت میں مستحب نہیں اور نہ اس مسجد میں جس میں نماز کا ارادہ مکروہ ہوتا ہے نیز جس مسجد میں جمعہ قائم ہو چکا۔

اس میں مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے تہمت کا اندیشہ ہے کہ اسے جمعہ سے اعراض ہے یا وہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا قائل نہیں یا اس کے ساتھ مسجد میں نماز کا اعادہ کرے گا۔ بسا اوقات تو کوئی فتنہ برپا ہو جاتا ہے جس سے اسے اور دوسروں کو نقصان پہنچے کا خطرہ ہے اسے یہ نماز اپنے گھر یا ایسی جگہ پڑھنی چاہیے جہاں یہ مفاسد نہ ہوں۔ جمہور کا احناف کے ساتھ اس پر اتفاق ہے کہ جسے اپنی معذوری ختم ہونے کی امید ہو وہ جمعہ سے ناامید ہونے تک ظہر کی نماز مؤخر کر سکتا ہے کیونکہ بسا اوقات وہ عذر زائل ہو جاتا ہے اگر ظہر سے فراغت کے بعد اس کا عذر زائل ہوا جیسے وہ سفر سے لوٹا یا بیماری سے شفایاب ہوا یا قید سے رہا ہوا اگر جمعہ پا لیا تو اس کا اعادہ کرے۔ ایسے ہی بچہ جب بالغ ہو جائے ظہر کے بعد جمعہ کا اعادہ کرے گا۔

چہارم: جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ان کا جلدی ظہر کی نماز پڑھنا:

اکثر ❸ اہل علم کا قول ہے وہ معذور لوگ جن پر جمعہ واجب نہیں جیسے مسافر، غلام، عورت، بیمار، لنجا اور باقی معذور لوگ انہیں امام سے پہلے

---

❶......فتح القدير ۱/۴۱۹، الدر المختار ۱/۷۶۶۔ ❷ القوانين الفقهية ۸۰ الشرح الصغير مع حاشية العارى ۱/۵۰۸ مغنى المحتاج ۱/۲۷۹ المهذب ۱/۱۰۹ المغنى ۲/۳۴۴ كشاف القناع ۲/۲۶۔ ❸ سابقه حواله جات۔

ہر کی نماز پڑھ لینی چاہیے کیونکہ انہیں جمعہ کا خطاب نہیں۔ان کی ظہر کی نماز صحیح ہے جیسے کوئی شخص جمعہ کی جگہ سے دور رہتا ہو۔اگر ظہر پڑھ کر جمعہ کی طرف چل پڑا جمہور کے نزدیک اس کی ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی اور جمعہ اس کے حق میں نفل ہوگا خواہ اس کا عذر زائل ہوا یا نہیں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جمعہ کی طرف جانے سے ظہر باطل ہوجائے گی جیسا انہوں پہلے مقام پر فرمایا ہے۔

پنجم: وقت ظہر ختم ہونے کی وجہ سے ظہر کی نماز پڑھنا:

اگر ظہر کا وقت ختم ہوجائے یا اتنا تنگ ہوجائے کہ اس میں دو خطبوں کی گنجائش نہ رہے تو جمعہ ساقط ہوجاتا ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی قضا نہیں ہوسکی ❶ بلکہ ظہر پڑھی جائے گی کیونکہ ادائیگی کی شرائط کے مطابق تزنباء ہوتی ہے جب کہ ادائیگی کی مخصوص شرائط فوت ہوچکی ہیں جس کا حصول فرد کے لئے مشکل ہے لہٰذا جمعہ ساقط ہوگا اس کے برعکس باقی فرض اعمال جب اپنے وقت سے رہ جائیں ان کی قضاء ہوجاتی ہے۔

ششم: جمعہ کی کسی شرط کے خلل کی وجہ سے ظہر پڑھنا:

وقت کے علاوہ جمعہ صحیح ہونے کی کسی شرط میں خلل ہو جیسے نمازیوں کی مطلوبہ تعداد کم ہو یا (جمہور کے نزدیک) مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت نہ ملے یا (احناف کے نزدیک) یا نماز کا کوئی حصہ اگرچہ سجدہ سہو ہی ہو نہ ملے یا آبادی زیادہ نہ ہو تو جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جائے گی۔❷

تیسری بحث......مسافر کی نماز (قصر اور جمع)

اس میں دو مقصد ہیں:

اول......چار رکعت نماز کا قصر اس کی شرعی حیثیت،قصر کا سبب اور شرائط مسافر کی مقیم کی اور مقیم کی مسافر کی اقتداء کرنا،کس سے قصر مانع ہے سفر کی رہ گئی نماز کی قضاء سفر میں سنت نماز وغیرہ۔

دوم......دو نمازوں کو جمع کرنے کے اسباب وشرائط:

مقصد اول......چار رکعتی نماز کا قصر

اول......قصر کی مشروعیت کیا قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

قصر از روئے قرآن،حدیث اور اجماع جائز ہے ❸ رہا قرآن سے ثبوت تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے دوران سفر اگر تمہیں کفر پرور لوگوں کی فتنہ انگیزی کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں‘‘ قصر خوف کی حالت میں ہو یا امن میں جائز ہے۔لیکن آیت میں قصر کو خوف کے ساتھ مشروط کرنا پیش آمدہ حالت کے ثابت کرنے کے لئے ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا کوئی سفر بھی اس سے خالی نہیں رہا ایک دفعہ یعلی بن امیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم لوگ امن کے باوجود بھی قصر کریں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر ایک صدقہ واحسان ہے سو اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔❹

---

❶......البدائع ۱/ ۲۶۹ مغنی المحتاج ۱/ ۲۷۹ المغنی ۲/ ۳۱۸ حاشیۃ الباجوری ۱/ ۲۲۳ ❷البدائع ۱/ ۲۶۶ مغنی المحتاج ۱/ ۲۷۹ المغنی ۲/ ۳۱۲،۳۱۶، ۳۲۳ کشاف القناع ۲/ ۳۱. ❸المغنی ۲/ ۲۵۴ کشاف القناع ۱/ ۵۹۳ مغنی المحتاج ۱/ ۲۶۲. ❹رواہ مسلم

قصر از روئے سنت کئی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفروں میں حج کے لئے جارہے ہوتے یا عمرے کے لئے کسی غزوے کا ارادہ ہوتا یا کسی جنگ میں مصروف ہوتے قصر کیا کرتے تھے حضرت ابن عمر کا فرمان ہے: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے یہی معمول ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ ❶

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے کوئی ایسا سفر کیا جس میں نماز قصر ہوتی ہے خواہ وہ سفر واجب ہو جیسے مسجد حرام جہاد ہجرت اور عمرہ کا سفر خواہ مستحب ہو جیسے بھائیوں کی زیارت بیمار پرسی اور دو میں سے کسی ایک مسجد مدینہ اور اقصیٰ کی زیارت کا سفر والدین یا ان میں سے کسی ایک کی ملاقات کا سفر چاہے مباح ہو جیسے سیر وتفریح یا تجارتی سفر چاہے زبردستی ہو جیسے قیدی اور جلاوطن زانی (زنا کار) ایسا غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی جسے کوڑے لگانے کے بعد جلاوطن کیا جائے، چاہے مکروہ ہو جیسے جماعت کے بغیر تنہا سفر کرنا۔

قصر چار رکعتی نماز کا دو رکعتوں میں سمٹ جانا۔

جن نمازوں میں بالا جماع قصر ہے...... ❷ وہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتی نمازیں ہیں جس سے فجر اور مغرب جدا ہیں۔ فجر کی تو ایک رکعت رہ جائے گی جس جیسا کوئی فرض نہیں اگر مغرب کا قصر ہوا جو دن کے وتر ہیں اس کا وتر ہونا باطل ہو جائے گا امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں: نماز دو رکعت فرض ہوئی۔ ماسوائے مغرب کے کیونکہ وہ دن کی طاق نماز ہے پھر حالت قیام میں اس میں اضافہ ہوا اور سفر والی اپنی حالت پر رہی علی بن عاصم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں فجر، مغرب اور جمعہ کا قصر سے استثناء ہے۔

سفر سے متعلقہ احکام......قصر، جمع بین الصلوتین، تین دن موزوں پر مسح سفر کی حالت میں رمضان میں افطار، یہ چار مسائل تو لمبے سفر سے متعلق ہیں، عورت کا بغیر محرم نکلنا جمعہ، عیدین اور قربانی کا ساقط (واجب نہ) ہونا، لاچار کا مردار کھانا سواری پر بیٹھنے نماز پڑھنا تیمم کرنا اور اس کے ذریعہ فرض کا ساقط کرنا یہ مسائل چھوٹے سفر سے تعلق رکھتے ہیں البتہ مردار کھانا اور تیمم کرنے کا تعلق سفر سے نہیں۔ ❸

قصر کا حکم بالفاظ دیگر قصر رخصت ہے یا واجب عزیمت؟......اسے یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ آیا مسافر پر شرعاً قصر کرنا واجب ہے یا قصر اور اتمام پر اختیار ہے قصر واتمام میں سے افضل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء کی تین معتبر آراء ہیں کہ قصر فرض ہے قصر سنت ہے قصر رخصت ہے جس میں مسافر کو اختیار ہے۔ ❹

احناف......قصر واجب عزیمت ہے ہر چار رکعتی نماز میں سے دو رکعت مسافر کے لئے فرض ہے۔ قصداً اس میں اضافہ کرنا ناجائز ہے اگر سہوا ہو تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر چار رکعتی نماز مکمل کر دی اور چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا تھا تو فریضہ کی ادائیگی کے لیے دو رکعتیں کافی ہوں گی دو مزید رکعتیں نفل بن جائیں گی اس طرح کر کے اس نے برا کیا اگر دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہے۔ فرض کے ساتھ فرض کی تکمیل سے پہلے نفل مل جل گیا ہے اس لئے۔ ان کی دلیل ثابت احادیث ہیں ان میں سے ایک حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی تو سفری نماز تو اپنی اصل پر برقرار رہی جب کہ حضر (قیام کی حالت) میں اضافہ کر دیا گیا ❺ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر میں نماز کی چار رکعتیں اور سفر میں دو

---

❶......متفق علیه وروی مثله فی الصحیحین عن ابن مسعود وانس۔ ❷ کشاف القناع ۱/۵۹۵ المغنی ۲/۲۶۷۔ ❸ اللباب مع شرح الکتاب ۱/۱۰۶ کشاف القناع ۱/۲۰۸ مغنی المحتاج ۱/۲۷۵، المغنی ۲/۲۶۱۔ ❹ الدر المختار ۱/۷۳۵ مراقی الفلاح ۷۲ الکتاب مع اللباب ۱/۱۰۷ بدایة المجتهد ۱/۱۶۱ القوانین الفقهية ۸۴ الشرح الکبیر ۱/۳۵۸ مغنی المحتاج ۱/۲۷۱ المهذب ۱/۱۰۱ کشاف القناع ۱/۶۰۱ المغنی ۲/۲۶۷، ۲۰۰۔ ❺ اخرجه الشیخان فی الصحیحین وفی لفظ: فرض الله الصلاة حین فرضها رکعتین فاتمها فی الحضر واقرت صلاة السفر علی الفریضة الاولی (نصب الرایة ۳/۱۸۸)

جب کہ خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ (۱)

مالکیہ کا مشہور اور راجح قول: یہ ہے کہ قصر سنت مؤکدہ ہے، جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کیونکہ آپ کے کسی سفر کے متعلق صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی نماز مکمل کی ہو جیسا کہ سابقہ احادیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں......قصر اختیار کے انداز میں رخصت ہے لہٰذا مسافر چاہے تو قصر کرے چاہے تو مکمل نماز پڑھے۔ جب کہ حنابلہ کے ہاں قصر اتمام سے مطلقاً افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔ یہی آپ کے بعد خلفاء کا معمول رہا ہے۔ شافعیہ کے مشہور قول کی مطابق قصر اس وقت اتمام سے افضل ہے جب فی نفسہ قصر کی کراہت ہو یا وہ احناف کے ہاں تین مراحل تقریبا ۹۶ کلومیٹر پہنچ جائے تا کہ سنت کا اتباع ہو تا کہ اس شخص کے اختلاف سے نکلا جا سکے جس نے اسے واجب کہا ہے جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، لیکن اگر سفر میں روزے سے کوئی نقصان نہ ہو تو افطار سے روزہ رکھنا افضل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تم روزے سے رہو یہ تمارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

ان کے دلائل:

۱......سابقہ آیت قرآنی، نماز کی کمی کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قصر رخصت ہے دیگر رخصتوں کی طرح اس کے کرنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔

۲......حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی سابقہ حدیث یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر صدقہ واحسان ہے سو اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کو اپنی رخصتوں پر عمل ایسے ہی پسند ہے جیسے عزائم پر عمل پسند ہے۔ (۲)

۳......صحیح مسلم اور دیگر کتب سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر جاتے تو بعض حضرات قصر کرتے اور بعض اتمام کرتے بعض روزے سے ہوتے اور بعض افطار کرتے پھر کسی پر کوئی نکتہ چینی نہ کرتا۔ (۳)

۴......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: میں رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عمرہ کے سفر میں نکلی آپ نے افطار کیا اور میں روزے سے تھی آپ نے قصر نماز پڑھی میں نے مکمل کی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر واری آپ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا آپ نے قصر نماز پڑھی میں نے مکمل کی آپ نے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) تم نے اچھا کیا۔ (۴)

ان چار دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصر رخصت ہے۔

دوم: قصر کی شرعی حیثیت:

قصر کی حکمت......مسافر سے اس مشقت اور حرج کو دور کرنا جو عموما سفر میں پیش آتی ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں آسانی اور فرائض کی ادائیگی کی ترغیب دینا اور ذمہ داری کو نبھانے میں تنفر ہونے سے بچانا ہے، جس کے بعد کوتاہی اور سستی کرنے والے کے لئے فرض نماز چھوڑنے کے متعلق کوئی ذریعہ اور حجت باقی نہیں رہتی۔

---

(۱) اخرجہ مسلم ورواہ الطبرانی بلفظ افترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعا نصب الرایة ۱۸۹/۲۔ (۲) رواہ احمد والبیھقی عن ابن عمر والطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً وعن ابن مسعود بنحوہ موقوفا علی الاصح وذکرہ احمد عن ابن مسعود بلفظ ان اللہ یحب ان تؤتی رخصۃ کما یکرہ ان تؤتی معصیة وھو ضعف۔ (۳) قال النووی فی شرح مسلم لکن لیس فی صحیح مسلم قولہ فمنھم القاصر ومنھم المتم۔ (۴) الدر المختار ۷۳۳/۱، ۷۳۶ تبیین الحقائق: ۲۱۵/۱ ومابعد فتح القدیر: ۴۰۵/۱ وما بعد۔

قصر جائز ہونے کی وجہ......وہ لمبا سفر ہے جمہور کے ہاں اور احناف کے ہاں سفر مباح ہے قصر کے لئے وہ مباح سفر جس کے ذریعہ احکام شرعیہ تبدیل ہوجاتے ہیں کہ متعلق گفتگو کے لئے چار امور میں بحث مطلوب ہے جو یہ ہیں: وہ مسافت جس میں قصر جائز ہے سفر کی وہ قسم جس میں نماز قصر ہوتی ہے: سفر مباح ہو یا کوئی سا سفر ہو وہ جگہ جہاں سے مسافر قصر کا آغاز کرے گا (سفر کی ابتداء) اس مدت کی مقدار جس میں مسافر کسی جگہ اقامت کرے تو نماز قصر کرے گا۔

دوم: وہ سفر جس میں قصر نماز پڑھی جائے گی:

حنفیہ......حنفیہ ❶ فرماتے ہیں کہ ہر طرح کے سفر میں قصر کرنا جائز ہے چاہے وہ سفر عبادت ہو مباح ہو یا گناہ ہو لہٰذا ڈاکوؤں کے لیے یا گناہ کی خاطر سفر کرنے والے کسی اور مسافر کے لیے قصر کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ مشروع چیز کے ساتھ ملا ہوا قبح مشروعیت کو ختم نہیں کرتا۔ ملے ہوئے قبح سے مراد ایسا قبح ہے جو جدا ہو سکے جیسے اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا۔ اس میں سعی ترک کرنے کی وجہ سے قباحت آئی ہے اور یہ جدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات خرید وفروخت کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی جمعہ کی طرف سعی چھوڑ دی جاتی ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ سفر کی بھی یہی صورت حال ہے کہ چوری ڈاکہ وغیرہ بغیر سفر کے بھی ممکن ہیں اور اس کے برعکس بھی ممکن ہے قبح لعینہ مشروعیت کو ختم کر دیتا ہی جیسے کفر اسی طرح شرعی قبح بھی مشروعیت کو ختم کر دیتا ہے جیسے آزاد آدمی کی بیع۔ گناہ گار اور فرمانبردار کے سفر کی رخصت حاصل کرنے میں برابری پر حنفیہ کی دلیل کو دوسرے الفاظ میں نصوص کے اطلاق سے تعبیر کر سکتے ہیں وہ یہ آیت کریمہ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ (النساء ۴/۱۰۱) اور جب تم زمین میں سفر کرو۔

اور اس لیے بھی کہ سفر بذات خود کوئی گناہ نہیں گناہ تو اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ قصر کی رخصت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

جمہور......حنفیہ کے سوا جمہور فرماتے ہیں کہ جو رخصتیں سفر کے ساتھ خاص ہیں جیسے قصر کی نماز پڑھنا دو نمازوں کو جمع کرنا روزہ چھوڑنا موزوں پر تین ایام تک مسح کرنا سواری پر نفل نماز پڑھنا وغیرہ یہ سب گناہ والے سفر میں مباح نہیں جیسے غلام کے بھاگنے ڈاکا ڈالنے اور شراب اور حرام چیزوں کی تجارت کے لیے کیا جانے والا سفر ایسا آدمی گناہ والا مسافر ہے یعنی جو آدمی گناہ کی وجہ سے یا حرام کام کے لئے سفر کرے تو اس کے لئے قصر کرنا حرام ہے اس لئے کہ سفر رخصت کا سبب ہے لہٰذا اس کو گناہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا ہے ان کے نزدیک اصول یہ ہوا: الرخص لاتناط بالمعاصی رخصتیں گناہوں سے وابستہ نہیں ہوتیں یہاں تک کہ ضرورت کے وقت مردار کھانے کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: ۲/۱۷۳) ہاں اگر کوئی انتہائی مجبوری کی حالت میں ہوں وہ نافرمان اور تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اور اس لئے بھی کہ رخصت مباح مقصد کو حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیے مشروع ہوئی تھی تاکہ مصلحت حاصل ہو جائے۔ اگر اس کو گناہ کے لیے بھی مشروع کر دیا جائے تو یہ حرام کام میں مدد ہوگی حالانکہ شریعت اس سے پاک ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ لہو ولعب والا سفر کرنے والے کے لیے قصر کرنا مکروہ ہے دوران سفر گناہ کرنے والے کے لیے قصر کرنا اور سفر کی دوسری رخصتوں سے فائدہ اٹھانا جائز یعنی ایسا آدمی جو کسی مشروع کام کے ارادے سے سفر کرے لیکن دوران سفر کسی گناہ، زنا، چوری، غصب، تہمت غصب وغیرہ کا ارتکاب کرلے تو ایسے آدمی کے لئے قصر وغیرہ کی رخصت حاصل کرنا جائز ہے اس لئے کہ اسکے سفر کا مقصود گناہ نہیں بلکہ ایک مشروع کام تھا اس طرح وہ مقیم گناہگار کی طرح ہوگیا۔

---

❶......بداية المجتهد ۱/۱۶۳، الشرح الصغير: ۱/۴۷۷ مغنی المحتاج ۱/۲۶۸ المهذب ۱/۱۰۲ المغنی ۲/۲۶۱ وما بعد ۸/۵۹۷ كشاف القناع ۱/۵۹۶، ۶/۱۹۴.

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے مباح سفر شروع کیا پھر اسے گناہ والا سفر بنا دیا تو صحیح قول کے مطابق اسے رخصت حاصل نہیں ہوگی۔ اگر اس نے گناہ والے سفر کا آغاز کیا اور پھر توبہ کرلی تو توبہ کے وقت سے اسے نئے سرے سے سفر کرنے والا سمجھا جائے گا۔

سوم: وہ جگہ جہاں سے مسافر قصر کی ابتداء کرے گا

سفر کی ابتداء..... قصر کرنے کے لیے محض سفر کی نیت کافی نہیں بلکہ باقاعدہ طور پر سفر کا آغاز کرنا ضروری ہے۔ فقہاء ❶ کا اتفاق کہ سفر کی ابتداء جس سے قصر وغیرہ جائز ہوتی ہے یہ ہے کہ مسافر اس شہر کے گھروں سے باہر نکل آئے اور انہیں پیٹھ پیچھے چھوڑ دے یا جس طرف سے وہ نکلا ہے اس طرف کی آبادی سے باہر نکل جائے اگرچہ دوسری طرف کی آبادی سے باہر نہ نکلا ہو۔ اس لئے کہ کسی جگہ ٹھہرنے کا تعلق داخل ہونے سے ہے اور سفر کا تعلق وہاں سے نکلنے سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ......النساء: ۴/ ۱۰۱

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرلو۔

اور زمین میں سفر کرنے والا نکلے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس میں مذاہب کی تفصیل عنقریب آرہی ہے اور اس وقت نماز پوری نہ پڑھے جب تک اس شہر کے گھروں کے شروع میں نہ پہنچ جائے جس میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ اور مسافر اور وقت تک سفر کے حکم میں رہے گا جب تک کسی جگہ مخصوص مدت تک ٹھہرنے کی نیت نہیں کرلیتا۔ مدت کی بحث آگے آئے گی۔

چہارم۔ اس وقت کی مقدار جس میں قصر کی جائے گی...... مسافر کو اس وقت تک قصر کا حق حاصل رہے گا جب تک ایک معین مدت تک کسی شہر میں ٹھہرنے کی نیت نہ کرلے۔ اس مدت کی تعین میں فقہاء کی دو رائیں ہیں۔ ❷

حنفیہ...... حنفیہ فرماتے ہیں کہ مسافر جب کسی شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو مقیم بن جاتا ہے اور اس کے لیے قصر کرنا منع ہوجاتا ہے۔ اگر اس مدت کی نیت کرلی تو پوری نماز لازم ہوجائے گی اگر اس سے کم عرصے کی نیت کی تو وہ قصر کرتی ہوگی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ مدت اقامت کو عورت کی مدت طہر پر قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں صورتیں اصل کی طرف واپسی کی موجب بنتی ہیں۔ مدت طہر اس طہارت کی واپسی کو ثابت کرتی ہے جو حیض سے ساقط ہوگئی تھی اور مدت اقامت اس چیز کی واپسی کو ثابت کرتی ہے جو سفر سے ساقط ہوگئی تھی لہٰذا جس طرح طہر کی مدت پندرہ دن مقرر کی گئی ہے اسی طریقے سے اقامت کی کم سے کم مدت مقرر کی جائے گی۔

یہ تقریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب آپ سفر کے دوران کسی شہر میں داخل ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھو اور اگر پتہ نہ ہو کہ کب کوچ کرنا ہے تو قصر کرو۔

اگر وہ کسی خاص کام کے ہوجانے کا منتظر ہو تو قصر ے کرے اگرچہ انتظار کئی سالوں تک طویل ہوجائے۔ اگر کوئی شہر میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی اور سفر کا انتظار کرتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ کل نکلوں گا یا پرسوں نکلوں گا یہاں تک کہ کئی سالوں تک ٹھہرا رہا تو دو رکعتیں پڑھے یعنی قصر کرے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آذربائیجان میں چھ مہینے ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے صحابہ رضی اللہ

❶......الکتاب مع اللباب: ۱/ ۱۰۷ مراقی الفلاح: ۷۱ فتح القدیر ۱/ ۳۹۶، بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۶۳ الشرح الصغیر: ۱/ ۴۷۶ وما بعد مغنی المحتاج: ۱/ ۲۶۳ ومابعد، المہذب: ۱/ ۱۰۲ المغنی: ۲/ ۲۵۹۔ ۲۶۱۔ ❷ فتح القدیر جمع العنایۃ ۱/ ۳۹۷ وما بعد اللباب: ۱/ ۱۰۷ ومابعد بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۶۳ ومابعد الشرح الصغیر ۱/ ۴۸۱، مغنی المحتاج: ۱/ ۲۶۴ ومابعد، المہذب ۱/ ۱۰۳ کشاف القناع ۱/ ۶۰۵ القوانین الفقہیہ: ۸۵ الشرح الکبیر ۱/ ۳۶۴۔

عنہم کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے۔

اگر کوئی لشکر جنگ والی زمین میں داخل ہوا اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی یا کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کیا تو وہ قصر کریں گے نماز پوری نہیں پڑھیں گے۔ اس لئے کہ ان کی نیت صحیح نہیں ہے وہ تذبذب کا شکار رہیں اور اس تردد میں ہیں کہ دشمن کو شکست دے کر ٹھہرے رہیں یا شکست کھا کر بھاگ جائیں۔ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ...... مالکیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ مسافر نے کسی جگہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہ نماز پوری پڑھے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصر کی اباحت کے لیے زمین میں سفر کی شرط لگائی ہے مقیم اور اقامت کا عزم رکھنے والا مسافر نہیں ہوتا۔ اور سنت یہ بتاتی ہے کہ چار سے کم دن مسافرت کو ختم نہیں کرتے صحیحین میں ہے: مہاجر مناسک کی ادائیگی کے بعد تین دن قیام کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے دوران تین دن قیام کیا اور قصر کرتے رہے۔ ❶

مالکیہ نے اس مدت سے مدت اقامت کی بیس نمازیں مراد لی ہیں۔ اگر اس سے کم ہو تو قصر کرے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق داخل ہونے اور نکلنے والے دن شمار نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ پہلا دن پڑاؤ ڈالنے اور دوسرا کوچ کرنے کا ہوتا ہے اور یہ دونوں سفر کی مصروفیات ہیں۔

حنابلہ...... حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر چار دنوں یا بیس نمازوں سے زیادہ کی نیت کی تو نماز پوری پڑھے اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کی صبح مکہ تشریف لائے چار پانچ اور چھ تاریخ کو وہیں قیام کیا۔ آٹھویں دن کی صبح کی نماز پڑھی۔ پھر منیٰ میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں قصر کرتے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا اور قصر کرتے رہے ❷ علامہ ابن حجر رضی اللہ عنہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چودہ تاریخ کو صبح پہنچے۔ اس طرح مکہ اور اس کے گردونواح میں قیام کی مدت دس دن رات ہوئی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں قیام کی مدت صرف چار دن ہوئی اس لئے کہ آٹھویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل گئے تھے اور منیٰ میں نماز پڑھی تھی۔

حنابلہ کے نزدیک داخل ہونے اور نکلنے کا دن بھی مدت میں شمار کیا جائے گا۔

اگر وہ کسی کام کے ہو جانے کا منتظر تھا جس کا ہونا کسی وقت بھی متوقع تھا یا اسے دشمن سے جہاد کی امید تھی یا وہ ہر روز سامان سفر کرتا رہتا تھا تو اس کے لیے قصر کرنا مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے جب تک اقامت کی نیت نہیں کر لیتا چاہے قیام کی مدت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جیسا کہ حنفیہ نے بیان کیا ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ وہ داخل ہونے اور نکلنے والے دنوں کے علاوہ اٹھارہ دنوں تک قصر کر سکتا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے اگرچہ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں جن سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس میں اور بھی روایات ہیں جن میں سے اصح انیس والی ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے میں نے اٹھارہ والی روایت کو انیس پر ترجیح دی حالانکہ وہ اصح ہے اس لئے کہ پہلی روایت جو حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں اضطراب نہیں جب کہ دوسری ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں اضطراب ہے اس میں ۱۹ بھی ہے اور ۱۷ بھی۔

---

❶...... دیکھئے نیل الاوطار: ۳/ ۲۰۷ وما بعد صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین پر مکہ میں اقامت کرنا حرام قرار دیا تھا پھر تین دن ٹھہرنے کی رخصت دی (المجموع ۴/ ۲۴۳) ❷ متفق علیہ (سابقہ حوالہ)

سوم: قصر کی شرطیں.....فقہاء نے قصر کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرطیں لگائی ہیں: ❶

۱۔ سفر لمبا ہو.....پہلی شرط یہ ہے کہ سفر لمبا ہو۔ اس کی مقدار جمہور کے نزدیک دو مرحلے یا دو دن یا سولہ فرسخ ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک تین مرحلے یا تین دن راتوں سمیت۔ اس بارے میں اختلاف ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ سفر مباح ہو حرام یا ممنوع نہ ہو.....دوسری شرط یہ ہے کہ سفر مباح ہو حرام یا ممنوع نہ ہو جیسے چوری ڈاکے وغیرہ کے لیے سفر۔ یہ شرط جمہور کے نزدیک ہے حنفیہ یہ شرط نہیں لگاتے۔ اگر کسی نے گناہ والا سفر کیا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسی کی نماز نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ ایسے آدمی کا فعل ہے جو اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ جیسے کوئی نماز پڑھے اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ وہ بے وضو ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسے آدمی کی قصر درست ہو جائے گی مگر اسے گناہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک مکروہ سفر میں قصر نہیں کر سکتا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کر سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک حرام کردہ اور مباح ہر طرح کے سفر میں قصر جائز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے تجارت اور سیر و تفریح کے لیے کیا جانے والے سفر اور مساجد، آثار اور قبروں کو دیکھنے کے لیے کیے جانے والے سفر میں قصر کر سکتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی قبروں کی زیارت کے بارے میں یہی صحیح ہے۔

۳۔ اپنی جائے اقامت سے آبادی کو عبور کر دینا.....تیسری شرط یہ ہے کہ اپنی جائے اقامت سے آبادی کو عبور کر لے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس شرط کی توضیح میں فقہاء کی چند تفریعات ہیں۔

حنفیہ.....حنفیہ ❷ فرماتے ہیں کہ شہر کے جن گھروں میں وہ رہائش پذیر تھا ان کو اس جانب سے عبور کرے جس جانب سے نکلا ہے۔ اگرچہ دوسری طرف سے عبور نہ کیا ہو اور۔ تمام گھروں کو عبور کرے اگرچہ وہ متفرق ہوں لیکن ان کا تعلق اسی شہر سے ہو اسی طرح شہر کے ارد گرد کی جگہیں اور ملے ہوئے گاؤں کو بھی عبور کرے یہ بھی شرط ہے کہ جائے اقامت سے ملے ہوئے علاقے کو بھی عبور کر لے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو مقامی باشندوں کی مصالح کے لیے تیاری کی جاتی ہے جیسے جانوروں کی دوڑ مردوں کو دفن کرنے اور مٹی ڈالنے کے لیے۔

البتہ گھروں کا نظروں سے اوجھل ہونا، ویران گھروں کو اور باغات کو عبور کرنا شرط نہیں اس لیے کہ یہ آبادی میں سے نہیں سمجھے جاتے اگرچہ یہ ملے ہوئے ہوں یا شہر والے وہاں رہتے ہوں۔

اگر وہ خیموں میں رہتا ہو تو ان سے نکلنا ضروری ہے۔ اگر وہ پانی پر یا جنگل میں رہتا ہو تو اس سے جدا ہونا ضروری ہے۔ بشرطیکہ جنگل بہت زیادہ وسیع نہ ہو اور نہر کا منبع یا گرنے کی جگہ دور نہ ہو ورنہ آبادی کو عبور کرنے کا اعتبار ہوگا۔

مالکیہ.....مالکیہ ❸ فرماتے ہیں کہ مسافر شہری ہوگا دیہاتی یا پہاڑی۔

شہری.....یعنی شہر قصبے یا گاؤں میں رہنے والا اگرچہ وہاں جمعہ نہ ہوتا ہو۔ یہ اس وقت قصر کرے گا جب عمارتوں اور ان کے گرد و نواح سے باہر نکل جائے۔ اسی طرح ان باغات سے آگے نکل جائے جو ساتھ ملے ہوئے ہوں اگرچہ حکماً ملے ہوئے ہوں کہ وہاں کے باشندے آگ یا کھانے پکانے میں ان سے فائدہ اٹھاتے ہوں اور وہاں رہتے ہوں اگرچہ سال کا کچھ ہی حصہ کھیتوں سے باہر نکلنا شرط نہیں اسی طرح ان باغات سے باہر نکلنا بھی شرط نہیں جو ملے ہوئے نہ ہوں یا ان میں سال کے کسی بھی حصے میں رہائش نہ رکھی جاتی ہو۔

---

❶.....تبیین الحقائق ۱/۲۰۹۔۲۱۶، القوانین الفقهیة ۸۴۔۸۵، الشرح الصغیر: ۱/۴۸۶ مغنی المحتاج: ۱/۲۶۶۔۲۷۱، المهذب: ۱/۱۰۱، ۱۰۳ الحضرمیة ۷۶ ومابعد کشاف القناع ۱/۵۹۳۔۶۰۳ مراقی الفلاح: ۷۱۔ ❷ ردالمحتار ۱/۷۳۲ ومابعد۔ ❸ الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۱/۳۵۹ ومابعد

دیہاتی......یعنی دیہاتوں یا خیموں میں رہنے والا۔ یہ اس وقت قصر کرے گا جب تمام خیموں یا قبیلے گھروں یا باہمی تعاون کرنے والے خیموں کو عبور کرلے اگر وہ متفرق ہوں۔ حیث جمعهم اسم الحی والدار ❶ او الدار فقط کہ ان کو ایک ہی قبیلے اور قیام گاہ یا صرف قیام گاہ کا نام شامل ہو۔

پہاڑی......یعنی پہاڑوں کا رہنے والا یہ جب اپنے مقام سے باہر نکل جائے تو قصر کرے گا جس گاؤں میں رہائشی باغات نہ ہوں وہاں کا باشندہ اس وقت قصر کرے گا جب وہ گاؤں کے گھروں اور اس کے اطراف میں موجود ویران عمارتوں سے باہر نکل جائے۔

باغات کا رہنے والا اپنی جگہ سے جدا ہوتے ہی قصر شروع کردے گا چاہے وہ باغات شہر سے ملے ہوئے ہوں یا جدا ہوں۔

شافعیہ......شافعیہ ❷ فرماتے ہیں کہ اگر شہر یا گاؤں کی شہر پناہ ہو تو صحیح قول کے مطابق سفر کی ابتدا شہر پناہ کو کراس کرنے سے ہوگی اگرچہ اس کے بعد بھی آبادی ہو۔

اگر شہر یا گاؤں کی شہر پناہ نہ ہو تو سفر کی ابتداء آخری آبادی سے آگے نکل جانے سے ہوگی۔

اگرچہ درمیان میں نہر باغ یا ویرانہ ہو، یہاں تک کہ جائے اقامت سے ملا ہوا یا علیحدہ کوئی گھر بھی نہ بچے۔ البتہ وہ متروک ویرانہ جو آبادی سے خارج ہو اس کو کراس کرنے کی شرط نہیں۔ اس لیے کہ وہ جائے اقامت نہیں اسی طرح باغات اور کھیتوں کو عبور کرنا بھی شرط نہیں اگر وہ اس جگہ سے ملے ہوئے ہوں جہاں سے سفر کررہا ہے۔ جس گاؤں کی شہر پناہ نہ ہو اس کے ساتھ ملا ہوا قبرستان بھی پار کرنا ضروری ہے۔

خیموں کا رہائشی اس وقت قصر کرے گا جب اپنی قیام گاہ کے گھروں سے آگے بڑھ جائے چاہے وہ گھر اکٹھے ہوں یا الگ الگ۔ اسی طرح خیموں کے منافع سے بھی آگے نکل جانا ضروری ہے جیسے راکھ پھینکنے کی جگہ بچوں کے کھیل کا میدان اور گھوڑے باندھنے کی جگہ اس لیے کہ ان کو جائے اقامت میں شمار کیا جاتا ہے۔

اگر وادی کے عرض میں سفر کررہا ہو تو منافع کو عبور کرنے میں وادی کے عرض (چوڑائی) کا اعتبار ہوگا۔ اگر اونچی زمین میں سفر کررہا تو اترنے کی جگہ سے آگے بڑھنے کا اعتبار ہوگا اور اگر پست زمین میں سفر کررہا ہو تو اوپر چڑھنے کی جگہ کا اعتبار ہوگا یہ اس وقت ہے جب کہ یہ تینوں (وادی کا عرض، چڑھنے کی جگہ اور اترنے کی جگہ) معتدل ہوں اگر بہت وسیع ہوں تو عرف کے مطابق قیام گاہ سے آگے بڑھنے کا اعتبار ہوگا۔

عمارتوں اور خیموں کے علاوہ رہنے والا سفر اس کے کجاوے اور اسکے منافع کی جگہ عبور کرنے سے شروع ہوگا۔ یہ ساری تفصیل خشکی کے سفر کی تھی۔ بحری سفر کشتی کے حرکت میں آتے ہی یا چلتے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اگر کشتی شہر کی عمارتوں کے برابر میں چل رہی، ہو تو ان عمارتوں سے آگے نکلنا ضروری ہے۔

اپنے وطن کی شہر پناہ یا اگر شہر پناہ نہ ہو تو آبادی تک پہنچے سے سفر ختم ہوجائے گا۔

حنابلہ......حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ مسافر اس وقت قصر کرے گا جب وہ اپنی قوم کے خیموں یا اپنے گاؤں کے آباد گھروں سے جدا ہوجائے چاہے شہر پناہ کے اندر ہو یا باہر۔ جدائی ایسی ہو جسے عرف میں جدائی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصر زمین میں سفر کرنے والے کے لیے مباح کی ہے۔ اسی طرح چاہے اس کے ساتھ ویران گھر یا صحرا ملے ہوئے ہوں اگر ویران گھروں کے ساتھ آباد گھر یا ایسے باغات ملے ہوئے ہوں جن میں ان کے مالکان رہتے ہوں اگرچہ مہمانی کے طور پر رہتے ہوں گے جیسے سیر وتفریح کے لیے تو ویران گھروں آباد گھروں اور رہائشی باغات سے جدا ہوئے بغیر قصر نہیں کرے گا۔

---

❶......الحی سے قبیلہ مراد ہے اور الدار سے وہ جگہ مراد ہے جہاں پڑاؤ ڈالا جاتا ہے الحلہ اور المنزل کا ایک ہی معنی ہے۔ ❷مغنی المحتاج: ۱/۲۶۳ ومابعد۔ ❸المغنی: ۲/۲۶۱ کشاف القناع: ۱/۵۹۸

اگر ایک شہر کے کئی محلے ہوں، ہر محلّہ دوسرے سے الگ ہو جیسے ماضی میں بغداد ہوتا تھا تو جب اپنے محلے سے نکلے اس سے جدا ہوتے ہی قصر جائز ہو جائے گی۔ اگر محلے آپس میں ملے ہوئے ہوں جیسے آج کل کے شہروں کے محلے تو سب سے جدا ہوئے بغیر قصر نہ کرے۔

اگر دو گاؤں آپس میں قریب قریب ہوں اور ایک کی عمارتیں دوسرے سے ملی ہوئی ہوں تو وہ ایک ہی کی طرح ہیں۔ اگر عمارتیں ملی ہوئی نہ ہوں تو ہر ایک علیحدہ گاؤں کے حکم میں ہے۔

ملاح جو اپنی کشتی چلاتا ہو اس کا کشتی کے سوا کوئی گھر نہ ہو اس کا گھر، تنور اور ضروریات اسی کشتی میں ہو تو اس کے لیے رخصت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

۴.....ابتداء سفر سے ہی متعین جگہ کا ارادہ کرنا: چوتھی شرط یہ ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سے متعین جگہ کا ارادہ کرے اور بلا تردد یہ عزم کرے کہ قصر کی مسافت طے کرے گا۔ لہٰذا ھائم (آوارہ) آدمی قصر اور افطار نہیں کر سکتا۔ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو منہ اٹھائے پھرتا رہتا ہے یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کہاں جا رہا ہے۔ اسی طرح درج ذیل لوگوں کا بھی یہی حکم ہے۔

جو بھاگے ہوئے غلام یا حیوان کو یا مقروض کو تلاش کرنے کے لیے نکلا ہو جب بھی ملے واپس ہو جائے وہ سیاح جو کسی متعین جگہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

وہ آدمی جو پوری زمین کا طواف کرے لیکن قصر کی مطلوبہ مسافت طے کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

اس لئے کہ اس نے مسافت طے کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جمہور کے نزدیک وہ آدمی بھی قصر نہیں کرے گا جس نے مسافت طے کرنے کا ارادہ کیا ہو اور درمیان میں اقامت کی نیت کی ہو جو سفر کو ختم کر دے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے حنفیہ فرماتے ہیں کہ وہ بالفعل مقیم ہونے تک قصر کر سکتا ہے۔ پہلے سے اقامت کی نیت حضر نہیں یہی رائے معقول اور اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

۵۔ مستقل بالرائے ہو کسی کے تابع نہ ہو...... پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ مستقل بالرائی ہو۔ لہٰذا جو آدمی کسی کا تابع ہو یعنی کسی ایسے آدمی کا تابع ہو جو اس کے معاملات کا ذمہ دار ہے جیسے بیوی اپنے شوہر کے ساتھ، سپاہی اپنے امیر کے ساتھ خادم اپنے آقا کے ساتھ اور طالب علم اپنے استاد کے ساتھ ان میں سے کوئی بھی اپنا مقصد نہ جانتا ہو تو قصر نہ کرے۔ اس لیے کہ متعین جگہ کے ارادے والی شرط نہیں پائی گئی۔ شافعیہ کے نزدیک یہ شرط قصر کی مسافت طے ہونے سے پہلے کے ساتھ مقید ہے۔ اگر انھوں نے قصر کی مسافت طے کر لی تو قصر کریں اگرچہ ان کے متبوع قصر نہ کریں اس لئے کہ ان کے سفر کا لمبا ہونا یقینی ہو گیا۔

شافعیہ نے مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تابع نے تبعیت سے فارغ ہوتے ہی سفر سے واپسی کی نیت کر لی جیسے سپاہی جب اس کا نام کٹ جائے یا خادم جب خدمت چھوڑ دے تو وہ قصر کی مسافت طے کیے بغیر قصر نہ کرے۔ ان کے نزدیک قصر کی مسافت دو مرحلے یا دو دن ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شرط مطلق ہے۔ تابع اس وقت تک قصر نہیں کر سکتا جب تک متبوع سفر کی نیت نہ کر لے اور جب تک متبوع کے اقامت کی نیت کرنے کا علم نہ ہو جائے اصح یہ ہے کہ تابع پر نماز پوری پڑھنا لازم نہیں، اگر اس نے علم ہونے سے پہلے ہی متبوع کے خلاف نماز پڑھ لی تو اصح یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی۔

۶۔ قصر کرنے والا پوری نماز پڑھنے والے کے پیچھے یا مشکوک کے پیچھے نماز نہ پڑھے...... یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے کہ قصر کرنے والا مقیم کی یا ایسے مسافر کی جو پوری نماز پڑھ رہا ہو اقتدا نہ کرے۔ اسی طرح ایسے آدمی کی اقتداء بھی نہ کرے جس کا سفر مشکوک ہو۔ اگر اس نے ایسا کر ہی لیا تو پوری نماز پڑھنا واجب ہو گی اگرچہ اقتدا قعدہ اخیرہ میں کی ہو۔

حنفیہ کے نزدیک وقت کے اندر اندر مسافر مقیم اقتداء کر سکتا ہے۔ البتہ نماز پوری پڑھنی ہوگی اس لئے کہ اس کا فرض دو سے چار کی طرف بدل گیا ہے لیکن وقت نکلنے کے بعد مقیم کی اقتداء جائز نہیں اس لیے کہ اس کے فرض کی صرف دو رکعتیں اس کے ذمہ پکی ہوگئی ہیں اب وقت نکلنے کے بعد وہ چار میں نہیں بدلیں گی۔ اگر اس نے مخالفت کی اور اس کی اقتداء کرلی تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔

۷۔ **ہر نماز کے ساتھ قصر کی نیت کرے**...... یہ شرط بھی شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے وجہ یہ ہے کہ نماز میں اصل ہے کہ پوری پڑھی جائے۔ اگر مطلق نیت کی جائے تو اس سے پوری نماز مراد ہوگی اس لئے قصر کی نیت کرنا ضروری ہے۔

مالکیہ کے نزدیک سفر کی پہلی قصر نماز میں قصر کی نیت کافی ہے باقی نمازوں میں نیت کی تجدید ضروری نہیں۔ جیسا کہ رمضان کے شروع میں روزے کی نیت باقی مہینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نماز سے پہلے سفر کی نیت کافی ہے جب اس نے سفر کی نیت کرلی تو اس کا فریضہ قصر کی دو رکعتیں ہوگئیں لہٰذا ہر نماز کے وقت قصر کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ **بلوغ**...... یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے۔ انکے نزدیک بچہ سفر میں قصر نہیں کرسکتا۔ جمہور فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی۔ لہٰذا بچے کے لیے قصر کرنا صحیح ہے اس لئے کہ ہر وہ آدمی جو صحیح قصد کرسکتا ہو اور مقررہ مسافت تک سفر کی نیت کرلے تو وہ قصر کرے گا۔

۹۔ **نماز کے شروع سے آخر تک سفر جاری رہے**...... یہ شرط شافعیہ کے نزدیک ہے۔ لہٰذا اگر اس کی کشتی جائے اقامت پر پہنچ گئی یا اسے وہاں سے لے گئی یا اسے یہ شک پڑ گیا کہ کیا اس نے اقامت کی نیت کی ہے؟ یا یہ شک پڑ گیا کہ جس شہر میں وہ پہنچا ہے وہ اسی کا ہے یا نہیں اور ان تمام حالات میں وہ نماز کی حالت میں تھا تو اپنی نماز پوری کرے اس لئے کہ رخصت کا سبب یا تو ختم ہوگیا ہے یا اس کے ختم ہونے میں شک پیدا ہوگیا ہے۔

قصر کی شرطوں میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ:

حنفیہ کا مذہب...... قصر وہ آدمی کرے گا جس نے سفر کی نیت کی ہو اور معین جگہ کا ارادہ کیا ہو اگرچہ گناہ والا سفر ہو جب وہ جائے اقامت کے گھروں سے آگے نکل جائے اور اس سے متصل فنائے شہر کو بھی عبور کرلے۔ فناء سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے مصالح کے لیے تیار کی گئی ہو جیسے قبرستان جانوروں کی دوڑ کا میدان وغیرہ اسی طرح شہر کے اردگرد کے گھروں کا اور عمارتوں سے آگے نکلنا بھی شرط ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی شہر کے حکم میں ہے۔ اسی طرح صحیح قول کے مطابق شہر کی اردگرد کی عمارتوں سے ملے ہوئے گاؤں کو عبور کرنا بھی شرط ہے۔

سفر کی نیت کے صحیح ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

ٹھہرنے یا سفر کرنے میں مستقل بالحکم ہو۔ بالغ ہو۔ سفر تین دن سے کم نہ ہو۔

مالکیہ کا مذہب...... قصر کی چھ شرطیں ہیں:

۱..... سفر لمبا ہو اس کی مقدار مشہور قول کے مطابق اڑتالیس میل ہے۔

۲..... سفر کی ابتداء ہی سے بلا تردد مسافت طے کرنے کا عزم کرے۔

۳..... معین سمت کا ارادہ ہو۔

۴..... سفر مباح ہو۔

۵..... شہر اور اس سے متصل عمارتوں اور آباد باغات سے آگے نکل جائے۔

۶.....سفر کے دوران کسی جگہ چار شب وروز قیام کرنے کا عزم نہ کرے

شافعیہ کا مذہب.....قصر کی شرطیں آٹھ ہیں۔

۱.....سفر طویل ہو۔یعنی اڑتالیس ہاشمی ❶ میل یا دو مرحلے۔ان سے مراد دو معتدل دنوں کا رات کے بغیر یا دو معتدل راتوں کا دن کے بغیر یا ایک معتدل دن اور ایک معتدل رات کا چلنا بوجھل چال سے سمندری سفر خشکی کے سفر کی طرح ہے۔

۲.....سفر کے شروع ہی سے متعین جگہ کا قصد کرنا تا کہ پتہ چل سکے کہ اگر وہ طویل ہے تو قصر کی جائے ورنہ نہیں۔

۳.....سفر مباح ہو۔لھذا گناہ والا سفر کرنے والا اور شوہر سے بھاگی ہوئی عورت کے لیے قصر جائز نہیں۔

۴.....قصر کے جائز ہونے کا علم ہو۔لہٰذا اگر کسی نے قصر کے جواز سے لاعلم ہوتے ہوئے قصر نماز پڑھی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔اس لیے کہ وہ نماز سے کھیل رہا ہے۔

۵.....ہر نماز شروع کرتے وقت قصر کی نیت کرے۔

۶.....نماز کے دوران قصر کی نیت کے منافی حرکت سے بچے۔جیسے پوری نماز پڑھنے کی نیت۔اگر اس نے قصر کی نیت کے بعد ایسی نیت کر لی تو پوری نماز پڑھے۔

۷.....پوری نماز پڑھنے والے،مشکوک السفر اور بے وضو امام کی اقتداء میں ایک لحظے کے لیے بھی کھڑا نہ ہو۔اگر اس نے نماز کے کسی بھی حصہ میں اقتداء کر لی تو پوری نماز پڑھنی لازم ہوگی۔اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ اس مسافر کا کیا حکم ہے جو اکیلا دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور مقیم کی امامت میں چار رکعت نماز پڑھتا ہے۔آپ نے فرمایا یہی سنت ہے۔

۸.....آخر میں انھوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ پوری نماز میں مسافر ہو۔اگر نماز ہی میں اقامت کی نیت کر لی یا اس کی کشتی اقامت والے گھر پہنچ گئی تو پوری نماز پڑھے۔

حنابلہ کا مذہب.....قصر کی شرطیں آٹھ ہیں:

۱.....سفر طویل ہو یعنی اڑتالیس ہاشمی میل۔

۲.....واجب ہو یا مباح ہو۔

۳.....اپنے گاؤں کے گھروں سے آگے نکل جائے اور انہیں پیٹھ پیچھے چھوڑ دے جیسے عرف میں جدا ہونا سمجھا جاتا ہے۔

۴.....مذکورہ مسافت کے سفر کی نیت کرے۔سفر کی مسافت میں مسافر کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ حقیقت کا۔جس نے مذکورہ مسافت کی نیت کر لی وہ قصر کرے اگر چہ مسافت پوری کیے بغیر واپس آجائے۔

۵.....سفر کی ابتداء سے متعین جگہ کا ارادہ کرے۔

۶.....پہلی نماز کے وقت قصر کی نیت کرے۔

۷.....مقیم کی اقتداء نہ کرے جس کے سفر میں شک ہو اس کی اقتداء نہ کرے اور جس پر نماز لوٹانا واجب ہے اس کی اقتداء نہ کرے جیسے کسی مقیم امام کی اقتداء جسے نماز میں حدث ہو جائے اب اس مسافر پر پوری نماز لوٹانا واجب ہوگا۔اس لیے کہ یہ ابتداء میں پوری واجب ہوئی تھی۔اب قصر کی صورت میں لوٹانا جائز نہیں ہوگا۔

❶.....الھاشمیة: یہ بنو امیہ کی طرف منسوب ہے۔

۸..... پوری نماز میں مسافر رہے۔ جیسا کہ شافعیہ فرماتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر کی مقدار میں کوئی متعین مسافت مقرر نہیں لوگوں کے عرف وعادت میں جسے سفر کہا جائے اس میں قصر جائز ہے۔ شرعی اور لغوی اعتبار سے سفر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ بلکہ جس کو وہ سفر کہیں وہ سفر ہے۔ (۱)

چہارم: مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا اور مقیم کا مسافر کے پیچھے:

مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا..... فقہاء کا اتفاق (۲) ہے کہ مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک جائز مع الکراہتہ ہے۔ اس لئے کہ مسافر نے اپنی سنت یعنی قصر کی مخالفت کی ہے۔ اسی طرح فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جب مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو اس پر امام کی متابعت میں پوری چار رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کا فرض چار رکعتوں میں بدل جائے گا جیسا کہ اقامت کی نیت کرنے سے بدل جاتا ہے۔

حنفیہ نے اقتداء کے جواز کے لیے نماز کا وقت باقی رہنے کی شرط لگائی ہے، اگر چہ تکبیر تحریمہ کے بقدر ہی ہو۔ وقت نکل جانے کے بعد مسافر کی مقیم کے پیچھے اقتداء جائز نہیں۔ اس لیے کہ وقت گزر جانے کے بعد اس کا فرض سبب کے گزر جانے کی وجہ سے نہیں بدل سکتا ہے جیسا کہ اقامت کی نیت سے ان کی نزدیک نہیں بدلتا۔

پوری نماز پڑھنے کی سنت سے دلیل وہی ہے جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس مسافر کے بارے میں کیا حکم ہے جو انفرادی طور پر دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور مقیم کی امامت میں چار رکعت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی سنت ہے (۳) حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ امام کے ساتھ چار رکعت اور اکیلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے (۴) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کی مخالفت نہ کرو!

شافعیہ اور حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر مسافر امام کو نکسیر آ جائے اور کوئی دوسرا اس کا خلیفہ بن جائے تو مقتدی نماز پوری پڑھیں نہ کہ امام۔

مقیم کا مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا..... فقہاء کا (۵) اس پر بھی اتفاق ہے کہ مقیم کا مسافر کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے مالکیہ کے نزدیک بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے اس لئے کہ اس کی نیت امام کی نیت کے خلاف ہے۔ جب مسافر مقیم مقتدیوں کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے تو سلام پھیر دے پھر مقتدی اپنی نماز پوری کر لیں۔ مسافر امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ دونوں سلاموں کے بعد کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کر لو! میں مسافر ہوں تا کہ یہ وہم دور ہو جائے کہ امام بھول گیا ہے اور جاہل آدمی کو نماز کی رکعتوں کی تعداد میں شبہ نہ ہو جائے وہ یہ نہ سمجھ لے کہ یہ چار رکعت والی نہیں بلکہ دو رکعت والی نماز ہے۔

حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ بات نماز شروع ہونے سے پہلے کہنا مناسب ہے ورنہ سلام کے بعد جواز کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی سفر کیا واپسی تک دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں اٹھارہ دن رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو دو رکعت نماز پڑھاتے اور پھر فرماتے: اے اہل مکہ!

---

(۱)..... فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: ۱۲/۲۴، ۱۸، ۱۳۵۔ (۲) الکتاب مع اللباب ۱/۱۰۹ مراقی الفلاح، ۷۲ الدر المختار: ۱/۷۴۰ ومابعد، فتح القدیر: ۱/۳۹۹، الشرح الصغیر: ۱/۴۸۲ القوانین الفقہیۃ: ۸۴ المہذب: ۱/۱۰۳ مغنی المحتاج: ۱/۲۶۹، کشاف القناع ۱/۶۰۲ المغنی: ۲/۲۸۴، المجموع: ۴/۲۳۶۔۲۴۲۔ (۳) اسکو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ یہاں السنۃ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (۴) رواہ مسلم (۵) سابقہ حوالہ جات: الکتاب، مراقی، الدر، فتح القدیر ۱/۴۰۱ القوانین، الشرح الصغیر: ۴۸۲، ۴۸۴ المغنی: ۲۸۶

اٹھ کر دوسری دو رکعتیں پڑھ لو اس لئے کہ ہم مسافر ہیں۔ (۱)

اگر امام قصر کی نیت کے بعد بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے نماز پوری پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہے۔ اور امام لوٹ آئے تو سجدہ سہو کرے اور اگر نہ لوٹے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے بلکہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ امام سلام پھیر لے۔

پنجم: قصر سے مانع بننے والی چیزیں...... چند چیزوں سے مسافر کا سفر ختم ہو جاتا ہے، قصر کرنا منع ہو جاتا ہے اور نماز پوری پڑھنا واجب ہو جاتا ہے سفر کے دوران ایک معین مدت تک کسی جگہ اقامت کی نیت کرنا (یہ مدت حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک چار دن اور حنابلہ کے نزدیک چار دن سے زائد ہے۔

اپنی مستقل جائے اقامت کی طرف بالفعل لوٹ جانا۔

اور اس کے علاوہ بعض دوسرے حالات جو مذاہب میں مقرر ہیں۔

۱۔ مسافر معین مدت تک اقامت کی نیت کرے...... اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ جاتے ہوئے اور مکہ میں قیام کے دوران واپسی تک دو رکعتیں پڑھیں۔ (۲)

چونکہ نصوص نے مدت اقامت کی کوئی حد مقرر نہیں کی اس لیے اس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ آدھا مہینہ (پندرہ دن) یا اس سے زائد اقامت کی نیت کرنے سے قصر کرنا منع ہو جاتا ہے چاہے یہ نیت نماز میں ہی کیوں نہ ہو۔ بشرطیکہ نماز کا وقت ختم نہ ہوا ہو اور وہ لاحق نہ ہو۔ اگر اس نے اس مدت سے کم اقامت کی نیت کی ہو چاہے ایک ہی گھڑی کم ہو یا اس نے وقت نکلنے کے بعد اقامت کی نیت کی ہو اور وہ اسی میں ہو یا وہ لاحق ہو یعنی اس نے نماز کے شروع میں امام کو پایا ہو امام مسافر ہو پھر اس مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے یا سو جائے اور امام کے فارغ ہونے کے بعد متنبہ ہوا اور اقامت کی نیت کرے تو ایسا آدمی پوری نماز نہیں پڑھے گا بلکہ قصر کرے گا اگر چہ کئی سالوں تک مسافر ہے۔ اس لیے کہ آدھے مہینے سے کم وقت میں اقامت متحقق نہیں ہوتی اور اس لیے کہ وقت ختم ہونے کے بعد واجب ذمہ میں پکا ہو جاتا ہے جیسا کہ وقت کے اندر اور اس لیے کہ لاحق حکماً ایسے ہی ہوتا ہے جیسے امام کے پیچھے ہو۔

اقامت کی نیت قصر سے اس وقت مانع بنے گی جب چار شرطیں پائی جائیں۔

شرط...... چلنا بالفعل ترک کر دے۔ اگر ٹھہرنے کی نیت کی اور سفر بھی جاری رکھا تو مقیم نہیں بنے گا اسی پر قصر کرنا واجب ہوگا۔

دوسری شرط...... جائے اقامت ایسی ہو کہ اس میں ٹھہرا جا سکے جیسے شہر یا گاؤں اس طرح خیموں والوں کے لئے جنگل اگر اس نے ایسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کی جو ٹھہرنے کے قابل نہیں جیسے سمندر متروک جزیرہ اور غیر آباد صحرا تو قصر کرے گا۔

تیسری شرط...... ایک جگہ ٹھہرنے کی نیت ہو اگر اس نے پندرہ دن کے لیے دو مستقل شہروں میں ٹھہرنے کی نیت کی جیسے مکہ اور منی میں تو یہ نیت ٹھیک نہیں ہے وہ قصر کرے گا اس لیے کہ ایک ہی جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) اسکو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شواہد کی وجہ سے اسے حسن کہا ہے جیسا کہ ابن حجر نے فرمایا ہے امام مالک نے مؤطا میں ایسی ہی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اس کی اسناد کے رجال ثقہ ائمہ ہیں۔ (نیل الاوطار: ۱۶۶/۳) (۲) اس کو ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ نیل الاوطار: ۲۰۸/۳۔ (۳) الدر المختار ورد المحتار ۷۳۶/۱۔۷۳۸ الکتاب مع اللباب: ۱۰۷/۱۔۱۰۸

چوتھی شرط...... اقامت کی نیت کرنے والا مستقل بالرائے ہو۔ اگر وہ کسی کے تابع ہو جیسے عورت اور خادم ہو تو وہ قصر کرے گا اگرچہ اقامت کی نیت کی ہو الا یہ کہ اسے علم ہو جائے اس کے متبوع نے اقامت کی نیت کر لی ہے تو وہ اس کی طرح پوری نماز پڑھے جیسا کہ گزر چکا۔

جو آئندہ کل یا اس کے بعد سفر کرنے کا انتظار کر رہا ہو یا کسی آنے والے یا قافلے کا منتظر ہو اور وہ نصف ماہ تک لیٹ نہ ہو یا وہ ایسے لشکر کے ساتھ ہو جس نے دارالحرب میں ٹھہرنے کی نیت کر لی ہو یا دارالحرب میں قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہو تو وہ قصر کرے۔ پوری نماز نہ پڑھے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔

مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں: ❶ کہ پورے چار دن کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرنے سے قصر کرنا منع ہو جاتا ہے داخل ہونے اور نکلنے کے دن ان میں شامل نہیں ہوں گے۔ البتہ ان چار دنوں میں بیس نماز آنی ضروری ہیں ورنہ قصر منع نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو کہ اس جگہ عام طور پر چار دن ٹھہرا جانا ہے مثلاً قافلے والوں کی عادت ہو کہ اس جگہ چار دن ٹھہرا کرتے ہوں تو نماز پوری پڑھے۔

اگر اس پر بیس نمازیں واجب نہ ہوں مثلاً ہفتے کی فجر سے پہلے شہر میں داخل ہوا اور منگل کے غروب آفتاب تک ٹھہرنے کی نیت کی اور عشاء سے پہلے نکل گیا تو قصر کرے گا اور اسکے سفر کا حکم ختم نہیں ہوگا اس لئے کہ اگرچہ چار دن پورے ہیں لیکن اس پر بیس نمازیں واجب نہیں ہوئیں۔

اگر چار دن قیام نہ کیا ہو مثلاً عصر سے پہلے وہ شہر میں داخل ہوا ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور پانچویں دن کی صبح کے بعد کوچ کرنے کی نیت کر لی تو وہ قصر کرے گا۔ سفر کا حکم ختم نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اگرچہ اس پر بیس نمازیں واجب ہو گئی ہیں لیکن اس کا قیام صرف تین پورے دنوں کے لیے رہا ہے لھذا دونوں شرطوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے۔ پورے چار دنوں کا قیام اور بیس نمازوں کا وجوب۔

اگر وہ کسی کام کے لیے ٹھہرا کہ جب کام ہو گیا تو چلا جائے گا تو قصر کرتا رہے گا چاہے مدت لمبی ہو جائے الا یہ کہ اسے علم ہو کہ اسکا کام چار دنوں سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ یہی حکم اس آدمی کا ہے جو ٹھہرنے کی نیت نہ کرے اور طویل عرصے تک ٹھہرا رہے۔ وہ قصر کرے گا۔

جس کسی نے حالت نماز میں اقامت کی نیت کر لی وہ نماز توڑ دے اگر اس نے ایک رکعت دونوں سجدوں سمیت پڑھ لی ہو تو دوسری ساتھ ملانا مستحب ہے۔ اگر اس نے یہی نماز پوری کر لی یا اسی کو قصر بنا لیا تو کافی نہیں ہوگی۔ اگر اس نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ٹھہرنے کی نیت کی تو اسے اختیاری وقت یعنی معتاد وقت میں لوٹا دے۔

جائے اقامت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ٹھہرنے کا قابل ہو۔ اقامت کی نیت سے اس سے لشکر والی صورت مستثنیٰ ہے جو دارالحرب میں ہو اور وہاں چار دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لے۔ اس کے سفر کا حکم ختم نہیں ہوگا اور وہ قصر کرے گا۔

شافعیہ...... شافعیہ ❷ فرماتے ہیں کہ قصر کرنا اس وقت منع ہوگا جب مسافر پورے چار دن بھی راتوں کے ٹھہرنے کی نیت کرے یا مطلقاً ٹھہرنے کی نیت کر لے۔ صحیح قول کے مطابق داخل ہونے اور نکلنے کے دن شامل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اصح قول کے مطابق جگہ کا ٹھہرنے کے قابل ہونا بھی ضروری نہیں۔ اگر چار دن سے کم کی نیت کی تو قصر کرے گا۔ اگر اسے کوئی کام ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ چار دن میں نہیں ہوگا۔ تو وہ وہ پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے چاہے ٹھہرنے کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اگر وہ کسی شہر میں اس نیت سے ٹھہرے کہ جب بھی اس کا کام ہوا تو چلا جائے گا اور وہ کام کسی وقت بھی متوقع ہو تو وہ اٹھارہ دن تک قصر کر سکتا ہے جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں۔

حنابلہ...... حنابلہ فرماتے ہیں (۳) کہ اگر مسافر نے مطلق ٹھہرنے کی نیت کی کوئی وقت مقرر نہیں کیا تو اس کے لیے قصر منع ہے اگرچہ وہ

---

❶...... الشرح الکبیر: ۱/۳۶۴، الشرح الصغیر: ۱/۴۶۵، القوانین الفقھیہ: ۸۵ ❷ مغنی المحتاج: ۱/۲۶۴ ومابعد۔ ❸ کشاف القناع ۱/۶۰۵

جگہ ٹھہرنے کے قابل نہ ہو جیسے جنگل یا دارالحرب۔ اسی طرح اگر اس نے بیس نمازوں سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی یا چار دنوں سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی جن میں داخل ہونے اور نکلنے کے دن شامل ہیں تو وہ پوری نماز پڑھے۔

اگر وہ کسی ایسے کام کے لیے ٹھہرا جس کا ہونا متوقع ہو تو وہ قصر کرے گا اگرچہ کئی سال گزر جائیں جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اٹھارہ دن تک قصر کر سکتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

۲۔ دائمی جائے اقامت کی طرف واپسی یا واپسی کی نیت......اس صورت سے میں اقامت اور وطن کی جدید اصطلاحات کی روشنی میں فقہاء کی قدیم اصطلاحات پر اعتماد کرتے ہوئے بحث کروں کرونگا جدید اصطلاحات درج ذیل ہیں۔

الف۔ وطن......کسی ملک کا وہ صوبہ جس کی طرف آدمی کی نسبت کی جاتی ہے اور آجکل صوبائی تقسیم کے لحاظ سے یہی قومیت کی بنیاد بنتا ہے۔ اس اصطلاح کا ہماری بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

ب۔ دائمی جائے اقامت......یعنی کام کی جگہ جہاں آدمی رہتا ہے یا کمائی کی جگہ۔

ج۔ جائے ولادت......وہ ملک جہاں آدمی کی پیدائش اور نشو ونما ہوتی ہے وہیں اس کے گھر والے اور خاندان والے رہتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں وطن اصلی ہیں۔ اس لیے کہ ولادت شادی یا مستقل رہنے کی جگہ ہی وطن اصلی کہلاتی ہے۔

د۔ وقتی جائے اقامت......وہ جگہ جہاں آدمی ایک مخصوص عرصے تک ٹھہرے یا کسی کام کے لیے کم وبیش مدت کے لیے ٹھہرے۔ اس کے مقابلے میں حنفیہ کا وطن اقامت اور وطن سکنی ہے۔ وطن اقامت جو پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو۔ وطن سکنی جو پندرہ دن سے کم ہو۔

ھ۔ بیوی کا شہر......وہ شہر جس میں بیوی رہتی ہو چاہے اکیلی بیوی ہو یا دوسری بیوی ہو۔ یہ بھی وطن اصل کے مفہوم میں داخل ہے۔

ہماری بحث ان آخری چار اصطلاحات سے متعلق ہے۔

حنیفہ......حنفیہ فرماتے ہیں ➊ کہ وطن کی تین قسمیں ہیں:

وطن اصلی......وہ جگہ جہاں آدمی کی پیدائش ہو یا شادی ہو یا شادی تو نہ ہوئی ہو مگر وہاں ہی رہنے کا ارادہ ہو وہاں سے منتقل ہونے کا ارادہ نہ ہو۔

وطن اقامت......وہ جگہ جہاں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو۔

وطن سکنی......جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو۔ محققین نے وطن کی تبدیلی میں اس کا اعتبار نہیں کیا۔

مسافر اپنی نماز عادۃً کب پوری کرے گا۔ جب مسافر اپنے شہر یعنی دائمی جائے اقامت میں داخل ہو جائے تو نماز پوری کرے۔ اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو جیسے کوئی اپنے کام کے سلسلے میں واپس اپنے شہر آیا تو قصر نہیں کرے گا اس لئے کہ اپنا شہر اقامت کے لیے متعین ہے اور رخصت کا سبب یعنی سفر ختم ہو چکا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ مدت سفر (تین دن بمع راتوں کے) کی مقدار چل چکا ہو۔ اگر سفر کی مسافت طے کئے بغیر ہی واپسی ہوگئی ہو تو محض واپسی کی نیت سے ہی نماز پوری پڑھے گا اس لئے کہ قصر والا سفر نہیں پایا گیا۔ خلاصہ یہ کہ ان دو صورتوں میں نماز پوری پڑھنا واجب ہے۔ وطن کی طرف واپسی کی صورت میں اور قصر کی مسافت طے کرنے سے پہلے وطن واپسی کی نیت

➊......اللباب: ۱۰۹/۱ مراقی الفلاح ۸۳ الدر المختار وردالمحتار: ۷۳۶/۱، ۷۴۲ ومابعد فتح القدیر: ۴۰۳/۱ ومابعد

کرنے سے۔ اگر قصر کی مسافت طے کرنے کے بعد واپسی ہو تو بالفعل اپنے شہر پہنچنے تک قصر کرتا رہے گا۔

وطن سے منتقل ہونے کی صورت میں مسافر کب پوری نماز پڑھے گا اور کب قصر کرے گا:

الف: وطن اصلی سے منتقلی...... اگر دائمی جائے اقامت جیسے آجکل ملازمت کی جگہیں ہوتی ہیں سے منتقل ہو کر دوسرے وطن چلا جائے جس میں اس کی بیوی ہو یا اپنی پیدائش کی جگہ چلا جائے جہاں اس کی بیوی رہتی ہو جیسے دیہات میں تو وہ پوری نماز پڑھے گا جیسے ایک آدمی دمشق میں ملازم تھا وہ دیہات میں اپنے اصلی گاؤں گھر والوں (بیوی) سے ملنے چلا گیا تو وہ اپنی نماز پوری پڑھے گا چاہے ملازمت کی جگہ اور دیہات کے درمیان قصر کی مسافت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ اس صورت میں اس کے دو وطن ہیں اور ہر ایک آپ کا وطن اصلی ہے۔

اگر اس کے گھر والے دیہات میں نہ رہتے ہوں تو وہ قصر کرے گا اگر چہ اس کی زمین اور مکان وہاں موجود ہوں اس لئے کہ مقام پیدائش اگر چہ وطن اصلی ہوتا ہے لیکن وہ دوسرے وطن اصلی یعنی ملازمت کی جگہ سے باطل ہو گیا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر کسی نے خود گھر والوں اور سامان سمیت دوسری جگہ ہجرت کر لی تو اس کا وطن اصلی باطل ہو گیا اب اگر پہلی جگہ کسی کام سے آیا تو قصر کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر ملازمت والی جگہ سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو اپنا وطن بنالیا اب اگر اس ملازمت والی جگہ آئے تو نماز میں قصر کرے گا۔ اس لئے کہ یہ جگہ اب اس کا وطن نہیں رہی وجہ یہ ہے کہ وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے لیکن سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا۔ ہاں اگر دوسرے شہر میں ایک مخصوص مدت تک کے لیے سفر کیا مثلاً دمشق چھوڑ کر حلب کیا پھر دمشق لوٹ آیا تو نماز پوری پڑھے گا۔ اس لیے کہ وطن اصلی نہ تو وطن اقامت سے باطل ہوتا ہے اور نہ ہی سفر سے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اپنے سے کم درجے والی چیز سے باطل نہیں ہوتی بلکہ برابر والی یا اس سے اوپر والی چیز سے باطل ہوتی ہے۔

ب: وطن اقامت سے منتقلی...... جو آدمی مختلف شہروں میں منتقل ہوتا رہا ایک شہر میں وہ پندرہ دن کے لیے ٹھہرا پھر دوبارہ اسی شہر میں واپسی آیا تو وہ قصر کرے گا الا یہ کہ نئے سرے سے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے۔ اس لیے کہ وطن اقامت دوسرے وطن اقامت سے اور سفر شروع کرنے سے باطل ہو جاتا ہے جس طرح کہ وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے۔

وطن اقامت کسی دوسری جگہ سے سفر شروع کرنے سے باطل نہیں ہوتا الا یہ کہ مسافر کا اس پر سے گزر ہو اور اس کے اور سفر والی جگہ کے درمیان قصر کی مسافت سے کم فاصلہ ہو۔

مالکیہ...... مالکیہ فرماتے ہیں[1] کہ مسافر پر درج ذیل صورتوں میں قصر منع ہے۔

مسافر اپنے اصلی شہر میں واپس آجائے جہاں اس کی پیدائش ہوئی ہے اور جس کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے اسی طرح اگر اس شہر سے گزر ہو تو بھی قصر منع ہے۔

کسی شہر میں دائمی اقامت کی نیت کر دینے سے، اپنی بیوی کے شہر میں داخل ہونے سے بشرطیکہ اس سے ہمبستری کر چکا ہو اور وہ نافرمان (ناشزۃ) نہ ہو۔ اگر چہ چار دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔

کسی شہر میں چار دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرنے سے۔

---

[1] الشرح الکبیر ۱/۳۶۲ و مابعد: الشرح الصغیر: ۱/۸۰ و مابعد.

ایسی بیوی کے شہر میں داخل ہونا قصر سے مانع نہیں جس سے ہمبستری نہ کی ہوئی ہو یا وہ نافرمان ہو۔

رہا واپسی کا معاملہ تو واپسی اس کے لیے مستقل سفر ہے اگر وہاں قصر کی مسافت ہو تو قصر کرے ورنہ پوری نماز پڑھے۔

راستے میں اپنے وطن یا بیوی کے ہاں جانے کی نیت کرنے سے بھی قصر کرنا منع ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے اور نیت کردہ گھر کے درمیان قصر کی مسافت نہ ہو۔

شافعیہ.....شافعیہ فرماتے ہیں ❶ کہ گرمیوں سردیوں کی دائمی جائے اقامت کو وطن کہتے ہیں۔

ان کے نزدیک درج ذیل صورتوں میں قصر منع ہے۔

وطن واپسی لوٹنے سے۔

کسی جگہ مطلقاً ٹھہرنے کی نیت کرنے سے یا پورے چار دن ٹھہرنے کی نیت کرنے سے یا کسی ایسے کام کے لیے جو مذکورہ مدت میں ہی پورا ہو سکتا ہے۔

وطن واپس لوٹنے کی نیت سے یا اس میں تردد کی وجہ سے بشرطیکہ وہ ٹھہرا ہوا ہو چل نہ رہا ہو اور مستقل ہو کسی کے تابع نہ ہو۔ اگرچہ وہ جگہ ٹھہرنے کے قابل نہ ہو جیسے جنگل وغیرہ۔ قصر کی مسافت سے کم ہو اگر وہ رکا ہوا نہ ہو بلکہ چل رہا ہو اور مستقل نہ ہو بلکہ تابع ہو جیسے بیوی اپنے شوہر کے تابع ہوتی ہے تو بالفعل واپسی تک قصر کرے۔

درج ذیل صورتوں میں نماز پوری نہیں پڑھے گا بلکہ قصر کرے گا۔

اگر وہ اپنے وطن سے محض گزرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہاں ٹھہرنا نہ ہو۔

اگر وہ کسی شہر میں کسی کام کے سلسلے میں ٹھہرا ہوا ہو اور وہ کام کسی بھی وقت متوقع ہو تو اٹھارہ دن تک قصر کر سکتا ہے۔

وطن یعنی دائمی جائے اقامت کے علاوہ کسی واپس لوٹنے کی صورت میں بھی قصر کرے گا اگرچہ وہاں اس کے گھر والے اور خاندان والے ہو۔ اگر کوئی کام نہ ہو تو غیر وطن کی طرف واپسی کی نیت کرنے سے قصر نہیں کرے گا اگر کوئی حاجت ہو تو قصر کرے۔ ❷

حنابلہ.....حنابلہ فرماتے ہیں کہ ان صورتوں میں قصر کرنا منع ہے۔

ا۔ وطن واپسی کی صورت میں۔

قصر کی مسافت طے کرنے سے پہلے واپسی کی نیت کرنے سے۔

اپنے وطن سے گزرتے ہوئے۔ اگرچہ گزرنے کے علاوہ کوئی حاجت نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ اس وقت مقیم کے حکم میں ہے۔

کسی ایسے شہر سے گزرتے ہوئے جس میں اس کی بیوی ہو اگرچہ یہ اس کا وطن نہ ہو۔ اس سے جدا ہونے تک قصر منع ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی اس صورت میں مقیم کی طرح ہے۔

اس شہر سے گزرتے وقت جس میں شادی کی ہو۔ اس سے جدا ہونے تک قصر منع ہے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ جس نے کسی شہر میں شادی کی ہو وہ وہاں مقیم والی نماز پڑھے ❸ اس حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ بیوی کی جدائی کے بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر اس کے وہاں رشتہ دار جیسے ماں باپ ہوں یا مویشی ہو یا مال ہو تو قصر منع نہیں ہے جب کہ یہ مذکورہ لوگوں میں سے نہ ہو۔

---

❶.....مغنی المحتاج: ١/٢٦٤۔ ❷ کشاف القناع: ١/٦٠٠۔ ❸ رواہ احمد رحمۃ اللہ علیہ۔

مذاہب کی آراء کا خلاصہ

حنفیہ...... (۱) حنفیہ کے نزدیک ان صورتوں میں قصر کرنا منع ہوجاتا ہے۔

﴿﴾......کسی ایک شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے سے۔ دو شہروں میں ٹھہرنے کی نیت کرنے سے قصر کا حکم ختم نہیں ہوتا اگر ان میں سے کسی ایک کو شب باشی کے لیے متعین نہ کیا ہو۔

﴿﴾......اپنے وطن یعنی دائمی جائے اقامت کی طرف واپسی کرنے سے اگر اپنے شہر سے قصر کی مسافت طے کر چکا ہو۔

﴿﴾......مسافر کے مقیم کی اقتداء کرنے سے۔

﴿﴾......مستقل بالرائی نہ ہونے کی وجہ سے۔

﴿﴾......کسی متعین جہت کا قصد نہ کرنے کی صورت میں۔

مالکیہ...... (۲) درج ذیل پانچ صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیش آجائے تو قصر کرنا منع ہوجاتا ہے:

۱......جس شہر میں اسے واپس آنا تھا اس میں داخل ہونے سے چاہے وہ اس کا وطن ہو یا نہ ہو اور اگر اس نے وہاں چار دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔ البتہ اگر اس نے کس شہر میں وقتی اقامت اختیار کی ہو وہ اس کو سفر کی نیت سے چھوڑ دے اور پھر اسی شہر میں واپس آجائے تو قصر کرے گا۔

وہ شہر جہاں سے اس نے سفر کیا ہے اس سے اس کا اپنا وطن یا بیوی کی جگہ مراد ہے جو مسافت کے دوران آتی ہو۔ شہر میں داخلہ قصر کے لیے مانع ہے اس لیے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ اس میں ٹھہر جائے۔ جبکہ ٹھہرنے کی نیت قصر کے لیے مانع بنتی ہے تو ٹھہرنے کا فعل بطریق اولیٰ مانع بنے گا۔

۲......سفر کی مسافت طے کرنے سے پہلے ہی اپنے وطن یا اپنی مدخول بھا بیوی کی جگہ کی طرف واپس لوٹنا۔ محض واپس کی ابتداء ہی سے سفر کا حکم ختم ہوجائے گا۔ (۳)

۳......ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہوئے اپنے وطن سے گزر ہوجائے تو اس میں داخل ہونے سے قصر کرنا منع ہوجائے گا۔

۴......پورے چار دن جس میں بیس نمازیں آتی ہوں کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرنے سے یا اس بات کا پہلے سے علم ہونے سے کہ عادۃً اس جگہ چار دن ٹھہرا جاتا ہے۔ مثلاً قافلے والوں کی یہ عادت ہے کہ وہاں چار دن ٹھہرتے ہیں۔

۵......مدخول بھا بیوی کی جگہ جانے سے۔ اس لیے کہ وہ وطن کے حکم میں ہے۔ باقی رشتہ داروں ماں باپ وغیرہ کے ہاں جانا قصر سے مانع نہیں۔

شافعیہ...... (۴) ان صورتوں میں قصر منع ہے۔

﴿﴾......کسی جگہ پورے چار دن ٹھہرنے کی نیت کرنے سے۔

﴿﴾......وطن یعنی دائمی جائے اقامت لوٹنے سے۔

﴿﴾......مسافر کے مقیم یا مشکوک السفر کی اقتداء کرنے سے۔

﴿﴾......کسی معین جہت کا ارادہ کیے بغیر سفر کرنے سے۔

---

(۱)......اللباب شرح الکتاب: ۱/۱۰۷۔۱۰۸ مراقی الفلاح: ۷۲ الدر المختار: ۱/۷۳۶۔۷۳۸۔ (۲) الشرح الکبیر: ۱/۳۶۲، ۳۶۴، الشرح الصغیر: ۱/۴۸۰۔۴۸۱۔ (۳) مغنی المحتاج ۱/۲۶۷۔۲۷۱۔ (۴) کشاف القناع: ۱/۶۰۰۔۶۰۵

۞.....قصر کی مسافت سے کم میں مستقل بالرائے نہ ہونے سے۔

۞.....گناہ والے سفر میں۔

۞.....نماز کے دوران سفر ختم کر دینے سے۔

۞.....نماز کے شروع میں قصر کی نیت نہ کرنے سے۔

حنابلہ.....حنابلہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں قصر منع ہے۔

۱.....مسافر کے اپنے وطن سے گزرنے سے۔ اگر چہ گزرنے کے علاوہ کوئی کام نہ ہو۔

۲.....ایسے شہر سے گزرنے سے جس میں اس کی بیوی ہو۔ اگر چہ یہ اس کا وطن نہ ہو

۳.....اس شہر سے گزرنے سے جس میں شادی کی تھی۔ ان حالات کا ذکر قریب میں ہی گزر چکا ہے۔

۴.....اگر حضرت میں حالت اقامت نماز شروع کی ہو اور پھر سفر کرے۔

۵.....اگر حضر میں اس پر نماز کا وقت گزر جائے پھر سفر کرے۔

۶.....اگر چار رکعت والی نماز سفر میں شروع کی پھر قیام کر لیا جیسے کوئی کشتی پر سوار تھا اور اس کی کشتی نماز کے دوران وطن پہنچ گئی حضر کے حکم کو غلبہ دیتے ہوئے۔

۷، ۸.....اگر سفر میں حضر کی نماز یاد آ گئی یا اس کے برعکس ہو یعنی حضر میں سفر کی نماز یاد آ گئی تو اس پر پوری نماز پڑھنا لازمی ہے۔ اس لیے کہ وہ اصل ہے اس لئے حضر کے حکم کو غالب رکھا جائے گا۔

۹، ۱۰.....اگر اس نے مقیم یا کسی اور ایسے آدمی کی اقتداء کر لی ہو جس پر پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔

۱۱.....کسی ایسے آدمی کی اقتداء کر لی جس کے مسافر ہونے میں شک تھا۔ یا کسی ایسے آدمی کی اقتداء کی جس کے بارے میں غالب گمان یہ تھا کہ وہ مقیم ہے اگر چہ بعد میں اس کا مسافر ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس لئے کہ نماز شروع کرتے وقت اس کا مسافر ہونا یقینی نہیں تھا۔

۱۲.....کسی ایسی نماز کی ابتداء کی جس کو پورا کرنا لازم تھا۔ وہ فاسد ہو گئی تو اس کو لوٹایا جیسے کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ نماز کے دوران حدث لاحق ہو گیا تو پوری نماز لوٹانا لازم ہوا۔ اس لیے کہ یہ پہلے پوری لازم ہوئی تھی اب اس کی قصر لوٹانا جائز نہیں۔

۱۳.....اگر نماز شروع کرتے وقت قصر کی نیت نہیں کی تو پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔ اس لیے کہ اصل یہی ہے اور مطلق نیت سے یہی مراد ہوگی۔

۱۴.....اگر نماز میں شک ہو جائے کہ قصر کی نیت کی تھی یا نہیں تو اگر بعد میں نماز کے دوران یاد آ جائے تو پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔ اس لئے کہ نماز کے بعض حصہ میں پوری نماز پڑھنے کا سبب پایا گیا ہے اسی کو اصل ہونے کے وجہ سے غالب رکھا جائے گا۔

۱۵.....اگر اس نے پوری نماز یا کچھ نماز سفر میں جان بوجھ کر چھوڑ دی کہ بلا عذر اس کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا تو ایسی نماز پوری پڑھنا لازم ہے حرام سفر پر قیام کرتے ہوئے اس لیے کہ جان بوجھ کر بلا عذر نماز کو مؤخر کرنے سے وہ گناہ گار ہو گیا ہے۔

۱۶.....سفر کو گناہ والے سفر میں بدلنے کا عزم کرنا جیسے ڈاکہ زنی وغیرہ اور کسی ایسی جگہ میں واپسی کی نیت کرنا کہ اس کے اور وطن کے درمیان قصر کی مسافت سے کم فاصلہ ہو۔

۱۷.....اگر نماز میں ہی گناہ والے سفر سے توبہ کر لی تو اس کو پورا کرنا لازم ہے اسی طرح اگر قصر کے حرام ہونے کے اعتقاد کے باوجود قصر نماز پڑھ لی تو پوری نماز پڑھے اگر چہ وہ اپنے اعتقاد میں غلط ہو۔

۱۸.....اگر مسافر نے قصر کی نیت کرنے کے بعد دوران نماز پوری نماز پڑھنے کی نیت کی تو وہ پوری نماز پڑھے اس لیے کہ اس نے اصل کی طرف رجوع کیا ہے۔

۱۹.....اسی طرح اگر اس نے کسی شہر میں چاہے وہ شہر دارالحرب میں ہو یا نا قابل اقامت جنگل ہو مطلق ٹھہرنے کی نیت کی عرصہ مخصوص نہیں کیا تو بھی پوری نماز پڑھے گا اس لئے کہ اقامت کی نیت کرنے سے قصر کو مباح کرنے والا سفر ختم ہو گیا۔

۲۰.....اگر بیس نمازوں سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے۔

۲۱.....اگر نیت میں شک ہو کہ قصر سے مانع اقامت کی نیت کی ہے یا نہیں تو پوری نماز پڑھے اس لئے یہ پوری نماز پڑھنا اصل ہے محض رخصت کے شک کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑ جائے گا۔

ششم: سفر میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء.....فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بیان میں یہ بحث گزر چکی ہے یہاں میں اختصار کے ساتھ فقہاء کی آراء ذکر کرتا ہوں۔

حنفیہ اور مالکیہ.....حنفیہ ❶ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ سفر میں فوت شدہ نماز کی قضا حضر میں (مقام پر) دو کے بعد نہیں بدلتا۔ اور اس لیے بھی کہ قضاء اداء کے مطابق ہوتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ حضر میں فوت ہونے والی نماز کی قضاء چار رکعت ہے چاہے سفر میں قضاء کی جائے یا حضر میں۔ اس لیے کہ قصر سفر کی رخصتوں میں سے ایک ہے لہٰذا سفر ختم ہوتے ہی وہ باطل ہو جائے گی جیسے تین دن تک مسح کرنے کی رخصت اور اس لیے بھی کہ یہ نماز اس پر پوری پوری ثابت ہوئی تھی۔

سفر کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء سفر میں بطور قصر ہو گی نہ کہ حضر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول یہی ہے اس لئے کہ یہ سفر میں واجب ہوئی ہے اس لئے سبب کے وجود کو دیکھا جائے گا۔ ❷

مجھے یہ دونوں رائیں برابر لگتی ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو لیا جا سکتا ہے۔ دینی اعتبار سے جس میں زیادہ احتیاط لگے اسے اختیار کرلے۔

ہفتم۔ سفر میں سنت نماز:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ❸ سفر میں مطلق نوافل کے استحباب پر فقہاء متفق ہیں۔ البتہ سنن مؤکدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات نے ان کو ترک کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور نے ان کو مستحب کہا ہے۔

ان کی پہلی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو مطلقاً سنن مؤکدہ کے مندوب ہونے کے بارے وارد ہوئی ہیں اور وہ حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن چاشت کی نماز اور صبح کی دو رکعتیں پڑھیں جب سب سو گئے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تھا اور دوسری احادیث جن کو اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔

دوسری دلیل مطلق نوافل پر قیاس ہے۔

باقی صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے انہیں سفر میں نفل پڑھتے نہیں دیکھا۔ ایک اور روایت میں ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے انہیں سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے دیکھا۔

---

❶.....فتح القدير: ۱/۴۰۵ مراقي الفلاح ۷۲ اللباب: ۱/۱۱۰ القوانين الفقهيه: ۷۱ الشرح الكبير: ۱/۲۶۳۔ ❷ مغني المحتاج: ۱/۲۶۳، المغني: ۲/۲۸۲ ومابعد ❸ نيل الاوطار: ۳/۲۱۹ وما بعد.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی کرتے تھے تو اس کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں اپنی قیام گاہ پر پڑھی ہوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نہ دیکھا ہو اس لیے کہ نفل گھر میں پڑھنا افضل ہے اور ہوسکتا ہے بعض اوقات بیان جواز کے لیے چھوڑ بھی دیا ہو۔

حنفیہ فرماتے ہیں...... [11] کہ اگر مسافر حالت امن اور حالت قرار میں ہو یعنی کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو سنن مؤکدہ ادا کرے اور اگر خوف کی حالت میں ہو اور سفر جاری ہو تو چھوڑ دے۔ یہی مختار ہے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر فرماتے ہیں: سفر میں سنن موکدہ پڑھنا جائز ہے۔ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کبھی بوجہ ضرورت ان کو پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی چھوڑنا افضل ہوتا ہے جب کہ انسان اس سے افضل کسی کام میں مصروف ہو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنن مؤکدہ میں سے فجر کی دو رکعتوں اور وتر کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ رہی ظہر سے پہلے اور بعد اور مغرب کے بعد کی سنتیں تو ان کے بارے میں کسی سے یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر میں پڑھی ہوں۔ [12]

دوسرا مقصد......جمع بین الصلوتین/ دو نمازوں کو جمع کرنا:

اول: دو نمازوں کو جمع کرنے کی مشروعیت...... حنفیہ [13] کے سوا جمہور کے نزدیک ظہر اور عصر کی جمع تقدیم یعنی ظہر کے وقت میں اور جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت میں دونوں جائز ہیں جمعے میں ظہر کی طرح جمع تقدیم جائز ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم اور تاخیر دونوں جائز ہیں۔ البتہ یہ قصر کی طرح طویل سفر (۸۹ کلومیٹر) میں جائز ہے۔

جمع بین الصلوٰتین ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشاء ہوتی ہے۔ پہلی نماز کے وقت میں جمع کو جمع تقدیم اور دوسری نماز کے وقت میں جمع کو جمع تاخیر کہتے ہیں۔ البتہ دو نمازوں کو جمع نہ کرنا افضل ہے اس سے اختلاف سے بھی بچت ہوجاتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر ہیشگی نہیں کی اگر یہ افضل ہوتا تو قصر کی طرح اس پر بھی ہیشگی فرماتے۔

جمع تاخیر کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی احادیث ہیں جو صحیحین میں آئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کے مائل ہونے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے پھر ٹھہر کر دونوں کو جمع فرمادیتے اور اگر سفر سے پہلے سورج مائل ہوجاتا تو ظہر پڑھتے اور پھر سوار ہوتے۔ [14]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ انہیں گھر والوں میں سے کسی کی مدد کے لیے بلایا گیا تو انہیں تیز چلنا پڑا۔ انھوں نے مغرب کو شفق غروب ہونے تک مؤخر کیا پھر رک کر دو نمازوں کو جمع کیا۔ اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تیز چلنا ہوتا تھا تو اس طرح کرتے تھے۔ [5]

جمع تقدیم کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب مغرب کے بعد سفر کرتے

---

[11]......الدر المختار: ۱/ ۷۴۳۔ [12] فتاوی: ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: ۲۲/ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ [13] الشرح: ۱/ ۳۶۸ مغنی المحتاج: ۱/ ۲۷۱ وما بعد: المہذب ۱/ ۱۰۴ کشاف القناع ۲/ ۱۱۳ المغنی: ۲/ ۲۷۱۔ [14] متفق علیہ (نیل الاوطار: ۳/ ۲۱۲) [5] امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ اس مفہوم کی روایت امام ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے نقل کی ہے جمع تاخیر کی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (نیل الاوطار ۳/ ۲۱۳ وما بعد)

تو عشاء جلدی پڑھتے۔اسے مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے۔ (1)

حنفیہ.....حنفیہ (2) فرماتے ہیں کہ دو موقعوں کے علاوہ جمع بین الصلوتین جائز نہیں۔ایک تو حاجی کے لیے عرفہ کے دن ظہر اور عصر کی جمع تقدیم ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔اس لئے کہ عصر اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے اس لئے اس کی اقامت الگ ہوگی تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے۔دوسرے مزدلفہ کی رات مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ یہاں عشاء اپنے وقت پر ہوتی ہے اس لئے علیحدہ اقامت کی ضرورت نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے اوقات تواتر سے ثابت ہیں۔انہیں خبر واحد کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسے شیخین نے روایت کیا ہے: قسم اس ذات کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ نہیں پڑھی سوائے دو نمازوں کے۔عرفہ میں ظہر اور عصر کو جمع کیا ہے اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو۔

حق یہ ہے کہ جمع بین الصلوتین جائز ہے اس لئے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔اور سنت قرآن کی طرح شریعت کا ماخذ ہے۔

دوم: جمع بین الصلوتین کے اسباب اور شرطیں.....جمع تقدیم وتاخیر کو جائز کہنے والوں کا اتفاق ہے کہ تین احوال میں جمع جائز ہے۔سفر، بارش اسی طرح برف اور اولے اور عرفہ و مزدلفہ کی جمع۔ان کے علاوہ دیگر احوال میں اور جمع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں اختلاف ہے۔

مالکیہ......مالکیہ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کے اسباب چھ ہیں: سفر بارش، اندھیرے میں کیچڑ، بیماری جیسے بے ہوشی وغیرہ عرفہ اور مزدلفہ۔

ان سب صورتوں میں جمع بین الصلوتین جائز ہے سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے کہ یہاں جمع سنت ہے۔

سفر.....سفر میں جمع مطلقاً جائز ہے چاہے سفر لمبا ہو یا چھوٹا۔بشرطیکہ سفر خشکی کا ہو بحری نہ ہو اس لیے کہ رخصت کو اپنے مورد پر بند رکھتے ہیں۔اسی طرح وہ مسافر گناہ والا اور لہولعب والا سفر نہ کر رہا ہو۔

سفر میں جمع تقدیم کے جواز کی دو شرطیں ہیں:

۱.....جب ظہر کا وقت داخل ہو تو مسافر اپنے پڑاؤ والی جگہ میں آرام کر رہا ہو۔

۲.....عصر کے وقت سے پہلے کوچ کرنے کی نیت ہو اور آرام کے لیے اگلا پڑاؤ سورج غروب ہونے کے بعد کرنا ہو۔اگر اصفرار شمس سے پہلے آرام کرنے کی نیت کی ہو تو صرف ظہر پڑھے گا اور عصر کو اپنے اختیاری وقت تک مؤخر کرنا واجب ہوگا۔اگر پہلے بھی پڑھ لی تو ادا ہو جائے گی۔

اگر اصفرار شمس کے بعد اور غروب سے پہلے آرام کی نیت کی ہو تو ظہر کو اپنے وقت میں پڑھے اور عصر میں اختیار ہے چاہے تو پہلے پڑھے اور چاہے تو بعد میں جب آرام کے لئے رکے اُس وقت پڑھ لے۔

اگر ظہر کا وقت داخل ہوتے وقت سفر جاری تھا تو اگر اس نے سورج کے اصفرار کے وقت یا اس سے پہلے رکنے کی نیت کی ہے تو ظہر تو مؤخر

---

(1).....اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن اور بیہقی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔(سابقہ حوالہ)

(2) اللباب (۱/۱۸۵، ۱۸۷)

کردے اور عصر کے ساتھ جمع تاخیر کردے۔اگر غروب کے بعد رکنے کی نیت کی ہو تو دونوں نمازوں میں جمع صوری کرے ظہر کو اس کے آخری اختیاری وقت میں پڑھے اور عصر کو اس کے پہلے اختیاری وقت میں پڑھے۔

مغرب اور عشاء کی بھی یہی تفصیل ہے۔بس زوال (وقت ظہر) کی جگہ غروب آفتاب آ جائے گا غروب کی جگہ طلوع فجر آ جائے گا اور اصفرار شمس کی جگہ رات کے آخری دو ثلث آ جائیں گے۔

مرض...... پیٹ درد کے مریض وغیرہ کے لیے جمع صوری جائز ہے کہ پہلے فرض کو اس کے اختیاری وقت کے آخر میں اور دوسرے فرض کو اس کے اختیاری وقت کے شروع میں اداء کرے۔اس صورت میں فائدہ یہ ہوگا کہ جمع صوری مکروہ نہیں ہوگی۔تندرست آدمی کے لیے جمع صوری مکروہ ہوتی ہے۔

جیسے دوسری نماز (عصر اور عشاء) کے وقت بے ہوش ہونے سر چکرانے یا بخار کا خوف ہو تو وہ دوسری نماز کو پہلی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مریض کو اگر اپنی عقل کے کھو جانے کا خوف ہو یا جمع میں اس کے لیے زیادہ آسانی ہو تو وہ جمع کرسکتا ہے اور اس کا وقت پہلی نماز کا وقت ہے۔

بارش اور کیچڑ...... بارش، برف اور اولے یا اندھیرے میں کیچڑ بالفعل موجود ہو یا متوقع یہ ہو صرف جمع تقدیم کو جائز کرتے ہیں وہ بھی مغرب اور عشاء مسجد میں باجماعت پڑھنے والوں کے لیے جب کہ بارش زیادہ ہو اور عام لوگ اپنے سر ڈھانپنے لگیں۔اسی طرح کیچڑ اور مٹی بھی اتنی زیادہ ہو کہ متوسط قسم کے لوگ جوتی نہ پہن سکیں۔جمع صرف اسی وقت جائز ہے جب کیچڑ اور اندھیرا دونوں ہوں۔کسی ایک کے پائے جانے سے جمع جائز نہیں۔

اگر جمع بین الصلوتین کے شروع ہونے کے بعد بارش ختم ہوگئی تو اسے جاری رکھنا جائز ہے مشہور یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ ہوں گی پہلی اذان مغرب کے لیے منارے پر بلند آواز سے ہوگی۔دوسری آذان آہستہ سے مسجد کے اندر ہوگی نہ کہ منارے پر اذان کے لیے مغرب پڑھنے میں تین رکعت کی مقدار تاخیر کرنا مستحب ہے۔پھر مسجد میں نفل پڑھے بغیر گھروں کو لوٹ جائیں۔اس لئے کہ اس وقت نفل مکروہ ہیں۔جمع کے بعد شفق غروب ہونے تک مسجد میں نفل اور وتر نہیں پڑھ سکتے۔

دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے جائیں گے۔نفل مکروہ ہیں لیکن جمع کے صحیح ہونے سے مانع نہیں۔یہ جمع مسجد کے پڑوسی کے لیے جائز نہیں اگر چہ وہ مریض ہو اور اس کے لیے مسجد جانا مشکل ہو یا عورت ہو اور اس سے فتنے کا خدشہ نہ ہو۔

اسی طرح یہ جمع اس کے لیے بھی جائز نہیں جو مسجد میں اکیلے نماز پڑھے۔ہاں اگر وہ امام راتب ہو اور اسے اپنے گھر لوٹنا ہو تو وہ اکیلا بھی نمازوں کو جمع کرسکتا ہے۔وہ جمع اور امامت دونوں کی نیت کرے گا۔اس لیے کہ یہ بمنزلہ جماعت ہے۔

پہلی نماز میں جمع کی نیت کرنا واجب ہے جیسا کہ امامت کی نیت۔

حج میں جمع بین الصلوتین...... حج میں جمع بالاتفاق سنت ہے۔حاجی کے لیے سنت ہے کہ عرفہ میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیم کرے چاہے وہ عرفہ کا رہنے والا ہو یا دوسرے مقامات حج منی، مزدلفہ وغیرہ کا یا آفاقی ہو یعنی کسی دوسرے شہر یا ملک سے آیا ہو۔جو عرفہ کا رہنے والا نہ ہو اس کے لیے قصر سنت ہے اگر قصر کی مسافت نہ بنتی ہو۔

حاجی کے لیے یہ بھی سنت ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر کرے۔جو مزدلفہ کا رہنے والا نہ ہو اس کے لیے عشاء میں قصر کرنا سنت ہے۔اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جمع تمام حاجیوں کے لیے سنت ہے اور قصر ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اس جگہ کے رہنے والے نہ

ہوں یعنی عرفہ اور مزدلفہ کے۔

شافعیہ...... نے جمع صرف سفر بارش اور حج کے دوران عرفہ اور مزدلفہ میں جائز قرار دی ہے۔

بارش یا پگھلنے والے اولوں اور برف کی وجہ سے جمع کا حکم یہ ہے کہ زیادہ راجح قول کے مطابق جمع تقدیم اس آدمی کے لیے جائز ہے جو دور کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے۔ اور راستے میں بارش سے تکلیف پہنچتی ہو۔ شافعیہ کا جدید مذہب یہ ہے کہ اس میں جمع تاخیر منع ہے۔ اس لئے کہ بارش کا مسلسل جاری رہنا یقینی نہیں۔ یہ رک جاتی ہے اور بلا عذر نماز اپنے وقت سے ہٹ جاتی ہے۔

جمع تقدیم پر ان کی دلیل صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رویت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ظہر اور عصر ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ زیادتی بھی منقول ہے: بغیر کسی فوت اور سفر کے جمع تقدیم کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کا سلام پھیرتے وقت بارش موجود ہوتا کہ دوسری نماز کے شروع میں بارش جاری ہو بارش کا دونوں نمازوں کے درمیان امتداد ضروری ہے۔ باقی اوقات میں بارش کا نہ ہونا مضر نہیں۔ ❶

بارش میں عصر کی جمعے کے ساتھ جمع تقدیم کی جا سکتی ہے اگرچہ خطبے کے وقت بارش نہ ہو رہی ہو اس لیے کہ خطبہ نماز کا حصہ نہیں۔

ان کے ہاں مشہور یہی ہے کہ کیچڑ ہوا، اندھیرے اور بیماری کی وجہ سے جمع جائز نہیں دلیل نماز کے اوقات والی حدیث ہے۔ کسی صریح نص کے بغیر اس کی مخالفت جائز نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہوئے۔ ان سے بیماری کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین صراحتاً منقول نہیں، اور اس لیے بھی کہ جو ضعیف ہو اور اس کا گھر مسجد سے بہت دور ہو تو واضح مشقت کے باوجود اس کے لیے جمع جائز نہیں لہٰذا مریض کا بھی یہی حکم ہے۔

حاجی کے لیے عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر مندوب ہے جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے سفر کی وجہ سے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں جائز ہیں بشرطیکہ سفر لمبا ہو جیسے قصر میں ہوتا ہے۔

جمع تقدیم کی شرطیں...... جمع تقدیم کے لے چھ شرطیں ہیں:

اول: جمع کی نیت...... یعنی پہلی نماز کے شروع میں جمع تقدیم کی نیت کرے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے دوران بھی نیت کی جا سکتی ہے چاہے سلام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

دوم: ترتیب...... یعنی جس نماز کا وقت ہے اس کو پہلے پڑھنا: پہلی نماز کو مقدم کرے اس کے بعد دوسری نماز پڑھے وقت پہلی نماز کا ہے۔ دوسری پہلی کے تابع ہے متبوع کو مقدم کرنا ضروری ہے اگر پہلی سے ابتداء کر کے دونوں نمازیں پڑھیں پھر پتہ چلا کہ پہلی نماز کسی شرط یا رکن کے خوف ہو جانے کی وجہ سے فاسد ہو گئی ہے تو دوسری بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس لیے کہ پہلی سے شروع کرنے کی شرط نہیں پائی گئی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دوسری نفل ہو جائے گی۔

سوم: پے در پے پڑھنا...... کہ درمیان میں کوئی طویل فاصلہ نہ آ جائے۔ اس لئے کہ جمع کرنے سے یہ ایک ہی نماز کی طرح بن گئی ہیں اس لئے نماز کی رکعتوں کی طرح پے در پے پڑھنا ضروری ہے۔ یعنی جس طرح ایک نماز کی رکعتوں میں تفریق جائز نہیں اسی طرح ان دو کے درمیان بھی تفریق جائز نہیں۔ اگر دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ آ گیا چاہے کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بھول بے ہوشی وغیرہ تو جمع باطل ہو جائے گی اور دوسری نماز کو اپنے وقت تک مؤخر کرنا واجب ہوگا۔ اس لیے کہ جمع بین الصلوتین کی شرط نہیں پائی گئی۔ اگر ان کے درمیان فاصلہ تھوڑا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جیسے اذان، اقامت اور طہارت کا فاصلہ۔ اس لیے کہ صحیحین میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی

---

❶...... المجموع ۴/۲۵۳۔۲۶۹ المہذب: ۱/۱۰۴ وما بعدہ مغنی المحتاج: ۱/۲۷۱۔۲۷۵۔

اللہ علیہ وسلم نے جب نمرہ میں نمازوں کو جمع کیا تو دونوں نمازوں کے درمیان نماز کے لیے اقامت کہی۔

فاصلہ کی کمی زیادتی کا پتہ عرف سے چلے گا۔ اس لیے کہ شریعت اور لغت میں اس کا کوئی ضابطہ نہیں۔

تیمم کرنے والا بھی وضو کرنے والے کی طرح جمع بین الصلوٰتین کر سکتا ہے۔ اس کے لیے پانی کی تلاش میں تھوڑا بہت فاصلہ مضر نہیں۔ اس لیے کہ یہ نماز کی مصلحت میں شامل ہے۔ لہٰذا یہ اقامت کے مشابہ ہو گیا بلکہ اس سے بھی اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ شرط ہے جب کہ اقامت شرط نہیں۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ تینوں شرطیں صحیح قول کے مطابق جمع تاخیر میں واجب نہیں۔

چہارم: دوسری نماز شروع کرنے تک سفر جاری رہے..... چاہے نماز شروع کرنے کے فورا بعد دوران نماز ہی سفر ختم ہو جائے۔ البتہ اگر دوسری نماز شروع کرنے سے پہلے سفر ختم ہو گیا تو جمع صحیح نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ سبب ختم ہو گیا ہے۔

پنجم: دوسری نماز تک..... پہلی کا وقت یقینی طور پر باقی ہو۔

ششم: پہلی نماز کے صحیح ہونے کا گمان ہو..... اگر عصر جمعے کے ساتھ ایسی جگہ پڑھی جہاں بلا ضرورت متعدد جگہوں پر جمع ہوتا ہو اور اسے پہلے ہونے یا ساتھ ہونے میں شک ہو تو عصر کی جمع کے ساتھ جمع تقدیم صحیح نہیں۔

جمع تاخیر کی شرطیں..... جمع تاخیر کے لیے صرف دو شرطیں ہیں:

اول: پہلی نماز کا وقت نکلنے سے پہلے تاخیر کی تھی اگرچہ ایک ہی رکعت کے بقدر ہو..... یعنی اتنا وقت ہو کہ اگر اس میں شروع کر دے تو نماز ادا ہو اور اگر شروع نہ کرے تو گناہ گار ہو اور نماز قضاء ہو نیت کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کبھی نماز کو جمع کے لیے مؤخر کیا جاتا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے۔ لہٰذا نیت ضروری ہے جس سے شروع اور غیر مشروع تاخیر میں امتیاز ہو جائے۔

دوم: دوسری نماز کے مکمل ہونے تک سفر کا جاری رہنا..... اگر دوسری نماز تک سفر جاری نہ رہا، اس نے اقامت اختیار کر لی اگرچہ نماز کے دوران ہی ہو تو پہلی نماز (ظہر یا مغرب) قضاء ہو جائے گی۔ اس لیے کہ یہ عذر کی وجہ سے دوسری کے تابع ہے۔ اور عذر اس کے مکمل ہونے سے پہلے زائل ہو گیا ہے۔

اس صورت میں ترتیب واجب نہیں۔ اس لئے کہ دوسری نماز کا وقت ہی پہلی کا بھی وقت ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے جس سے بھی ابتداء کرنا چاہے جائز ہے، اسی طرح پے در پے پڑھنا بھی واجب نہیں اس لیے کہ پہلی دوسری کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے فوت شدہ نماز وقت نماز ساتھ۔ لہٰذا دونوں میں تفریق جائز ہے۔ ترتیب سے پڑھنا اور پے در پے پڑھنا سنت ہے، شرط نہیں۔

نماز کی سنتیں..... جب ظہر اور عصر جمع کی جائیں تو ظہر کی پہلے والی سنتیں پہلے پڑھے۔ بعد میں بھی پڑھ سکتا ہے چاہے جمع تقدیم ہو یا تاخیر۔ اگر جمع تاخیر کی ہو تو درمیان میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ ظہر پہلے پڑھی ہو یا عصر دونوں کا یہی حکم ہے۔

اگر مغرب اور عشاء جمع کی جائیں تو ان کی سنتیں مؤخر کرنی ہوں گی۔ اگر جمع تاخیر ہو تو مغرب کی سنتیں درمیان میں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ مغرب پہلے پڑھی ہو۔ اسی طرح عشاء کی سنتیں بھی درمیان میں پڑھی جا سکتی ہیں بشرطیکہ جمع تاخیر ہو اور عشاء پہلے پڑھی ہو باقی ممنوع ہیں۔

حنابلہ..... حنابلہ (1) کے نزدیک جمع تقدیم اور تاخیر آٹھ حالات میں جائز ہے۔

---

(1)..... کشاف القناع ۲/۳-۱۸۔ المغنی: ۲/۲۷۳-۲۸۱

اول: طویل سفر...... ایسا لمبا سفر جو چار رکعت والی نماز میں قصر کو حلال کر دے کہ وہ سفر حرام یا مکروہ نہ ہو اور دو دن کی مسافت کے برابر ہو۔ اس لئے کہ جمع بین الصلوٰتین ایک رخصت ہے جو سفر کی مشقت دور کرنے کے لیے ہے۔ لہٰذا یہ طویل سفر کے ساتھ خاص ہو گی جیسے قصر اور موزوں پر تین دن تک مسح کرنا۔

دوم: بیماری...... ایسی بیماری جو جمع نہ کرنے کی صورت میں مشقت اور ضعف کا ذریعہ بنے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف اور بارش کے بغیر نمازوں کو جمع کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ خوف اور سفر کے بغیر نمازوں کو جمع کیا[1] اور اس کے بعد بیماری کے علاوہ کوئی عذر نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ بیماری سفر سے زیادہ سخت ہے۔ مریض کو مسافر کی طرح تقدیم اور تاخیر میں اختیار ہے اگر اس کے لیے دونوں برابر ہو تو تاخیر اولیٰ ہے۔

سوم: دودھ پلانا...... دودھ پلانے والی کے لیے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔
اس لیے کہ ہر نماز کے لیے نجاست سے پاکی حاصل کرنے میں مشقت ہوتی ہے لہٰذا یہ مریض کی طرح ہوئی۔

چہارم: سب نمازوں کے لیے پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کرنے سے عاجز ہونا...... ان دونوں سے عاجز کے لیے جمع بین الصلاتین جائز ہے تاکہ اس سے مشقت کو دور کیا جا سکے اس لیے کہ یہ مسافر اور مریض کی طرح ہے۔

پنجم: وقت کی پہچان سے عاجز ہونا...... جو وقت نہ پہچان سکتا ہو اس کے لیے بھی جمع بین الصلوٰتین جائز ہے جیسے اندھا۔

ششم: استحاضہ وغیرہ...... مستحاضہ اور اس جیسے دوسرے لوگوں جیسے مسلسل بول مذی دائمی نکسیر کے مریضوں کے لیے جمع جائز ہے اس لیے کہ حضرت حمنہ والی گزشتہ حدیث میں آیا ہے کہ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو ظہر کو مؤخر کرنے سے اور عصر کو جلدی پڑھنے والا پھر غسل کر کے دونوں نمازوں کو جمع کرنے پر قادر ہے تو ایسا ہی کرے[2] پیشاب نہ روک سکنے والا اور اسی طرح کے دوسرے مریض اسی حکم میں ہیں۔

ہفتم اور ہشتم: عذر یا کام کاج...... اگر کسی کو کوئی کام کاج ہو یا کوئی ایسا عذر ہو کہ جس کی وجہ سے جمعہ اور جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہو جیسے اپنی جان آبرو، یا مال کا خوف ہو یا جمع ترک کرنے سے ضروری کمائی میں نقصان ہو رہا ہو وغیرہ یہ ایک راستہ ہے جس میں مزدور لوگ اور کسان اپنی باری پر پانی لگانے کے لیے پناہ لیتے ہیں۔

بارش...... بارش کی وجہ سے مغرب اور عشاء کو جمع کرنا جائز ہے جیسے کہ مالکیہ کہتے ہیں اس لیے کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں بارش والے دن مغرب اور عشاء کو جمع کرنا سنت ہے[3] اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
ظہر اور عصر کو جمع کرنا جائز نہیں اس لیے کہ حضرت ابو سلمہ کے قول میں صرف مغرب اور عشاء کا ذکر ہے۔ بارش کی وجہ سے جمع پہلے وقت میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سلف کا طریقہ یہی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ پہلی نماز کو دوسری تک مؤخر کرنے سے مشقت، اندھیرے میں نکلنا اور عشاء کا وقت داخل ہونے تک مسجد میں انتظار کرنا لازم آتا ہے اگر لوگوں نے جمع تاخیر طے کر لی تو جائز ہے۔

مسئلہ..... جمع بین الصلوتین اس بارش میں جائز ہے جس سے کپڑے بھیگ جائیں اور اس میں نکلنے سے مشقت ہو۔ برف اور اولے بھی اس میں بارش کی طرح ہیں۔ البتہ نمی اور ہلکی بارش جس سے کپڑے گیلے نہ ہوں اس سے جمع کرنا مباح نہیں۔

---

[1]...... رواھما مسلم من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ [2] اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو صحیح کہا ہے۔ [3] رواہ الاثرم۔

اصح یہ ہے کہ صرف کیچڑ بھی عذر ہے۔ اس لئے کہ اس میں بھی بارش کی طرح مشقت ہوتی ہے اس سے جوتے اور کپڑے خراب ہوتے ہیں پھسلن پیدا ہوتی ہے جس سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے اور اس کے کپڑے بھی خراب ہوتے ہیں اس لیے یہ گیلا ہونے سے پریشان کن ہے۔

اسی طرح ٹھنڈی تاریک رات میں شدید ہوا کی وجہ سے بھی جمع جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ جمعہ اور جماعت کا عذر ہے نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں بارش والی رات یا ہوا والی ٹھنڈی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آواز لگاتا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ ❶

یہ تمام اعذار جمع تقدیم اور تاخیر کو مباح کرتے ہیں یہاں تک کہ گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے والے کے لیے اگر چہ اس کے راستے پر چھت ہو اور مسجد میں رہنے والے کے لیے اسی طرح اس آدمی کے لیے جس کو مسجد تک چند قدم چلنا پڑھتا ہو اور چاہے اس کو بہت تھوڑی مشقت کرنا پڑتی ہو۔

جب جمع تقدیم او تاخیر دونوں مباح ہوں تو جس حال میں جو زیادہ آسان ہو وہی افضل ہے۔ اسلئے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث میں حسب ضرورت تقدیم اور تاخیر کا اختیار ہے ❷ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ایک دن نماز مؤخر فرمائی۔ پھر باہر آ کر ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں اور اندر تشریف لے گئے پھر باہر آئے اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھیں ❸ اگر دونوں برابر ہوں تو تاخیر افضل ہے اس لیے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ اس سے آدمی اختلاف سے بھی بچ جاتا ہی اور تمام احادیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر اور حضر دونوں میں نمازوں کو جمع فرمایا تا کہ امت کو حرج نہ ہو۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر اسی طرح مغرب اور عشاء بغیر کسی خوف اور سفر کے ایک ساتھ پڑھیں۔ ❹

لیکن حج کے دوران عرفہ میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیم ہوگی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر ہوگی۔

اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے وقت عرفہ میں دعا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اور مغرب کے وقت مزدلفہ کی طرف جانے کی مشغولیت کی وجہ سے ایسا ہی کیا۔

جمع کی شرطیں.....جمع تقدیم اور تاخیر کے صحیح ہونے کے لیے نمازوں کے درمیان ترتیب کا خیال رکھنا شرط ہے۔ پہلی نماز کو دوسری پر مقدم کیا جائے گا۔ صحیح قول کے مطابق یہاں بھول جانے سے ترتیب ساقط نہیں ہوتی جس طرح کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء میں ساقط ہوتی ہے۔

جمع تقدیم کی دیگر شرائط:

اول: پہلی.....نماز کے شروع میں جمع کی نیت کرنا۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

دوم: پے در پے پڑھنا.....لہٰذا دونوں نمازوں کے درمیان اقامت اور ہلکے سے وضو کی مقدار سے زیادہ تفریق جائز نہیں۔ اس لئے

---

❶.....رواه ابن ماجه۔ ❷ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے (نیل الاوطار: ۳/۲۱۳) ❸ علامہ ابن عبدالبرّ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت الاسناد ہے۔ ❹ فتاوی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ۲۴/۶۴، ۷۲ ومابعد۔

کہ جمع کا مطلب ہے لگا تار کرنا اور ملانا۔ یہ بات لمبے فاصلے سے حاصل نہیں ہوتی۔ تھوڑی بہت تفریق معاف ہے۔ اقامت اور وضو نماز کے مصالح میں سے ہیں۔

سوم: دونوں نمازوں کے شروع میں...... اور پہلی نماز کے سلام کے وقت جمع بین الصلوتین کو مباح کرنے کے عذر کا پایا جانا۔ جیسے سفر، مرض وغیرہ۔ اس لئے کہ پہلی نماز شروع کرنا مقام نیت ہے اور اس سے فارغ ہونا اور دوسری نماز شروع کرنا مقام جمع ہے۔ اگر اس سے پہلے بارش ختم ہو جائے اور اس کے بعد کیچڑ نہ ہو تو جمع کرنا باطل ہو جائے گا۔

چہارم: سفر اور مرض میں عذر...... دوسری نماز سے فارغ ہونے تک جاری رہنا شرط ہے اگر سفر اس سے پہلے ہی ختم ہو گیا تو جمع باطل ہو جائے گی۔ اگر جمع بارش اولوں اور برف کی وجہ سے ہو اور ان کے بعد کیچڑ ہو جائے تو دوسری نماز سے فارغ ہونے تک عذر کا جاری رہنا شرط نہیں۔

جمع تاخیر کی دیگر شرطیں...... جمع تاخیر کی دو شرطیں ہیں:

اول...... پہلی نماز کی وقت میں جمع کی نیت کر لینا جب تک کہ اتنا وقت ہو جس میں نماز پڑھی جا سکے۔ اگر پہلی نماز کا وقت اتنا تنگ رہ گیا کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی تو جمع صحیح نہیں۔ اس لیے کہ نماز کے پڑھنے میں اتنی تاخیر کرنا حرام ہے جس میں نماز ادا کرنے کا وقت بھی نہ بچے اس قدر تاخیر سے وہ گناہ گار ہوگا۔

دوم...... دوسری نماز کا وقت داخل ہونے تک عذر باقی رہے۔ اس لیے کہ جمع کو جائز کرنے والی چیز عذر ہے جب وہ باقی نہیں رہا تو جمع بھی جائز نہیں ہوگی۔ جیسے مریض ٹھیک ہو جائے مسافر پہنچ جائے یا بارش رک جائے۔ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد عذر زائل ہو جانے کا کچھ اثر نہیں۔ اس لئے کہ دونوں نمازیں اس کے ذمہ واجب ہو گئی ہیں۔ لہٰذا دونوں کو پڑھنا واجب ہے۔

دونوں جمعوں میں ترتیب شرط ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ جمع تاخیر میں پے در پے پڑھنا شرط نہیں۔ لہٰذا دونوں کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح دوسری نماز میں جمع کی نیت بھی شرط نہیں اس لئے کہ وہ اپنے وقت پر ادا کی جا رہی ہے۔ وہ بہر صورت ادا ہے۔

جمع کی دونوں قسموں میں امام کا اور مقتدی کا اتحاد شرط نہیں۔ اگر جمع کی دونوں نمازوں میں امام مختلف ہوں یا جمع نہ کرنے والے امام کے پیچھے جمع کی نیت کر لی تو جمع صحیح ہے اس لیے کہ ہر نماز کا اپنا حکم ہوتا ہے اور وہ اپنی نیت سے منفرد ہوتی ہے۔

اگر جمع کے بعد پتہ چلا کہ کسی رکن وغیرہ کے بھول جانے کی وجہ سے پہلی نماز فاسد ہو گئی تھی تو پہلی اور دوسری دونوں باطل ہو جائیں گی۔

نمازوں کی سنتیں...... اگر پہلی نماز کے وقت میں نمازوں کو جمع کیا تو دوسری نماز کی سنتیں اور وتر دوسری نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے پڑھنا جائز ہے اس لیے وہ سنتیں فرض نماز کے تابع ہوتی ہیں اس لیے ادائیگی اور وقت میں بھی تابع ہوں گی۔ چونکہ وتر کا وقت عشاء اور صبح کے درمیان ہے اور اس نے عشاء پڑھ لی ہے اس لئے وتر کا وقت عشاء کو جمع کرنے کے بعد داخل ہو جائے گا۔

چوتھی بحث عیدین کی نماز:

وجہ تسمیہ...... عید کا مطلب ہے لوٹنا عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کہ ہر سال اس دن اللہ تعالیٰ کے احسانات بندوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسے کھانے سے منع کرنے کے بعد اجازت دینا، صدقہ فطر، طواف زیارت کر کے حج کی تکمیل کرنا قربانی کا گوشت وغیرہ۔

اور اس لیے بھی کہ عام طور پر یہ خوشیوں اور مسرتوں کی فراوانی کا دن ہوتا ہے اور ہر سال انہی خوشیوں کے ساتھ واپس لوٹتا رہتا ہے۔ اور بار بار آتا ہے۔

بحث کا مضمون......نماز عید کے بارے میں درج ذیل عنوانات کے تحت بحث ہوگی: اس کی مشروعیت کے دلائل، اس کا فقہی حکم، اس کا وقت، اس کی جگہ، اس کا طریقہ، اس کا خطبہ، عیدین میں تکبیر کا حکم، عید کی سنتیں مستحبات اور وظائف، عید سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھنے اور خطبہ دینے کا طریقہ:

اول: نماز عید کی مشروعیت کے دلائل......نماز عید ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی اس پر دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ دو دنوں میں کھیلتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دونوں میں کھیلا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں سے بہتر دن دیے ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔“

اس کی مشروعیت کے دلائل قرآن، سنت اور اجماع ہیں۔ ❶ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞ ......الکوثر ۱۰۸/۲

لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ آسان ترجمہ از حضرت مفتی تقی عثمانی

سنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے کہ وہ عیدین کی دو رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دو ہجری کو عید الفطر کی نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز عید میں موجود تھا وہ سب نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے انہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی۔ ❷

دوئم: نماز عید کا فقہی حکم......نماز عید کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں تین آراء ہیں: فرض کفایہ، واجب اور سنت۔

حنابلہ......حنابلہ کا ظاہر مذہب ❸ یہ ہے کہ نماز عید فرض کفایہ ہے۔ جب اتنے لوگ نماز پڑھ لیں جو کافی ہوں تو باقیوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی نماز جنازہ کی طرح۔ اس لئے کہ گزشتہ آیت میں ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞ ......الکوثر ۱۰۸/۲

اس سے مشہور قول کے مطابق نماز عید مراد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے خلفا نے بھی اس پر مداومت کی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ دین کی ظاہری علامت میں سے ہے اس لئے یہ جہاد کی طرح واجب ہوگی۔ یہ ہر مسلمان پر واجب عین نہیں۔ اس لئے کہ اعرابی کی آگے آنے والی حدیث میں ہے الا ان تطوع (مگر یہ کہ تو نفل پڑھے) یہ پانچ نمازوں کے علاوہ کسی نماز کے واجب ہونے کی نفی کرتی ہے۔ عید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے فعل کی وجہ سے واجب ہے۔ اگر کسی علاقے کے لوگ بلا عذر نماز عید کو ترک کردیں اور ان کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہو تو حاکم ان سے قتال کرے گا جیسا کہ اذان میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور اس کو ترک کرنا دین کی توہین ہے۔

حنفیہ......حنفیہ کے نزدیک ❹ جس پر جمعہ واجب ہے اس پر نماز عیدین بھی واجب ہے۔ اس کی شرطیں بھی وہی ہیں جو جمعے کی ہیں سوائے خطبے کے کہ عید کا خطبہ سنت ہے۔

---

❶..... المغني: ۳۶۷/۲، مغني المحتاج: ۳۱۰/۱۔ ❷متفق عليه۔ ❸المغني: ۳۶۷/۲، كشاف القناع ۵۵/۲۔ ❹فتح القدير: ۴۲۲/۱، الدر المختار: ۷۷۴/۱، تبيين الحقائق: ۲۲۳/۱ ومابعد، مراقي الفلاح: ۸۹

وجوب پر ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پر ہمیشگی کی ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ...... مالکیہ ❶ اور شافعیہ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے اور تاکید میں وتر کے قریب ہے یہ انہی لوگوں کے لیے سنت ہے جن پر جمعہ واجب ہے یعنی ایسا آدمی جو دہو بالغ ہو آزاد ہو اور جمعے والی جگہ پر مقیم ہو یا اس سے ایک فرسخ (۵۵۴۴ میٹر) دور ہو مالکیہ کے نزدیک بچے عورت، غلام اور ایسے مسافر کے لیے مستحب نہیں جس نے سفر کا حکم ختم کرنے والی اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ نوجوان عورت کے علاوہ کے لئے مستحب ہے حاجی کے لیے مستحب نہیں اسی طرح اہل منی کے لیے بھی مستحب نہیں اگرچہ وہ حاجی نہ ہوں۔

شافعیہ کے نزدیک جماعت کی طرف منفرد کے لیے بھی مشروع ہے۔ اسی طرح فلاح عورت، مسافر خنثیٰ اور بچے کے لیے بھی مشروع ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک جماعت اور تعداد وغیرہ کے اعتبار سے جمعے کی شرطوں پر موقوف نہیں ہوگی۔ سب کے لیے عید کی نماز پڑھنا چھوڑنے سے افضل ہے سوائے منیٰ میں حج کرنے والے کے۔

نماز عید کے سنت ہونے پر ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو آپ نے سوال پوچھنے والے اعرابی کو نماز کے بارے میں فرمایا تھا۔ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں اس نے کہا کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی کوئی نماز لازم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں سوائے اس کے کہ آپ نفل پڑھیں ❷ اور مؤکدہ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔

عید، سالوں اور مہینوں کی مبارک باد مباح ہے۔ سنت ہے نہ بدعت۔ ❸

نماز عید کے وجوب اور جواز کی شرطیں:

حنفیہ......حنفیہ فرماتے ہیں: ❹ کہ جمعے کے وجوب اور جواز کے لیے جو جو شرطیں ہیں وہی عیدین کی نماز کے وجوب وجواز کی شرطیں ہیں یعنی امام، جماعت، شہر اور وقت سوائے خطبے کے کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد سنت ہے۔ اگر اسے چھوڑ دیا تو بھی نماز ہو جائے گی۔

امام یعنی سلطان، حاکم یا اس کے نائب کی موجودگی: یہ جمعہ کی طرح عید کی ادائیگی کے لیے شرط ہے اس لیے کہ یہ سنت سے ثابت ہے اور اس لیے بھی کہ اگر سلطان کی شرط نہ لگائی جائے تو لوگوں کے جمع ہونے اور امامت پر تنازع کرنے کی وجہ سے فتنہ کا خطرہ ہے۔ اس لئے کہ امامت رفعت وعظمت کی علامت ہے شہر: اس پر دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے: جمعہ تشریق اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز صرف مصر جامع یا بڑے شہر میں ہوتی ہے۔ ❺

جماعت اس لیے کہ اس کی ادائیگی جماعت سے ہی ہوتی ہے۔

وقت...... اس لیے کہ اس کی ادائیگی ایک مخصوص وقت میں بھی ہوتی ہے جیسا کہ سلف صالحین کا توارث چلا آرہا ہے۔

مرد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، صحت مند ہونا، اور مقیم ہونا جمعے کی طرح عید کی شرائط وجوب ہیں لہٰذا عورتوں بچوں، مجنونوں اور غلاموں پر اپنے آقاؤں کی اجازت کے بغیر عید واجب نہیں۔ اسی طرح اپاہج، مریض اور مسافر پر بھی عید واجب ہیں جیسا کہ ان پر جمعہ واجب نہیں۔

حنابلہ......حنابلہ فرماتے ہیں ❻ نماز عید کے صحیح ہونے کے لیے اہل مقام کی تعداد چالیس ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے اجازت شرط نہیں ہے مسافر، غلام، عورت اور منفرد اہل وجوب کے تابع ہو کر عید پڑھ سکتے ہیں۔

---

❶......الشرح الصغیر: ۱/۵۲۳ القوانین الفقھیہ: ۸۵ مغنی المحتاج: ۱/۳۱۰، المھذب: ۱/۱۱۸۔ ❷ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے نقل کی ہے (نصب الرایۃ: ۲/۲۰۸) ❸ مغنی المحتاج: ۱/۳۱۶۔ ❹ البداء: ۱/۲۷۵، ۲۶۱۔ ❺ اس کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع (نصب الرایۃ ۲/۱۹۵) ❻ کشاف القناع: ۲/۵۸، المغنی ۲/۳۹۲۔ ئ

عورتوں کا نماز عید پڑھنا......فقہاء کا اتفاق ہے جن میں حنفیہ اور مالکیہ بھی شامل ہیں کہ جوان عورتوں کے لیے جمعہ عیدین اور کسی بھی نماز کے لیے نکلنے کی گنجائش نہیں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب ۳۳/۳۳) ٹھہر رہنے کا امر کر نا نقل حرکت کی نہی ہے اور اس لیے بھی کہ عورتوں کا نکلنا بلاشبہ۔

فتنے کا باعث ہے اور فتنہ حرام ہے اور حرام کی طرف لے جانے والی چیز بھی حرام ہوتی ہے۔

بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب، عشاء، اور عیدین میں رخصت دینے میں کوئی حرج نہیں ظہر، عصر اور جمعہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جوان اور بوڑھی عورت کی دوسرے آئمہ کے نزدیک بھی یہی تفصیل ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ ❶ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے عیدگاہ میں جانے میں کوئی حرج نہیں البتہ خوشبو لگانے والی اور زیب و زینت والے کپڑے پہننے والی نہیں جاسکتی اس لیے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان لڑکیوں، حائضہ عورتوں اور پردہ نشین عورتوں کو عید کے دن نکالا کرتے تھے۔ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہتی تھیں وہ صرف اس خیر کے موقع میں شرکت کرتی تھی۔ ❷

جب عورتوں نے عیدگاہ جانا ہو تو پانی سے صاف ستھری ہو جائیں، خوشبو نہ لگائیں لباس فاخرہ نہ پہنیں اور مردوں سے الگ رہیں ان کے ساتھ اختلاط نہ کریں۔ حائضہ عورتیں گزشتہ حدیث کی وجہ سے نماز کی جگہ سے الگ رہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو اور انہیں چاہئے کہ وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں ❸ اور اس لیے بھی کہ عورتیں جب خوشبو لگا کر اور زیب و زینت والے کپڑے پہن کر نکلتی ہیں فتنہ فساد کا ذریعہ بنتی ہیں۔

سوئم۔ نماز عید کا وقت......فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز عید کا وقت سورج کے ایک یا دو نیزے بلند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یعنی طلوع کے تقریباً نصف گھنٹے کے بعد اور یہ زوال سے کچھ پہلے تک یعنی ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے تک رہتا ہے یہی نماز چاشت کا وقت ہے۔ اس لیے کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ عین طلوع ہوتے وقت نماز پڑھنا حرام ہے اور اس کے بعد جمہور کے نزدیک مکروہ ہے۔ اگر سورج کے ایک نیزے کے بقدر بلند ہونے سے پہلے نماز پڑھ لی تو حنفیہ کے نزدیک یہ نماز عید نہیں ہوگی بلکہ حرام نفل ہوں گے۔ ❹

نماز کو جلدی اور دیر سے پڑھنا......عید الاضحیٰ کی نماز اول وقت میں پڑھنا مسنون ہے تاکہ منیٰ میں حاجیوں کی ذبح کے موافق ہو جائے۔ عید الفطر کی نماز کو اول وقت سے کچھ مؤخر کرنا سنت ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا جو کہ نجران میں تھے عید الاضحیٰ جلدی پڑھا کرو عید الفطر مؤخر کیا کرو اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کیا کرو اور اس لئے کہ اس وقت میں قربانی بھی کرنی ہوتی ہے اور صدقہ فطر بھی دینا ہوتا ہے۔

کیا نماز عید کی قضا کی جائے گی اور کیا نماز عید اکیلے پڑھی جائے گی......اس میں فقہاء کی دورائیں ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ......حنفیہ اور ❺ مالکیہ کے نزدیک جو عید کی نماز امام کے ساتھ نہ پڑھ سکے تو اس کی قضا نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس کا

---

❶......مغنی المحتاج: ۱/۳۱۰ المهذب: ۱/۱۱۹ المجموع: ۴/۹۶، ۳۶۵، ۵/۱۱ المغنی: ۲/۳۷۵ کشاف القناع: ۲/۵۸۔
❷ رواه الجماعة عواتق عاتق کی جمع ہے دوشیزہ ذوات الخدر پردہ نشین مراد کنواری لڑکی الحیض: ماہواری والی عورتیں۔ ❸ رواه البخاری و مسلم رحمة الله علیهما۔ ❹ فتح القدیر: ۱/۴۳۴ اللباب: ۱/۱۱۷ مراقی الفلاح: ۹۰ الدرالمختار: ۱/۷۷۹ البدائع: ۱/۲۷۶ الشرح الصغیر: ۱/۵۲۴ القوانین الفقهیه: ۸۵ مغنی المحتاج: ۱/۳۱۰ المهذب: ۱/۱۱۸ کشاف القناع ۲/۵۶۔ ❺ فتح القدیر ۱/۴۲۹ اللباب: ۱/۱۱۸ الشرح الصغیر: ۱/۵۲۴ القوانین الفقهیه: ۸۵

وقت فوت ہوگیا ہے اور نوافل کی قضا نہیں ہوتی۔ اور اس لیے بھی کہ اس کی بطور عبادت مشروعیت ایسی شرائط کے ساتھ مشروع ہے جو منفرد میں نہیں پائی جاتیں اگر وہ کسی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہو تو پڑھ لے۔ اس لیے کہ نماز عید بالاتفاق کئی جگہوں پر ادا ہو جاتی ہے۔ منفرد عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہ باجماعت ادا کی جاتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... شافعیہ (۱) اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی امام کے ساتھ نماز عید نہ پڑھ سکے اس کے لئے سنت یہی ہے کہ نماز عید اس کے طریقے کے مطابق قضا کر لے۔ اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ یہ نماز کی قضاء ہے اس لیے یہ دوسری نمازوں کی طرح اپنے طریقے پر ادا کی جائے گی وہ عید کے دن یا اس کے بعد جب بھی چاہے قضاء کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اس دن قضاء کر لے۔

منفرد غلام، مسافر اور عورت کی نماز عید جائز ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مدرک کا حکم...... اگر نمازی امام کو خطبے کی حالت میں پائے تو تحیۃ المسجد پڑھے اور بیٹھ کر خطبہ سنے اگر مسجد میں ہو۔ پھر زوال سے پہلے یا زوال کے بعد جب چاہے عید اسی طریقے سے پڑھے۔ چاہے اکیلا ہو یا چالیس سے کم کی جماعت۔ اس لئے کہ عید کی نماز شافعیہ کے نزدیک نفل ہے لہٰذا اسے منفرد بھی پڑھ سکتا ہے۔ جیسے نماز کسوف۔ حنابلہ جو نماز عید کی فرضیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی یہ نفل ہو جائے گی اس لئے کہ فرض کفایہ پہلے لوگوں کے باجماعت پڑھنے سے ساقط ہو گیا ہے۔ (۲)

اگر اس نے امام کو تشہد کی حالت میں پایا تو اس کے ساتھ بیٹھے۔ جب امام سلام پھیر دے تو وہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھے اور ان دونوں میں تکبیر پڑھے۔ اور اس لئے کہ اسے ایسی نماز کا کچھ حصہ ملا ہے جو چار سے بدل نہیں تو اسے دوسری نمازوں کی طرح حسب ترتیب ادا کرے۔

دوسرے دن نماز عید پڑھنا...... اگر لوگوں کو زوال کے بعد (ظہر کے وقت) عید کا پتہ چلے یا لوگوں سے چاند پوشیدہ رہ جائے۔ اور وہ زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا کوئی مانع عذر پیش آ جائے جیسے شدید بارش تو دوسرے دن نماز عید پڑھنے کے بارے میں دو رائیں ہیں:

مالکیہ (۳) کے نزدیک دوسرے دن نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔ اور نماز جمعہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس کا وقت نکل چکا ہے۔

جمہور (۴) کے نزدیک نماز عید تین دن تک پڑھی جا سکتی ہے اس لیے کہ ابو عمیر بن انس نے اپنے صحابی چچوں سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: ہمیں شوال کا چاند نظر نہ آیا تو ہم نے روزہ رکھ لیا۔ دن کے آخر میں ایک قافلہ آیا۔ انھوں نے گواہی دی کہ انھوں نے کل چاند دیکھا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ افطار کرنے اور کل عید کی نماز کے لیے نکلنے کا حکم دیا۔ (۵) بیہقی

یہی راجح ہے۔ ابوبکر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اتباع کے زیادہ لائق ہے حضرت ابو عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔ اسی پر عمل واجب ہے۔ اور فرائض کی طرح ہے۔

اگر دو آدمیوں نے شوال کی اکتیسویں رات چاند دیکھنے کی گواہی دی تو بالاتفاق اگلے دن نماز پڑھی جائے گی۔ اور یہ قضا نہیں ہوگی اس لئے کہ ان کا فطر کا دن آئندہ کل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن تم افطار کرو وہی تمہارا

---

(۱)...... مغنی المحتاج: ۳۱۵/۱ المغنی: ۳۹۰/۲ المہذب: ۱۲۰/۱ کشاف القناع: ۵۸/۲۔ (۲) کشاف القناع: ۶۳/۲۔ (۳) القوانین الفقھیۃ ۵۸ ومابعد (۴) الدر المختار: ۷۸۳/۱، تبیین الحقائق: ۲۲۶/۱، الفتاوی الھندیۃ: ۱۴۲/۱، مراقی الفلاح: ۹۱ المہذب: ۱۲۱/۱ مغنی المحتاج: ۳۱۵/۱، المغنی: ۳۹۱/۲ ومابعد: کشاف القناع: ۵۶/۲۔ (۵) اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن کہا ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اسناد صحیح ہے (المجموع ۳۱/۵)

فطر کا دن ہے۔ جس دن تم قربان کرو وہی تمہارا قربانی کا دن ہے اور جس دن تم عرفات جاؤ وہی تمہارا یوم عرفہ ہوگا۔ ❶

چہارم: نماز عید اداء کرنے کی جگہ..... اس بارے میں فقہاء کی دو قریب ❷ قریب رائیں ہیں:

جمہور..... کے نزدیک غیر مکہ میں عید کی جگہ مصلیٰ ہے یعنی شہر سے باہر کا میدان مسجد میں بلاضرورت اور بلا عذر عید پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے کراہت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مخالفت کی وجہ سے ہے اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں مسجد میں نماز پڑھائی ❸ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی بارش میں مسجد میں نماز عید پڑھی۔

مکہ میں مسجد حرام میں نماز عید پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس کا مرتبہ بلند ہے اور کعبہ بھی نظر آتا ہے اور وہ دین کے سب سے بڑے شعائر میں سے ہے۔

شافعیہ..... شافعیہ فرماتے ہیں نماز عید مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ اس لیے کہ مسجد دوسری جگہوں سے بلند مرتبہ اور صاف ستھری ہوتی ہے لیکن اگر شہر کی مسجد تنگ ہو تو عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلتے تھے ❹ اور اس لیے بھی کہ نماعید میں لوگ زیادہ ہوتے ہیں اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مسجد کھلی ہو اور میدان میں نماز پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر مسجد تنگ ہو اور اسی میں نماز پڑھ لی جائے اور عیدگاہ نہ جایا جائے تو مکروہ ہے۔

اگر کچھ لوگ ضعیف ہوں تو امام شہر کی مسجد میں کسی کو اپنا نائب بنادے جوان کو نماز پڑھائے۔ اس لیے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا تاکہ وہ کمزور لوگوں کو نماز پڑھا سکیں۔ ❺

حنفیہ فرماتے ہیں کہ عید کے دن ممبر کو عیدگاہ نہیں لے جایا جائے گا البتہ یہاں بنانے میں حرج نہیں۔

پنجم: نماز عید کا طریقہ..... نماز عید کی بالاتفاق دو رکعتیں ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں، عید الفطر کی دو رکعتیں ہیں، نماز فجر کی دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ کی دو رکعتیں ہیں یہ مکمل ہیں قصر نہیں اور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہے۔ اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے جھوٹ باندھا ❻ نماز عید میں نماز شروع کرنے کے بعد زائد تکبیرات ہوتی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تین تین مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی میں چھ اور دوسری میں پانچ اور شافعیہ کے نزدیک پہلی میں سات اور دوسری میں پانچ۔ یہ تکبیرات قرأت سے پہلے کہی جائیں گی البتہ حنفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں تکبیریں قرأت کے بعد ہوں گی۔ فاتحہ کے بعد دو سورتیں پڑھنا مندوب ہے جمہور کے نزدیک یہ دونوں سورۃ اعلی اور سورۃ غاشیہ ہیں لیکن مالکیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں سورۃ شمس اور اس جیسی سورتیں پڑھے اور شافعیہ کے نزدیک سورۃ ق اور سورۃ قمر پڑھے۔ نماز عید کے لیے اذان واقامت نہیں ہوتی اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید میں

---

❶ ..... یہ حدیث صحیح ہے اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کیا ہے (سابقہ حوالہ) ❷ تبیین الحقائق: ۱/۲۲۴، مراقی الفلاح: ۹۰ القوانین الفقهیه: ۸۵، الدر المختار وردالمحتار: ۱/۷۷۷، الفتاوی الهندیه: ۱/۱۴۰، مغنی المحتاج: ۳۱۲ ومابعد، الجموع: ۵/۵ ومابعد المهذب: ۱/۱۱۸ کشاف القناع: ۲/۵۹۔ ❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسکو روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے (المجموع: ۵/۶) ❹ یہ حدیث صحیح ہے اسکو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ❺ اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے الضعفہ: بفتح الضاد والعین یہ ضعفاء کے معنی میں ہے ضعیف کی جمع ہے۔ ❻ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

موجود تھا ان سب نے خطبہ سے پہلے اذان واقامت کے بغیر نماز پڑھی ❶ سنت یہ ہے کہ نماز عید کے لیے الصلاۃ جامعۃ کہہ کر آواز لگائی جائے۔اس لئے کہ یہ امام زھری سے مروی ہے ❷ اور اس کو نماز کسوف پر قیاس کیا گیا ہے۔

مالکیہ کے سوا جمہور کے نزدیک نماز عید کی ابتداء دل اور زبان کی نیت سے ہوگی زبان سے یوں کہے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے لیے عید کی نماز پڑھا ہوں چاہے امام ہو یا مقتدی۔اور نماز شروع کرنے کے بعد دعائے افتتاح یا ثنا پڑھے۔

مختلف مذاہب میں نماز عید کا طریقہ:

حنفیہ...... ❸ حنفیہ فرماتے ہیں کہ پہلے نماز ہونے والی ہے، کی آواز لگائی جائے گی۔ پھر نمازی چاہے امام ہو یا مقتدی نماز عید کی نیت کرے گا دل سے بھی اور زبان سے بھی یوں کہتے ہوئے: میں اللہ تعالیٰ کے لیے نماز عید پڑھ رہا ہو" پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف کے نیچے باندھے گا۔ پھر امام اور مقتدی دونوں ثناء (سبحانك اللهم وبحمدك) پڑھیں گے۔اس کے بعد امام اور مقتدی تین زائد تکبیریں کہیں گے۔ یہ تکبیر تحریمہ اور رکوع والی تکبیروں سے زائد ہوتی ہیں اس لیے انہیں زوائد کہتے ہیں۔ ہر تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے گا اور پھر تین تسبیحات کی مقدار خاموش رہے گا۔اس دوران کوئی ذکر مسنون نہیں البتہ سبحان الله والحمدلله ولااله الا الله والله اكبر کہنے میں کوئی حرج نہیں۔تکبیرات زائدہ کے بعد دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے گا۔

پھر امام اعوذ باللہ اور بسم اللہ آہستہ پڑھے گا اور فاتحہ اور اس کے بعد سورت بلند آواز سے پڑھے گا فاتحہ کے بعد پوری سورہ اعلیٰ پڑھنا مستحب ہے۔اس کے بعد امام اور مقتدی رکوع کریں گے۔

دوسری رکعت میں بسم اللہ، سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھے گا تا کہ دونوں قرأتین مل جائیں حنفیہ کے نزدیک یہی افضل ہے۔دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھنا مستحب ہے۔ ❹

پھر امام اور مقتدی پہلی رکعت کی طرح تین دفعہ تکبیرات زائدۃ کہیں اس لیے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ ایک تکبیر کہہ کر نماز شروع کرے اس کے بعد تین تکبیریں کہے قرأت کرے تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور پھر سجدہ کرے۔ پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا کر قرأت کرے تین تکبیریں کہے اور پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرے ❺ اس کے بعد دوسری رکعت سلام تک مکمل کرے۔

اگر امام نے دوسری رکعت میں تکبیریں قرأت سے پہلے کہہ دیں تو بھی جائز ہے یہی حکم اس وقت ہے جب اس نے تین سے زیادہ تکبیریں کہہ دیں ہوں البتہ اگر سولہ سے زیادہ تکبیریں کہہ دے تو مقتدیوں کے لیے متابعت لازم نہیں ہے۔

---

❶...... یہ صحیح حدیث ہے اسکو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد کے ساتھ بخاری اور مسلم کی شرط پر روایت کیا ہے۔صرف یہ کہ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ کہا ہے۔اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔وہ دونوں فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اذان نہیں دیتے تھے۔ ❷ اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ مرسلا روایت کیا ہے نماز کسوف پر قیاس اس ضعیف حدیث سے مستغنی کر دیتا ہے۔امام ابخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت ایک منادی کو الصلوٰۃ جامعۃ کی آواز لگانے کا حکم دیا۔(المجموع ۵/ ۱۷الشرح الصغیر: ۲/ ۱۹۱) ❸ اللباب: ۱/ ۱۱۷ ومابعد: مراقی الفلاح: ۹۰ فتح القدير: ۱/ ۴۲۵۔۴۲۷: تبيين الحقائق: ۱/ ۲۲۵، الدرالمختار: ۱، ۷۷۹۔ ۷۸۲، البدائع: ۱/ ۲۷۷ ومابعد، الفتاوی الهندية ۱/ ۱۴۱۔ ❹ اس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعا روا ت کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سورہ اعلی اور سورۃ غاشیہ پڑھتے تھے مرۃ نے اسکو صرف عیدین کے بارے میں روایت کیا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت سمرۃ سے عیدین کے بارے میں نقل کیا ہے (نیل الاوطار: ۳/ ۲۹۶) ❺ اسکو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آلا ثار میں نقل کیا ہے ۴۰ (نصب الرایۃ: ۲/ ۲۱۴ حاشیے ہیں)۔

اگر امام تکبیریں بھول کر رکوع کر لے تو واپس لوٹ کر تکبیریں کہے اور رکوع دوبارہ کرے قرأت لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسبوق...... مسبوق اگر زائد تکبیر سے پہلے امام کے ساتھ شریک ہو تو امام کی پیروی کرتا رہے اور اگر زائد تکبیروں کے بعد قرأت کے وقت آیا ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر زائد تکبیرات اپنے طور پر کہے۔ اس لیے کہ وہ مسبوق ہے۔

اگر رکوع کے وقت آیا ہو تو رکعت فوت ہونے کا خدشہ ہونے کی صورت میں کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہہ کر زائد تکبیریں کہے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ اور اگر یہ خدشہ ہو کہ امام رکوع سے سر اٹھالے گا تو تکبیر تحریمہ کہے اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ اس لیے کہ اگر وہ رکوع نہیں کرے گا تو رکوع اور رکعت دونوں فوت ہو جائیں گی۔ یہ جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک زائد تکبیرین رکوع میں کہے گا اس لیے کہ رکوع قیام کے حکم میں ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیریں نہیں کہے گا اس لئے کہ وہ اپنی جگہ یعنی قیام سے چھوٹ گئی ہیں قنوت کی طرح ساقط ہو جائیں گی۔

پہلی رائے جو کہ راجح ہے کے مطابق اگر تکبیرات اور تسبیحات دونوں کہنا ممکن ہو تو دونوں کہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو تکبیرات کہے اور تسبیحات چھوڑ دے۔ اس لئے کہ تکبیرات واجب ہیں اور تسبیحات سنت ہیں۔ اور واجب کام میں لگنا اولیٰ ہوتا ہے۔ اگر تکبیریں مکمل ہونے سے پہلے امام نے سر اٹھا دیا تو وہ بھی سر اٹھالے اس لئے کہ امام کی پیروی واجب ہے اور باقی تکبیریں اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ ان کی اپنی جگہ چھوٹ گئی ہے۔

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ وہ پہلی رکعت میں پہنچ جائے۔ اگر دوسری رکعت میں پہنچے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو جائے۔ جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو وہ اپنے طور پر چھوٹی ہوئی رکعت پڑھے۔ اس لیے کہ وہ چھوٹی ہوئی رکعت کی ادائیگی میں منفرد ہے۔ بخلاف لاحق کے اس لئے کہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہوتا ہے۔

اگر نماز عید اور نماز جنازہ جمع ہو جائیں تو نماز عید نماز جنازہ سے مقدم ہوگی اور نماز جنازہ خطبے سے مقدم ہوگی۔

مالکیہ...... حنفیہ کی طرح مالکیہ ❶ بھی یہ کہتے ہیں کہ نماز عید کی دو رکعتیں جہراً۔

اذان واقامت کے بغیر پڑھی جائیں گی اور ان میں سورۃ اعلیٰ اور اس جیسی سورتیں اور سورۃ الشمس اور اس جیسی سورتیں پڑھنا مستحب ہیں۔

البتہ ان کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد چھ تکبیریں اور دوسری رکعت میں قیام کی تکبیر کے علاوہ پانچ تکبیریں کہی جائیں گی یہ تکبیریں قرأت سے پہلے کہنا مستحب ہے اگر قرأت کے بعد کہہ دیں تو بھی ٹھیک ہے لیکن خلاف مستحب ہے اگر امام تکبیریں قرأت سے مؤخر کر لے یا مذکورہ مقدار سے زیادہ کہہ لیے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے۔ تکبیروں کی تعداد پر ان کی دلیل اہل مدینہ کا عمل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: میں نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھی انہوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

تکبیروں کو پے در پے کہنا مستحب ہے البتہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر تکبیر کے بعد انتظار کرے تاکہ مقتدی بھی تکبیر کہہ دیں مشہور قول کے مطابق صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے باقی تکبیروں میں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ تکبیر کہنے والا خاموش رہے اس کے لئے تسبیح، تحمید، تہلیل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

زائد تکبیریں سنت مؤکدہ ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ بھول جائیں اور قرأت کے دوران یا اس کے بعد یاد آجائیں تو رکوع سے پہلے پہلے تکبیر کہہ دے اور قرأت لوٹائے اور پہلی قرأت زیادہ کر لینے کی وجہ سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

---

❶......الشرح الصغیر ۵۲۵/۸ ومابعد الشرح الکبیر: ۱/۳۹۷، ۴۰۰ القوانین الفقهیہ ۸۶ بدایۃ المجتہد: ۱/۲۰۹ ومابعد،

اگر رکوع کے بعد یاد آئیں تو وجوبی طور پر اپنی نماز جاری رکھے اور تکبیروں کے لیے نہ لوٹے اس لیے کہ فرض سے نفل کی طرف نہیں لوٹا جاتا اور نہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام سجدہ سہو کر کے چاہے ایک ہی تکبیر چھوٹی ہو اس لیے کہ ہر تکبیر سنت مؤکدہ ہے۔ مقتدی کی طرف سے امام ذمہ دار ہوگا۔ اگر مقتدی کو امام کی تکبیر نہ سنائی دے تو وہ اندازے سے تکبیر کہے۔

مسبوق...... امام کی تکبیر کے دوران فوت ہونے والی تکبیریں نہیں کہے گا البتہ اقتداء میں تاخیر کی وجہ سے رہ جانے والی تکبیروں کو امام کے فارغ ہونے کے بعد مکمل کرے گا۔

اگر مقتدی قرأت کے دوران امام کے ساتھ شریک ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد زائد تکبیریں کہے گا چاہے پہلی رکعت ہو یا دوسری پہلی رکعت میں چھ تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے گا اگر اس کی پہلی رکعت فوت ہوگئی ہو تو قیام کی تکبیر کے علاوہ مزید چھ تکبیریں قضاء کرے گا اگر امام کے ساتھ ایک رکعت سے بھی کم شریک ہوا تو امام کے سلام کے بعد دو رکعتیں قضاء کرے پہلی میں چھ تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے۔

شافعیہ...... ❶ یہ بھی دعائے افتتاح، تعوذ اور جہری قرأت میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں البتہ ان کے نزدیک تکبیریں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ ہیں یہ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جائیں گی اور سب میں ہاتھ بھی اٹھائے جائیں گے ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی آیت کے برابر ٹھہرے گا۔ اور سینے کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کے تھلیل تکبیر اور اللہ کی بڑائی بیان کرے گا اور اس میں باقیات صالحات (سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ❷) اچھی طرح پڑھے پھر تعوذ پڑھے اور قرأت کرے۔ تکبیر نہ فرض ہے اور نہ نماز کا جز ہے۔ یہ سنت ہے یا ہیئت ہے جیسے تعوذ اور دعائے افتتاح لہٰذا ان کو جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دینے سے سجدہ سہو نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ ان سب کو یا بعض کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

اگر نمازی تکبیریں بھول گیا اور قرأت شروع کر دی اور رکوع سے پہلے یاد آ گئیں تو اب ان کا تدارک نہیں کرے گا اگر چہ ابھی سورۃ فاتحہ بھی پوری نہ ہوئی ہو، یہ تکبیریں جدید مذہب کے مطابق فوت ہو چکی ہیں، اس لیے کہ ان کا محل باقی نہیں رہا۔ اگر وہ لوٹ آیا تو نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر وہ رکوع سے یا اس کے بعد تکبیریں کہنے کے لیے قیام کی طرف لوٹا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی بشرطیکہ اسے علم اور ہو اور اسے جان بوجھ کر کیا ہو۔ لاعلمی بھول کی طرح ہے۔

اگر امام مقررہ تکبیرات سے زائد تکبیریں کہہ دے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے اور اگر امام نے تکبیریں چھوڑ دیں تو مقتدی اس کی پیروی میں تکبیریں چھوڑ دے۔ اگر اس نے تکبیریں نہ چھوڑیں اور مسلسل تین مرتبہ ہاتھ اٹھا دیئے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس نے عمل کثیر کیا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر مسلسل تین بار ہاتھ نہیں اٹھائے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ اگر امام نے مقررہ تعداد سے کم تکبیریں کہیں تو مقتدی اس کی پیروی کرے۔ وہ مسبوق جس کی نماز کا بعض حصہ رہ گیا ہو وہ جب اپنی فوت شدہ نماز سے فارغ ہو تو تکبیریں کہے گا۔

دلائل...... تکبیروں کی تعداد پر ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اور اسے حسن کہا ہے ❸ کہ آپ

---

❶...... مغنی المحتاج: ۱/ ۳۱۰-۳۱۱، المھذب: ۱/ ۱۲۰ المجموع ۱۸/۵ وما بعد ❷ اگر لوگوں کا معمول بہ ورد لکھا جاتا تو بہتر تھا یعنی (اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیر وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا و صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا محمد وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً) ساتویں تکبیر کے بعد یہ نہ کہے بلکہ دوسری نمازوں کی طرح تعوذ اور سورہ فاتحہ پڑھے۔ ❸ عن کثیر بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ۔ اسکو امام ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے اس میں قرأۃ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسناد حسن کے ساتھ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے (نیل الاوطار: ۳/ ۲۹۷)

صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات بار اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ بار تکبیر کہی۔

تکبیروں کے درمیان تسبیح وتحمید: پر ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قولا وفعلاً نقل کی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھوں نے سچ کہا اور وہ باقیات صالحات ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۞ ......الکہف ۱۸/ ۴۶

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بہت سوں کے نزدیک یہی ہے۔

رفع یدین پر ان کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عید کی ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ❶

مسنون سورتیں...... سورہ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ ق (۵۰) اور دوسری رکعت میں سورہ قمر (۵۴) پوری پوری اور بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے دلیل ابوواقد لیثی کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں ق والقرآن المجید (ق/ ۵۰/ ۱) اور اقتربت الساعۃ (القمر: ۵۴/ ۱) پڑھا کرتے تھے ❷ جہری قرأت اس وجہ سے ہوگی کہ سلف صالحین سے بعد والوں نے یہی نقل کیا ہے۔

اگر پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھی تو یہ بھی سنت ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ اسی طرح پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص بھی پڑھ سکتا ہے۔

حنابلہ...... ❸ یہ دعائے افتتاح اور تعوذ میں مالکیہ کے سوائے جمہور کی طرح ہیں۔ اور تکبیروں کی تعداد میں مالکیہ کی طرح ہیں کہ پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ زائد تکبیریں ہوں گی۔ اس لئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میں بارہ تکبیریں کہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں ❹ شافعیہ کی برعکس انھوں نے سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ کو بھی شامل کیا ہے۔

ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اس لیے کہ حضرت وائل حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے'' اور ہر دو زائد تکبیروں کے درمیان یہ پڑھے:

اللہ اکبر کبیراً والحمدللہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً و صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً

دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو بھی شافعیہ کے رائے میں گزری۔ چاہے تو کوئی اور ذکر بھی کرسکتا ہے اس لیے کہ اس میں کوئی ذکر مخصوص نہیں۔ دونوں رکعتوں کی آخری تکبیروں کے بعد کوئی ذکر نہ کرے۔

تکبیریں اور ان کا درمیانی ذکر شافعیہ کی طرح ان کے نزدیک بھی سنت ہے واجب نہیں۔ اسے جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑنے سے

---

❶ ......اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مرسل میں روایت کیا ہے جو حضرت عطا سے مروی ہے سنن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقطع اور ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے۔ ❷ اسکو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے ابو واقد: ان کا نام حارث بن عوف ہے (نیل الاوطار ۳/ ۲۹۶ المجموع ۵/ ۲۰۱۹) ❸ المغنی: ۲/ ۳۷۶، ۳۹۶ کشاف القناع ۲/ ۵۹۔ ۶۱۔ ۶۳، ۶۵۔ ❹ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اس باب میں یہ سب سے بہتر حدیث ہے اسکو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن المدینی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ایک روایت میں ہے تکبیریں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں ہیں قرأت ان دونوں کے بعد ہے۔ اس کو امام ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے اور سب جائز ہیں۔ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تکبیرات عیدین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔''

نماز باطل نہیں ہوتی۔اگر تکبیریں چھوڑ دیں اور قرأت شروع کردی تو تکبیروں کی طرف نہ لوٹے۔اس لئے کہ یہ سنت ہے جس کا محل باقی نہیں رہا۔جیسے کوئی ثناء اور تعوذ بھول جائے اور قرأت شروع کردے۔یا سورت پڑھنا چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے۔

اسی طرح اگر وہ اس وقت پہنچا جب امام زائد تکبیریں یا ان کا کچھ حصہ کہہ کر کھڑا تھا تو اب تکبیریں نہیں کہے گا اس لئے کہ محل باقی نہیں رہا۔ جیسے وہ آدمی جو رکوع میں امام کو پہنچے۔

مسبوق جس کی کچھ نماز چھوٹ گئی ہو چاہے نیند یا غفلت کی وجہ سے ہو وہ جب اپنی فوت شدہ نماز قضاء کرلے تو تکبیریں کہے یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔اور قضاء اپنے طریقے سے کرے۔ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا محمول ہے: نماز کا جو حصہ مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے اس کی قضاء کرلو۔"

پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اعلیٰ پڑھے اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ غاشیہ پڑھے۔اس لئے کہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھا کرتے تھے ❶ اس لئے کہ سورہ اعلیٰ میں نماز اور صدقات پر ابھارا گیا ہے۔❷

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ ......الاعلیٰ:۸۷/۱۴۔۱۵

فلاح اس نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھی۔آسان ترجمہ

اور قرأت بلند آواز سے کی جائے گی اس لئے کہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور استسقاء میں قرأت جہراً کرتے تھے۔"

ششم: عید کا خطبہ.....عید کی دو خطبے جمہور کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہیں۔یہ خطبے ارکان، شروط سنتوں اور مکروہات میں جمع کے دو خطبوں کی طرح ہیں۔البتہ جمع کے برعکس یہ نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔

عید الفطر کے خطبہ میں امام صدقہ فطر کے احکام بیان کرے ❸ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان کو اس دن سوال سے مستغنی کردو ❹ اور عید الاضحیٰ کے خطبے میں قربانی، تکبیرات تشریق اور وقوف عرفہ کے احکامات بیان کرے تاکہ حاجیوں کے ساتھ اور ان کی اس دن کی حاجتوں اور ضرورتوں کے ساتھ مشابہت ہوجائے۔عید سے پہلے والے جمعے کے خطبے میں اس کی اچھی طرح تعلیم دے جب منبر پر چڑھے تو حنفیہ کے نزدیک نہ بیٹھے اور حنابلہ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک استراحت کے لیے بیٹھ جائے۔

خطبے کے سنت ہونے کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی ہے خطبے میں حاضر ہونا اور اسے سننا واجب نہیں۔اس لئے کہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز پڑھی جب نماز پوری ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم خطبہ دیں گے جو خطبے کے

---

❶......اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔❷ حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔❸ اللباب: ۱/۱۱۸۔۱۱۹۔، مراقی الفلاح: ۹۱، تبیین الحقائق: ۱/۲۲۶، فتاوی الهندیة ۱/۱۴۱ فتح القدیر: ۱/۴۲۸ وما بعد الدر المختار: ۱/۷۸۲۔۷۸۴ الشرح الصغیر: ۱/۵۳۰ الشرح الکبیر: ۱/۴۰۰ القوانین الفقهیه: ۸۶ مغنی المحتاج: ۱/۳۱۱ ومابعد المهذب ۱/۱۲۰ المجموع: ۵/۳۶ المغنی: ۲/۳۸۴،۳۸۷ کشاف القناع: ۲/۶۱۔۶۲۔ ❹ دیکھئے کشاف القناع: ۲/۶۲۔

لیے بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے اور جو جانا چاہے چلا جائے [1] اگر عید کا خطبہ چھوڑ دیا جائے تو بھی نماز ادا ہو جائے گی۔

خطبے کا نماز جمعہ کے بعد ہونا بھی اتباع سنت کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز عید خطبے سے پہلے پڑھتے تھے [2] اگر امام نے خطبہ نماز سے پہلے دے دیا تو حنفیہ کے نزدیک صحیح ہوگا البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے برا ہوگا اس لیے کہ سنت خطبے کو مؤخر کرنا ہے۔

خطیب خطبے کی ابتداء تکبیر سے کرے۔ اسی طرح خطبے کے دوران میں تکبیر کہتا رہے مالکیہ کے نزدیک اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک شروع میں سات مرتبہ تکبیر کہے۔ جمہور کے نزدیک پہلے خطبے میں پے در پے نو تکبیریں کہے اور دوسرے میں بھی پے در پے سات تکبیریں کہے اس لیے کہ سعید بن منصور نے عبید اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: دونوں عیدوں میں امام خطبہ دینے سے پہلے نو بار تکبیر کہتا تھا اور دوسری خطبے میں سات بار۔'' حنفیہ کے نزدیک بھی یہ مستحب ہے کہ امام منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ تکبیر کہے۔ امام کے لیے مندوب یہ ہے کہ خطبے سے فارغ ہونے کے بعد اتباع سنت میں تکبیریں دوبارہ کہے تاکہ جو پہلے نہیں سن سکے تھے اب سن لیں۔ اگرچہ وہ عورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ رواہ الشیخان

فائدہ...... مشروع خطبے دس ہیں۔ خطبہ جمعہ، دونوں عیدوں کے خطبے کسوف اور خسوف کے خطبے، خطبہ استسقاء، خطبہ نکاح اور حج کے خطبے جو شافعیہ کے نزدیک چار اور حنفیہ کے نزدیک تین ہیں یہ سب خطبے نماز کے بعد ہوتے ہیں۔ البتہ جمعہ اور عرفہ کے دونوں خطبے نماز سے پہلے ہوتے ہیں اور خطبہ نکاح کے ساتھ نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ سب خطبے دو دو ہوتے ہیں۔ سوائے خطبہ نکاح کے اور خطبہ عرفہ کے علاوہ شافعیہ کے نزدیک حج کے باقی تین خطبے یہ ایک ایک ہوتے ہیں۔

ان خطبوں میں سے تین الحمدللہ سے شروع ہوں گے۔ خطبہ جمعہ خطبہ استسقاء اور خطبہ نکاح پانچ یا چھ کی ابتداء تکبیر سے ہوگی: خطبہ عیدین اور تین یا چار حج کے خطبے البتہ مکہ او رعرفہ والے خطبوں کی ابتداء تکبیر سے ہوگی پھر تلبیہ ہوگا اور آخر میں خطبہ ہوگا۔

خطبہ جمعہ اور خطبہ عید میں فرق:

۱...... خطبہ جمعہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور خطبۂ عید نماز کے بعد ہوتا ہے اگر خطبۂ عید نماز سے پہلے کہہ دیا تو حنفیہ کے سوا دیگر ائمہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا۔ اور نماز کے بعد اعادہ مستحب ہوگا۔

۲...... جمعہ کے دونوں خطبے الحمدللہ سے شروع ہوتے ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسا کرنا شرط یا رکن ہے حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اور مالکیہ کے نزدیک مندوب ہے۔ عیدین کے دونوں خطبے تکبیر سے شروع کرنا سنت ہے۔

۳...... حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطبۂ عید سننے والے کے لیے امام کی تکبیر کے ساتھ آہستہ آہستہ تکبیر کہنا سنت ہے جب کہ جمع کے خطبے کے دوران بات چیت کرنا حرام ہے۔ جمہور کے نزدیک ذکر کا بھی یہی حکم ہے۔ حنفیہ فرماتے ہیں اصح یہی ہے کہ جمعہ اور عید کے خطبے کے دوران ذکر مکروہ نہیں۔ حنابلہ کے نزدیک جمعہ اور عید کے خطبے کے دوران تکبیر کے علاوہ کوئی بات کرنا حرام ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ اور عید کے خطبوں کے دوران بات چیت حرام نہیں مکروہ ہے حاضرین خطبے کے دوران تکبیر نہ کہیں بلکہ خاموشی سے سنیں۔

---

[1] ......اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے ان دونوں نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے (نیل الاوطار ۳/ ۳۰۵) [2] متفق علیہ۔ شیخین نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے تو سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف رخ کرتے لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وعظ نصیحت کرتے اور احکام بتاتے..... (نیل لاوطار: ۳/ ۳۰۳)

۴..... جمہور کے برعکس حنفیہ کے نزدیک عید کے خطبے میں جب امام منبر پر چڑھے گا تو بیٹھے گا نہیں۔ جبکہ جمعہ کے خطبے میں بیٹھے گا۔

۵..... مالکیہ کے نزدیک عید کے خطبے کے دوران اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو خطبہ جاری رکھے گا کسی کو نائب نہیں بنائے گا۔ بخلاف جمعہ کے خطبے کے کہ اگر اس میں وضو ٹوٹ جائے تو کسی کو نائب بنائے گا۔

۶..... شافعیہ کے نزدیک جمعہ کے خطبے کی شرطیں قیام طہارت، ستر عورت اور دونوں خطبوں میں بیٹھنا۔ یہ سب عید کے خطبے کے لیے شرط نہیں بلکہ سنت ہیں۔

ہفتم: عیدین میں تکبیر کا حکم..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ عیدین میں صبح سے نماز تک اور ایام حج میں نمازوں کے بعد تکبیر مشروع ہے۔

عیدین میں صبح سے نماز تک تکبیر کہنا:

حنفیہ..... ❶ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے آہستہ تکبیر کہنا مستحب ہے اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے: بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے ❷ جب عیدگاہ پہنچ جائے تو ذکر بند کردے۔ دوسری روایت کے مطابق نماز تک بند کرے۔ صاحبین کے نزدیک تکبیریں بلند آواز سے کہی جائیں گی۔ عید الاضحیٰ کے لیے جاتے وقت راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنے پر اتفاق ہے۔

جمہور..... ❸ جمہور فرماتے ہیں کہ صبح سے نماز تک گھروں، مسجدوں بازاروں اور راستوں میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ اور نماز شروع ہونے تک جاری رکھے۔ حنابلہ کے نزدیک خطبے سے فارغ ہونے تک جاری رکھے اور یہ عید الفطر میں عید الاضحیٰ سے زیادہ مؤکد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ ......البقرۃ: ۲/ ۱۸۵

تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرلو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو اور تاکہ تم شکرگزار ہو اور اس لیے کہ اس میں اسلامی شعائر کا اظہار اور دوسروں کے لیے نصیحت ہے۔

مطلق تکبیر (جو نماز کے بعد نہیں ہوتی)..... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید الفطر کی رات غروب آفتاب کے بعد سے مستحب ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ مقید تکبیر (جو نمازوں کے بعد کہی جاتی ہے) حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق عید الفطر کی رات مسنون نہیں۔ اس لئے کہ یہ روایات میں وارد نہیں ہے۔

تکبیر کا صیغہ..... تکبیر کا صیغہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک جفت ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر، لاالہ الااللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر (دو) وللہ الحمد

اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی آگے آنے والی حدیث میں ایسے ہی ہے اس کے علاوہ دو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

---

❶..... فتح القدیر: ۱/ ۴۲۳ الفتاویٰ: الہندیۃ ۱/ ۱۴۲ مراقی الفلاح: ۹۰ اللباب: ۱/ ۱۱۷، الدرالمختار: ۱/ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ❷ اسکو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابن حبان اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❸ الشرح الصغیر: ۱/ ۵۲۹ القوانین الفقہیۃ: ۸۶ المجموع: ۵/ ۳۔ ۳۷ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۱۴ وما بعد، کشاف القناع: ۲/ ۶۳۔ ۶۴ المغنی: ۲/ ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۹۳۔ ۵۹۵۔

مالکیہ اور شافعیہ کے قول جدید میں تکبیر کے صیغے میں اللہ کبیر تین دفعہ ہوگا:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

مالکیہ کے نزدیک یہی احسن ہے۔ اگر (لاالہ الااللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد) کا اضافہ کیا تو حسن ہے۔ اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات میں یہی وارد ہے شافعیہ کے نزدیک تیسری تکبیر کے بعد (اللہ اکبر کبیراً والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً) کا اضافہ مستحب ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر کہا تھا۔ اس کے بعد یہ کہنا مسنون ہے:۔

لاالہ الااللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون لاالہ الا اللہ وحدہ
صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لاالہ الااللہ واللہ اکبر

اور حنفیہ کے نزدیک یہ زیادتی اگر وہ چاہے۔ اور ختم ان الفاظ سے کرے:

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وعلی أصحاب محمد وعلی أزواج محمد وسلم تسلیماً کثیرًا

ایام حج میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنا (تکبیرات تشریق:

حنفیہ ❶.....حنفیہ فرماتے ہیں اصح یہ ہے کہ مردوں عورتوں پر تکبیر تشریق ❷ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے۔ اگر اس سے زیادہ کہی تو یہ فضیلت کی بات ہے۔ یہ تکبیر ہر فرض عین نماز کے بعد کہی جاتی ہے اور درمیان میں کوئی ایسا فصل نہیں کیا جاتا جو نماز پر بناء سے مانع ہو (جیسے مسجد سے نکل جانا بات کرنا جان بوجھ کر وضو توڑنا) نماز جماعت سے پڑھی ہو اکیلے پڑھی ہو یا قضاء نماز ہو سب کے بعد تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔ مرد تکبیر بلند آواز سے کہیں گے اور عورتیں آہستہ آواز سے وتر اور عید کی نماز کے بعد تکبیر نہیں کہی جائے گی۔

مدت......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر تشریق یوم عرفہ کی فجر سے عید کی عصر تک کہی جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن (۱۳ ذی الحجہ) کی عصر تک کہی جائے گی۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یہ کل تیس (۳۰) نمازیں بنتی ہیں۔

ہر فرض نماز پڑھنے والے ہر فرض نمازوں کے بعد تکبیر واجب ہے چاہے منفرد ہو مسافر ہو یا مقتدی ہو۔ اس لئے کہ صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق یہ اس کے تابع ہے۔ مسبوق پر بھی لاحق کی طرح اپنی چھوٹی ہوئی نماز مکمل کر کے تکبیر کہنا واجب ہے۔ اگر امام تکبیر نہ کہے تو مقتدی تکبیر کہہ دیں۔

محرم پہلے تکبیر کہے پھر تلبیہ پڑھے ❸ تکبیر کہنے کے لیے طہارت ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ امام تکبیر کہے گا تو مقتدی کہے گا۔ اگر امام تکبیر چھوڑ بھی دے تو مقتدی تکبیر کہہ دے۔

دلائل......تکبیر کے وجوب اور مدت پر ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ......البقرۃ:۲/۲۰۳

اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو۔ (آسان ترجمہ)

---

❶......الدر المختار: ۱/۷۸۴۔۸۸۷، تبیین الحقائق: ۱/۲۲۶ ومابعد اللباب: ۱/۱۱۹ ومابعد فتح القدیر: ۱/۴۳۱،۵۳۰۔ ❷ التشریق: گوشت کے ٹکڑے کرنا اور دھوپ میں خشک کرنا عید کے بعد کے تین دنوں میں عام طور پر قربانی کا گوشت کاٹ کے دھوپ میں خشک کیا جاتا ہے اس لیے انہیں ایام تشریق کہتے ہیں۔ ایام تشریق ایام معدودات ہیں۔ ایام معلومات ذی الحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ ❸ در مختار میں ہے کہ محرم تلبیہ سے ابتدا کرے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفہ کی فجر سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک جب فرض نمازوں کا سلام پھیرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے۔ دوسرے الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عرفہ کی صبح فجر کی نماز پڑھتے تو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے: اپنی جگہوں پر رہو! اور یہ تکبیر پڑھتے:

الله اكبر الله اكبر لااله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیر کہتے۔ ❶

مالکیہ...... جماعت ❷ اور منفرد کے لیے ہر وقتی فرض نماز کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے یہ تکبیریں یوم النحر کی ظہر سے چوتھے دن کی صبح تک پندرہ وقتی نمازوں کے بعد کہی جائیں گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ...... الحج: ۲۲/۲۸

اور متعین دونوں میں اللہ کا نام لیں۔

اس خطاب سے مقصود اگرچہ اہل حج ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یہ حاجیوں اور غیر حاجیوں کے لیے عام ہے۔ لوگوں نے اس کو عمل کے ذریعے قبول کیا ہے۔ لوگ حاجیوں کے تابع ہیں اور وہ ظہر سے تکبیریں کہتے ہیں۔

نفل اور قضاء نمازوں کے بعد تکبیر نہیں کہے گا۔ اگر تکبیر بھول جائے تو یاد آنے پر کہہ دے بشرطیکہ زیادہ وقت نہ گزرا ہو۔ اگر مسجد سے باہر نکل جائے یا عرف کے مطابق زیادہ عرصہ گزر جائے تو نہ کہے۔ اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی کے لئے تکبیر کہنا مستحب ہے۔ بھول جانے والے کو تنبیہ کرنا مستحب ہے چاہے بات سے ہی کیوں نہ ہو۔

شافعیہ...... شافعیہ ❸ کے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حاجی نمازوں کے بعد یوم النحر کی ظہر سے تکبیر کہے اس لئے کہ یہ منیٰ میں پہلی نماز ہے اور تلبیہ ختم ہونے کا وقت بھی یہی ہے۔ اور ایام تشریق کے آخری دن صبح کی کی نماز میں تکبیروں کا سلسلہ ختم کرے۔ اس لئے کہ یہ منیٰ میں اس کی آخری نماز ہے۔ جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں ظاہر اور مشہور قول کے مطابق غیر حاجی بھی حاجی کی طرح ہے۔ اس لئے کہ لوگ حاجیوں کے تابع ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ مسلم کی حدیث مطلق ہے: منیٰ میں گزرنے والے دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔'' بعض کے نزدیک یوم عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیریں کہی جائیں گی۔ شہروں میں اس پر عمل ہو رہا ہے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی اصح ہے۔ حاجی عید الاضحیٰ کی رات تکبیر نہ کہے بلکہ تلبیہ پڑھے۔

اس لئے کہ تلبیہ اس کا شعار ہے۔ عمرہ کرنے والا طواف شروع کرنے تک تلبیہ پڑھے۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں میں تمام نمازوں کے بعد تکبیر پڑھے چاہے وہ فوت شدہ ہوں یا سنت مؤکدہ، نذر مانی ہوئی نماز، مطلق نوافل مقید نوافل اور سبب والے نوافل ہوں جیسے تحیۃ المسجد اس لیے کہ یہ وقت کا شعار ہے۔

---

❶...... اس کو امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں جابر جعفی سیئی الحال ہے اور عمرو بن شمر اس سے بھی زیادہ کمزور ہے بلکہ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے (نصب الرایۃ ۲/ ۲۲۳ ومابعد) صحیح یہ ہے کہ صیغہ تکبیر امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ منقول ہے صنعانی (سبل السلام: ۲/ ۷۲) میں فرماتے ہیں تکبیر کے بارے میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جو امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے فرماتے ہیں تکبیریں یوں کہو الله اكبر الله اكبر الله اكبر كبيرًا۔'' یہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ اس میں یہ زیادتی ہے۔'' وللہ الحمد۔ ❷ بداية المجتهد: ۱/ ۲۱۳، الشرح الصغير ۱/ ۵۳۱ القوانين الفقهيه: ۸۶ الشرح الكبير: ۴۰۱۔ ❸ مغني المحتاج: ۱/ ۳۱۴، المهذب: ۱/ ۱۲۱، المجموع: ۵/ ۲۴۔ ۴۲۔

عیدین میں تکبیر گھروں، راستوں، مسجدوں اور بازاروں میں بلند آواز سے سنت ہے۔ اس لئے کہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، حسن، رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ، اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بلند آواز سے تہلیل وتکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے۔ اور حدادین والے راستے سے ❶ مصلی تک جاتے تھے۔

ایام معلومات یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں مویشیوں، اونٹ گائے، بکری کو دیکھ کر بھی تکبیر کہی جائے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ......الحج:۲۲/۲۸)

اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطافرمائے ہیں۔

حنابلہ...... ❷ حنابلہ فرماتے ہیں کہ عیدین میں تکبیر مطلقاً مسنون ہے مسجدوں گھروں اور راستوں میں سفر اور حضر میں ہر اس جگہ تکبیر کا اظہار مسنون ہے جہاں اللہ کا ذکر جائز ہو۔ مردوں کے لیے بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے۔ یہ تکبیریں ہر اس آدمی کے لیے سنت ہیں جو نماز کا اہل ہو یعنی ممیّز اور بالغ ہو چاہے آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی۔ اور یہ ہر فرض نماز کے بعد کہی جائیں گی چاہے قضاء نماز ہی کیوں نہ ہو جو کہ بر قول مشہور جماعت سے پڑھی جائے۔ تکبیرات تشریق یوم عرفہ کی فجر سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تینتیس نمازوں کے بعد کہی جائیں گی۔ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز عرفہ میں پڑھی اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اور ایام تشریق کی آخری دن کی عصر تک تکبیر کہی ❸ بعض روایات میں یہ ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد

مدت تکبیر میں مسافر مقیم کی طرح ہے اور حاجی غیر حاجی کی طرح اس لئے کہ وہ اس سے پہلے تلبیہ کہنے میں مشغول تھا اب وہ تکبیر سے ابتداء کرے اور پھر تلبیہ کہی اس لیے کہ تکبیر نماز کی جنس سے ہے۔

اکیلے نماز پڑھنے والا تکبیر نہ کہے۔ اس لیے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: تکبیر اس کے لیے ہے جو جماعت سے نماز پڑھے اور اس لیے بھی یہ ہے کہ یہ ایسا ذکر ہے جو عید کے وقت کے ساتھ خاص ہو۔ اس طرح یہ خطبے کے مشابہہ ہو گیا۔

اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی کہہ دے تا کہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ جیسے امن کہنے میں ہوتا ہے امام تکبیر لوگوں کی طرف مڑ کر کہے۔ اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی گزشتہ حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رخ کرتے اور فرماتے اپنی جگہوں پر رہنا اور پھر تکبیر کہتے۔'' غیر امام قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہے اس لیے کہ یہ نماز کے ساتھ مختص ذکر ہے لہٰذا یہ اذان اور اقامت کے مشابہہ ہو گیا۔ ایک بار تکبیر کہنا کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بار کہہ دیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر تین بار کہے تو اچھا ہے نماز عید کے بعد تکبیر کہنا اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ اس طرح یہ نماز فجر کے مشابہ ہو گئی۔ اور اس لیے بھی کہ یہ نماز عید کے ساتھ سے زیادہ خاص ہے لہٰذا یہ اس کی تکبیر کی بھی زیادہ حقدار ہے۔

ایام معلومات یعنی ذی الحجہ کے پہلے دس دن میں بھی تکبیر کہنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ الحج:۲۲/۲۸

اور متعین دنوں میں اللہ کا نام لیں۔

---

❶......المصلی: مدینہ کے قریب ایک صحرائی جگہ تھی جو کہ مسجد نبوی کے بھی قریب پڑتی تھی اب یہ مدینہ منورہ میں داخل ہو گئی ہے اور اس میں اب مسجد غمامۃ بنی ہے۔ ❷ کشاف القناع رحمۃ اللہ علیہ /۶۳-۶۷ المغنی: ۲/۳۹۳-۳۹۸۔ ❸ اسکو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے ہم اس کا ضعف بتا چکے ہیں۔

ہشتم: عید کی سنتیں: مستحبات اور وظائف:

عیدالاضحیٰ کے آنے سے پہلے عشرہ ذی الحجہ میں کارہائے خیر کا خوب اہتمام کرنا مستحب ہے ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، روزے، صدقات اور دیگر نیک کام زیادہ سے زیادہ کیے جائیں اس لیے کہ یہ ان افضل ترین ایام میں سے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: کسی بھی دن کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ان ایام کے عمل سے زیادہ محبوب نہیں۔ یعنی عشرہ ذی الحجہ کے عمل سے۔ لوگوں نے پوچھا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں! الا یہ کہ کوئی آدمی اپنی جان اور مال لے کر نکلے اور واپس کچھ نہ لائے۔ ❶

ذی الحجہ کے پہلے دس دن میں ناخن تراشنے اور بال منڈانے سے رکے رہنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب عشرہ ذی الحجہ آجائے اور آپ میں سے کوئی قربانی کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے بال نہ کاٹے اور ناخن نہ تراشے۔

عید کے موقع پر تکبیر کے علاوہ درج ذیل کام مندوب ہیں۔

عید کی دونوں راتوں کو جاگ کر اللہ کی عبادت۔ ذکر، نماز، تلاوت، قرآن تکبیر تسبیح اور استغفار میں مشغول رہنا۔ رات کا آخری ایک تہائی ان اعمال میں گزرے۔ بہتر یہ ہے کہ پوری رات شب بیداری کرے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو ثواب کی نیت سے عید الفطر اور (عیدالاضحیٰ) کی رات شب بیدار کرے تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن دل مردہ ہوجائیں گے۔ عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔

دونوں عیدوں کی رات کو دعائیں قبول ہوتی ہیں: اس لیے ان میں دعا مانگنا مستحب ہے اسی طرح جمعہ کی رات رجب کے شروع کی دوراتوں اور نصف شعبان کی رات میں بھی دعا مستحب ہے۔

۲:..... جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے عید کے دن بھی غسل کرنا خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور اچھا لباس زیب تن کرنا مندوب ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور شکر کیا جاسکے۔ غسل کا وقت شافعیہ نے نزدیک آدھی رات کو داخل ہوتا ہے مالکیہ کے نزدیک رات کے آخری چھٹے حصے میں داخل ہوتا ہے۔ البتہ صبح کی نماز کے بعد کرنا مندوب ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک غسل کا وقت صبح کے بعد عیدگاہ جانے سے پہلے پہلے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عید کا غسل نماز عید کے لیے ہے۔

اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور یوم النحر کو غسل فرمایا کرتے تھے ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عید کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن خوشبو لگایا کرتے تھے چاہے گھر والوں کی خوشبو ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سرخ چادر ❸ جو آپ

---

❶ رواہ ابن المنذر ❷ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (نیل الاوطار ۳/۳۱۲) ❸ مراقی الفلاح: ۱/۸۹ ومابعدھا تبیین الحقائق: ۱/۲۲۴ ومابعدھا فتح القدیر: ۱/۴۲۳ ۴۲۹، الفتاوی الھندیۃ ۱/۱۴۰ الدر المختار: ۱/۷۷۶ ومابعدھا اللباب ۱/۱۱۶ ومابعدھا الشرح الصغیر: ۱/۵۲۷۔۵۳۱ مغنی المحتاج: الشرح الصغر ۱/۳۱۲ وما بعدھا المھذب: ۱/۱۱۹ المغنی ۲/۳۲۹، ۳۷۴، ۳۸۹، ۳۹۹، کشاف القناع: ۲/۵۶۔۵۸

۱..... اس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع کبیر میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسانید ضعیف ہیں۔ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے یہ حدیث حسن ہے الفاظ یہ ہیں:

من قائم لیلتی العید محتسب للہ تعالیٰ لم یمیت قلبه یوم تموت القلوب

جو عید کی دونوں راتوں میں ثواب کی نیت سے کھڑا ہوا اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن دل مردہ ہوجائیں گے۔

۱..... اس کو ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا یہ ضعیف ہے۔ (نصب الرایۃ: ۱/۸۵)

۲..... اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جوڑا تھا جو آپ جمعہ اور عیدین کو پہنا کرتے تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن زیب تن فرمایا کرتے تھے۔اور ہم بتا چکے ہیں کہ عورتیں فتنے کے خدشتے کے پیش نظر پرانے کپڑوں میں خوشبو لگائے بغیر نکلا کرتی تھیں۔

جمعہ کی طرح عید کے دن بھی صفائی اور آرائش کرے ناخن کاٹ لے اور بدبو زائل کردے۔امام کے لیے اس کی زیادہ تاکید ہے۔اس لیے کہ اس پر سب لوگوں کی نظریں ہوتی ہیں۔

۳۔مقتدی کا اگر کوئی عذر نہ ہو تو عیدگاہ کی طرف پیدل جائے۔اور صبح سویرے نکلے فجر کے بعد چاہے سورج نکلنے سے پہلے بھی نکلنا پڑے تو نکل جائے۔تاکہ باوقار انداز سے چل کر عیدگاہ پہنچے اور گردنیں پھلانگے بغیر امام کے قریب بیٹھے اور نماز کا انتظار کرنے کا موقع مل جائے۔اس سے اس کو زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: عید کی لیے پیدل چلنا سنت ہے ❶ اور اس لیے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جنازے میں سوار ہو کر نہیں چلے۔

امام کے لیے نماز کے وقت تک کے لئے تاخیر کرنا سنت ہے اس لیے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے نقل کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نماز کے لیے نکلتے تو سب سے پہلے جو کام کرتے وہ نماز ہوتی تھی۔

واپسی پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان پھر جب آپ واپس لوٹیں تو سوار ہو جائیں اور اس لیے کہ اب اس کا مقصود عبادت نہیں حنفیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ اور عیدین میں سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ جو پیدل چلنے پر قادر ہو اس کے لیے چلنا افضل ہے۔

حنفیہ نے اس کو مندوب سے تعبیر کیا ہے۔

التبکر......عبادت کو نشاط سے ادا کرنے کی غرض سے پہلے وقت میں یا وقت سے بھی پہلے جا پہنچنا۔

الابتکار......نماز کے لیے جلدی جانا تاکہ فضلیت اور صف اول حاصل ہو جائے۔

امام اور مقتدی جمعہ کی طرح عید میں بھی ایک راستہ سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں۔اس لیے کہ یہ سنت ہی جیسے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ❷ نے روایت کیا ہے۔اور اس لیے بھی تاکہ دونوں راستے گواہی دیں یا زیادہ اجر ملے جاتے ہوئے طویل راستے سے جائے تاکہ زیادہ ثواب ملے اور واپسی چھوٹے راستے سے کرے۔

مستحب یہ ہے کہ امام عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جلدی نکلے اور عید الفطر کی نماز کے لیے کچھ دیر سے نکلے۔اس لیے کہ ایک مرسل روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا اور اس لیے بھی تاکہ قربانی اور فطرہ دینے کے لیے کھلا وقت ملے جیسے کہ گزرا۔

۴۔ عید الفطر میں نماز سے پہلے طاق عدد میں کھجوریں لینا اور عید الاضحیٰ میں نماز سے واپس لوٹنے تک کھانے کو مؤخر کرنا عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانا عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے نہ کھانے سے زیادہ مؤکدہ ہے۔اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک کھجوریں نہ کھا لیتے ❸ ایک منقطع روایت میں یہ بھی ہے: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کچھ تناول کیے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھے بغیر کچھ نہیں کھاتے تھے۔ ❹ تاکہ اگر اس نے قربانی کرنی ہو تو اس میں سے

---

❶ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ ❷ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے لیے نکلتے تو راستہ بدل دیتے تھے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔
❸ رواه البخاری رحمة الله علیه (نصب الراية: ۲۰۸/۲) ❹ رواه الترمذی رحمة الله علیه و ابن ماجه رحمة الله علیه (سابقه حواله)

کھائے اور بہتر یہ ہے کہ وہ کلیجی کھائے اس لئے کہ اس کو کھانا اور ہضم کرنا زیادہ آسان ہے۔ اگر اس نے قربانی نہ کی ہو تو حنابلہ کے نزدیک اسے اختیار ہے چاہے نماز سے پہلے کھائے یا بعد۔ عیدالاضحیٰ میں کھانا مؤخر کرنا مطلقاً مندوب ہے قربانی کی ہو یا نہ کی ہو۔

۵.....لوگوں کے نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کردے صدقہ فطر نماز سے پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے تاکہ فقراء عید کے موقعہ پر اسے استعمال میں لاسکیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر اس لئے مقرر کیا تاکہ لغویات اور بری باتوں سے روزے دار کا کفارہ بن جائے اور مساکین کا کھانا جس نے نماز سے پہلے ادا کردیا تو یہ قبول شدہ صدقہ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔ ❶

۶.....گھر والوں پر وسعت کرے اور حسب استطاعت عام عادت سے زیادہ نفل صدقہ کرے۔ تاکہ وہ سوال سے مستغنی ہوجائیں۔

۷.....مسلمانوں سے ملتے ہوئے چہرے سے خوشی اور بشاشت کا اظہار کرے۔ فرحت وشادمانی کے اظہار اور اخوت ومحبت کے رابطوں کو مضبوط کرنے کے لیے زندہ رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملنے کے لیے جائے۔

۸.....حنفیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز محلے کی مسجد میں ادا کرنا مستحب ہے تاکہ اس کا حق ادا ہوجائے۔ اس کے بعد عیدگاہ کی طرف جائے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز مسجد کے بجائے عیدگاہ میں پڑھنا مستحب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک بھی اگر مسجد تنگ ہو تو عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ہے ورنہ مسجد افضل ہے۔ جیسا کہ ہم نماز عید کی جگہ کے بیان میں بتا چکے ہیں۔

نہم۔ عید سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھنا.....اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے اور بعد میں نماز نہیں پڑھی جائے گی میرے نزدیک یہی اصح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے۔ کہ نماز سے پہلے اور سورج بلند ہونے کے بعد اور اسی طرح نماز کے بعد بھی غیر امام نماز پڑھ سکتا ہے آراء کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حنفیہ.....کے نزدیک ❷ نماز عید سے پہلے نوافل مطلقاً مکروہ ہیں گھر میں بھی اور عیدگاہ میں بھی۔ اور بعد میں صرف عیدگاہ میں مکروہ ہیں گھر میں جائز ہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نکلے اور دو رکعتیں پڑھی۔ ان سے پہلے نماز پڑھی نہ بعد میں ❸ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے نماز نہیں پڑھتے تھے اور جب گھر لوٹتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔(۴)

مالکیہ.....(۵) کا مشہور قول یہ ہے کہ عید سے پہلے اور بعد عیدگاہ میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ مسجد میں نوافل مکروہ نہیں نہ پہلے اور نہ بعد۔ پہلے تو اس لیے مکروہ نہیں کہ عید کے لیے سورج طلوع ہونے کے بعد نکلنا سنت ہے۔ اور اس وقت کے نوافل بالاتفاق مطلوب ہیں۔ اور نماز کے بعد اس لیے مکروہ نہیں کہ اس وقت اہل بدعت کا جماعت کے لیے مسجد میں آنا نادر ہے۔

---

❶.....اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔(نیل الاوطار ۴۰/۱۸۴) ❷فتح القدیر: ۱/۴۲۴، الدرالمختار: ۱/۷۷۷ ومابعدھا، اللباب: ۱/۱۱۷ مراقی الفلاح: ۹۰ ❸اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے(نیل الاوطار: ۳/۳۰۰ اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی نے نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ عید سے پہلے نماز کو ناپسند کرتے تھے۔ ❹اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی میں روایت کیا ہے(نیل الاوطار: ۳/۳۰۱) ❺بدایۃ المجتھد: ۱/۲۱۲ الشرح الکبیر: ۱/۴۰۰ الشرح الصغیر: ۱/۵۳۱

حنابلہ...... حنابلہ فرماتے ہیں: ❶ کہ امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز سے پہلے اور بعد کی جگہ میں نوافل ادا کرنا مکروہ ہے چاہے مسجد ہو یا عیدگاہ دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث اور اسی جیسی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے منع فرماتے تھے اور اسی کے مطابق انکا عمل بھی تھا۔اور اس لیے بھی کہ دوسرے ممنوعہ اوقات کی طرح اس وقت بھی نوافل ممنوع ہیں۔

امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز کی جگہ پر قضاء نمازیں پڑھنا مکروہ ہے چاہے مسجد ہو یا عیدگاہ یہ اس لئے ہے تا کہ دوسرے لوگ اس کی پیروی نہ شروع کر دیں۔

نماز عید کی جگہ سے باہر نکل کر گھر میں یا کسی اور جگہ نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔اس لیے کہ حضرت حرب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ عید کے دن جب گھر لوٹ جاتے تو چار رکعت یا دو رکعت نماز ادا کرتے۔یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

عید کے دن ایک آدمی کا دوسرے کو تقبل الله منا ومنك (اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائیں) کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ...... ❷ شافعیہ فرماتے ہیں کہ غیر امام کے لیے سورج بلند ہونے کے بعد نماز عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ نہیں اس لیے کہ کراہت کا کوئی سبب نہیں پایا جارہا۔یہ وقت نماز کے کے ممنوع اوقات میں سے نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ حضرت ابو بردہ، حضرت انس، حضرت حسن اور حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

سورج بلند ہونے سے پہلے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت مکروہ ہے۔امام کے لیے پہلے بھی اور بعد میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ایک تو غیر اہم کام میں لگنے کی وجہ سے اور دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت کی وجہ سے غیر امام عید کی نماز کے بعد اگر خطبہ سن رہا ہو تو نفل مکروہ ہیں ورنہ نہیں۔

اگر کوئی امام کے خطبے کے دوران داخل ہو تو نماز مسجد میں ہونے کی صورت میں پہلے تحیۃ المسجد پڑھے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو دو رکعتیں پڑھے'' جیسا کہ نوافل کے بیان میں گزر چکا ہے۔پھر خطبے سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں نماز عید پڑھے اگر تحیۃ المسجد کے بجائے نماز عید پڑھ لی تو اسے تحیۃ المسجد اور عید دونوں کا ثواب مل جائے گا یہی اولیٰ ہے اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت اس کے ذمہ فرض نماز ہو تو وہی ادا کرے۔تحیۃ المسجد کا ثواب بھی اسی سے مل جائے گا۔

اگر نماز کھلے میدان میں ہورہی ہو تو خطبے کے دوران آنے والے کے لیے بیٹھ کر خطبہ سننا سنت ہے۔اس لئے کہ یہاں تحیۃ المسجد نہیں ہوتی ہے خطبہ سننے کے بعد نماز عید ادا کرے۔لیکن اگر نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو خطبہ سننے پر نماز کو مقدم کرے۔نماز مؤخر کرنے کی صورت میں اسے اختیار ہے کہ عیدگاہ میں نماز پڑھے یا کہیں اور جاکر۔البتہ اگر تاخیر سے نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہیں پڑھے۔

دہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدین کی نماز اور خطبہ پڑھنے کا طریقہ...... یہ بحث اس طریقے کے بیان پر ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔یہ طریقہ ثقہ راویوں سے مروی ہے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید الفطر کی نماز کی تکبیرین سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں ہیں۔اور قرأت (سورہ فاتحہ اور سورت) دونوں رکعتوں میں تکبیروں کے بعد ہوگی۔ ❸

---

❶...... كشاف القناع: ٢/ ٦٤، المغني: ٢/ ٣٨٧، ٣٩٩۔ ❷ المهذب: ١/ ١١٩ مغني المحتاج: ١/ ٣١٣۔ ❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری سے اس کی تصحیح نقل کی ہے اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور علی ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے اور ان دونوں نے صحیح کہا ہے۔ (سبل السلام: ٢/ ٦٨)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نکلتے تو سب سے پہلے نماز پڑھتے۔ پھر مڑ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے۔ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وعظ ونصیحت کرتے اور احکام بتاتے۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں عید کا دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اذان واقامت کے بغیر قبل از خطبہ نماز پڑھی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا: اطاعت اختیار کرنے پر ابھارا اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کی۔ پھر چلے گئے یہاں تک کہ عورتیں آ گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وعظ نصیحت کی۔ ❷

حضرت سعد موذن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے بیچوں بیچ تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ عیدین کے خطبے میں تکبیر کثرت سے پڑھتے تھے۔ ❸

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ امام عیدین میں دو خطبے دے۔ دونوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے بیٹھے۔

یازدھم۔ عید کے دن نماز جمعہ..... اگر اتفاقاً عید جمعہ کے دن آ جائے تو عید پڑھنے والوں سے جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ سوائے امام کے کہ اس سے جمعہ ساقط نہیں ہوا۔ البتہ اگر اس کے ساتھ جمعہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو تو جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ حنابلہ کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ امام ابوداؤد وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے ایاس بن الجارمہ الشامی سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا انھوں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجودگی میں دونوں عیدیں عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہوئی ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہاں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید پڑھی اور جمعہ میں رخصت دے دی اور فرمایا: جو پڑھنا چاہے پڑھ لے یا یہ کہا جو جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔“

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آج کے دن دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں۔ جو چاہے تو اس کی عید کی نماز جمعہ کی طرف سے بھی کافی ہو جائے گی ہم جمعہ پڑھیں گے۔ اور اس لیے بھی کہ عید کا خطبہ سن کر مقصود حاصل ہو گیا۔ اب دوبارہ سننے کے بجائے یہی کافی ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ اس کا وقت ان کی رائے میں ایک ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے سے ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جمعہ ظہر کے ساتھ۔

جمہور..... جمہور (باقی مذاہب والے) فرماتے ہیں کہ جمعہ واجب ہوگا۔ اس لئے کہ جمعہ کے حکم والی آیت اور وجوب جمعہ پر دلالت کرنے والی احادیث عام ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ یہ دونوں واجب نمازیں ہیں ان میں سے ایک دوسری سے ساقط نہیں ہوگی۔ جیسے ظہر عید کے ساتھ۔ ❹

پانچویں بحث..... نماز کسوف اور نماز خسوف سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز:

خاکہ..... کسوف اور خسوف کا مطلب، نماز کسوف اور نماز خسوف وغیرہ کی مشروعیت، اس کی صنعت (اس کا طریقہ، اس میں قرأت بلند

---

❶ متفق علیہ (سابقہ حوالہ نمبر ٦) ❷ رواہ مسلم والنسائی (نیل الاوطار: ۳/ ۳۰۲) ❸ اس کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اس میں ضعیف راوی ہے اسی طرح کی حدیث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی حدیث میں روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ خطبے کو نو الگ الگ تکبیرات سے شروع کرنا اور دوسرے خطبے کو سات الگ الگ تکبیرات سے شروع کرنا سنت طریقہ ہے (نیل الاوطار: ۳/ ۳۰۵) اسکو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (سابقہ حوالہ) ❹ المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۳۵۸۔

آواز یا آہستہ آواز سے کرنا اس کا وقت کیا خطبہ اس کے لیے شرط ہے اس کی جماعت اور اس کی جگہ، کیا چاند گرہن سورج گرہن کی طرح ہے) مسبوق اس کو کب پائے گا اگر نماز کسوف کے ساتھ دوسری نماز جمع ہو جائے تو کس کو مقدم کیا جائے گا۔

اول۔ **کسوف اور خسوف کا مطلب**..... کسوف اور خسوف ایک ہی چیز ہیں۔ ان دونوں کو کسوفان اور خسوفان کہا جاتا ہے۔ فقہا کی تعبیر میں مشہور یہ ہے کہ کسوف سورج کے ساتھ خاص ہے اور خسوف چاند کے ساتھ۔

کسوف.....سورج اور زمین کے درمیان چاند کا اندھیرا آ جانے کی وجہ سے دن کے وقت سورج کی روشنی کا کلی یا جزوی طور پر چلے جانا۔

خسوف.....سورج اور چاند کے درمیان زمین کا سایہ آ جانے کی وجہ سے رات کے وقت چاند کی روشنی کا کلی یا جزوی طور پر چلے جانا۔

سورج گرہن عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب مہینے کی آخری راتوں میں چاند چھپ جائے اور سورج اور چاند اکٹھے ہو جائیں چاند گرہن چودہویں کا چاند طلوع ہونے کے وقت ہوتا ہے جب کہ سورج اور چاند آمنے سامنے ہو جائیں۔

دوم: نماز کسوف اور نماز خسوف کی مشروعیت اور ان کا فقہی حکم:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسوف و خسوف کی نماز سنت سے (1) ثابت ہے اور سنت مؤکدہ ہے (2) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ومن آیا ته اللیل والنهار والشمس والقمر، لا تسجدوا للشمس و لا للقمر واسجدوا لله الذی خلقهن

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

آسان ترجمہ قرآن

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن فرمایا: سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت یا زندگی سے ان کو گرہن نہیں لگتا جب تم ایسی صورت حال دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا مانگو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ (3)

یہ سفر و حضر میں مردوں اور عورتوں کے لیے یعنی ہر اس آدمی کے لیے مشروع ہے جو پانچ نمازوں کا۔ مخاطب ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت نماز پڑھی۔ جیسا کہ شیخین نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح چاند گرہن کی نماز بھی پڑھی جیسا کہ ابن حبان نے اپنی کتاب ثقات میں روایت کیا ہے اس نماز میں جمعہ اور عیدین کی طرح بچے اور بوڑھیاں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ جس پر جمعہ واجب ہوا سے بالاتفاق اس کا حکم دیا جائے گا۔

یہ نماز واجب نہیں اس لیے کہ صحیحین کی گزشتہ حدیث میں ہے: کیا مجھ پر پانچ نمازوں کے علاوہ نماز واجب ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! الا یہ کہ آپ نفل پڑھیں۔"

یہ اذان و اقامت کے بغیر مشروع ہوئی ہے۔ اس میں جماعت مسنون ہے اور الصلوۃ جامعۃ (نماز ہو رہی ہے) کی آواز لگانا مستحب

---

(1).....مالکیہ اور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کسوف سنت مؤکدہ ہے اور نماز خسوف مندوب ہے۔ (2) البدائع ۱/ ۲۸۰) الدر المختار: ۱/ ۷۸۸، الشرح الصغیر: ۱/ ۵۳۲، ۵۳۶ القوانین الفقهیه۸۸ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۱۶، المهذب: ۱/ ۱۲۲، المغنی: ۲/ ۴۲۶ وما بعد کشاف القناع ۲/ ۶۷ ومابعد (3) متفق علیہ بین البخاری و مسلم و احمد رحمۃ اللہ علیہم (نیل الاوطار: ۳/ ۳۲۶) امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے یہ حضرت عائشہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی نقل کیا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی روایت کیا ہے (نصب الرایۃ ۲/ ۲۳۱)

ہے۔اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز لگانے کے لیے منادی بھیجا۔ ❶

یہ مختلف مذاہب کی آئندہ بیان کردہ تفصیل کے مطابق جماعت کے ساتھ یا الگ الگ، سرا یا جہرا خطبے کے ساتھ یا بغیر خطبے کے اداء کی جائے گی۔لیکن اس کو جامع مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز مسجد میں پڑھی۔ ❷

نماز ستسقاء کی طرح اس میں بھی امام کی اجازت شرط نہیں۔اس لیے کہ یہ دونوں نفل ہیں اور نفل میں امام کی اجازت شرط نہیں۔

اس کے لیے غسل مسنون ہے ❸ جیسا کہ مسنون غسلوں کے بیان میں گزر چکا۔اس لئے کہ اس نماز کے لیے اجتماع اور شافعیہ کے نزدیک خطبہ مشروع ہے۔اور مالکیہ کے نزدیک وعظ مندوب ہے۔اس لئے جمع اور عیدین کی طرح اس میں بھی غسل سنت ہوگا۔

گھبراہٹ کے وقت کی نماز:

مالکیہ...... ❹ مالکیہ فرماتے ہیں کہ زلزلوں، دہشت ناک واقعات اور عبرت ناک حالات کے وقت کسی خاص نماز کا حکم نہیں دیا جائے گا۔اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج اور چاند گرہن کے علاوہ کے لیے کوئی نماز نہیں پڑھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس طرح کے بعض واقعات پیش آئے تھے۔اسی طرح آپ کے بعد کے خلفاء نے بھی ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی۔

جمہور...... جمہور فرماتے ہیں ❺ ہیں کہ زلزلے کے وقت انفرادی طور پر نماز پڑھی جائے گی۔اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا تھا ❻ حنابلہ کے نزدیک زلزلے کے علاوہ دیگر ہونے والے واقعات کے لیے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔جیسے بجلیاں، آندھی، دن میں اندھیرا چھا جانا رات کے وقت روشنی ہوجانا وغیرہ۔اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور میں شق قمر، آندھیوں اور بجلیوں کے واقعات پیش آئے تھے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے شاید یہ بھی کہا ہے کہ زلزلے کی طرح کے دیگر دہشت ناک واقعات انفرادی طور پر عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے۔لیکن یہ رکعتیں خسوف کی طرح نہ ہوں جیسے اگر بجلیاں چمکنے لگیں دن کے وقت شدید اندھیرا ہوجائے۔شب وروز میں کسی بھی وقت شدید ہوا برف باری اور بارشیں شروع ہوجائیں۔وبائیں پھیل جائیں دشمن کا خوف غالب ہو یا اس طرح کے ہولناک حالات ہوں۔اس لیے کہ یہ سب بندوں کو ڈرانے والی نشانیاں ہیں تاکہ وہ گناہ چھوڑ دیں اور اس کی اطاعت کی طرف واپس آجائیں اسی سے ان کی کامیابی اور کامرانی وابستہ ہے۔یہ حضرات اس کو نماز کسوف پر قیاس کرتے ہیں ❼ نماز کسوف مصیبت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے التجاء ہے مومن کی شان یہی ہے کہ جب بھی اس پر کوئی مصیبت آتی ہے خطرات آتے ہیں یا حالات ومشکلات کا شکار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے سنت یہی ہے کہ جب زلزلے آندھیاں، بجلیاں اور زمین میں دھنسنے کے واقعات ہوں تو سب کو پورے اہتمام سے دعاؤں میں لگنا چاہے تاکہ غفلت نہ ہونے پائے اس لئے کہ جب تیز ہوا چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

اللھم انی اسئلك خیرھا وخیر مافیھا وخیر ماارسلت به واعوذبك من شرھا وشر مافیھا وشر ما ارسلت به

---

❶......متفق علیه عن عبداللہ بن عمرو (نیل الاوطار ۳/۳۲۵) ❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی متفق علیہ حدیث کی وجہ سے۔
❸ المهذب: ۱/۱۲۲ کشاف القناع: ۱/۱۷۲، ۲/۶۸ مغنی المحتاج: ۱/۳۱۹۔ ❹ القوانین الفقهیه ۸۸۔ ❺ مرافی الفلاح: ۹۲، البدائع: ۱/۲۸۲، الحضرمیه: ۸۸، المجموع: ۵/۵۸ ومابعد، المهذب: ۱/۱۲۳، المغنی: ۲/۴۲۹ کشاف القناع: ۲/۷۳۔ ❻ اس کو سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❼ حنفیہ نے ان الفاظ میں ایک غریب حدیث ذکر کی ہے: جب تم گھبراہٹ کے واقعات دیکھو تو دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو (اللہ کا ذکر اور استغفار کرو)۔(نصب الرایة ۲/۲۳۴، ۲۳۵)

سوم۔نماز کسوف کی صفات......نماز کسوف سے متعلقہ چھ امور میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔طریقہ......نماز کسوف کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں۔

حنفیہ......نماز (۱) کسوف کی دوسری نمازوں نماز عید نماز جمعہ وغیرہ کی طرح دو رکعتیں ہیں۔

سوم: نماز استسقاء کی صفت، وقت، اس کا مکلّف اور اس میں قرأت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) کے علاوہ جمہور کے نزدیک نماز استسقاء کی دو رکعتیں ہیں جو شہر سے باہر کھلے میدان میں جماعت سے ادا کی جائیں گی۔اس میں اذان واقامت نہیں ہوتی۔لوگوں کو بلانے کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ کی آواز لگائی جائے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کھلے میدان میں ہی ادا کی۔یہ دوسری جگہوں سے زیادہ کشادہ ہوتا ہے۔نماز استسقاء کی دونوں رکعتوں میں عید کی طرح بلند آواز سے قرأت کی جائے گی۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید کی طرح تکبیرات کہی جائیں گی۔پہلی رکعت میں تعوذ سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی۔ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور دو تکبیروں کے درمیان ایک معتدل آیت کی مقدار ٹھہرا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: استسقاء کی سنتیں عید والی ہی ہیں لہٰذا اس کا سنت طریقہ یہی ہوگا کہ تکبیرات عید کے ساتھ اور اذان واقامت کے بغیر کھلے میدان میں ادا کی جائے۔اس لیے کہ اس نماز میں اجتماع اور خطبہ مشروع ہے۔

مالکیہ شافعیہ اور صاحبین کا مشہور قول یہ ہے کہ تکبیر کے بجائے استغفار پڑھا جائے۔یعنی نماز استسقاء میں تکبیر نہیں بلکہ اس کی جگہ استغفار ہوگا۔

عیدین کی طرح اس میں بھی کوئی بھی سورت بلند آواز سے پڑھ سکتا ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک سبح اور والشمس وضحاھا پڑھنا افضل ہے حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک اس میں عیدین کی طرح بھی سورہ اعلی اور سورہ غاشیہ پڑھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ نے غریب الحدیث میں ذکر کی ہے۔چاہے تو حالات کی مناسبت سے پہلے رکعت میں سورہ نوح پڑھے اور دوسری سورت میں بلاتعین کوئی بھی سورت پڑھ لے۔

شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ ق بلند آواز سے پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ قمر پڑھے۔یا سورہ اعلی اور سورہ غاشیہ پڑھے یہ قیاس کی وجہ سے ہے، نص کی وجہ سے نہیں۔بلند آواز سے قرأت کرنے کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث ہے: پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ان میں قرأت اونچی آواز سے کی (۳) منفرد بھی جماعت کی طرح نماز پڑھے گا۔لیکن جماعت افضل ہے۔

نماز استسقاء کے لیے کھلے میدان میں نکلنا مستحب ہے سوائے مکہ مدینہ اور بیت المقدس کے کہ ان میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی جائے گی لوگ تین دن پرانے ان دھلے کپڑے پہن کر تواضع اور عاجزی سے خشیت الٰہی دل میں لیے سر جھکائے پیدل نکلیں گے۔ہر روز نکلنے سے پہلے صدقہ کریں گے، توبہ کی تجدید کریں گے اور کمزوروں، بوڑھے مردوں عورتوں اور بچوں کے ذریعے بارش مانگیں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز استسقاء کے لیے امام کی اجازت شرط نہیں۔اس لئے کہ مقصود دعا ہے اور دعا کے لیے امام کی اجازت شرط نہیں۔شافعیہ کے نزدیک شرط ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔(۴)

---

(۱)......البدائع: ۱/۲۸۰ فتح القدیر: ۱/۴۳۲ ومابعد، مراقی الفلاح: ۹۲ الدرالمختار ۱/۷۸۸ ومابعد، الکتاب والباب: ۱/۱۲۰ ومابعد۔(۲) القوانین الفقهیة ۸۷ الشرح الکبیر: ۱/۴۰۵ الشرح الصغیر: ۵۳۷ مغنی المحتاج: ۱/۳۲۳ ومابعد: المهذب: ۱/۱۲۳ کشاف القناع: ۲/۷۴۔۷۵، :المغنی: ۲/۴۳۰۔۴۳۲۔(۳) اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۴/۵)(۴) البدائع: ۱/۲۸۴ مغنی المحتاج: ۱/۳۲۵، المغنی: ۲/۴۳۸ ومابعد

وقت......نماز استسقاء کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں یہ عید والے وقت کے ساتھ خاص نہیں البتہ ممنوعہ اوقات میں بالاتفاق ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس کے لئے کافی کھلا وقت ہے لھذا ممنوع اوقات میں ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ نماز استسقاء کو دن کے شروع میں عید کے وقت میں ادا کرنا سنت ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نکلتے تھے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوجاتا تھا ❶ اور اس لیے بھی کہ یہ جگہ اور صفت میں عید کے مشابہ ہے۔ اسی طرح وقت میں بھی اس کے مشابہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا وقت سورہ کے زوال سے ختم نہیں ہوتا۔ اس کا کوئی معین دن نہیں ہوتا اس لیے اسکا وقت میں معین نہیں ہوگا۔

اسی طرح نماز استسقاء کے وقت میں زوال کی قید بھی نہیں۔ زوال کے بعد بھی ادا کرسکتے ہیں۔

جیسا کہ دوسرے نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں ❷ اگر فرض نمازوں کے بعد یا خطبہ جمعہ میں بارش مانگی گئی تو سنت ادا ہوگئی۔ نماز کے بغیر دعا کے ذریعے بھی استسقاء جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ استسقاء کے لیے نکلے۔ اور منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے:

استغفروا ربکم انه کان غفارا، یرسل السماء علیکم مدرارا، ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انهارا استغفروا ربکم إنه کان غفارًا

اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کرے گا اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اتر گئے۔ کہا گیا: اے میر المومنین! اگر آپ بارش مانگ لیتے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آسمان کے پچھتر مانگے ہیں جن سے بارش برستی ہے۔ ❸

بوڑھوں عورتوں اور بچوں کی شرکت......نماز استسقا کے مکلّف ❹ وہ مرد ہیں جو پیدل چلنے پر قادر ہوں، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق عورتوں اور غیر ممیز (ناسمجھ) بچوں کو اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک اس میں بچوں، بوڑھوں، بوڑھیوں، بے کشش عورتوں بدشکل خناثی کو شریک کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ ان کی دعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ بڑی عمر کے لوگوں کا دل نرم ہوتا ہے۔ اور چھوٹے بچے بے گناہ ہوتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمہیں تمہارے کمزوروں کی وجہ سے رزق اور مدد ملتی ہے ❺ جوان لڑکیوں اور خوش شکل عورتوں کی شرکت فتنے کے خوف کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جانوروں کو ساتھ لے جانا...... مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں اور مجنونوں کو ساتھ لے جانا مستحب نہیں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

---

❶......رواہ ابوداؤد۔ ❷بدایة المجتهد: ۱/۲۰۹، الشرح الصغیر: ۱/۵۳۸ مغنی المحتاج: ۱/۳۲۴، المغنی: ۲/۴۳۲، ۴۴۰ ومابعد، کشاف القناع: ۲/۷۵۔ ❸امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا المجادیح: مجدع کی جمع ہے (پچھتر) ہر وہ ستارہ جس کے بارے میں عربوں کا خیال تھا کہ اس سے بارش برستی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقیقی پچھتر تو استغفار ہے جس کی وجہ بارش برستی ہے نہ کہ انواء حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تشبیہ دی ہے بعض کہتے ہیں کہ مجادیح سے مراد مفاتیح (چابیاں) ہیں ایک روایت میں مفاتیح السماء آیا ہے (المجموع: ۵/۷۶، ۷۸ ومابعد) ❹البدائع: ۱/۲۸۳ ومابعد، اللباب: ۱/۱۲۳، فتح القدیر: ۱/۴۴۱ مراقی الفلاح: ۹۳ الدرالمختار: ۱/۷۹۱ المجموع: ۵/۷۲، ۸۳، القوانین الفقهیه: ۸۷، الشرح الصغیر: ۱/۵۳۸ مغنی المحتاج: ۱/۳۲۲۔۳۲۳ المهذب: ۱/۱۲۳۔۱۲۵، المغنی: ۲/۴۳۰، ۴۳۹، ۴۴۱ کشاف القناع: ۲/۷۶۔۷۷، ۸۲۔ ❺رواہ البخاری

حنفیہ اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق جانوروں اور ان کے بچوں کو ساتھ لے جانا مستحب ہے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی یہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ رزق سب کے درمیان مشترک ہوتا ہے ❶ اور اس لیے بھی کہ جانوروں کی شرکت سے مجموعی منظر نامہ مزید قابل رحم ہو جائے گا ہر طرف چیخ و پکار اور دلدوز مناظر نظر آ رہے ہوں گے۔ بزار نے ضعیف سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے اگر دودھ پیتے بچے، نماز گزار بندے اور کھاتے پیتے جانور نہ ہوتے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف عذاب نازل ہو جاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے آپ نے پیٹھ کے بل پڑی چیونٹی دیکھی جو کہہ رہی تھی: اے اللہ ! میں آپ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہوں ہم آپ کے رزق سے مستغنی نہیں ہو سکتے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: واپس ہو جاؤ! تمہیں کسی اور کی دعا سے بارش مل گئی۔ ❷

برگزیدہ لوگوں کو وسیلہ...... دیندار اور نیک لوگوں کو شریک کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے ان کی دعا جلد قبول ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود جرشی کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی تھی۔ دوسری بار ضحاک بن قیس نے بھی انہی کے وسیلے سے بارش مانگی تھی۔ لھذا نیک لوگوں کا وسیلہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خشک سالی والے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی۔ فرمایا: اے اللہ! یہ آپ کے نبی کے چچا ہیں۔ ہم ان کے ذریعے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں آپ بارش برسا دیجئے وہ دعا میں لگے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! ہم آپ سے سب سے بہتر اور سب سے افضل یزید بن اسود کے ذریعے سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اے یزید! ہاتھ اٹھاؤ انھوں نے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ مغرب سے ڈھال جتنا بادل بلند ہوا۔ ہوا چلی اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ ان کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا۔ ❸

استسقاء کے لیے نکلنے کی ہیئت جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ پرانے کپڑے پہن کر نکلے زیب و زینت والے کپڑے نہ پہنے خوشبو نہ لگائے اس لئے کہ یہ اعلیٰ درجے کی زینت ہے۔ چال ڈھال اور نشست و برخاست میں فروتنی اور عاجزی ہو۔ عجز و نیاز، توجہ اور تذلل سے اللہ کے حضور دعا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (استسقاء کے لئے) تواضع فروتنی اور عاجزی سے پرانے کپڑوں میں نکلے۔ ❹

کیا ذمی بھی شریک ہوں گے:

حنفیہ...... حنفیہ فرماتے ہیں کہ ذمی استسقاء میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ شرکت برائے دعا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۝ الرعد: ۱۳/ ۱۴

اور کافروں کے دعا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی پھرتی رہے۔

اور اس لئے بھی کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رحمت اتروانا ہے جب کہ ان پر اللہ کی لعنت اترتی ہے اگر چہ راجح یہ ہے کہ کافر کی دعا بھی استدراجاً قبول ہو جاتی ہے۔ اور گزشتہ آیت وما دعاء الخ (الرعد: ۱۳/ ۱۴) آخرت سے متعلق ہے۔

---

❶...... سابقہ حوالہ ❷ چیونٹی کے پانی مانگنے والی حدیث کے ہم معنی حدیث حاکم نے حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کی سند صحیح ہے۔ المجموع: ۵/ ۶۸) ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مشہور ہے۔ (المجموع: ۵/ ۶۸، نیل الاوطار: ۴/ ۶) ❹ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (نیل الاوطار ۴/ ۶)

جمہور...... جمہور فرماتے ہیں کہ ذمیوں کو مسلمانوں کے ساتھ جانے سے نہیں روکا جائے گا۔ البتہ انہیں یہ حکم دیا جائے گا کہ الگ رہیں، جائے نماز میں اور نکلتے وقت مسلمانوں کے ساتھ اختلاط نہ کریں۔ شافعیہ کے نزدیک ان کا نکلنا اور اختلاط کرنا دونوں مکروہ ہیں۔ ان کی دعا پر آمین نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ کافر کی دعا مقبول نہیں ہوتی اور ان کو شرکت سے نہیں روکا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے خداؤں سے رزق مانگتے ہیں۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے کبھی اللہ تعالیٰ استدراجاً اور دنیاوی ضرورت کے تحت ان کی دعا بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ الاعراف: ۷/ ۱۸۲

اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان والوں کی طرح ان کو بھی رزق دیتے ہیں۔

ذمی مسلمانوں سے الگ رہیں گے اس لیے کہ ممکن ہے ان پر عذاب آ جائے اور تمام شرکاء اس کی لپیٹ میں آ جائیں قوم عاد نے بھی بارش مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آن پر تیز ہوا چلا دی جس نے انہیں ہلاک کر دیا۔

چہارم: استسقاء کا خطبہ:

امام ابوحنیفہ...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❶ فرماتے ہیں کہ استسقاء کا کوئی خطبہ نہیں۔ اس لئے کہ خطبہ جماعت کے تابع ہوتا ہے جب کہ نماز استسقاء کی ان کے نزدیک جماعت ہی نہیں ہوتی ان کے نزدیک استسقاء دعاء اور استغفار کا نام ہے جس میں امام قبلہ رخ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب استسقاء کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع، عاجزی اور فروتنی سے پرانے ❷ کپڑے پہن کر نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کی طرح دو رکعتیں پڑھی لیکن اس کے خطبے کی طرح خطبہ نہیں دیا۔ ❸

صاحبین...... صاحبین فرماتے ہیں: امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے دونوں میں جہری قرأت کرے پھر خطبہ دے دعا قبلہ رخ ہو کر کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید کی طرح دو خطبے دے جن کے درمیان بیٹھے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک خطبہ دے۔ زیادہ تر خطبہ استغفار پر مشتمل ہو۔

جمہور...... مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک امام نماز عید کی طرح نماز استسقاء کے بعد دو خطبے دے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء میں وہی کچھ کیا جو نماز عیدین میں کرتے تھے۔ حنابلہ کے نزدیک نماز کے بعد ایک خطبہ دے۔ اس لئے کہ ایک سے زائد خطبے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔

ان حضرات کے خطبے پر اور اس کے نماز کے بعد ہونے پر دلیل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کے لئے نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں اذان واقامت کے بغیر پڑھائیں پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور اپنا چہرہ قبلہ رخ کر دیا پھر چادر الٹی دایاں حصہ بائیں پر اور بایاں دائیں پر رکھا۔ ❹

شافعیہ کے نزدیک خطبہ سے پہلے بھی جائز ہے اس لئے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن

---

❶...... فتح القدیر ج: العنایہ ۱/ ۴۳۹ ومابعد، البدائع: ۱/ ۲۸۳ ومابعد، اللباب: ۱/ ۱۲۲ ومابعد ❷ یعنی عام کام کاج والے کپڑے پہن کر، زیب وزینت والالباس اتار کر اللہ کے حضور تواضع اختیار کرتے ہوئے۔ ❸ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار ع ۴/ ۶) ❹ الشرح الصغیر: ۱/ ۵۳۹، القوانین الفقهیه: ۸۷ بدایة المجتهد: ۱/ ۲۰۸، المجموع: ۵/ ۷۵ و مابعد، مغنی المحتاج: ۱/ ۳۲۴ ومابعد، الشرح الکبیر لد ردیر: ۱/ ۴۰۶ کشاف القناع: ۲/ ۸۰، المغنی: ۲/ ۴۳۳۔ ۴۳۶

دیکھا جب آپ رضی اللہ عنہ نماز استقاء کے لیے نکلے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے لگے۔ ❶ پھر اپنی چادر الٹی اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں جن میں بلند آواز سے قرأت کی۔ ❷

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عید اور استقاء کے خطبے میں فرق یہ ہے کہ استقاء کے خطبے میں امام تکبیر کی جگہ استغفار پڑھتا ہے۔ استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب علیہ۔ استقاء کے خطبے میں بالاتفاق استغفار کثرت سے پڑھا جائے گا۔ اس لئے کہ استغفار بارش برسنے کا سبب ہے حضرت سعید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استقاء کے لیے نکلے اور صرف استغفار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بارش مانگتے نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آسمان کے پچھتروں کے ذریعہ بارش مانگی ہے جن سے بارش برستی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ؀ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ؀ ❸

مالکیہ کے نزدیک پہلے اور دوسرے خطبے کے شروع میں استغفار کی کوئی حد نہیں شافعیہ کے نزدیک خطیب پہلے خطبے میں نو بار اور دوسرے میں سات بار استغفار کرے۔ زیادہ سے زیادہ استغفار مستحب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ؀ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ؀ نوح: ۷۱/ ۱۰-۱۱

اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔

حنابلہ کے نزدیک امام خطبے کی ابتداء ترتیب سے نو بار تکبیر کہنے سے کرے۔ جیسا کہ عید کے خطبے میں ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک خطبے میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے اس لئے کہ یہ قبولیت میں مددگار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا زمین وآسمان کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے اوپر نہیں جاتی ❹ اور آیت اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ؀ (نوح: ۷۱، ۱۰) کثرت سے پڑھے اسی طرح وہ سب آیتیں جب میں استغفار کا حکم ہے کثرت سے پڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسانے کا وعدہ استغفار کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

خطبے میں دعا

امام پہلے خطبے میں دعا مانگے...... یہ دعا حضرت ابن ❺ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئی ہے:

اللھم اسقنا غیثا مغیثا ھنیأً مریئًا مریعًا غدقًا: مجللًا سحًا طبقًا دائمًا

اللھم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین (ای الآیسین بتا خیر المطر) اللھم ان العباد والبلاد والخلق من الاواء (شدۃ الجوع) والجھد (قلۃ الخیر وسوء الحال) والضنك (ای الضیق) مالا نشکوا الا الیك اللھم انبت لنا الزرع وادرّ لنا الضرع، واسقنا من برکات السماء وانبت لنا من برکات الارض اللھم

---

❶ ......اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (نیل الاوطار: ۴/ ۴) امام احمد رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے ❷ اسکو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جہری قرأت کا ذکر نہیں کیا (سابقہ حوالہ) ❸ اس کی تخریج امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے گزر چکی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے (نیل الاوطار ۴/ ۷) مجادیع السماء سے مراد آسمان کے انواء ہیں اور انواء سے مراد وہ ستارے ہیں جن سے عربوں کے بقول بارش ملتی تھی۔ استغفار کو اس سے تشبیہ دی۔ ❹ رواہ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ ❺ اس کو ابن ماجہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہمیں سیراب کر کے مشقت سے نجات دلائے خوشگوار مفید اور نشوونما کرنے والی ہو خوب پانی والی اور خیر والی ہر جگہ برسنے والی ہو، شدت سے لگاتار برسے پوری زمین کا احاطہ کیے ہوئے اور ضرورت پوری ہونے تک جاری رہے۔

ارفع عنا الجهد والعرى و الجوع، واكشف عنا من البلاء مالايكشفه غيرك

اللهم انا نستغفرك انك كنت غفارا فا رسل السماء علينا مدرارًا (اى درا والمراد مطرا كثيراً)

یہ سب دعائیں ایک ہی حدیث سے ثابت ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دعا میں آہستہ اور بلند آواز سے خوب مبالغہ کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ......الاعراف: ۷/ ۵۵)

تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ آسان ترجمہ

قوم امام کی دعا پر آمین کہے۔ امام دعا کرے: اے اللہ تو نے ہمیں دعا کا حکم دیا اور ہم سے اس کو قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے آپ کے حکم کے مطابق دعا کر لی۔ آپ اپنے وعدے کے مطابق اسے قبول کر لیں۔ بے شک آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے (1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا (2) یہ ہے:

الحمدلله رب العالمين الرحمن الرحيم : مالك يوم الدين، لا اله الا الله يفعل ما يريد، اللهم انت الله لا اله الا انت، انت الغنى ونحن الفقراء انزل علينا الغيث واجعل ما انزلت لنا قوة وبلاغا الى حين

اگر امام آہستہ دعا کرے تو لوگ بھی آہستہ دعا کریں۔ اگر وہ بلند آواز سے دعا کرے تو لوگ بھی ایسا ہی کریں۔

دعا کے دوران خطیب کے لیے قبلہ رخ ہونا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی وجہ سے مستحب ہے۔ صاحبین کی یہی رائے ہے کہ امام خطبے میں دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ دونوں خطبوں سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو اور مصیبت اور قحط کے دور ہونے کے لیے، بارش اور رحمت برسانے کے لیے اور گناہوں کی بخشش کے لیے خوب مبالغے کے ساتھ دعا کرے۔ لوگوں میں سے کسی کے لیے دعا نہ کرے۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ امام دوسرے خطبے کا ابتدائی حصے (جیسے ایک تہائی) گزرنے کے لیے قبلہ رخ ہو۔ پھر آہستہ اور بلند آواز سے دعا کرے (3) پھر لوگوں کی طرف مڑے اور انہیں مان کر چلنے کی ترغیب دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے ایک دو آیتیں پڑھے مومن مردوں عورتوں کے لیے دعا کرے اور ان الفاظ کے ساتھ ختم کر دے۔ استغفر الله لى ولكم حنابلہ فرماتے ہیں کہ خطبے کے دوران قبلے کی طرف رخ کرے۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا......دعائے استسقاء میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے سوا کسی دعا میں ہاتھ بلند نہیں کرتے تھے اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اتنے بلند کرتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی (4) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔"

---

(1)...... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: واذا سالک عبادی (البقرۃ: ۲/ ۱۸۶) سری دعا اخلاص سے زیادہ قریب ہوتی ہے اس میں خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے اور جلد قبول ہوتی ہے۔ (2) اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے (سنن ابی داؤد: ۱/ ۲۶۷، نیل الاوطار: ۴/ ۳) (3) علامہ نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ وضو، غسل، تیمم، قرأت اور دیگر کا بھی یہی حکم ہے سوائے اس کے جو کسی دلیل سے خارج ہو جائے جیسے خطبہ۔ (4) امام احمد، بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہم میں متفق علیہ (نیل الاوطار: ۴/ ۸)

چادر الٹنا یا پلٹنا......صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت امام چادر الٹے اس لئے کہ ایک روایت میں آتا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز استسقاء پڑھی اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف کی قبلہ رخ ہوئے اور اپنی چادر الٹی۔"

چادر الٹنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر مربع ہو تو اوپر والے حصے کو نیچے کرلے اور اگر گول ہو جیسے جبہ تو دائیں جانب کو بائیں کرے۔

لوگ اپنی چادریں نہ الٹیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو اس کا حکم دینا منقول نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چادر الٹنا سنت نہیں ہے۔اس لئے کہ استسقاء ان کے نزدیک دعا ہے۔تو دوسری دعاؤں کی طرح اس میں بھی چادر الٹنا مستحب نہیں ہوگا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ امام قبلہ رخ ہوتے وقت چادر پلٹے گا۔اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو قبلہ رخ ہونے کے وقت میں ہے۔مرد حضرات بھی بیٹھے بیٹھے امام کی طرح چادریں پلٹیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ ❶ بالا احادیث میں گزرا۔اور اس لیے بھی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خشک سالی کو شادابی میں بدل دے یہ معنی حدیث میں بھی آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر پلٹی تاکہ قحط دور ہو جائے۔ ❷

چادر پلٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ دایاں کنارا بائیں طرف اور بایاں دائیں طرف کرے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تنکیس نہیں کی جائے گی یعنی نیچے پاؤں کی طرف والے کنارے کو کندھوں پر نہیں ڈالا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید مذہب یہ ہے کہ تنکیس بھی کی جائے گی۔یعنی اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر کیا جائے گا۔اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء پڑھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کالا کپڑا تھا آپ نے اس کے نچلے حصے کو پکڑ کو اوپر کرنا چاہا لیکن اس میں مشکل ہوئی۔آپ نے دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں پلٹ لیا۔ ❸

لوگوں کے چادر پلٹنے پر دلیل حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے نماز استسقاء پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی دعا فرمائی اور خوب مانگتے رہے پھر قبلہ رخ ہوئے اور چادر پلٹی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا باہر والا حصہ اندر کو پلٹا لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر پلٹی۔ ❹

حنابلہ فرماتے ہیں کہ چادر الٹی ہی رکھی جائے گی یہاں تک کہ گھر پہنچ کر کپڑوں کے ساتھ اتار دی جائے اس لئے کہ اس کا اعادہ منقول نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ چادر کا پلٹنا نیک شگونی کے لیے ہے کہ حالات کی سختی آسودگی میں بدل جائے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فالی کو پسند فرماتے تھے۔

پنجم: استسقاء کے مستحبات......استسقاء میں درجہ ذیل امور ❺ مستحب ہیں کچھ کا تذکرہ پہلے خطبے اور نماز کے لیے جانے کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ❻

ا۔امام لوگوں کو حکم دے کہ وہ گناہوں سے توبہ کریں، نیکی اور بھلائی کے کاموں صدقہ وغیرہ سے اللہ کا قرب حاصل کریں۔مظالم کا ازالہ کریں اور حقوق ادا کریں۔اس لیے کہ اس سے قبولیت کی امید زیادہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ❼

---

❶......اس کی تخریج گزر چکی ہے علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا (الرایۃ ۲/ ۲۴۲) ❷ دیکھئے نیل الاوطار ۴/ ۴۰۳ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کی لمبائی چار ذراع تھی اور چوڑائی دو ذراع اور ایک بالشت تھی۔ ❸ ... دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن محمد عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ❹ رواہ ... رحمۃ اللہ علیہ ... دھاریاں ہوں (نیل الاوطار ۴/ ۱۲۰۱۱) ❺ رواہ احمد رحمۃ اللہ علیہ (نیل الاوطار ۴/ ۱۱) ❻ شیخین نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے مجھے فال اچھی بات اور پاکیزہ بات پسند ہے مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے میں نیک فال پسند کرتا ہوں۔ ❼ الدر المختار ۱/ ۷۹۲، البدائع ۱/ ۲۸۲، اللباب: ۱/ ۱۲۲ ومابعد، مراقی الفلاح: ۹۳ القوانین الفقہیہ ۸۶ الشرح الصغیر: ۱/ ۵۳۸-۵۴۰ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۲۱-۳۲۲ المہذب ۱/ ۱۲۳-۱۲۵، المغنی: ۲/ ۴۳۰-۴۳۸ کشاف القناع ۲/ ۸۵ ومابعد۔

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ......ھود:۱۱/۵۲)

اے میری قوم اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا۔آسان ترجمہ

اور اس لیے کہ گناہ اور مظالم قحط اور بارش رکنے کا سبب ہیں اور تقویٰ برکات کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ الاعراف:۷/۹۶

اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔آسان ترجمہ

امام لوگوں کو نماز استسقاء سے پہلے تین دن مسلسل روزے رکھنے کا کہے۔آخری روزے کے دن یا چوتھے دن روزے کی حالت میں لوگ میدان میں نکلیں۔اس لئے کہ روزہ مشقت اور عاجزی کی وجہ سے بارش برسنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ایک روایت میں آتا ہے: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: روزے دار کی انظار تک عادل حاکم اور مظلوم۔❶

شافعیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر امام کی حکم برداری لازم ہے۔حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم سے روزہ اور صدقہ لازم نہیں ہوتے۔

امام انہیں صدقہ کا بھی حکم دے۔اس لیے کہ یہ بھی رحمت کو اتارنے کا سبب ہے۔اسی طرح وہ لوگوں کو باہمی دشمنی ختم کرنے کا حکم دے اس لئے کہ دشمنی گناہوں اور جھوٹ پر برانگیختہ کرتی ہے اور خیر و برکت کے نزول میں رکاوٹ بنتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا: میں تمہیں شب قدر کے بارے میں بتانے کے لیے آیا تھا لیکن فلاں اور فلاں باہم جھگڑ گئے جس کی وجہ سے وہ اٹھادی گئی ❷ امام نماز کے لیے نکلنے کا دن متعین کردے۔❸

۲۔نماز استسقاء کے لیے امام اور لوگ مسلسل تین دن تک پیدل میدان کی طرف جائیں۔لیکن مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے لوگ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں جمع ہوں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔

اگر امام (حاکم) نہ نکلے تو حنفیہ کے نزدیک لوگ اپنے طور پر استسقاء کے لیے نکلیں۔اور جا کر دعاؤں میں لگے رہیں۔جماعت سے نماز نہ پڑھیں۔الا یہ کہ امام کسی کو جماعت کرانے کا حکم دیا ہو۔اس لیے کہ یہ دعا ہے اس میں امام کی موجودگی ضروری نہیں۔اگر وہ امام کی اجازت کے بغیر نکلے تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ امام کی اجازت شرط نہیں ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر حاکم شہر میں موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر میدان میں نہیں نکلنا چاہے۔اس لئے کہ فتنے کا خوف ہے۔حنابلہ کے ہاں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ امام یا اس کے نائب کے بغیر نکلنا مستحب نہیں۔اگر نکل گئے ہوں تو نماز اور خطبے کے بغیر صرف دعا کر کے واپس ہو جائیں دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے طور پر نماز پڑھیں۔ان میں سے کوئی ایک خطبہ دے دے۔

۳۔نماز استسقاء کے لیے صفائی کا اہتمام کرے۔غسل کرے، مسواک کرے، بدبو دور کرے ناخن تراشے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔اس لئے کہ یہ جمعہ کی طرح لوگوں کے اجتماع کا دن ہے۔

خوشبو لگانا مستحب نہیں ہے۔اس لیے کہ یہ عاجزی اور فروتنی کا دن ہے اور اس لیے بھی کہ خوشبو زینت کے لیے ہوتی ہے اور یہ زیب و زینت کا وقت نہیں۔

۴۔آدمی نماز کی جگہ کی طرف تواضع، تذلل، عاجزی اور فروتنی کے ساتھ پرانے کپڑے پہن کر جائے۔اس لئے کہ حضرت ابن

---

❶.....اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں روزے دار والد اور مسافر کی دعا کہا ہے۔❷ امام احمد اور مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔(نیل الاوطار ۴/۲۷۷) تلاحی: تنازع جھگڑا۔❸ اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(نیل الاوطار: ۴/۳)

عباس رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز استقاء کے لیے تذلل تواضع اور عاجزی سے نکلے یہاں تک کہ نماز کی جگہ پہنچ گئے۔ (۱)

۵۔ دیندار اور نیکوکار لوگوں بزرگوں! متقی علماء، بوڑھیوں، بچوں اور جانوروں کا توسل اختیار کرنا تا کہ رحم باری متوجہ ہو اور حاجات کے لیے خوف چیخ و پکار ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (۲) حاضرین میں سے ہر ایک سری طور پر اپنے خالص اعمال کے ذریعے شفاعت طلب کرے۔

۶۔ نماز کھلے میدان میں پڑھی جائے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک سالی کی شکایت کی۔ آپ نے منبر لانے کا حکم دیا اور وہ آپ کے لئے میدان میں (۳) رکھا گیا۔

اور اس لیے بھی کہ مجمع زیادہ ہوتا ہے اس لئے کھلے میدان میں ہی زیادہ سہولت ہے۔

۷۔ خطبے میں ماثور دعائیں پڑھنا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور بارش برستے وقت بھی۔ اس لئے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے: دعا چار مقامات پر قبول ہوتی ہے صفوں کے ملنے کے وقت بارش برستے وقت نماز کھڑی کرتے وقت اور کعبے کو دیکھتے وقت اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش دیکھتے تو فرماتے صَیِّبًا نَافِعًا یعنی اللہ کرے شدید اور مفید بارش ہو۔ مختلف احادیث سے بارش برسنے کے موقع کی دعاؤں کا مجموعہ یہ ہے:

اللهم صيبا هنيا وسيبًا (اى عطاء) نافعا مطرنا بفضل الله ورحمته

اگر زیادہ بارش سے نقصان ہو رہا ہو تو یہ دعا پڑھے:

اللهم حوالينا ولا علينا اللهم على الاكام والظراب وبطون الا ودية ومنا بت الشجر (۴)

اللهم سقيا رحمة ولاسقيا عذاب ولا محق ولا بلاء وهدم ولا غرق (۵)

زمانہ جاہلیت کا ایک غلط خیال اور مکروہ قول......زمانہ جاہلیت میں عرب بارش کو نوء (ایک ستارے کے طلوع اور دوسرے کے غروب کا وقت کی طرف منسوب کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ درحقیقت نوء ہی بارش برساتا ہے اگر یہ اعتقاد رکھے بغیر، بارش کی نسبت نوء کی طرف کی تو مکروہ ہے۔ اور اگر اسی کو فاعل حقیقی سمجھ لیا تو کفر ہے۔ صحیحین کی وہ روایت اسی پر محمول ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ میرا انکار کرتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پر بارش اللہ کے فضل اور رحمت سے برسی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں ستارے کو نوء کی وجہ سے بارش برسی تو وہ میرا انکار کرنے والے ہیں اور ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں۔

ہوا کو برا بھلا کہنا مکروہ ہے......ہوا کو برا بھلا کہنا مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ اس وقت دعاؤں میں لگ جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ہوا اللہ کی رحمت ہے کبھی رحمت لے کر آتی۔

---

(۱)......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۲) علماء کا اتفاق ہے کہ قبولیت کی امید سے قبر کے پاس دعا کرنا عبادت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول اعوذ بکلمات اللہ التامة من سر ما خلق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پناہ مخلوق کی نہیں ہوتی۔ (کشاف القناع ۲/۷۷) (۳) اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر صحیح ہے۔ (۴) متفق علیه عن انس رضی الله عنه الظراب: یہ ظرب کی جمع ہے چھوٹا ٹیلہ (نیل الاوطار: ۴/۱۳) (۵) اسکو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں روایت کیا ہے یہ روایت مرسل ہے (نیل الاوطار: ۴/۱۰)

ہے اور کبھی عذاب جب ہوا چلے تو تم اسے برا بھلا نہ کہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو ❶۔ اس موقع پر یہ دعا پڑھے جو پہلے بھی گزری ہے۔

اللھم انی اسئلك خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت به، واعوذ بك من شرھا وشرما فیھا وشر ماارسلت به❷

اللھم اجعلھا رحمة ولا تجعلھا عذابا اللھم اجعلھا ریا حاولا تجعلھا ریحا❸

گرج اور کڑک کے وقت کی دعا: گرج اور کڑک کے وقت اللہ کی تسبیح بیان کرے:

سبحان من یسبح الرعد بحمده والملائكة من خیفته❹

بجلی چمکنے کے وقت یہ دعا پڑھے:

سبحان من یریكم البرق خوفًا وطمعًا

مستحب یہ ہے کہ آسمانی بجلی کی طرف نہ دیکھے۔ اس لیے کہ سلف صالحین گرج اور چمک کی طرف اشارہ ناپسند کرتے تھے۔ اور ایسے وقت میں دعا پڑھتے تھے:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریك له سبوح قدوس اس لئے اس مسئلے میں ان کی پیروی اختیار کی جائے گی۔

ستارہ ٹوٹتے وقت یہ پڑھے:

ماشاء اللہ لاقوة الا باللہ❺

چند دیگر اذکار..... گدھے کی آواز سنے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے:

استعیذ باللہ من الشیطان الرحیم..... بخاری، مسلم

کتے کی آواز سنے تو یہ پڑھے:

استعیذ باللہ من الشیطان الرحیم..... ابوداؤد

مرغ کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگے۔ بخاری، مسلم

۸..... سرسبز علاقے والے قحط زدہ علاقے والوں کے لیے دعا کریں اس لئے کہ یہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کی ایک صورت ہے۔

---

❶..... اس کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ❷..... اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ❸ اس کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم میں روایت کیا ہے۔ ❹ اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بجلی کو جس گرج پر قیاس کیا گیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد یہ بھی نقل کیا ہے:

اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلكنا بعذابك وعا فنا قبل ذلك

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں ابوزکریا سے نقل کیا ہے: جس نے سبحــان اللہ وبحـمده عن البـرق کہا تو اس پر بجلی نہیں گرے گی۔ ❺..... اس کو ابن سنی اور طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔

۹..... شافعیہ کے نزدیک سال کی پہلی بارش اور ہر بارش کے شروع میں باہر نکلنا مستحب ہے۔ باہر نکل کر ستر کے علاوہ کچھ جسم ننگا کرے تا کہ برکت کے طور پر کچھ بارش پہنچ جائے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کپڑا ہٹایا تا کہ بارش پہنچ سکے اور فرمایا یہ تازہ تازہ اپنے رب سے آئی ہوئی ہے ❶ یعنی ابھی ابھی پیدا کی ہوئی اور نازل کی ہوئی ہے۔ بارش کے بہتے ہوئے پانی سے غسل کرنا یا وضو کرنا بھی مستحب ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں منقطع سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ جب بارش کا پانی بہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ہمیں اس پانی کی طرف لے جاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے والا بنایا ہے تا کہ ہم اس سے پاکی حاصل کریں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔''

۱۰..... مالکیہ فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء سے پہلے اور بعد میں میدان یا مسجد میں نوافل جائز ہیں۔ اس لیے کہ استسقاء سے مقصود برائیوں کا خاتمہ اور نیکیوں کی کثرت ہے۔

بخلاف عید کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک میدان میں نفل پڑھنا نماز سے پہلے اور بعد میں مکروہ ہے۔ مسجد میں مالکیۃ کے نزدیک مکروہ نہیں حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی مکروہ ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک بعد میں مکروہ نہیں۔

مسئلہ..... دعا جب کوئی چیز مانگنے کے لیے کی جائے تو ہتھیلی کے اندر والے حصے سے کی جاتی ہے اور جب کوئی مصیبت دور کرنے کے لیے کی جائے تو ہتھیلی کی پشت سے کی جاتی ہے ❷

۱۱۔ اگر بارش نہ برسے تو نماز استسقاء دوسری اور تیسری بار پڑھی جائے گی۔

اگر انھوں نے نماز استسقاء کی تیاری کی لیکن اس سے پہلے ہی بارش برس گئی تو بھی جمع ہو کر شکر اور زیادہ بارش کی دعا کریں۔ اور معروف نماز استسقاء اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر پڑھیں۔ جیسے دعاء وغیرہ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ صحیحین میں آیا ہے آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلدی نہ کرے کہ یہ کہنے لگے میں نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ..... ابراہیم ۱۴/ ۷

اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

اصبغ سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے کہا مصر کے دریائے نیل کے لیے مسلسل پچیس دن نماز استسقاء پڑھی گئی۔

ساتویں بحث..... صلوٰۃ الخوف نماز خوف/ خوف کی نماز:

خاکہ..... صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت، سبب اور شرطیں کیفیت اور طریقہ مسبوق کے قضا کرنے کا طریقہ، فاسد کب ہوگی؟ گھمسان کی جنگ اور شدید خوف کے وقت کی نماز۔

---

❶..... اس کو بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے (نیل الاوطار ۴/ ۱۲) ❷ یہ خلاد بن سائب عن ابیہ کی حدیث سے مستفاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تھے تو ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ آسمان کی طرف کرتے تھے۔ اور جب پناہ مانگتے تھے تو ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف کرتے تھے۔'' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا مانگی اور اپنی ہتھیلی کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو اگرچہ ضعیف ہے اللہ تعالیٰ سے اپنی ہتھیلیوں کے اندرزونے سے مانگا کرو پشت سے نہ مانگا کرو۔ (سبل السلام: ۲/ ۸۳)

اول: صلوۃ الخوف کی مشروعیت...... جمہور فقہاء کے نزدیک صلوۃ الخوف مشروع ہے ❶ یہ نماز کفار سے قتال کے دوران قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً النساء:۴/ ۱۰۲

اور (اے پیغمبر) جب تم ان کے درمیان موجود ہواور انہیں نماز پڑھاؤ تو دشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیارے ساتھ لے لے پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔ آسان ترجمہ

جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہو وہ آپ کی امت کے حق میں بھی ثابت ہوتا ہے جب تک کہ اس پر کوئی دلیل نہ مل جائے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے واذا کنت (النساء:۴/ ۱۰۲) تو اس سے حکم خاص نہیں ہوتا اس لئے کہ دوسری آیت میں زکوٰۃ کے عام حکم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً...... التوبہ:۹/ ۱۰۳

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے مال میں سے صدقہ وصول کرو۔

سنت...... صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چار مقامات پر پڑھی۔

۱...... غزوہ ذات الرقاع میں جو صحیح قول کے مطابق غزوہ خندق کے بعد ہوا

۲...... بطن نخل میں جو کہ نجد میں غطفان کی زمین میں ایک جگہ کا نام ہے۔

۳...... عسفان میں جو مکہ سے تقریباً دو مرحلے دور ہے۔

۴...... ذی قرد میں جو کہ مدینے سے ایک برید کے فاصلے پر واقع پانی ہے۔ اس کو غزوہ غابۃ بھی کہتے ہیں یہ ربیع الاول سن چھ ہجری میں صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا۔ ❷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الخوف چوبیس مرتبہ پڑھی۔ اس کے بارے میں مزید احادیث صلوۃ الخوف کے طریقے کے ذیل میں آئیں گی۔ ساتھ ساتھ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے:

صلوا کمارا یتمونی اصلی

نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

اجماع صحابہ...... صلوٰۃ الخوف پڑھنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور

---

❶...... فتح القدیر ۱/ ۴۴۱، الدر المختار: ۱/ ۷۹۲ اللباب: ۱/ ۱۲۴، بدایة المجتهد: ۱/ ۱۶۹ الشرح ۱/ ۵۱۷ القوانین الفقهیه ۸۳ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۲۷ المهذب ۱/ ۱۰۵ المغنی: ۲/ ۴۰۰ ومابعد، کشاف القناع: ۳/ ۹۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار: ۱/ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔

فقہاء کی آراء...... جمہور فقہاء کے نزدیک صلوۃ الخوف سفر وحضر میں جائز ہے مالکیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے البتہ ابن ماجشون مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صرف سفر میں جائز ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز خوف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شروع تھی۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِذَا کُنْتَ فِیْہِمْ ......النساء: ۴/ ۱۰۲)

جب تم ان کے درمیان موجود ہو۔

اور اس کی مشروعیت کی علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ تھا کہ ہر فریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنا چاہتا تھا۔اور صحابہ کرم رضی اللہ عنہم یہ فضیلت حاصل کرنے میں حریص تھے۔یہ علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہوگئی ہے۔ہر گروہ ایک خاص امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔لہٰذا نماز ایسے طریقے سے نہیں پڑھی جائے گی جس میں آنا جانا اور اس طرح کے نماز کے منافی کام ہوں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز خوف ایک امام کے پیچھے نہیں پڑھی جائے گی بلکہ دو اماموں کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ان دونوں میں سے ایک ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا پھر دوسرا بھی دوسرے گروہ یعنی پہرہ والے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور جس گروہ نے نماز پڑھ لی ہے وہ پہرہ دے گا۔

لیکن اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز خوف پڑھی ہے وہ جواز کے باقی رہنے یا نہ رہنے کے بارے میں زیادہ جانتے تھے۔

اس کی مشروعیت کی غرض لوگوں کے دلوں میں یہ بات جاگزیں کرنا ہے کہ باجماعت نماز اسلام میں کتنی اہم ہے؟ اس سے باہمی اجتماعی تعلق مضبوط، پائیدار اور دائمی ہوتا ہے یہاں تک کہ مصائب خطروں اور بحرانوں میں بھی۔

اکثر کے نزدیک خوف کی وجہ سے نماز کی کیفیت اور طریقے میں تبدیلی آتی ہے رکعتوں کی تعداد میں تبدیلی نہیں آتی۔

دوم: صلوٰۃ الخوف کا سبب اور شرطیں...... (۱) علامہ ابن عابدین کے مطابق صلوۃ الخوف کا سبب دشمن کے حملے کا خوف ہے۔اور دشمن کی موجودگی شرط ہے جس طرح مسافر کی نماز میں مشقت سبب ہے اور شرعی سفر شرط ہے خوف سے مراد حقیقی خوف نہیں بلکہ دشمن کی موجودگی ہے۔دشمن کی موجودگی کو ہی حقیقی خوف کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔نماز خوف قتال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر طرح کے خوف میں جائز ہے۔جیسے سیلاب سے بھاگنا اسی طرح آگ، درندہ، حملہ آور یا نقصان دہ اونٹ یا کتا چور، سانپ۔بشرطیکہ ان سے بچنے کی صورت نہ ہو۔ (۲)

صلوٰۃ الخوف کی شرطیں درج ذیل ہیں۔ (۳)

۱۔قتال مباح ہو...... یعنی اس کی شرعاً اجازت ہو چاہے واجب ہو جیسے حربی کافروں باغیوں اور ایسے ڈاکوؤں سے قتال کرنا جو خون بہانا اور عزتیں پامال کرنا چاہتے ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ......النساء: ۴/ ۱۰۱

---

(۱) ردالمحتار ۱/ ۷۹۳۔ (۲) المجموع ۴/ ۳۱۹۔ (۳) الدرالمختار: ۷۹۴ فتح القدیر: ۱/ ۴۴۱ اللباب: ۱/ ۱۲۵ شرح الرسالہ: ۱/ ۲۵۳۔ ۲۵۴ الشرح الصغیر: ۱/ ۵۱۷ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۰۵۔ ۳۰۶ المہذب: ۱/ ۱۰۵ کشاف القناع ۳/ ۹، القوانین الفقہیہ: ۸۳۔ ۸۴، المغنی: ۳/ ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۶، ۴۱۸ ومابعد، الشرح الکبیر: ۱/ ۳۹۱۔ ۳۹۴۔

اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے۔

یا وہ قتال جائز ہو جیسے ان لوگوں سے قتال کرنا جو مسلمانوں کا مال لینا چاہتے ہیں۔

لہٰذا باغیوں اور گناہ والا سفر کرنے والوں کے لیے صلوۃ الخوف جائز نہیں اس لیے کہ یہ رحمت تخفیف اور رخصت ہے یہ گناہوں کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتی۔ یعنی صلوٰۃ الخوف ممنوع یا حرام قتال میں جائز نہیں ہوگی جیسے اہل عدل سے قتال کرنا یا مال والوں سے انکا مال چھننے کے لیے قتال کرنا۔

۲۔ **دشمن یا درندے کی موجودگی یا غرق ہونا یا جلنے کا خوف**...... جس کی جان یا مال کو دشمن کا خوف ہو یا کوئی اور خطرہ ہو تو جمہور اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق اس کے لیے صلوۃ الخوف جائز ہے چاہے سفر ہو یا حضر، بحر ہو یا برا، قتال ہو یا کچھ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے:

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ......النساء: ۴/ ۱۰۲

جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ۔

یہ ہر حال کے لیے عام ہے۔ اگر انھوں نے سایہ دیکھا اور اسے دشمن گمان کر کے صلوۃ الخوف پڑھ لی۔ اگر بعد میں وہ دشمن ہی نکلے تو نماز ہو جائے گی ورنہ نہیں ہوگی۔ اگر نماز خوف کے بغیر ہو تو فاسد ہو جائے گی۔

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حالت امن میں ہو اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنی نماز مکمل کرلے اور جو شخص امن میں ہو پھر اس کا خوف بڑھتا جائے تو وہ صلوٰۃ خوف پڑھے۔

مالکیہ کہتے ہیں: جو شخص امن کی حالت میں ہو وہ امن کی نماز پڑھے اور مقیم کی نماز مکمل ہوگی جب کہ سفر کی چار رکعتی نماز قصر ہوگی چونکہ خوف عدد رکعات میں موثر نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ سفر جو قصر کو مباح کر دیتا ہے اس کی مقدار ۸۹ کلومیٹر ہے امام ہر طائفہ کو ایک رکعت پڑھائے گا اور حالت حضر میں امام ہر طائفہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے گا۔

سوم: **صلوۃ خوف ادا کرنے کا طریقہ**..... فقہاء نے دو پہلوؤں پر اتفاق کیا ہے لشکر کے لیے جائز ہے کہ وہ دو اماموں کے پیچھے نماز پڑھیں ہر جماعت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے جب خوف میں شدت آجائے اور جماعت کرنی دشوار ہو تو فوجیوں کے لیے جائز ہے کہ الگ الگ سوار یا پیادہ نماز ادا کریں اور اپنے اپنے موروچوں اور خندقوں میں نماز ادا کریں رکوع اور سجدہ میں اشارے کریں جس طرف منہ چاہیں موڑ لیں خواہ قبلہ کی طرف یا کسی اور طرف البتہ تکبیر تحریمہ قبلہ رو ہو کر کہیں بشرطیکہ اس پر قادر ہوں چونکہ یہ نماز بوجہ ضرورت کے لیے ضرورت کی وجہ سے ارکان اور قبلہ کی طرف منہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔

رہی بات نماز خوف جماعت کے ساتھ پڑھنے کی جو کہ ایک امام کے پیچھے ہو تو یہ نماز ہر اس طریقہ سے جائز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ احادیث میں یہ سولہ طریقہ بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح مسلم میں اکثر سنن ابی داؤد میں اور ان میں سے نو صحیح ابن حبان میں البتہ وہ طریقہ اختیار کرنا صحیح ہے جو نماز کے لئے زیادہ محتاط ہو اور اس میں چوکیداری کی رعایت بھی ہو۔

ان سب سے سات طریقے زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے جمہور نے وہ طریقے اختیار کیے ہیں جو ان کے نزدیک زیادہ قوی اور صحیح ہیں۔ حنابلہ نے ان سب طریقوں کو جائز قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اختیار کیا ہے جو آیا جاتی ہے۔ ❶

---

❶ ...... دیکھئے اللباب ۱/ ۱۲۵ فتح القدیر: ۱/ ۴۴۱۔ بداية المجتهد ۱/ ۱۷۰ المغنی ۲/ ۴۰۱ معنی المحتاج: ۱/ ۳۰۱ الشرح الصغیر ۱/ ۵۱۹ القوانین الفقهية ۸۳ کشاف القناع ۲/ ۱۰ نیل الاوطار میں ۳/ ۳۱۶ الشرح الکبیر ۱/ ۳۹۱ شرح الرسالة ۱/ ۲۵۳

اول: عسفان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز...... ❶ شافعیہ اور حنابلہ نے اس طریقہ کا اس صورت میں اعتبار کیا ہے جب دشمن سوئے قبلہ ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام اپنے پیچھے لوگوں کی دو یا اس سے زیادہ صفیں بنائے امام انھیں ایک رکعت پڑھائے اور سجدہ تک پڑھائے جب امام سجدہ کرے اور امام کے پیچھے والی صف امام کے ساتھ سجدہ کرے جب کہ دوسری صف چوکیداری کرتی رہے یہاں تک کہ امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے جب امام کھڑا ہو جائے تو پیچھے والی صف سجدہ کرے اور ان کے ساتھ مل جائے۔

دوسری رکعت میں وہ صف امام کے ساتھ سجدہ کرے جس نے پہلے چوکیداری کی تھی اور دوسری صف چوکیداری کرتی رہے جب امام تشہد کے لئے بیٹھ جائے تو چوکیداری کرنے والی صف سجدہ کرے اور پھر دونوں صفیں تشہد میں بیٹھ جائیں اور امام سبھی کو سلام پھیروائے یہ نماز قصر ہوگی چونکہ حالت سفر ہے حنابلہ نے اس طریقہ کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مسلمانوں کو پیچھے سے دشمن کے شب خون مارنے کا خوف نہ ہو اور یہ کہ بعض کفار مسلمانوں سے پوشیدہ نہ ہوں اور یہ کہ نمازیوں میں ایسی کثرت ہو جن کی تفریق ممکن ہو ہر جماعت تین یا اس سے زائد افراد پر مشتمل ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے طائفہ کا ذکر جمع کے لفظ سے کیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا سَجَدُوا ......النساء ۴/ ۱۰۲

اور کم از کم جمع کے افرد تین ہوتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو کفار کی کمین گاہ کا خوف ہو یا بعض کفار مسلمانوں سے پوشیدہ ہوں یا مسلمانوں کی تعداد چھ اشخاص سے کم ہو تو پھر اس طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے نماز پڑھیں۔

دوم: غزوہ ذات الرقاع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز......غزوہ ذات الرقاع میں جس صفت پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے یہ طریقہ شافعیہ اور حنابلہ کا مختار طریقہ ہے بشرطیکہ جب دشمن قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت میں ہو یہ شرط حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق یہ صورت مطلقاً مختار ہے خواہ دشمن سوئے قبلہ ہو یا نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دے ایک جماعت امام کے ساتھ ہو اور دوسری جماعت دشمن کی طرف چوکیداری کر رہی ہو، دو رکعتی نماز میں امام اذان واقامت کے ساتھ پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائے تین رکعتی اور چار رکعتی نماز میں پہلی جماعت کو دو رکعتیں پڑھائے پھر یہ جماعت اپنے تئیں نماز پوری کر لے اور سلام پھیر کر چلی جائے اور چوکیداری کے فرائض انجام دے۔

پھر دوسری جماعت آجائے اور امام انھیں دو رکعتی نماز میں دوسری رکعت پڑھائے اور چار رکعتی نماز میں آخری دو رکعتیں پڑھائے جب کہ مغرب کی نماز میں تیسری رکعت پڑھائے امام سلام پھیر دے اور مقتدی اپنی نماز پوری کریں سورت فاتحہ بھی پڑھیں اور ساتھ کوئی اور سورت بھی البتہ مالکیہ کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نماز پوری کریں جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک امام سلام نہ پھیرے بلکہ مقتدیوں کا انتظار کرے اور جب مقتدی بقیہ نماز پڑھ کر تشہد بھی پڑھ لیں ان کے ساتھ سلام پھیرے البتہ وقفہ کے دوران امام تشہد دھراتا رہے یا طویل دعائیں کرتا رہے ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ ......النساء: ۴/ ۱۰۲

چاہیے کہ دوسری جماعت آجائے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی او وہ آپ کے ساتھ (یعنی امام کے ساتھ) نماز پڑھیں یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدیوں کی نماز ساری کی ساری امام کے ساتھ ہو، امام کی معیت دو صورتوں میں حاصل ہو جاتی ہے یا تو تکبیر تحریمہ کی فضیلت حاصل ہو یا سلام کی فضیلت حاصل ہو۔

سوم: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز......صلوۃ خوف کا یہ طریقہ حنفیہ کا مختار

---

❶ ..... طریقہ ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور یہ ابو عیاش زرقانی کی حدیث میں آیا ہے۔

طریقہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردے ایک گروہ دشمن کی طرف چوکیداری کرتا ہے اور دوسرا گروہ امام کے پیچھے نماز پڑھے چنانچہ یہ گروہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام انھیں ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے پھر جمہور کے نزدیک یہ گروہ یہیں اپنی بقیہ نماز پوری کر کے چلا جائے اور چوکیداری کرے۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک یہ گروہ ایک رکعت کے بعد نماز مکمل کئے بغیر چوکیداری کے لئے دشمن کی طرف چلا جائے۔

پھر دوسرا گروہ آجائے اور امام انھیں ایک رکعت اور سجدے پڑھائے تشہد پڑھے اور تنہا سلام پھیرے تا کہ اپنی نماز مکمل کرلے اور یہ گروہ امام کے پیچھے سلام نہ پھیرے چونکہ یہ مسبوق ہیں البتہ یہ لوگ چلتے ہوئے دشمن کی طرف چوکیداری کے لئے چلے جائیں، جب کہ جمہور کے نزدیک یہ گروہ اپنی نماز پوری کرے اور پھر چوکیداری کے لئے جائے حنفیہ کہتے ہیں پھر پہلا گروہ آجائے اور نماز مکمل کرے یا اپنی اپنی جگہ پر نماز مکمل کرے تا کہ چلنا نہ پڑے یہ گروہ بغیر قرأت کے نماز مکمل کرے چونکہ یہ لاحقین کے حکم میں ہیں تشہد پڑھیں اور سلام پھیر کر چوکیداری کے لئے چلے جائیں۔

پھر دوسرا گروہ آجائے اور یہ گروہ قرأت کر کے اپنی نماز مکمل کرے چونکہ یہ مسبوقین کے حکم میں ہیں چنانچہ امام مالک کے شاگرد اشہب کا مذہب حنابلہ کے اس مذہب کے موافق ہے۔

حالت اقامت میں نماز پنجگانہ کی ادائیگی کا طریقہ...... اور امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کو چار رکعتی نماز کی دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے تا کہ دونوں گروہوں کے درمیان برابری ہو جائے۔ مذاہب اربعہ میں مغرب کی نماز کی صورت میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے چونکہ جب فضیلت دہی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو پہلا گروہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور جو فضیلت دوسرے گروہ کی فوت ہو چکی وہ امامت کے ساتھ سلام پھیرنے سے پوری کرلے۔ امام صبح کی نماز ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے۔

چہارم: مقام بطن نخل ❶ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ خوف...... جب دشمن بسوئے قبلہ نہ ہو تو شافعیہ نے اس طریقہ نماز کا اعتبار کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام دو مرتبہ پوری پوری نماز پڑھے ہر طائفہ (گروہ) کو پوری نماز ایک بار پڑھائے اور ہر طائفہ کو سلام بھی پھیروالے، یہ طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے چونکہ اس میں تکلیف کم ہے اور بار بار امام سے جدا نہیں ہونا پڑتا زیادہ سے زیادہ اس میں یہ لازم آتا ہے کہ دوسری نماز میں امام کی نماز نفل ہوگی جب کہ مقتدیوں کی نماز فرض ہوگی اور یہ بالاتفاق جائز ہے رہی بات حنابلہ اور حنفیہ کی سوا ان حضرات کے نزدیک متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز فقط صلوٰۃ خوف کی صورت میں جائز ہے اور اس کے علاوہ ممنوع ہے۔

پنجم: غزوہ ذات الرقاع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت روایت کی ہے ❷ اس کی تفصیل یوں کہ امام پوری چار رکعات پڑھے اور ہر گروہ امام کے پیچھے صلوٰۃ قصر یعنی دو دو رکعتیں پڑھے یوں امام کی چار رکعتیں ہو جائیں گی اور قوم (مقتدیوں) کی دو دو رکعتیں ہوں گی جو قصر ہوں گی۔

ششم: مقام ذی قرد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز...... ❸ یہ طریقہ نماز خوف ابن عباس، حذیفہ، زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ❹ جب کہ اکثر فقہاء نے اس طریقہ کا انکار کیا ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی

---

❶...... مقام بطن نخل نجد میں سرزمین غطفان میں ایک جگہ ہے۔ یہ حدیث شیخین، احمد، ابوداؤد ونسائی نے ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ورواہ الشافعی والنسائی عن جابر مرفوعا رحمۃ اللہ علیہ۔ ❷ متفق علیہ بین احمد والشیخین والبخاری مسلم (نیل الاوطار ۳/ ۳۱۹) ❸ مقام ذی قرد مدینہ سے تقریبا ۲۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ❹ حدیث ابن عباس رواہ النسائی باسناد رجالہ ثقات وحدیث حذیفہ رواہ ابوداؤد والنسائی وحدیث زید رواہ النسائی (نیل الاوطار ۳/ ۳۲۱)

کی حدیث پائے نبوت کو نہیں پہنچتی چونکہ نقص رکعات میں خوف موثر نہیں ہوتا، جب کہ امام احمد اور محدثین نے اس طریقہ کو جائز قرار دیا ہے چونکہ اس صورت کی احادیث صحیحہ ہیں بہر حال اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام لوگوں کی دو صفیں بنائے ایک صف امام کے پیچھے کھڑی ہو دوسری صف دشمن کے مقابل رہے چار رکعتی نماز جس کی قصر جائز ہوتی ہے امام ہر گروہ کو فقط ایک رکعت پڑھائے اور دوسری رکعت کی قضاء نہیں۔

ہفتم: غزوہ نجد والے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو نماز پڑھانا.....اس طریقہ نماز کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ❶ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک گروہ امام کے ساتھ کھڑا جب کہ دوسرا گروہ دشمن کے مدمقابل کھڑا ہو بایں طور کہ ان کی پشتیں قبلہ کی طرف ہوں، پھر امام تکبیر تحریمہ کہے اور اس کے ساتھ دونوں گروہ تکبیر تحریمہ کہیں، پھر امام کے ساتھ ایک گروہ ایک رکعت پڑھے پھر یہ گروہ دشمن کا سامنا کرنے چلا جائے پھر دوسرا گروہ آ جائے اور وہ اپنے تئیں ایک رکعت پڑھے جب کہ امام کھڑا رہے پھر امام اس گروہ کو بقیہ رکعت پڑھائے پھر وہ گروہ آ جائے جو دشمن کے سامنے کھڑا تھا وہ اپنے تئیں ایک رکعت پڑھے جب کہ امام بیٹھا رہے پھر امام سلام پھیرے اور سب مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں یعنی اس صورت میں ابتدا اور انتہاء میں امام کے ساتھ دونوں گروہ مشترک ہوتے ہیں۔ ❷

دوران نماز اسلحہ اٹھائے رکھنا.....شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شدت خوف کی حالت میں دوران نماز اسلحہ اٹھائے رکھنا مسنون ہے ❸ چونکہ اسی میں احتیاط ہے تاکہ دشمن کا دفاع بھی ہوتا رہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَلْيَأْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ اور وہ پہلے ہتھیار ساتھ لے لے۔(النسائی: ۴/۱۰۲) پھر فرمان ہوا:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ

اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عذر کے نہ ہوتے ہوئے اس میں گناہ ہے البتہ نجس اسلحہ اپنے ساتھ دوران نماز نہ اٹھائے اسی طرح تیر اور نیزہ بھی نہ ساتھ رکھے جس سے لوگوں کو اذیت پہنچے۔

حالت خوف میں نماز جمعہ.....شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ حضر کی حالت میں خوف پیش آنے کی صورت میں نماز جمعہ پڑھی جائے ❹ البتہ سفر کی حالت میں نماز جمعہ نہ پڑھی جائے اس میں شرط یہ ہے کہ ہر گروہ چالیس آدمیوں سے زائد پر مشتمل ہو اور وہ ایسے ہوں جن کی نماز جمعہ صحیح ہوتی ہو اور وہ خطبہ بھی سنتے ہوں۔

نماز جمعہ کے لئے عسفان میں پڑھی گئی نماز یا ذات الرقاع کے موقع پر پڑھی گئی نماز کا طریقہ اختیار کیا جائے بطن نخل والا طریقہ اختیار نہ کیا جائے چونکہ اس میں نماز میں تعدد ہے اور اس میں امام کو ہر طائفہ کے ساتھ دو مرتبہ نماز پڑھنی ہوتی ہے، جب کہ جمعہ کی نماز ایک بار پڑھ لینے کے بعد دوسری مرتبہ نہیں پڑھی جاتی یوں بھی جائز نہیں کہ ایک گروہ کو خطبہ دے اور دوسرے گروہ کو نماز پڑھائے بلکہ ضروری ہے کہ جس نے خطبہ سنا ہو وہ نماز میں بھی حاضر ہو۔

صلوٰۃ خوف میں امام کا بھول جانا.....مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں ❺ جب امام لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے جیسا کہ ذات الرقاع اور عسفان کے مواقع میں نمازیں ادا کی گئیں اور پھر نماز پڑھانی شروع کی اور امام سے بھول ہوگئی تو اس کی بھول سب کو لاحق رہوگئی لہٰذا

❶.....رواہ احمد وابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۳/۳۲۰) ❷ صلوٰۃ خوف کی سولہ صورتیں احادیث میں منقول ہیں۔ احادیث میں غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن، جنگ، علاقہ اور مسلمانوں کے اس وقت کے احوال کے پیش نظر جونسی صورت مناسب ہو وہ اختیار کر لی جائے تو کافی سمجھی جائے گی۔ ❸ مغنی المحتاج ۱/۳۰۴ کشاف القناع ۲/۷ المهذب ۱/۱۰۷۔ ❹ مغنی المحتاج: ۱/۳۰۳ المغنی ۲/۴۰۵ کشاف القناع ۲/۱۷۔
❺ الشرح الصغیر ۱/۵۲۰، مغنی المحتاج: ۱/۳۰۳ کشاف القناع ۲/۱۲، المهذب: ۱/۱۰۵۔

نماز مکمل کرتے وقت سجدہ سہو کیا جائے گا چونکہ امام کی نماز میں فی الواقع نقص واقع ہوا ہے البتہ مالکیہ کہتے ہیں پہلا گروہ سلام سے پہلے سجدہ کرے دوسرے گروہ امام کے ساتھ سجدہ کرے۔

اگر دوسری رکعت میں مفارقت کے بعد سہو ہوا تو پہلے گروہ کو سجدہ سہو لاحق نہیں ہوگا چونکہ پہلا گروہ سجدہ سہو کے سبب کے پیدا ہونے سے پہلے ہی الگ ہو گئے ہیں ہاں البتہ دوسرا گروہ نماز کے آخر میں امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور حالت انتظار میں انہیں سجدہ سہو لاحق ہوگا۔

اگر ہر گروہ کو سہو لاحق ہوا پہلے گروہ کو پہلی رکعت میں اور دوسرے گروہ کو دوسری رکعت میں چونکہ پہلا گروہ حقیقۃً امام کی اقتداء میں ہے اور دوسرا گروہ حکماً امام کی اقتدا میں ہے۔

چہارم: نماز خوف میں مسبوق کی قضاء..... مسبوق جو قضاء کرے گا وہ اس کی اول نماز ہوگی یا آخر تا ہم اس موضوع پر تفصیلاً صلوٰۃ الجماعت میں گفتگو ہو چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مسبوق کو امام کے ساتھ جو نماز مل گئی وہ اس کی اول نماز ہے اور جو قضاء کرے گا وہ اس کی نماز کا آخری ہے چونکہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز تم نے پالی وہ پڑھ لو اور جو فوت ہوگی اسے مکمل کرلو اس حدیث کی روشنی میں متبادر فی الذہن یہی ہوتا ہے اعمال نماز کی جو ترتیب ہے اسی کے مطابق مسبوق کی نماز ہوگی۔

چنانچہ جو شخص نماز مغرب میں ایک رکعت پائے وہ ایک رکعت کے لئے کھڑا ہو اور فاتحہ اور سورت پڑھے پھر تشہد کے لئے بیٹھ جائے پھر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں صرف سورت فاتحہ پڑھے۔

حنفیہ کا مذہب اور حنابلہ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ مسبوق جو قضاء کرے گا وہ اس کی نماز کا اول حصہ ہوگا اور جو نماز امام کے ساتھ پائے گا وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوگا۔ یعنی اعمال نماز کی ترتیب طبعیہ کے برعکس ہے چونکہ حدیث میں ہے جو نماز پالو وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کی قضاء کرلو لہٰذا مسبوق ثناء، تعوذ فاتحہ اور سورت پڑھے گا اور جب امام کے ساتھ مغرب کی صرف ایک رکعت پائے تو بعد میں دو رکعتیں اکٹھی پڑھے اور ان کے درمیان تشہد کے لئے نہ بیٹھے۔

مالکیہ کہتے ہیں..... اقوال وافعال میں فرق کیا جائے گا، لہٰذا اس قوال میں یعنی قرأت میں قضاء کرے گا جیسے حنفیہ اور حنابلہ کا موقف ہے اور افعال میں بناء کرے گا جیسے شافعیہ کا موقف ہے۔ فتامل

پنجم: صلوٰۃ خوف کب باطل ہوتی ہے..... حنفیہ کہتے ہیں صفوں کی درستی کے سواء اور غرض کے لئے چلنے سے صلوٰۃ خوف باطل ہو جاتی ہے، حدث کا لاحق ہو جانا اور مطلقاً سوار ہونا چونکہ سوار ہونا عمل کثیر ہے جب کہ سوار ہونا ایسا عمل ہے جس کی چنداں ضرورت نہیں بخلاف چلنے کے چونکہ چلنا ایسا عمل ہے جس کے سوا کوئی چارہ نہیں ایسے ہی قتال کثیر سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے البتہ تھوڑی بہت جنگ سے فاسد نہیں ہوتی جیسے تیر چلا دینا دوران نماز نمازیوں کو قتال نہیں کرنا چاہیے چونکہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی اگر جنگ لڑی اور عمل کثیر کے حکم میں آ گئی تو نماز باطل ہو جائے گی یہ چلنے کی بخلاف ہے چونکہ صف بندی کے لئے چلنا پڑتا ہے امام نووی کہتے ہیں: چیخ وپکار اور بات چیت جائز نہیں اگر چیخ لگائی اور دو حروف ظاہر ہو گئے تو نماز باطل ہو جائے گی چونکہ چیخنے کی ضرورت نہیں ہوتی بخلاف چلنے کے افعال یسیرہ کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ چھوٹے موٹے افعال عمل کثیر نہیں ہوتے اور صلوۃ خوف ہی بطریق اولیٰ مفسد نہیں ہوگی۔

اگر افعال کثیرہ صادر ہوئے اگر قتل وقتال، نہ ہوں تو نماز بالاتفاق باطل ہو جائے گی اور اگر افعال کثیرہ جنگ کے متعلق ہوں جیسے نیزہ مارنا، بار بار تلوار چلانا اگر ان کی چنداں احتیاج نہ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی چونکہ عبث کے حکم میں ہے۔

اگر ان کی حاجت تھی اور ضرورت تھی تو اکثر فقہاء کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت کو چلنے پر قیاس کرلیا گیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قتال کا دارومدار تلوار کی ضرب پر ہے جو غالباً ایک دو ضربوں سے حاصل نہیں ہوتا اور مختلف ضربوں میں فرق کرنا بھی

ناممکن ہے۔

ہشتم: **گھمسان کی جنگ اور شدت خوف کے وقت نماز**......ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شدت خوف کے وقت نماز کی کوئی معین صورت نہیں ہے بلکہ لشکر اشاروں سے بھی نماز پڑھ سکتا ہے، فقہاء کی عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں (۱۱) اگر لشکر کا خوف شدت اختیار کر جائے بایں طور کہ دشمن نماز کا موقع بھی نہ دے اور مسلمان فوجی گاڑیوں وغیرہ سے نیچے اترنے سے عاجز ہوں تو سوار ہی الگ الگ نماز پڑھیں، چونکہ اس صورت میں اقتداء درست نہیں اس لیے کہ امام اور مقتدیوں کی جگہ مختلف ہے رکوع وسجدہ اشاروں سے کریں اور جس طرف چاہیں رخ کر لیں بشرطیکہ جب قبلہ کی طرف رخ کرنے پر قدرت نہ ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا......البقرۃ ۲/۲۳۹

اگر تمہیں خوف لاحق ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر نماز ادا کرلو۔

بوجہ ضرورت قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ساقط العمل ہو گیا جیسے ارکان نماز ساقط ہو جاتے ہیں۔

تیراک......سمندر میں تیرنے والے کے لئے اگر گھڑی بھر کے لئے اعضاء بدن کو سکون میں چھوڑ دینا ممکن ہو تو اشاروں سے نماز پڑھ لے ورنہ تیراک کی نماز درست نہیں جیسے چلنے والے کی نماز اور بالفعل شمشیر زنی میں مصروف شخص کی نماز درست نہیں ہوتی۔ (۱۲)

جمہور...... کہتے ہیں گھمسان کی جنگ کے دوران شدت خوف کی حالت میں نماز صحیح ہے اور اشاروں سے ادا کی جائے گی اسے صلوٰۃ مسابقہ یعنی شمشیر زنی کے وقت کی نماز کہا جاتا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں شدت خوف کے وقت، شمشیر زنی کے وقت یا گھمسان کی جنگ کے وقت آخر وقت جو کہ مختار وقت ہے میں نماز پڑھنا جائز ہے (۱۳) اگر رکوع اور سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اشارے کئے جائیں سجدہ کے لئے رکوع سے تھوڑا زیادہ جھکے اور نماز تنہا تنہا پڑھی جائے پیدل چلتے ہوئے یا سوار ہو کر ٹھہر کر یا آگے بڑھتے ہوئے خواہ رخ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔

بوجہ ضرورت کے گھمسان کی جنگ میں نمازی کے لیے چلنا دوڑنا، ٹھوکر مارنا دوڑ لگانا تلوار سے وار کرنا دشمن کو نیزہ مارنا بچاؤ کا کلام کرنا ابھارنے کے متعلق کلام کرنا، امر الٰہی قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا اور خون آلود تلوار ہاتھ میں رکھنا سب امور حلال ہیں۔ اگر گھمسان کی جنگ میں امن کی حالت پیدا ہو جائے تو رکوع وسجدہ کر کے نماز مکمل کی جائے گی۔

شافعیہ...... کہتے ہیں (۱۴) جب گھمسان کی جنگ چھڑ جائے یا خوف بڑھ جائے ہر مجاہد جیسے ممکن ہو نماز پڑھے خواہ سوار ہو یا پیادہ رکوع اور سجدہ میں اشارے کرے اگر رکوع سجدہ سے عاجز ہو تو سجدہ کو ذرا نیچے جھک کر کرے ترک قبلہ میں معذور سمجھا جائے گا اسی طرح اعمال کثیرہ میں بوجہ ضرورت معذور سمجھا جائے گا، البتہ چیخ وپکار میں معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ چیخ وپکار سے نماز باطل ہو جائے گی اگر اسلحہ مقدار معفو سے زیادہ خون آلود ہو جائے تو اسلحہ پھینک دے تاکہ نماز باطل نہ ہو اگر اسلحہ کو اٹھائے رکھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو اٹھائے رکھ سکتا ہے چونکہ اٹھانے کی ضرورت ہے ایسی حالت میں ظاہر مذہب میں قضاء نہیں۔

---

(۱۱)......الدر المختار ۱/۷۹۴ فتح القدیر: ۱/۴۴۵ مراقی الفلاح ۹۴ اللباب ۱/۱۲۷۔ (۱۲) شمشیر زنی کے دوران کسی شخص کے لیے بھی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ (۱۳) دیکھئے بدایۃ المجتهد ۱/۱۷۲ الشرح الصغیر ۱/۵۲۰ شرح الرسالۃ ۱/۲۵۴ القوانین الفقهیۃ ۸۳۔ (۱۴) مغنی المحتاج: ۱/۳۰۴ المهذب ۱/۱۰۷

نمازی شدت خوف میں عام خوف پیش آنے کی صورت میں بھی نماز خود پڑھ سکتا ہے مثلاً نماز، خواہ حالت حضر میں ہو یا حالت سفر میں قتال وہزیمت میں یا آگ اور سیلاب سے بھاگ رہا ہو یا درندے سے بھاگ رہا ہو یا مقروض ہو اور تنگدستی کی وجہ سے بھاگ رہا ہو اور قید ہونے کا خوف ہو صلوٰۃ خوف پڑھ سکتا ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں ❶ جب خوف بڑھ جائے اور مجاہدین شمشیر زنی میں مصروف ہوں تو سوار و پیادہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ خواہ قبلہ رو ہوں یا نہ ہوں، رکوع وسجدہ میں بقدر طاقت اشارے کریں سجدہ رکوع کی بنسبت ذرا زیادہ جھک کے ہو۔ جیسے مریض سجدہ ذرا زیادہ جھک کے کرتا ہے اگر ہو سکے۔

تو تکبیر تحریمہ قبلہ رو ہو کر کہیں ورنہ جس طرف رخ ہو کہہ دیں دوران نماز آگے بھی بڑھ سکتے ہیں اور پیچھے بھی ہٹ سکتے ہیں۔ تلوار سے وار بھی کر سکتے ہیں اور نیزوں سے حملہ اور بھی ہو سکتے ہیں آگے بڑھ کر حملہ بھی کر سکتے ہیں اور بھاگ بھی سکتے ہیں البتہ نماز کو وقت سے مؤخر نہ کریں۔

شدت خوف کی حالت میں جماعت کے ساتھ مجاہدین کا نماز پڑھنا صحیح ہے بلکہ اگر متابعت ممکن ہو تو جماعت واجب ہے سوار و پیادہ جماعت کر سکتے ہیں اگر جماعت ممکن نہ ہو تو جماعت واجب نہیں اور نہ ہی جماعت کا انعقاد ہوگا۔

شدت خوف میں امام کے مقتدی سے مؤخر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اسلحہ کے خوف میں آلودہ ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ آلودگی زیادہ کیوں نہ ہوں البتہ چیخ وپکار اور کلام سے نماز باطل ہو جاتی ہے چونکہ اس کی حاجت میں یہ نماز اس شخص کے لئے بھی جائز ہے جو دشمن سے بھاگا ہو اور اس کا بھاگنا مباح ہو جیسے قتل کا خوف ہونا یا سیلاب سے بھاگنا درندے سے بھاگنا، آگ سے بھاگنا یا ظالم قرض خواہ سے بھاگنا، یا اپنی جان کا ایک اہل وعیال کا یا مال کا مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز کا خوف ہو۔

آٹھویں بحث......نماز جنازہ اور جنائز، شہید اور قبور کے احکام:

اس میں چار مقاصد ہیں۔ یہ معلوم ہو جانا چاہے کہ جنازہ (جیم کی فتح یا کسرہ کے ساتھ) سے مراد وہ میت ہے جو تابوت میں رکھی ہو۔

پہلا مقصد...... موت سے پہلے مسلمان سے جو مطالبہ ہوگا موت کے وقت جو چیزیں مستحب ہیں اور موت کے بعد تجہیز وتکفین۔

دوسرا مقصد...... میت کے حقوق (غسل تلقین، نماز جنازہ کا اٹھانا اور دفن)

تیسرا مقصد...... تعزیت اور میت پر رونا دھونا۔

چوتھا مقصد...... اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونا۔

ہر مقصد میں کثیر فروع ہیں میں ہر مقصد پر علیحدہ علیحدہ بحث کروں گا۔

پہلا مقصد...... وہ امور جو قبل از موت مسلمان سے مطلوب ہیں:
بوقت موت جو امور مستحب ہیں اور موت کے تجہیز وتکفین

موت کے لئے تیار رہنا...... دو زندگیوں یعنی دنیا کی حیات فانی اور آخرت کی حیات ابدی کے درمیان موت ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جو شخص دنیا میں اچھے اعمال کرتا ہے اسے برے حساب سے نجات مل جاتی ہے اور آخرت میں

---

❶......المغنی ۲/۴۱۶ کشاف القناع ۲/۱۸۔

عذاب سے خلاصی مل جاتی ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہشتوں میں آباد ہوجاتا ہے اور جو شخص برے اعمال کرتا ہے اسے دوزخ کی آگ کے عذاب میں پڑنا ہوگا ہاں البتہ اللہ جسے معاف فرمادے۔

حقیقت میں موت ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونے کا نام ہے موت فنا نہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لی جیسے کہ روح کا بدن سے جدا ہونا موت ہے، جمہور متکلمین کے نزدیک روح: جسم لطیف ہے جو بدن کے رگ وریشے میں رچا بسا ہوتا ہے جیسے ہری ٹہنی میں پانی کا موجود ہونا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک روح فنا نہیں ہوتی باقی رہتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ...... الزمر ۳۹/ ۴۲

اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرلیتا ہے۔

یعنی جسموں کو موت دیتے وقت روحوں کو قبض کرلیا جاتا ہے۔

موت کو یاد رکھنا چاہیے...... موت کا یاد رکھنا اور اس کے لئے تیاری کرنا ہر انسان کے لئے مستحب ہے۔① چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لذات کو قطع کرنے والی چیز یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو② بیہقی اور نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے چنانچہ جس چیز کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے وہ قلت کا شکار ہوجاتی ہے اور جس چیز کو قلیل یاد کیا جائے وہ بکثرت پائی جاتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جیسا کہ اس سے حیاء کرنے کا حق ہے صحابہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! الحمد للہ! ہم اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اس طرح حیاء کرنا مقصود نہیں، بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرتا ہو جیسا کہ حیاء کرنے کا حق ہے وہ اپنے سر اور جو کچھ سر میں محفوظ ہو اسکی حفاظت کرے پیٹ اور جو کچھ پیٹ میں بھرا پڑا ہے اس کی حفاظت کرے موت اور بوسیدگی کو یاد کیا جائے جو شخص آخرت کا خواہشمند ہو وہ دنیا کی زینت کو ترک کردے سو جس شخص نے ایسا کیا گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کی جس طرح کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔③

موت کے لئے تیاری...... گونا گوں تاریکیوں سے بغاوت کرکے معافی اور گناہوں سے توبہ کرکے اور اطاعت کی طرف متوجہ ہوکر موت کی تیاری کی جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ الکہف ۱۸/ ۱۱۰

سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہو وہ نیک عمل کرے اور رب تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبر کھودتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے حتی کہ آپ کے آنسوؤں سے مٹی نمناک ہوگئی اور فرمایا: اے میرے بھائیو! اس شخص کی طرح تیاری کرو④ یعنی موت کی تیاری کرو اور تیاری کا سامان کرو۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں موت کے وقت حسن ظن...... مریض کے لئے مسنون ہے کہ بوقت وفات اسے اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہو اس وقت اپنے گناہوں اور خطاؤں کو بھول جائے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ میں رب کریم اور گناہوں کو بخشنے والی ذات کا سامنا کرنے جارہا ہوں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی ایک حدیث قدسی ہے کہ میں اپنے بندے کے ظن (گمان) کے پاس ہوتا ہوں۔

---

①...... المهذب: ۱/ ۱۲۶ مغنی المحتاج ۱/ ۳۲۹ کشاف القناع ۲/ ۸۷، المغنی: ۲/ ۴۴۸۔ ②رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه وابونعيم فی الحلية عن ابن عمر رضی الله عنهما رواه الحاكم والبيقهی عن ابی هريرة ورواه الاخرون عن انس وهو صحيح۔ ③رواه الترمذی باسناد حسن۔ ④رواه ابن ماجه باسناد حسن۔

بیمار کی تیمار داری.......مریض کی عیادت مسنون ہے ❶ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازوں کے ساتھ چلیں اور مریض کی تیمار داری کریں ❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ مسلم کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: جب تم مسلمان سے ملاقات کرو اسے سلام کرو جب مسلمان تمہیں دعوت دے تم اس کی دعوت قبول کرو جب مسلمان تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تم اس سے خیر خواہی کا معاملہ کرو جب مسلمان کو چھینک آئے اور وہ چھینک پر الحمد للہ کہے تو تم جواب میں یرحمک اللہ کہو، جب بیمار ہو جائے اس کی عیادت کرو اور جب مر جائے تو اس کے ساتھ چلو ❸ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کسی دوسرے مسلمان کی صبح کو عیادت کرتا ہو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اگر شام کے وقت عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور عبادت کرنے والا جنت میں میوہ خوری کرر ہا ہوتا ہے۔ ❹

رقیہ (جھاڑ پھونک)......جب کوئی شخص مریض کے پاس جائے تو اس کے لیے صحت یابی اور عافیت کی دعا کرے اور اسے دم کرے چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو حمزہ مجھے تکلیف ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمہیں وہ دم نہ کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے؟ ثابت رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ دم پڑھا:

اللھم رب الناس مذھب الباس اشف انت الشافی شفاء لایغادر سقمًا

یا اللہ! اے لوگوں کے پروردگار درد تکلیف کو ختم کرنے والے شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔ ❺

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں دم یوں ہے:

بسم اللہ ارقیك من کل شیءٍ یوذیك من شر کل نفس وعین حاسدۃ اللہ یشفیك

یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

اسال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیك

یہ دعا سات مرتبہ پڑھے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مریض کی عیادت کرنے جائے جب کہ اس کی موت کا وقت قریب نہ ہوا ہو تو اس کو مریض کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اسے اس مرض سے عافیت بخشے گا۔

مریض کے پاس سورت فاتحہ پڑھنا بھی مستحب ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے تمہیں کیا معلوم کہ سورت فاتحہ رقیہ ہے مریض کے پاس سورت اخلاص اور معوذتین بھی پڑھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت بھی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مریض کے عیادت کرنے جائے اسے چاہئے کہ یہ دعا پڑھے:

اللھم اشف عبدك ینکا بك عدوا اویمشی لك الی صلوۃ

یا اللہ اپنے بندے کو شفا عطا فرما۔ یہ تیری مدد کے ذریعے دشمن کو مار بھگائے گا یا تیری رضا کے لئے نماز کے لئے چلے گا۔ ❻

نیز صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے آئے تو انھوں نے یہ دم پڑھا:

بسم اللہ ارقیك من کل شیءٍ یوذیك من شر کل نفس اوعین حا سد، اللہ یشفیك با سمہ ارقیك

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مریض کے پاس تشریف لے جاتے یہ کلمات کہتے:

---

❶......مغنی المحتاج: ۲۵۷/۱ المھذب ۱۲۶/۱ المجموع ۹۴/۵ المغنی ۴۴۹/۲ کشاف القناع ۸۵/۲۔ ❷رواہ البخاری ومسلم۔
❸رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد ❹قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب۔ ❺قال ابوزرعۃ کلا ھذین الحدیثین صحیح۔
❻حدیث حسن رواہ ابوداؤد الحاکم والترمذی والنسائی عن ابن عباس

لابأس طهور ان شا الله

مریض کی ڈھارس بندھائی جائے...... عیادت کرنے والے کو مریض کی حالت دریافت کرنا چاہیے زندگی میں اسے امید دلائے جس سے وہ خوش رہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو زندگی کے بارے میں اسے تسلی دو ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی موت تو نہیں ٹل سکتی البتہ مریض کا دل خوش ہو جائے گا (1) عیادت کرنے والا مریض کو توبہ کرنے اور وصیت کرنے کے بارے میں ترغیب دے۔ چنانچہ حدیث ہے مسلمان کا حق ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو جو دو راتیں اس کے پاس گزار دے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہونی چاہئے۔ (2)

مریض کے پاس عائد کو زیادہ دیر تک نہیں بیٹھنا چاہیے چونکہ اس میں ڈانٹ ڈپٹ کا خوف ہے (3) دن کو دو پہر کے وقت عیادت کرنا مکروہ ہے صبح کو یا شام کو عیادت کی جائے رمضان میں رات کے وقت عیادت کی جائے چونکہ بسا اوقات مریض کی ایسی حالت دیکھنے میں آتی ہے جو اس کے ضعف پر دلالت کرتی ہے (4)۔

صبر وشکایت اور اللہ تعالیٰ سے حسن ظن...... مریض اپنے درد اور تکلیف کی خبر دے طبیب کے علاوہ جو بھی ہو اسے خبر دے لیکن شکوہ سے بچ کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جب شکایت سے پہلے شکر، ہو تو وہ شکایت نہیں ہوتی۔

مریض اور ہر مبتلائے آزمائش کو صبر کی تلقین کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ

صبر کر اور تمہارا صبر اللہ ہی کے واسطے ہے۔

نیز فرمان نبوی ہے: صبر روشنی ہے (5) ایک اور روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے شفاء عطا فرمائے۔

آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے گا اگر چاہو تو صبر کرو اور اسکا تمہارے اوپر کوئی حساب نہیں عورت نے کہا میں صبر کرتی ہوں تا کہ مجھ پر کوئی حساب نہ ہو۔ (6)

صبر جمیل...... ایسا صبر جس میں تکلیف کا مخلوق سے شکوہ اور شکایت نہ کی جائے البتہ رب تعالیٰ سے شکایت صبر جمیل کے منافی نہیں بلکہ رب تعالیٰ سے شکوہ مطلوب ہے چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے کہا:

رَبِّ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ

اے میرے پروردگار مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ

میں اپنے غم اور حزن کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں۔

---

(1)......رواه ابن ماجه وهو ضعيف (2) متفق عليه عن حديث ابن عمر۔ (3) یہ حکم تب ہے جب مریض کو زیادہ دیر بیٹھنے سے اذیت اور تکلیف ہوتی ہے اگر مریض کی خواہش ہو کہ عائد میرے پاس بیٹھا رہے تو اس صورت میں اس کے پاس بیٹھنا باعث ثواب ہے۔ (4) یہ سطور لکھتے وقت یعنی ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۰ کو مجھے استطلاق بطن کا شدید مرض لاحق ہوا دروازے بھی نہ رکھ سکا اور مقتدی رات کو میری عیادت کے لئے آئے اس سنت کے احیاء پر الحمد للہ اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری بیماری اور یہ سطور موافق رہیں۔ (5) رواہ مسلم۔ (6) رواہ البغوی عن ابی ہریرۃ

اوپر کی سطور میں گزر چکا ہے کہ مریض کو رب تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہئے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز نہ مرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو ❶ یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے رحم وکرم کی امید رکھتا ہو، اور درگزر کا امیدوار ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، لغزشوں کو درگزر کر دیتا ہے لہٰذا مریض خوف پر رجا (امید) کو مقدم رکھے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے میں اپنے بندے کے حسن ظن، کے پاس ہوتا ہوں۔ ❷

تمنائے موت مکروہ ہے...... بیماری یا تنگدستی کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے چنانچہ صحیحین میں حدیث ہے۔ تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے آگر اس سے سوا چارہ کار نہ ہو تو یوں کہے: یا اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو مجھے وفات دے دے۔

دین کی تباہی یا خوف فتنہ کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں چنانچہ فرمان نبوی ہے'' یا اللہ جب تو اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر میری روح قبض کر لے فی سبیل اللہ شہادت کی تمنا کرنا اس موت کی تمنا نہیں جو ممنوع ہے۔

علاج معالجہ...... شافعیہ کہتے ہیں: مریض کے لئے علاج کرنا مسنون ہے چنانچہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی پیدا کی ہے ضرور اسکی دوا پیدا فرمائی ہے جو حرام کے علاوہ ہے ❸ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل کی اس کی دوا ضرور نازل فرمائی، جو دوائی سے جاہل رہا جاہل رہا جس نے دوائی معلوم کی معلوم کر لی تمہیں گائے کا دودھ پینا چاہے چونکہ گائے ہر قسم کے درخت (جڑی بوٹی) کھاتی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوائی نازل فرمائی ہے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج مت کرو ❹ مریض کو علاج اور دوائی لینے پر مجبور کرنا مکروہ ہے چونکہ اس سے مریض کی تشویش بڑھتی ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں لکھا ہے کہ اگر توکل علی اللہ کی وجہ سے علاج ترک کر دیا جائے تو یہ باعث فضیلت ہے ❺ حنابلہ بھی کہتے ہیں کہ علاج نہ کرانا افضل ہے چونکہ یہ توکل کے زیادہ قریب ہے البتہ علاج کرانا واجب نہیں ہاں بالاتفاق جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ اس کی دلیل ابودرداء رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے۔

زہر وغیرہ سے علاج کرنا حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ...... البقرۃ ۲/۱۹۵

اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

عیادت ذمی...... حنابلہ کہتے ہیں: ذمی کی عیادت حرام ہے جیسے ذمی کو سلام میں ابتداء کرنا حرام ہے۔ ❻

شافعیہ کہتے ہیں: ذمی کی عیادت کرنا مستحب نہیں ہے ❼ ہاں البتہ جائز ہے بشرطیکہ ذمی پڑوسی ہو یا رشتہ دار ہو یا ذمی کے قبول اسلام کی امید ہو چونکہ اس میں صلہ رحمی اور پڑوسی کا حق ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تا کہ اس کی عیادت کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکے کے سر کے پاس بیٹھے اور اس سے فرمایا: اسلام قبول کر لو لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جب کہ اسکا باپ اس کے پاس ہی بیٹھا

---

❶ ......رواہ مسلم۔ ❷ الحدیث متفق علیه فی الصحیحین عن ابی هریرة مرفوعًا ❸ قال الترمذی حسن صحیح ❹ رواہ ابوداؤد فی سننه باسناد ضعیف ولم یضعفه هو وما لم یضعفة عنده صحیح اوحسن رواہ البخاری عن ابی هریرة ❺ المجموع ۵/۹۵۔
❻ کشاف القناع: ۲/۸۸۔ ❼ المجموع ۵/۹۹، مغنی المحتاج: ۱/۳۲۹

ہوا تھا باپ نے کہا: ابوالقاسم کی بات مان لو چنانچہ لڑکے نے اسلام قبول کرلیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ کہہ رہے تھے تمام تعریفیں اس ذات کی ہیں جس نے اس لڑکے کو دوزخ کی آگ سے نجات دے دی۔

توبۂ یاس اور ایمان یاس...... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یاس کا ایمان غیر مقبول ہے ❶ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ...... غافر ۴۰/۸۵

جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا انھیں ان کا ایمان نفع نہ پہنچا سکا۔

(یاس) ایسی حالت کو کہا جاتا ہے جب انسان موت کے اسباب کو سامنے دیکھ رہا ہو اور قطعی طور پر اسے یقین ہو کہ لامحالہ موت اسے آن لے گی۔

اشاعرہ...... کہتے ہیں حالت یاس کی توبہ مقبول نہیں ہوتی جیسے ایمان یاس مقبول نہیں چونکہ اختیار معدوم ہو جاتا ہے اور توبہ کا رکن مہیا نہیں ہوتا توبہ کا رکن یہ ہے صمیم قلب سے مستقبل میں ارتکاب معاصی کی طرف نہ لوٹنے کا تہیہ کرنا ہے۔

حنفیہ...... کے نزدیک مختار یہ ہے کہ حالت یاس کی توبہ مقبول ہے ہاں البتہ یاس کا ایمان مقبول نہیں چونکہ کافر عارف باللہ نہیں ہوتا وہ جدید ایمان وعرفان کی ابتدا کر رہا ہوتا ہے جب کہ فاسق کو رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس کی حالت بقاء کی حالت ہوتی ہے بقاء ابتداء سے زیادہ آسان ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ اس وقت بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک بندہ غرغرہ کی حالت کو پہنچ جائے ❷ غرغرہ کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب روح گلے تک پہنچ جائے، اور اس وقت قوت گویائی مفقود ہو جاتی ہے۔

اچانک پیش آنے والی موت اور بعث بعد الموت کی ہیئت...... صحیح بات یہ ہے کہ میت کو اعمال کی اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اسے موت آئی ہو۔ چنانچہ فرمان نبوی ہے: بندہ کو انہی اعمال پر اٹھایا جائے گا جن پر اس کی موت ہوئی ہو ❸ فجاۃ (اچانک) کی موت درحقیقت افسوناک جھٹکا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجات کی موت سے اللہ کی پناہ مانگی ہے دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ پہلی حدیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو وصیت اور توبہ کے ساتھ باہم جڑا ہوا ہوں رہی بات بیدار رہنے والوں کی سو ان کے لئے تخفیف اور نرمی ہے۔ چنانچہ ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ فجاۃ کی موت مومن کے لئے درجات ہے اور کافر کے لئے غفلت کا ایک جھٹکا ہے۔ ❹

بوقت موت جو حالت مستحب ہے...... جس شخص کو موت حاضر ہو چکی ہو اس کے لئے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں ❺ موت حاضر ہونے کہ علامات یہ ہیں کہ پاؤں میں ڈھیلا پن آ جاتا ہے ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے رخسار اندر دھنس جاتے ہیں اور مریض پر موت کے دلائل کا حاضر ہو جانا۔

---

❶...... ردالمحتار والدرالمختار ۱/۷۹۶۔ ❷ غرغرہ کی حالت کو فرعونی ایمان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جاتی بار میرا نام بھی لیتے جائے۔ والحدیث اخرجہ ابوداؤد واحمد والترمذی وابن حاجب وابن حبان والحاکم البیہقی عن ابن عمر وھو حدیث حسن ❸ رواہ مسلم وابن ماجہ عن جابر ❹ مغنی المحتاج ۱/۳۶۸۔ ❺ الدرالمختار وردالمحتار ۷۹۵ فتح القدیر: ۱/۴۴۶ القوانین الفقہیۃ ۹۱ اللباب: ۱/۱۲۷ بدایۃ المجتہد ۱/۲۱۸ الشرح الصغیر ۱/۵۶۱ الشرح الکبیر ۱/۴۲۳ مغنی المحتاج: ۱/۳۳۰ المہذب ۱/۱۲۶ الشرح الکبیر ۱/۴۲۳

مریض کو قبلہ رخ دائیں پہلو پر لٹانا...... یہی اتباع سنت ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت اللہ تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے ❶ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے قبلہ رخ لٹادو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے ام رافع کو کہا تھا مجھے قبلہ رو کر دو۔ ❷

اگر قبلہ رو کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے دشوار ہو یا کسی اور وجہ سے تو گدی کے بل مریض کو لٹادیا جائے بایں طور کہ چہرہ اور پاؤں قبلہ رخ ہوں چونکہ اس حالت میں روح نکلنا آسان ہوتی ہے، اگر یہ بھی دشوار ہو تو مریض کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے قریب المرگ مریض کو چمچ یا روئی وغیرہ کے ساتھ ٹھنڈا پانی ٹپکانا مسنون ہے۔

شہادتین کی تلقین...... تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ مریض کے پاس بیٹھا ہوا آدمی خود کلمہ لاالـٰـہ الا اللّٰہ پڑھے چونکہ فرمان نبوی ہے کہ اپنے مردوں کو (مرتے وقت) کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو ❸ ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جو مسلمان بھی وقت موت یہ کلمہ کہتا ہے اسے روزخ سے نجات مل جاتی ہے نیز ابوداؤد اور حاکم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جس کا آخری کلمہ لاالـٰـہ الا اللّٰہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

حنفیہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں: غرغرہ سے پہلے شہادتین کی تلقین مستحب ہے چونکہ شہادت اولیٰ ثانیہ کے بغیر مقبول نہیں ہوتی، البتہ تلقین سبھی علماء کے نزدیک لطف وآرام اور نرمی سے کی جائے زبردستی تکرار اور حکم نہ دیا جائے تاکہ مریض انکار نہ کردے اگر مریض کوئی اور بات کر دے تو لاالٰہ الا اللّٰہ کو دہرا دیا جائے تاکہ آخری کلام میں ہو۔

حنفیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مردہ کو قبر میں دفن کرنے کے بعد تلقین نہ کہی جائے ❹ بہر حال اگر دفن کے بعد تلقین کہی تو اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے اور یہ کہنا کافی ہے:

یافلاں بن فلاں اور یاعبداللہ بن عبداللہ اذکر دینك الذی کنت علیه فی دارالدنیا من شهادة لااله الا اله وان محمدرسول الله وقل: رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیاً ❺

مریض سے جو کلمات کفریہ ظاہر ہوں ان کی معافی طلب کی جائے اور مسلمانوں کے مردوں جیسا معاملہ کیا جائے چونکہ مریض اس حال میں ہوتا ہے کہ اسکی عقل زائل ہوتی ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ قبر میں فرشتوں کا سوال ہونا حق ہے اور بنی آدم کے ہر ذی روح سے قبر میں سوال کیا جائے گا۔ ابن عبدالبر اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سوال صرف مومن سے یا منافق سے کیا جاتا ہے یعنی اس آدمی سے سوال ہوگا جو اہل قبلہ میں شمار ہوتا ہو اور منکر کا فرنہ ہو۔

قبر میں جن سے سوال نہیں ہوگا...... حافظ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ آٹھ لوگوں سے قبر میں سوال نہیں ہوگا۔

شہید، سرحدوں پر چوکیداری کرنے والا، طاعون میں ہلاک ہونے والا الصدیق، بچے، جمعہ کے دن مرنے والا یا جمعہ کی رات مرنے والا، ہر رات تَبٰرَكَ الَّذِیْ پڑھنے والا بعض نے سورت سجدہ کو بھی اس کے ساتھ ضم کیا ہے۔ مرض الموت میں قل ھواللہ احد پڑھنے والا۔

ج: مردے کے پاس تلاوت قرآن کرنا...... مالکیہ کہتے ہیں: بوقت موت قرأت کرنا مکروہ ہے اگر سنت سمجھ کر ایسا کرے جیسا کہ

---

❶......رواہ ابوداؤد۔ ❷اخرجه احمد(نصب الرأية ۲/۲۵۰) ❸اخرجه الجماعة الا البخاری عن ابی سعید الخدری وروی ایضا عن ابی هريرة وجابر بن عبدالله وعائشة وعبد الله بن جعفر وواثله بن الاسقع وابن عمر (نصب الرأية ۲/۲۵۳) ❹حنفیہ کے ہاں دو روایتیں ہیں دوسری روایت تلقین پڑھنے کی ہے یہی معمول بہا ہے۔ ❺ یہ تلقین دوسرے الفاظ میں بھی منقول ہے۔

موت کے بعد قرأت مکروہ ہے اور قبر پر قرأت مکروہ ہے چونکہ اسلاف کا یہ عمل نہیں ہے لیکن متاخرین کے نزدیک قرأت اور ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس کا ثواب مردہ کو بخشا جائے انشاءاللہ میت کو اجر پہنچے گا۔

جمہور کہتے ہیں مردے کے پاس سورت یٰسں پڑھنا مندوب ہے چنانچہ حدیث ہے اپنے مردوں کے پاس (مرتے وقت) سورت یٰسں پڑھو بعض متاخرین حنفیہ اور شافعیہ نے سورت رعد کو پڑھنا بھی اچھا سمجھا ہے چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورت رعد سے روح آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے۔

سورت یٰسں پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں قیامت اور بعثت کے احوال مذکور ہیں جب مردہ کے پاس پڑھی جائے گی اسے یہ احوال از سرنو یاد ہو جائیں گے۔

د: **مریض کے اہل خانہ کا نرم دل شخص اسے سنبھالے**.....یعنی وہ آدمی جو مرنے کو سنبھالنا جانتا ہو اور پرہیزگار شخص ہو جب مریض مر جائے تب کا سنبھالنا مراد ہے موت سے پہلے کا نہیں اسے چاہے کہ مردے کی آنکھیں بند کر دے جبڑے باندھ دے اسکا طریقہ یہ ہے کہ پٹی لے کر نیچے والے جبڑے کو سر کے ساتھ باندھ دے تاکہ دیکھنے میں مردے کی حالت اچھی معلوم ہو میت کو درست کرتے وقت کہے:

بسم اللّٰه وعلى ملة رسول اللّٰه، اللهم يسّر عليه امره وسهل عليه ما بعده واسعده بلقائك واجعل ماخرج اليه خيرا مما خرج عنه

حنفیہ کہتے ہیں.....بوقت موت مردے کے پاس سے حائضہ، نفاس والی عورت اور جنبی اٹھ کر چلا جائے، چونکہ ان کے ہوتے ہوئے فرشتے نہیں آتے۔

مردے کے پاس خوشبو اور دھونی کا انتظام کیا جائے، میت کے جوڑوں کو پیچھے ہٹا کر سیدھا کر دیا جائے ❶ یعنی پہلے ہاتھوں کو ڈولے پر لایا جائے پھر سیدھے لمبائی کے رخ چھوڑ دیئے جائیں پنڈلیاں رانوں کے ساتھ لگائی جائیں اور انہیں پیٹ کے ساتھ پر ٹانگیں سیدھی کر لی جائیں انگلیوں کو بھی درست کر لیا جائے ہلکے کپڑے کے ساتھ میت کا پورا بدن ڈھانپ دیا جائے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا کہ آپ کو منقش چادر سے ڈھانپ دیا گیا پھر قدرے بھاری چیز مثلاً لوہا یا پتھر میت کے پیٹ پر رکھ دی جائے تاکہ پیٹ نہ پھولنے پائے ورنہ بدنما لگے گا چارپائی وغیرہ پر میت رکھ دی جائے تاکہ حشرات الارض سے محفوظ ہو جائے کپڑے اتار دیئے جائیں تاکہ خراب ہونے سے بچے رہیں قبلہ رو کر کے لٹا دیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے دونوں ہاتھ میت کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ لمبائی کے رخ چھوڑ دیئے جائیں ہاتھوں کو سینے پر باندھنا جائز نہیں چونکہ یہ کفار کا عمل ہے حنفیہ کے نزدیک غسل سے پہلے قرأت قرآن مکروہ ہے تبرکاً میت کا بوسہ لینا جائز ہے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کا بوسہ لیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد بوسہ لیا ❷ اگر میت کے اہل خانہ میت کو دیکھنا چاہیں تو انہیں دیکھنے سے منع نہ کیا جائے ❸ چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میرے والد شہید ہوئے میں کپڑا ہٹا کر والد رضی اللہ عنہ کا چہرہ دیکھنے لگا اور رونے لگا۔

ھ: **موت کا اعلان**.....حنابلہ کے علاوہ جمہور کہتے ہیں ❹ کسی کی موت پر نماز وغیرہ کے لیے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ شیخین کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس دن نجاشی کی وفات کی خبر دی جس دن اس نے وفات پائی آپ نے

---

❶.....ایسا اس لئے کیا جائے تاکہ اعضاء کی اکڑ ختم ہو جائے بہتر یہ ہے کہ جوں ہی روح پرواز کرے اعضا سنبھال لئے جائیں۔ ❷ الحديث الاول رواه احمد وابن ماجه والترمذی وصححه عن عائشة والحديث الثانی رواه البخاری والنسائی وابن ماجه عن عائشة۔ ❸ لیکن اسے رسم بنالینا بدعت ہے۔ ❹ الدر المختار ۱/۸۴۰ مراقی الفلاح ۹۵ الشرح الصغیر ۱/۵۶۲ مغنی المحتاج: ۱/۳۵۷۔

جعفر بن ابی طالب زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی بعض متاخرین حنفیہ نے اعلان موت کو مستحسن قرار دیا جائے یہی قول اصح ہے چنانچہ جو شخص عالم زاہد ہو یا ایسا شخص ہو جس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہو کی موت کا اعلان بازاروں میں کیا جائے۔

موت کا اعلان کرنا خصوصاً ہمارے زمانہ میں زیادہ بہتر ہے چونکہ میت کے ساتھ بہت سارے حقوق متعلق ہوتے ہیں اور میت کے ذمہ بہت ساری ذمہ داریاں ہوتی ہیں جیسے قرض وغیرہ۔

جاہلیت والا اعلان......البتہ جاہلیت والا اعلان مکروہ ہے یعنی میت کے مفاخر اور ماثر کو بیان کر کے اعلان کرنا چونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس معنی کی حدیث کو ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔

حنابلہ......کہتے ہیں موت کا اعلان کرنا مکروہ ہے اعلان موت یہ ہے کہ ایک آدمی کو بھیج کر لوگوں میں اعلان کرنا کہ فلاں شخص مر چکا ہے اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاؤ (۱) ان کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کا اعلان کرنے سے منع فرماتے سنا ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں مر جاؤں میری موت کی خبر کسی کو نہ دینا میں ڈرتا ہوں کہ یہ اعلان عام نہ ہو جائے۔ (۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میت کی خبر پھیلانا اعلان جاہلیت ہے۔ صاحب مہذب نے شافعیہ کے نزدیک میت کے اعلان کو مکروہ قرار دیا ہے ہاں البتہ شافعیہ کے نزدیک قابل اعتماد مذہب وہی ہے جو امام نووی نے پہلے ذکر کیا ہے۔

و: کفن دفن میں جلدی کرنا......جب موت کا یقین ہو جائے تو تین چیزوں میں جلدی کرنی چاہئے۔ (۱) کفن دفن (۲) قرضے ادا کرنا (۳) وصیت پوری کرنا (تجہیز وتکفین) کفن ودفن میں جلدی کرنی چاہئے تاکہ میت کی حالت تبدیل نہ ہو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میت کی عزت ووقار اسے جلدی دفن کرنے میں ہے چنانچہ روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن براء بیمار ہو گئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے آپ نے فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ طلحہ نے مرنا ہی ہے مجھے اطلاع کرنا اور جلدی کرنا چنانچہ مناسب ہیں کہ مسلمان کی لاش اس کے اہل خانہ کے ہاں روک کر رکھ لی جائے (۳) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو جنازے کو جلدی لے جانے کے متعلق ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اے علی تین چیزوں میں ہرگز تاخیر نہ کی جائے (۱) نماز جب اسکا وقت ہو جائے (۲) جنازہ جب تیار ہو جائے (۳) غیر شادی شدہ جب اسکا کوئی برابر کا مل جائے (۴)

اتنا وقت جنازہ کو انتظار میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں جتنے وقت میں لوگوں کی ایک جماعت اکٹھی ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ جنازے کے فساد اور لوگوں کی مشقت کا خوف نہ ہو۔

ادائے قرض میں جلدی کرنا......میت کا قرضہ جلدی ادا کرنا چاہیے تاکہ اس کی مسئولیت میں تخفیف ہو جائے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح اس کے قرضہ کے ساتھ لٹکی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے قرضہ ادا کر دیا جائے (۵) یہ اس وقت ہے جب میت کا مال ہو جس سے قرضہ ادا ہو سکتا ہو رہی بات اس کی جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ ادائے قرض کا عزم رکھتا تھا کہ مر گیا تو اس کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قرض ادا کر دے گا جیسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس شخص نے قرضہ لیا اور اس کے دل میں قرضہ کی ادائیگی کا خیال موجود ہو اور وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں اور اس کے قرض خواہ کو اللہ تعالیٰ راضی کر دیتا ہے جو شخص قرضہ لے اور اس کے دل میں ادائیگی کا خیال نہ ہو اور وہ مر جائے تو قیامت کے دن قرض خواہ کو اللہ تعالیٰ اسے قرضہ

---

(۱)......المغنی ۲/۵۷۰ المهذب: ۱/۱۳۲۔ (۲) قال الترمذی هذا حدیث حسن۔ (۳) رواه ابوداؤد عن الحصین بن وحوح وفی اسناده مجهولان (نیل الاوطار ۴/۲۲) (۴) اخرجه احمد والترمذی (نیل الاوطار ۴/۲۳) (۵) رواه احمد وابن ماجه والترمذی وقال حدیث حسن من حدیث ابی هریرة

وصول کروائے گا❶ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قرضہ کی دوقسمیں میں جو شخص مرگیا درحالکیہ ادائیگی کی اس کی نیت ہو میں اس کا ولی وسرپرست ہوں اور جو شخص مرگیا اور حالیکہ قرضہ کرنے کی نیت نہ ہو اس شخص کی نیکیوں سے قرضہ چکایا جائے گا اور اس دن دینار اور درہم نہیں ہوں گے۔❷

وصیت پوری کرنے میں جلدی کرنا...... وصیت اس سے جلدی پوری کی جائے تا کہ میت کو ثواب جلدی ملے اور موصی لہ وصیت کی ہوئی چیز سے نفع اٹھائے لیکن معلوم رہے کہ وصیت قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور ورثاء کے حقوق سے قبل نافذ ہوگی۔

دوسرا مقصد: میت کے حقوق...... میت کے اپنے قریبی رشتہ داوں عزیزوں اور دوستوں پر چار حقوق ہیں یہ فرض کفائی حقوق ہیں(۱) تجہیز(۲) تکفین(۳) میت پر نماز جنازہ(۴) جنازہ اٹھانا اس کے ساتھ چلنا اور اسے دفن کرنا۔ ان چار امور پر علماء کا اجماع ہے اور صحیح احادیث میں ان چیزوں کا حکم دیا گیا ہے البتہ جنازے کے ساتھ چلنا سنت ہے جیسا کہ آیا چاہتا ہے۔ اگر غسل اور کفن کے بغیر میت کو دفن کر دیا تو قبر اکھاڑ کر ان حقوق کو پورا کرنا اور تدارک کرنا ضروری ہے۔

پہلا فرض: میت کو غسل دینا...... اس میں ان چیزوں پر گفتگو ہوئی، غسل کا حکم غسل، دینے والا کون ہو۔ مغسول کی حالت اور اس کی شرائط غسل کی کیفیت غسل کی مقدار اور مندوبات، کیا میت کو وضو کرایا جائے گا۔❸

پہلی چیز: غسل کا حکم...... میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا وہ اونٹ سے گر کر ہلاک ہوگیا تھا اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور دو کپڑوں میں اسے غسل دو❹ جب موت یقینی ہو جائے تو جلدی جلدی غسل دینا ضروری ہے، اگر غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا تو قبر کا اکھاڑنا لازمی ہے پھر میت کو غسل دیا جائے اگر پوری میت کی بجائے میت کا آدھا جسم ملے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی چونکہ صحابہ نے ایسا کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر جسم کا اکثر ملا تو اس پر نماز پڑھی جائے گی ورنہ نہیں۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو میت کو تیمم کر دیا جائے۔

دوسری چیز: غسل کون دے...... مرد کو مرد غسل دے اور عورت کو عورت، یعنی اپنی ہی جنس کا فرد غسل دے اگر میت کے پاس کافر ہو تو جمہور کے نزدیک وہی اسے غسل دے اسی طرح اجنبیہ عورت مردہ عورت کو غسل دے لیکن اس کا خاوند غسل نہ دے۔

کیا میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں...... حنفیہ کہتے ہیں: مرد اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اور ایسا کرنا ناجائز ہے عورت کو چھونا بھی جائز نہیں چونکہ موت سے نکاح منقطع ہو جاتا ہے البتہ صحیح قول کے مطابق خاوند، مردہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے چونکہ دیکھنا چھونے سے ضعیف ہے لہٰذا دیکھنا شبہ اختلاف کی بناء پر جائز ہے عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے اگر چہ عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو، یا عورت ذمیہ ہو اس میں شرط یہ ہے کہ غسل کے وقت تک زوجیت باقی رہے۔

جمہور...... کہتے ہیں زوجین ایک دوسرے کو مرنے کے بعد غسل دے سکتے ہیں، اور غسل دیتے وقت ہاتھ پر ایک کپڑا لپیٹ لیں کہ مس نہ کریں برابر ہے عورت مسلمان ہو یا ذمیہ ہو ذمیہ ہونے کی صورت میں چنانچہ حنابلہ کا اختلاف ہے کہ وہ مسلمان خاوند کو غسل نہیں دے سکتی ان

---

❶......اخرجه الطبراني عن ابي امامة مرفوعاً۔ ❷اخرجه الطبراني ايضاً۔ ❸الدرالمختار: ۸۰۰/۱ فتح القدير: ۴۴۸/۱، مراقي الفلاح: ۹۶ اللباب: ۱۲۸/۱ الشرح الصغير ۵۴۲/۱ القوانين الفقهية ۹۲ بداية المجتهد: ۲۱۸/۱ مغني المحتاج: ۳۳۲/۱ المهذب ۱۲۷/۱ المغني ۴۵۳/۲ كشاف القناع ۹۶/۲۔ ❹متفق عليه۔

کے ہاں بھی یہی شرط ہے کہ رابطہ زوجیت موت تک برقرار رہے۔ اسی طرح عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر چہ رابطۂ زوجیت منقطع ہوجائے مثلاً عدت میں تھی اور مدت گزر چکی اور شادی بھی کرلی۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آیا چاہتی ہے جب کہ غیر شافعیہ کہتے ہیں بائنہ عورت اجنبیہ کی مانند ہے اور مطلقہ رجعیہ بیوی کی مانند ہے میاں بیوی غسل کے وقت مقام ستر کے علاوہ بدن کو دیکھ سکتے ہیں۔

زوجین کے ایک دوسرے کو غسل دینے پر جمہور کے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے ایک جنازے سے واپس آئے جب کہ مجھے سر میں درد تھا میں نے کہا: ہائے میرے سر کا درد آپ نے فرمایا: بلکہ میں بھی کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی تو تمہارا کیا نقصان ہوتا میں تمہیں غسل دوں گا کفن پہناؤں گا پھر تمہارے اوپر نماز پڑھوں گا اور اور تمہیں دفن کردوں گا۔ (1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس چیز کا مجھے بعد میں علم ہوا اگر اسکا مجھے پہلے علم ہوجاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل ان کی ازواج ہی دیتیں۔ (2)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ وہی انھیں غسل دیں۔ (3)

آدمی اپنے محارم کو کپڑے کے اوپر سے غسل دے سکتا ہے۔

بچہ یا بچی جو ابھی حد اشتہاء تک نہ پہنچے ہوں انھیں مرد بھی غسل دے سکتا ہے اور عورت بھی، چونکہ ایسے بچوں کو دیکھنا اور مس کرنا حلال ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک صبی ممیز کا غسل صحیح لیکن مکروہ ہے۔ میت کو غسل دینے کا زیادہ حق وہی شخص رکھتا ہے جسے اس پر نماز پڑھنے کا حق ہے اور عورت کو غسل دینے کا زیادہ حق اس کی قریب ترین رشتہ دار کا ہے عورتیں خاوند پر مقدم ہوں گی یہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے جب کہ مالکیہ کے نزدیک زوجین عصبات پر مقدم ہوں گے اور تنازع کے وقت حاکم کا فیصلہ حرف آخر ہوگا۔ مرد کو غسل دینے میں سب سے زیادہ حقدار اس کے عصبات میں لہٰذا باپ مقدم ہوگا پھر دادا پھر بیٹا، پھر پوتا پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا پھر چچازاد بھائی چونکہ یہ لوگ میت پر نماز پڑھانے کا حق رکھتے ہیں لہٰذا غسل کا بھی حق ہے عالم کو معمر پر مقدم کیا جائے گا عصبات کے بعد شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیوی غسل دینے کی حقدار ہے لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے اجنبی لوگ بیوی سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر مردے کی محرم عورتیں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ یہ مالکیہ کے نزدیک ہے۔ اگر کوئی محرم عورت نہ ملے تو اجنبی عورت مردے کو تیمم کرادے۔

حنابلہ نے عصبات پر میت کے وصی کو مقدم کیا ہے بشرطیکہ عادل ہو۔ چنانچہ وصی غسل دینے کا دوسرے لوگوں کی نیت زیادہ حق رکھتا ہے چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی بیوی انھیں غسل دے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ انھیں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ غسل دیں۔

عورت کو غسل دینے میں اس کی قریبی رشتہ دار عوتیں زیادہ حقدار ہیں اور یہ ہر وہ عورت ہے جسے اگر مرد فرض کرلیا جائے تو اس کے ساتھ اس میت (عورت) کا نکاح جائز نہ ہو (4) چونکہ ان کی شفقت زیادہ ہوتی ہے پھر ان کے بعد غیر محرم ذوی الارحام جیسے چچا کی بیٹی، اس کے بعد پھر اجنبیہ عورت پھر شافعیہ اور حنابلہ کے اصح قول کے مطابق خاوند جب کہ اجنبیہ خاوند سے زیادہ حقدار ہے تاکہ اختلاف سے نکلا جائے پھر اس کے بعد محرم مرد اس ترتیب کے ساتھ جو نماز میں مقرر ہے وہ عورتیں نہ ہونے پر غسل دیں چچازاد اجنبی کی طرح ہوتا ہے۔

---

(1)......رواہ احمد وابن ماجہ۔ (2) رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ (3) یہ چیزیں واقعات ہیں قانون نہیں ہیں۔ قانون یہی ہے کہ مرد عورت کو غسل نہ دے۔ (4) جیسے بیٹی، پوتی، ماں، دادی، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔

اگر کوئی عورت تنہا تھی کہ وہ مردوں کے پاس مرگئی یا اکیلا مرد تھا وہ عورتوں کے پاس مرگیا تو اس کا محرم اسے تیمّم کرائے اگر محرم نہ ہو تو حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اجنبی تیمّم کرادے اور ہاتھ پر کپڑا وغیرہ لپیٹ دے مالکیہ کہتے ہیں ہاتھ کے پنجوں تک اجنبی مرد عوت کو تیمّم کرائے اور کہنیوں تک عورت مرد کو تیمّم کرائے۔

غسل دینے والے کی شرائط...... غسل دینے والے میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جانی چاہیں۔

ا۔ اسلام...... غسل دینے والا کافر نہ ہو چونکہ غسل عبادت ہے کافر عبادت کا اہل نہیں۔

ب۔ نیت...... نیت بھی شرط ہے چونکہ حدیث ہے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

ج۔ عقل...... غیر عاقل نیت کا اہل نہیں ہوتا اس لئے عقل شرط ہے

جمہور نے اسلام اور نیت کی دو شرطیں نہیں لگائیں لہٰذا کافر کا غسل دینا بھی صحیح ہے۔ اور بغیر نیت کے بھی غسل صحیح ہے۔ لیکن پانی میں ڈوب کر مرنے والے کو ازسر نو غسل دینا واجب ہے ہاں البتہ پانی میں غسل کی نیت سے تین بار اسے حرکت دی جائے۔ چونکہ ہم میت کو غسل دینے کا مامور ہیں لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ نیت طہارت صحیح ہونے کی شرط نہیں بلکہ مکلفین کے ذمہ سے فرض کے اسقاط کے لئے شرط ہے۔

غسل دینے والے میں جو چیز مستحب ہے...... غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ ثقہ ہو امین ہو اور غسل کے احکام کو جانتا ہو چونکہ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے تمہارے مردوں کو صرف امانتدار شخص غسل دیں۔ ❶

غسل دینے والے کو اور جو اس کے پاس موجود ہو اسے چاہیے کہ نظریں جھکائے رکھیں ہاں البتہ بوقت ضرورت نظریں اوپر اٹھا سکتے ہیں غسل دینے والا اگر کوئی عیب دیکھے تو اسے پوشیدہ رکھے کسی سے بیان نہیں کرے، چونکہ فرمان نبوی ہے جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا ❷ ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص کسی میت کو غسل دے اور اس میں امانت کو ادا کردے اور اس وقت جو عیب دیکھے کسی سے بیان نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوسکتا ہے جیسے اسے اسکی ماں نے جنم دیا تھا۔ نیز آپ نے فرمایا: غسل کا کام تمہارا اقریب ترین رشتہ دار کرے اگر وہ غسل دینا جانتا ہو اگر وہ غسل کا کام نہ جانتا ہو تو یہ فریضہ ایسے شخص کو سپرد کرو جو امانتدار اور متقی ہو ❸ ایک اور حدیث جس شخص نے میت کو غسل دیا اور اس کا عیب چھپائے رکھا اللہ تعالیٰ اس کی چالیس مرتبہ مغفرت فرمائیں گے ❹ اگر غسل دینے والا کوئی اچھی علامات دیکھے مثلاً چہرے کی رونق تبسم تو اس کا اظہار مستحب ہے تاکہ اس پر زیادہ سے زیادہ رحمت بھیجا جائے اور لوگوں کو اس کے طریقہ کی ترغیب ہو اور اس کی سیرت کی مشابہت اختیار کی جائے۔

میت کو آنکھوں سے چھپائے رکھنا مستحب ہے چونکہ بسا اوقات میت کے بدن میں کوئی عیب ہوسکتا ہے۔ جیسے وہ زندگی میں چھپا تا رہا ہو جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے چنانچہ حدیث ہے اپنے مردوں کی اچھائیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے رک جاؤ۔

کھلی فضاء میں میت کو غسل نہیں دینا چاہے بلکہ اوپر چادر میں وغیرہ تان لینی چاہیے بلکہ افضل یہ ہے کہ گھر کے اندر غسل دیا جائے غسل دینے میں دوسرے سے مدد نہ لینا مستحب ہے اگر مددگار کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو مدد لینا جائز ہے، جو شخص غسل میں مدد نہ کر رہا ہو اسکا غسل کے وقت میت کے پاس موجود ہونا مکروہ ہے۔

میت کے پاس دھونی کا ہونا مستحب ہے وہ میت جو سات سال یا اس سے زائد عمر کا ہو اسکے ستر کے اعضاء کو دیکھنا جائز نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: زندہ و مردہ کی ران کی طرف مت دیکھو ❺ میت کے اعضاء مستورہ کو مس کرنا جائز

---

❶...... رواہ ابن ماجہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ❷ متفق علیہ عن ابن عمر (نیل الاوطار ۴/۲۵۔ ❸ رواہ احمد عن عائشۃ وفی اسنادہ جابر الجعفی وفیہ کلام کثیر ❹ رواہ الحاکم عن ابی رافع وھو صحیح۔ ❺ رواہ ابو داؤد

نہیں چونکہ جب دیکھنا جائز نہیں تو مس کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

مستحب یہ ہے کہ میت کے بدن کی طرف صرف اسی حصہ کو دیکھا جائے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں میت کے سارے بدن کو مس نہ کرے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ پر کپڑا باندھ کر غسل دیا اور قمیص کے نیچے سے غسل دیا اعضاء مستورہ کو غسل دیتے وقت کپڑے وغیرہ کو استعمال کرنا واجب ہے جب کہ پورے جسم کے لیے کپڑے کا استعمال کرنا مستحب ہے۔

افضل یہ ہے کہ میت کو مفت غسل دیا جائے حنابلہ کے نزدیک غسل تکفین، اٹھانا اور دفن کرنے پر اجرت لینا مکروہ ہے جب کہ حنفیہ نے ان امور میں اجرت لینا جائز قرار دیا ہے لہٰذا جنازہ اٹھانے والے اور قبر کھودنے والے غسل دینے والے کی مانند ہیں۔ اطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ یہ متقدمین کی رائے ہے جب کہ متاخرین نے اجرت علی الطاعت کو جائز قرار دیا جمہور کے ہاں غسل دینے والے کے لئے بعد میں غسل کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی میت کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے۔ ❶

مغسول کی حالت......افضل یہ ہے کہ میت کو ایسی جگہ رکھا جائے جو لوگوں سے پردہ میں ہو اور میت کو کسی تختے پر لٹایا جائے کسی چھت کے نیچے رکھنا افضل ہے چونکہ چھت میں میت کے لئے زیادہ ستر کا سامان ہے ❷ اگر میت کا سر کٹا ہوا ہو یا اعضاء کٹے ہوئے ہوں تو اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر باندھ دیئے جائیں تاکہ برے نہ محسوس ہوں۔ اگر میت سے کوئی چیز گرے مثلاً دانت وغیرہ تو دھو کر کفن میں میت کے ساتھ رکھ دی جائے۔

مستحب یہ ہے کہ غسل دینے والا میت کو اپنے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھائے اور اس کے پیٹ پر ہلکے سے مس کرے تاکہ میت میں پڑی ہوئی چیز جو نکلنے کے قریب ہو نکل جائے، اس دوران میت پر پانی بہائے اگر کچھ نکلے دھو ڈالے تاکہ بدبو نہ پھیلے پھر گدی کے بل میت کو لٹا دے۔

مغسول کے اعضاء مستورہ کو چھپانا واجب ہے ہاں البتہ جس کی عمر سات سال سے کم ہو اسے نہ چھپانے میں کوئی حرج نہیں سات سال سے کم عمر والے کو ننگے بدن نہلانا بھی درست ہے پھر جمہور کے نزدیک میت کے کپڑے اتار دینا مستحب ہے چونکہ کپڑے اتار کر غسل کرانا ازیادہ آسان اور پاکی کے زیادہ باعث ہے۔ زندہ انسان کے غسل کے زیادہ مشابہ ہے اور نجاست پھیلنے سے محفوظ ہوگا جب کہ میت سے نجاست کے نکلنے کا احتمال ہو۔

اگر ہلکی قمیص جس کی آستین کھلی ہوں میں میت کو غسل دیا تو جائز ہے شافعیہ کہتے ہیں میت کو ننگا نہ کیا جائے بلکہ قمیص میں غسل دینا مستحب ہے چونکہ اس میں میت کا زیادہ ستر ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص میں غسل دیا تھا۔ ❸

چوتھی چیز: غسل واجب کرنے کی شرائط......میت کے غسل کو واجب کرنے والی شرائط مندرجہ ذیل ہیں: ❹

ا۔ **یہ کہ میت مسلمان ہو**......لہٰذا کافر میت کو غسل دینا واجب نہیں بلکہ جمہور کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ نے کافر کو غسل دینے کو جائز قرار دیا ہے چونکہ میت کو غسل نظافت کے لیے دیا جاتا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے والد کو غسل دیں اور کفن دیں ❺ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ میت کو کفن دینا اور دفن کرنا واجب ہے۔

---

❶......رواہ ابوداؤد وابن ماجه وابن حبان وقال البيهقي الصحيح انه موقوف على ابى هريرة المجموع ۵/۱۴۱۔ ❷الدر المختار ۱/۸۰۰ الشرح الصغير ۱/۵۴۶ المهذب ۱/۱۲۸ مغنى المحتاج: ۱/۳۳۲ كشاف القناع ۲/۱۰۳ المغنى ۲/۴۵۷ بداية المجتهد ۱۱/۲۲۲۔ ❸رواہ ابوداؤد وغيره باسناد صحيح ❹الدر المختار ۱/۴ المهذب ۱/۱۲۴ المغنى ۲/۵۲۲ كشاف القناع ۲/۱۲۶۔ ❺رواہ ابوداؤد والنسائی۔

۲۔ناتمام بچے کے احکام...... مالکیہ کے نزدیک مردہ نومولود بچے اور ناتمام بچے پر نماز نہیں پڑھی جائے گی الا یہ کہ اس کی زندگی دودھ پینے سے یا حرکت کرنے سے یا پہنچے سے معلوم ہوجائے اگرچہ پل بھر کے لئے ہی کیوں نہ زندہ رہے نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ چونکہ حدیث ہے بچے پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔(یعنی وہ بچہ جو مردہ پیدا ہو) وہ وارث بھی نہیں بنتا اور موروث بھی یہاں تک کہ اس سے کوئی ایسی دلیل نہ مل جائے جو اس کی زندگی پر دلالت کرتی ہے ❶ ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ جب ناتمام بچے میں زندگی کی کوئی رمق پائی گئی اس پر نماز پڑھی جائے گی اور وہ وارث بھی ہوگا۔

حنفیہ...... کہتے ہیں کہ اگر مولود میں زندگی کی رمق پائی گئی تو اس پر نماز پڑھی جائے گی وہ وارث بھی بنے گا اور موروث بھی اور اگر زندگی کی رمق نہ پائی گئی تو اسے نہلائے جائے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسکا نام رکھا جائے یہی اصح قول ہے غیر ظاہر الراویہ کے مطابق اسی پر فتویٰ ہے چونکہ بنی آدم کے اکرام واحترام کا یہی تقاضا ہے یعنی مولود جب زندہ پیدا ہوا تو وہ بڑے شخص کے حکم میں ہوگا اگرچہ اس سے چیخ نہ نکلے اگر مردہ پیدا ہوا پھر اگر تمام بچہ ہو تو نہلایا جائے، اگر ناتمام ہو تو غسل نہ دیا جائے بلکہ اس پر پانی بہایا جائے اور کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے چونکہ قیامت کے دن اسے بھی اٹھایا جائے گا۔

شافعیہ...... کہتے ہیں کہ اگر نومولود میں زندگی کی علامت پائی جائیں اسے غسل دیا جائے اس پر نماز پڑھی جائے چونکہ احتیاطاً زندگی کا احتمال ہے اور اگر زندگی کی علامتیں نہ پائی گئیں تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اگر چار ماہ کا ہو چونکہ زندگی کا ظہور نہیں وہ البتہ غسل وکفن واجب ہے اور اگر چار ماہ سے کم کا ہو تو صحیح مذہب کے مطابق غسل نہ دیا جائے۔ حنابلہ کہتے ہیں اگر ناتمام بچہ چار ماہ سے زیادہ کا ہوا اسے غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے چونکہ حدیث ہے ناتمام بچے پر نماز پڑھی جائے۔

خلاصہ...... اگر تمام بچے میں زندگی کی رمق پائی جائے تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق غسل دینا واجب ہے اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی اگر اس پر زندگی کی علامتیں ظاہر نہ ہوں تو حنفیہ کے نزدیک غسل کفن اور دفن مطلقاً ہوگا شافعیہ کے نزدیک اگر چار ماہ کا ہو تب غسل کفن اور دفن ہوگا اگر چار ماہ کا نہ ہوا تو نماز نہیں پڑھی جائے گی جب کہ حنابلہ کے نزدیک اگر چار ماہ سے زیادہ کا ہو تو غسل دیا جائے گا اور نماز بھی اس پر پڑھی جائے گی گو شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام بچہ اگر چار ماہ سے قبل کا ہو تو اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔

۳۔میت کا جسد پورا یا اکثر پایا جائے...... یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک اکثر بدن یا نصف بدن سر کے ساتھ پایا جائے مالکیہ کے نزدیک دو تہائی بدن سر کے ساتھ پایا جائے ورنہ اسے غسل دینا مکروہ ہے شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر میت کا کچھ حصہ پایا گیا اگرچہ قلیل حصہ ہی کیوں نہ ہوا سے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی چونکہ صحابہ نے ایسا کیا ہے۔

۴۔یہ کہ وہ شہید نہ ہو جو اعلاء کلمہ اللہ کی خاطر معرکہ میں قتل کیا گیا ہو...... جیسا کہ بعد میں آیا چاہتا ہے شہید کو غسل اور کفن نہیں دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی کپڑوں سمیت شہید کو دفن کیا جائے گا اور اسلحہ وغیرہ جمہور کے نزدیک اتار دیا جائے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں شہید کو غسل تو نہیں دیا جائے گا البتہ اس پر نماز پڑھی جائے گی عدم غسل پر دلیل شہدائے احد کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ انہیں غسل مت دو چونکہ ہر زخم اور بہنے والے خون سے قیامت کے دن مشک کی خوشبو مہک رہی ہوگی آپ نے شہدائے احد پر نماز نہیں پڑھی۔❷

---

❶......رواہ ابوداؤد والترمذی وفی الفظ الترمذی والطفل یعلیٰ علیہ وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ ❷رواہ احمد۔ لیکن بعد میں پڑھی جیسا کہ اپنے مقام پر آرہا ہے۔

پانچویں چیز: کیا میت کو وضو کرایا جائے......ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل دینے والے پر لازمی ہے کہ میت جو چھوٹا نہ ہو کو وضو کرائے جیسا کہ زندہ کو وضو کرایا جاتا ہے۔ نجاست اور میل وغیرہ کو صابن سے زائل کرنے کے بعد وضو کرایا جائے شرمگاہوں کو کپڑے کے ساتھ دھویا جائے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کلی اور ناک میں پانی نہیں ڈالا جائے گا چونکہ اس میں حرج ہے چونکہ جب پانی منہ اور ناک میں داخل ہوگا تو پیٹ تک پہنچ جائے گا جو پیٹ میں پڑے نجاست کو حرکت دے سکتا ہے جب کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہلکے سے کلی اور ناک میں میں پانی ڈالا جائے، اگر میت جنبی ہو یا حائضہ ہو یا نفاس والی عورت ہو تو کلی اور ناک میں پانی بالاتفاق ڈالا جائے گا تاکہ طہارت کا وظیفہ مکمل ہو جائے۔

اسی اصول کے مطابق میت کو غسل دینے میں وضو سے ابتداء کی جائے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں سے فرمایا تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو غسل دیا تھا اس کی دائیں طرف سے ابتداء کرے اور اعضاء وضو کو پہلے دھوئے۔ ❶ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جب تم اس کے اعضاء کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اچھی طرح دھولو تو اسے نماز جیسا وضو کراؤ اور پھر اسے غسل دو۔ ❷

چھٹی چیز: غسل کی کیفیت مقدار اور مندوبات......غسل جنابت جو کہ واجب ہوتا ہے کہ طرح غسل میت بھی ہے یہ غسل ایک ہی بار ہوتا ہے ازالہ نجاست کے بعد پورے جسم کو دھونا ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ پانی طاہر ہو، میت کو چارپائی یا تختہ پر رکھ دیا جائے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک ستر کر لیا جائے جمہور کے نزدیک قبل ازیں کپڑے اتار دینے چاہیں۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک میت کو قمیص پہنائی جائے غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر شرمگاہ کو دھوئے پھر وضو کرائے۔

پھر سر اور داڑھی خطمی بیری کے پتوں کے ساتھ دھوئی جائے تاکہ غسل وغیرہ اتر جائے پھر میت پر پانی بہائے اگر بیری کے لئے نہ ملیں تو صابن وغیرہ استعمال کیا جائے گا پھر نظافت کے لئے میت پر پانی بہایا جائے غسل دینے والا اپنی انگلی میت کے منہ میں داخل کرے اور انگلی سے دانتوں میں مسواک کرائے میت کا منہ نہ کھولے میت کے ہاتھوں کے ناخنوں کو ملے جو میل ہو وہ بھی صاف کرے۔

پھر میت کو بائیں پہلو پر لٹا کر دائیں پہلو پاؤں تک دھلائے پھر بایاں پہلو دھوئے اور صابن سے دھوئے پھر خالص پانی بہائے یہ میت کا پہلا واجب غسل ہو گیا۔

تین بار غسل کے عمل کو دہرانا مستحب ہے لہٰذا دوسری اور تیسری بار بھی غسل دیا جائے۔ پھر میت کو ایک کپڑے میں رکھ لیا جائے اور خوشبو میت کے سر اور داڑھی میں لگائی جائے، اور کافور اعضائے سجدہ پر لگائی جائے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک محرم باحج اور محرم بالعمرہ اور غیر محرم اس میں سب برابر ہیں۔ لہٰذا محرم کو خوشبو لگائی جائے گی اور اس کا سر ڈھانپا جائے گا چونکہ غسل کا حکم مطلقاً ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: محرم کا سر نہیں ڈھانپا جائے گا اور نہ ہی اسے خوشبو لگائی جائے گی چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص کو اس کی سواری نے پٹک دیا جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور مر گیا، درحالیکہ اس نے احرام باندھ رکھا تھا آپ نے فرمایا: اسے دو کپڑوں میں کفن دے دو اور اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور اسکا سر مت ڈھانپو اور اس کے قریب خوشبو مت لاؤ چونکہ قیامت کے دن یہ تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا ❸ گویا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک محرم میت محرم زندہ کی طرح ہوتا ہے۔

خالص ٹھنڈے پانی سے غسل دیا جا سکتا ہے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر محرم کے لئے تھوڑا کافور پانی میں ملایا جا سکتا ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے ❹ نیز کافور بدن کو قوت بخشتا ہے اور حشرات ارض کو دور رکھتا ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں اگر ممکن ہو تو پانی

---

❶......متفق علیه ❷ رواه الجماعة عن ام عطية (نيل الاوطار ۴/۳۰) ❸ رواه الجماعة (نيل الاوطار ۴/۴۰) ❹ وهو حديث متفق عليه من حديث ام عطية

گرم کیا جائے چونکہ گرم پانی سے صفائی اچھی طرح ہوتی ہے حنابلہ کہتے ہیں میت کو حمام میں غسل دیا جاسکتا ہے اگر حاجت ہو تو گرم پانی استعمال کیا جاسکتا ہے اگر حاجت نہ ہو تو گرم پانی کا استعمال مکروہ ہے۔

میت کا غسل طاق عدد میں ہونا چاہیے چونکہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے ❶ وضو دہرانے کی ضرورت میں اگر تین بار غسل دینے سے میت صاف نہ ہو تو سات مرتبہ غسل دیا جاسکتا ہے اگر سات بار سے بھی صاف نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ پھر نہلایا جائے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے غسل دو تین بار پانچ بار یا سات بار یا اگر تم بہتر سمجھتی ہو تو اس سے زیادہ بار بھی غسل دے سکتی ہو۔ ❷

کیا میت کے بالوں کو کنگھی کی جائے اور بال ناخن کاٹے جائیں...... ❸ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں میت کے بالوں میں کنگھی کی جائے اور نہ ہی بال مونڈھے جائیں ناخن نہ کاٹے جائیں ہاں البتہ ٹوٹا ہوا ناخن الگ کیا جاسکتا ہے سر اور داڑھی کے بال نہ کاٹے جائیں میت کی ختنیں بھی نہ کی جائیں چونکہ اب اس کی چنداں ضرورت نہیں رہی نیز بال اور ناخن وغیرہ زینت کے لئے کاٹے جاتے ہیں جب کہ میت زینت سے بے نیاز ہو چکا۔ لہٰذا زینت مکروہ ہے جب کہ کراہت حنفیہ کے نزدیک تحریمی ہے اگر ناخن یا بال کاٹ دیئے تو میت کے ساتھ کفن میں لپیٹ دیئے جائیں۔ یہی بہتر رائے ہے چونکہ میت ہر مالہ اور ماعلیہ کے ستر کا محتاج ہے شافعیہ کا جدید قول ہے کہ میت کے سر اور داڑھی کے بالوں کو کنگھی کی جاسکتی ہے جو بال یا دانت اکھڑ جائے اسے میت کے ساتھ کفن میں واپس کر دیا جائے سر کے بال، ناخن، بغلوں کے بال زیر ناف بال اور مونچھوں کا کاٹنا ظاہر مذہب میں مکروہ ہے چونکہ میت کے جملہ اجزاء قابل احترام ہیں اور جس عمل کا کوئی ثبوت نہ ہو وہ بدعت ہوتا ہے اور بدعت کی عام نہی اس عمل کی نہی صحیح ہوگی، اگر میت غیر مختون ہو تو اس کا ختنہ نہ کیا جائے۔

حنابلہ کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں راجح روایت کے مطابق غیر محرم کی مونچھیں کاٹی جاسکتی ہے اگر اسکے ناخن لمبے ہوں کاٹے جاسکتے ہیں بغلوں کے بال بھی لئے جاسکتے ہیں چونکہ بغلوں کے بالوں کا لینا نظافت سے متعلق ہے لہٰذا یہ میل کچیل کے ازالہ کے مترادف ہے۔ اس کی تائید سنن فطرت کے عمومی دلائل سے ہوتی ہے بال ناخن جو بھی میت کے کاٹے جائیں وہ میت کے ساتھ کفن میں لپیٹ لئے جائیں۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے حدیث روایت کی ہے وہ کہتی ہیں میت کا سر دھویا جائے جو بال گریں اور غاسل کے ہاتھوں پر اٹک جائیں دھو کر میت کے سر میت پھر سے جوڑ دیئے جائیں نیر بالوں اور ناخنوں کا زندہ شخص کے حق میں دفن کرنا مستحب ہے میت کے حق میں بطریق اولیٰ مستحب ہیں۔ جو بال وغیرہ لئے ہوں انھیں دوبارہ دھویا جائے چونکہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ اس بال کو دھو اور بالوں کے ساتھ واپس جوڑ دو دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بال میت کے بدن کا جزء ہیں جیسے عضو ایک جزء ہے۔ رہی بات عورت کی سو مالکیہ، حنفیہ اور باقی مذاہب کے نزدیک عورت کے بالوں کی مینڈھیاں کرنا مستحب ہے۔

روئی کا استعمال...... حنفیہ کہتے ہیں ظاہر الروایات میں روئی کا استعمال روا نہیں، لیکن علامہ زیلعی اور صاحب درمختار کہتے ہیں میت کے منہ پر روئی رکھنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر اگلے اور پچھلے راستوں سے یا کان ناک سے یا منہ سے خون وغیرہ کے بہنے کا خدشہ تو روئی رکھی جاسکتی ہے۔

اسی طرح دوسرے مذاہب کے فقہاء بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی مخرج سے نجاست یا خون وغیرہ کے نکلنے کا خوف ہو تو روئی رکھی جاسکتی ہے حنابلہ کے نزدیک میت کے سر تلے روئی رکھی جائے۔

---

❶......رواہ ابن نصر عن ابی ہریرۃ وعن ابن عمر رواہ الترمذی عن علی وابن ماجہ عن ابن مسعود ❷رواہ الجماعۃ من حدیث ام طیۃ (نیل لا وطار ۴/۳۰) ❸الدر المختار ۱/۸۰۳ مراقی الفلاح ۹۶ القوانین الفقہیۃ ۹۳ الشرح الصغیر ۱/۵۶۸ مغنی المحتاج ۱/۳۳۳ المغنی ۲/۵۴۱ کشاف القناع ۲/۱۱۰

مندوبات غسل کا خلاصہ...... میت کے غسل میں مندرجہ ذیل امور مستحب اور مندوب ہیں:

۱...... غسل کے شروع میں زندہ شخص کی طرح میت کو وضو کرایا جائے اور وضو نجاست یا میل وغیرہ صابن کے ساتھ زائل کرنے کے بعد کرایا جائے۔

۲...... جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو غسل دے رہا ہو تو ستر عورت کیا جائے۔

۳...... جمہور کے نزدیک ستر عورت کے بعد میت کے کپڑے اتار دیئے جائیں جب کہ شافعیہ کے نزدیک قمیص پہنا کر غسل دیا جائے غسل کے وقت میت کے بدن کو ڈھانپے رکھنا مسنون ہے تاکہ شرمگاہ یا کسی عیب پر نظر نہ پڑنے پائے میت کو دیکھنا مکروہ ہے حتی کہ غسل دینے والا بھی بلاضرورت نہ دیکھے چونکہ میت کا سارا بدن عورت (پردہ کی چیز) کے حکم میں ہے۔

۴...... غسل میں بیری کے پتوں یا صابن کا استعمال کرنا اور آخیر میں کافور کا استعمال مندوب ہے، شافعیہ کے نزدیک ہر بار تھوڑی مقدار میں کافور استعمال کیا جائے یہ تب ہے جب کافور آسانی سے دستیاب ہو ورنہ خالص ٹھنڈا پانی استعمال کیا جائے اور بوقت حاجت گرم پانی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۵...... طاق عدد میں غسل دینا یعنی تین بار یا پانچ بار یا سات بار تکرار غسل کے ساتھ تکرار وضو کی ضرورت نہیں، البتہ تین بار غسل کا عمل دہرانا مستحب ہے اور ایک بار غسل دینا واجب ہے اگر طاق تعداد میں غسل دینے کے بعد کسی مخرج سے کوئی نجاست نکلے تو حنابلہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں دہرائے جائیں جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک نجاست کا ازالہ کافی ہے۔

۶...... دوران غسل ہلکے سے بطن کو دبانا تاکہ وہ نجاست جو قریب الخروج ہو نکل جائے۔

۷...... آگے اور پیچھے کے مخرجوں پر کثرت سے پانی بہانا تاکہ نجاست اچھی طرح صاف ہو جائے اور بدبو کم سے کم رہے چونکہ اموات میں یہ چیزیں بکثرت ہوتی ہیں غسل کے بعد میت کا بدن خشک کیا جائے تاکہ کفن گیلا نہ ہو۔

۸...... غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر دبیز کپڑا لپیٹے خصوصاً زیر ناف نہلاتے وقت ہاتھوں پر کپڑا لپیٹنا ضروری ہے غاسل کے لئے مستحب ہے کہ میت کے بدن بغیر کپڑے کے مس نہ کرے۔

۹...... مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک میت کے دانتوں اور ناک کو کپڑے سے صاف کرنا، تاکہ مضمضہ اور استنشاق ہو جائے۔ اسی طرح حنابلہ کے نزدیک میت کے دانتوں اور ناک کو تر کپڑے سے صاف کیا جائے، اور منہ اور ناک میں پانی نہ داخل کیا جائے، ناخنوں کے نیچے پڑی ہوئی میل کو صاف کر دیا جائے۔

۱۰...... منہ میں کلی کراتے اور ناک میں پانی ڈالتے وقت سر کو تھوڑا جھکا لیا جائے تاکہ پانی پیٹ میں نہ پہنچ جائے پاک کپڑے کے ساتھ کفن دینے سے پہلے میت کا بدن خشک کر لینا چاہیے۔

۱۱...... جو شخص غسل میں مدد معاون نہ ہو اس کا غسل کے وقت حاضر نہ ہونا۔

۱۲...... دائیں طرف سے غسل شروع کرنا یعنی پہلے دائیں طرف کا غسل کرایا جائے پھر بائیں طرف پھر غاسل میت کو بائیں پہلو پر لٹائے گدی اور پشت کو نہلاتے ہوئے پاؤں تک چلا جائے پھر دائیں پہلو پر لٹا کر بائیں پہلو کو اسی طرح نہلائے ہر دفعہ تین تین بار پانی بہائے یا اس سے زائد مرتبہ جو بھی حسب حاجت ہو

۱۳...... حنابلہ کے نزدیک مرد کی داڑھی اور عورت کے سر کے بالوں میں خضاب لگانا مستحب ہے اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے مردوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو تم اپنے نو بیاہے جوڑوں کے ساتھ کرتے ہو۔

۱۴.....میت کے سر اور داڑھی پر خوشبو لگائی جائے اعضائے سجدہ پر کافور لگائی جائے یعنی پیشانی، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں پر کافور لگائی جائے یہ مالکیہ اور حنفیہ وغیرہ کے کے نزدیک برابر ہے میت کو خوشبو لگائی جائے میت کا سر دھویا جائے۔ طاق تعداد میں چار پائی کو دھونی دی جائے تا کہ بدبو نہ پھیلنے پائے اور اس میں میت کی تعظیم بھی ہے۔

دوسرا فرض: میت کو کفن پہنانے کے بیان میں......اس میں یہ امور زیر بحث ہوں گے۔ کفن کا حکم، کفن لازمی، مقدار کفن، کفن کا طریقہ اور کیفیت، اور کفن میں جو چیزیں مندوب ہیں۔ (۱)

پہلی چیز: کفن پہنانے کا حکم اور ملزم کفن......میت کو کفن پہنانا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو محرم کے بارے میں حکم دیا۔ اسے اسی کے دو کپڑوں میں کفن دو۔ (۲)

تجہیز و تکفین اور قبرستان تک اٹھا کر لے جانے کے جملہ اخراجات میت کے ترکہ میں سے ہوں گے، تجہیز و تکفین کے اخراجات قرضہ اور وصیت پر مقدم ہوں گے اگر میت کا ترکہ نہ ہو تو یہ اخراجات اس شخص پر لاگو ہوں گے جس پر حالت زندگی میں میت کے اخراجات لازم تھے وہ اپنے مال سے خرچ کرے حنفیہ کے نزدیک بیوی کے کفن دفن کا خرچہ خاوند پر ہوگا شافعیہ کے اصح مذہب میں بھی یہی ہے، چونکہ زندگی میں خاوند پر بیوی کا خرچہ لازمی تھا مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیوی کا خرچ خاوند کو لازم نہیں چونکہ زندگی میں ملک بضع سے نفع اٹھانے کے بدلہ میں خاوند پر خرچہ لازم تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ زندگی میں خرچی بیوی کے نشوز (نافرمانی) اور بائنہ ہو جانے سے ساقط ہو جاتا ہے جب کہ یہ نفع موت کی وجہ سے منقطع ہو چکا لہٰذا بیوی اجنبیہ کے مشابہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی رائے کو قبول عام حاصل ہے چونکہ موت وحیات میں خرچہ میں کوئی فرق نہیں رہی یہ بات کہ نشوز (نافرمانی) کی وجہ سے جو خرچہ ساقط ہو جاتا ہے وہ اس لئے تا کہ عورت خاوند کے گھر واپس لوٹ آئے۔

اگر میت کے کفن دفن کا خرچہ برداشت کرنے والا کوئی شخص نہ پایا جائے تو کفن دفن کا خرچہ بیت المال سے ہوگا۔ اگر بیت المال میں نہ ہو تو مسلمانوں پر لاگو ہوگا کہ وہ پس میں چندہ کر کے کفن دفن کا سامان کریں۔

دوسری چیز: کفن کا طریقہ، مقدار اور کیفیت......غسل کے بعد میت کو ایسے کپڑے میں کفن دیا جائے جو زندگی میں اس کے لئے پہننا حلال تھا (۳) ایسے کپڑے میں کفن دیا جائے جو جائز ہو مرد کو ریشمی کپڑے میں کفن نہ دیا جائے جمہور کے نزدیک ریشمی کپڑے میں عورت کو کفن دیا جا سکتا ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک عورت کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا جائز نہیں کفن میں یہ چیز شرط ہے کہ کفن باریک نہ ہو جس سے بدن ظاہر ہوتا ہو، ایسا کپڑا ستر نہیں کرتا لہٰذا ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے کفن پاک وصاف ہو اگر پاک کپڑا دستیاب ہو تو نجس کپڑے سے کفن دینا جائز نہیں۔

وہ لباس جو میت جمعہ اور عیدین کے موقع پر پہنتا ہو اس جیسے کپڑے میں حنابلہ کے نزدیک اسے کفن دینا واجب ہے جب کہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے ہاں اگر میت نے کسی کپڑے کی وصیت کی ہو تو اسی کپڑے میں اسے کفن دیا جائے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے چاہیے کہ اچھی طرح سے اسے کفن دے۔ (۴) کفن کا اچھا ہونا حنابلہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

---

(۱)......اللباب: ۱/ ۱۳۰ مراقی الفلاح ۹۷ فتح القدیر: ۱/ ۴۵۲ الدر المختار ورد المحتار ۱/ ۸۰۶ القوانین الفقهية ۹۳ الشرح الصغير ۱/ ۵۵۱ بداية المجتهد ۲۲۴ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۳۶ المهذب ۱/ ۱۲۹ المغنی ۲/ ۴۶۴ کشاف القناع: ۲/ ۱۱۸۔

(۲) رواه الجماعة عن ابن عباس (نيل الاوطار: ۴/ ۴۰) (۳) مغنی المحتاج (۴) رواه احمد ومسلم وابوداؤد عن جابر ورواه ابن ماجه والترمذی عن ابی قتادة

کم از کم کفن ایک کپڑا ہونا ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ دے البتہ محرم کا سر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نہ ڈھانپا جائے، اس کے اسقاط کے متعلق میت کی وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی کفن کی اکثری مقدار سات کپڑے ہیں مرد کے لئے تین کپڑے افضل ہیں اور عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں مرد کے کپڑوں کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا یہ کپڑے بنئے یمانی تھے، اس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ آپ کو اس کفن میں داخل کر دیا گیا۔ (1)

عورت کے لئے پانچ کپڑے اس لئے افضل ہیں چونکہ اس میں عورت کا زیادہ سے زیادہ ستر ہے دوسری دلیل لیلیٰ ثقفیہ کی بعد میں آنے والی حدیث بھی ہے فقہاء کی اس میں کافی تفصیلات ہیں، جو یہ ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں کفن کی تین اقسام ہیں: کفن ضرورت، کفن کفایت، کفن سنت پھر ان میں سے ہر ایک یا تو مرد کا ہوگا یا عورت کا، چنانچہ کم از کم کفن جو مرد کو دیا جائے وہ دو کپڑے ہوں کفن سنت کے تین کپڑے ہیں، عورت کے کفن کے کم از کم تین کپڑے ہوں اور عورت کا کفن سنت پانچ کپڑے ہیں۔

ا۔ کفن ضرورت مرد وعورت کے لئے...... یہ وہ مقدار ہے جو ضرورت یا عجز کی حالت میں پائی جائے بہر حال وہ مقدار جس سے مکلفین سے فرض ساقط ہو جائے وہ کم از کم کفن (یعنی اقل کفن) ہے اور کم از کم کفن وہ ہے جو بدن کو کافی ہو، چونکہ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہیں صرف ایک کپڑے میں کفن دیا گیا۔ (2)

۲۔ کفن کفایت...... یہ کفن کی وہ ادنیٰ مقدار ہے جو زندگی میں پہنا جائے اور بعد از موت وہی مقدار اسکا کفن ہو وہ مرد کے لئے دو کپڑے ہیں ازار اور لفافہ اور عورت کے لئے یہی دو کپڑے اور اوڑھنی (خمار) ہے اس سے کم کفن مکروہ ہے۔ مرد کے دو کپڑے کفن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو انھوں نے فرمایا: مجھے انہی دو کپڑوں میں کفن دو جن میں میں نماز پڑھتا تھا۔ اور انھیں دھولو، چونکہ یہ دو کپڑے پیپ اور مٹی کے لئے ہیں (3) دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دو کپڑے زندوں کا ادنیٰ لباس ہے۔

ازار...... کفن کا ازار حالت زندگی کے ازار کے خلاف ہے یہ سر سے پاؤں تک ہے، لفافہ بھی اسی کی مثل ہوگا، ابن ہمام کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میت کا ازار زندہ کے ازار کے خلاف ہے۔

عورت کی بات رہی سو اس کا ستر مقصود ہے کہ اوڑھنے کے ساتھ ستر کیا جائے، اور یہ چہرے اور سر کو خمار سے ڈھانپنے سے ہوگا۔

۳۔ کفن سنت...... دوسرے دونوں کفنوں کی بنسبت یہ مکمل کفن ہے مرد کے لئے۔ اس میں تین کپڑے ہیں: ازار، قمیص، لفافہ، قمیص دن سے پاؤں تک ہوگی اور اس کی کلی نہیں ہوگی اور نہ ہی آستیں ہوں۔

عورت کے پانچ کپڑے...... ازار، قمیص، خمار (اوڑھنی) خرقہ جس سے سر باندھا جائے (سینہ بند) یہ کپڑا سینے سے ناف تک ہونا چاہئے اور لفافہ۔

مرد کے کفن سنت کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ایک وہ قمیص جس میں آپ نے وفات پائی، اور دو نجرانی کپڑے (4) یہ حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل ہے جو قمیص کے مستحب ہونے کی قائل ہیں۔ جب کہ جمہور اس

---

(1)......رواہ الجماعۃ عن عائشہ (نیل الاوطار ۳۶/۴) (2) رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ عن خباب بن الارت رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۳۳/۴) (3) رواہ ابن سعید فی الطبقات وتکرہ محمد بن الحسن فی الآثار بلاغا۔ (4) رواہ احمد وابوداؤد و فی سندہ یزید بن ابی زیاد وھو مجمع علی ضعفہ (نیل الاوطار ۲۶/۴)

طرف گئے ہیں کہ قمیص مستحب نہیں، ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث ہے کہ دو آپ کے کفن میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔

حنفیہ کے نزدیک اصح مذہب میں عمامہ میت کے لئے مکروہ ہے، عمامہ سے مراد وہ کپڑا ہے جو سر کو لپیٹ لیا جائے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکور بالا حدیث میں عمامہ کی نفی ہے جب کہ متاخرین علماء اور اشراف نے عمامہ کو اچھا سمجھا ہے تین سے زیادہ پانچ تک کپڑوں میں اضافہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عورت کے کفن مسنون کی دلیل لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ کی حدیث ہے، جس میں ہے کہ ام کلثوم بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے پانچ کپڑے تھے۔ ❶

مردوں کو ریشمی کپڑے عصفر میں رنگے ہوئے کپڑے اور زعفران رنگے ہوئے کپڑے میں کفن دینا مکروہ ہے ہاں البتہ اگر ان کپڑوں کے علاوہ کوئی اور کپڑا دستیاب نہ ہو تو یہی کپڑے دھو کر کفن میں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

تکفین کی کیفیت......مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ پھیلایا جائے پھر اس پر ازار پھیلایا جائے پھر قمیص پھر ازار لپیٹا جائے اور بائیں جانب سے لپیٹنے میں ابتداء کی جائے پھر بائیں جانب کو اوپر ڈالا جائے جیسے زندگی کی حالت میں پھر آخر میں لفافہ لپیٹا جائے عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ اور ازار پھیلائے جائیں پھر میت کو ازار پر رکھا جائے میت کو ازار پہنایا جائے عورت کے بال دو حصوں میں تقسیم کر کے قمیص کے اوپر سینے پر ڈال دینے چاہیے پھر بالوں کے اوپر خمار اوڑھایا جائے جو لفافہ کے نیچے ہو پھر ازار اور لفافہ لپیٹ دیا جائے، پھر کفن کے اوپر ایک کپڑا باندھ لیا جائے اور پاؤں کے اوپر بھی کپڑا باندھ لینا چاہیے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: کفن کی کم از کم مقدار ایک کپڑا ہے اور اکثر مقدار سات کپڑے جب کہ طاق تعداد میں دفن کے کپڑوں کا ہونا مستحب ہے، چنانچہ تین کفن دو سے افضل ہیں مرد کے لئے اتنا کفن واجب ہے جس سے ستر عورت کا سامان ہو سکے باقی کپڑے سنت ہیں جو اس سے زائد ہوں وہ مندوب ہیں، رہی بات عورت کی سو اسکا پورا بدن ڈھانپنا واجب ہے۔

مالکی مذہب میں مشہور یہ ہے کہ مرد کے پانچ کپڑے ہوں ازار (جو ناف سے گھٹنوں تک ہو) قمیص جس کی آستینیں ہوں عمامہ اور دو لفافے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مقصود بیان اباحت ہے نہ کہ حد مقرر کرنا۔

عورت کو سات کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے عورت کے لئے دو لفافے زیادہ ہوں گے یوں عورت کے لئے کل لفافوں کی تعداد چار ہو گی چونکہ یعلیٰ ثقفیہ کی حدیث میں اباحت کو بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ حد مقرر کرنا جیسے مرد کے کفن میں اوپر گزرا۔

خمار مستحب ہے جو عورت کے سر اور چہرے پر لپیٹا جائے جو کہ مرد کے عمامہ کے بدلہ میں ہو، اکنا شملہ رکھنا مندوب ہے جو مرد کے چہرے پر ڈال جائے، ریشم یا نجس کپڑے سے کفن دینا مکروہ ہے بشرطیکہ متبادل کپڑا دستیاب ہو ورنہ مکروہ نہیں۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: کفن کی کم از کم مقدار ایک کپڑا ہے جو اعضاء مستورہ کو ڈھانپ دے یہ مرد کے بدن کا ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ اور عورت کا ہاتھ اور چہرے کے علاوہ سارا بدن ہے میت کے حق کی بنسبت ایک کپڑا واجب ہے اس کے سارا بدن کے لئے کافی ہے البتہ محرم مرد کا سر اور محرمہ کا چہرہ مستثنیٰ ہے چونکہ اس میں محرم کے اکرام کا تقاضا ہے۔

جب سادہ کپڑا دستیاب ہو تو ریشم اور عفران میں رنگے ہوئے کپڑے میں کو کفن دینا حرام ہے عورت کو ان کپڑوں میں کفن دینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

مرد کے لئے تین لفافوں کا ہونا افضل ہے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث میں یہی ہے، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی

---

❶......رواہ احمد رواہ ابو داؤد وفی بعض رجالہ کلام عند البعض (المصب الرایۃ ۲/۲۶۳)

ہے اور افضل یہ ہے کہ اس میں قمیص اور عمامہ نہ ہو دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے البتہ کراہت کے ساتھ چوتھا اور پانچواں کپڑا بھی جائز ہے یعنی قمیص اور عمامہ کا اضافہ کر لینے سے، چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا قمیص عمامہ اور تین لفافے۔ (۹۱)

عورت اور خنثیٰ کے لئے پانچ لفافے ہونا افضل ہے..... ازار، قمیص، پھر خمار پھر دو لفافے چونکہ اس میں عورت کا زیادہ ستر ہے، اس سے زیادہ کفن کے کپڑوں کا ہونا مکروہ ہے، کفن دینے کی کیفیت یہ ہے کہ خوبصورت اور کھلا لفافہ پھیلایا جائے، دوسرا اس کے اوپر رکھا جائے تیسرا اس کے اوپر ہر لفافے کے اوپر حنوط اور کافور رکھی جائے پھر اس کے اوپر میت کو گدی کے بل رکھ دیا جائے اس پر حنوط اور کافور ہو پھر دونوں پلے لپیٹ کے باندھ دیئے جائیں جب میت قبر میں رکھی جائے تو وہ رسیاں جن کے ساتھ کفن باندھے ہوں کھول دی جائیں محرم مذکر کو سلا ہوا کپڑا نہ پہنایا جائے نہ اسکا سر ڈھانپا جائے اور محرمہ کا چہرہ نہ ڈھانپا جائے۔

حنابلہ..... کہتے ہیں کفن واجب ایک کپڑا ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ دے خواہ عورت ہو یا مرد، افضل یہی ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ مرد کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے اور کپڑوں کے درمیان خوشبو رکھی جائے، ان کپڑوں میں قمیص اور عمامہ نہ ہو کپڑے اس سے زائد بھی نہ ہوں اور کم بھی نہ ہوں۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث ہے دو کپڑوں میں بھی کفن دینا جائز ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے بارے میں فرمایا تھا، جو سواری سے گر کر ہلاک ہو گیا تھا: اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اسے دو کپڑوں میں کفن دے دو، تین کپڑوں سے زائد کپڑے مکروہ ہیں چونکہ اس میں مال کو ضائع کرنا ہے۔

احرام کے ممنوعات کو سامنے رکھتے ہوئے محرم کو بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا جائے خوشبو نہ لگائی جائے، اور اس کے سر اور پاؤں نہ ڈھانپے جائیں۔

بچے کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جا سکتا ہے، اگر تین کپڑوں میں بچے کو کفن دے دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر مرد کے لئے ایک کپڑا دستیاب نہ ہو جو اس کے پورے بدن کو ڈھانپتا ہو تو سر کو ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں پر پتے اور گھاس ڈال دیا جائے۔

عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے یعنی قمیص، ازار، لفافہ، خمار اور پانچواں کپڑا جس سے عورت کی رانیں باندھی جائیں اس کی دلیل لیلیٰ ثقفیہ کی حدیث ہے دوسری روایت ام عطیہ رضی اللہ عنہ کی بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ازار قمیص، خمار اور دو کپڑے مزید اور دیئے۔

کیفیت تکفین..... جیسا کہ شافعیہ کے مذہب میں گزر چکا ہے البتہ یہ معلوم رہے کہ خمار سر پر اوڑھایا جاوے گا ازار درمیان میں قمیص پہنائی جائے گی، کفن کے کپڑوں کو دھونی دی جائے اوپر والے لفافے پر خوشبو وغیرہ نہ رکھی جائے چونکہ حضرت عمر، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اسے مکروہ سمجھتے تھے، وہ کپڑا جو نعش پر رکھا جاتا ہے اس پر بھی خوشبو قسم کی کوئی چیز نہ رکھی جائے البتہ اعضائے سجدہ کو خوب خوشبو لگائی جائے، چونکہ ان اعضاء کا اکرام ہے اسی طرح بغلوں کے نیچے ناف میں بھی خوشبو لگائی جائے چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان جگہوں میں خوشبو لگاتے تھے میت کے سر اور داڑھی کو بھی خوشبو لگائی جائے آنکھ کے اندر خوشبو لگانا مکروہ ہے چونکہ اس سے آنکھ خراب ہو جاتی ہے۔

اوپر والے لفافے کا پلو جو بائیں طرف کا ہو وہ دائیں طرف ڈال دیا جائے پھر دائیں طرف کا پلو بائیں طرف ڈال دیا جائے چونکہ قباء، چادر وغیرہ زندہ شخص اسی طرح اوڑھتا ہے پھر دوسرا اور تیسرا لفافہ اسی طرح لپیٹا جائے، پاؤں کی بنسبت سر کے نیچے کفن کا کپڑا زیادہ ہونا چاہیے چونکہ سر کی شرافت ہے اور ڈھانپنے کا زیادہ حقدار ہے چہرے اور سر سے جو کفن بچے وہ پاؤں پر کر دیا جائے تا کہ کفن میں میت صندوق کی مانند ہو اور

(۹۱)..... رواہ البیہقی

کفن منتشر نہ ہونے پائے اگر انتشار کا خطرہ ہو تو لفافے میں ہلکا کپڑا رکھ کر گرہ لگادی جائے پھر قبر میں رکھتے وقت گرہیں کھول دی جائیں۔ چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب تم میت کو قبر میں داخل کرو تو کفن کی گرہیں کھول دو۔ ❶

اگر مردے کو زندہ شخص کی کسی قمیص میں کفن دیا گیا جس کی آستینیں ہوں اور کلیاں ہو اور کفن ازار اور لفافہ بھی ہو تو یہ جائز ہے اس میں کراہت نہیں ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو اپنی قمیص پہنائی جب وہ مر گیا۔ ❷

مرد وعورت کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا حرام ہے، ایسے کپڑے میں بھی کفن دینا حرام ہے، جو سونا یا چاندی سے بنا ہوا ہو ہاں البتہ بوقت ضرورت جب متبادل کپڑا دستیاب نہ ہو تو اسی کپڑے میں کفن دیا جاسکتا ہے، عورت کے لئے ریشمی کپڑا اس لئے حرام ہے حالانکہ زندگی میں اسکے لئے مباح تھا چونکہ ریشمی کپڑا سامان زینت ہے اور محل شہوت ہے جب کہ موت پر سب ختم ہو چکا۔

تیسری چیز: وہ امور جو کفن میں مندوب (مستحب) ہیں..... کفن کی صفت اور مقدار کے ہوتے ہوئے مندرجہ ذیل امور مندوب ہیں۔

۱.....کفن سفید ہو کاٹن یا روئی کا ہو تو زیادہ ہی بہتر ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، سفید کپڑے پہنو چونکہ یہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں اور انہی سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو بھی کفن دو۔ ❸

۲.....لوبان اور اگر وغیرہ سے کفن کو دھونی دینا اور طاق عدد میں دھونی دینا مندوب ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کسی میت کو دھونی دو تو طاق عدد میں دو۔ ❹

البتہ محرم کو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک خوشبو نہ لگائی جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص سواری سے نیچے گر کر ہلاک ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اسے غسل دو اور اسے اپنے ہی دو کپڑوں میں اسے خوشبو نہ لگاؤ، اس کا سر بھی نہ ڈھانپو چونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تلبیہ کہتے ہوئے زندہ کرے گا۔ ❺

مالکیہ اور حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ یہ حضرت کہتے ہیں: اس شخص کا یہ واقعہ جزی واقعہ ہے اسے عموم حاصل نہیں لہٰذا اسی کے ساتھ خاص ہے۔ داؤدی نے امام مالک کی طرف سے یوں اعتذار کر دیا ہے کہ انھیں یہ حدیث پہنچی ہی نہیں ہوگی، اور جواب بھی یہ دیا گیا ہے کہ حدیث ظاہر ہے اور حج میں اسکا علت ہونا بھی واضح ہے لہٰذا یہ محرم کے لیے عام حکم ہے، اصول یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو حکم کسی ایک کے لئے ثابت ہوگا وہ دوسروں کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ یہاں تک کہ دوسرے دلائل سے تخصیص ثابت ہو جائے۔ کفن کے کپڑوں کے اندر کافور رکھنا مندوب ہے روئی کے ساتھ کافور لگا کر آنکھوں ناک منہ، کان، اور مخرج میں لگانا اور سجدہ کے اعضاء پر لگانا بھی مندوب ہے، اسی طرح ڈھانپے اعضاء مثلاً بغلوں گھٹنوں کے اندر اور کانوں کے پیچھے لگانا بھی مندوب ہے۔

۳.....ایک کفن سے زائد ہونا، چنانچہ دو کفن ایک سے افضل ہیں کفن کے کپڑے طاق عدد میں ہوں۔

۴.....کفن طاق تعداد میں ہو، چنانچہ تین کپڑے دو اور چار سے افضل ہیں

۵.....کفن عمدہ ہونا چاہیے لیکن غلو اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سرپرست ہو وہ اس کا کفن اچھا رکھے ❻ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک عمدہ کفن مندوب ہے، اور ایسا کپڑا ہو جو جمعہ کے روز پہنا جاتا

---

❶.....رواہ الترمذی ❷ رواہ البخاری ❸ رواہ الخمسۃ (احمد و اصحاب السنن الاربعۃ) النسائی و صححہ الترمذی عن ابن عباس ورواہ ایضا الشافعی وابن حبان والحاکم والبیقھی و صححہ ابن القطان (نیل الاوطار ۳۸/۴) ❹ رواہ احمد والبیھقی والبزار وقیل رجالہ رجال الصحیح (نیل الاوطار ۴۰/۴) ❺ رواہ الجماعۃ عن ابن عباس۔ ❻ رواہ ابن ماجہ والترمذی وسبق ذکر روایۃ اخری عن جابر عند احمد ومسلم والترمذی (نیل الاوطار ۳۴/۴)

ہے، تا کہ برکت کا حصول ممکن ہو۔

حنابلہ کے نزدیک کفن کا کپڑا ایسا ہونا واجب ہے جو جمعہ اور عیدین کے موقع پر پہنا جاتا ہے چونکہ شارع کی طرف سے کفن کو عمدہ رکھنے کا حکم ہے۔

شافعیہ کے نزدیک......عمدہ کفن مستحب ہے چونکہ کفن کے اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ کپڑا سفید ہو صاف ستھرا ہو پورا پورا ہو کفن کا ارفع ہونا مقصود نہیں چونکہ مبالغہ مکروہ ہے لہٰذا دھلا ہوا کفن نئے کفن سے افضل ہے چونکہ مآل کار کفن نے قبر میں پوشیدہ ہی ہو جانا ہے قطن دوسرے کپڑوں سے افضل ہے۔

سبھی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کفن میں مبالغہ کرنا اچھا نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کفن میں غلومت کرو چونکہ کفن بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔ [11]

تیسرا فرض: میت پر نماز پڑھنا......اس عنوان کے ذیل میں ان امور پر بحث ہوگی، نماز جنازہ کا حکم، نماز جنازہ کا زیادہ حقدار کون ہے، جب زیادہ جنازے جمع ہو جائیں، نماز جنازہ کے ارکان، امام جنازہ سے کہاں کھڑا ہو، مسبوق کی حالت، شرائط نماز کی نیت، نماز کی سنن، وقت دفن کے بعد میت پر نماز جنازہ، غائبانہ نماز جنازہ، مسجد اور قبرستان میں نماز جنازہ، اور نومولود کی نماز جنازہ۔

پہلی چیز: نماز جنازہ کا حکم......میت جو شہید نہ ہو اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یہ زندوں پر بالا جماع فرض کفایہ ہے جیسے تجہیز و تکفین اور دفن زندوں پر فرض کفایہ ہے [12] جب اس فرض کو بعض لوگ ادا کر دیں تو باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے جیسے تہائی مال کی وصیت اس امت کی خصوصیت ہے، جب کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناتمام بچے اور مکمل بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔ [13]

حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ مسلمان پر فرض ہے البتہ چار قسم کے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ یہ ہیں باغی، ڈاکو جب لڑائی میں مارے جائیں اہل عصبیت، شہر میں اسلحہ لے کر زبردستی گھس آنے والے یا گلے گھونٹنے والی جماعت۔

باغی......مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو مسلمانوں کے امام (حکمران) کے حکم سے ناحق عدول کر جائیں اور بغاوت کر بیٹھیں مرنے والوں کو نہ ہی غسل دیا جائے گا اور نہ ہی ان پر نماز پڑھی جائے گی ایسا ان کی تحقیر اور اہانت و رسوائی کے لئے کیا جائے گا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو، یہ تب ہے جب باغی دوران جنگ قتل ہوں اگر امام کی رٹ چلنے کے بعد یا سرینڈر کرنے کے بعد باغی قتل ہوئے تو غسل بھی دیا جائے گا اور ان پر نماز بھی پڑھی جائے گی چونکہ اس صورت میں باغیوں کا قتل ایک پالیسی اور سیاست کے تحت ہوگا تا کہ ان کی شوکت ٹوٹ جائے یہ حد کے حکم میں ہے چونکہ اس کا نفع عوام الناس کو جاتا ہے۔

راہزن ڈاکو......یہ بھی مسلمانوں کی جماعت ہے جو راہگیروں کے اموال لوٹنے کے لئے خروج کر لیتے ہیں انھیں بھی غسل دیا جائے گا اور نہ ہی ان پر نماز پڑھی جائے گی جب امام کو ان پر کنٹرول حاصل ہو گیا اور پھر مقتول پائے گئے تو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی چونکہ ایسی حالت میں راہزن کو قتل کرنا بطور حد یا بطور قصاص تھا۔

---

[11]......رواہ بوداؤد عن علی وھو حدیث حسن۔ [12] الدر المختار وردالمحتار ۱/ ۸۱۱ مراقی الفلاح ۹۸ المھذب ۱/ ۱۳۲۔ [13] روی الصلاۃ علی النبی ابن ماجہ عن ابن عباس وروی وابوداؤد الصلوۃ علی السقط عن المغیرۃ وروی احمد والنسائی والترمذی الصلاۃ علی الطفل وروی احمد وشیخان الصلاۃ علی النجاشی (نیل الاوطار ۴/۴)

اگر کوئی باغی یا ڈاکو طبعی موت مرا خواہ دارو گیری سے پہلے یا بعد اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

اہل عصبہ یا اہل عصبیہ..... یہ وہ جماعت ہے جو ظلم وتعدی کی بنا پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے لگیں یا قوم وقبیلہ کے لئے اکٹھے ہوئے ہوں، اہل عصبیت میں سے اگر کوئی ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم باغی جیسا ہے جو اوپر گزر چکا ہے ان میں جو شخص پتھر لگنے سے اس دوران مر جائے اسکا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر جدا جدا ہو جانے کے بعد کوئی مر جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

شہر میں گھس آنے والا..... حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ رائے کے مطابق ان سے مراد بھی راہزن ہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے چنانچہ جب کوئی شخص اسلحہ لے کر شہر میں داخل ہو رات کا وقت یا دن کے وقت یا گلے گھونٹنے والی جماعت داخل ہو، سیاستاً انھیں قتل کیا جائے گا، تا کہ فساد نہ پھیلنے پائے اور اسکا شر بھی جاتا رہے اسکا حکم راہزن اور ڈاکو جیسا حکم ہے یعنی نہ غسل دیا جائے گا، اور نہ ہی نماز پڑھی جائے گی۔

والدین میں سے کسی ایک کو جو قتل کر دے اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی تا کہ اس کی رسوائی ہو یہ تب ہے جب امام اسے قصاصاً قتل کردے، البتہ اگر طبعی موت مر جائے تو نماز پڑھی جائے گی۔

جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو قتل کر دے (خودکشی کر دے) اسے غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہی قول مفتی بہ ہے اگر چہ اس کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے والے سے عظیم تر ہے چونکہ یہ فاسق ہوتا ہے اور زمین پر فساد پھیلانے والا نہیں ہوتا، اگر اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کے باقی فساق۔

جبکہ فقہاء کی ایک جماعت جیسے امام ابو یوسف، اور ابن ہمام کی رائے ہے کہ خودکشی کرنے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، چونکہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے خودکشی کی ہوئی تھی آپ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ ❶

مالکیہ کہتے ہیں جو شخص حد یا قصاص میں مارا جائے امام اس پر نماز جنازہ نہ پڑھے جب کہ امام کے علاوہ باقی لوگ اس پر نماز پڑھ لیں، ❷ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ پر نماز نہیں پڑھی، اور آپ نے کسی کو ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا۔ ❸

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل فضل (علماء اور صلحاء) کو اہل بدعت پر نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے، اور اس شخص کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں جو ظاہراً کبیرہ گناہ کرتا ہو۔

حنابلہ نے نماز جنازہ کی فرضیت سے شہید اور ظلماً مقتول کی نماز جنازہ کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی ان پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہیں۔ جیسے جمہور نے حنفیہ کے علاوہ شہید کو مستثنیٰ کیا ہے، یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے پر نماز جنازہ چھوڑ دی ہے اور خودکشی کرنے والے پر بھی نماز نہیں پڑھی۔ ❹

دوسری چیز: نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے..... اس بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں۔ ❺

پہلی رائے: حنفیہ کی رائے..... اگر سلطان موجود ہو تو وہ نماز جنازہ پڑھنے کا حقدار ہے، اگر سلطان نہ ہو تو اسکا نائب زیادہ حقدار ہے چونکہ سلطنت کا یہی تقاضا ہے نیز سلطان اور اس کے نائب کو مقدم نہ کرنے میں انکی تحقیر وتذلیل ہے، اگر نائب بھی موجود نہ ہو تو قاضی نماز

❶ ..... رواہ مسلم عن جابر بن سمرۃ ❷ بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۱ القوانین الفقہیۃ ۹۴ شرح الرسالہ ۱/۲۷۶۔ ❸ رواہ ابوداؤد ❹ الاوّل رواہ احمد واصحاب السنن الا الترمذی عن زید بن خالد الجہنی والثانی رواہ الجماعۃ الا البخاری عن جابر بن سمرۃ (نیل الاوطار ۴/۴۶) ❺ دیکھئے فتح القدیر ۱/۴۵۷ الدر المختار ۱/۸۲۳ اللباب ۱/۱۳۱ مراقی الفلاح ۹۴ بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۳ القوانین الفقہیۃ ۹۴ الشرح ۱/۵۵۸ مغنی المحتاج ۱/۳۴۶ المغنی: ۲/۴۸۰ کشاف القناع ۲/۱۲۷۔

جنازہ پڑھائے چونکہ قاضی کو ولایت عام حاصل ہوتی ہے، اگر قاضی بھی موجود نہ ہو تو بستی کا امام نماز پڑھائے چونکہ میت زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا لہٰذا، بعد از وفات وہی اس پر نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے، پھر مذکر عصبات میں سے جو ولی ہو وہ مقدم ہوگا البتہ باپ بیٹے پر مقدم ہوگا۔ پھر اقرب فالاقرب کی ترتیب کے مطابق اولیاء مقدم ہوں گے اسی ترتیب کے مطابق جو نکاح میں کارفرماں ہوتی ہے اور اولیاء میں جسے حق تقدم حاصل ہو وہ دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے، جس شخص کو تقدم کی ولایت حاصل ہو تو وصیت کی صورت میں دوسرا شخص زیادہ حقدار ہوگا اور یہی مفتی بہ قول۔ چونکہ وصیت باطل ہے۔

اگر میت پر ولی سلطان یا نائب کے علاوہ کسی اور نے نماز پڑھی تو ولی اعادہ کرسکتا ہے ولی چاہے تو قبر ہی پر اعادہ کرسکتا ہے چونکہ ولی کو حق ولایت حاصل ہوتا ہے اگر ولی نے نماز پڑھ دی ہو تو دوسرا شخص دوبارہ نماز نہیں پڑھ سکتا چونکہ پہلی نماز پڑھنے سے فرض ادا ہو چکا جب کہ نفلی نماز جنازہ غیر مشروع ہے۔

اگر بغیر نماز جنازہ کے میت کو دفن کر دیا گیا تو قبر پر ہی نماز جنازہ پڑھی جائے جب تک میت کے پھولنے اور پھٹنے کا خدشہ اور ظن غالب نہ ہو۔ حال، زمانہ اور جگہ کے مختلف ہونے سے حکم مختلف ہوسکتا ہے۔ ❶

دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی رائے...... میت پر نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جس کی میت نے وصیت کی ہو چونکہ صحابہ کا عمل اسی پر رہا ہے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں پھر والی یا امیر نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے، چونکہ حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی سلطنت میں امامت نہ کرآئے پھر اولیاء عصبات ترتیب نکاح کے مطابق نماز جنازہ کا حق رکھتے ہیں لہٰذا باپ مقدم ہوگا اسی طرح اوپر چلے جائیں۔ پھر بیٹا اگر چہ نیچے آجائیں پھر اقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق رشتہ دار نماز پڑھانے کے حقدار ہیں، لہٰذا بھائی مقدم ہوگا پھر چچا پھر چچازاد بھائی علی ھذا۔

لیکن مالکیہ کے نزدیک بھائی اور بیٹا دادا پر مقدم ہوگا چونکہ بیٹا بنوۃ کا نتیجہ ہے اور دادا ابوۃ کا نتیجہ ہے مالکیہ کے نزدیک جب مرد نہ ہوں تو عورتیں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھائیں چونکہ مالکیہ کے نزدیک عورتوں کی امامت درست نہیں۔

افضل فالافضل مقدم ہوگا لہٰذا مرد عورتوں پر مقدم ہوں گے بڑے چھوٹوں پر مقدم ہوں گے اسی طرح جس شخص کو دینی برتری حاصل ہوگی وہ مقدم ہوگا اگر سبھی برابر ہوں تو معمر مقدم ہوگا اگر عمر میں سب برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہو۔

مثلاً قرعہ ڈالا جائے گا یا باہمی رضامندی سے جسے امامت کے لئے منتخب کریں۔ یہ مالکیہ کا قول ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک وہی شخص نماز جنازہ میں مقدم ہوگا جو فرض نمازیں پڑھانے کا زیادہ حقدار ہو، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لوگوں کو وہ شخص امامت کرائے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہو۔

تیسری رائے شافعیہ کی جدید رائے...... ولی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے اگر چہ میت نے غیر ولی کے لئے وصیت کی ہو، چونکہ وصیت اسکا حق ہے لہٰذا اسقاط سے وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا جیسے وراثت چونکہ نماز جنازہ سے مقصود میت کے لئے دعا کرنا ہے اور قریبی رشتہ دار کی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے چونکہ قریبی رشتہ دار کا دل دکھا ہوتا ہے اور وہ غمزدہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے جو نماز جنازہ کی وصیتیں کی

❶...... مثلاً سندھ میں گرمی شدید ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ میت قبر میں تین دن کے بعد پھول جاتا ہے جب کہ کشمیر میں ہفتہ تک بھی نہیں پھولتا۔

تھیں وہ اس پر محمول ہیں کہ اولیاء نے انھیں اجازت دے دی تھی۔لہٰذا باپ مقدم ہوگا پھر دادا پھر اس کے اوپر پھر بیٹا پھر پوتا اگر چہ نیچے آ جائیں پھر بھائی ظاہر مذہب میں ہے کہ حقیقی بھائی باپ شریک بھائی پر مقدم ہوگا۔پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا پھر وارثت کی ترتیب کے مطابق بقیہ عصبات لہٰذا حقیقی چچا مقدم ہوگا پھر باپ شریک چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر باپ شریک چچا کا بیٹا۔

پھر ذوی الارحام اقرب فالاقرب کے اصول پر لہٰذا ماں کا باپ یعنی نانا مقدم ہو پھر ماں شریک بھائی پھر ماموں پر ماں کا چچا۔

اگر دو ولی جمع ہو جائیں جو ایک ہی درجہ کے ہوں جیسے دو بیٹے یا دو بھائی اور وہ دونوں امامت کرا سکتے ہوں تو معمر کو مقدم کیا جائے گا۔

تیسری چیز: زیادہ جنازے جمع ہونے کی حالت......تمام مذاہب میں بالاتفاق متعدد جنازوں پر دفعۃً نماز جنازہ پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔جب کہ علیحدہ علیحدہ جنازہ پڑھنا افضل ہے افضل فالافضل کو مقدم کیا جائے گا چونکہ نفرادی طور پر جنازہ پڑھنے کا عمل اکثر ہے اور قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

ایک سے زیادہ جنازے جمع ہونے کی حالت میں حنفیہ کہتے ہیں کہ عرضاً ایک صف بنائی جائے اور امام افضل کے پاس کھڑا ہو یا طولاً قبلہ رو صف بنائی جائے بایں طور کہ ہر جنازے کا سینہ امام کی سامنے ہو اور اس کے محاذی ہو۔

چوتھی چیز: نماز جنازہ کے ارکان سنن اور کیفیت......حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے دو رکن ہیں، مالکیہ کے نزدیک پانچ ارکان ہیں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سات ارکان ہیں۔

حنفیہ کا مذہب......حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے دو ارکان ہیں (۱) چار تکبیرات، قیام اور پہلی تکبیر۔تکبیر تحریمہ رکن ہے شرط نہیں لہٰذا اس پر دوسری تکبیر کی بنا جائز نہیں ہے، چار تکبیرات میں سے ہر ایک تکبیر رکعت کے قائم مقام ہے، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا واجب ہے۔گویا حنفیہ کے نزدیک واجب صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ سلام ہے جب کہ رکن اور چیزیں ہیں تکبیر اور قیام نیت شرط ہے رکن نہیں نماز جنازہ سوار ہو کر یا بیٹھ کر جائز نہیں ہے۔(۲)

سنتیں......نماز جنازہ کی تین سنتیں ہیں، تحمید و ثناء اور دعا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔تحمید اور ثناء تو سبحانک اللھم وبحمدک یہ پہلی تکبیر کے بعد پڑھی جائے گی، درود دوسری تکبیر کے بعد پڑھا جائے گا میت کے لئے دعا تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جائے گی نمازیوں کی تین صفیں ہونا مستحب ہے چونکہ حدیث ہے جس شخص پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

کیفیت......مقدم صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر اس کے بعد ثناء پڑھے، پھر دوسری تکبیر کہہ کر تشہد کی طرح درود شریف پڑھے چونکہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھنا مسنون ہے پھر تیسری تکبیر کہے اس کے بعد اپنے لئے مسلمانوں کے لئے اور میت کے لئے دعا کرے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس میں چار تکبیریں کہی ہیں گویا چوتھی تکبیر حلال ہونے کا وقت ہے اور یہ سلام کے ساتھ ہو جاتا ہے اس تکبیر کے بعد دعا نہیں بلکہ صرف سلام ہے، ظاہر الروایۃ میں یہی ہے بعض مشائخ حنفیہ نے یہ دعائیں پڑھنا آخری تکبیر کے بعد مختار سمجھی ہیں۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار اور ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهديتنا...... الآیة

نماز جنازہ میں قرأت اور تشہد نہیں ہے، اگر امام نے پانچ تکبیریں کہہ دیں تو اس کی اتباع نہیں کی جائے گی مقدم انتظار کرے یہاں تک کہ

---

(۱) الدر المختار ۱/۸۱۳ مراقی الفلاح ۹۸ فتح القدير: ۱/۴۵۹۔ (۲) روی عن حديث ابن عباس عند الحاكم ومن حديث عمر بن الخطاب عندا لبيهقي والطبراني، ومن حديث ابن ابي حيثمه عند ابن عبد البز ومن حديث انس عند الحارث بن ابي اسامة في مسنده (نصب الراية ۲/۲۶۷)

امام کے ساتھ سلام پھیرے دعا میں کوئی چیز معین نہیں ہے، تیسری تکبیر کے بعد ماثور دعا کرنا زیادہ بہتر ہے ان دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے
اللھم اغفرله

وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله واغسله با لماء والثلج والبرد ونقه من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدله دارا خیراً من داره واهلا خیراً من اهله وادخله الجنة وقه فتنه القبر وعذاب النار ❶

ایک ماثور دعا یہ بھی ہے:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا، اللھم من احییته منا فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجره ولا تضلنا بعده ❷

مجنون اور بچے کے لئے استغفار نہ کیا جائے چونکہ ان دونوں کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ ان کی دعا میں یوں کہے۔ ❸

اللھم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا وذخرا واجعله لنا شافعًا ومشفعًا

مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے پانچ ارکان ہیں۔

اول..... نیت یعنی نماز جنازہ سے میت پر نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، یا مسلمان مردوں میں سے جو حاضر ہوں ان پر نماز پڑھنے کا قصد ہو مردے کا مذکر یا مونث ہونے کی معرفت شرط نہیں فرض کفایہ کا عدم استحضار میں کوئی نقصان نہیں، مذکر و مونث ہونے کا اعتقاد بھی ضروری نہیں۔

دوم..... دوسرا رکن چار تکبیرات ہیں چار میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے چونکہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اگر امام نے جان بوجھ کر یا بھولے سے پانچویں تکبیر زائد کہہ دی تو اس کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے پہلے ہی سلام پھیر دیں جب کہ تکبیر من کل وجہ رکعت کی طرح نہیں، اگر انتظار کریں تو امام کے ساتھ سلام پھیریں اور نماز صحیح ہوگی۔

اگر امام نے چار سے کم تکبیریں کہیں تو امام کو تسبیح کہہ کر آگاہ کیا جائے، اگر امام نے چوتھی تکبیر کہہ دی تو اس کے ساتھ مقتدی بھی تکبیر کہیں اور اس کے ساتھ سلام پھیریں اگر امام رجوع نہ کرے تو مقتدی اپنے تئیں تکبیر کہیں اور سلام پھیر لیں ان کی نماز صحیح ہوگی۔

چنانچہ بعض اسلاف کا موقف ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیرات چار سے زائد ہیں اور بعض کا موقف ہے کہ چار سے کم ہیں۔

شیعہ امامیہ کی رائے ہے کہ نماز جنازہ کی پانچ تکبیرات ہیں ❹ اور ان کے درمیان چار دعائیں ہیں اور کوئی دعا متعین نہیں ہے، چار سے زائد تکبیرات کے قائلین کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھی اور نماز میں پانچ تکبیرات کہیں پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں نہ ہی بھولا ہوں اور نہ ہی مجھ سے وہم ہوا ہے البتہ میں نے اسی طرح تکبیرات کہی ہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہیں آپ نے ایک جنازے پر نماز پڑھائی اور پانچ تکبیرات کہیں۔ ❺

جمہور اہل سنت والجماعت نے چار تکبیرات کو راجح قرار دیا ہے نیز چار تکبیرات کی روایت صحیحین میں ہے اور اس پر عمل کرنے پر صحابہ کا اجماع بھی ہے اور یہ آپ کا آخری عمل بھی تھا۔ ❻

سوم..... تکبیرات کے درمیان میت کے لئے دعائیں کرنا، اگرچہ اللھم اغفرله ہی کر دی جائے، اور چوتھی تکبیر کے بعد اگر چاہے تو دعا کرے، چاہے تو دعا نہ کرے اور سلام پھیر دے مشہور یہ ہے کہ دعا واجب نہیں ہے جب کہ دردیر کے نزدیک مختار ہے کہ اس تکبیر کے بعد دعا

---

❶..... رواه مسلم والترمذی والنسائی عن عوف بن مالک ❷ رواه مسلم واصحاب السنن الاربعة ❸ الشرح الصغیر ۱/۵۵۳ القوانین الفقهیة ۹۴ شرح الرسالة ۱/۲۸۰ الشرح الکبیر ۱/۴۱۱ بدایة المجتهد ۱/۲۲۶۔ ❹ المختصر النافع فی فقه الامامة ۶۴۔ ❺ رواه احمد وفی اسناده یحیی بن عبد الله الجابری و هو متکاع به۔ ❻ اخرجه الحاکم عن ابن عباس۔

واجب ہے، نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرأت نہیں لیکن احناف کی رعایت ورع میں سے ہے۔

اگر سامنے میت دو ہوں تو دعا میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کرے اگر دو سے زیادہ ہوں تو جمع کا صیغہ استعمال کرے، دو ہونے کی حالت میں یوں کہے: اللهم انهما عبداك وابنا عبيدك وابنا امتك كانا يشهدا: جماعت کے لئے یوں کہے: اللهم انهم عبيدك ابناء عبيدك ابناء اماتك كانوا يشهدون۔ اگر مرد عورتیں جمع ہوں تو مؤنث پر مذکر کو تغلیب دے۔

میت کے لئے دعا کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے، جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو (1) ہر تکبیر کے بعد امام اور مقتدی کی طرف سے دعا ہو، میت کے لئے کم از کم یہ دعا تو ضرور ہو۔ اللهم اغفر له، يا اللهم ارحمه یا اس کے معنی میں جو دعا بھی ہو۔

سب سے اچھی دعا وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور ثناء و درود کے بعد یوں کہے:

اللهم انه عبدك وابن عبادك وابن امتك كا ن يشهد ان لااله الاالله وان محمداً
عبد ك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه
وان كان مسيئا فتجاوز عن سيئاته اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

یا اللہ یہ میت تیرا بندہ ہے تیرے بندوں کا بیٹا ہے تیری بندی کا بیٹا ہے یہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتا رہا ہے، اور تو اسکا بخوبی علم رکھتا ہے، یا اللہ اگر یہ نیکوکار تھا تو اسکی نیکی میں اضافہ فرما، اور اگر گناہگار تھا تو اس کے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ اس کے اجر و ثواب سے ہمیں محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈالنا۔ (2)

اگر عورت کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھے (یعنی تیسری تکبیر کے بعد) اللهم انها امتك وبنت عبدك وبنت عبدك الخ بچہ ہو تو یہ پڑھے:

اللهم انه عبدك وابن عبدك انت خلقته ورزقته وانت امته وانت تحييه
اللهم اجعله لوالديه سلفا وذخرا وفرطا واجرا وثقل به موازينهما واعظم به اجورهما
وتفتنا واياهما بعده اللهم الحقه بصالح سلف المؤ منين فى كفا لة ابراهيم
وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيراً من اهله وعا فه من فتنه القبر وعذاب جهنم

چہارم..... جہراً ایک سلام پھیرنا اور امام کے علاوہ باقی لوگ آہستہ سے سلام پھیریں۔

پنجم..... جو شخص قدرت رکھتا ہو اسکا قیام کرنا، جو عاجز ہو اس کے لئے قیام رکن نہیں۔

مندوبات (مستحبات)

۱..... صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنا۔

۲..... الحمد للہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعا کی ابتدا کرنا مثلاً یوں کہے:

الحمدلله الذى امات واحيا والحمد لله الذى يحيى الموتى وهو على كل شيءٍ قدير،
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد

(1)..... رواه أبوداؤد وابن حبان وابن ماجه وفيه ابن اسحاق وقد عنعن (نيل الاوطار ۶۳/۴) (2) وروى ايضا عن ابى قتادة رواه احمد والبيهقى وذكر الشافعى وسنده ضعيف (الجموع ۱۹۳/۵)

کما صلیت وبارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید

۳......دعا پڑھنا۔

۴......اگر میت مذکر ہوتو امام اس کے درمیان کے مقابل کھڑا ہو اور اگر عورت یا خنثیٰ ہو تو کاندھوں کے برابر کھڑا ہو بایں طور کہ میت کا سر امام کی دائیں طرف ہو۔ البتہ روضہ شریفہ میں میت کا سر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی طرف ہو ورنہ سو ادب لازم آئے گا۔

ان کی دلیل حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت دوران نفاس فوت ہوگئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے درمیان (کے مقابل) میں کھڑے ہوئے [1] چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح میں لکھا ہے کہ مصنف یعنی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا اور مرد وعورت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا اور ابوداؤد اور ترمذی نے جو انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی نماز پڑھائی اور اس کے سر کے برابر کھڑے ہوئے اور ایک عورت کی نماز پڑھائی اور اس کے دھڑ کے برابر کھڑے ہوئے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا۔

نماز کی کیفیت......مشہور طریقہ کے مطابق نماز جنازہ کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے پھر ثناء پھر درود ابراہیمی اور پھر میت کے لئے دعا یہ سب تکبیر کے بعد پڑھے جائیں۔ پھر چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللهم اغفر لحينا وميتنا وحاضر نا وغائبنا وصغير نا وكبير نا وذكرنا وانثا نا انك تعلم متقلبنا ومثوانا ولوالدينا ولمن سبقنا بالا يمان وللمسلمين والمسلما ت المؤمنين والمؤمنات الا حياء منهم والاموات اللهم من احيبته منا طيبنا للموت وطيبه لنا واجعل لنا واجعل فيه راحتنا ومسر تنا پھر سلام پھیر دے۔

شافعیہ اور حنابلہ......کہتے ہیں نماز جنازہ کے سات ارکان ہیں [2] البتہ نیت حنابلہ کے نزدیک شرط ہے رکن نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

۱......نیت جس طرح باقی نمازوں کے لیے رکن ہے اسی طرح نماز جنازہ کے لئے بھی رکن ہے، چونکہ فرمان نبوی ہے اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے، نیت کا طریقہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنے کی نیت کرے یا سامنے موجود جنازوں کی نیت کرے، مطلق فرض کی نیت بھی کافی ہے، اور میت کی تعیین واجب نہیں ہے، اگر تعیین کی لیکن خطا ہوئی تو شافعیہ کے نزدیک نماز جنازہ باطل ہو جائے گی۔

تکبیر کے بعد دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے، حنابلہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ رکھے شافعیہ کے نزدیک ناف اور سینے کے درمیان رکھے سورت فاتحہ سے پہلے تعوذ اور بسم اللہ پڑھے افتتاح نہ پڑھے چونکہ یہ نماز تخفیف پر مبنی ہے اسی لیے اس نماز میں فاتحہ کے بعد سورت مشروع نہیں۔

۲......تکبیر تحریمہ کے ساتھ چار تکبیرات کہنا، چونکہ صحیحین میں حضرت انس وغیرہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر چار تکبیرات کہیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی خبر اسی دن دی جس دن نجاشی نے وفات پائی، آپ نماز گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور چار تکبیرات کہیں اسی طرح مسلم میں ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت دفن ہو جانے کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیرات کہیں" جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھو اگر امام نے پانچ تکبیرات کہیں تو نماز باطل نہیں ہوگی یہی شافعیہ کے نزدیک اصح ہے مقتدی امام کی اتباع نہ کرے

[1]......رواه الجماعة وحسنة الترمذی (نیل الاو طار ۴/۶۲) [2] مغنی المحتاج ۱/۳۴۰ المهذب ۱/۱۳۳ المجموع ۵/۱۸۴ المغنی ۲/۴۸۵ کشاف القناع ۲/۱۳۰

بلکہ سلام پھیر لے یا انتظار کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو مقتدی ایک تکبیر کہہ دے اور سات تکبیروں سے زائد کہنا جائز نہیں اور چار سے کم بھی نہ کہے۔ افضل یہ ہے کہ چار سے زائد نہ کہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے۔

۳..... پہلی تکبیر کے بعد سورت فاتحہ پڑھنا، جیسے دوسری نمازوں میں سورت فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

اس کی دلیل بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھی، اور کہا: جان لو یہ سنت ہے سورت فاتحہ پڑھنے کا مقام پہلی تکبیر کے بعد ہے، جیسے بیہقی کے روایت نقل کی ہے شافعیہ کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے علاوہ دوسری تیسری یا چوتھی تکبیر کے بعد بھی فاتحہ پڑھ لینا کافی ہے۔

۴..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ابراہیمی پڑھنا، جو کہ دوسری تکبیر کے بعد پڑھا جائے چونکہ اسلاف کا اسی پر عمل رہا ہے شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ آل پر درود بھیجنا واجب نہیں ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور وہی درود ہو جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے اس پر اضافہ نہ کرے۔

۵..... تیسری تکبیر کے بعد خصوصیت کے ساتھ میت کے لئے دعا کرنا چونکہ یہی نماز کا عظیم مقصد ہے اس سے پہلے کی جملہ چیزیں دعا کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی کی دلیل حدیث سابق ہے کہ جب تم کسی میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے پورا اخلاص کے ساتھ دعا کرو کم از کم دعا اللھم ارحمہ واللھم اغفرلہ پڑھے مکمل دعا بعد میں آیا چاہتی ہے مومنین ومومنات کے لیے دعا کرنا کافی نہیں تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنا واجب ہے چونکہ اسی میں اتباع سنت ہے چوتھی تکبیر کے بعد دعا واجب نہیں۔

۶..... تکبیروں کے بعد سلام پھیرنا، یہ سلام بھی دوسری نمازوں کی طرح دو مرتبہ پھیرنا ہے، چنانچہ بیہقی نے جید سند سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں ایسے ہی سلام پھیرتے تھے جیسے دوسری نماز میں پھیرتے تھے۔

۷..... قیام کرنا، اگر قیام کی قدرت ہو، جیسے نماز کے دوسرے فرائض ہوتے ہیں علماء میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سوار ہو کر نماز جنازہ ناجائز ہے چونکہ سواری کی صورت میں قیام فوت ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ کی سنتیں..... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کرنا پھر ہاتھوں کو شافعیہ کے نزدیک سینے کے نیچے باندھ لینا اور حنابلہ کے نزدیک ناف کے نیچے باندھ لینا سراً قرأت کرنا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعوذ مندوب ہے جب کہ افتتاح (سبحانك اللھم الخ) مندوب نہیں، فاتحہ کے بعد آمین کہنا نماز جنازہ میں صفیں سیدھی کرنا، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھتے وقت کیا تھا، شافعیہ نے درود سے پہلے تحمید کا اضافہ کیا ہے۔

مومنین اور مومنات کے لیے درود کے بعد دعا کرنا، دوسرا سلام پھیرنا، حنابلہ نے اضافہ کیا ہے کہ نمازی کا اپنی جگہ پر کھڑا رہنا یہاں تک کہ جنازہ اٹھالیا جائے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے دونوں مذاہب میں تین صفیں بنانا مستحب ہے، چونکہ حدیث ہے کہ جس شخص پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ❶

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ باجماعت نماز جنازہ مسنون ہے مسنون ہونے کی دلیل پر حدیث ہے جو مسلمان بھی مرتا ہے اس پر مسلمانوں کی تین صفیں جنازہ پڑھیں اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے ❷ اکیلے اکیلے بھی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، چونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو صحابہ نے گروہ در گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی۔

---

❶..... رواہ الخلال باسنادہ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن ❷ حدیث حسن رواہ ابوداؤد والترمذی

نماز جنازہ کی کیفیت...... پہلی تکبیر کے بعد فقط سورت فاتحہ پڑھے اور ساتھ سورت نہ ملائے اور سراً پڑھے اگر رات کو نماز جنازہ پڑھ رہا ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے پھر دوسری تکبیر کے بعد سراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اس کی دلیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اثرم کی روایت ہے جو کہ حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے انہیں خبر دی ہے کہ نماز جنازہ میں سنت ہے کہ امام تکبیر کہے پھر فاتحہ الکتاب پڑھے پہلی تکبیر کے بعد اور سراً پڑھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھے، پھر میت کے لئے خالص دعا کرے اور پھر سلام پھیرے۔ ❶

درود وہی پڑھا جائے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے چونکہ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود کے متعلق سوال کیا کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں تو آپ نے صحابہ کو یہی درود تعلیم کیا اس درود پر اضافہ نہ کرے،

تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے خوب سے خوب دعائیں کرے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہے کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو میت کے لئے خالص ہو کر دعا کرو میت کے لئے دعا کرنے میں کوئی تحدید نہیں ماثورہ دعائیں کرنا مسنون ہے، خصوصاً یہ دعائیں کرے اللھم اغفر لحینا ومیتنا، اور یہ اللھم غفرلہ وارحمہ الخ اور یہ دعا بھی پڑھے:

اللھم ھذا عبدك وابن عبدك خرج من روح الدنیا وسعتھا ومحبوبہ واحباء ہ فیھا الی ظلمۃ القبر وما ھو لا قیہ، کان یشھد ان لا الہ الا اللّٰہ، وان محمداً عبدك ورسولك وانت اعلم بہ، اللھم انہ نزل بك، وانت خیر منزول بہ واصبح فقیرا الی رحمتك وانت غنی عن عذابہ وقد جئنا ك راغبین الیك شفعاء لہ اللھم ان کان محسنا فز د فی احسانہ وان کان میسئا فتجاوز عن سیاتہ ولقہ برحمتك ورضا ك وقہ فتنۃ القبر وعذابہ وفسح لہ قبرہ وجاف الا رض عن جنبیہ ولقہ برحمتك الا من عذابك حتی تبعثہ إلی جنتك یاارحم الراحمین

یا اللہ یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے یہ دنیا اور اس کی وسعت سے نکل رہا ہے اپنے محبوب اور دوستوں کو الوداع کہہ رہا ہے اور قبر کی تاریکی کی طرف کوچ کر رہا ہے یہ کلمہ شہادت کی گواہی دیتا رہا ہے اور تو اسے جانتا ہے یا اللہ یہ تیرے پاس آرہا ہے، تو بہت اچھا مہربان ہے، یہ تیری رحمت کا محتاج بن کر آرہا ہے، تو اس کو عذاب پہنچانے سے بے نیاز ہے۔ ہم تیرے حضور اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں، یا اللہ، اگر یہ نیکوکار تھا تو اس کی نیکی اور اچھائی میں اضافہ فرما اور اگر یہ گناہگار تھا تو اسکے گناہوں کو معاف فرما اور اس پر اپنی رحمت اور رضا نچھاور فرما، اسے قبر کے فتنہ اور عذاب سے بچالے، اس کی قبر میں کشادگی کردے اور اس کے دونوں پہلوؤں میں زمین کو وسیع کردے اسے اپنی رحمت کے ذریعہ اپنے عذاب سے محفوظ فرما، یہاں تک کہ تو اسے اپنی جنت میں لے جائے۔ یا ارحم الرحمین ہے۔ ❷

بچے کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعلہ فرطا لابویہ وسلفا وذخرا وعظۃ واعتبارا وشفیعا وثقل موازینھما وافرغ الصبر علی قلوبھما

یا اللہ اس بچے کو اس کے والدین کے لئے سامان فرحت بنا، اچھا پیشرو بنا اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنا نصیحت حاصل کرنے کا سبب بنا اور اس سے عبرت حاصل کرنے والا بنا، اسے سفارش کرنے والا بنا اور اس کے والدین کے اعمال کا میزان بھاری بنادے، اور ان کے دلوں میں صبر ڈال دے۔ چونکہ حال کے مناسب یہی دعا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے:

---

❶......رواہ البخاری وابو داؤد والترمذی وصححہ والنسائی عن ابن عباس۔ ❷جمع ذالک الشافعی رحمہ اللہ من الاخبار واستحسنہ الا صحاب۔

اللھم لاتحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ

یا اللہ ہمیں اس کے اجر وثواب سے محروم نہ کرنا اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کرنا ہماری مغفرت فرما اور اس کی مغفرت بھی فرما اسی چوتھی تکبیر کے بعد لمبی چوڑی دعائیں کرنا مسنون ہے چونکہ چوتھی تکبیر کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں ثابت ہیں ❶ یہ آیت بھی پڑھے: ❷

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ......الغافر ۴۰/۷

حنابلہ کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے توقف کرنا ہے چونکہ جوزجانی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی تکبیر کہتے تھے پھر جتنا اللہ چاہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم توقف کرتے میں نے اس وقفہ کا اندازہ یہ کیا ہے کہ جتنی دیر میں آخری صف تکبیر کہہ لیتی اس کے بعد دعا مشروع نہیں ہے۔

خلاصہ......نماز جنازہ کی نیت کے ساتھ ابتداء کی جائے نماز جنازہ چار تکبیرات اور میت کے لئے دعا پر مشتمل ہے اور تکبیرات اور دعا کھڑے کھڑے کرنی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے فاتحہ پڑھنی ہے اور سلام پھیرنا ہے البتہ نیت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے رکن نہیں۔ جمہور کے نزدیک دعا تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جائے جب کہ مالکیہ کے نزدیک ہر تکبیر کے بعد دعا کی جائے یہاں تک کہ چوتھی تکبیر کے بعد یہی مذہب مالکیہ کا معتمد ہے، درود حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے اور مالکیہ کے نزدیک مندوب ہے۔ جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک درود رکن ہے، سلام پھیرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ جمہور کے نزدیک رکن ہے، سورت فاتحہ کی قرأت تلاوت کی نیت سے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جب کہ دعا کی نیت سے جائز ہے، جب کہ مالکیہ کے نزدیک سورت فاتحہ کا پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک رکن ہے، اگر امام چار سے زائد تکبیریں کہہ دے ساتھ مقتدی زائد تکبیروں میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مقتدی انتظار کرے تا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرے جب کہ مالکیہ کے نزدیک سلام پھیروں، جب کہ حنابلہ کے نزدیک سات تکبیرات تک امام کی اتباع کرے۔

پانچویں چیز: امام جنازہ سے کہاں کھڑا ہو...... اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ امام جنازہ کے سامنے کہاں کھڑا ہو۔ ❸

حنفیہ...... کہتے ہیں کہ جنازہ خواہ عورت کا ہو یا مرد کا امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو چونکہ سینہ محل ایمان ہے شفاعت ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی ایک روایت منقول ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں امام مرد کے درمیان اور عورت کے کاندھوں کے بالمقابل کھڑا ہو۔

شافعیہ...... امام یا منفرد کا مرد میت کے سر کے برابر کھڑا ہونا مستحب ہے اور عورت کے دھڑ کے برابر کھڑا ہونا مستحب ہے، جیسا کہ اسی مضمون کی حدیث ترمذی نے روایت کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے مرد اور عورت کے جنازہ میں الگ الگ کھڑے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عورت کا زیادہ پردہ ہے رہی بات مقتدی کی سوا سے صف میں جہاں جگہ ملے کھڑا ہو جائے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں امام مرد کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط کے برابر کھڑا ہو، مرد اور عورت کے جنازوں میں الگ الگ اس لیے کھڑا ہونا ہوتا ہے چونکہ آثار مختلف ہیں چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

❶......رواہ الحاکم وصححہ ❷ قرأت کی نیت سے نہیں بلکہ دعا اور ثناء کی نیت سے۔ ❸ الدر المختار ۱/۸۱۹ بدایۃ المجتھد ۱/۲۲۸، القوانین الفقھیۃ ص ۹۵، مغنی المحتاج: ۱/۳۴۸ الغنی ۲/۵۱۷ فتح القدیر: ۱/۴۶۲ الشرح الکبیر مع الد سوقی ۱/۴۱۸

پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے ایک عورت کی نماز پڑھائی تھی وہ عورت نفاس میں مرگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے درمیان ہی کھڑے ہوئے تھے ❶ ابو غالب حناط رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے موجود تھا انھوں نے ایک مرد کا جنازہ پڑھایا آپ رضی اللہ عنہ اس کے سر کے برابر کھڑے ہوئے جب اس مرد کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک عورت کا جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا جنازہ پڑھایا اور آپ میت کے درمیان میں کھڑے ہوئے، ہمارے ساتھ علاء بن زیاد علوی بھی تھے۔

جب انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مرد کے جنازہ میں ایک جگہ کھڑے ہوئے اور عورت کے جنازہ میں دوسری جگہ تو پوچھا کہ اے ابوحمزہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد کے جنازے میں یہیں کھڑے ہوتے تھے جہاں آپ کھڑے ہوئے اور عورت کے جنازہ میں بھی یہیں کھڑے ہوتے تھے جہاں آپ کھڑے ہوتے ہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ جواب دیا: جی ہاں۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ علاء بن زیادہ نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی طرح نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اور مرد کے سر کے برابر کھڑے ہوئے تھے اور عورت کی سرینوں برابر کھڑے ہوتے تھے؟ فرمایا: جی ہاں۔

چنانچہ فقہاء میں سے بعض نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنالیا چونکہ اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اوران فقہاء کا موقف ہے کہ اس میں مرد اور عورت کا جنازہ برابر ہے چونکہ دراصل حکم ایک ہی ہے ہاں البتہ اگر امر فارق کا اثبات ہوجائے تو وہ الگ بات ہے۔

بعض فقہاء نے ابو غالب کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں زیادتی کا ثبوت ہے لہٰذا اسے اپنا ناضروری ہے جب کہ اصل میں ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

چھٹی چیز: نماز جنازہ میں مسبوق کا حکم...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسبوق کو جو نماز ملی ہے اس میں امام کی اتباع کرے اور جو نماز فوت ہوچکی ہے اسے مکمل کرے لیکن اس اجمال کی تفصیل ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: وہ مسبوق جس کی کچھ تکبیریں فوت ہوجائیں وہ تکبیر تحریمہ کہے پھر فی الحال تکبیریں نہ کہے بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے تاکہ ثناء کے لیے امام کے ساتھ تکبیر کہے، چونکہ ہر تکبیر ایک رکعت کے حکم میں ہے جیسا کے پہلے گزر چکا ہے پھر مدرک کی طرح باقی ماندہ تکبیریں کہے، یعنی جب امام فارغ ہوجائے پے درپے تکبیریں کہے، اگر میت کو اٹھا لینے کا خوف ہو تو دعا وغیرہ نہ پڑھے۔

اگر امام چوتھی تکبیر کہہ چکا تھا کہ پھر مقتدی آیا تو اب اس کی نماز جنازہ فوت ہوچکی۔

چونکہ امام کی تکبیر میں داخل ہونا اب دشوار ہو چکا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: مسبوق تکبیر تحریمہ کہے پھر جو باصبر کرے یہاں تک کہ امام تکبیر کہے اگر امام نے تکبیر کہہ دی تو مسبوق کی نماز صحیح ہو گی، جب کہ اکثر مشائخ کے نزدیک اس کا چنداں اعتبار نہیں پھر امام کے فارغ ہوئے کے بعد اگر جنازہ اپنی جگہ پر چھوڑ دیا جائے تو مسبوق دعا کرے اگر جنازہ اٹھا لیا جائے تو تکبیر کہے اور دعا نہ پڑھے گویا نماز مکمل کرنے میں مالکیہ کا مذہب حنفیہ جیسا ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: مسبوق تکبیر کہے اور فاتحہ کی قرأت کرے اگرچہ امام پہلی تکبیر کے علاوہ دوسری میں ہو اگر امام نے مسبوق کے سورت فاتحہ شروع کرنے سے پہلے تکبیر کہہ دی تو مسبوق بھی اس کے ساتھ تکبیر کہے اس صورت میں قرأت فاتحہ ساقط ہوجائے گی، اصح قول کے مطابق مسبوق امام کی اتباع کرے یہ ایسا ہی ہے جیسے مسبوق کی تکبیر کے بعد امام رکوع کرلے تو مسبوق بھی اس کے ساتھ رکوع کرے، جب امام سلام پھیر دے تو مسبوق پر واجب ہے کہ بقیہ تکبیرات کا اذکار کے ساتھ تدارک کرے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: جس شخص کی تکبیریں فوت ہوجائیں وہ پے درپے ان کی قضا کرلے اگر امام سلام پھیر دے تو تکبیروں کی قضاء نہ

---

❶...... ذكر الحديث في المغني و كشاف القناع.

کرے اس میں کوئی حرج نہیں اس کی نماز صحیح ہوجائے گی، یعنی شخص کی نماز جنازہ میں تکبیریں رہ جائے تو فوت شدہ تکبیروں کی قضاء کرنا مسنون ہے، چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قضاء نہیں کی جائے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نماز جنازہ پڑھتی ہوں اور بعض تکبیریں مجھ سے رہ جاتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: جوتکبیریں سنو تو کہہ لو اور جوفوت ہوجائیں ان کی تمہارے اوپر قضاء نہیں ہے۔

اگر مسبوق کو جنازہ اٹھالئے جانے کا خوف ہوتو لگاتار تکبیریں کہہ لے قرآت اور درود کو چھوڑ دے میت کے لئے دعا بھی نہ کرے حقیقت میں جنازہ اٹھالیا جائے یا نہ اٹھایا جائے دونوں صورتیں برابر ہیں جب ایک مرتبہ جنازہ اٹھالیا جائے پھر کسی کے نماز پڑھنے کے لئے جنازہ نہ رکھا جائے، چونکہ دفن میں جلدی کرنا ضروری ہے۔

ساتویں چیز: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے بیان میں...... نمازی کے لئے تو وہی شرائط ہیں جو دوسری نمازوں میں شرائط ہوتی ہیں ❶ یعنی نماز جنازہ پڑھنے والے کے لئے اسلام عقلی تمیز، طہارت، ستر عورت، بدن کا پاک ہونا، کپڑے کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا قبلہ کی طرف منہ کرنا نیت وغیرہ شرائط ہیں۔ البتہ جنازہ کے لئے وقت شرط نہیں اور جماعت بھی شرط نہیں، چونکہ جنازہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں، اور فرض نمازوں کی طرح نماز جنازہ کے لئے جماعت شرط نہیں۔ بلکہ مسنون ہے چونکہ مسلم کی روایت ہے جو مسلمان شخص بھی مرتا ہے اور اسکے جنازہ پر چالیس لوگ کھڑے ہوں جو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتے ہوں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میت کے بارے میں ان نمازیوں کی سفارش قبول فرمائے گا'' اگر ایک شخص بھی نماز جنازہ پڑھ لے فریضہ ساقط ہوجائے گا چونکہ نماز جنازہ کے لئے جماعت شرط نہیں ہے، اگر عورتیں نماز جنازہ پڑھیں تو ان سے بھی فریضہ ساقط نہیں ہوگا۔ درحالیکہ مرد وہاں موجود ہوں شافعیہ کے نزدیک یہی اصح ہے چونکہ اس میں میت کی توہین اور تذلیل ہے۔

جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ نے اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا یہی تقاضا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے امامت پر صحابہ ایک دوسرے پر مرمٹتے اور اس فضیلت کے عمل کو ہر کوئی حاصل کرنے کی دوڑ میں رہتا، یا اس لئے کہ مسلمانوں کی امامت کے لئے کوئی امام متعین نہیں ہوا تھا، چونکہ اگر کوئی نماز جنازہ کے لئے مقدم ہوجاتا تو پھر وہ ہر چیز میں مقدم ہوتا ہے۔ خلافت کے لئے بھی وہی مقدم سمجھا جاتا ہے۔

شرائط میت...... فرضیت نماز کے لئے میت میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ❷

ا...... یہ کہ میت مسلمان ہو، اگرچہ والدین کی تبعیت ہی میں مسلمان ہو یا دارالسلام ہونے کی وجہ سے مسلمان ہو، لہٰذا کافر اصلی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا ......التوبہ ۹/ ۸۴

کافروں میں سے جو شخص مرجائے آپ اس پر کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

کافر کے علاوہ باقی سب مسلمانوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے گو کوئی مسلمان مرتکب کبیرہ ہی کیوں نہ ہو اسی طرح زنا کی وجہ سے رجم ہونے والے پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

---

❶......ردالمحتار ۱/ ۸۱۱ القوانين الفقهية ۹۵ مغني المحتاج: ۱/ ۳۴۴ كشاف القناع ۲/ ۱۳۴ المهذب ۱/ ۱۳۲ بداية المجتهد ۱/ ۲۳۵ الشرح الصغير ۱/ ۵۷۴ ❷الدرالمختار ۱/ ۸۱۱ القوانين الفقهية ۹۳ مراقي الفلاح ۹۸ المهذب ۱/ ۱۳۲ المجموع ۵/ ۱۶۵.

۲..... یہ کہ میت سامنے موجود ہو اگر پورا میت نہ ہو کم از کم جسم کا اکثر حصہ سامنے موجود ہو۔ یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے چنانچہ ایک عضو پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

۳..... یہ کہ جنازہ موجود ہو اور امام کے سامنے رکھا ہو اور زمین پر ہو، قبلہ یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، مالکیہ بھی اس شرط میں حنفیہ کے موافق ہیں۔

رہی بات نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ کی سو یہ اس کی خصوصیت تھی، میت کا امام کے سامنے رکھنا مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے، اگر جنازہ سواری پر ہو یا لوگوں ہاتھوں پر اٹھا رکھا ہو یا کاندھوں پر اٹھا رکھا ہو تو اس صورت میں شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ جائز ہے۔

۴..... یہ کہ نماز جنازہ سے پہلے میت کا زندہ رہنا معلوم ہو، یہ شرط جمہور کے نزدیک معتبر ہے جب کہ اس میں حنابلہ کا اختلاف ہے چنانچہ مولود مردہ اور ناتمام بچے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی الا یہ کہ ان کی زندگی کا کسی طرح علم ہو جائے مثلاً دودھ پیا ہو یا حرکت کی ہو یا چیخ و پکار کی ہو۔

۵..... میت پاک وطاہر ہو لہٰذا غسل یا تیمم سے پہلے میت پر نماز جنازہ جائز نہیں۔

۶..... یہ کہ میت شہید نہ ہو، شہید وہ ہوتا ہے جو معرکہ میں جاں بحق ہو جائے، یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے، لہٰذا شہید کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی کفن دیا جائے گا اور نہ شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کپڑوں سمیت دفن کیا جائے گا البتہ اسلحہ وغیرہ اتار لیا جائے گا۔ حنفیہ کہتے ہیں: شہید کو کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی، البتہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا البتہ اگر شہید زخمی حالت میں میدان جنگ سے منتقل کیا گیا پھر بعد میں مرا تو اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی۔ یہی مالکیہ کا اصح قول ہے جو شخص مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں مارا گیا تو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اسے غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی، حنفیہ کہتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ اسے غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں..... باغی کو غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی رہی بات اہل عدل کی سو انھیں غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ کفن دیا جائے گا اور نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ چونکہ اہل عدل مشرکین کے معرکہ میں شہداء کی مانند ہوتے ہیں۔ (۱)

آٹھویں چیز: نماز جنازہ کا وقت..... اوقات مکروہ کی بحث میں اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: وہ پانچ اوقات جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے وہ یہ ہیں: طلوع آفتاب کا وقت غروب کا وقت، نصف النہار کا وقت نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب تک۔

مالکیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: جن اوقات میں نماز پڑھنے کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے ان میں تین اوقات میں نماز پڑھنا حرام ہے، وہ یہ ہیں: طلوع کا وقت غروب کا وقت اور زوال آفتاب کا وقت چونکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ظاہری حدیث میں یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین اوقات میں نماز پڑھنے سے اور مردوں کو ان اوقات میں دفن کرنے سے منع کرتے تھے..... الحدیث جب کہ دوسرے اوقات میں نماز پڑھنا جائز ہے وہ یہ ہیں صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد کا وقت طلوع و غروب تک۔

شافعیہ..... کہتے ہیں: سبھی اوقات میں نماز جائز ہے چونکہ یہ ایسی نماز ہے کہ اسکا سبب موجود ہے لہٰذا یہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے۔
میں شافعیہ کے مذہب کو حالت ضرورت میں اپنانا بہتر سمجھتا ہوں اور عام حالات میں دوسرے مذاہب کی رعایت بہتر ہے۔

---

(۱)..... الکتاب مع اللباب ۱/۱۳۶ القوانین الفقھیۃ ص ۹۴ مغنی المحتاج: ۱/۳۵۰ المغنی ۲/۵۵۴

نویں چیز: دفن کے بعد نماز جنازہ اور قبل از دفن تکرار نماز ......حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایک ہی جگہ پر نماز جنازہ کا تکرار مکروہ ہے اگر نماز جنازہ با جماعت نماز سے پڑھی گئی ہو، اگر جماعت سے نہ پڑھی گئی، ہو تو دفن سے پہلے جماعت کے ساتھ دہرانا مستحب ہے۔ (1)

شافعیہ اور حنابلہ نماز جنازہ کے تکرار کو جائز قرار دیتے ہیں البتہ وہ شخص دوسری بار نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے جس نے پہلے نہ پڑھی ہو، اگرچہ جنازہ دفن ہونے کے بعد ہی (2) پڑھے تب بھی جائز ہے بلکہ یہ تو شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ نے دفن کے بعد نماز جنازہ پڑھی ہے، چنانچہ متفق علیہ حدیث ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر تک پہنچے۔ یہ قبر تازہ پڑی تھی، صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صفیں بنالیں آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

میت کو دفن کرنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا ......جب میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو بالاتفاق قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاریہ عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی (3) اب مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ میں فقہاء کی عبارات کا جائزہ پیش کیا جائے۔

حنفیہ ......کہتے ہیں: اگر میت دفن کردی گئی اور اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی، تو استحساناً قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے (4) بشرطیکہ جب تک نعش کے پھٹنے اور پھولنے کا غالب گمان ہو، حال، زمانہ اور جگہ کے بدلنے سے پھٹنے اور پھولنے کی غالب رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

مالکیہ ......کہتے ہیں اگر میت پر نماز نہیں پڑھی گئی اور دفن کا کام مکمل نہ ہوا ہو تو میت کو قبر سے باہر نکال کر نماز پڑھی جائے اور اگر میت دفن کردی گئی ہو تو قبر ہی پر نماز پڑھی جائے۔

شافعیہ ......کہتے ہیں (5) جب نماز سے پہلے میت دفن کردی جائے تو قبر پر نماز پڑھی جائے گی چونکہ نماز میت کو قبر تک پہنچ جاتی ہے اگر میت کو بے غسل کے اور قبلہ سے ہٹ کر کسی اور رخ پر دفن کیا گیا ہو اور قبر اکھاڑنے میں میت کے خراب ہونے کا خوف نہ ہو تو قبر اکھاڑ کر غسل دیا جائے اور قبلہ رخ دفن کیا جائے، چونکہ ایسا کرنا مقدور ہے لہٰذا واجب ہوا، اور اگر میت کے خراب ہونے کا خوف ہو تو قبر نہ اکھاڑی جائے چونکہ اب دشواری کا پہلو نمایاں ہے لہٰذا غسل اور قبلہ رو ہونے کا حکم ساقط ہو جائے گا جیسے دشواری کی حالت میں زندہ آدمی کا وضو اور استقبال قبلہ ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر میت کو قبر میں داخل کردیا گیا لیکن قبر پر مٹی نہ ڈالی گی تو میت کو قبر سے نکالا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔

حنابلہ ......کہتے ہیں: (6) جب میت کو قبلہ رخ سے ہٹ کر دفن کردیا جائے یا نماز سے پہلے ہی دفن کردیا جائے تو قبر اکھاڑی جائے اور میت کو قبلہ رو رکھا جائے اور نماز بھی پڑھی جائے اسی طرح اگر بغیر کفن کے میت کو دفن کردیا گیا تو میت کفنانے کے لیے باہر نکالی جائے۔

قبر پر نماز پڑھنے کے متعلق دلیل یہ ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو مر چکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر آئے اور قبر پر نماز پڑھی۔ (7)

البتہ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد قبر پر نماز نہ پڑھی جائے چونکہ سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ام سعد وفات پا گئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قبر پر نماز پڑھی جب کہ ام سعد کو مرے ہوئے ایک مہینہ

---

(1) ......الشرح الصغیر ۱/ ۵۶۹۔ (2) المغنی ۲/ ۵۱۱ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۶۱۔ (3) رواہ ابن حبان فی صحیح والحاکم فی المستدرک من حدیث خارجۃ بن زید بن ثابت (نصب الرایۃ ۲/ ۲۶۵) (4) فتح القدیر ۱/ ۴۵۸، الکتاب مع اللباب ۱/ ۱۳۲ مراقی الفلاح ۹۹ الدرالمختار ۱/ ۸۲۶۔ (5) المہذب ۱/ ۱۳۸ المجموع ۵/ ۲۶۴۔ (6) کشاف القناع ۲/ ۹۷، المغنی: ۲/ ۵۱۱۔ (7) متفق علیہ

ہو چکا تھا۔❶ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم اکثر سنتے رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سعد کی قبر پر ایک مہینہ کے بعد نماز پڑھی، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک ظن غالب میت کے باقی رہنے کا ہوتا ہے، لہٰذا ایک ماہ تک نماز جائز ہے جیسے تین دن سے قبل نماز جائز ہوتی ہے اور ظن غالب کی صورت میں بھی جائز ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نماز نہیں پڑھی گئی چونکہ ایک مہینہ کے بعد نماز نہیں پڑھی جاتی۔❷

دسویں چیز: غائبانہ نماز جنازہ...... غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے: غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی وہ منسوخ ہے یا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔❸

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے...... غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے اگر چہ مسافت قریب کی کیوں نہ ہو، اور میت قبلہ رو اگر چہ نہ ہو، البتہ نمازی قبلہ کی طرف منہ کرے گا چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی اصحمہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور اس پر چار تکبیریں کہیں۔❹

غائبانہ نماز جنازہ کا وقت حنابلہ کے نزدیک ایک مہینہ ہے جیسے قبر پر نماز پڑھنے کی مدت ایک ماہ ہے۔❺

گیارہویں چیز: مولود پر نماز جنازہ...... حنابلہ کے نزدیک مولود اور نا تمام بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی❻ بشرطیکہ جب چار ماہ سے اکثر مدت کا ہو کر پیدا ہو۔ اسے غسل بھی دیا جائے گا نا تمام بچہ وہ ہوتا ہے جو مردہ حالت میں پیدا ہو یا جس کے اعضاء کی بناوٹ مکمل نہ ہوئی ہو۔ البتہ اگر زندہ پیدا ہو یا اس میں زندگی کی رمق معلوم ہو تو اسے غسل دیا جائے گا اور بلا خلاف اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی۔

حنابلہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ نا تمام بچے پر نماز پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی❼ نسائی اور ترمذی کی روایت میں ہے بچے پر نماز پڑھی جائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بچے سے بڑھ کر کون اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس پر نماز پڑھی جائے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ بھی ذی روح ہے لہٰذا مستہل کی طرح اس پر بھی نماز پڑھی جائے گی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں خبر دی ہے کہ چار ماہ میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

جمہور...... کہتے ہیں: نا تمام بچے میں جب زندگی کی علامتیں پائی جائیں تو اس پر نماز پڑھی جائے گی جمہور کی عبارتیں درج ذیل ہیں۔❽

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر نا تمام بچہ چیخ و پکار کرے (زندگی کی رمق پائی جائے) اس کا نام رکھا جائے گا اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اگر چیخ و پکار اور زندگی کی کوئی علامتیں نہ پائی جائے تو اصح و مفتی بہ قول جو کہ غیر ظاہر الروایۃ کا ہے کے مطابق نا تمام بچے کو غسل دیا جائے گا اور نام رکھا جائے گا اور احترام آدمیت کے لئے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا البتہ اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

حنفیہ کی دلیل...... حنفیہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نا تمام بچے کے

---

❶......الاوطار ۱۵۱/۴ ❷ اخرجه الترمذی ❸ عن ابن عباس رواه الدارقطنی (نيل الاوطار ۴۱/۴) ❹ الدراللمختار ۸۱۳/۱۲ القوانين الفقهية ۹۴ الشرح الصغير ۵۷۱/۱ المجموع ۲۰۹/۵ المهذب ۱۳۴/۱ مغنی المحتاج ۳۴۵/۱ المغنی ۵۱۲/۲ كشاف القناع ۱۲۶/۲ ۔❺ متفق عليه وزوى احمد مثله عن ابى هريرة كما روى ذالك احمد والنسائی والترمذی وصححه (نيل الاوطار ۴۸/۴) ❻ المغنی ۵۲۲/۲ كشاف القناع ۱۱۶/۲ ۔❼ رواه احمد والنسائی وابوداؤد والترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح ❽ فتح القدير ۴۶۵/۱ الدرالمختار ۸۹۸/۱ مراقی الفلاح ۹۹ الشرح الصغير ۵۷۴/۱ القوانين الفقهية ۹۳ مغنی المحتاج ۳۴۹/۱ المهذب ۱۳۴/۱ بداية المجتهد ۲۳۲/۱ ۔

بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ ناتمام بچے پر نماز نہ پڑھی جائے یہاں تک کہ اس میں زندگی کی علامات نہ پائی جائیں، اور جب زندگی کی علامات پائی جائیں تو اس کی دیت دی جائے گی۔ (اگر قتل کے زمرے میں آتا ہو) اور اس کی وراثت بھی تقسیم ہوگی، اگر اس میں زندگی کی علامت نہ پائی گئی تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی اور اس کی وراثت بھی تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی دیت دی جائے گی۔ ⑪

شافعیہ...... کہتے ہیں: ناتمام بچہ اگر بڑے آدمی کی طرح ہل جُل اور چیخ و پکار کرے یا روئے تو اسے غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اسے دفن بھی کیا جائے گا تاکہ زندگی کے بعد موت کا باقاعدہ یقین وجود پذیر ہوا گر چیخ و پکار نہ کرے یا روئے نہیں لیکن زندگی کی دوسری کوئی علامت پائی گئی جیسے بدن کی معمولی سی حرکت تو ظاہر مذہب میں اس پر نماز پڑھی جائے گی چونکہ احتیاط کا یہی تقاضا ہے، اگر کوئی حرکت ظاہر نہ ہو تو نماز نہیں پڑھی جائے گی اگر چہ چار ماہ کا ہو چکا ہو۔

ناتمام بچہ...... جسے عربی میں سقط کہا جاتا ہے وہ ہے جس کے مہینے مکمل نہ ہوئے ہوں، البتہ جس کے مہینے مکمل ہوئے ہوں اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ شافعیہ علیہم الرحمۃ کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناتمام بچے پر نماز پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی۔'' ⑫

اسی طرح ایک اور حدیث ہے ''اپنے بچوں پر نماز پڑھو چونکہ مرنے والے بچے تمہارے پہلے پہنچا ہوا اجر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: ناتمام بچے میں اگر زندگی کی علامات پائی جائیں مثلاً دودھ پیے یا حرکت کرے یا چیخ و پکار کرے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی، اگر بچہ چیخ و پکار نہ کرے تو اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر چہ حرکت کرے، یا پیشاب کرے یا چھینکے، ناتمام بچے کے بدن پر لگا ہوا خون دھویا جائے اور کپڑے میں لپیٹ کر جو باز مین میں گاڑ دیا جائے پہلی صورت میں غسل دینا مندوب ہے۔ ⑬

بارہویں چیز: نماز کی جگہ...... میت پر نماز جنازہ کھلے میدان اور عید گاہ وغیرہ میں پڑھی جائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلے میدان میں تشریف لئے گئے۔

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہات میں سے ہے چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے چونکہ ایک حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں کوڑا خانہ، ذبح خانہ، قبرستان، راستے کا درمیان، حمام، اونٹوں کا باڑہ اور بیت اللہ کے اوپر نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ساری کی ساری زمین مسجد کے حکم میں ہے البتہ قبرستان اور حمام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ⑭

مالکیہ اور حنابلہ نے قبرستان میں نماز جنازہ کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ساری زمین میرے لئے مسجد بنادی گئی ہے اور سامان طہارت بنادی گئی ہے۔

شافعیہ نے انبیاء اور شہداء معرکہ کے قبرستانوں کو مستثنیٰ کیا ہے کہ یہاں نماز پڑھنی مکروہ نہیں ⑤ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے چونکہ مسلم کی روایت ہے کہ قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ہی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ ⑥

---

① ...... رواہ ابن عدی وروی ایضا مثلہ عن ابن عباس وروی الترمذی والنسائی وابن ماجہ عن جابر موقوفا علیہ فی الاصح (نصب الرایة ۲/۲۷۷) ② اخرجه اصحاب السنن الاربعة وقال الترمذی عنه حدیث حسن صحیح ورواہ الحاکم وقال علی شرط البخاری وفی سندہ اضطراب نصب الرایة ۲/۲۷۹. ⑬ حدیث ضعیف اخرجه ابن ماجه ⑭ الحدیث الاول رواہ الترمذی وقال اسنادہ لیس بقوی والحدیث الثانی رواہ احمد وابن حبان والترمذی وابوداؤد وابن ماجه عن ابی سعید ⑤ البدائع ۱/۱۱۵ بدایة المجتهد ۱/۲۳۵ معنی المحتاج ۱/۲۰۳ المغنی ۲/۲۹۴. ⑥ مغنی المحتاج: انہی دلائل کی وجہ سے وہ مساجد جن کے قبلہ رو قبریں ہوں ان مساجد میں نماز پڑھنا اعتراض سے خالی ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے قوی ہے چونکہ سات مقامات میں نماز پڑھنے کے متعلق جو حدیث وارد ہوئی ہے درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ ❶ رہی بات دوسری حدیث کی سو یہ نماز جنازہ کی تخصیص کا احتمال رکھتی ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ...... مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق دو قسم کی آراء ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ ❷

چنانچہ پہلی رائے کے مطابق جنازہ خواہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو مکروہ ہے، چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس شخص نے مسجد میں کسی میت کی نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہوگا۔ ❸

دوسری دلیل یہ ہے کہ کہ مسجد فرض نمازوں نوافل، اذکار اور تدریس علم کے لئے بنائی جاتی ہیں نہ کہ نماز جنازہ کے لئے، نیز مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے تلویث کا خدشہ ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے، جب کہ مالکیہ کے نزدیک تنزیہی ہے۔

جیسے مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے ایسے ہی جنازہ کو مسجد میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے دوسری رائے جواز کی ہے بلکہ شافعیہ کے نزدیک تو مستحب ہے بشرطیکہ اگر تلویث کا خوف نہ ہو، چونکہ مسجد اشرف مقام ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ اللہ کی قسم! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دو بیٹوں یعنی سہیل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد کے بیچوں بیچ پڑھی ہے نیز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی مسجد میں پڑھی گئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ دوسری رائے قوی ہے چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت نہیں۔ نیز اس کے ثبوت پر اتفاق بھی نہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ ضعیف حدیث ہے اس سے حجت پکڑنا صحیح نہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ ضعیف حدیث ہے اور اسے روایت کرنے میں مولیٰ تومہ متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

چوتھا فرض میت کو دفن کرنا...... اس میں ان امور پر بحث ہوگی:

۱...... میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا۔

۲...... جنازہ اٹھانا۔

۳...... جنازہ کی سنتیں۔

۴...... وجوب دفن اور دفن میں جلدی کرنا۔

۵...... مکروہات جنازہ۔

۶...... قبرستان کی کیفیت، قبروں کا احترام قبروں پر بیٹھنا اور ٹیک لگانا آس وغیرہ جو قبروں پر رکھی جاتی ہے اس کا حکم، قبر اور کفن پر جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کا حکم۔

۷...... دفن کے احکام یعنی دفن کی کیفیت وقت، دفن کے وقت کیا کہا جائے، دفن کے بعد تلقین کہنا، قبر کو ڈھانپنا اور تابوت میں میت کو دفن کرنا۔

۸...... مردوں اور عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا، میت پر سلام کرنا اور روحوں کا جمع ہونا۔

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ وابن عدی وابن ابی شیبۃ (نصب الرایۃ ۲/۲۷۵) ❷ اللفظ (الاول رواہ مسلم والثانی رواہ الجماعۃ الاالبخاری (نیل الاوطار ۴/۶۸۱ نصب الرأیۃ ۲/۲۷۶) ❸ روی الاول سعید والثانی مالک

پہلی چیز: میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا.....اس مسئلہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

۱.....کسی غیر صحیح مقصد کے پیش نظر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

۲.....مباح ہے۔

۳.....حرام ہے۔ (۱)

حنابلہ.....کہتے ہیں میت کی جس جگہ موت واقع ہوئی ہو اسی جگہ دفن کیا جائے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اجساد اسی جگہ دفن کیے جائیں جہاں روحیں پرواز کریں (۲) بغیر کسی حاجت کے میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے چونکہ روایت ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حبشہ میں وفات پائی (۳) انھیں مکہ منتقل کیا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی قبر پر آئیں اور کہا: اللہ کی قسم اگر میں تمہارے پاس موجود ہوتی تو تمہیں وہیں دفن کراتی جہاں تم نے وفات پائی اگر مرتے وقت میں تمہارے پاس ہوتی تمہاری زیارت کو نہ آتی (۴) یہ حدیث اس امر پر محمول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی منتقلی کا کوئی مقصد نہیں دیکھتی تھیں۔ نیز انتقال سے میت کو اذیت پہنچتی ہے۔

اگر کسی صحیح غرض کے پیش نظر میت کو منتقل کیا گیا ہو تو پھر مکروہ نہیں: چنانچہ مؤطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ "حضرت سعد بن وقاص اور حضرت سعید بن سید رضی اللہ عنہ مقام عقیق میں وفات پا گئے یہ دونوں حضرات مدینہ لائے گئے اور مدینہ ہی میں دفن ہوئے سفیان بن عیینہ کہتے ہی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ وفات پائی انھوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ انھیں اس جگہ دفن نہ کیا جائے بلکہ مقام سرف میں دفن کیا جائے۔ (۵)

حنفیہ اور مالکیہ.....اگر میت کو دفن نہ کیا گیا ہو تو اسے ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایک دو میل کی مسافت کے بقدر میت کو منتقل کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن موت جس جگہ ہوئی وہیں دفن کرنا مستحب ہے یعنی جس بستی میں موت ہوئی اس بستی کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے۔ چونکہ سابق میں حدیث گزر چکی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے مقتولین کو اسی جگہ دفن کرنے کا حکم دیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے جب کہ مدینہ منورہ کا قبرستان قریب ہی تھا، وہ صحابہ جنھوں نے دمشق فتح کیا انھیں دمشق کے دروازوں پر دفن کیا گیا، انھیں ایک ہی جگہ دفن نہیں کیا گیا بلکہ جو جہاں شہید ہوا وہیں دفن ہوا۔

شافعیہ.....میت کو دفن کی لئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا حرام ہے اگر چہ نعش متغیر نہ ہوئی ہو چونکہ منتقلی کی وجہ سے دفن کرنے میں تاخیر ہوتی ہے، نیز انتقال میں نعش کی حرمت کی ہتک ہے۔

دوسری چیز: جنازے کا اٹھانا اور اٹھانے کی کیفیت.....جنازہ اٹھانا فرض کفایہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، جنازہ اٹھانا نیکی کا کام ہے اور میت کا اکرام ہے، شافعیہ کہتے ہیں قریبی کافر رشتہ دار کے جنازے کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو طالب کی لاش دفن کرنے کا حکم دیا تھا۔

فقہاء کہتے ہیں برے طریقہ سے جنازہ اٹھانا حرام ہے، مثلاً کسی ٹوکرے یا چھابے میں میت اٹھانا، بلکہ میت کو چار پائی پر یا تختے پر اٹھایا جائے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جنازہ کو صرف مرد اٹھائیں، برابر ہے کہ میت مرد ہو یا عورت ہو چونکہ عورتیں بوجھ اٹھانے سے قاصر

---

(۱).....كشاف القناع ۲/ ۹۷ المغنى ۲/ ۵۱۰ القوانين الفقهية ۹۶ مراقى الفلاح ۱۰۲ الدرالمختار ۱/ ۸۴۰ مغنى ۱/ ۳۶۴۔

(۲) روى الخمسة احمد واصحاب السنن الا ربعة صححه الترمذى عن جابر (نيل الاوطار ۴/ ۱۱۲) (۳) حبش ایک بستی ہے مدینہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۴) رواه الترمذى (۵) ذكره ابن المنذر۔

ہوتی ہیں بسا اوقات بوجھ اٹھاتے وقت عورتوں کا ستر بھی کھل جاتا ہے۔

جنازہ اٹھانے کے طریقہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار آدمی مل کر اٹھائیں شافعیہ کے نزدیک عمودین سے اٹھانا چاہیے، جب کہ مالکیہ کے نزدیک جنازہ اٹھانے کی کوئی معین صورت نہیں ہے ❶

حنفیہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں: میت کو غسل اور کفن دینے کے بعد چار پائی وغیرہ پر رکھا جائے، اور گدی کے بل میت کو لٹا دیا جائے، چونکہ اس طرح لٹانے میں سہولت ہے میت کو چار آدمیوں کا اٹھانا مسنون ہے، عمودین کے درمیان سے اٹھانے کی بنسبت چار پایوں سے اٹھانا افضل ہے چنانچہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جو شخص جنازے کے ساتھ چلے وہ چار پائی کی جوانب سے اسے اٹھائے چونکہ یہی سنت ہے، پھر اگر چاہے تو اٹھا کر چلے اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ ❷

چار پایوں سے اٹھانے کا طریقہ...... یہ ہے کہ میت کی بائیں طرف کو اٹھانے والا دائیں کاندھے پر رکھے، پھر پچھلے پائے پر چلا جائے، پھر اسی طرح دائیں کاندھے پر اٹھائے، پھر دوسرے کو اٹھانے کا موقع دے، پھر میت کی دائیں طرف کو بائیں کاندھے پر اٹھائے پھر یہ پایا دوسرے کے لئے چھوڑ دے اور یہ پیچھے آ جائے اور دائیں طرف کو بائیں کاندھے پر اٹھائے یوں ابتداء دونوں اطراف سے سر کی طرف سے ہوگی اور اختتام پاؤں کی طرف سے ہوگی چونکہ اس میں میت کو غسل دینے کی کیفیت کی موافقت ہے۔

ہر مرتبہ اٹھانے والا دس قدم چلے چونکہ حدیث ہے کہ جو شخص چالیس قدم جنازہ اٹھاتا ہے اس کے چالیس گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ❸

اگر میت کو عمودین (ڈنڈوں) سے اٹھایا کہ ہر عمود اٹھانے والے کی گردن پر ہو تو یہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک اس طریقہ سے میت کو اٹھانا مکروہ نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ عمودین کے درمیان سے اٹھایا تھا ❹ نیز حضرت عثمان ابن زبیر ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جنازوں کو یوں ہی اٹھاتے تھے۔ ❺

شافعیہ...... کہتے ہیں: عمودین سے جنازے کو اٹھانا (کہ ایک آدمی آگے اور ایک پیچھے ہو) چار پایوں سے اٹھانے کی بنسبت افضل ہے، عمودین سے یوں اٹھایا جائے کہ آگے والا عمود اٹھانے والے کے کاندھے پر ہو۔ چار پایوں سے اٹھانا بھی جائز ہے لیکن پہلا طریقہ افضل ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ عمودین کے درمیان سے اٹھایا ہے۔ نیز جیسا کہ اوپر ذکر بھی ہوا کہ یہ صحابہ کا بھی عمل رہا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: جنازہ اٹھانے کی کوئی معین کیفیت نہیں ہے، مالکیہ کا یہی مشہور مذہب ہے۔ لہٰذا بلا تعیین چار پائی کو اٹھانا جائز ہے، علامہ خلیل کہتے ہیں تعیین کا قائل بدعتی ہے چونکہ وہ ایسی چیز کی تعیین کر رہا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، میت کو دو یا تین یا چار آدمی بھی اٹھا سکتے ہیں۔

تیسری چیز: جنازہ کے ساتھ چلنے کی سنتیں

...... جنازہ کی ساتھ چلنے کی مندرجہ ذیل سنن ہیں۔

۱...... جنازہ کو قبرستان لے جانے میں جلدی کرنا: جنازہ کو جلدی لے جانا مستحب ہے یعنی عادت کے مطابق کی چال سے قدرے تیز چلنا

---

❶...... الدرلمختار ۱/۸۲۳ فتح القدير ۱/۴۶۷ الكتاب مع اللباب ۱/۱۳۳ مراقی الفلاح ۱۰۰، القوانين الفقهية ۹۶ الشرح الصغير ۱/۵۶۵ المهذب ۱/۱۳۵ كشاف القناع ۲/۱۴۶ المجموع ۵/۲۳۳ المغنى ۲/ عليه السلام ۲/۴۹ مغنى المحتاج ۱/۳۵۹۔ ❷ رواه سعيد بن منصور وابن ماجه وفى اسناده ثقات الا ان ابا عبيدة لم يسمع من ابيه ❸ ذكر الذيلعى والكاسانى فى البدائع وذكر ابن عباس عن واثلة قريبا منه وهو ضعيف۔ ❹ ذكره الشافعى فى المختصر والبيهقى من كتاب المعرفة واشار الى تضعيفه۔ ❺ اگر راستہ دشوار ہو تو عمودین سے اٹھایا جائے اگر راستہ ہموار ہو یا سڑک ہو تو پایوں سے اٹھایا جائے۔

اور ہچکولوں سے گریز کرنا بایں طور کہ چارپائی پر میت ڈگمگائے نہیں، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازہ کو جلدی سے لے کر چلو اگر جنازہ نیک وصالح آدمی کا ہو تو اسے اگلے جہاں منتقل کرنا بہت اچھا ہے اگر نیک وصالح نہیں تو وہ شر ہے اور اسے کاندھوں سے جلدی نیچے اتاردو ❶ جنازے کو ہچکولے دینا مکروہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جنازے کو لے کر چلنے کی کیفیت کیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہچکولوں سے اجتناب کیا جائے، اگر جنازہ خیر وبھلائی والا ہو تو اسے اگلے جہاں تک پہنچانے میں جلدی کی جائے اور اگر شر ہو تو پھر اہل دوزخ کے لئے اللہ کی پھٹکار ہے۔ ❷

جنازے کو جلدی لے کر چلنے پر سبھی علماء کا اتفاق ہے ہاں البتہ اگر جلدی چلنے سے میت کے پھٹنے کا خدشہ ہو تو آرام آرام سے چلا جائے۔ ❸

۲: جنازہ کے ساتھ چلنا...... جنازہ کے ساتھ چلنا بالاتفاق مستحب ہے ❹ چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ کے ساتھ چلنے بیمار کی تیمارداری کرنے، چھینک مارنے والے کی جواب میں یرحمک اللہ کہنے، دعوت قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ ❺

جنازہ کے ساتھ چلنا مردوں کے لئے سنت ہے حنفیہ کہ حدیث بالا میں گزرا ہے جب کہ عورتوں کے لئے جنازہ کے ساتھ چلنا مکروہ ہے، چنانچہ بخاری اور مسلم نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ ہمیں (یعنی عورتوں کو) جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا ہے لیکن منع کرنے میں ہمارے اوپر کوئی شدت نہیں کی گئی یعنی جنازہ کے ساتھ چلنا حرام نہیں کیا گیا، اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ کیا دیکھتے ہیں کہ عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیوں بیٹھی ہو عورتوں نے کہا: ہم جنازہ کا انتظار کررہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے میت کو غسل دینا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: کیا تم نے جنازہ اٹھانا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا! کیا تم میت کو قبر میں اتاروگی عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس لوٹ جاؤ اس حال میں کہ تمہارے اوپر گناہ ہوگا تمہارے لئے اجر وثواب نہیں۔

جنازہ کے ساتھ چلنے میں تین امور پیش نظر ہوں

الف...... یہ کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا ہو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب تم نے نماز پڑھ لی، گویا تم نے اپنا حق ادا کردیا۔

ب...... یہ کہ جنازہ کے ساتھ قبر تک جائے پھر دفن تک ٹھہرا رہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے ایک قیراط ثواب ہے، اگر دفن میں بھی شریک رہا تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے اور ایک قیراط کی مقدار احد پہاڑ کے برابر ہے۔ ❻

ج...... یہ کہ دفن کے بعد ٹھہرے تاکہ میت کے لئے دعا واستغفار کرے اور رب تعالیٰ سے اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرے، چنانچہ روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کو دفن کرتے ٹھہر جاتے اور فرماتے: اس کے لئے استغفار کرو، اللہ تعالیٰ سے اس کے

---

❶......رواه البخاری وهذا لفظه ومسلم ایضًا۔ ❷رواه ابو داؤد والترمذی وغیرهم واتفقو علی تضعیفه وروی احمد عن ابی موسی حدیث علیکم با لقصد لو هو ضعد الافواطا (نیل الاوطار ۴/ ۷۰) ❸اللباب ۱/ ۱۳۴ الشرح الکبیر ۱/ ۴۱۸ المهذب ۱/ ۱۳۵۔ ❹الدرالمختار ۱/ ۸۳۳ الشرح الکبیر ۱/ ۴۱۸ المهذب ۱/ ۱۳۶ مغنی المحتاج: ۱/ ۳۶۷ المجموع ۵/ ۲۸۶ المغنی ۲/ ۴۷۳۔ ❺رواه الجماعة منهم البخاری ومسلم (نیل الاوطار ۴/ ۷۰) ❻ رواه البخاری ومسلم

لئے ثابت قدمی کی دعا کرو چونکہ ابھی ابھی اس سے سوالات کئے جائیں گے۔ ❶

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دفن کے بعد سورت بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات قبر پر پڑھتے تھے۔

مسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اتنی مقدار میں کھڑے رہو جتنے وقت میں اونٹ نحر کیا جائے اور اسکا گوشت تقسیم کر دیا جائے اور میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں اپنے رب کی فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

۳۔ موت کی فکرمندی میں ڈوبے رہنا...... جو شخص جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو اس کے لئے خشوع و خضوع خوف خدا میں مستغرق رہنا مستحب ہے، اور اپنی آخرت میں فکرمند رہے تاکہ موت کے احوال سے عبرت حاصل کرے دنیاوی باتوں سے اجتناب کرے ہنسے نہیں۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جب بھی جنازے کے ساتھ چلا میرے دل میں دنیا کے متعلق کوئی بات نہیں پیدا ہوئی ایک بزرگ نے کسی شخص کو جنازے کے ساتھ ہنستے دیکھا تو انھوں نے کہا: کیا تم جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے ہنس رہے ہو؟ میں تمہارے ساتھ کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔

۴۔ عورت کے جنازے کو ڈھانپنا...... مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کی نعش کو اوپر سے ڈھانپنا مستحب ہے ❷ ڈھانپنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹہنیوں وغیرہ سے چادر وغیرہ نعش پر اوپر اٹھا کر تانی جائے تاکہ نعش اچھی طرح ڈھانپ دی جائے، چونکہ اس میں عورت کا زیادہ سے زیادہ پردہ ہے، بعض تابعین کا کہنا ہے کہ یہ عمل سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے کیا، ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نعش کو اس طرح ڈھانپا گیا، ان کے بعد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی نعش ڈھانپی گئی۔

۵۔ جنازہ کے آگے چلنا...... فقہائے حدیث یعنی مالک، شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جنازہ کے آگے آگے چلنا مسنون ہے ❸ جنازہ کے قریب رہے تاکہ اسے التفات کے وقت دیکھ سکے چونکہ جب جنازہ سے دور ہو جائے گا تو جنازہ کے ساتھ نہیں رہے گا اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو جنازہ کے آگے آگے چلتے دیکھا ہے ❹ دوسری دلیل یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے میت کا سفارشی ہوتا ہے اور سفارشی سفارش طلب سے آگے ہوتا ہے۔

البتہ حنابلہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے پیچھے بھی چل سکتے ہیں اور پیچھے چلنا مکروہ نہیں چونکہ درحقیقت جنازہ متبوع ہے اور متبوع آگے ہوتا ہے۔ البتہ لوگ اپنی چاہت کے مطابق جیسے چاہیں دائیں بائیں نہیں چل سکتے مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سوار شخص جنازہ کے پیچھے چلے۔

فقہائے رائے جن میں سے حنفیہ بھی ہیں کہتے ہیں: جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے، چونکہ جنازہ متبوع ہے البتہ اگر جنازہ کے پیچھے عورتیں ہوں تو اس صورت میں جنازہ کے آگے آگے چلنا بہتر ہے۔ اور جنازہ کے آگے چلنا جائز ہے۔ اس میں بھی فضیلت ہے البتہ جنازہ سے زیادہ آگے نکل جانا، یا سبھی لوگوں کا آگے چلنا یا جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر چلنا مکروہ ہے۔

---

❶...... رواه ابوداؤد والبزار وقال الحاكم انه صحيح الاسناد. ❷ الشرح الكبير: ۴۱۸/۱ كشاف القناع ۱۴۶/۲، مغنی المحتاج: ۳۵۹/۱۔ ❸ بداية المجتهد ۲۲۵/۱ المهذب ۱۳۶/۱ المغنی ۴۷۴/۲ كشاف، القناع ۱۴۹/۲، المجموع۲۳۸/۵ القوانين الفقهية ۹۲۔ ❹ الدرالمختار ۸۳۴/۱ مراقی الفلاح ۱۰۱ چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے۔

حنفیہ کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کے پیچھے چلنے کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا: ہچکولوں سے بچا جائے اور صحابہ نے قول دہرایا کہ جنازہ کے پیچھے چلا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ان کی دلیل طاؤس کی حدیث بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے پیچھے نہیں چلے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ❶

دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ کے آگے اور پیچھے چلنا جائز ہے، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار آدمی جنازہ کے پیچھے رہے پیدل چلنے والا جنازہ کے آگے چلے اور جنازہ کے دائیں یا بائیں قریب قریب چلے ناتمام بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے والدین کے لیے دعائے مغفرت اور رحمت کی جائے۔ ❷

۶۔ جنازہ کے لئے کھڑا ہونا...... امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مسلمان کو جنازہ کے آگے کھڑا ہونے یا بیٹھے رہنے میں اختیار ہے ❸ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عامر بن ربعیہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی جنازے کو دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ جنازہ آگے نکل جائے یا زمین پر رکھ دیا جائے۔ ❹

جب کہ جمہور فقہاء جن میں آئمہ اربعہ بھی ہیں کہتے ہیں: جنازہ کے لئے کھڑا نہیں ہونا چاہے۔ چونکہ جنازہ کے لئے کھڑا ہونا منسوخ ہو چکا ہے ❺ اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ ❻

بیٹھنے کا سبب یہودیوں کی مخالفت کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے ساتھ کھڑے رہتے یہاں تک کہ قبر میں اتار لیا جاتا چنانچہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک عالم گزرا وہ بولا ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا: بیٹھ جاؤ اور یہودیوں کی مخالفت کرو ❼ مالکیہ نے تو جنازہ کے آگے کھڑے ہونے کی کراہت کی تصریح کی ہے چونکہ یہ اسلاف کا عمل نہیں ہے۔

۷۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والے کب بیٹھیں...... جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ اس وقت تک نہ بیٹھیں جب تک جنازہ کاندھوں سے اتار نہ لیا جائے چونکہ بسا اوقات جنازہ اٹھانے والوں کے ساتھ معاونت کی ضرورت پڑتی ہے۔ معاونت کھڑے ہو کر کرنا آسان تر ہے ❽ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو وہ اسوقت تک نہ بیٹھے جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے ❾ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے قریبی کافر رشتہ دار کے جنازہ کے ساتھ چلنے میں کوئی ممانعت اور کراہت نہیں۔

---

❶ قال الشوکانی وھذا مع کونہ مرسلا لم اقف علیہ فی شیء من کتب الحدیث (نیل الاوطار ۴/۷۲) ❷ رواہ احمد واصحاب السنن وصححہ بن حبان والحاکم (نیل الاوطار ۴/۴۵) دلائل میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ قوم کا بڑا آدمی جنازہ کے آگے چلے اور بقیہ لوگ پیچھے چلیں ❸ المجموع ۵/۲۳۹ ❹ رواہ الجماعۃ (نیل الاوطار ۴/۷۵) ❺ القوانین الفقھیۃ ۹۶ المغنی ۲/۴۷۹ الشرح الصغیر ۱/۵۷۰ الدرالمختار ۱/۸۳۴ ❻ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ بنجوہ (نیل الاوطار) ❼ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیھقی واسنادہ ضعیف ❽ فتح القدیر ۱/۴۶۹ المغنی ۲/۴۸۰ المہذب ۱/۱۳۶۔ ❾ رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری (نیل الاوطار ۴/۷۴)

چوتھی چیز: مکروہات جنازہ...... فقہاء نے جنازہ کے بہت سارے مکروہات ذکر کیے ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔ ❶

ا......نماز جنازہ اور دفن میں اس غرض سے تاخیر کرنا تا کہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو یا نماز جمعہ کے بعد جم غفیر جنازہ پڑھے، ہاں البتہ اگر دفن کی وجہ سے نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو تاخیر جائز ہے چنانچہ صحیح حدیث ہے" جنازہ کو جلدی لے جاؤ ولی کے انتظار میں تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ میت کے متغیر ہونے کا خوف نہ ہو۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا بغیر نماز جنازہ پڑھے واپس لوٹنا مکروہ ہے اگر چہ وارثوں کی اجازت سے واپس ہوں اور نماز کے بعد وارثوں کی اجازت کے بغیر واپس جانا بھی مکروہ ہے ہاں البتہ اگر ورثاء اجازت دیں یا تاخیر کریں تو واپس جانا جائز ہے۔

۲......جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھ جانا، جب کوئی شخص جنازہ کو دیکھے تو وہ نماز گاہ میں کھڑا نہ ہو اور نہ ہی وہ شخص جو گزر رہا ہو جیسا کہ گزشتہ بحث میں میں نے بیان کر دیا ہے۔

۳......سوار رہنا مکروہ ہے سنت یہ ہے کہ سوار نہ ہو، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جنازہ کے موقع پر سوار نہیں ہوئے۔ ❷

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھا تو فرمایا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی، اللہ تعالیٰ کے فرشتے پیادہ ہیں اور تم چوپایوں کی پشتوں پر ہو۔ ❸

جنازہ سے واپس لوٹنے میں سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ننگی پشت والا ایک گھوڑا لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابن دحداح کے جنازہ سے واپس آ رہے تھے آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ جب کہ ہم آپ کے آس پاس چلتے رہے۔ ❹

۴......آوازیں بلند کرنا، شور وغل مچانا، یعنی جنازہ کے ساتھ با آواز بلند ذکر کرنا، قرأت کرنا اور رونا وغیرہ مکروہ ہے۔ مثلاً یوں کہنا، میت کے لئے استغفار کرو وغیرہ مکروہ ہے چونکہ بیہقی کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازوں کے ساتھ، جنگ لڑتے وقت اور ذکر کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہتے سنا: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت نہ کرے۔ ❺

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تابعین نے جنازہ کے ساتھ یوں کہنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔

جنازہ کے ساتھ وہی عمل درست اور صواب ہے جو اسلاف کا رہا یعنی جنازہ کے ساتھ چلتے وقت خاموش رہنا چاہیے موت اور موت کے متعلقات کی فکرمندی کرنی چاہیے، جیسا کہ میں نے پیچھے بیان کر دیا ہے۔ اور جو عمل جاہل قاریوں کا ہے کہ جنازہ کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہیں اور بے محل باتیں کرتے ہیں سو یہ صریح حرام ہے اور اس کی تردید واجب ہے۔

۵......جنازہ کے ساتھ آگ لے کر چلنا مکروہ ہے مثلاً کوئی دھونی اور لوبان قسم کی چیز ساتھ لے کر چلنا مکروہ ہے۔ چونکہ اس میں بدفالی کا پہلو ہے کہ یہ میت دوزخی ہے نیز ابوداؤد کی روایت ہے جنازہ کے ساتھ چلتے وقت آواز بلند نہ کی جائے اور آگ بھی ساتھ نہ لائی جائے۔

جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت کو رکھنا بھی مکروہ ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایسی عورت ہو بھی تو اسے ڈانٹا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن

---

❶......الدر المختار ۱/۸۲۳ الکتاب مع اللباب ۱/۱۳۴ فتح القدیر ۱/۴۶۹ الشرح الصغیر ۱/۵۶۶ المہذب ۱/۱۳۶، المجموع ۵/۲۳۷، مغنی المحتاج ۱/۳۵۹، المغنی ۲/۴۷۵ کشاف القناع ۲/۱۴۹ الشرح الکبیر ۱/۴۲۱۔ ❷قال النووی غریب (المجموع: ۵/۲۳۷) ❸رواہ ابن ماجہ والترمذی (نیل الاوطار ۴/۷۲) ❹رواہ احمد ومسلم والنسائی وروی ابوداؤد عن ثوبان مثلہ (نیل الاوطار ۴/۷۲) ❺رواہ سعید بن المنصور فی سننہ

العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب میں مرجاؤں میرے ساتھ آگ مت لاؤ اور کوئی نوحہ کرنے والی عورت بھی ساتھ نہ رکھو ❶ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت اور دھونی قسم کی کوئی چیز مت رکھو اور میرے اور زمین کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل مت کرو۔ ❷

رونے دھونے کے لئے عورتوں کا اکٹھا ہونا مکروہ ہے خواہ رونا آہستہ ہو یا جہراً ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے بری بات سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔

۶.....جنازوں کے ساتھ عورتوں کا چلنا مکروہ ہے، جمہور کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے چونکہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں جنازوں کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا ہے لیکن ممانعت میں شدت نہیں کی گئی ❸ یہ نہی تنزیہی ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک یہ نہی تحریمی ہے۔ چنانچہ حدیث ہے۔ تم عورتیں واپس لوٹ جاؤ اس حال میں کہ تم گناہگار ہو اور تمہارے لئے اجر وثواب نہیں ❹ اس کی تائید اس معنی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کو دیکھ لیتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عورتوں نے گھڑ لئے ہیں تو آپ عورتوں کو ایسے ہی منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔

مالکیہ نے جنازہ کے ساتھ بوڑھی عورت کے نکلنے کی اجازت دی ہے جس کی طرف کسی مرد کی نظر نہیں اٹھتی۔ یا ایسی نوجوان عورت بھی جنازہ کے ساتھ جاسکتی ہے جو زیادہ غمزدہ ہو اور جس پر موت کی تکلیف آئی ہو جیسے کسی نوجوان عورت کا باپ مرگیا ہو یا خاوند مرگیا ہو یا بیٹا یا بیٹی یا بھائی یا بہن مرگئی ہو، البتہ ایسی عورت جس کے متعلق فتنہ کا خوف ہو اس کا جنازہ کے ساتھ نکلنا مطلقاً حرام ہے، مصیبت زدہ بیوی کا جنازہ کے ساتھ نکلنا عدت اور سوگ کے احکام سے مستثنیٰ ہے۔

۷.....کسی چھوٹے بچے کی میت ہو اس کو بڑا کر کے دکھانا مکروہ ہے چونکہ اس میں فخر ومباہات اور نفاق کا پہلو ہے ریشم کا بچھونا یا اون اور ریشم سے بنا ہوا بچھونا میت کے لیے بچھانا مکروہ ہے۔

۸.....حنابلہ کہتے ہیں: ہاتھوں، آستینوں اور رومالوں سے جنازہ کو چھونا بدعت اور مکروہ ہے، جب کہ علماء نے قبر کو بھی چھونے سے منع کیا ہے، لہٰذا بدن کا چھونا معہذا جب اذیت بھی ہو تو بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔

پانچویں چیز: دفن کا حکم اور دفن میں جلدی کرنا.....فقہاء کا اجماع ہے کہ میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے ❺ چونکہ میت کو زمین پر پڑے رہنے دینے سے اس کی حرمت کی ہتک ہے اور لوگوں کو بدبو سے اذیت پہنچے گی، اس میں اصل یہ آیت ہے:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ المرسلت ۷۷/۲۵، ۲۶

کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔

اس طرح ہابیل کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ......المائدہ ۵/ ۳۱

تاہم اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودرہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی نعش کو کیسے دفن کرے۔

ایک جگہ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ثم اماته فاقبره پھر اللہ نے انسان کو موت دی اور اسے قبر میں دفنایا۔ (عبس ۸۰/ ۲۱)

افضل یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت کو کفنانے اور دفنانے میں بہت جلدی کرنی چاہیے چونکہ حدیث گزر چکی ہے کہ جنازہ میں جلدی کرو چونکہ اگر جنازہ نیک وصالح ہے تو اسے آگے جلدی پہنچاؤ اور اگر برا ہے تو اسے جلدی جلدی اپنے کاندھوں سے نیچے اتار دو البتہ مالکیہ نے

---

❶.....رواه مسلم في صحيحه في جملة حديث طويل فيه احكام كثيرة في كتاب الايمان. ❷رواه البيهقي ❸رواه البخاري ومسلم في الصحيحين ❹رواه ابن ماجه بسند ضعيف (۵) ردالمحتار والدر المختار ۱/ ۸۳۳، بداية المجتهد ۱/ ۲۱۸، المجموع ۱/ ۲۴۱ كشاف القناع ۲/ ۹٦.

ڈوب کر مرنے والے کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کہ اسے تاخیر سے دفن کیا جائے چونکہ اس میں زندگی کا شبہ ہوتا ہے۔

میت کو قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو بقیع کے قبرستان میں دفن کرتے تھے ❶ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص قبرستان کے مدفونین کے لئے دعا کرے گا یوں اس کے لئے زیادہ سے زیادہ دعائیں ہوں گی، نیز قبرستان میں دفنانے میں ورثہ پر ضرر کم ہے اور آخرت کے مسکینوں کے زیادہ مشابہ ہے۔ ❷

گھر یا کمرہ اور حجرہ وغیرہ میں دفن..... گھر یا حجرہ وغیرہ میں میت کو دفن کرنا جائز ہے حرام نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہیں ❸

لیکن کمرہ یا حجرہ میں غیر نبی کو دفن کرنا مکروہ ہے اگر چہ میت نا تمام بچہ ہی کیوں نہ ہو اسے بھی دفن کرنا مکروہ ہے، چونکہ گھر اور حجرہ میں مدفون ہونا انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے۔

قبر میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے چونکہ اس میں سنت کی مخالفت ہے۔

فضلیت والی جگہوں میں میت کو دفن کرنا..... فضلیت والے قبرستان میں میت کو دفن کرنا مستحب ہے، اس سے مراد ایسا قبرستان ہے جس میں صالحین اور شہداء بکثرت مدفون ہوں تا کہ میت کو ان کی برکت حاصل ہو، چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا جب وقت ہوا تو انھوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں پتھر مارنے کے فاصلہ کے بعد ارض مقدسہ کے قریب کر دے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ وہاں (بیت المقدس) میں موجود ہوتے میں تمہیں سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھا دیتا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی تھی کہ انھیں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دفن کیا جائے۔ ❹

قریبی رشتہ داروں کو ایک ہی جگہ میں جمع کرنا..... قریبی رشتہ داروں کو ایک ہی قبرستان میں جمع کرنا مستحب ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تو ان کے سرہانے کی طرف ایک پتھر چھوڑا اور فرمایا اس پتھر کی وجہ سے میں اپنے بھائی کی قبر پہنچانوں گا اور میرے گھر والوں میں سے جو وفات پائے گا اس کے پاس دفن کروں گا۔ ❺

چھٹی چیز: قبروں کی کیفیت اور قبروں کا احترام..... قبروں کی مختلف کیفیات ہیں جو سنت نبویہ سے مستفاد ہیں عموماً جن کی روزمرہ ضرورت پیش آتی رہتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ❻

۱..... قبر کی کم از کم مقدار میں اتنا گڑھا ہونا چاہیے جس سے بدبو نہ پھیلے اور جسے کوئی درندہ نہ اکھاڑے چونکہ میت کو دفن کرنا واجب ہے اور وجوب کی حکمت یہ ہے کہ میت کی بدبو پھیل کر اس کی حرمت پامال نہ ہو، نیز انسان کی لاش سے گھن کرنا اور درندوں کا کھانا اس کی بے حرمتی ہے اس لئے مردہ کو بے حرمتی سے بچانا واجب ہے۔

۲..... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک قبر کا طولاً اور عرضاً وسیع ہونا اور گہرا ہونا مستحب ہے تا کہ میت بآسانی قبر میں اتارا جا سکے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا: تھا: قبروں کو کشادہ رکھو اور گہری کھودو۔ ❼ چونکہ قبر کی گہرائی بدبو نہیں پھیلنے دیتی

---

❶..... حدیث صحیح متواتر ❷ مراقی الفلاح ۱۰۲ الدر المختار ۱/۸۳۶، الشرح الصغیر ۱/۵۷۴ المجموع ۵/۲۴۱، المغنی ۲/۵۰۸۔ ❸ حدیث صحیح متواتر۔ ❹ حدیث صحیح رواہ البخاری وغیرہ ❺ رواہ ابوداؤد والبیہقی عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب وھو من التابعین عمن اخبرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو مسند لا مرسل لانہ الصحابۃ کلھم عدول۔ ❻ الدر المختار ۱/۸۳۵ فتح القدیر ۱/۴۶۹، مراقی الفلاح ۱۰۱ الکتاب ۱/۱۳۴ بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۵، القوانین الفقہیۃ ۹۶ الشرح الکبیر ۱/۴۱۹ الشرح الصغیر ۱/۵۵۸ مغنی المحتاج: ۱/۳۵۱ المہذب ۱/۱۳۹ المغنی ۲/۴۹۷، کشاف القناع ۲/۱۵۴ شرح الرسالۃ ۱/۲۷۷ المجموع ۵/۲۸۴۔ ❼ رواہ الترمذی وقال حسن صحیح ہے۔

جس سے زندہ لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے، اور گہری قبر کو درندے بھی نہیں اکھاڑتے، اس میں میت کا زیادہ سے زیادہ پردہ ہے۔ چنانچہ بیہقی کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گورکن سے فرمایا: سر اور پاؤں کی طرف سے قبر کو کشادہ رکھو۔

شافعیہ اور اکثر حنابلہ کے نزدیک قبر کی گہرائی بقدر قامت ہونی چاہیے جو میانہ قدر کے آدمی کے اعتبار سے ہو۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کی وصیت کی تھی اور آپ پر کسی نے انکار نہیں کیا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سینے تک قبر گہری ہو اور اس میں مرد و زن کی قبر برابر ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قبر کی گہرائی نصف قامت تک ہونی چاہیے اور اگر گہرائی کی مقدار اس سے بڑھ جائے تو وہ اور زیادہ اچھا ہے۔ گویا گہرائی کی کم از کم مقدار نصف قامت اور زیادہ سے زیادہ قامت کے بقدر ہے۔

قبر کی لمبائی میت کی لمبائی کے برابر ہو اور چوڑائی نصف لمبائی کے برابر ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں...... قبر کو بہت زیادہ گہرا نہ کھودنا مستحب ہے بلکہ ایک ہاتھ کے بقدر قبر گہری ہو جب کہ قبر لحد ہو۔

۳...... بالاتفاق لحد شق سے افضل ہے لحد سے مراد بغلی قبر ہے، اور شق سے مراد صندوقی قبر ہے۔ بغلی قبر نیچے کھود کر اندر کی جانب کھودی جاتی ہے جب کہ صندوقی قبر سیدھی نیچے نہر کی طرح کھودی جاتی ہے۔ یا قبر کی دونوں اطراف اینٹ یا پتھر سے بنائی جاتی ہیں ان کے درمیان شق قبر بنائی جاتی ہے اور اس میں میت رکھ دیا جاتا ہے۔ قبر کے اوپر بلوط یا پتھر یا اونٹ یا لکڑ او غیرہ لگایا جاتا ہے، یہ چھت میت سے معمولی سے اوپر بلند ہوتی ہے تاکہ میت کو چھونے نہ پائے حنابلہ کے نزدیک شق مکروہ ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور صندوقی قبر ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ ❶

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے تفصیل کی ہے چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں: اگر زمین سخت ہو تو پھر لحد افضل ہے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مرض الوفات میں فرمایا: میرے لیے لحد کھودو، اور مجھ پر اینٹیں نصب کرو جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا ❷ اور اگر زمین نرم ہو تو پھر شق افضل ہے چونکہ زمین کے پھسل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے رکھا جائے، اور میت کا چہرہ قبلہ رخ دیوار کی طرف اینٹ وغیرہ کے سہارے سے موڑ دیا جائے، تاکہ گدی کے بل میت کو لٹانے سے بچا جائے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کعبہ تمہارا قبلہ ہے خواہ تم زندہ ہو یا مردہ ہو۔

میں عنقریب بیان کروں گا کہ میت کو سر کی طرف سے آہستہ سے کھینچ کر قبر میں داخل کرنا مسنون ہے یعنی میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اور آرام سے میت کو قبر میں دراز کر دیا جائے، میت کو قبر میں قریبی رشتہ دار اتاریں اور اتارنے والے مرد ہوں، اور جو لوگ قبر میں اتاریں وہ یوں کہیں۔

بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ابوداؤد، اور ترمذی کی ایک روایت جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں ہے۔

لحد کے منہ کچی اینٹیں اس طور پر رکھی جائیں کے قبر کی طرف بند ہو جائے اور اینٹیں اس طرح رکھی جائیں کہ میت کا چہرہ مٹی سے بچا رہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''اینٹیں خوب مضبوطی سے رکھی جائیں۔ لحد پر پکی اینٹیں لگانا لکڑی لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو عمارت کی مضبوطی

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد والترمذی وغیرہ لکنہ ضعیف حدیث کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ لحد اہل مدینہ کے لیے ہے اور شق دوسرے شہروں کے رہنے والوں کے لیے۔ ❷ رواہ مسلم۔

اور پختگی کے لئے ہوتی ہیں جو کہ میت کے لیے مناسب نہیں کیونکہ قبر تو کچی اینٹوں کی جگہ ہے البتہ اینٹوں کے ساتھ بانس رکھنے میں کوئی حرج نہیں، پھر قبر میں مٹی ڈال دی جائے اس کی حفاظت کے لئے۔

۴.....قبر پر موجود لوگوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ میت کی سر کی جانب سے یا کسی بھی جانب سے قبر پر تین مٹھیاں مٹی ڈالیں اس سے پہلے کہ اس پر مٹی ڈالا جائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا پھر میت کی قبر پر تشریف لائے پھر اس پر تین مٹھیاں مٹی ڈالی سر کی جانب ❶ اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر چار تکبیریں کہیں پھر قبر پر تشریف لائے اور سر کی جانب کھڑے ہو کر تین مٹھیاں مٹی ڈالی ❷ نیز کیونکہ میت کو چھپانا فرض کفایہ ہے مٹی ڈالنے کی وجہ سے یہ بھی اس کے چھپانے میں شریک ہو جائے گا نیز اس میں عبرت بھی ہے اور یاددہانی بھی اس لئے مستحب ہے۔

۵.....قبر کو صرف ایک بالشت بلند کیا جائے تا کہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور کوئی فوت ہوا ہے اور تا کہ قبروں لئے رحم کی دعا کرے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ایک بالشت بلند ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک زمین سے ایک بالشت اونچی ہے ❸ قاسم بن محمد رحمہ اللہ ❹ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے میری امی جان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ) کی مبارک قبریں مجھے دکھائیں پس آپ نے مجھے تین قبریں دکھائیں، نہ وہ زیادہ بلند تھیں نہ زمین سے ملی ہوئی بلکہ زمین سے عرصۃ الحمراء کی طرح بلند تھیں۔ ❺

۶.....قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا جمہور کے ہاں چوکور بنانے سے افضل ہے سفیان التمار کا قول ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اونٹ کی کوہان کی طرح دیکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ کی قبریں بھی ایسی ہی ہیں۔ نیز چوکور بنا دینا دنیا والوں کی عمارتوں کے مشابہ ہے البتہ حنابلہ نے دارالحرب کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جب کہ میت لانا ممکن نہ ہو تو پھر اس کی قبر کو زمین سے برابر کر دے اور چھپا دے تا کہ کفار قبر کھود کر لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔

شوافع کے ہاں چوکور قبر بنانا، اولیٰ ہے اونٹ کی کوہان کی طرح بنانے سے جیسا کہ آپ علیہ السلام اور صحابہ کی قبروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۷.....قبر کو چونا کرنا اور اس پر عمارت بنانا اس پر لکھنا، قبر کے پاس رات گذارنا، قبر پر مسجد بنانا، قبر کو چومنا، اس کا طواف کرنا وغیرہ، قبر کی مٹی سے بیماریوں کی شفاء حاصل کرنا مکروہ تحریمی ہے نیز حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قبر کی لپائی کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ چونا کرنا یعنی قبروں کو چونے وغیرہ کے ذریعے سفید کرنا اس پر نقش ونگار بنانا اس پر قبہ یا گھر کی طرح عمارت بنانا یہ سب چیزیں مکروہ تحریمی ہیں صحیح مسلم شریف میں ان کو منع کیا گیا جس کی وضاحت آرہی ہے اور اگر قبر پر عمارت فخر ومباہات کے لئے بنائی جائے یا عام قبرستان میں یا وقف قبرستان میں تو یہ حرام ہے اس کو گرایا جائے کیونکہ فخر کی صورت میں تکبر عجب ہے جو کہ منع ہیں اور وقف شدہ زمین اور عام قبرستان میں چونکہ تنگی ہوگی اور لوگوں کو روکنا پایا جائے گا اس لیے حضرت امام مالک کے شاگرد ابن عبدالحکم نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میری قبر پر عمارت بنائی جائے تو اس کی وصیت نافذ نہ کی جائے بلکہ قبروں پر بنے، قبے، چھتیں اور روضے گرانا واجب ہے البتہ مالکیہ میں سے حضرت اللخمی کے ہاں قبر کی حفاظت اور باڑ کے طور پر بنانے میں کوئی حرج نہیں اور کہا گیا ہے کہ حنفیہ کے ہاں قبر کو مٹی سے لیپنے میں کوئی حرج نہیں اور آج کل لوگ قبروں پر اینٹیں لگا دیتے ہیں تا کہ قبر کوئی اکھیڑے نہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور ایک اثر ہے کہ جس چیز کو مسلمان ❻ اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی

---

❶.....رواہ ابن ماجہ ❷ رواہ الدراقطنی ❸ رواہ ابن حبان ❹ قاسم بن محمد یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ ❺ رواہ ابو داؤد۔ ❻ مسلمان سے مراد علماء حق ہو سکتے ہیں ورنہ عام مسلمان تو کئی حرام چیزوں کو بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں فافہم۔

ہے۔حنابلہ کے ہاں بھی قبر کو مٹی سے لیپنے میں کوئی حرج نہیں۔

قبر پر خیمہ وغیرہ لگانا امام احمد کے ہاں مکروہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوتے مسند احمد میں روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کی قبر سے خیمہ اتارنے کا حکم فرمایا۔

رہ گیا لکھنا، تو جمہور کے ہاں قبر پر لکھنا مکروہ ہے چاہے میت کا نام ہو یا کچھ اور اسی طرح چاہے سر کی طرف ہو یا کسی اور طرف اس طرح کسی کاغذ پر لکھ کر رکھنا وغیرہ مالکیہ کے ہاں قبر پر قرآن کریم لکھنا حرام ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا کرنے ان پر لکھنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ کے ہاں اگر ضرورت ہو کہ صاحب قبر کا نشان نہ مٹ جائے تو پھر لکھنے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ لکھنا منع ہے لیکن عملی اجماع پایا جاتا ہے حاکم نے نہی والی روایات کو مختلف طرح سے نقل کرنے کے بعد فرمایا: یہ صحیح سندیں ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیونکہ جتنے بھی مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کے آئمہ ہیں ان کی قبروں پر لکھا ہوا ہے اور یہ عمل سلف سے لیا گیا ہے اور اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اٹھا کر حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے سر کی جانب رکھا اور فرمایا تا کہ تمہیں معلوم ہو یہ تمہارے بھائی کی قبر ہے اور ان کے اہل وعیال میں سے اگر کوئی مر جاتے تو اسے یہاں دفن کیا جا سکے۔ پس لکھنے سے بھی قبر کی پہچان ہوتی ہے اور حنفیہ کے ہاں کفن پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا یرجی ان یغفر اللہ للمیت لکھنا بھی مباح ہے۔

خلاصہ...... یہ ہے کہ لکھنے سے منع اس وقت ہے جب لکھنے کی ضرورت نہ ہو یا بغیر عذر کے لکھا جائے یا قرآن کریم میں سے کچھ لکھا جائے یا کوئی شعر یا تعریف میں مبالغہ آرائی کی جائے تو یہ مکروہ ہے۔

قبروں پر مسجد بنانا مکروہ تحریمی ہے اور بعض محدثین اور حنابلہ کے ہاں حرام ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ یہود کو قتل کریں۔ انھوں نے انبیاء کی قبر کو مسجد بنا دیا ہے ❶ ظاہر یہی ہے کہ وہ مسجد بنا کر ان میں نماز پڑھتے تھے البتہ امام حاکم کے شاگرد ابن قاسم نے ذکر کیا ہے کہ قبروں کو مٹنے سے بچانے کے لیے ان پر مسجد بنانے میں حرج نہیں اور اس کے علاوہ مکروہ ہے نیز قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے حدیث میں ہے قبروں پر مت بیٹھوں اور قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو۔ ❷

قبروں کو چومنا اور ان کی مٹی سے شفاء حاصل کرنا بدعت ہے۔ اور شوافع کے ہاں قبر پر خوشبو ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔

۸..... قبر پر کنکریاں ڈالی جائیں اور سر کی جانب پتھر یا لکڑ لگائی جائے کنکریاں ڈالنا تو امام شافعی کی مرسل روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر کنکریاں ڈالیں اور روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قبر پر شگاف دیکھا تو اس کو بند کروا دیا اور فرمایا یہ پتھر نہ اس کو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان بندہ جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں کہ وہ یقین کرے اور پتھر وغیرہ قبر کی پہچان کے لیے رکھنا حدیث سابق کی وجہ سے ہے کہ آپ نے حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر کے سر کی جانب پتھر رکھا...... الخ۔

۹..... قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قبروں پر جانے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور چراغ جلانے والوں پہ بھی۔ ❸

قبروں کا احترام...... قبروں کے احترام کرنے کا حکم سنت سے ثابت ہے اور تمام فقہاء کے ہاں احترام کام ہے۔ احترام کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

---

❶ ...... متفق علیہ ❷ رواہ مسلم ❸ رواہ الخمسة

۱.....قبروں پر بیٹھنا مکروہ ہے۔

۲.....ان پر چلنا ان پر سونا۔

۳.....ان پر پیشاب پاخانہ کرنا

وغیرہ سب مکروہ ہیں آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: قبروں پر مت بیٹھو اوران کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو۔ آپ ہی کا ارشاد ہے کسی کی قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ انگارے پر بیٹھا جائے اور جلد تک جلا دے۔ ❶

حنفیہ کے ہاں پیشاب وغیرہ کے لئے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اوراس کے علاوہ بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے، اوران کے ہاں قبر کے پاس تلاوت کرنا مکروہ نہیں تا کہ اس سے سکون ہو اور تدبر وعظ سے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں بغیر ضرورت کے بیٹھنا ٹیک لگانا وغیرہ مکروہ ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں! قبر پر دو شرطوں کے ساتھ چلنا مکروہ ہے کہ قبر کوہان کی غیرہ کی شکل میں ہو اور ساتھ راستہ بھی ہو، لیکن اگر قبر مٹ گئی ہو اور کوئی راستہ بھی نہ ہو تو پھر چلنا جائز ہے اور پیشاب پاخانہ وغیرہ کے علاوہ بیٹھنا جائز ہے اور قبروں پر بیٹھنے سے نہی والی حدیث کو وہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لیے بیٹھنے پر محمول کرتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف منسوب ہے کہ وہ قبروں پر بیٹھتے اور ٹیک لگاتے تھے۔

۲۔قبریں اکھیڑنا حرام ہے...... جب تک میت کی ہڈیاں وغیرہ قبر میں موجود ہونے کا گمان ہو تو اس وقت تک اکھیڑنا حرام ہے لہٰذا قبریں کھودتے وقت مردوں کی ہڈیاں نہ نکالی جائیں اور اپنی جگہ سے نہ ہلائی جائیں اور ہڈیاں توڑنے سے بچا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میت کی ہڈیاں توڑنا اسی طرح گناہ ہے جس سے زندوں کی ہڈیاں توڑنا گناہ ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مردے کی ہڈیاں توڑنا ایسا ہے جیسے اس کی زندگی میں اس کی ہڈیاں توڑنا ❷ البتہ درج ذیل ضرورتوں کی وجہ سے قبر اکھیڑنا جائز ہے۔

(الف)......اگر میت کو بغیر کفن وغسل کے دفن کر دیا گیا ہو یا قبلہ رخ نہ ہو اور اسکی حالت تبدیل نہ ہوگی ہو یا اکھیڑنے کی وجہ سے اس کی میت بگڑنے کا خطرہ نہ ہو ہو تو پھر اکھیڑ کر کفن غسل اور قبلہ رخ کرنا وسعت کے مطابق واجب ہے۔ سعید رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے ساتھی دفن کیا نہ اسے غسل دیا اور نہ کفن دیا پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبر سے نکالنے کا حکم دیا۔ پس انھوں نے اسے نکالا غسل دیا کفن پہنایا خوشبو لگائی اس کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا ❸ شوافع کے ہاں کفن کے لیے میت کو نکالنا جائز نہیں کیونکہ کفن سے مقصود پردہ ہے وہ مٹی سے حاصل ہو گیا۔

اور اگر میت کے بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو پھر نکالا نہ جائے کیونکہ اب نکالنا متعذر ہو گیا ہے لہٰذا ساقط ہو گیا جیسا کہ زندہ سے وضوء اور استقبال قبلہ نماز میں متعذر ہو کر ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر میت کو جنازہ پڑھنے سے پہلے دفن کر دیا گیا ہو تو پھر قبر پر جنازہ پڑھ دیا جائے مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں قبر کھود کر نکالا جائے پھر نماز پڑھی جائے اور حنفیہ کے ہاں اگر قبلہ رخ نہ ہو تو اس کے لیے قبر نہ کھولی جائے اس کے علاوہ آنے والی ضرورتوں کے لیے قبر کھولی جا سکتی ہے۔

(ب)......اگر کفن غصب شدہ کپڑے سے دیا گیا اور کپڑے والا قیمت لینے پر تیار نہیں یا غصب شدہ زمین میں دفن کیا گیا ہو اور مالک راضی نہ ہو تو قبر اکھیڑ سکتے ہیں۔

(ج)......جامع مسجد کے قریب قبر ہے اور مسجد تنگ ہے اس کے ساتھ کسی اور کو دفن کرنا ہے جگہ تنگ ہے پس کسی دوسرے کو وقت کرنے کے لیے یا وہاں پر مسجد بنانے کے لئے قبر اکھیڑی جائے تو یہ جائز ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں کھیتی باڑی اور مکان بنانے کے لیے قبریں نہ اکھیڑی جائیں۔ اور حنفیہ کے ہاں اگر میت بوسیدہ ہوئی ہو اور مٹی بن گئی ہو اور اس کی قبر اور کھیتی بونا اور مکان بنانا جائز ہے۔

---

❶......مسلم ❷ رواہ ابن ماجہ واحمد ❸ نیل الاوطار۔

(د)......اگر میت کے ساتھ مال وغیرہ دفن ہوگیا یا کسی دوسرے آدمی کا تھوڑا یا زیادہ مال دفن ہوگیا اور مال والے مال طلب کر رہا ہو تو قبر اکھیڑی جاسکتی ہے۔روایت ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں رہ گئی اس کے نکالنے کے لیے جہاں انگوٹھی تھی قبر کھول دی گئی آپ نے انگوٹھی لے لی ❶ مالکیہ کے ہاں تھوڑے مال کے لیے قبر نہ کھولی جائے یا جب میت تبدیل ہوگئی ہو، جس کا مال ہے اسے ترکہ میت سے قیمت دے دی جائے یا اس کے مثل چیز دے دی جائے۔

(ہ)......اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے جواہرت نگل گیا اور مرگیا جواہر والا اگر مانگتا ہے تو میت کا پیٹ چاک کر کے جواہر نکال کر واپس کیا جائے اور حنفیہ کے ہاں اگر میت کا ہو تب بھی پیٹ چاک کیا جائے۔شوافع اور سحنون مالکی کے ہاں بھی۔جب کہ امام احمد ابن حبیب مالکی اور ایک قول میں شوافع کے ہاں پیٹ چاک نہ کیا جائے۔

حاملہ کا پیٹ چاک کرنا......اگر حاملہ عورت فوت ہوجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اکثر فقہاء کے ہاں اس کا پیٹ چاک کیا جائے کیونکہ اس صورت میں میت کے ایک جزو کو ضائع کر کے زندہ کو بچایا جارہا ہے تو یہ مجبوری کی حالت میں میت کھانے کے مشابہ ہے۔ حنابلہ کے ہاں میت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نہ نکالا جائے۔چاہے میت مسلمان ہو یا ذمیہ بلکہ دائی بچے کو اپنے طریقہ سے نکالے جب کہ زندہ ہونا حرکت وغیرہ سے معلوم ہو۔

۳۔دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا......اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ کسی مصلحت کی وجہ سے منتقل کرنا جائز ہے شوافع کے ہاں سوائے ضرورت کے جائز نہیں اور حنفیہ کے ہاں کسی صورت میں بھی جائز نہیں ❷ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مالکیہ کے ہاں میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا شہر سے دیہات میں اس شرط کے ساتھ کہ میت منتقل کرتے وقت پھٹ نہ جائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو منتقل کرنا جائز ہے نیز اس میں کوئی مصلحت بھی ہو جیسے سمندر یا کسی درندے کے کھا جانے کا خطر ہو یا جہاں منتقل کیا جارہا ہے وہ بابرکت جگہ ہے یا اپنے اھل وعیال کے درمیان دفن کرنا مقصود ہے یا اہل وعیال کے قریب لانے کی وجہ سے۔حنابلہ کے ہاں: میت کو کسی صحیح غرض ومقصد کی خاطر منتقل کرنا جائز ہے مثلاً جہاں دفن کیا گیا ہے اس سے بہتر جگہ دفن کرنا کسی بزرگ کے قریب تا کہ اس پر بھی اس کی برکت ہو سوائے شہید کے جب کہ وہ میدان قتال میں دفن کیا گیا ہو تو اس کو وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اگر کسی نے منتقل کیا تو واپس اس جگہ لے جانا مستحب ہے۔کیونکہ شہید کو میدان قتال میں دفن کرنا سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین احد کے متعلق حکم فرمایا کہ انہیں اپنی قتل کی جگہوں پر دفن کرو جب کہ انہیں مدینہ لایا جارہا تھا۔ ❸

شوافع کے ہاں......میت کو دفن کے بعد منتقل کرنے وغیرہ کی غرض سے نکالنا حرام ہے ہاں اگر ضرورت ہو مثلاً بلا غسل وتیمم دفن کیا گیا یا مغصوب جگہ میں یا کپڑے میں کفنا کر دفن کیا گیا یا مال گر گیا ہو قبر میں یا قبلہ رخ دفن نہ کیا گیا ہو تو نکالنا درست ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ کفن کے لیے نہ نکالا جائے کیونکہ کفن کا مقصد پردہ کرنا ہے جو مٹی سے حاصل ہوگیا نیز نکالنے میں بے حرمتی بھی ہے۔حنفیہ کے ہاں: میت کو دفن کرنے کے بعد دوسری جگہ منتقل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام جو مصر سے شام منتقل کیے گئے ہیں تو وہ چونکہ ہمارے سے پہلے کی شریعت کا مسئلہ ہے اور اس میں ہمارے لیے حکم ہونے کی شرائط نہیں پائی جاتیں، نیز میت کی ہڈیاں توڑنا جائز نہیں اگرچہ میت ذمی کافر ہی کیوں نہ ہو اور قبر نہ کھولی جائے اگرچہ بہت وقت کیوں نہ گذر گیا ہو خلاصہ یہ کہ یہ تمام اقوال احترام میت کی ضرورت کی وجہ سے ہیں اور اپنی جگہ پر باقی رکھنے میں اصل ہیں البتہ جمہور کے ہاں کسی ضرورت مصلحت یا صحیح مقصد کی وجہ سے منتقل کرنا جائز ہے اور حنفیہ کے ہاں مطلقاً ناجائز ہے۔

---

❶......المجموع: ۲٦٦/۵۔ ❷ الدر المختار ۸۴۰/۱۔ ❸ نیل الاوطار: ۱۱۲/۴۔

۴۔قبر پر خوشبو لگانا......شوافع کے ہاں قبر پر خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں نیز حنفیہ اور حنابلہ کی طرح ان کے ہاں بھی قبر پر پانی چھڑکنا مستحب ہے نیز سبز ٹہنی پھول یا کوئی بھی تر چیز قبر پر رکھنا تا کہ اس کی مٹی ختم نہ ہو جائے اور اس کے خشک ہونے سے پہلے اس کو اٹھانا صحیح نہیں کیونکہ جب وہ خشک ہوگی اس کا نفع ختم ہوگا جو تر ہونے کی حالت میں تھا یعنی استغفار۔ پانی چھڑکنے کی دلیل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کنکریاں رکھیں۔

حنفیہ کے ہاں قبر سے تر گھاس وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے البتہ خشک کاٹ لینا مکروہ نہیں کیونکہ جب تک وہ تر رہے گی تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہے گی تو میت مانوس ہوگی اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت کا نزول ہوگا آس وغیرہ کی ٹہنی کا قبر پر رکھنا مندوب ہے دلیل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز ٹہنی رکھنے کے بارے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ کو دو حصے کرے دو قبروں پر رکھی جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اور آپ نے کہا جب تک یہ خشک نہ ہو تو عذاب ہلکا ہوگا یعنی اس کی تسبیح کی برکت سے کیونکہ تر شاخ وغیرہ میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے اور اس کی تسبیح خشک کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر خود کوئی تر چیز پیدا ہو جائے تو اس کو کاٹنا مکروہ ہے۔

۵۔ایک قبر میں ایک سے زیادہ مردے دفن کرنا......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر ضرورت کے ایک قبر میں دو آدمی دفن کرنا جائز نہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میرے والد صاحب کے ساتھ ایک شخص دفن کیا گیا تو اسے نکالنے سے پہلے مجھ اطمینان نہیں آیا تو میں نے اسے علیحدہ قبر میں دفن کیا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبر میں صرف ایک ہی آدمی دفن کیا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ مردے زیادہ ہوں اور ہر ایک کے لیے علیحدہ قبر بنانا مشکل ہو یا جگہ تنگ ہو یا قبریں کھودنا مشکل ہو تو اگر چہ مرد اور عورتیں ہوں اور اجنبی ہوں پھر بھی دفن کی گنجائش ہے۔

پس دفن میں بھی امامت کی ترتیب کی طرح افضل کو پہلے قبر میں رکھا جائے پس جو امامت کا زیادہ مستحق ہو اسے قبلے کی طرف والی دیوار کے ساتھ رکھا جائے۔ مرد قبلے کی جانب ہوگا اور عورت اس کے پیچھے اور بچہ ان دونوں کے پیچھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے بارے میں پوچھا کہ ان میں سے کون قرآن زیادہ جانتا تھا اسے لحد میں پہلے رکھا ہاں اتنی بات ہے کہ ایک ہی جنس کی فرع کو افضل سے مقدم نہ کیا جائے اگر چہ وہ فرع ان سے افضل ہی کیوں نہ ہو۔ دادا مقدم ہوگا چاہے ماں کی جانب ہی کا کیوں نہ ہو (یعنی نانا) اور باپ کو بیٹے سے پہلے رکھا جائے گا اگر چہ بیٹا باپ سے افضل ہو کیونکہ رشتہ ابوۃ کی حرمت ہے اور ماں بیٹی سے پہلے رکھی جائے گی اگر چہ بیٹی افضل ہی کیوں نہ ہو اور ہر دو میتوں کے درمیان بطور پردہ مٹی ڈال دی جائے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں کیا۔ اگر میت کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی بن گئی ہوں تو اس کی قبر میں کسی دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے اور اس بارے میں زمین کے حوالے سے اہل علم سے پوچھا جائے اور اگر میت باقی ہے تو قبر نہ اکھیڑی جائے۔

ساتویں چیز: دفن کے احکام:

طریقہ......میت کو قبر میں اتارنے کے بارے میں فقہاء کی تین رائے ہیں:

حنفیہ کے ہاں......اگر ممکن ہو تو میت کو قبلے کی طرف سے اتارا جائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتارا گیا اس کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی چار پائی قبر سے قبلہ کی طرف رکھیں میت کو اٹھایا جائے اور قبر میں رکھ دیا جاتے اور میت لینے والے حضرات بھی قبلہ رو ہونے چاہیں قبلہ کی عظمت کی وجہ سے اور یہ اس وقت ہے جب کہ قبر کے گرنے کا خطرہ نہ ہو اگر ہو تو پھر سر یا پاؤں کی جانب سے داخل کیا جائے۔

مالکیہ کے ہاں......جس طرف سے بھی میت کو قبر میں اتارا جائے اس میں کوئی حرج نہیں البتہ قبلہ کی طرف سے اتارنا اولیٰ ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... مستحب یہ ہے کہ پائینتی کی جانب میت کو داخل کیا جائے اگر آسانی سے ہو سکے پھر سر کی طرف کر دیا جائے قبر میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سر مبارک سے قبر میں داخل کیا گیا ہے کیونکہ آسان ہے پھر سر اور پاؤں کی جانب لگی گرہوں کو کھولا جائے کیونکہ گرہیں منتشر ہونے کے خوف سے لگائی گئی تھیں اور دفن کے بعد اب اس سے مامون ہو گیا روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیم بن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارا تو گرہوں کو اپنے منہ (دانتوں) سے کھولا، ابن مسعود اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی روایت ہے دائیں کروٹ میت کو قبلہ رخ رکھا جائے۔ مرد کو مرد قبر میں رکھیں رکھنے والوں کی کوئی تعداد متعین نہیں، اور دفن کرنے میں اپنے قریبی رشتہ دار جن کا نماز پڑھنا اولیٰ ہے وہ بہتر ہیں عورت کو اس کا شوہر یا محرم رشتہ دار قبر میں اتاریں اور محرم وہ رشتہ دار ہیں جن کے لیے اس کو دیکھنا زندگی میں اور اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو عورتیں اتاریں اگر عورتیں بھی نہ ہوں تو پھر نیک مسلمان جو بوڑھے اور اتارنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور میت کے دائیں ہاتھ کو جسم کے ساتھ لمبائی میں رکھا جائے۔

مالکیہ کے ہاں سر اور پاؤں کے نیچے مٹی ڈال کر دونوں کو برابر کر دیا جائے شوافع کے ہاں سر کے نیچے اینٹ پتھر وغیرہ کا تکیہ بنانا مستحب ہے، اور اس بات پہ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ میت کے نیچے کوئی چیز نہ بچھائی جائے اور نیچے چٹائی، گدا، کپڑا وغیرہ بچھانا مکروہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب تم مجھے قبر میں اتاروں تو میرے رخسار زمین کے ساتھ لگاؤ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے اور زمین کے درمیان کوئی چیز نہ رکھنا۔

لحد کی اینٹیں کھڑی لگائی جائیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہے میرے اوپر کچی اینٹیں کھڑی لگانا اور میرے اوپر مٹی ڈال دینا پس پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے قبر میں ایسی چیز جسے آگ چھو سکتی ہے یا آگ نے چھویا ہوں کو داخل نہ کیا جائے جیسے پکی اینٹ اور لکڑی وغیرہ حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں بانس رکھ کر مٹی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں اور قبر پر موجود ہر شخص کو تین مٹھیاں مٹی ڈالنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پہ تین مٹھیاں مٹی ڈالی۔

اور مستحب ہے کہ کچھ لوگ قبر پر کچھ دیر ٹھہر کر میت کے لیے دفن کے بعد دعا کریں اور اتنی دیر تلاوت کریں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے پکایا جا سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہوگا۔

دفن کرنے کی جگہ اور سمندر میں دفن کرنا...... قبرستان میں دفن کرنا دوسری جگہ دفن کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ گذرنے والوں کی دعا ملتی رہے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ اور صحابہ کرام کو جنت البقیع میں دفن فرماتے تھے، اور قبر کی جگہ خریدنے میں کوئی حرج نہیں اور دفن کرنے کی وصیت کرنا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے کی، کسی کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں اور ہی نہ کسی مسلمان کو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے، اگر کوئی یہودی یا نصرانی یا ذمی عورت حالت حمل میں مرگئی جب کہ حمل کسی مسلمان کا تھا اور پیٹ میں موجود بچہ بھی ہو گیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ اسے مسلمانوں اور کافروں کے قبرستان کے درمیان دفن کیا جائے اور اس کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہونی چاہیے کیونکہ بچہ کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے، اور اس کو اکیلی دفن کیا جائے گا کیونکہ اس کا بچہ مسلمان ہے پس کفار کے عذاب سے اسے تکلیف ہوگی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ عورت کافر ہے۔

اگر کوئی شخص سمندر میں کسی کشتی وغیرہ میں مرگیا تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا کفن پہنایا جائے اور نماز پڑھی

جائے اور خشکی کی طرف اگر ایک دن میں پہنچنے کی امید ہو اور میت خراب ہونے کا خطرہ نہ ہو تو دفن کا انتظار کیا جائے لیکن اگر خشکی بہت دور ہو یا میت خراب ہونے کا خطرہ ہو تو اس پر کفن وغیرہ پہنا کر حنفیہ کے ہاں تابوت میں ڈال کر اور حنابلہ کے ہاں ساتھ کوئی بھاری چیز مثلاً پتھر وغیرہ باندھ کر اور مالکیہ کے ہاں صرف کفن میں ڈال کر پانی میں ڈال دیا جائے دائیں کروٹ پر قبلہ رو رکھ کر و شوافع کے ہاں دو تختوں پر رکھ کر سمندر میں ڈال دیا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے خشکی پر پہنچ جائے تا کہ دفن کیا جا سکے، اور اگر ساحل سمندر والے کافر ہوں تو پھر سمندر میں ڈال دیا جائے، جمہور کی رائے اولیٰ ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کی جو ستر اور پردہ پوشی ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے اور دو لکڑیوں وغیرہ میں رکھ کر پھینکنے میں اس کی بے حرمتی اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور بسا اوقات ساحل پر ننگا پڑا رہ جاتا ہے۔

۳۔ کس وقت دفن کیا جائے...... دن میں دفن کرنا ان اوقات میں جو مکروہ نہیں افضل ہے اور رات کو دفن کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے یہی حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مختار ہے شوافع نے مکروہ اوقات میں بھی دفن کی اجازت دی ہے جب کہ قصداً و عمداً ایسا نہ کیا جائے اگر قصداً کریں تو مکروہ ہے۔ رات کو دفنکر نے کے جواز کی دلیل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دفن کیے گئے۔ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کو دفن کئے گئے اسے بخاری نے باب الدفن باللیل میں تعلیقاً ذکر کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک شخص کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رات کو دفن کیا۔

۴۔ دفن کے وقت کیا پڑھنا چاہیے...... میت کو قبر میں رکھنے والوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ یہ الفاظ کہیں: بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ اتباع سنت کی وجہ سے، اور ایک روایت میں ملة کی جگہ سنة کے الفاظ آ گئے ہیں۔

اور حالات کی مناسبت سے لمبی دعا کرنا بھی صحیح ہے ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اینٹیں لگاتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

اللهم اجرها اى الجنازة من الشيطان ومن عذاب القبره اللهم جاف الارض
عن جنبيها وصعدر وحها ولقها منك رضوا نا

اور ابن المنذر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب میت پہ مٹی ڈالتے تو پڑھتے:

اللهم أسلمه اليك الاهل والمال والعشيرة وذنبه عظيم فاغفرله

۵۔ دفن کے بعد تلقین...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں بالغ میت کو دفن کے بعد تلقین کرنا مستحب ہے تلقین کرنے والا قبر کے سر کی طرف بیٹھ کر کہے:

ياعبدالله بن أمة الله، أذكر ما خر جت عليه من دارالدنيا: شهادة أن ا اله الا الله وان محمدا
رسول الله وان الجنة حق والنار حق وأن البعث حق وان السا عة آتية لاريب فيها
وأن الله يبعث من فى القبور وأنك رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا
بمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا، وبالقر آن اماماً وبالكعبة قبلة وبالمؤمنين اخوانا

اس بارے میں حدیث ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے الروضۃ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید شواھد سے ہوتی ہے نیز صدر اول سے اس وقت تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ الذریات ۵۱/۵۵

یاددہانی کرواسے کیونکہ مومنین کو یاددہانی فائدہ پہنچاتی ہے۔

اور بندہ اس حالت میں سب سے زیادہ یاددہانی کا محتاج ہوتا ہے۔حق بات عدم سنیت کے قائلین کے ساتھ ہے۔البتہ مستحب ہے یہ کیونکہ صحابہ سے منقول ہے دلیل یہ ہے کہ راشد بن سعد ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمر فرماتے ہیں: جب میت کی قبر برابر کردی جائے اور لوگ واپس چلے جائیں تو یہ حضرات اچھا سمجھتے تھے کہ میت کو قبر کے پاس کہا جائے یافلان قل: لاالہ الا اللہ اشھد أن لاالہ الا اللہ، تین مرتبہ، یافلان قل ربی اللہ ودینی الاسلام ونبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس جائیں۔اور یہ بات معلوم ہے کہ روح نکلتے وقت میت کو کلمہ شہادت کی تلقین کرنا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مندوب ہے اور دفن کے بعد اس تلقین کے قائل نہیں۔

۶۔قبر پر پردہ کرنا......اہل علم کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عورت کی قبر کو پردہ سے ڈھانپنا مستحب ہے، کیونکہ عورت پردہ ہے پس اس کی کسی چیز کا ظاہر ہونا صحیح نہیں کہ حاضرین دیکھ لیں۔اور اگر میت مرد کی ہے تو حنابلہ کے ہاں پردہ کرنا مکروہ ہے مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں بغیر عذر پردہ نہ کیا جائے، عورت کے پردہ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔شوافع کے ہاں میت کو قبر میں اتارتے وقت قبر پر پردہ کرنا مطلق مستحب ہے اگرچہ میت مرد ہی ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پردہ فرمایا تھا نیز کیا پتہ بغیر پردہ کے کوئی ایسا حصہ کھل جائے جس کا دیکھنا جائز نہیں یہ عورت کے لیے زیادہ مؤکدہ ہے۔

۷۔تابوت اور صندوق میں دفن کرنا......تابوت وغیرہ میں دفن کرنا نصاریٰ کا طریقہ ہے اور صرف عذر کی حالت میں ہمارے ہاں اجازت ہے جیسا کہ ہمارے فقہاء کے کلام میں بیان کیا گیا ہے، حنفیہ کے ہاں ضرورت کے وقت تابوت بنانا چاہیے پتھر کا ہو یا لوہے اس میں کوئی حرج نہیں اور ضرورت مثلاً زمین نرم وغیرہ ہے یا میت کو سمندر میں پھینکنا ہے یا عورت ہے تابوت میں مٹی ڈالنا سنت ہے۔مالکیہ کے ہاں تابوت نہ بنانا اولیٰ ہے اور لحد کو کچی اینٹوں لکڑی کے تختوں ٹالکوں پکی اینٹوں وغیرہ سے بند کرنا اور ان کو مٹی سے لیپنا مندوب ہے۔

شوافع کے ہاں تابوت میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے ہاں اگر زمین تر و نرم ہو یا میت کے جل جانے کی وجہ سے جسم پھولا ہوا ہو کہ تابوت کے علاوہ اس کو ضبط نہیں کیا جاسکتا یا عورت کا کوئی محرم نہیں تو تابوت میں ڈال سکتے ہیں۔حنابلہ کے ہاں تابوت میں دفن کرنا مستحب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے یہ منقول نہیں نیز اس میں اہل دنیا سے مشابہت بھی ہے۔

آٹھویں چیز: قبروں کی زیارت کرنا......اہل سنت والجماعت، کا مذہب: یہ ہے کہ روح وہ نفس ناطقہ ہے جو بیان وفہم خطاب کے لئے مستعد ہے اور جسم کے فناء ہونے سے فنا نہیں ہوتی اور یہ جوہر ہے عرض نہیں، مردوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں اعلی روح ادنی کی طرف آتی ہے اس کا عکس نہیں امت کے سلف اور آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب ونعمت میت کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتے ہیں اور نیز بدن سے جدا ہونے کے بعد روح باقی رہتی ہے چاہے نعمت وثواب ملے یا عذاب اور کبھی کبھی بدن سے روح ملتی بھی ہے بدن کے ساتھ اس کو عذاب وثواب ملتا ہے یہاں اہل السنّت والجماعت کا ایک اور قول بھی ہے کہ عذاب وثواب بدن کو حاصل ہوتا ہے روح کو نہیں۔

بہت سے آثار میں یہ بات عام ہے کہ میت دنیا میں موجود اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کے حالات سے باخبر رہتی ہے اور ان کے اعمال واحوال میت پر پیش ہوتے ہیں نیز آثار میں ہے کہ میت دیکھتی بھی ہے نیز جو کچھ میت کے پاس کہا جائے اسے جانتی ہے اگر اچھا کام ہو تو میت خوش ہوتی ہے اور برے کام سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔

جمعہ کے دن طلوع شمس سے پہلے زیارت کرنے والے کو میت پہچان لیتی ہے اس وقت کی تاکید کی گئی ہے نیکی سے نفع ہوتا ہے اور اور برائی سے تکلیف ہوتی ہے۔

زیارتِ قبور کا حکم......مردوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ عورتوں کے بارے میں فقہاء کی

دورائیں ہیں۔

الف: حنفیہ کے ہاں...... صحیح قول کے مطابق عورتوں اور مردوں کے لیے زیارت قبور مستحب ہے دلیل ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لاتے تھے اور فرماتے: تمہارے اوپر سلامتی ہو صبر کرنے کی وجہ سے بہت اچھا ہے آخری گھر اور آپ علیہ السلام جنت البقیع میں قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسال اللہ لی ولکم العافیۃ

اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا ہوا تھا پس قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں اور ایک رویت میں ہے یہ آخرت یاد دلاتی ہیں۔

افضل اور مستحب یہ ہے کہ زیارت جمعہ یا ہفتہ یا پیر یا جمعرات کے دن کی جائے نیز زیارت بھی اور دعا بھی کھڑے ہو کر کی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں جا کرتے تھے۔

نیز مستحب ہے کہ زائر سورۃ یٰس کی تلاوت کرے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورۃ یٰس کی تلاوت کرے اور ثواب مردوں کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ اس دن مردوں سے عذاب کو ہلکا فرما دیتے ہیں اور اس شخص کو جتنے اس کے حروف ہیں اتنی نیکیاں ملتی ہیں اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے اپنے مردوں کے پاس یٰس پڑھا کرو نیز حسب توفیق قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھے اور سورہ بقرہ شروع سے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پھر آیت الکرسی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورت تک سورہ الملک سورۃ الھکم التکاثر (ایک ایک بار) اور سورہ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین مرتبہ پڑھے، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس تین بار پھر اس کا ثواب اس میت کو اس قبرستان کے سب مردوں کو پہنچائے۔ دار قطنی میں روایت ہے جس کا قبرستان سے گذر ہوا اور وہ گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملے گا اور عورتیں اگر جا کر غم تازہ کریں روئیں یا واویلا کریں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے پھر ان کے لیے زیارت قبور کے لیے جانا جائز نہیں اور جس حدیث میں ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت ہے اس کا محمل بھی یہی ہے لیکن اگر عورتیں عبرت حاصل کرنے اور دعا وغیرہ کے لیے جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

اور افضل یہ ہے کہ جو کوئی نفلی صدقہ کرے وہ اس میں تمام مومن مردوں اور عورتوں کی نیت کرے کیونکہ ان سب کو ثواب ملے گا اس صدقہ کرنے والے کے ثواب سے کمی نہیں ہوئی اور مستحب ہے تلاوت کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ہمیں گمراہی سے نکالا ہے تو اس میں شکریہ پایا جاتا ہے آپ کے لیے اچھائی کی جاتی ہے۔

(ب) جمہور کے ہاں...... مردوں کے لیے عبرت حاصل کرنے یاددہانی وغیرہ کے طور پر قبروں کی زیارت کرنا مندوب ہے اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ زیارت قبور پہلے منع تھی پھر اجازت دے دی گئی آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کرو اور ایک روایت میں ہے اور برا کلام نہ کرو (اور صحیح قول کے مطابق عورتوں کو مردوں کے ساتھ اجازت نہیں دی گئی) لہٰذا عورتیں فذوروا کی مذکر ضمیر میں داخل نہیں کفار کی قبروں کی زیارت بھی مباح ہے زیارت کا وقت تو امام مالک فرماتے ہیں: مجھ تک یہ چیز پہنچی ہے کہ روحیں قبرستان کے صحن میں ہوتی ہے لہٰذا کسی خاص دن زیارت کرنا مختص نہیں اور جمعہ کے دن جو زیارت کا حکم ہے تو یہ اس دن کی فضیلت اور فراغت کی وجہ سے ہے۔ اور عورتوں کے لیے زیارت مکروہ ہونے کا سبب ان کا رونا اور آوازیں بلند کرنا ہے کیونکہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں اور یہ جزع فزع زیادہ کرتی ہیں اور مصائب کم برداشت کرتی ہیں اور حرام نہیں کیونکہ مسلم شریف میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ہمیں زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر سختی نہیں کی گئی اور مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی

عورتوں پر لعنت کرتے ہیں لیکن عورتوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی اجازت ہے اور اسی کے ساتھ باقی انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت بھی ملحق ہے شرط یہ ہے کہ زینت اختیار نہ کریں مردوں سے اختلاط نہ ہو اور آواز بلند نہ کریں۔

لیکن مالکیہ کے ہاں یہ حکم نوجوان عورتوں کے لیے ہے البتہ بوڑھی عورتیں اس حکم میں مردوں کی طرح نہیں قبرستان میں کھانا، پینا، ہنسنا، زیادہ باتیں کرنا اور بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنا اور اس کو عبادت بنانا مکروہ ہے زائر کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسلمانوں کی قبروں پر سلام پیش کرے تلاوت کرے اور دعا کرے البتہ سلام میت کے چہرے کی طرف متوجہ ہو کر کرے اور یہ الفاظ پڑھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سکھائے کہ:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ تعالٰی بکم لاحقون اسأل اللہ لنا ولکم العافیة

ان دونوں کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد یہ لفظ زیادہ کیے ہیں:

اللهم لا تحرمنا اجر هم ولا تفتنا بعدهم

لیکن ضعیف سند سے روایت کی ہے۔

اور جو کچھ قرآن مجید سے آسانی سے ہو سکے وہ تلاوت کرے اور یہ قبرستان میں پڑھنا سنت ہے ثواب حاضرین کے لئے ہے اور میت بھی حاضر کی طرح ہے اس کے لیے رحمت کی امید ہے۔ اور تلاوت کے بعد میت کے لیے دعا کرے قبولیت کی امید کے ساتھ کیونکہ دعا سے میت کو نفع ہوتا ہے اور قرأت کے بعد دعا کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور دعا قبلہ رخ ہو کر کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم س طرح دعا کرتے تھے یا اللہ بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرما دیجئے۔

الغرقد، کانٹوں والا درخت ہے اور البقیع اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔

جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا ہے کہ زیادہ زیارت کرنا مستحب ہے اور نیک لوگوں اور اہل فضل کی قبروں پر زیادہ دیر ٹھہرنا چاہیے اور قبر کے سامنے اس طرح کھڑا ہو جس طرح زندہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

قبروں کے اوپر موجود تابوت کو قبر کو چومنا اور ہاتھ لگانا مکروہ تحریمی ہے اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے وقت دروازے کی دہلیز کو چومنا بھی مکروہ تحریمی ہے اور یہ ساری چیزیں بدعت ہیں جن کا لوگ ارتکاب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ ...... فاطر: ۸/۳۵

حنابلہ کے ہاں قبرستان میں داخل ہوتے وقت جوتے اتارنا مستحب ہے کیونکہ حضرت بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا ہے اور اکثر علماء کرام جوتے پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کیونکہ آپ علیہ السلام نے نہیں اتارے اس بارے میں بخاری شریف میں حدیث ہے۔

تیسرا مقصد: تعزیت اور اس کے متعلقات:

پہلی چیز: تعزیت کی تعریف اور حکم...... اہل میت کو تسلی دینا اور ثواب کی امید پر صبر کی رغبت دلانا اور قدرت وتقدیر کے فیصلے پر راضی رہنے کی ترغیب دلانا اور مسلمان میت کے لیے بخشش کی دعا کرنا اور تعزیت مرنے کے بعد سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے لیکن باہر سے آنے والے کے لیے بعد میں بھی کراہت نہیں۔ تاکہ غم تازہ نہ کیا جائے نیز آپ علیہ السلام نے سوگ کی صرف تین دن تک اجازت مرحمت فرمائی ہے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: کسی عورت کے لیے حلال نہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن ایمان رکھتی ہے کہ وہ

میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے اپنے شوہر کے کہ چار ماہ دس دن تک اس کے لیے سوگ کر سکتی ہے ❶ مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں ایک مرتبہ سے زیادہ یعنی دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے، جس نے پہلے تعزیت کر لی ہو وہ قبر کے پاس دوبارہ تعزیت نہ کرے اور تعزیت دفن کے بعد افضل ہے دفن سے پہلے کرنے سے کیونکہ اہل میت میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں اور دفن کے بعد انہیں میت کی جدائی کی وحشت ہوتی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اہل میت کا اپنے گھر یا راستے وغیرہ پر تعزیت کے لیے بیٹھنے کا انتظام کرنا مکروہ ہے اسی طرح تعزیت کرنے والے اہل میت کے ہاں بیٹھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں غم دائمی ہو جاتا ہے، اور حنفیہ کے ہاں اگر اہل میت مسجد کے علاوہ کی جگہ پہ تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے کا انتظام کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں پہلا دن افضل ہے۔ فتاوی الظہیر یہ'' میں ہے اہل میت اپنے گھر یا مسجد میں تعزیت کا انتظام کریں اور لوگ ان کے پاس آ کر تعزیت کریں تو مضائقہ نہیں۔ اہل میت کے ہاں رات گذارنا مکروہ ہے اور تعزیت اہل میت کے گھر ہونی چاہیے تعزیت کے لیے کوئی مخصوص الفاظ نہیں ہیں پس تعزیت کرنے والا مسلمان کے لیے یہ الفاظ کہے:

اعظم اللہ اجرك واحسن عزائك وغفر لميتك

اور اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی تعزیت کرے تو یہ الفاظ کہے:

اعظم اللہ اجرك و احسن عزائك

کافر میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ کافروں کے لیے دعا واستغفار ممنوع ہے۔ اور اگر کوئی کافر کسی مسلمان کی تعزیت کرے تو یہ الفاظ کہے:

حسن اللہ عزائك وغفر لميتك

اور کافر کافر کی تعزیت کے موقع پر یہ الفاظ کہے:

اخلق اللہ علينا وعليك ولا تقص عددك

حنابلہ کے ہاں کافر کی تعزیت کرنا حرام ہے کیونکہ اس طرح کافر کی تعظیم ہے جیسے پہلے سلام کرنے میں اور تعزیت کرنے والا کہے:

استجاب اللہ دعاءك ورحمنا واياك

مصافحہ کرنا یا اس کا ہاتھ پکڑنا تعزیت کرنے والے کے لیے مکروہ نہیں۔

تعزیت مرد اور عورتیں جنہیں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو کر سکتی ہیں اور میت چاہیے چھوٹی ہو بڑی ہو مذکر ہو یا مونث ہو اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام ثوری رحمہ اللہ دفن کے بعد تعزیت کے استحباب کے قائل نہیں کیونکہ اس کا معاملہ ختم ہو گیا البتہ کسی مرد میت کی تعزیت خوبصورت عورت غیر محرم کو کرنا مکروہ ہے کیونکہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔ تعزیت مستحب ہونے کی دلیل احادیث ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱۔ جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرنے اسے اس کے مثل ثواب ملے گا جو شخص اپنے مصیبت زدہ (مسلمان) بھائی کی تعزیت کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے کرامت کے جوڑے پہنائیں گے۔

دوسری چیز: رونا، مرثیہ پڑھنا، نوحہ کرنا، منہ نوچنا اور کپڑے پھاڑنا...... رقت قلب سے بغیر آواز کے رونا میت کے دفن سے پہلے اور بعد میں بالاتفاق جائز ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابراہیم ہم تجھے اللہ کے مقابلہ میں کوئی نفع نہیں دے سکتے پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول!

---

❶ ......رواہ البخاری ومسلم۔

آپ روتے ہیں کیا آپ نے رونے سے منع نہیں فرمایا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں رونے سے منع نہیں کیا بلکہ نوحہ کرنے بلند آواز وغیرہ سے رونے سے منع کیا ہے ❶ اور صحیحین میں ہے کہ جب آپ کے سامنے آپ کا نواسہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو سے بھر گئیں اور آپ کا سانس پھول رہا تھا جیسا کہ پرانا مشکیزہ ہوتا ہے یعنی ایسی آواز تھی جیسے پرانے مشکیزہ میں پانی ڈالنے سے پیدا ہوتی ہے تو حضرت سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یہ کیا ہے اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتے ہیں نیز رونا رضا بالقضی کے منافی نہیں برخلاف اپنا حصہ ضائع ہونے پر رونے کے۔

اور یہ جو حدیث ہے کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے تو جمہور علماء کے ہاں اس کی تاویل ہے کہ اس سے مراد وہ رونا ہے جس کی وصیت مرنے والے نے کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد مجھ پر رونا اور نوحہ کرنا اور اہل وعیال نے اس کی اس وصیت کو پورا کیا تو اس صورت میں میت کو عذاب ہوگا کیونکہ یہ اس کی وجہ سے اور اس کی وصیت کی وجہ سے رو رہے ہیں اور اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ رونے کی وصیت کرتے تھے۔ طرفۃ بن العبد کا قول ہے: جب میں مرگیا تو اے معبد کی لڑکیوں میرے اوپر رونا اور گریبان پھاڑنا۔ رہ گیا وہ شخص جس پر اس کے اہل وعیال بغیر اس کی وصیت کے روئیں تو ان کے رونے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ...... الانعام ۶ / ۱۶۴

میت پہ شعر وغیرہ کے ساتھ مرثیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حنفیہ نے ذکر کیا ہے البتہ مدح میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے خاص کر جنازے کے وقت حدیث میں ہے کہ جس شخص نے جاہلیت کی طرح مدد کے لیے پکارا تو اس کی مذمت کرو اور ان کا ذکر کرنہ کرو یہاں حکم زجرو توبیخ میں مبالغہ اور ادب کا ہے دعویٰ جاہلیت سے اور میت کی صفات ذکر کر کے رونا حرام ہے اور نوحہ کرنا جزع فزع سینہ کوبی، سر پیٹنا اور گریبان وغیرہ پھاڑنا حرام ہیں۔

اور ندبہ...... مردے کے محاسن بیان کر کے رونے کو کہتے ہیں اور لفظ نداء کے ساتھ پکارنا یاء کی جگہ واو استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: وارجلاہ واجبلاہ وانقطاع ظھراہ (آہ اس کی کمر ٹوٹ گئی) واکھفاہ یا عزی، یا سیدی وغیرہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے رونے والے اس پر اظہار غم کریں اور واجبلاہ واسنداہ وغیرہ کے ذریعے اس پر روئیں تو اس پر دو فرشتے مسلط کردیے جاتے ہیں جو اس کے سینے میں مار کر پوچھتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا، اور یہ اس وقت ہے جب کسی نے وصیت کی ہو یا پھر وہ کافر ہو اور نوحہ یعنی بلند آواز سے رونا، بین کرنا حدیث میں ہے نوحہ کرنے والی اگر توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس پر تارکول کی قمیض اور خارش زدہ زرہ ہوگی'' نیز حدیث ہے اللہ تعالیٰ نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرماتے ہیں: جزع سینہ کوبی اور گریبان چاک کرنے کو کہتے ہیں شعر پڑھنا چہرہ سیاہ کرنا، سر پر راکھ ڈالنا اور رونے میں بہت بلند آواز سے رونا وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں، اور جزع حرام ہے شیخین کی روایت ہے: جو رخساروں پر مارے گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی پکار پکارے وہ ہم میں سے نہیں۔

صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت میں بلند آواز سے رونے والی بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے بری ہیں۔

تیسری چیز: مصیبت زدہ کے مناسب کام اور مصیبت کا ثواب...... مصیبت زدہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اسی سے فریاد کرے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالائے صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگ کر اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے جو وعدہ کیا ہے اس

---

❶ ...... الترمذی۔

کو چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ البقرۃ: ۲/ ۱۵۵-۱۵۷

اور صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے رہیں۔

اور مصیبت زدہ کے لئے مسنون ہے کہ وہ انا لله وانا اليه راجعون پڑھے (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، وہ ہمارے ساتھ جو چاہے کرے اور ہم بعثت بعد الموت کا اقرار کرنے والے ہیں) نیز اللھم اجرنی فی مصیبتی واخف لی خیراً منھا پڑھے اور دو رکعتیں پڑھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کیا اور آپ نے آیت پڑھی:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ ......البقرۃ ۲/ ۴۵

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی مصیبت آتی صبر کرتے، مسلم شریف میں ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کرو یا کسی جنازے میں شریک ہو تو اچھی بات کہو کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو فرمایا کہو اے اللہ! میری بھی مغفرت فرما اور اس کی بھی اور اس کا عمدہ بدل عطا فرمایا'' مصیبت زدہ کے لیے مسنون ہے کہ وہ صبر کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ الانفال ۸/ ۴۶

صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے صبر روشنی ہے نیز اولاد کی موت پر صبر کرنے میں بڑا اجر ہے احادیث میں ہے صحیحین کی روایت ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہوں تو اس کو آگ نہیں چھوئے گی اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ فرمایا: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: ۱۹/ ۷۱) اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے مومن بندے کی جزا کہ جب میں اس کے پیارے بچے کو دنیا میں موت دیتا ہوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرتا ہے سوائے جنت کے کچھ نہیں۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی ایک لڑکی بھیجی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے کہ میرا ایک بیٹا یا بیٹی سکرات کی حالت میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس کے پاس واپس جاؤ اور اسے خبر کر دو کہ اللہ ہی کا تھا جو اس نے لے لیا اور اس کا ہے جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز اللہ کے پاس مدت مقرر کے لیے ہے اور ان کو بتاؤ کہ صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

مصیبت پر ثواب......مصیبت پر صبر کی وجہ سے ثواب ملتا ہے نہ کہ صرف مصیبت کی وجہ سے کیونکہ محض مصائب پر ثواب نہیں اس لیے کہ یہ بندے کے ارادہ اور عمل سے پیدا ہوتے بلکہ ثواب تو عمل کی وجہ سے ہوتا ہے پس صبر انسان کے عمل وکسب میں سے ہے۔ یہ حنابلہ اور عزبن عبد السلام کا قول ہے۔ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا صبر سے اوپر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مجنون اور مغلوب العقل مریض وغیرہ کو ثواب ملتا ہے اور مرض اس کا کفارہ ہے پس امام شافعی نے عمل نہ ہونے کے باوجود جس کی وجہ سے صبر نہیں ہوسکتا اجر وثواب کا حکم لگایا ہے اور ان کی تائید صحیحین کی روایت سے ہوتی ہے کہ مسلمان کو جو بھی تکلیف بیماری غم وحزن ایذا حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ ختم کرتے ہیں نیز صحیح حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کو اسی طرح ثواب ملتا ہے جس طرح وہ صحیح اور مقیم ہونے کی حالت میں عمل کرتا تھا پس جس کو مصیبت پہنچی اور اس پر صبر بھی کیا تو

اس کو دو ثواب ملیں گے ایک مصیبت کا دوسرا صبر کا اور جس سے صبر منتفی ہو جیسے مجنون وغیرہ تو اس کو بھی دھرا اجر ہے اور جس نے جزع فزع کیا تو اس کو کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا۔

چوتھی چیز: اہل میت کی ضیافت اور ان کے لیے کھانا تیار کرنا......اہل میت کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لیے مستحب ہے کہ ان کے لیے کھانا تیار کریں۔ حدیث میں ہے جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کہ ان پر ایک مصیبت آئی ہے جس نے انہیں کھانے تیار کرنے سے مشغول کر دیا ہے اور کھانا ان کی طرف بھیجیں ان کی مدد کے طور پر اور تالیف قلب کے لیے کیونکہ ان کا اپنے لیے کھانا تیار کرنا گراں ہوتا ہے مصیبت کی وجہ سے اور ان لوگوں کے لیے جو کھانا تیار کرتے ہیں اور کھانا دو وقت کے لیے ہو۔

اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ اور بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ اس طرح تو یہ ان کی مصیبت میں اضافہ اور ایک نئی مصیبت میں مشغول کرنا ہے نیز اس میں زمانہ جاہلیت کے رواج سے مشابہت ہے، اور اگر ورثاء میں کوئی نابالغ بھی ہو تو پھر کھانا تیار کرنا اور پیش کرنا حرام ہے حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں ہم اہل میت کے پاس جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے ہیں۔

ہاں اگر ضرورت وحاجت ہو تو گنجائش ہے کیونکہ بسا اوقات دوسری بستیوں اور دور دراز سے لوگ آئے ہوتے ہیں اور وہاں رات گذارتے ہیں تو پھر ضیافت کرنے کی گنجائش ہے۔

پانچویں چیز: میت کے لیے تلاوت کرنا اور ایصال ثواب کرنا......یہاں فقہاء کے ہاں کئی مسائل ہیں:

(الف) علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کو استغفار مثلاً اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ، صدقہ، بدنی عبادت اور مالی عبادت مثلاً حج وغیرہ سے فائدہ ہوتا ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ......الحشر: ۵۹/ ۱۰

اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے جو ان مذکورین کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ......محمد: ۴۷/ ۱۹

اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے بھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے لیے کی اور جس میت کی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے اس کے لیے بھی اور جس جس میت کی نماز جنازہ پڑھائی ان سب کے لیے نیز ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اور ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول میرے والد بوڑھے ہیں سواری پر نہیں بیٹھ سکتے ان پر حج فرض ہے کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی اس نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ اس بات کا مستحق کے اس کو ادا کیا جائے۔ نیز ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اور ان کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں کیا میں ان کی طرف سے رکھ لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکھ لو۔

ابن قدامہ نے فرمایا کہ یہ صحیح احادیث ہیں اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ میت کو تمام نیک کاموں کا ثواب ملتا ہے کیونکہ روزہ، دعا، استغفار، بدنی عبادتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں ان کے علاوہ کا بھی اسی طرح ثواب پہنچے گا۔

(ب)......اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا عبادات بدنیہ محضہ جیسے نماز، تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے یا نہیں اس میں دو مذہب ہیں۔ ❶ حنفیہ، حنابلہ متاخرین شوافع اور مالکیہ کے ہاں اگر میت کے پاس تلاوت کی جائے یا اس کے پیچھے کی جائے تو اس کو ثواب پہنچتا ہے کیونکہ جہاں تلاوت ہوتی ہے وہاں رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے اور پیٹھ پیچھے دعا قبولیت کے قریب ہے۔

حنفیہ کے ہاں......قبر کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرنا مکروہ نہیں اور حنفیہ نے باب الحج عن الغیر میں ذکر کیا ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے چاہے نماز ہو روزہ ہو صدقہ وغیرہ ہو، اور اس کے ثواب سے کچھ کم نہیں ہوتا، اور حنابلہ کے ہاں: قبر کے پاس تلاوت میں کوئی حرج نہیں گذشتہ حدیث کی وجہ سے کہ جو قبرستان میں داخل ہو کر سورۃ یٰسٓ پڑھے تو اس دن ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور جتنی قبریں ہوں اتنا اس کو ثواب ملتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ جو اپنے والدین کی قبروں کی زیارت کرے اور پھر سورہ یٰسٓ پڑھے تو ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ ❷

مالکیہ کے ہاں......مرنے کے بعد مردے کے لیے تلاوت کرتا اور قبر پر تلاوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ سلف صالحین کا اس پر عمل نہیں تھا لیکن متاخرین مالکیہ کے ہاں تلاوت، ذکر وغیرہ کرنا اور ان کا ثواب میت کو پہنچانے میں کوئی حرج نہیں اور انشاء اللہ اس کو ثواب ملے گا۔

متقدمین شوافع کے ہاں......میت کو دوسرے کے عمل کا ثواب نہیں پہنچتا چاہے نماز ہو یا تلاوت وغیرہ جب کہ متاخرین شوافع کے تحقیق یہ ہے کہ تلاوت کا ثواب اسی کو پہنچتا ہے اور اس پر لوگوں کا عمل ہے اور جس چیز کو مسلمان (علماء) اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہی ہے۔ چنانچہ بات ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ سانپ کے ڈسے ہوئے کو فائدہ دیتی ہے (اور آپ علیہ السلام) نے اس کی تاکید کی کہ تمہیں کیا معلوم یہ جھاڑ پھونک ہے تو میت کو بدرجہ اولیٰ نفع دے گی۔ پس اس طرح متاخرین شافعیہ کا مذہب بھی ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے موافق ہے کہ قرأت وتلاوت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احادیث جس بات پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ کہ بعض قرآن کریم سے جب میت کو نفع کا ارادہ کیا جائے اور عذاب کی تخفیف کا تو اس کو نفع ہوتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ جب اس کو پڑھنے والا ڈسے ہوئے کو نفع کا ارادہ کرے تو نفع پہنچاتی ہے اور اس کی تائید آپ علیہ السلام نے بھی کی ہے جب زندہ شخص کو ارادہ سے نفع ہوتا ہے تو مردہ کو بدرجہ اولیٰ نفع ہوگا جب کہ قاضی حسین نے میت کے لیے اجرت پر قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن صلاح فرماتے ہیں: مناسب ہے کہ اس طرح کہے: اے اللہ جو میں نے تلاوت کی ہے اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔ پس اسے دعا بنا دے اور اس میں قریب اور دور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز اس سے نفع کا یقین ہونا چاہیے کیونکہ جب دعا نفع دیتی ہے اور دعا کرنے والے کے لیے جو نہیں وہ جائز ہے تو جو اس کے لیے ہے وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے نیز یہ صرف قرأت وتلاوت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام اعمال اسی طرح ہیں۔

چوتھا مقصد: اللہ کے راستے میں شہید ہونا......شہادت کی فضیلت شہید کی تعریف، شہید کے احکام اور جہاد کے علاوہ شہدا۔

شہادت کی فضیلت......جان کی قربانی دینا اخلاص کے درجات کی بلندی اور عقیدہ کے راستے میں فنا ہونا یہ ایمان کے صحیح ہونے پر سب سے سچی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخلہ کا راستہ اور اللہ کی رضا کے ساتھ کامیابی ہے۔ پوری امت ہر زمانے میں دفاع نفس اور مملکت کے لیے اس طرح کی کئی قربانیاں دے چکی ہیں۔ نیز مقامات مقدسہ محرمہ کی حفاظت کی خاطر اپنی قربانیوں کی وجہ سے عزت، بزرگی اور ہیبت ان کے لیے لکھ دی جاتی ہے۔ اور خون اس کی کرامت کی وجہ سے جاری رہتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شہدا کے لیے زندگی اور ہمیشگی لکھ دی ہے اور قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ قرض لوگوں کے حقوق میں سے ہے نیز شہید کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء

---

❶......متقدمین مالکیہ اور شوافع کے ہاں عبادات محضہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ ❷ کلا هما ضعيف كما اشار السيوطي في جامعه.

ومرسلین علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام جنت میں عطا فرمایا ہے جیسا کہ نصوص شرعیہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ آل عمران: ۳، ۱۶۹ تا ۱۷۱

(اور اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے، ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ؟ کے بارے میں پوچھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہدا کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور وہ عرش کے ساتھ معلق ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں جاتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف آ جاتی ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا ہے اور جنت کے پھلوں کھانے سے لطف اندوز ہونے وغیرہ کی قدرت عطاء کی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ البقرۃ ۲/ ۱۵۴

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی زندگی جسمانی نہیں بلکہ وہ ایک خاص قسم کی زندگی ہے جس کا ادراک وحی کے ذریعہ ہوا نہ کہ عقل سے نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شہید کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل ہونے کے بعد واپس دنیا میں آنا پسند نہیں کرے گا شہید تمنا کرے گا کہ اسے دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے اور وہ دس مرتبہ شہید کیا جائے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں لڑتا ہوا مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

شہید کی تعریف..... شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ جنت اس کے لیے حاضر ہے یا اس لیے کہ وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہے اور زندہ ہے یا اس لیے کہ اس کی موت کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جو شہید فضائل کا مستحق ہے وہ دوران جنگ دشمنوں سے لڑتا ہوا مارا جائے وہ ہے۔ اس شہید کے متعلق فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کے موافق تعریفیں کی ہیں حنفیہ کے ہاں: شہید وہ ہے جس کو دوران جنگ دشمنوں نے قتل کیا ہو یا باغیوں نے قتل کیا ہو یا ڈاکوں نے قتل کیا ہو یا چوروں نے اس کے گھر پہ اسے دن یا رات کے وقت کسی آلہ قتل سے یا کسی بھاری چیز یا تیز دھاری والی چیز سے قتل کیا ہو یا وہ مقتول میدان کارزار میں اس حالت میں پایا گیا کہ اس پر زخم کا نشان ہو یا کوئی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو یا جلا ہوا ہو یا اس کے کانوں اور آنکھوں سے خون بہہ رہا ہو یا کسی مسلمان نے اسے ظلماً تیز دھار والی چیز سے قتل کیا ہو اور قتل کرنے والا مسلمان مکلّف عاقل بالغ ہو اور حیض نفاس اور جنابت سے پاک ہو اور وہ لڑائی ختم ہونے کے بعد نہ مرا ہو، ارتثات کا مطلب یہ ہے کہ وہ زخمی تھا اس نے کچھ کھایا پیا یا اس کو دوا وغیرہ دی گئی یا باہوش وحواس وہ اتنی دیر زندہ رہا کہ ایک نماز کا وقت گذر گیا یا اس کو باہوش وحواس اس میدان جنگ سے دوسری

جگہ منتقل کیا گیا ہو۔

اور وہ شخص جس کو بطور حد یا قصاص قتل کیا گیا ہو (وہ شہید کے حکم میں نہیں بلکہ) اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ یہ ظلماً قتل نہیں کیا گیا بلکہ حق کے ساتھ قتل کیا گیا ہے۔ اسی طرح جو باغی یا ڈاکو قتل ہوا اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس تمام بحث سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حنفیہ کے ہاں شہادت کے پائے جانے کی شرائط یہ ہیں: اسلام (یعنی مسلمان ہونا) عاقل ہونا، بالغ ہونا، اسی طرح حدث اکبر سے پاک ہونا اور دوران جنگ ہی مر جانا پس دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے مرنے والا یا ظلماً قتل ہونے والا یا اپنے نفس اور مال کا دفاع کرتے ہوئے مرنے والا شہید ہے اور جو میدان جنگ سے زندہ لایا گیا، یا جنبی تھا تو اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

فائدہ...... یہ مذہب اور حنابلہ کا مذہب مقصود کے حاصل کرنے میں وسعت پر مبنی ہیں سوائے حدث اکبر سے پاک ہونے کی شرط کے۔

مالکیہ کے ہاں...... شہید وہ ہے جو مشرکین کے ساتھ قتال کرتے ہوئے مر جائے یا جسے میدان جنگ سے اس حال میں نکالا جائے کہ وہ مر رہا ہو یا اس پر سکرات کی شدت ہو اور وہ نہ کچھ کھائے نہ پیے اور نہ بات کرے یہاں تک کہ مر جائے لیکن اگر کوئی ظلماً مارا گیا یا کسی کو میدان جنگ سے زندہ نکالا گیا پھر وہ مر گیا (تو یہ شہید نہیں) ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، مشہور قول کے مطابق۔ جیسا کہ کوئی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا (وہ بھی شہید نہیں) اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی اور جنبی کو غسل دیا جائے گا۔

شوافع کے ہاں...... شہید وہ ہے جو کفار کے ساتھ جہاد میں اسباب قتال میں سے کسی سبب سے جنگ ختم ہونے سے پہلے مر جائے مثلاً کسی کافر نے اسے قتل کر دیا یا غلطی سے کسی مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا اپنے ہی اسلحہ سے مارا گیا، یا کسی کنویں وغیرہ میں گر گیا یا اپنی سواری سے گر کر مر گیا یا کسی باغی مسلمان نے جو کفار کا حلیف ہو اس نے اسے قتل کر دیا اور اگر کوئی اسباب قتال میں سے کسی سبب نہیں مرا یا جنگ کے بعد مرا یا باغیوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا تو وہ شہید نہیں۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں حدث اکبر سے پاکی شرط نہیں۔ پس جو جنابت کی حالت میں مر گیا اسے غسل دیا جائے گا۔

پس مالکیہ اور شوافع کے ہاں شہید وہ ہے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے لڑتے ہوئے مارا جائے اور اپنے ہاتھوں مرنے والا خودکشی کرنے والا عام مردوں کی طرح ہے غسل اور نماز جنازہ کے حکم میں۔ حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان چاہے نیک ہو یا فاجر و فاسق اور اگر چہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس کی نماز جنازہ واجب ہے۔ یہ جمہور علماء کی رائے ہے جب کہ عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اس کی نافرمانی کی وجہ سے ان کی دلیل مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خودکشی کرنے والے یعنی اپنے تیر سے مرنے والے کا جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

حنابلہ کے ہاں...... شہید وہ ہے جو کفار کے ساتھ اسباب قتال میں سے کسی سبب سے دوران جنگ لڑتا ہوا مارا جائے یا وہ کفار کے ہاتھوں شہید ہوا ہو یا باغیوں نے اسے مارا ہو یا ظلماً مارا گیا ہو اگر چہ مکلف نہ ہو یا چاہے مرد ہو یا عورت یا وہ خیانت کرنے والا ہو مال غنیمت سے نیز جو اپنے اسلحہ سے مارا گیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے کفار نے قتل کیا ہو۔ نیز حنفیہ کی طرح حدث اکبر سے پاکی شرط ہے پس جو جنابت کی حالت میں مارا گیا اس کو غسل دیا جائے گا اسی طرح جو میدان کارزار سے اس حالت میں لایا گیا کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہو تو اس کو بھی غسل دیا جائے گا اور اس کی بھی نماز جنازہ جائے گی اگر چہ ہے یہ بھی شہید نے مکلف نہ ہونے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم

سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے مقتولین کو خون میں لت پت دفن کرنے کا حکم فرمایا ان کو غسل بھی نہیں دیا اور ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی‘‘ اور شہداء احد میں حارثہ بن نعمان جو کہ بچے تھے وہ بھی تھے اور یہ ان کے ساتھ کو خاص نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ایک علت بیان فرمائی جو سب شہداء میں پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو اس کے راستے میں زخمی ہوں) یہ کہ وہ قیامت کے دن آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا سا ہوگا اور اس سے خوشبو مشک کی سی آئے گی۔

جو شخص ظلماً مارا جائے وہ بھی جہاد میں شہید ہونے والے کی طرح پر دلیل حدیث ہے کہ جو شخص اپنے خون کے بدلہ مارا گیا وہ شہید ہے، جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے جو شخص اپنے اہل وعیال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے کیونکہ یہ سارے حضرات بغیر حق کے مارے گئے ہیں اس لیے یہ کفار سے قتل ہونے والوں کے مشابہ ہیں پس انہیں غسل نہیں دیا جائے گا۔ اور جو شخص باغیوں کی سرکوبی کے دوران باغیوں کے ہاتھوں مارا گیا وہ بھی دوران جنگ کفار کے ہاتھوں مارے جانے والے شخص کی طرح ہے نماز اور غسل کے حکم میں (یعنی شہید ہے) کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل نہیں دیا جو ان کے ساتھ مارے گئے تھے، اور عمار رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے غسل نہ دیا جائے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے انہی کپڑوں میں دفن کرنا میں مخاصمہ کروں گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنگ جمل والوں نے وصیت کی تھی کہ ہم کل شہید ہو جائیں گے ہمارے کپڑے نہ اتارنا، اور ہم سے خون نہ دھونا، نیز کیونکہ یہ جہاد میں شہید ہونے والوں کی طرح ہیں پس کفار کے ہاتھوں مارے جانے والوں کی طرح ہوگے۔

رہ گئے باغی تو خرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ باغیوں میں سے بھی جو قتل ہو جائے تو انہیں غسل بھی دیا جائے کفن بھی پہنایا جائے اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی جائے جب کہ ان کو اہل عدل کے ساتھ ملحق کرنے کا ابھی احتمال ہے کیونکہ جنگ جمل اور صفین میں دونوں جانب کے مقتولین کو غسل دینا منقول نہیں (پس باغی بھی شہید کے حکم میں ہے) نیز لڑائی میں یہ زیادہ بھی ہوں گے ان کو غسل دینا مشکل ہے۔ یہ اہل عدل کے مشابہ ہوں گے۔

شہید کے احکام......شہدا کے لئے دفن، غسل، کفن اور نماز جنازہ کے متعلق استثنائی احکام ہیں جو فقہاء کی درج ذیل آراء سے ظاہر ہیں اور یہ بات یاد رہے کہ حنفیہ کی رائے اور ہے اور جمہور کی اور۔

حنفیہ کے ہاں......شہید کو انہی کپڑوں میں کفن دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر پاک مکلف (عاقل بالغ) ہے تو غسل نہیں دیا جائے گا لیکن اگر کوئی جنبی یا حیض اور نفاس والی عورت شہید ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جس طرح بچے اور مجنون کو شہید ہونے کے باوجود غسل دیا جاتا ہے انہیں بھی غسل دیا جائے گا جب کہ صاحبین کے ہاں ان کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنبی وغیرہ کے غسل دینے پر آپ علیہ السلام کی صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حنظلہ بن ابی عامر الثقفی شہید ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ کے ساتھی حَنظلہ کو فرشتے غسل دیتے ہیں ان کی حرم محترمہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کیا جب جہاد کے لیے گئے تھے تو حالت جنابت میں تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اسی وجہ سے فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے۔ (1)

صاحبین نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ اگر غسل دینا واجب ہوتا تو پھر کوئی انسان دیتا فرشتوں کا غسل کافی نہ ہوتا ان کو جواب دیا گیا ہے کہ غسل واجب تھا جو فرشتوں کے غسل دینے سے حاصل ہو گیا کیونکہ واجب صرف غسل تھا باقی غسل دینے والا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے گا اور اس کے کپڑے نہ اتار جائیں گے بلکہ اس کو اپنے خون اور زائد کپڑے کوٹ واسکٹ موزے اور زائد اسلحہ جو کفن کی صلاحیت نہیں رکھتا اتار کر انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے، دلیل آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے انہیں اپنے خونوں ہی سے ڈھانپو۔

---

(1)......نیل الاوطار: ۴/ ۲۹

جمہور کے ہاں...... شہید کو غسل بھی نہ دیا جائے نہ کفن اور نہ ہی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، شہادت کے اثر کو باقی رکھتے ہوئے اور ان کی عظمت کی وجہ سے نیز وہ لوگوں کی دعا سے مستغنی ہیں۔ البتہ خون کے علاوہ اگر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے گا کیونکہ یہ شہادت کے اثر میں سے نہیں دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کو اپنے خون میں دفن کرنے کا حکم دیا اور انہیں غسل بھی نہیں دیا اور نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی ❶ نیز بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کوئی بھی ایسا زخمی نہیں جو اللہ کے راستہ میں زخمی ہوا ہو مگر یہ کہ وہ آئے گا اس حالت میں جس میں زخمی ہوا تھا اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی ہی ہوگی۔ اسلحہ اور کھال وغیرہ اتار کر انہی کپڑوں میں شہید کو دفن کیا جائے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ انہیں اپنے کپڑوں ہی میں دفن کرو۔ البتہ حنابلہ کے ہاں ضروری نہیں البتہ اولیٰ ہے۔ نیز شہید کو میدان جنگ ہی میں دفن کرنا مستحب ہے دلیل گذشتہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کو میدان جنگ میں دفن کرنے کا حکم دیا تھا اور بالغ اور نابالغ برابر ہیں کیونکہ یہ مسلمان ہیں اور مشرکین سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے ہیں۔ پس نابالغ بالغ کے مشابہ ہوئے عدل وانصاف بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے اور سنت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا احد سے کیا جب کہ ان میں بچہ بھی تھا یعنی حارثہ بن نعمان البتہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں جنابت والے وغیرہ کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ حنظلہ بن راہب احد کے دن قتل ہوئے جب کہ وہ جنابت کی حالت میں تھے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل نہیں دلوایا اور فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں یہی حق ہے اس لیے کہ اگر غسل واجب ہوتا تو اس پر ساقط نہ ہوتا سوائے ہمارے دینے کے کیونکہ وہ حدث سے پاک تھے پس شہادت کی وجہ سے غسل ساقط ہوگیا جیسے غسل میت۔

جہاد کے علاوہ باقی شہداء...... جس شہید کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں وہ خاص ہے یہ دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے شہید ہے اس کے علاوہ دو قسم کے شہید اور ہیں ایک صرف آخرت کے اعتبار سے شہید اور ایک دنیا کے اعتبار سے شہید تو شہدا کی تین قسمیں ہیں: دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے شہید: وہ شہید ہے جو جہاد میں شہید ہوا ہو پس اس کے بارے میں دنیا کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے ہاں نہ اسے غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی جیسا کہ میں نے بیان کیا اور آخرت کا حکم یہ ہے کہ اس کے لیے خاص ثواب ہے اور شہید کامل ہے۔

۲۔ صرف دنیا کے اعتبار سے شہید...... شوافع کے ہاں وہ ہے جو کفار کے ساتھ اسباب قتل میں سے کسی سبب سے قتل ہوا اور اس نے مال غنیمت میں خیانت کی یا جہاد سے بھاگتے ہوئے قتل ہوا یا کسی نے دکھلاوے کے لیے جہاد کیا اور قتل ہوا وغیرہ اس کو دنیاوی اعتبار سے غسل بھی نہ دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی لیکن آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۔

۳۔ صرف آخرت کے اعتبار سے شہید...... جہاد کے علاوہ ظلماً قتل ہونے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا طاعون کی بیماری سے مرنے والا، پانی میں غرق ہو کر مرنے والا، پردیس میں مرنے والا، طالب علم دوران طالب علمی مرنے والا، حالت عشق میں مرنے والا، دارالحرب میں مرنے والا وغیرہ۔

حنابلہ کے ہاں جہاد کے علاوہ بیس سے زیادہ قسم کے شہید ہیں علامہ سیوطی نے تیس کے قریب شمار کیے ہیں۔ طاعون کی بیماری میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، پانی میں ڈوب کر مرنے والے۔

آگ میں جل کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا، آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے، شہید پانچ قسم کے ہیں: طاعون کی بیماری میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والے، پانی میں ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا، اور اللہ تعالیٰ کے راستے

---

❶ ...... متفق علیہ

میں مرنے والا"۔

ذات الجنب کی بیماری میں مرنے والا، سِل کی بیماری میں مرنے والا، چہرے کی بیماری میں مرنے والا، طاعون کی بیماری میں صبر کرنے والا پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مرنے والے اللہ تعالیٰ کے راستے مثلاً حج یا طالب علمی کے دوران مرنے والا سچے دل سے شہادت کی موت طلب کرنے والا، سرحدوں پر پہرہ دیتے ہوئے مرنے والا اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے امین یعنی علماء، مجنون، حالت نفاس میں مرنے والی، دھنسے سے مرنے والا، اپنے قرض، خون، مال، اہل وعیال کے دفاع میں مرنے والا، یا ان کے ظلم سے، درندے کے حملہ سے مرنے والا سواری سے گر کر مرنے والا پردیس میں مرنے والا عاشق جب کے پاک دامن ہو اور اپنے عشق کو چھپانے والا ہو، جمعہ کی رات کو مرنے والا مرتث یعنی جو میدان جہاد سے زندہ لایا گیا اس نے کچھ کھایا پیایا سویا یا اس کا علاج معالجہ کیا گیا اور وہ نماز کا وقت گذرنے کی مقدار زندہ رہا پھر مر گیا خلاصہ یہ کہ ہر وہ شخص جو کسی بیماری حادثہ یا نفس کا دفاع کرتے ہوئے یا میدان کارزار سے زندہ منتقل ہونے کے بعد یا پردیس میں یا طالب علمی کے دوران یا جمعہ کی رات کو مر گیا تو وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔

ان شہداء کا دنیاوی حکم...... یہ ہے کہ ان کو غسل بھی دیا جائے گا کفن پہنچایا جائے گا ان کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی بالا تفاق جیسے عام مردوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے ان کو قیامت کے دن ثواب ملے گا شہدا کا۔

گناہ اور شہادت...... گناہ کی وجہ سے شہادت میں فرق نہیں پڑتا پس میت شہید گناہ گار ہوگا کیونکہ نیکی اور اطاعت گناہ کو ختم نہیں کرتی سوا، صغیرہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود:۱۱/۱۱۴) نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں یعنی احکام کو بجالانا خصوصاً عبادات جن میں نماز سب سے اہم ہے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے گناہ کے بعد نیکی کرو اس کو مٹادے گی بعض فقہاء فرماتے ہیں جو شخص ڈاکہ ڈالتے ہوئے غرق ہو گیا وہ شہید ہے اور اس پر گناہ ہوگا اور ہر وہ جو کسی گناہ کے سبب مارا جائے وہ شہید نہیں لیکن اگر دوران گناہ ہی شہادت کے سبب مر گیا اسے شہادت کا ثواب ملے گا اور نافرمانی کا گناہ ہوگا اگر کسی نے غصب شدہ گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کیا یا کچھ لوگ کسی گناہ میں مبتلا تھے ان پر گھر گر گیا تو ان کو شہادت کا ثواب ملے گا اور ان پر اس نافرمانی کا گناہ ہوگا اور یہ اس وقت ہے جب وہ حالات شہادت میں سے کسی حالت میں دوران نافرمانی مر جائے تو یہ گناہگار شہید ہوگا اور گر یہ کسی نافرمانی کے سبب مرا تو شہید نہیں، اور وہ عورت جو زنا کی وجہ سے دوران ولادت مر جائے تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی شہید ہے لیکن اگر کوئی عورت حمل گرانے کی حالت میں مر گئی تو وہ شہید نہیں اگر کوئی سمندر میں کسی گناہ کے لیے سفر کر رہا ہو یا بھاگ کر سفر کر رہا ہے یا نافرمان عورت ہے اور اس حالت میں یہ مر گئے تو شہید نہیں۔ ❶

الحمدللہ آج ۸ شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز پیر بعد از نماز عشاء الفقہ الاسلامی وادلتہ کی جلد نمبر ۲ کا اردو ترجمہ مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اسے درجہ قبولیت عطا فرمائے اور مترجمین کے لئے آخرت میں ذریعہ نجات بنائے

وما توفیقی الا باللہ

فقط: محمد یوسف تنولی

---

❶......ردالمحتار لابن عابدین: ۱/ ۸۵۴

معیاری اور ارزاں

مکتبہ دار الاشاعت کراچی کی مطبوعہ چند درسی کتب و شروحات

اشرف الہدایہ جدید ترجمہ و شرح ہدایہ ۱۶ جلد کامل (مفصل عنوانات و فہرست، تسہیل کے ساتھ پہلی بار) کمپیوٹر کتابت

تسہیل جدید عین الہدایہ مع عنوانات پیراگرافنگ	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا انوار الحق قاسمی مدظلہ
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف ۵ جلد اعلیٰ	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری
تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ اوّل، دوم، سوم یکجا		
اصح النوری شرح قدوری	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا محمد حنیف گنگوہی
معدن الحقائق شرح کنز الدقائق		مولانا محمد حنیف گنگوہی
ظفر المحصلین مع قرۃ العیون (حالات مصنفین درس نظامی)		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تحفۃ الادب شرح نفحۃ العرب		مولانا محمد حنیف گنگوہی
نیل الامانی شرح مختصر المعانی		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تسہیل الضروری مسائل القدوری عربی مجلد یکجا		حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی البرنیؒ
تعلیم الاسلام مع اضافہ جوامع الکلم کامل مجلد		حضرت مفتی کفایت اللہؒ
تاریخ اسلام مع جوامع الکلم		مولانا محمد میاں صاحبؒ
آسان نماز مع چالیس مسنون دعائیں		مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ
سیرت خاتم الانبیاء		حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ
سیرت الرسول		حضرت شاہ ولی اللہؒ
رحمت عالم		مولانا سید سلیمان ندویؒ
سیرت خلفائے راشدین		مولانا عبدالشکور فاروقیؒ
مدلل بہشتی زیور مجلد اوّل، دوم، سوم	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
بہشتی گوہر	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
تعلیم الدین	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
مسائل بہشتی زیور	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
احسن القواعد		
ریاض الصالحین عربی مجلد مکمل		امام نوویؒ
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات		مولانا عبدالسلام انصاری
قصص النبیین اردو مکمل مجلد		حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
شرح اربعین نوویؒ اردو		ترجمہ و شرح مولانا مفتی عاشق الٰہیؒ
تفہیم المنطق		ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ

ناشر:- دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱

سیرۃ اور سوانح پر دار الاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ حلبیہ اردو اعلیٰ ٦ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبی پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برہان الدین حلبی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضور کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدس کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین " " " "	" " "
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	ان خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضور کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	" " " "
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرام کی ازواج کے حالات و کارنامے	عبد العزیز الشناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرت کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں	ڈاکٹر عبد الحی عارفی
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرم سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب	" " " "
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات، مطالعہ کے لئے راہ نما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیم
الفاروق	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذو النورین	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ " " " " " " " "	معراج الحق عثمانی

اسلامی تاریخ پر چند جدید کتب

طبقات ابن سعد	اسلامی تاریخ کا مستند اور بنیادی ماخذ	علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری
تاریخ ابن خلدون	مع مقدمہ	علامہ عبد الرحمن ابن خلدون
تاریخ ابن کثیر	اردو ترجمہ النہایۃ البدایۃ	حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر
تاریخ اسلام		مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
تاریخ ملت	[illegible]	[illegible]
تاریخ طبری	اردو ترجمہ تاریخ الامم والملوک	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری
سیر الصحابہ	انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات	الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

دارالاشاعت کی مطبوعہ فقہی کتب ایک نظر میں

خواتین کے مسائل اور انکا حل ۲ جلد ــــــ جمع وترتیب مفتی ثناء اللہ محمود فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
فتاویٰ رشیدیہ مبوّب ــــــ حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ
کتاب الکفالۃ والنفقات ــــــ مولانا عمران الحق کلیانوی
تسہیل الضروری لمسائل القدوری ــــــ مولانا محمد عاشق الٰہی البرنیؒ
بہشتی زیور مُدَلل مکمّل ــــــ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح
فتاویٰ رحیمیہ اردو ۱۰ حصے ــــــ مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری
فتاویٰ رحیمیہ انگریزی ۳ حصے ــــــ ″ ″ ″ ″
فتاویٰ عالمگیری اردو ۱۰ جلد مع پیش لفظ مولانا محمد تقی عثمانی ــــــ اورنگ زیب عالمگیر
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲ حصے ۱۰ جلد ــــــ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ جلد کامل ــــــ مولانا مفتی محمد شفیع رح
اسلام کا نظام اراضی ــــــ ″ ″ ″ ″
مسائل معارف القرآن (تفسیر معارف القرآن میں مذکور قرآنی احکام) ″ ″ ″ ″
انسانی اعضا کی پیوندکاری ــــــ ″ ″ ″ ″
پراویڈنٹ فنڈ ــــــ ″ ″ ″ ″
خواتین کے لیے شرعی احکام ــــــ اہلیہ ظریف احمد تھانوی رح
بیمہ زندگی ــــــ مولانا مفتی محمد شفیع رح
رفیق سفر سفر کے آداب و احکام ″ ″ ″ ″
اسلامی قانون نکاح، طلاق، وراثت ــــــ فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
علم الفقہ ــــــ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رح
نماز کے آداب و احکام ــــــ انشاءاللہ خان مرحوم
قانون وراثت ــــــ مولانا مفتی رشید احمد صاحب
داڑھی کی شرعی حیثیت ــــــ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
الصبح النوری شرح قدوری اعلیٰ ــــــ مولانا محمد حنیف گنگوہی
دین کی باتیں یعنی مسائل بہشتی زیور ــــــ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح
ہمارے عائلی مسائل ــــــ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب
تاریخ فقہ اسلامی ــــــ شیخ محمد خضری
معدن الحقائق شرح کنز الدقائق ــــــ مولانا محمد حنیف گنگوہی
احکام اسلام عقل کی نظر میں ــــــ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح ″ ″ ″ ″